كتب انزلناه اليك لتخرج الناس من الظلمات الى النور

تفسیر ابن کثیر ؒ

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر ؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی ؒ

مکتبہ قدوسیہ

انا انزلنه فی لیلة القدر وما ادرىك ما لیلة القدر لیلة القدر خیر من الف شهر

مكتبه قدوسيه

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف نکال لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد اوّل

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب و سنت
کی
نشر و اشاعت
کے لیے
کوشاں

جملہ حقوق اشاعت محفوظ ہیں

اشاعت —— 2006

اہتمام طباعت

ابوبکر قدوسی

مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ ● غزنی سٹریٹ ● اردو بازار ● لاہور پاکستان
Ph:042-7230585-7351124

مکتبہ قدوسیہ
رسول پلازہ امین پور بازار فیصل آباد
Ph: 041-2640194

قدوسیہ اسلامک پریس
Out Fal Road
Ph:042-7146761

www.quddusia.com Email:qadusia@brain.net.pk

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۱

چند اہم مضامین کی فہرست

- حمد وثناء کے حقوق کا واحد مالک ۲۳
- حجت تمام رسول اللہ ﷺ ۲۴
- بیوپاری علماء کا حشر ۲۴
- تفسیر کا بہترین طریقہ ۲۵
- اہمیت حدیث ۲۵
- اپنی رائے اور تفسیر قرآن ۲۸
- قرآن حکیم سے متعلق کچھ معلومات ۳۰
- آیت کے لفظی معنی ۳۱
- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور مختلف اقوال اور سورۂ فاتحہ ۳۳
- سورۂ فاتحہ کی فضیلت ۳۴
- بسم اللہ با آواز بلند یا دبی آواز سے؟ ۴۲
- رسول اللہ ﷺ کا انداز قرات ۴۳
- فصل بسم اللہ کی فضیلت کا بیان ۴۴
- اللہ نے اپنے تمام (صفاتی) نام خود تجویز فرمائے ہیں ۴۶
- اللہ کے مترادف المعنی کوئی نام نہیں! ۴۶
- الرحمٰن اور الرحیم کے معنی ۴۸
- الحمدللہ کی تفسیر ۵۰
- حمد کی تفسیر اقوال سلف سے ۵۱
- بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان! ۵۳
- حقیقی وارث و مالک کون ہے؟ ۵۴
- عبادت کا مفہوم ۵۵
- عبادت اور طلب ۵۶
- حصول مقصد کا بہترین طریقہ ۵۷
- صراط مستقیم کیا ہے؟ ۵۸
- انعام یافتہ کون؟ ۶۰
- مغضوب کون؟ ۶۰
- الحمد کا تعارف و مفہوم ۶۲
- آمین اور سورۂ فاتحہ ۶۳
- اس مبارک سورت کے فضائل کا بیان ۶۵
- سات لمبی سورتوں کی فضیلت ۶۸
- حروف مقطعات اور ان کے معنی ۶۹
- تحقیقات کتاب ۷۳
- متقین کی تعریف ۷۴
- ہدایت کی وضاحت ۷۴
- ایمان کی تعریف ۷۵
- قیام صلوٰۃ کیا ہے؟ ۷۷
- ہدایت یافتہ لوگ ۸۰
- منافقت کی قسمیں ۸۳
- شک وشبہ بیماری ہے ۸۵
- شک‘ کفر اور نفاق کیا ہے؟ ۹۱
- منافقین کی ایک اور پہچان ۹۴
- تعارف الہ بزبان الہ ۹۷
- اثبات وجود الہ العلمین ۹۹
- تصدیق نبوت اعجاز قرآن ۱۰۱
- خلافت آدم کا مفہوم ۱۱۴
- خلیفہ کے فرائض اور خلافت کی نوعیت ۱۱۶
- تعارف ابلیس ۱۲۲
- اعزاز آدم علیہ السلام ۱۲۴
- جنت کے حصول کی شرائط ۱۲۷
- بنی اسرائیل سے خطاب ۱۲۷
- دوغلا پن اور یہودی ۱۳۰
- مبلغین کے لئے خصوصی ہدایات ۱۳۰

- صبر کا مفہوم ۱۳۲
- حشر کا منظر ۱۳۴
- یہود پہ احسانات الٰہیہ کی تفصیل ۱۴۰
- احسان فراموش یہود ۱۴۴
- یہود کون ہیں؟ ۱۴۶
- عہد شکن یہود ۱۴۸
- حجت بازی کا انجام ۱۵۳
- بلاوجہ تجسس موجب عتاب ہے ۱۵۴
- یہودی کردار کا تجزیہ ۱۵۶
- امی کا مفہوم اور ویل کے معنی ۱۵۹
- اوس و خزرج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد ۱۶۳
- خود پسند یہودی مورد عتاب ۱۶۸
- مباہلہ اور یہودی مع نصاریٰ ۱۶۹
- خصومت جبرئیل علیہ السلام موجب کفر و عصیان ۱۷۰
- سلیمان علیہ السلام جادوگر نہیں تھے ۱۷۴
- جادو کی اقسام ۱۸۲
- جادو اور شعر ۱۸۵
- مسلمانو کافروں کی صورت لباس اور زبان میں مشابہت سے بچو! ۱۸۷
- تبدیلی یا تنسیخ ۔ اللہ تعالیٰ مختار کل ہے ۱۸۸
- کثرت سوال حجت بازی کے مترادف ہے! ۱۹۰
- قومی عصبیت باعث شقاوت ہے ۱۹۲
- شیطان صفت مغرور یہودی ۱۹۳
- نصاریٰ اور یہودی مکافات عمل کا شکار! ۱۹۴
- کعبہ صرف علامت وحدت و سمت ہے اللہ کا جمال و جلال غیر محدود ہے ۱۹۶
- اللہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے کے دلائل ۱۹۹
- طلب نظارہ ۔ ایک حماقت ۲۰۱
- آپؐ نصیحت کی حد تک مسئول ہیں ۲۰۲
- دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے ۲۰۳
- امام توحید ۲۰۵
- مکمل اسلام ۲۰۵
- شوق زیارت اور بڑھتا ہے ۲۰۷
- عہد جو مترادف حکم ہے ۲۰۹
- مدینہ منورہ افضل یا مکہ مکرمہ؟ ۲۱۱
- دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ماحصل ۲۲۱
- توحید کے دعوے اور مشرکین کا ذکر ۲۲۲
- ازلی اور ابدی مستحق عبادت اللہ وحدہ لاشریک ۲۲۴
- اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب! ۲۲۵
- شرط نجات ۲۲۶
- مشرکین کے اعمال سے بیزاری ۲۲۷

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۲

چند اہم مضامین کی فہرست

- تحویل کعبہ ایک امتحان بھی تھا اور تقرر جہت بھی ۲۳۱
- صفات نبوی سے اغماض برتنے والے یہودی علماء ۲۳۷
- اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے! ۲۳۹
- وفائے عہد کے لیے آزمائش لازم ہے ۲۴۱
- صفا اور مروہ کا طواف ۲۴۳
- حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے ۲۴۵
- محبت الٰہ اپنی پسند ہے؟ ۲۴۸
- روزی دینے والا کون؟ ۲۴۹
- گمراہی اور جہالت کیا ہے؟ ۲۵۰
- حلال اور حرام کیا ہے؟ ۲۵۱
- بدترین لوگ ۲۵۳
- ایمان کا ایک پہلو ۲۵۵
- قصاص کی وضاحت ۲۵۷
- وصیت کی وضاحت ۲۶۰
- روداد روزہ اور صلوٰۃ ۲۶۲
- نزول قرآن اور ماہ رمضان ۲۶۵
- دعا اور اللہ مجیب الدعوات ۲۶۸
- رمضان میں مراعات اور کچھ پابندیاں ۲۷۰
- چاند اور مہ وسال ۲۷۷
- حکم جہاد اور شرائط ۲۷۸
- بیعت رضوان ۲۸۱
- حج اور عمرہ کے مسائل ۲۸۷
- احرام کے مسائل ۲۸۸
- ایام تشریق ۲۹۷
- تذکرۂ شفاعت ۳۰۱
- آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ۳۰۴
- جہاد بقائے ملت کا بنیادی اصول ۳۰۷
- حرمت شراب کیوں ۳۱۱
- عفو اور اس کی وضاحتیں ۳۱۲
- پاک دامن عورتیں ۳۱۳
- ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل ۳۱۵
- قسم اور کفارہ ۳۲۱
- ایلا اور اس کی وضاحت ۳۲۳
- طلاق کے مسائل ۳۲۴
- رسم طلاق میں آئینی اصلاحات اور خلع ۳۲۷
- آئین طلاق کی وضاحت ۳۳۳
- مسئلہ رضاعت ۳۳۵
- خاوند کے انتقال کے بعد ۳۳۷
- پیغام نکاح ۳۴۰
- حق مہر کب اور کتنا؟ ۳۴۱
- صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ ۳۴۴
- بیوگان کے قیام کا مسئلہ ۳۴۹
- موت اور زندگی ۳۵۱
- خوئے بدرا بہانہ بسیار ۳۵۴
- تابوت سکینہ اور جنگ طالوت و جالوت ۳۵۵
- نہر الشریعہ ۳۵۶
- جالوت مارا گیا ۳۵۷

تفسیر ابن کثیر

۳
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- ذکر مدارج الانبیاء ۳۶۱
- آج کے صدقات قیامت کے دن شریک غم ہوں گے! ۳۶۲
- جبر اور دعوت اسلام ۳۶۷
- ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا آمنا سامنا ۳۷۰
- معمہ حیات وموت ۳۷۳
- مخیر حضرات کی تعریف اور ہدایات ۳۷۵
- کفر اور بڑھاپا ۳۷۷
- خراب اور حرام مال کی خیرات مسترد ۳۷۸
- نیک اور بدلوگ ظاہر اور درپردہ حقیقت ۳۸۰
- مستحق صدقات کون ہیں؟ ۳۸۲
- تجارت اور سود کو ہم معنی کہنے والے کج بحث لوگ ۳۸۴
- سود کا کاروبار برکت سے محروم ہوتا ہے ۳۸۷
- سود خور قابل گردن زدنی ہیں اور قرض کے مسائل ۳۸۸
- حفظ قرآن اور لین دین میں گواہ اور لکھنے کی تاکید ۳۹۱
- مسئلہ رہن، تحریر اور گواہی! ۳۹۶
- انسان کے ضمیر سے خطاب ۳۹۷
- بقرہ کی آخری آیات اور ان کی فضیلت ۳۹۹
- آیت الکرسی اور اسم اعظم ۴۰۲
- خالق کل ۴۰۲
- راسخ فی العلم کون ۴۰۶
- جہنم کا ایندھن کون لوگ؟ ۴۰۷
- اولین معرکہ حق وباطل ۴۰۸
- دنیا کے حسن اور آخرت کے جمال کا تقابل ۴۱۰
- متقیوں کا تعارف ۴۱۲
- اللہ وحدہ لاشریک اپنی وحدت کا خود شاہد ۴۱۳
- انبیاء کے قاتل بنو اسرائیل ۴۱۶
- مالک الملک کی حمد وثناء ۴۱۷
- ترک موالات کی وضاحت ۴۱۸
- اللہ تعالیٰ سے ڈر ہمارے لئے بہتر ہے ۴۱۹
- جھوٹا دعویٰ ۴۲۰
- سب سے پہلے نبی علیہ السلام ۴۲۱
- مریم بنت عمران ۴۲۲
- زکریا علیہ السلام کا تعارف ۴۲۳
- حاصل دعا یحییٰ علیہ السلام ۴۲۴
- تین افضل ترین عورتیں ۴۲۶
- مسیح ابن مریم علیہ السلام ۴۲۸
- فرشتوں کا مریمؑ سے خطاب ۴۲۹
- پھانسی کون چڑھا؟ ۴۳۰
- اختیارات کی وضاحت اور نجرانی وفد کی روداد ۴۳۴
- حضرت ابراہیمؑ سے متعلق یہودی اور نصرانی دعوے کی تردید ۴۴۱
- یہودیوں کا حسد ۴۴۲
- جھوٹی قسم کھانے والے ۴۴۵
- غلط تاویل اور تحریف کرنے والے لوگ ۴۴۷
- مقصد نبوت ۴۴۸
- انبیاء سے عہد ومیثاق ۴۴۹
- اسلامی اصول اور روز جزا ۴۵۱
- توبہ اور قبولیت ۴۵۲
- جب سانس ختم ہونے کو ہوں تو توبہ قبول نہیں ہوگی ۴۵۳

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۴

چند اہم مضامین کی فہرست

- سب سے زیادہ پیاری چیز اور صدقہ ۴۵۷
- ذکر بیت اللہ اور احکامات حج ۴۵۹
- کافروں کا انجام ۴۶۲
- کامیابی کا انحصار کس پر ہے؟ ۴۶۲
- اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن حکیم ہے ۴۶۳
- یوم آخرت منافق اور مومن کی پہچان ۴۶۶
- سب سے بہتر شخص کون؟ اور سب سے بہتر امت کا اعزاز کس کو ملا؟ ۴۶۷
- ظلم نہیں سزا ۴۷۳
- کافر اور منافق مسلمان کے دوست نہیں، انہیں اپنا ہمراز نہ بناؤ ۴۷۴
- غزوۂ احد کی افتاد ۴۷۶
- غزوۂ بدر اور تائید الٰہی ۴۷۹
- سود خور جہنمی ہے ۴۸۱
- جنت کی خصوصیات ۴۸۱
- استغفار کرنا ۴۸۴
- شہادت اور بشارت ۴۸۶
- رسول اللہ ﷺ کی وفات کا مغالطہ اور غزوۂ احد ۴۸۷
- کافر اور منافقوں کے ارادے...... ۴۹۰
- تلواروں کے سایہ میں ایمان کی جانچ ۴۹۸
- باطل خیالات کی نشاندہی ۴۹۹
- اسوۂ حسنہ کے مالک نبی کریم ﷺ ۵۰۰
- غزوات سچے مسلمان اور منافق کے بے نقاب کرنے ذریعہ ۵۰۶
- بیئر معونہ کے شہداء اور جنت میں ان کی تمنا؟ ۵۰۸
- مشفق نبی کریم ﷺ اور عوام ۵۱۵
- کافروں کا قرض حسنہ پر احمقانہ تبصرہ...... ۵۱۷
- موت وحیات اور یوم حساب ۵۱۹
- بدترین خرید وفروخت! ۵۲۲
- مظاہر کائنات دلیل رب ذوالجلال دعوت غور وفکر ۵۲۳
- دعا کیجئے قبول ہوگی بشرطیکہ؟ ۵۲۸
- دنیا کا سامان تعیش دلیل نجات نہیں ۵۳۰
- ایمان والوں اور مجاہدین کے قابل رشک اعزاز ۵۳۱
- محبت ومودت کا آفاقی اصول ۵۳۷
- یتیموں کی نگہداشت اور چار شادیوں کی اجازت ۵۳۸
- چار سے زائد نہیں، وہ بھی بشرط انصاف ورنہ ایک ہی بیوی! ۵۴۰
- کم عقل اور یتیموں کے بارہ میں احکامات ۵۴۲
- وراثت کے مسائل ۵۴۵
- مزید مسائل میراث جن کا ہر مسلمان کو جاننا فرض ہے ۵۴۸
- وراثت کی مزید تفصیلات ۵۵۲
- نافرمانوں کا حشر ۵۵۵
- سیاہ کار عورت اور اس کی سزا ۵۵۶
- عالم نزع سے پہلے توبہ؟ ۵۵۷
- عورت پر ظلم کا خاتمہ ۵۵۹

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۵

چند اہم مضامین کی فہرست

- آزاد عورتوں سے نکاح اور کنیزوں سے متعلق ہدایات ۵۷۵
- پچاس سے پانچ نمازوں تک ۵۸۰
- خرید وفروخت اور اسلامی قواعد وضوابط ۵۸۰
- احترام زندگی ۵۸۲
- سات کبیرہ گناہ ۵۸۳
- مسئلہ وراثت میں مولیٰ؟ وراث اور عصبہ کی وضاحت واصلاحات ۵۹۰
- مرد عورتوں سے افضل کیوں؟ ۵۹۲
- حقوق العباد اور حقوق اللہ ۵۹۵
- اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ سے کترانے والے بخیل لوگ! ۵۹۸
- بتدریج حرمت شراب اور پس منظر ۶۰۳
- آداب مسجد اور مسائل تیمم ۶۰۵
- یہودیوں کی ایک مذموم خصلت ۶۱۱
- قرآن حکیم کا اعجاز تاثیر ۶۱۳
- منہ پر تعریف وتوصیف کی ممانعت ۶۱۲
- یہودیوں کی دشمنی کی انتہا اور اس کی سزا ۶۲۰
- عذاب کی تفصیل اور نیک لوگوں کا انجام بالخیر ۶۲۰
- امانت اور عدل وانصاف ۶۲۱
- مشروط اطاعت امیر ۶۲۳
- حسن سلوک اور دوغلے لوگ ۶۲۷
- اطاعت رسول ﷺ ہی ضامن نجات ہے ۶۲۸
- طاقتور اور متحد ہو کر زندہ رہو ۶۳۴
- شیطان کے دوستوں سے جنگ لازم ہے ۶۳۵
- اولین درس صبر وضبط ۶۳۶
- موت سے فرار ممکن نہیں ۶۳۷
- ظاہر وباطن نبی اکرم ﷺ کا مطیع بنالو ۶۱۴
- کتاب اللہ میں اختلاف نہیں ہمارے دماغ میں فتور ہے ۶۴۲
- حکم جہاد امتحان ایمان ہے! ۶۴۴
- سلام کہنے والے کو اس سے بہتر جواب دو ۶۴۵
- منافقوں سے ہوشیار رہو ۶۴۶
- قتل مسلم، قصاص ودیت کے مسائل اور قتل خطا ۶۴۹
- مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل ناقابل معافی جرم ہے ۶۵۵
- مجاہد اور عوام میں فرق ۶۵۷
- صلوٰۃ خوف کے مسائل ۶۶۵
- حقیقت چھپ نہیں سکتی ۶۷۰
- سچی توبہ کبھی مسترد نہیں ہوتی ۶۷۲
- مشرک کی پہچان اور ان کا انجام ۶۷۵
- مصائب گناہوں کا کفارہ ۶۷۸
- یتیموں کے مربیوں کی گوشمالی اور منصفانہ احکام ۶۸۳
- میاں بیوی میں صلح وخیر کا اصول ۶۸۴
- مانگو تو صرف اللہ اعلیٰ واکبر سے مانگو ۶۸۶
- انصاف اور سچی گواہی تقوے کی روح ہے ۶۸۸
- ایمان کی تکمیل مکمل اطاعت میں مضمر ہے ۶۸۹
- صحبت بد سے بچو ۶۹۰
- عمل میں صفر دعویٰ میں اصلی مسلمان ۶۹۱
- کافر سے دوستی آگ سے دوستی کے مترادف ہے ۶۹۴

تفسیر ابنِ کثیر

۶

پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- مظلوم کو فریاد کا حق ہے ۶۹۸
- کسی ایک بھی نبی کو نہ ماننا کفر ہے! ۶۹۹
- محسوس معجزہ کی مانگ اور بنی اسرائیل کی حجت بازیاں ۷۰۰
- اہل کتاب، قاتلان انبیاء، عیسیٰؑ کی روداد اور مراحل قیامت ۷۰۲
- یہودیوں کے خود ساختہ حلال وحرام ۷۱۶
- نزول انبیاء، تعداد انبیاء، صحائف اور ان کے مرکزی مضامین ۷۱۷
- ہمارے ایمان اور کفر سے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ۷۲۱
- اپنی اوقات میں رہو حد سے تجاوز نہ کرو! ۷۲۲
- اس کی گرفت سے فرار ناممکن ہے! ۷۲۴
- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مکمل دلیل اور حجت تمام ہے ۷۲۵
- عصبہ اور کلالہ کی وضاحت! مسائل وراثت ۷۲۶

پارہ نمبر ۶ کے جو مضامین اس جلد میں ہیں ان کے چند اہم عنوانات کی فہرست دی جا رہی ہے جب کہ مزید تفسیر اگلی جلد میں ملاحظہ کریں۔

عرض ناشر

علمائے اسلام نے قرآن کی خدمت میں اپنی زندگیاں گزار کر دیں۔ انہوں نے دور دراز کے سفروں کی صعوبتوں کو کلام الٰہی کی تفسیر و توضیح کے لیے برداشت کیا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا نام قرآن کی خدمت کرنے والے ائمہ کرام میں سرفہرست نظر آتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کو دوسری تفاسیر کے مقابلے میں جو امتیاز حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس عظیم خدمت قرآن کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی سعادت برصغیر کے معروف عالم ترجمان کتاب والسنہ حضرت مولانا محمد صاحب جوناگڑھی کے حصہ میں آئی جو کہ سو سے زیادہ کتب کے مولف و مصنف تھے۔ انہوں نے جس سلاست اور روانی کو اردو میں برقرار رکھا' وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ہم اس بات کو اپنے لیے توشہ آخرت سمجھتے ہیں کہ یہ لاجواب تفسیر اللہ تعالیٰ نے ہمیں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

۱۹۹۴ء میں مکتبہ قدوسیہ نے بصد احتیاط و محنت تفسیر ابن کثیر کو شائع کی۔ الحمد للہ اُس نسخے کی مقبولیت سے جو حوصلہ ملا اس کے سبب اور احباب کے تقاضوں کے پیش نظر تفسیر ابن کثیر کا جدید ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی کمپوزنگ سے لے کر طباعت تک جن احباب نے شوق کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر کام کیا ان کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی کے مترادف ہوگا۔

عنوان بندی مولانا مسعود عبدہ مشہدی رحمہ اللہ نے کی۔ کمپوزنگ کا کام عزیزی شہزاد سلیم اور رشید سبحانی نے بہ حسن و خوبی انجام دیا۔ کتاب کی خواندگی میں جن احباب کا تعاون حاصل رہا' ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے قرآن کی خدمت کے جذبے سے تصحیح کی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں۔

آخر میں بارگاہ رب العالمین میں یہ التجا ہے کہ اس لاجواب تفسیر کی اشاعت ہمارے لیے اور ہمارے والدین کے لیے ذریعہ نجات ہو۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ قرآن وسنت کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائیں۔

ابوبکر قدوسی
اپریل ۲۰۰۳ء

حیات امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

نام ونسب: ☆☆ اسمٰعیل نام' ابوالفدا کنیت' عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

اسمٰعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن ذرع القیسی البصروی ثم الدمشقی۔

آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

ولادت و تعلیم و تربیت: ☆☆ آپ کی ولادت ۷۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں ایک قریہ ہے۔ اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے۔ ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشو و نما ہوئی۔ ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی' بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن فزاری معروف بابن فرکاح شارح تنبیہ المتوفی ۷۲۹ھ اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شہبہ سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا۔ چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں "التنبیه فی فروع الشافعیه" مصنفہ شیخ ابو اسحاق شیرازی المتوفی ۴۷۶ھ' کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سنا دیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی المتوفی ۶۴۶ھ کی "مختصر" کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی شارح مختصر ابن حاجب المتوفی ۷۴۹ھ سے پڑھی تھیں۔

فن حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذہ فن سے کی تھی۔ علامہ سیوطی' ذیل تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھتے ہیں: سمع الحجار و الطبقة یعنی حجارؒ اور اس طبقہ کے علماء سے آپ نے سماع حدیث کیا۔

حجارؒ کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) عیسیٰ بن المطعم (۲) بہاؤالدین قاسم بن عساکر المتوفی ۷۲۳ھ (۳) عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الآمدی المتوفی ۷۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بابن سویدی المتوفی ۷۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزی (۸) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیرازی المتوفی ۷۴۹ھ۔

لیکن ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن مزی شافعی مصنف "تہذیب الکمال" المتوفی ۷۴۲ھ ہیں' حافظ مزی نے خصوصی تعلق کی بنا پر اپنی صاحبزادی کا آپ سے

نکاح کر دیا تھا۔ اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔ سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم استاد کی شفقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، مدت مدید تک حاضر خدمت رہے اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں "تهذيب الكمال" بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں: وتخرج بالمزی ولازمه و برع۔ اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ سے بھی آپ نے بہت کچھ علم سے حاصل کیا تھا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دبوسی، وانی اور ختنی وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔

منزلت علمی: ☆☆ امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ اور عربیت میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ علامہ ابن العماد حنبلی، حبیب سے ناقل ہیں۔ "انتهت اليه رياسة العلم فى التاريخ والحديث والتفسير"

"ان پر تاریخ، حدیث اور تفسیر میں ریاست علمی ختم ہوگئی"۔

اور مشہور مورخ علامہ ابوالمحاسن جمال الدین یوسف ابن تغری بردی حنفی "المنهل الصافى، المستوفى بعد الوافى" میں لکھتے ہیں۔ "وكان له اطلاع عظيم فى الحديث والتفسير والفقه والعربية۔"

"حدیث، تفسیر، فقہ اور عربیت میں ان کو بڑی معلومات تھیں"۔

اور حافظ ابوالمحاسن حسینی فرماتے ہیں: "وبرع فى الفقه والتفسير والنحو وامعن النظر فى الرجال والعلل۔"

"فقہ، تفسیر اور نحو میں ماہر تھے اور رجال وعلل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی"۔

خاص طور پر علم حدیث میں تو ان کا یہ پایہ ہے کہ حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابوالمحاسن حسینی اور علامہ سیوطی نے "تذكرة الحفاظ" پر جو ذیل لکھے ہیں اس میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور خود امام ذہبی نے "تذكرة الحفاظ" کے خاتمہ میں جہاں اپنے ممتاز شیوخ حدیث اور رفقائے درس کا تعارف کرایا ہے وہاں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

شعروسخن کا بھی ذوق تھا لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

تمر بنا الايام تترى وانما
نساق الى الاجال والعين تنظر
فلا عائد ذاك الشباب الذى مضى
ولا زائل هذا المشيب المكدر

(دن پیاپے گزرتے جاتے ہیں اور ہم آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہنکائے چلے جا رہے ہیں۔ سو اب نہ تو وہ گزری ہوئی جوانی لوٹ کر آ سکتی ہے اور نہ یہ کدورت بھرا بڑھاپا زائل ہونے والا ہے۔)

تیسرے مصرعہ میں اگر "ذاك الشباب" کی بجائے "صفو الشباب" ہوتا تو بڑا بلیغ ہوتا۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین: ☆☆ حافظ زین الدین عراقی المتوفی ۸۰۶ھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ مغلطای، ابن کثیر، ابن رافع اور حسینی ان چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطای ہیں اور سب سے زیادہ متون وتواریخ کے حافظ ابن کثیر ہیں اور سب سے زیادہ طلب حدیث میں تکنے والے

اور موتلف ومختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور سب سے زیادہ شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں۔

اور حافظ ذہبی نے "المعجم المختص" میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے: الامام المفتی المحدث البارع فقیہ متفنن ومحدث متقن مفسر اور ''تذکرۃ الحفاظ'' کے خاتمہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں: الفقیہ المفتی المحدث ذی الفضائل اور اس کے بعد لکھتے ہیں: وله عنايته بالرجال والمتون والفقه خرج و ناظر و صنف و فسر و تقدم- ''ان کو رجال' متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتنا ہے' انہوں نے احادیث کی تخریج کی' مناظرہ کیا' تصنیف کی' تفسیر لکھی اور آگے بڑھ گئے۔

اور حافظ حسینی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: "الشيخ الامام الحافظ المفيد البارع۔" اور حافظ سیوطی فرماتے ہیں: "الامام المحدث ذو الفضائل" اور علامہ ابن العماد لکھتے ہیں الحافظ الکبیر اور حافظ ابن حجی التوفی ۸۱۶ھ جو آپ کے نامور شاگرد ہیں' یہ رائے ظاہر کرتے ہیں

"احفظ من ادركناه لمتون الاحاديث و اعرفهم بجرحها ورجالها وصحيحها و سقيمها و كان اقرانه و شيوخه يعترفون له بذلك وما اعرف انى اجتمعت به على كثرة ترددى اليه الا و استفدت منه۔"

''ہم نے جن لوگوں کو پایا ان سب میں وہ متون احادیث کے سب سے بڑے حافظ اور جرح اور رجال اور صحیح اور ضعیف کے سب سے زیادہ پہچاننے والے تھے اور اس بارے میں ان کے معاصرین اور اساتذہ بھی ان کے معترف تھے اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود میرے کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ میں آپ سے ملا ہوں اور استفادہ نہ کر سکا ہوں۔''

اور حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی ''الرد الوافر'' میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں: "الشيخ الامام العلامة الحافظ عماد الدين ثقة المحدثين عمدة المورخين علم المفسرين"

اور حافظ ابن حجر عسقلانی (جن کے متعلق صاحب ''کشف الظنون'' نے لکھا ہے کہ ''ان کا علم لوگوں کے اظہار معائب میں برا تھا اور زبان اچھی تھی' کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ خوبی باقی رہتی) ان کو بھی امام ابن کثیر کے متعلق اتنا تسلیم ہے کہ: "واشتغل بالحديث مطالعة فى متونه ورجاله" حدیث کے متون اور رجال کے مطالعہ میں مشغول رہے تاہم اپنی عادت کے مطابق یہ ریمارک کر گئے ہیں:

"ولم يكن على طريق المحدثين فى تحصيل العوالى وتميز العالى من النازل و نحن ذلك من فنونهم و انما هو من محدثى الفقهاء۔"

''یہ عالی اسانید کی تحصیل اور عالی ونازل کی تمیز اور اسی قسم کے دیگر فنون میں جو محدثین کے خاص فن ہیں' محدثین کی طرح نہ تھے' بلکہ یہ تو فقہاء کے محدث تھے۔''

لیکن حافظ سیوطی نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے' وہ فرماتے ہیں:

"قلت العمدة فى علم الحديث معرفة صحيح الحديث و سقيمه و علله واختلاف طرقه رجاله جرحا و تعديلا' واما العالى والنازل و نحو ذلك فهو من الفضلات لا من الاصول المهمة۔"

''میں کہتا ہوں اصل چیز علم حدیث میں صحیح اور سقیم کی پہچان اور علل اور اختلاف طرق کا علم اور رجال کی جرح و تعدیل سے

واقفیت ہے' رہا عالی و نازل وغیرہ سو یہ زائد میں داخل ہیں نہ کہ اصول مہمہ میں۔''

''اگرچہ حافظ ابن کثیر اور علامہ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں: پر متون حدیث کے حفظ کرنے کا زیادہ غلبہ تھا۔ لیکن ان کی حیثیت اتنی گری ہوئی بالکل نہ تھی کہ وہ طبقات رواۃ اور ان کے احوال کی معرفت کے اعتبار سے عالی و نازل کی بھی تمیز نہ کر سکتے ہوں بلکہ یہ بات تو ایسے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی جو علم رجال میں ان سے بدرجہا کمتر ہو اور بھلا یہ کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ وہ ایک طویل مدت تک مزی کی خدمت میں برابر حاضر رہے اور التکمیل کے جمع کرنے پر لگے رہے' اور حافظ ابن حجر کی اندرونی باتیں ان لوگوں کے تذکرہ میں کھل جاتی ہیں جو فضل و کمال میں مشہور ہیں۔''

مورخین نے حافظ ابن کثیر کے حافظہ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ ابن العماد لکھتے ہیں: ''کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان' جید الفھم۔''

درس و افتاء' ذکر الٰہی' شگفتہ مزاجی: ☆☆ حافظ ابن کثیر کی تمام عمر درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی۔ حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکزیہ (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدرسے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے بڑے ذاکر شاغل تھے۔ چنانچہ ابن حبیب نے آپ کے متعلق لکھا ہے: "امام ذی التسبیح و التھلیل۔" طبیعت بڑی شگفتہ پائی تھی' لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف میں "حسن الفاکھتہ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی بڑا پرلطف مزاح کیا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق: ☆☆ اخیر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حافظ ابن کثیر کو اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی امام ابن تیمیہؒ سے متاثر تھے جن میں وہ جمہور سلف سے متفرد ہیں۔ چنانچہ ابن قاضی شہبہ اپنے ''طبقات'' میں لکھتے ہیں:

"کانت له خصوصیة بابن تیمیة و مناضلة عنه و اتباع له فی کثیر من ارائه و کان یفتی برأیه فی مسئلة الطلاق و امتحن بسبب ذلك و اوذی۔"

''ان کو ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور ان کی طرف سے لڑا کرتے تھے اور بہت سی آراء میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ چنانچہ طلاق کے مسئلہ میں بھی انہی کی رائے پر فتویٰ دیتے تھے جس کے نتیجے میں آزمائش میں پڑے اور ستائے گئے۔''

ایک وقت میں تین طلاقیں دینے کے بارے میں شیخ الاسلام کا مسلک یہ تھا کہ وہ ان تینوں طلاقوں کو ایک طلاق ہی شمار کرتے تھے۔

وفات: ☆☆ اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی' جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ ۷۷۴ھ میں وفات پائی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا ہے' جس کے دو شعر یہ ہیں

لفقدك طلاب العلوم تاسفوا   وجادوا بدمع لا یبید غزیر
ولو مزجوا ماء المدامع بالدما   لكان قلیلا فیك یا ابن كثیر

''شائقین علوم تمہارے اٹھ جانے پر متاسف ہیں' اس کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تھمنے ہی کو نہیں آتے اور اگر وہ

آنسوؤں کے ساتھ لہو بھی ملا دیتے تب بھی اے ابن کثیرؒ تمہارے لئے یہ تھوڑے تھے۔''

پسماندگان میں دو صاحبزادے بڑے نامور چھوڑے تھے‘ ایک زین الدین عبدالرحمٰن جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی اور دوسرے بدرالدین ابوالبقاء محمد۔ یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔ انہوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ہے۔ ان دونوں کا ذکر حافظ بن فہد نے اپنے ذیل میں بسلسلہ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات: ☆☆ آپ نے تفسیر‘ حدیث‘ سیرت اور تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثمرہ اور حسن نیت کی برکت تھی کہ بارگاہ ایزدی سے ان کو قبول عام اور شہرت دوام کی مسند عطا ہوئی۔ مورخین نے آپ کی تصانیف کی افادیت اور ان کی قبولیت کا ذکر خاص طور سے کیا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں: "وله تصانيف منيدة" ابن حجر کہتے ہیں:

"سادت تصانيفه فی البلاد فی حياته وانتفع الناس بها بعد وفاته۔"

''ان کی زندگی میں ان کی تصانیف شہر شہر جا پہنچیں اور ان کی وفات کے بعد لوگ ان سے نفع اندوز ہوتے رہے۔''

اور شوکانی لکھتے ہیں: "وقد انتفع الناس بتصانيفه لا سيما التفسير۔"

''لوگوں نے ان کی تصانیف خصوصاً تفسیر سے نفع اٹھایا۔''

آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر القرآن العظیم: ☆☆ جس کے متعلق حافظ سیوطی تصریح کرتے ہیں کہ "لم يؤلف على نمطه مثله" (اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔) اور محدث کوثری فرماتے ہیں: "هو من افيد كتب التفسير بالروايته"

''یہ تفسیر بالروایۃ میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔''

اور قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"وقد جمع فيه فاوعى‘ ونقل المذاهب والاخبار والاثار و تكلم باحسن كلام وانفسه۔"

''اس میں جمع کیا اور خوب محفوظ کر دیا‘ مذاہب نقل کئے‘ حدیثیں لکھیں‘ آثار درج کئے اور بہت ہی عمدہ اور نہایت نفیس کلام فرمایا۔''

مصنف اس کتاب میں سب سے پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیات کی روشنی میں کرتے ہیں پھر محدثین کی مشہور کتابوں سے اس کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کو نقل کر کے ان کی اسانید و رجال پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد آثار صحابہؓ و تابعینؒ کو لاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کا یہ سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے کہ انہوں نے تفسیر اور تاریخ سے اسرائیلیات کو بہت کچھ چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس اہم کام کے لئے ان جیسے بالغ نظر محدث ہی کی ضرورت تھی۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر ان کی علمی خدمات میں صرف یہی خدمت ہوتی تب بھی وہ ان کے فخر کے لئے کافی تھی۔ الحمدللہ یہ کتاب متداول اور بارہا طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ: ☆☆ یہ فن تاریخ میں ان کی بیش بہا تصنیف ہے اور مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں ابتدائے کائنات سے لے کر احوال آخرت تک درج ہیں‘ پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور امم ماضیہ کا ذکر ہے پھر سیرت نبویہ کا بیان ہے اور اس

کے بعد خلافت راشدہ سے لے کر اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے۔ پھر اشراط الساعۃ اور احوال آخرت کا بیان ہے۔ اس تاریخ میں بھی امام موصوف نے غرائب مناکیر اور اسرائیلیات کو چھانٹ دیا ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

"اعتمد فی نقله علی النص من الکتاب والسنة فی وقائع الالوف السالفة و میزبین الصحیح والسقیم والخبر الاسرائیلی وغیره۔"

''گذشتہ ہزار ہا سال کے وقائع میں کتاب وسنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے اور صحیح، ضعیف اور اسرائیلی روایات وغیرہ کو جدا کر دیا ہے۔''

مورخ ابن تغری بردی اس تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں: "هو فی غایته الجودة۔" (یہ نہایت ہی خوب ہے)۔ امام علامہ حافظ بدرالدین محمود عینی حنفی شارح بخاری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کا اختصار بھی کیا ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ محمود بن محمد بن دلشاد نے "البدایه والنهایه" کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں واقعات اور وفیات دونوں درج ہیں۔ سیرت نبویہ کا حصہ خاص طور پر سب سے بہتر ہے، مگر بے شمار مشاہیر علماء کا تذکرہ درج کتاب ہونے سے رہ گیا ہے۔ اس میں مصنف کی وفات سے ۲ سال قبل تک کے حالات آ گئے ہیں۔

۳۔ التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل: ☆☆ صاحب ''کشف الظنون'' نے اس کتاب کا نام "التکمله فی اسماء الثقات والضعفاء" لکھا ہے، لیکن خود مصنف نے ''البدایہ والنہایہ'' اور ''اختصار علوم الحدیث'' میں یہی نام لکھا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فن رجال میں ہے اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے۔ اس میں مصنف حافظ مزی کی ''تہذیب الکمال'' اور حافظ ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' کو جمع کر دیا ہے اور جا بجا اپنی طرف سے اس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں۔ خود مصنف کی رائے اس کتاب کے بارے میں یہ ہے:-

"وهو انفع شئی للفقیه البارع و کذلك المحدث۔"

''یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جو ماہر فقیہ اور اسی طرح ایک محدث کے ساتھ بہت زیادہ نفع بخش ہے۔''

۴۔ الہدیٰ والسنن فی احادیث المسانید والسنن: ☆☆ یہی کتاب ہے جو ''جامع المسانید'' کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف نے اس میں مسند امام احمد ابن حنبل، مسند بزار، مسند ابی یعلی، مسند ابن ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے ان کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔ محدث کوثری لکھتے ہیں: "هو من انفع کتبه۔" (یہ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے)۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ ''دار الکتب المصریہ'' میں موجود ہے۔

۵۔ طبقات الشافعیہ: ☆☆ اس میں فقہائے شافعیہ کا تذکرہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ نے شیخ حسین باسلامہ کے پاس دیکھا ہے جو مکہ مکرمہ میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

۶۔ مناقب الشافعی: ☆☆ یہ رسالہ امام شافعیؒ کے حالات میں ہے، مصنف نے اس کا ذکر ''البدایہ والنہایہ'' میں امام شافعیؒ کے تذکرہ میں کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے۔ صاحب ''کشف الظنون'' نے اس رسالہ کا نام ''الواضح النفیس فی مناقب الامام ابن ادریس'' لکھا ہے۔

۷۔ **تخریج احادیث ادلۃ التنبیہ** :- ۸۔ **تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب:** ☆☆ ‘‘التنبیہ’’ اور ‘‘مختصر’’ یہ دونوں کتابیں وہی ہیں جن کو مصنف نے عہد طالب علمی میں حفظ کیا تھا۔ ان دونوں کتابوں میں کتب حدیث سے تخریج بھی لکھی ہے۔

۹۔ **شرح صحیح بخاری:** ☆☆ اس کی تصنیف بھی شروع کی تھی مگر نا تمام رہ گئی۔ ‘‘کشف الظنون’’ میں ہے کہ صرف ابتدائی ٹکڑے کی شرح ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر ‘‘اختصار علوم الحدیث’’ میں کیا ہے۔

۱۰۔ **الاحکام الکبیر:** ☆☆ یہ کتاب بہت بڑے پیمانے پر احادیث احکام میں لکھنی شروع کی تھی' مگر کتاب الحج تک لکھ سکے تمام نہ کر سکے۔ مصنف نے ‘‘اختصار علوم الحدیث’’ میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ **اختصار علوم الحدیث:** ☆☆ نواب صدیق حسن خان نے ‘‘منہج الوصول فی اصطلاح احادیث الرسول’’ میں اس کا نام ‘‘الباعث الحثیث علی معرفۃ علوم الحدیث’’ لکھا ہے۔ یہ علامہ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ کی مشہور کتاب ‘‘علوم الحدیث’’ معروف بہ ‘‘مقدمہ ابن صلاح’’ کا جو اصول حدیث میں ہے' اختصار ہے۔ مصنفؒ نے اس میں جابجا مفید اضافے کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: "ولہ فیہ فوائد۔" (اس کتاب میں حافظ ابن کثیر کے بہت سے افادات ہیں۔)

۱۲۔ **مسند الشیخین:** ☆☆ اس میں شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے۔ مصنف نے ‘‘اختصار علوم الحدیث’’ میں اپنی ایک تصنیف ‘‘مسند عمر رضی اللہ عنہ’’ کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ مستقل علیحدہ کتاب ہے یا اسی کا حصہ ثانی ہے۔

۱۳۔ **السیرۃ النبویہؐ:** ☆☆ یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے۔

۱۴۔ **الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول:** ☆☆ یہ سیرت پر ایک مختصر کتاب ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر اپنی تفسیر میں سورۂ احزاب کے اندر غزوہ خندق کے بیان میں کیا ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے۔

۱۵۔ **کتاب المقدمات:** ☆☆ اس کا ذکر مصنف نے ‘‘اختصار علوم الحدیث’’ میں کیا ہے۔

۱۶۔ **مختصر کتاب المدخل للبیہقی:** ☆☆ اس کا ذکر بھی ‘‘اختصار علوم الحدیث’’ کے مقدمہ کیا ہے۔

۱۷۔ **الاجتہاد فی طلب الجہاد:** ☆☆ جب فرنگیوں نے قلعہ ‘‘ایاس’’ کا محاصرہ کیا اس وقت آپ نے یہ رسالہ امیر منجک کے لئے لکھا۔ یہ رسالہ مصر سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ **رسالۃ فی فضائل القرآن:** ☆☆ یہ رسالہ بھی تفسیر ابن کثیر کے ساتھ مطبع المنار مصر میں طبع ہو چکا ہے۔

۱۹۔ مسند امام احمد بن حنبل کو بھی حروف پر مرتب کیا تھا اور اس کے ساتھ طبرانی کی ‘‘معجم’’ اور ابو یعلی کی ‘‘مسند’’ سے زوائد بھی درج کئے تھے۔

امام ابن کثیرؒ کی تمام تصانیف میں یہ خوبی عیاں ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں اور مفصل لکھتے ہیں' عبارت سہل اور پیرایۂ بیان دلکش ہوتا ہے۔

حضرت مولانا جونا گڑھی رحمہ اللہ علیہ کے مختصر حالات

تفسیر محمدی کے مؤلف حضرت مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر یعنی پاک و ہند کے ان مایہ ناز علمائے حدیث میں ہوتا ہے جو اپنے علمی کمالات، دینی وجاہت، علمی کردار، حسن صورت و سیرت اور مجاہدانہ کارناموں سے اپنے ہم عصر علماء پر اس طرح چھائے ہوئے تھے جس طرح تمام ستاروں پر بدر (چودھویں رات کا چاند) کی روشنی چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔

ابتدائی حالات: ☆☆ مولانا کا نام ‘‘محمد’’ والد ماجد کا نام ابراہیم، سال ولادت ۱۸۹۰ء ہے۔ آپ کا وطن مالوف کاٹھیاواڑ کا مشہور شہر جونا گڑھ ہے، جو متحدہ ہندوستان میں اسلامی ریاستوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ اس علاقہ کی مشہور مسلم قوم میمن سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کے والد ماجد تاجر غلہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھے۔ حضرت مولانا مرحوم سن شعور کو پہنچتے ہی دینی علوم کی طرف راغب ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں مولانا عبداللہ جونا گڑھی سے حاصل کی۔ اس وقت دہلی ہندوستان کی مادر علم تھی، اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک کے تشنگان علم یہاں آ کر علمی پیاس بجھاتے تھے۔ خاندان ولی اللہی کے علمی اثرات ابھی کچھ کچھ باقی تھے، حضرت الامام سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو وصال فرمائے تقریباً دس بارہ سال کا ہی عرصہ گزرا تھا، دہلی کا علمی شہرہ سنا تو دل میں ایک زبردست اشتیاق پیدا ہوا، والد بزرگوار آپ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے، مگر ہونہار فرزند کا علمی اشتیاق، دن بدن ترقی پذیر تھا۔

دہلی میں تشریف آوری: ☆☆ چنانچہ آپ نے ۱۹۱۲ء میں دہلی کا رخ کیا ‘‘مدرسہ امینیہ’’ دہلی میں مشہور اور مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے اپنا علمی سامان سفر، سب سے پہلے یہیں کھولا۔ ‘‘مدرسہ امینیہ’’ کے ارباب حل وعقد چونکہ تقلیدی قیود وحدود میں گھرے ہوئے تھے اور ادھر عمل وبالحدیث کا جذبہ رگ وپے میں سمایا ہوا تھا۔ اس لئے ‘‘مدرسہ امینیہ’’ کے فضا راس نہ آسکی اور جلد ہی اس کو چھوڑ کر عاملین بالحدیث کے مشہور دینی وعلمی مرکز، صدر بازار میں مولانا عبدالوہاب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ ‘‘دارالکتاب والسنہ’’ میں داخل ہو گئے جہاں حاتم دوراں جناب شیخ حافظ حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علماء نوازی اور غرباء پروری اپنی مثال آپ تھی۔ آپ نے یہاں مستقل طور پر درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ اس وقت دہلی میں مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ عاملین بالحدیث کا مرکز تھا، آپ نے اس علمی مرکز سے بھرپور استفادہ کیا۔ حدیث کی بعض کتابیں مولانا عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مقیم پھاٹک حبش خاں دہلی) اور مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ امرتسری سے پڑھیں۔

منطق وغیرہ علوم عقلیہ دہلی کے مشہور استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی۔ مولانا محمد اسحاق صاحب کی عمر کا یہ آخری زمانہ تھا۔ مولانا محمد اسحاق کی رحلت کے بعد آپ نے مولوی محمد ایوب صاحب پراچہ رحمۃ اللہ علیہ سے منطق کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دہلی میں مسجد اہل حدیث، اجمیری گیٹ کو اپنی مستقل سکونت کے لئے منتخب کیا اور وہاں ‘‘مدرسہ محمدیہ’’ کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔ ‘‘مدرسہ محمدیہ’’ کو شائقین علوم نبویہ کا مرکز قرار دیا، مدرسہ میں آپ نہایت مستعدی سے درس وتدریس کو آخری عمر تک سرانجام

دیتے رہے۔

عدیم المثال خطیب: ☆☆ خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے خطابت کا ایسا ملکہ اور قدرت عطا فرمائی تھی کہ وہ ہر موضوع پر نہایت جامع اور مدلل و مؤثر خطا فرماتے تھے۔ آپ کی آواز میں ایسی کشش اور تاثیر تھی کہ خطبہ مسنونہ شروع کرتے ہی سامعین پر رقت طاری ہو جاتی اور بعض بے اختیار ہو کر زار و قطار آنسو بہانے لگتے تھے اور خطبہ سے متاثر ہو کر کتنے علانیہ تائب ہوتے تھے۔ آپ کے مواعظ اور توحیدی خطاب نے ہندوستان میں تقلید جامد اور شرک و بدعات کی بساط الٹ ڈالی اور بلا مبالغہ لاکھوں آدمی شرک و بدعات سے تائب ہو کر سچے موحد اور متبع سنت بن گئے۔

آپ کا چہرہ نورانی اور شکل و صورت ایسی موہنی اور پسندیدہ تھی کہ جس کی نظر پڑتی بلا امتیاز مسلک آپ کا معتقد اور گرویدہ ہو جاتا' اس پر آپ کا عمل بالحدیث اور اتباع سنت کا جذبہ سونے پر سہاگے کا کام دیتا۔

وفات: ☆☆ آپ اپنی عمر کے پچاس سال پورے کر کے یکم صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء اپنے آبائی وطن جونا گڑھ میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ (انا لله وانا اليه راجعون)۔ آپ کی وفات پر مولانا ابو العارف شاد اعظمی مؤی نے حسب ذیل تاریخ لکھی:

آہ حضرت العلامہ مولانا محمد جونا گڑھی

لقد مات فى الوطن المبارك وفقه   سمى رسول الله شيخ محمد
فقال بقلب الحزن شاد مورخا   تخلى الى الله الحميل محمد

علامہ مرحوم کی وفات پر نصف صدی سے زیادہ طویل عرصہ گذر رہا ہے لیکن ان کے علمی برکات اور صدائے حق کی گونج پورے ہند و پاک میں سنائی دے رہی۔ اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله۔ آمین۔

بے مثال تصنیفی خدمات: ☆☆ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونا گڑھی کو درس و تدریس اور خطاب کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا نہایت عمدہ ذوق عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے قلم سے شرک و بدعت کی بیخ کنی کے لئے تلوار کا کام کیا اور برصغیر کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے شرکیہ مراسم اور تقلیدی جمود کو پاش پاش کر ڈالا' حق کے اس جواب مرد سپاہی نے توحید و سنت کے ہر محاذ سے دین حق کی حمایت کی۔ آپ کے قلم اشہب سے جو شاہکار علمی اور تحقیقی رسائل اور اعلیٰ کتابیں مرتب ہو کر شائع ہوئیں وہ اردو زبان میں دینی علوم کا بڑا قابل فخر سرمایہ ہیں جس کے بار احسان سے اردو دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ آپ کی اکثر کتابوں کے نام لفظ ''محمدی'' پر تھے۔ مثلاً صلوٰۃ محمدی' زکوٰۃ محمدی' صیام محمدی' حج محمدی' توحید محمدی' برأت محمدی' طریق محمدی' فضائل محمدی وغیرہ! آپ کے چھوٹے بڑے رسائل اور کتابوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے' لیکن آپ کی ان علمی یادگاروں میں تین شہ پارے ایسے ہیں جن پر پوری ملت اسلامیہ پاک و ہند کو بجا طور پر ہمیشہ ناز رہے گا اور یہ کتابیں تاریخ کے ہر دور میں اپنے عظیم مؤلف کے نام کو زندہ اور روشن رکھیں گی۔

اول :- امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور اور نامور کتاب ''اعلام الموقعین'' جو دین محمدی کے سمجھنے اور دین حق کی معرفت کے لئے ایک جامع دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے ''دین محمدی'' کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے امت محمدیہ (علی صاحبها الصلوٰۃ والتسلیم) پر ایسا احسان عظیم کیا ہے جسے بلا شبہ رہتی دنیا تک' ہمیشہ علمی و مذہبی حلقوں میں یاد کیا جاتا رہے گا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا نامہ مبارک بنام مولانا محمد جوناگڑھی

اعلام الموقعین کے ترجمہ کے بارہ میں امام الہند' مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے بنام مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں والا نامہ رقمطراز فرمایا:

''حبی فی اللہ'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے حافظ قیمؒ کی ''اعلام الموقعین'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ مجھے اس خبر سے نہایت خوشی ہوئی۔ عرصہ ہوا میں نے بعض عزیزوں کو جو ترجمہ کے لئے دلچسپی رکھتے ہیں اس کام پر لگایا تھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور شیخ الاسلام ابن قیمؒ کی مصنفات اردو میں منتقل کریں۔ چنانچہ منتخب کتابوں میں اعلام بھی تھی لیکن ضخیم ہے اس لئے اس کی نوبت نہ آئی۔ مختصرات شائع ہو گئیں اب آپ اس طرف متوجہ ہوئے ہیں تو میں کہوں گا آپ نے ایک نہایت موزوں کتاب ترجمے کے لئے منتخب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیق کار عطا فرمائے۔ مباحث فقہ وحدیث میں متاخرین کا کافی ذخیرہ موجود ہے لیکن اس سے بہتر اور اصح کوئی کتاب نہیں' اس کا اردو میں ترجمہ کر دینا اس گوشے کی تمام ضرورت بیک دفعہ پوری کر دیتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس کی ضرورت انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے ہے۔ اس طبقہ میں بہت سے لوگ مذہبی ذوق سے آشنا ہو چکے ہیں لیکن صحیح مسلک کی خبر نہیں رکھتے اور عربی سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے براہ راست مطالعہ نہیں کر سکتے' اگر ''اعلام الموقعین'' اردو میں شائع ہو گئی تو ان کی فہم وبصیرت کے لئے کافی مواد مہیا ہو جائے گا۔ میں نہایت خوش ہوں گا اگر اس کے ترجمہ کی اشاعت میں آپ کو کچھ مدد دے سکوں۔

(ابوالکلام کان اللہ لہ' از کلکتہ)

''اعلام کا ترجمہ شائع ہوا اور اکابر ملت وعلمائے امت کے ہاتھوں میں پہنچا۔ مطالعہ کے بعد حضرت امام الہند نے جو والا نامہ ارقام فرمایا اس کا مطالعہ کیجئے' اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ حضرت مولانا محمد مرحوم کے اس کار عظیم کی اہمیت کیا ہے۔

امام الہند مولانا آزاد کا دوسرا نامہ مبارک بنام مولانا محمد مرحوم

''حبی فی اللہ'' السلام علیکم۔ ''اعلام الموقعین'' کا ترجمہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ مباحث فقہ وحدیث اور حکمت تشریع اسلامی میں متاخرین کی کوئی کتاب اس درجہ محققانہ اور نافع نہیں ہے جس درجہ یہ کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ اس مفید دینی خدمت پر متوجہ ہوئے۔ میں ان تمام لوگوں کو جو مذہبی معلومات کا شوق رکھتے ہیں اور اصل عربی کا مطالعہ نہیں کر سکتے مشورہ دوں گا کہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں چونکہ اسلام کے اندرونی مذاہب ومشارب کی پیچیدگیوں سے عموماً مسلمان باخبر نہیں ہیں اس لئے بسا اوقات ان کا مذہبی شغف غلط راہوں میں ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ان پر واضح کر دے گا کہ حکمت ودانش کی حقیقی راہ کن لوگوں کی راہ ہے' تبعین کتاب وسنت کی یا اصحاب جدل وخلاف کی؟ خود صاحب ''اعلام الموقعین'' اپنے قصیدے ''نونیہ'' میں کیا خوب فرمائے ہیں:

العلم قال اللہ قال رسولہ   قال الصحابۃ ھم اولو العرفان
ما العلم نصبک للخلاف جہالۃ   بین النبی وبین رای فلان

(یعنی علم دین وہی ہے جو قرآن وحدیث میں ہے' جو معرفت خداوندی میں ڈوبے ہوئے فیضان صحبت رسولؐ کے فیض یافتہ

صحابہؓ کرام کی زبانوں سے ظاہر ہوا ہے، کسی کی رائے کو سنت و حدیث سے ٹکرانا، رائے کے غلبے کے لئے دلائل قائم کرنا اور اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے رائے کے جھنڈے کے خلاف حدیث بلند کرنے کا نام علم دین نہیں ۔)

ضرورت تھی کہ اس کتاب کا ترجمہ کتاب کی شکل میں شائع کیا جاتا۔ موجودہ صورت حال کا یہ نہایت افسوسناک منظر ہے کہ اس طرح کی قیمتی اور ضروری خدمات پر اہل خیر و استطاعت کو توجہ نہیں ۔ مجھے امید ہے بہت جلد ایسے حالات فراہم ہو جائیں گے کہ آپ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کر سکیں گے ۔ یہ بھی آپ نے خوب کیا کہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کی تفسیر کا ترجمہ شائع کر دیا۔ متاخرین کے ذخیرہ تفسیر میں یہ سب سے بہتر تفسیر ہے۔ امید ہے کہ اصحاب خیر و استطاعت اس کام میں بھی آپ کے مساعد و مددگار ہوں گے ۔ (ابوالکلام کان اللہ لہ کلکتہ ۱۶_۳_۳۶)

دوم: - آپ کی محبوب کتاب ''خطبات محمدی'' ہے۔ آپ نے اس کتاب کو ایسے خلوص اور محنت سے لکھا کہ اس سے ہزاروں مساجد کے منبر گونج اٹھے اور لاکھوں گھرانے ترانہ محمدی سے سرشار ہوئے ۔ خطبات محمدی کا درس، مساجد اور دینی مجالس میں آج تک مسلسل اور باقاعدہ دیا جا رہا ہے۔

سوم، اخبار محمدی: - گوناں گوں تصنیفی خدمات کے علاوہ آپ نے اپنے ''اخبار محمدی'' کے ذریعے ملک میں توحید و سنت کی آواز بلند کی۔ ''اخبار محمدی'' مدت مدید تک برصغیر کے مطلع صحافت پر توحید و سنت کا آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتا رہا، جس کی ضیاء پاش کرنوں سے پورا ملک روشن ہو گیا۔

چہارم، تفسیر محمدی: - سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

رضينا قسمته الجبار فينا لنا علم وللجهال مال
لان المال يفنى عن قريب وان العلم ليس له زوال

(ہر شخص وہی چیز پاتا ہے جو اس کی قسمت میں ہوتی ہے، علم والوں کو علم ملتا ہے اور مال والوں کو مال ملتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمیں تو عطیہ الٰہی، علم ہی پسند ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہنے والا انمول خزانہ ہے اور مال و دولت تمام ختم ہو جانے والی چیزیں ہیں ۔)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے تحت آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دینی علوم کا جو خزانہ حضرت مولانا محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ مبارک میں ودیعت فرمایا تھا، جس کے بیشتر حصہ کو اپنے قلم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما گئے، وہ ایک ایسا لافانی چشمہ ہے جس سے تشنگان علم و ہدایت ہمیشہ سیراب ہوتے رہیں گے۔ قبل ازیں مندرجہ بالا سطور میں آپ کی علمی یادگاریں، مثلاً دین محمد ترجمہ اعلام الموقعین، خطبات محمدی اور اخباری محمدی کا کچھ تعارف قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ اب مولانا مرحوم و مغفور کی اہم ترین دینی اسلامی خدمت کا تعارف طالبین دین حق کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، جو تفسیر محمدی کے نام سے آنے والی مسلمان نسلوں کے سامنے رکھ گئے ہیں۔ تفسیر محمد کیا ہے؟ اس کے متعلق امام الہند، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد صاحب مترجم تفسیر ابن کثیر کے نام یوں خط لکھا:

''حبی فی اللہ۔'' السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مجھے سن کر از حد خوشی ہوئی کہ جناب نے حافظ عماد الدین، ابن کثیر کی عربی تفسیر کا

اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ متاخرین ک ذخیرہ تفسیر میں یہ سب سے بہتر تفسیر ہے۔ امید ہے کہ اصحاب خیر و استطاعت اس کام میں بھی آپ کے مساعد و مددگار رہوں گے۔ (ابوالکلام' کان اللہ لہ از کلکتہ' ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء)

مولانا محمد صاحب مرحوم کی یہ اہم ترین یادگار' قرآن کریم کی اردو زبان میں ایک بے مثال' نادر روزگار تفسیر سے اردو زبان میں قرآن پاک پر ایک بہترین کتاب کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اگر یہ مبارک تفسیر وجود میں نہ آتی تو اردو داں حضرات ایک قیمتی ذخیرہ علم کے مطالعہ سے محروم رہتے۔ اس تفسیر پر مولانا کو جس قدر بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ اس تفسیر کے آنے سے ہر مسلمان کے لئے سلف صالحین کی روشنی کے مطابق قرآن مجید کا سمجھنا آسان ہوگیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے دہلی کی نہایت پیاری' رسیلی اردو زبان اختیار فرمائی ہے ترجمہ میں ایسا عام فہم انداز اختیار کیا ہے کہ ترجمہ اور اصل کتاب میں فرق کرنا مشکل ہے۔ تفاسیر میں تفسیر ابن کثیر کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے آسمان میں ستاروں کے مقابلہ میں چودہویں رات کے چاند کو حاصل ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ کتب احادیث میں جو مقام "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" صحیح بخاری کو حاصل ہے' ایسا ہی مقام کتب تفاسیر میں تفسیر ابن کثیر کو حاصل ہے۔

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱

چند اہم مضامین کی فہرست

- حمد وثناء کے حقوق کا واحد مالک ۲۳
- حجت تمام رسول اللہ ﷺ ۲۴
- بیوپاری علماء کا حشر ۲۴
- تفسیر کا بہترین طریقہ ۲۵
- اہمیت حدیث ۲۵
- اپنی رائے اور تفسیر قرآن ۲۸
- قرآن حکیم سے متعلق کچھ معلومات ۳۰
- آیت کے لفظی معنی ۳۱
- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور مختلف اقوال اور سورۂ فاتحہ ۳۳
- سورۂ فاتحہ کی فضیلت ۳۴
- بسم اللہ با آواز بلند یا دبی آواز سے؟ ۴۲
- رسول اللہ ﷺ کا انداز قرات ۴۳
- فصل بسم اللہ کی فضیلت کا بیان ۴۴
- اللہ نے اپنے تمام (صفاتی) نام خود تجویز فرمائے ہیں ۴۶
- اللہ کے مترادف المعنی کوئی نام نہیں! ۴۶
- الرحمٰن اور الرحیم کے معنی ۴۸
- الحمد للہ کی تفسیر ۵۰
- حمد کی تفسیر اقوال سلف سے ۵۱
- بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان! ۵۳
- حقیقی وارث و مالک کون ہے؟ ۵۴
- عبادت کا مفہوم ۵۵
- عبادت اور طلب ۵۶
- حصول مقصد کا بہترین طریقہ ۵۷
- صراط مستقیم کیا ہے؟ ۵۸
- انعام یافتہ کون؟ ۶۰
- مغضوب کون؟ ۶۰
- الحمد کا تعارف ومفہوم ۶۲
- آمین اور سورۂ فاتحہ ۶۳
- اس مبارک سورت کے فضائل کا بیان ۶۵
- سات لمبی سورتوں کی فضیلت ۶۸
- حروف مقطعات اور ان کے معنی ۶۹
- تحقیقات کتاب ۷۳
- متقین کی تعریف ۷۴
- ہدایت کی وضاحت ۷۴
- ایمان کی تعریف ۷۵
- قیام صلوٰۃ کیا ہے؟ ۷۷
- ہدایت یافتہ لوگ ۸۰
- منافقت کی قسمیں ۸۳
- شک وشبہ بیماری ہے ۸۵
- شک، کفر اور نفاق کیا ہے؟ ۹۱
- منافقین کی ایک اور پہچان ۹۴
- تعارف الہ بزبان الہ ۹۷
- اثبات وجود الہ العلمین ۹۹
- تصدیق نبوت اعجاز قرآن ۱۰۱
- خلافت آدم کا مفہوم ۱۱۴
- خلیفہ کے فرائض اور خلافت کی نوعیت ۱۱۶
- تعارف ابلیس ۱۲۲
- اعزاز آدم علیہ السلام ۱۲۴
- جنت کے حصول کی شرائط ۱۲۷
- بنی اسرائیل سے خطاب ۱۲۷
- دوغلاپن اور یہودی ۱۳۰
- مبلغین کے لئے خصوصی ہدایات ۱۳۰

- صبر کا مفہوم ۱۳۲
- حشر کا منظر ۱۳۴
- یہود پہ احسانات الٰہیہ کی تفصیل ۱۴۰
- احسان فراموش یہود ۱۴۴
- یہود کون ہیں؟ ۱۴۶
- عہد شکن یہود ۱۴۸
- حجت بازی کا انجام ۱۵۳
- بلاوجہ تجسس موجب عتاب ہے ۱۵۴
- یہودی کردار کا تجزیہ ۱۵۶
- امی کا مفہوم اور ویل کے معنی ۱۵۹
- اوس وخزرج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد ۱۶۳
- خود پسند یہودی مورد عتاب ۱۶۸
- مباہلہ اور یہودی مع نصاریٰ ۱۶۹
- خصومت جبرئیل علیہ السلام موجب کفر وعصیان ۱۷۰
- سلیمان علیہ السلام جادوگر نہیں تھے ۱۷۴
- جادو کی اقسام ۱۸۲
- جادو اور شعر ۱۸۵
- مسلمانو کافروں کی صورت لباس اور زبان میں مشابہت سے بچو! ۱۸۷
- تبدیلی یا تنسیخ۔ اللہ تعالیٰ مختار کل ہے ۱۸۸
- کثرت سوال حجت بازی کے مترادف ہے! ۱۹۰
- قومی عصبیت باعث شقاوت ہے ۱۹۲
- شیطان صفت مغرور یہودی ۱۹۳
- نصاریٰ اور یہودی مکافات عمل کا شکار! ۱۹۴
- کعبہ صرف علامت وحدت وسمت ہے اللہ کا جمال وجلال غیر محدود ہے ۱۹۶
- اللہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے کے دلائل ۱۹۹
- طلب نظارہ۔ ایک حماقت ۲۰۱
- آپؐ نصیحت کی حد تک مسئول ہیں ۲۰۲
- دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے ۲۰۳
- امام توحید ۲۰۵
- مکمل اسلام ۲۰۵
- شوق زیارت اور بڑھتا ہے ۲۰۷
- عہد جو مترادف حکم ہے ۲۰۹
- مدینہ منورہ افضل یا مکہ مکرمہ؟ ۲۱۱
- دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ماحصل ۲۲۱
- توحید کے دعوے اور مشرکین کا ذکر ۲۲۲
- ازلی اور ابدی مستحق عبادت اللہ وحدہ لاشریک ۲۲۴
- اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب! ۲۲۵
- شرط نجات ۲۲۶
- مشرکین کے اعمال سے بیزاری ۲۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حمد وثناء کے حقوق کا واحد مالک: ☆☆ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنی کتاب کو اپنی حمد کے ساتھ شروع کیا اور فرمایا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ“ اور فرمایا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ“ الخ یعنی سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں، جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ جو ہمیشہ دین کو قائم رکھنے والا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے اللہ کا پیغمبر لوگوں کو ڈرائے اور جو لوگ ایمان لا کر اچھے عمل کرتے ہیں، انہیں ان کے بہترین اور ہمیشگی والے بدلے کی خوش خبریاں سنائے اور جو لوگ اپنے بے علم باپ دادوں کی سنی سنائی باتوں پر اللہ کی اولاد مانتے ہیں، انہیں بھی ڈرائے۔ یہ بہت بڑی دلیری اور محض جھوٹ بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے۔ اے نبیؐ! تم ان کے لئے اپنی جان کو روگ نہ لگاؤ۔ جس طرح اس پروردگار نے اپنی کتاب کو اپنی حمد سے شروع کیا، اسی طرح اس نے اپنی مخلوق کو بھی اپنی حمد سے ہی شروع کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ“ یعنی سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمان و زمین کو اور اندھیرے اجالے کو پیدا کیا لیکن کفار اس کے باوجود بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح مخلوق کا خاتمہ بھی اپنی حمد وثناء پر ہی کیا۔

اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے ”وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ“ یعنی تو دیکھے گا کہ فرشتے عرش خداوندی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے اور اپنے رب کی حمد وثنا، تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہوں گے۔ فیصلے حق کے ساتھ ہو چکے ہوں گے اور کہہ دیا گیا ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العٰلمین کے لئے ہی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ“ یعنی وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سب تعریفیں اول و آخر اسی کے لئے ہیں۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹا کر لائے جاؤ گے اور ارشاد ہے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ فله الحمد فى الاولى والاخرة“ یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی آسمان و زمین کی کل چیزیں ہیں۔ آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے۔ وہی حکمتوں والا سب خبریں رکھنے والا ہے۔ لہٰذا اول و آخر اسی کی تعریف ہے یعنی جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا، وہی ان سب کی تعریفوں کا مستحق ہے جیسا کہ نمازی ”سمع الله“ الخ۔

اس کے بعد کہتا ہے اللهم ربنا لك الحمد ملاء السموت وملاء الارض و ملاء ماشئت من شى بعد ”اے اللہ اے ہمارے رب تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں آسمان و زمین بھر جانے کے برابر اور ان کے بعد بھی جس چیز کو تو بھر دینا چاہے“ اسی لئے جنتی لوگ بھی حمد وثناء کا الہام کئے جائیں گے اور ان کے سانس کے ساتھ ہی بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی تسبیح ادا ہوتی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور اس کی قدرت کاملہ، اس کی زبردست سلطنت، اس کی مسلسل رحمتیں اور اس کے دائمی احسان ان کے پیش نظر ہوں گے۔ اسی کو قرآن پاک نے بیان فرمایا ”اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِىْ

مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ دَعۡوٰهُمۡ فِیۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمۡ فِیۡهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعۡوٰهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' یعنی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان نعمتوں والی جنتوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں ان کی آواز ''سبحانك اللهم'' گونجتی ہوگی اور آپس میں سلام کا تحفہ ہوگا - اور گویا سب کی پکار یہی ہوگی کہ سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہان والوں کا رب ہے-

حجت تمام رسول اللہ ﷺ: ☆☆ ''الحمد لله الذی ارسل رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعۡدَ الرُّسُلِ'' یعنی اللہ ہی کے لئے تعریف ہے جس نے اپنے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کے آ جانے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے - ان رسولوں کا سلسلہ نبی امی عربی مکی مدنی ﷺ پر ختم کیا جو سب سے زیادہ واضح راہ کی راہنمائی کرنے والے ہیں - آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک جتنے جنات اور انسان ہیں' ان سب کی طرف آپ کی رسالت حکم محکم ہے - جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ''قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا'' الخ اے نبی! تم کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں - وہ اللہ جو آسمان و زمین دونوں کا مالک ہے - جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں - جو جلاتا ہے اور مارتا ہے - پس اے لوگو! تم سب ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے اس رسول پر جو نبی ہیں' امی ہیں - جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں - لوگو! انہی کی پیروی میں تمہاری ہدایت مضمر ہے - ارشاد ربانی ہے ''لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ'' تا کہ اس میں تمہیں ڈراؤں اور انہیں بھی جنہیں یہ اللہ کا کلام پہنچے - یعنی عربی' عجمی' کالے گورے' جس انسان کو بھی یہ قرآن پہنچے - آنحضرت ﷺ اس کے لئے ڈرانے والے ہیں - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ'' یعنی ''اس کے ساتھ کفر کرنے والا جہنمی ہے -'' پس جو کوئی قرآن کے ساتھ کفر کرے' وہ بحکم قرآن جہنمی ہے - ایک جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہوتا ہے - ''فَذَرۡنِیۡ وَمَنۡ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○'' یعنی ان جھٹلانے والوں کو میرے حوالے کر دو - میں انہیں اس طرح بتدریج پکڑوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری پیغمبری عام ہے - ہر سرخ و سیاہ کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا گیا ہوں - مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی کل جن و انس کی طرف - پس آنحضرت ﷺ تمام انسانوں اور جنات کی طرف اللہ کے رسول ہیں - سب کو اللہ الکریم کی وحی اور عزت والے قرآن کو آپ پہنچانے والے ہیں - جس پاک کتاب کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا - جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہے - اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پاک کلام کو سمجھنے کی تاکید بھی اسی میں کر دی ہے - فرمایا کہ ''تم قرآن پاک میں تدبر اور غور و فکر کیوں نہیں کرتے - اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے'' اور دوسری جگہ فرمایا ''اس مبارک کتاب کو ہم نے تیری طرف اتارا تا کہ لوگ اس میں غور و خوض کریں اور عقلمند لوگ نصیحت پکڑیں'' ایک اور جگہ فرمایا ''یہ لوگ قرآن سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے - کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟''

بیوپاری علماء کا حشر: ☆☆ پس علماء پر واجب ہے کہ کلام اللہ کا مطلب واضح کر دیں اور اس کی صحیح تفسیر کریں اور اسے باقاعدہ اپنا محور علم بنائیں اور سیکھیں اور سکھائیں - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں (اس کے احکامات) چھپائیں نہیں لیکن ان لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے - ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے -'' اور جگہ فرمایا ''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑے تھوڑے مول کے بدلے بیچتے پھریں' ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں - ان سے اللہ

تعالیٰ بات چیت نہیں کرے گا' نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے'' پس جو لوگ ہم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے تھے اور انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا' پروردگار نے ان کی مذمت کی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسا کام نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے۔ بلکہ انہیں چاہئے کہ احکام الٰہی کی تعمیل میں بہ دل و جان لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھنے' سکھانے' سمجھنے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور جو ان کی طرف حق اترا ہے' اس سے کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی۔ لیکن کچھ زمانہ گذرتے ہی ان کے دل سخت ہو گئے۔ اکثر لوگ نافرمان ہو گئے' جان لو کہ مردہ زمین کو جلانا اللہ ہی کا کام ہے۔ ہم نے تو تمہاری سمجھ بوجھ کے لئے اپنی آیتیں بیان کر دیں'' ان دونوں آیتوں کے ترجمہ میں غور کرو۔ کس لطافت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح ایمان اور ہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث سخت ہو گئے ہوں' نرم پڑ جایا کرتے ہیں۔ اللہ بزرگ و برتر اور جواد و سخی سے قبولیت کی امید پر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے۔ آمین

تفسیر کا بہترین طریقہ: ☆☆ سنو! تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو۔ اس لئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے' اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے اس لئے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے بلکہ حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے سمجھائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کر سکو۔ خبردار! تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بننا۔'' ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ''ہم نے تو تم پر اسی لئے یہ کتاب نازل فرمائی ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا تصفیہ کر دیا کرو۔ یہ کتاب ایمان داروں کے لئے ہدایت و رحمت ہے''۔ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ ''ہم نے اس ذکر کو تمہاری طرف اس لئے نازل کیا کہ تم اسے لوگوں کو حرف بحرف پہنچا دو تاکہ وہ فکر کر سکیں''۔

اہمیت حدیث: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''مجھ کو یہ قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے'' اس سے مراد سنت ہے۔ یہ یاد رہے کہ حدیثیں بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن پاک بذریعہ وحی اترا' اسی طرح حدیث رسول بھی وحی الٰہی ہے مگر قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ نے اس حقیقت کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر اولاً خود قرآن مجید سے' پھر حدیث سے کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو دریافت کیا کہ حکم (فیصلہ) کس طرح کرو گے؟ جواب دیا۔ ''کتاب اللہ سے''۔ فرمایا ''اگر اس میں نہ پاؤ تو؟'' کہا ''سنت رسول اللہ سے۔'' کہا ''اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟'' کہا ''اب اجتہاد کروں گا۔'' حضورؐ نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبیؐ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے''۔ یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور سنن میں بھی اور اس کی سند بھی بہت عمدہ ہے۔ یعنی اپنی جگہ اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔

قرآن فہمی کا بہترین انداز اقوال صحابہؓ کی روشنی میں: ☆☆ اس بنا پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن حدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرنا چاہئے وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لئے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے' ان کا علم انہی

کو ہو سکتا ہے- وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے- علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ، صحیح علم اور نیک عمل بھی انہیں حاصل تھا- بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے- بلاشبہ چاروں خلفاء جو راشد اور ہدایت یافتہ تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی رضی اللہ عنہم علی ھذا القیاس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ- حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں ''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ میں اگر جانتا کہ کتاب اللہ کے علم سے متعلق کوئی مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا''- آپؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہ پڑھتا''- حضرت عبدالرحمٰن سلمی تابعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جن سے قرآن سیکھا، وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا، جب تک ہم دس آیتوں کا علم و عمل حضورؐ سے نہ سیکھ لیتے' آگے نہ بڑھتے- غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی سیکھا- انہی میں سے ایک حبر البحر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور ترجمان القرآن ہیں- حضورؐ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا ''اللھم فقھه فی الدین و علمه التاویل'' اللہ انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم بھی نصیب کر- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے، قرآن کے بہترین ترجمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں-

حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر خیال کیجئے کہ ان کا انتقال سن ۳۲ھ میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس اس کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے تو اس مدت میں آپ نے علم میں کس قدر ترقی کی ہوگی- حضرت ابووائلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ امیر حج مقرر ہوئے تھے- آپ نے اپنے خطبہ میں سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور اس عمدگی سے تفسیر کی کہ اگر ترک و دیلم کے کفار بھی سن لیتے تو یقیناً مسلمان ہو جاتے- بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں سورہ نور کی تفسیر بیان فرمائی تھی- یہی وجہ ہے کہ اسمعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر اپنی تفسیر میں انہی دونوں بزرگوں سے اکثر تفسیر نقل کیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب سے یہ بزرگ جو روایت لیا کرتے ہیں، اسے بھی بیان کر دیتے ہیں- بنی اسرائیل سے روایت لینا مباح ہے- صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگرچہ ایک آیت ہی ہو''- بنی اسرائیل سے بھی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں، مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے- حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یہود و نصاریٰ کی کتابیں پائی تھیں ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایتیں صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لئے لائی جاتی ہیں، خود ان سے مسائل ثابت نہیں کئے جا سکتے-

اسرائیلی روایات اور بے جا تجسس: ☆☆ روایات بنی اسرائیل تین قسم کی ہیں- ایک تو وہ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآن پاک کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق اسرائیل کی کتاب میں بھی کوئی روایت مل جائے، اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں، دوسرے وہ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو یعنی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو- اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں- تیسرے وہ کہ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب، اس لئے کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی ایسی روایت ہے جس کی تصدیق سے، ہم اسے صحیح کہہ سکیں نہ کوئی ایسی روایت جو اس کے مخالف ہو اور اس بنا پر ہم اسے جھوٹ یا غلط کہہ سکیں- لہذا یہ تیسری قسم کی روایتیں وہ ہیں جن سے ہم خاموش ہیں، نہ انہیں غلط

کہیں نہ صحیح سمجھیں- البتہ انہیں ذکر کرنا جائز ہے اور یہ روایتیں ہیں بھی ایسی جن سے ہمارے دین کا کوئی فائدہ نہیں-

علاوہ ازیں ایسی باتوں کی وجہ سے خود اہل کتاب میں بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں اور انھیں کی وجہ سے ان روایتوں کو لینے والے مفسرین میں بھی اختلاف پائے جاتے ہیں- مثلاً اصحاب کہف کے نام' ان کے کتے کا رنگ' ان کی گنتی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور پھر اللہ کے حکم سے وہ جی اٹھے' وہ پرندے کون کون سے تھے؟ اور جس مقتول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لگایا تھا اور اس سے اللہ نے اسے زندہ کر دیا تھا- وہ ٹکڑا کونسا تھا اور کس جگہ کا تھا؟ وہ کونسا درخت تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں اللہ کا کلام سنا تھا؟ وغیرہ وغیرہ پس یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمیں ان کا جاننا نہ جاننا' کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا نہ اس کی تہہ میں ہمیں کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی- البتہ اس اختلاف کو نقل کرنا جائز ہے جیسے کہ خود قرآن پاک نے اصحاب کہف کی گنتی کا اختلاف نقل فرمایا ہے ''سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ'' الخ یعنی'' یہ لوگ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور ان کا کتا چوتھا تھا اور کہیں گے پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا- یہ سب ڈھکوسلے ہیں' وہ یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا- اے نبیؐ! تم کہہ دو کہ ان کی گنتی میرا رب ہی بخوبی جانتا ہے- تم ان سے اس بارے میں صرف سرسری گفتگو کرو اور اس بارے میں ان سے نہ پوچھو-'' اس آیت نے بتلا دیا کہ ہمیں ایسے مقام میں کیا کرنا چاہئے- اللہ تعالیٰ نے یہاں تین قول بیان فرمائے ہیں- دو کو تو ضعیف قرار دیا اور تیسرے پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی باطل ہوتا تو ان دونوں کی طرح اسے بھی رد کر دیا جاتا- پھر ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی تعداد کا علم جب تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا' پھر تم اس کی چھان بین میں کیوں لگو؟ کیوں نہ کہہ دو کہ ان کی گنتی کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے- بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ان کی صحیح تعداد پر مطلع فرمایا ہے- جب یہ معلوم ہو چکا کہ وہ اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہیں پھر ان کے پیچھے پڑنے اور ان سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟ اسی طرح ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی اختلاف کو نقل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ تمام اختلافی اقوال بیان کر دیئے جائیں- صحیح' غیر صحیح پر تنبیہ کر دی جائے اور اس اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بیکار کام میں پڑ کر کوئی شخص کارآمد شغل سے محروم نہ ہو جائے- جو شخص اختلاف نقل کرتے ہوئے تمام اقوال بیان نہ کرے تو یہ بھی اس کا قصور ہے- ممکن ہے ٹھیک قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا- اسی طرح جو شخص اختلاف نقل کر کے فیصلہ کئے بغیر چھوڑ دے' وہ بھی تقصیر کرے گا- اگر غیر صحیح کو جان بوجھ کر صحیح کہہ دے تو پھر وہ جھوٹا ہے اور اگر جہالت سے ایسا کیا تب بھی خطا کار ہے- اسی طرح جو شخص کسی ایسی باریک بات میں جس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو' بہت سارے اختلافی اقوال نقل کر دے یا ایسے اختلافات کرنے بیٹھ جائے جن کے الفاظ مختلف ہوں گے مگر نتیجہ کے اعتبار سے یا تو اختلاف بالکل ہی اٹھ جاتا ہو یا یونہی معمولی سا رہ جاتا ہو' وہ بھی اپنے عزیز وقت کو بیکار کرے گا اور بے مقصد کام کرے گا- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو چھوٹے کپڑے پہن لے- بھلائی اور سیدھی بات کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے-

آخری طریق تفسیر: ☆☆ فصل: جب کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث اور اقوال صحابہؓ تینوں میں نہ ملے تو اکثر ائمہ دین نے کہا ہے کہ'' ایسے موقع پر تابعین کی تفسیر سے مدد لی جائے'' جیسے مجاہد بن جبیر (جو تفسیر میں اللہ کی ایک نشانی تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن پاک سیکھا اور سمجھا- ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر' سمجھ سمجھ کر پڑھا- ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں'' خود میں نے حضرت مجاہد کو دیکھا کہ کتاب قلم دوات لے کر حضرت ابن عباسؓ کے پاس پہنچا کرتے اور تفسیر قرآن دریافت

کر کے اس میں تحریر فرماتے - قرآن کریم کی تفسیر اسی طرح نقل فرمائی'' - حضرت سفیان ثوریؒ کا فرمان تھا کہ مجاہد جب کسی آیت کی تفسیر کر دیں تو پھر اس کی مزید تحقیق کرنا بے سود ہے - بس ان کی تفسیر کافی ہے - حضرت مجاہدؒ کی طرح حضرت سعید بن جبیر' حضرت عکرمہ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مولیٰ تھے اور حضرت عطاء بن ابو رباح' حضرت حسن بصری' حضرت مسروق بن اجدع' حضرت سعید بن مسیب' حضرت ابو العالیہ' حضرت ربیع بن انس' حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک بن مزاحم وغیرہ تابعین اور ان کے بعد والوں کی تفسیریں معتبر مانی جائیں گی - کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان بزرگوں کے اقوال جب ذکر کئے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو بے علم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ایک چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کی' کسی نے اس کی نظیر سے' کسی نے اس چیز کو ہی بیان کر دیا - پس ان صورتوں میں گو الفاظ میں اختلاف ہو لیکن معنی ایک ہی رہتے ہیں - عقل مند کو چاہئے کہ ایسی جگہ لغزش نہ کھائے - واللہ الہادی

شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ جب تابعین کے اقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت مان لئے جائیں؟ شعبہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان سے اختلاف کرنے والے پر ان کے اقوال حجت نہیں البتہ ان کے اجماعی اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں - ہاں اختلاف کے وقت نہ ان کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے نہ غیروں پر - ایسی صورت میں لغت قرآن' حدیث' عام لغت عرب اور اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کیا جائے گا -

اپنی رائے اور تفسیر قرآن: ☆☆ ہاں اپنی رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے یا نہ جاننے کے باوجود کچھ کہہ دے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے'' - ابن جریر' ترمذی' ابوداؤد میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اسے حسن کہا ہے - یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہیں - حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ خطا کرے گا'' (ابن جریر) ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے - امام ترمذیؒ نے اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی سہیل پر بعض اہل علم نے بھی کلام کیا ہے - اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ ''جو اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات کہہ دے جب بھی وہ خطا کار ہو گا'' اس لئے کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا اور وہ چال چلا جس چال کے چلنے کا اسے حکم نہ تھا - پس اگرچہ اس کے منہ سے ٹھیک بات نکل جائے پھر بھی وہ خطا کار ہو گا - اس لئے کہ کام کو کام کے طریقے پر اس نے نہیں کیا - اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو لیکن فیصلے کرنے بیٹھ جائے' اسے جہنمی کہا گیا ہے - یہ اور بات ہے کہ ایسے شخص کی صحیح بات پر مواخذہ کم ہو لیکن ہے خطا کار - واللہ اعلم - دیکھئے تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاذب یعنی جھوٹا فرمایا ہے - گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو اور جس کی نسبت وہ زنا کا الزام لگا رہا ہے' وہ واقعی زانی ہو لیکن چونکہ اسے اس خبر کو بلا شہادت پھیلانا حلال نہ تھا مگر اس نے پھیلائی تو جھوٹا ٹھہرا - واللہ اعلم

تفسیر قرآن اور اکثر اسلاف کا رویہ: ☆☆ یہی وجہ تھی کہ سلف کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے ''مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور کونسا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا'' - آپ سے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَفَاكِهَةً وَّ اَبًّا○ کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں مجھے کونسا آسمان سایہ دے گا اور کونسی زمین اٹھائے گی جب کہ میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا' یہ روایت منقطع ہے - ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر اسی

آیت کی تلاوت کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں فَاكِهَةً کو تو ہم جانتے ہیں لیکن وہ کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ اے عمر اس تکلف میں کیوں پڑو؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے- آپ کے قمیض کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے آپ نے اس آیت وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا کی تلاوت کی اور کہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟ مطلب یہ ہے کہ اُس کے معنی تو معلوم ہیں یعنی چارہ زمین کی پیداوار لیکن اس کی کیفیت کا واضح علم نہیں- خود اسی آیت میں موجود فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا یعنی ہم نے زمین میں اناج اور انگور اگائے-

ابن جریر میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کچھ بیان نہ فرمایا حالانکہ اگر اس کی تفسیر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو فوراً جواب دے دیتا- دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن میں ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر ہے یہ کیا؟ آپ نے فرمایا اور پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے' وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا' یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے' ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے- خیال فرمایئے کہ اتنے بڑے مفسر قرآن نے قرآن کی تفسیر میں کس قدر احتیاط برتی کہ جس بات کا علم نہ تھا' اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا- تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت جندب بن عبداللہؓ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیب نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو فرمانے لگے کہ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ یا فرمایا یہاں بیٹھے رہو- حضرت سعید بن میتب رحمتہ اللہ علیہ سے قرآن کی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ہم قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہتے' آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا' اسی کو قرآن کی تفسیر میں بیان فرماتے- ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا' مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو- قرآن کی تفسیر اس سے پوچھو جو کہتا ہے کہ مجھ سے قرآن کی کوئی آیت مخفی نہیں یعنی حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ-

یزید بن ابو یزید کہتے ہیں' ہم حضرت سعید بن میتب سے حلال وحرام کے مسائل پوچھتے تھے- آپ ان سب سے زیادہ عالم نظر آتے- لیکن قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ضرور جھجکتے تھے جیسے حضرت سالم بن عبداللہ' قاسم بن محمد' سعید بن میتب' نافع رحمہم اللہ وغیرہ- حضرت ہشام فرماتے ہیں' میں نے اپنے والد عروہ کو کبھی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا- عبیداللہ سلمانی سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ''جو لوگ قرآن کی آیتوں کو جانتے تھے کہ کس بارے میں نازل ہوئیں' وہ اس دنیا کو خالی کر گئے- اب تم ٹھیک ٹھاک اور سیدھے سادے رہو''- حضرت مسلم بن یسار فرماتے ہیں ''جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کہنی ہے''- حضرت ابراہیم فرماتے ہیں' ہمارے سب ساتھی قرآن کی تفسیر کو بڑی چیز جانتے تھے اور اس میں سخت احتیاط کرتے تھے- شعبی فرماتے ہیں' گو میں نے قرآن کریم کی ایک ایک آیت کا علم حاصل کر لیا ہے تاہم میں یہ کہتے ہوئے جھجکتا ہوں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے- حضرت مسروق کا قول ہے کہ تفسیر میں بے حد احتیاط کرو- تفسیر تو اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے- ان تمام اور ان جیسے دیگر آثار صحیحہ کا جو آئمہ سلف سے منقول ہیں' یہ مطلب ہے کہ یہ علماء کرام ہرگز ہرگز بغیر علم کے قرآن کے معنی و مطلب بتانے میں لب کشائی نہیں کرتے تھے- ہاں لغت کی رو سے یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو' اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں- اسی لئے خود ان بزرگوں کے پاکیزہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر میں بکثرت مروی ہیں- کوئی یہ نہ کہے کہ جب یہ بزرگ اس طرح کانپتے رہا کرتے تھے اور تفسیر بیان نہیں فرماتے تھے پھر ان سے تفسیر منقول کیوں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ چپ وہاں رہتے تھے جہاں نہیں جانتے

تھے اور کہتے وہاں جہاں کا علم ہوتا اور یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں۔ بے علمی کے وقت چپ رہنا اور علم کی صورت میں بیان کرنا۔ قرآن فرماتا ہے لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ یعنی اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو اور چھپاؤ نہیں۔ حدیث شریف میں ہے جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جاننے کے باوجود اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔ ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی ان ہی آیتوں کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبرائیل علیہ السلام سمجھا جاتے لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے اور اس کے راوی جعفر محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی لڑکے ہیں۔ ان کی بابت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی اس کا صحیح مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ ایسی آیتوں کے مطلب حضور ﷺ کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام معلوم کرا دیئے جاتے تھے۔ امام ابوجعفر نے اس روایت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں ان کا ماحاصل بھی یہی ہے اور یہی معنی درست بیٹھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم علماء کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جو عرب کے لوگ اپنی لغت سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور ایسی بھی ہیں کہ جن کے معنی مطلب اس طرح واضح ہیں کہ کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

اقسام تفسیر: ☆☆ تفسیر کی چار قسمیں ہیں ایک تو کلام عرب سے معلوم ہو جاتی ہے دوسری جس کی جہالت میں کوئی معذور نہیں۔ تیسری وہ جسے ذی علم لوگ جان سکتے ہیں۔ چوتھی وہ جسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس بارے میں مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے۔ اس کا متن یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قرآن کا نزول چار طریق پر ہوا ہے۔ حلال حرام آیتیں جن سے اگر کوئی ناواقف رہے تو اس کا کوئی عذر قیامت کے دن کام نہ آئے گا اور وہ تفسیر جسے عرب بیان کریں اور وہ تفسیر جو ذی علم جان سکے۔ اور وہ متشابہ آیتیں جن کا حقیقی علم بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کو حاصل نہیں۔ جو لوگ اس کے جاننے کا دعویٰ کریں وہ جھوٹے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہیں وہ متروک الحدیث ہیں ہو سکتا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کو مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو۔ واللہ اعلم

قرآن حکیم سے متعلق کچھ معلومات: ☆☆ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نسا، سورۂ مائدہ، سورۂ برآۃ، سورۂ رعد، سورۂ نحل، سورۂ حج، سورۂ نور، سورۂ احزاب، سورۂ محمد، سورۂ فتح، سورۂ حجرات، سورۂ رحمٰن، سورۂ حدید، سورۂ مجادلہ، سورۂ حشر، سورۂ ممتحنہ، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ تغابن، سورۂ طلاق، سورۂ تحریم، سورۂ زلزال اور سورۂ نصر یہ سب سورتیں تو مدینہ شریف میں نازل ہوئیں اور باقی تمام سورتیں مکہ شریف میں نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی تمام آیتیں چھ ہزار ہیں۔ اس سے زائد پر اختلاف ہے۔ بعض اس سے زیادہ نہیں بتاتے مگر بعض دو سو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔ بعض دو سو چودہ آیتیں۔ بعض دو سو انیس، بعض دو سو پچیس، بعض دو سو چھبیس، ابو عمر دانی نے کتاب البیان میں یہی تفصیل لکھی ہے۔ قرآن شریف کے کلمات کی نسبت حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ حروف کی گنتی کی نسبت حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ کل قرآن شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں۔ فضل بن عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ کل حروف تئیس ہزار پندرہ ہیں۔

حجاج نے اپنے زمانے میں قاریوں حافظوں اور کاتبوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ قرآن کریم کے حروف کی گنتی کر کے مجھے بتاؤ تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔ پھر حجاج نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے

آدھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورہ کہف میں وَلْيَتَلَطَّفْ کی ''ف'' پر ٹھیک آدھا قرآن ہوتا ہے اور سورہ برآءت کی سو آیتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے اور دوسری تہائی سورہ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک آیت کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک اور اگر منزلوں کا شمار کیا جائے یعنی سات حصے قرآن کریم کے کئے جائیں تو پہلی منزل ''صد'' کی د پر ختم ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ اور دوسری منزل حَبِطَتْ کی ''ت'' پر ختم ہوتی ہے جو سورہ اعراف کی آیت اولئك حبطت میں ہے اور تیسری منزل اُكُلُهَا کے آخری ''ا'' پر جو سورہ رعد میں ہے اور چوتھی منزل جَعَلْنَا کے ''ا'' پر جو سورہ حج کی آیت جَعَلْنَا مَنْسَكًا میں ہے اور پانچویں منزل مُؤْمِنَةٍ کی ''ۃ'' پر جو میں آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ میں ہے اور چھٹی منزل السَّوْءِ کی ''و'' پر جو سورہ فتح کی آیت (٦) الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ میں ہے اور ساتویں منزل قرآن پاک کے خاتمہ پر ہے۔ ابو محمد سلام حمانی کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورہ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے اور آدھا سورہ کہف کے لفظ وَلْيَتَلَطَّفْ پر اور تین چوتھائی سورہ زمر کے خاتمہ پر اور پورا پورے قرآن پر۔ شیخ ابو عمر دانی نے اپنی کتاب البیان میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔

منازل تلاوت: ☆☆ رہے قرآن شریف کے پڑھنے کے اعتبار سے حصے اور اجزا تو مشہور تیس پارے ہیں اور ایک حدیث میں صحابہ کرامؓ کا قرآن کریم کو سات منزلیں کر کے پڑھنے کا بیان ہے۔ مسند احمد، سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ کی حیات میں صحابہؓ سے پوچھا گیا کہ قرآن کے وظیفے کس طرح کرتے ہیں تو فرمایا، پہلی تین سورتوں کی ایک منزل پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل، پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل۔ پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل، پھر ان کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل، پھر ان کے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل اور مفصل کی یعنی سورۂ ''ق'' سے لے کر آخر تک کی ایک منزل۔

سورت کے لفظی معانی: ☆☆ بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی علیحدگی و بلندی کے ہیں چنانچہ نابغہ کے ایک عربی شعر میں سورۃ کا لفظ اسی معنی میں آیا ہے تو اس معنی کا تعلق قرآن کی سورتوں کے ساتھ اس طرح ہوگا کہ گویا قرآن کا پڑھنے والا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتا رہتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت اور اونچائی کے معنی میں ہے اسی لئے شہر پناہ کو عربی میں سور کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ برتن میں جو حصہ باقی رہ جائے اسے عربی میں اسارہ اور سورۃ کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے چونکہ سورۂ بھی قرآن کا ایک حصہ اور ایک ٹکڑا ہوتی ہے ہمزہ کی تخفیف کر دی گئی پھر ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۃ کے معنی تمام کمال کے ہیں۔ پوری اونٹنی کو عربی زبان میں سورۃ کہتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح قلعہ کو عربی میں اس لیے سور کہتے ہیں کہ محلوں اور گھروں کا احاطہ کر لیتا ہے اور انہیں جمع کر لیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ آیتوں کو سورت جمع کر لیتی ہے اور ان کا احاطہ کر لیتی ہے، اس کو بھی سورۃ کہتے ہیں۔ سورت کی جمع سور آتی ہے اور کبھی سورات اور سوارات بھی آتی ہے۔

آیت کے لفظی معنی: ☆☆ آیت کو آیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آیت کے لفظی معنی علامت اور نشان کے ہیں۔ چونکہ آیت پر کلام ختم ہوتا ہے اور اول آخر سے جدا ہو جاتا ہے، اس لئے اسے آیت کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی آیت علامت اور نشان کے معنی میں ہے۔ ارشاد ہے اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ یعنی اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور علامت۔ اسی طرح نابغہ کے شعر میں بھی آیت اسی معنی میں ہے اور آیت کے معنی

جماعت اور گروہ کے بھی آتے ہیں- عرب کے شعروں میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے- چونکہ آیت میں بھی حروف کی ایک جماعت اور ایک گروہ ہے اس رعایت سے اسے بھی آیت کہتے ہیں اور آیت کے معنی عجیب کے بھی ہیں- چونکہ یہ عجیب چیز ہے، معجزہ ہے، تمام انسان اس جیسی بات نہیں کہہ سکتے- اس لئے بھی اسے آیت کہتے ہیں- سیبویہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ اَیَیَةٌ تھا جیسے اَکَمَةٌ اور شَجَرَةٌ پہلی "ی" عربی قاعدہ کے مطابق الف بن گئی- کسائی کا قول ہے کہ آیت کی اصل اٰیِیَةٌ تھی جیسے اٰمِنَةٌ ے الف ہوگئی اور التباس کی وجہ سے گرگئی- فراء کہتے ہیں کہ یہ اصل میں اَیَّیَةٌ تھا پھر یا کو تشدید کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا اٰیَةٌ ہوگیا- آیت کی جمع اٰیٌ اٰیَایٌ اور ایات آتی ہے-

کلمہ کسے کہتے ہیں؟ ☆☆ کلمہ کہتے ہیں ایک لفظ کو- کبھی تو اس کے دو ہی حرف ہوتے ہیں جیسے ما اور لا وغیرہ اور کبھی زیادہ بھی ہوتے ہیں- زیادہ سے زیادہ دس حرف ایک کلمہ میں ہوتے ہیں جیسے لیستخلفنهم اور انلزمكموها اور فاسقيناكموه اور ایک ہی کلمہ کی ایک آیت ہوتی ہے جیسے والفجر اور والضحى اور والعصر اور اسی طرح الم اور طه اور يس اور حم- کوفیوں کے قول ہیں اور حم○عسق ان کے نزدیک دو کلمے ہیں اور ان کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں نہیں بلکہ سورتوں کے شروع ہیں- ابوعمرو دانی فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں سوائے مدهامتان کے جو سورہ رحمٰن ہے اور کوئی نہیں-

فصل = قرطبی فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں البتہ عجمی نام ضرور ہیں جیسے ابراہیمؑ نوحؑ لوطؑ اور اس اختلاف کے جواب میں کہ کیا قرآن میں اس کے سوا بھی عجمی زبان کے الفاظ ہیں؟ تو باقلانی اور طبری نے صاف انکار کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی عجمی لفظ ہے بھی تو بھی وہ حقیقت میں عربی ہی ہے-

تفسیر سورة فاتحه

اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ ہے- فاتحہ کہتے ہیں شروع کرنے والی کو- چونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہی سورت لکھی گئی ہے، اس لئے اسے سورۂ فاتحہ کہتے ہیں اور اس لئے بھی کہ نمازوں میں قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے- اس کا نام اُمُّ الْکِتَاب بھی ہے- جمہور یہی کہتے ہیں- حسن اور ابن سیرین اس کے قائل نہیں- وہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کا نام ام الکتاب ہے- حسن کا قول ہے کہ محکم آیتوں کو ام الکتاب کہتے ہیں- ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' پوری سورت تک یہی سورت ام القرآن ہے اور ام الکتاب ہے اور سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے- اس سورت کا نام سورت الحمد اور سورة الصلوٰۃ بھی ہے- آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے صلوۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کردیا- جب بندہ کہتا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی پوری حدیث تک، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نام صلوۃ بھی ہے، اس لئے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھنا شرط ہے، اس سورت کا نام سورت الشفاء بھی ہے- دارمی میں حضرت ابوسعید سے مرفوعاً روایت ہے کہ سورت فاتحہ ہر زہر کی شفا ہے اور اس کا نام سورت الرقیہ بھی ہے-

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر اس سورت کو پڑھ کر دم کیا، وہ اچھا ہو گیا تب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت ہے''؟ ابن عباسؓ اسے اساس القرآن کہتے تھے یعنی قرآن کی جڑ یا بنیاد اور اس سورت کی بنیاد آیت ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' ہے- سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں- اس کا نام واقیہ ہے، یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں اس کا نام کافیہ بھی ہے اس لئے کہ یہ اپنے علاوہ سب کی کفایت کرتی ہے اور دوسری سورت اس سورت کی کفایت نہیں کرتی- بعض مرسل حدیثوں میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ ام القرآن بدل ہے اس کے غیر کا مگر اس کا غیر اس کا بدل نہیں- اسے سورة الصلوٰۃ اور سورۃ الکنز بھی کہا گیا ہے زمخشری کی تفسیر کشاف دیکھئے- ابن عباس، قتادہ، ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، حضرت ابوہریرہ مجاہد، عطا بن یسار اور زہری فرماتے ہیں، یہ سورت مدنی ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں لیکن پہلا قول ہی زیادہ ٹھیک ہے اس لئے کہ دوسری آیت میں ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ یعنی ہم نے تمہیں سبع مثانی سات آیتیں دہرائی جانے والی دی ہیں- واللہ اعلم- ابواللیث سمرقندی کا ایک قول قرطبی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نصف تو مکہ شریف میں نازل ہوا اور آخری نصف حصہ مدینہ شریف میں نازل ہوا لیکن یہ قول بالکل غریب ہے- ان آیتوں کی نسبت اتفاق ہے کہ سات ہیں لیکن عمرو بن عبید نے آٹھ اور حسین جعفی نے چھ بھی کہا ہے اور یہ دونوں قول شاذ ہیں-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور مختلف اقوال اور سورۂ فاتحہ: ☆☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ سورت کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے- تمام کوفی قاری اور صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت اور پچھلے بہت سے بزرگ تو اسے سورۂ فاتحہ کے اول کی ایک پوری اور مستقل آیت کہتے ہیں، بعض اسے اس کا جزو مانتے ہیں اور بعض سرے سے اس آیت کو اس کے شروع میں مانتے ہی نہیں- جیسے کہ مدینے شریف کے قاریوں اور فقیہوں کے یہ تینوں قول ہیں- اس کی تفصیل ان شاءاللہ آگے آئے گی- اس سورت کے کلمات پچیس ہیں اور حروف ایک سو تیرہ ہیں- امام بخاری کتاب التفسیر کے شروع میں صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ''ام الکتاب اس سورت کا نام اس لئے ہے کہ قرآن شریف کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے اور نماز کی قراءت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے-'' ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام قرآن شریف کے مضامین اجمالی طور سے اس میں ہیں، اس لئے اس کا نام ام الکتاب ہے- عرب کی عادت ہے کہ ہر ایک جامع کام اور کام کی جڑ کو جس کی شاخیں اور اجزاء اسی

کے تابع ہوں' ام کہتے ہیں- دیکھئے ام الراس' اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کی جامع ہے اور لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں' ام کہتے ہیں- شاعروں میں بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے- مکہ شریف کو ام القری کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ یہ سب سے پہلے اور سب کا جامع ہے زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے' چونکہ اس سے نماز کی قراءت شروع ہوتی ہے- قرآن شریف کو لکھتے وقت بھی صحابہؓ نے اسی کو پہلے لکھا اس لئے اسے فاتحہ بھی کہتے ہیں- اس کا ایک صحیح نام سبع مثانی بھی ہے اس لئے کہ یہ بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہے- ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے اور مثانی کے معنی اور بھی ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیان ہوں گے واللہ اعلم- مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ام القرآن کے بارے میں فرمایا' یہ ام القرآن ہے- یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے- ایک اور حدیث میں یہی ام القرآن ہے- یہی فاتحہ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے- تفسیر مردویہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا الحمد للہ رب العلمین کی سات آیتیں ہیں-

بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی ان میں سے ایک آیت ہے' اسی کا نام سبع مثانی ہے' یہی قرآن عظیم ہے' یہی ام الکتاب ہے یہی فاتحہ الکتاب ہے' دارقطنی میں بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث ہے اور بقول امام دارقطنی اس کے سب راوی ثقہ ہیں- بیہقی میں ہے کہ حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابو ہریرہؓ نے سبع مثانی کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ ہے اور بسم اللہ اس کی ساتویں آیت ہے- بسم اللہ کی بحث میں یہ بیان پورا آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- حضرت ابن مسعود سے کہا گیا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ کو اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کے شروع میں کیوں نہیں لکھا؟ تو کہا اگر میں ایسا کرتا تو پھر ہر سورت کے پہلے اس کو لکھتا- ابوبکر بن ابوداؤد فرماتے ہیں' اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے اور چونکہ تمام مسلمانوں کو حفظ ہے' اس لئے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں- دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی' باقلانی نے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث حضرت جابر سے مروی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ'' نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے- اس کی تفصیل آگے آئے گی- ان شاء اللہ-

سورۂ فاتحہ کی فضیلت: ☆☆ مسند احمد میں حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا' میں نے کوئی جواب نہ دیا- جب نماز سے فارغ ہو کر میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا' اب تک کس کام میں تھے؟ میں نے کہا حضورؐ میں نماز میں تھا- آپؐ نے فرمایا' کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ'' اے ایمان والو! اللہ کے رسول جب تمہیں پکاریں' تم جواب دو' اچھا سنو! میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے بتلادوں گا کہ قرآن پاک میں سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپؐ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا- آپ نے فرمایا سورت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے' یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا ہے- اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری شریف' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ ہے-

واقدی نے یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب کا بیان کیا ہے- موطا مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب کو آواز دی' وہ نماز میں مشغول تھے' فارغ ہو کر آپؐ سے ملے- فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا' اس وقت مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تجھے ایسی سورت بتاؤں کہ تورات' انجیل اور قرآن میں اس کے مثل نہیں''- اب میں نے

اپنی چال سست کر دی اور پوچھا' حضورؐ وہ سورت کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز کے شروع میں تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پوری سورت تک۔ آپؐ نے فرمایا یہی وہ سورت ہے' سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے۔ اس حدیث کے آخری راوی ابوسعید ہیں۔ اس بنا پر ابن اثیر اور ان کے ساتھ والے یہاں دھوکا کھا گئے ہیں اور وہ انہیں ابوسعید بن معلّٰی سمجھ بیٹھے ہیں۔ درحقیقت یہ ابو سعید خزاعی ہیں اور تابعین میں سے ہیں اور وہ ابوسعید انصاری صحابی ہیں۔ ان کی حدیث متصل اور صحیح ہے اور یہ حدیث بظاہر منقطع معلوم ہوتی ہے۔ اگر ابوسعید تابعی کا حضرت ابی سے سننا ثابت نہ ہو اور اگر سننا ثابت ہو تو یہ حدیث شرط مسلم پر ہے۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث کے اور بھی بہت سے انداز بیان ہیں۔ ''مثلاً مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے جب انہیں پکارا تو یہ نماز میں تھے' التفات کیا مگر جواب نہ دیا' آپؐ نے پھر پکارا' حضرت ابی نے نماز مختصر کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے السلام علیکم عرض کیا۔ آپؐ نے جواب دے کر فرمایا ابی تم نے مجھے جواب کیوں نہ دیا؟ کہا حضور میں نماز میں تھا۔ آپ نے وہی آیت پڑھ کر فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟ کہا حضور غلطی ہوئی اب ایسا نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں کہ تورات' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی سورت نہ ہو۔ میں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہاں سے جانے سے پہلے ہی میں تمہیں بتا دوں گا' پھر حضورؐ میرا ہاتھ تھامے ہوئے اور باتیں کرتے رہے اور میں نے اپنی چال دھیمی کر دی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بات رہ جائے اور آپؐ باہر چلے جائیں۔ آخر جب دروازے کے قریب پہنچ گئے تو میں نے آپ کو وہ وعدہ یاد دلایا۔ آپؐ نے فرمایا' نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے ام القرآن پڑھ کر سنائی آپؐ نے فرمایا' اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تورات' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نہیں' یہ سبع مثانی ہے۔ ترمذی میں مزید یہ بھی ہے کہ یہی وہ بڑا قرآن ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت انسؓ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے' مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت استنجے سے فارغ ہوئے ہی تھے' میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپؐ نے ایک دفعہ بھی جواب نہ دیا۔ آپ گھر میں تشریف لے گئے اور میں غم و رنج کی حالت میں مسجد میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد طہارت کر کے تشریف لائے اور تین مرتبہ ہی میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا ''اے جابر بن عبداللہ سنو! تمام قرآن میں بہترین سورت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' آخر تک ہے''۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ابن عقیل جو اس کا راوی ہے' اس کی حدیث بڑے بڑے آئمہ روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن جابر سے مراد ''عبدی صحابی'' ہیں' ابن الجوزی کا بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکر کا قول ہے کہ یہ عبداللہ بن جابر انصاری و بیاضی ہیں یہ حدیث اور اس جیسی اور احادیث سے استدلال کر کے اسحاق بن راہویہ' ابوبکر بن عربی ابن الحصار وغیرہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ بعض آیتیں اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں۔ یہی ایک دوسری جماعت کا بھی خیال ہے کہ کلام اللہ کل کا کل فضیلت میں ایک سا ہے۔ ایک کو ایک پر فضیلت دینے سے یہ قباحت ہوتی ہے کہ دوسری آیتیں اور سورتیں اس سے کم درجہ کی نظر آئیں گی حالانکہ کلام اللہ سارے کا سارا فضیلت والا ہے۔ قرطبی نے اشعری اور ابوبکر باقلانی اور ابوحاتم ابن حبان بستی اور ابوحبان اور یحییٰ سے یہی نقل کیا ہے۔ امام مالک سے بھی یہی روایت ہے۔ یہ مذہب منقول ہے (لیکن صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

سورۂ فاتحہ کے فضائل کی مندرجہ بالا حدیثوں کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ صحیح بخاری شریف فضائل القرآن میں حضرت ابوسعید

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں ایک جگہ اترے ہوئے تھے۔ ناگہاں ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ کھایا ہے، ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں، آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ جھاڑ پھونک بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ پڑھ کر دم کر دیا خدا کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لئے دودھ بھی بہت سارا بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے پوچھا، کیا تمہیں جھاڑ پھونک کا علم تھا؟ اس نے کہا میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے ہم نے کہا، اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھیڑو، پہلے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آ کر ہم نے حضورؐ سے ذکر کیا آپؐ نے فرمایا اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورت ہے؟ فرمایا، اس مال کے حصے کر لو میرا بھی ایک حصہ لگانا۔ صحیح مسلم شریف اور ابوداؤد میں یہ حدیث ہے۔ مسلم کی بعض روایتوں میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔

مسلم اور نسائی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضورؐ کے پاس آیا اور کہا خوش ہو جائیے دو نور آپؐ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گے سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ایک ایک حرف پر نور ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے پوچھا گیا کہ جب امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا پھر بھی چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف کر دیا ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے، وہ میں دیتا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حمد نی عبدی میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اثنی علی عبدی میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ پھر بندہ کہتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجد نی عبدی یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے، فوض الی عبدی یعنی میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا، میں دوں گا۔ پھر بندہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ تک پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لئے ہے۔ نسائی میں یہ روایت ہے۔ بعض روایات کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابوزرعہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث مطول موجود ہے۔ اس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ابن جریر کی ایک روایت میں حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ میرے لئے ہے اور جو باقی ہے وہ میرے بندے کے لئے ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اب اس حدیث کے فائدوں پر نظر ڈالئے۔ اول اس حدیث میں لفظ صلوۃ یعنی نماز کا اطلاق ہے اور مراد اس سے قراۃ ہے جیسے کہ قرآن میں اور جگہ پر ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ الخ، یعنی اپنی نماز (یعنی قراۃ) کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست آواز سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا کرو۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں صراحت سے مروی ہے کہ یہاں صلوۃ سے مراد قراۃ ہے اور اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں بھی قراۃ کو صلوٰۃ کہا ہے۔ اس سے نماز میں قراۃ کی جو عظمت ہے وہ معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قراۃ نماز کا اعلیٰ

رکن ہے اس لئے کہ عبادت کا مطلق نام لیا گیا اور اس کے ایک جزو یعنی قراۃ کا ذکر کیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کے برخلاف ایسا بھی ہوا ہے کہ قراۃ کا اطلاق کیا گیا اور مراد نماز لی گئی۔ فرمان ہے وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ الخ یعنی صبح کے قرآن پر فرشتے حاضر کئے جاتے ہیں۔ یہاں مراد قرآن سے نماز ہے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ ان آیات واحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قراۃ کا پڑھنا ضروری ہے اور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

دوم اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی ضروری ہے؟ یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے وہی کافی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی وغیرہ تو کہتے ہیں کہ اسی کا پڑھنا متعین نہیں۔ بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا۔ ان کی دلیل آیت فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ہے یعنی قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھ لو اور صحیحین کی حدیث ہے۔ جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو جو نماز جلدی جلدی پڑھ رہا تھا' فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ۔ پھر جو قرآن میں سے تجھے آسان نظر آئے پڑھ' وہ کہتے ہیں کہ حضور کا اس شخص کو یہ فرمانا اور سورۂ فاتحہ کا تعین نہ کرنا بتا رہا ہے' جو کچھ قرآن پڑھ لے' کافی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا ضروری ہے اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ان کے علاوہ اور سب آئمہ کرام کا یہی قول ہے امام مالک امام شافعیؒ امام احمد ابن حنبلؒ اور ان کے سب کے سب شاگرد وغیرہ اور جمہور علماء کرام کا یہی فرمان ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے جو اللہ کے رسول نے' اللہ تعالیٰ ان پر درود و رحمت بھیجے' بیان فرمائی ہے کہ جو شخص نماز پڑھے خواہ کوئی نماز ہو اور اس میں ام القرآن نہ پڑھے' وہ نماز ناقص ہے' پوری نہیں۔ اسی طرح ان بزرگوں کی یہ دلیل بھی ہے جو صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا۔ وہ نماز نہیں ہوتی جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ ہمیں یہاں پر مناظرانہ پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بہت لمبی بحثیں ہیں۔ ہم نے تو مختصراً ان بزرگوں کی دلیلیں بیان کر دیں (صحیح اور مطابق حدیث دوسرا قول ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم

اب یہ بھی سن لیجئے کہ امام شافعی وغیرہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا تو یہ مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ہر ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ حسن اور اکثر بصرہ کے لوگ کہتے ہیں کہ نمازوں میں سے کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں نماز کا ذکر مطلق ہے۔ ابوحنیفہؒ ان کے ساتھی ثوری اور اوزاعی کہتے ہیں اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ قرآن میں مَا تَیَسَّرَ (سورۂ مزمل:۲۰) کا لفظ ہے۔ واللہ اعلم لیکن یہ خیال رہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص فرض وغیرہ نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے اور ان سب باتوں کی تفصیل کا موقعہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم (صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم) سوم مقتدی پر سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کے مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر واجب ہے اسی طرح مقتدی پر بھی واجب ہے۔ اس کی دلیل وہ عام حدیثیں ہیں جو ابھی دوسرے فائدے کے بیان میں گذر چکیں۔ دوسرا یہ کہ سرے سے مقتدی کے ذمہ قراۃ واجب ہی نہیں' نہ یہ سورت نہ کچھ اور نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں۔ ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور یہ خود حضرت جابر کے قول سے مروی ہے۔ گو اس مرفوع حدیث کی اور سندیں بھی ہیں لیکن کوئی سند صحیح نہیں (واللہ اعلم)

تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستگی سے قراۃ پڑھے ان میں تو مقتدی پر قراۃ واجب ہے لیکن جن نمازوں میں اونچی قراۃ پڑھی جاتی ہے ان میں واجب نہیں- ان کی دلیل صحیح مسلم والی حدیث ہے جس میں ہے کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے- اس کی تکبیر سن کر تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تم چپ رہو- سنن میں بھی یہ حدیث ہے- امام مسلم نے اس کی تصحیح کی ہے- امام شافعی کا پہلا قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے- (صحیح اور مطابق حدیث اول قول ہے- ابوداؤ ترمذی نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو فرمایا کہ تم سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو- اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی- مترجم) ہماری غرض ان مسائل کو یہاں پر بیان کرنے سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ احکام کا جس قدر تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں- مسند بزار میں حدیث ہے- حضورؐ فرماتے ہیں جب تم بستر پر لیٹو اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ھو اللہ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں آ جاؤ گے-

اعوذ باللہ کی تفسیر اور اس کے احکام: ☆☆ قرآن پاک میں ہے خُذِ الْعَفْوَ الخ یعنی درگذر کرنے کی عادت رکھو- بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو- اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو- اور جگہ فرمایا اِدْفَع بِالَّتِیْ الخ برائی کو بھلائی سے ٹال دو- ہم ان کے بیانات کو خوب جانتے ہیں- کہا کرو کہ اللہ شیطان کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے ہم تیری مدد کے ذریعہ پناہ چاہتے ہیں اور جگہ ارشاد ہوتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَ الَّذِیْ الخ یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب والوں کا ہے جب شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ چاہو- یہ تین آیتیں ہیں اور اس معنی کی کوئی اور آیت نہیں- اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے اس کی دشمنی کا علاج یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک و احسان کرو تا کہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے- اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے اپنے ذریعہ پناہ لینی سکھائی- کیونکہ یہ پلید دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا- اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی میں ہی مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت باوا آدمؑ کے وقت سے ہے- قرآن فرماتا ہے اے بنی آدم دیکھو کہیں شیطان تمہیں بھی بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا- اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنی جماعت کو اس لئے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جائیں اور جگہ فرمایا کیا تم اس شیطان سے اور اس کی ذریات سے دوستی کرتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ وہ تو تمہارا دشمن ہے یاد رکھو ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے- یہی ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو اب خیال کر لیجئے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمارے لئے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا- ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے- اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ جب قران کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو- شیطان راندھے ہوئے سے ایمان دار توکل والوں پر اس کا کوئی زور نہیں- اس کا زور تو انہی پر ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور اس کو خدا کے ساتھ شریک کریں- قاریوں کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ قرآن پڑھ چکنے کے بعد اعوذ پڑھنی چاہئے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو قرآن کے طرز بیان پر عمل دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ- ابو حاتم بجستانی نے اور ابن فلوفا نے حمزہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے- جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ نے اپنی کتاب العبادۃ الکامل میں بیان کیا ہے- حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن سند غریب ہے- رازی نے اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابراہیم نخعی داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے- قرطبی نے امام مالک کا مذہب بھی یہی

بیان کیا ہے لیکن ابن العربی اسے غریب کہتے ہیں- ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول و آخر دونوں مرتبہ اعوذ پڑھے تا کہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے تا کہ وسوسے دور ہو جائیں تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنے "جب پڑھے" تو یعنی "جب پڑھنا چاہے تو" ہو جائیں گے جیسے کہ آیت اِذَا قُمْتُمْ الخ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (تو وضو کرلیا کرو) کے معنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو کے ہیں- حدیثوں کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں-

مسند احمد کی حدیث میں ہے' جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو الله اكبر کہہ کر نماز شروع کرتے- پھر سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا اله غيرك پڑھ کر تین مرتبہ لا اله الا الله پڑھتے- پھر فرماتے اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه- سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے-

امام ترمذی فرماتے ہیں' اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے- ہمز کے معنی گلا گھوٹنے کے اور نفخ کے معنی تکبر اور نفثه کے معنی شعر گوئی کے ہیں- ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ الله اكبر كبيرا تین مرتبہ الحمد لله كثيرا اور تین مرتبہ سبحان الله بكرة واصيلا پڑھتے پھر یہ پڑھتے اللهم انى اعوذ بك من الشيطان من همزه ونفخه ونفثه ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے- مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے- پھر تین مرتبہ سبحان الله وبحمده کہتے پھر اعوذ بالله آخر تک پڑھتے- مسند ابویعلی میں ہے کہ حضورؐ کے سامنے دو شخص لڑنے جھگڑنے لگے- غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے- آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ اعوذ بالله من الشيطان الرجيم کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے- نسائی نے اپنی کتاب عمل اليوم والليله میں بھی اسے روایت کیا ہے- مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے- اس کی ایک روایت میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ حضرت معاذؓ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا- امام ترمذیؒ فرماتے ہیں- یہ زیادتی والی روایت مرسل ہے اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ جو حضرت معاذ سے اسے روایت کرتے ہیں' ان کا حضرت معاذ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں بلکہ معاذ ان سے بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبدالرحمٰن نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے سنا ہو- وہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور اسے حضرت معاذؓ تک پہنچایا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ موجود تھے- صحیح بخاری' صحیح مسلم' ابوداؤد' نسائی میں بھی مختلف سندوں اور مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے- استعاذہ کے متعلق اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں' یہاں سب کو جمع کرنے سے طول ہوگا- ان کے بیان کے لئے اذکار و وظائف' فضائل و اعمال کے بیان کی کتابیں ہیں- واللہ اعلم- ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر حضور کے پاس آئے تو پہلے اعوذ پڑھنے کا کہا- تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب حضرت جبرئیل علیہ السلام محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا اعوذ پڑھئے- آپ نے فرمایا استعيذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا- کہئے بسم الله الرحمن الرحيم پھر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سب سے پہلے سورت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی' یہی ہے- لیکن یہ اثر غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف اور انقطاع ہے- ہم نے اسے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ معلوم رہے- واللہ اعلم-

مسئلہ: ☆☆ جمہور علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا مستحب ہے' واجب نہیں کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو- عطا بن ابورباح کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے- خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں' امام رازی نے یہ قول نقل کیا ہے- ابن سیرین فرماتے

ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے- حضرت عطاء کے قول کی دلیل آیت کے ظاہری الفاظ ہیں کیونکہ اس میں فاستعذ امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے- اسی طرح حضورؐ کا اس پر ہمیشگی کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے- وجوب کا طریقہ یہ بھی ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا حضورؐ پر واجب تھا' آپ کی امت پر واجب نہیں- امام مالکؒ سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں اعوذ نہ پڑھے اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں اعوذ پڑھ لے-

مسئلہ: ☆☆ امام شافعیؒ ''املا'' میں لکھتے ہیں کہ اعوذ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں اور ''ام'' میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ سے پوشیدہ پڑھنا اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے- پہلی رکعت کے سوا اور رکعتوں میں اعوذ پڑھنے میں امام شافعی کے دو قول ہیں- ایک مستحب ہونے کا اور دوسرا مستحب نہ ہونے کا اور ترجیح دوسرے قول کو ہی ہے- واللہ اعلم- صرف اعوذ بالله من الشيطان الرجيم کہہ لینا امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو کافی ہے لیکن بعض کہتے ہیں اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم ان الله هو السميع العليم پڑھے- ثوری اور اوزاعی کا یہی مذہب ہے- بعض کہتے ہیں استعيذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھے تا کہ آیت کے پورے الفاظ پر عمل ہو جائے اور ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل ہو جائے جو پہلے گذر چکی- لیکن جو صحیح حدیثیں پہلے گذر چکیں وہی اتباع میں اولیٰ ہیں- واللہ اعلم- نماز میں اعوذ کا پڑھنا ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک تو تلاوت کے لئے ہے اور ابو یوسف کے نزدیک نماز کے لئے ہے- تو مقتدی کو بھی پڑھ لینا چاہئے اگر چہ وہ قرأت نہیں پڑھے گا اور عید کی نماز میں بھی پہلی تکبیر کے بعد پڑھ لینا چاہئے- جمہور کا مذہب ہے کہ عید کی تکبیریں کل کہہ کر پھر اعوذ پڑھے پھر قرات پڑھے- اعوذ میں عجیب وغریب فوائد ہیں- واہی تباہی باتوں سے منہ میں جو ناپا کی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے- اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرتوں کا اقرار کرنا ہے اور اس باطنی کھلے ہوئے دشمن کا مقابلہ ہو سکتا ہے- احسان اور سلوک سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے جیسے کہ قرآن پاک کی ان تین آیتوں میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں- اور جگہ ارشاد الٰہی ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ الخ' یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں- رب کی وکالت (ذمہ داری) کی نفی ہے- اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں اپنے پاک فرشتے بھیجے اور انہیں نیچا دکھایا- یہ یاد رکھنے کے قابل امر ہے کہ جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے' وہ شہید ہے لیکن جو اس باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ سے مارا جائے وہ راندۂ درگاہ ہے- جس پر کفار غالب آ جائیں وہ اجر پاتا ہے لیکن جس پر شیطان غالب آ جائے وہ ہلاک و برباد ہوتا ہے- چونکہ شیطان انسان کو دیکھتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ سکتا' اس لئے قرآنی تعلیم ہوئی کہ تم اس کے شر سے اس کی یاد کے ذریعہ پناہ چاہو جو اسے دیکھتا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ سکتا-

فصل: ☆☆ آعوذ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرآتا ہے ''عیاذہ'' کے معنی برائی کے دفع کرنے کے ہیں اور ''لیاذہ'' کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں متنبیؔ کا شعر ہے ؎

یا من الوذ به فی ما او مله و من اعوذ به مما احاذره
لا یجبر الناس عظما انت کاسره و لا یهینون عظما انت جابره

اے وہ پاک ذات جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اے وہ پروردگار تمام برائیوں سے میں اس کی مدد کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں' جسے وہ توڑے' اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے وہ جوڑ دے' اسے کوئی توڑ نہیں سکتا- اعوذ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ

پناہ لیتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں ان سے رک جاؤں اور جن کاموں سے مجھ کو منع کیا گیا ہے' ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ بد افعال سرزد ہو جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اسی لئے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک و احسان وغیرہ بتلائی اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتلائی کہ ہم اس ذات پاک کے ذریعہ پناہ طلب کریں۔ اس لئے کہ نہ تو اسے رشوت دی جا سکے نہ وہ بھلائی اور سلوک کے سبب اپنی شرارت سے باز آئے۔ اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تینوں پہلی آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ "سورۂ اعراف" میں ہے خُذِ الْعَفْوَ الخ اور سورۂ "مومنون" میں ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ الخ اور سورۂ حٰم سجدہ میں ہے وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ الخ ان تینوں آیتوں کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ لفظ شیطان شطن سے بنا ہے۔ اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے' اس لئے اسے شیطان کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شاط سے مشتق ہے اس لئے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے اور شاط کے معنی یہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں لیکن اول زیادہ صحیح ہے۔ عرب شاعروں کے شعر بھی اس کی تصدیق میں کہے گئے ہیں۔ امیہ بن ابوصلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ شطن سے مشتق ہے جو دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ جب کوئی شیطان کام کرے تو عرب کہتے ہیں تشیطن فلان یہ نہیں کہتے کہ تشیط فلان اس سے ثابت ہوتا ہے یہ لفظ شاط سے نہیں بلکہ شطن سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہیں' جو جن و انس و حیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین جن و انس کئے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے کی بناوٹی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے کہ حضورؐ نے انہیں فرمایا' اے ابوذر! جنات اور انسان کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ پناہ طلب کرو۔ میں نے کہا کیا انسان میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپؐ نے فرمایا ہاں۔ صحیح مسلم شریف میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کو عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔ میں نے کہا حضور سرخ زرد کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کالا کتا شیطان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ ناز و خرام سے چلتا ہے حضرت عمر اسے مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اکڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے' آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لئے کسی شیطان کو پکڑ لائے' میرے نفس میں تکبر آنے لگا' چنانچہ میں نے اس سے اتر پڑنا ہی مناسب سمجھا۔

رجیم فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ محروم ہے یعنی ہر بھلائی سے دور ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ الخ ہم نے دنیا کے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم بنایا اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا الخ یعنی ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ وہ اعلیٰ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے مارے جاتے ہیں بھگانے کے لئے اور لازمی عذاب ان کے لئے ہے جو ان میں سے کوئی بات اچک کر بھاگتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک چمکیلا شعلہ لگ جاتا ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ یعنی ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے زینت دی اور اسے ہر راندے ہوئے شیطان سے ہم نے محفوظ کر لیا مگر جو کسی بات کو چرا لے جائے' اس کے پیچھے چمکتا ہوا شعلہ لگتا ہے۔ اسی طرح کی اور آیتیں بھی ہیں۔ رجیم کے ایک معنے راجم کے بھی کئے گئے ہیں۔ چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں سے اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے' اس لئے اسے رجیم یعنی راجم کہتے ہیں۔ اب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر سنئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے ○

کیا بسم اللہ قرآن کریم کی مستقل آیت ہے؟ ☆☆ صحابہؓ نے اللہ کی کتاب کو اسی سے شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سورۂ نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں خود مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ ہر سورت کی آیت کا جزو ہے یا صرف سورۂ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے؟ اور خود آیت نہیں ہے؟ علماء سلف اور متاخرین کا ان آرا میں اختلاف چلا آتا ہے۔ ان کی تفصیل اپنی جگہ پر موجود ہے۔

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک آپ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل نہیں ہوتی تھی۔ یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ ایک مرسل حدیث میں یہ روایت حضرت سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کیا لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم حضرت عطا، حضرت طاؤس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مکحول اور حضرت زہری رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے آغاز میں ایک مستقل آیت ہے سوائے سورۂ برات کے۔ ان صحابہ اور تابعین کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے البتہ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ نہ تو سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن کسی اور سورۃ کی نہیں۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر سورت کے اول کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤد کہتے ہیں کہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے۔ سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابوبکر رازیؒ نے ابوحسن کرخیؒ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے بڑے پایہ کے ساتھی تھے۔ یہ تو تھی بحث بِسْمِ اللّٰهِ کے سورۂ فاتحہ کی آیت ہونے یا نہ ہونے کی۔ (صحیح مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کہیں قرآن پاک میں یہ آیت شریفہ ہے وہاں مستقل آیت ہے۔ واللہ اعلم (مترجم)

بسم اللہ با آواز بلند یا دبی آواز سے؟ ☆☆ اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اسے با آواز بلند پڑھنا چاہئے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں، وہ بھی اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے اول سے ہے۔ ان میں اختلاف ہے۔ شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہئے۔ صحابہؓ تابعین اور مسلمانوں کے اگلے اور پچھلے اماموں کی جماعتوں کا یہی مذہب ہے۔ صحابہؓ میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، ابن عباس، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہیں بیہقیؒ ابن عبدالبرؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی روایت کیا اور امام خطیب

بغدادیؒ نے چاروں خلیفوں سے بھی روایت کیا لیکن بسند غریب بیان کیا ہے۔

تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت عکرمہ، حضرت ابو قلابہ، حضرت زہری، حضرت علی بن حسن، ان کے لڑکے محمد، سعید بن مسیب، عطا طاؤس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب قرظی، عبید، ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابو وائل ابن سیرین کے مولیٰ زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ارزق بن قیس، حبیب بن ابی ثابت، ابو شعثاء مکحول، عبداللہ بن معقل بن مقرن اور بروایت بیہقی، عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ اور بروایت ابن عبدالبر عمرو بن دینار رحمہم اللہ سب کے سب ان نمازوں میں جن میں قرات اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے، بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۂ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے ہی پڑھنی چاہیے۔ علاوہ ازیں سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی اور قرأت میں اونچی آواز سے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بھی پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا، میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں۔ اس حدیث کو دارقطنی، خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا انداز قرأت: ☆☆ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قرات کس طرح تھی۔ فرمایا کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ لمبا کر کے پڑھتے تھے، پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی۔ بسم اللہ پر مد کیا۔ الرحمٰن پر مد کیا۔ الرحیم پر مد کیا۔ مسند احمد، سنن ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ کی قرأت الگ الگ ہوتی تھی جیسے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پھر ٹھہر کر اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ پھر ٹھہر کر الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پھر ٹھہر کر مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ دارقطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ امام شافعیؒ، امام حاکمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جو مہاجر اصحابؓ وہاں موجود تھے، انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ غالباً اتنی ہی احادیث و آثار اس مذہب کی حجت کے لئے کافی ہیں۔ باقی رہے اس کے خلاف آثار، روایات، ان کی سندیں، ان کی تعلیل، ان کا ضعف اور ان کی تقاریر وغیرہ، ان کا دوسرے مقام پر ذکر اور ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو زور سے نہ پڑھنا چاہیے۔ خلفاء اربعہ اور عبداللہ بن معقل، تابعین اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہی ثابت ہے۔ ابو حنیفہؒ، ثوریؒ، احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ سرے سے بسم اللہ پڑھے ہی نہیں نہ تو آہستہ نہ بلند۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے ہی شروع کیا کرتے تھے۔ صحیحین میں ہے، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں، میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی، یہ سب اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے شروع کرتے تھے۔ مسلم میں ہے کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ تو قرات کے شروع میں نہ اس قرات کے آخر میں۔ سنن میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ ہے دلیل ان ائمہ کے بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی۔ یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے فالحمدہ

للہ (بسم اللہ کا مطلق نہ پڑھنا تو ٹھیک نہیں۔ بلند و پست پڑھنے کی احادیث میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ دونوں جائز ہیں گو پست پڑھنے کی احادیث قدرے زوردار ہیں۔ واللہ اعلم (مترجم)

فصل بسم اللہ کی فضیلت کا بیان: ☆☆ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی نسبت سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔ ابن مردویہ میں بھی یہی روایت ہے۔ ابن مردویہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا تو اس نے کہا، لکھئے بسم اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا بسم اللہ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا، میں نہیں جانتا۔ آپؑ نے فرمایا ''ب'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا ''بہا'' یعنی بلندی ہے اور ''س'' سے مراد اس کی سنا یعنی نور اور روشنی ہے اور ''م'' سے مراد اس کی مملکت یعنی بادشاہی ہے اور اللہ کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو اور رحمٰن کہتے ہیں، دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والے کو، ''رحیم'' کہتے ہیں آخرت میں کرم و رحم کرنے والے کو۔ ابن جریر میں بھی یہی روایت ہے لیکن سند کی رو سے یہ بے حد غریب ہے۔ ممکن ہے کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں میں سے ہو۔ مرفوع حدیث نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو کسی اور نبی پر سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے نہیں اتری۔ وہ آیت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب یہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اتری، بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں ساکن ہو گئیں۔ سمندر ٹھہر گیا۔ جانوروں نے کان لگا لئے۔ شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے گا، اس میں ضرور برکت ہوگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم کے انیس داروغوں سے جو بچنا چاہے، وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے، اس کے بھی انیس حروف ہیں۔ ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ بن جائے گا۔ اسے ابن عطیہؒ نے بیان کیا ہے۔ اس کی تائید ایک اور حدیث بھی ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا، میں نے تیس سے اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے۔ یہ حضور نے اس وقت فرمایا تھا جب ایک شخص نے رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ پڑھا تھا۔ اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔ اتنے ہی فرشتے اترے۔ اسی طرح بسم اللہ میں بھی انیس حروف ہیں اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپؐ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے، ان کا بیان ہے کہ حضورؐ کی اونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا، شیطان کا ستیاناس ہو۔ آپؐ نے فرمایا یہ نہ کہو اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں بسم اللہ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔ نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے نقل کیا ہے اور صحابی کا نام اسامہ بن عمیر بتایا ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ بسم اللہ کہہ کہ بسم اللہ کی برکت سے شیطان ذلیل ہو گا۔ اسی لئے ہر کام اور ہر بات کے شروع میں بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے، وہ بے برکتا ہوتا ہے۔

پاخانہ میں جانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ وضو کے وقت بھی پڑھ لے۔ مسند احمد اور سنن میں ابو ہریرہ، سعید بن زید اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے، اس کا وضو نہیں ہوتا''۔ یہ

حدیث حسن ہے۔ بعض علماء تو وضو کے وقت آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا واجب بتاتے ہیں۔ بعض مطلق وجوب کے قائل ہیں۔

جانور کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعیؒ اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ بعضوں نے یاد آنے کے وقت اور بعضوں نے مطلقاً اسے واجب کہا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ ''جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بسم اللہ پڑھ لے اور خدا کوئی اولاد بخشے تو اس کے اپنے اور اس کی اولاد کے سانسوں کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی'' لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے 'میں نے تو یہ کہیں معتبر کتاب میں نہیں پائی۔ کھاتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن ابوسلمہؓ سے فرمایا (جو آپ کی پرورش میں حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے اگلے خاوند سے تھے) کہ بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھایا کرو''۔ بعض علماء اس وقت بھی بسم اللہ کا کہنا واجب بتلاتے ہیں۔

بیوی سے ملنے کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے بِسۡمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبۡنَا الشَّيۡطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيۡطَانَ مَا رَزَقۡتَنَا یعنی اے خدا ہمیں اور جو ہمیں تو دے اسے شیطان سے بچا۔'' فرماتے ہیں کہ اگر اس جماع سے حمل ٹھہر جائے تو اس بچہ کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ کی ''ب'' کا تعلق کس سے ہے۔ نحویوں کے اس میں دو قول ہیں اور دونوں ہی تقریباً ہم خیال ہیں۔ بعض اسم کہتے ہیں اور بعض فعل۔ ہر ایک کی دلیل قرآن سے ملتی ہے جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتاتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ بسم اللہ ابتدائی یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن میں ہے ارۡكَبُوۡا فِيۡهَا بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَمُرۡسٰهَا الخ اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے اور جو لوگ فعل مقدر بتاتے ہیں چاہے وہ امر ہو یا خبر جیسے کہ اِبۡدَأۡ بِسۡمِ اللّٰهِ اور اِبۡتَدَأۡتُ بِسۡمِ اللّٰهِ ان کی دلیل آیت اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ دراصل دونوں ہی صحیح ہیں' اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے۔ تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو مطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا ہے۔ کھڑا ہونا ہو' بیٹھنا ہو' کھانا ہو' پینا ہو' قران کا پڑھنا ہو' وضو اور نماز وغیرہ ہو' ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لئے' امداد چاہنے کے لئے اور قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مشروع ہے واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں روایت ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا اے محمد کہئے اَسۡتَعِيۡذُ بِاللّٰهِ السَّمِيۡعِ الۡعَلِيۡمِ مِنَ الشَّيۡطَانِ الرَّجِيۡمِ پھر کہا' کہئے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ مقصود یہ تھا کہ اٹھنا' بیٹھنا' پڑھنا سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔''

بے معنی بحث: ☆☆ اسم یعنی نام ہی مسمّٰی یعنی نام والا ہے یا کچھ اور۔ اس میں اہل علم کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسم ہی مسمّٰی ہے۔ ابوعبیدہ کا اور سیبویہ کا بھی یہی قول ہے۔ باقلانی اور ابن نورک کی رائے بھی یہی ہے۔ ابن خطیب رازی اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں۔ حشویہ اور کرامیہ اور اشعریہ تو کہتے ہیں' اسم نفس مسمّٰی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسمّٰی کا غیر ہے اور نفس تسمیہ ہے ہمارے نزدیک اسم مسمّٰی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسم سے مراد لفظ ہے جو آوازوں کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے تو بالبداہت ثابت ہے کہ یہ مسمّٰی کا غیر ہے اور اگر اسم سے مراد ذات مسمّٰی ہے تو یہ وضاحت کو ظاہر کرتا ہے جو محض بیکار ہے۔ ثابت ہوا کہ اس بیکار بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد جو لوگ اسم اور مسمّٰی کے فرق پر اپنے دلائل لائے ہیں' ان کا کہنا ہے محض اسم ہوتا ہے مسمّٰی ہوتا ہی نہیں جیسے معدوم کا لفظ۔ کبھی ایک مسمّٰی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مشترک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اور چیز ہے اور مسمّٰی اور چیز ہے یعنی

نام الگ ہے۔ اور نام والا الگ ہے اور دلیل سنئے' کہتے ہیں اسم تو لفظ ہے دوسرا عرض ہے۔ مسمّٰی کبھی ممکن یا واجب ذات ہوتی ہے۔ اور سنئے اگر اسم ہی کو مسمّٰی مانا جائے تو چاہئے کہ آگ کا نام لیتے ہی حرارت محسوس ہو اور برف کا نام لیتے ہی ٹھنڈک۔ جبکہ کوئی عقل مند اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اور دلیل سنئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ کے بہت سے بہترین نام ہیں' تم ان ناموں سے اسے پکارو۔ حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو خیال کیجئے کہ نام کس قدر بکثرت ہیں حالانکہ مسمّٰی ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔ اسی طرح اسماء کو اللہ کی طرف اس آیت میں مضاف کرنا' اور جگہ فرمانا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ وغیرہ یہ اضافت بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ اسم اور ہو اور مسمّٰی اور۔ کیونکہ اضافت کا مقتضا مغائرت ہے۔ اسی طرح یہ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وظله الاسماء الحسنٰی یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں کے ساتھ پکارو۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نام اور ہے اور نام والا اور۔ اب ان کے دلائل بھی سنئے جو اسم اور مسمّٰی کو ایک ہی بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ والے تیرے رب کا بابرکت نام ہے۔ تو نام برکتوں والا فرمایا حالانکہ خود اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اس مقدس ذات کی وجہ سے اس کا نام بھی عظمتوں والا ہے۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ زینت پر طلاق ہے تو طلاق اس کی بیوی جس کا نام زینت ہے ہو جاتی ہے۔ اگر نام اور نام والے میں فرق ہوتا تو نام پر طلاق پڑتی' نام والے پر کیسے پڑ جاتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس ذات پر طلاق ہے جس کا نام زینت ہے۔ تسمیہ کا اسم سے الگ ہونا اس دلیل کی بنا پر ہے کہ تسمیہ کہتے ہیں کسی کا نام مقرر کرنے کو اور ظاہر ہے یہ اور چیز ہے اور نام والا اور چیز ہے۔ رازی کا قول یہی ہے' یہ سب کچھ تو لفظ ''باسم'' کے متعلق تھا۔ اب لفظ ''اللہ'' کے متعلق سنئے۔ اللہ خاص نام ہے رب تبارک وتعالیٰ کا۔ کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے اس لئے کہ تمام عمدہ صفتوں کے ساتھ ہی موصوف ہوتا ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ہے هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ یعنی وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے' جو رحم کرنے والا مہربان ہے۔ وہی اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' جو بادشاہ ہے' پاک ہے' سلامتی والا ہے' امن دینے والا ہے' محافظ ہے' غلبہ والا ہے' زبردست ہے' بڑائی والا ہے' وہ ہر شرک سے اور شرک کی چیز سے پاک ہے' وہی اللہ پیدا کرنے والا' مادہ کو بنانے والا' صورت بخشنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین پاکیزہ نام ہیں۔ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ وہ عزتوں اور حکمتوں والا ہے۔ ان آیتوں میں تمام نام صفاتی ہیں۔ نام اور لفظ اللہ ہی کی صفت ہیں یعنی اصلی نام اللہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ ہی کے لئے ہیں پاکیزہ اور عمدہ عمدہ نام۔

اللہ نے اپنے تمام (صفاتی) نام خود تجویز فرمائے ہیں: ☆☆ پس تم اس کو ان ہی ناموں سے پکارو۔ اور فرماتا ہے اللہ کو پکارو۔ یا رحمٰن کو پکارو' جس نام سے پکارو' اسی کے پیارے پیارے اور اچھے اچھے نام ہیں' بخاری مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم ایک سو' جو انہیں یاد کر لے جنتی ہے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے اور دونوں کی روایتوں میں الفاظ کی کچھ تبدیلی کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں۔ ایک ہزار تو قرآن شریف اور صحیح حدیث میں ہیں اور ایک ہزار توراۃ میں اور ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں۔

اللہ کے مترادف المعنی کوئی نام نہیں! ☆☆ اللہ ہی وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے۔ اس کا باب کیا ہے بلکہ ایک بہت بڑی نحویوں کی جماعت کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔ قرطبیؒ نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے' جن میں حضرت امام شافعیؒ امام خطابیؒ' امام

الحرمینؒ امام غزالیؒ بھی شامل ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ الف لام اس میں لازم ہے۔ امام خطابی نے اس کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ یا اللہ اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ ''یا'' داخل نہ ہوسکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا الف لام والے اسم پر داخل نہ ہوسکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا کا لفظ لام والے اسم میں داخل ہونا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر روبہ بن لجاج کا ایک شعر دلیل لاتے ہیں جس میں مصدر تَاَلَّہَ کا بیان ہے جس کا ماضی مضارع اَلَہَ یَاَلَہ' اَلْھَۃً اور تَاَ لُّھًا ہے جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ وَیَذَرُكَ اَلْھَتَكَ پڑھتے تھے۔ مراد اس سے عبادت ہے۔ یعنی اس کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں۔ بعض نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ اور آیت میں ہے وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ یعنی وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے۔ سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں کہ اصل میں یہ اِلٰہٌ تھا جیسے فِعَالٌ پھر ہمزہ کے بدلے الف و لام لایا گیا جیسے ''اَلنَّاس'' کہ اس کی اصل ''اُنَاسٌ'' ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس لفظ کی اصل اَلِاہٌ ہے الف لام حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے۔ سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ کسائی اور فرا کہتے ہیں کہ اس کی اصل الالہ تھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کیا جیسے کہ لٰکِنَّا ھُوَ اللّٰہ رَبِّیْ میں لٰکِنْ اَنَا کا لٰکِنَّا ہوا ہے چنانچہ حسن کی قرات میں لٰکِنْ اَنَا ہی ہے اور اس کا اشتقاق وَلِہَ سے ہے اور اس کے معنی تحیر ہیں وَلَہٌ عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔ جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ میں اور اس کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران و پریشان ہو جاتی ہے' اس لئے اس پاک ذات کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر اصل میں یہ لفظ وِلَاہٌ تھا۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے کہ وِشَاحٌ اور وِسَادَۃٌ میں اشاح اور اسادہ کہتے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ لفظ اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ سے مشتق ہے جو کہ معنی میں ''سَکَنْتُ'' کے ہے یعنی میں نے فلاں سے سکون اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر سے ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے' اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ الخ یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لَاہَ یَلُوْہُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھپ جانے اور حجاب کرنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلِہَ الْفَصِیْلُ سے ہے چونکہ بندے اسی کی طرف تضرع اور زاری سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں' اس لئے اسے اللہ کہا گیا' ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب اَلِہَ الرَّجُلُ یَأْلُہُ اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچالے۔ چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے' اس لئے اس کو اللہ کہتے ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں ہے وَّھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ یعنی وہی بچاتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی نہیں بچایا جاتا (وھو منعم) حقیقی منعم وہی ہے۔ فرماتا ہے تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں' وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ وہی مطعم ہے۔ فرمایا' وہ کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا۔ وہی موجد ہے۔ فرماتا ہے' ہر چیز کا وجود اللہ کی طرف سے ہے۔ رازیؒ کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ اللہ مشتق نہیں ہے۔ خلیل' سیبویہ اکثر اصولیوں اور فقہا کا یہی قول ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں۔ اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔

پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور بہت سی اس کی صفتیں آتی ہیں جیسے رحمٰن' رحیم' مالک' قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں' قرآن میں ایک جگہ عَزِیْزُ الْحَمِیْدُ لِلّٰہِ الخ جو آتا ہے' وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کی یہ بھی ہے ھَلْ تَعْلَمُ

لَهٗ سَمِيًّا یعنی کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟ لیکن یہ غور طلب ہے واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے لیکن رازیؒ نے اس قول کو ضعیف کہا ہے اور فی الواقع ضعیف ہے بھی۔ رازیؒ فرماتے ہیں کہ ''مخلوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو معرفت خداوندی کے کنارے پر پہنچ گئے۔ دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں۔ جو حیرت کے اندھیروں میں اور جہالت کی پرخار وادیوں میں پڑے ہیں۔ وہ تو عقل کو رو بیٹھے اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں' جو نورانیت کے وسیع باغوں میں جا ٹھہرے' جو کبریائی اور جلال کی وسعت کا اندازہ کر چکے ہیں' وہ بھی یہاں تک پہنچ کر حیران و ششدر رہ گئے ہیں۔

غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجز اور سرگشتہ و حیران ہے''۔ ان معانی کی بناء پر اس پاک ذات کا نام اللہ ہے۔ ساری مخلوق اس کی محتاج' اس کے سامنے جھکنے والی اور اس کی تلاش کرنے والی ہے۔ اس حقیقت کی وجہ سے اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ خلیل کا قول ہے' عرب کے محاورے میں ہر اونچی اور بلند چیز کو ''لاہ'' کہتے ہیں۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تب بھی وہ کہتے ہیں لَاهَتِ الشَّمْسُ چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلند و بالا ہے' اس کو بھی اللہ کہتے ہیں اور الہ کے معنی عبادت کرنے اور تالہ کے معنی حکم برداری اور قربانی کرنے کے ہیں اور رب عالم کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں' اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں۔ ابن عباس کی قرات میں ہے وَيَذَرَكَ وَاِلٰهَتَكَ اس کی اصل الالہ ہے پس صرف کلمہ کی جگہ جو ہمزہ ہے وہ حذف کیا گیا۔ پھر نفس کلمہ کا لام زائد لام سے جو تعریف کے لئے لایا گیا ہے ملا دیا گیا پھر ایک کو دوسرے میں مدغم کر دیا گیا تو ایک لام مشدد رہ گیا اور تعظیماً اللہ کہا گیا۔ یہ تو تفسیر لفظ ''اللہ'' کی تھی۔

الرحمٰن اور الرحیم کے معنی: ☆☆ الرحمٰن الرحیم کا بیان آئے گا۔ یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ دونوں میں مبالغہ ہے الرحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ علامہ ابن جریرؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی ان معنوں سے متفق ہیں گویا اس پر اتفاق ہے بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ان معنوں پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی پہلے گذر چکا ہے کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن مشتق نہیں ہے اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ ملتا حالانکہ قرآن میں بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا آیا ہے۔ مبرد کہتے ہیں رحمٰن عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابو اسحاق زجاج معانی القرآن میں کہتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے۔ اور رحمٰن عبرانی ہے۔ دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے لیکن ابو اسحٰق فرماتے ہیں ''اس قول کو دل نہیں مانتا''۔ قرطبی فرماتے ہیں ''اس لفظ کے مشتق ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ترمذی کی صحیح حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اس کے توڑنے والے کو کاٹ دوں گا۔

اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا' یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ ''رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں اور جیسے نَدْمَانٌ اور نَدِيْمٌ''۔ ابو عبید کا بھی یہی خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فَعْلَانٌ فَعِيْلٌ کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے جیسے غضبان اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو بہت ہی غصہ والا ہو اور فعیل صرف فاعل اور صرف مفعول کے لئے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔ ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ رحمٰن عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رحیم باعتبار مومنوں کے ہے۔ فرمایا ہے وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا مومنوں کے ساتھ رحیم ہے''۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''یہ دونوں رحمت و رحم والے ہیں' ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت و رحم ہے''۔

حضرت ابن عباس کی اس روایت میں لفظ ارق ہے۔ اس کے معنی خطابی وغیرہ ارفق کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ رفق یعنی نرمی اور مہربانی والا ہے۔ وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے۔ وہ دوسروں پر نرمی اور آسانی کرنے والے کو وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی کرنے والے پر عطا نہیں فرماتا''۔ ابن المبارک فرماتے ہیں، رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے، عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے، وہ غضبناک ہو''۔ ترمذی کی حدیث میں ہے ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔'' بعض شاعروں کا قول ہے۔

الله يغضب ان تركت سواله وبنیٓ ادم حين يسئال يغضب

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزامی فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قران کریم کی دو آیتوں ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں استویٰ کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا تا کہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ رحیم فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا پس معلوم ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ بہ نسبت رحیم کے بہت زیادہ ہے لیکن حدیث کی ایک دعا میں يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا بھی آیا ہے۔ رحمٰن یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا نام نہیں۔ جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو۔ جس نام سے چاہو اسے پکارو۔ اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ یعنی ان سے پوچھ لو۔ تجھ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے، کیا انہوں نے رحمٰن کے سوا کسی کو معبود کہا تھا کہ ان کی عبادت کی جائے۔ جب مسیلمہ کذاب نے بڑھ چڑھ کر دعوے شروع کئے اور اپنا نام رحمٰن العیامہ رکھا تو پروردگار نے اسے بے انتہا رسوا اور برباد کیا، وہ جھوٹ اور کذب کی علامت مشہور ہو گیا۔ آج اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہر دیہاتی اور شہری ہر کچے پکے گھر والا اسے بخوبی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں رحمٰن سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے کہ اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کی گئی ہے اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے، زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ اس نام میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، سب سے پہلے اس کی صفت رحمٰن بیان کی گئی اور یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے جیسے فرمادیا کہ اللہ کو یا رحمٰن کو پکارو، جس نام سے چاہو پکارو، اس کے لئے اسماء حسنیٰ بہت سارے ہیں۔ مسیلمہ نے بدترین جرأت کی لیکن برباد ہوا اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی کسی کے دل میں نہ آئی۔ رحیم کے وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے۔ فرماتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ الخ اس آیت میں اپنے نبی کو رحیم کہا، اسی طرح اپنے بعض ایسے ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے وابستہ کیا ہے جیسے آیت اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الخ میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسروں پر بھی ہم معنی ہونے کا اطلاق ہو سکتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہو سکتا جیسے اللہ اور رحمٰن، خالق اور رزاق وغیرہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا نام اللہ پھر اس کی صفت رحمٰن سے کی۔ اس لئے کہ رحیم کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ قاعدہ ہے کہ اول سب سے زیادہ بزرگ نام لیا جاتا ہے اس لئے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام لیا گیا پھر اس سے کم۔ پھر اس سے کم۔ اگر کہا جائے کہ جب رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ موجود ہے پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عطا خراسانی کا یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے رحمٰن کا نام بھی غیروں کا رکھ لیا تھا، اس لئے رحیم کا لفظ بھی ساتھ لگایا گیا تا کہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔

رحمٰن ورحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا نام ہے۔ ابن جریر نے تاہم اس قول کی تصدیق کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب رحمٰن سے واقف ہی نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ نازل فرما کران کی تردید کی۔ حدیبیہ والے سال جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو کفار نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن یمامہ کو جانتے ہیں۔ کسی اور رحمٰن کو نہیں جانتے۔ اسی طرح قرآن پاک میں ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ الخ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے سامنے سجدہ کرو تو وہ حیران زدہ ہو کر جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں۔ درحقیقت یہ بدکار لوگ صرف عناد، تکبر، سرکشی اور دشمنی کی بنا پر رحمٰن سے انکار کرتے تھے نہ کہ وہ اس نام سے ناآشنا تھے۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانے کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن موجود ہے جو انہی کے سلامہ اور دوسرے شعراء کے اشعار میں ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن جریر میں ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے کہ رحمٰن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب سے ہے۔ وہ اللہ رفیق اور رقیق ہے جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے۔ اسی طرح اس کے تمام نام ہیں۔ حسنؒ فرماتے ہیں، رحمٰن کا نام دوسروں کے لئے منع ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے، لوگ اس نام پر کوئی حق نہیں رکھتے۔ ام سلمہؓ والی حدیث، جس میں ہے کہ ہر آیت پر حضور ٹھہرا کرتے تھے، پہلے گذر چکی ہے اور ایک جماعت اسی طرح بسم اللہ کو آیت قرار دے کر آیت الحمد کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زیر دیتے ہیں۔ جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ کوفی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم کے زیر سے پڑھتے ہیں، ہمزہ کی حرکت زبر میم کو دیتے ہیں جیسے الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ بن عطیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قرأت کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر ختم ہوئی۔ اب آگے سنئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ○

الحمد للہ کی تفسیر: ☆☆(آیت:۱) ساتوں قاری اَلْحَمْدُ کو دال پر پیش سے پڑھتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو مبتدا خبر مانتے ہیں۔ سفیانؒ بن عیینہ اور روبہ بن عجاجؒ کا قول ہے کہ دال پر زبر کے ساتھ ہے اور فعل یہاں مقدر ہے۔ ابن ابی عبلہؒ اَلْحَمْدُ کی دال کو اور للہ کے پہلے لام دونوں کو پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس لام کو پہلے کے تابع کرتے ہیں اگرچہ اس کی شہادت عربی زبان میں ملتی ہے مگر اس کی شہادت زبان عرب سے ملتی ہے، شاذ ہے۔ حسنؒ اور زید بن علی ان دونوں حرفوں کو زیر سے پڑھتے ہیں اور لام کے تابع دال کو کرتے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں، خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔ اس وجہ سے کہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن بھی نہیں سکتے، اس مالک کے سوا اور کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا، اسی کی طرف سے ہیں۔ اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا فرمائے۔ اسی نے اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے تمام جسمانی نعمتیں ہمیں بخشیں۔ پھر بے شمار دنیاوی نعمتیں اور زندگی کی تمام ضروریات ہمارے کسی حق کے بغیر ہمیں بن مانگے بخشیں۔ اس کی ہمیشگی والی نعمتیں، اس کے تیار کردہ پاکیزہ مقام جنت کو ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ بھی اس نے ہمیں سکھا دیا۔ پس ہم تو کہتے ہیں کہ اول و آخر اسی مالک کی پاک ذات ہر طرح کی تعریف اور حمد و شکر کے لائق ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ ثنا کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا خود آپ کی ہے اور اسی ضمن میں یہ فرما دیا ہے کہ تم کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ بعض نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفتوں سے اس کی ثنا کرنا ہے۔ اور اَلشُّکْرُ لِلّٰہِ کہنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ عربی زبان کو جاننے والے علماء کا اتفاق ہے کہ شکر کی جگہ حمد کا لفظ اور حمد کی جگہ شکر کا لفظ بولتے ہیں۔ جعفر صادقؒ ابن عطا صوفی بھی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہے۔ قرطبیؒ نے ابن جریر کے قول کو معتبر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ شُکْرًا کہے تو جائز ہے۔ دراصل علامہ ابن جریر کے اس دعویٰ میں اختلاف ہے، پچھلے علماء میں مشہور ہے کہ حمد کہتے ہیں زبانی تعریف بیان کرنے کو، خواہ جس کی حمد کی جاتی ہو اس کی لازم صفتوں پر ہو یا متعدی صفتوں پر اور شکر صرف متعدی صفتوں پر ہوتا ہے اور وہ دل، زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار بھی اس پر دلیل ہیں۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حمد کا لفظ عام ہے یا شکر کا اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عموم اس حیثیت سے خصوص ہے کہ حمد کا لفظ جس پر واقع ہو، وہ عام طور پہ شکر کے معنوں میں آتا ہے اس لئے کہ وہ لازم اور متعدی دونوں اوصاف پر آتا ہے۔ شہ سواری اور کرم دونوں پر حَمِدْتُہٗ کہہ سکتے ہیں لیکن اس حیثیت سے وہ صرف زبان سے ادا ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ خاص اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول، فعل اور نیت تینوں پر بولا جاتا ہے اور صرف متعدی صفتوں پر بولے جانے کے اعتبار سے شکر کا لفظ خاص ہے۔ شہ سواری کے حصول پر شَکَرْتُہٗ نہیں کہہ سکتے البتہ شَکَرْتُہٗ عَلٰی کَرَمِہٖ وَ اِحْسَانِہٖ اِلَیَّ کہہ سکتے ہیں۔ یہ تھا خلاصہ متاخرین کے قول کا ماحاصل۔ واللہ اعلم۔

ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری کہتے ہیں، حمد مقابل ہے ذم کے، لہٰذا یوں کہتے ہیں "حَمِدْتُ الرَّجُلَ اَحْمَدُہٗ حَمْدًا وَّمَحْمَدَۃً فَھُوَ حَمِیْدٌ وَّمَحْمُوْدٌ" تحمید میں حمد سے زیادہ مبالغہ ہے۔ حمد شکر سے عام ہے۔ شکر کہتے ہیں کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو۔ عربی زبان میں شَکَرْتُہٗ اور شَکَرْتُ لَہٗ دونوں طرح کہتے ہیں لیکن لام کے ساتھ کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے اس لئے کہ زندہ مردہ بلکہ جمادات پر بھی مدح کا لفظ بول سکتے ہیں کھانے اور مکان کی اور ایسی اور چیزوں کی مدح کی جاتی ہے۔ احسان سے پہلے، احسان کے بعد، لازم صفتوں پر، متعدی صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اس کا عام ہونا ثابت ہوا۔ واللہ اعلم۔

حمد کی تفسیر اقوال سلف سے: ☆☆ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور بعض روایتوں میں ہے کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا کیا مطلب؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرما لیا ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا کہنا اللہ کو بھلا لگتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ کلمہ شکر ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ اس کلمہ میں شکر کے علاوہ اس کی نعمتوں، ہدایتوں اور احسان وغیرہ کا اقرار بھی ہے۔ کعب احبارؓ کا قول ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث میں بھی ایسا ہی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ لو گے تو تم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کر لو گے۔ اب اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا۔ اسود بن سریعؓ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں، اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے۔ (مسند احمد و نسائی)

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا

اللّٰہُ ہے اور افضل دعا الحمد للہ ہے- امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دی اور وہ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو دی ہوئی نعمت لے لی ہوئی سے افضل ہوگی۔ فرماتے ہیں اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ تمام دنیا دے دے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہوگا۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا دے دینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کی توفیق دینا ہے اس لئے کہ دنیا تو فانی ہے اور اس کلمہ کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ الخ یعنی مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے اور نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ثواب والے اور نیک امید والے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ تو فرشتے گھبرا گئے کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے عرض کی کہ تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے' اسے کس طرح لکھیں' پروردگار نے باوجود جاننے کے ان سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ اس نے یہ کلمہ کہا ہے' فرمایا تم یونہی اسے لکھ لو۔ میں آپ اسے اپنی ملاقات کے وقت اس کا اجر دے دوں گا۔

قرطبیؒ ایک جماعت علماء سے نقل کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ افضل ہے کیونکہ اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں اور علماء کا خیال ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ افضل ہے اس لئے کہ ایمان و کفر میں یہی فرق کرتا ہے' اسی کے کہلوانے کے لئے کفار سے لڑائیاں کی جاتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو کچھ میں نے اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے کہا ہے' ان میں سب سے افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے۔ حضرت جابرؓ کی ایک مرفوع حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے اور افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

الحمد میں الف لام استغراق کا ہے یعنی حمد کی تمام تر قسمیں سب کی سب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ باری تعالیٰ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام ملک ہے۔ تیرے ہی ہاتھ تمام بھلائیاں ہیں اور تمام کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔ رب کہتے ہیں مالک اور متصرف کو۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کے لئے تبدیلیاں کرنے والے پر بھی ہوتا ہے اور ان سب معانی کے اعتبار سے ذات باری کے لئے یہ خوب جچتا ہے۔ رب کا لفظ بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے پر نہیں کہا جا سکتا ہاں اضافت کے ساتھ ہو تو اور بات ہے جیسے رَبُّ الدَّارِ یعنی گھر والا وغیرہ۔ بعض کا تو قول ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔

عالمین سے مراد: ☆☆ عَالَمِیْنَ جمع ہے عَالَمْ کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظ ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق' خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک زمانے' ایک ایک وقت کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد کل مخلوق ہے خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی یا ان کے درمیان کی خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ علی ہذا القیاس۔ اس سے جنات اور انسان بھی مراد لئے گئے ہیں۔ سعید بن جبیرؒ' مجاہدؒ اور ابن جریجؒ سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی غیر معتبر سند سے یہی منقول ہے۔ اس قول کی دلیل قرآن کی آیت لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا بھی لی جاتی ہے یعنی تا کہ وہ عالمین یعنی جن اور انس کے لئے ڈرانے والا ہو جائے۔ فرا اور ابو عبید کا قول ہے کہ سمجھدار کو عالم کہا جاتا ہے لہٰذا انسان' جنات' فرشتے' شیاطین کو عالم کہا جائے گا۔ جانوروں کو نہیں کہا جائے گا۔ زید بن اسلمؓ ابو محیصنؒ فرماتے ہیں کہ ہر روح والی چیز کو عالم کہا جاتا ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں' ہر قسم کو ایک عالم کہتے ہیں۔ ابن مروان بن حکم عرف جعد جن کا لقب حمار تھا جو بنو امیہ میں سے اپنے زمانے کے خلیفہ تھے' کہتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے سترہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ آسمانوں والے ایک عالم زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو اللہ ہی جانتا ہے۔ مخلوق کو ان کا علم نہیں۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں انسان کل ایک عالم ہیں سارے جنات کا ایک عالم ہے اور ان کے سوا اٹھارہ ہزار یا چودہ ہزار عالم اور ہیں۔ فرشتے زمین پر ہیں اور زمین کے چار کونے ہیں، ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قول بالکل غریب ہے اور ایسی باتیں جب تک کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہوں ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔

جمیریؒ کہتے ہیں ایک ہزار امتیں ہیں، چھ سو تری میں اور چار سو خشکی میں۔ سعید بن مسیب سے یہ بھی مروی ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک سال ٹڈیاں نہ نظر آئیں بلکہ تلاش کرنے کے باوجود پتہ نہ چلا۔ آپ غمگین ہو گئے، یمن، شام اور عراق کی طرف سوار دوڑائے کہ کہیں بھی ٹڈیاں نظر آتی ہیں یا نہیں تو یمن والے سوار تھوڑی سی ٹڈیاں لے کر آئے اور امیر المومنین کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے انہیں دیکھ کر تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں، ان میں سے سب سے پہلے جو امت ہلاک ہو گی وہ ٹڈیاں ہوں گی۔ بس ان کی ہلاکت کے بعد پے در پے اور سب امتیں ہلاک ہو جائیں گی جس طرح کہ تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے اور ایک کے بعد ایک سب موتی جھڑ جاتے ہیں۔ اس حدیث کے راوی محمد بن عیسیٰ ہلالی ضعیف ہیں۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے بھی یہ قول مروی ہے۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں، اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ دنیا کی ساری کی ساری مخلوق ان میں سے ایک عالم ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں۔ ساری دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ زجاج کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے، وہ سب عالم ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اس لئے کہ یہ تمام عالمین پر مشتمل لفظ ہے۔ جیسے فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمانوں زمینوں اور دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب۔ عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے اس لئے کہ عالم یعنی مخلوق اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے جیسے کہ ابن معتز شاعر کا قول ہے۔

فَیَا عَجَبًا کَیفَ یُعْصَی الِالٰهُ   اَمْ کَیْفَ یَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ
وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ   تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی تعجب ہے کس طرح اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور کس طرح اس سے انکار کیا جاتا ہے حالانکہ ہر چیز میں نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ اَلْحَمْدُ کے بعد اب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر سنئے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ○

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان! ☆☆ (آیت:۲) اس کی تفسیر پہلے پوری گذر چکی ہے۔ اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے وصف کے بعد الرحمٰن الرحیم کا وصف ترہیب یعنی ڈراوے کے بعد ترغیب یعنی امید ہے جیسے فرمایا نَبِّئْ عِبَادِیْ الخ یعنی میرے بندوں کو خبر دو کہ میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں اور میرے عذاب بھی دردناک عذاب ہیں اور فرمایا تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور مہربان اور بخشش بھی کرنے والا ہے۔ رب کے لفظ میں ڈراوا ہے اور رحمٰن اور رحیم کے لفظ میں امید ہے۔ صحیح مسلم شریف میں بروایت

حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اگر ایماندار اللہ کے غضب وغصہ سے اور اس کے سخت عذابوں سے پورا واقف ہوتا تو اس کے دل سے جنت کی طمع ہٹ جاتی اور اگر کافر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی رحمتوں کو پوری طرح جان لیتا تو کبھی ناامید نہ ہوتا۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴

بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ○

حقیقی وارث و مالک کون ہے؟ ☆☆ (آیت:۳) بعض قاریوں نے مَلِكِ پڑھا ہے اور باقی سب نے مٰلِكِ ور دونوں قراتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قراتوں میں سے ہیں اور مالک کے لام کے زیر اور اس کے سکون کے ساتھ۔ اور مَلِيْكِ اور مَلِكِيُ بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلے کی دونوں قراتیں معانی کی رو ترجیح ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور اچھی بھی۔ زمخشری نے مَلِكِ کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ حرمین والوں کی یہ قرأت ہے۔ اور قرآن میں بھی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے مَلِكِ پڑھا اس بنا پر کہ فعل اور فاعل اور مفعول آتا ہے لیکن یہ شاذ اور بے حد غریب ہے۔ ابوبکر بن داؤدؒ نے اس بارے میں ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تینوں خلفاءؓ اور حضرت معاویہؓ اور ان کے لڑکے مالک پڑھتے تھے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مروان نے مَلِكِ پڑھا۔ میں کہتا ہوں مروان کو اپنی اس قرات کی صحت کا علم تھا۔ راوی حدیث ابن شہاب کو علم نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ نے کئی سندوں سے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ مالک پڑھتے تھے۔ مالک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ الخ یعنی زمین اور اس کے اوپر کی تمام مخلوق کے مالک ہم ہی ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوٹا کر لائے جائیں گے۔

اور فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ یعنی کہہ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب اور لوگوں کے مالک کی۔ اور ملک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے جیسے فرمایا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ یعنی آج ملک کس کا ہے' صرف اللہ واحد غلبہ والے کا۔ اور فرمایا قَوْلُهُ الْحَقُّ الخ اسی کا فرمان ہے اور اسی کا سب ملک ہے۔ اور فرمایا آج ملک رحمٰن ہی کا ہے اور آج کا دن کافروں پر بہت سخت ہے۔ اس فرمان میں قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے' اس لئے کہ پہلے اپنا وصف رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہونا بیان کر چکا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں شامل ہیں۔ قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویدار بھی نہ ہوگا۔ بلکہ بغیر اس حقیقی مالک کی اجازت کے زبان تک نہ ہلا سکے گا۔ جیسے فرمایا جس دن روح القدس اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی کلام نہ کر سکے گا۔ یہاں تک کہ رحمٰن اسے اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے' سب آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی اور گنگناہٹ کے سوا کچھ نہ سنائی دے گا۔ اور فرمایا جب قیامت آئے گی اس دن بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت کے کوئی شخص نہ بول سکے گا۔ بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض سعادت مند۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا کوئی بادشاہ نہ ہوگا جیسے کہ دنیا میں مجازاً تھے۔ يَوْمِ الدِّيْنِ سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام بھلے' برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ہاں اگر رب کسی برائی سے درگذر کر لے' یہ اس کا اختیاری امر ہے۔ صحابہؓ تابعینؒ اور سلف صالحینؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ بعض سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

قیامت قائم کرنے پر قادر ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بظاہر ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں' ہر ایک قول کا قائل دوسرے کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ہاں پہلا قول مطلب پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ فرمان ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الخ اور دوسرا قول اس آیت کے مشابہ ہے جیسا کہ فرمایا وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی جس دن کہے گا ''ہو'' جا' بس اسی وقت ہو جائے گا واللہ اعلم۔

حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے فرمایا هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الخ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بدترین نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہے جو شہنشاہ کہلائے۔ حقیقی بادشاہ اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قبضہ میں لے لے گا اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے' پھر فرمائے گا' میں بادشاہ ہوں۔ کہاں گئے زمین کے بادشاہ' کہاں ہیں تکبر والے۔ قرآن عظیم میں ہے' کس کی ہے آج بادشاہی؟ فقط اللہ کیلئے' غلبہ والے کی۔ اور کسی کو ملک کہہ دینا یہ صرف مجازاً ہے جیسے کہ قرآن میں طالوت کو ملک کہا گیا اور وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ کا لفظ آیا اور بخاری و مسلم میں ملوک کا لفظ آیا ہے اور قرآن کی آیت میں اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا یعنی تم میں انبیاء کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا' آیا ہے۔ دین کے معنی بدلے' جزا اور حساب کے ہیں۔ جیسے قرآن پاک میں ہے' اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے۔ اور جگہ اِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ کیا ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟ حدیث میں ہے' دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود حساب لے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے۔ جیسے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا قول ہے کہ تم خود اپنی جانوں سے حساب لو۔ اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کو خود وزن کر لو اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ جب تم اس اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ جیسے خود رب عالم نے فرما دیا' جس دن تم پیش کئے جاؤ گے' کوئی چھپی ڈھکی بات چھپے گی نہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں ○

عبادت کا مفہوم: ☆☆ (آیت:۴) ساتوں قاریوں اور جمہور نے اسے ''اِيَّاكَ'' پڑھا ہے۔ عمرو بن فائدؒ نے اِيَاكَ پڑھا ہے۔ لیکن یہ قراۃ شاذ اور مردود ہے اس لئے کہ ''اِيَا'' کے معنی سورج کی روشنی کے ہیں اور بعضوں نے اِيَاكَ پڑھا ہے اور بعضوں نے اياك پڑھا بعض نے هَيَّاكَ پڑھا ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی هَيَّاكَ ہے۔ نَسْتَعِيْنُ کی یہی قرات تمام کی ہے۔ سوائے یحیٰی بن وہاب اور اعمش کے۔ یہ دونوں پہلے نون کو زیر سے پڑھتے ہیں۔ قبیلہ نبو اسد' ربیعہ بنت تمیم کی لغت اسی طرح پر ہے۔ لغت میں عبادت کہتے ہیں ذلت اور پستی کو۔ طریق معبد اس راستے کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اسی طرح بغیر معبد اس اونٹ کو کہتے ہیں جو بہت دبا اور جھکا ہوا ہو اور شریعت میں عبادت نام ہے محبت' خشوع' خضوع اور خوف کے مجموعے کا۔ لفظ اِيَّاكَ کو جو مفعول ہے پہلے لائے اور پھر اسی کو دہرایا تا کہ اس کی اہمیت ہو جائے اور عبادت اور طلب مدد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ تو اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کریں گے اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے اور نہ کریں گے۔ کامل اطاعت اور پورے دین کا حل صرف یہی دو چیزیں ہیں۔

بعض سلف کا فرمان ہے کہ سارے قرآن کا راز سورۂ فاتحہ میں ہے اور پوری سورت کا راز اس آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملہ میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کے کمال کا انکار ہے اور اللہ عز و جل کی طرف اپنے تمام کاموں کی سپردگی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جیسے فرمایا فَاعْبُدْهُ

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ الخ یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو' تمہارا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ فرمایا قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ الخ کہہ دے کہ وہی رحمان ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئے اور اسی پر ہم نے توکل کیا۔ فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا یعنی مشرق مغرب کا رب وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں' تو اسی کو اپنا کارساز سمجھ۔ یہی مضمون اس آیہ کریمہ میں ہے۔ اس سے پہلے کی آیات میں تو خطاب نہ تھا لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا گیا ہے جو نہایت لطافت اور مناسبت رکھتا ہے اس لئے کہ جب بندے نے اللہ تعالیٰ کی صفت و ثنا بیان کی تو قرب خداوندی میں حاضر ہو گیا۔ اللہ جل وجلالہ کے حضور میں پہنچ گیا۔ اب اس مالک کو خطاب کر کے اپنی ذلت اور مسکینی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ الٰہی ہم تو تیرے ذلیل غلام ہیں اور اپنے تمام کاموں میں تیرے ہی محتاج ہیں۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سے پہلے کے تمام جملوں میں خبر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین صفات پر اپنی ثناء آپ کی تھی اور بندوں کو اپنی "ثناء" انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ اسی لئے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو اس سورت کو پڑھنا جانتا ہو اور پھر نہ پڑھے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان (نصف نصف) بانٹ لیا ہے' اس کا آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی' جب کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ فرماتا ہے' میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب وہ کہتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اللہ فرماتا ہے' میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔

عبادت اور طلب: ☆☆ جب وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے۔ پھر وہ آخر سورت تک پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرا بندہ جو مجھ سے مانگے' اس کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ سے ہی ڈرتے ہیں اور تیری اسی ذات سے امید رکھتے ہیں۔ تیرے سوا کسی اور کی نہ ہم عبادت کریں' نہ ڈریں نہ امید رکھیں۔ اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے یہ مراد ہے کہ ہم تیری تمام اطاعت اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اسی سے مدد مانگو' اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو پہلے لانا اس لئے ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے اور مدد کرنا یہ عبادت کا وسیلہ اور اہتمام اور اس پر پختگی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ اہمیت والی چیز کو مقدم کیا جاتا ہے اور اس سے کمتر کو اس کے بعد لایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کے صیغہ کو لانے کی یعنی ہم کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ جمع کے لئے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے اور اگر تعظیم کے لئے ہے تو اس مقام پر نہایت نامناسب ہے کیونکہ یہاں تو مسکینی اور عاجزی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا ایک بندہ تمام بندوں کی طرف سے خبر دے رہا ہے بالخصوص جبکہ وہ جماعت میں کھڑا ہو یا امام بنا ہوا ہو پس گویا وہ اپنی اور اپنے سب مومن بھائیوں کی طرف سے اقرار کر رہا ہے کہ وہ سب اس کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ ان کی طرف سے بھلائی کے لئے آگے بڑھا ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کے لئے ہے گویا کہ بندہ جب عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسی کو کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیری عزت ہمارے دربار میں بہت زیادہ ہے تو اب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہا یعنی اپنے تئیں عزت سے یاد کر۔ ہاں اگر

عبادت سے الگ ہو تو اس وقت ہم نہ کہہ چاہے ہزاروں لاکھوں میں ہو کیونکہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج اور اس کے دربار کے فقیر ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ میں جو تواضع اور عاجزی ہے وہ اِیَّاكَ عَبَدۡنَا میں نہیں۔ اس لئے کہ اس میں اپنے نفس کی بڑائی اور اپنی عبادت کی اہلیت پائی جاتی ہے حالانکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبادت اور جیسی چاہئے ویسی ثنا وصفت بیان کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ کسی شاعر کا قول ہے (ترجمہ) کہ مجھے اس کا غلام کہہ کر ہی پکارو کیونکہ میرا سب سے اچھا نام یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا نام عبد یعنی غلام ان ہی جگہوں پر لیا جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے جیسے قرآن نازل کرنا، نماز میں کھڑے ہونا، معراج کرانا وغیرہ۔ فرمایا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الخ فرمایا وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ الخ فرمایا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ الخ ساتھ ہی قرآن پاک نے یہ تعلیم دی کہ اے نبیؐ جس وقت تمہارا دل مخالفین کے جھٹلانے کی وجہ سے تنگ ہو تو تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ فرمان ہے وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ یعنی ہم جانتے ہیں کہ مخالفین کی باتیں تیرا دل دکھاتی ہیں تو ایسے وقت اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کر اور سجدہ کر اور موت کے وقت تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ۔ رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عبودیت کا مقام رسالت کے مقام سے افضل ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق کی طرف ہوتا اور رسالت کا تعلق حق سے خلق کی طرف ہوتا ہے اور اس دلیل سے بھی کہ عبد کی کل اصلاح کے کاموں کا متولی خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہوتا ہے اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا والی ہوتا ہے لیکن یہ قول غلط ہے اور اس کی یہ دونوں دلیلیں بھی بودی اور لاحاصل ہیں۔ افسوس رازیؒ نے نہ تو اس کو ضعیف کہا، نہ اسے رد کیا۔ بعض صوفیوں کا قول ہے کہ عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے یا عذاب دفع کرنے کے لئے۔ وہ کہتے ہیں یہ کوئی فائدے کی بات نہیں اس لئے کہ اس وقت مقصود خود اپنی مراد کا حاصل کرنا ٹھہرا۔ اس کی تکالیف کے لئے آمادگی کرنا یہ بھی ضعیف ہے۔ اعلیٰ مرتبہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کی جو تمام کامل صفتوں سے موصوف ہے محض اس کی ذات کے لئے عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو۔ اسی لئے نمازی کی نیت نہ نماز پڑھنے کی ہوتی ہے اگر وہ ثواب پانے اور عذاب سے بچنے کے لئے ہو تو باطل ہے۔ دوسرا گروہ ان کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا کچھ اس کے خلاف نہیں کہ ثواب کی طلب اور عذاب کا بچاؤ مطلوب نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور میں نہ تو آپ جیسا پڑھنا جانتا ہوں نہ حضرت معاذؓ جیسا میں تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے نجات چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اسی کے قریب قریب ہم بھی پڑھتے ہیں۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۶﴾

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ○

حصول مقصد کا بہترین طریقہ: ☆☆ (آیت:۵) جمہور نے صِرَاطَ پڑھا ہے۔ بعض نے سِرَاطَ کہا ہے اور زے کی بھی ایک قراۃ ہے۔ فرا کہتے ہیں، بنی عذرہ اور بنی کلب کی قراۃ یہی ہے چونکہ پہلے ثنا وصفت بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اپنی حاجت طلب کرے۔ جیسے کہ پہلے حدیث میں گذر چکا ہے کہ اس کا آدھا حصہ میرے لئے ہے اور آدھا میرے بندے کے لئے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ خیال کیجئے کہ اس میں کس قدر لطافت اور عمدگی ہے کہ پہلے پروردگار عالم کی تعریف وتوصیف کی۔ پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حاجت طلب کی۔ یہ وہ لطیف انداز ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پالینے کے لئے تیر بہدف ہے۔ اس کامل طریقہ کو پسند فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ہدایت کی۔ کبھی سوال اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا

تھا رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ پروردگار جو بھلائیاں تو میری طرف نازل فرمائے' میں اس کا محتاج ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں کہا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے۔ میں ظالموں میں سے ہوں۔ کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل صرف تعریف اور بزرگی بیان کر کے چپ ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ مجھے اپنی حاجت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' تیری مہربانیوں بھری بخشش مجھے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و دہش تیری پاک عادتوں میں داخل ہے لیکن تیری پاکیزگی بیان کر دینا' تیری حمد و ثنا کرنا ہی مجھے اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہدایت کے معنی یہاں پر ارشاد اور توفیق کے ہیں۔ کبھی تو ہدایت بنفسہ متعدی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے۔ تو معنی اَلۡهِمۡنَا وَفِّقۡنَا اَرۡزُقۡنَا اور اَعۡطِنَا یعنی ہمیں عطا فرمائے ہوں گے۔ اور جگہ ہے وَهَدَیۡنٰهُ النَّجۡدَیۡنِ یعنی ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے' بھلائی اور برائی دونوں کے اور کبھی ہدایت ''الی'' کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے فرمایا اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ اور فرمایا فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡجَحِیۡمِ یہاں ''ہدایت'' ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح فرمان ہے وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ الخ یعنی تو البتہ سیدھی راہ دکھاتا ہے اور کبھی ہدایت لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے جنتیوں کا قول قرآن کریم میں ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰنَا لِهٰذَا یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی یعنی توفیق دی اور ہدایت والا بنایا۔ صراط مستقیم کے معنی سنئے۔ امام ابوجعفر ابن جریرؒ فرماتے ہیں' مراد اس سے واضح اور صاف راستہ ہے جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ عرب کی لغت میں اور شاعروں کے شعر میں یہ معنی صاف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں۔ صراط کا استعمال بطور استعارہ کے قول اور فعل پر بھی آتا ہے اور پھر اس کا وصف استقامت اور ٹیڑھ پن کے ساتھ بھی آتا ہے۔ سلف اور متاخرین مفسرین سے اس کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک ہی ہے اور وہ اللہ اور رسولؐ کی اتباع اور تابعداری ہے۔

صراط مستقیم کیا ہے؟ ☆☆ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریرؒ نے بھی روایت کی ہے۔ فضائل قرآن کے بارے میں پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی' حکمتوں والا ذکر اور سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم یہی اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مسند احمد' ترمذی۔ حضرت علیؓ کا قول بھی یہی ہے اور مرفوع حدیث کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد ﷺ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کہیے یعنی ہمیں ہدایت والے راستہ کا الہام کر اور اس دین قیم کی سمجھ دے جس میں کوئی کجی نہیں۔ آپ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابہؓ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہ فرماتے ہیں' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے سوا اور دین مقبول نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی کہ صراط مستقیم کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں' ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط مستقیم کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہے جو کہتا ہے کہ اے لوگو تم سب کے سب اسی سیدھی راہ پر چلے جاؤ۔ ٹیڑھی ترچھی ادھر ادھر کی راہوں کو نہ دیکھو نہ ان پر جاؤ۔ اور اس راستے سے گزرنے والا جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو ایک پکارنے والا کہتا ہے' خبردار اسے نہ

کھولنا۔ اگر کھولا تو اس راہ لگ جاؤ گے اور صراط مستقیم سے ہٹ جاؤ گے۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے اور دیواریں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا زندہ ضمیر ہے جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ کے ہوتا ہے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم، ابن جریر، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور اس کی اسناد حسن صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد حق ہے۔ ان کا قول سب سے زیادہ مقبول ہے اور مذکورہ اقوال کا کوئی مخالف نہیں۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے بعد کے آپ کے دونوں خلیفہؓ ہیں۔ ابو العالیہؒ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے ملے جلتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء صدیقؓ و فاروقؓ کا تابعدار حق کا تابع ہے اور حق کا تابع اسلام کا تابع ہے اور اسلام کا تابع قرآن کا مطیع ہے اور قرآن اللہ کی کتاب اس کی طرف کی مضبوط رسی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ لہذا صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ فالحمد للہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ صراط مستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔ امام ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سب سے اولیٰ یہ ہے کہ ہم کو توفیق دی جائے اس کی جو اللہ کی مرضی کی ہو اور جس پر چلنے کی وجہ سے اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو اور ان پر انعام کیا ہو۔ صراط مستقیم یہی ہے اس لئے کہ جس شخص کو اس کی توفیق مل جائے جس کی توفیق اللہ کے نیک بندوں کو تھی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا تھا، جو نبی، صدیق، شہید اور صالح لوگ تھے، انہوں نے اسلام کی اور رسولوں کی تصدیق کی، کتاب اللہ کو مضبوط تھام رکھا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالائے، اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چاروں خلیفوں اور تمام نیک بندوں کی راہ کی توفیق مل جائے گی تو یہی صراط مستقیم ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو اللہ کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے، پھر نماز اور غیر نماز میں ہدایت مانگنے کی کیا ضرورت؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے ہدایت پر ثابت قدمی اور رسوخ اور بینائی اور ہمیشہ کی طلب ہے۔ اس لئے کہ بندہ ہر ساعت اور ہر حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محتاج ہے۔ وہ خود اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں بلکہ دن رات اپنے اللہ کا محتاج ہے۔ اسی لئے اللہ نے اسے سکھایا کہ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا ہے اور ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ بھلا اور نیک بخت انسان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے در کا بھکاری بنا لے۔ وہ اللہ ہر پکارنے والے کی پکار کے قبول کرنے کا کفیل ہے بالخصوص بے قرار محتاج اور اس کے سامنے اپنی حاجت دن رات پیش کرنے والے کی ہر پکار کو قبول کرنے کا وہ ضامن ہے۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ الخ اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول کی طرف نازل فرمائی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئیں، سب پر ایمان لاؤ۔

اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا اور ہدایت والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا ایسا ہی ہے جیسے یہاں ہدایت والوں کو ہدایت کی طلب کرنے کا حکم دینا۔ مراد دونوں جگہ ثابت قدمی اور استمرار ہے اور ایسے اعمال پر ہمیشگی کرنا جو اس مقصد کے حاصل کرنے میں مدد پہنچائیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو بھی نہیں سکتا کہ یہ حاصل شدہ چیز کا حاصل کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور دیکھئے اللہ رب العزت نے اپنے ایماندار بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ

اَنۡتَ الۡوَهَّابُ الخ یعنی اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما' تو بہت بڑا دینے والا اور عطا کرنے والا ہے۔ یہ بھی وارد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز مغرب کی تیسری رکعت سورۂ فاتحہ کے بعد اس آیت کو پوشیدگی سے پڑھا کرتے تھے پس اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور اس سے ہمیں نہ ہٹا۔

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۞٧

راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی ○

انعام یافتہ کون؟ ☆☆ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر خداوند کریم فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ یہ آیت صراط مستقیم کی تفسیر ہے اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے اور عطف بیان بھی ہو سکتی ہے واللہ اعلم۔ اور جن پر اللہ کا انعام ہوا' ان کا بیان سورۂ نساء میں آ چکا ہے۔ فرمان ہے وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ الخ یعنی اللہ اور اس رسول کے کہے پر عمل کرنے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہے۔ جو نبی' اور صدیق' شہید' صالح لوگ ہیں' یہ بہترین ساتھی اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ربانی ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ تو مجھے ان فرشتوں' نبیوں' صدیقوں' شہیدوں' اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت وعبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ کی طرح ہے۔ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں' اس سے مراد انبیاءؑ ہیں۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں' مومن ہیں۔ وکیعؒ کہتے ہیں مسلمان۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ مراد ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول زیادہ معقول اور قابل تسلیم ہے۔ واللہ اعلم۔

جمہور کی قرات میں غیر رے کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زمخشری کہتے ہیں' رے کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطابؓ کی قرأت یہی ہے اور ابن کثیرؒ سے بھی یہی روایت کی گئی ہے عَلَيۡهِمۡ میں جو ضمیر ہے' وہ اس کا ذوالحال ہے اور اَنۡعَمۡتَ عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ اللہ جل شانہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ رسولؐ کے اطاعت گذار' اس کے حکموں پر عمل کرنے والے' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک رہنے والے تھے۔

مغضوب کون؟ ☆☆ (آیت:٦) ان کی راہ سے بچا' جن پر غضب وغصہ کیا گیا' جن کے ارادے فاسد ہو گئے' حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ گئے اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچالے جو سرے سے علم نہیں رکھتے' مارے مارے پھرتے ہیں' راہ سے بھٹکے ہوئے حیران وسرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کئے جانے کو دوبارہ لاکر کلام کی تاکید کرنا اس لئے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں۔ ایک یہود کا دوسرا نصاریٰ کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ غَيۡرِ کا لفظ یہاں پر استثناء کے لئے ہے تو استثناء منقطع ہو سکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے استثناء ہونا تو درست ہے مگر یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے۔ لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے' یہ بہت اچھی ہے عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ سے مراد غَيۡرِ الصِّرَاطِ الۡمَغۡضُوۡبِ ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر

سے کفایت کی گئی اور مضاف بیان نہ کیا گیا۔ اس لئے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آ چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں لَا زائد ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَالضَّآلِّيْنَ اور اس کی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَغَيْرِ الضَّآلِّيْنَ پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا۔ تو ہمارے قول کی تائید ہوئی کہ لانفی کی تاکید کے لئے ہی لایا گیا ہے تاکہ یہ وہی نہ ہو کہ یہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پر عطف ہے اور اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ ہر شخص ان دونوں سے بھی بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں عمل نہیں اور نصاریٰ کے ہاں علم نہیں۔ اسی لئے یہودیوں پر غضب ہوا اور نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اس لئے کہ علم کے باوجود عمل کو غضب کا چھوڑنا سبب ہے اور نصرانی گو ایک چیز کا قصد کرنے کے باوجود صحیح راستہ کو نہیں پا سکتے اس لئے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے اور اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں ہے مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند اور لوگوں کو گرفتار کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا' میری خبر گیری کرنے والا غائب ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں' آپ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان کرے گا۔ حضورؐ نے دریافت کیا کہ تیری خیر خبر لینے والا کون ہے؟ اس نے کہا عدی بن حاتم۔ آپؐ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگتا پھرتا ہے؟ پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علیؓ تھے۔ آپؐ نے فرمایا' لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے ان سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی۔ وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضورؐ کی سخاوت نے تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا' آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپؐ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے ہیں۔ اس بات نے مجھے یقین دلا دیا کہ آپ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا' عدی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ اَللّٰهُ اَكْبَر کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے آپ کی سادگی اور بے تکلفی نے ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں اور الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدیؓ کے سوال پر حضورؐ نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنو قین کے ایک شخص نے وادی القریٰ میں حضور سے یہی سوال کیا آپ نے جواب میں یہی فرمایا۔ بعض روایتوں میں ان کا نام عبداللہ ابن عمروؓ ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں ابوذرؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابیوں سے بھی یہ تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں بلکہ ابن ابی حاتم تو فرماتے ہیں کہ مفسرین میں اس بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گذری۔ دوسری سورۂ بقرہ کی یہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ الخ اس آیت میں کہ اس پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ اور سورۂ مائدہ کی آیت قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ الخ میں بھی ہے کہ ان پر غضب الٰہی نازل ہوا۔ اور جگہ فرمان الٰہی ہے لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یعنی بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، ان پر لعنت کی گئی۔ داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی یہ بوجہ ان کی نافرمانی اور حد سے گذر جانے کے ہے، یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے یقیناً ان کے کام بہت برے تھے اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جبکہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک غضب الٰہی کا ایک حصہ نہ پالو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لئے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں۔ پھر اسے کیسے قبول کر لیں؟ پھر نصرانیوں سے ملے، انہوں نے کہا جب تک خداوند تعالیٰ کی ناراضگی کا حصہ نہ لیں تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آ سکتے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے۔ بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اس لئے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل تھے۔ انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الٰہی نے ان کی رہبری کی اور یہ حضورؐ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی، اس کی تصدیق کی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مسئلہ : ☆☆ ضاد اور ظے کی قرأت میں بہت باریک فرق ہے اور ہر ایک کے بس کا نہیں۔ اس لئے علمائے کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ فرق معاف ہے، ضاد کا صحیح مخرج تو یہ ہے کہ زبان کا اول کنارہ اور اس کے پاس کی داڑھیں اور ظے کا مخرج زبان کا ایک طرف اور سامنے والے اوپر کے دو دانت کے کنارے۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں حرف مجہورہ اور رخوہ اور مطبقہ ہیں۔ پس اس شخص کو جسے ان دونوں میں تمیز کرنی مشکل معلوم ہو، اسے معاف ہے کہ ضاد کو ظے کی طرح پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میں ضاد کو سب سے زیادہ صحیح پڑھنے والا ہوں لیکن یہ حدیث بالکل بے اصل اور لا پتہ ہے۔

الحمد کا تعارف ومفہوم: ☆☆ یہ مبارک سورت نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان سات آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد، اس کی بزرگی، اس کی ثنا و صفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے۔ ساتھ ہی قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو ارشاد ہے کہ وہ اس مالک سے سوال کریں۔ اس کی طرف تضرع و زاری کریں، اپنی مسکینی اور بے کسی اور بے بسی کا اقرار کریں اور اس کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں اور اس کی توحید الوہیت کا اقرار کریں۔ اسے شریک، نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں۔ صراط مستقیم اور اس پر ثابت قدمی اس سے طلب کریں تاکہ یہی ہدایت انہیں قیامت والے دن پل صراط سے بھی پار اتارے اور نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں کے پڑوس میں جنت الفردوس میں جگہ دلائے۔ ساتھ ہی اس سورت میں نیک اعمال کی ترغیب ہے تاکہ قیامت کے دن نیکوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے ڈراوا پیدا ہو تاکہ قیامت کے دن بھی یہ باطل پرست یہود و نصاریٰ کی جماعت سے دور ہی رہیں۔

اس باریک نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ انعام کی اسناد تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی اور اَنْعَمْتَ کہا گیا لیکن غضب کی اسناد اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔ یہاں فاعل حذف کر دیا اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہا گیا۔ اس میں پروردگار عالم کی جناب میں ادب کیا گیا ہے۔ دراصل حقیقی

فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے اور جگہ ہے غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ اور اسی طرح ضلالت کی اسناد بھی ان کی طرف کی گئی جو گمراہ ہیں حالانکہ اور جگہ ہے مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ الخ یعنی اللہ جسے راہ دکھائے وہ راہ یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اس کا رہنما کوئی نہیں۔ اور جگہ فرمایا مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ الخ یعنی جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ وہ تو اپنی سرکشی میں بہکے رہتے ہیں۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ راہ دکھانے والا گمراہ کرنے والا صرف سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔

قدریہ فرقہ جو ادھر ادھر کی متشابہ آیتوں کو دلیل بنا کر کہتا ہے کہ بندے خود مختار ہیں۔ وہ خود پسند کرتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ صریح اور صاف صاف آیتیں ان کے رد میں موجود ہیں لیکن باطل پرست فرقوں کا یہی قاعدہ ہے کہ صراحت کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگا کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کے پیچھے لگتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے۔ تم ان کو چھوڑ دو۔ حضورؐ کا اشارہ اس فرمان میں اس آیت شریف کی طرف ہے فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ الخ یعنی جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ متشابہ کے پیچھے لگتے ہیں۔ فتنوں اور تاویل کو ڈھونڈنے کے لئے الحمد للہ بدعتیوں کے لئے قرآن پاک میں صحیح دلیل کوئی نہیں۔ قرآن کریم تو حق و باطل ہدایت و ضلالت میں فرق کرنے کے لئے آیا ہے اس میں تناقص اور اختلاف نہیں۔ یہ تو حکم وحمید اللہ کا نازل کردہ ہے۔

آمین اور سورۂ فاتحہ: ☆☆ سورۂ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین مثل یاسین کے ہے اور آمین بھی کہا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ تو قبول فرما۔ آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمدؒ ابوداؤد اور ترمذی میں وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ کہہ کر آمین کہتے تھے اور آواز دراز کرتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے آواز بلند کرتے تھے۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمین پہلی صف والے لوگ جو آپ کے قریب ہوتے سن لیتے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں یہ بھی ہے کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ دار قطنی میں بھی یہ حدیث ہے اور دار قطنی بتاتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے۔ مجھ سے پہلے آمین نہ کہا کیجئے (ابوداؤد) حسن بصریؒ اور جعفر صادقؒ سے آمین کہنا مروی ہے جیسے کہ آمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَرَامَ قرآن میں ہے۔

ہمارے اصحاب وغیرہ کہتے ہیں جو نماز میں نہ ہو اسے بھی آمین کہنا چاہئے۔ ہاں جو نماز میں ہو اس پر تاکید زیادہ ہے۔ نمازی خود اکیلا ہو خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو ہر حالت میں آمین کہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے مل جاتی ہے تو اس کے تمام پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی آمین کا اور فرشتوں کی آمین کا وقت ایک ہی ہو جائے یا موافقت سے مراد قبولیت میں موافق ہونا ہے یا اخلاص میں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّيۡنَ کہے تو آمین کہو اللہ قبول فرمائے گا۔

ابن عباسؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا آمین کے کیا معنی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ تو کر۔ جوہریؒ کہتے ہیں اس کے معنی ''اسی طرح ہو'' ہیں۔ ترمذی کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ ہماری امیدوں کو نہ توڑ۔ اکثر علماء فرماتے ہیں اس کے معنی ''اے اللہ تو ہماری دعا قبول

فرما" کے ہیں۔ مجاہدؒ جعفر صادق ہلال بن سیافؒ فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوعاً بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ امام مالکؒ کے اصحاب کا مذہب ہے کہ امام آمین نہ کہے' مقتدی آمین کہے کیونکہ موطا مالک کی حدیث میں ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ اسی طرح ان کی دلیل کی تائید میں صحیح مسلم والی ابوموسیٰ اشعریؓ کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ لیکن بخاری و مسلم کی حدیث پہلے بیان ہو چکی کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پڑھ کر آمین کہتے تھے۔

"آمین" با آواز بلند: ☆☆ جہری نمازوں میں مقتدی اونچی آواز سے آمین کہے یا نہ کہے' اس میں ہمارے ساتھیوں کا اختلاف ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام آمین کہنی بھول گیا ہو تو مقتدی با آواز بلند آمین کہیں۔ اگر امام نے خود اونچی آواز سے آمین کہی ہو تو نیا قول یہ ہے کہ مقتدی با آواز بلند نہ کہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت میں امام مالکؒ سے بھی مروی ہے اس لئے کہ نماز کے اور اذکار کی طرح یہ بھی ایک ذکر ہے تو نہ وہ صرف بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں نہ یہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ لیکن پہلا قول یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا بھی۔ دوسری روایت کے اعتبار سے یہی مذہب ہے۔ اور اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ ہمارے یہاں پر ایک تیسرا قول بھی ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی با آواز بلند آمین نہ کہیں اس لئے کہ وہ امام کی قرأت سنتے ہیں اور اگر بڑی ہو تو اونچی آواز سے آمین کہیں تاکہ مسجد کے کونے کونے میں آمین پہنچ جائے۔ واللہ اعلم۔ (صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جن نمازوں میں اونچی آواز سے قرأت پڑھی جاتی ہے' ان میں اونچی آواز سے آمین کہنی چاہیے۔ خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو خواہ منفرد۔ مترجم)۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہماری تین چیزوں پر یہودیوں کو اتنا بڑا حسد ہے کہ کسی اور چیز پر نہیں۔ ایک تو جمعہ کو اللہ نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور یہ بہک گئے' دوسرے قبلہ' تیسرے ہمارا امام کے پیچھے آمین کہنا۔ ابن ماجہ کی حدیث میں یوں ہے کہ یہودیوں کو سلام پر اور آمین پر جتنی چڑ ہے' اتنی کسی اور چیز پر نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہارا جس قدر حسد یہودی آمین پر کرتے ہیں اس قدر حسد اور امر پر نہیں کرتے۔ تم بھی آمین بکثرت کہا کرو۔ اس کی اسناد میں طلحہ بن عمرو راوی ضعیف ہیں۔ ابن مردویہ میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا' آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے اپنے مومن بندوں پر۔ حضرت انسؓ والی حدیث میں ہے کہ نماز میں آمین کہنی اور دعا پر آمین کہنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے عطا کی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی۔ ہاں اتنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ تم اپنی دعاؤں کو آمین پر ختم کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے حق میں قبول فرمایا کرے گا۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم کے ان الفاظ کو دیکھئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ الخ ہے یعنی الٰہی تو نے فرعون اور فرعونیوں کو دنیا کی زینت اور مال دنیا کی زندگانی میں عطا فرمایا ہے جس سے وہ تیری راہ سے دوسروں کو بہکا رہے ہیں۔ اللہ ان کے مال برباد کر اور ان کے دل سخت کر' یہ نہ ایمان لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں' یہ ایمان نہ لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا الخ یعنی تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ تم مضبوط رہو اور بے علموں کی راہ نہ جاؤ۔ دعا صرف حضرت موسیٰؑ کرتے تھے اور حضرت ہارون صرف آمین کہتے تھے لیکن قرآن نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔

اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی دعا پر آمین کہے' وہ گویا خود وہ دعا کر رہا ہے۔ اب اس استدلال کو سامنے رکھ کر وہ قیاس کرتے ہیں کہ مقتدی قرأت نہ کرے' اس لئے کہ اس کا سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا پڑھنے کے قائم مقام ہے اور اس حدیث کو بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ جس کا امام ہو تو اس کے امام کی قرأت اس کی قرأت ہے (مسند احمد) حضرت بلالؓ کہا کرتے تھے کہ حضورؐ آمین میں مجھ سے سبقت نہ کیا کیجئے۔ اس کھینچا تانی سے مقتدی پر جہری نمازوں میں الحمد کا نہ پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ اس کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہہ کر آمین کہتا ہے' آسمان والوں کی آمین زمین والوں کی آمین سے مل جاتی ہے اللہ تعالیٰ بندے کے تمام پہلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ آمین نہ کہنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ایک قوم کے ساتھ مل کر غزوہ کرے' غالب آئے۔ مال غنیمت جمع کرے' اب قرعہ ڈال کر حصہ لینے لگے تو اس شخص کے نام قرعہ نکلے ہی نہیں اور کوئی حصہ نہ ملے وہ کہے ''یہ کیوں''؟ تو جواب ملے کہ تیرے آمین نہ کہنے کی وجہ سے۔

تفسیر سورة البقره

اس مبارک سورت کے فضائل کا بیان: ☆☆ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی (۸۰) فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے نازل ہوئی اور اس سورت میں شامل کی گئی''۔ سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے۔ جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت طلبی کے لئے پڑھے' اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو'' (مسند احمد) اس حدیث کی سند میں ایک جگہ عن رجل ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے مراد کون ہے؟ لیکن مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں اس کا نام ابو عثمان آیا ہے' یہ حدیث اسی طرح ابو داؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے- ترمذی کی ایک ضعیف سند والی حدیث ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن پاک کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیت ''آیت الکرسی'' ہے- مسند احمد' صحیح مسلم' ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے' وہاں شیطان داخل نہیں ہو سکتا- امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے' وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی کو امام یحییٰ بن معینؒ تو ثقہ بتلاتے ہیں لیکن امام احمدؒ وغیرہ ان کی حدیث کو منکر کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔ اسے نسائیؒ نے عمل الیوم و اللیلہ میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے لیکن سورۂ بقرہ نہ پڑھے۔ سنو! جس گھر میں یہ مبارک سورت پڑھی جاتی ہے' وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے' سب گھروں میں بدترین اور ذلیل ترین گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے' امام نسائیؒ نے عمل الیوم واللیلہ میں بھی اسے وارد کیا ہے مسند دارمی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی اونچائی ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی سورۂ بقرہ ہے۔ ہر چیز کا ماحصل ہوتا ہے اور قرآن کا ماحصل مفصل سورتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

فرمان ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی اور دو آیتیں اس کے بعد کی اور تین آیتیں سب سے آخر کی' یہ سب دس آیتیں رات کے وقت پڑھ لے' اس گھر میں شیطان اس رات نہیں جا سکتا اور اسے اور اس کے گھر والوں کو اس دن شیطان یا کوئی اور بری چیز ستا نہیں سکتی۔ یہ آیتیں مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کا دیوانہ پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ''جس طرح ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے' قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ جو شخص رات کے وقت اسے اپنے گھر میں پڑھے' تین راتوں تک شیطان اس گھر میں نہیں جا سکتا اور دن کو اگر گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔'' (طبرانی۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر ایک جگہ بھیجا اور اس کی سرداری آپ نے انہیں دی جنہوں نے فرمایا تھا کہ مجھے سورۂ بقرہ یاد ہے۔ اس وقت ایک شریف شخص نے کہا' میں بھی اسے یاد کر لیتا لیکن ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔ حضورؐ نے فرمایا' قرآن سیکھو' قرآن پڑھو جو شخص اسے سیکھتا ہے' پڑھتا ہے' پھر اس پر عمل بھی کرتا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اسے سیکھ کر سو جانے والے کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک تو بھرا ہوا ہے لیکن اوپر سے منہ بند کر دیا گیا ہے۔ (امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں اور مرسل روایت بھی ہے) واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی' ان کا گھوڑا جوان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا' اس نے اچھلنا' کودنا اور بدکنا شروع کیا۔ آپ نے قرأت چھوڑ دی۔ گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا۔ آپؓ نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ گھوڑے نے بھی پھر بدکنا شروع کیا۔ آپ نے پھر پڑھنا موقوف کیا' گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ چونکہ ان کے صاحبزادے یحییٰ گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے' اس لئے ڈر معلوم ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آ جائے' قرآن کا پڑھنا بند کر کے اسے اٹھا لیا۔ آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضورؐ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کرنے لگے۔ آپ سنتے جاتے اور فرماتے جاتے ہیں پھر ''اسید پڑھتے چلے جاؤ'' حضرت اسید نے کہا حضور تیسری مرتبہ کے بعد تو یحییٰ کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے۔ بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی۔ آپؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے جو تمہاری آواز کو سن کر قریب آ گئے تھے۔ اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا' کسی سے نہ چھپتے۔ یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے قریب قریب واقعہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ گذشتہ رات ہم نے دیکھا' ساری رات حضرت ثابت کا گھر نور کا بقعہ بنا رہا اور چمکدار روشن چراغوں سے جگمگاتا رہا۔ حضورؐ نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورۂ بقرہ پڑھی ہو گی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ''سچ ہے۔ رات کو میں سورۂ بقرہ کی تلاوت میں مشغول تھا''۔ اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی فضیلت: ☆☆ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''سورۂ بقرہ سیکھو' اس کو حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے' جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے'' پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد فرمایا ''سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سیکھو' یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں' اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی' قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو دیکھے گا کہ ایک نوجوان نورانی چہرے والا شخص اس کے پاس کھڑا ہوا کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟ یہ کہے گا نہیں تو وہ جواب

دے گا کہ میں قرآن ہوں جس نے دن کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا تھا اور راتوں کو بستر سے دور بیدار رکھا تھا' ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں' اب اس کے رہنے کے لئے سلطنت داہنے ہاتھ میں دی جائے گی اور ہمیشہ کے فائدے اس کے بائیں ہاتھ میں' اس کے سر پر وقار وعزت کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے ماں باپ کو دو ایسے عمدہ قیمتی حلے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت کے سامنے ہیچ ہوگی' وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ آخر اس رحم وکرم اور اس انعام واکرام کی کیا وجہ ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کے قرآن حفظ کرنے کی وجہ سے تم پر یہ نعمت انعام کی گئی۔ پھر اسے کہا جائے گا' پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا' چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور درجے چڑھتا جائے گا خواہ ترتیل سے پڑھے یا بے ترتیل۔

ابن ماجہ میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ مروی ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر' ابن ماجہ سے امام مسلمؒ بھی روایت لیتے ہیں اور امام ابن معینؒ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں امام احمد اسے منکر الحدیث بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو دیکھا کہ وہ عجب عجب حدیثیں لاتا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں' اس کی بعض احادیث سے اختلاف کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم رازیؒ کا فیصلہ ہے کہ اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں لیکن ان سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ ابن عدی کا قول ہے کہ ان کی ایسی روایتیں بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں' یہ قوی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی اس روایت کے بعض مضمون دوسری سندوں سے بھی آئے ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ قرآن پڑھا کرو' یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دو نورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا یہ دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پرکھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا ''سورۂ بقرہ پڑھا کرو۔ اس کا پڑھنا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے۔ اس کی طاقت باطل والوں کو نہیں'' صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے ''قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو قیامت کے دن بلوایا جائے گا۔ آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی۔ بادل کی طرح یا سائے اور سائبان کی طرح یا پرکھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح' یہ دونوں پروردگار سے ڈٹ کر سفارش کریں گی''۔ مسلم اور ترمذیؒ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعبؓ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' ان میں اللہ کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے' وہ قبول فرماتا ہے۔ اب اس شخص نے حضرت کعبؓ سے عرض کی کہ مجھے بتایئے' وہ نام کونسا ہے؟ حضرت کعبؓ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا' اگر میں بتادوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں تمہارے بھائی کو خواب میں دکھلایا گیا کہ گویا لوگ ایک بلند وبالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر دو سرسبز درخت ہیں اور ان میں سے آوازیں آ رہی ہیں کہ کیا تم میں کوئی سورۂ بقرہ کا پڑھنے والا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی سورۂ آل عمران کا پڑھنے والا ہے؟ جب کوئی کہتا ہے کہ ''ہاں'' تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں سمیت اس کی طرف جھک جاتے ہیں اور یہ اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قران پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا۔ پھر قصاص میں وہ بھی مارا گیا۔ پس قرآن کریم ایک ایک سورت ہو ہو کر الگ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اس کے پاس سورہ آل عمران اور سورۂ بقرہ رہ گئیں۔ ایک جمعہ

کے بعد سورۂ ال عمران چلی گئی۔ پھر ایک جمعہ گذرا تو آواز آئی کہ میری باتیں نہیں بدلا کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا چنانچہ یہ مبارک سورت یعنی سورۂ بقرہ بھی اس سے الگ ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اس کی طرف سے بلاؤں اور عذابوں کی آڑ بنی رہیں اور اس کی قبر میں اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور سب سے آخر اس کے گناہوں کی زیادتی کے سبب ان کی سفارش نہ چلی۔ یزید بن اسود جرشیؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر میں نفاق سے بری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا ساری رات نفاق سے بری رہتا ہے۔ خود حضرت یزیدؒ اپنے معمولی وظیفہ قرآن کے علاوہ ان دونوں سورتوں کو صبح شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو شخص ان دونوں سورتوں کو رات پڑھتا رہے گا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔ اس کی سند منقطع ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔

سات لمبی سورتوں کی فضیلت: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھ کو سات لمبی سورتیں توریت کی جگہ دی گئی ہیں اور انجیل کی جگہ مجھ کو دو سو آیتوں والی سورتیں ملی ہیں اور زبور کے قائم مقام مجھ کو دو سو سے کم آیتوں والی سورتیں دی گئی ہیں اور پھر مجھے فضیلت میں خصوصاً سورۂ ق سے لے کر آخر تک کی سورتیں ملی ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی سعید بن ابوبشیر کے بارہ میں اختلاف ہے۔ ابوعبید نے اسے دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص ان سات سورتوں کو حاصل کر لے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ یہ روایت بھی غریب ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر انہیں بنایا جنہیں سورۂ بقرہ یاد تھی حالانکہ وہ ان سب میں چھوٹی عمر کے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر تو وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی سات سورتیں ہیں' سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء' سورۂ مائدہ' سورۂ انعام' سورۂ اعراف اور سورۂ یونس۔ حضرت مجاہد' مکحول' عطیہ بن قیس' ابومحمد فارسی' شداد بن اوس' یحییٰ بن حارث ذماری سے بھی یہی منقول ہے۔

مقام نزول: ☆☆ سورۂ بقرہ ساری کی ساری مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے اور شروع شروع جو سورتیں نازل ہوئیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے البتہ اس کی ایک آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ یہ سب سے آخر نازل شدہ بتلائی جاتی ہے یعنی قرآن کریم میں سب سے آخر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ نازل بعد میں ہوئی ہو لیکن اسی میں ہے۔ اور اسی طرح سود کی حرمت کی آیتیں بھی آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان سورۂ بقرہ کو فسطاط القرآن یعنی قرآن کا خیمہ کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اس میں ایک ہزار خبریں ہیں اور ایک ہزار حکم ہیں اور ایک ہزار کاموں سے ممانعت ہے' اس کی آیتیں دو سو ستاسی ہیں۔ اس کے کلمات چھ ہزار دو سو اکیس ہیں۔ اس کے حروف ساڑھے پچیس ہزار ہیں۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الٓمّٓ ۝۱

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے ○

ابن عباس فرماتے ہیں' یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین سے بھی بلا اختلاف یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ النساء وغیرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے' وہ سورت جس میں آل عمران کا بیان ہے اور اسی طرح قرآن کی سب سورتوں کے نام لیا کرو۔ لیکن یہ حدیث

غریب ہے بلکہ اس کا فرمان رسولؐ ہونا ہی صحیح نہیں۔ اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابوسلمہ خواص ضعیف ہیں۔ ان کی روایت سے سند نہیں لی جا سکتی۔ اس کے برخلاف بخاری ومسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منٰی دائیں طرف۔ اور فرمایا اسی جگہ سے کنکر پھینکے تھے رسول اللہ ﷺ نے جن پر سورۂ بقرہ اتری ہے۔ گو اس حدیث سے صاف ثابت ہو گیا ہے کہ سورۂ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ لیکن مزید سنئے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں یا اصحاب سورۂ بقرہ کہہ کر پکارا۔ غالباً یہ غزوۂ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضورؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے انہیں درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے والو اور اے سورۂ بقرہ والو کہہ کر پکارا تھا تا کہ ان میں خوشی اور دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہؓ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا' اس کے ساتھ لڑنے کے وقت بھی جب قبیلہ بنوحنیفہ کی چیرہ دستیوں نے پریشان کر دیا اور قدم ڈگمگا گئے تو صحابہؓ نے اسی طرح لوگوں کو پکارا' یا اصحاب سورۃ البقرہ' اے سورۂ بقرہ والو! اس آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے اور جم کر لڑے یہاں تک کہ ان مرتدوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو فتح دی اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے سب صحابہ سے خوش ہو۔

حروف مقطعات اور ان کے معنی: ☆☆ (آیت:۱) الٓمّٓ جیسے حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے اول میں آئے ہیں' ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور کسی کو معلوم نہیں۔ اس لئے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبیؒ نے حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے یہی نقل کیا ہے عامر' شعبی' سفیان ثوری' ربیع بن خثیم رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابو حاتم بن حبانؒ کو بھی اسی سے اتفاق ہے۔ بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں' یہ سورتوں کے نام ہیں۔ علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں' اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ سیبویہؒ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی دلیل بخاری ومسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الم السجدہ اور ھل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں الٓمّٓ اور حٰمٓ اور الٓمّٓصٓ اور صٓ یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ الٓمّٓ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت قتادہ اور حضرت زید بن اسلم کا قول بھی یہی ہے اور شاید اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن زید اسلم فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ اس لئے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے قرآن کا نام الٓمّٓصٓ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورۂ الٓمّٓصٓ پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۂ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔ واللہ اعلم۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ حضرت شعب سالم بن عبداللہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر یہی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الم اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے اور روایت میں ہے کہ حم' طس اور الم یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس دونوں سے یہ مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے' یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں' یہ قسم ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی اِنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ ہیں' یعنی میں ہی ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے' ابن عباس ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہؓ سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہ تین حرف الف اور لام اور میم انتیس حرفوں میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے

ہر ہر حرف اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعجب کرنے پر کہا گیا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے۔ ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔ الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد الاء یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجد یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے۔ لام سے تیس سال اور میم سے چالیس سال (ابن ابی حاتم)

امام ابن جریرؒ نے ان سب مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے یعنی ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو۔ ہوسکتا ہے یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نام بھی، سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی ہوں اور ان میں سے ہر ہر حرف سے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ اور اس کی صفتوں کی طرف اور مدت وغیرہ کی طرف بھی ہو۔ ایک ایک لفظ کئی کئی معنی میں آتا ہے۔ جیسے لفظ اُمَّۃ کہ اس کے ایک معنی ہیں، دین، جیسے قرآن میں ہے اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔ دوسرے معنی ہیں۔ اللہ کا اطاعت گذار بندہ جیسے فرمایا اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ تیسرے معنی ہیں جماعت جیسے فرمایا وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا اور جگہ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا یعنی ہم نے ہر جماعت میں کوئی رسول یقیناً بھیجا۔ چوتھے معنی ہیں مدت اور زمانہ، فرمان ہے وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ یعنی ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔ پس جس طرح یہاں ایک لفظ کے کئی معنی ہوئے، اسی طرح ممکن ہے کہ ان حروف مقطعہ کے بھی کئی معنی ہوں۔ امام ابن جریر کے اس فرمان پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابوالعالیہؒ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ایک ساتھ، ایک ہی جگہ، ان سب معنی میں ہے اور لفظ امت وغیرہ جو کئی کئی معنی میں آئے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں ان کے معنی ہوتے ہیں جو عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی جگہ سب کے سب معنی مراد نہیں ہوتے اور سب کو ایک ہی جگہ محمول کرنے کے مسئلہ میں علماء اصول کا بڑا اختلاف ہے اور ہمارے تفسیری موضوع سے اس کا بیان خارج ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرے یہ کہ امت وغیرہ الفاظ کے معنی ہی بہت سارے ہیں اور یہ الفاظ اسی لئے بنائے گئے ہیں کہ بندش کلام اور نشست الفاظ سے ایک معنی ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں، ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے جو دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو، نہ تو مقدر ماننے سے، نہ ضمیر دینے سے، نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ کسی اور اعتبار سے۔ ایسی بات علمی طور پر تو نہیں سمجھی جاسکتی البتہ اگر منقول ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں اختلاف ہے۔ اجماع نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ قابل غور ہے۔ اب بعض اشعار عرب کے جو اس بات کی دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک کلمہ کو بیان کرنے کے لئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن ان شعروں میں خود عبارت ایسی ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حرف کے بولتے ہی پورا کلمہ سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن یہاں ایسا بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔

قرطبی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کرے، مطلب یہ ہے کہ قتل پورا نہ کہے۔ بلکہ صرف اق کہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ سورتوں کے شروع میں جو حروف ہیں مثلاً قٓ، صٓ، حٰمٓ، طٰسٓمٓ، الٓرٰ وغیرہ یہ سب حروف ہجا ہیں۔ بعض عربی دان کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جو اٹھائیس ہیں ان میں سے چند ذکر کر دیئے، باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا ا ب ت ث لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتدا کے چند حروف ذکر کر دیئے باقی کو چھوڑ دیا۔ سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حروف آئے ہیں ا ل م ص ر ك ه ی ع ط س ح ق ن ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے نَصٌّ

حَكِيْمٌ قَاطِعٌ لَّهٗ سِرٌّ تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف اٹھائیس ہیں۔ اس لئے یہ آدھے ہوئے۔ بقیہ جن حروف کا ذکر نہیں کیا گیا' یہ حروف ان سے زیادہ فضیلت والے ہیں اور یہ صناعت تصریف ہے۔ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حروف تھے' اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آ گئیں یعنی مہموسہ مجہورہ وغیرہ۔ سبحان اللہ۔ ہر چیز میں اس مالک کی حکمت نظر آتی ہے یہ یقینی بات ہے کہ خدا کا کلام لغو' بیہودہ' بیکار' بے معنی الفاظ سے پاک ہے۔ جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کے کچھ معنی ہی نہیں وہ بالکل خطا پر ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔ اگر نبی معصوم ﷺ سے اس کے معنی کچھ ثابت ہوں تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور نے کچھ معنی بیان نہیں کئے ہم بھی نہ کریں گے اور ایمان لائیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حضورؐ سے تو اس میں ہمیں کچھ نہیں ملا اور علماء کا اس میں بے حد اختلاف ہے۔ اگر کسی پر کسی قول کی دلیل کھل جائے تو خیر وہ اسے مان لے ورنہ بہتر یہ ہے کہ ان حروف کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لائے اور یہ جانے کہ اس کے معنی ضرور ہیں جو اللہ ہی کو معلوم ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوئے۔ دوسری حکمت ان حروف کے لانے میں یہ بھی ہے کہ ان سے سورتوں کی ابتداء معلوم ہو جائے لیکن یہ وجہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے بغیر ہی سورتوں کی جدائی معلوم ہو جاتی ہے۔ جن سورتوں میں ایسے حروف ہی نہیں' کیا ان کی ابتداء انتہا معلوم نہیں؟

پھر سورتوں سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے موجود ہونا کیا ایک سورت کو دوسری سے جدا نہیں کرتا؟ امام ابن جریر نے اس کی حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ مشرکین کتاب اللہ کو سنتے ہی نہ تھے' اس لئے انہیں سنانے کے لئے ایسے حروف لائے گئے تاکہ جب ان کا دھیان کان لگ جائے تو باقاعدہ تلاوت شروع ہو' لیکن یہ وجہ بھی بودی ہے اس لئے اگر ایسا ہوتا تو تمام سورتوں کی ابتدا انہی حروف سے کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اکثر سورتیں اس سے خالی ہیں۔ پھر جب بھی مشرکین سے کلام شروع ہو یہی حروف چاہئیں۔ نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں ہی یہ حروف ہوں۔ پھر اس پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ سورت یعنی سورۂ بقرہ اور اس کے بعد کی سورت یعنی سورۂ آل عمران یہ تو مدینہ شریف میں نازل ہوتی ہیں اور مشرکین مکہ ان کے اترنے کے وقت وہاں تھے ہی نہیں۔ پھر ان میں یہ حروف کیوں آئے؟ ہاں یہاں پر ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان حروف کے لانے میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جس سے تمام مخلوق عاجز ہے باوجود یہ کہ یہ حروف بھی روزمرہ کے استعمالی حروف سے ترکیب دیئے گئے ہیں لیکن مخلوق کے کلام سے بالکل نرالے ہیں۔ مبرد اور محققین کی ایک جماعت اور فراء اور قطرب سے بھی یہی منقول ہے۔ زمخشری نے تفسیر کشاف میں اس قول کو نقل کر کے اس کی بہت کچھ تائید کی ہے۔ شیخ امام علامہ ابو العباس حضرت ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ اور حافظ مجتہد ابو الحاج مزی نے بھی یہی حکمت بیان کی ہے۔ زمخشری فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے نہیں آئے۔

ہاں ان حروف کو مکرر لانے کی یہ وجہ ہے کہ بار بار مشرکین کو عاجز اور لاجواب کیا جائے اور انہیں ڈانٹا اور دھمکایا جائے۔ جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک حرف آیا ہے جیسے صٓ نٓ قٓ' کہیں دو حروف آئے ہیں جیسے حٰمٓ' کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے الٓمّٓ' کہیں چار آئے ہیں جیسے الٓمّٓرٰ اور الٓمّٓصٓ اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے كٓهٰيٰعٓصٓ اور حٰمٓ عٓسٓقٓ اس لئے کہ کلمات عرب کے کل اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حروف کے' پانچ حرف سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں' وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی اور بڑائی بیان ہو چنانچہ ایسا ہی انتیس سورتوں میں یہ واقعہ ہوا ہے۔

سنئے فرمان ہے الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہاں بھی ان حروف کے بعد ذکر ہے کہ اس قرآن کے اللہ جل شانہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں اور جگہ فرمایا الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور دوائم والا ہے، جس نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب تھوڑی تھوڑی نازل فرمائی ہے۔ وہ پہلے کی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں بھی ان حروف کے بعد قرآن کریم کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ اور جگہ فرمایا الٓمّٓصٓ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ یعنی یہ کتاب تیری طرف اتاری گئی ہے تو اپنا دل تنگ نہ رکھ۔ اور جگہ فرمایا الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ الخ یہ کتاب ہم نے تیری طرف نازل کی تاکہ تو لوگوں کو اپنے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر اجالے میں لائے۔

ارشاد ہوتا ہے الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فرماتا ہے حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بخششوں اور مہربانیوں والے اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے حٰمٓ عٓسٓقٓ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ الخ یعنی اسی طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غالب، حکمتوں والا تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔ اسی طرح اور ایسی سورتوں کے شروع کو بہ غور دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف کے بعد کلام پاک کی عظمت وعزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لئے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے لئے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں۔ واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف سے مدت معلوم کرائی گئی ہے اور فتنوں، لڑائیوں اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے اوقات بتلائے گئے ہیں لیکن یہ قول بھی بالکل ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اول تو وہ ضعیف ہے، دوسرے اس حدیث سے اس قول کی پختگی تو ایک طرف، اس کا باطل ہونا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث محمد بن اسحاق بن یسارؒ نے نقل کی ہے جو تاریخ کے مصنف ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ابو یاسر بن اخطب یہودی اپنے چند ساتھیوں کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپؐ اس وقت سورۂ بقرہ کی شروع آیت الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ الخ تلاوت فرما رہے تھے، وہ اسے سن کر اپنے بھائی حی بن اخطب کے پاس آیا اور کہا میں نے آج حضورؐ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ پوچھتا ہے تو نے خود سنا؟ اس نے کہا ہاں، میں نے خود سنا ہے۔ حی ان سب یہودیوں کو لے کر پھر حضورؐ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے حضورؐ کیا یہ سچ ہے کہ آپؐ اس آیت کو پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ''ہاں سچ ہے'' اس نے کہا سنئے۔ آپ سے پہلے جتنے نبی آئے، کسی کو بھی نہیں بتلایا گیا تھا کہ اس کا ملک اور مذہب کب تک رہے گا لیکن آپ کو بتلا دیا گیا۔ پھر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا، سنو الف کا عدد ہوا ایک، لام؟ کے تیس، میم کے چالیس، کل اکہتر ہوئے۔ کیا تم اس نبی کی تابعداری کرنا چاہتے ہو جس کے ملک اور امت کی مدت کل اکہتر سال ہو پھر حضورؐ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں المٓصٓ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور بہت لمبی ہے۔ الف کا ایک، لام کے تیس، میم کے چالیس، صواد کے نوے، یہ سب ایک سو اکسٹھ سال ہوئے۔ کہا اور کوئی بھی ایسی آیت ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں ''الرٰ'' کہنے لگا، یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے۔ الف کا ایک، لام کے تیس اور رے کے دو سو۔ جملہ دو سو اکتیس برس ہوئے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور ایسی بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں المرٰ ہے۔ کہا یہ تو بہت ہی بھاری ہے الف کا ایک، لام کے تیس، میم کے چالیس اور رے کے دو سو، سب مل کر دو سو اکہتر ہو گئے۔ اب تو کام مشکل ہو گیا اور بات خلط ملط ہو گئی۔ لوگو اٹھو۔ ابو یاسر نے اپنے بھائی سے اور دوسرے علماء یہود سے کہا۔ کیا عجب کہ ان سب حروف مجموعہ کی مدت حضرت محمد ﷺ کو ملا ہو، اکہتر ایک، ایک سو اکسٹھ ایک، دو سو اکتیس ایک، دو سو اکہتر ایک، یہ سب مل کر سات سو چونتیس برس ہوئے۔ انہوں نے کہا، اب کام خلط ملط ہو گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ الخ یعنی وہی اللہ جس نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیتیں ہیں۔ جو اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں مشابہت والی بھی ہیں۔ اس حدیث کا دارومدار محمد بن سائب کلبی پر ہے اور جس حدیث کا یہ اکیلا راوی ہو محدثین اس سے حجت نہیں پکڑتے اور پھر اس طرح اگر مان لیا جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا' ان کے عدد بہت ہو جائیں گے اور جو حروف ان میں سے کئی کئی بار آئے ہیں' اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی کئی بار لگایا جائے تو بہت ہی بڑی گنتی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۲

اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں' پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے ○

تحقیقات کتاب: ☆☆ (آیت:۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں ذَالِكَ معنی میں ''هٰذَا'' کے ہیں۔ مجاہد' عکرمہ' سعید جبیہ سدی' مقاتل بن حباب' زید بن اسلم اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ابوعبیدہؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذَالِكَ اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لئے جس کے معنی ہیں وہ لیکن کبھی نزدیک کے لئے بھی لاتے ہیں۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ''یہ'' یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ زمخشری کہتے ہیں' اس سے اشارہ الم کی طرف ہے جیسے اس آیت میں ہے لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِكَ یعنی نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچہ ہے بلکہ اس کے درمیانی عمر کی جوان ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یہ ہی ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ ہی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گذر چکے۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا۔ بعض نے تورات کی طرف' کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس قول ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کا اشارہ تورات اور انجیل کی طرف ہے' انہوں نے انتہائی بھول بھلیوں کا راستہ اختیار کیا' بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلاوجہ وہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں۔ رَیْبَ کے معنی ہیں شک وشبہ۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور کئی ایک صحابہؓ سے یہی معنی مروی ہیں۔ ابودرداء' ابن عباس' مجاہد سعید بن جبیر' ابو مالک نافع جو ابن عمر کے مولا ہیں۔ عطا' ابوالعالیہ' ربیع بن انس' مقاتل بن حیان' سدی' قتادہ' اسمٰعیل بن ابوخالد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں' مفسرین میں اس میں اختلاف نہیں۔ رَیْبَ کا لفظ عرب شاعروں کے شعروں میں تہمت کے معنی میں بھی آیا ہے اور حاجت کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس قرآن کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ جیسے سورۂ سجدہ میں ہے الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی بیشک یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے پالنے والے اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔ بعض قاری لَا رَیْبَ پر وقف کرتے ہیں اور فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں لیکن لَا رَیْبَ فِیْهِ پر ٹھہرنا بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مضمون اسی طرح سورۂ سجدہ کی آیت میں موجود ہے اور اس میں بہ نسبت فِیْهِ هُدًى کے زیادہ مبالغہ ہے۔ ھدی نحوی اعتبار سے صفت ہو کر مرفوع ہو سکتا ہے اور حال کی بنا پر منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ مخصوص کیا گیا جیسے دوسری جگہ فرمایا قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ الخ یعنی یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے ایمان والوں کے لئے اور بے ایمانوں کے

کان بوجھل ہیں اور آنکھیں اندھی ہیں یہ بہت دور سے پکارتے ہیں اور فرمایا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی یہ قرآن ایمان داروں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم لوگ تو اپنے خسارے میں ہی بڑھتے جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں۔ ان سب کا مطلب یہ ہے کہ گو قرآن کریم خود ہدایت اور محض ہدایت ہے اور سب کے لئے ہے لیکن اس ہدایت سے نفع اٹھانے والے صرف نیک بخت لوگ ہیں جیسے فرمایا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور سینے کی بیماریوں کی شفاء آ چکی جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ ہدایت سے مراد نور ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

متقین کی تعریف: ☆☆ متقین وہ ہیں جو ایمان لا کر، شرک سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائیں۔ ایک اور روایت میں ہے، متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کی امید رکھ کر اس کی طرف سے جو نازل ہوا اسے سچا جانتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ”متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجا لائے۔ حضرت اعمش، حضرت ابو بکر بن عیاش سے سوال کرتے ہیں ”متقی کون ہے؟ آپ یہی جواب دیتے ہیں۔ پھر میں نے کہا ”ذرا حضرت کلبی سے بھی تو دریافت کر لو!“ وہ کہتے ہیں متقی وہ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچیں۔ اس پر دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں، متقی وہ ہے جس کا وصف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے بعد بیان فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ الخ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ سب اوصاف متقین میں جمع ہوتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، بندہ حقیقی متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہو جائے۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جبکہ لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لئے جائیں گے، اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ ابو عفیف نے پوچھا، حضرت متقی کون لوگ ہیں؟ آپؓ نے فرمایا، جو لوگ شرک سے، بت پرستی سے بچیں اور اللہ کی خالص عبادت کریں، وہ اسی عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کی وضاحت: ☆☆ ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں۔ ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل وعلا کی مہربانی کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی اے نبی جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ تجھ پر ان کی ہدایت لازم نہیں۔ فرماتا ہے مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ الخ یعنی جسے اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کر دینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے اور جگہ فرمان ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ الخ یعنی ہم نے ثمودیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔۔۔

ہدایت کی وضاحت: ☆☆ ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں۔ ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل وعلا کی مہربانی کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ یعنی اے نبی جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے لَیۡسَ عَلَیۡكَ هُدٰهُمۡ تجھ پر ان کی ہدایت لازم نہیں۔ فرماتا ہے مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ الخ یعنی جسے اللہ ہدایت دے' وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کر دینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَیۡنٰهُمۡ الخ یعنی ہم نے ثمودیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ فرماتا ہے وَهَدَیۡنٰهُ النَّجۡدَیۡنِ ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصلی معنی بری چیزوں سے بچنے کے ہیں۔ اصل میں یہ ''وقوی'' ہے۔ وقایت سے ماخوذ ہے' نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے حضرت عمر بن خطابؓ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹوں دار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے' ہو ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ابن معتز شاعر کا قول ہے ؎

خَلِّ الذُّنُوۡبَ صَغِیۡرَهَا   وَ کَبِیۡرَهَا ذَاكَ التُّقٰی
وَاصۡنَعۡ کَمَاشٍ فَوۡقَ اَرۡضِ   الشَّوۡكِ یَحۡذَرُ مَا یَرٰی
لَا تَحۡقِرَنَّ صَغِیۡرَةً   اِنَّ الۡجِبَالَ مِنَ الۡحِصٰی

یعنی چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو۔ یہی تقویٰ ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان۔ چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو۔ دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں۔ ابو درداءؓ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کا پورا ہونا چاہتا ہے اور اللہ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ سے تقویٰ ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے' وہ اللہ کا ڈر ہے۔ اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے' وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے' اسے بجا لائے اور اگر قسم دے دے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

ایمان کی تعریف: ☆☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' ایمان کسی چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں' ایمان کہتے ہیں عمل کو۔ ربیع بن انسؓ کہتے ہیں' یہاں مراد ایمان لانے سے ڈرنا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ یہ سب اقوال مل جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زبان سے' دل سے' عمل سے' غیب پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔ ایمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ پر' اس کی کتابوں پر' اس کے اصولوں پر ایمان لانا شامل ہے اور اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ بھی کرنا لازم ہے۔ میں کہتا ہوں' لغت

میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو- قرآن میں بھی ایمان اس معنی میں استعمال ہوا ہے- جیسے فرمایا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اللہ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں- یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا- وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں- اس طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو- جیسے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے، وہ اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے- اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعیؒ امام احمد اور امام ابوعبیدہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا- ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور حدیثیں بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری شریف کی شرح میں نقل کر دی ہیں- فالحمدللہ-

بعض نے ایمان کے معنی اللہ سے ڈر، خوف کے بھی کئے ہیں- جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ جو لوگ اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں- اور جگہ فرمایا مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرے اور جھکنے والا دل لے کر آئے- حقیقت میں اللہ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے- جیسے فرمایا اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا جو بندے ذی علم ہیں، صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں- بعض کہتے ہیں، وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایماندار ہونا ظاہر کریں لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں- ان منافقین کا حال اور جگہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ یعنی منافق جب تیرے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ ہماری تہہ دل سے شہادت ہے کہ تو اللہ کا رسولؐ ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں- اس معنی کے اعتبار سے بالغیب حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں درآں حالی کہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں- غیب کا لفظ جو یہاں ہے، اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں-

ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت پر، جنت دوزخ پر، ملاقات اللہ پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے- قتادہ ابن دعامہؒ کا یہی قول ہے- ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر اصحاب سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت دوزخ وغیرہ، وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو کچھ آیا ہے، وہ سب غیب میں داخل ہے- حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے- عطا ابن ابو رباحؒ فرماتے ہیں اللہ پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے- اسماعیل بن ابو خالدؒ فرماتے ہیں اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں مراد ہیں- زید بن اسلمؒ کہتے ہیں، مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے- پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں- اس لئے کہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب پر مشتمل ہے اور ان سب پر ایمان لانا واجب ہے- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہؓ کے فضائل بیان ہو رہے ہوتے ہیں تو آپؓ فرماتے ہیں، حضورؐ کے دیکھنے والوں کو تو آپؐ پر ایمان لانا ہی تھا لیکن خدا کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں- پھر آپ نے الٓمّٓ سے لے کر مُفْلِحُوْنَ تک آیتیں پڑھیں (ابن ابی حاتم- ابن مردویہ- مستدرک- حاکم) امام حاکمؒ اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں-

مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے ابو جمعہ صحابیؓ سے ابن محیریزؒ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو- فرمایا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناتا ہوں- ہم نے حضورؐ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا- ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے- انہوں نے کہا، یا رسول اللہ کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ پر اسلام لائے- آپؐ

کے ساتھ جہاد کیا- آپؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے- مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا- تفسیر ابن مردویہ میں ہے صالح بن جبیر کہتے ہیں کہ ابو جمعہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے- رجاء بن حیوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے، جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں پہچانے کو ساتھ چلے، جب الگ ہونے لگے تو فرمایا، تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے-

سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، ضرور سناؤ- کہا سنو، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ہم دس آدمی تھے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی- آپؐ نے فرمایا، تم ایسا کیوں نہ کرتے؟ اللہ کا رسولؐ تم میں موجود ہے، وحی الٰہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے- ایمان تو ان لوگوں کا افضل ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے- دو گتوں کے درمیان یہ کتاب پائیں گے، اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے، یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہوں گے- اس حدیث میں ''وجادہ'' کی قبولیت کی دلیل ہے، جس میں محدثین کا اختلاف ہے- میں نے اس مسئلہ کو بخاری شریف میں خوب واضح کر دیا ہے- بعد والوں کی تعریف اسی بنا پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا اسی حیثیت کی وجہ سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ہیں- ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا، تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہے، انہوں نے کہا، فرشتے- فرمایا، وہ ایمان کیوں نہ لائیں- وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں- لوگوں نے پھر کہا، انبیاء، فرمایا، وہ ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے- کہا پھر ہم فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے، صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے، اس پر ایمان لائیں گے، اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں- ابو حاتم رازیؒ انہیں منکر الحدیث بتلاتے ہیں لیکن اسی کے مثل ایک اور حدیث ضعیف سند سے مسند ابو یعلیٰ تفسیر ابن مردویہ مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے اور حاکم اسے صحیح بتاتے ہیں- حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسی کے مثل مرفوعاً مروی ہے- واللہ اعلم-

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں- بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا، دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے- ہم سنتے ہی گھوم گئے- عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی کی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف ادا کیں- جب حضور کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں- یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے-

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۙ۝۳

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں ○

قیام صلوۃ کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۳) ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض نماز بجا لانا- رکوع، سجدہ، تلاوت، خشوع اور توجہ کو قائم رکھنا نماز کو قائم رکھنا ہے- قتادہؒ کہتے ہیں، وقتوں کا خیال رکھنا، وضو اچھی طرح کرنا، رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوۃ ہے- مقاتل کہتے ہیں، وقت کی نگہبانی کرنا- مکمل طہارت کرنا، رکوع سجدہ پورا کرنا، تلاوت اچھی طرح کرنا- التحیات اور درود پڑھنا اقامت صلوٰۃ ہے- ابن عباسؓ

فرماتے ہیں مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ نے کہا ہے اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ خرچ میں قربانی دینا جو قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اپنی استعداد کے مطابق بھی شامل ہے جو زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیتیں جو سورۂ برات میں ہیں، ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔

قتادہؒ فرماتے ہیں، یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا۔ اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ زکوٰۃ میں اہل وعیال کا خرچ اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہے ان سب کو دینا بھی شامل ہے، اس لئے کہ پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا اور عام تعریف کی ہے لہذا ہر طرح کا خرچ شامل ہوگا۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے کہ نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید، اس کی ثنا، اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے، اس پر توکل کرنے، اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل وعیال اور غلام ہیں۔ پھر دور والے اجنبی۔ لہذا تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا۔ نماز قائم رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لئے ہونے لگا جو رکوع، سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط صفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں، انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ ہلتی ہیں اس لئے نماز کو صلوۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کہا ہے، یہ ماخوذ ہے صلی سے، جس کے معنی ہیں جھک جانا اور لازم ہو جانا جیسے قرآن میں لَا يَصْلٰهَآ الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بدبخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تَصْلِيَة کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے، اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ الخ یعنی نماز ہر بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث ان شاء اللہ اور جگہ آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ
هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں، اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ○

اعمال مومن: ☆☆ (آیت:۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تجھ سے پہلے کے انبیاء پر نازل ہوا، ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی کو مانیں اور کسی سے انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث وقیامت، جنت ودوزخ، حساب ومیزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت

چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی' اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی' انہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایماندار خواہ عرب مومن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ۔ مجاہد ابوالعالیہؒ ربیع بن انس اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ دونوں ہیں تو ایک مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں واؤ عطف کا ہوگا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہوگا جیسے سَبِّحِ اسۡمَ الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے اور شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مومنوں کی اور وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ الخ سے مراد اہل کتاب مومنوں کی صفتیں ہیں۔ سدیؒ نے حضرت ابن عباس' ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِمۡ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس وحی پر جو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس وحی پر جو اس سے پہلے ان کی طرف اتاری گئی' ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی' وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے اور جب ان کو (یہ قرآن) پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے' انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا۔

بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی' تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے' پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ امام جریرؒ کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورت کے شروع میں مومنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں ہیں کافر اور منافق۔ اسی طرح مومنوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عربی مومن اور کتابی مومن۔ میں کہتا ہوں ظاہراً یہ ہے کہ حضرت مجاہدؒ کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورۂ بقرہ کی اول چار آیتیں مومنوں کے اوصاف کے بیان میں ہیں اور دو آیتیں اس کے بعد کی کافروں کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیتیں منافقوں کے حق میں ہیں۔ پس یہ چاروں آیتیں ہر مومن کے حق میں عام ہیں۔ عربی ہو یا عجمی' کتابی ہو یا غیر کتابی' انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے' اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے۔ ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔

غیب پر ایمان لانا' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور اگلے انبیاء پر جو کتابیں اتری ہیں۔ ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر پچھلی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں' اسی طرح پچھلی تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں۔ اسی لئے ایمان والوں کو حکم الٰہی ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ الخ یعنی ایمان والو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر اتری ہے' اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں' ان پر ایمان لاؤ اور فرمایا وَلَا تُجَادِلُوۡۤا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ الخ یعنی اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ برتو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ارشاد ہے۔ اے اہل کتاب جو ہم نے اتارا ہے' اس پر ایمان لاؤ' اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور جگہ فرمایا۔ اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک توراۃ انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے۔ قائم نہ رکھو۔ دوسری جگہ تمام ایمان

والوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ یعنی ہمارے رسول ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی' ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں ایمان والوں کا اللہ تعالیٰ' پر اس کے تمام رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمان والوں کی ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ **ان کا ایمان** اپنے ہاں کتابوں میں **تفصیل** کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضورؐ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی **تفصیل** کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اسی لئے ان کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اس امت کے لوگ بھی اگلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان **اجمالی طور** پر ہوتا ہے۔

جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بات کریں تو تم نہ اسے سچ کہو نہ جھوٹ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا' اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا' اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بعض موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضورؐ پر ایمان لاتے ہیں' ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے زیادہ پورا' زیادہ کمال والا' زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے' چاہے وہ اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانے کے سبب دوہرا اجر پائیں لیکن یہ لوگ کمال ایمان کے سبب اجر میں ان سے بھی بڑھ جائیں۔ واللہ اعلم۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٦

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں جن کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے' وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ○

ہدایت یافتہ لوگ: ☆☆ (آیت:۵) یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا' نماز قائم رکھنا' اللہ کے دیئے ہوئے سے دینا۔ حضورؐ پر جو اترا' اس پر ایمان لانا' آپ سے پہلے جو کتابیں اتریں' ان کو ماننا' دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے کے لئے نیک اعمال کرنا۔ برائیوں اور حرامکاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے نور ملا اور بیان و بصیرت حاصل ہوا اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات ہے۔ ابن عباسؓ نے ہدایت کی تفسیر ''نور'' اور ''استقامت'' سے کی ہے اور ''فلاح'' کی تفسیر اپنی چاہت کو پالینے اور برائیوں سے بچ جانا' کی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور' دلیل' ثابت قدمی' سچائی اور توفیق میں حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے ان پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات' ثواب اور جنت کی ہمیشگی پانے کے مستحق ہیں اور عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے اُولٰٓئِكَ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گذر چکا۔ اس اعتبار سے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا بن کر مرفوع ہوگا اور اس کی خبر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہوگی۔ لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے' اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں' حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے مراد عرب ایمان

دار ہیں- اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایمان دار ہیں- پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیتیں عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے واللہ اعلم- مجاہدؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ سے یہی مروی ہے- ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ حضور قرآن پاک کی بعض آیتیں تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیتیں کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں- آپؐ نے فرمایا' لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں' پھر آپؐ نے الٓمٓ سے مُفۡلِحُوۡنَ تک پڑھ کر فرمایا' یہ تو جنتی ہیں- صحابہ نے خوش ہو کر فرمایا ''الحمدللہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہیں'' پھر اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سے عَظِیۡمٌ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں- انہوں نے کہا ہم ایسے نہیں- آپؐ نے فرمایا' ہاں- (ابن ابی حاتم)

بدقسمت لوگ: ☆☆ (آیت:٦) یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے اور چھپا لینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے' نہ انہیں آپ کا ڈرانا سود مند ہے اور نہ ہی نہ ڈرانا- یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہیں کریں گے جو آپؐ پر نازل ہوئی ہے- جیسے اور جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡهِمۡ کَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے' وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیتیں دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں- اور ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا وَلَئِنۡ اَتَیۡتَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ الخ یعنی ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل لے آؤ تاہم وہ تمہارے قبلے کو نہیں مانیں گے- یعنی ان بدنصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہوگی- ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبیؐ! ان پر افسوس نہ کر' تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے- ماننے والے نصیب ور ہیں- وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی- تیرا فرض ادا ہو گیا' ہم خود ان سے حساب لے لیں گے- تو صرف ڈرا دینے والا ہے- ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے-

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں لیکن پروردگار نے فرمایا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ نہیں- یہ نعمت بٹ چکی ہے- جس کے حصے میں آئی ہے وہ آپ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں' وہ ہرگز ہرگز اطاعت کی طرف نہیں جھکیں گے- پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں' انہیں ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد موجود ہے- تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کا اقرار کر چکے تو بھلا وہ تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری ہے اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا الخ لیکن جو معنی ہم نے پہلے بیان کئے ہیں' وہ زیادہ واضح ہیں اور دوسری آیتوں کے مطابق ہیں- واللہ اعلم- اس حدیث پر جو ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے' دوبارہ نظر ڈال جایئے لَا یُؤۡمِنُوۡنَ پہلے جملہ کی تاکید ہے یعنی ڈرانا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں دونوں حالتوں میں ان کا کفر نہ ٹوٹے گا- یہ بھی ممکن ہے کہ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ خبر ہو اس لئے کہ تقدیر کلام اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ہے اور سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ جملہ معترضہ ہو جائے گا- واللہ اعلم-

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝۷ ۱ ع ۷

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر' ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان ہی کے لئے بڑا عذاب ہے ○

مہر کیوں لگادی گئی؟ ☆☆ (آیت:۷) حضرت سدیؒ فرماتے ہیں، ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر لگادی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آگیا۔ وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا، ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں میں بستے جاتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن میں رَانَ کا لفظ ہے طَبَعَ کا لفظ ہے اور اَقْفَالَ کا لفظ ہے۔ رَانَ طَبَعَ سے کم ہے اور طبع، اقفال سے کم ہے، اقفال سب سے زیادہ ہے۔ حضرت مجاہدؒ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہ کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہوگئی۔ پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہوگئی یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہوگئیں اور اب مٹھی بالکل بند ہوگئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں، مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر کسی طرح حق اثر نہیں کرتا۔ اسے رَین بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تکبر کی وجہ سے ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان ہو رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا، مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ یہ مطلب ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

زمخشریؒ نے اس کی تردید کی ہے اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بے معنی اور فضول ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر رب قدوس مہر لگا دے لیکن افسوس اس نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ الخ ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا کہ وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں جو صاف بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے، حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے، جو یہ سراسر عدل و انصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ اگر زمخشری بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

قرطبی فرماتے ہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر لگانا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کے بدلے ہے۔ فرمایا ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر مہر لگا دی حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو۔ الٹ پلٹ کرتا ہے۔ دعا میں ہے یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینك یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ایک تنکا، جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے، اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے، اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے، جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے۔ پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے، اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے۔ امام ابن جریرؒ کا فیصلہ وہی ہے جو حدیث میں آچکا ہے کہ مومن

جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ باز آ جائے۔ توبہ کر لے اور رک جائے تو وہ نکتہ مٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ جائے تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ رَانَ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ یعنی یقیناً ان کے دلوں پر رَانَ ہے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے (ترمذی۔ نسائی۔ ابن جریر) امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر خداوندی لگ جاتی ہے، جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ”ختم اللہ“ میں ہے وہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے، نہ اس میں کچھ جا سکتا ہے نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے، ان میں بھی بغیر اس کے ہٹے اور ٹوٹے نہ ہدایت اثر کرے نہ کفر جائے سَمْعِهِمْ پر پورا وقف ہے اور عَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ الگ پورا جملہ ہے۔ ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوت یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قرآن میں ہے فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ان آیتوں میں دل اور کان پر ختم کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا۔

بعض نے یہاں غِشَاوَةً زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل جَعَلَ مقصود ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ”وَحُوْرٌ عِیْنٌ“ میں۔ شروع سورت کی چار آیتوں میں مومنین کے اوصاف بیان ہوئے۔ پھر ان دو آیتوں میں کفار کا حال بیان ہوا، اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن حقیقت میں کافر ہیں چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جاتی ہیں، اس لئے ان کا بیان ذرا تفصیل سے کیا گیا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں۔ انہی کے بارے میں سورۂ براءت اتری اور انہی کا ذکر سورۂ نور وغیرہ میں بھی کیا گیا تاکہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان کی مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ
بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

بعض لوگ کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے ○ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں ○

منافقت کی قسمیں: ☆☆ (آیت:۸-۹) دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی ظاہر کرنے اور برائی پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ ان شاءاللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ امام ابن جریج فرماتے ہیں، منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف، اس کا باطن ظاہر کے خلاف، اس کا آنا جانے کے خلاف اور اس کی موجودگی عدم موجودگی ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ شریف میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کے الٹ تھا یعنی بعض لوگ ایسے تھے جو زبردستی بہ ظاہر کافروں

کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں پر اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانہ کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر دی اور دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے۔ ان میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سچے دین کو قبول کیا تب تک بھی منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضورؐ نے ان یہودیوں اور عرب کے بعض قبائل سے صلح کر لی تھی۔

غرض اس جماعت کے قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ شریف کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہوئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا، شوکت و شان اسلام ظاہر ہوئی، مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تب یہ ناپاک گروہ قائم ہوا چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے سے لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا بڑا مانتے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ کر چکے تھے کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف پھر گیا اور اس کی سرداری یونہی رہ گئی۔ یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی، اسلام کی روز افزوں ترقی میں لڑائی اور کامیابی نے اسے مخبوط الحواس بنا دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا، اس نے بظاہر اسلام قبول کر لینے اور باطن میں کافر رہنے کی ٹھانی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی، سب کو یہی ہدایت کی۔ اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی۔ ان منافقین میں بحمداللہ مکی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل و عیال، مال و متاع کو نام اللہ پر قربان کر کے اللہ کے رسول کا ساتھ دے کر آئے تھے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ‘‘یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیتوں میں بیان ہے۔’’ ابو العالیہ، حضرت حسن، قتادہؒ سدیؒ نے یہی بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بدخصلتوں کا یہاں بیان فرمایا۔ تاکہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بہت برا اور نہایت خوفناک امر ہے۔ جس طرح اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگر دل میں ان کے ایمان نہیں۔ اسی طرح سورۂ منافقون میں بھی کہا گیا ہے کہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لئے باوجود ان لوگوں کے شاندار اور تاکیدی الفاظ کے اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلا دیا اور سورۂ منافقون میں فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔ اور یہاں بھی فرمایا وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یعنی دراصل وہ ایماندار نہیں، وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ کے ہاں چل جانے والی کاریگری خیال کرتے ہیں جیسے کہ بعض مومنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ الخ یعنی قیامت کے دن جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار یقیناً وہ جھوٹے ہیں، یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کی وضاحت میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے

ہیں جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یعنی منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں کو دھوکہ میں رکھنے والا ہے۔ بعض قاریوں نے يَخْدَعُوْنَ پڑھا ہے اور بعض يُخٰدِعُوْنَ مگر دونوں قراٰتوں کے معنی کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

ابن جریرؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتے ہیں' وہ تو صرف بچاؤ کے لئے ہوتا ہے۔ تو جواباً کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خطرہ سے بچنا چاہتا ہے' عربی زبان میں مُخَادِع کہا جاتا ہے۔ چونکہ منافق بھی قتل' قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ چال چلتے تھے اور باطن کے خلاف ظاہری الفاظ کہتے تھے' اس لئے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔ ان کا یہ فعل چاہے کسی کو دنیا میں دھوکا دے بھی دے لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اسی میں اپنی بھلائی اور کامیابی جانتے ہیں اور دراصل یہ سب ان کے لئے انتہائی برا عذاب اور غضب الٰہی ہوگا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں ہوگی پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہوگا' وہ جس کام کے انجام کو اچھا جانتے ہیں' وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہوگا۔ ان کے کفر' شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان سے ناراض ہوگا لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔ ابن جریجؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اظہار کرکے وہ اپنی جان اور مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں' یہ کلمہ ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ' دل میں کچھ' عمل کچھ' عقیدہ کچھ' صبح کچھ اور شام کچھ' اس کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر ہو جاتی ہے کبھی ادھر۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے ○

شک وشبہ بیماری ہے: ☆☆ (آیت:۱۰) بیماری سے مراد یہاں شک وشبہ ہے' حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور چند صحابہؓ سے یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد عکرمہؒ' حسن بصریؒ ابوالعالیہؒ' ربیع بن انسؒ قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہؒ اور طاؤسؒ نے اس کی تفسیر سے ریا اور ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر نفاق بھی مروی ہے۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں' یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ تعالیٰ نے اور اضافہ کر دیا جیسے قرآن میں اس کا ذکر ایک اور جگہ ہے فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ یعنی ایمان والوں کے ایمان کو تقویت پہنچاتی اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی اس کی بدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے' یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مطابق ہے۔ یہ تفسیر ہی درست ہے' ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان بھی ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ یعنی ہدایت والوں کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے يَكْذِبُوْنَ کو يُكَذِّبُوْنَ بھی قاریوں نے پڑھا ہے یہ دونوں خصلتیں ان میں تھیں۔ جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعض منافقوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود پھر بھی قتل نہ کرنے کی وجہ وہی ہے جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا' میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں' انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا ہے۔ ان کی نظریں تو صرف ظاہر داری پر ہوں گی' جب ان میں یہ بات مشہور ہو

جائے گی کہ حضورؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو خوف ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں' ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے' ٹھیک اسی طرح آنحضرت ﷺ مولفتہ القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل کیے جاتے تھے' مال عطا فرمایا' کرتے تھے حالانکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔ حضرت امام مالکؒ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں جیسے محمد بن جہمؒ' قاضی اسمٰعیلؒ اور ابہریؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے بقول ابن ماجشونؒ ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم صرف اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں گو علماء کا تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے' آپؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا منافقین کو قتل کرنے سے رکے رہنے کا سبب ان کا اسلام کو اپنی زبان سے ظاہر کرنا تھا' گو آپ کو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کی تردید کرتا تھا جس کی تائید میں بخاری و مسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے جس میں کہا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں' جب وہ اسے کہہ دیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال کا امان پالیں گے اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ شریف کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے۔ اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہوگا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہوگا لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے' گو یہ لوگ یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں لیکن آخرت میں عین پل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے باآواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن انہیں جواب ملے گا کہ تھے تو سہی' مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار میں ہی رہ گئے اور اپنی من مانی خواہشوں کے چکر میں پڑ گئے' یہاں تک کہ حکم الٰہی آ پہنچا۔

غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے پڑے لپٹے رہیں گے لیکن بالاخر ان سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا' وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کر سکیں گے' جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آ چکا ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ ان کے قتل نہ کئے جانے کی یہ وجہ تھی کہ اللہ کے رسولؐ کی موجودگی میں ان کی شرارتیں چل نہیں سکتی تھیں' مسلمانوں کو باری تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ کر لیتا تھا لیکن حضورؐ کے بعد اگر خدانخواستہ ایسے لوگ ہوں کہ ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کر لیں تو وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضور کے زمانہ میں تھا لیکن آج کل وہ بے دینی اور زندیقیت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زندیق کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ہی پر مرے تو اس کے قتل سے پہلے توبہ پیش کی جائے یا نہیں؟ اور وہ زندیق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندیق جو معلم نہ ہو ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کئی مرتبہ ہوا۔ تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر ہی؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام لانا اور رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پا لینے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ غرض ان باتوں میں اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں' نہ کہ تفسیریں۔

چودہ شخصوں کے نفاق کا تو آپ کو قطعی علم تھا۔ یہ وہ بد باطن لوگ تھے جنہوں نے غزوہ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضورؐ کے ساتھ دغابازی کریں۔ آپؐ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے کہ رات کے اندھیرے میں جب حضورؐ فلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں

تو آپؐ کی اونٹنی کو بدکا دیں اور بھڑک کر بھاگے گی تو حضور گھاٹی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کا علم عطا کر دیا۔ حضور ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتلا دیئے۔ پھر بھی آپ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپؐ کو علم نہ تھا چنانچہ قرآن کہتا ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ الخ یعنی تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش منافق مدینہ میں بھی ہیں، تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں اور دوسری جگہ فرمایا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ اگرچہ منافق گندے دل والے اور فساد و تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے بلکہ ان پر لعنت کی جائے گی، جہاں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہے؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں، یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھا دیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کی دبی بچی زبان سے ہی انہیں پہچان لو گے۔ ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضورؐ کے سامنے گواہی بھی دی تھی باوجود اس کے جب وہ مر گیا تو حضورؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی اور اس کے دفن میں شرکت کی۔ ① ٹھیک اسی طرح اور مسلمان صحابیوں کے ساتھ بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضورؐ کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپؐ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد ﷺ اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں ② اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ استغفار کا مجھے اختیار دیا گیا، کرنے اور نہ کرنے کا۔ تو میں نے استغفار کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا"۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار رہو یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور سمجھ نہیں ○

سینہ زور چور: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور نبی ﷺ کے بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں کا ہی ہے، ان کا فساد کفر اور معصیت خداوندی تھی ،مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا، زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان میں اصلاح سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت و اصلاح پر ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں یہ بدخصلت لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں یہ بدخصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، ان

منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا، اسے کرتے تھے، فرائض ربانی ضائع کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک وشبہ کرتے تھے، اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے۔ مومنوں کے پاس آ کر اپنی ایمانداری کی ڈینگیں مارتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے وسوسے ہوتے تھے، موقع پا کر اللہ کے دشمنوں کی امداد واعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چلن کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح کل کے حامی جانتے تھے۔

قرآن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم (بھی) ایسا نہ کرو گے یعنی آپس میں دوستی نہ کرو گے تو اس زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیئے اور جگہ فرمایا۔ ''اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر کھلی حجت ہو جائے یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے؟ پھر فرمایا منافق لوگ تو جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے اور ہرگز تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں سے حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ وہ ایمان داروں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دے دیتے ہیں اور ان کے بے حقیقت کلمات اور کفار کی پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں، پس بانی فساد یہ منافقین ہوئے۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں سے مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اگر پورے مسلمان ہو جاتے اور ظاہر باطن یکساں کر لیتے تب تو دنیا کے امن وامان کے ساتھ آخرت کی نجات وفلاح بھی پا لیتے، باوجود اس خطرناک پالیسی کے جب انہیں یکسوئی کی نصیحت کی جاتی تو جھٹ کہہ اٹھتے کہ ہم تو صلح کن ہیں۔ ہم کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے۔ ہم فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے'' ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی نری جہالت ہے، جسے یہ صلح سمجھتے ہیں، وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ
اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں (یعنی صحابہؓ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں؟ خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ○

خود فریبی کے شکار لوگ: ☆☆ (آیت:۱۳) مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہؓ کی طرح اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے، موت کے بعد جی اٹھنے، جنت دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے، اللہ اور رسول کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجا لانے اور برائیوں سے رکے رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ فرقہ ایسے ایمان والوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے۔ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ، ربیع، انس، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ سُفَهَآءَ سَفِيْهٌ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور حلماء حلیم کی۔ جاہل، کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو سفیہ کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ الخ بیوقوفوں کو

اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ ان منافقین کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکیداً حصر کے ساتھ فرمایا کہ بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے۔ نہ اپنی جہالت وضلالت کو سمجھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھاپن اور ہدایت سے دوری اور کیا ہوگی؟

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ
وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایماندار ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے ○

فریب زدہ لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) مطلب یہ ہے کہ یہ بدباطن مسلمانوں کے پاس آ کر اپنی ایمان دوستی اور خیرخواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تا کہ مال وجان کا بچاؤ بھی ہو جائے اور بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے۔ اور جب اپنے ہم مشربوں میں ہوتے ہیں تو ان ہی کی سی کہنے لگتے ہیں۔ خَلَوْا کے معنی یہاں ہیں اِنْصَرَفُوْا ذَهَبُوْا خَلَصُوْا اور مَضَوْا یعنی لوٹتے ہیں اور پہنچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں اور جاتے ہیں پس خلو جو کہ الٰی کے ساتھ متعدی ہے، اس کے معنی لوٹ جانے کے ہیں۔ فعل مضمر اور ملفوظ دونوں پر یہ دلالت کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اِلٰی معنی میں مع کے مترادف ہے مگر اول ہی ٹھیک ہے اور ابن جریرؒ کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ شیاطین سے مراد رؤساء بڑے اور سردار ہیں جیسے علمائے یہود اور سرداران کفار قریش ومنافقین۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امراء اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی۔ شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق۔ قتادہؒ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے۔ ابوالعالیہؒ، سدیؒ، ربیع بن انسؒ بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ''ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں، جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔'' قرآن میں شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ آیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''ہم جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، یا رسول اللہؐ کیا انسان کے شیطان بھی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں جب یہ منافق مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہیں ''ہم تمہارے ساتھ ہیں'' یعنی جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں اور اپنوں سے کہتے ہیں کہ ہم تو ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس، ربیع بن انس اور قتادہ کی یہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مکروہ فعل کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے ٹھٹھا کرے گا اور انہیں ان کی سرکشی میں بہکنے دے گا۔ جیسے دوسری جگہ ہے کہ قیامت کے روز منافق مرد وعورت ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ٹھہر جاؤ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو۔ ان کے لوٹتے ہی درمیان میں ایک اونچی دیوار حائل کر

دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا' اس طرف تو رحمت ہوگی اور اس طرف عذاب ہوگا۔ فرمان الٰہی ہے' کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جانیں۔ اس تاخیر میں وہ اپنی بدکرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں پس قرآن میں جہاں استہزاء مسخریت یعنی مذاق' مکر' خدیعت یعنی دھوکہ کے الفاظ آئے ہیں' وہاں یہی مراد ہے۔

ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کی بدکرداریوں اور کفر و شرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے اور مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آ کر کہتا ہے' کہو میں نے کیسا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے کہ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ الخ اور اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا فن فریب انہی کو برباد کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی' دھوکہ' تمسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دے گا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کئے گئے۔ معنی دونوں لفظوں کے دونوں جگہ جدا جدا ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو۔ تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔ زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں۔ لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی میں برائی اور زیادتی ''ظلم'' ہے اور دوسری برائی اور زیادتی' عدل ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے' ایک اور مطلب بھی سنئے۔ دنیا میں یہ منافق اپنی اس ناپاک پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن و امان مل گیا۔ اب یہ مست ہو گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے' قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں ملے گا۔ گو یہاں ان کے مال اور جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذاب کا شکار بنیں گے۔ امام ابن جریرؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت تائید کی ہے اس لئے کہ مکر' دھوکہ اور مذاق جو بلاوجہ ہو' اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے۔ ہاں انتقام' مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان کا بدلہ اور سزا ہے۔ يَمُدُّهُمْ کا مطلب ڈھیل دینا اور بڑھانا بیان کیا گیا ہے جیسے فرمایا اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ الخ یعنی کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے مال اور اولاد کی کثرت ان کے لئے باعث خیر ہے' نہیں' نہیں۔ انہیں صحیح شعور ہی نہیں اور سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ اس طرح ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ غرض کہ ادھر یہ گناہ کرتے ہیں' ادھر دنیوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں جن پر یہ پھولے نہیں سماتے حالانکہ وہ حقیقت میں عذاب ہی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی جب لوگوں نے نصیحت بھلا دی' ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ اپنی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا' اب گھبرا گئے' ظالموں کی بربادی ہوئی اور کہہ دیا گیا کہ تعریفیں رب العالمین کے لئے ہی ہیں۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ انہیں ڈھیل دینے اور انہیں اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھنے کے لئے ان کو مہلت دی جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ الخ طغیان کہتے ہیں کسی چیز میں گھس جانے کو۔ جیسے فرمایا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ عَمَهٌ کہتے ہیں گمراہی کو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ضلالت و کفر میں ڈوب گئے اور اس ناپاکی نے انہیں گھیر لیا۔ اب یہ اسی دلدل میں اترتے جاتے ہیں اور اسی ناپاکی میں پھنسے جاتے ہیں اور اس سے نجات کی تمام راہیں ان پر بند ہو جاتی ہیں۔ بھلا ایسی دلدل

میں جو ہو اور پھر اندھا بہرا اور بیوقوف ہو' وہ کیسے نجات پا سکتا ہے- آنکھوں کے اندھے پن کے لئے عربی میں "عمی" کا لفظ آتا ہے اور دل کے اندھاپے کے لئے "عَمَہ" کا لیکن کبھی دل کے اندھے پن کے لئے بھی "عَمیٰ" کا لفظ آتا ہے جیسے قرآن میں ہے وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ
اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں مول لے لیا پس نہ تو ان کی تجارت نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے ○ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں جو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا ○ جو نہیں دیکھتے' بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ نہیں لوٹتے ○

ایمان فروش لوگ : ☆☆ (آیت:۱۶) حضرت ابن عباس' ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ دی اور گمراہی لے لی- حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' انہوں نے ایمان کے بدلے کفر قبول کیا- مجاہدؒ فرماتے ہیں' ایمان لائے پھر کافر ہو گئے- قتادہؒ فرماتے ہیں' ہدایت پر گمراہی کو پسند کرتے ہیں- جیسے اور جگہ قوم ثمود کے بارے میں ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى یعنی باوجود اس کے کہ ہم نے قوم ثمود کو ہدایت سے روشناس کر دیا مگر پھر بھی انہوں نے اس رہنمائی کی جگہ اندھے پن کو پسند کیا- مطلب یہ ہوا کہ منافقین ہدایت سے ہٹ کر گمراہی پر آ گئے اور ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی گویا ہدایت کو بیچ کر گمراہی خرید لی- اب ایمان لا کر پھر کافر ہوئے ہوں' خواہ سرے سے ایمان ہی نصیب نہ ہوا ہو اور ان منافقین میں دونوں قسم کے لوگ تھے چنانچہ قرآن میں ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ایسے بھی منافق تھے جنہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا' پس نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا' نہ راہ ملی بلکہ ہدایت کے چمنستان سے نکل کر گمراہی کے خارزار میں اور جماعت کے مضبوط قلعہ سے نکل کر تنہائیوں کی تنگ جیل میں اور امن کے وسیع میدان سے نکل کر خوف کی اندھیری کوٹھڑی میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے سنسان جنگل میں آ گئے-

شک' کفر اور نفاق کیا ہے؟ ☆☆ (آیت ۱۷-۱۸) مثال کو عربی میں مثیل بھی کہتے ہیں' اس کی جمع امثال آتی ہے- جیسے قرآن میں ہے وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں- اس آیت شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو منافق گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں' ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اندھیرے میں آگ جلائی' اس کے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں' اس کی پریشانی دور ہو گئی اور فائدے کی امید بندھی کہ دفعتہً آگ بجھ گئی اور سخت اندھیرا چھا گیا- نہ تو نگاہ کام کر سکے' نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو' کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو' گونگا ہو' کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو' اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو' اب بھلا یہ راہ کیسے پا سکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت چھوڑ

راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا۔ جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ یہ صراحت موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں سدیؒ سے یہی نقل کیا ہے' پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے اس لئے کہ اولاً تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا۔ پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ چھن گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین گم ہو جانے کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہو گی؟

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے' انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا کیونکہ پہلے فرمان الٰہی گذر چکا ہے کہ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ① یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں مگر حقیقتاً یہ ایماندار نہیں' درحقیقت اس آیہ مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے' اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا۔ ممکن ہے ایمان لائے ہوں۔ پھر اس سے ہٹ گئے ہوں اور اب دلوں میں مہریں لگ گئی ہوں۔ دیکھئے دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا الخ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اب وہ کچھ نہیں سمجھتے' یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا' کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔

ایک جماعت کی مثال شخص واحد سے اکثر دی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اور جگہ ہے رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ تو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف آنکھیں پھیر پھیر کر اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص جو سکرات موت میں ہو اور اس آیت کو بھی دیکھئے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ تم سب کا پیدا کرنا اور مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دینا' ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کو دوبارہ زندہ کرنا۔ تیسری جگہ توراۃ سیکھ کر عملی عقیدہ اس کے مطابق نہ رکھنے والوں کی مثال میں کہا گیا ہے كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا گدھے کی مانند ہیں' جو کتابیں لادے ہوئے ہو' سب آیتوں میں جماعت کی مثال ایک ہی دی گئی ہے' اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں منافقوں کی جماعت کی مثال ایک شخص سے دی گئی۔ بعض کہتے ہیں تقدیر کلام یوں ہے مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ قِصَّةِ الَّذِيْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا یعنی ان کے واقعہ کی مثال ان لوگوں کے واقعہ کی طرح ہے جو آگ روشن کریں' بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن مجموعی طور پر پوری جماعت اس سے محظوظ ہوتی ہے اس کے ساتھ ہے اور اس قسم کا اور الَّذِيْ یہاں الَّذِيْنَ کے معنی میں ہیں جیسے کہ شاعروں کے شعروں میں بھی ''میں کہتا ہوں'' اس مثال میں بھی واحد کے صیغہ کے بعد ہی جمع کے صیغے بھی ہیں بِنُوْرِهِمْ اور تَرَكَهُمْ اور لَا يَرْجِعُوْنَ ملاحظہ ہوں اور اس طرح کلام میں اعلیٰ فصاحت اور بہترین خوبی آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روشنی لے گیا اس سے مطلب یہ ہے کہ جو نور نفع دینے والا تھا' وہ تو ان سے ہٹا لیا اور جس طرح آگ کے بجھ جانے کے بعد تپش اور دھواں اور اندھیرا رہ جاتا ہے' اسی طرح ان کے پاس نقصان پہنچانے والی چیز یعنی شک و کفر و نفاق رہ گیا تو راہ راست کو نہ خود دیکھ سکیں نہ دوسرے کی بھلی بات سن سکیں نہ کسی سے بھلائی کا سوال کر سکیں۔ اب پھر لوٹ کر ہدایت پر آنا محال ہو گیا۔ اس کی تائید میں مفسرین کے اقوال سنئے۔

حضرت ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ اور بعض اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں۔ حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ لوگ اسلام لے آئے مگر پھر منافق بن گئے۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں ہو' پھر آگ جلا کر روشنی حاصل کرے اور آس پاس کی بھلائی برائی کو سمجھنے لگے اور معلوم کرے کہ کس راہ میں کیا ہے؟ کہ اچانک آگ بجھ جائے' روشنی جاتی رہے۔ اب معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس راہ میں کیا کیا ہے؟ اسی طرح منافق شرک و کفر کی ظلمت میں تھے' پھر اسلام لا کر بھلائی برائی یعنی حلال حرام وغیرہ سمجھنے لگے مگر پھر کافر ہو گئے اور

حرام وحلال، خیر وشر میں کچھ تمیز نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، نور سے مراد ایمان اور ظلمت سے مراد ضلالت وکفر ہے۔ یہ لوگ ہدایت پر تھے لیکن پھر سرکشی کر کے بہک گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ایمانداری اور ہدایت کی طرف رخ کرنے کو اس مثال میں آس پاس کی چیز کے روشنی کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عطا خراسانیؒ کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کی کور چشمی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ عکرمہؒ عبدالرحمٰن، حسن، سدی اور ربیعؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں، جیسے آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن پھر کفر اس روشنی کو کھو دیتا ہے، جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔ مندرجہ بالا اقوال تو ہماری اس تفسیر کی تائید میں تھے کہ جن منافقوں کی یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ ایمان لا چکے تھے پھر کفر کیا۔ اب امام ابن جریرؒ کی تائید میں جو تفسیر ہے، اسے بھی سنئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مثال منافقوں کی ہے کہ وہ اسلام کی وجہ سے عزت پا لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں نکاح، ورثہ اور تقسیم مال غنیمت میں شامل ہوتے ہیں لیکن مرتے ہی یہ عزت کھو جاتی ہے جس طرح آگ کی روشنی آگ بجھتے ہی جاتی رہتی ہے۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں جب منافق لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے تو دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ پھر جہاں شک کیا، وہ نور گیا جس طرح لکڑیاں جب تک جلتی رہیں، روشنی رہی، جہاں بجھیں، نور گیا۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں، نور سے مراد یہاں ایمان ہے جو ان کی زبانوں پر تھا۔ قتادہؒ کہتے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا، امن وامان، کھانا پینا، بیوی بچے سب مل جاتے تھے لیکن شک ونفاق ان سے یہ تمام راحتیں چھین لیتا ہے، جس طرح آگ کا بجھنا روشنی دور کر دیتا ہے۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے منافق کو (دنیوی نفع مثلاً مسلمانوں میں لڑکے لڑکی کا لین دین، ورثہ کی تقسیم، جان ومال کی حفاظت وغیرہ) مل جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان کی جڑ اور اس کے اعمال میں خلوص نہیں ہوتا، اس لئے موت کے وقت وہ سب منافع سلب ہو جاتے ہیں جیسے آگ کی روشنی بجھ جائے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اندھیروں میں چھوڑ دینا سے مراد مرنے کے بعد عذاب پانا ہے۔ یہ لوگ حق کو دیکھ کر زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں اور ظلمت کفر سے نکل جاتے ہیں لیکن پھر اپنے کفر ونفاق کی وجہ سے ہدایت اور حق پر قائم رہنا ان سے چھن جاتا ہے۔ سدیؒ کا قول ہے کہ اندھیرے سے مراد ان کا نفاق ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں، موت کے وقت منافق کی بداعمالیاں اندھیروں کی طرح اس پر چھا جاتی ہیں اور کسی بھلائی کی روشنی اس کے لئے باقی نہیں رہتی جس سے اس کی توحید کی تصدیق ہو، وہ بہرے ہیں حق کے سننے سے، اندھے ہیں راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے، ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے، نہ انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ
اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ
بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ
مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ ع ۱۳

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو۔ موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے ○ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بیکار کر دے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

منافقین کی ایک اور پہچان: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۰) یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ صیب کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں۔ بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کئے ہیں لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔ ظلمات سے مراد شک، کفر و نفاق ہے اور رعد سے مراد یعنی گرج ہے جو اپنی خوفناک آواز سے دل دہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر، خوف، گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے۔

جیسے کہ اور جگہ فرمایا یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ① یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پا لیں تو یقیناً اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔ بجلی کی مثال سے مراد وہ نور ایمان ہے جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے، اس وقت وہ اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن ایسا کرنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادے کے ماتحت ہیں، یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسا کہ اور جگہ فرمایا هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ الخ یعنی کیا تمہیں لشکروں کی، فرعون اور ثمود کی روایتیں نہیں پہنچیں، بے شک پہنچیں تو ہیں لیکن یہ کافر پھر بھی تکذیب ہی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا اس کی قوت اور سختی کا اظہار ہے اور منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ضعف ایمان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیتیں ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی، جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایمان ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر جہاں شک و شبہ آیا، دل میں کدورت اور ظلمت بھگی اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا لیکن جہاں اس کے خلاف نظر آیا، یہ الٹے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ الخ یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اگر بھلائی ملے تو مطمئن ہو جائیں اور اگر برائی پہنچے تو اسی وقت پھر جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا، حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا، کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ دیگر بہت سے مفسرین کا بھی یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

روز قیامت بھی ان کا یہی حال رہے گا کہ جب لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا، بعض کو کئی کئی میلوں تک کا، بعض کو اس سے بھی زیادہ، کسی کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہو اور کبھی اندھیرا، کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سا دور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سا دور کا نور ملے گا۔ پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا، یہ پورے منافق ہوں گے، جن کے بارے میں فرمان الٰہی ہے يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا الخ یعنی جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے ذرا رکو، ہمیں بھی آ لینے دو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ

اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ اور مومنوں کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ الخ یعنی اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مرد اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہوگا اور کہا جائے گا تمہیں آج باغات کی خوشخبری دی جاتی ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور فرمایا جس دن نہ رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے' ان کا نور ان کے آگے اور دائیں ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے' اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش' یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ان آیتوں کے بعد اب اس مضمون کی حدیثیں بھی سنئے۔

احادیث میں تذکرۂ نور: ☆☆ نبی ﷺ فرماتے ہیں ''بعض مومنوں کو مدینہ سے لے کر عدن تک نور ملے گا' بعض کو اس سے کم' یہاں تک کہ بعض کو اتنا کم کہ صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوگی'' (ابن جریرؒ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا بعض کو کھجور کے درخت جتنا' کسی کو قد آدم جتنا' کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو' کبھی بجھ جاتا ہو' کبھی روشن ہو جاتا ہو۔'' (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں انہیں نور ملے گا' ان کے اعمال کے مطابق' جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گذریں گے۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ جتنا ہوگا بعضوں کا کھجور جتنا اور سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہوگا کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''تمام اہل توحید کو قیامت کے دن نور ملے گا۔ جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موحد ڈر کر کہیں گے رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا یا رب ہمارے نور کو پورا کر'' (ابن ابی حاتم) ضحاک بن مزاحمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیامت والے دن لوگ کئی قسم کے ہوں گے' خالص مومن وہ جن کا بیان اگلی چار آیتوں میں ہوا' خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیتوں میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی۔ دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں' کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے' کبھی بجھ جاتا ہے۔ ان ہی کی مثال بارش سے دی گئی ہے' یہ پہلی قسم کے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔

ٹھیک اسی طرح سورہ نور میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کی اور اس کے دل کے نور کی مثال اس منور چراغ سے دی ہے جو روشن فانوس میں ہو اور خود فانوس بھی چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہو۔ چنانچہ ایمان دار کا ایک تو خود دل روشن دوسرے خالص شریعت کی اسے امداد' بس روشنی پر روشنی نور پر نور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کی مثال بھی بیان کی جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کافروں کے اعمال کی مثال ریت کے چمکیلے ٹیلوں کی طرح ہے جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے' یہاں تک کہ پاس آ کر دیکھتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ ایک اور جگہ پر ان جاہل کافروں کی مثال بیان کی جو جہل بسیط میں گرفتار ہیں۔ فرمایا' مانند سخت اور اندھیریوں کے جو گہرے سمندر میں ہوں' جو موجوں پر موجیں مار رہا ہو' پھر ابر سے ڈھکا ہوا ہو اور اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوئے ہوں' ہاتھ نکالے تو دیکھ بھی نہیں سکتا حقیقت یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ کی طرف سے نور نہ ہو' اس کے پاس نور کہاں سے آئے؟ پس کفار کی بھی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک تو دوسروں کو کفر کی طرف بلانے والے' دوسرے ان کی تقلید کرنے والے۔ جیسے سورہ حج کے شروع میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ بعض لوگ علم' ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ سورہ واقعہ کے شروع اور آخر میں اور سورہ انسان میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں' سابقین اور اصحاب یمین یعنی مقربین بارگاہ ربانی اور پرہیزگار و نیک کار لوگ۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی دو

جماعتیں ہیں مقرب اور ابرار، اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں، کفر کی طرف بلانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خالص اور پکے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔

صحیحین میں حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ تینوں ہوں، وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے نہ چھوڑے۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں کبھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ نفاق عملی ہو خواہ اعتقادی جیسے کہ آیت و حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے۔ اس کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دل چار قسم کے ہیں۔ ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو، دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں، تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں، چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔ دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو، اب جو مادہ بڑھ جائے، وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔ اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں برباد کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے حق کو جان کر اسے چھوڑ دیا تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر چاہے تو عذاب و سزا دے، چاہے تو معاف کر دے۔ یہاں قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ پہلے منافقوں کو اپنے عذاب، اپنی جبروت سے ڈرایا اور کہہ دیا کہ وہ انہیں گھیر لینے پر قادر ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کرنے اور آنکھوں کو اندھا کرنے پر قادر ہے۔ قدیر کے معنی قادر کے ہیں جیسے علیم کے معنی عالم کے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، یہ دو مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں۔ اور معنی میں ایک ہے۔ جیسے فرمایا وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا یہاں لفظ او اختیار کے لئے ہے یعنی خواہ یہ مثال بیان کرو خواہ وہ مثال بیان کرو اختیار ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں او یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لئے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے، جَالِسَ الْحَسَنَ اَوِابْنَ سِيْرِيْنَ۔ زمخشری بھی یہی توجیہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں مثالوں میں سے جو مثال چاہو، بیان کرو، دونوں ان کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ باعتبار منافقوں کی اقسام کے ہے۔ ان کے احوال و صفات طرح طرح کے ہیں۔

جیسے کہ سورہ برات میں وَمِنْهُمْ، وَمِنْهُمْ، وَمِنْهُمْ کر کے ان کی بہت سی قسمیں، بہت سے افعال اور بہت سے اقوال بیان کئے ہیں تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں واللہ اعلم۔ جیسے کہ سورہ نور میں دو قسم کے کفار کی مثالیں بیان کیں۔ ایک کفر کی طرف بلانے والے، دوسرے مقلد۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ پھر فرمایا اَوْ كَظُلُمٰتٍ پس پہلی مثال یعنی ریت کے تودے کی، کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دوسری مثال مقلدین کی ہے جو جہل بسیط میں مبتلا ہیں۔ واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ
بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ
رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا' یہی تمہارا بچاؤ ہے ○ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے' اللہ کے شریک مقرر نہ کرو ○

تعارف الہٰ بزبان الہٰ: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۲) یہاں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی الوہیت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا' اسی نے ہر طرح کی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائیں' اسی نے زمین کو فرش بنایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور آسمان کو چھت بنایا۔ جیسے کہ دوسری آیت میں آیا کہ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا الخ یعنی آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس کے باوجود وہ نشانیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ آسمان سے پانی اتارنے کا مطلب بادل نازل فرمانا ہے۔ اس وقت جبکہ لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا کرنا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے جانور بھی۔ جیسے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا الخ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں اور بھلی بھلی روزیاں پہنچائیں' یہی اللہ ہے جو برکتوں والا اور تمام عالم کو پالنے والا ہے۔ پس سب کا خالق' سب کا رازق' سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس لئے شرک سے مبرا ہر قسم کی عبادت کا وہی مستحق ہے اور فرمایا' اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ٹھہراؤ جبکہ تم جانتے ہو۔

صحیحین میں حدیث ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوچھتے ہیں حضورؐ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا' اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمہارا خالق ہے' کسی کو شریک ٹھہرانا۔ حضرت معاذ والی حدیث میں ہے۔ جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔ دوسری حدیث میں ہے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے جو کچھ اللہ اکیلا چاہے۔ طفیل بن سنجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوتیلے بھائی فرماتے ہیں' میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا اور ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں' میں نے کہا افسوس تم میں یہ بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو' انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد ﷺ چاہیں' پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہو' انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا پھر دربار نبوی میں حاضر ہو کر آپؐ سے بھی یہی خواب بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں حضورؐ اب آپ کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض کو بیان بھی کیا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا۔ یاد رکھو' اب ہرگز ہرگز اللہ چاہے اور اس کا رسول' کبھی نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ

صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے (ابن مردویہ)-

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں، آپؐ نے فرمایا، کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے، یوں کہہ جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے (ابن مردویہ) ایسے تمام کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں- توحید باری کی اہمیت کے بارے میں یہ سب احادیث بیان ہوئی ہیں- واللہ اعلم-

تمام کفار اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کے پابند ہو جاؤ، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، جو نہ نفع دے سکے، نہ نقصان پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں روزی پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں اس توحید کی طرف بلا رہے ہیں جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں- شرک اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسے چیونٹی جو رات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو، قسم ہے اللہ کی اور قسم ہے آپؐ کی حیات کی- یہ بھی شرک ہے، انسان کا یہ کہنا اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے، یہ بھی شرک ہے آدمی کا یہ قول کہ اگر بطخ گھر میں نہ ہوتی تو چوری ہو جاتی، یہ بھی شرک کا کلمہ ہے کسی کا یہ قول کہ جو اللہ چاہے اور آپ، یہ بھی شرک ہے کسی کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا- یہ سب کلمات شرک ہیں- صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں تو آپؐ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ دوسری حدیث میں ہے، تم اچھے لوگ ہوتے اگر تم شرک نہ کرتے- تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے-② ابو العالیہؒ فرماتے ہیں، انداد کے معنی شریک اور برابر کے ہیں- مجاہد فرماتے ہیں تم توراۃ اور انجیل پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور لاشریک ہے- پھر جانتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو؟

پانچ احکام: ☆☆ مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو، قریب تھا کہ وہ اس میں غفلت کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر کاربند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو- لہذا یا تو آپ کہہ دیجئے یا میں پہنچا دوں-

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا، مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت لے گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ دیا جائے یا زمین میں دھنسا نہ دیا جائے پس یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا- جب مسجد پر ہو گئی تو آپؑ اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کر کے کہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود بھی عمل کروں، تم سے بھی ان پر عمل کراؤں-

ایک یہ کہ اللہ ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے اور غلام کام کاج کرے لیکن جو کچھ حاصل ہو، اسے کسی اور کو دے دے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا، تمہیں روزی دینے والا، تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے- پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ-

دوسری یہ کہ نماز کو ادا کرو- اللہ تعالیٰ کی نگاہ بندے کی طرف ہوتی ہے جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر منہ پھیرے، جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا-

تیسرا حکم یہ ہے کہ روزے رکھا کرو- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں- یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے-

چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیتے رہا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کرلیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے، گردن مارنے کے لئے لے جانے لگے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا، کم زیادہ دے کر اپنی جان چھڑالی۔

پانچواں اس کا حکم یہ ہے کہ بہ کثرت اس کے نام کا ذکر کیا کرو۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑتا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن وامان پالیتا ہے۔ اسی طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری نے مجھے دیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا، اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکم وقت کے احکام سننا اور جاننا، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل جائے وہ اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کرلے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے لوگوں نے کہا حضور اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو۔ فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھے ہیں، مسلمین، مومنین اور عباد اللہ۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے، وہی تمہیں روزی دیتا ہے پس عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہئے۔ ہر ایک عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔

اثبات وجود الٰہ العلمین: ☆☆ امام رازیؒ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اور فی الواقع یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت بڑی دلیل ہے۔ زمین اور آسمان کی مختلف شکل وصورت، مختلف رنگ، مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات، ان میں سے ہر ایک کا نفع بخش ہونا اور خاص حکمت کا حامل ہونا، ان کے خالق کے وجود کا اور اس کی عظیم الشان قدرت، حکمت، زبردست سطوت اور سلطنت کا ثبوت ہے۔ کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی موجودگی کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا یَا سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ- وَاِنَّ اَثَرَ الْاَقْدَامِ لَيَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ- فَسَمَآءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ وَاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ - وَبِحَارٌ ذَاتُ اَمْوَاجٍ اَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ- یعنی مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان، یہ راستوں والی زمین، یہ موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جداگانہ ہونا، نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ چھوڑو میں کسی اور سوچ میں ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں، نہ کوئی اس کا نگہبان ہے، نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ برابر آجا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گذر جاتی ہے، ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے، چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے، نہ اس کا کوئی ملاح ہے نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا، آپ کس سوچ میں پڑ گئے۔ کوئی عقلمند ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے بڑے نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو۔ آپ نے فرمایا، افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو

بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان وزمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ ہکا بکا ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں، ایک ہی ذائقہ کے ہیں، کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو چباتے کھاتے اور چرتے چگتے ہیں، اسی کو کھا کر ریشم کا کیڑا ریشم تیار کرتا ہے، مکھی شہد بناتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائیں بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ مانتے ہیں، وہی موجد اور صانع ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی گئی تو آپؒ نے فرمایا۔ سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں، نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں، باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے، اوپر نیچے، دائیں بائیں، چاروں طرف سے بالکل بند ہے، ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں، کانوں والا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو۔ چاروں طرف سے بند ہے۔ پھر اس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔ حضرت ابونواس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آسمان سے بارش برسنا، اس سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔ ابن المعتز فرماتے ہیں۔ افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی تکذیب پر لوگ کیسے دلیر ہو جاتے ہیں حالانکہ ہر چیز اس پروردگار کے موجود اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

بزرگوں کا مقولہ ہے کہ آسمانوں کو دیکھو، ان کی بلندی، ان کی وسعت ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظریں ڈالو۔ ان کے چمکنے دمکنے، ان کے چلنے پھرنے، ٹھہر جانے، ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ سمندروں کو دیکھو جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے نہیں دیتے، جن کے رنگ جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ قسم قسم کی دوسری مخلوقات پر نظر ڈالو ادھر سے ادھر پھر جانے والی، کھیتیوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو۔ کھیتوں باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول، مزے مزے کے میووں پر غور کرو۔ زمین ایک، پانی ایک، لیکن شکلیں، صورتیں، خوشبوئیں، رنگ، ذائقہ، فائدہ الگ الگ۔ کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات با آواز بلند نہیں کہہ رہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی، اس کی ذات اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ جل وعلا نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں، اس کی پرزور حکمتوں، اس کی لاثانی رحمتوں، اس کے بے نظیر انعاموں، اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی وافی ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے، نہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے اور حفاظت کرنے والا، نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق، نہ اس کے سوا کوئی مسجود لاشک۔ ہاں دنیا کے لوگو! سن لو میرا توکل اور بھروسا اسی پر ہے۔ میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے، میرا جھکنا اور پست ہونا اسی کے سامنے ہے، میری تمناؤں کا مرکز، میری امیدوں کا آسرا، میرا ماوی وملجا وہی ایک ہے، اس کے دست رحمت کو تکتا ہوں اور اسی کا نام جپتا ہوں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ
وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۲۳
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُھَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۲۴

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ- تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو ○ پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر- جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○

تصدیق نبوت اعجاز قرآن: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) توحید کے بعد اب نبوت کی تصدیق کی جا رہی ہے- کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک' اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر اتارا ہے' اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنا لاؤ- جب تم ایسا نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ اپنے ہم فکر اور مددگار سب کو جمع کرو تو بھی تم سب ناکام رہو گے- مطلب یہ ہے کہ جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے' انہیں بھی بلا لو اور ان سے بھی مدد چاہو پھر اس جیسی ایک سورت ہی تو بنا لاؤ- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں داں' فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی مدد لے لو-

قرآن پاک کے اس معجزے کا اظہار اور ایسا انداز خطاب کئی جگہ ہے سورہ قصص میں ہے فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت و قرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا- سورہ سبحان میں فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا یعنی اگر تمام جنات اور انسان جمع ہو کر اور ہر ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ' یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنائیں' تو بھی ان کے امکان میں نہیں- سورہ ہود میں فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن کو خود اس پیغمبر نے گھڑ لیا- تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو' بلا کر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ-

سورہ یونس میں ہے وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں بلکہ یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب تفصیل ہے جس کے اللہ کی کلام ہونے میں کوئی شک نہیں' جو رب العالمین کی طرف سے ہے' کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ کہتے ہیں؟ ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر اس قرآن کی سینکڑوں سورتوں میں سے ایک چھوٹی سی سورت جیسی سورت تو بنا لاؤ تا کہ تمہارا سچ ظاہر ہو-

یہ تمام آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اہل مکہ کو اس کے مقابلہ میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ شریف میں بھی اس مضمون کو

دوہرایا گیا- اوپر کی آیت مثلہ کی ضمیر کو بعض نے قرآن کی طرف لوٹایا ہے یعنی کوئی سورت اس قرآن جیسی لاؤ- بعض نے یہ ضمیر محمد ﷺ کی طرف لوٹائی ہے یعنی آپ جیسا کوئی امی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ کچھ پڑھا ہوا نہ ہونے کے باوجود وہ کلام کہے جس کا مثل کسی سے نہ بن سکے‘ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے- مجاہدؒ‘ قتادہؒ عمرو بن مسعودؓ ابن عباسؓ‘ حسن بصری اور اکثر محققین کا یہی قول ہے- امام ابن جریر‘ طبری‘ زمخشری‘ رازیؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے- اس کی ترجیح کی وجہیں بہت سی ہیں- ایک تو یہ کہ اس میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ ہے‘ جمع کر کے اور الگ الگ بھی‘ خواہ وہ امی اور ان پڑھ ہوں یا اہل کتاب اور پڑھے لکھے ہوں‘ اس میں اس معجزے کا کمال ہے اور بہ نسبت اس کے کہ صرف ان پڑھ لوگوں کو عاجز کیا جائے اس میں زیادہ مبالغہ ہے پھر دس سورتوں کا مطالبہ کرنا‘ اس کی مثل نہ لا سکنے کی پیشین گوئی کرنا بھی اسی کو ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ ذات رسول اللہ ﷺ- پس اس عام اعلان سے جو بار بار کیا گیا اور ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی گئی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں‘ مکہ میں اور مدینہ میں بارہا اس کا اعادہ کیا گیا اور وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی‘ جنہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر ناز تھا‘ جو لوگ آپ کی اور آپؐ کے دین کی دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے‘ وہ درحقیقت اس سے عاجز آ گئے‘ نہ پورے قرآن کا جواب دے سکے‘ نہ دس سورتوں کا نہ ایک سورت کا-

پس ایک معجزہ تو یہ ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی وہ نہ بنا سکے- دوسرا معجزہ یہ ہے کہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکتے‘ گو سب جمع ہو جائیں اور قیامت تک محنت کریں- پس ایسا ہی ہوا‘ نہ تو اس زمانہ میں کسی کو یہ جرأت ہوئی‘ نہ اس کے بعد سے آج تک اور نہ قیامت تک کسی سے یہ ہو سکے گا اور بھلا کیسے ہو سکتا؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اسی طرح اس کا کلام بھی- حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن پاک کو بیک نظر دیکھنے سے اس کے ظاہری اور باطنی‘ لفظی اور معنوی ایسے ایسے کمالات ظاہر ہوتے ہیں جو مخلوق کے بس کے نہیں- خود رب العالمین فرماتا ہے الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ الخ یعنی اس کتاب کی آیتیں جو حکمت والے ہر طرح کی خبریں جاننے والے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں‘ محکم‘ مضبوط اور مفصل الگ الگ ہیں- پس الفاظ محکم اور معانی مفصل یا الفاظ مفصل اور معانی محکم- پس قرآن اپنے الفاظ میں اور اپنے مضامین میں بے نظیر ہے جس کے مقابلے‘ معارضے اور مثل سے دنیا عاجز اور بے بس ہے-

اس پاک کلام میں اگلی خبریں جو دنیا سے پوشیدہ تھیں‘ وہ ہو بہو بیان کی گئیں‘ آنے والے امور کے تذکرے کئے گئے جو لفظ بہ لفظ پورے اترے- تمام بھلائیوں کا حکم تمام برائیوں سے ممانعت اس میں ہے- سچ ہے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی خبروں میں صداقت اور احکام میں عدل‘ تیرے رب کے کلام میں پورا پورا ہے- پاکیزہ قرآن تمام تر حق وصداقت و ہدایت سے پر ہے‘ نہ اس میں واہی تواہی باتیں ہیں‘ نہ ہنسی مذاق‘ نہ کذب وافترا جو شاعروں کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے بلکہ ان کے اشعار کی قدر و قیمت ہی اسی پر ہے- مقولہ مشہور ہے کہ اعذبہ اکذبہ جوں جھوٹ زیادہ اتنا ہی مزیدار- تم دیکھو گے کہ لمبے لمبے پرزور قصیدے مبالغہ اور کذب آمیز یا تو عورتوں کی تعریف وتوصیف میں ہوں گے یا گھوڑوں کی اور شراب کی ستائش میں ہوں گے یا کسی انسان کی بڑھی چڑھی مدح وتعریف میں ہوں گے یا اونٹنیوں کی آرائش وزیبائش یا بہادری کے مبالغہ آمیز گیت یا لڑائیوں کی چالبازیوں یا ڈر خوف کے خیالی منظروں کے بیان میں ہوں گے جن سے کوئی فائدہ نہیں- نہ دین کا‘ نہ دنیا کا‘ صرف شاعر کی زبان دانی اور اس کی قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے‘ نہ اخلاق پر ان سے کوئی عمدہ اثر‘ نہ اعمال پر-

پھر نفس مضمون کے بھی پورے قصیدے میں بمشکل دو ایک شعر ہوتے ہیں- باقی سب بھرتی کے اور ادھر ادھر کی لایعنی اور فضول بکواس‘

برخلاف اس کے قرآن پاک پر نظر ڈالو تو دیکھو گے کہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت سے، دین و دنیا کے نفع سے، خیر و برکت سے پر ہے۔ پھر کلام کی ترتیب و تہذیب، الفاظ کی بندش، عبارت کی روانی، معانی کی نورانیت، مضمون کی پاکیزگی، سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کی خبروں کی حلاوت، اس کے بیان کردہ واقعات کی سلاست، مردہ دلوں کی زندگی ہے۔ اس کا اختصار کمال کا اعلیٰ نمونہ اور اس کی تفصیل معجزے کی جان ہے۔ اس کا کسی چیز کو دوہرانا قند مکرر کا مزہ دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سچے موتیوں کی بارش برس رہی ہے۔ بار بار پڑھو دل نہ اکتائے مزے لیتے جاؤ اور ہر وقت نیا مزہ پاؤ۔ مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں۔ یہ قرآن پاک کا ہی خاصہ ہے اس چاشنی کا ذائقہ، اس مٹھاس کا مزہ، کوئی اس سے پوچھے جنہیں عقل و حواس، علم و فضل کا کچھ حصہ قدرت نے عطا فرمایا۔ اس کی تنذیر، دھمکاوا، تعذیب اور پکڑ دھکڑ کا بیان مضبوط پہاڑوں کو ہلا دے۔ انسانی دل کیا ہیں۔ اس کے وعدے اور خوشخبریاں، نعمتوں اور رحمتوں کا بیان، دلوں کی پژمردہ کلی کو کھلا دینے والا، شوق و تمنا کے دبے جذبات کو ابھار دینے والا، جنتوں اور راحتوں کے پیارے پیارے مناظر کو آنکھوں کے سامنے کرلانے والا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں، کان لگ جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رغبت دیتے ہوئے وہ فرماتا ہے فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ الخ کوئی کیا جانے کہ اس کے نیک اعمال کے بدلے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چپکے چپکے تیار کیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے وَفِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ الخ اس دائمی جنت میں ہر وہ چیز ہے جو دل کو بھائے اور آنکھوں میں کھب جائے۔ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ ③ فرمایا اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِكُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡكُمۡ حَاصِبًا فَسَتَعۡلَمُوۡنَ كَیۡفَ نَذِیۡرِ کیا تم اپنے دھنسائے جانے یا آسمان سے پتھر برسائے جانے سے نڈر ہو گئے ہو؟ کیا آسمانوں والا اس پر قادر نہیں؟ اسے محض دھمکی ہی نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ زجر و توبیخ، ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے فَكُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡۢبِهٖ ایک ایک کو ہم نے اس کی بدکرداریوں میں پکڑ لیا۔ بطور وعظ و نصیحت بیان ہوتا ہے اَفَرَءَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِیۡنَ ثُمَّ جَآءَهُمۡ مَّا كَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ مَآ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ اگر ہم نے کچھ سال انہیں فائدہ نہیں دیا تو کیا ہوا؟ آخر وعدے کی گھڑی آ پہنچی اور اس جاہ و جلال نے کوئی نفع نہ بخشا۔ غرض کوئی کہاں تک بیان کرے۔ جس مضمون کا ذکر کیا، اسے کمال تک پہنچا کر چھوڑا اور طرح طرح کی فصاحت و بلاغت، حلاوت و حکمت سے معمور کر دیا۔ احکام کے حکم اور روک ٹوک کو دیکھئے۔ ہر حکم اچھائی بھلائی، نفع اور پاکیزگی کا جامع ہے۔ ہر ممانعت قباحت، رذالت اور خباثت کی قاطع ہے۔

ابن مسعودؓ وغیرہ اسلاف امت کا قول ہے کہ جب قرآن میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا آئے تو کان لگا دو۔ یا تو کسی اچھائی کا حکم ہوگا یا کسی برائی سے منع کیا جائے گا۔ خود پروردگار عالم فرماتا ہے یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ الخ یعنی بھلائیوں کا حکم دیتا ہے، برائیوں سے روکتا ہے، پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتا ہے، خبیث چیزیں حرام کرتا ہے، وہ بوجھل بیڑیاں جو پاؤں میں تھیں، وہ سخت طوق جو گلوں میں تھے، اتار پھینکتا ہے، قیامت کے بیان کی آیتیں ہیں کہ ہولناک مناظر، جنت و دوزخ کا بیان، رحمتوں اور زحمتوں کا پورا پورا وصف، اولیاء اللہ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں، دشمنان اللہ کے لئے طرح طرح کے عذاب، کہیں بشارت ہے، کہیں ڈراوا ہے، کہیں نیکیوں کی طرف رغبت ہے، کہیں بدکاریوں سے ممانعت ہے، کہیں دنیا کی طرف سے زہد کرنے کی، کہیں آخرت کی طرف رغبت کرنے کی تعلیم ہے۔ یہی وہ تمام آیتیں ہیں جو راہ راست دکھاتی ہیں اور بہتر رہنمائی کرتی ہیں۔ اللہ کی پسندیدہ شریعت کی طرف جھکاتی ہیں اور دلوں کو جلا بخشتی ہیں اور شیطانی دروازوں کو

بند کر دیتی ہیں اور برے اثرات کو زائل کرتی ہیں-

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے- اس لئے مجھے امید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے اس لئے کہ اور انبیاء کے معجزے ان کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور ؐ کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا- لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے- حضور ؐ کا یہ فرمان کہ میرا معجزہ وحی ہے جو مجھ کو دی گئی ہے' کا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو اس کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور قرآن کریم مجھی کو ملا ہے' جو اپنے معارضے اور مقابلے میں تمام دنیا کو عاجز کر دینے والا ہے- بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے- وہ اکثر علماء کے نزدیک اس وصف سے خالی ہیں- واللہ اعلم- آنحضرت ﷺ کی نبوت' آپ کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر اس معجزے کے علاوہ بھی اس قدر دلائل ہیں جو گنے بھی نہیں جا سکتے- للہ الحمد و المنتہ-

بعض متکلمین نے قرآن کریم کے اعجاز کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے جو اہل سنت کے اور معتزلہ کے قول پر مشترک ہے- وہ کہتے ہیں کہ یا تو یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے- انسان کے امکان میں ہی نہیں کہ اس جیسا بنا لا سکے' انہیں اس کا معارضہ کرنے کی قدرت و طاقت ہی نہیں- یا یہ کہ گو اس کا معارضہ ممکن ہے اور انسانی طاقت سے باہر نہیں لیکن باوجود اس کے انہیں معارضہ کا چیلنج دیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں' دین حق کو مٹانے' ہر وقت' ہر طاقت کے خرچ کرنے اور ہر چیز کے برباد کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن تاہم قرآن کا معارضہ اور مقابلہ ان سے نہیں ہو سکتا- یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے- اگر قدرت و طاقت ہو بھی تو بھی وہ انہیں روک دیتا ہے اور وہ قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں- گو یہ پچھلی وجہ اتنی پسندیدہ نہیں تاہم اگر اسے بھی مان لیا جائے تو اس سے بھی قرآن پاک کا معجزہ ہونا ثابت ہے جو بطریق تنزل حمایت حق اور مناظرے کی خاطر صلاحیت رکھتا ہے- امام رازیؒ نے بھی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوال کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے-

جہنم کا ایندھن: ☆☆ وَقُوْدُ کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے- جیسے چپٹیاں لکڑیاں وغیرہ- قرآن کریم میں ایک جگہ ہے- وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ظالم لوگ جہنم کی لکڑیاں ہیں- اور جگہ فرمایا' تم اور تمہارے معبود جو اللہ کے سوا ہیں' جہنم کی لکڑیاں ہیں' تم سب اس میں وارد ہو گے- اگر وہ سچے معبود ہوتے تو وہاں وارد نہ ہوتے- دراصل یہ سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں- اور حِجَارَةُ کہتے ہیں پتھر کو- یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے- حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' ان پتھروں کو زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے (ابن جریر' ابن ابی حاتم' مستدرک حاکم) ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ اور چند اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سدی نے نقل کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' ان پتھروں کی بدبو مردار کی بو سے بھی زیادہ ہے- محمد بن علیؒ اور ابن جریجؒ بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں- بعض نے کہا ہے' مراد وہ پتھر جن کی مورتیاں بنائی جاتی ہیں اور پھر ان کی پرستش کی جاتی تھی- جیسے اور جگہ ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الخ تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں' جہنم کی لکڑیاں ہیں- قرطبیؒ اور رازیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر جو کسی شکل میں بھی اللہ کے سوا پوجے جاتے ہوں لیکن یہ وجہ کوئی قوی وجہ نہیں- اس لئے کہ جب آگ گندھک کے پتھروں سے سلگائی

جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تیزی اور حرارت معمولی آگ سے بہت زیادہ ہوگی۔ اس کا بھڑکنا' جلنا' سوزش اور شعلے بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ علاوہ اس کے پھر سلف سے بھی اس کی تفسیر یہی مروی ہے۔ اسی طرح ان پتھروں میں آگ کا لگنا بھی ظاہر ہے اور آیت کا مقصود آگ کی تیزی اور اس کی سوزش کا بیان کرنا ہے اور اس کے بیان کے لئے بھی یہاں پتھر سے مراد گندھک کے پتھر لینا زیادہ مناسب ہے تا کہ وہ آگ تیز ہو اور اس سے بھی عذاب میں سختی ہو۔ قرآن کریم میں ہے کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِیۡرًا جہاں شعلے ہلکے ہوئے کہ ہم نے اور بھڑکا دیا۔

ایک حدیث میں ہے' ہر موذی آگ میں ہے لیکن یہ حدیث محفوظ اور معروف نہیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں' اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کو ایذا دے' جہنمی ہے دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم کی آگ میں موجود ہوگی جو جہنمیوں کو عذاب دے گی۔ اُعِدَّتۡ یعنی تیار کی گئی سے مراد بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد پتھر ہوں یعنی وہ پتھر جو کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ ابن مسعود کا یہی قول ہے اور فی الحقیقت دونوں معنی میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پتھروں کا تیار کیا جانا' آگ کے جلانے کے لئے ہے اور آگ کی تیاری کے لئے پتھروں کا تیار کیا جانا ضروری ہے لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر وہ شخص جو کفر پر ہو' اس کے لئے وہ آگ تیار ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جہنم اب موجود اور پیدا شدہ ہے کیونکہ ''اُعِدَّتۡ'' کا لفظ ہی اس کی دلیل میں آیا ہے۔ بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔

ایک مطول حدیث میں ہے۔ جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ سے دو سانس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سانس لینے اور گرمی میں دوسرا سانس لینے کی اجازت دے دی گئی۔ تیسری حدیث میں ہے' صحابہؓ کہتے ہیں' ہم نے ایک مرتبہ بڑے زور کی ایک آواز سنی۔ حضورؐ سے پوچھا' یہ کس چیز کی آواز ہے۔ آپؐ نے فرمایا' ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا' آج وہ تہہ کو پہنچا۔ چوتھی حدیث میں ہے کہ حضور نے سورج گرہن کی نماز پڑھتے ہوئے جہنم کو دیکھا۔ پانچویں حدیث میں ہے کہ آپؐ نے شب معراج میں جہنم کو اور اس میں عذابوں کے سلسلے کو ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح اور بہت سی صحیح متواتر حدیثیں مروی ہیں۔ معتزلہ اپنی جہالت کی وجہ سے انہیں نہیں مانتے۔ قاضی اندلس منذر بن سعید بلوطی نے بھی ان سے اتفاق کیا ہے۔ فائدہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اور سورہ یونس میں جو کہا گیا ہے کہ ایک ہی سورت کے مانند لاؤ۔ اس میں ہر چھوٹی بڑی آیت شامل ہے۔ اس لئے عربیت کے قاعدے کے مطابق جو اسم نکرہ ہو اور شرط کے طور پر لایا گیا ہو' وہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ نکرہ نفی کی تحت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ پس لمبی سورتوں اور چھوٹی سورتوں سب میں اعجاز ہے اور اس بات پر سلف و خلف کا اتفاق ہے۔

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ سورت کا لفظ سورہ کوثر اور سورہ العصر اور سورہ قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ جیسی چھوٹی سورتوں پر بھی مشتمل ہے اور یہ بھی یقین ہو کہ اس جیسی یا اس کے قریب قریب کسی سورت کا بنا لینا ممکن ہے تو اسے انسانی طاقت سے خارج کہنا نری ہٹ دھرمی اور بے جا طرف داری ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ ہم نے اس کے معجز نما ہونے کے دو طریقے بیان کر کے دوسرے طریقہ کو اسی لئے پسند کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ چھوٹی سورتیں بھی فصاحت و بلاغت میں اسی پایہ کی ہیں کہ وہ معجزہ کہی جا سکیں اور انکار تعارض ممکن نہ ہو تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر یہ سورتیں ایسی نہیں تو بھی ہمارا مقصود حاصل ہے اس لئے کہ ان جیسی سورتوں کو بنانے کی انسانی قدرت ہونے پر بھی سخت دشمنی اور زبردست کوششوں کے باوجود ناکام رہنا' اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ قرآن مع اپنی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سراسر معجزہ ہے۔ یہ تو ہے کلام رازی کا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر بڑی چھوٹی سورت فی الواقع معجزہ ہے اور انسان اس کی مانند بنانے

سے محض عاجز اور بالکل بے بس ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر لوگ غور و تدبر سے' عقل و ہوش سے' سورۂ والعصر کو سمجھ لیں تو انہائی کافی ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وفد میں شامل مسیلمہ کذاب کے پاس گئے (تب یہ خود بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ تم مکہ سے آ رہے ہو' بتاؤ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا' ابھی ابھی ایک مختصر سی سورت نازل ہوئی ہے جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے۔

پھر سورہ والعصر پڑھ کر سنائی تو مسیلمہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابلہ میں کہا' مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا یَا وَبَرُ یَا وَبَرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَان وَصَدْرٌ وَسَآئِرُكَ حَقَرٌ فَقَرٌ یعنی اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا وجود سوائے دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ باقی تو سراسر بالکل ناچیز ہے۔ پھر فخر یہ کہنے لگا کہو اے عمرو کیسی کہی؟ انہوں نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ تو خود جانتا ہے کہ یہ سراسر کذب و بہتان ہے۔ بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں حکمتوں سے بھرپور وہ کلام؟

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا
هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ
اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵

ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی پھلوں کی روزیاں دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ہم شکل لائے جائیں گے اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی ہیں ○

اعمال وجہ بشارت: ☆☆ (آیت:۲۵) چونکہ پہلے کافروں اور دشمنان دین کی سزا عذاب اور رسوائی کا ذکر ہوا تھا' اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے مثانی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں جو صحیح تر قول بھی ہے کہ اس میں ہر مضمون تقابلی جائزہ کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی کسی مناسب جگہ آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ ہی کفر کا' کفر کے ساتھ ایمان کا' نیکوں کے ساتھ بدوں کا اور بدوں کے ساتھ نیکوں کا ذکر ضرور آتا ہے۔ جس چیز کا بیان ہوتا ہے اس کے مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے چاہے معنی میں مُتَشَابِہ ہوں' یہ دونوں لفظ قرآن کے اوصاف میں وارد ہوئے ہیں۔ اسے مثانی بھی کہا گیا ہے اور متشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔ جنتوں میں نہریں بہنا اس کے درختوں اور بالا خانوں کے نیچے بہنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھا نہیں اور حدیث میں ہے کہ نہر کوثر کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں۔ اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لولو اور جواہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے۔ وہ احسان کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔

حدیث میں ہے جنت کی نہریں مشکی پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مروی ہے جنتیوں کا یہ قول کہ پہلے بھی ہم کو یہ میوے دیئے گئے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ میوے ہمیں ملے تھے صحابہؓ اور

ابن جریرؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے- بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے یعنی کل بھی یہی دیئے گئے تھے- یہ اس لئے کہیں گے کہ ظاہری صورت و شکل میں وہ بالکل مشابہ ہوں گے- یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں کہ ایک پیالہ آئے گا- کھائیں گے- پھر دوسرا آئے گا تو کہیں گے یہ تو ابھی کھایا ہے- فرشتے کہیں گے- کھایئے تو- اگرچہ صورت شکل میں یکساں ہیں لیکن مزہ اور ہے- فرماتے ہیں جنت کی گھاس زعفران ہے- اس کے ٹیلے مشک کے ہیں- چھوٹے چھوٹے خوبصورت غلمان ادھر ادھر سے میوے لا لا کر پیش کر رہے ہیں وہ کھا رہے ہیں- وہ پھر پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں اسے تو ابھی کھایا ہے- وہ جواب دیتے ہیں حضرت رنگ روپ ایک ہے لیکن ذائقہ اور ہی ہے چکھ کر دیکھئے- کھاتے ہیں تو اور ہی لطف پاتے ہیں- یہی معنی ہیں کہ ہم شکل لائے جائیں گے- دنیا کے میووں سے بھی اور نام شکل اور صورت میں بھی ملتے جلتے ہوں گے لیکن مزہ کچھ دوسرا ہی ہوگا-

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ صرف نام میں مشابہت ہے ورنہ کہاں یہاں کی چیز کہاں وہاں کی؟ یہاں تو فقط نام ہی ہے عبدالرحمٰنؒ کا قول ہے دنیا کے پھلوں جیسے پھل دیکھ کر کہہ دیں گے کہ یہ تو دنیا میں کھا چکے ہیں مگر جب چکھیں گے تو لذت کچھ اور ہی ہوگی- وہاں جو بیویاں انہیں ملیں گی، وہ گندگی، ناپاکی، حیض و نفاس، پیشاب، پاخانہ، تھوک، رینٹ، منی وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی- حضرت حوا علیہا السلام بھی حیض سے پاک تھیں لیکن نافرمانی سرزد ہوتے ہی یہ بلا آ گئی- یہ قول سنداً غریب ہے- ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ حیض پاخانہ تھوک رینٹ سے وہ پاک ہیں- اس حدیث کے راوی عبدالرزاق بن عمر بزیعی ہیں- مستدرک حاکم میں بیان کیا جنہیں ابو حاتم البستی نے احتجاج کے قابل نہیں سمجھا- بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ حضرت قتادہ کا قول ہے- واللہ اعلم- ان تمام نعمتوں کے ساتھ اس زبردست نعمت کو دیکھئے کہ نہ یہ نعمتیں فنا ہوں نہ نعمتوں والے فنا ہوں- نہ نعمتیں ان سے چھنیں- نہ یہ نعمتوں سے الگ کئے جائیں- نہ موت ہے نہ خاتمہ ہے نہ آخر ہے نہ ٹوٹنا اور کم ہونا ہے- اللہ رب العالمین جواد و کریم بر و رحیم سے التجا ہے کہ وہ مالک ہمیں بھی اہل جنت کے زمرے میں شامل کرے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر کرے- آمین۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ
وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ
يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ
اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی- ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے- اسی کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے ○ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں- یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

اللہ جل شانہ کی مثالیں اور دنیا ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) ابن عباس، ابن مسعود اور چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی تین آیتوں میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں یعنی آگ کی اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی ایسی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا- اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں- حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب قرآن پاک میں مکڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے، بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت؟ تو جواباً یہ آیتیں اتریں اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں اتری حالانکہ ایسا نہیں- واللہ اعلم- اور بزرگوں سے بھی اس طرح کا شان نزول مروی ہے-

ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں، یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کے بارے میں بیان کی گئی- مچھر جس وقت بھوکا ہوتا ہے، زندہ رہتا ہے- جہاں موٹا تازہ ہوا مرا- اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں، وہیں اللہ کی پکڑ آ جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُ وْابِهٖ الخ جب یہ ہماری نصیحت بھول جاتے ہیں تو ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں، اب دفعتہً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں (ابن جریر ابن ابی حاتم) امام ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور مناسبت بھی اسی کی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے- واللہ اعلم- تو مطلب یہ ہوا کہ مثال چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی، بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ رکتا ہے نہ جھجکتا ہے- لفظ ما یہاں پر کمی کے معنی بتانے کے لئے ہے اور بَعُوْضَةً کا زبر بدلیت کی بنا پر عربی قاعدے کے مطابق ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر صادق آ سکتا ہے یا ''ما'' نکرہ موصوفہ ہے اور ''بَعُوْضَه'' صفت ہے- ابن جریرؒ ''ما'' کا موصولہ ہونا اور ''بَعُوْضَةً'' کا اسی اعراب سے معرب ہونا پسند فرماتے ہیں اور کلام عرب میں یہ بکثرت رائج ہے کہ وہ ما اور من کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دیا کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی یہ نکرہ ہوتے ہیں اور کبھی معرفہ جیسے حسان بن ثابت کے شعروں میں ہے۔

یکفی بنا فضلا علی من غیرنا حب النبی محمد ایانا
ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ ہمارے دل حب نبیؐ سے پر ہیں-

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''بَعُوْضَةً'' منصوب ہو حذف جار کی بنا پر اور اس سے پہلے اور بین کا لفظ مقدر مانا جائے- کسائی اور فراء اسی کو پسند کرتے ہیں- ضحاکؒ اور ابراہیم بن عبلہؒ ''بَعُوْضه'' پڑھتے ہیں- ابن جنیؒ کہتے ہیں، یہ ''ما'' کا صلہ ہوگا اور عائد حذف مانی جائے گی جیسے تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ میں فَمَا فَوْقَهَا کے دو معنی بیان کئے ہیں- ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز- جیسے کسی شخص کی بخیلی کا ایک شخص ذکر کرے تو دوسرا کہتا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے- کسائیؒ اور ابو عبیدہؒ یہی کہتے ہیں- ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پلاتا- دوسرے یہ معنی ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لئے کہ بھلا مچھر سے ہلکی اور چھوٹی چیز اور کیا ہوگی؟ قتادہؒ بن دعامہ کا یہی قول ہے- ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں- صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جس کسی مسلمان کو کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تو اس پر بھی اس کے درجے بڑھتے ہیں اور گناہ مٹتے ہیں- اس حدیث میں بھی یہی لفظ فَوْقَهَا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان چھوٹی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے سے شرماتا نہیں اور نہ رکتا ہے- اسی طرح انہیں مثال کے طور پر بیان کرنے سے بھی اسے عار نہیں- ایک جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے- کان لگا کر سنو- جنہیں اللہ کے سوا پکار سکتے ہو، وہ سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو بھی ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی اگر ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے- عابد اور معبود دونوں ہی بے حد کمزور ہیں-

دوسری جگہ فرمایا' ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں' مکڑی کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں سے زیادہ بودا اور کمزور ہے- دوسری جگہ فرمایا' اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال پاک درخت سے دی جس کی جڑ مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں جو بحکم اللہ ہر وقت پھل دیتا ہو- ان مثالوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے غور و تدبر کے لئے بیان فرماتا ہے اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جو زمین کے اوپر اوپر ہی ہو اور جڑیں مضبوط نہ ہوں- اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا اور آخرت میں برقرار رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اللہ جو چاہے کرے- دوسری جگہ فرمایا' اللہ تعالیٰ اس مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جسے کسی چیز پر اختیار نہیں- اور جگہ فرمایا- دو شخصوں کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک تو گونگا اور بالکل گرا پڑا بے طاقت ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے- جہاں جائے برائی ہی لے کر آئے اور دوسرا وہ جو عدل و حق کا حکم کرے' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ دوسری جگہ ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خود تمہاری مثال بیان فرماتا ہے- کیا تم اپنی چیزوں میں اپنے غلاموں کو بھی اپنا شریک اور برابر کا حصہ دار سمجھتے ہو؟ اور جگہ ارشاد ہے' اس شخص کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جس کے بہت سے برابر کے شریک ہوں- اور جگہ ارشاد ہے ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں (پوری طرح) صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں- ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں- بعض سلف صالحینؒ فرماتے ہیں' جب میں قرآن کی کسی مثال کو سنتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا تو مجھے رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی' ایماندار ان پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں- قتادہؒ کا قول ہے کہ وہ انہیں اللہ کا کلام سمجھتے ہیں- ''انہ'' کی ضمیر کا مرجع مثال ہے یعنی مومن اس مثال کو اللہ کی جانب سے اور حق سمجھتے ہیں اور کافر باتیں بناتے ہیں جیسے سورہ مدثر میں ہے وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ الخ یعنی ہم نے آگ والے فرشتوں کی گنتی کو کفار کی آزمائش کا سبب بنایا ہے- اہل کتاب یقین کرتے ہیں- ایماندار ایمان میں بڑھ جاتے ہیں- ان دونوں جماعتوں کو کوئی شک نہیں رہتا لیکن بیمار دل اور کفار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے- تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- یہاں بھی اسی ہدایت و ضلالت کو بیان کیا-

ایک ہی مثال کے دو رد عمل کیوں؟ ☆☆ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور مومن راہ پاتے ہیں- گمراہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ اس مثال کے درست اور صحیح ہونے کا علم ہونے کے باوجود اسے جھٹلاتے ہیں اور مومن اقرار کر کے ہدایت و ایمان کو بڑھا لیتے ہیں- فٰسِقِیْنَ سے مراد منافق ہیں- بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں- حضرت سعدؓ کہتے ہیں مراد خوارج ہیں- اگر اس قول کی سند حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تک صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ تفسیر معنوی ہے- اس سے مراد خوارج نہیں ہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی فاسقوں میں داخل ہے جنہوں نے نہروان میں حضرت علیؓ پر چڑھائی کی تھی تو یہ لوگ گو نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے لیکن اپنے بدترین وصف کی وجہ سے معناً فاسقوں میں داخل ہیں- انہیں خارجی اس لئے کہا گیا ہے کہ امام کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور شریعت اسلام کی پابندی سے آزاد ہو گئے تھے- لغت میں فاسق کہتے ہیں' اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو- جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَتْ- چوہے کو بھی فُوَیْسِقَہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر فساد کرتا ہے-

صحیحین کی حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' پانچ جانور فاسق ہیں حرم میں اور حرم کے باہر قتل کر دیئے جائیں- کوا' چیل' بچھو' چوہا اور کالا کتا- پس لفظ فاسق کافر کو اور ہر نافرمان کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ سخت اور زیادہ برا ہے اور آیت میں مراد فاسق سے کافر ہے- واللہ اعلم- اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعد میں ان کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہیں- اس کے فرمان کاٹتے ہیں اور

زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور یہ سب اوصاف کفار کے ہیں-

مومنوں کے اوصاف تو اس کے برخلاف ہوتے ہیں جیسے سورہ رعد میں بیان ہے کہ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ الخ کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترا، وہ حق ہے، کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو؟ نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور میثاق نہیں توڑتے اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں جوڑتے ہیں- اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور حساب کی برائی سے کانپتے رہتے ہیں- آگے چل کر فرمایا- جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیں اور جس چیز کے ملانے کا اللہ کا حکم ہو، وہ اسے نہ ملائیں اور زمین میں فساد پھیلائیں، ان کے لئے لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے- یہاں عہد سے مراد وہ وصیت ہے جو اللہ نے بندوں کو کی تھی جو اس کے تمام احکام بجالانے اور تمام نافرمانیوں سے بچنے پر مشتمل ہے- اس کا توڑ دینا اس پر عمل نہ کرنا ہے-

بعض کہتے ہیں عہد توڑنے والے اہل کتاب کے کافر منافق اور ہیں اور عہد وہ ہے جو ان سے تورات میں لیا گیا تھا کہ وہ اس کی تمام باتوں پر عمل کریں اور محمد ﷺ کی اتباع کریں- جب بھی آپ تشریف لے آئیں، آپ کی نبوت کا اقرار کریں اور جو کچھ آپ اللہ کی جانب سے لے کر آئیں، اس کی تصدیق کریں اور اس عہد کو توڑ دینا یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا علم ہونے کے باوجود الٹا اطاعت سے انکار کر دیا اور باوجود عہد کا علم ہونے کے، اسے چھپایا- دنیاوی مصلحتوں کی بنا پر اس کا الٹ کیا- امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند کرتے ہیں اور مقاتل بن حیانؒ کا بھی یہی قول ہے- بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص جماعت نہیں بلکہ شک و کفر و نفاق والے سب کے سب مراد ہیں- عہد سے مراد توحید اور نبیؐ کی نبوت کا اقرار کرانا ہے جن کی دلیل میں کھلی ہوئی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزے موجود ہیں اور اس عہد کو توڑ دینا توحید و سنت سے منہ موڑنا اور انکار کرنا ہے- یہ قول اچھا ہے- زمخشری کا میلان بھی اسی طرف ہے- وہ کہتے ہیں- عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے کا اقرار ہے جو فطرتاً انسان میں؟ داخل ہونے کے علاوہ روز میثاق بھی منوایا گیا ہے- فرمایا گیا تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیا تھا بلیٰ بیشک تو ہمارا رب ہے- پھر جو کتابیں دی گئیں، ان میں بھی اقرار کرایا گیا جیسے فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ الخ میرے عہد کو نبھاؤ- میں بھی اپنے وعدے پورے کروں گا- بعض کہتے ہیں وہ عہد مراد ہے جو روحوں سے لیا گیا تھا جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالی گئی تھیں جیسے فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ الخ جب تیرے رب نے اولاد آدم سے وعدہ لیا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور ان سب نے اقرار کیا- اور اس کا توڑنا اس سے انحراف ہے- یہ تمام اقوال تفسیر ابن جریر میں منقول ہیں-

ابو العالیہؒ فرماتے ہیں، عہد ربانی کو توڑنا منافقوں کا کام ہے جن میں یہ چھ خصلتیں ہوتی ہیں- بات کرنے میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، اللہ کے عہد کو مضبوطی کے بعد توڑ دینا، اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کے ملانے کا حکم دیا ہے، انہیں نہ ملانا، زمین میں فساد پھیلانا- یہ چھ خصلتیں ان کی اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ ان کا غلبہ ہو اور جب وہ مغلوب ہوتے ہیں تو تین اگلے کام کرتے ہیں-

سدیؒ فرماتے ہیں، قرآن کے احکام کو پڑھنا، جاننا، سچ کہنا، پھر نہ ماننا بھی عہد کو توڑنا تھا، اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد صلہ رحمی کرنا، قرابت کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ہے جیسے اور جگہ قرآن مجید میں ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ قریب ہے کہ تم اگر لوٹو تو زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ دو- ابن جریرؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت عام ہے یعنی جسے ملانے اور ادا کرنے کا حکم دیا تھا، انہوں نے اسے توڑا اور حکم عدولی کی- خاسرون سے مراد آخرت

میں نقصان اٹھانے والے ہیں جیسے فرمان باری ہے اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ان لوگوں کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اہل اسلام کے سوا جہاں دوسروں کے لئے یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد گنہگار ہیں۔ خاسرون جمع ہے خاسر کی۔ چونکہ ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیوی لذتوں میں پڑ کر رحمت الٰہی سے علیحدگی کر لی، اس لئے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا جیسے وہ شخص جسے اپنی تجارت میں گھاٹا آئے۔ اسی طرح یہ کافر و منافق ہیں یعنی قیامت والے دن جب رحم و کرم کی بہت ہی حاجت ہوگی، اس دن رحمت الٰہی سے محروم رہ جائیں گے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے ○

ٹھوس دلائل پر مبنی دعوت: ☆☆ (آیت: ۲۸) اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، وہ قدرتوں والا ہے، وہی پیدا کرنے والا اور اختیار والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا، تم اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کیسے کر سکتے ہو؟ یا اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیسے کر سکتے ہو؟ جبکہ تمہیں عدم سے وجود میں لانے والا ایک وہی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا، کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ انہوں نے زمین و آسمان بھی پیدا کیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بے یقین لوگ ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا یقیناً انسان پر وہ زمانہ بھی آیا ہے جس وقت یہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔ اور بھی اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ الخ اے اللہ دو دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دو دفعہ جلایا۔ ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا الخ میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا یعنی پیدا کیا پھر تمہیں مارے گا یعنی موت ایک روز ضرور آئے گی۔ پھر تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے، پھر دوسری دنیا میں مرنے اور قبروں کی طرف جانے کی پھر قیامت کے روز اٹھ کھڑے ہونے کی۔ دو زندگیاں اور دو موتیں۔ ابوصالحؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا۔ پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا۔ پھر دنیوی موت ان پر آئی۔ پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا لیکن یہ قول غریب ہے۔ پہلا قول ہی درست ہے۔ ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

قرآن میں اور جگہ ہے قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الخ اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے پھر مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا۔ ان پتھروں اور تصویروں کو جنہیں مشرکین پوجتے تھے، قرآن نے مردہ کہا۔ فرمایا اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں۔ زمین کے بارے میں فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ان کے لئے مردہ زمین بھی ہماری صداقت کی نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ٭ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی
السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۹﴾ ع

وہی اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان ساتوں کو ٹھیک ٹھاک کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے ○

کچھ اور دلائل: ☆☆ (آیت:۲۹) اوپر کی آیات میں ان دلائل قدرت کا بیان تھا جو خود انسان کے اندر ہیں۔ اب اس مبارک آیت میں ان دلائل کا بیان ہو رہا ہے جو روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ''اِسۡتَوَاء'' یہاں قصد کرے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا صلہ ''اِلٰی'' ہے۔ ''سَوّٰھُنَّ'' کے معنی درست کرنے اور ساتوں آسمان بنانے کے ہیں۔ سماء اسم جنس ہے۔ پھر بیان فرمایا کہ اس کا علم محیط کل ہے جیسے ارشاد ہے اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وہ بے علم ہو کیسے سکتا ہے جو خالق ہو؟ سورہ سجدہ کی آیت اَئِنَّکُمۡ لَتَکۡفُرُوۡنَ گویا اس آیت کی تفصیل ہے جس میں فرمایا ہے کیا تم اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا کیا۔ تم اس کے لئے شریک ٹھہراتے ہو جو رب العالمین ہے۔ جس نے زمین میں مضبوط پہاڑ اوپر سے گاڑ دیئے جس نے زمین میں برکتیں اور روزیاں رکھیں اور چار دن میں زمین کی سب چیزیں درست کر دیں۔ جس میں دریافت کرنے والوں کی تشفی ہے۔ پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر جو دھویں کی شکل میں تھے فرمایا کہ اے زمینو اور آسمانو خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو دونوں نے کہا باری تعالیٰ ہم تو برضا وخوشی حاضر ہیں۔ دو دن میں ان ساتوں آسمانوں کو پورا کر دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام بانٹ دیا اور دنیا کے آسمان کو ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا اور انہیں (شیطانوں سے) بچاؤ کا سبب بنایا۔ یہ ہے اندازہ اس اللہ کا جو بہت بڑا غالب اور بہت بڑے علم والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پیدا کی۔ پھر ساتوں آسمان اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عمارت کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ بنایا جائے پھر اوپر کا۔ مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جس کا بیان بھی ابھی آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ءَ اَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ الخ تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی خلا کو بلند کر کے انہیں ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد زمین پھیلائی۔ اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں ''ثُمَّ'' صرف عطف خبر کے لئے ہے۔ عطف فعل کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے اشعار میں یہ موجود ہے کہ کہیں ''ثُمَّ'' صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہوتا ہے' تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت ''ءَ اَنۡتُمۡ'' میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلانا اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا۔ تو ٹھیک یہ ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا' پھر آسمان کو' پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا اس طرح دونوں آیتیں ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں گی۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی۔ البتہ زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا۔ جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا۔ وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی۔ پھر اس کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں۔ اتوار اور پیر کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں۔ زمین مچھلی پر ہے اور مچھلی وہ ہے جس کا

ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے نٓ وَالْقَلَمِ مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتے پتھر پر' زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا اور وہ ٹھہر گئی- یہی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَبِهِمْ الخ زمین نہ ہلے اس لئے ہم نے اس میں پہاڑ جما دیئے ہیں- پہاڑ زمین کی پیداوار درخت وغیرہ زمین کی کل چیزیں منگل اور بدھ کے دو دنوں میں پیدا کیں- اسی کا بیان قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ والی آیت میں ہے- پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھواں تھا- آسمان بنایا پھر اسی میں سات آسمان بنائے- جمعرات اور جمعہ کے دو دنوں میں' جمعہ کے دن کو اس لئے جمعہ کہا جاتا ہے کہ اس میں زمین و آسمان کی پیدائش جمع ہو گئی- ہر آسمان میں اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان ان چیزوں کو' جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں' کہ دنیا آسمان کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور انہیں شیطان سے حفاظت کا سبب بنایا- ان تمام چیزوں کو پیدا کر کے پروردگار نے عرش عظیم پر قرار پکڑا جیسے فرماتا ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یعنی چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کر کے پھر عرش پر مستوی ہو گیا اور جگہ فرمایا كَانَتَا رَتْقًا الخ یعنی یہ دونوں دھواں سے تھے- ہم نے انہیں پھاڑا اور پانی سے ہر چیز کو زندگی دی (تفسیر سدی) (یہ موقوف قول جس میں کئی قسم کا احتمال ہے بہ ظاہر ایسی اہم بات میں حجت تامہ نہیں ہو سکتا- واللہ اعلم)

ابن جریرؒ میں ہے- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوئی- دو دن میں زمینیں پیدا ہوئیں' دو دن میں ان میں موجود تمام چیزیں پیدا کیں اور دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا- جمعہ کے دن آخری وقت ان کی پیدائش ختم ہوئی اور اسی وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی وقت میں قیامت قائم ہو گی- مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا- اس سے جو دھواں اوپر چڑھا' اس کے آسمان بنائے جو ایک پر ایک اس طرح سات ہیں اور زمینیں ایک نیچے ایک اوپر اس طرح سات ہیں- اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے- جیسے سورہ سجدہ کی آیت میں ہے- علماء بھی اس پر متفق ہیں- صرف قتادہؒ فرماتے ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں- قرطبیؒ اس میں توقف کرتے ہیں- وَالنّٰزِعٰتِ کی آیت کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے پہلے ہے- صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین پیدا تو آسمانوں سے پہلے کی گئی ہے لیکن پھیلائی گئی ہے بعد میں- یہی جواب اگلے پچھلے علماء کا ہے- سورۂ نازعات کی تفسیر میں بھی اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- حاصل امر یہ ہے کہ زمین کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے اور دَحٰهَا کا لفظ قرآن میں ہے اور اس کے بعد جو پانی چارہ پہاڑ وغیرہ کا ذکر ہے' یہ گویا اس لفظ کی تشریح ہے- جن جن چیزوں کی نشوونما کی قوت اس زمین میں رکھی تھی' ان سب کو ظاہر کر دیا اور زمین کی پیداوار طرح طرح کی مختلف شکلوں اور مختلف قسموں میں نکل آئی- اسی طرح آسمان میں بھی ٹھہرے رہنے والے' چلنے والے ستارے وغیرہ بنائے- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا' مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا' پہاڑوں کو اتوار کے دن' درختوں کو پیر کے دن' برائیوں کو منگل کے دن' نور کو بدھ کے دن' جانوروں کو جمعرات کے دن' آدمؑ کو جمعہ کے دن اور عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک- یہ حدیث غرائب میں سے ہے- امام ابن مدینیؒ امام بخاریؒ وغیرہ نے اس پر بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ کعب کا اپنا قول ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے کعبؓ کا یہ قول سنا ہے اور بعض راویوں نے اسے غلطی سے مرفوع حدیث قرار دے لیا ہے- امام بیہقی یہی کہتے ہیں-

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا' ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح' حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ○

خلافت آدم کا مفہوم: ☆☆ (آیت: ۳۰) اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں میں ان کا ذکر کیا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ فرماتا ہے کہ اے نبی تم یاد کرو اور اپنی امت کو یہ خبر پہنچاؤ۔ ابو عبیدہ تو کہتے ہیں کہ لفظ ''اذ'' یہاں زائد ہے لیکن ابن جریرؒ وغیرہ مفسرین اس کی تردید کرتے ہیں۔ خَلِيْفَه سے مراد یہ ہے کہ ان کے یکے بعد دیگرے بعض کے بعض جانشین ہوں گے اور ایک زمانہ کے بعد دوسرے زمانہ میں یونہی صدیوں تک یہ سلسلہ رہے گا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ دوسری جگہ فرمایا وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ یعنی تمہیں اس نے زمین کا خلیفہ بنا دیا اور ارشاد ہے کہ ان کے بعد ان کے خلیفہ یعنی جانشین برے لوگ ہوئے۔ ایک شاذ قرات میں خَلِیْقَةً بھی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد صرف حضرت آدم ہیں لیکن اس بارے میں تفسیر رازی کے مفسر نے اختلاف کیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں۔ اس کی ایک دلیل تو فرشتوں کا یہ قول ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اولاد آدم کی نسبت یہ فرمایا تھا' نہ کہ خاص حضرت آدم کی نسبت۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا علم فرشتوں کو کیونکر ہوا؟ یا تو کسی خاص ذریعہ سے انہیں یہ معلوم ہوا یا بشری طبیعت کے اقتضا کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا کیونکہ یہ فرما دیا گیا تھا کہ اس کی پیدائش مٹی سے ہوگی یا لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ فیصلے کرنے والا' مظالم کی روک تھام کرنے والا اور حرام کاموں اور گناہوں کی باتوں سے روکنے والا ہوگا یا انہوں نے چونکہ پہلی مخلوق کو دیکھا تھا' اسی پر اسے قیاس کیا ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فرشتوں کی یہ عرض بطور اعتراض نہ تھی نہ بنی آدم سے حسد کے طور پر تھی۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قطعی غلطی کر رہے ہیں۔ فرشتوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ ① یعنی جس بات کے دریافت کرنے کی انہیں اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طبیعت حسد سے پاک ہے) بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ سوال صرف اس حکمت کے معلوم کرنے کے لئے اور اس راز کے ظاہر کرانے کے لئے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فسادی لوگ بھی ہوں گے' تو اب باادب سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں' تسبیح و تقدیس و تحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے اور پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں تو پھر اور مخلوق جن میں فسادی اور خونی بھی ہوں گے' کس مصلحت پر پیدا کی جا رہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس کے فساد کے' پھر بھی اسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر میں پیدا کر رہا ہوں' انہیں میں ہی جانتا ہوں' تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے۔ ان میں صدیق اور شہید ہوں گے۔ ان میں عابد' زاہد' اولیاء' ابرار' نیکوکار' مقرب بارگاہ' علماء' صلحاء' متقی' پرہیزگار' خوف الٰہی' حب باری تعالیٰ رکھنے والے بھی ہوں گے۔ میرے احکام کی بسر و چشم تعمیل کرنے والے' میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک پکارنے والے بھی ہوں گے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں تب رات کے فرشتے آتے ہیں اور صبح کو جاتے

ہیں۔ آنے والے جب آتے ہیں تب بھی اور جب جاتے ہیں تب بھی صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں اور دربار الٰہی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے، یہی وہ مصلحت الٰہی ہے جسے فرشتوں کو بتایا گیا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ ان فرشتوں کو اسی چیز کو دیکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے الہ العالمین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

غرض تفصیلی حکمت جو پیدائش انسان میں تھی، اس کی نسبت فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے۔ جو تمہیں معلوم نہیں بعض کہتے ہیں یہ جواب فرشتوں کے اس قول کا ہے کہ ہم تیری تسبیح وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو انہیں فرمایا گیا کہ میں ہی جانتا ہوں تم جیسا سب کو یکساں سمجھتے ہو ایسا نہیں بلکہ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سب کہنا دراصل یہ مطلب رکھتا تھا کہ ہمیں زمین میں بسایا جائے تو جواباً کہا گیا کہ تمہاری آسمانوں میں رہنے کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تمہارے لائق جگہ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حسنؒ، قتادہؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی۔ سدیؒ کہتے ہیں مشورہ لیا۔ لیکن اس کے معنی بھی خبر دینے کے ہو سکتے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو پھر یہ بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکہ سے زمین پھیلائی اور بچھائی گئی تو بیت اللہ شریف کا طواف سب سے پہلے فرشتوں نے کیا اور زمین میں خلیفہ بنانے سے مراد مکہ میں خلیفہ بنانا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر اس میں ضعف ہے اور مدرج ہے یعنی زمین سے مراد مکہ لینا راوی کا اپنا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے ساری زمین مراد ہے۔ فرشتوں نے جب یہ سنا تو پوچھا تھا کہ وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اور جواب میں کہا گیا تھا کہ اس کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زمین میں فساد کریں، حسد بغض کریں، قتل وخون کریں، ان میں وہ عدل وانصاف کرے گا اور میرے احکام جاری کرے گا تو اس سے مراد حضرت آدم ہیں۔ جو ان کے قائم مقام اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق میں عدل وانصاف کرنے میں ہیں لیکن فساد پھیلانے اور خون بہانے والے خلیفہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ جو دوسرے زمانہ کے بعد آتا ہے۔ خلیفہ فعیلہ کے وزن پر ہے۔ جب ایک کے بعد دوسرا اس کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا فلاں شخص کا خلیفہ ہوا جیسے قرآن میں ہے کہ ہم ان کے بعد تمہیں زمین کا خلیفہ بنا کر دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اور اسی لئے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اگلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں، مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن اس کی آبادی کرنے والا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، پہلے زمین میں جنات بستے تھے۔ انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور قتل وغارت کیا۔ ابلیس کو بھیجا گیا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے زمین میں بسایا تو گویا یہ ان پہلے والوں کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ پس فرشتوں کے قول سے مراد اولاد آدم ہیں جس وقت ان سے کہا گیا کہ میں زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت زمین تھی لیکن اس میں آبادی نہ تھی۔ بعض صحابہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کرایا تھا کہ اولاد آدم ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں، فرشتے بدھ کے دن پیدا ہوئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا ایسا کریں گے، اس بنا پر انہوں نے سوال کیا۔

ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں، سجل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت ماروت تھے۔ اسے ہر دن تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش اور دیگر امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی خبر کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابو جعفر نے اسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اخذ کیا ہو۔ بہر صورت یہ ایک واہی تواہی روایت ہے اور قابل تردید ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اس روایت میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا۔ یہ قرآن کی روانی عبارت کے بھی خلاف ہے۔ یہ بھی روایت مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلا دیئے گئے۔ یہ بھی بنی اسرائیلی روایت ہے اور بہت ہی غریب ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس سوال کی انہیں اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی معلوم کرا دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہو گی، تو انہوں نے نہایت تعجب کے ساتھ مصلحت الٰہی معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کیا، نہ کہ کوئی مشورہ دیا یا انکار کیا یا اعتراض کیا ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا ناممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو اس پر یہ امتحان اللہ کی طرف سے آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے نہیں چھوٹی۔ زمین اور آسمان پر بھی امتحان آیا تھا اور انہوں نے سر خم کر کے اطاعت الٰہی کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا، نماز پڑھنا، بے ادبی سے بچنا، بڑائی اور عظمت کرنا ہے۔ فرماں برداری کرنا، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ وغیرہ پڑھنا ہے۔ قدس کے معنی پاک کے ہیں۔ پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ کونسا کلام افضل ہے۔ جواب دیتے ہیں، وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ① (صحیح مسلم) حضور ﷺ نے معراج والی رات آسمانوں پر فرشتوں کی یہ تسبیح سنی سُبْحَانَ العلی الْاَعْلٰی سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔

خلیفہ کے فرائض اور خلافت کی نوعیت: ☆☆ امام قرطبیؒ وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے، ان کے جھگڑے چکائے، مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے، حدیں قائم کرے، برائیوں کے مرتکب لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے وغیرہ۔ وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو، وہ بھی واجب ہو جاتی ہے پس خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ثابت ہوا۔

امامت یا تو قرآن و حدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضورؐ نے خلافت کے لئے لیا تھا یا قرآن حدیث سے اس کی جانب اشارہ ہو۔ جیسے اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر حضور ﷺ نے خلافت کے لئے کیا ہے۔ یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر جائے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا، یا اہل حل و عقد (یعنی بااثر سرداران لشکر علماء و صلحاء وغیرہ) اس کی بیعت پر اجماع کر لیں، یا ان میں سے کوئی اس کی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا۔ امام الحرمینؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ یا کوئی شخص لوگوں کو بزور و جبر اپنی ماتحتی پر بے بس کر دے تو بھی واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ پھوٹ اور اختلاف نہ پھیلے۔

امام شافعیؒ نے صاف لفظوں میں فیصلہ کیا ہے۔ اس بیعت کے وقت گواہوں کی موجودگی کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض

تو کہتے ہیں یہ شرط نہیں، بعض کہتے ہیں شرط ہے اور دو گواہ کافی ہیں- جبائی کہتا ہے بیعت کرنے والے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے، ان دونوں کے علاوہ چار گواہ چاہئیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے شوریٰ کے چھ ارکان مقرر کیے تھے پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مختار کر دیا اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر باقی چاروں کی موجودگی میں بیعت کی لیکن اس استدلال میں اختلاف ہے- واللہ اعلم-

امام کا مرد ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا، عقلمند ہونا، مسلمان ہونا، عادل ہونا، مجتہد ہونا، آنکھوں والا ہونا، صحیح سالم اعضاء والا ہونا، فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا، قریشی ہونا، واجب ہے اور یہی صحیح ہے- ہاں ہاشمی ہونا اور خطا سے معصوم ہونا شرط نہیں- یہ دونوں شرطیں متشدد رافضی لگاتے ہیں- امام اگر فاسق ہو جائے تو اسے معزول کر دینا چاہئے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ معزول نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ جب تک ایسا کھلا کفر نہ دیکھ لو، جس کے کفر ہونے کی ظاہر دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہو- اسی طرح خود امام اپنے آپ معزول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے- حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بخود آپ ہی معزول ہو گئے تھے اور امر امامت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دیا تھا لیکن یہ عذر کے باعث تھا جس پر ان کی تعریف کی گئی ہے- روئے زمین پر ایک سے زیادہ امام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے- آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم میں اتفاق ہو اور کوئی اگر تم میں جدائی ڈالنی چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو- جمہور کا یہی مذہب ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام الحرمین ہیں- کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ دو اور زیادہ بھی ایک وقت میں امام ہو سکتے ہیں جیسے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اطاعت کے لائق تھے- یہ گروہ کہتا ہے کہ جب ایک وقت میں دو دو اور زیادہ نبیوں کا ہونا جائز ہے تو اماموں کا ہونا جائز کیوں نہ ہو؟ نبوت کا مرتبہ تو یقیناً امامت کے مرتبے سے بہت زیادہ ہے (لیکن صحیح مسلم والی حدیث آپ ابھی اوپر پڑھ چکے ہیں کہ دوسرے کو قتل کر ڈالو- اس لئے صحیح مذہب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا) امام الحرمینؒ نے استاذ ابو اسحاقؒ سے بھی حکایت کی ہے کہ وہ دو اور زیادہ اماموں کا مقرر کرنا اس وقت جائز جانتے ہیں جب مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی وسیع ہو اور چاروں طرف پھیلی ہوئی ہو اور دو اماموں کے درمیان کئی ملکوں کا فاصلہ ہو- امام الحرمین اس میں تردد میں ہیں- خلفائے بنی عباس کا عراق میں اور خلفائے بنی فاطمہ کا مصر میں اور خاندان بنی امیہ کا مغرب میں، میرے خیال سے یہی حال تھا- اس کی بسط و تفصیل ان شاءاللہ کتاب الاحکام کی کسی مناسب جگہ ہم کریں گے-

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ
فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا
سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ
الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ
وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ان سب نے کہا اے اللہ تیری ذات پاک ہے ○ ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے ○ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا، کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی سے) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے ○

آدم علیہ السلام کی وجہ فضیلت : ☆☆ (آیت:۳۱-۳۳) یہاں سے اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن حکمت الٰہی جو آپ کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا اور اس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گذرا ہے، اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے ہوا تھا، بعد میں بیان کر دیا تا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم کو ملی کہ انہیں وہ علم ہے جس سے یہ فرشتے خالی ہیں۔

فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے علاوہ سب جانوروں زمین، آسمان، پہاڑ، تری، خشکی، گھوڑے، گدھے، برتن، بھانڈے، چرند، فرشتے، تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے نام بتائے گئے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد عَرَضَهُمْ آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے ہی لایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ الخ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا، جن میں سے بعض تو پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں، بعض دو پیروں پر چلتے ہیں، بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔

علاوہ ازیں عَرَضَهُنَّ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات میں ہے اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں عَرَضَهَا بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی، صفاتی نام بھی، اور کاموں کے نام بھی جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ گوز کا نام تک بھی بتایا گیا تھا۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ یہ حدیث لائے ہیں۔

مسئلہ شفاعت : ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایمان دار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے، کیا اچھا ہوگا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر اللہ کے پاس بھیجیں چنانچہ یہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش لے جائیں جو ہم اس سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ آپ بھی یہی جواب دیں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لئے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے۔ تم خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ نے کلام کیا اور جنہیں تورات عنایت فرمائی۔ یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰؑ کے پاس آئیں گے اور آپ سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی جواب

پائیں گے۔ آپ کو بھی ایک شخص کو بغیر قصاص کے مارڈالنا یاد آ جائے گا اور شرمندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمتہ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ یہ سب ان کے پاس بھی جائیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں۔ تم محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ اب وہ سارے کے سارے میرے پاس آئیں گے، میں آمادہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دے دی جائے گی، میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا، جب تک اللہ کو منظور ہوگا سجدے میں ہی پڑا رہوں گا۔ پھر آواز آئے گی کہ سر اٹھایئے۔ سوال کیجئے۔ پورا کیا جائے گا، کہئے، سنا جائے گا، شفاعت کیجئے، قبول کی جائے گی۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا۔ پھر اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر شفاعت کروں گا۔ پھر حد مقرر ہوگی۔ انہیں بھی جنت میں پہنچا کر تیسری مرتبہ آؤں گا پھر چوتھی بار حاضر ہوں گا۔ یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو اور جن کے لئے جہنم کی مداومت واجب ہو گئی ہو (یعنی شرک و کفر کرنے والے) صحیح مسلم شریف میں، نسائی میں، ابن ماجہ وغیرہ میں یہ حدیث شفاعت موجود ہے۔

یہاں اس کے وارد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور ان سے فرمایا کہ لو اگر تم اپنے قول میں کہ تم ساری مخلوق سے زیادہ علم والے ہو یا اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں خلیفہ نہ بنائے گا، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ یہ بھی مروی ہے کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ بنی آدم فساد کریں گے اور خون بہائیں گے، سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ لیکن قول پہلا ہی ہے۔ گویا اس میں انہیں ڈانٹا گیا کہ بتاؤ تمہارا قول کہ تم ہی خلافت زمین کے لائق ہو اور انسان نہیں۔ تم ہی میرے تسبیح خواں اور اطاعت گذار ہو اور انسان نہیں، اگر سچا ہے تو لو یہ چیزیں جو تمہارے سامنے موجود ہیں، انہی کے نام بتاؤ۔ اور اگر تم نہیں بتا سکتے تو سمجھ لو کہ جب موجودہ چیزوں کے نام بھی تمہیں معلوم نہیں تو آئندہ آنے والی چیزوں کی نسبت تمہیں علم کیسے ہوگا؟ فرشتوں نے یہ سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بڑائی اور اپنے علم کی کمی بیان کرنا شروع کر دی اور کہہ دیا کہ جسے جتنا کچھ اے اللہ تو نے سکھا دیا، اتنا ہی اسے علم ہے۔ تمام چیزوں پر احاطہ رکھنے والا علم تو صرف تجھی کو ہے، تو ہر چیز کا جاننے والا ہے، اپنے تمام احکام میں حکمت رکھنے والا ہے، جسے جو سکھائے وہ بھی حکمت اور جسے نہ سکھائے وہ بھی حکمت، تو حکمتوں والا اور عدل والا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، سبحان اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے ہیں کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ اور اپنے پاس کے دوسرے اصحاب سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو ہم جانتے ہیں لیکن سُبْحَانَ اللّٰہِ کیا کلمہ ہے؟ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو باری تعالیٰ نے اپنے نفس کے لئے پسند فرمایا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا کہنا اسے محبوب ہے۔ حضرت میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔ حضرت آدم نے نام بتا دیئے کہ تمہارا نام جبرئیل ہے، تمہارا نام میکائیل ہے، تم اسرافیل ہو یہاں تک کہ چیل کوے وغیرہ سب کے نام جب ان سے پوچھے گئے تو انہوں نے بتا دیئے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت فرشتوں کو معلوم ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا، دیکھو میں نے تم سے پہلے نہ کہا تھا کہ میں ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى تم بلند آواز سے کہو (یا نہ کہو) اللہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور ارشاد فرمایا اَلَّا يَسْجُدُوْا الخ کیوں یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور

زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو تمہارے ہر باطن اور ظاہر کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے تھے، اسے بھی میں جانتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ابلیس کے دل میں جو تکبر اور غرور تھا، اسے میں جانتا تھا۔

فرشتوں کا یہ کہنا کہ زمین میں ایسی شخصیت کو کیوں پیدا کرتا ہے جو فساد کرے اور خون بہائے، یہ تو وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا اور جو چھپایا تھا وہ ابلیس کے دل میں غرور اور تکبر تھا۔ ابن عباسؓ، ابن مسعود اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اور سعید بن جبیر اور مجاہد اور سدی اور ضحاک اور ثوری رحمہم اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ابو العالیہؒ، ربیع بن انسؒ، حسنؒ اور قتادہؒ کا قول ہے کہ ان کی باطن بات ان کا یہ کہنا تھا کہ جس مخلوق کو بھی اللہ پیدا کرے گا، ہم اس سے زیادہ عالم اور زیادہ بزرگ ہوں گے لیکن بعد میں ثابت ہو گیا اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ آدم علیہ السلام کو علم اور فضیلت دونوں میں اس پر فوقیت حاصل ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، جس طرح تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو اسی طرح تم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ان میں بھلے برے ہر طرح کے ہوں گے، فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی۔ اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مجھے جنت دوزخ دونوں کو بھرنا ہے لیکن تمہیں میں نے اس کی خبر نہیں دی۔ اب جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو دیا ہوا علم دیکھا تو ان کی بندگی کا اقرار کر لیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کا علم، تمہارے ظاہر و باطن کا علم مجھے ہے۔ ان کے ظاہری قول کو اور ابلیس کے باطنی عجب و غرور کو بھی جانتا تھا۔ اس میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اسلئے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ لشکر مار ڈالا گیا یا انہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حجرے کے آگے سے پکارا تھا لیکن قرآن میں اس کا بیان ان لفظوں میں ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ جو لوگ تمہیں اے نبی حجروں کے آگے سے پکارتے ہیں تو دیکھئے کہ پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ اسی طرح وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ میں بھی اپنے دل میں بدی کو چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى
وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں ○

حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات: ☆☆ (آیت: ۳۴) حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان فرمایا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تصدیق میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے کرا دیجئے جو خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا (آخر تک) پوری حدیث عنقریب بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جنہیں جن کہتے تھے جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا۔ اس قبیلے کے سوا اور فرشتے

سب کے سب نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ آگ کے شعلے کی جو تیزی بلند ہوتی ہے، اسے مارج کہتے ہیں جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ زمین میں پہلے جن بستے تھے۔ انہوں نے فساد اور خون ریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا۔ انہی کو جن کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں پہنچا دیا اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ ایسے کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے، اس کا مجھی کو علم ہے، تمہیں خبر نہیں، پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔ جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے، ابلیس آتا تھا اور اس پر لات مار کر دیکھتا تھا تو وہ بجتی مٹی ہوتی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو، پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑ دوں گا اور اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی گئی خون گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فوراً اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے اٹھ نہ سکے۔ اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا یعنی انسان بے صبرا اور جلد باز ہے، نہ تو خوشی، نہ رنج میں۔ جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا الحمد لله رب العلمین اللہ تعالیٰ نے جواب دیا یرحمك الله پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے تو سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا اس نے نہ مانا اور سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں۔ اس سے بڑی عمر والا ہوں۔ اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں۔ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کو انسان، جانور، زمین، سمندر، پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کیا جو ابلیس کے ساتھی تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں زمین میں اسے خلیفہ نہ بناؤں تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔ جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے الہ العالمین ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ عزوجل اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور غیب کو جانے، ہماری توبہ ہے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں جس کا علم تو ہمیں دے دے، جیسے تو نے ان کے نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو چنانچہ انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں؟۔ میں ہر پوشیدہ چیز کو بھی ویسا ہی جانتا ہوں جیسے ظاہر کو اور تم سب اس سے بے خبر ہو۔ لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں خامیاں ہیں، ہم اگر انہیں الگ الگ بیان کریں تو مضمون بہت بڑھ جائے گا اور ابن عباسؓ تک اس اثر کی سند بھی وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے جس کے متن میں کچھ کی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لئے جب حضرت جبرئیل گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ

تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے- وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا- زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کئے بغیر واپس چلا جاؤں' چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک ایک مٹھی مٹی لی- چونکہ مٹی کا رنگ کہیں سرخ تھا' کہیں سفید' کہیں سیاہ' اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں لیکن یہ روایت بھی بنو اسرائیل کی روایات سے پر ہے غالباً اس میں بہت سی باتیں نیچے کے لوگوں کی ملائی گئی ہیں- صحابی کا بیان ہی نہیں- اگر صحابی کا قول بھی ہو تو بھی انہوں نے بعض اگلی کتابوں سے لیا ہوگا- واللہ اعلم-

تعارف ابلیس: ☆☆ حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایتیں لائے ہیں اور ان کی سند کو بخاری سے مشروط کیا ہے- مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا- اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن ان ہی جیسا اور ان ہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی- اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ كَانَ مِنَ الْجِنِّ کی تفسیر میں آئے گی- ابن عباسؓ کہتے ہیں' نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا- عزرائیل اس کا نام تھا' زمین پر اس کی رہائش تھی' اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا- اس کے چار پر تھے- جنت کا خازن تھا' زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں- ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا- اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم کی اصل انس سے ہے- اس کی اسناد صحیح ہے- عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ اور شہر بن حوشبؒ کا بھی یہی قول ہے- سعد بن مسعودؒ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے- وہاں کی عبادت کی وجہ سے رہ پڑا-

ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا' انہیں حضرت آدم کو سجدہ کرنے کو کہا- انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلا دیئے گئے- پھر دوسری مخلوق پیدا کی- ان کا بھی یہی حشر ہوا- پھر تیسری مخلوق پیدا کی- انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے اور اس کی اسناد بھی تقریباً غیر صحیح ہیں- اس میں ایک راوی مبہم ہے- اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں كَافِرِيْنَ سے مراد نافرمان ہے- ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر و ضلالت پر تھی- کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا- سجدہ کرنے کا حکم بجا لانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا- بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت و اکرام کا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھا لیا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا' ابا یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا- اگلی امتوں میں یہ جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضورؐ سے گذارش کی کہ حضورؐ آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے- امام رازی نے اسی کو ترجیح دی ہے' بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا- حضرت آدمؑ بطور قبلہ (یعنی سمت) کے تھے- جیسے قرآن کریم میں ہے اور جگہ ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے اور پہلے ہی قول کا زیادہ صحیح ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے- یہ سجدہ حضرت آدم کے اکرام بڑائی' احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی- امام رازیؒ نے بھی اسی قول کو قوی قرار دیا ہے- اور اس کے سوا دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے- ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا

بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا اشرف ظاہر نہیں ہوتا' دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا' نہ کہ زمین میں ماتھا ٹکا کر حقیقی سجدہ کرنا لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا- صحیح حدیث میں ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا' وہ جنت میں داخل نہ ہو گا- اسی تکبر' کفر و عناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری سے دھتکارا گیا- یہاں ''کَانَ صَارَ'' کے معنی میں بتلایا گیا ہے جیسے کہ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ اور فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا- ابن فورک کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا-

قرطبیؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کرامتیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں' گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں- اس لئے کہ ہم اس بات کا کسی کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ سے جا ملے گا- اسی شیطان کو دیکھئے- ولی چھوڑیئے' فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت و عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں' اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں سے بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق' فاجر' مشرک' کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں- رسول اللہ ﷺ نے سوچا فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ کی آیت دل میں سوچ کر کے جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میں نے کیا سوچ ہے تو اس نے کہا تھا' دخ- بعض روایات میں ہے کہ غصہ کے وقت وہ اتنا پھول جاتا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا- حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے مارا- دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں حدیثوں میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برسانا' زمین سے پیداوار اگانا' زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا' ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر جلانا وغیرہ وغیرہ- حضرت لیث بن سعدؒ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھ بیٹھو جب تک کہ اس کے تمام اعمال و افعال قران و حدیث کے مطابق نہ پاؤ- اس سجدے کا حکم زمین و آسمان کے تمام فرشتوں کو تھا گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ یعنی ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا- پس اول تو جمع کا صیغہ لانا پھر ''کلھم'' سے تاکید کرنا پھر ''اجمعون'' کہنا اس کے بعد صرف ابلیس کا استثنا کرنا ان چاروں وجہوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا- واللہ اعلم-

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا
حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا
اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے ○ لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ- تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں

ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ○

اعزاز آدم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۶) حضرت آدم علیہ السلام کی یہ اور بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور ہر چیز کی رخصت دے دی۔ ابن مردویہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا حضرت آدمؑ نبی تھے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں! نبی بھی رسول بھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ عام مفسرین کا بیان ہے کہ آسمانی جنت میں انہیں بسایا گیا تھا لیکن معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین پر تھی' سورۂ اعراف میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حواؑ پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ کے علماء سے بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ ابلیس کے مردود قرار دینے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ کی کیفیت طاری کر دی گئی اور ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔ جب آنکھ کھول کر حضرت آدمؑ نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے ان میں انس و محبت' ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حواؑ پیدا کی گئیں۔

حضرت ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے' اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگے۔ انہیں دیکھا تو پوچھا تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حواؑ نے فرمایا' میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں' تو فوراً فرشتوں نے پوچھا' فرمایئے' ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے کہا' "حوا" انہوں نے کہا' اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی آواز آئی' اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں با آرام واطمینان رہو اور جو چاہو کھاؤ۔

ایک خاص درخت سے روکنا دراصل امتحان تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ انگور کی بیل تھی۔ کوئی کہتا ہے۔ گیہوں کا درخت تھا' کسی نے سنبلہ کہا ہے' کسی نے کھجور' کسی نے انجیر کہا ہے' کسی نے کہا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق نہیں۔ کسی نے کہا ہے اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشہ کی زندگی پا گئے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ نے روک دیا نہ قرآن سے اس کا تعین ثابت ہوتا ہے' نہ کسی صحیح حدیث سے۔ مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم ہونے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں لہٰذا اس کی جستجو کی کیا ضرورت؟ اللہ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ امام رازیؒ وغیرہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور ٹھیک بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ عَنۡهَا کی ضمیر کا مرجع بعض نے جنت کہا ہے اور بعض نے شجرہ۔ ایک قرات فَاَزَالَهُمَا بھی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس جنت سے ان دونوں کو بے تعلق اور الگ کر دیا اور دوسرے معنی یہ بھی ہوئے کہ اسی درخت کے سبب شیطان نے انہیں بہکا دیا۔

سفر ارضی کا آغاز: ☆☆ لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے یُؤۡفَكُ عَنۡهُ میں۔ اس نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس اور وہ پاک مکان' نفیس روزی وغیرہ سب چھن گئی اور دنیا میں اتار دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اب تو زمین میں ہی تمہارا رزق ہے' قیامت تک یہیں پڑے رہو گے اور اس سے فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ سانپ اور ابلیس کا قصہ' یعنی ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا۔ کس طرح وسوسہ ڈالا وغیرہ' اس کے بارے میں لمبے چوڑے قصے مفسرین نے لکھے ہیں لیکن وہ سب بنی اسرائیل کے ہاں کا خزانہ ہے' تاہم ہم انہیں سورۂ اعراف میں بیان کریں گے کیونکہ اس واقعہ کا بیان وہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ درخت کا پھل چکھتے ہی جنتی لباس اتر گیا' اپنے تئیں ننگا دیکھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگے لیکن چونکہ قد طویل تھا اور سر کے بال لمبے تھے' وہ ایک درخت میں اٹک گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدمؑ کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا' نہیں الٰہی میں تو شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتا ہوں- ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے آدم میرے پاس سے چلے جاؤ' مجھے میری عزت کی قسم' میرے پاس میرے نافرمان نہیں رہ سکتے' اگر اتنی مخلوق تم میں پیدا کروں کہ زمین بھر جائے اور پھر وہ میری نافرمانی کرے تو یقیناً میں اسے بھی نافرمانوں کے گھر میں پہنچادوں- یہ روایت غریب ہے اور ساتھ ہی اس میں انقطاع بلکہ اعضال بھی ہے-

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نماز عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یہ ایک ساعت ایک سو تیس سال کی تھی- ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں' نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدمؑ کا اخراج ہوا' ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا- سدیؒ کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ ہند میں اترے آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے جو ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ہند کے شہر ''دھنا'' میں اترے تھے- ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے- حسن بصریؒ فرماتے ہیں حضرت آدم ہند میں اور مائی حوا جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دستمیساں میں پھینکا گیا اور سانپ اصفہان میں- ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے- اترتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا- حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام صفتیں سکھا دیں اور پھلوں کا توشہ دیا- ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے' اسی میں حضرت آدم پیدا کئے گئے' اسی میں جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے- ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور نسائی-

امام رازیؒ فرماتے ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی وجوہات مضمر ہیں- اول تو یہ سوچنا چاہئے کہ ذرا سی لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی- کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ تم گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہو اور جنت کے طالب ہو' کیا تم بھول گئے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو محض ایک ہلکے سے گناہ پر جنت سے نکال دیا گیا؟ ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں' دیکھئے کب صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں- فتح موصلی کہتے ہیں' ہم جنتی تھے' ابلیس کے بہکانے میں آ کر دنیا کی قید میں آ پھنسے' اب سوائے غم و رنج کے یہاں کیا رکھا ہے؟ یہ قید و بند اسی وقت ٹوٹے گی جب ہم وہیں پہنچ جائیں' جہاں سے نکالے گئے ہیں-

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ جب آدم علیہ السلام آسمانی جنت میں تھے اور ابلیس راندہ درگاہ ہو چکا تھا تو پھر وہ وہاں کیسے پہنچا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جواب ہیں کہ بطور اکرام کے اس کا داخل ہونا منع تھا نہ کہ بطور اہانت اور چوری کے- چنانچہ توراۃ میں ہے کہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ وہ جنت میں نہیں گیا تھا بلکہ باہر ہی سے اس نے وسوسہ ان کے دل میں ڈالا تھا- اور بعض نے کہا ہے کہ زمین سے ہی وسوسہ ان کے دل میں ڈالا- قرطبیؒ نے یہاں پر سانپوں کے بارے میں اور ان کے مار ڈالنے کے حکم سے متعلق حدیثیں بھی تحریر کی ہیں جو بہت مفید اور باموقع ہیں-

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معافی نامہ کا متن: ☆☆ (آیت:۳۷) جو کلمات حضرت آدمؑ نے سیکھے تھے' ان کا بیان خود قرآن میں موجود ہے۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یعنی ان دونوں نے کہا' اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا' تو یقیناً ہم نقصان والے ہو جائیں گے۔ اکثر بزرگوں کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے احکام حج سیکھنا بھی مروی ہے۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں وہ کلمات یہ تھے کہ انہوں نے کہا الٰہی جو خطا میں نے کی' کیا اسے میرے پیدا کرنے سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا؟ یا میں نے خود اس کی ایجاد کی؟ جواب ملا کہ ایجاد نہیں بلکہ پہلے ہی لکھ دیا گیا' اسے سن کر آپؑ نے کہا' پھر الٰہی مجھے بخشش اور معافی مل جائے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے کہا الٰہی کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ میرے چھینکنے پر يَرْحَمُكَ اللّٰهُ نہیں کہا؟ کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں کر گئی؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں لکھی تھی؟ جواب ۔ ک ہاں۔ یہ سب میں نے کیا ہے تو کہا پھر الٰہی میری توبہ قبول کر کے مجھے پھر جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ یہ کلمات یعنی چند باتیں تھیں جو آپ نے اللہ سے سیکھ لیں۔

ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا الٰہی اگر میں توبہ کروں اور رجوع کروں تو کیا جنت میں پھر بھی جا سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ اللہ سے کلمات کی تلقین حاصل کرنے کے یہی معنی ہیں۔ لیکن یہ حدیث علاوہ غریب ہونے کے منقطع بھی ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ کلمات کی تفسیر رَبَّنَا ظَلَمْنَا اور ان سب باتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ قرآن کریم میں اور جگہ ہے' کیا لوگ نہیں جانتے؟ کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؟ اور جگہ ہے جو شخص کوئی برا کام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر توبہ استغفار کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔ اور اسے اپنے رحم و کرم میں لے لے گا اور جگہ ہے وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ ان سب آیتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے' اسی طرح یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ وہ اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑے رحم و کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس عام لطف و کرم' اس کے اس فضل و رحم کو دیکھو کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو بھی اپنے در سے محروم نہیں کرتا۔ سچ ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ اس سے زیادہ کوئی مہر و کرم والا' نہ اس سے زیادہ کوئی خطا بخشنے والا اور رحم و بخشش عطا فرمانے والا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ
هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۱۰

ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے' اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں ہوگا ○ اور جو انکار کر کے ہماری

آیتوں کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

جنت کے حصول کی شرائط: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) جنت سے نکالتے ہوئے جو ہدایت حضرت آدمؑ' حضرت حواؑ اور ابلیس کو دی گئی' اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ ہماری طرف سے کتابیں' انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے' معجزات ظاہر کئے جائیں گے' دلائل بیان فرمائے جائیں گے' راہ حق واضح کر دی جائے گی' آنحضرت محمد ﷺ بھی آئیں گے' آپ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا' جو بھی اپنے زمانے کی کتاب اور نبی کی تابعداری کرے گا' اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی دنیا کے کھو جانے پر کوئی غم ہوگا۔ سورۂ طہٰ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے' نہ بدبخت و بے نصیب مگر میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھاپن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی' نہ ہی خوشگوار زندگی ملے گی ہاں جن موحد' متبع سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کوئلے ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت کی وجہ سے نکال لئے جائیں گے۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے کہ بعض تو کہتے ہیں دوسری دفعہ جنت سے نکل جانے کے حکم کو ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنا تھے اور بعض کہتے ہیں پہلی مرتبہ جنت سے آسمان اول اتار دیا گیا تھا دوبارہ آسمان اول سے زمین کی طرف اتارا گیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو ○ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو ○

بنی اسرائیل سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) ان آیتوں میں بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے اور حضور علیہ السلام کی تابعداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انتہائی لطیف پیرایہ میں انہیں سمجھایا گیا ہے کہ تم ایک پیغمبر کی اولاد میں سے ہو' تمہارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے پھر تمہیں نہیں چاہئے کہ سب سے پہلے انکار تمہیں سے شروع ہو۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام تھا' تو گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے صالح اور فرمانبردار بندے کی اولاد ہو۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے جد امجد کی طرح حق کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم سخی کے لڑکے ہو' سخاوت میں آگے بڑھو۔ تم پہلوان کی اولاد ہو۔ داد شجاعت دو۔ تم عالم کے بچے ہو۔ علم میں کمال پیدا کرو۔ دوسری جگہ اسی طرز کلام کو اسی طرح ادا کیا گیا ہے ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا یعنی ہمارے شکر گذار بندے حضرت نوحؑ کے ساتھ جنہیں ہم نے ایک عالمگیر طوفان سے بچایا تھا' یہ ان کی اولاد ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا نام تھا- وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے- حضورؐ نے کہا الٰہی تو گواہ رہ- اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ کے ہیں- ان نعمتوں کو یاد دلایا جاتا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں مثلاً پتھر سے نہروں کو جاری کرنا' من وسلویٰ اتارنا' فرعونیوں سے آزاد کرنا' انہیں میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا' ان میں سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا وغیرہ ان کو ہدایت دی جاتی ہے میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی میں نے جو عہد تم سے لیا تھا کہ جب محمد ﷺ تمہارے پاس آئیں اور ان پر میری کتاب قرآن کریم نازل ہو تو تم اس پر اور آپؐ کی ذات پر ایمان لانا- وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں تمہیں اس دین کے سخت احکام کے متبادل آسان دین دوں گا- دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ الخ یعنی اگر تم نمازوں کو قائم کرو گے' زکوٰۃ دیتے رہو گے' میرے رسولوں کی ہدایت مانتے رہو گے' مجھے اچھا قرضہ دیتے رہو گے تو میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں داخل کروں گا- یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ توراۃ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اتنا بڑا عظیم الشان پیغمبر پیدا کر دوں گا جس کی تابعداری تمام مخلوق پر فرض ہوگی' ان کے تابعداروں کو بخشوں گا' انہیں جنت میں داخل کروں گا اور دوہرا اجر دوں گا-

حضرت امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے آپ کی بابت پیشین گوئی نقل کی ہے- یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کا عہد' اسلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تھا- اللہ کا اپنے عہد کو پورا کرنا' ان سے خوش ہونا اور جنت عطا فرمانا ہے- مزید فرمایا' مجھ سے ڈرو ایسا نہ ہو جو عذاب تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئے کہیں تم پر بھی نہ آ جائیں- اس لطیف پیرایہ کو بھی ملاحظہ فرمایئے کہ ترغیب کے بیان کے ساتھ ہی کس طرح ترہیب کے بیان کو ملحق کر دیا گیا ہے- رغبت و رہبت دونوں جمع کر کے اتباع حق اور نبوت محمدؐ کی دعوت دی گئی- قرآن کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے' اس کے بتلائے ہوئے احکام کو ماننے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جانے کی ہدایت کی گئی- اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم اس قرآن حکیم پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے' جسے لے کر وہ نبی آئے ہیں' جو امی ہیں' عربی ہیں' جو بشیر ہیں' جو نذیر ہیں' جو سراج منیر ہیں' جن کا اسم شریف محمد ہے ﷺ- جو توراۃ اور انجیل کو سچ ماننے والے اور حق کو پھیلانے والے ہیں- چونکہ توراۃ اور انجیل میں بھی آپ کا ذکر تھا تو آپ کا تشریف لانا توراۃ کی سچائی کی دلیل تھی- اس لئے کہا گیا کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں موجود کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں- علم ہونے کے باوجود تم ہی سب سے پہلے انکار نہ کرو بعض کہتے ہیں "بہ" کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور پہلے آ بھی چکا ہے بما انزلت اور دونوں قول درحقیقت سچے اور ایک ہی ہیں- قرآن کو ماننا رسول کو ماننا ہے اور رسولؐ کی تصدیق قرآن کی تصدیق ہے- اول کافر سے مراد بنی اسرائیل کے اولین منکر ہیں کیونکہ کفار قریش بھی انکار اور کفر کر چکے تھے لہٰذا بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا' اس لئے انہیں اول کافر کہا گیا- ان کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا- میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے' میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے جب بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی' بہت تھوڑی ہے اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے- سنن ابو داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوئی ہے' اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا- علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کئے ہوئے لینا جائز ہے' اسی طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں- اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی

وجہ سے کوئی کام دھندا بھی نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے اور امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور علماءؒ کا یہی مذہب ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر لی اور ایک سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا۔ جب حضورؐ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ یعنی جن چیزوں پر تم اجرت لے سکتے ہو ان سب میں زیادہ حقدار کتاب اللہ ہے۔ دوسری مطول حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا اور تو اسے قرآن حکیم جو تجھے یاد ہے، اسے بطور حق مہر یاد کرا دے۔

ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے، ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا، اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ دی، اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا، اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے، چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابی بن کعب سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا، پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جبکہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں حدیثوں میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ صرف اللہ ہی سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت کی امید پر اس کی عبادت واطاعت میں لگا رہے اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور دونوں حالتوں میں اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے نور پر گامزن رہے۔ غرض اس جملہ سے انہیں خوف دلایا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں آ کر حضورؐ کی نبوت کی تصدیق کو، جو اس کی کتابوں میں ہے، نہ چھپائیں اور دنیوی ریاست کی طمع پر آپ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوں بلکہ رب سے ڈر کر اظہار حق کرتے رہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾

حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ۔ تمہیں تو خود اس کا علم ہے ○ اور نمازوں کو قائم رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو ○

بدخو یہودی: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۳) یہودیوں کی اس بدخصلت پر ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ جاننے کے باوجود کبھی تو حق و باطل کو خلط ملط کر دیا کرتے تھے، کبھی حق کو چھپا لیا کرتے تھے۔ کبھی باطل کو ظاہر کرتے تھے، لہٰذا انہیں ان ناپاک عادتوں کے چھوڑنے کو کہا گیا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ حق و باطل، سچ جھوٹ کو آپس میں نہ ملاؤ، اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرو۔ یہودیت ونصرانیت کی بدعات کو اسلام کی تعلیم کے ساتھ نہ ملاؤ۔ رسولؐ اللہ کی بابت پیشین گوئیاں جو تمہاری کتابوں میں پاتے ہو، انہیں عوام الناس سے نہ چھپاؤ، تَكْتُمُوْا مجزوم بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی یعنی اسے اور اسے جمع نہ کرو۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں تَكْتُمُوْنَ بھی ہے۔ یہ حال ہوگا اور اس کے بعد کا جملہ بھی حال ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ حق کو حق جانتے ہوئے ایسی بے حیائی نہ کرو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ علم کے باوجود اسے چھپانے اور ملاوٹ کرنے کا کیسا عذاب ہوگا۔ پھر بھی افسوس کہ تم بدکرداری پر آمادہ نظر آتے ہو۔

پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ نمازیں پڑھو، زکوٰۃ دو اور امت محمدؐ کے ساتھ رکوع سجود میں شامل رہا کرو، انہیں میں مل جاؤ اور خود بھی آپ ہی کی امت بن جاؤ۔ اطاعت واخلاص کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ دوسو

درہم پر، پھر اس سے زیادہ رقم پر واجب ہوتی ہے۔ نماز و زکوٰۃ فرض و واجب ہیں۔ اس کے بغیر سبھی اعمال غارت ہیں۔ زکوٰۃ سے بعض لوگوں نے فطرہ بھی مراد لیا ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان میں بہترین چیز نماز ہے۔ اس آیت سے اکثر علماء نے نماز با جماعت کے فرض ہونے پر بھی استدلال کیا ہے اور یہاں پر امام قرطبیؒ نے مسائل جماعت کو بسط سے بیان فرمایا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو؟ باوجودیکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو۔ کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟ ○

دوغلا پن اور یہودی: ☆☆ (آیت: ۴۴) یعنی اہل کتاب اس علم کے باوجود جو ''کہے اور نہ کرے'' اس پر کتنا عذاب نازل ہوتا ہے، پھر تم خود ایسا کیوں کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو، خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ، لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا، یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ دوسروں کو کہنے سے پہلے انسان کو خود عامل ہونا ضروری ہے۔ اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو لیکن اللہ کے اس نبی کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کو قبول کرنے کے لئے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر، خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔ حضرت ابوالدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، انسان پورا سمجھ دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کے خلاف کام کرتے ہوئے دیکھ کر ان کا دشمن نہ بن جائے اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ ان لوگوں کو اگر رشوت وغیرہ نہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔

مبلغین کے لئے خصوصی ہدایات: ☆☆ (آیت: ۴۴) یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اچھی چیز کا حکم دینے پر ان کی برائی نہیں کی گئی بلکہ خود نہ کرنے پر برائی بیان کی گئی ہے۔ اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی ہے بلکہ یہ تو واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انسان کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہئے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ الخ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہیں جس کام سے روکوں، وہ خود کروں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ہے، میری توفیق اللہ کی مدد سے ہے، میرا بھروسہ اسی پر ہے اور میری رغبت و رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔ پس نیک کاموں کے کرنے کے لئے کہنا بھی واجب ہے اور خود کرنا بھی واجب۔ ایک کو نہ کرنے سے دوسرا بھی چھوڑ دینا نہیں چاہئے۔ علماء سلف و خلف کا قول یہی ہے۔ گو بعض کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ برائیوں والا دوسروں کو اچھائیوں کا حکم نہ دے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ پھر ان حضرات کا اس آیت سے دلیل پکڑنا تو بالکل ہی ٹھیک نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور خود بھی کرے اور رکے۔ اگر دونوں چھوڑے گا تو دوہرا گنہگار ہو گا۔ ایک کے ترک پر اکہرا۔ طبرانی کی معجم کبیر میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے، اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، تو کہا گیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ اور عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے، علم کے

باوجود سمجھتے نہیں تھے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے جا رہے تھے' یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن حبان' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ وغیرہ میں موجود ہے۔ ابو وائلؒ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ حضرت اسامہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمانؓ سے کچھ نہیں کہتے' آپ نے جواب دیا کہ تمہیں سنا کر ہی کہوں تو ہی کہنا ہوگا' میں تو انہیں پوشیدہ طور پر ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن میں کسی بات کو پھیلانا نہیں چاہتا۔ اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا' اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے اردگرد چکر کھاتا رہے گا' جہنمی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے' یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا' میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا (مسند احمد) بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگذر کرے گا' جتنا جاننے والوں سے نہیں کرے گا۔ بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عام آدمی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے' عالم جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔ قران کریم میں ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ جاننے والے اور انجان برابر نہیں' نصیحت صرف عقلمند لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ابن عساکر میں ہے' حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جنتی لوگ جہنمیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تمہاری نصیحتیں سن سن کر ہم تو جنتی بن گئے مگر تم جہنم میں کیوں آ پڑے۔ وہ کہیں گے افسوس ہم تمہیں کہتے تھے لیکن خود نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا حضرت میں بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا' کیا تم اس درجہ تک پہنچ گئے ہو؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا' اگر تم ان تین آیتوں کی فضیحت سے نڈر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک تو اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے تئیں بھولے جا رہے ہو؟ دوسری آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ یعنی میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں' ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا' میرا ارادہ صرف اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے' کہو تم ان تینوں آیتوں سے بے خوف ہو؟ اس نے کہا نہیں' فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو۔ (تفسیر مردویہ) ایک ضعیف حدیث طبرانی میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جو لوگوں کو کسی قول فعل کی طرف بلائے اور خود نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خود آپ عمل کرنے لگ جائے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ والی تینوں آیتیں پیش کر کے فرمایا ہے کہ میں ان کی وجہ سے قصہ گوئی پسند نہیں کرتا۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ۙ

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶ۧ ع ۵ ۷

صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر ○ جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ

کر جانے والے ہیں ○

صبر کا مفہوم: ☆☆ (آیت:۴۵-۴۶) اس آیت میں حکم فرمایا جاتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو‘ فرائض بجالاؤ اور نماز کو ادا کرتے رہو‘ روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لئے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں‘ روزہ آدھا صبر ہے‘ ① صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے۔ اس آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رُکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہو گیا‘ نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں‘ صبر کی دو قسمیں ہیں مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے ارتکاب سے صبر اور یہ صبر پہلے سے زیادہ اچھا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں‘ انسان کا ہر چیز کا اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرنا‘ ثواب کا طلب کرنا‘ اللہ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا‘ یہ صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کام پر صبر کرو اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھو۔ نیکیوں کے کاموں پر نماز سے بڑی مدد ملتی ہے خود قرآن میں ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ نماز کو قائم رکھ‘ یہ تمام برائیوں اور بدیوں سے روکنے والی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپؐ نماز پڑھا کرتے۔ فوراً نماز میں لگ جاتے۔ چنانچہ جنگ خندق کے موقعہ پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ کو نماز میں پاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول (اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ) ساری رات نماز میں مشغول رہے‘ صبح تک نماز میں اور دعا میں لگے رہے۔

ابن جریرؒ میں ہے‘ نبی ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں‘ آپ نے ان سے (فارسی زبان میں) دریافت فرمایا کہ درد شکم داری؟ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں‘ آپؐ نے فرمایا‘ اٹھو نماز شروع کر دو‘ اس میں شفا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثمؓ کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ اِنَّا اللّٰهِ پڑھ کر راستہ سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ غرض ان دونوں چیزوں صبر و صلوٰۃ سے اللہ کی رحمت میسر آتی ہے۔

ان کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے تو صلوٰۃ یعنی نماز کو کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے جیسے قارون کے قصہ میں وَلَا یُلَقّٰھَا کی ضمیر اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے کے حکم میں وَمَا یُلَقّٰھَا کی ضمیر۔ مطلب یہ ہے کہ صبر و صلوٰۃ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں‘ یہ حصہ اللہ کا خوف رکھنے والی جماعت کا ہے یعنی قرآن کے ماننے والے‘ سچے مومن‘ کانپنے والے‘ متواضع‘ اطاعت کی طرف جھکنے والے‘ وعدے وعید کو سچا ماننے والے ہیں‘ اس وصف سے موصوف ہوتے ہیں‘ جیسے حدیث میں ایک سائل کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا تھا‘ یہ بری چیز ہے لیکن جس پر اللہ کی مہربانی ہو اس پر آسان ہے۔ ابن جریرؒ نے اس آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں سے ہی خطاب قرار دیا ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گو یہ بیان انہی کے بارے میں لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے چل کر خٰشِعِیْنَ کی صفت ہے۔ اس میں ظن معنی میں یقین کے ہے گو ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ سدفہ اندھیرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روشنی کے معنی میں بھی اور صارخ کا لفظ بھی فریاد رس اور فریاد کن دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور اسی طرح کے بہت سے نام ہیں جو ایسی دو مختلف چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔ ظن یقین کے معنی میں عرب شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ خود قرآن کریم میں وَرَاَ

الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا یعنی گنہگار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ اب ہم اس میں جھونک دیئے جائیں گے۔ یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے بلکہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' قرآن میں ایسی جگہ ظن کا لفظ یقین اور علم کے معنی میں ہے۔ ابوالعالیہؒ بھی یہاں ظن کے معنی یقین کرتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ' سدیؒ' ربیع بن انس اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریجؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ ہے اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ یعنی مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب سے دوچار ہونا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا تجھ پر طرح طرح کے اکرام نہیں کئے تھے؟ کیا تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کئے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام' کھانا پینا میں نے نہیں دیا تھا؟ یہ کہے گا' ہاں پروردگار یہ سب کچھ تھا۔ پھر کیا تیرا علم و یقین اس بات پر نہ تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا ہاں اللہ تعالیٰ اسے نہیں مانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بس جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا' آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا' اس حدیث میں بھی لفظ ظن کا ہے اور معنی میں یقین کے ہے۔ اس کی مزید تحقیق و تفصیل ان شاالله تعالیٰ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ کی تفسیر میں آئے گی۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾

اے اولاد یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ○

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر اللہ تعالیٰ کے انعامات: ☆☆ (آیت:۴۷) بنی اسرائیل کے آباواجداد پر جو نعمت الٰہیہ انعام کی گئی تھی' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان میں سے رسول ہوئے' ان پر کتابیں اتریں' انہیں ان کے زمانہ کے دوسرے لوگوں پر مرتبہ دیا جیسے فرمایا وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ یعنی انہیں ان کے زمانے کے (اور لوگوں پر) ہم نے علم میں فضیلت دی۔ اور فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر انعام کی گئی ہے' تم میں اس نے پیغمبر پیدا کئے تمہیں بادشاہ بنایا اور وہ دیا جو تمام زمانے کو نہیں دیا۔ تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد ان کے زمانے کے تمام اور لوگ ہیں اس لئے کہ امت محمدیہ ان سے یقیناً افضل ہے۔ اس امت کی نسبت فرمایا گیا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ الخ تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ہو' تم بھلائیوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو' اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ مسانید اور سنن میں مروی ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' تم سترویں امت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو۔ اس قسم کی اور بہت سی حدیثوں کا ذکر ان شاءالله كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ الخ کی تفسیر میں آئے گا۔ اور کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر خاص قسم کی فضیلت مراد ہے جس سے ہر قسم کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ رازیؒ نے یہی کہا ہے مگر یہ غور طلب بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت اور تمام امتوں پر ہے اس لئے کہ انبیاء کرام انہی میں سے ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اس میں بھی غور و خوض کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس طرح کا اطلاق کے اجتماعی اعزاز کو اگلے لوگوں پر بھی ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں اگلے انبیاء ان میں شمار نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور آنحضرت محمد مصطفی ﷺ جو ان سب کے بعد ہوئے لیکن تمام مخلوق سے افضل تھے اور جو تمام اولاد آدم کے سردار ہیں' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی صلوة الله و سلامه عليه۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے ○

حشر کا منظر: ☆☆ (آیت:۴۸) نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد اب عذابوں سے ڈرایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا جیسے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى یعنی کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا اور فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ یعنی اس دن ہر شخص نفسانفسی میں پڑا ہوا ہوگا اور فرمایا اے لوگو! اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ارشاد ہے وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ یعنی کسی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہو اور فرمایا ان کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔ دوسری جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ دوست۔ یہ بھی ارشاد ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا اور جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا اور جگہ ہے کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اس کے مثل اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی کچھ قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اور جگہ ہے۔ گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں۔ اور جگہ ہے آج تم سے نہ بدلہ لیا جائے نہ ہی کافروں سے۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ اسی کی آگ تمہاری وارث ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان بغیر سفارش اور شفاعت کا آسرا بیکار محض ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کر لو جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت مزید فرمایا لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ اس دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی۔ عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے۔ حضرت علیؓ والی حدیث میں صرف کے معنی نفل اور دل کے معنی فریضہ مروی ہیں لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے حضورؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ عدل کے کیا معنی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا فدیہ۔ ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہیں ہوگا قرابتیں کٹ جائیں گی جاہ و حشم جاتا رہے گا کسی کے دل میں ان کے لئے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت و قوت رہے گی اور جگہ ہے هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی پکڑ سے نجات دینے والا کوئی نہیں۔ اور جگہ ہے آج کے دن نہ اللہ کا سا کوئی عذاب دے سکے نہ اس کی سی قید و بند۔ اور جگہ ہے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ تم آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ سب کے سب آج گردن جھکائے تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔ اور آیت میں ہے فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً الخ اللہ کی نزدیکی کے لئے وہ اللہ کے سوا پوجا پاٹ کرتے تھے۔ آج وہ معبود اپنے عابدوں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ وہ تو غائب ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ محبتیں فنا ہو گئیں رشوتیں کٹ گئیں شفاعتیں مٹ گئیں آپس کی امداد و نصرت نابود ہو گئی معاملہ اس عادل حاکم جبار و قہار اللہ تعالیٰ مالک الملک سے پڑا ہے جس کے ہاں سفارشیوں اور مددگاروں کی مدد کچھ کام نہ آئے بلکہ اپنی تمام برائیوں کا بدلہ بھگتنا پڑے۔ ہاں یہ اس کی کمال بندہ پروری اور رحم و کرم انعام و اکرام ہے کہ گناہ کا بدلہ برابر دے اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا کر دے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے کہ وقفہ لینے دو تاکہ ان سے ایک سوال کر لیا جائے گا کہ آج یہ ایک دوسرے کی مدد چھوڑ کر نفسانفسی میں کیوں مشغول ہیں؟ بلکہ ہمارے سامنے سر جھکائے اور تابع فرمان ہیں۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے' جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی ○ اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا ○

احسانات کی یاد دہانی: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۰) ان آیتوں میں فرمان باری ہے کہ اے اولاد یعقوبؑ میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعون کے بدترین عذابوں سے چھٹکارا دیا' فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں اس کا غرور ٹوٹے گا اس کے خدائی دعویٰ کی بدترین سزا اسے ملے گی۔ اس لئے اس ملعون نے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو' سرکاری طور سے اس کی دیکھ بھال رکھی جائے۔ اگر لڑکا ہو تو فوراً مار ڈالا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے علاوہ ازیں بنی اسرائیل سے سخت بیگاری لی جائے۔ ہر طرح کی مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔

یہاں پر عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورۂ ابراہیم میں ایک کا دوسری پر عطف ڈالا جس کی پوری تشریح ان شاء اللہ سورۂ قصص کے شروع میں بیان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مضبوطی دے۔ ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے آمین۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ کے معنی مسلسل اور کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیئے جاتے تھے۔ چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا کہ میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لئے فرعون کے عذاب کی تفسیر کو لڑکوں کے قتل کرنے کے طور پر بیان فرمایا اور سورۂ ابراہیمؑ کے شروع میں فرمایا تھا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو' اس لئے وہاں عطف کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے' ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے کہ روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلیوس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوحؑ کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی کنیت ابو مرہ تھی۔ اصل میں اصطخر کے فارسیوں کی نسل میں تھا۔ اللہ کی پھٹکار اور لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر فرمایا کہ اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی بَلَآءٌ کے اصلی معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر حضرت ابن عباسؓ' حضرت مجاہدؒ' ابوالعالیہؒ' ابو مالکؒ' سدیؒ وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں۔ امتحان اور آزمائش' بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بلوتہ بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور اَبْلَيْتُهٗ اِبْلَآءً وَبَلَآءً کا لفظ بھلائی کے ساتھ کی آزمائش کے لئے آتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش یعنی عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں تھی۔ قرطبیؒ اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہوگا اور بلاء کے معنی برائی کے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے فرعون سے بچا لیا۔ تم موسیٰ

ؑ کے ساتھ شہر سے نکلے اور فرعون تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لئے پانی کو پھاڑ دیا اور تمہیں اس میں سے پار اتار کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکر سمیت ڈبو دیا۔ ان سب باتوں کا تفصیل وار بیان سورۂ شعراء میں آئے گا ان شاءاللہ تعالیٰ۔

عمرو بن میمونؒ اودی فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ جب مرغ بولے تب سب نکلو اور سب کو پکڑ کر قتل کر ڈالو لیکن اس رات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صبح تک کوئی مرغ نہ بولا۔ مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس کی کلیجی سے میں فارغ ہوں۔ اس سے پہلے چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہئے چنانچہ حاضر ہو گیا اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کروفر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا۔ اب بنی اسرائیل پر دنیا تنگ ہوگئی۔ پیچھے ہٹیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں۔ آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع بن نونؑ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی اب کیا کیا جائے؟ آپؑ نے فرمایا' حکم الٰہی ہمارا راہنما ہے' یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں' نہ رب کو' تین مرتبہ ایسا ہی کہا۔ اب حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی آئی کہ اپنا عصا دریا پر مارو' عصا مارتے ہی پانی نے راستہ دے دیا اور پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گذر گئے' انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونی افواج نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستہ پر ڈال دیئے۔ جب تمام کے تمام اس میں داخل ہو گئے تو پانی کو مل جانے کا حکم ہوا' پانی کے ملتے ہی تمام کے تمام ڈوب مرے۔ بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورے کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ شریف میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں' پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا۔ آپ نے فرمایا' تم سے بہت زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں' پس حضورؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری' مسلم' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا۔ اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے استاد یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ
بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے ○ لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں

معاف کر دیا- تا کہ تم شکر کرو ○ اور ہم نے (حضرت) موسیٰؑ کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے ○

چالیس دن کا وعدہ: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۳) یہاں بھی اللہ برتر و اعلیٰ اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے جب کہ تمہارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے اور اس کے بعد تم نے گئوسالہ پرستی شروع کر دی- پھر ان کے آنے پر جب تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کو بخش دیا اور قرآن میں ہے وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ یعنی ہم نے حضرت موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس بڑھا کر پوری چالیس راتوں کا کیا- کہا جاتا ہے کہ یہ وعدے کا زمانہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے- یہ واقعہ فرعونیوں سے نجات پا کر دریا سے بچ کر نکل جانے کے بعد پیش آیا تھا- کتاب سے مراد توراۃ ہے اور فرقان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل' ہدایت و ضلالت میں فرق کرے' یہ کتاب بھی اس واقعہ کے بعد ملی جیسے کہ سورۂ اعراف کے اس واقعہ کے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے- دوسری جگہ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بھی آیا ہے یعنی ہم نے اگلے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کتاب دی جو سب لوگوں کے لئے بصیرت افزا اور ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں- یہ بھی کہا گیا ہے کہ واؤ زائد ہے اور خود کتاب کو فرقان کہا گیا ہے لیکن یہ غریب ہے- بعض نے کہا ہے' کتاب پر ''فرقان'' کا عطف ہے یعنی کتاب بھی دی اور معجزہ بھی دیا- دراصل معنی کے اعتبار سے دونوں کا مفاد ایک ہی ہے اور ایسی ایک چیز دو ناموں سے بطور عطف کے کلام عرب میں آیا کرتی ہے- شعراء عرب کے بہت سے اشعار اس کے شاہد ہیں-

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

جب (حضرت) موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا- اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپس میں قتل کرو- تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے- وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا- وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے ○

سخت ترین سزا: ☆☆ (آیت:۵۴) یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے- انہوں نے بچھڑے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں کو گھیر لیا- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے- تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو- چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا- اس کا پورا بیان سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں آئے گا ان شاءاللہ تعالیٰ-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو' بتلا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو- ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا' انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے اور قتل کرنا شروع کیا- قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا- جب وہ ہٹا اور انہیں روک دیا گیا تو شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی- یہ ایک سخت فرمان تھا جسے ان لوگوں نے پورا کیا اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا کہ اب بس کرو- مقتول کو شہید کا اجر دیا- قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب دیا-

موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ نے جب اسی طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنی شروع کی کہ اللہ یا اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرما دیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر' مقتولوں کا غم نہ کرو۔ وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں' وہ یہاں زندہ ہیں اور روزیاں پا رہے ہیں۔ اب آپ کو اور آپ کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی۔ تلوار' نیزے' چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں۔ آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا اور اللہ تواب ورحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

(تم اسے بھی یاد کرو کہ) تم نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے ○ (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو۔ اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا ○

ہم بھی اللہ عزوجل کو خود دیکھیں گے: ☆☆ (آیت:۵۵-۵۶) موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر شخصوں کو لے کر اللہ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الٰہی سنا تو حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ لیں۔ اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور رو رو کر جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ یا اللہ بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ اللہ یا بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑ۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو معلوم کرایا گیا کہ یہ بھی دراصل بچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے۔ انہیں سزا مل گئی۔ پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کئے گئے۔ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی' بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہا دی' اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پر توبہ کرنے کے لئے چلے۔ ان سے کہا کہ تم توبہ کرو ورنہ روزہ رکھو' پاک صاف ہو جاؤ' کپڑوں کو پاک کر لو جب بحکم رب ذوالجلال طور سینا پر پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ اسی کے اندر اندر اللہ کے قریب ہو گئے جب کلام اللہ شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کہ کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھی بنی اسرائیل بھی اللہ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں۔ جب کلام الہ العالمین ختم ہوا' بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس چلے آئے تو یہ لوگ کہنے لگے' موسیٰ ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے' اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی

ہلاک ہو جاتے۔ بیوقوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر' یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے۔ جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری اس بات کو سچا سمجھے گا اور پھر اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اللہ ہماری توبہ ہے۔ تو قبول فرما اور ہم پر فضل و کرم کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع وخضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا۔ اب سب نے یک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی۔ ان سے فرمایا گیا کہ جب تک یہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں' میں ان کی توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔ سدی کبیر کہتے ہیں یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑانے کے بعد کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب گو عام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد وہی ستر شخص ہیں۔

رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں نبی بنا دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول بھی ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سوائے ہارون علیہ السلام کے اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے کسی اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا۔ یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ خود موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا۔ پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری کی تاب کیسے لاتے؟ اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے کہ حضرت ہمیں کیا خبر' اللہ خود آ کر ظاہر ہو کر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں' ہرگز ایمان نہ لائیں گے' اس قول پر ان کے اوپر غضب الٰہی نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے۔ پھر زندہ کئے گئے پھر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراۃ کو تھام لو۔ انہوں نے پھر انکار کیا۔ اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلف رہے یعنی احکام الٰہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی' مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی۔ اس لئے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں۔ خود ان پر یہ واردات پیش آئی۔ اب تصدیق ایک بے اختیاری امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلف ہے۔

قرطبیؒ کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے۔ یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے۔ خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے۔ خود ان کے ساتھ ایسے ایسے معاملات ہوئے جو بالکل نادر اور خلاف قیاس اور زبردست معجزات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلف رہے۔ اسی طرح یہ بھی ٹھیک قول ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو۔ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم

کیا کرتے تھے ○

یہود پہ احسانات الٰہیہ کی تفصیل: ☆☆ (آیت:۵۷) سابقہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ فلاں فلاں بلائیں ہم نے تم پر سے دفع کر دیں- اب بیان ہو رہا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں بھی ہم نے تمہیں عطا فرمائیں غَمَامٌ غَمَامَةٌ کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے' اس لئے اسے غمامہ کہتے ہیں- یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا جو وادی تیہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا جیسے نسائی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے' ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابن عمرؒ ربیع بن انسؒ ابومجازؒ ضحاکؒ اور سدیؒ نے بھی یہی کہا ہے- حسنؒ اور قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل عام بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا- ابوحذیفہ کا قول بھی یہی ہے هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ الخ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادل میں آئیں- یہی وہ بادل ہے جس میں بدر والے دن فرشتے نازل ہوئے تھے-

جو ''من'' ان پر اترا' وہ درختوں پر اترا تھا- یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھا لیا کرتے تھے- وہ گوند کی قسم کا تھا- کوئی کہتا ہے شبنم کی وضع کا تھا- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولوں کی طرح من ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا- صبح صادق سے لے کر آفتاب نکلنے تک اترتا رہتا تھا- ہر شخص اپنے گھربار کے لئے اتنی مقدار میں جمع کر لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہو اگر کوئی زیادہ لیتا تو بگڑ جاتا تھا- جمعہ کے دن وہ دو دن کا لے لیتے تھے جمعہ اور ہفتہ کا اس لئے کہ ہفتہ ان کا بڑا دن تھا- ربیع بن انسؒ کہتے ہیں' من شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے شعبیؒ فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس ''من'' کا سترواں حصہ ہے- شعروں میں یہی ''من'' شہد کے معنی میں آیا ہے- یہ سب اقوال قریب قریب ہیں- غرض یہ ہے کہ ایک ایسی چیز تھی جو انہیں بلا تکلیف و تکلف ملتی تھی- اگر صرف اسے کھایا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملا لیا جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر دی جائے تو اور چیز ہو جاتی تھی لیکن یہاں ''من'' سے مراد یہی من مشہور نہیں-

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کھمبی ''من'' میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے- ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں- ترمذی میں ہے کہ عجوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے- وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھمبی ''من'' میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے- یہ حدیث حسن غریب ہے- دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی مروی ہے- ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے اس درخت کے بارے میں اختلاف کیا جو زمین کے اوپر ہوتا ہے' جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں- بعض کہنے لگے کھمبی کا درخت ہے- آپؐ نے فرمایا' کھمبی تو من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے- سلویٰ ایک قسم کا پرند ہے' چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے' سرخی مائل رنگ کا' جنوبی ہوائیں چلتی تھی اور ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتی تھیں- بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے تھے- اگر ایک دن گذر کر بچ جاتا تو وہ بگڑ جاتا تھا اور جمعہ کے دن دو دن کے لئے جمع کر لیتے تھے کیونکہ ہفتہ کا دن ان کے لئے عید کا دن ہوتا تھا' اس دن عبادتوں میں مشغول رہنے اور شکار وغیرہ سے بچنے کا حکم تھا- بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پرند کبوتر کے برابر ہوتے تھے' ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا ہو جاتا تھا- یہ دونوں چیزیں ان پر وادی تیہ میں اتری تھیں جہاں انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا تھا کہ اس جنگل میں ہمارے کھانے کا بندوبست کیسے ہوگا' تب ان پر من و سلویٰ اتارا گیا اور پانی کے لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی گئی تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو'

عصا لگتے ہی اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے۔ ہر قبیلہ نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے بانٹ لیا پھر سایہ کے طالب ہوئے کہ اس چٹیل میدان میں سایہ بغیر گذر مشکل ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے طور پہاڑ کا ان پر سایہ کر دیا' رہ گیا لباس تو قدرت الٰہی سے جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے' وہ ان کے قد کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ ایک سال کے بچہ کا لباس جوں جوں اس کا قد وقامت بڑھتا' لباس بھی بڑھتا جاتا' نہ پھٹتا' نہ خراب ہوتا' نہ میلا ہوتا' ان تمام نعمتوں کا ذکر مختلف جگہ قرآن پاک میں موجود ہے جیسے یہ آیت اور اِذِا سْتَسْقٰی والی آیت وغیرہ۔

ہذلیؒ کہتے ہیں کہ سلویٰ شہد کو کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول غلط ہے۔ ثورجؒ نے اور جوہریؒ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی شہادت میں عرب شاعروں کے شعر اور بعض لغوی محاورے بھی پیش کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک دوا کا نام ہے۔ کسائیؒ کہتے ہیں' سلویٰ واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاویٰ آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے یعنی لفظ سلویٰ۔ غرض یہ اللہ کی دو نعمتیں تھیں جن کا کھانا ان کے لئے مباح کیا گیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور یہی ان کا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بہت کچھ اللہ کی نعمتیں ان پر نازل ہو چکی تھیں۔

تقابلی جائزہ: ☆☆ بنی اسرائیل کی حالت کا یہ نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ کر پھر اصحابؓ رسول اللہ ﷺ کی حالت پر نظر ڈالو کہ باوجود سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے اور بے انتہا تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اتباع نبیؐ پر اور عبادت الٰہی پر جمے رہے' نہ معجزات طلب کئے' نہ دنیا کی راحتیں مانگیں' نہ اپنے تعیش کے لئے کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی خواہش کی۔ جنگ تبوک میں جبکہ بھوک کے مارے بیتاب ہو گئے اور موت کا مزہ آنے لگا تب حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ اس کھانے میں برکت کی دعا کیجئے اور جس کے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا' جمع کر کے حاضر کر دیا۔ جو سب مل کر بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا' حضورؐ نے دعا کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرما کر اس میں برکت دی انہوں نے خوب کھایا بھی اور تمام توشے دان بھر لئے' پانی کے قطرے قطرے کو جب ترسنے لگے تو اللہ کے رسولؐ کی دعا سے ایک ابر آیا اور ریل پیل کر دی' پیا پلایا اور مشکیں اور مشکیزے سب بھر لئے۔ پس صحابہؓ کی اس ثابت قدمی' اولوالعزمی' کامل اتباع اور سچی توحید نے ان کی اصحاب موسیٰ علیہ السلام پر قطعی فضیلت ثابت کر دی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ
وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ
قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۱۲

ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدے کرتے ہوئے گذرو اور زبان سے حطۃ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور بھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے ○ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی' بدل ڈالا' ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا ○

یہود کی پھر حکم عدولی: ☆☆ (آیت:۵۸-۵۹) جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے آئے اور انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا جو ان کی موروثی زمین تھی، ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں، ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۂ مائدہ میں ذکر ہے۔ قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ سدیؒ ربیعؒ، قتادہ، ابو مسلمؒ وغیرہ نے یہی کہا ہے قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ریحا ہے، بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے۔ جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا کی بلکہ سورج کو ان کے لئے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تھا تا کہ فتح ہو جائے، فتح کے بعد انہیں حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ جو اس فتح کے اظہار تشکر کا مظہر ہوگا۔

ابن عباسؓ نے سجدے سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدے سے مراد یہاں پر خشوع خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطہ تھا۔ رازیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا اور کروٹ کے بل داخل ہونے لگے، سروں کو جھکانے کے بجائے اور اونچا کر لیا۔ حِطَّةٌ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں، اس سے مراد لا اله الا الله کہنا ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں، ان میں گناہوں کا اقرار ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں جاؤ گے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرو گے اور مجھ سے بخشش مانگو گے تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں، میں تمہاری خطاؤں سے درگذر کر لوں گا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر فرمان الٰہی سورۂ اِذَا جَآءَ نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آ جائے، مکہ فتح ہو اور لوگ دین الٰہی میں فوج در فوج آنے لگیں تو اے نبی تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد و ثنا بیان کرو، اس سے استغفار کرو۔ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر و استغفار کا ذکر ہے، وہاں حضورؐ کے آخری وقت کی خبر تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے فرمایا تھا جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضورؐ شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ پر تھے، یہاں تک کہ سر جھکائے ہوئے تھے اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکریہ کی بھی، دونوں طرح کے قول محدثینؒ کے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسری کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعتیں پڑھیں، دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطة کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطة کی بجائے حبته فی شعر کہتے ہوئے جانے لگے۔ نسائی، عبد الرزاق، ابوداؤد، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے۔

حضرت ابوسعید، خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ میں سُفَهَاء یعنی جاہلوں سے

مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ کی بات کو بدل دیا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حِطَّةٌ کے بدلے انہوں نے حِنْطَةٌ حَبَّةٌ حَمْرَآءُ فِيهَا شَعِيرَةٌ کہا تھا۔ ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے هطا سمعانا ازبة مزبا ابن عباسؓ بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ کے بدلے حنطة کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ حضرت عطاؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ، حسنؒ، قتادہؒ، ربیعؒ، یحییٰؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا، انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے، کوئی کہتا ہے غضب ہے، کسی نے طاعون کہا ہے۔ ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَؕ
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًاؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْؕ
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لکڑی پتھر پر مارو۔ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ○

یہود پر تسلسل احسانات: ☆☆ (آیت:۶۰) یہ ایک اور نعمت یاد دلائی جا رہی ہے کہ جب تمہارے نبی نے تمہارے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہا دیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر قبیلے کے لئے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کرا دیا جسے ہر قبیلہ نے جان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ من و سلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو، بے محنت کی روزی کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ ایک چکور پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ وندی اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہ نکلیں۔ یہ پتھر بیل کے سر جتنا تھا جو بیل پر لاد دیا جاتا تھا۔ جہاں اترتے، رکھ دیتے اور عصا کی ضرب لگتے ہی اس میں سے نہریں بہ نکلتیں۔ جب کوچ کرتے، اٹھا لیتے، نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا۔ ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا، دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا، دو شاخیں تھیں جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیبؑ کو ملا تھا۔ انہوں نے لکڑی اور پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الٰہی یہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا، اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل کے مشورہ سے اٹھا لیا تھا جس سے آپ کا معجزہ ظاہر ہوا۔

زمخشریؒ کہتے ہیں کہ حجر پر الف لام جس کے لئے ہے، عہد کے لئے نہیں یعنی کسی ایک پتھر پر عصا مارو یہ نہیں کہ فلاں پتھر ہی پر مارو۔ حضرت حسن سے بھی یہی مروی ہے اور یہی معجزے کا کمال اور قدرت کا پورا اظہار ہے، آپ کی لکڑی لگتے ہی وہ بہنے لگتا اور پھر دوسری لکڑی

لگتے ہی خشک ہو جاتا۔ بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ پتھر گم ہو گیا تو ہم پیاسے مرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لکڑی نہ مارو صرف زبانی کہو تاکہ انہیں یقین آ جائے۔ واللہ اعلم۔

ہر ایک قبیلہ اپنی اپنی نہر کو اس طرح جان لیتا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی پتھر کے پاس کھڑا رہ جاتا اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے چشمے جاری ہو جاتے جس شخص کی طرف جو چشمہ جاتا وہ اپنے قبیلے کو بلا کر کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے' یہ واقعہ میدان تیہہ کا ہے۔ سورۂ اعراف میں بھی اس واقعہ کا بیان ہے لیکن چونکہ وہ سورت مکی ہے' اس لئے وہاں ان کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو احسانات ان پر نازل فرمائے تھے' وہ اپنے رسول کے سامنے دوہرائے ہیں اور یہ سورت مدنی ہے اس لئے یہاں خود انہیں خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں فَانۢبَجَسَتْ کہا اور یہاں فَانْفَجَرَتْ کہا اس لئے کہ وہاں اول اول جاری ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں آخری حال کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔ اور ان دونوں جگہ کے بیان میں دس وجہ سے فرق ہے جو فرق لفظی بھی ہے اور معنوی بھی زمخشری نے اپنے طور پر ان سب وجوہ کو بیان کیا ہے اور حقیقت اس میں قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ
خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا۔ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ' ککڑی' گیہوں مسور اور پیاز دے' آپ نے فرمایا بہتر چیز کے بدلے یہ ادنی چیز کیوں طلب کرتے ہو' اچھا کسی شہر میں جاؤ۔ وہاں تمہیں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی۔

احسان فراموش یہود: ☆☆ (آیت:۶۱) یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت اللہ کی ناقدری بیان کی جا رہی ہے کہ من وسلویٰ جیسے پاکیزہ کھانے پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے' ایک طعام سے مراد ایک قسم کا کھانا یعنی من وسلویٰ ہے۔ فُوْم کے معنی میں اختلاف ہے' ابن مسعودؓ کی قرات میں ثُوْم ہے' مجاہدؒ نے فُوْم کی تفسیر ثوم کے ساتھ کی ہے یعنی لہسن' حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ اگلی لغت کی کتابوں میں فَوِّمُوْا لَنَا کے معنی اِخْتَبِزُوْا یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں جیسے عَاثُوْرُ شَرٍّ عَافُوْرُ شَرٍّ' اثافی' اثاثی' مَغَافِيْر' مَغَاثِيْر وغیرہ جن میں ف سے ت اور ث بدلا گیا کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں۔ ① واللہ اعلم۔ اور لوگ کہتے ہیں فُوْم کے معنی گیہوں کے ہیں' حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور احیحہ کے شعر میں بھی فُوْم گیہوں کے معنی میں آیا ہے۔ بنی ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کے معنی میں مستعمل تھا۔ فوم کے معنی روٹی کے بھی ہیں' بعض نے سنبلہ کے معنی کئے ہیں۔

حضرت قتادہؒ اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں جس اناج کی روٹی پکتی ہے' اسے فوم کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں فوم ہر قسم کے اناج کو کہتے ہیں' حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم ردی چیز کو بہتر کے بدلے کیوں طلب کرتے ہو؟ پھر فرمایا شہر میں جاؤ' وہاں یہ سب چیزیں پاؤ گے۔

جمہور کی قرات ''مصرا'' ہی ہے اور تمام قرأتوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شہروں میں سے کسی شہر میں چلے جاؤ۔ ابی بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ سے مصر کی قرات بھی ہے اور اس کی تفسیر مصر شہر سے کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصرا سے بھی مراد مخصوص شہر مصر لیا گیا ہو اور یہ الف مِصْرًا کا ایسا ہو جیسا قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَا میں ہے۔ مصر سے مراد عام شہر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہوئے یہ تو آسان چیز ہے' جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں وہاں پالو گے۔ میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا۔ اس لئے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا واللہ اعلم۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے ○ مسلمان ہوں' یہودی ہوں' نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں' جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر' قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اس کے اجران کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی ○

پاداش عمل: ☆☆ (آیت:۶۱) مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان کا مقدر بنا دی گئی۔ اہانت و پستی ان پر مسلط کر دی گئی' جزیہ ان سے وصول کیا گیا' مسلمانوں کے قدموں تلے انہیں ڈال دیا گیا' فاقہ کشی اور بھیک کی نوبت پہنچی۔ اللہ کا غضب و غصہ ان پر اترا۔ ''آباؤ'' کے معنی لوٹنے اور ''رجوع کیا'' کے ہیں۔ باء کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے۔ یہ تمام عذاب ان کے تکبر' عناد حق کی قبولیت سے انکار' اللہ کی آیتوں سے کفر' انبیا اور ان کے تابعداروں کی اہانت اور ان کے قتل کی بنا پر تھا۔ اس سے زیادہ بڑا کفر اور کون سا ہو گا کہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور اس کے نبیوں کو بلاوجہ قتل کرتے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں' تکبر کے معنی حق کو چھپانے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کے ہیں۔ مالک بن مرارہ رہاویؓ ایک روز خدمت رسولؐ میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں خوبصورت آدمی ہوں۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی کی جوتی کا تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ تکبر اور سرکشی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تکبر اور سرکشی حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیاء تک پہنچ گیا تھا' اس لئے اللہ کا غضب ان پر لازم ہو گیا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ایک بنی اسرائیل ان میں موجود تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ پھر بازاروں میں جا کر اپنے لین دین میں مشغول ہو جاتا (ابوداؤد طیالسی)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہوگا جسے کسی نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا وہ امام جو تصویریں بنانے والا یعنی مصور ہوگا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا بدلہ تھا' یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کئے ہوئے کاموں کو کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

فرماں برداروں کے لئے بشارت: ☆☆ (آیت:۶۲) اوپر چونکہ نافرمانوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے' ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی کی تابعداری کرنے والوں کے لئے یہ بشارت تا قیامت ہے کہ نہ مستقبل کا ڈر' نہ یہاں حاصل نہ ہونے والی اشیاء کا افسوس و حسرت۔ اور جگہ ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف و غم نہیں اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں' یہی کہتے ہیں کہ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ تم ڈرو نہیں' تم اداس نہ ہو' تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن ایمان والوں سے ملا تھا' ان کی عبادت اور نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمانؓ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپ مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں' حضرت سلمانؓ کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ وہیں یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراۃ کو مانتا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ جائیں تو ان کی تابعداری کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔ اگر اب بھی وہ توراۃ اور سنت موسیٰ پر جما رہے اور حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرے اور تابعداری نہ کرے تو پھر بے دین ہو جائے گا۔

اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے' شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے زمانے میں پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفے ﷺ کو پالے تو آپ کی تابعداری اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے۔ اگر اب بھی وہ انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑے اور حضورؐ کی رسالت کو تسلیم نہ کرے تو ہلاک ہوگا۔ (ابن ابی حاتم) سدیؒ نے یہی روایت کی ہے اور سعید بن جبیرؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار' اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا ہے لیکن جب دوسرا نبی آئے اور وہ اس سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔

قرآن کی ایک آیت تو یہ جو آپ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ③ یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو' اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں یہی تطبیق ہے۔ کسی شخص کا کوئی عمل' کوئی طریقہ مقبول نہیں تاوقتیکہ وہ شریعت محمدیہؐ کے مطابق نہ ہو' مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپؐ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے۔ آپ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے' ان کے لئے ان کے زمانہ کے نبی کی تابعداری اور اس کی شریعت کی مطابقت شرط ہے۔

یہود کون ہیں؟ ☆☆ لفظ یہود ہوداُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے' جس کے معنی توبہ کے ہیں جیسے قرآن میں ہے اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ④ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں' ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں پس انہیں ان دونوں وجوہات کی بنا پر سے یہود کہا گیا ہے' توبہ کی وجہ اور آپس میں دوستی کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں یہ یہودا کی اولاد میں سے تھے' اس لئے انہیں یہود کہا گیا ہے' یہودا حضرت یعقوبؑ کے بڑے لڑکے کا نام تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراۃ پڑھتے وقت ہلتے تھے۔ اس بنا پر انہیں یہود یعنی

حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی۔ تب ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی۔ انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ جہاں اترے تھے، اس زمین کا نام ناصرہ تھا۔ اس لئے انہیں نصاریٰ کہا گیا۔ قتادہؒ اور ابن جریجؒ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

نصاریٰ نصران کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاویٰ اور سکران کی جمع سکاریٰ۔ اس کا مونث نصرانۃ آتا ہے۔ اب جبکہ خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ آیا اور آپ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر بھی اور دوسرے سب پر بھی آپ کی تصدیق و اتباع واجب قرار دی گئی اور ایمان و یقین کی پختگی کی وجہ سے آپ کی امت کا نام مومن رکھا گیا اور اس لئے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء پر بھی ہے اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لامذہب کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے۔ اسی بنا پر ابوحنیفہؒ اور اسحٰقؒ کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی۔ حضرت حسن اور حضرت حکم فرماتے ہیں، یہ گروہ مجوسیوں کی مانند ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔ زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پانچ وقت نماز قبلہ کی جانب رخ کر کے پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابوالزناد فرماتے ہیں، یہ لوگ عراقی ہیں۔ بکوثی کے رہنے والے سب نبیوںؑ کو مانتے ہیں، ہر سال تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے۔ جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے۔ لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

مشرکین اسی بنا پر آنحضور اور آپ کے صحابہ کو لا الہ الا اللہ صابی کہتے تھے یعنی کہنے کی بنا پر۔ ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوحؑ کے دین پر بتاتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود مجوس کے دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا۔ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔

ابوسعید اصطخریؒ نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ رازی فرماتے ہیں، یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرانیین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے، کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی میں مشرکین اصحاب رسول اللہ ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ
فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا
خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے‘ اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے‘ اسے یاد کرو تا کہ تم بچ سکو ○ لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے ○ یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ ○ اسے ہم نے اگلوں پچھلوں کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیز گاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا ○

عہد شکن یہود: ☆☆ (آیت:۶۳-۶۴) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلا رہا ہے کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرانے اور منوانے کے لئے میں نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جیسے اور جگہ ہے وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ الخ جب ہم نے ان کے سروں پر سائبان کی طرح پہاڑ لا کر کھڑا کیا اور وہ یقین کر چکے کہ اب پہاڑ ان پر گر کر انہیں کچل ڈالے گا۔ اس وقت ہم نے کہا‘ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تو بچ جاؤ گے‘ طور سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورۂ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہؓ اور تابعین نے اس کی تفسیر کی ہے ثابت یہی ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ اگتا ہو۔ حدیث فتون میں براویت ابن عباسؓ مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا‘ اس وقت یہ پہاڑ ان کے سروں پر لا کر کھڑا کیا گیا کہ اب تو احکامات سنیں۔ سدیؒ کہتے ہیں‘ ان کے سجدے سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنکھیوں سے اوپر کی طرف دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور پہاڑ ہٹا لیا اس وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا‘ اس سے مراد توراۃ ہے۔ قوت سے مراد طاعت ہے یعنی توراۃ پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور اس میں جو ہے‘ اسے یاد کرو اور اس پر عمل کرو یعنی توراۃ پڑھتے پڑھاتے رہو۔ لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ میثاق‘ اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کے بعد بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور عہد شکنی کی۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی‘ اگر وہ توبہ قبول نہ فرماتا اور نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا۔ اس وعدے کو توڑنے کی بنا پر دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو جاتے۔

صورتیں مسخ کر دی گئیں: ☆☆ (آیت:۶۵-۶۶) اس واقعہ کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں ہے جہاں فرمایا وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ الخ وہیں اس کی تفسیر بھی پوری بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ ایلہ بستی کے باشندے تھے۔ ان پر ہفتہ کے دن تعظیم ضروری کی گئی تھی۔ اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں تو انہوں نے مکاری کی۔

گڑھے کھود لئے' رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے۔ ہفتہ والے دن وہ آ گئیں۔ یہاں پھنس گئیں۔ اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا' اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے۔ یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور عبارت قرآن کے ظاہر الفاظ کے بھی خلاف ہے۔ اس آیت پر پھر سورۂ اعراف کی آیت وَسْئَلْهُمْ الخ پر اور وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ الخ پر نظر ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جوان لوگ بندر بن گئے اور بوڑھے سور بنا دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' یہ تمام مرد اور عورت دم والے بندر بنا دیئے گئے۔ آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے۔ جو لوگ انہیں اس مکروہ حیلہ سے روکتے تھے' وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو ہم پہلے سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے ان کی نسل نہیں ہوئی۔ تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی۔ یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے۔ کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ بندر جو اب ہیں اور جو اس وقت بھی تھے' یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے' اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے (اللہ اپنے غضب وغصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذابوں سے نجات دے۔ آمین) خاسین کے معنی ذلیل اور کمینہ۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے جو بیان کیا ہے' وہ سب سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت وادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا۔ اس دن کی عظمت کے طور پر ان پر شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بنا پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور کودتی اچھلتی رہتی تھیں لیکن باقی دنوں میں کوئی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔

ازاں بعد ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا۔ اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی۔ لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا' میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے۔ آخر یہ راز کھلا تو لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے۔ پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے' ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے' کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے' وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے۔ ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں۔ ان شکار کھیلنے والوں اور ان منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور بھی تھا جو مصلحت وقت برتنے والا اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والا' وہ تو ان کا پورا ساتھ دیتا تھا۔ ان کا نہ شکار کھیلتے تھے' نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے گا اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے' انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو۔ یہ جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے اس لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور عذاب الٰہی سے نجات پائیں۔

بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ جو فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے۔ بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے' اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گذر گئی۔ ایک دن صبح مسلمان جاگے۔ دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ لوگ

متحیر تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر لگ گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا۔ دیکھا کہ وہ تمام لوگ مع عورتوں بچوں کے بندر بن گئے ہیں، ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے، اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ کل انسان بندر کی صورتوں میں ہیں، جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں، بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں، عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے، یہ فلاں عورت ہے، یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا۔ صرف وہ بچے جو انہیں منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے۔ یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیتیں وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان کی صورتیں بدل دی گئی تھیں۔ سچ مچ بندر بنا دیئے گئے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے جیسے کہ مجاہدؒ کا قول ہے۔ ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری صورتیں بھی ان کی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

فَجَعَلْنَا هَا میں هَا کی ضمیر کا مرجع قِرَدَة ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو سبب عبرت بنایا۔ اس کا مرجع حِيْتَان ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع عُقُوْبَة ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع قَرْيَة ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لئے عبرتناک امر واقعہ بنا دیا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قریہ مراد ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں۔

نکال کہتے ہیں عذاب وسزا کو جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى اس کو عبرت کا سبب بنایا، آگے پیچھے والی بستیوں کے لئے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى الخ ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا اور اپنی نشانیاں بیان فرمائیں تا کہ وہ لوگ لوٹ آئیں اور ارشاد ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ الخ اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کے موجود لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے یہ عبرتناک واقعہ دلیل راہ بن جائے۔

گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے یہ واقعہ گو کتنا ہی زبردست عبرتناک ہو، اگلوں کے لئے دلیل نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ تو گذر چکے تو ٹھیک قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ کی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ
قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں ○

اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے ایسے ہی گناہوں کے لئے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا۔ لیکن صحیح قول وہی ہے جس کی صحت ہم نے بیان کی یعنی آس پاس کی بستیاں۔ قرآن فرماتا ہے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ الخ اور فرمان ہے وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ اور فرمان ہے اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ الخ۔

غرض یہ عذاب ان کے زمانے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی لئے فرمایا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی یہ جو بعد میں آئیں گے ان پرہیز گاروں کے لئے موجب نصیحت ہو۔ موجب نصیحت یہاں تک کہ امت محمد ﷺ کے لئے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب وسزائیں ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے' ان کے مکر وفریب سے' حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئیں' اس کے بعد بھی جو ایسا کرے گا ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب اس پر بھی آ جائیں۔

ایک صحیح حدیث امام ابو عبداللہ بن بطہ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُوْدُ فَتَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِاَدْنَى الْحِيَلِ یعنی تم نہ کرو جو یہودیوں نے کیا یعنی حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

قاتل کون؟ ☆☆ (آیت:۶۷) اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار اور تونگر تھا۔ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی' صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کے لالچ میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ اور اس کی لڑکی سے نکاح بھی کرلوں۔ قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں۔ اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے۔ شام کو اپنے قلعہ کے پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے۔ کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائے دہائی مچا دی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا۔ آخر کار ان قلعہ والوں پر تہمت لگا کر ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا لیکن یہ اڑ گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا۔ یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ان سے کہو ایک گائے ذبح کریں۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی' کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ گائے کے ذبح کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اعوذ باللہ (مسائل شرعیہ کے موقعہ پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے۔ اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے۔ اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا' وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے' نہ بچہ ہے' جوان عمر کی ہے' انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے۔ ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں جچتی جاتی ہے۔ پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت سی ہیں۔ کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمائیے وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی۔ کھیتوں کو پانی نہیں پلایا' ہر عیب سے پاک ہے۔ یک رنگی ہے۔ کوئی داغ دھبہ نہیں' جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔

احترام والدین پر انعام الٰہی: ☆☆ اب ایسی گائے ڈھونڈنے کو نکلے تو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی۔ ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ لڑکے نے کہا۔ میں خریدوں گا۔ قیمت ستر ہزار طے ہوئی۔ لڑکے نے کہا۔ ذرا ٹھہرو۔ جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دوں گا۔ اس نے کہا' ابھی دے دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا

نہیں حضرت میں اپنے والد کو جگاؤں گا نہیں۔ تم اگر ٹھہر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا۔ یونہی ادھر سے کمی اور ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں۔ لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ۔ میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا۔ باپ کی اس بزرگی کے احساس اور ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرنے اور ان کا ادب و احترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے۔

جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے‘ اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو۔ یہ انکار کرتا ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ تین لے لو۔ چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا‘ دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا۔ یہ آ کر حضرت موسیٰؑ سے شکایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خرید و۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی۔ یہ برکت اللہ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جبکہ یہ بہت محتاج تھا۔ اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔ اس نے کہا میرے بھتیجے نے۔ اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے اور میری لڑکی سے نکاح کر لے بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ چل گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ و جدال ہونے والی تھی‘ وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا۔ اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا۔ یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق تکذیب ہم نہیں کر سکتے۔ ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا
تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ
يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ
وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

انہوں نے کہا اے موسیٰ دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے۔ آپ نے فرمایا سنو‘ وہ گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہے نہ بچہ بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہے پس اب جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے بجا لاؤ ○ پھر وہ کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے۔ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ ہے۔ چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے۔ اس قسم کی گائیں تو بہت ساری

ہیں۔ پتہ نہیں چلتا اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے ○

حجت بازی کا انجام: ☆☆ (آیت:۶۸-۷۱) بنی اسرائیل کی سرکشی، سرتابی اور حکم الٰہی، امر الٰہی وضاحت کے ساتھ یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حکم پاتے ہی اس پر عمل نہ کر ڈالا بلکہ شقیں نکالنے اور بار بار سوال کرنے لگے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخر میں وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی سختی نہ ٹلتی اور مطلوبہ گائے ملنا اور مشکل ہو جاتی۔ پہلے سوال کے جواب میں کہا گیا کہ نہ تو وہ بڑھیا ہے نہ بالکل کم عمر ہے۔ بلکہ درمیانی عمر کی ہے پھر دوسرے سوال کے جواب میں اس کا رنگ بیان کیا گیا کہ وہ زرد اور چمکدار رنگ کی ہے جو دیکھنے والوں کے دل کو بہت پسند آئے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہنے وہ ہر قیمت خوش و خرم رہے گا اور اس جملہ سے استدلال کیا ہے تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ بعض نے کہا ہے کہ مراد سخت سیاہ رنگ ہے لیکن اول قول ہی صحیح ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اس کی شوخی اور چمکیلے پن سے وہ مثل کالے رنگ کے لگتا تھا۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں اس کا رنگ اس قدر شوخ اور گہرا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا سورج کی شعائیں اس سے اٹھ رہی ہیں توراۃ میں اس کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے لیکن شاید عربی کرنے والوں کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

چونکہ اس رنگ اور اس عمر کی گائیں بھی انہیں بکثرت نظر آئیں تو انہوں نے پھر کہا، اے اللہ کے نبی کوئی اور نشانی بھی پوچھئے تاکہ شبہ مٹ جائے ان شاء اللہ اب ہمیں رستہ مل جائے گا اگر یہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو انہیں قیامت تک پتہ نہ چلتا اور اگر یہ سوالات ہی نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر عائد نہ ہوتی بلکہ جس گائے کو ذبح کر دیتے، کفایت ہو جاتی۔ یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ کا اپنا کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ ہل میں نہیں جتی، پانی نہیں سینچا، اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں۔ یک رنگی ہے۔ سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں، اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست اور توانا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ ذلول کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہل نہیں جوتتی اور نہ پانی پلاتی ہے اس میں نہ کوئی داغ دھبہ ہے۔ اب اتنی بڑی کدوکاوش کے بعد بادل نخواستہ وہ اس کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے، کسی نے کہا ہے اس لئے کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جانیں کون قاتل ہو۔ بعض کہتے ہیں، اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی، گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتیں بنی اسرائیلی روایتیں ہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ ان کا ارادہ حکم کی بجا آوری کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس قدر وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا۔ واللہ اعلم۔

اس آیت سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ جانوروں کو دیکھے بغیر ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا اور اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے جیسے کہ حضرت امام مالکؒ امام اوزاعیؒ امام لیثؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اسلاف اور متاخرین کا بھی اور اس کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاوند کے سامنے بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے دیت کے اونٹوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں، قتل خطا اور وہ قتل جو مشابہ ''عمد'' کے ہے، ہاں امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے کوفی اور امام ثوریؒ وغیرہ بیع سلم کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف و احوال

پوری طرح ضبط نہیں ہو سکتے - اسی طرح کی حکایت ابن مسعودؓ حذیفہ بن یمانؓ اور عبدالرحمٰن بن سمرہؓ وغیرہ سے بھی کی جاتی ہے-

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي
الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۷۱) وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ ع ۱۰ ۸
فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (۷۲) فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ
بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝ (۷۳)

آپ نے فرمایا اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی' زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتیوں کو پانی پلانے والی نہیں - وہ تندرست اور بے داغ ہے - انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی ○ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا - پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا ○ ہم نے کہا' اس گائے کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگاؤ (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلمندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے ○

بلاوجہ تجسس موجب عتاب ہے : ☆☆ (آیت:۲:۷۲-۷۳) صحیح بخاری شریف میں ''ادارء تم'' کے معنی ''تم نے اختلاف کیا'' کے ہیں - ① حضرت مجاہد وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے مسیب بن رافع کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا' اللہ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا - اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا -

پھر یہ آیت تلاوت کی وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گاؤ کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ - وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان تو قرآن میں نہیں ہے' نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے اور معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان ہے' سلامت روی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں' ہم بھی اس کی تلاش و تفتیش میں نہ پڑیں' بعض نے کہا ہے کہ وہ غضروف کی ہڈی نرم تھی' کوئی کہتا ہے ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا' کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا' کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت' کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے جسے اللہ نے مبہم رکھا ہے' ہم بھی مبہم ہی رکھیں - اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی سے کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنایا - اسی سورت میں پانچ جگہ مرنے کے بعد جینے کا بیان ہوا ہے - ایک تو آیت ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ ② میں اور دوسرا اس قصے میں' تیسرے ان کے قصے میں جو ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے اور ایک اجاڑ بستی پر ان کا گذر ہوا تھا' چوتھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے مار ڈالنے کے بعد زندہ ہو جانے میں' پانچویں زمین کی مردنی کے بعد روئیدگی کو موت و زیستؔ سے تشبیہ دینے میں -

ابوداؤد طیالسی کی ایک حدیث میں ہے' ابورزین عقیلیؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ مردوں کو اللہ تعالیٰ کس

طرح جلائے گا۔ فرمایا کبھی تم بنجر زمین پر گذرے ہو؟ کہا۔ ہاں' فرمایا پھر کبھی اس کو سرسبز و شاداب بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں' فرمایا اسی طرح موت کے بعد زیست ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ الخ یعنی ان منکرین کے لئے مردہ زمین میں بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل پیل کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھائیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا یا پیدا کیا ہوا نہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر گذاری نہ کریں گے؟ کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برانگیختگی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا۔ اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اور حضرت امام مالک کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا' اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً سچ ہی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کڑے اتار لے گیا۔ جب اس کا پتہ نبی ﷺ کو لگا تو آپ نے فرمایا' اس لڑکی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا' ہاں چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے اور امام مالک کے نزدیک جب یہ برانگیختگی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور قسامہ کے لیکن جمہور اس کے مخالف اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ
قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ
مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ
خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو ○

پتھر دل لوگ: ☆☆ (آیت: ۷۴) اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر بن گئے۔ اسی لئے ایمان والوں کو اس طرح کی سختی سے روکا گیا اور کہا گیا اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل لمبا زمانہ گذرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو

کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گذر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں چاہے وہ بہنے کے قابل نہ ہوں- بعض پتھر خوف الٰہی سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے، کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے- یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے- اور جگہ ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو- اللہ تعالیٰ حلم و بردباری والا اور بخشش و عفو والا ہے- ابو علی جبائیؒ نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں، رازی بھی غیر درست بتلاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ اس میں لفظی معنی بے دلیل کو چھوڑنا لازم آیا ہے- واللہ اعلم- نہریں بہہ نکلنا زیادہ رونا ہے- پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے- گر پڑنا دل سے ڈرنا- بعض کہتے ہیں، یہ مجازاً کہا گیا جیسے اور جگہ ہے يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ یعنی دیوار گر پڑنا چاہ رہی تھی- ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے- حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا-

رازی رحمۃ اللہ علیہ، قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں، ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں- اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے- دیکھئے اس کا فرمان ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الخ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا- انہوں نے اس کے اٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے- اوپر آیت گذر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّالنَّجْمُ وَّالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ② یعنی اکاس بیل اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ الخ اور فرمایا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ زمین و آسمان نے کہا ہم خوشی خوشی حاضر ہیں اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ جاتے- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ الخ یعنی گناہ گار لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم سے اس اللہ نے بات کرائی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے-

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں- ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضورؐ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا- صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا، یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا اور اس طرح کی بہت سی آیات اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام باتیں حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر- آیت میں لفظ ''او'' جو ہے اس کی بابت قرطبیؒ اور رازیؒ تو کہتے ہیں کہ یہ تخییر کے لئے ہے یعنی ان کے دلوں کو خواہ جیسے پتھر سمجھ لو یا اس سے بھی زیادہ سخت- رازیؒ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لئے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں- بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے زیادہ سخت ہیں- واللہ اعلم-

اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں، وہ بھی سن لیجئے- اس پر تو اجماع ہے کہ آو شک کے لئے نہیں- یا تو یہ معنی میں واو کے ہے یعنی اس کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا

میں اور عُذْرًا اَوْ نُذْرًا میں شاعروں کے اشعار میں او واؤ کے معنی میں جمع کے لئے آیا ہے یا او یہاں پر معنی میں بل یعنی بلکہ کے ہے جیسے کَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً میں اور اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں اور فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جیسے ہیں یا سختی میں تمہارے نزدیک اس سے بھی زیادہ۔ بعض کہتے ہیں صرف مخاطب پر ابہام ڈالا گیا ہے اور یہ شاعروں۔ کے شعروں میں بھی پایا جاتا ہے کہ باوجود پختہ علم و یقین کے صرف مخاطب پر ابہام ڈالنے کے لئے ایسا کلام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی ہم یا تم صاف ہدایت یا کھلی گمراہی پر ہیں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ہدایت پر ہونا اور کفار کا گمراہی پر ہونا یقینی چیز ہے لیکن مخاطب کے ابہام کے لئے اس کے سامنے کلام مبہم بولا گیا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت یعنی بعض ایسے، اس قول کے مطابق یہ بھی ہے کمثل الذی استوقد نارا پھر فرمایا او کصیب اور فرمایا ہے کسراب پھر فرمایا او کظلمات مطلب یہی ہے کہ بعض ایسے اور بعض ایسے۔ واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اور اس کے ایک طریقہ کو غریب کہا ہے۔ بزار میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں۔ خوف الٰہی سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا، دل کا سخت ہو جانا، امیدوں کا بڑھ جانا، لالچی بن جانا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ
بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کلام اللہ کو سن کر عقل و علم ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے تھے ○ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں۔ کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی ○ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہرداری سب کو جانتا ہے ○

یہودی کردار کا تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۷) اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور آپ کے صحابہؓ کو ناامید کر رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی اپنے دل سخت پتھر جیسے بنا لئے، اللہ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ الخ یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ اللہ کے کلام کو ردوبدل کر ڈالا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰؑ کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپؑ سے اللہ کا کلام اپنے کانوں سے

سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پہاڑ پر پہنچ کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کر دی۔ سدیؒ فرماتے ہیں' ان لوگوں نے توراۃ میں تحریف کی تھی۔ یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بدخصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ آنحضرتؐ کے جو اوصاف ان کی کتاب میں تھے' ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب دور کر دیا تھا' اسی طرح حلال کو حرام' حرام کو حلال' حق کو باطل' باطل کو حق لکھ دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینی اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی ہاں کبھی کبھی جبکہ رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا' ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا' مریدوں سے بھی الگ ہوتے تو حق بات بھی کہہ دیا کرتے۔ مسلمانوں سے ملتے تو کہہ دیا کرتے کہ تمہارے نبی سچے ہیں۔ یہ برحق رسول ہیں لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے' عربوں سے یہ باتیں کیوں کہتے ہو۔ پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے۔ اللہ کے ہاں بھی تمہیں لاجواب کر دیں گے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا' جاؤ کہہ دو ہم بھی ایمان لاتے ہیں اور یہاں آؤ تو پھر ویسے ہی رہو۔ جیسے تھے۔ پس یہ لوگ صبح آ کر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا' ایمان والوں پر جو اترا ہے اس پر دن کے شروع حصہ میں ایمان لاؤ پھر آخر میں کفر کرو تا کہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے والوں کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالاکی نہ چلی اور یہ راز اللہ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ ان سے پوچھتے' کیا تمہاری کتاب میں حضورؐ کی بشارت وغیرہ نہیں؟ وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے' اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کی اپنی مخالفت کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو؟ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا' اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو! تو وہ آپس میں کہنے لگے' یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتا دیں' خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آ جائیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ یہ جو چپکے چپکے اپنے والوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو میں تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں اور تم جو اپنا ایمان ظاہر کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ
هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا

قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں ○ ان لوگوں کے لئے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں' ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور افسوس ہے ○

امی کا مفہوم اور ویل کے معنی: ☆☆ (آیت: ۷۸-۷۹) امی کے معنی وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو امیون اس کی جمع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صفتوں میں ایک صفت ''امی'' بھی آئی ہے اس لئے کہ آپ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قران کہتا ہے وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ یعنی تو اے نبی اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو شاید ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں' نہ لکھنا جانیں نہ حساب' مہینہ کبھی اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا' پہلی بار تو آپ نے دونوں ہاتھوں کی کل انگلیاں تین بار نیچے کی طرف جھکائیں یعنی تیس دن کا دو بار اور تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ بنا لیا یعنی انتیس دن کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتیں اور ان کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں بے پڑھے آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر امی انہیں کہا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے۔ دوسرے اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ امانی کے معنی باتیں اور اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ''کذب''، ''آرزو''، ''جھوٹ کے معنی بھی کئے گئے ہیں' تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ یہاں تلاوت کے معنی صاف ہیں۔ شعراء کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور اس پر ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور گمراہی کی طرف دوسروں کو بلاتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ہڑپ کرتے تھے۔

ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو دھول ہو جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے۔ چالیس سال کے بعد تلے میں پہنچیں گے' اتنی گہرائی ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے منکر بھی ہے اور ضعیف بھی ہے اور ایک غریب حدیث میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ویل ہے یہودیوں نے توراۃ کی تحریف کر دی۔ اس میں کمی یا زیادتی کی' آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا' اس لئے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور توراۃ اٹھا لی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے اور ان کی کمائی برباد اور ہلاک ہو۔ ویل کے معنی سخت عذاب' برائی' ہلاکی' افسوس' درد' دکھ' رنج و ملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ویل' ویح' ویش' ویہ' ویك' ویب سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کئے ہیں لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لئے اسے مبتدا بنا دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز سمجھا ہے لیکن ویلا کی قرات نہیں۔ یہاں یہودیوں کے علماء کی بھی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے اور اپنے والوں کو خوش کر

کے دنیا کماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی، اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دیا، اس کی تشہیر کی۔ پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تبدیل کردہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو۔ تھوڑے مول سے مراد ساری دنیا مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں کمتر ہے۔ اور جنت کے مقابلہ میں بے حد حقیر چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ رب العزت کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو ○

چالیس دن کا جہنم: ☆☆ (آیت: ۸۰) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن تک آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ ان کے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی بعض کا قول ہے کہ یہ دھوکہ انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراۃ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے۔ پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپؐ کی امت۔ آپؐ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں بلکہ تم ہی تم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، فتح خیبر کے بعد حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہاں کے یہودیوں کو جمع کر لو۔ پھر ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا۔ وہی ہمارا باپ ہے آپ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ سچ بتانا، انہوں نے کہا اے ابوالقاسم ﷺ اگر جھوٹ کہیں گے تو آپؐ کے سامنے نہ چل سکے گا۔ ہم تو آزما چکے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپؐ کی امت، آپؐ نے فرمایا، غلو ہرگز نہیں پھر فرمایا اچھا بتلاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اگر آپؐ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز ضرر نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپؐ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ (مسند احمد، بخاری، نسائی)

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔــتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع ۱۱

یقیناً جو بھی برے کام اور اس کی نافرمانیاں اسے گھیر لیں' وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے ○

جہنمی کون؟: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہے' وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ' رسول پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے' وہ جنتی ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ الخ یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے' ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی کرنے والا ثواب پائے گا۔ اپنی نیکوکاری کا اجر پائے گا مگر برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کسی مرد کا' عورت کا اور بھلے آدمی کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابووائلؒ' ابوالعالیہؒ' مجاہدؒ' عکرمہؒ' حسنؒ' قتادہؒ' ربیع بن انسؒ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں' مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہہ بہ تہہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ فرماتے ہیں' مراد شرک ہے' جس کے دل پر بھی قابض ہو جائے۔ ربیع بن خثیمؒ کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو' وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں' دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے کر آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم ایسے عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان پختہ ہے۔ تمہاری بداعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال مستحکم ہیں' انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ کی مسکن جنتیں ملیں گی۔ اور اللہ کے عذاب و ثواب دونوں لازوال ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٨٣﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا' اسی طرح قرابت داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا۔ نمازیں قائم رکھنا اور زکوتیں دیتے رہا کرنا۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا ○

معبودان باطل سے بچو: ☆☆ (آیت:۸۳) بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا' ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں' یہ حکم صرف بنو اسرائیل کو ہی نہیں بلکہ تمام مخلوق کو دیا گیا ہے فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں۔ سب لوگ میری ہی عبادت کریں اور فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ

اس کی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ اب حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے۔ بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق سب سے بڑا ہے۔ اسی لئے پہلے ان کا حق بیان کیا گیا ہے ارشاد ہے اَنْ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان۔ اور جگہ فرمایا وَقَضٰی رَبُّکَ الخ تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' یا رسول اللہؐ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز کو وقت پر ادا کرنا' پوچھا اس کے بعد فرمایا' ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے پوچھا حضورؐ میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا' اپنی ماں کے ساتھ' پوچھا پھر کس کے ساتھ' فرمایا؟ اپنی ماں کے ساتھ' پھر پوچھا کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ اور قریب والے کے ساتھ پھر اور قریب والے کے ساتھ۔ آیت میں لَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت لَا تَعْبُدُوْا کے مبالغہ زیادہ ہے۔ ''طلب'' یہ خبر معنی میں ہے۔ بعض لوگوں نے اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا بھی پڑھا ہے۔ ابی اور ابن مسعودؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ لَا تَعْبُدُوْا پڑھتے تھے۔ یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست باپ نہ ہو مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں۔ اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ العظیم سورہ نساء کی اس معنی کی آیات میں آئے گی۔ پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو۔ بھلی باتوں کا حکم دو اور برائی سے روکا کرو۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو۔ برائی سے روکو۔ بردباری' درگذر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنالو۔ یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو' اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کر لیا کرو (مسند احمد)۔

پس قرآن کریم نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا۔ پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا۔ پھر اچھی باتیں کہنے کا۔ پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا۔ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے پابند عہد رہے۔ اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا۔ فرمایا وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ' رشتہ داروں کے ساتھ' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ' قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ' اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ' ہم مشرب مسلک کے ساتھ' مسافروں کے ساتھ' لونڈی غلاموں کے ساتھ سلوک' احسان اور بھلائی کیا کرو۔ یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ الحمد للہ کہ یہ امت بہ نسبت اور امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں اور ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اسد بن وداعہؓ سے مروی ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کیا کرتے تھے اور یہ دلیل دیتے تھے کہ فرمان باری ہے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا لیکن یہ اثر غریب ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں صاف موجود ہے کہ یہود نصاریٰ کو ابتداً السلام علیک نہ کیا کرو۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ
مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ
اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ
دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ
اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ
ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ
اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٨٥ اُولٰۗىِٕكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝٨٦

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو بلاوطن نہ کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے ○ لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی۔ ہاں قیدی بن کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیئے دیئے لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے' اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے مول لیا ہے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

اوس وخزوج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد: ☆☆ (آیت:۸۴-۸۶) اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اسلام ست پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی۔ آپس میں ہمیشہ جنگ وجدال رہتا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے۔ بنی قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرفدار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے۔ بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس وخزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے۔ دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے' دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال ودولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل نہ کرو' گھروں سے نہ نکالو۔ اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو۔ یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کے مانند ہیں۔ حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی' اخوت' صلہ رحمی اور رحم وکرم میں ایک جسم کے مثل ہیں۔ کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بے تاب ہو جاتا ہے۔ بخار چڑھ جاتا ہے۔ راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک مسلمان کے لئے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے۔

عبد خیرؒ کہتے ہیں' ہم سلمان بن ربیعہؒ کی ماتحتی میں ''بلنجر'' میں جہاد کر رہے تھے۔ محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک یہودلونڈی کو سات سو میں خریدا۔ راس الجالوت

کے پاس جب ہم پہنچے تو حضرت عبداللہ اس کے پاس گئے اور فرمایا یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے- میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے- اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو- اس نے کہا بہت اچھا- میں چودہ سو دیتا ہوں- آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم نہیں بیچوں گا- اس نے کہا' پھر میں نہیں خریدتا- آپ نے کہا' سن یا تو' تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا- توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو- اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھر سے بے گھر بھی نہ کیا کرو- اب یا تو توراۃ کو مان کر اسے خرید یا توراۃ کا منکر ہونے کا اقرار کر- وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام ہو- آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا' آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے-

بعض روایتوں میں ہے کہ راس الجالوت کوفہ میں تھا- یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں- اس پر حضرت عبداللہ نے اسے توراۃ کی یہ آیت سنائی- غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے- امانتداری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی- نبی ﷺ کی صفتیں' آپ کی نشانیاں' آپؐ کی نبوت کی تصدیق' آپ کی جائے پیدائش' جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضورؐ کی مخالفت کرتے تھے- اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کا عذاب بھی-

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا
كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰؑ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے اور رسول بھی بھیجے اور ہم نے (حضرت) عیسیٰؑ بن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبعیتوں کے خلاف تھی تو تم نے جھٹ سے تکبر کیا- بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا ○

خود پرست اسرائیلی: ☆☆ (آیت: ۸۷) بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ توراۃ میں تحریف و تبدل کیا حضرت موسیٰؑ کے بعد انہی کی شریعت اور آنے والے انبیاء کی بھی مخالفت کی چنانچہ فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ الخ یعنی ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا جس پر انبیاء خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو بھی ان کے علماء اور درویش ان پر عمل کرنے کا حکم کرتے تھے- غرض پے در پے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا- انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام توراۃ کے خلاف بھی تھے- اسی لئے انہیں نئے نئے معجزات بھی ملے جیسے مردوں کو بحکم رب العزت زندہ کر دینا' مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مار کر بحکم رب العزت اڑا دینا' بیماروں کو اپنے دم جھاڑے سے اللہ کے حکم سے اچھا کر دینا' بعض بعض غیب کی خبریں رب العزت کے معلوم کرانے سے دینا وغیرہ آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبرئیل کو لگا دیا لیکن بنی اسرائیل اپنے کفر اور تکبر میں اور بڑھ گئے اور زیادہ حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے- کہیں جھٹلاتے اور کہیں مار ڈالتے تھے محض اس بنا پر کہ انبیاء کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی- ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و

احکام ان کی قبولیت سے ٹکراتے تھے- اس لئے دشمنی پر تل جاتے تھے- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباس، محمد بن کعب، اسمٰعیل بن خالد، سدی، ربیع بن انس، عطیہ، عوفی اور قتادہؒ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسے قرآن شریف میں اور جگہ ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ یعنی اسے لے کر روح امین اترے ہیں- صحیح بخاری میں تعلیقاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسانؓ شاعر کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا- وہ مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپؐ ان کے لئے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عزوجل حسان کی مدد روح القدوس سے فرما جیسے کہ یہ تیرے نبی کی طرف سے جواب دیتے ہیں-

صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے آپ کی طرف تیز نگاہیں اٹھائیں تو آپؓ نے فرمایا، میں تو اس وقت بھی ان شعروں کو یہاں پڑھتا تھا جب یہاں تم سے بہتر شخص موجود تھے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا ابو ہریرہ تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا؟ کہ اے حسانؓ تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے، اے اللہ تو حسان کی تائید روح القدس سے کر- حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، ہاں اللہ کی قسم میں نے حضورؐ سے یہ سنا ہے-

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، حسان تم ان مشرکین کی ہجو کرو- جبرئیل بھی تمہارے ساتھ ہیں- حضرت حسان کے شعر میں بھی جبرئیل کو روح القدس کہا گیا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے کہو- کیا خود تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جبرئیل ہیں اور وہی میرے پاس بھی وحی لاتے ہیں- ان سب نے کہا بیشک (ابن اسحاق) ابن حبان میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں کہا کہ کوئی شخص اپنی روزی اور زندگی پوری کئے بغیر نہیں مرتا- اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو-

بعض نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے- بعض نے کہا ہے فرشتوں کا ایک سردار فرشتہ ہے- بعض کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبرئیل ہے، کسی نے کہا ہے قدس یعنی برکت، کسی نے کہا ہے پاک، کسی نے کہا ہے روح سے مراد انجیل ہے جیسے فرمایا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا یعنی اسی طرح ہم نے تیری طرف روح کی وحی اپنے حکم سے کی- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدوس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسے اور جگہ ہے اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ الخ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب وحکمت، توراۃ وانجیل کے سکھانے کا بیان ہے- معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز، علاوہ ازیں روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے-

قدس سے مراد مقدس ہے جیسے حَاتِمُ جُوْدٍ اور رَجُلُ صِدْقٍ میں روح القدس کہنے میں اور روح منہ کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے- یہ اس لیئے بھی کہا گیا ہے کہ یہ روح مردوں کی پیٹھوں اور حیض والے رحموں سے بے تعلق رہی ہے- بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ روح لی ہے-

پھر فرمایا کہ ایک فرقے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقے کو تم قتل کرتے ہو، جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں مستقبل کا اس لئے کہ ان کا حال آیت کے نزول کے وقت بھی یہی رہا چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اس وقت اس نے رک رک کر جان کاٹ دی-

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ ۙ وَكَانُوْا
مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَاۗءَھُمْ مَّا
عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ نے ملعون کر دیا ہے۔ ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے ○ ان کے پاس جب اللہ کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی جس کے پہلے یہ خود اس کے ساتھ کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے۔ اللہ کی لعنت ہو ان کافروں پر ○

غلف کے معنی: ☆☆ (آیت:۸۸) یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں۔ اب ہمیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے جواب ملا کہ غلاف نہیں بلکہ لعنت الٰہیہ کی مہر لگ گئی ہے' ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا۔ غُلْفٌ کو غُلُفٌ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ الخ یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں اور ہمارے دلوں کے درمیان پردہ ہے' آڑ ہے ان پر مہر لگی ہوئی ہے۔ وہ اسے نہیں سمجھتے' اسی بنا پر وہ نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اسے یاد رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل غلاف والے ہوتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ یہ کفار کے دل ہوتے ہیں۔ سورہ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت ثواب عذاب وغیرہ کے قائل' حضرت موسیٰؑ پر ایمان رکھنے والے' توراۃ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزمان کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپؐ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقعہ پر بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

انکار کا سبب: ☆☆ (آیت:۸۹) جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ کی سچی کتاب لے کر اللہ کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اللہ! تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفتیں ہم توراۃ میں پڑھتے ہیں تا کہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مل کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمنوں سے انتقام لیں۔ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے لیکن جس وقت حضورؐ مبعوث ہوئے' تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں' پہچان بھی لیا' دل سے قائل بھی ہو گئے مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے' حسد کیا اور آپؐ کی نبوت کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لعنت یافتہ ہو گئے بلکہ وہ مشرکین مدینہ جو ان سے یہ سنتے چلے آتے تھے انہیں ایمان نصیب ہوا اور بالآخر حضورؐ کے ساتھ مل کر وہ یہود پر غالب آ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت بشر بن براءؓ حضرت داؤد بن سلمہؓ نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہماری شرک کی حالت میں ہم سے حضورؐ کی نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے مگر اب جب کہ وہ اوصاف جو تم حضرت کے بیان کرتے تھے' وہ تمام اوصاف آپ میں ہیں۔ پھر تم خود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارہ میں نہیں کہتے تھے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے تو مانتے

تھے- منتظر بھی تھے لیکن آپ ﷺ کے آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے ڈر سے صاف انکار کر بیٹھے-

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ
يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ
عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا وہ ان کا کفر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا- اس باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں ○

برا ہو حسد کا: ☆☆ (آیت:۹۰) مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے حضورؐ کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپؐ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا- آپ کی نصرت و امداد کے بدلے مخالفت اور دشمنی کی- اس وجہ سے اپنے آپ کو جس غضب الٰہی کا سزاوار بنایا' وہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سوائے حسد و بغض' تکبر و عناد کے اور کچھ نہیں چونکہ حضورؐ ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے بلکہ آپ عرب میں سے تھے- اس لئے یہ منہ موڑ کر بیٹھ گئے حالانکہ اللہ پر کوئی حاکم نہیں- وہ رسالت کے حق دار کو خوب جانتا ہے- وہ اپنا فضل و کرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے- پس ایک تو توراۃ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب نازل ہوا- دوسرا حضورؐ کے ساتھ کفر کرنے کے سبب نازل ہوا- یا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر نہ ماننے کی وجہ سے اور دوسرا غضب حضرت محمدؐ کو پیغمبر تسلیم نہ کرنے کے سبب سے' سدیؒ کا خیال ہے کہ پہلا غضب بچھڑے کے پوجنے کی بابت تھا دوسرا غضب حضورؐ کی مخالفت کی بنا پر- چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضورؐ کی نبوت سے انکاری ہوئے تھے اور اس حسد بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا' اس لئے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کر دیا گیا تاکہ گناہ کا پورا بدلہ ہو جائے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ میری عبادت سے جو بھی تکبر کریں گے' وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے ''بولس'' نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں کی آگ دوسری تمام آگوں سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ
عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾
وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ
وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں' جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو

ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے، کفر کرتے ہیں۔ اچھا ان سے یہ تو دریافت کرو کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا ○ تمہارے پاس تو موسیٰ یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑا پوجا۔ تم ہو ہی ظالم ○

خود پسند یہودی مورد عتاب: ☆☆ (آیت: ۹۱-۹۲) یعنی جب ان سے قرآن پر اور نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں توراۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں۔ قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضورؐ کی تصدیق موجود ہے، جیسے فرمایا اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآئَہُمۡ یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں پس آپ کے انکار کا مطلب توراۃ انجیل سے بھی انکار کے مترادف ہے۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراۃ اور انجیل پر اگر تمہارا ایمان ہے، پھر اگلے انبیاء جو انہی کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے بغیر کسی نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے تو تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے، نہ اس کتاب پر۔ تم محض خواہش کے بندے، نفس کے غلام، اپنی رائے قیاس کے غلام ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا موسیٰ علیہ السلام سے تو تم نے بڑے بڑے معجزے دیکھے، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ جو ان کی بددعا سے بطور معجزے ظاہر ہوئے۔ لکڑی کا سانپ بن جانا، ہاتھ کا روشن چاند بن جانا، دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ اتارنا، پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے، ادھر تم نے بچھڑے کو اللہ بنا لیا۔ اب بتاؤ کہ خود توراۃ پر اور خود حضرت موسیٰ پر بھی تمہارا ایمان کہاں گیا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰی الخ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور اپنی جانوں پر اس گئوسالہ پرستی سے واضح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡہِمۡ یعنی جب انہیں ہوش آیا، نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے۔ اس وقت کہا اے اللہ یا اگر تو ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری خطا نہ بخشے تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ
بِقُوَّۃٍ وَّاسۡمَعُوۡاؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَاۗ وَاُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ
الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِہِمۡؕ قُلۡ بِئۡسَمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِہٖۤ اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ
مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾ قُلۡ اِنۡ کَانَتۡ لَکُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ اللّٰہِ
خَالِصَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۴﴾
وَلَنۡ یَّتَمَنَّوۡہُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۹۵﴾

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو تو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے دلوں

میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی- ان سے کہہ دو کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایماندار ہو ○ کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو ○ لیکن اپنے کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے- اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

صدائے بازگشت: ☆☆ (آیت:۹۳) اللہ تبارک وتعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں مخالفتیں' سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کر لیا- جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے- اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے- بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی- جیسے کہ حدیث میں ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے-① حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا' گو بچھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا- دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے؟ بار بار کی عہد شکنیاں' کئی بار کے کفر بھول گئے؟ حضرت موسیٰ کے سامنے تم نے کفر کیا- ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے-

مباہلہ اور یہودی مع نصاریٰ: ☆☆ (آیت:۹۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی ﷺ کی زبانی پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ- ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہے اسے ہلاک کر دے- لیکن ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہوں گے- چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لئے کہ وہ دل سے حضور کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے- اگر یہ لوگ اس اعلان کے ماتحت مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے- روئے زمین پر ایک یہودی باقی نہ رہتا- ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لئے موت طلب کرتے تو سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے- اسی طرح جو نصرانی آپ کے پاس آئے تھے' وہ بھی اگر مباہلہ کے لئے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کا نام و نشان بھی نہ پاتے (مسند احمد)

سورہ جمعہ میں بھی اسی طرح کی دعوت انہیں دی گئی ہے آیت قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا آخر تک پڑھئے- ان کا دعویٰ تھا کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں- یہ کہا کرتے تھے لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى جنت میں صرف یہودی اور نصاریٰ ہی جائیں گے اس لئے انہیں کہا گیا کہ آؤ اس کا فیصلہ اس طرح کر لیں کہ دونوں فریق میدان میں نکل کر اللہ سے دعا کریں کہ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر لیکن چونکہ اس جماعت کو اپنے جھوٹ کا علم تھا- اس لئے تیار نہ ہوئی اور اس کا کذب سب پر کھل گیا- اسی طرح جب نجران کے نصرانی حضورؐ کے پاس آئے- بحث مباحثہ ہو چکا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ آؤ ہم تم دونوں اپنی اپنی اولادوں بیویوں کو لے کر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت نازل فرمائے لیکن وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہرگز اس نبی سے مباہلہ نہ کرو- فوراً برباد ہو جاؤ گے چنانچہ مباہلہ سے انکار کر دیا- جھک کر صلح کر لی اور دب کر جزیہ دینا منظور کر لیا- آپؐ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ امین بنا کر بھیج دیا-

اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا یعنی ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے اس کی پوری تفسیر اس آیت کے ساتھ بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ- مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک مرجوح

قول یہ بھی ہے کہ تم خود اپنی جانوں کے لئے موت طلب کرو کیونکہ بقول تمہارے آخرت کی بھلائیاں صرف تمہارے لئے ہی ہیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا لیکن یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا۔ اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی لمبی عمر ہوئی ہو اور اعمال اچھے ہوں علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی۔ ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق مل کر جھوٹے کی ہلاکت اور اس کی موت کی دعا کریں اور اس اعلان کے سنتے ہی یہود تو ٹھنڈے پڑ گئے اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ پیشین گوئی بھی سچی ثابت ہوئی کہ یہ لوگ ہرگز موت طلب نہیں کریں گے۔ اس مباہلہ کا نام اصطلاح میں تمنی رکھا گیا کیونکہ ہر فریق باطل پرست کی موت کی آرزو کرتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا ۚ
يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ
أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ع ۱۰ ۱۱

بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی تو انہی کو پائے گا۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے زیادہ ہیں۔ ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذابوں سے نہیں چھٹا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے ○

(آیت:۹۶) پھر فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے بھی زیادہ طویل عمر کے خواہاں ہیں کیونکہ ان کفار کے لئے دنیا جنت ہے اور ان کی تمنا اور کوشش ہے کہ یہاں زیادہ رہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں' منافق کو حیات دنیوی کی حرص کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ یہودی تو ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ اتنی لمبی عمر بھی انہیں ان عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا مگر انہیں یقین تو تھا لیکن ان کی اپنی سیاہ کاریاں بھی ان کے سامنے تھیں۔ اس لئے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے لیکن ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔ تمام بندوں کے تمام بھلے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدلہ دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ
اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ
فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

(اے نبی) تم کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو جس نے تیرے دل میں پیغام باری اتارا ہے' جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کو سچا بتانے والا اور ایمان والوں کو ہدایت و خوشخبری دینے والا ہے ○ تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے ○ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے ○

خصومت جبرئیل علیہ السلام موجب کفر و عصیان: ☆☆ (آیت:۹۷-۹۸) امام جعفر طبری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس پر تمام

مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرئیلؑ کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیلؑ کو اپنا دوست بتایا تھا' اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن بعض کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضورؐ سے ہوئی تھی' اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا جو مناظرہ حضورؐ کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا' اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبیؑ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کر لو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے۔ انہوں نے آپ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یعقوبؑ کی طرح اللہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتایئے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے تو میں اپنی کھانے کی سب سے زیادہ مرغوب چیز اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ کو پسند خاطر تھا' چھوڑ دیا' تمہیں اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰ پر توراۃ اتاری' بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور سچ ہے۔ بجا ارشاد ہوا۔ اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ نے فرمایا' سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جو بھی غالب آ جائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شبیہ بھی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم الٰہی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے۔ تمہیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر کہا بیشک آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔

آپ نے ان دو باتوں پر اللہ کو گواہ بنایا۔ انہوں نے کہا' اچھا یہ فرمایئے کہ توراۃ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے؟ اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے۔ تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو توراۃ دی' بتاؤ تو میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہماری اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے۔ اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا' میرا ولی جبرئیل ہے۔ وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام کے پاس پیغام باری لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرئیلؑ ہمارا دشمن ہے' وہ سختی اور خون ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے' اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے' نہ آپ کی مانیں گے۔ ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیلؑ وحی لے کر آتے جو رحمت' بارش' پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں' ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ کی تابعداری اور تصدیق کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے' اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب آپؐ کی آمد کی خبر سنی تو حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضور یہ فرمائیے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف۔ آپ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرئیل نے مجھے بتلائے ہیں۔ سنو۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا۔ پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی بطور ضیافت ہوگی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ پھر کہنے لگے حضور یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں۔ اگر انہیں میرا اسلام لانا پہلے معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے کہیں گے آپ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔ اس کے بعد آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا بڑے بزرگ اور دانشور آدمی ہیں بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام قبول کرنے میں تامل نہیں ہوگا؟ کہنے لگے اعوذ باللہ اعوذ باللہ' وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہؓ جو اب تک چھپے ہوئے تھے' باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھا۔ تو تمام کے تمام شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے۔ اس کے باپ دادے بھی برے تھے۔ یہ بڑا نیچے درجہ کا آدمی ہے۔ خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا' حضورؐ اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جَبْرُ مِيْكُ' اِسْرَاف کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرئیل وغیرہ کے معنی عبداللہ ہوئے' بعض لوگوں نے اس کے معنی الٹ بھی کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور اس سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں جیسے عربی میں عبداللہ' عبدالرحمٰن' عبدالملک' عبدالقدوس' عبدالسلام' عبدالکافی' عبدالجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اس طرح ایل ہر جگہ باقی ہے اور اللہ کے اسماء حسنہ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں۔ اسی قاعدے کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرئیل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل وغیرہ۔

اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو جناب عمرؓ سے ہوئی تھی۔ شعبہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ روحاء میں آئے۔ دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر ایک پتھروں کے تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی ہے۔ آپؓ بہت ناراض ہوئے کہ حضورؐ کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پہلے چلے جایا کرتے تھے۔ اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتلایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے۔

میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کی سچائی کی تصدیق کرتی ہے۔ یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا تو راستے سے حضور نکلے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبیؐ وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا' میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو بتلاؤ' تمہیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو۔ اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ کی کتاب تم میں موجود ہے۔ ذرا رب کی قسم کھا کر بتاؤ' کیا تم حضور کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے۔ ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا' اس نے کہا اس شخص نے

اتنی سخت قسم دی ہے- تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا' حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں- ذرا آپ ہی جواب دیجئے- اس لاٹ پادری نے کہا سنئے جناب- آپ نے زبردست قسم دی ہے لہذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضورؐ اللہ کے سچے رسول ہیں- میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں- کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرئیل ہیں جو نہایت سختی' تنگی' شدت' عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں- ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں- اگر وحی لے کر حضرت میکائیل آتے جو رحمت و رافت' تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا- میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزلت ہے؟ انہوں نے کہا' ایک تو جناب باری کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف- میں نے کہا' اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں' جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو- اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی کیونکہ جبرئیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتا اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا- نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن' اللہ تبارک و تعالیٰ کا دوست ہو سکتا ہے' نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے' نہ کوئی کام کر سکتا ہے- واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف- سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو' اس کے فرشتوں' اس کے رسولوں اور جبرائیل و میکائیل کا دشمن ہو تو اس کافر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے- اتنا کہہ کر میں چلا آیا- حضور ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے- میں نے کہا حضور سنائیے- آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی- میں نے کہا حضورؐ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں- یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں- میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر' سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچا دی- ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے- سند متصل نہیں- شعبیؒ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا-

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں- اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں- وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں- کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہوتا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام نبیوں کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے- خود اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے نہ ماننے والوں کو کافر فرمایا ہے- فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ الخ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے دوسری آیت کے آخر تک- پس ان آیتوں میں صراحتاً ان لوگوں کو کافر کہا جو کسی ایک رسول کو بھی نہ مانیں- اسی طرح جبرئیل کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے- قرآن فرماتا ہے وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ الخ یعنی ہم اللہ کے حکم کے سوا نہیں اترتے' یہ نازل کیا ہوا رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے- صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنے والا ہے- قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کی تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لئے جنت کی خوش خبری دیتا ہے جیسے فرمایا هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ فرمایا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت و شفا ہے- رسولوں میں انسانی رسول اور ملکی رسول سب شامل ہیں جیسے فرمایا اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے اپنے رسول چھانٹ لیتا ہے- جبرئیل اور میکائیل بھی فرشتوں میں ہیں لیکن ان کا خصوصاً نام لیا تاکہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہودی جان لیں کہ ان میں سے

ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے۔ حضرت میکائیل بھی کبھی کبھی انبیاء کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی ﷺ کے ساتھ شروع شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبرئیلؑ ہیں۔ جیسے حضرت میکائیل روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور جیسے حضرت اسرافیل صور پھونکنے پر۔ ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تب یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَائِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اے اللہ! اے جرائیل' میکائیل' اسرافیل کے رب' اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے اے ظاہر و باطن کو جاننے والے' اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے۔ اے اللہ اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر' تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ لفظ جبرئیل وغیرہ کی تحقیق اور اس کے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت عبدالعزیز بن عمرؒ فرماتے ہیں' فرشتوں میں حضرت جبرئیل کا نام خادم اللہ ہے۔ ابو سلیمانی دارانی یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے' یہ ایک روایت میری روایتوں کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ جبرئیل اور میکائیل کے لفظ میں بہت سارے لغت ہیں اور مختلف قرات ہیں جن کے بیان کی مناسب جگہ کتب لغت ہیں۔ ہم کتاب کے حجم کو بڑھانا نہیں چاہتے کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم کا مفاد ان پر موقوف نہیں۔ اللہ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔ آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کا دشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ اسے عربی میں مضمر کی جگہ مظہر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا یوں کہا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی' اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کا دشمن' اللہ بھی اس کا دشمن اور جس کا دشمن خود اللہ قادر مطلق ہو جائے' اس کے کفر و بربادی میں کیا شبہ رہ گیا؟ صحیح بخاری کی حدیث پہلے گذر چکی کہ اللہ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں اور حدیث میں ہی ہے جس کا دشمن میں ہو جاؤں' وہ برباد ہو کر ہی رہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾
اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا ○ یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں ○

سلیمان علیہ السلام جادوگر نہیں تھے: ☆☆ (آیت: ۱۰۰) یعنی اے محمد ﷺ ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں' نازل فرما دی ہیں یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ' ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں' ان کی تحریف و تبدیلی احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجز نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرما دیئے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض روک دے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک امی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا حکمتوں والا کلام کہا

نہیں جا سکتا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابن صوریا قطوینی نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپؐ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں نہ آپؐ کے پاس کوئی ایسی روشن دلیلیں ہیں۔ اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزمان کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کی اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے۔ نبذ کا معنی پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو اور عہد باری کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا' اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا' ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے ○

(آیت:۱۰۱) دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضورؐ کا ذکر موجود تھا۔ فرمایا یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ یعنی یہ لوگ توراۃ و انجیل میں حضورؐ کا ذکر موجود پاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہمارا پیغمبر ان کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب سے بے پرواہی برت کر اس طرح اسے چھوڑ دیا جیسے کوئی علم ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ
سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ
اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ
حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا
مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ
بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ
وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڟ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ۱۲ ع ۷ ۱۲

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین حضرت سلیمانؑ کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمانؑ نے تو یہ کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک

آزمائش ہیں تو کفر نہ کر- پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے مرد و عورت میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے - یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے تئیں فروخت کر رہے ہیں کاش کہ یہ جانتے ہوتے ○ اگر یہ لوگ ایمان دار متقی بن جاتے تو اللہ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا اگر یہ جانتے ہوتے ○

(آیت:۱۰۲-۱۰۳) بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضورؐ پر جادو کیا جس کی اطلاع آپ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپؐ کو شفا ملی- توراۃ سے تو حضورؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ تو اس کی تصدیق کرنے والی تھی تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابوں کی پیروی کرنے لگے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے' نفسانی خواہشیں سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا- یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ باجے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز مَا تَتْلُو الشَّيٰطِيْنُ میں داخل ہے-

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ بیت الخلاء جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادہ کو دے جاتے - جب حضرت سلیمانؑ کی آزمائش کا وقت آیا' اس وقت ایک شیطان جن آپؑ کی صورت میں آپؑ کی بیوی صاحبہ کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو دے دی گئی - اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا - تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے - حکومت کرنے لگا - ادھر جب حضرت سلیمانؑ واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمانؑ لے گئے - آپؑ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ان دنوں میں شیاطین نے جادو' نجوم' کہانت' شعر و اشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمانؑ کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں - آپؑ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا - آپؑ پھر تخت و تاج کے مالک ہوئے - عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمانؑ کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے' ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جا سکتے تھے' اس لئے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں - بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمانؑ کی نبوت سے منکر ہو گئے اور آپؑ کو جادوگر کہنے لگے - آنحضرت ﷺ نے اس بات کی عقدہ کشائی کی اور فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے - حضرت سلیمانؑ اس سے بری الذمہ ہیں -

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا - آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے - فرمایا عراق کے کس شہر سے - اس نے کہا کوفہ سے - پوچھا - وہاں کیا خبریں ہیں - اس نے کہا - وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علیؓ انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے - آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے - اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح نہ کرتیں - سنو! شیاطین آسمانی باتیں چرالایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے' حضرت سلیمانؑ نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں - آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں - وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں - اسی کا ذکر اس آیت وَاتَّبَعُوْا الخ میں ہے -

اس زمانہ میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں - حضرت سلیمانؑ نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا' اس کی گردن ماری جائے گی - بعض روایتوں میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمانؑ

بن داؤدؑ کے وزیر اعظم، مشیر خاص اور دلی دوست تھے۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمانؑ نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے۔ اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ کے سچے نبی نے ایک سچے نبی کی برات کی اور یہودیوں کے اس عقیدے کا ابطال کیا۔ وہ حضرت سلیمانؑ کا نام نبیوں کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے۔ اس لئے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمانؑ نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے۔ پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر تنتر بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا بطلان ان آیات کریمہ میں ہے۔ یہ یاد رہے کہ ''عَلٰی'' یہاں پر ''فِیْ'' کے معنی میں ہے یا ''تَتْلُوْا'' متضمن ہے تَکْذِیْبُ کا، یہی اولی اور احسن ہے۔ واللہ اعلم۔

خواجہ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمانؑ کا حضرت موسیٰؑ کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤدؑ اور جالوت کے قصے میں ہے مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ یعنی تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ پھر فرماتا ہے وَمَآ اُنْزِلَ الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر ''ما نافیہ ہے'' یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ پر ہے۔ یہودیوں کے اس دوسرے اعتقاد کی کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے، اس آیت میں تردید ہے۔

ہاروت ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے۔ تثنیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ میں یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے سرفہرست دیا گیا ہے۔ قرطبیؒ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے۔ اس کے سوا کسی اور معنی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جادو اللہ کا نازل کیا ہوا نہیں۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں، ان پر کوئی جادو نہیں اترا۔ اس بنا پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہوگا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہودیو تمہارا خیال جبرئیلؑ و میکائیلؑ کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بابل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؒ اسے اس طرح پڑھتے تھے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلِکَیْنِ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ یعنی داؤد و سلیمان دونوں بادشاہوں پر بھی جادو نہیں اتارا گیا یا یہ کہ وہ اس سے روکتے تھے کیونکہ یہ کفر ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس کا زبردست رد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ''مَا'' معنی میں الَّذِیْ کے ہے اور ہاروت ماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کی طرف اتارا ہے اور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لئے انہیں جادو کی تعلیم دی ہے لہٰذا ہاروت ماروت اس فرمان باری تعالیٰ کو بجا لا رہے ہیں۔

ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ یہ جنوں کے دو قبیلے ہیں۔ مَلِکَیْنِ یعنی دو بادشاہوں کی قرات پر انزال خلق کے معنی میں ہوگا جیسے فرمایا وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ اور فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ اور کہا وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا یعنی ہم نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کئے، لوہا بنایا، آسمان سے روزیاں اتاریں۔ حدیث میں ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ دَاءً یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں، ان سب کے علاج بھی پیدا کئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بھلائی برائی کا نازل کرنے والا اللہ ہے یہاں سب جگہ انزال یعنی پیدائش کے معنی میں ہے ایجاد یعنی لانے اور اتارنے کے معنی میں نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی اکثر سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون بسط و طول کے ساتھ ہے جو ابھی بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ فرشتے تو معصوم ہیں۔ وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی عام

فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے۔ جیسے کہ ابلیس کی بابت آپ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ الخ کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن عمرؓ' کعب احبارؒ' حضرت سدیؒ' حضرت کلبیؒ یہی فرماتے ہیں۔

اب اس حدیث کو سنئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر برے لوگ ہیں۔ کیسے نافرمان اور سرکش ہیں۔ ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کر لو۔ میں ان میں انسانی خواہشات پیدا کرتا ہوں اور انہیں انسانوں میں بھیجتا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدمؑ کو تو میں نبیوں کے ذریعہ اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلاواسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' زنا نہ کرنا' شراب نہ پینا' اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کے لئے حسین و شکیل عورت کی صورت میں ان کے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ مفتوں ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا' اس نے کہا' اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا' وہ چلی گئی' پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو مجھے تمہاری خواہش پوری کرنی منظور ہے۔ انہوں نے اسے بھی نہ مانا' وہ پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا۔ اب نشہ میں مست ہو کر زناکاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے' سب تم نے کر ڈالے۔ یہ نادم ہوئے' انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کئے۔ صحیح ابن حبان' مسند احمد' ابن مردویہ' ابن جریر' عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے۔ اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی اللہ کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے۔

ابن مردویہ کی روایت میں یہی ہے کہ ایک رات کو اثنائے سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ کیا زہرہ تارا نکلا؟ اس نے کہا نہیں۔ دو تین مرتبہ سوال کے بعد کہا۔ اب زہرہ طلوع ہوا تو فرمانے لگے اس سے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے۔ حضرت نافعؒ نے کہا حضرت اک ستارہ جو حکم اللہ سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپؓ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر اس کے بعد مندرجہ بالا حدیث باختلاف الفاظ سنائی لیکن یہ بھی غریب ہے۔ حضرت کعبؒ والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقوف ہے اور ممکن ہے کہ وہ بنی اسرائیل روایت ہو۔ واللہ اعلم۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی اس قسم کی روایتیں بہت کچھ منقول ہیں۔ بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی۔ اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو انہوں نے سکھا دی۔ یہ پڑھ کر چڑھ گئی اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی۔ بعض مرفوع روایتوں میں بھی یہ ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اس کے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں جن سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں۔ ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کو اختیار کر لو۔ انہوں نے دنیا کا عذاب چن لیا چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے' ان میں قتل سے اور مال حرام سے ممانعت بھی کی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ

حکم عدل کے ساتھ کریں۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا۔ پھر دو کی آزمائش ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دنیاوند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور نبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی۔ جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا' پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف حکم دو تو مجھے منظور ہے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتا دو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی۔ اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہیں ستارے کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب کبھی زہرہ ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے۔ اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکے۔ سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ پہلے پہل چند دنوں تک تو فرشتے ثابت قدم رہے۔ صبح سے شام تک فیصلہ عدل کے ساتھ کرتے رہتے۔ شام کو آسمان پر چڑھ جاتے۔ پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا الغرض ہاروت ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے جیسے مجاہدؒ سدیؒ حسنؒ بصریؒ قتادہؒ ابوالعالیہؒ زہریؒ ربیع بن انسؒ مقاتل بن حیانؒ وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین اور متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر دارو مدار بنی اسرائیل کی کتابوں پر ہے۔ کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں اس قدر بسط و تفصیل ہے پس ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن میں ہے صحیح اور درست ہے اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ مسند احمد ابن حبان' بیہقی وغیرہ کی مرفوع حدیث حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ ابن مسعودؓ وغیرہ کی موقوف روایات تابعین وغیرہ کی تفاسیر وغیرہ ملا کر اس واقعہ کی بہت کچھ تقویت ہو جاتی ہے نہ اس میں کوئی محال عقلی ہے نہ اس میں کسی اصول اسلامی کا خلاف ہے پھر ظاہر سے بے جاہٹ اور تکلفات اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی واللہ اعلم) (فتح البیان)

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے۔ اسے بھی سنئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دومتہ الجندل کی ایک عورت حضورؐ کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپؐ کی تلاش میں آئی اور آپؐ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پیٹنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر لاپتہ کہیں چلا گیا' ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا۔ اس نے کہا' جو میں کہوں' وہ کرو۔ وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا میں تیار ہو گئی وہ رات کے وقت دو کتے لے کر میرے پاس آئی ایک پر وہ خود سوار ہوئی اور دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل پہنچ گئیں میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے مجھ سے کہا ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔

میں نے ان سے کہا' انہوں نے کہا' سن ہم تو آزمائش میں ہیں۔ تو جادو نہ سیکھ' اس کا سیکھنا کفر ہے۔ میں نے کہا میں تو سیکھوں گی انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے چلی آ۔ میں گئی۔ ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی۔ میں واپس آ گئی اور کہا میں فارغ ہو آئی ہوں۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے۔ ابھی تو کچھ نہیں بگڑا۔ تیرا ایمان ثابت ہے۔ اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر۔ میں نے کہا' مجھے تو جادو سیکھنا ہے۔ انہوں نے پھر کہا۔ جا اور اس تنور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ مانا۔ واپس آئی۔ پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے۔ میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے

کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھڑ سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ واپس چلی آئی۔ ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے۔ وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا۔ اب جا چلی جا میں آئی اور اس بڑھیا سے کہا۔ انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا بس تجھے کچھ آ گیا۔ اب تو جو کہے گی، ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا، اگ جا، وہ فوراً اگ آیا۔ میں نے کہا۔ تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئے۔ میں نے کہا سوکھ، جا وہ بال سوکھ گئے، میں نے کہا، الگ الگ دانہ ہو جا، وہ بھی ہو گیا، پھر میں نے کہا سوکھ جا تو سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا۔ آٹا بن جا تو آٹا بن گیا میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی، یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المومنین قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ میں یونہی روتی پیٹتی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوگئی کہ حضورؐ سے کہوں لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ کو بھی میں نے نہ پایا۔ اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر چپ ہوگئی۔ سب کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرامؓ بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں؟ آخر بعض صحابہؓ نے کہا، اب سوا اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو۔ توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گذاری کرتی رہو۔

یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں تامل ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی اٹکل اور رائے قیاس سے گھڑ گھڑا کر بنانے میں بالکل نہیں۔ رکتے اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''عین'' چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں۔ صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے۔ اصل چیز جیسی ہوتی ہے، ویسی ہی رہتی ہے جیسے قرآن میں ہے سَحَرُوٓا اَعۡیُنَ النَّاسِ الخ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی حضرت موسیٰؑ کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دنیاوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بابل کی زمین میں جا رہے تھے۔ عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپؓ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ زمین ملعون ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور امام صاحب نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور جس حدیث کو حضرت امام ابوداؤد اپنی کتاب میں لائیں اور اس کی سند پر خاموشی کریں تو وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بابل کی سرزمین میں نماز مکروہ ہے جیسے کہ ثمودیوں میں نہ جاؤ۔ اگر اتفاقاً جانا پڑے تو خوف اللہ سے روتے ہوئے جاؤ۔ ہیئت دانوں کا قول ہے کہ بابل کی دوری بحر غربی اوقیانوس سے ستر درجہ لمبی اور وسط زمین سے جنوب کی جانب بخط استوا سے تیئس درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔ چونکہ ہاروت ماروت کو اللہ تعالیٰ نے خیر و شر، کفر و ایمان کا علم دے رکھا ہے، اس لیئے ہر ایک کفر کی طرف جھکنے والے کو نصیحت کرتے ہیں اور ہر طرح روکتے ہیں۔ جب نہیں مانتا تو وہ اسے کہہ دیتے ہیں، اس کا نور ایمان جاتا رہتا ہے۔ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے شیطان اس کا رفیق کار بن جاتا ہے، ایمان کے نکل جانے کے بعد غضب اللہ اس کے روم روم میں گھس جاتا ہے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرات نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا، آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہے اِنۡ هِیَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچ سمجھے۔ اس نے حضرت محمد ﷺ پر اتری ہوئی وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار) یہ حدیث صحیح

ہے اور اس کی تائید میں اور حدیثیں بھی آئی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت ماروت سے جادو سیکھتے ہیں جس کے ذریعے برے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے۔ سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے میں نے فلاں کو اس طرح گمراہ کر دیا، کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا، شیطان ان سے کہتا ہے، کچھ نہیں یہ تو معمولی کام ہے یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ یہاں تک کہ جدائی ہوگئی۔ شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا، اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ پس جادوگر بھی اپنے جادو سے وہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات و اطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں، یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آ جائے وغیرہ وغیرہ۔ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے۔ ''مرا'' کہتے ہیں اس کا مذکر مونث اور تثنیہ تو ہے، جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا۔ یہ کسی کو بھی بغیر اللہ کی مرضی کے ایذا نہیں پہنچا سکتے یعنی اس کے اپنے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے، وہ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان دہ ہے جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی جانتے ہیں کہ رسول کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان کی قدر و وقعت اللہ کے پاس ہے نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی کو محسوس کرتے اور ایمان و تقویٰ برتتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر تھا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ اہل علم نے کہا، تم پر افسوس ہے، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پا سکتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی استدلال بزرگان دین نے کیا ہے کہ جادوگر کافر ہے کیونکہ آیت میں وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا فرمایا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے۔ بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادوگر کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ بجالہ بن عبیدؒ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر ایک جادوگر مرد و عورت کو قتل کر دو چنانچہ ہم نے تین جادوگروں کی گردن ماری۔ صحیح بخاری شریف میں بھی یہ روایت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا۔ حضرت امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، تین صحابیوں سے جادوگر کے قتل کا فتویٰ ثابت ہے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جادوگر کی حد تلوار سے قتل کر دینا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی اسمٰعیل بن مسلم ضعیف ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ حدیث موقوف ہے لیکن طبرانی میں ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مرفوع مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اپنے کرتب بادشاہ کو دکھایا کرتا تھا۔ بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا۔ مہاجرین صحابہ میں سے ایک بزرگ صحابیؓ نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے۔ جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا، آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود جی اٹھ، پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر

لوگوں کو سنائی اَفَتَاْ تُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابیؓ نے ولید کی اجازت اس کے قتل میں نہیں لی تھی' اس لئے بادشاہ نے ناراض ہو کر انہیں قید کر دیا۔ پھر چھوڑ دیا۔ امام شافعی نے حضرت عمرؓ کے فرمان اور حضرت حفصہؓ کے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ سے ہو۔

معتزلہ جادو کے وجود کے منکرین وہ کہتے ہیں جادو کوئی چیز نہیں بلکہ بعض لوگ تو بعض دفعہ اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں جو جادو کا وجود مانتا ہو' وہ کافر ہے لیکن اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں۔ یہ مانتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑ سکتے ہیں اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر تنتر کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے آسمان کو اور تاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے۔ فلسفے اور نجوم والے اور بے دین لوگ تو تاروں کو اور آسمان کو ہی اثر پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ اہل سنت کی ایک دلیل تو آیت وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ ہے اور دوسری دلیل خود آنحضرت ﷺ پر جادو کیا جانا اور آپ پر اس کا اثر ہونا ہے۔ تیسرے اس عورت کا واقعہ جسے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ابھی ابھی گذرا ہے۔ اور بھی بیسیوں ایسے ہی واقعات وغیرہ ہیں۔

رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو کا حاصل کرنا برا نہیں۔ محققین کا یہی قول ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے اور اس لئے کہ یہ علم ہو گا تو اس سے معجزے اور جادو میں فرق پوری طرح واضح ہو جائے گا اور معجزے کا علم واجب ہے اور وہ موقوف ہے جادو کے سیکھنے پر جس سے فرق معلوم ہو۔ پس جادو کا سیکھنا بھی واجب ہوا۔ رازی کا یہ قول سراپا غلط ہے۔ اگر عقلاً وہ اسے برا نہ بتائیں تو معتزلہ موجود ہیں جو عقلاً بھی اس کی برائی کے قائل ہیں اور اگر شرعاً برا نہ بتلاتے ہوں تو قرآن کی یہ آیت شرعی برائی بتلانے کے لئے کافی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے جو کسی شخص' کسی جادوگر یا کاہن کے پاس جائے وہ کافر ہو جائے گا۔

جادو کے جواز اور عدم جواز کی بحث: ☆☆ سنن میں حدیث ہے کہ جس نے گرہ لگائی اور اس میں پھونکا' اس نے جادو کیا لہٰذا رازی کا یہ کہنا کہ محققین کا قول یہی ہے یہ بھی ٹھیک نہیں۔ آخر ان محققین کے ایسے اقوال کہاں ہیں؟ ائمہ اسلام میں سے کس نے ایسا کہا ہے؟ پھر هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ آیت کو پیش کرنا بھی نری جرات ہے کیونکہ آیت میں علم سے مراد دینی علم ہے۔ اسی آیت میں شرعی علم والے علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے پھر ان کا یہ کہنا کہ اسی علم سے کہ اسی سے معجزے کا علم تقابلی حاصل ہوتا ہے یہ تو بالکل واہی محض غلط اور فاسد ہے اس لئے کہ ہمارے رسول ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے جو باطل سے سراسر محفوظ ہے لیکن اس کا معجزہ ماننے کے لئے جادو جاننا ضروری نہیں ہے۔ وہ لوگ جنہیں جادو سے دور کا بھی تعلق نہیں' وہ بھی اسے معجزہ مان گئے۔ صحابہ' تابعین' ائمہ مسلمین بلکہ عام مسلمان بھی اسے معجزہ مانتے ہیں حالانکہ ان تمام میں سے کوئی ایک بھی جادو جاننا تو کیا جادو کے پاس تک نہ پھٹکا نہ سیکھا نہ سکھایا' نہ کیا نہ کرایا بلکہ ان سب کاموں کو کفر کہتے رہے پھر یہ دعویٰ کرنا کہ جادو کا جاننا واجب ہے اس لئے کہ جادو کے علم سے معجزہ کا فرق معلوم ہو سکتا ہے اس لئے اس کا سیکھنا واجب کس قدر مہمل دعویٰ ہے۔

جادو کی اقسام: ☆☆ اب جادو کی قسمیں سنئے جنہیں ابو عبداللہ رازیؒ نے بیان کیا ہے (۱) ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے۔ وہ سات ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہی کے باعث ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف خطاب کر کے مقرر الفاظ پڑھا کرتے ہیں

اور انہی کی پرستش کرتے ہیں- اسی قوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور انہیں ہدایت کی- رازیؒ نے اس فن میں ایک خاص کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام السر المکتوم فی مخاطبہ الشمس و النجوم رکھا ہے- ملاحظہ ہو ابن خلکان وغیرہ- بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے بعد میں اس سے توبہ کر لی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صرف لوگوں کو اس علم سے آشنا کرنے اور خود کو اس کا عالم ثابت کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی تھی ورنہ ان کا اپنا اعتقاد یہ تھا جو سراسر کفر ہے- اس کتاب میں ان لوگوں کے طور طریقے لکھے ہیں۔

(۲) دوسرا جادو قوی نفس اور قوت واہمہ کے طاقتور لوگوں کا فن ہے' وہم اور خیال کا زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے دیکھئے اگر ایک تنگ پل زمین پر رکھ دیا جائے تو اس پر انسان بہ آسانی چلا جائے گا لیکن یہی تنگ پل اگر کسی دریا پر ہو تو نہیں گذر سکے گا- اس لئے کہ اس وقت خیال ہوگا کہ اب گرا' اب گرا تو واہمہ کی کمزوری کے باعث جتنی جگہ پر زمین میں چل پھر سکتا تھا' اتنی جگہ پر ایسے ڈر کے وقت نہیں چل سکتا- حکیموں اور طبیبوں نے بھی مرعوف (جس کو نکسیر بہنے کی بیماری ہو) شخص کو سرخ چیزوں کو دیکھنے سے روک دیا ہے اور مرگی والوں کو زیادہ روشنی والی اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے- عقلمند لوگوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگتی ہے- صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے- اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر ہوتی- اب اگر نفس قوی ہے تو ظاہری سہاروں اور ظاہری کاموں کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اتنا قوی نہیں تو پھر اسے آلات کی بھی ضرورت پڑتی ہے-- جس قدر نفس کی قوت بڑھتی جائی گی' وہ روحانیات میں ترقی کرتا جائے گا اور تاثیر میں بڑھتا جائے گا اور جس قدر یہ قوت کم ہوتی جائے گی' اسی قدر گھٹتا جائے گا' یہ کیفیت کبھی غذا کی کمی سے اور لوگوں کے میل جول سے ترک کرنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے- کبھی تو قوت کو حاصل کر کے انسان نیکی کے کام یعنی شریعت کے مطابق اس سے کام لیتا ہے- اس حال کو شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں- جادو نہیں کہتے اور کبھی اس حال سے باطل میں اور خلاف شرع کاموں میں مدد لیتا ہے اور دین سے دور پڑ جاتا ہے- ایسے لوگوں کے یہ قابل حیرت کاموں سے کسی کو دھوکا کھا کر انہیں ولی نہ سمجھ لینا چاہئے کیونکہ شریعت کے خلاف چلنے والا ولی اللہ نہیں ہو سکتا- آپ دیکھتے نہیں کہ صحیح حدیثوں میں دجال کی بابت کیا کچھ آیا ہے؟ وہ کیسے کیسے خلاف عادت کام کر کے دکھائے گا لیکن ان کی وجہ سے وہ اللہ کا ولی نہیں بلکہ ملعون ومردود ہے-

(۳) تیسری قسم کا جادو جنات کے ذریعہ زمین والوں کی روحوں سے امداد واعانت طلب کرنے کا ہے-- معتزلہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں- ان روحوں سے بعض مخصوص الفاظ اور اعمال سے تعلق پیدا کرتے ہیں- اسے سحر بالعزائم اور عمل تسخیر بھی کہتے ہیں-

(۴) چوتھی قسم خیالات کا بدل دینا' آنکھوں پر اندھیرا ڈال دینا اور شعبدہ بازی کرنا ہے جس سے حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتا ہے- تم نے دیکھا ہوگا کہ شعبدہ باز پہلے ایک کام شروع کرتا ہے جب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہو کر ہمہ تن اس میں مصروف ہو جاتے ہیں- وہ پھرتی سے ایک دوسرا کام کر ڈالتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں- بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم کا تھا- اسی لئے قرآن میں ہے سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ الخ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں ڈر بٹھا دیا اور جگہ ہے یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ سب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہ تھا- واللہ اعلم۔

(۵) پانچویں قسم بعض چیزوں کی ترکیب دے کر کوئی عجیب کام اس سے لینا مثلاً گھوڑے کی شکل بنا دی- اس پر ایک سوار بنا کر بٹھا دیا- اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے جہاں ایک ساعت گذری اور اس ناقوس میں سے آواز نکلی حالانکہ کوئی اسے نہیں چھیڑتا- اسی طرح انسانی

صورت اس کاریگری سے بنائی کہ گویا اصلی انسان ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے۔ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم میں سے تھا کہ وہ بنائے ہوئے سانپ وغیرہ زئبق کے باعث زندہ حرکت کرنے والے دکھائی دیتے تھے۔ گھڑی اور گھنٹے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن سے بڑی بڑی وزنی چیزیں کھینچ آتی ہیں، سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ حقیقت میں اسے جادو ہی نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کاریگری ہے جس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں۔ جو انہیں جانتا ہو، وہ ان اسباب وفنون سے یہ کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح کا وہ حیلہ بھی ہے کہ جو بیت المقدس کے نصرانی کرتے تھے کہ پرسرار طریقہ سے گرجے کی قندیلیں جلا دیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کر دی یا اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف جھکا لیا۔ بعض کرامیہ صوفیوں کا بھی خیال ہے کہ اگر ترغیب وترہیب کی حدیثیں گھڑ لی جائیں اور لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ بڑی غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے، وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے اور فرمایا میری حدیثیں بیان کرتے رہو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو مجھ پر جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرند کا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو اور پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اس گھونسلے میں لا لا کر رکھ جاتے ہیں اس نے اسی صورت کا ایک پرندہ کسی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچ کی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھستی تھی۔ پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی۔ اسے لا کر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تا کہ ہوا اس سے جائے۔ اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور زیتون کے پھل لا لا کر رکھ جاتے۔ اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے۔ یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت انہی کی ہے۔ لوگوں نے بھی جب اپنی آنکھوں یہ ان ہونی عجیب بات دیکھی تو معتقد ہو گئے اور اس قبر پر نذر نیاز چڑھانے لگے اب کرامت دور دور تک مشہور ہو گئی حالانکہ کوئی کرامت نہ تھی نہ معجزہ تھا۔ صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لئے پوشیدہ طور پر رکھا تھا اور ایک لعنتی فرقہ اس پر ریجھا ہوا تھا۔

(۶) چھٹی قسم جادو کی بعض دواؤں میں عجیب عجیب خاصیتیں ہیں۔ مقناطیس ہی کو دیکھو کہ لوہا کس طرح اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ اکثر صوفی اور فقیر اور درویش انہی حیلہ سازیوں کو کرامت کر کے لوگوں کو دکھاتے ہیں اور انہیں مرید بناتے پھرتے ہیں۔

(۷) ساتویں قسم دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہنا منوا لینا ہے مثلاً اس سے کہہ دیا کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں۔ اب اگر سامنے والا کمزور دل کچے کانوں اور بودے عقیدے والا ہے تو وہ اسے سچ سمجھ لے گا اور اس کی طرف سے ایک قسم کا خوف، ڈر، ہیبت اور رعب اس کے دل پر بیٹھ جائے گا جو اس کو ضعیف بنا دے گا۔ اب اس وقت جو چاہے کرے گا اور اس کا کمزور دل اسے عجیب عجیب باتیں دکھاتا جائے گا اسی کو تمبلہ (عام زبان میں اسے معمول) کہتے ہیں اور یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہو جایا کرتا ہے اور علم فراست سے کامل عقل والا اور کم عقل والا انسان معلوم ہو سکتا ہے اور اس حرکت کا کرنے والا اپنا یہ فعل اپنی قوت قیافہ کے ذریعے سے کم عقل شخص کو معلوم کر کے ہی کرتا ہے۔

(۸) آٹھویں قسم چغلی کرنا، جھوٹ سچ ملا کر کسی کے دل میں اپنا گھر کر لینا اور خفیہ چالوں سے اسے اپنا گرویدہ کر لینا، یہ چغل خوری اگر لوگوں کو بھڑکانے بدکانے اور ان کے درمیان عداوت ودشمنی ڈالنے کے لئے ہو تو شرعاً حرام ہے۔ جب اصلاح کے طور پر اور آپس

میں ایک دوسرے مسلمان کو ملانے کے لئے کوئی ایسی بات ظاہر کہہ دی جائے جس سے ایک فریق دوسرے فریق سے خوش ہو جائے یا کوئی آنے والی مصیبت مسلمانوں پر سے ٹل جائے یا کفار کی قوت زائل ہو جائے۔ ان میں بد دلی پھیل جائے اور مخالفت و پھوٹ پڑے تو یہ جائز ہے جیسے حدیث میں ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو بھلائی کے لئے ادھر کی ادھر لے جاتا ہے اور جیسے حدیث میں ہے کہ لڑائی مکر کا نام ہے اور جیسے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر کفار عرب اور کفار یہود کے درمیان کچھ ادھر ادھر کی اوپری باتیں کہہ کر جدائی ڈلوادی تھی اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ یہ کام بڑے عالی دماغ، زیرک اور معاملہ فہم شخص کا ہے۔

یہ یاد رہے کہ امام رازیؒ نے جادو کی جو یہ آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔ یہ صرف باعتبار لفظ کے ہیں کیونکہ عربی زبان میں سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر بین انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ رہ جائیں۔ اسی واسطے ایک حدیث میں ہے کہ بعض بیان بھی جادو ہوتا ہے اور اسی لئے صبح کے اول وقت کو سحور کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتا ہے اور اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی جگہ ہے۔ ابو جہل نے بدر والے دن یہی کہا تھا کہ اس کی سحر یعنی رگ طعام مارے خوف کے پھول گئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو نحر سے مراد سینہ اور سحر سے مراد رگ غذا۔ قرآن میں بھی ہے سَحَرُوٓا اَعْيُنَ النَّاسِ یعنی لوگوں کی نگاہوں سے اپنا کام مخفی کر کے انجام دیا۔ عبد عبداللہ قرطبیؒ کہتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ جادو ہے اور مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے، وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے کر دیتا ہے گو معتزلہ اور ابو اسحاق، اسفرائنی، شافعی اس کے قائل نہیں اور جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈوروں دھاگوں سے بھی، کبھی اللہ کا نام پڑھ کر دم کرنے سے اس میں بھی ایک خاص اثر ہوتا ہے۔

جادو اور شعر: ☆☆ کبھی شیاطین کا نام لے کر شیطانی کاموں سے بھی لوگ کرتے ہیں۔ کبھی دواؤں وغیرہ کے ذریعہ سے بھی جادو کیا جاتا ہے۔ حضورؐ کے اس فرمان کے مطابق کہ بعض بیان جادو ہیں، دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بطور تعریف کے آپ نے فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بطور مذمت کے یہ ارشاد ہوا ہو کہ وہ اپنی غلط بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ سچ معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ کبھی میرے پاس تم مقدمہ لے کر آتے ہو تو ایک اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعویٰ کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔ وزیر ابوالمظفر یحیٰی بن محمد بن ہبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الاشراف علیٰ مذاہب الاشراف'' میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے لیکن ابوحنیفہ اس کے قائل نہیں۔ جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تو کافر بتلاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لئے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور نفع دینے والا سمجھے، وہ کافر ہے اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں، وہ بھی کافر ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جادوگر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیارہ ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اگر یہ نہ ہو تو بھی اگر جادو کا جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ بھی ہے کہ جادوگر نے جب جادو کیا اور جادو کو استعمال میں لایا، وہیں اسے قتل کر دیا جائے۔ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں، جب تک بار بار نہ کرے یا کسی شخص معین کے بارے میں خود اقرار نہ کرے تب تک قتل نہ کیا جائے۔ تینوں امام فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ایک مشہور قول میں امام احمدؒ کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے۔ اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہو گی۔ امام احمدؒ کا ہی صحیح قول ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اہل کتاب کا جادوگر

بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا لیکن تینوں اور اماموں کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ لبید بن اعصم یہودی نے حضورؐ پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا۔ اگر کوئی مسلمان عورت جادوگرنی ہو تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ قید کر دی جائے اور تینوں کہتے ہیں اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حضرت زہریؒ کا قول ہے کہ مسلمان جادوگر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں' اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہئے۔ یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کر۔ اگر وہ کر لے اور اسلام قبول کر لے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کر لے تاہم قتل کر دیا جائے۔ اس جادوگر کو جس کے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں' اسے چاروں امام کافر کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے فَلَا تَكْفُرْ امام مالکؒ فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پا لیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہو گی جس طرح زندیق کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔ ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کر لے تو قبول ہو گی۔ اگر اس کے جادو سے کوئی مر گیا پھر تو بہرصورت مارا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ میں نے اس پر جادو مار ڈالنے کے لئے نہیں کیا تو قتل کی خطا کی دیت (جرمانہ) لے لیا جائے۔ جادوگر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن میتب نے اجازت دی ہے جیسے صحیح بخاری شریف میں ہے' عامر شعبی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس میں کوئی حرج نہیں بتلاتے لیکن خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ کیوں جادو کھلواتے نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا' مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی اور میں لوگوں پر برائی افشاء کرنے سے ڈرتا ہوں۔

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر کوٹ لئے جائیں اور پانی ملا لیا جائے۔ پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے' اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کر دیا جائے ان شاءاللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا' یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو' جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی سورتیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ
مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ۝

اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو۔ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ نہ تو اہل کتاب کے کافر چاہتے ہیں نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے حسد کیا ہوا) اللہ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے ○

مسلمانو! کافروں کی صورت، لباس اور زبان میں مشابہت سے بچو! : ☆☆ (آیت:۱۰۴-۱۰۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک رہا ہے۔ یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور مطلب برا لیتے تھے۔ جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری سنئے تو کہتے تھے راعنا اور مراد اس سے رعونت اور سرکشی لیتے تھے جیسے اور جگہ بیان ہے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یعنی یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باتوں کو اصلیت سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ اپنی زبانوں کو موڑ توڑ کر اس دین میں طعنہ زنی کے لئے راعنا کہتے ہیں۔ اگر یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا ہماری بات سنئے اور ہماری طرف توجہ کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے۔ اس میں ایمان بہت ہی کم ہے۔ احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں اور سَام کے معنی موت کے ہیں تو تم ان کے جواب میں وَعَلَيْكُمْ کہا کرو۔ ہماری دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا ہمارے حق میں مقبول نہیں ہوگی الغرض قول و فعل میں ان سے مشابہت کرنا منع ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ میری روزی حق تعالیٰ نے میرے نیزے تلے لکھی ہے، ذلت اور پستی اس کے لئے ہے جو میرے احکام کے خلاف چلا کرے اور جو شخص کسی (غیر مسلم) قوم سے مشابہت کرے، وہ انہی میں سے ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ پچھلا حصہ مروی ہے۔ اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال و افعال، لباس، عید اور عبادت میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لئے مشروع اور مقرر نہیں، سخت منع ہے اور اس پر شریعت میں عذاب کی دھمکی اور سخت ڈراوا اور حرمت کی اطلاع دی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سنو تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو جایا کرو کیونکہ یا تو کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی برائی سے ممانعت ہوگی حضرت خیثمہؒ فرماتے ہیں توراۃ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے يٰٓاَيُّهَا الْمَسَاكِيْنَ فرمایا ہے لیکن امت محمدیہ کو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے معزز خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ رَاعِنَا کے معنی ہماری طرف کان لگانے کے ہیں بروزن عَاطِنَا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس کے معنی خلاف کے بھی ہیں یعنی خلاف نہ کہا کر۔ اس سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ کہ آپ ہماری سنئے اور ہم آپ کی سنیں۔ انصار نے بھی یہی لفظ حضورؐ کے سامنے کہنا شروع کر دیا تھا جس سے قرآن پاک نے انہیں روک دیا۔

حسنؒ فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں (راعن مذاق کی بات کو کہتے ہیں) یعنی تم حضورؐ کی باتوں اور اسلام سے مذاق نہ کیا کرو۔ ابوصخرؒ کہتے ہیں، جب حضورؐ جانے لگتے تو جنہیں کوئی بات کہنی ہوتی، وہ کہتے اپنا کان ادھر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے روک دیا اور اپنے نبی کی عزت کرنے کی تعلیم فرمائی۔ سدیؒ کہتے ہیں، رفاعہ بن زید یہودی حضرت محمد ﷺ سے باتیں کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ لفظ ادب کے ہیں، یہی لفظ بولنے شروع کر دیئے جس پر انہیں روک دیا گیا جیسے سورۂ نساء میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ کو اللہ نے برا جانا اور اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روک دیا جیسے حدیث میں آیا ہے کہ انگور کو کرم اور غلام کو عبد نہ کہو وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ ان بدباطن لوگوں کے حسد و بغض کو بیان فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تمہیں جو اس کامل نبی کے ذریعہ کامل شریعت ملی ہے، اس سے یہ تو جل بھن رہے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔ وہ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ
تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟ ○ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین اور آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے؟ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ○

تبدیلی یا تنسیخ۔ اللہ تعالیٰ مختار کل ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۶-۱۰۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، نسخ کے معنی بدل کے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں، مٹانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتا ہے اور حکم بدل جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد اور ابوالعالیہؒ اور محمد بن کعبؒ قرظی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں۔ بھلا دینے کے معنی ہیں۔ عطاؒ فرماتے ہیں، چھوڑ دینے کے معنی ہیں۔ سدی کہتے ہیں، اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ یعنی زانی مرد وعوت کو سنگسار کر دیا کرو اور جیسے آیت لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَ ادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے مل جائیں جب بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں، حلال کو حرام، حرام کو حلال، جائز کو ناجائز، ناجائز کو جائز وغیرہ۔ امر و نہی، روک اور رخصت، جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے۔ ہاں جو خبریں دی گئی ہیں، واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان میں رد و بدل و ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا۔

نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے بھی ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لئے نسخ کہتے ہیں خواہ وہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں۔ نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کا پچھلی دلیل کی رو سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری اور کبھی بھاری کے بدلے ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا ہے۔ نسخ کے احکام اس کی قسمیں، اس کی شرطیں وغیرہ ہیں۔ اس کے لئے اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ تفصیلات کی بسط کی جگہ نہیں۔ طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو شخصوں نے نبی ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی۔ اسے وہ پڑھتے رہے۔ ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن یاد نے ساتھ نہ دیا، گھبرا کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی۔ دلوں میں سے نکال لی گئی۔ تم غم نہ کرو۔ بے فکر ہو جاؤ۔

حضرت زہریؒ نون خفیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس کے ایک راوی سلیمان بن راقم ضعیف ہیں۔ ابوبکر انباریؒ نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے جیسے قرطبی کا کہنا ہے۔ نُنْسِهَا کو نَنْسَاهَا بھی پڑھا گیا ہے۔ نَنْسَاهَا کے معنی موخر کرنے، پیچھے ہٹا دینے کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں، منسوخ کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کے شاگرد کہتے ہیں یعنی ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں لیکن حکم کو بدل دیتے ہیں۔ عبد بن عمیرؒ، مجاہدؒ اور عطاؒ سے مروی ہے، ہم اسے موخر کرتے ہیں اور ملتوی کرتے ہیں۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں۔ یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ سدیؒ اور ربیعؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں، ناسخ کو منسوخ کے پیچھے

رکھتے ہیں۔ ابوالعالیہؒ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں نُنسَاھَاَ پڑھا اور اس کے معنی موخر ہونے کے بیان کئے۔ نُنسَھا جب پڑھیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھالینا چاہتا تھا' وہ نبی ﷺ کو بھلا دیتا تھا۔ اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ننسھا پڑھتے تھے تو ان سے قسم بن ربیعہؒ نے کہا کہ سعید بن میتب تو ننساھا پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا سعید پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی ہم تجھے پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا اور فرماتا ہے وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ جب بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ علی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں اور ابی سب سے زیادہ اچھے قاری قرآن کے ہیں اور ہم ابی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس لئے کہ ابی کہتے ہیں میں نے تو جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' اسے نہیں چھوڑ دوں گا اور فرماتے ہیں مَانَنْسَخْ الخ یعنی ہم جو منسوخ کریں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا (بخاری ومسند احمد) اس سے بہتر ہوتا ہے یعنی بندوں کی سہولت اور ان کے آرام کے لحاظ سے یا اس جیسا ہوتا ہے لیکن مصلحت الٰہی اس سابقہ چیز میں ہوتی ہے۔

مخلوق میں تغیر وتبدل کرنے والا پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس طرح جسے چاہتا ہے' بناتا ہے' جسے چاہے نیک بختی دیتا ہے۔ جسے چاہے بدبختی دیتا ہے۔ جسے چاہے تندرستی دے جسے چاہے بیماری دے۔ جسے چاہے توفیق دے۔ جسے چاہے بےنصیب کر دے۔ بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے' جسے چاہے حلال جسے چاہے حرام فرمادے۔ جسے چاہے رخصت دے۔ جسے چاہے روک دے۔ وہ حاکم مطلق ہے جیسے چاہے احکام جاری فرمائے۔ کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا' جو چاہے کرے۔ کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں۔ کسی چیز کا کسی مصلحت کی وجہ سے حکم دیا' پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس حکم کو ہٹا دیا' اب آزمائش ہوتی ہے نیک لوگ اس وقت بھی اطاعت کے لئے کمربستہ تھے اور اب بھی ہیں لیکن بدباطن لوگ باتیں بناتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول کی پیروی کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہئے۔ جو حکم دے' بجالانا چاہئے۔ جس سے روکے' رک جانا چاہئے۔

اس مقام پر بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے۔ بعض تو کہتے تھے' اس میں محال عقلی لازم آتا ہے اور بعض محال نقلی بھی مانتے تھے۔ اس آیت میں گو خطاب فخر عالم ﷺ کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراۃ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے اور صرف عناد وتکبر کی بنا تھی ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں بااختیار ہے' اسی طرح اپنے حکموں میں بھی بااختیار ہے۔ جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے۔ جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے۔ اس حاکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے۔ اگلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے۔

حضرت آدمؑ کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا۔ پھر اسے حرام کر دیا۔ نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تب تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہو گئی۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر توراۃ میں اور اس کے بعد حرام ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ بچھڑا پوجنے میں جو شامل تھے' سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی تھے کہ یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی

طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں کو ان کا اقرار ہے لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخر الزمان ﷺ کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں' وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ آپ کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے کہ اگلی شریعتیں صرف آپ کے آنے تک ہی تھیں۔ اس لئے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں یا کہے کہ ناسخ ہے۔ بہرصورت رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ آخری کتاب کو اللہ کے پاس سے ابھی ابھی لے کر آئے ہیں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا۔

سورۂ آل عمران میں بھی جس کے شروع میں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے' نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے۔ فرماتا ہے کُلُّ الطَّعَامِ الخ یعنی سبھی کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیلؑ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کی مزید تفسیر وہیں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمان کل کے کل متفق ہیں کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے بلکہ واقع بھی ہے اور پروردگار کی حکمت بالغہ کا دستور بھی یہی ہے ابو مسلم اصبہانی مفسر نے لکھا ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ قول ضعیف اور مردود اور محض غلط اور جھوٹ ہے۔ جہاں نسخ قرآن میں موجود ہے اس کے جواب میں گو بعض نے بہت محنت سے اس کی تردید کی ہے لیکن محض بے سود دیکھئے پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاوند مر جائے' ایک سال تھی لیکن پھر چار مہینے دس دن ہوئی اور دونوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبۃ اللہ ہوا اور دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے' پہلے کے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ کر کے دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں۔ پہلے حکم تھا کہ نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ
وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے ○

کثرت سوال حجت بازی کے مترادف ہے! ☆☆ (آیت:۱۰۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتے ہوئے فرماتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبیؐ سے فضول سوال نہ کیا کرو۔ یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسے سوالوں کا سلسلہ جاری رکھو گے تو یہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی بات کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے میں خوف ہے کہ کہیں اس سوال کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی۔ پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔ ایک مرتبہ حضورؐ سے سوال ہوا کہ ایک

شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے، حضور کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا۔ آخر اسی شخص کو ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فضول بکواس، مال کو ضائع کرنے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے، میں جب تک کچھ نہ کہوں، تم بھی نہ پوچھو۔ تم سے پہلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے سامنے اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو کسی نے کہا حضورؐ ہر سال؟ آپؐ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہر سال نہیں لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو بجا نہ لا سکتے پھر آپ نے مندرجہ بالا فرمان ارشاد فرمایا حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ جب ہمیں آپ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو حضورؐ سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے، چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ناواقف شخص آ جائے، وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں، میں کوئی سوال حضور سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گذر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی تھی ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور سے سوال کر بیٹھے۔ پھر ہم بھی سن لیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اصحاب محمد ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں۔ انہوں نے حضور سے صرف اس بارہ مسئلے پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن پاک میں مذکور ہیں جیسے شراب وغیرہ کا سوال، حرمت والے مہینوں کی بابت کا سوال، یتیموں کی بابت کا سوال وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر "ام" یا "تو بل" کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے۔ یہ حکم مومن کافر سب کو ہے کیونکہ حضورؐ کی رسالت سب کی طرف تھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند و تیز آواز سے ہلاک کر دیا گیا۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ یارسول اللہ کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ کو مان لیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے کہا، یارسول اللہ، کاش کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا کفارہ تھا، آپؐ نے یہ سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ نہیں الٰہی نہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا۔ سنو۔ بنواسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا، اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اب یا تو دنیا کی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی منظور کرے لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جس سے کوئی برا کام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔ اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنو جو شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کر گذرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے پھر گو نہ کرے لیکن بھلائی لکھ لی جاتی ہے اور اگر کر بھی لے تو دس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں۔ اب بتاؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو۔ ہاں باوجود اتنے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہو تو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہونے والا ہی تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قریشیوں نے حضورؐ سے کہا کہ اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو ہم ایمان لاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا لیکن پھر مائدہ (آسمانی دستر خوان) مانگنے والوں کا جو انجام ہوا' وہی تمہارا بھی ہوگا۔ اس پر وہ انکاری ہو گئے اور اپنے سوال کو چھوڑ دیا۔ مراد یہ ہے کہ تکبر' عناد سرکشی کے ساتھ نبیوں سے سوال کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ جو کفر کو ایمان کے بدلے مول لے اور آسانی کو سختی سے بدلے' وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت وضلالت میں گھر جاتا ہے۔ اسی طرح غیر ضروری سوال کرنے والا بھی۔ جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلتے ہیں اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں' وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بڑی بری قرارگاہ ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ
كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ
فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ
مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کھل جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○ تم نمازیں قائم رکھو۔ زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے' سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ○

قومی عصبیت باعث شقاوت ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۹-۱۱۰) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں کے حاسد تھے۔ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عرب سے جلتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا۔ زہریؒ کہتے ہیں اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شعروں میں حضرتؐ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ گو ان کی کتاب میں حضورؐ کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضورؐ کی صفتیں جانتے تھے اور آپ کو اچھی طرح پہچانتے تھے' پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے۔ ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سراسر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بنا پر کہ عرب میں آپ کیوں مبعوث ہوئے' کفر وانکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگذر کرتے رہو اور اللہ کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کرو۔ جیسے اور جگہ فرمایا' تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننی پڑیں گی مگر بعد میں حکم نازل فرما دیا کہ ان مشرکین سے اب دب کر نہ رہو۔ ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ اور آپ کے اصحاب مشرکین اور اہل کتاب سے درگذر کرتے تھے اور ان کی ایذا اور تکلیف سہتے تھے اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیتیں اتریں اور یہ حکم ہٹ گیا۔ اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا اور پہلی ہی لڑائی جو بدر کے میدان میں ہوئی' اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں بچھ گئیں۔ پھر مومنوں کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ تم نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی حفاظت کرو۔ یہ تمہیں آخرت کے عذابوں سے بچانے کے علاوہ دنیا میں بھی غلبہ اور نصرت دے گی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہر نیک و بد عمل کا بدلہ دونوں جہاں میں دے گا۔ اس سے کوئی

چھوٹا' بڑا' چھپا' کھلا' اچھا' برا عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اطاعت کی طرف توجہ کریں اور نافرمانی سے بچیں۔ مُبْصِر کے بدلے بَصِیْر کہا جیسے مُبْدِع کے بدلے بَدِیْع اور مُؤلِم کے بدلے اَلِیْم۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت میں سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّھُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ ع ۱۲ ۹ ۱۳

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا یہ صرف ان کی امنگیں ہیں۔ ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو ○ سنو جو بھی اپنے تئیں خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے' بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا۔ اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ غم اور نہ اداسی ○ یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہود نہیں۔ حالانکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان میں کر دے گا ○

شیطان صفت مغرور یہودی: ☆☆ (آیت:۱۱۱-۱۱۳) یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ سورۂ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہوگا؟ اسی طرح کے مفہوم کا بیان پہلے بھی گذرا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے۔ اسی طرح یہاں ان کے ایک دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو۔ انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے' اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے اللہ کے سامنے متوجہ کر دیئے۔ غرض یہ ہے کہ اخلاص اور مطابقت سنت ہر عمل کی قبولیت کے لئے شرط ہے تو اَسْلَمَ وَجْهَهٗ سے مراد خلوص اور وَهُوَ مُحْسِنٌ سے مراد اتباع سنت ہے۔ نرا خلوص بھی عمل کو مقبول نہیں کرا سکتا جب تک سنت کی تابعداری نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے (مسلم)۔

پس رہبانیت کا عمل گو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی اعمال کی نسبت قرآن حکیم کا ارشاد ہے وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا یعنی انہوں نے جو اعمال کئے تھے' ہم نے سب رد کر دیئے

دوسری جگہ فرمایا کافروں کے اعمال ریت کے چمکیلے تودوں کی طرح ہیں جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہروں پر ذلت برستی ہوگی۔ جو عمل کرنے والے تکلیفیں اٹھانے والے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور گرم کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔ حضرت امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے اس آیت کی تفسیر میں مراد یہود و نصاریٰ کے علماء اور عابد لئے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل گو بظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو۔ مقصود اللہ کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے۔ ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا بھی یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں اور فرمایا فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا الخ جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہو اسے نیک عمل کرنا چاہئے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا۔ آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا' بخران کے نصرانیوں کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے۔ اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں توراۃ میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں توراۃ کی تصدیق موجود ہے۔ پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازیوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا۔ اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرانی۔ پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا' اس میں بھی اشارہ انہی کی طرف ہے اور بعض نے کہا' مراد اس سے یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں بعض کہتے ہیں' عرب لوگ مراد ہیں۔ امام ابن جریرؒ اس سے عام لوگ مراد لیتے ہیں گویا سب شامل ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ کرے گا۔ جس دن کوئی ظلم و زور نہیں ہوگا اور یہی مضمون دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ سورۂ حج میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ (پوری آیت) یعنی مومنوں اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے اور جگہ ارشاد ہے قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا کہہ دے کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا۔ پھر حق کے ساتھ فیصلے کرے گا۔ وہ باخبر فیصلے کرنے والا ہے۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى
فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓٮِٕكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَاۤ اِلَّا خَآٮِٕفِيۡنَ ؕ
لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کئے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی ان میں جانا چاہئے۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑے بڑے عذاب ہیں ○

نصاریٰ اور یہودی مکافات عمل کا شکار: ☆☆ (آیت:۱۱۴) اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ

ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے۔ بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور مدد کی تھی، بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کی دشمنی پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ والے سال کعبتہ اللہ سے روکا تھا۔ یہاں تک کہ ذی طوی میں آپ ؐ کو قربانیاں دینا پڑیں اور مشرکین سے صلح کرنے کے بعد آپ ؐ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی۔ باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اور ان کی کوشش یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج و عمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو روک دیں۔ حضرت ابن عباس ؓ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر ؒ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبتہ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے۔ یہ سعی نصاری کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن زید ؓ اور حضرت عباس ؓ کا قول بھی یہی ہے اور اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا، اس وقت یہودی بھی محض بے دین ہو چکے تھے۔ ان پر تو حضرت داؤد ؑ اور حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں۔ وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح کے دین پر تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اوپر یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بدخصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضور ؐ کو اور آپ کے صحابیوں ؓ کو مسجد الحرام سے روکا، مکہ سے نکالا۔ پھر حج وغیرہ سے بھی روک دیا۔

امام ابن جریر ؒ کا یہ فرمان کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت بٹھا دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہو سکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور جگہ فرمایا مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا الخ یعنی یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ مشرکوں سے اللہ کی مسجدیں آباد نہیں ہو سکتیں۔ جو اپنے کفر کے خود گواہ ہیں، جن کے اعمال غارت ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔ مسجدوں کی آبادی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے اور نماز و زکوٰۃ کے پابند اور صرف اللہ ہی سے ڈرنے والے ہیں۔ یہی لوگ راہ راست والے ہیں۔ اور جگہ فرمایا هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ ان لوگوں نے بھی کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے بھی روکا اور قربانیوں کو ان کے ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا، اگر ہمیں ان مومن مردوں عورتوں کا خیال نہ ہوتا جو اپنی ضعیفی اور کم قوتی کے باعث مکہ سے نہیں نکل سکے جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو تو ہم تمہیں ان سے لڑ کر ان کے غارت کر دینے کا حکم دیتے لیکن یہ بے گناہ مسلمان نہ پیس دئے جائیں۔ اس لئے ہم نے سردست یہ حکم نہیں دیا لیکن یہ کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں جب ان پر ہمارے دردناک عذاب برس پڑیں۔ پس جب وہ مسلمان ہستیاں جن سے مسجدوں کی آبادی حقیقی معنی میں ہے، وہ ہی روک دیئے گئے تو مسجدوں کے اجاڑنے میں کونسی کمی رہ گئی؟ مسجدوں کی آبادی صرف ظاہری زیب و زینت، رنگ و روغن سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں ذکر اللہ ہونا، اس میں شریعت کا قائم رہنا اور شرک اور ظاہری میل کچیل سے پاک رکھنا، یہ ان کی حقیقی آبادی ہے۔ پھر فرمایا کہ انہیں لائق نہیں کہ بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ بیت اللہ میں نہ آنے دو، ہم تمہیں غالب کر دیں گے اس وقت یہی کرنا چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا اگلے سال ۹ ہجری اعلان کرا دیا کہ اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا ہو کر نہ کرے۔ جن لوگوں کے درمیان صلح کی کوئی مدت مقرر ہوئی ہے، وہ قائم ہے۔ یہ حکم دراصل تصدیق اور عمل ہے اس آیت پر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ

فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِد الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی مشرک لوگ نجس ہیں اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام میں نہ آنے دو اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرک کانپتے ہوئے اور خوف زدہ مسجد میں آئیں لیکن برخلاف اس کے الٹے یہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو بشارت دیتا ہے کہ عنقریب میں تمہیں غلبہ دوں گا اور یہ مشرک اس مسجد کی طرف رخ کرنے سے بھی کپکپانے لگیں گے چنانچہ یہی ہوا اور حضور علیہ السلام نے وصیت کی کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں اور یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔

الحمدللہ کہ اس امت کے بزرگوں نے اس وصیت رسولؐ پر عمل بھی کر دکھایا۔ اس سے مسجدوں کی فضیلت اور بزرگی بھی ثابت ہوئی بالخصوص اس جگہ کی اور مسجد کی جہاں سب سے بڑے اور کل جن و انس کے رسول محمد ﷺ بھیجے گئے تھے۔ ان کفار پر دنیا کی رسوائی بھی آئی' جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو روکا' جلاوطن کیا' ٹھیک اس کا پورا بدلہ انہیں ملا۔ یہ بھی روکے گئے' جلاوطن کئے گئے اور ابھی اخروی عذاب باقی ہیں کیونکہ انہوں نے بیت اللہ شریف کی حرمت توڑی۔ وہاں بت بٹھائے' غیر اللہ سے دعائیں اور مناجاتیں شروع کر دیں۔ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا وغیرہ اور اگر اس سے مراد نصرانی لئے جائیں تو بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی' بالخصوص اس صخرہ (پتھر) کی جس کی طرف یہود نماز پڑھتے تھے' اسی طرح جب یہودیوں نے بھی نصرانیوں سے بہت زیادہ ہتک کی تو ان پر ذلت بھی اس وجہ سے زیادہ نازل ہوئی۔ دنیا کی رسوائی سے مراد امام مہدیؑ کے زمانہ کی رسوائی بھی ہے اور جزیہ کی ادائیگی بھی ہے۔ حدیث شریف میں ایک دعا وارد ہوئی ہے اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ اے اللہ تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ مسند احمد میں موجود ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔ اس کے راوی بشر بن ارطاۃؓ صحابی ہیں۔ ان سے ایک تو یہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ غزوے اور جنگ کے موقعہ پر ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ
اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تم جدھر بھی منہ کرو اُدھر ہی اللہ کا منہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی اور سمائی والا اور بڑے علم والا ہے ○

کعبہ صرف علامت وحدت و سمت ہے۔ اللہ کا جمال و جلال غیر محدود ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱۵) اس آیت میں نبی ﷺ اور آپ کے ان اصحابؓ کو تسلی دی جا رہی ہے جو مکہ سے نکالے گئے تھے اور اپنی مسجد سے روکے گئے۔ حضورؐ مکہ شریف میں نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تو کعبۃ اللہ بھی سامنے ہی ہوتا تھا۔ جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ ماہ تک تو ادھر ہی نماز پڑھتے رہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب ناسخ منسوخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت وارد کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ حکم یہی قبلہ کا حکم ہے لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ والی آیت نازل ہوئی حضورؐ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے پھر آیت وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ الخ نازل ہوئی اور آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنی شروع کی۔

مدینہ میں جب حضورؐ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ

ہوا اور آپ کو اپنی چاہت دعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو' پھر جانا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق مغرب میں جہاں کہیں بھی ہو منہ کعبہ کی طرف کرو' بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حکم سے پہلے اتری ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق مغرب جدھر چاہو منہ پھیرو۔ سب جہتیں اللہ کی ہیں اور سب طرف اللہ موجود ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں جیسے فرمایا وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا تھوڑے بہت جو بھی ہوں' اللہ ان کے ساتھ ہے۔

پھر یہ حکم منسوخ ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہوا۔ اس قول میں جو یہ لفظ ہیں کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں اگر اس سے مراد علم اللہ ہو تو صحیح ہے۔ کوئی مکان اللہ کے علم سے خالی نہیں اور اگر ذات باری مراد ہو تو ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں محصور ہو۔ ایک مطلب آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت سفر اور رہ روی اور خوف کے وقت کے لئے ہے کہ ان وقتوں میں نفل نماز کو جس طرف منہ ہو' ادا کر لیا کرو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی اونٹنی کا منہ جس طرف ہوتا تھا' نماز پڑھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضورؐ کا طریقہ یہی تھا اور اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے۔ آیت کا ذکر کئے بغیر یہ حدیث مسلم' ترمذی' نسائی ابن ابی حاتم' ابن مردویہ وغیرہ میں مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری' صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابن عمرؓ سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو نماز خوف کو بیان فرماتے اور کہتے کہ جب اس سے بھی زیادہ خوف ہو تو پیدل اور سوار کھڑے پڑھ لیا کرو منہ خواہ قبلہ کی جانب ہو خواہ نہ ہو۔ حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ میرے خیال سے اسے مرفوع بیان کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کا مشہور فرمان اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ سفر خواہ پر امن ہو خواہ خوف ڈر اور لڑائی کا ہو' سواری پر نفل ادا کر لینے جائز ہیں امام مالکؒ اور آپ کی جماعت اس کے خلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور ابوسعید اصطخریؒ بغیر سفر کے بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے بھی یہ روایت ہے امام ابوجعفر طبریؒ بھی اسے پسند فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ تو پیدل چلنے والے کو بھی رخصت دیتے ہیں۔

بعض اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے اٹکل سے مختلف جہتوں کی طرف نماز پڑھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی وہ نماز ادا شدہ بتلائی گئی۔ حضرت ربیعہؓ فرماتے ہیں' ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل پر اترے۔ رات اندھیری تھی۔ لوگوں نے پتھر لے کر بطور نشان کے قبلہ رخ رکھ کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ صبح اٹھ کر روشنی میں دیکھا تو نماز قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوئی تھی' ہم نے حضورؐ سے ذکر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے امام صاحب نے اسے حسن کہا ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہم نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے سامنے خط کھینچ دیئے تھے تاکہ صبح روشنی میں معلوم ہو جائے کہ نماز قبلہ کی طرف ادا ہوئی یا نہیں؟ صبح معلوم ہوا کہ قبلہ جاننے میں ہم نے غلطی کی لیکن حضورؐ نے ہمیں وہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے بھی دو راوی ضعیف ہیں۔ یہ روایت دار قطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے ساتھ حضورؐ نہ تھے۔ یہ بھی سنداً ضعیف ہے۔ ایسی نماز کے لوٹانے کے بارے میں علماء کے دو قول میں سے ٹھیک قول یہی ہے کہ دوہرائی نہ جائے اور اسی قول کی تائید کرنے والی یہ حدیثیں ہیں

جو اوپر بیان ہوئیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا باعث نجاشی ہے۔ جب نبی ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی اور کہا ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھو تو بعض نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہ تھا۔ نصرانی تھا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ یعنی بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو اے مسلمانو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس چیز پر جو ان پر نازل کی گئی' ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا حضورؐ وہ قبلہ کی طرف تو نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ روایت غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے معنی میں یہ بھی کہے گئے ہیں کہ وہ بیت المقدس کی طرف اس لئے نمازیں پڑھتے رہے کہ انہیں اس کے منسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہوا تھا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں' ان کے جنازے کی نماز حضورؐ نے پڑھی اور یہ دلیل ہے کہ جنازے کی نماز غائبانہ ادا کرنی چاہئے۔ اور اس کے نہ ماننے والے اس حکم کو مخصوص جانتے ہیں اور اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے اس کے جنازے کو دیکھ لیا۔ زمین آپ کے لئے سمیٹ لی گئی تھی۔ دوسری یہ کہ چونکہ وہاں ان کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے والا اور کوئی نہ تھا' اس لئے آپ نے یہاں غائبانہ ادا کی۔ ابن عربی اسی جواب کو پسند کرتے ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بادشاہ مسلمان ہو اور اس کی قوم کا کوئی شخص اس کے پاس مسلمان نہ ہو' ابن عربیؒ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک جنازے کی نماز ان کی شریعت میں نہ ہو' یہ جواب بہت اچھا ہے' تیسری یہ کہ یہ نماز آپ نے اس لئے ادا کی کہ دوسرے لوگوں کی رغبت کا سبب ہو اور اس جیسے دوسرے بادشاہ بھی دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

(لیکن یہ تینوں تاویلیں ظاہر کے خلاف ہونے کے علاوہ صرف احتمالات کی بنا پر ہیں اور انہیں مان لینے کے بعد بھی مسئلہ وہیں رہتا ہے کیا جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہئے کیونکہ گو حضورؐ نے اس جنازے کا مشاہدہ کر لیا لیکن صحابہؓ کی نماز تو غائبانہ ہی رہی۔ اگر ہم دوسرا جواب مان لیں تو بھی جنازہ تو غائبانہ نہ ہی ہوا۔ جو لوگ سرے سے نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہی نہیں' وہ تو اس صورت میں بھی قائل نہیں ہیں اور یہ بات تو دل کو لگتی ہی نہیں کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو۔ شریعت ان کی بھی اسلام تھی نہ کہ کوئی اور۔ تیسرا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے اور بر تقدیر تسلیم اب بھی وہ وجہ باقی ہے کہ جنازہ غائبانہ ادا کیا کریں تا کہ دوسرے لوگوں کی رغبت اسلام کا باعث ہو۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

ابن مردویہ میں حدیث ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اہل مدینہ' اہل شام' اہل عراق کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ یہ روایت ترمذی میں بھی دوسرے الفاظ سے مروی ہے اور اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظہ پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے ایک اور سند سے بھی وارد کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب' علی ابن ابو طالب' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ سے بھی اوپر کی طرح حدیث مروی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ ملاحظہ ہو دار قطنی' بیہقی وغیرہ۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ یہ مطلب بھی اس آیت کا ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگنے میں اپنا منہ جس طرف بھی کرو' میرا منہ بھی اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماؤں گا۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ مجھ سے دعا کرو' میں قبول کروں گا' اتری تو لوگوں نے کہا' کس طرف رخ کر کے دعا کریں۔ اس کے جواب میں آیت فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا الخ نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام وسعتوں پر غالب' گنجائش والا اور علم والا ہے جس کی کفایت سخاوت اور فضل و کرم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں بلکہ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

یہ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے- زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے وہ زمین و آسمان کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے ○ وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا- بس وہ وہیں ہو جاتا ہے ○

اللہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے' کے دلائل: ☆☆ (آیت:۱۱۶-۱۱۷) یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اسی طرح ان جیسے یہود و مشرکین کی تردید میں ہے جو اللہ کی اولاد بتاتے تھے- ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ مالک ہے- ان کا پیدا کرنے والا' انہیں روزیاں دینے والا' ان کے اندازے مقرر کرنے والا' انہیں قبضہ میں رکھنے والا' ان میں ہر تغیر و تبدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے- پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہو سکتا ہے؟ نہ عزیرؑ اور نہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا- نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے مشرکین عرب کا خیال تھا- اس لئے کہ دو برابر کی مناسبت رکھنے والے ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک نہ اس کی جنس کا کوئی اور- وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے- اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے-

یہ لوگ رحمٰن کی اولاد بتاتے ہیں- یہ کتنی بے معنی اور بے ہودہ بات اور واہی تم کہتے ہو- یہ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہو جانا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ممکن ہے- ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے- اللہ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ہی ملکیت ہے- زمین و آسمان کی تمام ہستیاں اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے- ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت والے دن تنہا تنہا پیش ہونے والی ہے- پس غلام اولاد نہیں بن سکتا- ملکیت اور ولدیت دو مختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں- دوسری جگہ پوری سورت میں اس کی نفی فرمائی- ارشاد ہوا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے- اللہ بے نیاز ہے- اس کی نہ اولاد ہے نہ ماں باپ- اس کا ہم جنس کوئی نہیں- ان آیتوں اور ان جیسی اور آیتوں میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح و تقدیس بیان کی اور اپنا بے نظیر بے مثل اور لاشریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کو باطل قرار دیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق و رب ہے- پھر اس کی اولاد بیٹے بیٹیاں کہاں سے ہوں گی؟

سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے- اسے یہ لائق نہ تھا- مجھے وہ گالیاں دیتا ہے- اسے یہ نہیں چاہئے تھا- اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد و بیوی ہو- یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے- صحیحین میں ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں' بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی کامل نہیں' لوگ اس کی اولادیں بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا رہے- پھر

فرمایا۔ ہر چیز اس کی اطاعت گذار ہے۔ اس کی غلامی کا اقرار کئے ہوئے ہے' اس کے لئے مخلص' اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں بھی عبادت گذار ہے۔ جس کو کہے یوں ہو جاؤ یا اس طرح بن۔ فوراً وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور بن جاتی ہے۔ اس طرح ہر ایک اس کے سامنے پست و مطیع ہے۔ کفار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مطیع ہیں لیکن ہر موجود کے سائے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں' قرآن نے اور جگہ فرمایا وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ الخ آسمان و زمین کی کل چیزیں خوشی ناخوشی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں۔ ان کے سائے صبح شام جھکتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں مروی ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں قنوت کا لفظ ہے' وہاں مراد اطاعت ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ ممکن ہے صحابیؓ کا یا اور کسی کا کلام ہو اس سند سے اور آیتوں کی تفسیر بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضعیف ہے۔ کوئی شخص اس سے دھوکہ میں نہ پڑے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا' وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے۔ لغت میں بدعت کے معنی نو پیدا کرنے' نیا بنانے کے ہیں۔ حدیث میں ہے' ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ تو شرعی بدعت ہے۔ کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغتاً ہوتا ہے۔ شرعاً مراد نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کیا اور پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا' اچھی بدعت ہے۔ بدیع کا مبتدع سے تصرف کیا گیا ہے جیسے مولم سے الیم اور مسمع سے سمیع معنی مبدع. کے انشا اور نو پید کرنے والے کے ہیں۔ بغیر مثال' بغیر نمونہ اور بغیر پہلی پیدائش کے پیدا کرنے والے بدعتی کو اس لئے بدعتی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین اللہ میں وہ کام یا وہ طریقہ ایجاد کرتا ہے جو اس سے پہلے شریعت میں نہ ہو۔ اسی طرح کسی نئی بات کے پیدا کرنے والے کو عرب مبتدع کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے' وہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے' ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ ہر چیز اس کی اطاعت گذاری کی اقراری ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا' بنانے والا' موجود کرنے والا' بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا' ایک وہی رب العٰلمین ہے۔ اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے۔ خود مسیح علیہ السلام بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے والے ہیں۔ جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا' اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بے باپ پیدا کر دیا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ انہیں تم خوانخواہ اللہ کا بیٹا مان لو۔ پھر فرمایا۔ اس اللہ کی قدرت' سلطنت' سطوت و شوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہئے' اسے کہہ دیتا ہے کہ اس طرح کی اور ایسی ہو جا۔ وہ اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے فرمایا اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ دوسری جگہ فرمایا اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اور ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ شاعر کہتا ہے۔

اِذَا مَا اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ

مطلب اس کا ہے کہ ادھر کسی چیز کا اللہ نے ارادہ فرمایا۔ اس نے کہا' ہو جا' وہیں وہ ہو گیا۔ اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں۔ پس مندرجہ بالا آیت میں عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں دوسری جگہ صاف صاف فرما دیا اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ جیسی ہے جنہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر فرمایا۔ ہو جا۔ وہ ہو گئے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا۔ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی۔ ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے۔ ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں ○

طلب نظارہ۔ ایک حماقت: ☆☆ (آیت:۱۱۸) رافع بن حریملہ نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خود اس سے اس کا کلام سنیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ مجاہدؒ کہتے ہیں۔ یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی' ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آیت انہی سے متعلق بیان کے دوران میں ہے لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپؐ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری' ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ یہی بات ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض اور مفسر کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا۔ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا' سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ الخ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو نہیں مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اور جگہ فرمایا وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ الخ یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپؐ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لئے ان زمینوں میں چشمے جاری نہ کر دیں۔ اور جگہ فرمایا وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا الخ یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں' ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا۔ اور جگہ فرمایا بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ الخ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

آیتیں جو صاف بتلاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضورؐ سے صرف تکبر و عناد کی بنا پر ایسی چیزیں طلب کیں۔ اسی طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا۔ ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی بے معنی سوالات کئے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ الخ اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور حضرت موسیٰؑ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ہماری آنکھوں سے دکھا۔ اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰؑ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ پھر فرمایا۔ ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے یعنی ان مشرکین کے دل سابقہ کفار جیسے ہو گئے اور جگہ فرمایا ہے کہ پہلے گزرنے والوں نے بھی اپنے انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا۔ انہوں نے بھی ان کی باتوں کو دہرایا تھا۔ پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لئے اپنی آیتیں اسی طرح بیان کر دی ہیں جن سے رسولؐ کی تصدیق عیاں ہے۔ کسی اور چیز کی وضاحت باقی نہیں رہی۔ یہی نشانیاں ایمان لانے کے لئے کافی ہیں ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہو انہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہو گا جیسے فرمایا الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ الخ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے' وہ ایمان نہ لائیں گے۔ گو ان کے پاس تمام آیتیں آ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈراوا دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ جہنمیوں کے بارے میں تجھ سے پرسش نہیں ہوگی ○

آپؐ نصیحت کی حد تک مسئول ہیں: ☆☆ (آیت:۱۱۹) حدیث میں ہے خوشخبری جنت کی اور ڈراوا جہنم سے لَا تُسْئَلُ کی دوسری قرات مَاتُسْئَلُ بھی ہے اور ابن مسعودؓ کی قرات میں لَنْ تُسْئَلَ بھی ہے یعنی تجھ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا جیسے فرمایا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہے اور فرمایا فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ تو نصیحت کرتا رہ۔ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ فرمایا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ الخ ہم ان کی باتیں بخوبی جانتے ہیں۔ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔ تم قرآن کی نصیحتیں انہیں سنا دو جو قیامت سے ڈرتے ہوں۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ ایک قرات اس کی وَلَا تَسْئَالُ بھی ہے یعنی ان جہنمیوں کے بارے میں اے نبیؐ مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ پھر آخری دم تک آپؐ نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا ابن جریرؒ نے بھی اسے بروایت موسیٰ بن عبیدہ وارد کیا ہے لیکن اس راوی پر کلام ہے۔ قرطبیؒ کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کا حال اتنا بد اور برا ہے کہ تم کچھ نہ پوچھو' تذکرہ میں قرطبیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ کے والدین زندہ کئے گئے اور ایمان لے آئے اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے جس میں آپ نے کسی کے سوال پر فرمایا ہے کہ میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔ ان کا جواب بھی وہاں ہے لیکن یاد رہے کہ آپ کے ماں باپ کے زندہ ہونے کی روایت کتب صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دن پوچھا کہ میرے باپ کہاں ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محال ہے کہ حضورؐ اپنے ماں باپ کے بارے میں شک کریں۔ پہلی ہی قرات ٹھیک ہے لیکن ہمیں امام ہمام پر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اسے محال کیسے کہہ دیا؟ ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب آپؐ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے تھے اور انجام معلوم نہ تھا۔ پھر جب ان دونوں کی حالت معلوم ہوگئی تو آپؐ اس سے ہٹ گئے اور بیزاری ظاہر فرمائی اور صاف بتلا دیا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عطا بن یسارؒ نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفت وثنا توراۃ میں کیا ہے تو آپؓ نے فرمایا' ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپ کی قرآن میں ہیں' وہی توراۃ میں بھی ہیں' توراۃ میں بھی ہے اے نبیؐ ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ تو نہ بدزبان ہے نہ سخت گو نہ بدخلق نہ بازاروں میں شور غل کرنے والا ہے۔ نہ تو برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے بلکہ معاف اور درگذر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ تیرے دین کو تیری وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کر دے اور لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں۔ اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی' ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد مزید ہے کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعبؓ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی ٹھیک یہی جواب دیا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ
قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ
الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا
نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ ۹ ۱۴

تجھ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے۔ تو کہہ دے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں نہ تو تیرا کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار ○ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے، وہ نقصان والا ہے ○

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۰-۱۲۱) آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے لہٰذا تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا کے پیچھے لگ جا۔ انہیں دعوت رسالت پہنچا دی۔ دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے۔ تو اس پر جم جا۔ حدیث شریف میں ہے، میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دھمکایا کہ ہرگز ان کی رضامندی اور ان سے صلح جوئی کے لئے اپنے دین میں سست نہ ہونا۔ ان کی طرف نہ جھکنا۔ ان کی نہ ماننا۔ فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں۔ اس لئے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا جیسے اور جگہ ہے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کفر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول منقول ہے اور دوسری روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔ واللہ اعلم۔

حق تلاوت سے کیا مراد ہے؟ ☆☆ پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں، قتادہؒ کہتے ہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال کیا جائے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، حلال و حرام کو جاننا، کلمات کو ان کی جگہ رکھنا، تغیر و تبدل نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کھلی آیتوں پر عمل کرنا، متشابہ آیتوں پر ایمان لانا، مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ابن عباس سے اس کا مطلب حق اتباع بجا لانا بھی مروی ہے۔ پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا میں، ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں، قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور

اللہ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے۔ پھر فرمایا اس پر ایمان یہی لوگ رکھتے ہیں یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کی سوچ سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں، وہ قرآن پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ اگر یہ توراۃ و انجیل پر اور اللہ کی ان کی طرف نازل کردہ چیز پر قائم رہتے تو ان کے اوپر سے اور پیروں تلے سے انہیں کھانا ملتا اور فرمایا اے اہل کتاب جب تک تم توراۃ و انجیل کو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس کو قائم نہ کر لو تب تک تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ ان کا قائم کرنا مستلزم ہے کہ تم اس میں جو ہے اسے سچا جانو اور اس میں حضورؐ کے ذکر کی صفات، آپ کی تابعداری کا حکم، آپ کی اتباع کی رغبت سب کچھ موجود ہے۔

اور جگہ فرمایا جو لوگ نبی امی کی تابعداری کرتے ہیں جس رسولؐ کا ذکر اور تصدیق اپنی کتاب توراۃ و انجیل میں بھی لکھا دیکھتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ الخ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور صحیح ہے۔ اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے اگلی کتاب دی ہے، وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہے تو اپنے ایمان کا اقرار کر کے کہتے ہیں، ہم تو پہلے ہی سے ماننے والوں میں ہیں۔ انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔ یہ لوگ برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دوسروں کو دیتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ الخ یعنی پڑھے لکھے اور بے پڑھے لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر مان لیں تو راہ پر ہیں اور اگر نہ مانیں تو تجھ پر صرف تبلیغ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ ساتھ کفر کرنے والے خسارے والے ہیں، جیسے فرمایا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے، اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت میں سے جو بھی مجھے سنے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنم میں جائے گا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲۲ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا
يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۱۲۳ وَاِذِ
ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۴

اے اولاد یعقوبؑ میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں، انہیں یاد کرو۔ میں نے تو تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے ○ اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا۔ عرض کرنے لگے۔ میری اولاد کو؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ○

انتباہ: ☆☆ (آیت: ۱۲۲-۱۲۳) پہلے بھی اسی جیسی آیت شروع سورت میں گذر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے۔ یہاں

صرف تاکید کے طور پر ذکر کی گئی اور انہیں نبی امی ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے- جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ ان کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے- پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کرنے کو کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچازاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی، ان میں جس خاتم النبین کو اللہ نے مبعوث فرمایا، ان سے حسد کر کے نبی کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے-

امام توحید: ☆☆ (آیت:۱۲۴) اس آیت میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہو رہا ہے جو توحید میں دنیا کے امام ہیں- جنہوں نے تکالیف پر صبر کر کے حکم اللہ کی بجا آوری میں ثابت قدمی اور جوانمردی دکھائی- فرماتا ہے، اے نبی تم ان مشرکین اور اہل کتاب کو جو ملت ابراہیمی کے دعویدار ہیں، ذرا ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کے واقعات تو سناؤ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین حنیف پر، اسوہ ابراہیمی پر کون قائم ہے- وہ یا آپؐ اور آپؐ کے اصحاب؟ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ابراہیمؑ وہ ہیں جنہوں نے پوری وفاداری دکھائی اور جگہ فرمایا اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ الخ ابراہیمؑ لوگوں کے پیشوا، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار، مخلص اور نعمت کے شکر گذار تھے جنہیں اللہ نے پسند فرما کر راہ راست پر لگا دیا تھا جنہیں ہم نے دنیا میں بھلائی دی تھی اور آخرت میں بھی صالح اور نیک انجام بنایا تھا- پھر ہم نے تیری طرف اے نبیؐ وحی کی کہ تو بھی ابراہیمؑ حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرکین میں سے نہ تھے- اور جگہ ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے نہ مشرک تھے بلکہ خالص مسلمان تھے ان سے قربت اور نزدیکی والا وہ شخص ہے جو ان کی تعلیم کا تابع ہو اور یہ نبیؐ اور ایمان والے، ان ایمان والوں کا دوست اللہ تعالیٰ خود ہے ابتلاء کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں- کلمات سے مراد شریعت، حکم اور ممانعت وغیرہ ہے، کلمات سے مراد کلمات تقدیریہ بھی ہوتی ہے جیسے مریم علیہا السلام کی بابت ارشاد ہے صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی- کلمات سے مراد کلمات شرعیہ بھی ہوتی ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی اللہ تعالیٰ کے شرعی کلمات سے سچائی اور عدل کے ساتھ پورے ہوئے- یہ کلمات یا تو سچی خبریں ہیں یا طلب عدل ہے غرض ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انہیں امامت کا درجہ ملا- ان کلمات کی نسبت بہت سے اقوال ہیں مثلاً احکام حج، موچھوں کو کم کرنا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا، مسواک کرنا، سر کے بال یا منڈوانا یا رکھوانا تو مانگ نکالنا، ناخن کاٹنا، زیر ناف کے بال کاٹنا، ختنہ کرانا، بغل کے بال کاٹنا، پیشاب پاخانہ کے بعد استنجا کرنا، جمعہ کے دن غسل کرنا، طواف کرنا، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا، رمی جمار کرنا، طواف افاضہ کرنا وغیرہ-

مکمل اسلام: ☆☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں، اس سے مراد پورا اسلام ہے جس کے تیس حصے ہیں دس کا بیان سورۂ برائت میں ہے اَلتَّآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سے مُؤْمِنِيْنَ تک یعنی توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، اللہ کی راہ میں پھرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنا، ایمان لانا- دس کا بیان ''قَدْ اَفْلَحَ'' کے شروع سے يُحَافِظُوْنَ تک ہے اور سورۂ معارج میں ہے یعنی نماز کو خشوع و خضوع سے ادا کرنا، لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا، زکوٰۃ دیتے رہا کرنا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، امانت داری کرنا، وعدہ وفائی کرنا، نماز پر ہیشگی اور حفاظت کرنا، قیامت کو سچا جاننا، عذابوں سے ڈرتے رہنا، سچی شہادت پر قائم رہنا اور دس کا بیان سورۂ احزاب میں اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ سے عَظِيْمًا تک ہے یعنی اسلام لانا، ایمان رکھنا، قرآن پڑھنا، سچ بولنا، صبر کرنا، عاجزی کرنا، خیرات دینا، روزہ رکھنا، بدکاری سے بچنا، اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا، ان تینوں احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے-

کلمات ابراہیمیؑ میں اپنی قوم سے علیحدگی کرنا' بادشاہ وقت سے نڈر ہو کر اسے بھی تبلیغ کرنا' پھر راہ اللہ میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا سہنا' پھر وطن اور گھر بار کو اللہ کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنا' مہمانداری کرنا' اللہ کی راہ میں جانی اور مالی مصیبت راہ اللہ برداشت کرنا یہاں تک کہ بچہ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھ سے- یہ کل احکام خلیل الرحمٰن علیہ السلام بجالائے- سورج' چاند اور ستاروں سے بھی آپؑ کی آزمائش ہوئی امامت کے ساتھ' بیت اللہ بنانے کے حکم کے ساتھ' حج کے حکم اور مقام ابراہیم کے ساتھ' بیت اللہ کے رہنے والوں کی روزیوں کے ساتھ' حضرت محمد ﷺ کو آپ کے دین پر بھیجنے کے ساتھ بھی آزمائش ہوئی- اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے خلیل میں تمہیں آزماتا ہوں' دیکھتا ہوں' تم کیا ہو؟ تو آپؑ نے فرمایا' مجھے لوگوں کا امام بنادے- اس کعبہ کو لوگوں کے ثواب اور اجتماع کا مرکز بنادے- یہاں والوں کو پھلوں کی روزیاں دے- یہ تمام باتیں عزوجل نے پوری کر دیں اور یہ سب نعمتیں آپؑ کو عطا ہوئیں- صرف ایک آرزو پوری نہ ہوئی- وہ یہ کہ میری اولاد کو بھی امامت ملے تو جواب ملا' ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا- کلمات سے مراد اس کے ساتھ کی آیتیں بھی ہیں-

مؤطا وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے' سب سے پہلے مہمان نوازی کرنے والے' سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے' سب سے پہلی مونچھیں پست کرنے والے' سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے' حضرت ابراہیم ہی ہیں- سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ یا یہ کیا ہے؟ جواب ملا' وقار و عزت ہے- کہنے لگے پھر تو اے اللہ اسے اور زیادہ کر- سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے والے' سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے' سب سے پہلے تلوار چلانے والے' سب سے پہلے مسواک کرنے والے' سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے' سب سے پہلے پاجامہ پہننے والے' حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں- ایک غیر ثابت حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' گر میں منبر بناؤں تو میرے باپ ابراہیمؑ نے بھی بنایا تھا اور اگر میں لکڑی ہاتھ میں رکھوں تو یہ بھی میرے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے- مختلف بزرگوں سے کلمات کی تفسیر میں جو کچھ ہم نے نقل کر دیا اور ٹھیک بھی یہی ہے کہ یہ سب باتیں ان کلمات میں تھیں- کسی خاص تخصیص کی کوئی وجہ ہمیں نہیں ملی واللہ اعلم-

صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں- مونچھیں کم کرنا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی دینا' ناخن لینا' پوریاں دھونی' بغل کے بال لینا' زیر ناف کے بال لینا' استنجا کرنا- راوی کہتا ہے میں دسویں بات بھول گیا شاید کلی کرنا تھی-

صحیحین میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں پانچ باتیں فطرت کی ہیں- ختنہ کرانا' موئے (بال) زہار لینا' مونچھیں کم کرنا' ناخن لینا بغل کے بال لینا' ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو وفا کرنے والا اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر صبح کے وقت پڑھتے تھے سُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرِجُوْنَ ایک اور روایت میں ہے کہ ہر دن چار رکعتیں پڑھتے تھے لیکن یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور ان میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ضعف کی بہت سی وجوہات ہیں بلکہ ان کا بیان بھی بے بیان ضعف جائز نہیں متن بھی ضعف پر دلالت کرتا ہے-

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی امت کی خوشخبری سن کر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے تھے جو قبول تو کی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر کر دی جاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا- وہ امام نہ بنائے جائیں گے نہ ان کی اقتدا اور پیروی کی جائے گی- سورۂ عنکبوت کی آیت میں اس مطلب کو واضح کر دیا گیا ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی- وہاں ہے وَجَعَلْنَا فِیْ

ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ یعنی ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے انبیاء اور رسول آئے' وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں' سب آپ ہی کی اولاد میں ہوئیں صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گے۔ ظالم سے مراد بعض نے مشرک بھی لی ہے۔ عہد سے مراد امر ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑا نہ بنانا چاہئے گو وہ اولاد ابراہیمؑ میں سے ہو' حضرت خلیلؑ کی دعا ان کی نیک اولاد کے حق میں قبول ہوئی ہے۔ یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ ظالم سے کوئی عہد نہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اس کا عہد توڑ دیا جائے۔ پورا نہ کیا جائے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ دینے کا عہد نہیں کیا۔ دنیا میں تو کھا پی رہا ہے اور عیش و عشرت کر رہا ہے۔ بس یہی ہے عہد سے مراد دین بھی ہے یعنی تیری کل اولاد دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ یعنی ان کی اولاد میں بھلے بھی ہیں اور برے بھی' اطاعت کے معنی بھی کئے گئے ہیں یعنی اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہی ہوگی اور عہد کے معنی نبوت کے بھی آئے ہیں۔ ابن خویز منداذ مالکیؒ فرماتے ہیں ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے نہ حاکم نہ مفتی نہ گواہ نہ راوی۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ
اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

ہم نے بیت اللہ لوگوں کے لیئے ثواب کی اور امن و امان کی جگہ بنائی۔ تم مقام ابراہیمؑ کو قبلہ مقرر کر لو ○

شوق زیارت اور بڑھتا ہے : ☆☆ (آیت:۱۲۵) ''مَثَابَةً'' سے مراد بار بار آنا۔ حج کرنے کے بعد بھی دل میں لگن لگی رہتی ہے۔ گویا حج کرنے کے بعد بھی ہر بار دل میں ایک بار اور حج کرنے کی تمنا رہتی ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ بھاگے دوڑے اس کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ یہی جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی امن کا مقام ہے جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی اس کے آس پاس تو لوٹ مار ہوتی رہتی لیکن یہاں امن و امان ہی رہتا۔ کسی کو کوئی گالی بھی نہیں دیتا۔ یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی۔ نیک روحیں اس کی طرف مشتاق ہی رہتی ہیں۔ گو ہر سال زیارت کریں لیکن پھر بھی شوق زیارت کم نہیں ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے۔ آپ نے دعا مانگی تھی کہ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ الخ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے۔ یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا۔ سورۂ مائدہ میں ہے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اگر لوگ حج کرنا چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر گرا دیا جائے۔ اس گھر کے اس شرف کو دیکھ کر پھر اس کے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے شرف کو خیال فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ الخ ہم نے بیت اللہ کی جگہ ابراہیمؑ کو بتا دی (اور کہہ دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ اور جگہ ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ الخ اللہ جل شانہ کا پہلا گھر مکہ میں ہے جو برکت و ہدایت والا۔ نشانیوں والا۔

مقام ابراہیم والا۔ امن و امان والا ہے۔ مقام ابراہیم بھی ہے اور حج کل کا کل بھی ہے مثلاً عرفات' مشعر الحرام' منیٰ' رمی' جمار' صفا' مروہ کا طواف' مقام ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہانے کے لئے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا لیکن حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں' یہ غلط ہے۔ دراصل یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ بناتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ کی لمبی حدیث میں ہے' جب نبی ﷺ نے طواف کر لیا تو حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا'

کیا یہی ہمارے باپ ابراہیمؑ کا مقام ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں' کہا' پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی-

ایک اور روایت میں ہے کہ فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر تھوڑی ہی دیر گذری تھی جو حکم نازل ہوا- ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے دن مقام ابراہیمؑ کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمرؓ نے پوچھا' یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں یہی ہے- صحیح بخاری شریف میں ہے- حضرت عمرؓ فرماتے ہیں' میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی- جو اللہ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا- میں نے کہا' حضورؐ کاش کہ ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنالیتے تو حکم وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نازل ہوا- میں نے کہا' یارسول اللہؐ کاش کہ آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں' اس پر پردے کی آیت اتری- جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضورؐ اپنی بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آؤ گی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے اپنے نبی کو دے گا- اس پر فرمان باری نازل ہوا کہ عَسٰى رَبُّهٗۤ الخ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے- ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ کی موافقت مروی ہے- آپؓ نے فرمایا تھا کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور تھا- عبداللہ بن ابی بن سلول منافق جب مر گیا اور حضورؐ اس کے جنازے کی نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے کہا تھا کہ کیا آپ اس منافق کافر کا جنازہ پڑھیں گے؟ آپؐ نے مجھے ڈانٹ دیا- اس پر آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ الخ نازل ہوئی اور آپؐ کو ایسوں کے جنازے سے روکا گیا-

ابن جریج میں روایت ہے آنحضرتؐ نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی دڑکی چال چلے اور چار پھیرے چل کر کئے- پھر مقام ابراہیمؑ کے پیچھے آ کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپؐ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا- ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیمؑ سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بنا رہے تھے- حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور آپؑ کعبہ کی بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سرکاتے جاتے تھے جہاں دیوار اونچی کرنی ہوتی تھی' وہاں لے جاتے تھے- اسی طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں- اس کا پورا بیان حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں آئے گا- ان شاء اللہ تعالیٰ اس پتھر پر آپؑ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے- عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے- ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے۔

وَمَوْطِیءُ اِبْرٰهِيْمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةً عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

یعنی اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا تھا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہؑ کے پیروں کی انگلیوں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا- پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے' تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں- اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم الہ العالمین بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان رساں ہیں- وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے- یہ مقام ابراہیمؑ پہلے دیوار کعبہ کے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہو گا اور یہیں وہ پتھر رکھا ہے-

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے پیچھے ہٹا دیا- اس کے ثبوت میں بہت سی روایتیں ہیں- پھر ایک مرتبہ پانی کے سیلاب میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا- خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا- حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہوا کہ یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا- اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا- ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرتؐ نے اسے اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے- ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے پیچھے رکھا' واللہ اعلم-

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ
وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ
اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۲۶

ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو ○ جب ابراہیمؑ نے کہا اے پروردگار تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں' پھلوں کی روزیاں دے- اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا افائدہ دوں گا- پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا- یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے ○

عہد جو مترادف حکم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۵-۱۲۸) یہاں عہد سے مراد وہ حکم ہے جس میں کہا گیا گندی اور نجس اور بری چیزوں سے پاک رکھنا- عہد کا تعدیہ الی سے ہو تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہہ دیا- پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بتوں سے بچانا' غیر اللہ کی عبادت نہ ہونے دینا' لغو کاموں' فضول بکواس' جھوٹی باتوں' شرک و کفر' ہنسی اور مذاق سے اسے محفوظ رکھنا بھی اسی میں شامل ہے- طائف کے ایک معنی تو طواف کرنے والوں کے ہیں- دوسرے معنی باہر سے آنے والوں کے ہیں- اس تقدیر پر عَاكِفِيْن کے معنی مکہ کے باشندے ہوں گے- ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہئے کہ لوگوں کو بیت اللہ شریف میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کوئی کسی وقت جنبی ہو جائے- ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہئے- ابن عمرؓ انہیں بھی عَاكِفِيْنَ کہتے تھے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبویؐ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سویا کرتے تھے- وہ جوان اور کنوارے تھے- رُكَّعِ السُّجُوْدِ سے مراد نمازی ہیں- پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی- دوسرے اس لئے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں خلوص کی بات رکھیں- دوسری جگہ ارشاد ہے وَاِذْ بَوَّاْنَا الخ اس آیت میں بھی حکم ہے کہ میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا- فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف؟ امام مالکؒ فرماتے ہیں باہر والوں کے لئے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لئے نماز افضل ہے اس کی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں۔

مقصد اس سے مشرکین کو تنبیہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنا اور خالص اللہ کی عبادت کرنے والوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح بے انصافی ہے اور اسی لئے اور جگہ قرآن میں فرمایا کہ ایسے ظالموں کو ہم

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما۔ تو سننے اور جاننے والا ہے ○ اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت اپنی اطاعت گذار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے ○

دردناک عذاب چکھائیں گے۔ مشرکین کی اس کھلی تردید کے ساتھ ہی یہود و نصاری کی تردید بھی اس آیت میں ہو گئی کہ اگر وہ ابراہیم و اسماعیل سلام اللہ علیہما کی افضلیت، بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شریف گھرانے کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے، جب وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت اللہ کے لئے بنایا گیا ہے۔ حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر ان نبیوں کی تابعداری کے دعوے کے باوجود کیوں حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں؟ کیوں بیت اللہ شریف میں حاضری نہیں دیتے؟ بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اس گھر کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ آیہ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مسجدوں کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے۔ اور جگہ قرآن میں ہے فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے۔ ان میں صبح شام اس کی تسبیح اس کے نیک بندے کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی ہے کہ مسجدیں اسی کام کے لئے ہیں اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مسجدوں کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبۃ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا لیکن یہ سنداً غریب ہے۔ بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا۔ حرا۔ طور سینا۔ طور زیتا۔ جبل لبنان اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سنداً غریب ہے بعض کہتے ہیں شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور فرمایا میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ اس میں شکار نہ کھیلا جائے۔ یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور ﷺ اسے لے کر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں، ہمارے شہر میں، ہمارے ناپ تول میں بھی برکت دے۔ اے اللہ ابراہیمؑ تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے۔ میں بھی تیرا بندہ، تیرا رسول ہوں۔ انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔ میں تجھ سے مدینہ (منورہ) کے لئے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے کی تھی۔ آپ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ابوطلحہؓ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو ہماری خدمت کے لئے لے آؤ۔ ابوطلحہ مجھے لے کر حاضر ہوئے۔ اب میں سفر و حضر میں حاضر خدمت رہنے لگا۔ ایک مرتبہ آپؐ باہر سے آ رہے

تھے۔ جب احد پہاڑ نظر پڑا تو آپؐ نے فرمایا' یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ میں اس کے دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ اے اللہ ان کے مد اور صاع میں اور ناپ میں برکت دے۔ اور روایت میں ہے' یا اللہ جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے' اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے اور روایت میں ہے' مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا اور پتے بھی یہاں کے درختوں کے نہ جھاڑے جائیں۔ اسی مضمون کی حدیثیں جن سے ثابت ہوتا ہے' مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے اور بھی بہت سی ہیں۔

یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ شریف کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور امن ہے۔ بعض کہتے ہیں خلیل اللہ کے زمانہ سے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے' تب سے اس شہر کو حرمت و عزت والا بنایا ہے۔ اب یہ قیامت تک حرمت و عزت والا ہی رہے گا۔ اس میں جنگ و قتال کسی کو حلال نہیں۔ میرے لئے بھی صرف آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لئے حلال تھا۔ اب وہ حرام ہی حرام ہے۔ سنو اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں۔ اس کا شکار نہ بھگایا جائے۔ اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ جو پہچنوائی جائے اس کے لئے اٹھانا جائز ہے۔ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ حدیث آپؐ نے اثنائے خطبہ میں بیان فرمائی تھی اور حضرت عباسؓ کے سوال پر آپ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔

حضرت ابن شریح عدویؓ نے عمر بن سعید سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا' جسے میرے کانوں نے سنا' دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضورؐ کو اس وقت دیکھا۔ آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم کیا ہے۔ لوگوں نے نہیں کیا' کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں۔ اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہہ دینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی اس کی ساعت یہاں جہاد حلال تھا۔ پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی۔ خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے لیکن عمر (بن سعید) نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دے دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں۔ حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا (بخاری مسلم)۔

ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ سمجھے۔ تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ نے کی۔ جس طرح آنحضرتؐ نبی تو اس وقت سے تھے جب کہ حضرت آدم کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ اس وقت بھی خاتم الانبیاء لکھے ہوئے تھے لیکن تاہم حضرت ابراہیمؑ نے آپ کی نبوت کی دعا کی کہ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جو اللہ نے پوری کی اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و باہر ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے کہا کہ آپ اپنی ابتدا نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' میرے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ بن مریمؑ کی بشارت اور میری ماں کا خواب وہ دیکھتی ہیں کہ ان سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔

مدینہ منورہ افضل یا مکہ مکرمہ؟ ☆☆ اس بات کا بیان کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ جیسا کہ جمہور کا قول ہے جیسے کہ امام مالکؒ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے۔ مدینہ افضل ہے مکہ سے۔ اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نڈر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا

ہے جیسے کہ فرمایا وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا اور جگہ ارشاد ہے اَوَلَمْ یَرَوْا الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا۔ لوگ اس کے آس پاس سے اچک لئے جاتے ہیں اور یہاں وہ پر امن رہتے ہیں۔ اسی قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں بھی اوپر گزر چکی ہیں کہ مکہ شریف میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے (صحیح مسلم) آپ کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بنا سے پہلے تھی۔ اس لیئے کہا کہ اے اللہ یا اس جگہ کو امن والا شہر بنا' سورہ ابراہیم میں یہی دعا ان لفظوں میں ہے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی۔ جب بیت اللہ شریف تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاقؑ جو حضرت اسمٰعیلؑ سے تین سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے اسی لئے اس دعا کے آخر میں ان کی پیدائش کا شکریہ بھی ادا کیا۔

وَمَنْ كَفَرَ سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بعض نے اسے بھی دعا میں داخل کیا ہے تو اس تقدیر پر یہ مطلب ہو گا کہ کفار کو بھی تھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر' اس میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی خلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی بری اولاد کے بھی مخالف ہیں اور اسے کلام اللہ ماننے کا یہ مطلب ہو گا کہ چونکہ امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لئے کیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان سن چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ کے پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرمان ہوں گے تو مارے ڈر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والی نسلوں کی روزی طلب کرتے ہوئے صرف ایماندار اولاد کے لئے کہا۔ ارشاد باری ہوا کہ دنیاوی فائدہ تو کفار کو بھی دیتا ہوں جیسے اور جگہ ہے كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ الخ یعنی ہم انہیں اور ان کو بھی فائدہ دیں گے۔ تیرے رب کی بخشش محدود نہیں۔

اور جگہ ہے جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' وہ فلاح نہیں پاتے۔ دنیا کا کچھ فائدہ گو اٹھا لیں لیکن ہماری طرف آ کر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کا کفر تجھے غمگین نہ کرے۔ جب یہ ہماری طرف لوٹیں گے تو ان کے اعمال پر ہم انہیں تنبیہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم انہیں یونہی سا فائدہ پہنچا کر سخت غلیظ عذابوں کی طرف بے قرار کریں گے۔ اور جگہ ہے لَوْ لَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ الخ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر ٹیکے لگائے بیٹھے رہتے اور سونا بھی دیتے لیکن یہ سب دنیوی فوائد ہیں۔ آخرت کا بھلا گھر تو صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے۔ یہاں ڈھیل پا لیں گے لیکن وہاں سخت پکڑ ہو گی۔ جیسے اور جگہ ہے وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ الخ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی۔ پھر پکڑ لیا۔ انجام کو تو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے صحیحین کی حدیث میں ہے' گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر اسے اچانک پکڑ لیتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الخ اس جملہ کو حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں شامل کرنا شاذ قرات کی بنا پر ہے جو ساتوں قاریوں کی قرات کے خلاف ہے اور ترکیب سیاق و سباق بھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ قال کی ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے اور اس شاذ قرات کی بنا پر اس کے فاعل اور قائل بھی حضرت ابراہیمؑ ہی ہوتے ہیں جو نظم کلام سے بظاہر مخالف ہے۔ واللہ اعلم۔

قواعد جمع ہے قَاعِدَةٌ کی ترجمہ اس کا پایہ اور نیو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبیؐ اپنے والوں کو بنائے ابراہیمی کی خبر دو' ایک قرات

میں وَاِسۡمٰعِیۡلُ کے بعد وَیَقُوۡلَانِ بھی ہے- اسی کی دلالت میں آگے لفظ مُسۡلِمَیۡنِ بھی ہے- دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہونے کا کھٹکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں- حضرت وہیب بن ورد جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو بہت روتے اور فرماتے آہ! خلیلؑ الرحمٰن جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر اللہ کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں- اس کا گھر اس کے فرمان سے بناتے ہیں اور پھر خوف ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گر نہ جائے- سچ ہے مخلص مومنوں کا یہی حال ہے یُؤۡتُوۡنَ مَآ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ وہ نیک کام کرتے ہیں- صدقے خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف اللہ سے کانپتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ قبول نہ ہوں- حضرت عائشہؓ کے سوال پر اس آیت کا یہی مطلب زبان رسالت سے بیان ہوا ہے- بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بنیادیں حضرت ابراہیمؑ اٹھاتے تھے اور دعا حضرت اسماعیلؑ کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے- صحیح بخاری شریف کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کئے جانے کے قابل ہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کمر بند باندھنا عورتوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے- انہوں نے اسے باندھا تھا کہ حضرت مائی سارہؓ کو ان کا نقش قدم نہ ملے- انہیں اور ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نکلے جبکہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا-

سناٹے کی آغوش میں زندگی: ☆☆ اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے، یہاں ایک ٹیلہ تھا- اور سنسان بیابان تھا کوئی رہنے سہنے والا وہاں نہ تھا- یہاں پہنچ کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے- جب خلیل اللہؑ نے پیٹھ موڑی اور جانے لگے تو مائی ہاجرہ نے آواز دی، اے خلیل اللہ، ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں یکہ و تنہا چھوڑ کر، جہاں ہمارا کوئی مونس و ہمدم نہیں، آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی، منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا-

حضرت ہاجرہؓ کے بار بار کہنے پر بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں، اللہ کے خلیل آپ ہمیں کسے سونپ چلے؟ آپ نے کہا، اللہ تعالیٰ کو، کہا اے خلیل اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے، یہ سن کر ام اسمٰعیلؑ کو تسکین ہو گئی اور فرمانے لگیں- پھر تشریف لے جایئے- وہ اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا- اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے- حضرت ہاجرہؓ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں کے نور ابن نبیؑ اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں- حضرت ابراہیمؑ جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہؓ پیچھے نہیں اور وہاں سے یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ الخ اله العالمین میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں- تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے شاید وہ شکر گذاری کریں- آپ تو یہ دعا کر کے حکم اللہ بجا لا کر اپنی اہل و عیال کو سپرد اللہ کر کے چلے گئے-

ادھر حضرت ہاجرہ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لگیں- جب تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا- اب اناج کا ایک دانہ پاس ہے، نہ پانی کا گھونٹ، خود بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اس معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا- ماں مامتا بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے، کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال بغور دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے- معلوم ہے کہ کسی انسان کا گذر اس بھیانک جنگل میں نہیں- میلوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں- کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آ سکتا-

آخر اس ننھی سی جان کا یہ ابتر حال نہیں دیکھا جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا' اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظریں دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آ جائے لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف سے واپس آتی ہیں تو اتر کر وادی میں پہنچ کر دامن اٹھا کر دوڑتی ہوئی مروہ پہاڑ کی طرف جاتی ہیں- اس پر چڑھ کر نگاہیں چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں- اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں- ہر بار آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں کہ اس کی حالت ساعت بہ ساعت بگڑتی جا رہی ہے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' صفا مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں' اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی- ساتویں مرتبہ جب حضرت ہاجرہؓ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کان میں پڑتی ہے آپ خاموش ہو کر احتیاط کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اس مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور اب جہاں زمزم ہے وہاں حضرت جبرئیلؑ کو پاتی ہیں-

حضرت جبرئیلؑ پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں' میں ہاجرہ ہوں- میں حضرت ابراہیمؑ کے لڑکے کی ماں ہوں- فرشتہ پوچھتا ہے- ابراہیمؑ تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتی ہیں اللہ کو- فرمایا پھر تو وہ کافی ہے- حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا- اے غیبی شخص' آواز تو میں نے سن لی- کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی- وہیں زمین سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا- حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ہاتھوں سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا- مشک بھر کر پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہہ کر نکل نہ جائے' آس پاس باڑ باندھنی شروع کر دی- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ ام اسمٰعیلؑ پر رحم کرے- اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا- اب حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور بچہ کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں- فرشتے نے کہہ دیا کہ تم بے فکر رہو- اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا- جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا حضرت ہاجرہ اب یہیں رہ پڑیں- زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں- بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی- اِدھر اُدھر سے پانی گذر جاتا ہے اور یہاں امن رہتا کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ کدا کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گزرا اور مکہ شریف کے نیچے کے حصہ میں اترا- ان کی نظریں ایک آبی پرند پر پڑیں تو آپس میں کہنے لگے' یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور یہاں پانی کبھی نہ تھا- ہماری آمد و رفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی- یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے- یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی اصلیت معلوم کرنے کے لئے بھیجے- انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے- اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسمٰعیلؑ سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں- پانی کی جگہ ہے- آپؑ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا- حضورؐ فرماتے ہیں' ہاجرہ تو چاہتی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے چنانچہ یہ قافلہ یہاں رہ پڑا-

حضرت اسمٰعیلؑ بھی بڑے ہو گئے- ان سب کو آپ سے بڑی ہی محبت ہو گئی یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا اور انہی سے عربی بھی سیکھی- مائی ہاجرہ علیہا السلام کا انتقال یہیں ہوا- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو آپؑ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے تشریف لائے- بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا- ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس جاتے تھے- یہاں آئے تو حضرت اسمٰعیلؑ گھر پر نہ ملے- اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں- آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے- بڑی تنگی اور سختی ہے- فرمایا اچھا تمہارے خاوند آویں تو

انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہؑ جب واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا۔ پوچھنے لگے، کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا، ہاں ایسی ایسی شکل وشباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے؟ آپ کی نسبت پوچھا، میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں پھر پوچھا کہ گذران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گذر اوقات ہوتی ہے۔ پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا، ہاں کہہ گئے ہیں کہ جب وہ آئیں، میرا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔ آپ فرمانے لگے۔ بیوی سنو یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ (چونکہ تم نے ناشکری کی) میں تم کو الگ کر دوں۔ جاؤ میں نے تمہیں طلاق دی۔ انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔

ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ باجازت الٰہی یہاں آئے۔ اب کی مرتبہ بھی اتفاقا حضرت ذبیحؑ سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں۔ آپ آیئے تشریف رکھئے۔ جو کچھ حاضر ہے تناول فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ گذر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا الحمد للہ۔ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل اللہ کشادگی اور راحت ہے۔ اللہ کا بڑا شکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت۔ پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی۔ آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اگر اناج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو حضرت خلیل علیہ السلام ان کیلئے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے۔ اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گذر کر سکتے ہیں۔ اور لوگ نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا میں تو جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں۔ ازاں بعد حضرت اسمٰعیلؑ آئے سارا واقعہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے۔ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں (تم شکر گذار ہو)

تعمیر کعبہ : ☆☆ پھر ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسمٰعیلؑ کو زمزم کے پاس ایک ٹیلے پر تیر سیدھے کرتے ہوئے پایا، حضرت اسمٰعیلؑ باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور باادب ملے۔ جب باپ بیٹے ملے تو خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا، اے اسماعیل مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا، ابا جان جو حکم ہوا ہو، اس کی تعمیل کیجئے۔ کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے۔ میں حاضر ہوں۔ کہا اس جگہ اللہ کا ایک گھر بنانا ہے۔ کہنے لگے بہت بہتر۔ اب باپ بیٹوں نے بیت اللہ کی نیو رکھی اور دیواریں اونچی کرنی شروع کیں۔ حضرت اسمٰعیل پتھر لا لا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم چنتے جاتے تھے۔ جب یہ دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ یہ پتھر یعنی مقام ابراہیم کا پتھر لائے اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹے یہ دعا مانگتے جاتے تھے کہ باری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمانا۔ تو سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے۔ کہیں مختصرا اور کہیں مفصلا۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہؑ کے بدلے جو دنبہ ذبح ہوا تھا، اس کے سینگ بھی کعبۃ اللہ میں تھے۔ اوپر کی لمبی روایت بروایت حضرت علیؓ بھی مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کے قریب پہنچے تو آپ علیہ السلام نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیمؑ جہاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے، وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو، کمی زیادتی نہ ہو، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے لیکن پہلی روایت ہی ٹھیک ہے اور اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بنا پہلے رکھدی تھی لیکن بنایا

بعد میں اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علیؓ سے بناء بیت اللہ کی شروع کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ۔ حضرت ابراہیمؑ گھبرائے کہ مجھے کہاں بنانا چاہیے۔ کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہیے وغیرہ۔ اس پر سکینہ نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے، وہاں تم میرا گھر بناؤ۔ آپ نے بنانا شروع کیا جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ لاؤ۔ آپ پتھر ڈھونڈ لائے تو دیکھا کہ آپؑ اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں، پوچھا یہ پتھر کون لایا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے یہ پتھر حضرت جبرئیلؑ آسمان سے لے کر آئے۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے، وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی۔ یہیں سے زمین پھیلائی گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کعبتہ اللہ بنانے کے لئے حضرت خلیل آرمینیہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں حجر اسود حضرت جبرئیلؑ ہند سے لائے تھے۔ اس وقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا جو حضرت آدمؑ نے بنا کی۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت آدم ہند میں اترے تھے۔ اس وقت ان کا قد لمبا تھا۔ زمین میں آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح، نماز و دعا وغیرہ سنتے تھے۔ جب قد گھٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہوگئیں تو آپ گھبرانے لگے۔ حکم ہوا کہ مکہ کی طرف جاؤ۔ آپؑ چلے۔ جہاں جہاں آپ کا قدم پڑا وہاں آبادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک یاقوت جنت سے اتارا اور بیت اللہ کی جگہ رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا۔ حضرت آدمؑ یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے۔ گھبراہٹ جاتی رہی۔ حضرت نوحؑ کے طوفان کے زمانہ میں یہ پھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا۔ حضرت آدمؑ نے یہ گھر حراطور زیتا جبل لبنان طور سینا اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن ان تمام روایتوں میں تفاوت ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایتوں میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بتانے کے لئے حضرت جبرئیلؑ چلے تھے۔ اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کس دور عمالیق کی آبادی تھی۔ یہاں آپ حضرت ام اسماعیلؑ کو اور حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک چھپر تلے بٹھا گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں۔ پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑیں گواہی دیں گی۔ پانچ بھیڑوں نے کہا ہم گواہی دیتی ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں، ذوالقرنین خوش ہوگئے اور کہنے لگے، میں نے مان لیا۔ الرزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہؑ اور ذبیح اللہؑ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے قواعد بنیان اور اساس کو کہتے ہیں۔ یہ قَاعِدَۃٌ کی جمع ہے۔ قرآن میں اور جگہ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ بھی آیا ہے۔ اس کا مفرد بھی قاعد ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، کیا تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیمؑ سے گھٹا دیا میں نے کہا حضورؐ آپ اسے بڑھا کر اصلی بنا کر دیں۔ فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس کے دو ستونوں کو چھوتے

نہ تھے صحیح مسلم شریف میں ہے- حضورؐ فرماتے ہیں- اے عائشہؓ اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کر ڈالتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا- صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ میں اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کے لئے چنانچہ ابن زبیرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا- اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بنائے ابراہیمی پر بناتا- اور روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے باہر کر دیا ہے-

نبی ﷺ کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا- اس کا مفصل ذکر ملاحظہ ہو- اس بناء میں خود حضور بھی شریک تھے- آپ کی عمر پینتیس (٣٥) سال کی تھی اور پتھر آپ بھی اٹھاتے تھے- محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی، اس وقت قریش نے کعبتہ اللہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا- ایک تو اس لئے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں- چھت نہ تھی- دوسرے اس لئے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے بیچ میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا- یہ مال ''دویک'' کے پاس ملا تھا جو خزاعہ کے قبیلے بنی ملیح بن عمرو کا مولی تھا- ممکن ہے چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے- ایک اور قدرتی سہولت بھی ان کے لئے ہو گئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں، وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آ لگی تھی- یہ لکڑیاں چھت میں کام آ سکتی تھیں- اس لئے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی جو قبطی قبیلہ میں سے تھا، کو چھت کا کام سونپا- یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہ پڑتی تھی- اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے- بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بڑا اژدھا تھا- جب کبھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا- یہ سانپ ہر روز اس کنویں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواروں پر آ بیٹھتا تھا- ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا- وہ اسے پکڑ کر لے اڑا- قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی مولا کے مطابق ہے- لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں بڑھئی بھی ہمارے پاس موجود ہے- سانپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دفع کیا-

اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبتہ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں- سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبتہ اللہ کو گرا کر اتارا جو اس کے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا- اس نے تمام قریشیوں سے خطاب کر کے کہا، سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال خرچ کرے- اس میں زنا کاری کا روپیہ، سودی بیوپار کا روپیہ، ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا بعض لوگ کہتے ہیں، یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے دیا تھا، اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لئے گئے دروازہ کا حصہ بنو عبد مناف اور زہرہ بنائیں- حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم بنائیں- قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں- کعبہ کا پچھلا حصہ بنو جمح اور سہم بنائیں- حطیم کے پاس کا حصہ بنو عبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزی اور بنو عدی بن کعب بنائیں- یہ مقرر کر کے اب بنی ہوئی عمارت کو ڈھانے کے لئے چلے لیکن کسی کو ہمت نہیں پڑتی کہ اسے ڈھانا شروع کرے- آخر ولید بن مغیرہ نے کہا- لو میں شروع کرتا ہوں- کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں- ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں- یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا- قریشیوں نے کہا- بس اب چھوڑ دو اور رات بھر کا انتظار کرو- اگر اس شخص پر کوئی وبال آ جائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانا اللہ کو ناپسند نہیں- پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں لگ جانا چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی- اب سب آ گئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے- یہاں سبز

پھر اسی بناء رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے- ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا- اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام مکہ کی زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر ان کی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں- اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں- اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھر کو اسی طرح رہنے دیا-

پھر ہر قبیلہ نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کئے اور عمارت بنی شروع ہوئی یہاں تک کہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے- اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے- آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے- یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آ گئی- فرقے آپس میں کھچ گئے اور لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے- بنو عبدالدار اور بنو عدی نے ایک طشتری میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے- اسی طرح چار پانچ دن گذر گئے- پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں تو ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور عقلمند تھے' کہا سنو لوگو' تم اپنا منصف کسی کو بنا لو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو- لیکن پھر منصف بنانے میں بھی اختلاف ہوگا- اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف- اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا- اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟

پس سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آئے- آپ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے- ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے- ہم آپؐ کے حکم پر رضامند ہیں- یہ تو امین ہیں- یہ تو محمد (ﷺ) ہیں- پھر سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا- آپؐ نے فرمایا- جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ- وہ لے آئے- آپؐ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا- پھر فرمایا- ہر قبیلہ کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے- اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اٹھا لیا- جب اس کے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ کے نبیؐ نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اسی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع و اختلاف بلکہ جدال و قتال رفع ہو گیا اور اس طرح اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ اپنے گھر میں اس مبارک پتھر کو نصب کرایا- حضورؐ پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش آپ کو امین کہا کرتے تھے- اب پھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی- ابن اسحاقؒ مورخ فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا- قباطی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا- پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا- ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا-

کعبہ کی یہی عمارت رہی- یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا- یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیرؓ کا مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا- ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث سنی تھی' اسی کے مطابق حضور کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا- حطیم اندر شامل کر لیا- مشرق و مغرب دو دروازے رکھے- ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا- آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا- یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے- اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنا لیا-

صحیح مسلم شریف میں ہے' یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب کہ شامیوں نے مکہ شریف پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا- اس وقت حضرت عبداللہؓ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا- موسم حج کے موقع پر لوگ جمع ہوئے- انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا- ازاں بعد آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ کیا کعبۃ اللہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں یا جو ٹوٹا ہوا ہے' اس کی اصلاح کر لیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اسی کی مرمت کر دیں۔ باقی سب پرانا ہی رہنے دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جاتا تو وہ تو خوش نہ ہوتا جب تک اسے نئے سرے سے نہ بناتا پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو؟ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا۔ پھر جو سمجھ میں آئے گا' وہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑی جائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کی جائے چنانچہ یہ حکم دے دیا لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لئے چڑھے گا' اس پر عذاب نازل ہو گا لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر توڑا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا انہیں پہنچی تو اب ڈھانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا۔ اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا۔

اب بناء بیت اللہ شروع ہوئی۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا' میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا' وہ کہتی تھی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے کرتا۔ ایک آنے کا اور ایک جانے کا' حضرت عبداللہؓ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا' اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا۔ ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے۔ میرے پاس کافی روپیہ ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضورؐ کی تمنا پوری نہ کروں چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم اندر لے لیا اور اب جو دیوار کھڑی کی تو ٹھیک ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا۔ اب جو اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو چھوٹا ہو گیا اس لئے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا' ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ شریف کے عادلوں نے دیکھا ہے' ٹھیک حضرت ابراہیمؑ کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے لیکن عبدالملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو اور حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو تڑوا کر پھر اسی بناء پر بنا دیا لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی بناء کو باقی رکھا جاتا اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں۔ ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے تڑوا دیا۔ جب انہیں حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑاتے چنانچہ صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث بن عبیداللہؓ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا' میرا خیال ہے کہ ابو حبیب یعنی عبداللہ بن زبیرؓ نے (اپنی خالہ) حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی ہو گی۔ حارثؓ نے کہا ضرور سنی تھی۔ خود میں نے بھی ام المومنین سے سنا ہے' پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہؓ تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا۔ اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے ان کی کمی کو پورا کر دیتا لیکن آؤ میں تجھے اصلی نیو بتا دوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اس کی اصلیت پر بنانا چاہے تو آپؐ نے حضرت صدیقہؓ کو حطیم میں سے قریباً سات ہاتھ اندر داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اس کے دروازے بنا دیتا۔ ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کا اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا۔ ایک مشرق رخ رکھتا۔ دوسرا مغرب رخ۔ جانتی ہو کہ تمہاری قوم نے دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے؟ آپ نے عرض کی حضورؐ مجھے خبر نہیں' فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لئے کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے

چاہیں داخل نہ ہونے دیں۔ جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دے دیتے۔ وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اسے ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔ عبدالملک نے کہا اے حارث خود سنا ہے تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے سوچتے رہے۔ پھر کہنے لگے کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہؓ کو کوس کر کہا کہ وہ حضرت عائشہؓ پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارثؓ نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے۔ میں نے بھی حضرت صدیقہ سے یہ سنا ہے۔ اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔ قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے لکھا ہے خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیر کے بنائے ہوئے کے مطابق بنا دوں۔ امام مالک نے فرمایا۔ آپ ایسا نہ کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ کعبہ بادشاہوں کا ایک کھلونا بن جائے۔ جو آئے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کرے گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں، گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ کر دے گا۔ اس کا غلاف لے جائے گا اور اس کا خزانہ بھی، وہ ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے۔ غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جس کے دیکھنے سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے) یاجوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تم یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کا حج و عمرہ کرو گے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا لے یعنی مخلص بنا لے۔ مطیع بنا لے۔ موجود ہر شر سے بچا۔ ریاکاری سے محفوظ رکھ۔ خشوع و خضوع عطا فرما۔ حضرت سلام بن ابی مطیع فرماتے ہیں، مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا قَدْ فَعَلْتُ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی پھر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل بھی آپ کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی۔ قرآن میں ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ یعنی موسیٰؑ کی قوم میں ایک جماعت حق و عدل پر تھی لیکن روانی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لئے یہ دعا گو عام طور پر دوسروں پر بھی مشتمل ہو اس لئے کہ اس کے بعد دوسری دعا میں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ لیکن اس سے آپ کی رسالت خاص نہیں ہوتی بلکہ آپ کی رسالت عام ہے۔ عرب و عجم سب کے لئے جیسے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے، ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہئے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں وَّاجْنُبْنِىْ وَبَنِىَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول

اللہ ﷺ فرماتے ہیں انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری رہتے ہیں۔ صدقہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے (مسلم)۔ پھر آپؑ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھا یعنی احکام حج وذبح وغیرہ سکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو لے کر کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد صفا پر آتے ہیں۔ پھر مروہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعائر اللہ ہیں۔ پھر منیٰ کی طرف لے چلے۔ عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا تکبیر پڑھ کر اسے کنکر مارو۔ ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ وسطیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا۔ یہاں بھی اسے کنکریاں ماریں تو یہ خبیث ناامید ہو کر چلا گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقع نہ ملا اور مایوس ہو گیا۔ یہاں سے آپؑ کو مشعر الحرام میں لائے۔ پھر عرفات میں پہنچایا۔ پھر تین مرتبہ پوچھا کہو سمجھ لیا۔ آپؑ نے فرمایا۔ ہاں دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں مارنی مروی ہیں اور ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماری ہیں۔

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝۱۲۹ ع ۱۵ ۸ ۱۵

اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے۔ انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ماحصل: ☆☆ (آیت:۱۲۹) اہل حرم کے لئے یہ دعا بھی ہے کہ آپؑ کی اولاد میں سے ہی رسول ان میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”میں اللہ جل شانہ کے نزدیک خاتم النبین اس وقت سے ہوں جبکہ آدمؑ بھی مٹی کی صورت میں تھے“ میں تمہیں اپنا ابتدائی امر بتاؤں۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ابوامامہؓ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یارسول اللہ اپنی نبوت کا شروع تو ہمیں بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا ”میرے والد حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور میری خوشخبری جو حضرت عیسیٰؑ نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محل چمکا دیئے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ بطن آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہو گا۔ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا صاف نام بھی لے دیا اور فرمایا لوگو میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے کی کتاب توراۃ کی میں تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔ خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائے گا۔ بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائے گا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی سفید مینارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری ومسلم میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی۔ ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ امر اللہ آ جائے۔ صحیح بخاری میں کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ابوالعالیہؒ سے مروی ہے کہ یہ بھی اسی مقبول دعا کا ایک حصہ ہے کہ یہ پیغمبر آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت وحدیث ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ اور مقاتلؒ بن حیان اور ابو مالکؒ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی طاعت واخلاص سکھانا بھلائیاں کرانا برائیوں سے بچانا اطاعت الٰہی کر کے رضائے رب حاصل کرنا نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے

محفوظ رہنا۔ اللہ عزیز ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ جو ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی نہیں۔ وہ ہر چیز کو اپنے محل پر ہی حکمت و عدل و علم کے ساتھ رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ
اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾
وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ
الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ ﴿۱۳۲﴾

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو۔ ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں سے تھا ○ جب کبھی انہیں ان کے رب نے کہا' مان لے' انہوں نے کہا' میں نے رب العالمین کی مان لی ○ اسی کی وصیت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرما لیا ہے۔ خبردار تم مسلمان ہی مرنا ○

توحید کے دعوے اور مشرکین کا ذکر : ☆☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۲) ان آیتوں میں بھی مشرکین کی تردید ہے کہ جو اپنے آپ کو دین ابراہیمیؑ پر بتاتے تھے حالانکہ کامل مشرک تھے جبکہ حضرت خلیل اللہؑ کے موحدوں کے امام تھے۔ توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے' عمر بھر میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا بلکہ ہر مشرک سے اور ہر قسم کے شرک سے اور ہر غیر اللہ سے جو خدا مانا جاتا ہو' وہ دل سے نفرت کرتے تھے اور ان سب سے بیزار تھے۔ اسی بنا پر قوم سے الگ ہوئے۔ وطن چھوڑا بلکہ باپ تک کی مخالفت کی پروانہ کی اور صاف کہہ دیا کہ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ میں بیزار ہوں' اس چیز سے جسے تم شریک کرتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں۔ میں تو اپنے خالق ہی کا گرویدہ ہوں۔ وہی مجھے راہ راست دکھائے گا۔ اور جگہ ہے مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ الخ ابراہیمؑ نے اپنے والد کے لئے بھی صرف ایک وعدے کی بنا پر استغفار کی تھی لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

ابراہیمؑ بڑے ہی رجوع کرنے والے اور بردبار تھے۔ اور جگہ ہے ابراہیمؑ مخلص اور مطیع امت تھے۔ مشرک ہرگز نہ تھے رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ رب کعبہ کے پسندیدہ تھے اور راہ راست پر لگے ہوئے تھے۔ دنیا کے بھلے لوگوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں ہوں گے۔ ان آیتوں کی طرح یہاں بھی فرمایا کہ "اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بے تدبیر اور گمراہ لوگ ہی ملت ابراہیمی کو ترک کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے ہدایت کے لئے چن لیا تھا اور بچپن سے ہی توفیق حق دے رکھی تھی' خلیل جیسا معزز خطاب انہی کو دیا گیا۔ وہ آخرت میں بھی سعید بخت لوگوں میں ہیں۔ ان کے مسلک و ملت کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی میں پڑنے والے سے زیادہ بیوقوف اور ظالم اور کون ہو گا؟ اس آیت میں یہودیوں کا بھی رد ہے جیسے اور جگہ ہے مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی' نہ مشرک بلکہ موحد مسلمان اور مخلص تھے۔ ان سے دوستی رکھنے والے صرف وہی ہیں جو ان کے فرماں بردار ہوئے اور یہ نبی اور

ایمان دار، اللہ بھی مومنوں کا ولی ہے، جب کبھی اللہ فرماتا کہ یہ مان لو وہ جواب دیتے کہ اے رب العالمین میں نے مان لیا۔ اسی ملت وحدانیت کی وصیت ابراہیمؑ ویعقوبؑ نے اپنی اولاد کو بھی کی۔ ھا کی ضمیر کا مرجع یا تو ملت ہے یا کلمہ۔

ملت سے مراد اسلام اور کلمہ سے مراد اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ دیکھئے ان کے دل میں اسلام کی کس قدر محبت و عزت تھی کہ خود بھی اس پر مدت العمر عامل رہے، اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔ اور جگہ ہے وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ہم نے اس کلمہ کو ان کی اولاد میں بھی باقی رکھا، بعض سلف نے ''وَيَعْقُوْبَ'' بھی پڑھا تو بنیہ پر عطف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ خلیل اللہؑ نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام کی استقامت کی وصیت کی۔ قشیریؒ کہتے ہیں ''حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن یہ مجرد دعویٰ ہے جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ واللہ اعلم۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے ہاں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن پاک کی آیت میں ہے فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ یعنی ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی۔ اور اس کا نصب خفض کو ہٹا کر بھی پڑھا گیا ہے۔ پس اگر حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا۔ سورۂ عنکبوت میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ ویعقوبؑ عطا فرمایا اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب دی اور اسی آیت میں ہے۔ ہم نے اسے اسحاقؑ دیا اور یعقوبؑ زائد عطا فرمایا۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ہی تھے۔ اگلی کتابوں میں بھی ہے کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ پوچھتے ہیں، یا رسول اللہ کونسی مسجد پہلی تعمیر کی گئی؟ آپؐ نے فرمایا، مسجد حرام، پوچھا پھر، فرمایا مسجد بیت المقدس، میں نے کہا دونوں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ فرمایا چالیس سال۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ ''حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی درمیانی مدت سے متعلق یہ بیان ہے'' حالانکہ یہ قول بالکل الٹ ہے۔ ان دونوں نبیوں کے درمیان تو ہزاروں سال کی مدت تھی بلکہ مطلب حدیث کا کچھ اور ہی ہے اور شاہ زماں حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ الرحمٰن تو اس مسجد کے مجدد تھے۔ موجد نہ تھے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وصیت کی تھی، جیسے عنقریب ذکر آئے گا۔ وصیت اس امر کی ہوتی ہے جب تک زندہ رہو، مسلمان ہو کر رہو تا کہ موت بھی اسی پر آئے۔

موت اور ہمارے اعمال: ☆☆ عموماً انسان زندگی میں جن اعمال پر رہتا ہے، اسی پر موت بھی آتی ہے اور جس پر مرتا ہے، اس پر اٹھے گا بھی۔ یہی اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ بھلائی کے قصد کرنے والے کو بھلائی کی توفیق بھی دی جاتی ہے۔ بھلائی اس پر آسان بھی کر دی جاتی ہے اور اسے ثابت قدم بھی رکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ انسان جنتیوں کے کام کرتے کرتے جنت میں ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے کہ اس کی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جہنمیوں کے کام کر کے جہنمی بن جاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے لیکن اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ کام اچھے برے ظاہری ہوتے ہیں۔ حقیقی نہیں ہوتے چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہیں۔ قرآن کہتا ہے سخاوت، تقویٰ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق کرنے والے کو ہم آسانی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بخل و بے پرواہی اور بھلی بات کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہم سختی کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ قَالَ
لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ
اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ
لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ۝۱۳۳ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ
وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡئَلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۳۴

کیا حضرت یعقوبؑ کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی۔ جو معبود ایک ہی ہے۔ ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے ○ یہ جماعت تو گذر چکی جو انہوں نے کیا' وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے' ان کے اعمال سے نہ پوچھے جاؤ گے ○

ازلی اور ابدی مستحق عبادت اللہ وحدہٗ لاشریک: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۴) مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھی اور کفار بنی اسرائیل پر جو حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھی' دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی وصیت کی تھی۔ ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے معبود برحق کی۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے لڑکے اور حضرت اسحٰقؑ حضرت ابراہیمؑ کے۔ حضرت اسماعیلؑ کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تغلیب کے آ گیا ہے کیونکہ آپ چچا ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ حسن بصری' طاؤسؒ اور عطاؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور بہت سے سلف و خلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور ایک مشہور روایت میں امام احمدؒ سے منقول ہے کہ وہ بھائیوں بہنوں کو بھی وارث قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا مذہب بھی یہی ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔

ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہم اس کی اطاعت گذاری' فرمانبرداری اور خشوع و خضوع میں مشغول رہا کریں گے جیسے اور جگہ ہے وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ الخ زمین و آسمان کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اس کی مطیع ہے' اس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ تمام انبیاء کا دین یہی اسلام رہا ہے۔ اگرچہ احکام میں اختلاف رہے ہیں جیسے فرمایا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں اور احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں ''ہم علاتی بھائی ہیں' ہمارا دین ایک ہے۔ پھر فرماتا ہے'' یہ امت جو گذر چکی تمہیں ان کی طرف نسبت نفع نہ دے گی ہاں اگر عمل ہوں تو اور بات ہے' ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ' تم ان

کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث شریف میں ہے جس کا عمل اچھا نہ ہوگا اس کا نسب اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٣٥

یہ کہتے ہیں یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو راہ پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ ملت ابراہیمی والے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے ○

(آیت:۱۳۵) عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہمیں ہیں۔ تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔ نصرانیوں نے بھی یہی کہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم تو ابراہیم حنیف علیہ السلام کے متبع ہیں جو استقامت والے اخلاص والے حج والے بیت اللہ کی طرف منہ کرنے والے استطاعت کے وقت حج کو فرض جاننے والے اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے تمام رسولوں پر ایمان لانے والے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والے ماں بیٹی خالہ پھوپھی کو حرام جاننے والے اور تمام حرام کاریوں سے بچنے والے تھے۔ یہ سب معنی حنیف کے مختلف حضرات نے بیان کئے ہیں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝١٣٦

(اے مسلمانو) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیمؑ اسمٰعیل اسحاق یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاءؑ دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○

اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب ! ☆☆ (آیت:۱۳۶) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اترا اس پر تو وہ تفصیل وار ایمان لائیں اور جو آپ سے پہلے انبیاء پر اترا اس پر بھی اجمالاً ایمان لائیں۔ ان اگلے انبیاء کرام میں سے بعض کے نام بھی لے دیئے اور باقی نبیوںؑ کا مجمل ذکر کر دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کر جائیں۔ جو عادت اوروں کی تھی کہ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے کسی کو مانتے تھے کسی سے انکاری تھے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ دونوں کو نہیں مانتے تھے۔ ان سب کو فتویٰ ملا کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا یہ لوگ بالیقین کافر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اہل کتاب توراۃ کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور عربی میں تفسیر کر کے اہل اسلام کو سناتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی سچائی یا تکذیب نہ کرو۔ کہہ دیا کہ اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔ نبی ﷺ صبح کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں یہ آیت اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا پوری آیت اور دوسری رکعت میں آیت اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ پڑھا کرتے تھے۔

اسباط حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کو کہتے ہیں جو بارہ تھے جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے۔ بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ زمخشریؒ نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوبؑ کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں

کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ الخ اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء اور بادشاہ بنائے۔ اور جگہ ہے وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا ہم نے ان کے بارہ گروہ کر دیئے۔ سَبْط کہتے ہیں درخت کو یعنی یہ مثل درخت کے ہیں جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کل انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اسماعیل، محمد علیہم الصلوٰ والسلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔ ہمیں توراۃ و انجیل پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن عمل کے لئے صرف قرآن و حدیث ہی ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ
شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ
وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو راہ پائیں اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے تجھ کو عنقریب کفایت کرے گا۔ وہ خوب سننے جاننے والا ہے ○ رنگ دیا اللہ نے اپنے رنگ میں اور اللہ سے زیادہ اچھا رنگ کس کا ہو گا۔ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ○ کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لئے خلوص کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کے پاس کی شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟
اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ○

شرط نجات: ☆☆ (آیت: ۱۳۷-۱۳۸) یعنی اے ایمان دار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد، ہدایت و نجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تمہارے لئے کافی ہو گا، وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن نعیمؒ کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا قرآن بھیجا گیا۔ زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کیا۔ اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑھا تھا فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافعؒ نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رنگ سے مراد دین ہے اور اس کا زبر بطور اغراء کے ہے جیسے فطرة الله میں مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو۔ اس پر چمٹ جاؤ۔ بعض کہتے ہیں، یہ بدل ہے مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں۔ یہ صدر موکد ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے وَعْدَ اللّٰهِ ایک مرفوع حدیث ہے، بنی اسرائیل نے کہا،

اے رسول اللہ' کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو' آواز آئی ان سے کہہ دو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں- یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے لیکن اس روایت کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے اور یہ بھی اس وقت جب کہ اس کی اسناد صحیح ہوں-

مشرکین کے اعمال سے بیزاری: ☆☆ (آیت:۱۳۹-۱۴۰) مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبی کو دے رہا ہے کہ "تم ہم سے اللہ کی توحید' اخلاص' اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے' ہم پر اور تم پر قابض و متصرف بھی وہی اکیلا ہے- ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے- ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایت ہیں اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ الخ یعنی "اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے- تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں" اور جگہ ارشاد ہے فَاِنْ حَآجُّوْكَ الخ "اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے' میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے"- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا اَتُحَآجُّوْنِّیْ فِی اللّٰهِ الخ کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے اختلاف کرتے ہو؟ اور جگہ ہے؟ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖٓ تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیمؑ (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا-

پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے تمہارے لئے- ہم تم سے بیزار' تم ہم سے الگ- ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یکسوئی کرنے والے لوگ ہیں- پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی' نہ نصرانی' تم اے یہودیو اور اے نصرانیو کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو؟ کیا تمہارا علم اللہ سے بھی بڑھ گیا ہے- اللہ نے تو صاف فرما دیا مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی' نہ مشرک بلکہ خالص مسلمان تھے- ان کا حق کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی' اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے- محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں- ابراہیمؑ' اسمٰعیلؑ' اسحاق' یعقوب وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا-

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۴۱ ع ١٢

یہ امت ہے جو گذر چکی جو انہوں نے کیا' ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے- تم ان کے اعمال سے سوال نہ کئے جاؤ گے ○

(آیت:۱۴۱) پھر فرمایا' تمہارے اعمال اللہ سے پوشیدہ نہیں- اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے- وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا- یہ دھمکی دے کر پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی- تم جب ان کے نقش قدم پر نہ چلو تو صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے- ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بداعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں' جو کرے سو بھرے تم نے جب ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام انبیاء کو جھٹلایا' بالخصوص اے وہ لوگو جو نبی آخر الزمانؐ کے مبارک زمانہ میں ہو- تم تو بڑے ہی وبال میں آ گئے- تم نے تو اس نبی کو جھٹلایا جو سید الانبیاءؐ ہیں' جو ختم المرسلینؐ ہیں' جو رسول رب العالمینؐ ہیں- جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے- جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے- اللہ تعالیٰ کے بے شمار درود سلام آپؐ پر نازل ہوں اور آپؐ کے سوا تمام انبیاء کرام پر بھی-

تفسیر ابنِ کثیر

پارہ نمبر
۲

چند اہم مضامین کی فہرست

- تحویل کعبہ ایک امتحان بھی تھا اور تقرر جہت بھی ۲۳۱
- صفات نبوی سے اغماض برتنے والے یہودی علماء ۲۳۷
- اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے! ۲۳۹
- وفائے عہد کے لیے آزمائش لازم ہے ۲۴۱
- صفا اور مروہ کا طواف ۲۴۳
- حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے ۲۴۵
- محبت الٰہ اپنی پسند ہے؟ ۲۴۸
- روزی دینے والا کون؟ ۲۴۹
- گمراہی اور جہالت کیا ہے؟ ۲۵۰
- حلال اور حرام کیا ہے؟ ۲۵۱
- بدترین لوگ ۲۵۳
- ایمان کا ایک پہلو ۲۵۵
- قصاص کی وضاحت ۲۵۷
- وصیت کی وضاحت ۲۶۰
- روداد روزہ اور صلوٰۃ ۲۶۲
- نزول قرآن اور ماہ رمضان ۲۶۵
- دعا اور اللہ مجیب الدعوات ۲۶۸
- رمضان میں مراعات اور کچھ پابندیاں ۲۷۰
- چاند اور مہ وسال ۲۷۷
- حکم جہاد اور شرائط ۲۷۸
- بیعت رضوان ۲۸۱
- حج اور عمرہ کے مسائل ۲۸۷
- احرام کے مسائل ۲۸۸
- ایام تشریق ۲۹۷
- تذکرۂ شفاعت ۳۰۱
- آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ۳۰۴
- جہاد بقائے ملت کا بنیادی اصول ۳۰۷
- حرمت شراب کیوں ۳۱۱
- عفو اور اس کی وضاحتیں ۳۱۲
- پاک دامن عورتیں ۳۱۳
- ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل ۳۱۵
- قسم اور کفارہ ۳۲۱
- ایلا اور اس کی وضاحت ۳۲۳
- طلاق کے مسائل ۳۲۴
- رسم طلاق میں آئینی اصلاحات اور خلع ۳۲۷
- آئین طلاق کی وضاحت ۳۳۳
- مسئلہ رضاعت ۳۳۵
- خاوند کے انتقال کے بعد ۳۳۷
- پیغام نکاح ۳۴۰
- حق مہر کب اور کتنا؟ ۳۴۱
- صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ ۳۴۴
- بیوگان کے قیام کا مسئلہ ۳۴۹
- موت اور زندگی ۳۵۱
- خوئے بدرا بہانہ بسیار ۳۵۴
- تابوت سکینہ اور جنگ طالوت و جالوت ۳۵۵
- نہر الشریعہ ۳۵۶
- جالوت مارا گیا ۳۵۷

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا - تو کہہ دے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے - وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کرے O

تحویل کعبہ ایک امتحان بھی تھا اور تقرر جہت بھی : ☆☆ (آیت:۱۴۲) بے وقوفوں سے مراد یہاں مشرکین عرب اور علماء یہود اور منافقین وغیرہ ہیں - صحیح بخاری شریف میں حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن خود آپ کی چاہت یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو چنانچہ اب حکم آ گیا اور آپؐ نے عصر کی نماز اس کی طرف ادا کی - آپ کے ساتھ نمازیوں میں سے ایک شخص کسی اور مسجد میں پہنچا' وہاں جماعت رکوع میں تھی - اس نے ان سے کہا' اللہ کی قسم میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھ کر ابھی آ رہا ہوں جب ان لوگوں نے سنا تو اسی حالت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے - اب بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اگلے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے - تب یہ فرمان نازل ہوا کہ' وَمَا كَانَ اللّٰهُ الخ یعنی اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا - ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضورؐ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت قَدْ نَرٰى الخ نازل ہوئی اور کعبہ قبلہ مقرر ہوا - لوگوں نے اگلے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کے بارے میں سوال کیا جس پر فرمان مَا كَانَ اللّٰهُ الخ نازل ہوا اور ان کی نمازوں کی طرف سے اطمینان ہوا -

اب بعض بے وقوف اہل کتاب نے قبلہ کے بدلے جانے پر اعتراض کیا' جس پر یہ آیتیں' سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الخ نازل ہوئیں - شروع ہجرت کے وقت مدینہ شریف میں آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا تھا - یہود اس سے خوش تھے لیکن آپ کی چاہت اور دعا قبلہ ابراہیمی کی تھی آخر جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے جھٹ سے اعتراض جڑ دیا جس کا جواب ملا کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں - اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ مکہ شریف میں آپ دونوں رکن کے درمیان نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سامنے کعبہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کے صخرہ کی طرف آپ کا منہ ہوتا تھا' لیکن مدینہ جا کر یہ معاملہ مشکل ہو گیا دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے تو وہاں آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم قرآن میں نازل ہوا تھا یا دوسری وحی کے ذریعہ یہ حکم ملا تھا - بعض بزرگ تو کہتے ہیں یہ صرف حضورؐ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے بعد کئی ماہ تک اسی طرف آپ نمازیں پڑھتے رہے گو چاہت اور تھی یہاں تک کہ پروردگار نے بیت العتیق کی طرف منہ پھیرنے کو فرمایا اور آپ نے اس طرف منہ کر کے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا - بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی - حضرت ابو سعید بن معلیٰ فرماتے ہیں' میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی - بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی اس وقت آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے' دو رکعت ادا کر چکے تھے - پھر باقی کی دو رکعتیں آپؐ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں' اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے - حضرت نویلہ بنت مسلمؓ فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جب ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے - مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر

پہنچی- بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے- ناگاہ کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لزوم اس وقت ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچا چکا ہو اس لئے کہ ان حضرات کو عصر' مغرب اور عشاء کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا واللہ اعلم- اب باطل پرست کمزور عقیدہ والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے کبھی اسے قبلہ کہتا ہے' کبھی اسے قبلہ قرار دیتا ہے- انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرو' اسی طرف اس کا منہ ہے- بھلائی اسی میں نہیں آ گئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے- جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے' یہ متوجہ ہو جاتے ہیں- اطاعت کے معنی اس کے حکم کی تعمیل کے ہیں- اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے- ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں' اس کے فرمانبردار ہیں اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا پھیر لیں گے امت محمدیہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں خلیل الرحمان علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی لاشریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور تمام تر فضیلتیں جسے حاصل ہیں- مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بہت حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور بڑا حسد ان کو ہماری آمین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ
عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ
وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے' اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ○

(آیت: ۱۴۳) پھر فرماتا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لئے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں- وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوۃ وسطی یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلیٰ تھی اس لئے انہیں شریعت بھی کامل' راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمایا' هُوَ اجْتَبٰكُمْ الخ اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی- تمہارے باپ ابراہیمؑ کے دین پر تم ہو اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے- اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر-

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ پہنچا دیا تھا' ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہوگی کہ کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا' تمہاری امت انکار کرتی ہے۔ تم گواہ پیش کرو یہ کہیں گے کہ ہاں محمد ﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔ یہی مطلب اس آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ الخ کا ہے۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں۔ اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا (بخاری' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ) مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے' قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی' وہ انکار کریں گے' نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں' کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور آپ کی امت۔ پس محمد ﷺ اور آپ کی امت بلائی جائے گی۔ ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں' ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان وَكَذٰلِكَ الخ کا مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطاً بمعنی عدلاً آیا ہے۔

ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے۔ تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے' ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حق رسالت ادا کیا تھا۔

مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضورؐ کے ساتھ تھے۔ لوگ کہنے لگے حضور یہ بڑا نیک آدمی تھا بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن ظاہر داری تو اس کی ایسی ہی حالت تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے لوگ کہنے لگے حضرت یہ برا آدمی تھا بڑا بدزبان اور کج خلق تھا آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے کہہ رہے ہو اس شخص نے بھی یہی کہا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کے لئے واجب ہوگئی محمد بن کعب اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول سچے ہیں۔ دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے وَكَذٰلِكَ الخ مسند احمد میں ہے' ابوالاسودؒ فرماتے ہیں' میں مدینہ میں آیا' یہاں بیماری تھی لوگ بکثرت مر رہے تھے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپؓ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپؓ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی میں نے کہا امیر المومنین کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہ کہا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار شخص دیں اسے جنت میں داخل کرتا ہے ہم نے کہا حضور اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی ہم نے کہا اگر دو ہوں آپ نے فرمایا دو بھی پھر ہم نے ایک کی بابت کا سوال نہ کیا ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے۔ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحان تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لئے تھا

کہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لے لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے' یہ کام فی الحقیقت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان ویقین ہے' جو رسول اللہ کے سچے پیروکار ہیں' جو جانتے ہیں کہ حضور جو فرمائیں سچ ہے' جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' جو ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے' اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے' جو چاہے مٹائے' جو چاہے باقی رکھے' اس کا ہر کام' ہر حکم حکمت سے پر ہے' ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا انہیں فوراً نیا درد اٹھا - قران کریم میں اور جگہ ہے وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ الخ یعنی جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں' اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمانداروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی دلی خوشی بھی اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں - اور جگہ فرمان ہے - قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى یعنی ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھاپا ہے - اور جگہ فرمان ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لئے سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے - اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے - اول اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری ثابت ہوئی -

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی انہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا - یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا - پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف ورحیم ہے -

صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا - وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچہ کو دیکھتی' اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا - یہ دیکھ کر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا' بتاؤ تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں - آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے' اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف ورحیم ہے -

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ہم نے تیرے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا' اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے - تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو' اپنا منہ اسی کی طرف پھیرا کرو' اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے اور حق ہونے کا قطعی علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں

جو یہ کرتے ہیں ○

خشوع وخضوع ضروری ہے: ☆☆ (آیت:۱۴۴) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے۔ حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالآخر آیت قَدْ نَرٰی الخ نازل ہوئی۔ اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحاناً تھا اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ مراد اس کی طرف ہے۔ ابوالعالیہؒ، مجاہدؒ، عکرمہ، سعید بن جبیرؒ، قتادہ، ربیع بن انس وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

ابن جریج میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کا قبلہ ہے اور تمام زمین والوں کا حرم قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابونعیم میں بروایت براء مروی ہے کہ حضورؐ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپؐ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا، وہ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا، میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے، اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ نسائی میں حضرت ابوسعید بن معلیٰؓ سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی حضورؐ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضورؐ نے یہ آیت قد نری الخ تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ آؤ نبی ﷺ فارغ ہوں کہ منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرمانبردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضور بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضورؐ نے کعبہ کی طرف ادا کی، وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوۃ وسطی ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہ میں روایت نویل بنت مسلم موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی، اس

گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں۔ آپؐ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا' یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔ ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد عورتیں بچے اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال یا جنوب میں' ہر صورت نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جا رہی ہو' ادھر جس طرف بن پڑے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں' وہ اندازے سے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کر لے۔ پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔ مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعیؒ' احمدؒ اور ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔ قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں۔ اللہ بھی ان کی ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ
وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ
اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ١٤٥

تو اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کا ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجودیکہ تیرے پاس علم آ چکا' پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے ○

کفر و عناد زدہ یہودی: ☆☆ (آیت: ۱۴۵) یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ رسول کی شان کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے چاہے ان کے پاس یہ تمام آیتیں آ جائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

پھر اپنے نبی کی اس استقامت پر بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی

سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آ جائیں اور ان کی راہ چل پڑیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں۔ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے' نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آ جانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾ ع ١٧ ٦

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو جان کر پھر چھپاتی ہے ○ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے۔ خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا ○ ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ تم نیکیوں کی طرف دوڑو جہاں کہیں بھی تم ہو گے' اللہ تمہیں لے آئے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

صفات نبوی سے اغماض برتنے والے یہودی علماء: ☆☆ (آیت: ١٤٦-١٤٧) ارشاد ہوتا ہے کہ علماء اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے۔ یہ ایک مثال تھی جو مکمل یقین کے وقت عرب دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے اس نے کہا ہاں حضور آپ بھی گواہ رہئے۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے' پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبرائیلؑ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپؐ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضورؐ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں' وہ تمام صفات آپؐ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے' پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں' پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

سچا قبلہ: ☆☆ (آیت: ١٤٨) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ابوالعالیہؒ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے۔ نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر

اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے۔ مُوَلِّيْهَا کی دوسری قرات مُوَلَّاهَا ہے جیسے اور جگہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً الخ یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کر لے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ
لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ڎ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ۙ

تو جہاں سے نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر۔ یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ○ جس جگہ سے تو نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی کی طرف کیا کرو تا کہ لوگوں کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ مجھ ہی سے ڈرتے رہو اس لئے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ○

تین بار نزول حکم: ☆☆ (آیت:۱۴۹-۱۵۰) یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں دوسرا حکم ان کے لئے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں قرطبی نے ایک توجیہہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے پہلے حکم میں تو آنحضورؐ کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو گا اس حکم سے وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضورؐ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی رازی وغیرہ نے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا تا کہ اہل کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے۔ وہ جانتے تھے کہ امت کی طرف پہچان کعبہ کی رخ کر کے نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپ کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہئے اور یہ بات بھی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے' حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں' یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطور اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر

ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا- انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا متبع ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے پس آپؐ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو- قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں' وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں' تم اس سے نہ ہٹو- ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی-

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت اور وہ وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ○ تم میرا ذکر کرو' میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو ○

اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے! ☆☆ (آیت:۱۵۱-۱۵۲) یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا' جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا' جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا' دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے' وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے' دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضورؐ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد وعدل ہے- اور جگہ ارشاد ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا- یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں- اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا' تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو- موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا شکر کس طرح کروں- ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے یاد رکھو بھولو نہیں یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے- حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والے کو اللہ بھی یاد کرتا ہے اس کا شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے- بزرگان سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے- نافرمانی نہ کی جائے- اس کا ذکر کیا جائے- غفلت نہ برتی جائے- اس کا شکر کیا جائے- ناشکری نہ کی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ
وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴

ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ صبر والوں کا ساتھ دیا ہے ○ اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے ○

جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی، شرابی، چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے حسن بصریؒ فرماتے ہیں، مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل کروں گا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک قدسی حدیث میں ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے، میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھائے گا میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھاؤں گا اور اگر تو میری طرف چلتا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو اور جگہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے، مسند احمد میں ہے کہ عمر بن حصین ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔

صلوٰۃ وصبر بہترین وسیلہ اور شہدا کا ذکر: ☆☆ (آیت:۱۵۳-۱۵۴) شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے، ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو اچھی حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ شکر کا ہے یا اگر بری حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے، حدیث میں ہے، مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہے، اسے راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے، رنج پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہے، جیسے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا ڈر رکھنے والوں پر بہت آسان ہے، حدیث میں ہے، جب کوئی کام حضورؐ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔

صبر کی دو قسمیں ہیں، حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر، اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر، یہ صبر پہلے سے بڑا ہے، تیسری قسم صبر کی مصیبت، درد اور دکھ پر یہ بھی واجب ہے، جیسے عیبوں سے استغفار کرنا واجب ہے، حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا، چاہے انسان پر شاق گزرے، طبیعت کے خلاف ہو، جی نہ چاہے، یہ بھی ایک صبر ہے دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا ہے چاہے طبعی میلان اس طرف ہو، خواہش نفس اکسا رہی ہو، امام زین العابدینؒ

فرماتے ہیں، قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ اٹھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو یہ کہیں گے جنت میں، وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا، کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے، پوچھیں گے آخر آپ کون لوگ ہیں جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے، مرتے دم تک اس پر صبر کیا اور جمے رہے، فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے۔ بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے۔

یہی قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے ان پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ، پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ خورد و نوش پا رہے ہیں، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی، چگتی، اڑتی پھرتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہوگا تو کہا اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں، رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنتی درختوں پر رہتی اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی امتیازی شرافت، کرامت، عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ
مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۭ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال جان اور پھلوں کی کمی سے، صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے ○ انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○

وفائے عہد کے لئے آزمائش لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵۵-۱۵۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کر لیا

کرتا ہے، کبھی ترقی اور بھلائی کے ذریعہ اور کبھی تنزل اور برائی سے، جیسے فرمایا ہے وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں گے۔ اور جگہ ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ الخ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف، کچھ بھوک، کچھ مال کی کمی، کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غیروں، خویش و اقارب، دوست و احباب کی موت، کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزما لیتا ہے، صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر، جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، بھوک سے مراد روزوں کی بھوک، مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے، جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں، پھلوں سے مراد اولاد ہے، لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں عزت ہے، وہ کون لوگ ہیں۔ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور جو ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں انہیں بالآخر جانا ہے، ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میرے خاوند حضرت ابو سلمہؓ ایک روز میرے پاس حضور ﷺ کی خدمت میں ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے، آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے اَللّٰهُمَّ أْجُرۡنِيۡ فِيۡ مُصِيۡبَتِيۡ وَاخۡلُفۡ لِيۡ خَيۡرًا مِّنۡهَا یعنی اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور دیتا ہے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب حضرت ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضورؐ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے کھال رکھ دی اور حضور سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا۔ آپؐ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی، میں نے کہا حضورؐ یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ حضور کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، تیسرے بال بچوں والی ہوں آپؐ نے فرمایا سنو ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں میں نے یہ سن کر کہا، حضورؐ مجھے کوئی عذر نہیں چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا فالحمد للہ۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گو یا زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ اِنَّا لِلّٰهِ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا، وہی اب بھی ملے گا، ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے حضرت ابوسنانؒ فرماتے ہیں، میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا نہ تھا کہ ابو طلحہ خولانیؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے

دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا بتا تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اللہ نے تیری تعریف کی اور اناللہ پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے ○

صفا اور مروہ کا طواف: ☆☆ (آیت:۱۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہؒ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپؓ نے فرمایا' بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ہوتا سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مسلسل (ایک جگہ کا نام) کے پاس مناۃ بت تھا۔ اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا' وہ صفا و مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا' اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضورؐ سے صفا و مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا۔ اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا (بخاری و مسلم) ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ علمی بات ہے۔ میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا و مروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے کہ شان نزول دونوں ہی ہوں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم صفا و مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضورؐ سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری' ''اساف'' بت صفا پر تھا اور ''نائلہ'' مروہ پر' مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ''اساف'' اور ''نائلہ'' دو مرد وعورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا' قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا و مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔ صحیح مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت تجزاۃؓ فرماتی ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپ صفا و مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپؐ کے آگے آگے تھے اور آپؐ ان کے پیچھے تھے آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہمد آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے' لوگو دوڑ کر چلو' اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد) اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔

یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے' امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے' بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمدؒ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ثوریؒ شعبیؒ ابن سیرینؒ یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ امام مالکؒ سے عتبیہ میں بھی روایت ہے۔ ان کی دلیل مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ہے' لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا و مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو پس آپؐ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا' وہ واجب ہو گیا' اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے ان شرعی احکام میں سے ہے جنہیں حضرت ابراہیمؑ کو بجا آوری حج کے لئے سکھائے تھے۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حضرت ہاجرہؑ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ انہیں ان کے چھوٹے بچے سمیت یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آ بنی تھی تب ام اسمٰعیلؑ نہایت بیقراری' بے بسی' ڈر خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں یہاں تک کہ آپ کا غم' وہم' رنج و کرب' تکلیف اور دکھ دور ہوا۔

یہاں سے پھیرے کرنے والے حاجی کو بھی چاہئے کہ نہایت ذلت و مسکنت' خضوع و خشوع سے یہاں پھیرے کرے اور اپنی فقیری' حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے مال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی' نیکی' فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہؑ کے حال کو اس مالک نے ادھر سے ادھر کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات پھیروں کے آٹھ نو کرے' نفلی حج و عمرے میں بھی صفا و مروہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدر دان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے' نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے۔ ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے فالحمد و الشکر لله۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ
مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ○ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں، میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں ○ جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں، ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ○ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○

حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے: ☆☆ (آیت:۱۵۹-۱۶۲) اس میں زبردست دھمکی ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی شرعی مسائل چھپا لیا کرتے ہیں، اہل کتاب نے نعت نبیؐ کو چھپا لیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلائے، ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی، اسی طرح ان لوگوں پر جو حق کی بات کو جانتے ہوئے گونگے بہرے بن جاتے ہیں، ہر چیز لعنت بھیجتی ہے، صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپا لے، اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ حضرت برا ابن عازبؓ فرماتے ہیں، حضورؐ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھماکہ سنتے ہیں سوائے جن و انس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی۔

حضرت عطاؒ فرماتے ہیں لَاعِنُوْنَ سے مراد تمام جانور اور کل جن و انس ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے، بارش نہیں برستی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کے گناہ کی شومی قسمت سے ہے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر بازبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جو اپنے اس فعل سے باز آ جائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کر لیں اور جو چھپایا تھا، اسے ظاہر کریں ان لوگوں کی توبہ وہ اللہ تواب والرحیم قبول فرما لیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کر لے تو اس کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی لیکن نبیؐ التوبہ اور نبی الرحمہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں، توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں ان پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ ہی رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور وہ عذاب بھی ہمیشہ ہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہو گی، نہ کبھی موقوف ہو گا بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت سے سخت عذاب میں رہیں گے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں، قیامت کے دن کافر کو ٹھہرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ

کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور اس آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے' معین کافر دلیل ہے کسی پر لعنت نہ بھیجنے کی۔ ایک دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابوبکر بن عربی مالکی لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے۔

بعض نے اس حدیث سے یہ بھی دلیل لی ہے کہ حضورؐ کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا' اس پر اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا' اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے' اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے واللہ اعلم۔

ع ۱۱

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝١٦٣ اِنَّ فِيْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ
فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ مَّاۗءٍ
فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ
الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝١٦٤

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ○ آسمان اور زمین کی پیدائش' رات دن کا ہیر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا' آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا' ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا' عقلمندوں کے لئے قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں ○

اکیلا حکمران: ☆☆ (آیت:۱۶۳) یعنی حکمرانی میں وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' نہ اس جیسا کوئی ہے' وہ واحد اور احد ہے' وہ فرد اور صمد ہے' اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ رحمٰن اور رحیم ہے' سورہ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گذر چکی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے' ایک یہ آیت' دوسری آیت الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اس کے بعد اس توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔ اسے بھی توجہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

ٹھوس دلائل: ☆☆ (آیت:۱۶۴) مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرمانروائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی' لطافت کشادگی' جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو' پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے' جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے' جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سربہ فلک پہاڑ ہیں' جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں' جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں' جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے' جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو' پھر رات دن کا آنا جانا' رات گئی دن آیا' دن گیا رات آ گئی' نہ وہ اس پر سبقت کرے' نہ یہ اس پر' ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے' کبھی دن بڑے کبھی راتیں' کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے' کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جائے' پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال و اسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں' جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں'

یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا' چاروں طرف ریل پیل کر دینا' زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کارآمد جانوروں کو پیدا کر'' ان سب کی حفاظت کرنا' انہیں روزیاں پہنچانا' ان کے لئے سونے' بیٹھنے' چرنے' چگنے کی جگہ تیار کرنا' ہواؤں کو پورب پچھم چلانا' کبھی ٹھنڈی' کبھی گرم' کبھی کم کبھی زیادہ' بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنا' انہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا' ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جن سے عقل مند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پا لیتے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ نے فرمایا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو' آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے' نہیں اللہ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب' آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت وَاِلٰهُكُمْ الخ اتری تو مشرکین کہنے لگے' ایک اللہ تمام جہان کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے' بعض روایتوں میں ہے اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور قدرت کے نشان ہائے ان پر ظاہر کئے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ
اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا
اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا
الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ
لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ
حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع ۴

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے' ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ یہ

مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سخت ہیں ○ (تو ہر گز شرک نہ کرتے) جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے اور تابع دار لوگ کہنے لگیں گے' کاش کہ ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کو دکھائے گا ان پر حسرت وافسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے ○

محبت الہ اپنی پسند ہے؟ ☆☆ (آیت: ۱۶۵-۱۶۷) اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے' یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں- اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی ہی جماتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہئے حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے- وہ شریک اور حصہ داری سے پاک ہے- بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں' میں نے پوچھا' یارسول اللہؐ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے- پھر فرمایا' ایمان دار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں' ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے کسی اور سے التجا کرتے ہیں نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں' نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں- پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر شرک کے بوجھ کا ظلم کرتے ہیں' انہیں اس عذاب کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسے دیکھ لیں تو یقین ہو جائے کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے- تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کا عذاب بھی بڑا بھاری ہے-

جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک وکفر پر ہرگز نہ اڑتے- اس دن ان لوگوں نے جن جن کو اپنا پیشوا بنا رکھا تھا' وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے- فرشتے کہیں گے' اللہ ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے- اللہ تیری ذات پاک ہے- تو ہی ہمارا ولی ہے- یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے ہیں' انہی پر ایمان رکھتے تھے' اسی طرح جنات بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے- اور جگہ قرآن میں ہے کہ یہ لوگ جن جن کی عبادت کرتے تھے' وہ سب کے سب قیامت کے دن سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے- قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا-

اسی طرح اور جگہ ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الخ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے' وہ جواب دیں گے' کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے- وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں' تمہارے کفرانہ احکام' تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا- اب سب دل سے نادم ہونگے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ الخ یعنی اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو' نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں' نہ تم میری-

تمہارے اگلے شرک سے میرا کوئی واسطہ نہیں جان لو کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے- پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں کٹ جائیں گی' رشتے ٹوٹ جائیں گے-

اور بلا دلیل باتیں ماننے والے' بے وجہ اعتقاد رکھنے والے' پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت و یاس سے کہیں گے کہ اگر اب ہم دنیا میں لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے' نہ ان کی طرف التفات کریں' نہ ان کی باتیں مانیں' نہ انہیں شریک اللہ سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں- حالانکہ اگر درحقیقت یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُھُوْا عَنْهُ اسی لئے یہاں فرمایا- اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا- ان پر حسرت و افسوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ بھی ضائع ہو گئے- جیسے اور جگہ ہے وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا الخ اور جگہ ہے اَعْمَالُھُمْ كَرَمَادِ الخ اور جگہ ہے اَعْمَالُھُمْ كَسَرَابٍ الخ یعنی ان کے اعمال برباد ہیں- ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں ان کے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودا ہوتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں-

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ
وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں' انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ○

روزی دینے والا کون؟ ☆☆ (آیت:۱۶۸-۱۶۹) اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لئے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے- فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھولو کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں' جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں' نہ صحت کو' نہ عقل و ہوش کو ضرر دیں' میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ پر نہ چلو جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں- صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے' اسے ان کے لئے حلال کر دیا ہے- میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا-

حضورؐ کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا' حضورؐ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے- آپؐ نے فرمایا' اے سعد پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا- قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے- حرام کا لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے- اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی- جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے- جیسے اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو' اسکی اور اس کے دوستوں کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں

اور جگہ فرمایا اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ الخ کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے۔ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے جس میں شیطان کا بہکاوا شامل ہوتا ہے شعبیؒ فرماتے ہیں' ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا۔ حضرت مسروقؒ کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک مینڈا ذبح کر دے ورنہ نذر شیطان کے نقش قدم سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بکری کا پایا نمک لگا کر کھا رہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا آپ نے فرمایا' کھاؤ' اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں۔ میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں' آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو۔

ابو رافعؒ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے' اب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی ہے۔ پھر میں حضرت زینب بنت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں سے بھی یہی جواب ملا' عاصم اور ابن عمر نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے' وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے۔ اس کا کفارہ قسم کے کفارے برابر دے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زنا کاری اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ سے ان باتوں کو جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ ان باتوں کو اللہ سے متعلق کرتا ہے جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا لہٰذا ہر کافر اور بدعتی ان میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً
وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔ کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ انہیں عقل نہیں ○

گمراہی اور جہالت کیا ہے؟ ☆☆ (آیت:۱۷۰-۱۷۱) یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں' جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے' ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔

پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے' صرف آواز کانوں

میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بےخبر رہتے ہیں' اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں' وہ نہ سنتے ہیں' نہ جانتے ہیں' نہ دیکھتے ہیں' نہ ان میں زندگی ہے' نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے' حق کہنے سے بے زبان ہے۔ حق کے راہ چلنے سے اندھی ہے' عقل و فہم سے دور ہے۔ جیسے اور جگہ ہے صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے' بہرے گونگے اور اندھیرے میں ہیں جسے خدا چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا
لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ
وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ
بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں' انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے۔ پھر بھی جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو' اس پر (ان کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

حلال اور حرام کیا ہے؟: ☆☆ (آیت:۲:۱۷۲-۱۷۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو' لقمہ حلال دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا' مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے اس نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ پھر آپؐ نے فرمایا کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے' وہ پراگندہ بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے' اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا' لباس اور غذا سب حرام کے ہیں اس لئے اس کی اس وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی' حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو' جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو' حرام ہے' خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو' کہیں سے گر پڑا ہو اور مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کر دیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو۔ یہ سب میتہ میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائے تاہم حلال ہے۔ قرآن کہتا ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ الخ اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا ان شاءاللہ تعالیٰ۔ عنبر نامی جانور کا مرا ہوا ملنا اور صحابہؓ کا اسے کھانا' پھر حضورؐ کو اس کی خبر ہونا اور آپؐ کا اسے جائز قرار دینا۔ یہ سب باتیں حدیث میں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں' مچھلی اور ٹڈی' کلیجی اور تلی۔ سورہ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل وار آئے گا ان شاءاللہ۔

مسئلہ: ☆☆ مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں' امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک

جزو ہے' امام مالکؒ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت میں شامل ہونے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے' اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔ صحابہ کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو بطور اعتراض ان پر وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبیؒ نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بہنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے گھی اور پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو سور کی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام پر مشہور کی جائے' وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ اپنے معبودان باطل کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں' ان کا گوشت کھانا چاہئے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے' اسے نہ کھاؤ' ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جبکہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے' ان حرام چیزوں کا کھا لینا مباح کیا ہے اور فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ باغی اور سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو' اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے باغ اور عاد کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' ڈاکو' راہزن' مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا' سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا سبھی کے لئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں' غیر باغ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حبان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو۔ اسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لئے کھا لے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی' اسے پھینک دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے' اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ☆☆ ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہئے مردار نہ کھائے۔ پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں' اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عباد بن شرجیل غزیؓ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا' کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے اس شخص کو کہا' اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی

اور کوشش کی، نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا' نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کر دو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دے دو (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان سے میں کچھ کھالے' لیکر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے۔ اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں خدا کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اسکے لئے حلال ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے' وہ جہنمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو' یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ
بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝۱۷۴
أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ
فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝۱۷۵ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝۱۷۶ ع ۲۱ ۹ ۵

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لے لیا ہے یہ لوگ عذاب آگ کا کیا کچھ برداشت کرنے والے ہیں ○ ان (عذابوں کا) باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپا لیا۔ اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ○

بدترین لوگ : ☆☆ (آیت:۱۷۴-۱۷۶) یعنی جو یہودی نبیؐ کی صفات کی آیتوں کو جو توراۃ میں ہیں' چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور نقدی سمیٹتے رہتے ہیں' وہ اس گھٹیا دنیا کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔ انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضورؐ کی نبوت کی سچائی اور آپ کے دعوے کی تصدیق کی آیتیں (جو توراۃ میں ہیں) لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپؐ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے اس خوف سے وہ ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس باعث دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا۔ وقتاً فوقتاً وہ آیتیں جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہتے تھے' ظاہر ہوتی رہیں۔

علاوہ ازیں خود حضورؐ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادت نے لوگوں کو آپؐ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا' بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی' ان لوگوں نے حضورؐ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا۔ قرآن کریم میں ان کی حقائق چھپانے

والی حرکتوں کو جگہ جگہ بیان کیا گیا اور فرمایا ہے کہ جو مال تم کماتے ہو۔ اللہ کی باتوں کو چھپا کر۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو یتیموں کا مال ظلم سے ہڑپ کر لیں، ان کے لئے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے، وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ پھر فرمایا، ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہیں کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا کرے گا۔ اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے نظر رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے رہیں گے۔ حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ زانی بڈھا، جھوٹا بادشاہ، متکبر فقیر۔ فرمایا کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی، انہیں چاہئے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور کی نسبت تھیں، انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپا لیا اور خود بھی آپ کے ساتھ کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی ان کے اظہار پر جو نعمتیں اور رحمتیں انہیں ملنے والی تھیں، ان کے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لئے۔ پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو نابود کرنے کے لئے اتری تھی، انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ ظاہر کرنے کی باتیں چھپائیں اللہ کے نبی سے دشمنی کی، آپ کی صفتوں کو ظاہر نہ کیا فی الواقع اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔ جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے۔ قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے، غلاموں کو آزاد کرے۔ نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے۔ جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے۔ تنگ دستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○

ایمان کا ایک پہلو: ☆☆ (آیت:۱۷۷) اس پاک آیت میں صحیح عقیدے اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ حضورؐ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا سنو۔ نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے۔ مجاہدؒ حضرت ابوذرؓ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے حضرت ابوذرؓ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمادی اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا، سن ایک شخص نے یہی سوال حضور سے کیا۔ آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمادی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے (ابن مردویہ)

یہ روایت بھی منقطع ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر سنئے، مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گذرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اس کا اصل مقصد اطاعت فرمان الٰہی ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کر لو۔ اہل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہو اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ① یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور لہو اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہارا تقوی پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو، یہ کوئی بھلائی نہیں۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض اور احکام نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس کے لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاری مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔ پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف لفظی ایمان ہے۔ ایمان کی حقیقت تو عمل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے، فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں، تمام بھلائیوں کا عامل ہو، حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا، اس نے کامل اسلام پالیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی، اس کا ذات باری پر ایمان ہے۔ یہ وہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے۔ فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں۔ یہ مانتا ہے کل آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ تمام اگلی کتابوں کو سچا کہنے والی، تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت پر مشتمل ہے، وہ مانتا ہے۔ اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اس کا ایمان ہے بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے راہ اللہ میں خرچ کرتا ہے۔

صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام دے باوجودیکہ مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت بھی ہو (بخاری ومسلم) مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَاٰتَى الْمَالَ

عَلٰی حُبِّہٖ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے- اصل میں یہ فرمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے- قرآن کریم میں سورہ دھر میں فرمایا وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ الخ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ- اور جگہ فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پا سکتے- اور جگہ فرمایا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں- پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج تھے' دوسروں کو دے دی اور اپنی حاجت مندی کا خیال بھی نہ کیا-

ذَوِی الْقُرْبٰی انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دیتے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں- حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابت دار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہیا یک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں- قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے- یتیم سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور ان کا کمانے والا کوئی نہ ہو- نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت وطاقت ہو- حدیث شریف میں ہے' بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا ہو جو ان کے کھانے' پینے' پہننے اوڑھنے' رہنے سہنے کو کافی ہو سکے ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں- صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا ایک ایک دو دو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ ان کے سب کام نکل جائیں نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور انہیں کوئی کچھ دے دے-

ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں- یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ باطمینان اپنے وطن پہنچ جائیں- اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت الٰہی میں سفر کر رہا ہو' اسے جانے آنے کا خرچ دینا' مہمان بھی اسی حکم میں ہے- حضرت عبداللہ بن عباسؓ مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی- سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں- انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہئے- حضورؐ فرماتے ہیں' سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابوداوُد) فی الرقاب سے مراد غلاموں کو آزادی دلانا ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو مقررہ قیمت کی ادائیگی کا لکھ دیا ہو کہ اتنی رقم ہم تمہیں ادا کر دیں گے تو ہم آزاد ہیں لیکن اب ان بیچاروں سے ادا نہیں ہو سکی تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا- ان تمام قسموں کی اور دوسرے اسی قسم کے لوگوں کی پوری تفسیر سورہ برات میں انما الصدقات کی تفسیر میں بیان ہو گی ان شاءاللہ- حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی اس حدیث کا ایک راوی ابوحمزہ میمون اعور ضعیف ہے-

پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع' سجدے' اطمینان اور آرام' خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح ادائیگی کا شریعت کا حکم ہے اور زکوٰۃ کو بھی ادا کرے یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو بے معنی باتوں اور رذیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

زَكّٰهَا یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی میں لتھیڑنے (لت پت کرنے والا) تباہ ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی فرمایا تھا کہ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى الخ اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ یعنی ان مشرکوں کو ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے۔ پس یہاں مندرجہ بالا آیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو تو اور احکام نفلی صدقہ سے متعلق سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے جیسے اور جگہ ہے يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ الخ یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

وعدے توڑنا نفاق کی خصلت ہے۔ جیسے حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔

ایک اور حدیث میں ہے' جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت' بدن کی بیماری کے وقت' لڑائی کے موقعہ پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر و ثابت قدم رہنے والے اور فولادی چٹان کی طرح جم جانے والے' صِابِرِيْنَ کا نصب بطور مدح کے ہے' ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے' اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے' ہمارا بھروسہ اسی پر ہے' پھر فرمایا ان اوصاف والے لوگ ہی سچے ایمان والے ہیں' ان کا ظاہر و باطن' قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گذار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ
بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ
شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۸
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۷۹

ایمان والو تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے بدلے' غلام غلام کے بدلے' عورت عورت کے بدلے جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے' اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے۔ تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے' اسے دردناک عذاب ہوگا ○ عقلمندو قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے ○

قصاص کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۷۸-۱۷۹) یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو' آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام' عورت کے بدلے عورت۔ اس بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور خدا کا حکم بدل دیا اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضیری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضیری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل دیت یعنی دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی۔

پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا۔ اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے اَلنَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر اَلنَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَالۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ نازل ہوئی پس آزاد لوگ سب برابر ہیں۔ جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا' وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ بھی اس آیت کو النفس بالنفس سے منسوخ بتلاتے ہیں۔ ☆ مسئلہ ☆ امام ابوحنیفہؒ' امام ثوریؒ' امام ابن ابی لیلیٰؒ اور داؤدؒ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا' حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت ابراہیمؒ نخعیؒ' حضرت قتادہؒ اور حضرت حکمؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت امام بخاریؒ' علی بن مدینی ابراہیمؒ نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوریؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے' ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکٹا کرے' ہم بھی اس کی ناک کٹا دیں گے اور جو اسے خصی کرے' اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے۔ اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ لا یقتل مسلم بکافر مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے' اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

مسئلہ: ☆☆ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاؒ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں النفس بالنفس موجود ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے المسلمون تتکا فاد مائھم یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔ حضرت لیثؒ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاصتہ اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: ☆☆ چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے

خلاف آپؓ کے زمانہ میں کسی صحابیؓ نے نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں، ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے۔ زیادہ قتل نہ کئے جائیں حضرت معاذؓ، حضرت ابن زبیرؓ، عبدالملک بن مروان زہری، ابن سیرین، حبیب بن ابی ثابتؒ سے بھی یہ قول مروی ہے ابن المنذر فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہؓ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے۔ حیل حجت نہ کرے۔

مسئلہ: ☆☆ امام مالکؒ کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگذر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن، قتادہ، زہرہ ابن شبرمہ، لیث اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا۔ انہیں قصاص سے درگذر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں۔ قصاص، دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی۔ دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں، اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے، اس کے لئے سخت درد ناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پر قتل کے درپے ہوا وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ یا قصاص یعنی بدلہ لے لے یا درگذر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو۔ ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے، وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کر لی، پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے۔ اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دومرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زندگی ہے۔ قاتل کو خود خیال ہو گا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل وخون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ القتل انفی للقتل قتل قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت وبلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن وامان سکون وسلام رہے گا۔ تقویٰ کل نیکیوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ
بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ
بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ○ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس میں اصلاح کرا دے اس پر گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

وصیت کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۸۰-۱۸۲) اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ ٹھیک قول یہی ہے لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لے گا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہؓ سے حدیث ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباسؓ سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب آپؓ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں، یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد) آپؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا۔ اوروں کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی۔ پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ الخ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰؓ، سعید بن مسیبؒ، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عکرمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، طاؤس، ابراہیمؒ نخعی، شریح، ضحاک اور زہری رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابومسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہا کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں، ان کے حق میں ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیادؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ اور مقاتل بن حیانؒ بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر پہلے فقہا کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے ہوئی جو وارث نہیں اور ان کے حق میں نہ رہی جو وارث ہیں۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری، دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق و سباق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے

نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے۔

پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب و فرض ہے۔ ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیۃ اٹھ گیا۔ باقی رہے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے۔ کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آ چکا ہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنی چاہتا ہو کہ دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے ہوئے گذارے۔ راوی حدیث حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے فرماتے ہیں' اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری۔ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک و احسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔ خیرا سے مراد یہاں مال ہے۔ اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت' وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک قریشی مر گیا اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔ آپ نے فرمایا' یہ رقم وصیت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے اِنْ تَرَكَ خَيْرًا فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔ اس سے کسی نے کہا' وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے' اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤس اسی (80) دینار بتلاتے ہیں۔ قتادہ ایک ہزار بتلاتے ہیں۔ معروف سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ اس میں بھلائی کرے برائی نہ کرے۔ وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا رسول اللہ میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپؐ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ نہیں۔ کہا۔ ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ خیر تہائی مال کی وصیت کرو گو یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آ جائیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔

مسند احمد میں ہے حنظلہ بن جذیم بن حنفیہؒ کے دادا حنفیہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جو ان کے ہاں پلتے تھے' سو اونٹوں کی وصیت کی۔ ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذرا معاملہ حضورؐ تک پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں نہیں نہیں۔ صدقہ میں پانچ دو ورنہ دس دو۔ ورنہ پندرہ۔ ورنہ بیس۔ ورنہ پچیس دو۔ ورنہ تیس دو۔ ورنہ پینتیس دو۔ اگر اس پر بھی نہ مانو تو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو۔

پھر فرمایا جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپا لے' اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے۔ میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی۔ نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ نہ کوئی راز۔ حیف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا مثلاً کہدیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب یہ خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت و شفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے رد و بدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی شروع کے مطابق پوری ہو۔ ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت گناہگار کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے' اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے۔ ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔

امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھی وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں' ان سے آگے نہ بڑھو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ
يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ
وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم بچ جاؤ ○ گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے۔ طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے' وہ اس کے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو ○

روداد روزہ اور صلوٰۃ : ☆☆ (آیت: ۱۸۳-۱۸۴) اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو' روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس

سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب وطاہر ہو جاتا ہے۔ ردی اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا' اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا الخ یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو' یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرنے والوں پر تھے' روزے سے بدن کو پاکیزگی ملتی ہے اور عمل شیطانی راہ پر چلنے سے رک جاتا ہے۔

صحیحین میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اے جوانو تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو' وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو' وہ روزے رکھے۔ اس کے لئے یہ جوش کو سرد کر دیتے ہیں پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تا کہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق وشوق سے اس الٰہی فریضہ کو بجا لائے' پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا۔ پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا۔ اس کا مفصل بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت معاذؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ' عطاؒ' قتادہؒ' ضحاکؒ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضورؐ کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا' عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے' مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں' ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو' اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا۔ گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا' ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' مجاہدؒ' طاؤسؒ' مقاتلؒ وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔ پہلے تو سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضورؐ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر ''قَدْ نَرٰى'' والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپؐ نے منہ پھیرا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے۔ پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زیدؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے الله اکبر الله اکبر اشهد ان لا اله الا الله دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں قد قامت الصلوة بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلالؓ کو یہ سکھاؤ۔ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا۔ لیکن ان سے پہلے حضرت زیدؓ آ چکے تھے۔ تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضورؐ نماز پڑھا رہے ہیں۔ کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں۔ وہ

جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں - وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضورؐ کے ساتھ مل جاتا' حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضورؐ کو جس حال میں پاؤں گا' اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے' اسے حضورؐ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا حضرت معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے - تم بھی اب یونہی کیا کرو' یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں - روزوں کی تبدیلیاں سنئے - اول جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے - پھر اللہ تعالیٰ نے آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الخ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے - دوسرا ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے' جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے - پھر یہ آیت اتری فمن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو' وہ روزہ رکھا کرے' پس جو شخص مقیم ہو' مسافر نہ ہو' تندرست ہو' بیمار نہ ہو' اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو' اسے بھی رخصت دی گئی - تیسری حالت یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا' عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا - سو گیا تو پھر گو رات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا - پھر صرمہؓ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے - عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی - دوسرے دن کچھ کھائے پئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی - حضورؐ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا - ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا - ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضورؐ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ سے ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی - بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورے کا روزہ رکھا جاتا تھا - جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا - جو چاہتا رکھ لیتا - جو نہ چاہتا نہ رکھتا' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہ مروی ہے - وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کا مطلب حضرت معاذؓ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا' جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا - حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا' افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی' حضرت ابن عمرؓ بھی اسے منسوخ کہتے ہیں - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ منسوخ نہیں - مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو - ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں' میں عطار حمتہ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا - دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں - مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا' اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بے طاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے' حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو' اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہو گا - ہاں ایسے بوڑھے بڑے' معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو - روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں - ہمیں اختلاف ہے - امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا یہ بھی مثل بچے کے ہے - نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا - دوسرا قول حضرت امام

شافعیؒ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے' اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرتے' مسند ابو یعلی میں ہے کہ جب حضرت انسؓ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے۔ اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو' علماء میں سخت اختلاف ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں' بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں' بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔ امام ابن کثیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے فالحمد للہ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔ نہ فدیہ دیں۔)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ
كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس مہینے میں مقیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو ○

نزول قرآن اور ماہ رمضان: ☆☆ (آیت:۱۸۵) ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے' حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ' انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارھویں کو اور انجیل اٹھارھویں کو۔ اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور جس پیغمبر پر اتریں' ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمانی دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلتہ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلہ مبارکہ بھی کہا ہے' ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپؓ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اترتا رہا' پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلتہ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپؓ نے یہی مطلب بیان کیا (ابن مردویہ وغیرہ) آپ سے یہ بھی مروی ہے

کہ آدھی رمضان میں قرآن کریم دنیا کے آسمان کی طرف اترا - بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسب ضرورت وقائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں کامل ہوا - اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں' کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارا کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا الخ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں - پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں - تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے - یہ حق و باطل' حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے' ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں علیحدگی کرنے والا ہے' بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے - شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے - حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے' رمضان نہ کہو' یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے' شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو' حضرت مجاہدؒ اور محمد بن کعبؒ سے بھی یہی مروی ہے - حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے - رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ واہی ہے - امام بخاریؒ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں - ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے' اس کے سبب اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے' کوئی شخص اپنے گھر ہو' سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں - پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی' وہ اٹھ گئی' اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کے لئے رخصت کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے جائیں' اتنے دن پھر قضا کر لے - پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے - اب یہاں چند مسائل بھی سنئے (۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور چاند چڑھ جائے' رمضان شریف کا مہینہ آ جائے پھر درمیان میں اسے سفر درپیش ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے ہاں ان لوگوں کو بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آ جائے لیکن یہ قول غریب ہے' ابو محمد بن حزمؒ نے اپنی کتاب محلی میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے - واللہ اعلم -

نبی ﷺ رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے روزے سے تھے - کدید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (متفق علیہ) (۲) صحابہؓ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے' یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تھے' بعض روزے سے ہوتے تھے' بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا - اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا بلکہ خود نبی ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' صحیحین میں ہے' حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے - تیسرا مسئلہ - ایک جماعت علماء کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں کہ سفر

میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضورؐ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے، اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں، ایک اور حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں، تم لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا، نہ رکھنا دونوں برابر ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں۔ فرمایا اگر چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا، اس پر سایہ کیا گیا ہے، پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضورؐ یہ روزے سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری و مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے، اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ چوتھا مسئلہ۔ آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے، ایک کے پیچھے ایک یونہی لگاتار روزے رکھنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں۔ خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ، اختیار ہے۔ جمہور سلف وخلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے۔ رمضان میں پے در پے رکھنا اس لئے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو۔ اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو، بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے، عربی عروہ کہتے ہیں، ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے۔ سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپؐ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضورؐ نے فرمایا، اللہ کا دین آسانیوں والا ہے، تین مرتبہ یہی فرمایا، مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، لوگو آسانی کرو، سختی نہ کرو، تسکین دو، نفرت نہ دلاؤ۔

صحیحین کی حدیث میں بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا، نفرت نہ دلانا آسانیاں کرنا، سختیاں نہ کرنا۔ آپس میں اتفاق سے رہنا۔ اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

محجن بن ادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپ اسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے نہ سناؤ۔ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی

کا ہے سختی کا نہیں اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے اور اس رحمت' نعمت' ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہئے جیسے اور جگہ حج کے موقع پر فرمایا فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ الخ یعنی جب احکام حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو' اور جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں فلاح ملے۔ اور جگہ فرمایا سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الخ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے' سورج کے ڈوبنے سے پہلے' رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو۔ اسی لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد' تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا صرف الله اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ داؤد بن علی اصبہانی ظاہریؒ کا مذہب ہے کہ اس عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس میں صیغہ امر کا ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ اور اس کے بالکل برخلاف حنفی مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں۔ باقی بزرگان دین اسے مستحب بتلاتے ہیں گو بعض تفصیلوں میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تاکہ تم شکر کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے حرام کردہ کاموں سے بچ کر اس کی حدود کی حفاظت کر کے تم شکر گذار بندے بن جاؤ۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے' میں قبول کرتا ہوں۔ پس لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔

دعا اور اللہ مجیب الدعوات: ☆☆ (آیت:۱۸۶) ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کر لیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں۔ نبی ﷺ خاموش رہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر) حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ جب آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت اتری (ابن جریج) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے ہر بلندی پر چڑھتے وقت' ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جا رہے تھے۔ نبی ﷺ ہمارے پاس آ کر کر فرمانے لگے' لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو۔ تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے' اے عبداللہ بن قیسؓ' جنت کا خزانہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے (مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے' میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے' میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں (مسند احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں' میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔ اس مضمون کی آیت کلام پاک میں بھی ہے۔ فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ

هُمْ مُّحْسِنُوْنَ جو تقویٰ واحسان وخلوص والے لوگ ہوں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو ضائع نہیں کرتا، نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے یا نہ سنے، اس نے دعا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو، نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضورؐ پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ (مسند احمد)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے، اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ٹلتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو (مسند احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے، اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا (موطا مالک) بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے، صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ نامقبولیت کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے، یہ جلدی کرنا ہے، ابوجعفر طبریؒ کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہؓ کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں۔ بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اے لوگو تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو۔ سنو غفلت والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی قبول نہیں فرماتا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے دعا کی کہ الٰہ العالمین عائشہؓ کے اس سوال کا جواب کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے، مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ) یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا اے اللہ تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوں، الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں، حمد ونعمت اور ملک تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میری گواہی ہے کہ تو نرالا، یکتا، بے مثل اور ایک ہی ہے۔ تو پاک ہے۔ بیوی، بچوں سے دور ہے، تیرا ہم پلہ کوئی نہیں، تیری کفو کا کوئی نہیں۔ تجھ جیسا کوئی نہیں۔ میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا، تیری ملاقات حق، جنت، دوزخ، قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں (ابن مردویہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے، اے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک مجھ اور تجھ میں مشترک ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ گویا میرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا۔ کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا۔ مشترک

کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں تیرا کام دعا کرنا' میرا کام قبول کرنا (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابوداؤد طیالسی) ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابیؓ کی یہ دعا منقول ہے اللھم انی اسئلك برحمتك اللتی وسعت کل شی ان تغفرلی یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے' تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے۔ اور حدیث میں ہے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ' روزے دار شخص اور مظلوم' اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے میری عزت کی قسم' میں تیری مدد ضرور کروں گا گو دیر سے کروں (مسند' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ)

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ۭ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ
وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ
لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ
الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا
تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا
تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا' وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو' تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگذر فرما لیا' اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے گا۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو' یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو' اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تا کہ وہ بچیں ○

رمضان میں مراعات اور کچھ پابندیاں: ☆☆ (آیت:۱۸۷) ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا' جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہؓ کو قدرے مشقت ہوئی جس پر یہ رخصت کی آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔ رفث سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباسؓ، عطا' مجاہد' سعید بن جبیر' طاؤس' سالم بن عبداللہ' عمرو بن دینار' حسن' قتادہ' زہری' ضحاک' ابراہیم نخعی' سدی' عطا خراسانی' مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لباس سے مراد سکون ہے۔ ربیع بن انس لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ جس میں بیان ہو چکا ہے کہ

جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھا پی نہیں سکتا- اب اسے یہ رات اور دوسرا دن گذار کر مغرب سے پہلے کھانا پینا حلال ہوگا-

حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے- بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں- میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں- وہ تو گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی- جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس ہوا کہ اب یہ رات اور دوسرا دن بھوکے پیٹ کیسے گذرے گا؟ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیسؓ بھوک کے مارے بیہوش ہو گئے- حضور علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا- اس پر یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے- ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہؓ رمضان بھر عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے لیکن بعض لوگوں سے کچھ ایسے قصور بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی- ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی ایک حضرات سے ہو گیا تھا جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کی تھی- پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئیں اور یہ رحمت کی آیتیں اتریں- ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا- عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی- اسی وقت یہ آیت اتری- ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے ہوشیار ہو کر کھا پی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدیؐ میں اپنا قصور بیان کیا تھا- ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے نیند آ گئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا- اس رات آپ دیر تک مجلس نبویؐ میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے- ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا ما کتب اللہ سے مراد اولاد ہے- بعضوں نے کہا جماع مراد ہے- بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے، قتادہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے- تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سبھی مراد ہیں- جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی بھی اجازت ہے-

صحیح بخاری شریف میں ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب من الفجر کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی، کھاتے پیتے رہے- اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات سے دن ہے، مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے تکئے تلے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا- صبح کو حضرتؐ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا- اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے، یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مطلب حضورؐ کے امر قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے- اگر تیرے تکیہ تلے یہ دونوں آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک کی ہے، صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے- بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے- بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے لیکن یہ معنی غلط ہیں بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہی ہوگی- واللہ اعلم-

بخاری شریف میں حضرت عدیؓ کا اسی طرح کا سوال اور آپؐ کا اسی طرح کا جواب تفصیل وار یہی ہے- آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے- حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو- اس میں برکت ہے (بخاری و مسلم) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا

برکت ہے- اسے نہ چھوڑو- اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی- اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد) اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں- سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے- ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے- اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں- جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے گی، تب تک بھلائی میں رہے گی (مسند احمد) یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے اس کا نام غذا مبارک رکھا ہے، مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ الخ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں- مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب ہو، یہی مراد یہاں اس حدیث سے بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا، ہو گئی، کوئی کہتا تھا، نہیں ہوئی- اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب تک ہی سحری کھانا مروی ہے، جیسے محمد بن صادق بن حسین، ابومجلز، ابراہیمؒ نخعی، ابوالضحی، ابووائل وغیرہ، شاگردان ابن مسعودؓ، عطا، حسن، حاکم بن عینیہ، مجاہد، عروہ بن زبیر، ابوالشعشاء، جابر بن زید کا بھی یہی مذہب ہے- اعمش اور جابر بن رشد کا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، ہم نے ان سب کی اسنادیں اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام میں بیان کر دی ہیں و للہ الحمد، ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کر سکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے- قرآن میں حیط کا لفظ موجود ہے، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت (بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اذان سن کر تم سحری سے نہ رک جایا کرو- وہ رات باقی ہوتے ہی اذان دیا کرتے ہیں- تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان نہ سن لو- وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے، مسند احمد میں حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمان کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے- ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے- کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے، دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے، ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے، ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح کی سفیدی کے ستون کی مانند بتایا ہے، دوسری روایت میں اس پہلی اذان کو جس کے موذن حضرت بلالؓ تھے، یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں اور قضا لوٹانے کے لئے ہوتی ہے، فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی) ایک مرسل حدیث میں ہے فجر دو ہیں ایک تو بھیڑیئے کی دم کی طرح ہے- اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی- ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے، اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں لیکن فجر جو پہاڑوں

کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے، وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاؒ سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا وقت آیا ہوا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے، یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کو نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ: ☆☆ چونکہ جماع کا اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق کا مقرر کیا ہے، اس سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا، وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے۔ اس پر کوئی حرج نہیں چاروں اماموں اور سلف و خلف کے جمہور علماء کرامؒ کا یہی مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جماع کرتے۔ صبح کے وقت جنبی اٹھتے۔ پھر غسل کر کے روزہ رکھتے، آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے۔ نہ قضا کرتے تھے صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میں صبح نماز کا وقت آ جانے تک جنبی ہوتا ہوں تو پھر کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپؐ نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ ہم تو آپ جیسے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ واللہ مجھے تو امید ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا میں ہوں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور یہ حدیث شرط شیخین پر ہے، جیسے کہ ظاہر ہے یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ نبی ﷺ سے، نسائی میں یہ حدیث بروایت ابو ہریرہؓ ہے، وہ اسامہ بن زیدؓ سے اور فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں، اور بعض دیگر علماء کا یہی مذہب ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سالمؒ، عطاؒ، ہشام بن عروہؒ اور حسن بصریؒ یہی کہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو، اور آنکھ کھلے تو صبح صادق ہو گئی ہو تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر اس نے عمداً غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح صادق ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ہو گا۔ حضرت عروہؒ، طاؤسؒ اور حسنؒ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں، ابراہیم نخعیؒ یہی کہتے ہیں خواجہ حسن بصریؒ سے بھی ایک روایت ہے، بعض کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث حضرت عائشہؓ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں، اس کی ناسخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں لا کمال نفی کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث سے جواز صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے۔ یہی مسلک ٹھیک بھی ہے۔ اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے، بخاری و مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب ادھر سے

رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کر لے، بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے، خیر سے رہیں گے، مسند احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اللہ عز و جل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں، امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں-

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ کی بیوی صاحبہ حضرت لیلی فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرانیوں کا ہے- تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو- اور بھی بہت سی حدیثوں میں روزے سے روزے کو ملانے کی ممانعت آئی ہے- مسند احمدؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا روزے سے روزہ نہ ملاؤ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خود آپ تو ملاتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں- میں رات گذارتا ہوں- میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپؐ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا- پھر چاند دکھائی دیا تو آپؐ نے فرمایا اگر چاند نہ چڑھتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا گویا آپ اپنی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے-

صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے اور اسی طرح روزے کو بے افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں- پس ثابت ہوا کہ امت کو تو منع کیا گیا ہے لیکن آپؐ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی- آپ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد کی جاتی تھی- یہ بھی خیال رہے کہ مجھے میرا رب کھلا پلا دیتا ہے، اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے-

لها احاديث من ذكراك تشغلها عن الشراب وتلهيها عن الزاد

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے- ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزے کو روزے سے مت ملاؤ- جو ملنا ہی چاہے تو سحری تک ملا لے- لوگوں نے کہا- آپؐ تو ملا دیتے ہیں- آپؐ نے فرمایا- میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والا پلا دیتا ہے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہؓ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں- آپ سحری کھا رہے تھے- فرمایا آؤ تم بھی کھا لو- اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں- آپؐ نے فرمایا تم روزہ کس طرح رکھتی ہو اس نے بیان کیا- آپؐ نے فرمایا- آل محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتیں؟ (ابن جریر) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے- ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت کے طور پر نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا- واللہ اعلم- اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے سمجھا ہو کہ حضورؐ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا نہ کہ ناجائز بتلانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، آپؐ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا- پس ابن زبیرؓ اور ان کے صاحبزادے عامر اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے، اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے، یہ بھی مروی

ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تا کہ پہلے غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں' مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے ۔ اس اثناء میں دن کو یا رات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست' چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے' ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا' رہی رات تو جو چاہے کھائے جو نہ چاہے نہ کھائے ۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو' خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں' اس پر دن کے وقت یا رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے ۔ جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے' حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا ۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں ۔

پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب پاخانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے ۔ وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں ۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے ۔ اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں ۔ بعض میں اختلاف بھی ہے جن سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام کے آخر میں بیان کئے ہیں وللہ الحمد والمنۃ چونکہ قرآن پاک میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے' اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں ۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں' آنحضرت ﷺ بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کو وفات آئی ۔ آپ کے بعد امہات المومنینؓ آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری و مسلم) بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کی اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی تو وہ دریافت کر کے چلی جاتیں ۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا' اس لئے حضورؐ ساتھ ہو لئے کہ پہنچا آئیں راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ ٹھہر جاؤ ۔ سنو ۔ یہ میری بیوی صفیہ ہیں ۔ وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟) آپؐ نے فرمایا ۔ شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے ۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے ۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اس واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہؓ حضورؐ کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپؐ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں ۔ واللہ اعلم ۔ آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس و کنار وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں سر مبارک میری طرف جھکا دیا کرتے تھے ۔ میں آپؐ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی ۔ آپؐ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے رفع کے سوا اور وقت گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں ۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اور اس میں جو کام جائز ہیں یا جو ناجائز ہیں غرض وہ سب ہماری حد بندیاں ہیں ۔ خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا' نہ ان سے

تجاوز کرنا' نہ ان کے آگے بڑھنا بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کردی' اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کرسکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس بنا پر وہ متقی بن جائیں جیسے اور جگہ ہے هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ وہ خدا جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رافت و رحمت کرنے والا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ
لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۶

ایک دوسروں کا مال ناحق نہ کھایا کرو' نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کرلیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو ○

منصف' انصاف اور مدعی: ☆☆ (آیت:۱۸۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہئے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے اور وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے' حضرت مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' مجاہد' حسن' قتادہ' سدی' مقاتل بن حیان' عبدالرحمٰن بن زید اسلم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر' صحیحین میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں انسان ہوں۔ میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں۔ شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو۔ میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں' وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں' فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا لیکن اس فیصلہ کی بنا پر ناحق کو حق بنا لینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کو باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لئے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گذار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعوؤں کو ثابت نہ کیا کرو' حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' لوگو سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کرسکتا اور نہ باطل کو حق کرسکتا ہے۔ قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے۔ ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھ لو۔ یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا' اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں سے اسے بدلہ دلوائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ
الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ
وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں اور حج کے موسم کے لئے ہے (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو۔ گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

چاند اور مہ وسال: ☆☆ (آیت:۱۸۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی معیاد معلوم ہو جاتی ہے، عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے، حج کا وقت معلوم ہوتا ہے، مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے، اسے دیکھ کر روزے رکھو، اسے دیکھ کر عید مناؤ، اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو، اس روایت کو حضرت امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث اور سندوں میں بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے میں نہیں گھستے تھے۔ دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ میں قریشیوں نے اپنے لئے ایک اور امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حمس رکھا تھا۔ احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آسکتے تھے لیکن باقی کے لوگ سیدھے راستے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک باغ سے اس کے دروازے سے نکلے۔ آپ کے ایک انصار صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے۔ اس پر لوگوں نے حضرت سے کہا یا رسول اللہؐ۔ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں۔ یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضورؐ کو جس طرح کرتے دیکھا، کیا، مانا کہ آپ حمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے، پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں، اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کیا، عطاؒ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کر دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجا لانا، اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا، اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے ○ والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو' کافروں کا بدلہ یہی ہے ○ اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آ جائے۔ اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے ○

حکم جہاد اور شرائط: ☆☆ (آیت: ۱۹۰-۱۹۳) حضرت ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے حضور علیہ السلام اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں۔ جو آپ سے نہ لڑیں خود ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ برات نازل ہوئی بلکہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلام رحمتہ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انہیں قتل کرو لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ اس سے تو مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ایسے دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں۔ جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں' تم بھی ان سے لڑو' جیسے اور جگہ فرمایا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے سب کے سب مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا' انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا قصد تمہارے قتل کا اور تمہیں جلاوطن کرنے کا ہے' تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی قصد رہنا چاہئے۔ پھر فرمایا تجاوز کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو' ناک کان وغیرہ نہ کاٹو' خیانت اور چوری نہ کرو' عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو' ان بوڑھے بڑے لوگوں کو بھی نہ مارو جو نہ لڑنے کے لائق ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں' درویشوں اور تارک دنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کاٹو نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت مقاتل بن حیانؒ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے' صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ خیانت نہ کرو۔ بدعہدی سے بچو' ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو' بچوں کو اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں' قتل نہ کرو۔ مسند احمدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے' اللہ کا نام لے کر نکلو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' کفار سے لڑو' ظلم و زیادتی نہ کرو' دھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو' درویشوں کو قتل نہ کرو' صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوے میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ حضورؐ نے اسے بہت برا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا' مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک' تین' پانچ' سات' نو گیارہ' مثالیں دیں۔ ایک تو ظاہر کر دی۔ باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا

کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے کہ ان پر زور آور اور مالدار دشمن چڑھ آیا اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان طاقتوروں پر انہیں غالب کر دیا۔ اب ان لوگوں نے ان پر ظلم وزیادتی شروع کر دی جس باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لئے ناراض ہو گیا۔ یہ حدیث اسناداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آ گئی تو انہوں نے ظلم وزیادتی شروع کر دی۔ فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم وزیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے چونکہ جہاد کے احکام میں بہ ظاہر قتل وخون ہوتا ہے، اس لئے یہ بھی فرما دیا کہ ادھر اگر قتل وخون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ شرک وکفر ہے اور اس مالک کی راہ سے اس کی مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے، ابو مالکؒ فرماتے ہیں، تمہاری یہ خطا کاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ زبوں تر ہیں۔

پھر فرمان جاری ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے صحیحین میں ہے کہ یہ شہر حرمت والا ہے۔ آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانے سے لے کر قیامت تک باحرمت ہی ہے۔ صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں۔ اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول (ﷺ) کے لئے اجازت دی تھی لیکن تمہیں کوئی اجازت نہیں۔ آپؐ کے اس فرمان سے مراد فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپؐ نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔ حضورؐ نے صاف ارشاد فرما دیا تھا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے۔ وہ امن میں ہے۔ جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے۔ وہ بھی امن میں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی یہیں ان سے لڑو تا کہ یہ ظلم دفع ہو سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحابؓ سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے ان کے ساتھیوں سے مل کر یورش کی تھی اور آپؐ نے درخت تلے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا چنانچہ اس نعمت کا بیان اس وقت میں ہے کہ وھو الذی کَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا، گو انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو، باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور بلند ہو جائے اور تمام دنیا پر ظاہر ہو جائے جیسے صحیحین میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص حمیت وغیرت قومی سے لڑتا ہے، ایک شخص ریاکاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے تو فرمایئے کہ ان میں سے کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو۔ اس کے دین کا بول بالا ہو، بخاری ومسلم کی ایک اور حدیث میں ہے، مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، ان کی جان ومال کا تحفظ میرے ذمہ ہو گا مگر اسلامی احکام اور ان کے باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک وکفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ۔ اس کے بعد جو قتال کرے گا، وہ ظالم ہو گا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔ یہی

معنی ہیں حضرت مجاہدؒ کے اس قول کے کہ جو لڑیں' ان سے ہی لڑا جائے یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے- پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ وجدال ہو- یہاں لفظ عدوان جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے' وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے- حقیقتاً وہ زیادتی نہیں جیسے فرمایا فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کرلو اور جگہ ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثۡلُهَا یعنی برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے- اور جگہ فرمان ہے وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کئے گئے ہو' پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی برائی اور سزا ''بدلے'' کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا و عذاب نہیں- حضرت عکرمہؒ اور حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے' اصلی ظالم وہی ہے جو لا اله الا الله کو تسلیم کرنے سے انکار کرے-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر کر کہا کہ لوگ تو مر کٹ رہے ہیں' آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں- رسول اللہؐ کے صحابی ہیں- کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپؓ نے فرمایا' سنو اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کردیا ہے- انہوں نے کہا کیا جناب باری کا یہ فرمان نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے- آپ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں- ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰنؓ آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کیوں چھوڑ رکھا ہے اور یہ کیا اختیار کررکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو- ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں- آپ نے فرمایا بھتیجے سنو اسلام کی بنائیں پانچ ہیں- اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' زکوٰۃ دینا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا- اس نے کہا' کیا قرآن پاک کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ ایمان والوں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرادو- اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمانبردار بن جائے' اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تاوقتیکہ یہ کہ فتنہ مٹ جائے- آپ نے فرمایا ہم نے حضور کے زمانہ میں اس کی تعمیل کرلی جبکہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے- جو اسلام قبول کرتا تھا' اس پر فتنہ آ پڑتا تھا' یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنس جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بہ کثرت ہو گئے اور فتنہ برباد ہو گیا- اس نے کہا اچھا تو پھر فرمائیے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے' فرمایا عثمان کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا گو تم اس معافی سے برا مناؤ اور علیؓ تو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے-

اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰی
عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں- جو تم پر زیادتی کرے' تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ○

بیعت رضوان: ☆☆ (آیت:۱۹۴) ذوالقعدہ سن ۶ ہجری میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لئے صحابہ کرامؓ سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپؐ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ ہاں اگر کوئی آپؐ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضورؐ کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپؐ نے اپنے چودہ سو صحابہؓ سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپؐ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جو واقعہ ہوا۔ وہ ہوا اسی طرح آپؐ جبکہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا۔ بالآخر کچھ صحابہؓ کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپؐ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپؐ نے عمرے کا احرام باندھا۔ یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپؐ کا ذوالقعدہ میں ہوا۔ یہ سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے۔

پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو یعنی مشرکین سے بھی عدل کا خیال رکھو، یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے اور جگہ عذاب و سزا کے بدلے میں برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت و شان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی، لیکن امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے۔ عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت مجاہدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت رہتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک و احسان کرو، اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

حق جہاد کیا ہے؟ ☆☆ (آیت:۱۹۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے، حضرت ابوعمرانؒ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو، یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابوایوبؓ نے یہ سن کر فرمایا، اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، ہم نے حضورؐ کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے۔ آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا۔ ہم آپؐ کی خدمت میں لگے رہے۔ آپؐ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے۔ اب بحمد اللہ

اسلام پھیل گیا۔ مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا۔ لڑائی ختم ہو گئی۔ ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی، نہ مال کی دیکھ بھال کی، نہ کھیتیوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا۔ پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور پیسہ تجارت میں مشغول ہو جانا، یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامرؓ تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبیدؓ تھے، حضرت برا ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہاں گھر جاؤں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا؟ آپ نے جواب دیا۔ نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ اے نبیؐ اللہ کی راہ میں لڑتا رہ۔ تو اپنی جان کا ہی مالک ہے۔ اسی کو تکلیف دے، یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ) ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا، یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور ازدشنوہ قبیلہ کا ایک آدمی جرات کر کے دشمنوں میں گھس گیا۔ ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا۔ لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس یہ شکایت کی۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نے انہیں بلا لیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا اپنی جان کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت ضحاک بن ابو جبیرہؒ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد بخل کرنا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا ہے اور حضرات مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں، پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا اپنے ہاتھوں پر آپ ہلاک ہونا ہے۔ تهلكة سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبیؒ وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضورؐ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے۔ اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے، اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے، حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔ نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقعہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو۔ یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے، پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ
الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ

اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۫ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ
وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ۚ ﴿۱۹۶﴾

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو' اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو' اسے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے خواہ صدقہ دے دے خواہ قربانی کر لے' ہاں امن کی حالت میں جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے' وہ جو قربانی میسر ہو' اسے کر ڈالے۔ جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں' یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے ○

حج اور عمرہ کے مسائل : ☆☆ (آیت:۱۹۶) اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا' پھر جہاد کا بیان ہوا' اب حج کا تذکرہ ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کرو' ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہئے' تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے۔ گو عمرے کی واجب ہونے اور مستحب ہونے میں علماء کے دو قول ہیں جنہیں ہم نے پوری طرح کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فللہ الحمد و المنتہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا تمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ تمہارا سفر صرف حج و عمرے کی غرض سے ہو' میقات پہنچ کر لبیک پکارنا شروع کر دو۔ تمہارا ارادہ تجارت یعنی کسی اور دنیوی غرض کا نہ ہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آؤ حج و عمرہ بھی کرتا چلوں۔ گو اس طرح بھی حج و عمرہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ پورا کرنا نہیں' پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرے کو حج کے مہینوں میں نہ کرے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں' ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے لیکن اس قول میں شبہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے۔ ایک سن ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں' دوسرا ذوالقعدہ سن ۷ ہجری میں عمر القضاء' تیسرا ذوالقعدہ سن ۸ ہجری میں عمرۃ الجعرانہ' چوتھا ذوالقعدہ سن ۱۰ ہجری میں حج کے ساتھ' ان عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپؐ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا۔ ہاں آپؐ نے ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے' یہ آپؐ نے اس لئے فرمایا تھا کہ ان ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپؐ کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں جیسے کہ بخاری شریف میں یہ واقعہ منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ ام ہانیؓ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حج وعمرے کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں، حج اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو کنکر مارلے اور بیت اللہ کا طواف کر لے اور صفا ومروہ کے درمیان دوڑ لے اب حج ادا ہو گیا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں، حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے، حضرت عبداللہؓ کی قرات یہ ہے واتموا الحج والعمرة الی البیت عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا، حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا، حضرت ابن عباسؓ کی قرات بھی یہی تھی، حضرت علقمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں، ابراہیمؒ سے مروی ہے واقیموا الحج والعمرة الی البیت حضرت شعبیؒ کی قرات میں والعمرة ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ عمرہ واجب نہیں۔ گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے، بہت سی احادیث میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرے دونوں کو جمع کیا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا، جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے، ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔ ابو محمد بن ابی حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک روایت وارد کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ یا رسول اللہؐ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضورؐ نے پوچھا۔ وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا، یا رسول اللہؐ میں موجود ہوں، فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار ڈال اور خوب مل کر غسل کر لو اور جو اپنے حج میں کرتا ہے، وہی عمرے میں بھی کر، یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے۔ بعض روایتوں میں غسل کا اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں اس کا نام یعلی بن امیہؓ آیا ہے۔ دوسری روایت میں صفوان بن امیہؓ ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا، اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کر ڈالو۔ مفسرین نے ذکر کیا کہ یہ آیت سن ٦ ہجری میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورہ فتح اتری اور حضورؐ کے صحابہؓ کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں چنانچہ ستر اونٹ ذبح کئے گئے، سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ اول مرتبہ حضورؐ کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجھکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناسخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپؐ باہر آئے اور اپنا سر منڈوایا۔ پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے۔ بعض نے سر منڈوالیا۔ بعض نے کچھ بال کتروا لئے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضورؐ بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپؐ نے پھر سر منڈوانے والوں کے لئے یہی دعا کی، تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کر دی، سات سات شخص ایک ایک اونٹ میں شریک تھے۔ صحابہؓ کی کل تعداد چودہ سو تھی۔ حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حد حرم سے باہر تھا۔ گو یہ بھی مروی ہے کہ حد حرم کے کنارے پر تھے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جنہیں دشمن گھیرے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوالے اور قربانی کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ طاؤس، زہری اور زید بن اسلمؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا۔ وہ اگلے سال حج کر لے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے بھی فرمایا۔ سچ ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ، ابن زبیرؓ، علقمہؒ، سعید بن میسّبؒ، عروہ بن زبیرؒ، مجاہدؒ، نخعی، عطا، مقاتل بن حیانؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ ہر مصیبت وایذا کو ایسا ہی عذر بتاتے ہیں، صحیحین کی ایک حدیث میں ہے

کہ حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلب کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضورؐ میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ حج کو چلی جاؤ اور شرط کرلو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہوگی جہاں میں مرض کی وجہ سے رک جاؤں، اسی حدیث کی بنا پر بعض علماء کرام کا فتوی ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے، امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے، حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

پس امام صاحبؒ کا مذہب بھی یہی ہوا۔ فالحمد للہ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہو اسے قربان کر دے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اونٹ ہو، گائے ہو، بکری ہو، بھیڑ ہو ان کے نر ہوں ان آٹھوں قسموں میں سے جسے چاہے ذبح کرے ابن عباسؓ سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا۔ اس میں کسی صحابیؓ سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں۔ گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبیؐ نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں، حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو، اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ، اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری، حضرت عروہؓ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے، یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ، گائے، بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حبر البحر ترجمان قرآن رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے، صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔

پھر فرمایا، جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے، تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ، اس کا عطف وَاَتِمُّوا الْحَجَّ الخ پر ہے، فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ پر نہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپؐ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج وعمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے۔ اگر وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والے ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو خواہ تمتع کی نیت کی ہو، بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپؐ تو احرام میں ہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں میں نے اپنا سر منڈوالیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے۔ جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دے دے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے، عبداللہ بن معقل کہتے ہیں کہ میں کوفے کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضورؐ کے پاس لے گئے۔ جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا، تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی میں خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ہی ذبح کر ڈالو؟ میں نے کہا، حضورؐ میں تو مفلس آدمی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا

جاؤ- اپنا سر منڈوا دو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سوا سیر سوا چھٹانک) اناج دے دینا- یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا کہ حضور ؐ نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا- ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں- ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا دیا اور ایک بکری ذبح کر دی- ایک اور حدیث میں ہے نسك یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین رکھے- اگر صدقہ دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے، حضرت علیؓ، محمد بن کعب، علقمہ، ابراہیم، مجاہد، عطا، سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتوی ہے، ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تینوں مسئلے بتلا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو، عمل کرو کافی ہے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جہاں دو تین صورتیں لفظ "او" کے ساتھ بیان ہوئی ہوں، وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے-

حضرت مجاہد، عکرمہ، عطا، طاؤس، حسن، حمید، اعرج، ابراہیم نخعی اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے- چاروں اماموں اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے، روزے تین ہیں- صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹانک کم ہے- چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور قربانی ایک بکری کی ہے- ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے، پروردگار رحمٰن و رحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے پھر صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا اور حضور علیہ السلام کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا، پھر تین روزے رکھنے کا، سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں- فالحمدللہ-

سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا- اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کر دیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں، جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے- روزے دس ہیں، صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا- ہر ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری- حسنؒ اور عکرمہؒ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں- اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ روزے تین ہیں اور چھ مسکینوں کا کھانا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے- قربانی کی بکری کر دے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے، ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہا کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے، طاؤسؒ فرماتے ہیں، یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ میں ہی کرے لیکن روزے جہاں چاہے رکھ لے-

ایک اور روایت میں ہے، ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولی ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کو نکلے- آپؓ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے- میں ابو جعفر کے ساتھ تھا- ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے- میں نے اسے جگایا- دیکھا تو وہ حضرت حسینؓ تھے- ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے- وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے- ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے پوچھا- کیا حال ہے؟ جناب حسینؓ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا- آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوا لو- پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا، تو اگر اس اونٹ کا نحر کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے، خواہ حج و عمرے کا ایک ساتھ

احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو یا اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو' اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے' جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں- بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے خود حج تمتع کیا تھا- بعض کہتے ہیں' آپؐ قارن تھے اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپؐ کے ساتھ تھے' پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے- گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے چنانچہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردویہ)

اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے' عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا- پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی' نہ حضورؐ نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا' امام بخاریؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں- حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے' حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے- وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ لیکن یہ یاد رہے کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج و عمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپ سے صراحتاً مروی ہے- پھر فرمایا جو شخص قربانی نہ کر سکے' وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے- یہ پورے دس ہو جائیں گے یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو' وہ روزے رکھ لے' تین تو ایام حج میں اور بقیہ بعد میں' علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے' حضرت عطاؒ کا قول یہی ہے یا احرام باندھتے ہی رکھ لے- حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے- حضرت طاؤسؒ' مجاہدؒ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں' حضرت شعبیؒ وغیرہ فرماتے ہیں' ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے' حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں' ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے' ایک یوم الترویہ کا' ایک عرفہ کا' حضرت علیؓ کا فرمان بھی یہی ہے- اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آ جائیں تو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے- (بخاری) امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہ مروی ہے' حضرت عکرمہ' حسن بصری اور عروہ بن زبیر رحمھم اللہ سے بھی شامل ہے-

حضرت امام شافعیؒ کا نیا قول یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں- پھر سات روزے لوٹنے کے وقت- اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ- پس لوٹتے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے- مجاہدؒ اور عطاؒ یہی کہتے ہیں' یا مراد وطن میں پہنچ جانے سے ہے- ابن عمرؓ یہی فرماتے ہیں- اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریرؒ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں' بخاری شریف کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی' ذوالحلیفہ سے آپؐ نے قربانی ساتھ لے لی تھی- عمرے کے پھر حج کی تہلیل کی- لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ تمتع کیا- بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ ہی رکھ لی تھی-

بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے- مکہ شریف پہنچ کر آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے' وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں' وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر کے صفا و مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے' سر کے بال منڈوا لے یا

کتروالے- پھر حج کا احرام باندھے- اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے (بخاری مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں- پھر فرمایا' یہ پورے دس ہیں- یہ فرمان تاکید کے لئے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا- کانوں سے سنا- ہاتھ سے لکھا اور قرآن میں بھی ہے وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو اور جگہ ہے وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھنا نہیں' اور جگہ ہے ''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور دس اور اس کے ساتھ پوری اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا' پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے' ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام وکمال کرنے کا اور کاملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں- اس کے بعد فرمایا گیا ہے' یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں- اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے-

حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' اے مکہ والو تم تمتع نہیں کر سکتے- باہر والوں کے لئے تمتع ہے- تم کو تو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے- تھوڑا سا فاصلہ طے کیا- پھر عمرے کا احرام باندھ لیا' حضرت طاؤسؒ کی تفسیر بھی یہی ہے لیکن حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کے اندر ہوں' وہ بھی اسی حکم میں ہیں- ان کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں' مکحولؒ بھی یہی فرماتے ہیں' تو عرفات والوں کا' مزدلفہ والوں کا' عرفہ اور رجیع کے رہنے والوں کا بھی یہی حکم ہے' زہریؒ فرماتے ہیں' مکہ شریف سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو یا اس کے قریب' وہ تو تمتع کر سکتا ہے- اور لوگ نہیں کر سکتے' حضرت عطاءؒ دو دن بھی فرماتے ہیں' امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں مکی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو' ان سب کے لئے یہی حکم ہے- اس لئے کہ یہ سب حاضر کہے جائیں گے- ان کے علاوہ سب مسافر اور ان سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے- واللہ اعلم- پھر فرمایا- اللہ تعالیٰ سے ڈرو- اس کے احکام بجالاؤ- جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اس کے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے-

اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ
وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى وَاتَّقُوۡنِ يٰٓاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾

حج کے مہینے مقرر ہیں- جو شخص ان میں حج مقرر کرے' وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے' گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے' تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو' سب سے بہتر تو اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○

احرام کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۱۹۷) عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے- ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں' پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے' گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے' امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام احمد' امام اسحٰق' امام ابراہیم نخعی' امام ثوری' امام لیث اللہ تعالیٰ ان پر سب رحمتیں نازل فرمائے' فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے- ان بزرگوں کی دلیل يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ الخ ہے- دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام ہر مہینہ میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہوگا' ہاں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت عطا، مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل الحج اشھر معلومت ہے۔ عربی داں حضرات کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے میں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا، وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی، انہوں نے ابن جریجؒ سے سنا اور انہیں عمر بن عطاءؒ نے کہا، ان سے عکرمہؒ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الحج اشھر معلومات اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔

ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے، صحیح ابن خزیمہؒ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابیؓ کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے پس یہ حکم رسولؐ ہو گیا اور صحابیؓ بھی یہاں وہ صحابیؓ ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔ علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوا حج کے مہینوں کے لائق نہیں۔ اس کی اسناد بھی اچھی ہے لیکن شافعیؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں، یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابیؓ کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے۔ واللہ اعلم۔ اشھر معلومات سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری) یہ روایت ابن جریرؒ میں بھی ہے، مستدرک حکم میں بھی ہے اور امام حاکمؒ اسے صحیح بتلاتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے، حضرت عطا، حضرت مجاہدؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت حسنؒ، حضرت ابن سیرینؒ، حضرت مکحولؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت ضحاک بن مزاحمؒ، حضرت ربیع بن انسؒ، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں، حضرت امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ابو یوسف اور ابو ثور رحمتہ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اشھر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے، میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے۔ پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریباً) ایسا بول دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی اغلباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے، قرآن میں بھی ہے فمن تعجل فی یومین حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے، ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے، ابن شہابؒ، عطاؒ، جابر بن عبداللہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ طاؤس، مجاہد، عروہ، ربیع اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے، کیونکہ اس کا راوی حسین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے، بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں، امام ابن جریرؒ بھی ان اقوال کا یہی مطلب

بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گذرتے ہی جاتا رہا، محمد بن سیرینؒ کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو، قاسم بن محمدؒ سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم (اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکا ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ میں چاروں عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ ادا فرماتے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔ فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاءؒ فرماتے ہیں، فرض سے مراد احرام ہے ابراہیم اور ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں، احرام باندھ لینے اور لبیک پکار لینے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے، بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفث سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے، احرامکی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا، بوسہ لینا، ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا۔ گو بعض نے مردوں کی محفلوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفث میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنی رفث ہے۔ رفث کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے، فحش باتیں کرنا، دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا، اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے، چھیڑ چھاڑ کرنا، مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفث میں داخل ہے اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں، مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی، شکار گالی گلوچ وغیرہ بدزبانی ہے جیسے حدیث میں ہے، مسلمان کو گولی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے، اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ۔ بدالقاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے قرآن فرماتا ہے لَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡہِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اس طرح حرم میں بھی یہ حرمت بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد ہے وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اور اسے ہم المناک عذاب کریں گے، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا، بال منڈوانا یا کتروانا، ناخن لینا وغیرہ، حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیحین میں ہے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے، نہ رفث کرے، نہ فسق تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان وغیرہ میں جھگڑا نہ کرو اور اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں۔ ان میں کمی زیادتی نہ کرو، موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم

میں اور جگہ فرما دی گئی ہے' اسی طرح قریش مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمیؑ پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھوں وقت حج' ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں۔ اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے۔ بس یہ جھگڑے اب میٹ دو۔ واللہ اعلم۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو' نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ' نہ کسی کو گالیاں دو۔ بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں' ہاں مارے نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر خوف نہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماءؓ اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابوبکرؓ کے خادم کے پاس تھا۔ حضرت صدیقؓ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آ گیا۔ اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا۔ حضرت کل رات کو گم ہو گیا۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا۔ نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے' بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا' اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے ایذا نہ پائیں' اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو' اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' لوگ بلا خرچ ''سفر'' حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے۔ پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے۔ جس پر یہ حکم ہوا' حضرت عکرمہؒ حضرت عینیہؒ بھی یہی فرماتے ہیں' بخاری' نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یمنی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے تئیں متوکل کہتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھنا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو۔ آٹا ستو وغیرہ توشے ہیں۔ ساتھ لے لو۔ دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمرؓ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامان سفر ساتھ رکھے' آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے۔

چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی فرمایا ہے کہ آخرت کے توشہ کی تیاری بھی کر لو یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف خدا لے کر جاؤ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے' یعنی خشوع وخضوع' طاعت و تقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو' بلکہ یہ لباس اس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے' ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر کچھ کھوؤ گے تو آخرت میں پاؤ گے۔ یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا (طبرانی) اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابیؓ نے حضور

سے کہا، یارسول اللہ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے (ابن ابی حاتم)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو یعنی میرے عذابوں سے، میری پکڑ دھکڑ سے، میری گرفت سے، میری سزاؤں سے ڈرو، دب کر میرے احکام کی تعمیل کرو، میرے ارشاد کے خلاف نہ کرو تاکہ نجات پا سکو۔ یہ ہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ
مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ
كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۱۹۸

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو۔ اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ○

تجارت اور حج: ☆☆ (آیت: ۱۹۸) صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز نامی بازار تھے۔ اسلام کے بعد صحابہ کرامؓ ایام حج میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے تو انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کے لئے خرید و فروخت حلال ہے، ابن عباسؓ کی قرات میں من ربکم کے بعد فی مواسم الحج کا لفظ بھی ہے، ابن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؓ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہ تیمیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں۔ کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپؓ نے فرمایا، سنو ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت لیس علیکم جناح الخ لے کر اترے اور حضورؐ نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو۔ تمہارا حج ہو گیا، مسند عبدالرزاق میں بھی یہ روایت ہے اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی۔ بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی بھی ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا؟ عرفات کو منصرف (یعنی تصرف کر کے) پڑھا گیا ہے حالانکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی (اسم علم) اور تانیث، اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مومنات ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا، عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بنیادی رکن ہے، مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا۔ جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا، اس نے حج کو پا لیا، منیٰ کے تین

دنوں میں جلدی یا دیر کی جاسکتی ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں‘ ٹھہرنے کا وقت عرفے کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے‘ نبی ﷺ حجتہ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو‘ حضرت امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے‘ اس نے حج پالیا‘ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ میں طی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں۔ اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی۔ واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں۔ کیا میرا حج ہو گیا؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو‘ اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا (مسند احمد و سنن) امام ترمذیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ عرفت‘ کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہؑ نے جواب دیا عرفت‘ میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آ چکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا‘ حضرت عطاءؒ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابومجلزؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ عرفات کا نام ”مشعر الحرام“ ”مشعر الاقصی“ اور ”الال“ بھی ہے‘ اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمتہ ہے‘ ابو طالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے‘ اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضورؐ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا‘ پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہو گئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپؐ نے وہاں سے کوچ کیا۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد اما بعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے۔ دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے۔ وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم) امام حاکمؒ نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے‘ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے‘ ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسورؓ نے حضورؐ کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں‘ حضرت معرور بن سویدؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے۔ آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے۔ اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے‘ ہم واضح روشنی میں لوٹے‘ صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں حجتہ الوداع کا پورا بیان ہے‘ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے۔ جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپؐ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو۔ نرمی‘ اطمینان‘ سکون

اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کرتے تا کہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے' مزدلفہ میں آ کر آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی۔ اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں۔ مغرب کے فرضوں اور عشا کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے۔ پھر لیٹ گئے' صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان و اقامت ہوئی۔ پھر قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا' سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپؐ یہاں سے روانہ ہو گئے' حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ جب یہاں سے چلے تو کیسی چال چلتے تھے۔ فرمایا' درمیانہ اور دھیمی چال سے سواری چلا رہے تھے۔ ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں۔ عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ' عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں۔ جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں' سائل کہاں ہے۔ یہ ہے مشعر الحرام' آپؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے۔ پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ' آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے' حضرت عطاءؒ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے۔ آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے' پھر مزدلفہ شروع ہو گیا۔ وادی محسر تک جہاں چاہو' ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تا کہ راستے سے یکسوئی ہو جائے' مشاعر کہتے ہیں' ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے' سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعیؒ کا مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے۔ بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہؓ بن مضرس سے اس معنی کی مروی ہے' بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے' اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی' امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے۔ اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں۔ پس یہ تین قول ہوئے' ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ واللہ اعلم۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم مترجم) ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ ہاں وادی محسر نہیں' مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ شریف کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان بن موسیٰ رشدق نے جبیرؓ بن مطعم کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہ کی اس سنت کو واضح کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے یعنی اس ہدایت سے پہلے' اس قرآن سے پہلے' اس رسولؐ سے پہلے' فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی فالحمد للہ

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

قریش سے خطاب اور معمول نبوی ﷺ : ☆☆ (آیت:۱۹۹) ''ثم'' یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تا کہ ترتیب ہو جائے' گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تا کہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے' اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں' اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے۔ باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں' تم وہیں سے لوٹا کرو' حضرت ابن عباسؓ' حضرت مجاہدؒ' حضرت عطاؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت سدیؒ وغیرہ یہی فرماتے ہیں' امام ابن جریرؒ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں' مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی ﷺ کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں' ابن عباسؓ فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منیٰ کو جانا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں' مراد امام ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں' اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول رائج رہتا۔

پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم) یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریرؒ) آپؐ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے اللھم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شرما صنعت ابوء لك بنعمتك علی وابوء بذ بذ نبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت حضورؐ فرماتے ہیں' جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے' اگر اسی رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہو گا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے (بخاری) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ یا رسول اللہؐ مجھے کوئی دعا سکھایئے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا' یہ پڑھو۔ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم○ (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ
ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۲۰۲

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ- پس بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھلائی دے ○ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں- اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

تکمیل حج کے بعد: ☆☆ (آیت:۲۰۰-۲۰۲) یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو، اگلے جملے کے ایک معنی تو یہ بیان کئے گئے ہیں کہ اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت میں حج کے موقع پر ٹھہرتے وقت کوئی کہتا تھا، میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا، کوئی کہتا تھا، وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا- سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں، بڑائیاں، عظمتیں اور عزتیں بیان کرو، اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے، غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو، اسی لئے "اَوْ اَشَدَّ" پر زبر تمیز کی بنا پر لائی گئی ہے، یعنی اس طرح اللہ کی یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے- اَوْ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اور اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً میں اور اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں اور اَوْ اَدْنٰى میں، ان تمام مقامات میں لفظ "اَوْ" ہرگز ہرگز شک کے لئے نہیں ہے بلکہ "فجر عنہ" کی تحقیق کے لئے ہے یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقعہ قبولیت کا ہے، ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بھی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلب کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے- فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھہر کر صرف یہی دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی، اس سال بارشیں اچھی برسا تا کہ غلے اچھے پیدا ہوں- اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ- لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائیوں کی ہوتی تھیں- اس لئے ان کی تعریفیں کی گئیں، اس دعا میں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے، اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت، آسانی، تندرستی، گھر بار، بیوی بچے، روزی، علم، عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی، غلام، عزت و آبرو وغیرہ تمام چیزیں آ گئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا، گھبراہٹ سے نجات پانا، نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا، سرخرو ہونا، بالاخر عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب آ گیا، پھر اس کے بعد عذاب جہنم سے نجات چاہنا- اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب، گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ، قاسمؒ فرماتے ہیں، جسے شکر اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا، بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے- اس حدیث میں ربنا سے پہلے اللھم بھی ہے- حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے تو آپؓ نے جواب میں یہی دعا بتائی (احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے، اس دعا کو نہ چھوڑتے چنانچہ حضرت ثابتؒ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں- آپ نے یہی دعا اللھم اتنا فی الدنیا الخ پڑھی- پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی- آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو- اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آ گئیں (ابن ابی حاتم) آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے- دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے- صرف

ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے آپؐ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے؟ اس نے کہا۔ ہاں میری یہ دعا تھی کہ الٰہی جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال' آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے؟ تو نے یہ دعا ربنا اتنا (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی (احمد) رکن نبی حج اور رکن اسود کے درمیان حضور علیہ السلام اس دعا کو پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ وغیرہ) لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔ آپ فرماتے ہیں' میں جب کبھی رکن کے پاس سے گذرتا ہوں' دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے۔ تم جب کبھی یہاں سے گذرو تو ربنا اتنا پڑھا کرو (ابن مردویہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کی ملازمت کر لی ہے۔ اس اجرت پر وہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقعہ پر مجھے وہ رخصت دے دیں کہ میں حج ادا کر لوں ویسے اور دنوں میں میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمایئے کیا اس طرح میرا حج ادا ہو جائے گا۔ آپؓ نے فرمایا ہاں بلکہ تو تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے اولئك لهم نصيب (مستدرک حاکم)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ
فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو' دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے' اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ○

ایام تشریق: ☆☆ (آیت: ۲۰۳) ایام معدودات سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں' ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد الله اكبر الله اكبر کہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' عرفے کا دن' قربانی کا دن اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں (احمد) اور حدیث میں ہے' ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں (احمد) پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات ساری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں' اور یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے کہ منیٰ کے دن تین ہیں۔ دو دن میں جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں' ابن جریرؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں' حضور علیہ السلام نے عبداللہ بن حذافہؓ کو بھیجا کہ وہ منیٰ میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں کوئی روزہ نہ رکھیں۔ یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں' ایک اور مرسل روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں' اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منادی بشر بن سحیمؓ تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں۔ دسویں ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد کے یعنی

دس سے تیرہ تک۔ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو موسیٰ عطاء مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر ابو مالک ابراہیم نخعی یحییٰ بن ابی کثیر حسن قتادہ سدی زہری ربیع بن انس ضحاک مقاتل بن حیان عطا خراسانی امام مالک رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں۔ ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے مگر مشہور قول یہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ دو دن میں جلدی یا دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب اس میں حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر یہی اللہ کا ذکر مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عمل درآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفے کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت تکبیر اور اللہ کا ذکر کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا۔ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا و مروہ کی سعی شیطانوں کو کنکریاں مارنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے۔ اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا۔ پھر وہی سمیٹ لے گا۔ پھر اسی کی طرف حشر ہوگا پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى
مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ
لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے ○ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے ○

دل بھیڑیوں کے اور کھال انسانوں کی :☆☆ (آیت:۲۰۴-۲۰۵) سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس ابن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ منافق شخص تھا۔ ظاہر میں مسلمان تھا لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں من یشری والی آیت اتری اور ان منافقین کی مذمت کے بارے میں مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ والی آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے قتادہؒ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے حضرت نوف بکالی جو توراۃ و انجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں۔ ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں

لیکن دل ایلوے (مصبر) سے زیادہ کڑوے ہیں- لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں-

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں- مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے' قرظیؒ کہتے ہیں' میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے- پڑھئے آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ حضرت سعید نے بھی جب یہ بات اور کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعبؒ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی- سعید کہنے لگے' میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے- آپ نے فرمایا سنئے- آیت شان نزول کے اعتبار سے گوکسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے- ابن محیصن کی قرات میں يشهِد الله ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں- اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسولؐ ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں' لیکن جمہور کی قرات يُشْهِدُ اللّٰهَ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے' جیسے اور جگہ ہے يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے' وہی ان کے دل میں ہے' صحیح معنی آیت کے یہی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زیدؒ اور مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے' ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں-

''الد'' کے معنی لغت میں ہیں' سخت ٹیڑھا' جیسے اور جگہ ہے وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے' سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افترا اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے' جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے بیوفائی کرے' جب جھگڑا کرے گالیاں بکے' ایک اور حدیث میں ہے' سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو' اس کی کئی ایک سندیں ہیں- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعلؒ اس کے سراسر خلاف ہے' عقیدہ بالکل فاسد ہے-

نماز اور ہماری رفتار: ☆☆ سعی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى الخ اور فرمان ہے فاسعوا الى ذكر الله یعنی جمعہ کی نماز کا قصد و ارادہ کرو' یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے' حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکینت و وقار کے ساتھ آؤ-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ط وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے- ایسے کو جہنم ہی بس ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے ○ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے ○

منافقوں کا مزید تعارف: ☆☆ (آیت:۲۰۶-۲۰۷) غرض یہ کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا' کھیتی باڑی' زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہدؒ سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتیوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں' ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ ونصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے واذا تتلی علیهم ایاتنا بینات تعرف فی وجوه الذین کفروا المنکر الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں' سنو اس سے بھی بڑھ کر سنو۔ کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے یعنی سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کون؟: ☆☆ منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں' یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے۔ اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے' آپؓ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی' جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت آپؓ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا۔ بڑے نفع کی تجارت کی' آپؓ یہ سن کر فرمانے لگے' اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے۔ آخر بتلاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا' آپؓ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔ قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے' آپ کے پاس مال نہ تھا' یہ سب مال یہیں کمایا۔ اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپؓ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آن کر گھیر لیا۔ آپؓ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو! تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیرانداز ہوں۔ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا۔ جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے' میں تم کو چھیدتا رہوں گا' اس کے بعد تلوار سے تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے' پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو۔ پھر جو چاہو کر لو۔ اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں۔ سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی' آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حضورؐ نے مبارک باد دی' اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے جیسے اور جگہ ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنته الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراۃ وانجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔ تم اے ایماندارو اس خرید فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے' حضرت ہشام بن عامرؓ نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ وتنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت من یشری کی تلاوت کر کے سنا دی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آ جانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

مکمل اطاعت ہی مقصود ہے: ☆☆ (آیت ۲۰۸-۲۰۹) اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کُل احکام کو بجالائیں۔ کُل ممنوعات سے بچ جائیں۔ کامل شریعت پر عمل کریں۔ سِلْم سے مراد اسلام ہے۔ اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ کافتہ کے معنی سب کے سب پورے پورے، عکرمہؒ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اسد بن عبیدؓ ثعلبہؓ وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضورؐ سے گزارش کی ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت کی اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو لیکن اس میں حضرت عبداللہؓ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اعلیٰ عالم تھے اور پورے مسلمان تھے۔ انہیں مکمل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کی بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں، بعض مفسرین نے ''کافتہ'' کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدیؐ دین میں پوری طرح آ جاؤ۔ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو۔ توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو۔ شیطان کی نہ مانو۔ وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کو اور اللہ پر بہتان باندھنے کو کہتا ہے۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بھی بدلہ لینے میں غالب ہے، نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے، نہ اس پر کوئی غالب ہے۔ اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے۔ اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ
وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ ۲۵ ع ۱۴ ۹

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

تذکرۂ شفاعت: ☆☆ (آیت ۲۱۰) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کیے کو بھگت لے گا جیسے اور جگہ ارشاد ہے کلا اذا دکت الارض الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتوں کی صفیں کی صفیں بندھ جائیں گی اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا هل ینظرون الا ان تاتیهم الملائکة الخ یعنی کیا

انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود اللہ تعالیٰ آئے یا اس کی بعض نشانیاں آ جائیں- اگر یہ ہو گیا تو پھر انہیں نہ ایمان نفع دے نہ نیک اعمال کا وقت رہے' امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں' مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے- اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا جائیں گے تو انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے- یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے- آپؐ جواب دیں گے' میں تیار ہوں' میں ہی اس کا اہل ہوں- پھر آپؐ جائیں گے اور عرش تلے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے- اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا- دنیا کا آسمان ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آ جائیں گے- پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آ جائیں گے اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آ جائیں گے- پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ تشریف لائے گا- فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے- ان کی تسبیح اس وقت یہ ہو گی سبحان ذی الملك و الملكوت' سبحان ذی العزة و الجبروت سبحان الحی الذی لا یموت' سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت' سبوح قدوس رب الملائكة و الروح' سبوح قدوس' سبحان ربنا الاعلی' سبحان ذی السلطان و العظمة' سبحانه سبحانه ابدا ابدا○ حافظ ابو بکر بن مردویہ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے- واللہ اعلم- ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو اس دن جمع کرے گا- جس کا وقت مقرر ہے- وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے- آنکھیں پتھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی- ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہو گا اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا- ابن ابی حاتم میں ہے' عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے- نور کی چکا چوند کے اور پانی کے اور پانی سے وہ آوازیں آ رہی ہوں گی جس سے دل ہل جائیں' زبیر بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر وزبرجد والا ہو گا' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا' ابو العالیہؒ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس میں چاہے آئے گا' چنانچہ بعض قراتوں میں یوں بھی ہے هل ینظرون الا ان یاتیهم الله فی ظلل من الغمام و الملائكة جیسے اور جگہ ہے ویوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملائكته تنزیلا○ یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹے گا اور فرشتے اتر آئیں گے-

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ
نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱ زُیِّنَ
لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ
حِسَابٍ ۝۲۱۲

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے ○ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی وہ ایمانداروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے' اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ○

احسان فراموش بنی اسرائیل اور ترغیب صدقات: ☆☆ (آیت: ۲۱۱-۲۱۲) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی' ان کے ہاتھ کی روشنی' ان کے لئے دریا کو چیر دینا' ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا' من وسلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ جن سے میرا خود مختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی۔ پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ سکتے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے الم تر الی الذین بدلوا نعمة الله کفرا الخ کیا تو نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرارگاہ میں پہنچا دیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیا کی زندگی پر دیوانے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ کے خرچ میں بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے بلکہ جو ایماندار اس دنیائے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضامندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں' یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آ جائے گی۔ دنیا کی روزی جسے اللہ جتنی چاہے دے دے۔ جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے' حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم تو میری راہ میں خرچ کر' میں تجھے دیتا چلا جاؤں گا۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا راہ اللہ میں دیئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے وما انفقتم من شئی یخلفه تم جو کچھ خرچ کرو' اللہ اس کا بدلہ دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے' اللہ تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو عزت عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے بخیل کے مال کو برباد کر۔ ایک اور حدیث میں ہے' انسان کہتا رہتا ہے' میرا مال' میرا مال حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھا لیا! وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا! وہ بوسیدہ ہو گیا۔ ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا' اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے' اسے تو تو دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو' دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو' دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِمَا
جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ

مُسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے' اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد سے اس میں اختلاف کیا۔ پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی' اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ○

آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک : ☆☆ (آیت:۲۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے درمیان دس زمانے تھے۔ ان زمانوں کے لوگ حق پر اور شریعت کے پابند تھے۔ پھر اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرات بھی یوں ہے کان الناس امة واحدة فاختلفوا فبعث الخ ابی بن کعب کی قرات بھی یہی ہے۔ قتادہؒ نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام' حضرت مجاہدؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے' لیکن اول قول معنی کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا۔ ان کے ساتھ اللہ کتاب بھی تھی تا کہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الٰہی سے ہو سکے لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض' تعصب وضد اور نفسانیت کی بنا پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔ ہمیں اس کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ پاک نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی نا اتفاقی رہی۔ لیکن ہمیں ہدایت نصیب ہوئی۔ یہ کُل کے کُل اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں۔ جمعہ ہمارا ہے۔ ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں' جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا۔ یہود نے بھی' ان میں سے بعض کی نماز رکوع ہے اور سجدہ نہیں۔ بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں۔ بعض نماز میں بولتے چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمدؐ کی نماز سکون و وقار والی ہے۔ نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمدؐ کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے۔ کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے۔ نصرانیوں نے انہیں نصاریٰ کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے۔ پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہ کی نسبت صحیح خیال تک ہم کو پہنچا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی۔ نصرانیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط' تفریط سے بچا لئے گئے اور انہیں روح اللہ کلمۃ اللہ اور نبی برحق مانا۔

ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں' مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ اللہ واحد کی عبادت کرنے والے' نیکیوں کے عامل' برائیوں سے مجتنب تھے' بیچ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا' پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگا دیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہو گی یہاں تک کہ امت نوح پر بھی ان کی شہادت ہو گی۔ قوم یہود' قوم صالح' قوم شعیب اور آل فرعون کا بھی حساب کتاب انہی کی گواہیوں پر ہو گا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں واللہ

یھدی الخ سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ولیکونوا شھداء علی الناس یوم القیامته الخ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں' اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے' گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہئے۔ یہ ہدایت اللہ کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی۔ وہ جسے چاہے راہ استقامت بجھا دیتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموت والارض عالم الغیب والشھادة انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیه یختلفون اھدنی لما اختلف فیه من الحق باذنك انك تھدی من تشاء الی صراط مستقیم○ یعنی اے اللہ! اے جبرئیل' میکائیل اور اسرافیل کے اللہ عز وجل! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے الہ العالمین! اے چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ جل شانہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔ میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا۔ تو جسے چاہے راہ راست دکھلا دیتا ہے' حضورؐ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه ولا تجعله متلبسا علینا فنضل واجعلنا للمتقین اماما○ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا۔ ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں اے اللہ ہمیں نیکوکار اور پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝٢١٤

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے ○

ہم سب کو آزمائش سے گزرنا ہے: ☆☆ (آیت:۲۱۴) مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں۔ اگلی امتوں کا بھی امتحان لیا گیا۔ انہیں بھی بیماریاں' مصیبتیں پہنچیں' باساء کے معنی فقیری اور ضراء کے معنی سخت بیماری بھی کیا گیا ہے۔ (زلزلو) ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے' ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے۔ سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر مکمل دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضر موت تک سوار تنہا سفر کرنے گا۔ اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہو گا البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی

کرتے ہو۔ قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے الم○ حسب الناس ان یترکوا الخ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ ہم نے تو اگلوں کی بھی آزمائش کی۔ سچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ہم نکھار کر رہیں گے چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمائش ہوئی۔ یوم الاحزاب یعنی جنگ خندق میں ہوئی جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے فرمان ہے اذ جائو کم من فوقکم الخ یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں۔ دل حلقوں تک آ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔ اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جبکہ منافق اور ڈھل مل یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ رسول کے وعدے تو غرور کے ہی تھے۔ ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے۔ ابوسفیان نے کہا' ہاں۔ پوچھا۔ پھر کیا رنگ رہا۔ کہا کبھی ہم غالب رہے۔ کبھی وہ غالب رہے تو ہرقل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہی کا ہوتا ہے۔

مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے و مضی مثل الاولین○ الخ اگلے مومنوں نے مع نبیوںؑ کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنہیں جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی نزدیک ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فان مع العسر یسرا○ ان مع العسر یسرا○ الخ یقیناً سختی کی ساتھ آسانی ہے' برائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو آ پہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی عجلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں۔ تو کہہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تم جو کچھ بھلائی کرو گے' اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے○

نفلی خیرات: ☆☆ (آیت: ۲۱۵) مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' اسے آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبیؐ لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں۔ تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے۔ پھر قریبی لوگوں سے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا' یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طبلوں باجوں تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وہ ذرے برابر ظلم نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا
شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ ع ٢٦ ٦ ١٠

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو۔ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ تم محض بے خبر ہو ○

جہاد بقائے ملت کا بنیادی اصول: ☆☆ (آیت:۲۱۶) دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے۔ سب پر یہ فرض ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد کریں جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریادرسی کریں جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو نہ اپنے دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور حدیث میں ہے' فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو۔ یہ حکم آپؐ نے مکہ کی فتح کے دن فرمایا تھا۔

پھر فرمایا ہے حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی' ممکن ہے قتل بھی کئے جاؤ' ممکن ہے زخمی ہو جاؤ' پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش کا مقابلہ ہو لیکن سمجھو تو ممکن ہے۔ تم برا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھا ہو کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے۔ ان کے مال' ان کے ملک بلکہ ان کے بال بچے تک بھی تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہی تمہارے لئے برا ہو۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے نہ خیر و برکت۔ اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو دراصل وہ تمہارے لئے زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور دنیا میں قدم ٹکانے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی۔ تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کونسا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کونسا برا ہے۔ وہ اسی کام کا حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو۔ تم اس کے احکام دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر ہر حکم کو خندہ پیشانی سے مان لیا کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ
اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا
يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ
وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝۲۱۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۱۸

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا' اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا' یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں' ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے ○ ایمان لانے والے' ہجرت کرنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت اللہ کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

حضرمی کا قتل: ☆☆ (آیت: ۲۱۷-۲۱۸) رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضورؐ سے جدائی کے صدمہ سے رو دیئے۔ آپ نے انہیں روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو' اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبداللہؓ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبیؐ پڑھا اور انا للہ الخ' پڑھ کر کہا' میں نے حضورؐ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا۔ چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخری کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن ہے۔ انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہؓ کی یہ جماعت وہاں سے واپس ہوئی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسرؓ' حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہؓ بن ربیعہ' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ' حضرت عتبہؓ بن غزوان سلمی' حضرت سہیلؓ بن بیضاء' اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ یربوعی رضی اللہ

تعالیٰ عنہم تھے۔ بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ جحش ؓ نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزومند ہو وہی آگے بڑھے یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے' ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں وہ رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان' عثمان بن عبداللہ وغیرہ تھے حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مال غنیمت لے کر واپس لوٹی۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہ ؓ کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو قیدیوں کو اور مال غنیمت لے کر واپس آئی مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہ رجب میں جدال وقتال کرتے ہیں مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخریٰ کی آخری شب تھی رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہو گئی تھیں۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرکو تمہاری بداعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو۔ تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں انہی حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور وہ مجبوراً واپس ہوئے تھے۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی کے ہاتھ فتح کروایا انہیں ان آیتوں میں لاجواب کیا گیا۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا' یہ طائف سے مکہ کو آ رہا تھا۔ گو رجب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہ کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات جانتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے۔ آٹھویں حضرت رباب اسدی ؓ تھے انہیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضور ؐ نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہ تھے۔ ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا۔ دو دن چل کر حضور ؐ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ۔ وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ' یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سب ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے' وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرغ کے اوپر معدن پر پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلہ میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں' نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے۔ مسلمان اول تو انہیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آ جائے گا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضور ؐ کی خدمت میں پہنچے راستہ میں ہی سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہ ؓ میں تقسیم کر دیا اور اب تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ جب یہ لشکر سرکار نبوی ؐ میں پہنچا تو آپ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضور کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور

اپنی گنہگاری کا انہیں یقین ہو گیا پھر اور مسلمانوں نے بھی انہیں کچھ کہنا سننا شروع کیا۔

ادھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہؓ حرمت والے مہینوں میں بھی جدال وقتال سے باز نہیں رہتے دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفالی نکالی چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا عَمَّرَتِ الْحَرْبُ لڑائی پر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہو گی اس کے باپ کا نام حضرمی تھا۔ اس سے انہوں نے فال لی کہ حضرت الحرب وقت لڑائی آ پہنچا' قاتل کا نام واقدؓ تھا جس سے انہوں نے کہا وَقَدَتِ الْحَرْبُ لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی ہو تو اس سے بھی بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں تمہارا یہ فتنہ کہ تم دین اللہ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو' یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم نہ تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے اس رنج و افسوس سے نجات پائی اور حضورؐ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لیا قریشیوں نے پھر آپؐ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے مگر آپ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جب آ جائیں تب آؤ' مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذا نہ پہنچاؤ چنانچہ جب وہ آ گئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضورؐ کی خدمت میں ہی رہ گئے آخر بیئر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہاں عثمان بن عبداللہ مکہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا ان غازیوں کو یہ آیت سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضورؐ کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کے سبب سے دوسرے صحابہؓ کی چشمک کی بناء پر' کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا' سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں ہم غازیوں میں بھی شمار ہوں گے یا نہیں' جب حضورؐ سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی اور ان کی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اسلام اور کفر کے مقابلہ میں کافروں میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا کفار کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے اس پر یہ آیت یَسْئَلُوْنَکَ الخ نازل ہوئی یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن جحش نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الٰہی بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار عبداللہؓ بن جحش کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے اللہ ان سے خوش ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱۹ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ

اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ
مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعۡنَتَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۰﴾

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے گو لوگوں کو اس سے دنیوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ حاجت سے زائد چیز اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے تا کہ تم سوچ سمجھ سکو ○ امور دینی اور دنیوی' کو اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں' تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے۔ تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

حرمت شراب کیوں: ☆☆ (آیت:۲۱۹-۲۲۰) جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا' یا اللہ تو اس کا واضح بیان فرما اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ الخ' نازل ہوئی حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمرؓ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ یا اللہ' اسے ہمارے لئے اور زیادہ صاف بیان فرما۔ اس پر سورۂ نساء کی آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى الخ' نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں۔ حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپ نے پھر بھی یہی دعا کی یا اللہ ہمارے لئے اس کا بیان اور واضح کر۔

اس پر سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الۡخَمۡرُ اتری' جب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ پڑے تو آپ بول اٹھے اِنۡتَهَيۡنَا اِنۡتَهَيۡنَا ہم رک گئے ہم باز آئے ملاحظہ ہو مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی اور نسائی وغیرہ۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی روایت ہے لیکن اس کا راوی ابومیسرہ ہے جن کا نام عمر بن شرحبیل ہمدانی کوفی ہے۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں' اس کی اسناد صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عمرؓ کے اِنۡتَهَيۡنَا اِنۡتَهَيۡنَا کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے۔ یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابوہریرہؓ والی اور روایتیں سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الۡخَمۡرُ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اس کا پورا بیان بھی سورۂ مائدہ میں ہی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میسر کہتے ہیں جوئے بازی کو جوئے بازی کے گناہ کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلے برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت کا جاہلیت کے زمانہ کا شعر ہے۔ ''شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں'' اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے' ہو جائے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے' جیت ہو جائے لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں نقصانات ان کے بکثرت ہیں کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا' ہوش حواس کا بیکار ہونا ضروری ہے' ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔ یہ آیت گویا شراب کی حرمت کا پیش خیمہ تھی گو اس میں صاف صاف حرمت بیان ہوئی تھی' اسی لئے حضرت عمرؓ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو چنانچہ آخر کار سورۂ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جوا اور پانسے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں۔ اے مسلمانو اگر نجات کے طالب ہو تو ان سب سے باز آ جاؤ شیطان کی تمنا

ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت وبغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ کیا اب تم ان شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ اس کا پورا بیان ان شاء اللہ سورۂ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعیؒ فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی، پھر سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی، پھر سورۂ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہوگئی۔

عفو اور اس کی وضاحتیں: ☆☆ قُلِ الْعَفْوَ کی ایک قرات قُلِ الْعَفْوُ بھی ہے اور دونوں قراتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بندھی بیٹھ سکتے ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضورؐ ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں کیا کچھ راہ اللہ دیں جس کے جواب میں قُلِ الْعَفْوَ کہا گیا۔ یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے، حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں، ہر چیز میں تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں بھی دیتے رہا کرو، ربیعؒ کہتے ہیں، افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں، ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، حضورؐ میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اپنے کام میں لاؤ کہا۔ میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو، کہا حضرت ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات پر لگاؤ کہا ایک اور بھی ہے۔ فرمایا تو اپنی عقل سے خود بھی خرچ کر سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا، اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر پھر تو اپنے بال بچوں پر پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر پھر تو اور حاجت مندوں پر اسی کتاب میں ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ دے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے، اے ابن آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لئے برا ہے ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں، زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے، اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تا کہ تم دنیائے فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ حضرت حسن نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا، واللہ جو غور و تدبر کرے گا، جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم کا مال اور ہماری ذمہ داری: ☆☆ پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے۔ تو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے، یتیموں کا کھانا اور ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔

اب اگر ان کا پکا ہوا کھانا بچ رہتا تو اسے یا تو وہ خود ہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا- دوسری جانب والیان یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضورؐ سے عرض کی جس پر یہ آیت قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ الخ' نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی- ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف و خلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں یتیم کے ذرا اور اس کے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو- اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ الخ' سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دی گئی اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں ہاں نیت نیک ہونی چاہئے- قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے- پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا- جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا' وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دیا بلکہ یتیم کا نگران اگر تنگدست' مسکین محتاج ہو تو مطابق دستور اپنے خرچ میں لا سکتا ہے اور اگر کسی مالدار نے اپنے بوقت ضرورت اس کی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے- یہ مسائل ان شاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورۂ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے-

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى
النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۲۲۱ ع ۲۷ ۵ ۱۱

شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں' تم نکاح نہ کرو ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں' ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے- یہ لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلا رہا ہے- وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

پاک دامن عورتیں: ☆☆ (آیت: ۲۲۱) بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الخ یعنی تم سے پہلے جو لوگ کتاب اللہ دیئے گئے ہیں' ان کی پاکدامن عورتوں سے بھی جو زناکاری سے بچنے والی ہوں' ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے' حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب عورتیں

مخصوص ہیں-مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، مکحولؒ، حسنؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ، زید بن اسلم اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے-بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بت پرست مشرکہ عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے جیسے بھی کہہ لیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے واللہ اعلم-ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز قرار دیا سوائے ایمان دار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں-قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں-

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت ناراض ہوئے- یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں، ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المومنین، آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپؓ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کروں گا لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمرؓ سے بالکل ہی غریب ہے-امام ابن جریرؒ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تا کہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہؓ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں-خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے-ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا-اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے-ابن جریرؒ میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے لیکن اس سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے-ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرما دی، امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰؑ اس کے اللہ ہیں حضرت امام احمدؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں، مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے- یہ فرمان عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے- ان کی ایک سیاہ رنگ کی لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا- آپ نے پوچھا- اس کا کیا خیال ہے کہا حضورؐ وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے- آپ نے فرمایا اے ابو عبداللہ پھر تو وہ ایماندار ہے کہنے لگے یا رسول اللہ، قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کر لوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرا دیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تا کہ شرافت نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے غلام مسلم مرد بھی بڑھ چڑھ کر ہے-

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کر دے عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے' ایک تو مال' دوسرے حسب نسب۔ تیسرے جمال و خوبصورتی' چوتھے دین' تم دینداری ٹٹولو مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَاهُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ' نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد گو چاہے حبشی غلام ہو' پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول' ان کی صحبت' محبت دنیا' حفاظت دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی' اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما دیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي
الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ
مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ
الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى
شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں' ان کے قریب نہ جاؤ۔ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو' ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو ○

ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل : ☆☆ (آیت: ۲۲۲-۲۲۳) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے اس بارے میں حضورؐ سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضورؐ پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے آپ کا چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی بزرگ تحفتاً دودھ لے کر آئے۔ آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم)۔ پس اس فرمان کا کہ

حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو' یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔ حدیثوں میں ہے کہ حضور بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہمد باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد) حضرت عمارہ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی۔ آپ کو سردی لگنے لگی تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ادھر آؤ میں نے کہا حضور! میں تو حیض سے ہوں۔ آپ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجہ واصحابہ وسلم۔

حضرت مسروقؒ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَعَلٰى اَهْلِهٖ حضرت عائشہؓ نے جواب دے کر مَرْحَبًا مَرْحَبًا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے کہا ام المومنین ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا سن میں تیری ماں ہوں اور تو قائمقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ کہا فرمایئے آدمی کے لئے اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر) اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنینؓ کا یہ قول مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ حسن اور عکرمہؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے' مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سر دھویا کرتی آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی' آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں' میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریئے پر آ جاتی۔ نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہمد ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہمد باندھ لیں (بخاری) اس طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حضورؐ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کے حالت میں کیا کچھ حلال ہے۔ آپؐ نے فرمایا' تہمد کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہ' حضرت ابن عباسؓ حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت شریحؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہئے تا کہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ

رہے- حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں' اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں- ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے' وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے- ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار- مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار-

دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں- صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے امام شافعی کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں- جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں' ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں- گو یہ حدیث روایتاً مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے- یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں' ان کے قریب نہ جاؤ' یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے' پھر نزدیکی حلال ہے-

حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' طہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے- حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہہ بند باندھ لیتی اور نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے' وہ جماع ہے ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے- اس کے بعد یہ فرمان ''ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ'' اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو- امام ابن حزم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے- اس کی دلیل لفظ فَاْتُوْهُنَّ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں- علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے- ان لوگوں کو امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے-

بعض کہتے ہیں' یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے' یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے- لیکن یہ غور طلب بات ہے- دلیل سے جو بات ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر یعنی پہلے منع ہو' پھر حکم ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی' ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا جیسے قرآن کریم میں ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو- اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو- اور جگہ ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں- غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے-

یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے' مدت حیض گذر جائے' پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے- ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے- اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے- ہاں امام ابوحنیفہؒ ان تمام علماء کے مخالف ہیں- وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری معیاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو واللہ اعلم-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ یَطْھُرْنَ کا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے۔ اور تَطَھَّرْنَ سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہدؒ حضرت عکرمہ حضرت حسنؒ حضرت مقاتل بن حیان حضرت لیث بن سعدؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے، مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت مجاہد وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے۔ اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے، اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ وطی کرنی حرام ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے ان شاء اللہ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اسی لئے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں، اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں، گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں، حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ میں تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن ایک ہی رہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہے آئے۔ ہاں اس کے منہ پر نہ مار، زیادہ برا نہ کہہ، اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا، ایک ہی گھر میں رہ (احمد و سنن)۔ ابن ابی حاکم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضورؐ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتایئے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضورؐ سے یہ پوچھا تھا۔ طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے اسے الٹا کر کے مباشرت کی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابطؒ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے پاس آئے اور کہا، میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے، فرمایا، بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو، کہا۔ فرمایئے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو، مجھ سے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے۔ جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور [illegible] جب تک میں حضورؐ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کر لوں، تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی۔ ام سلمہ نے بٹھایا کہا ابھی آنحضرت ﷺ آجائیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو انصاریہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنینؓ نے آپؐ سے پوچھا، آپؐ نے فرمایا، انصاریہ عورت کو بلا لو۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا۔ جگہ ایک ہی ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے پوچھا، کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی، آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے فرمایا

سامنے سے آ' پیچھے سے آ' اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ' اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ انصار والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو اللہ بخشے' انہیں کچھ وہم سا ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے یہی عادت ان انصار کی بھی تھی۔ ان کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے۔ اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں جب اترے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضور تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے اور جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن شریف سیکھا اول سے آخر تک انہیں سنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا۔ اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گذرا) ابن عمرؓ کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپؐ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافعؒ سے فرمایا' جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا' نہیں' فرمایا' یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وطی کے بارے میں اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔ لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے۔ دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں' وہ بھی سنداً صحیح نہیں بلکہ حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے وطی دبر کو جائز کیا ہے؟ تو فرمایا' لوگ جھوٹ کہتے ہیں' پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے۔ اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف سند صحیح نہیں معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمرؓ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی۔ ان شاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال ہے بلکہ حرام ہے۔

تو یہ قول یعنی جواز کا بعض فقہاء مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول ہرگز یہ نہیں صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے' لوگو شرم وحیا کرو' اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا' عورت کے پاخانہ کی جگہ وطی نہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے' اس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت سے نہیں دیکھے گا (ترمذی)۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپؐ سے آ کر کہا کہ میں نے اَنّٰی شِئْتُمْ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ لیٹ کر لیکن جگہ وہی ایک ہو۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے' وہ چھوٹا لوطی ہے (مسند احمد) ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ۔ ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر والا ہو خواہ نیچے والا ہو اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی کرنے والا اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنے والا اور عورت کی دبر میں وطی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا اور ہمسایہ کو ستانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے۔ لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے سے وطی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا (مسند)۔

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے، اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد کے اوپر اتری ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابوسلمہؓ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی) ایک مرفوع حدیث میں اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا بڑا کمینہ وہ شخص ہے۔ دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا، تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی پس صحیح حدیثوں سے اور صحابہ کرامؓ سے بہت سی روایتوں اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اسے حرام کہتے ہیں چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، کیا مسلمان بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے۔ پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں گو روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں۔ امام مالکؒ سو ان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے۔ اسرائیل بن روح نے آپ سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو۔ بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے خبردار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو۔ سائل نے کہا، حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں۔ مجھ پر تہمت باندھتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ احمدؒ اور ان کے تمام شاگرد اور ساتھی سعید بن مسیب' ابوسلمہ' عکرمہ' طاؤس' عطا' سعید بن جبیر' عروہ بن زبیر' مجاہد' حسن وغیرہ سلف صالحین سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ گو بعض لوگوں نے فقہاء مدینہ بلکہ امام مالک سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ عبدالرحمٰن بن قاسم کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے تو اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا۔ پھر نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ پڑھ کر فرمایا، خود یہ لفظ حرث ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی جگہ نہیں۔ کھیتی میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا۔ گو امام مالک سے اس کے مباح ہونے کی روایتیں بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے واللہ اعلم۔ ٹھیک اسی طرح امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑ لی ہے حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو یعنی ممنوعات سے بچو۔ نیکیاں کرو تاکہ ثواب آگے جائے اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب

کتاب لے گا ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے بِسۡمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبۡنَا الشَّيۡطٰنَ وَ جَنِّبِ الشَّيۡطٰنَ مَارَزَقۡتَنَا یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچالے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں، اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے ○

قسم اور کفارہ: ☆☆ (آیت:۲۲۴-۲۲۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کا ذریعہ اللہ کی قسموں کو نہ بناؤ جیسے اور جگہ ہے وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں، وہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں۔ انہیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگذر کرنے کی عادت ڈالیں کیا تمہاری خودخواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے اگر کوئی ایسی قسم کھا بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کردے صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھالے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑا رہے، وہ بڑا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروق وغیرہ بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ جمہور کے ان اقوال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم ان شاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، اے عبدالرحمن سرداری، امارت اور امامت کو طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سونپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھالے، اور اس کے خلاف بھی بھلائی دیکھ تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس نیک کام کو کرلے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھالے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہئے کہ اس خوبی والے کام کو کرلے اور اپنی اس قسم کو توڑ دے اس کا کفارہ دے دے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے نذر اور قسم اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں ہی ہے نہ رشتوں ناتوں کو توڑتی ہے جو شخص کوئی قسم کھالے اور نیکی اس کے کرنے میں ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرے اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کل کی کل صحیح حدیثوں میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے اور اس سے رجوع کرے۔ ابن عباسؓ، سعید بن مسیب، مسروق اور شعبی بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے

جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں' ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے' وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضورؐ کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تاکہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرمایا ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں' ان پر پکڑ ہے۔ دوسری آیت کے لفظ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ہیں' ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم۔ غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں ان پر کفارہ نہیں۔ ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو' پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپؓ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہؓ اور تابعینؒ نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے' یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم' اس کا تیر نشانے پر لگے گا۔ کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا آپ کے صحابی نے کہا دیکھئے حضورؐ اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ نے فرمایا یہ دو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بد دعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے۔ وہ بھی لغو میں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پروا نہ کرے۔ اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے' ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا' اب اس مال کو تقسیم کر دو دوسرے نے کہا' اگر اب تو نے تقسیم کرنے کے لئے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناطوں کے کاٹنے میں ہے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو' اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں' اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسمیں کھا لو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر علم و کرم کرنے والا ہے۔

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں' ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے۔ پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○

ایلا اور اس کی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۲۶-۲۲۷) ایلا کہتے ہیں ''قسم'' کو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھالے تو دو صورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان عورت بھی صبر کرے۔ اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی۔ پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں، جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھالی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضہ اور مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کر لے یا طلاق دے دے اور حاکم اس خاوند کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تا کہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ''ایلا'' خاص ہے بیویوں کیلئے لونڈیوں کے لئے نہیں، یہی مذہب جمہور علماء کرام کا ہے۔ یہ لوگ چار مہینہ تک آزاد ہیں۔ اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے مل لیں یا طلاق دے دیں یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ اشارہ جماع کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے، اسے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کفارہ کچھ بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے۔ یہی اس کا کفارہ ہے اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کی حدیثیں بھی اوپر گذر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گذرتے ہی طلاق نہیں پڑ جائے گی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے۔ گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلا جماع چار ماہ گذرنے کے طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی (مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی، بعض کہتے ہیں بائن ہوگی جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباس اور ابوالشعثاءؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آ گئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلا کرنے والے کو تنگ کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑ دے یا طلاق دے۔ مؤطا مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے۔

صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر اوپر صحابیوں سے سنا کہ وہ کہتے تھے، چار ماہ کے بعد ایلا کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا، پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ بن زید بن ثابتؓ اور دس سے اوپر اوپر دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ دار قطنی میں ہے، حضرت ابو صالح فرماتے ہیں، میں نے بارہ صحابیوں سے اس مسئلہ کو پوچھا سب نے یہی جواب عنایت فرمایا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، حضرت ام المومنین عائشہ

صدیقہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت مجاہد، حضرت طاؤس، حضرت محمد بن کعب، حضرت قاسم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، لیث، اسحٰق بن راھویہ، ابوعبید، ابوثور، داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم آپ اس کی طرف سے طلاق دے دے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی۔ عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے، اس کی مناسبت میں موطا امام مالکؒ میں حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہاء کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے۔ ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے۔ آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور فرمایا، بتلاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے۔ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپؓ نے فرمایا، اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ
يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ
مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۸ ع ٧

طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں۔ انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہوا سے چھپائیں۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں۔ اچھائی کے ساتھ۔ ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ○

طلاق کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۲۲۸) ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغہ ہوں، حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں۔ پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کر سکتی ہیں۔ ہاں چاروں اماموں نے اس میں لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے۔ وہ دو حیض عدت گذارے کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت کا ادھورا ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے وہ دو حیض گذارے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لونڈی کی طلاقیں بھی دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر)۔ لیکن اس کے راوی

حضرت مظاہر ضعیف ہیں، یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام حافظ دارقطنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت مرفوع مروی ہے گو اس کی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔ اسی طرح خود خلیفۃ المسلمین حضرت فاروق اعظمؓ سے مروی ہے۔ بلکہ صحابہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لئے بھی کہ یہ فطری امر ہے۔ لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں۔ محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔

قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزرا چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہؒ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عروہ نے جو صدیقہؓ کی دوسری بھتیجی ہیں، اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہؓ پر اعتراض بھی کیا تو آپؓ نے فرمایا، اقراء سے مراد طہر ہیں (موطا مالک)۔ بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھدار علماء وفقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگئی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا) امام مالکؒ فرماتے ہیں، ہمارے نزدیک بھی محقق امر یہی ہے۔ ابن عباسؓ زید بن ثابتؓ سالم، قاسمؒ عروہؒ سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، عطا، قتادہ، زہری اور باقی ساتوں فقہا کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابوثورؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے۔ اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی انہیں عدت میں طلاق دو یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔ چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے، وہ بھی گنتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروع سے مراد حیض کے سوا کی یعنی پاکی حالت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہوگئی اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہوگیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے، بتیس دن اور دو لحظہ ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہولے تب تک وہ عدت میں ہی ہے۔ بعضوں نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے۔ اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جب کہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمایئے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تائید کی، حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابودرداء، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت موسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، ابراہیم، مجاہد، عطا، طاؤس،

سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعبی، ربیع، مقاتل بن حیان، سدی، مکحول، ضحاک، عطا خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں- امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے- امام احمدؒ سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے- آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے- ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شیرمہ، حسن بن صالح، ابوعبید اور اسحٰق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے، ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی جیشؓ سے فرمایا تھا نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو- پس معلوم ہوا کہ قرء سے مراد حیض ہے- لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں- ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتلاتے ہیں- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں لغتاً قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں- حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے- واللہ اعلم- اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو- ابوعمر بن علا کہتے ہیں، عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں- ابوعمر بن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہا کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے)-

پھر فرمایا، ان کے رحم میں جو ہو، اس کا چھپانا حلال نہیں، حمل ہو تو اور حیض آئے تو پھر فرمایا اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو، اس میں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جا سکتی- اس لئے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے (حیض نہ آیا ہو) اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے آیا اور اسے چھپا نہ لیں- اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں- پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے، لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقوں کے بعد بھی- باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک تو چاہے سو طلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں- طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا- جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماء اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا کہ ضمیر لوٹانے سے پہلے کے عام لفظ کی خصوصیت ہوتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل تھی ہی نہیں طلاق کی ایک ہی صورت تھی- واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں- ہر ایک کو دوسرے کا پاس و لحاظ عمدگی سے رکھنا چاہئے- صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا، لوگو عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے اللہ کی امانت کہہ کر انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے- عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو- اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو- ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ پلاؤ پہناؤ، اڑھاؤ- ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں- آپؐ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو، اسے گالیاں نہ دو، اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو ہاں گھر میں رکھو- اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے- پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے جسمانی حیثیت سے بھی، اخلاقی حیثیت سے بھی، مرتبہ کی

حیثیت سے بھی، حکمرانی کی حیثیت سے بھی، خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی، دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی غرض دینوی اور اخری فضیلت کے ہر اعتبار سے۔ جیسے اور جگہ ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ الخ یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا
يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا
يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہو اس میں سے کچھ بھی لو ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت جو کچھ بدلہ دے کر چھوٹے، اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ ہیں حدیں اللہ کی۔ خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں ○

رسم طلاق میں آئینی اصلاحات اور خلع: ☆☆ (آیت:۲۲۹) اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق دی، عدت گذرنے کے قریب آئی، رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی۔ اس طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں تیسری طلاق کے بعد لوٹا لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دے دوں گا اور جہاں عدت ختم ہونے کا وقت آیا تو رجوع کر لوں گا۔ پھر طلاق دے دوں گا۔ پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا یونہی کرتا چلا جاؤں گا وہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرما دیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو۔ اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گذر جانے دو تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ ورنہ اس کا کوئی حق نہ مارو اس پر کوئی ظلم نہ کرو نہ اسے ضرر نقصان پہنچاؤ، ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ میں، جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا، اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے یہ مردوں پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ الخ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے

ہوئے میں سے کچھ لے لو' ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے' جیسے فرمایا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے اور جب میاں بیوی میں نااتفاقی بڑھ جائے' عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق کو نہ بجالاتی ہو' ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے تو اسے دینے میں اور اسے لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ یہ جو عورت اپنے خاوند سے بے سبب طلاق طلب کرے' اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ ائمہ سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو۔ اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے جیسے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کی صورت میں یہ بات جائز نہیں بلکہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولی جائز ٹھہرے گا۔ بکر بن عبداللہ کہتے ہیں' سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مردود ہے۔

اب آیت کا شان نزول سنئے۔ موطا مالک میں ہے کہ حبیبہ بن سہل انصاریہ' حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی تھیں۔ آنحضرتؐ ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے اندھیرے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہؓ کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا' کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بن سہل ہوں فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضورؐ میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ یا وہ نہیں یا میں نہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ جب ثابتؓ آئے' آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ حضرت حبیبہؓ نے کہا حضورؐ میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے' وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں آپ نے حضرت ثابت کو فرمایا۔ سب لے لو چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہ آزاد ہو گئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضورؐ نے جب انہیں یہ فرمایا' اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں' آپ نے فرمایا' ہاں۔ کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلوا دیجئے وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین میں عیب گیری نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں چنانچہ مال لے کر حضرت ثابت نے طلاق دے دی۔ بعض روایات میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ وغضب کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا' جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہؓ نے فرمایا تھا' وہ صورت کے اعتبار سے بھی کچھ حسین نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن امی کی بہن تھیں اور سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرتؐ میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بدصورت تھے۔ حضورؐ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کرو۔ حبیبہ نے کہا تھا کہ آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں او

روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ حضورؐ اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے فِیْ مَا افْتَدَتْ بِہٖ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کر دو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گذری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے، حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے، ربیع بنت معوذ بن عفرا فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے، ایک مرتبہ جھگڑے کے موقعہ پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو۔ بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو۔ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، حسن بن صالح عثمان رحمہم اللہ اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں، امام مالک، لیث، امام شافعی اور ابو ثور کا مذہب بھی یہی ہے، امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحاب ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے، واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہو گا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ گو لے لے تو قضاء جائز ہو گا۔ امام احمد ابو عبید اور اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں، سعید بن مسیب، عطا عمرو بن شعیب، زہری، طاؤس، حسن، شعبی، حماد بن ابو سلیمان اور ربیع بن انسؒ کا بھی یہی مذہب ہے عمر اور حاکم کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اوزاعی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے۔ اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے گا کا لفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو۔ ربیع کی قرات میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود اللہ ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہوں گے۔

فصل: خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دی ہیں، پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے، حضرت عکرمہؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں۔ دیکھو آیت کے اول آخر طلاق کا ذکر ہے۔ پہلے دو طلاقوں کا۔ پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عمر، طاؤس، عکرمہ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض

دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمانؓ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن مسیب، حسن، عطا، شریح، شعبی، ابراہیم، جابر بن زید، مالک، ابو حنیفہ ان کے ساتھی ثوری، اوزاعی، ابوعثمان بتی کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی۔ اگر کچھ کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعیؒ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل وشہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد، اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عروہ، سالم، ابوسلمہ، عمر بن عبدالعزیز، ابن شہاب، حسن، شعبی، ابراہیم نخعی، ابوعیاض، خلاس بن عمرو، قتادہ، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور ابوعبید رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی فرمان ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خلع طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فیصلہ ہے ابن عمرؓ گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ ہی فرما دیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ ابن عباسؓ، عکرمہؓ، ابان بن عثمانؓ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں، جو خلع کو فسخ کہتے ہیں، ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی صاحبہ کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گذارنے کا حکم دیا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ربیع بنت معوذ کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض عدت گذارنے کا حضورؐ کا فرمان صادر ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں۔ ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آ جانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو۔ مریم مغالبہ کے بارے میں حضورؐ کا جو فیصلہ تھا، اس کی متابعت حضرت امیر المومنین نے کی۔

مسئلہ: ☆☆ جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لئے کہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفی، ماہان حنفی، سعید اور زہری کا قول ہے کہ اگر واپس کیا پھیر دے تو حق رجعت حاصل ہے۔ بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بیشک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے۔ داؤد ظاہری بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہاں سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ عبدالبر ایک فرقہ کا یہ قول بھی حکایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

مسئلہ: ☆☆ اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے۔ ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، عکرمہؓ، جابر بن زید، حسن بصری، شافعی، احمد، اسحاق ابوثور کا یہی قول ہے۔ دوسرا قول امام مالکؒ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ

نہیں۔ یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابو حنیفہ ان کے اصحاب ثوری' اوزاعی' سعید بن مسیب' شریح' طاؤس ابراہیم' زہری' حاکم' حکم اور حماد کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود اور ابو الدرداء سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو۔ فرائض کو ضائع نہ کرو' محارم کی بے حرمتی نہ کرو' جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں' تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی' ان سے تجاوز نہ کرو۔ اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے۔ حضورؐ کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں آپ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جانے لگا یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا' اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ
يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔ پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان فرما رہا ہے ○

(آیت: ۲۳۰) پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو' ہم بستری ہو' پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے۔ پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر گو وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہا میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ مجرد (صرف) عقد کو حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے۔ وہ دوسرا نکاح کرتی ہے۔ وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے۔ تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہولیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ) اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر سے خود امام سعید بن مسیب ہیں پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں نہیں ہوتی جب بھی یہی حکم ہے خود آپؐ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا۔ آپؐ سے پوچھا گیا مگر آپؐ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی صاحب تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دے دی تو ان کا

نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت مآب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کے نہیں۔ مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے پہلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا، یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فصل: یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہش مند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے۔ یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس۔ بلکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً عورت روزے سے نہ ہو، احرام کی حالت میں نہ ہو، اعتکاف کی حالت میں نہ ہو اور حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو، محرم یا معتکف نہ ہو اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہ ہو گی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصری تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضورؐ کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ مسیلہ سے منی مراد نہیں۔ یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ ''عسیلہ'' سے مراد جماع ہے اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس سے نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آ چکی ہے۔ مسند احمد میں ہے گودنے والی، گدوانے والی، بال ملانے والی، ملوانے والی عورتیں ملعون، حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے۔ سود خور اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، صحابہؓ کا عمل اسی پر ہے، عمرؓ عثمانؓ اور ابن عمرؓ کا یہی مذہب ہے، تابعین فقہا بھی یہی کہتے ہیں، علی ابن مسعود اور ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے۔ ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے۔ نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے، ایک حدیث میں ہے، میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈ کونسا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو حلالہ کرے یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے، اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضورؐ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو۔ جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ آپؓ نے فرمایا، ہرگز نہیں، ہم تو اسے نبی ﷺ کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے۔ نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو اس حدیث کے پچھلے جملے نے گو اسے موقوف سے حکم میں مرفوع کر دیا بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کروں گا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے رضی اللہ عنہم۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے

دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گذر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکر و فریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی۔ پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا۔ اس سے ہم بستری بھی ہوئی۔ پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی۔ پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا اور دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہو' گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫
وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ۟﴿۲۳۱﴾ ۲۹ ع ۳ ۱۲

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لئے نہ روکو جو شخص ایسا کرے' اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے' یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے' جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ○

آئین طلاق کی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۳۱) مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں' جن حالتوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا عمدگی کے ساتھ لوٹائے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عمدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں بغیر اختلاف' جھگڑے' دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے ختم کر دیا جو ان میں تھا کہ طلاق دے دی۔ عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا۔ پھر طلاق دے دی۔ پھر رجوع کر لیا۔ یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ بیوہ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حاضر خدمت ہو کر (ان اصلاحات طلاق کے بارہ میں) سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا' کیوں یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی۔ میں نے رجوع کیا۔ یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ اس کا ایک یہ بھی مطلب کیا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دیتا ہے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اس کی عدت لمبی کرنے کے لئے رجوع ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی

کہا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے- پھر کہدے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا- ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی' پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا' اس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا یہ طلاق ہو گئی (ابن مردویہ) حسن بصری فرماتے ہیں' لوگ طلاق دے دیتے' آزاد کر دیتے' نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا' اس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا جو طلاق یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ پختگی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں' وہ سب ہو گیا (ابن ابی حاتم)- یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے- ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ پکے ارادے سے ہوں' دل لگی سے ہوں تو تینوں ہی ثابت ہو جائیں گی- نکاح' طلاق اور رجعت- امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں' اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے- ہدایت اور دلیلیں نازل فرمائیں' کتاب اور سنت سکھائی حکم بھی کئے' منع بھی کئے وغیرہ وغیرہ- جو کام کرو اور جو نہ کرو' ہر ایک میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہر کو بخوبی جانتا ہے-

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۳۲

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں- یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو- اس میں تمہاری بہترین ستھرائی اور پاکیزگی ہے- اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

ورثاء کے لئے طلاق کی مزید آئینی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۳۲) اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کو ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گذر جائے' پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں- اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا- چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی- نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے- وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں- دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور دو عادل گواہوں کے نہیں- گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں- ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں' فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ- یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے- صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میری بہن کا منگیتر میرے پاس آتا تھا میں نے نکاح کر دیا اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دے دی- پھر عدت گذرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی میں نے انکار کیا- اس پر یہ آیت اتری جسے سن کر حضرت معقلؓ نے باوجود یہ کہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا' نکاح پر آمادہ ہو گئے- اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا- ان کا نام

جمیل بنت یسارؓ تھا ان کے خاوند کا نام ابوالبداح تھا بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسارؓ بتایا ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر یہ فرمایا' یہ نصیحت و وعظ کے لئے ہے۔ جنہیں شریعت پر ایمان ہو' اللہ کا ڈر ہو اور قیامت کا خوف ہو' انہیں چاہئے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں' انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں۔ شریعت کی اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دے دینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو' شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری تعالیٰ کو ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ
يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا
مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ
تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوا لینے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم مطابق دستور جو ان کو دینا ہو' وہ ان کے حوالہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ بھال رہا ہے ○

مسئلہ رضاعت: ☆☆ (آیت:۲۳۳) یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے اس کے بعد دودھ کی پلائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرامؒ کا یہی مذہب ہے۔

ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے' وہ وہی ہے جو دو سال سے پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہؓ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط صحیحین پر ہیں۔ حدیث میں فی الثدی کا جو لفظ ہے' اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں۔ یہی لفظ حضورؐ نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں۔ اور انہیں دودھ پلانے والی

جنت میں مقرر ہے- حضرت ابراہیمؓ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی- دارقطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے- ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں- ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں- خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ الخ' دودھ چھٹنے کی مدت دو سال میں ہے- اور جگہ ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تیں ماہ ہیں- یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی' ان تمام حضرات کا ہے- حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت جابرؓ حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمرؓ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم' حضرت سعید بن المسیب حضرت عطا اور جمہور کا یہی مذہب ہے- امام شافعیؒ' امام احمدؒ امام اسحٰقؒ' امام ثوریؒ' امام ابویوسفؒ' امام محمدؒ امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے- گو ایک روایت میں امام مالکؒ سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں- امام ابوحنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں- زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال تک کی مدت ہے' امام اوزاعیؒ سے بھی یہ روایت ہے' اگر کسی بچے کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑوا لیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پیئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی- اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا- امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں- اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھٹ گیا- اس کے بعد جیسے امام مالکؒ کا فرمان ہے- واللہ اعلم-

ہاں صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں- عطا اور لیث کا بھی یہی قول ہے- حضرت عائشہؓ جس شخص کا کسی کے گھر آنا جانا کہیں ضروری جانتیں' وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابوحذیفہؓ کے مولی تھے' آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں- یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں ساتوں فقیہوں کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں- رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو- باقی رضاعت کا پورا مسئلہ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ کی تفسیر میں آئے گا- ان شاء اللہ تعالیٰ-

پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان ونفقہ بچوں کے والد پر ہے اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں- نہ تو زیادہ ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت ووسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں- اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا- عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا- ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے- پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے- اس لئے کہ یہی اس کی گذران کا سبب ہے- دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو- اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے- وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ

سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہؒ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت بغیر دوسرے کی رضامندی کے ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے، دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ الخ اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو چنانچہ یہاں بھی فرمایا، اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوا دیں لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں۔ جب مدت ختم کر لیں پھر جو اچھائی اپنے لئے وہ کریں، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے ○

خاوند کے انتقال کے بعد: ☆☆ (آیت: ۲۳۴) اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے مجامعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس بات پر اجماع ہے۔ دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے۔ جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا، میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اللہ رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گذارنی چاہئے اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت

عبداللہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لئے یہ عدت نہیں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گذرنا پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا۔ جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابوالسنابل بن بعلبک نے یہ دیکھ کر فرمایا' کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں' تم نکاح نہیں کرسکتیں۔ حضرت سبیعہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا' اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کرسکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہؓ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں۔ اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے' اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے' دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب' ابوالعالیہ وغیرہ فرماتے ہیں' اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے۔ پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاطاً اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں' دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے' اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے' حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا' لوگو سنت نبویؐ کو ہم پر خلط ملط نہ کرو اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے' چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بنؒ مسیبؒ' مجاہدؒ' سعید بن جبیرؒ' حسنؒ بن سیرینؒ' ابن عیاض زہریؒ اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے' یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعیؒ اسحاقؒ بن راہویہ اور احمدؒ بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں۔ تین حیض عدت گذارے، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، عطا اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمرؓ، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گذارے، امام شافعیؒ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ واللہ اعلم (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گذارے واللہ اعلم)

ازاں بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے۔ ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگواری ہے، ① ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا کہ میری بیٹی کا میاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بسی رہتی تھی۔ سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹنی کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا۔ یہ تھی جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کی ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی ان شاء اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیوہ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ نابالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں۔ کیونکہ آیت میں عام حکم ہے۔ ہاں ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں۔ اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کم سن نابالغہ عورت کے لئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کی تصفیہ کا یہ موقع نہیں واللہ الموفق بالصواب۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گذر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں۔ یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن زہری اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ
فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ

سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ
فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

۳۰ ع ۱۴

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارتاً کنایتاً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور انہیں یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرلو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو عقد نکاح کو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کرلیا کرو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے ○

پیغام نکاح: ☆☆ (آیت:۲۳۵) مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے۔ ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا۔ میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو، عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں، جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا۔ عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم کے ہاں گزارو۔ جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کا مانگا تھا، نکاح کرا دیا، ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے۔ واللہ اعلم۔ یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ ہے تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زنا کاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں۔ تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پہ عدت میں نکاح کرلے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے، پس یہ سب اقوال آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ، جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں، اگر کسی نے کرلیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائے گی، اب آیا عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے، اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے گا۔ اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرادی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کے اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ اس

فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی' جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے' امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپؒ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا یہی فتویٰ ہے' حضرت عمر والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو' برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو۔ آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق بمطابق دستور اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ○

حق مہر کب اور کتنا؟ ☆☆ (آیت:۲۳۶) عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد "مس" سے نکاح ہے' دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا' اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے' اسی لئے حکم ہوا کہ مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے' حضرت شعبی فرماتے ہیں' درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا' دوپٹہ' لحاف اور چادر دے دے۔ شریح فرماتے ہیں' پانچ سو درہم دے' ابن سیرین فرماتے ہیں' غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لتے دے' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوا دی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے' وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہئے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ الخ' پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے وہ ثابت کرتے ہیں۔

اس طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ الخ یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں' پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضورؐ کی خدمت میں بھی آ چکی تھیں' سعید بن جبیر' ابوالعالیہ' حسن بصری کا قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَالَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں۔ جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورہ احزاب کی آیت سورہ بقرہ کی آیت سے منسوب ہو چکی ہے۔ حضرت سہل بن سعد اور ابو اسیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیہ بنت شرحبیل سے نکاح کیا۔ جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپؐ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپؐ نے ابو اسید سے فرمایا' اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا۔ اگر مقرر نہ ہوا ہو۔ اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہو گا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی' حضرت ابن عمرؓ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے۔ ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو' یہی مطلب سورہ احزاب کی اس آیت تخیر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص سورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔ حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپ فرماتے ہیں' اپنی طاقت کے برابر دے دے' اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ
فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ
بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۳۷

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تمہارا معاف کر دینا تقوٰی سے بہت نزدیک ہے آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

مزید وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۳۷) اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا' وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے' آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے' لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے' گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفاء راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا' امام شافعیؒ فرماتے ہیں' میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں' امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے' کہا اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے' محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے' اس سے مراد خاوند ہے' حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے' امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے' اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں' اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں' دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباس علقمہ' حسن' عطا' طاؤس' زہری' ربیعہ' زید بن اسلم' ابراہیم نخعی' عکرمہ' محمد بن سیرینؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالکؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔ گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو' عکرمہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو' حضرت شریح بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبیؒ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔

پھر فرماتا ہے تمہارا معاف کرنا ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے۔ اس سے مراد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے' آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو۔ اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ' ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے

داموں اس کی چیز خریدتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا۔ اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے، حضرت عون حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے، میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں، اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں، میں نے بڑی راحت پائی۔ رب العالمین بھی یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ والی نماز کی، اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو ○ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی، ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے ○

صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ ☆☆ (آیت: ۲۳۸-۲۳۹) اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو۔ اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کون سا عمل افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہ فرماتے ہیں، اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ اور بھی جواب دیتے (بخاری ومسلم) حضرت ام فردہؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا، آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے، اسی میں آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں۔

پھر صلوۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے، سلف وخلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے، ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہیں، جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں، پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے، دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی، ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں، بصرے میں، میں نے حضرت عبداللہ بن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی۔ پھر میں نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا، جابر بن عبداللہ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ تابعینؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور اس کے بعد بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے، یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے

بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرات پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر، عصر- بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے، ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زیدؓ بن ثابتؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے- وہاں بھی یہ مسئلہ چھڑا- لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا- آپؓ نے فرمایا، یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے (طیالسی) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں، اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہؓ پر اور کوئی نہ تھی- اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد دو ہیں- آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا وہ عصر ہے- پھر دو اور شخصوں نے پوچھا آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے، پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ نے فرمایا یہ ظہر ہے، آپؐ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے، بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے، کوئی نیند میں ہوتا، کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپؐ نے فرمایا، یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا، لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے- ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے- حضرت عمرؓ حضرت ابو سعیدؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے- امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے-

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے، اکثر علماء، صحابہؓ وغیرہ کا یہی قول ہے، جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بھی، بلکہ جمہور لوگوں کا، حافظ ابو محمد عبدالمومن دمیاطیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام کشف الغطاء فی تبیین الصلوۃ الوسطی ہے- اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوۃ وسطی عصر کی نماز ہے- حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابو ایوب، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابو ہریرہ، ابو سعید، حفصہ، ام حبیبہ، ام سلمہ، ابن عمر، ابن عباس، عائشہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے- امام ابو حنیفہؒ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے، ابو یوسف، محمد سے بھی یہی مروی ہے- ابن حبیب مالکی بھی یہی فرماتے ہیں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین- اس قول کی دلیل سنئے- رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا- اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھر کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی یعنی نماز عصر سے روک دیا (مسند احمد)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضورؐ سے یہ سنا- اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے،② اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے- حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا، ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابو ہاشم بن عتبہ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے- اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپؐ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبدالعزیز بن مروان کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا- آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ- ایک شخص نے کہا مجھ سے سنئے- مجھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا- آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا، دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز، پھر اس کے پاس والی انگلی اٹھا کر فرمایا، یہ ہوئی ظہر کی، پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا، یہ ہے مغرب کی نماز، پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا، یہ ہوئی عشاء

کی نماز' پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی' میں نے کہا بیچ کی' فرمایا' اور نماز کون سی باقی رہی' میں نے کہا عصر کی فرمایا' بس یہی صلوۃ وسطی ہے (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے' غرض صلوۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی احادیث میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے۔ کوئی صحیح ہے۔ کوئی ضعیف ہے۔ ترمذی مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور کی تاکیدیں اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھرانہ تباہ ہو گیا اور مال واسباب برباد ہو گیا۔ اور حدیث میں ہے۔ ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو' سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی' اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیص تھا' ادا کی' پھر فرمایا' یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا' سنو اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے' اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت حافظوا تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے والصلوۃ الوسطی کے بعد وصلوۃ العصر لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے (مسند احمد) روایت میں وھی صلوۃ العصر کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضورؐ کی دوسری بیوی صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جب آپ کے قرآن کے کاتب تھے' اسی طرح یہ آیت لکھوائی (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتابوں میں مروی ہے کہ ام المومنین نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں حضرت نافع فرماتے ہیں' میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا' یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی۔ ابن عباس اور عبید بن عسیر کی قرات بھی یونہی ہے۔ ان روایات کو مدنظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے کہ صلوۃ الوسطی اور ہے اور صلوۃ عصر اور ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحت موجود ہے۔ رہا واؤ سو ممکن ہے کہ زائدہ ہو' عاطفہ ہو جیسے وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ میں اور وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو۔ عطف ذات کے لئے نہ ہو جیسے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں اور جیسے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے' سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں' فرماتے ہیں کہ مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے' واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرات قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے مرتب کردہ قرآن میں اس قرات کو نہیں لیا اور نہ ساتوں قاریوں کی قرات میں یہ الفاظ ہیں۔ بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرات پائی گئی ہے' علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اتری حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضورؐ کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ

وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شفیقؒ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی، پس اس بناء پر یہ قرات حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرت کے لئے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے، بعض اور حضرات کا قول بھی یہ ہے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت والی اور اس کی تین رکعتیں ہیں پس یہ درمیانہ نماز ٹھہری اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں، بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے، یہ مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے، بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے، بعض کہتے ہیں، جمعہ کی نماز ہے، کوئی کہتا ہے صلوۃ خوف مراد ہے، کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے، کوئی کہتا ہے صلوۃ ضحٰی مراد ہے، بعض کہتے ہیں، ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے اس لئے کہ یہ دلیلیں مختلف ہیں، وجہ ترجیح معلوم نہیں، کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہؓ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری رہا، جس طرح حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں اس طرح مختلف تھے، پھر اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں۔ جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوۃ وسطی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوۃ وسطی نماز عصر ہے امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رازی رحمہا اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کل ماقلت فکان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف قولی ممایصح فحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ولا تقلد ونی یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے۔ خبردار میری تقلید نہ کرنا، امام شافعیؒ کے اس فرمان کو امام ربیعؒ امام زعفرانیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابو الولید بن جارودؒ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں، کہا، آپ نے فرمایا، اذا صحح الحدیث و قلت قولا فانا راجع عن قولی و قائل بذالك یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو، میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے۔ جو حدیث میں ہو۔ یہ امام صاحب کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ رحمھم اللہ و رضی عنھم اجمعین اسی لئے قاضی ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا صلوۃ وسطی کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہئے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے فالحمدللہ۔ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں، علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فالحمدللہ۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع، ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لئے حضرت ابن مسعود کے سلام کا جواب حضورؐ نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت

معاویہ بن حکمؓ سے جبکہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا' نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہئے' یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے (مسلم) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کرلیا کرتے تھے' جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے آپؐ نماز میں ہوتے۔ پھر بھی جواب دیتے' جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا' اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے مجھے فرمایا۔ عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا' اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے' اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو۔ پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے' اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے' حضرت ابن مسعود والی روایت جو ابو یعلی میں ہے' اس میں ہے کہ حضورؐ کے جواب نہ دینے سے پہلے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپؐ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا وعليك السلام ايها المسلم و رحمة الله نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔

چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا' اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا جس میں تمام ادب و آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی' یعنی میدان جنگ میں جبکہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو' سوار' پیدل' قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرلیا کرو' ابن عمرؓ اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں' میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع ہے' مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ گو سواری پر ہو' عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ السلام نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی (ابوداؤد) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا' صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم)

امام احمد فرماتے ہیں' یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو' جابر بن عبداللہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کے مڈبھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں' اگر فتح قریب آ گئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کرلیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔ مکحول بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں' تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا۔ صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے۔ خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ ازاں بعد حضرت امام المحدثین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرمادیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جبکہ نماز عصر کا وقت گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تا کہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ وہیں جا کر نماز پڑھی۔ حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا تو نہ تو آپؐ نے انہیں کچھ ڈانٹا نہ انہیں' پس اس سے حضرت امام بخاری یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے' وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابوسعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔ لیکن امام بخاری' امام مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں' ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں بجا آوری کا پورا خیال رکھو۔ جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہئے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو' جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا' جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو۔ نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورہ نساء کی آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ
مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٤٠

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں' وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے' پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے ○

بیوگان کے قیام کا مسئلہ: ☆☆ (آیت:۲۴۰) اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت' اس سے پہلے کی آیت اور اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت منسوخ ہو چکی ہے' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپؓ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں آپؓ نے فرمایا' بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے' یہاں بھی موجود ہی رہے گی۔ ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان و نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہؓ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے' سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۂ احزاب کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ الخ' نے اسے منسوخ کر دیا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں' اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے۔ عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں' وصیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الخ' اس کا نصب فلتو صوالهن کو محذوف مان کر ہے۔ وصیۃ کی قرات یہی ہے یعنی کتب علیکم وصیة پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہؓ بنت مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا' ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں' آپؐ نے فرمایا اجازت ہے۔ میں لوٹی۔ ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا۔ میں نے پھر قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آپؓ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضورؐ کے فیصلے سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۷ ۱۵

طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ○ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو ○

(آیت: ۲۴۱-۲۴۲) مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں' چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری' اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال وحرام اور فرائض وحدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت اٹک بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ
الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ
ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً
وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے ○ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے' اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

موت اور زندگی: ☆☆ (آیت:۲۴۳-۲۴۵) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ لوگ چار ہزار تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے' بعض نو ہزار کہتے ہیں بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں' بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں' یہ لوگ ذرروان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں' اس بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے' وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے' اتفاق سے ایک نبیؑ اللہ کا وہاں سے گزر ہوا' ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں' ایک چٹیل' صاف اور ہوادار کھلے پرفضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے۔ جب ایک لمبی مدت گزر چکی' ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا' اسی جگہ بستی بس گئی۔ تب خرقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے۔ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا پھر اللہ کا حکم ہوا' ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست' رگیں' پٹھے بھی جوڑ لو چنانچہ اس نبیؑ اللہ کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز آئی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے' اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل وکرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ بالآخر حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آئے اور فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو تم وہاں مت جاؤ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔ پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا۔ ② پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا' اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے۔ اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں' رزق نہ بڑھے نہ گھٹے' موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے اٹک بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہدا بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے' ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں سے بھی موت کو ہٹا دو۔ اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں' الٰہ ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی۔ کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس موقعہ پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا' اللہ کی تلوار' اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہو گا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے' لڑائی سے جی چرانے والے نامرد' وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا۔ سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر' تلوار' نیزہ' برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر میں فوت ہو رہا ہوں۔ میدان جنگ میں نہ رہا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو: ☆☆ پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے' حدیث نزول میں بھی ہے' کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا' یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ دیجئے۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا' حضورؐ میں نے اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں' اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ۔ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے (ابن ابی حاتم) قرض حسنہ سے مراد فی سبیل اللہ خرچ ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دوگنا چوگنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ الخ' یعنی اللہ کی راہ کے خرچ کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سات دانے ہوں اور اللہ اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو عثمان نہدیؒ پوچھتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا' اس میں تعجب کیا کرتے ہو' میں نے نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدیؒ فرماتے ہیں' مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا' آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا بصرے پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا' اللہ کی قسم سب سے زیادہ آپ کا صحبت یافتہ میں ہوں' میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی' پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھ لوں۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا۔ یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں۔ میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا' وہاں آپ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' واہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو

فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ یعنی ساری دنیا کا اسباب بھی آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے' اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد و هو على كل شئى قدير پڑھے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے مثل الذين الخ' کی آیت جب اتری تو حضورؐ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو اور زیادتی عطا فرما۔ پس مَنْ ذَالَّذِیْ الخ' کی آیت اتری۔ آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ کی آیت اتری۔ حضرت کعب احبارؓ سے ایک شخص نے کہا' میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورۂ قل هو الله الخ کو ایک دفعہ پڑھے' اس کے لئے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا' اس میں تعجب کی کون سی بات ہے بلکہ بیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً فرماتا ہے تو پھر مخلوق اس کی گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی۔ پھر فرمایا' رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کر۔ وہ جسے دے' اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے' اس میں بھی مصلحت ہے' تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی اِذْ
قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ
اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ
قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

کیا تو نے حضرت موسیٰؑ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں' پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہم راہ اللہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے' اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

بنی اسرائیل پر ایک اور احسان: ☆☆ (آیت:۲۴۶) جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتاً وارد ہوا ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔ سدیؒ کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعونؑ ہیں' مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یالی بن حلقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابو ہاشف بن قارون بن یصہر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں' واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں

تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب پٹے کٹے اور اجڑے لٹے۔ پہلے تو توراۃ کی موجودگی تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھر میں ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے۔ ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی، ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے، خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل یا شمعون رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی، نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی، جب آپ نے دعوت نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراتے؟ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ
قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ
وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۴۷

انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے، تو کہنے لگے بھلا اسے ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی، نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے، بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

خوئے بدرا بہانہ بسیار: ☆☆ (آیت: ۲۴۷) مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنا بادشاہ بنا دینے کی خواہش اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے بحکم الٰہ حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے۔ ایک لشکری تھے، شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں۔ مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سقے تھے۔ کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے، پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبویؐ کے سامنے ان سے یہ ہوئی، پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں۔ یہ تو اللہ جل شانہ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے۔ پھر ظاہراً بھی وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور، شکیل و جمیل و شجاع اور بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم، شکیل، قوی، طاقتور بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ

تعالیٰ ہی ہے۔ ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے۔ جسے چاہے ملک دے۔ وہ علم وحکمت والا' رافت ورحمت والا ہے' اس سے کس کی مجال ہے کہ سوال کرے؟ جو چاہے کرے۔ سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستغنی ہے' وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے' وہ علم والا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع ۶

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہر نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارونؑ کا بقیہ ترکہ ہے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے' یقیناً یہ تو تمہارے لئے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو ○

تابوت سکینہ اور جنگ طالوت وجالوت: ☆☆ (آیت:۲۴۸) نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت بابرکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار وعزت ودلجمعی اور جلالت رافت ورحمت ہے۔ جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اور جس میں آپ نے توریت کی تختیاں رکھی تھیں' کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی۔ ہوا بھی تھی۔ دو سر تھے۔ دو پر تھے اور دم بھی تھی' وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی۔ اللہ کی طرف سے۔ جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی' وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں' اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا' اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبیؑ کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا' تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح جو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی' انہیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی۔ ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض کہتے ہیں۔ دو

نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ عزوجل پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا
مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا
جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ
بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ
فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٢٤٩﴾

جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں' اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے' لیکن سوائے چند کے باقی سب نے پی لیا' حضرت طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے' آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا' بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں' اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

نہر الشریعہ: ☆☆ (آیت:۲۴۹) اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشریعہ تھا' طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پیے۔ اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے' پیاس کی شدت تھی۔ نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا۔ ایک چلو پی لیا۔ بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس بجھانے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں' اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا۔ صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ۔ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے۔ صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی۔ وعظ کہے۔ فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں۔ صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے' بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی

بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے۔ تم صبر کرو۔ طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو۔ اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو' اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوْهُمْ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے' ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داوٗدؑ کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داوٗدؑ کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل و کرم کرنے والا ہے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ بخیر پڑھتے ہیں' بالیقین تو رسولوں میں سے ہے ○

جالوت مارا گیا: ☆☆ (آیت: ۲۵۰-۲۵۲) یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے۔ منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچا لے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر۔ چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داوٗد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے' اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کر لوں گا چنانچہ حضرت داوٗدؑ نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عزوجل نے چاہے' اپنے اس نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داوٗد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہو تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے' توڑ دی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن جریر) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی' ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے' میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے۔ تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی' اس حدیث کے راوی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے' حضرت حسنؒ بھی انہی ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے' وہی سچا حاکم ہے۔ اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے' وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور یہ تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی تمہیں معلوم ہوئیں۔ تم میرے سچے رسول ہو۔ میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار پر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی کی نبوت کی تصدیق کی۔ فالحمد للہ

الحمد للہ تفسیر محمدی کا دوسرا پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اب تیسرے پارہ کی تفسیر شروع ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرے اور ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عنایت فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین الٰہ الحق آمین۔

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۳

چند اہم مضامین کی فہرست

- ذکر مدارج الانبیاء ۳۶۱
- آج کے صدقات قیامت کے دن شریک غم ہوں گے! ۳۶۲
- جبر اور دعوت اسلام ۳۶۷
- ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا آمنا سامنا ۳۷۰
- معمہ حیات وموت ۳۷۳
- مخیر حضرات کی تعریف اور ہدایات ۳۷۵
- کفر اور بڑھاپا ۳۷۷
- خراب اور حرام مال کی خیرات مسترد ۳۷۸
- نیک اور بدلوگ ظاہر اور درپردہ حقیقت ۳۸۰
- مستحق صدقات کون ہیں؟ ۳۸۲
- تجارت اور سود کو ہم معنی کہنے والے کج بحث لوگ ۳۸۴
- سود کا کاروبار برکت سے محروم ہوتا ہے ۳۸۷
- سود خور قابل گردن زدنی ہیں اور قرض کے مسائل ۳۸۸
- حفظ قرآن اور لین دین میں گواہ اور لکھنے کی تاکید ۳۹۱
- مسئلہ رہن، تحریر اور گواہی! ۳۹۶
- انسان کے ضمیر سے خطاب ۳۹۷
- بقرہ کی آخری آیات اور ان کی فضیلت ۳۹۹
- آیت الکرسی اور اسم اعظم ۴۰۲
- خالق کل ۴۰۲
- راسخ فی العلم کون ۴۰۶
- جہنم کا ایندھن کون لوگ؟ ۴۰۷
- اولین معرکہ حق وباطل ۴۰۸
- دنیا کے حسن اور آخرت کے جمال کا تقابل ۴۱۰
- متقیوں کا تعارف ۴۱۲
- اللہ وحدہ لاشریک اپنی وحدت کا خود شاہد ۴۱۳
- انبیاء کے قاتل بنو اسرائیل ۴۱۶
- مالک الملک کی حمد وثناء ۴۱۷
- ترک موالات کی وضاحت ۴۱۸
- اللہ تعالیٰ سے ڈر ہمارے لئے بہتر ہے ۴۱۹
- جھوٹا دعویٰ ۴۲۰
- سب سے پہلے نبی علیہ السلام ۴۲۱
- مریم بنت عمران ۴۲۲
- زکریا علیہ السلام کا تعارف ۴۲۳
- حاصل دعا یحییٰ علیہ السلام ۴۲۴
- تین افضل ترین عورتیں ۴۲۶
- مسیح ابن مریم علیہ السلام ۴۲۸
- فرشتوں کا مریمؑ سے خطاب ۴۲۹
- پھانسی کون چڑھا؟ ۴۳۰
- اختیارات کی وضاحت اور نجرانی وفد کی روداد ۴۳۴
- حضرت ابراہیمؑ سے متعلق یہودی اور نصرانی دعوے کی تردید ۴۴۱
- یہودیوں کا حسد ۴۴۲
- جھوٹی قسم کھانے والے ۴۴۵
- غلط تاویل اور تحریف کرنے والے لوگ ۴۴۷
- مقصد نبوت ۴۴۸
- انبیاء سے عہد ومیثاق ۴۴۹
- اسلامی اصول اور روز جزا ۴۵۱
- توبہ اور قبولیت ۴۵۲
- جب سانس ختم ہونے کو ہوں تو توبہ قبول نہیں ہوگی ۴۵۳

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ
اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۲۵۳

یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی اور بعض کے درجے بلند کئے' اور ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی' اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے' لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

ذکر مدارج الانبیاء: ☆☆ (آیت:۲۵۳) یہاں وضاحت ہو رہی ہے کہ رسولوں میں بھی مراتب ہیں' جیسے اور جگہ فرمایا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور حضرت داؤدؑ کو ہم نے زبور دی' یہاں بھی اسی کا ذکر کر کے فرماتا ہے' ان میں سے بعض کو شرف ہم کلامی بھی نصیب ہوا جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمدؐ اور حضرت آدم علیہم الصلوٰۃ والسلام' صحیح ابن حبان میں حدیث ہے جس میں معراج کے بیان کے ساتھ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ کسی نبی کو آپ نے الگ الگ کس آسمان میں پایا جو ان کے مرتبوں کے کم وبیش ہونے کی دلیل ہے' ہاں ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہو گئی تو یہودی نے کہا' قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی تو مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھا کر ایک تھپڑ مارا اور کہا خبیث' کیا ہمارے نبی محمد ﷺ سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبویؐ میں آ کر اس کی شکایت کی' آپؐ نے فرمایا مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو' قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے' مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے یا سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے تھے اور طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں کی بے ہوشی سے بچا لئے گئے۔ پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو' ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو۔ پس یہ حدیث بظاہر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل کوئی تعارض نہیں' ممکن ہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان اس سے پہلے ہو کہ آپ کو فضیلت کا علم نہ ہوا ہو لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے اور اختلاف کے وقت ایک کو ایک پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے۔ اس لئے آپ نے منع فرما دیا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو یعنی صرف اپنی رائے' اپنے خیال اور ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت وتکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جسے جو فضیلت دے تم مان لو تمہارا

کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو واضح دلیلیں اور پھر ایسی حجتیں عطا فرمائی تھیں جن سے بنی اسرائیل پر صاف واضح ہو گیا کہ آپ کی رسالت بالکل سچی ہے اور ساتھ ہی آپ کی یہ حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ مثل اور بندوں کے آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور بے کس غلام ہیں اور روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ہم نے ان کی تائید کی۔ پھر فرمایا کہ بعد والوں کے اختلاف بھی ہمارے قضا و قدر کا نمونہ ہیں، ہماری شان یہ ہے کہ جو چاہیں کریں ہمارے کسی ارادے سے مراد جدا نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ
يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝٢٥٤ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا
يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٢٥٥

ایمان والو جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی نہ شفاعت، کافر ہی ظالم ہیں ○ اللہ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، وہ اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے وہ اللہ ان کی حفاظت سے نہ تھکے نہ اکتائے وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے ○

آج کے صدقات قیامت کے دن شریک غم ہوں گے: ☆☆ (آیت:۲۵۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے اور پھر فرماتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی خیرات و صدقات کر لو قیامت کے دن نہ تو خرید و فروخت ہے نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکتی ہے نہ کسی کا نسب اور دوستی و محبت کچھ کام آ سکتی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی جب صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہو گا اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دے گی۔ پھر فرمایا، کافر ہی ظالم ہیں یعنی پورے اور پکے ظالم وہ ہیں جو کفر کی حالت میں ہی اللہ سے ملیں، عطا بن دینار کہتے ہیں، شکر ہے اللہ نے کافروں کو ظالم فرمایا لیکن ظالموں کو کافر نہیں فرمایا۔

عظیم تر آیت تعارف الٰہ بزبان الٰہ: ☆☆ (آیت:۲۵۵) یہ آیت آیت الکرسی ہے، جو بڑی عظمت والی آیت ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے آپ جواب دیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے، آپ پھر یہی سوال کرتے ہیں، بار بار کے سوال پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی، حضور ﷺ فرماتے ہیں، ابو المنذر اللہ تعالیٰ تجھے تیرا علم مبارک کرے، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کی زبان ہو گی

اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کی تقدیس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوئی ہوگی (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے لیکن یہ پچھلا قسمیہ جملہ اس میں نہیں' حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں میرے ہاں ایک کھجور کی بوری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں' ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا' میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا' میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا' میں نے کہا تو انسان ہے یا جن اس نے کہا میں جن ہوں' میں نے کہا' ذرا اپنا ہاتھ تو دے' اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے' میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہی ہے۔ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت طاقت والا میں ہی ہوں' میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا۔ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے' ہم نے کہا' پھر ہم کیوں محروم رہیں۔ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کون سی چیز ہے اس نے کہا آیت الکرسی۔ صبح کو جب میں سرکار محمدیؐ میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا' آپؐ نے فرمایا' خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی (ابویعلی) ایک بار مہاجرین کے پاس آپؐ گئے تو ایک شخص نے کہا' حضور قرآن کی آیت کون سی بہت بڑی ہے' آپؐ نے یہی آیت الکرسی پڑھ کر سنائی (طبرانی)

آپ نے ایک مرتبہ صحابہ میں سے ایک سے پوچھا' کیا تم نے نکاح کر لیا' اس نے کہا' حضرت میرے پاس مال نہیں' اس لئے نکاح نہیں کیا' آپ نے فرمایا قُلۡ هُوَ اللّٰهُ یاد نہیں اس نے کہا وہ تو یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا' کہا قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ یاد نہیں کہا ہاں وہ بھی یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا' پھر پوچھا کیا اِذَا زُلۡزِلَتِ بھی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا' کیا اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ بھی یاد ہے کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی یہ' کیا آیت الکرسی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا (مسند احمد) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں آ کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی میں نے کہا نہیں فرمایا اٹھو۔ نماز ادا کر لو۔ میں نے نماز پڑھی۔ پھر آ کر بیٹھا تو آپ نے فرمایا۔ ابوذر شیطان انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگ' میں نے کہا حضور کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا ہاں میں نے کہا حضورؐ کی نماز کی نسبت کیا ارشاد ہے فرمایا وہ سراسر خیر ہے جو چاہے کم حصہ لے جو چاہے زیادہ' میں نے کہا حضور روزہ فرمایا کفایت کرنے والا فرض ہے اور اللہ کے نزدیک زیادتی ہے' میں نے کہا صدقہ۔ فرمایا بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دلوانے والا' میں نے کہا سب سے افضل صدقہ کون سا ہے۔ فرمایا کم مال والے کا ہمت کرنا یا پوشیدگی سے محتاج کی احتیاج پوری کرنا میں نے سوال کیا سب سے پہلے نبی کون ہیں فرمایا حضرت آدم علیہ السلام میں نے کہا وہ نبی تھے فرمایا نبی اور اللہ سے ہم کلام ہونے والے' میں نے پوچھا رسولوں کی تعداد کیا ہے فرمایا تین سو اور کچھ اوپر دس بڑی بہت جماعت' ایک روایت میں تین سو پندرہ کا لفظ ہے' میں نے پوچھا۔ حضور آپ پر سب سے زیادہ بزرگی والی آیت کونسی اتری ہے۔ فرمایا آیت الکرسی اللہ لا الہ الا هو الحی القیوم الخ (مسند احمد)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خزانہ میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی آپ نے فرمایا جب تو اسے دیکھے تو کہنا بسم اللہ اجیبی رسول اللہ جب وہ آیا میں نے یہی کہا پھر اسے چھوڑ دیا میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا۔ آپ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا' میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا اور اقرار لے کر چھوڑ دیا' میں نے حضور سے ذکر کیا اور آپؐ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا' آخری مرتبہ میں نے کہا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا' اس نے کہا چھوڑ دے۔ میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس ہی نہ آ سکے' میں نے کہا اچھا بتاؤ۔ کہا وہ آیت الکرسی ہے میں نے آ کر

حضور سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا گو وہ جھوٹا ہے (مسند احمد)

صحیح بخاری شریف میں کتاب فضائل القرآن اور کتاب الوکالہ اور صفتہ ابلیس کے بیان میں بھی یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ زکوٰۃ رمضان کے مال پر میں پہرہ دے رہا تھا جو یہ شیطان آیا اور سمیٹ سمیٹ کر اپنی چادر میں جمع کرنے لگا، تیسری مرتبہ اس نے بتایا کہ اگر تو رات کو بستر پر جا کر اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ کی طرف سے تجھ پر حافظ مقرر ہو گا اور صبح تک شیطان تیرے قریب بھی نہ آ سکے گا (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ کھجوریں تھیں اور مٹھی بھر وہ لے گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اسے پکڑنا چاہے تو جب وہ دروازے کھولے، کہنا سبحان من سخرك محمد شیطان نے یہ عذر بتایا تھا کہ ایک فقیر جن کے بال بچوں کے لئے میں یہ لے جا رہا تھا (ابن مردویہ) پس یہ واقعہ تین صحابہ کا ہوا، حضرت ابیؓ بن کعب کا، حضرت ابوایوبؓ انصاری کا اور حضرت ابوہریرہؓ کا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں، ایک انسان کی ایک جن سے ملاقات ہوئی، جن نے کہا، مجھ سے کشتی کرے گا، اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آ سکے، کشتی ہوئی اور اس آدمی نے جن کو گرا دیا، اس شخص نے جن سے کہا، تو تو نحیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں۔ کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں یا صرف تو ہی ایسا ہے کہا میں تو ان سب میں سے قوی ہوں، پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس شخص نے گرا دیا تو جن نے کہا جو آیت میں نے سکھانے کے لئے کہا تھا، وہ آیت الکرسی ہے۔ جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ جس شخص سے کشتی ہوئی تھی وہ شخص حضرت عمرؓ تھے (کتاب الغریب) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے، وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے وہ آیت آیت الکرسی ہے (مستدرک حاکم)۔ ترمذی میں ہے، ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کون سی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ آیت آیت الکرسی ہے (ابن مردویہ)۔ حضورؐ فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی دوسری آیت الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (مسند احمد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے، وہ قبول فرماتا ہے، وہ تین سورتوں میں ہے، سورۂ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورۂ طٰہ (ابن مردویہ) ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں، سورۂ بقرہ کی آیت آیت الکرسی ہے اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طٰہ کی آیت وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ہے اور حدیث میں ہے، جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے، اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے (ابن مردویہ) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب عمل الیوم و اللیلہ میں وارد کیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اس حدیث کی سند شرط بخاری پر ہے لیکن ابوالفرج بن جوزی اسے موضوع کہتے ہیں واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ جو شخص یہ کرے گا میں اسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان دوں گا اور اسے نبیوں کا ثواب اور صدیقوں کا عمل دوں گا جس عمل کی پابندی صرف انبیاء اور صدیقین سے ہی ہوتی ہے یا اس بندے سے جس کا دل میں نے ایمان کے لئے آزما لیا ہو یا اسے اپنی راہ میں شہید کرنا طے کر لیا ہو، لیکن یہ حدیث بہت منکر ہے۔

ترمذی کی حدیث میں ہے، جو شخص سورۂ حم المومن کو الیہ المصیر تک اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھ لے گا، وہ شام تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور شام کو پڑھنے والے کی صبح تک حفاظت ہوگی لیکن یہ حدیث بھی غریب ہے اس آیت کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں لیکن ایک تو اس لئے کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں اور دوسرے اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار مدنظر ہے، ہم نے انہیں وارد نہیں کیا۔

اس مبارک آیت میں دس مستقل جملے ہیں، پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ کل مخلوق کا وہی ایک اللہ ہے، دوسرے جملے میں ہے کہ وہ خود زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے قیوم کی دوسری قرات قیام بھی ہے۔ پس تمام موجودات اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے، کوئی بھی بغیر اس کی اجازت کے کسی چیز کا سنبھالنے والا نہیں، جیسے اور جگہ سے وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ یعنی اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان و زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر فرمایا نہ تو اس پر کوئی نقصان آئے نہ کبھی وہ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر ہو بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر، ہر شخص کے احوال پر وہ ناظر، دل کے ہر خطرے سے وہ واقف، مخلوق کا کوئی ذرہ بھی اس کی حفاظت اور علم سے کبھی باہر نہیں، یہی پوری ''قیومیت'' ہے۔ اونگھ، غفلت، نیند اور بے خبری سے اس کی ذات مکمل پاک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو چار باتیں بتائیں فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ سوتا نہیں نہ نیند اس کی ذات کے لائق ہے، وہ ترازو کا حافظ ہے، جس کے لئے چاہے جھکا دے، جس کے لئے چاہے نہ جھکائے۔ دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف لے جائے جاتے ہیں اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں، اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچے۔

عبدالرزاق میں حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ سوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت موسیٰ کو تین راتوں تک بیدار رکھیں، انہوں نے یہی کیا۔ تین راتوں تک سونے نہ دیا، اس کے بعد دو بوتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے اور ٹوٹنے نہ پائیں، آپ نے انہیں تھام لیا لیکن جاگے ہوئے تھے نیند کا غلبہ ہوا اونگھ آنے لگی، آنکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک آخر ایک مرتبہ ایسا جھکولا آیا کہ بوتلیں ٹوٹ گئیں گویا انہیں بتایا گیا کہ جب ایک اونگھنے اور سونے والا دو بوتلوں کو نہیں سنبھال سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا سوئے تو زمین و آسمان کی حفاظت کس طرح ہو سکے۔ لیکن یہ بنی اسرائیل کی بات ہے اور کچھ دل کو لگتی بھی نہیں اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر عارف باللہ اللہ جل شانہ کی اس صفت سے ناواقف ہوں اور انہیں اس میں تردد ہو کہ اللہ ذوالجلال والاکرام جاگتا ہی رہتا ہے یا سو بھی جاتا ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ غرابت والی وہ حدیث ہے جو ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو منبر پر بیان فرمایا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرمان پیغمبر ہونا ثابت نہیں بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا اور پھر آپ کو بوتلیں پکڑوائی گئیں اور وہ بوجہ نیند کے نہ سنبھال سکے اور حضورؐ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی غلامی میں اور اس کی ماتحتی میں اور اس کی سلطنت میں ہیں جیسے فرمایا اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ یعنی زمین و آسمان کی کل چیزیں رحمٰن کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں، ان سب کو رب العالمین نے ایک ایک کر کے گن رکھا ہے، ساری مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضر ہوگی، کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش یا شفاعت کر سکے، جیسے ارشاد ہے وَکَمْ مِّنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں لیکن ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی سے ہو۔ اور جگہ ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی کسی کی وہ شفاعت نہیں کرتے

مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو۔ پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کا جلال اور اس کی کبریائی بیان ہو رہی ہے کہ بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش میں زبان کھولے، حدیث شفاعت میں بھی ہے کہ میں اللہ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں ہی چھوڑ دے گا جب تک چاہے، پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، شفاعت کرو، منظور کی جائے گی، آپ فرماتے ہیں، پھر میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا۔ وہ اللہ تمام گزشتہ موجودہ اور آئندہ کا عالم ہے اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے جیسے اور جگہ فرشتوں کا قول ہے کہ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ الخ، ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے۔ ہمارے آگے پیچھے اور سامنے کی سب چیزیں اس کی ملکیت ہیں اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

کرسی سے مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علم منقول ہے، دوسرے بزرگوں سے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ منقول ہے، ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مروی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کا اندازہ بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں، خود ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مرفوعاً یہی مروی ہے لیکن رفع ثابت نہیں، ابو مالکؒ فرماتے ہیں، کرسی عرش کے نیچے ہے، سدیؒ کہتے ہیں، آسمان و زمین کرسی کے جوف میں اور کرسی عرش کے سامنے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر بسیط کر دیا جائے تو بھی کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے ایک حلقہ کسی چٹیل میدان میں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہی ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں اور حدیث میں ہے کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک لوہے کا حلقہ چٹیل میدان میں، ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو حضور نے قسم کھا کر یہی فرمایا اور فرمایا کہ پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہی ہے، ایک عورت نے آ کر حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے، آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی کرسی نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے مگر جس طرح نیا پالان چرچراتا ہے، وہ کرسی عظمت پروردگار سے چرچرا رہی ہے۔ گو یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے لیکن کسی سند میں کوئی راوی غیر مشہور ہے، کسی میں ارسال ہے، کوئی موقوف ہے۔ کسی میں بہت کچھ غریب زیادتی ہے، کسی میں حذف ہے اور ان میں سب سے زیادہ غریب حضرت جبیرؓ والی حدیث ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے۔ اور وہ روایات بھی ہیں جن میں قیامت کے روز کرسی کا فیصلوں کے لئے رکھا جانا مروی ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں واللہ اعلم۔ مسلمانوں کے ہیئت داں متکلمین کہتے ہیں کہ کرسی آٹھواں آسمان ہے جسے فلک ثوابت کہتے ہیں اور جس پر نواں آسمان ہے، اور جسے فلک اثیر کہتے ہیں اور اطلس بھی لیکن دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں، کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کرسی اور ہے، اور عرش اور ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جیسے کہ آثار احادیث میں وارد ہوا ہے۔ علامہ ابن جریرؒ تو اس بارے میں حضرت عمرؓ والی روایت پر اعتماد کئے ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی صحت میں کلام ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ پر ان کی حفاظت بوجھل اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہے۔ وہ ساری مخلوق کے اعمال پر خبردار، تمام چیزوں پر نگہبان، کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور انجان نہیں، تمام مخلوق اس کے سامنے حقیر، متواضع، ذلیل، پست محتاج اور فقیر، وہ غنی، وہ حمید، وہ جو کچھ چاہے کر گزرنے والا، کوئی اس پر حاکم نہیں۔ باز پرس کرنے والا نہیں، ہر چیز پر وہ غالب، ہر چیز کا حافظ اور مالک، وہ علو بلندی اور رفعت والا، وہ عظمت بڑائی اور کبریائی والا، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے والا، پالنے پوسنے والا، وہ کبریائی والا اور فخر والا ہے، اسی لئے فرمایا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ بلندی اور عظمت والا وہی ہے۔ یہ آیتیں اور ان جیسی اور آیتیں اور صحیح حدیثیں جتنی کچھ ذات و

صفات باری میں وارد ہوئی ہیں، ان سب پر ایمان لانا بغیر کیفیت معلوم کئے اور بغیر تشبیہ دیئے جن الفاظ میں وہ وارد ہوئی ہیں، ضروری ہے اور یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ
لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٢٥٦

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو چکی، جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں سے انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے پس اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○

جبر اور دعوت اسلام: ☆☆ (آیت ۲۵۶) یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو، اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی، اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں۔ پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا، جس کا سینہ کھلا ہوا، دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی، وہ تو خود بخود اس کا والا وشیدا ہو جائے گا، ہاں اندھے دل والے، بہرے کانوں والے، پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے۔ پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ۔ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنا دیں گے، یہودیوں کے سپرد کر دیں گے، اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ کے دین کے انصار بنے، یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لئے سرور رسل علیہا السلام نے یہ حکم فرمایا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جائے، اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے، ان سے طلب کئے تا کہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنا لیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حصینؓ نامی تھا جس کے دو لڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا۔ اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنا لوں۔ ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں، اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کے لئے کشمش لے کر آیا تھا جن کے ہاتھوں پر دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے، جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے۔ ان کے باپ نے حضورؐ سے یہ ذکر کیا اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کے لئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بناؤں ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کے لئے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کا غلام اسبق نصرانی تھا۔ آپؓ اس پر اسلام پیش کرتے، وہ انکار کرتا آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی۔ اسلام جبر سے روکتا ہے، علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو نسخ و تبدیل توراۃ و انجیل سے پہلے دین مسیحی اختیار کر چکے تھے اور اب وہ جزیہ پر رضامند ہو جائیں، بعض اور کہتے ہیں آیت قتال نے اسے منسوخ کر دیا۔ تمام انسانوں کو اس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے، اگر کوئی انکار کرے تو بے شک مسلمان اس سے جہاد کریں گے جیسے اور جگہ ہے سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ الخ عنقریب تمہیں اس قوم کی طرف بلایا جائے گا جو بڑی لڑاکا ہے۔ یا تو تم اس

سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے۔ اور جگہ ہے، اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان سختی کر، اور جگہ ہے، ایماندارو اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو، تم میں وہ گھر جائیں اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے، تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں، یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق و سلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں، پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضورؐ نے کہا، مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا، حضرت میرا دل نہیں مانتا، آپؐ نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو۔ یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی آنحضرتؐ تک اس میں صرف تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپؐ نے اسے مجبور کیا۔ مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ تو پڑھ لے، پھر ایک دن وہ بھی آئے گا اللہ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا دلدادہ ہو جائے۔ حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو، جو شخص بت اور اوثان اور معبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے، اللہ کی توحید کا اقراری اور عامل بن جائے، وہ سیدھی اور صحیح راہ پر ہے، حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جِبْتُ سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، دلیری اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر کے بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں۔ ایک دلیر آدمی تو انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈرپوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے۔ انسان کا سچا حسن نسب وخلق ہے۔ گو وہ فارسی ہو یا نبطی۔ حضرت عمرؓ کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لئے کہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تھی، بت کی پوجا کرنا، ان کی طرف حاجتیں لے جانا، ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنا وغیرہ۔

پھر فرمایا، اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا، یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے نہ پھوٹے، خوب مضبوط، مستحکم، قوی اور گڑا ہوا، عروۂ وثقیٰ سے مراد ایمان، اسلام، توحید باری، قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کے لئے دشمنی کرنا ہے۔ یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک۔ اور جگہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بگاڑتا جب تک خود وہ اپنی حالت نہ بگاڑ لے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے، حضرت قیس بن عبادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں مسجد نبویؐ میں تھا تو ایک شخص آیا جس کا چہرہ اللہ سے خائف تھا، نماز کی دو ہلکی رکعتیں اس نے ادا کیں، لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے، یہ جنتی ہے۔ جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا، باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا تو آپ نے کہا، سبحان اللہ کسی کو وہ نہ کہنا چاہئے جس کا علم اسے نہ ہو، ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضور کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں، اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے، مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا، میں تو نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں باآسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا اس نے کہا۔ دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا، بس اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا، میں نے حضورؐ سے اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا گلشن باغ اسلام ہے اور ستون، ستون دین ہے اور کڑا عروۂ وثقیٰ ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا۔ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔

مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبویؐ میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے۔ خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک

شخص آیا مجھے لے کر چلا۔ جب ہم ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں پہنچے تو میں نے بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں میں دائیں جانب چلنے لگا تو اچانک ایک پھسلنا پہاڑ نظر آیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھا لیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا۔ مجھے اس نے اس ستون پر چڑھا دیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا۔ اس نے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے، میں نے کہا ہاں اس نے زور سے ستون پر اپنا پاؤں مارا وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا، جب یہ خواب حضور کو میں نے سنایا تو آپ نے فرمایا بہت نیک خواب ہے، میدان میدان حشر ہے، بائیں طرف کا راستہ جہنم کا راستہ ہے تو ان لوگوں میں نہیں، دائیں جانب کا راستہ جنتیوں کی راہ ہے، پھسلنا پہاڑ شہداء کی منزل ہے، کڑا اسلام کا کڑا ہے، مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو اس کے بعد حضرت عبداللہ نے فرمایا، امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے گا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۷ ع ۳۴ ۴ ۲

ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں، وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○

اندھیرے سے اجالے تک: ☆☆ (آیت: ۲۵۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی رضامندی کے طلب گار کو وہ سلامتی کی رہنمائی کرتا ہے اور کفر و شک کے اندھیروں سے نکال کر نور حق کی صاف روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے، کفار کے ولی شیاطین ہیں جو جہالت و ضلالت کو، کفر و شرک کو مزین کر کے انہیں ایمان سے اور توحید سے روکتے ہیں اور یوں نور حق سے ہٹا کر ناحق کے اندھیروں میں جھونک دیتے ہیں، یہی کافر ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے۔

لفظ نور کو واحد لانا اور ظلمات کو جمع لانا اس لئے ہے کہ حق اور ایمان اور سچا راستہ ایک ہی ہے اور کفر کی کئی قسمیں ہیں، کافروں کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں جیسے اور جگہ ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا الخ میری سیدھی راہ یہی ہے تم اسی کی تابعداری کرو۔ اور راستوں پر نہ چلو ورنہ اس راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ یہ وصیت تمہیں تمہارے بچاؤ کے لئے کر دی۔ اور جگہ ہے وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ایک ہی ہے اور باطل میں تفرق و انتشار ہے، حضرت ایوب بن خالد فرماتے ہیں، اہل ہوا یا اہل فتنہ کھڑے کئے جائیں گے، جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن، صاف اور نورانی ہوگا اور جس کی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیروں والا ہوگا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ

الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۲۵۸ۚ

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا' میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں' ابراہیمؑ نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے' تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ' اب تو وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا سامنا: ☆☆ (آیت:۲۵۸) اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا۔ اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے' حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' دنیا کی مشرق مغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر' حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر' فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی تم نے اسے نہیں دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا۔ یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا۔ جیسے اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا رب نہیں جانتا' چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا۔ اس لئے دماغ میں رعونت اور انانیت آ گئی تھی۔ سرکشی اور تکبر' نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا' بعض لوگ کہتے ہیں چار سو سال تک حکومت کرتا رہا تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب اس نے وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا' پھر ہونا' پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے' موجد اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے' نمرود نے جواباً کہا کہ یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے۔ ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا۔ دراصل یہ جواب اور یہ دعویٰ کس قدر لچر اور بے معنی ہے۔ اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا نہ ان کی یا اپنی موت' حیات پر اسے قدرت' لیکن جہلا کو بھڑکانے کے لئے اور اپنی علمیت جتانے کے لئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے طریقہ فرار کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنا لی۔

ابراہیم علیہ السلام بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے اس کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے' چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تصرف تیرا پورا ہونا چاہئے' میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے' اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے۔ اس کا کوئی ظاہری ٹوٹا پھوٹا جواب بھی اس سے نہ بن پڑا اور بے زبان ہو کر اپنی عاجزی کا معترف ہو گیا اور اللہ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی' راہ یافتہ نہ ہو سکا ایسے بدوضع لوگوں کو اللہ کوئی دلیل نہیں سمجھاتا اور وہ حق کے مقابلے میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں۔ ان پر اللہ کا غضب وغصہ اور ناراضگی ہوتی ہے اور اس کے لئے اس جہان میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں۔

بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہؑ نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری دلیل کا مقدمہ تھی اور ان دونوں میں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان بالکل واضح ہو گیا اصل دلیل پیدائش وموت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس ناسمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو' اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہئے اور جس طرح موت وحیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں' اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں' پھر کیا وجہ کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے' اس کی فرمانبرداری اور اطاعت

گزاری نہ کرے اور اس کے کہنے سے مشرق کی بجائے مغرب سے نہ نکلے؟ پس ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا۔ فالحمدللہ۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ مناظرہ حضرت ابراہیمؑ کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ زید بن اسلم کا قول ہے کہ قحط سالی تھی۔ لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بدبخت نے آپ کو غلہ نہ دیا۔ آپ خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے، گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے، آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ اٹھیں بوریوں کو کھولا تو دیکھا کہ عمدہ اناج سے دونوں پر ہیں، کھانا پکا کر تیار کیا، آپ کی بھی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ پوچھا اناج کہاں سے آیا کہا دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا، آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔ اس ناہنجار بادشاہ کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا، اس نے آ کر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی، دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا، تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا، اچھا تو اپنا لشکر تیار کر، میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں، نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آ ڈٹا، ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک دروازہ کھول دیا، بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا، اللہ کی یہ فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئی اور سارے کے سارے یہیں ہلاک ہو گئے، ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا، انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا، ایسے عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجے بہتر تھی، اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا، ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا، یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ اعاذنا اللہ

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ
اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ
قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ
مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی
حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا
ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی
كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا مانند اس شخص کے جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو منہ کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی کہنے لگا، اسے اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا، سو سال کے بعد اسے اٹھایا پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا، ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ

بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھا بٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب اس پر ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

سو سال بعد: ☆☆ (آیت:۲۵۹) اوپر جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ کا گزرا، اس پر اس کا عطف ہے، یہ گزرنے والے یا تو حضرت عزیر علیہ السلام تھے جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن خلقیا تھے اور یہ نام حضرت خضر کا ہے یا خرقیل بن بوار تھے یا بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا۔ یہ بستی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے۔ بخت نصر نے جب اسے اجاڑا، یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا، مکانات گرا دیئے اور اس آباد بستی کو بالکل ویرانہ کر دیا، اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گزرے، انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہ و بالا ہو گئی ہے، نہ مکان ہیں نہ مکین تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا پر رونق شہر جو اس طرح اجڑا ہے، یہ پھر کیسے آباد ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی۔ یہ تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہو گیا۔ بھاگے ہوئے بنی اسرائیل بھی پھر آ پہنچے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا وہی اگلی سی رونق اور چہل پہل ہو گئی اب سو سال کامل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تاکہ اپنا جی اٹھنا خود دیکھ سکیں، جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ پچھوایا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا۔

وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جئے ہیں تو شام کا وقت تھا۔ خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے۔ اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا توشہ بھتا جو تمہارے ساتھ تھا، باوجود سو سال گزر جانے کے بھی ویسا ہی ہے، نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے، یہ توشہ انگور اور انجیر اور عصیر تھا نہ تو یہ شیرہ بگڑا تھا نہ انجیر کھٹے ہوئے تھے نہ انگور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے، اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑی ہیں، انہیں دیکھ تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لئے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین کامل ہو جائے، چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں اٹھیں اور ایک ایک کے ساتھ جڑیں۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات نُنْشِزَ ھَا ”ز“ کے ساتھ ہے اور اسے نُنْسِشُرھَا ”ر“ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی زندہ کریں گے، مجاہد کی قرات یہی ہے، سدی وغیرہ کہتے ہیں یہ ہڈیاں ان کے دائیں بائیں پھیلی پڑی تھیں اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی سفیدی چمک رہی تھی، ہوا سے یہ سب یکجا جمع ہو گئیں۔ پھر ایک ایک ہڈی اپنی اپنی جگہ جڑ گئی اور ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ قائم ہو گیا جس پر گوشت مطلق نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت رگیں، پٹھے اور کھال پہنا دی، پھر فرشتے کو بھیجا جس نے اس کے نتھنے میں پھونک ماری، بس اللہ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہو گیا اور آواز نکالنے لگا، ان تمام باتوں کو حضرت عزیرؑ دیکھتے رہے اور قدرت کی یہ ساری کاریگری ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی، جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو کہنے لگے اس بات کا علم تو مجھے تھا ہی کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تو میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ علم و یقین والا ہوں۔ بعض لوگوں نے اَعْلَمُ کو اِعْلَمْ بھی پڑھا ہے، یعنی اللہ مقتدر نے فرمایا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ
تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ

الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ ع ۳۵

اور جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے جناب باری نے فرمایا' کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے؟ لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا چار پرندلو ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو' پھر انہیں پکارو' تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے ○

معمہ حیات وموت: ☆☆ (آیت:۲۶۰) حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں' ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپ نے چاہا کہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل ہو جائے' جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لوں۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کے موقعہ کی ایک حدیث ہے' جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیم کے زیادہ ہیں جبکہ انہوں نے کہا رَبِّ اَرِنِیْ الخ' تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ کو اللہ کی اس صفت میں شک تھا' اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ (شاید یہ ہوگا کہ ہم خلیل اللہ سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود خلاق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ مترجم) اب رب العالمین' خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لو' مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرند حضرت ابراہیم نے لئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا' کوئی کہتا ہے وہ کلنگ اور مور اور مرغ اور کبوتر تھے۔ کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے۔ کوئی کہتا ہے کبوتر مرغ مور اور کوا تھے۔ پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔

اور روایت میں ہے اپنے پاس رکھ لیا جب مل گئے انہیں ذبح کر دیا پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے۔ پس آپ نے چار پرند لئے' ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کیے۔ پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے۔ پھر چاروں پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے پھر بحکم الہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے۔ اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزا بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرندہ اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا' آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا' خود اس کا سر دیتے تو وہ بھی جڑ جاتا' یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ تعالیٰ غالب ہے' کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی جس کام کو وہ چاہے بے روک ہو جاتا ہے۔ ہر چیز اس کے قبضے میں ہے' وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جناب باری کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا اور حضرت خلیل اللہ کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں' یہ آیت مجھے تو اور تمام آیتوں سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے' مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں' حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کون سی ہے؟ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں لَا تَقْنَطُوْا الخ' والی آیت جس میں ارشاد ہے کہ اے میرے گنہگار بندو میری رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں' ابن

عباسؓ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کے لئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم کا یہ قول' پھر رب دو عالم کا سوال اور آپ کا جواب ہے (عبدالرزاق وابن ابی حاتم وغیرہ)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ
لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں' اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

سو گنا زیادہ ثواب: ☆☆ (آیت:۲۶۱) اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنے مال کو خرچ کرے' اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملتے ہیں اور نیکیاں سات سو گنا کر کے دی جاتی ہیں' تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کی فرماں برداری میں جہاد کے گھوڑوں کو پالنے میں' ہتھیار خریدنے میں' حج کرنے کرانے میں خراج کراتے ہیں۔ اللہ کے نام دیئے ہوئے کی مثال کس پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھب جائے اور دل میں گھر کر جائے' ایک دم یوں فرما دینا کہ اس کے بدلے سات سو ملیں گے' اس سے بہت زیادہ لطافت اس کلام اور اس مثال میں ہے اور پھر اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ اللہ کے پاس بڑھتے رہتے ہیں جس طرح تمہارے بوئے ہوئے بیج کھیت میں بڑھتے بڑھاتے رہتے ہیں۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ احمد مجتبیٰ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز فی سبیل اللہ دیتا ہے' اسے سات سو کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے' اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے' روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے' جس شخص پر کوئی جسمانی بلا' مصیبت دکھ درد' بیماری آئے' وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے' یہ حدیث حضرت ابو عبیدہؓ نے اس وقت بیان فرمائی تھی جبکہ آپ سخت بیمار تھے اور لوگ عیادت کے لئے گئے تھے' آپ کی بیوی صاحبہ سرہانے بیٹھی تھیں۔ ان سے پوچھا کہ رات کیسی گزری؟ انہوں نے کہا نہایت سختی سے' آپ کا منہ اس وقت دیوار کی جانب تھا' یہ سنتے ہی لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا میری رات سختی کی نہیں گزری اس لئے کہ میں نے حضورؐ سے یہ سنا ہے۔

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا' یہ قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا' مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے اور پھر وہ بڑھتی رہتی ہیں سات سو تک مگر روزہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں آپ اس کا اجر و ثواب دوں گا' روزے دار کو دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت' دوسری قیامت کے دن' روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے' دوسری حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ روزے دار اپنے کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑتا ہے' آخر میں ہے' روزہ ڈھال ہے' روزہ ڈھال ہے۔

مسند کی اور حدیث میں ہے' نماز روزہ اللہ کا ذکر ہیں اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنے بڑھ جاتے ہیں' ابن ابی حاتم کی حدیث

میں ہے کہ جو شخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے گو خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کے خرچ کا ثواب ملتا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ایک کے بدلے دو کروڑ کا ثواب ملتا ہے' ابن مردویہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی علیہ صلوۃ اللہ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما تو مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ والی آیت اتری اور آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو آیت اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اتری' پس ثابت ہوا کہ جس قدر اخلاص عمل میں ہو' اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ بڑے وسیع فضل و کرم والا ہے' وہ جانتا ہے کہ کون کس قدر مستحق ہے اور کسے استحقاق نہیں' فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ
اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٢٦٢ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ
اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝٢٦٣ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ
بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٦٤

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں' نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے ○ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو' اللہ بے نیاز اور بردبار ہے ○ ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر' اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو۔ پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے' ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی' اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا ○

مخیرّ حضرات کی تعریف اور ہدایات: ☆☆ (آیت:۲۶۲-۲۶۴) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح و تعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے نہ ہی اپنی زبان یا اپنے کسی فعل سے اس شخص کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں' ان سے ایسے جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر و ثواب رب دو عالم کے ذمہ ہے۔ ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف و خطر نہ ہوگا اور نہ دنیا اور بال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم و رنج ہوگا' اس لئے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکالنا' کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا' درگزر کرنا' خطاوار کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہت

بہتر ہے۔ جس کی تہہ میں ایذا دہی ہو، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں، کیا تم فرمان باری قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ الخ، نہیں سنا، اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ حلیم اور بردبار ہے۔ گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم و کرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے، تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں، ایک تو دے کر احسان جتانے والا، دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہمد لٹکانے والا، تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا، ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان، خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا، شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

نسائی میں ہے، تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں، ماں باپ کا نافرمان، شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا، نسائی کی اور حدیث میں ہے یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، اسی لئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے صدقات وخیرات کو منت واحسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو۔ اس احسان کے جتانے اور تکلیف کے پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھتا۔ پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف وہی کے صدقے کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لئے دیا جائے۔ اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مدنظر ہو، لوگوں میں تعریف وستائش کی چاہت ہو، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب نہ ہو نہ اس کے ثواب پر نظر ہو، اسی لئے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی بھی پڑی ہوئی ہو، پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی دھل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی، اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گو لوگ سمجھتے ہوں کہ اس کے صدقہ کی نیکی اس کے پاس ہے، جس طرح بہ ظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی تھی لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی، اسی طرح اس کے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا، اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا، اللہ تعالیٰ کافر گروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا
ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، اس باغ جیسی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو اور پوری بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر بارش اس پر نہ بھی برسے تو شبنم ہی کافی ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ○

سدا بہار عمل: ☆☆ (آیت: ۲۶۵) یہ مثال مومنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے، جس شخص نے رمضان کے روزے ایمانداری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے، رَبْوَہ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہیں اس لفظ کو بِرُبْوَةٍ اور بِرِبْوَةٍ بھی پڑھا گیا ہے۔ وَابِلٌ کے معنی سخت بارش کے ہیں۔ وہ دگنا پھل

لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہوتا ہم صرف شبنم سے ہی پھلتا پھولتا ہے- یہ ناممکن ہے کہ موسم خالی جائے' اسی طرح ایمانداروں کے اعمال کبھی بھی بے اجر نہیں رہتے- وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں' ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے- اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندے کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں-

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۤءُ ۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع ۲۶ ۶

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں' اس شخص کو بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں' اور اچانک باغ میں آندھی آئے جس میں آگ بھی ہو اور باغ کو وہ جلا ڈالے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم غور و فکر کرو ○

کفر اور بڑھاپا: ☆☆ (آیت:۲۶۶) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن صحابہ سے پوچھا' جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی- انہوں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا ہے' آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں- اس کا صاف جواب دو' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا امیر المومنین میرے دل میں ایک بات ہے' آپ نے فرمایا' بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو' فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے- پوچھا کون سا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے- پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھو دیتا ہے- پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے- اس میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداء میں اچھے عمل کئے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی' یہ خالی ہاتھ رہ گیا' جس طرح ایک شخص ہے جس نے باغ لگایا' پھل اتارتا رہا لیکن جبکہ بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا' چھوٹے بچے بھی ہیں' آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا' اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے' اتفاقاً آندھی چلی' اس میں آگ بھی تھی اور وہ ہرا بھرا لہلہاتا باغ دم بھر میں لاکھ کا خاک ہو گیا-

اسی طرح یہ شخص ہے کہ پہلے تو نیکیاں کر لیں- پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا' کافر شخص بھی جب اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڈھے کو' اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا- اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی' مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِضَاءِ عُمُرِيْ اے اللہ اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے- اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرما دیں' تم بھی غور و فکر' تدبر و تفکر کرو' سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو- جیسے فرمایا وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ

نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعۡقِلُهَآ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کے لئے بیان فرما دیا۔ انہیں علماء ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا
لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ
بِاٰخِذِيۡهِ اِلَّآ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِيۡهِ ۭ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ۝۲۶۷
اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً
مِّنۡهُ وَفَضۡلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝۲۶۸ يُّؤۡتِي الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ
الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِيَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝۲۶۹

ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو اور ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے ○ شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے ○ وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا' نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں ○

خراب اور حرام مال کی خیرات مسترد: ☆☆ (آیت:۲۶۷-۲۶۹) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ جل شانہ نے تمہیں دیا ہے' سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تمہیں زمین سے نکال کر دیئے ہیں' اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ کی راہ میں دو۔ ردی' واہیات' سڑی گلی' گری پڑی' بے کار' فضول اور خراب چیزیں راہ اللہ نہ دو' اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول نہیں کرتا۔ تم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جسے اگر تمہیں دی جاتی تو نہ قبول کرتے۔ پھر اللہ کیسے لے لے گا؟ ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور بات ہے لیکن اللہ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا' یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو۔

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں' تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں' دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی' ہاں دین صرف دوستوں کو ہی عطا فرماتا ہے اور جسے دین مل جائے' وہ اللہ کا محبوب ہے' اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے' کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں' لوگوں کے سوال پر آپؐ نے فرمایا' ایذا سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم وستم ہے' جو شخص حرام وجہ سے مال حاصل کرے' اس میں اللہ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے' وہ سب اس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے' اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے' خباثت سے خباثت نہیں مٹتی' پس دو قول ہوئے ایک تو ردی چیزیں' دوسرے حرام مال۔ اس آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں' کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق

کھجوروں کے خوشے لاکر، ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی تھی، اس میں لٹکا دیتے جسے اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے، کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی، اس میں ردی کھجور کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لوگے، ہاں اگر شرم لحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں سے ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور واہی (خراب) پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں، مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی مراد یہ ہے کہ بیکار چیز صدقہ میں نہ دو، مسند میں حدیث ہے کہ حضورؐ کے سامنے گوہ کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے نہ کھایا نہ کسی کو کھانے سے منع فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے کہا، کسی مسکین کو دے دیں؟ آپ نے فرمایا جو تمہیں پسند نہیں اور جسے تم کھانا گوارا نہیں کرتیں، اسے کسی اور کو کیا دو گی؟ حضرت براءؓ فرماتے ہیں، جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تمہیں وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے مگر اس وقت جب تمہیں اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ کے بھی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا، کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے۔ نہیں نہیں۔ وہ تو محض بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو، یہ حکم صرف اس لئے ہے کہ غرباء بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں گے، جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا لَنۡ یَّنَالَ اللّٰهَ الخ، اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لے نہ گوشت وہ تو تمہارے تقوے کی آزمائش کرتا ہے، وہ کشادہ فضل والا ہے، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، صدقہ اپنے چہیتے حلال مال سے نکال کر اللہ کے فضل اس کی بخشش، اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو، وہ اس کا بدلہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تمہیں عطا فرمائے گا۔ وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں، وہ حمید ہے، تمام اقوال وافعال، تقدیر و شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ ہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔

حدیث میں ہے کہ ایک چوکا شیطان مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے، شیطان تو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر، جس کے دل میں یہ خیال آئے، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وہ وسوسہ پیدا ہو، وہ آعوذ پڑھے، پھر حضورؐ نے آیت اَلشَّیۡطٰنُ الخ، کی تلاوت فرمائی (ترمذی) یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے، مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے شیطان روکتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس طرح ہم فقیر ہو جائیں گے، اس نیک کام سے روک کر پھر بے حیائیوں اور بدکاریوں کی رغبت دلاتا ہے، گناہوں پر، نافرمانیوں پر، حرام کاریوں پر اور مخالفت حق پر اکساتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے برخلاف حکم دیتا ہے کہ خرچ فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اور شیطان کی دھمکی کے خلاف وہ فرماتا ہے کہ اس صدقہ کے باعث میں تمہاری خطاؤں کو بھی معاف کر دوں گا اور وہ جو تمہیں فقیری سے ڈراتا ہے، میں اس کے مقابلہ میں تمہیں اپنے فضل کا یقین دلاتا ہوں، مجھ سے بڑھ کر رحم و کرم، فضل و لطف کس کا زیادہ وسیع ہو گا اور انجام کار کا علم بھی مجھ سے زیادہ اچھا کسے حاصل ہو سکتا ہے؟

حکمت سے مراد یہاں پر قرآن کریم اور حدیث شریف کی پوری مہارت ہے جس سے ناسخ منسوخ، محکم متشابہ، مقدم موخر، حلال، حرام کی اور مثالوں کی معرفت حاصل ہو جائے، پڑھنے کو تو اسے ہر برا بھلا پڑھتا ہے لیکن اس کی تفسیر اور اس کی سمجھ وہ حکمت ہے جسے اللہ چاہے عنایت فرماتا ہے کہ وہ اصل مطلب کو پالے اور بات کی تہہ کو پہنچ جائے اور زبان سے اس کے صحیح مطلب ادا ہو، سچا علم صحیح سمجھ اسے عطا ہو، اللہ کا ڈر اس کے دل میں ہو، چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حکمت کا راز اللہ کا ڈر ہے، ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کے علم کے بڑے ماہر ہیں۔ ہر امر دنیوی کو عقلمندی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن دین میں بالکل اندھے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیوی علم میں کمزور ہیں لیکن علوم شرعی میں بڑے ماہر ہیں، پس یہ ہے وہ حکمت جسے اللہ نے اسے دی اور اسے اس سے محروم رکھا، سدیؒ کہتے ہیں، یہاں حکمت سے مراد نبوۃ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حکمت کا لفظ ان تمام چیزوں پر شامل ہے اور نبوۃ بھی اس کا اعلیٰ اور بہترین حصہ ہے اور اس سے بالکل خاص چیز ہے جو انبیاء کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ ان کے تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی طرف سے محرومی نہیں، سچی اور اچھی سمجھ کی دولت سے یہ بھی مالا مال ہوتے ہیں، بعض احادیث میں ہے جس نے قرآن کریم کو حفظ کر لیا، اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان نبوت چڑھ گئی۔ وہ صاحب وحی نہیں لیکن دوسرے طریق سے کہ وہ ضعیف ہے۔ منقول ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول ہے۔

مسند کی حدیث میں ہے کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں جسے اللہ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اس کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ وعظ و نصیحت اسی کو نفع پہنچاتی ہے جو عقل سے کام لے سمجھ رکھتا ہو۔ بات کو یاد رکھے اور مطلب پر نظریں رکھے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا
وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۷۱

تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اللہ اسے بخوبی جانتا ہے، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○ اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے ○

نیک اور بدلوگ، ظاہر اور در پردہ حقیقت: ☆☆ (آیت:۲۷۱) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر ایک چیز اور نذر کو، ہر بھلے عمل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کا حکم بجالاتے ہیں، اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں، اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں، اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں، بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور ان کے خلاف جو لوگ اس کی حکم برداری سے جی چراتے ہیں، گناہ کے کام کرتے ہیں، اس کی خبروں کو جھٹلاتے ہیں، اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، یہ ظالم ہیں قیامت کے دن قسم قسم کے سخت بدترین اور المناک عذاب انہیں ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑائے یا ان کی مدد میں اٹھے۔ پھر فرمایا کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقراء ومساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے اس لئے کہ یہ ریاکاری سے کوسوں دور ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی

فائدہ ہو مثلاً اس لئے کہ اور لوگ بھی دیں وغیرہ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے' اس کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات شخصوں کو قیامت کے دن اللہ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا' عادل بادشاہ' وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گزارے' وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت رکھیں' اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں' وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے' نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک' وہ شخص جو خلوت میں اللہ کا ذکر کر کے رو دے' وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہوگیا' فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت چیز بھی کوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا' پوچھا اس سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا ہاں آگ' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی۔① آیت الکرسی کی تفسیر میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے۔ باوجود مال کی قلت کے پھر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے' پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

ایک اور حدیث میں ہے پوشیدگی کا صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں' یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں اتری ہے' حضرت عمرؓ تو اپنا آدھوں آدھ مال حضورؐ کے پاس لائے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپؐ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروقؓ نے جواب دیا اتنا ہی' صدیق کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کا سب حضورؐ کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کافی ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے' اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں' اس میں اے صدیق آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ آیت کے الفاظ عام ہیں صدقہ خواہ فرض ہو خواہ نفلی' زکوٰۃ ہو یا خیرات' اسکی پوشیدگی اظہار سے افضل ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ تو پوشیدہ دینا ستر گنی فضیلت رکھتا ہے لیکن فرضی زکوٰۃ کو اعلانیہ ادا کرنا پچیس گنی فضیلت رکھتا ہے' پھر فرمایا صدقے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کر دے گا بالخصوص اس وقت جبکہ وہ چھپا کر دیا جائے تمہیں بہت سی بھلائی ملے گی' درجات بڑھیں گے' گناہوں کا کفارہ ہوگا یُکَفِّرْ کو یُکَفِّرَ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس میں صورتاً یہ جواب شرط کے محل پر عطف ہوگا جو فنعما ھی ہے' جیسے فَاَصَّدَّقَ وَاَکُوْنَ میں وَاَکُنْ اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی' بدی' سخاوت' بخیلی' پوشیدگی اور اظہار نیک نیتی اور دنیا طلبی پوشیدہ نہیں۔ وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي
الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ
اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً ع ۷
فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

انہیں ہدایت پر لاکھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہے' تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے' تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہئے۔ تم جو کچھ مال خرچ کرو گے' اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا ○ صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو راہ اللہ میں روک دیئے گئے ہیں۔ جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں' تو ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انہیں پہچان لے گا' وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے' تم جو کچھ مال خرچ کرو' اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے ○ جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں' ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگینی ○

مستحق صدقات کون ہیں: ☆☆ (آیت:۲-۲۷۲-۲۷۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے۔ پھر حضور ﷺ سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی' فرماتے ہیں کہ حضور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے۔ جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے فرمادیا' ہر سائل کو دو' گو وہ کسی مذہب کا ہو۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت اسماءؓ والی روایت آیت لَا یَنۡہٰکُمُ اللّٰہُ الخ' کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ۔ یہاں فرمایا' تم جو نیکی کرو گے' اپنے لئے ہی کرو گے جیسے اور جگہ ہے مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ اور اس جیسی اور آیتیں بھی بہت ہیں' حسن بصریؒ فرماتے ہیں' ایماندار کا ہر خرچ اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے گو وہ خود کھائے پئے' عطا خراسانیؒ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے مرضی مولا اور رضائے رب کے لئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو' یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے' حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے' مستحق یا غیر مستحق کے' اسے اپنے قصد اور اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا جبکہ اس نے دیکھ بھال کر لی۔ پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا۔ اسی لئے آیت کے آخر میں بدلہ ملنے کی بشارت دی گئی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا' لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا گیا۔ صبح لوگوں میں باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا۔ اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر اپنے جی میں کہا' آج رات اور صدقہ دوں گا' لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چل آیا' صبح سنتا ہے کہ

لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج شب ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا' اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا- دے آیا' دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی' مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کے دینے پر بھی' خواب دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے' تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے' شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مالدار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے-

پھر فرمایا صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جو دنیوی تعلقات کاٹ کر' ہجرتیں کر کے وطن چھوڑ کر' کنبے قبیلے سے منہ موڑ کر اللہ کی رضامندی کے لئے پیغمبر کی خدمت میں آ گئے ہیں' جن کی معاش کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو انہیں کافی ہو اور وہ نہ سفر کر سکتے ہیں کہ چل پھر کر اپنی روزی حاصل کریں- ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ کے معنی مسافرت کے ہیں جیسے اِنْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ اور یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ میں ان کے حال سے جو لوگ ناواقف ہیں' وہ ان کے لباس اور ظاہری حال اور گفتگو سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں- ایک حدیث میں ہے مسکین وہی نہیں جو در بدر جاتے ہیں- کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں کہیں سے دو ایک لقمے مل گئے- کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا بلکہ وہ بھی مسکین ہے جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پرواہ ہو جائے اور اس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں' تو انہیں ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر مخفی نہیں رہتی-

جیسے اور جگہ ہے سِیْمَاھُمْ فِیْ وَجُوْھِھِمْ ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ان کے لب و لہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے' سنن کی ایک حدیث میں ہے' مومن کی دانائی سے بچو' وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' سنو قرآن کا فرمان ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ بالیقین اس میں اہل بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں' یہ لوگ کسی پر بوجھل نہیں ہیں' کسی سے ڈھٹائی کے ساتھ سوال نہیں کرتے نہ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں' جس کے پاس ضرورت کے مطابق ہو اور پھر بھی وہ سوال کرے' وہ چپک کر مانگنے والا کہلاتا ہے- حضورؐ فرماتے ہیں ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتاً مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خودداری برتیں اور سوال سے بچیں- دیکھو قرآن کہتا ہے لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے' قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں' تم بھی جا کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں- وہ فرماتے ہیں' میں جب گیا تو حضورؐ کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچا لے گا' جو شخص بے پرواہی برتے گا' اللہ تعالیٰ اسے فی الواقع بے نیاز کر دے گا- جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا' وہ چمٹنے والا سوالی ہے' میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت بہتر ہے' ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے' وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کئے بغیر واپس چلا آیا- اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعیدؓ کا ہے- اس میں ہے کہ آپؐ نے مجھ کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا' اللہ اسے کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا' وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے' ان کی اونٹنی کا نام یاقوتہ تھا- ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے- چالیس درہم کے تقریباً دس روپے ہوتے ہیں-

ایک حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بے پرواہی کے لائق ہو پھر بھی وہ سوال کرے قیامت کے دن اس کے چہرہ پر اس کا سوال زخم نہ ہو گا- اس کا منہ نچا ہوا ہو گا' لوگوں نے کہا- حضرت کتنا پاس ہو تو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا' یہ حدیث ضعیف

ہے' شام میں ایک قریشی تھے جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر ضرورت مند ہیں تو تین سو گنیاں انہیں بھجوائیں۔ آپ خفا ہو کر فرمانے لگیا س اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا؟ جو میرے پاس یہ بھیجیں۔ میں نے تو نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابوذرؓ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں' چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں' ایک روایت میں حضورؐ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے۔

پھر فرمایا' تمہارے تمام صدقات کا اللہ کو علم ہے اور جبکہ تم پورے محتاج ہو گئے' اللہ پاک اس وقت تمہیں اس کا بدلہ دے گا' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر ان لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو ہر وقت اللہ کے فرمان کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اجر ملے گا اور ہر خوف سے امن پائیں گے' بال بچوں کے کھلانے پر بھی انہیں ثواب ملے گا۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے سال جبکہ آپؐ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی عیادت کو گئے تو فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع والے سال فرمایا' تو جو کچھ اللہ کی خوشی کے لئے خرچ کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تیرے درجات بڑھائے گا یہاں تک کہ تو جو اپنی بیوی کو کھلائے پلائے' اس کے بدلے بھی' مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے بال بچوں پر بھی جو خرچ کرتا ہے' وہ بھی صدقہ ہے' حضورؐ فرماتے ہیں اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدین کا وہ خرچ ہے جو اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں' ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت جبیرؒ فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چار درہم تھے جن میں سے ایک راہ اللہ رات کو دیا۔ ایک دن کو' ایک پوشیدہ' ایک ظاہر تو یہ آیت اتری' یہ روایت ضعیف ہے دوسری سند سے یہی مروی ہے' اطاعت الٰہی میں جو مال ان لوگوں نے خرچ کیا' اس کا بدلہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے لیں گے' یہ لوگ نڈر اور بے غم ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ
اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ
مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے۔ یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوپار بھی تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیوپار حلال کیا اور سود حرام' جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کر رک گیا' اس کے لئے وہ ہے جو گزرا' اور اس کا کام اللہ کی طرف ہے اور جس نے پھر بھی کیا' وہ جہنمی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ○

تجارت اور سود کو ہم معنی کہنے والے کج بحث لوگ: ☆☆ (آیت:۲۷۵) چونکہ پہلے ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو نیک کام کرنے والے' صدقہ خیرات کرنے والے' زکوٰۃ دینے والے' حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنے والے غرض ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو اب ان کا بیان ہو رہا ہے جو کسی کو دینا تو ایک طرف رہا' دوسروں سے چھیننے' ظلم کرنے اور ناحق اپنے پرایوں کا مال

ہضم کرنے والے ہیں- تو فرمایا کہ یہ سود خور لوگ اپنی قبروں سے ان کے بارہ میں دیوانوں اور پاگلوں' خبطیوں اور بے ہوشوں کی طرح انھیں گے' پاگل ہوں گے' کھڑے بھی نہ ہو سکتے ہوں گے' ایک قرات میں ''مِنَ الْمَسِّ'' کے بعد ''یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' کا لفظ بھی ہے' ان سے کہا جائے گا کہ لو اب ہتھیار تھام لو اور اپنے رب سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔

شب معراج میں حضورؐ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں کی مانند تھے- پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا سود اور بیاج لینے والے ہیں- اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو ڈستے رہتے تھے- اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا' اس میں کچھ لوگ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں تو ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے- وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر ان کے منہ میں اتار دیتا ہے- وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے' پوچھا تو معلوم ہوا یہ سود خواروں کا گروہ ہے- ان پر یہ وبال اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے تجارت بھی تو سود ہی ہے' ان کا یہ اعتراض شریعت اور احکام الٰہی پر تھا- وہ سود کو تجارت کی طرح حلال جانتے تھے' جبکہ بیع پر سود کا قیاس کرنا ہی غلط ہے- حقیقت تو یہ ہے کہ مشرکین تو تجارت کے شرعاً جائز ہونے کے بھی قائل نہیں ورنہ یوں کہتے کہ سود مثل بیع کے ہے- ان کا کہنا یہ تھا کہ تجارت اور سود دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام؟

پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ حلت وحرمت اللہ کے حکم کی بناء پر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو تو بھی انتہائی اچھے انداز سے جواباً کہا گیا' اس میں مصلحت الٰہیہ کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھہرایا اور دوسرے کو حلال پھر اعتراض کیسا؟ علیم وحکیم اللہ کے حکموں پر اعتراض کرنے والے تم کون؟ کس کی ہستی ہے اس سے باز پرس کرنے کی؟ تمام کاموں کی حقیقت کو جاننے والا تو وہی ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ میرے بندوں کا حقیقی نفع کس چیز میں اور فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے' تو وہ نفع والی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان پہنچانے والی چیزیں حرام کرتا ہے۔ کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہوگی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے- وہ روکتا ہے تو بھی مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو بھی مصلحت سے' اپنے رب کی نصیحت سن کر جو باز آ جائے' اس کے پہلے کئے ہوئے تمام گناہ معاف ہیں' جیسے فرمایا عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ اور جیسے حضورؐ نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا' جاہلیت کے تمام سود آج میرے ان دونوں قدموں تلے دفن کر دیئے گئے ہیں' چنانچہ سب سے پہلا سود جس سے میں دستبردار ہوتا ہوں' وہ عباسؓ کا سود ہے' پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے' ان کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوا' ایک روایت میں ہے کہ ام بعنہ حضرت زید بن ارقمؓ کی ام ولد تھیں' حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زیدؓ کے ہاتھوں آٹھ سو کا اس شرط پر بیچا کہ جب ان کے پاس رقم آئے تو وہ ادا کر دیں- اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت پڑی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے- میں نے چھ سو کا خرید لیا- حضرت صدیقہؓ نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بالکل خلاف شرع کیا' بہت برا کیا' جاؤ زید سے کہہ دو اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت ہوگا جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کیا ہے' میں نے کہا اگر وہ دو سو جو مجھے اس سے لینے ہیں' چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کر لوں تاکہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے' آپؓ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں' پھر آپ نے فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ والی آیت پڑھ کر سنائی (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی مشہور ہے اور ان لوگوں کی دلیل ہے جو عینہ کے مسئلے کو حرام بتاتے ہیں اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں ہے اور احادیث بھی ہیں' والحمد للہ-

پھر فرمایا کہ حرمت کا مسئلہ کانوں میں پڑنے کے بعد بھی سود لے تو وہ سزا کا مستحق ہے- ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے' جب یہ آیت اتری

تو آپ نے فرمایا' جو مخابرہ کو اب بھی نہ چھوڑے' وہ اللہ کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے (ابوداؤد) ''مخابرہ'' اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں کھیتی بوئے اور اس سے یہ طے ہو کہ زمین کے اس محدود ٹکڑے سے جتنا اناج نکلے' وہ میرا' باقی تیرا' اور ''مزانبہ'' اسے کہتے ہیں کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں' وہ میری اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں اور ''محاقلہ'' اسے کہتے ہیں کہ کھیت میں جو اناج خوشوں میں ہے' اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا' ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تاکہ سود کی جڑیں کٹ جائیں' اس لئے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر کیفیت تبادلہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ پس بعض علماء نے اس کی کچھ علت نکالی۔ بعض نے کچھ' ایک جماعت نے اسی قیاس پر ایسے تمام کاروبار کو منع کیا' دوسری جماعت نے برعکس کہا لیکن دوسری علت کی بناء پر۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ذرا مشکل ہے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' افسوس کہ تین مسئلے پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے دادا کی میراث کا' کلالہ اور سود کی صورتوں کا یعنی کاروبار کی ایسی صورتیں جن پر سود کا شبہ ہوتا ہے اور وہ ذرائع جو سود کی مماثلت تک لے جاتے ہوں۔ جب یہ حرام ہیں تو وہ بھی حرام ہی ٹھہریں گے جیسے کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس طرح حلال ظاہر ہے' اسی طرح حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے بھی ہیں' ان شبہات والے کاموں سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑا' وہ حرام میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس چرواہے کی طرح جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو تو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی منہ مار لے' سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے' اسے چھوڑ دو اور اسے لے لو جو شک شبہ سے پاک ہے' دوسری حدیث میں ہے' گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے' طبیعت میں تردد ہو اور اس کے بارے میں لوگوں کا واقف ہونا اسے برا لگتا ہو' ایک اور روایت میں ہے اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لوگ چاہے کچھ بھی فتویٰ دیتے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی (بخاری) حضرت عمرؓ یہ فرما کر کہتے ہیں افسوس کہ اس کی پوری تفسیر بھی مجھ تک نہ پہنچ سکی اور حضورؐ کا انتقال ہو گیا۔ لوگو سود کو بھی چھوڑو اور ہر اس چیز کو جس میں سود کا کچھ بھی شائبہ ہو (مسند احمد)

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا' شاید میں تمہیں بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لئے نفع والی ہوں اور ممکن ہے میں تمہیں کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کے خلاف ہوں' سنو قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری۔ حضورؐ کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا۔ پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالتی ہو (ابن ماجہ) ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے' سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے (مستدرک حاکم) فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے' صحابہؓ نے پوچھا' کیا سب کے سب؟ فرمایا جو نہ کھائے گا' اسے بھی غبار تو پہنچے گا ہی (مسند احمد)

پس غبار سے بچنے کے لئے ان اسباب کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں' حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرتؐ نے مسجد میں آ کر اس کی تلاوت کی اور سودی کاروبار اور سودی تجارت کو حرام قرار دیا' بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس طرح کی تمام خرید و فروخت وغیرہ وہ وسائل (ذرائع) ہیں جو اس تک پہنچانے والے ہیں۔ سب حضورؐ نے حرام کئے ہیں' صحیح حدیث ہے' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت اس لئے کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے حلال بنانے کی کوشش کی چنانچہ یہ کوشش کرنا بھی حرام ہے اور موجب لعنت ہے' اسی طرح پہلے وہ

حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاقوں والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ پہلے خاوند کے لئے وہ حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر اللہ کی پھٹکار اور اس کی لعنت ہے' آیت حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غیرہ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے' حدیث شریف میں ہے سود کھانے والے پر' کھلانے والے پر' شہادت دینے والوں پر' گواہ بننے والوں پر' لکھنے والے پر' سب پر اللہ کی لعنت ہے' ظاہر ہے کاتب وشاہد کو کیا ضرورت پڑی ہے جو وہ خواہ مخواہ اللہ کی لعنت اپنے اوپر لے' اسی طرح بظاہر عقد شرعی کی صورت کا اظہار اور نیت میں فساد رکھنے والوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں' حضرت علامہ امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے ان حیلوں حوالوں کے رد میں ایک مستقل کتاب ''ابطال التحلیل''، لکھی ہے جو اس موضوع میں بہترین کتاب ہے۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے' اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان کے ساتھ سنت کے مطابق کام کرتے ہیں' نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں' ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' ان پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ اداسی اور غم۔

سود کا کاروبار برکت سے محروم ہوتا ہے: ☆☆ (آیت:۲۷۶-۲۷۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سود کو برباد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا سودی کاروبار سے خیر و برکت ہٹا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب' جیسے ہے قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ الخ' یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تمہیں ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے۔ ارشاد فرمایا وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ خباثت والی چیزوں کو تہہ و بالا کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا۔ اور جگہ ہے وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا الخ یعنی سود دے کر جو مال تم بڑھانا چاہتے ہو' وہ دراصل بڑھتا نہیں' اسی واسطے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ سود سے اگر مال میں اضافہ ہو بھی جائے لیکن انجام کار کمی ہوتی ہے (مسند احمد)

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد سے نکلے اور اناج پھیلا ہوا دیکھا' پوچھا یہ غلہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے' آپ نے دعا کی کہ اللہ اس میں برکت دے' لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے پہلے ہی جمع کر لیا تھا' پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمانؓ کے مولیٰ ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے' آپؓ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا' جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں اور جب چاہیں بیچیں' ہمیں اختیار ہے' آپ نے فرمایا' سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے' اسے اللہ مفلس کر دے گا' یہ سن کر حضرت فروخ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے۔ میں اللہ سے اور پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر بھی یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ فرماتے ہیں' میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی (کوڑھ) بنا پھرتا تھا' ابن ماجہ میں ہے جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ

بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔

پھر فرماتا ہے، وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے ''یُرْبِیْ'' کی دوسری قرات ''یُرَبِّیْ'' بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور بھی خیرات کرے، اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ لیتا ہے، پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے (جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو) اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا، ایک اور روایت میں ہے کہ ایک کھجور کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ملتا ہے، اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے، پس تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ پھر فرمایا، ناپسندیدہ کافروں، نافرمان، زبان زور اور نافرمان فعل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ کی طرف سے صدقہ خیرات کے سبب مال میں اضافہ کے وعدہ کی پرواہ کئے بغیر دنیا کا مال جمع کرتے پھریں اور بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں، لوگوں کے مال باطل اور ناحق طریقوں سے کھا جائیں، یہ اللہ کے دشمن ہیں، ان ناشکروں اور گنہگاروں سے اللہ کا پیار ممکن نہیں۔

پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں، مخلوق کے ساتھ سلوک و احسان کریں، نمازیں قائم کریں، زکوٰۃ دیتے رہیں، یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے، کوئی کھٹکا بھی ان کے دل پر نہ گزرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام و اکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ
وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸ ۸

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے، چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایماندار ہو۔ اور اگر نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ، ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اپنا اصل مال تمہارا ہی ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک کی مہلت دینی چاہئے اور معاف کر دینا ہی بہت بہتر ہے، اگر تم میں علم ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○

سود خور قابل گردن زدنی ہیں اور قرض کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۲۷۸-۲۸۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایماندار بندوں کو تقوے کا حکم دے رہا ہے اور ایسے کاموں سے روک رہا ہے جن سے وہ ناراض ہو اور لوگ اس کی قربت سے محروم ہو جائیں، تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرو اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تمہارا سود جن مسلمانوں پر باقی ہے، خبردار ان سے اب نہ لو جبکہ وہ حرام ہو گیا، یہ

آیت قبیلہ ثقیف بنی عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم کے قبیلے بنو مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا سودی کاروبار تھا۔ اسلام کے بعد بنو عمرو نے مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے۔ آخر جھگڑا بڑھا۔ حضرت عتاب بن اسیدؓ جو مکہ شریف کے نائب تھے، انہوں نے نبی ﷺ کو یہ لکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں قابل وصول سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ تائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔

اس آیت میں ہے، ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جمے رہیں، زبردست وعید ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سود خور سے قیامت کے دن کہا جائے گا، لے اپنے ہتھیار لے لے اور اللہ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا۔ آپ فرماتے ہیں، امام وقت پر فرض ہے کہ سود خور لوگ جو اسے نہ چھوڑیں، ان سے توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے، حسن اور ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہما کا فرمان بھی یہی ہے، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، دیکھو اللہ نے انہیں ہلاکت کی دھمکی دی۔ انہیں ذلیل کئے جانے کے قابل ٹھہرایا، خبردار سود سے اور سودی لین دین سے بچتے رہو، حلال چیزوں اور حلال خرید و فروخت بہت کچھ ہے، فاقے گزرتے ہوں تاہم اللہ کی معصیت سے رکو، وہ روایت بھی یاد ہوگی جو پہلے گزر چکی کہ حضرت عائشہؓ نے ایک ایسے معاملہ کی نسبت جس میں سود تھا، حضرت زید بن ارقمؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا جہاد بھی برباد ہو گیا اس لئے کہ جہاد اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا نام ہے اور سود خواری خود اللہ سے مقابلہ کرنا ہے لیکن اس کی اسناد کمزور ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کرلو تو اصل مال جو کسی پر فرض ہے، بے شک لے لو، نہ تم تول میں زیادہ لے کر اس پر ظلم کرو نہ کم دے کر، یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرے، نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا، جاہلیت کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں۔ اصل رقم لے لو، سود لے کر کسی پر ظلم کرو نہ کوئی تمہارا مال مار کر تم پر زیادتی کرے، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا تمام سود میں ختم کرتا ہوں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تنگی والا شخص ہو اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت کے بعد ادا کر دے۔ یہ نہ کرو کہ سود در سود لگائے چلے جاؤ کہ مدت گزر گئی۔ اب اتنا اتنا سود لیں گے، بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غرباء کو اپنا قرض معاف کر دو، طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو، وہ یا تو ایسے تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے، مسند احمد کی حدیث میں ہے، جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے، اس کی جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے، اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ یہ سن کر حضرت بریدہؓ نے فرمایا، حضورؐ پہلے تو آپ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا۔ آج دو مثل فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب تک معیاد ختم نہیں ہوئی مثل کا ثواب اور معیاد گزرنے کے بعد دو مثل کا، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہتے اور نہ ملتے، ایک دن آئے گھر سے ایک بچہ نکلا آپ نے اس سے پوچھا، اس نے کہا، ہاں گھر میں موجود ہیں کھانا کھا رہے ہیں، اب حضرت ابو قتادہؓ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو، آؤ باہر آؤ۔ جواب دو، وہ بیچارے باہر نکلے۔ آپ نے کہا۔ کیوں چھپ رہے ہو، کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں۔ اس وقت میرے پاس رقم نہیں بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا، آپ نے کہا قسم کھاؤ اس نے قسم کھالی، آپ روئے اور فرمانے لگے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، جو شخص نادار قرض دار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے، وہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہو گا (صحیح مسلم)۔

ابو یعلیٰ نے ایک حدیث روایت کی ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، قیامت کے دن ایک بندہ اللہ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتا میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے۔ وہ کہے گا اے اللہ ایک ذرے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں، اللہ اس سے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی جواب دے گا، پھر پوچھے گا وہ پھر یہی کہے گا پروردگار ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا۔ میں تجارت پیشہ شخص تھا۔ لوگ ادھار سدھار لے جاتے تھے۔ میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض نہ ادا کر سکا تو میں اسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا عیال داروں پر سختی نہ کرتا، زیادہ تنگی والا اگر کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں، جا میں نے تجھے بخشا۔ جنت میں داخل ہو جا، مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرض دار بے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ دیا ہو کہ اتنی رقم دے دو تو آزاد ہوں۔ اس کی مدد کرے، اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

مسند احمد میں ہے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے، اسے چاہئے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے، عباد بن ولیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلب علم میں نکلے اور ہم نے کہا کہ انصاریوں سے حدیثیں پڑھیں، سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں ایک دفتر تھا اور غلام و آقا کا ایک ہی لباس تھا، میرے باپ نے کہا، چچا آپ تو اس وقت غصہ میں نظر آتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ سنو۔ فلاں شخص پر میرا کچھ قرض تھا، مدت ختم ہو چکی تھی۔ میں قرض مانگنے گیا سلام کیا اور پوچھا کہ کیا وہ مکان پر ہیں۔ گھر میں سے جواب ملا کہ نہیں، اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا بچہ باہر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کی آواز سن کر چارپائی تلے جا چھپے ہیں، میں نے پھر آواز دی اور کہا کہ تمہارا اندر ہونا مجھے معلوم ہو گیا ہے اب چھپو نہیں آؤ جواب دو، وہ آئے میں نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا محض اس لئے کہ میرے پاس روپیہ تو اس وقت ہے نہیں، آپ سے ملوں گا تو کوئی جھوٹا عذر حیلہ بیان کروں گا یا غلط وعدہ کر لوں گا اس لئے سامنے ہونے سے جھجکتا تھا۔ آپ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں، آپ سے جھوٹ کیا کہوں؟ میں نے کہا سچ، کہتے ہو اللہ کی قسم تمہارے پاس روپیہ نہیں، اس نے کہا ہاں سچ کہتا ہوں اللہ کی قسم کچھ نہیں، تین مرتبہ میں نے قسم کھلائی اور انہوں نے کھائی، میں نے اپنے دفتر میں سے ان کا نام کاٹ دیا اور رقم جمع کر لی اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہارے نام سے یہ رقم کاٹ دی ہے، اب اگر تمہیں مل جائے تو دے دینا ورنہ معاف ہے۔ سنو میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اسے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص کسی سختی والے کو ڈھیل دے یا معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا، مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، جو شخص کسی نادار پر آسانی کر دے یا اسے معاف کر دے، اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچا لے گا، سنو جنت کے کام مشقت والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے اور خواہش نفس کے مطابق ہیں، نیک بخت وہ لوگ ہیں جو فتنوں سے بچ جائیں، وہ انسان جو غصے کا گھونٹ پی لے اس کو اللہ تعالیٰ ایمان سے نوازتا ہے، طبرانی میں ہے جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کر کے اپنے قرض کی وصولی میں اس پر سختی نہ کرے، اللہ بھی اس کے گناہوں پر اس کو نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے۔ انہیں دنیا کے زوال، مال کے فنا، آخرت کا آنا، اللہ کی طرف لوٹنا، اللہ کو اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان تمام اعمال پر جزا و سزا کا ملنا یاد دلاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے

آخری آیت یہی ہے' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف نو راتوں تک زندہ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ کا انتقال ہوگیا۔ اللھم صلی و سلم و علیہ۔ ابن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کے بعد حضورؐ کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے' ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضورؐ نو رات زندہ رہے۔ ہفتہ کے دن سے ابتدا ہوئی اور پیر والے دن انتقال ہوا۔ الغرض قرآن کریم میں سب سے آخری یہی آیات نازل ہوئی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ
يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ
وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ

ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے معیاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو' اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے' کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے' وہ بھی لکھ دے اور جس کے ذمہ حق ہو' وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں' جس شخص کے ذمہ حق ہے' وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے

حفظ قرآن اور لین دین میں گواہ اور لکھنے کی تاکید: ☆☆ (آیت:۲۸۲) یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیتوں سے بڑی ہے' حضرت سعید بن میسبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت یہی آیت الدین ہے' یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں' اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا' ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی ان کی تمام اولاد نکالی' آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا۔ ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ الٰہی ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری نے فرمایا' یہ تمہارے لڑکے داؤد ہیں' پوچھا اللہ ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا اے اللہ اس کی عمر کچھ اور بڑھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں۔ ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے انہیں کچھ دینا چاہو تو دے دو' کہا اے اللہ میری عمر میں سے چالیس سال اسے دیئے جائیں چنانچہ دے دیئے گئے' حضرت آدمؑ کی اصلی عمر ایک ہزار سال کی تھی۔ اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا' حضرت آدمؑ کی موت جب آئی' کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے حضرت داؤدؑ کو دے دیئے ہیں تو حضرت آدمؑ نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری' دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم

کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داؤدؑ کی ایک سو سال کی (مسند احمد) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں، مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ
كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا
تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ
وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۸۲

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں، قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں، خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے۔ اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور معیاد خوب یاد رہے۔ گواہ کو بھی غلطی نہ ہو، اس سے ایک وقت مقررہ کے لئے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ معیاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے② صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضور ﷺ نے فرمایا، ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو، بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔

قرآن حکم دیتا ہے کہ لکھ لیا کرو، اور حدیث شریف میں ہے کہ ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بے حد آسان اور بالکل سہل کر دیا گیا، قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتاً لوگوں پر سہل ہے لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں، ان کی بابت بے شک لکھ لینے کا حکم ہوا، اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوباً نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کا ہے۔ بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ہیں، ابن جریجؒ فرماتے ہیں، جو ادھار دے، وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے، ابوسلیمان مرعشیؒ جنہوں نے حضرت کعبؓ کی صحبت بہت اٹھائی تھی، انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا، اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے۔

پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے- اب یہ اللہ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا اس لئے کہ اس نے کام اس کے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے، حضرت ابوسعید، شعبی، ربیع بن انس، حسن، ابن جریج، ابن زید وغیرہ رحمہم اللہ عنہم کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا اور فرمایا گیا کہ اگر ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے، اسے چاہئے کہ ادا کر دے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے- گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک ہماری شریعت پر سے انکار نہ ہو- اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کئے جانے پر شارع علیہ السلام نے انکار نہیں کیا۔

مسند میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے- اس نے کہا گواہ لاؤ- جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے، کہا ضمانت لاؤ، جواب دیا اللہ کی ضمانت کافی ہے، کہا تو نے سچ کہا، ادائیگی کی معیاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے- اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا جب معیاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی- اسے بیچ سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ کو بند کر دیا اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن دیا اور وہ اس پر خوش ہو گیا گواہ مانگا میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا وہ اس پر بھی خوش ہو گیا- اب جبکہ اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی- اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے، پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں- یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا، جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آنا چاہئے تو وہ بھی دریا کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس کی طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا، کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی ہاتھ تو جا ہی رہا ہوں، آؤ اس لکڑی کو لے چلو، پھاڑ کر سکھا لوں گا- جلانے کے کام آئے گی، گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں- گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں- وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے- پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے- یہ لیجئے آپ کی رقم معاف کیجئے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی، آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا، اس نے پوچھا کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے اس نے کہا میں کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ، آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توکل علی اللہ ڈال دی تھی اسے اللہ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی رقم پوری وصول پالی- اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، صحیح بخاری شریف میں سات جگہ یہ حدیث آئی ہے-

پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل وحق کے ساتھ لکھے کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے- ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں، وہی لکھے، لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے- جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے، جس طرح اللہ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا، اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں، ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے، حدیث میں ہے، یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دو، کسی گرے پڑے کا کام کر دو اور حدیث میں ہے جو علم کو جان کر پھر اسے

چھپائے، قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی، حضرت مجاہدؒ اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں، کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی رو سے واجب ہے۔ جس کے ذمہ حق ہو، وہ لکھوائے اور اللہ سے ڈرے، نہ کمی بیشی کرے نہ خیانت کرے۔ اگر یہ شخص بے سمجھ ہے، اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یعنی بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کند ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو، وہ لکھوائے۔

پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہئے تاکہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے، دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ اگر نہ مل سکیں تو خیر ایک مرد اور دو عورتیں سہی، یہ حکم مال کے اور مقصود مال کے بارے میں ہے، دو عورتوں کو ایک عورت کے قائم مقام کرنا عورت کی عقل کے نقصان کے سبب ہے، جیسے صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اے عورتو! صدقہ کرو اور بکثرت استغفار کرتی رہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی، ایک عورت نے پوچھا، حضورؐ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضورؐ ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے، نہ روزہ۔

گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں، امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے، وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو، ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے، وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہئے۔ دو عورتیں مقرر ہونے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی کہ ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی "فَتُذَکِّرَ" کی دوسری قرات "فَتُذْکِرَ" بھی ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر شہادت مرد کے کر دے گی، انہوں نے مکلف کیا ہے، صحیح بات پہلی ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ پر گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہئے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے، یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ خاموش نہ رہے، چنانچہ حضرت ابومجلز مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ بننے کے لئے بلائے جاؤ تو تمہیں اختیار ہے خواہ گواہ بننا پسند کرو یا نہ کرو لیکن جب گواہ ہو چکے، پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔ صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے، اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں۔ بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی، اور روایت میں آیا ہے کہ ان سے گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے (تو یاد رہے مذمت جھوٹی گواہی دینے والیوں کی ہے اور تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے) اور یہی ان مختلف احادیث میں تطبیق ہے، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں، آیت دونوں حالتوں پر شامل ہے یعنی گواہی دینے کے لئے بھی اور گواہ رہنے کے لئے بھی انکار نہ کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا، چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے کسمساؤ نہیں بلکہ مدت وغیرہ بھی لکھ لیا کرو۔ ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور گواہی کو خوب

ثابت رکھنے والا ہے کیونکہ اپنی تحریر دیکھ کر بھولی بسری بات بھی یاد آ جاتی ہے، نہ لکھا ہو تو ممکن ہے کہ بھول جائے۔ جیسے اکثر ہوتا ہے اور اس میں شک وشبہ کے نہ ہونے کا بھی زیادہ موقعہ ہے کیونکہ اختلاف کے وقت تحریر دیکھ سکتے ہیں اور بغیر شک وشبہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا جبکہ نقد خرید وفروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا، اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں لہٰذا کتابت کی شرط تو ہٹا دی گئی۔ اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کرو، دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ فان امن الخ فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں، بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے خرید وفروخت کی جبکہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا، چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا، حضورؐ تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے، انہوں نے قیمت لگانی شروع کی۔ یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ کے ہاتھ بیچا تھا، اس سے زیادہ دام لگ گئے۔ اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ کو آواز دے کر کہا، حضرت یا تو گھوڑا اسی وقت نقد دے کر لے لو یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں، حضورؐ یہ سن کر رکے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے، اس نے کہا نہیں، اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا۔ حضرت نے فرمایا۔ غلط کہتا ہے میرے تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے، اب لوگ ادھر ادھر سے بیچ میں بولنے لگے اس گنوار نے کہا، اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بدبخت آپ تو اللہ کے پیغمبر ہیں آپ کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی کہے چلا گیا کہ لاؤ گواہ پیش کرو، اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اعرابی کے اس قول کو سن کر فرمانے لگے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرتؐ کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے آپؐ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے؟ حضرت خزیمہؓ نے فرمایا، آپ کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت دی ہے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ آج سے حضرت خزیمہؓ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔

پس اس حدیث سے خرید وفروخت پر گواہی دو گواہوں کی ضروری نہ رہی لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی گواہ ہوں، کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی۔ ایک تو وہ کہ جس کے گھر بداخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت سے پہلے اسے سونپ دے، تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے، امام حاکم اسے شرط بخاری ومسلم پر صحیح بتلاتے ہیں۔ بخاری ومسلم اس لئے اسے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر موقوف بتاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کاتب کو چاہئے کہ جو لکھا گیا، وہی لکھے اور گواہ کو چاہئے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے اور نہ گواہی کو چھپائے۔ حسنؒ قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً انہیں بلانے کے لئے گئے وہ کسی اپنے کام کاج میں مشغول ہوں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے۔ اپنا حرج کرو اور چلو، یہ حق انہیں نہیں اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہ مروی ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں، اس کا کرنا، اور جو کام کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے، جس کا وبال تم سے چھٹے گا نہیں۔ پھر فرمایا اللہ سے ڈرو۔ اس کا لحاظ رکھو، اس کی فرمانبرداری کرو، اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں

دلیل دے دے گا' اور جگہ ہے' ایمان والو اللہ سے ڈرو' اس کے رسول پر ایمان رکھو' وہ تمہیں دوہری رحمتیں دے گا اور تمہیں وہ نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ پھر فرمایا' تمام کاموں کے انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ آگاہ ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں' اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ۲۸۳ ۳۹ ع ۲ ۷

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو' ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے پر امن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے' وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ جو اسے چھپا لے' وہ گنہگار دل والا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو' اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ○

مسئلہ رہن' تحریر اور گواہی! ☆☆ (آیت: ۲۸۳) یعنی بحالت سفر اگر ادھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو' اسے حقدار کے قبضے میں دے دو۔ مقبوضہ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے' لازم نہیں ہوتا' جیسے کہ امام شافعیؒ اور جمہور کا مذہب ہے اور دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے' امام احمدؒ اور ایک دوسری جماعت سے یہی منقول ہے' ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف سفر میں ہی مشروع ہے' جیسے حضرت مجاہدؒ وغیرہ لیکن صحیح بخاری' صحیح مسلم' شافعی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت فوت ہوئے' اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابوالشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لئے لئے تھے' ان مسائل کے بسط و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں' بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ وَلِلّٰهُ الْحَمْدُ وَالْمُنَّتُه وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ اس سے بعد کے جملے فَاِنْ اَمِنَ سے حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اس کے پہلے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے' شعبیؒ فرماتے ہیں' جب نہ دینے کا خوف ہو تو نہ لکھنے اور نہ گواہ رکھنے کی کوئی حرج نہیں۔ جسے امانت دی جائے اسے خود یاد رکھنا چاہئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ادا کرنے کی ذمہ داری اس ہاتھ پر ہے جس نے کچھ لیا۔ ارشاد ہے شہادت کو نہ چھپاؤ نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کے اظہار کرنے سے رکو۔

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے' یہاں بھی فرمایا' اس کا چھپانے والا خطاکار دل والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ یعنی ہم اللہ کی شہادت نہیں چھپاتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہیں۔ اور جگہ فرمایا' ایمان والو! عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی گواہیوں پر ثابت قدم رہو گو اس کی برائی خود تمہیں پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے۔ خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اور اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اس کا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۸۴

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے' تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے' اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ اس کا حساب تم سے لے گا' پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

انسان کے ضمیر سے خطاب: ☆☆ (آیت:۲۸۴) یعنی آسمان وزمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چھوٹی بڑی چھپی یا کھلی ہر بات کو وہ جانتا ہے۔ ہر پوشیدہ اور ظاہر عمل کا وہ حساب لینے والا ہے' جیسے اور جگہ فرمایا ہے قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ الخ کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے' اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو' اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے۔ وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور فرمایا' وہ ہر چھپی ہوئی اور علانیہ بات کو خوب جانتا ہے' مزید اس معنی کی بہت سی آیتیں ہیں۔ یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا۔ جب یہ آیت اتری تو صحابہؓ بہت پریشان ہوئے کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہوگا۔ اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضورؐ کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے حضرتؐ نماز روزہ جہاد صدقہ وغیرہ کا ہمیں حکم ہوا' وہ ہماری طاقت میں تھا۔ ہم نے حتی المقدور کیا لیکن اب جو یہ آیت اتری ہے' اسے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں' آپؐ نے فرمایا' کیا تم یہود ونصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا۔ تمہیں چاہئے کہ یوں کہو' ہم نے سنا اور مانا۔ اے اللہ ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔ ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے' چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اسے تسلیم کر لیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نازل ہوئی (مسند احمد) صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف ہٹا کر آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ اتاری اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اے اللہ ہماری بھول چوک اور خطا پر ہماری پکڑ نہ کر' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَعَمْ یعنی میں یہی کروں گا' انہوں نے کہا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ۔ اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول پھر کہا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا اے اللہ ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔ اسے بھی قبول کیا گیا پھر دعا مانگی اے اللہ ہمیں معاف فرما' ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا' یہ حدیث اور بھی بہت سے انداز سے مروی ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں' میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس آیت وَاِنْ تُبْدُوْا کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے۔ آپ نے فرمایا' اس آیت کے اترتے ہی یہی حال صحابہ کا ہوا تھا۔ وہ سخت غمگین ہو گئے اور کہا کہ دلوں کے مالک تو ہم نہیں۔ دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو بڑی مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہو چنانچہ صحابہؓ نے کہا اور پھر بعد والی آیتیں اتریں اور عمل پر تو پکڑ طے ہوئی لیکن دل کے خطرات اور نفس کے وسوسے سے پکڑ منسوخ ہو گئی۔ دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مرجانہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصلہ کر دیا

کہ تم اپنے نیک و بد اعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ زبانی ہوں خواہ دوسرے اعضاء کے گناہ ہوں لیکن دلی وسواس معاف ہیں۔ اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگذر فرمالیا' گرفت اسی پر ہوگی جو کہیں یا کریں۔

بخاری و مسلم میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک اس سے برائی سرزد نہ ہو اگر کر گذرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ سے ہی نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو (مسلم) اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' رکے رہو جب تک کر نہ لے۔ اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھو' اگر کرے تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا کیونکہ مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے' اس کی ایک ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی۔ اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی نیکی بڑھا دی جاتی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو باوجود اس رحم و کرم کے بھی برباد ہو۔ ایک مرتبہ اصحابؓ نے آ کر عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گذرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' ایسا ہونے لگا؟ انھوں نے عرض کیا ہاں' آپؐ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے (مسلم وغیرہ)

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن جب تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ میں تمہیں تمہارے دلوں کے ایسے بھید بتاتا ہوں جس سے میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں' مومنوں کو تو بتانے کے بعد پھر معاف فرما دیا جائے گا لیکن منافق اور شک وشبہ کرنے والے لوگوں کو ان کے کفر کی درپردہ اطلاع دے کر بھی ان کی پکڑ ہوگی۔ ارشاد ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دل کی کمائی پر پکڑے گا یعنی دلی شک اور دلی نفاق کی بناء پر۔ حسن بصریؒ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی روایت سے متفق ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے۔ عذاب اور چیز ہے حساب لیا جانا اور عذاب کیا جانا لازم نہیں ممکن ہے حساب کے بعد معاف کر دیا جائے اور ممکن ہے سزا ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے حضورؐ سے اللہ تعالیٰ کی سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلائے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا۔ پھر اس سے کہے گا۔ بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا؟ فلاں فلاں گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا جب بہت سے گناہ ہونے کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ سن دنیا میں بھی میں نے تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن بھی میں ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں' اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا اور ان کے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور پکارا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر تہمت لگائی' ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

حضرت زیدؒ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا' جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا مگر آج تو نے پوچھا تو سن۔ اس سے مراد بندے کو دنیاوی تکلیفیں مثلاً بخار وغیرہ تکلیفیں پہنچانا ہے یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی اور بھول گیا۔ تھوڑی پریشانی ہوئی مگر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہاں سے نقدی مل گئی اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس

طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو- ترمذی وغیرہ' یہ حدیث غریب ہے-

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ
وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۵

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪
اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۸۶ ع ۳ ۸

رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے- یہ سب اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور مانا' ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں- اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' جو نیکی وہ کرے' وہ اس کے لئے ہے اور جو برائی کرے' وہ اس پر ہے' اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا' اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے' اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر- تو ہی ہمارا مالک ہے' ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما ○

بقرہ کی آخری آیات اور ان کی فضیلت: ☆☆ (آیت: ۲۸۵-۲۸۶) ان دونوں آیتوں کی فضیلت کی حدیثیں سنئے' صحیح بخاری میں ہے جو شخص ان دونوں آیتوں کو رات کو پڑھ لے' اسے یہ دونوں کافی ہیں- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش تلے کے خزانہ سے دی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں دی گئیں- صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہی تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے' جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک ہی پہنچتی ہے اور یہاں سے ہی لے لی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے نازل ہوتی ہے وہ بھی یہیں تک پہنچتی ہے' پھر یہاں سے آگے لے لی جاتی ہے اور اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں' وہاں حضور کو تین چیزیں دی گئیں- پانچ وقت کی نمازیں' سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش- مسند میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ کی ان دونوں آخری آیتوں کو پڑھتے رہا کرو- میں انہیں عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں' ابن مردویہ میں ہے کہ ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں- میں سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیتیں عرش تلے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں جو نہ میرے سے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی- ابن مردویہ میں ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر سو جائے- یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی ﷺ عرش تلے کے خزانہ سے دیئے گئے ہیں- اور حدیث ترمذی میں ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیتیں اتار کر سورۂ بقرہ ختم کی، جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں، اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جا سکتا۔ امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں لیکن حاکمؒ اپنی مستدرک میں اسے صحیح کہتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ جب حضورؐ سورۂ بقرہ کا خاتمہ اور آیت الکرسی پڑھتے تو ہنس دیتے اور فرماتے، یہ دونوں رحمٰن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں، اور جب آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ اور آیت وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى پڑھتے تو زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ نکل جاتا اور سست ہو جاتے، ابن مردویہ میں ہے کہ مجھے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں اور مزید مفصل سورتیں بھی وہاں سے ہی دی گئیں ہیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جہاں حضرت جبرئیلؑ بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکے کی آواز کے ساتھ آسمان کا وہ دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اس سے ایک فرشتہ اترا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا، آپ کو خوشی مبارک ہو۔ آپ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں، ان کے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا (مسلم) پس یہ دس حدیثیں ان مبارک آیتوں کی فضیلت ہیں۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا، اسے سن کر آپؐ نے فرمایا، وہ ایمان لانے کا پورا مستحق ہے، اور دوسرے ایماندار بھی ایمان لائے، ان سب نے مان لیا کہ اللہ ایک ہے، وہ وحدانیت کا مالک ہے، وہ تنہا ہے، وہ بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے، یہ (ایمان والے) تمام انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں، تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، آسمانی کتابوں کو انبیاء کرام پر جو اتری ہیں، سچی جانتے ہیں، وہ نبیوں میں فرق نہیں سمجھتے کہ ایک کو مانیں دوسرے کو نہ مانیں بلکہ سب کو سچا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پاکباز طبقہ رشد و ہدایت والا اور لوگوں کی خیر کی طرف رہبری کرنے والا ہے، گو بعض احکام ہر نبیؑ کے زمانہ میں تبدیل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضورؐ کی شریعت سب کی ناسخ ٹھہری، خاتم الانبیاء و مرسلین آپ تھے۔ قیامت تک آپ کی شریعت باقی رہے گی اور ایک جماعت اس کی اتباع بھی کرتی رہے گی، انہوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے اللہ کا کلام سنا اور احکام الٰہی ہمیں تسلیم ہیں، انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہمیں مغفرت، رحمت اور لطف عنایت فرما۔ تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے یعنی حساب والے دن۔

حضرت جبرئیل نے فرمایا، اے اللہ کے رسولؐ آپ کی اور آپ کی تابعدار امت کی یہاں ثناء وصفت بیان ہو رہی ہے آپ اس موقعہ پر دعا کیجئے۔ قبول کی جائے گی، مانگئے کہ اللہ طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ پھر فرمایا، کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف اللہ نہیں دیتا۔ یہ اس کا لطف و کرم اور احسان و انعام ہے، صحابہ کو جو کھٹکا ہوا تھا اور ان پر جو یہ فرمان گراں گذرا تھا کہ دل کے خطرات پر بھی حساب لیا جائے گا، وہ دھڑکا اس آیت سے اٹھ گیا، مطلب یہ ہے کہ گو حساب ہو، سوال ہو لیکن جو چیز طاقت سے باہر ہے اس پر عذاب نہیں کیونکہ دل میں کسی خیال کا دفعتہً آ جانا روکے رک نہیں سکتا بلکہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ایسے وسوسوں کو برا جاننا دلیل ایمان ہے بلکہ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی، اعمال صالحہ کرو گے جزا پاؤ گے، برے اعمال کرو گے تو سزا بھگتو گے۔

پھر دعا کی تعلیم دی اور اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ اے اللہ بھولے چوکے جو احکام ہم سے چھوٹ گئے ہوں یا جو برے کام ہو گئے ہوں یا شرعی احکام میں غلطی کر کے جو خلاف شرع کام ہم سے ہوئے ہوں، وہ معاف فرما، پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث گذر چکی ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اسے قبول فرما لیا۔ میں نے یہی کیا اور حدیث میں بھی آ چکا کہ میری امت کی بھول چوک

معاف ہے اور جو کام زبردستی کرائے جائیں، وہ بھی معاف ہیں (ابن ماجہ) اے اللّٰہم پر مشکل اور سخت اعمال کی مشقت نہ ڈال جیسے اگلے دین والوں پر سخت سخت احکام تھے جو آنحضرت ﷺ کو نبی رحمت بنا کر بھیج کر دور کئے گئے اور آپ کو ہر طرح سہولت اور آسانی دی گئی، اسے بھی پروردگار نے قبول فرمایا - حدیث میں بھی ہے کہ میں یکسوئی والا اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں - اے اللہ وہ تکلیفیں بلائیں اور مشقتیں ہم پر نہ ڈال جن کی برداشت کی طاقت ہمیں نہ ہو - حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد فریب اور غلبہ شہوت ہے، اس کے جواب میں بھی قبولیت کا اعلان رب عالم کی طرف سے کیا گیا اور ہماری تقصیروں کو معاف فرما جو تیری راہ میں ہوئی ہیں اور ہمارے گناہوں کو بخش، ہماری برائیوں اور بداعمالیوں کی پردہ پوشی کر - ہم پر رحم کرتا کہ ہم سے پھر تیری نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو - اس لئے بزرگوں کا قول ہے کہ گنہگار کو تین باتوں کی ضرورت ہے - ایک تو اللہ کی معافی تاکہ عذاب سے نجات پائے - دوسرے پردہ پوشی تاکہ رسوائی سے بچے، تیسرے عصمت کی تاکہ دوسری بار گناہ میں مبتلا نہ ہو - اس پر بھی جناب باری نے قبولیت کا اعلان کیا - تو ہمارا ولی و ناصر ہے، تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے، تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں، تو ہی ہمارا سہارا ہے، تیری مدد کے سوا نہ تو ہم کسی نفع کے حاصل کرنے پر قادر ہیں نہ کسی برائی سے بچ سکتے ہیں، تو ہماری ان لوگوں پر مدد فرما جو تیرے دین کے منکر ہیں، تیری وحدانیت کو نہیں مانتے، تیرے نبی کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے، تیرے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، مشرک ہیں، اے اللہ تو ہمیں ان پر غالب کر دینا اور دین میں ہم ہی ان پر فاتح رہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا، ہاں میں نے یہ بھی دعا قبول فرمائی - حضرت معاذؓ جب اس آیت کو ختم کرتے، آمین کہتے (ابن جریر)

تفسیر سورۃ آل عمران

یہ سورت مدنی ہے - اس کے شروع کی تراسی آیتیں حضورؐ کی خدمت میں سن ۹ ہجری کو حاضر ہونے والے نجران کے عیسائیوں کے ایلچی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا مفصل بیان مباہلہ کی آیت قُلْ تَعَالَوْا الخ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا - ان شاء اللہ، اس کی فضیلت میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں، وہ سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دی گئی ہیں -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝١ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝٣
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝٤

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے -

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں - جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے ○ جس نے تجھ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے - جو اپنے سے پہلے کی سچائی کرنے والی ہے - اسی نے اس سے پہلے توراۃ و انجیل کو لوگوں کی ہدایت کرنے والی بنا کر اتارا تھا اور قرآن بھی اسی نے اتارا ○ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ○

آیت الکرسی اور اسم اعظم: ☆☆ (آیت:۱-۴) آیت الکرسی کی تفسیر کے بیان میں پہلے بھی یہ حدیث گذر چکی ہے کہ اسم اعظم اس آیت اور آیت الکرسی میں ہے اور الم کی تفسیر سورۂ بقرہ کے شروع میں بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں' اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی تفسیر بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم لکھ آئے ہیں۔ پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اے محمد ﷺ قرآن کریم کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس میں کوئی شک نہیں بلکہ یقیناً وہ اللہ کی طرف سے ہے' جسے اس نے اپنے علم کی وسعتوں کے ساتھ اتارا ہے۔ فرشتے اس پر گواہ ہیں اور اللہ کی شہادت کافی وافی ہے۔ یہ قرآن اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور وہ کتابیں بھی اس قرآن کی سچائی پر گواہ ہیں' اس لئے کہ ان میں جو اس نبی کے آنے اور اس کتاب کے اترنے کی خبر تھی' وہ سچی ثابت ہوئی۔

اسی نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر توراۃ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر انجیل اتاری' وہ دونوں کتابیں بھی اس زمانے کے لوگوں کے لئے ہدایت دینے والی تھیں' اس نے فرقان اتارا جو حق و باطل' ہدایت و ضلالت' گمراہی اور راہ راست میں فرق کرنے والا ہے' اس کی واضح روشن دلیلیں اور زبردست ثبوت ہر معترض کے لئے مثبت جواب ہیں۔ حضرت قتادہؒ حضرت ربیع بن انسؒ کا بیان ہے کہ فرقان سے مراد یہاں قرآن ہے' گو یہ مصدر ہے لیکن چونکہ قرآن کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے اس لئے یہاں فرقان فرمایا۔ ابو صالحؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے توراۃ ہے مگر یہ ضعیف ہے اس لئے کہ توراۃ کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے واللہ اعلم۔

قیامت کے دن منکروں اور باطل پرستوں کو سخت عذاب ہوں گے' اللہ تعالیٰ غالب ہے' بڑی شان والا ہے' اعلیٰ سلطنت والا ہے' انبیاء کرام اور محترم رسولوں کے مخالفوں سے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں سے جناب باری تعالیٰ زبردست انتقام لے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ○ وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے' بناتا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب ہے حکمت والا ہے ○ وہ اللہ جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں' جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں' پس جن کے دلوں میں کجی ہے' وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں' فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے' ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں ○

خالق کل: ☆☆ (آیت:۵-۶) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کو وہ بخوبی جانتا ہے' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں' وہ تمہیں تمہاری

ماں کے پیٹ میں جس طرح کی چاہتا ہے اچھی' بری' نیک اور بدصورتیں عنایت فرماتا ہے' اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ غالب ہے' حکمت والا ہے جبکہ صرف اسی ایک نے تمہیں بنایا' پیدا کیا' پھر تم دوسرے کی عبادت کیوں کرو؟ وہ لازوال عزتوں والا' غیر فانی حکمتوں والا' اٹل احکام والا ہے- اس میں اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کی چوکھٹ پر جھکنے والے تھے' جس طرح تمام انسان اس کے پیدا کردہ ہیں' انہی انسانوں میں سے ایک آپ بھی ہیں' وہ بھی ماں کے رحم میں بنائے گئے اور میرے پیدا کرنے سے پیدا ہوئے' پھر وہ اللہ کیسے بن گئے؟ جیسے کہ اس لعنتی جماعت نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے' حالانکہ وہ تو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رگ وریشہ کی صورت ادھر ادھر پھرتے پھراتے رہے' جیسے اور جگہ ہے یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ وہ اللہ تمہیں ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے- ہر ایک کی پیدائش طرح طرح کے مرحلوں سے گذرتی ہے-

ہماری سمجھ سے بلند آیات: ☆☆ (آیت:۷) یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا بیان بہت واضح' بالکل صاف اور سیدھا ہے- ہر شخص اس کے مطلب کو سمجھ سکتا ہے اور بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عام ذہنوں کی رسائی نہیں ہو سکتی' اب جو لوگ نہ سمجھ میں آنے والی آیتوں کے مفہوم کو پہلی قسم کی آیتوں کی روشنی میں سمجھ لیں یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں' لے لیں' وہ تو راستی پر ہیں اور جو صاف اور صریح آیتوں کو چھوڑ کر ایسی آیتوں کو دلیل بنائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں اور ان میں الجھ جائیں تو منہ کے بل گر پڑیں- ام الکتاب یعنی کتاب اللہ اصل اصولوں کی وہ صاف اور واضح آیتیں ہیں' شک وشبہ میں نہ پڑو اور کھلے احکام پر عمل کرو' انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو اور جو نہ سمجھ میں آئے' اسے بھی ان سے ہی سمجھو- بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے مطابق ہو اور اس کے سوا اور معانی بھی نکلتے ہیں' گو وہ حرف' لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے واقعی طور پر نہ ہوں تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو' محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی اسلاف سے منقول ہیں' حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں' جن میں حلال وحرام احکام' حکم' ممنوعات' حدیں اور اعمال کا بیان ہو' اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الخ' اور اس کے بعد کے احکامات والی اور وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا الخ' اور اس کے بعد کی تین آیتیں محکمات سے ہیں۔

حضرت ابو فاختہؒ فرماتے ہیں' سورتوں کے شروع میں فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال وحرام کی آیتیں ہیں' سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں' انہیں اصل کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں- حضرت مقاتلؒ کہتے ہیں- اس لئے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں' متشابہات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں اور جو پہلے اور بعد کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئیں ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کے لئے وہ احکام نہیں- حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے' حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں' حضرت مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں جیسے اور جگہ ہے كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ اور مثانی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے' جنت دوزخ کی صفت اور نیکوں اور بدوں کا حال وغیرہ وغیرہ' اس آیت میں متشابہ محکم کے مقابلہ میں ہے- اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور حضرت محمد بن اسحاق بن یسار رحمتہ اللہ علیہ کا یہی فرمان ہے' فرماتے ہیں' یہ رب کی حجت ہے ان میں بندوں کا بچاؤ ہے' جھگڑوں کا فیصلہ ہے' باطل کا خاتمہ ہے' انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے' متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں' ان میں تصرف وتاویل نہیں کرنی چاہیئے' ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے جیسے حلال حرام سے آزماتا ہے' انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیرنا چاہیئے-

پھر فرماتا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی' ٹیڑھ پن' گمراہی اور حق سے باطل کی طرف ہی ہے وہ تو متشابہ آیتوں کو لے کر اپنے بدترین

مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم مقاصد کی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیتیں ہیں' ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا- کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں- نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان سے اپنے لئے کوئی دلیل حاصل کر سکتے ہیں- اسی لئے فرمان ہے کہ اس سے ان کا مقصد فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تاکہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں' اپنی بدعتوں کی مدافعت کریں جیسے کہ عیسائیوں نے قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا لڑکا ہونے کی دلیل لی ہے- پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ الخ' یعنی حضرت عیسیٰؑ اللہ کے غلام ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے- اور جگہ ہے اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الخ' یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا کیا' پھر اسے کہا کہ ہو جا' وہ ہو گیا' چنانچہ اسی طرح کی اور بھی بہت سی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل لے لی حالانکہ آپ اللہ کی مخلوق ہیں' اللہ کے بندے ہیں' اس کے رسول ہیں-

پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے تاکہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر مفہوم بدل لیں' حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو' ایسے ہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں' یہ حدیث

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ ع

اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما' یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے ○ اے ہمارے رب تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے' صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے' ملاحظہ ہو صحیح مسلم کی کتاب القدر' ایک اور حدیث میں ہے یہ لوگ خوارج ہیں (مسند احمد) پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے تاہم اس کا مضمون صحیح ہے' اس لئے کہ پہلے بدعت خوارج نے ہی پھیلائی ہے- یہ فرقہ محض دنیاوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا- حضور علیہ السلام نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا' اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا اور ان میں سے ایک نے جسے ذوالخویصرہ کہا جاتا ہے' اس نے حضورؐ کے سامنے آ کر صاف کہا کہ حضرت عدل کیجئے- آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا' آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے امین بنایا تھا' اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو برباد ہو اور نقصان اٹھائے' جب وہ پلٹا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں آپؐ نے فرمایا' چھوڑ دو- اس کے ہم خیال ایک ایسی قوم پیدا ہو گی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے لیکن دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے- تم جہاں انہیں پاؤ گے' قتل کرو گے' انہیں قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کا ظہور ہوا اور آپ نے انہیں نہروان میں قتل کیا- پھر ان میں پھوٹ پڑی تو ان کے مختلف الخیال فرقے پیدا ہو گئے- نئی نئی بدعتیں دین میں جاری ہو گئیں اور اللہ کی راہ سے بہت دور چلے گئے۔

ان کے بعد قدریہ فرقے کا ظہور ہوا' پھر معتزلہ پھر جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور حضورؐ کی یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ میری امت میں

عنقریب تہتر فرقے ہوں گے۔ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے' صحابہؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' وہ جو اس چیز پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب (مستدرک حاکم) ابویعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' میری امت میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو' اس کے غلط مطالب بیان کرے گی۔ پھر فرمایا اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ ہی جانتا ہے لفظ اللہ پر وقف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو فرماتے ہیں تفسیر چار قسم کی ہے' ایک وہ جس کے سمجھنے میں کسی کو مشکل نہیں۔ ایک وہ جسے عرب اپنے لغت سے سمجھتے ہیں' ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذات الٰہی کے اور کوئی نہیں جانتا' یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے' حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے' معجم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے۔ مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہوگا اور آپس میں لڑائی شروع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کا سلسلہ شروع ہوگا حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ ہی جانتا ہے اور اہل علم والے کہیں گے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ علم حاصل کرنے کے بعد اسے بے پرواہی سے ضائع کر دیں گے' یہ حدیث بالکل غریب ہے' اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کی مخالف ہو۔ جس کا تمہیں علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں' ان پر ایمان لاؤ (ابن مردویہ) ابن عباسؓ' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت مالک بن انسؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ بڑے سے بڑے عالم بھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے' ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ علم والے یہی کہتے ہیں' اس کی تاویل کا علم اللہ ہی کو ہے کہ اس پر ہمارا ایمان ہے' ابی بن کعبؓ بھی یہی فرماتے ہیں' امام ابن جریرؒ بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں' یہ تو تھی وہ جماعت جو اِلَّا اللّٰهُ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملہ کو اس سے الگ کرتی تھی' کچھ لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے اور فِی الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں' اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں' ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے' اس بات کا ٹھیک نہیں' حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے' میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں' حضرت محمد بن جعفر بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ پھر متشابہات آیتوں کی تفسیر محکمات کی روشنی میں کرتے ہیں جن میں کسی کو بات کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن کے مضامین ٹھیک ٹھاک سمجھ میں آتے ہیں دلیل واضح ہوتی ہے' عذر ظاہر ہو جاتا ہے' باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفع ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے دعا کی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم دے۔ بعض علماء نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا ہے' قرآن کریم میں تاویل دو معنی میں آئی ہے' ایک معنی جن سے مفہوم کی اصلی حقیقت اور اصلیت کی نشاندہی ہوتی ہے' جیسے قرآن میں ہے يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے۔ ایک اور جگہ ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ کافروں کے انتظار کی حد حقیقت کے ظاہر ہونے تک ہے اور یہ وہ دن ہوگا جب حقیقت سچائی کی گواہ بن کر نمودار ہوگی۔ پس ان دونوں جگہ تاویل سے مراد حقیقت ہے' اگر اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو اِلَّا اللّٰهُ پر وقف ضروری ہے اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا تو رّٰاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مبتدا ہوگا اور يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ خبر ہوگی اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا اور تاویل کے۔ دوسرے معنی تفسیر اور بیان اور ہے۔ اور ایک شئے کی تعبیر دوسری شے ہے' جیسے قرآن میں ہے نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ہمیں اس کی تاویل بتاؤ یعنی تفسیر اور بیان' اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو فِی الْعِلْمِ پر وقف کرنا چاہئے اس لئے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہی سے

ہے- گو حقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بنا پر اٰمَنَّا بِهٖ حال ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر معطوف علیہ کے معطوف ہو جیسے اور جگہ ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الخ سے يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا الخ' تک- دوسری جگہ ہے وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا یعنی وَجَآءَ الْمَلَآئِكَةُ صُفُوْفًا صُفُوْفًا اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے' اس کے یہ معنی ہوں گے کہ متشابہ پر ایمان لائے- پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق اور سچ ہے اور یعنی ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے- اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں' اور جگہ ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف ہوتا- اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقلمند ہی سمجھتے ہیں جو اس پر غور و تدبر کریں' جو صحیح سالم عقل والے ہوں' جن کے دماغ درست ہوں- حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ پختہ علم والے کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جس کی قسم سچی ہو' جس کی زبان راست گو ہو' جس کا دل سلامت ہو' جس کا پیٹ حرام سے بچا ہو اور جس کی شرمگاہ زناکاری سے محفوظ ہو' وہ مضبوط علم والے ہیں (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے کہ آپ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں- آپؐ نے فرمایا' سنو تم سے پہلے لوگ بھی اسی سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیتوں کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے- تم ان میں اختلاف پیدا کر کے ایک کو دوسری کے متضاد نہ کہو- جو جانو' وہی کہو اور جو نہیں جانو' اسے جاننے والوں کو سونپ دو (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا' قرآن میں جھگڑنا کفر ہے' قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے- جو جانو اس پر عمل کرو- جو نہ جانو اسے جاننے والے کی طرف سونپو جل جلالہ (ابو یعلی)

راسخ فی العلم کون؟ ☆☆ نافع بن یزیدؒ کہتے ہیں' راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں' رب کی رضا کے طالب ہوں' اپنے سے بڑوں سے مرعوب نہ ہوں' اپنے سے چھوٹے کو حقیر سمجھنے والے نہ ہوں- پھر فرمایا کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو ہدایت پر جمانے کے بعد انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر برباد ہو جاتے ہیں بلکہ ہمیں اپنی صراط مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ- ہم پر اپنی رحمت نازل فرما' دلوں کو قرار دے' ہماری گندگی کو دور کر- ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا- تو بہت بڑا دینے والا ہے' رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ اے دلوں کے پھیرنے والے' میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ پھر یہ دعا رَبَّنَا لَا تُزِغْ پڑھتے- اور حدیث میں ہے کہ آپ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ حضرت اسماءؓ نے ایک دن پوچھا' کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہر انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے- اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے- ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے وہ بہت زیادہ دینے والا ہے- ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا' یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے کہ میں اپنے لئے مانگا کروں' آپؐ نے فرمایا یہ دعا مانگ اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ اِغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ اے اللہ اے محمد نبیؐ کے رب' میرے گناہ معاف فرما' میرے دل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا لے- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی آپ کی دعا يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ سن کر حضرت اسماءؓ کی طرح سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا اور پھر قرآن کی یہ دعا پڑھ کر سنائی یہ حدیث غریب ہے لیکن قرآنی آیت کی تلاوت کے بغیر یہی بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے اور نسائی میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو جاگتے

تو یہ دعا پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاسْئَلُكَ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اے اللہ میرے علم میں زیادتی فرما اور میرے دل کو تو نے ہدایت دے دی ہے اسے گمراہ نہ کرنا اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش' تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد مفصل کی چھوٹی سی دو سورتیں پڑھیں اور تیسری رکعت میں سورۂ الحمد شریف کے بعد یہی آیت پڑھی۔ ابو عبد اللہ صنابحیؒ فرماتے ہیں' میں اس وقت ان کے قریب چلا گیا تھا یہاں تک کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے مل گئے تھے اور میں نے خود اپنے کان سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا (عبدالرزاق) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب تک یہ حدیث نہیں سنی تھی' آپ اس رکعت میں سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حدیث سننے کے بعد امیر المومنین نے بھی اسی کو پڑھنا شروع کیا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ پھر فرمایا' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان میں فیصلے اور حکم کرنے والا ہے۔ ان کے اختلافات کو سمیٹنے والا ہے اور ہر ایک کو بھلے برے عمل کا بدلہ دینے والا ہے۔ اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذابوں سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گے' یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں ○ جیسا آل فرعون کا حال ہوا اور ان کا جو ان سے پہلے تھے' ہماری آیتوں کو جھٹلایا پھر اللہ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا' اور اللہ سخت عذابوں والا ہے ○

جہنم کا ایندھن کون لوگ؟ ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) فرماتا ہے کہ کافر جہنم کی بھٹیاں اور اس میں جلنے والی لکڑیاں ہیں' ان ظالموں کو اس دن کوئی عذر معذرت ان کے کام نہ آئے گی' ان پر لعنت ہے' اور ان کے لئے برا گھر ہے' ان کے مال ان کی اولادیں بھی انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گی' اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے' جیسے اور جگہ فرمایا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ الخ' تو ان کے مال و اولاد پر تعجب نہ کرنا اس کی وجہ سے اللہ کا ارادہ انہیں دنیا میں بھی عذاب دینا ہے' ان کی جانیں کفر میں ہی نکلیں گی' اسی طرح ارشاد ہے' کافروں کا شہروں میں گھومنا گھامنا تجھے فریب میں نہ ڈال دے۔ یہ تو مختصر سا فائدہ ہے پھر ان کی جگہ جہنم ہی ہے جو بدترین بچھونا ہے' اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کی باتوں کے جھٹلانے والے' اس کے رسولوں کے منکر' اس کی کتاب کے مخالف' اس کی وحی کے نافرمان' اپنی اولاد اور اپنے مال سے کوئی بھلائی کی توقع نہ رکھیں یہ جہنم کی لکڑیاں ہیں جن سے جہنم سلگائی اور بھڑکائی جائے گی' جیسے اور جگہ ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الخ' تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ صاحبہ حضرت ام فضلؓ کا بیان ہے کہ مکہ شریف میں ایک

رات رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور با آواز بلند فرمانے لگے' لوگو! کیا میں نے اللہ کی باتیں تم تک پہنچا دیں؟ لوگو! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ لوگو! کیا میں وحدانیت و رسالت کا مطلب تمہیں سمجھا چکا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے' ہاں حضورؐ بیشک آپؐ نے خدا کا دین ہمیں پہنچایا۔ پھر جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا سنو اللہ کی قسم اسلام غالب ہو گا اور خوب پھیلے گا یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چھپے گا مسلمانان اسلام اپنے قول و عمل کو لئے سمندروں کو چیرتے پھاڑتے نکل جائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے۔ یاد رکھو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ قرآن کو سیکھیں گے پڑھیں گے (پھر تکبر' بڑائی اور اندھے پن کے طور پر) کہنے لگیں گے۔ ہم قاری ہیں' عالم ہیں' کون ہے جو ہم سے بڑھ چڑھ کر ہو؟ کیا ان لوگوں میں کچھ بھی بھلائی ہو گی؟ لوگوں نے پوچھا۔ حضورؐ وہ کون لوگ ہیں' آپ نے فرمایا' وہ تم ہی مسلمانوں میں سے ہوں گے لیکن خیال رہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں' ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا' ہاں ہاں اللہ کی قسم آپؐ نے بڑی حرص اور چاہت سے تبلیغ کی' آپ نے پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کی' آپ نے ہماری زبردست خیر خواہی کی اور بہتری چاہی۔ پھر فرماتا ہے جیسا حال فرعونیوں کا تھا اور جیسے کرتوت ان کے تھے لفظ کداب ہمزہ کے جزم سے بھی آتا ہے اور ہمزہ کے زبر سے بھی آتا ہے جیسے نَھْرٌ اور نَھَرٌ' اس کے معنی شان عادت حال طریقے کے آتے ہیں' امراء القیس کے شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے' مطلب اس آیت شریف کا یہ ہے کہ کفار کا مال و اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئے گا جیسے فرعونیوں اور ان سے اگلے کفار کو کچھ کام نہ آیا' اللہ کی پکڑ سخت ہے' اس کا عذاب دردناک ہے' کوئی کسی طاقت سے بھی اس سے بچ نہیں سکتا نہ اسے روک سکتا ہے' وہ اللہ جو چاہے کرتا ہے' ہر چیز اس کے سامنے حقیر ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ رب۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ
بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳

کافروں سے کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا بچھونا ہے ○ یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں' ایک جماعت تو راہ اللہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔ وہ انہیں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے جو آنکھوں کی نظر تھی' اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے' یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے ○

اولین معرکہ حق و باطل: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں بھی ذلیل اور مغلوب کئے جاؤ گے' ہارو گے' اور ماتحت بنو گے' اور قیامت کے دن بھی ہانک کر جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے جو بدترین بچھونا ہے سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب بدر کی جنگ سے حضورؐ مظفر و منصور واپس ہوئے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا اے یہودیو! اس سے پہلے کہ تمہیں بھی ذلت و پستی دیکھنا پڑے' اسلام قبول کر لو تو اس سرکش جماعت نے جواب دیا کہ چند قریشیوں کو جو فنون جنگ سے ناآشنا تھے' آپ نے ہرا لیا اور دماغ میں غرور سما گیا؟ اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم بتا دیں گے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ آپ کو اب تک ہم سے پالا ہی نہیں پڑا' اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا گیا کہ فتح بدر نے ظاہر کر دیا ہے کہ اللہ اپنے سچے' اچھے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین والوں

کو عزت و حرمت عطا فرمانے والا ہے، وہ اپنے رسول کا اور آپ کی اطاعت گذار امت کا خود مددگار ہے، وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے۔ دو جماعتیں لڑائی میں گتھم گتھا ہو گئی تھیں، ایک صحابہ کرام کی اور دوسری مشرکین قریش کی، یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے۔ اس دن مشرکین پر اس قدر رعب غالب آیا اور اللہ نے اپنے بندوں کی اس طرح مدد کی کہ گو مسلمان گنتی میں مشرکین سے کہیں کم تھے لیکن مشرکوں کو اپنے سے دگنے نظر آتے تھے، مشرکوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی جاسوسی کے لئے عمیر بن سعد کو بھیجا تھا جس نے آ کر اطلاع دی تھی کہ تین سو ہیں کچھ کم یا زائد ہوں گے اور واقعہ بھی یہی تھا کہ صرف تین سو دس اور کچھ تھے لیکن لڑائی کے شروع ہوتے ہی اللہ عزوجل نے اپنے خاص اور چیدہ فرشتے ایک ہزار بھیجے، ایک معنی تو یہ ہیں، دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کافر ہم سے دوچند ہیں پھر بھی اللہ عزوجل نے انہی کی مدد کی، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بدری صحابہ تین سو تیرہ تھے اور مشرکین چھ سو سولہ تھے لیکن تواریخ کی کتابوں میں مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار بیان کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے حضرت عبداللہؓ کا قرآن کے الفاظ سے یہ استدلال ہو کہ بن الحجاج قبیلہ کا جو سیاہ فام غلام پکڑا ہوا آیا تھا، اس سے جب حضورؐ نے پوچھا کہ قریش کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے کہا بہت ہیں، آپؐ نے پھر پوچھا، اچھا روز کے کتنے اونٹ کٹتے ہیں، اس نے کہا ایک دن نو دوسرے دن دس، آپؐ نے فرمایا بس تو ان کی گنتی نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے، پس مشرکین مسلمانوں سے تین گنے تھے۔ واللہ اعلم۔

لیکن یہ یاد رہے کہ عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک ہزار تو ہیں لیکن مجھے ضرورت ایسے ہی دوگنا کی ہے۔ اس سے ان کی مراد تین ہزار ہوتی ہے۔ اب کوئی مشکل باقی نہ رہی، لیکن ایک اور سوال ہے، وہ یہ کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا یعنی جب آمنے سامنے آ گئے تو اللہ نے انہیں تمہاری نگاہوں میں کم کر کے دکھایا تا کہ جو کام کرنے کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا، وہ ہو جائے، پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تعداد سے بھی کم نظر آئے اور مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بلکہ دگنے نظر آئے تو دونوں آیتوں میں تطبیق کیا ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول اور تھا اور اس کا وقت اور تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کچھ زیادہ نہیں لگے۔ ہم نے غور سے دیکھا۔ پھر بھی یہی معلوم ہوا کہ ہم سے ان کی گنتی زیادہ نہیں، دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین کی تعداد ہمیں اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے۔ اس نے کہا، نہیں نہیں، سو ہوں گے، جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو ہم نے اس سے مشرکین کی گنتی پوچھی۔ اس نے کہا ایک ہزار ہیں، اب جبکہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مشرکین ہم سے دوگنے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے اور یہ اللہ پر پورا بھروسہ کر لیں اور تمام تر توجہ اللہ کی جانب پھیر لیں اور اپنے رب عزوجل سے اعانت اور امداد کی دعائیں کرنے لگیں، ٹھیک اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دگنی معلوم ہونے لگی تا کہ ان کے دلوں میں رعب اور خوف بیٹھ جائے اور گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ جائے۔ پھر جب دونوں بھڑ گئے اور لڑائی ہونے لگی تو ہر فریق دوسرے کو اپنی نسبت کم نظر آنے لگا تا کہ ہر ایک دل کھول کر حوصلہ نکالے اور اللہ تعالیٰ حق و باطل کا صاف فیصلہ کر دے، ایمان، کفر و طغیان پر غالب آ جائے، مومنوں کو عزت اور کافروں کو ذلت مل جائے جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یعنی البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے طاقتور بنا دے۔ پھر فرماتا ہے، اس میں عبرت و نصیحت ہے اس شخص کے لئے جو آنکھوں والا ہو جس کا دماغ صحیح و سالم ہو، وہ اللہ کے احکام کی بجا آوری میں لگ جائے گا اور سمجھ لے گا کہ اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کی اس جہان میں بھی مدد کرتا ہے اور قیامت

کے دن بھی ان کا بچاؤ کرے گا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ
مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿۱۵﴾

لوگوں کے لئے نفسانی خواہشوں کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے خزانے سونے چاندی کے اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے ○ تو کہہ' کیا میں تمہیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی رضامندی ہے' سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں ○

دنیا کے حسن اور آخرت کے جمال کا تقابل: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دنیا کی زندگی کو طرح طرح کی لذتوں سے سجایا گیا ہے۔ ان سب چیزوں میں سے سب سے پہلے عورتوں کو بیان فرمایا۔ اس لئے کہ ان کا فتنہ بڑا زبردست ہے' صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا' ہاں جب کسی شخص کی نیت نکاح کر کے زنا سے بچنے اور اولاد کی کثرت سے ہو تو بے شک یہ نیک کام ہے۔ اس کی رغبت شریعت نے دلائی ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور بہت سی حدیثیں نکاح کرنے بلکہ کثرت نکاح کی فضیلت میں آئی ہیں' اور اس امت میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ بیویوں والا ہو' نبی ﷺ فرماتے ہیں' دنیا ایک فائدہ ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک بیوی ہے کہ خاوند اگر اس کی طرف دیکھے تو یہ اسے خوش کر دے اور اگر حکم دے تو بجالائے اور اگر کہیں چلا جائے تو اپنے نفس کی اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے' دوسری حدیث میں ہے' مجھے عورتیں اور خوشبو بہت پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں تھیں۔ ہاں گھوڑے ان سے بھی زیادہ پسند تھے۔ ایک اور روایت میں ہے' گھوڑوں سے زیادہ آپ کی چاہت کی چیز کوئی اور نہ تھی ہاں صرف عورتیں' ثابت ہوا عورتوں کی محبت بھلی بھی ہے اور بری بھی اسی طرح اولاد کی' اگر ان کی کثرت اس لئے چاہتا ہے کہ فخر و غرور کرے تو تو بری چیز ہے اور اگر اس لئے ان کی زیادتی چاہتا ہے کہ نسل بڑھے اور موحد مسلمانوں کی گنتی امت محمد ﷺ میں زیادہ ہو تو بے شک یہ بھلائی کی چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے' محبت کرنے والیوں اور زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو' قیامت کے دن میں تمہاری زیادتی سے اور امتوں پر فخر کرنے والا ہوں' ٹھیک اسی طرح مال بھی ہے کہ اگر ان کی محبت گرے پڑے لوگوں کو حقیر سمجھنے اور مسکینوں غریبوں پر فخر کرنے کے لئے ہے تو بے حد بری چیز ہے' اور اگر مال کی چاہت اپنوں اور غیروں سے سلوک کرنے' نیکیاں کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے تو ہر طرح وہ شرعاً اچھی اور بہت اچھی چیز ہے۔

قنطار کی مقدار میں مفسرین کا اختلاف ہے، ماحصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قنطار کہتے ہیں، جیسے حضرت ضحاک کا قول ہے، اور اقوال بھی ملاحظہ ہوں، ایک ہزار دینار، بارہ ہزار، چالیس ہزار، ساٹھ ہزار، ستر ہزار، اسی ہزار وغیرہ وغیرہ۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔ ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے اور ہر اوقیہ بہتر ہے زمین و آسمان سے۔ غالباً یہاں مقدار ثواب کی بیان ہوئی ہے جو ایک قنطار ملے گا (واللہ اعلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک موقوف روایت بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، اسی طرح ابن جریر میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں بارہ سو اوقیہ آئے ہیں لیکن وہ حدیث بھی منکر ہے۔ ممکن ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو جیسے اور صحابہؓ کا بھی یہی فرمان ہے، ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص سو آیتیں پڑھ لے، غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو سے ہزار تک پڑھ لیں، اسے اللہ کی طرف سے ایک قنطار اجر ملے گا اور قنطار بڑے پہاڑ کے برابر ہے۔ مستدرک حاکم میں ہی اس آیت کے اس لفظ کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا، دو ہزار اوقیہ۔ امام حاکم اسے صحیح اور شرط شیخین پر بتلاتے ہیں۔ بخاری و مسلم نے اسے نقل نہیں کیا، طبرانی وغیرہ میں ہے ایک ہزار دینار، حضرت حسن بصریؒ سے موقوفاً یا مرسلاً مروی ہے کہ بارہ سو دینار، حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں بعض عرب قنطار کو بارہ سو کا بتاتے ہیں، بعض بارہ ہزار کا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں بیل کی کھال کے بھر جانے کے برابر سونے کو قنطار کہتے ہیں۔ یہ مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوفاً ہے۔ گھوڑوں کی محبت تین قسم کی ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو گھوڑوں کو پالتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ان پر سوار ہو کر جہاد کرنے کے لئے نکلتے ہیں، ان کے لئے تو یہ بہت ہی اجر و ثواب کا سبب ہیں۔ دوسرے وہ جو فخر و غرور کے طور پر پالتے ہیں ان کے لئے وبال ہے، تیسرے وہ جو سوال سے بچنے اور اس کی نسل کی حفاظت کے لئے پالتے ہیں اور اللہ کا حق نہیں بھولتے۔ یہ نہ اجر نہ عذاب کے مستحق ہیں۔ اسی مضمون کی حدیث آیت وَاَعِدُّ وُالَھُمْ الخ، کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ۔

''مُسَوَّمَہ'' کے معنی چرنے والا اور پنج کلیان (یعنی پیشانی اور چاروں قدموں پر نشان) وغیرہ کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ کی اجازت سے دو دعائیں کرتا ہے۔ کہتا ہے اے اللہ جس کے قبضہ میں تو نے مجھے دیا ہے، تو اس کے دل میں اس کے اہل و مال سے زیادہ میری محبت دے، اَنْعَام سے مراد اونٹ، گائیں، بکریاں ہیں۔ حَرْث سے مراد وہ زمین ہے جو کھیتی بونے یا باغ لگانے کے لئے تیار کی جائے، مسند احمد کی حدیث میں ہے، انسان کا بہترین مال زیادہ نسل والا گھوڑا ہے اور زیادہ پھلدار درخت کھجور ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ سب دنیاوی فائدہ کی چیزیں ہیں۔ یہاں کی زینت اور یہاں ہی کی دلکشی کے سامان ہیں جو فانی اور زوال پانے والے ہیں، اچھی لوٹنے کی جگہ اور بہترین ثواب کا مرکز اللہ کے پاس ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا، اے اللہ جبکہ تو نے اسے زینت دے دی تو اس کے بعد کیا؟ اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس سے بہترین چیزیں بتاتا ہوں۔ یہ تو ایک نہ ایک روز زائل ہونے والی ہیں اور میں جن کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں وہ صرف دیرپا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے والی ہیں، سنو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں، کہیں شہد کی، کہیں دودھ کی، کہیں پاک شراب کی، کہیں نفیس پانی کی، اور وہ وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان نے سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی دل میں خیال بھی گذرا ہو۔ ان جنتوں میں یہ متقی لوگ ابدالاباد تک رہیں گے۔ نہ یہ نکالے جائیں نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں گم ہوں گی نہ فنا ہوں گی، پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے، خباثت اور برائی سے، حیض اور نفاس سے، گندگی اور

پلیدی سے پاک صاف ہیں۔ ہر طرح ستھری اور پاکیزہ ہیں، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضا مندی انہیں حاصل ہو جائے گی اور ایسی کہ اس کے بعد ناراضگی کا کھٹکا ہی نہیں، اسی لئے سورہ برات کی آیت میں فرمایا وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ کی تھوڑی سی رضا مندی کا حاصل ہو جانا بھی سب سے بڑی چیز ہے، یعنی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت رضائے رب اور مرضی مولا ہے۔ تمام بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون مہربانی کا مستحق ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہم ایمان لا چکے پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے ○ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور راہ اللہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں ○

متقیوں کا تعارف: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے پروردگار، ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسولؐ پر ایمان لائے۔ ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات پر اور تیری شریعت پر ہے، تو ہمارے گناہوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے، یہ متقی لوگ اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں اور حرام چیزوں سے الگ رہتے ہیں، صبر کے سہارے سے کام لیتے ہیں اور اپنے ایمان کے دعوے میں بھی سچے ہیں، کل اچھے اعمال بجالاتے ہیں خواہ وہ ان کے نفس کو کتنے بھاری پڑیں۔ اطاعت اور خشوع و خضوع والے ہیں، اپنے مال اللہ کی راہ میں جہاں جہاں حکم ہے۔ خرچ کرتے ہیں۔ صلہ رحمی میں، رشتہ داری کا پاس رکھنے میں برائیوں کے روکنے آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں حاجت مندوں مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں اور سحری کے وقت پچھلی رات کو اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت استغفار افضل ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے یہی فرمایا تھا کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا، اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے، اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں جو بہت سے صحابیوںؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات آخری تہائی رات باقی رہتے ہوئے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی سائل ہے جسے میں دوں؟ کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخشوں؟ حافظ ابوالحسن دار قطنی رحمتہ اللہ علیہ نے تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں اس حدیث کی تمام سندوں کو اور اس کے کل الفاظ کو وارد کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اول رات، درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھے ہیں۔ سب سے آخری وقت حضورؐ کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام حضرت نافعؒ سے پوچھتے 'کیا سحر ہو گئی۔ جب وہ کہتے ہاں تو آپ صبح صادق کے نکلنے کی دعا استغفار میں مشغول رہتے، حضرت حاطبؓ فرماتے ہیں، سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی

گوشہ میں کہہ رہا ہے' اے اللہ تو نے مجھے حکم کیا۔ میں بجالایا۔ یہ سحر کا وقت ہے۔ مجھے بخش دے' میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود تھے رضی اللہ عنہ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہمیں حکم کیا جاتا تھا کہ ہم جب تہجد پڑھیں تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں۔ اللہ سے بخشش کی دعا کریں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ۝۱۸ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا
اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ
بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۝۱۹ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ
وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا
فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰ ع ۲ ۱۱

اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی اللہ تعالیٰ کے عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ○ بے شک اللہ کے نزدیک دین حکم برداری ہی ہے' اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے' اللہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے پس اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○ پھر بھی اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہدے کہ میں نے اور میرے تابعداروں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا منہ مطیع کر دیا' اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں' اور اگر یہ روگردانی کریں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے' اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے ○

اللہ وحدہ لاشریک اپنی وحدت کا خود شاہد: ☆☆ (آیت:۱۸-۲۰) اللہ تعالیٰ خود شہادت دیتا ہے۔ بس اس کی شہادت کافی ہے' وہ سب سے زیادہ سچا گواہ ہے' سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے' وہ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی غلام ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور اسی کی طرف محتاج ہے' وہ سب سے بے نیاز ہے' الوہیت میں اللہ ہونے میں وہ یکتا اور لاشریک ہے' اس کے سوا کوئی پوجے جانے کے لائق نہیں جیسے فرمان ہے لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ الخ' یعنی لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جو وہ تیری طرف اپنے علم سے اتار رہا ہے' گواہی دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے' پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی' علماء کی شہادت کو ملا رہا ہے' یہاں سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ خصوصیت۔

قَآئِمًا کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ وہ اللہ ہر وقت اور ہر حال میں ایسا ہی ہے۔ پھر تاکیداً دوبارہ ارشاد ہوتا ہے کہ معبود حقیقی

صرف وہی ہے، وہ غالب ہے، عظمت اور کبریائی والی اس کی بارگاہ ہے، وہ اپنے اقوال افعال، شریعت، قدرت اور تقدیر میں حکمتوں والا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے عرفات میں اس آیت کی تلاوت کی اور اَلۡحَکِیۡمُ تک پڑھ کر فرمایا وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰاھِدِیۡنَ یَا رَبِّ، ابن ابی حاتم میں ہے آپؐ نے یوں فرمایا وَاَنَا اَشۡهَدُ اَیۡ رَبِّ، طبرانی میں ہے حضرت غالب قطانؒ فرماتے ہیں، میں کوفے میں تجارتی غرض سے گیا اور حضرت اعمشؒ کے قریب ٹھہرا، رات کو حضرت اعمشؒ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے پڑھتے پڑھتے جب اس آیت تک پہنچے اور اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ پڑھا تو فرمایا وَاَنَا اَشۡهَدُ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ وَاَسۡتَوۡدِعُ اللّٰهَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِیَ لِیۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَدِیۡعَةٌ یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ نے دی اور میں اس شہادت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ میری امانت اللہ کے پاس ہے پھر کئی دفعہ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَام پڑھا، میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید اس بارے میں کوئی حدیث سنی ہوگی، صبح ہی صبح میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ ابو محمدؒ کیا بات تھی جو آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے؟ کہا، کیا اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو مہینہ بھر سے آپ کی خدمت میں ہوں لیکن آپ نے حدیث بیان ہی نہیں کی، کہنے لگے اللہ کی قسم میں تو سال بھر تک بیان نہ کروں گا۔ اب میں اس حدیث کے سننے کی خاطر سال بھر تک ٹھہرا رہا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا۔ جب سال کامل گذر چکا تو میں نے کہا، اے ابو محمدؒ سال گذر چکا، کہا سن، مجھ سے ابو وائلؓ نے حدیث بیان کی، اس نے عبداللہ سے سنا، وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا، میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے افضل و اعلیٰ ہوں۔ میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے، وہ صرف اسلام ہی کو قبول فرماتا ہے اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی وحی کی تابعداری کا نام ہے اور سب سے آخر اور سب رسولوں کو ختم کرنے والے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، آپ کی نبوت کے بعد نبوت کے سب راستے بند ہو گئے۔ اب جو شخص آپ کی شریعت کے سوا کسی چیز پر عمل کرے اللہکے نزدیک وہ صاحب ایمان نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ جو شخص اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے، وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اس آیت میں دین کا انحصار صرف اسلام میں کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرات میں شَهِدَ اللّٰهُ اِنَّهٗ ہے اور اِنَّ الۡاِسۡلَامَ ہے تو معنی یہ ہوں گے، خود اللہ کی گواہی ہے اور اس کے فرشتوں اور ذی علم انسانوں کے نزدیک مقبول ہونے والا دین صرف اسلام ہی ہے، جمہور کی قرات میں ان زیر کے ساتھ ہے اور معنی کے لحاظ سے دونوں ہی ٹھیک ہیں لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پہلی کتاب والوں نے اپنے پاک اللہ کے پیغمبروں کے آنے اور اللہ کی کتابیں نازل ہونے کے بعد بھی اختلاف کیا جس کی وجہ صرف ان کا آپس کا بغض و عناد تھا کہ میں اس کے خلاف ہی چلوں چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

پھر ارشاد ہے کہ جب اللہ کی آیتیں اتر چکیں، اب جو ان کا انکار کرے، انہیں نہ مانے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اس کی اس تکذیب کا بہت جلد حساب لے گا اور کتابِ اللہ کی مخالفت کی وجہ سے اسے سخت عذاب دے گا اور اسے اس کی اس شرارت کا لطف چکھائے گا۔ پھر فرمایا، اگر یہ لوگ تجھ سے توحید باری کے بارے میں جھگڑیں تو کہہ دو کہ میں تو خالص اللہ ہی کی عبادت کروں گا جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی اور جو بھی میرے امتی ہیں، میرے دین پر ہیں، ان سب کا قول بھی یہی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا قُلۡ هٰذِهٖ سَبِیۡلِیۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیۡ الخ، یعنی میری راہ یہی ہے۔ میں خوب سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کر تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔ میں بھی اور میرے تابعدار بھی یہی دعوت دے رہے ہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ اے نبیؐ یہود و نصاریٰ جن کے ہاتھوں میں اللہ

کی کتاب ہے اور مشرکین سے، جو ان پڑھ ہیں، کہہ دو کہ تم سب کی ہدایت اسلام میں ہی ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو کوئی بات نہیں، آپ اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے اللہ خود ان سے سمجھ لے گا۔ ان سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے جسے چاہے گمراہ کر دے۔ اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے، اس کی حجت تو پوری ہو کر ہی رہتی ہے، اس کی اپنے بندوں پر نظر ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور کون ضلالت کا مستحق ہے؟ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

دوسری آیتوں میں بھی صاف صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے ہیں اور خود آپ کے دین کے احکام بھی اس پر دلالت کرتے ہیں اور کتاب و سنت میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں اسی مفہوم کی ہیں۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (سلام علیہ) اور آیت میں ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تا کہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے تنبیہ کرنے والا بن جائے۔ صحیحین وغیرہ میں کئی کئی واقعات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے عرب و عجم کے تمام بادشاہوں کو اور دوسرے اطراف کے لوگوں کو خطوط بھجوائے جن میں انہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی خواہ وہ عرب ہوں عجم ہوں، اہل کتاب ہوں، مذہب والے ہوں اور اس طرح آپؐ نے تبلیغ کے فرض کو تمام و کمال تک پہنچا دیا (ﷺ) مسند عبدالرزاق میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت میں سے جس کسی کے کان میں میری نسبت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی مگر مجھ پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا تو قطعاً جہنمی ہوگا، مسلم شریف میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور آنحضرت کا یہ فرمان بھی ہے کہ میں ہر ایک سرخ و سیاہ کی طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا اور میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور جوتیاں لا کر رکھ دیتا تھا، وہ بیمار پڑ گیا۔ آنحضرت ﷺ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت اس کا باپ بھی اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا اے فلاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کر خود بھی چپکا ہو گیا۔ حضورؐ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ باپ نے کہا۔ ابوالقاسم کی مان لے (ﷺ) پس اس بچے نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچا لیا۔ یہی حدیث صحیح بخاری میں حضرت امام بخاریؒ بھی لائے ہیں۔ ان کے سوا اور بھی بہت سی صحیح حدیثیں بھی اور قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ
وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل و انصاف کی کہیں' انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں تو اے نبی انہیں دردناک عذابوں کی خبر دے دے ○ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ○

انبیاء کے قاتل بنو اسرائیل: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۲) یہاں ان اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو گناہ اور حرام کام کرتے رہتے تھے اور اللہ کی پہلی اور بعد کی باتوں کو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ پہنچائیں' جھٹلاتے رہتے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کو مار ڈالتے بلکہ اس قدر سرکش تھے کہ جو لوگ انہیں عدل و انصاف کی بات کہیں' انہیں بے دریغ تہ تیغ کر دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے' حق کو نہ ماننا اور حق والوں کو ذلیل جاننا یہی کبر و غرور ہے۔ مسند ابو حاتم میں ہے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب کسے ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا جو کسی نبی کو مار ڈالے یا کسی ایسے شخص کو جو بھلائی کا بتانے والا اور برائی سے بچانے والا ہو' تکبر و غرور ہے' پھر حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا اے ابو عبیدہؓ بنو اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے اول حصہ میں ایک ہی ساعت میں قتل کیا پھر ایک سو ستر بنو اسرائیل کے وہ ایماندار جو انہیں روکنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے' انہیں بھلائی کا حکم دے رہے تھے اور برائی سے روک رہے تھے' ان سب کو بھی اسی دن کے آخری حصہ میں مار ڈالا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہی کا ذکر کر رہا ہے۔

ابن جریرؒ میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بنو اسرائیل نے تین سو نبیوں کو دن کے شروع میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالک بیچنے بیٹھ گئے۔ پس ان لوگوں کی اس سرکشی' تکبر اور خود پسندی نے ذلیل کر دیا اور آخرت میں بھی رسوا کن بدترین عذاب ان کے لئے تیار ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذابوں کی خبر پہنچا دو۔ ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ
وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ
لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا؟ جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لئے کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے ○ اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند ہی دن آگ لگے گی ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ○ پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○

جھوٹے دعوے: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۵) یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ان کا توراۃ وانجیل پر ایمان ہے کیونکہ ان کتابوں کی ہدایت کے مطابق جب انہیں اس نبی آخرالزمان کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ منہ پھیر کے بھاگتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے ان کی اعلیٰ درجہ کی سرکشی‘ تکبر اور عناد و مخالفت ظاہر ہو رہی ہے‘ اس مخالفت حق اور بے جا سرکشی پر انہیں اس چیز نے دلیر کر دیا ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں نہ ہونے کے باوجود اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر کے یہ بات بنالی ہے کہ ہم تو صرف چند روز ہی آگ میں رہیں گے یعنی فقط سات روز‘ دنیا کے حساب کے ہر ہزار سال کے پیچھے ایک دن‘ اس کی پوری تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے‘ اسی واہی اور بے سروپا خیال نے انہیں باطل دین پر جما دیا ہے بلکہ یہ خود اللہ نے ایسی بات نہیں کہی ان کا خیال ہے‘ اس کی کوئی کتابی دلیل ان کے پاس نہیں ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ڈانٹتا اور دھمکاتا ہے اور فرماتا ہے‘ ان کا قیامت والے دن بدتر حال ہوگا کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا رسولوں کو جھٹلایا انبیاء کو اور علماحق کو قتل کیا‘ ایک ایک بات کا اللہکو جواب دینا پڑے گا اور ایک ایک گناہ کی سزا بھگتنی پڑے گی‘ اس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس دن ہر شخص پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی کسی طرح کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ
مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ
فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ
الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

تو کہہ اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک‘ تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین۔ لے اور جسے تو چاہے عزت دے اور جسے تو چاہے ذلت دے‘ تیرے ہی ہاتھ سب بھلائیاں ہیں‘ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ○ تو ہی رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے۔ تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرے‘ تو ہی ہے کہ جسے چاہے بے شمار روزی دے ○

مالک الملک کی حمد و ثناء: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ‘ اپنے رب کی تعظیم کرنے اور اس کا شکریہ بجالانے اور اسے اپنے تمام کام سونپنے اور اس کی ذات پاک پر پورے بھروسہ کا اظہار کرنے کے لئے ان الفاظ میں اس کی اعلیٰ صفات بیان کیجئے جو اوپر بیان ہوئی ہیں یعنی اے اللہ تو مالک الملک ہے‘ تیری ملکیت میں تمام ملک ہے‘ جسے تو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے اپنا دیا ہوا واپس لے لے۔ تو ہی دینے اور لینے والا ہے۔ تو جو چاہتا ہے‘ ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو مرحمت فرمائی گئی کہ بنی اسرائیل سے ہٹا کر نبوت نبی عربی قریشی امی مکی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دے دی گئی اور آپ کو مطلقاً نبیوں کے ختم کرنے والے اور تمام انس و جن کی طرف رسول بن کر آنے والے بنا کر بھیجا‘ تمام سابقہ انبیاء کی خوبیاں آپ میں جمع کر دیں بلکہ ایسی فضیلتیں آپ کو دی گئیں جن سے اور تمام انبیاء بھی محروم رہے خواہ وہ اللہ کے علم کی بابت ہوں یا اس رب کی شریعت کے معاملہ میں ہوں یا گذشتہ اور آنے والی خبروں کے متعلق

ہوں‘ آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے کل حقائق کھول دیئے‘ آپ کی امت کو مشرق و مغرب تک پھیلا دیا۔ آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو تمام دینوں اور کل مذہبوں پر غالب کر دیا‘ اللہ تعالیٰ کا درود و سلام آپ پر نازل ہو۔ اب سے لے کر قیامت تک جب تک رات دن کی گردش بھی رہے اللہ آپ پر اپنی رحمتیں دوام کے ساتھ نازل فرماتا رہے۔ آمین۔

پس فرمایا کہ کہو اے اللہ تو ہی اپنی خلق میں ہیر پھیر کرتا رہتا ہے۔ جو چاہے کر گذرتا ہے‘ جو لوگ کہتے تھے کہ ان دو بستیوں میں سے کسی بہت بڑے شخص پر اللہ نے اپنا کلام کیوں نازل نہ کیا؟ اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ الخ‘ کیا تیرے رب کی رحمت کو بانٹنے والے یہ لوگ ہیں۔ جب ان کے رزق تک کے مالک ہم ہیں۔ جسے چاہیں کم دیں۔ جسے چاہیں زیادہ دیں تو پھر ہم پر حکومت کرنے والے یہ کون؟ کہ فلاں کو نبی کیوں نہ بنایا؟ نبوت بھی ہماری ملکیت کی چیز ہے۔ ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کے دیئے جانے کے قابل کون ہے؟ جیسے اور جگہ ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ اپنی رسالت نازل فرماتا ہے‘ اسے وہی سب سے بہتر جانتا ہے‘ اور جگہ فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ان میں آپس میں ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تو ہی رات کی زیادتی کو دن کے نقصان میں بڑھا کر دن رات کو برابر کر دیتا ہے۔ زمین و آسمان پر سورج چاند پر پورا پورا قبضہ اور تمام تر تصرف تیرا ہی ہے‘ اسی طرح جاڑے کو گرمی اور گرمی کو جاڑے سے بدلنا بھی تیری قدرت میں ہے‘ بہار و خزاں پر قادر تو ہی ہے‘ تو ہی ہے کہ زندہ سے مردے کو اور مردے سے زندے کو نکالے۔ کھیتی سے دانے اگاتا ہے اور دانہ سے کھیتوں کو لہلہاتا ہے‘ کھجور گٹھلی سے اور گٹھلی کھجور سے تو ہی پیدا کرتا ہے‘ مومن کو کافر کے ہاں اور کافر کو مومن کے ہاں تو ہی پیدا کرتا ہے‘ مرغی انڈے سے اور انڈا مرغی سے اور اسی طرح کی تمام تر چیزیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں‘ تو جسے چاہے اتنا مال دے دے جو نہ گنا جائے نہ احاطہ کیا جائے اور جسے چاہے بھوک کے برابر روٹی بھی نہ دے‘ ہم مانتے ہیں کہ یہ کام حکمت سے پر ہیں اور تیرے ارادے اور تیری چاہنے سے ہوتے ہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے اللہ کا اسم اعظم اس آیت قُلِ اللّٰهُمَّ الخ میں ہے کہ جب اس نام سے اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالیتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸

ایمانداروں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے وہ اللہ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جانا ہو‘ اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ○

ترک موالات کی وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۸) یہاں اللہ تعالیٰ ترک موالات کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے‘ مسلمانوں کو کفار سے دوستیاں اور محض محبتیں کرنا مناسب نہیں بلکہ انہیں آپس میں ایمان داروں سے میل ملاپ اور محبت رکھنی چاہئے۔ پھر انہیں حکم سناتا ہے کہ جو ایسا کرے گا‘ اس سے اللہ بالکل بیزار ہو جائے گا‘ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ الخ‘ یعنی مسلمانو! میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کیا کرو۔ اور جگہ فرمایا‘ مومنو یہ یہود و

نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں- تم میں سے جو بھی ان سے دوستی کرے گا' وہ انہی میں سے ہے' دوسری جگہ پروردگار عالم نے مہاجر انصار اور دوسرے مومنوں کے بھائی چارے کا ذکر کر کے فرمایا کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست ہیں- تم بھی آپس میں اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور زبردست فساد برپا ہو گا- البتہ ان لوگوں کو رخصت دے دی جو کسی شہر میں کسی وقت ان کی بدی اور برائی سے ڈر کر دفع الوقتی کے لئے بہ ظاہر کچھ میل ملاپ ظاہر کریں لیکن دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہ ہو' جیسے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت میں بھی ہرگز نہ دے- یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے' اور اسی کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے سوائے ان مسلمانوں کے جن پر زبردستی کی جائے مگر ان کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو' بخاری میں ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے-

پھر فرمایا' اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے یعنی اپنے دبدبے اور اپنے عذاب سے اس شخص کو خبردار کئے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستی رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے- پھر فرمایا' اللہ کی طرف لوٹنا ہے' ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا' اے بنی اود میں اللہ کے رسولؐ کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں- جان لو کہ اللہ کی طرف پھر کر سب کو جانا ہے- پھر یا تو جنت ٹھکانا ہو گیا یا جہنم-

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ
وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ښ
وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ڔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع ۳ ۱۰ ۱۱

کہہ دے کہ اگر تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ یا ظاہر کرو' اللہ سب کو جانتا ہے- آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اسے معلوم ہے' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پا لے گا' آرزو کرے گا کہ کاش کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی- اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ سے ڈر ہمارے لئے بہتر ہے: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' وہ پوشیدہ کو اور چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر باتوں کو بخوبی جانتا ہے- کوئی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں- اس کا علم سب چیزوں کو ہر وقت اور ہر لحظہ گھیرے ہوئے ہے' زمین کے گوشوں میں' پہاڑوں کے سمندروں میں' آسمانوں میں' ہواؤں میں' سوراخوں میں غرض جو کچھ جہاں کہیں ہے' سب اس کے علم میں ہے- پھر ان سب پر اس کی قدرت ہے' جس طرح چاہے رکھے' جو چاہے جزا سزا دے' پس اتنے بڑے وسیع علم والے اتنی بڑی زبردست

قدرت والے کسے ہر شخص کو ڈرتے ہوئے رہنا چاہئے- اس کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے اور اس کی نافرمانیوں سے علیحدہ رہنا چاہئے‘ وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے- ممکن ہے کسی کو ڈھیل دے دے لیکن جب پکڑے گا تب دبوچ لے گا- پھر نہ مہلت ملے گی نہ رخصت- ایک دن آنے والا ہے جس دن تمام عمر کے برے بھلے سب کام سامنے رکھ دیئے جائیں گے‘ نیکیوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی اور برائیوں پر نظریں ڈال کر دانت پیسے گا اور حسرت وافسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں ان سے کوسوں دور رہتا اور پرے ہی پرے رہتا-

قرآن نے اور جگہ فرمایا یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ سب گزری ہوئی باتیں اس دن پیش کر دی جائیں گی‘ شیطان جو اس کے ساتھ دنیا میں رہتا تھا اور اسے برائیوں پر اکساتا تھا‘ اس سے بھی اس دن بیزاری کرے گا اور کہے گا یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ کیا اچھا ہوتا کہ اے شیطان میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا- وہ تو بڑا برا ساتھ ہے- پھر فرمایا اللہ تمہیں اپنے عذابوں سے ڈرا دھمکا رہا ہے‘ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے نیک بندوں کو خوش خبری دیتا ہے کہ وہ اس کے لطف وکرم سے کبھی ناامید نہ ہوں- وہ نہایت ہی مہربان‘ بہت رحم اور پیار رکھنے والا ہے‘ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں‘ یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف ومحبت ہے کہ اس نے اپنے سے نہیں بلکہ اپنے عذابوں سے اپنے بندوں کو ڈرایا‘ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر رحیم ہے- بندوں کو بھی چاہئے کہ صراط مستقیم سے قدم نہ ہٹائیں- دین پاک کو نہ چھوڑیں- رسول کریمؐ کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲

کہدے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا‘ اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا‘ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہدے کہ اللہ کی اور رسولؐ کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○

جھوٹا دعویٰ: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۲) اس آیت نے فیصلہ کر دیا جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے اعمال‘ افعال‘ عقائد فرمان نبویؐ کے مطابق نہ ہوں‘ طریقہ محمدؐیہ پر وہ کاربند نہ ہو تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے-

صحیح حدیث میں ہے‘ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو‘ وہ مردود ہے‘ اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو تو میری سنتوں پر عمل کرو- اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا- جیسے کہ بعض حکیم علماء نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں- لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے چاہنے لگ جائے- غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مدنظر ہو- ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا‘ دین صرف اللہ کے لئے محبت اور اسی کے لئے دشمنی کا نام ہے‘ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی لیکن یہ حدیث سنداً منکر ہے-

پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا- پھر ہر عام خاص کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ اور رسولؐ کے فرماں بردار رہیں- جو نافرمان ہو جائیں یعنی اللہ رسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا- اس سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہؐ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے- ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے - گو ان کا دعویٰ ہو‘ لیکن

جب تک اللہ کے سچے نبی' امی' خاتم الرسل رسول جن و بشر کی تابعداری' پیروی اور اتباع سنت نہ کریں' وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں' حضرت رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں کہ اگر آج انبیاء اور رسول بلکہ بہترین اور اولوالعزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ کی مانے بغیر اور آپ کی شریعت پر کاربند ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا' اس کا بیان بسط اور تفصیل کے ساتھ آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو انتخاب فرمایا ○ کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں' اور اللہ ہے سنتا جانتا ○

سب سے پہلے نبی علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۴) یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کو تمام جہان پر فضیلت عنایت فرمائی' حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اپنی روح ان میں پھونکی۔ ہر چیز کے نام انہیں بتلائے' جنت میں انہیں بسایا۔ پھر اپنی حکمت کے اظہار کے لئے زمین پر اتارا' جب زمین پر بت پرستی قائم ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام کو سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا۔ پھر جب ان کی قوم نے سرکشی کی' پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا' حضرت نوحؑ نے دن رات پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی طرف دعوت دی لیکن قوم نے ایک نہ سنی تو نوح علیہ السلام کے فرماں برداروں کے سوا باقی سب کو پانی کے عذاب یعنی مشہور طوفان نوح بھیج کر ڈبو دیا۔

خاندان خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدگی عنایت فرمائی۔ اسی خاندان میں سے سید البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' عمران کے خاندان کو بھی اس نے منتخب کر لیا۔ عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں' ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے۔ عمران بن ہاشم بن میشا بن خرقیا بن اسیث بن ایاز بن رخیم بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام' پس عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اس کا مفصل بیان سورہ انعام کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاءاللہ الرحمٰن۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ
بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا وَضَعَتْ ۗ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ
وَاِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

جب عمران کی بیوی نے کہا' اے میرے رب میرے پیٹ میں جو ہے' اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو تو میری طرف سے قبول فرما۔ یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے ○ جب بچی تولد ہوئی تو کہنے لگیں پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی' اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی' اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں' میں

نے اس کا نام مریم رکھا۔ میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے ○

مریم بنت عمران: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۶) حضرت عمران کی بیوی صاحبہ کا نام حسنہ بنت فاقوذ تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں۔ حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا' اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمالی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا۔ جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا' اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی' پھر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما۔ تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے۔ اب یہ معلوم نہ تھا لڑکا ہو گا یا لڑکی' جب بچہ پیدا ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے۔ اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہئے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتُ بھی پڑھا گیا یعنی یہ قول بھی حضرت حسنہ کا تھا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور "تا" کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے' یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور فرماتی ہیں کہ مرد عورت برابر نہیں' میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہاں یہ بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا' اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے نام پر ابراہیم رکھا' ملاحظہ ہو بخاری و مسلم' حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی کو جبکہ وہ تولد ہوئے' لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپؐ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ حدیث بھی صحیحین میں موجود ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا' یا رسول اللہ میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے' کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبدالرحمٰن نام رکھو (بخاری) ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ حاضر خدمت نبویؐ ہوئے تا کہ آپ اپنے دست مبارک سے اس بچے کو گھٹی دیں۔ آپؐ اور طرف متوجہ ہو گئے۔ بچہ کا خیال نہ رہا۔ حضرت ابو اسید نے بچے کو واپس گھر بھیج دیا۔ جب آپؐ فارغ ہوئے' بچے کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا' گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا' اس کا نام منذر رکھو (یعنی ڈرا دینے والا) مسند احمد اور سنن میں ایک اور حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہر بچہ اپنے عقیقے میں گروی ہے' ساتویں دن عقیقہ کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے اور بچہ کا سر منڈوائے' ایک روایت میں ہے اور خون بہایا جائے اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ والی روایت ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا عقیقہ کیا اور نام ابراہیم رکھا۔ یہ حدیث سنداً ثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے اور یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی۔ واللہ اعلم۔

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ صاحبہ پھر اپنی بچی کو اور اس کی ہونے والی اولاد کو شیطان کے شر سے خدا کی پناہ میں دیتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے مائی صاحبہ کی اس دعا کو بھی قبول فرمایا چنانچہ مسند عبدالرزاق میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر بچے کو شیطان

اس کی پیدائش کے وقت ٹہوکا دیتا ہے' اسی سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے لیکن حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ اس سے بچے رہے' اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو اِنِّیٓ اُعِیۡذُھَا بِكَ الخ' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے- یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے- کسی میں ہے ایک یا دو دھچکے مارتا ہے- ایک حدیث میں صرف عیسیٰؑ کا ہی ذکر ہے کہ شیطان نے انہیں بھی دھچکا مارنا چاہا لیکن انہیں دیا ہوا ٹہوکا پردے میں لگ کر رہ گیا-

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ
كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ
اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ
يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝۳۷

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین طریق پر بڑھایا اور اس کی خیر خبر لینے والا زکریاؑ کو بنایا جب کبھی زکریاؑ ان کے حجرے میں جاتے' ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے' پوچھا اے مریم' یہ میوے تمہارے پاس کہاں سے آئے' جواب دیا' یہ اللہ کے پاس سے' بیشک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے ○

زکریا علیہ السلام کا تعارف: ☆☆ (آیت:۳۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ان کی والدہ حضرت حفصہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرما لیا اور اسے بہترین طور سے نشوونما بخشی' ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تا کہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں' حضرت زکریاؑ کو ان کا کفیل بنا دیا- ابن اسحاقؒ تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام یتیم ہو گئی تھیں لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریاؑ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا' ہو سکتا ہے کہ دونوں وجہیں اتفاقاً آپس میں مل گئی ہوں- واللہ اعلم- حضرت ابن اسحاقؒ وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے' اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے- جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں- ابن اسحاق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت مریمؑ اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں- صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہؓ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے- اب اللہ تعالیٰ حضرت مریمؑ کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے- حضرت مجاہدؒ' حضرت عکرمہؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت ابو الشعثاءؒ' حضرت ابراہیم نخعیؒ' حضرت ضحاکؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت ربیع بن انسؒ' حضرت عطیہ عوفیؒ' حضرت سدیؒ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں-

حضرت مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے' اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آتی ہیں- حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے' وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے-

مسند حافظ ابو یعلی میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گذر گئے۔ بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی۔ اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں کھالوں۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے' وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضورؐ کچھ بھی نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہؓ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ٹکڑا گوشت حضرت فاطمہؓ کے پاس بھیجا۔ آپ نے اسے لے کر برتن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے' میرے خاوند اور بچوں کو بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گذار دیں گے اور اللّٰہکی قسم آج تو یہ رسول اللہ ﷺ ہی کو دوں گی' پھر حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں' حضورؐ راستے ہی میں تھے۔ ملے اور ساتھ ہوئے۔ آپ آئے تو کہنے لگیں' میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اللہ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ دیا ہے' آپؐ نے فرمایا' میری پیاری بچی لے آؤ۔ اب جو طشت کھولا تو دیکھتی ہے کہ روٹی سالن سے ابل رہا ہے۔ دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے' اللہ کا شکر کیا نبیؐ اللہ پر درود پڑھا اور آپؐ کے پاس لا کر پیش کر دیا' آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللّٰہکی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ ابا جان اللہ کے پاس سے۔ وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے' آپؐ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی' تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا' انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے' اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے' پھر حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور آپ نے حضرت علیؓ نے اور حضرت فاطمہؓ نے اور حضرت حسینؓ نے اور آپ کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا۔ یہ خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً
طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ
يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا
بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

اسی جگہ زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا کا سننے والا ہے ○ پس فرشتوں نے اسے آواز دی جبکہ وہ حجرے میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰؑ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی سچائی کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور نبی ہے ○

حاصل دعا یحییٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو بے موسم میوہ دیتا ہے' جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمی میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے بڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے' آپ بھی بے موسم میوہ یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے اور چونکہ یہ طلب بہ ظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی' اس لئے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی جیسے اور جگہ ہے نِدَاءً خَفِيًّا یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ رکھنا' ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یحییٰ نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیا ایمان کے ساتھ ہوگی وہ اللہ کے کلمہ کے یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی

تصدیق کریں گے۔ حضرت ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں، سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی روش اور آپ کے طریق پر تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریمؑ سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتی ہوئی پاتی ہوں، یہ تھی حضرت یحییٰؑ کی تصدیق، دنیا میں آنے سے بھی پیشتر۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی سچائی کو انہوں نے ہی پہچانا۔ یہ حضرت عیسیٰؑ سے عمر میں بڑے تھے۔

سید کے معنی حلیم، بردبار، علم و عبادت میں بڑھا ہوا، متقی، پرہیز گار، فقیہہ، عالم، خلق و دین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کر سکے، شریف اور کریم کے ہیں، حصور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آ سکے۔ جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو اس معنی کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ لفظ تلاوت کر کے زمین سے کچھ اٹھا کر فرمایا، اس کا عضو اس جیسا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں صرف حضرت یحییٰ ہی اللہ سے بے گناہ ملیں گے۔ پھر آپ نے یہ الفاظ پڑھے اور زمین سے کچھ اٹھایا اور فرمایا حصور اسے کہتے ہیں جس کا عضو اس جیسا ہو اور حضرت یحییٰ بن سعید قطعان نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا۔ یہ روایت جو مرفوع بیان ہوئی ہے، اس کے حوالے سے اس موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے کپڑے کے پھندنے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ایسا تھا۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین سے ایک مرجھایا ہوا تنکا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر کے یہی فرمایا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ
عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝۴۰ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ۭ
قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ
كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱ ع ۱۱ ۱۲

نیک لوگوں میں سے، کہنے لگے اے رب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا۔ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے ○ کہنے لگے پروردگار میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے، فرمایا نشان یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا صرف اشارے سے سمجھائے گا۔ تو اپنے رب کا ذکر بہ کثرت کر اور صبح شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ ○

یحییٰ علیہ السلام، ایک معجزہ: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) اس کے بعد حضرت زکریاؑ کو دوسری بشارت دی جاتی ہے کہ تمہارا لڑکا نبی ہوگا۔ یہ بشارت پہلی خوشخبری سے بھی بڑھ گئی۔ جب بشارت آ چکی تب حضرت زکریاؑ کو خیال پیدا ہوا کہ بظاہر اسباب سے تو اس کا ہونا محال ہے تو کہنے لگے اے اللہ میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں بوڑھا ہوں، میری بیوی بالکل بانجھ، فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ کا امر سب سے بڑا ہے۔ اس کے پاس کوئی چیز انہونی نہیں، نہ اسے کوئی کام کرنا مشکل۔ نہ وہ کسی کام سے عاجز، اس کا ارادہ ہو چکا، وہ اسی طرح کرے گا۔ اب حضرت زکریاؑ اللہ سے اس کی علامت طلب کرنے لگے تو ذات باری سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ نشان یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا رہے گا تندرست، صحیح سالم لیکن زبان سے لوگوں سے بات چیت نہ کی جائے گی، صرف اشاروں سے کام لینا پڑے گا، جیسے اور جگہ ہے ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا یعنی تین راتیں تندرستی کی حالت۔ پھر حکم دیا کہ اس حال میں تمہیں چاہیے کہ ذکر اور تکبیر اور تسبیح میں زیادہ مشغول رہو صبح شام اسی میں لگے رہو اس کا دوسرا حصہ اور پورا بیان تفصیل کے ساتھ سورہ مریم کے شروع میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ
وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِينَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي
وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ
إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۴﴾

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تجھے انتخاب کر لیا ○ اے مریم تو اپنے رب کی اطاعت کیا کر اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ○ یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں۔ تو ان کے پاس نہ تھا جبکہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا ○

تین افضل ترین عورتیں: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۴) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریم علیہا السلام کو فرشتوں نے خبر پہنچائی کہ اللہ نے انہیں ان کی کثرت عبادت' ان کی دنیا کی بے رغبتی کی شرافت اور شیطانی وسواس سے دوری کی وجہ سے اپنا قرب خاص عنایت فرما دیا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں خاص فضیلت دے رکھی ہے۔ صحیح مسلم شریف وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والیاں ہیں۔ ان میں سے بہتر عورتیں قریش کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت ہی شفقت اور پیار کرنے والی اور اپنے خاوند کی چیزوں کی پوری حفاظت کرنے والی ہیں۔ حضرت مریم بنت عمران اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے' عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے ساری دنیا کی عورتوں میں سے تجھے مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمد' آسیہ فرعون کی بیوی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور حدیث میں ہے یہ چاروں بیویاں تمام عالم کی عورتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ اور حدیث میں ہے مردوں میں سے کامل مرد بہت سے ہیں لیکن عورتوں میں کمال والی عورتیں صرف تین ہیں' مریم بنت عمران' آسیہ فرعون کی بیوی اور خدیجہ بنت خویلدؓ اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید یعنی گوشت کے شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر' یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ اور سب کتابوں میں ہے۔ صحیح بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت خدیجہؓ کا ذکر نہیں' میں نے اس حدیث کی تمام سندیں اور ہر سند کے الفاظ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰؑ کے ذکر میں جمع کر دیئے ہیں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ پھر فرشتے فرماتے ہیں کہ مریمؑ خشوع وخضوع رکوع وسجود میں رہا کر' اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اس لئے تجھے رب کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہئے۔

قنوت کے معنی اطاعت ہیں جو عاجزی اور دل کی حاضری کے ساتھ ہو' جیسے ارشاد ہے وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ یعنی اسی کی ماتحتی اور ملکیت میں زمین و آسمان کی ہر چیز ہے۔ سب کے سب اس کے محکوم اور تابع فرمان ہیں' ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد اطاعت گذاری ہے' یہی حدیث ابن جریر میں بھی ہے لیکن سند میں نکارت ہے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم آ جاتا تھا' قنوت سے

مراد نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہ اور رکوع سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا' حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہؑ اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا' رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

یہ اہم خبریں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبیؐ ان باتوں کا علم تمہیں صرف میری وحی سے ہوا ورنہ تمہیں کیا خبر؟ تم کچھ اس وقت ان کے پاس تھوڑے ہی موجود تھے جو ان واقعات کی خبر لوگوں کو پہنچاتے؟ لیکن اپنی وحی سے ہم نے ان واقعات کو اس طرح آپ پر کھول دیا گویا آپ اس وقت خود موجود تھے جبکہ حضرت مریمؑ کی پرورش کے بارے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔ سب کی چاہت تھی کہ اس دولت سے مالا مال ہو جاؤں اور یہ اجر مجھے مل جائے۔ جب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو لے کر بیت المقدس کی مسجد سلیمانی میں تشریف لائیں اور وہاں کے خادموں سے جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی اور حضرت ہارونؑ کی نسل میں سے تھے' کہا کہ میں انہیں اپنی نذر کے مطابق نام اللہ پر آزاد کر چکی ہوں' تم اسے سنبھالو یہ ظاہر ہے کہ لڑکی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حیض کی حالت میں عورتیں مسجد میں نہیں آ سکتیں اب تم جانو اور تمہارا کام' میں تو اسے گھر واپس نہیں لے جا سکتی کیونکہ نام اللہ اسے نذر کر چکی ہوں۔ حضرت عمران یہاں کے امام نماز تھے اور قربانیوں کے مہتمم تھے اور یہ ان کی صاحبزادی تھیں تو ہر ایک نے بڑی چاہت سے ان کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے' ادھر سے حضرت زکریاؑ نے اپنا ایک حق اور جتایا کہ میں رشتہ میں بھی ان کا خالو ہوتا ہوں تو یہ لڑکی مجھ ہی کو ملنی چاہئے۔ اور لوگ راضی نہ ہوئے آخر قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ میں ان سب نے اپنی وہ قلمیں ڈالیں جن سے توراۃ لکھتے تھے تو قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا اور یہی اس سعادت سے مشرف ہوئے۔ دوسری مفصل روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نہر اردن پر جا کر یہ قلمیں ڈالی گئیں کہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو قلم نکل جائے' وہ نہیں اور جس کا قلم ٹھہر جائے وہ حضرت مریم کا کفیل بنے' چنانچہ سب کی قلمیں تو پانی بہا کر لے گیا۔ صرف حضرت زکریاؑ کا قلم ٹھہر گیا بلکہ الٹا اوپر کو چڑھنے لگا تو ایک تو قرعہ میں ان کا نام نکلا دوسرے قریب کی رشتہ داری تھے۔ پھر یہ خود ان تمام کے سردار' امام' مالک' نبی تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ پس انہی کو حضرت مریم سونپ دی گئیں۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ
اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ
بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

جب فرشتوں نے کہا' اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ایک بات کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور ہے بھی وہ میری نزدیکی والوں میں سے ○ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں سے باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا ○ کہنے لگیں' الٰہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ فرشتے نے کہا' اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے' جب بھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا

ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ○

مسیح ابن مریم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) یہ خوش خبری حضرت مریم کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ ان سے ایک لڑکا ہوگا جو بڑی شان والا اور صرف اللہ کے کلمہ ''کن'' کے کہنے سے ہوگا یہی تفسیر اللہ کے فرمان مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کی بھی ہے' جیسے کہ جمہور نے ذکر کیا اور جس کا بیان اس سے پہلے گذر چکا' اس کا نام مسیح ہوگا'' عیسیٰ بیٹا مریم علیہا السلام کا' ہر مومن اسے اسی نام سے پہچانے گا' مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے' ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اللہ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں' ان پر اللہ کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں ان پر دنیا میں نازل ہوں گی اور آخرت میں بھی اور اولوالعزم پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لئے اللہ چاہے گا' وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائیں گی صلوت الله وسلامه عليه وعليهم اجمعين۔ وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچپنے ہی میں دعوت دیں گے جوان کا معجزہ ہوگا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ ان کی طرف وحی کرے گا' وہ اپنے قول وفعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰؑ اور جریج کے ساتھی نے کیا اور ان کے علاوہ حدیث میں ایک اور بچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے۔

حضرت مریمؑ اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں' اے اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں حاشاللہ' اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ اللہ کا امر بہت بڑا ہے۔ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ وہ جو چاہے پیدا کر دے' اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہئے کہ حضرت زکریاؑ کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ يَفْعَلُ تھا یہاں لفظ يَخْلُقُ ہے یعنی پیدا کرتا ہے اس لئے کہ کسی باطل پرست کو کسی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے۔ پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا' وہ جس کسی کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا' بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی۔ جیسے اور جگہ ہے وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ یعنی ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے۔ ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا
اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ
لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

اللہ اسے لکھنا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا ○ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے میں پیٹ کے اندھے کو

اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا اور مردے کو جلا دیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو، میں تمہیں بتا دیتا ہوں، اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو ○

فرشتوں کا مریمؑ سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۴۸-۴۹) فرشتے حضرت مریمؑ سے کہتے ہیں کہ تیرے اس لڑکے یعنی حضرت عیسیٰ کو پروردگار عالم لکھنا سکھائے گا، حکمت سکھائے گا۔ لفظ حکمت کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے، اور اسے توراۃ سکھائے گا جو حضرت موسیٰ بن عمرانؑ پر اتری تھی اور انجیل سکھائے گا جو حضرت عیسیٰؑ ہی پر اتری، چنانچہ آپ کو یہ دونوں کتابیں حفظ تھیں، انہیں بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجے گا، اور اس بات کو کہنے کے لئے کہ میرا یہ معجزہ دیکھو کہ مٹی لی، اس کا پرندہ بنایا، پھر پھونک مارتے ہی وہ سچ مچ کا جیتا جاگتا پرندہ بن کر سب کے سامنے اڑنے لگا، یہ اللہ کے حکم اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے سبب تھا، حضرت عیسیٰؑ کی اپنی قدرت سے نہیں یہ ایک معجزہ تھا جو آپ کی نبوت کا نشان تھا۔ اَکْمَہ اس اندھے کو کہتے ہیں جسے دن کے وقت دکھائی نہ دے اور رات کو دکھائی دے۔ بعض نے کہا، اَکْمَہ، اس نابینا کو کہتے ہیں جسے دن کو دکھائی دے اور رات کو دکھائی نہ دے، بعض کہتے ہیں بھینگا اور ترچھا اور کانا مراد ہے، بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جو ماں کے پیٹ سے بالکل اندھا پیدا ہوا ہو، یہاں یہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں معجزے کا کمال یہی ہے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لئے اس کی یہ صورت اور صورتوں سے اعلیٰ ہے۔ اَبْرَصُ سفید دانے والے کوڑھی کو کہتے ہیں۔ ایسے بیمار بھی اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰؑ اچھے کر دیتے تھے اور مردوں کو بھی اللہ عزوجل کے حکم سے آپ زندہ کر دیا کرتے تھے۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ ہر ہر زمانے کے نبی کو اس زمانے والوں کی مناسبت سے خاص خاص معجزات حضرت باری عزّ اسمہ نے عطا فرمائے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادوگروں کی بڑی قدر و تعظیم تھی تو اللہ نے آپ کو وہ معجزہ دیا جس سے تمام جادوگروں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان پر حیرت طاری ہو گئی اور انہیں کامل یقین ہو گیا کہ یہ تو اللہ واحد و قہار کی طرف سے عطیہ ہے۔ جادو ہرگز نہیں، چنانچہ ان کی گردنیں جھک گئیں اور یک لخت وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بالآخر اللہ کے مقرب بندے بن گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا دور دورہ تھا۔ کامل اطباء اور ماہر حکیم علم طب کے پورے عالم اور لاجواب کامل الفن استاد موجود تھے۔ پس آپ کو وہ معجزے دیئے گئے جس سے وہ سب عاجز تھے، بھلا مادرزاد اندھوں کو بالکل بینا کر دینا اور کوڑھیوں کو اس مہلک بیماری سے اچھا کر دینا اتنا ہی نہیں بلکہ جمادات جو محض بے جان چیز ہے۔ اس میں روح ڈال دینا اور قبروں میں سے مردوں کو زندہ کر دینا، یہ کسی کے بس کی بات نہیں؟ صرف اللہ کے حکم سے بطور معجزہ یہ باتیں آپ سے ظاہر ہوئیں، ٹھیک اسی طرح جب ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے، اس وقت فصاحت و بلاغت، نکتہ رسی اور بلند خیالی اور بول چال میں نزاکت و لطافت کا زمانہ تھا۔ اس فن میں بلند پایہ شاعروں نے وہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ دنیا ان کے قدموں پر جھکتی تھی پس حضورؐ کو کتاب اللہ ایسی عطا فرمائی گئی کہ ان سب کی کوندتی ہوئی بجلیاں ماند پڑ گئیں اور کلام اللہ کے نور نے انہیں نیچا دکھایا اور یقین کامل ہو گیا کہ یہ انسانی کلام نہیں، تمام دنیا سے کہہ دیا گیا اور جتا جتا کر، بتا بتا کر، سنا سنا کر منادی کر کے بار بار اعلان کیا گیا کہ ہے کوئی جو اس جیسا کلام کہہ سکے؟ اکیلے اکیلے نہیں سب مل جاؤ اور انسان ہی نہیں جنات کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو پھر سارے قرآن کے برابر بھی نہیں صرف دس سورتوں کے برابر سہی اور اچھا یہ بھی نہ سہی، ایک ہی سورت اس کی مانند تو بنا کر لاؤ لیکن سب کمریں ٹوٹ گئیں، ہمتیں پست ہو گئیں، گلے خشک ہو گئے، زبان گنگ ہو گئی اور آج تک ساری دنیا سے نہ بن پڑا اور نہ کبھی ہو سکے گا، بھلا کہاں اللہ کا کلام اور کہاں مخلوق؟

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِیْعُوْنِ ۝٥٠ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝٥١

اور میں توراۃ کا سچانے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں' تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ○ یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے' تم سب اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے ○

(آیت:۵۰-۵۱) پس اس زمانہ کے اعتبار سے اس معجزے نے اپنا اثر کیا اور مخالفین کو ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی اور جوق در جوق اسلامی حلقے بڑھتے گئے۔ پھر حضرت مسیحؑ کا اور معجزہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ نے فرمایا بھی اور کر کے دکھایا بھی کہ جو کوئی تم میں سے آج اپنے گھر سے جو کچھ کھا کر آیا ہو میں اسے بھی اللہ کی دی ہوئی اطلاع بتا دوں گا یہی نہیں بلکہ کل کے لئے بھی اس نے جو تیاری کی ہو گی مجھے اللہ کے معلوم کرانے پر معلوم ہو جاتا ہے' یہ سب میری سچائی کی دلیل ہے کہ میں جو تعلیم تمہیں دے رہا ہوں' وہ برحق ہے' ہاں اگر تم میں ایمان ہی نہیں تو پھر کیا؟ میں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کو بھی ماننے والا' اس کی سچائی کا دنیا میں اعلان کرنے والا ہوں میں تم پر بعض وہ چیزیں حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام کی گئی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کے بعض احکام منسوخ کئے ہیں گو اس کے خلاف بھی مفسرین کا خیال ہے لیکن درست بات یہی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تورات کا کوئی حکم آپ نے منسوخ نہیں کیا البتہ بعض حلال چیزوں میں جو اختلاف تھا اور بڑھتے بڑھتے گویا ان کی حرمت پر اجماع ہو چکا تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حقیقت بیان فرما دی اور ان کے حلال ہونے پر مہر کر دی۔ جیسے قرآن حکیم نے اور جگہ فرمایا وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ میں تمہارے بعض آپس کے اختلاف میں صاف فیصلہ کر دوں گا۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ میرے پاس اپنی سچائی کی اللہ جل شانہ کی دلیلیں موجود ہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو جس کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ اسے پوجو جو میرا اور تمہارا پالنہار ہے' سیدھی اور سچی راہ تو صرف یہی ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ
الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝٥٢
رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝٥٣
وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ۝٥٤ ع ۱۳ ۱۲

پس جب (حضرت) عیسیٰؑ نے ان کا کفر معلوم کر لیا تو کہنے لگے' اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا' ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیئے کہ ہم تابعدار ہیں ○ اے ہمارے پالنے والے اللہ' ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی مان لی۔ پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے ○ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی اور اللہ تعالیٰ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر ہے ○

پھانسی کون چڑھا؟ ☆☆ (آیت:۵۲-۵۴) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ لیا کہ اپنی گمراہی' کج روی اور کفر و انکار سے یہ ہٹتے ہی نہیں تو فرمانے لگے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی طرف پہنچنے کے لئے میری تابعداری کرے' اس کا یہ مطلب بھی لیا

گیا ہے کہ کوئی ہے جو اللہ کے ساتھ میرا مددگار بنے؟ لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ کی طرف پکارنے میں میرا ہاتھ بٹانے والا کون ہے؟ جیسے کہ نبی اللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کرنے کے پہلے موسم حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے اللہ کا کلام پہنچانے کے لئے جگہ دے؟ قریش تو کلام الٰہی کی تبلیغ سے مجھے روک رہے ہیں یہاں تک کہ مدینہ شریف کے باشندے انصار کرامؓ اس خدمت کے لئے کمر بستہ ہوئے، آپ کو جگہ بھی دی۔ آپ کی مدد بھی کی اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو پوری خیر خواہی اور بے مثال ہمدردی کا مظاہرہ کیا، ساری دنیا کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر کر دیا اور حضورؐ کی حفاظت، خیر خواہی اور آپ کے مقاصد کی کامیابی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، رضی اللہ عنہم وارضاھم۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی اس آواز پر بھی چند بنی اسرائیلیوں نے لبیک کہی۔ آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تائید کی۔ تصدیق کی اور پوری مدد پہنچائی اور اس نور کی اطاعت میں لگ گئے جو اللہ نے ان پر اتارا تھا یعنی انجیل، یہ لوگ دھوبی تھے اور حواری انہیں ان کے کپڑوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا گیا ہے، بعض کہتے ہیں یہ شکاری تھے، صحیح یہ ہے کہ حواری کہتے ہیں مددگار کو، جیسے کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیرؓ تیار ہو گئے۔ آپ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ پھر بھی حضرت زبیرؓ نے ہی قدم اٹھایا۔ پس حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے رضی اللہ عنہ۔ پھر یہ لوگ اپنی دعا میں کہتے ہیں ہمیں شاہدوں میں لکھ لے، اس سے مراد حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک امت محمدؐ میں لکھ لینا ہے، اس تفسیر کی روایت سنداً بہت عمدہ ہے۔ پھر بنی اسرائیل کے اس ناپاک گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے جانی دشمن تھے انہیں مروا دینے اور سولی دئے جانے کا قصد رکھتے تھے جنہوں نے اس زمانہ کے بادشاہ کے کان حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے بھرے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے، ملک میں بغاوت پھیلا رہا ہے اور رعایا کو بگاڑ رہا ہے، باپ بیٹوں میں فساد برپا کر رہا ہے بلکہ اپنی خباثت، خیانت، کذب وجھوٹ (دروغ) میں یہاں تک بڑھ گئے کہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہا اور آپ پر بڑے بڑے بہتان باندھے یہاں تک کہ بادشاہ بھی دشمن جان بن گیا اور اپنی فوج کو بھیجا تا کہ انہیں گرفتار کر کے سخت سزا کے ساتھ پھانسی دے۔ چنانچہ یہاں سے فوج جاتی ہے اور جس گھر میں آپ تھے، اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے، ناکہ بندی کر کے گھر میں گھستی ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے صاف بچا لیتا ہے۔ اس گھر کے روزن (روشن دان) سے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی جاتی ہے جو اسی گھر میں تھا، یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس کو عیسیٰؑ سمجھ لیتے ہیں۔ گرفتار کر کے لے جاتے ہیں، سخت توہین کرتے ہیں اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر اسے صلیب پر چڑھا دیتے ہیں، یہی ان کے ساتھ اللہ کا مکر تھا کہ وہ تو اپنے نزدیک یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے اللہ کے نبیؑ کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو تو نجات دے دی تھی۔ اس بدبختی اور بدنیتی کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ ان کے دل ہمیشہ کے لئے سخت ہو گئے، باطل پر اڑ گئے اور دنیا میں ذلیل وخوار ہو گئے اور آخر دنیا تک اس ذلت میں ہی ڈوبے رہے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اگر انہیں خفیہ تدبیریں کرنی آتی ہیں تو کیا ہم خفیہ تدبیر کرنا نہیں جانتے بلکہ ہم تو ان سے بہتر خفیہ تدبیریں کرنے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

تَخْتَلِفُوْنَ ۝٥٥ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٥٦ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٧ ذٰلِكَ
نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝٥٨

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر رکھنے والا ہوں' قیامت کے دن تک' پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے' میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کردوں گا○ پس کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا○ لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا- اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا○ یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں' آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے○

اظہار خودمختاری: ☆☆ (آیت:۵۵-۵۸) قتادہؒ وغیرہ بعض مفسرین تو فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا' پھر اس کے بعد تجھے فوت کروں گا' ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں' وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھاتے وقت دن کے شروع میں تین ساعت تک فوت کر دیا تھا' ابن اسحاقؒ کہتے ہیں' نصاریٰ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات ساعت تک فوت رکھا- پھر زندہ کر دیا' وہبؒ فرماتے ہیں' تین دن تک موت کے بعد پھر زندہ کر کے اٹھالیا' مطر وراقؒ فرماتے ہیں' یعنی میں تجھے دنیا میں پورا پورا دینے والا ہوں- یہاں وفات موت مراد نہیں' اسی طرح ابن جریرؒ فرماتے ہیں' تَوَفّٰی سے یہاں مراد ان کا رفع ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وفات سے مراد یہاں نیند ہے' جیسے اور جگہ قرآن حکیم میں ہے هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے- یعنی سلا دیتا ہے اور جگہ ہے اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا یعنی اللہ تعالیٰ ان کی موت کے وقت جانوں کو فوت کرتا ہے اور جو نہیں مرتے' انہیں ان کی نیند کے وقت- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دیا' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّبِكُفْرِهِمْ سے شَهِیْدًا تک پڑھو جہاں فرمایا گیا ہے' ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم باندھ لینے کی بنا پر اور اس باعث کہ وہ کہتے ہیں ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریمؑ رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ نہ قتل کیا ہے اور نہ صلیب دی لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا' مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے جبکہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے- اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ-

پس اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ نہ وہ جزیہ لیں گے نہ سوائے اسلام کے اور کوئی بات قبول کریں گے- ابن ابی حاتم میں حضرت حسنؒ سے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ مرے نہیں' وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں- پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں کی گرفت سے آزاد کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر چڑھا لیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فریق ہو گئے- ایک فرقہ تو آپ کی بعثت پر ایمان رکھنے والا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی کے لڑکے ہیں'

بعض وہ تھے جنہوں نے غلو سے کام لیا اور بڑھ گئے اور آپ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔ اوروں نے آپ کو اللہ کہا دوسروں نے تین میں کا ایک آپ کو بتلایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان عقائد کا ذکر قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ پھر ان کی تردید بھی کر دی ہے تین سو سال تک تو یہ اسی طرح رہے۔

پھر یونان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ جو بڑا فیلسوف تھا جس کا نام اسطفلین تھا' کہا جاتا ہے کہ صرف اس دین کو بگاڑنے کے لئے منافقانہ انداز سے اس دین میں داخل ہوا یا جہالت سے داخل ہوا ہو' بہرصورت اس نے دین مسیح کو بالکل بدل ڈالا اور بڑی تحریف اور تفسیر کی اس دین میں اور کمی زیادتی بھی کر ڈالی۔ بہت سے قانون ایجاد کئے اور امانت کبریٰ بھی اسی کی ایجاد ہے جو دراصل کمینہ پن کی خیانت ہے' اسی نے اپنے زمانہ میں سور کو حلال کیا۔ اسی کے حکم سے عیسائی مشرق کی طرف نمازیں پڑھنے لگے۔ اسی نے گرجاؤں اور کلیساؤں میں عبادت خانوں اور خانقاہوں میں تصویریں بنوائیں اور اپنے ایک گناہ کے باعث دس روزے روزوں میں بڑھوا دیئے' غرض اس کے زمانہ سے دین مسیح مسیحی دین نہ رہا بلکہ دین اسطفلین ہو گیا' اس نے ظاہری رونق تو خوب دی۔ بارہ ہزار سے زائد تو عبادت گاہیں بنوا دیں اور ایک شہر اپنے نام سے بسایا' ملکیہ گروہ نے اس کی تمام باتیں مان لیں لیکن باوجود ان سب سیاہ کاریوں کے یہودی ان کے ہاتھ تلے رہے اور دراصل نسبتاً حق سے زیادہ قریب یہی تھے گو فی الواقع سارے کے سارے کفار تھے۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو۔ اب جبکہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے' ان کا ایمان اللہ کی ذات پر بھی تھا اس کے فرشتوں پر بھی تھا' اس کی کتابوں پر بھی تھا' اور اس کے تمام رسولوں پر بھی تھا۔ پس حقیقت میں نبیوں کے سچے تابع فرمان یہی لوگ تھے یعنی امت محمد ﷺ' اس لئے کہ یہ نبی امی عربی' خاتم الرسول سید اولاد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے تھے اور حضور ﷺ کی تعلیم برحق تعلیم' کو سچا ماننے کی تھی لہذا دراصل ہر نبی کے سچے تابعدار اور صحیح معنی میں امتی کہلانے کے مستحق یہی لوگ تھے کیونکہ ان لوگوں نے جو اپنے تئیں عیسیٰ کی امت کہتے تھے تو دین عیسوی کو بالکل مسخ اور فسخ کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں پیغمبر آخر الزمان کا دین بھی اور تمام اگلی شریعتوں کا ناسخ تھا۔ پھر محفوظ رہنے والا تھا جس کا ایک شوشہ بھی قیامت تک بدلنے والا نہیں۔ اس لئے اس آیت کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اس امت کو غالب کر دیا اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک چھا گئے۔ ملک کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور بڑے بڑے جابر اور کٹر کافروں کی گردنیں مروڑ دیں' دولتیں ان کے پیروں میں آ گئیں۔ فتح و غنیمت ان کی رکابیں چومنے لگی' مدتوں کی پرانی سلطنتوں کے تخت انہوں نے الٹ دیئے' کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت اور ان کے بھڑکتے ہوئے آتش کدے ان کے ہاتھوں ویران اور سرد ہو گئے' قیصر کا تاج و تخت ان اللہ والوں نے تاخت و تاراج کیا اور انہیں مسیح پرستی کا خوب مزا چکھایا اور ان کے خزانوں کو اللہ واحد کی رضامندی میں اور اس کے سچے نبیؐ کے دین کی اشاعت میں دل کھول کر خرچ کیا اور اللہ کے لکھے اور نبیؐ کے وعدے' چڑھے ہوئے سورج اور چودھویں کے روشن چاند کی طرح سچے ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھ لئے' مسیح علیہ السلام کے نام کو بدنام کرنے والے' مسیح کے نام پر شیطانوں کو پوجنے والے' ان پاکباز اللہ پرستوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر شام کے لہلہاتے ہوئے باغات اور آباد شہروں کو ان کے حوالے کر کے بدحواس بھاگتے ہوئے روم میں جا بسے پھر وہاں سے بھی یہ بے عزت کر کے نکالے گئے اور اپنے بادشاہ کے خاص شہر قسطنطنیہ میں پہنچے لیکن پھر وہاں سے بھی ذلیل خوار کر کے نکال دیئے گئے اور ان شاء اللہ العزیز اسلام اور اہل اسلام قیامت تک ان پر غالب ہی رہیں گے۔ سب سچوں کے سردار جن کی سچائی پر مہر الٰہی لگ چکی ہے یعنی آنحضرت ﷺ خبر دے چکے ہیں جو اٹل ہے' نہ کاٹے کٹے' نہ توڑے ٹوٹے' نہ ٹالے ٹلے' فرماتے ہیں کہ میری امت کا آخری گروہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور وہاں کے تمام خزانے اپنے قبضے میں کرے گا اور رومیوں سے ان کی وہ گھمسان کی لڑائی ہو گی کہ اس کی نظیر سے دنیا

خالی ہو (ہماری دعا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ اس امت کا حامی و ناصر رہے اور روئے زمین کے کفار پر انہیں غالب رکھے اور انہیں سمجھ دے تاکہ یہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں نہ محمد ﷺ کے سوا کسی اور کی اطاعت کریں- یہی اسلام کی اصل ہے اور یہی عروج دنیوی کا گر ہے- میں نے سب کو علیحدہ کتاب میں جمع کر دیا ہے)

آگے اللہ کے قول پر نظر ڈالئے کہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے والے یہود اور آپ کی شان میں بڑھ چڑھ کر باتیں بنا کر بہکنے والے نصرانیوں کو قتل و قید کی مار اور سلطنت کے تباہ ہو جانے کی سزا دی' اور آخرت کا عذاب وہاں دیکھ لیں گے جہاں نہ کوئی بچا سکے نہ مدد کر سکے گا لیکن برخلاف ان کے ایمانداروں کو پورا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا' دنیا میں بھی فتح اور نصرت' عزت و حرمت عطا ہوگی اور آخرت میں بھی خاص رحمتیں اور نعمتیں ملیں گی- اللہ تعالیٰ ظالموں کو ناپسند رکھتا ہے- پھر فرمایا اے نبیؐ یہ تھی حقیقت حضرت عیسیٰؑ کی ابتداء پیدائش کی اور ان کے امر کی جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آپ کی طرف بذریعہ اپنی خاص وحی کے اتار دی جس میں کوئی شک وشبہ نہیں' جیسے سورۂ مریم میں فرمایا' عیسیٰ بن مریم یہی ہیں' یہی سچی حقیقت ہے جس میں تم شک وشبہ میں پڑے ہو' اللہ کو تو لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو- وہ اس سے بالکل پاک ہے' وہ جو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا' بس وہ ہو جاتا ہے' اب یہاں بھی اس کے بعد بیان ہو رہا ہے-

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ
كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾
فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا
نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ
الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع ٩ ١٤

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا- پس وہ ہو گیا ○ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے- خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا ○ پس جو شخص تیرے پاس اس علم کے آ جانے کے بعد بھی تجھ سے اس میں جھگڑے تو تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں- پھر ہم بہ زاری التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں ○ بالیقین صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے اور بے شک وشبہ غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ○ پھر بھی اگر یہ قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے ○

اختیارات کی وضاحت اور نجرانی وفد کی روداد: ☆☆ (آیت:۵۹-۶۳) حضرت باری جل اسمہ وعلا قدرہ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انہیں پیدا کر دیا تو کون سی حیرانی کی بات ہے؟ میں نے حضرت آدمؑ کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا- ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی' مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا' اسی وقت ہو گیا' پھر میرے لئے صرف ماں سے پیدا کرنا کون سا مشکل ہو سکتا ہے جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ اللہ کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں تو حضرت آدمؑ بطریق اولیٰ اس کا استحقاق رکھتے ہیں اور انہیں خود تم بھی نہیں مانتے- پھر

حضرت عیسیٰ کو تو سب سے پہلے اس مرتبہ سے ہٹا دینا چاہئے کیونکہ ان کے دعوے کا جھوٹا ہونا اور خرابی اس سے بھی زیادہ یہاں ظاہر ہے۔ یہاں ماں تو ہے وہاں تو نہ ماں تھی نہ باپ' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے کہ آدم کو بغیر مرد و عورت کے پیدا کیا اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا اور عیسیٰؑ کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا اور باقی مخلوق کو مرد و عورت سے پیدا کیا' اسی لئے سورۂ مریم میں فرمایا وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ہم نے عیسیٰ کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کا نشان بنایا اور یہاں فرمایا ہے عیسیٰؑ کے بارے میں اللہ کا سچا فیصلہ یہی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ کسی کمی یا زیادتی کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ حق کے بعد گمراہی ہی ہوتی ہے' پس تجھے اے نبیؐ ہرگز ان شکی لوگوں میں نہ ہونا چاہئے۔

اللہ رب العالمین اس کے بعد اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اگر اس قدر واضح اور کامل بیان کے بعد بھی کوئی شخص تجھ سے امر عیسیٰؑ کے بارے میں جھگڑے تو تو انہیں مباہلہ کی دعوت دے کہ ہم فریقین مع اپنے بیٹوں اور بیویوں کے مباہلہ کے لئے نکلیں اور اللہ سے عاجزی کے ساتھ کہیں کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو بھی جھوٹا ہو' اس پر تو اپنی لعنت نازل فرما اس مباہلہ کے نازل ہونے اور سورت کی ابتداء سے یہاں تک کی ان تمام آیتوں کے نازل ہونے کا سبب نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا۔ یہ لوگ یہاں آ کر حضورؐ سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ خدائی کے حصہ دار اور اللہ کے بیٹے ہیں پس ان کی تردید اور ان کے جواب میں یہ سب آیتیں نازل ہوئیں۔ ابن اسحاقؒ اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں' ان کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد حضورؐ کی خدمت میں اپنے ساٹھ آدمی بھیجے تھے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام یہ ہیں عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا' سید جس کا نام ایہم تھا' ابو حارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا' اور اوث بن حارث' زید' قیس' یزید اور اس کے دونوں لڑکے اور خویلد اور عمرو' خالد' عبداللہ اور محسن یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص تھے۔ عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر یہ لوگ مطمئن ہو جاتے تھے اور سید جوان کا لاٹ پادری تھا اور مدرس اعلیٰ تھا' یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی' اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر و مدارات اور خدمت و عزت کرتے رہتے تھے' یہ شخص حضورؐ کی صفت و شان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ کی صفتیں پڑھ چکا تھا۔ دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ و منصب اسے حاصل تھا' اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

غرض یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے۔ یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے اور خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہوں۔ صحابہؓ کہتے ہیں' ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا۔ ان کی نماز کا وقت آ گیا تو آپ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبویؐ میں ہی اپنے طریق پر نماز ادا کر لی' بعد نماز کے حضورؐ سے ان کی گفتگو ہوئی۔ ادھر سے بولنے والے یہ تین شخص تھے' حارثہ بن علقمہ' عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی ایہم یہ گو شاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے۔ حضرت مسیح کی نسبت ان کے تینوں خیال تھے یعنی وہ خود اللہ ہے اور اللہ کا لڑکا ہے اور تین میں کا تیسرا ہے۔ اللہ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا ہے اور بہت ہی بلند و بالا ہے۔ تقریبا تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے مسیح کے اللہ ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور اندھوں اور کوڑھیوں اور بیماروں کو شفا دیتا تھا۔ غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتا تھا اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ساری باتیں اس سے اللہ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ اللہ کی نشانیاں اللہ کی باتوں کے سچ ثابت ہونے پر اور حضرت

عیسیٰؑ کی نبوت پر مثبت دلیل ہو جائیں اللہ کا لڑکا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بہ ظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں ہی بولنے لگے تھے- یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آئی تھیں (اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تا کہ لوگ اللہ کو اسباب کا محکوم اور عادت کا محتاج نہ سمجھیں وغیرہ- مترجم) اور تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے تھے کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے' ہم نے کیا' ہمارا امر' ہماری مخلوق' ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ پس اگر اللہ اکیلا ایک ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا میں نے کیا' میرا امر' میری مخلوق' میں نے فیصلہ کیا وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں- خود اللہ اور عیسیٰ اور مریم (جس کا جواب یہ ہے کہ ہم کا لفظ صرف بڑائی کے لئے اور عظمت کے لئے ہے- مترجم) اللہ تعالیٰ ان ظالموں منکروں کے قول سے پاک و بلند ہے- ان کے تمام عقائد کی تردید قرآن کریم میں نازل ہوئی۔

جب یہ دونوں پادری حضورؐ سے بات چیت کر چکے تو آپؐ نے فرمایا' تم مسلمان ہو جاؤ- انہوں نے کہا ہم تو ماننے والے ہیں ہی' آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں' تمہیں چاہئے کہ اسلام قبول کر لو' وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں' فرمایا نہیں' تمہارا یہ اسلام قبول نہیں اس لئے کہ تم اللہ کی اولاد مانتے ہو- صلیب کی پوجا کرتے ہو' خنزیر کھاتے ہو- انہوں نے کہا' اچھا پھر یہ تو فرمایئے کہ حضرت عیسیٰؑ کا باپ کون تھا؟ حضور تو اس پر خاموش رہے اور سورۂ آل عمران کی شروع سے لے کر اوپر اوپر تک کی آیتیں ان کے جواب میں نازل ہوئیں- ابن اسحاقؒ ان سب کی مختصر سی تفسیر بیان کر کے پھر لکھتے ہیں آپ نے یہ سب تلاوت کر کے انہیں سمجھا دیں- اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ نے فرمایا' اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کو نکلو' یہ سن کر وہ کہنے لگے' اے ابوالقاسمؐ ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں- پھر تمہیں اس کا جواب دیں گے' اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا- اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاریٰ' تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰؑ کی حقیقت وہی ہے جو محمد (ﷺ) کی زبانی تم سن چکے ہو اور تمہیں بخوبی علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے' نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں' یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا ستیاناس ہو جائے گا- پس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح نہیں ماننا چاہتے ہو اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپؐ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔

چنانچہ یہ لوگ صلاح مشورہ کر کے پھر دربار نبویؐ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے' اے ابوالقاسم (ﷺ) ہم آپ سے ملاعنہ کرنے کے لئے تیار نہیں- آپ اپنے دین پر رہئے اور ہم اپنے خیالات پر ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں- آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اچھا تم دوپہر کو پھر آنا' میں تمہارے ساتھ کسی مضبوط امانت دار کو کر دوں گا- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے کسی دن بھی سردار بننے کی خواہش نہیں کی لیکن اس دن صرف اس خیال سے کہ حضورؐ نے جو تعریف کی ہے' اس کا تصدیق کرنے والا اللہ کے نزدیک میں بن جاؤں' اسی لئے میں اس روز سویرے سویرے ظہر کی نماز کے لئے چل پڑا' حضورؐ تشریف لائے' نماز ظہر پڑھائی' پھر دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے' میں بار بار اپنی جگہ اونچا ہوتا تھا تا کہ آپ کی نگاہیں مجھ پر پڑیں' آپ برابر بغور دیکھتے ہی رہے یہاں تک کہ نگاہیں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑیں- انہیں طلب فرمایا اور کہا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو' چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ساتھ تشریف لے گئے- ابن مردویہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے لیکن وہاں سرداروں کی گنتی بارہ کی ہے اور اس واقعہ میں بھی قدرے طوالت ہے اور کچھ زائد باتیں بھی ہیں-

صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے' نجرانی سردار عاقب اور سید ملاعنہ کے ارادے سے حضورؐ کے پاس آئے لیکن ایک نے دوسرے سے کہا' یہ نہ کر اللہ کی قسم اگر یہ نبی ہیں اور ہم نے ان سے ملاعنہ کیا تو ہم اپنی اولادوں سمیت تباہ ہو جائیں گے چنانچہ پھر دونوں نے متفق ہو کر کہا' حضرت آپؐ ہم سے جو طلب فرماتے ہیں' ہم وہ سب ادا کر دیں گے (یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا) آپ کسی امین شخص کو ہمارے ساتھ کر دیجئے اور امین کو ہی بھیجنا' آپ نے فرمایا بہتر۔ میں تمہارے ساتھ کامل امین کو ہی کروں گا' اصحاب رسولؐ ایک دوسرے کو تکنے لگے کہ دیکھیں حضورؐ کس کا انتخاب کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اے ابوعبیدہ بن جراحؓ تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب یہ کھڑے ہوئے تو آپؐ نے فرمایا' یہ ہیں اس امت کے امین' صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے' ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے کہا اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن کچل دوں گا' فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا' اگر وہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے کہ فرشتے اسے دبوچ لیتے اور یہودیوں سے جب قرآن نے کہا تھا کہ آؤ جھوٹوں کے لئے موت مانگو اگر وہ مانگتے تو یقیناً سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہیں جہنم کی آگ میں دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی' اگر وہ حضورؐ کے مقابلہ میں مباہلے کے لئے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں کو اور اپنے بال بچوں کو نہ پاتے' صحیح بخاری' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی وفد نجران کے قصے کو طویل تر بیان کیا ہے۔ ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں گو اس میں غرابت بھی ہے اور اس مقام سے وہ نہایت مناسبت رکھتا ہے' سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طٰس قرآن میں نازل ہونے سے پیشتر اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا جس کی عبارت یہ تھی بِسْمِ اِلٰهِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اُسْقُفِ نَجْرَانَ وَاَهْلِ نَجْرَانَ اَسْلِمْ اَنْتُمْ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمْ اِلٰهَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكُمْ اِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَاَدْعُوْكُمْ اِلٰى وَلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وَّلَايَةِ الْعِبَادِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَقَدْ اٰذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَّالسَّلَامُ یعنی اس خط کو میں شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیمؑ' حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے خدا کے نام سے۔ یہ خط ہے محمد (ﷺ) کی طرف سے جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں' نجران کے سردار کی طرف۔ میں اللہ تعالیٰ کی تمہارے سامنے حمد و ثناء بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا معبود ہے۔ پھر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت کو چھوڑ کر اللہی عبادت کی طرف آؤ اور بندوں کی ولایت کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آ جاؤ۔ اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیار کرو۔ اگر اس سے بھی انکار ہو تو تمہیں لڑائی کا اعلان ہے۔ والسلام۔

جب یہ خط اسقف کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا تو بڑا اسٹپٹایا' گھبرا گیا اور تھرانے لگا' جھٹ سے شرجیل بن وداعہ کو بلوایا جو ہمدان قبیلہ کا تھا۔ سب سے بڑا مشیر سلطنت یہی تھا' جب کبھی کوئی اہم کام آ پڑتا تو سب سے پہلے یعنی ایہم اور سید اور عاقب سے بھی پیشتر اس سے مشورہ ہوتا' جب یہ آ گیا تو اسقف نے حضورؐ کا خط اسے دیا۔ جب اس نے پڑھ لیا تو اسقف نے پوچھا' بتاؤ کیا خیال ہے؟ شرجیل نے کہا' بادشاہ کو خوب علم ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے اللہ کے ایک نبی کے آنے کا وعدہ اللہ کی کتاب میں ہے' کیا عجب کہ وہ نبی یہی ہو۔ امر نبوت میں کیا رائے دے سکتا ہوں۔ ہاں اگر امور سلطنت کی کوئی بات ہوتی تو بیشک میں اپنے دماغ پر زور ڈال کر کوئی بات نکال لیتا'

اسقف نے انہیں تو الگ بٹھا دیا اور عبداللہ بن شرجیل کو بلایا- یہ بھی مشیر سلطنت تھا اور حمیر کے قبیلے میں سے تھا' اسے خط دیا' پڑھایا' رائے پوچھی تو اس نے بھی ٹھیک وہی بات کہی جو پہلا مشیر کہہ چکا تھا' اسے بھی بادشاہ نے دور بٹھا دیا' پھر جبار بن فیض کو بلایا جو بنو حارث میں سے تھا- اس نے بھی یہی کہا جو ان دونوں نے کہا تھا' بادشاہ نے جب دیکھا کہ ان تینوں کی رائے متفق ہے تو حکم دیا گیا کہ ناقوس بجائے جائیں' آگ جلا دی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کر دیئے جائیں- وہاں کا یہ دستور تھا کہ جب سلطنت کا کوئی اہم کام ہوتا اور رات کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو یہی کرتے اور اگر دن کا وقت ہوتا تو گرجوں میں آگ جلا دی جاتی اور ناقوس زور زور سے بجائے جاتے' اس حکم کے ہوتے ہی چاروں طرف آگ جلا دی گئی اور ناقوس کی آواز نے ہر ایک کو ہوشیار کر دیا اور جھنڈے اونچے دیکھ دیکھ کر آس پاس کی وادی کے تمام لوگ جمع ہو گئے' اس وادی کا طول اتنا تھا کہ تیز سوار صبح سے شام تک دوسرے کنارے پہنچتا تھا- اس میں تہتر گاؤں آباد تھے اور ایک لاکھ بیس ہزار تلوار چلانے والے یہاں آباد تھے- جب یہ سب لوگ آ گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور پوچھا' بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو تمام عقلمندوں نے کہا کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی' عبداللہ بن شرجیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو بطور وفد کے بھیجا جائے' یہ وہاں سے پختہ خبر لائیں-

اب یہاں سے یہ وفد ان تینوں کی سرداری کے ماتحت روانہ ہوا' مدینہ پہنچ کر انہوں نے سفری لباس اتار ڈالا اور نقش بنے ہوئے ریشمی لمبے لمبے حلے پہن لئے اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں ڈال لیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا- بہت دیر تک انتظار کیا- حضورؐ کچھ بات کریں لیکن ان ریشمی حلوں اور سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے آپ نے ان سے کلام بھی نہ کیا- اب یہ لوگ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے اور ان دونوں بزرگوں سے ان کی پہلی ملاقات تھی' مہاجرین اور انصار کے ایک مجمع میں ان دونوں حضرات کو پا لیا' ان سے واقعہ بیان کیا- تمہارے نبی (ﷺ) نے ہمیں خط لکھا- ہم اس کا جواب دینے کے لئے خود حاضر ہوئے' آپ کے پاس گئے' سلام کیا لیکن جواب نہ دیا پھر بہت دیر تک انتظار میں بیٹھے رہے کہ آپ سے کچھ باتیں ہو جائیں لیکن آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی' آخر ہم لوگ تھک کر چلے آئے' اب آپ حضرات فرمائیے کہ کیا ہم یونہی واپس چلے جائیں؟ ان دونوں نے حضرت علیؓ بن ابو طالب سے کہا کہ آپ ہی انہیں جواب دیجئے' حضرت علیؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اپنے حلے اور اپنی انگوٹھیاں اتار دیں اور وہی سفری معمولی لباس پہن کر حضورؐ کی خدمت میں دوبارہ جائیں چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اسی معمولی لباس میں گئے' سلام کیا' آپؐ نے جواب دیا' پھر فرمایا' اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے- یہ جب میرے پاس پہلی مرتبہ آئے تھے تو ان کے ساتھ ابلیس تھا-

اب سوال جواب بات چیت شروع ہوئی' حضور بھی پوچھتے تھے اور وہ جواب دیتے تھے' اسی طرح وہ بھی سوال کرتے اور جواب پاتے' آخر میں انہوں نے پوچھا آپ حضرت عیسیٰؑ کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر وہ کہیں' ہمیں اس کی خوشی ہے کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی زبانی سنیں کہ آپ کا ان کی بابت کیا خیال ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا' میرے پاس اس کا جواب آج تو نہیں- تم ٹھہرو تو میرا رب مجھ سے اس کی بابت جو فرمائے گا' وہ میں تمہیں سنا دوں گا- دوسرے دن وہ پھر آئے تو آپ نے اسی وقت کی اتری ہوئی اس آیت ان مثل عیسی کی کاذبین تک تلاوت کر سنائی- انہوں نے اس بات کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا- دوسرے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ ملاعنہ کے لئے حضرت حسنؓ کو اور حضرت حسینؓ کو اپنی چادر میں لئے ہوئے تشریف لائے- پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ آ رہی تھیں' اس وقت آپ کی کئی ایک بیویاں تھیں' شرجیل یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا' تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات کو

مانتی ہے اور میری رائے پر کاربند ہوتی ہے، سنو اللہ کی قسم یہ معاملہ بڑا بھاری ہے اگر یہ شخص (ﷺ) مبعوث کیا گیا ہے تو سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ٹھہریں گے، یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں نہیں جائے گی اور ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت و آفت آئے گی، عرب بھر میں سب سے زیادہ قریب ان سے میں ہی ہوں اور سنو اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو ملاعنہ کرتے ہی روئے زمین پر ایک بال یا ایک ناخن بھی ہمارا نہ رہے گا، اس کے دونوں ساتھیوں نے کہا، پھر اے ابو وہیم آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اسی کو ہم حاکم بنا دیں۔ جو کچھ یہ حکم دے، ہم اسے منظور کر لیں، یہ کبھی بھی خلاف عدل حکم نہ دے گا، ان دونوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔ اب شرجیل نے حضورؐ سے کہا کہ میں اس ملاعنہ سے بہتر چیز جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں، آپ نے دریافت فرمایا، وہ کیا؟ کہا آج کا دن آنے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں ہمیں منظور ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید اور لوگ تمہارے اس فیصلے کو نہ مانیں، شرجیل نے کہا، اس کی بابت میرے ان دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمالیجئے، آپ نے ان دونوں سے پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ سارے وادی کے لوگ انہی کی رائے پر چلتے ہیں۔ وہاں ایک بھی ایسا نہیں جوان کے فیصلے کو ٹال سکے، پس حضورؐ نے یہ درخواست قبول فرمائی۔ ملاعنہ نہ کیا اور واپس لوٹ گئے۔ دوسرے دن صبح ہی وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے ایک تحریر انہیں لکھ دی کہ جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا کہ تحریر اللہ کے نبی محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نجرانیوں کے لئے ہے، ان پر اللہ کے رسول کا حکم جاری تھا ہر پھل اور ہر سفید و سیاہ میں اور ہر غلام میں، لیکن اللہ کے رسول یہ سب انہی کو دیتے ہیں، یہ ہر سال صرف دو ہزار حلے دے دیا کریں۔ ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں وغیرہ وغیرہ۔ پورا عہد نامہ انہیں عطا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ وفد سن ۸ ہجری میں آیا تھا اس لئے کہ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی اہل نجران نے حضورؐ کو ادا کیا اور جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد اتری ہے جو یہ ہے قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ الخ، اس آیت میں اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہوا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ عاقب اور طیب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے انہیں ملاعنہ کے لئے کہا اور صبح کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو لئے ہوئے آپ تشریف لائے اور انہیں کہلا بھیجا، انہوں نے قبول نہ کیا اور خراج دینا منظور کر لیا، آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر یہ دونوں "نہیں" کہتے تو ان پر یہی وادی آگ برساتی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا والی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اَنۡفُسَنَا سے مراد خود رسول کریم ﷺ اور حضرت علیؓ اَبۡنَآءَنَا سے مراد حسنؓ اور حسینؓ، نِسَآءَنَا سے مراد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی اس معنی کی حدیث مروی ہے۔

پھر جناب باری کا ارشاد ہے، یہ جو ہم نے عیسیٰؑ کی شان بیان فرمائی ہے، حق اور سچ ہے، اس میں بال برابر کمی بیشی نہیں، اللہ قابل عبادت ہے کوئی اور نہیں اور وہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے، اب بھی اگر یہ منہ پھیر لیں اور دوسری باتوں میں پڑیں تو اللہ بھی ایسے باطل پسندوں کو اور مفسدوں کو بخوبی جانتا ہے، انہیں بدترین سزا دے گا، اس میں پوری قدرت ہے کوئی اس سے نہ بھاگ سکے نہ اس کا مقابلہ کر سکے، وہ پاک ہے اور تعریفوں والا ہے ہم اس کے عذاب سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا
نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾

کہہ دو کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں ○

یہودیوں اور نصرانیوں سے خطاب: ☆☆ (آیت:۶۴) یہودیوں، نصرانیوں اور انہی جیسے لوگوں سے یہاں خطاب ہو رہا ہے، کلمہ کا اطلاق مفید جملے پر ہوتا ہے، جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر سَوَآءٍ الخ، کے ساتھ اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ سَوَآءٍ کے معنی عدل وانصاف جیسے ہم کہیں ہم تم برابر ہیں، پھر اس کی تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی بت کو نہ پوجیں۔ صلیب، تصویر، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو، نہ آگ کو نہ اور کسی چیز کو بلکہ تنہا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، یہی عبادت تمام انبیاء کرام کی تھی۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے جس جس رسول کو ہم نے بھیجا، سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کیا کرو۔ اور جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہر امت میں رسول بھیج کر ہم نے یہ اعلان کروایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا سب سے بچو۔ پھر فرماتا ہے کہ آپس میں بھی ہم اللہ جل جلالہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، ابن جریجؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں، کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے سجدہ نہ کریں، پھر اگر یہ لوگ اس حق اور عدل کی دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو انہیں تم اپنے مسلمان ہونے کا گواہ بنا لو، ہم نے بخاری کی شرح میں اس واقعہ کا مفصل ذکر کر دیا ہے، جس میں ہے کہ ابوسفیان جبکہ دربار قیصر میں بلوائے گئے اور شاہ قیصر روم نے حضور ﷺ کے نسب کا حال پوچھا تو انہیں کافر اور دشمن رسولؐ ہونے کے باوجود آپ کی خاندانی شرافت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی طرح ہر سوال کا صاف اور سچا جواب دینا پڑا، یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے، اسی باعث قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) بدعہدی کرتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا نہیں کرتے، لیکن اب ایک معاہدہ ہمارا ان سے ہوا ہے، نہیں معلوم اس میں وہ کیا کریں؟ یہاں صرف یہ مقصد ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد حضورؐ کا نامہ مبارک پیش کیا جاتا ہے جس میں بِسْمِ اللّٰهِ کے بعد یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ خط محمدؐ کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں، (ﷺ) ہرقل کی طرف جو روم کا شاہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اسے جو ہدایت کا تابعدار ہو، اس کے بعد لکھا، اسلام قبول کر۔ سلامت رہے گا، اسلام قبول کر، اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر دے گا اور اگر تو نے منہ موڑا تو تمام رئیسوں کے گناہوں کا بوجھ تجھ پر پڑے گا، پھر یہی آیت لکھی تھی۔ امام محمد بن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سورت یعنی سورۂ آل عمران کو شروع سے لے کر ''اسی'' سے کچھ اوپر تک آیتیں وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی لوگوں نے ادا کیا ہے اور اس بات میں بھی مطلقاً اختلاف نہیں ہے کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد اتری ہے، پس یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے تو پھر فتح سے پہلے حضورؐ نے اپنے خط میں ہرقل کو یہ آیت کیسے لکھی؟ اس کے جواب کئی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ممکن ہے یہ آیت دو مرتبہ اتری ہو، اول حدیبیہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے شروع سورت سے لے کر اس آیت تک وفد نجران کے بارے میں اتری ہو یا یہ آیت اس سے پہلے اتر چکی ہو، اس صورت میں ابن اسحاقؒ کا یہ فرمانا کہ اسی کے اوپر کی کچھ آیتیں اسی وفد کے بارے میں اتری ہیں، یہ محفوظ نہ ہو کیونکہ ابوسفیان والا واقعہ سراسر اس کے خلاف ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وفد نجران حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور انہوں نے جو کچھ دینا منظور کیا ہو، یہ صرف

مباہلہ سے بچنے کیلئے بطور مصالحت کے ہو نہ کہ جزیہ دیا ہو اور یہ اتفاق کی بات ہو کہ آیت جزیہ اس واقعہ کے بعد اتری جس سے اس کا اتفاقاً الحاق ہو گیا۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر سے پہلے غزوے کے مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور پانچواں حصہ باقی رکھ کر دوسرے حصے لشکر میں تقسیم کر دیئے' پھر اس کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کی آیتیں بھی اسی کے مطابق اتریں اور یہی حکم ہوا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں جو ہرقل کو بھیجا' اس میں یہ بات اسی طرح بطور خود لکھی ہو۔ پھر آنحضرتؐ کے الفاظ ہی میں وحی نازل ہوئی ہو جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پردے کے حکم کے بارے میں اسی طرح آیت اتری' اور بدری قیدیوں کے بارے میں انہی کے ہم خیال فرمان باری نازل ہوا' اسی طرح منافقوں کا جنازہ پڑھنے کی بابت بھی انہی کی بات قائم رکھی گئی' چنانچہ مقام ابراہیم کے مصلے بنانے سے متعلق بھی اسی طرح وحی نازل ہوئی اور عَسٰی رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ بھی انہی کے خیال سے متعلق آیت اتری' پس یہ آیت بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہی اتری ہو' یہ بہت ممکن ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ
وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ
حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ
بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کی بابت کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ توراۃ و انجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئیں۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ سنو تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمہیں علم تھا۔ پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق یہودی اور نصرانی دعوے کی تردید: ☆☆ (آیت: ۶۵-۶۶) یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے اور نصرانی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے کہتے تھے اور آپس میں اس پر بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے' اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں کے دعوے کی تردید کرتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نجران کے نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور حضورؐ کے سامنے ان کا جھگڑا شروع ہو گیا' ہر فریق اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہم میں سے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اے یہودیو! تم خلیل اللہ کو اپنے میں سے کیسے بتاتے ہو؟ حالانکہ ان کے زمانے میں نہ موسیٰؑ تھے نہ توراۃ' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب توراۃ شریف تو خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد آئے' اسی طرح اے نصرانیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی کیسے کہہ سکتے ہو؟ حالانکہ نصرانیت تو ان کے صدیوں بعد ظہور میں آئی' کیا تم اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل بھی نہیں رکھتے؟ پھر ان دونوں فرقوں کی اس بے علمی کے جھگڑے پر رب دو عالم انہیں ملامت کرتا ہے اگر تم بحث و مباحثہ دینی امور میں جو تمہارے پاس ہیں کرتے تو بھی خیر ایک بات تھی' تم تو اس بارے میں گفتگو کرتے ہو جس کا دونوں کو مطلق علم ہی نہیں۔ تمہیں چاہئے کہ جس چیز کا علم نہ ہو' اسے اس علیم اللہ کے حوالے کرو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے' اسی لئے فرمایا اللہ جانتا ہے اور تم محض بے خبر ہو۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

اورتم نہیں جانتے' ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یکطرفہ خالص مسلمان تھے وہ مشرک بھی نہ تھے ○ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیمؑ سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے' مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ تعالیٰ ہی ہے ○

دراصل اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے' وہ شرک سے بیزار مشرکوں سے الگ صحیح اور کامل ایمان کے مالک تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے' یہ آیت اس آیت کی مثل ہے جو سورۂ بقرہ میں گذر چکی السلام کو وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا یعنی یہ لوگ کہتے ہیں یہودی یا نصرانی بننے میں ہدایت ہے۔ پھر فرمایا کہ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تابعداری کے حقدار ان کے دین پر ان کے زمانے میں چلنے والے تھے اور اب یہ نبی محمد مصطفی ﷺ ہیں اور آپ کے ساتھ کے ایمانداروں کی جماعت جو مہاجرین وانصار ہیں اور پھر جو بھی ان کی پیروی کرتے رہیں قیامت تک' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر نبی کے ولی دوست نبیوں میں سے ہوتے ہیں' میرے ولی دوست انبیاء میں سے میرے باپ اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (ترمذی وغیرہ) پھر فرمایا جو بھی اللہ کے رسول پر ایمان رکھے' وہی ان کا ولی اللہ ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ ۷ ع ۸ ۱۵
اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ
النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں ○ اے اہل کتاب تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ کفر کیوں کر رہے ہو؟ ○ اے اہل کتاب باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ ○ اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تا کہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں ○

یہودیوں کا حسد: ☆☆ (آیت:۶۹-۷۲) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ان یہودیوں کے حسد کو دیکھو کہ مسلمانوں سے کیسے جل بھن رہے ہیں۔ انہیں بہکانے کی کیا کیا پوشیدہ ترکیبیں کر رہے ہیں' کیسے کیسے مکر و فریب کے جال بچھاتے ہیں' حالانکہ دراصل ان تمام چیزوں کا وبال خود ان کی جانوں پر ہے' لیکن انہیں اس کا بھی شعور نہیں۔ پھر انہیں ان کی یہ ذلیل حرکت یاد دلائی جا رہی ہے کہ تم سچائی جانتے ہوئے بھی' حق

کو پہچانتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی آیات سے منکر ہو رہے ہو۔ علم کے باوجود یہ بدخصلت بھی ان میں ہے کہ حق و باطل کو ملا دیتے ہیں اور ان کی کتابوں میں جو صفتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں، ان کو چھپا لیتے ہیں۔ بہکانے کی جو صورتیں بناتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپس میں مشورے کرتے ہیں کہ صبح جا کر ایمان لے آؤ، مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھو اور شام کو پھر مرتد بن جاؤ تاکہ جاہل لوگوں کے دل میں بھی خیال گزرے کہ آخر یہ لوگ جو پلٹ گئے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس دین میں کوئی خرابی یا برائی ہی دیکھی ہوگی تو کیا عجب کہ ان میں سے کوئی ہماری طرف لوٹ آئے، غرض یہ ایک حیلہ جوئی تھی کہ شاید اس سے کوئی کمزور ایمان والا لوٹ جائے اور سمجھ لے کہ یہ جاننے بوجھنے والے لوگ جب اس دین میں آئے، نمازیں پڑھیں، اس کے بعد اسے چھوڑ دیا تو ضرور یہاں کوئی خرابی اور نقصان دیکھا ہوگا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بھروسہ اپنے والوں پر کرو، مسلمانوں پر نہ کرو، نہ اپنے بھید ان پر ظاہر ہونے دو، نہ اپنی کتابیں انہیں بتاؤ جس سے یہ ان پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کیلئے ہم پر حجت بن جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ
اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ
اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ﴿٧٣﴾
يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ اَھْلِ
الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ
اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي
اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ تو کہہ کہ بیشک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم دیئے گئے ہو، یا تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے، تو کہہ دے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے اسے دے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے ○ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے، اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ○ بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنا دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں، ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے۔ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں ○

ہدایت اللہ کے پاس ہے: ☆☆ (آیت: ۳:۷۳) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اے نبی کہہ دے کہ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ مومنوں کے دلوں کو ہر اس چیز پر ایمان لانے کیلئے آمادہ کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہو۔ انہیں ان دلائل پر کامل ایمان نصیب ہوتا ہے چاہے تم نبی امی ﷺ کی صفتیں چھپاتے پھرو لیکن پھر بھی خوش قسمت لوگ تو آپ کی نبوت کے ظاہری نشان کو بہ یک نگاہ پہچان لیں گے۔ اسی طرح کہتے تھے کہ تمہارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو کہ وہ اسے سیکھ کر تم جیسے ہو جائیں بلکہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ

سے تم سے بھی بڑھ جائیں، یا اللہ کے سامنے ان کی حجت و دلیل قائم ہو جائے یعنی خود تمہاری کتابوں سے وہ تمہیں الزام دیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کہہ دو فضل تو اللہ عزوجل کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے، سب کام اسی کے قبضے میں ہیں، وہی دینے والا ہے- جسے چاہے ایمان و عمل اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال کر دے اور جسے چاہے راہ حق سے اندھا اور کلمہ اسلام سے بہرا اور صحیح سمجھ سے محروم کر دے، اس کے سب کام حکمت سے ہی ہوتے ہیں، وہ وسیع علم والا ہے، جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے، وہ بڑے فضل والا ہے، اے مسلمانو! اس نے تم پر بے پایاں احسانات کئے ہیں- تمہارے نبی کو تمام انبیاء پر فضیلت دی اور بہت ہی کامل اور ہر حیثیت سے پوری شریعت اس نے تمہیں دی-

بد دیانت یہودی: ☆☆ (آیت:۷۴-۷۵) اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہودیوں کی خیانت پر کرتا ہے کہ ان کے دھوکے میں نہ آ جائیں- ان میں بعض تو امانتدار ہیں اور بعض بڑے خائن ہیں، بعض تو ایسے ہیں کہ خزانے کا خزانہ ان کی امانت میں ہو تو جوں کا توں حوالے کر دیں گے- پھر چھوٹی موٹی چیز میں وہ بد دیانتی کیسے کریں گے؟ اور بعض ایسے بد دیانت ہیں کہ ایک دینار بھی واپس نہ دیں- ہاں اگر ان کے سر ہو جاؤ، تقاضا برابر جاری رکھو اور حق طلب کرتے رہو تو شاید امانت نکل بھی آئے ورنہ ہضم بھی کر جائیں- جب ایک دینار پر یہ بد دیانتی ہے تو بڑی رقم کو کیوں چھوڑنے لگے، لفظ قنطار کی پوری تفسیر سورت کے اول میں ہی بیان ہو چکی ہے اور دینار تو مشہور ہی ہے، ابن ابی حاتم میں حضرت مالک بن دینارؒ کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لئے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین، ناحق لو تو نار یعنی آتش دوزخ-

اس موقعہ پر اس حدیث کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور کتاب الکفالہ میں بہت پوری ہے- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے، اس نے کہا- گواہ لاؤ، کہا اللہ کی گواہی کافی ہے، اس نے کہا ضامن لاؤ، اس نے کہا ضمانت بھی اللہ ہی کی دیتا ہوں، وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت ادائیگی مقرر کر کے رقم دے دی، وہ اپنے دریائی سفر میں نکل گیا جب کام کاج سے نپٹ گیا تو دریا کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا تا کہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا، پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا اور کہا اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے، تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اس نے بھی اس پر خوش ہو کر مجھے دے دیئے، اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دے دوں لیکن نہ ملی- پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچا دے، یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چلا آیا، لکڑی پانی میں ڈوب گئی، یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے- ادھر قرض خواہ شخص دریا کے کنارے آیا کہ شاید مقروض کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو- جب دیکھا کہ کوئی کشتی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کو جو کنارے پر پڑی ہوئی تھی، یہ سمجھ کر اٹھا لیا کہ جلانے کے کام آئے گی، گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکلا کچھ دنوں بعد قرض دینے والا شخص آیا اور کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نے ہر چند کوشش کی کہ کوئی سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گزرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لئے دیر لگ گئی، اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ اللہ نے مجھے پہنچا دی ہے، تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا- یہ حدیث بخاری شریف میں تعلیق کے ساتھ بھی ہے لیکن جزم کے صیغے کے ساتھ اور بعض جگہ اسناد کے حوالوں کے ساتھ بھی ہے- علاوہ ازیں اور کتابوں میں بھی یہ روایت موجود ہے- پھر فرماتا ہے کہ امانت میں خیانت کرنے، حقدار کے حق کو نہ ادا کرنے پر آمادہ کرنے والا سبب ان کا یہ غلط خیال ہے کہ ان بد دینوں، ان پڑھوں کا مال کھا جانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں- ہم پر یہ مال

حلال ہے، جس پر اللہ فرماتا ہے کہ یہ اللہ پر الزام ہے اور اس کا علم خود انہیں بھی ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی ناحق مال کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے لیکن یہ بیوقوف خود اپنی من مانی اور دل پسند باتیں گھڑ کر شریعت کے رنگ میں انہیں رنگ لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ذمی یا کفار کی مرغی بکری وغیرہ کبھی غزوے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اسے لینے میں کوئی حرج نہیں، تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ ذمیوں کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں، سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں۔ ہاں وہ اپنی خوشی سے دے دیں تو اور بات ہے (عبدالرزاق)

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب اہل کتاب سے حضور علیہ السلام نے یہ بات سنی تو فرمایا دشمنان الہ جھوٹے ہیں، جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں تلے مٹ گئیں اور امانت تو ہر فاسق وفاجر کی بھی ادا کرنی پڑے گی۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا
خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ہاں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا کرے اور پرہیزگاری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ○ بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○

متقی کون؟ ☆☆ (آیت:۷۶) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لیکن جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اہل کتاب ہو کر ڈرتا رہے، پھر اپنی کتاب کی ہدایت کے مطابق آنحضرتؐ پر ایمان لائے، اس عہد کے مطابق جو تمام انبیاء سے بھی ہو چکا ہے اور جس عہد کی پابندی ان کی امتوں پر بھی لازم ہے، اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے، اس کی شریعت کی اطاعت کرے، رسولوں کے خاتم اور انبیاء کے سردار حضرت محمد ﷺ کی پوری تابعداری کرے، وہ متقی ہے اور متقی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

جھوٹی قسم کھانے والے: ☆☆ (آیت:۷۷) یعنی جو اہل کتاب اللہ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ کی صفتوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں نہ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بدکاریوں سے وہ اس ذلیل اور فانی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں، ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان سے اللہ تعالیٰ کوئی پیار محبت کی بات کرے گا نہ ان پر رحمت کی نظر ڈالے گا۔ نہ انہیں ان کے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا اور وہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں جن میں سے کچھ یہاں بھی ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تین قسم کے لوگ ہیں جن سے تو نہ اللہ جل شانہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، حضرت ابوذرؓ نے یہ سن کر کہا، یہ کون لوگ ہیں، یا رسول اللہؐ یہ تو بڑے گھاٹے

اور نقصان میں پڑے‘ حضورؐ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر جواب دیا کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا‘ جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا‘ دے کر احسان جتانے والا‘ مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

(۲) مسند احمد میں ہے ابواحمس فرماتے ہیں‘ میں حضرت ابوذرؓ سے ملا۔ ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں تو فرمایا سنو‘ میں رسول اللہؐ پر جھوٹ تو بول نہیں سکتا جبکہ میں نے حضورؐ سے سن لیا ہو تو کہئے وہ حدیث کیا ہے؟ جواب دیا‘ یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ ذوالکرم دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو دشمن‘ تو فرمانے لگے۔ ہاں یہ حدیث میں نے بیان کی ہے اور میں نے حضورؐ سے سنی بھی ہے۔ میں نے پوچھا کس کس کو دوست رکھتا ہے‘ فرمایا ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنان اللہ سبحانہ کے مقابلے میں میدان جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا سینہ چھلنی کروا لے یا فتح کر کے لوٹے‘ دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ سفر میں ہے۔ بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب تھک کر چور ہو گئے پڑاؤ ڈالا تو سب سو گئے اور یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کا پڑوسی اسے ایذا پہنچاتا ہو اور وہ اس پر صبر وضبط کرے یہاں تک کہ موت یا سفر ان دونوں میں جدائی کرے۔ میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے۔ فرمایا بہت قسمیں کھانے والا تاجر‘ اور تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخیل جس سے کبھی احسان ہو گیا ہو تو جتانے بیٹھے‘ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

(۳) مسند احمد میں ہے کندہ قبیلے کے ایک شخص امرؤالقیس بن عامر کا جھگڑا ایک حضرمی شخص سے زمین کے بارے میں تھا جو حضورؐ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حضرمی اپنا ثبوت پیش کرے۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا تو آپؐ نے فرمایا اب کندی قسم کھا لے تو حضرمی کہنے لگا‘ یا رسول اللہؐ جب اس کی قسم پر ہی فیصلہ ٹھہرا تو رب کعبہ کی قسم یہ میری زمین لے جائے گا۔ آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم سے کسی کا مال اپنا کر لے گا تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا‘ اللہ اس سے ناخوش ہو گا‘ پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو امرؤالقیسؓ نے کہا‘ یا رسول اللہؐ اگر کوئی چھوڑ دے تو اسے اجر کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت۔ تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ گواہ رہئے کہ میں نے وہ ساری زمین اس کے نام چھوڑی۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

(۴) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس سے کسی مسلمان کا مال چھین لے تو اللہ جل جلالہ سے جب ملے گا تو اللہ عزوجل اس پر سخت غضبناک ہو گا‘ حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں‘ اللہ کی قسم میرے ہی بارے میں یہ ہے۔ ایک یہودی اور میری شرکت میں ایک زمین تھی۔ اس نے میرے حصہ کی زمین کا انکار کر دیا میں اسے خدمت نبویؐ میں لایا‘ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا‘ تیرے پاس کچھ ثبوت ہے۔ میں نے کہا نہیں‘ آپ نے یہودی سے فرمایا‘ تو قسم کھا لے‘ میں نے کہا حضورؐ یہ تو قسم کھا لے گا اور میرا مال لے جائے گا‘ پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی‘ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔

(۵) مسند احمد میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی مرد مسلم کا مال بغیر حق کے لے لے‘ وہ اللہ ذوالجلال سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گا‘ وہیں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور فرمانے لگے ابوعبدالرحمٰن آپ کون سی حدیث بیان کرتے ہیں؟ ہم نے دہرا دی تو فرمایا یہ حدیث میرے ہی بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمائی ہے‘ میرے اپنے چچا کے لڑکے سے ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا تھا جو اس کے قبضے میں تھا۔ حضورؐ کے پاس جب ہم اپنا مقدمہ لے گئے تو آپ نے فرمایا تو اپنی دلیل اور ثبوت لا کہ یہ کنواں تیرا ہے ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہو گا۔ میں نے کہا یا حضرت میرے پاس تو کوئی دلیل نہیں اور اگر اس کی قسم پر معاملہ رہا تو یہ تو میرا کنواں لے جائے گا‘ میرا مقابل تو فاجر شخص ہے۔ اس وقت حضورؐ نے یہ حدیث بھی بیان

فرمائی اور اس آیت کی بھی تلاوت کی۔

(۶) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ وہ کون ہیں؟ فرمایا اپنے ماں باپ سے بیزار ہونے والے اور ان سے بے رغبتی کرنے والی لڑکی اور اپنی اولاد سے بیزار اور الگ ہونے والا باپ اور وہ شخص کہ جس پر کسی قوم کا احسان ہے وہ ان سے انکار کر جائے اور آنکھیں پھیر لے اور ان سے یکسوئی کرے۔

(۷) ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک شخص نے اپنا سودا بازار میں رکھا اور قسم کھائی کہ وہ اتنا بھاؤ دیا جاتا تھا تاکہ کوئی مسلمان اس میں پھنس جائے، پس یہ آیت نازل ہوئی، صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مروی ہے۔

(۸) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین شخصوں سے جناب باری تقدس وتعالیٰ قیامت والے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ درد کے عذاب ہیں - ایک وہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہے پھر وہ کسی مسافر کو نہیں دیتا، دوسرا وہ جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے، تیسرا وہ جو مسلمان بادشاہ سے بیعت کرتا ہے - اس کے بعد اگر وہ اسے مال دے تو پوری کرتا ہے، اگر نہیں دیتا تو نہیں کرتا ہے، یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ
وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝٧٨

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرنے لگو اور دراصل وہ کتاب میں نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ○

غلط تاویل اور تحریف کرنے والے لوگ: ☆☆ (آیت: ۷۸) یہاں بھی انہی ملعون یہودیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا ایک گروہ یہ بھی کرتا ہے کہ عبارت کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیتا ہے، یعنی اللہ کی کتاب بدل دیتا ہے، اصل مطلب اور صحیح معنی خبط کر دیتا ہے اور جاہلوں کو اس چکر میں ڈال دیتا ہے کہ کتاب اللہ یہی ہے، پھر یہ خود اپنی زبان سے بھی اسے کتاب اللہ کہہ کر جاہلوں کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا ہے اور جھوٹ بکتا ہے، زبان موڑنے سے مطلب یہاں تحریف کرنا ہے - حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف اور ازالہ کر دیتے تھے، مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں جو اللہ کی کسی کتاب کا لفظ بدل دے مگر یہ لوگ تحریف اور بے جا تاویل کرتے تھے - وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ توراۃ وانجیل اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتاریں - ایک حرف بھی ان میں سے اللہ نے نہیں بدلا لیکن یہ لوگ تحریف اور تاویل سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو کتابیں انہوں نے اپنی طرف سے لکھ لی ہیں اور جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور کر رہے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں - اللہ کی اصلی کتابیں تو محفوظ ہیں جو بدلتی نہیں (ابن ابی حاتم)

حضرت وہبؒ کے اس فرمان کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان کے پاس اب جو کتاب ہے تو ہم بالیقین کہتے ہیں کہ وہ بدلی ہوئی ہے اور محرف ہے اور زیادتی اور نقصان سے ہرگز پاک نہیں اور پھر جو عربی زبان میں ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس میں تو بڑی غلطیاں ہیں، کہیں مضمون کو کم کر دیا گیا ہے، کہیں بڑھا دیا گیا ہے اور صاف صاف غلطیاں موجود ہیں بلکہ دراصل اسے ترجمہ کہنا زیبا ہی نہیں وہ تو تفسیر اور وہ بھی بے اعتبار تفسیر ہے اور پھر ان سمجھداروں کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جن میں سے اکثر بلکہ کل کے کل دراصل محض الٹی سمجھ والے ہیں، اور اگر حضرت وہبؒ کے فرمان کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو درحقیقت اللہ کی کتاب ہے پس وہ بیشک محفوظ وسالم ہے اس میں کمی وزیادتی ناممکن ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ
يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا
رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾
وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ
بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۸ ۹ ۱۶

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو کہے گا کہ) تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب ○ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا ○

مقصد نبوت: ☆☆ (آیت: ۷۹-۸۰) رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہودیوں اور نجرانی نصرانیوں کے علماء جمع ہوئے اور آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی تو ابورافع قرظی کہنے لگا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی، ہم بھی آپ کی عبادت کریں؟ تو نجران کے ایک نصرانی نے بھی جسے "آئیس" کہا جاتا تھا، یہی کہا کہ کیا آپ کی یہی خواہش ہے؟ اور یہی دعوت ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ نہ ہم خود اللہ واحدہ لاشریک کے سوا دوسرے کی پوجا کریں نہ کسی اور کو اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی تعلیم دیں نہ میری پیغمبری کا یہ مقصد نہ مجھے اللہ حاکم اعلیٰ کا یہ حکم۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ کسی انسان کو کتاب وحکمت اور نبوت ورسالت پا لینے کے بعد یہ لائق ہی نہیں کہ اپنی پرستش کی طرف لوگوں کو بلائے، جب انبیائے کرام کا جو اتنی بڑی بزرگی، فضیلت اور مرتبے والے ہیں، یہ منصب نہیں تو کسی اور کو کب لائق ہے کہ اپنی پوجا پاٹ کرائے، اور اپنی بندگی کی تلقین لوگوں کو کرے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں ادنیٰ مومن سے بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت دے، یہاں یہ اس لئے فرمایا، یہ یہود ونصاریٰ آپس میں ہی ایک دوسرے کو پوجتے تھے۔

قرآن شاہد ہے جو فرماتا ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ مسند ترمذی کی وہ حدیث بھی آرہی ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے تھے اور یہ ان کی مانتے چلے جاتے تھے۔ یہی ان کی عبادت تھی۔ پس جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور مشائخ اس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں داخل

ہیں، رسول اور ان کی اتباع کرنے والے علماء کرام اس سے یکسو ہیں۔ اس لئے کہ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان اور کلام رسول کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان کاموں سے روکتے ہیں جن سے انبیاء کرام روک گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات انبیاء تو خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں، حق رسالت ادا کرتے ہیں اور اللہ کی امانت احتیاط کے ساتھ بندگان رب عالم کو پہنچا دیتے ہیں۔ نہایت بیداری، مکمل ہوشیاری، کمال نگرانی اور پوری حفاظت کے ساتھ وہ ساری مخلوق کے خیر خواہ ہوتے ہیں، وہ احکام رب رحمٰن کے پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ رسولوں کی ہدایت تو لوگوں کو ربانی بننے کی ہوتی ہے کہ وہ حکمتوں والے، علم والے اور حلم والے بن جائیں۔ سمجھدار، عابد و زاہد، متقی اور پارسا ہیں۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنے والوں پر حق ہے کہ وہ باسمجھ ہوں تَعْلَمُوْنَ اور تُعَلِّمُوْنَ دونوں قرات ہیں پہلے کے معنی ہیں، معنی سمجھنے کے، دوسرے کے معنی ہیں تعلیم حاصل کرنے کے تَدْرُسُوْنَ کے معنی ہیں الفاظ یاد کرنے کے۔

پھر ارشاد ہے کہ وہ یہ حکم نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی ہو بھیجا ہوا، خواہ فرشتہ ہو قرب الٰہ والا، یہ تو وہی کر سکتا ہے جو اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی دعوت دے اور جو ایسا کرے، وہ کافر ہوا اور کفر نبیوں کا کام نہیں، ان کا کام تو ایمان لانا ہے اور ایمان نام ہے اللہ واحد کی عبادت اور پرستش کا، اور یہی نبیوں کی دعوت ہے۔ جیسے خود قرآن فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے، سب پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ تم سب میری عبادت کرتے رہو اور فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کے سوا ہر کسی کی عبادت سے بچو، ارشاد ہے تجھ سے پہلے تمام رسولوں سے پوچھ لو۔ کیا ہم نے اپنی ذات رحمان کے سوا ان کی عبادت کیلئے کسی اور کو مقرر کیا تھا؟ فرشتوں کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ الخ، ان میں سے اگر کوئی کہہ دے کہ میں معبود ہوں بجز اللہ تو اسے بھی جہنم کی سزا دیں اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ
فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہیں اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے، فرمایا کیا تم اس کے اقراری ہو؟ اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو، سب نے کہا ہاں ہمیں اقرار ہے فرمایا تو آپ گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں ○ پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں ○

انبیاء سے عہد و میثاق: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے تمام انبیاء کرام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے کسی کو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کتاب و حکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس

کے بعد اسی کے زمانے میں (آخری) رسولؐ آ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و امداد کرنا اس کا فرض ہو گا۔ یہ نہ ہو کہ اپنے علم و نبوت کی وجہ سے اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے' پھر ان سے پوچھا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور اسی عہد و میثاق پر مجھے ضامن ٹھہراتے ہو۔ سب نے کہا' ہاں ہمارا اقرار ہے تو فرمایا گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد و میثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق' بے حکم اور بدکار ہے۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کرے کہ وہ بھی حضورؐ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری میں لگ جائے۔ طاؤسؒ' حسن' بصریؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں' نبیوں سے اللہ نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں' کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تفسیر اوپر کی تفسیر کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کی تائید ہے۔ اسی لئے حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ سے ان کے لڑکے کی روایت مثل روایت حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے بھی مروی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' یا رسول اللہ میں نے ایک دوست قریظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورات کی جامع باتیں مجھے لکھ دے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں انہیں پیش کروں۔ حضورؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا' حضرت عبداللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ تم نہیں دیکھتے کہ آپ کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے' میں اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' محمدؐ کے رسول ہونے پر خوش ہوں (ﷺ) اس وقت حضورؐ کا غصہ دور ہوا' اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر حضرت موسیٰؑ تم میں آ جائیں اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ' تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔

مسند ابو یعلی میں لکھا ہے' اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں تو تمہیں راہ راست کیسے دکھائیں گے بلکہ ممکن ہے تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا حق کی تکذیب کر بیٹھو اللہ کی قسم اگر موسیٰ بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے اور کچھ حلال نہ تھا' بعض احادیث میں' اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا' پس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور امام اعظم ہیں۔ جس زمانے میں بھی آپ کی نبوت ہوتی' آپ واجب الاطاعت تھے اور تمام انبیا کی تابعداری پر جو اس وقت ہوں' آپ کی فرمانبرداری مقدم رہتی' یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کے امام آپ ہی بنائے گئے' اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو انجام تک پہنچانے میں آپ ہی شفیع ہوں گے۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں' تمام انبیاء اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے بالآخر آپ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ اپنے درود و سلام آپ پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے' قیامت کے دن تک' آمین۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کیا پس اللہ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں تو اور جبراً ہوں تو بھی سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ تو کہہ دے کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولادوں پر اتارا گیا' سب پر ایمان لائے اور جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے نبی اللہ کی طرف سے دیئے گئے اس پر بھی' ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے' اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا ○

اسلامی اصول اور روز جزا: ☆☆ (آیت:۸۳-۸۵) اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے سوا جو اس نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کی معرفت نازل فرمایا ہے یعنی صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرنا' کوئی شخص کسی اور دین کی تلاش کرے اور اسے مانے' اس کی تردید یہاں بیان ہو رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہیں خواہ خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا الخ' یعنی زمین و آسمان کی تمام تر مخلوق اللہ کے سامنے سجدے کرتی ہے اپنی خوشی سے یا جبراً' اور جگہ ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ الخ' کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام مخلوق کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتی ہیں' آسمانوں کی سب چیزیں اور زمینوں کے کل جاندار اور سب فرشتے کوئی بھی تکبر نہیں کرتا۔ سب کے سب اپنے اوپر والے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم دیئے جائیں' بجالاتے ہیں' پس مومنوں کا تو ظاہر و باطن' قلب و جسم دونوں اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور کافر بھی اللہ کے قبضے میں ہے اور جبراً اللہ کی جانب جھکا ہوا ہے۔ اس کے تمام فرمان اس پر جاری ہیں اور وہ ہر طرح قدرت و مشیت اللہ کے ماتحت ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے غلبے اور قدرت سے باہر نہیں' اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب حدیث یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' آسمانوں والے تو فرشتے ہیں جو بخوشی اللہ کے فرمان گزار ہیں اور زمین والے وہ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے ہیں' یہ بھی بہ شوق تمام اللہ کے زیر فرمان ہیں' اور ناخوشی سے فرماں بردار وہ ہیں جو لوگ مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں میدان جنگ میں قید ہوتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے لائے جاتے ہیں' یہ لوگ جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے تیرے رب کو ان لوگوں سے تعجب ہوتا ہے جو زنجیروں اور رسیوں سے باندھ کر جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اس حدیث کی اور سند بھی ہے' لیکن اس آیت کے معنی تو وہی زیادہ قوی ہیں جو پہلے بیان ہوئے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ آیت اس آیت جیسی ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ اگر تو ان سے پوچھ کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس سے مراد وہ وقت ہے جب روز ازل ان سب سے میثاق اور عہد لیا تھا اور آخر کار سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے یعنی قیامت والے دن اور ہر ایک کو وہ اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

پھر فرماتا ہے تو کہہ ہم اللہ اور قرآن پر ایمان لائے اور ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام پر جو صحیفے اور وحی اتری' ہم اس پر بھی ایمان لائے اور ان کی اولاد پر جو اترا' اس پر بھی ہمارا ایمان ہے' اَسْبَاط سے مراد بنو اسرائیل کے قبائل ہیں جو حضرت یعقوبؑ کی نسل میں سے تھے۔ یہ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے' حضرت موسیٰؑ کو توراۃ دی گئی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کو انجیل' اور بھی جتنے انبیاء کرام

اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے' ہمارا ان سب پر ایمان ہے' ہم ان میں کوئی تفریق اور جدائی نہیں کرتے یعنی کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے' اور ہم اللہ کے فرمابردار ہیں' پس اس امت کے مومن تمام انبیاء اور اللہ تعالیٰ کی کل کتابوں کو مانتے ہیں۔ کسی کے ساتھ کفر نہیں کرتے' ہر کتاب اور ہر نبی کے سچا ماننے والے ہیں۔

پھر فرمایا کہ دین اللہ کے سوا جو شخص کسی اور راہ چلے' وہ قبول نہیں ہوگا اور آخرت میں وہ نقصان میں رہے گا۔ جیسے صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے' جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو' وہ مردود ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے' نماز آ کر کہے گی کہ اے اللہ میں نماز ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے' صدقہ آئے گا اور کہے گا پروردگار میں صدقہ ہوں' جواب ملے گا تو بھی خیر پر ہے' روزہ آ کر کہے گا' میں روزہ ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو بھی بہتری پر ہے' پھر اسی طرح اور اعمال بھی آتے جائیں گے اور سب کو یہی جواب ملتا رہے گا' پھر اسلام حاضر ہوگا اور کہے گا اے اللہ تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔ اللہ فرمائے گا تو خیر پر ہے۔ آج تیرے ہی اصولوں پر سب کو جانچوں گا' پھر سزا یا انعام دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ الخ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ
الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾
اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد کافر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا ○ ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں۔ نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انہیں مہلت دی جائے ○ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

توبہ اور قبولیت: ☆☆ (آیت:۸۶-۸۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک انصار مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا۔ پھر پچھتانے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیتیں اتریں۔ اس کی قوم نے اسے کہلوا بھیجا' وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا (ابن جریرؒ) نسائی' حاکم اور ابن حبان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام حاکمؒ اسے صحیح الاسناد کہتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حارث بن سویدؓ نے اسلام قبول کیا پھر قوم میں مل گیا اور اسلام سے پھر گیا۔ اس کے بارے میں یہ آیتیں اتریں' اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیتیں اسے پڑھ سنائیں تو اس نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے' اللہ کی قسم تو سچا ہے اور اللہ کے نبی تو تجھ سے بہت ہی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے' پھر وہ حضورؐ

کی طرف لوٹ آئے اسلام لائے اور بہت اچھی طرح اسلام کو نبھایا۔ بینات سے مراد رسول کی تصدیق پر حجتوں اور دلیلوں کا بالکل واضح ہو جانا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے، رسول کی حقانیت مان چکے، دلیلیں دیکھ چکے، پھر شرک کے اندھیروں میں جا چھپے، یہ لوگ مستحق ہدایت نہیں کیونکہ آنکھوں کے ہوتے ہوئے اندھے پن کو انہوں نے پسند کیا، اللہ تعالیٰ ناانصاف لوگوں کی رہبری نہیں کرتا، انہیں اللہ لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی ہمیشہ لعنت کرتی ہے نہ تو کسی وقت ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی نہ موقوفی، پھر اپنا لطف و احسان رافت و رحمت کا بیان فرماتا ہے کہ اس بدترین جرم کے بعد بھی جو میری طرف جھکے اور اپنے بداعمال کی اصلاح کر لے میں بھی اس سے درگزر کر لیتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ
كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ
بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾ ع ۹ ۱۱ ۱۷

بیشک جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کفر کریں، پھر کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، یہی گمراہ لوگ ہیں ○ ہاں ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں، ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو فدیئے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں ○

جب سانس ختم ہونے کو ہوں تو توبہ قبول نہیں ہوگی: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۱) ایمان کے بعد پھر اسی کفر پر مرنے والوں کو پروردگار عالم ڈرا رہا ہے کہ موت کے وقت تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی جیسے اور جگہ ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ الخ، آخر دم تک یعنی موت کے وقت تک گناہوں میں مبتلا رہنے والے موت کو دیکھ کر جو توبہ کریں، وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں اور یہی یہاں ہے کہ ان کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی اور یہی لوگ وہ ہیں جو راہ حق سے بھٹک کر باطل راہ پر لگ گئے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے، پھر مرتد ہو گئے، پھر اسلام لائے۔ پھر مرتد ہو گئے۔ پھر اپنی قوم کے پاس آدمی بھیج کر بھجوایا کہ کیا اب ہماری توبہ قبول ہے؟ انہوں نے حضورؐ سے سوال کیا، اس پر یہ آیت اتری (بزار) اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ کفر پر مرنے والوں کی کوئی نیکی قبول نہیں گو اس نے زمین بھر کر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہو نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جذعان جو بڑا مہمان نواز، غلام آزاد کرنے والا اور کھانا پینا دینے والا شخص تھا، کیا اسے اس کی یہ نیکی کام آئے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ نہیں کہا یعنی اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت والے دن بخش، جس طرح اس کی خیرات نامقبول ہے، اسی طرح فدیہ اور معاوضہ بھی جیسے اور جگہ ہے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ان سے نہ بدلہ مقبول نہ انہیں سفارش کا نفع اور فرمایا لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلٰلٌ اس دن نہ خرید و فروخت نہ مروت و محبت۔ اور جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ الخ، یعنی اگر کافروں کے پاس زمین میں جو کچھ ہے، ہو اور اتنا ہی اور بھی ہو پھر وہ اس سب کو قیامت کے عذابوں کے بدلے فدیہ دیں تو بھی نامقبول ہے۔ ان تکلیف والے المناک عذابوں کو سہنا پڑے گا، یہی مضمون یہاں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ بعض نے وَلَوِ افْتَدٰى کی واؤ کو زائد کہا ہے لیکن واؤ کو عطف کی ماننا اور وہ تفسیر کرنا جو ہم نے کی، بہت بہتر ہے واللہ اعلم پس

ثابت ہوا کہ اللہ کے عذاب سے کفار کو کوئی چیز نہیں چھڑا سکتی چاہے وہ بڑے نیک اور نہایت سخی ہوں۔ گو زمین بھر بھر کر سونا راہ اللہ لٹائیں یا پہاڑوں اور ٹیلوں کی مٹی اور ریت، نرم زمین اور سخت زمین کی خشکی اور تری کے ہم وزن سونا عذاب کے بدلے دینا چاہیں یا دیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیئے میں دے ڈالے گا۔ وہ کہے گا ہاں، تو جناب باری کا ارشاد ہو گا کہ میں نے تجھ سے بہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا، میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدمؑ کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو شرک کئے بغیر نہ رہا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، ایک ایسے جنتی کو لایا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہو تم نے کیسی جگہ پائی؟ وہ جواب دے گا اللہ بہت ہی بہتر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اچھا اور کچھ مانگنا ہو تو مانگو، دل میں جو تمنا ہو کہو، تو یہ کہے گا باری تعالیٰ میری صرف یہی تمنا ہے اور میرا یہی ایک سوال ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے، میں تیری راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ ہو جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، دس مرتبہ ایسا ہی ہو، کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت اور شہید کے مرتبے دیکھ چکا ہو گا۔ اسی طرح ایک جہنمی کو بلایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تو نے اپنی جگہ کیسے پائی؟ وہ کہے گا اللہ بہت ہی بری۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا ساری زمین بھر کر سونا دے کر ان عذابوں سے چھوٹنا تجھے پسند ہے؟ وہ کہے گا ہاں اے باری تعالیٰ، اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، میں نے تو اس سے بہت ہی کم اور بالکل آسان چیز تجھ سے طلب کی تھی لیکن تو نے اسے بھی نہ کیا چنانچہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا، پس یہاں فرمایا، ان کیلئے تکلیف دہ عذاب ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے اپنے آپ کو چھڑا سکے یا کوئی ان کی کسی طرح کی مدد کر سکے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے نجات دے۔ آمین)

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۴

چند اہم مضامین کی فہرست

- سب سے زیادہ پیاری چیز اور صدقہ ۴۵۷
- ذکر بیت اللہ اور احکامات حج ۴۵۹
- کافروں کا انجام ۴۶۲
- کامیابی کا انحصار کس پر ہے؟ ۴۶۲
- اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن حکیم ہے ۴۶۳
- یوم آخرت منافق اور مومن کی پہچان ۴۶۶
- سب سے بہتر شخص کون؟ اور سب سے بہتر امت کا اعزاز کس کو ملا؟ ۴۶۷
- ظلم نہیں سزا ۴۷۳
- کافر اور منافق مسلمان کے دوست نہیں، انہیں اپنا ہمراز نہ بناؤ ۴۷۴
- غزوۂ احد کی افتاد ۴۷۶
- غزوۂ بدر اور تائید الٰہی ۴۷۹
- سودخور جہنمی ہے ۴۸۱
- جنت کی خصوصیات ۴۸۱
- استغفار کرنا ۴۸۴
- شہادت اور بشارت ۴۸۶
- رسول اللہ ﷺ کی وفات کا مغالطہ اور غزوۂ احد ۴۸۷
- کافر اور منافقوں کے ارادے ... ۴۹۰
- تلواروں کے سایہ میں ایمان کی جانچ ۴۹۸
- باطل خیالات کی نشاندہی ۴۹۹
- اسوۂ حسنہ کے مالک نبی کریم ﷺ ۵۰۰
- غزوات سچے مسلمان اور منافق کے بے نقاب کرنے ذریعہ ۵۰۶
- بیئر معونہ کے شہداء اور جنت میں ان کی تمنا؟ ۵۰۸
- مشفق نبی کریم ﷺ اور عوام ۵۱۵
- کافروں کا قرض حسنہ پر احمقانہ تبصرہ...... ۵۱۷
- موت وحیات اور یوم حساب ۵۱۹
- بدترین خرید وفروخت! ۵۲۲
- مظاہر کائنات دلیل رب ذوالجلال دعوت غور وفکر ۵۲۳
- دعا کیجئے قبول ہوگی بشرطیکہ؟ ۵۲۸
- دنیا کا سامان تعیش دلیل نجات نہیں ۵۳۰
- ایمان والوں اور مجاہدین کے قابل رشک اعزاز ۵۳۱
- محبت ومودت کا آفاقی اصول ۵۳۷
- یتیموں کی نگہداشت اور چار شادیوں کی اجازت ۵۳۸
- چار سے زائد نہیں، وہ بھی بشرط انصاف ورنہ ایک ہی بیوی! ۵۴۰
- کم عقل اور یتیموں کے بارہ میں احکامات ۵۴۲
- وراثت کے مسائل ۵۴۵
- مزید مسائل میراث جن کا ہر مسلمان کو جاننا فرض ہے ۵۴۸
- وراثت کی مزید تفصیلات ۵۵۲
- نافرمانوں کا حشر ۵۵۵
- سیاہ کار عورت اور اس کی سزا ۵۵۶
- عالم نزع سے پہلے توبہ؟ ۵۵۷
- عورت پر ظلم کا خاتمہ ۵۵۹

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ
اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ
قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو' ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے- تم جو کچھ خرچ کرو' اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں ○ تورات کے نزول سے پہلے حضرت یعقوبؑ نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو توراۃ لے آؤ اور پڑھ سناؤ ○

سب سے زیادہ پیاری چیز اور صدقہ: ☆☆ (آیت:۹۲) حضرت عمرو بن میمونؒ فرماتے ہیں' بر سے مراد جنت ہے یعنی اگر تم اپنی پسند کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو گے تو تمہیں جنت ملے گی- مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ مالدار صحابی تھے- مسجد کے سامنے ہی بیرحا نامی آپ کا ایک باغ تھا جس میں کبھی کبھی آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہاں کا خوش ذائقہ پانی پیا کرتے تھے- جب یہ آیت اتری تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ' میرا تو سب سے زیادہ پیارا مال یہی باغ ہے- میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے راہ للہ صدقہ کیا' اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی عطا فرمائے اور اپنے پاس اسے میرے لئے ذخیرہ کرے- آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں' اسے تقسیم کر دیں- آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے' مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا' تم اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو' چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں بانٹ دیا-

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضورؐ مجھے اپنے تمام مال میں سب سے زیادہ مرغوب مال خیبر کی زمین کا حصہ ہے- میں اسے راہ للہ دینا چاہتا ہوں' فرمائیے کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا' اسے وقف کر دو' اصل روک لو اور پھل وغیرہ راہ للہ کر دو- مسند بزار میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس آیت کی تلاوت کر کے سوچا تو مجھے کوئی چیز ایک کنیز سے زیادہ پیاری نہ تھی' میں نے اس لونڈی کو راہ للہ آزاد کر دیا' اب تک بھی میرے دل میں اس کی ایسی محبت ہے کہ اگر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے نام پر دے کر پھر لوٹا لینا جائز ہوتو میں کم از کم اس سے نکاح کر لیتا-

بارگاہ رسالتؐ میں یہودی وفد: ☆☆ (آیت:۹۳) مسند احمد میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم آپ سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں جن کے جواب نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا- آپ نے فرمایا پوچھو لیکن پہلے تم لوگ وعدہ کرو اگر میں صحیح صحیح جواب دے دوں تو تمہیں میری نبوت کے تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہوگا- انہوں نے اس شرط کو منظور کر لیا کہ اگر آپ نے سچے جواب دیئے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے' ساتھ ہی انہوں نے بڑی قسمیں بھی کھائیں پھر پوچھا کہ بتائیے حضرت اسرائیلؑ نے کیا چیز اپنے اوپر حرام کی تھی؟ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ اور نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ اور فرشتوں میں سے کون سا فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جب حضرت اسرائیلؑ سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے گا تو میں سب سے زیادہ پیاری چیز کھانے پینے کی چھوڑ دوں گا' جب شفایاب ہو گئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا' مرد کا پانی سفید

رنگ اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل پتلا ہوتا ہے' دونوں میں سے جو اوپر آ جائے اس پر اولاد نر مادہ ہوتی ہے اور شکل وشباہت میں بھی اسی پر جاتی ہے۔ اس نبی امیؑ کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ میرے پاس وحی لے کر وہی فرشتہ آتا ہے جو تمام انبیاء کے پاس بھی آتا رہا یعنی جبرئیل علیہ السلام' بس اس پر وہ چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ کوئی اور فرشتہ آپ کا ولی ہوتا تو ہمیں آپ کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ رہتا۔ ہر سوال کے جواب کے وقت آپ انہیں قسم دیتے اور ان سے دریافت فرماتے اور وہ اقرار کرتے کہ ہاں جواب صحیح ہے' انہی کے بارے میں آیت مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ الخ' نازل ہوئی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت اسرائیلؑ کو عرق النساء کی بیماری تھی اور اس میں ان کا ایک پانچواں سوال یہ بھی ہے کہ یہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جو بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے جس سے بادلوں کو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو لے جاتا ہے اور یہ گرج کی آواز اسی کی آواز ہے۔ جبریلؑ کا نام سن کر کہنے لگے' وہ تو عذاب اور جنگ وجدال کا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے' اگر پیداوار اور بارش کے فرشتے حضرت میکائیلؑ آپ کے رفیق ہوتے تو ہم مان لیتے۔ حضرت یعقوبؑ کی روش پر ان کی اولاد بھی رہی اور وہ بھی اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی۔ اس آیت کو اگلی آیت سے مناسبت ایک تو یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسرائیلؑ نے اپنی چہیتی چیز اللہ کی نذر کر دی' اسی طرح تم بھی کیا کرو لیکن یعقوبؑ کی شریعت میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کو نام اللہ پر ترک کر دیتے تھے اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ نہیں بلکہ ہمیں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام پر خرچ کر دیا کریں' جیسے فرمایا وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ اور فرمایا یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ باوجود محبت اور چاہت کے وہ ہماری راہ میں مال خرچ کرتے اور مسکینوں کو کھانا دیتے ہیں۔ دوسری مناسبت یہ بھی ہے کہ پہلی آیتوں میں نصرانیوں کی تردید تھی تو یہاں یہودیوں کا رد ہو رہا ہے۔ ان کے رد میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا صحیح واقعہ بتا کر ان کے عقیدے کا رد کیا تھا' یہاں نسخ کا صاف بیان کر کے ان کے باطل عقیدے کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ان کی کتاب میں صاف موجود تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سے خشکی پر اترے تو ان پر تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا تو ان کی اولاد بھی اسے حرام جانتی رہی چنانچہ توراۃ میں بھی اس کی حرمت نازل ہوئی' اسی طرح اور بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں۔ یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کا آپس میں بہن بھائی کا نکاح ابتداء جائز ہوتا تھا لیکن بعد میں حرام کر دیا' عورتوں پر لونڈیوں سے نکاح کرنا شریعت ابراہیمی میں مباح تھا' خود حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ پر حضرت ہاجرہؑ کو لائے لیکن پھر توراۃ میں اس سے روکا گیا' دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حضرت یعقوبؑ کے زمانہ میں جائز تھا بلکہ خود حضرت یعقوبؑ کے گھر میں بیک وقت دو سگی بہنیں تھیں لیکن پھر توراۃ میں یہ حرام ہو گیا۔ اسی کو نسخ کہتے ہیں' اسے وہ دیکھ رہے ہیں۔ اپنی کتاب میں پڑھ رہے ہیں لیکن پھر نسخ کا انکار کر کے انجیل کو اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور ان کے بعد ختم المرسلینؐ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں' تو یہاں فرمایا کہ توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے تمام کھانے حلال تھے سوائے اس کے جسے اسرائیل علیہ السلام نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا' تم توراۃ لاؤ اور پڑھو' اس میں موجود ہے۔

فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ

هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰهِیۡمَ

حَنِیْفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۹۵﴾

اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھیں، وہی ظالم ہیں، کہہ دو کہ اللہ سچا ہے - تم سب ابراہیمؑ حنیف کی پیروی کرو جو مشرک نہ تھے ○

(آیت: ۹۵) پھر اس کے باوجود تمہاری یہ بہتان بازی اور افترا پردازی کہ اللہ نے ہمارے لئے ہفتہ ہی کے دن کو ہمیشہ کیلئے عید کا مقرر کیا ہے اور ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم ہمیشہ توراۃ ہی کے عامل رہیں اور کسی اور نبی کو نہ مانیں، یہ کس قدر ظلم و ستم ہے، تمہاری یہ باتیں اور تمہاری یہ روش یقیناً تمہیں ظالم و جابر ٹھہراتی ہے - اللہ نے سچی خبر دے دی، ابراہیمی دین وہی ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے - تم اس کتاب اور اس نبی کی پیروی کرو، ان سے اعلیٰ کوئی نبی ہے نہ اس سے بہتر اور زیادہ واضح کوئی اور شریعت ہے، جیسے اور جگہ ہے قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اے نبی تم کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے موحد ابراہیمؑ حنیف کے مضبوط دین کی سیدھی راہ دکھا دی ہے - اور جگہ ہے کہ ہم نے تیری طرف وحی کی کہ موحد ابراہیمؑ حنیف کے دین کی تابعداری کر -

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾

اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا، وہ ہے جو مکہ شریف میں ہے - جو تمام دنیا کے لئے برکت و ہدایت والا ہے، جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے - اس میں جو آ جائے، امن والا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں ○ اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے ○

ذکر بیت اللہ اور احکامات حج: ☆☆ (آیت: ۹۶-۹۷) یعنی لوگوں کی عبادت، قربانی، طواف، نماز، اعتکاف وغیرہ کیلئے اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جس کے بانی حضرت ابراہیم خلیلؑ ہیں، جن کی تابعداری کا دعویٰ یہود و نصاریٰ، مشرکین اور مسلمان سب کو ہے - وہ اللہ کا گھر جو سب سے پہلے مکہ میں بنایا گیا ہے اور بلاشبہ خلیل اللہ ہی حج کے پہلے منادی کرنے والے ہیں تو پھر ان پر تعجب اور افسوس ہے جو ملت حنفی کا دعویٰ کریں اور اس گھر کا احترام نہ کریں، حج کو یہاں نہ آئیں بلکہ اپنے قبلہ اور کعبہ الگ الگ بناتے پھریں - اس بیت اللہ کی بنیادوں میں ہی برکت و ہدایت ہے اور تمام جہان والوں کیلئے ہے - حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام، پوچھا پھر کون سی؟ فرمایا مسجد بیت المقدس، پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا وقت ہے؟ فرمایا چالیس سال، پوچھا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے، نماز پڑھ لیا کرو، ساری زمین مسجد ہے (مسند احمد و بخاری و مسلم)-

حضرت علیؓ فرماتے ہیں، گھر تو پہلے بہت سے تھے لیکن خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر سب سے پہلا یہی ہے، کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ زمین پر پہلا گھر یہی بنا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا نہیں - ہاں برکتوں اور مقام ابراہیم اور امن والا گھر یہی پہلا ہے، بیت اللہ شریف

کے بنانے کی پوری کیفیت سورۂ بقرہ کی آیت وَعَهِدۡنَآ اِلَٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ الخ، کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے- وہیں ملاحظہ فرمالیجئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، سدیؒ کہتے ہیں، سب سے پہلے روئے زمین پر یہی گھر بنا لیکن صحیح قول حضرت علیؓ کا ہی ہے اور وہ حدیث جو بیہقی میں ہے جس میں ہے کہ آدم وحوا نے بحکم الله بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے، یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں- ممکن ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے، انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہو- ''مکہ'' مکہ شریف کا مشہور نام ہے- چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں، ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا، اس لئے اسے مکہ کہا گیا اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مردان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''فج'' سے ''تنعیم'' تک مکہ ہے- بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے- بیت اللہ اور مسجد کو بکہ کہا گیا ہے، بیت اللہ اور اس کے آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے، اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق، بیت الحرام، بلد الامین، بلد المامون، ام رحم، ام القریٰ، صلاح، عرش، قادس، مقدس، ناسہ، ناسسہ، حاطمہ، راس، کوثا البلدہ البینۃ الکعبہ- اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت وشرافت کی دلیل ہیں اور جن سے ظاہر ہے کہ خلیل اللہ کی بناء یہی ہے- اس میں مقام ابراہیم بھی ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اونچی کر رہے تھے، یہ پہلے تو بیت اللہ شریف کی دیوار سے لگا ہوا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے ذرا ہٹا کر مشرق رخ کر دیا تھا کہ پوری طرح طواف ہو سکے اور جو لوگ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کیلئے پریشانی اور بھیڑ بھاڑ نہ ہو، اسی کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور اس کے متعلق بھی پوری تفسیر وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهِيۡمَ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے فالحمدللہ-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے، باقی اور بھی ہیں، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کے قدموں کے نشان جو مقام ابراہیم پر تھے، یہ بھی آیات بینات میں سے ہیں، کل حرم کو اور حطیم کو اور سارے ارکان حج کو بھی مقام ابراہیم کی تفسیر میں مفسرین نے داخل کیا ہے- اس میں آنے والا امن میں آ جاتا ہے، جاہلیت کے زمانے میں بھی مکہ امن والا رہا، باپ کے قاتل کو بھی یہاں پاتے تو نہ چھیڑتے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں، بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا- اور جگہ ہے اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا الخ، کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا- اور جگہ ہے وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ الخ، ہم نے انہیں خوف سے امن دیا نہ صرف انسان کیلئے امن ہے بلکہ شکار کرنا بلکہ شکار کو بھگانا، اسے خوفزدہ کرنا، اسے اس کے ٹھکانے یا گھونسلے سے ہٹانا اور اڑانا بھی منع ہے- اس کے درخت کاٹنا یہاں کی گھاس اکھیڑنا بھی ناجائز ہے- اس مضمون کی بہت سی حدیثیں پورے بسط کے ساتھ آیت وَعَهِدۡنَآ الخ، کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں-

مسند احمد، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ کے بازار حزورہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کو ساری زمین سے بہتر اور پیارا ہے- اگر میں زبردستی تجھ سے نہ نکالا جاتا تو ہرگز تجھے نہ چھوڑتا، اور اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جو اس گھر میں داخل ہوا، وہ جہنم سے بچ گیا، بیہقی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے، جو بیت اللہ میں داخل ہوا، وہ نیکی میں آیا اور برائیوں سے دور ہوا، اور گناہ بخش دیا گیا لیکن اس کے ایک راوی عبداللہ بن مؤمل قوی نہیں ہیں-

آیت کا یہ آخر حصہ حج کی فرضیت کی دلیل ہے۔ بعض کہتے ہیں وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ الخ' والی آیت دلیل فرضیت ہے لیکن پہلی بات زیادہ واضح ہے۔ کئی ایک احادیث میں وارد ہے کہ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے' اس کی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ استطاعت والے مسلمان پر حج فرض ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا' لوگو تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے' تم حج کرو' ایک شخص نے پوچھا حضور کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے۔ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا' پھر بجا نہ لا سکتے' میں جب خاموش رہوں تو تم کرید کرید کر پوچھا نہ کرو' تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء سے سوالوں کی بھرمار اور نبیوں پر اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' میرے حکموں کو طاقت بھر بجا لاؤ اور جس چیز میں منع کروں' اس سے رک جاؤ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف کی اس حدیث شریف میں اتنی زیادتی ہے کہ یہ پوچھنے والے اقرع بن حابسؓ تھے اور حضورؐ نے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور پھر نفل۔

ایک روایت میں ہے کہ اسی سوال کے بارے میں آیت لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ الخ' یعنی زیادتی سوال سے بچو' نازل ہوئی (مسند احمد) ایک اور روایت میں ہے اگر میں ہاں کہتا تو ہر سال حج واجب ہوتا تم بجا نہ لا سکتے تو عذاب نازل ہوتا (ابن ماجہ) ہاں حج میں تمتع کرنے کا جواز حضورؐ نے ایک سائل کے سوال پر ہمیشہ کیلئے جائز فرمایا تھا' ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں امہات المومنین یعنی اپنی بیویوں سے فرمایا تھا' حج ہو چکا۔ اب گھر سے نہ نکلنا' رہی استطاعت اور طاقت سو وہ کبھی تو خود انسان کو بغیر کسی ذریعہ کے ہوتی ہے' کبھی کسی اور کے واسطے سے' جیسے کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کون سا حج افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا' جس میں قربانیاں کثرت سے کی جائیں اور لبیک زیادہ پکارا جائے۔

ایک اور شخص نے سوال کیا' حضور سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا توشہ بھتہ کھانے پینے کے لائق سامان خرچ اور سواری' اس حدیث کا ایک راوی گو ضعیف ہے مگر حدیث کی متابعت اور سند بہت سے صحابیوں سے مختلف سندوں سے مروی ہے کہ حضورؐ نے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کی تفسیر میں زاد و راحلہ یعنی توشہ اور سواری بتائی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کل کیا پیش آئے' ابوداؤد وغیرہ میں ہے حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا ارادہ پورا کر لینا چاہئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جس کے پاس تین سو درہم ہوں' وہ طاقت والا ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں مراد صحت جسمانی ہے۔ پھر فرمایا جو کفر کرے یعنی فرضیت حج کا انکار کرے' حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین پسند کرے' اس سے قبول نہ کیا جائے گا تو یہودی کہنے لگے ہم بھی مسلمان ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے۔ تم بھی حج کرو تو وہ صاف انکار کر بیٹھے جس پر یہ آیت اتری کہ اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو شخص کھانے پینے اور سواری پر قدرت رکھتا ہو اور اتنا مال بھی اس کے پاس ہو' پھر حج نہ کرے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اللہ کیلئے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے' جو اس کے راستہ کی طاقت رکھیں اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے' اس کے راوی پر بھی کلام ہے' حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں' طاقت رکھ کر حج نہ کرنے والا یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر' اس کی سند بالکل صحیح ہے (حافظ ابوبکر اسماعیلی) مسند سعید بن منصور میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا مقصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں۔ وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے

کے حج نہ کرتے ہوں' ان پر جزیہ لگا دیں' وہ مسلمان نہیں ہیں' وہ مسلمان نہیں ہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ
عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے ○ ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ○ اے ایماندارو اگر تم ان اہل کتاب کی اس جماعت کی باتیں مانو گے تو تمہیں تمہاری ایمان داری کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے ○

کافروں کا انجام: ☆☆ (آیت:۹۸-۹۹) اہل کتاب کے کافروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے جو حق سے دشمنی کرتے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے' دوسرے لوگوں کو بھی پورے زور سے اسلام سے روکتے تھے باوجودیکہ رسولؐ کی حقانیت کا انہیں یقینی علم تھا۔ اگلے انبیاء اور رسولوں کی پیش گوئیاں اور ان کی بشارتیں ان کے پاس موجود تھیں' نبی امی ہاشمی عربی مکی مدنی' سید الولد آدم' خاتم الانبیاء' رسول رب ارض وسما صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان کتابوں میں موجود تھا۔ پھر بھی اپنی بے ایمانی پر بضد تھے اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خوب دیکھ رہا ہوں' تم کس طرح میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم الانبیاء کو ستاتے ہو اور کس طرح میرے مخلص بندوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہو' میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں تمام برائیوں کا بدلہ دوں گا۔ اس دن پکڑوں گا جس دن تمہیں کوئی سفارشی اور مددگار نہ ملے۔

کامیابی کا انحصار کس پر ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۰) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اہل کتاب کے اس بدباطن فرقہ کی اتباع کرنے سے روک رہا ہے کیونکہ یہ حاسد ایمان کے دشمن ہیں اور عرب کی رسالت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی' جیسے اور جگہ ہے و د کثیر الخ' یہ لوگ جل بھن رہے ہیں اور تمہیں ایمان سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ تم ان کے کھوکھلے دباؤ میں نہ آ جانا' گو کفر تم سے بہت دور ہے لیکن پھر بھی میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں' اللہ تعالیٰ کی آیتیں دن رات تم میں پڑھی جا رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سچا رسول تم میں موجود ہے۔

جیسے اور جگہ ہے مَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ تم ایمان کیسے نہ لاؤ' رسول تمہیں تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں اور تم سے عہد بھی لیا جا چکا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضورؐ نے ایک روز اپنے صحابؓ سے پوچھا' تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے' آپ نے فرمایا' بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی وحی سے براہ راست تعلق ہے' صحابہؓ نے کہا پھر ہم' فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں تو میں خود موجود ہوں۔ صحابہؓ نے کہا پھر حضورؐ خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے (امام ابن کثیر نے اس حدیث

کی سندوں کا اور اس کے معنی کا پورا بیان شرح صحیح بخاری میں کر دیا ہے۔ فالحمد للہ) پھر فرمایا کہ باوجود اس کے تمہارا مضبوطی سے اللہ کے دین کو تھام رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر پورا توکل رکھنا ہی موجب ہدایت ہے، اسی سے گمراہی دور ہوتی ہے، یہی شیوہ رضا کا باعث ہے، اسی سے صحیح راستہ حاصل ہوتا ہے اور کامیابی اور مراد ملتی ہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ
رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ع ۱۰
وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(گویہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہؐ موجود ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تھام لے تو ہی راہ راست دکھایا جائے گا ○ ایمان والو اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے۔ دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا ○

اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن حکیم ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۱-۱۰۲) اللہ تعالیٰ سے پورا پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی یاد نہ بھلائی جائے، اس کا شکر کیا جائے، کفر نہ کیا جائے۔ بعض روایتوں میں یہ تفسیر مرفوع بھی مروی ہے لیکن ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، واللہ اعلم۔ حضرت انسؓ کا فرمان ہے کہ انسان اللہ عزوجل سے ڈرنے کا حق نہیں بجا لا سکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے۔

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس دوسری آیت میں فرما دیا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو، اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو، عدل پر جم جاؤ یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو۔ اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی عدل و انصاف برتا کرو۔ پھر فرمایا کہ اسلام پر ہی مرنا یعنی تمام زندگی اس پر قائم رہنا تا کہ موت بھی اسی پر آئے، اس رب کریم کا اصول یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی جیسی رکھے ویسی ہی اسے موت آتی ہے اور جس موت مرے، اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی ناپسند موت سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت ابن عباسؓ بھی وہاں تھے، ان کے ہاتھ میں لکڑی تھی، بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی ہر کھانے والی چیز خراب ہو جائے، کوئی چیز کھا پی نہ سکیں۔ پھر خیال کرو کہ ان جہنمیوں کا کیا حال ہوگا جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہوگا۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو، اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جسے وہ خود اپنے لئے چاہتا ہو (مسند احمد)۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی ﷺ کی زبانی آپ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا (مسلم) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں اس

کے گمان کے پاس ہی ہوں۔ اگر اس کا میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں اس کے ساتھ اچھائی کروں گا اور اگر وہ میرے ساتھ بدگمانی کرے گا تو میں اس سے اسی طرح پیش آؤں گا۔ (مسند احمد) اس حدیث کا اگلا حصہ بخاری و مسلم میں بھی ہے' مسند بزار میں ہے کہ ایک بیمار انصاریؓ کی بیمار پرسی کیلئے آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور سلام کر کے فرمانے لگے کہ کیسے مزاج ہیں؟ اس نے کہا الحمد للہ اچھا ہوں' رب کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اس کے عذابوں سے ڈر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا سنو! ایسے وقت جس دل میں خوف و طمع دونوں ہوں' اللہ اس کی امید کی چیز اسے دیتا ہے اور ڈر خوف کی چیز سے بچاتا ہے' مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور کہا کہ میں کھڑے کھڑے ہی گروں' اس کا مطلب امام نسائی نے تو سنن نسائی میں باب باندھ کر یہ بیان کیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہئے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ میں مسلمان ہوئے بغیر نہ مروں اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھاتا ہوا نہ مارا جاؤں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ
مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۳

اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کی اس وقت کی نعمت کو یاد رکھو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال کر اپنی مہربانی سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ اس نے تمہیں بچا لیا' اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ ○

تفرقہ میں نہ پڑو: ☆☆ (آیت:۱۰۳) پھر فرمایا' باہم اتفاق رکھو۔ اختلاف سے بچو۔ حبل اللہ سے مراد عہد الہ ہے جیسے اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ الخ' میں ''حبل'' سے مراد قرآن ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن اللہ کریم کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ کتاب اللہ' اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ یہ قرآن اللہ سبحانہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ظاہر نور ہے۔ یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے' اس پر عمل کرنے والے کے لیئے یہ بچاؤ ہے۔ اس کی تابعداری کرنے والے کے لیئے یہ نجات ہے۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' ان راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں' تم اللہ کے راستے پر آ جاؤ' تم اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو وہ رسی قرآن کریم ہے' اختلاف نہ کرو' پھوٹ نہ ڈالو' جدائی نہ کرو' علیحدگی سے بچو' صحیح مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تین باتوں سے اللہ رحیم خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ دوسرے اللہ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو' تفرقہ نہ ڈالو' تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیر خواہی کرو' فضول بکواس' زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تینوں چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں' بہت سی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں ہے کہ اتفاق کے وقت وہ خطا سے بچ جائیں گے

اور بہت سی احادیث میں نااتفاقی سے ڈرایا بھی ہے۔ ان ہدایات کے باوجود امت میں اختلافات ہوئے اور تہتر فرقے ہوگئے جن میں سے ایک نجات پاکر جنتی ہوگا اور جہنم کے عذابوں سے بچ رہے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر قائم ہوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تھے۔

پھر اپنی نعمت یاد دلائی' جاہلیت کے زمانے میں اوس وخزرج کے درمیان بڑی لڑائیاں اور سخت عداوت تھی' آپس میں برابر جنگ جاری رہتی تھی' جب دونوں قبیلے اسلام لائے تو اللہ کریم کے فضل سے بالکل ایک ہو گئے۔ سب حسد بغض جاتا رہا اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو گئے۔ جیسے اور جگہ ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ الخ' وہ اللہ جس نے تیری تائید کی' اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اپنا دوسرا احسان ذکر کرتا ہے کہ تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے اور تمہارا کفر تمہیں اس میں دھکیل دیتا لیکن ہم نے تمہیں اسلام کی توفیق عطا فرما کر اس سے بھی الگ کر لیا۔ حنین کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحت دینی کے مطابق حضور علیہ السلام نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ ایسے ہی نامناسب الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضورؐ نے جماعت انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا۔ اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے جماعت انصارؓ کیا تم گمراہ نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی' کیا تم متفرق نہ تھے؟ پھر رب دو عالم نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی' کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا؟ ہر ہر سوال کے جواب میں یہ پاکباز جماعت یہ اللہ والا گروہ کہتا جاتا تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے احسان اور بھی بہت سے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں۔

حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اوس وخزرج جیسے صدیوں کے آپس کے دشمنوں کو یوں بھائی بھائی بنا ہوا دیکھا تو یہودیوں کی آنکھوں میں کانٹا کھٹکنے لگا۔ انہوں نے آدمی مقرر کئے کہ وہ ان کی محفلوں اور مجلس میں جایا کریں اور اگلی لڑائیاں اور پرانی عداوتیں انہیں یاد دلائیں۔ ان کے مقتولوں کی یاد تازہ کرائیں اور اس طرح انہیں بھڑکائیں۔ چنانچہ ان کا یہ داؤ ایک مرتبہ چل بھی گیا اور دونوں قبیلوں میں پرانی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ تلواریں کھنچ گئیں' ٹھیک دو جماعتیں ہوگئیں اور وہی جاہلیت کے نعرے لگنے لگے' ہتھیار سجنے لگے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے اور یہ ٹھہر گیا کہ حرہ کے میدان میں جا کر ان سے دل کھول کر لڑیں اور مردانگی کے جوہر دکھائیں' پیاسی زمین کو اپنے خون سے سیراب کریں لیکن حضور علیہ السلام کو پتہ چل گیا۔ آپ فوراً موقعہ پر تشریف لائے اور دونوں گروہ کو ٹھنڈا کیا اور فرمانے لگے' پھر جاہلیت کے نعرے تم لگانے لگے' میری موجودگی میں ہی تم نے پھر جنگ وجدال شروع کر دیا؟ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی' سب نادم ہوئے اور اپنی دو گھڑی پہلے کی حرکت پر افسوس کرنے لگے اور آپس میں نئے سرے سے معانقہ مصافحہ کیا اور پھر بھائیوں کی طرح گلے مل گئے' ہتھیار ڈال دیئے اور صلح صفائی ہوگئی۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی اور آپ کی برات نازل ہوئی تھی تب ایک دوسرے کے مقابلہ میں تن گئے تھے' فاللہ اعلم۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴ وَلَا تَكُوْنُوْا

كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَ
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے۔ یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا' انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے ○

یوم آخرت منافق اور مومن کی پہچان: ☆☆ (آیت:۱۰۴-۱۰۵) حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' اس جماعت سے مراد خاص صحابہ اور خاص راویان حدیث ہیں یعنی مجاہد اور علماء امام ابوجعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا' صبر سے مراد قرآن وحدیث کی اتباع ہے' یاد رہے کہ ہر ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہئے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے' اسے ہاتھ سے دفع کر دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے' اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے نفرت کرے' یہ ضعیف ایمان ہے۔ ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں' (صحیح مسلم) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمادے گا' پھر تم دعائیں کرو گے لیکن قبول نہ ہوں گی۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو کسی اور مقام پر ذکر کی جائیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے کہ تم سابقہ لوگوں کی طرح افتراق واختلاف نہ کرنا' تم نیک باتوں کا حکم اور خلاف شرع باتوں سے روکنا نہ چھوڑنا' مسند احمد میں ہے' حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کیلئے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے اور اس میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ خواہشات نفسانی اور خوش فہمی میں ہوں گے بلکہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی رگ رگ میں نفسانی خواہشیں اس طرح گھس جائیں گی جس طرح کتے کے کاٹے ہوئے انسان کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اے عرب کے لوگو! اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ
وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ
فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ
نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾

جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ' سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں کیا۔ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو ○ اور سفید چہرے والے اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے' اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اے نبی ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت تجھ پر کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں ○ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ○

خوارج کا انجام: ☆☆ (آیت:۱۰٦-۱۰۹) پھر فرمایا' اس دن سفید چہرے اور سیاہ منہ بھی ہوں گے' ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل سنت والجماعت کے منہ سفید اور نورانی ہوں گے مگر اہل بدعت ومنافقت کے کالے منہ ہوں گے حسن بصریؒ فرماتے ہیں' یہ کالے منہ والے منافق ہوں گے جن سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیوں کیا' اب اس کا مزہ چکھو۔ اور سفید منہ والے اللہ رحیم وکریم کی رحمت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خارجیوں کے سر دمشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے یہ جہنم کے کتے ہیں' ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں' انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں۔ پھر آیت یَّوْمَ تَبْیَضُّ تلاوت فرمائی' ابوغالب نے کہا' کیا جناب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ فرمایا ایک دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالتا ہی نہیں' ابن مردویہ نے یہاں حضرت ابوذرؓ کی روایت سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے لیکن سنداً غریب ہے۔ دنیا اور آخرت کی یہ باتیں ہم تم پر اے نبی کھول رہے ہیں' اللہ عادل وحاکم ہے' وہ ظالم نہیں اور ہر چیز کو آپ خوب جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے' پھر ناممکن ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے (جن کے کالے منہ ہوئے وہ اسی لائق تھے) زمین اور آسمان کی کل چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں ہیں اور ہر کام کا آخری حکم اسی کی طرف ہے' متصرف اور بااختیار حاکم' دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ
الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ
يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو' اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا' ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں ○ یہ لوگ تمہیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے' اگر لڑائی کا موقعہ آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے پھر مدد نہ کئے جائیں گے ○

سب سے بہتر شخص کون؟ اور سب سے بہتر امت کا اعزاز کس کو ملا؟ ☆☆ (آیت:۱۱۰-۱۱۱) اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمدیہ' تمام امتوں پر بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو' تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو' اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو' ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا' آپؐ اس وقت منبر پر تھے کہ حضورؐ کونسا شخص بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا' سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو' سب سے زیادہ پرہیزگار ہو' سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا' سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا' سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو (مسند احمد)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ساری امت پر مشتمل ہے' بیشک یہ حدیث میں بھی ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے ملا ہوا زمانہ۔ پھر اس کے بعد والا' ایک اور روایت میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ہم نے تمہیں بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم نے اگلی امتوں کی تعداد ستر تک پہنچادی ہے' اللہ کے نزدیک تم ان سب سے بہتر اور زیادہ بزرگ ہو' یہ مشہور حدیث ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے' اس امت کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل اس امت کے نبیؐ کی افضلیت ہے' آپ تمام مخلوق کے سردار' تمام رسولوں سے زیادہ اکرام وعزت والے ہیں' آپ کی شرع اتنی کامل اور اتنی پوری ہے کہ ایسی شریعت کسی نبی کو نہیں ملی تو ظاہر بات ہے کہ ان فضائل کو سمیٹنے والی امت بھی سب سے اعلیٰ وافضل ہے' اس شریعت کا تھوڑا سا عمل بھی اور امتوں کے زیادہ عمل سے بہتر وافضل ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

ہر جگہ ہی ذلیل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں۔ یہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی' یہ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے' یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا ○

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں وہ وہ نعمتیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں' آپؐ نے فرمایا' میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میں زمین کی کنجیاں دیا گیا ہوں' میرا نام احمد رکھا گیا ہے' میرے لئے مٹی پاک کی گئی ہے' میری امت سب امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے (مسند احمد) اس حدیث کی اسناد حسن ہے' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کرنے والا ہوں جو راحت پر حمد وشکر کریں گے اور مصیبت پر طلب ثواب اور صبر کریں گے حالانکہ انہیں حلم وعلم نہ ہوگا' آپ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر بردباری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے؟ رب العالمین نے فرمایا' میں انہیں اپنا حلم وعلم عطاء فرماؤں گا۔ میں چاہتا ہوں یہاں پر بعض وہ حدیثیں بھی بیان کردوں جن کا ذکر یہاں مناسب ہے۔ سنئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے

چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے' سب یک رنگ ہوں گے' میں نے اپنے رب سے گذارش کی کہ اے اللہ اس تعداد میں اور اضافہ فرما' اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آ جائیں گے (مسند احمد) حضورؐ فرماتے ہیں مجھے میرے رب نے ستر ہزار آدمیوں کو میری امت میں سے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی' حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا' حضورؐ کچھ اور زیادتی طلب کرتے' آپؐ نے فرمایا' میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے خوشخبری ملی کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے' فاروقؓ نے کہا' حضورؐ برکت کی دعا کرتے' آپؐ نے فرمایا میں نے پھر کی تو ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار کا وعدہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پھر گذارش کی کہ اللہ کے نبی اور کچھ بھی مانگتے۔ آپؐ نے فرمایا مانگا تو مجھے اتنی زیادتی اور ملی اور پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا کہ اس طرح' راوی حدیث کہتے ہیں اس طرح جب اللہ تعالیٰ سمیٹے تو اللہ عزوجل ہی جانتا ہے کہ کس قدر مخلوق اس میں آئے گی (فسحان الله و بحمده) (مسند احمد)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حمص میں بیمار ہو گئے عبداللہ بن قرط وہاں کے امیر تھے' وہ عیادت کو نہ آ سکے' ایک کلاعی شخص جب آپ کی بیمار پرسی کیلئے گیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ لکھنا جانتے ہو' اس نے کہا ہاں' فرمایا' لکھو یہ خط ثوبان کی طرف سے امیر عبداللہ بن قرط کی طرف جو رسول اللہ ﷺ کے خادم ہیں' بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ اگر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ کا کوئی خادم یہاں ہوتا اور بیمار پڑتا تو تم عیادت کیلئے جاتے' پھر کہا یہ خط لے جاؤ اور امیر کو پہنچا دو جب یہ خط امیر حمص کے پاس پہنچا تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے یہاں تشریف لائے کچھ دیر بیٹھ کر عیادت کر کے جب جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ثوبانؓ نے ان کی چادر پکڑ کر روکا اور فرمایا یک حدیث سنتے جائیں۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وعذاب کے جنت میں جائیں گے' ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے (مسند احمد) یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک رات ہم خدمت نبویؐ میں دیر تک باتیں کرتے رہے' پھر صبح جب حاضر خدمت ہوئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا' سنو آج رات انبیاءؑ اپنی اپنی امت سمیت مجھے دکھائے گئے' بعض انبیاءؑ کے ساتھ صرف تین شخص تھے' بعض کے ساتھ مختصر سا گروہ' بعض کے ساتھ ایک جماعت' کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا' جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے' مجھے یہ جماعت پسند آئی' میں نے پوچھا' یہ کون ہیں تو جواب ملا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں' میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے' جواب ملا اپنی داہنی طرف دیکھو' اب جو دیکھتا ہوں تو بے شمار مجمع ہے' جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں' اب مجھ سے پوچھا گیا' کہو خوش ہو' میں نے کہا' میرے رب میں راضی ہو گیا' فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے' اب نبی ﷺ نے فرمایا' تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے ہی ہونا۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ان میں سے ہو جو پہاڑیوں کو چھپائے ہوئے تھے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضورؐ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان ستر ہزار میں سے کرے' آپ نے دعا کی تو ایک دوسرے صحابیؓ نے بھی اٹھ کر یہی گذارش کی تو آپؐ نے فرمایا تم پر حضرت عکاشہؓ سبقت کر گئے۔

ہم اب آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو اسلام پر ہی پیدا ہوئے ہوں اور پوری عمر میں کبھی اللہ کے ساتھ شرک کیا ہی نہ ہو۔ آپؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا' یہ وہ لوگ ہیں جو دم جھاڑ نہیں کراتے' آگ کے داغ نہیں لگواتے' شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں (مسند احمد) ایک اور سند سے اتنی زیادتی اس میں اور بھی ہے کہ جب میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو

مجھ سے کہا گیا، اب اپنی بائیں جانب دیکھو، میں نے دیکھا تو بے شمار مجمع ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھی ڈھک لیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ موسم حج کا یہ واقعہ ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں، مجھے اپنی امت کی یہ کثرت بہت پسند آئی، تمام پہاڑیاں اور میدان ان سے پر تھے (مسند احمد) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہؓ کے بعد کھڑے ہونے والے ایک انصاری تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ (طبرانی) ایک اور روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا ساٹھ لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے۔ سب ایک ساتھ جنت میں جائیں گے، چمکتے ہوئے چودھویں رات کے چاند جیسے ان کے چہرے ہوں گے (بخاری و مسلم، طبرانی)۔

حصین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ کے پاس تھا تو آپ نے دریافت کیا، رات کو جو ستارہ ٹوٹا تھا، تم میں سے کسی نے دیکھا تھا، میں نے کہا ہاں حضرت میں نے دیکھا تھا، یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نماز میں تھا بلکہ مجھے بچھو نے کاٹ کھایا تھا۔ حضرت سعید نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا، میں نے کہا دم کر دیا تھا، کہا کیوں میں نے کہا، حضرت شعبی نے بریدہ بن حصیب کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ نظر بد اور زہریلے جانوروں کا دم جھاڑا کرانا ہے، کہنے لگے خیر جسے جو پہنچے اس پر عمل کرے، ہمیں تو حضرت ابن عباسؓ نے سنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت تھی، کسی کے ساتھ ایک شخص اور دو شخص اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا، اب جو دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نظر پڑی میں سمجھا یہ تو میری امت ہو گی پھر معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ مجھ سے کہا گیا، آسمان کے کناروں کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا تو وہاں بے شمار لوگ تھے، مجھ سے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضورؐ تو مکان پر چلے گئے اور صحابہؓ آپس میں کہنے لگے، شاید یہ حضورؐ کے صحابی ہوں گے، کسی نے کہا نہیں، اسلام میں پیدا ہونے والے اور اسلام پر ہی مرنے والے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ آپؐ تشریف لائے اور پوچھا، کیا باتیں کر رہے ہو، ہم نے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا، نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑا کریں نہ کرائیں، نہ داغ لگوائیں نہ شگون لیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی درخواست کی، آپ نے دعا کی کہ یا اللہ تو اسے ان میں سے ہی بنا، پھر دوسرے شخص نے بھی یہی کہا، آپ نے فرمایا، عکاشہ آگے بڑھ گئے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے لیکن اس میں دم جھاڑا نہیں کرنے کا لفظ نہیں، صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔ ایک اور مطول حدیث میں ہے کہ پہلی جماعت تو نجات پائے گی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے، ان سے حساب بھی نہ لیا جائے گا، پھر ان کے بعد والے سب سے زیادہ روشن ستارے جیسے چمکدار چہرے والے ہوں گے (مسلم) آپؐ فرماتے ہیں، مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب کے داخل بہشت ہوں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور تین لپیں اور میرے رب عزوجل کی لپوں سے (کتاب السنن لحافظ ابی بکر بن عاصم) اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ سے ستر ہزار کی تعداد سن کر یزید بن اخنسؓ نے کہا، حضورؐ یہ تو آپکی امت کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑے ہیں تو آپؐ نے فرمایا، ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہیں اور پھر اللہ نے تین لپیں (ہتھیلیوں کا کشکول) بھر کر اور بھی عطا فرمائے ہیں، اس کی اسناد بھی حسن ہے۔ کتاب السنن اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میرے رب نے جو عزت اور جلال والا ہے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں لے جائے گا پھر ایک ایک ہزار کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمی اور جائیں گے۔ پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپیں (دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملا کر کٹورا بنانا) بھر کر اور ڈالے گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ ان کی شفاعت ان کے باپ دادوں اور بیٹوں اور بیٹیوں اور خاندان و قبیلہ میں ہو گی، اللہ کرے میں تو ان میں سے ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی لپوں میں بھر کر آخر میں جنت میں لے جائے گا (طبرانی) اس حدیث کی سند میں بھی کوئی علت نہیں، واللہ اعلم۔

کریدَ میں حضورؐ نے ایک حدیث فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا یہ ستر ہزار جو بلا حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے' میرا خیال ہے کہ ان کے آتے آتے تو تم اپنے لئے اور اپنے بال بچوں اور بیویوں کیلئے جنت میں جگہ مقرر کر چکے ہو گے (مسند احمد) اس کی سند بھی شرط مسلم پر ہے' ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضورؐ کچھ اور زیادہ کیجئے' اسے سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا' ابوبکر بس کرو' صدیقؓ نے جواب دیا' کیوں صاحب اگر ہم سب کے سب جنت میں چلے جائیں گے تو آپ کو کیا نقصان ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' اگر اللہ چاہے تو ایک ہی ہاتھ میں ساری مخلوق کو جنت میں ڈال دے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا' عمرؓ سچ کہتے ہیں (مسند عبدالرزاق) اسی حدیث کی اور سند سے بھی بیان ہے۔ اس میں تعداد ایک لاکھ آئی ہے (اصبہانی)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب صحابہؓ نے ستر ہزار اور پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار پھر اللہ کا لپ بھر کر جنتی بنانا سنا تو کہنے لگے پھر تو اس کی بدنصیبی میں کیا شک رہ گیا جو باوجود اس کے بھی جہنم میں جائے (ابو یعلیٰ) اوپر والی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان ہوئی ہے۔ اس میں تعداد تین لاکھ کی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کا قول اور حضورؐ کی تصدیق کا بیان ہے (طبرانی)

ایک اور حدیث میں جنت میں جانے والوں کا ذکر کر کے حضورؐ نے فرمایا' میری امت کے سارے مہاجر تو اس میں آ ہی جائیں گے۔ پھر باقی تعداد اعرابیوں سے پوری ہو گی (محمد بن سہل) حضرت ابوسعید کہتے ہیں' حضورؐ کے سامنے حساب کیا گیا تو جملہ تعداد چار کروڑ نوے ہزار ہوئی۔ ایک اور حسن حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' قسم ہے اس ذات کی کہ محمد (ﷺ) کی جان اس کے ہاتھ میں ہے' تم ایک اندھیری رات کی طرح بے شمار ایک ساتھ جنت کی طرف بڑھو گے' زمین تم سے پر ہو جائے گی' تمام فرشتے پکار اٹھیں گے کہ محمد (ﷺ) کے ساتھ جو جماعت آئی' وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپؐ نے فرمایا' صرف میری تابعدار امت اہل جنت کی چوتھائی ہو گی۔ صحابہؓ نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے تو امید ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو جاؤ' ہم نے پھر تکبیر کہی' پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم آدھوں آدھ ہو جاؤ (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو۔ ہم نے خوش ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کی پھر فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو ہم نے پھر تکبیر کہی' آپؐ نے فرمایا مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو گے (بخاری و مسلم) طبرانی میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا کہتے ہو تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ بننا چاہتے ہو کہ چوتھائی جنت تمہارے پاس ہو اور تین اور چوتھائیوں میں تمام اور امتیں ہوں؟ ہم نے کہا' اللہ اور اس کا رسولؐ خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا تہائی حصہ ہو تو' ہم نے کہا یہ بہت ہے۔ فرمایا۔ اگر آدھوں آدھ ہو تو' انہوں نے کہا حضورؐ پھر تو بہت ہی زیادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا سنو! کل اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی صفیں صرف اس میری امت کی ہیں' مسند احمد میں بھی ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں۔ ان میں اسی صفیں صرف اس امت کی ہیں۔ یہ حدیث طبرانی' ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔

طبرانی ایک اور روایت میں ہے کہ جب آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تم اہل جنت کی چوتھائی ہو' پھر فرمایا بلکہ ثلث ہو' پھر فرمایا بلکہ نصف ہو' پھر فرمایا دو تہائی ہو (اے وسیع رحمتوں والے اور بے روک نعمتوں والے اللہ ہم تیرا بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ایسے معزز و محترم رسولؐ کی امت میں پیدا کیا' تیرے سچے رسولؐ کی سچی زبان

سے تیرے اس بڑھے چڑھے فضل و کرم کا حال سن کر ہم گنہگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا، اے ماں باپ سے زیادہ مہربان اللہ، ہماری آس نہ توڑ اور ہمیں بھی ان نیک ہستیوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔ باری تعالیٰ تیری رحمت کی ان گنت اور بے شمار بندوں میں سے اگر ایک قطرہ بھی ہم گنہگاروں پر برس جائے تو ہمارے گناہوں کو دھوڈالنے اور ہمیں تیری رحمت و رضوان کے لائق بنانے کیلئے کافی ہے، اللہ اس پاک ذکر کے موقعہ پر ہم ہاتھ اٹھا کر، دامن پھیلا کر آنسو بہا کر امیدوں بھرے دل سے تیری رحمت کا سہارا لے کر تیرے کرم کا دامن تھام کر تجھ سے بھیک مانگتے ہیں، تو قبول فرما اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنی رضا مندی کا گھر جنت الفردوس عطا فرما۔ (آمین الہ الحق آمین) صحیح بخاری و مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ہم دنیا میں سب سے آخر آئے اور جنت میں سب سے پہلے جائیں گے اور ان کو کتاب اللہ پہلے ملی۔ ہمیں بعد میں ملی، جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا، ان میں اللہ نے ہمیں صحیح طریق کی توفیق دی، جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے کہ یہود ہمارے پیچھے ہیں۔ ہفتہ کے دن اور نصرانی ان کے پیچھے اتوار کے دن۔ دارقطنی میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں، انبیاء پر دخول جنت حرام ہے اور جب تک میری امت نہ داخل ہو، دوسری امتوں پر دخول جنت حرام ہے۔ یہ وہ حدیثیں تھیں جنہیں ہم اس آیت کے تحت وارد کرنا چاہتے تھے فالحمدللہ۔ امت کو بھی چاہئے کہ یہاں اس آیت میں جتنی صفیں ہیں، ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم و ثابت رہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حج میں اس آیت کی تلاوت فرما کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم اس آیت کی تعریف میں داخل ہونا چاہتے ہو تو یہ اوصاف بھی اپنے میں پیدا کرو۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، اہل کتاب ان کاموں کو چھوڑ بیٹھے تھے جن کی مذمت کلام اللہ نے کی، فرمایا كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنكَرٍ فَعَلُوْهُ وہ لوگ برائی کی باتوں سے لوگوں کو روکتے نہ تھے۔ چونکہ مندرجہ بالا آیت میں ایمان داروں کی تعریف و توصیف بیان ہوئی تو اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے، تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی میرے نبی آخر الزمانؐ پر ایمان لاتے تو انہیں بھی یہ فضیلتیں ملتیں لیکن ان میں سے کفر و فسق اور گناہوں پر جمے ہوئے ہیں ہاں کچھ لوگ باایمان بھی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا، اللہ تمہیں تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا چنانچہ خیبر والے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا اور ان سے پہلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کو بھی اللہ نے ذلیل و رسوا کیا، اسی طرح شام کے نصرانی صحابہؓ کے وقت میں مغلوب ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھوں سے کلیتہً نکل گیا اور ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک حق پر قائم رہے گی، حضرت عیسیٰؑ آ کر ملت اسلام اور شریعت محمد کے مطابق حکم کریں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اوپر ذلت اور پستی ڈال دی گئی، ہاں اللہ کی پناہ کے علاوہ کہیں بھی امن و امان اور عزت نہیں یعنی جزیہ دینا اور مسلم بادشاہ کی اطاعت کرنا قبول کر لیں اور لوگوں کی پناہ یعنی عقد ذمہ مقرر ہو جائے یا کوئی مسلمان امن دے دے اگرچہ کوئی عورت ہو یا کوئی غلام ہو، علماء کا ایک قول یہ بھی ہے، حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حبل سے مراد عہد ہے جو غضب کے مستحق ہوئے اور مسکینی چپکا دی گئی، ان کے کفر اور انبیاء کے تکبر، حسد، سرکشی وغیرہ کا بدلہ ہے، اسی باعث ان پر ذلت و پستی اور مسکینی ہمیشہ کیلئے ڈال دی گئی۔ ان کی نافرمانیوں اور تجاوز حق کا یہ بدلہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ ابو داؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ
اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ
فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ
وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا
يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ
اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا
ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

یہ سارے کے سارے یکساں نہیں، بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، یہ نیک بخت لوگ ہیں ○ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں، ان کی ناقدری نہ کی جائے گی، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ○ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○ یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

ظلم نہیں سزا: ☆☆ (آیت: ۱۱۳-۱۱۷) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اہل کتاب اور اصحاب محمدؐ برابر نہیں، مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں ایک مرتبہ دیر لگا دی۔ پھر جب آئے تو جو اصحاب منتظر تھے، ان سے فرمایا کسی دین والا اس وقت تک اللہ کا ذکر نہیں کر رہا مگر صرف تم ہی اللہ کے ذکر میں ہو۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اہل کتاب کے علماء مثلاً حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضرت اسد بن عبیدؓ، حضرت ثعلبہ بن شعبہؓ وغیرہ کے بارے میں یہ آیت آئی کہ یہ لوگ ان اہل کتاب میں شامل نہیں جن کی مذمت پہلے گزری، بلکہ یہ باایمان جماعت امر اللہ پر قائم ہے۔ شریعت محمدیہ کی تابع ہے، استقامت و یقین اس میں ہے، یہ پاکباز لوگ راتوں کے وقت تہجد کی نماز میں بھی اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، اللہ پر، قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو بھی انہی باتوں کا حکم کرتے ہیں، ان

کیخلاف سے روکتے ہیں' نیک کاموں میں پیش پیش رہا کرتے ہیں' اب اللہ تعالیٰ انہیں خطاب عطا فرماتا ہے کہ یہ صالح لوگ ہیں' اس سورت کے آخر میں بھی فرمایا وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ الخ' بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر' اس قرآن اور توراۃ و انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ ان کے یہ نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے بلکہ پورا بدلہ ملے گا' تمام پرہیزگار لوگ اللہ کی نظروں میں ہیں۔ وہ کسی کے اچھے عمل کو برباد نہیں کرتا' وہاں ان بے دین لوگوں کو اللہ کے ہاں نہ مال نفع دے نہ اولاد' یہ تو جہنمی ہیں۔

صِرٌّ کے معنی سخت سردی کے ہیں جو کھیتوں کو جلا دیتی ہے' غرض جس طرح کسی کی تیار کھیتی پر برف پڑے اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے' نفع چھوڑ اصل بھی غارت ہو جائے اور امیدوں پر پانی پھر جائے' اسی طرح یہ کفار ہیں' جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں' اس کا نیک بدلہ تو کہاں' اور عذاب ہوگا' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا
يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ
اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا
يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا
اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹

اے ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تم دکھ میں پڑو' ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے' ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو ○ (تو غور کر لو)۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے' تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے رہتے ہیں' کہہ دو کہ اپنے غصہ میں ہی مر جاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو بخوبی جانتا ہے ○

کافر اور منافق مسلمان کے دوست نہیں' انہیں اپنا ہمراز نہ بناؤ: ☆☆ (آیت: ۱۱۸-۱۱۹) اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہمراز ہونے سے روکتا ہے کہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں خوش نہ ہو جانا اور ان کے مکر کے پھندے میں پھنس نہ جانا ورنہ موقعہ پا کر یہ تمہیں سخت ضرر پہنچائیں گے اور اپنی باطنی عداوت نکالیں گے۔ تم انہیں اپنا رازدار ہرگز نہ سمجھنا' راز کی باتیں ان کے کانوں تک ہرگز نہ پہنچانا۔

بطانہ کہتے ہیں انسان کے رازدار دوست کو اور مِنْ دُوْنِکُمْ سے مراد اہل اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں' بخاری وغیرہ میں حدیث

ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، جس نبی کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا، اس کیلئے دو بطانہ مقرر کئے، ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دینے والا اور دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا بس اللہ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظہ والا ہے۔ آپ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کر لیں۔ آپؓ نے فرمایا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مومن کو بطانہ بنالوں گا جو اللہ نے منع کیا ہے، اس واقعہ کو اور اس آیت کو سامنے رکھ کر ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ذمی کفار کو بھی ایسے کاموں میں نہ لگانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین کو مسلمانوں کے پوشیدہ ارادوں سے واقف کر دے اور ان کے دشمنوں کو ان سے ہوشیار کر دے کیونکہ ان کی تو چاہت ہی مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے۔

ازہر بن راشد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثیں سنتے تھے۔ اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تو حضرت حسن بصریؒ سے جا کر مطلب حل کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ انہوں نے آ کر حسن بصریؒ سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپؒ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو، دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دار و اپنے سوا دوسروں کو ہمراز نہ بناؤ (ابویعلی) لیکن حسن بصریؒ کی یہ تشریح قابل غور ہے۔ حدیث کا ٹھیک مطلب غالباً یہ ہے کہ محمد رسول اللہ عربی خط میں اپنی انگوٹھیوں پر نقش نہ کراؤ، چنانچہ اور حدیث میں صاف ممانعت موجود ہے، یہ اس لئے تھا کہ حضورؐ کی مہر کے ساتھ مشابہت نہ ہو اور اول جملے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی بستی کے پاس نہ رہو۔ اس کے پڑوس سے دور رہو، ان کے شہروں سے ہجرت کر جاؤ جیسے ابوداؤد میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کی لڑائی کی آگ کو کیا تم نہیں دیکھتے، اور حدیث میں ہے، جو مشرکوں سے میل جول کرے یا ان کے ساتھ رہے بسے، وہ بھی انہی جیسا ہے۔ پھر فرمایا، ان کی باتوں سے بھی ان کی عداوت ٹپک رہی ہے، ان کے چہروں سے بھی قیافہ شناس ان کی باطنی خباثتوں کو معلوم کر سکتا ہے، پھر جو ان کے دلوں میں تباہ کن شرارتیں ہیں، وہ تو تم سے مخفی ہیں لیکن ہم نے تو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ عاقل لوگ ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔

پھر فرمایا، دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تمہیں نہ چاہیں، تمہارا ایمان کل کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں، ان کی کتاب کو تم تو مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں تو چاہئے تو یہ تھا کہ تم خود انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں، سامنا ہو جائے تو اپنی ایمانداری کی داستان بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ و غضب کی جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہر داری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ یہ چاہے جلتے بھنتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی دیتا رہے گا، مسلمان دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مر جائیں، اللہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے۔ ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی، یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے، اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دونی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت حاصل کرتے دیکھیں گے برخلاف ان کے یہ خود یہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ
يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ

شَیْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ۱۲ ع ۱۱ ۲

تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں' ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں نقصان نہ دے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمالوں کا احاطہ کر رکھا ہے ○

(آیت: ۱۲۰) ان کی شدت عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تمہیں کوئی نفع پہنچتا ہے' یہ کلیجہ مسوسنے لگے اور اگر (اللہ نہ کرے) تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں' بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد ہوئی' یہ کفار پر غالب آئے' انہیں غنیمت کا مال ملا' یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آ گئی یا دشمنوں میں گھر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔ اب اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بدبختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر و تقویٰ اور توکل کرو' اللہ عزوجل خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا' کسی بھلائی کے حاصل کرنے' کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا' نہیں ہو سکتا' جو اس پر توکل کرے' اسے وہ کافی ہے' اسی مناسبت سے اب جنگ احد کا ذکر شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے صبر و تحمل کا بیان ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا پورا نقشہ ہے اور جس میں مومن و منافق کی ظاہری تمیز ہے۔ سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ
لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ
اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے نبی تو اس وقت کو بھی یاد کر جب صبح ہی صبح تو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے موقع پر باقاعدہ بٹھا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے جب تمہاری دو جماعتیں سستی کا ارادہ کر چکی تھیں' اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہئے' جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔ فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے رہا کرو (نہ کسی اور سے) تاکہ تمہیں شکرگزاری کی توفیق ہو اور یہ شکرگزاری باعث نصرت و امداد ہو ○

غزوہ احد کی افتاد: ☆☆ (آیت: ۱۲۱-۱۲۳) یہ احد کے واقعہ کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اسے جنگ خندق کا قصہ بھی کہا ہے لیکن ٹھیک یہ ہے کہ واقعہ جنگ احد کا ہے جو سن ۳ ہجری ۱۱ شوال بروز ہفتہ پیش آیا تھا' جنگ بدر میں مشرکین کو کامل شکست ہوئی تھی۔ ان کے سردار موت کے گھاٹ اترے تھے' اب اس کا بدلہ لینے کیلئے مشرکین نے بڑی بھاری تیاری کی تھی۔ وہ تجارتی مال جو بدر والی لڑائی کے موقعہ پر دوسرے راستے سے بچ کر آ گیا تھا' وہ سب اس لڑائی کیلئے روک رکھا تھا اور چاروں طرف سے لوگوں کو جمع کر کے تین ہزار کا ایک لشکر جرار تیار کیا اور پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی' ادھر رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کے بعد مالک بن عمروؓ کے جنازے کی نماز

پڑھائی جو قبیلہ بنی النجار میں سے تھے۔

پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کی مدافعت کی کیا صورت تمہارے نزدیک بہتر ہے؟ تو عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے' اگر وہ آئے اور ٹھہرے تو گویا ہمارے جیل خانہ میں آ گئے' رکے اور کھڑے رہیں' اور اگر مدینہ میں گھسے تو ایک طرف سے ہمارے بہادروں کی تلواریں ہوں گی دوسری جانب سے تیراندازوں کے بے پناہ تیر ہوں گے' پھر اوپر سے عورتوں اور بچوں کی سنگ باری ہوگی اور اگر یونہی لوٹ گئے تو بربادی اور خسارے کے ساتھ لوٹیں گے' لیکن اس کے برخلاف بعض صحابہؓ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے' ان کی رائے تھی کہ مدینہ کے باہر میدان میں جا کر خوب دل کھول کر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر باہر آئے' ان صحابہؓ کو اب خیال ہوا کہ کہیں ہم نے اللہ کے نبی کی خلاف منشاء تو میدان کی لڑائی پر زور نہیں دیا۔ اس لئے یہ کہنے لگے کہ حضورؐ اگر یہیں ٹھہر کر لڑنے کا ارادہ ہو تو یونہی کیجئے۔ ہماری جانب سے کوئی اصرار نہیں' آپؐ نے فرمایا' اللہ کے نبی کو لائق نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتارے۔ اب تو میں نہ لوٹوں گا جب تک کہ وہ نہ ہو جائے جو اللہ عزوجل کو منظور ہو۔

چنانچہ ایک ہزار کا لشکر لے کر آپؐ مدینہ شریف سے نکل کھڑے ہوئے' شوط پر پہنچ کر اس منافق عبداللہ بن ابی نے دغابازی کی اور اپنی تین سو کی جماعت کو لے کر واپس مڑ گیا۔ یہ لوگ کہنے لگے' ہم جانتے ہیں کہ لڑائی تو ہونے کی نہیں' خواہ مخواہ زحمت کیوں اٹھائیں؟ آنحضرتؐ نے اس کی کوئی پروانہ کی اور صرف سات سو صحابہ کرامؓ کو لے کر میدان میں اترے اور حکم دیا کہ جب تک میں نہ کہوں' لڑائی شروع نہ کرنا' پچاس تیرانداز صحابیوںؓ کو الگ کر کے ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو بنایا اور ان سے فرمادیا کہ پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو۔ دیکھو ہم غالب آ جائیں یا (اللہ نہ کرے) مغلوب ہو جائیں تم ہرگز ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا' یہ انتظامات کر کے خود آپ بھی تیار ہو گئے۔ دوہری زرہ پہنی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا دیا۔ آج چند لڑکے بھی لشکر محمدیؐ میں نظر آتے تھے' یہ چھوٹے سپاہی بھی جانبازی کیلئے بہ ہمہ تن مستعد تھے بعض اور بچوں کو حضورؐ نے ساتھ لیا تھا۔ انہیں جنگ خندق کے لشکر میں بھرتی کیا گیا۔ جنگ خندق اس کے دو سال بعد ہوئی تھی' قریش کا لشکر بڑے ٹھاٹھ سے مقابلہ پر آ ڈٹا' یہ تین ہزار سپاہیوں کا گروہ تھا۔ ان کے ساتھ دو سو کوتل گھوڑے تھے جنہیں موقعہ پر کام آنے کیلئے ساتھ رکھا تھا۔ ان کے داہنے حصہ پر خالد بن ولید تھا اور بائیں حصہ پر عکرمہ بن ابوجہل تھا (یہ دونوں سردار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ عنہما) ان کا جھنڈے بردار قبیلہ بنوعبدالدار تھا۔ پھر لڑائی شروع ہوئی جس کے تفصیلی واقعات انہی آیتوں کی موقعہ بہ موقعہ تفسیر کے ساتھ آتے رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض اس آیت میں اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ حضورؐ مدینہ شریف سے نکلے اور لوگوں کو لڑائی کے مواقع کی جگہ مقرر کرنے لگے۔ میمنہ میسرہ لشکر کا مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا اور سب کے دلوں کے بھید جاننے والا ہے' روایتوں میں یہ آ چکا ہے کہ حضور علیہ السلام جمعہ کے دن مدینہ شریف سے لڑائی کیلئے نکلے اور قرآن فرماتا ہے صبح ہی صبح تم لشکریوں کی جگہ مقرر کرتے تھے تو مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تو جا کر پڑاؤ ڈال دیا' باقی کارروائی ہفتہ کی صبح شروع ہوئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہمارے بارے میں یعنی بنوحارثہ اور بنوسلمہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ تمہارے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا تھا گو اس میں ہماری ایک کمزوری کا بیان ہے لیکن ہم اپنے حق میں اس آیت کو بہت بہتر جانتے ہیں کیونکہ اس میں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اللہ ان دونوں کا ولی ہے۔ پھر فرمایا کہ دیکھو میں نے بدر والے دن بھی تمہیں غالب کیا حالانکہ تم سب ہی کم اور بے سروسامان تھے' بدر کی لڑائی سن ۲ ہجری ۱۷ رمضان بروز جمعہ ہوئی تھی' اسی کا نام یوم الفرقان رکھا گیا۔ اس دن

اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی' شرک برباد ہوا۔ محل شرک ویران ہوا حالانکہ اس دن مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے' ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے' فقط ستر اونٹ تھے' باقی سب پیدل تھے' ہتھیار بھی اتنے کم تھے کہ گویا نہ تھے اور دشمن کی تعداد اس دن تین گنی تھی۔ ایک ہزار میں کچھ ہی کم تھے۔ ہر ایک زرہ بکتر لگائے ہوئے' ضرورت سے زیادہ وافر ہتھیار' عمدہ عمدہ' کافی سے زیادہ مالدار گھوڑے نشان زدہ جن کو سونے کے زیور پہنائے گئے تھے' اس موقعہ پر اللہ نے اپنے نبی کو عزت اور غلبہ دیا' حالات کے بارے میں ظاہر و باطن وحی کی' اپنے نبیؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو سرخرو کیا اور شیطان اور اس کے لشکریوں کو ذلیل و خوار کیا' اب اپنے مومن بندوں اور جنتی لشکریوں کو اس آیت میں یہ احسان یاد دلاتا ہے کہ تمہاری تعداد کی کمی اور ظاہری اسباب کی غیر موجودگی کے باوجود تمہیں کو غالب رکھا تاکہ تم معلوم کر لو کہ غلبہ ظاہری اسباب پر موقوف نہیں' اسی لئے دوسری آیت میں صاف فرما دیا کہ جنگ حنین میں تم نے ظاہری اسباب پر نظر ڈالی اور اپنی زیادتی دیکھ کر خوش ہوئے لیکن اس زیادتی تعداد اور اسباب کی موجودگی نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

حضرت عیاض اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک میں ہمارے پانچ سردار تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ حضرت یزید بن ابوسفیان' حضرت ابن حسنہؓ' حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عیاضؓ اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ لڑائی کے وقت حضرت ابوعبیدہؓ سردار ہوں گے۔ اس لڑائی میں ہمیں چاروں طرف سے شکست کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے خلیفہ وقت کو خط لکھا کہ ہمیں موت نے گھیر رکھا ہے۔ امداد کیجئے' فاروقؓ کا مکتوب گرامی ہماری گذارش کے جواب میں آیا جس میں تحریر تھا کہ تمہارا طلب امداد کا خط پہنچا۔ تمہیں ایک ایسی ذات بتاتا ہوں جو سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ مضبوط لشکر والی ہے۔ وہ ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے جس نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی مدد بدر والے دن کی تھی۔ بدری لشکر تو تم سے بہت ہی کم تھا۔ میرا یہ خط پڑھتے ہی جہاد شروع کر دو اور اب مجھے کچھ نہ لکھنا نہ کچھ پوچھنا' اس خط سے ہماری جراتیں بڑھ گئیں ہمتیں بلند ہو گئیں پھر ہم نے جم کر لڑنا شروع کیا' الحمد اللہ دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے' ہم نے بارہ میل تک ان کا تعاقب کیا' بہت سا مال غنیمت ہمیں ملا جو ہم نے آپس میں بانٹ لیا۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ کہنے لگے۔ میرے ساتھ دوڑ کون لگائے گا؟ ایک نوجوان نے کہا' اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں حاضر ہوں چنانچہ دوڑنے میں وہ آگے نکل گئے۔ میں نے دیکھا ان کی دونوں زلفیں ہوا میں اڑ رہی تھیں اور وہ اس نوجوان کے پیچھے گھوڑا دوڑائے چلے جا رہے تھے' بدر بن نارین ایک شخص تھا' اس کے نام سے ایک کنواں مشہور تھا اور اس میدان کا جس میں یہ کنواں تھا' یہی نام ہو گیا تھا' بدر کی جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ شکر کی توفیق ملے اور اطاعت گزاری کرسکو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ
بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا
وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ
بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ
اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾

جب تو مومنوں کو تسلی دے رہا تھا کہ کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی نہ ہوگا؟ ○ گو یہ لوگ اپنے اس جوش سے آئیں لیکن اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو گے تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشاندار ہوں گے ○ اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے ہے۔ یاد رکھو مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے ○

غزوہ بدر اور تائید الٰہی: ☆☆ (آیت:۱۲۴-۱۲۷) آنحضرت ﷺ کا یہ تسلیاں دینا بعض تو کہتے ہیں بدر والے دن تھا' حسن بصریؒ' عامرؒ شعبیؒ' ربیع بن انسؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ کا بھی اسی سے اتفاق ہے۔ عامر شعبی کا قول ہے کہ مسلمانوں کو یہ خبر ملی تھی کہ کرز بن جابر مشرکوں کی امداد میں آئے گا۔ اس پر اس امداد کا وعدہ ہوا تھا لیکن نہ وہ آیا اور نہ ہی یہ گئے۔ ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے پہلے تو ایک ہزار فرشتے بھیجے' پھر تین ہزار ہو گئے' پھر پانچ ہزار' یہاں اس آیت میں تین ہزار اور پانچ ہزار سے مدد کرنے کا وعدہ ہے اور بدر کے واقعہ کے بیان کے وقت ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ ہے فرمایا اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ اور تطبیق دونوں آیتوں میں یہی ہے کیونکہ مُرْدِفِیْنَ کا لفظ موجود ہے' پس پہلے ایک ہزار اترے پھر ان کے بعد تین ہزار پورے ہوئے آخر پانچ ہزار ہو گئے' بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ جنگ بدر کے لئے تھا نہ کہ جنگ احد کیلئے' بعض کہتے ہیں جنگ احد کے موقعہ پر وعدہ ہوا تھا' مجاہدؒ' عکرمہؒ' ضحاک' زہری' موسیٰ بن عقبہ رحمھم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان میدان چھوڑ کر ہٹ گئے' اس لئے یہ فرشتے نازل نہ ہوئے' کیونکہ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ساتھ ہی فرمایا تھا یعنی اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو۔ فَوْر کے معنی وجہ اور غضب کے ہیں۔ مُسَوِّمِیْن کے معنی علامت والے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' فرشتوں کی نشانی بدر والے دن سفید رنگ کے لباس کی تھی اور ان کے گھوڑوں کی نشانی ماتھے کی سفیدی تھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ان کی نشانی سرخ تھی' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' گردن کے بالوں اور دم کا نشان تھا اور یہی نشان آپ کے لشکریوں کا تھا یعنی صوف کا۔ مکحولؒ کہتے ہیں' فرشتوں کی نشانی ان کی پگڑیاں تھیں جو سیاہ رنگ کے عمامے تھے اور حنین والے دن سرخ رنگ عمامے تھے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں' بدر کے علاوہ فرشتے کبھی جنگ میں شامل نہیں ہوئے' اور سفید رنگ عماموں کی علامت تھی۔ یہ صرف مدد کیلئے اور تعداد بڑھانے کیلئے تھے نہ کہ لڑائی کیلئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر سفید رنگ کا صافہ تھا اور فرشتوں پر زرد رنگ۔ پھر فرمایا کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تمہیں اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی' دلجوئی اور اطمینان کیلئے ہے' ورنہ اللہ کو قدرت ہے کہ ان کو اتارے بغیر بلکہ بغیر تمہارے لڑے بھی تمہیں غالب کر دے' مدد اسی کی طرف سے ہے' جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ الخ' اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ ہر ایک کو آزما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قتل کئے جائیں' ان کے اعمال اکارت نہیں ہوتے' اللہ انہیں راہ دکھائے گا' ان کے اعمال سنوار دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا جس کی تعریف وہ کر چکا ہے' وہ عزت والا ہے اور اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے۔ یہ جہاد کا حکم بھی طرح طرح کی حکمتوں پر مبنی ہے۔ اس سے کفار ہلاک ہوں گے یا ذلیل ہوں گے یا نامراد واپس ہو جائیں گے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا
خَآىِٕبِيْنَ ۞۱۲۷ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ
يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۞۱۲۸ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

الْاَرْضِ ۭ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاۗءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ۝۱۲۹ۧ

اس امداد الٰہی سے کفار کی ایک جماعت کٹ جائے گی اور ذلیل ہوگی اور سارے کے سارے نامراد ہو کر واپس چلے جائیں گے ○ اے پیغمبر تمہارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے ان کی توبہ قبول کرے چاہے عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں ○ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے، اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

(آیت: ۱۲۸-۱۲۹) اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے کل امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اے نبی تمہیں کسی امر کا اختیار نہیں جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ تمہارا ذمہ صرف تبلیغ ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے اور جگہ ہے لَیْسَ عَلَیْكَ ھُدٰھُمْ الخ، ان کی ہدایت تمہارے ذمہ نہیں، اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور اِنَّكَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ الخ، تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے، پس میرے بندوں میں تجھے کوئی اختیار نہیں۔ جو حکم پہنچے اسے اوروں کو پہنچا دے، تیرے ذمہ یہی ہے۔ ممکن ہے اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے اور برائی کے بعد وہ بھلائی کرنے لگیں اور اللہ رحیم ان کی توبہ قبول فرما لے یا ممکن ہے کہ انہیں ان کے کفر و گناہ کی بناء پر عذاب کرے تو یہ ظالم اس کے بھی مستحق ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں جب دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد کہہ لیتے تو کفار پر بددعا کرتے کہ اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت کر، اس کے بارے میں یہ آیت اتری لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں ان کافروں کے نام بھی آئے ہیں مثلاً حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور اسی میں ہے کہ بالآخران کو ہدایت نصیب ہوئی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ چار آدمیوں پر یہ بددعا تھی جس سے روک دیئے گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی پر بددعا کرنا یا کسی کے حق میں نیک دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ اور رَبَّنَا پڑھ کر دعا مانگتے۔ کبھی کہتے اے اللہ ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابو ربیعہ اور کمزور مومنوں کو کفار سے نجات دے اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ اور اپنا عذاب نازل فرما اور ان پر ایسی قحط سالی بھیج جیسی حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں تھی، یہ دعا باآواز بلند ہوا کرتی تھی، اور بعض مرتبہ صبح کی نماز کے قنوت میں یوں بھی کہتے کہ اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت بھیج اور عرب کے بعض قبیلوں کے نام لیتے تھے۔

اور روایت میں ہے کہ جنگ احد میں جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے، چہرہ زخمی ہوا، خون بہنے لگا تو زبان سے نکل گیا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ کیا حالانکہ نبیؐ اللہ خالق کل کی طرف سے انہیں بلاتا تھا۔ اس وقت یہ آیت لَیْسَ لَكَ الخ، نازل ہوئی، آپؐ اس غزوے میں ایک گڑھ میں گر پڑے تھے اور خون بہت نکل گیا تھا۔ کچھ تو اس ضعف کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے، اٹھ نہ سکے۔ حضرت حذیفہؓ کے مولیٰ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے اور چہرے پر سے خون پونچھا جب افاقہ ہوا تو آپؐ نے یہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے، سب اس کے غلام ہیں، جسے چاہے بخشے، جسے چاہے عذاب کرے، متصرف وہی ہے جو چاہے حکم کرے، کوئی اس پر پرسش نہیں کر سکتا وہ غفور اور رحیم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا
مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اے ایمان والو بڑھا چڑھا سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تمہیں نجات ملے ○ اس آگ سے ڈرتے رہا کرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○
اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

سود خور جہنمی ہے: ☆☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی لین دین سے اور سود خوری سے روک رہا ہے' اہل جاہلیت سودی قرضہ دیتے تھے' مدت مقرر ہوتی تھی اگر اس مدت پر روپیہ وصول نہ ہوتا تو مدت بڑھا کر سود پر سود بڑھا دیا کرتے تھے۔ اس طرح سود در سود ملا کر اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی' اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو اس طرح ناحق لوگوں کے مال غصب کرنے سے روک رہا ہے اور تقوے کا حکم دے کر اس پر نجات کا وعدہ کر رہا ہے۔ پھر آگ سے ڈراتا ہے اور اپنے عذابوں سے دھمکاتا ہے' پھر اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس پر رحم و کرم کا وعدہ دیتا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ
النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○ جو لوگ آسانی اور سختی کے موقعہ پر بھی راہ اللہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں' غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ بھی ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے ○

جنت کی خصوصیات: ☆☆ (آیت: ۱۳۳) پھر سعادت دارین کے حصول کیلئے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کو فرماتا ہے' اور جنت کی تعریف کرتا ہے' چوڑائی کو بیان کر کے لمبائی کا اندازہ سننے والوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے' جس طرح جنتی فرش کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ یعنی اس کا استر نرم ریشم کا ہے' تو مطلب یہ ہے کہ جب استر ایسا ہے تو ابرے کا کیا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی بیان ہو رہا ہے کہ جب عرض ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے تو طول کتنا بڑا ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ عرض و طول یعنی لمبائی چوڑائی دونوں برابر ہے کیونکہ جنت مثل قبہ کے عرش کے نیچے ہے اور جو چیز قبہ نما ہو یا مستدیر' اس کا عرض و طول یکساں ہوتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ سے جنت مانگو تو فردوس کا سوال کرو۔ وہ سب سے اونچی اور سب سے اچھی جنت ہے' اسی جنت سے سب نہریں جاری ہوتی ہیں اور اسی کی چھت اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کا عرش ہے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ہرقل نے حضورؐ کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپؐ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو یہ فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضورؐ نے فرمایا' سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات

کہاں جاتی ہے؟ جو قاصد ہرقل کا یہ خط لے کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تھا' اس سے حضرت یعلی بن مرہ کی ملاقات حمص میں ہوئی تھی- کہتے ہیں' اس وقت یہ بہت ہی بوڑھا ہو گیا تھا- کہنے لگا جب میں نے یہ خط حضورؐ کو دیا تو آپؐ نے اپنے بائیں طرف کے ایک صحابیؓ کو دیا' میں نے لوگوں سے پوچھا' ان کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت معاویہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی سوال ہوا تھا تو آپؓ نے فرمایا تھا کہ دن کے وقت رات اور رات کے وقت دن کہاں جاتا ہے؟ یہودی یہ جواب سن کر کھسیانے ہو کر کہنے لگے کہ یہ توراۃ سے ماخوذ' کیا ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی جواب مروی ہے- ایک مرفوع حدیث میں ہے کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے جواب میں فرمایا جب ہر چیز پر رات آ جاتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا جہاں اللہ چاہے' آپ نے فرمایا اسی طرح جہنم' بھی جہاں اللہ چاہے (بزار) اس جملہ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ رات کے وقت ہم گو دن کو نہیں دیکھ سکتے لیکن تاہم دن کا کسی جگہ ہونا ناممکن نہیں' اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا- جہاں اللہ چاہے وہ بھی ہے' دوسرے معنی یہ کہ جب دن ایک طرف چڑھنے لگا' رات دوسری جانب ہوتی ہے' اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں تو کوئی نفی کا امکان ہی نہ رہا- واللہ اعلم-

اہل جنت کے اوصاف: ☆☆ (آیت: ۱۳۴) پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کا وصف بیان فرماتا ہے کہ وہ سختی میں اور آسانی میں' خوشی میں اور غمی میں' تندرستی میں اور بیماری میں غرض ہر حال میں راہ للہ اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں- جیسے اور جگہ ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یعنی وہ لوگ دن رات چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں- کوئی امر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز نہیں رکھ سکتا اس کی مخلوق پر اس کے حکم سے احسان کرتے رہتے ہیں- یہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی برائیوں سے درگزر کرنے والے ہیں- کظم کے معنی چھپانے کے بھی ہیں یعنی اپنے غصہ کا اظہار بھی نہیں کرتے۔

غصہ پر قابو پانا: ☆☆ بعض روایتوں میں ہے' اے ابن آدم اگر غصہ کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچا لوں گا (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص اپنا غصہ روک لے' اللہ تعالیٰ اس پر سے اپنے عذاب ہٹا لیتا ہے اور جو بھی اپنی زبان (خلاف شرع باتوں سے) روک لے' اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کریگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے' اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتا ہے (مسند ابویعلی) یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں بھی اختلاف ہے اور حدیث شریف میں ہے آپ فرماتے ہیں' پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (احمد)-

صحیح بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا' حضورؐ کوئی نہیں' آپؐ نے فرمایا' میں تو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال چاہتے ہو اس لئے کہ تمہارا مال تو درحقیقت وہ ہے جو تم راہ للہ اپنی زندگی میں خرچ کر دو اور جو چھوڑ کر جاؤ' وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارثوں کا مال ہے تو تمہارا راہ للہ کم خرچ کرنا اور جمع زیادہ کرنا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ تم اپنے مال سے اپنے وارثوں کے مال کو زیادہ عزیز رکھتے ہو' پھر فرمایا تم پہلوان کسے جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا حضورؐ اسے جسے کوئی گرا نہ سکے- آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ حقیقتاً زوردار پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے جذبات پر پورا قابو رکھے' پھر فرمایا' بے اولاد کسے کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کی اولاد نہ ہو' فرمایا نہیں بلکہ فی الواقع بے اولاد وہ ہے جس کے سامنے اس کی کوئی اولاد مری نہ ہو (مسلم)۔

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کنگال کون ہے؟ لوگوں نے کہا جس کے پاس مال نہ ہو-

آپؐ نے فرمایا بلکہ وہ جس نے اپنا مال اپنی زندگی میں راہ للہ نہ دیا ہو (مسند احمد) حضرت حارثہ بن قدامہ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہو کر خدمت نبویؐ میں عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ مجھے کوئی نفع کی بات کہئے جو مختصر ہوتا کہ میں یاد بھی رکھ سکوں۔ آپؐ نے فرمایا' غصہ نہ کر' اس نے پھر پوچھا' آپؐ نے پھر یہی جواب دیا' کئی کئی مرتبہ یہی کہا (مسند احمد) کسی شخص نے حضورؐ سے کہا' مجھے کچھ وصیت کیجئے' آپؐ نے فرمایا' غصہ نہ کر۔ وہ کہتے ہیں' میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے (مسند احمد)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا تو آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیا؟ تو فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپؐ فرماتے تھے' جسے غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے' اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے (مسند احمد)۔ مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ عروہ بن محمد کو غصہ چڑھا۔ آپ وضو کرنے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے اپنے استادوں سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ بجھانے والی چیز پانی ہے' پس تم غصہ کے وقت وضو کرنے بیٹھ جاؤ۔ حضورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اپنا قرض اسے معاف کر دے' اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے لوگو! سنو جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں' نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے' کسی گھونٹ کا پینا اللہ کو ایسا پسند نہیں جتنا غصہ کے گھونٹ کا پی جانا۔ ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے (مسند احمد)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر بھی ضبط کر لے' اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وامان سے پر کر دیتا ہے' جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کی وجہ سے چھوڑ دے' اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا حلہ قیامت کے دن پہنائے گا اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا (ابوداؤد) حضورؐ فرماتے ہیں' جو شخص باوجود قدرت کے اپنا غصہ ضبط کر لے' اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے (مسند احمد) اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے غصہ میں آپے سے باہر نہیں ہوتے۔ لوگوں کو ان کی طرف سے برائی نہیں پہنچتی بلکہ اپنے جذبات کو دبائے رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈر کر ثواب کی امید پر معاملہ سپرد اللہ کرتے ہیں' لوگوں سے درگزر کرتے ہیں' ظالموں کے ظلم کا بدلہ بھی نہیں لیتے اسی کو احسان کہتے ہیں اور ان محسن بندوں سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے' رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں' تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں' ایک تو یہ کہ صدقہ سے مال نہیں گھٹتا۔ دوسرے یہ کہ عفو و درگزر کرنے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے' تیسرے یہ کہ تواضع' فروتنی اور عاجزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

مستدرک کی حدیث میں ہے' جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بنیاد بلند ہو اور اس کے درجے بڑھیں تو اسے ظالموں سے درگزر کرنا چاہئے اور نہ دینے والوں کو دینا چاہئے اور توڑنے والوں سے جوڑنا چاہئے' اور حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے لوگو' درگزر کرنے والو' اپنے رب کے پاس آؤ اور اپنا اجر لو۔ مسلمانوں کی خطاؤں کے معاف کرنے والے جنتی لوگ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا
عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ

اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ط ﴿۱۳۶﴾

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنے لگتے ہیں، فی الواقع اللہ کے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش بھی نہیں سکتا، یہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے ○ انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے ○

استغفار کرنا: ☆☆ (آیت: ۱۳۵-۱۳۶) پھر فرمایا یہ لوگ گناہ کے بعد فوراً ذکر اللہ اور استغفار کرتے ہیں- مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے، پھر اللہ رحمٰن ورحیم کے سامنے حاضر ہو کر کہتا ہے کہ پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے سے گو گناہ ہو گیا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اس کا رب گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے اور اگر چاہے تو معاف بھی فرما دیتا ہے، میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا، اس سے پھر گناہ ہو تو فرما دیتا ہے، میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا، اس سے پھر گناہ ہو جاتا ہے، یہ پھر توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پھر بخشتا ہے، چوتھی مرتبہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر کہتا ہے اب میرا بندہ جو چاہے کرے (مسند احمد) یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہم نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رقت طاری ہو جاتی ہے اور ہم اللہ والے بن جاتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی، عورتوں، بچوں میں پھنس جاتے ہیں، گھر بار کے دھندوں میں لگ جاتے ہیں- آپؐ نے فرمایا، اگر تمہاری حالت یہی ہر وقت رہتی تو پھر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری ملاقات کو تمہارے گھر پر آتے، سنو اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں یہاں سے ہٹا دے اور دوسری قوم کو لے آئے جو گناہ کرے- پھر بخشش مانگے اور اللہ انہیں بخشے- ہم نے کہا حضورؐ جنت کی بنیادیں کس طرح استوار ہیں- آپؐ نے فرمایا، ایک اینٹ سونے کی تو ایک چاندی کی ہے- اس کا گارہ مشک خالص ہے اس کے کنکر لولو اور یاقوت ہیں، اس کی مٹی زعفران ہے، جنتیوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی- ان کی زندگی ہمیشہ کی ہوگی، ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے- جوانی کبھی نہیں ڈھلے گی اور تین اشخاص کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی، عادل بادشاہ کی دعا، افطاری کے وقت روزے دار کی دعا اور اور مظلوم کی دعا بادلوں سے اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جناب باری ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم، میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو (مسند احمد)-

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی گناہ کرے، پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عزوجل اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (مسند احمد) صحیح مسلم میں بروایت امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مروی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھے اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر چلا جائے، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں- پھر فرماتے ہیں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا ہے، جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے (بخاری ومسلم) پس یہ حدیث تو حضرت عثمانؓ سے، اس سے اگلی روایت حضرت عمرؓ سے اور اس سے اگلی روایت

حضرت ابوبکرؓ سے اور اس سے تیسری روایت کو حضرت ابوبکرؓ سے حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں تو الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی وسیع مغفرت اور اس کی بے انتہا مہربانی کی خبر سید الاولین والاخرین کی زبانی آپ کے چاروں برحق خلفاء کی معرفت ہمیں پہنچی (آؤ اس موقعہ پر ہم گنہگار بھی ہاتھ اٹھائیں اور اپنے مہربان رحیم وکریم اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی طلب کریں' اللہ تعالیٰ' اے ماں باپ سے زیادہ مہربان' اے عفو و درگزر کرنے والے! اور کسی بھکاری کو اپنے در سے خالی نہ پھیرنے والے! تو ہم خطا کاروں کی سیاہ کاریوں سے بھی درگزر فرما اور ہمارے کل گناہ معاف فرما دے۔ آمین' مترجم) یہی وہ مبارک آیت ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا (مسند عبدالرزاق)۔

استغفار اور لا الہ الا اللہ: ☆☆ مسند ابو یعلی میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار پر مداومت کرو ابلیس گناہوں سے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کی ہلاکت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور استغفار سے ہے' یہ حدیث دیکھ کر ابلیس نے لوگوں کو خواہش پرستی پر ڈال دیا۔ پس وہ اپنے آپ کو راہ راست پر جانتے ہیں حالانکہ ہلاکت میں ہوتے ہیں' لیکن اس حدیث کے دو راوی ضعیف ہیں۔ مسند احمد میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا' اے رب مجھے تیری عزت کی قسم' میں بنی آدم کو ان کے آخری دم تک بہکاتا رہوں گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' مجھے میرے جلال اور میری عزت کی قسم' جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے' میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا' مجھ سے گناہ ہو گیا' آپؐ نے فرمایا' توبہ کر لے' اس نے کہا' میں نے توبہ کی' پھر گناہ ہو گیا' فرمایا' پھر توبہ کر لے' اس نے کہا' مجھ سے پھر گناہ ہو گیا' آپؐ نے فرمایا' پھر استغفار کر' اس نے کہا' مجھ سے اور گناہ ہوا' فرمایا استغفار کئے جا' یہاں تک کہ شیطان تھک جائے پھر فرمایا' گناہ کو بخشنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا اور کہنے لگا' اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔ محمد (ﷺ) کی طرف توبہ نہیں کرتا (یعنی اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں) آپؐ نے فرمایا اس نے حق حقدار کو پہنچایا' اصرار کرنے سے مراد یہ ہے کہ معصیت پر بغیر توبہ کئے اڑ نہیں جاتے۔ اگر کئی مرتبہ گناہ ہو جائے تو کئی مرتبہ استغفار بھی کرتے ہیں' مسند ابو یعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ اصرار کرنے والا اور اڑنے والا نہیں جو استغفار کرتا رہتا ہے۔ اگرچہ (بالفرض) اس سے ایک دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ وہ جانتے ہوں یعنی اس بات کو کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور جگہ ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ' جو شخص کوئی برا کام کرے یا گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ عزوجل بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا' لوگو تم اوروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا۔ لوگو! تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا' باتیں بنانے والوں کی ہلاکت ہے' گناہ پر جم جانے والوں کی ہلاکت ہے۔ پھر فرمایا' ان کاموں کے بدلے ان کی جزا مغفرت ہے اور طرح طرح کی بہتی نہروں والی جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ بڑے اچھے اعمال ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ

الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گذر چکے ہیں' زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ○ عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن اظہار (حق) ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے ○ تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہوؤ۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو ○

شہادت اور بشارت: ☆☆ (آیت: ۱۳۷-۱۳۹) چونکہ احد والے دن ستر مسلمان صحابی شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ڈھارس دیتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دیندار لوگ مال و جان کا نقصان اٹھاتے رہے ہیں لیکن بالآخر غلبہ انہی کا ہوا' تم اگلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا۔ اس قرآن میں لوگوں کیلئے اگلی امتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت و وعظ بھی ہے یعنی تمہارے دلوں کی ہدایت اور تمہیں برائی بھلائی سے آگاہ کرنے والا یہی قرآن ہے' مسلمانوں کو یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بددل نہ ہو جانا' نہ مغموم بن کر بیٹھ رہنا۔ فتح و نصرت' غلبہ اور بلند و بالا مقام بالآخر مومنو تمہارے لئے ہی ہے۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ
وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴ ۵

اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں' ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (شکست احد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا ○ (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے ○ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ ○ جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے' اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ○

(آیت: ۱۴۰-۱۴۲) اگر تمہیں زخم لگے ہیں' تمہارے آدمی شہید ہوئے تو اس سے پہلے تمہارے دشمن بھی تو قتل ہو چکے ہیں۔ وہ بھی تو زخم خوردہ ہیں' یہ تو چڑھتی ڈھلتی چھاؤں ہے ہاں بھلا وہ ہے جو انجام کار غالب رہے' اور یہ ہم نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ یہ بعض مرتبہ شکست بالخصوص اس جنگ احد کی اس لئے تھی کہ ہم صابروں کا اور غیر صابروں کا امتحان کر لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو رکھتے تھے' انہیں کامیاب بنائیں کہ وہ اپنا جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جملہ معترضہ بیان کر کے فرمایا یہ اس لئے

بھی کہ ایمان والوں کے گناہ اگر ہوں تو دور ہو جائیں اور ان کے درجات بڑھیں اور اس میں کافروں کا مٹانا بھی ہے کیونکہ وہ غالب ہو کر اترائیں گے، سرکشی اور تکبر میں اور بڑھیں گے اور یہی ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنے گا اور پھر مرکھپ جائیں گے۔ ان سختیوں اور زلزلوں اور ان آزمائشوں کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا جیسے سورۂ بقرہ میں ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کی جیسی آزمائش ہوئی، ایسی تمہاری نہ ہو اور تم جنت میں چلے جاؤ، یہ نہیں ہوگا۔ اور جگہ ہے الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم صرف ان کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟ یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ جب تک صبر کرنے والے معلوم نہ ہو جائیں یعنی دنیا میں ہی ظہور میں نہ آ جائیں تب تک جنت نہیں مل سکتی۔

پھر فرمایا کہ تم اس سے پہلے تو ایسے موقع کی آرزو میں تھے، کہ تم اپنا صبر، اپنی بہادری اور مضبوطی اور استقامت اللہ تعالیٰ کو دکھاؤ۔ اللہ کی راہ میں شہادت پاؤ، لو اب ہم نے تمہیں یہ موقعہ دیا۔ تم بھی اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ، حدیث شریف میں ہے دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب میدان پڑ جائے پھر لوہے کی لاٹ کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر فرمایا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ لیا کہ نیزے تنے ہوئے ہیں، تلواریں کھچ رہی ہیں، بھالے اچھل رہے ہیں، تیر برس رہے ہیں، گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے اور ادھر ادھر لاشیں گر رہی ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ
اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ
يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ
اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ
مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٥﴾

حضرت (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو نیک بدلہ دے گا ○ بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے، دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں، اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم وہ بھی دے دیتے ہیں، احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے ○

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا مغالطہ اور غزوۂ احد: ☆☆ (آیت: ۱۴۴-۱۴۵) میدان احد میں مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی اور ان کے بعض قتل بھی کئے گئے۔ اس دن شیطان نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) بھی شہید ہو گئے، اور ابن قمیہ کافر نے مشرکوں میں جا کر یہ خبر اڑا دی کہ میں حضورؐ کو قتل کر کے آیا ہوں اور دراصل وہ افواہ بے اصل تھی اور اس شخص کا یہ قول بھی غلط تھا، اس نے حضورؐ پر حملہ تو کیا تھا لیکن اس سے صرف آپؐ کا چہرہ قدرے زخمی ہو گیا تھا اور کوئی بات نہ تھی، اس غلط بات کی شہرت نے مسلمانوں کے دل چھوٹے کر دیئے، ان کے

قدم اکھڑ گئے اور لڑائی سے بددل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں، ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن کچھ اللہ کا دین نہیں جاتا رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگ احد میں زخموں سے چور زمین پر گرا پڑا ہے اور خاک و خون میں لوٹ رہا ہے، اس سے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضورؐ قتل کر دیئے گئے۔ اس نے کہا، اگر یہ صحیح ہے تو آپؐ تو اپنا کام کر گئے، اب آپؐ کے دین پر تم سب بھی قربان ہو جاؤ، اسی کے بارے میں یہ آیت اتری۔

پھر فرمایا کہ حضورؐ کا قتل یا انتقال ایسی چیز نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے دین سے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ اور ایسا کرنے والے اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے، اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو جزائے خیر دے گا جو اس کی اطاعت پر جم جائیں اور اس کے دین کی مدد میں لگ جائیں اور اس کے رسول کی تابعداری میں مضبوط ہو جائیں خواہ رسولؐ زندہ ہو یا نہ ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، مسجد میں تشریف لے گئے، لوگوں کی حالت دیکھی بھالی اور بغیر کچھ کہے سنے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پر آئے، یہاں حضور علیہ السلام پر حبرہ کی چادر اوڑھادی گئی تھی، آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک پر سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو مرتبہ موت نہ لائے گا۔ جو موت آپؐ پر لکھ دی گئی تھی، وہ آپ کو آ چکی، اس کے بعد آپؓ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ خطبہ سنا رہے ہیں، ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ، انہیں چپ کرا کر آپؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمدؐ مر گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اس پر موت نہیں آتی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپؐ فوت ہو گئے (ﷺ) حضرت صدیق اکبرؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر حضرت عمرؓ کے تو گویا قدموں تلے سے زمین نکل گئی، انہیں بھی یقین ہو گیا کہ حضورؐ اس جہان فانی کو چھوڑ کر چل بسے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر مرتد ہوں نہ آپ کی شہادت پر، اللہ کی قسم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل کئے جائیں تو ہم بھی اس دین پر مر مٹیں جس پر آپ شہید ہوئے، اللہ کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں، آپ کا ولی ہوں، آپ کا چچازاد بھائی ہوں اور آپ کا وارث ہوں، مجھ سے زیادہ حقدار آپ کا اور کون ہوگا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی حکم سے اور اپنی مدت پوری کر کے ہی مرتا ہے جیسے اور جگہ ہے وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ نہ کوئی عمر دیا جاتا ہے نہ عمر گھٹائی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اور جگہ ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ الخ ''جس اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر وقت پورا کیا اور اجل مقرر کی''، اس آیت میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی رغبت دلائی گئی ہے اور اللہ کی راہ کے جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جوانمردی کی وجہ سے کچھ عمر گھٹ نہیں جاتی اور پیچھے ہٹنے کی وجہ سے عمر بڑھ نہیں جاتی۔ موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی خواہ شجاعت اور بہادری برتو، خواہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ۔

حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دشمنان دین کے مقابلے میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آ جاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا، آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو، یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں، آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے گھوڑوں کو پانی میں ڈال دیتے ہیں، دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے

اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے، وہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں، یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے، بھاگو بھاگو چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس کا عمل صرف دنیا کیلئے ہو تو اس میں سے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے، مل جاتا ہے لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور جس کا مقصد آخرت طلبی ہو تو اسے آخرت تو ملتی ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اپنے مقدر کا پا لیتا ہے جیسے اور جگہ فرمایا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ الخ، آخرت کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم زیادتی کے ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم گو دنیا دے دیں لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور جگہ ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ جو شخص صرف دنیا طلب ہی ہو، ہم ان میں سے جسے چاہیں، جس قدر چاہیں، دنیا دے دیتے ہیں، پھر وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس میں جاتا ہے اور جو آخرت کا خواہاں ہو اور کوشاں بھی ہو اور باایمان بھی ہو، ان کی کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں مشکور ہے، اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہم شکرگزاروں کو اچھا بدلہ دے دیتے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا
لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۶ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ
اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۷ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ
الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴۸ ع ۵

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ انہیں بھی راہ اللہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست ہوئے نہ دبے، اللہ صبر کرنے والوں کو ہی چاہتا ہے ○ وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے ○ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے ○

مجاہدین احد سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۱۴۶-۱۴۸) پھر اللہ تعالیٰ احد کے مجاہدین کو خطاب کرتا ہوا فرماتا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنی جماعتوں کو ساتھ لے کر دشمنان دین سے لڑے بھڑے اور وہ تمہاری طرح اللہ کی راہ میں تکلیفیں بھی پہنچائے گئے لیکن پھر بھی مضبوط دل اور صابر و شاکر رہے۔ نہ سست ہوئے نہ ہمت ہاری اور اس صبر کے بدلے انہوں نے اللہ کریم کی محبت مول لے لی۔ ایک یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اے مجاہدین احد تم یہ سن کر کہ حضورؐ شہید ہوئے کیوں ہمت ہار بیٹھے؟ اور کفر کے مقابلے میں کیوں دب گئے؟ حالانکہ تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء کی شہادت کو دیکھ کر بھی نہ دبے نہ پیچھے ہٹے بلکہ اور تیزی کے ساتھ لڑے، یہ اتنی بڑی مصیبت بھی ان کے قدم نہ ڈگمگا سکی اور ان کے دل چھوٹے نہ کر سکی، پھر تم حضورؐ کی شہادت کی خبر سن کر اتنے کمزور کیوں ہو گئے، ربیون کے

بہت سے معنی آتے ہیں مثلاً علماء' ابرار' متقی عابد' زاہد' تابع فرمان وغیرہ وغیرہ' پس قرآن کریم ان کی اس مصیبت کے وقت دعا کو نقل کرتا ہے' پھر فرماتا ہے کہ انہیں دنیا کا ثواب نصرت و مدد' ظفر و اقبال ملا اور آخرت کی بھلائی اور اچھائی بھی اسی کے ساتھ جمع ہوئی' یہ محسن لوگ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ
وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ
النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اے ایمان والو اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے ○ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہ ہی بہترین مددگار ہے ○ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری' ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے ○

کافر اور منافقوں کے ارادے اور غزوۂ احد کا پھر اندوہناک تذکرہ: ☆☆ (آیت:۱۴۹-۱۵۱) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو کافروں اور منافقوں کی باتوں کے ماننے سے روک رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اگر ان کی مانی تو دنیا اور آخرت کی ذلت تم پر آئیگی۔ ان کی چاہت تو یہی ہے کہ تمہیں دین اسلام سے ہٹا دیں' پھر فرماتا ہے مجھ ہی کو اپنا والی اور مددگار جانو' مجھ ہی سے دوستی کرو' مجھ ہی پر بھروسہ کرو' مجھ ہی سے مدد چاہو۔ پھر فرمایا کہ ان شریروں کے دلوں میں ان کے کفر کے سبب ڈر خوف ڈال دوں گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مجھے پانچ باتیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' میری مدد مہینہ بھر کی راہ تک رعب سے کی گئی ہے' میرے لئے زمین مسجد اور اس کی مٹی وضو کی پاک چیز بنائی گئی' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے اور مجھے شفاعت دی گئی اور ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف سے مخصوص بھیجا جاتا تھا اور میری بعثت' میری نبوت تمام دنیا کیلئے عام ہوئی۔

مسند احمد میں ہے آپ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں پر اور بعض روایتوں میں ہے تمام امتوں پر مجھے چار فضیلتیں عطا فرمائی ہیں' مجھے تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا' میرے اور میری امت کیلئے تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی' میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے' وہیں اس کی مسجد اور اس کا وضو ہے' میرا دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہے' وہیں سے اللہ تعالیٰ اس کا دل رعب سے پر کر دیتا ہے اور وہ کانپنے لگتا ہے اور میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے۔ اور روایت میں ہے کہ میں مدد کیا گیا ہوں' میرے رعب سے ہر دشمن پر' مسند کی ایک اور حدیث میں ہے' مجھے پانچ چیزیں دی گئیں' میں ہر سرخ و سفید کی طرف بھیجا گیا' میرے لئے تمام زمین وضو اور مسجد بنائی گئی' میرے لئے غنیموں کے مال حلال کئے گئے جو میرے سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے اور میری مدد مہینہ بھر کی راہ تک رعب سے کی گئی اور مجھے شفاعت دی گئی' تمام انبیاء نے شفاعت مانگ لی لیکن میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لوگوں کیلئے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک

نہ کیا ہو بچا رکھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا
فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا
تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ
الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا
عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾

اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ تم اس کے حکم سے انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ تم بزدل ہو گئے (پست ہمت ہو گئے) اور حکم میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی' تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا' پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہیں آزمالے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگذر فرمالیا' ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ○

(آیت:۱۵۲) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور تمہاری مدد کی' اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا' تین ہزار دشمن کا لشکر تھا تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی' لیکن پھر تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے اور بعض حضرات کی پست ہمتی کی بنا پر وہ وعدہ جو مشروط تھا' رک گیا' پس فرماتا ہے کہ تم انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹتے تھے' شروع دن میں ہی اللہ نے تمہیں ان پر غالب کر دیا لیکن تم نے پھر بزدلی دکھائی اور نبی کی نافرمانی کی' ان کی بتائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ اللہ عزوجل نے تمہاری پسند کی چیز فتح دکھادی تھی' یعنی مسلمان صاف طور پر غالب آ گئے تھے' مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا' کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے' تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی ہزیمت کو دیکھ کر نبیؐ کے فرمان کا خیال نہ کر کے مال غنیمت کی طرف لپکے' گو بعض نیک نیت اور آخرت طلب بھی تھے لیکن اس نافرمانی وغیرہ کی بناء پر کفار کی پھر بن آئی اور ایک مرتبہ تمہاری پوری آزمائش ہو گئی' غالب ہو کر مغلوب ہو گئے۔ فتح کے بعد شکست ہو گئی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس جرم کو معاف فرما دیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بظاہر تم ان سے تعداد میں اور اسباب میں کم تھے۔ خطاء کا معاف ہونا بھی عَفَا عَنْكُمْ میں داخل ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ کچھ یونہی سی گوشمالی کر کے کچھ بزرگوں کی شہادت کے بعد اس نے اپنی آزمائش کو اٹھا لیا اور باقی والوں کو معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ باایمان لوگوں پر فضل و کرم' لطف و رحم ہی کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ کی مدد جیسی احد میں ہوئی ہے' کہیں نہیں ہوئی۔ اسی کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا لیکن پھر تمہارے (بعض لوگوں کے) کرتوتوں سے معاملہ برعکس ہو گیا' بعض لوگوں نے دنیا طلبی کر کے رسولؐ کی نافرمانی کی یعنی تیر اندازوں نے جنہیں حضورؐ نے پہاڑ کے درے پر کھڑا کیا تھا اور فرما دیا تھا کہ تم یہاں سے دشمنوں کی نگہبانی کرو۔ وہ تمہاری پیٹھ کی طرف سے نہ آ جائیں' اگر تم ہار دیکھو بھی' اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور اگر تم ہر طرح غالب آ گئے تو بھی تم غنیمت جمع کرنے کیلئے بھی اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا' جب حضورؐ غالب آ گئے تو تیر اندازوں نے حکم عدولی کی اور وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آ ملے اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا' صفوں کا کوئی خیال نہ رہا' درے کو خالی پا کر مشرکوں نے بھاگنا بند کیا اور غور و فکر کر کے اس جگہ حملہ کر دیا' چند مسلمانوں کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کی بے خبری میں اس زور کا حملہ کیا گیا کہ مسلمانوں

کے قدم نہ جم سکے اور شروع دن کی فتح اب شکست سے بدل گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضورؐ بھی شہید ہو گئے اور لڑائی کے رنگ نے مسلمانوں کو اس بات کا یقین بھی دلا دیا' تھوڑی دیر بعد جبکہ مسلمانوں کی نظریں چہرہ مبارک پر پڑیں تو وہ اپنی سب کوفت اور ساری مصیبت بھول گئے اور خوشی کے مارے حضورؐ کی طرف لپکے' آپ ادھر آ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسولؐ کے چہرے کو خون آلودہ کر دیا' انہیں کوئی حق نہ تھا کہ اس طرح ہم پر غالب رہ جائیں' تھوڑی دیر میں ہم نے سنا کہ ابوسفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا اُعْلُ ھُبُلُ اُعْلُ ھُبُلُ ہبل بت کا بول بالا ہو' ہبل بت کا بول بالا ہو' ابوبکر کہاں ہے؟ عمر کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' حضورؐ! اسے جواب دوں؟ آپؐ نے اجازت دی تو حضرت فاروقؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ اللّٰہُ وَاَعْلٰی وَاَجَلُّ' اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے۔ اللہ بہت بلند اور جلال و عزت والا ہے' وہ پوچھنے لگا' بتاؤ محمدؐ کہاں ہیں؟ ابوبکر کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا' یہ ہیں رسول اللہ ﷺ اور یہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہ ہوں میں عمر فاروقؓ۔ ابوسفیان کہنے لگا' یہ بدر کا بدلہ ہے' یونہی دھوپ چھاؤں الٹتی پلٹتی رہتی ہے' لڑائی کی مثال کنوئیں کے ڈول کی سی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' برابری کا معاملہ ہرگز نہیں تمہارے مقتول تو جہنم میں گئے اور ہمارے شہید جنت میں پہنچے' ابوسفیان کہنے لگا اگر یونہی ہو تو یقیناً ہم نقصان اور گھاٹے میں رہے' سنو تمہارے مقتولین میں بعض ناک کان کٹے لوگ بھی تم پاؤ گے گو یہ ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں ہوا لیکن ہمیں کچھ برا بھی نہیں معلوم ہوا' یہ حدیث غریب ہے اور یہ قصہ بھی عجیب ہے' یہ ابن عباسؓ کی مرسلات سے ہے اور وہ یا ان کے والد جنگ احد میں موجود نہ تھے' مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی فی دلائل النبوۃ میں بھی یہ مروی ہے اور صحیح احادیث میں اس کے بعض حصوں کے شواہد بھی ہیں کہ احد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں جو زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجھے تو پوری طرح یقین تھا کہ آج کے دن ہم میں کوئی ایک بھی طالب دنیا نہیں بلکہ اس وقت اگر مجھے اس بات پر قسم کھلوائی جاتی تو کھا لیتا لیکن قرآن میں یہ آیت اتری مِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا ② یعنی تم میں سے بعض طالب دنیا بھی ہیں' جب صحابہؓ سے حضورؐ کے حکم کے خلاف آپ کی نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے قدم اکھڑ گئے' حضورؐ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر باقی رہ گئے۔ جب مشرکین نے حضورؐ کو گھیر لیا تو آپؐ فرمانے لگے' اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو انہیں ہٹائے تو ایک انصار اٹھ کھڑے ہوئے اور اس جم غفیر کے مقابل تن تنہا داد شجاعت دینے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر کفار نے حملہ کیا۔ آپؐ نے یہی فرمایا' ایک انصاری تیار ہو گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ انہیں آگے نہ بڑھنے دیا لیکن بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے یہاں تک کہ ساتوں صحابہؓ اللہ کے ہاں پہنچ گئے اللہ ان سے خوش ہو' حضورؐ نے مہاجرین سے فرمایا افسوس ہم نے اپنے ساتھیوں سے منصفانہ معاملہ نہ کیا' اب ابوسفیان نے ہانک لگائی کہ اعل ہبل۔ آپؐ نے فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارا عزیٰ بت ہے۔ تمہارا کوئی عزیٰ نہیں' آپ نے فرمایا کہو اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَالْکَافِرُوْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں' ابوسفیان کہنے لگا' آج کے دن بدر کے دن کا بدلہ ہے' کوئی دن ہمارا اور کوئی دن تمہارا' یہ تو ہاتھوں ہاتھ کا سودا ہے' ایک کے بدلے ایک ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' ہرگز برابری نہیں' ہمارے شہداء زندہ ہیں' وہاں رزق دیئے جاتے ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں عذاب کئے جا رہے ہیں' پھر ابوسفیان بولا' تمہارے مقتولوں میں تم دیکھو گے کہ بعض کے کان ناک وغیرہ کاٹ لئے گئے ہیں لیکن میں نے نہ یہ کہا نہ اسے روکا نہ اسے میں نے پسند کیا نہ ناپسند' نہ مجھے یہ بھلا معلوم ہوا نہ برا۔

اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا اور ہندہ نے انکا کلیجہ لے کر چبایا تھا لیکن نگل نہ سکی تو اگل دیا' حضور علیہ السلام نے فرمایا' ناممکن تھا کہ اس کے پیٹ میں حمزہ کا ذرا سا گوشت بھی چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ حمزہؓ کے کسی عضو بدن کو

جہنم میں لے جانا نہیں چاہتا چنانچہ حمزہؓ کے جنازے کو اپنے سامنے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی۔ **پھر ایک انصاریؓ** کا جنازہ لایا گیا' وہ حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ نے پھر نماز جنازہ پڑھی' انصاریؓ کا جنازہ اٹھا لیا گیا لیکن حضرت حمزہؓ کا جنازہ وہیں رہا اسی طرح ستر شخص لائے گئے اور حضرت حمزہ کی ستر دفعہ جنازے کی نماز پڑھی گئی (مسند)۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت براء سے مروی ہے کہ احد والے دن مشرکوں سے ہماری مڈ بھیڑ ہوئی۔ حضورؐ نے تیر اندازوں کی ایک جماعت کو الگ جما دیا اور انکا سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور فرما دیا کہ اگر تم ہمیں ان پر غالب آیا ہوا دیکھو تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور وہ ہم پر غالب آ جائیں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا' لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ کے فضل سے مشرکوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ عورتیں بھی تہبند اونچا کر کر کے پہاڑوں میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں' اب تیر انداز گروہ غنیمت غنیمت کہتا ہوا نیچے اتر آیا' ان کے امیر نے انہیں ہر چند سمجھایا لیکن کسی نے ان کی نہ سنی' بس اب مشرکین مسلمانوں کی پیٹھ کی طرف سے آن پڑے اور ستر بزرگ شہید ہو گئے' ابو سفیان ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہنے لگا' کیا محمدؐ حیات ہیں؟ کیا ابو بکرؓ موجود ہیں؟ کیا عمرؓ زندہ ہیں لیکن حضورؐ کے فرمان سے صحابہؓ خاموش رہے تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہنے لگا یہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ اتر گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ حضرت عمرؓ کو تاب ضبط نہ رہی فرمانے لگے' اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے بحمد اللہ ہم سب موجود ہیں اور تیری تباہی اور بربادی کرنے والے زندہ ہیں' پھر وہ باتیں ہوئیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں' صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جنگ احد میں مشرکوں کو ہزیمت ہوئی اور ابلیس نے آواز لگائی' اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے کی خبر لو' اگلی جماعتیں پچھلی جماعتوں پر ٹوٹ پڑیں' حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے والد حضرت یمانؓ پر برس رہی ہیں' ہر چند کہتے رہے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ یمان ہیں مگر کون سنتا تھا وہ یونہی شہید ہو گئے لیکن حضرت حذیفہؓ نے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے' حضرت حذیفہؓ کی یہ بھلائی ان کے آخر دم تک ان میں رہی۔

سیرت ابن اسحٰق میں ہے' حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں' میں نے خود دیکھا کہ مشرک مسلمانوں کے اول حملہ میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ہندہ وغیرہ تہمد اٹھائے تیز تیز دوڑ رہی تھیں لیکن اس کے بعد جب تیر اندازوں نے مرکز چھوڑا اور کفار نے سمٹ کر پیچھے کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیا' ادھر کسی نے آواز لگائی کہ حضورؐ شہید ہو گئے پھر معاملہ برعکس ہو گیا ورنہ ہم مشرکین کے علم برداروں تک پہنچ چکے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ حارثیہ عورت نے اسے تھام لیا اور قریش کا مجمع پھر یہاں جمع ہو گیا' حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رنگ دیکھ کر حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں تم نے کیوں ہمتیں چھوڑ دیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ حضورؐ تو شہید ہو گئے حضرت انسؓ نے فرمایا پھر تم جی کر کیا کرو گے یہ کہا اور مشرکین میں گھسے پھر لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت سے جا ملے رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یہ بدر والے دن جہاد میں نہیں پہنچ سکے تھے تو عہد کیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی موقعہ آیا تو میں دکھا دوں گا' چنانچہ اس جنگ میں وہ موجود تھے جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو انہوں نے کہا' الٰہ میں مسلمانوں کے اس کام سے معذور ہوں اور مشرکوں کے اس کام سے بری ہوں' پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے' راہ میں حضرت سعد بن معاذؓ سے ملے اور کہنے لگے' کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو جنت کی خوشبو کی لپٹیں احد پہاڑ سے چلی آ رہی ہیں چنانچہ مشرکوں میں گھس گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شہادت حاصل کی اسی سے زیادہ تیر و تلوار کے زخم بدن پر آئے تھے' پہچانے نہ جاتے تھے' انگلی کو دیکھ کر پہچانے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک حاجی نے بیت اللہ شریف میں ایک مجلس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا قریشی ہیں؟ پوچھا' ان کے شیخ کون ہیں؟ جواب ملا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں' اب وہ آیا اور کہنے لگا' میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' پوچھو' اس نے کہا' آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم' کیا آپ کو علم ہے کہ (حضرت) عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) احد والے دن بھاگ گئے تھے؟ آپ نے جواب دیا' ہاں۔ کہا' کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بدر والے دن بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا' ہاں' کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت الرضوان میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا' یہ بھی ٹھیک ہے' اب اس نے (خوش ہوکر) تکبیر کہی' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' ادھر آ' اب میں تجھے پورے واقعات سناؤں' احد کے دن کا بھاگنا تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا' بدر کے دن کی غیر حاضری کا باعث یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور وہ اس وقت سخت بیمار تھیں تو خود حضورؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم نہ آؤ' مدینہ میں ہی رہو' تمہیں اللہ تعالیٰ اس جنگ میں حاضر ہونے کا اجر دے گا اور غنیمت میں بھی تمہارا حصہ ہے۔

بیعت الرضوان کا واقعہ یہ ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کے پاس اپنا پیغام دے کر حضرت عثمانؓ کو بھیجا تھا۔ اس لئے کہ مکہ میں جو عزت انہیں حاصل تھی' کسی اور کو اتنی نہ تھی' ان کے تشریف لے جانے کے بعد یہ بیعت لی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ کھڑا کر کے کہا' یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے' پھر اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا (گویا بیعت کی) پھر اس شخص سے کہا' اب جاؤ اور اسے ساتھ لے جاؤ۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ
فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا
فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

جبکہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے' پس تمہیں غم پر غم پہنچا تا کہ تم نہ تو فوت شدہ چیز پر غمگین ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اداس ہو' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے ○

(آیت: ۱۵۳) پھر فرمایا اِذْ تُصْعِدُوْنَ الخ یعنی تم اپنے دشمن سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور مارے خوف و دہشت کے دوسری جانب توجہ بھی نہیں کرتے تھے' رسولؐ کو بھی تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ وہ تمہیں آوازیں دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ بھاگو نہیں۔ لوٹ آؤ' حضرت سدیؒ فرماتے ہیں۔ مشرکین کے اس خفیہ اور پرزور اور اچانک حملہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے' کچھ تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اللہ کے نبیؐ آوازیں دیتے رہے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اس واقعہ کا بیان اس آیت میں ہے عبداللہ بن زحری شاعر نے اس واقعہ کو نظم میں بھی ادا کیا ہے' آنحضرت ﷺ اس وقت صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گئے تھے' مسند احمد کی ایک طویل حدیث میں بھی ان تمام واقعات کا ذکر ہے' دلائل النبوۃ میں ہے کہ جب ہزیمت ہوئی' تب حضورؐ کے ساتھ صرف گیارہ شخص رہ گئے اور ایک حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' آپ پہاڑ پر چڑھنے لگے لیکن مشرکین نے آ گھیرا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا' کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے۔

حضرت طلحہؓ نے اس آواز پر فوراً لبیک کہا اور تیار ہو گئے لیکن آپؐ نے فرمایا' تم ابھی ٹھہر جاؤ' اب ایک انصاری تیار ہوئے اور وہ

ان سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہوئے' اسی طرح سب کے سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے اور اب صرف حضرت طلحہؓ رہ گئے- گویہ بزرگ ہر مرتبہ تیار ہو جاتے تھے لیکن حضورؐ انہیں روک لیا کرتے تھے- آخر یہ مقابلہ پر آئے اور اس طرح جم کر لڑے کہ ان سب کی لڑائی ایک طرف اور یہ ایک طرف' اس لڑائی میں ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو زبان سے حس نکل گیا- آپؐ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ کہہ دیتے یا اللہ کا نام لیتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور آسمان کی بلندی کی طرف لے چڑھتے اور لوگ دیکھتے رہتے' اب نبی ﷺ اپنے صحابہؓ کے مجمع میں پہنچ چکے تھے- صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت قیس بن حازمؒ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ جسے انہوں نے ڈھال بنایا تھا' شل ہو گیا تھا-

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں' میرے پاس حضورؐ نے اپنی ترکش سے احد والے دن تمام تیر پھیلا دیئے اور فرمایا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' لے مشرکین کو مار' آپ اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور میں تاک تاک کر مشرکین کو مارتا جاتا تھا' اس دن میں نے دو شخصوں کو دیکھا کہ حضورؐ کے دائیں بائیں تھے اور سخت تر جنگ کر رہے تھے- میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا نہ اس کے بعد' یہ دونوں حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے- ایک اور روایت میں ہے کہ جو بزرگ حضورؐ کے ساتھ بھگدڑ کے بعد تھے اور ایک ایک ہو کر شہید ہوئے تھے' انہیں آپؐ فرماتے جاتے تھے کہ کوئی ہے جو انہیں روکے اور جنت میں جائے اور میرا رفیق بنے-

ابی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کروں گا' جب حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا وہ تو نہیں بلکہ میں ان شاء اللہ اسے قتل کروں گا- احد والے دن یہ خبیث سرتاپا لوہے میں غرق زرہ بکتر لگائے ہوئے حضورؐ کی طرف بڑھا اور یہ کہتا آتا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گا' ادھر سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نانہجار کی طرف بڑھے لیکن آپؓ شہید ہو گئے- اب حضورؐ اس کی طرف بڑھے' اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا- صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی- آپ نے اپنا نیزہ تاک کر وہیں لگایا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور یہ تیورا کر گھوڑے پر سے گرا گو اس زخم سے خون بھی نہ نکلا تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ بلبلا رہا تھا- لوگوں نے اسے اٹھا لیا' لشکر میں لے گئے اور تشفی دینے لگے کہ ایسا کوئی کاری زخم نہیں لگا' کیوں اس قدر نامردی کرتا ہے- آخر ان کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے' میں ابی کو قتل کروں گا' سچ مانو- اب میں کبھی نہیں بچ سکتا- تم اس پر نہ جاؤ کہ مجھے ذرا سی خراش ہی آئی ہے' اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے- اگر کل اہل ذی المجاز کو اتنا زخم اس ہاتھ سے لگ جاتا تو سب ہلاک ہو جاتے- پس یونہی تڑپتے تڑپتے اور بلکتے بلکتے اس جہنمی کی ہلاکت ہوئی اور مر کر جہنم رسید ہوا-

معازی محمد بن اسحاق میں ہے کہ جب یہ شخص حضورؐ کے سامنے ہوا تو صحابہؓ نے اس کے مقابلہ کی خواہش کی لیکن آپؐ نے انہیں روک دیا اور فرمایا' اسے آنے دو' جب وہ قریب آ گیا تو آپؐ نے حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر وار کیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے پر سے گرا- حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ بطن رابغ میں اس کافر کو موت آئی' ایک مرتبہ میں پچھلی رات یہاں سے گزرا تو میں نے ایک جگہ سے آگ کے دہشت ناک شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ پیاس پیاس کر رہا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے اسے پانی نہ دینا- یہ پیغمبر کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے' یہ ابی بن خلف ہے-

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے آپؐ اپنے سامنے کے چار دانتوں کی طرف جنہیں مشرکین نے احد والے دن شہید کیا تھا-

اشارہ کر کے فرما رہے تھے اللہ کا سخت تر غضب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے نبیؐ کے ساتھ یہ کیا اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جسے اللہ کا رسولؐ اللہ کی راہ میں قتل کرے- اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کا چہرہ زخمی کیا‘ عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھ حضورؐ کو یہ زخم لگا تھا‘ سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے تھے‘ رخسار پر زخم آیا تھا اور ہونٹ پر بھی‘ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرمایا کرتے تھے‘ مجھے جس قدر اس شخص کے قتل کی حرص تھی‘ کسی اور کے قتل کی نہ تھی- یہ شخص بڑا بد خلق تھا اور ساری قوم سے اس کی دشمنی تھی‘ اس کی برائی میں حضورؐ کا یہ فرمان کافی ہے کہ نبیؐ کو زخمی کرنے والے پر اللہ سخت غضبناک ہے- عبدالرزاق میں ہے حضورؐ نے اس کیلئے بد دعا کی کہ اے اللہ سال بھر میں یہ ہلاک ہو جائے اور کفر پر اس کی موت ہو چنانچہ یہی ہوا اور یہ بد بخت کافر مرا اور جہنم واصل ہوا- ایک مہاجر کا بیان ہے کہ چاروں طرف سے احد والے دن حضورؐ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت سے وہ سب پھیر دیئے جاتے تھے-

عبداللہ بن شہاب زہری نے اس دن قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمدؐ کو دکھا دو وہ آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا‘ اگر وہ نجات پا گیا تو میری نجات نہیں‘ اب وہ حضورؐ کی طرف لپکا اور بالکل آپ کے پاس آ گیا- اس وقت حضورؐ کے ساتھ کوئی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا- اسے حضورؐ نظر ہی نہ آئے جب وہ نامراد پلٹا تو صفوان نے اسے طعنہ زنی کی اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہیں ہمارے ہاتھ نہیں لگنے کے سنو! ہم چار شخصوں نے ان کے قتل کا پختہ مشورہ کیا تھا اور آپس میں عہد و پیمان کئے تھے ہم نے ہر چند چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی- واقدی کہتے ہیں لیکن ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حضورؐ کی پیشانی کو زخمی کرنے والا ابن قمیہ اور ہونٹ اور دانتوں پر صدمہ پہنچانے والا عتبہ بن ابی وقاص تھا-

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہؓ کے سر ہے- میں جب لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضورؐ کی حمایت میں جان ٹکائے لڑ رہا ہے میں نے کہا اللہ کرے یہ طلحہ ہو اب جو قریب آ کر دیکھا تو طلحہؓ ہی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ- میں نے کہا الحمد للہ میری ہی قوم کا ایک شخص ہے‘ میرے اور مشرکوں کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے بے پناہ حملے مشرکوں کی ہمت توڑ رہے تھے‘ غور سے دیکھا تو وہ حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے‘ اب جو میں نے بغور حضورؐ کی طرف دیکھا تو آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے ہیں- چہرہ زخمی ہو رہا ہے اور پیشانی میں زرہ کی دو کڑیاں کھب گئی ہیں- میں آپ کی طرف لپکا لیکن آپؐ نے فرمایا‘ ابو طلحہؓ کی خبر لو‘ میں نے چاہا کہ حضورؐ کے چہرے میں سے وہ دونوں کڑیاں نکالوں لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کر کے دانتوں سے پکڑ کر ایک کو نکال لیا لیکن اس میں ان کا دانت بھی ٹوٹ گیا- میں نے اب پھر چاہا کہ دوسری میں نکال لوں لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے پھر قسم دی تو میں رک رہا- انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹے اس سے فارغ ہو کر ہم حضرت طلحہؓ کی طرف متوجہ ہوئے ہم نے دیکھا کہ ستر سے زیادہ زخم انہیں لگ چکے ہیں انگلیاں کٹ گئی ہیں ہم نے پھر ان کی بھی خبر لی حضورؐ کے زخم کا خون حضرت ابوسعید خدریؓ نے چوسا تا کہ خون تھم جائے- پھر ان سے کہا گیا کہ کلی کر ڈالو لیکن انہوں نے کہا‘ اللہ کی قسم میں کلی نہ کروں گا‘ پھر میدان جنگ میں چلے گئے-

حضورؐ نے فرمایا‘ اگر کوئی شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھ لے‘ چنانچہ یہ اسی میدان میں شہید ہوئے- صحیح بخاری شریف میں

ہے کہ حضورؐ کا چہرہ زخمی ہوا، سامنے کے دانت ٹوٹے، سر کا خود ٹوٹا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خون دھوتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈھال میں پانی لا لا کر ڈالتے جاتے تھے۔ جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہؓ نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون بند ہوا۔

پھر فرماتا ہے، تمہیں غم پر غم پہنچا، بغم کا با معنی میں علیٰ کے ہے جیسے فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ میں فی معنی میں علیٰ کے ہے۔ ایک غم تو شکست کا تھا جبکہ یہ مشہور ہو گیا کہ (اللہ نہ کرے) حضورؐ کی جان پر بن آئی، دوسرا غم مشرکوں کا پہاڑ کے اوپر غالب آ کر چڑھ جانے کا جبکہ حضورؐ فرماتے تھے یہ بلندی کے لائق نہ تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں ایک غم شکست کا، دوسرا غم حضور ﷺ کے قتل کی خبر کا اور یہ غم پہلے غم سے زیادہ تھا، اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک غم تو غنیمت کا ہاتھ میں آ کر نکل جانے کا تھا۔ دوسرا شکست ہونے کا، اسی طرح ایک اپنے بھائیوں کے قتل کا غم، دوسرا حضورؐ کی نسبت ایسی منحوس خبر کا غم۔ پھر فرماتا ہے جو غنیمت اور فتح مندی تمہارے ہاتھوں سے گئی اور جو زخم و شہادت ملی، اس پر غم نہ کھاؤ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو بلندی اور جلال والا ہے، وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى
طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ
يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ
هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ‌ؕ
يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا يُبۡدُوۡنَ لَكَ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ
لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا‌ؕ قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ
بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ‌ۚ
وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ
قُلُوۡبِكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا
مِنۡكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ
بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا‌ ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۶ ۷ ۷

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی۔ ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ

اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے، اور کہتے تھے، کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ تو کہہ دے کہ کام تو کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید تجھے نہیں بتاتے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ دے، اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے، پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا، وہ تو مقتل کی طرف نکل کھڑے ہوئے ○ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کی باتوں کا آزمانا اور تمہارے دل کے ارادوں کا نکھارنا تھا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے ○ تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوگئی تھی، یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطانی اغوا میں آ گئے لیکن یقین جانو کہ اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا اور تحمل والا ہے ○

تلواروں کے سایہ میں ایمان کی جانچ : ☆☆ (آیت:۱۵۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس غم و رنج کے وقت جو احسان فرمایا تھا، اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے ان پر اونگھ ڈال دی۔ ہتھیار ہاتھ میں ہیں، دشمن سامنے ہے لیکن دل میں اتنی تسکین ہے کہ آنکھیں اونگھ سے جھکی جا رہی ہیں جو امن و امان کا نشان ہے جیسے سورہ انفال میں بدر کے واقعہ میں ہے اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ① یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن بصورت اونگھ نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، لڑائی کے وقت ان کی اونگھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حکمت ہے، حضرت ابوطلحہؓ کا بیان ہے کہ احد والے دن مجھے اس زور کی اونگھ آنے لگی کہ بار بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ گئی، آپ فرماتے ہیں، جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تقریباً ہر شخص کو اسی حالت میں پایا، ہاں البتہ ایک جماعت وہ بھی تھی جن کے دلوں میں نفاق تھا۔ یہ مارے خوف و دہشت کے ہلکان ہو رہے تھے اور ان کی بدگمانیاں اور برے خیال حد کو پہنچ گئے تھے۔

پس اہل ایمان، اہل یقین، اہل ثبات، اہل توکل اور اہل صدق تو یقین کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد کرے گا اور ان کی منہ مانگی مراد پوری ہو کر رہے گی لیکن اہل نفاق، اہل شک، بے یقین، ڈھلمل ایمان والوں کی عجب حالت تھی۔ ان کی جان عذاب میں تھی۔ وہ ہائے وائے کر رہے تھے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسواس پیدا ہو رہے تھے۔ انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ اب مرے، وہ جان چکے تھے کہ رسول اور مومن (نعوذ باللہ) اب بچ کر نہیں جائیں گے۔ اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ فی الواقع منافقوں کا یہی حال ہے کہ جہاں ذرا نیچا پانسہ دیکھا تو ناامیدی کی گھنگھور گھٹاؤں نے انہیں گھیر لیا۔ ان کے برخلاف ایماندار بد سے بدتر حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھتا ہے۔

ان کے دلوں کے خیالات یہ تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی بس چلتا تو آج کی موت سے بچ جاتے اور چپکے چپکے یوں کہتے بھی تھے، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس سخت خوف کے وقت ہمیں تو اس قدر نیند آنے لگی کہ ہماری ٹھوڑیاں سینوں سے لگ گئیں۔ میں نے اپنی اسی حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار رہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے، اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں، مرنے کا وقت نہیں ٹلتا، گو تم گھروں میں ہوتے لیکن پھر بھی جن پر یہاں کٹنا لکھا جا چکا تھا، وہ گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور یہاں میدان میں آ کر ڈٹ گئے اور اللہ کا لکھا پورا اترا۔ یہ وقت اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے ارادوں اور تمہارے مخفی بھیدوں کو بے نقاب کرے، اس آزمائش سے بھلے اور برے، نیک اور بد میں تمیز ہو گئی، اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں اور ارادوں سے پوری طرح واقف ہے، اس نے اس ذرا سے واقعہ سے منافقوں کو بے نقاب کر دیا اور مسلمانوں کا بھی ظاہری امتحان ہو گیا۔ اب سچے مسلمانوں کی لغزش کا بیان ہو رہا ہے جو انسانی کمزوری کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی۔ فرماتا ہے شیطان نے یہ لغزش ان سے کرا دی دراصل یہ سب ان کے عمل کا نتیجہ تھا نہ یہ رسولؐ کی نافرمانی کرتے نہ ان کے قدم اکھڑتے، انہیں اللہ تعالیٰ معذور جانتا ہے اور

ان سے اس نے درگزر فرمالیا اور ان کی اس خطا کو معاف کر دیا' اللہ کا کام ہی درگزر کرنا' بخشا' معاف فرمانا حلم اور بردباری برتنا تحمل اور عفو کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ وغیرہ کی اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ ولید بن عقبہ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا' آخر تم امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا' اس سے کہہ دو کہ میں نے احد والے دن فرار نہیں کیا' بدر کے غزوے میں غیر حاضر نہیں رہا اور نہ سنت عمرؓ ترک کی' ولید نے جا کر حضرت عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن کہہ رہا ہے وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ یعنی اِحد والے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا۔ پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا' اس پر عذر لانا کیا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی میری بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پورا حصہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں۔ پس حکماً میری موجودگی ثابت ہوئی ہے' رہی سنت عمرؓ اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے نہ عبدالرحمٰن میں' جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچا دو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ
كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ
لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾
وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جبکہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں' کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مار ڈالے جاتے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے' اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے ہر ہر عمل کو دیکھ رہا ہے ○ قسم ہے اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کئے جاؤ یا اپنی موت مرو بیشک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ○ بالیقین خواہ تم مر جاؤ خواہ مار ڈالے جاؤ' جمع تو اللہ کی طرف ہی کئے جاؤ گے ○

باطل خیالات کی نشاندہی: ☆☆ (آیت:۱۵۶-۱۵۸) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرما رہا ہے۔ یہ کفار سمجھتے تھے کہ ان کے لوگ جو سفر میں یا لڑائی میں مرے' اگر وہ سفر اور لڑائی نہ کرتے تو نہ مرتے' پھر فرماتا ہے کہ یہ باطل خیال بھی ان کی حسرت و افسوس کا بڑھانے والا ہے' دراصل موت و حیات اللہ کے ہاتھ ہے' مرتا ہے اس کی چاہت سے اور زندگی ملتی ہے تو اس کے ارادے سے' تمام امور کا جاری کرنا اس کے قبضہ میں ہے۔ اس کی قضا و قدر ٹلتی نہیں۔ اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے کوئی چیز باہر نہیں تمام مخلوق کے ہر ہر امر کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یا مرنا اللہ کی مغفرت و رحمت کا ذریعہ ہے اور یہ قطعاً

دنیا و مافیہا سے بہتر ہے کیونکہ یہ فانی ہے اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ کسی طرح دنیا چھوڑو' مر کر یا قتل ہو کر لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے پھر اپنے اعمال کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے برا ہو تو' بھلا ہو تو۔!

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا
غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ
اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

اللہ کی رحمت کے باعث تو ان پر نرم دل ہے اور اگر تو بدزبان اور سخت ہوتا تو یہ سب تیرے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان سے درگزر کر اور ان کے لئے استغفار کر اور کام کا مشورہ ان سے کر لیا کر پھر جب تیرا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر' بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

اسوۂ حسنہ کے مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم: ☆☆ (آیت: ۱۵۹-۱۶۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر اور مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ نبیؐ کے ماننے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کیلئے اللہ نے نبیؐ کے دل کو نرم کر دیا ہے۔ اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اتنی نرمی اور آسانی نہ ہوتی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' ما صلہ ہے جو معرفہ کے ساتھ عرب ملا دیا کرتے ہیں جیسے فَبِمَا نَقْضِهِمْ الخ' میں اور نکرہ کے ساتھ بھی ملا دیتے ہیں جیسے عَمَّا قَلِيْلٍ میں اسی طرح یہاں ہے یعنی اللہ کی رحمت سے تو ان کیلئے نرم دل ہوا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں' یہ حضورؐ کے اخلاق ہیں جن پر آپ کی بعثت ہوئی ہے۔ یہ آیت ٹھیک اس جیسی ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ الخ' یعنی تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری بھلائی کے حریص ہیں۔ جو مومنوں پر شفقت اور رحم کرنے والے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو امامہ باہلیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا' اے ابو امامہ بعض مومن وہ ہیں جن کیلئے میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ فَظًّا سے مراد یہاں سخت کلام ہے کیونکہ اس کے بعد غَلِيْظَ الْقَلْبِ کا لفظ ہے یعنی سخت دل' فرمان ہے کہ اے نبی اکرم تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے اور تمہیں چھوڑ دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آپؐ کے جاں نثار و شیدا بنا دیا ہے اور آپؐ کو بھی ان کیلئے محبت اور نرمی عطا فرمائی اور تاکہ ان کے دل آپؐ سے لگے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی صفتوں کو اگلی کتابوں میں بھی پاتا ہوں کہ آپؐ سخت کلام' سخت دل' بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے نہیں بلکہ درگزر کرنے والے اور معافی دینے والے ہیں۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگوں کی آؤ بھگت' خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح کا حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔

چنانچہ اس آیت میں بھی فرمان ہے' تو ان سے درگزر کر' ان کیلئے استغفار کر اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر' اسی لئے حضورؐ کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے کہ بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کیلئے مشورہ لیا اور صحابہؓ نے کہا کہ اگر آپؐ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک انعماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپؐ کے ساتھ ہیں ہم وہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوںؓ کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑ لے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو آپؐ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے' اسی طرح آپؐ نے اس

بات کا مشورہ بھی لیا کہ منزل کہاں ہو؟ اور منذر بن عمروؓ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو' اسی طرح احد کے موقعہ پر بھی آپؐ نے شوریٰ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہئے چنانچہ آپؐ نے یہی کیا اور آپؐ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے؟ تو حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا انکار کیا اور آپ نے اس مشورے کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی' اسی طرح آپؐ نے حدیبیہ والے دن اس امر کا مشورہ کیا کہ آیا مشرکین کے گھروں کا دھاوا بول دیں؟ تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا' ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے' ہمارا اردہ صرف عمرے کا ہے چنانچہ اسے بھی آپؐ نے منظور فرما لیا۔ اسی طرح جب منافقین نے آپ کی بیوی صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو آپؐ نے فرمایا' اے مسلمانو! مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں' اللہ کی قسم میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں' واللہ میرے نزدیک تو وہ بھی بھلا آدمی ہے اور آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی جدائی کیلئے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ لیا' غرض لڑائی کے کاموں میں اور دیگر امور میں بھی حضورؐ صحابہؓ سے شوریٰ کیا کرتے تھے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشورے کا حکم آپؐ کو بطور وجوب کے دیا تھا یا اختیاری امر تھا تا کہ لوگوں کے دل خوش رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس آیت میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے (حاکم) یہ دونوں حضورؐ کے حواری اور آپ کے وزیر تھے اور مسلمانوں کے باپ ہیں (کلبی) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بزرگوں سے فرمایا' اگر تمہاری دونوں کی کسی امر میں ایک رائے ہو جائے تو میں تمہارے خلاف کبھی نہ کروں گا۔ حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ عَزم کے کیا معنی ہیں تو آپؐ نے فرمایا جب عقلمند لوگوں سے مشورہ کیا جائے' پھر ان کی مان لینا چاہئے (ابن مردویہ) ابن ماجہ میں آپؐ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے' وہ امین ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ اسے حسن کہتے ہیں' اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہئے' بھلی بات کا مشورہ دے (ابن ماجہ) پھر فرمایا جب تم کسی کام کا مشورہ کر چکو' پھر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو' اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ پھر دوسری آیت کا ارشاد بالکل اسی طرح کا ہے جو پہلے گزرا ہے کہ وَمَا النَّصرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ یعنی مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے اور حکمتوں والا ہے۔ پھر حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو توکل اور بھروسہ ذات باری پر ہی ہونا چاہئے۔ پھر فرماتا ہے نبی کو لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ عباسؓ فرماتے ہیں' بدر کے دن ایک سرخ رنگ چادر نہیں ملتی تھی تو لوگوں نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو۔ اس پر یہ آیت اتری (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ منافقوں نے حضورؐ پر کسی چیز کی تہمت لگائی تھی جس پر آیت وَمَا کَانَ اتری' پس ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' رسولوں کے سردارؐ ہر قسم کی خیانت سے' بیجا طرفداری سے مبرا اور منزہ ہیں خواہ وہ مال کی تقسیم ہو یا امانت کی ادائیگی ہو' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبیؐ جانبداری نہیں کر سکتا کہ بعض لشکریوں کو دے اور بعض کو ان کا حصہ نہ پہنچائے۔ اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبیؐ اللہ کی نازل کردہ کسی چیز کو چھپا لے اور امت تک نہ پہنچائے۔

یغل کے معنی اور خائن: ☆☆ یَغُلَّ کو 'یے' کے پیش سے بھی پڑھا گیا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ نبی کی ذات ایسی نہیں کہ ان کے پاس والے ان کی خیانت کریں' چنانچہ حضرت قتادہؓ اور حضرت ربیعؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن آپؐ کے اصحابؓ نے مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری (ابن جریرؒ)

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ
فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ
الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۶۰ وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَ مَنۡ یَّغۡلُلۡ
یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا
کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ۝۱۶۱

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ○ ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہو گا۔ پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے ○

(آیت: ۱۶۰-۱۶۱) پھر خائن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اور سخت عذاب کی خبر دی جاتی ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بابت بہت کچھ سخت وعید ہے چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے بڑا خیانت کرنے والا وہ شخص ہے جو پڑوسی کے کھیت کی زمین یا اس کے گھر کی زمین دبا لے۔ اگر ایک ہاتھ زمین بھی ناحق اپنی طرف کر لے گا تو ساتوں زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔ مسند کی اور حدیث میں ہے، جسے ہم حاکم بنائیں گے، اگر اس کا گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے، بیوی نہ ہو تو کر سکتا ہے، اس کے سوا اگر کچھ اور لے گا تو خائن ہو گا۔ یہ حدیث ابو داؤد میں بھی دیگر الفاظ سے منقول ہے، ابن جریرؒ کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو چلاتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئیگا اور میرا نام لے لے کر مجھے پکارے گا، میں کہہ دوں گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس تجھے کام نہیں آ سکتا، میں تو پہنچا چکا تھا، اسے بھی میں پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے گا، جو بول رہا ہو گا، یہ بھی کہے گا کہ اے محمدؐ اے محمدؐ! میں کہوں گا، میں تیرے لئے اللہ کے پاس کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ میں تو تبلیغ کر چکا تھا اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو اسی طرح گھوڑے کو لادے ہوئے آئے گا جو ہنہنا رہا ہو گا وہ بھی مجھے پکارے گا اور میں کہہ دوں گا کہ میں تو پہنچا چکا تھا۔ آج کچھ کام نہیں آ سکتا اور اس شخص کو بھی میں پہچانتا ہوں جو کھالیں لئے ہوئے حاضر ہو گا اور کہہ رہا ہو گا یا محمدؐ یا محمدؐ! میں کہوں گا، میں اللہ کے پاس کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا، میں تجھے حق و باطل بتا چکا تھا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو حاکم بنا کر بھیجا جسے ابن البتیہہ کہتے تھے۔ یہ جب زکوٰۃ وصول کر کے آئے تو کہنے لگے، یہ تو تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں ملا ہے، نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ہم انہیں کسی کام پر بھیجتے ہیں تو آ کر کہتے ہیں یہ تمہارا اور یہ ہمارے تحفے کا، یہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہتے پھر دیکھتے کہ انہیں تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز بھی لے لے گا، وہ قیامت کے دن اسے گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا۔ اونٹ ہے تو چلا رہا ہو گا، گائے ہے تو بول رہی ہو گی، بکری ہے تو چیخ رہی ہو گی۔ پھر آپؐ نے ہاتھ اس قدر بلند کئے کہ بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ مسند احمد کی ایک ضعیف حدیث میں ہے، ایسے تحصیلداروں اور حاکموں کو جو تحفے ملیں، وہ خیانت ہیں۔ یہ روایت صرف مسند احمد میں ضعیف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اگلی مطول

روایت کا ماحصل ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن میں بھیجا' جب میں چل دیا تو آپ نے مجھے بلوایا' جب میں واپس آیا تو فرمایا میں نے تمہیں صرف ایک بات کہنے کیلئے بلوایا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کچھ لو گے' وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا۔ بس یہی کہنا تھا جاؤ اپنے کام میں لگو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے ایک روز کھڑے ہو کر خیانت کا ذکر کیا اور اس کے بڑے بڑے گناہ اور وبال بیان فرما کر ہمیں ڈرایا۔ پھر جانوروں کو لئے ہوئے قیامت کے دن آنے' حضورؐ سے فریادرسی کی عرض کرنے اور آپؐ کے انکار کر دینے کا ذکر کیا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس میں سونے چاندی کا ذکر بھی ہے' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا' اے لوگو! جسے ہم عامل بنائیں اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی ہلکی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہے جسے لے کر وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا' یہ سن کر ایک سانولے رنگ کے انصاری حضرت سعید بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے حضورؐ میں تو عامل بننے سے دستبردار ہوتا ہوں' فرمایا کیوں؟ کہا آپؐ نے جو اس طرح فرمایا' آپؐ نے فرمایا ہاں' اب بھی سنو' ہم کوئی کام سونپیں' اسے چاہئے کہ تھوڑا بہت سب کچھ لائے' جو اسے دیا جائے' وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے' رک جائے۔ یہ حدیث مسلم اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عموماً نماز عصر کے بعد بنو عبدالاشہل کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً مغرب تک وہیں مجلس رہتی تھی۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے واپس چلے وقت تنگ تھا تیز تیز چل رہے تھے۔ بقیع میں آ کر فرمانے لگے تف ہے تجھے' تف ہے تجھے' میں سمجھا آپؐ مجھے فرما رہے ہیں چنانچہ میں اپنے کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا اور پیچھے رہ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضورؐ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے میں رک گیا' آپؐ نے فرمایا میں نے تجھے نہیں کہا بلکہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے' اسے میں نے قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا' اس نے ایک چادر لے لی' وہ چادر اب آگ بن کر اس کے اوپر بھڑک رہی ہے (مسند احمد) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیتے' پھر فرماتے میرا بھی اس میں وہی حق ہے جو تم میں سے کسی ایک کا' خیانت سے بچو' خیانت کرنے والے کی رسوائی قیامت کے دن ہوگی' سوئی دھاگے تک پہنچا دو اور اس سے حقیر چیز بھی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نزدیک والوں اور دور والوں سے جہاد کرو' وطن میں بھی اور سفر میں بھی' جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مشکلات سے اور رنج و غم سے نجات دیتا ہے' اللہ کی حدیں نزدیک و دور والوں میں جاری کرو۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے (مسند احمد) اس حدیث کا بعض حصہ ابن ماجہ میں بھی مروی ہے' حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا اے ابومسعود جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت سے لے لیا ہو' میں نے کہا حضورؐ پھر تو میں نہیں جاتا۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا میں تمہیں زبردستی بھیجتا بھی نہیں (ابوداؤد)۔

ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اگر کوئی پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو ستر سال تک چلتا رہے لیکن تہہ کو نہیں پہنچتا۔ خیانت کی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا' پھر خیانت والے سے کہا جائے گا' جا اسے لے آ' یعنی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مسند احمد میں ہے کہ خیبر کی جنگ والے دن صحابہ کرام آنے لگے اور کہنے لگے' فلاں شہید ہے' فلاں شہید ہے۔ جب ایک شخص کی نسبت یہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں' میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے

غنیمت کے مال کی ایک چادر خیانت کر لی تھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم جاؤ اور لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے چنانچہ میں چلا اور سب میں یہ ندا کر دی۔ یہ حدیث مسلم اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے صدقات کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا' کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ آپؐ نے صدقات میں خیانت کرنے والے کی نسبت فرمایا' اس میں جو شخص اونٹ یا بکری لے لے' وہ قیامت والے دن اسے اٹھائے ہوئے آئے گا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ہاں' یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ابن جریرؒ میں حضرت سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ انہیں صدقات وصول کرنے کیلئے حضورؐ نے بھیجنا چاہا اور فرمایا' اے سعدؓ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تو بلبلاتے اونٹ کو اٹھا کر لائے تو حضرت سعدؓ کہنے لگے کہ نہ میں اس عہدہ کو لوں اور نہ ایسا ہونے کا احتمال رہے چنانچہ حضورؐ نے بھی اس کام سے انہیں معاف رکھا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسلم بن عبدالملک کے ساتھ روم کی جنگ میں حضرت سالم بن عبداللہ بھی تھے۔ ایک شخص کے اسباب میں کچھ خیانت کا مال بھی نکلا' سردار لشکر نے حضرت سالمؒ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا' مجھ سے میرے باپ عبداللہؓ نے اور ان سے ان کے باپ عمر بن خطابؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اسباب میں تم چوری کا مال پاؤ' اسے جلا دو' راوی کہتا ہے میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا اور اسے سزا دو چنانچہ جب اس کا مال بازار میں نکالا تو اس میں ایک قرآن شریف بھی تھا۔ حضرت سالم سے پھر اس کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا' اسے بیچ دو اور اس کی قیمت صدقہ کر دو۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام علی بن مدینیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں' یہ حدیث منکر ہے' امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت سالمؒ کا اپنا فتویٰ ہے۔ حضرت امام احمد اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت حسنؒ بھی یہی کہتے ہیں' حضرت علیؓ فرماتے ہیں' اس کا اسباب جلا دیا جائے اور اسے مملوک کی حد سے کم مارا جائے بلکہ اس کے مثل اسے تعزیر یعنی سزا دی جائے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے خائن کے جنازے کی نماز سے انکار کر دیا اور اس کا اسباب نہیں جلایا۔ واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ قرآن شریفوں کے جب تغیر کا حکم کیا گیا تو حضرت ابن مسعودؓ فرمانے لگے' تم میں سے جس سے ہو سکے' وہ اسے چھپا کر رکھ لے کیونکہ جو شخص جس چیز کو چھپا کر رکھ لے گا' اسی کو لے کر قیامت کے روز آئے گا' پھر فرمانے لگے' میں نے ستر دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی پڑھا ہے۔ پس کیا میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھائی ہوئی قرآت کو چھوڑ دوں؟ امام وکیعؒ بھی اپنی تفسیر میں اسے لائے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ آنحضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں منادی کرتے کہ جس جس کے پاس جو جو ہو لے آئے' پھر آپؐ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے بعد بالوں کا ایک گچھا لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس یہ رہ گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تو نے حضرت بلالؓ کی منادی سنی تھی؟ جو تین مرتبہ ہوئی تھی' اس نے کہا ہاں' فرمایا پھر تو اس وقت کیوں نہ لایا؟ اس نے عذر بیان کیا آپ نے فرمایا' اب میں ہرگز نہ لوں گا تو ہی اسے لے کر قیامت کے دن آنا۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ
مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے، جو بدترین جگہ ہے ○ اللہ کے پاس یہ بڑے مرتبوں پر ہیں، ان کے تمام اعمال اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے ○ بیشک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً ۔ یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○

(آیت: ۱۶۲-۱۶۴) اللہ دو عالم پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شرع پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مستحق ہونے والے، اس کے ثوابوں کو حاصل کرنے والے، اس کے عذابوں سے بچنے والے اور وہ لوگ جو اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور جو مر کر جہنم میں ٹھکانا پائیں گے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو حق ماننے والا اور اس سے اندھا رہنے والا برابر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی والے مختلف درجوں پر ہیں، وہ جنت کے درجوں میں ہیں اور یہ جہنم کے طبقوں میں، جیسا کہ دوسری جگہ ہے وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ پھر فرمایا۔ اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے اور عنقریب ان سب کو پورا بدلہ دے گا۔ نہ نیکی ماری جائے گی اور نہ بدی بڑھائی جائے گی بلکہ عمل کے مطابق ہی جزا سزا ہوگی۔

پھر فرماتا ہے کہ مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس سے ان میں اپنا پیغمبر بھیجا تاکہ یہ اس سے بات چیت کر سکیں، پوچھ گچھ کر سکیں، ساتھ بیٹھ اٹھ سکیں اور پوری طرح نفع حاصل کر سکیں، جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا الخ، یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے اس نے پیدا کئے، جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ، کہہ دے کہ میں تو تم جیسا ہی انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی تم سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے، وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے مردوں کو وحی کی تھی جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یعنی اے جنو اور انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ الغرض یہ پورا احسان ہے کہ مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول بھیجے گئے تاکہ وہ پاس بیٹھ اٹھ کر بار بار سوال جواب کر کے پوری طرح دین سیکھ لیں۔

پس اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں یعنی قرآن کریم انہیں پڑھاتا ہے اور اچھی باتوں کا حکم دے کر اور برائیوں سے روک کر ان کی جانوں کی پاکیزگی کرتا ہے اور شرک و جاہلیت کی ناپاکی کے اثرات سے زائل کرتا ہے اور انہیں کتاب اور سنت سکھاتا ہے۔ اس رسول کے آنے سے پہلے تو یہ صاف بھٹکے ہوئے تھے، ظاہر برائی اور پوری جہالت میں تھے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى
هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾

کیا جب کبھی تمہیں کوئی تکلیف پہنچے کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ کہہ دے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے' بیشک اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے ○ اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈ بھیڑ ہو گئی تھی' وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے ○

غزوات سچے مسلمان اور منافق کو بے نقاب کرنے کا ذریعہ بھی تھے: ☆☆ (آیت:۱۶۵-۱۶۶) یہاں جس مصیبت کا بیان ہو رہا ہے' یہ احد کی مصیبت ہے جس میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے تھے اور اس سے دوگنی مصیبت مسلمانوں نے کافروں کو پہنچائی تھی' بدر والے دن ستر کافر قتل کئے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ یہ مصیبت کیسے آ گئی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے' حضرت عمر بن خطابؓ کا بیان ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں نے فدیہ لے کر جن کفار کو چھوڑ دیا تھا' اس کی سزا میں اگلے سال ان میں سے ستر مسلمان شہید کئے گئے اور صحابہؓ میں افراتفری پڑ گئی' حضور رسالت مآب ﷺ کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے' آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔ وہ بھی ٹوٹا اور چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا' اس کا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہو رہا ہے (ابن ابی حاتم' مسند احمد بن حنبل)۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا اے محمدؐ! آپ کی قوم کا کفار کو قیدی بنا کر پکڑ لینا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ اب انہیں دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجئے' یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مار ڈالیں یا یہ کہ ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں مگر پھر ان مسلمانوں سے اتنی ہی تعداد شہید ہو گی۔ حضور علیہ السلام نے لوگوں کو جمع کر کے دونوں باتیں پیش کیں تو انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ یہ لوگ ہمارے قبائل کے ہیں' ہمارے رشتے دار بھائی ہیں' ہم کیوں نہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں اور اس مال سے ہم طاقت قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے چنانچہ جرمانہ وصول کر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ٹھیک ستر ہی کی تعداد مسلمانوں کی اس کے بعد غزوہ احد میں شہید ہوئی (ترمذی و نسائی)

پس ایک مطلب تو یہ ہوا کہ خود تمہاری طرف سے یہ سب ہوا یعنی تم نے بدر کے قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے جرمانہ جنگ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں۔ وہ شہید ہوئے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔ اس باعث تمہیں یہ نقصان پہنچا' تیراندازوں کو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن وہ ہٹ گئے' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرے' جو ارادہ ہو حکم دے' کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے۔ دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ کے دن جو نقصان تمہیں پہنچا کہ تم دشمنوں کے مقابلے سے بھاگ کھڑے ہوئے تم میں سے بعض لوگ شہید بھی ہوئے اور زخمی بھی ہوئے' یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے تھا۔ اس کی حکمت اس کی مقتضی تھی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ثابت قدم' غیر متزلزل' ایمان والے صابر بندے بھی معلوم ہو جائیں اور منافقین کا حال بھی کھل جائے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی' جو راستے میں ہی لوٹ گئے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۭ
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ
بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا
مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾

اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے جن سے کہا گیا کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے۔ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے' کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت ہٹا دو ○

(آیت: ۱۶۷-۱۶۸) ایک مسلمان نے انہیں سمجھایا بھی کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کم از کم ان حملہ آوروں کو تو ہٹاؤ لیکن انہوں نے ٹال دیا کہ ہم تو فنون جنگ سے بے خبر ہیں۔ اگر جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے' یہ بھی مدافعت میں تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تو رہتے جس سے مسلمانوں کی گنتی زیادہ معلوم ہوتی' یا دعائیں کرتے رہتے یا تیاریاں ہی کرتے' ان کے جواب کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم سچ مچ دشمنوں سے لڑو گے تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ لڑائی ہونے کی ہی نہیں۔ سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ایک ہزار آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ میدان احد کی جانب بڑھے' آدھے راستے میں عبداللہ ابی بن سلول بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا اوروں کی مان لی اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور میری نہ مانی' اللہ کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس فائدے کو نظر انداز رکھ کر اپنی جانیں دیں؟ لوگو! کیوں جانیں کھو رہے ہو۔ جس قدر نفاق اور شک وشبہ والے لوگ تھے' اس کی آواز پر لگ گئے اور تہائی لشکر لے کر یہ پلید واپس لوٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام بنو سلمہ کے بھائی ہر چند انہیں سمجھاتے رہے کہ اے میری قوم' اپنے نبی کو' اپنی قوم کو رسوا نہ کرو' انہیں دشمنوں کے سامنے چھوڑ کر پیٹھ نہ پھیرو لیکن انہوں نے بہانہ بنا دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ لڑائی ہونے ہی کی نہیں۔ جب یہ بیچارے عاجز آ گئے تو فرمانے لگے' جاؤ' تمہیں اللہ غارت کرے' اللہ کے دشمنو! تمہاری کوئی حاجت نہیں۔ اللہ اپنے نبیؐ کا مددگار ہے' چنانچہ حضورؐ بھی انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت ہی نزدیک تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے احوال مختلف ہیں۔ کبھی وہ کفر سے قریب جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا' یہ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں' جیسے ان کا یہی کہنا کہ اگر ہم جنگ جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے' حالانکہ انہیں یقیناً معلوم تھا کہ مشرکین دور دراز سے چڑھائی کر کے

مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی ٹھان کر آئے ہیں۔ وہ بڑے جلے کٹے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے سردار بدر والے دن میدان میں رہ گئے تھے اور ان کے اشراف قتل کر دیئے گئے تھے تو اب وہ ان ضعیف مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں اور یقیناً جنگ عظیم برپا ہونے والی ہے۔

پس جناب باری فرماتا ہے' ان کے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا مجھے بخوبی علم ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے' اس کے جواب میں جناب باری جل وعلا کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے اور تم اپنی اس بات میں سچے ہو کہ بیٹھ رہنے اور میدان جنگ میں نہ نکلنے سے انسان قتل و موت سے بچ جاتا ہے تو چاہئے کہ تم مرو ہی نہیں اس لئے کہ تم تو گھروں میں بیٹھے ہو لیکن ظاہر ہے کہ ایک روز تم بھی چل بسو گے چاہے تم مضبوط برجوں میں پناہ گزین ہو جاؤ' پس ہم تو تمہیں تب سچا مانیں کہ تم موت کو اپنی جانوں سے ٹال دو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ
بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ
خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۧ ﴿۱۷۱﴾ ع ۱۷ ۱۶ ۸

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں ○ اللہ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے' اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی جواب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر برباد نہیں کرتا۔ ○

بیرٔ معونہ کے شہداء اور جنت میں ان کی تمنا؟ ☆☆ (آیت:۱۶۹-۱۷۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو شہید فی سبیل اللہ دنیا میں مار ڈالے جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں اور رزق پاتی ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس یا ستر صحابیوں کو بیرٔ معونہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہ جماعت جب اس غار تک پہنچی جو اس کنوئیں کے اوپر تھی تو انہوں نے وہاں پڑاؤ کیا اور آپس میں کہنے لگے' کون ہے جو اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اللہ کے رسولؐ کا کلمہ ان تک پہنچائے۔ ایک صحابیؓ اس کیلئے تیار ہوئے اور ان لوگوں کے گھروں کے پاس آ کر با آواز بلند فرمایا' اے بیرٔ معونہ والو سنو! میں اللہ کے رسولؐ کا قاصد ہوں۔ میری گواہی ہے کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سنتے ہی ایک کافر اپنا تیر سنبھالے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس طرح تاک کر لگایا کہ ادھر کی پسلی سے ادھر کی پسلی میں آر پار نکل گیا' اس صحابیؓ کی زبان سے بے ساختہ نکلا فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ کعبے کے اللہ کی قسم' میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ اب کفار نشانات ٹٹولتے ہوئے اس غار پر جا پہنچے اور عامر بن طفیل نے جو ان کا سردار تھا' ان سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن میں اترا کہ ہماری جانب سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے' ہم ان آیتوں کو برابر پڑھتے رہے پھر ایک مدت کے بعد یہ منسوخ ہو کر اٹھا لی گئیں اور آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الخ' اتری (محمد بن جریر)۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں' ہم نے حضرت عبداللہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا' ان کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں' عرش کی قندیلیں ان کیلئے ہیں' ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں' چگیں اور ان قندیلوں میں آرام کریں' ان کی طرف ان کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا' کچھ اور چاہتے ہو؟ کہنے لگے اے اللہ اور کیا مانگیں۔ ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں' کھائیں پئیں' اختیار ہے۔ پھر کیا طلب کریں' اللہ تعالیٰ نے ان سے پھر یہی پوچھا۔ تیسری مرتبہ یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ بغیر کچھ مانگے چارہ ہی نہیں تو کہنے لگے اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دے۔ ہم پھر دنیا میں جا کر تیری راہ میں جہاد کریں اور مارے جائیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا کہ کیا چاہتے ہو؟۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو لوگ مر جائیں اور اللہ کے ہاں بہتری پائیں' وہ ہرگز دنیا میں آنا پسند نہیں کرتے مگر شہید کہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے اور دوبارہ راہ اللہ میں شہید ہو کیونکہ شہادت کے درجات کو وہ دیکھ رہا ہے (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے جابر تمہیں معلوم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے کہا' اے میرے بندے مانگ' کیا مانگتا ہے؟ تو کہا' اے اللہ دنیا میں پھر بھیج تا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی یہاں دوبارہ لوٹایا نہیں جائے گا' ان کا نام حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری تھا' اللہ تعالیٰ ان سے رضامند ہو۔

صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت جابرؓ فرماتے ہیں' میرے باپ کی شہادت کے بعد میں رونے لگا اور ابا کے منہ سے کپڑا ہٹا ہٹا کر بار بار ان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا' صحابہؓ مجھے منع کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ خاموش تھے پھر حضورؐ نے فرمایا' جابر رومت جب تک تیرے والد کو اٹھایا نہیں گیا فرشتے اپنے پروں سے اسپر سایہ کئے ہوئے ہیں مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد والے دن شہید کئے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لٹکتی ہوئی قندیلوں میں آرام و راحت حاصل کریں' جب کھانے پینے رہنے سہنے کی یہ بہترین نعمتیں انہیں ملیں تو کہنے لگے کاش کہ ہمارے بھائیوں کو جو دنیا میں ہیں ہماری ان نعمتوں کی خبر مل جاتی تا کہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور اللہ کی راہ کی لڑائیوں سے تھک کر نہ بیٹھ رہیں' اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا' تم بے فکر رہو' میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں چنانچہ یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیتیں اتریں (مستدرک حاکم) یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ احد کے شہیدوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ابوبکر بن مردویہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے' جابر کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا' یا رسول اللہؐ میرے والد شہید ہو گئے جن پر بار قرض بہت ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بہت ہیں۔ آپ نے فرمایا' سن میں تجھے

بتاؤں، جس کسی سے اللہ نے کلام کیا، پردے کے پیچھے سے کلام کیا لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی، فرمایا مجھ سے مانگ جو مانگے گا، دوں گا، تیرے باپ نے کہا، اللہ عزوجل میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجے اور میں تیری راہ میں دوسری مرتبہ شہید کیا جاؤں، رب عزوجل نے فرمایا- یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی بھی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا، کہنے لگے پھر اے اللہ میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت وَلَا تَحۡسَبَنَّ الخ، نازل فرمائی- بیہقی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں تو اے اللہ تیری عبادت کا حق بھی ادا نہیں کر سکا- مسند احمد میں ہے شہید لوگ جنت کے دروازے پر نہر کے کنارے سے گنبد سبز میں ہیں، صبح شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں، دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا یہ گنبد ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر یہ کھانے یہیں کھلائے جاتے ہوں- واللہ اعلم، یہاں پر وہ حدیث بھی وارد کرنا بالکل برمحل ہوگا جس میں ہر مومن کیلئے بھی بشارت ہے، چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت والے دن جبکہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا- اس حدیث کے راویوں میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جا رہے ہیں- ایک تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ- آپ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ سے ان کے استاد ہیں- حضرت امام مالکؒ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پس امام احمد، امام شافعی، امام مالکؒ تینوں زبردست پیشوا اس حدیث کے راوی ہیں پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایمانداروں کی روح جنتی پرند کی شکل میں جنت میں رہتی ہے اور شہیدوں کی روحیں جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے، سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں- یہ روحیں مثل ستاروں کے ہیں جو عام مومنین کی روحوں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں، یہ اپنے طور پر آپ ہی اڑتی ہیں، اللہ تعالیٰ سے جو بہت بڑا مہربان اور زبردست احسانوں والا ہے، ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے ایمان واسلام پر موت دے- آمین-

پھر فرمایا کہ یہ شہید جن جن نعمتوں اور آسائشوں میں ہیں، ان سے بے حد مسرور اور بہت ہی خوش ہیں اور انہیں یہ بھی خوشی اور راحت ہے کہ ان کے بھائی بند جو ان کے بعد راہ اللہ میں شہید ہوں گے اور ان کے پاس آئیں گے، انہیں آئندہ کا کچھ خوف نہ ہوگا اور اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں پر انہیں حسرت بھی نہ ہوگی، اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے- حضرت محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ خوش ہیں کہ ان کے کئی اور بھائی بند بھی جو جہاد میں لگے ہوئے ہیں، وہ بھی شہید ہو کر ان کی نعمتوں میں ان کے شریک حال ہوں گے اور اللہ کے ثواب سے فائدہ اٹھائیں گے- حضرت سدیؒ فرماتے ہیں، شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے کہ فلاں دن تیرے پاس فلاں آئے گا اور فلاں دن فلاں آئے گا- پس جس طرح دنیا والے اپنے کسی غیر حاضر کے آنے کی خبر سن کر خوش ہوتے ہیں، اسی طرح یہ شہداء ان شہیدوں کے آنے کی خبر سے مسرور ہوتے ہیں- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں- مطلب یہ ہے کہ جب شہید جنت میں گئے اور وہاں اپنی منزلیں اور رحمتیں اور راحتیں دیکھیں تو کہنے لگے کاش کہ اس کا علم ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہوتا جو اب تک دنیا میں ہی ہیں تا کہ وہ جواں مردی سے جان توڑ کر جہاد کرتے اور ان جگہوں میں جا گھستے جہاں سے زندہ واپس آنے کی امید نہ ہوتی تو وہ بھی ہماری ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے، پس نبی ﷺ نے لوگوں کو ان کے اس حال کی خبر پہنچا دی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کہہ دیا کہ میں نے تمہاری خبر تمہارے نبی کو دے دی ہے- اس سے وہ بہت ہی مسرور ومحظوظ ہوئے-

بخاری ومسلم میں بیئر معونہ والوں کا قصہ بیان ہو چکا ہے جو ستر شخص انصاری صحابی تھے- رضوان اللہ علیہم اور ایک ہی دن صبح

کے وقت سب کو بے دردی سے کفار نے تہہ تیغ کیا تھا۔ جن کے قاتلوں کے حق میں ایک ماہ نماز کی قنوت میں رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی تھی اور جن پر لعنت بھیجی تھی۔ جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری تھی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچاؤ کہ ہم اپنے رب سے ملے، وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہو گئے، وہ اللہ کی نعمت و فضل کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں، یہ آیت یَسْتَبْشِرُوْنَ تمام ایمانداروں کے حق میں ہے خواہ شہید ہوں خواہ غیر۔ بہت کم ایسے مواقع ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی فضیلت اور ان کے ثوابوں کا ذکر نہ کرے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ
النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾

جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کے حکم کو قبول کیا، اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی، ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے ○ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں، پس تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت ہی اچھا کارساز ہے ○

(آیت: ۱۷۲-۱۷۳) پھر ان سچے مومنین کا بیان تعریف کے ساتھ ہو رہا ہے جنہوں نے حمراء اسد والے دن حکم رسول پر باوجود زخموں سے چور ہونے کے جہاد پر کمر کس لی تھی۔ مشرکین نے مسلمانوں کو مصیبتیں پہنچائیں اور اپنے گھروں کی طرف واپس چل دیئے لیکن پھر انہیں اس کا خیال آیا کہ موقعہ اچھا تھا۔ مسلمان ہار چکے تھے، زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے بہادر شہید ہو چکے تھے اگر ہم اور جم کر لڑتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا۔ نبی ﷺ ان کا یہ ارادہ معلوم کر کے مسلمانوں کو تیار کرنے لگے کہ میرے ساتھ چلو۔ ہم ان مشرکین کے پیچھے جائیں تا کہ ان پر رعب طاری ہو اور یہ جان لیں کہ مسلمان ابھی کمزور نہیں ہوئے، احد میں جو لوگ موجود تھے، صرف انہی کو ساتھ چلنے کا حکم ملا۔ ہاں صرف حضرت جابر بن عبداللہؓ کو ان کے علاوہ بھی ساتھ لیا، اس آواز پر بھی مسلمانوں نے لبیک کہی باوجود یہ کہ زخموں میں چور اور خون میں شرابور تھے لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیلئے کمربستہ ہو گئے۔ حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ جب مشرکین احد سے لوٹے تو راستے میں سوچنے لگے کہ نہ تو تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیا نہ مسلمانوں کی عورتوں کو پکڑا، افسوس تم نے کچھ نہ کیا۔ واپس لوٹو! جب یہ خبر حضورؐ کو پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا، یہ تیار ہو گئے اور مشرکین کے تعاقب میں چل پڑے یہاں تک کہ حمراء الاسد تک یا ''بیر ابی عینیہ'' تک پہنچ گئے، مشرکین کے دل رعب وخوف سے بھر گئے اور یہ کہہ کر مکہ کی طرف چل دیئے کہ اگلے سال دیکھا جائے گا، حضورؐ بھی واپس مدینہ تشریف لائے، یہ بھی بالاستقلال ایک الگ لڑائی گنی جاتی ہے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

احد کی لڑائی پندرہ شوال بروز ہفتہ ہوئی تھی۔ سولہویں تاریخ بروز اتوار منادی رسولؐ نے ندا دی کہ لوگو دشمن کے تعاقب میں چلو اور وہی لوگ چلیں جو کل میدان میں تھے، اس آواز پر حضرت جابرؓ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ ﷺ کل کی لڑائی میں میں نہ تھا، اس لئے کہ میرے والد حضرت عبداللہؓ نے مجھ سے کہا، بیٹے تمہارے ساتھ یہ چھوٹی بہنیں ہیں، اسے تو نہ میں پسند کروں اور نہ تو کہ انہیں۔

یہاں تنہا چھوڑ کر دونوں ہی چل دیں' ایک جائے گا اور ایک یہاں رہے گا۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تم جاؤ اور میں بیٹھا رہوں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم اپنی بہنوں کے پاس رہو اور میں جاتا ہوں۔ اس وجہ سے میں تو وہاں رہا اور میرے والد آپ کے ساتھ آئے' اب میری عین تمنا ہے کہ آج مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں چنانچہ آپ نے اجازت دی۔

حضورؐ کا سفر اس غرض سے تھا کہ دشمن دہل جائے اور پیچھے آتا ہوا دیکھ کر سمجھ لے کہ ان میں بہت کچھ قوت ہے اور ہمارے مقابلہ سے یہ عاجز نہیں' قبیلہ بنو عبدالاشہل کے ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ غزوہ احد میں ہم دونوں بھائی شامل تھے اور سخت زخمی ہو کر ہم لوٹے تھے' جب اللہ کے رسولؐ کے منادی نے دشمن کے پیچھے جانے کی ندا دی تو ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں کہا کہ افسوس نہ ہمارے پاس سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر اللہ کے نبیؐ کے ساتھ جائیں نہ زخموں کے مارے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل ساتھ ہو لیں' افسوس کہ یہ غزوہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہمارے بے شمار گہرے زخم ہمیں آج جانے سے روک دیں گے' لیکن پھر ہم نے ہمت باندھی۔ مجھے اپنے بھائی کی نسبت ذرا ہلکے زخم تھے۔ جب میرے بھائی بالکل عاجز آ جاتے قدم نہ اٹھتا تو میں انہیں جوں توں کر کے اٹھا لیتا۔ جب تھک جاتا' اتار دیتا' یونہی جوں توں کر کے ہم لشکر گاہ تک پہنچ ہی گئے (رضی اللہ عنہما) (سیرت ابن اسحاق) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عروہؓ سے کہا' اے بھانجے تیرے دونوں باپ انہی لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا الخ' آیت اتری ہے یعنی حضرت زبیر اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما جبکہ نبی ﷺ کو احد کی جنگ میں نقصان پہنچا اور مشرکین آگے چلے تو آپ کو خیال ہوا کہ کہیں یہ پھر واپس نہ لوٹیں لہٰذا آپؐ نے فرمایا کوئی ہے جو ان کے پیچھے جائے۔ اس پر ستر شخص اس کام کیلئے مستعد ہو گئے جن میں ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے' دوسرے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ روایت اور بہت سی اسناد سے بہت سی کتابوں میں ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تیرے دونوں باپ ان لوگوں میں سے ہیں لیکن یہ مرفوع بیان کرنا محض خطا ہے۔ اس لئے بھی کہ اس کی اسناد میں ثقہ راویوں کا اختلاف ہے جو حضرت عائشہؓ سے اس روایت کو موقوفاً لائے ہیں اور معنی کی رو سے بھی اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہؓ کے باپ دادا میں سے نہیں' صحیح یہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کے لڑکے عروہؓ سے کہی ہے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا
رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ
يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے۔ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی۔ انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی' اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے' تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم ایماندار ہو ○

(آیت:۱۷۴-۱۷۵) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور باوجودیکہ وہ احد کی لڑائی میں قدرے کامیاب ہو گیا تھا لیکن تاہم مکہ کی طرف چل دیا' نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان تمہیں نقصان پہنچا کر لوٹ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مرعوب کر دیا ہے' احد کی لڑائی شوال میں ہوئی تھی اور تاجر لوگ ذی قعدہ میں مدینہ آتے تھے اور بدر صغریٰ میں اپنے

ڈیرے ہر سال اس ماہ میں ڈالا کرتے تھے۔ اس دفعہ بھی اس واقعہ کے بعد لوگ آئے۔ مسلمان اپنے زخموں میں چور تھے، حضورؐ سے اپنے تکالیف بیان کرتے تھے اور سخت صدمہ میں تھے۔ نبی ﷺ نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں اور فرمایا کہ یہ لوگ اب کوچ کر جائیں گے اور پھر حج کو آئیں گے اور پھر اگلے سال تک یہ طاقت انہیں حاصل نہیں ہوگی لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو دھمکانا اور بہکانا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ ان لوگوں نے تمہارے استیصال کیلئے لشکر تیار کر لئے ہیں جس بناء پر لوگ ڈھیلے پڑ گئے، آپؐ نے فرمایا سنو خواہ تم میں سے ایک بھی نہ چلے میں تن تنہا جاؤں گا۔ پھر آپؐ کے رغبت دلانے پر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ ستر صحابہ آپ کے زیر رکاب چلنے پر آمادہ ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، یہ مبارک لشکر ابوسفیان کی جستجو میں بدر صغریٰ تک پہنچ گیا، انہی کی اس فضیلت اور جاں بازی کا ذکر اس مبارک آیت میں ہے، حضورؐ اس سفر میں مدینہ سے آٹھ میل حمراء اسد تک پہنچ گئے۔ مدینہ میں اپنا نائب آپؐ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا تھا۔ وہاں آپؐ نے پیر منگل بدھ تک قیام کیا پھر مدینہ لوٹ آئے، اثناء قیام میں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی یہاں سے نکلا تھا۔ یہ خود مشرک تھا لیکن اس پورے قبیلے سے حضورؐ کی صلح وصفائی تھی۔ اس قبیلہ کے مشرک مومن سب آپ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے کہا کہ حضورؐ کے ساتھیوں کو جو تکلیف پہنچی، اس پر ہمیں سخت رنج ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی کی خوشی نصیب فرمائے، حمراء اسد پر آپؐ پہنچے مگر اس سے پہلے ابوسفیان چل دیا تھا گو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تھا کہ جب ہم ان پر غالب آ گئے، انہیں قتل کیا، مارا پیٹا زخمی کیا، پھر ادھورا کام کیوں چھوڑیں، واپس جا کر سب کو تہہ تیغ کر دیں۔ یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہو کیا خبریں ہیں۔ اس نے کہا آنحضور مع صحابہ کے تم لوگوں کے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ وہ لوگ سخت غصے میں ہیں جو پہلے لڑائی میں شریک نہ تھے۔ وہ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ سب کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور بھرپور طاقت کے ساتھ حملہ آور ہو رہے ہیں، میں نے تو ایسا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگا اچھا ہی ہوا جو تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ ہم تو خود ان کی طرف جانے کیلئے تیار تھے، معبد نے کہا ہرگز یہ ارادہ نہ کرو اور میری بات کا کیا ہے غالباً تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ہی لشکر اسلام کے گھوڑوں کو دیکھ لوگے، میں ان کے لشکر، ان کے غصے، ان کی تیاری اور اولوالعزمی کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ میں تو تم سے صاف کہتا ہوں کہ بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ، میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں مسلمانوں کے غیظ وغضب اور تہور و شجاعت اور سختی اور پختگی کا بیان کر سکوں، پس مختصر یہ ہے کہ جان کی خیر مناتے ہو تو فوراً یہاں سے کوچ کرو، ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے یہاں سے مکہ کی راہ لی، قبیلہ عبدالقیس کے آدمی جو کاروبار کی غرض سے مدینہ جا رہے تھے، ان سے ابوسفیان نے کہا کہ تم حضور کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم نے انہیں تہہ تیغ کر دینے کیلئے لشکر جمع کر لئے ہیں اور ہم واپس لوٹنے کے ارادہ میں ہیں، اگر تم نے یہ پیغام پہنچا دیا تو ہم تمہیں سوق عکاظ میں بہت ساری کشمش دیں گے چنانچہ ان لوگوں نے حمراء اسد میں آ کر بطور ڈراوے کے نمک مرچ لگا کر یہ وحشت اثر خبر سنائی لیکن صحابہؓ نے نہایت استقلال اور پامردی سے جواب دیا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے ان کیلئے ایک پتھر کا نشان مقرر کر رکھا ہے۔ اگر یہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر اس طرح مٹ جائیں گے جیسے گزشتہ کل کا دن۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر یہی ہے کہ حمراء اسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے انہیں پژمردہ دل کرنے کیلئے دشمنوں کے سازوسامان اور ان کی کثرت و بہتات سے ڈرایا

لیکن وہ صبر کے پہاڑ ثابت ہوئے' ان کے غیر متزلزل یقین میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ وہ توکل اور بڑھ گیا اور اللہ کی طرف نظریں کر کے اس سے امداد طلب کی- صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ الخ' حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں پڑتے وقت پڑھا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت جبکہ کافروں کے ٹڈی دل لشکر سے لوگوں نے آپ کو خوفزدہ کرنا چاہا' اس وقت پڑھا' تعجب کی بات ہے کہ امام حاکمؒ نے اس روایت کو رد کر کے فرمایا ہے کہ یہ بخاری و مسلم میں نہیں- بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آخری کلمہ تھا جو خلیل علیہ السلام کی زبان سے آگ میں پڑتے وقت نکلا تھا- حضرت انسؓ والی روایت میں ہے کہ احد کے موقعہ پر جب حضورؐ کو کفار کے لشکروں کی خبر دی گئی تو آپ نے یہی کلمہ فرمایا- اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ کی سرداری کے ماتحت جب حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ کیا اور راہ میں خزاعہ کے ایک اعرابی نے یہ خبر سنائی تو آپؐ نے یہ فرمایا تھا-

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے' آپؐ فرماتے ہیں جب تم پر کوئی بہت بڑا کام آ پڑے تو تم حَسْبُنَا اللّٰهُ آخر تک پڑھو- مسند احمد میں ہے کہ دو شخصوں کے درمیان حضورؐ نے فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوا تھا' اس نے یہی کلمہ پڑھا- آپؐ نے اسے واپس بلا کر فرمایا' بزدلی اور سستی پر اللہ کی ملامت ہوتی ہے' دانائی' دور اندیشی اور عقل مندی کیا کرو- پھر کسی امر میں پھنس جاؤ تو یہی پڑھ لیا کرو- مسند کی اور حدیث میں ہے' کس طرح بے فکر اور فارغ ہو کر آرام پاؤں حالانکہ صاحب صور نے صور منہ میں لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے حکم اللہ کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے' صحابہؓ نے کہا' حضورؐ ہم کیا پڑھیں' آپؐ نے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا پڑھو-

ام المومنین حضرت زینب اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت زینبؓ نے فخر سے فرمایا' میرا نکاح خود اللہ نے کر دیا ہے اور تمہارے نکاح ولی وارثوں نے کئے ہیں- صدیقہؓ نے فرمایا' میری برات اور پاکیزگی کی آیات اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنے پاک کلام میں نازل فرمائی ہیں- حضرت زینبؓ اسے مان گئیں اور پوچھا' یہ بتاؤ تم نے حضرت صفوان بن معطل کی سواری پر سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا' صدیقہؓ نے فرمایا حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ یہ سن کر ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا' تم نے ایمان والوں کا کلمہ کہا تھا- چنانچہ اس آیت میں بھی رب رحیم کا ارشاد ہے کہ ان توکل کرنے والوں کی کفایت اللہ تعالیٰ نے کی اور ان کے ساتھ جو لوگ برائی کا ارادہ رکھتے تھے' انہیں ذلت اور بربادی کے ساتھ پسپا کیا' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے شہروں کی طرف بغیر کسی نقصان اور برائی کے لوٹے' دشمن اپنی مکاریوں میں ناکام رہا' ان سے اللہ خوش ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کی خوشی کا کام انجام دیا تھا' اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے- ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ نعمت تو یہ تھی کہ وہ سلامت رہے اور فضل یہ تھا کہ حضورؐ نے تاجروں کے ایک قافلہ سے مال خرید لیا جس میں بہت ہی نفع ہوا اور اس کل نفع کو آپؐ نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم فرما دیا- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے حضورؐ سے کہا' اب وعدے کی جگہ بدر ہے' آپؐ نے فرمایا ممکن ہے چنانچہ وہاں پہنچے تو یہ ڈرپوک آیا ہی نہیں' وہاں بازار کا دن تھا' مال خرید لیا جو نفع سے بکا' اسی کا نام غزوہ بدر صغریٰ ہے- پھر فرماتا ہے کہ یہ شیطان تھا جو اپنے دوستوں کے ذریعہ تمہیں دھمکا رہا تھا اور گیدڑ بھبکیاں دے رہا تھا' تمہیں چاہئے کہ ان سے نہ ڈرو- صرف میرا ہی خوف دل میں رکھو کیونکہ ایمانداری کی یہی شرط ہے کہ جب کوئی ڈرائے دھمکائے اور دینی امور سے تمہیں باز رکھنا چاہے تو مسلمان اللہ پر بھروسہ کرے- اس کی طرف سمٹ جائے اور یقین مانے کہ کافی اور ناصر وہی ہے- جیسے اور جگہ ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ الخ' اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو کافی نہیں- یہ لوگ تجھے اس کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) تو کہہ کہ مجھے اللہ کافی ہے' توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے-

اور جگہ فرمایا' اولیاء شیطان سے لڑو' شیطان کا مکر بڑا بودا ہے' اور جگہ ارشاد ہے۔ یہ شیطانی لشکر ہے' یاد رکھو' شیطانی لشکر ہی گھاٹے اور خسارے میں ہے' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ الخ' اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ غلبہ یقیناً مجھے اور میرے رسولوں کو ہی ہوگا۔ اللہ قوی اور عزیز ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ الخ' جو اللہ کی مدد کرے گا' اللہ اس کی امداد فرمائے گا۔ اور فرمان ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ الخ' اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری بھی مدد کرے گا۔ اور آیت میں ہے انا لننصر رسلنا الخ' بالیقین ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان داروں کی مدد دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے' جس دن ظالموں کو عذر معذرت نفع نہ دے گی۔ ان کیلئے لعنت ہے اور ان کیلئے برا گھر ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا
اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي
الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا
الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ
اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں۔ یقین مان کہ یہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے آخرت کا کوئی حصہ نہ کرے' اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ○ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان ہی کے لئے المناک عذاب ہے' کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں ○ یہ مہلت تو صرف اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں اور ان ہی کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں ○

مشفق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عوام : ☆☆ (آیت:۱۷۶-۱۷۸) چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں پر بے حد مشفق و مہربان تھے' اس لئے کفار کی بے راہ روی آپ پر گراں گزرتی تھی۔ وہ جوں جوں کفر کی جانب بڑھتے رہتے تھے' حضور کا دل غمزدہ ہوتا تھا' اس لئے جناب باری آپ کو اس سے روکتا ہے اور فرماتا ہے حکمت الٰہیہ اسی کی مقتضی ہے' ان کا کفر آپ کو یا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہ لوگ اپنا اخروی حصہ برباد کر رہے ہیں اور اپنے لئے بہت بڑے عذابوں کو تیار کر رہے ہیں۔ ان کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا۔ آپ ان پر غم نہ کریں۔ پھر فرمایا' میرے ہاں کا یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو کفر سے بدل ڈالیں' وہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے لئے المناک عذاب مہیا کر رہے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کافروں کا اللہ کے مہلت دینے پر اترانا بیان فرماتے ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ الخ' یعنی کیا کفار کا یہ گمان ہے کہ ان کے مال و اولاد کی زیادتی ہماری طرف سے ان کی خیریت کی دلیل ہے؟ نہیں بلکہ وہ بے شعور ہیں۔ اور فرمایا فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ الخ' یعنی مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے۔ ہم انہیں

اس طرح آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو' اور ارشاد ہے فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ الخ' یعنی ان کے مال اور اولاد سے کہیں تم دھوکے میں نہ پڑ جانا۔ اللہ انہیں ان کے باعث دنیا میں بھی عذاب کرنا چاہتا ہے اور کفر پر ہی ان کی جان جائے گی۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ بعض احکام اور بعض امتحانات سے اللہ جانچ لے گا اور ظاہر کر دے گا کہ اس کا دوست کون ہے؟ اور اس کا دشمن کون ہے؟ مومن' صابر اور منافق' فاجر بالکل الگ الگ ہو جائیں گے اور صاف نظر آنے لگیں گے۔ اس سے مراد احد کی جنگ کا دن ہے جس میں ایمانداروں کا صبر و استقامت' پختگی اور توکل' فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اور منافقین کی بے صبری اور مخالفت' تکذیب اور ناموافقت' انکار اور خیانت صاف ظاہر ہو گئی' غرض جہاد کا حکم' ہجرت کا حکم دونوں گویا ایک آزمائش تھی جس نے بھلے برے میں تمیز کر دی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا تھا' اگر محمدؐ سچے ہیں تو ذرا بتائیں تو کہ ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کون نہیں؟ اس پر آیت مَا كَانَ اللّٰهُ الخ' نازل ہوئی (ابن جریرؒ)۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى
يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ
عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا
بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ ۹

جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ تعالٰی ایمان والوں کو چھوڑ نہ دے گا جب تک پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کر دے بلکہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمہارے لئے بڑا بھاری اجر ہے ○ جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے' وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں' بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے' عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے' آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو' اس سے اللہ آگاہ ہے ○

(آیت:۱۷۹-۱۸۰) پھر فرمان ہے' اللہ کے علم غیب کو تم نہیں جان سکتے۔ ہاں وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مومن اور منافق میں صاف تمیز ہو جائے لیکن اللہ تعالٰی اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے پسندیدہ کر لیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اللہ عالم الغیب ہے۔ پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کر لے اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان فرشتوں کو چلاتا رہتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ پر' اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ یعنی اطاعت کرو' شریعت کے پابند رہو' یاد رکھو ایمان اور تقوے میں تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

خزانہ اور کوڑھی سانپ: ☆☆ پھر ارشاد ہے کہ بخیل شخص اپنے مال کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھے۔ وہ تو اس کیلئے سخت خطرناک چیز ہے، دین میں تو معیوب ہے ہی لیکن بسا اوقات دنیوی طور پر بھی اس کا انجام اور نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ حکم ہے کہ بخیل کے مال کا قیامت کے دن اسے طوق ڈالا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے، طوق کی طرح اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی باچھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپؐ نے اسی آیت وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الخ، کی تلاوت فرمائی۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ بھاگتا پھرے گا۔ اور وہ سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا پھر اسے پکڑ کر طوق کی طرح لپٹ جائے گا اور کاٹتا رہے گا۔ مسند ابو یعلیٰ میں ہے، جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ کر مرے، وہ خزانہ ایک کوڑھی سانپ کی صورت میں جس کی دو آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے، ان کے پیچھے دوڑے گا۔ یہ بھاگے گا اور کہے گا تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ کر مرا تھا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا۔ پھر باقی جسم بھی، طبرانی کی حدیث میں ہے، جو شخص اپنے آقا کے پاس جا کر اس سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ باوجود گنجائش ہونے کے نہ دے، اس کے لیئے قیامت کے دن زہریلا اژدھا پھن سے پھنکارتا ہوا بلایا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو رشتہ دار محتاج اپنے مالدار رشتہ دار سے سوال کرے اور یہ اسے نہ دے، اس کی سزا یہ ہوگی اور وہ سانپ اس کے گلے کا ہار بن جائے گا (ابن جریر) ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اہل کتاب جو اپنی کتاب کے احکامات کو دوسروں تک پہنچانے میں بخل کرتے تھے، ان کی سزا کا بیان اس آیت میں ہو رہا ہے، لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے گو یہ قول بھی آیت کے عموم میں داخل ہے بلکہ یہ بطور اولیٰ داخل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک اللہ ہی ہے۔ اس نے جو تمہیں دے رکھا ہے۔ اس میں سے اس کے نام خرچ کرو۔ تمام کاموں کا مرجع اسی کی طرف ہے۔ سخاوت کرو تا کہ اس دن کام آئے اور خیال رکھو کہ تمہاری نیتوں اور دلی ارادوں اور کل اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ
اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ
ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ
وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

یقیناً اللہ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں، ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے اور ان کا انبیاء کو بے وجہ قتل کرنا بھی اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے والا عذاب چکھو ○ یہ ہے بدلہ اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے بھیجا۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

کافروں کا قرض حسنہ پر احمقانہ تبصرہ اور ان کی ہٹ دھرمی پہ مجوزہ سزا: ☆☆ (آیت:۱۸۱-۱۸۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے اور وہ اسے زیادہ اور زیادہ کر کے دے تو یہود کہنے لگے کہ اے نبی تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے، اس پر یہ آیت لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ الخ، نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودیوں کے مدرسے میں گئے، یہاں کا بڑا معلم فخاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشیع تھا، لوگوں کا مجمع

تھا اور وہ ان سے مذہبی باتیں سن رہے تھے۔ آپؓ نے فرمایا فنحاص اللہ سے ڈر اور مسلمان ہو جا' اللہ کی قسم تجھے خوب معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ اس کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں' ان کی صفتیں توراۃ وانجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فنحاص نے جواب میں کہا' ابوبکرؓ سن اللہ کی قسم' اللہ ہمارا احتاج ہے' ہم اس کے محتاج نہیں' اس کی طرف اس طرح نہیں گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں' ہم غنی اور تونگر ہیں' اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبرؑ کہہ رہا ہے۔ ہمیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود دیتا ہے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا۔ اس پر حضرت صدیق اکبرؓ کو سخت غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر زور سے مارا اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا' جاؤ بدنصیبو جھٹلاتے ہی رہو اگر سچے ہو' فنحاص نے جا کر اس کی شکایت سرکار محمدیؐ میں کی۔ آپ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ اسے کیوں مارا؟ حضرت صدیقؓ نے واقعہ بیان کیا لیکن فنحاص اپنے قول سے مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں اس بارے میں یہ آیت اتری۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی خبر دیتا ہے کہ ان کا یہ قول اور ساتھ ہی اسی جیسا ان کا بڑا گناہ یعنی قتل انبیاءؑ ہم نے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہے۔ ایک طرف ان کا جناب باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرنا' دوسری جانب نبیوں کو مار ڈالنا' ان کاموں کی وجہ انہیں سخت تر سزا ملے گی' ان کو ہم کہیں گے کہ جلنے والے عذاب کا ذائقہ چکھو' اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے پہلے کے کرتوت کا بدلہ ہے' یہ کہہ کر انہیں ذلیل ورسوا کن عذاب پر عذاب ہوں گے۔ یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور ظاہر ہے کہ مالک اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ إِلَيۡنَآ أَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُولٍ
حَتّٰى يَأۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٍ تَأۡكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ
رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِي بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِي قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوهُمۡ
إِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِينَ ﴿۱۸۳﴾ فَإِنۡ كَذَّبُوكَ فَقَدۡ كُذِّبَ
رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُو بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ
الۡمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے' تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟ ○ پھر بھی اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں' صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے ○

(آیت:۱۸۳-۱۸۴) پھر ان کے اس خیال کو جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے جو یہ کہتے تھے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں' ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اس کی امت میں سے جو شخص قربانی کرے' اس کی قربانی کو کھا جانے کیلئے آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے' ان کے اس قول کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس معجزے والے پیغمبروں کو جو اپنے ساتھ دلائل اور براہین لے کر آئے تھے' تم نے کیوں مار ڈالا؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بھی دے رکھا تھا کہ ہر ایک قبول شدہ قربانی

آسمانی آگ کھا جاتی تھی لیکن تم نے انہیں بھی سچا نہ جانا۔ ان کی بھی مخالفت اور دشمنی کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا' اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمہیں تمہاری اپنی بات کا بھی پاس ولحاظ نہیں لہٰذا تم حق کے ساتھی ہو نہ کسی نبی کے ماننے والے ہو' تم یقیناً جھوٹے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو تسلی دیتا ہے کہ ان کے جھٹلانے سے آپ تنگ دل اور غمناک نہ ہوں' اگلے اولوالعزم پیغمبروں کے واقعات کو اپنے لئے باعث تسلی بنائیں کہ وہ بھی باوجود دلیلیں ظاہر کر دینے کے اور باوجود اپنی حقانیت کو بخوبی واضح کر دینے کے پھر بھی جھٹلائے گئے' زُبُرہ سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو ان صحیفوں کی طرح آسمان سے آئیں جو رسولوں پر اتاری گئی تھیں اور ''منیر'' سے مراد واضح جلی اور روشن اور چمکیلی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے' پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے ○ یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور یہ بھی یقینی ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی' اگر تم صبر کر لو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے ○

موت وحیات اور یوم حساب : ☆☆ (آیت:۱۸۵-۱۸۶) تمام مخلوق کو عام اطلاع ہے کہ ہر جاندار مرنے والا ہے۔ جیسے فرمایا کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی اس زمین پر جتنے ہیں' سب فانی ہیں۔ صرف رب کا چہرہ باقی ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے' پس صرف وہی اللہ وحدہ لاشریک ہمیشہ کی زندگی والا ہے جو کبھی فنا نہ ہوگا' جس طرح انسان کل کے کل مرنے والے ہیں' اسی طرح فرشتے اور حاملان عرش بھی مر جائیں گے' مدت ختم ہو جائے گی' صلب آدم سے جتنی اولاد ہونے والی تھی' ہو چکی اور پھر سب موت کے گھاٹ اتر گئے' مخلوقات کا خاتمہ ہو گیا' اس وقت اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور مخلوق کو ان کے کل اعمال کے چھوٹے بڑے' چھپے کھلے صغیرہ کبیرہ سب کی جزا سزا ملے گی۔ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا' یہی اس کے بعد کے جملہ میں فرمایا جا رہا ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضورؐ کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے۔ ہمیں پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا' اس نے آ کر کہا اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت' ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائے گا' ہر مصیبت کی تلافی اللہ کے پاس ہے' ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا اپنی گم شدہ چیز کو پا لینا ہے' اللہ ہی پر بھروسہ رکھو' اسی سے بھلی امیدیں رکھو' سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے' تم پر اللہ کی

طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں (ابن ابی حاتم) حضرت علیؓ کا خیال ہے کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ پورا کامیاب وہ انسان ہے جو جہنم سے نجات پالے اور جنت میں چلا جائے' حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ مل جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے' اگر تم چاہو تو پڑھو فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ آخری ٹکڑے کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے اور کچھ زیادہ الفاظ کے ساتھ ابن حبان اور حاکم میں ہے اور ابن مردویہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے' جس کی خواہش آگ سے بچ جانے اور جنت میں داخل ہو جانے کی ہو' اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ سلوک کرے جسے خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ یہ حدیث پہلے آیت وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند احمد میں بھی اور وکیع بن جراح کی تفسیر میں بھی یہی حدیث ہے۔ اس کے بعد دنیا کی حقارت اور ذلت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نہایت ذلیل' فانی اور زوال پذیر چیز ہے' ارشاد ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى یعنی تم تو دنیا کی زندگی پر ریجھے جاتے ہو حالانکہ دراصل بہتری اور بقا والی چیز آخری ہے۔ دوسری آیت میں ہے تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو حیات دنیا کا فائدہ ہے اور اس کی بہترین زینت اور باقی رہنے والی تو وہ زندگی ہے جو اللہ کے پاس ہے۔

حدیث شریف میں ہے' اللہ کی قسم' دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو لے۔ اس انگلی کے پانی کو سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کیا نسبت ہے' آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہی ہے۔ حضرت قتادہؒ کا ارشاد ہے دنیا کیا ہے۔ ایک یونہی دھوکے کی جگہ ہے جسے چھوڑ چھاڑ کر تمہیں چل دینا ہے۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ یہ تو عنقریب تم سے جدا ہونے والی اور برباد ہونے والی چیز ہے' پس تمہیں چاہئے کہ ہوش مندی برتو اور یہاں اللہ کی اطاعت کر لو اور طاقت بھر نیکیاں کما لو' اللہ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔

آزمائش لازمی ہے صبر و ضبط بھی ضروری: ☆☆ پھر انسانی آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ الخ' مطلب یہ ہے کہ مومن کا امتحان ضرور ہوتا ہے۔ کبھی جانی' کبھی مالی' کبھی اہل وعیال میں' کبھی اور کسی طرح' یہ آزمائش دینداری کے انداز کے مطابق ہوتی ہے' سخت دیندار کی ابتلاء بھی سخت اور کمزور دین والے کا امتحان بھی کمزور۔ پھر پروردگار جل شانہ صحابہ کرامؓ کو خبر دیتا ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ میں تمہیں اہل کتاب سے اور مشرکوں سے دکھ دینے والی باتیں اور سرزنش سننی پڑے گی' پھر تسلی دیتا ہوا طریقہ سکھاتا ہے کہ تم صبر و ضبط کر لیا کرو اور پرہیزگاری برتو۔ یہ بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب مشرکین سے اور اہل کتاب سے بہت کچھ درگزر فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایذاؤں کو برداشت کر لیا کرتے تھے اور رب کریم کے اس فرمان پر عامل تھے یہاں تک کہ جہاد کی آیتیں اتریں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر حضرت اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھا کر حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کیلئے بنو حارث بن خزرج کے قبیلے میں تشریف لے چلے' یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔ راستہ میں ایک مخلوط مجلس بیٹھی ہوئی ملی جس میں مسلمان بھی تھے' یہودی بھی تھے' مشرکین بھی تھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا یہ بھی اب تک کفر کے کھلے رنگ میں تھا' مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' حضورؐ کی سواری سے گرد و غبار جو اڑا تو عبداللہ بن ابی سلول نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہنے لگا غبار نہ اڑاؤ' حضورؐ پاس پہنچ ہی چکے تھے۔ سواری سے اتر آئے۔ سلام کیا اور

انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں تو عبداللہ بول پڑا - سنئے صاحب آپ کا یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں، آپ کی باتیں حق ہی سہی لیکن اس کی کیا وجہ کہ آپ ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں ایذا دیں اپنے گھر جائیے جو آپ کے پاس آئے اسے سنائیے' یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' حضورؐ بیشک آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں' ہمیں تو اس کی عین چاہت ہے' اب ان کی آپس میں خوب جھڑپ ہوئی' ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگا اور قریب تھا کہ کھڑے ہو کر لڑنے لگیں لیکن حضورؐ کے سمجھانے بجھانے سے آخر امن وامان ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے - آپؐ اپنی سواری پر سوار ہو کر حضرت سعدؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ابوحباب' عبداللہ بن ابی بن سلول نے آج تو اس طرح کیا حضرت سعدؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ آپ جانے دیجئے' معاف کیجئے اور درگزر کیجئے' قسم اللہ کی جس نے آپ پر قرآن اتارا' اسے آپؐ سے اس لئے بے حد دشمنی ہے اور ہونی چاہئے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانا چاہا تھا اسے چودھراہٹ کی پگڑی بندھوانے کا فیصلہ ہو چکا تھا ادھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنا نبی برحق بنا کر بھیجا لوگوں نے آپ کو نبی مانا اس کی سرداری جاتی رہی جس کا اسے رنج ہے' اسی باعث یہ اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے جو کہہ دیا کہہ دیا' آپ اسے اہمیت نہ دیں چنانچہ حضورؐ نے درگزر کر لیا اور یہی آپؐ کی عادت تھی اور آپؐ کے اصحابؓ کی بھی' یہودیوں سے' مشرکوں سے درگزر فرماتے' سنی ان سنی کر دیا کرتے اور اس فرمان پر عمل کرتے' یہی حکم آیت وَدَّ كَثِيْرٌ میں ہے' جو حکم عفو و درگزر کا اس آیت وَلَتَسْمَعُنَّ میں ہے-

ازاں بعد آپؐ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور پہلا غزوہ بدر کا ہوا جس میں لشکر کفار کے سرداران قتل و غارت ہوئے' یہ حالت اور شوکت اسلام دیکھ کر اب عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی گھبرائے - بجز اس کے کوئی چارہ کار انہیں نظر نہ آیا کہ بیعت کر لیں اور بظاہر مسلمان ہو جائیں - پس یہ کلیہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر حق والے پر جو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتا ہے اور جو برائی اور خلاف شرع کام سے روکتا ہے' اس پر ضرور مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں - اسے چاہئے کہ ان تمام تکلیفوں کو جھیلے اور اللہ کی راہ میں صبر و ضبط سے کام لے' اسی کی پاک ذات پر بھروسہ رکھے' اسی سے مدد طلب کرتا رہے اور اپنی کامل توجہ اور پورا رجوع اسی کی طرف رکھے-

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ
لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ
اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۹

اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے بیان کرتے رہا کرو اور اسے چھپاؤ نہیں' پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا - ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے ○ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا' اس پر

بھی ان کی تعریفیں کی جائیں تو انہیں عذاب سے چھٹکارہ میں نہ سمجھ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے ○ آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

بدترین خرید وفروخت! ☆☆ (آیت:۱۸۷-۱۸۹) اللہ تعالیٰ یہاں اہل کتاب کو ڈانٹ رہا ہے کہ پیغمبروں کی وساطت سے جو عہد ان کا جناب باری سے ہوا تھا کہ حضور پیغمبر الزمانؐ پر ایمان لائیں گے اور آپؐ کے ذکر کو اور آپؐ کی بشارت کی پیش گوئی کو لوگوں میں پھیلائیں گے' انہیں آپؐ کی تابعداری پر آمادہ کریں گے اور پھر جس وقت آپ آ جائیں تو دل سے آپؐ کے تابعدار ہو جائیں گے' لیکن انہوں نے اس عہد کو چھپالیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ظاہر کرنے پر جن دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا ان سے وعدہ کیا تھا' ان کے بدلے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں الجھ کر رہ گئے۔ ان کی یہ خرید وفروخت بد سے بدتر ہے' اس میں علماء کو تنبیہہ ہے کہ وہ ان کی طرح نہ کریں ورنہ ان پر بھی وہی سزا ہوگی جو ان کو ملی اور انہیں بھی اللہ کی وہ ناراضگی اٹھانی پڑے گی جو انہوں نے اٹھائی۔ علماء کرام کو چاہئے کہ ان کے پاس جو نفع دینے والا دینی علم ہو' جس سے لوگ نیک عمل جم کر کر سکتے ہوں' اسے پھیلاتے رہیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں' حدیث شریف میں ہے' جس شخص سے علم کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔

دوسری آیت میں ریاکاروں کی خدمت بیان ہو رہی ہے' بخاری ومسلم کی دوسری حدیث میں ہے' جو شخص جھوٹا دعویٰ کر کے زیادہ مال کمانا چاہے اسے اللہ تعالیٰ اور کم کر دے گا' بخاری ومسلم کی دوسری حدیث میں ہے' جو نہ دیا گیا ہو' اس کے ساتھ آسودگی جتانے والا دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی مثل ہے' مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہونے اور نہ کئے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے کے باعث اللہ کا عذاب ہوگا تو ہم میں سے کوئی اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا' حضرت عبداللہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہیں اس آیت سے کیا تعلق' یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ پھر آپ نے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ سے اس آیت کے ختم تک تلاوت کی اور فرمایا کہ ان سے نبی ﷺ نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا کچھ اور ہی غلط جواب دیا اور باہر نکل کر گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ کے سوال کا جواب دے دیا جس کی وجہ سے آپؐ کے پاس ہماری تعریف ہوگی اور سوال کے اصلی جواب کے چھپا لینے اور اپنے جھوٹے فقرہ کے چل جانے پر بھی خوش تھے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے' یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے اور صحیح بخاری شریف۔ میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں تشریف لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے۔ ساتھ نہ جاتے۔ پھر خوشیاں مناتے کہ ہم لڑائی سے بچ گئے۔ اب جب اللہ کے نبیؐ واپس لوٹتے تو یہ باتیں بناتے' جھوٹے سچے عذر پیش کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے معذور ہونے کا آپ کو یقین دلاتے اور چاہتے کہ نہ کئے ہوئے کام پر بھی ہماری تعریفیں ہوں جس پر یہ آیت اتری۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے کہ مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح اوپر گذرا کہ حضرت ابن عباسؓ سے پچھوایا تو حضرت ابوسعیدؓ نے اس کا مصداق اور اس کا شان نزول ان منافقوں کو قرار دیا' جو غزوہ کے وقت بیٹھ جاتے۔ اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو بغلیں بجاتے۔ اگر فائدہ ہوا تو اپنا معذور ہونا ظاہر کرتے اور فتح ونصرت کی خوشی کا اظہار کرتے' اس پر مروان نے کہا' کہاں یہ واقعہ' کہاں یہ آیت؟ تو حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ یہ زید بن ثابتؓ بھی اس سے واقف ہیں۔ مروان نے حضرت زیدؓ سے پوچھا' آپ نے بھی اس کی تصدیق کی' پھر حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا' اس کا علم حضرت رافع بن خدیج کو بھی ہے جو مجلس میں موجود تھے لیکن انہیں ڈر ہے کہ اگر یہ خبر کر دیں گے تو آپ ان کی اونٹنیاں جو صدقہ کی ہیں' چھین لیں گے' باہر نکل کر حضرت زیدؓ نے کہا' میری

شہادت پر تم میری تعریف نہیں کرتے؟ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا تم نے سچی شہادت ادا کر دی تو حضرت زیدؓ نے فرمایا' پھر میں بھی سچی شہادت دینے پر مستحق تعریف تو ہوں۔ مروان اس زمانہ میں مدینہ کا امیر تھا' دوسری روایت میں ہے کہ مروان کا یہ سوال رافع بن خدیج سے ہی پہلے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کی روایت میں گذر چکا ہے کہ مروان نے اس آیت کی بابت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پچھوا لیا تھا تو یاد رہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد اور نفی کا عنصر نہیں' ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت عام ہے۔ اس میں بھی شامل ہے اور اس میں بھی' مروان والی روایت میں بھی ممکن ہے پہلے ان دونوں صاحبوں نے جواب دیئے۔ پھر مزید تشفی کے طور پر حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروان نے بذریعہ اپنے آدمی کے سوال کیا ہو' واللہ اعلم۔ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہؐ مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں؟ جواب دیا ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو' اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا یہ حال ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تکبر سے اللہ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند ہوں۔ تیسرے یہ کہ حضورؐ کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تیری زندگی بہترین اور باخیر ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے۔ خوش ہو کر کہنے لگے۔ کیوں نہیں یا رسول اللہؐ۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی زندگی انتہائی اچھی گزری اور موت شہادت کی نصیب ہوئی' مسلیمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں آپ نے شہادت پائی۔ تَحْسَبَنَّهُمْ کو يَحْسَبَنَّهُمْ پڑھا گیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ تو انہیں عذاب سے نجات پانے والے خیال نہ کر' انہیں عذاب ضرور ہو گا اور وہ بھی دردناک۔ پھر ارشاد ہے کہ ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ ہے۔ اسے کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا۔ پس تم اس سے ڈرتے رہو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔ اس کے غضب سے بچنے کی کوشش کرو۔ اس کے عذابوں سے اپنا بچاؤ کر لو۔ نہ تو کوئی اس سے بڑا نہ اس سے زیادہ قدرت والا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا
وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں ○ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں' کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں' (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا' تو پاک ہے پس ہمیں عذاب آگ سے بچا لے ○

مظاہر کائنات دلیل رب ذوالجلال دعوت غور وفکر: ☆☆ (آیت:۱۹۰-۱۹۱) طبرانی میں ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے۔ انہوں نے کہا اژدھا بن جانے والی لکڑی اور چمکیلا ہاتھ' پھر نصرانیوں کے پاس گئے۔ ان سے کہا' تمہارے پاس حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کیا نشانیاں لائے تھے' جواب ملا کہ مادرزاد اندھوں کو بینا کر دینا اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب یہ قریش آنحضرت ﷺ کے پاس

آئے اور آپ سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ آپ نے دعا کی جس پر یہ آیت اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الخ، اتری یعنی نشان قدرت دیکھنے والوں کے لئے اسی میں بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ اسی میں غور فکر کریں گے تو ان قدرتوں والے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے، لیکن اس روایت میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ یہ سوال مکہ شریف میں ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت اور لمبی چوڑی مخلوق پھر آسمان میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جا ٹھہرنے والے ستارے اور زمین کی بڑی بڑی پیداوار مثلاً پہاڑ، جنگل، درخت، گھاس، کھیتیاں، پھل، اور مختلف قسم کے جاندار، کانیں، الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے اور مختلف خواص والے میوے وغیرہ، کیا یہ سب آیات قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری اللہ عزوجل کی طرف نہیں کر سکتیں جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے، پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا، پھر برابر ہو جانا، یہ سب اس عزیز و حلیم اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں، جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظر ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں، جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گذر جاتے ہیں اور غور فکر نہیں کرتے، ان میں کے اکثر باوجود اللہ تعالیٰ کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں بچ سکتے۔ اب ان عقلمندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ کا نام لیا کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے عمران بن حصینؓ سے فرمایا، کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو، اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی، یعنی کسی حالت میں اللہ عزوجل کے ذکر سے غافل مت رہو، دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہا کرو، یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظریں دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت، علم و حکمت، اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہیں، حضرت شیخ سلیمان درانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے، میں دیکھتا ہوں کہ اس میں اللہ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لئے وہ باعث عبرت ہے، حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک ساعت غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام کرنے سے افضل ہے، حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا، حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں، غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا اور بسا اوقات یہ بیت پڑھتے ؎

اِذَا الۡمرءُ كَانَتۡ لَهٗ فِكۡرَةٌ   فَفِیۡ كُلِّ شَیۡءٍ لَهٗ عِبۡرَةٌ

یعنی جس انسان کو باریک بینی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی، اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں، خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو، لقمان حکیم کا نصیحت آموز مقولہ بھی یاد رہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اور اسی قدر غور و فکر اور دور اندیشی کی عادت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے، اسی قدر راستے انسان پر وہ کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں گے۔ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں، جس قدر مراقبہ زیادہ ہو گا، اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہو گی اور جتنی سمجھ زیادہ ہو گی، اتنا علم نصیب ہو گا اور جس قدر علم زیادہ ہو گا، نیک اعمال بھی بڑھیں گے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے، حضرت مغیث اسودؒ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ لوگو قبرستان ہر روز جایا کرو تا کہ تمہیں انجام کا خیال پیدا ہو، پھر اپنے دل میں اس منظر

کو حاضر کرو کہ تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو، پھر ایک جماعت کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے۔ اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کر دو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو جہنم کو اپنے سامنے دیکھو اس کے ہتھوڑوں کو اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ، اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور کوڑا کرکٹ پاخانہ پیشاب ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا۔ اے بندہ حق اس وقت تیرے پاس دو خزانے ہیں۔ ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان اور دوسرا خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ۔ پیشاب پاخانہ ڈالنے کی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے، اے اجڑے ہوئے گھرو تمہارے رہنے والے کہاں گئے؟ پھر خود فرماتے، سب زیر زمین چلے گئے، سب فنا کا جام پی چکے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہمیشہ کی مالک بقا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے، دو رکعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں، اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گذار دی لیکن دلچسپی نہ تھی، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ابن آدم اپنے پیٹ کے تیسرے حصے میں کھا، تیسرے حصے میں پانی پی اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لئے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر، اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور وفکر کر سکے، بعض حکیموں کا قول ہے جو شخص دنیا کی چیزوں پر عبرت حاصل کئے بغیر نظر ڈالتا ہے، اس غفلت کی وجہ سے اس کی دلی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں، حضرت بشیر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہرگز ان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں، حضرت عامر بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہؓ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی غور وفکر اور مراقبہ میں ہے۔ مسیح ابن مریم سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابن آدم اے ضعیف انسان جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ، دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ، اپنا گھر مسجدوں کو بنا لے، اپنی آنکھوں کو رونا سکھا، اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا، اپنے دل کو غور وفکر کرنے والا بنا، کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ
اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا
سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ
وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اے ہمارے پالنے والے تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا، اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں ○ اے ہمارے رب ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا باآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لائے، اے اللہ اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر اور ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ کر ○ اے ہمارے پرورش کرنے والے اللہ، ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے۔ اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

(آیت:۱۹۲-۱۹۴) امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے۔ لوگوں نے وجہ

پوچھی تو آپ نے فرمایا، میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور و فکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری امنگیں ختم ہو گئیں، حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے اس میں عبرت و نصیحت ہے اور وعظ و پند ہے، حسین بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی مدح و ثنا بیان کی جو مخلوقات اور کائنات سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت لیں اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو قدرت کی نشانیوں پر غور نہ کریں۔ مومنوں کی مدح میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ سبحانہ کا ذکر کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تو نے اپنی مخلوق کو عبث اور بے کار نہیں بنایا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو برائی کا بدلہ اور نیکوں کو نیکیوں کا بدلہ عطا فرمائے، پھر اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو بے کار بنائے، اے خالق کائنات، اے عدل و انصاف سے کائنات کو سجانے والے، اے نقصان اور عیبوں سے پاک ذات، ہمیں اپنی قوت و طاقت سے ان اعمال کی توفیق اور ہمارا رفیق فرما جن سے ہم تیرے عذابوں سے نجات پالیں اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں، یہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ جسے تو جہنم میں لے گیا، اسے تو نے برباد اور ذلیل و خوار کر دیا، مجمع حشر کے سامنے اسے رسوا کیا، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ انہیں نہ کوئی چھڑا سکے نہ بچا سکے۔ نہ تیرے ارادے کے درمیان آ سکے، اے رب ہم نے پکارنے والے کی پکار سن لی جو ایمان اور اسلام کی طرف بلاتا ہے، مراد اس سے آنحضرت ﷺ ہیں جو فرماتے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ ہم ایمان لا چکے اور تابعداری بجا لائے پس ہمارے ایمان اور فرماں برداری کی وجہ سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ ان کی پردہ پوشی کر اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں صالح اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے، تو نے ہم سے جو وعدے اپنے نبیوں کی زبانی کئے ہیں، انہیں پورے کر، اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا لیا تھا، لیکن پہلا معنی واضح ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے عسقلان دو عروس میں سے ایک ہے۔ یہیں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ستر ہزار شہید اٹھائیں گے جو وفد بن کر اللہ کے پاس جائیں گے۔ یہیں شہیدوں کی صفیں ہوں گی جن کے ہاتھوں میں ان کے کٹے ہوئے سر ہوں گے۔ ان کی گردن کی رگوں سے خون جاری ہوگا، یہ کہتے ہوں گے اے اللہ ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی معرفت تو نے کئے ہیں، انہیں پورے کر، ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، تو وعدہ خلافی سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے یہ بندے سچے ہیں اور انہیں نہر بیضہ میں غسل کروائیں گے جس غسل کے بعد پاک صاف گورے چٹے رنگ کے ہو کر نکلیں گے اور ساری جنت ان کے لئے مباح ہو گی جہاں چاہیں جائیں آئیں جو چاہیں کھائیں پئیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور بعض تو کہتے ہیں موضوع ہے واللہ اعلم۔ ہمیں قیامت کے دن تمام لوگوں کے مجمع میں رسوا نہ کر، تیرے وعدے سچے ہیں تو نے جو کچھ خبریں اپنے رسولوں کی زبانی پہنچائی ہیں، سب اٹل ہیں، قیامت کا روز ضرور آنا ہے پس تو ہمیں اس دن کی رسوائی سے نجات دے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندے پر رسوائی، ڈانٹ ڈپٹ، مار اور شرمندگی اس قدر ڈالی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے اسے قائل معقول کیا جائے گا کہ وہ چاہے گا کہ کاش مجھے جہنم میں ہی ڈال دیا جاتا (ابویعلی) اس حدیث کی سند بھی غریب ہے۔

احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لئے جب اٹھتے تب سورۂ آل عمران کی ان دس آخری آیتوں کی تلاوت فرماتے، چنانچہ بخاری شریف میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رات گذاری۔ یہ ام المومنین حضورؐ کی بیوی صاحبہ تھیں۔ حضورؐ جب آئے تو تھوڑی دیر تک آپ حضرت میمونہؓ سے باتیں

کرتے رہے۔ پھر سو گئے۔ جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے آخر سورت تک آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پھر کھڑے ہوئے، مسواک کی، وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی، حضرت بلالؓ کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں۔ پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ صحیح بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ بھی ہے کہ بستر ے کے عرض میں تو میں سویا اور لمبائی میں آنحضرت ﷺ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا لیٹیں۔ آدھی رات کے قریب کچھ پہلے یا کچھ بعد حضورؐ جاگے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے ان دس آیتوں کی تلاوت کی۔ پھر ایک لٹکی ہوئی مشک میں سے پانی لے کر بہت اچھی طرح کامل وضو کیا۔ میں بھی آپ کی بائیں جانب آپ کی اقتدار میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا حضورؐ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعت کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعت پڑھیں پھر وتر پڑھا اور لیٹ گئے یہاں تک موذن نے آ کر نماز کی اطلاع کی۔ آپ نے کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی۔

ابن مردویہ کی اس حدیث میں ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مجھے میرے والد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم آج کی رات حضورؐ کی آل میں گذارو اور آپ کی رات کی نماز کی کیفیت دیکھو۔ رات کو جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے، میں بیٹھا رہا، جب حضورؐ جانے لگے تو مجھے دیکھ کر فرمایا، کون عبداللہ؟ میں نے کہا جی ہاں، فرمایا کیوں رکے ہوئے ہو، میں نے کہا، والد صاحب کا حکم ہے کہ رات آپ کے گھر گذاروں تو فرمایا بہت اچھا آؤ، گھر جا کر فرمایا۔ بستر بچھاؤ، ٹاٹ کا تکیہ آیا اور حضورؐ اس پر سر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی پھر آپ جاگے اور سیدھی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھا پھر سورۂ آل عمران کے خاتمہ کی یہ آیتیں پڑھیں۔ اور روایت میں ہے کہ آیتوں کی تلاوت کے بعد حضورؐ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّمِنْ بَیْنِ یَدَیْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّمِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یَّوْمَ الْقِیَامَةِ (ابن مردویہ) یہ دعا بعض صحیح طریق سے بھی مروی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالے سے جو حدیث گذری ہے، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے لیکن مشہور اس کے خلاف ہے یعنی یہ کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش ہو سکتی ہے جو ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت عطاؒ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عبید بن عمیرؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے، آپ کے اور ان کے درمیان پردہ تھا، حضرت صدیقہؓ نے پوچھا، عبید تم کیوں نہیں آیا کرتے؟ حضرت عبید نے جواب دیا، اماں جان صرف اس لئے کہ کسی شاعر کا قول ہے زرغبا تزد دحبا یعنی کم کم آؤ تا کہ محبت بڑھے، حضرت ابن عمرؓ نے کہا، اب ان باتوں کو چھوڑو ام المومنین ہم یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی دیکھی ہو وہ ہمیں بتائیں۔ حضرت عائشہؓ رو دیں اور فرمانے لگیں، حضور ﷺ کے تمام کام عجیب تر تھے، اچھا ایک واقعہ سنو۔ ایک رات میری باری میں حضورؐ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ سوئے۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے۔ عائشہ میں اپنے رب کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں، مجھے جانے دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ۔ اللہ کی قسم میں آپ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی عبادت بھی کریں، اب آپ کھڑے ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر آپؐ نے ہلکا سا وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پھر جو رونا شروع کیا تو اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ پھر کروٹ کے بل

لیٹ گئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے آ کر نماز کے لئے بلایا اور آپ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا کہ اے اللہ کے سچے رسولؐ، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں، آپؐ نے فرمایا، بلال میں کیوں نہ روؤں؟ مجھ پر آج کی رات یہ آیت اتری ہے اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ الخ، افسوس ہے اس شخص کے لئے جو اسے پڑھے اور پھر اس میں غور و تدبر نہ کرے۔

عبد بن حمید کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہم حضرت عائشہؓ کے پاس گئے، ہم نے سلام کیا تو آپ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے اپنے نام بتائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد آپ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے رخسار تلے ہاتھ رکھا اور روتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور حضرت بلالؓ کے جواب میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ اور آیتوں کے نازل ہونے کے بارے میں عَذَابُ النَّارِ تک آپ نے تلاوت کی، ابن مردویہ کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۂ آل عمران کے آخر کی دس آیتیں ہر رات کو پڑھتے۔ اس روایت میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہیں۔

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ
ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا
وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا
لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ
تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت، میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک ہی ہو، پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے، میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہے ثواب اللہ کی طرف سے اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے ○

دعا کیجئے، قبول ہو گی بشرطیکہ؟ ☆☆ (آیت:۱۹۵) یہاں اِسۡتَجَابَ کے معنی میں اجاب کے ہیں اور یہ عربی میں برابر مروج ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک روز حضورؐ سے پوچھا کہ کیا بات ہے عورتوں کی ہجرت کا کہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں کیا، اس پر یہ آیت اتری، انصار کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلی مہاجرہ عورت جو ہودج میں آئیں، حضرت ام سلمہؓ ہی تھیں۔ ام المومنینؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں جن کا ذکر پہلے کی آیتوں میں تھا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی ان کی منہ مانگی مراد انہیں عطا فرمائی، اسی لئے اس آیت کو ''ف'' سے شروع کیا جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیۡ الخ، یعنی میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دے کہ میں تو ان کے بہت ہی نزدیک ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے۔ میں اس کی پکار کو قبول فرما لیتا ہوں۔ پس انہیں بھی چاہئے کہ میری مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ ممکن ہے کہ وہ رشد و ہدایت پا لیں۔

پھر قبولیت دعا کی تفسیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ میں کسی عامل کے عمل کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ عطا فرماتا ہوں خواہ مرد ہو خواہ عورت، ہر ایک میرے پاس ثواب میں اور اعمال کے بدلے میں یکساں ہے، پس جو لوگ شرک کی جگہ کو چھوڑیں اور ایمان کی جگہ آ جائیں، دارالکفر سے ہجرت کریں، بھائیوں، دوستوں، پڑوسیوں اور اپنوں کو اللہ کے نام پر ترک کر دیں، مشرکوں کی ایذائیں سہہ سہہ کر، تھک کر بھی، عاجز آ کر بھی ایمان کو نہ چھوڑیں بلکہ اپنے پیارے وطن سے منہ موڑ لیں جبکہ لوگوں کا انہوں نے کوئی نقصان نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں انہیں ستایا جاتا بلکہ ان کا صرف یہ قصور تھا کہ میری راہ پہ چلنے والے تھے، صرف میری توحید کو مان کر دنیا کی دشمنی مول لے لی تھی، میری راہ پر چلنے کے باعث طرح طرح سے ستائے جاتے تھے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ یہ لوگ رسول کو اور تمہیں صرف اس بنا پر وطن سے نکال دیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے، اور ارشاد ہے وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ان سے دشمنی اسی وجہ سے ہے کہ اللہ عزیز وحمید پر ایمان لائے ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہوں نے جہاد بھی کئے اور یہ شہید بھی ہوئے، یہ سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبہ ہے، ایسا شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اس کی سواری کٹ جاتی ہے، منہ خاک وخون میں مل جاتا ہے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ اگر میں صبر کے ساتھ، نیک نیتی سے، دلیری سے، پیچھے نہ ہٹ کر، اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں پھر دوبارہ آپؐ نے اس سے سوال کیا کہ ذرا پھر کہنا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے دوبارہ اپنا سوال دھرا دیا، آپؐ نے فرمایا ہاں مگر قرض معاف نہ ہوگا، یہ بات جبرائیل ابھی مجھ سے کہہ گئے۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ میں ان کی خطا کاریاں معاف فرما دوں گا اور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن میں چاروں طرف نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں کسی میں دودھ ہے، کسی میں شہد، کسی میں شراب، کسی میں صاف پانی اور وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی کان نے سنیں، نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی انسانی دل میں کبھی خیال گزرا۔ یہ ہے بدلہ اللہ کی طرف سے۔ ظاہر ہے کہ جو ثواب اس شہنشاہ عالی کی طرف سے ہو، وہ کس قدر زبردست اور بے انتہا ہوگا؟ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ اگر وہ عذاب کرے تو وہ بھی مہلک اور برباد کر دینے والا اور اگر انعام دے تو وہ بھی بے حساب، قیاس سے بڑھ کر کیونکہ اس کی ذات بے پرواہ ہے، نیک اعمال لوگوں کا بہترین بدلہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں، لوگو اللہ تعالیٰ کی قضاء پر غمگین اور بے صبرے نہ ہو جایا کرو۔ سنو مومن پر ظلم وجور نہیں ہوتا اگر تمہیں خوشی اور راحت پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر کرو اور اگر برائی پہنچے تو صبر وضبط کرو اور نیکی اور ثواب کی تمنا رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین بدلے اور پاکیزہ ثواب ہیں۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ
ثُمَّ مَاْوٰىھُمْ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِھَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ
لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلًا
مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

تجھے کافروں کا شہر میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے ○ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے، اس کے بعد ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے، اور وہ بری جگہ ہے ○ لیکن جو لوگ اپنے

رب سے ڈرتے رہیں' ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے' مہمان ہیں اللہ کی طرف سے' اور نیک کاروں کے لئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے ○

دنیا کا سامان تعیش دلیل نجات نہیں: ☆☆ (آیت:۱۹۶-۱۹۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کافروں کی بدمستی کے سامان تعیش' ان کی راحت و آرام' ان کی خوشحالی اور فارغ البالی کی طرف اے نبیؐ آپ نظریں نہ ڈالیں۔ یہ سب عنقریب زائل ہو جائے گا اور صرف ان کی بداعمالیاں عذاب کی صورت میں ان کے لئے باقی رہ جائیں گی۔ ان کی یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔ اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں مثلاً مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَلَا یَغۡرُرۡکَ تَقَلُّبُہُمۡ فِی الۡبِلَادِ اللہ کی آیتوں میں کافر ہی جھگڑتے ہیں۔ ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے' دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ الخ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' وہ فلاح نہیں پاتے' دنیا میں چاہے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں لیکن آخر تو انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔ پھر ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت تر سزائیں دیں گے۔

ارشاد ہے انہیں ہم تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر پھر گھیرے عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کو کچھ مہلت دے دے' اور جگہ ہے کیا وہ شخص جو ہمارے بہترین وعدوں کو پالے گا اور وہ جو دنیا میں آرام سے گزار رہا ہے لیکن قیامت کے دن عذابوں کے لئے حاضری دینے والا ہے' برابر ہو سکتے ہیں؟ چونکہ کافروں کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہوا' اس لئے ساتھ ہی مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ متقی گروہ قیامت کے دن نہروں والی بہشتوں میں ہوگا' ابن مردویہ میں ہے' رسول کریم افضل الصلوۃ والتسلیم فرماتے ہیں' انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے جس طرح تیرے ماں باپ کا تجھ پر حق ہے' اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے' یہی روایت حضرت ابن عمرو سے موقوفاً بھی مروی ہے اور موقوف ہونا ہی زیادہ ٹھیک نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' ابرار وہ ہیں جو کسی کو ایذا نہ دیں' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر شخص کے لئے خواہ نیک ہو خواہ بد موت اچھی چیز ہے' اگر نیک ہے تو جو کچھ اس کے لئے اللہ کے پاس ہے' وہ بہت ہی بہتر ہے اور اگر بد ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کے گناہ جو اس کی زندگی میں بڑھ رہے تھے' اب ان کا بڑھنا ختم ہوا۔ پہلے کی دلیل وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ ہے اور دوسری کی دلیل لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِہِمۡ الخ ہے یعنی کافر ہماری ڈھیل دینے کو اپنے حق میں بہتر نہ خیال کریں۔ یہ ڈھیل ان کے گناہوں میں اضافہ کر رہی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَاِنَّ مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ
اِلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ خٰشِعِیۡنَ لِلّٰہِ ۙ لَا یَشۡتَرُوۡنَ بِاٰیٰتِ
اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ اِنَّ
اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا
وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾ ع ۲۰ ۱۱ ۱۱

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اترا اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی اللہ سے ڈرتے رہنے والے ہیں اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر بیچتے بھی نہیں، ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○ اے ایمان والو تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو ○

ایمان والوں اور مجاہدین کے قابل رشک اعزاز: ☆☆ (آیت: ۱۹۹-۲۰۰) اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے اس فرقے کی تعریف کرتا ہے جو پورے ایمان والا ہے۔ قرآن کریم کو بھی مانتا ہے اور اپنے نبیؑ کی کتاب پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے فرمانوں کی بجا آوری میں نہایت تندہی کے ساتھ مشغول ہے۔ رب کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کرتا رہتا ہے۔ پیغمبر آخر الزمانؐ کے جو پاک اوصاف اور صاف نشانیاں ان کی کتابوں میں ہیں، اسے دنیا کے بدلے چھپاتا نہیں بلکہ ہر ایک کو بتاتا ہے اور آپ کی رسالت کو مان لینے کی رغبت دلاتا ہے، ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کے پاس اجر پائے گی خواہ یہودیوں کی ہو، خواہ نصرانیوں کی۔ سورہ قصص میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ الخ جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دے رکھی ہے، وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جب یہ کتاب ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ برحق کتاب ہمارے رب کی ہے، ہم تو پہلے سے ہی اسے مانتے تھے۔ انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔ اور جگہ ہے جنہیں ہم نے کتاب دی اور جسے وہ اسے صحیح طور پر پڑھتے ہیں، وہ تو اس قرآن پر بھی فوراً ایمان لاتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے بھی ایک جماعت حق کی ہدایت کرنے والی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی ہے، دوسرے مقام پر بیان ہے لَيْسُوْا سَوَآءً الخ یعنی اہل کتاب سب یکساں نہیں۔ ان میں ایک جماعت راتوں کے وقت بھی اللہ کی کتاب پڑھنے والی ہے اور سجدے کرنے والی ہے۔ اور جگہ ہے، اے نبیؐ! تم کہو کہ لوگو تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں پہلے سے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے اس کلام مجید کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اپنے چہروں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے اور سچا ہو کر رہنے والا ہے۔ یہ لوگ روتے ہوئے منہ کے بل گرتے ہیں اور خشوع وخضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ صفتیں یہودیوں میں پائی گئیں گو بہت کم لوگ ایسے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ ہی جیسے اور باایمان یہودی علماء لیکن ان کی گنتی دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ ہاں نصرانی اکثر ہدایت پر آ گئے اور حق کے فرمانبردار ہو گئے جیسے اور جگہ ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا سے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا آخر آیت تک، مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں سے عداوت اور دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے یہود ہیں اور مشرک اور ایمان والوں سے محبت رکھنے میں پیش پیش نصرانی ہیں۔

اب فرماتا ہے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ حدیث میں یہ بھی آ چکا ہے کہ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت شاہ نجاشی کے دربار میں بادشاہ، اراکین سلطنت اور علماء نصاریٰ کے سامنے کی اور اس میں آپؓ پر رقت طاری ہوئی تو سب حاضرین دربار مع بادشاہ رو دیئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں، صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو دی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی حبشہ میں انتقال کر گیا ہے اور اس کے جنازے کی نماز ادا کرو اور میدان میں جا کر صحابہؓ کی صفیں مرتب کر کے آپؐ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب نجاشی فوت ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا، اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو تو بعض لوگوں نے کہا، دیکھئے حضورؐ ہمیں اس نصرانی کے لئے استغفار

کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا اس کے مسلمان ہونے کی شہادت قرآن کریم نے دی، ابن جریرؒ میں ہے کہ ان کی موت کی خبر حضورؐ نے دی کہ تمہارا بھائی اصحمہ انتقال کر گیا ہے، پھر حضورؐ باہر نکلے اور جس طرح جنازے کی نماز پڑھاتے تھے، اسی طرح چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر منافقوں نے وہ اعتراض کیا اور یہ آیت اتری، ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم یہی سنتے رہے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ نجاشی کا ایک دشمن اس کی سلطنت پر حملہ آور ہوا تو مہاجرین نے کہا کہ آپ اس سے مقابلہ کرنے کے لئے چلئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ ہماری بہادری کے جوہر دیکھ لیں گے اور جو حسن سلوک آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے، اس کا بدلہ بھی اتر جائے گا لیکن نجاشی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی امداد کے ساتھ بچاؤ کرنے سے اللہ کی امداد کا بچاؤ بہتر ہے۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس سے مراد اہل کتاب کے مسلمان لوگ ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو حضورؐ سے پہلے تھے، اسلام کو پہچانتے تھے اور حضورؐ کی تابعداری کا بھی شرف انہیں حاصل ہوا تو انہیں اجر بھی دوہرا ملا۔ ایک تو حضورؐ سے پہلے کے ایمان کا، دوسرا اجر آپؐ پر ایمان لانے کا، بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر ایمان لایا اور باقی دو کو بھی ذکر کیا، اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہیں بیچتے یعنی اپنے پاس علمی باتوں کو چھپاتے نہیں جیسے کہ ان میں سے ایک رذیل جماعت کا شیوہ تھا بلکہ یہ لوگ تو اسے پھیلاتے اور خوب ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی جلد سمیٹنے اور گھیرنے اور شمار کرنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسلام جیسے میرے پسندیدہ دین پر جمے رہو۔ شدت اور نرمی کے وقت، مصیبت اور راحت کے وقت غرض کسی حال میں بھی اسے نہ چھوڑو۔ یہاں تک کہ دم نکلے تو اسی پر نکلے اور اپنے ان دشمنوں سے بھی صبر سے کام لو جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں، امام حسن بصری وغیرہ علماء سلف نے یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔

مرابطہ کہتے ہیں عبادت کی جگہ میں ہمیشگی کرنے کو اور ثابت قدمی سے جم جانے کو اور کہا گیا ہے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کو، یہی قول ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سہل بن حنیف اور محمد بن کعب قرظیؒ کا۔ صحیح مسلم شریف اور نسائی میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے، تکلیف ہوتے ہوتے بھی کامل وضو کرنا، دور سے چل کر مسجدوں میں آنا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے، یہ مرابطہ ہے، یہی اللہ تعالیٰ کی راہ کی مستعدی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ ابوسلمہؓ سے ایک دن حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا، اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپؓ نے فرمایا، سنو اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے۔ پھر اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جمے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں بسیرا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی اعمال موجب ایمان ہیں۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے کیا میں تمہیں وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ ناپسندیدگی کے وقت کامل وضو کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ تمہاری مستعدی اسی میں ہونی چاہئے۔ اور حدیث میں زیادہ قدم رکھ کر چل کر مسجد میں آنا بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ ہی درجے بھی ان اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں اور یہی اس آیت کا مطلب ہے لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں، یہاں ''رَابِطُوْا'' سے مطلب انتظار نماز ہے، لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ فرمان حضرت ابوہریرہؓ کا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے ''رَابِطُوْا'' سے مراد دشمن سے جہاد کرنا، اسلامی ملک کی حدود کی نگہبانی کرنا اور دشمنوں کو اسلامی شہروں میں نہ گھسنے دینا ہے۔ اس کی ترغیب میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں اور اس پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے ایک دن کی یہ تیاری ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے افضل ہے، مسلم شریف کی حدیث میں ہے، ایک دن رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے افضل ہے اور اسی تیاری کی حالت میں موت آ جائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا، سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے۔ اور فتنوں سے امن پاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے، ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حالت میں مر جائے، اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور اسے فتنہ قبر سے نجات ملتی ہے، ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اسے امن ملے گا، مسند کی اور حدیث میں ہے، اسے صبح و شام جنت سے روزی پہنچائی جاتی ہے اور قیامت تک اس کے مرابط کا اجر ملتا رہتا ہے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص مسلمانوں کی سرحد کے کسی کنارے پر تین دن تیاری میں گزارے، اسے سال بھر تک کی اور جگہ کی اس تیاری کا اجر ملتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے، ایک مرتبہ فرمایا، میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اپنی سنی ہوئی بات سناتا ہوں۔ میں نے اب تک ایک خاص خیال سے اسے نہیں سنایا، آپؐ نے فرمایا ہے، اللہ جل شانہ کی راہ میں ایک رات کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے جو تمام راتیں قیام میں اور تمام دن صیام میں گزارے جائیں۔ دوسری روایت میں اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی وجہ خلیفہ رسولؐ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے ڈر تھا کہ اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدان جنگ میں نہ چل دو۔ اب میں سنا دیتا ہوں۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے، اس کا پابند ہو جائے۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے پھر فرمایا، کیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی بات پہنچا دی۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ آپؓ نے فرمایا، اے جناب باری تعالیٰ تو گواہ رہ، ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شرجیل بن سمط محافظت سرحد میں تھے اور زمانہ زیادہ گزر جانے کے بعد کچھ تنگ دل ہو رہے تھے کہ حضرت سلمان فارسیؓ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا، آؤ میں تجھے پیغمبر اللہ ﷺ کی ایک حدیث سناؤں۔ آپؐ نے فرمایا ہے، ایک دن سرحد کی حفاظت ایک مہینہ کے صیام و قیام سے افضل ہے اور جو اسی حالت میں مر جائے، وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے اعمال قیامت تک جاری رہتے ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے کہ ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینا تاکہ مسلمان امن سے رہیں ہاں نیت نیک ہو گو وہ رات رمضان کی نہ ہو، ایک سو سال کی عبادت سے افضل ہے جس کے دن روزے میں اور جس کی راتیں تہجد میں گزری ہوں اور ایک دن کی رب العزت کی راہ میں تیاری تاکہ مسلمان با حفاظت رہیں، طلب ثواب کی نیت سے ماہ رمضان کے بغیر اللہ کے نزدیک ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جائیں گی اور نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس مرابطہ کا اجر قیامت تک اسے ملتا رہے گا۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ اس کے ایک راوی عمرو بن صبیح متہم ہیں، ابن ماجہ کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ ایک رات کی مسلم لشکر کی چوکیداری ایک ہزار سال کی راتوں کے قیام اور دنوں کے صیام سے افضل ہے۔ ہر سال کے تین سو ساٹھ دن اور ہر دن مثل ایک ہزار سال کے، اس کے راوی سعید بن خالد ابوزرعہؒ

وغیرہ ہیں۔ ائمہ نے اسے ضعیف کہا ہے بلکہ امام حاکمؒ فرماتے ہیں، اس کی روایت سے موضوع حدیثیں بھی ہیں۔ ایک منقطع حدیث میں ہے، لشکر اسلام کے چوکیدار پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو (ابن ماجہ)۔

حضرت سہل بن حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ حنین والے دن ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ چلے، شام کی نماز میں نے حضورؐ کے ساتھ ادا کی۔ اتنے میں ایک گھوڑ سوار آیا اور کہا، یا رسول اللہ، میں آگے نکل گیا تھا اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر میں نے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ میدان میں جمع ہو گئے ہیں یہاں تک کہ ان کی اونٹنیاں، بکریاں، عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہیں۔ حضورؐ مسکرائے اور فرمایا ان شاء اللہ یہ سب کل مسلمانوں کی مال غنیمت ہوگا۔ پھر فرمایا، بتاؤ آج کی رات پہرہ کون دے گا؟ حضرت انس بن ابو مرثد نے کہا، یا رسول اللہؐ میں حاضر ہوں، آپؐ نے فرمایا، جاؤ سواری لے کر آؤ، وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا، اس گھاٹی پر چلے جاؤ اور اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاؤ، خبردار تمہاری طرف سے ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ صبح تک نہ ہو، صبح جس وقت نماز کے لئے حضورؐ تشریف لائے، دو سنتیں ادا کیں اور لوگوں سے پوچھا، کہو تمہارے پہرے دار سوار کی تو کوئی آہٹ نہیں سنی۔ لوگوں نے کہا۔ نہیں یا رسول اللہ، اب تکبیر کہی گئی اور آپؐ نے نماز شروع کی۔ آپ کا خیال اسی گھاٹی کی طرف تھا۔ نماز سے سلام پھیرتے ہی آپؐ نے فرمایا۔ خوش ہو جاؤ۔ تمہارا گھوڑ سوار آ رہا ہے، ہم نے جھاڑیوں میں جھانک کر یکھا تو تھوڑی دیر میں ہمیں بھی دکھائی دے گئے۔ آ کر حضورؐ سے کہا، یا رسول اللہ میں اس وادی کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا اور ارشاد کے مطابق وہیں رات گزاری۔ صبح میں نے دوسری گھاٹی بھی دیکھ ڈالی لیکن وہاں بھی کوئی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا رات کو وہاں سے تم نیچے بھی اترے تھے۔ جواب دیا نہیں صرف نماز کے لئے اور قضا حاجت کے لئے تو نیچے اترا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اپنے لئے جنت واجب کر لی، اب تم اس کے بعد کوئی عمل نہ کرو تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں (ابوداؤد و نسائی)۔

مسند احمد میں ہے ایک غزوہ کے موقعہ پر ایک رات کو ہم بلند جگہ پر تھے اور سخت سردی تھی۔ یہاں تک کہ لوگ زمین میں گڑھے کھود کھود کر اپنے اوپر ڈھالیں لے کر پڑے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت آواز دی کہ کوئی ہے جو آج کی رات ہماری چوکیداری کرے اور مجھ سے بہترین دعا لے تو ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہا حضورؐ میں تیار ہوں۔ آپؐ نے اسے پاس بلا کر نام دریافت کر کے اس کے لئے بہت دعا کی۔ ابوریحانہ یہ دعائیں سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ میں بھی پہرہ دوں گا۔ آپؐ نے مجھے بھی پاس بلا لیا اور نام پوچھ کر میرے لیئے بھی دعائیں کیں لیکن اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ دعا کم تھی، پھر آپؐ نے فرمایا، اس آنکھ پر جہنم کی آنچ حرام ہے جو اللہ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو راہ اللہ میں شب بیداری کرے، مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص مسلمانوں کے پیچھے سے ان کا پہرہ دے اپنی خوشی سے بغیر سلطان کی اجرت و تنخواہ کے، وہ اپنی آنکھوں سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری ہونے کے لئے جو اس آیت میں ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی تم سب اس پر وارد ہو گئے۔

صحیح بخاری میں ہے، دینار کا بندہ برباد ہوا اور کپڑوں کا بندہ، اگر مال دیا جائے تو خوش ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہے، یہ بھی برباد ہوا اور خراب ہوا اگر اسے کانٹا چبھ جائے تو نکالنے کی کوشش بھی نہ کی جائے۔ خوش نصیب ہوا اور پھلا خوب پھولا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے۔ بکھرے ہوئے بال ہیں اور گرد آلود قدم ہیں۔ اگر چوکیداری پر مقرر کر دیا گیا ہے تو چوکیدارہ کر رہا ہے اور اگر لشکر کے اگلے حصے میں مقرر کر دیا گیا ہے تو وہیں خوش ہے لوگوں کی نظروں میں اتنا گرا پڑا ہے کہ اگر کہیں جانا چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ ہو، الحمد للہ اس آیت کے متعلق خاصی حدیثیں بیان ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہم اس

کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر گزاری سے رہتی دنیا تک فارغ نہیں ہو سکتے - تفسیر ابن جریرؒ میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ سے ایک خط لکھا اور اس میں رومیوں کی فوج کی کثرت' ان کی آلات حرب کی حالت اور ان کی تیاریوں کی کیفیتیں بیان کیں اور لکھا کہ سخت خطرہ کا موقعہ ہے' یہاں سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب گیا جس میں حمد و ثناء کے بعد تحریر تھا کہ کبھی کبھی مومن بندوں پر سختیاں بھی آ جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بعد آسانیاں بھیج دیتا ہے - سنو ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی - سنو پروردگار عالم کا فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے سن ۱۷۰ یا ۱۷۷ھ میں شہر طرسوس میں حضرت محمد بن ابراہیم بن سکینہ کو جبکہ وہ ان کو وداع کرنے آئے تھے اور یہ جہاد کو جا رہے تھے' یہ اشعار لکھوا کر حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کو بھجوائے -

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا   لَعَلِمْتَ اِنَّكَ فِیْ الْعِبَادَةِ تَلْعَبْ
مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهٗ بِدُمُوْعِهٖ   فَنُحُوْرُنَا بِدِمَآئِنَا تَتَخَضَّبْ
من كان يتعب خيله فی باطل   فنخيولنا يوم الصبيحته تتعب
رِيْحُ الْعَبِيْرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيْرُنَا   رَهْجُ السَّنَابُكِ وَالْغُبَارُ الْاَطْيَبْ
وَلَقَدْ اَتَانَا مِنْ مَّقَالِیْ نَبِيِّنَا   قَوْلٌ صَحِيْحٌ صَادِقٌ لَا يَكْذِبْ
لَا يَسْتَوِیْ غُبَارُخَيْلِ اللّٰهِ فِیْ   اَنْفِ امْرِئٍ وَ دُخَانُ نَارٍ تَلْهَبْ
هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا   لَيْسَ الشَّهِيْدُ بِمَيِّتٍ لَا يَكْذِبْ

‘‘اے مکہ مدینہ میں رہ کر عبادت کرنے والے' اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو بالیقین تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری عبادت تو ایک کھیل ہے' ایک وہ شخص ہے جس کے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن اللہ کی راہ میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں - ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے دن ہی تھکتے ہیں - اگر کی خوشبوئیں تمہارے لئے ہیں اور ہمارے لئے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد و غبار ہے - یقین مانو' ہمیں نبی کریم کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے جو سراسر راستی اور درستی والی بالکل سچی ہے کہ جس کسی کے نام میں اس اللہ تعالیٰ کے لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی' اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں بھی نہ جائے گا - اور لو یہ ہے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں -’’

محمد بن ابراہیم فرماتے ہیں' جب میں نے مسجد حرام میں پہنچ کر حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کو یہ اشعار دکھائے تو آپ پڑھ کر زار زار روئے اور فرمایا' ابو عبدالرحمٰن نے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر ہوں' صحیح اور سچ فرمایا اور مجھے نصیحت کی اور میری بے حد خیر خواہی کی - پھر مجھ سے فرمایا' کیا تم حدیث لکھتے ہو' میں نے کہا جی ہاں' کہا اچھا تم جو یہ نصیحت نامہ میرے پاس لائے' اس کے بدلے میں تمہیں ایک حدیث لکھواتا ہوں - وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیے جس سے میں مجاہد کا ثواب پا لوں' آپؐ نے فرمایا' کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ نماز ہی پڑھتا رہے اور تھکے نہیں اور روزے رکھتا چلا جائے اور کبھی بے روزہ نہ رہے' اس نے کہا حضور اس کی طاقت کہاں؟ میں اس سے بہت ہی ضعیف ہوں - آپ نے فرمایا' اگر تجھ میں اتنی طاقت ہوتی اور تو ایسا کر بھی سکتا تو بھی مجاہد فی

سبیل اللہ کے درجے کو نہ پہنچ سکتا' تو یہ بھی جانتا ہے کہ مجاہد کے گھوڑے کی رسی دراز ہو جائے اور وہ ادھر ادھر چر جائے تو اس پر بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر حال میں ہر وقت ہر معاملہ میں اللہ کا خوف کیا کرو۔ جناب رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا' اے معاذ جہاں بھی ہو' اللہ کا خوف دل میں رکھو اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تاکہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلق و مروت کے ساتھ پیش آیا کر۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ چاروں کام کر لینے سے تم اپنے مقصد میں کامیاب اور بامراد ہو جاؤ گے۔ دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات پالو گے۔ حضرت محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے' تم میرا لحاظ رکھو' میرے خوف سے کانپتے رہو' میرے اور اپنے معاملہ میں متقی رہو تو کل جبکہ تم مجھ سے ملو گے' نجات یافتہ اور بامراد ہو جاؤ گے۔ انتہی

تفسیر سورة النساء

(تفسیر سورۂ نساء) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدینہ شریف میں اتری ہے' حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ سورت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اب روک رکھنا نہیں' مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا بھی مجھے مل جائے جب بھی مجھے اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور جس کسی کی جو نیکی ہوتی ہے' اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے جو بطور انعام اجر عظیم دے' وہ جداگانہ ہے اور آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ الخ' اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ خود ہی معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ جنت میں لے جائیں گے اور آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو تو نہیں بخشتا باقی جس گنہگار کو چاہے بخش دے اور آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ' یعنی یہ لوگ گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آ جاتے اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار طلب کرتا تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی اور مہربانی کرنے والا پاتے۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں' یوں تو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمان کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے' عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ الخ' کے بدلے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ہے یعنی جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر گزرے' پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں یا تو رہ گیا ہے اور اس کا بیان دوسری حدیث میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث اور پانچویں آیت اس حدیث و من یعمل الخ' کی مل کر پانچ ہو گئیں یا یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ والی آیت پوری ہے اور وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً کو الگ آیت شمار کیا ہے تو دونوں احادیث میں پانچ پانچ آیتیں ہو گئیں (واللہ اعلم۔ مترجم)۔

ابن جریرؒ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سورت میں آٹھ آیتیں ہیں جو اس امت کے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہیں جن پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔ پہلی آیت يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ الخ' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم پر صاف صاف بیان

کردے اور تمہیں ان اچھے لوگوں کی راہ راست دکھادے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر مہربانی کرے۔ اللہ تعالیٰ دانا اور حکمت والا ہے' دوسری آیت وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے لوگوں کی چاہت ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔

تیسری آیت يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا یعنی انسان چونکہ ضعیف پیدا کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر تخفیف کرنا چاہتا ہے' باقی آیتیں وہی جو اوپر گزریں۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سورۂ نساء کی بابت سنا۔ پس میں نے قرآن پڑھا اور میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا (حاکم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

شروع کرتا ہوں' اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ لوگو اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں' اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو' بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے ○

محبت و مودت کا آفاقی اصول: ☆☆ (آیت:۱) اللہ تعالیٰ اپنے تقوے کا حکم دیتا ہے کہ جسم سے اسی ایک ہی کی عبادتیں کی جائیں اور دل میں صرف اسی کا خوف رکھا جائے۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے' ان کی بیوی یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو بھی انہی سے پیدا کیا' آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حوا کو پیدا کیا' آپ نے بیدار ہو کر انہیں دیکھا اور اپنی طبیعت کو ان کی طرف راغب پایا اور انہیں بھی ان سے انس پیدا ہوا' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے' اس لئے اس کی حاجت و شہوت مرد میں رکھی گئی ہے اور مرد زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو' صحیح حدیث میں ہے عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے۔ پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائے گا تو توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو بے شک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

پھر فرمایا ان دونوں سے یعنی آدم و حوا سے بہت سے انسان مرد و عورت چاروں طرف دنیا میں پھیلا دیئے جن کی قسمیں' صفتیں' رنگ و روپ' بول چال میں بہت کچھ اختلاف ہے' جس طرح یہ سب پہلے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں تھے اور پھر انہیں اس نے ادھر ادھر پھیلا دیا' ایک وقت ان سب کو سمیٹ کر پھر اپنے قبضے میں کر کے ایک میدان میں جمع کرے گا۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کی اطاعت عبادت بجالاتے

رہو اسی اللہ کے واسطے سے اور اسی کے پاک نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے ہو، مثلاً یہ کہنا کہ میں تجھے اللہ کو یاد دلا کر اور رشتے کو یاد دلا کر یوں کہتا ہوں، اسی کے نام کی قسمیں کھاتے ہو اور عہد و پیمان مضبوط کرتے ہو، اللہ جل شانہ سے ڈر کر رشتوں ناتوں کی حفاظت کرو۔ انہیں توڑو نہیں بلکہ جوڑو، صلہ رحمی، نیکی اور سلوک آپس میں کرتے رہو۔

ارحام بھی ایک قرات میں ہے یعنی اللہ کے نام پر اور رشتے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال سے واقف ہے۔ خوب دیکھ بھال رہا ہے، جیسے اور جگہ ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ اللہ ہر چیز پر گواہ اور حاضر ہے، صحیح حدیث میں ہے اللہ عزوجل کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کا لحاظ رکھو جو تمہارے ہر اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر نگراں ہے، یہاں فرمایا گیا کہ لوگو تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو، کمزور اور ناتواں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضورؐ نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ الخ کی تلاوت کی۔ پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی چنانچہ جس سے جو ہو سکا۔ ان لوگوں کے لئے دیا، درہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی۔ یہ حدیث، مسند اور سنن میں خطبہ حاجات کے بیان میں ہے۔ پھر تین آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک آیت یہی ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا
تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ
خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ
مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا
فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳
وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ
شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗــــًٔا مَّرِيْۗــــًٔا ۝۴

یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو، پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو، اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں سے بھی جو تمہیں اچھی لگیں، تم ان سے نکاح کر لو دو دو تین تین چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی بس ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی ہی، ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے ناانصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ ○ عورتوں کو ان کے مہر بخوشی دے دیا کرو ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو ○

یتیموں کی نگہداشت اور چار شادیوں کی اجازت: ☆☆ (آیت:۲-۴) اللہ تعالیٰ یتیموں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں، انہیں سونپ دو، پورے پورے، بغیر کمی اور خیانت کے ان کے حوالے کرو،

اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گڈمڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو، حلال رزق جب اللہ رحیم تمہیں دے رہا ہے، پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ؟ تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی، اپنے حلال مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں، نہ لو، دبلا پتلا جانور دے کر موٹا تازہ نہ لو، بوٹی دے کر بکرے کی فکر نہ کرو، ردی دے کر اچھے کی اور کھوٹا دے کر کھرے کی نیت نہ رکھو، پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی، کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے- ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے، ان کے مال تلف نہ کرو، یہ بڑا گناہ ہے، ایک ضعیف حدیث میں بھی یہی معنی آخری جملے کے مروی ہیں- ابوداؤد کی حدیث میں ایک دعا میں بھی حوب کا لفظ گناہ کے معنی میں آیا ہے، حضرت ابوایوبؓ نے جب اپنی بیوی صاحبہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ اس طلاق میں گناہ ہے، چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے، ایک روایت میں یہ واقعہ حضرت ابوطلحہؓ اور ام سلیمؓ کا مروی ہے-

پھر فرماتا ہے کہ تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لئے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو، اس سے باز رہو، اور عورتیں بہت ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی- جس کی پرورش میں وہ تھی، اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کا پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری- میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی- صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن شہاب نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا بھانجے، یہ ذکر اس یتیم لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے- اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے- چاہتا ہے کہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے، اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع کیا جا رہا ہے کہ وہ اس سے اپنی نیت چھوڑ دے اور کسی دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے، پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ الخ نازل ہوئی- وہاں فرمایا گیا ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم جمال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے والی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں- پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال و جمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں-

ہاں عدل و انصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں ورنہ پھر عورتوں کی کمی نہیں اور کسی سے جس سے چاہیں اظہار نکاح کر لیں، دو دو عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں- اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار، جیسے اور جگہ یہ الفاظ انہی معنوں میں ہیں، فرماتا ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے، ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے بعض چار چار پروں والے- فرشتوں میں اس سے زیادہ پروالے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے، لیکن مرد کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں موجود ہے اور جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور کا قول ہے، یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرما رہا ہے- پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرما دیا جاتا، حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے، اس نے بتلا دیا ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے لئے چار سے زیادہ بیویوں کا بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں- اسی پر علماء کرام کا اجماع ہے، البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنی جائز ہیں، بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں، کوئی تعداد مقرر ہے ہی نہیں، ان کا

استدلال ایک تو رسول کریم ﷺ کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں' اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا' تیرہ کی رخصتی ہوئی' ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپؐ کے پاس تھیں' انتقال کے وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجمعین۔ ہمارے علماء کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی' امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں' جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو۔ باقی کو چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا' شاید تیرے شیطان نے بات اچک لی اور تیرے دل میں خیال جما دیا کہ تو عنقریب مرنے والا ہے' اس لئے اپنی بیویوں کو تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنی اولاد سے مال واپس لے لے' اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ڈر سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب ختم ہونے والی ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ ابورغال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں (مسند احمد' شافعی' ترمذی' ابن ماجہ' دارقطنی' بیہقی وغیرہ) مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہی ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے' اگرچہ امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی اختلاف ہے واللہ اعلم۔ اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرط شیخین پر ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنے خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں۔ ملاحظہ ہو سنن نسائی۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو حضورؐ ان سے یہ نہ فرماتے کہ اپنی ان دس بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب بھی اسلام لا چکی تھیں' یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں بھی موجود تھیں۔ اس پر بھی آپ نے چھ علیحدہ کرا دیں۔ پھر بھلا کیسے ہو سکتا ہے کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

''چار سے زائد نہیں'' وہ بھی بشرط انصاف ورنہ ایک ہی بیوی! ☆☆ ''دوسری حدیث'' ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے' حضرت امیرہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے جس وقت اسلام قبول کیا' میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں۔ میں نے رسول کریم ﷺ سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا ان میں سے جن چار کو چاہو رکھ لو' اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔ راویوں کے ناموں کا ہیر پھیر وغیرہ ایسی روایات میں نقصان نہیں ہوتا ''تیسری حدیث'' مسند شافعی میں ہے۔ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا' ان میں سے پسند کر کے چار کو رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو۔ میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور بے اولاد بیوی ساٹھ سال کی تھی' انہیں طلاق دے دی' پس یہ حدیثیں حضرت غیلان والی پہلی حدیث کی شواہد ہیں جیسے کہ حضرت امام بیہقیؒ نے فرمایا۔

پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل و انصاف نہ ہو سکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو اور اپنی کنیزوں سے استماع کرو جیسے اور جگہ ہے وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْ ابَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل و انصاف کو قائم رکھ سکو۔ پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو ہاں یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے۔ جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔

اس کے بعد کے جملے کے مطلب میں بعض نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ان معنی کے کہ تمہارے عیال یعنی فقیری زیادہ نہ ہو جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ خِفْتُمْ عَلَیَةً یعنی اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو عربی شاعر کہتا ہے۔

فَمَا یَدْرِی الْفَقِیْرُ مَتٰی غِنَاهُ   فَمَا یَدْرِی الْفَقِیْرُ مَتٰیغَنَاهُ

یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائے گا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائے گا' جب کوئی مسکین محتاج ہو جائے تو عرب کہتے ہیں عَالَ الرَّجُلُ یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا۔ غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے' پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ' عرب میں کہا جاتا ہے عَالَ فِی لُحُکْمِ جبکہ ظلم و جور کیا ہو' ابو طالب کے مشہور قصیدے میں ہے۔

بِمِیْزَانِ قِسْطٍ لَّا یَخُسُّ شَعِیْرَةً   لَهٗ شَاهِدٌ مِّنْ نَفْسِهٖ غَیْرُ عَائِلٍ

ضمیر بہترین ترازو ہے: ☆☆ یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو ایک جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتا۔ اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک خط کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسولؐ نے لکھا کہ اِنِّیْ لَسْتُ بِمِیْزَانِ اَعُوْلَ میں ظلم کا ترازو نہیں ہوں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو' ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے۔ ہاں یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ اسی طرح لَا تَعُوْلُوْا کے یہی معنی ہیں یعنی تم ظلم نہ کرو' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت ابو مالک' حضرت ابو رزین' حضرت نخعی' حضرت شعبی' حضرت ضحاک' حضرت عطا خراسانی' حضرت قتادہ' حضرت سدی اور حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ علیہم وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ابو طالب کا وہی شعر پیش کیا ہے' امام ابن جریر نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو' ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بے شک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال و طیب ہے' نبی ﷺ کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ مہر کا نام ہی نام ہو۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم و بیش لے۔ ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گی هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا تو مال عورت اور شفا شہد اور مبارک بارش کا پانی۔ حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن حاتمؒ اور ابن جریرؒ) اس حکم کو سن کر لوگوں نے سرور مقبول ﷺ سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا ہونا چاہئے؟ آپ نے فرمایا' جس چیز پر بھی ان کے ولی رضامند ہو جائیں (ابن ابی حاتم) حضورؐ نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو' ایک شخص نے کھڑے

ہو کر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ ایسی صورت میں ان کا مہر کیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا' جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں' اس کے ایک راوی ابن سلمانی ضعیف ہیں' پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا
وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٥
وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ
رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ
يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا
فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا
عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝٦

بے عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دے دو' جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو ○ اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہا کرو۔ پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کرو' مالداروں کو چاہئے کہ (اس مال سے) بچتے رہیں' ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھائے' پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ کر لیا کرو' دراصل حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے ○

کم عقل اور یتیموں کے بارہ میں احکامات: ☆☆ (آیت:۵-۶) اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو منع فرماتا ہے کہ کم عقل بیویوں کو مال کے تصرف سے روکیں' مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہئے' مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل بے وقوف ہو اور بے دین ہو' بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو' اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھ گیا ہو' جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا' اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضے سے لے لے گا اور اسے بے دخل کر دے گا' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہاں سُّفَهَآءَ سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں' اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ حکم بن عینیہ' حسن اور ضحاک رحمتہ اللہ علیہم سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' یتیم مراد ہیں۔ مجاہد' عکرمہ اور قتادہ رحمھم اللہ علیھم کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں' ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک عورتیں بے وقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں' ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطول مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش خادم ہیں۔

پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزر بسر موقوف ہے' اسے اپنی بیوی بچوں کو نہ دے ڈال کہ پھر ان کا ہاتھ تکتا پھرے بلکہ اپنا مال اپنے قبضے میں رکھ' اس کی اصلاح کرتا رہ اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر اور ان کے خرچ اٹھا' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے

ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا، ایک وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے، دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بے وقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو۔ تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو۔ ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلہ رحمی کرو، اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہئے۔ اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو، اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔

پھر فرمایا یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں، یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے اور بلوغت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسے خاص قسم کے خواب آنے لگیں جن میں خاص پانی اچھل کر نکلتا ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ تمام دن رات چپ رہنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، بچے سے جب تک بالغ نہ ہو، سوتے سے جب جاگ نہ جائے، مجنوں سے جب تک ہوش نہ آئے، پس ایک تو علامت بلوغ یہ ہے۔

دوسری علامت بلوغ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہو جائے۔ اس کی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ احد والی لڑائی میں مجھے حضورؐ نے اپنے ساتھ اس لئے نہیں لیا تھا کہ اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی اور خندق کی لڑائی میں جب میں حاضر کیا گیا، آپؐ نے قبول فرما لیا اس وقت میں پندرہ سال کا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ نے فرمایا، نابالغ بالغ کی حد یہی ہے۔ تیسری علامت بلوغت کی زیر ناف کے بالوں کا نکلنا ہے۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ علامت بلوغ ہے، دوسرے یہ کہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں نہیں اور ذمیوں میں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کسی دوا سے یہ بال جلد نکل آتے ہوں اور ذمی پر جوان ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے تو وہ اسے کیوں استعمال کرے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب کے حق میں یہ علامت بلوغت ہے کیونکہ اولاً تو جبلی امر ہے۔ علاج معالجہ کا احتمال بہت دور کا احتمال ہے۔ ٹھیک یہی ہے کہ یہ بال اپنے وقت پر ہی نکلتے ہیں، دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے، جس میں حضرت عطیہ قرظیؓ کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضورؐ کے سامنے کئے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ایک شخص دیکھے۔ جس کے یہ بال نکل آئے ہوں، اسے قتل کر دیا جائے اور نہ نکلے ہوں تو اسے چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہ بال میرے بھی نہ نکلے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ حضرت سعدؓ کے فیصلے پر راضی ہو کر یہ قبیلہ لڑائی سے باز آیا تھا۔ پھر حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے تو قتل کر دیئے جائیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں۔ غرائب ابی عبید میں ہے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے دراصل یہ تہمت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے تہمت کی حد لگانی چاہی لیکن فرمایا، دیکھ لو اگر اس کے زیر ناف کے بال اگ آئے ہوں تو اس پر حد جاری کر دو ورنہ نہیں دیکھا تو اگے نہ تھے چنانچہ اس پر سے حد ہٹا دی۔

پھر فرماتا ہے جب تم دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہوں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دے دیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں، ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو، خود امیر ہو، کھاتا پیتا ہو تو اسے تو چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ لے، مردار اور بہے ہوئے خون کی طرح یہ مال ان پر حرام محض ہے۔ ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بے شک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے۔ اپنی حاجت کو دیکھے اور اپنی محنت کو۔ اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر محنت حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے، پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے

مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہو گا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لے لیا ہے۔ امام شافعیؒ کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے، اس لئے کہ آیت نے بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے سے کھا سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لا سکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑا، نہ جمع کر، نہ یہ ہو کہ اپنے مال کو تو بچا رکھے اور اس کے مال کو کھاتا چلا جائے۔ ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے۔ ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کے لئے ضرورتاً کس چیز سے ماروں؟ فرمایا، جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے، اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر، نہ اس کے مال سے دولت مند بننے کی کوشش کر۔ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس بھی اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں، ان کے بھی اونٹ ہیں۔ میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لئے فقیروں کو تحفتاً دے دیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپؓ نے فرمایا، اگر ان یتیموں کی گم شدہ اونٹنیوں کو تو ڈھونڈ لاتا ہے، ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے، ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بے شک دودھ سے نفع بھی اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے (موطا مالک) حضرت عطا بن رباح، حضرت عکرمہ، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت عطیہ عوفی، حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے البتہ ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدل دینا پڑے گا۔ جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھا لے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے۔ اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض لوں گا۔ جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا) یہ حدیث سعید بن منصور میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن عباسؓ سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کھائے۔ اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے اور روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تاکہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے، ① حضرت عامر شعبیؒ فرماتے ہیں، اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا، تو بے شک کھا لے لیکن پھر ادا کرنا ہو گا، یحییٰ بن سعید انصار اور ربیعہؒ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اس کا ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا لیکن عبارت یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ جو غنی ہو وہ کچھ نہ لے، یعنی جو ولی غنی ہو تو یہاں بھی یہی مطلب ہو گا جو ولی فقیر ہو نہ یہ کہ جو یتیم فقیر ہو۔ دوسری آیت میں وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ② یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے۔ پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو۔ پھر اولیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے تو گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو تاکہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے۔ یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگراں اور باریک حساب لینے والا اللہ ہی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا، تباہ و برباد کیا، جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دل اور نیک نیتی سے، نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال

رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا۔ ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا و بینا' نگران و نگہبان کو ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے ابوذر میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں' وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ خبردار ہرگز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ
نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝٧ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٨

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی جو مال ماں باپ اور خویش' اقارب چھوڑ مریں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ' حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے ○ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو ○

وراثت کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۷-۸) مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اس کا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں۔ اسلام نے یہ حکم نازل فرما کر سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وارث تو سب ہوں گے خواہ قرابت حقیقی ہو یا خواہ بوجہ عقد زوجیت کے ہو یا بوجہ نسبت آزادگی ہو حصہ سب کو ملے گا گو کم و بیش ہو' ''ام کجہ'' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ حضور میرے دو لڑکے ہیں۔ ان کے والد فوت ہو گئے ہیں۔ ان کے پاس اب کچھ نہیں پس یہ آیت نازل ہوئی' یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی اور دونوں آیتوں کی تفسیر میں بھی عنقریب ان شاءاللہ تعالیٰ آئے گی۔ واللہ اعلم۔

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کا ورثہ بٹنے لگے اور وہاں اس کا کوئی دور کا رشتہ دار بھی آ جائے جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور یتیم و مساکین آ جائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔ ابتداء اسلام میں تو یہ واجب تھا اور بعض کہتے ہیں مستحب تھا اور اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تو اسے باقی بتاتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت عبدالرحمان بن ابو بکرؓ حضرت ابوالعالیہؒ' حضرت شعبیؒ حضرت حسنؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابن سیرینؒ' حضرت عطاء بن ابو رباحؒ حضرت زہریؒ حضرت یحییٰؒ بن معمر رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی باقی بتاتے ہیں بلکہ یہ حضرات سوائے حضرت ابن عباس کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضرت عبیدہ ایک وصیت کے ولی تھے۔ انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور تینوں قسموں کے لوگوں کو کھلائی اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ بھی میرا مال تھا' حضرت عروہؒ نے حضرت مصعبؒ کے مال کی تقسیم کے وقت بھی دیا' حضرت زہریؒ کا بھی قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے' منسوخ نہیں' ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ وصیت پر موقوف ہے۔ چنانچہ جب عبدالرحمان بن حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کا ورثہ تقسیم کیا اور یہ واقعہ حضرت مائی عائشہؓ کی موجودگی کا ہے تو گھر میں جتنے مسکین اور قرابت دار تھے' سب کو دیا اور اسی آیت کی تلاوت کی حضرت ابن عباسؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا' اس نے ٹھیک نہیں کیا۔ اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو (ابن ابی حاتم)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیت بالکل منسوخ ہی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے۔ اور ناسخ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ ہے' حصے مقرر ہونے سے پہلے یہ حکم تھا۔ پھر جب حصے مقرر ہو چکے اور ہر حقدار کو خود اللہ تعالیٰ نے حق پہنچا دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا ہو' حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر وصیت ان لوگوں کے لئے ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ آیت منسوخ ہے۔ جمہور کا اور چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے یہاں ایک عجیب قول اختیار کیا ہے۔ ان کی لمبی اور کئی بار کی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آ جائیں تو انہیں بھی دے دو اور یتیم مسکین جو آ گئے ہوں' ان سے نرم کلامی اور اچھے جواب سے پیش آؤ لیکن اس میں نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' تقسیم سے مراد یہاں ورثے کی تقسیم ہے' پس یہ قول امام ابن جریر رحمتہ اللہ کے خلاف ہے۔ ٹھیک مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یہ غریب لوگ ترکے کی تقسیم کے وقت آ جائیں اور تم اپنا اپنا حصہ الگ الگ کر کے لے رہے ہو اور یہ بیچارے تک رہے ہوں تو انہیں بھی خالی ہاتھ نہ پھیرو۔ ان کا وہاں سے مایوس اور خالی ہاتھ واپس جانا اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم کو اچھا نہیں لگتا۔ بطور صدقہ کے راہ اللہ ان سے بھی کچھ اچھا سلوک کر دو تا کہ یہ خوش ہو کر جائیں۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے کہ کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو اور فاقہ زدہ اور مسکینوں سے چھپا کر اپنے باغ کا پھل لانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی جیسے کہ سورۂ نون میں ہے کہ وہ رات کے وقت چھپ کر پوشیدگی سے کھیت اور باغ کے دانے اور پھل لانے کے لئے چلتے ہیں۔ وہاں اللہ کا عذاب ان سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور سارے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے۔ دوسروں کے حق برباد کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس مال میں صدقہ مل جائے یعنی جو شخص اپنے مال سے صدقہ نہ دے' اس کا مال اس وجہ سے غارت ہو جاتا ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا
عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾ ع ۱۰ ۱۲

اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ننھے ننھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رکھتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس اللہ سے ڈر کر جچی تلی بات کہا کریں ○ جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں' وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور البتہ وہ دوزخ میں جائیں گے ○

(آیت: ۹-۱۰) پھر فرماتا ہے' ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جائیں یعنی ایک شخص اپنی موت کے وقت وصیت کر رہا ہے اور اس میں اپنے وارثوں کو ضرر پہنچا رہا ہے تو اس وصیت کے سننے والے کو چاہئے کہ اللہ کا خوف کرے اور اسے ٹھیک بات کی رہنمائی کرے۔ اس کے وارثوں کے لئے ایسی بھلائی چاہئے جیسی اپنے وارثوں کے ساتھ بھلائی کرانا چاہتا ہے جبکہ ان کی بربادی اور تباہی کا خوف ہو۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی عیادت کو گئے اور حضرت سعدؓ نے کہا' یا رسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی میرے پیچھے ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا خیر

لیکن ہے یہ بھی زیادہ تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑ کر جائے اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھیریں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی چوتھائی کی ہی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں اگر میت کے وارث امیر ہوں تب تو خیر تہائی کی وصیت کرنا مستحب ہے اور اگر فقیر ہوں تو اس سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے۔ دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا اتنا ہی خیال رکھو جتنا تم اپنی چھوٹی اولاد کا اپنے مرنے کے بعد چاہتے ہو کہ لوگ خیال رکھیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ ان کے مال دوسرے ظلم سے کھا جائیں اور وہ بالغ ہو کر فقیر رہ جائیں اسی طرح تم دوسروں کی اولادوں کے مال نہ کھا جاؤ۔ یہ مطلب بھی بہت عمدہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی یتیموں کا مال ناحق مار لینے والوں کی سزا بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں انگارے بھرنے والے اور جہنم واصل ہونے والے ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا، سات گناہوں سے بچو جو ہلاکت کا باعث ہیں پوچھا گیا۔ کیا کیا؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک، جادو، بے وجہ قتل، سود خوری، یتیم کا مال کھا جانا، جہاد سے پیٹھ موڑنا، بھولی بھالی ناواقف عورتوں پر تہمت لگانا۔

ابن ابی حاتم میں ہے، صحابہؓ نے حضورؐ سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا جس میں آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان کا منہ خوب کھول دیتے ہیں۔ پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں جو ان کے پیٹ میں اتر کر پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بے طرح چیخ چلا رہے ہیں۔ ہائے ہائے مچا رہے ہیں۔ میں نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ یتیموں کا مال کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے دن اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ، آنکھوں، نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔ ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان دونوں ضعیفوں کا مال پہنچا دو، عورتوں کا اور یتیم کا۔ ان کے مال سے بچو، سورۂ بقرہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جن کے پاس یتیم تھے انہوں نے ان کا اناج پانی بھی الگ کر دیا۔ اب عموماً ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کی ان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یا تو دوسرے وقت اسی باسی چیز کو کھاتے یا سڑنے کے بعد پھینک دی جاتی گھر والوں میں سے کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا تھا۔ یہ بات دونوں طرف ناگوار گزری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا ہے اس پر آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى الخ اتری جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں یتیموں کی بہتری سمجھا کرو چنانچہ اس کے بعد پھر کھانا پانی ایک ساتھ ہوا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ
وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ
السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ؕ آبَاؤُكُمْ
وَأَبْنَاؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً
مِّنَ اللَّهِ ؕ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کی دو تہائیاں ملیں گی اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے۔ ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا ہے۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد' تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے' تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے' یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے ○

مزید مسائل میراث جن کا ہر مسلمان کو جاننا فرض ہے: ☆☆ (آیت:۱۱) یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد کی آیت اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت علم فرائض کی آیتیں ہیں' یہ پورا علم ان آیتوں اور میراث کی احادیث سے استنباط کیا گیا ہے جو حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر اور توضیح ہیں' یہاں ہم اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں۔ باقی جو میراث کے مسائل کی پوری تقریر ہے اور اس میں جن دلائل کی سمجھ میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے' اس کے بیان کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر' اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ علم فرائض سیکھنے کی رغبت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں' ان آیتوں میں جن فرائض کا بیان ہے' یہ سب سے زیادہ اہم ہیں' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے علم دراصل تین ہیں اور اس کے ماسوا فضول بھرتی ہے' آیات قرآنیہ جو مضبوط ہیں اور جن کے احکام باقی ہیں۔ سنت قائمہ یعنی جو احادیث ثابت شدہ ہیں اور فریضہ عادلہ یعنی مسائل میراث جو ان دو سے ثابت ہیں۔ ابن ماجہ کی دوسری ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ یہ نصف علم ہے اور یہ بھول بھال جاتے ہیں اور یہی پہلی وہ چیز ہے جو میری امت سے چھن جائے گی' حضرت ابن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اسے آدھا علم اس لئے کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو عموماً یہ پیش آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری بیمار پرسی کے لئے بنوسلمہ کے محلے میں پیادہ پا تشریف لائے۔ میں اس وقت بے ہوش تھا۔ آپؐ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا۔ جس سے مجھے ہوش آیا تو میں نے کہا حضورؐ میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی' صحیح مسلم شریف' نسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعید بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہا رسول

اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یارسول اللہ یہ دونوں حضرت سعد کی لڑکیاں ہیں۔ ان کے والد آپ کے ساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے۔ ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے۔ ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے۔ آپؐ نے فرمایا اس کا فیصلہ خود اللہ کرے گا چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی۔ آپ نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر کے سوال پر اس سورت کی آخری آیت اتری ہوگی جیسے عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس لئے کہ ان کی وارث صرف ان کی بہنیں ہی تھیں۔ لڑکیاں تھیں ہی نہیں، وہ تو کلالہ تھے اور یہ آیت اسی بارے میں یعنی حضرت سعید بن ربیعؓ کے ورثے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے راوی بھی خود حضرت جابرؓ ہیں۔ ہاں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ان کی تابعداری کی، واللہ اعلم۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں عدل سکھاتا ہے، اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا۔ ہاں دونوں کے حصوں میں فرق رکھا اس۔ لئے کہ مردوں کے ذمہ جو ضروریات ہیں، وہ عورتوں کے ذمہ نہیں مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور خرچ اخراجات کی کفالت، تجارت اور کسب اور اسی طرح کی اور مشقتیں تو انہیں ان کی حاجت کے مطابق عوتوں سے دوگنا دلوایا۔ بعض دانا بزرگوں نے یہاں ایک نہایت باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ماں باپ کو ان کی اولادوں کے بارے میں وصیت کر رہا ہے پس معلوم ہوا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر اتنے مہربان نہیں جتنا مہربان ہمارا خالق اپنی مخلوق پر ہے، چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے چھوٹ گیا، وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی اور جیسے ہی ملا، اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحابؓ سے فرمایا، بھلا بتاؤ تو کیا یہ عورت باوجود اپنے اختیار کے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا، یارسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار مال کا صرف لڑکا تھا۔ ماں باپ کو بطور وصیت کے کچھ مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دلوایا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوایا اور تیسرا حصہ بھی اور بیوی کو آٹھوں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور پاؤ۔ فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے پر بعض لوگوں نے کہا، یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چوتھا اور آٹھواں حصہ دلوایا جا رہا ہے اور لڑکی کو آدھوں آدھ دلوایا جا رہا ہے اور ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نکل سکتا ہے نہ مال غنیمت لا سکتا ہے۔ اچھا تم اس حدیث سے خاموشی برتو تو شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ بھول جائے۔ ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ان احکام کو بدل دیں، پھر انہوں نے آپؐ سے کہا کہ آپ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں حالانکہ نہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق نہ دشمن سے لڑنے کے قابل، آپ بچے کو ورثہ دلا رہے ہیں، بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے مرنے کے قابل ہو۔ سب سے بڑے لڑکے کو وارث قرار دیتے تھے (اگر مرنے والے کے لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو فرمادیا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دے دیا جائے، اور اگر صرف لڑکی کو دے دیا جائے اب بیان فرماتا ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں تو انہیں کیا ملے گا؟ مترجم)

لفظ فَوْقَ کو بعض لوگ زائد بتاتے ہیں جیسے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ میں لفظ فَوْقَ زائد ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے نہ اس آیت میں نہ اس آیت میں کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی زائد چیز نہیں ہے جو محض بے فائدہ ہو۔ اللہ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے، پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کے بعد فَلَهُنَّ نہ آتا بلکہ فَلَهُمَا آتا۔ ہاں اسے ہم جانتے ہیں کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ نہ ہوں یعنی صرف دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے یعنی انہیں بھی دو ثلث ملے گا کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ثلث دلوایا گیا ہے اور جبکہ دو بہنیں دو ثلث پاتی ہیں تو دو لڑکیوں کو دو ثلث کیوں نہ ملے گا؟ ان کے لئے تو دو تہائی بطور اولیٰ ہونا چاہئے، اور حدیث میں آ چکا ہے، دو لڑکیوں کو رسول اللہ ﷺ نے دو تہائی مال ترکہ کا دلوایا جیسا کہ اس آیت کی شان نزول کے بیان میں حضرت سعیدؓ کی لڑکیوں کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس کتاب وسنت سے یہ ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی اگر ہو یعنی لڑکا نہ ہونے کی صورت میں تو اسے آدھوں آدھ دلوایا گیا ہے پس اگر دو کو بھی آدھا ہی دینے کا حکم کرنا مقصود ہوتا تو یہیں بیان ہو جاتا جب ایک کو الگ کر دیا تو معلوم ہوا کہ دو کا حکم وہی ہے جو دو سے زائدہ کا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ماں باپ کا حصہ بیان ہو رہا ہے، ان کے ورثے کی مختلف صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو انہیں چھٹا چھٹا حصہ ملے گا یعنی چھٹا حصہ ماں کو، اور چھٹا حصہ باپ کو اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہی ہے تو آدھا مال تو وہ لڑکی لے لے گی اور چھٹا حصہ ماں لے لے گی، چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور چھٹا حصہ جو باقی رہا، وہ بھی بطور عصبہ باپ کو مل جائے گا۔ پس اس حالت میں باپ فرض اور تعصیب دونوں کو جمع کر لے گا یعنی مقررہ چھٹا حصہ اور بطور عصبہ بچت کا مال۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ مل جائے گا اور باقی کا کل مال باپ کو بطور عصبہ کے مل جائے گا تو گویا دو ثلث مال اس کے ہاتھ لگے گا یعنی بہ نسبت ماں کے دگنا باپ کو مل جائے گا۔ اب اگر مرنے والی عورت کا خاوند بھی ہے، مرنے والے مرد کی بیوی ہے یعنی اولاد نہیں صرف ماں باپ ہیں اور خاوند سے یا بیوی سے تو اس پر تو اتفاق ہے کہ خاوند کو آدھا اور بیوی کو پاؤ ملے گا، پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ماں کو اس صورت میں اس کے بعد کیا ملے گا؟ تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مال باقی رہا، اس میں سے تیسرا حصہ ملے گا، دونوں صورتوں میں یعنی خواہ عورت خاوند چھوڑ کر مری ہو خواہ مرد عورت چھوڑ کر مرا ہو اس لئے کہ باقی کا مال ان کی نسبت سے گویا کل مال ہے اور ماں کا حصہ باپ سے آدھا ہے تو اس باقی کے مال سے تیسرا حصہ یہ لے لے اور وہ تیسرے حصے جو باقی رہے، وہ باپ لے لے گا۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور بہ اعتبار زیادہ صحیح روایت حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی فیصلہ ہے، حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی قول ہے، ساتوں فقہا اور چاروں اماموں اور جمہور علماء کا بھی فتویٰ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ماں کو کل مال کا ثلث مل جائے گا، اس لئے کہ آیت عام ہے۔ خاوند بیوی کے ساتھ ہو تو اور نہ ہو تو۔ عام طور پر میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ثلث دلوایا گیا ہے، حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت شریحؒ اور حضرت داؤد ظاہریؒ بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت ابوالحسین بن لبان بصری بھی اپنی کتاب ایجاز میں جو علم فرائض کے بارے میں ہے، اسی قول کو پسند کرتے ہیں، لیکن اس قول میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیت نے اس کا یہ حصہ اس وقت مقرر فرمایا ہے جبکہ کل مال کی وراثت صرف ماں باپ کو ہی پہنچتی ہو، اور جبکہ زوج یا زوجہ ہے اور وہ اپنے مقررہ حصے کے مستحق ہیں تو پھر جو باقی رہ جائے گا بے شک وہ ان دونوں ہی کا حصہ ہے تو اس میں ثلث ملے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر میت مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو فقط اس صورت میں اسے کل مال کا تہائی ملے گا کیونکہ اس عورت کو کل مال کی چوتھائی ملے گی۔ اگر کل مال کے بارہ حصے کئے جائیں تو تین حصے تو یہ لے گی اور چار حصے ماں کو ملے گا۔ باقی بچے پانچ حصے۔ وہ باپ لے لے گا لیکن اگر عورت مری ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں بھی ماں کو دلوایا جائے تو اسے باپ سے بھی زیادہ پہنچ جاتا ہے مثلاً میت کے مال کے چھ حصے کئے۔ تین تو خاوند لے گیا۔ دو ماں لے گئی تو باپ کے پلے ایک ہی پڑے گا جو ماں سے بھی تھوڑا ہے اس لئے اس صورت میں چھ میں سے تین تو خاوند کو دیئے جائیں گے۔ ایک ماں کو اور دو باپ کو، حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کا یہی قول ہے، یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ قول دو قولوں سے مرکب ہے، ضعیف یہ بھی ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

ماں باپ کے احوال میں سے تیسرا حال یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہوں خواہ وہ سگے بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے تو وہ باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے ورثے میں کچھ پائیں گے نہیں لیکن ہاں ماں کو تہائی سے ہٹا کر چھٹا حصہ دلوائیں گے اور اگر کوئی اور وارث ہی نہ ہو اور صرف ماں کے ساتھ باپ ہی ہو تو باقی مال کل کا کل باپ لے لے گا اور بھائی بھی شریعت میں بہت سے بھائیوں کے مترادف ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ دو بھائی ماں کو ثلث سے ہٹا کر سدس تک نہیں لے جاتے۔ قرآن میں اِخْوَۃٌ جمع کا لفظ ہے، دو بھائی اگر مراد ہوتے، اخوَان کہا جاتا۔ خلیفہ ثالث نے جواب دیا کہ پہلے ہی سے یہ چلا آتا ہے اور چاروں طرف یہ مسئلہ اسی طرح پہنچا ہوا ہے، تمام لوگ اس کے عامل ہیں، میں اسے نہیں بدل سکتا، اولاً تو یہ اثر ثابت ہی نہیں۔ اس کے راوی حضرت شعبہؒ کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کی جرح موجود ہے پھر یہ قول ابن عباسؓ کا نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ کے خاص اصحاب اور اعلیٰ شاگرد بھی اس کے خلاف ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، دو کو بھی اِخْوَۃ کہا جاتا ہے، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ میں نے اس مسئلہ کو پوری طرح ایک علیحدہ رسالے میں لکھا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ہاں میت کا اگر ایک ہی بھائی ہو تو ماں کو تیسرے حصے سے ہٹا نہیں سکتا، علماء کرام کا فرمان ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کے بھائیوں کی شادیوں کا اور کھانے پینے وغیرہ کا کل خرچ باپ کے ذمہ ہے نہ کہ ماں کے ذمے۔ اس لئے مقتضائے حکمت یہی تھا کہ باپ کو زیادہ دیا جائے، یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے، لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بہ سند صحیح مروی ہے کہ یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا، انہیں دے دیا جائے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، حضرت عبداللہؓ کا یہ قول تمام امت کے خلاف ہے، ابن عباسؓ کا قول ہے، کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا اور باپ نہ ہو۔

پھر فرمایا وصیت اور قرض کے بعد تقسیم میراث ہو گی، تمام سلف خلف کا اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے اور فحوائے آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، تم قرآن میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں لیکن یاد رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض پہلے ادا کرایا ہے۔ پھر وصیت جاری کی ہے۔ ایک ماں زاد بھائی آپس میں وارث ہوں گے بغیر علاتی بھائیوں کے، آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہو گا نہ اس کا جس کی ماں دوسری ہو، یہ حدیث صرف حضرت حارثؓ سے مروی ہے اور ان پر بعض محدثین نے جرح کی ہے لیکن یہ حافظ فرائض تھے، اس علم میں آپ کو خاص دلچسپی اور دسترس تھی اور حساب کے بڑے ماہر تھے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کی رسم ہٹا دی بلکہ اسلام میں بھی

پہلے بھی ایسا ہی حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جاتا' ماں باپ کو صرف بطور وصیت کے ملتا تھا جیسے حضرت ابن عباسؓ سے پہلے بیان ہو چکا۔ یہ منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا' تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہیں باپ سے زیادہ نفع پہنچے گا یا اولاد نفع دے گی' امید دونوں سے نفع کی ہے۔ یقین کسی پر بھی ایک سے زیادہ نہیں' ممکن ہے باپ سے زیادہ بیٹا کام آئے اور نفع پہنچائے اور ممکن ہے بیٹے سے زیادہ باپ سے نفع پہنچے اور وہ کام آئے۔

پھر فرماتا ہے' یہ مقررہ حصے اور اور میراث کے یہ احکام اللہ کی طرف سے فرض ہیں اور اس میں کسی کمی بیشی کی کسی امید یا کسی خوف سے گنجائش نہیں نہ کسی کو محروم کر دینا لائق ہے نہ کسی کو زیادہ دلوا دینا' اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ جو جس کا مستحق ہے' اسے اتنا دلواتا ہے۔ ہر چیز کی جگہ کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ تمہارے نفع نقصان کا اسے پورا علم ہے۔ اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں' تمہیں چاہئے کہ اس کے احکام اس کے فرمان مانتے چلے جاؤ۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ
فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ
إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے۔ اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کی چوتھائی ہے۔ اگر تمہاری اولاد نہ ہو ○

وراثت کی مزید تفصیلات: ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مردو! تمہاری عورتیں جو چھوڑ کر مریں' اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ حصہ تمہارا ہے اور اگر ان کے بال بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی ملے گا' وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے' پہلے قرض ادا کیا جائے۔ پھر وصیت پوری کی جائے۔ پھر ورثہ تقسیم ہو' یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علماء امت کا اجماع ہے پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹوں کی ہی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کو حصہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ۔ چوتھائی تو اس حالت میں کہ مرنے والے خاوند کی اولاد نہ ہو اور آٹھواں حصہ اس حالت میں کہ اولاد ہو۔ اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں۔ چار ہوں تو ان میں یہ حصہ برابر تقسیم ہو جائے گا۔ تین یا دو ہوں تب بھی اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصہ ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ کی تفسیر اس سے پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔ كَلَالَة مشتق ہے اِكْلِيل سے' اِكْلِيل کہتے ہیں اس تاج وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے' یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث ارد گرد حاشیہ کے لوگ ہیں اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں' صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے كَلَالَة کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں' میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں۔ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور رسولؐ اس سے بری الذمہ ہیں' کلالہ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا مجھے ابوبکر کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے (ابن جریرؒ وغیرہ) ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت کا سب سے آخری زمانہ پانے والا میں ہوں۔ میں نے آپ سے سنا' فرماتے

تھے' بات وہی ہے جو میں نے کہی' ٹھیک اور درست یہی ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ ولد ہو اور نہ والد۔ حضرت علی' ابن مسعود' ابن عباس' زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین' شعبی' نخعی' حسن' قتادہ' جابر بن زید' حکم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ' اہل کوفہ' اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ساتوں فقہا' چاروں امام اور جمہور سلف و خلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں۔ بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں یہی آیا ہے۔ ابن لبابؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد سمجھی ہی نہ ہو۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ
يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ
مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ
فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ
مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲

اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور بعد ادائیگی قرض کے' جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں۔ اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو' مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اور اللہ تعالیٰ دانا ہے' بردبار ہے ○

پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد جیسے کہ سعد بن وقاص وغیرہ بعض سلف کی قرات ہے' حضرت صدیقؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں' ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثے کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں۔ دوسرے یہ کہ ان کے مرد و عورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ میت کلالہ ہو۔ پس باپ دادا کی یعنی پوتے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے۔ چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا تو گو یہ کتنے ہی ہوں۔ مرد ہوں یا عورت' حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لئے دوہرا اور عورت کے لئے اکہرا۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں' حضرت عمرؓ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہوں نے حضورؐ سے یہ سنا ہو۔ آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے' قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے تئیں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو۔ حضرت عثمانؓ سے بھی اسی طرح شریک کر دینا مروی ہے' اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہے ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب' قاضی شریح' مسروق' طاؤس' محمد بن سیرین' ابراہیم نخعی' عمر بن عبدالعزیز' ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے' امام مالک اور امام شافعی اور امام اسحاق بن راہویہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ہاں حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں شرکت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد ام کو اس حالت میں ثلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ کی اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لئے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جب ذوی الفرض سے بچ جائے' بلکہ وکیع بن جراحؒ کہتے ہیں' حضرت علیؓ سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں۔ حضرت ابی بن کعب' حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قول بھی یہی ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی مشہور یہی ہے۔ شعبی' ابن ابی لیلیٰ' ابوحنیفہ' ابویوسف' محمد بن حسن' حسن بن زیادہ' زفر بن ہذیل' امام احمد' یحییٰ بن آدم' نعیم بن حماد' ابوثور' داؤد ظاہری رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابوالحسن بن لبان فرضی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے' ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز۔

پھر فرمایا یہ وصیت کے جاری کرنے کے بعد ہے۔ وصیت ایسی ہو جس میں خلاف عدل نہ ہو۔ کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو نہ کسی پر جبر و ظلم کیا گیا ہو' کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم و بیش کیا گیا ہو۔ اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلاف شرع وصیت میں کوشش کرنے والا اللہ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وصیت میں کسی کو ضرر و نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے (ابن ابی حاتم) نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی اسی طرح مروی ہے' بعض روایتوں میں حضرت ابن عباسؓ سے اس فرمان کے بعد آیت کے اس ٹکڑے کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ کے قول کے مطابق ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں۔ موقوف قول ہے۔ ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ وارث کے لئے جو اقرار میت کر جائے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تہمت لگنے کی گنجائش ہے۔ حدیث شریف میں بہ سند صحیح آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں' مالک' احمد بن حنبل' ابوحنیفہ کا قول یہی ہے' شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا لیکن آخری قول یہ ہے کہ اقرار کرنا صحیح مانا جائے گا۔ طاؤسؒ حسنؒ عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی دلیل ایک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ فزاریہ نے جس چیز پر اپنے دروازے بند رکھے ہوں وہ نہ کھولے جائیں۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں' بہ سبب وارثوں کے ساتھ بدگمانی کے اس کا یہ اقرار جائز نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے' بدگمانی سے بچو' بدگمانی تو سب سے زیادہ جھوٹ ہے۔

قرآن کریم میں فرمان الٰہی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ پہنچا دو' اس میں وارث اور غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں' یہ یاد رہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو اور اگر صرف حیلہ سازی ہو اور بعض وارثوں کو زیادہ دینے اور بعض کو کم پہنچانے کے لئے ایک بہانہ بنا لیا ہو تو بالاجماع اسے پورا کرنا حرام ہے اور اس آیت کے صاف الفاظ بھی اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں (اقرار فی الواقع صحیح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ دوسری جماعت کا قول ہے اور جیسا کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ مترجم) پھر فرمایا یہ اللہ عزوجل کے احکام ہیں جو اللہ عظیم و اعلیٰ علم و حلم والا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا
خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۲ ۴ ۱۲

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئیں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بڑی مطلب یابی ہے ○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے' اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ ایسوں ہی کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہے ○

نافرمانوں کا حشر : ☆☆ (آیت:۱۳-۱۴) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے' اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا' جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہے' یعنی یہ فرائض اور یہ مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا جسے دلوایا ہے' یہ سب اللہ ذوالکرم کی حدود ہیں۔ تم ان حدوں کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو۔ جو شخص اللہ عزوجل کے ان احکام کو مان لے' کوئی حیلہ حوالہ کر کے کسی وارث کو کم وبیش دلوانے کی کوشش نہ کرے۔ حکم الٰہ اور فریضہ الٰہ جوں کا توں بجا لائے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ بہنے والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا' یہ کامیاب' نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہوگا۔ اور جو اللہ کے کسی حکم کو بدل دے' کسی وارث کے ورثے کو کم وبیش کر دے' رضائے الٰہی کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کر دے اور اس کے خلاف عمل کرے' وہ اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص ہمیشہ رہنے والی رسوائی اور اہانت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے' پھر وصیت کے وقت ظلم وستم کرتا ہے' اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے' پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے اور خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اور اس آیت کو پڑھو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ سے عَذَابٌ مُّهِيْنٌ تک۔ سنن ابی داؤد کے باب الاضرار فی الوصیۃ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہے ہیں' پھر موت کے وقت وصیت میں کوئی کمی بیشی کر جاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ سے آخر آیت تک پڑھی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ حدیث تمام وکمال کے ساتھ موجود ہے۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً
مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىھُنَّ
الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ

فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں' ان پر اپنے میں سے چار گواہ رکھ لو' اگر وہ گواہی دیں تو ان عوتوں کو گھروں میں قید کر رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے۔ تم میں سے جو دو مرد ایسا کام کر لیں' انہیں ایذا دو' اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو' بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے ○

سیاہ کار عورت اور اس کی سزا: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جنم قید یعنی موت سے پہلے اسے چھوڑا نہ جائے' اس فیصلہ کے بعد یہ اور بات ہے کہ اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے۔ پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ منسوخ ہو گئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب تک سورۂ نور کی آیت نہیں اتری تھی' زنا کار عورت کے لئے یہی حکم رہا۔ پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا۔ حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن' حضرت عطا خراسانی' حضرت ابو صالح' حضرت قتادہ' حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تو آپ پر اس کا بڑا اثر ہوتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی۔ کیفیت وحی سے نکلے تو آپؐ نے فرمایا' مجھ سے حکم الٰہی لو۔ اللہ تعالیٰ نے سیاہ کار عورتوں کے لیئے راستہ نکال دیا ہے۔ اگر شادی شدہ عورت یا شادی شدہ مرد سے اس جرم کا ارتکاب ہو تو ایک سو کوڑے اور پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی (مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ سے مروی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد میں بھی۔

ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بوڑھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ طبرانی میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' سورۂ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا یعنی عورتوں کو گھروں میں قید رکھنے کا حکم نہیں رہا۔ امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا اور جمہور کہتے ہیں' کوڑے نہیں لگیں گے' صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے۔ اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپؐ نے رجم کا حکم دیا اور رجم سے پہلے بھی انہیں کوڑے نہیں لگوائے۔ پھر جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں' انہیں ایذا پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم و غیرت دلا کر جوتیاں لگا کر۔ یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا' حضرت عکرمہ' عطا' حسن' عبداللہ کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد و عورت ہیں' سدی فرماتے ہیں مراد وہ نوجوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' لواطت کے

بارے میں یہ آیت ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ جسے تم قوم لوط کا فعل کرتے دیکھو تو فاعل مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو- ہاں اگر یہ دونوں باز آ جائیں‘ اپنی بدکاری سے توبہ کریں‘ اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آ ؤ اس لئے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے- اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے- بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے-

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ
ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓي
اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ
وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾

اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں- پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ بڑے علم والا‘ حکمت والا ہے ○ ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی- نہ ان کی توبہ ہے‘ جو کفر پر ہی مر جائیں- یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں ○

عالم نزع سے پہلے توبہ؟ ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۸) مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر بیٹھیں- پھر توبہ کر لیں- گو یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے کے بعد عالم نزع سے پہلے ہو- حضرت مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں جو بھی قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آ جائے-

ابو العالیہؒ فرماتے ہیں‘ صحابہؓ کرام فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے‘ وہ جہالت ہے‘ حضرت قتادہؒ بھی صحابہؓ کے مجمع سے اس طرح کی روایت کرتے ہیں- عطاؒ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے- توبہ جلدی کر لینے کی تفسیر میں منقول ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے عالم سکرات کے قریب مراد ہے- اپنی صحت میں توبہ کر لینی چاہئے‘ غرغرے کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے‘ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں‘ ساری دنیا قریب ہی ہے‘ اس کے متعلق حدیثیں سنئے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک سانسوں کا ٹوٹنا شروع نہ ہو‘ (ترمذی) جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کر لے‘ اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے تک بھی بلکہ ایک سانس پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھکے‘ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے‘ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں‘ جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے‘ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ بھر پہلے توبہ کرے‘ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے‘ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے‘ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے- یہ سن کر حضرت ایوبؓ نے یہ

آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کر لے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے' دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضورؐ سے ایسے ہی سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو دوسرے نے کہا' میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کر لے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہا ہاں میں نے خود سنا ہے کہا میں نے سنا ہے۔ کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا میں نے تو حضورؐ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اس کے نرخرے میں روح نہ آ جائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔ ابن مردویہ میں مروی ہے کہ جب تک جان نکلتے ہوئے گلے سے نکلنے والی آواز شروع نہ ہو' تب تک توبہ قبول ہے۔ کئی ایک مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون ہے۔ حضرت ابوقلابہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے مہلت طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی' اس کے دل سے نہ نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا' مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں بھی جب تک اس میں روح رہے گی' اس کی توبہ قبول کروں گا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے قریب قریب مروی ہے۔ پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور اسے اپنی زندگی کی امید ہے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے' توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ ہاں جب زندگی سے مایوس ہو جائے' فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے' سینے میں گھٹن لگے' حلق میں اٹکے' سانسوں سے غرغرہ شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا کہ مرتے دم تک جو گناہوں پر اڑا رہے اور موت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (دو آیتوں تک) مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذابوں کا معائنہ کر لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا کوئی نفع نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ الخ مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھ لے گی' اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے' اسے نہ اس کا عمل نفع دے گا نہ اس کا ایمان۔ پھر فرماتا ہے کہ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی ندامت و توبہ کوئی فائدہ نہ دے گی نہ ہی اس کا فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا چاہے زمین بھر کر سونا دینا چاہے۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے' مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے' پوچھا گیا پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا شرک کی حالت میں جان نکل جانا۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت دردناک المناک ہمیشہ رہنے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ
فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝١٩

ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے' اس میں سے کچھ لے لو- ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں' ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بود و باش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے ○

عورت پر ظلم کا خاتمہ: ☆☆ (آیت:۱۹) صحیح بخاری میں ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبل اسلام جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے- اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا- اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دے دیتے- اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے- میکے والوں سے زیادہ اس عورت کے حقدار سسرال والے ہی گنے جاتے تھے- جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی' دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دستبردار ہو جائے یا یونہی بے نکاحی بیٹھی رہے' یہ بھی مروی ہے کہ اس عورت کا خاوند مرتے ہی کوئی بھی آ کر اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور وہی اس کا مختار سمجھا جاتا' تو روایت میں ہے کہ یہ کپڑا ڈالنے والا اسے حسین پاتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا- اگر یہ بدصورت ہوتی تو اسے یونہی روکے رکھتا یہاں تک کہ مر جائے- پھر اس کے مال کا وارث بنتا- یہ بھی مروی ہے کہ مرنے والے کا کوئی گہرا دوست کپڑا ڈال دیتا-

پھر اگر وہ عورت کچھ فدیہ اور بدلہ دے تو وہ اسے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ورنہ یونہی مر جاتی- حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں' اہل مدینہ کا یہ دستور تھا کہ وارث اس عورت کے بھی وارث بن جاتے- غرض یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بڑی بری طرح پیش آتے تھے یہاں تک کہ طلاق دیتے وقت بھی شرط کر لیتے تھے کہ جہاں میں چاہوں تیرا نکاح ہو' اس طرح کی قید و بند سے رہائی پانے کی پھر یہ صورت ہوتی کہ وہ عورت کچھ دے کر جان چھڑاتی' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرما دیا' ابن مردویہ میں ہے کہ جب ابوقیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نے ان کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جیسے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا- اس پر یہ آیت نازل ہوئی' حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی سنبھال پر اسے لگا دیتے تھے- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا- اگر چاہتا خود اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دے دیتا مثلاً بھائی کے بھتیجے یا جس کو چاہے-

حضرت عکرمہؒ کی روایت میں ہے کہ ابوقیس کی جس بیوی کا نام کبیشہ تھا' رضی اللہ عنہا اس نے اس صورت کی خبر حضورؐ کو دی کہ یہ لوگ نہ مجھے وارثوں میں شمار کر کے میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کر لوں- اس پر یہ آیت نازل ہوئی' ایک روایت میں ہے کہ کپڑا ڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے میکے آ جائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی' اسے یہ روکے رکھتے تھے اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مر جائے گی ہم اس سے نکاح کر لیں گے یا اپنے لڑکے سے ان کا نکاح کرا دیں گے' ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ممانعت کر دی اور عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑا دی- واللہ اعلم- ارشاد ہے عورتوں کی بود و باش میں انہیں تنگ کر کے تکلیف دے دے کر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا سارا مہر چھوڑ دیں یا اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا اپنے کسی اور واجبی حق وغیرہ سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ انہیں ستایا اور مجبور کیا جا رہا ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے' دل نہیں ملا' چھوڑ دینا چاہتا ہے تو اس صورت میں حق مہر وغیرہ کے علاوہ بھی تمام حقوق دینے پڑیں گے- اس صورتحال سے بچنے کے لئے اسے ستانا یا طرح طرح سے تنگ کرنا تا کہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ ہو جائے' ایسا رویہ اختیار کرنے سے قرآن پاک نے مسلمانوں کو روک دیا- ابن سلمانیؒ فرماتے ہیں' ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو ختم کرنے اور دوسری امر اسلام کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی' ابن مبارکؒ بھی یہی فرماتے ہیں- مگر

اس صورت میں کہ ان سے کھلی بے حیائی کا کام صادر ہو جائے، اس سے مراد بقول اکثر مفسرین صحابہؓ تابعینؒ وغیرہ زنا کاری ہے، یعنی اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لینا چاہئے اور اسے تنگ کرے تاکہ خلع پر رضامند ہو، جیسے سورۂ بقرہ کی آیت میں ہے وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ الخ یعنی تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ بھی لے لو مگر اس حالت میں کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے فَاحِشَةً مُّبَيِّنَةً سے مراد خاوند کے خلاف کام کرنا، اس کی نافرمانی کرنا، بدزبانی، کج خلقی کرنا، حقوق زوجیت اچھی طرح ادا نہ کرنا وغیرہ ہے، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں آیت کے الفاظ عام ہیں، زنا کو اور تمام مذکورہ عوامل بھی شامل ہیں یعنی ان تمام صورتوں میں خاوند کو مباح ہے کہ اسے تنگ کرے تاکہ وہ اپنا کل حق یا تھوڑا حق چھوڑ دے اور پھر یہ اسے الگ کر دے۔ امام صاحب کا یہ فرمان بہت ہی مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ روایت بھی پہلے گزر چکی ہے کہ یہاں اس آیت کے اترنے کا سبب وہی جاہلیت کی رسم ہے، جس سے اللہ نے منع فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا بیان جاہلیت کی رسم کو اسلام میں سے خارج کرنے کے لئے ہوا ہے۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں، مکہ کے قریش میں یہ رواج تھا کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا، موافقت نہ ہوئی تو اسے طلاق دے دی لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، اس بات پر گواہ مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا۔ اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دوں گا۔ اگر وہ ادا کر دیتی تو خیر ورنہ یونہی اسے قید رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔ اس کی ممانعت اس آیت میں نازل ہوئی، بقول مجاہد رحمتہ اللہ علیہ یہ حکم اور سورۂ بقرہ کی آیت کا حکم دونوں ایک ہی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خوش سلوکی کا رویہ رکھو، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتو۔ نرم بات کہو، نیک سلوک کرو، اپنی حالت بھی اپنی طاقت کے مطابق اچھی رکھو۔ جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے بنی سنوری ہوئی اچھی حالت میں رہے، تم خود اپنی حالت بھی اچھی رکھو جیسے اور جگہ فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔

بہترین زوج محترم: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے والا ہو۔ میں اپنی بیویوں سے بہت اچھا رویہ رکھتا ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف و خوشی، بہت نرم اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، انہیں خوش رکھتے تھے، ان سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے، ان کے دل اپنی مٹھی میں رکھتے تھے، انہیں اچھی طرح کھانے پینے کو دیتے تھے، کشادہ دلی کے ساتھ ان پر خرچ کرتے تھے، ایسی خوش طبعی کی باتیں بیان فرماتے جن سے وہ ہنس دیتیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ آپ نے دوڑ لگائی۔ اس دوڑ میں صدیقہ آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد پھر دوڑ لگی۔ اب کے حضرت عائشہؓ پیچھے رہ گئیں تو آپؐ نے فرمایا معاملہ برابر ہو گیا۔ اس سے بھی آپ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت صدیقہؓ خوش رہیں۔ ان کا دل بہلے، جس بیوی صاحبہ کے ہاں آپ کو رات گزارنی ہوتی، وہیں آپ کی کل بیویاں جمع ہو جاتیں۔ دو گھڑی بیٹھتیں۔ بات چیت ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ ہی حضورؐ رات کا کھانا تناول فرماتے۔ پھر سب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور آپؐ وہیں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی، اپنی بیوی صاحبہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے۔ کرتا نکال ڈالتے صرف تہبند بندھا ہوا ہوتا، عشاء کی نماز کے بعد گھر جا کر دو گھڑی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرتے جس سے گھر والیوں کا جی خوش ہوتا الغرض نہایت ہی محبت پیار کے ساتھ اپنی بیویوں کو آپ رکھتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح راضی خوشی محبت پیار سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فرمانبرداری کا دوسرا نام اچھائی ہے۔ اس کے تفصیلی احکام کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ اسی مضمون کی کتابیں ہیں والحمدللہ۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود جی نہ

چاہنے کے بھی عورتوں سے اچھی بود و باش رکھنے میں بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بھلائی فرمائے۔ ممکن ہے نیک اولاد ہو جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ بہت سی بھلائیاں نصیب کرے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ مومن مرد مومنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہوگا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہوگی۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا
فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰ وَكَيْفَ
تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا
غَلِيْظًا ۝۲۱ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ
اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۲۲ ع ۸ ۱۴

اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو' کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے؟ ○ تم اسے کیسے لے لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیان لے رکھا ہے ○ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا' یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے ○

(آیت: ۲۰-۲۲) پھر فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے چاہے خزانہ کا خزانہ دیا ہوا ہو۔

حق مہر کے مسائل: ☆☆ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں قنطار کا پورا بیان گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر میں بہت سارا مال دینا بھی جائز ہے' امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے پہلے بہت لمبے چوڑے مہر سے منع فرما دیا تھا۔ پھر اپنے قول سے رجوع کیا' جیسے کہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے مہر باندھنے میں زیادتی نہ کرو اگر یہ دنیوی طور پر کوئی بھی چیز ہوتی یا اللہ کے نزدیک یہ تقویٰ کی چیز ہوتی تو تم سب سے پہلے اس پر اللہ کے رسول ﷺ عمل کرتے۔ حضورؐ نے اپنی کسی بیوی کا یا کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا (تقریباً سوا سو روپیہ) انسان زیادہ مہر باندھ کر پھر مصیبت میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کی بیوی اسے بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور اس کے دل میں اس کی دشمنی بیٹھ جاتی ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تو نے میرے کندھے پر مشک لٹکا دی' یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ایک میں ہے کہ آپؓ نے منبر نبویؐ پر کھڑے ہو کر فرمایا' لوگو تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں؟ رسول اللہؐ اور آپ کے زمانہ کے آپ کے اصحاب نے تو چار سو درہم (تقریباً سو روپیہ) مہر باندھا ہے۔ اگر یہ تقویٰ اور کرامت کے زیادہ ہونے کا سبب ہوتا تو تم زیادہ حق مہر ادا کرنے میں بھی ان پر سبقت نہیں لے سکتے تھے؟ خبردار آج سے میں نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا حق مہر مقرر کیا۔ یہ فرما کر آپ نیچے اتر آئے تو ایک قریشی خاتون سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین' کیا آپؓ نے چار سو درھم سے زیادہ حق مہر سے لوگوں کو منع فرما دیا ہے۔ آپ نے فرمایا' ہاں' کہا' کیا آپ نے اللہ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے' نہیں سنا؟ کہا وہ کیا؟ کہا سنئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا الخ' تم نے انہیں خزانہ دیا

ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا' اللہ مجھے معاف فرما' عمرؓ سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے۔ پھر واپس اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا' لوگو میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے۔ اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے' میں نہیں روکتا اور ایک روایت میں اس عورت کا آیت کو اس طرح پڑھنا مروی ہے وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا مِنْ ذَھَبٍ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات میں بھی اسی طرح ہے اور حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا بھی مروی ہے کہ ایک عورت عمرؓ پر غالب آ گئی اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا گو ذی القصہ یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی ہو پھر بھی مہر اس کا زیادہ مقرر نہ کرو اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ زائد رقم میں بیت المال کے لئے لے لوں گا۔ اس پر ایک دراز قد چوڑی ناک والی عورت نے کہا' حضرت آپ یہ حکم نہیں دے سکتے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنی بیوی کو دیا ہوا حق مہر واپس کیسے لے سکتے ہو؟ جبکہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا یا ضرورت پوری کی۔ وہ تم سے اور تم اس سے مل گئے یعنی میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو گئے۔ بخاری ومسلم کی اس حدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا اور حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ بیوی نے بھی اپنے بے گناہ ہونے اور شوہر نے اپنے سچا ہونے کی قسم کھائی۔ پھر ان دونوں کا قسمیں کھانا اور اس کے بعد آپ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ تم دونوں میں سے کون جھوٹا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے؟ تین دفعہ فرمایا تو اس مرد نے کہا میں نے جو مال اس کے مہر میں دیا ہے' اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' اسی کے بدلے تو یہ تیرے لئے حلال ہوئی تھی۔ اب اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو پھر اور ناممکن بات ہو گی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نفرہؓ نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا۔ جب اس سے ملے تو دیکھا کہ اسے زنا کا حمل ہے۔ حضورؐ سے ذکر کیا۔ آپ نے اسے الگ کرا دیا اور مہر دلوا دیا اور عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا جو بچہ ہو گا' وہ تیرا غلام ہو گا اور مہر تو اس کی حلت کا سبب تھا۔

غرض آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ حضرت ابوقیسؓ جو بڑے بزرگ اور نیک انصاری صحابی تھے' ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے نکاح کی خواہش کی جو ان کی سوتیلی ماں تھیں۔ اس پر اس بیوی صاحبہ نے فرمایا' بے شک تو اپنی قوم میں نیک ہے لیکن میں تو تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں۔ خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی ہوں۔ جو وہ حکم فرمائیں' وہ حاضر ہوئیں اور حضورؐ کو ساری کیفیت بیان کی آپؐ نے فرمایا' اپنے گھر لوٹ جاؤ' پھر یہ آیت اتری کہ جس سے باپ نے نکاح کیا' اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے' ایسے واقعات اور بھی اس وقت موجود تھے جنہیں اس ارادے سے باز رکھا گیا۔ ایک تو یہی ابوقیس والا واقعہ' ان بیوی صاحبہ کا نام ام عبیداللہ ضمرہ تھا۔

دوسرا واقعہ خلف کا تھا ان کے گھر میں ابوطلحہ کی صاحبزادی تھیں اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے صفوان نے اسے اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا۔ سہیلی میں لکھا ہے' جاہلیت میں اس نکاح کا معمول تھا جسے باقاعدہ نکاح سمجھا جاتا تھا اور بالکل حلال گنا جاتا تھا۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کو بیان فرما کر بھی یہی کہا گیا' کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا' نصر اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری اوپر کی نسل بھی باقاعدہ نکاح سے ہی ہے نہ کہ زنا سے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ رسم ان میں برابر جاری تھی اور جائز بھی اور اسے نکاح شمار کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جاہلیت والے بھی جن جن رشتوں کو اللہ نے حرام کیا ہے' سوتیلی ماں اور دو بہنوں کو ایک ساتھ

نکاح میں رکھنے کے سوا سب کو حرام ہی جانتے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں رشتوں کو بھی حرام ٹھہرایا۔ حضرت عطا" اور حضرت قتادہ" بھی یہی فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ سہیلی نے کنانہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے' وہ غور طلب ہے' بالکل صحیح نہیں' واللہ اعلم۔ بہرصورت یہ رشتہ امت مسلمہ پر حرام ہے اور نہایت قبیح امر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا' یہ نہایت فحش برا کام' بغض کا ہے۔ دونوں میاں بیوی میں خلوت وصحبت ہو چکی ہے۔ پھر مہر واپس لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

پھر فرمایا کہ عقد نکاح جو مضبوط عہد و پیان ہے' اس میں تم جکڑے جا چکے ہو' اللہ کا یہ فرمان تم سن چکے ہو کہ بساؤ تو اچھی طرح اور الگ کرو تو عمدہ طریقہ سے' چنانچہ حدیث میں بھی ہے کہ تم ان عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیتے ہو اور ان کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کا کلمہ پڑھ کر یعنی نکاح کے خطبہ تشہد سے حلال کرتے ہو' رسول اللہ ﷺ کو معراج والی رات جب بہترین انعامات عطا ہوئے' ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپؐ سے فرمایا گیا' تیری امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک وہ اس امر کی گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے (ابن ابی حاتم)

نکاح کے احکامات: ☆☆ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا' تم نے عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا' ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی مگر طلاق ہو گئی یا باپ مر گیا وغیرہ تو بھی وہ سبب اور براراستہ ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ الخ' یعنی کسی برائی' بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔ اور فرمان ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ الخ' زنا کے قریب نہ جاؤ۔ یقیناً وہ فحش کام اور بری راہ ہے۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ کام بڑے بغض کا بھی ہے یعنی فی نفسہ بھی بڑا برا امر ہے۔ اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی قائم ہو جاتی ہے' یہی مشاہدہ میں آیا ہے اور عموماً یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے دوسرا نکاح کرتا ہے' وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی بیویاں امہات المومنین قرار دی گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں کیونکہ وہ نبی ﷺ کی بیویاں ہیں اور آپ مثل باپ کے ہیں بلکہ اجماعاً ثابت ہے کہ آپؐ کے حق' باپ دادا کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپؐ کی محبت خود جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ کے بغض کا موجب ہے اور براراستہ ہے۔ اب جو ایسا کام کرے' وہ دین سے مرتد ہے' اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور فے کے داخل کر لیا جائے' سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کے مال پہ قبضہ کر لو۔

حضرت براابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمیر اپنے ہاتھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گذرے۔ میں نے پوچھا کہ چچا حضورؐ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے۔ مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں (مسند احمد)

سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے: ☆☆ مسئلہ ☆☆ اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے' خواہ ملکیت میں لا کر' خواہ شبہ سے' وہ عورت بیٹے پر حرام ہے' ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو تو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضا دیکھے ہوں جن

کا دیکھنا اجنبی ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتاتے ہیں' حافظ ابن عساکر کے اس واقعہ سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصی نے جو حضرت معاویہؓ کے مولی تھے' حضرت معاویہؓ کے لئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوبصورت تھی۔ اسے برہنہ ان کے پاس بھیج دیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے' اچھا نفع تھا اگر یہ ملبوس ہوتی' پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ۔ پھر کہا نہیں نہیں ٹھہرو۔ ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ' یہ بڑے فقیہہ تھے' جب آئے تو حضرت معاویہؓ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضا دیکھے ہیں' یہ برہنہ تھی اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟ حضرت ربیعہؓ نے فرمایا' امیر المومنین ایسا نہ کیجئے' یہ اس کے قابل نہیں رہی' فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو' اچھا جاؤ' عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو بلا لاؤ' وہ آئے وہ تو گندم گوں رنگ کے تھے' اس سے حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔ اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تا کہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو' یہ عبداللہ بن مسعدہؓ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو دیا تھا۔ آپ نے انہیں پالا پرورش کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آزاد کر دیا۔ پھر یہ حضرت معاویہؓ کے پاس چلے آئے تھے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ
وَبَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ
مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ
نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا
بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۳

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گودیوں میں ہیں۔ تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے دخول کر چکے ہو' ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں' اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کو جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

کون سی عورتیں مردوں پر حرام ہیں؟ ☆☆ (آیت: ۲۳) نسبی' رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں' ان کا بیان آیہ کریمہ میں ہو رہا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سات عورتیں بوجہ نسب حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی جس میں بہن کی لڑکیوں تک نسبی رشتوں کا ذکر ہے۔ جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو' وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہی مذہب ابوحنیفہ'

مالک اور احمد بن حنبلؒ کا ہے امام شافعی سے کچھ اس کی اباحت میں بھی بحث کی گئی ہے اس لئے کہ شرعاً یہ بیٹی نہیں پس جیسے کہ ورثے کے حوالے سے یہ بیٹی کے حکم سے خارج ہے اور ورثہ نہیں پاتی' اسی طرح اس آیت حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم (صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے' اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے' رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے ہے' بعض فقہا نے اس میں سے چار صورتیں' بعض نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کی فروع کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن تحقیق بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں۔ اس لئے کہ اسی کے مانند بعض صورتیں نسبت میں بھی پائی جاتی ہیں' اور ان صورتوں میں سے بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں لہذا احادیث پر اعتراض خارج از بحث ہے۔ والحمدللہ۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے' بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں۔ دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو گئی۔ امام مالکؒ یہی فرماتے ہیں۔ ابن عمرؓ سعید بن مسیب' عروہ بن زبیر اور زہری رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے۔ بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پئے تو حرمت ثابت ہو گئی' جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام احمد' اسحاق بن راہویہ' ابوعبیدہ' ابوثور رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت ام الفضلؓ' حضرت ابن زبیرؓ' سلیمان بن یسار' سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے کم نہیں۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا۔ پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضورؐ کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا۔ دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت سالمؓ کو جو حضرت ابوحذیفہؓ کے مولی تھے' پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں' حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں' اسے یہی حکم دیتیں۔ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے (مترجم کی تحقیق میں بھی راجح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم) یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو' اس کا مفصل بیان آیت حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور ائمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضاعی باپ تک نہیں پہنچے گا۔ اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر (صحیح قول جمہور کا ہے۔ واللہ اعلم مترجم)

پھر فرماتا ہے' ساس حرام ہے۔ جس لڑکی سے نکاح ہوا' مجرد نکاح ہونے کے سبب اس کی ماں اس پر حرام ہو گئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے' ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہو گی۔ اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں' اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی۔ بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور اس کی پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں' صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوتی ہے نہ عورت کی بیٹی' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس

شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا' پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جیسے کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک اور روایت میں بھی آپ سے مروی ہے' آپ فرماتے تھے' جب وہ عورت غیر مدخولہ مر جائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے نکاح کر سکتا ہے' حضرت ابوبکر بن کنانہ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا۔ اس کی بیوی یعنی میری ساس بیوہ ہو گئی' وہ بہت مالدار تھیں' میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس کی ماں سے نکاح کر لوں۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا' تمہارے لئے یہ جائز ہے۔ پھر میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں' میں نے اپنے والد سے ذکر کیا' انہوں نے تو امیر معاویہ کو ہی سوال کیا حضرت امیر معاویہؓ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کو حرام تم جانو اور تمہارا کام۔ تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں' غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے۔ اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے' حضرت مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے' ابن جبیرؒ اور حضرت ابن عباسؓ بھی اسی طرف گئے ہیں' حضرت معاویہؓ نے اس میں توقف فرمایا ہے۔ شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد بن صابونی سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنوکمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس کی بیوہ ماں کے حسن پر فریفتہ ہوا تو حضرت ابن مسعودؓ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں چنانچہ آپ واپس کوفے گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے۔ یہ تجھ پر حرام ہے اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا۔ جمہور علماء اس طرف ہیں۔ لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں۔ چونکہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا۔ حضرت ابن مسعود' عمران بن حصین' مسروق' طاؤس' عکرمہ' حسن' مکحول' ابن سیرین' قتادہ اور زہری رحمہم اللہ اجمعین سے بھی اسی طرح مروی ہے' چاروں اماموں' ساتوں فقہا اور جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے والحمدللہ۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں' ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو ساس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لئے یہ شرط لگائی ہے پھر اس پر اجماع ہے جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز نہیں جبکہ اس پر اتفاق ہو اور ایک غریب حدیث میں بھی یہ مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جبکہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے' اگر اس نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے' پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے' گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اسکی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد

دوسری گواہی کی ضرورت نہیں (ٹھیک مسئلہ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں، وہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو۔ جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلی ہوں حرام ہیں چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں۔ اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے یہ کوئی قید نہیں جیسے اس آیت میں ہے وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو۔ یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے۔ یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری پر آمادہ کرو۔ اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں چاہے نہ ہوں، پھر بھی حرام ہی ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے کہا، یا رسول اللہ آپ میری بہن ابوسفیان کی لڑکی عزہ سے نکاح کر لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تم یہ چاہتی ہو؟ ام المومنین نے کہا، ہاں میں آپ کو خالی تو رکھ نہیں سکتی، پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ نے فرمایا، سنو مجھ پر وہ حلال نہیں، ام المومنین نے کہا، میں نے تو سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ سے ہے؟ کہاں ہاں۔ فرمایا اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ربیبہ ہے جو میرے ہاں پرورش پا رہی ہے۔ دوسری یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی میری بھتیجی ہیں۔ مجھے اور اس کے باپ ابوسلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے۔ خبردار اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر میرا نکاح ام سلمہ سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھیں یعنی صرف نکاح کو آپ نے حرمت کا اصل قرار دیا، یہی مذہب چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں اور جمہور سلف و خلف کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پرورش پاتی ہو تو بھی حرام ہے ورنہ نہیں۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثانؒ فرماتے ہیں، میری بیوی اولاد چھوڑ کر مر گئیں۔ مجھے ان سے بہت محبت تھی۔ اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ حضرت علیؓ سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے پہلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے؟ میں نے کہا، ہاں ایک لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے۔ فرمایا، پھر اس سے نکاح کر لو۔ میں نے قرآن کریم کی آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ بقول تمہارے طائف میں رہتی ہے، تیرے پاس ہے ہی نہیں گو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ قول بالکل غریب ہے، حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی قول بتایا ہے، ابن حزمؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ نسبی نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات شیخ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا۔ واللہ اعلم۔ حجور سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ ہاں جو کنیز ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہوگی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا، میں اسے پسند نہیں کرتا، اس کی سند منقطع ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے، ایک آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے، دوسری آیت سے حرام، اس لئے میں تو ایسا ہرگز نہ کروں، شیخ ابوعمر بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے، پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بناء پر وطی کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دے دیا ہے۔ یہ آیت ملاحظہ ہو اور علماء کے نزدیک ملکیت احکام نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے کی جاتی ہے لیکن ائمہ فتاویٰ اور ان کے

تابعین میں سے کوئی بھی اس پر متفق نہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اس طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے' سب حرام ہیں' حضرت ابوالعالیہؒ سے بھی اسی طرح یہ روایت قتادہ سے مروی ہے۔ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ سے مراد حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں' ان سے نکاح کرنا ہے' حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دیئے جائیں' کپڑا ہٹا دیا جائے۔ چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے۔ ابن جریجؒ نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہوا ہو' فرمایا وہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہو گئی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے سے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہے تو تمام کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہو گی تاوقتیکہ یہ کہ جماع نہ ہوا ہو۔ پھر فرمایا تمہاری بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں' ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے سسر پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ الخ' یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے' حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی' اس پر یہ آیت اور آیت وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اور آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ نازل ہوئیں یعنی بے شک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے۔ تمہارے لے پالک لڑکے شرعاً تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں۔ آنحضرت ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں' حسن بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں' تمہاری ساسیں۔ حضرت طاؤس' ابراہیم زہری اور مکحول رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ میرے خیال میں مبہم سے مراد عام ہیں یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں ہی شامل ہیں اور صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ رضاعی بیٹے کی حرمت کیسے ثابت ہو گی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا رضاعت' سے وہ حرام ہے جو نسبت سے حرام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے۔ اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت وطی حرام ہے مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا' اس سے ہم درگزر کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں جیسے اور جگہ ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ① یعنی وہاں موت نہیں آئے گی۔ ہاں پہلی موت جو آنی تھی سو آ چکی تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحابہ' تابعین' ائمہ اور سلف و خلف کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا۔ حضرت فیروزؓ فرماتے ہیں' میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں۔ پس آنحضرتؐ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دو (مسند احمد) ابن ماجہ' ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' ترمذی میں بھی یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دے دو۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابوخراش کا ایسا واقعہ بھی مذکور ہے' ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز کی کنیت ابوخراش ہو اور یہ

واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے۔

حضرت دیلمی نے رسول مقبول ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ان سے جسے چاہو ایک کو طلاق دے دو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد ضحاک بن فیروز ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یہ یمن کے ان سرداروں میں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متنبی ملعون کو قتل کیا چنانچہ دو لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہوں' ایک ساتھ جمع کرنا' ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتایا۔ سائل نے کہا قرآن میں جو ہے اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی وہ جو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا' تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہور کا قول بھی یہی مشہور ہے اور ائمہ اربعہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے' دوسری حرام میں تو اس سے منع کرتا ہوں۔ سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابیؓ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا' انہوں نے فرمایا' اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرتناک سزا دیتا' حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں' میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً علیؓ تھے۔ حضرت زبیرؓ بن عوام سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔

استذکار ابن عبدالبر میں ہے کہ اس واقعہ کے راوی قبیصہ بن ذویب نے حضرت علیؓ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا۔ حضرت الیاس بن عامرؓ کہتے ہیں' میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں' دونوں آپس میں سگی بہنیں ہیں' ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے۔ اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے' اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمایئے شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا۔ پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو۔ اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرا دوں' پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا' دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے' وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے تو وہ پھر لوٹ کر تمہاری طرف آ جائے گی اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا' سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت و حرمت کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں اور دودھ پلائی کے رشتہ سے بھی اس رشتہ کی وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں (اس کے بعد تفسیر ابن کثیر کے اصل عربی نسخے میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت یوں ہوں گی کہ یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق سے یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لئے سفر کر کے آئے اور سن کے جائے تو بھی اس کا سفر اس کے لئے سودمند رہے گا اور اس نے گویا بہت سستے داموں بیش بہا چیز حاصل کی۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا' دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں' ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ہوتا ہے اور دوسری سے حلال' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن انہیں خود آپس میں جو قرابت ہو اس سے مجھ پر حرام نہیں ہوتیں' جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو جو

ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا وہ حرام نہیں سمجھتے تھے لیکن اسلام نے آ کر ان دونوں کو بھی حرام قرار دیا۔ اس وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرما دیا کہ جو نکاح ہو چکے وہ ہو چکے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں ہاں تعداد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے۔ لونڈیوں کے لئے یہ حد نہیں حضرت شعبی بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابو عمرؒ فرماتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے وہی سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں سے حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں لیکن اولاً تو اس کی نقل میں خود انہی حضرات سے بہت کچھ اختلاف ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار پختہ کار علماء کرام نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا حجاز عراق شام بلکہ مشرق و مغرب کے تمام فقہا اس کے مخالف ہیں سوائے ان چند کے جنہوں نے الفاظ کو دیکھ کر سوچ سمجھ اور غور و خوض کئے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس اجماع کی مخالفت کی ہے۔ کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے دو لونڈیوں کو بھی جو آپس میں بہنیں ہوں بہ وجہ ملکیت کے ایک ساتھ نکاح میں نہیں لا سکتے اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں بیٹی بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں۔ ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی جنسی اختلاط حرام ہے غرض نکاح اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں نہ ان سے نکاح کر کے میل جول حلال نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال۔ اسی طرح ٹھیک یہی حکم ہے کہ دو بہنوں کے جمع کرنے ساس اور دوسرے خاوند سے اپنی عورت کی لڑکی ہو اس کے بارے میں خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی دلیل ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے اور الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کہہ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام۔

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۵

چند اہم مضامین کی فہرست

- آزاد عورتوں سے نکاح اور کنیزوں سے متعلق ہدایات ۵۷۵
- پچاس سے پانچ نمازوں تک ۵۸۰
- خرید و فروخت اور اسلامی قواعد و ضوابط ۵۸۰
- احترام زندگی ۵۸۲
- سات کبیرہ گناہ ۵۸۳
- مسئلہ وراثت میں مولی؟ وراث اور عصبہ کی وضاحت و اصلاحات ۵۹۰
- مرد عورتوں سے افضل کیوں؟ ۵۹۲
- حقوق العباد اور حقوق اللہ ۵۹۵
- اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ سے کترانے والے بخیل لوگ! ۵۹۸
- بتدریج حرمت شراب اور پس منظر ۶۰۳
- آداب مسجد اور مسائل تیمم ۶۰۵
- یہودیوں کی ایک مذموم خصلت ۶۱۱
- قرآن حکیم کا اعجاز تاثیر ۶۱۳
- منہ پر تعریف و توصیف کی ممانعت ۶۱۲
- یہودیوں کی دشمنی کی انتہا اور اس کی سزا ۶۲۰
- عذاب کی تفصیل اور نیک لوگوں کا انجام بالخیر ۶۲۰
- امانت اور عدل و انصاف ۶۲۱
- مشروط اطاعت امیر ۶۲۳
- حسن سلوک اور دوغلے لوگ ۶۲۷
- اطاعت رسول ﷺ ہی ضامن نجات ہے ۶۲۸
- طاقتور اور متحد ہو کر زندہ رہو ۶۳۴
- شیطان کے دوستوں سے جنگ لازم ہے ۶۳۵
- اولین درس صبر و ضبط ۶۳۶
- موت سے فرار ممکن نہیں ۶۳۷
- ظاہر و باطن نبی اکرم ﷺ کا مطیع بنالو ۶۱۴
- کتاب اللہ میں اختلاف نہیں ہمارے دماغ میں فتور ہے ۶۴۲
- حکم جہاد امتحان ایمان ہے! ۶۴۴
- سلام کہنے والے کو اس سے بہتر جواب دو ۶۴۵
- منافقوں سے ہوشیار رہو ۶۴۶
- قتل مسلم، قصاص و دیت کے مسائل اور قتل خطا ۶۴۹
- مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل ناقابل معافی جرم ہے ۶۵۵
- مجاہد اور عوام میں فرق ۶۵۷
- صلوٰۃ خوف کے مسائل ۶۶۵
- حقیقت چھپ نہیں سکتی ۶۷۰
- سچی توبہ کبھی مسترد نہیں ہوتی ۶۷۲
- مشرک کی پہچان اور ان کا انجام ۶۷۵
- مصائب گناہوں کا کفارہ ۶۷۸
- یتیموں کے مربیوں کی گوشمالی اور منصفانہ احکام ۶۸۳
- میاں بیوی میں صلح و خیر کا اصول ۶۸۴
- مانگو تو صرف اللہ اعلیٰ و اکبر سے مانگو ۶۸۶
- انصاف اور سچی گواہی تقوے کی روح ہے ۶۸۸
- ایمان کی تکمیل مکمل اطاعت میں مضمر ہے ۶۸۹
- صحبت بد سے بچو ۶۹۰
- عمل میں صفر دعویٰ میں اصلی مسلمان ۶۹۱
- کافر سے دوستی آگ سے دوستی کے مترادف ہے ۶۹۴

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں' اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں' ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے' پس جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو' اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے ○

میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں اور متعہ: ☆☆ (آیت:۲۴) یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں ہاں کفار عورتیں جو میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں' مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قید ہو کر ایسی عورتیں آئیں جو خاوندوں والیاں تھیں تو ہم نے نبی ﷺ سے ان کی بابت سوال کیا تب یہ آیت اتری - ہم پر ان سے ملنا حلال کیا گیا -

ترمذی' ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے' طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے' سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کامل کے مترادف ہے' ابراہیمؒ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند والی لونڈی بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حقدار اس کا مالک ہے' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت جابر بن عبداللہؓ' حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں' بیچنا بھی طلاق ہے' آزاد کرنا بھی' ہبہ کرنا بھی' برات کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں - چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں - مترجم) -

حضرت ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے لیکن لونڈیوں کی طلاق ان کا بک جانا ہے' حضرت معمرؒ اور حضرت حسنؒ بھی یہی فرماتے ہیں ان بزرگوں کا تو یہ قول ہے لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال کر بیچ رہا ہے' ان کی دلیل حضرت بریرہؓ والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح مغیث سے فسخ نہیں ہوا - رسول اللہ ﷺ نے انہیں فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا' اور حضرت بریرہؓ نے فسخ کرنے کو پسند کیا - یہ واقعہ مشہور ہے' پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت ﷺ حضرت بریرہؓ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا

اختیار نہ دیتے۔ اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محصنات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عفیفہ عورتیں جو تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور گواہ اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار، ابوالعالیہؒ اور طاؤسؒ یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبید فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں۔ ہاں کنیزوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حرمت اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دی ہے یعنی چار کی۔ پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو۔ اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا، ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں۔ ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطاؒ کا قول ہے۔ حضرت قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں۔ یہی آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو، چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہو بہ طریق شرع۔ اسی لئے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لئے اور صرف شہوت رانی مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ، ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو، جیسے اور آیت میں ہے وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لو گے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو۔ اور فرمایا وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو۔ اور جگہ فرمایا وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا الخ، تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے۔

اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے۔ بے شک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا، امام شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔ پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے، ابن عباسؓ ابی بن کعبؓ سعید بن جبیرؒ اور سدیؒ سے مِنْهُنَّ کے بعد اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى کی قرات مروی ہے، مجاہدؒ فرماتے ہیں، یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی ہے، لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اسکا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا۔ اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی، یاد رکھو بے شک اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔ جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے حجتہ الوداع میں یہ فرمایا تھا، یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے، جن کی تفصیل

کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضامندی کچھ طے کرلو تو کوئی حرج نہیں۔ اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے' پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو' اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں۔

سدیؒ کہتے ہیں' اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے' وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہہ دے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں' پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا لئے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں۔ وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کرلے گی۔ ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث۔ نہ یہ مرد اس عورت کا' اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کے مصداق کہا ہے' ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکیداً بیان ہو رہی ہے۔ جیسے فرمایا' مہر بہ آسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے' معاف کردے' اس سے دستبردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ مہر مقرر کر دیتے ہیں۔ پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے' امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کردے۔ پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم و حکیم ہے' ان احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں' جو حکمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ
اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ
فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۳

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کرلے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے' تم سب آپس میں ایک ہی ہو' تو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور قاعدے کے مطابق ان کے مہر انہیں دو۔ وہ پاک دامن ہوں نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں' جب یہ لونڈیاں نکاح میں آ گئیں' پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ کنیزوں کے نکاح کا حکم تم میں سے ان کے لئے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے' اللہ تعالیٰ بڑا

بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے ○

آزاد عورتوں سے نکاح اور کنیزوں سے متعلق ہدایات: ☆☆ (آیت: ۲۵) ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت وقدرت نہ ہو، ربیعہ فرماتے ہیں طَوْلُ سے مراد قصد وخواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش، ابن جریرؒ نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے خود ہی توڑ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کی ملکیت میں جو لونڈیاں ہیں، ان سے وہ نکاح کر لیں، تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر واضح ہے، تم حقائق کو صرف سطحی نگاہ سے دیکھتے ہو، تم سب آزاد اور غلام ایمانی رشتے میں ایک ہو، لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا، اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ہے جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے، وہ زانی ہے، ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرائے جو عورت کا نکاح کرا سکتا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے عورت عورت کا نکاح نہ کرائے نہ عورت اپنا نکاح کرائے۔ وہ عورتیں زنا کار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتی ہیں۔

پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو، گھٹا کر، کم کر کے، تکلیف پہنچا کر، لونڈی سمجھ کر، کمی کر کے نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف از خود مائل نہ ہوں نہ ایسی ہوں کہ اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں یعنی نہ تو اعلانیہ زنا کار ہوں نہ خفیہ بدکردار ہوں کہ ادھر ادھر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چاپ دوست آشنا بناتی پھریں۔ جو ایسی بداطوار ہوں، ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے أُحْصِنَّ کی دوسری قرات أَحْصَنَّ بھی ہے، کہا گیا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے، یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح والی ہو جانا ہے، ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان کا احصان اسلام اور عفت ہے لیکن یہ حدیث منکر ہے۔ اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں، ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی۔ دوسرا قول یعنی احصان سے مراد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، طاؤسؒ، سعید بن جبیرؒ، حسنؒ، قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ابو علی طبری نے اپنی کتاب ایضاح میں یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے، اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کر لے۔

ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے، شعبیؒ اور نخعیؒ بھی یہی کہتے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قراتوں کے اعتبار سے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ أُحْصِنَّ سے مراد تو نکاح ہے اور أَحْصَنَّ سے مراد اسلام ہے، امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہے۔ واللہ اعلم، اس لئے کہ سیاق آیات کی دلالت اسی پر ہے ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے۔ بہر دو صورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں بھی اشکال باقی ہے اس لئے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہو، شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہو، باوجود یہ کہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو پس اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جمہور کا قول ہے کہ بے شک ''جو بولا گیا'' مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے، اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا، لوگو اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو خواہ وہ محصنہ ہوں، یا نہ ہوں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا، چونکہ وہ نفاس میں تھی، اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مر نہ جائے چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا،

تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا''۔

مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں' میں نے حضورؐ سے سنا فرماتے تھے جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے۔ پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگرچہ ایک رسی کے ٹکڑے کے بدلے ہی ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے۔ عبداللہ بن عباش بن ابوربیعہ فخرومی فرماتے ہیں کہ ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امارت کی لونڈیوں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا۔ ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا صرف بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے۔ ابن عباسؓ اسی طرف گئے ہیں۔ طاؤس' سعید' ابوعبید داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ محض حجت ہے اس لئے ان کے نزدیک ایک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے اور ابوہریرہ اور زید بن خالد کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور وہ محصنہ نہ ہو یعنی اس کا نکاح نہ ہوا ہو تو کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا' اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ' پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ' پھر بیچ ڈالو گو ایک رسی کے ٹکڑے کے قیمت ہی پر کیوں نہ بیچنا پڑے' راوی حدیث ابن شہابؒ فرماتے ہیں' میں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔

پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں کی حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرما دیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے۔ پس آیت وحدیث میں اس طرح تطبیق دینا واجب ہو گئی۔ واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباسؓ نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے یعنی جب تک نکاح والی نہ ہو جائے پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے۔ یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں' اسے مرفوع کہنا خطا ہے' یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ بیہقی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ والی حدیثیں ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث دوسرے واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ ہو۔ اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے اور ایک والی پر دو والی مقدم ہے اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابیؓ تھے' روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ۔ پھر جب زنا کرے تو کوڑے مارو پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔ پھر جب زنا کرے تو بیچ دو اگرچہ ایک رسی کے ٹکڑے بدلے ہی بیچنا پڑے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق کر دیا ہو اور اس نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے' جو بیمار زانی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا گیا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے

جس نے اپنی بیوی کی اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسے بیوی نے اس کے لئے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے کہ امام احمد وغیرہ سلف کا خیال ہے- حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے اور بیاہے ہوئے کو رجم- واللہ اعلم-

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا' اسے زنا پر مارا نہ جائے' اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں- ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ' تو یہ قول بالکل غریب ہے' ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو- دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے- اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا کی جائے- پس یہ قیاس حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا- واللہ اعلم- تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں دلالت ہے کہ محصنہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے لیکن محصنہ ہونے سے پہلے کتاب وسنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مارے جائیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ یعنی زنا کار عورت زنا کار مرد کو ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور جیسے حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میری بات لے لو' میری بات سمجھ لو' اللہ نے ان کے لئے راستہ نکال لیا- اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا- یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے اور اسی طرح کی اور حدیثیں بھی ہیں-

حضرت داؤد بن علی ظاہریؒ کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے- اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محصنہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب بیان فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محصنہ نہ ہوں' اس سے بھی زیادہ سزا کی سزاوار وہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ حالانکہ قاعدہ شریعت یہ ہے کہ احصان سے پہلے کم سزا ہے اور احصان کے بعد زیادہ سزا ہے- پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ دیکھئے شارع علیہ السلام سے آپ کے صحابہ غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ انہیں جواب دیتے ہیں کہ اسے کوڑے مارو لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ پس اگر اس کا حکم وہی ہوتا جو داؤدؒ سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضورؐ پر واجب تھا- اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے کوڑے مارنے کا بیان نہیں ورنہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے- وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا- اگر یہ آیت اتری ہوئی نہ ہوتی لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو انہیں ہو چکا تھا اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضورؐ سے آپ پر درود پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو-

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا نازل ہوا اور صلوٰۃ و سلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہؓ نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں' صلوٰۃ کی کیفیت بیان فرمائیں- پس ٹھیک اسی طرح یہ سوال ہے- مفہوم آیت کا چوتھا جواب ابو ثورؒ کا ہے جو داؤدؒ کے جواب سے زیادہ بودا ہے' وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زنا کاری کی حد ان پر آدھی ہے- اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زنا کاری کی حد تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں-

پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خلاف ہے بلکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں' کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں' اس لئے کہ آیت کی دلالت کرتی ہے کہ ان پر

محصنات کا نصف عذاب ہے اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے، وہ عہد کا ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع میں ہے، اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ میں گزر چکا ہے اور مراد صرف آزاد عورتیں ہیں۔ اس وقت یہاں آزاد عورتوں کے نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں۔ بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زناکاری کو جو حد سزا تھی، اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں کہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے۔ رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس کے حصے نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔

پھر مسند احمد میں ایک واقعہ ہے جو ابو ثور کے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے، اس میں ہے کہ اس میں صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زناکاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا جس کا دعویٰ زانی نے کیا۔ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اس کا تصفیہ سونپا، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے۔ بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے۔ پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مفہوم سے تنبیہ ہے۔ اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ پر یعنی جبکہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے آدھی حد ہے۔ پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد نکاح، دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے، صاحب مصباح یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں، امام بیہقی اپنی کتاب سنن و آثار میں بھی اسے لائے ہیں لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے۔ اس طرح کہ آدھی حد کی دلیل صرف آیت ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے علاوہ میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے۔ اس لونڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے۔ ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار ہے بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں، اور اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لونڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگو اپنے ماتحتوں پر حدیں جاری کرو، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور وہ عام حدیثیں جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوندوں والی اور خاوندوں کے بغیر کوئی تفصیل نہیں، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل پکڑی ہے، یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے (ملخص)۔ الغرض لونڈی کی زناکاری کی حد میں کئی قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا، اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہو جانے کے بعد بھی یہی حد رہے گی اور اسے جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جلاوطنی ہوگی، دوسرے یہ کہ نہ ہوگی۔ تیسرے یہ کہ جلاوطنی میں آدھے سال کو ملحوظ رکھ جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا، پورے سال کا نہیں، پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے۔

یہ تینوں قول امام شافعیؒ کے مذہب میں ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے۔ وہ حد میں سے نہیں، امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلاوطنی دے یا نہ دے، مرد و عورت سب اسی حکم میں داخل ہیں، ہاں امام مالکؒ کے مذہب میں ہے کہ جلاوطنی صرف مردوں کے لئے ہے، عورتوں پر نہیں اس لئے کہ جلاوطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا گیا تو حفاظت

میں سے نکل جائے گی اور رمردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالے کی حدیث صرف حضرت عبادہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی' حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری) اس سے معنی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے اور عورت کو وطن سے نکال جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لونڈی کو اس کی زناکاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب سکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا جیسے حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہئے تو یہ محض تاویل ہی ہوگی ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے جو یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کہ داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابو ثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمان ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ان شرائط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے لئے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد اس پر بہت شاق گزر رہا ہو اور اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہو تو بیشک اسے پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی' وہ اس کے مالک کی لونڈی غلام ہوگی۔ ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔

پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ اس وقت جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ ہی رکے رہنے کی طاقت ہو بلکہ زنا واقع ہو جانے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے۔ دوسرے ایک طرح ہے کہ آزاد عورت کو چھوڑ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔ ہاں جمہور کے مخالف امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں' یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو' اسے لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ وہ لونڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو۔ چاہے اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو اس کی بڑی دلیل یہ آیت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں' یہ آیت عام ہے جس میں آزاد اور غیر آزاد سب ہی شامل ہیں اور محصنات سے مراد پاکدامن باعصمت عورتیں ہیں لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ
يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ
الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ
عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ چلائے اور تم پر اپنی رحمت لوٹائے' اللہ تعالیٰ پورے علم وحکمت والا ہے ○ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں ○ وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بالکل تخفیف کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ○

پچاس سے پانچ نمازوں تک: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۸) فرمان ہوتا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہے کہ حلال وحرام تم پر کھول کھول کر بیان فرما دے جیسے کہ اس سورۃ میں اور دوسری سورتوں میں اس نے بیان فرمایا۔ وہ چاہتا ہے کہ سابقہ لوگوں کی قابل تعریف راہیں تمہیں سمجھا دے تاکہ تم بھی اس کی اس شریعت پر عمل کرنے لگ جاؤ جو اس کی محبوب اور اس کی پسندیدہ ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرما لے۔ جس گناہ سے' جس حرام کاری سے تم توبہ کرو' وہ فوراً قبول فرما لیتا ہے۔

وہ علم وحکمت والا ہے' اپنی شریعت' اپنے اندازے' اپنے کام اور اپنے فرمان میں وہ صحیح علم اور کامل حکمت رکھتا ہے۔ خواہش نفسانی کے پیروکار یعنی شیطانوں کے غلام یہود ونصاریٰ اور بدکار لوگ تمہیں حق سے ہٹانا اور باطل کی طرف جھکانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے حکم احکام میں یعنی روکنے اور ہٹانے میں شریعت اور اندازہ مقرر کرنے میں تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے اور اسی بناء پر چند شرائط کے ساتھ اس نے لونڈیوں سے نکاح کر لینا تم پر حلال کر دیا۔ انسان چونکہ پیدائشی کمزور ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں کوئی سختی نہیں رکھی۔ یہ فی نفسہ بھی کمزور' اس کے ارادے اور حوصلے بھی کمزور' یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور' یہاں آ کر بالکل بے وقوف بن جانے والا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے لوٹے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ آپ پر کیا فرض کیا گیا؟ فرمایا' ہر دن رات میں پچاس نمازیں تو کلیم اللہ نے فرمایا' واپس جایئے اور اللہ کریم سے تخفیف طلب کیجئے۔ آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔ میں اس سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں' وہ اس سے بہت کم میں گھبرا گئے تھے اور آپ کی امت تو کانوں' آنکھوں اور دل کی کمزوری میں ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے چنانچہ آپ واپس گئے' دس معاف کرا لائے' پھر بھی یہی باتیں ہوئیں' پھر گئے' پھر دس ہوئیں یہاں تک کہ آخری مرتبہ پانچ رہ گئیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو! مت کھاؤ اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ ہو خرید وفروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے ○

خرید وفروخت اور اسلامی قواعد وضوابط؟ ☆☆ (آیت:۲۹) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خوری' قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کی حیلہ سازی چاہے اسے جواز کی شرعی صورت دے دی ہو۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت کر دی یعنی

اسے باطل مال میں شامل کیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں، یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہو سکتی ہے، آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ہاں کھانا چھوڑ دیا جس پر یہ آیت لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى اتری تِجَارَةً کو تِجَارَةٌ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ استثنا منقطع ہے گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت والے اسباب سے مال نہ لو۔ ہاں شرعی طریق پر تجارت سے نفع اٹھانا جائز ہے جو خریدار اور بیچنے والے کی باہم رضامندی سے ہو۔ جیسے دوسری جگہ ہے کہ کسی بے گناہ جان کو نہ مارو ہاں حق کے ساتھ ہو تو جائز ہے اور جیسے دوسری آیت میں ہے، وہاں موت نہ چکھیں گے مگر پہلی بار کی موت۔ حضرت امام شافعیؒ اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں، خرید و فروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے۔ گو صرف لین دین کر لینا کبھی کبھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا اور جمہور اس کے برخلاف ہیں، تینوں اور اماموں کا قول ہے، جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے، اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں، کم قیمت کی معمولی چیزوں میں تو صرف دینا لینا ہی کافی ہے اور اسی طرح بیوپار کا جو طریقہ بھی ہو لیکن صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے۔ واللہ اعلم۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں، خرید و فروخت ہو یا بخشش ہو، سب کے لئے حکم شامل ہے۔ ابن جریرؒ کی مرفوع حدیث میں ہے، تجارت ایک دوسرے کی رضامندی سے ہی لین دین کرنے کا نام ہے گویا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو تجارت کے نام سے دھوکہ دے، یہ حدیث مرسل ہے، پوری رضامندی میں مجلس کے خاتمہ تک کا اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں دونوں بائع مشتری جب تک جدا نہ ہوں بااختیار ہیں۔ بخاری شریف میں ہے، جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو دونوں کو الگ الگ ہونے تک مکمل اختیار ہوتا ہے۔ اسی حدیث کے مطابق امام احمدؒ امام شافعیؒ اور ان کے سب ساتھیوں جمہور سلف و خلف رحمھم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے اور اس پوری رضامندی میں شامل ہے۔ خرید و فروخت کے تین دن بعد تک اختیار دینا رضامندی میں شامل ہے بلکہ یہ مدت گاؤں کی رسم کے مطابق سال بھر کی بھی ہو سکتی ہے، امام مالکؒ کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ شافعی مذہب کا بھی یہی خیال ہے اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لئے رکھتے ہوں، صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار سے مراد یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اور اس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کا بے جا طور پہ پر پہ مال کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، اللہ تم پر رحیم ہے، ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور جو شخص کرے گا یہ سرکشی اور ظلم تو عنقریب ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ○ اگر تم بچتے رہو گے، ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے ○

احترام زندگی: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۱) مسند احمد ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذات السلاسل والے سال رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا۔ سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ مجھے نہانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو گیا تو میں نے تیمم کر کے اپنی جماعت کی صبح کی نماز پڑھی۔ جب وہاں سے ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ میں نے کہا، حضور جاڑا سخت تھا اور مجھے اپنی جان جانے کا اندیشہ تھا تو مجھے یاد پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اپنے تئیں ہلاکت نہ کر ڈالو اللہ رحیم ہے، پس میں نے تیمم کر کے نماز صبح پڑھا دی تو آپ ہنس دیئے اور مجھے کچھ نہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ اور لوگوں نے حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تب آپ کے دریافت کرنے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے عذر پیش کیا۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا، وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مر جانے کی نیت سے زہر کھا لے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں زہر کھاتا رہے گا۔ اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے تئیں جس چیز سے قتل کرے گا، وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک شخص کو زخم لگے، اس نے چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا، تمام خون بہہ گیا اور وہ اسی میں مر گیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا، میرے بندے نے اپنے آپ کو فنا کرنے میں جلدی کی۔ اسی وجہ سے میں نے اس پر جنت کو حرام کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے، جو شخص بھی ظلم و زیادتی کے ساتھ حرام جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، دلیرانہ طور سے حرام پر کاربند رہے، وہ جہنمی ہے۔ پس ہر عقل مند کو اس سخت تنبیہ سے ڈرنا چاہئے۔ دل کے کان کھول کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر حرام کاریوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف فرما دیں گے اور تمہیں جنتی بنا دیں گے۔ حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس طرح کی کوئی اور سخت وعید نہیں ملی جس کی تعمیل میں تمہیں اپنے اہل و مال سے الگ ہو جانا چاہئے۔ پھر ہم اس کے لئے اپنے اہل و مال سے جدا نہ ہو جائیں کہ وہ ہمارے کبیرہ گناہوں کو ہمارے چھوٹے موٹے گناہوں سے معاف فرماتا ہے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ تھوڑی بہت ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کو پیدا کیا۔ آپؐ نے فرمایا مگر اب جو میں جانتا ہوں، وہ بھی سن لو۔ جو شخص اس دن اچھی طرح غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئے اور نماز ختم ہونے تک خاموش رہے تو اس کا یہ عمل اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ قتل سے بچا۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سناتے ہوئے فرمایا، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تین مرتبہ یہی فرمایا، پھر سر نیچا کر لیا، ہم سب نے بھی سر نیچا کر لیا اور ہم سب رونے لگے۔ ہمارے دل کانپنے لگے کہ اللہ جانے اللہ کے رسولؐ نے کس چیز کے لئے قسم کھائی ہے اور پھر کیوں خاموشی اختیار کی ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے سر اٹھایا اور آپ کا چہرہ بشاش تھا جس سے ہم اس قدر خوش ہوئے کہ اگر ہمیں سرخ رنگ کے اونٹ ملتے تو بھی اس قدر خوش نہ ہوتے۔ اب آپؐ فرمانے لگے، جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچا رہے، اس کے لئے جنت کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔

سات کبیرہ گناہ : ☆☆ جن سات گناہوں کا اس میں ذکر ہے، ان کی تفصیل بخاری و مسلم میں اس طرح ہے۔ گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔ پوچھا گیا کہ حضورؐ وہ کون سے گناہ ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جس کا قتل حرام ہو، اسے قتل کرنا۔ ہاں کسی شرعی وجہ سے اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اور بات ہے۔ جادو کرنا، سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ سے کفار کے مقابلے میں پیٹھ دکھانا اور بھولی بھالی پاکدامن مسلمانوں عورتوں کو تہمت لگانا۔ ایک روایت میں جادو کے بدلے ہجرت کر کے پھر واپس اپنے دیس میں قیام کر لینا ہے۔ یہ یاد رہے کہ ان سات گناہوں کو کبیرہ کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کبیرہ گناہ صرف یہی ہیں جیسے کہ بعض اور لوگوں کا خیال ہے جن کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دراصل یہ بہت انتہائی، بے معنی قول اور غلط اصول ہے بالخصوص اس وقت جبکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہوں اور یہاں تو صاف لفظوں میں اور کبیرہ گناہوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حجتہ الوداع میں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا، لوگو! سن لو اللہ تعالیٰ کے ولی صرف نمازی ہی ہیں جو پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو باقاعدہ بجا لاتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں ثواب حاصل کرنے کی نیت رکھتے اور فرض جان کر ہنسی خوشی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان تمام کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ شرک، قتل، میدان جنگ سے بھاگنا، مال یتیم کھانا، سود خوری، پاکدامنوں پر تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، بیت اللہ الحرام کی حرمت کو توڑنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے، وہ نبی ﷺ کے ساتھ سونے کے محلوں میں ہوگا۔

حضرت طیسلہ بن میامن فرماتے ہیں، مجھ سے ایک گناہ ہو گیا جو میرے نزدیک کبیرہ تھا، میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپؓ نے فرمایا، وہ کبیرہ گناہ نہیں کبیرہ گناہ نو ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا، میدان جنگ میں دشمنان دین کو پیٹھ دکھانا، پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا، سود کھانا، یتیم کا مال ظلم سے کھا جانا، مسجد حرام میں الحاد پھیلانا اور ماں باپ کو نافرمانی کے سبب رلانا، حضرت طیسلہؒ فرماتے ہیں کہ اس بیان کے بعد بھی حضرت ابن عمرؓ نے محسوس کیا کہ خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا، کیا تمہارے دل میں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا ڈر اور جنت میں جانے کی چاہت ہے؟ میں نے کہا، بہت زیادہ، فرمایا، کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا 'صرف والدہ حیات ہیں' فرمایا بس تم ان سے نرم کلامی سے بولا کرو اور انہیں کھانا کھلاتے رہا کرو اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہا کرو تو تم یقیناً جنت میں جاؤ گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت طیسلہ بن علی نہدی حضرت ابن عمرؓ سے میدان عرفات میں عرفہ کے دن پیلو کے درخت تلے ملے تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر اور چہرے پر پانی بہا رہے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے تہمت لگانے کا ذکر کیا تو میں نے پوچھا، کیا یہ بھی مثل قتل کے بہت بڑا گناہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا، ہاں ہاں اور ان گناہوں کے ذکر میں جادو کا ذکر بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ میری ان کی ملاقات شام کے وقت ہوئی تھی اور میں نے ان سے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کبائر سات ہیں۔ میں نے پوچھا کیا کیا؟ تو فرمایا شرک اور تہمت لگانا، میں نے کہا، کیا یہ بھی مثل خون ناحق کے ہے؟ فرمایا ہاں ہاں اور کسی مومن کو بے سبب مار ڈالنا، لڑائی سے بھاگنا، جادو اور سود خواری، مال یتیم کھانا، والدین کی نافرمانی اور بیت اللہ میں الحاد پھیلانا جو زندگی میں اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جو اللہ کا بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، نماز قائم رکھے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے

روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے بچے، وہ جنتی ہے- ایک شخص نے پوچھا، کبائر کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، مسلمان کو قتل کرنا، لڑائی والے دن بھاگ کھڑا ہونا، ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو ایک کتاب لکھوا کر بھجوائی جس میں فرائض اور سنن کی تفصیلات تھیں- دیت یعنی جرمانوں کے احکام تھے اور یہ کتاب حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اہل یمن کو بھجوائی گئی تھی- اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور ایماندار شخص کا قتل بغیر حق کے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے میدان میں جا کر لڑتے ہوئے نامردی سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہونا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ناکردہ گناہ عورتوں پر الزام لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور مال یتیم برباد کرنا- ایک اور روایت میں کبیرہ گناہوں کے بیان میں جھوٹی بات یا جھوٹی شہادت بھی ہے- اور حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بیان کے وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب یہ فرمایا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹ بات اس وقت آپ تکیئے سے ہٹ گئے اور بڑے زور سے اس بات کو بیان فرمایا اور بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے دل میں سوچا کاش اب آپ نہ دہرائیں- بخاری و مسلم میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک کرے یہ جانتے ہوئے کہ تجھے صرف اسی نے پیدا کیا ہے؟ میں نے پوچھا اس کے بعد، فرمایا یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا- میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے- پھر حضورؐ نے یہ آیت وَالَّذِیۡنَ لَایَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ اِلَّا مَنۡ تَابَ تک پڑھی-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد الحرام میں حطیم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، مجھ جیسا بوڑھا بڑی عمر کا آدمی اس جگہ بیٹھ کر اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا- شراب کا پینا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے- یہ کام تمام خباثتوں کی ماں ہے، شرابی تارک نماز ہوتا ہے وہ اپنی ماں اور خالہ اور پھوپھی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا، یہ حدیث غریب ہے- ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے- وہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر نکلا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ تو کسی کے پاس مصدقہ جواب نہ تھا- اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ تم جا کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے دریافت کر آؤ، میں گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے- میں نے واپس آ کر اس مجلس میں یہ جواب سنا دیا- اس پر اہل مجلس کو تسکین نہ ہوئی اور سب حضرات اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے گھر چلے اور خود ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی ﷺ کے سامنے ایک واقعہ بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک نے ایک شخص کو گرفتار کیا- پھر اس سے کہا کہ یا تو تو اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈال یا ان کاموں میں سے کسی کو ایک کر یعنی یا تو شراب پی یا خون ناحق کر یا زنا کر یا سور کا گوشت کھا- اس غور و تفکر کے بعد اس نے جان جانے کے ڈر سے شراب کو ہلکی چیز سمجھ کر پینا منظور کر لیا- جب شراب پی لی تو پھر نشہ میں وہ ان تمام کاموں کو کر گزرا جن سے وہ پہلے رکا تھا- حضورؐ نے یہ واقعہ گوش گزار فرما کر ہم سے فرمایا، جو شخص شراب پیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں چالیس رات تک قبول نہیں فرماتا اور جو شراب پینے کی عادت میں ہی مر جائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو، اس پر اللہ جنت کو حرام کر دیتا ہے- اگر شراب پینے کے بعد چالیس راتوں کے اندر اندر مرے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے، یہ حدیث غریب ہے- ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو بھی رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے (بخاری وغیرہ) ابن حاتم میں جھوٹی قسم کے بیان

کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس نے مچھر کے پر برابر زیادتی کی، اس کے دل میں ایک سیاہ داغ ہو جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور اپنے ماں باپ کو کوئی کیسے گالی دے گا؟ آپؐ نے فرمایا، اس طرح کہ اس نے دوسرے کے باپ کو گالی دی۔ اس نے اس کے باپ کو، اس نے اس کی ماں کو برا کہا، اس نے اس کی ماں کو۔ بخاری شریف میں ہے، سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے، لوگوں نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اکبر الکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا ہے۔

ترمذی میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے دو نمازوں کو عذر کے بغیر جمع کیا، وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں گھسا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی، اس میں یہ بھی تھا کہ دو نمازوں کو بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے، الغرض ظہر، عصر یا مغرب، عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر کسی شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے، اس کے گناہ کا تو کیا ٹھیک ہے؟ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے، سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ جس نے اسے چھوڑا، اس نے کفر کیا۔ اور روایت میں آپ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی، اس کے اعمال غارت ہوئے اور حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی گویا اس کا مال، اس کا اہل و عیال سبھی ہلاک ہو گئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کیا کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ کی نعمت اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہو جانا اور یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اسی کے مثل ایک روایت اور بھی بزار میں مروی ہے لیکن زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے، ابن مردویہ میں ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں سب سے کبیرہ گناہ اللہ عزوجل کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے، یہ روایت بہت ہی غریب ہے، پہلے وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں ہجرت کے بعد کفرستان میں آ کر بسنے کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے۔ سات کبیرہ گناہوں میں اسے بھی گنا گیا ہے لیکن اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور اسے مرفوع کہنا بالکل غلط ہے۔ ٹھیک بات وہی ہے جو تفسیر ابن جریرؒ میں مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے کی مسجد میں ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے جس میں فرمایا، لوگو کبیرہ گناہ سات ہیں۔ اسے سن کر لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے اسی کو پھر دہرایا۔ پھر دہرایا۔ پھر فرمایا۔ تم مجھ سے ان کی تفصیل کیوں نہیں پوچھتے؟ لوگوں نے کہا امیر المومنین فرمائیے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے مار ڈالنا، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا، یتیم کا مال کھانا، سود خوری کرنا، لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا، اور ہجرت کے بعد پھر دار الکفر میں آ بسنا۔

راوی حدیث حضرت محمد بن سہلؒ نے اپنے والد حضرت سہل بن خثیمہؒ سے پوچھا کہ اسے کبیرہ گناہوں میں کیسے داخل کیا تو جواب ملا کہ پیارے بچے اس سے بڑھ کر ستم کیا ہو گا کہ ایک شخص ہجرت کر کے مسلمانوں میں ملے۔ مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے۔ مجاہدین

میں اس کا نام درج کر دیا جائے- پھر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اعرابی بن جائے اور دارالکفر میں چلا جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے-

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا خبردار خبردار اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو- خون ناحق سے بچو (ہاں شرعی اجازت اور چیز ہے) زنا کاری نہ کرو، چوری نہ کرو- وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے- ابن جریر میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کو دہرایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی سے بھاگ کھڑا ہونا، پاکدامن بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، خیانت کرنا، جادو کرنا، سود کھانا یہ سب کبیرہ گناہ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اس گناہ کو کیا کہو گے جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے پھرتے ہیں- آخر آیت تک آپؐ نے تلاوت کی- اس کی اسناد میں ضعف ہے اور یہ حدیث حسن ہے- پس ان تمام احادیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر موجود ہے-

اب اس بارے میں سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے جو اقوال ہیں، وہ ملاحظہ ہوں- ابن جریر میں منقول ہے، چند لوگوں نے مصر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ بہت سی باتیں کتاب اللہ میں ہم ایسی پاتے ہیں کہ جن پر ہمارا عمل نہیں اس لئے ہم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں حضرت ابن عمرؓ انہیں لے کر مدینہ آئے- اپنے والد سے ملے- آپ نے پوچھا کب آئے ہو؟ جواب دیا کہ چند دن ہوئے- پوچھا اجازت سے آئے ہو؟ اس کا بھی جواب دیا- پھر اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کا ذکر اور مقصد بیان کیا- آپ نے فرمایا- انہیں جمع کرو- سبھی کو ان کے پاس لائے اور ان میں سے ہر ایک کو حضرت عمرؓ نے پوچھا- تجھے اللہ اور اسلام حق کی قسم، بتاؤ تم نے پورا قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا- ہاں، فرمایا تو نے اسے اپنے دل میں محفوظ کر لیا ہے- اس نے کہا نہیں اور اگر ہاں کہتا تو حضرت عمرؓ اسے کماحقہ دلائل سے عاجز کر دیتے، پھر فرمایا کیا تم سب نے قرآن حکیم کے مفہوم کو نگاہوں میں، زبان میں اور اعمال میں ڈھال لیا ہے، پھر ایک ایک سے یہی سوال کیا، پھر فرمایا تم عمرؓ کو اس مشقت میں ڈالنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو بالکل کتاب اللہ کے مطابق ہی ٹھیک ٹھاک کر دے- ہمارے رب کو پہلے سے ہی ہماری خطاؤں کا علم تھا-

پھر آپ نے آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا الخ، کی تلاوت کی- پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے آنے کا مقصد معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، فرمایا، اگر انہیں بھی اس کا علم ہوتا تو مجھے اس بارے میں انہیں بھی وعظ کرنا پڑتا اس کی اسناد حسن ہے اور متن بھی- گو یہ روایت حسن کی حضرت عمرؓ سے ہے جس میں انقطاع ہے لیکن پھر بھی اتنے سے نقصان پر اس کی پوری شہرت بھاری ہے- ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کبیرہ گناہ یہ ہیں- اللہ کے ساتھ شریک کرنا، کسی کو مار ڈالنا، یتیم کا مال کھانا، پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا، لڑائی سے بھاگ جانا، ہجرت کے بعد دارالکفر میں قیام کر لینا، جادو کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، سود کھانا، جماعت سے جدا ہونا، خرید و فروخت کا عہد توڑ دینا- پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، بڑے سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے اور اللہ عزوجل کی پوشیدہ تدبیروں سے بےخوف ہونا ہے- ابن جریر میں آپ ہی سے روایت ہے کہ سورۂ نساء کی شروع آیت سے لے کر تین آیتوں تک کبیرہ گناہ کا بیان ہے- پھر آپ نے آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کی تلاوت کی-

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں، کبیرہ گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کو ناخوش کرنا، آسودگی کے بعد کے بچے ہوئے پانی کو

حاجت مندوں سے روک رکھنا، اپنے پاس کے نر جانور کو کسی کی مادہ کے لئے بغیر کچھ لئے نہ دینا۔ بخاری و مسلم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے بچا ہوا پانی نہ روکا جائے اور نہ بچی ہوئی گھاس روکی جائے۔ اور روایت میں ہے تین قسم کے گنہگاروں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ ہی ان کی فرد جرم ہٹائے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ ایک ہی شخص جو جنگل میں بچے ہوئے پانی پر قبضہ کر کے مسافروں کو اس سے روکے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص زائد پانی کو اور زائد گھاس کو روک رکھے، اللہ قیامت کے دن اس پر اپنا فضل نہیں کرے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں یعنی آیت عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا الخ، میں۔ حضرت انس بن مالکؓ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں یعنی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے لوگوں نے کہا، کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے کئی کئی مرتبہ فرمایا، سات ہیں، دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا، سات ہلکا درجہ ہے ورنہ ستر ہیں، اور ایک شخص کے کہنے پر آپ نے فرمایا، وہ سات سو ہیں اور سات بہت ہی قریب ہیں، ہاں یہ یاد رکھو کہ استغفار کے بعد کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار اور تکرار سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، جس گناہ پر بھی جہنم کی وعید اللہ تعالیٰ کے غضب، لعنت یا عذاب کی ہے، وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اور روایت میں ہے جس کام سے اللہ منع فرمادے، اس کا کرنا کبیرہ گناہ ہے یعنی جس کام میں بھی اللہ عزوجل کی نافرمانی ہو وہ بڑا گناہ ہے۔

تابعین کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ عبیدہؒ فرماتے ہیں، کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، قتل نفس بغیر حق، میدان جہاد میں پیٹھ پھیرنا، یتیم کا مال اڑانا، سود خوری، بہتان بازی، ہجرت کے بعد وطن پرستی۔ راوی حدیث ابن عون نے اپنے استاد محمد سے پوچھا، کیا جادو کبیرہ گناہ میں نہیں؟ فرمایا یہ بہتان میں آ گیا، یہ لفظ بہت سی برائیوں پر مشتمل ہے۔ حضرت عبید بن عمیرؒ نے کبیرہ گناہوں پر آیات قرآنی بھی تلاوت کر کے سنائیں۔ شرک پر وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ الخ، یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا اور اسے پرندے لپک لے جائیں یا ہوا اسے دور دراز نامعلوم اور بدترین جگہ پھینک دے۔ یتیم کے مال پر اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا الخ، یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال ہڑپ کر لیتے ہیں، وہ سب پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں۔ سود خوری پر اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا الخ، جو لوگ سود خوری کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس اور پاگل بن کر کھڑے ہوں گے۔ بہتان پر وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ، جو لوگ پاکدامن بے خبر باایمان عورتوں پر تہمت لگائیں۔ میدان جنگ سے بھاگنے پر یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا ایمان والو! جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ، ہجرت کے بعد کفرستان میں قیام کرنے پر اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ یعنی لوگ ہدایت کے بعد مرتد ہو جائیں، قتل مومن پر وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے، اس کی سزا جہنم کا ابدی داخلہ ہے۔ حضرت عطاء سے بھی کبیرہ گناہوں کا بیان موجود ہے اور اس میں جھوٹی گواہی ہے۔ حضرت مغیرہؒ فرماتے ہیں، یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ میں کہتا ہوں علماء کی ایک جماعت نے اسے کافر کہا ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا کہے۔

حضرت امام مالک بن انس رحمتہ اللہ سے یہ مروی ہے، امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ کسی کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دشمنی رکھے (ترمذی) حضرت زید بن اسلمؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کبائر یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے کفر کرنا، جادو کرنا، اولاد کو مار ڈالنا، اللہ تعالیٰ سے اولاد اور بیوی کو نسبت دینا اور اسی جیسے وہ اعمال اور وہ اقوال ہیں جن کے بعد کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ ہاں کئی ایسے گناہ ہیں جن کے ساتھ دین رہ سکتا ہے اور عمل قبول کیا جا سکتا ہے۔ ایسے گناہوں کو نیکی کے بدلے اللہ عزوجل معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچیں اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچو، ٹھیک ٹھاک اور درست رہو اور خوشخبری سنو۔ مسند عبدالرزاق میں بہ سند صحیح رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے بھی ہے۔ امام ترمذیؒ بھی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں گو اس روایت کی اور سندیں ضعف سے خالی نہیں مگر اس کے جو شواہد ہیں، ان میں سے بھی صحیح روایات ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے، کیا تم یہ جانتے ہو کہ میری شفاعت صرف متقیوں اور مومنوں کے لئے ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ خطا کاروں اور گناہوں سے آلودہ لوگوں کے لئے بھی ہے۔

اب علماء کرام کے اقوال سنئے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ بعض تو کہتے ہیں کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر حد شرعی ہو۔ بعض کہتے ہیں جس پر قرآن میں یا حدیث میں کسی سزا کا ذکر ہو۔ بعض کا قول ہے جس سے دین داری کم ہوتی ہو اور دیانت داری میں کمی واقع ہوتی ہو۔ قاضی ابو سعید ہرویؒ فرماتے ہیں، جس کا حرام ہونا لفظوں سے ثابت ہو اور جس نافرمانی پر کوئی حد ہو جیسے قتل وغیرہ۔ اسی طرح ہر فریضہ کا ترک اور جھوٹی گواہی اور جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم۔ قاضی روبانیؒ فرماتے ہیں، کبائر سات ہیں۔ بے وجہ کسی کو مار ڈالنا، زنا، لواطت، شراب نوشی، چوری، غصب، تہمت۔ اور ایک آٹھویں جھوٹی گواہی اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل کئے گئے ہیں سود خواری، رمضان کے روزے کا بلا عذر ترک کر دینا، جھوٹی قسم، قطع رحمی، ماں باپ کی نافرمانی، جہاد سے بھاگنا، یتیم کا مال کھانا، ماپ تول میں خیانت کرنا، نماز وقت سے پہلے یا وقت گزار کر بے عذر ادا کرنا، مسلمان کو بے وجہ مارنا۔

رسول اللہ ﷺ پر جان کر جھوٹ باندھنا، آپ کے صحابیوںؓ کو گالی دینا اور بے سبب گواہی چھپانا، رشوت لینا، مردوں عورتوں میں ناچاقی کرا دینا، بادشاہ کے پاس چغل خوری کرنا، زکوٰۃ روک لینا، باوجود قدرت کے بھلی باتوں کا حکم نہ کرنا، بری باتوں سے نہ روکنا، قرآن سیکھ کر بھول جانا، جاندار چیز کو آگ سے جلانا، عورت کا اپنے خاوند کے پاس بے سبب نہ آنا، رب کی رحمت سے ناامید ہو جانا، اللہ کے مکر سے بے خوف ہو جانا، اہل علم اور عاملان قرآن کی برائیاں کرنا، ظہار کرنا، سور کا گوشت کھانا، مردار کھانا ہاں اگر بوجہ ضرورت اور اضطرار کے کھایا ہو تو ادویات کے مصداق ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے؟ کبائر کے بارے میں بزرگان دین نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ہمارے شیخ حافظ ابو عبداللہ ذہبیؒ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہو۔ اس قسم کے گناہ ہی اگر گنے جائیں تو بہت نکلیں گے اور اگر کبیرہ گناہ ہر اس کام کو کہا جائے جس سے شارع علیہ السلام نے روک دیا ہے تو بہت ہی ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ
نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا
اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے' مردوں کا حصہ ہے جو ان کا کیا دھرا ہے' اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا' اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○

جائز رشک اور جواب باصواب: ☆☆ (آیت:۳۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم عورتیں اس ثواب سے محروم ہیں' اسی طرح میراث میں بھی ہمیں بہ نسبت مردوں کے آدھا ملتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد پھر آیت اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی الخ' اتری۔ اور یہ بھی روایت میں ہے کہ عورتوں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش کہ ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ دیکھئے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔ دو عورتوں کی شہادت مثل ایک مرد کے سمجھی جاتی ہے۔ گو پھر اس تناسب سے عملاً ایک نیکی کی آدھی نیکی رہ جاتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سدیؒ فرماتے ہیں' مردوں نے کہا تھا کہ جب دوہرے حصے کے مالک ہم ہیں تو دوہرا اجر بھی ہمیں کیوں نہ ملے؟ اور عورتوں نے درخواست کی تھی کہ جب ہم پر جہاد فرض ہی نہیں ہمیں تو شہادت کا ثواب کیوں نہیں ملتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو روکا اور حکم دیا کہ میرا فضل طلب کرتے رہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ آرزو نہ کرے کہ کاش کہ فلاں کا مال اور اولاد میرا ہوتا؟ اس پر حدیث سے کوئی اشکال ثابت نہیں ہو سکتا جس میں ہے کہ حسد کے قابل صرف دو ہیں۔ ایک مالدار جو راہ اللہ اپنا مال لٹاتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتا رہتا۔ پس یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر میں برابر ہیں اس لئے کہ یہ ممنوع نہیں یعنی ایسی نیکی کی حرص بری نہیں' کسی نیک کام حاصل ہونے کی تمنا یا حرص کرنا محمود ہے۔ اس کے برعکس کسی کی چیز اپنے قبضے میں لینے کی نیت کرنا ہر طرح مذموم ہے۔ جس طرح دینی فضیلت حاصل کرنے کی حرص جائز رکھی ہے اور دنیوی فضیلت کی تمنا ناجائز ہے۔ پھر فرمایا ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔ خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ورثہ دیا جاتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا فضل مانگتے رہا کرو۔ آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کی تمنا بے سود امر ہے۔ ہاں مجھ سے میرا فضل طلب کرو تو میں بخیل نہیں' کریم ہوں' وہاب ہوں' دوں گا اور بہت کچھ دوں گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اللہ سے مانگنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ یاد رکھو سب سے اعلیٰ عبادت کشادگی اور وسعت و رحمت کا انتظار کرنا اور اس کی امید رکھنا ہیں۔ اللہ علیم ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ کون دیئے جانے کے قابل ہے اور کون فقیری کے لائق ہے اور کون آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہے اور کون وہاں کی رسوائیوں کا سزاوار ہے' اسے اس کے اسباب اور اسے اس کے وسائل وہ مہیا اور آسان کر دیتا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ

عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۞۳۳ ع ۸

ماں باپ اور قرابت دار جو چھوڑ مریں' اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں' اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گرہ باندھی' انہیں ان کا حصہ دو' حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے ○

مسئلہ وراثت میں موالی؟ وارث اور عصبہ کی وضاحت واصلاحات: ☆☆ (آیت:۳۳) بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں- بعض کہتے ہیں عصبہ مراد ہیں' چچا کی اولاد کو بھی موالی کہا جاتا ہے جیسے حضرت فضل بن عباس کے شعر میں ہے- پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے لوگو! تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے عصبہ مقرر کر دیئے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ مریں اور تمہارے منہ بولے بھائی ہیں- تم جن کی قسمیں کھا کر بھائی بنے ہو اور وہ تمہارے بھائی بنے ہیں' انہیں ان کی میراث کا حصہ دو جیسے کہ قسموں کے وقت تم میں عہد و پیان ہو چکا تھا' یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا- پھر منسوخ ہو گیا اور حکم ہوا کہ جن سے عہد و پیان ہوئے' وہ نبھائے جائیں اور بھولے نہ جائیں لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی- صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں اور بعد کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو یہ دستور تھا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی بند کا وارث ہوتا- اس کے ذو رحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے- پس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو' انہیں فائدہ پہنچاؤ' ان کی خیر خواہی کرو لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی- ہاں وصیت کر جاؤ-

قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیان ہو جاتا تھا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث' اسی طرح قبائل عرب عہد و پیان کر لیتے تھے- پس حضور علیہ السلام نے فرمایا جاہلیت کی قسمیں اور اس قسم کے عہد اس آیت نے منسوخ قرار دے دیئے اور فرمایا' معاہدوں والوں کی بہ نسبت ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ ترجیح کے مستحق ہیں- ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے جاہلیت کی قسموں اور عہدوں کے بارے میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں اور اس قسم کے توڑنے کو کہا جائے جو دارالندوہ میں ہوئی تھی تو میں اسے بھی پسند نہیں کرتا- ابن جریرؒ میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میں اپنے بچپنے میں اپنے ماموؤں کے ساتھ حلف مطیبین میں شامل تھا- میں اس قسم کو سرخ اونٹوں کے بدلے بھی توڑنا پسند نہیں کرتا- پس یاد رہے کہ قریش و انصار میں جو تعلق رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا' وہ صرف الفت و یگانگت پیدا کرنے کے لئے تھا- لوگوں کے سوال کے جواب میں بھی حضورؐ کا یہ فرمان مروی ہے کہ جاہلیت کے حلف نبھاؤ- لیکن اب اسلام میں رسم حلف کالعدم قرار دی گئی ہے- فتح مکہ والے دن بھی آپؐ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبہ میں اسی بات کا اعلان فرمایا-

داؤد بن حصین کہتے ہیں' میں حضرت ام سعد بنت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرآن پڑھتا تھا' میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ کی گود میں یتیمی کے ایام گزار رہے تھے' میں نے جب اس آیت میں عَاقَدَتْ پڑھا تو مجھے میری استانی جی نے روکا اور فرمایا عَقَدَتْ پڑھو اور یاد رکھو' یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمانؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے- جب عبدالرحمان اسلام کے منکر تھے' حضرت صدیقؓ نے قسم کھالی کہ انہیں وارث نہ کریں گے بالآخر جب یہ مسلمانوں کے بے انتہا حسن اعمال سے اسلام کی طرف آمادہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو جناب صدیقؓ کو حکم ہوا کہ انہیں ان کے ورثے کے حصے سے محروم نہ فرمائیں لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے الغرض اس آیت اور ان احادیث سے ان کا قول رد ہوتا ہے جو قسم اور وعدوں کی

بناء پر آج بھی ورثہ پہنچنے کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور امام احمدؒ سے بھی اس قسم کی ایک روایت ہے۔

جسے جمہور اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے صحیح قرار دیا ہے اور مشہور قول کی بناء پر امام احمدؒ بھی اسے صحیح مانتے ہیں۔ پس آیت میں ارشاد ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قرابتی لوگ ہیں اور کوئی نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حصہ دار وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بچ رہے تو عصبہ کو ملے اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرائض کی دو آیتوں میں ہے اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیان اور قسموں کا تبادلہ کیا ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ان کا حصہ یعنی میراث کا اور اس کے بعد جو حلف ہو' وہ کالعدم ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ اس سے پہلے کے وعدے اور قسمیں ہوں خواہ اس آیت کے اترنے کے بعد ہوں' سب کا یہی حکم ہے کہ ایسے حلف برداروں کو میراث نہ ملے۔ اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا حصہ نصرت' امداد' خیر خواہی اور وصیت ہے' میراث نہیں۔ آپ فرماتے ہیں لوگ عہد و پیان کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا' بعد والا اس کا وارث بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ تبارک تعالیٰ نے آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ' نازل فرما کر حکم دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولی ہے البتہ اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو یعنی اگر ان کو مال کا تیسرا حصہ دینے کی وصیت کر جاؤ تو جائز ہے۔ یہی معروف و مشہور امر اور بہت سے سلف سے بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ والی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک صاحب کو اپنا مولی بنایا تھا تو انہیں وارث بنایا۔

ابن المسیب فرماتے ہیں' یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو اپنے بیٹوں کے سوا اوروں کو اپنا بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں تو برقرار رکھا' میراث کا مستحق موالی یعنی ذی رحم محرم رشتہ داروں اور عصبہ کو قرار دے دیا اور سابقہ رسم کو ناپسند فرمایا کہ صرف زبانی دعووں اور بنائے ہوئے بیٹوں کو ورثہ نہ دیا جائے۔ ہاں ان کے لئے وصیت میں سے دے سکتے ہو۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت' نصیحت اور معونت کا۔ یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ کا حصہ دو تو یہ معنی کرنے سے پھر آیت کو منسوخ بتلانے کی وجہ باقی نہیں رہتی نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا۔ اب نہیں رہا۔ بلکہ آیت کی دلالت صرف اسی امر پر ہے کہ جو عہد و پیان آپس کی امداد و اعانت کے خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے تھے' انہیں وفا کرو۔ پس یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ لیکن امام صاحب کے قول میں ذرا اشکال ہے اس لئے کہ اس میں تو شک نہیں کہ بعض عہد و پیان صرف نصرت و امداد کے ہی ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض عہد و پیان ورثے کے بھی ہوتے تھے جیسے کہ بہت سے سلف صالحین سے مروی ہے اور جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر بھی منقول ہیں۔ جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ مہاجر انصار کا وارث ہوتا تھا۔ اس کے قرابتی لوگ وارث نہیں ہوتے تھے نہ ذی رحم رشتہ دار وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ منسوخ ہو گیا۔ پھر امام صاحب کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ
حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں' پس نیک عورتیں فرمانبردار خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں' اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو' انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو' پھر اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے ○

مرد عورتوں سے افضل کیوں؟ ☆☆ (آیت:۳۴) جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم' رئیس اور سردار ہے۔ ہر طرح سے اس کا محافظ و معاون ہے اسی لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں میں ہی رہی بعینہ شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری) اسی طرح ہر طرح کا منصب قضا وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر' نان و نفقہ اور دیگر ضروریات کا پورا کرنا۔ پس مرد فی نفسہ بھی افضل ہے اور بہ اعتبار نفع کے اور حاجت براری کے بھی اس کا درجہ بڑا ہے۔ اسی بناء پر مرد کو عورت پر سردار مقرر کیا گیا جیسے اور جگہ فرمان ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ الخ' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اس کے بال بچوں کی نگہداشت' اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک عورت نے نبی ﷺ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے' پس آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے حاضر خدمت ہوئے۔ اس عورت نے حضور ﷺ سے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ' میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے' آپ نے فرمایا' اسے حق نہ تھا۔ وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا' میں نے اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ شعبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مال خرچ کرنے سے مراد مہر کا ادا کرنا ہے' دیکھو اگر مرد عورت پر زنا کاری کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم ہے اور اگر عورت اپنے مرد کی نسبت یہ بات کہے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگیں گے پس عورتوں میں سے نیک نفس وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوں' اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت رکھنے والیاں ہوں جسے خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے' بجا لائے اور جب کہیں باہر جائے تو اپنے نفس کو برائی سے محفوظ رکھے اور اپنے خاوند کے مال کی محافظت کرے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا' جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے' رمضان کے روزے رکھے' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے' اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے' اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہ جنت میں چلی جا۔

پھر فرمایا' جن عورتوں کی سرکشی سے تم ڈرو یعنی جو تم سے بلند ہونا چاہتی ہو' نافرمانی کرتی ہو' بے پرواہی برتتی ہو' دشمنی رکھتی ہو تو پہلے تو اسے زبانی نصیحت کرو۔ ہر طرح سمجھاؤ' اتار چڑھاؤ بتاؤ' اللہ کا خوف دلاؤ' حقوق زوجیت یاد دلاؤ۔ اس سے کہو کہ دیکھو خاوند کے اتنے حقوق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اگر میں کسی کو حکم کر سکتا کہ وہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ سب سے بڑا حق اس پر اسی کا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو

اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کوئی عورت روٹھ کر اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں نازل کرتے رہتے ہیں' تو یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسی نافرمان عورتوں کو پہلے تو سمجھاؤ بجھاؤ۔ پھر بستروں سے الگ کرو۔ ابن عباس فرماتے ہیں یعنی سلائے تو بستر ہی پر مگر خود اس سے کروٹ موڑ لے اور مجامعت نہ کرے۔ بات چیت اور کلام بھی ترک کر سکتا ہے اور یہ عورت کی بڑی بھاری سزا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں' ساتھ سلانا ہی چھوڑ دے۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ عورت کا حق اس کے میاں پر کیا ہے؟ فرمایا' یہ کہ جب تو کھا تو اسے بھی کھلا' جب تو پہن تو اسے بھی پہنا' اس کے منہ پر نہ مار' گالیاں نہ دے اور گھر سے الگ نہ کر غصہ میں اگر تو اس سے بطور سزا بات چیت ترک کرے تو بھی اسے گھر سے نہ نکال۔ پھر فرمایا اس سے بھی ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ یونہی سی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے بھی راہ راست پر لاؤ۔

صحیح مسلم میں نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ وہ تمہاری خدمت گزار اور ماتحت ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ جس کے آنے جانے سے تم خفا ہو اسے نہ آنے دیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں یونہی سی تنبیہ بھی تم کر سکتے ہو لیکن سخت مار جو ظاہر ہو' نہیں مار سکتے۔ تم پر ان کا حق یہ ہے کہ انہیں کھلاتے' پلاتے' پہناتے اوڑھاتے رہو۔ ہو پس ایسی مار نہ مارنی چاہئے جس کا نشان باقی رہے' جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے یا کوئی زخم آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو فدیہ لو اور طلاق دے دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں' اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کرنے لگے' یا رسول اللہ عورتیں آپ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہو گئیں۔ اس پر حضورؐ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا' سنو میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی۔ یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں' وہ اچھے آدمی نہیں (ابوداؤد وغیرہ)۔ حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے' اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی عورت کو کس بناء پر مارا؟ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی (نسائی)۔ پھر فرمایا اگر اب بھی عورتیں تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو تم ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو نہ مارو پیٹو نہ بیزاری کا اظہار کرو۔ اللہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے یعنی اگر عورتوں کی طرف سے قصور سرزد ہوئے بغیر یا قصور کے بعد ٹھیک ہو جانے کے باوجود بھی تم نے انہیں ستایا تو یاد رکھو ان کی مدد پر اور ان کا انتقام لینے کے لئے اللہ تعالیٰ ہے اور یقیناً وہ بہت زور آور اور زبردست ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا
مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾

اگر تمہیں میاں بیوی کی آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے' ایک عورت کی طرف والوں میں سے مقرر کرو' اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے ○

میاں بیوی مصالحت کی کوشش اور اصلاح کے اصول: ☆☆ (آیت: ۳۵) اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ اگر نافرمانی اور کج بحثی عورتوں کی جانب سے ہو اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے؟ پس علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم و زیادتی کس طرف سے ہے؟ پس ظالم کو ظلم سے روکے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں، اس کا فیصلہ کر دیں یعنی خواہ الگ کرا دیں خواہ میل ملاپ کرا دیں۔ لیکن شارع نے تو اسی امر کی طرف ترغیب دلائی ہے کہ جہاں تک ہو سکے، کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی بہت ہو تو اس کی عورت کو اس سے الگ کر لیں اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان و نفقہ نہیں دلائیں اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا بلکہ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں، اگر دونوں پنچ اس امر پر متفق ہوں گے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کے بعد ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا، وہ اس کی جائیداد کا وارث بنے گا لیکن جو ناراض تھا، اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا (ابن جریرؒ)۔

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو منصف مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل ملاپ کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی، ایک روایت ہے کہ عقیل بن ابو طالبؓ نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا، تو میرے پاس آئے گا بھی اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی؟ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ یہ فرماتے، تیری بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا پنچ مقرر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے، ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے لیکن حضرت معاویہؓ فرماتے تھے، بنو عبد مناف میں یہ علیحدگی میں ناپسند کرتا ہوں۔ اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل کے گھر آئے، دیکھا تو دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں۔ یہ دونوں لوٹ گئے۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے، اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے لوگ بھی، علیؓ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور انہیں منصف مقرر کر دیا اور پھر دونوں پنچوں سے کہا، جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اتفاق کرا دو۔ اگر چاہو تو الگ الگ کرا دو۔ یہ سن کر عورت نے کہا۔ میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں، مرد کہنے لگا مجھے جدائی نامنظور ہے۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ نہیں نہیں اللہ کی قسم تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں، دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے، تفریق کا نہیں، حضرت قتادہ اور زین بن اسلم کا بھی یہی قول ہے، امام احمد اور ابو ثور اور داؤد رحمہم اللہ علیہم کا بھی یہی

مذہب ہے۔ ان کی دلیل اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا الخ والا جملہ ہے کہ ان میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بے شک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا۔ اس میں کسی کو پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے چاہے ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کو بنائے ہوئے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش' بہرصورت اس کا فیصلہ قطعی ہوگا' آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے لیکن مخالف گروہ کہتا ہے کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علیؓ اس خاوند کو کیوں فرماتے کہ جس طرح عورت نے دونوں صورتوں کو ماننے کا اقرار کیا ہے اور اسی طرح تو بھی نہ مانے تو تو جھوٹا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے۔ ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ۝۳۶

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' ماں باپ سے سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا ○

حقوق العباد اور حقوق اللہ: ☆☆ (آیت:۳۶) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے اس لئے کہ جب خالق رزاق نعمتیں دینے والا' تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش برسانے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جانتے ہو اللہ عزوجل کا حق بندوں پر کیا ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول بہت زیادہ جاننے والے ہیں آپؐ نے فرمایا' یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' پھر فرمایا جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔ پھر فرماتا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو' وہی تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا سبب بنے ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک و احسان کرنے کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اور وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یہاں بھی یہ بیان فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک و احسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے' مسکین کو صدقہ دینا اور صلہ رحمی کرنا بھی اسی حسن

سلوک کی شاخ ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرو اس لئے کہ ان کی خبر گیری کرنے والا، ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا، ان کے ناز لاڈ اٹھانے والا، انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے۔ پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں، خالی ہاتھ ہیں، محتاج ہیں، ان کی ضرورتیں تم پوری کرو، ان کی احتیاج تم رفع کرو، ان کے کام تم کر دیا کرو، فقیر و مسکین کا پورا بیان سورہ براۃ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

پڑوسیوں کے حقوق: ☆☆ اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو اور ان کے ساتھ بھی برتاؤ اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود و نصرانی ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جَارِ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد بیوی ہے اور جَارِالْجُنُبِ سے مراد مرد رفیق سفر ہے۔ پڑوسیوں کے حق میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں، کچھ سن لیجئے۔ مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مجھے حضرت جبرائیل پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت و نصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے، فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خوش سلوک زیادہ ہو اور پڑوسیوں میں سے سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک میں زیادہ ہو، فرماتے ہیں انسان کو نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی کے بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہ سے سوال کیا، زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا، وہ حرام ہے، اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک وہ حرام ہی رہے گا، آپؐ نے فرمایا سنو دس عورتوں سے زنا کاری کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے، پھر دریافت فرمایا تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے، آپؐ نے فرمایا، سنو دس گھروں سے چوری کرنے والے کا گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے، حضرت ابن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضورؐ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید انہیں آپؐ سے کچھ کام ہوگا۔ حضور کھڑے ہیں اور ان سے باتیں ہو رہی ہیں، بڑی دیر ہوگئی، یہاں تک کہ مجھے آپؐ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا، بہت دیر کے بعد آپؐ لوٹے اور میرے پاس آئے، میں نے کہا، حضورؐ اس شخص نے تو آپ کو بہت دیر کھڑا رکھا۔ میں تو پریشان ہوگیا، آپؐ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے، آپؐ نے فرمایا، اچھا تم نے انہیں دیکھا۔ میں نے کہا، ہاں خوب اچھی طرح دیکھا، فرمایا جانتے ہو، وہ کون تھے؟ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید کرتے رہے یہاں تک ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے کھٹکا ہوا کہ غالباً آج تو پڑوسی کو وارث ٹھہرا دیں گے (مسند احمد)۔ مسند عبد بن حمید میں ہے، حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی جب آپؐ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا، حضورؐ کے ساتھ یہ دوسرا شخص کون نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا، تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی، یہ جبرائیلؑ تھے، مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے

دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے۔ آٹھویں حدیث بزار میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والے یعنی ادنیٰ، دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو، دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو۔ ایک حق اسلام، دوسرا حق پڑوس، تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو، پڑوسی بھی ہو اور رشتے ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام، حق ہمسائیگی، حق صلہ رحمی تین تین حق اس کے ہو گئے۔ نویں حدیث مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں، میں ایک کو ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھجواؤں؟ آپؐ نے فرمایا، جس کا دروازہ قریب ہو۔ دسویں حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا لوگوں نے آپ کے وضو کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا آپ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں آپ نے فرمایا جسے یہ خوش لگے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے (تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے لیکن شاید اگلا جملہ اس کا سہواً رہ گیا ہے جس کا صحیح تعلق اس مسئلہ سے ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے، پڑوسی کے ساتھ سلوک واحسان کرے۔ مترجم) گیارھویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ کے سامنے پیش ہو گا، وہ پڑوسیوں کا ہو گا۔

پھر حکم ہوتا ہے صَاحِبِ بِالْجَنْبِ کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں، مراد سفر کا ساتھی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے۔ عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں، ابن سبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو سفر میں کہیں ٹھہر گیا ہو، اگر مہمان بھی یہاں مراد لیا جائے کہ سفر میں جاتے جاتے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے، اس کا پورا بیان سورۂ براۃ کی تفسیر میں آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

غلاموں کے بارہ میں احکامات: ☆☆ پھر غلاموں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو اس لئے کہ وہ غریب تمہارے ہاتھوں اسیر ہے۔ اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے، تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا اپنے امکان بھر خیال رکھو رسول کریم ﷺ تو اپنے آخری مرض الموت میں بھی اپنی امت کو اس کی وصیت فرما گئے۔ فرماتے ہیں، لوگو نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔ بار بار اسی کو فرماتے رہے یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔

مسند کی حدیث میں ہے، آپؐ فرماتے ہیں تو جو خود کھائے، وہ بھی صدقہ ہے، جو اپنے بچوں کو کھلائے، وہ بھی صدقہ ہے، جو اپنی بیوی کو کھلائے، وہ بھی صدقہ ہے، جو اپنے خادم کو کھلائے، وہ بھی صدقہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا، اب تک نہیں دی، فرمایا جاؤ دے کر آؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے، ان سے روک رکھے۔ مسلم میں ہے مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ بخاری شریف میں ہے جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو۔ خیال کرو کہ اس نے پکانے کی گرمی اور تکلیف اٹھائی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمے ہی دے دیا کرو، آپؐ فرماتے ہیں، تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو، اسے اپنے کھانے سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ کرے کہ وہ عاجز ہو جائے، اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آ پڑے تو خود بھی اس کا

ساتھ دے۔ (بخاری ومسلم)

پھر فرمایا کہ خود بین' معجب' متکبر' خود پسند' لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا' اپنے آپ کو تولنے والا' اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا' اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ نہیں۔ وہ گو اپنے آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہے' لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے۔ بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو اگر کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے لیکن رب کی نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھی ہیں' شکر بجا نہ لائے' لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں' میرے پاس یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے۔ حضرت ابو رجا ہروی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر بد خلق' متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا' ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بدنصیب ہوتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا پڑھی' حضرت عوام بن حوشب رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں' مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ملی تھی' میرے دل میں تمنا تھی کہ کسی وقت خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مل کر اس روایت کو انہی کی زبانی سنوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا' مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ہاں یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے خلیل ﷺ پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں؟ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا' اسے تو تم کتاب اللہ میں پاتے بھی ہو' بنو ہجیم کا ایک شخص رسول مقبول ﷺ سے کہتا ہے' مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' کپڑا ٹخنے سے نیچا نہ لٹکاؤ کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی ہے جسے اللہ ناپسند رکھتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ
مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ
قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے' اسے چھپاتے ہیں' ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے' اور جس کا ہمنشین اور ساتھی شیطان ہو پس وہ بدترین ساتھی ہے ○ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے انہیں جو دے رکھا ہے' اس کے نام پر دیتے' اللہ خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ سے کترانے والے بخیل لوگ: ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۹) ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے موقعہ پر مال خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں مثلاً ماں باپ کو دینا' قرابت داروں سے اچھا سلوک نہیں کرتے' یتیم' مسکین' پڑوسی' رشتہ دار'

غیر رشتہ دار پڑوسی، ساتھی، مسافر، غلام اور ماتحت کو ان کی محتاجی کے وقت فی سبیل اللہ نہیں دیتے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی بخل اور فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے، کون سی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے؟ اور حدیث میں ہے، لوگو بخیلی سے بچو، اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت و تاراج کیا، اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق و فجور جیسے برے کام نمایاں ہوئے۔ پھر فرمایا، یہ لوگ ان دونوں برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسری برائی کے بھی مرتکب ہیں یعنی اللہ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں۔ انہیں ظاہر نہیں کرتے نہ ان کے کھانے پینے میں وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ پہننے اوڑھنے میں نہ دینے لینے میں۔ جیسے اور جگہ ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ یعنی انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ خود ہی اپنی اس حالت اور خصلت پر گواہ ہے۔ پھر وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ وہ مال کی محبت میں مست ہے۔ پس یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کے فضل کو یہ چھپاتا رہتا ہے۔

پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ کفر کے معنی ہیں پوشیدہ رکھنا اور چھپالینا۔ پس بخیل بھی اللہ کی نعمتوں کا چھپانے والا، ان پر پردہ ڈال رکھنے والا بلکہ ان کا انکار کرنے والا قرار دیا ہے۔ پس وہ نعمتوں کا کافر ہوا، حدیث شریف میں ہے اللہ جب کسی بندے پر اپنی نعمت و انعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ دعا نبویؐ میں ہے، وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر گزار بنا اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنا ثنا خوان بنا۔ ان کا قبول کرنے والا بنا اور ان کی نعمتوں کو ہمیں بھرپور عطا فرما۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں ہے جو وہ اپنی کتاب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات کے چھپانے میں کرتے تھے۔ اسی لئے اس کے آخر میں ہے کہ کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہم نے تیار کر رکھے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا اطلاق ان پر بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بظاہر یہاں مال کا بخل بیان ہو رہا ہے۔ گو علم کا بخل بھی اس میں بطور اولیٰ داخل ہے۔ خیال کیجئے کہ بیان آیت اقربا ضعفا کو مال دینے کے بارے میں ہے، اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ریاکاری کے طور پر فی سبیل اللہ مال دینے کی مذمت بھی بیان کی جا رہی ہے۔ پہلے ان کا بیان ہوا جو مسک اور بخیل ہیں، کوڑی کوڑی کو دانتوں سے تھام رکھتے ہیں۔

پھر ان کا بیان ہوا جو دیتے تو ہیں لیکن بدنیتی اور دنیا میں اپنی واہ واہ ہونے کی خاطر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی، وہ یہی ریاکار ہوں گے۔ ریاکار عالم، ریاکار غازی، ریاکار سخی۔ ایسا سخی کہے گا، باری تعالیٰ تیری ہر ہر راہ میں میں نے اپنا مال خرچ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملے گا کہ تو جھوٹا ہے، تیرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ تو سخی اور جواد مشہور ہو جائے سو وہ ہو چکا یعنی تیرا مقصود دنیا کی شہرت تھی، وہ میں نے تجھے دنیا میں ہی دے دی، پس تیری مراد حاصل ہو چکی۔ اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تیرے باپ نے اپنی سخاوت سے جو چاہا تھا، وہ اسے مل گیا۔ حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان تو بڑا سخی تھا جس نے مساکین و فقراء کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور نام الہ بہت سے غلام آزاد کئے تو کیا اسے ان کا نفع نہ ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے تو عمر بھر میں ایک دن بھی نہ کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن معاف فرما دینا۔ اسی لئے یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کا ایمان اللہ اور قیامت پر نہیں ورنہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنس جاتے اور بد کو بھلا نہ سمجھ بیٹھتے۔ یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔ ساتھی کی برائی پر ان کی برائی بھی سوچ لو۔ عرب شاعر کہتا ہے ؎

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْاَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ   فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِىْ

''انسان کے بارے میں نہ پوچھ- اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کرلے- ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہی پیروکار ہوتا ہے''-

پھر ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں اللہ پر ایمان لانے اور صحیح راہ پر چلنے اور ریاکاری کو چھوڑ دینے اور اخلاص و یقین پر قائم ہو جانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ ان کا اس میں کیا نقصان ہے؟ بلکہ سراسر فائدہ ہے کہ ان کی عاقبت سنور جائے گی- یہ کیوں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تنگ دلی کر رہے ہیں- اللہ کی محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اللہ انہیں خوب جانتا ہے' ان کی بھلی اور بری نیتوں کا اسے علم ہے- اہل توفیق اور غیر اہل توفیق سب اس پر ظاہر ہیں- وہ بھلوں کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما کر' اپنی خوشنودی کے کام ان سے لے کر' اپنی قربت انہیں عطا فرماتا ہے اور بروں کو اپنی عالی جناب اور زبردست سرکار سے دھکیل دیتا ہے جس سے ان کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے' عَیَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ-

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا
وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ
اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴۱﴾ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا
یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ﴿۴۲﴾ ع

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے ○ پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ○ جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش کہ انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ○

بے مثال خریدار؟ ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۲) باری تعالیٰ رب العالمین فرماتا ہے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا' کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا' بلکہ بڑھا چڑھا کر قیامت کے روز اس کا اجر و ثواب عطا فرماؤں گا جیسے اور آیت میں ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ الخ ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور فرمایا کہ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ الخ' اے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو' گو وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو' اللہ اسے لا حاضر کرے گا- بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین خریدار ہے- اور جگہ فرمایا یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ الخ' اس دن لوگ اپنے مختلف احوال پر لوٹیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی- وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی- وہ اسے دیکھ لے گا-

بخاری و مسلم کی شفاعت کے ذکر والی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' لوٹ کر جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان دیکھو' اسے جہنم سے نکال لاؤ- پس بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہوگی' حضرت ابوسعیدؓ یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے' اگر تم چاہو تو آیت قرآنی کے اس جملے کو پڑھ لو اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ' ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن کسی اللہ کے بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا سب اہل محشر کو باآواز بلند سنا کر کہے گا' یہ

فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس کا نام یہ ہے، جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ باقی ہو وہ آئے اور لے جائے۔ اس وقت یہ حالت ہوگی کہ عورت چاہے گی کہ اس کا کوئی حق اس کے باپ پر یا ماں پر یا بھائی پر یا شوہر پر ہو تو دوڑ کر آئے اور لے آئے رشتے ناطے کٹ جائیں گے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا جو حق چاہے، معاف فرمادے گا لیکن لوگوں کے حقوق میں سے کوئی حق معاف نہ فرمائے گا۔ اسی طرح جب کوئی حقدار آئے گا تو فریق ثانی سے کہا جائے گا کہ ان کے حق ادا کر، یہ کہے گا، دنیا تو ختم ہو چکی، آج میرے ہاتھ میں کیا ہے جو میں دوں؟ پس اس کے نیک اعمال لئے جائیں گے اور حقداروں کو دیئے جائیں گے اور ہر ایک کا حق اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ اب یہ شخص اگر اللہ کا دوست ہے تو اس کے پاس ایک رائی کے دانے برابر نیکی بچ رہے گی جسے بڑھا چڑھا کر صرف اسی کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور اگر وہ بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے بلکہ بدبخت اور سرکش ہے تو یہ حال ہوگا کہ فرشتہ کہے گا کہ باری تعالیٰ اس کی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ابھی حقدار باقی رہ گئے۔ حکم ہوگا کہ ان کی برائیاں لے کر اس پر لاد دو۔ پھر اسے جہنم واصل کرو اعاذنا اللہ منہا۔ اس موقوف اثر کے بعض شواہد مرفوع احادیث میں بھی موجود ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اعراب کے بارے میں اتری ہے۔ اس پر ان سے سوال ہوا کہ پھر مہاجرین کے بارے میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے بہت ہی اچھی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ الخ۔

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مشرک کے بھی عذابوں میں اس کے باعث کمی کر دی جاتی ہے۔ ہاں جہنم سے نکلے گا تو نہیں، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا، یا رسول اللہ آپ کے چچا ابو طالب آپؐ کے پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ آپ کو لوگوں کی ایذاؤں سے بچاتے رہتے تھے۔ آپ کی طرف سے ان سے لڑتے تھے تو کیا انہیں کچھ نفع بھی پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ بہت تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میرا یہ تعلق نہ ہوتا تو جہنم کے نیچے کے طبقے میں ہوتا۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ یہ فائدہ صرف ابو طالب کے لئے ہی ہو یعنی اور کفار اس حکم میں نہ ہوں اس لئے کہ مسند طیالسی کی حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی پر ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں روزی رزق وغیرہ کی صورت میں اس کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں جزا اور ثواب کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ ہاں کافر تو اپنی نیکی دنیا میں ہی کھا جاتا ہے، قیامت میں اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی۔ اجر عظیم سے مراد اس آیت میں جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے اپنی رضامندی عطا فرمائے اور جنت نصیب کرے۔ آمین۔

مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے، حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں، مجھے خبر ملی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی کا ثواب دے گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں سب سے زیادہ میں رہا ہوں، میں نے تو کبھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جاؤں حضرت ابو ہریرہؓ سے مل کر ان سے خود پوچھ آؤں چنانچہ میں نے سامان سفر درست کیا اور اس روایت کی چھان بین کے لئے روانہ ہوا، معلوم ہوا کہ وہ تو حج کو گئے ہیں تو میں بھی حج کی نیت سے وہاں پہنچا، ملاقات ہوئی تو میں نے کہا ابو ہریرہؓ میں نے سنا ہے، آپ نے ایسی حدیث بیان کی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں تعجب معلوم ہے؟ تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص اللہ کو اچھا قرض دے اللہ اسے بہت بہت بڑھا کر عنایت فرماتا ہے اور دوسری آیت میں ساری دنیا کو کم کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کو بڑھا کر اس کے بدلے دو لاکھ ملیں گی۔ یہ حدیث اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔

پھر قیامت کے دن کی سختی اور ہولنا کی بیان فرما رہا ہے کہ اس دن انبیاء علیہ السلام کو بطور گواہ کے پیش کیا جائے گا جیسے اور آیت میں ہے وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگی گی- نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا- اور جگہ فرمان ہے وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ الخ' ہر امت پر انہی میں سے ہم گواہ کھڑا کریں گے- صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ- حضرت عبداللہ نے کہا' یارسول اللہ میں آپ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا؟ آپؐ پر تو اترا ہی ہے' فرمایا' ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں' پس میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی' پڑھتے پڑھتے جب میں نے اس آیت فَكَيۡفَ کی تلاوت کی تو آپؐ نے فرمایا بس کرو' میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے- حضرت محمد بن فضالہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور اس چٹان پر بیٹھ گئے جو اب تک ان کے محلے میں ہے- آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ معاذ بن جبلؓ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے- آپ نے ایک قاری سے فرمایا' قرآن پڑھو' وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت فَكَيۡفَ تک پہنچا تو آپ اس قدر روئے کہ دونوں رخسار اور داڑھی تر ہوگئی اور عرض کرنے لگے' یارب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہوگی لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں' ان کی بابت کیسے؟ (ابن ابی حاتم)-

ابن جریرؒ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' میں ان پر گواہ ہوں جب تک کہ ان میں ہوں پس جب تو مجھے فوت کرے گا تب تو تو ہی ان پر نگہبان ہے- ابوعبداللہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب تذکرہ میں باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ کی اپنی امت پر شہادت کے بارے میں کیا آیا ہے؟ اس میں حضرت سعید بن میسبؒ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہر دن صبح شام نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں مع ناموں کے- پس آپ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے- پھر یہی آیت تلاوت فرمائی لیکن اولاً تو یہ حضرت سعید کا خود کا قول ہے' دوسرے یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے- اس میں ایک راوی مبہم ہے- جس کا نام ہی نہیں- تیسرے یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے' ہاں امام قرطبیؒ اسے قبول کرتے ہیں- وہ اس کے لانے کے بعد فرماتے ہیں' پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر پیر اور ہر جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں- پس وہ انبیاء پر اور ماں باپ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی تعارض نہیں- ممکن ہے کہ ہمارے نبیؐ پر ہر جمعہ کو بھی پیش ہوتے ہوں اور ہر دن بھی- (ٹھیک یہی ہے کہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت نہیں- واللہ اعلم- مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ اس دن کافر کہے گا' کاش میں کسی زمین میں سما جاؤں' پھر زمین برابر ہو جائے گی- کافر نا قابل برداشت ہولنا کیوں' رسوائیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا اٹھے گا' جیسے اور آیت میں ہے يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ الخ' جس دن انسان اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا' کاش کہ میں مٹی ہو گیا ہوتا- پھر فرمایا یہ ان تمام بدافعالیوں کا اس دن اقرار کریں گے جو انہوں نے کی تھیں اور ایک چیز بھی پوشیدہ نہ رکھیں گے- ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا' حضرت ایک جگہ تو قرآن میں ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ اللہ کی قسم' رب کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا' اور دوسری جگہ ہے کہ لَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا اللہ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے- پھر ان دونوں آیتوں کا کیا مطلب ہے؟ آپؓ نے فرمایا' اس کا اور وقت ہے- اس کا وقت اور ہے' جب موحدوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے' آؤ تم بھی اپنے شرک کا انکار کرو' کیا عجب کام چل جائے- پھر ان کے منہ پر مہریں لگ جائیں گی اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے- اب اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے (ابن جریرؒ) مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس شخص نے آن کر کہا تھا' بہت سی چیزیں مجھ پر قرآن میں مختلف ہوتی ہیں تو آپ نے فرمایا' کیا مطلب تجھے کیا

قرآن میں شک ہے؟ اس نے کہا شک تو نہیں۔ ہاں میری سمجھ میں اختلاف نظر آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جہاں جہاں اختلاف تجھے نظر آیا ہو ان مقامات کو پیش کر تو اس نے یہ دو آیتیں پیش کیں کہ ایک سے چھپانا ثابت ہوتا ہے دوسرے سے نہ چھپانا پایا جاتا ہے تو آپ نے اسے یہ جواب دے کر دونوں آیتوں کی تطبیق سمجھا دی۔ ایک اور روایت میں سائل کا نام بھی آیا ہے کہ وہ حضرت نافع بن ارزق تھے۔ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ شاید تم کسی ایسی مجلس سے آ رہے ہو جہاں ان کا تذکرہ ہو رہا ہوگا یا تم نے کیا ہوگا کہ میں جاتا ہوں اور ابن عباسؓ سے دریافت کرتا ہوں۔ اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو تمہیں لازم ہے کہ جواب سن کر انہیں بھی جا کر سنا دو۔ پھر یہی جواب دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى
تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ
وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ
الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا
غَفُوْرًا ۝۴۳

اے ایمان والو تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور ہاتھ مل لو، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور بخشنے والا ہے ○

بتدریج حرمت شراب اور پس منظر: ☆☆ (آیت:۴۳) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے کیونکہ اس وقت نمازی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ساتھ ہی محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے اور ساتھ ہی جنبی شخص جسے نہانے کی حاجت ہو محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے۔ ہاں ایسا شخص کسی کام کی وجہ سے مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائے تو جائز ہے نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے تھا جیسے اس حدیث سے ظاہر ہے جو ہم نے سورہ بقرہ کی آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الخ،① کی تفسیر میں بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے جب وہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں اور صاف صاف بیان نازل فرما۔ پھر نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی یہ آیت اتری۔ اس پر نمازوں کے وقت اس کا پینا لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اسے سن کر بھی جناب فاروقؓ نے یہی دعا مانگی تو آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ سے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک نازل ہوئی جس میں شراب سے بچنے کا حکم صاف موجود ہے۔ اسے سن کر فاروق اعظمؓ نے فرمایا، ہم باز آئے۔ اسی روایت کی ایک سند میں ہے کہ جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایک شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے۔

ابن ماجہ شریف میں ہے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں- ایک انصاری نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی- ہم سب نے خوب کھایا پیا، پھر شرابیں پیں اور مخمور ہو گئے، پھر آپس میں فخر جتانے لگے- ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعد کو ماری جس سے ناک پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا- اس وقت تک شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی، یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے- ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمان بن عوفؓ نے دعوت کی، سب نے کھانا کھایا، پھر شراب پی اور مست ہو گئے- اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورۂ قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ میں اس طرح پڑھا مَا اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ وَنَحۡنُ نَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ- اس پر یہ آیت اتری اور نشے کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا- یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے- ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمانؓ اور تیسرے ایک اور صاحب نے شراب پی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز میں امام بنائے گئے اور قرآن کی قرات خلط ملط کر دی، اس پر یہ آیت اتری، ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے- ابن جریرؒ کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے امامت کی اور جس طرح پڑھنا چاہئے تھا، نہ پڑھ سکے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی- اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کرائی اور اس طرح پڑھا قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ وَ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس حالت میں نماز پڑھنا حرام کر دیا گیا- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے- پس اس آیت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا (ابن جریرؒ)-

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، اس کے نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے رک گئے- پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے بالکل تائب ہو گئے- پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہوئی- حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں، اس سے شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا خمار مراد ہے، امام ابن جریر فرماتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ مراد اس سے شراب کا نشہ ہے اور یہاں خطاب ان سے کیا گیا ہے جو نشہ میں ہیں لیکن اتنے نشہ میں بھی نہیں کہ احکام شرع ان پر جاری ہی نہ ہو سکیں کیونکہ نشے کی ایسی حالت والا شخص مجنون کے حکم میں ہے- بہت سے اصولی حضرات کا قول ہے کہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو کلام کو سمجھ سکیں- ایسے نشہ والوں کی طرف نہیں جو سمجھتے ہی نہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے اس لئے کہ خطاب کا تکلیف کی سمجھنا شرط ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گو الفاظ یہ ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن مراد یہ ہے کہ نشے کی چیز کھاؤ پیو بھی نہیں اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک شرابی ان پانچوں وقت کی نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کر سکے حالانکہ شراب برابر پی رہا ہے- واللہ اعلم، پس یہ حکم بھی اسی طرح ہوگا جس طرح یہ حکم ہے کہ ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو- تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی تیاری ہر وقت رکھو اور ایسے پاکیزہ اعمال ہر وقت کرتے رہو کہ جب تمہیں موت آئے تو اسلام پر دم نکلے- یہ جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ تم معلوم کر سکو جو تم کہہ رہے ہو، یہ نشہ کی حد ہے یعنی نشہ کی حالت میں اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنی بات نہ سمجھ سکے- نشہ والا انسان قرات میں خلط ملط کر دے گا- اسے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا موقعہ نہ ملے گا نہ ہی اسے عاجزی اور خشوع و خضوع حاصل ہو سکتا ہے، مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جب تم میں سے اگر کوئی نماز میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز چھوڑ کر سو جائے جب تک کہ وہ جاننے لگے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے- بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے لئے استغفار کرے لیکن اس کی

زبان سے اس کے خلاف نکلے۔

آداب مسجد اور مسائل تیمم: ☆☆ پھر فرمان ہے کہ جنبی نماز کے قریب نہ جائے جب تک غسل نہ کر لے۔ ہاں بطور گزر جانے کے مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایسی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانا ناجائز ہے ہاں مسجد کے ایک طرف سے نکل جانے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں بیٹھے نہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین کا یہی قول ہے، حضرت یزید بن ابوحبیب فرماتے ہیں بعض انصار جو مسجد کے گرد رہتے تھے اور جنبی ہوتے تھے، گھر میں پانی نہیں ہوتا تھا اور گھر کے دروازے مسجد سے متصل تھے، انہیں اجازت مل گئی کہ مسجد سے اسی حالت میں گزر سکتے ہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حضورؐ نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں، سب کو بند کر دو۔ حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ رہنے دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے تو انہیں ہر وقت بکثرت مسجد میں آنے جانے کی ضرورت رہے گی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں اس لئے آپ نے سب کے دروازے بند کرنے اور صدیق اکبرؓ کا دروازہ کھلا رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض سنن کی اس حدیث میں بجائے حضرت ابوبکرؓ کے حضرت علیؓ کا نام ہے، وہ بالکل غلط ہے، صحیح یہی ہے جو صحیح میں ہے، اس آیت سے اکثر ائمہ نے دلیل پکڑی ہے کہ جنبی شخص کو مسجد میں ٹھہرانا حرام ہے۔ ہاں گزر جانا جائز ہے۔ اسی طرح حیض ونفاس والی عورتوں کو بھی اور بعض کہتے ہیں ان دونوں کو گزرنا بھی جائز نہیں، ممکن ہے مسجد میں آلودگی ہو اور بعض کہتے ہیں اگر اس بات کا خوف نہ ہو تو ان کا گزرنا بھی جائز ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے بوریا اٹھا دو تو ام المومنین نے عرض کیا، حضورؐ میں حیض سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ مسجد میں آ جا سکتی ہے اور نفاس والی کے لئے بھی یہی حکم ہے یہ دونوں بطور راستہ چلنے کے جا آ سکتی ہیں۔ ابوداؤد میں فرمان رسولؐ ہے کہ میں حائض اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ امام ابو مسلم خطابیؒ فرماتے ہیں، اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے کیونکہ ''افلت'' اس کا راوی مجہول ہے۔ لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت ہے، اس میں ''افلت'' کی جگہ معدوم ذہلی ہیں۔ پہلی حدیث بروایت حضرت عائشہؓ اور یہ دوسری بروایت حضرت ام سلمہؓ ہے لیکن ٹھیک نام حضرت عائشہؓ کا ہی ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہے کہ اے علیؓ اس مسجد میں جنبی ہونا میرے اور تیرے سوا کسی کو حلال نہیں۔ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس میں سالم راوی ہے جو متروک ہے اور ان کے استاد عطیہ بھی ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جنبی شخص بغیر غسل کئے نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن اگر وہ مسافر ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک پڑھ سکتا ہے۔ ابن عباس، سعید بن جبیر اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد، حسن، حکم، زید اور عبدالرحمان رحمہم اللہ علیہم سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ عبداللہ بن کثیرؒ فرماتے ہیں، ہم سنا کرتے تھے کہ یہ آیت سفر کے حکم میں ہے۔ اس حدیث سے بھی مسئلہ کی شہادت ہو سکتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے گو دس سال تک پانی نہ ملے اور جب مل جائے تو اسی کو استعمال کرے یہ تیرے لئے بہتر ہے (سنن اور احمد)۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں، ان دونوں قولوں میں اولیٰ قول انہی لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں اس سے مراد صرف گزر جانا ہے کیونکہ جس مسافر کو جب کی حالت میں پانی نہ ملے، اس کا حکم تو آگے صاف بیان ہوا ہے۔ پس اگر یہی مطلب یہاں بھی لیا جائے تو پھر دوسرے جملہ میں

اسے لوٹانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس معنی آیت کے اب یہ ہوئے کہ ایمان والو! نماز کے لئے مسجد میں نہ جاؤ جبکہ تم نشے میں ہو جب تک اپنی بات کو آپ نہ سمجھنے لگو۔ اسی طرح جنب کی حالت میں بھی مسجد میں نہ جاؤ جب تک نہا نہ لو۔ ہاں صرف گزر جانا جائز ہے۔ عَابِرٌ کے معنی آنے جانے یعنی گزر جانے والے ہیں۔ اس کا مصدر عَبرًا اور عُبُورًا آتا ہے جب کوئی نہر سے گزرے تو عرب کہتے ہیں عَبَّرًا فُلَانٌ النَّهْرَ فلاں شخص نے نہر سے عبور کر لیا اسی طرح قوی اونٹنی کو جو سفر کاٹتی ہو' عُبّرَ الْاَسْفَارَ کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ جس قول کی تائید کرتے ہیں' یہی قول جمہور کا ہے اور آیت سے ظاہر بھی یہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس ناقص حالت میں نماز سے منع فرما رہا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہے اسی طرح نماز کی جگہ میں بھی ایسی حالت میں آنے کو روکتا ہے جو اس جگہ کی عظمت اور پاکیزگی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا کہ یہاں تک کہ تم غسل کر لو' امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہم اسی دلیل کی روشنی میں کہتے ہیں کہ جنبی کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جب تک غسل نہ کر لے یا اگر پانی نہ ملے یا پانی ہو لیکن اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم کر لے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں' جب جنبی نے وضو کر لیا تو اسے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن سعید بن منصور میں مروی ہے حضرت عطا بن یسار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھے رہتے۔ واللہ اعلم۔

پھر تیمم کے مواقع بیان فرمائے۔ جس بیماری کی وجہ سے تیمم جائز ہو جاتا ہے وہ وہ بیماری ہے کہ اس وقت پانی کے استعمال سے عضو کے فوت ہو جانے یا اس کے خراب ہو جانے یا مرض کی مدت کے بڑھ جانے کا خوف ہو۔ بعض علماء نے ہر مرض پر تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری بیمار تھے' نہ تو کھڑے ہو کر وضو کر سکتے تھے نہ ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی دے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا' اس پر یہ حکم اترا یہ روایت مرسل ہے' دوسری حالت میں تیمم کا جواز سفر ہے خواہ لمبا سفر ہو خواہ چھوٹا۔ غَآئِطٌ نرم زمین کو یہاں سے کنایہ کیا گیا ہے پاخانہ پیشاب سے لَامَسْتُمْ کی دوسری قرات لَمَسْتُمْ ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مراد جماع ہے جیسے اور آیت میں ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الخ' یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو مجامعت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر ہو تو جو مقرر ہو' اس سے آدھا دے دو' اور آیت میں ہے اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو' پھر مجامعت سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان کے ذمہ عدت نہیں یہاں بھی لفظ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ سے مراد مجامعت ہے۔ حضرت علیؓ' حضرت ابی ابن کعبؓ' حضرت مجاہدؒ' حضرت طاؤسؒ' حضرت حسنؒ' حضرت عبید بن عمیرؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت شعبیؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ اس لفظ پر مذاکرہ ہوا تو چند موالی نے کہا' یہ جماع نہیں اور چند عرب نے کہا جماع ہے۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا' تم کن کے ساتھ تھے' میں نے کہا موالی کے' فرمایا موالی مغلوب ہو گئے۔ لمس اور مس اور مباشرت کا معنی جماع ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں کنایہ کیا ہے' بعض اور حضرات نے اس سے مراد مطلق چھونا لیا ہے خواہ جسم کے کسی حصہ کو عورت کے کسی حصہ سے ملایا جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لمس جماع کے ہم معنی نہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں' بوسہ بھی لمس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو کرنا پڑے گا۔ فرماتے ہیں مباشرت سے' ہاتھ لگانے سے' بوسہ لینے سے وضو کرنا پڑے گا۔ لمس سے مراد چھونا ہے۔ ابن عمرؓ بھی عورت کا بوسہ لینے سے وضو کرنے کے قائل تھے اور اسے لمس میں داخل جانتے تھے۔ عبیدہؒ' ابو عثمان' ثابت' ابراہیم' زید رضوان اللہ عنہم بھی کہتے ہیں' لمس سے مراد جماع کے علاوہ ہے' حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے

ہیں' انسان کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست ہے' اس سے وضو کرنا پڑے گا (موطا مالک) دارقطنی میں خود حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن دوسری روایت آپ سے اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہے۔ آپ باوضو تھے۔ آپ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ پس دونوں روایتوں کو صحیح ماننے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب جانتے تھے۔ واللہ اعلم۔

مطلق چھونے سے وضو کے قائل امام شافعیؒ اور ان کے ساتھی امام مالکؒ ہیں اور مشہور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ یہاں دو قراتیں ہیں لَامَسْتُمْ اور لَمَسْتُمْ اور لمس کا اطلاق ہاتھ لگانے پر بھی قرآن کریم میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھ لگانا ہی مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو گا یا ہاتھ لگایا ہو گا' وہاں بھی لفظ لَمَسْتَ ہے اور صرف ہاتھ لگانے کے معنی میں ہے' اور حدیث میں ہے وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ ہاتھ کا زنا' چھونا اور ہاتھ لگانا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں' بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آ کر بوسہ نہ لیتے ہوں یا ہاتھ نہ لگاتے ہوں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بیع ملامست سے منع فرمایا۔ یہ بھی ہاتھ لگانے کی بیع ہے۔ پس یہ لفظ جس طرح جماع پر بولا جاتا ہے' ہاتھ سے چھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے وَلَمَسْتُ كَفِّيْ كَفَّهٗ اَطْلُبُ الْغِنٰى میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملا۔ میں تونگری چاہتا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص سرکار محمدؐ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضورؐ اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو ایک جنبیہ عورت کے ساتھ تمام وہ کام کرتا ہے جو میاں بیوی میں ہوتے ہیں سوائے جماع کے تو آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ نازل ہوتی ہے اور حضورؐ فرماتے ہیں' وضو کر کے نماز ادا کر لے۔ اس پر حضرت معاذؓ پوچھتے ہیں' کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں تمام ایمان والوں کے لئے ہے' امام ترمذیؒ اسے زائدہ کی حدیث سے روایت کر کے فرماتے ہیں' اس کی سند متصل نہیں۔ امام نسائی اسے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ الغرض اس قول کے قائل اس حدیث سے یہ کہتے ہیں کہ اسے وضو کا حکم اسی لئے دیا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا۔ جماع نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ منقطع ہے۔ ابن ابی لیلا اور معاذ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہیں دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے اسے وضو کا حکم فرض نماز کی ادائیگی کے لئے دیا ہو جیسے کہ حضرت صدیقؓ والی حدیث ہے کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے' پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ پوری حدیث سورۂ آل عمران میں آیت ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ان دونوں قولوں میں سے اولیٰ قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد اس سے جماع ہے نہ کہ اور کیونکہ صحیح مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کا بوسہ لیا اور بغیر وضو کئے نماز پڑھی' حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' آنحضرت رسول مقبول ﷺ وضو کرتے بوسہ لیتے پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھتے۔

حضرت حبیبؒ فرماتے ہیں' مائی عائشہ نے فرمایا' حضورؐ اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے' نماز کو جاتے میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو آپ مسکرا دیں' اس کی سند میں کلام ہے لیکن دوسری سندوں سے بغیر وضو کئے ثابت ہے کہ اوپر کے راوی یعنی حضرت صدیقہ سے سننے والے حضرت عروہ بن زبیر ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ وضو کے بعد حضورؐ نے میرا بوسہ لیا اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا کی' حضرت ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ بوسہ لیتے حالانکہ آپ روزے سے ہوتے۔ پھر نہ تو روزہ جاتا نہ نیا وضو کرتے (ابن جریر) حضرت زینب بنت خزیمہؓ فرماتی ہیں' حضورؐ بوسہ لینے کے بعد وضو نہ کرتے اور نماز پڑھتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو' اس سے اکثر فقہا نے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ پانے والے کے لئے

تیمم کی اجازت پانی کی تلاش کے بعد ہے۔ کتب فروع میں تلاش کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ الگ تھلگ ہے اور لوگوں کے ساتھ اس نے نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو آپؐ نے اس سے پوچھا' تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا' یا رسول اللہ ہوں تو مسلمان لیکن جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا۔ آپؐ نے فرمایا' پھر اس صورت میں تجھے مٹی کافی تھی۔ تیمم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں' عرب کہتے ہیں تَیَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِهٖ یعنی اللہ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے' امراء القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ صعید کے معنی میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو زمین میں سے اوپر کو چڑھے' پس اس میں مٹی' ریت' درخت' پتھر' گھاس بھی داخل ہو جائیں گے۔ امام مالکؒ کا قول یہی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے ریت' ہڑتال اور چونا' یہ مذہب ابوحنیفہؒ کا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مٹی ہے مگر یہ قول ہے حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے تمام ساتھیوں کا ہے۔ اس کی دلیل ایک تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا یعنی ہو جائے وہ مٹی پھسلتی۔ دوسری دلیل صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہمیں تمام لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں۔ ہماری صفیں مثل فرشتوں کی صفوں کے ترتیب دی گئیں۔ ہمارے لئے تمام زمین مسجد بنائی گئی اور زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک اور پاک کرنے والی بنائی گئی جبکہ ہم پانی نہ پائیں۔ اور ایک سند سے بجائے تربت کے تراب کا لفظ مروی ہے۔ پس اس حدیث میں احسان کے جتاتے وقت مٹی کی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی اور چیز بھی وضو کے قائم مقام کام آنے والی ہوتی تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیتے۔ یہاں یہ لفظ طیب اسی کے معنی میں آیا ہے۔ مراد حلال ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد پاک ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' پاک مٹی مسلمانوں کا وضو ہے گو دس سال تک پانی نہ پائے۔ پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم سے بہائے۔ یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں' حافظ ابوالحسن قطانؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ پاک مٹی کھیت کی زمین کی مٹی ہے بلکہ تفسیر ابن مردویہ میں تو اسے مرفوعاً وارد کیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر ملو' تیمم وضو کا بدل ہے۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنے میں نہ کہ تمام اعضاء کے بارے میں' تو صرف منہ اور دونوں ہاتھوں پر ملنا کافی ہے اور اس پر اجماع ہے لیکن کیفیت تیمم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جدید مذہب شافعی یہ ہے کہ دو دفعہ کر کے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے اس لئے کہ یدین کا اطلاق بغلوں تک اور کہنیوں تک ہوتا ہے جیسے آیت وضو میں اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد صرف ہتھیلیاں ہی ہوتی ہیں جیسے کہ چور کی حد کے بارے میں فرمایا فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا کہتے ہیں یہاں تیمم کے حکم میں ہاتھ کا ذکر مطلق ہے اور وضو کے حکم سے مشروط ہے۔ اس لئے اس مطلق کو اس مشروط پر محمول کیا جائے گا کیونکہ طہوریت جامع موجود ہے اور بعض لوگ اس کی دلیل میں دارقطنی والی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا' تیمم کی دو ضربیں ہیں' ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور ایک مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملنا لیکن یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے حدیث ثابت نہیں۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ ایک دیوار پر مارے اور منہ پر ملے۔

پھر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنے دونوں بازوؤں پر ملے۔ لیکن اس کی اسناد میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہیں۔ انہیں بعض حافظان حدیث نے ضعیف کہا ہے اور یہی حدیث بعض ثقہ راویوں نے بھی روایت کی ہے لیکن وہ مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فعل بتاتے ہیں۔ امام بخاری' امام ابوزرعہؒ اور امام ابن عدیؒ کا فیصلہ ہے کہ یہ موقوف ہی ہے اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں' اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے' امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمم کیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا' حضرت ابوجہمؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپؐ نے جواب نہ دیا۔ فارغ ہو کر آپؐ ایک دیوار

کے پاس گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس پر مار کر اپنے منہ پر ملے۔ پھر میرے سلام کا جواب دیا (ابن جریر)۔

یہ تو تھا امام شافعیؒ کا جدید مذہب۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ ضربیں تو تیمم میں دو ہی ہیں لیکن دوسری ضرب میں ہاتھوں کو پہنچوں تک ملنا چاہئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب یعنی ایک ہی مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مار لینا کافی ہے ان گرد آلود ہاتھوں کو منہ پر پھیر لے اور دونوں ہاتھوں پر پہنچے تک۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا' نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ دربار میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے۔ امیر المومنین آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے اور ہمیں پانی نہ ملا تو آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز ادا کر لی۔ جب ہم واپس پلٹے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو میں نے اس واقعہ کا بیان حضورؐ سے کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اتنا کافی تھا۔ پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک مار دی اور اپنے منہ کو ملا اور ہتھیلیوں کو ملا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تیمم میں ایک ہی مرتبہ ہاتھ مارنا جو چہرے کے لئے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضرت شقیق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ابو یعلیٰؒ نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے۔ اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ کیا تمہیں یاد نہیں جبکہ مجھے اور آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے بارے میں بھیجا تھا۔ وہاں میں جنبی ہو گیا اور مٹی میں لوٹ پوٹ لیا۔ واپس آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ہنس دیئے اور فرمایا۔ تجھے اس طرح کرنا ہی کافی تھا۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ مل لیا اور اپنے چہرے پر ایک بار ہاتھ پھیر لئے اور ضرب ایک ہی رہی' تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا لیکن حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہیں کی۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا' پھر تم اس آیت کا کیا کرو گے جو سورۂ نساء میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اس کا جواب حضرت عبداللہ نہ دے سکے اور فرمانے لگے سنو اگر ہم نے لوگوں کو تیمم کی رخصت دے دی تو بہت ممکن ہے کہ پانی جب انہیں ٹھنڈا معلوم ہوگا تو وہ تیمم کرنے لگیں گے۔ سورہ مائدہ میں فرمان ہے فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ اسے اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملو۔ اس سے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے دلیل پکڑی ہے کہ تیمم کا پاک مٹی سے ہونا اور اس کا بھی غبار آلود ہونا جس سے ہاتھوں پر غبار لگے اور وہ منہ اور ہاتھ پر ملا جائے ضروری ہے جیسے کہ حضرت ابوجہیمؓ والی حدیث میں گزرا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو استنجا کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنی لکڑی سے کھرچ کر ہاتھ مار کر تیمم کیا۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دین میں تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک صاف کرنا چاہتا ہے اسی لئے پانی نہ پانے کے وقت مٹی کے ساتھ تیمم کر لینے کو مباح قرار دے کر تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔ پس یہ امت اس نعمت کے ساتھ مخصوص ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ مہینے بھر کی راہ تک میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے' وہ وہیں پڑھ لے۔ اس کی مسجد اور اس کا وضو وہیں اس کے پاس موجود ہے' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ تمام انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا۔ اور صحیح مسلم کے حوالے سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ تمام لوگوں پر ہمیں تین فضیلتیں عنایت کی گئیں۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح

بنائی گئیں۔ ہمارے لیئے زمین مسجد بنائی گئی اور اس کی مٹی وضو بنائی گئی جب ہمیں پانی نہ ملے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر حکم دیتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پر مسح کر پانی نہ ملنے کے وقت اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اس کی عفو و درگزر شان ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی نہ ملنے کے وقت تیمم کو مشروع کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو تم ایک گونہ مشکل میں پڑ جاتے کیونکہ اس آیہ کریمہ میں نماز کو ناقص حالت میں ادا کرنا منع کیا گیا ہے مثلاً نشے کی حالت میں ہو یا جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو تو جب تک اپنی باتیں خود سمجھنے جتنا ہوش اور باقاعدہ غسل اور شرعی طریق پر وضو نہ ہو نماز نہیں پڑھ سکتے لیکن بیماری کی حالت میں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے قائم مقام تیمم کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے احسان پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ الحمد للہ۔

تیمم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ ہم اس واقعہ کو سورۂ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ سورہ مائدہ میں جو تیمم کی آیت ہے وہ نازل ہوئی یہ اس کے بعد کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ واضح ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ کے بعد جبکہ نبی ﷺ بنو نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حرام ہوئی اور سورہ مائدہ قرآن میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے بالخصوص اس سورت کا ابتدائی حصہ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ تیمم کا شان نزول یہیں بیان کیا جائے۔ اللہ نیک توفیق دے اسی کا بھروسہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار واپس کر دینے کے وعدے پر مستعار لیا تھا وہ سفر میں کہیں گم ہو گیا حضورؐ نے اسے ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجے انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت اس کی تلاش میں فوت ہو گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی اس پر تیمم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے اے ام المومنین عائشہؓ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اللہ کی قسم جو تکلیف آپ کو پہنچی ہے اس کا انجام ہم مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔

بخاری میں ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم اپنے کسی سفر میں تھے بیداء میں یا ذات الجیش میں میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا جس کے ڈھونڈنے کے لئے حضورؐ مع قافلہ ٹھہر گئے۔ اب نہ تو ہمارے پاس پانی تھا نہ وہاں میدان میں کہیں پانی تھا۔ لوگ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کیسی مصیبت میں پڑ گئے چنانچہ میرے والد صاحب میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے آتے ہی مجھے کہنے لگے تو نے حضورؐ کو اور لوگوں کو روک دیا۔ اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے۔ الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اللہ جانے کیا کیا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ ایسا نہ ہو کہ حضورؐ کے آرام میں خلل واقع ہو۔ ساری رات گزر گئی۔ صبح کو لوگ جاگے لیکن پانی نہ تھا۔ اللہ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے اے ابوبکر کے گھرانے والو یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں اب جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر یہ سوار تھیں تو اس کے نیچے سے ہی ہار مل گیا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ذات الجیش سے گزرے۔ ام المومنینؓ کا یمنی خر مہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا تھا اور گم ہو گیا تھا۔ اس کی تلاش میں یہاں ٹھہر گئے۔ ساری رات آپ کے ہم سفر مسلمانوں نے اور آپؐ نے یہیں گزاری۔ صبح اٹھے تو پانی بالکل نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر پاک مٹی سے تیمم کر کے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کی آیت اتاری اور مسلمانوں نے حضورؐ کے ساتھ کھڑے ہو کر زمین پر اپنے ہاتھ مارے اور جو مٹی ان سے لت پت ہوئی اسے جھاڑے بغیر اپنے چہرے پر اور اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک اور ہاتھوں کے نیچے سے بغل تک مل لی۔

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غصہ ہو کر گئے تھے لیکن تیمم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو۔ مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی پھر مسلمانوں نے زمین پر ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ لے گئے۔ ابن مردویہ میں روایت ہے حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضورؐ سوار تھے جاڑوں کا موسم تھا رات کا وقت تھا سخت سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا۔ ادھر حضورؐ نے کوچ کا ارادہ کیا۔ تو میں نے اپنی اس حالت میں حضورؐ کی اونٹنی کو چلانا پسند نہ کیا ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا تو میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ اونٹنی کی نکیل تھام لیجئے چنانچہ وہ چلاتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا۔ آپؐ نے مجھے فرمایا' اسلع کیا بات ہے؟ اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہؐ میں اسے نہیں چلا رہا تھا بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا' یہ کیوں؟ تو میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اللہ عزوجل نے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سے غَفُوْرًا تک نازل فرمائی۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ
الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۡ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ
وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ
اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے' وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ ○ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا بس ہے ○ بعض یہود باتوں کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن تجھے تیرے خلاف نہ سنایا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لیئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ○

یہودیوں کی ایک مذموم خصلت: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۶) اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہودیوں کی ایک مذموم خصلت یہ بھی ہے کہ وہ گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں' نبی آخر الزماںؐ پر جو کتاب نازل ہوئی' اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا علم ان کے

پاس ہے' اسے بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں خود اپنی کتابوں میں نبی موعود کی بشارتیں پڑھتے ہیں لیکن اپنے مریدوں سے چڑھاوا لینے کے لالچ میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی یہ چاہتے ہیں کہ خود مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں۔ اللہ کی کتاب کے مخالف ہو جائیں۔ ہدایت کو اور سچے علم کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب باخبر ہے۔ وہ تمہیں ان سے مطلع کر رہا ہے کہ کہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آ جاؤ۔ اللہ کی حمایت کافی ہے۔ تم یقین رکھو کہ وہ اپنی طرف جھکنے والوں کی ضرور حمایت کرتا ہے۔ وہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ تیسری آیت جو لفظ من سے شروع ہوئی ہے' اس میں من بیان جنس کے لئے ہے جیسے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ میں۔ پھر یہودیوں کے اس فرقے کی جس تحریف کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام اللہ کے مطلب کو بدل دیتے ہیں اور خلاف منشائے الٰہی تفسیر کرتے ہیں اور ان کا یہ فعل جان بوجھ کر ہوتا ہے۔ قصداً افترا پردازی کے مرتکب ہوتے ہیں' پھر کہتے ہیں کہ اے پیغمبرؐ جو آپ نے کہا' ہم نے سنا لیکن ہم ماننے کے نہیں' خیال کیجئے' ان کے کفر و الحاد کو دیکھئے کہ جان کر' سن کر' سمجھ کر کھلے لفظوں میں اپنے ناپاک خیال کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سنئے' اللہ کرے آپ نہ سنیں یا یہ مطلب کہ آپ سنئے' آپ کی نہ سنی جائے لیکن پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور تمسخر اور مذاق کے تھا اور اللہ انہیں لعنت کرے' علاوہ ازیں راعنا کہتے جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری طرف کان لگائیے لیکن وہ اس لفظ سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم بڑی رعونت والے ہو۔ اس کا پورا مطلب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا الخ① کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ظاہر کرتے تھے' اس کے خلاف اپنی زبانوں کو موڑ کر طعن آمیز لہجہ میں کہتے اور حقیقی مفہوم اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے۔ دراصل یہ لوگ حضور علیہ السلام کی بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے۔ پس انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان دو معنی والے الفاظ کا استعمال چھوڑ دیں اور صاف صاف کہیں کہ ہم نے سنا' مانا' آپ ہماری عرض سنئے! آپ ہماری طرف دیکھئے! یہ کہنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور یہی صاف سیدھی سچی اور مناسب بات ہے لیکن ان کے دل بھلائی سے دور ڈال دیئے گئے ہیں۔ ایمان' کامل طور سے ان کے دلوں میں جگہ ہی نہیں پاتا' اس جملے کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ نفع دینے والا ایمان ان میں نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا
مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ
اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
مَفْعُوْلًا ۝۴۷ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ
ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا
عَظِيْمًا ۝۴۸

اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اسے بھی سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے' اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کر دی۔ اللہ کا امر ہوا ہی ہے ○ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے' اس نے بڑا طوفان باندھا ○

قرآن حکیم کا اعجاز تاثیر: ☆ ☆ اللہ عزوجل یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے' اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسخ کر دیں یعنی منہ بگاڑ دیں- آنکھیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں یا یہ مطلب کہ تمہارے چہرے مٹا دیں- آنکھیں کان ناک سب مٹ جائیں- پھر یہ مسخ چہرہ بھی الٹا ہو جائے یہ عذاب ان کے بداعمال کا بدلہ ہے- یہی وجہ ہے کہ یہ حق سے ہٹ کر باطل کی طرف' ہدایت سے پھر کر ضلالت کی جانب بڑھے چلے جا رہے ہیں- بایں ہمہ اللہ تعالیٰ انہیں احساس دلا رہے ہیں کہ اب بھی باز آ جاؤ اور اپنے سے پہلے ایسی حرکت کرنے والوں کی صورتوں کے مسخ ہونے کو یاد کرو- کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح تمہارا منہ الٹ دوں- تاکہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے- تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں اور اسی جیسی تفسیر بعض نے اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ الخ' کی آیت میں بھی کی ہے' غرض یہ ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بری مثال بیان ہوئی ہے- حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ مچ حق کے راستے سے ہٹا دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں- ہم تمہیں کافر بنا دیں اور تمہارے چہرے بندروں جیسے کر دیں- ابو زیدؒ فرماتے ہیں' لوٹا دینا یہ تھا کہ ارض حجاز سے بلاد شام میں پہنچا دیا- یہ بھی مذکور ہے کہ اسی آیت کو سن کر حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے-

ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؒ کے سامنے حضرت کعبؓ کے اسلام کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا' حضرت کعبؓ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمان ہوئے- یہ بیت المقدس جاتے ہوئے مدینہ میں آئے- حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے کعبؓ مسلمان ہو جاؤ انہوں نے جواب دیا' تم تو قرآن میں پڑھ چکے ہو کہ جنہیں توراۃ کا حامل بنایا گیا' انہوں نے اسے کما حقہ قبول نہ کیا- ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بوجھ لادے ہوئے ہو اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو توراۃ اٹھوائے گئے- اس پر حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑ دیا یہ یہاں سے چل کر حمص پہنچے- وہاں سنا کہ ایک شخص جو ان کے گھرانے میں سے تھا' اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے جب اس نے آیت ختم کی' انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس آیت کی وعید مجھ پر صادق نہ آ جائے اور میرا منہ مسخ کر پلٹ نہ جائے' یہ جھٹ سے کہنے لگے یَارَبِّ اَسْلَمْتُ میرے اللہ میں ایمان لایا پھر حمص سے ہی واپس اپنے وطن یمن میں آئے اور یہاں سے اپنے تمام گھر والوں کو لے کر سارے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے- ابن ابی حاتم میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر لگانے کی وجہ سے ہر وقت انہیں ملامت کرتے رہتے تھے- پھر انہیں بھیجا کہ یہ دیکھیں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کی خوشخبری اور اوصاف توراۃ میں ہیں؟ یہ آئے تو فرماتے ہیں' جب میں مدینہ شریف پہنچا تو ایک شخص قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا کہ اے اہل کتاب ہماری نازل کردہ کتاب تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے- بہتر ہے کہ اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم تمہارے منہ بگاڑ دیں اور انہیں الٹا کر دیں- میں چونک اٹھا اور جلدی جلدی غسل کرنے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا کہ کہیں مجھے ایمان لانے میں دیر نہ لگ جائے اور میرا چہرہ الٹا نہ ہو جائے- پھر میں بہت جلد آ کر مسلمان ہو گیا- اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' یا ہم ان پر لعنت کریں جیسے کہ ہفتہ والوں پر ہم نے لعنت نازل کی یعنی جن لوگوں نے ہفتہ والے دن حیلے کر کے شکار کھیلا حالانکہ انہیں اس کام سے منع کیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے ان کا مفصل واقعہ سورہ اعراف میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- ارشاد ہوتا ہے' الٰہی کام پورے ہو کر ہی رہتے ہیں- وہ جب کوئی حکم کر دے تو کوئی نہیں جو اس کی مخالفت یا ممانعت کر سکے- پھر خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو نہیں بخشتا' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مشرک ہو' اس پر بخشش کے دروازے بند ہیں- اس جرم کے سوا اور گناہوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں چاہے تو بخش

دیتا ہے، اس آیۃ کریمہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔ ہم یہاں بقدر آسانی ذکر کرتے ہیں۔

گناہوں کے تین دیوان: ☆☆ پہلی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہوں کے تین دیوان ہیں۔ ایک تو وہ جس کی اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا، دوسرا وہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا۔ تیسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا۔ پس جسے وہ بخشتا نہیں، وہ شرک ہے، اللہ عزوجل خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو معاف نہیں فرماتا۔ اور جگہ ارشاد ہے، جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرلے اللہ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ اور جس دیوان میں اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں، وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اور جس کا تعلق اس سے اور اللہ کی ذات سے ہے مثلاً کسی دن کا روزہ جسے اس نے چھوڑ دیا یا نماز چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور جس دیوان (اعمالنامہ) میں سے موجود کسی فرد کو اللہ نہیں چھوڑتا، وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں جن کا بدلہ اور قصاص ضروری ہے۔

دوسری حدیث بحوالہ مسند بزار۔ الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مطلب وہی ہے۔ تیسری حدیث بحوالہ مسند احمد۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا۔ دوسرا وہ جس نے کسی ایماندار کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ چوتھی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندے تو جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا، میں بھی تیری جتنی خطائیں ہیں، انہیں معاف فرماتا رہوں گا۔ میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر کی خطائیں بھی لے کر میرے پاس آئے گا تو میں بھی زمین کی وسعتوں جتنی مغفرت کے ساتھ تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ جو بندہ لاالٰہ الا اللہ کہے، پھر اسی پر اس کا انتقال ہو، وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اگر اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا، گو اس نے زنا کاری اور چوری بھی کی ہو۔ تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوا۔ چوتھے سوال پر آپؐ نے فرمایا، چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو پس حضرت ابوذرؓ وہاں سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے نکلے کہ چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ اور اس کے بعد جب کبھی آپ یہ حدیث بیان فرماتے یہ جملہ ضرور کہتے۔ یہ حدیث دوسری سند سے قدرے زیادتی کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس میں ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں، میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے میدان میں چلا جارہا تھا، احد پہاڑ کی طرف ہماری نگاہیں تھیں کہ حضورؐ نے فرمایا، اے ابوذر میں نے کہا، لبیک یارسول اللہؐ آپؐ نے فرمایا، سنو میرے پاس اگر اس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں نہ چاہوں گا کہ تیسری شام کو اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس دینار کے جسے میں قرضہ چکانے کے لئے رکھ لوں۔ باقی تمام مال میں اس طرح راہ اللہ اس کے بندوں کو دے ڈالوں اور آپؐ نے دائیں بائیں اور سامنے لپیں پھینکیں۔ پھر کچھ دیر ہم چلتے رہے۔ پھر حضورؐ نے مجھے پکارا اور فرمایا، جن کے پاس یہاں زیادتی ہے وہی وہاں کمی والے ہوں گے مگر جو اس طرح اور اس طرح کرے یعنی آپؐ نے اپنے دائیں، سامنے اور بائیں لپیں (ہتھیلیاں) بھر کر دیتے ہوئے اس عمل کی وضاحت کی۔

پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فرمایا، ابوذر میں ابھی آتا ہوں، تم یہیں ٹھہرو، آپؐ تشریف لے گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دل بے چین ہو گیا کہ کہیں تنہائی میں کوئی دشمن آ گیا ہو میں نے قصد کیا وہاں پہنچوں لیکن ساتھ ہی حضورؐ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ میں جب تک نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہنا چنانچہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپؐ تشریف لے آئے تو میں نے کہا حضورؐ یہ آوازیں کیسی آ رہی تھیں، آپؐ نے فرمایا، میرے پاس حضرت جبرائیل آئے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ کی امت میں سے وفات پانے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا گو زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوئی ہو تو فرمایا، ہاں گو زنا اور چوری بھی ہوئی ہو۔

یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے اور بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رات کے وقت نکلا' دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تو میں چاند کی چاندنی میں حضورؐ کے پیچھے ہولیا۔ آپؐ نے جب مڑ کر مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے میں نے کہا ابوذرؓ اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے تو آپ نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دیر ہم چلتے رہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا' زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا۔ پھر وہ دائیں بائیں' آگے پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپؐ نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے اردگرد پتھر تھے' فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ آگے نکل گئے یہاں تک کہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے۔ آپ کو زیادہ دیر لگ گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آ رہے ہیں گو زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا۔ پوچھا کہ اے نبی اللہؐ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے' اس میدان کے کنارے آپ کس سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے سنا کوئی آپ کو جواب بھی دے رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا وہ جبرائیل تھے۔ یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا' اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو مرے اور اللہ کے ساتھ اسی نے کسی کو شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہوگا۔ میں نے کہا اے جبرائیل گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ فرمایا ہاں' میں نے پھر یہی سوال کیا جواب دیا۔ ہاں۔ میں نے پھر یہی سوال کیا۔ فرمایا ہاں اور اگرچہ اس نے شراب پی ہو۔

چھٹی حدیث بحوالہ مسند عبد بن حمید۔ ایک شخص حضورؐ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہؐ' جنت واجب کر دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' جو شخص بغیر شرک کئے مرا' اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو شرک کرتے ہوئے مرا' اس کے لئے جہنم واجب ہے' یہی حدیث اور طریق سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہوا مرا' اس کے لئے بخشش حلال ہے' اگر اللہ چاہے اسے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے' اللہ اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے کو نہیں بخشتا۔ اس کے سوا جسے چاہے بخش دے (ابن ابی حاتم)۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا' بندے پر مغفرت ہمیشہ رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں۔ دریافت کیا گیا کہ حضورؐ پردے پڑ جانا کیا ہے؟ فرمایا شرک' جو شخص شرک نہ کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے' اس کے لئے بخشش الٰہی حلال ہو گئی اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے پھر آپؐ نے آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ الخ' تلاوت فرمائی (مسند ابو یعلی) ساتویں حدیث بحوالہ مسند احمد' جو شخص مرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو' وہ جنت میں داخل ہوگا۔

آٹھویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس آئے اور فرمایا' تمہارے رب عزوجل نے مجھے اختیار دیا کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کروں یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز میرے لئے میری امت کی بابت پوشیدہ محفوظ ہے' اسے قبول کر لوں تو بعض صحابہؓ نے کہا' کیا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے یہ محفوظ چیز بچا کر بھی رکھے گا؟ آپؐ یہ سن کر اندر تشریف لے گئے' پھر تکبیر پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمانے لگے' میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کو جنت عطا کرنا مزید عطا فرمایا اور وہ پوشیدہ حصہ بھی' حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ حدیث بیان فرما چکے تو حضرت ابورہم نے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ محفوظ چیز کیا ہے؟ اس پر لوگوں نے انہیں کچھ کچھ کہنا شروع کر دیا کہ کہاں تم اور کہاں حضورؐ کے لئے اختیار کردہ چیز؟ حضرت ایوبؓ نے فرمایا' سنو جہاں تک ہمارا گمان ہے جو بالکل یقین کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ چیز جنت میں جانا ہے ہر اس شخص کا جو سچے دل سے گواہی دے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

نویں حدیث بحوالہ ابن ابی حاتم ۔ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہؐ میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا ۔ آپؐ نے فرمایا، اس کی دینداری کیسی ہے، کہا نمازی ہے اور توحید والا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا، جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو اگر انکار کرے تو اس سے خرید لو، اس نے جا کر اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا ۔ اس نے آ کر حضورؐ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا، میں نے اسے اپنے دین پر چمٹا ہوا پایا ۔ اس پر یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الخ، نازل ہوئی ۔

دسویں حدیث بحوالہ حافظ ابو یعلیٰ ۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے کوئی حاجت یا حاجت والا نہیں چھوڑا یعنی زندگی میں سب کچھ کر چکا ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، تین مرتبہ اس نے کہا ہاں، آپؐ نے فرمایا، یہ ان سب پر غالب آ جائے گا ۔ گیارہویں حدیث بحوالہ مسند احمد ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضمضم بن جوش یمامیؒ سے کہا کہ اے یمامی کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہیں بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا ۔ یمامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا، حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا خبردار ہرگز نہ کہنا ۔ سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا، بنی اسرائیل میں دو شخص تھے ۔ ایک تو عبادت میں بہت چست چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا اور دونوں میں دوستانہ اور بھائی چارہ تھا ۔ عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا تھا اور کہتا رہتا تھا، اے شخص باز رہ ۔ وہ جواب دیتا، تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے، کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے؟ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے، جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا، افسوس تجھ پر، باز آ ۔ اس نے وہی جواب دیا تو عابد نے کہا اللہ کی قسم اللہ تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان کی روحیں قبض کر لیں ۔ جب دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جا اور میری رحمت کی بناء پر جنت میں داخل ہو جا اور اس عابد سے فرمایا، کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ، حضورؐ نے یہ بیان فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو القاسم کی جان ہے، اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دنیا اور آخرت برباد کر دی ۔

بارہویں حدیث بحوالہ طبرانی ۔ جس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اسے بخش ہی دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ۔ تیرہویں حدیث بحوالہ بزار، ابو یعلیٰ ۔ جس عمل پر اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے، اسے تو مالک ضرور پورا فرمائے گا اور جس پر سزا کا فرمایا ہے، وہ اس کے اختیار میں ہے بخش دے یا سزا دے ۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، ہم صحابہ قاتل کے بارے میں اور یتیم کا مال کھا جانے والے کے بارے میں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے بارے میں اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الخ، اتری اور اصحابؓ رسول گواہی سے رک گئے (ابن ابی حاتم)

ابن جریر کی یہ روایت اس طرح پر ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کا ذکر کتاب اللہ میں ہے، اسے کرنے والے کے جہنمی ہونے میں ہمیں کوئی شک ہی نہیں تھا یہاں تک کہ ہم پر یہ آیت اتری ۔ جب ہم نے اسے سنا تو ہم شہادت کے لئے رک گئے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیئے ۔ بزار میں آپ ہی کی ایک روایت ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کرنے سے ہم رکے ہوئے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضور ﷺ سے یہ آیت سنی اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں

کے لئے موخر کر رکھا ہے-

ابوجعفر رازی کی روایت میں آپ کا یہ فرمان ہے کہ جب آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ' نازل ہوئی یعنی اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا' حضور شرک کرنے والا بھی؟ آپ کو اس کا یہ سوال ناپسند آیا- پھر آپ نے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ الخ' پڑھ کر سنائی- سورۂ تنزیل کی یہ آیت مشروط ہے توبہ کے ساتھ- پس جو شخص جس گناہ سے توبہ کرے' اللہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے گو بار بار کرے- پس مایوس نہ ہونے کی آیت میں توبہ کی شرط ضرور ہے ورنہ اس میں شرک بھی آ جائے گا اور پھر مطلب صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہاں موجود ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی بخشش نہیں ہے ہاں اس کے سوا جسے چاہے یعنی اگر اس نے توبہ بھی نہ کی ہو- اس مطلب کے ساتھ اس آیت میں جو امید دلانے والی ہے اور زیادہ امید کی آس پیدا ہو جاتی ہے- واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے اللہ کے ساتھ جو شرک کرے' اس نے بڑے گناہ کا افترا باندھا- جیسے اور آیت میں ہے' شرک بہت بڑا ظلم ہے- بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے- پھر پوری حدیث بیان فرمائی- ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتاتا ہوں' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے- پھر آپ نے اسی آیت کا یہ آخری حصہ تلاوت فرمایا- پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا- پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا شکریہ کر- میری طرف لوٹنا ہے-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ
مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي
اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ
وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
سَبِيْلًا ﴿٥١﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں' بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے- کسی پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا O دیکھ تو یہ لوگ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں؟ یہ صریح گناہ اسے کافی ہے O کیا تو نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے- جو بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست والے ہیں O یہی ہیں جنہیں اللہ نے لعنت کی اور جسے اللہ لعنت کر دے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا O

منہ پر تعریف وتوصیف کی ممانعت: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۲) یہود و نصاریٰ کا قول تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں اور

کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے یا نصرانی۔ ان کے اس قول کی تردید میں یہ آیت اَلَمْ تَرَ الخ، نازل ہوئی اور یہ قول حضرت مجاہدؒ کے خیال کے مطابق اس آیت کا شان نزول ہی ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو امام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں، وہ ہمارے لئے قربت الہ کا ذریعہ ہیں۔ ہمارے سفارشی ہیں اور ہمیں وہ بچا لیں گے۔ پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابن عباسؓ یہودیوں کا اپنے بچوں کا آگے کرنے کا واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں، وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بے گناہ کی وجہ سے چھوڑ نہیں دیتا، یہ کہتے تھے کہ جیسے ہمارے بچے بے خطا ہیں، ایسے ہی ہم بھی بے گناہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت دوسروں کی بڑھی چڑھی مدح و ثناء بیان کرنے کے رد میں اتری ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم مدح کرنے والوں کے منہ مٹی سے بھر دیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے کی مدح و ستائش کرتے ہوئے سن کر فرمایا، افسوس تو نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی۔ پھر فرمایا اگر تم میں سے کسی کو ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے کسی کی تعریف کرنی بھی ہو تو یوں کہے کہ فلاں شخص کے بارے میں میری رائے یہ ہے۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل یہی ہے کہ کسی کی منہ پر تعریف نہ کی جائے۔

مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جو کہے میں مومن ہوں، وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں، وہ جاہل ہے اور جو کہے میں جنتی ہوں جہنمی ہے۔ ابن مردویہ میں آپؐ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کوئی شخص خود پسندی کرنے لگے اور اپنی سمجھ پر آپ فخر کرنے بیٹھ جائے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی کم حدیث بیان فرماتے اور بہت کم جمعے ایسے ہوں گے جن میں آپ نے یہ چند حدیثیں نہ سنائی ہوں کہ جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھلائی کا ہوتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے، اور یہ مال میٹھا اور سبز رنگ ہے جو اسے اس کے حق کے ساتھ لے گا۔ اسے اس میں برکت دی جائے گی، تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدح و ستائش سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ دوسرے پر چھری پھیرنا ہے، یہ پچھلا جملہ ان سے ابن ماجہ میں مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس ایک صبح کو اپنے دین میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا (اس کی وجہ یہ ہوتی ہے) کہ وہ صبح کسی سے اپنا کام نکالنے کے لئے ملا۔ اس کی تعریف شروع کر دی اور اس کی مدح سرائی شروع کی اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا، آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور بسا ممکن ہے کہ ان تعریف کلمات کے بعد بھی اس سے اس کا کام نہ نکلے لیکن اس نے تو اللہ کو ناخوش کر دیا۔ پھر آپ نے آیت تزکیہ کی تلاوت فرمائی (ابن جریر) اور اس کا تفصیلی بیان آیت فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے پاک کر دے کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا عالم وہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ ایک دھاگے کے وزن کے برابر بھی کسی کی نیکی نہ چھوڑے گا، فتیل کے معنی ہیں کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا دھاگہ اور مروی ہے کہ وہ دھاگہ جسے کوئی اپنی انگلیوں سے بٹ لے۔

پھر فرماتا ہے، ان کی افترا پردازی تو دیکھو کہ کس طرح اللہ عزوجل کی اولاد اور اس کے محبوب بننے کے دعویدار ہیں؟ اور کیسی باتیں کر رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف چند دن آگ میں رہنا ہوگا۔ کس طرح اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر اعتماد کئے بیٹھے ہیں؟ حالانکہ ایک کا عمل دوسرے کو کچھ نفع نہیں دے سکتا جیسے ارشاد ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الخ، یہ ایک گروہ ہے جو گزر چکا۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔ پھر فرماتا ہے ان کا یہ کھلا کذب و افترا ہی ان کے لئے کافی ہے۔ جِبْت کے معنی حضرت فاروق اعظمؓ وغیرہ سے جادو اور طاغوت کے معنی شیطان کے مروی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جِبْت حبش کا لفظ ہے اس کے معنی شیطان کے ہیں۔ شرک، بت

اور کاہن کے معنی بھی بتائے گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد حی بن اخطب ہے، بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف ہے۔ ایک حدیث میں ہے، فال اور پرندوں کو ڈانٹنا یعنی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے یا ان کے نام سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا، یہ جبت ہے، حسن کہتے ہیں جبت شیطان کی غنغناہٹ ہے۔ طاغوت کی نسبت پہلے سورۂ بقرہ میں تفصیل سے ذکر گذر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت جابرؓ سے جب طاغوت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ کاہن لوگ ہیں جن کے پاس شیطان آتے تھے، مجاہدؒ فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جائے۔ پھر فرمایا کہ ان کی جہالت، بے دینی اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح اور افضلیت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حی بن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ والوں کے پاس آئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا، تم اہل کتاب اور صاحب علم ہو، بھلا بتاؤ تو ہم بہتر ہیں یا محمد (ﷺ) انہوں نے کہا تم کیا ہو؟ اور وہ کیا ہیں؟ تو اہل مکہ نے کہا، ہم صلہ رحمی کرتے ہیں، تیار اونٹنیاں ذبح کر کے دوسروں کو کھلاتے ہیں، لسی پلاتے ہیں، غلاموں کو آزاد کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور محمد (ﷺ) تو صنبور ہیں، ہمارے رشتے ناطے تڑوا دیئے، ان کا ساتھ حاجیوں کے چوروں نے دیا ہے جو قبیلہ غفار میں سے ہیں۔ اب بتاؤ ہم اچھے یا وہ؟ تو ان دونوں نے کہا، تم بہتر ہو اور تم زیادہ سیدھے راستے پر ہو اس پر یہ آیت اتری دوسری روایت میں ہے کہ انہی کے بارے میں اِنَّ شَانِئَكَ هُوَا الْاَبْتَرُ اتری ہے۔

بنو وائیل اور بنو نضیر کے چند سردار جب عرب میں حضورؐ کے خلاف آگ لگا رہے تھے اور جنگ عظیم کی تیاری میں تھے، اس وقت جب یہ قریش کے پاس آئے تو قریشیوں نے انہیں عالم و درویش جان کر ان سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارا دین اچھا ہے یا محمدؐ کا؟ تو ان لوگوں نے کہا، تم اچھے دین والے اور ان سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر یہ آیت اتری اور خبر دی گئی کہ یہ لعنتی گروہ ہے اور ان کا مدد و معاون دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں۔ اس لئے کہ صرف کفار کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بطور چاپلوسی اور خوشامد کے یہ کلمات اپنی معلومات کے خلاف کہہ رہے ہیں لیکن یاد رکھ لیں کہ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے چنانچہ یہی ہوا۔ زبردست لشکر لے کر سارے عرب کو اپنے ساتھ ملا کر تمام تر قوت و طاقت اکٹھی کر کے ان لوگوں نے مدینہ شریف پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اردگرد خندق کھودنی پڑی لیکن بالآخر دنیا نے دیکھ لیا، ان کی ساری سازشیں ناکام ہوئیں یہ خائب و خاسر رہے، نامراد و ناکام پلٹے، دامن مراد خالی رہا بلکہ نامرادی، مایوسی اور نقصان عظیم کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد آپ کی اور اپنی قوت و عزت سے (کافروں کو) اوندھے منہ گرا دیا۔ فالحمد للہ الکبیر المتعال

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ
نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ
وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ
وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر تو کسی کو ایک کھجور کے شگاف برابر بھی کچھ نہ دیں گے ○ یا یہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے

فضل سے انہیں دیا ہے۔ پس ہم نے تو آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے ○ پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے اور کافی ہے جہنم کا جلانا ○

یہودیوں کی دشمنی کی انتہا اور اس کی سزا: ☆☆ (آیت:۵۳-۵۵) یہاں بطور انکار کے سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ملک کے کسی حصہ کے مالک ہیں؟ یعنی نہیں ہیں۔ پھر ان کی بخیلی بیان کی جاتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو ذرا سا بھی نفع پہنچانے کے روادار نہ ہوتے خصوصاً اللہ کے اس آخری پیغمبر کو اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے' جیسے اور آیت میں ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ الخ یعنی اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم تو خرچ ہو جانے کے خوف سے بالکل ہی روک لیتے گو ظاہر ہے کہ وہ کم نہیں ہو سکتے تھے لیکن تمہاری کنجوسی تمہیں ڈرا دیتی۔ اسی لئے فرما دیا کہ انسان بڑا ہی بخیل ہے۔

ان کے ان بخیلانہ مزاج کے بعد ان کا حسد واضح کیا جا رہا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو نبوت کا عظیم تر منصب بخشا ہے چونکہ وہ عرب میں سے ہیں' بنی اسرائیل سے نہیں' اس لئے ان سے حسد کی آگ میں جل رہے ہیں اور لوگوں کو آپؐ کی تصدیق سے روک رہے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہاں اَلنَّاس سے مراد ہم ہیں' کوئی اور نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے آل ابراہیمؑ کو جو بنی اسرائیل کے قبائل میں اولاد ابراہیم سے ہیں' نبوۃ دی' کتاب نازل فرمائی' جینے مرنے کے آداب سکھائے' بادشاہت بھی دی' اس کے باوجود ان میں سے بعض تو مومن ہوئے۔ اس انعام واکرام کو مانا لیکن بعض نے خود بھی کفر کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکا حالانکہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی تھے تو جبکہ یہ اپنے والوں سے بھی منکر ہو چکے ہیں تو پھر اے نبی آخر الزماں آپؐ کا انکار ان سے کیا دور ہے؟ جبکہ آپ ان میں سے بھی نہیں۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض اس پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ پس یہ کافر اپنے کفر میں بہت سخت اور نہایت پکے ہیں اور ہدایت وحق سے بہت ہی دور ہیں۔ پھر انہیں ان کی سزا سنائی جا رہی ہے کہ جہنم کا جلنا انہیں بس ہے' ان کے کفر و عناد کی' ان کی تکذیب اور سرکشی کی یہ سزا کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ
جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے' جب ان کی کھالیں پک جائیں گی' ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تا کہ عذاب چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے' ہم انہیں عنقریب ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے' ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں اور پوری راحت میں لے جائیں گے ○

عذاب کی تفصیل اور نیک لوگوں کا انجام بالخیر: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بدانجام کا ذکر ہوا۔ انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور ان کے

روم روم کو سلگا دے اور یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ایسا ہوگا کہ ایک چمڑا جل گیا تو دوسرا بدل جائے گا جو سفید کاغذ کی مثال ہوگا۔ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوں گے' ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہوگی۔ یعنی کہہ دیا جائے گا کہ جلد لوٹ آئے۔ وہ پھر لوٹ آئے گی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی تو آپ پڑھنے والے سے اسے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے وہ دوبارہ پڑھتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں۔ ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے (ابن مردویہ وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعب نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے۔ میں نے اسے اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا' اچھا بیان کرو اگر وہ وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کریں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے تو آپ نے فرمایا' ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں نے اسی طرح حضورؐ سے سنا ہے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں' پہلی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر (۷۶) ہاتھ ہوں گی اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھا لے گی تو اور کھالیں آ جائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دیئے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے کندھا سات سو سال کی راہ پر ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذراع ہوگی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوگی ① اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔ اس کے مقابلے میں نیک لوگوں کے انجام کو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جنت میں عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی۔ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں۔ اپنے محلات میں' باغات میں' راستوں میں غرض جہاں ان کے جی چاہیں' وہیں وہ پاک نہریں بہنے لگیں گی۔ پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشہ رہنے والی ہوں گی نہ انہیں زوال آئے گا نہ ان میں کمی ہوگی نہ وہ واپس لے لی جائیں گی نہ فنا ہوں گی نہ سڑیں نہ بگڑیں نہ خراب ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔ پھر ان کے لئے وہاں حیض و نفاس سے' گندگی اور پلیدی سے' میل کچیل اور بو باس سے' رذیل صفتوں اور بے ہودہ اخلاق سے پاک بیویاں ہوں گی اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت بخش' بہت ہی سرور انگیز' راحت افزا' دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو۔ یہ شجرۃ الخلد ہے (ابن جریر)

إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا ٱلْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم
بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِٱلْعَدْلِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم
بِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو' یقیناً وہ بہتر چیز ہے' جس کی نصیحت تمہیں اللہ کر رہا ہے بے شک اللہ تعالیٰ سنتا دیکھتا ہے ○

امانت اور عدل و انصاف: ☆☆ (آیت: ۵۸) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو تیرے ساتھ امانت داری کا برتاؤ کرے تو اس کی امانت

ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس سے خیانت مت کر (مسند احمد و سنن) آیت کے الفاظ وسیع المعنی ہیں - ان میں اللہ تعالیٰ عزوجل کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے جیسے روزہ' نماز' زکوٰۃ' کفارہ' نذر وغیرہ' اور بندوں کے آپس کے کل حقوق بھی شامل ہیں جیسے امانت دی ہوئی چیزیں وغیرہ - پس جس حق کو جو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہو گی' صحیح حدیث میں ہے' قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلوایا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگوں والی بکری نے مارا ہے تو اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں مگر امانت نہیں مٹنے لگی - کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید بھی ہوا تو اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کر - وہ جواب دے گا کہ دنیا تو اب ہے نہیں - میں کہاں سے ادا کروں؟ فرماتے ہیں - پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہہ میں نظر آئے گی اور کہا جائے گا کہ جا اسے لے آ - وہ اسے اپنے کندھے پر لاد کر لے چلے گا لیکن وہ گر پڑے گی - وہ پھر اسے لینے جائے گا بس اسی عذاب میں وہ مبتلا رہے گا - حضرت زاذان اس روایت کو سن کر حضرت براءؓ کے پاس آ کر بیان فرماتے ہیں' وہ کہتے ہیں میرے بھائی نے سچ کہا - پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں - ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' ہر نیک و بد کے لئے یہی حکم ہے' ابوالعالیہ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا اور جس چیز سے منع کیا گیا' وہ سب امانت ہے - حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں عورت اپنی شرم گاہ کی امانت دار ہے' ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں' جو جو معاملات تیرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہوں' وہ سب اسی میں شامل ہے - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ سلطان عید والے دن عورتوں کو خطبہ سنائے -

اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا' حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے - اس کے بعد عثمان بن طلحہؓ کو جو کعبہ کے کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینا چاہی اتنے میں حضرت عباسؓ نے کہا' یا رسول اللہ اب یہ مجھے سونپئے تا کہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں - یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا حضورؐ نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا آپ نے سہ بارہ طلب کی حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ کی امانت آپ کو دیتا ہوں - حضورؐ کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر گئے' وہاں جتنے بت اور تصویریں تھیں' سب توڑ کر پھینک دیں - حضرت ابراہیمؑ کا بت بھی تھا جس کے ہاتھ فال کے تیر تھے - آپؐ نے فرمایا' اللہ ان مشرکین کو غارت کرے' بھلا خلیل اللہ کو ان تیروں سے کیا سروکار؟ پھر ان تمام چیزوں کو برباد کر کے ان کی جگہ پانی ڈال کر ان کے نام و نشان مٹا کر آپ باہر آئے' کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے کہا' کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے' وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی - پھر آپؐ نے ایک لمبا خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کے تمام جھگڑے اب میرے پاؤں تلے کچل دیئے گئے خواہ مالی ہوں خواہ جانی ہوں - بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب جوں کا توں باقی رہے گا - اس خطبہ کو پورا کر کے آپ بیٹھے ہی تھے جو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر کہا' حضورؐ چابی مجھے عنایت فرمائی جائے تا کہ بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں لیکن آپؐ نے انہیں نہ دی - مقام ابراہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپؐ نے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارا قبلہ یہی ہے - پھر آپؐ طواف میں مشغول ہو گئے' ابھی وہ چند پھیرے ہی پھرے تھے کہ حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا' میرے ماں باپ حضورؐ پر فدا ہوں - میں نے تو اس سے پہلے آپ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا - اب آپؐ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور انہیں کنجی سونپ دی اور فرمایا آج کا دن وفا کا' نیکی اور سلوک کا دن ہے - یہ عثمان بن طلحہؓ ہیں جن کی نسل میں آج تک کعبۃ اللہ

کی کنجی چلی آتی ہے- یہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے- جب ہی خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی مسلمان ہوئے تھے- ان کا چچا عثمان بن طلحہ احد کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ تھا بلکہ ان کا جھنڈا بردار تھا اور وہیں بہ حالت کفر مارا گیا تھا- الغرض مشہور تو یہی ہے کہ یہ آیت اسی بارے میں اتری ہے- اب خواہ اس بارے میں نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو بہرصورت اس کا حکم عام ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی ہر امانت کی ادائیگی کا حکم ہے- پھر ارشاد ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو- حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہو رہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو- حدیث میں ہے اللہ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے- جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے' ایک اثر میں ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے-

پھر فرماتا ہے یہ ادائیگی امانت اور عدل و انصاف کا حکم اور اسی طرح شریعت کے تمام احکام اور تمام ممنوعات تمہارے لئے بہترین اور نافع چیزیں ہیں جن کا امر پروردگار نے تمہیں دیا ہے (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے آخری الفاظ پڑھتے ہوئے اپنا انگوٹھا اپنے کان میں رکھا اور شہادت کی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی (یعنی اشارے سے سننا دیکھنا' کان اور آنکھ پر انگلی رکھ کر بتا کر) فرمایا میں نے اسی طرح پڑھتے اور کرتے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے- راوی حدیث حضرت ابوزکریاؒ فرماتے ہیں ہمارے استاد مصریؒ نے بھی اسی طرح پڑھ کر اشارہ کر کے ہمیں بتایا- اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور اس کے پاس کی انگلی اپنے داہنے کان پر رکھی (ابن ابی حاتم) یہ حدیث اسی طرح امام ابوداؤدؒ نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبانؒ نے بھی اپنی صحیح میں اسے نقل کیا ہے- اور حاکمؒ نے مستدرک میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے وارد کیا ہے- اس کی سند میں جو ابو یونس ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ کے مولی ہیں اور ان کا نام سلیم بن جبیرؒ ہے-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن
كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ع ۹

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسولؐ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی' پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسولؐ کی طرف اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے' یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے ○

مشروط اطاعت امیر: ☆☆ (آیت:۵۹) صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے سے لشکر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیسؓ کو بھیجا تھا- ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے' بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی- ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا ہاں بے شک دیا ہے- فرمانے لگے' اچھا لکڑیاں جمع کرو' پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں- پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو- ایک نوجوان نے کہا' لوگو سنو' آگ سے بچنے کے لئے ہی تو ہم نے دامن رسولؐ میں پناہ لی ہے- تم جلدی نہ کرو جب تک کہ حضورؐ سے ملاقات نہ ہو جائے' پھر اگر آپؐ بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا چنانچہ یہ لوگ واپس حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا' آپ نے فرمایا اگر تم اس آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ آگ ہی میں جلتے رہتے- سنو

فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے۔ جی چاہے یا طبیعت روکے لیکن اس وقت تک کہ (اللہ تعالیٰ اور رسول کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے، جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔

بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی۔ سننے اور ماننے کی گو ہماری خوشی ہو یا ہماری ناخوشی ہو۔ ہمارے لئے سختی ہو یا آسانی ہو، چاہے ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جا رہی ہو۔ ہم سے بیعت لی کہ کام کے اہل سے کام کو نہ چھینیں لیکن جب تم ان کا کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح الٰہی دلیل بھی ہو۔ بخاری شریف میں ہے، سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو چاہے اس کا سر کشمش ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مجھے میرے خلیل (یعنی رسالت مابؐ) نے سننے کی اور ماننے کی وصیت کی اگرچہ ناقص ہاتھ پاؤں والا حبشی غلام ہی ہو، مسلم کی ہی اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا، چاہے تم پر غلام عامل بنایا جائے جو تم سے کتاب اللہ کے مطابق تمہارا ساتھ چاہے تو تم اس کی سنو اور مانو۔ ایک روایت میں غلام حبشی اعضاء کٹا کے الفاظ ہیں۔ ابن جریر میں ہے نیکوں اور بدوں سے بد تم ہر ایک اس امر میں جو مطابق ہو ان کی سنو اور مانو کہ میرے بعد نیک سے نیک اور بد سے بد۔ تم کو ملیں گے۔ تم پر ایک میں سے جو حق پر ہو اس کا سننا اور ماننا تم سے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہو اگر وہ نیکی کریں گے تو ان کے لئے نفع ہے اور تمہارے لئے بھی اور اگر وہ بدی کریں گے تو تمہارے لئے تمہاری اچھائی ہے اور ان پر گناہوں کا بوجھ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بنو اسرائیل میں مسلسل لگاتار رسول آیا کرتے تھے ایک کے بعد ایک اور۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر خلفا بکثرت ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا پھر حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا پہلے کی بیعت پوری کرو۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی۔ ان کا حق انہیں دے دو، اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں، جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے، اسے صبر کرنا چاہئے، جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہو گیا پھر وہ جاہلیت کی موت مرے گا (بخاری و مسلم) ارشاد ہے جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حجت و دلیل کے بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرے گا (مسلم)

حضرت عبدالرحمانؒ فرماتے ہیں، میں بیت اللہ شریف میں گیا، دیکھا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع جمع ہے۔ میں بھی اس مجلس میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی۔ فرمایا ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک منزل میں اترے، کوئی اپنا خیمہ ٹھیک کرنے لگا، کوئی اپنے تیر سنبھالنے لگا کوئی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ اچانک ہم نے سنا کہ منادی والا ندا دے رہا ہے، ہم ہمہ تن گوش ہو گئے اور سنا کہ رسول کریم ﷺ فرما رہے ہیں، ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو تمام نیکیاں جو وہ جانتا ہے، ان کی تربیت انہیں دے اور تمام برائیوں سے جو اس کی نگاہ میں ہیں انہیں آگاہ کر دے۔ سنو میری امت کی عافیت کا زمانہ اول کا زمانہ ہے۔ آخر زمانے میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی اور ایسے ایسے امور نازل ہوں گے جنہیں مسلمان ناپسند کریں گے اور ایک پر ایک فتنہ برپا ہوگا۔ ایک ایسا وقت آئے گا کہ مومن سمجھ لے گا، اسی میں میری ہلاکت ہے، پھر وہ ہٹے گا تو دوسرا اس سے بھی بڑا آئے گا جس میں اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہوگا بس یونہی لگاتار فتنے اور زبردست آزمائشیں اور کامل تکلیفیں آتی رہیں گی۔ پس جو شخص بات کو پسند کرے کہ جہنم سے بچ جائے اور جنت کا مستحق ہو، اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ سنو جس نے امام سے بیعت کر لی،

اس نے اپنا ہاتھ اس کے قبضہ میں اور دل کی تمنائیں اسے دے دیں- اور اپنے دل کا پھل اسے دے دیا- اب اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے- اگر کوئی دوسرا اس سے خلافت چھیننا چاہے تو اس کی گردن اڑا دو-

عبدالرحمن فرماتے ہیں میں یہ سن کر قریب گیا اور کہا آپ کو میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں' کیا خود آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے؟ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کان اور دل کی طرف بڑھا کر فرمایا' میں نے حضورؐ سے اپنے ان دو کانوں سے سنا اور میں نے اسے اپنے اس دل میں محفوظ رکھا ہے مگر آپ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہؓ ہمیں ہمارے اپنے مال بطریق باطل سے کھانے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں سے ممانعت فرمائی ہے- ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ الخ' اسے سن کر حضرت عبداللہؓ ذرا سی دیر خاموش رہے' پھر فرمایا اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اگر اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اسے نہ مانو- اس بارے میں حدیثیں اور بھی بہت سی ہیں-

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت سدیؒ سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا- اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسر بھی تھے- یہ لشکر جس قوم کی طرف جانا چاہتا تھا' چلا- رات کے وقت اس کی بستی کے پاس پہنچ کر پڑاؤ کیا- ان لوگوں کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل گیا اور چھپ چھپ کر سب راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے- صرف ایک شخص رہ گیا اس نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کیا- انہوں نے اس کا سب اسباب جلا دیا- یہ شخص رات کے اندھیرے میں حضرت خالدؓ کے لشکر میں آیا اور حضرت عمار سے ملا اور ان سے کہا کہ اے ابوالیقظان میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں- میری ساری قوم تمہارا آنا سن کر بھاگ گئی ہے- صرف میں باقی رہ گیا ہوں تو کیا کل میرا یہ اسلام مجھے نفع دے گا؟ اگر نفع نہ دے تو میں بھی بھاگ جاؤں- حضرت عمارؓ نے فرمایا' یقیناً یہ اسلام تمہیں نفع دے گا- تم نہ بھاگو- ٹھہرے رہو- صبح کے وقت جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کشی کی تو سوائے اس شخص کے وہاں کسی کو نہ پایا- اسے اس کے مال سمیت گرفتار کر لیا گیا- جب حضرت عمارؓ کو معلوم ہوا تو آپ حضرت خالد کے پاس آئے اور کہا اسے چھوڑ دیجئے' یہ اسلام لا چکا ہے اور میری پناہ میں ہے- حضرت خالدؓ نے فرمایا- تم کون ہو جو کسی کو پناہ دے سکو؟ اس پر دونوں بزرگوں میں کچھ تیز کلامی ہوگئی اور قصہ بڑھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا- آپؐ نے حضرت عمار کی پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا آئندہ امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا پھر دونوں میں کچھ تیز کلامی ہونے لگی اس پر حضرت خالدؓ نے حضورؐ سے کہا' اس ناک کٹے غلام کو آپؐ کچھ نہیں کہتے؟ دیکھئے تو یہ مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا' خالد عمار کو برا نہ کہو- عمار کو گالیاں دینے والے کو اللہ گالیاں دے گا- عمار سے دشمنی کرنے والے سے اللہ دشمنی رکھے گا- عمارؓ پر جو لعنت بھیجے گا' اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوگی- اب تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لینے کے دینے پڑ گئے- حضرت عمارؓ غصہ میں چلا رہے تھے- آپ دوڑ کر ان کے پاس گئے- دامن تھام لیا- معذرت کی اور اپنی تقصیر معاف کرائی- تب تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ حضرت عمار راضی نہ ہوگئے- پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (امر امارت وخلافت کے متعلق شرائط وغیرہ کا بیان آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تفسیر میں گزر چکا ہے- وہاں ملاحظہ ہو- مترجم) حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت مروی ہے (ابن جریر اور ابن مردویہ) حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں' اولی الامر سے مراد سمجھ بوجھ والے اور دین والے ہیں یعنی علماء کی- ظاہر بات تو یہ معلوم ہوتی ہے- آگے حقیقی علم اللہ کو ہے کہ یہ لفظ عام ہیں- امراء علماء دونوں اس سے مراد ہیں جیسے کہ پہلے گزرا' قرآن فرماتا ہے' لَوْ لَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ الخ' یعنی ان کے علماء نے انہیں جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا؟ اور جگہ ہے

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ الخ، حدیث کے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو- اگر تمہیں علم نہ ہو-

صحیح حدیث میں ہے میری اطاعت کرنے والا اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی' اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی- پس یہ ہیں احکام علماء امراء کی اطاعت کے- اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو- اللہ کے رسول کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنتوں پر عمل کرو اور حکم والوں کی اطاعت کرو یعنی اس چیز میں جو اللہ کی اطاعت ہو- اللہ کے فرمان کے خلاف اگر ان کا کوئی حکم ہو تو اطاعت نہ کرنی چاہئے کیونکہ ایسے وقت علماء یا امراء کی ماننا حرام ہے جیسے کہ پہلی حدیث گزر چکی ہے کہ اطاعت صرف معروف میں ہے یعنی فرمان اللہ و فرمان رسولؐ کے دائرے میں' مسند احمد میں اس سے بھی زیادہ صاف حدیث ہے جس میں ہے' کسی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف جائز نہیں- آگے چل کر فرمایا کہ اگر تم میں کسی بارے میں جھگڑا پڑے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف جیسے کہ حضرت مجاہد کی تفسیر ہے' پس یہاں صریح اور صاف لفظوں میں اللہ عزوجل کا حکم ہو رہا ہے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں خواہ وہ مسئلہ اصول دین سے متعلق ہو خواہ فروع دین سے متعلق' اس کے تصفیہ کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب وسنت کو حکم مان لیا جائے- جو اس میں ہو' وہ قبول کیا جائے جیسے اور آیت قرآنی میں ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ یعنی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے' اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے' پس کتاب وسنت جو حکم دے اور جس مسئلہ کی صحت کی شہادت دے' وہی حق ہے- باقی سب باطل ہے- قرآن فرماتا ہے حق کے بعد جو ہے ضلالت وگمراہی ہے اسی لئے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو' یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو یعنی جس مسئلہ میں اختلاف ہو' جس امر میں جدا جدا آراء ہوں' ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ سے کیا کرو' جو ان دونوں میں ہو مان لیا کرو' پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب وسنت کی طرف نہ لے جائے' وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جھگڑوں میں اور اختلافات میں کتاب اللہ وسنت رسولؐ کی طرف فیصلہ لانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے اور یہی نیک انجام خوش آئند ہے اور یہی اچھے بدلے دلانے والا کام ہے' بہت اچھی جزا اسی کا ثمر ہے-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى
الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ
اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ
عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر اور جو کچھ تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے' اس پر ایمان ہے (لیکن) اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں' شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے ○ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول کی طرف آؤ تو تو دیکھ لے گا کہ یہ منافق تجھ سے منہ پھیر کر اٹک جاتے ہیں ○

حسن سلوک اور دو غلے لوگ : ☆☆ (آیت:٦٠-٦٣) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی تو اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اس قرآن پر بھی ایمان ہے لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو' جب کبھی کسی اختلاف کو سمیٹنا ہو جب کبھی کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف لے جاتے ہیں چنانچہ یہ آیت ان دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی جن میں کچھ اختلاف تھا۔ ایک تو یہودی تھا' دوسرا انصاری۔ یہودی تو کہتا تھا کہ چل محمد (ﷺ) سے فیصلہ کرالیں اور انصاری کہتا تھا کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے' بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن در پردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام سے عام ہے۔ ان تمام واقعات پر مشتمل ہے۔ ہر اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے اور یہی مراد یہاں طاغوت سے ہے (یعنی قرآن وحدیث کے سوا کی چیز یا شخص) صدود سے مراد تکبر سے منہ موڑ لینا جیسے اور آیت میں ہے وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا یعنی جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی فرمانبرداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کی پیروی پر ہی اڑے رہیں گے۔ ایمان والوں کا جواب یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے اِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الخ یعنی ایمان والوں کو جب اللہ رسول کے فیصلے اور حکم کی طرف بلایا جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے تہہ دل سے قبول کیا۔

فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ
يَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ
لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ﴿٦٣﴾

پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو پھر یہ تیرے پاس آ کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا یہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے' تو ان سے چشم پوشی کر' انہیں نصیحت کرتا رہ اور انہیں وہ بات کہہ جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو ○

(آیت:٦٢-٦٣) پھر منافقوں کی مذمت میں بیان ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں کے باعث جب تکلیفیں پہنچتی ہیں اور تیری ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوڑے بھاگے آتے ہیں اور تمہیں خوش کرنے کے لئے عذر معذرت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنی نیکی اور صلاحیت کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے سوا دوسروں کی طرف ان مقدمات کے لے جانے سے ہمارا مقصود

صرف یہی تھا کہ ذرا دوسروں کا دل رکھا جائے آپس کا میل جول نبھ جائے ورنہ دل سے کچھ ہم ان کی اچھائی کے معتقد نہیں جیسے اور آیت میں فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے نٰدِمِيْنَ تک بیان ہوا ہے یعنی تو دیکھے گا کہ بیمار دل یعنی منافق یہود و نصاریٰ کی باہم دوستی کی تمام تر کوششیں کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے اختلاف کی وجہ سے آفت میں پھنس جانے کا خطرہ ہے۔ بہت ممکن ہے ان سے دوستی کے بعد اللہ تعالیٰ فتح دیں یا اپنا کوئی حکم نازل فرمائیں اور یہ لوگ ان ارادوں پر پشیمان ہونے لگیں جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ابو برزہ اسلمی ایک کاہن شخص تھا' یہود اپنے بعض فیصلے اس سے کراتے تھے۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی اس کی طرف دوڑے۔ اس میں یہ آیتیں اَلَمْ تَرَ سے تَوْفِيْقًا تک نازل ہوئیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ یعنی منافقین کے دلوں میں جو کچھ ہے' اس کا علم اللہ تعالیٰ کو کامل ہے۔ اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں۔ ان کے ظاہر باطن کا اسے علم ہے' تو ان سے چشم پوشی کر' ان کے باطنی ارادوں پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کر' ہاں انہیں نفاق اور دوسروں سے شر و فساد میں وابستہ رہنے سے باز رہنے کی نصیحت کر اور دل میں اترنے والی باتیں ان سے کہہ بلکہ ان کے لئے دعا بھی کر۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ
ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ
الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے ○ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام آپس کے اختلافات میں تجھ ہی کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر تو جو فیصلے ان میں کر دے' ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں ○

اطاعت رسول اللہ ﷺ ہی ضامن نجات ہے: ☆☆ (آیت: ۶۴-۶۵) مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتی ہے۔ منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے سبھی احکامات کو اللہ کے احکام سمجھا جائے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' بِاِذْنِ اللّٰهِ سے یہ مراد ہے کہ اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ اس کی قدرت و مشیت پر موقوف ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ یہاں بھی اذن سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ عاصی اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ آپ ہمارے لئے دعائیں کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ ان کی طرف رجوع کرے گا۔ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں' لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے' میں حضورؐ کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا اسلام علیکم یا رسول اللہ میں نے قرآن کریم

کی اس آیت کو سنا اور آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں، پھر اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

یَاخَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ   فَطَابَ مِنْ طِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمْ
نَفْسِی الْفِدَآءُ لِقَبْر اَنْتَ سَاکِنُہٗ   فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَ الْکَرَمْ

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں، اے ان تمام میں سے بہترین ہستی، میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے۔ جس میں پارسائی، سخاوت اور کرم ہے، پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی خواب میں کیا دیکھتا ہوں حضور ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا، اللہ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے (یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے بلکہ آیت کا یہ حکم حضورؐ کی زندگی میں ہی تھا۔ وصال کے بعد نہیں جیسے کہ جَآءُ وْکَ کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آ سکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ کے اس آخر الزماں افضل تر رسول کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے اور آپؐ کے ہر حکم ہر فیصلے ہر سنت اور ہر حدیث کو قابل قبول اور حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے۔ دل کو اور جسم کو یکسر تابع رسولؐ نہ بنا دے۔ غرض جو بھی ظاہر و باطن، چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسولؐ کو اصل اصول سمجھے، وہی مومن ہے۔ پس فرمان ہے کہ تیرے احکام کو یہ کشادہ دلی سے تسلیم کر لیا کریں اپنے دل میں ناپسندیدگی نہ لائیں۔ تسلیم کلی تمام احادیث کے ساتھ رہے۔ نہ تو احادیث کے ماننے سے رکیں نہ انہیں بے اثر کرنے کے اسباب ڈھونڈیں نہ ان کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ ان کی تردید کریں نہ ان کا مقابلہ کریں نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسولؐ ہے، اس کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے، تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا تابع نہ بنا دے جسے میں لایا ہوں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہو پڑا تو حضورؐ نے فرمایا، زبیر تم پانی پلا لو۔ اس کے بعد پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو۔ اس پر انصاری نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا زبیر تم پانی پلا لو پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو پہلے تو حضورؐ نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیر کو تکلیف نہ ہو اور انصاری کو کشادگی ہو جائے لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ نے حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دلوایا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں، جہاں تک میرا خیال ہے یہ آیت فَلَا وَرَبِّکَ الخ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری بدری تھے اور روایت میں ہے دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیر کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر اس انصاری کا۔ انصاری کہتے تھے کہ پانی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعویدار حضرت زبیر اور حضرت حاطب بن ابو بلتعہ تھے۔ آپ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلا لے پھر نیچے والا۔ دوسری ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا جھگڑا لے کر دربار محمدیؐ میں آئے۔ آپ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا، اس نے کہا حضورؐ آپ ہمیں حضرت عمر کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ نے

فرمایا بہت اچھا' ان کے پاس چلے جاؤ' جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا ہی واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے سے پوچھا' کیا یہ سچ ہے؟ اس نے اقرار کیا۔ آپؓ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں' تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ حضرت ہمیں عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے' گردن اڑا دی' دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا بھاگا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضورؐ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپؐ نے فرمایا میں عمرؓ کو ایسا نہیں جانتا تھا کہ وہ اس جرات ۔ کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو بری کر دیا لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا جو آگے آتی ہے (ابن ابی حاتم)۔ ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے جو غریب اور مرسل ہے اور ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری سند سے مروی ہے دو شخص رسول مقبول ﷺ کے پاس اپنا جھگڑا لائے۔ آپؐ نے حق والے کے حق میں ڈگری دے دی لیکن جس کے خلاف ہوا تھا' اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں' آپؐ نے پوچھا کیا چاہتا ہے؟ کہا یہ کہ حضرت ابوبکر کے پاس چلیں' دونوں وہاں پہنچے جب یہ واقعہ جناب صدیق نے سنا تو فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور نے کیا وہ اب بھی خوش نہ ہوا اور کہا حضرت عمرؓ کے پاس چلو وہاں گئے۔ پھر وہ ہوا جو آپ نے اوپر پڑھا (تفسیر حافظ ابواسحاق)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا
مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ
فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾
وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ
وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع ۱۱

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجا لاتے' اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر ہو اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو ○ اور تب تو ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں ○ اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں ○ جو بھی اللہ کی اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرے وہ ان کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ بہترین رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بس ہے جاننے والا ○

عادت جب فطرت ثانیہ بن جائے اور صاحب ایمان کو بشارت رفاقت: ☆☆ (آیت: ۶۶-۷۰) اللہ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں ان منع کردہ کاموں کا بھی حکم دیا جاتا جنہیں وہ اس وقت کر رہے ہیں تو وہ ان کاموں کو بھی نہ کرتے اس لئے کہ ان کی

ذلیل طبیعتیں حکم الٰہ کی مخالفت پر ہی استوار ہوئی ہیں۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی خبر دی ہے جو ظاہر نہیں ہوئی لیکن ہوتی تو کس طرح ہوتی؟ اس آیت کو سن کر ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو یقیناً ہم کر گزرتے لیکن اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچالیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا، بے شک میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط اور ثابت ہے۔ (ابن ابی حاتم)

اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ کسی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم نے یہ فرمایا تھا۔ سعدی کا قول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ سے فخریہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خود ہمارا قتل بھی فرض کیا تو بھی ہم کر گزریں گے۔ اس پر حضرت ثابت نے فرمایا، واللہ اگر ہم پر یہ فرض ہوتا تو ہم بھی کر گزرتے، اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اگر یہ حکم ہوتا تو اس کے بجالانے والوں میں ایک ابن ام عبد بھی ہوتے (ابن ابی حاتم) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی اس پر عمل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے احکام بجالاتے اور ہماری منع کردہ چیزوں اور کاموں سے رک جاتے تو یہ ان کے حق میں اس سے بہتر ہوتا کہ وہ مخالفت کریں اور ممانعت میں مشغول ہوں۔ یہی عمل صحیح اور حق والا ہے اس کے نتیجہ میں ہم انہیں جنت عطا فرماتے اور دنیا اور آخرت کی بہتر راہ کی رہنمائی کرتے۔ پھر فرماتا ہے، جو شخص اللہ اور رسولؐ کے احکام پر عمل کرے اور منع کردہ کاموں سے باز رہے، اسے اللہ تعالیٰ عزت کے گھر میں لے جائے گا۔ نبیوں کا رفیق بنائے گا اور صدیقوں کو جو مرتبے میں نبیوں کے بعد ہیں، ان کا مصاحب بنائے گا۔ شہیدوں، مومنوں اور صالحین جن کا ظاہر باطن آراستہ ہے، ان کا ہم جنس بنائے گا، خیال تو کرو، یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے نبی ﷺ سے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے زمانے میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے، جب حضورؐ بیمار ہوئے تو شدت نقاہت سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ آواز بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپؐ فرما رہے ہیں، ان کا ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا، جو نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور نیکوکار ہیں۔ یہ سن کر مجھے معلوم ہوگیا کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔ یہی مطلب ہے جو دوسری حدیث میں آپؐ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ اے اللہ میں بلند و بالا رفیق کی رفاقت کا طالب ہوں۔ یہ کلمہ آپؐ نے تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے نکالا۔ پھر فوت ہوگئے علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

اس آیت کے شان نزول کا بیان: ☆☆ ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری حضورؐ کے پاس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں۔ سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضورؐ یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ کی خدمت میں آبیٹھتے ہیں۔ دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے لیکن کل قیامت کے دن تو آپ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے۔ ہم تو آپ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ حضورؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت جبرائیلؑ یہ آیت لائے۔ آنحضرتؐ نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنادی، یہی اثر مرسل سند سے بھی مروی ہے جو سند بہت ہی اچھی ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ آپ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے۔ پس جبکہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو کیسے دیکھیں

گے اور کیسے ملیں گے؟ پس یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور پر بہار باغوں میں سب جمع ہوں گے اور اللہ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے۔ ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔

ابن مردویہ میں ہے، ایک شخص حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ میں آپ کو اپنی جان سے، اپنے اہل وعیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بے قرار کر دیتا ہے، صبر نہیں کر سکتا، دوڑتا بھاگتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ جنت میں نبیوں کے سب سے بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضورؐ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ آپ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے اور بھی طریقے ہیں۔

صحیح مسلمؒ شریف میں ہے، ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رات کو حضورؐ کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپؐ نے مجھ سے فرمایا، کچھ مانگ لے میں نے کہا جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں۔ فرمایا۔ اس کے سوا اور کچھ؟ میں نے کہا۔ وہ بھی یہی فرمایا میری رفاقت کے لئے میری مدد کر بکثرت سجدے کیا کر۔ مسند احمد میں ہے، ایک شخص نے آنحضرت سے کہا، میں اللہ کے لاشریک ہونے کی اور آپؐ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا، جو مرتے دم تک اسی پر رہے گا، وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہو گا۔ پھر آپؐ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتایا لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ ان شاء اللہ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا۔ ترمذی میں ہے سچا امانت دار تاجر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک زبردست جماعت سے بہ تواتر مروی ہے کہ نبی ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن اس سے ملا نہیں تو آپؐ نے فرمایا، اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ہر انسان اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، واللہ میری محبت تو آنحضرت ﷺ سے ہے حضرت ابوبکر سے ہے اور حضرت عمر سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھائے گا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں (یا اللہ تو ہمارے دل بھی اپنے نبی ﷺ اور ان کے چاہنے والوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر بھی انہی کے ساتھ کر دے۔ آمین)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکتے ستارے کو مشرق یا مغرب میں دیکھتے ہو، ان میں بہت کچھ فاصلہ ہو گا، صحابہ نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی؟ کوئی اور وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کو سچا جانا اور مانا (بخاری و مسلم)۔

ایک حبشی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے' آپ فرماتے ہیں جو پوچھنا ہو پوچھو اور سمجھو' وہ کہتا ہے یا رسول اللہ آپ کو صورت میں رنگ میں نبوت میں اللہ عزوجل نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور ان احکام کو بجالاؤں جنہیں آپ بجالا رہے ہیں تو کیا جنت میں آپ کا ساتھ ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا' ہاں اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' جنتی حبشی تو ایسا گوراچٹا ہو کر جنت میں جائے گا کہ اس کا پنڈا ایک ہزار برس کے فاصلے سے ہی نورانیت کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ پھر فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے سے اللہ کا وعدہ ہے اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہنے والے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک اور صاحب نے کہا' حضورؐ جب یہ حقائق ہیں تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا' اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو وہ بھی بوجھل ہو جائے لیکن ایک ہی نعمت جو اس کے مقابل کھڑی ہوگی جو صرف اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا نتیجہ ہوگی' اس کے سامنے مذکورہ اعمال کم نظر آئیں گے محض اس کا شکریہ میں ہی یہ اعمال کم نظر آئیں گے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانک لے اور جنت دے دے اور یہ آیتیں اتریں هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ سے مُلْكًا كَبِيْرًا تک تو حبشی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں جن جن چیزوں کو آپ کی آنکھیں دیکھیں گی میری آنکھیں بھی دیکھ سکیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر وہ حبشی فرط شوق میں روئے اور اس قدر روئے کہ اسی حالت میں فوت ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ ان کی لاش مبارک کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اتار رہے تھے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس میں اصولی خامیاں بھی ہیں۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ ارشاد الٰہی ہے' یہ خاص اللہ کی عنایت اور اس کا فضل ہے۔ اس کی رحمت سے ہی یہ اس کے قابل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال سے' اللہ خوب جاننے والا ہے' اسے بخوبی معلوم ہے کہ مستحق ہدایت و توفیق کون ہے؟

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ
اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ
مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ
لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ
مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾

اے مسلمانو اپنے ہتھیار لئے رہو۔ پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو ○ یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں' پھر اگر

تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا ○ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں کوئی دوستی تھی ہی نہیں۔ کہتے ہیں کاش کہ میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا ○ پس جو لوگ دنیا کی زندگانی کو آخرت پر قربان کرنے والے ہیں، انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے۔ جو شخص راہ اللہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آ جائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا بدلہ عنایت فرمائیں گے ○

طاقتور اور متحد ہو کر زندہ رہو: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۴) اللہ رب العزت مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بچاؤ کے اسباب مہیا رکھیں۔ ہر وقت ہتھیار بند رہیں تاکہ دشمن ان پر باآسانی کامیاب نہ ہو جائے۔ ضرورت کے ہتھیار تیار رکھیں۔ اپنی تعداد بڑھاتے رہیں۔ قوت مضبوط کرتے رہیں۔ باقاعدہ مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ کر یا متحدہ فوج کی صورت میں جیسا موقعہ ہو آواز آتے ہی کوچ کریں۔ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ خود بھی راہ خدا سے جی چرائیں اور دوسروں کو بھی ڈھیلا کریں جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول سردار منافقین کا فعل تھا، اللہ اسے رسوا کرے، ان کی حالت یہ ہے کہ اگر حکمت الٰہی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوتی، دشمن ان پر چھا جاتا انہیں نقصان پہنچتا ان کے آدمی شہید ہوتے تو یہ گھر بیٹھا خوشیاں مناتا اور اپنی دانائی پر اکڑتا اور اپنا اس جہاد میں شریک نہ ہونا اپنے حق میں اللہ کا انعام قرار دیتا ہے لیکن بے خبر یہ نہیں سمجھتا کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا، اس سب سے یہ بدنصیب یک لخت محروم رہا، اگر یہ بھی ان میں شامل ہوتا تو یا تو غازی کا درجہ پاتا اور اپنے صبر کے ثواب سمیٹتا یا شہادت کے بلند مرتبے تک پہنچ جاتا، اور اگر مسلمان مجاہدین کو اللہ کا فضل مل گیا یعنی یہ دشمنوں پر غالب آ گئے ان کی فتح ہوئی، دشمنوں کو انہوں نے پامال کیا اور مال غنیمت لونڈی غلام لے کر خیر و عافیت، ظفر و نصرت کے ساتھ لوٹے تو یہ اب انگاروں پر لوٹتا ہے اور ایسے لمبے لمبے سانس لے کر ہائے وائے کرتا ہے اور اس طرح پچھتاتا ہے اور ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے گویا یہ دین تمہارا ہی نہیں اس کا دین ہے۔ کہتا ہے افسوس میں ان کے ساتھ نہ ہوا ورنہ مجھے بھی حصہ ملتا اور میں بھی لونڈی، غلام والا، مال و متاع والا بن جاتا الغرض دنیا پر ریجھا ہوا اور اسی پر مٹا ہوا ہے۔ پس اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مومنوں کو چاہئے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کئے دے رہے ہیں، اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو! راہ اللہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔ قتل کیا گیا تو اجر موجود، غالب رہا تو ثواب حاضر۔ بخاری و مسلم میں ہے اللہ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ ہے، یا تو اسے شہید کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ سے وہ چلا ہے، وہیں اجر و غنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا۔ فالحمد للہ۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ
لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۟ؕ ۷۵ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ

ع ۶

ضَعِيۡفًا (۷۶)

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوانوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو جو مرد عورتیں اور ننھے ننھے بچے یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا ○ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ یقین مانو کہ شیطانی حیلہ بالکل بودا اور سخت کمزور ہے ○

شیطان کے دوستوں سے جنگ لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۶) اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی راہ کے جہاد کی رغبت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ کمزور و بے بس لوگ جو مکہ میں ہیں جن میں عورتیں اور بچے بھی ہیں جو وہاں کے قیام سے اکتا گئے ہیں جن پر کفار نت نئی مصیبتیں توڑ رہے ہیں جو محض بے بال و پر ہیں انہیں آزاد کراؤ جو بے کس دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اسی بستی یعنی مکہ سے ہمارا نکلنا ممکن ہو مکہ شریف کو اس آیت میں بھی قریہ کہا گیا ہے وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنۡ قَرۡيَتِكَ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَتۡكَ یعنی بہت سی بستیاں اس بستی سے کہیں زیادہ طاقت و قوت والی تھیں جس بستی نے یعنی بستی والوں نے تجھے نکالا۔ اسی مکہ کے رہنے والے کافروں کے ظلم کی شکایت بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں کہ اے رب ہمارا ولی اور مددگار اپنے پاس سے مقرر کر۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ انہی کمزوروں میں تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ پڑھ کر فرمایا میں اور میری والدہ صاحبہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔ پھر فرماتا ہے ایماندار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی رضا جوئی کے لیئے جہاد کرتے ہیں اور کفار اطاعت شیطان میں لڑتے ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ شیطان کے دوستوں سے جو اللہ کے دشمن ہیں دل کھول کر جنگ کریں اور یقین مانیں کہ شیطان کے ہتھکنڈے اور اس کے مکر و فریب سب نقش برآب ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا (۷۷)

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگی اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دیا۔ تو کہہ دے کہ دنیا کی سودمندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا ○

اولین درس صبر وضبط: ☆☆ (آیت: ۷۷) واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جبکہ مسلمان مکہ شریف میں تھے' کمزور تھے' حرمت والے شہر میں تھے' کفار کا غلبہ تھا' یہ انہی کے شہر میں تھے' وہ بکثرت تھے' جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے تھے' اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ یہ کافروں کی ایذائیں سہتے چلے جائیں۔ ان کی مخالفت برداشت کریں۔ ان کے ظلم وستم سہہ لیا کریں' جو احکام الٰہی نازل ہو چکے ہیں' ان پر عامل رہیں۔ نمازیں ادا کرتے رہیں۔ زکوٰۃ دیتے رہا کریں' گو ان میں عموماً مال کی زیادتی بھی نہ تھی لیکن تاہم مسکینوں اور محتاجوں کے کام آنے کا اور ان کی ہمدردی کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ مصلحت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ سردست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر وضبط سے کام لیں' ادھر کافر بڑی دلیری سے ان پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزائیں دے رہے تھے' مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس لئے ان کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور زبان سے الفاظ نکل جاتے تھے کہ اس روزمرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دل کی بھڑاس نکل جائے' دو دو ہاتھ میدان میں ہو لیں۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دے دے لیکن اب تک حکم نہ ہوا' جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنی زمین' زر' رشتہ' کنبہ اللہ کے نام پر قربان کر کے اپنا دین لے کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے' یہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی سہولت دی۔ امن کی جگہ دی۔ امداد کے لئے انصار مدینہ دیئے' تعداد میں کثرت ہوگئی۔ قوت وطاقت قدرے بڑھ گئی تو اب اللہ کی طرف سے اجازت ملی کہ اپنے لڑنے والوں سے لڑو' جہاد کا حکم اترتے ہی بعض لوگ سٹپٹائے' خوف زدہ ہوئے۔ جہاد کا تصور کر کے میدان میں قتل کئے جانے کا تصور' عورتوں کے رنڈاپے کا خیال' بچوں کی یتیمی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گھبراہٹ میں کہہ اٹھے کہ الٰہی ابھی سے جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کچھ تو مہلت دی ہوتی۔

اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ الخ' مختصر مطلب یہ ہے کہ ایماندار کہتے ہیں' کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو بیمار دل لوگ چیخ اٹھتے ہیں اور ٹیڑھے تیوروں سے تجھے گھورتے ہیں اور موت کی غشی والوں کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ان پر افسوس ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھی مکہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نبی اللہؐ ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے۔ آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپؐ کی فرماں برداری ضروری ہے اور آپ مقابلہ سے منع کرتے ہیں جس سے کفار کی جرات بڑھ گئی ہے اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں تو آپؐ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟) لیکن آپ نے جواب دیا' مجھے اللہ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگذر کریں' کافروں سے جنگ نہ کریں۔ پھر جب مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے تو لوگ ہچکچانے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری (نسائی' حاکم' ابن مردویہ)۔

سدیؒ فرماتے ہیں' صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنائیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو۔ جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں ہمیں اپنی ہاں موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور بہت ہی کم ہے' ہاں متقیوں کے لئے آخرت دنیا سے بہت ہی بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ جواباً کہا گیا ہے کہ پرہیزگاروں کا انجام آغاز سے بہت ہی اچھا ہے۔ تمہیں تمہارے اعمال پورے پورے دیئے جائیں گے' کامل اجر ملے گا' ایک بھی نیک عمل غارت نہ کیا جائے گا ناممکن ہے کہ ایک بال برابر ظلم اللہ کی طرف سے کسی پر کیا جائے۔ اس جملے میں انہیں دنیا سے بے رغبتی دلائی جا رہی ہے

اور آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور جہاد کی رغبت دی جا رہی ہے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے۔ ساری دنیا اول سے آخر تک اس طرح ہے جیسے کوئی سویا ہوا شخص اپنے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا۔ حضرت ابو مصہرؒ کا یہ کلام کتنا پیارا ہے۔

وَلَا خَيۡرَ فِى الدُّنۡيَا لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ   مِنَ اللّٰهِ فِىۡ دَارِ الۡمَقَامِ نَصِيۡبٗ
فَاِنۡ تُعۡجِبِ الدُّنۡيَا رِجَالًا فَاِنَّهَا   مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيۡبٗ

یعنی اس شخص کے لئے دنیا بھلائی سے یکسر خالی ہے جسے کل آخرت کا کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گو دنیا کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگ ریجھ رہے ہیں لیکن دراصل یہ یونہی سا فائدہ ہے اور وہ بھی بہت جلد فنا ہو جانے والا۔

پھر ارشاد باری ہے کہ آخرش موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہی ہے۔ کوئی ذریعہ کسی کو اس سے بچا نہیں سکتا' جیسے فرمان ہے کُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ جتنے یہاں ہیں سب فانی ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ہر ہر جاندار مرنے والا ہے۔ فرماتا ہے وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ تجھ سے اگلے لوگوں میں سے بھی کسی کے لئے ہم نے ہمیشہ کی زندگی مقرر نہیں کی۔ مقصد یہ ہے کہ خواہ جہاد کرے یا نہ کرے ذات اللہ کے سوا موت کا مزہ تو ایک نہ ایک روز ہر کسی کو چکھنا ہی پڑے گا۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر ایک کی موت کی جگہ بھی معین ہے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت جبکہ آپ بستر مرگ پر ہیں' فرماتے ہیں قسم اللہ کی فلاں جگہ فلاں جگہ غرض بیسیوں لڑائیوں میں سینکڑوں معرکوں میں گیا۔ ثابت قدمی' پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کئے آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نہ کوئی نشان نیزے یا برچھے یا تیر یا بھالے کا' تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدان جنگ میں موت نہ لکھی تھی' اب دیکھو اپنے بستر پر اپنی موت مر رہا ہوں' کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد' میری ذات سے سبق سیکھیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ
مُّشَيَّدَةٍ‌ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ۚ
وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ‌ ؕ قُلۡ
كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَۤاءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ
يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ۝٧٨

تم جہاں کہیں بھی ہو' موت تمہیں آ پکڑے گی گو تم مضبوط برجوں میں ہو' انہیں اگر کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں' یہ تیری طرف سے ہے' انہیں خبر کر دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں؟ ○

موت سے فرار ممکن نہیں: ☆☆ (آیت:٧٨) پھر فرماتا ہے کہ موت کے پنجے سے بلند و بالا' مضبوط اور محفوظ قلعے اور محل بھی بچا نہیں سکتے۔ بعضوں نے کہا' مراد اس سے آسمان کے برج ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح یہی ہے کہ مراد محفوظ مقامات ہیں یعنی کتنی ہی حفاظت موت سے کی جائے لیکن وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ زہیر کا شعر ہے کہ موت سے بھاگنے والا گو زینہ لگا کر اسباب آسمانی بھی جمع کر لے تاہم اسے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ایک قول ہے مُشَیَّدَۃَ بہ تشدید اور مَشِیُد بغیر تشدید ایک ہی معنی میں ہیں اور بعض ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ اول کا معنی مطول، دوسرے کا معنی مزین یعنی چونے سے- ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر ایک مطول قصہ بہ زبان حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی- جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ- وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے- پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا؟ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے- کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے زنا کرائے گی- پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے، اسی سے اس کا نکاح ہوگا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی- یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا- اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے دیئے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا، اب ایک زمانہ گذر گیا- ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل صورت کی، بدچلنی میں پڑ گئی- ادھر ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا- کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی- کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں- گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو، اس سے میرا نکاح کرا دو، یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی، یہیں پیغام بھیجا، منظور ہو گیا، نکاح بھی ہو گیا اور وداع ہو کر یہ اس کے ہاں آ بھی گئی، دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی- ایک دن ذکر اذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا، آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں- یہاں کیسے آ گئے؟ وغیرہ- اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا اور وہاں سے اس کی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا- اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے، میں وہی ہوں- یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا- تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے، وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہے- اِس نے کہا ٹھیک ہے- یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں- اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے- وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی- خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے، میں تیرے لئے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں- اسی میں تو رہ تا کہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا ہی محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی-

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی- اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا، دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی، عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ تو میں اس کی جان لوں گی- غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ نوکر پکڑ کر لے آئے- اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا- اس کی جان نکل گئی لیکن اس میں سے پیپ جو نکلا اس کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اڑ کر چپک گیا- اس کا زہر چڑھا، پیر سیاہ پڑ گیا اور اسی میں آخر مر گئی- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب باغی چڑھ دوڑے تو آپ نے امت محمد کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے بعد دو شعر پڑھے جن کا مطلب بھی یہی ہے کہ موت کو ٹالنے والی کوئی چیز اور کوئی حیلہ، کوئی قوت اور کوئی چالاکی نہیں- حضر کے بادشاہ ساطرون کو کسریٰ شاپور ذوالاکناف نے جو قتل کیا، وہ واقعہ بھی ہم یہاں لکھتے ہیں- ابن ہشام میں ہے، جب شاہ پور عراق میں تھا تو اس کے علاقہ پر ساطرون نے چڑھائی کی تھی- اس کے بدلے میں اس نے جب چڑھائی کی تو یہ قلعہ بند ہو گیا- دو سال تک محاصرہ رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا-

ایک روز ساطرون کی بیٹی نضیرہ اپنے باپ کے قلعہ کا گشت لگا رہی تھی جو اچانک اس کی نظر شاہ پور پر پڑ گئی یہ اس وقت شاہانہ پر تکلف ریشمی لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے ہوئے تھا- نضیرہ کے دل میں آیا کہ اس سے میری شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو؟ چنانچہ اس نے خفیہ

پیغام بھیجنے شروع کیے اور وعدہ ہو گیا کہ اگر یہ لڑکی اس قلعہ پر شاہ پور کا قبضہ کرا دے تو شاہ پور اس سے نکاح کر لے گا۔ اس کا باپ ساطرون بڑا شرابی تھا۔ اس کی ساری رات نشہ میں کٹتی تھی' اس کی لڑکی نے موقعہ پا کر رات کو اپنے باپ کو نشہ میں مدہوش دیکھ کر اس کے سرہانے سے قلعہ کے دروازے کی کنجیاں چپکے سے نکال لیں اور اپنے ایک بھروسے دار غلام کے ہاتھ ساطرون تک پہنچا دیں جس سے اس نے دروازہ کھول لیا اور شہر میں قتل عام کرایا اور قابض ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قلعہ میں ایک جادو تھا۔ جب تک اس طلسم کو توڑا نہ جائے' قلعہ کا فتح ہونا ناممکن تھا۔ اس لڑکی نے اس کے توڑنے کا گر اسے بتلا دیا کہ ایک چت کبرا کبوتر لے کر اس کے پاؤں کسی باکرہ کے پہلے حیض کے خون سے رنگ لو۔ پھر اس کبوتر کو چھوڑ دو۔ وہ جا کر قلعہ کی دیوار پر بیٹھے تو فوراً وہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور قلعہ کا پھاٹک کھل جائے گا۔

چنانچہ شاہ پور نے یہی کیا اور قلعہ فتح کر کے ساطرون کو قتل کر ڈالا۔ تمام لوگوں کو تہ تیغ کیا اور سارے شہر کو اجاڑ دیا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ ایک رات جبکہ لڑکی نضیرہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی' اسے نیند نہ آ رہی تھی تلملا رہی تھی اور بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی تو شاہ پور نے پوچھا کیا بات ہے' اس نے کہا شاید میرے بستر میں کچھ ہے جس سے مجھے نیند نہیں آ رہی' شمع جلائی گئی' بستر ٹٹولا گیا تو گل آس کی ایک پتی نکلی' شاہ پور اس نزاکت پر حیران رہ گیا کہ ایک اتنی چھوٹی سی پتی بستر میں ہونے کی بنا پر اسے نیند نہیں آئی؟ پوچھا تیرے والد کے ہاں تیرے لئے کیا ہوتا تھا؟ اس نے کہا نرم ریشم کا بستر تھا' صرف باریک نرم ریشمی لباس تھا۔ صرف نلیوں کا گودا کھایا کرتی تھی اور صرف انگوری خالص شراب پیتی تھی' یہ انتظام میرے باپ نے میرے لئے کر رکھا تھا' یہ تھی بھی ایسی کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک باہر سے نظر آتا تھا۔ ان باتوں نے شاہ پور پر ایک اور رنگ چڑھا دیا اور اس نے کہا جس باپ نے تجھے اس طرح پالا پوسا' اس کے ساتھ تو نے یہ سلوک کیا کہ میرے ہاتھوں اسے قتل کرایا۔ اس کے ملک کو تاخت و تاراج کرایا پھر مجھے تجھ سے کیا امید رکھنی چاہئے؟ اللہ جانے میرے ساتھ تو کیا کرے؟ اسی وقت حکم دیا کہ اس کے سر کے بال گھوڑے سے باندھ دیئے جائیں اور گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے' چنانچہ یہی ہوا۔ گھوڑا بدکا' بھاگا' اچھلنے کودنے لگا اور اس کی ٹاپوں سے زمین پر پچھاڑیں کھاتے ہوئے اس کے جسم کا چورا چورا ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو عرب شعرا نے نظم بھی کیا ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ
فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾

تجھے جو بھلائی ملتی ہے' وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے' وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا ○

ہر بھلائی کی اللہ کی طرف سے ہے: ☆☆ (آیت:۷۹) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اگر انہیں خوش حالی' پھلواری' اولاد و کھیتی ہاتھ لگے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر قحط سالی پڑے' تنگ روزی ہو' موت اور کمی اولاد و مال کی اور کھیت اور باغ کی ہو تو جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہے نبی کی تابعداری کا۔ یہ فائدہ ہے مسلمان ہونے کا' یہ پھل ہے دیندار بننے کا' فرعونی بھی اسی طرح برائیوں میں حضرت موسیٰ اور مسلمانوں کی طرف سے بدشگونی لیا کرتے تھے جیسے کہ قرآن نے اور جگہ اس کا ذکر کیا ہے' ایک آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ الخ' یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے کھڑے رہ کر عبادت اللہ کرتے ہیں یعنی اگر بھلائی ملی تو باچھیں

کھل جاتی ہیں اور اگر برائی پہنچے تو الٹے پیروں پلٹ جاتے ہیں۔ یہ ہیں جو دونوں جہان میں برباد ہوں گے پس یہاں بھی ان منافقوں کی جو بظاہر مسلمان ہیں اور دل کے کھوٹے ہیں، برائی بیان ہو رہی ہے کہ جہاں کچھ نقصان ہوا، بہک گئے کہ یہ تو اسلام لانے کی وجہ سے ہمیں نقصان ہوا۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ حَسَنَة سے مراد یہاں بارشوں کا ہونا، جانوروں میں زیادتی ہونا، بال بچے بہ کثرت ہونا، خوشحالی میسر آنا وغیرہ ہے اگر یہ ہوا تو تو کہتے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا تو اس بے برکتی کا باعث رسول اللہ ﷺ کو بتاتے اور کہتے یہ سب تیری طرف سے ہے یعنی ہم نے اپنے بڑوں کی راہ چھوڑ دی اور اس نبیؐ کی تابعداری اختیار کی، اس لیئے اس مصیبت میں پھنس گئے اور اس بلا میں پڑ گئے۔ پس پروردگار ان کے اس ناپاک قول اور اس پلید عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کی قضا و قدر ہر بھلے برے، فاسق فاجر، نیک بد، مومن کافر پر جاری ہے، بھلائی برائی سب اس کی طرف سے ہے۔ پھر ان کے اس قول کی جو محض شک وشبہ، کم علمی، بے وقوفی، جہالت اور ظلم کی بنا پر ہے، تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں کیا ہو گیا؟ جو بات سمجھنے کی قابلیت بھی ان میں سے جاتی رہی۔ ایک غریب حدیث جو کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے متعلق ہے اسے بھی سنئے، بزار میں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے، ان دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور حضورؐ کے قریب آ کر دونوں صاحب بیٹھ گئے تو حضورؐ نے دریافت کیا کہ تیز تیز گفتگو کیا ہو رہی تھی؟

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ حضرت ابو بکرؓ تو کہہ رہے تھے، نیکیاں اور بھلائیاں اللہ کی طرف سے ہیں، اور برائیاں اور بدیاں ہماری طرف سے ہیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا، تم کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت عمرؓ نے کہا، میں کہہ رہا تھا کہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے ہیں، آپ نے فرمایا یہی بحث اول اول حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ میں ہوئی تھی، میکائیل وہی کہتے تھے جو ابو بکرؓ کہہ رہے ہیں اور جبرائیل وہ کہہ رہے تھے جو اے عمرؓ تم کہہ رہے ہو۔ پس آسمان والوں میں جب اختلاف ہوا تو زمین والوں میں تو ہونا لازمی تھا۔ آخر حضرت اسرافیلؑ کی طرف فیصلہ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حسنات اور سیات دونوں اللہ مختار کل کی طرف سے ہیں، پھر آپ نے دونوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، میرا فیصلہ سنو اور یاد رکھو، اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کے عمل کو نہ چاہتا تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا۔ لیکن شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس حضرت ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث موضوع ہے اور تمام ان محدثین کا جو حدیث کی پرکھ رکھتے ہیں، اتفاق ہے کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے خطاب فرماتا ہے جس سے مراد عموم ہے یعنی سب سے ہی خطاب ہے کہ تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے، وہ اللہ کا فضل، لطف، رحمت اور جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے، جیسے اور آیت میں ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے، وہ تمہارے بعض اعمال کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ تو بہت سی بداعمالیوں سے درگزر فرماتا رہتا ہے۔ فَمِنْ نَّفْسِكَ سے مراد بہ سبب گناہ ہے یعنی شامت اعمال۔ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس شخص کا ذرا سا جسم کسی لکڑی سے جل جائے یا اس کا قدم پھسل جائے یا اسے ذرا سی محنت کرنی پڑے، جس سے پسینہ آ جائے تو وہ بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہوتا ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے چشم پوشی فرماتا ہے، جنہیں معاف کر دیتا ہے، وہ بہت سارے ہیں، اس مرسل حدیث کا مضمون ایک متصل حدیث میں بھی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایمان دار کو غم و رنج یا جو بھی تکلیف و مشقت پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی لگتا ہے اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں، مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو برائی تجھے پہنچتی ہے، اس کا باعث تیرا گناہ ہے۔ ہاں اسے مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ آپ

ہے‘ حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں‘ تم تقدیر کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ کیا تمہیں سورہ نساء کی یہ آیت کافی نہیں‘ پھر اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں اللہ کی قسم لوگ اللہ کی طرف سونپ نہیں دیئے گئے۔ انہیں حکم دیئے گئے ہیں اور اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں۔ یہ قول بہت قوی اور مضبوط ہے۔ قدریہ اور جبریہ کی پوری تردید کرتا ہے‘ تفسیر اس بحث کا موضوع نہیں۔ پھر فرماتا ہے تیرا کام اے نبی شریعت کی تبلیغ کرنا ہے۔ اس کی رضامندی اور ناراضگی کے کام کو‘ اس کے احکام اور اس کی ممانعت کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے‘ اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے‘ اسی طرح اسی کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ تو نے تبلیغ کر دی۔ تیرے ان کے درمیان جو ہو رہا ہے‘ اسے بھی وہ مشاہدہ کر رہا ہے‘ یہ جس طرح عناد اور تکبر تیرے ساتھ برتتے ہیں‘ اسے بھی وہ دیکھ رہا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ
اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ
عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ
يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾

اس رسول کی اطاعت جو کرے‘ اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی‘ اور جو منہ پھیرے تو ہم نے تجھے کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○ یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے۔ پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت جو کہہ گئی ہے‘ اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے‘ ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے‘ تو ان کی طرف التفات بھی نہ کر اور اللہ پر بھروسہ رکھ‘ اللہ کافی کارساز ہے ○

ظاہر و باطن کو نبی اکرم ﷺ کا مطیع بنالو: ☆☆ (آیت:۸۰-۸۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کا اطاعت گذار صحیح معنی میں میرا اطاعت گذار ہے۔ آپؐ کا نافرمان میرا نافرمان ہے اس لئے کہ آپؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ جو فرماتے ہیں‘ وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے‘ حضورؐ فرماتے ہیں میری ماننے والا اللہ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی‘ اس نے اللہ کی بات نہ مانی‘ جس نے امیر کی اطاعت کی‘ اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی‘ اس نے میری نافرمانی کی‘ یہ حدیث صحیحین میں ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے‘ جو منہ موڑ کر بیٹھ رہے تو اس کا گناہ اے نبی آپ پر نہیں۔ آپؐ کا ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ نیک نصیب ہوں گے تو مان لیں گے۔ نجات اور اجر حاصل کر لیں گے۔ ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپؐ کو بھی ہوگا کیونکہ دراصل اس راہ کے راہبر‘ اس نیکی کے معلم آپؐ ہی ہیں‘ اور جو نہ مانے نہ عمل کرے تو نقصان اٹھائے گا‘ بدنصیب ہوگا‘ اپنے بوجھ سے آپ مرے گا۔ اس کا گناہ آپ پر نہیں۔ اس لئے کہ آپؐ نے سمجھانے بجھانے اور راہ حق دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حدیث میں ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے والا رشد و ہدایت والا ہے اور اللہ اور رسولؐ کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔

پھر منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار ہے‘ موافقت کا اظہار ہے لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے‘ یہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ پہ پہنچے تو ایسے ہو گئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ جو کچھ یہاں کہا تھا اس کے بالکل برعکس راتوں کو چھپ چھپ کر سازشیں کرنے بیٹھ گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدہ چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اس کے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان کی

سب کرتوتوں اوران تمام باتوں کواس کے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں' پس انہیں ڈانٹا جارہا ہے کہ یہ کیا بےہودہ حرکت ہے؟ اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے جوتم ظاہر و باطن یکساں نہیں رکھتے' ظاہر و باطن کا جاننے والا تمہیں تمہاری اس بیہودہ حرکت پر سخت سزا دے گا' اور آیت میں بھی منافقوں کی اس خصلت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا الخ' پھر اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان سے درگذر کیجئے' بردباری برتئے' ان کی خطا معاف کیجئے' ان کا حال ان کے نام سے دوسروں سے نہ کہئے' ان سے بالکل بےخوف رہئے' اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ جو اس پر بھروسہ کرے' جو اس کی طرف رجوع کرے' اسے وہ کافی ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝٨٢ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ
اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ
مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٨٣

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ○ جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی کہ انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کیا' اگر یہ لوگ اسے رسولؐ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں' اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے ○

کتاب اللہ میں اختلاف نہیں : ☆☆ (آیت:۸۲-۸۳) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کو غور و فکر' تامل و تدبر سے پڑھیں۔ اس سے اعراض نہ کریں' بےپرواہی نہ کریں۔ اس کے مستحکم مضامین' اس کے حکمت بھرے احکام' اس کے فصیح و بلیغ الفاظ پر غور کریں' ساتھ ہی خبر دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب اختلاف' اضطراب' تعارض اور تضاد سے پاک ہے' اس لئے کہ حکیم و حمید' اللہ کا کلام ہے۔ وہ خود حق ہے اور اسی طرح اس کا کلام بھی سراسر حق ہے' چنانچہ اور جگہ فرمایا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا یہ لوگ کیوں قرآن میں غور و خوض نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر سنگین قفل لگ گئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسے کہ مشرکین اور منافقین کا زعم ہے یا اگر یہ فی الواقع کسی کا اپنی طرف سے گھڑ لیا ہوا ہوتا' کوئی اور اس کا کہنے والا ہوتا تو ضروری بات تھی کہ اس میں لوگوں کو اختلاف ملتا یعنی ناممکن ہے کہ انسانی اضطراب و تضاد سے مبرا ہو۔ لازماً یہ ہوتا کہ کہیں کچھ کہا جاتا اور کہیں کچھ۔ اور یہاں ایک بات کہی۔ آگے جا کر اس کے خلاف بھی کہہ گئے۔ پس اس پاک کتاب کا ایسی متضاد باتوں سے بچا ہوا ہونا صاف دلیل ہے کہ یہ قادر مطلق کا کلام ہے۔ اور جگہ ہے پختہ عالموں کا قول بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے یعنی محکم اور متشابہ سب حق ہے۔ اسی لئے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت پا لیتے ہیں اور جن کے دلوں میں کجی ہے' وہ محکم متشابہ کی طرف موڑ توڑ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے صحیح مزاج والوں کی تعریف کی اور دوسری قسم کے لوگوں کی برائی بیان فرمائی۔ عمرو بن شعیبؒ سے مروی ہے عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ والی

حدیث میں ہے کہ میں اور میرے بھائی ایک ایسی مجلس میں شامل ہوئے کہ اس کے مقابلہ میں سرخ اونٹوں کا مل جانا بھی اس کے پاسنگ برابر بھی قیمت نہیں رکھتا- ہم دونوں نے دیکھا کہ حضورؐ کے دروازے پر چند بزرگ صحابہؓ کھڑے ہوئے ہیں- ہم ادب کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے' ان میں قرآن کریم کی کسی آیت کی بابت مذاکرہ ہو رہا تھا اور کچھ اختلاف تھا- آخر بات بڑھ گئی اور زور زور سے آپس میں بات چیت ہونے لگی' رسول اللہ ﷺ اسے سن کر سخت غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے- چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا- ان پر مٹی ڈالتے ہوئے فرمانے لگے' بس خاموش رہو' تم سے اگلی امتیں اسی باعث تباہ ہوگئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کو دوسری کے خلاف سمجھا- یاد رکھو قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف اسے جھٹلانے والی نہیں بلکہ قرآن کی ایک ایک آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے- تم جسے جان لو' عمل کرو' جسے نہ معلوم کر سکو' اسے اس کے جاننے والے کے لئے چھوڑ دو- اور روایت میں ہے کہ صحابہ تقدیر کے بارے میں مباحثہ کر رہے تھے' راوی کہتے ہیں کہ کاش کہ میں اس مجلس میں نہ بیٹھتا- حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' میں دوپہر کے وقت حاضر حضورؐ ہوا' میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک آیت کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہوا اور ان کی آوازیں اونچی ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا' تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا باعث صرف ان کا کتاب اللہ میں اختلاف کرنا ہی تھا (مسند احمد)- پھر ان جلد باز لوگوں کو روکا جا رہا ہے جو کسی امن کی یا خوف کی خبر پاتے ہی بے تحقیق اسے ادھر سے ادھر تک پہنچا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے وہ بالکل ہی غلط ہو- صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں حدیث ہے کہ انسان کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے' اسی کو بیان کرنے لگ جائے- ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے-

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گپ بازی سے منع فرمایا یعنی سنی سنائی باتیں بیان کرنے سے جن کی تحقیق اچھی طرح سے نہ کی ہو- ابوداؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ برا فعل ہے کہ یوں کہتا پھرے' لوگوں نے یہ خیال کیا' یہ کہا- اور صحیح حدیث میں ہے جو شخص کوئی بات بیان کرے اور وہ گمان کرتا ہو کہ یہ غلط ہے' وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے- یہاں پر ہم حضرت عمرؓ والی روایت کا وارد کرنا بھی مناسب جانتے ہیں کہ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تو آپ اپنے گھر سے چلے' مسجد میں آئے- یہاں بھی لوگوں کو یہی کہتے سنا تو بذات خود رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور خود آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ آپؐ نے فرمایا غلط ہے- چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اللہ کی بڑائی بیان کی- صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپؓ آئے اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند فرمایا- لوگو! رسول مقبول ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی- اسی پر یہ آیت نازل ہوئی- پس حضرت عمرؓ وہ ہیں جنہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کی- استنباط کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے ٹھکانے اور مخزن سے نکالنے کو' جب کوئی شخص کسی کان کو کھود کر اس کے نیچے سے کوئی چیز نکالے تو عرب کہتے ہیں اِسْتَنْبَطَ الرَّجُلُ- پھر فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب کے سب سوائے چند کامل ایماندار لوگوں کے شیطان کے تابعدار بن جاتے- ایسے موقعوں پر محاورۃً معنی ہوتے ہیں کہ تم کل کے کل شامل ہو چنانچہ عرب کے ایسے شعر بھی ہیں-

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ
الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَاللّٰہُ
اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْکِیْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ
لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْہَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ

مِّنۡهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ﴿۸۵﴾

تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے اور ان ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے، اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔ جو شخص کسی نیکی اور بھلے کام کی سفارش کرے، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا، اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے، اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

حکم جہاد امتحان ایمان ہے! ☆☆ (آیت:۸۴-۸۵) رسول اللہ ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا اپنی ذات سے راہ اللہ میں جہاد کریں چاہے کوئی بھی آپ کا ساتھ نہ دے۔ ابو اسحاقؒ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اکیلا تنہا ہو اور دشمن ایک سو ہوں تو کیا وہ ان سے جہاد کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو کہا پھر قرآن کی اس آیت سے تو منع ثابت ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو تو حضرت براءؓ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے اللہ کی راہ میں لڑ۔ تجھے فقط تیرے نفس کی تکلیف دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی ترغیب دیتا رہ (ابن ابی حاتم) مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ مشرکین پر تنہا حملہ کرنے والا ہلاکت کی طرف بڑھنے والا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رکنے والا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا، مجھے میرے رب نے جہاد کا حکم دیا ہے، پس تم بھی جہاد کرو۔ یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے مومنوں کو دلیری دلا اور انہیں جہاد کی رغبت دلا، چنانچہ بدر والے دن میدان جہاد میں مسلمانوں کی صفیں درست کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا، اٹھ کھڑے ہو اور بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے، جہاد کی ترغیب کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

بخاری میں ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، نماز قائم کرے زکوٰۃ دیتا رہے، رمضان کے روزے رکھے اللہ پر اس کا حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا جہاں پیدا ہوا ہے وہیں ٹھہرا رہا ہو، لوگوں نے کہا حضورؐ کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری ہم نہ دے دیں؟ آپؐ نے فرمایا، سنو جنت میں سو درجے ہیں جن میں سے ایک درجے میں اس قدر بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں اور یہ درجے اللہ نے ان کے لئے تیار کئے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں۔ پس جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس طلب کرو۔ وہ بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، محمد ﷺ کے رسول و نبی ہونے پر راضی ہو جائے اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ اسے سن کر خوش ہو کر کہنے لگے، حضورؐ دوبارہ ارشاد ہو، آپ نے دوبارہ اسی کو بیان فرما کر کہا، ایک اور عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سو درجے بلند کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنی بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں ہے، پوچھا وہ عمل کیا ہے؟ فرمایا اللہ کی راہ کا جہاد۔ پھر فرماتا ہے جب آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں گے، مسلمان آپؐ کی تعلیم سے جہاد پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کفر کی کمر توڑ دے گا۔ کفار کی ہمت پست کر دے گا۔ ان کے حوصلے نہ پڑیں گے کہ تمہارے مقابلہ میں آئیں، اللہ تعالیٰ سے زیادہ جنگی قوت رکھنے والا اور اس سے سخت سزا دینے والا کوئی نہیں۔ وہ قادر ہے کہ دنیا میں ہی انہیں مغلوب کرے اور یہیں انہیں عذاب کرے۔ اسی طرح آخرت میں بھی اسی کو قدرت حاصل ہے، جیسے اور آیت میں ہے وَلَوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَا نۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ الخ، اگر اللہ چاہے ان سے از خود بدلہ لے لے، لیکن وہ ان کو اور تمہیں آزما رہا ہے۔ جو شخص کسی امر خیر میں کوشش کرے تو اسے

بھی اس بھلائی کا ثواب ملے گا، اور جو اس کے خلاف کوشش کرے اور بدنتیجہ برآمد کرے، اس کی کوشش اور نیت کا اس پر بھی ویسا ہی بوجھ ہو گا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں، سفارش کرو، اجر پاؤ گے اور اللہ اپنے نبیؐ کی زبان پر وہ جاری کرے گا جو چاہے۔ یہ آیت ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس مہربانی کو دیکھئے کہ فرمایا محض شفاعت پر ہی اجر مل جائے گا خواہ اس سے کام بنے، یا نہ بنے۔ اللہ ہر چیز کا حافظ ہے، ہر چیز پر حاضر ہے، ہر چیز کا حساب لینے والا ہے، ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز پر ہمیشگی کرنے والا ہے، ہر ایک کو روزی دینے والا ہے، ہر انسان کے اعمال کا اندازہ کرنے والا ہے۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ
مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع ۱۱ ۸

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو، بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ○ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہو گا؟ ○

سلام کہنے والے کو اس سے بہتر جواب دو: ☆☆ (آیت: ۸۶-۸۷) مسلمانو! جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو، یا کم سے کم انہی الفاظ کو دہرا دو، پس زیادتی مستحب ہے اور برابری فرض ہے۔ ابن جریر میں ہے، ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ آپؐ نے فرمایا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ پھر دوسرا آیا اس نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ آپؐ نے جواب دیا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ پھر ایک اور صاحب آئے، انہوں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ آپؐ نے جواب میں فرمایا وَعَلَيْكَ تو اس نے کہا اے اللہ کے نبیؐ فلاں اور فلاں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب کچھ زیادہ دعائیہ الفاظ کے ساتھ دیا جو مجھے نہیں دیا آپؐ نے فرمایا، تم نے ہمارے لئے کچھ باقی ہی نہ چھوڑا، فرمان الٰہی ہے، جب تم پر سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لوٹا دو اس لئے ہم نے وہی الفاظ لوٹا دیئے۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ اسے ابوبکر مردویہ نے بھی روایت کیا ہے مگر میں نے اسے مسند میں نہیں دیکھا واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے کلمات میں سے زیادتی نہیں، اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس آخری صحابی کے جواب میں وہ لفظ کہہ دیتے۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص حضورؐ کے پاس آئے اور السلام علیکم یا رسول اللہؐ کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں ملیں، دوسرے آئے اور السلام علیکم و رحمتہ اللہ یارسول اللہؐ کہہ کر بیٹھ گئے آپؐ نے فرمایا بیس نیکیاں ملیں، پھر تیسرے صاحب آئے انہوں نے کہا السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ آپؐ نے فرمایا تیس نیکیاں ملیں۔

امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو عام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلق اللہ میں سے جو کوئی سلام کرے، اسے جواب دو گو وہ مجوسی ہو، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سلام کا اس سے بہتر جواب دینا تو مسلمانوں کے لئے ہے اور اسی کو لوٹا دینا اہل ذمہ کے لئے ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا اختلاف ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں گذر چکا کہ مراد یہ ہے کہ اس کے سلام

سے اچھا جواب دیں اور اگر مسلمان سلام کے سبھی الفاظ کہہ دے تو پھر جواب دینے والا انہی کو لوٹا دے' ذمی لوگوں کو خود سلام کی ابتدا کرنا تو ٹھیک نہیں اور وہ خود کریں تو جواب میں اتنے ہی الفاظ کہہ دے' صحیحین میں ہے جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے تو خیال رکھو' یہ کہہ دیتے ہیں اَلسَّامُ عَلَيْكَ تو تم کہہ دو وَعَلَيْكَ- صحیح مسلم میں ہے' یہود و نصاری کو تم پہلے سلام نہ کرو اور جب راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے تو انہیں تنگی کی طرف مضطر کر- امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سلام نفل ہے اور جواب سلام فرض ہے اور علماء کرام کا فرمان بھی یہی ہے' پس اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہو گا اس لئے کہ جواب سلام کا اللہ کا حکم ہے-

پھر اللہ تعالیٰ اپنی توحید بیان فرماتا ہے اور الوہیت اور اپنا یکتا ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس میں ضمنی مضامین بھی ہیں- اسی لئے دوسرے جملے کو لام سے شروع کیا جو قسم کے جواب میں آتا ہے- تو اگلا جملہ خبر ہے اور قسم بھی ہے کہ وہ عنقریب تمام مقدم و موخر کو میدان محشر میں جمع کرے گا اور وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا- اس سمیع و بصیر سے زیادہ سچی بات والا اور کوئی نہیں' اس کی خبر اس کا وعدہ اس کی وعید سب سچ ہے' وہی معبود برحق ہے' اس کے سوا کوئی مربی نہیں-

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا
فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو- انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے' اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو' جسے اللہ راہ بھلا دے تو تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا ○ ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ- پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں' ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ' پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں- خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا ○

منافقوں سے ہوشیار رہو: ☆☆ (آیت:۸۸-۸۹) اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان دو قسم کے خیالات داخل ہوئے تھے- حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے- ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں- اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ شہر طیبہ ہے جو خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے- (صحیحین) ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا- عبداللہ بن ابی سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضورؐ کے ساتھ پھر سات سو

ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کلمہ گو تو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے۔ یہ اپنی کسی ضروری حاجت کے لئے مکہ سے نکلے، انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسولؐ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیونکہ بظاہر کلمہ کے قائل تھے۔ ادھر جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض تو کہنے لگے ان نامرادوں سے پہلے جہاد کرو۔ یہ ہمارے دشمنوں کے طرف دار ہیں اور بعض نے کہا سبحان اللہ جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں، تم ان سے لڑو گے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چھوڑے۔ ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال اپنے اوپر حلال کر سکتے ہیں؟ ان کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا۔ آپؐ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت سعد بن معاذؓ کے لڑکے فرماتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، کوئی ہے جو مجھے عبداللہ بن ابی کی ایذا سے بچائے۔ اس پر اوس و خزرج کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے، لیکن یہ قول غریب ہے، ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ اللہ نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں۔ اس قدر عداوت ان کے دلوں میں ہے تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں، انہیں اپنا نہ سمجھو، یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْ
كُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ
وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ
فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾

سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے، پس اگر یہ لوگ تم سے یکسوئی اختیار کریں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی ○

(آیت:۹۰) پھر ان میں سے ان حضرات کا استثنا کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان، صلح و سلوک ہو تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو معاہدہ والی قوم کا ہے۔ سراقہ بن مالک مدلجی فرماتے ہیں، جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مدلج کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمائیں تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، میں آپ کو احسان یاد دلاتا ہوں، لوگوں نے مجھ سے کہا۔ خاموش رہ لیکن حضورؐ نے فرمایا۔ اسے کہنے دو۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری قوم

کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ ان سے صلح کر لیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپؐ چڑھائی نہ کریں' حضورؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا' ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کر آؤ' پس اس بات پر صلح ہو گئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں۔ پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ۔ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو' یہی روایت ابن مردویہ میں ہے اور ان میں ہی آیت اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الخ' نازل ہوئی۔ پس جو بھی ان سے مل جاتا' وہ انہی کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے۔ صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا ہے کہ کفار کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور امن پالیتا اور جو چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہد نامہ کی وجہ سے مامون ہو جاتا' حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الخ' یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ
كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْ
كُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۹۱ ع ۱۲

تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں' (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں' پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کا سلسلہ جنبانی نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور مارو جہاں کہیں بھی پا لو' یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے ○

(آیت:۹۱) پھر ایک دوسری جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جسے مستثنیٰ کیا ہے جو میدان میں لائے جاتے ہیں لیکن یہ بچارے بے بس ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنا پسند کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بیچ کے لوگ ہیں جو نہ تمہارے دشمن کہے جا سکتے ہیں نہ دوست۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تم پر مسلط نہیں کیا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں زور و طاقت دیتا اور ان کے دل میں ڈال دیتا کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس اگر یہ تمہاری لڑائی سے باز رہیں اور صلح و صفائی سے یکسو ہو جائیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت نہیں' اسی قسم کے لوگ تھے جو بدر والے دن بنو ہاشم کے قبیلے میں سے مشرکین کے ساتھ آئے تھے' جو دل سے اسے ناپسند رکھتے تھے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ' یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قتل کو منع فرما دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ انہیں زندہ گرفتار کر لیا جائے۔

پھر ایک اور گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو بظاہر تو اوپر والوں جیسا ہے لیکن دراصل نیت میں بہت کھوٹ ہے' یہ لوگ منافق ہیں۔ حضورؐ کے پاس آ کر اسلام ظاہر کر کے اپنے جان و مال مسلمانوں سے محفوظ کرا لیتے ہیں' ادھر کفار میں مل کر ان کے معبودان باطل کی پرستش کر کے ان میں

سے ہونا ظاہر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں تا کہ ان کے ہاتھوں بھی امن میں رہیں، دراصل یہ لوگ کافر ہیں، جیسے اور جگہ ہے، اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں جا کر کہتے ہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو جی کھول کر پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے ہیں جیسے کوئی اوندھے منہ گرا ہوا ہو۔ ''فتنۃ'' سے مراد یہاں شرک ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، یہ لوگ بھی مکہ والے تھے یہاں آ کر بطور ریاکاری کے اسلام قبول کرتے تھے وہاں جا کر ان کے بت پوجتے تھے تو مسلمانوں کو فرمایا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنی دوغلی روش سے باز نہ آئیں، ایذا رسانی سے الگ نہ ہوں، صلح نہ کریں تو انہیں امن امان نہ دو۔ ان سے بھی جہاد کرو، انہیں قیدی بناؤ اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔ بے شک ان پر ہم نے تمہیں ظاہر غلبہ اور کھلی حجت عطا فرمائی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾

کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے)، جو شخص کسی مسلمان کو بلاقصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن کی آزادگی ہے اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ کے معاف کر دیں۔ اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کی آزادگی، پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگا تار روزے ہیں۔ اللہ سے بخشوانے کے لئے اور اللہ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے ○

قتل مسلم، قصاص و دیت کے مسائل اور قتل خطا: ☆☆ (آیت:۹۲) ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے۔ صحیح میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کسی مسلمان کا جو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو، خون بہانا حلال نہیں۔ مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو، دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو، تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا، جماعت سے فرقت کرنے والا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں۔ امام یا نائب امام کو بہ عہدہ قضا کا حق ہے۔ اس کے بعد استثناء منقطع ہے۔ عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے، اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے

وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی' ان کا نام حارث بن زید عامری تھا' حضرت عیاش کے دل میں یہ خار رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش کو یہ معلوم نہ تھا' فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے۔ یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں' ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا۔ تلوار تولی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا۔ جب حضورؐ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداءؓ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ کلمہ پڑھا تھا' آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے۔ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابیؓ کا ہے۔

پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں۔ ایک تو غلام آزاد کرنا' دوسرے دیت دینا' اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو' کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا۔ چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو۔ امام ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے۔ چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔ ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضورؐ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں' میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں آپؐ نے اس لونڈی سے پوچھا' کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا' اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں' آپؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں۔ یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپؐ نے اس سے پوچھا' اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں' دریافت کیا' میں کون ہوں؟ جواب دیا' آپ رسول اللہ ہیں ﷺ' آپؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ ایماندار ہے' پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے' دوسرے خوں بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا' یہ عوض ہے ان کے مقتول کا' یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ قسموں کے' بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔ یہ حدیث بہ روایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے' حضرت علیؓ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے' یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے' اس کے اپنے مال پر نہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں اس امر میں کسی کو مخالف نہیں جانتا کہ حضورؐ نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے' امام صاحب جن حدیثوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں' وہ بہت سی ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں۔ ایک نے دوسرے کو پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مر گئی قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس بچہ کے عوض تو ایک جان لونڈی یا غلام دے اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت اور وہ دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے بعد کے رشتے داروں کے ذمے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو' وہ بھی حکم میں خطاء محض کے ہے' یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم

ثلث پر ہوگی۔ تین حصے ہوں گے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے بنو جذیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضورؐ نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا۔ انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ لاعلمی بجائے اسلمنا یعنی ہم مسلمان ہوئے کے ''صبانا'' کہا یعنی ہم بے دین ہوئے حضرت خالدؓ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب حضورؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں عرض کی یا اللہ خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور برات تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکا آؤ اور جو ان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔ پھر فرمایا ہے کہ خوں بہا جو واجب ہے اگر اولیاء مقتول ازخود اس سے دست برداری کریں تو انہیں اختیار ہے۔ وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں۔

پھر فرمان ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو لیکن اس کے اولیاء حربی کافر ہوں تو قاتل پر دیت نہیں قاتل پر اس صورت میں صرف آزاد غلام کی گردن ہے۔ اگر اس کے ولی وارث اس قوم میں سے ہوں جن سے تمہاری صلح اور عہد و پیمان ہے تو دیت دینی پڑے گی۔ اگر مقتول مومن تھا تو کامل خوں بہا اور اگر مقتول کافر تھا تو بعض کے نزدیک تو پوری دیت ہے بعض کے نزدیک آدھی بعض کے نزدیک تہائی تفصیل کتب احکام میں ملاحظہ ہو اور قاتل پر مومن بردے کو آزاد کرنا بھی لازم ہے۔ اگر کسی کو اس کی طاقت بوجہ مفلسی کے نہ ہو تو اس کے ذمے دو مہینے کے روزے ہیں جو لگا تار پے درپے رکھنے ہوں گے۔ اگر کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا حیض یا نفاس کے بغیر کوئی روزہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے۔ سفر کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ بھی شرعی عذر ہے دوسرے یہ کہ یہ عذر نہیں۔

پھر فرماتا ہے قتل خطا کی توبہ کی یہ صورت ہے کہ غلام آزاد نہیں کر سکتا تو روزے رکھ لے اور جسے روزوں کی بھی طاقت نہ ہو وہ مسکینوں کو کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ تو ایک قول تو یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے جیسے کہ ظہار کے کفارے میں ہے وہاں صاف بیان فرما دیا۔ یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ڈرانے اور خوف دلانے کا مقام ہے۔ آسانی کی صورت اگر بیان کر دی جاتی تو ہیبت و عظمت اتنی باقی نہ رہتی دوسرا قول یہ ہے کہ روزے کے نیچے کچھ نہیں اگر ہوتا تو بیان کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا حاجت کے وقت سے بیان کو موخر کرنا ٹھیک نہیں (بظاہر قول ثانی ہی صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ مترجم) اللہ علیم و حکیم ہے اس کی تفسیر کئی مرتبہ گذر چکی ہے۔

قتل عمداً اور قتل مسلم: ☆☆ قتل خطا کے بعد اب قتل عمد کا بیان ہو رہا ہے اس کی سختی برائی اور نہایت تاکید والی ڈراؤنی وعید فرمائی جا رہی ہے۔ یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا دیا ہے۔ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الخ یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں دوسری جگہ فرمان ہے قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الخ یہاں بھی اللہ کے حرام کئے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک کا اور قتل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بھی اس مضمون کی آیتیں بہت سی ہیں اور حدیث بھی اس باب میں بہت سی وارد ہوئی ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ابوداؤد میں ہے ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے۔ اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے ساری دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے۔ اور حدیث میں ہے اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے۔ اور حدیث میں ہے جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمے سے بھی

اعانت کی' وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے' اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' اس پر اللہ کا غضب ہے۔ اسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ○

(آیت:۹۳) حضرت ابن عباسؓ کا تو قول ہے کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا' اس کی توبہ قبول ہی نہیں۔ اہل کوفہ جب اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ابن جبیرؒ' ابن عباسؓ کے پاس آ کر دریافت کرتے ہیں' آپ فرماتے ہیں' یہ آخری آیت ہے جسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا' اور آپ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ جس میں توبہ کا ذکر ہے کہ وہ اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے پس جبکہ کسی شخص نے اسلام کی حالت میں کسی مسلمان کو غیر شرعی وجہ سے قتل کیا' اس کی سزا جہنم ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی' حضرت مجاہدؒ سے جب یہ قول ابن عباسؓ بیان ہوا تو فرمانے لگے مگر جو نادم ہو' سالم بن ابو الجعدؒ فرماتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ جب نابینا ہو گئے تھے' ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں' جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا' آپ نے فرمایا' اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کا اس پر غضب ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے' اس نے پھر پوچھا' اگر وہ توبہ کرے' نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے' اس کی ماں اسے روئے' اسے توبہ اور ہدایت کہاں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے' میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے' اس کی ماں اسے روئے جس نے مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے' وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا' اس کی رگوں میں خون اچھل رہا ہو گا اور اللہ سے کہے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں عبداللہ کی جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری' اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضورؐ کے بعد کوئی وحی اترے گی۔ حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ' عبید بن عمیرؒ' حسنؒ' قتادہؒ' ضحاکؒ بھی حضرت ابن عباسؓ کے خیال کے ساتھ ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے لائے گا۔ دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہو گا اور کہے گا' میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا' پروردگار اس لئے کہ تیری عزت ہو' اللہ فرمائے گا پس یہ میری راہ میں ہے۔ دوسرا مقتول بھی اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا' اور یہی کہے گا' قاتل جواباً کہے گا' اس لئے کہ فلاں کی عزت ہو' اللہ فرمائے گا' قاتل کا گناہ اس نے اپنے سر لے لیا' پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا جس گڑھے میں ستر سال تک تو نیچے ہی چلا جائے گا۔

مسند احمد میں ہے' ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے لیکن ایک تو وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا' دوسرا وہ جو کسی مومن کا قصداً قاتل بنا۔ ابن مردویہ میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور وہ بالکل غریب ہے' محفوظ وہ حدیث ہے جو بحوالہ مسند بیان ہوئی۔ ابن مردویہ میں اور حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ حمید کہتے ہیں' میرے پاس ابو العالیہ آئے' میرے ایک دوست بھی اس وقت میرے پاس تھے۔ ہم سے کہنے لگے' تم دونوں مجھ سے کم عمر اور زیادہ یاد داشت والے ہو۔

آؤ میرے ساتھ بشر بن عاصم کے پاس چلو۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت بشرؓ سے فرمایا، انہیں بھی وہ حدیث سنا دو۔ انہوں نے سنانی شروع کی کہ عتبہ بن مالک لیثیؓ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا۔ اس نے ایک قوم پر چھاپہ مارا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک شخص بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک لشکری بھاگا۔ جب اس کے قریب ننگی تلوار لئے ہوئے پہنچ گیا تو اس نے کہا میں تو مسلمان ہوں۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا تلوار چلا دی اس واقعہ کی خبر حضور کو ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور سخت سست کہا یہ خبر اس شخص کو بھی پہنچی۔ ایک روز رسول اکرم ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اس قاتل نے کہا، حضورؐ اللہ کی قسم اس نے تو یہ بات محض قتل سے بچنے کے لئے کہی تھی۔ آپؐ نے اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور خطبہ سناتے رہے، اس نے دوبارہ کہا، آپؐ نے پھر منہ موڑ لیا، اس سے صبر نہ ہو سکا۔ تیسری بار کہا تو آپؐ نے اس کی طرف توجہ کی اور ناراضگی آپؐ کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔ فرمانے لگے قاتل مومن کی کوئی بھی معذرت قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ انکار کرتے ہیں، تین بار یہی فرمایا۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے۔ پس ایک مذہب تو یہ ہوا کہ قاتل مومن کی توبہ نہیں دوسرا مذہب یہ ہے کہ توبہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہے، جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ اگر اس نے توبہ کی، اللہ کی طرف رجوع کیا، خشوع وخضوع میں لگا رہا، نیک اعمال کرنے لگ گیا تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور مقتول کو اپنے پاس سے عوض دے کر اسے راضی کر لے گا۔ اللہ فرماتا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ الخ، یہ خبر اور خبر میں نسخ کا احتمال نہیں اور اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں اور اس آیت کو مومنوں کے بارے میں خاص کرنا بہ ظاہر قیاس کے خلاف ہے اور کسی صاف دلیل کا محتاج ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ الخ، اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ کو شامل ہے خواہ کفر وشرک ہو، خواہ شک ونفاق ہو، خواہ قتل و فسق ہو، خواہ کچھ ہی ہو، جو اللہ کی طرف رجوع کرے، اللہ اس کی طرف مائل ہوگا، جو توبہ کرے، اللہ اسے معاف فرمائے گا۔ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ الخ، اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشتا نہیں اس کے سوا کے تمام گناہ جسے چاہے بخش دے۔ اللہ کی اس کریمی کے صدقے جائیے کہ اس نے اسی سورت میں اس آیت سے پہلے بھی جس کی تفسیر اب ہم کر رہے ہیں، اپنی عام بخشش کی آیت بیان فرمائی اور پھر اس آیت کے بعد ہی اسے دہرا دیا اسی طرح اپنی عام بخشش کا اعلان پھر کیا تاکہ بندوں کو اس کی کامل فطرت سے کامل امید بندھ جائے۔ واللہ اعلم۔

بخاری ومسلم کی وہ حدیث بھی اس موقعہ پر یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ ایک بنی اسرائیلی نے ایک سو قتل کئے تھے۔ پھر ایک عالم سے پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ تجھ میں اور تیری توبہ میں کون ہے جو حائل ہو؟ جاؤ اس بد بستی کو چھوڑ کر نیکوں کے شہر میں جا بسو۔ چنانچہ یہ ہجرت کرتا ہے اور راستے میں ہی فوت ہو جاتا ہے اور رحمت کے فرشتے اسے لے جاتے ہیں۔ یہ حدیث پوری کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے جبکہ بنی اسرائیل میں یہ ہے تو اس امت مرحومہ کے لیے قاتل کی توبہ کے دروازے بند کیوں ہوں؟ ہم پر تو پہلے بہت زیادہ پابندیاں تھیں جن سب سے خدا نے ہمیں آزاد کر دیا اور رحمۃ للعالمین جیسے سردار انبیاء کو بھیج کر وہ دین ہمیں دیا جو آسانیوں اور راحتوں والا، سیدھا، صاف اور سہل ہے۔ لیکن یہاں جو سزا قاتل کی بیان فرمائی ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے سزا ضرور دی جائے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ اور سلف کی ایک جماعت بھی یہی فرماتی ہے بلکہ اس معنی کی ایک حدیث بھی ابن مردویہ میں ہے لیکن سنداً وہ صحیح نہیں اور اسی طرح ہر وعید کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی عمل صالح وغیرہ اس کے مقابل میں نہیں تو اس بدی کا بدلہ وہ ہے جو وعید میں واضح بیان ہوا ہے۔ اور یہی طریقہ وعید کے بارے میں ہمارے نزدیک نہایت درست اور

احتیاط والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور قاتل کے جہنم میں جانے کی تقدیر پر بھی خواہ وہ بقول ابن عباسؓ وغیرہ توبہ قبول نہ ہونے کی وجہ سے ہو خواہ بقول جمہور دوسرا نیک عمل نجات دہندہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر تک رہنا ہے جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ جہنم میں سے وہ بھی نکل آئیں گے جن کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اوپر جو ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بجز کفر اور قتل مومن کے معاف فرما دے۔ اس میں "عسی" ترجی کا مسئلہ ہے ان دونوں صورتوں میں ترجی یعنی امید کو اٹھ جائے پھر بھی وقوع پزیر ہونا یعنی ایسا ہونا ان دونوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں اور وہ قتل ہے کیونکہ شرک وکفر کا معاف نہ ہونا تو الفاظ قرآن سے ثابت ہو چکا اور جو حدیثیں گذریں جن میں ہے کہ قاتل کو مقتول لے کر آئے گا' یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ چونکہ اس میں انسانی حق ہے' وہ توبہ سے ٹل نہیں جاتا۔ بلکہ انسانی حق تو توبہ ہونے کی صورت میں بھی حقدار کو پہنچانا ضروری ہے۔ اس میں جس طرح قتل ہے' اسی طرح چوری ہے' غصب ہے' تہمت ہے اور دوسرے حقوق انسانی ہیں جن کا توبہ سے معاف نہ ہونا اجماعاً ثابت ہے بلکہ توبہ کی صحت کی شرط ہے کہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اور جب ادائیگی محال ہے تو قیامت کے روز اس کا مطالبہ ضروری ہے۔ لیکن مطالبہ سے سزا کا واقع ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کے اور سب اعمال صالحہ مقتول کو دے دیئے جائیں یا بعض دے دیئے جائیں اور اس کے پاس پھر بھی کچھ رہ جائیں اور یہ بخش دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاتل کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے پاس سے اور اپنی طرف سے حور وقصور اور بلند درجات جنت دے کر پورا کر دے اور اس کے عوض وہ اپنے قاتل سے درگذر کرنے پر خوش ہو جائے اور قاتل کو اللہ بخش دے وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ جان بوجھ کر مار ڈالنے والے کے لئے کچھ تو دنیوی احکام ہیں اور کچھ اخروی۔ دنیا میں تو اللہ نے مقتول کے ولیوں کو اس پر غلبہ دیا ہے۔

فرماتا ہے وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا الخ' جو ظلم سے قتل کیا جائے' ہم نے اس کے پیچھے والوں کو غلبہ دیا ہے۔ انہیں اختیار ہے کہ یا تو وہ بدلہ لیں یعنی قاتل کو بھی قتل کرائیں یا معاف کر دیں یا دیت یعنی خون بہا یعنی جرمانہ وصول کر لیں اور اس کے جرمانہ میں سختی ہے جو تین قسموں پر مشتمل ہے۔ تیس تو چوتھے سال کی عمر میں لگے ہوئے اونٹ اور تیس پانچویں سال میں لگے ہوئے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں جیسے کہ کتب احکام میں ثابت ہیں۔ اس میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس پر غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے یا کھانا کھلانا ہے یا نہیں؟ پس امام شافعی اور ان کے اصحاب اور علماء کی ایک جماعت تو اس کی قائل ہے کہ جب خطا میں یہ ہے تو عمداً میں بطور اولی ہونا چاہئے اور ان پر جواباً جھوٹی غیر شرعی قسم کے کفارے کو پیش کیا گیا ہے اور انہوں نے اس کا عذر عمداً چھوڑ دی ہوئی نماز کو قضا قرار دیا ہے جیسے کہ اس پر اجماع ہے۔ خطا میں امام احمد کے اصحاب اور دوسرے کہتے ہیں' قتل عمد ناقابل کفارہ ہے اس لئے اس میں کفارہ نہیں اور اسی طرح جھوٹی قسم اور ان کے لئے ان دونوں صورتوں میں اور عمداً چھوٹی ہوئی نماز میں فرق کرنے کی کوئی راہ نہیں اس لئے کہ یہ عمداً چھوٹی ہوئی نماز کی قضا کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگلی جماعتوں کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو مسند احمد میں مروی ہے کہ لوگ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا' کوئی ایسی حدیث سناؤ جس میں کمی زیادتی نہ ہو تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کیا تم قرآن لے کر پڑھتے ہو تو اس میں کمی زیادتی بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا' حضرت ہمارا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے آپ نے جو سنی ہو' کہا ہم حضور ﷺ کے پاس اپنے میں سے ایک آدمی کی بابت گئے جس نے بوجہ قتل کے اپنے آپ کو جہنمی بنا لیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا' اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کر دے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ
كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۹۴

اے ایمان والو جب تم راہ اللہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے، تم اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں، تم زندگانی دنیا کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے O

مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل ناقابل معافی جرم ہے: ☆☆ (آیت:۹۴) ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا اصحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اور سلام کیا تو صحابہؓ آپس میں کہنے لگے، یہ مسلمان تو ہے نہیں۔ صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کرتا ہے۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن بعض نے اس میں علتیں نکالی ہیں کہ سماک راوی کے سوائے اس طریقے کے اور کوئی مخرج ہی اس کا نہیں اور یہ کہ عکرمہ سے اس کے روایت کرنے کے بھی قائل ہے، اور یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں اور واقعات بھی مروی ہیں۔ بعض کہتے ہیں، محکم بن جثامہ کے بارے میں اتری ہے۔

بعض کہتے ہیں، اسامہ بن زیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے سوا بھی اقوال ہیں، لیکن میں کہتا ہوں یہ سب ناقابل تسلیم ہے، سماک سے اسے بہت سے ائمہ کبار نے روایت کیا ہے، عکرمہ سے صحیح دلیل لی گئی ہے، یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے سعید بن منصور میں یہی مروی ہے، ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، راستے میں اسے حضورؐ کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا چنانچہ آپؐ نے انہیں ایک ہزار دینار دیئے اور دیت دی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

محکم بن جثامہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر اخسم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بطل اخسم میں پہنچا تو عامر بن اضبط اشجعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب کے آ رہے تھے۔ پاس پہنچ کر سلام کیا۔ سب تو رک گئے لیکن محکم بن جثامہ نے آپس کی پرانی عداوت کی بنا پر اس پر جھپٹ کر حملہ کر دیا، انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا اسباب قبضہ میں کر لیا۔ پھر ہم حضورؐ کے پاس پہنچے اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر یہ آیت اتری ایک اور روایت میں ہے کہ عامر نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا تھا لیکن جاہلیت کی پہلی عداوت کے باعث محکم نے اسے تیر مار کر مار ڈالا۔ یہ خبر پا کر عامر کے لوگوں سے محکم بن جثامہ نے مصالحانہ گفتگو کی لیکن عینیہ نے کہا، نہیں نہیں، اللہ کی قسم جب تک اس کی عورتوں پر بھی وہی مصیبت نہ آئے جو میری عورتوں پر آئی۔ محکم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے آئے اور رسول کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ

گئے اس امید پر کہ حضورؐ ان کے لئے استغفار کریں لیکن آپؐ نے فرمایا' اللہ تجھے نہ بخشے' یہ یہاں سے سخت نادم و شرمسار روتے ہوئے اٹھے اپنی چادروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے سات روز بھی نہ گذرنے پائے تھے جو انتقال کر گئے۔ لوگوں نے انہیں دفن کیا لیکن زمین نے ان کی نعش اگل دی۔ حضورؐ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' تمہارے اس ساتھی سے نہایت ہی بدتر لوگوں کو زمین سنبھال لیتی ہے لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں مسلمان کی حرمت دکھائے چنانچہ ان کے لاشے کو پہاڑ پر ڈال دیا گیا اور اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضورؐ نے مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جبکہ انہوں نے قوم کفار کے ساتھ جو مسلمان مخفی ایمان والا تھا' اسے قتل کر دیا تھا باوجودیکہ اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا کہ تم بھی مکہ میں اسی طرح تھے کہ ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ بزار میں یہ واقعہ پورا اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت مقدادؓ بھی تھے۔ جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب تو ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔ ایک شخص مالدار وہاں رہ گیا ہے۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا۔ تاہم انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ ایک شخص جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا' وہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا' مقداد تم نے اسے قتل کر ڈالا جس نے کلمہ پڑھا تھا؟ میں اس کا ذکر حضورؐ سے کروں گا۔ جب یہ لشکر واپس پہنچا تو اس شخص نے یہ واقعہ حضورؐ سے عرض کیا۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کو بلوایا اور فرمایا تم نے یہ کیا کیا؟ کل قیامت کے دن تم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے سامنے کیا جواب دو گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور آپؐ نے فرمایا کہ اے مقداد وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ میں اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا؟

پھر فرماتا ہے کہ جس غنیمت کی لالچ میں تم غفلت برت رہے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک و شبہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے ہو' سنو یہ غنیمت بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا اور وہ تمہارے لئے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو کہ تم بھی ایسے ہی لاچار تھے اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ایمان ظاہر کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ قوم میں چھپے لگے پھرتے تھے۔ آج اللہ نے تم پر احسان کیا۔ تمہیں قوت دی اور تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو تو جو بے اسباب اب تک دشمنوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایمان کا اعلان کھلے طور پر نہیں کر سکے جب وہ اپنا ایمان ظاہر کریں' تمہیں تسلیم کر لینا چاہئے۔ اور آیت میں ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ الخ یاد کرو جبکہ تم کم تھے' کمزور تھے۔ الغرض ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بکری کا چرواہا اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا' اسی طرح اس سے پہلے جبکہ بے سروسامانی اور قلت کی حالت میں تم مشرکوں کے درمیان تھے' ایمان چھپائے پھرتے تھے' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم بھی پہلے اسلام والے نہ تھے' اللہ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں اسلام نصیب فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے قسم کھائی تھی کہ اس کے بعد کبھی کسی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے کو قتل نہ کروں گا کیونکہ انہیں بھی اس بارے میں پوری سرزنش ہوئی تھی۔ پھر تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ بخوبی تحقیق کر لیا کرو۔ پھر دھمکی دی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔ جو تم کر رہے ہو' وہ سب کی پوری خبر رکھتا ہے۔

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ
وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ

الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳

اپنی جانوں اور مالوں سے راہ اللہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں' اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے ○ اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی' اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

مجاہد اور عوام میں فرق: ☆☆ (آیت:۹۵-۹۶) صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مومن برابر نہیں' تو آپؐ حضرت زیدؓ کو بلوا کر اسے لکھوا رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا آئے اور کہنے لگے 'حضورؐ میں تو نابینا ہوں' معذور ہوں۔ اس پر الفاظ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ نازل ہوئے یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ اپنے ساتھ قلم دوات اور شانہ لے کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ ام مکتومؓ نے فرمایا تھا' یا رسول اللہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد میں شامل ہوتا۔ اس پر وہ الفاظ اترے۔ اس وقت حضورؐ کی ران حضرت زیدؓ کی ران پر تھی۔ اس قدر بوجھ ان پر پڑا کہ قریب تھا' ران ٹوٹ جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان الفاظ کی وحی اتری اور اس کے بعد آپ پر نازل ہوئی' میں آپ کے پہلو میں تھا' اللہ کی قسم وہ بوجھ جو مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی ران کا پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز کوئی نہیں اٹھائی۔ پھر وحی ہٹ جانے کے بعد آپ نے عَظِيْمًا تک آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا۔ اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابھی تو ابن ام مکتومؓ کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے جو آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی' حضرت زیدؓ فرماتے ہیں وہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بعد میں اترے ہوئے الفاظ کو میں نے ان کی جگہ پر اپنی تحریر میں بعد میں بڑھایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مراد بدر کی لڑائی میں جانے والے اور اس میں حاضر نہ ہونے والے ہیں۔ غزوہ بدر کے موقعہ پہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آ کر حضورؐ سے کہنے لگے' ہم دونوں نابینا ہیں۔ کیا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی۔ پس مجاہدین کو جن بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے' وہ وہ ہیں جو صحت و تندرستی والے ہوں۔ پس پہلے تو مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر مطلقاً فضیلت تھی لیکن پھر اسی وحی کے ساتھ جو الفاظ اترے اس نے ان لوگوں کو جنہیں مباح عذر ہوں عام بیٹھ رہنے والوں سے مستثنیٰ کر لیا جیسے اندھے' لنگڑے' لولے اور بیمار' یہ مجاہدین کے درجے میں ہیں۔

پھر مجاہدین کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے' وہ بھی ان لوگوں پر ہے جو بے وجہ جہاد میں شامل نہ ہوئے ہوں' جیسے کہ ابن عباسؓ کی تفسیر گذری اور یہی ہونا بھی چاہئے بخاری میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس جہاد کے لئے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو' وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں۔ صحابہؓ نے کہا باوجودیکہ وہ مدینے میں مقیم ہیں' آپؐ نے فرمایا' ہاں اس لئے کہ انہیں

عذر نے روک رکھا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب بھی جو تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے اسی مطلب کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منظوم کیا ہے۔

يَا رَاحِلِيْنَ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ لَقَدْ   سِرْتُمْ جُسُوْمًا وَّسِرْنَا نَحْنُ اَرْوَاحَا
اِنَّا اَقَمْنَا عَلٰى عُذْرٍ وَّعَنْ قَدْرٍ   وَمَنْ اَقَامَ عَلٰى عُذْرٍ فَقَدْ رَاحَا

”یعنی اے اللہ کے گھر کے حج کو جانے والو! اگر تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اسی طرف لپکے جا رہے ہیں' سنو ہماری جسمانی کمزوری اور عذر نے ہمیں روک رکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عذر سے رک جانے والا کچھ جانے والے سے کم نہیں“

پھر فرماتا ہے' ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جنت کا اور بہت بڑے اجر کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ پھر ارشاد ہے' مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بڑی فضیلت ہے۔ پھر ان کے بلند درجات' ان کے گناہوں کی معافی اور ان پر جو برکت و رحمت ہے' اس کا بیان فرمایا اور اپنی عام بخشش اور عام رحم کی خبر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے' جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں میں اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں۔ اور حدیث میں ہے' حضورؐ نے فرمایا' جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے' اسے جنت کا درجہ ملتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا' درجہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بالا خانوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ
كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ
اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں' پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں' کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے' یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ○ پہنچنے کی۔ مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں' جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ○

بے معنی عذر مسترد ہوں گے۔ ہجرت اور نیت: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۸) محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسود فرماتے ہیں' اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے جو لشکر تیار کیا گیا اس میں میرا نام بھی تھا۔ میں حضرت ابن عباسؓ کے مولی حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملا اور اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے اس میں شمولیت کرنے سے بہت سختی سے روکا اور کہا سنو حضرت ابن عباسؓ سے میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان لوگ جو حضورؐ کے زمانے میں مشرکوں کے ساتھ تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے تھے' بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی تیر سے ہلاک کر دیا جاتا یا مسلمانوں کی تلواروں سے قتل کر دیا جاتا' انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یعنی موت کے وقت ان کا اپنی بے طاقتی کا حیلہ اللہ کے

ہاں قبول نہیں ہوتا۔

اور روایت میں ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے جبکہ وہ بدر کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ آ گئے تو مسلمانوں کے ہاتھوں ان میں سے بعض مارے گئے جس پر مسلمان غمگین ہوئے کہ افسوس یہ تو ہمارے ہی بھائی تھے اور ہمارے ہی ہاتھوں مارے گئے ان کے لئے استغفار کرنے لگے اس پر یہ آیت اتری۔ پس باقی ماندہ مسلمانوں کی طرف یہ آیت لکھی کہ ان کا کوئی عذر نہ تھا کہا یہ نکلے اور ان سے مشرکین ملے اور انہوں نے تقیہ کیا۔ پس یہ آیت اتری وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ، حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں، یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور تھے مکے میں ہی۔ ان میں علی ابن امیہ بن خلف اور ابوقیس بن ولید بن مغیرہ اور ابومنصور بن حجاج اور حارث بن زمعہ تھے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں، ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد مکے میں رہ گئے۔ پھر بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آئے۔ ان میں سے بعض میدان جنگ میں کام بھی آ گئے۔ مقصد یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کا جو ہجرت پر قادر ہو پھر بھی مشرکوں میں پڑا رہے اور دین پر مضبوط نہ رہے، وہ اللہ کے نزدیک ظالم ہے اور اس آیت کی رو سے اور مسلمانوں کے اجماع سے وہ حرام کام کا مرتکب ہے۔ اس آیت میں ہجرت کے چھوڑ دینے کو ظلم کہا گیا ہے، ایسے لوگوں سے ان کے نزع کے عالم میں فرشتے کہتے ہیں کہ تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے؟ کیوں ہجرت نہ کی؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے شہر سے دوسرے شہر کہیں نہیں جا سکتے تھے، جس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں، کیا اللہ کی زمین میں کشادگی نہ تھی؟ ابوداؤد میں ہے، جو شخص مشرکین میں ملا جلا رہے، انہی کے ساتھ رہے سہے، وہ بھی انہی جیسا ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں جبکہ حضرت عباسؓ عقیل اور نوفل گرفتار کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے کا بھی، حضرت عباسؓ نے کہا، یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے قبلے کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ہم کلمہ شہادت ادا نہیں کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا، عباسؓ تم نے بحث تو چھیڑی لیکن اس میں تم ہار جاؤ گے، سنو اللہ فرماتا ہے، پھر آپؐ نے یہی تلاوت فرمائی یعنی تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ پھر جن لوگوں کو ہجرت کے چھوڑ دینے پر ملامت نہ ہوگی، ان کا ذکر فرماتا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکیں اور اگر کبھی چھوٹ بھی جائیں تو راستے کا علم انہیں نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ درگذر فرما لے گا۔ "عسی" کا کلمہ اللہ کے کلام میں وجوب اور یقین کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ درگذر کرنے والا اور بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ عیاش ابوربیعہ کو، سلمہ بن ہشام کو، ولید بن ولید کو اور تمام بے بس ناطاقت مسلمانوں کو کفار کے پنجے سے رہائی دے۔ اے اللہ اپنا سخت عذاب قبیلہ مضر پر ڈال۔ اے اللہ ان پر ایسی قحط سالی نازل فرما جیسی حضرت یوسفؑ کے زمانے میں آئی تھی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلے کی طرف منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، اے اللہ ولید بن ولید کو، عیاش بن ابوربیعہ کو، سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتواں بے طاقت مسلمانوں کو جو نہ حیلے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی، کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔ ابن جریر میں ہے، حضورؐ ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند کے سوا اور سندوں میں بھی ہیں جیسے کہ پہلے گذرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں اور میری والدہ ان ضعیف عورتوں اور بچوں میں تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ہمیں اللہ نے معذور رکھا۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا
غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ
مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى
اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

بہت ممکن ہے کہ اللہ ان سے درگذر کرے' اللہ درگذر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے ○ جو کوئی راہ اللہ میں وطن کو چھوڑے گا' وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی' جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا' پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

(آیت:۹۹-۱۰۰) ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے اور مشرکوں سے الگ ہونے کی ہدایات کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ راہ اللہ میں ہجرت کرنے والا ہراساں نہ ہو- وہ جہاں جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پناہ تیار کر دے گا اور وہ بہ آرام وہاں اقامت کر سکے گا' مراغم کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہیں' مجاہدؒ فرماتے ہیں' وہ اپنے دکھ سے بچاؤ کی بہت سی صورتیں پا لے گا- امن کے بہت سے اسباب اسے مل جائیں گے' دشمنوں کے شر سے بچ جائے گا اور وہ روزی بھی پائے گا' گمراہی سے ہدایت اسے ملے گی اور فقیری تونگری سے بدل جائے گی- پھر فرماتا ہے' جو شخص بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکلا' پھر ہجرت گاہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اسے موت آ گئی' اسے بھی ہجرت کا کامل ثواب مل گیا' حضورؐ فرماتے ہیں ہر عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی پس جس کی ہجرت اللہ کی طرف اور اس کے رسولؐ کی طرف ہو' اس کی ہجرت اللہ کی رضامندی اور رسولؐ کی خوشنودی کا باعث ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہ ملے گا بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے گی- یہ حدیث عام ہے- ہجرت وغیرہ تمام اعمال کو شامل ہے-

بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ننانوے قتل کئے تھے' پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو پورے کئے- پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں- تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا جہاں اللہ کے عابد بندے رہتے ہیں چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا' راستہ میں ہی تھا جو موت آ گئی- رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا- یہ تو کہہ رہے تھے یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے چل کھڑا ہوا اور وہ کہہ رہے تھے یہ وہاں پہنچا تو نہیں- پھر انہیں حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے' پھر زمین کو اللہ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جائے اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جائے جب زمین ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی سے ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے- ایک روایت میں ہے کہ موت کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسٹتا ہوا گیا-

مسند احمد کی حدیث میں ہے' جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ کی ہجرت کی نیت سے نکلا' پھر آپؐ نے اپنی تینوں انگلیوں یعنی کلمہ کی انگلی'

بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کہا۔ پھر فرمایا' کہاں ہیں مجاہد؟ پھر وہ اپنی سواری پر سے گر پڑا یا اسے کسی جانور نے کاٹ لیا یا اپنی موت مر گیا تو اس کا ہجرت کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں اپنی موت مرنے کے لئے جو کلمہ حضورؐ نے استعمال کیا' واللہ میں نے اس کلمہ کو آپ سے پہلے کسی عربی کی زبانی نہیں سنا اور جو شخص غضب کی حالت میں قتل کیا گیا' وہ جگہ کا مستحق ہو گیا' حضرت خالد بن حزامؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے لیکن راہ میں ہی انہیں ایک سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہو گئی۔ ان کی بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں' میں چونکہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا اور مجھے ان کی خبر مل گئی تھی کہ یہ بھی ہجرت کر کے آ رہے ہیں اور میں جانتا تھا کہ قبیلہ بنو اسد سے ان کے سوا اور کوئی ہجرت کر کے آنے کا نہیں اور کم و بیش جتنے مہاجر تھے ان کے ساتھ رشتے کنبے کے لوگ تھے لیکن میرے ساتھ کوئی نہ تھا میں ان کا یعنی حضرت خالدؓ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو مجھے ان کی اس طرح کی اچانک شہادت کی خبر ملی تو مجھے بہت ہی رنج ہوا۔ یہ اثر بہت ہی غریب ہے یہ بھی وجہ ہے کہ یہ قصہ مکے کا ہے اور آیت مدینے میں اتری ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ راوی کا مقصود یہ ہو کہ آیت کا حکم عام ہے گو شان نزول یہ نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے لیکن آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی ضمرہ جن کی آنکھوں سے دکھائی نہ دیتا تھا' جب وہ آیت اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ الخ' سنتے ہیں تو کہتے ہیں' میں مالدار ہوں اور چارہ کار بھی رکھتا ہوں' مجھے ہجرت کرنی چاہئے چنانچہ سامان سفر تیار کر لیا اور حضورؐ کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تنعیم میں ہی تھے جو موت آ گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں غزوہ کرنے کے لئے نکلا' صرف میرے وعدوں کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھ کر' پس وہ اللہ کی ضمانت میں ہے۔ یا تو وہ لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے گا یا اللہ کی ضمانت میں واپس لوٹے گا۔ اجر و غنیمت اور اللہ کا فضل لے کر اگر وہ اپنی موت مر جائے یا مار ڈالا جائے یا گھوڑے سے گر جائے یا اونٹ پر سے گر پڑے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے یا اپنے بستر پر کسی طرح بھی فوت ہو جائے' وہ شہید ہے۔ ابوداؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ وہ جنتی ہے۔ بعض الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔

ابو یعلی میں ہے' جو شخص حج کے لئے نکلا' پھر مر گیا' قیامت تک اس کے لئے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ جو عمرے کے لئے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا' اس کے لئے قیامت تک عمرے کا اجر لکھا جاتا ہے۔ جو جہاد کے لئے نکلا اور فوت ہو گیا' اس کے لئے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ
الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ
كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۱۰۱

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں' اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے' البتہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ○

صلوٰۃ قصر؟ ☆☆ (آیت:۱۰۱) فرمان الٰہی ہے کہ تم کہیں سفر میں جا رہے ہو۔ یہی الفاظ سفر کے لئے سورۂ مزمل میں بھی آئے ہیں۔ تو تم

پر نماز کی تخفیف کرنے میں کوئی گناہ نہیں، یہ کمی یا تو کمیت میں یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعت جیسے کہ جمہور نے اس آیت سے سمجھا ہے، گو پھر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ شرط ہے کہ سفر اطاعت کا ہو مثلاً جہاد کے لئے یا حج وعمرے کے لئے یا طلب وزیارت کے لئے وغیرہ۔ ابن عمر، عطا، یحییٰ اور ایک روایت کی رو سے امام مالکؒ کا یہی قول ہے کیونکہ اس سے آگے فرمان ہے اگر تمہیں کفار کی ایذا رسانی کا خوف ہو۔ بعض کہتے ہیں اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ سفر قربت خداوندی کا ہو بلکہ نماز کی کمی ہر مباح سفر کے لئے ہے جیسے اضطرار اور بے بسی کی صورت میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔ ہاں یہ شرط ہے کہ سفر معصیت کا نہ ہو۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ ائمہ کا یہی قول ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں تجارت کے سلسلے میں دریائی سفر کرتا ہوں تو آپ نے اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ ہر سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز ہے سفر خواہ مباح ہو خواہ ممنوع ہو یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لئے اور مسافروں کو ستانے کے لئے نکلا ہوا ہے، اسے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ ابوحنیفہؒ ثوریؒ اور داؤدؒ کا یہی قول ہے کہ آیت عام ہے لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے۔ کفار سے ڈر کی جو شرط لگائی ہے یہ باعتبار اکثریت کے ہے۔ آیت کے نازل ہونے کے وقت چونکہ عموماً یہی حال تھا، اس لئے آیت میں بھی اسے بیان کر دیا گیا۔ ہجرت کے بعد سفر مسلمانوں کے سب کے سب خوف والے ہی ہوتے تھے۔ قدم قدم پر دشمن کا خطرہ رہتا تھا بلکہ مسلمان سفر کے لئے نکل ہی نہ سکتے تھے بجز اس کے کہ یا تو جہاد کو جائیں یا کسی خاص لشکر کے ساتھ جائیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق بہ اعتبار غالب کے آئے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسے اور آیت میں ہے، اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی کرنا چاہیں اور جیسے فرمایا، ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ہے۔ پس جیسے کہ ان دونوں آیتوں میں قید کا بیان ہے لیکن اس کے ہونے پر ہی حکم کا دارومدار نہیں بلکہ بغیر اس کے بھی حکم وہی ہے یعنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور کرنا حرام ہے گو وہ پاکدامنی چاہتی ہوں یا نہ چاہتی ہوں۔ اسی طرح اس عورت کی لڑکی حرام ہے جس سے نکاح ہو کر صحبت ہو گئی ہو خواہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا نہ ہو حالانکہ دونوں جگہ قرآن میں یہ قید موجود ہے۔ پس جس طرح ان دونوں موقعوں میں بغیر ان قیود کے بھی حکم یہی ہے، اسی طرح یہاں بھی گو خوف نہ ہو تاہم محض سفر کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔

مسلم اور سنن وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے، بالکل صحیح روایت ہے۔ ابوحنظلہ حذاء نے حضرت عمرؓ سے سفر کی نماز کا پوچھا تو آپ نے فرمایا، دو رکعتیں ہیں، انہوں نے کہا قرآن میں تو خوف کے وقت دو رکعتیں ہیں اور اس وقت تو پوری طرح امن وامان ہے تو آپ نے فرمایا یہی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی (ابن ابی شیبہ)۔

ایک اور شخص کے سوال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا، آسمان سے تو یہ رخصت اتر چکی ہے اب اگر تم چاہو تو اسے لوٹا دو، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں (نسائی وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ مدینہ سے مکے کی طرف چلے بجز اللہ کے خوف کے سوا کسی دشمن کا خوف نہ تھا اور آپ برابر دو رکعتیں ہی ادا فرماتے رہے۔ بخاری کی

حدیث میں ہے کہ واپسی میں بھی یہی دو رکعتیں آپ پڑھتے رہے اور مکے میں اس سفر میں آپ نے دس روز قیام کیا تھا۔ مسند احمد میں حضرت حارثہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منیٰ میں ظہر کی اور عصر کی نماز دو دو رکعتیں پڑھی ہیں حالانکہ اس وقت ہم بکثرت تھے اور نہایت ہی پرامن تھے۔

صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ (سفر میں) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی چار رکعتوں کا ذکر آیا، تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ الخ، پڑھ کر فرمایا، میں نے تو حضورؐ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں اور صدیق اکبرؓ کے ساتھ بھی اور عمر فاروقؓ کے ساتھ بھی۔ کاش کہ بجائے ان چار رکعتوں کے میرے حصے میں دو ہی مقبول رکعات آئیں، پس یہ حدیثیں کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دو رکعتوں کے لئے خوف کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہایت امن واطمینان کے سفر میں بھی دوگانہ ادا کر سکتا ہے۔

اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں کیفیت میں یعنی قرأت، رکوع، سجود وغیرہ میں قصر اور کمی مراد ہے نہ کہ کمیت میں یعنی تعداد رکعات میں تخفیف کرنا۔ ضحاکؒ مجاہدؒ اور سدیؒ کا یہی قول ہے جیسے کہ آ رہا ہے، اس کی ایک دلیل امام مالکؒ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نماز دو دو رکعتیں ہی سفر حضر میں فرض کی گئی تھی پھر سفر میں تو وہی دو رکعتیں رہیں اور اقامت کی حالت میں دو اور بڑھا دی گئیں، پس علماء کی یہ جماعت کہتی ہے کہ اصل نماز دو رکعتیں تھی تو پھر اس آیت میں قصر سے مراد کمیت یعنی رکعتوں کی تعداد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس قول کی بہت بڑی تائید صراحتاً اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد میں حضرت عمرؓ کی روایت سے ہے کہ بہ زبان نبی ﷺ سفر کی دو رکعتیں ہیں اور ضحیٰ کی نماز بھی دو رکعت ہے اور عید الفطر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے۔ یہی پوری نماز ہے۔ قصر والی نہیں۔ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔ اس کی سند بہ شرط مسلم ہے۔ اس کے راوی ابن ابی لیلیٰ کا حضرت عمرؓ سے سننا ثابت ہے جیسے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے اور خود اس روایت میں اور اس کے سوا بھی صراحتاً موجود ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے ان شاءاللہ۔ گو بعض محدثین سننے پر فیصلہ دینے کے قائل نہیں لیکن اسے مانتے ہوئے بھی اس سند میں کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ بعض طرق میں ابن ابی لیلیٰ کا ایک ثقہ سے اور ان کا حضرت عمرؓ سے سننا مروی ہے، اور ابن ماجہ میں ان کا کعب ابن عجرہ سے روایت کرنا اور ان کا حضرت عمرؓ سے روایت کرنا بھی مروی ہے فاللہ اعلم۔

مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی نماز کو اقامت کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہے اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت پس جیسے کہ قیام میں اس سے پہلے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا پڑھی جاتی تھی، اسی طرح سفر میں بھی اور اس روایت میں اور حضرت عائشہؓ والی روایت میں جو اوپر گذری کہ حضر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعتیں ہی فرض کی تھیں گویا مسافات سے مشروط ہیں۔ اس لئے کہ اصل دو ہی تھیں بعد میں دو اور بڑھا دی گئیں پھر حضر کی چار رکعتیں ہو گئیں تو اب کہہ سکتے ہیں کہ اقامت کی حالت میں فرض چار رکعتیں ہیں۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض یہ دونوں روایتیں اسے ثابت کرتی ہیں کہ سفر میں دو رکعت نماز ہے اور وہی پوری نماز ہے کمی والی نہیں اور یہی حضرت عمرؓ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے تو مراد اس میں قصر کیفیت ہے جیسے کہ صلوٰۃ خوف میں ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے اگر تم ڈرو اس بات سے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد فرمایا جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھو تو بھی۔ پھر قصر کا مقصود صفت اور کیفیت بھی بیان فرما دی۔ امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ نے کتاب صلوٰۃ خوف کو اسی آیت وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سے مُّهِيْنًا تک لکھ کر شروع کیا

ہے۔ ضحاکؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لڑائی کے وقت ہے۔ انسان اپنی سواری پر نماز دو تکبیریں پڑھ لے۔ اس کا منہ جس طرف بھی ہو اسی طرف صحیح ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں جب تو نے دو رکعتیں پڑھیں تو وہ قصر کی پوری مقدار ہے ہاں جب کافروں کی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو ایک ہی رکعت قصر ہے البتہ یہ کسی سنگین خوف کے بغیر حلال نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس آیت سے مراد وہ دن ہے جبکہ حضورؐ مع اپنے صحابہ کرام کے عسفان میں تھے اور مشرک ضخبان میں تھے۔ ایک دوسرے سے برسر پیکار بالکل تیار' ادھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضورؐ نے تمام صحابہؓ کے ساتھ حسب معمول چار رکعتیں پوری ادا کیں۔ پھر مشرکین نے سامان و اسباب کو لوٹ لینے کا اردہ کیا' ابن جریرؒ اسے مجاہدؒ اور سدیؒ اور جابرؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔

حضرت خالد بن اسید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے ہیں' صلوٰۃ خوف کے قصر کا حکم تو ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں لیکن صلوٰۃ مسافر کے قصر کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا تو حضرت ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں' ہم نے اپنے نبی ﷺ کو سفر میں نماز کو قصر کرتے ہوئے پایا اور ہم نے بھی اس پر عمل کیا۔

خیال فرمائیے کہ اس میں قصر کا اطلاق صلوٰۃ خوف پر کیا اور آیت سے مراد بھی صلوٰۃ خوف لی اور صلوٰۃ مسافر کو اس میں شامل نہیں کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس آیت سے مسافرت کی نماز کا قصر بیان نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے فعل رسولؐ کو سند بتایا۔ اس سے زیادہ صراحت والی روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت سماک آپ سے صلوٰۃ پوچھتے ہیں' آپ فرماتے ہیں سفر کی نماز دو رکعت ہے اور یہی دو رکعت سفر کی پوری نماز ہے۔ قصر نہیں' قصر تو صلوٰۃ خوف میں ہے کہ امام ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھاتا ہے۔ دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہے۔ پھر یہ چلے گئے۔ وہ آ گئے۔ ایک رکعت امام نے انہیں پڑھائی تو امام کی دو رکعتیں ہوئیں اور ان دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۤىِٕفَةٌ
مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ
وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ
وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ
عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ
مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲

جب تو ان میں ہو اور انہیں نماز میں کھڑا کر لے تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تو تیرے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو۔ پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ تو ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی' وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں' کافر چاہتے ہیں

کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں، ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تمہیں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا بہ سبب بیمار ہو جانے کے، اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○

صلوٰۃ خوف کے مسائل: ☆☆ (آیت:۱۰۲) نماز خوف کی کئی قسمیں، مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف کبھی دشمن دوسری جانب ہوتا ہے، نماز بھی کبھی چار رکعت کی ہوتی ہے کبھی تین رکعت کی جیسے مغرب اور فجر کی دو، صلوٰۃ سفر، کبھی جماعت سے ادا کرنی ممکن ہوتی ہے۔ کبھی لشکر اس طرح باہم گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ نماز با جماعت ممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ الگ الگ قبلے کی طرف اور غیر قبلہ کی طرف پیدل اور سوار جس طرح بن پڑے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور جائز بھی ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچتے جائیں ان پر برابر حملے کرتے جائیں اور نماز بھی ادا کرتے جائیں، ایسی حالت میں صرف ایک رکعت ہی نماز کا علماء کا فتویٰ ہے اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جو اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ عطا، جابر، حسن، مجاہد، حکم، قتادہ، حماد، طاؤس، ضحاک، محمد بن نصر، مروزی، ابن حزم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی فتویٰ ہے، صبح کی نماز میں ایک ہی رکعت اس حالت میں رہ جاتی ہے۔ اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں۔ ایسی دوڑ دھوپ کے وقت ایک ہی رکعت کافی ہے۔ ارشاد ہے ادا کر لے اگر اس قدر پر بھی قادر نہ ہو تو سجدہ کر لے، یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں صرف ایک تکبیر ہی کافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سجدہ اور ایک تکبیر سے مراد بھی ایک رکعت ہو۔ جیسے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ ہے اور یہی قول ہے جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمرؓ، کعب وغیرہ صحابہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سدیؒ بھی فرماتے ہیں لیکن جن لوگوں کا قول صرف ایک تکبیر کا ہی بیان ہوا ہے، اس کے بیان کرنے والے اسے پوری رکعت پر محمول نہیں کرتے بلکہ صرف تکبیر ہی جو ظاہر ہے مراد لیتے ہیں جیسے کہ اسحاق بن راہویہؒ کا مذہب ہے۔ امیر عبدالوہابؒ بن بخت مکی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اسے اپنے نفس میں بھی نہ چھوڑے یعنی نیت ہی کر لے۔ واللہ اعلم۔ (لیکن صرف نیت کے کر لینے یا صرف اللہ اکبر کہہ لینے پر اکتفا کرنے یا صرف ایک ہی سجدہ کر لینے کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے نظر سے نہیں گذری۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

بعض علماء نے ایسے خاص اوقات میں نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے کی رخصت بھی دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق میں سورج ڈوب جانے کے بعد ظہر، عصر کی نماز پڑھی تھی۔ پھر مغرب عشاء، پھر اس کے بعد بنو قریظہ کی جنگ کے دن ان کی طرف جنہیں بھیجا تھا، انہیں تاکید کر دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔ یہ جماعت ابھی راستے میں ہی تھی جو عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو کہا حضورؐ کا مقصد اس فرمان سے صرف یہی تھا کہ ہم جلدی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی نماز نہ پڑھیں چنانچہ ان لوگوں نے تو راستے میں ہی بروقت نماز ادا کر لی۔ اوروں نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب اس بات کا ذکر حضورؐ سے ہوا تو آپ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ ہم نے اس پر تفصیلی بحث اپنی کتاب السیرۃ میں کی ہے اور اسے ثابت کیا ہے کہ صحیح بات کے قریب وہ جماعت تھی جنہوں نے وقت پر نماز ادا کر لی۔ گو دوسری جماعت بھی معذور تھی، مقصود یہ ہے کہ اس جماعت نے جہاد کے موقعہ پر دشمنوں پر تاخت کرتے ہوئے ان کے قلعے کی طرف یورش جاری رکھتے ہوئے نماز کو مؤخر کر دیا، دشمنوں کا یہ گروہ ملعون یہودیوں کا تھا جنہوں نے عہد توڑ دیا تھا اور صلح کے خلاف کیا تھا۔ لیکن جمہور کہتے ہیں، صلوٰۃ خوف کے نازل ہونے سے یہ سب منسوخ ہو گیا۔ یہ واقعات اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد اب جہاد کے وقت،

نماز کو وقت سے ٹالنا جائز نہیں رہا۔

ابو سعیدؓ کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہے جسے شافعی نے مروی کیا ہے لیکن صحیح بخاری کے باب اَلصَّلٰوۃُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُوْنِ الخ' میں ہے کہ اوزاعی فرماتے ہیں' اگر فتح کی تیاری ہو اور نماز باجماعت کا امکان نہ ہو تو ہر ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی نماز اشارے سے ادا کر لے۔ یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو نماز میں تاخیر کر لیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو یا امن ہو جائے اس وقت دو رکعتیں پڑھ لیں اور اگر امن نہ ملے تو ایک رکعت ادا کر لیں صرف تکبیر کا کہہ لینا کافی نہیں۔ ایسا ہو تو نماز کو دیر کر کے پڑھیں جبکہ اطمینان نصیب ہو جائے۔ حضرت مکحولؒ کا فرمان بھی یہی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا۔ صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت گھمسان کا رن پڑا۔ ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا' اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی' اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابو موسیٰؓ تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں' اس نماز کے متبادل ساری دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔

امام بخاریؒ اس کے بعد جنگ خندق میں حضورؐ کا نمازوں کو تاخیر کرنا بیان کرتے ہیں۔ پھر بنو قریظہ والا واقعہ اور حضورؐ کا فرمان کہ تم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا وارد کرتے ہیں۔ ① گویا امام ہمام حضرت امام بخاریؒ اسی سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایسی اشد لڑائی اور پورے خطرے اور قرب فتح کے موقع پر اگر نماز موخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ والا فتح ستر کا واقعہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے کا ہے اور یہ منقول نہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے یا کسی اور صحابیؓ نے اس پر اعتراض کیا ہو اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خندق کے موقع پر بھی صلوٰۃ خوف کی آیتیں موجود تھیں اس لئے کہ یہ آیتیں غزوہ ذات الرقاع میں نازل ہوئی ہیں اور یہ غزوہ غزوہ خندق سے پہلے کا ہے اور اس پر جمہور علماء سیر و مغازی کا اتفاق ہے۔ محمد بن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ واقدی' محمد بن سعد' کاتب واقدی اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ رحمہم اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں۔

ہاں امام بخاریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا بہ سبب حدیث ابو موسیٰ کے اور یہ خود خیبر میں ہی آئے تھے۔ واللہ اعلم لیکن سب سے زیادہ تعجب تو اس امر پر ہے کہ قاضی ابو یوسف مزنی ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف منسوخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے غزوہ خندق میں دیر کر کے نماز پڑھنے سے۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے اس لئے کہ غزوہ خندق کے بعد کی صلوٰۃ خوف کی حدیثیں ثابت ہیں۔ اس دن کی نماز کی تاخیر کو مکحول اور اوزاعی کے قول پر ہی محمول کرنا زیادہ قوی اور زیادہ درست ہے یعنی ان کا وہ قول جو بحوالہ بخاری بیان ہوا کہ قرب فتح اور عدم امکان صلوٰۃ خوف کے باوجود تاخیر جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت میں حکم ہوتا ہے کہ جب تو انہیں باجماعت نماز پڑھائے۔ یہ حالت پہلی حالت کے سوا ہے اس وقت یعنی انتہائی خوف کے وقت تو ایک ہی رکعت ہے اور وہ بھی الگ الگ' پیدل' سوار' قبلے کی طرف منہ کر کے یا نہ کر کے جس طرح ممکن ہو جیسے کہ حدیث گذر چکی۔ یہ حال امامت اور جماعت کا بیان ہو رہا ہے۔ جماعت کے واجب ہونے پر یہ آیت بہترین اور مضبوط دلیل ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت کمی کر دی گئی۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو صرف ایک رکعت جائز نہ کی جاتی۔ بعض نے اس سے ایک اور استدلال بھی کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ یہ لفظ ہیں کہ جب تو ان میں ہو اور یہ خطاب نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف کا حکم آپؐ کے بعد منسوخ ہے۔ یہ استدلال بالکل ضعیف ہے۔

یہ استدلال تو ایسا ہی ہے جیسا استدلال ان لوگوں کا تھا جو زکوٰۃ کو خلفائے راشدین سے روک بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن میں ہے خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً الخ یعنی تو ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے جس سے تو انہیں پاک صاف کرے اور تو ان کے لئے رحمت کی دعا کر- تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے- تو ہم آپ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہ دیں گے بلکہ ہم آپ اپنے ہاتھ سے خود جسے چاہیں دیں گے اور صرف اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے سبب سکون بنے- لیکن یہ استدلال ان کا بے معنی تھا- اسی لئے صحابہؓ نے اسے رد کر دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہ زکوٰۃ ادا کریں بلکہ ان میں سے جن لوگوں نے اسے روک لیا تھا ان سے جنگ کی- آیئے ہم آیت کی صفت بیان کرنے سے پہلے اس کا نشان نزول بیان کر دیں-

ابن جریر میں ہے کہ بنو نجار کی ایک قوم نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ہم برابر ادھر ادھر آمد و رفت کیا کرتے ہیں، ہم نماز کس طرح پڑھیں؟ تو اللہ عزوجل نے اپنا یہ قول نازل فرمایا وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ پھر سال بھر تک کوئی حکم نہ آیا- پھر جبکہ آپؐ ایک غزوے میں تھے ظہر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے مشرکین کہنے لگے افسوس کیا ہی اچھا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا- کاش کہ ان کی نماز کی حالت میں ہم یکبارگی اچانک حملہ ان پر کر دیتے- اس پر بعض مشرکین نے کہا، یہ موقعہ تو تمہیں پھر بھی ملے گا، اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ دوسری نماز (یعنی نماز عصر) کے لئے کھڑے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز سے پہلے اور ظہر کی نماز کے بعد اِنۡ خِفۡتُمۡ والی پوری دو آیتوں تک نازل فرما دیں اور کافر ناکام رہے، خود اللہ تعالیٰ وقدوس نے صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی- گو یہ سیاق نہایت ہی غریب ہے لیکن اسے مضبوط کرنے والی اور روایتیں بھی ہیں۔

حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، عسفان میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، خالد بن ولید اس وقت کفر کی حالت میں تھے اور مشرکین کے لشکر کے سردار تھے- یہ لوگ ہمارے سامنے پڑاؤ ڈالے تھے- جب ہم نے قبلہ رخ ظہر کی نماز ادا کی تو مشرکوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگے، افسوس ہم نے موقعہ ہاتھ سے کھو دیا- وقت تھا کہ یہ ادھر نماز میں مشغول تھے، ادھر ہم ان پر دفعتاً دھاوا بول دیتے- پھر ان میں کے بعض جاننے والوں نے کہا، خیر کوئی بات نہیں- اس کے بعد ان کی ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور وہ نماز تو انہیں اپنے بال بچوں سے بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے- اس وقت سہی- پس ظہر، عصر کے درمیان اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور آیت وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ اتاری چنانچہ عصر کی نماز کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا، ہم نے ہتھیار سجا لئے اور اپنی دو صفیں کر کے حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے- قیام میں، رکوع میں، قومہ میں، سب کے سب ساتھ رہے- جب آپؐ سجدے میں گئے تو دو صفوں میں سے پہلی صف آپؐ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف کھڑی کی کھڑی ان کی نگہبانی کرتی رہی جب سجدوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے تو اب دوسری صف والے سجدے میں گئے جب یہ دونوں سجدے کر چکے تو اب پہلی صف والے دوسری صف کی جگہ چلے گئے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ آ گئے- پھر قیام، رکوع اور قومہ سب نے حضور کے ساتھ ہی ساتھ ادا کیا اور جب آپ سجدے میں گئے تو صف اول آپ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف والے کھڑے ہوئے پہرہ دیتے رہے- جب یہ سجدوں سے فارغ ہو گئے اور التحیات میں بیٹھے تب دوسری صف کے لوگوں نے سجدے کئے اور التحیات میں سب کے سب ساتھ مل گئے اور سلام بھی حضور کے ساتھ سب نے ایک ساتھ پھیرا- صلوٰۃ خوف ایک بار تو آپؐ نے یہاں عسفان میں پڑھی اور دوسری مرتبہ بنو سلیم کی زمین میں- یہ حدیث مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے- اس کی اسناد صحیح ہے اور شاہد بھی بکثرت ہیں- بخاری میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ ہے اور اس میں ہے باوجودیکہ سب لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی چوکیداری کر رہے تھے- ابن جریر میں ہے کہ سلیمان بن قیس یشکری نے

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا' نماز کے قصر کرنے کا حکم کب نازل ہوا؟ تو آپ نے فرمایا' قریشیوں کا ایک قافلہ شام سے آ رہا تھا' ہم اس کی طرف چلے۔ وادی نخل میں پہنچے تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا' کیا آپ مجھ سے ڈرتے نہیں؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں' اس نے کہا' آپ کو مجھ سے اس وقت کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ مجھے تجھ سے بچا لے گا' پھر تلوار کھینچ لی اور ڈرایا دھمکایا' پھر کوچ کی منادی ہوئی اور آپ ہتھیار سجا کر چلے۔ پھر اذان ہوئی اور صحابہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ آپ کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا اور دوسرا حصہ پہرہ دے رہا تھا۔ جو آپ کے متصل تھے' وہ دو رکعتیں آپ کے ساتھ پڑھ کر پیچھے والوں کی جگہ چلے گئے اور پیچھے والے اب آگے بڑھ آئے اور ان اگلوں کی جگہ کھڑے ہو گئے انہیں بھی حضورؐ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ پس حضورؐ کی چار رکعتیں ہوئیں اور سب کی دو دو ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز کی کمی کا اور ہتھیار لئے رہنے کا حکم نازل فرمایا۔

مسند احمد میں ہے کہ جو شخص تلوار تانے رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا' یہ دشمن کے قبیلے میں سے تھا۔ اس کا نام غورث بن حارث تھا۔ جب آپؐ نے اللہ کا نام لیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی آپ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا تو وہ معافی مانگنے لگا کہ مجھ پر آپ رحم کیجئے آپؐ نے فرمایا' کیا تو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسولؐ ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ اس نے کہا یہ تو نہیں۔ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپؐ سے لڑوں گا نہیں اور ان لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا جو آپؐ سے برسر پیکار ہوں' آپؐ نے اسے معافی دے دی۔ جب یہ اپنے والوں میں آیا تو کہنے لگا روئے زمین پر حضورؐ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔

اور روایت میں ہے کہ یزید فقیر نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ سفر میں جو دو رکعتیں ہیں کیا یہ قصر کی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا' یہ پوری نماز ہے' قصر تو بوقت جہاد ایک رکعت ہے' پھر صلوٰۃ خوف کا اسی طرح ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کے سلام کے ساتھ آپ کے پیچھے والوں نے اور ان لوگوں نے سلام پھیرا اور اس میں دونوں حصہ فوج کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھنے کا بیان ہے۔ پس سب کی ایک ایک رکعت ہوئی اور حضورؐ کی دو رکعتیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک جماعت آپؐ کے پیچھے صف بستہ نماز میں تھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل تھی۔ پھر ایک رکعت کے بعد آپؐ کے پیچھے والے اگلوں کی جگہ آ گئے اور یہ پیچھے آ گئے۔ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ ایک اور حدیث جو بہ روایت سالم عن ابیہ مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر کھڑے ہو کر صحابہؓ نے ایک ایک رکعت اپنی اپنی ادا کر لی۔ اس حدیث کی بھی بہت سی سندیں اور بہت سے الفاظ ہیں۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے ان سب کو جمع کر دیا اور اسی طرح ابن جریر نے بھی' ہم اسے کتاب احکام کبیر میں لکھنا چاہتے ہیں ان شاء اللہ۔ خوف کی نماز میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بعض کے نزدیک تو بطور وجوب کے ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کی تائید اس آیت کے پچھلے فقرے سے بھی ہوتی ہے کہ بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر گناہ نہیں' اپنا بچاؤ ساتھ لئے رہو یعنی ایسے تیار رہو کہ وقت آتے ہی بے تکلف و بے تکلیف ہتھیار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اللہ نے کافروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى
جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ
كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ

الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵ ۴ ۱۲

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز تو مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے ○ ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو۔ اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تو تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ آرزوئیں رکھتے ہو جو آرزوئیں انہیں نہیں' اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے ○

صلوٰۃ خوف کے بعد کثرت ذکر: ☆☆ (آیت: ۱۰۳-۱۰۴) جناب باری غراسمہ اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو' گو ذکر اللہ کا حکم اور اس کی ترغیب و تاکید اور نمازوں کے بعد بلکہ ہر وقت ہی ہے لیکن یہاں خصوصیت سے اس لئے بیان فرمایا کہ یہاں بہت بڑی رخصت عنایت فرمائی ہے۔ نماز میں تخفیف کر دی' پھر حالت نماز میں ادھر ادھر ہٹنا' جانا اور آنا مصلحت کے مطابق جائز رکھا' جیسے حرمت مہینوں کے متعلق فرمایا' ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو' گو اور اوقات میں بھی ظلم ممنوع ہے لیکن ان پاک مہینوں میں اس سے بچاؤ کی مزید تاکید کی۔ تو فرمان ہوتا ہے کہ اپنی ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان حاصل ہو جائے ڈر خوف نہ رہے تو باقاعدہ خشوع و خضوع سے ارکان نماز کو پابندی سے مطابق شرعی بجا لاؤ' نماز پڑھنا وقت مقررہ میں منجانب اللہ فرض عین ہے جس طرح حج کا وقت معین ہے اسی طرح نماز کا وقت بھی مقرر ہے۔ ایک وقت کے بعد دوسرا' پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔

پھر فرماتا ہے' دشمنوں کی تلاش میں کم ہمتی نہ کرو' چستی اور چالاکی سے گھات کی جگہ بیٹھ کر ان کی خبر لو' اگر قتل و زخم و نقصان تمہیں پہنچتا ہے تو کیا انہیں نہیں پہنچتا؟ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا گیا ہے اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ الخ پس مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے میں تو تم اور وہ برابر ہیں لیکن بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہیں ذات الٰہی سے وہ امیدیں اور وہ آسرے ہیں جو انہیں نہیں' تمہیں اجر و ثواب بھی ملے گا۔ تمہاری نصرت و تائید بھی ہو گی جیسے کہ خود اللہ نے خبر دی ہے اور وعدہ کیا ہے' نہ اس کی خبر جھوٹی نہ اس کا وعدہ ٹلنے والا' پس تمہیں بہ نسبت ان کے بہت تگ و دو چاہئے۔ تمہارے دلوں میں جہاد کا ولولہ ہونا چاہئے۔ تمہیں اس کی رغبت کامل ہونی چاہئے تمہارے دلوں میں اللہ کے کلمے کو قائم کرنے' مضبوط کرنے' پھیلانے اور بلند کرنے کی تڑپ ہر وقت موجود رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ مقرر کرتا ہے' جو فیصلہ کرتا ہے' جو جاری کرتا ہے' جو شرع مقرر کرتا ہے' جو کام کرتا ہے' سب میں پوری خبر کا مالک صحیح اور سچے علم والا اور ساتھ ہی حکمت والا بھی ہے' ہر حال میں ہر وقت سزاوار تعریف و حمد وہی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا

اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ

اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ

يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں میں اس چیز کے ساتھ انصاف کرے جس سے اللہ نے تجھے شناسا کیا ہے' خیانت کرنے

والوں کا حمایتی نہ بن ○ اللہ سے بخشش مانگتا رہ، بیشک اللہ بخشش کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے ○ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، دغاباز گنہگار اللہ کو اچھا نہیں لگتا ○

حقیقت چھپ نہیں سکتی: ☆☆ (آیت:۱۰۵-۱۰۷) اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ قرآن کریم جو آپ پر اللہ نے اتارا ہے، وہ سراسر اور ابتداء تا انتہا حق ہے۔ اس کی خبریں بھی برحق، اس کے فرمان بھی حق۔ پھر فرماتا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان وہ انصاف کرو جو اللہ تمہیں سمجھائے۔ بعض علمائے اصول نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ کو اجتہاد سے حکم کرنے کا اختیار تھا، اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی تو آپ باہر آئے اور فرمانے لگے، سنو میں ایک انسان ہوں۔ جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ ایک شخص زیادہ حجت باز اور چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو صحیح جان کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس جس کے حق میں فیصلہ کر دوں اور فی الواقع وہ حقدار نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ وہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے۔ اب اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک ورثے کے بارے میں حضورؐ کے پاس اپنا قضیہ لائے واقعہ کو زمانہ گذر چکا تھا۔ شاہد گواہ کوئی نہ تھا تو اس وقت آپ نے وہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ وہ اس میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے لے۔ اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گردن میں جہنم کی آگ لٹکا کر آئے گا۔ اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا، میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں، حضورؐ نے فرمایا، اب تم جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہو سکے، ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو۔ پھر قرعہ ڈال کر حصہ لے لو اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہا سہا غلطی کا حق معاف کر دو۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے درمیان اپنی سمجھ سے ان امور میں فیصلہ کرتا ہوں جن میں کوئی وحی مجھ پر نازل شدہ نہیں ہوتی۔

ابن مردویہ میں ہے کہ انصار کا ایک گروہ ایک جہاد میں حضورؐ کے ساتھ تھا۔ وہاں ایک شخص کی ایک چادر کسی نے چرا لی اور اس چوری کا گمان طعمہ بن ابیرق کی طرف تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں یہ قصہ پیش ہوا۔ چور نے اس چادر کو ایک شخص کے گھر میں اس کی بے خبری میں ڈال دیا اور اپنے کنبہ قبیلے والوں سے کہا، میں نے چادر فلاں کے گھر میں ڈال دی ہے۔ تم رات کو حضورؐ کے پاس جاؤ اور آپ سے ذکر کرو کہ ہمارا ساتھی تو چور نہیں۔ چور فلاں ہے اور ہم نے پتہ لگا لیا ہے کہ چادر بھی اس کے گھر میں موجود ہے۔ پس آپؐ ہمارے ساتھی کی تمام لوگوں کے روبرو بریت کر دیجئے اور اس کی حمایت کیجئے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے، آپؐ نے ایسا ہی کیا، اس پر یہ آیتیں اتریں اور جو لوگ اپنے جھوٹ کو پوشیدہ کر کے حضورؐ کے پاس آئے تھے، ان کے بارے میں یَسۡتَخۡفُوۡنَ سے دو آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا، جو برائی اور بدی کا کام کرے، اس سے مراد بھی یہی لوگ ہیں اور چور کے اور اس کے حمایتیوں کے بارے میں فرمان اترا کہ جو گناہ اور خطا کرے اور ناکردہ گناہ کے ذمہ الزام لگائے، وہ بہتان باز اور کھلا گنہگار ہے لیکن یہ سیاق غریب ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ یہ آیت بنوابیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ

وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ وَكَانَ

اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝١٠٩

لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے’ وہ راتوں کے وقت جبکہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں’ اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے’ ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے ○ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ دنیا میں تم ان کی حمایت کرتے ہو لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ ○

(آیت:۱۰۸-۱۰۹) یہ قصہ مطول ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہؓ اس طرح مروی ہے کہ ہمارے گھرانے کے بنو ابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا جس میں بشر’ بشیر’ اور مبشر تھے- بشیر ایک منافق شخص تھا- اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے کر پڑھا کرتا تھا- اصحاب رسولؐ جانتے تھے کہ یہی خبیث ان شعروں کا بنانے والا ہے- یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے- مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں’ ہاں تونگر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے’ باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے’ میرے چچا رفاعہ یزید نے بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بورا میدہ کا خریدا اور اپنے بالا خانے میں اسے محفوظ کر دیا جہاں ہتھیار’ زرہیں تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھیں- رات کو چوروں نے نیچے سے نقب لگا کر اناج بھی نکال لیا اور ہتھیار بھی چرا لے گئے’ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا’ اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آج رات کو بنو بیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھا پکا رہے تھے غالباً وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں’ اس سے پہلے جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے’ ہم جانتے تھے کہ لبید کا یہ کام نہیں- وہ ایک دیانتدار سچا مسلمان شخص تھا’ حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے- تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے’ یا تو تم میری چوری ثابت کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا- ان لوگوں نے ان کی برأت کی اور معافی چاہ لی- وہ چلے گئے’ ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے’ میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر تو کرو’ میں نے جا کر حضورؐ سے سارا واقعہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیں ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے- غلہ کی واپسی کی ضرورت نہیں’ حضورؐ نے مجھے اطمینان دلایا کہ اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا’ یہ خبر جب بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپؐ کے پاس بھیجا جن کا نام اسید بن عروہؓ تھا- انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو ظلم ہو رہا ہے’ بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں- انہیں قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا چور کہتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بدنما الزام ان پر رکھتے ہیں وغیرہ’ پھر جب میں خدمت نبویؐ میں پہنچا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا’ یہ تو تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمے چوری چپکاتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں- میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا- خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپؐ سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا- اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا کہو تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا جسے سن کر انہوں نے کہا اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں’ ان کا جانا تھا جو حضورؐ پر وحی میں یہ آیتیں اتریں- پس خائنین سے مراد بنو ابیرق ہیں’ آپؐ کو استغفار کا حکم ہوا- یہی آپؐ نے حضرت قتادہؓ کو فرمایا تھا- پھر ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ انہیں بخش دے گا-

پھر فرمایا ناکردہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے' اَجْرًا عَظِيْمًا تک۔ یعنی انہوں نے جو حضرت لبیدؓ کی نسبت کہا کہ چور یہ ہیں' جب یہ آیتیں اتریں تو حضورؐ نے بنوابریق سے ہمارے ہتھیار دلوائے۔ میں انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا یہ بیچارے بوڑھے تھے۔ آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے' بیٹا جاؤ یہ سب ہتھیار اللہ کے نام خیرات کر دو' میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ نے بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشیر یہ سن کر مشرکین میں جا ملا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا۔ اس کے بارے میں اس کے بعد کی آیتیں وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے بَعِيْدًا تک نازل ہوئیں اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ہجو اپنے شعروں میں کی' ان اشعار کو سن کر اس عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر ابطح میدان میں پھینک آئی اور کہا' تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسان کی ہجو کے اشعار لے کر آیا ہے۔ میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہرانے کی' یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔ ان منافقوں کی کم عقلی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ جو اپنی سیاہ کاریوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں' بھلا ان سے کیا نتیجہ؟ اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے' پھر انہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہارے پوشیدہ راز بھی اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔

پھر فرماتا ہے' مانا کہ دنیوی حاکموں کے ہاں' جو ظاہرداری پر فیصلے کرتے ہیں' تم نے غلبہ حاصل کر لیا لیکن قیامت کے دن اللہ کے سامنے جو ظاہر و باطن کا عالم ہے' تم کیا کر سکو گے؟ وہاں کسے وکیل بنا کر پیش کرو گے جو تمہارے جھوٹے دعوے کی تائید کرے مطلب یہ ہے کہ اس دن تمہاری کچھ نہیں چلنے کی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ
اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي
نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱۱ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــــَٔةً اَوْ
اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۲ ع ۸ ۱۴

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا' مہربانی کرنے والا پائے گا○ جو گناہ کرتا ہے' اس کا بوجھ اسی پر ہے' اللہ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے○ جو شخص کوئی خطا یا گناہ کر کے کسی ناکردہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے' اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا○

سچی توبہ کبھی مسترد نہیں ہوتی: ☆☆ (آیت: ۱۱۰-۱۱۲) اللہ تعالیٰ اپنا کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے' اللہ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے۔ ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے' رب اپنی مہربانی سے اور اپنی وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ کو بخش دیتا ہے' چاہے وہ گناہ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازے پر قدرتی حروف میں کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑے پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتروا ڈالیں۔ اللہ نے اس امت پر آسانی کر دی۔ پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی

پاکی رکھی اور توبہ کر لینا ہی گناہ کی معافی رکھی۔

ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ نے اسے بلایا اور آیت وَمَنْ یَّعْمَلْ الخ' پڑھ کر سنائی تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی' حضورؐ فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے' پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے تو اللہ اس کے اس گناہ کو بخش دیتا ہے پھر آپؐ نے یہ آیت اور آیت وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً الخ' کی تلاوت کی۔ اس حدیث کا پورا بیان ہم نے مسند ابوبکرؓ میں کر دیا ہے اور کچھ بیان سورہ آل عمران کی تفسیر میں بھی گذر رہا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے' ایک مرتبہ آپؐ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے اٹھے۔ ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے ہولیا۔ آپؐ کچھ دور جا کر بغیر حاجت پوری کئے واپس آئے اور فرمانے لگے میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا' پھر آپ نے آیت وَمَنْ یَّعْمَلْ الخ' پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔

اس سے پہلے چونکہ آیت مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَبِهٖ الخ'② یعنی ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدلہ ملے گا اتر چکی تھی اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہ پریشان تھے' میں نے کہا رسول اللہ گو کسی نے زنا کیا ہو؟ چوری کی ہو؟ پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ بخش دے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں' میں نے دوبارہ پوچھا آپ نے کہا ہاں' میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ہاں گو ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرمایا' گناہ کرنے والا اپنا ہی برا کرتا ہے' جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا۔ ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ بٹائے' اللہ کا علم' اللہ کی حکمت اللہ کا عدل رحمت کے خلاف ہے کہ ایک گناہ پر دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود برا کام کر کے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے جیسے بنوابیرق نے لبید کا نام لے دیا جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے یا مراد زید بن سمین یہودی ہے جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ شخص کے ذمہ لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے' آیت گو شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے' جو بھی ایسا کرے وہ اللہ کی سزا کا مستحق ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ
شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝١١٣

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تجھے بہکانے کا قصد کر لیا تھا دراصل یہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ

تعالیٰ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تجھے وہ وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے ○

(آیت: ۱۱۳) اس کے بعد کی آیت وَلَوْ لَا الخ' کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے یعنی لبید بن عروہ اور ان کے ساتھیوں نے بنو ابیرق کے چوروں کی حضورؐ کے سامنے برات اور ان کی پاکدامنی کا اظہار کر کے حضورؐ کو اصلیت سے دور رکھنے کا سارا کام پورا کر لیا تھا لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے آپ کو اس خطرناک موقعہ پر خائنوں کی طرف داری سے بچا لیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکم سے مراد سنت ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے' ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا سے پوری سورت تک۔ اور آیت میں ہے وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ الخ' اسی لئے یہاں بھی فرمایا' یہ سب باتیں اللہ کا فضل ہیں جو آپ کے شامل حال ہے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ
مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ
مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۱۴ وَمَنْ يُّشَاقِقِ
الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ
الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵ ع ۱۷ ۲ ۱۴

ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں۔ ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے' جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے' اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے ○ جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے' ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے' وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی ○

اچھے کاموں کی دعوت اور برے کاموں سے روکنے کے علاوہ تمام باتیں قابل مواخذہ ہیں! ☆☆ (آیت: ۱۱۴-۱۱۵) لوگوں کے اکثر کلام بے معنی ہوتے ہیں سوائے ان کے جن کی باتیں خیرات کرنے کی' اچھائی کی اور لوگوں میں میل ملاپ کی ہوں' حضرت سفیان ثوریؒ کی عیادت کے لئے لوگ جاتے ہیں۔ ان میں سعید بن حسانؒ بھی ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں سعید تم نے ام صالحؒ کی روایت سے جو حدیث بیان کی تھی' آج اسے پھر سناؤ' آپ سند بیان کر کے فرماتے ہیں' حضورؐ نے فرمایا' انسان کی تمام باتیں قابل مواخذہ ہیں بجز ذکر اللہ کے اور اچھے کاموں کے بتلانے کے اور برے کاموں سے روکنے کے' حضرت سفیان نے کہا' یہی مضمون اس آیت میں ہے' یہی مضمون آیت يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ الخ' میں ہے۔ یہی مضمون سورۂ والعصر میں ہے۔ مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ لوگوں میں میل ملاپ اور اصلاح کرنے کے لئے جو بھی بات کہے یا ادھر سے ادھر کہے یا قسم وہ جھوٹوں میں داخل نہیں۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ فرماتی ہیں' میں نے آپ کو ایسی باتوں کی تین موقعوں پر اجازت دیتے ہوئے سنا ہے' جہاد کی ترغیب میں' لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور میاں بیوی کو ملانے کی صورت میں' یہ مائی صاحبہ ہجرت کرنے والیوں اور بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں۔

اور حدیث میں ہے' کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں جو روزہ نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے' لوگوں نے خواہش کی تو آپؐ نے

فرمایا' وہ آپس میں اصلاح کرانا ہے' فرماتے ہیں' اور آپس کا فساد نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے (ابوداؤد وغیرہ) بزار میں ہے' حضورؐ نے حضرت ابو ایوبؓ سے فرمایا آ میں تجھے ایک تجارت بتاؤں' لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرا دے' جب ایک دوسرے سے رنجیدہ ہوں تو انہیں ملا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بھلی باتیں رب کی رضامندی کے لئے خلوص اور نیک نیتی سے جو کرے' وہ اجر عظیم پائے گا۔

جو شخص غیر شرعی طریق پر چلے' شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو' فرمان رسولؐ کچھ ہو اور اس کا منتہائے نظر اور ہو۔ حالانکہ اس پر حق کھل چکا ہو' دلیل دیکھ لی ہو' پھر بھی مخالفت رسولؐ کر کے مسلمانوں کی صاف روش سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسی ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی اسے لگا دیتے ہیں۔ اسے وہی غلط راہ اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ اختیار کرنا دراصل رسول سے مخالفت کرنا ہی ہے لیکن کبھی تو شارع علیہ السلام کی صاف بات کا خلاف ہوتا ہے' کبھی اس چیز کا خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امت محمدیہ متفق ہے' جس میں انہیں اللہ نے بوجہ ان کی شرافت و کرامت کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث اصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے' بعض علماء تو اس کے تواتر معنی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے غور و فکر کے بعد اس آیت سے اتفاق امت کی دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ حقیقتاً یہی اس بارے میں بہترین اور قوی تر ہے۔ بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دور از آیت بھی بتلایا ہے۔ غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ میاں بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ اور فَلَمَّا زَاغُوْٓا اور نذرھم یعنی ہم ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ مہلت بڑھاتے رہتے ہیں' ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں' ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیتے ہیں' بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم میں بن جاتی ہے' جیسے فرمان ہے' ظالموں کو مع ان کے ساتھیوں کے قبروں سے اٹھائیں گے' اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لے گا کہ اس میں کودنا پڑے گا لیکن کوئی صورت چھٹکارے کی نہ پائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝١١٦ اِنْ
يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝١١٧ۙ
لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝١١٨ۙ

اسے تو اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے۔ ہاں شرک کے سوا کے گناہ جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ○ یہ تو اللہ کو چھوڑ صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں ○ جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے ازل میں مقرر شدہ حصہ میں لے کر رہوں گا ○

مشرک کی پہچان اور ان کا انجام: ☆☆ (آیت: ۱۱۶-۱۱۸) اس سورت کے شروع میں پہلی آیت کے متعلق ہم پوری تفسیر کر چکے ہیں اور وہیں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں بھی بیان کر دی ہیں' حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے' قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی) مشرکین سے دنیا اور آخرت کی بھلائی دور ہو جاتی ہے اور وہ راہ حق سے دور جا پڑتے ہیں وہ اپنے نفس کو اور اپنے دونوں جہان کو برباد کر لیتے ہیں۔ یہ مشرکین عورتوں کے پرستار ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ہر صنم کے ساتھ ایک جنیہ

عورت ہے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اِنٰثًا سے مراد بت ہیں- یہ قول اور بھی مفسرین کا ہے- ضحاکؒ کا قول ہے کہ مشرک فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ کی لڑکیاں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی عبادت سے ہماری اصل غرض اللہ کی نزدیکی حاصل کرنا ہے اور ان کی تصویریں عورتوں کی شکل کی قائم کرتے تھے- پھر حکم کرتے تھے اور تقلید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ صورتیں فرشتوں کی ہیں جو اللہ کی لڑکیاں ہیں-

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ
وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ
وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ؗ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ
اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں- سنو جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا ○ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا رہے گا' شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں' وہ سراسر فریب کاریاں ہیں ○ یہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں نہ بھاگنا ملے گا نہ چھٹکارا ○ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں' ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ابدالآباد رہیں گے- یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے- کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟ ○

یہ تفسیر آیت اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ الخ' کے مضمون سے خوب ملتی ہے جہاں ان کے بتوں کے نام لے کر اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خوب انصاف ہے کہ لڑکے تو تمہارے اور لڑکیاں میری؟ اور آیت میں ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا الخ'③ ان لوگوں نے اللہ اور جنات میں نسب نکالے ہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد مردے ہیں- حسنؒ فرماتے ہیں' ہر بے روح چیز اناث ہے خواہ خشک لکڑی ہو خواہ پتھر ہو لیکن یہ قول غریب ہے-

پھر ارشاد ہے کہ دراصل یہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ وہی انہیں یہ راہ سجھاتا ہے اور یہ دراصل اسی کی مانتے ہیں' جیسے فرمان ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ الخ' اے بنی آدم کیا میں نے تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟ اسی وجہ سے فرشتے قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ ہماری عبادت کے دعویدار دراصل شیطانی پوجا کے پھندے میں تھے' شیطان کو رب نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور اپنی بارگاہ سے نکال باہر کر دیا ہے' اس نے بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اللہ کے بندوں کو معقول تعداد میں بہکائے گا' قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جائے گا- ایک بچ رہے گا جو جنت کا مستحق ہو گا' شیطان نے کہا ہے کہ میں انہیں حق سے

بہکاؤں گا اور انہیں امید دلاتا رہوں گا کہ یہ توبہ ترک کر بیٹھیں گے، خواہشوں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ موت کو بھول بیٹھیں گے، نفس پروری اور آخرت سے غافل پڑ جائیں گے۔ جانوروں کے کان کاٹ کر یا سوراخ دار کر کے اللہ کے سوا دوسروں کے نام کرنے کی انہیں تلقین کروں گا اللہ کی بنائی صورتوں کو بگاڑنا سکھاؤں گا جیسے جانوروں کو خصی کرنا۔

ایک حدیث میں اس سے بھی ممانعت آئی ہے (شاید مراد اس سے نسل منقطع کرنے کی غرض سے ایسا کرنا ہے) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چہرے پر گودنا گدوانا، جو صحیح مسلم کی حدیث میں ممنوع ہے اور جس کے کرنے والے پر اللہ کی لعنت وارد ہوئی ہے، ابن مسعود سے صحیح سند سے مروی ہے کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں، پیشانی کے بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں اور دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر جو حسن وخوبصورتی کے لئے اللہ کی بناوٹ کو بگاڑتی ہیں، اللہ کی لعنت ہے، میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ پھر آپ نے آیت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھی، بعض اور مفسرین کرامؒ سے مروی ہے کہ مراد اللہ کے دین کو بدل دینا ہے جیسے اور آیت میں ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یعنی اپنا چہرہ قائم رکھ کر اللہ کے یکطرفہ دین کا رخ اختیار کرنا، یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر تمام انسانوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں، اس سے پچھلے (آخری) جملے کو جب گرامر کے معنی میں لیا جائے تو یہ تفسیر ٹھیک ہو جاتی ہے یعنی فطرت اللہ کو نہ بدلو لوگوں کو میں نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اسی پر رہنے دو۔

صحیحین میں ہے، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بے عیب ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا۔ پھر میں نے اپنے حلال کو ان پر حرام کر دیا۔ شیطان کو دوست بنانے والا اپنا نقصان کرنے والا ہے جس نقصان کی کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ کیونکہ شیطان انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے۔ فلاح و بہبود ان کی غلط راہ میں انہیں سمجھاتا ہے اور دراصل وہ بڑا فریب اور صاف دھوکا ہوتا ہے، چنانچہ شیطان قیامت کے دن صاف کہے گا اللہ کے وعدے سچے تھے اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی۔ میرا کوئی زور تم پر تھا ہی نہیں۔ میری پکار کو سنتے ہی کیوں تم مست و بے عقل بن گئے؟ اب مجھے کیوں کوستے ہو؟ اپنے تئیں برا کہو۔ شیطانی وعدوں کو صحیح جاننے والے اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو پوری ہونے والی سمجھنے والے آخرش جہنم واصل ہوں گے جہاں سے چھٹکارا محال ہے۔

ان بدبختوں کے ذکر کے بعد اب نیک لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جو دل سے میرے ماننے والے ہیں اور جسم سے میری تابعداری کرنے والے ہیں، میرے احکام پر عمل کرتے ہیں، میری منع کردہ چیزوں سے باز رہتے ہیں، میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا، انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کی نہریں جہاں یہ چاہیں خود بخود بہنے لگیں جس میں زوال، کمی یا نقصان بھی نہیں ہے، اللہ کا یہ وعدہ اٹل اور بالکل سچا ہے اور یقیناً ہونے والا ہے اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوگی؟ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ بجز اس کے کوئی مربی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے، سب سے زیادہ سچی بات اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور تمام کاموں میں سب سے برا کام دین میں نئی نکلی ہوئی بات ہے اور ہر ایسی نئی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا
يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا
نَصِيْرًا ۝۱۲۳ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
نَقِيْرًا ۝۱۲۴ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ
خَلِيْلًا ۝۱۲۵ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝۱۲۶ ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے۔ جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے ○ جو ایماندار ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا ○ بہ اعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنا منہ اللہ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیک کار ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کر رہا ہو ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا ہے ○ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کو گھیرے رکھنے والا ہے ○

مصائب گناہوں کا کفارہ: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۶) حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں چرچا ہونے لگا، اہل کتاب تو یہ کہہ کر اپنی فضیلت جتا رہے تھے کہ ہمارے نبیؑ تمہارے نبیؑ سے پہلے کے ہیں اور ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمام اگلی کتابوں کے فیصلے کرنے والی ہے، اس پر یہ آیتیں اتریں اور مسلمانوں کی اور دین والوں پر فضیلت بیان ہوئی۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ عرب نے کہا نہ تو ہم مرنے کے بعد جئیں گے نہ ہمیں عذاب ہوگا۔ یہودیوں نے کہا صرف ہم ہی جنتی ہیں، یہی قول نصرانیوں کا بھی تھا اور کہتے تھے آگ ہمیں صرف چند دن ستائے گی۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ صرف اظہار کرنے اور دعویٰ کرنے سے صداقت وحقانیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایماندار وہ ہے جس کا دل صاف ہو اور عمل شاہد ہوں اور اللہ تعالیٰ کی دلیل اس کے ہاتھوں میں ہو۔ نہ تمہاری خواہشیں اور نرے دعوے کوئی وقعت رکھیں نہ اہل کتاب کی تمنائیں اور بلند باتیں نجات کا مدار ہیں بلکہ وقار و نجات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری اور رسولوں کی تابعداری میں ہے، برائی کرنے والے کسی نسبت کی وجہ سے ناممکن ہے کہ اس برائی کے خمیازے سے چھوٹ جائیں بلکہ رتی رتی بھلائی اور برائی قیامت کے دن اپنی آنکھوں اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔ یہ آیت صحابہؓ پر بہت گراں گذری تھی اور حضرت صدیقؓ نے کہا تھا کہ حضورؐ اب نجات کیسے ہوگی؟ جبکہ ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ ابوبکر یہ سزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے، کبھی تکلیف کی صورت میں، کبھی صدمے اور غم ورنج کی صورت میں اور کبھی بلا ومصیبت کی شکل میں (مسند احمد) اور روایت میں ہے، حضورؐ نے فرمایا، ہر برائی کرنے والا دنیا

میں بدلہ پالے گا- ابن مردویہ میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام، سے فرمایا دیکھو جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی دی گئی ہے، وہاں تم نہ چلنا، غلام بھول گیا اور حضرت عبداللہؓ کی نظر ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو فرمانے لگے واللہ جہاں تک میری معلومات ہیں، میری گواہی ہے کہ تو روزے دار اور نمازی اور رشتے ناتے جوڑنے والا تھا- مجھے اللہ سے امید ہے کہ جو لغزشیں تجھ سے ہو گئیں، ان کا بدلہ دنیا میں ہی ہو گیا- اب تجھے اللہ کوئی عذاب نہ کرے گا- پھر حضرت مجاہدؒ کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے، میں نے حضرت ابو بکرؓ سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا، جو شخص برائی کرتا ہے، اس کا بدلہ دنیا میں ہی پا لیتا ہے- دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کو سولی پر دیکھ کر فرمایا، اے ابو حبیب اللہ تجھ پر رحم کرے، میں نے تیرے والد کی زبانی یہ حدیث سنی ہے، ابن مردویہ میں ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں یہ آیت اتری- جب حضورؐ نے اسے پڑھ کر سنایا تو حضرت صدیقؓ غم ناک ہو گئے- انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا ہر ہر عمل کا بدلہ ہی ملنا جب ٹھہرا تو نجات مشکل ہو جائے گی- آپؐ نے فرمایا، سنو صدیق تم اور تمہارے ساتھی یعنی مومن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دیئے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے- قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے- ہاں اور لوگوں کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی- یہ حدیث ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی مولی بن سباع مجہول ہے- اور بھی بہت سے طریق سے اس روایت کا ماحصل مروی ہے-

ایک اور حدیث میں ہے، حضرت عائشہؓ نے کہا، یا رسول اللہؐ یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے تو آپؐ نے فرمایا، مومن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے- اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، یہاں تک کہ مومن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے، پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے، تھوڑی دیر نہ ملے، پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہوا اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے- یونہی مصائب دنیا اسے کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے، اس طرح یہ دنیا میں پاک صاف ہو کر اللہ کے پاس جاتا ہے- ابن مردویہ میں ہے، رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا، مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی- مسند احمد میں ہے، جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے تو اللہ اس پر کوئی غم ڈال دیتا ہے جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں- سعید بن منصور لائے ہیں کہ جب صحابہؓ پر اس آیت کا مضمون گراں گذرا تو حضورؐ نے ان سے فرمایا، ٹھیک ٹھاک رہو اور ملے جلے رہو، مسلمان کی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہے یہاں تک کہ کانٹے کا لگنا بھی اور اس سے کم تکلیف بھی- اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ رو رہے تھے اور رنج میں تھے جو حضورؐ نے ان سے یہ فرمایا، ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ ہماری ان بیماریوں میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں- اسے سن کر حضرت کعب بن عجرہؓ نے دعا مانگی کہ یا اللہ مرتے دم تک مجھ سے بخار جدا نہ ہو لیکن حج و عمرہ، جہاد اور نماز با جماعت سے محروم نہ ہوں- ان کی یہ دعا قبول ہوئی- جب ان کے جسم پر ہاتھ لگایا جاتا تو بخار چڑھا رہتا- رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسند احمد) حضورؐ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ کیا ہر برائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں اسی جیسا اور اسی جتنا لیکن ہر بھلائی کا بدلہ دس گنا کر کے دیا جائے گا پس اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں دہائیوں سے بڑھ جائیں (ابن مردویہ)-

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد کافر ہیں جیسے اور آیت میں ہے وَهَلْ نُجْزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' یہاں برائی سے مراد شرک ہے۔ یہ شخص اللہ کے سوا اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ کر لے' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک بات یہی ہے کہ ہر برائی کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ احادیث گذر چکیں۔ واللہ اعلم۔

بدعملیوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک اعمال کی جزا کا بیان فرما رہا ہے۔ بدی کی سزا یا تو دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اور بندے کے لئے یہی اچھا ہے یا آخرت میں ہوتی ہے' اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دونوں جہان کی عافیت عطا فرمائے اور مہربانی اور درگذر کرے اور اپنی پکڑ و ناراضگی سے بچا لے۔ اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان و کرم و رحم سے انہیں قبول کرتا ہے۔ کسی مرد عورت کے کسی نیک عمل کو وہ ضائع نہیں کرتا ہاں یہ شرط ہے کہ ہو وہ ایماندار' ان نیک لوگوں کو وہ اپنی جنت میں داخل کرے گا' اور ان کی حسنات میں کوئی کمی نہیں آنے دے گا۔ فتیل کہتے ہیں اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اس کو' مگر یہ دونوں تو کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں اور قطمیر کہتے ہیں اس بیج کے اوپر کے لفافے کو اور یہ تینوں لفظ اس موقعہ پر قرآن میں آئے ہیں۔

پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے جو نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجا لائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند' دین حق اور ہدایت پر چلنے والا' رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا۔ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لئے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا' خلوص سے یہ مطلب کہ فقط اللہ کی رضا مندی مطلوب ہو اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی میں ہو۔ پس ظاہر تو قرآن و حدیث کے موافق ہونے سے ٹھیک ہو جاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل فاسد ہوتا ہے۔ اخلاص نہ ہونے سے منافقت آ جاتی ہے۔ لوگوں کی رضا جوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہو جاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا' سنت کے موافق نہ ہونے سے ضلالت و جہالت کا مجموعہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی عمل پایہ قبولیت سے گر جاتا ہے اور چونکہ مومن کا عمل ریاکاری اور شریعت کی مخالفت سے بچا ہوا ہوتا ہے' اس لئے اس کا عمل سب سے اچھا عمل ہو جاتا ہے جو اللہ کو پسند آتا ہے اور اس کی جزا کا بلکہ اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔

اعزاز خلیل کیوں اور کیسے ملا: ☆☆ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کرو یعنی آنحضرت ﷺ کی اور آپ کے قدم بہ قدم چلنے والوں کی جو بھی قیامت تک ہوں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ الخ' یعنی ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے اور نبی ہوئے۔ اور آیت میں فرمایا ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الخ' پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرک نہ تھے' حنیف کہتے ہیں قصداً شرک سے بیزار اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو جانے والے کو جسے کوئی روکنے والا روک نہ سکے اور کوئی ہٹانے والا ہٹا نہ سکے۔

پھر حضرت خلیل اللہؑ کی اتباع کی تاکید اور ترغیب کے لئے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے دوست ہیں یعنی بندہ ترقی کر کے جس اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتا ہے' اس تک وہ پہنچ گئے۔ خلت کے درجے سے کوئی درجہ بڑا نہیں۔ محبت کا یہ اعلیٰ تر مقام ہے اور یہاں تک حضرت ابراہیمؑ عروج کر گئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی کامل اطاعت ہے' جیسے فرمان ہے وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى یعنی ابراہیم کو جو حکم ملا' وہ اسے بخوشی بجالائے' کبھی اللہ کی مرضی سے منہ نہ موڑا۔ کبھی عبادت سے نہ اکتائے۔ کوئی چیز انہیں اللہ کی عبادت سے مانع نہ ہوئی۔ اور آیت میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ الخ' جب جب جس جس طرح اللہ نے ان کی آزمائش لی وہ پورے اترے۔ جو جو اللہ نے

فرمایا انہوں نے کر دکھایا۔ فرمان ہے کہ ابراہیم یکسوئی سے توحید کے رنگ میں شرک سے بچتا ہوا ہمارا تابع فرمان بنا رہا۔ حضرت معاذؓ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے کہا لَقَدْ قَرَّتْ عَیْنُ اُمِّ اِبْرَاھِیْمَ ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیل اللہ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے کہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں۔ یہاں کچھ نہ ملا۔ خالی ہاتھ لوٹے۔ جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلوں تا کہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے۔ چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کے لے چلے اللہ کی قدرت سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گیا۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ رہے۔ تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا' آٹا گوندھا' روٹیاں پکائیں' جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے آٹا کہاں سے آیا جو تم نے روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کہا' آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنا لیا اور خلیل اللہ نام رکھ دیا لیکن اس کی صحت اور اس واقعہ میں ذرا تامل ہے' زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہو جسے ہم سچا نہیں کہہ سکتے گو جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لئے ملا کہ آپ کے دل میں اللہ کی محبت حد درجہ کی تھی۔ کامل اطاعت شعاری اور فرمانبرداری تھی۔ اپنی عبادتوں سے اللہ کو خوش کر لیا تھا' نبی ﷺ نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا' لوگو اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور ولی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر بن ابوقحافہ کو بناتا بلکہ تمہارے ساتھی اللہ کے خلیل ہیں' (بخاری ومسلم) اور روایت میں ہے اللہ نے جس طرح ابراہیمؑ کو خلیل بنا لیا تھا' اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کر لیا ہے۔ ایک مرتبہ اصحابؓ رسول آپؐ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر تذکرے کر رہے تھے' ایک کہہ رہے تھے تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا' اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ حضرت موسیٰؑ سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم بنایا' ایک نے کہا اور عیسیٰ تو روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں۔ ایک نے کہا آدم صفی اللہ اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ حضورؐ جب باہر تشریف لائے۔ سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا بے شک تمہارا قول صحیح ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں اور اسی طرح محمد ﷺ ہیں' سنو میں حقیقت بیان کرتا ہوں۔ کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ حبیب اللہ ہوں میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں اور سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دینے والا ہوں۔ اللہ میرے لئے جنت کو کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے۔ قیامت کے دن تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام وعزت والا ہوں۔ یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور سچائی کے معلوم کرانے کے لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں' یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض کے شاہد موجود ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیمؑ کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰؑ کے لئے تھا اور دیدار حضرت محمدؐ کے لئے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین (مستدرک حاکم) اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ' تابعینؒ اور سلف وخلف سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا۔ واپس آئے' گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا اے اللہ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے' پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں۔ مجھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنا دوں کہ اللہ نے اسے اپنا خلیل کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتایئے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ کی قسم گو وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں ہوں۔ میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گذاروں گا۔ یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا۔ وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا' کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا' ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر کن کاموں پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا' اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے۔

اور روایت میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ نے ملقب کیا تب سے تو ان کے دل میں اس قدر اللہ کا خوف اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کے پرواز کی آواز۔ صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان ﷺ کی نسبت بھی وارد ہے کہ جس وقت اللہ کا خوف آپ پر غالب آ جاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے' اس طرح دور و نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیا کے کھولنے کی آواز ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت میں اور اس کی غلامی میں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جس طرح جب جو تصرف ان میں وہ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی روک ٹوک کے بغیر کسی کے مشورے کے اور بغیر کسی کے شرک اور مدد کے کر گذرتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے ارادے سے اسے باز رکھ سکے۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم میں حائل ہو سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے' وہ عظمتوں اور قدرتوں والا' وہ عدل و حکمت والا' وہ لطف و رحم والا' واحد و صمد اللہ ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے' مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں' ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ
وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ
لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

تجھ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگذاری انصاف کے ساتھ کرو تم جو نیک کام کرو بے شبہ اللہ اسے پوری طرح جاننے والا ہے ○

یتیموں کے مربیوں کی گوشمالی اور منصفانہ احکام: ☆☆ (آیت: ۱۲۷) صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی یتیم بچی ہو جس کا ولی وارث وہی ہو' مال میں شریک ہو گیا ہو' اب چاہتا یہ ہو کہ اس

یتیم سے میں نکاح کرلوں' اس بنا پر اور جگہ کی شادی روکتا ہو۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد جب پھر لوگوں نے حضورؐ سے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَیَسۡتَفۡتُوۡنَکَ الخ' نازل فرمائی۔ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے وَمَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ اس سے مراد پہلی آیت وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی الخ ہے۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ولی وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مالدار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی محافظ نہیں ہوتا تھا' ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے' اسے بھی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہئے' اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع کی اس مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے' اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ جب یہ دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اور اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے' وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا' اس کا نکاح روکتا ہے تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیم لڑکی کا والی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا۔ اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کرے۔ اگر وہ خوش شکل اور مالدار ہوتی تو اس سے خود آپ نکاح کر لیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا۔ وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضہ میں کر لیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت والے چھوٹے لڑکوں کو اور چھوٹی بڑی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے۔ اس رسم کو بھی قرآن نے ختم کر دیا اور ہر ایک کو حصہ دلوایا اور فرمایا کہ لڑکی اور لڑکے کو خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے' حصہ ضرور دو۔ ہاں لڑکی کو آدھا اور لڑکے کو پورا یعنی دو لڑکیوں کے برابر اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کا حکم دیا کہ جب جمال و مال والی سے خود تم اپنا نکاح کر لیتے ہو تو پھر ان سے بھی کر لیا کرو جو مال و جمال میں کم ہوں۔ پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ تو تمہیں چاہئے کہ خیر کے کام کرو۔ حکم برداری کرو اور نیک بدلے حاصل کرو۔

وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا
جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ
وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ
تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ
فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ
سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں' صلح بہت بہتر چیز ہے' طمع ہر ہر نفس میں حاضر کر دی گئی ہے' اگر تم اچھا سلوک اور پرہیزگاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے ○ تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی آرزو کرو۔ پس بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو اور احتیاط کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے ○

میاں بیوی میں صلح و خیر کا اصول: ☆☆ (آیت: ۱۲۸-۱۳۰) اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے۔ کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ پس پہلی حالت میں جبکہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کر لے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لئے جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ انہیں جدا کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق حضرت عائشہؓ کو دیتی ہوں چنانچہ اسی پر صلح ہو گئی اور حضورؐ نے اسے قبول فرما لیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں' وہ جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں' حضورؐ کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کو باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سودہؓ کا دن بھی حضور حضرت عائشہؓ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہؓ نے بڑی عمر میں جب یہ معلوم کیا کہ حضورؐ انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہؓ سے پوری محبت ہے۔ اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب کہ حضورؐ راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔ عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی' ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گذارتے۔ پھر حضرت سودہؓ کا واقعہ بیان فرمایا جو اوپر گذرا (ابوداؤد) معجم ابو العباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت سودہؓ کو طلاق کی خبر بھجوائی۔ یہ حضرت عائشہؓ کے ہاں جا بیٹھیں' جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں' آپ کو اس اللہ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا' آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے۔ میری عمر بڑی ہو گئی ہے۔ مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں چنانچہ آپؐ نے یہ منظور فرما لیا اور رجوع کر لیا۔ پھر یہ کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوب حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر' تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کو بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) آپ نے

ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا مار دیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا، ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں، اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہو گئی ہے، اولاد نہیں ہوتی، اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا۔ پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کر لیں، جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بدصورتی کے یا بدخلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے چھوڑ نہ دے تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کر دے یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے۔ میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے گھر میں تھیں، بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے۔ یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے کہا، آپ مجھے طلاق تو نہ دیجئے ہاں جو آپ چاہیں فیصلہ کریں، مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو، اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کر لے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے، اسے اپنی ملکیت سمجھے۔ حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے تنگ آ کر طلاق طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لی لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے اس نے پھر طلاق مانگی۔ آپ نے دوبارہ طلاق دے دی۔ پھر لوٹا لیا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو تو آپ نے فرمایا دیکھو اب یہ تیسری آخری طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا کہ اچھا مجھے اسی طرح منظور ہے چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔

اس جملے کا کہ صلح خیر ہے، ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کہ دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے، یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے جیسے کہ خود نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہبہ کر دیا۔ آپؐ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ خدا کے نزدیک صلح، افتراق سے بہتر ہے اس لئے یہاں فرما دیا کہ صلح خیر ہے۔ بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے، تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگذر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا، باری میں لین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل و انصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت، چاہت، شہوت، جماع وغیرہ میں برابری

کیسے کر سکتے ہو؟ ابن ملکیہؒ فرماتے ہیں' یہ بات حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے' حضورؐ انہیں بہت چاہتے تھے اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے' الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی۔ اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں' دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو' وہ نہ بے خاوند کی رہے نہ خاوند والی۔ تم اس سے بے رخی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں' نہ تو اسے طلاق ہی دو' جو وہ اپنا دوسرا نکاح کر لے' نہ اس کے وہ حق ادا کرو جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا① (احمد وغیرہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں عورتوں کی درمیان عدل وانصاف اور برابری ہے کرو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ گو اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو' اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے دے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے۔ وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے۔ تمام افعال ساری' تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا
اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ
قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۸ ۱۶

زمین وآسمان کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو' اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اللہ بہت بے حاجت اور تعریف کیا گیا ہے ○ اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے' اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ○ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے' اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے ○

مانگو تو صرف اللہ اعلیٰ واکبر سے مانگو: ☆☆ (آیت: ۱۳۱-۱۳۴) اللہ تعالیٰ مطلع کرتا ہے کہ زمین وآسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے۔

فرماتا ہے جو احکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو- اس کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو- یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو دیئے گئے تھے اور اگر تم کفر کرو (تو خدا کا کیا بگاڑو گے؟) وہ تو زمین آسمان کا تنہا مالک ہے' جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگو تو بھی اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور لائق ستائش ہے- اور جگہ فرمایا فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا- اللہ نے ان سے بے نیازی کی اور اللہ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے- اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے- آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے- وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کر دے اور غیروں کو آباد کر دے- جیسے اور آیت میں ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے' بعض سلف سے منقول ہے کہ اس آیت پر غور کرو اور سوچو کہ گنہگار بندے اللہ کے نزدیک کس قدر ذلیل اور فرومایہ ہیں؟ اور آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ پر یہ کام کچھ مشکل نہیں-

پھر فرماتا ہے' اے وہ شخص جس کا پورا قصد اور جس کی تمام تر کوشش صرف دنیا کے لئے ہے تو جان لے کہ دونوں جہاں دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ کے قبضے میں ہیں- تو جب اس سے دونوں ہی طلب کرے گا تو وہ تجھے دے گا اور تجھے بے پرواہ کر دے گا اور آسودہ بنا دے گا- اور جگہ فرمایا' بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے اللہ ہمیں دنیا دے' ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں اور ایسے بھی ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما- یہ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا حصہ ملے گا- اور جگہ ہے' جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھے' ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ الخ' جو شخص دنیا طلب ہو تو ہم جسے چاہیں' جتنا چاہیں' دنیا میں دے دیں-

امام ابن جریر نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا' انہیں دنیا چاہے مل گئی یعنی مسلمانوں سے مال غنیمت میں سے حصہ مل گیا لیکن آخرت میں ان کے لئے اللہ کے پاس جو تیاری ہے' وہ انہیں وہاں ملے گی یعنی جہنم کی آگ اور وہاں کے گوناگوں عذاب- تو امام صاحبؒ مذکور کے نزدیک یہ آیت مثل آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا الخ' کے ہے- کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے معنی تو بظاہر یہی ہیں لیکن پہلی آیت کو بھی اسی معنی میں لینا ذرا غور طلب امر ہے کیونکہ اس آیت کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اللہ العالمین کے ہاتھ ہے- تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی ہمت ایک ہی چیز کی جستجو میں خرچ نہ کر دے بلکہ دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے' جو تمہیں دنیا دیتا ہے' وہی آخرت کا مالک بھی ہے- یہ بڑی پست ہمتی ہو گی کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور بہت دینے والے سے تھوڑا مانگو' نہیں نہیں بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو- اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بنالو' عالی ہمتی اور بلند پروازی سے وسعت نظری کو کام میں لا کر عیش جاودانی کی کوشش وسعی کرو یاد رکھو دونوں جہان کا مالک وہی ہے- ہر ہر نفع اسی کے ہاتھ میں ہے- کوئی نہیں جسے اس کے ساتھ شراکت ہو یا اس کے کاموں میں دخل ہو- سعادت و شقاوت اس نے تقسیم کی ہے- خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنی مٹھی میں رکھ لی ہیں- وہ ہر ایک مستحق کو جانتا ہے اور جس کا وہ مستحق ہوتا ہے' اسے وہی پہچانتا ہے' بھلا تم غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے سننے کی طاقت دینے والے کا دیکھنا سننا کیسا ہو گا-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ
وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ
فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ
وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۳۵

اے ایمان والو عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے۔ سو تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا، اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے ○

انصاف اور سچی گواہی تقویٰ کی روح ہے: ☆☆ (آیت: ۱۳۵) اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں، ایسا نہ ہو کہ ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بنا پر یا کسی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی سفارش سے عدل و انصاف چھوڑ بیٹھیں۔ سب مل کر عدل کو قائم و جاری کریں۔ ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور اللہ کی مخلوق میں عدالت کے سکے جما دیں۔ اللہ کے لئے گواہ بن جائیں جیسے اور جگہ ہے وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ الخ، یعنی گواہیاں اللہ کی رضا جوئی کے لئے دو جو بالکل صحیح، صاف سچی اور بے لاگ ہوں۔ انہیں بدلو نہیں، چھپاؤ نہیں، چبا کر نہ بولو، صاف صاف سچی شہادت دو گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو۔ تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گذار غلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے۔ کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہوگا۔ گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو، گو اس شہادت سے رشتے داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ گواہی سچی دے دو اس لئے کہ حق ہر ایک پر غالب ہے، گواہی کے وقت نہ تو نگر کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو۔

ان کی مصلحتوں کو اللہ تم سے بہت بہتر جانتا ہے، تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو، دیکھو کسی کے برے میں آ کر خود اپنا برا نہ کر لو، کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل و انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھو بلکہ ہر حال، ہر آن عدل کا، انصاف کا مجسمہ بنے رہو، جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭاِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کرتے رہو۔ یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جب رسول کریم ﷺ نے خیبر والوں کی کھیتیوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں تو آپ نے فرمایا، سنو اللہ کی قسم نبی ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو لیکن باوجود اس کے حضورؐ کی محبت میں آ کر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر ناممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔ یہ پوری حدیث سورہ مائدہ کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی یعنی بدل دی، غلط گوئی سے کام لیا، واقعہ کے خلاف گواہی دی، دبی زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے واقعات غلط پیش کر دیئے یا کچھ چھپا لیا، کچھ بیان کیا تو یاد رکھو اللہ جیسے باخبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی۔

وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے' حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے' بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ
نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسولؐ پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ' جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے' وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ○

ایمان کی تکمیل مکمل اطاعت میں مضمر ہے: ☆☆ (آیت:۱۳۶) ایمان والوں کو حکم ہو رہا ہے کہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں تمام احکام کو' کل شریعت کو' ایمان کی تمام جزئیات کو مان لیں' یہ خیال نہ ہو کہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہیں بلکہ تکمیل کامل ہے۔ ایمان لائے ہو تو اب اسی پر قائم رہو۔ اللہ کو مانا ہے تو جسے جس طرح وہ منوائے مانتے چلے جاؤ۔ یہی مطلب ہر مسلمان کی اس دعا کا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر یعنی ہماری ہدایت کو ثابت رکھ' مدام رکھ' اس میں ہمیں مضبوط کر اور دن بدن بڑھاتا رہ' اسی طرح یہاں بھی مومنوں کو اپنی ذات پر اور اپنے رسولؐ پر ایمان لانے کو فرمایا ہے۔ اور آیت میں ایمانداروں سے خطاب کر کے فرمایا' اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ پہلی کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے پہلے کی کتاب سے مراد تمام نبیوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں' سب ہیں۔ قرآن کے لئے لفظ ''نَزَّلَ'' بولا گیا اور دیگر کتابوں کے لئے اَنْزَلَ اس لئے کہ قرآن بتدریج وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے اترا اور باقی کتابیں پوری پوری ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ پھر فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ' اس کے فرشتوں کے ساتھ' اس کی کتابوں کے ساتھ' اس کے رسولوں کے ساتھ' آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرے' وہ راہ ہدایت سے بہک گیا اور بہت دور کی غلط راہ پڑ گیا' گمراہی میں ادھر سے ادھر ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾
بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ
الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا' پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا' پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے' اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سجھائے گا ○ منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے ○ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں۔ کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ پس عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضہ میں ہے ○

صحبت بد سے بچو : ☆☆ (آیت:۱۳۷-۱۳۹) ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جائے' پھر وہ مومن ہو کر کافر بن جائے' پھر اپنے کفر پر جم جائے اور اسی حالت میں مر جائے' نہ اس کی توبہ قبول نہ اس کی بخشش کا امکان نہ اس کا چھٹکارا' نہ فلاح' نہ اللہ اسے بخشے' نہ راہ راست پر لائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے تھے' مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کر لے۔

پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخرش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ مومنوں کو چھوڑ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں' ادھر بظاہر مومنوں سے ملے جلے رہتے ہیں اور کافروں میں بیٹھ کر ان مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں' ہم تو انہیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ دراصل ساتھ تو ہم تمہارے ہیں' پس اللہ تعالیٰ ان کے مقصود اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی ناکامی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو ان کے پاس تمہاری عزت ہو' یہ تمہیں دھوکا ہوا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو۔ بگوش ہوش سنو۔ عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے' وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ الخ' اور فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الخ' یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول اور مومنوں کا حق ہے لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو خدا کے نیک بندوں کے ساتھ مل جاؤ۔ اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری سے عزت کے خواہاں بنو' دنیا اور آخرت میں وہ تمہیں عزیز بنا دے گا۔

مسند احمد میں امام حنبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادوں سے جوڑے اور نو تک پہنچ جائے' وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہو گا۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ
اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا
فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿۱۴۰﴾

اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے' مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے ○

کفر کی مجالس میں بیٹھنا نہیں چاہیے : ☆☆ (آیت:۱۴۰) پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور انہیں مذاق میں اڑایا جا رہا ہو' اس میں نہ بیٹھو پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو میرے ہاں تم بھی

ان کے شریک کار سمجھے جاؤ گے۔

ان کے گناہ میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جس دستر خوان پر شراب نوشی ہو رہی ہو اس پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہیئے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورہ انعام کی جو مکیہ ہے یہ آیت وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ الخ جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو تو ان سے منہ موڑ لے۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ۝ سے منسوخ ہو گیا ہے یعنی متقیوں پر ان کے احسان کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ بچ جائیں۔ پھر فرمان باری ہے اللہ تعالیٰ تمام منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے وہاں کے سخت تر دل ہلا دینے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔ وہاں کی سزاؤں میں، وہاں کی قید و بند میں، طوق و زنجیر میں، گرم پانی کے کڑوے گھونٹ اتارنے میں اور پیپ کے لہو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ۚ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ
اللّٰہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ۖ وَ اِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ
قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَ نَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۭ فَاللّٰہُ یَحْکُمُ
بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی
الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۝۱۴۱ ع ۲۰ ۷ ۱۷

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں؟ اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا، پس قیامت کے دن خود اللہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا ○

عمل میں صفر، دعویٰ میں اصلی مسلمان: ☆☆ (آیت:۱۴۱) منافقوں کی بدباطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی، ان کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں، ٹوہ لیتے رہتے ہیں اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے، اللہ کی مدد سے یہ غالب آ گئے تو ان کے پیٹ میں گھسنے کے لئے آ آ کر کہتے ہیں، کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کے لئے اللہ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا گو انجام کار حق ہی غالب رہا تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید ہی کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے۔ یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پا لی۔ یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چھوڑتے ہیں ''دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا'' گو یہ اپنی اس مکاری کو اپنے لئے باعث فخر جانتے ہوں لیکن دراصل یہ سراسر ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل ہے۔ بھلا کچا رنگ کب تک رہتا ہے؟ گاجر کی پونگی کب تک بجے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟

وقت آ رہا ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے' اپنی بیوقوفی پر ہاتھ ملیں گے' اپنے شرمناک کرتوت پر آنسو بہائیں گے' اللہ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے' بھرم کھل جائے گا' چھپا کھلا ہو جائے گا' راز فاش ہو جائے گا' اندر کا باہر آ جائے گا' یہ پالیسی اور حکمت عملی' یہ مصلحت وقت اور مقتضائے موقعہ نہایت ڈراونی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے' ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ مومنوں پر راہ دے دے۔ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قیامت کے دن ایسا نہ ہوگا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سبیل سے مراد حجت ہے لیکن تاہم اس کے ظاہری معنی مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کر لیں کہ مسلمانوں کا نام مٹا دیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمان خداوندی ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ ہم اپنے رسولوں کی اور ایماندار بندوں کی مدد دنیا میں بھی لازمی طور پر ضرور کریں گے اور اس معنی کے کرنے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کے دلوں میں مسلمانوں کو ذلت اور بربادی کا شکار دیکھنے کا جو انتظار تھا' مایوس کر دیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح غالب نہ کر دے گا کہ تم پھولے نہ سماؤ اور وہ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے' اس ڈر کو بھی زائل کر دیا کہ تم نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مٹ جائیں گے۔ اسی مطلب کی وضاحت آیت فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ الخ' میں کر دی ہے۔ اس آیہ کریمہ سے حضرات علماء کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کر دینا ہے اور اس میں مسلم کی ذلت ہے۔ جن بعض ذی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے' ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی ملک سے اس کو اسی وقت آزاد کر دے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾

بیشک منافق اللہ سے چال بازیاں کر رہے ہیں' وہ انہیں اس چال بازی کا بدلہ دینے والا ہے' اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں' صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں ○ اور یاد اللہ تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔ بیچ میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں' نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف' جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا ○

دو ریوڑ کے درمیان کی بکری: ☆☆ (آیت: ۱۴۳) سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی آیت يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ الخ' اسی مضمون کی گذر چکی ہے' یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ یہ کم سمجھ منافق اس اللہ کے سامنے چالیں چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے۔ کم فہمی سے یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ جس طرح ان کا نفاق دنیا میں چل گیا اور مسلمانوں میں ملے جلے رہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ مکاری چل جائے گی۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن بھی یہ لوگ اللہ کے سامنے اپنی یک رنگی کی قسمیں

کھائیں گے جیسے یہاں کھاتے ہیں لیکن اس عالم الغیب کے سامنے یہ ناکارہ قسمیں ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتیں- اللہ بھی انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے‘ وہ ڈھیل دیتا ہے‘ بڑھوتری دیتا ہے‘ یہ پھولے نہیں سماتے‘ خوش ہوتے ہیں اور اپنے لئے اسے اچھائی سمجھتے ہیں‘ قیامت میں بھی ان کا یہی حال ہوگا- مسلمانوں کے نور کے سہارے میں ہوں گے- وہ آگے نکل جائیں گے‘ یہ آوازیں دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں‘ جواب ملے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ‘ اور روشنی تلاش کر لاؤ‘ یہ مڑیں گے‘ ادھر حجاب حائل ہو جائے گا- مسلمانوں کی جانب رحمت اور ان کے لئے زحمت‘ حدیث شریف میں ہے جو سنائے گا اللہ بھی اسے سنائے گا اور جو ریاکاری کرے گا اللہ بھی اسے دکھائے گا- ایک اور حدیث میں ہے ان منافقوں میں وہ بھی ہوں گے کہ بظاہر لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرمائے گا انہیں جنت میں لے جاؤ‘ فرشتے لے جا کر دوزخ میں ڈال دیں گے‘ اللہ اپنی پناہ میں رکھے-

پھر ان منافقوں کی بدذوقی کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں نماز جیسی بہترین عبادت میں بھی یکسوئی اور خشوع و خضوع نہیں نصیب ہوتا کیونکہ نیک نیتی‘ حسن عمل حقیقی ایمان سچا یقین ان میں ہے ہی نہیں- حضرت ابن عباسؓ تھکے ہارے ہوئے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے نمازی کو چاہئے کہ ذوق و شوق سے‘ راضی خوشی‘ پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر اللہ کے کان ہیں اس کی طلب پوری کرنے کو اللہ تیار ہے‘ یہ تو ہوئی ان منافقوں کی ظاہری حالت کہ تھکے ہارے تنگ دلی کے ساتھ بطور بیگار ٹالنے کے نماز کے لئے آئے- پھر اندرونی حالت یہ ہے کہ اخلاص سے کوسوں دور ہیں‘ رب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے- نمازی مشہور ہونے کے لئے‘ لوگوں میں اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے نماز پڑھ رہے ہیں‘ بھلا ان صنم آشنا دل والوں کو نماز میں کیا ملے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان نمازوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کو کم دیکھ سکیں یہ غیر حاضر رہتے ہیں مثلاً عشاء کی نماز اور فجر کی نماز-

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے‘ اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو گو گھٹنوں کے بل بھی چل کر آنا پڑتا یہ ضرور آ جاتے- میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں میں جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیاں ان کے گھروں کے اردگرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو اور ان کے گھروں کو جلا دو- ایک روایت میں ہے اللہ کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یا دو اچھے کھر ملنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں لیکن آخرت کی اور اللہ کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں- اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں‘ مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا-

ابو یعلی میں ہے‘ حضورؐ فرماتے ہیں‘ جو شخص لوگوں کی موجودگی میں نماز کو سنوار کر ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے لیکن جب کوئی نہ ہو تو بری طرح نماز پڑھ لے یہ وہ ہے جس نے اپنے رب کی اہانت کی- پھر فرمایا یہ لوگ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم کرتے ہیں یعنی نماز میں ان کا دل نہیں لگتا‘ یہ اپنی کہی ہوئی بات سمجھتے بھی نہیں بلکہ غافل دل اور بے پرواہ نفس سے نماز پڑھ لیتے ہیں- آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں‘ یہ نماز منافق کی ہے‘ یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا اور شیطان نے اپنے دونوں سینگ اس کے اردگرد لگا دیئے تو یہ کھڑا ہوا اور جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھ لیں جن میں اللہ کا ذکر برائے نام ہی کیا (مسلم وغیرہ)-

یہ منافق متحیر اور ششدر و پریشاں حال ہیں‘ ایمان اور کفر کے درمیان ان کا دل ڈانواڈول ہو رہا ہے‘ نہ تو صاف طور سے مسلمانوں کے ساتھی ہیں نہ بالکل کفار کے ساتھ‘ کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کی صداقت کرنے لگے- کبھی کفر کی اندھیریاں غالب آ گئیں تو ایمان

سے الگ تھلگ ہو گئے' نہ تو حضورؐ کے صحابہ کی طرف ہیں نہ یہودیوں کی جانب۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسی دو ریوڑ کے درمیان کی بکری کہ کبھی تو وہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اس طرف۔ اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا کہ ان میں جائے یا اس کے پیچھے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی معنی کی حدیث حضرت عبید بن عمیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی موجودگی میں کچھ الفاظ کے ہیر پھیر سے بیان کی تو حضرت عبداللہؓ نے اپنے سنے ہوئے الفاظ دوہرا کر کہا یوں نہیں بلکہ دراصل حدیث یوں ہے۔ جس پر حضرت عبیدؓ ناراض ہوئے (ممکن ہے ایک بزرگ نے ایک طرح کے الفاظ سنے ہوں' دوسرے نے دوسری قسم کے)۔

ابن ابی حاتم میں ہے مومن کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے۔ ایک تو کنارے ہی کھڑا رہ گیا' دوسرا اتر کر پار ہو کر منزل مقصود کو پہنچ گیا' تیسرا اترا چلا' جب بیچوں بیچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ کہاں ہلاک ہونے چلا' ادھر آ' واپس چلا آ' ادھر والے نے آواز دی' آ جاؤ نجات کے ساتھ منزل مقصود پر میری طرف پہنچ جاؤ۔ آدھا راستہ طے کر چکے ہو' اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے' کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے تذبذب ہے کہ کدھر جاؤں' کدھر نہ جاؤں؟ اتنے میں ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے چلی' غوطے کھا کھا کر مر گیا' پس پار جانے والا مسلمان ہے کنارے کھڑا بلانے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب مرنے والا منافق ہے' اور حدیث میں ہے' منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی' پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آ گئی۔ پھر فرمایا جسے اللہ ہی راہ حق سے پھیر دے' اس کا ولی و مرشد کون ہے؟ اس کے گمراہ کردہ کو کون راہ دکھا سکے؟ اللہ نے منافقوں کو ان کی بدترین بدعملی کے باعث راستی سے دھکیل دیا ہے' اب نہ کوئی انہیں راہ راست پر لا سکے نہ چھٹکارا دلا سکے' اللہ کی مرضی کا خلاف کون کر سکتا ہے۔ وہ سب پر حاکم ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا
مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ
وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ
شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو؟ ○ منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے۔ ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پا لے ○ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لئے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا ○ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گذاری کرتے رہو اور باایمان رہو اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے ○

کافر سے دوستی آگ سے دوستی کے مترادف ہے: ☆☆ (آیت: ۱۴۴-۱۴۷) کافروں سے دوستیاں کرنے سے' ان سے دلی محبت

رکھنے سے، ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے، مسلمانوں کے بھید ان کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو روک رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ، مومنوں کو چاہئے کہ بجز مومنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں۔ ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں۔ ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہر داری ہو تو اور بات ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں سے ڈرنا چاہئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے یعنی تم نے اگر مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دلی دوستی کے تعلقات پیدا کئے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہوگا اور پوری دلیل ہوگا اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے، کئی ایک سلف مفسرین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

پھر منافقوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ یہ اپنے اس سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں داخل کئے جائیں گے دَرْكَ درجہ کے مقابل کا مظہر ہے، بہشت میں درجے ہیں۔ ایک سے ایک بلند اور دوزخ میں درك ہیں ایک سے ایک پست۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھنتے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور چاروں طرف سے بالکل بند ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی کسی طرح کی مدد کرے، جہنم سے نکال سکے یا عذابوں میں ہی کچھ کم کرا سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں، نادم ہو جائیں اور سچے دل سے نفاق سے ہٹ جائیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں، پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں، صرف اللہ کی خوشنودی اللہ اور مرضی مولیٰ کے لئے نیک اعمال پر کمر کس لیں، ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں، اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں تو بیشک اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور انہیں سچے مومنوں میں داخل کر دے گا اور بڑے ثواب اور اعلیٰ اجر عنایت فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں، اپنے دین کو خالص کر لو تو تھوڑا عمل بھی تمہیں کافی ہو جائے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ غنی ہے، بے نیاز ہے، بندوں کو سزا کرنی وہ نہیں چاہتا، ہاں جب گناہوں پر دلیر ہو جائیں تو گوشمالی ضروری ہے، پس فرمایا۔ اگر تم اپنے اعمال کو سنوار لو اور اللہ پر اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ تو کوئی وجہ نہیں جو اللہ تمہیں عذاب کرے۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بھی قدردانی کرنے والا ہے، جو اس کا شکر کرے، وہ اس کی عزت افزائی کرتا ہے، وہ پورے اور صحیح علم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کس کا عمل اخلاص والا اور قبولیت اور قدر کے لائق ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس دل میں قوی ایمان ہے، اور کونسا دل ایمان سے خالی ہے، جو اخلاص اور ایمان والے ہیں، انہیں بھرپور اور کامل بدلے اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا (اللہ ہمیں ایمان و اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے اور پھر اجر و ثواب سے نہال کرے۔ آمین)

الحمدللہ! تفسیر محمدی ابن کثیر کا پانچواں پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں اپنے کلام کے سمجھنے سمجھانے کی اور اس پر عامل بن جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! الٰہ تو اس پاک تفسیر کو میرے ہاتھوں ختم کرا اور پوری کتاب چھپی ہوئی مجھے دکھا۔ میرے نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا کر نیکیاں ثابت کرا اور اپنے نیک بندوں میں شمار کر، آمین!!!

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

پارہ نمبر
٦

- مظلوم کو فریاد کا حق ہے ٦٩٨
- کسی ایک بھی نبی کو نہ ماننا کفر ہے! ٦٩٩
- محسوس معجزہ کی مانگ اور بنی اسرائیل کی حجت بازیاں ٧٠٠
- اہل کتاب' قاتلان انبیاء' عیسیٰؑ کی روداد اور مراحل قیامت ٧٠٢
- یہودیوں کے خود ساختہ حلال وحرام ٧١٦
- نزول انبیاء' تعداد انبیاء' صحائف اور ان کے مرکزی مضامین ٧١٧
- ہمارے ایمان اور کفر سے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ٧٢١
- اپنی اوقات میں رہو حد سے تجاوز نہ کرو! ٧٢٢
- اس کی گرفت سے فرار ناممکن ہے! ٧٢٤
- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مکمل دلیل اور حجت تمام ہے ٧٢٥
- عصبہ اور کلالہ کی وضاحت! مسائل وراثت ٧٢٦

پارہ نمبر ٦ کے جو مضامین اس جلد میں ہیں ان کے چند اہم عنوانات کی فہرست دی جا رہی ہے جب کہ مزید تفسیر اگلی جلد میں ملاحظہ کریں۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے، اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگذر کرو پس یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے ○

مظلوم کو فریاد کا حق ہے: ☆☆ (آیت:۱۴۸-۱۴۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بددعا کرنی جائز نہیں، ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم پر بددعا کرنی جائز ہے اور وہ بھی اگر صبر وضبط کر لے تو افضلیت اسی میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے ‘‘حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی چیز چور چرا لے گئے تو آپ ان پر بددعا کرنے لگیں۔ حضور رسول مقبول ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟’’ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس پر بددعا نہ کرنی چاہئے بلکہ یہ دعا کرنی چاہئے اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلَيْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّىْ مِنْهُ یا اللہ اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوا دے، آپ سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ اگرچہ رخصت ہے مظلوم ظالم کو کوسے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے نہ بڑھ جائے۔ عبدالکریم بن مالک جزری رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہ باندھو۔ اور آیت میں ہے وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ابوداؤد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ‘‘دو گالیاں دینے والوں کا وبال اس پر ہے، جس نے گالیاں دینا شروع کیا۔ ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے ‘‘صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ آپ ہمیں ادھر ادھر بھیجتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمانداری نہیں کرتے’’ آپ نے فرمایا ‘‘سنو اگر وہ اپنے لائق میزبانی کریں تو خیر، ورنہ تم ان سے خود لوازمات میزبانی لے لیا کرو۔ مسند احمد کی حدیث میں فرمان رسولؐ ہے کہ ‘‘جو مسلمان کسی اہل قبلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے، ساری رات گذر جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس کی نصرت ضروری ہے تاکہ اس میزبان کے مال سے، اس کی کھیتی سے بقدر اس کی مہمانی دلائیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے ‘‘ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے، اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میزبان کے ذمہ قرض ہے، خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے۔’’ ان احادیث کی وجہ سے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔ ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے ‘‘ایک شخص سرکار رسالت مآبؐ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہؐ مجھے میرا پڑوسی بہت ایذا پہنچاتا ہے، آپ نے فرمایا، ایک کام کرو، اپنا کل مال اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا، اب جو گذرتا وہ پوچھتا، کیا بات ہے؟ یہ کہتا ہے میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے۔ میں تنگ آ گیا ہوں، وہ اسے برا بھلا کہتا، کوئی کہتا ربّ کی مار اس پڑوسی پر، کوئی کہتا اللہ اسے غارت کرے، جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے پاس آیا۔ منتیں کر کے لے گیا کہ اپنے گھر چلو۔ اللہ کی قسم اب مرتے دم تک آپ کو کسی طرح نہ ستاؤں گا۔’’

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع ۲۱ ۱۱

جولوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جولوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں ○ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ○ اور جولوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ یہ ہیں جنہیں اللہ ان کے پورے ثواب دے گا' اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو تم کسی نیکی کو ظاہر کرو تو اور پوشیدہ کرو تو' تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگزر کرو تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا ثواب' پورا اجر اور اعلیٰ درجے ہیں۔ خود وہ بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے بھاتی ہے' وہ باوجود انتقام کی قدرت کے پھر بھی معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''عرش کے اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں'' بعض تو کہتے ہیں'' سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ یا اللہ تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی بردباری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے قدرت کے باوجود درگذر کرنے والے اللہ تمام پاکیاں تیری ذات کو سزاوار ہیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے' صدقے اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں' عفو و درگذر کرنے اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم سے تواضع' فروتنی اور عاجزی اختیار کرے' اللہ اس کا مرتبہ اور توقیر اور بڑھا دیتا ہے۔''

کسی ایک بھی نبی کو نہ ماننا کفر ہے! ☆☆ (آیت: ۱۵۰-۱۵۲) اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو ایک نبی کو بھی نہ مانے کافر ہے' یہودی سوائے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے' نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور انبیاء پر ایمان رکھتے تھے' سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ حضرت یوشعؑ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے خلیفہ تھے' مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زرتشت کو مانتے تھے لیکن ان کی شریعت کے جب یہ منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھالی۔ واللہ اعلم۔

پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا' کسی سے انکار کر دیا۔ کسی الٰہی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش' جوش' تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر ہے اس لئے کہ اگر اور انبیاء کو بوجہ ان کے نبی ہونے کو مانتا تو اس نبی کو ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا' جب وہ ایک کو نہیں مانتا تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے' انہیں بھی کسی دنیوی غرض اور ہوا و ہوس کی وجہ سے مانتا ہے۔ پس ان کی شریعت ماننے نہ ماننے کے

درمیان کی ہے۔ یہ یقینی اور حتمی کفار ہیں‘ کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور تعصبی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں‘ پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی والے عذاب ہوں گے۔ کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لا کر ان کی توہین کرتے تھے۔ اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ خواہ غور و فکر نہ کر کے نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو‘ خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کر جانا ہو‘ جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضورؐ کے بارے میں تھا کہ محض حسد کی وجہ سے آپ کی عظیم الشان نبوت کے منکر ہو گئے اور آپؐ کی مخالفت و عداوت میں آ کر مقابلے پر تل گئے۔ پس اللہ نے ان پر دنیا کی ذلت بھی ڈالی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لئے تیار کر رکھی۔ پھر امت محمدؐ کی تعریف ہو رہی ہے کہ یہ اللہ پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی خدائی کتابیں تسلیم کرتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ۔ پھر ان کے لئے جو اجر جمیل اور ثواب عظیم اس نے تیار کر رکھا ہے‘ اسے بھی بیان فرما دیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر و ثواب عطا ہوں گے۔ اگر ان سے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرما دے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائیں گے۔

يَسۡـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ كِتٰبًا مِّنَ
السَّمَآءِ فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰٓى اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا
اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ‌ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ
مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى
سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾

تجھ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ تو ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لا دے۔ حضرت موسیٰؑ سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی‘ کہا تھا کہ تو ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آ پڑی‘ پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں‘ انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا‘ اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ اور صریح دلیل عنایت فرمائی ○

محسوس معجزہ کی مانگ اور بنی اسرائیل کی حجت بازیاں : ☆☆ (آیت:۱۵۳) یہودیوں نے جناب رسالت مآب ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے تورات ایک ساتھ لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے‘ آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آیئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپؐ کی نبوت کو مان لیں۔ یہ سوال بھی ان کا بدنیتی سے بطور مذاق کے اور بطور کفر کے تھا۔ جیسے کہ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کا ایک سوال کیا تھا‘ جس طرح سورۂ سبحان میں مذکورہ ہے کہ ”جب تک عرب کی سرزمین میں دریاؤں کی ریل پیل اور تر و تازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے‘ ہم آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے۔“ پس بطور تسلی کے آنحضرت ﷺ سے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے‘ ان کی اس سرکشی اور بے جا سوال پر آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ ان کی یہ بدعادت پرانی ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ خود کو دکھائے‘ اس تکبر اور سرکشی اور فضول سوال کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی۔ جیسے سورۂ بقرہ میں تفصیل وار بیان گذر چکا۔ ملاحظہ ہو آیت وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً الخ‘ یعنی ”جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم

صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، پس تمہیں بجلی کے کڑاکے نے پکڑ لیا اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے' پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد پھر تمہیں زندہ کر دیا کہ تم شکر کرو۔''

پھر فرماتا ہے کہ ''بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔'' مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں ہلاک ہونا' اس کے تمام لشکروں کا نامرادی کی موت مرنا' ان کا اس دریا سے بچ کر پار نکل آنا' ابھی ابھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر بت پرستوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبرؑ سے کہتے ہیں ''ہمارا بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دو۔'' جس کا پورا بیان سورۂ اعراف میں ہے اور سورۂ طہٰ میں بھی' پھر حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہیں' ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں جب قتل شروع ہو جاتا ہے' اللہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہوؤں کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے' ہم نے اس سے بھی درگذر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰؑ کو ظاہر حجت اور کھلا غلبہ عنایت فرمایا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

اور ان کا قول لینے کے لئے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں جاؤ اور یہ بھی فرما دیا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سخت قول قرار لئے ○

بنی اسرائیل پر عائد پابندیاں: ☆☆ (آیت:۱۵۴) اور جب ان لوگوں نے توراۃ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ اب بولو! پہاڑ گرا کر دبا دوں یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سب سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام الٰہی بجا لانے کا مضبوط عہد و پیان کیا یہاں تک کہ دل میں دہشت تھی اور سجدے میں کنکھیوں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے اور دب کر نہ مر جائیں' پھر پہاڑ ہٹایا گیا۔

ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا' حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور حطة کہیں ''یعنی اے اللہ ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس سال میدان تیہہ میں سرگشتہ و حیران و پریشان رہے'' لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جانے لگے اور حِنْطَةٌ فِيْ شِعْرَةٍ کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سنئے۔ ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیان ہو گیا لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی' نافرمانی پر کمر بستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لئے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف میں مفصل بیان ہے۔ ملاحظہ ہو آیت وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ الخ' ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاصتہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا۔ یہ پوری حدیث سورۂ سبحان کی آیت لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ الخ' کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ!

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ
حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا
عَظِيْمًا ۝۱۵۶

(یہ سزا) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے اور یوں کہنے کے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے، حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے، پس یہ قدرے قلیل ہی ایمان لاتے ہیں ○ اور ان کے کفر کے باعث اور مریمؑ پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث ○

اہل کتاب، قاتلان انبیاء عیسیٰ علیہ السلام کی روداد اور مراحل قیامت: ☆☆ (آیت: ۱۵۵-۱۵۶) اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے اور ملعون و جلاوطن کر دیئے گئے۔ اولاً تو ان کی عہد شکنی یہ تھی کہ جو وعدے اللہ سے انہوں نے کئے ان پر قائم نہ رہے، دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر، تیسری بے وجہ ناحق انبیاء کرام کا قتل۔ ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھی ان کا یہ خیال اور یہ قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں، جیسے مشرکین نے کہا تھا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ یعنی ''اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ''ہمارے دل علم کے ظروف ہیں۔ وہ علم و عرفان سے پر ہیں۔'' سورۂ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گذر چکی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔ پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل و تشریح گذر چکی ہے۔ پس بطور نتیجے کے فرما دیا کہ اب ان کے دل کفر و سرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے۔

پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر زنا کاری جیسی بدترین شرمناک تہمت لگائی اور اسی زنا کاری کے حمل سے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا شدہ بتلایا، بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ
الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ۝۱۵۷

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریمؑ کو قتل کر دیا' حالانکہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کے لئے وہی صورت بنا دی گئی تھی' یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حال میں شک میں ہیں' انہیں اس کا کوئی یقین نہیں' بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے' اتنا یقینی ہے ○

بنی اسرائیل کا تمسخر اور بڑ بازی: ☆☆ (آیت:١٥٧) پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ ''ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو مار ڈالا'' ۔ جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضورؐ سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے' تو' تو مجنون ہے ۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا' کوڑھیوں کو اچھا کرنا' مردوں کو زندہ کرنا' مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ' تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور یہ مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی' آپ کی زندگی تنگ کر دی' کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا' ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری' پھر بھی انہیں سکھ نہ آیا' اور یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے ۔ یہ ستارہ پرست مشرک شخص تھا (اس مذہب والوں کے ملک کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا) یہاں آ کر یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰؑ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے ۔ لوگوں کو بہکا رہا ہے' روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے' امن میں خلل ڈالتا ہے' لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا' ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لے او سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے ۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہؑ تھے آپ کے ساتھ اس وقت بارہ تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے' جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا ۔

جب حضرت عیسیٰؑ نے یہ محسوس کر لیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا' تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے؟ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں'' ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰؑ نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا' تیسری دفعہ بھی کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ اب آپ نے یہی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی' بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰؑ کی اونگھ کی حالت ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿١٥٩﴾

کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے' اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ○ اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے' اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے ○

(آیت:١٥٩) جیسے قرآن کریم میں ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ الخ' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ''اے عیسیٰؑ میں تم سے مکمل تعاون کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں''۔ حضرت روح اللہؑ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے' یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی' عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لئے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ باقی عیسائی بھی یہودیوں کا ساراگ الاپنے لگے' یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ والدہ عیسیٰؑ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں' واللہ اعلم۔

دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بزرگ بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے' پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسولؐ اور بڑے مرتبے والے پیغمبرؐ کی زبانی اپنے پاک اور سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ ''حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا' نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہہ جس پر ڈالی گئی تھی' اسے عیسیٰؑ ہی سمجھ بیٹھے' جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے' وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے' صرف اٹکل پچو سنی سنائی باتوں کی تقلیدی چال کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں''۔ اسی لئے پھر اسی کے متصل فرما دیا کہ ''یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہؑ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری عز اسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آ سکتیں اور جس کی حکمتوں کی تہہ تک اور جس کے کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا' اپنے پاس اٹھا لیا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تھا' آپ گھر میں آئے اور گھر میں بارہ حواری تھے' آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' آپ نے فرمایا! تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر کچھ مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا ''تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے''۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعض نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔ پھر ان کے تین گروہ ہو گئے۔ یعقوبیہ' نسطوریہ اور مسلمان' یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا' جب تک چاہا رہا' پھر آسمان پر چڑھ گیا' نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا' جسے ایک زمانے تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنے پاس چڑھا لیا اور مسلمان کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسولؑ ہم میں تھا۔ جب تک اللہ نے چاہا' وہ ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا' چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہؓ سے بھی یہ منقول ہے۔ اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے' حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰؑ پر چڑھ دوڑے اور گھیرا ڈال دیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سب حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں ہیں تو کہنے لگے تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے' اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں' ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سن کر روح اللہؑ نے فرمایا ''کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے بدلے سولی پر

چڑھنا منظور کرے“ ایک صحابی اس کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے، عیسیٰؑ میں تیار ہوں، چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا۔ قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا، حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسولؑ کو اسی وقت اپنے پاس چڑھا لیا۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم کرا دیا کہ وہ دنیا سے خارج ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی، کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا، مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ آئے تو خود کھانا کھلایا۔ سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے، جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے۔ یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا ”سنو اس رات میں جو کر رہا ہوں، اگر تم میں کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا“۔ چنانچہ وہ سب خاموش رہے۔ جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا، دیکھو تمہارے نزدیک میں تم سب سے بڑے مرتبے کا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے، یہ اس لئے کہ تم میری اس سنت پر عامل بن جاؤ۔ خبردار تم میں سے کوئی اپنے تئیں اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے، بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے۔ جس طرح خود میں نے تمہاری کی ہے۔ اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ ”تم سب مل کر آج رات بھر خشوع وخضوع سے میرے لئے دعائیں کرو کہ میرا اللہ میری اجل کو موخر کر دے“ چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس بے طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا، آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور ایک ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہنے لگے، تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا، اے رسول اللہؑ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے، جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے۔ دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے، تو آپ نے فرمایا۔ اچھا پھر چرواہا نہ رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی، غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے پھر فرمایا ”دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا“ اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے۔ ادھر ادھر چلے گئے، یہود جو اپنی جستجو میں تھے، انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا، یہ بھی اس کا ساتھی ہے، مگر شمعون نے کہا ”غلط ہے۔ میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا، وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑوایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی۔ اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتلا دوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم، چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتلا دیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے۔ اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ جنات کو بھگا دیا کرتے تھے، مجنوں کو اچھا کر دیا کرتے تھے، اب کیا بات ہے کہ خود اپنے تئیں نہیں بچا سکتے۔ ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے، تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینی تھی اور ارادہ کیا کہ سولی چڑھا دیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا، سولی پر چڑھا دیا۔“ پھر سات دن کے بعد حضرت مریمؑ اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰؑ نے جن سے نجات دلوائی

تھی، وہاں آئیں اور رونے پیٹنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰؑ آئے اور ان سے کہا کہ ”کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے اور مجھے ان کی ازیتیں نہیں پہنچیں، ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے، میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں“ چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے، جس حواری نے آپ کو بیچا تھا، اسے انہوں نے وہاں نہ پایا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا، اس نے خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا ”اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا“۔ پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے، اس کا نام یحییٰ ہے، اب یہ تمہارا ساتھی ہے۔ سنو صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی، ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا، تو اسے چاہئے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی، اس کا نام داؤد تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے، کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان، حواس باختہ اور اس قدر رواویلا کرنے والا نہ ہو گا جس قدر آپ نے اس وقت کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا، اے اللہ اگر تو موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کے مارے ان کے بدن سے خون پھوٹ کر بہنے لگا، اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے، جن کے نام یہ ہیں فرطوس، یعقوبس، ربدائجس، (یعقوب کا بھائی) اندارابلیس، فیلبس، ابن یلما، متا، طوماس، یعقوب بن حلقایا، نداوسیس، قتابیا، لیودس وکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں تیرہ آدمی تھے اور ایک کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنا آپ سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت پر منظور کیا تھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھا لئے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے، اب جو گنتی گنتے ہیں تو ایک کم نکلا۔ اس کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰؑ کو چونکہ پہچانتے نہ تھے تو لیودس وکریا یوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں۔ جسے میں جا کر بوسہ دوں، تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہے، جب یہ اندر پہنچتے ہیں، اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھا لئے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے، اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور یہ گرفتار کر لئے گئے۔ پھر تو یہ بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں، اس کا نام یودس رکریا یوطا تھا، یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰؑ کی پہچان کرانے کے لئے اس گھر میں داخل ہوا، حضرت عیسیٰ تو اٹھا لئے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا، یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، میں تو تمہارا ساتھی ہوں، میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا لیکن کون سنے؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ یہی تھا یا وہ تھا، جس کا ذکر پہلے ہوا۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت روح اللہؑ کی مشابہت جس پر ڈال دی گئی تھی، اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ”حضرت عیسیٰ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی۔“ اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت تک آپ ان کے گواہ ہوں گے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

ایک تو یہ کہ عیسیٰؑ موت سے پہلے یعنی جب آپ قتل دجال کے لیے دوبارہ زمین پر آئیں گے، اس وقت تمام مذاہب اٹھ جائیں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیمؑ حنیف کی ملت ہے، رہ جائے گی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں موتہ سے مراد موت عیسیٰ ہے۔① ابو مالک

”فرماتے ہیں جب جناب مسیح اتریں گے، اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ ابن عباسؓ سے اور روایت میں ہے، خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں۔ جب آپ زمین پر نازل ہوں گے، اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ بچے گا جو آپ پر ایمان لائے۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔ حضرت قتادہ، حضرت عبدالرحمٰن وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے، ان شاءاللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسی کو بادلائل ثابت کریں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ اس لئے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر کھل جاتا ہے تو ہر کتابی حضرت عیسیٰؑ کی حقانیت کو زمین سے سدھارنے سے پہلے یاد کر لیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہؑ پر ایمان نہ لائے۔ حضرت مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔ بلکہ ابن عباسؓ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تاہم اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی کی تو قرات میں قَبْلَ مَوْتِهِمْ ہے۔ ابن عباسؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا، پھر بھی اس درمیانی فاصلے میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ عکرمہؒ، محمد بن سیرینؒ، محمد ضحاکؒ، سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسنؒ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب پہلے قول کا سا بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر کہ وہ آنحضرت ﷺ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔ عکرمہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، ان سب اقوال میں زیادہ ترصحیح قول پہلا ہی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ آسمان سے قریب قیامت کے اتریں گے، اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ حق بجانب ہے۔ اس لئے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو قتل کیا اور سولی دی۔ اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے بھی کہا ہے، ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے، تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ مقتول ہوئے، نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ جیسے ایک شخص کو قتل کیا لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو اپنے پاس چڑھا لیا۔ وہ زندہ ہیں، اب تک باقی ہیں۔ قیامت کے قریب اتریں گے، جیسے صحیح متواتر حدیثوں میں ہے، مسیح ہر گمراہ کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیروں کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہیں کریں گے، اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام کو قبول کر و یا تلوار سے مقابلہ کرو۔ پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام کو مانے بغیر رہ جائے یا رہ سکے۔ پس جسے یہ گمراہ یہود اور یہ جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں، یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے، یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل زندگی کے مشاہدہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گذاریں گے، اس میں ان کے سامنے جو کام انہوں نے کئے، وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور اللہ کے سامنے انہیں پیش

کریں گے۔

ہاں ان کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ فرشتہ موت کے آ جانے کے بعد احوال آخرت، سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں، اسی سورت کے شروع میں ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ الخ، اور جگہ فرمان ہے فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ، یعنی جو لوگ موت کے آ جانے تک برائیوں میں مشغول رہے، ان کی توبہ قبول نہیں اور جو لوگ عذاب اللہ دیکھ کر ایمان لائیں، انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال کی جو امام ابن جریرؒ نے تردید کی ہے، یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں، اس لئے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ پر اور حضرت محمدؐ پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں، اور مسلمان کا وارث کافر ہو نہیں سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو، نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل بے سود ہے۔ ابن عباسؓ کے قول پر گہری نظر ڈالئے کہ دیوار سے گرتے ہوئے، درندے کے جبڑوں میں، تلوار کے چلتے ہوئے وہ ایمان لاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب تو وہی ہے جو پہلا قول ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں، قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں دونوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط و تفریط انہوں نے کی ہے، اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت گرا دیا اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان نفرت کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا۔ اس کا بھی اثبات کیا اور مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔

اب ان حدیثوں کو سنئے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری شریف جسے ساری امت نے قبول کیا ہے، اس میں امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ رحمتہ والرضوان کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریمؑ نازل ہوں گے، عادل منصف بن کر صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ہٹا دیں گے۔ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے لینا کوئی منظور نہ کرے گا، ایک سجدہ کر لینا، دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت و ان من کی آخر تک تلاوت کی۔

صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ اور سند سے یہی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہو گا۔ اور اس آیت کی تلاوت میں قبل موتہ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ قبل موت عیسی بن مریم پھر اسے حضرت ابوہریرہؓ کا تین مرتبہ دہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، حضرت عیسیٰ حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں

گے، میدان حج میں، روحاء میں۔ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے، عیسیٰ بن مریمؑ اتریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹائیں گے، نماز باجماعت ہوگی اور مال راہ اللہ میں اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے، روحاء میں جائیں گے اور وہاں سے حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہؓ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ”حضرت عیسیٰ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے“۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے۔

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا جب تم میں مسیح بن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ ابو داؤد، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ”انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں، یقیناً وہ اترنے والے ہیں۔ پس تم انہیں پہچان رکھو۔ درمیانہ قد ہے، سرخ و سفید رنگ ہے، وہ دو گیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے اوڑھے اور باندھے ہوں گے، بال خشک ہونے کے باوجود ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی، صرف اسلام ہی اسلام رہے گا، ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امانت واقع ہوگی یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے، انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے، چالیس برس تک ٹھہریں گے، پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے“۔ ابن جریر کی اسی روایت میں ہے، آپ لوگوں سے اسلام پر جہاد کریں گے، اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری شریف میں بھی ہے۔ اور روایت میں ہے ”سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں“۔

صحیح مسلم میں ہے ”قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک رومی اعماق یا والق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ نکلے گا، جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے، جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے تم سے ہم لڑنا نہیں چاہتے، ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جا ملے، ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں۔ تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ لیکن مسلمان کہیں گے واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوگی۔ مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوگا، ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا، جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آ جائے گا، پھر یہ کسی فتنے میں نہ پڑیں گے، قسطنطنیہ کو فتح کریں گے، ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر ہی رہے ہوں گے جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آ گیا، اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، شام میں پہنچیں گے، دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لئے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہوگی اور حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ان گے، ان کی امامت کرائیں گے، جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اسی طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی چھوڑ دیں، جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے“۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں ”معراج والی رات میں نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی، آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی، ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی، لیکن حضرت عیسیٰ نے

فرمایا، اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا، ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے، وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا، اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی، مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے، یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے اور اسے قتل کر لے، اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن وامان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے، اب یاجوج ماجوج نکلیں گے، اور ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے، تمام شہروں کو روندیں گے، جس جس چیز پر گذر ہو گا، اسے ہلاک کر دیں گے، جس پانی کے پاس سے گذریں گے، پی جائیں گے، لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے، میں اللہ سے دعا کروں گا، اللہ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دے گا لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی، بدبو پھیل جائے گی، پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہو گی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو ہو جائے۔ رات کو پیدا ہو یا دن کو؟۔''

مسند احمد میں ہے حضرت ابو نضرہؒ فرماتے ہیں، ہم حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ کے پاس جمعہ والے دن آئے کہ ہمارا لکھا ہوا قرآن ان کے قرآن سے ملائیں، جمعہ کا جب وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا ''غسل کر لو'' پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی، پھر ہم مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی۔ پھر حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ آئے، ہم کھڑے ہو گئے، پھر سب بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے، ایک دونوں سمندر کو ملنے کی جگہ پر، ایک خیرہ میں اور ایک شام میں، پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی، پھر دجال نکلے گا، یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا، وہاں کے لوگ تین حصوں میں ہو جائیں گے، ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جو ان سے قریب ہو گا، دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے، جن کے سروں پر تاج ہوں گے، ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہو گی، یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے، ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے، وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے، اس سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کے مارے برا حال ہو جائے گا، یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں سینک سینک کر کھا لیں گے، جب سخت تنگی میں ہوں گے تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہاری مدد آ گئی۔ اس آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے، کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے، عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، ان کا امیر آپ سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض بعض کے امیر ہیں، چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا، نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنا حربہ ہاتھ میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے، دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا، آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔

''ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا، جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں۔ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں، میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو، وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا، اگر میری موجودگی میں آ گیا تو تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنا آپ اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے

درمیان نکلے گا‘ دائیں بائیں خوب گھومے گا‘ لوگو اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا‘ سنو میں تمہیں اس کی ایسی صفت سناتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں سنائی - وہ ابتداء میں دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں‘ پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں‘ پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں‘ پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا‘ ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ بار ہو سکتا ہے - اور سنو‘ وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں‘ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ‘‘کافر’’ لکھا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا - اس کے ساتھ آگ ہوگی اور باغ ہوگا - اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا‘ سنو تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے‘ وہ اللہ سے فریادرسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے‘ اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہوگی‘ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کر دوں تو تو مجھے رب مان لے گا - وہ اقرار کرے گا‘ اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور ان سے کہیں گے‘ بیٹے یہی تیرا رب ہے - تو اسے مان لے‘ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کر دیا جائے گا - اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروا دے گا‘ پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا‘ اب میں اسے زندہ کر دوں گا‘ لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے‘ چنانچہ یہ اسے اٹھا بٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا‘ میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے - اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہو گیا - دوسری سند سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ‘‘یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہوگا’’ - حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں‘ اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب ہی ہوں گے - آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا‘ حضورؐ فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہوگی‘ وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار نکلے گی‘ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا‘ وہ اسے نہ مانیں گے‘ اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گی‘ اور قبیلے کے پاس جائے گا جو اسے اللہ مان لے گا‘ اسی وقت اس کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی‘ ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے - سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین کا گشت کرے گا‘ جب مدینہ کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لئے ہوئے پائے گا تو ضریب کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا‘ پھر مدینے میں تین بھونچال آئیں گے‘ اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی‘ سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے میں سے دور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو الگ کر دیتی ہے‘ اس دن کا نام یوم الخلاص ہوگا’’ -

ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا‘ اولاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی‘ ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا‘ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے - یہ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تا کہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں لیکن آپ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ‘ اقامت تمہارے لئے کی گئی ہے پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا‘ فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے‘ دروازہ کھول دو‘ پس کھول دیا جائے گا‘ ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لئے ہوئے موجود ہوگا‘ جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا‘ دجال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا لیکن آپ فرمائیں گے‘ اللہ نے مقرر کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا - تو اسے ٹال نہیں سکتا چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے‘ اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی‘ ہر پتھر‘ ہر درخت‘ ہر دیوار اور

ہر جانور بولتا ہو گا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے' آ اسے مار ڈال' ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے۔ یہ نہیں بولے گا"۔ حضورؐ فرماتے ہیں' اس کا رہنا چالیس تک ہو گا' سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر جیسا اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ صبح ہی ایک شخص شہر کے ایک دروازے سے چلے گا' ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا تو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' اندازہ کر لیا کرو جیسے ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' پس عیسیٰ بن مریم میری امت میں حاکم ہوں گے' عادل ہوں گے' امام ہوں گے' باانصاف ہوں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ہٹا دیں گے۔ صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی۔ حد اور بغض بالکل جاتا رہے گا۔ ہر زہریلے کا زہر ہٹا دیا جائے گا' بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔ شیروں سے لڑکے کھیلیں گے۔ نقصان کچھ نہ ہو گا۔ بھیڑئیے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھیریں گے جیسے رکھوالا ہو کتا ہو تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی برتن پانی سے لبالب بھرا ہو۔ سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو گی۔ لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی۔ قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے۔ زمین مثل سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدمؑ میں تھیں' لوٹ آئیں گی۔ ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو گا۔ ایک انار اتنا ہو گا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے۔ بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی۔ دریافت کیا گیا' بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ تمام زمین پر کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے کرنے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہو گی' پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم الٰہی روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا' پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں روک لے اور یہی حکم زمین کو ہو گا کہ اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے' تیسرے سال آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا' نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہو گی' تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے' آپ نے فرمایا "ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لا الٰہ الا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا اور الحمد للہ کہنا ہو گا"۔

امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تاکہ انہیں بھی یاد رہے' یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں اسی حدیث جیسی ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

"صحیح مسلم شریف میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے واضح بیان کیا کہ ہم سمجھے' کہیں مدینہ کے نخلستان میں وہ موجود نہ ہو پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے کہ سنائی تو آپ نے فرمایا دجال کے علاوہ مجھے تو تم پر اور اس سے بھی بڑا خوف ہے' اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا' میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں' وہ جوان ہو گا' آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہو گی' بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن جیسا ہو گا' تم میں جو اسے دیکھے اسے چاہئے کہ سورۂ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے وہ شام و عراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا' اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا' ہم نے پوچھا حضورؐ وہ رہے گا کتنی مدت آپ نے فرمایا چالیس دن' ایک دن سال کے برابر' ایک دن ایک مہینے کے برابر' ایک دن جمعہ کے برابر اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں جیسے' پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہو گا' کیا اس میں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوں گی؟ آپ نے

فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کرلو اور نماز ادا کرلو ہم نے پوچھا یا رسول اللہؐ! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو پانی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش برسے گی' زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے ان کے جانور تر و تازہ اور زیادہ دودھ والے ہو جائیں گے' ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلائے گی اور اس کا انکار کر دے گی' یہ وہاں سے لوٹے گا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا' وہ بنجر زمین پر کھڑے ہو کر حکم دیے گا کہ اے زمین کے خزانو نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اسے قتل کرے گا اور اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا کہ ایک تیر کی کمان سے نکلے ہوئے دوری ہو' پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کے پاس آ جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے سفید شرقی منارے کے پاس دو چادریں اوڑھے باندھے دو فرشتوں کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے' جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے' جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے' آپ دجال کا پیچھا کریں گے' اور باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کریں گے' پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے' جنہیں اللہ نے اس فتنے سے بچایا ہوگا' ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور ان کے جنتی درجوں کی انہیں خبریں دیں گے' اب اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۔

پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آ جائیں گے' بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا' جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ ایسا سوکھا پڑا ہوگا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی ہوگا؟ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے گا جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں' اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے' اللہ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا' جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم میں فنا ہو جائیں گے' پھر حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو' پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے' پھر بارش ہوگی' جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا' اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا۔ پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مردوں عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے۔ ان پر قیامت قائم ہوگی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اسے ہم سورۂ انبیاء کی آیت حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ الخ' کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آ جائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں' میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے' بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہوگا وہ ہوگا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا' مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال' پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجے گا' آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعود کے ہے۔ آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں

گے۔ پھر سات سال تک لوگ اسی طرح رہیں گے کہ وہ بھی کچھ عداوت ہوگی' پھر ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کر دے گی۔ جس کے دل میں ایک ذرے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو' وہ بھی فوت ہو جائے گا' پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے' اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہوگی۔ شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آ کر انہیں بت پرستی کی طرف مائل کر دے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزیوں کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہوں گے اور زندگی بہ آرام گذر رہی ہوگی' پھر صور پھونکا جائے گا' جس سے لوگ گرنے مرنے لگیں گے' ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا' سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی' جس سے یہ اور تمام اور لوگ بیہوش ہو جائیں گے۔ غرض سب کے فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ برسائے گا جو مثل شبنم کے یا مثل سائے کے ہوگا' اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے۔ پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا' سب کے سب جی اٹھیں گے' پھر کہا جائے گا' لوگو! اپنے رب کی طرف چلو' انہیں ٹھہرا کر ان سے سوال کیا جائے گا۔ پھر فرمایا جائے گا' جہنم کا حصہ نکالو' پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے' یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔

مسند احمد میں ہے' ابن مریم باب لد کے پاس یا لد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ ترمذی میں باب لد ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے بعد امام ترمذیؒ نے چند اور صحابہؓ کے نام لئے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی حدیثیں مروی ہیں تو اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے۔ صرف دجال کے ذکر کی حدیثیں تو بے شمار ہیں' جنہیں جمع کرنا سخت دشوار ہے۔ مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضورؐ اپنے صحابہؓ کے ایک مجمع کے پاس سے گذرے۔ اس وقت وہاں قیامت کے ذکر اذکار ہو رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہو لیں' قیامت قائم نہ ہوگی' آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا' دھوئیں کا آنا' دابتہ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا' دجال کا آنا' تین جگہ زمین کا دھنس جانا' شرق میں' غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جگہ کر دے گی وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کریں گے اور جب دوپہر کو وہ آرام کریں گے' یہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی۔ یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

پس آنحضرت ﷺ کی یہ متواتر حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمان بن ابو العاص' حضرت ابو امامہ' حضرت نواس بن سمعان' حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت مجمع جاریہ' حضرت ابو شریح' حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ صاف دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے' ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے؟ یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینارہ پر آپ اتریں گے۔ اس زمانہ میں یعنی سن سات سو اکتالیس میں جامع اموی کا مینارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے' اس لئے کہ آگ کے شعلہ سے یہ جل گیا ہے اور یہ آگ لگانے والے غالبا ملعون عیسائی تھے۔ کیا عجب کہ یہی وہ مینارہ ہو جس پر مسیح بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے' صلیبوں کو توڑ دیں گے' جزیئے کو ہٹا دیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور دین قبول نہ فرمائیں گے جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گذر چکیں جن میں پیغمبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتایا ہے۔ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ تمام شک شبہے ہٹ جائیں گے' اور لوگ حضرت عیسیٰ کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کر لیں گے جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ اور ایک قرات میں لعلم ہے یعنی جناب مسیح قیامت کا ایک زبردست نشان ہے' یعنی قرب قیامت کا اس لئے کہ آپ دجال کے آ چکنے کے بعد تشریف لائیں گے اور اسے قتل کریں گے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج

نہ مہیا کیا ہو آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کرے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی خبر بھی دیتا ہے فرمان ہے حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اب حضرت عیسیٰ کی صفتیں ملاحظہ ہوں۔ پہلے کی دو حدیثوں میں بھی آپ کی صفت گذر چکی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ لیلۃ المعراج میں میں نے حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کی۔ وہ درمیانہ قد، صاف بالوں والے ہیں، جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ سے بھی ملاقات کی، وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کو بھی میں نے دیکھا۔ بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے "حضرت عیسیٰ سرخ رنگ، گھنگھریالے بالوں والے، چوڑے چکلے سینے والے تھے، حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے، جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح آپ نے دجال کی شکل و صورت بھی بیان فرما دی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی، جیسے پھولا ہوا انگور، آپؐ فرماتے ہیں، مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے جن کے سر کے پٹھے دونوں مونڈھوں تک تھے، صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم ہیں، میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی، ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا، سخت الجھے ہوئے بال تھے، وہ بھی دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

بخاری کی اور روایت میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم، حضورؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو سرخ رنگ نہیں بتلایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ بتلایا ہے، پھر اوپر والی پوری حدیث ہے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں، ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا، جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔ وہ حدیث بھی گذر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال یہاں رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہاں سال ہا سال رہیں گے تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت کا ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے گذاری ہے۔ جس وقت آپ اٹھائے گئے، اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے۔ واللہ اعلم (ابن عساکرؒ) بعض کا قول ہے کہ جب آپ آسمانوں پر چڑھائے گئے، اس وقت آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی، یہ بالکل فضول سا قول ہے، ہاں حافظ ابو القاسم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ
وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا
عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ
مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰـكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ
وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌
وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ
وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲ ۱۰

جونفیس چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی تھیں' وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں' ان کے ظلم کے باعث اور راہ اللہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث ○ اور سود جس سے وہ منع کئے گئے تھے' اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث' ان میں سے جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے المناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں ○ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں- یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے بڑے اجر عطا فرمائیں گے ○

تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی وارد کیا ہے کہ آپ حضورؐ کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے- واللہ اعلم- پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رسالت آپ نے انہیں پہنچا دی تھی اور خود آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا' جیسے سورۂ مائدہ کے آخر میں وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ سے الْحَكِيْمُ ہے یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا-

یہودیوں کے خودساختہ حلال وحرام : ☆☆ (آیت:۱۶۰-۱۶۲) اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں- ایک تو یہ کہ حرام کام ان کا مقدر تھا یعنی مقدرات خدا میں یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں' اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں' صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے' دوسرا یہ کہ یہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول تورات سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں' تورات کی اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں جیسے فرمان ہے كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ الخ' یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیلؑ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' اس کے ماسوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے- پھر تورات میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں' جیسے سورہ انعام میں فرمایا وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا الخ' یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو- ہم نے ان پر حرام قرار دے دی' یہ اس لئے کہ یہ باغی' طاغی' اور مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے- پہلے یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کے ظلم و زیادتی کے باعث خود راہ اللہ سے الگ ہو کر دوسروں کو اس سے بہکانے کے باعث (جو ان کی پرانی عادت تھی) رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے' انہیں قتل کر ڈالتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' ان کا مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سودخوری کرتے تھے جو محض حرام تھی' اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال مار کھانے کی تاک میں لگے رہتے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کئے ہیں' جرات سے انہیں کر گذرتے تھے' اس باعث ان پر بعض حلال چیزیں بھی ہم نے حرام کر دیں' ان کفار کے لئے دردناک عذاب تیار ہیں- ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں' اس جملے کی تفسیر سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے اور جو باایمان ہیں یہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت ثعلبہ بن سعید' زید بن سعید' حضرت اسید بن عبید رضی اللہ عنہم ہیں' جو اسلام میں آ گئے تھے اور حضورؐ کی نبوت کو مان چکے تھے- آگے کا جملہ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ تمام ائمہ کے قرآن میں اور ابی بن کعبؓ کے مصحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریرؒ ابن مسعودؓ کے صحیفہ میں وَالْمُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ہے- صحیح قرات اگلی ہے جن بعض لوگوں نے اسے کتابتکی غلطی بتلایا ہے' ان کا قول غلط ہے- بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے' جیسے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ الخ' میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے- بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملے پر یعنی بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور الہامی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے- امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے- واللہ اعلم- اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں- واللہ اعلم' اور صرف اللہ ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگانی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے برے عمل کی جزا سزا اس دن ملے گی' یہی لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم یعنی جنت دیں گے-

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ
بَعْدِهٖ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ
وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ
وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا
مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ
بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے وحی کی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور اسماعیلؑ کی طرف، اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی ○ اور تجھ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے تجھ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے، اور موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا ○ ہم نے انہیں رسول بنایا خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے، اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے ○

نزول انبیاء، تعداد انبیاء، صحائف اور ان کے مرکزی مضامین: ☆☆ (آیت:١٦٣-١٦٥) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا "اے محمد (ﷺ) ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو۔" اس پر یہ آیتیں اتریں۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں جب آیت یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سے عَظِيْمًا تک اتری اور یہودیوں کے برے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے کوئی اپنا کلام نازل ہی نہیں فرمایا' نہ موسیٰ پر' نہ عیسیٰ پر' نہ کسی اور نبی پر' آپ اس وقت گوٹ لگائے بیٹھے تھے' اسے آپ نے کھول دی اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ الخ' نازل فرمائی۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکیہ ہے اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے جو ان کی تردید میں ہے' جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ پھر ان کے عیوب بیان فرمائے اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں واضح کر دیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء کی طرف۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی' ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورۂ قصص کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا۔ جن انبیاء کرام کے نام قرآن کے الفاظ میں آ گئے ہیں' وہ یہ ہیں۔ آدم' ادریس' نوح' ہود' صالح' ابراہیم' لوط' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' یوسف' شعیب' موسیٰ' ہارون' یونس' داؤد' سلیمان' یوشع' زکریا' عیسیٰ' یحیٰ' (اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل اور ایوب اور الیاس) اور ان سب کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ۔ اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا' اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا' یا رسول اللہؐ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ' بہت بڑی جماعت۔ میں نے پھر دریافت کیا "سب سے پہلے کون سے ہیں؟" فرمایا "آدمؑ" میں نے کہا "کیا وہ بھی رسول

تھے؟" فرمایا "ہاں- اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' پھر ان میں اپنی روح پھونکی' پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا" پھر فرمایا' اے ابوذر چار سریانی ہیں- آدمؑ شیثؑ' نوحؑ' خضوخ جن کا مشہور نام ادریس ہے' انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا- چار عربی ہیں- ہودؑ' صالحؑ' شعیبؑ اور تمہارے نبیؐ اے ابوذر بنواسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰؑ ہیں اور آخری حضرت عیسیٰؑ ہیں- تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبیؐ ہیں-" اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے' حافظ ابو حاتم نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے جس پر صحت کا نشان دیا ہے' لیکن ان کے برخلاف امام ابوالفرج بن جوزی رحمتہ اللہ علیہ اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں' اور ابراہیم بن ہاشم اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے- واللہ اعلم- لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابوامامہ سے بھی مروی ہے' لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں اور قاسم بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہیں- ایک اور حدیث ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں- چار ہزار بنواسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف' یہ حدیث بھی ضعیف ہے- اس میں زیدی اور ان کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں' واللہ اعلم- ابویعلی کی اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گذر چکے ہیں- ان کے بعد حضرت عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا ہوں- اور حدیث میں ہے' میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار نبی بنی اسرائیل میں سے تھے- یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی کمی یا اختلاف نہیں بجز احمد بن طارق کے کہ ان کے بارے میں مجھے کوئی علالت یا جرح نہیں ملی' واللہ اعلم- ابوذر غفاری والی طویل حدیث جو انبیاء کی گنتی کے بارے میں ہے' اسے بھی سن لیجئے' آپ فرماتے ہیں' میں مسجد میں آیا اور اس وقت حضورؐ تنہا تشریف فرما تھے' میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا' آپ نے نماز کا حکم دیا ہے- آپ نے فرمایا' "ہاں وہ بہتر چیز ہے' چاہے کوئی زیادتی کرے چاہے کمی" میں نے کہا' "حضورؐ کون سے اعمال افضل ہیں؟ فرمایا' "اللہ پر ایمان لانا' اس کی راہ میں جہاد کرنا" میں نے کہا "حضورؐ کون سا مسلمان اعلیٰ ہے؟" فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں" میں نے پوچھا "کون سی ہجرت افضل ہے؟" فرمایا "برائیوں کو چھوڑ دینا" میں نے پوچھا' کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا "لمبے قنوت والی" میں نے کہا کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا' فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ کے پاس بہت بڑھا چڑھا ثواب ہے "میں نے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟" فرمایا جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے-" میں نے کہا' آزادگی گردن میں افضل کیا ہے؟" فرمایا جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو-" میں نے پوچھا صدقہ کون سا افضل ہے؟ فرمایا' "کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دے دینا-" میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ فرمایا' "آیت الکرسی" پھر آپ نے فرمایا' "اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلے میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر" میں نے کہا حضورؐ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا "ایک لاکھ چوبیس ہزار" میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا "تین سو تیر کی بہت بڑی پاک جماعت" میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا "آدمؑ" میں نے کہا' کیا وہ بھی نبی رسول تھے؟ فرمایا "ہاں انہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا-"

پھر آپ نے فرمایا' سنو چار تو سریانی ہیں' آدم' شیث' خنوخ اور یہی ادریس ہیں جس نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح اور چار عربی ہیں- ہود' شعیب' صالح اور تمہارے نبی' سب سے پہلے رسول حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)- میں نے پوچھا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے' حضرت خنوخ علیہ السلام پہ تیس صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے اور تورات' انجیل' زبور اور

فرقان، میں نے کہا یا رسول اللہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا، بادشاہ مسلط کیا ہوا اور مغرور کو اس کے اقتدار کا مقصد سمجھانا تھا کہ میں نے تجھے دنیا جمع کرنے اور ملا ملا کر رکھنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو میرے سامنے سے ہٹا دے- اگر میرے پاس پہنچے تو میں اسے رد نہ کروں گا گو وہ مظلوم کافر ہی ہو اور ان میں نصائح بھی تھیں مثلاً یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے کئی حصے کرے- ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے، ایک وقت اللہ کی صفت میں غور کرے، ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے- عاقل کو تین چیزوں کے سوا کسی میں اپنے تئیں منہمک نہ کرنا چاہئے- ایک تو توشہ آخرت، دوسرے سامان زیست اور تیسرے فکر معاش یا غیر حرام چیزوں سے سرور ولذت، عاقل کو چاہئے کہ اپنے وقت کو غنیمت سمجھ کر اپنے کام میں لگا رہے، اپنی زبان کی نگہداشت کرے جو شخص اپنے قول کو اپنے فعل سے ملاتا رہے، گا وہ بہت کم گو ہوگا، کلام وہی کرو جو تمہیں نفع دے، میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا سراسر عبرتیں، مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے- پھر مست ہے، تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر ہائے وائے میں پڑا ہوا ہے، دنیا کی بے ثباتی دیکھتا ہے پھر اس پر اطمینان کئے ہوئے ہے، قیامت کے دن حساب کو جانتا ہے، پھر بے عمل ہے، میں نے کہا حضور اگلے انبیاء کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے بھی کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا- ہاں پڑھو قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى آخر سورت تک، میں نے کہا حضورؐ مجھے وصیت کیجئے- آپؐ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، یہی تیرے اعمال کی روح ہے، میں نے کہا یا رسول اللہؐ کچھ اور بھی، آپؐ نے فرمایا، تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغول رہ، وہ تیرے لئے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کے حصول کا باعث ہوگا- میں نے پھر کہا حضورؐ اور زیادہ فرمایئے، فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے بچو- وہ دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور چہرہ کا نور دور کر دیتی ہے، میں نے کہا اور زیادہ، فرمایا، جہاد میں مشغول رہو، میری امت کی رہبانیت یعنی درویشی یہی ہے، میں نے کہا اور وصیت کیجئے، فرمایا سوائے بھلی بات کہنے کے زبان بند رکھو، اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی- میں نے کہا کچھ اور بھی فرما دیجئے، فرمایا، اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کر اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈال، اس سے تیرے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت ہوگی، میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجئے، فرمایا مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو، اس سے اللہ کی رحمتیں تجھے بہت بڑی معلوم ہوں گی، میں نے کہا اور فرمایئے، فرمایا'' قرابت داروں سے ملتے رہو، گو وہ تجھ سے نہ ملیں، میں نے کہا اور؟ فرمایا حق گوئی کر گو وہ کسی کو کڑوی لگے، میں نے اور بھی نصیحت طلب کی، فرمایا اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر، میں نے کہا اور فرمائے، فرمایا اپنے عیبوں پر نظر رکھا کرو، دوسروں کی عیب جوئی سے باز آ جا، پھر میرے سینے پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا، اے ابوذر تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور حرام سے رک جانے کے برابر کوئی پرہیزگاری نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی حسب نسب نہیں- مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اسی مفہوم کے ساتھ ہے- حضرت ابو سعید خدریؓ پوچھتے ہیں، کیا خارجی بھی دجال کے قائل ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں- ہر ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے لیکن میرے سامنے اللہ نے اس کی وہ علامت بیان فرمائی ہے جو کسی اور سے نہیں فرمائی'' سنو وہ بھینگا ہے اور رب ایسا ہو نہیں سکتا- اس کی داہنی آنکھ بھینگی کانی ہے، آنکھ کا ڈھیلا اتنا اٹھا ہوا جیسے چونے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنگار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک جگمگاتے ستارے جیسی ہے، وہ تمام زبانیں بولے گا، اس کے ساتھ جنت کی صورت ہوگی- سرسبز اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہوگی سیاہ دھوئیں دار''

ایک حدیث میں ہے، میں (حضورؐ) ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا- پھر فرماتا ہے، موسیٰؑ سے خود اللہ نے صاف طور پر کلام کیا- یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے، ایک شخص حضرت ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص

اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا یعنی موسیٰ نے اللہ سے بات کی ہے، اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا، یہ کسی کافر نے پڑھا ہوگا۔ میں نے اعمش سے، اعمش نے یحییٰ سے، یحییٰ نے عبدالرحمٰن سے، عبدالرحمٰن نے علی سے، علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے کہ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ اس قدر ناراض ہوئے مگر عجب نہیں یہ کوئی معتزلی ہو، اس لئے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا نہ کسی اور سے۔ کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انہوں نے اسے ڈانٹ کر فرمایا پھر اس آیت میں یہ بے ایمانی کیسے کرو گے؟ جہاں فرمایا ہے وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ یعنی موسیٰ ہمارے وعدے پر آیا اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا، مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہیں چلے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو وہ سیاہ چیونٹی کا اندھیری رات میں کسی صاف پتھر پر چلنا بھی دیکھ لیتے تھے۔“ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابی ہریرہؓ ثابت ہو جائے تو بہت اچھی ہے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ سے جب اللہ نے کلام کیا، وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذبوح گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کیں جو سب وصیتیں تھیں، نتیجہ یہ کہ لوگوں کا کلام حضرت موسیٰؑ سے سنا نہیں جاتا تھا کیونکہ کانوں میں اسی پاک کلام کی گونج رہتی تھی، اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں۔ پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔ ایک اثر ابن مردویہ میں ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، طور والے دن حضرت موسیٰؑ سے جو کلام اللہ تعالیٰ نے کیا، اس کی صفت جس دن پکارا تھا اس انداز کلام کی صفت سے الگ تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا بھید معلوم کرنا چاہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کیا ہے بلکہ ان سب سے بھی بہت زیادہ۔ بنو اسرائیل آپ سے صفت کلام ربانی جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا ”میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا“ انہوں نے کہا، اچھا کچھ تشبیہ تو بیان کرو، آپ نے فرمایا تم نے کڑاکے کی آواز سنی ہوگی، وہ اس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی، اس کے ایک راوی فضل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو یہ تمام زبانوں پہ محیط تھا تو حضرت کلیم اللہ نے پوچھا ”باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ تو میرے کلام کی استقامت کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دریافت کیا کہ اے رب تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام سے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑاکے کے۔ یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کعبؓ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنو اسرائیل کی حکایتیں ہر طرح صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں۔ یہ رسول ہی ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی رضا مندی کے متلاشیوں کو جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں، اور اس کے اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب اور سزا سے ڈراتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں جو نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول بھیجے ہیں اور ان کے ذریعہ اپنے اوامر و نواہی کی تعلیم دلوائی، یہ اس لئے کہ کسی کو کوئی حجت کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ الخ، یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم ان کی باتیں مانتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے، اسی جیسی یہ آیت بھی ہے لَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ الخ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت اللہ کے مدح زیادہ پسند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے، اور کوئی ایسا نہیں جسے اللہ سے زیادہ عذر پسند ہو، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

جو کچھ تیری طرف اتارا ہے اس کی بابت اللہ خود گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا ○ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ○ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے۔ پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے اور حکمت والا ○

ہمارے ایمان اور کفر سے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے: ☆☆ (آیت: ۱۶۶-۱۷۰) چونکہ سابقہ آیتوں میں حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ کی نبوت کے منکروں کی تردید تھی اس لئے یہاں فرماتا ہے کہ گو کچھ لوگ تجھے جھٹلائیں تیری مخالفت کریں لیکن اللہ خود تیری رسالت کا شاہد ہے وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قران مجید و فرقان حمید تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل پھٹک ہی نہیں سکتا اس میں چیزوں کا علم ہے جن پر اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا یعنی دلیلیں ہدایت اور فرقان اور اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کے احکام اور گذشتہ کی اور آئندہ کی خبریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں ہیں جنہیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرائے جیسے ارشاد ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ اور فرمان ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ حضرت عطا بن سائبؒ جب حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی سے قرآن شریف پڑھ چکتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ کا علم لیا ہے۔ پس آج تجھ سے افضل کوئی نہیں بجز اس کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے پھر آپ نے آیت اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ سے آخر تک پڑھی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ تیرے پاس جو علم آیا ہے جو وحی تجھ پر اتری ہے وہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ کی قسم مجھے پختہ طور پر معلوم ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہو ان لوگوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ پھر فرماتا ہے جن لوگوں نے کفر کیا حق کی اتباع نہ کی بلکہ اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں اور حقیقت سے الگ ہو گئے ہیں اور ہدایت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں ہماری کتاب کو نہیں مانتے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں ہمارے منع کردہ کاموں کو کر رہے ہیں ہمارے احکام سے روگرداں ہیں انہیں ہم نہ بخشیں گے نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انہیں جہنم کا راستہ دکھا دیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق کو لے کر اللہ کے رسولؐ آ گئے تم اس پر ایمان لاؤ اور

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ
اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا
تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ
اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰي
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ١٧١ ۧ ع ٢٢ ٩

اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے حکم ہیں' جسے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے۔ پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں' اس سے باز آ جاؤ تا کہ تمہارے لئے بہتری ہو' اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ بس ہے کام بنانے والا ○

اس کی فرمانبرداری کرو' یہی تمہارے حق میں اچھا ہے اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے' تمہارا ایمان نہ اسے نفع پہنچائے' نہ تمہارا کفر اسے ضرر پہنچائے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔ یہی قول حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' وہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے' وہ علیم ہے' جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے؟ وہ حکیم ہے۔ اس کے اقوال' اس کے افعال' اس کی شرع' اس کی تقدیر سب حکمت سے پر ہیں۔

اپنی اوقات میں رہو اور حد سے تجاوز نہ کرو! ☆☆ (آیت:١٧١) اہل کتاب کو زیادتی سے اور حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حد سے گذر گئے تھے اور نبوت سے بڑھا کر خدائی تک پہنچا رہے تھے' بجائے اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے' بلکہ اور بزرگان دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا۔ وہ انہیں بھی جو عیسائی دین کے عالم اور عامل تھے' معصوم محض جاننے لگ گئے تھے اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ ائمہ دین کہہ دیں' اس کا ماننا ہمارے لئے ضروری ہے۔ سچ جھوٹ' حق و باطل' ہدایت و ضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں۔ جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مسند احمد میں ہے حضورؐ نے فرمایا ''مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا' میں تو صرف ایک بندہ ہوں۔ پس تم مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہنا۔'' یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔ اسی سند کی اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمدؐ! اے ہمارے سردار اور سردار کے لڑکے' اے ہم سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! تو آپ نے فرمایا ''لوگو اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو' تمہیں شیطان ادھر ادھر نہ کر دے' میں محمد بن عبداللہ ہوں' میں اللہ کا غلام اور اس کا رسول ہوں' قسم اللہ کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دو''۔

پھر فرماتا ہے اللہ پر افترا نہ باندھو' اس کی بیوی اور اولاد نہ مقرر کرو' اللہ اس سے پاک ہے' اس سے دور ہے' اس سے بلند و بالا ہے۔ اس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں' اس کے سوا نہ کوئی معبود نہ رب۔ مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ ہیں' وہ اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں' وہ صرف کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں' جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرئیلؑ حضرت

مریم صدیقہ کے پاس گئے اور اللہ کی اجازت سے اسے ان میں پھونک دیا پس حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ کے آپ پیدا ہوئے' اس لئے خصوصیت سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی روایت میں ہے مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ' یعنی مسیح بن مریم صرف رسول اللہ ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں' ان کی والدہ سچی ہیں' یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

اور آیت میں ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الخ' عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا' ہو جا' پس وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا الخ' جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح پھونکی اور خود اسے اور اس کے بچے کو لوگوں کے لئے نشان بنایا۔ اور جگہ فرمایا وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰؑ کی بابت ایک اور آیت میں ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ الخ' وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمہ الٰہی عیسیٰ بن گیا بلکہ کلمہ الٰہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ امام ابن جریرؒ نے اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ الخ' کی تفسیر میں جو کچھ کہا ہے' اس سے یہ مراد ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرئیلؑ کی معرفت پھونکا گیا' اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

صحیح بخاری میں ہے "جس نے بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمدؐ کے عبد و رسول ہونے کی' عیسیٰؑ کے عبد و رسول ہونے کی اور یہ کہ آپ اللہ کے کلمہ سے تھے جو مریمؑ کی طرف ڈالا گیا تھا اور اللہ کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا' وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو' اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے" جیسے کہ جناب عیسیٰؑ کو آیت و حدیث میں روح منہ کہا ہے۔ ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اس نے مسخر کیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے' تمام کا تمام اپنی طرف سے۔ یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس کی روح سے۔ پس لفظ من تبعیض (اس کا حصہ) کے لئے نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کا ایک جزو تھے بلکہ من ابتداء کے لئے ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت میں ہے' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں رُوْحٌ مِّنْهُ سے مراد رَسُوْلٌ مِّنْهُ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں مُحَبَّةٌ مِّنْهُ لیکن زیادہ قوی پہلا قول ہے یعنی آپ پیدا کئے گئے ہیں' روح سے جو خود اللہ کی مخلوق ہے۔ پس آپ کو روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا گیا ہے یعنی صرف اس کی عظمت کے اظہار کے لئے اپنی طرف نسبت کی۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ "میں اپنے رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا۔" پھر فرماتا ہے تم اس کا یقین کر لو کہ اللہ واحد ہے بیوی بچوں سے پاک ہے اور یقین مان لو کہ جناب عیسیٰ اللہ کا کلام' اللہ کی مخلوق اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ تم تین نہ کہو یعنی عیسیٰ اور مریم کو شریک اللہ نہ بناؤ' اللہ کی خدائی شرکت سے مبرا ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ الخ' یعنی جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے' وہ کافر ہو گئے' اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے' اس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ سے سوال ہو گا کہ اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا؟ آپ صاف طور پر انکار کر دیں گے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے' وہ بے طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰؑ کو خود اللہ مانتے ہیں' اور بعض شریک اللہ مانتے ہیں اور بعض اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری جو سن ۴۰۰ھ کے قریب گذرا ہے' اس نے اور بعض ان کے اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس وقت کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا' جہاں دو ہزار سے زیادہ ان کے لاٹ پادری تھے۔ پھر اس قدر اختلاف آپس میں کیا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں سے زیادہ اتفاق ہی نہیں کرتے تھے۔ دس کا ایک عقیدہ تھا۔ بیس کا ایک خیال تھا۔ چالیس اور ہی کہتے تھے۔ ساٹھ اور طرف جا رہے تھے غرض ہزارہا کی تعداد میں سے بہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک

قول پر جمع ہو گئے، بادشاہ نے اسی عقیدہ کو لے لیا، باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید و نصرت کی اور ان کے لئے کلیساء اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں اور قوانین ضبط کر دیئے، یہیں انہوں نے امانت کبری کا مسئلہ گھڑا جو دراصل بدترین خیانت ہے، ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔

پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا، اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اس کا نام نسطوریہ ہے، یہ تینوں فرقے اقانیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰؑ کے لئے ثابت کرتے ہیں، ان میں بھی باہم دیگر اختلاف ہے اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے اس سے باز آؤ، یہ باز رہنا ہی تمہارے لئے اچھا ہے، اللہ تو ایک ہی ہے۔ وہ توحید والا ہے۔ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو، تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملکیت میں ہیں، سب اس کی غلامی میں ہیں اور سب اس کے قبضے میں ہیں، وہ ہر چیز پر وکیل ہے۔ پھر مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور کوئی اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ یعنی وہ تو آسمان و زمین کی ابتدائی آفرینش کرنے والا ہے، اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، سورہ مریم میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ سے فَرۡدًا تک بھی اس کا مفصلاً انکار فرمایا ہے۔

لَنۡ یَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ یَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَیَسۡتَكۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُهُمۡ اِلَیۡهِ جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ۬ وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾

مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے پس اللہ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا ○ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں، ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادتی دے گا، اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا، انہیں المناک عذاب کرے گا، اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی، دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے ○

اس کی گرفت سے فرار ناممکن ہے! ☆☆ (آیت:۱۷۲-۱۷۳) مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور بہترین فرشتے بھی اللہ کی بندگی سے تکبر اور کشیدگی نہیں کر سکتے، نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے بلکہ جو جس قدر مرتبے میں قریب ہوتا ہے، وہ اسی قدر اللہ کی عبادت میں زیادہ پابند ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن دراصل اس کا کوئی ثبوت اس آیت میں نہیں، اس لئے یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کا معنی رکنے کے ہیں، اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح کے زیادہ ہے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا ہے اور رک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے، اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت سے نہ رکنے والے بتا کر پھر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی، جس سے ثابت ہو گیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو، وہ خود اللہ کو پوجتے ہیں، پھر ان کی پوجا کیسی؟ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ اور اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ جو اس کی عبادت سے رکے، منہ موڑے اور

بغاوت کرے، وہ ایک وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے اور اپنے بارے میں اس کا فیصلہ سننے والا ہے۔ جو ایمان لائیں، نیک اعمال کریں، انہیں ان کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا، پھر رحمت ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابل دوزخ ہوں، انہیں بھی ان کی شفاعت نصیب ہوگی جن سے انہوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں، ہاں اگر ابن مسعودؓ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا، جو لوگ اللہ کی عبادت و اطاعت سے رک جائیں اور اس سے تکبر کریں، انہیں پروردگار دردناک عذاب کرے گا اور یہ اللہ کے سوا کسی کو ولی و مددگار نہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں، وہ ذلیل و حقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے، یعنی ان کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انہیں ملے گا کہ ذلیل و حقیر، خوار و بے بس ہو کر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ
اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ
فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۭ﴿۱۷۵﴾

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ○ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا، انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا ○

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مکمل دلیل اور حجت تمام ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷۴-۱۷۵) اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی، شک و شبہ کو الگ کرنے والی برہان (دلیل) تمہاری طرف نازل ہو چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور، صاف روشنی، پورا اجالا اتار دیا ہے جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں، اس سے مضبوط رابطہ کر لیں، اس کی سرکار میں ملازمت کر لیں، مقام عبودیت اور مقام توکل میں قائم ہو جائیں، تمام امور اسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان اللہ پر لائیں اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کی کتاب کو تھام لیں، ان پر اللہ اپنا رحم کرے گا اور اپنا فضل ان پر نازل فرمائے گا، نعمتوں اور سرور والی جنت میں انہیں لے جائے گا، ان کے ثواب بڑھا دے گا، ان کے درجے بلند کر دے گا اور انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی اور صاف راہ دکھائے گا، جو کہیں سے ٹیڑھی نہیں،

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ
لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ
يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ
فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً
فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ٢٤ ٥

تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں' تو کہہ کہ اللہ خود تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے' اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو' پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا' اور اگر کئی شخص اس ناتے کے ہیں' مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے' اللہ تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو تم بہک جاؤ۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ○

کہیں سے تنگ نہیں۔ گویا وہ مومن دنیا میں صراط مستقیم پر ہوتا ہے اور راہ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راہ جنت پر اور راہ سلامتی پر ہوتا ہے۔

شروع تفسیر میں ایک پوری حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمان رسولؐ ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ اور اللہ کی مضبوط رسی قرآن کریم ہے۔

عصبہ اور کلالہ کی وضاحت! مسائل وراثت: ☆☆ (آیت:۱۷۶) حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ برات اتری ہے اور آیتوں میں سب سے آخری آیت یَسْتَفْتُوْنَكَ اتری ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' "میں اپنی بیماری میں بیہوش پڑا تھا جو اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے' آپ نے وضو کیا اور وہی پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا' حضورؐ وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں' میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی (بخاری و مسلم)

اور روایت میں بھی اسی آیت کا اترنا آیا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ لفظ کلالہ ماخوذ ہے اکلیل سے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں' اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں' جیسے کہ آیت میں ہے وَلَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو مسائل مشکل پڑے تھے' ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا' تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی کہ رسول اللہ ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے۔ دادا کی میراث' کلالہ اور سود کے ابواب۔ اور روایت میں ہے' آپؓ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضورؐ سے کئے' اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے یہاں تک کہ آپ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے' جو سورہ نساء کے آخر میں ہے۔ اور حدیث میں ہے' اگر میں نے حضورؐ سے مزید اطمینان کر لیا ہوتا تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ حضورؐ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں نازل ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضورؐ نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس میں کفایت بتلائی تھی' اب فاروق اعظمؓ اس کے معنی پوچھنے بھول گئے جس پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ جناب فاروقؓ نے حضورؐ سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا' پس فرمایا "کیا اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا"۔ پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں' جو آیت سورۂ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے' وہ ولد و والد کے لئے ہے اور دوسری آیت میاں بیوی کے لئے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لئے اور جس آیت سے سورۂ نساء کو ختم کیا ہے' وہ سگے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں شمار ہوتا ہے (ابن جریر) اس آیت کے معنی هلك کے معنی ہیں مر گیا' جیسے فرمان ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ الخ' یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذات اللہ کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی ہر ایک جو اس پر ہے' فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال و اکرام والا ہے۔

پھر فرمایا اس کا ولد نہ ہو' اس سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ ہو' وہ کلالہ ہے' بروایت ابن جریر حضرت عمرؓ بن خطاب سے بھی یہی مروی ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ بھی

یہی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ ولد ہو نہ والد اور اس کی دلالت آیت میں اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو فرمایا وَلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کے لئے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی اجماعاً نہیں ملتا' پس ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ تو نص سے ثابت ہے۔ اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد' اس لئے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مرگئی ہے۔ اس کا خاوند ہے اور ایک سگی بہن ہے تو آپ نے فرمایا' آدھا بہن کو دے دو اور آدھا خاوند کو' جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا (احمد)۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابن جریر میں منقول ہے کہ ان دونوں کا فتویٰ اس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے' یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی' اسے کچھ بھی نہ ملے گا اس لئے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا بہ سبب فرض کے اور آدھا بہن کو ملے گا بہ سبب عصبہ ہونے کے۔ ابراہیم اسود کہتے ہیں' ہم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو۔ پھر فرمایا ذرا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی ہو آؤ۔ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے لیکن جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا اور حضرت ابوموسیٰ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہ رہے گا۔ سنو میں اس میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو تو دو ثلث پورے ہو گئے اور جو باقی بچا وہ بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابوموسیٰ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا' جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں' مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔

پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو' یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جبکہ وہ کلالہ مرے یعنی اسکی اولاد اور باپ نہ ہو' اس لئے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصے والا اور وارث ہو جیسے خاوند یا ماں جایا بھائی تو اسے اس کا حصہ دے دیا جائے گا اور باقی کا وارث بھائی ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' فرائض کو ان کے اہل سے ملا دو' پھر جو باقی بچے' وہ اس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ پھر فرماتا ہے' اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ثلث ملیں گے۔ یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے' یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔ پھر فرماتا ہے' اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے' یہی حکم عصبات کا ہے خواہ لڑکے ہوں یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں' جب کہ ان میں مرد عورت دونوں موجود ہوں۔ تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اتنا ایک مرد کو۔ اللہ اپنے فرائض بیان فرما رہا ہے' اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے' اپنی شریعت واضح کر رہا ہے تاکہ تم بہک نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت سے دانا' بندوں کی بھلائی برائی کا جاننے والا' مستحق کے استحقاق کو پہچاننے والا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضورؐ اور صحابہؓ کہیں جا رہے تھے۔ سفر میں تھے۔ حذیفہؓ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے کے پاس تھا اور حضرت عمرؓ کی سواری کا سر حذیفہ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اتری۔ پس حضورؐ نے حضرت حذیفہؓ کو سنائی اور حضرت حذیفہؓ نے

حضرت فاروق اعظمؓ کو۔ اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا، تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو، اس لئے کہ جیسے مجھے حضورؐ نے سنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سنا دی، واللہ میں تو اس پر کچھ زیادتی نہیں کر سکتا، پس حضرت فاروقؓ فرمایا کرتے تھے، الٰہی گو تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوبارہ یہ سوال اپنی خلافت کے زمانے میں کیا تھا اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لیکن چونکہ حضرت کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی، اس لئے اپنی صاحبزادی زوجہ رسولؐ حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔

چنانچہ حضرت حفصہؓ نے ایک روز ایسا ہی موقعہ پا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے، جب حضورؐ نے یہ فرما دیا تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم پر جب حضرت حفصہؓ نے سوال کیا تو آپ نے ایک کنگھے پر یہ آیت لکھوا دی، پھر فرمایا، کیا عمرؓ نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے، کیا انہیں گرمی کی وہ آیت جو سورۂ نساء میں ہے، کافی نہیں؟ وہ آیت وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً ہے۔ پھر جب لوگوں نے حضورؐ سے سوال کیا تو وہ آیت اتری جو سورۂ نساء کے خاتمہ پر ہے اور کنگھی پھینک دی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے کنگھے کے ایک ٹکڑے کو لے کر فرمایا، میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے، اسی وقت گھر میں سے ایک سانپ نکل آیا اور سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے، پس آپ نے فرمایا، اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

مستدرک حاکم میں ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، کاش میں تین مسئلے رسول مقبول ﷺ سے دریافت کر لیتا تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔ ایک تو یہ کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے تو قائل ہوں لیکن کہیں کہ ہم تجھے ادا نہیں کریں گے، ان سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ اور حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سودی مسائل کا بیان ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، حضرت عمرؓ کے آخری وقت میں نے آپ سے سنا، فرماتے تھے، قول وہی ہے جو میں نے کہا، تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ اور روایت میں ہے، حضرت فاروقؓ فرماتے ہیں، میرے اور حضرت صدیقؓ کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا، حضرت عمرؓ نے سگے بھائیوں اور ماں زاد بھائیوں کو جبکہ وہ جمع ہوں، ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلیفۃ المومنین جناب فاروقؓ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثے اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھہرے رہے اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو تو اسے جاری کر دے۔ پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اس رقعہ کو منگوا کر مٹا دیا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ اس میں کیا تحریر تھا۔ پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا۔ پھر میرا خیال یہی ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریر میں ہے، میں اس بارے میں ابوبکرؓ کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں اور ابوبکرؓ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد و والد نہ ہو۔ اور اسی پر جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین ہیں اور یہی چاروں اماموں اور ساتوں فقیہوں کا مذہب ہے اور اسی پر دلالت ہے قرآن کریم کی۔ جیسے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ نے اسے واضح کر کے فرمایا، اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، واللہ اعلم۔ الحمدللہ سورہ نساء کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

truemaslak@inbox.com

فِیہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ

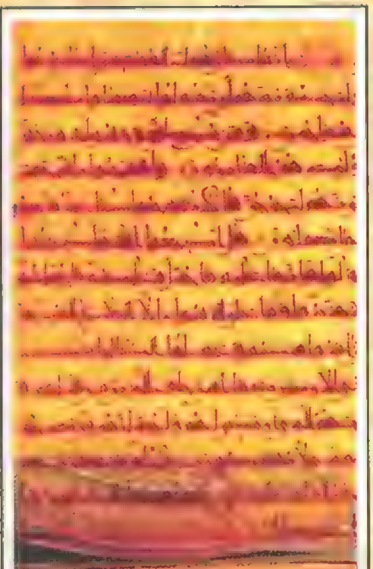

اچھی کتب کے مطالعے کے ساتھ
اپنے دِل اور
رُوح کی دُنیا کو
آباد کریں

- آپ کی زندگی کا رُخ بدل دینے والی کتب
- تحقیق وطباعت کے بہترین معیار کے ساتھ
- نامور مصنّفین آپ کے قدم بقدم
- تفاسیر احادیث سیرۃ النّبی فتاوی اور مختلف موضوعات پر بہت سی کتب

مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ ● غزنی سٹریٹ ● اردو بازار ● لاہور پاکستان
Ph: 042-7351124,7230585
Email: qadusia@brain.net.pk

کتب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور

تفسیر ابن کثیرؒ

راس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ

انا انزلنه فی لیلة القدر ۝ وما ادرىك ما لیلة القدر ۝ لیلة القدر خیر من الف شهر

مكتبة قدوسية

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

”یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف لائیں“

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد دوم

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق اشاعت محفوظ ہیں

اشاعت ——— 2006

اہتمام طباعت

ابوبکر قدوسی

مکتبہ قدوسیہ

رحمان مارکیٹ ● غزنی سٹریٹ ● اردو بازار ● لاہور پاکستان

قدوسیہ اسلامک پریس

Ph:042-7230585-7351124
Email: qadusia@brain.net.pk
www.quddusia.com

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۶

چند اہم مضامین کی فہرست

ایک بے دلیل روایت اور وفائے عہد کی تاکید	۶
حلال وحرام کی وضاحتیں	۱۲
شکاری کتے اور شکار	۲۳
ذبیحہ کس نام اور کن ہاتھوں کا حلال ہے؟	۲۸
وضو اور غسل کے احکامات	۳۱
''اسلام'' زبان سے عہد اور ''ایمان'' عمل سے اطاعت اس عہد کا اظہار ہے	۴۰
عہد شکن لوگ؟ اور امام مہدی کون؟	۴۳
علمی بددیانتی	۴۶
اللہ وحدہ لاشریک ہے	۴۶
محمد ﷺ مطلقاً خاتم الانبیاء ہیں!	۴۸
تسلسل انبیاء نسل انسانی پہ اللہ کی رحمت ہے	۵۰
حسد وبغض سے ممانعت	۵۶
ایک بے گناہ شخص کا قتل تمام انسانوں کا قتل	۶۱
فساد اور قتل وغارت	۶۲
تقویٰ قربت الٰہی کی بنیاد ہے	۶۷
احکامات جرم وسزا	۶۹
جھوٹ سننے اور کہنے کے عادی لوگ	۷۲
قتل کے بدلے تقاضائے عدل ہے	۷۷
باطل کے غلام لوگ	۸۰
قرآن ایک مستقل شریعت ہے	۸۱
دشمن اسلام سے دوستی منع ہے	۸۴
قوت اسلام اور مرتدین	۸۶
اذان اور دشمنان دین	۸۸
بدترین گروہ اور اس کا انجام	۸۹
بخل سے بچو اور فضول خرچی سے ہاتھ روکو	۹۱
نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا نہیں	۹۴
آخری رسول پر ایمان اولین شرط ہے	۹۷
سیاہ عمل یہود اور نصاریٰ	۹۷
خود ساختہ معبود بنانا ناقابل معافی جرم ہے	۹۸
معبودان باطل	۱۰۰
امر معروف سے گریز کا انجام	۱۰۱
یہودیوں کا تاریخی کردار	۱۰۳

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۷

چند اہم مضامین کی فہرست

- ایمان والوں کی پہچان ۱۰۶
- راہبانیت (خانقاہ نشینی) اسلام میں ممنوع ہے ۱۰۷
- غیر ارادی قسمیں اور کفارہ ۱۱۰
- پانسہ بازی' جوا اور شراب ۱۱۲
- حرمت شراب کی مزید وضاحت ۱۱۳
- احرام میں شکار کے مسائل کی تفصیلات ۱۱۸
- طعام اور شکار میں فرق اور حلال و حرام کی مزید تشریحات ۱۲۳
- رزق حلال کم ہو تو برکت' حرام زیادہ بھی ہو تو بے برکت ۱۲۷
- بتوں کے نام کئے ہوئے جانوروں کے نام؟ ۱۳۰
- اپنی اصلاح آپ کرو ۱۳۲
- معتبر گواہی کی شرائط ۱۳۴
- روز قیامت انبیاء سے سوال ۱۳۶
- حضرت عیسیٰ کے معجزات ۱۳۷
- بنی اسرائیل کی ناشکری اور عذاب الٰہی ۱۳۸
- روز قیامت نصاریٰ کی شرمندگی ۱۴۳
- موحدین کے لیے خوش خبریاں ۱۴۶
- اللہ کی بعض صفات ۱۴۸
- کفار کو نافرمانی پر سخت انتباہ ۱۴۹
- انسانوں میں سے ہی رسول اللہ کا عظیم احسان ہے ۱۵۰
- ہر چیز کا مالک اللہ ہے ۱۵۱
- قرآن حکیم کا باغی جہنم کا ایندھن ۱۵۳
- قیامت کے دن مشرکوں کا حشر ۱۵۵
- کفار کا واویلا مگر سب بے سود ۱۵۷
- پشیمانی مگر جہنم دیکھ کر! ۱۵۸
- حق کے دشمن کو اس کے حال پہ چھوڑ یئے' آپ ﷺ سچے ہیں ۱۵۸
- معجزات کے عدم اظہار کی حکمت ۱۶۱
- سخت لوگ اور کثرت دولت ۱۶۳
- محروم اور کامران کون؟ ۱۶۵
- مسلمانو! طبقاتی عصبیت سے بچو ۱۶۶
- نیک و بد کی وضاحت کے بعد؟ ۱۷۰
- نیند موت کی چھوٹی بہن ۱۷۳
- احسان فراموش نہ بنو ۱۷۵
- غلط تاویلیں کرنے والوں سے نہ ملو ۱۷۸
- اسلام کے سوا سب راستوں کی منزل جہنم ہے ۱۸۰
- ابراہیم علیہ السلام اور آزر میں مکالمہ ۱۸۷
- مشرکین کا توحید سے فرار ۱۹۱
- خلیل الرحمٰن کو بشارت اولاد ۱۹۳
- تمام رسول انسان ہی ہیں ۱۹۷
- مغضوب لوگ ۱۹۸
- اس کی حیرت ناک قدرت ۲۰۰
- قدرت کی نشانیاں ۲۰۲
- شیطانی وعدے دھوکہ ہیں ۲۰۳
- اللہ بے مثال ہے وحدہ لاشریک ہے ۲۰۴
- ہماری آنکھیں اور اللہ جل شانہ ۲۰۴
- ہدایت و شفا قرآن و حدیث میں ہے ۲۰۶
- وحی کے مطابق عمل کرو ۲۰۷
- سودا بازی نہیں ہوگی ۲۰۷
- معجزوں کے طالب لوگ ۲۰۸

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۸

چند اہم مضامین کی فہرست

- ہر نبی کو ایذا دی گئی ۲۱۲
- اللہ کے فیصلے اٹل ہیں ۲۱۴
- صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال باقی سب حرام ۲۱۶
- سدھائے ہوئے کتوں کا شکار ۲۱۶
- مومن اور کافر کا تقابل جائزہ ۲۱۹
- بستیوں کے رئیس گمراہ ہو جائیں تو تباہی کی علامت ہوتے ہیں ۲۲۰
- جس پر اللہ کا کرم اس پہ راہ ہدایت آسان ۲۲۲
- قرآن حکیم ہی صراط مستقیم کی تشریح ہے ۲۲۳
- یوم حشر ۲۲۴
- سب سے بے نیاز اللہ ۲۲۷
- بدعت کا آغاز ۲۲۸
- نذر نیاز ۲۲۹
- اولاد کے قاتل ۲۳۰
- مسائل زکوٰۃ اور عشر مظاہر قدرت ۲۳۰
- خود ساختہ حلال و حرام جہالت کا ثمر ہے ۲۳۳
- اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال و حرام ۲۳۴
- مشرک ہو یا کافر توبہ کر لے تو معاف! ۲۳۶
- نبی اکرم ﷺ کی وصیتیں ۲۳۸
- یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ۲۴۱
- شیطانی راہیں فرقہ سازی ۲۴۱
- قیامت اور بے بسی ۲۴۵
- اہل بدعت گمراہ ہیں ۲۴۷
- جھوٹے معبود غلط سہارے ۲۵۱
- اللہ کی رحمت اللہ کے غضب پر غالب ہے ۲۵۲
- سابقہ باغیوں کی بستیوں کے کھنڈرات باعث عبرت ہیں ۲۵۴
- ابلیس آدم علیہ السلام اور نسل آدم ۲۵۷
- ابلیس کا طریقہ واردات اس کی اپنی زبانی ۲۵۹
- اللہ تعالیٰ کے نافرمان جہنم کا ایندھن ہیں ۲۶۰
- پہلا امتحان اور اسی میں لغزش اور اس کا انجام ۲۶۱
- سفر ارضی کے بارہ میں یہودی روایات ۲۶۲
- لباس اور داڑھی جمال و جلال ۲۶۳
- ابلیس سے بچنے کی تاکید ۲۶۴
- جہالت اور طواف کعبہ ۲۶۴
- برہنہ ہو کر طواف ممنوع قرار دے دیا گیا ۲۶۶
- موت کی ساعت طے شدہ ہے---اور اٹل ہے ۲۶۸
- اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے ۲۶۹
- کفار کی گردنوں میں طوق ۲۷۰
- بدکاروں کی روحیں دھتکاری جاتی ہیں ۲۷۱
- اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل انسانی بس میں ہے! ۲۷۳
- جنتیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ ۲۷۵
- جنت اور جہنم میں دیوار اور اعراف والے ۲۷۶
- کفر کے ستون اور ان کا حشر ۲۷۸
- آخری حقیقت جنت اور دوزخ کا مشاہدہ ۲۸۱
- تمام مظاہر قدرت اس کی شان کے مظہر ہیں ۲۸۴
- نوح علیہ السلام پر کیا گزری؟ ۲۸۷
- ہود علیہ السلام اور ان کا رویہ! ۲۸۸
- قوم عاد کا باغیانہ رویہ ۲۸۹
- ثمود کی قوم اور اس کا عبرت ناک انجام ۲۹۲
- صالح علیہ السلام ہلاکت کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں ۲۹۲
- لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم ۲۹۷
- خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام ۲۹۹
- قوم شعیب کی بداعمالیاں ۳۰۰

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۹

چند اہم مضامین کی فہرست

- شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی ۳۰۲
- عوام کی فطرت ۳۰۳
- گناہوں میں ڈوبے لوگ؟ ۳۰۵
- عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا ۳۰۶
- نابکار لوگوں کا تذکرہ---انبیاء اور مومنین پر نظر کرم ۳۰۸
- موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ۳۰۸
- عصائے موسیٰ اور فرعون ۳۰۸
- درباریوں کا مشورہ ۳۰۹
- جادوگروں سے مقابلہ ۳۱۰
- جادوگر سجدہ ریز ہوگئے ۳۱۱
- فرعون سیخ پا ہوگیا ۳۱۱
- آخری حربہ بغاوت کا الزام ۳۱۳
- انجام سرکشی ۳۱۷
- احسانات پہ احسانات ۳۱۹
- انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ ۳۲۲
- بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا ۳۲۴
- موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی ۳۲۵
- النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ ۳۳۵
- انبیاء کا قاتل گروہ ۳۳۷
- اصحاب سبت ۳۴۰
- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت ورسوائی ۳۴۲
- رشوت خوری کا انجام ذلت ورسوائی ہے ۳۴۳
- بلعم بن باعورا ۳۴۸
- اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ۳۵۲
- امت محمد ﷺ کے اوصاف ۳۵۴
- سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے ۳۵۵
- صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی ۳۵۵
- قیامت کب اور کس وقت؟ ۳۵۶
- نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا ۳۵۹
- ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم ۳۶۰
- انسان کا المیہ خودساز خدا اور اللہ سے دوری ہے ۳۶۲
- جو اللہ سے ڈرتا ہے شیطان اس سے ڈرتا ہے ۳۶۶
- سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے ۳۶۸
- سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۳۶۸
- اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے ۳۷۰
- ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان ۳۷۵
- شمع رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں ۳۷۷
- سب سے پہلا غزوہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ ۳۸۰
- تائید الٰہی کے بعد فتح وکامرانی ۳۸۴
- شہیدان وفا کے قصے ۳۸۶
- اللہ کی مدد ہی وجہ کامرانی ہے ۳۸۸
- ایمان والوں کا معین ومددگار اللہ عز اسمہ ۳۹۰
- اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق ۳۹۱
- دل رب کی انگلیوں میں ہیں ۳۹۱
- برائیوں سے نہ روکنا عذاب الٰہی کا سبب ہے ۳۹۳
- اہل ایمان پر اللہ کے احسانات ۳۹۴
- اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو ۳۹۵
- دنیا وآخرت کی سعادت مندی ۳۹۶
- رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش ۳۹۷
- عذاب الٰہی نہ آنے کا سبب: اللہ کے رسول اور استغفار ۳۹۹
- شکست خوردہ کفار کی سازشیں ۴۰۳
- فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو ۴۰۴

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

پارہ نمبر
۱۰

- مال غنیمت کی تقسیم کا بیان ۴۱۰
- اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے ذریعے ایمان کو کفر سے ممتاز کر دیا ۴۱۴
- جہاد کے وقت کثرت سے اللہ کا ذکر ۴۱۷
- میدان بدر میں ابلیس مشرکین کا ہمراہی تھا ۴۱۸
- کفار کے لیے سکرات موت کا وقت بڑا شدید ہے ۴۲۲
- اللہ ظالم نہیں' لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ۴۲۳
- زمین کی بدترین مخلوق وعدہ خلاف کفار ہیں ۴۲۳
- کفار کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہو ۴۲۴
- ایک غازی دس کفار پہ بھاری ۴۲۸
- اسیرانِ بدر اور مشورہ ۴۲۹
- مجاہدین بدر کی شان ۴۳۳
- دو مختلف مذہب والے آپس میں دوست نہیں ہو سکتے ۴۳۵
- مہاجر اور انصار میں وحدت ۴۳۵
- جہاد اور حرمت والے مہینے ۴۴۱
- پابندی عہد کی شرائط ۴۴۳
- جہاد ہی راہ اصلاح ہے ۴۴۴
- وعدہ خلاف قوم کو دندان شکن جواب دو ۴۴۵
- ظالموں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچاؤ ۴۴۵
- سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں جہاد ہے ۴۴۸
- ترک موالات و مودت کا حکم ۴۵۰
- نصرت الٰہی کا ذکر ۴۵۱
- مشرکین کو حدود حرم سے نکال دو ۴۵۵
- بزرگ بڑے نہیں اللہ جل شانہ سب سے بڑا ہے ۴۵۷
- احترام آدمیت کا منشور ۴۶۵
- احکامات دین میں ردوبدل انتہائی مذموم سوچ ہے ۴۶۹
- غزوہ تبوک اور جہاد سے گریزاں لوگوں کو انبیاء ۴۷۱
- جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے ۴۷۳
- عیار لوگوں کو بے نقاب کر دو ۴۷۴
- نہ ادھر کے نہ ادھر کے ۴۷۵
- غلط گو غلط کار کفار و منافق ۴۷۶
- فتنہ و فساد کی آگ منافق ۴۷۷
- جد بن قیس جیسے بدتمیزوں کا حشر ۴۷۷
- بدفطرت لوگوں کا دوغلا پن ۴۷۸
- شہادت ملی تو جنت، بچ گئے تو غازی ۴۷۸
- کثرت مال و دولت عذاب بھی ہے ۴۷۹
- جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی حقیقت ۴۸۰
- مال و دولت کے حریص منافق ۴۸۰
- نکتہ چین منافقوں کا مقصد ۴۸۲
- نادان اور کوڑھ مغز کون؟ ۴۸۴
- مسلمان باہم گفتگو میں محتاط رہا کریں ۴۸۵
- ایک کے ہاتھ نیکیوں کے کھیت دوسرے ہاتھ برائیوں کی وبا ۴۸۶
- بدکاروں کے ماضی سے عبرت حاصل کرو ۴۸۸
- مسلمان ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں ۴۸۹
- مومنوں کو نیکیوں کے انعامات ۴۸۹
- دعا قبول ہوئی تو اپنا عہد بھول گیا ۴۹۵
- منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز ۴۹۶
- منافق کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت ہے ۴۹۸
- جہنم کی آگ کالی ہے ۴۹۸
- منافقوں کا جنازہ ۵۰۰
- منافق کی آخرت خراب ۵۰۳
- عدم جہاد کے شرعی عذر ۵۰۳

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۱۱

چند اہم مضامین کی فہرست

- فاسق اور چوہے کی مماثلت ۵۰۸
- دیہات' صحرا اور شہر ہر جگہ انسانی فطرت یکساں ہے ۵۰۹
- دعاؤں کے طلبگار متبع ہیں' مبتدع نہیں ۵۱۰
- سابقوں کو بشارت ۵۱۰
- تساہل اور سستی سے بچو ۵۱۳
- صدقہ مال کا تزکیہ ہے ۵۱۴
- ایک قصہ ایک عبرت' مسجد قرار ۵۱۶
- مومنین کی صفات ۵۲۲
- مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی نبی اکرمؐ کو ممانعت ۵۲۳
- تپتے صحرا' شدت کی پیاس اور مجاہدین سرگرم سفر ۵۲۷
- غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کو تنبیہہ ۵۳۳
- مجاہدین کے اعمال کا بہترین بدلہ قربت الٰہی ۵۳۳
- اسلامی مرکز کا استحکام اولین اصول ہے ۵۳۴
- فرمان الٰہی میں شک وشبہ کفر کا مرض ہے ۵۳۶
- رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہیں ۵۳۷
- عقل زدہ کافر اور رسول اللہ ﷺ ۵۴۰
- تخلیق کائنات کی قرآن روداد ۵۴۰
- قیامت کا عمل اسی تخلیق کا اعادہ ہے ۵۴۱
- اللہ عزوجل کی عظمت وقدرت کے ثبوت مظاہر کائنات ۵۴۱
- کفار کی بدترین حجتیں ۵۴۵
- شرک کے آغاز کی روداد ۵۴۸
- احسان فراموش انسان ۵۵۰
- دنیا اور اس کی حقیقت ۵۵۱
- عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ۵۵۲
- اللہ کی الوہیت کے منکر ۵۵۵
- مصنوعی معبودوں کی حقیقت ۵۵۶
- اعجاز قرآن حکیم ۵۵۶
- مشرکین سے اجتناب فرمایئے ۵۵۸
- اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ ہے ۵۵۹
- مٹی ہونے کے بعد جینا کیسا ہے؟ ۵۶۱
- خالص کل عالم کل ہے ۵۶۱
- رسول کریم ﷺ کے منصب عظیم کا تذکرہ ۵۶۲
- بغیر شرعی دلیل کے حلال وحرام کی مذمت ۵۶۲
- اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے ۵۶۴
- اولیاء اللہ کا تعارف ۵۶۵
- خوابوں کے بارے میں ۵۶۵
- عزت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے ۵۶۷
- ساری مخلوق صرف اس کی ملکیت ہے ۵۶۷
- نوح علیہ السلام کی قوم کا کردار ۵۶۸
- سلسلہ رسالت کا تذکرہ ۵۶۹
- موسیٰ علیہ السلام بمقابلہ فرعونی ساحرین ۵۷۱
- بزدلی ایمان کے درمیان دیوار بن گئی ۵۷۲
- اللہ پہ مکمل بھروسہ ایمان کی روح ہے ۵۷۳
- قوم فرعون سے بنی اسرائیل کی نجات ۵۷۳
- بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات ۵۷۷
- ٹھوس دلائل کے باوجود انکار قابل مذمت ہے ۵۷۸
- اللہ کی حکمت سے کوئی آگاہ نہیں ۵۸۰
- دعوت غور وفکر ۵۸۰
- دین حنیف کی وضاحت ۵۸۱
- نافرمان کا اپنا نقصان ہے ۵۸۲
- تعارف قرآن حکیم ۵۸۳
- اللہ اندھیروں کی چادروں میں موجود ہر چیز کو دیکھتا ہے ۵۸۴

تفسیر ابن کثیر

۱۲
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- ہر مخلوق کا روزی رساں اللہ ۵۸۶
- تخلیق کائنات کا تذکرہ ۵۸۶
- انسان کا نفسیاتی تجزیہ ۵۸۸
- ریا ہر نیکی کے لیے زہر ہے ۵۹۰
- مومن کون ہیں؟ ۵۹۱
- عقل و ہوش اور ایمان والے لوگ ۵۹۴
- آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلا نبی؟ ۵۹۵
- دعوت حق سب کے لیے یکساں ہے ۵۹۷
- میرا پیغام اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے ۵۹۷
- قوم نوحؑ کا مانگا ہوا عذاب اسے ملا ۵۹۸
- نوحؑ کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب ۶۰۴
- طوفان نوحؑ کا آخری منظر ۶۰۵
- یہ تاریخ ماضی وحی کے ذریعہ بیان کی گئی ۶۰۶
- قوم ہودؑ کی تاریخ ۶۰۶
- قوم ہودؑ کے مطالبات ۶۰۷
- ہود علیہ السلام کا قوم کو جواب ۶۰۸
- صالح علیہ السلام اور ان کی قوم میں مکالمات ۶۰۹
- ابراہیم علیہ السلام کو بشارت اولاد اور فرشتوں سے گفتگو ۶۱۰
- حضرت ابراہیمؑ کی بردباری اور سفارش ۶۱۲
- حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کا نزول ۶۱۳
- لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے ۶۱۴
- اہل مدین کی جانب حضرت شعیبؑ کی آمد ۶۱۶
- پرانے معبودوں سے دستبرداری سے انکار ۶۱۷
- قوم مدین کا جواب اور اللہ کا عتاب ۶۱۹
- قبطی قوم کا سردار فرعون اور موسیٰ علیہ السلام ۶۲۰
- عذاب یافتہ لوگوں کی چیخیں ۶۲۲
- انبیاء کے فرماں بردار اور جنت ۶۲۳
- مشرکوں کا حشر ۶۲۳
- استقامت کی ہدایت ۶۲۴
- اوقات نماز کی نشاندہی ۶۲۴
- نیکی کی دعوت دینے والے چند لوگ ۶۲۷
- ذکر ماضی تمہارے لیے سامان سکون ۶۲۸
- تعارف قرآن بزبان اللہ الرحمان ۶۲۹
- بہترین قصہ حضرت یوسف علیہ السلام ۶۳۱
- یعقوب علیہ السلام کی تعبیر اور ہدایات ۶۳۲
- بشارت اور نصیحت بھی ۶۳۳
- یوسف علیہ السلام کے خاندان کا تعارف ۶۳۳
- بڑے بھائی کی رائے پر اتفاق ۶۳۴
- بھائی اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گئے ۶۳۵
- کنویں سے بازار مصر تک ۶۳۷
- بازار مصر سے شاہی محل تک ۶۳۹
- زلیخا کی بدنیتی سے الزام تک ۶۴۰
- یوسف علیہ السلام کے تقدس کا سبب ۶۴۰
- الزام کی مدافعت اور بچے کی گواہی ۶۴۲
- داستان عشق اور حسینان مصر ۶۴۳
- جیل خانہ اور یوسف علیہ السلام ۶۴۶
- جیل خانہ میں بادشاہ کے باورچی اور ساقی سے ملاقات ۶۴۶
- جیل خانہ میں خوابوں کی تعبیر کا سلسلہ اور تبلیغ توحید ۶۴۷
- خواب اور اس کی تعبیر ۶۴۹
- تعبیر بتا کر بادشاہ وقت کو اپنی یاد دہانی کی تاکید ۶۵۰
- شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں حضرت یوسفؑ تک رسائی ۶۵۰
- تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا حضرت یوسفؑ کو وزارت سونپنا ۶۵۲

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱۳

چند اہم مضامین کی فہرست

- دعوت وحدانیت ۶۷۸
- رسول اور نبی صرف مرد ہی ہوئے ہیں ۶۷۸
- جب مخالفت عروج پر ہو ۶۷۹
- عبرت ونصیحت ۶۸۱
- عالم سفلی کے انواع واقسام ۶۸۴
- عقل کے اندھے ضدی لوگ ۶۸۵
- منکرین قیامت ۶۸۵
- اعتراض برائے اعتراض ۶۸۶
- علم الٰہی ۶۸۶
- سب پہ محیط علم ۶۸۸
- بجلی کی گرج ۶۹۰
- دعوت حق ۶۹۲
- عظمت وسطوت الٰہی ۶۹۲
- اندھیرا اور روشنی ۶۹۳
- باطل بے ثبات ہے ۶۹۴
- ذوالقرنین ۶۹۵
- ایک موازنہ ۶۹۶
- منافق کا نفسیاتی تجزیہ ۶۹۶
- بروج وبالا خانے ۶۹۷
- مومنین کی صفات ۶۹۸
- مسئلہ رزق ۶۹۹
- مشرکین کے اعتراض ۶۹۹
- رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی ۷۰۲
- قرآن حکیم کی صفات جلیلہ ۷۰۳
- سچائی کا مذاق اڑانا آج بھی جاری ہے ۷۰۴
- عالم خیر وشر ۷۰۵
- کافر موت مانگیں گے ۷۰۶
- شاداں وفرحاں لوگ ۷۰۷
- ہر کام کا وقت مقرر ہے ۷۰۸
- آپ ﷺ کے انتقال کے بعد ۷۱۰
- کافروں کے شرمناک کارنامے ۷۱۱
- رسالت کے منکر ۷۱۱
- ہر قوم کی اپنی زبان میں رسول ۷۱۴
- اولاد کا قاتل ۷۱۵
- کفار اور انبیاء میں مکالمات ۷۱۷
- آل لوط ۷۱۸
- بے سود اعمال ۷۲۰
- حیات ثانیہ ۷۲۱
- چٹیل میدان اور مخلوقات ۷۲۱
- طوطا چشم دشمن شیطان ۷۲۳
- لا الہ الا اللہ کی شہادت ۷۲۴
- قبر کا عذاب ۷۲۷
- منافقین قریش ۷۳۳
- احسان اور احسن سلوک ۷۳۴
- سب کچھ تمہارا مطیع ہے ۷۳۵
- حرمت وعظمت کا مالک شہر ۷۳۶
- دوسری دعا ۷۳۷
- مناجات ۷۳۸
- عذاب دیکھنے کے بعد ۷۳۹
- انبیاء کی مدد ۷۴۰
- جکڑے ہوئے مفسد انسان ۷۴۲
- تمام انسان اور جن پابند اطاعت ہیں ۷۴۳

تفسیر ابن کثیر

۱۴
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- سرکش ومتکبر ہلاک ہوں گے ۷۴۷
- ستارے اور شیاطین ۷۴۹
- اللہ تعالیٰ کے خزانے ۷۵۰
- ابلیس لعین کا انکار ۷۵۲
- جنت میں کوئی بغض وکینہ نہ رہے گا ۷۵۴
- قوم لوط کی خرمستیاں ۷۵۸
- آل ہود کا عبرتناک انجام ۷۵۸
- اصحاب ایکہ کا المناک انجام ۷۵۹
- آل ثمود کی تباہیاں ۷۵۹
- نبی اکرم ﷺ کو تسلیاں ۷۶۰
- قرآن عظیم سبع مثانی اور ایک لازوال دولت ۷۶۰
- انبیاء کی تکذیب عذاب الٰہی کا سبب ہے ۷۶۲
- روز قیامت ایک ایک چیز کا سوال ہوگا ۷۶۳
- رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا عبرتناک انجام ۷۶۳
- یقین کا مفہوم ۷۶۴
- وحی کیا ہے؟ ۷۶۶
- چوپائے اور انسان ۷۶۷
- تقویٰ بہترین زادراہ ہے ۷۶۹
- سورج چاند کی گردش میں پوشیدہ فوائد ۷۷۰
- اللہ خالق کل ۷۷۲
- قرآن حکیم کے ارشادات کو دیرینہ کہنا کفر کی علامت ہے ۷۷۳
- نمرود کا تذکرہ ۷۷۴
- مشرکین کی جان کنی کا عالم ۷۷۵
- اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۷۷۹
- دین کی پاسبانی میں ہجرت ۷۷۹
- انسان اور منصب رسالت پر اختلاف ۷۸۰
- اللہ عزوجل کا غضب ۷۸۱
- عرش سے فرش تک ۷۸۲
- ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے ۷۸۳
- باز پرس لازمی ہوگی ۷۸۴
- وہ بندوں کو مہلت دیتا ہے ۷۸۵
- شیطان کے دوست ۷۸۶
- بہترین دعا ۷۸۹
- مشرکین کی جہالت کا ایک انداز ۷۹۰
- بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ۷۹۰
- توحید کی تاکید ۷۹۱
- مومن اور کافر میں فرق ۷۹۲
- ہر امت کا گواہ اس کا نبی ۷۹۶
- کتاب مبین ۷۹۸
- عہد وپیمان کی حفاظت ۸۰۰
- کتاب وسنت کے فرماں بردار ۸۰۲
- آعوذ کا مقصد ۸۰۳
- سب سے زیادہ منزلت ورفعت ۸۰۴
- صبر واستقامت ۸۰۸
- اللہ کی عظیم نعمت بعثت نبویؐ ہے ۸۰۹
- حلال وحرام صرف اللہ کی طرف سے ہیں ۸۱۰
- دوسروں سے منسوب ہر چیز حرام ہے ۸۱۱
- جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت کے امام ۸۱۱
- حکمت سے مراد کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ہے ۸۱۳
- قصاص اور حصول قصاص ۸۱۴
- ملائکہ اور مجاہدین ۸۱۵

تفسیر سورة المائده

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئی تھی جو آپ پر سورۂ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ سفر میں تھے، وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور اس پر سے اتر گئے (مسند احمد) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورت جو حضورؐ پر اتری وہ سورۂ اِذَا جَآءَ نَصرُ اللّٰہِ ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے، حضرت جبیر بن نفیرؒ فرماتے ہیں، میں حج کے لئے گیا۔ وہاں حضرت اماں عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا، تم سورۂ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں، فرمایا، سنو سب سے آخری یہی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ، حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ، حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے اماں محترمہؓ سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضورؐ کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے۔ یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَـكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۱﴾

رحمت و رحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اے ایمان والو عہد و پیمان پورے کیا کرو، تمہارے لئے مویشی چوپائے حلال کئے جاتے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ سنا دیئے جائیں گے مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا، یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے ○

ایک بے دلیل روایت اور وفائے عہد کی تاکید: ☆☆ (آیت:۱) ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا! آپ مجھے خاص نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا ”جب تو قرآن میں لفظ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا سن تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جا' کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہو گا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہو گی۔“ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں ”جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے' اس حکم میں نبی ﷺ بھی شامل ہیں“ حضرت فیثمہؒ فرماتے ہیں کہ تورات میں بجائے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کے یٰٓاَیُّھَا الْمَسَاکِیْنُ ہے۔ ایک روایت ابن عباسؓ کے نام سے بیان کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں لفظ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ہے' ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علیؓ ہیں' اصحاب رسول میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے' بجز حضرت علی بن ابوطالبؓ کے کہ انہیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا' یاد رہے کہ یہ اثر بالکل بے دلیل ہے۔ اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے' اس کی روایت منکر ہے۔ میں کہتا ہوں' اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بزیمہ گو ثقہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا شیعہ ہے۔ پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو' کیسے قبول کی جا سکے گی؟ یقیناً وہ اس میں ناقابل قبول ٹھہرے گا' اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام صحابہؓ کو بجز حضرت علیؓ کے ڈانٹا گیا' اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا' پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علیؓ ہی نے کیا اور پھر یہ فرمان اترا کہ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا الخ' لیکن یہ غلط ہے کہ اس آیت میں صحابہؓ کو ڈانٹا گیا' بلکہ دراصل یہ حکم بطور وجوب کے تھا ہی نہیں' اختیاری امر تھا۔ پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا۔ پس حقیقتاً کسی سے اس کے خلاف عمل سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورۂ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہؓ کو ڈانٹا گیا ہے جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا' دراصل سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باقی تمام صحابہؓ کا مشورہ یہی تھا۔ پس یہ ڈانٹ بجز حضرت عمرؓ کے باقی سب کو ہے۔ جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ پس یہ تمام باتیں کھلی دلیل ہیں اس امر کی کہ یہ اثر بالکل ضعیف اور بودا ہے' واللہ اعلم۔

ابن جریر میں حضرت محمد بن سلمہؒ فرماتے ہیں' جو کتاب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں نجران بھیجا تھا' اس کتاب کو میں نے ابوبکر بن حزم کے پاس دیکھا تھا اور اسے پڑھا تھا' اس میں اللہ اور رسول کے بہت سے احکام تھے اس میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ تک بھی لکھا ہوا تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزمؓ کے پوتے حضرت ابوبکر بن محمدؒ نے فرمایا' ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی یہ کتاب ہے جو آپؐ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے کے لئے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا' اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی' اس میں عہد و پیمان اور حکم احکام کا بیان ہے۔ اس میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد لکھا ہے یہ کتاب ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے' اے ایمان والو وعدوں کو اور عہد و پیمان کو پورا کرو' یہ عہد محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کے لئے ہے جبکہ انہیں یمن بھیجا۔ انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان' خلوص اور نیکی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ”عقود سے مراد عہد ہیں۔“ ابن جریر اس پر اجماع بتلاتے ہیں خواہ قسمیہ عہد و پیمان ہو یا اور وعدے ہوں' سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی

مروی ہے کہ "عہد کو پورا کرنے میں اللہ کے حلال کو حلال جاننا' اس کے حرام کو حرام جاننا' اس کے فرائض کی پابندی کرنا' اس کی حد بندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے' کسی بات کا خلاف نہ کرو' حد کو نہ توڑو' کسی حرام کام کو نہ کرو' اس پر سختی بہت ہے۔ پڑھو آیت وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ کو سُوْٓءُ الدَّارِ تک۔" حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں "اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حلال کو' اس کے حرام کو' اس کے وعدوں کو' جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آ جاتے ہیں پورا کرنا اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ فرائض کی پابندی' حلال حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ" حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں "یہ چھ عہد ہیں' اللہ کا عہد' آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد' شرکت کا عہد' تجارت کا عہد' نکاح کا عہد اور قسمیہ وعدہ" ۔ محمد بن کعبؒ کہتے ہیں "پانچ ہیں جن میں جاہلیت کے زمانہ کی قسمیں ہیں اور شرکت تجارت کے عہد و پیمان ہیں' جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں' وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں۔" امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "خرید فروخت کرنے والوں کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں" صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ "جب دو شخصوں نے خرید فروخت کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے' یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید و فروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے' پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے' مویشی چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں یعنی اونٹ' گائے' بکری۔ ابو الحسنؒ' قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں "عرب میں ان کی لغت کے مطابق بھی یہی ہے" حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو وہ مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابو داؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اونٹنی' گائے' بکری ذبح کی جاتی ہے' ان کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھا لیں یا پھینک دیں۔ آپ نے فرمایا "اگر چاہو کھا لو' اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔" امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ ابو داؤد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں "پیٹ کے اندر والے بچے کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔"

پھر فرماتا ہے مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "اس سے مطلب مردار' خون اور خنزیر کا گوشت ہے۔" حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں "مراد اس سے از خود مرا ہوا جانور اور وہ جانور ہے جس کے ذبیح پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو" پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ کا فرمان حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ہے یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر منسوب و مشہور کی جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے' اور جو کسی ضرب سے مر جائے' اور جو اونچی جگہ سے گر کر مر جائے' اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے اور جسے درندہ کھانے لگے' پس یہ بھی گو مویشیوں چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں' اسی لئے اس کے بعد فرمایا' لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔ جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے' وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اس میں سے کوئی چیز حلال نہیں' اسی لئے اس سے استدراک نہیں کیا گیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا'

پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال ہیں لیکن وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ جو بعض احوال میں حرام ہیں' اس کے بعد کا جملہ حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔ مراد انعام سے عام ہے۔ بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں جیسے اونٹ' گائے' بکری اور بعض وہ جو جنگلی ہیں جیسے ہرن' نیل گائے اور جنگلی گدھے۔ پس پالتو جانوروں میں سے تو ان کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے ''ہم نے تمہارے لئے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں۔ پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں' اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے' اللہ وہ حکم فرماتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا
الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ
تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ نہ ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پٹے والے جانوروں کی جو کعبے کو جا رہے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں۔ ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو' جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا' ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گذر جاؤ۔ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو' گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہا کرو' بے شبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ○

(آیت:۲) ایماندارو! رب کے نشانوں کی توہین نہ کرو یعنی مناسک حج' صفا' مروہ' قربانی کے جانور' اونٹ اور اللہ کی حرام کردہ ہر چیز' حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرو' ان کا ادب کرو' ان کا لحاظ رکھو' ان کی عظمت کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی نافرمانیوں سے بچو۔ اور ان مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو۔ جیسے ارشاد ہے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اے نبی لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا گناہ ہے۔ اور آیت میں ہے' مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ''زمانہ گھوم گھام کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے' جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔ تین تو پے در پے ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جسے قبیلہ مضر رجب کہتا ہے جو جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان ہے۔'' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔

آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ ان ''مہینوں میں لڑائی کرنا حلال نہ کر لیا کرو۔'' لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

ہے فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گذر جانا ہے' جب وہ چار مہینے گذر چکے جو اس وقت تھے تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا بلکہ امام ابو جعفرؒ تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا' ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے'' آپ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اجماع ہے کہ ''اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تب بھی اس کے لئے امن وامان نہ سمجھی جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو۔'' اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ هَدۡی اور قَلَآئِد کی بے حرمتی بھی مت کرو۔ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنے سے باز نہ رہو کیونکہ اس میں اللہ کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لئے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجو' ان کے گلے میں بطور نشان پٹا ڈالنے سے بھی نہ رکو تا کہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور اللہ کے لئے اللہ کی راہ کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے گا بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی اس طرح اللہ کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں تمہیں اس کی نیکی پر بھی اجر ملے گا کیونکہ جو شخص ہدایت کی طرف دوسروں کو بلائے' اسے بھی وہ اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔

آنحضرت ﷺ جب حج کے لئے نکلے تو آپ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گذاری' صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے' پھر غسل کر کے خوشبو ملی اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے لئے آپ نے بہت خوش رنگ' مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اوپر اپنے ساتھ لئے تھے' جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص اللہ کے احکام کی تعظیم کرے' اس کا دل تقوے والا ہے۔ بعض سلف کا فرمان ہے کہ ''تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے۔'' حضرت علی بن ابو طالبؓ فرماتے ہیں ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں'' (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں ''جاہلیت کے زمانے میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں اور اون کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے' اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پیٹتے نہ تھے۔''

حضرت ابن عباسؓ سے بروایت حضرت مجاہدؒ مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں'' آیت قلائد اور یہ آیت فَاِنۡ جَآءُوۡكَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ لیکن حضرت حسنؒ سے جب سوال ہوتا ہے کہ ''کیا اس سورت میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے؟'' تو آپ فرماتے ہیں ''نہیں''۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ ''وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے انہیں امن ملتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرما دیا۔'' پھر فرماتا ہے ''جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں' ان سے لڑائی مت لڑو۔ یہاں جو آئے' وہ امن میں پہنچ گیا' پس جو اس کے قصد سے چلا ہے' اس کی نیت اللہ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضامندی کی جستجو ہے۔ تو اب اسے ڈر' خوف میں نہ رکھو' اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو۔'' بعض کا قول ہے کہ ''اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مراد تجارت ہے۔'' جیسے اس آیت میں ہے لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ رضوان سے مراد حج کرنے میں اللہ کی مرضی کو تلاش کرنا ہے۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں ''یہ آیت حطیم بن ہند بکری کے

بارے میں نازل ہوئی ہے' اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آ رہا تھا تو بعض صحابہؓ کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔' امام ابن جریرؒ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ ''جو مشرک مسلمانوں کی امان لیے ہوئے نہ ہو تو گو وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے' اسے قتل کرنا جائز ہے' یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لئے جا رہا ہے اور شرک و کفر کے ارادے سے قصد کرتا ہو تو اسے روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' پہلے مومن و مشرک سب حج کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت تھی کہ کسی مومن کافر کو نہ روکو لیکن اس کے بعد یہ آیت اتری کہ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں اور وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں گے۔ اور فرمان ہے مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ یعنی مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں۔ اور فرمان ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ''وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَا آمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ'' منسوخ ہے' جاہلیت کے زمانہ میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا' پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا۔ اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے' تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں' پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔'' ابن جریرؒ کا قول ہے کہ ''قلائد سے مراد یہی ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے۔ عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آ رہی تھی اور جو اس کا خلاف کرتا تھا' اسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کی ہجو کرتے تھے''۔ پھر فرماتا ہے ''جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو''۔ احرام میں شکار کی ممانعت تھی اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہوگئی جو حکم ممانعت کے بعد ہو' اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے اصل میں تھا یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو ممانعت کے بعد کا امر بھی وجوب کے لئے ہوگا اور اسی طرح مستحب و مباح کے بارے میں۔ گو بعض نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے' صرف مباح ہونے کے لئے ہی ہوتا ہے لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں۔ پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں' وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور بعض علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تمہیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر اللہ کے حکم سے آگے بڑھ کر ظلم و زیادتی پر نہ اتر آنا بلکہ تمہیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اسی طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے ''تمہیں کسی قسم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو' عدل ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے''۔ بعض سلف کا قول ہے کہ گو کوئی تجھ سے تیرے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہئے کہ تو اس کے بارے میں اللہ کی فرمانبرداری ہی کرے۔ عدل ہی کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہے۔'' حضورؐ کو اور آپ کے اصحابؓ کو جبکہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا' اسی رنج و غم میں صحابہؓ واپس آ رہے تھے۔ جو مشرقی مشرک مکہ جاتے ہوئے انہیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہوں نے ہمیں روکا' ہم بھی انہیں ان تک نہ جانے دیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ شنان کے معنی بغض کے ہیں بعض عرب اسے شنان بھی کہتے ہیں

لیکن کسی قاری کی یہ قرات مروی نہیں، ہاں عربی شعروں میں شنتان بھی آیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے، بر کہتے ہیں نیکیوں کے کرنے کو اور تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کے چھوڑنے کو۔ اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے کو۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں، جس کام کے کرنے کا اللہ کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے، یہ اثم ہے اور دین میں جو حدیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں، جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری نے مقرر فرمائے ہیں، ان سے آگے نکل جانا عُدْوَان ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے ''اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو'' تو حضورؐ سے سوال ہوا کہ ''یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کرنا ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟'' فرمایا ''اسے ظلم نہ کرنے دو، ظلم سے روک لو، یہی اس وقت اس کی مدد ہے''۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے ''جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور دین کے حوالے سے ان کی ایذاؤں پر صبر کرے، وہ ان مسلمانوں سے بڑے اجر والا ہے جو نہ لوگوں سے ملے جلے، نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے''۔

مسند بزار میں ہے اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ یعنی ''جو شخص کسی بھلی بات کی دوسرے کو ہدایت کرے، وہ اس بھلائی کے کرنے والے جیسا ہی ہے'' امام ابوبکر بزارؒ اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے''۔ لیکن میں کہتا ہوں اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے، اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں گے اور اس کی تابعداری کریں گے لیکن ان کے ثواب میں سے گھٹا کر نہیں اور جو شخص کسی برائی کی طرف بلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے، ان سب کو جو گناہ ہوگا، وہ سارا اس اکیلے کو ہوگا۔ لیکن ان کے گناہ گھٹا کر نہیں۔ طبرانی میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تاکہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے، وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے''۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ
لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ
اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ
تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ
مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳

تم پر مردار حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچے سے گر کر مرا ہو اور جو کسی ٹکر سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اگر اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں، اور جو پرستش گاہوں پر چڑھایا گیا ہو، تم پر حرام کیا جاتا

ہے۔ قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنا، یہ سب بدترین گناہ ہیں۔ آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہوگئے۔ خبردار تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہا کرنا، آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تمہیں اپنا انعام بھرپور دے دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہوگیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے ○

حلال وحرام کی وضاحتیں: ☆☆ (آیت:۳) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے ’’جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے، یہ خبر ان چیزوں کے نہ کھانے کے حکم میں شامل ہے‘‘ میتہ وہ ہے جو از خود اپنے آپ مر جائے، نہ تو اسے ذبح کیا جائے، نہ شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لئے حرام کیا گیا کہ اس کا وہ خون جو مضر ہے، اسی میں رہ جاتا ہے۔ ذبح کرنے سے تو بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کے لیے مضر ہے، ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر مچھلی نہیں۔ کیونکہ موطا مالک، مسند شافعی، مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ اور اسی طرح ٹڈی بھی گو خود ہی مر گئی ہو، حلال ہے۔ اس کی دلیل کی حدیث آ رہی ہے۔

دم سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں ہاں، لوگوں نے کہا وہ تو خون ہے، آپ نے فرمایا، ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت ذبح بہا ہو۔ حضرت عائشہؓ بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے۔ امام شافعیؒ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہمارے لئے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی۔ یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی میں بھی بروایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مروی ہے اور یہ ضعیف ہیں، حافظ بیہقی فرماتے ہیں ’’عبدالرحمان کے ساتھ ہی اسے اسماعیل بن ادریس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے۔‘‘ سلیمان بن بلالؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ ہیں بھی ثقہ لیکن اس روایت کو بعضوں نے ابن عمرؓ پر موقوف رکھا ہے۔

حافظ ابوزرعہ رازیؒ فرماتے ہیں، زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت سدی بن عجلانؓ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں۔ میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہوگیا، اتفاقاً ایک روز وہ ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آ بیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے، آؤ سدی تم بھی کھا لو، میں نے کہا۔ تم غضب کر رہے ہو۔ میں تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس کا کھانا ہم سب پر حرام کرتے ہیں تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہوگئے اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ الخ، پڑھ کر سنا دی، یہ روایت ابن مردویہ میں بھی ہے۔ اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے، ایک دن جبکہ میں سخت پیاسا ہوا اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے، تھوڑا سا پانی پلا دو، لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا، بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے، میں غمناک ہو کر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کمبل منہ پر ڈال اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا، اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لئے ہوئے اور اس میں بہترین خوش ذائقہ مزیدار پینے کی چیز لئے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا، وہیں آنکھ کھل گئی تو اللہ کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج

تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف ہی نہیں ہوئی' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پیاس ہی نہیں لگی- یہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے' تمہارا مہمان بن کر آیا ہے' اتنی بے رخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی ہم اسے نہ دیں- چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے- میں نے کہا' اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں' مجھے میرے رب نے کھلا پلا دیا' یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا' اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے-

اعشٰی نے اپنے قصیدے میں کیا ہی خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب بھی نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر' صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کر ' لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو' لفظ لَحْم شامل ہے اس کے تمام اجزا کو جس میں چربی بھی داخل ہے- پس ظاہریہ کی طرح تکلفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں' کہ وہ دوسری آیت میں سے فَاِنَّهٗ رِجْسٌ لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں آ جائیں- درحقیقت یہ لغت سے بعید ہے- مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں' صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے- صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو- لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے-

صحیح مسلم کی حدیث ہے ''شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت وخون میں رنگنے والا ہے- خیال کیجئے کہ صرف چھونا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے' پھر کھانے کے بے حد برا ہونے میں کیا شک رہا؟'' اور اس میں دلالت ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو خواہ چربی ہو خواہ اور- صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی ہے' تو پوچھا گیا کہ ''یا رسول اللہ مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟'' وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے' کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے- آپ نے فرمایا ''نہیں! نہیں! وہ حرام ہے-'' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابوسفیان نے ہرقل سے کہا ''وہ (نبیؐ) ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے-'' وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے- اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کر دیا کہ وہ اسی کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے' پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے' خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا' ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے' خواہ جان بوجھ کر خواہ بھولے چوکے سے' وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورہ انعام میں آئے گا- حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں ''حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہیں' کسی وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) اور اللہ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز- البتہ بنو اسرائیل کے گناہگاروں کے گناہوں کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں- پھر حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ وہ دوبارہ حلال کر دی گئیں لیکن بنو اسرائیل نے آپ کو سچا نہ جانا اور آپ کی مخالفت کی'' (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے-

حضرت علیؓ جب کوفے کے حاکم تھے' اس وقت ابن نائل نامی قبیلہ بنو رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا' فرزوق کے دادا غالب کے مقابل ہوا اور یہ ٹھہری کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کی کوچیں کاٹیں گے' چنانچہ کوفے کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھاوے' سناوے اور فخریہ ریا کاری کے لئے دونوں اس میں مشغول ہو گئے- کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آنے لگے- اتنے میں جناب علی مرتضیٰؓ رسول کریم ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو یہ گوشت نہ کھانا- یہ جانور ما اهل بها

لغیر اللہ میں شامل ہیں- (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے- ہاں اس کی صحت کی شاہد وہ حدیث ہے جو ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کوچیں کاٹنے سے ممانعت فرما دی، پھر ابو داؤدؒ نے فرمایا کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباسؓ پر وقف کیا ہے- ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرما دیا جو آپس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں- مُنْخَنِقَة جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے عمداً گلا گھونٹ کر گلا مروڑ کر اسے مار ڈالا ہو، خواہ ازخود اس کا گلا گھٹ گیا ہو مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا، پھندا گلے میں آ پڑا اور کھنچ کھنچاؤ کرتا ہوا مر گیا- پس یہ حرام ہے- مَوْقُوْذَةٌ وہ ہے جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی، لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھاری دار نہیں اور اسی سے وہ مر گیا، تو وہ بھی حرام ہے- جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو لٹھ سے مار ڈالتے، پھر کھاتے، قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتلایا-

صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے، اسے نہ کھا- پس آپ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس میں جسے چوڑائی کی جانب سے لگا ہو، فرق کیا- اول کو حلال اور دوسرے کو حرام- فقہا کے نزدیک بھی یہ مسئلہ متفقہ ہے- ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام- امام شافعیؒ کے اس میں دونوں قول ہیں، ایک تو حرام ہونا اوپر والی حدیث کو سامنے رکھ کر، دوسرے حلال کرنا کتے کے شکار کی حلت کو مدنظر رکھ کر- اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو-

(فصل) علماء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا، زخمی نہیں کیا تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں- ایک تو یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں، تم انہیں کھا سکتے ہو- اسی طرح حضرت عدیؓ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں- امام شافعیؒ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کی صحت کی ہے، جیسے نوویؒ اور رافعیؒ مگر میں کہتا ہوں کہ گو یوں کہا جاتا ہے لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا- ملاحظہ ہو کتاب الام اور مختصراً ان دونوں میں جو کلام ہے، وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے- پس دونوں فریقوں نے اس کی توجیہہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا- ہم تو بصد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے- گو ان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں اور نہ کسی کی مضبوط رائے۔

ابن الصباغ نے امام ابوحنیفہؒ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا- اور امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال پائے نہیں جاتے- یہ صرف اپنا تصرف ہے- واللہ اعلم- دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے، مزنیؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ابن صباغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے، واللہ اعلم- اور اسی کو روایت کیا ہے ابو یوسفؒ اور محمد بن ابوحنیفہؒ نے اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ٹھیک ہونے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے- واللہ اعلم- اس لئے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے- ابن الصباغ نے

حضرت رافع بن خدیج کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ ہم کل دشمنوں سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا، جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ کا نام ذکر کیا جائے، اسے کھا لیا کرو (بخاری و مسلم) یہ حدیث گو ایک خاص موقعہ کے لئے ہے لیکن حکم عام الفاظ کا ہو گا، جیسے کہ جمہور علماء اصول و فروع کا فرمان ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ تبع جو شہد کی نبیذ سے ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔

پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا، اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص صورت سے ذبح کرنے کا ہے لیکن جواب کے الفاظ اسی اور اس کے سوا کی عام صورتوں کو شامل ہیں، اللہ کے رسولؐ کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت، اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجئے کہ کتے کے صدمے سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ یا تھپڑ کی وجہ سے، جس شکار کا دم نکل جائے، ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا، پس اس حدیث کے مفہوم کی بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا، ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں، اس لئے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا۔ ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا جس سے ذبح کیا جائے۔ اسی لئے حضورؐ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ کی دلالت جنس مستثنیٰ منہ پر ہوا کرتی ہے ورنہ متصل نہیں مانا جا سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح کا ہی تھا تو اب کوئی دلالت تمہارے قول پر باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کے جواب کے جملے کو دیکھو۔ آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر نام اللہ بھی لیا گیا ہو، اسے کھا لو۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔ ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے جو دانت اور ناخن کے سوا ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے۔ دوسرا مسلک جو مزنیؒ کا ہے، وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آ چکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے تو نہ کھاؤ اور اگر اس نے اپنی دھار اور انی سے زخم کیا ہے، پھر مرا ہے تو کھا لو۔ اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں۔ پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہو گا گو سبب جداگانہ ہوں۔ جیسے کہ ظہار کے وقت آزادگی گردن جو مطلق ہے، محمول کی جاتی ہے۔ قتل کی آزادگی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بہت بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدے کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجہ اپنے ثقل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ تیر جب اپنی چوڑائی سے لگ کر شکار کو مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا کیونکہ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے۔ جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے۔ یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک رکھیں، اس کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے، یہ عام ہے، شامل ہے اسے بھی جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی، لیکن جس صورت میں اس وقت بحث ہے، وہ یا تو

ٹکر لگا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا گلا گھونٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں، بہر صورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہوگی- اولاً تو یہ کہ شارع نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے- کیونکہ حضرت عدی بن حاتمؓ سے اللہ کے رسولؐ نے یہی فرمایا، اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہے، اسے نہ کھاؤ- جہاں تک ہمارا علم ہے، ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مرا ہوا تو شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکر لگا ہوا معتبر نہ ہو- پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے، اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہوگا، جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع بتلاتے ہیں-

دوسرے یہ کہ آیت فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں- تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ مقدم ہوتا ہے عموم غیر محفوظ پر- ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گذار کر لیجئے کہ اس طرح کا شکار میتۃ کے حکم میں ہے، پس جس وجہ سے مردار حرام ہے، وہی وجہ یہاں بھی ہے تو یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں- ایک اور وجہ بھی سنئے کہ حرمت کی آیت حُرِّمَتْ الخ، بالکل محکم ہے، اس میں کسی طرح نسخ کا دخل نہیں، نہ کوئی تخصیص ہوئی ہے، ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہئے- یعنی فرمان باری تعالیٰ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے حلال کیا ہے- تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں- جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہئے- پس حدیث کو اس کے بیان کے لئے سمجھنا چاہئے اور اسی کی شہادت تیر کا واقعہ دیتا ہے، جس میں یہ بیان ہے کہ اس آیت میں یہ صورت واضح طور پر داخل ہے یعنی جبکہ وہ انی اور دھار تیزی کی طرف سے زخم کرے تو جانور حلال ہوگا، کیونکہ وہ طیبات میں آ گیا- ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان آ گیا کہ آیت تحریم میں کون سی صورت داخل ہے- یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی کی چوٹ سے ہوئی ہے، وہ حرام ہو گیا جسے کھایا نہ جائے گا- اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ آیت تحریم کا ایک فرد ہے، ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ، زور بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح ہے یا فطیح یعنی ٹکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں، ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے- اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی تفصیل بیان کر دی جاتی اور فرما دیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے، زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام- اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے- اس کی عادت یہ نہیں بلکہ عادت تو یہ ہے کہ اپنے پنجوں یا کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے، بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے، اس لئے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کا حکم بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں میتۃ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر ہے، تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لئے الگ بیان کر دیا کہ وہ عموماً خطا کر جاتا ہے بالخصوص اس شخص کے ہاتھ سے جو قادر تیر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہو، اس لئے اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرما دیئے- واللہ اعلم- دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کئے ہوئے شکار میں سے کچھ کھا لے، اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھا لے تو تم اسے نہ کھاؤ- ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لئے ہی شکار کو روکا ہو- یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھا لے، اس کا کھانا حلال نہیں-

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ سے یہی حکایت کیا جاتا ہے- حضرت حسنؒ، شعبیؒ اور نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ابو

حنیفہؒ اور ان کے دونوں اصحاب، اور احمد بن حنبلؒ اور مشہور روایت میں شافعیؒ بھی گئے ہیں- ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں علی، سعد، سلمان، ابو ہریرہ، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تاہم اسے کھا لینا جائز ہے بلکہ حضرت سعیدؓ حضرت سلمانؓ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ تو فرماتے ہیں، گو کتا آدھوں آدھ کھا گیا ہو تاہم اس شکار کا کھا لینا جائز ہے- امام مالکؒ اور شافعیؒ بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے کہ امام ابو منصور بن صباغ وغیرہ نے کہا ہے- ابوداؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھا لے، گو اس نے بھی اس میں سے کھا لیا ہو اور کھا لے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے'' نسائی میں بھی یہ روایت ہے- تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا، اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھا لیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے- اس میں اتنی علت ہے کہ یہ موقوفاً حضرت سلمانؓ کے قول سے مروی ہے، جمہور نے عدیؓ والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابو عجلہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتلایا ہے- بعض علماء کرام نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کتے نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا، جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھا لیا- اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھا لے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہتا کہ شاید کتا ابھی شکار کا سدھا ہوا نہیں، ممکن ہے اس نے اپنے لئے ہی شکار کیا ہو، بخلاف اس کے کہ کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے لئے ہی شکار دبوچا ہے- واللہ اعلم- اب رہے شکاری پرند تو امام شافعیؒ نے صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں- تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھا لیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے، ہاں مزنیؒ کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھا لیا ہو تاہم وہ حرام نہیں- یہی مذہب ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کا ہے- اس لئے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے کھائے نہیں، تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لئے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے، پرندوں کے بارے میں نہیں- شیخ ابو علی افصاح میں فرماتے ہیں، جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں سے شکاری کتے نے کھا لیا ہو تو جس شکار میں سے شکاری پرند کھا لے، اس میں دو وجوہات ہیں- لیکن قاضی ابو الطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے- کیونکہ امام شافعیؒ نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے- واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم-

مُتَرَدِّيَةُ وہ ہے جو پہاڑی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو، وہ جانور بھی حرام ہے- ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں- قتادہؒ فرماتے ہیں، یہ وہ ہے جو کنویں میں گر پڑے، نَطِيحَه وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے، گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو، بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا، یہ لفظ معنی میں مفعول یعنی منطوحہ کے ہے، یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیر تے کے آتا ہے جیسے عَيْنٌ كَحِيْلٌ اور كَفٌّ خَضِيْبٌ ان مواقع میں كَحِيْلَةٌ اور خَضِيْبَةٌ نہیں کہتے، اس جگہ تے اس لئے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے، جیسے عرب کا یہ کلام طَرِيْقَةٌ طَوِيْلَةٌ- بعض نحوی کہتے ہیں، تاء تانیث یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہو جائے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے- مَآ اَكَلَ السَّبُعُ سے مراد وہ جانور ہے جس پر شیر، بھیڑیا، چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے، اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگرچہ ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو تاہم وہ جانور بالا جماع حرام ہے- اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھا لیا کرتے تھے- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا- پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر

لو یعنی گلا گھونٹا ہوا' لٹھ مارا ہوا' اوپر سے گر پڑا ہو' سینگ اور ٹکر لگا ہو' درندوں کا کھایا ہو' اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ نام اللہ لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانور تمہارے لئے حلال ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ' سعید بن جبیرؒ' حسنؒ' اور سدیؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پالو کہ چھری پھیرتے ہوئے وہ دم رگڑیں یا پیر ہلائیں یا آنکھوں کے ڈھیلے پھرائیں تو بیشک ذبح کر کے کھا لو۔ ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گرا پڑا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤس' حسن' قتادہ' عبید بن عمیر' ضحاک اور بہت سے حضرات رحمھم اللہ سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی آنتیں نکل آئیں' فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے۔ اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہوگا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے تو میری رائے میں نہ کھانی چاہئے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں' سائل نے کہا درندے نے اس پر حملہ کیا اور کود کر اسے پکڑ لیا جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھائی جائے۔ یہ ہے امام مالکؒ کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے' اس لئے امام صاحب نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے' ان پر کوئی خاص دلیل چاہئے' واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ ''حضورؐ ہم کل دشمن سے لڑائی میں باہم ٹکرانے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں۔ کیا ہم بانس سے ذبح کر لیں؟'' آپؐ نے فرمایا ''جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے' اسے کھا لو' سوائے دانت اور ناخن کے' یہ اس لئے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔'' مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ ''ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے میں ہی ہوتا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے'' یہ حدیث ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہوں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ پرستش گاہیں کعبہ کے اردگرد تھیں۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں' ''یہ تین سو ساٹھ بت تھے' جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا' اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت کو ان بتوں پر بطور چڑھاوے چڑھاتے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا۔ اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک نے اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے اور اسی لائق ہے۔ اور اس جملہ سے بھی مطلب یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائے جائیں۔

آزلام سے تقسیم کرنا حرام ہے' یہ جاہلیت کے عرب میں دستور تھا انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے' ایک پر لکھا ہوا تھا افعل یعنی کر' دوسرے پر لکھا ہوا تھا لاتفعل یعنی نہ کر' تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں' ایک پر لکھا تھا' مجھے میرے رب کا حکم ہے' دوسرے پر لکھا تھا' مجھے میرے رب کی ممانعت ہے' تیسرا خالی تھا۔ اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے' اگر حکم ''کر'' نکلا تو اس کام کو کرتے۔ اگر ممانعت کا تیر نکلا تو باز آ جاتے۔ اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ

اندازی کرتے۔ ازلام جمع ہے زلم کی اور بعض زلم بھی کہتے ہیں۔ استسقام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے۔ قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنوئیں پر نصب تھا، جس کنویں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے، اس بت کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ جس کام میں اختلاف پڑتا، یہ قریشی یہاں آ کر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اس پر جو لکھا پاتے، اسی کے مطابق عمل کرتے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مجسمے گڑے ہوئے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپؐ نے فرمایا، اللہ انہیں غارت کرے، انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم جب نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینے کو جا رہے تھے تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی۔ اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا کہ تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا، میں پھر نہ مانا۔ تیسری مرتبہ فال لینے کے لئے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی تیر نکلا لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کے لئے آپؐ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا، اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا، یہ حضورؐ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے اللہ نے اسلام سے مشرف فرمایا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پا سکتا جو کہانت کرے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے" حضرت مجاہدؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعہ اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لئے مگر ان سے جوا بھی گاہے بگاہے کھیل لیا کرتے۔ واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے اور فرمایا ہے "ایمان والو! شراب، جوا، بت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں، تم ان سے الگ رہو تا کہ تمہیں نجات ملے، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے۔" اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے۔ اس کام کا کرنا فسق، گمراہی، جہالت اور شرک ہے۔ اس کی بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لو۔ اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو، مسند احمد۔

بخاری اور سنن میں مروی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہمیں رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ مَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاقْدِرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بڑے فضل کا طالب ہوں۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں۔ تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں۔ تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے۔ اے میرے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا میں آغاز

وانجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے تو تو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے میرے لئے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا کی زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر و برکت جہاں کہیں ہو مقرر کر دے پھر مجھے اسی سے راضی و رضامند کر دے۔ دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ هٰذَا الْاَمْرَ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے مثلاً نکاح ہو تو هٰذَا النِّکَاحَ سفر میں ہو تو هٰذَا السَّفَرَ بیوپار میں ہو تو هٰذَا التِّجَارَةَ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ سے اَمْرِیْ تک کی بجائے یہ الفاظ ہیں خَيْرٌ لِّیْ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط ملط کر سکیں یعنی اپنے دین کو تمہارے دین میں شامل کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے۔“ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے مل جل کر رہیں کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا۔ اسی لئے حکم الٰہی ہو رہا ہے کہ مومن صبر کریں ثابت قدم رہیں اور سوا اللہ کے کسی سے نہ ڈریں کفار کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں اللہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا اور دنیا و آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ ”میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل مکمل کر دیا تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں نہ اس نبیؑ کے سوا اور کسی نبی کی طرف تمہاری حاجت ہے اللہ نے تمہارے نبیؑ کو خاتم النبیین کیا ہے انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں دین وہی ہے جسے یہ مقرر کریں ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں“۔ جیسے فرمان باری ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل والا ہے۔ دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے۔ چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں اس لئے تم بھی اسی پر راضی رہو یہی دین اللہ کا پسندیدہ ہے اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسولؑ کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنے نبیؑ اور مومنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے۔ اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں اسے اللہ نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے والا اس سے اللہ خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اس کے بعد حلال حرام کا کوئی حکم نہیں اترا اس حج سے لوٹ کر اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں ”اس آخری حج میں حضورؐ کے ساتھ میں بھی تھی ہم جا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت جبرئیلؑ کی تجلی ہوئی۔ حضورؐ اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ کے رسولؐ پر اوڑھا دی“۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ ﷺ حیات رہے حج اکبر والے دن جبکہ یہ آیت اتری تو حضرت عمرؓ رونے لگے۔ حضورؐ نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم دین کی تعمیل میں کچھ زیادہ ہی تھے اب وہ کامل ہو گیا اور دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اسی معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور انجان پن سے

شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب انجان ہو جائے گا۔ پس غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔ مسند احمد میں ہے' کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا تم جو اس آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ' کو پڑھتے ہو' اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے' حضرت عمرؓ نے فرمایا' واللہ مجھے علم ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس دن نازل ہوئی۔ عرفے کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے' ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے اور تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجة الوداع والے سال عرفے کا دن جمعہ کو تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا' یہ آیت ہمارے ہاں دوہری عید کے دن نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپؓ نے فرمایا' ہمارے ہاں تو یہ آیت دوہری عید کے دن اتری ہے' عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن شام کو اتری ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفے کو یہ اتری ہے۔ حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں' اس وقت حضورؐ موقف میں کھڑے ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ سے جو مروی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر والے دن ہی مدینے میں تشریف لائے' یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضورؐ پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن نبی بنائے گئے' پیر والے دن ہجرت کے ارادے سے نکلے' پیر کے روز ہی مدینے پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت کئے گئے' حجر اسود بھی پیر کے دن واقع ہوا' اس میں سورہ مائدہ کا پیر کے دن اترنا مذکور نہیں' میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا ہوگا' دو عیدوں کے دن یہ آیت اتری تو دو کے لئے بھی لفظ اثنین ہے اور پیر کے دن کو بھی اثنین کہتے ہیں۔ اس لئے راوی کو شبہ سا ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ دو قول اس میں اور بھی مروی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نامعلوم ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں' اس کا مولیٰ علیؓ ہے گویا ذی الحجہ کی اٹھارویں تاریخ ہوئی جبکہ آپ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں قول صحیح نہیں۔ بالکل صحیح اور بیشک وشبہ قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن جمعہ کو اتری ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب اور امیر المومنین علی بن ابو طالب اور امیر المومنین حضرت امیر معاویہؓ بن ابو سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور اسی کو حضرت شعبی' حضرت قتادہ' حضرت شہیر رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ اور علماء نے کہا ہے۔ یہی مختار قول ابن جریرؒ اور طبریؒ کا ہے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی طرف مجبور و بے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام لا سکتا ہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں توڑی لیکن بے بسی اور اضطرار کے موقعہ پر اس نے یہ کیا ہے تو اللہ اسے معاف فرما دے گا۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا۔ مسند احمد میں ہے' جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصت نہ قبول کرے' اس پر عرفات کے پہاڑ برابر گناہ ہے۔ اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مرا چاہتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح' ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جبکہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے۔ اس کے تفصیلی بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔ اس مسئلہ میں جب بھوکا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے' مردار اور دوسرے کا کھانا اور حالت احرام میں شکار تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھا لے یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کر لے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی

چیز بلا اجازت کھا لے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کر دے؟ اس میں دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ سے دونوں مروی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا ہے، یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطرار، بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو، اس کے لئے مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضورؐ ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ آئے دن ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھا لینا کیا جائز ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''جب صبح شام نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے۔'' اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے۔ ابن عونؒ فرماتے ہیں حضرت حسنؒ کے پاس حضرت سمرہ کی کتاب تھی جسے میں ان کے سامنے پڑھتا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ صبح شام نہ ملنا اضطرار ہے، ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''جب تک کہ تو اپنے بچوں کو دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آ جائے''۔ ایک اعرابی نے حضورؐ سے حلال حرام کا سوال کیا، آپؐ نے جواب دیا کہ کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام۔ ہاں جب کہ ان کی طرف محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے جب تک کہ ان سے غنی نہ ہو جائے، اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ محتاجی کون سی ہے جس میں میرے لئے وہ حرام چیز حلال ہوئے اور وہ غنی ہونا کون سا ہے جس میں مجھے اس سے رک جانا چاہئے؟ فرمایا جبکہ تو صرف رات اپنے بال بچوں کو دودھ سے آسودہ کر سکتا ہو تو تو حرام چیز سے پرہیز کر۔ ابوداؤد میں ہے، حضرت نجیع عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے لئے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اس نے کہا، صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ، آپؐ نے کہا یہی ہے اور کونسی بھوک ہوگی؟ پس اس حالت میں آپ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی تھا، بھوک باقی رہتی تھی۔ اس لئے ان پر مردہ حلال کر دیا گیا تا کہ وہ پیٹ بھر لیا کریں۔ اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے، صرف جان بچ جائے اتنا ہی کھانا جائز ہو، یہ حد ٹھیک نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع اہل و عیال کے آیا اور حرہ میں ٹھہرا، کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ اس نے ان سے کہا، اگر میری اونٹنی تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی اسے مل گئی۔ اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار پڑ گئی تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ ہم بھوکے رہا کرتے ہیں، تم اسے ذبح کر ڈالو لیکن اس نے انکار کر دیا، آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی صاحبہ نے کہا، اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کو ٹکڑے کر کے سکھا لو، ہم بھوکوں کو کام آ جائے گا، اس بزرگ نے جواب دیا، میں تو یہ بھی نہیں کروں گا۔ ہاں اگر اللہ کے نبیؐ اجازت دے دیں تو اور بات ہے، چنانچہ حاضر حضورؐ ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تمہارے پاس اور کچھ کھانے کو ہے جو تمہیں کافی ہو؟ جواب دیا کہ نہیں، آپؐ نے فرمایا، پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے یہ علم ہوا تو اس نے کہا، پھر تم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لی؟ اس بزرگ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ شرم معلوم ہوئی۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بوقت اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق اپنے پاس رکھ لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوا ہے کہ یہ حرام بوقت اضطرار اس کے لئے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو، اس کے لئے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے۔ جیسے سورہ بقرہ میں ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی جو شخص بے قرار کیا جائے سوائے باغی اور حد سے گذرنے والے کے، پس اس پر کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اس آیت

سے یہ بات استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی کسی نافرمانی کا سفر کر رہا ہے' اسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں' اس لئے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا
عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ
فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟ تو کہہ دے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہو کہ تم انہیں تھوڑا بہت وہ سکھاؤ جس کی تعلیم اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے' پس وہ شکار کو تمہارے لئے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اسے کھالو اور اس پر اللہ کا نام ذکر کر لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

شکاری کتے اور شکار: ☆☆ (آیت:۴) چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں' پھر ضرورت کی حالت کے احکامات مخصوص کرائے گئے جیسے فرمان ہے وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل سے تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم حالات کی بناء پر بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں۔ سورۂ اعراف میں آنحضرت ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتمؓ اور یدبن مہلہلؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا' اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔

مقاتلؒ فرماتے ہیں' ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں' امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا' وہ طیبات میں داخل نہیں۔ اور تمہارے لئے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سدھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے۔ جمہور صحابہؓ' تابعینؒ' ائمہؒ وغیرہ کا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شکاری سدھے ہوئے کتے' باز' چیتے' شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جا سکتا ہو۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کر لے' ان کے ذریعہ شکار کھیلنا حلال ہے۔ لیکن حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ پڑھا ہے۔ سعید بن جبیرؒ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدیؒ کا بھی یہی قول ابن جریر میں مروی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں' باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں' اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھالو ورنہ نہ کھاؤ' لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو' اس کا اور شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے۔ ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے۔

امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول مقبول ﷺ سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ''جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھا لے''۔ امام احمدؒ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کر لیا ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں، گدھا، عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابیؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''وہ شیطان ہے''۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔ شکاری حیوانات کو جوارح اس لئے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو، جیسے عرب کہتے ہیں فلان جرح اھله خیرا یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کے لئے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں فلان لا جارح له فلاں شخص کا کوئی کماؤ نہیں، قرآن میں بھی لفظ جرح کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمان ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اور اسے بھی اللہ جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضورؐ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آ کر آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ، جس امت کے قتل کا حکم آپؐ نے دیا ہے، ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپؐ خاموش رہے، اس پر یہ آیت اتری۔ پس آپؐ نے فرمایا ''جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بِسْمِ اللّٰهِ بھی کہے، پھر وہ شکار پکڑ لے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے، یہ کھا لے''۔ ابن جریر میں ہے، جبرائیلؑ نے حضورؐ سے اندر آنے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپؐ نے فرمایا، اے قاصد رب! ہم تو تمہیں اجازت دے چکے، پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا، ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا ہو، اس پر آپؐ نے حضرت رافعؓ کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں، ابو رافعؓ فرماتے ہیں، میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا، ایک بڑھیا کے پاس کتا تھا، جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا، مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آ کر حضورؐ کو خبر دی، آپ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑو، میں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا، اب لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت يَسْئَلُوْنَكَ الخ نازل ہوئی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابو رافعؓ آس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسئلہ دریافت کرنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدیؓ، حضرت سعید بن خیثمہ، حضرت عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہم محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے۔ مُكَلِّبِيْنَ کا لفظ ممکن ہے کہ علمتم کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جوارح یعنی مقتول کا حال ہو۔ یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اور حالانکہ وہ شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہو گا، جیسے کہ امام شافعیؒ کے دونوں قولوں میں سے ایک قول ہے اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لئے فرمایا، تم نے انہیں اس سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ نے تمہیں سکھا رکھا ہے، یعنی جب تم چھوڑو تو جائے، جب تم روک لو تو رک جائے اور شکار پکڑ کر تمہارے لئے روک رکھے تاکہ تم جا کر اسے لے لو، اس نے خود اپنے لئے اسے شکار نہ کیا ہو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لئے شکار کیا ہو اور اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لئے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو، اس پر

اجماع ہے۔

اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' یا رسولؐ اللہ میں اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں' تو آپؐ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھا لے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو' ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملا ہو اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہے' دوسرے کو بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھ کر نہیں چھوڑا' میں نے کہا' میں نوکدار لکڑی سے شکار کھیلتا ہوں' فرمایا' اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کر لے تو کھا لے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے' دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام پڑھ لیا کر' پھر وہ شکار کو تیرے لئے پکڑ رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو تو اسے بھی کھا سکتا ہے اس لئے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے۔ اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اس نے کھا لیا ہو تو پھر اسے نہ کھا۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے لئے شکار نہ پکڑا ہو؟ یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعیؒ کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھا لے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے' ان کے دلائل یہ ہیں۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں' تو کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے تہائی حصہ کھا لیا ہو۔ حضرت سعید بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ گو ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو پھر بھی کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں' جب بِسۡمِ اللّٰہِ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہے تو اسے کھا لے' کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ یہی مروی ہے حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے۔ حضرت عطاؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ زہری ربیعہ اور مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے' اسی کی طرف امام شافعیؒ اپنے پہلے قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے ابن جریرؒ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھا لیا ہو تو جو باقی ہؤا سے وہ کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریرؒ نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمانؓ سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمانؓ کا قول نقل کرتے ہیں' یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں۔

ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے' وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابو ثعلبہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں۔ ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں' وہ تجھ پر حلال ہے' اس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگرچہ کتے نے کھا لیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں' اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے' پوچھا اگر وہ زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا بلکہ وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا' تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھا پی سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے' جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں

سے بھی کھالیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہوا سے بھی تو کھا سکتا ہے۔ ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے' تو اسے کھالے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا اگرچہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو' فرمایا ہاں۔ پھر بھی ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھالیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا ہو تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدیؓ والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابوثعلبہؓ والی حدیث۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح حدیثیں بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ استاذ ابوالمعالی جوینیؒ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس بارہ میں یہ وضاحت کرے تو الحمدللہ یہ وضاحت لوگوں نے کرلی۔

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے۔ وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدیؓ کی حدیث میں ہے اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر پرندا اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مار سے نہیں پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو کھالے۔ ابراہیم' نخعی' شعبی' حماد بن سلیمان رحمھم اللہ یہی کہتے ہیں۔ ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا' جو شکاری جانور یا شکار حاصل کرنے والے خود شکار کرنے والے اور سدھائے ہوئے تمہارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام لے لیا ہوا سے تم کھالو۔ پھر فرمایا' جس کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو' وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے' میں نے کہا گو اسے مار ڈالا ہو؟ فرمایا گو مار ڈالا ہو لیکن یہ شرط ہے کہ کھایا نہ ہو۔ میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں' تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے بھی شکار کیا کرتے ہیں۔ اس میں سے کون سا حلال ہے؟ فرمایا' جو تیر زخمی کرے اور تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا' ہو اسے کھالے' وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتائی اور باز میں نہیں بتائی' پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدیؓ اور حضرت ابوثعلبہؓ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمدؒ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لئے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنا شرط ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ کہہ لے۔ ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابوسلمہ کے ربیبہ کو حضورؐ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے' اپنے سامنے سے کھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا' لوگ ہمارے پاس جو لوگ گوشت لاتے ہیں' وہ نومسلم ہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں؟ آپ نے فرمایا' تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھالو۔ مسند میں ہے کہ حضورؐ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اس میں سے اٹھائے' آپؐ نے فرمایا' اگر یہ بِسۡمِ اللّٰہِ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا' تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھ لیا کرے۔ اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہہ دے بِسۡمِ

اللّٰہِ اَوَّلَہ وَاٰخِرَہٗ' یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ جابر بن صبیح فرماتے ہیں' حضرت مثنیٰ بن عبدالرحمان خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا' ان کی عادت تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہ وَاٰخِرَہٗ' کہہ لیا کرتے اور مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ خالد بن امیہ بن مخشی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ کھانا کھاتا رہتا ہے جس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو' جب کھانے والا اللہ کا نام یاد کرتا ہے تو اسے قے ہو جاتی ہے اور جتنا اس نے کھایا ہے سب نکل جاتا ہے (مسند احمد وغیرہ) اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ کہتے ہیں لیکن ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں' یہ دلیل لینے کے قابل راوی نہیں۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی' جیسے کوئی اسے دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا۔ حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا' آپؐ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا' جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے۔ وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا' پھر وہ اعرابی کے ساتھ آیا' میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے (مسند' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانو نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے' کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ مسند' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا' تو آپؐ نے فرمایا' شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے۔ کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ اس میں اللہ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا
مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ
وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع ۵

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں' ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر ادا کرو اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو نہ بطور علانیہ زنا کاری کے اور نہ بطور پوشیدہ بدکاری کے' منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں ○

ذبیحہ کس نام اور کن ہاتھوں کا حلال ہے؟ ☆☆ (آیت:۵) حلال وحرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں' پھر یہود ونصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ ابوامامہ' مجاہد' سعید بن جبیرؒ عکرمہ' عطاء' حسن' مکحول' ابراہیم' نخعی' سدی' مقاتل بن حیان رحمہم اللہ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے۔ علماء اسلام کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلند وبالا اور پاک ومنزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی۔ میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا' اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا' اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ تینوں مذہب کے فقہا نے مالکیوں پر اپنی سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو' اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو' یہ غلط ہے کیونکہ چربی کو یہودی حرام جانتے ہیں لیکن مسلمان کے لئے حلال ہے لیکن یہ ایک شخص کا انفرادی واقعہ ہے۔ البتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی' انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضورؐ کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضورؐ کو شانے کا گوشت پسند ہے چنانچہ آپؐ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا' مجھ میں زہر ملا ہوا ہے' آپؐ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپؐ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ گیا۔ آپؐ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرورؓ بھی تھے' جو اسی کے اثر سے راہی بقا ہوئے جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا جس کا نام زینب تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضورؐ نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حلال جانتے ہو' اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے' اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال کر دیئے۔ یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام الٰہی نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے تھے بلکہ جس گوشت کو کھاتے تھے' اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے لیکن سامرہ اور صابئہ اور ابراہیم وشیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی ان سے مستثنیٰ تھے جیسے کہ علماء کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب' تنوخ بہرا' جذام لخم' عاملہ کے ایسے اور بھی ہیں کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں' قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ اس لئے کہ انہوں نے تو نصرانیت سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ ہاں سعید بن مسیب اور حسن بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ باقی رہے مجوسی ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود ونصاریٰ میں ملا دیا گیا ہے اور ان کا ہی تابع کر دیا گیا ہے لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا

اوران کے ذبح کئے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے- ہاں ابوثور ابراہیم بن خالد کلبیؒ جو شافعیؒ اور احمدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے اس کے خلاف ہیں' جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی- یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ- ممکن ہے ابوثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہو جس میں حکم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں- دوسرے یہ روایت مرسل ہے- ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ ﷺ نے جزیہ لیا- علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے-

پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو- یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس کی بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھالیں بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہی میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو لیکن زیادہ باوزن بات پہلی ہی ہے یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانور تم کھالیتے ہو- یہ گویا ادل بدل کے طور پر ہے جس طرح حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا کرتا دیا تھا- جب وہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا- ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کسی کو نہ کھلا' اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے' ہوسکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو' واللہ اعلم-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے یہ بطور تمہید کے ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے' ان کی عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے- یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں- یہ قول حضرت مجاہدؒ کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ محصنات سے آزاد مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار- جیسے کہ انہی سے دوسری روایت انہی لفظوں میں موجود ہے- جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہ زیادہ ٹھیک بھی ہے- تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے بطور پر بری رائے پر نہ چل پڑے- پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد عفت ماب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جائیں- جیسے دوسری آیت میں مُحْصَنٰتٍ کے ساتھ ہی غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذِيْ اخدان آیا ہے- علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت پر مشتمل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟

ابن جریرؒ میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محصنات سے مراد پاک دامن ہے- ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں- امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے- اور دلیل یہ آیت ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ' یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور

قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسیٰؑ ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص موجود ہے کہ وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ الخ، یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہؓ ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کئے اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر کرنے ثابت ہیں تو گویا پہلے سورۂ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا۔ یہ اس وقت جب یہ مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارض نہیں اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ۔

پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ، عامر شعبی، ابراہیم نخعی، حسن بصری رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے، اسے واپس دلوایا جائے گا۔ (ابن جریر)

پھر فرماتا ہے، تم بھی پاک دامن عفت ماب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی گئی تھی، مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورۂ نساء میں بھی اسی کے تماثل حکم گزر چکا ہے۔

حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیکوکار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آ جائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے، جس میں ہے کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسی سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے، میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کی کہ اے امیر المومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے۔ اس کے باوجود بھی اس کی توبہ قبول ہے۔ اس مسئلے کو ہم آیت اَلزَّانِيۡ لَا يَنۡكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوۡ مُشۡرِكَةً الخ، کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ
وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ
اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ‌ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا‌ؕ وَاِنۡ
كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھوتو اپنے منہ دھولیا کرواور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اوراپنے سروں کا مسح کرلیا کرواور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرواور اگر تم جنابت کی حالت میں ہوتو غسل کرلیا کرو۔ ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہوکر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہواور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو' اسے اپنے چہروں پراور ہاتھوں پرمل لیا کرو ○ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھر پور نعمت دینے کا ہے تا کہ تم شکرادا کرتے رہو ○

وضواور غسل کے احکامات: ☆☆ (آیت:٦) اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حکم وضواس وقت ہے جبکہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو۔ یہ دونوں قول تقریباً ایک ہی مطلب کے ہیں۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو ہو' اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو باوضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر صلوۃ کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے' فتح مکہ والے دن آپؐ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں' یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا' یارسول اللہؐ آج آپؐ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصداً یہ کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو نیا وضو کرلیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کرلیا کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشرؒ نے سوال کیا کہ کیا آپ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو ان کے صاحبزادے عبیداللہؒ سے سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا' اس سے حضرت اسماء بنت زید بن خطابؓ نے کہا ہے' ان سے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے جو فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے' بیان کیا ہے کہ حضورؐ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں وضو باقی ہو تو بھی اور نہ ہو تو بھی۔ لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا۔ ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے۔ اسے سامنے رکھ کر حضرت عبداللہؓ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخری دم تک آپ کا یہی حال رہا' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن والدہ۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ ہیں لیکن چونکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حدثنا کہا ہے' اس لئے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ ہاں ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں۔ اللہ اعلم۔ حضرت عبداللہؓ کے اس فعل اور اس پر ہمیشگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کرلیا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یوم القیامہ ہر نماز کے لئے

وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے۔ پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا' ہاتھ دھوئے' پھر سر کا مسح کیا اور پھر پیر کا اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو' ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی یہی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وضو ٹوٹے بغیر وضو کرنا زیادتی ہے۔ اولاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے' دوسرا یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو۔ اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے' وہ تو عامل بالحدیث ہے۔ بخاری سنن وغیرہ میں مروی ہے کہ حضورؐ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک انصاری نے حضرت انسؓ سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ فرمایا ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو ٹوٹے نہیں۔ ابن جریر میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے' اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے' ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں۔ صرف نماز کے لئے ہی اس کا وجوب ہے۔ یہ فرمان اس لئے ہے کہ حضورؐ کی سنت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ پھر وضو نہ کرلیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف غریب روایت میں ہے کہ حضورؐ جب پیشاب کا ارادہ کرتے تو ہم آپ سے بولتے لیکن آپ جواب نہ دیتے۔ ہم سلام علیک کرتے پھر بھی جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ پاخانے سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا' اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں۔ فرمایا' وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن بتاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' مجھے کچھ نماز تھوڑا ہی پڑھنی ہے جو میں وضو کروں۔ آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو' علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے۔ مطلب کلام اللہ شریف کا یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کرلیا کرو۔ جیسے عرب میں کہا جاتا ہے' جب تو امیر کو دیکھے' کھڑا ہو جا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لئے کھڑا ہو جا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اس شخص کا وضو نہیں جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے (حدیث کے ظاہری الفاظ تو نیت کی طرح بسم اللہ کہنے پر بھی وجوب کی دلالت کرتے ہیں' واللہ اعلم۔ مترجم)۔ یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آتی ہے۔ بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں؟

منہ کی حد فقہا کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کی اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کی پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں' ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھ کر فرمایا' اسے کھول دے۔ یہ بھی منہ میں داخل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب بچے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں طلح وجهه پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وجهه میں داخل ہے۔

داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اس کا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا۔ پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا' اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے (ترمذی وغیرہ) اس روایت کو امام بخاری اور امام ترمذی حسن بتاتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عز و جل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں' داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمر' حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ صحاح وغیرہ میں مروی ہے کہ حضورؐ جب وضو کرنے بیٹھتے' کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کا مذہب تو وجوب کا ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ مستحب کہتے ہیں۔ ان کی دلیل سنن کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضورؐ کا یہ فرمانا ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب اور وضو میں نہیں۔ ایک روایت امام احمدؒ سے مروی ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں حضورؐ کا فرمان ہے جو وضو کرے' وہ ناک میں پانی ڈالے۔ اور روایت میں ہے تم میں سے جو وضو کرے' وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح وضو کرے۔

مسند احمد اور بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا' ایک چلو پانی کا لے کر کلی کی اور ناک کو صاف کیا' پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لے کر اسی سے بایاں ہاتھ دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا۔ پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا۔ پھر فرمایا میں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ اِلَی الْمَرَافِقِ سے مراد مَعَ الْمَرَافِقِ ہے' جیسے فرمان ہے وَلَا تَاْکُلُوْآ اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ اِنَّهٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کرو۔ یہ بڑا ہی گناہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہئے۔ دارقطنی وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے لیکن اس کے دو راویوں میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے شانے کو بھی وضو میں دھوئے کیونکہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے ہوئے اعضاؤں سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے۔ صحیح مسلم میں ہے' مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔

بِرُءُ وْسِکُمْ میں وجوب ہے اس کا الحاق یعنی ملا دینے کے لئے ہونا تو زیادہ غالب ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لئے ہونا تامل طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں چونکہ آیت میں اجمال ہے' اس لئے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے' وہی معتبر ہے اور اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا' حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا آپ وضو کر کے ہمیں بتلایئے۔ آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے' پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا' تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا' پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو مرتبہ دھوئے' پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا۔ سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے۔ پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے' پھر اپنے دونوں پیر دھوئے (بخاری و مسلم) حضرت علیؓ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ابوداؤد میں حضرت

معاویہؓ اور حضرت مقدادؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے یہ حدیثیں دلیل ہیں اس پر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے یہی مذہب حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کی وضاحت جانتے ہیں۔ حنفیوں کا خیال ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے' اس کی کوئی حد نہیں۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی۔ ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ والی حدیث ہے کہ نبی ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جب آپ قضائے حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں لوٹا لے آیا' آپؐ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا۔ پھر کلائیوں پر سے کپڑا اہٹایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمدؒ اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں ہیں۔ آپؐ صافے پر اور جرابوں پر برابر مسح کیا کرتے تھے' پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کر لے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعیؒ کا مشہور مذہب اول ہے اور امام احمدؒ اور ان کے متبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کرنے بیٹھتے ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں' انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی دیتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں۔ پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں' پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں۔ پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپؐ نے فرمایا' جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے' پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (بخاری و مسلم) سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے' انہوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آپ نے وضو کیا' پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنی اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا' میں نے حضورؐ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا' جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ سے جو حدیثیں صحاح میں مروی ہیں' ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

اَرْجُلَكُمْ لام کی زبر سے عطف ہے وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ پر ماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباسؓ یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عروہؓ، حضرت عطاؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت حسنؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت ابراہیم' حضرت ضحاکؒ، حضرت سدیؒ، حضرت مقاتل بن حیانؒ، حضرت زہریؒ، حضرت ابراہیمؒ تیمیؒ وغیرہ کا یہی قول اور یہی قرات ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں۔ یہی سلف کا فرمان ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ صرف ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے' پھر سر کا مسح کرے' پھر ہاتھ دھوئے' پھر منہ دھوئے' جب بھی جائز ہے اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی۔ اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ "ف" ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم لفظ فَاغْسِلُوْا سے ہوتا ہے تو کم از کم منہ کا اول اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے بعد کے اعضا میں ترتیب

اجماع سے ثابت ہے جس میں اختلاف نظر نہیں آتا- پھر جبکہ ''ف'' جو تعقیب کے لئے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے' ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسری کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں- پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں- دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا- اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے- پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت پر ترتیب پر نہ بھی ہوتا ہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے' ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے نکلے تو آپ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے اللہ نے پہلے بیان فرمایا- چنانچہ صفا سے سعی شروع کی- نسائی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دینا بھی مروی ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا- اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے- پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہو' اسے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہو' کرنا واجب ہے- پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے- واللہ اعلم- تیسری جماعت جواباً کہتی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کے حکم اور پیروں کو دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کو بیان کرنا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے' ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا- ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے' کہ حضورؐ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا- پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نے نماز کو قبول نہیں کرنا- اب دو صورتیں ہیں- یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضورؐ کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ بے ترتیب تھا' پیر دھو لئے' پھر کلی کر لی' پھر مسح کر لیا' پھر منہ دھو لیا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں' پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے' آیت کے اس جملے کی ایک قرات اور بھی ہے یعنی وَاَرْجُلِکُمْ لام کے زیر سے اور اسی سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے- بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے- چنانچہ ابن جریرؒ میں ہے کہ موسیٰ بن انس۔ نے حضرت انسؓ سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو- حضرت انسؓ نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ اور حضرت انسؓ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے' انہیں بالکل بھگو لیا کرتے' آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے' ہاں حضورؐ کی سنت پیروں کا دھونا ہے- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا- حضرت قتادہؒ سے بھی یہی مروی ہے' ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے- ابن عمرؓ' علقمہ' ابوجعفر محمد بن علی رحمہم اللہ اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید رحمہم اللہ اور ایک روایت میں مجاہدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے- حضرت عکرمہؒ اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرتے تھے- شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے- آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا' ان پر تو تیمّم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں پر مسح کا حکم تھا' تیمّم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا- عامرؒ سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں' آپ نے فرمایا جبرائیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے- پس یہ سب

آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی ہلکا دھونا ہے کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے یاد رہے کہ زیر کی قرات یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جیسے عرب کا کلام حجر ضب خرب میں اور اللہ کے کلام عٰلِیَھُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌوَّ اِسْتَبْرَقٌ میں لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا' یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی ایک توجیہہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جرابیں ہوں۔ بعض کہتے ہیں مراد مسح سے ہلکا دھو لینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔ الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ آیت میں بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے' ان شاء اللہ۔ بیہقی میں ہے' حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے پھر پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا' دونوں ہاتھوں کا' سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا۔ پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ (بخاری)

شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں' ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو مسح اور دھونا دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریرؒ کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بناء پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بناء پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے' ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں' تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے' ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے' اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین کی مٹی وغیرہ سے رگڑتے رہتے ہیں تو ان کو دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو' ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کے لئے مسح کا لفظ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل جمع کر دیا ہے حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے' مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے موخر ہو۔ پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ یہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا۔ میں نے مکرر غور و فکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امام صاحب دونوں قراتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ پس زیر کی قرات یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرات کو غسل پر یعنی دھونے پر دلیل ہے ہی پس وہ دھونے اور ملنے دونوں کو واجب کہتے ہیں تاکہ زیر اور زبر کی دونوں قراتوں پر ایک ساتھ ہو جائے۔

اب ان احادیث کو سنئے جن میں پیروں کے دھونے کا اور پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ' امیر المومنین حضرت علی بن ابوطالب' حضرت ابن عباسؓ' حضرت معاویہؓ' حضرت عبداللہ بن زید عاصمؓ' حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضورؐ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا۔ ایک بار یا دو بار یا تین بار۔ عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا' یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت کافی دیر سے ہو چکا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھوا چھوئی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا' وضو کو کامل اور پورا کرو' ایڑیوں کو خرابی ہے آگ کے لگنے سے' ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لئے اور تلوں کے لئے آگ سے (بیہقی و حاکم) اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے (مسند امام احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم

کے برابر جگہ بے دھلی دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا' خرابی ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا' ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی۔ ابن جریر میں دو مرتبہ حضورؐ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں' پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف وضیع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو بار بار دھو کر نہ دیکھتا ہو۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی ایڑی یا ٹخنے میں بقدر نیم درہم کے چمڑی خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا' پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی کسی کی خشک رہ جاتی' تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا' پس ان احادیث سے کھلم کھلا ظاہر ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔ اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبیؐ وعید سے اور وہ بھی جہنم کی آگ کی وعید سے نہ ڈراتے' اس لئے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں۔ بلکہ پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوتی ہے جو پیر کے اوپر جراب ہونے کی صورت میں مسح کی صورت ہے۔ یہی چیز امام ابن جریرؒ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں' خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا' لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔ بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپؐ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم کے جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمانؓ سے حضورؐ کے وضو کا طریقہ جو مروی ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔ سنن میں ہے حضرت صبرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' وضو کامل اور اچھا کرو۔ انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو۔ ہاں روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے۔ مسند و مسلم وغیرہ میں ہے' حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں' یارسول اللہ مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے' آپؐ نے فرمایا' جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے' اس کے منہ سے نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جبکہ وہ ناک جھاڑتا ہے۔ پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں داڑھی اور داڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں۔ پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے۔ کہنیوں سمیت تو اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی پوریوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں' پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت حکم الٰہی کے مطابق دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثناء ہے' اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ تولد ہوا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہ نے حضرت عمرو بن عبسہؓ سے کہا' خوب غور کیجئے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ ابوامامہ' میں بوڑھا ہو گیا ہوں' میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں' میری موت قریب آ پہنچی ہے مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں' ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں تین دفعہ نہیں' میں نے تو اسے حضورؐ کی زبانی سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ سنا ہے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری سند والی حدیث میں ہے' پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔

پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابواسحاق سبیعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنۃ سے بواسطہ حضرت حارث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا' دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم حکم کئے گئے ہو' اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لئے' اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہلکا دھونا ہے اور چپل

اپنے نعلین پر مسح کر لیا لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے مروی ہے اور ان میں ہے کہ آپ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا اور ان میں مطابقت کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور ان پر نعلین تھے اور ان دونوں پر آپ نے مسح کر لیا۔ یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے۔ مسند احمد میں اوس بن اوسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہی روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ اس میں آپ کا کوڑے پر پیشاب کرنا، پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے۔ امام ابن جریرؒ اسے بیان کرتے ہیں، پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول اس پر ہے کہ اس وقت آپ کا پہلا وضو تھا (یا یہ محمول ہے اس پر کہ نعلین جرابوں کے اوپر تھے۔ مترجم)۔

بھلا کوئی مسلمان یہ کیسے قبول کر سکتا ہے کہ اللہ کے فریضے میں اور پیغمبر کی سنت میں تعارض ہو۔ اللہ کچھ فرمائے اور پیغمبر کچھ اور ہی کریں؟ پس حضور ﷺ کے ہمیشہ کے فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے۔ جس کے کانوں تک یہ دلیلیں پہنچ جائیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی۔ چونکہ زبر کی قرات سے پیروں کا دھونا اور زیر کی قرات کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے، اس سے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کا مسح ہی منسوخ ہے، گو ایک روایت حضرت علیؓ سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اور جن کا بھی یہ قول ہے، ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کا قول ہے کہ سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جریرؓ نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے اللہ کے رسولؐ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں، لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی اس لئے کہ حضرت جریرؓ کا اسلام لانا سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا تھا، احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تواتر کے ساتھ حضورؐ کے قول و فعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ اب مسح کی مدت ہے یا نہیں؟ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں۔ احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ رافضیوں نے اس میں بھی گمراہی اختیار کی ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے لیکن روافض اسے نہیں مانتے جیسے کہ حضرت علیؓ کی ہی روایت سے بخاری و مسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہ آیہ کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی امر حضورؐ کا متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے۔ فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں۔ واللہ الحمد۔

اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا مسح کے بارے میں بھی الٹ مفہوم لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قدم کی پشت ابھار کعبین ہے۔ پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان ابھری ہوئی ہیں، وہ کعبین ہیں۔ امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ جن کعبین کا یہاں ذکر ہے، وہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں جو ادھر ادھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں، ایک ہی قدم میں کعبین ہیں۔ لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو کعبین سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح۔ بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کر لو۔ تین بار یہ فرما کر فرمایا، قسم اللہ کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو گے یا اللہ تمہارے دلوں میں مخالفت

ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی حدیث فرماتے ہیں، پھر تو یہ ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کعبین اس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمے پر ہیں اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث تیمی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کئے گئے تھے، انہیں میں نے دیکھا تو ان کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا۔ یہ انہیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفت حق اور کتمان حق کا بدلہ دیا گیا۔

اس کے بعد تیمّم کی صورتیں اور تیمّم کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ اس کی پوری تفسیر سوۂ نساء میں گزر چکی ہے لہذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تیمّم کا شان نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کے متعلق خاصتاً ایک حدیث وارد کی ہے۔ اسے سن لیجئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گر گیا۔ ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے، حضورؐ نے سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں میرے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھے کچوکے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن حضورؐ کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو اس خیال سے میں ہلی جلی نہیں، حضورؐ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا، اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے، اے آل ابو بکر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے۔ تم ان کے لئے سرتاپا برکت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا۔ اسی لئے اپنے دین کو سہل، آسان اور ہلکا کر دیا ہے۔ بوجھل سخت اور مشکل نہیں۔ حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمّم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے، باقی احکام، احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ اللہ کی چاہت یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اسکی شکر گزاری کرو۔ اس کی توسیع احکام اور رافت و رحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ کے رسولؐ نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔

مسند، سنن اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے۔ میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں۔ میں بھی پہنچ گیا۔ اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کر کے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے، اس کے لئے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے، فرمایا اس سے پہلے جو بات حضورؐ نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، آپ مجھ سے فرمانے لگے۔ تم ابھی آئے ہو۔ تمہارے آنے سے پہلے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب ایمان و اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے، اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں

اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پیروں کی تمام خطائیں دھل جاتی ہیں۔ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ابن جریر میں ہے' جو شخص وضو کرتے ہوئے جب اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو ان سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں' منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں' سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے' پیر کا دھونا ان کے گناہ دھو دیتا ہے۔ دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ ابن جریر میں ہے' جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے' اس کے کانوں سے' آنکھوں سے' ہاتھوں سے' پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' وضو آدھا ایمان ہے' الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا ابھر جاتا ہے۔ قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی فروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے آپ کو آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر لیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے' مال حرام کا صدقہ اللہ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے (صحیح مسلم) یہ روایت ابوداؤد' طیالسی' مسند احمد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ
اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ
شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ
اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

تم پر رب کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں' انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا' ہم نے سنا اور مانا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ○ اے ایمان والو' تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ' راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے' عدل کیا کرو جو پرہیز گاری سے متصل ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو' یقین مانو کہ اللہ تمہارے اعمال سے بہت باخبر ہے ○

''اسلام'' زبان سے عہد اور ''ایمان'' عمل سے اطاعت' اس عہد کا اظہار ہے: ☆☆ (آیت: ۷-۸) اس دین عظیم اور اس رسول کریمؐ کو بھیج کر جو احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے' اسے یاد دلا رہا ہے اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے اللہ کے پیغمبر کی تابعداری اور امداد کرنے' دین پر قائم رہنے' اسے قبول کر لینے' اسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے کیا ہے' اسلام لاتے وقت انہی چیزوں کا ہر مومن اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہؓ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سنتے رہیں گے اور مانتے چلے جائیں گے' خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے' خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے۔ اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو نہیں چھینیں گے۔

باری تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں'

اگر تمہیں یقین ہو۔ اور اس نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تم سے حضورؐ کی تابعداری کے قول، قرار ہو چکے ہیں، پھر تمہاری نافرمانی کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے نکال کر جو عہد اللہ رب العزت نے بنو آدم سے لیا تھا، اسے یاد دلایا جا رہا ہے۔ جس میں فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اس پر گواہ ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ سدیؒ اور ابن عباسؓ سے وہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو مختار بتایا ہے۔ ہر حال میں انسان کو اللہ کا خوف رکھنا چاہئے۔ دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے۔ ایمان والو! لوگوں کو دکھانے کو نہیں بلکہ اللہ کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ صحیح گواہ بن جاؤ۔

بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا، میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا، میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے لگی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنالو۔ میرے باپ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ بیان کیا، تو آپؐ نے دریافت فرمایا کیا اپنی دوسری اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو۔ اپنی اولاد میں عدل کیا کرو، جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا، چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا۔ پھر فرمایا، دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آ کر عدل سے نہ ہٹ جانا، دوست ہو یا دشمن ہو، تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہئے۔ تقوے سے زیادہ قریب یہی ہے، ھو کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کر دی ہے جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں۔ اور کلام عرب میں بھی، جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ یعنی اگر تم کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور اجازت نہ ملے بلکہ کہا جائے کہ واپس جاؤ، تم واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ پس یہاں بھی ھو کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں، لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ
اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ
اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ ع٦

اللہ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ان کے لئے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا، وہ دوزخی ہیں ○ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے، اسے یاد کرو جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، مومنوں کو اللہ ہی پر پورا بھروسہ کر لینا چاہئے ○

(آیت: ٩-١١) اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر اقرب افعل التفضیل کا صیغہ ایسے موقعہ پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں، جیسے اس آیت میں ہے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا اور جیسے کہ کسی صحابیہؓ کا حضرت عمرؓ سے کہنا کہ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اللہ سے ڈرو! وہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے، ہر خیر و شر کا پورا پورا

بدلہ دے گا۔ وہ ایمان والوں، نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل الٰہی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے۔ پس حقیقتاً ہر طرح قابل تعریف وستائش اللہ ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کا فضل ورحم ہے۔ حکمت وعدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور جھٹلانے والوں کو جہنم واصل کیا جائے چنانچہ یونہی ہوگا۔ پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ایک منزل میں اترے، لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے۔ آپؐ نے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے۔ ایک اعرابی نے آ کر آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ عزوجل، اس نے پھر یہی سوال کیا اور آپ نے پھر یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، اب آپ نے صحابہؓ کو آواز دی اور جب وہ آ گئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ دیا، اعرابی اس وقت بھی موجود تھا لیکن آپ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضورؐ کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو آپ کی گھات میں بھیجا تھا لیکن اللہ نے اسے ناکام اور نامراد رکھا۔ فالحمدللہ۔

اس اعرابی کا نام صحیح احادیث میں غوث بن حارث آیا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے آپؐ کو اور آپ کے صحابہؓ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی لیکن اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا اور آپ بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا۔

ابن اسحاقؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنونضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ کے سر پر گرانا چاہا تھا جبکہ آپ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرو بن حجاش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم حضورؐ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو ان کی شرارت وخباثت سے آگاہ کر دیا۔ آپ مع اپنے صحابہؓ کے وہیں سے پلٹ گئے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہیں۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے جو کفایت کرنے والا، حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ اللہ کے حکم سے بنونضیر کی طرف مع لشکر گئے، محاصرہ کیا، وہ ہارے اور انہیں جلاوطن کر دیا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ
عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور انہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز کو قائم رکھو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً یقیناً تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' اب اس عہد و پیمان کے بعد تم میں سے جو انکاری ہو جائے' وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا ○

عہد شکن لوگ؟ اور امام مہدی کون؟ ☆☆ (آیت:١٢) اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفاداری' حق پر مستقیم رہنے اور عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا۔ تو اب ان آیتوں میں ان سے پہلے کے اہل کتاب سے جو عہد و میثاق لیا تھا اس کی حقیقت و کیفیت کو بیان فرما رہا ہے' پھر جبکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا' اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ اور رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لئے گئے تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ اوبیل قبیلے کا سردار شامون بن اکون تھا' شمعونیوں کا چودھری شافاط بن جدی' یہودا کا کالب بن یوحنا' فیخائیل کا ابن یوسف اور افرائیم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلے کا چودھری قنطمی بن وفون' زبولون کا جدی بن شوری' منشاء کا جدی بن سوسیٰ' دان حملاسل کا ابن حمل' اشار کا ساطور' تفتالی کا بحر اور یساخر کا لابل۔ توریت کے چوتھے جز میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔

موجودہ توریت کے نام یہ ہیں۔ بنو اوبیل پر صونی بن سادون' بنی شمعون پر شموال بن صور' بنو یہود پر حشون بن عمیاذب' بنو یساخر پر شال بن صاعون' بنو زبولون پر الیاب بن حالوب' بنو افرائیم پر منشا بن عنہور' بنو منشاء پر حمائیل' بنو بیبا میں پر ابیدن' بنو دان پر جعیذر' بنو اشاذ تحایل' بون کان پر سیف بن دعوابیل' بنو نفعالی پر اجذع۔ یاد رہے کہ لیلتہ العقبہ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی' اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے' حضرت اسید بن حضیرؓ حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذ ر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے۔ ابو امامہ' اسعد بن زرارہؓ سعد بن ربیعؓ' عبداللہ بن رواحہؓ' رفع بن مالک بن عجلانؓ' براء بن معرورؓ عبادہ بن صامتؓ' سعد بن عبادہؓ عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ' منذر بن عمر بن حنیش رضی اللہ عنہم اجمعین۔ انہی سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے فرامین سننے اور ماننے کی بیعت کی۔

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں' ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے' آپ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضورؐ سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اس امت کے کتنے خلیفہ ہوں گے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا' میں جب سے عراق آیا ہوں' اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا' ہم نے حضور علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا' بارہ ہوں گے جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔ یہ روایت سنداً غریب ہے لیکن مضمون حدیث بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے۔

جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک ان کے والی بارہ شخص نہ ہو لیں۔ پھر ایک لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضورؐ نے اب کون سا لفظ فرمایا' انہوں نے جواب دیا یہ فرمایا کہ یہ سب قریش ہوں گے۔" صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہوں

گے۔ جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں۔

پس چار خلفاء تو پے در پے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی رضی اللہ عنہم' جن کی خلافت بطریق نبوت رہی۔ انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ بنو عباس میں سے بھی بعض اس طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے۔ اور ان ہی میں سے حضرت امام مہدی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی بشارت احادیث میں آ چکی ہے۔ ان کا نام حضورؐ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضورؐ کے والد کا ہوگا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پر ہوگی لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں' اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اور ان کا تخیل ہے' نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثناء عشریہ کے ائمہ مراد ہیں۔ اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے۔

توریت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں سے بارہ بڑے شخص ہوں گے' اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے' وہ اپنے اسلام میں کچے اور جاہل بھی تھے' انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صور پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں' ورنہ حدیثیں اس کے واضح خلاف موجود ہیں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ
قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرما دی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں۔ جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی' اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے' ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں' پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ' بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

(آیت:۱۳) اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں' زکوۃ دیتے رہیں' اللہ کے رسولوں کی تصدیق کریں' ان کی نصرت و اعانت کریں اور اللہ کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ رہے گی' ان کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے' مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد پھر گئے اور اسے غیر معروف کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے' بھٹک اور بہک جائیں گے چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے میثاق توڑ دیا' وعدہ خلافی کی تو ان پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی' ہدایت سے دور ہو گئے' ان کے دل سخت ہو گئے اور وعظ و پند سے مستفید نہ ہو سکے' سمجھ بگڑ گئی' اللہ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے' باطل تاویلیں گھڑنے لگے' جو مراد حقیقی تھی' اس سے کلام اللہ کو پھیر کر اور ہی مطلب سمجھنے سمجھانے لگے' اللہ کا نام لے کر وہ مسائل بیان کرنے لگے جو اللہ کے بتائے ہوئے نہ تھے' یہاں تک کہ اللہ کی کتاب ان

کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی، وہ اس سے بے عمل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل جب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ تو دل ٹھیک رہے، نہ فطرت اچھی رہی۔ نہ خلوص و اخلاص رہا، غداری اور مکاری کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ نت نئے جال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بنتے رہے۔

پھر نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپؐ ان سے چشم پوشی کیجئے، یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو تجھ سے اللہ کے فرمان کے خلاف سلوک کرے، تو اس سے حکم الٰہی کی بجا آوری کے ماتحت سلوک کر۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان کے دل کھچ آئیں، ہدایت نصیب ہو جائے اور حق کی طرف آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ''درگزر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے''۔

جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا۔ انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی اور جو کچھ یہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ انہیں سب جتا دے گا ○ اے اہل کتاب یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسولؐ آ چکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے اور اکثر درگزر کرتا رہتا ہے، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے ○ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں، سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے ○

(آیت:۱۴) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ''ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسولؐ آئے گا، یہ اس پر ایمان لائیں گے، اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے۔ لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی، جس کی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر و ملعون کہتے ہیں اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے''، ملکیہ فرقہ، یعقوبیہ فرقے کو، یعقوبیہ ملکیہ کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں، اسی طرح دوسرے تمام

فرقے بھی' انہیں ان کے اعمال کی پوری تنبیہہ عنقریب ہوگی- انہوں نے بھی اللہ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ پر تہمتیں لگائی ہیں- اس پر بیوی اور اولاد والا ہونے کا بہتان باندھا ہے' یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے- اللہ تعالیٰ واحد واحد فرد الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہے-

علمی بددیانتی: ☆☆ (آیت:١٥-١٦) فرماتا ہے کہ رب العلی نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے' معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں- جو باتیں یہود و نصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں' تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنا لئے تھے اور اللہ کی ذات پر بہتان باندھتے تھے' کتاب اللہ کے جو حصے اپنے نفس کے خلاف پاتے تھے' انہیں چھپا لیتے تھے' ان سب علمی بددیانتیوں کو یہ رسولؐ بے نقاب کرتے ہیں- ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو' بیان نہیں فرماتے- مستدرک حاکم میں ہے ''جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا' اس نے بے عملی سے قرآن سے انکار کیا'' چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے-

پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ اسی نے اس نبی کریمؐ پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے' جو جویائے حق کو سلامتی کی راہ بتاتی ہے' لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبر ہے- اس کتاب کی وجہ سے اللہ کے انعاموں کو حاصل کر لینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہوگیا ہے- یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کر دینے والی ہے''-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ
قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ
الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ١٧

یقیناً وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح بن مریم اللہ ہی ہے' تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ ہی کا ہے' وہ جو چاہتا ہے' پیدا کرتا ہے- اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اللہ وحدہ لاشریک ہے: ☆☆ (آیت:١٧) اللہ تبارک وتعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے- اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے' تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقدور ہیں- ہر چیز پر اس کی حکومت اور ملکیت ہے- کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے- کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات کر سکے- وہ اگر مسیحؑ کو' ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آڑے آئے' اسے روک سکے- تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے- سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے' جو چاہے کر گزرے' کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں' اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا- اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے' اس کی عظمت و عزت بہت بلند ہے- وہ عادل و غالب ہے- جسے جس طرح چاہتا ہے' بناتا بگاڑتا ہے- اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں-

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ پر ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور وہ اللہ کے لاڈلے فرزند ہیں۔ اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیلؑ کو کہا ہے اَنْتَ اِبْنِیْ بکری پھر تاویلیں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہوئے حالانکہ خود انہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے' وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے' قرابت داری نہیں۔ اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی اَبِیْ وَاَبِیْکُمْ اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں اللہ کے لئے یہ لفظ بھی آتا تھا۔ پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں اور عبارت کا مفہوم واضح بتا رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہے' وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰؑ کو اللہ سے جو نسبت دیتے ہیں' اس نسبت کا اپنے اوپر اطلاق نہیں مانتے۔ پس یہ لفظ صرف عزت و وقعت کے لئے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب' بہتان و افترا پر اللہ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا؟ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرما دی۔ یہ قول نہایت عمدہ ہے اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابؓ کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا سا بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا' اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آ رہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندا نہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھا لیا' اس پر صحابہؓ نے کہا ''حضورؐ یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی'' آپ نے فرمایا ''ٹھیک ہے' اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا''۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس دوست کے ہیں' تو کہہ دے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو' اور وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

(آیت:۱۸) یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو۔ تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں' اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم ہے اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے' وہ جسے چاہے بخشے۔ جسے چاہے پکڑے' وہ جو چاہے کر گزرتا ہے' اس کا کوئی حاکم نہیں' اسے کوئی رد نہیں کر سکتا۔ وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملکیت ہے' اس کے زیر اثر ہے' اس کی بادشاہت تلے ہے' سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے' وہی بندوں کے فیصلے کرے گا'

وہ ظالم نہیں عادل ہے، نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا۔ نعمان بن آصا، بحر بن عمرو، شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے، حضورؐ کے پاس آئے۔ آپؐ نے انہیں سمجھایا بجھایا۔ آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے، سنئے حضرت آپؐ ہمیں ڈرا رہے ہیں، ہم تو اللہ کے بچے اور اس کے پیارے ہیں۔ یہی نصرانی بھی کہتے تھے۔ پس یہ آیت اتری۔ ان لوگوں نے ایک بات یہ بھی گھڑ کر مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیلؑ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلونٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے۔ اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی، اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی، پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں، وہ نکل آئیں، یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يَآهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ
مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا
نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ع ۸

اے اہل کتاب بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آ پہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا ہی نہیں۔ پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

محمد ﷺ مطلقاً خاتم الانبیاء ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے جس کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں، یہ سب کے بعد ہیں، دیکھ لو حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا، فترت کی اس لمبی مدت کے بعد یہ رسول آئے۔ بعض کہتے ہیں، یہ مدت چھ سو سال کی تھی۔

بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی، بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی، کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اوپر تیس برس کی۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا۔ لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے یعنی چھ سو سال کا بعض کہتے ہیں چھ سو بیس سال کا۔ فاصلہ تھا۔ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے اہل کہف کے قصے میں ہے وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ کئے۔

پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی، وہ تین سو سال کی تھی، نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا، آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، حضرت محمد ﷺ تک جو علی الاطلاق خاتم الانبیاء تھے، فترۃ کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور لوگوں کے میں زیادہ اولیٰ ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو خیال کرتے ہیں کہ

ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گزرے ہیں، جن کا نام خالد بن سنان تھا۔ جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے حکایت کی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ خاتم الانبیاء حبیب اللہ ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جبکہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے، ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں، دنیا توحید کو بھلا چکی ہے، جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے، سورج، چاند، بت، آگ کی پوجا کی جا رہی ہے، اللہ کا دین بدل چکا ہے کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے، دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے، عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے، جہالت و قساوت کا دور دورہ ہے، بجز چند نفوس کے اللہ کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا، پس معلوم ہوا کہ آپ کی جلالت و عزت اللہ کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ نے جو رسالت کی ذمہ داری ادا کی، وہ کوئی معمولی نہ تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ''مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں، جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں، فرمایا ہے، میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے، وہ ان کے لئے حلال کیا ہے میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا، میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کر لوں۔ میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ میں قریشیوں میں پیغام الٰہی پہنچاؤں۔ میں نے کہا، یارب یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنا دیں گے، پروردگار نے فرمایا۔ تو انہیں نکال، جیسے انہوں نے تجھے نکالا۔ تو ان سے جہاد کر، تیری امداد کی جائے گی۔ تو ان پر خرچ کر، تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ان کے مقابلے پر لشکر بھیج۔ ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے۔ اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں۔ بادشاہ، عادل، توفیق خیر والا، صدقہ خیرات کرنے والا اور باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا، حالانکہ اہل و عیال بھی ہے اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں، وہ سفلے لوگ جو بے دین، خوشامد خورے اور ماتحت ہیں، جن کی آل اولاد دھن دولت ہے اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سی چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور وہ لوگ جو صبح و شام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور بخیل ہیں۔ فرمایا کذاب اور شنظیر یعنی بدگو'' ۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا میں نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور انہیں روشن و ظاہر شریعت عطا فرمائی۔ اس لئے کہ لوگوں کا عذر نہ رہے۔ انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، ہمیں نہ تو کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا ڈرایا۔ پس کامل قدرتوں والے اللہ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیج دیا، وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب کرنے پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ
يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلٰى
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّ فِيهَا
قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوا مِنْهَا ۚ فَاِنْ
يَّخْرُجُوا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

یاد کرو جبکہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں سے کسی کو نہیں دیا ○ اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰؑ وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں۔ اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں' ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ○

تسلسل انبیاء نسل انسانی پہ اللہ کی رحمت ہے: ☆☆ (آیت: ٢٠-٢٢) حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی جو نعمتیں یاد دلا کر اس کی اطاعت کی طرف مائل کیا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے کہ فرمایا' لوگو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں تم ہی سے بھیجا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد سے انہی کی نسل میں نبوت رہی۔ یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت توحید و اتباع دیتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ پر ختم ہوا۔ پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کاملہ عطا ہوئی' آپ حضرت اسماعیلؑ کے واسطہ سے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے' جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے۔ اللہ آپ پر درود و سلام نازل فرمائے' اور تمہیں اس نے بادشاہ بنا دیا یعنی خادم دیئے۔ بیویاں دیں' گھر بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے' ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا' تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ گھر بھی ہے؟ کہا ہاں' کہا پھر تو تو غنی ہے' اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے' آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں ''سواری اور خادم ملک ہے''۔ بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہؒ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم' سواری اور بیوی ہو' وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے' جس کا گھر ہو اور خادم ہو' وہ بادشاہ ہے۔ یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے ''جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو' اس کا نفس امن و امان میں ہو' دن بھر کفایت کرے' اس کے لئے اتنا مال بھی ہو تو اس کے لئے گویا کل دنیا سمٹ کر آ گئی''۔ اس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے' ان سے یہ اشرف و افضل مانے گئے تھے۔ اور آیت میں ہے' ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب' حکم' نبوت' پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی۔ حضرت موسیٰؑ سے جب انہوں نے مشرکوں کی دیکھا دیکھی اللہ بنانے کو کہا' اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر' کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے۔ کیا شرعی حیثیت سے' کیا احکامی حیثیت سے' کیا نبوت کی حیثیت سے' کیا بادشاہت' عزت' مملکت' دولت' حشمت' مال اولاد وغیرہ کی حیثیت سے۔ خود قرآن فرماتا ہے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ الخ' اور فرمایا وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا وسطا الخ' یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدیؐ کو بھی شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من و

سلویٰ کا اترنا' بادلوں سے سایہ مہیا کرنا وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں۔ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا
عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۥۚ وَ عَلَى اللّٰهِ
فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ
نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ
اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم بہ خوشی چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ ترس لوگوں میں سے تھے' جن پر اللہ کا فضل تھا' کہا کہ تم ان کے پاس دروازہ میں تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ○ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں تب تک تو ہم ہرگز وہاں جائیں گے ہی نہیں۔ تو آپ اور تیرا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو' ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں ○

(آیت:۲۳-۲۴) پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس دراصل ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضے میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی' وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو۔ اللہ تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادیٔ تیہ میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے۔ مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ وادی طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں اریحاء کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں' اس لئے کہ نہ تو اریحاء کا فتح کرنا مقصود تھا' نہ وہ ان کے راستے میں تھا کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آ رہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرقی رخ پر تھا ''اللہ نے اسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے'' مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثے میں آئے گا' تم اپنی پیٹھوں پر مرتد نہ ہو جاؤ۔ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ' ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ جس شہر میں جانے اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کے لئے آپ فرما رہے ہیں' ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی' طاقتور اور جنگجو ہیں' ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے' ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحاء کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے' بنو اسرائیل کے ہر قبیلے میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحاء میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں۔ یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوفزدہ ہو گئے۔ ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے' اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لئے آ گیا' وہ پھل توڑتا ہوا ان کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال

دی، جس میں یہ سب کے سب تھے، بادشاہ نے انہیں کہا، اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہوگیا ہے، تمہیں قتل نہیں کرتا۔ جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے ہماری قوت بیان کر دو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے۔ لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ کر نہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا، انہوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰؑ کی قوم کے لوگ ہیں، ہم تمہاری خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے میوے ہیں۔ انہوں نے واپس جا کر قوم سے سب حال کہہ دیا، اب حضرت موسیٰؑ نے انہیں جہاد کا اور اس شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جائیں اور لڑیں۔ ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں۔

حضرت انسؓ نے ایک بانس لے کر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا پھر اسے گاڑ کر فرمایا "ان عمالیق کے قد اس قدر لانبے تھے"۔

مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے، اتنے موٹے اور اتنے لمبے قد کے تھے، انہی میں عوج بن عنق بن آدم تھا، جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس (3333) گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں، ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے، پھر یہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہیں۔ حضورؐ نے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ پیدا کیا تھا، پھر سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے۔ ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عنق کافر تھا اور ولد الزنا تھا۔ یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں نہ بیٹھا تھا، تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا۔ یہ محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے، قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کی دعا یہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ بچنا چاہئے، یہ دعا قبول ہوئی اور یہی ہوا بھی، قرآن فرماتا ہے "ہم نے نوح کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی، پھر باقی کے سب کافروں کو غرق کر دیا"۔ خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمت حق ہے، کوئی بھی بچنے کا نہیں۔ تعجب سا تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا، بچ نہ سکے لیکن عوج بن عنق کافر ولد الزنا بچ رہے۔ یہ بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا۔ واللہ اعلم۔

بنی اسرائیل جب اپنے نبیؑ کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر اللہ کا انعام و اکرام تھا، وہ انہیں سمجھاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا، وہ ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب نہ آ جائے، ایک قرات میں یَخَافُوْنَ کے بدلے یُخَافُوْنَ ہے، اس سے مراد یہ ہے "کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت و عظمت تھی۔ ایک کا نام حضرت یوشع بن نون تھا، دوسرے کا نام کالب بن یوفا تھا"۔ انہوں نے کہا، اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے، اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ تم دروازے تک تو چلے چلو، یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن ان نامرادوں نے اپنا پہلا جواب اور مضبوط کر دیا اور کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی۔ لیکن یہ بدنصیب اور اکڑ گئے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھروں سے شہید کر دیا۔ ایک طوفان بدتمیزی شروع ہوگیا اور بے طرح مخالفت رسولؐ پر تل گئے۔ ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حال کو دیکھئے کہ جب نو سو یا ایک ہزار کافر اپنے قافلے کو بچانے

کے لئے چلے، قافلہ تو دوسرے راستے سے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا، ادھر حضورؐ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے؟ اللہ ان سب سے خوش رہے، انہوں نے حضورؐ کے مقابلہ میں اپنے مال، اپنی جانیں اور اپنے اہل وعیال سب کو ہیچ سمجھا، نہ کفار کے غلبے کو دیکھا نہ اسباب پر نظر ڈالی بلکہ حضورؐ کے فرمان پہ قربان ہیں۔ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے اس قسم کی گفتگو کی، پھر مہاجرین صحابہ میں سے کئی ایک نے اسی قسم کی تقریر کی۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا اور بھی کوئی شخص اپنا ارادہ ظاہر کرنا چاہے تو کرے، آپ کا مقصد اس سے بھی یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں اس لئے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانصار کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے، شاید آپؐ کا ارادہ ہماری منشاء معلوم کرنے کا ہے، سنئے یا رسول اللہؐ، قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ سچا نبیؐ بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپؐ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ تو بغیر کسی پس وپیش کے اس میں کود جائیں گے، آپ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہو گا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے، حضورؐ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں شوق سے لے چلئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں، آپ جان لیں گے کہ ہم اللہ کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں، آپ اللہ کا نام لیجئے۔ کھڑے ہو جایئے، ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر ان شاء اللہ آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ سن کر اللہ کے رسولؐ خوش ہو گئے اور آپؐ کو انصارؓ کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں۔ رضی اللہ عنہم۔

ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر آپؐ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ کہا۔ پھر انصاریوں نے کہا کہ اگر آپ ہماری سننا چاہتے ہیں تو سنئے، ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں، جو کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ اللہ کی مدد لے کر جہاد کے لئے چلئے، ہم جان ومال سے آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت مقداد انصاریؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقدادؓ کے اس قول سے اللہ کے رسولؐ خوش ہو گئے، انہوں نے کہا تھا کہ حضور لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے۔ کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسولؐ کو اس قدر خوش کر سکتا۔ ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن مروی ہے جبکہ مشرکین نے آپ کو عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستے میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے تو آپ نے فرمایا، میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسوقفقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہم اصحاب موسیٰؑ کی طرح نہیں کہ انہوں نے اپنی نبی سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑ لو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں حضورؐ آپ چلئے۔ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں۔ یہ سن کر اصحابؓ نے بھی اسی طرح جان نثاروں کے وعدے کرنے شروع کر دیئے۔ پس اگر اس روایت میں حدبیبہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہی فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ
بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ
اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ

الْفٰسِقِيْنَ ۝٢٦ ع ٧ ٨

موسیٰ کہنے لگے اے اللہ مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کر دے ○ ارشاد ہوا کہ اب یہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے' یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے' سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا ○

(آیت: ۲۵-۲۶) حضرت موسیٰؑ کو اپنی امت کا یہ جواب سن کر ان پر بہت غصہ آیا اور اللہ کے سامنے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ "رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے' تو میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما" - جناب باری نے یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے - وادی تیہہ میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے' کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے - یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلاف عادت امور دیکھے مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا' من و سلوٰی کا اترنا - ایک ٹھوس پتھر سے جو ان کے ساتھ تھا' پانی کا نکلنا' حضرت موسیٰ نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا - اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنو اسرائیل نے وہاں پر دیکھے' یہیں توریت اتری - یہیں احکام الٰہی نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ - اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے گزر جانے کی انہیں نہ ملی - ہاں ابر کا سایہ ان پر کر دیا گیا اور من و سلوٰی اتار دیا گیا - فتون کی مطول حدیث میں ابن عباسؓ سے یہ سب مروی ہے -- پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے' پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے - اسی اثناء میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے' بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کالب ہی باقی رہے تھے - بعض مفسرین سَنَةً پر وقف تام کرتے ہیں اور اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ کو بتلاتے ہیں - اس چالیس سالہ مدت کے گزر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے' انہیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہو لئے اور آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا - جمعہ کے دن عصر کے بعد جبکہ فتح کا وقت آ پہنچا' دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے' اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اللہ کے نبیؑ نے فرمایا' اے سورج! تو بھی اللہ کا غلام ہے اور میں بھی اللہ کا محکوم ہوں' اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے - چنانچہ اللہ کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا - اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو' اس شہر کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور حطتہ کہیں یعنی یا اللہ ہمارے گناہ معاف فرما - لیکن انہوں نے اللہ کے حکم کو بدل دیا - رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے حبتہ فی شعرہ کہتے ہوئے شہر میں گئے - مزید تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے - دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے نہیں دیکھا تھا - فرمان رب کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے جلایا نہیں' اس پر ان کے نبی حضرت یوشعؑ نے فرمایا "تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے - پس میرے پاس ہر قبیلے کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے" - چنانچہ یونہی کیا گیا' ایک قبیلے کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبیؑ کے ہاتھ سے چپک گیا' آپ نے فرمایا "تیرے پاس جو بھی خیانت کی چیز ہے' اسے لے آ" - اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے' جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا' اب آگ نے اس سب مال کو جلا دیا - امام ابن جریرؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اَرْبَعِيْنَ سَنَةً میں فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عامل ہے اور بنی اسرئیل کی یہ

جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہہ میں سرگرداں رہی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہؑ نے ہی قتل کیا ہے۔ اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہہ سے چھوٹنے کے بعد کا ہے، علماء یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعورا نے قوم عمالیق کے جباروں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰؑ پر بددعا کی۔ یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے تو جباروں کو موسیٰؑ اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر کی یہی دلیل ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا قد بھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جثّہ سے نیل کا پل بنا دیا گیا تھا، جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کر، وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں۔ اس واقعہ میں درحقیقت یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کا ذکر ہے اور ان کی مخالفتوں کا اور برائیوں کا بیان ہے یہ دشمنان رب سختی کے وقت اللہ کے دین پر قائم نہیں رہتے تھے۔ رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے تھے۔ جہاد سے جی چراتے تھے، اللہ کے اس کلیم و بزرگ رسولؑ کی موجودگی کا، ان کے وعدے کا، ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا، دن رات معجزے دیکھتے تھے، فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا، اللہ کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں، وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ ہولناکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں، نبی اللہ کی بےادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دیتے ہیں۔ اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر و رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا۔ لیکن پھر بھی اسی بستی والوں کی طرف اللہ کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس اللہ کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے، ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ گو یہ لوگ اپنے آپ کو اللہ کے محبوب جانتے تھے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے، دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے، سور بندر بھی بنائے گئے، لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ
مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ
اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ
يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ
اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ
تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ
كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ
مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو- ان دونوں نے ایک ایک نذرانہ پیش کیا- ان میں سے ایک کی نذر تو قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ میں تو تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقوے والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے ○ گو تو میرے قتل کے لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا- میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں ○ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے، ظالموں کا یہی بدلہ ہے ○ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا ○ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھا دے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے- وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا ہونے سے بھی گیا گزرا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا- پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہو گیا ○

حسد و بغض سے ممانعت: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۱) اس قصے میں حسد و بغض، سرکشی اور تکبر کا بدانجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بنا اور مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانہ جنت میں بنا لیا اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا- فرماتا ہے "اے نبیؐ! انہیں حضرت آدم کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو- ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا- مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدمؑ کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے، پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح، تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا- ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے- حضرت آدم نے اس سے منع کیا-

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو- جس کی خیرات قبول ہو جائے، اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا- ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی، پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے- مفسرین کے اقوال سنئے- حضرت آدمؑ کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا، بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا- قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی- جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا- حضرت آدمؑ نے اس سے روکا- اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے، وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے- حضرت آدمؑ اس وقت مکے چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا، زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا مکے میں ہے تم وہیں جاؤ- حضرت آدمؑ نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا، زمین سے کہا اس نے بھی انکار کر دیا، پہاڑوں سے کہا، انہوں نے بھی انکار کیا، قابیل سے کہا اس نے کہا، ہاں میں محافظ ہوں، آپ جایئے، آ کر ملاحظہ فرما لیں گے اور خوش ہوں گے، اب ہابیل نے ایک

خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کے لئے نکالا، آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی، اس کی کھیتی یونہی رہ گئی، اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالی تھیں۔

چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آ سکتی اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی)۔ اس نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے، اس میں میرا کیا قصور"؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا، برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بھی بے دلی سے اللہ کے نام نکالی۔ ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا ظلم و زیادتی سہہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدمؑ نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کے لئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوگئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں، موقع کا منتظر تھا، ایک روز اتفاقاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدمؑ نے قابیل کو بھیجا، یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا، راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی تو اس نے کہا، میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی۔ اس پر ہابیل نے کہا، میں نے بہترین عمدہ، محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بے کار، بے جان چیز نکالی، اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی، ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا، اللہ کا خوف کر، مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا، قابیل نے اپنی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں، اسی لئے میں اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی، چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے۔ آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی، یہ قبولیت کا نشان تھا، اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی، بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہوگیا یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ نہ تھی، قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔ ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف یہ بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، لوگ میدان قیامت میں ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابو عفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا، وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی، وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ تو جو چاہے کر، میں تو تیری طرح نہیں کروں گا بلکہ میں صبر و ضبط کروں گا، تھے تو زور و طاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی نیک بختی اور تواضع و فروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن

مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہو سکتا' میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ''جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں''۔ صحابہؓ نے پوچھا' قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپؐ نے فرمایا' اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''عنقریب فتنہ برپا ہوگا' بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا''۔ کسی نے پوچھا ''حضورؐ اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے۔ آپؐ نے فرمایا' پھر بھی تو آدمؑ کے بیٹے کی طرح ہو جا۔

ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ حضرت ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں' اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا' وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں''۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضورؐ سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا' ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جا سکیں گے' تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا' جو حکم رب اور رسولؐ ہو فرمایا صبر کر' پھر فرمایا جبکہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے تھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا' تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے۔ کہا پھر اگرچہ میں نہ میدان میں اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے اور وہیں رہ۔ عرض کیا کہ میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں؟ فرمایا' پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعائیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تا کہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔

حضرت ربعیؒ فرماتے ہیں' ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے میں تھے' ایک صاحب نے کہا' میں نے مرحوم سے سنا ہے' آپ رسول اللہ ﷺ کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا' اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے گا تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے پس میں حضرت آدمؑ کے ان دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا' اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی' یہ مطلب بھی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے' ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔

بزار میں ایک حدیث ہے کہ بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذا کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے' اب وہ قاتل پر آ جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں' ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں۔ قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے جائے گا اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے' یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لئے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑھ کر ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے، تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آ جائیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں، اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوفزدہ کیا کہ اس کام سے باز آ جا، ورنہ گناہ گار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں، سارا بوجھ تجھ ہی پر ہو گا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اس نصیحت کے باوجود اس کے نفس نے اسے دھوکہ دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے، یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا۔ یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں، مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر، گلا دبا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اسے دوسرا پتھر زور سے دے مارا، جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا، اس لئے قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا، کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا۔ یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال۔ جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوّا کے پاس آیا اور کہا، قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے، نہ بولتا چالتا ہے نہ ہلتا جلتا ہے، کہا شاید موت آ گئی، اس نے کہاں ہاں وہی موت، اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں۔ اتنے میں حضرت آدمؑ آئے، پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں، آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم و رنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ چلی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں، قابیل خسارے، ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا، دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں ”جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے، اس کے خون کا بوجھ آدمؑ کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ ”قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔ حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ جہنم کا آدھواں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے۔ سب سے بڑا معذب یہی ہے۔ زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے“۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں ”اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے“۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے، وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے، یہ اس کے سامنے لڑنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا۔ پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت

کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا۔ یہ بھی کہا گیا ہے، مار ڈال کر پھر پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔ اہل توریت کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے، تجھ پر میری لعنت ہے، اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے، اب تو زمین میں جو کام کرے گا، وہ اپنی کھیتی میں سے تجھے کچھ نہیں دے گی، یہاں تک کہ تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے، پھر تو قابیل بڑا ہی نادم ہوا، نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا۔ اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدمؑ کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے، اس کا ایک حصہ، بوجھ اور گناہ کا حضرت آدمؑ کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے، لیکن حسن بصریؒ کا قول ہے کہ "یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے۔ قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدمؑ کا انتقال ہوا ہے،" لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔

ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے۔ تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو، یہ حدیث مرسل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدمؑ بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدمؑ نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی، ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندے نے بھی گویا اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی، اس کا بوجھ اس پر آ گیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے، اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا، ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں، ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔ تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (یہ یاد رہے کہ اس قصہ کی تفصیلات جس قدر بیان ہوئی ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ اہل کتاب سے اخذ کیا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ أَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا
بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ
وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا
بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْأَرْضِ
لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل

کر دیا' اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے' اس نے گویا تمام لوگوں کو بچالیا' ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم وزیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے ○

ایک بے گناہ شخص کا قتل تمام انسانوں کا قتل: ☆☆ (آیت:۳۲) فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے قتل بے جا کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرما دیا' ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لئے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ جو شخص کسی ایک کو بلاوجہ مار ڈالے' نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا' نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا- اس لئے کہ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے' اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی' اس لئے کہ یہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے-

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں' میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لئے آیا ہوں- آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے' یہ سن کر معصوم خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا' تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو' جن میں ایک میں بھی ہوں- حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں نہیں- فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کو قتل کرنا- جاؤ واپس لوٹ جاؤ' میری یہی خواہش ہے' اللہ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے- یہ سن کر آپ واپس چلے گئے اور نہ لڑے' مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے- حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے''- ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نبیکو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینے کے مترادف ہے''- (ابن جریر)

ایک اور روایت میں ہے کہ ''ایک کو بے وجہ مار ڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا''- مجاہدؒ فرماتے ہیں ''مومن کو بے وجہ شرکی مار ڈالنے والا جہنمی' دشمن رب' ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے- پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے''- عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا- یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو' اور جو اسے زندگی دے یعنی قاتل کے ولی سے درگزر کرے اور اس نے گویا لوگوں کو زندگی دی''- اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے انسان کی جان بچالی مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا' جلتے کو بچالیا' کسی کو ہلاکت سے ہٹا لیا- مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیرخواہی اور امن وامان پر آمادہ کرنا ہے- حضرت حسنؒ سے پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلف تھے' ہم بھی ہیں؟ فرمایا' ہاں یقیناً' اللہ کی قسم! کچھ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقعت نہ تھے- پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچالینے کے برابر ہے- ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضورؐ مجھے کوئی ایسی بات بتائیے کہ میری زندگی با آرام گزرے- آپؐ نے فرمایا' کیا کسی کو مار ڈالنا تمہیں پسند ہے یا کسی کو بچالینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا- بچالینا' فرمایا ''بس اب اپنی اصلاح مین لگے رہو''-

پھر فرماتا ہے' ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلیں اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ

اپنی سرکشی اور درازدستی سے باز نہ رہے۔ بنوقینقاع کے یہود و بنوقریظہ اور بنونضیر وغیرہ کو دیکھ لیجئے کہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور لڑائی کے بعد پھر قیدیوں کے فدیئے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے۔ جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا کہ تم سے عہد یہ لیا گیا تھا کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ نہ انہیں دیس نکالا دو لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کے خلاف کیا۔ گو فدیئے ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا۔ اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو‘ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار ہوں۔ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔

محاربہ کے معنی حکم کے خلاف کرنا‘ برعکس کرنا‘ مخالفت پر تل جانا ہیں۔ مراد اس سے کفر‘ ڈاکہ زنی‘ زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنا ہے یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ (امیر وقت کے) سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے۔ قرآن کی ایک اور آیت میں ہے‘ جب وہ کسی اقتدار کے مالک ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں‘ برخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہیں ہوتا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آ جانے سے پہلے نہ توبہ کر لے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے‘ وہ ٹل نہیں سکتا“۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی
الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ
اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ
فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝٣٣ اِلَّا الَّذِیْنَ
تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝٣٤ ع ٨

ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں‘ یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا الٹے طور سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے‘ یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں تو ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے ○ ہاں جو لوگ ان سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر اختیار پالو‘ تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے ○

فساد اور قتل و غارت : ☆☆ (آیت:٢٣-٢٤) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہؐ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور فساد مچا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں‘ چاہیں تو الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں ”یہ حرودیہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے“۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی اس فعل کا مرتکب ہو‘ اس کے لئے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے‘ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری

جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضورؐ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہؓ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لائیں چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں۔ اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا نہ ان کے زخم دھوئے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسولؐ سے لڑتے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں، مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی، سرسام کی بیماری تھی۔ حضورؐ نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑ سوار بھیجے تھے اور ایک کھوجی تھا جو نشان قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے، انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو دی ہو، تم بیان کرو تو آپؓ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے۔ بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنا لی تب تو مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے اور تین عکل کے تھے، یہ سب تندرست ہو گئے تو یہ مرتد بن گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے اور زناکار بھی تھے، جب یہ آئے تو اب سب کے پاس بوجہ فقیری پہننے کے کپڑے تک نہ تھے۔ یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے ہی والے تھے جو ہم نے انہیں جا لیا، وہ پانی مانگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا، یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، ان کے سردار حضرت جریرؓ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا۔ اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا، پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ وہی ان کے ساتھ کیا گیا واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے، اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کا ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا۔ چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے، اس لئے حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں، انہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے، جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا، ان میں ایک شاہ زور حضرت کرز بن جابرؓ فہری تھے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمتہ اللہ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ابوحمزہ عبدالکریمؒ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضورؐ سے مدینے کی آب و ہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی، جب حضورؐ کو ان کی دغابازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا علم ہوا تو آپؐ نے منادی کرائی کہ اللہ کے لشکریو اٹھ کھڑے ہو۔ یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے۔ ان مرتد ڈاکوؤں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے، خود حضورؐ بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے، وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے ہی کو تھے کہ صحابہؓ نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے، انہیں لے کر حضورؐ کے

سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری۔ ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔

پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد حضورؐ نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں یہ بنو سلیم کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضورؐ نے جو سزا انہیں دی، وہ اللہ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت کو اس سزا سے روکا گیا ہے۔ جیسے آیت عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ میں اور بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک کاٹنے سے جو ممانعت فرمائی ہے، اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہوگئی لیکن یہ ذرا غور طلب ہے۔ پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں، حدود اسلام مقرر ہوں۔ اس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا، بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضورؐ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے لیکن یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضورؐ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔

محمد بن عجلانؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے جو سخت سزا انہیں دی، اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں صحیح سزا بیان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں، لیکن اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضورؐ کے اس فعل پر آپ کو ڈانٹا گیا ہو۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے جو کیا تھا، اس کا وہی بدلہ مل گیا۔ اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا۔

اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا کے ہیں۔ مالک، اوزاعی، لیث، شافعی، احمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر ان کی سزا یہی ہے بلکہ امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا، نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ نہیں، وہ کہتے ہیں ''کہ محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے، راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے''۔ جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے، اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے، راستوں کو پر خطر بنا دے، امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم اگر شکار کھیلے تو اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا ہے یا ان کے برابر روزے رکھنا ہے، بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کرنے والے کے فدیئے میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔ قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دس مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے،

اسی طرح ایسے محارب‘ مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرح سے کاٹنا ہے یا جلاوطن کرنا اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے۔ جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوتے ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر راستے پرخطر کر دیئے ہوں‘ لوگوں کو خوفزدہ کر دیا ہو اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلاوطنی ہے۔

اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یونہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر چھوڑ کر پھر اتار لیا جائے یا یونہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ہم ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ وارد کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے‘ اگر اس کی سند صحیح ہو تو وہ یہ کہ حضورؐ نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا‘ آپؑ نے فرمایا ”جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا‘ ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور جس نے قتل اور دہشت گردی پھیلائی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے‘ اسے سولی چڑھا دو“۔

فرمان ہے ”کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر انہیں بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے“۔ شعبیؒ تو نکال ہی دیتے تھے اور عطا خراسانیؒ کہتے ہیں ”ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے۔ یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے“ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں‘ اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔ ابن جریرؒ کا مختار قول یہ ہے ”کہ اسے اس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔ ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و رذیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ آیت کا یہ ٹکڑا تو ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور مسلمانوں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے‘ حضورؐ نے ہم سے ویسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لئے تھے۔ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں‘ چوری نہ کریں‘ زنا نہ کریں‘ اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں‘ ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں۔ جو اس وعدے کو نبھائے‘ اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے‘ پھر اگر اسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس امر کا اللہ ہی مختار ہے۔ اگر چاہے عذاب کرے‘ اگر چاہے چھوڑ دے۔ اور حدیث میں ہے‘ جس کسی نے کوئی گناہ کیا‘ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ کی ذات اور اس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے‘ معاف کیے ہوئے جرائم کو دوبارہ کرنے پہ اسے دنیوی سزا ملے گی۔ اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے‘ ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔

پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے‘ اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے لیکن جو مسلمان مغرور ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کاٹنا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا کٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں‘ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے‘ صحابہؓ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ جاریہ بن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا‘ مسلمانوں سے لڑا‘ اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علیؓ سے سفارش کی‘ جن میں حضرت حسن بن علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تھے لیکن آپ نے

اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا' آپ نے اپنے گھر میں اسے ٹھہرایا اور حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا' بتایئے تو جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے' پھر ان آیتوں کی قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡهِمۡ تک تلاوت کی تو آپ نے فرمایا' میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا' یہ جاریہ بن بدر ہے' چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔

قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے' ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا' اے امیر کوفہ فلاں بن فلاں مرادی قبیلے کا ہوں' میں نے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی لڑی' زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں' اس سے پہلے میں تائب ہو گیا۔ اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے' اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اسے ہلاک کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر بغاوت کر گیا' اللہ نے بھی اس کے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔ علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی گزرگاہوں میں دہشت پھیلا دی' لوگوں کو قتل کیا' مال لوٹا' بادشاہ لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا۔ ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا الخ' یہ اسے سن کر رک گیا اور اس سے کہا' اے اللہ کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سنا' اس نے پھر پڑھی' اللہ کی اس آواز کو سن کر کہ وہ فرماتا ہے' اے میرے گناہ گار بندو' تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ' میں سب گناہوں کو بخشنے پر قادر ہوں۔ میں غفور و رحیم ہوں۔ اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار میان میں کر لی' اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے پہنچ گیا' غسل کیا اور مسجد نبویؐ میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابوہریرہؓ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے' انہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب دن کا اجالا ہوا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی' بہت بڑا مجرم اور مفرور شخص علی اسدی ہے' سب نے چاہا کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سنو بھائیو' تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے' اس لئے کہ مجھ پر تمہارے قابو پانے سے پہلے ہی میں تو توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد خود تمہارے پاس آ گیا ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے' یہ اس وقت حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے' وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں' یہ توبہ کر چکے ہیں' اس لئے اب تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا' جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لئے چلی تو ان مجاہدوں کے ساتھ یہ بھی ہو لئے' سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آ گئیں' یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لئے ان کی کشتی میں کود گئے' ان کی آبدار خارا شگاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لا سکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے' یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے۔ چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا' اس لئے کشتی الٹ گئی جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی رحمتہ اللہ علیہ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا
فِیۡ سَبِیۡلِهٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۳۵ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا
لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لِیَفۡتَدُوۡا

بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝٣٦ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ
مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝٣٧

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو ○ یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی جتنا اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیئے میں دینا چاہئیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا یہ فدیہ قبول کر لیا جائے‘ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہی ہیں ○ یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے تو دوامی عذاب ہیں ○

تقویٰ قربت الٰہی کی بنیاد ہے: ☆☆ (آیت: ٣٥-٣٧) تقوے کا حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے منع کردہ کاموں سے جو شخص رکا رہے‘ اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرے۔ وسیلے کے یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہد‘ حضرت وائل‘ حضرت حسن‘ حضرت ابن زید اور بہت سے مفسرین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں‘ اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال کرنے سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ جنہیں یہ پکارتے ہیں‘ وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان ائمہ نے وسیلے کے جو معنی اس آیت میں کئے ہیں‘ اس پر سب مفسرین کا اجماع ہے‘ اس میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں۔

امام جریرؒ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے‘ جس میں وسیلہ بمعنی قربت اور نزدیکی کے مستعمل ہوا ہے۔ وسیلے کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول کریم ﷺ کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قریب یہی درجہ ہے۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے ''جو شخص اذان سن کر اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ الخ‘ پڑھے‘ اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے''۔ مسلم کی حدیث میں ہے ''جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہو‘ وہی تم بھی کہو‘ پھر مجھ پر درود بھیجو‘ ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو‘ وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا‘ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا‘ اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی‘ مسند احمد میں ہے‘ جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ مانگو‘ پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں۔

طبرانی میں ہے‘ تم اللہ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے‘ جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا‘ میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا۔ اور حدیث میں ہے‘ وسیلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کے ملنے کی دعا کرو۔ ایک غریب اور منکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ‘ حسینؓ کا نام لیا۔ ایک اور بہت غریب روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں‘ ایک سفید‘ ایک زرد‘ زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے‘ جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں جن میں سے ہر

ہر گھر تین میل کا ہے - اس کے دریچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں - اسی کا نام وسیلہ ہے‘ یہ محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے - تقویٰ کا یعنی ممنوعات سے رکنے کا اور حکم احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا ” کہ اس کی راہ میں جہاد کرو‘ مشرکین و کفار کو جو اس کے دشمن ہیں‘ اس کے دین سے الگ ہیں‘ اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں انہیں قتل کرو - ایسے مجاہدین بامراد ہیں‘ فلاح وصلاح‘ سعادت و شرافت انہی کے لئے ہے‘ جنت کے بلند بالاخانے اور اللہ کی بے شمار نعمتیں انہی کے لئے ہیں‘ یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے جہاں موت و فوت نہیں‘ جہاں کمی اور نقصان نہیں‘ جہاں ہمیشگی کی جوانی اور ابدی صحت اور دوامی عیش و عشرت ہے - اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ ایسے سخت اور بڑے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کے لئے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں‘ لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں‘ وہ دائمی اور ابدی اور دوامی ہیں - جیسے اور جگہ ہے کہ ” جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے - بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے ساتھ اوپر آ جائیں گے کہ داروغہ انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرا دیں گے - غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے “ - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ” ایک جہنمی کو لایا جائے گا - پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم کہو تمہاری جگہ کیسی ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین - اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کے لئے تو کیا کچھ خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کا سونا دے کر بھی یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا - اللہ تعالیٰ فرمائے گا‘ جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہی کم مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا - پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا “ (مسلم)

ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی - اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیرؒ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے؟ کہ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا الخ‘ یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں تو آپ نے فرمایا‘ اس سے پہلے کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ‘ پڑھو جس سے صاف ہو جاتا ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں - یہ کبھی نہ نکلیں گے (مسند وغیرہ)

دوسری روایت میں ہے کہ یزیدؒ کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا - اس لئے یہ سن کر انہوں نے حضرت جابرؓ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے الٹ کہتے ہیں - اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا - اس پر ان کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابرؓ بہت ہی حلیم الطبع تھے - انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کا جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے‘ وہ کفار ہیں - کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے؟ کہا پھر کیا یہ آیت قرآن نہیں ہے؟ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ الخ اس میں مقام محمود کا ذکر ہے - یہی مقام مقام شفاعت ہے - اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں ان کی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا - پھر جب چاہے گا‘ انہیں اس سے آزاد کر دے گا -

حضرت یزیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرا خیال ٹھیک ہو گیا - حضرت طلق بن حبیبؒ کہتے ہیں‘ میں بھی منکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابرؓ سے ملا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کے ہمیشہ رہنے والوں کا ذکر ہے‘ سب پڑھ ڈالیں تو آپ نے سن کر فرمایا‘ اے طلق کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں‘ وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کے لئے لیکن جو لوگ نکلیں گے‘ یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے - گناہوں

کے بدلے سزا بھگت لی- پھر جہنم سے نکال دیئے گئے- حضرت جابرؓ نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے اور وہ جہنم سے آزاد کر دیئے جائیں گے- قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں-

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ
ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾

چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو' بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا- یہ تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ قوت و حکمت والا ہے ○ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے- یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا' مہربانی کرنے والا ہے ○ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے- جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف فرما دے' اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

احکامات جرم و سزا: ☆☆ (آیت:۳۸-۴۰) حضرت ابن مسعودؓ کی قرات میں فَاقْطَعُوْٓا اَيْمَانَهُمَا ہے لیکن یہ قرات شاذ ہے گو عمل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بناء پر ہے- چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا- اسلام نے اسے تفصیل وار اور منظّم کر دیا' اسی طرح قسامت دیت فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظّم اور ادھورے' اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا- ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دویک نامی ایک خزاعی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے- اس نے کعبے کا غلاف چرایا تھا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا- بعض فقہا کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں- تھوڑی ہو یا بہت' محفوظ جگہ سے لی ہو یا غیر محفوظ جگہ سے' بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا-

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عام ہے تو ممکن ہے اس قول کا یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں- ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے' رسی چرائی ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے- جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے- گو اس کے تقرر میں اختلاف ہے- امام مالکؒ کہتے ہیں' تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت یا زیادہ کی کوئی چیز-

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضورؐ کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی- حضرت عثمان نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جبکہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا- حضرت عثمانؓ کا یہ فعل گویا صحابہؓ کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے پھل کے چور کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے- حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے- اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے پاؤ یا دینار کے تقرر میں- امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ- ان کی

دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں، پھر جو اس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہئے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار، پھر اس سے اوپر میں۔ پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم حضورؐ سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے، وہ اس کے خلاف نہیں، اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔ پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ عنہم لیث بن سعد اوزاعی، شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد بن ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم، دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے، چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو۔ اس سے کم میں نہیں۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا، ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ پس ان تمام احادیث سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم شرط لگانی کھلی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضورؐ کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا، اس کی قیمت نو درہم تھی، چنانچہ ابوبکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ سے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمروؓ مخالفت کرتے رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے۔ اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے۔ علی ابن مسعود، ابراہیم نخعی، ابوجعفر باقر رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں، پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہر یہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا۔ انہیں جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن یہ جواب ٹھیک نہیں اس لئے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقینی علم نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان بطور واقعہ کے بیان ہو۔ ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا تو گویا حضورؐ بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے خوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابوالعلا معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوا دیں، یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں، خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے، لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علماء کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا، پھر جواب بھی مشہور کر دیئے گئے، قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی، بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن و امان قائم ہوتا ہے، جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے، اس پر بڑا جرمانہ رکھا تا کہ لوگ اس برے فعل سے بچیں۔ وہاں یہی حکم مناسب تھا، چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تا کہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے پس یہ تو عین حکمت ہے۔ اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا، یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے

دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے، اسی عضو پر سزا ہو تا کہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہو جائے۔ اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے احکام میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے، اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیا کرتا ہے۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ اس شخص کا حق ہے لہٰذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے، اسے نہ پہنچائے یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں۔ دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک چور حضورؐ کے سامنے لایا گیا جس نے چادر چرائی تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا، میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہو گی۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہؐ میں نے چوری کی ہے، تو آپؐ نے فرمایا، اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو، جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو، انہوں نے توبہ کی، آپ نے فرمایا، اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرما لی۔ (رضی اللہ عنہ) ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر بن سمرہؓ حضورؐ کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہو گئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے۔ فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرا لیا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگا، اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا۔ تو نے تو میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا (رضی اللہ عنہ)۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیور چرا لئے۔ ان لوگوں نے حضورؐ کے پاس اسے پیش کیا، آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ، کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا، تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو، اس پر آیت فَمَنْ تَابَ نازل ہوئی۔ مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا، ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپؐ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی، لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں۔ یہ واقعہ غزوہ فتح میں ہوا تھا، بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو رسول اللہ ﷺ کے بہت پیارے ہیں، وہ ان کے بارے میں حضورؐ سے سفارش کریں۔ حضرت اسامہؓ نے جب اس کی سفارش کی تو حضورؐ کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا، اسامہؓ تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہؓ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی، میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ کے رسولؐ نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمد بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں، پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا۔ پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت ﷺ سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا) مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی پھر انکار کر جایا کرتی تھی حضورؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور روایت میں ہے، یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلالؓ کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمدللہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ سچا حاکم اللہ ہی ہے جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا، جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا، جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کاملہ اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ
قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ
سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ
هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ
فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ
اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ ۚ وَّلَهُمْ
فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

اے نبی تو ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل نہ کڑھا جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں، اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں۔ جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے۔ باتوں کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر انہیں بے اسلوب اور متغیر کر دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا، جس کا خراب کرنا اللہ ہی کو منظور ہو تو تو اس کے لئے اللہ کی ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں، اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بہت بڑی سخت سزا ہے ○

جھوٹ سننے اور کہنے کے عادی لوگ: ☆☆ (آیت:۴۱) ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو رائے، قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اللہ و رسول کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے، دل کے کھوٹے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں، یہ جھوٹ کو مزے مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں۔ لیکن سچ سے بھاگتے ہیں بلکہ نفرت کرتے ہیں اور جو لوگ آپ کی مجلس میں نہیں آتے، یہ یہاں کی وہاں پہنچاتے ہیں۔ ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں، پھر نالائقی یہ کرتے ہیں کہ یہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں۔ مطلب کچھ ہو لے کچھ اڑتے ہیں، ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا۔ اب کہنے لگے چلو حضورؐ کے پاس چلیں اگر آپ دیت و جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زنا کار کو لے کر آئے تھے۔ ان کی کتاب توریت میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے، الٹا گدھا سوار کر کے، رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زنا کاری کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے آؤ حضورؐ کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں اگر آپ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں گے اور اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی اور اگر رجم کو

فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضورؐ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے' ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' تمہارے ہاں توریت میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا' جھوٹ کہتے ہیں' تورات میں سنگسار کرنے کا حکم ہے' لاؤ تورات پیش کرو' انہوں نے تورات کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ سنائی' حضرت عبداللہؓ سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا' اپنے ہاتھ کو تو ہٹاؤ' ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی' اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضورؐ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا' حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت کو پتھروں سے بچانے کیلئے اس کے آڑے آ جاتا تھا (بخاری و مسلم) اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا' ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا' ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اسے چھپایا تھا' جو پڑھ رہا تھا' اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا' جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت پر اچٹتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ کو بلوایا تھا' اپنے مدرسے میں گدی پر آپ کو بٹھایا تھا اور جو توریت آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا' وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم توریت میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا' خاموش ہی کھڑا رہا' آپ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا' اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی توریت میں ان لوگوں کی سزا سنگساری ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت' ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زنا کاری کی۔ اس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اسے رجم نہ کیا پھر ایک عام آدمی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑو۔ آخر ہم نے مل ملا کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے توریت کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا الخ' اتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ (ابوداؤد)

سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ اَكّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ ؕ فَاِنۡ جَآءُوۡكَ فَاحۡكُمۡ
بَيۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ فَلَنۡ يَّضُرُّوۡكَ
شَيۡـئًا ؕ وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ وَعِنۡدَهُمُ التَّوۡرٰىةُ فِيۡهَا
حُكۡمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰۤـئِكَ
بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۳﴾ ع ۹ ۱۰

یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں' اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کر خواہ ان کو

ٹال دے۔ اگر تو ان سے منہ بھی پھیر لے گا تو بھی یہ تجھے ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔ عدل والوں سے اللہ محبت کرتا ہے ○ تعجب کی بات ہے کہ اپنے پاس توریت ہوتے ہوئے جس میں احکام اللہ ہیں، تجھے حکم بناتے ہیں پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں ○

(آیت: ۴۲-۴۳) مسند احمد ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا منہ کئے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رکھے تھے، تو آپ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا۔ انہوں نے کہا اس نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں، آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا، بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زناکاری کی سزا سنگساری ہے لیکن چونکہ امیر امراء اور شرفاء لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی، اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور اللہ کا حکم مارا نہ جائے اس لئے غریب غرباء، کم حیثیت لوگوں کو رجم کرا دیتے تھے۔ پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی سزا تجویز کرو کہ شریف و غیر شریف، امیر غریب پر سب پر یکساں جاری ہو سکے، چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ منہ کالے کر دیں اور کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو۔ چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا اور آپ نے فرمایا، اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ سے هُمُ الْكٰفِرُوْنَ تک نازل ہوئی۔

انہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ اور آیت میں ہے فاسق ہیں (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ واقعہ زنا فدک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینہ شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضورؐ سے پچھوایا تھا۔ جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن صوریا تھا، یہ آنکھ کا بھینگا تھا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضورؐ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قول دیا تھا، آپ نے انہیں کہا تھا، تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لئے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچا لیا تھا اور من و سلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے اور آپس میں کہنے لگے، بڑی زبردست قسم ہے، اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں، تو کہا حضور توریت میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی، پھر اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کرا دیا گیا۔ اس پر آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ الخ اتری (ابوداؤد وغیرہ)

ایک روایت میں جو دو عالم سامنے لائے گئے تھے، یہ دونوں صوریا کے لڑکے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی، پھر آپ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں اس برائی میں دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ دراصل توراۃ وغیرہ کا منگوانا، ان کے عالموں کو بلوانا، یہ سب انہیں الزام دینے کے لئے نہ تھا، نہ اس لئے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلّف ہیں، نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے، اس سے مقصد ایک تو حضورؐ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی توریت میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکلا، دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمان الٰہی کو چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں، اور اس لئے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضورؐ کے پاس اس لئے نہیں آئے تھے کہ آپ کی فرمانبرداری کریں بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ اگر آپؐ کو بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں گے تو

اتحاد کرلیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے۔

اسی لئے فرمان ہے کہ ''جنہیں اللہ گمراہ کردے تو ان کو کسی قسم سے راہ راست آنے کا اختیار نہیں ہے۔ ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ کا ارادہ نہیں ہے' یہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوں گے اور آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن دیہاڑے کھانے والے ہیں' بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر' اگر تو ان سے منہ پھیر لے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا قصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے''۔ بعض بزرگ کہتے ہیں' یہ آیت منسوخ ہے۔ اس آیت سے وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ پھر فرمایا ''اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل وانصاف کے ساتھ کر' گو یہ خود عالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور مان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے''۔

پھر ان کی خباثت' بدباطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ''ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں' دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے' پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے گا تو لے لیں گے' ورنہ چھوڑ چھاڑ دیں گے''۔ تو فرمایا کہ یہ کیسے تیری فرماں برداری کریں گے؟ انہوں نے تو توریت کو بھی چھوڑ رکھا ہے جس میں اللہ کے احکامات ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّ نُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ
الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبّٰنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا
مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا
النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ
يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾

دراصل یہ ایمان ویقین والے ہیں ہی نہیں' ہم نے ہی توریت نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت ونور ہے' یہودیوں میں اسی توریت کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء' اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو صرف میرا ڈر رکھو' میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو۔ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں' وہ پورے اور پختہ کافر ہیں ○

(آیت:۴۴) پھر اس توریت کی مدحت وتعریف بیان فرمائی۔ جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت ونورانیت تھی۔ انبیاء جو اللہ کے زیر فرمان تھے' اسی پر فیصلہ کرتے رہے' یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے' تبدیلی اور تحریف سے بچے رہے' ربانی یعنی عابد' علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے۔ کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ وشاہد تھے۔ اب تمہیں چاہئے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم اور لحہ لحہ پر خوف رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ مانے' وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے ان شاءاللہ۔

ان آیتوں کا ایک شان نزول بھی سن لیجئے - ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا‘ دوسری میں ظالم‘ تیسری میں فاسق - بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے - ایک غالب تھا‘ دوسرا مغلوب - ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز کو قتل کر دے تو ایک سو وسق دیت دے - یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا - جب حضورؐ مدینے میں آئے‘ اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا - یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلواؤ‘ وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے‘ ایک ہی دین کے‘ ایک ہی نسب کے‘ ایک ہی شہر کے‘ پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ؟ ہم چونکہ اب تک تمہارے دبے ہوئے تھے‘ اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں‘ ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو - اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں - پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کریں گے - لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھداروں نے کہا‘ دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضورؐ کوئی ناانصافی پہ مبنی حکم کریں - یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا - جو تم نے آنحضرت ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا - کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو کسی کو حضورؐ کے پاس چپکے سے بھیج دو‘ وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اگر ہماری حمایت میں ہوا تب تو بہت اچھا‘ چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہوا تو پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں - چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرتؐ کے پاس بھیجا - اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچیں‘ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسولؐ کو ان دونوں فرقوں کے بدارادوں سے مطلع فرما دیا (ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ تھے - بنونضیر کی پوری دیت تھی اور بنوقریظہ کی آدھی - حضورؐ نے دونوں کی دیت یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا - ایک روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں‘ سو وسق دیت تھی - یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا‘ ادھر زنا کا قصہ واقع ہوا ہو جس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں - واللہ اعلم - ہاں ایک بات اور ہے جس سے اس دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے‘ وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَا الخ‘ یعنی ہم نے یہودیوں پر توریت میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض جان‘ آنکھ کے عوض آنکھ - واللہ اعلم -

پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں - گو یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے - بنو اسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے - ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے - سدیؒ فرماتے ہیں‘ جس نے وحی الٰہی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا‘ جاننے کے باوجود اس کے خلاف کیا‘ وہ کافر ہے - ابن عباسؓ فرماتے ہیں‘ جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا‘ اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا‘ وہ ظالم اور فاسق ہے - خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی اور ہو - شعبیؒ فرماتے ہیں ”مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا‘ وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے“ - ابن عباسؓ فرماتے ہیں‘ اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے“ - طاؤسؒ فرماتے ہیں ”اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو

سرے سے اللہ کے رسول، قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو"۔ عطاؒ فرماتے ہیں کتم (چھپانا) کفر سے کم ہے۔ اسی طرح ظلم وفسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا ہو جاتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو"۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ
وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٤٥

ہم نے یہودیوں کے ذمہ توریت میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت، دانت کے بدلے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے، وہی لوگ ظالم ہیں ○

قتل کے بدلے تقاضائے عدل ہے: ☆☆ (آیت: ۴۵) یہودیوں کو اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا، یہ کھلم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنونضیر کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف کالا منہ کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی لئے وہاں تو انہیں کافر کہا۔ یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا وَالْعَيْنُ پڑھنا بھی مروی ہے (ابوداؤد وغیرہ) علماء کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جا ہے ہمارے سامنے بطور تقریر بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے۔ جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں، اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک تو وہی جو بیان ہوا، ایک اس کے بالکل برعکس۔ ایک یہ کہ صرف ابراہیمی شریعت جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں، اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے خلاف اجماع ہے لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان

لازم نہیں آتا تاوقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو- بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے' اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی' حضورؐ کے پاس معاملہ آیا- آپ نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا' اس پر حضرت انس بن نضرؓ نے فرمایا' کیا اس عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا- ہاں اے انس- اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے- یہ سن کر فرمایا' نہیں نہیں یارسول اللہؐ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے- اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے' چنانچہ ہوا بھی یہی کہ وہ لوگ راضی رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا- اس وقت آپؐ نے فرمایا' بعض بندگان رب ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے- دوسری روایت میں ہے کہ پہلے انہوں نے نہ تو معافی دی' نہ دیت لینی منظور کی- نسائی وغیرہ میں ہے' ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے' ان لوگوں نے حضورؐ سے آ کر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں- مال ہمارے پاس نہیں تو حضورؐ نے ان پر کوئی جرمانہ نہ رکھا- ہوسکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کرالیا ہو-

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی' آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی' ناک کاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا' دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا- اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں- مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں- جبکہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں- اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں' ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی- قاعدہ اعضا کا کٹنا تو جوڑ سے ہوتا ہے- اس میں تو قصاص واجب ہے- جیسے ہاتھ' پیر' قدم' ہتھیلی وغیرہ- لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں' ان کی بابت حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف و خطر کی جگہ ہے''-

ان کے برخلاف ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں' بجز دانت کے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں- یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطا' شعبی' حسن بصری' زہری' ابراہیم' نخعی رحمھم اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں' سفیان ثوریؒ اور لیث بن سعدؒ بھی- امام احمدؒ سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے- امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضورؐ کا فرمودہ ہے- لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا- کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں- اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے- ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ''ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار ماردی جس سے اس کی کلائی کٹ گئی' حضرتؐ کے پاس مقدمہ آیا' آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو' اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا اسی کو لے لے- اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا- لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے' اس کے ایک راوی ہثم بن عشکی اعرابی ضعیف ہیں' ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی' دوسرے راوی غران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں- پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا- اس کی دلیل مسند احمدؒ کی یہ حدیث ہے کہ

ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری' وہ آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے' آپ نے دلوا دیا' اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میں تو لنگڑا ہو گیا' آپؐ نے فرمایا' میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا' اب تیرے اس لنگڑے پن کا بدلہ کچھ نہیں۔ پھر حضورؐ نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرمایا۔

مسئلہ: ☆☆ اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لے لیا گیا' اس میں یہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ مالکؒ شافعیؒ احمدؒ اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا یہی قول ہے۔ ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ ''اس پر دیت واجب ہے' اسی کے مال میں سے''۔ بعض اور بزرگ فرماتے ہیں ''اس کے ماں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ دیت واجب ہے''۔ بعض اور حضرات کہتے ہیں ''بقدر اس کے بدلے کے تو ساقط ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے''۔

پھر فرماتا ہے ''جو شخص قصاص سے درگزر کرے اور بطور صدقے کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور جو زخمی ہوا ہے' اسے ثواب ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے''۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ زخمی کے لئے کفارہ ہے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے''۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ آیا ہے کہ ''اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگزر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ثلث ہے تو تہائی گناہ' آدھی ہے تو آدھے گناہ اور پوری ہے تو پورے گناہ۔ ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپ نے فرمایا اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابو درداءؓ وہیں تھے۔ فرمانے لگے ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم میں کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کر لے' بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے'' اس انصاریؓ نے یہ سن کر کہا' کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضور کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے' اس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا (ابن جریر) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے لیکن امام ترمذیؒ کہتے ہیں' یہ حدیث غریب ہے۔ ابوسفر راوی کا ابو درداءؓ سے سننا ثابت نہیں۔ اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوا تھا' اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جو شخص خون یا اس سے کم کو معاف کر دے وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کا کفارہ ہے''۔ مسند میں ہے کہ جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ مسند میں یہ بھی حدیث ہے ''اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں''۔ پہلے گزر چکا ہے' کہ کفر کفر سے کم ہے' ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجا جو اپنے سے آگے کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم ہی نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی پارسا لوگوں کے لئے ○ انجیل والوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے' اسی کے مطابق حکم کریں' جو اللہ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں' وہ بدکار فاسق ہیں ○

باطل کے غلام لوگ: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۷) انبیاء بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰؑ نبی کو لائے جو توریت پر ایمان رکھتے تھے' اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے' ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور پہلی الہامی کتابوں کی تصدیق تھی' ہاں چند مسائل جن میں یہودی اختلاف کرتے تھے' ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا' میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔ اسی لئے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے توریت کے بعض احکام منسوخ کردیئے ہیں۔ انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی کی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں۔ اَهْلَ لِاِنْجِيْلِ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں وَلْيَحْكُمْ میں لام ے کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو انجیل اس لئے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے اپنے ماننے والوں کو اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے اور مشہور قراۃ وَلْيَحْكُمْ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انہیں چاہئے کہ انجیل کے کل احکام پر ایمان لائیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ الخ' یعنی اے اہل کتاب جب تک تم توریت و انجیل پر اور جو کچھ اللہ کی طرف اترا ہے' اگر اس پر قائم نہیں ہو تو تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الخ' جو لوگ اس رسول نبی (ﷺ) کی تابعداری کرتے ہیں جس کی صفت اپنے ہاں توریت میں لکھی ہوئی پاتے ہیں' وہ لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اللہ کی اطاعت سے خارج' حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں' یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے۔ روش آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گزر چکا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ ﴿۴۸﴾

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ سو تو ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کر' اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ' تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی ہے' اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے' اس میں تمہیں آزمائے۔ تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو' تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز جتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ○

قرآن ایک مستقل شریعت ہے: ☆☆ (آیت:۴۸) توریت وانجیل کی ثناء وصفت اور تعریف و مدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہورہی ہے کہ ''ہم نے اسے حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ یہ بالیقین اللہ واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے۔ یہ تمام پہلی الٰہی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت وثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسولؐ پر اترے گی۔ پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے''۔

جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہٖۤ الخ، جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا، جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا، اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی، وہ پوری ہوئی اور آخری رسول، رسولوں کے سرتاج رسول آ ہی گئے۔ اور یہ کتاب ان پہلی کتابوں کی امین ہے۔ یعنی اس میں جو کچھ ہے وہی پہلی کتابوں میں بھی تھا، اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں پہلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے۔ جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں جمع تھیں، وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں۔ اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے جیسے فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ بعض نے کہا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ حضورؐ اس کتاب پر امین ہیں۔ واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربی زبان کے اعتبار سے بھی یہ غور طلب امر ہے۔ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے امام ابن جریرؒ نے بھی حضرت مجاہدؒ سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے ''یہ بہت دور کی بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے مُھَیۡمِنۡ کا عطف مصدق پر ہے، پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا۔ اگر حضرت مجاہدؒ کے معنی صحیح مان لئے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی۔

وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعۡ
اَہۡوَآءَہُمۡ وَاحۡذَرۡہُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡکَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ
اللّٰہُ اِلَیۡکَ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ
یُّصِیۡبَہُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ
لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ
اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع ۷ ۱۱

آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے، ان سے ہوشیار رہ کہ کہیں یہ تجھے اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کر دیں، اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو تو یقین کر لے کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی لی۔ اکثر لوگ بے حکم ہی ہوتے ہیں ○ کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے ○

(آیت:۵۰) خواہ عرب ہوں، خواہ عجم ہوں خواہ لکھے پڑھے ہوں، خواہ ان پڑھ ہوں۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سے مراد وحی اللہ ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو، خواہ جو پہلے احکام اللہ نے مقرر کر رکھے ہوں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی۔ اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں، چاہیں نہ کریں لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الٰہی کے ساتھ ان میں فیصلہ کرنے

ضروری ہیں۔ ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، خبردار اے نبیؐ تو ان کی چاہتوں کے پیچھے لگ کر، حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔ کسی چیز کی طرف ابتداء کرنے کو شرعۃ کہتے ہیں۔ منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو۔ پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ پہلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں، وہ سب توحید پر متفق تھیں البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا۔ جیسے حدیث شریف میں ہے ''ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہم سب کا دین ایک ہی ہے، ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان، اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت دی جاتی رہی''۔

جیسے قرآن فرماتا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسولؐ ہم نے بھیجے، ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو، اور آیت میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا الخ، ہم نے ہر امت کو بزبان رسول کہلوا دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ احکام کا اختلاف ضرور، کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی، پھر حلال ہو گئی یا اس کے برعکس یا کسی حکم میں تخفیف تھی، اب تاکید ہو گئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ مثلاً توریت ایک شریعت ہے، انجیل ایک شریعت ہے، قرآن ایک مستقل شریعت ہے، تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے۔ البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمدؐ، تم میں سے ہر شخص کے لئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے۔ تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری کرنی چاہئے۔ اس صورت میں جَعَلْنَا کے بعد ضمیرہ کی محذوف ماننی پڑے گی۔ پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا۔ کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی۔ لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے، ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے، یہاں تک کہ تمام اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے۔ یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔ پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہئے۔ اللہ کی اطاعت، اس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہئے اور اس آخری شریعت، آخری کتاب اور آخری پیغمبر کی بہ دل و جاں فرماں برداری کرنی چاہئے۔ لوگو تم سب کا مرجع و ماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتا دے گا، سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بروں کو ان کی کج بحثی، سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا۔

جو حق کو ماننا تو ایک طرف بلکہ حق سے چڑتے ہیں اور مقابلے کرتے ہیں۔ ضحاکؒ کہتے ہیں، مراد امت محمد ﷺ ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے۔ پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ ''دیکھو کہیں ان خائن، مکار، کذاب کفار یہود کی باتوں میں آ کر اللہ کے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ ہو جانا۔ اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے۔ اسی لئے توفیق خیر ان سے چھین لی گئی۔ اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج۔ اللہ کے دین کے مخالف ہدایت سے دور ہیں''۔ جیسے فرمایا وَمَآ اَکْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ یعنی گو تو

حرص کر کے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں- اور فرمایا وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ حق سے بہکا دیں گے- یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں' آپ صرف اتنا کیجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے' اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجئے- آپؐ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں-

اس کے بعد جناب باری تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں جس میں تمام بھلائیاں موجود اور تمام برائیاں دور ہیں- ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف' خواہش نفسانی کی طرف اور ان احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی جہالت وضلالت اور اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خان کے احکام کی پیروی کرتے تھے جو الیاسق نے گھڑ دیئے تھے- وہ بہت سے احکام کے مجموعے اور دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے- یہودیت' نصرانیت' اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے جو صرف اپنی عقل اور مصلحت وقت کے پیش نظر ایجاد کئے گئے تھے جن میں اپنی خواہش کی ملاوٹ بھی تھی- پس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے اور اسی کو کتاب وسنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی- درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی طرف آ جائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے' اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب وسنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکم رب سے سرک رہے ہیں؟ یقین والوں کے لئے اللہ سے بہتر حکمران اور کارفرما کون ہوگا؟ اللہ سے زیادہ عدل وانصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور الرحم الراحمین سے زیادہ اچھے' صاف' سہل اور عمدہ احکام وقواعد اور مسائل وضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے- وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے- وہ پورے اور پختہ علم والا' کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل وانصاف والا ہے- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں ''اللہ کے فیصلے کے بغیر جو فتویٰ دے' اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے''- ایک شخص نے حضرت طاؤسؒ سے پوچھا' کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی- طبرانی میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''سب سے بڑا اللہ کا دشمن وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور حیلہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے''- یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ہے-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى
اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱

اے ایمان والو تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ- یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں- تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے' وہ انہی میں سے ہے- ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا ○

دشمن اسلام سے دوستی منع ہے: ☆☆ (آیت: ۵١-۵٢) دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ "وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض و عداوت ہے۔ ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔ میرے نزدیک تو جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ انہی میں سے ہے"۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو اس بات پر پوری تنبیہہ کی اور یہ آیت پڑھ سنائی۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا لوگو! تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ کے نزدیک یہود و نصرانی بن جاؤ۔ ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے۔ ابن عباسؓ سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت و مودت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہماری تباہی کر دیں گے۔ اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں۔ ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ
نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ
اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
نٰدِمِيْنَ ۝٥٢ۭ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا
خٰسِرِيْنَ ۝٥٣

تو دیکھے گا کہ جن کے دل میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے۔ پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں ○ اور ایماندار کہنے لگیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے ○

(آیت: ۵٢-۵٣) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ممکن ہے اللہ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں حکومت ان کے قدموں میں سر ڈال دے۔ یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے۔ پھر تو یہ منافقین جو آج لپک لپک کر ان سے گہری دوستی کرتے پھرتے ہیں بڑے بھنانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے۔ ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے اے لو یہی وہ لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے جو پایا تھا وہ کھو دیا تھا اور برباد ہو گئے۔ وَيَقُوْلُ تو جمہور کی قرات ہے۔ ایک قرات بغیر واؤ کے بھی ہے۔ اہل مدینہ کی یہی قرات ہے يَقُوْلُ تو مبتدا ہے اور دوسری قرات اس کی يَقُوْلَ ہے تو یہ فَعَسٰی پر عطف ہو گا گویا وَاَنْ يَقُوْلَ ہے۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تاکہ موقع پر مجھے نفع پہنچے

دوسرے نے کہا میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں' اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا- اس پر یہ آیتیں اتریں- عکرمہؒ فرماتے ہیں "لبابہ بن عبدالمنذرؓ کے بارے میں یہ آیتیں اتریں جبکہ حضورؐ نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضورؐ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے"- ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتری ہیں- حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرتؐ سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں- مجھے اللہ رسول کی دوستی کافی ہے- اس پر اس منافق نے کہا میں' دور اندیش ہوں' دور کی سوچنے کا عادی ہوں- مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا- نہ جانے کس وقت کیا موقعہ پڑ جائے؟ حضورؐ نے فرمایا' اے عبداللہ تو عبادہؓ کے مقابلے میں بہت ہی گھاٹے میں رہا' اس پر یہ آیتیں اتریں- ایک روایت میں ہے کہ "جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری حالت ہو' اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو' انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں' فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تو تمہیں بتا دیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں- اس پر حضرت عبادہؓ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے- جب یہودیوں کے اس قبیلہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب یہ غالب آ گئے تو اب عبداللہ بن ابی آپ سے کہنے لگا' حضورؐ میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے- یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے- حضورؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا' اس نے پھر کہا' آپ نے منہ موڑ لیا' یہ آپ کے دامن سے چپک گیا' آپ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے' اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! میں نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں' ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے- مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا کھٹکا ہے- آخر حضورؐ نے فرمایا' جاوہ سب تیرے لئے ہیں"- ایک روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور اللہ نے انہیں نیچا دکھایا تو عبداللہ بن ابی ان کی حمایت حضورؐ کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ان سے صاف برات ظاہر کی- اس پر یہ آیتیں هُمُ الْغٰلِبُوْنَ تک اتریں- مسند احمد میں ہے کہ "اس منافق عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے حضورؐ تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا' میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا تو اس نے کہا' سعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا- وہ بھی مر گیا"-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ
يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی- نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر- اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ بھی نہ کریں گے' یہ ہے اللہ کا فضل جسے چاہے دے- اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے ○

قوت اسلام اور مرتدین : ☆☆ (آیت:٥٤) اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا' جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے جیسے اور آیت میں ہے و ان تتلوا اور آیت میں ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ اور جگہ فرمایا وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ الخ' مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا- ارتداد کہتے ہیں' حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو- محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں ''یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اتری ہے''- حسن بصریؒ فرماتے ہیں ''خلافت صدیقؓ میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے' ان کا حکم اس آیت میں ہے- جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ دے رہا ہے' وہ اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے- یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلہ کے ہیں''- ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی پچھلی بات بیان ہوئی ہے- ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' وہ اس کی قوم ہے-

اب ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ ''یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے' جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے' ان پر بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں- جیسے فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ حضورؐ کی صفتوں میں ہے کہ آپ خندہ مزاج بھی تھے اور قتال بھی یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ' خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو- سچے مسلمان راہ حق کے جہاد سے نہ منہ موڑتے ہیں' نہ پیٹھ دکھاتے ہیں نہ تھکتے ہیں' نہ بزدلی اور آرام طلبی کرتے ہیں نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں' نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں- وہ برابر اطاعت الٰہی میں' اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں' بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں- حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں ''مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا ہے- مسکینوں سے محبت رکھنے' ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے' صلہ رحمی کرتے رہنے گو دوسرے نہ کرتے ہوں اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے' حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بہ کثرت لاحول ولا قوة باللہ پڑھنے کا' کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے''- (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے ''میں نے حضورؐ سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپ نے مجھے یاددہانی کی ہے اور سات مرتبہ اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی کی بدگوئی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا- مجھے بلا کر حضورؐ نے فرمایا' کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے شرط کی' کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا- میں نے کہا بہت اچھا' فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لینا''- (مسند احمد) حضورؐ فرماتے ہیں ''لوگوں کی ہیبت میں آ کر حق گوئی سے نہ رکنا' یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے- ملاحظہ ہو امام احمدؒ کی مسند- فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ کر' سن کر اپنے آپ کو کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا- ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہو گی- اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپ ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ فرمائے گا' میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا- (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے لوگوں کو خلاف شرع کام کرتے دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا کہ پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا (ابن ماجہ) ایک اور صحیح حدیث میں ہے ''مومن کو نہ چاہئے کہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے- صحابہؓ نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا ان بلاؤں کو اپنے اوپر لے

لے جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو"۔ پھر فرمایا' اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ یعنی کمال ایمان کی یہ صفتیں خاص اللہ کا عطیہ ہیں۔ اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے' اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے' خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع ٨ ٦ ١٢

مسلمانو تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسولؐ ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور وہ خشوع وخضوع کرنے والے ہیں ○ جو شخص اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی ○

(آیت: ۵۵-۵۶) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ سے اس کے رسولؐ اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں۔ مومن بھی وہ جن میں یہ صفتیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں' جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ کا حق ہے اور زکوۃ ادا کرتے ہیں جو اللہ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے اور آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے کہ یہ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو یہ تو نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل ہی نہیں۔ ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نماز کے رکوع میں تھے جو ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی' وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد بقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علیؓ ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں' رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں۔ پس یہ واقعہ بالکل غیر ثابت شدہ ہے اور صحیح نہیں۔ ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑی اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور باایمان لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے' اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ "جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے' وہ اللہ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ کا لشکر غالب ہے"۔ جیسے فرمان باری ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ یہ دیکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسولؐ ہی غالب رہیں گے' اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی پسند نہ آئے گا چاہے وہ باپ' بیٹے' بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگوں میں سے ہی کیوں نہ ہو' یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' رب ان سے راضی ہے' یہ اللہ سے خوش ہیں۔ یہی اللہ کے لشکر ہیں اور اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔ پس جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنوں کی دوستیوں پر راضی اور رضامند ہو جائے' وہ دنیا میں فاتح ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے۔ اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ
هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ
اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى
الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں۔ اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○ جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں' یہ اس واسطے کہ یہ بے عقل ہیں ○

اذان اور دشمنان دین: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ''کیا تم ان سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کی ہنسی اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں''۔ من بیان جنس کے لئے جیسے مِنَ الْاَوْثَانِ میں۔ بعض نے والکفار پڑھا ہے اور عطف ڈالا ہے اور بعض نے والکفار پڑھا ہے اور لَاتَتَّخِذُوْا کا نیا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت ولا الکفار اولیاء ہوگی' کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں ومن الذین اشرکوا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور ان سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کے' اللہ کی شریعت کے دشمن ہیں۔ جیسے فرمایا لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ' مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کریں اور جو ایسا کرے' وہ اللہ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں۔ ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی طرح یہ کفار اہل کتاب اور مشرک اس وقت بھی مذاق اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کے لئے لوگوں کو پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے اس لئے کہ یہ متبع شیطان ہیں۔ اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی بدبو چھوڑ کر دم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے جہاں اذان کی آواز نہ سن پائے۔ اس کے بعد آ جاتا ہے۔ پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آ کر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے' انسان کو ادھر ادھر کی بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعت پڑھیں؟ جب ایسا ہو تو وہ سجدہ سہو کر لے (متفق علیہ)۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں ''اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت کی''۔ ایک نصرانی مدینے میں تھا۔ اذان میں جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰهِ سنتا تو کہتا' کذاب جل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی' کوئی پتنگا اڑا جس سے گھر میں آگ لگ گئی' وہ شخص اس کا گھر بار سب جل کر ختم ہو گیا۔ فتح مکہ والے سال حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا' قریب ہی ابوسفیان بن حرب' عتاب بن اسید' حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے' عتاب نے تو اذان سن کر کہا' میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا' اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی نہ لیتا۔ ابوسفیان نے کہا بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا' ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کر دیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں کہ حضورؐ آ گئے اور فرمانے لگے' اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کیں ہیں' یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ

کے سچے رسولؐ ہیں‘ یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں‘ ورنہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپؐ سے کہہ دیا ہوگا (سیرۃ محمد بن اسحاق)

حضرت عبداللہ بن جبیرؒ جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے‘ کہا آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے - فرمایا‘ ہاں سنو - جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے‘ راستے میں ہم لوگ ایک جگہ رکے تو نماز کے وقت حضورؐ کے مؤذن نے اذان کہی‘ ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا‘ کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں - سپاہی آیا اور ہمیں آپؐ کے پاس لے گیا - آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ نے اور سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اٹھو ’’اذان کہو‘‘ واللہ اس وقت حضورؐ کی ذات سے اور آپ کی فرماں برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا‘ کھڑا ہو گیا‘ اب خود آپؐ نے مجھے اذان سکھائی اور جو سکھاتے رہے‘ میں کہتا رہا‘ پھر اذان پوری بیان کی - جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی‘ پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے - پھر فرمایا‘ اللہ تجھ پر اپنی برکت نازل کرے - اب تو اللہ کی قسم میرے دل سے رسول کی عداوت بالکل جاتی رہی‘ ایسی محبت حضورؐ کی دل میں پیدا ہو گئی میں نے آرزو کی کہ مکے کا مؤذن حضورؐ مجھ کو بنا دیں - آپؐ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکے میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسیدؓ سے مل کر اذان پر مامور ہو گیا - حضرت ابو محذورہؓ کا نام سمرہ بن مغیرہ بن لوذان تھا - حضورؐ کے چار مؤذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے مؤذن رہے - رضی اللہ عنہ وارضاہ -

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹
قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ
لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ
وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ
السَّبِيْلِ ۝۶۰ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ
وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝۶۱

کہہ دے کہ اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اسی وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں ○ کہہ کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برے بدلے والا اللہ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصے ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور وہ جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی‘ یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں ○ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی؟ یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ خوب دانا ہے ○

بدترین گروہ اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت:۵۹-۶۱) حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین پر مذاق اڑاتے ہیں‘ ان سے کہو کہ تم

نے جو دشمنی ہم سے کر رکھی ہے' اس کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں- پس در اصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے' نہ سبب مذمت' یہ استثنا منقطع ہے- اور آیت میں ہے وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ الخ یعنی فقط اس وجہ سے انہوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ وہ اللہ عزیز وحمید کو مانتے تھے- اور جیسے اور آیت میں ہے وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور رسولؐ نے مال دے کر غنی کر دیا ہے-

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ''ابن جمیل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ نے اسے غنی کر دیا اور یہ کہ تم میں سے اکثر صراط مستقیم سے الگ اور خارج ہو چکے ہیں- تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو' آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں سے بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں- یعنی جسے اللہ نے لعنت کی ہو' اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہو' اس پر غضبناک ہوا ہو' ایسا جس کے بعد رضامند نہیں ہوگا اور جن میں سے بعض کی صورتیں بگاڑ دی ہوں' بندر اور سور بنا دیئے ہوں'' - اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے- حضورؐ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بندر و سور وہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ''جس قوم پر اللہ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے' ان کی نسل ہی نہیں ہوتی' ان سے پہلے بھی سور اور بندر تھے''-

روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے- مسند میں ہے کہ ''جنوں کی ایک قوم سانپ بنا دی گئی تھی- جیسے کہ بندر اور سور بنا دیئے گئے- یہ حدیث بہت ہی غریب ہے- انہی میں سے بعض کو غیر اللہ کے پرستار بنا دیئے- ایک قرات میں اضافت کے ساتھ طاغوت کی زیر سے بھی ہے- یعنی انہیں بتوں کا غلام بنا دیا- حضرت بریدہ اسلمیؓ اسے عَابِدُ الطَّاغُوْتِ پڑھتے تھے- حضرت ابوجعفر قاریؒ سے وَعُبِدَ الطَّاغُوْتُ بھی منقول ہے جو بعد از معنی ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا- مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی- الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو حالانکہ ہم موحد ہیں- صرف ایک اللہ برحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ مذکورہ سب برائیاں تم میں پائی گئیں- اسی لئے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار قدر و منزلت کے بہت برے ہیں اور باعتبار گمراہی کے انتہائی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں- اس افعل التفضیل میں دوسری جانب کچھ مشارکت نہیں اور یہاں تو سرے سے ہے ہی نہیں- جیسے اس آیت میں اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا پھر منافقوں کی ایک اور بدخصلت بیان کی جا رہی ہے کہ ''ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے باطن کفر سے بھرے پڑے ہیں- یہ تیرے پاس کفر کی حالت میں آتے ہیں اور اسی حالت میں تیرے پاس سے جاتے ہیں تو تیری باتیں تیری نصیحتیں' ان پر کچھ اثر نہیں کرتیں- بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی' جس سے ان کا معاملہ ہے' وہ تو عالم الغیب ہے' دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں' وہاں جا کر پورا پورا بدلہ بھگتنا پڑے گا-

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ
السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٦٢ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ
الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝٦٣

تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کے کھانے کی طرف لپک رہے ہیں- جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ یقیناً نہایت

برے کام ہیں ○ انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک بہت برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں ○

(آیت: ٦٢-٦٣) تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ گناہوں پر، حرام پر اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں؟ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان کے علماء اور پیروں کے اعمال بدترین ہو گئے ہیں"۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لئے اس سے زیادہ سخت آیت کوئی نہیں"۔ حضرت ضحاک سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "لوگو تم سے اگلے لوگ اسی بناء پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے تو ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے، جب یہ عادت ان میں پختہ ہو گئی تو اللہ نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں۔ پس تمہیں چاہئے کہ بھلائی کا حکم کرو، برائی سے روکو، اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائیں جو تم سے پہلے والوں پر آئے، یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم، برائی سے ممانعت، نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا نہ تمہاری موت قریب کر دے گا"۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس قوم میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا" (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے کہ "یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آئے گا"۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ
وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ
يَشَآءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ
اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾

یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے۔ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے، وہ ان میں کے اکثر کو تو اور سرکشی اور کفر میں بڑھا دیتا ہے، ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لئے عداوت و بغض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔ یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا ○

بخل سے بچو اور فضول خرچی سے ہاتھ روکو: ☆☆ (آیت: ٦٤) اللہ ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول بیان فرما رہا ہے کہ یہ اللہ کو بخیل کہتے تھے، یہی لوگ اللہ کو فقیر بھی کہتے ہیں۔ اللہ کی ذات ان کے اس ناپاک مقولے سے بہت بلند و بالا ہے۔ پس اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مطلب ان کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے۔ فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ الخ، یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے زیادہ پھیلا دے کہ پھر تھکان اور ندامت کے

ساتھ بیٹھ رہنا پڑے۔ پس بخل سے اور اسراف سے اللہ نے اس آیت میں روکا۔ پس ملعون یہودیوں کی بھی ہاتھ باندھا ہوا ہونے سے یہی مراد تھی۔ فخاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ جس پر یہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اسے پیٹا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شماس بن قیس نے یہی کہا تھا جس پر یہ آیت اتری۔ اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کنجوس، ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں۔ بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں، یہ ذلیل تر لوگ ہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں، وہ سب کچھ خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس کا فضل وسیع ہے، اس کی بخشش عام ہے، ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہر نعمت اس کی طرف سے ہے۔ ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے۔ فرماتا ہے وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ "تم نے جو مانگا اللہ نے دیا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حد ناشکرا ہے"۔ مسند میں حدیث ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ اوپر ہے دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں، شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا، اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کا عرش پہلے پانی پر تھا، اسی کے ہاتھ میں فیض ہی فیض ہے، وہی بلند اور پست کرتا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ "لوگو تم میری راہ میں خرچ کرو گے تم تو دیئے جاؤ گے"۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ پھر فرمایا اے نبیؐ! جس قدر اللہ کی نعمتیں تم پر زیادہ ہوں گی، اتنا ہی ان شیاطین کا کفر، حسد اور جلاپا بڑھے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم و اطاعت بڑھتی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ الخ، ایمان والوں کے لئے تو یہ ہدایت و شفا ہے اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہوتے ہیں۔ یہی ہیں جو دروازے سے پکارے جاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و بیر بھی قیامت تک نہیں مٹے گا، ایک دوسرے کا آپس میں ہی خون پینے والے لوگ ہیں، ناممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں۔ یہ اپنے ہی دین میں فرقہ فرقہ ہو رہے ہیں، ان کے جھگڑے اور عداوتیں آپس میں جاری ہیں اور جاری رہیں گی۔ یہ لوگ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں، تیرے خلاف چاروں طرف ایک آگ بھڑکانا چاہتے ہیں لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں، ان کا مکر انہی پر لوٹ جاتا ہے، یہ مفسد لوگ ہیں اور اللہ کے دشمن ہیں۔ کسی مفسد کو اللہ اپنا دوست نہیں بناتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا
التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا
مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع ١٠

ر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے ○ اور اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، ان پر پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے، ایک

جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے- باقی ان میں کے اکثر لوگوں کے بڑے برے اعمال ہیں ○

(آیت: ۶۵-۶۶) اگر یہ باایمان اور پرہیزگار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کر دیں اور اصل مقصد حیات سے انہیں ملا دیں- اگر یہ توریت وانجیل اور اس قرآن کو مان لیں کیونکہ توریت وانجیل کا ماننا قرآن کے ماننے کو لازم کر دے گا' ان کتابوں کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے- اس کی اور نبی آخرالزماں ؐ کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی ان کتابوں کو بغیر تحریف اور تبدیل اور تاویل وتفسیر کے مانیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی ہدایت دیں گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں- اس صورت میں اللہ انہیں دنیا کے کئی فائدے دے گا' آسمان سے پانی برسائے گا' زمین سے پیداوار اگائے گا' نیچے اوپر کی یعنی زمین وآسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی- جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین سے برکتیں نازل فرماتے- اور آیت میں ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَا الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے' اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت ومشکل کے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے ہیں-

بعض نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرتے تو بھلائیوں سے مستفید ہو جاتے- لیکن یہ قول اقوال سلف کے خلاف ہے- ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک اثر وارد کیا ہے کہ ''حضور ؐ نے فرمایا' قریب ہے کہ علم اٹھا لیا جائے- یہ سن کر حضرت زیاد بن لبید ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم اٹھ جائے' ہم نے قرآن سیکھا' اپنی اولادوں کو سکھایا- آپ نے فرمایا' افسوس میں تو تمام مدینے والوں سے زیادہ تم کو سمجھدار جانتا تھا لیکن کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی توریت وانجیل ہے- لیکن کس کام کی؟ جبکہ انہوں نے اللہ کے احکام چھوڑ دیئے- پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی'' - یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضور ؐ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہو گی' اس پر حضرت ابن لبید ؓ نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم قرآن پڑھے ہوئے ہیں' اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں' وہ اپنی اولادوں کو پڑھائیں گے' یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا' اس پر آپ نے وہ فرمایا جو اوپر بیان ہوا- پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے مگر اکثر بداعمال ہیں- جیسے فرمان ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل وانصاف کرنے والا بھی تھا- اور قوم عیسیٰ کے بارے میں فرمان ہے فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ الخ' ان میں سے باایمان لوگوں کو ہم نے ان کے ثواب عنایت فرمائے' یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ بیچ کا درجہ بیان فرمایا اور اس امت کا یہ درجہ دوسرا درجہ ہے' جس پر ایک تیسرا اونچا درجہ بھی ہے- جیسے فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا الخ' یعنی پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا' ان میں سے بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں' بعض میانہ رو ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں' یہی بہت بڑا فضل ہے- یہ تینوں قسمیں اس امت کی داخل جنت ہونے والی ہیں- ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہ ؓ کے سامنے حضور ؐ نے فرمایا ''موسیٰ ؑ کی امت کے اکہتر گروہ ہو گئے جن میں سے ایک تو جنتی ہے باقی ستر دوزخی' میری یہ امت دونوں سے بڑھ جائے گی' ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا' باقی بہتر گروہ جہنم میں جائیں گے' لوگوں نے پوچھا' وہ کون ہیں؟ فرمایا جماعتیں جماعتیں'' - یعقوب بن یزید کہتے ہیں' جب حضرت علی ؓ بن ابوطالب یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الخ اور وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ بھی پڑھتے اور فرماتے' اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے لیکن یہ حدیث ان لفظوں اور اس سند سے بے حد غریب ہے

اور ستر سے اوپر اوپر فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے' جسے ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے۔ فالحمد للہ۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ
لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٦٧

اے رسول پہنچا دے جو کچھ بھی تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے' اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی' تجھے اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا' بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا ○

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا نہیں: ☆☆ (آیت:٦٧) اپنے نبیؐ کو رسول کے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچا دو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحیح بخاری میں ہے ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' جو تجھ سے کہے کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپا لیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے' اللہ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی''۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے۔ اور جگہ پر مطول بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے ''اگر حضور اللہ کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے جھینپ رہا تھا حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ ابن عباسؓ سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں یہ چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں حضورؐ نے ایسی بتائی ہیں جو اور لوگوں سے چھپائی جاتی تھیں تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا' قسم اللہ کی' ہمیں حضورؐ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا (ابن ابی حاتم)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ''حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا' کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی بھی ہے؟ آپؓ نے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس نے دانے کو اگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و روایت کے جو اللہ کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے' اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں' قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے''۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت زہریؒ کا فرمان ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ حضورؐ نے اللہ کی سب باتیں پہنچا دیں' اس کی گواہ آپ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی' اس میں سب نے اس کا اقرار کیا یعنی حجۃ الوداع خطبے میں جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہؓ کا گروہ عظیم تھا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ''آپؐ نے اس خطبے میں لوگوں سے فرمایا' تم میرے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی' آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا' اے اللہ کیا میں نے تیرے تمام احکامات کو پہنچا دیا' اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا''؟ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اس خطبے میں پوچھا کہ لوگو یہ کون سا دن ہے؟ سب نے کہا حرمت والا' پوچھا یہ کون سا شہر ہے' جواب دیا حرمت والا۔ فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ جواب ملا حرمت والا' فرمایا پس تمہارے مال اور خون و آبرو آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والے ہیں جیسے اس دن کی' اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے۔ پھر بار بار اسی کو دہرایا۔ پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا' اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم، یہ آپ کے رب کی طرف آپ کی وصیت تھی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا، دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ بات پہنچا دے۔ دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔ امام بخاریؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تو نے میرے فرمان میرے بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا، پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے، اگر ایک آیت بھی چھپالی تو حق رسالت ادا نہ ہوا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچا دو تو حضورؐ نے فرمایا، اللہ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں، میں کس طرح کروں تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرے ذمہ ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں، بے خطر رہ، وہ کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اس آیت سے پہلے حضورؐ چوکنے رہتے تھے، لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضورؐ بیدار تھے۔ انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے کہا، یارسول اللہ! آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا، یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ سعد بن مالک ہوں، فرمایا کیسے آئے، جواب دیا، اس لئے کہ رات بھر حضورؐ کی چوکیداری کروں۔ اس کے بعد حضورؐ با آرام سو گئے، یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۲ھ کا ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا ''جاؤ اب میں اللہ کی پناہ میں آ گیا، تمہاری چوکیداری کی ضرورت نہیں رہی''۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے، جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے فرمایا، بس چچا اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں اللہ کے بچاؤ میں آ گیا ہوں۔ لیکن یہ روایت غریب اور منکر ہے۔ یہ واقعہ ہو تو مکہ کا ہو اور یہ آیت تو مدنی ہے، مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے، اس میں شک نہیں کہ مکے میں بھی اللہ کی حفاظت اپنے رسولؐ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جاں ہونے کے اور ہر ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے، ابتدا رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور با رسوخ شخص تھے، آپ کی حفاظت ہوتی رہی، ان کے دل میں اللہ نے آپ کی محبت اور عزت ڈال دی، یہ محبت طبعی تھی، شرعی نہ تھی اگر شرعی ہوتی تو قریش حضورؐ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں حضورؐ کی شرعی محبت پیدا کر دی اور آپ انہی کے ہاں چلے گئے۔ اب تو مشرکین بھی اور یہود بھی مل ملا کر نکل کھڑے ہوئے، بڑے بڑے ساز و سامان لشکر لے کر چڑھ دوڑے، لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں، قدرت نے وہ بھی انہیں پر الٹ دیں۔ ادھر وہ جادو کرتے ہیں، ادھر سورہ معوذتین نازل ہوتی ہے اور ان کا جادو اتر جاتا ہے۔ ادھر ہزاروں جتن کر کے بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضورؐ کی دعوت کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں، ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان کی دھوکہ دہی سے آگاہی فرما دیتا ہے اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے ہیں۔

اور بھی ایسے واقعات آپ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ''ایک سفر میں آپ ایک درخت تلے جو صحابہؓ اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ کے لئے چھوڑ دیتے تھے، دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے تو ایک اعرابی اچانک آ نکلا، آپ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی، اتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ سے کہنے لگا، اب بتا کون ہے جو تجھے بچا

لے؟ آپ نے فرمایا' اللہ مجھے بچائے گا' اسی وقت اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے' جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے۔''

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضورؐ نے بنو نجار سے غزوہ کیا۔ ذات الرقاع کھجور کے باغ میں آپ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے' جو بنو نجار کے ایک شخص وارث نامی نے کہا' دیکھو میں محمد (ﷺ) کو قتل کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار کر کے پار کر دوں گا۔ یہ آپ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی' آپ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپؐ نے فرمایا' تیرے اور تیرے بد ارادے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتری۔ حویرث بن حارث کا بھی ایسا قصہ مشہور ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ ''صحابہ کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے' آنحضرت ﷺ کے لئے گھنا سایہ دار بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ اسی کے تلے آرام فرمائیں' ایک دن آپ اسی طرح ایسے درخت تلے سو گئے اور آپ کی تلوار اس درخت میں لٹک رہی تھی۔ ایک شخص آ گیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا' اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ بچائے گا' تلوار رکھ دے اور وہ اس قدر ہیبت میں آ گیا کہ تعمیل حکم کرنا ہی پڑی اور تلوار آپ کے سامنے ڈال دی''۔ اور اللہ نے یہ آیت اتاری کہ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ مسند میں ہے کہ ''حضورؐ نے ایک موٹے آدمی کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' اگر یہ اس کے سوا میں ہوتا تو تیرے لئے بہتر تھا۔ ایک شخص کو صحابہؓ پکڑ کر آپ کے پاس لائے اور کہا' یہ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا' وہ کانپنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا' گھبرا نہیں' چاہے تو ارادہ کرے لیکن اللہ اسے پورا نہیں ہونے دے گا''۔ پھر فرماتا ہے تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے' ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے' وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا۔ تو پہنچا دے' حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝٦٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٩

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ توریت وانجیل پر اور جو کچھ تمہاری طرف رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ۔ جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے اترا ہے' وہ ان میں سے اکثر کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا ہی' تو تو ان کافروں پر غمگین نہ ہو ○ مسلمان یہودی ستارہ پرست نصرانی کوئی ہو' جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے' وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا ○

آخری رسول ﷺ پر ایمان اولین شرط ہے: ☆☆ (آیت: ۶۸-۶۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور اللہ کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں لیکن ان کی حالت تو یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآن اترتا ہے' یہ لوگ سرکشی اور کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ پس اے نبی ؐ تو ان کافروں کے لئے حسرت و افسوس کر کے کیوں اپنی جان کو روگ لگاتا ہے۔ صابی' نصرانیوں اور مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں کو بھی۔ علاوہ ازیں ایک اور گروہ تھا' یہود اور نصاریٰ دونوں مثل مجوسیوں کے تھے۔

قتادہؒ کہتے ہیں' یہ زبور پڑھتے تھے۔ غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہبؒ فرماتے ہیں' اللہ کو پہچانتے تھے' اپنی شریعت کے حامل تھے' ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی' یہ عراق کے متصل آباد تھے' بلوثا کہے جاتے تھے' نبیوں کو مانتے تھے' ہر سال میں تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کر کے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ اس کے سوا اور قول بھی ہیں چونکہ پہلے دو جملوں کے بعد ان کا ذکر آیا تھا' اس لئے رفع کے ساتھ عطف ڈالا۔

ان تمام لوگوں سے جناب باری فرماتا ہے کہ ''امن و امان والے بے ڈر اور بے خوف وہ ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر سچا ایمان رکھیں اور نیک اعمال کریں اور یہ ناممکن ہے' جب تک اس آخری رسول ﷺ پر ایمان نہ ہو جو کہ تمام جن و انس کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پس آپ پر ایمان لانے والے آنے والی زندگی کے خطرات سے بے خوف ہیں اور یہاں چھوڑ کر جانے والی چیزوں کی انہیں کوئی تمنا اور حسرت نہیں۔'' سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس جملے کے مفصل معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ
كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا
كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا
كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

ہم نے بالیقین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا' جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشاء کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تو تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا ○ اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی سزا نہ ہو گی۔ پس اندھے' بہرے بن بیٹھے۔ پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا۔ اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر اندھے' بہرے ہو گئے۔ اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے ○

سیاہ عمل یہود اور نصاریٰ: ☆☆ (آیت: ۷۰-۷۱) اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے وعدے لئے تھے کہ وہ اللہ کے احکام کے عامل اور وحی کے پابند رہیں گے۔ لیکن انہوں نے وہ میثاق توڑ دیا۔ اپنی رائے اور خواہش کے پیچھے لگ گئے' کتاب اللہ کی جو بات ان کی منشاء اور رائے کے مطابق تھی' مان لی۔ جس میں اختلاف نظر آیا ترک کر دی' نہ صرف اتنا ہی کیا بلکہ رسولوں کے مخالف ہو کر بہت سے رسولوں کو جھوٹا بتایا اور بہتیروں کو قتل بھی کر دیا کیونکہ ان کے لائے ہوئے احکام ان کی رائے اور قیاس کے خلاف تھے۔ اتنے بڑے گناہ کے بعد بھی بے فکر ہو کر بیٹھے رہے اور سمجھ لیا کہ ہمیں کوئی سزا نہ ہو گی لیکن انہیں زبردست روحانی سزا دی گئی یعنی وہ حق سے دور پھینک

دیئے گئے اور اس سے اندھے اور بہرے بنا دیئے گئے' نہ حق کو سنیں اور نہ ہدایت کو دیکھ سکیں لیکن پھر بھی اللہ نے ان پر مہربانی کی' افسوس اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر حق سے نابینا اور حق کے سننے سے محروم ہی ہو گئے۔ اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ
وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے' اللہ اس پر قطعاً جنت کو حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے' گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ○ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے' دراصل سوا ایک اللہ کے اور کوئی معبود نہیں' اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر ہیں انہیں المناک عذاب ضرور پہنچیں گے ○

خودساختہ معبود بنانا ناقابل معافی جرم ہے: ☆☆ (آیت:۷۲-۷۳) نصرانیوں کے فرقوں کی یعنی ملکیہ' یعقوبیہ' نسطوریہ کے کفر کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مسیحؑ ہی کو اللہ کہتے ہیں اور مانتے ہیں۔ اللہ ان کے قول سے پاک' منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو اللہ کے غلام تھے۔ سب سے پہلا کلمہ ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں ہی یہ تھا کہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ میں اللہ کا غلام ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی کا اقرار کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرتے رہو' سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی بات اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہی کہ اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہو گا کہ یہ دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ منادی کے مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان و اسلام والے ہی جائیں گے۔ سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ' کی تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کر دی گئی ہے جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں جس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ نے کبھی نہیں بخشنا اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرما دیا کہ ایسے ناانصاف مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہو گا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ کو تین میں سے ایک مانتے تھے' یہودی حضرت عزیرؑ کو اور نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ کو تین میں کا ایک مانتے تھے' لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے- وہ باپ بیٹا اور اس کلمے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا' اللہ مانتے تھے- پھر ان تینوں کے مقرر کرنے میں بھی بہت بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ سبھی کافر تھے- حضرت مسیحؑ کو اور ان کی ماں کو اور اللہ کو ملا کر اللہ مانتے تھے- اسی کا بیان اس سورت کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے فرمائے گا' کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ مانو؟ وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور اپنی لاعلمی اور بے گناہی ظاہر کریں گے- زیادہ ظاہر قول بھی یہی ہے- واللہ اعلم- دراصل لائق عبادت سوائے اس ذات واحد کے اور کوئی نہیں- تمام کائنات اور کل موجودات کا معبود برحق وہی ہے- اگر یہ اپنے اس کافرانہ نظریہ سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذابوں کا شکار ہوں گے-

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ
اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے ○ مسیح بن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں اس سے پہلے بھی بہت پیغمبر ہو چکے ہیں' اس کی ماں ایک ذکیہ عورت تھیں' دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے دیکھ تو کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے جاتے ہیں پھر غور کر لے کہ کس طرح پلٹائے جاتے ہیں ○

(آیت:۷۴-۷۵) پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم وجود کو' بخشش و انعام اور لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم' اتنی اشد بے حیائی اور کذب و افترا کے' انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ' ابھی سب معاف فرما دوں گا اور دامن رحمت تلے لے لوں گا- حضرت مسیحؑ اللہ کے بندے اور رسول ہی تھے' ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں- جیسے فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ الخ' وہ ہمارے ایک غلام ہی تھے- ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی اور بنی اسرائیل کے لئے قدرت کی ایک نشانی بنائی- والدہ عیسیٰ مومنہ اور سچ کہنے والی تھیں- اس لئے معلوم ہوا کہ نبیہ نہ تھیں کیونکہ یہ مقام وصف ہے تو بہترین وصف جو آپ کا تھا' وہ بیان کر دیا' اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقعہ پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا- ابن حزمؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ ام اسحاقؑ اور ام موسیٰؑ اور ام عیسیٰؑ نبیہ تھیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰؑ کی نسبت فرمان ہے وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى الخ' ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو انہیں دودھ پلا- لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے- وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں ہی رہی- جیسے قرآن کا فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا الخ' تجھ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں سے مردوں ہی کی طرف رسالت انعام فرمائی ہے- شیخ ابوالحسن اشعریؒ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے- پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے کہ جو اندر جائے گا' وہ باہر بھی آئے

گا- پس ثابت ہوا کہ وہ بھی مثل اوروں کے بندے ہی تھے' اللہ کی صفات ان میں نہ تھیں- دیکھ تو ہم کس طرح کھول کھول کر ان کے سامنے اپنی حجتیں پیش کر رہے ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھ کہ باوجود اس کے یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں؟ کیسے گمراہ مذہب قبول کر رہے ہیں؟ اور کیسے ردی اور بے دلیل اقوال کو گرہ میں باندھے ہوئے ہیں؟

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا
اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا
وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع

ع ۱۱

کہہ دے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک نہ کسی نفع کے- اللہ ہی ہے خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ○ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں ○

معبودان باطل : ☆☆ (آیت :٦-٧-٧٧) معبودان باطل کی جو اللہ کے سوا ہیں' عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی اور نفع کے پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے' آخر تم کیوں انہیں پوجے چلے جا رہے ہو؟ تمام باتوں کے سننے والے' تمام چیزوں سے باخبر اللہ سے ہٹ کر بے سمع و بصر' بے ضرر و بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کون سی عقلمندی ہے؟ اے اہل کتاب اتباع حق کی حدوں سے آگے نہ بڑھو- جس کی توقیر کرنے کا جتنا حکم ہوا' اتنی ہی اس کی توقیر کرو- انسانوں کو جنہیں اللہ نے نبوت دی ہے' نبوت کے درجے سے معبود تک نہ پہنچاؤ- جیسے کہ تم جناب مسیحؑ کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی اور کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیروں' مرشدوں استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو- وہ تو خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں- استقامت اور عدل کے راستے کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گزر گیا- ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہوئے عرصہ ہو گیا ہے-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں بڑا پابند دین حق تھا- ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے' وہی تم بھی کر رہے ہو- اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو لوگوں میں تمہاری قدر ہو گی نہ شہرت' تمہیں چاہئے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو' اسے لوگوں میں پھیلاؤ- پھر دیکھو کہ کیسی شہرت ہوتی ہے؟ اور کس طرح جگہ بہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے' چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا- اس کی بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا- اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی- سلطنت و ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں اللہ کی عبادتوں میں مشغول ہو گیا لیکن اللہ کی طرف سے اسے جواب ملا کہ میری خطا ہی صرف کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا لیکن تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا- جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے- ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ٹلے گا؟ میں تو تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا- پس ایسوں ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے-

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَاءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ
دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا
يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ
لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾ تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ
يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ
أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ
كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ
أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨١﴾

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰیؑ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے ○ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں کے جو وہ کرتے تھے، روکتے نہ تھے، جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا ○ ان میں کے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہے، وہ بہت برا ہے۔ اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ○ اگر انہیں اللہ پر اور نبی پر جو نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

امر معروف سے گریز کا انجام: ☆☆ (آیت: ۷۸-۸۱) ارشاد ہے کہ بنو اسرائیل کے کافر پرانے ملعون ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسٰیؑ کی زبانی انہی کے زمانہ میں ملعون قرار پا چکے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان تھے اور مخلوق پر ظالم تھے۔ توریت، انجیل، زبور اور قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی آئیں۔ یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کے برے کاموں کو دیکھتے تھے لیکن چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے، حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے اور کوئی کسی کو روکتا نہ تھا۔ یہ تھا انکا بدترین فعل۔ مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ "بنو اسرائیل میں پہلے پہل جب گناہوں کا سلسلہ چلا تو ان کے علماء نے انہیں روکا۔ لیکن جب دیکھا کہ باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں الگ نہیں کیا بلکہ انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے رہے۔ جس کی وجہ سے دونوں گروہوں کے دلوں کو آپس میں ٹکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے دل بھڑا دیئے اور حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰیؑ کی زبانی ان پر اپنی لعنت نازل فرمائی۔ کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم تھے۔ اس کے بیان کے وقت حضورؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا "نہیں نہیں اللہ کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع باتوں سے روکو اور انہیں شریعت کی پابندی پر لاؤ"۔

ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ "سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا، اسے کہتا کہ اللہ سے ڈر اور اس برے کام کو چھوڑ دے، یہ حرام ہے۔ لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوالہ ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا، اس وجہ سے سب میں ہی سنگدلی آ گئی۔ پھر آپ نے اس پوری آیت کی تلاوت کر کے فرمایا "واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں کا ہر ایک کو حکم کرو، برائیوں سے روکو، ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ

کرو کہ حق پر آ جائے''- ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے-

ابوداؤد وغیرہ میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دے گا اور تم پر اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا جیسی ان پر نازل فرمائی - اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں - کچھ سن بھی لیجئے - حضرت جابر والی حدیث تو آیت لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ الخ کی تفسیر میں گزر چکی اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوثعلبہؓ کی حدیثیں آئیں گی ' ان شاء اللہ تعالیٰ - مسند اور ترمذی میں ہے کہ یا ''تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے گا - پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا'' - ابن ماجہ میں ہے ''اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو - اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں'' - صحیح حدیث میں ہے ''تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے ' اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے ' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے ' اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اور یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے'' - (مسلم)

مسند احمد میں ہے ''اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں ' اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے'' - ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ اللہ کی نافرمانی ہونی شروع ہو ' وہاں جو بھی ہو ' ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو (ایک اور روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو) وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو گو وہاں موجود نہ ہو - وہ ایسا ہے گویا ان میں حاضر ہے - ابوداؤد میں ہے لوگوں کے عذر جب تک ختم نہ ہو جائیں ' وہ ہلاک نہ ہوں گے - ابن ماجہ میں ہے ' حضورؐ نے اپنے خطبے میں فرمایا ' خبردار کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے روک نہ دے - اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوسعید خدریؓ رو پڑے اور فرمانے لگے افسوس ' ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی ہیبت مان لی - ابوداؤد ' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے ' افضل جہاد کلمہ حق ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے -

ابن ماجہ میں ہے کہ جمرۂ اولیٰ کے پاس حضورؐ کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ سے سوال کیا کہ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ خاموش رہے - پھر آپ جمرۂ ثانیہ پر آئے تو اس نے پھر وہی سوال کیا مگر آپ خاموش رہے ' جب جمرۂ عقبہ پر کنکر مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا ' حضورؐ میں حاضر ہوں ' فرمایا حق بات ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا - ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہئے - لوگوں نے پوچھا؟ حضور یہ کیسے؟ فرمایا خلاف شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہو گی کہ فلاں موقعے پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے ' تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ' میں سب سے زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے خوف کھائے - ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تلقین حجت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے امید رکھی اور لوگوں سے خوف کھا گیا - مسند احمد ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تئیں ذلیل نہ کرنا چاہئے ' لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان بلاؤں کو سر پر لینا جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو - ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ سے سوال کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں بھی وہی خرابی ہو جائے جو تم سے اگلوں میں ظاہر ہوئی تھی - ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کمینے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا - بڑے آدمیوں میں بدکاری کا آ جانا ' رذیلوں میں علم کا آ جانا - حضرت زیدؓ کہتے ہیں ' رذیلوں میں علم آ جانے سے مراد فاسقوں میں علم کا آ جانا ہے - اس حدیث کی شاہد حدیثیں ابوثعلبہؓ کی روایت سے آیت لا یضرکم کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ -

پھر فرماتا ہے کہ اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں- ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لئے براذخیرہ جمع کر رکھا ہے- اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اور اسی بناء پر اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن کے لئے دائمی عذاب بھی ان کے لئے آگے آ رہے ہیں- ابن ابی حاتم میں ہے اے مسلمانو! زنا کاری سے بچو' اس سے چھ برائیاں آتی ہیں' تین دنیا میں اور تین آخرت میں- اس سے عزت و وقار' رونق و تازگی جاتی رہتی ہے- اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے' اس سے عمر گھٹتی ہے اور قیامت کے دن تین برائیاں یہ ہیں- اللہ کا غضب' حساب کی سختی اور برائی اور جہنم کا خلود- پھر حضورؐ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی' یہ حدیث ضعیف ہے- واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ پر' اس کے رسول ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ چھپا کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے - نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے' دراصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں' اس کی وحی اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں-

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ
وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا
الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ
وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تو یقیناً انہیں پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں- یہ اس لئے کہ ان میں دانشمند اور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ○

یہودیوں کا تاریخی کردار: ☆☆ (آیت:۸۲) یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں- جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں- یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینے میں اتری ہیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے- یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپؐ سے ملیں' حاضر خدمت ہو کر آپؐ کے حالات و صفات دیکھیں اور آپؐ کا کلام سنیں- جب یہ آئے' آپؐ سے ملے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے- بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا- نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضورؐ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے میں ہی انتقال ہو گیا- یہاں بھی یہ خیال رہے کہ یہ بیان صرف سدی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے اور صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے- ان کے انتقال والے دن ہی حضورؐ نے صحابہؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی-

بعض تو کہتے ہیں' اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے یا پانچ علماء اور سات زاہد تھے- بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے' اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ اوپر تھے- ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے- فاللہ اعلم- حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جن

کے اوصاف آیت میں بیان کئے گئے ہیں' یہ اہل حبشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے۔

امام ابن جریرؒ کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا کہیں کے۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پر اڑتے ہیں۔ حق کے مقابلہ میں بگڑ بیٹھتے ہیں حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں۔ ان سے بغض و بیر رکھتے ہیں۔ علم سے کورے ہیں۔ علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں۔ یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا خود پیغمبر الزماں احمد مجتبیٰ حضرت محمد ﷺ کے قتل کا ارادہ بھی کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار آپ کو زہر دیا آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضورؐ پر حملے کئے لیکن اللہ نے ہر مرتبہ انہیں نامراد و ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے' اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن ہے بہت ہی غریب۔ ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں۔ انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں۔ ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے۔ یہ اس لئے کہ ان میں نرم دلی ہے جیسے ارشاد باری ہے وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَۃً وَّرَحْمَۃً الخ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں گال بھی پیش کر دے۔ ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔ یہاں ان کی اس دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں۔ قِسِّیْنٌ اور قِسٌّ کی جمع قِسِّیْسِیْنَ ہے قُسُوْسٌ بھی اس کی جمع آتی ہے رھبان جمع ہے راہب کی' راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہے رہب سے اور رہبت کے معنی ہیں خوف اور ڈر کے۔ جیسے راکب کی جمع رکبان ہے اور فرسان ہے امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' کبھی رُھْبَان واحد کے لئے آتا ہے اور اس کی جمع رَھَابِیْنَ آتی ہے جیسے قُرْبَان اور قَرَابِیْن اور جُوْزَان اور جَوَازِیْن اور کبھی اس کی جمع رَھَابِنَہ بھی آتی ہے عرب کے اشعار میں بھی لفظ رہبان واحد کے لئے آیا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص قِسِّیْسِیْنَ وَ رُھْبَانًا پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں قِسِّیْسِیْنَ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ۔ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے صِدِّیْقِیْنَ وَ رُھْبَانًا پڑھایا ہے (بزار اور ابن مردویہ) الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں عالموں کا ہونا ان میں عابدوں کا ہونا ان میں تواضع' فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے محض اس کے فضل و کرم لطف و رحم سے تفسیر محمدی کا چھٹا پارہ بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہمیں اس سے دونوں جہان میں فائدہ بخشے۔ آمین!

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۷

چند اہم مضامین کی فہرست

- ایمان والوں کی پہچان ۱۰۶
- راہبانیت (خانقاہ نشینی) اسلام میں ممنوع ہے ۱۰۷
- غیرارادی قسمیں اور کفارہ ۱۱۰
- پانسہ بازی' جوا اور شراب ۱۱۲
- حرمت شراب کی مزید وضاحت ۱۱۳
- احرام میں شکار کے مسائل کی تفصیلات ۱۱۸
- طعام اور شکار میں فرق اور حلال وحرام کی مزید تشریحات ۱۲۳
- رزق حلال کم ہوتو برکت' حرام زیادہ بھی ہوتو بے برکت ۱۲۷
- بتوں کے نام کئے ہوئے جانوروں کے نام؟ ۱۳۰
- اپنی اصلاح آپ کرو ۱۳۲
- معتبر گواہی کی شرائط ۱۳۴
- روز قیامت انبیاء سے سوال ۱۳۶
- حضرت عیسیٰ کے معجزات ۱۳۷
- بنی اسرائیل کی ناشکری اور عذاب الٰہی ۱۳۸
- روز قیامت نصاریٰ کی شرمندگی ۱۴۳
- موحدین کے لیے خوش خبریاں ۱۴۶
- اللہ کی بعض صفات ۱۴۸
- کفار کو نافرمانی پر سخت انتباہ ۱۴۹
- انسانوں میں سے ہی رسول اللہ کا عظیم احسان ہے ۱۵۰
- ہر چیز کا مالک اللہ ہے ۱۵۱
- قرآن حکیم کا باغی جہنم کا ایندھن ۱۵۳
- قیامت کے دن مشرکوں کا حشر ۱۵۵
- کفار کا واویلا مگر سب بے سود ۱۵۷
- پشیمانی مگر جہنم دیکھ کر! ۱۵۸
- حق کے دشمن کو اس کے حال پہ چھوڑیئے' آپ ﷺ سچے ہیں ۱۵۸
- معجزات کے عدم اظہار کی حکمت ۱۶۱
- سخت لوگ اور کثرت دولت ۱۶۳
- محروم اور کامران کون؟ ۱۶۵
- مسلمانو! طبقاتی عصبیت سے بچو ۱۶۶
- نیک وبد کی وضاحت کے بعد؟ ۱۷۰
- نیند موت کی چھوٹی بہن ۱۷۳
- احسان فراموش نہ بنو ۱۷۵
- غلط تاویلیں کرنے والوں سے نہ ملو ۱۷۸
- اسلام کے سوا سب راستوں کی منزل جہنم ہے ۱۸۰
- ابراہیم علیہ السلام اور آزر میں مکالمہ ۱۸۷
- مشرکین کا توحید سے فرار ۱۹۱
- خلیل الرحمٰن کو بشارت اولاد ۱۹۳
- تمام رسول انسان ہی ہیں ۱۹۷
- مغضوب لوگ ۱۹۸
- اس کی حیرت ناک قدرت ۲۰۰
- قدرت کی نشانیاں ۲۰۲
- شیطانی وعدے دھوکہ ہیں ۲۰۳
- اللہ بے مثال ہے وحدہ لاشریک ہے ۲۰۴
- ہماری آنکھیں اور اللہ جل شانہ ۲۰۴
- ہدایت وشفا قرآن وحدیث میں ہے ۲۰۶
- وحی کے مطابق عمل کرو ۲۰۷
- سودا بازی نہیں ہوگی ۲۰۷
- معجزوں کے طالب لوگ ۲۰۸

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ
الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ
وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿۸۴﴾ فَأَثَابَهُمُ
اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۶﴾ ع

اور جب وہ اس قرآن کو سنتے ہیں جو اس رسولؐ پر اتارا گیا تو تو دیکھ لے گا کہ ان کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں کیونکہ وہ حق کو جانتے پہچانتے ہیں۔ کہنے لگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار، ہم ایمان لائے۔ پس تو ہمیں بھی گواہوں میں لکھ لے ○ آخر اس کی کیا وجہ کہ ہم اللہ کو اور جو حق ہمارے پاس آ پہنچا اس کو نہ مانیں؟ ہماری تو دلی منشا یہ ہے کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کی جماعت میں شامل کر لے ○ پس ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ثواب میں وہ جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ نیک کاروں کا یہی بدلہ ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ جہنمی ہیں ○

ایمان والوں کی پہچان : ☆☆ (آیت:۸۳-۸۶) اوپر بیان گذر چکا ہے کہ عیسائیوں میں سے جو نیک دل لوگ اس پاک مذہب اسلام کو قبول کئے ہوئے ہیں، ان میں جو اچھے اوصاف ہیں مثلاً عبادت، علم، تواضع، انکساری وغیرہ، ساتھ ہی ان میں رحم دلی وغیرہ بھی ہے۔ حق کی قبولیت بھی ہے۔ اللہ کے احکامات کی اطاعت بھی ہے، ادب اور لحاظ سے کلام اللہ سنتے ہیں۔ اس سے اثر لیتے ہیں اور نرم دلی سے رو دیتے ہیں کیونکہ وہ حق کے جاننے والے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی بشارت سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے قرآن سنتے ہی دل موم ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں، دوسری جانب زبان سے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ آیتیں حضرت نجاشیؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ کچھ لوگ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے، حضورؐ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سن کر ایمان لائے اور بے تحاشہ رونے لگے۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کہیں اپنے وطن پہنچ کر اس سے پھر تو نہیں جاؤ گے؟ انہوں نے کہا، ناممکن ہے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، شاہدوں سے مراد آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغ کی شہادت ہے۔

پھر اس قسم کے نصرانیوں کا ایک اور وصف بیان ہو رہا ہے۔ ان ہی کا دوسرا وصف اس آیت میں ہے وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خَاشِعِيْنَ لِلّٰهِ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس قرآن پر اور جو ان پر نازل کیا گیا ہے، سب پر ایمان رکھتے ہیں اور پھر اللہ سے ڈرنے والے بھی ہیں۔ ان ہی کے بارے میں فرمان ربانی ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ سے لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ تک ہے۔ کہ یہ لوگ اس کتاب کو اور اس کتاب کو سچ

جانتے ہیں اور دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس یہاں بھی فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں صالحین میں ملنا ہے تو اللہ پر اور اس کی اس آخری کتاب پر ہم ایمان کیوں نہ لائیں؟ ان کے اس ایمان و تصدیق اور قبولیت حق کا بدلہ اللہ نے انہیں یہ دیا کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ترو تازہ باغات و چشموں والی جنتوں میں جائیں گے۔ محسن، نیکوکار، مطیع حق، تابع فرمان الٰہی لوگوں کو جزا یہی ہے۔ وہ کہیں کے بھی ہوں، کوئی بھی ہوں، جو ان کے خلاف ہیں، انجام کے لحاظ سے بھی ان کے برعکس ہیں۔ کفر و تکذیب اور مخالفت یہاں ان کا شیوہ ہے اور وہاں جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ
وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ
اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو اور نہ حد سے آگے بڑھو ○ ایسی زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ ستھری اور حلال چیزیں جو بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں، ان میں سے کھاؤ پیو اور اس اللہ سے ڈرتے رہا کرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

رہبانیت (خانقاہ نشینی) اسلام میں ممنوع ہے: ☆☆ (آیت: ۸۷-۸۸) ابن ابی حاتم میں ہے کہ چند صحابہؓ نے آپس میں کہا کہ خصی ہو جائیں۔ دنیوی لذتوں کو ترک کر دیں۔ بستی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر تارک دنیا لوگوں کی طرح زندگی یاد الٰہی میں بسر کریں۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ باتیں معلوم ہو گئیں۔ آپؐ نے انہیں یاد فرمایا اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے اقرار کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، تم دیکھ نہیں رہے کہ میں نفلی روزے رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ رات کو نفلی نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں نے نکاح بھی کر رکھے ہیں۔ سنو جو میرے طریقے پر ہو وہ تو میرا ہے اور جو میری سنتوں کو نہ لے وہ میرا نہیں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ''لوگوں نے امہات المؤمنینؓ سے حضورؐ کے اعمال کی نسبت سوال کیا۔ پھر بعض نے کہا کہ ہم گوشت نہیں کھائیں گے۔ بعض نے کہا ہم نکاح نہیں کریں گے۔ بعض نے کہا ہم بستر پر سوئیں گے ہی نہیں۔ جب یہ واقعہ حضورؐ کے گوش گذار ہوا تو آپؐ نے فرمایا، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان میں سے بعض یوں کہتے ہیں حالانکہ میں روزہ رکھتا ہوں، اور نہیں بھی رکھتا، سوتا بھی ہوں اور تہجد بھی پڑھتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں اور نکاح بھی کئے ہوئے ہوں۔ جو میری سنت سے منہ موڑے، وہ میرا نہیں۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کہا کہ گوشت کھانے سے میری قوت باہ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کر لیا ہے اس پر یہ آیت اتری۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتاتے ہیں۔ اور سند سے بھی یہ روایت مرسلاً مروی ہے اور موقوفاً بھی۔ واللہ اعلم۔ بخاری و مسلم میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہم آنحضرت ﷺ کی ماتحتی میں جہاد کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ہماری بیویاں نہیں ہوتی تھیں تو ہم نے کہا، اچھا ہو اگر ہم خصی ہو جائیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس سے روکا اور مدت معینہ تک کے لئے کپڑے کے بدلے پر نکاح کرنے کی رخصت ہمیں عطا فرمائی۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے یہی آیت پڑھی۔ یہ یاد رہے کہ یہ نکاح کا واقعہ متعہ کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ واللہ اعلم۔ معقل بن مقرن نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کہا کہ میں نے تو اپنا بستر اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت ابن مسعودؓ کے سامنے کھانا لایا جاتا ہے تو ایک شخص اس مجمع سے الگ ہو جاتا ہے۔ آپؓ اسے بلاتے ہیں کہ آؤ ہمارے ساتھ کھا لو۔ وہ کہتا ہے، میں نے تو اس چیز کا کھانا اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، آؤ کھا لو، اپنی قسم کا کفارہ دے دینا، پھر آپ نے اسی آیت

کی تلاوت فرمائی (مستدرک حاکم)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے گھر کوئی مہمان آئے- آپؓ حضورؐ کے پاس سے رات کو جب واپس گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ گھر والوں نے آپؓ کے انتظار میں اب تک مہمان کو بھی کھانا نہیں کھلایا- آپؓ کو غصہ آیا اور فرمایا' تم نے میری وجہ سے مہمان کو بھوکا رکھا' یہ کھانا مجھ پر حرام ہے- بیوی صاحبہؓ بھی ناراض ہو کر یہی کہہ بیٹھیں- مہمان نے یہ دیکھ کر اپنے اوپر بھی حرام کر لیا' اب تو حضرت عبداللہؓ بہت گھبرائے- کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور سب سے کہا چلو بسم اللہ کرو- کھا پی لیا- پھر جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے' سارا واقعہ کہہ سنایا- پس یہ آیت اتری- لیکن اثر منقطع ہے- صحیح بخاری شریف میں اس جیسا ایک قصہ حضرت ابوبکرؓ کا اپنے مہمانوں کے ساتھ کا ہے- اس سے امام شافعیؒ وغیرہ علماء کا وہ قول ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص علاوہ عورتوں کے کسی اور کھانے پینے کی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو وہ اس پر حرام نہیں ہو جاتی اور نہ اس پر اس میں کوئی کفارہ ہے- دلیل یہ آیت اور دوسری وہ حدیث ہے جو اوپر گذر چکی کہ جس شخص نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا تھا' اسے حضورؐ نے کسی کفارے کا حکم نہیں فرمایا- لیکن امام احمدؒ اور ان کی ہم خیال جماعت علماء کا خیال ہے کہ جو شخص کھانے پہننے وغیرہ کی کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ ہے- جیسے اس شخص پر جو کسی چیز کے ترک پر قسم کھا لے- حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہی ہے اور اس کی دلیل یہ آیت يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ الخ④ بھی ہے اور اس آیت کے بعد ہی کفارہ قسم کا ذکر بھی اسی امر کا مقتضی ہے کہ یہ حرمت قائم مقام قسم کے ہے- واللہ اعلم- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' بعض حضرات نے ترک دنیا کا' خصی ہو جانے کا' اور ٹاٹ پہننے کا عزم مصمم کر لیا- اس پر یہ آیتیں اتریں- ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت مقداد بن اسودؓ حضرت سالم مولیٰ' حضرت ابی حذیفہؓ وغیرہ ترک دنیا کا ارادہ کر کے گھروں میں بیٹھ رہے' باہر آنا جانا ترک کر دیا' عورتوں سے علیحدگی اختیار کر لی' ٹاٹ پہننے لگے' اچھا کھانا اور اچھا پہننا حرام کر لیا اور بنی اسرائیل کے عابدوں کی وضع کر لی بلکہ ارادہ کر لیا کہ خصی ہو جائیں تاکہ یہ طاقت ہی سلب ہو جائے اور یہ بھی نیت کر لی کہ تمام راتیں عبادت میں اور تمام دن روزے میں گذاریں گے- اس پر یہ آیت اتری یعنی یہ خلاف سنت ہے- پس حضور ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا کہ تمہاری جانوں کا تم پر حق ہے' تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے- نفل روزے رکھو اور کبھی کبھی چھوڑ بھی دو- نفل نماز رات کو پڑھو اور کچھ دیر سو بھی جاؤ- جو ہماری سنت کو چھوڑ دے' وہ ہم میں سے نہیں- اس پر ان بزرگوں نے فرمایا' یا اللہ ہم نے سنا اور جو فرمان ہوا' اس پر ہماری گردنیں خم ہیں- یہ واقعہ بہت سے تابعین سے مرسل سندوں سے مروی ہے- اس کی شاہد وہ مرفوع حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی- فالحمدللہ-

ابن جریر میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے وعظ کیا اور اس میں خوف اور ڈر کا ہی بیان تھا- اسے سن کر دس صحابیوں نے جن میں حضرت علیؓ' حضرت عثمان بن مظعونؓ وغیرہ تھے' آپس میں کہا کہ ہمیں تو کوئی بڑے بڑے طریقے عبادت کے اختیار کرنا چاہئیں' نصرانیوں کو دیکھو کہ انہوں نے اپنے نفس پر بہت سی چیزیں حرام کر رکھی ہیں' اس پر کسی نے گوشت اور چربی وغیرہ کھانا اپنے اوپر حرام کیا' کسی نے دن کو کھانا بھی حرام کر لیا' کسی نے رات کو نیند اپنے اوپر حرام کر لی' کسی نے عورتوں سے مباشرت حرام کر لی- حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اپنی بیوی سے میل جول اسی بنا پر ترک کر دیا- میاں بیوی اپنے صحیح تعلقات سے الگ رہنے لگے- ایک دن یہ بیوی صاحبہ حضرت خولہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئیں وہاں حضورؐ کی ازواج مطہرات بھی تھیں- انہیں پراگندہ حالت میں دیکھ کر سب نے پوچھا کہ تم نے اپنا یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟ نہ کنگھی نہ چوٹی کی خبر ہے نہ لباس ٹھیک ٹھاک ہے نہ صفائی اور خوبصورتی کا خیال ہے؟ کیا بات ہے؟ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے اب اس بناؤ سنگھار کی ضرورت ہی کیا رہی؟ اتنی مدت ہوئی جو میرے میاں مجھ سے ملے ہی نہیں نہ کبھی

انہوں نے میرا کپڑا اٹھایا۔ یہ سن کر اور بیویاں ہنسنے لگیں۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ یہ ہنسی کیسی ہے؟ حضرت عائشہؓ نے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ آپؐ نے اسی وقت آدمی بھیج کر حضرت عثمانؓ کو بلوایا اور فرمایا یہ کیا قصہ ہے؟ حضرت عثمانؓ نے کل واقعہ بیان کر کے کہا کہ میں نے اسے اس لئے چھوڑ رکھا ہے کہ اللہ کی عبادت دلچسپی اور فارغ البالی سے کر سکوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ میں خصی ہو جاؤں تا کہ عورتوں کے قابل ہی نہ رہوں۔ آپؐ نے فرمایا' میں تجھے قسم دیتا ہوں' جا اپنی بیوی سے میل کر لے اور اس سے بات چیت کر۔ جواب دیا کہ رسول اللہؐ اس وقت تو میں روزے سے ہوں' فرمایا جاؤ روزہ توڑ ڈالو چنانچہ انہوں نے حکم برداری کی' روزہ توڑ دیا اور بیوی سے بھی ملے۔ اب پھر جو حضرت خولہؓ آئیں تو وہ اچھی ہیئت میں تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہنس کر پوچھا' کہو اب کیا حال ہے۔ جواب دیا کہ اب حضرت عثمانؓ نے اپنا عہد توڑ دیا ہے اور کل وہ مجھ سے ملے بھی۔ حضورؐ نے لوگوں میں فرمایا' لوگو یہ تمہارا کیا حال ہے کہ کوئی بیویاں حرام کر رہا ہے' کوئی کھانا' کوئی سونا۔ تم نہیں دیکھتے کہ میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں' افطار بھی کرتا ہوں اور روزے سے بھی رہتا ہوں' عورتوں سے ملتا بھی ہوں' نکاح بھی کر رکھے ہیں۔ سنو جو مجھ سے بے رغبتی کرے' وہ مجھ سے نہیں ہے' اس پر یہ آیت اتری۔

''حد سے نہ گذرو'' سے مطلب یہ ہے کہ عثمانؓ کو خصی نہیں ہونا چاہئے۔ یہ حد سے گذر جانا ہے اور ان بزرگوں کو اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کا حکم ہوا اور فرمایا لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ الخ پس لا تعتدوا سے مراد یا تو یہ ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو تمہارے لئے مباح کیا ہے' تم انہیں اپنے اوپر حرام کر کے تنگی نہ کرو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حلال بقدر کفایت لے لو اور اس حد سے آگے نہ نکل جاؤ۔ جیسے فرمایا کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ بڑھو۔ ایک اور آیت میں ہے' ایمانداروں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ خرچ کرنے میں اسراف اور بخیلی کے درمیان رہتے ہیں۔ پس افراط و تفریط اللہ کے نزدیک بری بات ہے اور درمیانی روش رب کو پسند ہے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا' حد سے گذر جانے والوں کو اللہ ناپسند فرماتا ہے۔ پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ نے جو حلال و طیب چیزیں تمہیں دے رکھی ہیں' انہیں کھاؤ پیو اور اپنے تمام امور میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کی اطاعت اور طلب رضامندی میں رہا کرو۔ اس کی نافرمانی اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے الگ رہو۔ اسی اللہ پر تم یقین رکھتے ہو' اسی پر تمہارا ایمان ہے۔ پس ہر امر میں اس کا لحاظ رکھو۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا
عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ
اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

فضول اور بے قصد قسموں پر تو اللہ تعالیٰ تمہاری پکڑ نہیں کرے گا لیکن جن قسموں کو تم بہ تاکید اور بہ قصد مضبوط کر دو' ان پر مواخذہ ہے۔ ایسی قسموں کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے درمیانہ درجے کا جو عموماً تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے رہتے ہو یا انہیں کپڑا پہنانا یا ایک گردن کا آزاد کرنا۔ اگر کسی کو مقدور ہی نہ ہو تو تین دن کے روزے۔ یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ جبکہ تم قسم کھا کر (توڑ دو) تمہیں اپنی قسمیں پورا کرنا چاہئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنے احکام بیان فرما رہا ہے

تاکہ تم شکر گذاری کرو ○

غیر ارادی قسمیں اور کفارہ : ☆☆ (آیت:۸۹) لغو قسمیں کیا ہوتی ہیں؟ ان کے کیا احکام ہیں؟ یہ سب سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ فالحمد للہ۔ مقصد یہ ہے کہ روانی کلام میں انسان کے منہ سے بغیر قصد کے جو قسمیں عادۃً نکل جائیں، وہ لغو قسمیں ہیں۔

امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ مذاق میں قسم کھا بیٹھنا، اللہ کی نافرمانی کے کرنے پر قسم کھا بیٹھنا، زیادتی گمان کی بنا پر قسم کھا بیٹھنا بھی اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ غصے اور غضب میں، نسیان اور بھول چوک سے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کی چیزوں میں قسم کھا بیٹھنا مراد ہے۔ اس قول کی دلیل میں آیت لاتحرموا طیبات الخ کو پیش کیا جاتا ہے۔ بالکل صحیح بات یہ ہے کہ لغو قسموں سے مراد بغیر قصد کی قسمیں ہیں اور اس کی دلیل و لکن یواخذ کم بما عقدتم الایمان ہے یعنی جو قسمیں بالقصد اور بالعزم ہوں ان پر گرفت ہے اور ان پر کفارہ ہے۔

کفارہ دس مسکینوں کا کھلانا جو محتاج فقیر ہوں، جن کے پاس بقدر کفایت کے نہ ہو۔ اوسط درجے کا کھانا جو عموماً گھر میں کھایا جاتا ہو، وہی انہیں کھلا دینا۔ مثلاً دودھ روٹی، گھی روٹی، زیتون کا تیل روٹی۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی خوراک بہت اعلیٰ ہوتی ہے، بعض لوگ بہت ہی ہلکی غذا کھاتے ہیں تو نہ وہ ہو نہ یہ ہو۔ تکلیف بھی نہ ہو اور بخل بھی نہ ہو۔ سختی اور فراخی کے درمیان ہو۔ مثلاً گوشت روٹی ہے، سرکہ اور روٹی ہے، روٹی اور کھجوریں ہیں۔ جیسی جس کی درمیانی حیثیت، اسی طرح قلت اور کثرت کے درمیان ہو۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ صبح شام کا کھانا، حسنؒ اور محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ دس مسکینوں کو ایک ساتھ بٹھا کر روٹی گوشت کھلا دینا کافی ہے یا اپنی حیثیت کے مطابق روٹی کسی اور چیز سے کھلا دینا۔ بعض نے کہا ہے، ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں کھجوریں وغیرہ دے دینا۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ گیہوں تو آدھا صاع کافی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کا پورا صاع دے دے۔

ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ایک صاع کھجوروں کا کفارے میں ایک ایک شخص کو دیا ہے۔ اور لوگوں کو بھی یہی حکم فرمایا ہے لیکن جس کی اتنی حیثیت نہ ہو، وہ آدھا صاع گیہوں کا دے دے۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس کا ایک راوی بالکل ضعیف ہے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ دار قطنی نے اسے متروک کہا ہے۔ اس کا نام عمر بن عبداللہ ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد گیہوں مع سالن کے دے دے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن سالن کا ذکر نہیں ہے اور دلیل ان کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رمضان شریف کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو ایک مکتل (خاص پیمانہ) میں سے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کا حکم حضورؐ نے دیا تھا۔ اس میں پندرہ صاع آتے ہیں تو ہر مسکین کے لئے ایک مد ہوا۔

ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم کے کفارے میں گیہوں کا ایک مد مقرر کیا ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہے کیونکہ نضیر بن زرارہ کوفی کے بارے میں امام ابوحاتم رازیؒ کا قول ہے کہ وہ مجہول ہے گو اس سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور امام ابن حبانؒ نے اسے ثقہ کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ان کے استاد عمری بھی ضعیف ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ گیہوں کا ایک مد اور باقی اناج کے دو مد دے۔ واللہ اعلم (یہ یاد رہے کہ صاع انگریزی اسی روپے بھر کے سیر کے حساب سے تقریباً پونے تین سیر کا ہوتا ہے اور ایک صاع کے چار مد ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم، مترجم) یا ان دس کو کپڑا پہنانا۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ہر ایک کو خواہ کچھ ہی کپڑا دے دے جس پر کپڑے کا اطلاق ہوتا ہو، کافی ہے۔ مثلاً کرتہ ہے، پاجامہ ہے، تہمد ہے، پگڑی ہے یا سر پر لپیٹنے کا رومال ہے۔ پھر امام صاحب

کے شاگردوں میں سے بعض تو کہتے ہیں، ٹوپی بھی کافی ہے-

بعض کہتے ہیں، یہ ناکافی ہے- کافی کہنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصینؓ سے جب اس کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپؓ فرماتے ہیں اگر کوئی وفد کسی امیر کے پاس آئے اور وہ انہیں ٹوپیاں دے تو عرب تو یہی کہیں گے کہ قد کسوا انہیں کپڑے پہنائے گئے- لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں- کیونکہ محمد بن زبیر ضعیف ہیں- واللہ اعلم- موزے پہنانے کے بارے میں بھی اختلاف ہے- صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں- امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم اتنا اور ایسا کپڑا ہو کہ اس میں نماز جائز ہو جائے- مرد کو دیا ہے تو اس کی اور عورت کو دیا ہے تو اس کی (نماز ہو جائے)- واللہ اعلم-

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، عبا ہو یا شملہ ہو- مجاہدؒ فرماتے ہیں، ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک کپڑا ہو اور اس سے زیادہ جو ہو- غرض کفارہ قسم میں ہر چیز سوائے جانگئے کے جائز ہے- بہت سے مفسرین فرماتے ہیں، ایک ایک کپڑا ایک ایک مسکین کو دے دے- ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے، ایسا کپڑا ہو جو پورا کارآمد ہو مثلاً لحاف، چادر وغیرہ، نہ کہ کرتہ دوپٹہ وغیرہ- ابن سیرین اور حسن دو دو کپڑے کہتے ہیں سعید بن مسیب کہتے ہیں، عمامہ جسے سر پر باندھے اور عبا جسے بدن پر پہنے- حضرت ابو موسیٰؓ قسم کھاتے ہیں اور پھر اسے توڑتے ہیں تو دو کپڑے بحرین کے دے دیتے ہیں- ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر مسکین کے لئے ایک عبا- یہ حدیث غریب ہے- یا ایک غلام کا آزاد کرنا- امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ یہ مطلق ہے- کافر ہو یا مسلمان-

امام شافعی اور دوسرے بزرگان دین فرماتے ہیں، اس کا مومن ہونا ضروری ہے کیونکہ قتل کے کفارے میں غلام کی آزادی کا حکم ہے اور وہ مقید ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہئے- دونوں کفاروں کا سبب چاہے جداگانہ ہے لیکن وجہ ایک ہی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم اسلمیؓ کے ذمے ایک گردن آزاد کرنا تھی- وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھ ایک لونڈی لئے ہوئے آئے- حضورؐ نے اس سیاہ لونڈی سے دریافت فرمایا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں، پوچھا ہم کون ہیں؟ جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ہیں (ﷺ) آپؐ نے فرمایا، اسے آزاد کر دو- یہ ایماندار عورت ہے- پس ان تینوں کاموں میں سے جو بھی کر لے، وہ قسم کا کفارہ ہو جائے گا اور کافی ہوگا- اس پر سب کا اجماع ہے- قرآن کریم نے ان چیزوں کا بیان سب سے زیادہ آسان چیز سے شروع کیا ہے اور بتدریج اوپر کو پہنچایا ہے- پس سب سے، سہل تو کھانا کھلانا ہے- پھر اس سے قدرے بھاری کپڑا پہنانا ہے اور اس سے بھی زیادہ بھاری غلام کو آزاد کرنا ہے- پس اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ بہتر ہے- اب اگر کسی شخص کو ان تینوں میں سے ایک کی بھی قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھ لے- سعد بن جبیرؓ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ جس کے پاس تین درہم ہوں، وہ تو کھانا کھلا دے ورنہ روزے رکھ لے اور بعض متاخرین سے منقول ہے کہ یہ اس کے لئے ہے جس کے پاس ضروریات سے فاضل چیز نہ ہو- معاش وغیرہ پونجی کے بعد جو فالتو ہو، اس سے کفارہ ادا کرے-

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں جس کے پاس اس دن کے اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے سے کچھ بچے، اس میں سے کفارہ ادا کرے- قسم کے توڑنے کے کفارے کے روزے پے در پے رکھنے واجب ہیں یا مستحب ہیں، اس میں دو قول ہیں- ایک یہ کہ واجب نہیں- امام شافعیؒ نے کتاب الایمان میں اسے صاف لفظوں میں کہا ہے- امام مالکؒ کا قول بھی یہی ہے کیونکہ قرآن کریم میں روزوں کا حکم مطلق ہے تو خواہ پے در پے ہوں خواہ الگ الگ ہوں تو سب پر یہ صادق آتا ہے جیسے کہ رمضان کے روزوں کی قضا کے بارے میں فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ فرمایا گیا ہے، وہاں بھی پے در پے کی یا علیحدہ علیحدہ کی قید نہیں اور حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الام میں ایک جگہ

صراحت سے کہا ہے کہ قسم کے کفارے کے روزے پے درپے رکھنے چاہئیں۔ یہی قول حنفیہ اور حنابلہ کا ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ ان کی قرات فصیام ثلثة ایام متتابعات ہے ابن مسعودؓ سے بھی یہی قرات مروی ہے۔ اس صورت میں اگر چہ اس کا متواتر قرات ہونا ثابت نہ ہو۔ تاہم خبر واحد یا تفسیر صحابہؓ سے کم درجے کی تو یہ قرات نہیں۔ پس حکماً یہ بھی مرفوع ہے۔

ابن مردویہ کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے پوچھا' یا رسول اللہؐ ہمیں اختیار ہے' آپ نے فرمایا' ہاں' تو اختیار پر ہے خواہ گردن آزاد کر' خواہ کپڑا پہنا دے' خواہ کھانا کھلا دے اور جو نہ پائے وہ پے درپے تین روزے رکھ لے۔ پھر فرماتا ہے کہ تم جب قسم کھا کر توڑ دو تو یہ کفارہ ہے لیکن تمہیں اپنی قسموں کی حفاظت کرنی چاہئے۔ انہیں بغیر کفارے کے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم شکر گذاری کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰
اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱

اے ایمان والو! شراب' جوا' فال کے تیر اور پانسے گندے پلید اور شیطانی کام ہیں۔ تم ان سے رک جاؤ اور بچتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ ○ شیطان کا ارادہ تو یہی ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تم میں آپس میں بغض وعداوت ڈلوادے اور تمہیں یاد اللہ سے اور نماز سے روک دے۔ پس اب تم اس سے باز آجاؤ گے؟ ○

پانسہ بازی' جوا اور شراب: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۱) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بعض چیزوں سے روکتا ہے۔ شراب کی ممانعت فرمائی' پھر جوئے کی روک کی۔ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی جوئے میں داخل ہے (ابن ابی حاتم) عطا' مجاہد اور طاؤس سے یا ان میں سے دو سے مروی ہے کہ جوئے کی ہر چیز میسر میں داخل ہے گو بچوں کے کھیل کے طور پر ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں جوئے کا بھی عام رواج تھا جسے اسلام نے غارت کیا۔ ان کا ایک جوا یہ بھی تھا کہ گوشت کو بکری کے بدلے بیچتے تھے۔ پانسے پھینک کر مال یا پھل لینا بھی جوا ہے۔ حضرت قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز ذکر اللہ اور نماز سے غافل کر دے' وہ جوا ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ان پانسوں سے بچو جن سے لوگ کھیلا کرتے تھے۔ یہ بھی جوا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' پانسوں سے کھیلنے والا گویا اپنے ہاتھوں کو سور کے خون اور گوشت میں آلودہ کرنے والا ہے۔ سنن میں ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کا نافرمان ہے۔ حضرت ابو موسیٰ کا قول بھی اسی طرح مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ مسند میں ہے' پانسوں سے کھیل کر نماز پڑھنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قے اور گندگی سے اور سور کے خون سے وضو کر کے نماز ادا کرے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں' میرے نزدیک شطرنج اس سے بھی بری ہے۔ حضرت علیؓ سے شطرنج کا جوئے میں سے ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ امام مالکؒ' امام ابو حنیفہؒ' امام احمدؒ تو کھلم کھلا اسے حرام بتاتے ہیں اور امام شافعیؒ بھی اسے مکروہ بتاتے ہیں۔

انصاب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانور چڑھایا کرتے تھے اور انہیں وہیں ذبح کرتے تھے ازلام ان تیروں کو کہتے

ہیں جن میں وہ فال لیا کرتے تھے۔ ان سب چیزوں کی نسبت فرمایا کہ یہ اللہ کی ناراضگی کے اور شیطانی کام ہیں۔ یہ گناہ کے اور برائی کے کام ہیں۔ تم ان شیطانی کاموں سے بچو۔ انہیں چھوڑ دو تا کہ تم نجات پاؤ۔ اس فقرے میں مسلمانوں کو ان کاموں سے روکنے کی ترغیب ہے۔ پھر رغبت آمیز دھمکی کے ساتھ مسلمانوں کو ان چیزوں سے روکا گیا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا
مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا
وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱ ۷

تمہیں اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرنی چاہئے اور احتیاط اور ڈر رکھنا چاہئے‘ اب بھی اگر تم منہ موڑ لو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسولوں کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہی تھا ○ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیکیوں کے پابند ہیں‘ وہ جو کچھ کھا پی گذرے‘ اس میں کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ پرہیزگاری کریں اور ایمان لائیں۔ اور نیک عمل کریں۔ پھر ڈرتے رہیں اور ایمان لائیں۔ پھر تقویٰ کریں اور احسان و اخلاص کو کام میں لائیں۔ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے ○

حرمت شراب کی مزید وضاحت: ☆☆ (آیت: ۹۲-۹۳) اب ہم یہاں پر حرمت شراب کی مزید احادیث وارد کرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے‘ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں‘ شراب تین مرتبہ حرام ہوئی۔ آنحضرت ﷺ جب مدینے شریف میں آئے تو لوگ جواری شرابی تھے۔ حضورؐ سے اس بارے میں سوال ہوا اور آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الخ‘ نازل ہوئی۔ اس پر لوگوں نے کہا یہ دونوں چیزیں ہم پر حرام نہیں کی گئیں بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ان میں بہت گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں۔ چنانچہ شراب پیتے رہے۔ ایک دن ایک صحابی اپنے ساتھیوں کو مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو قرات غلط ملط ہوگئی۔ اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى الخ نازل ہوئی۔ یہ بہ نسبت پہلی آیت کے زیادہ سخت تھی۔ اب لوگوں نے نمازوں کے وقت شراب چھوڑ دی لیکن عادت برابر جاری رہی۔ اس پر اس سے بھی زیادہ سخت اور صریح آیت انما الخمر و المیسر الخ‘ نازل ہوئی۔ اسے سن کر سارے صحابہ بول اٹھے انتھینا ربنا اے اللہ ہم اب باز رہے‘ ہم رک گئے۔ پھر لوگوں نے ان لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا جو شراب اور جوئے کی حرمت کے نازل ہونے سے پیشتر اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے تھے۔ اس کے جواب میں اس کے بعد کی آیت لیس علی الذین الخ‘ نازل ہوئی اور آپؐ نے فرمایا‘ اگر ان کی زندگی میں یہ حکم اترا ہوتا تو وہ بھی تمہاری طرح اسے مان لیتے۔

مسند احمد میں ہے‘ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تحریم شراب کے نازل ہونے پر فرمایا‘ یا اللہ ہمارے سامنے اور کھول کر بیان فرما۔ پس سورہ بقرہ کی آیت فیھما اثم کبیر نازل ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی لیکن پھر بھی آپؓ نے یہی فرمایا کہ اے اللہ تو ہمیں اور واضح لفظوں میں فرما۔ پس سورہ نساء کی آیت و انتم سکاری نازل ہوئی۔ اور مؤذن جب حیی علی الصلوۃ کہتا تو ساتھ ہی کہہ دیتا کہ نشہ باز ہرگز ہرگز نماز کے قریب بھی نہ آئیں۔ حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور یہ

آیت اتری- آپ کو بلوایا گیا اور یہ آیت سنائی گئی- جب فھل انتم منتھون تک سنا تو فرمانے لگے انتھینا انتھینا ہم رک گئے- ہم رک گئے- بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے منبر نبویؐ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ شراب کی حرمت جب نازل ہوئی' اس وقت شراب پانچ چیزوں کی بنائی جاتی تھی- انگور' شہد' کھجور' گیہوں اور جو- ہر وہ چیز جو عقل پر غالب آ جائے' خمر ہے-② یعنی شراب کے حکم میں ہے اور حرام ہے-

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ شراب کی حرمت کی آیت کے نزول کے موقع پر مدینے شریف میں پانچ قسم کی شرابیں تھیں- ان میں انگور کی شراب نہ تھی- ابوداؤد طیالسی میں ہے' ابن عمرؓ فرماتے ہیں' شراب کے بارے میں تین آیتیں اتریں- اول تو یسئلونک عن الخمر والی آیت اتری تو کہا گیا کہ شراب حرام ہو گئی- اس پر بعض صحابہؓ نے فرمایا' یا رسول اللہؐ ہمیں اس سے نفع اٹھانے دیجئے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا- آپؐ خاموش ہو گئے- پھر وانتم سکاری والی آیت اتری اور کہا گیا کہ شراب حرام ہو گئی- لیکن صحابہؓ نے فرمایا' یا رسول اللہؐ ہم بوقت نماز نہ پئیں گے- آپ پھر چپ رہے- پھر یہ دونوں آیتیں اتریں اور خود رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ اب شراب حرام ہو گئی- مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ کا ایک دوست تھا قبیلہ ثقیف میں سے یا قبیلہ دوس میں سے- فتح مکہ والے دن وہ آپؐ سے ملا اور ایک مشک شراب کی آپ کو تحفۃ دینے لگا- آپؐ نے فرمایا' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے- اب اس شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ جا اسے بیچ ڈال' آپؐ نے فرمایا کیا کہا؟ اس نے جواب دیا کہ بیچنے کو کہہ رہا ہوں آپؐ نے فرمایا- جس اللہ نے اس کا پینا حرام کیا ہے' اسی نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے- اس نے اسی وقت کہا' جاؤ اسے لے جاؤ اور بطحا کے میدان میں بہا آؤ-④ ابویعلی موصلی میں ہے کہ حضرت تمیم داریؓ آنحضرت ﷺ کو تحفہ دینے کے لئے ایک مشک شراب کی لائے' آپؐ اسے دیکھ کر ہنس دیئے اور فرمایا' یہ تو تمہارے جانے کے بعد حرام ہو گئی ہے- کہا خیر یا رسول اللہؐ میں اسے واپس لے جاتا ہوں اور بیچ کر قیمت وصول کر لوں گا- یہ سن کر آپؐ نے فرمایا' یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہوئی کہ ان پر جب گائے بکری کی چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچنا شروع کیا- اللہ تعالیٰ نے شراب کو اور اس کی قیمت کو حرام کر دیا ہے-

مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے- اس میں ہے کہ ہر سال حضرت داریؓ ایک مشک ہدیہ کرتے تھے- اس کے آخر میں حضورؐ کا دو مرتبہ یہ فرمانا ہے کہ شراب بھی حرام اور اس کی قیمت بھی حرام- ایک حدیث مسند احمد میں اور ہے' اس میں ہے کہ حضرت کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شراب کے تاجر تھے- جس سال شراب حرام ہوئی' اس سال یہ شام کے ملک سے بہت سی شراب تجارت کے لئے لائے تھے- حضورؐ سے ذکر کیا- آپؐ نے فرمایا' اب تو حرام ہو گئی' پوچھا پھر میں اسے بیچ ڈالوں؟ آپؐ نے فرمایا' یہ بھی حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے- چنانچہ حضرت کیسانؓ نے وہ ساری شراب بہا دی- مسند احمد میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں- میں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت سہیل بن بیضاؓ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کو شراب پلا رہا تھا- دور چل رہا تھا- سب لذت اندوز ہو رہے تھے- قریب تھا کہ نشے کا پارہ بڑھ جائے- اتنے میں کسی صحابی نے آ کر خبر دی کہ کیا تمہیں علم نہیں شراب تو حرام ہو گئی؟ انہوں نے کہا- بس کرو انس- جو باقی بچی ہے اسے لنڈھا دو- اللہ کی قسم اس کے بعد ایک قطرہ بھی ان میں سے کسی کے حلق میں نہیں گیا- یہ شراب کھجور کی تھی اور عموماً اسی کی شراب بنا کرتی تھی-

یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی ہے- اور روایت میں ہے کہ شراب خوری کی یہ مجلس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تھی- ناگاہ منادی کی آواز پڑی- مجھ سے کہا گیا' باہر جاؤ دیکھو کیا منادی ہو رہی ہے؟ میں نے جا کر سنا- منادی ندا دے رہا ہے کہ شراب تم پر حرام

کی گئی ہے۔ میں نے آ کر خبر دی تو حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا' اٹھو جتنی شراب ہے' سب بہا دو۔ میں نے بہا دی اور میں نے دیکھا کہ مدینے کے گلی کوچوں میں شراب بہہ رہی ہے۔ بعض اصحابؓ نے کہا' ان کا کیا حال ہوگا جن کے پیٹ میں شراب تھی اور وہ قتل کر دیئے گئے؟ اس پر اس کے بعد کی آیت لیس علی الذین الخ نازل ہوئی یعنی ان پر کوئی حرج نہیں۔ ابن جریر کی روایت میں اس مجلس والوں کے ناموں میں حضرت ابودجانہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا نام بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ ندا سنتے ہی ہم نے شراب بہا دی۔ مٹکے اور پیپے توڑ ڈالے۔ کسی نے وضو کر لیا' کسی نے غسل کر لیا اور حضرت ام سلیمؓ کے ہاں سے خوشبو منگوا کر لگائی اور مسجد پہنچے تو دیکھا حضور ﷺ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضورؐ اس سے پہلے جو لوگ فوت ہو گئے ہیں' ان کا کیا حکم ہے؟ پس اس کے بعد آیت اتری۔ کسی نے حضرت قتادہؒ سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ فرمایا' ہاں ہم جھوٹ نہیں بولتے بلکہ ہم تو جانتے بھی نہیں کہ جھوٹ کسے کہتے ہیں؟ مسند احمد میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب اور پانسے اور بربط کا باجا حرام کر دیا ہے۔ شراب سے بچو' غبیر انام کی شراب عام ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو شخص مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو' وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔ میں نے آپؐ سے سنا ہے کہ شراب' جوا' پانسے اور غبیرا سب حرام ہیں اور ہر نشے والی چیز حرام ہے۔ مسند احمد میں ہے شراب کے بارے میں دس لعنتیں ہیں۔ خود شراب پر' اس کے پینے والے پر' اس کے پلانے والے پر' اس کے بیچنے والے پر' اس کے خریدنے والے پر' اس کے نچوڑنے والے پر' اس کے بنانے والے پر' اس کے اٹھانے والے پر اور اس پر بھی جس کے پاس یہ اٹھا کر لے جایا جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر (ابوداؤد' ابن ماجہ) مسند میں ہے' ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باڑے کی طرف نکلے۔ میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپؐ کے دائیں جانب چل رہا تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے میں ہٹ گیا اور آپؐ کے داہنے حضرت صدیقؓ چلنے لگے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ آ گئے۔ میں ہٹ گیا۔ آپؓ حضورؐ کے بائیں طرف ہو گئے۔ جب آپ باڑے میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر مشکیں شراب کی رکھی ہوئی ہیں۔ آپؐ نے مجھے بلایا۔ اور فرمایا چھری لاؤ' میں لایا تو آپؐ نے حکم دیا کہ یہ مشکیں کاٹ دی جائیں' پھر فرمایا' شراب پر' اس کے پینے والے پر' پلانے والے پر' بیچنے والے پر' خریدار پر' اٹھانے والے پر' اٹھوانے والے پر' بنانے والے پر' بنوانے والے پر' قیمت لینے والے پر سب پر لعنت ہے۔

مسند احمد کی اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہ مشکیں کٹوا دیں۔ پھر مجھے اور میرے ساتھیوں کو چھری دے کر فرمایا' جاؤ جتنی مشکیں شراب کی جہاں پاؤ سب کاٹ کر بہا دو۔ پس ہم گئے اور سارے بازار میں ایک مشک بھی نہ چھوڑی۔ بیہقی کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص شراب بیچتا تھا اور بہت خیرات کیا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے شراب فروشی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا' یہ حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ اے امت محمدؐ اگر تمہاری کتاب کے بعد کوئی کتاب اترنے والی ہوتی اور اگر تمہارے نبی کے بعد کوئی نبی اور آنے والا ہوتا' جس طرح اگلوں کی رسوائیاں اور ان کی برائیاں تمہاری کتاب میں اتریں' تمہاری خرابیاں ان پر نازل ہوتیں لیکن تمہارے افعال کا اظہار قیامت کے دن پر موخر رکھا گیا ہے اور یہ بہت بھاری اور بڑا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا' سنو میں حضورؐ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ آپ گوٹھ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے' جس کے پاس جتنی شراب ہو وہ ہمارے پاس لائے۔ لوگوں نے لانی شروع کی۔ جس کے پاس جتنی تھی' حاضر کی۔ آپؐ نے فرمایا' جاؤ' اسے بقیع کے میدان میں فلاں فلاں جگہ رکھو۔ جب سب جمع ہو جائے' مجھے خبر کرو۔ جب جمع ہو گئی اور آپؐ سے کہا گیا تو آپؐ اٹھے۔ میں آپ کے داہنے جانب تھا۔ آپ مجھ پر ٹیک لگائے چل رہے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ جب آئے تو آپؐ نے مجھے ہٹا دیا۔ اپنے بائیں کر دیا اور میری جگہ حضرت ابو بکرؓ نے لے لی۔ پھر حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے مجھے اور پیچھے ہٹا دیا اور جناب فاروقؓ کو اپنے بائیں لے لیا اور وہاں پہنچے۔ لوگوں سے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ سب نے کہا ہاں جانتے ہیں۔ یہ شراب ہے‘ فرمایا سنو اس پر‘ اس کے بنانے والے پر‘ بنوانے والے پر‘ پینے والے پر‘ پلانے والے پر‘ اٹھانے والے پر‘ اٹھوانے والے پر‘ بیچنے والے پر‘ خریدنے والے پر‘ قیمت لینے والے پر‘ اللہ کی پھٹکار ہے۔ پھر چھری منگوائی اور فرمایا اسے تیز کر لو۔ پھر اپنے ہاتھ سے مشکیں پھاڑنی اور مٹکے توڑنے شروع کئے‘ لوگوں نے کہا بھی کہ حضورؐ مشکوں اور مٹکوں کو رہنے دیجئے۔ اور کام آئیں گی۔ فرمایا ٹھیک ہے لیکن میں تو اب ان سب کو توڑ کر ہی رہوں گا۔ یہ غضب وغصہ اللہ کے لئے ہے کیونکہ ان تمام چیزوں سے رب ناراض ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا‘ حضورؐ آپ خود کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ فرمایا نہیں۔ میں اپنے ہاتھ سے انہیں نیست و نابود کروں گا۔ بیہقی کی حدیث میں ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیتیں اتری ہیں۔ پھر حدیث بیان فرما کر کہا کہ ایک انصاری نے دعوت کی۔ ہم دعوت میں جمع ہوئے۔ خوب شرابیں پیں۔ نشے میں جھومتے ہوئے اپنے نام ونسب پر فخر کرنے لگے‘ ہم افضل ہیں۔ قریش نے کہا ہم افضل ہیں۔ ایک انصاری نے اونٹ کا جبڑا لے کر حضرت سعدؓ کو مارا اور ہاتھا پائی ہونے لگی۔ پھر شراب کی حرمت کی آیت اتری۔ یہ شراب پی کر بدمست ہو گئے اور آپس میں لاف زنی ہونے لگی۔ جب نشے اترے تو دیکھتے ہیں‘ اس کی ناک پر زخم ہے۔ اس کے چہرے پر زخم ہے۔ اس کی داڑھی نچی ہوئی ہے اور اسے چوٹ لگی ہوئی ہے‘ کہنے لگے مجھے فلاں نے مارا۔ میری بے حرمتی فلاں نے کی۔ اگر اس کا دل میری طرف سے صاف ہوتا تو میرے ساتھ یہ حرکت نہ کرتا‘ دلوں میں نفرت اور دشمنی بڑھنے لگی۔ پس یہ آیت اتری۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا جب یہ گندگی ہے تو فلاں فلاں صحابہؓ تو اسے پیتے ہوئے ہی رحلت کر گئے ہیں۔ ان کا کیا حال ہوگا؟ ان میں سے بعض احد کے میدان میں شہید ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں اگلی آیت اتری۔ ابن جریر میں ہے‘ حضرت ابو بریدہؓ کے والد کہتے ہیں کہ ہم چار شخص ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ دور چل رہا تھا۔ جام گردش میں تھا۔ ناگہاں میں کھڑا ہوا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ وہیں حرمت شراب کی یہ آیت نازل ہوئی۔ میں پچھلے پیروں اپنی اسی مجلس میں آیا اور اپنے ساتھیوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائی‘ بعض وہ بھی تھے جن کے منہ سے جام لگا ہوا تھا لیکن واللہ انہوں نے اسی وقت اسے الگ کر دیا اور جتنا پیا تھا‘ اسے قے کر کے نکال دیا اور کہنے لگے‘ یا اللہ ہم رک گئے‘ ہم باز آ گئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جنگ احد کی صبح بعض لوگوں نے شرابیں پی تھیں اور میدان میں اسی روز اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے‘ اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ بزار میں یہ زیادتی بھی ہے کہ اسی پر بعض یہودیوں نے اعتراض کیا اور جواب میں آیت لیس علی الذین امنوا الخ‘ نازل ہوئی۔ ابو یعلی موصلی میں ہے کہ ایک شخص خیبر سے شراب لا کر مدینے میں فروخت کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ لا رہا تھا۔ ایک صحابی راستے میں ہی اسے مل گئے اور فرمایا شراب تو اب حرام ہو گئی۔ وہ واپس مڑ گیا اور ایک ٹیلے تلے اسے کپڑے سے ڈھانپ کر آ گیا اور حضور سے کہنے لگا‘ کیا یہ سچ ہے کہ شراب حرام ہو گئی؟ آپؐ نے فرمایا‘ ہاں سچ ہے‘ کہا پھر مجھے اجازت دیجئے کہ جس سے لی ہے اسے واپس کر دوں۔ فرمایا‘ اس کا لوٹانا بھی جائز نہیں۔ کہا پھر اجازت دیجئے کہ میں اسے ایسے شخص کو تحفہ دوں جو اس کا معاوضہ مجھے دے۔ آپ نے فرمایا یہ بھی ٹھیک نہیں۔ کہا حضورؐ اس میں یتیموں کا مال بھی لگا ہوا ہے۔ فرمایا۔ دیکھو جب ہمارے پاس بحرین کا مال آئے گا‘ اس سے ہم تمہارے یتیموں کی مدد کریں گے۔ پھر مدینہ میں منادی ہو گئی۔ ایک شخص نے کہا حضورؐ شراب کے برتنوں سے نفع حاصل کرنے کی اجازت

دیجئے - آپ نے فرمایا جاؤ مشکوں کو کھول ڈالو اور شراب بہا دو - اس قدر شراب بہی کہ میدان بھر گئے - یہ حدیث غریب ہے - مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ میرے ہاں جو یتیم بچے پل رہے ہیں' ان کے ورثے میں انہیں شراب ملی ہے - آپؐ نے فرمایا' جاؤ اسے بہا دو - عرض کیا' اگر اجازت ہو تو اس کا سرکہ بنالوں فرمایا نہیں - یہ حدیث مسلم' ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے - کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو نازل فرمایا تاکہ اس کی وجہ سے باطل کو دور کر دے اور اس سے کھیل تماشے' باجے گاجے' بربط' دف طنبورہ' راگ راگنیاں فنا کر دے - شرابی کے لئے شراب نقصان دہ ہے - اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ جو اسے حرمت کے بعد پئے گا' اسے میں قیامت کے دن پیاسا رکھوں گا اور حرمت کے بعد جو اسے چھوڑے گا' میں اسے جنت کے پاکیزہ چشمے سے پلاؤں گا - حدیث شریف میں ہے جس شخص نے نشہ کی وجہ سے ایک وقت کی نماز چھوڑ دی' وہ ایسا ہے جیسے کسی سے روئے زمین کی سلطنت چھن گئی اور جس شخص نے چار بار کی نماز نشے میں چھوڑ دی' اللہ تعالیٰ اسے طينة الخيال پلائے گا - پوچھا گیا کہ طينة الخيال کیا ہے؟ فرمایا جہنمیوں کا لہو پیپ پسینہ پیشاب وغیرہ (مسند احمد)

ابوداؤد میں ہے کہ ہر عقل کو ڈھانپنے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے اور جو شخص نشے والی چیز پئے گا' اس کی چالیس دن کی نمازیں نامقبول ہیں - اگر وہ توبہ کرے گا تو توبہ قبول ہوگی - اگر اس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور طینۃ الخیال پلائے گا' پوچھا گیا وہ کیا ہے؟ فرمایا جہنمیوں کا نچوڑ اور ان کی پیپ اور جو شخص اسے کسی بچہ کو پلائے گا جو حلال حرام کی تمیز نہ رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے بھی جہنمیوں کا پیپ پلائے - بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے' دنیا میں جو شراب پئے گا اور توبہ نہ کرے گا وہ جنت کی شراب سے محروم رہے گا -

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر نشے والی چیز خمر ہے اور ہر نشے والی چیز حرام ہے اور جس شخص نے شراب کی عادت ڈالی اور بے توبہ مر گیا وہ جنت کی شراب سے محروم رہے گا - نسائی وغیرہ میں ہے تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہ دیکھے گا' ماں باپ کا نافرمان' شراب کی عادت والا اور اللہ کی راہ میں دے کر احسان جتلانے والا - مسند احمد میں ہے کہ دے کر احسان جتلانے والا' ماں باپ کا نافرمان اور شرابی جنت میں نہیں جائے گا - مسند احمد میں اس کے ساتھ ہی ہے کہ زنا کی اولاد بھی - حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شراب سے پرہیز کرو - وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے - سنو اگلے لوگوں میں ایک ولی اللہ تھا جو بڑا عبادت گذار تھا اور تارک دنیا تھا - بستی سے الگ تھلگ ایک عبادت خانے میں شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتا تھا - ایک بدکار عورت اس کے پیچھے لگ گئی' اس نے اپنی لونڈی کو بھیج کر اسے اپنے ہاں ایک شہادت کے بہانے بلوایا - یہ چلے گئے - لونڈی اپنے گھر میں انہیں لے گئی - جس دروازے کے اندر یہ پہنچ جاتے' پیچھے سے لونڈی اسے بند کرتی جاتی - آخری کمرے میں جب گئے تو دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت عورت بیٹھی ہے' اس کے پاس ایک بچہ ہے اور ایک جام شراب لبالب بھرا رکھا ہے - اس عورت نے اس سے کہا' سنئے جناب میں نے آپ کو در حقیقت کسی گواہی کے لئے نہیں بلوایا - فی الواقع اس لئے بلوایا ہے کہ یا تو آپ میرے ساتھ بدکاری کریں یا اس بچے کو قتل کر دیں یا شراب کو پی لیں - درویش نے سوچ کر تینوں کاموں میں ہلکا کام شراب کا پینا جان کر جام کو منہ سے لگا لیا' سارا پی گیا - کہنے لگا اور لاؤ اور لاؤ' خوب پیا' جب نشے میں مدہوش ہو گیا تو اس عورت کے ساتھ زنا بھی کر بیٹھا اور اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا - پس اے لوگو! تم شراب سے بچو - سمجھ لو کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہوتے - ایک کا آنا دوسرے کا جانا ہے (بیہقی) امام ابوبکر بن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ذم المسکر میں بھی اسے وارد کیا ہے اور اس میں مرفوع ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہے - واللہ اعلم - اس کی شاہد بخاری و مسلم کی مرفوع حدیث بھی ہے

جس میں ہے کہ زانی زنا کے وقت، چور چوری کے وقت، شرابی شراب خوری کے وقت مومن نہیں رہتا۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، جب شراب حرام ہوئی تو صحابہؓ نے سوال کیا کہ اس کی حرمت سے پہلے جو لوگ انتقال کر چکے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت لیس علی الذین الخ، نازل ہوئی یعنی ان پر اس میں کوئی حرج نہیں اور جب بیت المقدس کا قبلہ بدلا اور بیت اللہ شریف قبلہ ہوا، اس وقت بھی صحابہؓ نے پہلے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے انتقال کر جانے والوں کی نسبت دریافت کیا تو آیت مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَکُمۡ الخ نازل ہوئی یعنی ان کی نمازیں ضائع نہ ہوں گی۔ مسند احمد میں ہے، جو شخص شراب پئے، چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس پر رہتی ہے۔ اگر وہ اسی حالت مر گیا تو کافر مرے گا۔ ہاں اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور اگر اس نے پھر بھی شراب پی تو اللہ تعالیٰ دوزخیوں کا فضلہ پلائے گا۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ حکم اترا کہ ایمانداروں پر حرمت سے پہلے پی ہوئی کا کوئی گناہ نہیں تو حضورؐ نے فرمایا، مجھ سے کہا گیا ہے کہ تو انہی میں سے ہے۔ مسند احمد میں ہے پانسوں کے کھیل سے بچو۔ یہ عجمیوں کا جوا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَیَبۡلُوَنَّکُمُ اللّٰهُ بِشَیۡءٍ مِّنَ الصَّیۡدِ تَنَالُهٗۤ
اَیۡدِیۡکُمۡ وَ رِمَاحُکُمۡ لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّخَافُهٗ بِالۡغَیۡبِ ۚ
فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۹۴﴾

مسلمانو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ ایک شکار کے حکم سے ضرور آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ جو اس سے غائبانہ بھی ڈرتے رہتے ہیں، ان کی تمیز ہو جائے۔ سنو اس کے بعد جو بھی حد سے نکل جائے اس کے لئے دکھ کی مار ہے ○

احرام میں شکار کے مسائل کی تفصیلات: ☆☆ (آیت: ۹۴) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، چھوٹے چھوٹے شکار اور کمزور شکار اور ان کے بچے جنہیں انسان اپنے ہاتھ سے پکڑ لے اور اپنے نیزے کی نوک پر رکھ لے اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرے گا۔ یعنی انہیں منع فرمایا ہے کہ تم باوجود اس کے بھی ان کا شکار حالت احرام میں نہ کرو خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے خواہ آسانی سے شکار ہو سکتا ہو خواہ سختی سے۔ چنانچہ عمرۂ حدیبیہ کے موقعہ پر یہی ہوا کہ قسم قسم کے شکار اس قدر بکثرت آ پڑے کہ صحابہؓ کے خیموں میں گھسنے لگے۔ ادھر اللہ کی طرف سے ممانعت ہو گئی تا کہ پوری آزمائش ہو جائے۔ ادھر شکار گویا ہنڈیا میں ہے۔ ادھر ممانعت ہے۔ ہتھیار تو کہاں یونہی اگر چاہیں تو ہاتھ سے پکڑ سکتے ہیں اور پوشیدہ طور سے شکار قبضہ میں کر سکتے ہیں۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ فرمانبردار اور نافرمان کا امتحان ہو جائے پوشیدگی میں بھی اللہ کا ڈر رکھنے والے غیروں سے ممتاز ہو جائیں۔ چنانچہ فرمان ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے غائبانہ ڈرتے رہتے ہیں، ان کے لئے بڑی بھاری مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ اب جو شخص اس حکم کے آنے کے بعد بھی حالت احرام میں شکار کھیلے گا، شریعت کی مخالفت کرے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ وَ مَنۡ
قَتَلَهٗ مِنۡکُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ
یَحۡکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ هَدۡیًۢا بٰلِغَ الۡکَعۡبَةِ اَوۡ کَفَّارَةٌ

طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ
عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

مسلمانو! احرام کی حالت میں ہرگز شکار نہ کھیلنا۔ تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حال میں) شکار کھیلے اس کے ذمہ بدلہ ہے اس شکار کے مثل چوپائے جانور کا جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں اور یہ قربانی کعبہ کو پہنچے یا اس کا بدلہ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اسی کے برابر برابر روزے رکھنے تا کہ اپنے فعل کا وبال چکھ لے پہلے جو کچھ گذر چکا اس سے تو اللہ تعالیٰ نے درگذر فرما لیا۔ اب جو کوئی پھر اسے کرے گا اس سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا۔ اللہ بڑا ہی غالب اور صحیح انتقام لینے والا ہے ○

(آیت: ۹۵) پھر فرمایا ایماندارو حالت احرام میں شکار نہ کھیلو۔ یہ حکم اپنے معنی کی حیثیت سے تو حلال جانوروں اور ان سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں کے لیے ہے۔ لیکن جو خشکی کے حرام جانور ہیں ان کا شکار کھیلنا امام شافعیؒ کے نزدیک تو جائز ہے اور جمہور کے نزدیک حرام ہے۔ ہاں اس عام حکم سے صرف وہ چیزیں مخصوص ہیں جن کا ذکر بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں وہ حرم میں قتل کر دیئے جائیں اور غیر حرم میں بھی۔ کوا چیل بچھو چوہا اور کاٹنے والا کالا کتا اور روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ان پانچ جانوروں کے قتل میں احرام والے پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اس روایت کو سن کر حضرت ایوب اپنے استاد حضرت نافع سے پوچھتے ہیں کہ سانپ کا کیا حکم ہے؟ آپؒ نے فرمایا وہ اس میں شامل ہے یہ بھی قتل کر دیا جائے اس میں کسی کو اختلاف نہیں بعض علماء نے جیسے امام احمد امام مالکؒ وغیرہ نے کتے کے حکم میں درندوں کو بھی رکھا ہے جیسے بھیڑیا شیر وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ کتے سے بہت زیادہ ضرر والے ہیں۔ حضرت زید بن اسلم اور حضرت سفیان بن عینیہؒ فرماتے ہیں کہ ہر حملہ کرنے والے درندے کا حکم ہے دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابولہب کے حق میں جب دعا کی تو فرمایا اے اللہ اس پر شام میں اپنا کوئی کتا مقرر کر دے۔ پس جب وہ زرقا میں پہنچا وہاں اسے بھیڑیئے نے پھاڑ ڈالا۔ ہاں اگر محرم نے حالت احرام میں کوے کو یا لومڑی وغیرہ کو مار ڈالا تو اسے بدلہ دینا پڑے گا۔ اسی طرح ان پانچوں قسم کے جانوروں کے بچے اور حملہ کرنے والے درندوں کے بچے بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں ہر وہ جانور جو کھایا نہیں جاتا اس کے قتل میں اور اس کے بچوں کے قتل میں محرم پر کوئی حرج نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا گوشت کھایا نہیں جاتا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کالا کتا حملہ کرنے والا اور بھیڑیا تو محرم قتل کر سکتا ہے اس لئے کہ بھیڑیا بھی جنگلی کتا ہے ان ک سوا جس جانور کا شکار کھیلے گا فدیہ دینا پڑے گا۔ ہاں اگر کوئی شیر وغیرہ جنگلی درندہ اس پر حملہ کرے اور یہ اسے مار ڈالے تو اس صورت میں فدیہ نہیں۔ آپ کے شاگرد زفرؒ کہتے ہیں یہ حملہ کرنے کی صورت میں بھی اگر مار ڈالے گا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ بعض احادیث میں غراب ابقع کا لفظ آیا ہے یہ وہ کوا ہے جس کے پیٹ اور پیٹھ پر سفیدی ہوتی ہے۔ مطلق سیاہ اور بالکل سفید کوے کو غراب ابقع نہیں کہتے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر قسم کے کوے کا یہی حکم ہے کیونکہ بخاری و مسلم کی حدیث میں مطلق کوے کا ذکر ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کوے کو بھی اس حال میں مار سکتا ہے کہ وہ اس پر حملہ کرے یا اسے ایذا دے مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ اس حالت میں بھی مار نہ ڈالے بلکہ اسے پتھر وغیرہ پھینک کر ہٹا دے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا کہ محرم کس کس جانور کو قتل کر دے؟ تو آپ نے فرمایا سانپ بچھو اور چوہا اور کوے کو کنکر مارے اسے مار نہ ڈالے اور کالا کتا اور چیل اور حملہ کرنے والا درندہ۔ (ابوداؤد وغیرہ)

پھر فرماتا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر حالت احرام میں شکار کرے اس پر فدیہ ہے۔ حضرت طاؤسؒ کا فرمان ہے کہ خطا سے قتل کرنے والے پر کچھ نہیں۔ لیکن یہ مذہب غریب ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ سے یہی مشتق ہے۔ مجاہد بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ مراد وہ شخص ہے جو شکار تو قصداً کرتا ہے لیکن اپنی حالت احرام کی یاد نہیں رہی۔ لیکن جو شخص باوجود احرام کی یاد کے عمداً شکار کرے وہ تو کفارے کی حد سے نکل گیا اس کا احرام باطل ہو گیا۔ یہ قول بھی غریب ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قصداً شکار کرنے والا اور بھول کر کرنے والا دونوں کفارے میں برابر ہیں امام زہریؒ فرماتے ہیں قرآن سے تو قصداً شکار کھیلنے والے پر کفارہ ثابت ہوا اور حدیث نے میں حکم بھولنے والے کا بھی بیان فرمایا مطلب اس قول کا یہ ہے کہ قصداً شکار کھیلنے والے پر کفارہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس کا گنہگار ہونا بھی۔ کیونکہ اس سے بعد لیذوق وبال امرہ فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب سے خطا میں بھی یہی حکم ثابت ہے اور اس لئے بھی کہ شکار کو قتل کرنا اس کا تلف کرنا ہے اور ہر تلف کرنے کا بدلہ ضروری ہے خواہ بالقصد ہو یا انجان پنے سے ہو۔ ہاں قصداً کرنے والا گنہگار بھی ہے اور بلاقصد جس سے سرزد ہو جائے وہ قابل ملامت نہیں۔

پھر فرمایا اس کا بدلہ یہ ہے کہ اسی کے مثل چوپایہ جانور راہ للہ قربان کرے۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں فَجَزَآؤُہٗ ہے۔ ان دونوں قراتوں میں مالکؒ، شافعیؒ، احمد اور جمہور کی دلیل ہے کہ جب شکار چوپایوں کی مانند ہو تو وہی اس کے بدلے میں دینا ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ خواہ شکار کے کسی جانور کی مثل ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں قیمت دینی پڑے گی۔ ہاں اس محرم شکاری کو اختیار ہے کہ خواہ اس قیمت کو صدقہ کر دے خواہ اس سے قربانی کا کوئی جانور خرید لے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ امام صاحب کے اس قول سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصلہ ہمارے لئے زیادہ قابل عمل ہے۔ انہوں نے شتر مرغ کے شکار کے بدلے اونٹ مقرر کیا ہے اور جنگلی گائے کے بدلے پالتو گائے مقرر فرمائی ہے اور ہرن کے بدلے بکری۔ یہ فیصلے ان بزرگ صحابیوں کے سندوں سمیت احکام کی کتابوں میں موجود ہیں جہاں شکار جیسا اور کوئی پالتو چوپایہ نہ ہو اس میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فیصلہ قیمت کا ہے جو مکہ شریف پہنچائی جائے۔ (بیہقی)

پھر فرمایا کہ اس کا فیصلہ دو عادل مسلمان کر دیں کہ کیا قیمت ہے یا کونسا جانور بدلے میں دیا جائے۔ فقہا نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ فیصلہ کرنے والے دو میں ایک خود قاتل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام مالکؒ وغیرہ نے تو انکار کیا ہے کیونکہ اسی کا معاملہ ہوا اور وہی حکم کرنے والا ہو۔ اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ نے آیت کے عموم کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے مذہب کی دلیل تو یہ ہے کہ خود حاکم اپنے اوپر اپنا ہی حکم کر کے اسی حکم میں اپنا منصف آپ نہیں بن سکتا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے ایک شکار کو احرام کی حالت میں قتل کر دیا ہے اب آپ فرمایئے کہ اس میں مجھ پر بدلہ کیا ہے؟ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی طرف دیکھ کر ان سے دریافت فرمایا کہ آپ فرمایئے کیا حکم ہے؟ اس پر اعرابی نے کہا، سبحان اللہ میں آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں۔ آپ خلیفہ رسول ہیں اور آپ کسی سے دریافت فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اس میں تیرا کیا بگڑا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دو عادل جو فیصلہ کر دیں اس لئے میں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ جب ہم دونوں کسی بات پر اتفاق کر لیں گے تو تجھ سے کہہ دیں گے۔ اس کی سند تو بہت مضبوط ہے لیکن اس میں میمون اور صدیقؓ کے درمیان انقطاع ہے۔ یہاں یہی چاہیئے تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ اعرابی جاہل ہے اور جہل کی دوا تعلیم ہے تو آپ نے اسے نرمی اور محبت سے سمجھا دیا اور جبکہ اعتراض کرنے والا خود مدعی علم ہو، پھر وہاں یہ صورت نہیں رہتی۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے، حضرت قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں، ہم حج کے لئے چلے، ہماری عادت تھی کہ صبح کی نماز پڑھتے ہی ہم سواریوں سے اتر پڑتے اور انہیں چلاتے ہوئے باتیں کرتے ہوئے پیدل چل پڑتے۔ ایک دن اسی طرح جا رہے تھے کہ ایک

ہرن ہماری نگاہ میں پڑا- ہم میں سے ایک شخص نے اسے پتھر مارا جو اسے پوری طرح لگا اور وہ مر کر گر گیا- وہ شخص اسے مردہ چھوڑ کر اپنی سواری پر سوار ہو گیا- ہمیں یہ کام بڑا برا معلوم ہوا اور ہم نے اسے بہت کچھ کہا سنا- مکہ شریف پہنچ کر میں اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا- اس نے سارا واقعہ خود بیان کیا- اس وقت جناب فاروقؓ کے پہلو میں ایک صاحب کھڑے تھے جن کا چہرہ چاندی کی طرح جگمگا رہا تھا- یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے- آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کچھ باتیں کیں- پھر میرے ساتھی سے فرمایا کہ تو نے اسے جان بوجھ کر مار ڈالا یا بھول چوک سے- اس نے کہا میں نے پتھر اسی پر پھینکا اور قصداً پھینکا لیکن اسے مار ڈالنے کی میری نیت نہ تھی- آپ نے فرمایا' پھر تو خطا اور عمد کے درمیان درمیان ہے- جا تو ایک بکری ذبح کر دے' اس کا گوشت صدقہ کر دے اور اس کی کھال اپنے کام میں لا- یہ سن کر ہم وہاں سے چلے آئے- میں نے اپنے ساتھی سے کہا' دیکھ تو نے بڑا قصور کیا ہے اللہ جل شانہ کی نشانیوں کی تجھے عظمت کرنی چاہئے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ خود امیر المومنین کو تو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا- انہوں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا- میرے خیال سے تو اپنی اونٹنی اللہ کے نام سے قربان کر دے شاید اس سے تیرا جرم معاف ہو جائے- افسوس کہ اس وقت مجھے یہ آیت یاد ہی نہ رہی کہ حضرت عمرؓ نے تو اس حکم پر عمل کیا ہے کہ دو عادل شخص باہم اتفاق سے جو فیصلہ کریں- حضرت عمرؓ کو بھی میرا یہ فتویٰ دینا معلوم ہو گیا- اچانک آپؓ کوڑہ لئے ہوئے آ گئے- اول تو میرے ساتھی پر کوڑا اٹھا کر فرمایا' تو نے ایک تو جرم میں قتل کیا' دوسرے حکم کی تعمیل میں بیوقوفی کر رہا ہے- اب میری طرف متوجہ ہوئے- میں نے کہا امیر المومنین اگر آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی تو میں آپ کو آج کی تکلیف ہرگز معاف نہیں کروں گا- آپؓ نرم پڑ گئے اور مجھ سے فرمانے لگے' اے قبیصہ میرے خیال سے تو تو جوانی کی عمر والا' کشادہ سینے والا اور چلتی زبان والا ہے- یاد رکھ نو جوانوں میں اگر نو خصلتیں اچھی ہوں اور ایک بری ہو تو وہ ایک بری خصلت نو بھلی خصلتوں کو مات کر دیتی ہے- سن جوانی کی لغزشوں سے بچارہ- ابن جریر میں ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے احرام کی حالت میں ایک ہرن کا شکار کر لیا- پھر حضرت عمرؓ کے پاس گئے- آپ نے فرمایا- جاؤ اپنے دو رشتے داروں کو لے آؤ- وہی فیصلہ کریں گے- میں جا کر حضرت عبدالرحمٰن کو اور حضرت سعد کو بلا لایا- دونوں نے فیصلہ کیا کہ میں ایک موٹا تازہ بکرا فدیہ دوں- حضرت طارق فرماتے ہیں' ایک شخص نے ایک ہرن کو تیر مارا' وہ مر گیا- حضرت عمرؓ سے اس نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے خود اس کو بھی مشورے میں شریک کر لیا- دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ گھر کی پالتو بکری راہ اللہ قربان کرو- اس میں یہ دلیل ہے کہ خود قاتل بھی دو حکم کرنے والوں میں ایک بن سکتا ہے- جیسے کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب ہے- پھر آیا ہر معاملہ میں اب بھی موجودہ لوگوں میں سے دو حکم فیصلہ کریں گے یا صحابہؓ کے فیصلے کافی ہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے- امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ہر فیصلہ اس وقت کے موجودہ دو عقلمند لوگوں سے کرایا جائے گو اس میں پہلے کا کوئی فیصلہ ہو یا نہ ہو-

پھر فرماتا ہے یہ فدیئے کی قربانی حرم میں پہنچے یعنی وہیں ذبح ہو اور وہیں اس کا گوشت مسکینوں میں تقسیم ہو- اس پر سب کا اتفاق ہے پھر فرمایا یا کفارہ ہے مسکینوں کا کھانا کھلانا یا اس کے برابر کے روزے- یعنی جب محرم اپنے قتل کئے ہوئے شکار کے مانند کوئی جانور نہ پائے یا خود شکار ایسا ہوا ہی نہیں جس کے مثل کوئی جانور پالتو ہو- یہاں پر لفظ او اختیار کے ثابت کرنے کے لئے ہے یعنی بدلے کے جانور میں کھانا کھلانے میں اور روزے رکھنے میں اختیار ہے- جیسے کہ امام مالکؒ' امام ابوحنیفہؒ' امام ابو یوسفؒ امام محمد بن حسنؒ اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمدؒ کا مشہور قول ہے اور اور آیت کے ظاہر الفاظ بھی یہی ہیں- دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ترتیب وار ہیں- یعنی پہلے تو بدلہ پس مالکؒ ابوحنیفہؒ ان کے ساتھی حماد اور ابراہیم کا قول ہے کہ خود شکار کی قیمت لگائی جائے گی اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں' شکار کے برابر کے جانور کی قیمت لگائی جائے گی- اگر وہ موجود ہو' پھر اس کا اناج خریدا جائے گا اور اس میں سے ایک ایک مد ایک ایک مسکین کو دیا جائے

گا۔ مالک اور فقہاء حجاز کا قول بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں، ہر مسکین کو دو مد دیئے جائیں گے، مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں، گیہوں ہوں تو ایک مد اور اس کے سوا کچھ ہو تو دو مد۔ پس اگر نہ پائے یا اختیار اس آیت سے ثابت ہو جائے تو ہر مسکین کے کھانے کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔ بعض کہتے ہیں جتنا اناج ہو، اس کے ہر ایک صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے جیسے کہ اس شخص کے لئے یہ حکم ہے جو خوشبو وغیرہ لگائے۔ شارع علیہ اسلام نے حضرت کعب بن عجرہؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک فرق کو چھ شخصوں کے درمیان تقسیم کر دیں یا تین دن کے روزے رکھیں۔ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ اب کھانا پہنچانے کی جگہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ اس کی جگہ حرم ہے۔ عطاء کا قول بھی یہی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جہاں شکار کیا ہے، وہیں کھلوا دے۔ یا اس سے بہت زیادہ کی قریب کی جگہ میں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں، خواہ حرم میں خواہ غیر حرم میں اختیار ہے۔ سلف کے اس آیت کے متعلق اقوال ملاحظہ ہوں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب محرم شکار کھیل لے، اس پر اس کے بدلے کے چوپائے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر نہ ملے تو دیکھا جائے گا کہ وہ کس قیمت کا ہے۔ پھر اس نقدی کے اناج کا اندازہ کیا جائے گا۔ پھر جتنا اناج ہوگا، اسی کے ناپ سے ہر نصف صاع کے بدلے ایک روزہ رکھنا ہوگا۔ پھر جب طعام پایا جائے گا، جزا پالی گئی۔ اور روایت میں ہے، جب محرم نے ہرن کو مار ڈالا تو اس پر ایک بکری ہے جو مکے میں ذبح کی جائے گی۔ اگر نہ پائے تو چھ مسکین کا کھانا ہے، اگر نہ پائے تو تین روزے ہیں۔ اگر کسی نے اونٹ کو قتل کیا تو اس کے ذمہ ایک گائے ہے۔ اگر نہ پائے تو بیس مسکینوں کا کھانا دینا۔ اگر یہ بھی نہ پائے تو بیس روزے۔ اگر شتر مرغ یا گورخر وغیرہ مارا ہے تو اس پر ایک اونٹنی ہے اگر نہ۔ ملے تو تیس مسکینوں کا کھانا ہے۔ اگر نہ پائے تو تیس دن کے روزے۔ ابن جریر کی اسی روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ طعام ایک ایک مد ہو جو ان کا پیٹ بھر دے۔ دوسرے بہت سے تابعین نے بھی طعام کی مقدار بتلائی ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں، یہ سب چیزیں ترتیب وار ہیں۔ اور بزرگ فرماتے ہیں کہ تینوں باتوں میں اختیار ہے۔ امام ابن جریر کا مختار قول بھی یہی ہے۔

پھر فرمان ہے کہ یہ کفارہ ہم نے اس لئے واجب کیا ہے کہ وہ اپنے کرتوت کی سزا کو پہنچ جائے۔ زمانہ جاہلیت میں جو کچھ کسی نے خطا کی ہے، وہ اسلام کی اچھائی کی وجہ سے معاف ہے۔ اب اسلام میں ان احکام کی موجودگی میں بھی پھر سے اگر کوئی شخص یہ گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ گو اس میں حد نہیں۔ امام وقت اس پر کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ یہ گناہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ ہاں اسے فدیہ ضرور دینا پڑے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فدیہ ہی انتقام ہے۔ یہ یاد رہے کہ جب کبھی محرم حالت احرام میں شکار کو مارے گا، اس پر بدلہ واجب ہوگا خواہ کئی دفعہ اس سے یہ حرکت ہو جائے اور خواہ عمداً ہو خواہ خطا ہو۔ ایک دفعہ شکار کے بعد اگر دوبارہ شکار کیا تو اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ تجھ سے بدلہ لے۔ ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ پہلی دفعہ کے شکار پر فدیہ کا حکم ہوگا۔ دوبارہ کے شکار پر خود اللہ اس سے انتقام لے گا۔ اس پر فیصلہ فدیہ کا نہ ہوگا۔ لیکن امام ابن جریرؒ کا مختار مذہب پہلا قول ہی ہے۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک شخص نے محرم ہو کر شکار کیا، اس پر فدیئے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس نے پھر شکار کیا تو آسمان سے آگ آ گئی اور اسے جلا کر بھسم کر دیا۔ یہی معنی ہیں اللہ کے فرمان فينتقم الله منه کے۔ اللہ اپنی سلطنت میں غالب ہے۔ اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ کوئی اسے انتقام سے روک نہیں سکتا۔ اس کا عذاب جس پر آ جائے، کوئی نہیں جو اسے ٹال دے۔ مخلوق سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ حکم اسی کا سب پر نافذ ہے۔ عزت اور غلبہ اسی کے لئے ہے۔ وہ اپنے نافرمانوں سے زبردست انتقام لیتا ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ
وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ
الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

دریا کا شکار تمہارے لئے حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی تا کہ تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے نفع ہو۔ جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے اس اللہ سے ڈرتے رہا کرو جس کے سامنے تمہارا حشر کیا جائے گا ○ اس خانہ کعبہ کو جو حرمت و بزرگی کا مکان ہے، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنا دیا ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینوں کو اور قربانیوں کو اور جن جانوروں کے گلے میں پٹے ہیں، ان کو بھی، یہ سب بیان اس لئے ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز سے واقف کار ہے ○ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا اور بخشش و رحم والا ہے ○ رسول کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کھلے چھپے کو بخوبی جانتا ہے ○

طعام اور شکار میں فرق اور حلال وحرام کی مزید تشریحات: ☆☆ (آیت:۹۶-۹۹) دریائی شکار سے مراد تازہ پکڑے ہوئے جانور اور طعام سے مراد ہے ان کا جو گوشت سکھا کر نمکین بطور توشے کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ پانی میں سے جو زندہ پکڑا جائے، وہ صید یعنی شکار ہے اور جو مردہ ہو کر باہر نکل آئے، وہ طعام یعنی کھانا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین، حضرت عکرمہ، حضرت ابوسلمہ، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پانی میں جتنے بھی جانور ہیں، وہ سب طعام ہیں۔ (ابن ابی حاتم وغیرہ) آپ نے ایک خطبے میں اس آیت کے اگلے حصے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو چیز سمندر پھینک دے، وہ طعام ہے (ابن جریر) ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو مردہ جانور پانی نکال دے۔ سعید بن مسیبؒ سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ جس زندہ آبی جانور کو پانی کنارے پر ڈال دے یا پانی اس سے ہٹ جائے یا وہ باہر مردہ ملے (ابن ابی حاتم) ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابوہریرہؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا کہ سمندر نے بہت سی مردہ مچھلیاں کنارے پر پھینک دی ہیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم انہیں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ابن عمرؓ نے جواب دیا، انہیں نہ کھاؤ۔ جب واپس آئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم کھول کر تلاوت کی اور سورۂ مائدہ کی اس آیت پر نظر پڑی تو ایک آدمی کو دوڑایا اور کہا جاؤ کہہ دو کہ وہ اسے کھا لیں۔ یہی بحری

طعام ہے- امام ابن جریرؒ کے نزدیک بھی قول مختار یہی ہے کہ مراد طعام سے وہ آبی جانور ہیں جو پانی میں ہی مرجائیں- فرماتے ہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے گو بعض نے اسے موقوف روایت کہا ہے- چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے آپ نے احل لکم صید البحر وطعامه متاعا لکم پڑھ کر فرمایا اس کا طعام وہ ہے جسے وہ پھینک دے اور وہ مرا ہوا ہو- بعض لوگوں نے اسے بقول ابی ہریرہ موقوف روایت کیا ہے-

پھر فرماتا ہے' یہ منفعت ہے تمہارے لئے اور راہ رو مسافروں کے لئے- یعنی جو سمندر کے کنارے رہتے ہوں اور جو وہاں وارد ہوئے ہوں- پس کنارے رہنے والے تو تازہ شکار خود کھیلتے ہیں' پانی جسے دھکے دے کر باہر پھینک دے اور مر جائے' اسے کھا لیتے ہیں اور نمکین ہو کر دور دراز والوں کو سوکھا ہوا پہنچتا ہے- الغرض جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ پانی کا جانور خواہ مردہ ہی ہو' حلال ہے' اس کی دلیل علاوہ اس آیت کے امام مالک کی روایت کردہ وہ حدیث بھی ہے کہ حضورؐ نے سمندر کے کنارے پر ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس کا سردار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا- یہ لوگ تین سو تھے- حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں' میں بھی ان میں سے تھا- ہم ابھی راستے میں ہی تھے' جو ہمارے توشے تھے' ختم ہو گئے- امیر لشکر کو جب یہ علم ہوا تو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو میرے پاس لاؤ چنانچہ سب جمع کر لیا اب حصہ رسدی کے طور پر ایک مقررہ مقدار ہر ایک کو بانٹ دیتے تھے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ہر دن ایک ایک کھجور ملنے لگی- آخر میں یہ بھی ختم ہو گئی- اب سمندر کے کنارے پہنچ گئے- دیکھتے ہیں کہ کنارے پر ایک بڑی مچھلی ایک ٹیلے کی طرح پڑی ہوئی ہے- سارے لشکر نے اٹھارہ راتوں تک اسے کھایا- وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی دو پسلیاں کھڑی کی گئیں تو اس کے نیچے سے ایک شتر سوار نکل گیا اور اس کا سر اس پسلی کی ہڈی تک نہ پہنچا- یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے-

ایک اور روایت میں ہے' اس کا نام عنبر تھا- ایک روایت میں ہے کہ یہ مردہ ملی تھی اور صحابہؓ نے آپس میں کہا تھا کہ ہم رسول اللہؐ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس وقت سخت دقت اور تکلیف میں ہیں- اسے کھا لو- ہم تین سو آدمی ایک مہینے تک وہیں رہے اور اس کو کھاتے رہے یہاں تک کہ ہم موٹے تازے اور تیار ہو گئے- اس کی آنکھ کے سوراخ میں سے ہم چربی ہاتھوں میں بھر بھر کر نکالتے تھے- تیرہ شخص اس کی آنکھ کی گہرائی میں بیٹھ گئے تھے- اس کی پسلی کی ہڈی کے درمیان سے سانڈنی سوار گزر جاتا تھا- ہم نے اس کے گوشت اور چربی سے مٹکے بھر لئے- جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا' یہ اللہ کی طرف سے روزی تھی جو اللہ جل مجدہ نے تمہیں دی- کیا اس کا گوشت اب بھی تمہارے پاس ہے؟ اگر ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ- ہمارے پاس تو تھا ہی' ہم نے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور خود آپؐ نے بھی کھایا- مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ میں خود پیغمبر اللہ ﷺ بھی موجود تھے- اس وجہ سے بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ دو واقعے ہوں اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو ایک ہی ہے- شروع میں اللہ کے نبیؐ بھی ان کے ساتھ تھے- بعد میں حضورؐ نے اس مختصر جماعت کو بہ ماتحتی حضرت ابوعبیدہؓ روانہ فرما دیا تھا اور انہیں یہ واقعہ پیش آیا- واللہ اعلم-

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم سمندر کے سفر کو جاتے ہیں' ہمارے ساتھ پانی بہت کم ہوتا ہے- اگر اسی سے وضو کرتے ہیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہمیں سمندر کے پانی سے وضو کر لینے کی اجازت ہے؟ حضور نے فرمایا' سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے- امام شافعیؒ' امام احمد اور سنن اربعہ والوں نے اسے روایت کیا ہے- امام بخاریؒ' امام ترمذیؒ' امام ابن خزیمہؒ' امام ابن حبانؒ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے- صحابہؓ کی ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا ہے- ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں' ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حج یا عمرے میں تھے- اتفاق سے ٹڈیوں کا دل کا دل

آ پہنچا- ہم نے انہیں مارنا اور پکڑنا شروع کیا لیکن پھر خیال آیا کہ ہم تو احرام کی حالت میں ہیں- انہیں کیا کریں گے؟ چنانچہ ہم نے جا کر حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دریائی جانوروں کے شکار میں کوئی حرج نہیں- اس کا ایک راوی ابوالمہزم ضعیف ہے- واللہ اعلم-

ابن ماجہ میں ہے کہ جب ٹڈیاں نکل آتیں اور نقصان پہنچاتیں تو رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ ان سب کو خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی' ہلاک کر- ان کے انڈے تباہ کر- ان کا سلسلہ کاٹ دے اور ہماری معاش سے ان کے منہ بند کر دے- یا اللہ ہمیں روزیاں دے- یقیناً تو دعاؤں کا سننے والا ہے- حضرت خالدؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ آپ ان کے سلسلہ کے کٹ جانے کی دعا کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایک قسم کی مخلوق ہے آپ نے فرمایا' ان کی پیدائش کی اصل مچھلی سے ہے- حضرت زیادؒ کا قول ہے کہ جس نے انہیں مچھلی سے ظاہر ہوتے دیکھا تھا' خود اسی نے مجھ سے بیان کیا ہے- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حرم میں ٹڈی کا شکار بھی منع کیا ہے- جن فقہا کرام کا یہ مذہب ہے کہ سمندر میں جو کچھ ہے' سب حلال ہے' ان کا استدلال اسی آیت سے ہے- وہ کسی آبی جانور کو حرام نہیں کہتے- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وہ قول بیان ہو چکا ہے کہ طعام سے مراد پانی میں رہنے والی ہر ایک چیز ہے- بعض حضرات نے صرف مینڈک کو اس حکم سے الگ کر لیا ہے اور مینڈک کے سوا پانی کے تمام جانوروں کو وہ مباح کہتے ہیں- کیونکہ مسند وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کے مارنے سے منع فرمایا ہے- اور فرمایا ہے کہ اس کی آواز اللہ کی تسبیح ہے- بعض اور کہتے ہیں' سمندر کے شکار سے مچھلی کھائی جائے گی اور مینڈک نہیں کھایا جائے گا- اور باقی چیزوں میں اختلاف ہے- کچھ تو کہتے ہیں کہ باقی سب حلال ہے اور کچھ کہتے ہیں باقی سب نہ کھایا جائے- ایک جماعت کا خیال ہے کہ خشکی کے جو جانور حلال ہیں' ان جیسے جو جانور پانی کے ہوں' وہ بھی حلال ہیں اور خشکی کے جو جانور حرام ہیں' ان کی مشابہت کے جو جانور تری کے ہوں' وہ بھی حرام- یہ سب وجوہ مذہب شافعی میں ہیں- حنفی مذہب یہ ہے کہ سمندر میں مر جائے' اس کا کھانا حلال نہیں جیسے کہ خشکی میں از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں- کیونکہ قرآن نے اپنی موت آپ مرے ہوئے جانور کو حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ میں حرام کر دیا ہے اور یہ عام ہے-

ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جو تم شکار کر لو اور وہ زندہ ہو' پھر مر جائے تو اسے کھا لو اور جسے پانی آپ ہی پھینک دے اور وہ مرا ہوا الٹا پڑا ہوا ہو' اسے نہ کھاؤ- لیکن یہ حدیث سند کی رو سے منکر ہے- صحیح نہیں- مالکیوں شافعیوں اور حنبلیوں کی دلیل ایک تو وہی عنبر والی حدیث ہے جو پہلے گذر چکی- دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال- وہ بھی گزر چکی- مسند شافعی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں- دو مردے مچھلی اور ٹڈی- اور دو خون کلیجی اور تلی- یہ حدیث مسند احمد' ابن ماجہ' دار قطنی اور بیہقی میں بھی ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں اور یہی روایت موقوفاً بھی مروی ہے- واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے کہ تم پر احرام کی حالت میں شکار کھیلنا حرام ہے- پس اگر کسی احرام والے نے شکار کر لیا اور قصداً کیا ہے تو اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا اور گنہگار بھی ہوگا اور اگر خطا اور غلطی سے شکار کر لیا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے خواہ وہ احرام والے ہوں یا نہ ہوں- عطا' قاسم' سالم' ابو یوسف' محمد بن حسن وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں' پھر اگر اسے کھا لیا تو عطا وغیرہ کا قول ہے کہ اس پر دو کفارے لازم ہیں لیکن امام مالکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں کوئی کفارہ نہیں- جمہور بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں- ابو عمر نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح زانی کے کئی زنا پر حد ایک ہی ہوتی ہے- حضرت ابوحنیفہ کا قول ہے کہ شکار کر کے کھانے والے کو اس کی قیمت بھی دینی پڑے گی- ابو ثورؒ کہتے ہیں کہ محرم نے جب کوئی شکار مارا تو اس پر جزا ہے- ہاں اس کا شکار کھانا اس کے لئے حلال ہے لیکن میں اسے اچھا

نہیں سمجھتا- کیونکہ فرمان رسولؐ ہے کہ خشکی کے شکار کو کھانا تمہارے لئے حلال ہے جب تک کہ تم آپ شکار نہ کرو اور جب تک کہ خاص تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے -اس حدیث کا تفصیلی بیان آگے آ رہا ہے- ان کا یہ قول غریب ہے- ہاں شکاری کے سوا اور لوگ بھی اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے- بعض تو منع کرتے ہیں جیسے پہلے گزر چکا اور بعض جائز بتاتے ہیں ان کی دلیل وہی حدیث ہے جو اوپر ابوثور کے قول کے بیان میں گزری- واللہ اعلم- اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا جو احرام باندھے ہوئے نہیں' پھر اس نے کسی احرام والے کو وہ جانور ہدیئے میں دیا تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً حلال ہے خواہ اسی کی نیت سے شکار کیا ہو خواہ اس کے لئے شکار نہ کیا ہو- حضرت عمرؓ' حضرت ابوہریرہؓ' حضرت زبیرؓ' حضرت کعب احبارؒ' حضرت مجاہدؒ' حضرت عطا' حضرت سعید بن جبیر اور کوفیوں کا یہی خیال ہے-

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ غیر محرم کے شکار کو محرم کھا سکتا ہے؟ تو آپ نے جواز کا فتویٰ دیا- جب حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کے خلاف فتویٰ دیتا تو میں تیری سزا کرتا- کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی محرم کو اس کا کھانا درست نہیں- ان کی دلیل اس آیت کا عموم ہے- حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے اور بھی صحابہ تابعین اور ائمہ دین اس طرف گئے ہیں- تیسری جماعت نے اس کی تفصیل کی ہے- وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی غیر محرم نے کسی محرم کے ارادے سے شکار کیا ہے تو اس محرم کو اس کا کھانا جائز نہیں- ورنہ جائز ہے- ان کی دلیل حضرت صعب بن جثامہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کو ابوا کے میدان میں یا ودان کے میدان میں ایک گورخر شکار کردہ بطور ہدیئے کے دیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا جس سے صحابی رنجیدہ ہوئے- آثار رنج ان کے چہرے پر دیکھ کر رحمتہ للعالمینؐ نے فرمایا- اور کچھ خیال نہ کرو ہم نے بوجہ احرام میں ہونے کے ہی اسے واپس کیا ہے- یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے تو یہ لوٹانا آپ کا اسی درجہ سے تھا کہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے یہ شکار خاص میرے لئے ہی کیا ہے اور جب شکار محرم کے لئے ہی نہ ہو تو پھر اسے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوقتادہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بھی جبکہ وہ احرام کی حالت میں نہ تھے' ایک گورخر شکار کیا- صحابہ جو احرام میں تھے' انہوں نے اس کے کھانے میں توقف کیا اور حضورؐ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' کیا تم میں سے کسی نے اسے اشارہ کیا تھا؟ یا اسے کوئی مدد دی تھی؟ سب نے انکار کیا تو آپؐ نے فرمایا پھر کھا لو اور خود آپؐ نے بھی کھایا-

یہ واقعہ بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے- مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جنگلی شکار کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اس حالت میں بھی کہ تم احرام میں ہو جب تک کہ خود تم نے شکار نہ کیا ہو اور جب تک کہ خود تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو- ابوداؤد' ترمذی' نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے- امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی مطلب کا جابرؓ سے سننا ثابت نہیں- ربیعہ فرماتے ہیں کہ عرج میں جناب خلیفہ رسول ﷺ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے- آپ احرام کی حالت میں تھے- جاڑوں کے دن تھے- ایک چادر سے آپ منہ ڈھکے ہوئے تھے کہ آپ کے سامنے شکار کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا' تم کھا لو- انہوں نے کہا اور آپ کیوں نہیں کھاتے؟ فرمایا' مجھ میں' تم میں فرق ہے- یہ شکار میرے ہی لئے کیا گیا ہے- اس لئے میں نہیں کھاؤں گا' تمہارے لئے نہیں کیا گیا' اس لئے تم کھا سکتے ہو-

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ
الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ ع ۱۳ ۷ ۲
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ

تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ
تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱ قَدْ سَاَلَهَا
قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۲

کہہ دے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتے گو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈال دے۔ اے عقلمندو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○ ایمان دارو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ اگر وہ ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے۔ اگر تم نے ایسی باتیں اب پوچھیں جبکہ قرآن اتارا جا رہا ہے تو تم پر وہ کھول دی جائیں گی۔ اللہ نے ایسی باتوں سے درگذر فرما لیا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور بردبار ہے ○ تم سے اگلے لوگوں نے بھی ایسی باتیں پوچھی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان سے کافر ہو گئے ○

رزق حلال کم ہو تو برکت، حرام زیادہ بھی ہو تو بے برکت اور کثرت سوالات: ☆☆ (آیت: ۱۰۰-۱۰۲) مقصد یہ ہے کہ حلال گو تھوڑا ہو وہ بہتر ہے حرام سے گو بہت سارا ہو جیسے وارد ہے کہ جو کم ہو اور کفایت کرے وہ بہتر ہے اس سے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے۔ ابن حاطب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا کم مال جس کا شکریہ تو ادا کرے یہ بہتر ہے اس زیادہ سے جس کی تو طاقت نہ رکھے۔ اے عقلمند لوگو اللہ سے ڈرو۔ حرام سے بچو۔ حلال پر اکتفا کرو۔ قناعت کیا کرو تاکہ دین و دنیا میں کامیاب ہو جاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ادب سکھاتا ہے کہ بے فائدہ سوالات مت کیا کرو۔ کرید میں نہ پڑو۔ ایسا نہ ہو کہ پھر ان کا جواب اور ان امور کا اظہار تم پر شاق گزرے۔ صحیح حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے کوئی کسی کی برائی کی بات نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرف اس حالت میں آؤں کہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی برائی نہ ہو۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ہمیں خطبہ سنایا۔ ایسا بے مثل کہ ہم نے کبھی ایسا خطبہ نہ سنا تھا۔ اسی میں فرمایا کہ اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ یہ سن کر اصحاب رسولؐ منہ ڈھانپ کر رونے لگے۔ اسی اثنا میں ایک شخص آپ سے پوچھ بیٹھا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا فلاں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضورؐ سے بہ کثرت سوالات شروع کر دیئے چنانچہ آپؐ منبر پر آ گئے اور فرمایا' آؤ اب جس کسی کو جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو' جو پوچھو گے جواب پاؤ گے۔ صحابہؓ کانپ اٹھے کہ ایسا نہ ہو اس کے پیچھے کوئی اہم امر ظاہر ہو۔ جتنے بھی تھے سب اپنے اپنے چہرے کپڑوں سے ڈھانپ کر رونے لگے۔ ایک شخص تھا جن سے مذاق کیا جاتا تھا اور جنہیں لوگ ان کے باپ کے سوا دوسرے کی طرف نسبت کر کے بلاتے تھے۔ اس نے کہا' حضورؐ میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا حذافہ۔ پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ! ہم اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر اور آپؐ کے رسول ہونے پر راضی ہو گئے۔ ہم تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' آج کی طرح میں نے بھلائی برائی کبھی نہیں دیکھی۔ جنت دوزخ میرے سامنے اس دیوار کے پیچھے بطور نقشے کے پیش کر دی گئی تھی① اور روایت میں ہے۔ یہ سوال کرنے والے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سے ان کی والدہ نے کہا' تجھ سے بڑھ کر ماں باپ کا نافرمان میں نے نہیں دیکھا۔ تجھے کیا خبر تھی جاہلیت میں کس چیز کا پرہیز تھا۔ فرض کرو اگر میں بھی کسی معصیت میں اس وقت آلودہ ہو گئی ہوتی تو آج اللہ کے رسولؐ کی زبانی میری رسوائی ہوتی اور سب کے سامنے بے آبروئی ہوتی۔ آپؐ نے فرمایا' سنو اماں اگر رسول اللہؐ کی زبانی مجھے معلوم

ہوتا کہ فلاں حبشی غلام کا میں بیٹا ہوں تو واللہ میں اسی سے مل جاتا-

ابن جریر میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ سخت غصے کی حالت میں آئے- منبر پر چڑھ گئے- آپ کا چہرہ مبارک اس وقت سرخ ہو رہا تھا- ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا' میں کہاں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا جہنم میں- دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا' حذافہ- حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا ہم اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' محمد ﷺ کے نبی ہونے پر' قرآن کے امام ہونے پر راضی ہیں- یا رسول اللہؐ جاہلیت اور شرک میں ہم ابھی ابھی آپ کی طرف آئے ہیں- اللہ ہی جانتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کون ہیں؟ اس سے آپ کا غصہ کم ہوا اور یہ آیت اتری- ایک مرسل حدیث میں ہے کہ اس دن حضورؐ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا' جو چاہو پوچھو' جو پوچھو گے' بتاؤں گا- یہ شخص جس نے اپنے باپ کا نام پوچھا تھا' یہ قریش کے قبیلے بنو سہم میں سے تھا- اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب عمرؓ نے حضورؐ کے قدم چوم کر یہ عرض کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ ہم سے درگزر فرمایئے- اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے- اسی دن حضورؐ نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا تھا کہ اولاد اسے ملے گی جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زانی کو پتھر ملیں گے- بخاری شریف میں ہے کہ بعض لوگ از روئے مذاق حضورؐ سے اپنے باپ کا نام اور اپنی گم شدہ اونٹنیوں کی جگہ وغیرہ دریافت کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری- مسند احمد میں ہے کہ جب آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا نازل ہوئی یعنی صاحب مقدور لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہے تو لوگوں نے پوچھا' یا رسول اللہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ خاموش ہو رہے' انہوں نے پھر دوبارہ یہی سوال کیا' آپ نے پھر سکوت فرمایا- انہوں نے تیسری دفعہ پھر یہی پوچھا- آپ نے فرمایا- ہر سال نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم ادا نہ کر سکتے-

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری- یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے- امام ترمذیؒ فرماتے ہیں' یہ روایت اس سند سے غریب ہے اور میں نے امام بخاریؒ سے سنا ہے کہ اس کے راوی ابوالنجری نے حضرت علیؓ سے ملاقات نہیں کی- ابن جریر کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میری ہاں کے بعد اگر تم اسے چھوڑ دیتے تو یقیناً تم کافر ہو جاتے- ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پوچھنے والے محصن اسدیؓ تھے- دوسری روایت میں ان کا نام عکاشہ بن محصن مروی ہے- یہی زیادہ ٹھیک ہے- اور روایت میں ہے کہ سائل ایک اعرابی تھے- اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا' تم سے اگلے لوگ ائمہ حرج کے ایسے ہی سوالوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے' واللہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ اگر میں ساری زمین تمہارے لئے حلال کر دوں اور صرف ایک موزے کے برابر کی جگہ حرام کر دوں تو تم اسی حرمت والی زمین پر گرو گے- اس کی سند بھی ضعیف ہے- ظاہر آیت کے الفاظ کا مطلب تو صاف ہے یعنی ان باتوں کا پوچھنا منع ہے جن کا ظاہر ہونا برا ہو- پس اولیٰ یہ ہے کہ ایسے سوالات ترک کر دیئے جائیں اور ان سے اعراض کر لیا جائے- مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرما دیا' دیکھو مجھے کسی کی کوئی برائی نہ پہنچائے' میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف سینہ لے کر آؤں-

پھر فرماتا ہے کہ جن چیزوں کے سوال سے تمہیں روکا جا رہا ہے اگر تم نے ان کی بابت پوچھ گچھ کی اور تم دیکھ رہے ہو کہ وحی نازل ہو رہی ہے- تو تمہارے سوالات کا جواب آ جائے گا اور جس چیز کا ظاہر ہونا تمہیں برا معلوم ہوتا تھا' وہ ظاہر ہو جائے گی- اس سے پہلے کے ایسے سوالات سے تو اللہ تعالیٰ نے درگزر فرما لیا- اللہ ہی ہے بخشش والا اور حلم و بردباری والا- مطلب یہ ہے کہ سوالات ترک کر دو' ایسا نہ ہو کہ تمہارے سوال کی وجہ سے کوئی آسانی سختی میں بدل جائے- حدیث شریف میں ہے' مسلمانوں میں سب سے بڑا گنہگار وہ ہے جس نے کسی چیز کی نسبت دریافت کیا جو حرام نہ تھی' پھر اس کے سوال کی وجہ سے وہ حرام ہو گئی- یہ بات اور ہے کہ قرآن شریف میں کوئی حکم آئے' اس میں

اجمال ہو- اس کی تفصیل دریافت کی جائے- اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا ذکر اپنی پاک کتاب میں نہیں کیا' اس سے خود اس نے درگذر فرما لیا ہے- پس تمہیں بھی اس سے خاموشی اختیار کرنی چاہئے جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کی ہے- صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں' تم بھی مجھے چھوڑ رکھو- یاد رکھو کہ تم سے اگلے لوگوں کی حالت کی وجہ صرف کثرت سوال اور انبیاء پر اختلاف ہی ہوئی ہے- اور حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کر دیئے ہیں- انہیں ضائع نہ کرو' حدیں باندھ دی ہیں- انہیں نہ توڑو- جو چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی حرمت کو سنبھالو- جن چیزوں سے خاموشی کی ہے' صرف تم پر رحم کھا کر نہ کہ بھول کر' تم بھی ان کی پوچھ گچھ نہ کرو-

پھر فرماتا ہے' ایسے ہی مسائل تم سے اگلے لوگوں نے بھی دریافت کئے' انہیں بتائے گئے' پر وہ ان پر ایمان نہ لائے بلکہ ان کے باعث کافر بن گئے' ان پر وہ باتیں بیان کی گئیں' ان سے انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا کیونکہ ان کے سوال ہی سرکشی پر تھے نہ کہ سمجھنے اور ماننے کے لئے- ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں اعلان کیا' پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے- بنو اسد قبیلے کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہؐ' کیا ہر سال؟ آپؐ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہوتا تو اس پر عمل تمہاری طاقت سے باہر تھا اور جب عمل نہ کرتے تو کافر ہو جاتے- پس جب تک میں نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو' میں خود جب تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اسے بجا لاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو رک جاؤ- پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور صحابہؓ کو ممانعت کر دی کہ کہیں وہ بھی نصرانیوں کی طرح آسمانی دسترخوان طلب نہ کریں- جس کے طلب کرنے کے بعد اور آنے کے بعد پھر وہ کافر ہو گئے- پس منع کر دیا اور صاف فرما دیا کہ ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر قرآن میں ان کی بابت سخت احکام نازل ہوں تو تمہیں برے لگیں بلکہ تم منتظر رہو- قرآن اتر رہا ہے جو پوچھنا چاہتے ہو' سب کا بیان اس میں پاؤ گے- بہ روایت مجاہدؒ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے وہ جانور ہیں جن کا ذکر اس آیت کے بعد ہی ہے- عکرمہ فرماتے ہیں مراد معجزات کی طلبی ہے جیسے کہ قریشیوں نے کہا تھا کہ عرب میں نہریں جاری ہو جائیں اور صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے وغیرہ اور جیسے یہود نے کہا تھا کہ خود ان پر آسمان سے کتاب اترے-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ الخ یعنی معجزوں کے ظاہر کرنے سے مانع تو کچھ بھی نہیں مگر یہ کہ اگلے لوگوں نے بھی اسے جھٹلایا' ہم نے ثمود کو اونٹنی کا نشان دیا تھا جس پر انہوں نے ظلم کیا- ہم تو نشانات صرف دھمکانے کے لئے بھیجتے ہیں- اور آیت میں ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا الخ بڑی زوردار قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی معجزہ آ گیا تو ضرور ایمان لائیں گے- تو جواب دے کہ یہ تو اللہ کے قبضے کی چیز ہے- ہو سکتا ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں- ہم ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو الٹ دیں گے جیسے کہ پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں ہی پڑے رہنے دیں گے- بھٹکتے پھریں- اگر ہم ان پر آسمان سے فرشتے بھی اتارتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرنے لگتے اور تمام چیزیں یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تب بھی تو اللہ کی چاہت کے بغیر انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا- ان میں سے اکثر ہیں ہی بے علم-

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ
وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا

اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا
يَهْتَدُوْنَ ۱۰۴

اللہ تعالیٰ نے بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام مقرر نہیں فرمایا۔ لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریقے پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے ہمیں کافی ہے' اگرچہ ان کے باپ دادا محض بے علم اور بے راہ تھے ○

بتوں کے نام' کٹے ہوئے جانوروں کے نام؟ ☆☆ (آیت: ۱۰۳-۱۰۴) صحیح بخاری شریف میں حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے بطن کا دودھ وہ لوگ اپنے بتوں کے نام کر دیتے تھے۔ اسے کوئی دوہتا نہ تھا۔ سائبہ ان جانوروں کو کہتے تھے جنہیں وہ اپنے معبود باطل کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ سواری اور بوجھ سے آزاد کر دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔ اس نے سب سے پہلے یہ رسم ایجاد کی تھی۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہے جس کے پہلوٹھے دو بچے اوپر تلے کے مادہ ہوں۔ ان دونوں کے درمیان کوئی نر اونٹ پیدا نہ ہوا ہو' اسے بھی وہ اپنے بتوں کے نام وقف کر دیتے تھے۔ حام اس نر اونٹ کا نام تھا جس کی نسل سے کئی بچے ہو گئے ہوں۔ پھر اسے بھی اپنے بزرگوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور کسی کام میں نہ لیتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا۔ اس کا ایک حصہ دوسرے کو گویا کھائے جا رہا تھا' اس میں میں نے عمرو کو دیکھا کہ اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا ہے۔ اسی نے سائبہ کا رواج سب سے پہلے نکالا تھا۔ ایک حدیث میں ہے' حضورؐ نے عمرو کا یہ ذکر حضرت اکثم بن جون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر کے فرمایا' وہ صورت شکل میں بالکل تیرے جیسا ہے۔ اس پر حضرت اکثمؓ نے فرمایا' یا رسولؐ اللہ کہیں یہ مشابہت مجھے نقصان نہ پہنچائے؟ آپ نے فرمایا' نہیں بے فکر رہو وہ کافر تھا۔ تم مسلمان ہو۔ اسی نے حضرت ابراہیمؑ کے دین کو سب سے پہلے بدلا' اسی نے بحیرہ' سائبہ اور حام کی رسم نکالی۔ اسی نے بت پرستی دین ابراہیمی میں ایجاد کی۔

ایک روایت میں ہے' یہ بنو کعب میں سے ہے۔ جہنم میں اس کے جلنے کی بدبو سے دوسرے جہنمیوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ بحیرہ کی رسم کو ایجاد کرنے والا بنو مدلج کا ایک شخص تھا۔ اس کی دو اونٹنیاں تھیں جن کے کان کاٹ دیئے اور دودھ حرام کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد پینا شروع کر دیا۔ میں نے اسے بھی دوزخ میں دیکھا۔ دونوں اونٹنیاں اسے کاٹ رہی تھیں' اور روند رہی تھیں۔ یاد رہے کہ یہ عمرو لحی بن قمعہ کا لڑکا ہے جو خزاعہ کے سرداروں میں سے ایک تھا۔ قبیلہ جرہم کے بعد بیت اللہ شریف کی تولیت انہی کے پاس تھی۔ یہی شخص عرب میں بت لایا اور سفلے لوگوں میں ان کی عبادت جاری کی اور بہت سی بدعتیں ایجاد کیں جن میں سے چوپایوں کو الگ الگ طریقے پر بتوں کے نام کرنے کی رسم بھی تھی۔ جس کی طرف اشارہ آیت وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا میں ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اونٹنی کے جب پانچ بچے ہوتے تو پانچواں اگر نر ہوتا تو اسے ذبح کر ڈالتے اور اس کا گوشت صرف مرد کھاتے۔ عورتوں پر حرام جانتے اور اگر مادہ ہوتی تو اس کے کان کاٹ کر اس کا نام بحیرہ رکھتے۔ سائبہ کی تفسیر میں مجاہدؒ سے اسکے قریب قریب بکریوں میں مروی ہے۔ محمد بن اسحاقؒ کا قول ہے کہ جس اونٹنی کے پے در پے دس اونٹنیاں پیدا ہوتیں' اسے چھوڑ دیتے۔ نہ سواری لیتے نہ بال

کاٹتے نہ دودھ دوہتے اور اسی کا نام سائبہ ہے- صرف مہمان کے لئے تو دودھ نکال لیتے ورنہ اس کا دودھ یونہی رکا رہتا- ابوروقؒ کہتے ہیں' یہ نذر کا جانور ہوتا تھا- جب کسی کی کوئی حاجت پوری ہو جاتی تو وہ اپنے بت اور بزرگ کے نام کوئی جانور آزاد کر دیتا- پھر اس کی نسل بھی آزاد سمجھی جاتی- سدیؒ کہتے ہیں- اگر کوئی شخص اس جانور کی بے حرمتی کرتا تو اسے یہ لوگ سزا دیتے- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وصیلہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک بکری کا ساتواں بچہ ہے' اب اگر وہ نر ہے اور ہے مردہ تو اسے مرد عورت کھاتے اور اگر وہ مادہ ہے تو اسے زندہ باقی رہنے دیتے اور اگر نر مادہ دونوں ایک ساتھ ہوئے ہیں تو اس نر کو بھی زندہ رکھتے اور کہتے کہ ساتھ اس کی بہن ہے- اس نے اسے ہم پر حرام کر دیا- حضرت سعید بن میسبؒ کہتے ہیں کہ جس اونٹنی کے مادہ پیدا ہو' پھر دوسرا بچہ بھی مادہ ہو تو اسے وصیلہ کہتے تھے- محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں' جو بکری پانچ دفعہ دو دو مادہ بکریاں بچے دے' اس کا نام وصیلہ تھا- پھر اسے چھوڑ دیا جاتا تھا- اس کے بعد اس کا جو بچہ ہوتا' اسے ذبح کر کے صرف مرد کھا لیتے اور اگر مردہ پیدا ہوتا تو مرد عورت سب کا حصہ سمجھا جاتا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں حام اس نر اونٹ کو کہتے ہیں جس کی نسل سے دس بچے پیدا ہو جائیں- یہ بھی مروی ہے کہ جس کے بچے سے کوئی بچہ ہو جائے' اسے وہ آزاد کر دیتے- نہ اس پر سواری لیتے' نہ اس پر بوجھ لادتے' نہ اس کے بال کام میں لیتے' نہ کسی کھیتی یا چارے یا حوض سے اسے روکتے- اور اقوال بھی ہیں-

حضرت مالک بن نفلہؓ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا- اس وقت میں پھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا- آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا' تیرے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں- فرمایا کس قسم کا' کہا ہر قسم کا- اونٹ' بکریاں' گھوڑے غلام وغیرہ- آپ نے فرمایا' پھر تو اللہ نے تجھے بہت کچھ دے رکھا ہے- سن اونٹ کے جب بچہ ہوتا ہے تو صحیح سالم کان والا ہی ہوتا ہے؟ میں نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا' پھر تو استرا لے کر ان کے کان کاٹ دیتا ہے اور ان کا نام بحیرہ رکھ دیتا ہے اور بعض کے کان چیر کر انہیں حرام سمجھنے لگتا ہے میں نے کہا جی ہاں- فرمایا خبردار ایسا نہ کرنا- اللہ نے تجھے جتنے جانور دے رکھے ہیں سب حلال ہیں- پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کی- بحیرہ وہ ہے جس کے کان کاٹ دیئے جاتے تھے- پھر گھر والوں میں سے کوئی بھی اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا- ہاں جب وہ مر جاتا تو سب بیٹھ کر اس کا گوشت کھا جاتے- سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے اپنے معبودوں کے پاس لے جا کر ان کے نام کا کر دیتے تھے- وصیلہ اس بکری کو کہتے تھے جس کے ہاں ساتویں دفعہ بچہ ہو- اس کے کان اور سینگ کاٹ کر آزاد کر دیتے- اس روایت کے مطابق تو حدیث ہی میں ان جانوروں کی تفصیل ملی جلی ہے- ایک روایت میں یہ بقول حضرت عوف بن مالک مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے- پھر فرمان قرآن ہے کہ یہ نام اور چیزیں اللہ کی مقرر کردہ نہیں نہ اس کی شریعت میں داخل ہیں اور نہ ذریعہ ثواب ہیں- یہ لوگ اللہ کی پاک صاف شریعت کی طرف دعوت دیئے جاتے ہیں تو اپنے باپ دادوں کے طریقوں کو اس کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں حالانکہ ان کے بڑے محض ناواقف اور بے راہ تھے- ان کی تابعداری تو وہ کرے گا جو ان سے بھی زیادہ بہکا ہوا اور بے عقل ہو-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ
مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵

مسلمانو! تم خود اپنے تئیں راہ راست پر قائم رکھو' جب تم راہ راست پر ہو تو بہکنے والے کا ضرر تم پر نہیں' تم سب کو لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے- تم جو کچھ کرتے رہے' سب کچھ وہ تم کو بتا دے گا○

اپنی اصلاح آپ کرو: ☆☆ (آیت:۱۰۵) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کریں اور اپنی طاقت کے پر عامل ہو جائے، برائیوں سے بچ جائے تو اس پر گنہگار لوگوں کے گناہ کا کوئی بوجھ بار نہیں- مقاتلؒ سے مروی ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کا مطابق نیکیوں میں مشغول رہیں- جب وہ خود ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے تو برے لوگوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا خواہ وہ رشتے دار اور قریبی ہوں خواہ اجنبی اور دور کے ہوں- حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات بدلہ ملتا ہے- بروں کو سزا اور اچھوں کو جزا- اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اچھی بات کا حکم اور بری باتوں سے منع بھی نہ کرے- کیونکہ مسند کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا، لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو- سنو! میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگ جب بری باتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں نہیں روکیں گے تو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی عام عذاب آ جائے-

امیر المومنین کا یہ فرمان بھی ہے کہ جھوٹ سے بچو- جھوٹ ایمان کی ضد ہے (سنن اربعہ) حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم بھلائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرتے رہو یہاں تک کہ بخیلی کی پیروی اور خواہش نفس کی اتباع اور دنیا کی پسندیدگی اور ہر شخص کا اپنی رائے پر پھولنا عام نہ ہو جائے- اس وقت تم صرف اپنی اصلاح میں مشغول ہو جاؤ اور عام لوگوں کو چھوڑ دو، یاد رکھو تمہارے پیچھے صبر کے دن آ رہے ہیں- اس وقت دین اسلام پر جما رہنے والا ایسا ہوگا جیسے کوئی انگارے کو مٹھی میں لئے ہوئے ہو- اس وقت عمل کرنے والے کو مثل پچاس شخصوں کے عمل کا اجر ملے گا جو بھی اچھے اعمال کرے گا- ایک وایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ مثل پچاس شخصوں کے ان میں سے یا ہم میں سے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم میں سے (ترمذی)

حضرت ابن مسعودؓ سے بھی جب اس آیت کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، یہ وہ وقت نہیں- آج تو تمہاری باتیں مان لی جاتی ہیں لیکن ہاں ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ نیک باتیں کہنے اور بھلائی کا حکم کرنے والوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کی جائے گی اور اس کی بات قبول نہ کی جائے گی- اس وقت تم صرف اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جانا- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے- دو شخصوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا اور وہ آمنے سامنے کھڑے ہو گئے تو ایک نے کہا، میں اٹھتا ہوں اور انہیں نیکی کا حکم کرتا ہوں اور برائی سے روکتا ہوں تو دوسرے نے کہا، مجھے کیا پڑی؟ تو اپنی اصلاح میں لگا رہ- پھر یہی آیت تلاوت کی- اسے سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا- چپ رہ- اس آیت کے عمل کا یہ وقت نہیں- قرآن میں کئی طرح کی آیتیں ہیں- بعض تو وہ ہیں جن کے مضامین گزر چکے، بعض وہ ہیں جن کے واقعات آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہو گئے- بعض کے واقعات حضورؐ کے بعد ہوئے- بعض قیامت کے دن ہوں گے مثلاً جنت دوزخ وغیرہ- سنو جب تک تمہارے دل نہ پھٹیں، تمہارا مقصود ایک ہی ہو، تم میں پھوٹ نہ پڑی ہو، تم میں لڑائی دنگے شروع نہ ہوئے ہوں، تم اچھی باتوں کی ہدایت کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو- ہاں جب دلوں میں جدائی ہو جائے، آپس میں اختلاف پڑ جائیں، لڑائیاں شروع ہو جائیں، اس وقت صرف اپنے تئیں پابند شریعت رکھنا کافی ہے اور وہی وقت ہے اس آیت کے عمل کا (ابن جریر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا گیا کہ ان دنوں تو آپ اگر اپنی زبان روک لیں تو اچھا ہو- آپ کو کیا پڑی کوئی کچھ ہی کرے- آپ نہ کسی کو روکیں نہ کچھ کہیں- دیکھئے قرآن میں بھی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تم اپنے تئیں سنبھالو، گمراہوں کی گمراہی کا وبال تم پر نہیں

جب کہ تم خود راہ راست پر ہو۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے کہا' یہ حکم میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے نہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے' خبردار ہر موجود شخص غیر موجود لوگوں کو پہنچا دے۔ پس ہم موجود تھے اور تم غیر موجود تھے۔ یہ آیت تو ان لوگوں کے حق میں ہے جو بعد میں آئیں گے۔ وہ لوگوں کو نیک باتیں کہیں گے لیکن ان کی بات قبول نہ کی جائے گی (ابن جریر)

حضرت ابن عمرؓ کی مجلس میں ایک صاحب آئے۔ بڑے غصیل اور تیز زبان۔ کہنے لگے سنئے جناب۔ چھ شخص ہیں۔ سب قرآن پڑھے ہوئے' جاننے بوجھنے والے' مجتہد' سمجھدار لیکن ہر ایک دوسرے کو مشرک بتلاتا ہے۔ اس نے کہا' میں تم سے نہیں پوچھتا' میں تو حضرت ابن عمرؓ سے سوال کرتا ہوں اور پھر وہی بات دوہرا دی تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا شاید تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے یہ کہہ دوں کہ جا انہیں قتل کر ڈال۔ نہیں میں کہتا ہوں۔ جا انہیں نصیحت کر۔ انہیں برائی سے روک۔ نہ مانیں تو اپنی راہ لگ۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حضرت ابن مازنؒ مدینے میں آتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا ایک مجمع جمع تھا جس میں سے ایک شخص نے اسی آیت کی تلاوت کی تو اکثر لوگوں نے کہا' اس کے عمل کا وقت ابھی تک نہیں آیا۔ حضرت جبیر بن نفیرؒ کہتے ہیں' میں ایک مجلس میں تھا جس میں بہت سے صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ یہی ذکر ہو رہا تھا کہ اچھی باتوں کا حکم کرنا چاہئے اور بری باتوں سے روکنا چاہئے۔ میں اس مجلس میں سب سے چھوٹی عمر کا تھا لیکن جرات کر کے یہ آیت پڑھ دی اور کہا کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ تو سب نے ایک زبان ہو کر مجھے جواب دیا کہ اس کا صحیح مطلب تمہیں معلوم نہیں اور جو مطلب تم لے رہے ہو' بالکل غلط ہے۔ مجھے بڑا افسوس ہوا۔ پھر وہ اپنی باتوں میں لگ گئے۔ جب اٹھنے کا وقت آیا تو مجھ سے فرمایا' تم ابھی بچے ہو۔ بے موقعہ آیت پڑھ دیتے ہو۔ اصلی مطلب تک نہیں پہنچتے۔ بہت ممکن ہے کہ تم اس آیت کے زمانے کو پالو۔ یہ حکم اس وقت ہے جب بخیلی کا دور دورہ ہو۔ خواہش پرستی عام ہو۔ ہر شخص اپنی سمجھ پر نازاں ہو۔ اس وقت انسان خود نیکیوں اور بھلائیوں میں مشغول رہے۔ گمراہیوں کی گمراہی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ حضرت حسنؒ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا اس پر بھی اللہ کا شکر ہے۔ اگلے اور پچھلے مومنوں کے ساتھ منافق ضرور رہے جو ان کے اعمال سے بیزار ہی رہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب تم نے اچھی بات کی نصیحت کر دی اور بری بات سے روک دیا' پھر بھی کسی نے برائیاں کیں' نیکیاں چھوڑیں تو تمہیں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت حذیفہؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت کعبؒ فرماتے ہیں' اس کا وقت وہ ہے جب مسجد دمشق کا کلیسا ڈھا دیا جائے اور تعصب بڑھ جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ
اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ
فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ
ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

ایمان والوتم میں سے کسی کی موت کا وقت جب آ جائے اور وہ وصیت کرنے لگے تو دو مسلمان عادل گواہ ہونے چاہئیں- ہاں اگر تم سفر میں ہو اور وہیں موت کی مصیبت آ جائے تو دو غیر مسلم گواہ ہی سہی- اگر تمہیں ان کی صداقت میں کوئی شک وشبہ ہو تو انہیں نماز کے بعد ٹھہرالو- وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اپنی قسموں کو مال پر نہیں بیچتے گو قرابت دار ہی ہو اور نہ ہم اللہ لگتی گواہی کو چھپاتے ہیں ○

معتبر گواہی کی شرائط: ☆☆ (آیت:۱۰۶) بعض لوگوں نے اس آیت کے عزیز حکم کو منسوخ کہا ہے لیکن اکثر حضرات اس کے خلاف ہیں اثنان خبر ہے- اس کی تقدیر شھادہ اثنین ہے- مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے یا دلالت کلام کی بنا پر فعل محذوف کر دیا گیا ہے یعنی اَنْ یَشْهَدَا اِثْنَانِ- ذَوَا عَدْلٍ صفت ہے- منکم سے مراد مسلمانوں میں سے ہونا یا وصیت کرنے والے کے اہل میں سے ہونا ہے- من غیر کم سے مراد اہل کتاب ہے- یہ بھی کہا گیا کہ مِنْكُمْ سے مراد قبیلہ میت اور من غیر کم سے مراد اس کے قبیلے کے سوا- شرطیں دو ہیں- ایک مسافر کے سفر میں ہونے کی صورت میں موت کے وقت وصیت کے لئے غیر مسلم کی گواہی چل سکتی ہے- حضرت شریح سے یہی مروی ہے-

امام احمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں- اور تینوں امام خلاف ہیں- امام ابو حنیفہؒ ذمی کافروں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے پر جائز مانتے ہیں- زہریؒ کا قول ہے کہ سنت جاری ہو چکی ہے کہ کافر کی شہادت جائز نہیں نہ سفر میں نہ حضر میں- ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری ہے جس کی موت کے وقت اس کے پاس کوئی مسلمان نہ تھا- یہ ابتدائے اسلام کا وقت تھا جبکہ زمین کافروں سے بھری تھی اور وصیت سے ورثہ بٹتا تھا- ورثے کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے- پھر وصیت منسوخ ہو گئی- ورثے کے احکام اترے اور لوگوں نے ان پر عمل درآمد شروع کر دیا- پھر یہ بھی کہ ان دونوں غیر مسلموں کو وصی بنایا جائے گا یا گواہ؟ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو سفر میں ہو اور وہیں اجل آ جائے اور مال اس کے پاس ہو- پس اگر دو مسلمان اسے مل جائیں تو انہیں اپنا مال سونپ دے اور دو گواہ مسلمان مقرر کر لے- اس قول کے مطابق تو یہ دونوں وصی ہوئے- دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں گواہ ہوں گے- آیت کے الفاظ کا ظاہر مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے- ہاں جس صورت میں ان کے ساتھ اور گواہ نہ ہوں تو یہی وصی ہوں گے اور یہی گواہ بھی ہوں گے- امام ابن جریرؒ نے ایک مشکل اس میں یہ بیان کی ہے کہ شریعت کے کسی حکم میں گواہ پر قسم نہیں لیکن ہم کہتے ہیں یہ ایک حکم ہے جو مستقل طور پر بالکل علیحدہ صورت میں ہے اور احکام کا قیاس اس پر جاری نہیں ہے- یہ ایک خاص شہادت خاص موقعہ کی ہے- اس میں اور بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو دوسرے احکام میں نہیں- پس شک کی قرینے کے وقت اس آیت کے حکم کے مطابق ان گواہوں پر قسم لازم آتی ہے-

نماز کے بعد ٹھہرالو سے مطلب نماز عصر کے بعد ہے- ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز سے مراد مسلمانوں کی نماز ہے- تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے مذہب کی نماز- مقصود یہ ہے کہ انہیں نماز کے بعد لوگوں کی موجودگی میں کھڑا کیا جائے اور اگر خیانت کا شک ہو تو ان سے قسم اٹھوائی جائے- وہ کہیں کہ اللہ کی قسم ہم اپنی قسموں کو کسی قیمت بیچنا نہیں چاہتے- دینوی مفاد کی بنا پر جھوٹی قسم نہیں کھاتے چاہے ہماری قسم سے کسی قریبی رشتہ دار کو نقصان پہنچ جائے تو پہنچ جائے لیکن ہم جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اور نہ ہم سچی گواہی چھپائیں گے- اس گواہی کی نسبت اللہ کی طرف اس کی عزت وعظمت کے اظہار کے لئے ہے- بعض نے اسے قسم کی بنا پر مجرور پڑھا ہے- لیکن مشہور قرات پہلی ہی ہے- وہ ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ اگر ہم شہادت کو بدلیں یا الٹ پلٹ کریں یا کچھ حصہ چھپالیں تو ہم بھی گنہگار-

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ

مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۱۴ ۸

اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم بھی مجرم۔ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے ناجائز طور پر حق دبالیا ہے تو ان کے قائم مقام دو اور شخص کھڑے ہوں جن کا حق دبا ہے جو بہت نزدیک کے رشتہ دار ہیں۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ اگلے دو گواہوں سے ہماری گواہی زیادہ معتبر ہے اور ہم نے کوئی کمی زیادتی نہیں کی۔ اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو ہم بھی ظالم ○ یہی صورت قرین قیاس ہے کہ گواہ اپنی گواہی کو مطابق واقعہ ادا کریں اور انہیں خوف رہے کہ ہماری قسمیں ان کی قسموں کے بعد الٹی پھیر دی جائیں گی۔ لوگو اللہ کا خوف رکھو اور اس کے احکام سنتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بدکاروں کی رہبری نہیں فرما ○

(آیت: ۱۰۷۔ ۱۰۸) پھر اگر یہ مشہور ہو یا ظاہر ہو جائے یا اطلاع مل جائے کہ ان دونوں نے مرنے والے کے مال میں سے کچھ چرا لیا یا کسی قسم کی خیانت کی۔ اَوْلِیَانِ کی دوسری قرات اَوَّلَانِ ہے مطلب یہ ہے کہ جب کسی خبر صحیح سے پتہ چلے کہ ان دونوں نے کوئی خیانت کی ہے تو میت کے وارثوں میں سے جو میت کے زیادہ نزدیک ہوں' وہ دو شخص کھڑے ہوں اور حلفیہ بیان دیں کہ ہماری شہادت ہے کہ انہوں نے چرایا اور یہی زیادہ حق' زیادہ صحیح اور پوری سچی بات ہے۔ ہم ان پر جھوٹ نہیں باندھتے' اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم۔ یہ مسئلہ اور قیامت کا مسئلہ اس بارے میں بہت ملتا جلتا ہے۔ اس میں بھی مقتول کے اولیاء قسمیں کھاتے ہیں۔ تمیم داری سے منقول ہے کہ اور لوگ اس سے بری ہیں۔ صرف میں اور عدی بن بداء اس سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں نصرانی تھے۔ اسلام سے پہلے ملک شام میں بغرض تجارت آتے جاتے تھے۔ بنوہم کے مولیٰ بدیل بن ابومریم بھی مال تجارت لے کر شام کے ملک گئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک چاندی کا جام تھا جسے وہ خاص بادشاہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً وہ بیمار ہو گئے۔ ان دونوں کو وصیت کی اور مال سونپ دیا کہ یہ میرے وارثوں کو دے دینا۔ اس کے مرنے کے بعد ان دونوں نے وہ جام تو مال سے الگ کر دیا اور ایک ہزار درہم میں بیچ کر آدھوں آدھ بانٹ لئے۔ باقی مال واپس لا کر بدیل کے رشتہ داروں کو دے دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ چاندی کا جام کیا ہوا؟ دونوں نے جواب دیا ہمیں کیا خبر؟ ہمیں تو جو دیا تھا' وہ ہم نے تمہیں دے دیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں آئے اور اسلام نے مجھ پر اثر کیا میں مسلمان ہو گیا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ انسانی حق مجھ پر رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں میں پکڑا جاؤں گا تو میں بدیل کے وارثان کے پاس آیا اور انہیں پورے واقعہ کی اطلاع دی اور پانچ سو درہم جو میں نے لئے تھے۔ ان کے حوالے کر دیئے۔ اب یہ لوگ عدی کے پاس پہنچے اور اس سے کہا پانچ سو درہم جو تو نے لے لئے ہیں' وہ بھی واپس کر' آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس سے قسم لی جائے' اس پر یہ آیت اتری اور عمرو بن عاص نے اور ان میں سے ایک اور شخص نے قسم کھائی۔ عدی بن بداء کو پانچ سو درہم دینے پڑے (ترمذی)

ایک روایت میں ہے کہ عدی جھوٹی قسم بھی کھا گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ اس وقت ارض شام کے اس حصے میں کوئی مسلمان نہ تھا۔ یہ جام چاندی کا تھا اور سونے سے منڈھا ہوا تھا اور مکے میں سے جام خریدا گیا تھا جہاں سے ملا تھا انہوں نے بتایا تھا کہ ہم نے اسے تمیم

اور عدی سے خریدا ہے۔ اب میت کے دو وارث کھڑے ہوئے اور قسم کھائی۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قسم عصر کی نماز کے بعد کھائی تھی۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک مسلمان کی وفات کا موقعہ سفر میں آیا' جہاں کوئی مسلمان اسے نہ ملا تو اس نے اپنی وصیت پر دو اہل کتاب گواہ رکھے۔ ان دونوں نے کوفے میں آ کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے سامنے شہادت دی۔ وصیت بیان کی اور ترکہ پیش کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا' آنحضرت ﷺ کے بعد یہ واقعہ پہلا ہے۔ پس عصر کی نماز کے بعد ان سے قسم لی کہ نہ انہوں نے خیانت کی ہے' نہ جھوٹ بولا ہے' نہ بدلا ہے نہ چھپایا ہے' نہ الٹ پلٹ کیا ہے بلکہ سچی وصیت اور پورا ترکہ انہوں نے پیش کر دیا ہے۔ آپ نے ان کی شہادت کو مان لیا۔ حضرت ابوموسیٰؓ کے فرمان کا مطلب یہی ہے کہ ایسا واقعہ حضورؐ کے زمانے میں تمیم اور عدی کا ہوا تھا اور اب یہ دوسرا اس قسم کا واقعہ ہے۔ حضرت تمیم بن داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام سنہ ۹ ہجری کا ہے اور یہ آخری زمانہ ہے۔

سدی فرماتے ہیں' لازم ہے کہ موت کے وقت وصیت کرے اور دو گواہ رکھے۔ اگر سفر میں ہے اور مسلمان نہیں ملتے تو خیر غیر مسلم ہی سہی۔ انہیں وصیت کرے' اپنا مال سونپ دے۔ اگر میت کے وارثوں کا اطمینان ہو جائے تو خیر آئی گئی بات ہوئی ورنہ سلطان اسلام کے سامنے وہ مقدمہ پیش کر دیا جائے۔ اوپر جو واقعہ بیان ہوا' اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰؓ نے ان سے عصر کے بعد قسم لینی چاہی تو آپ سے کہا گیا کہ انہیں عصر کے بعد کی کیا پرواہ؟ ان سے ان کی نماز کے وقت قسم لی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اگر تم نے کچھ چھپایا یا خیانت کی تو ہم تمہیں تمہاری قوم میں رسوا کر دیں گے اور تمہاری گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے گی اور تمہیں سنگین سزا دی جائے گی۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ان کی زبان سے حق بات معلوم ہو جائے۔ پھر بھی اگر شک شبہ رہ جائے اور کسی اور طریق سے ان کی خیانت معلوم ہو جائے تو مرحوم کے دو مسلمان وارث قسمیں کھائیں کہ ان کافروں کی شہادت غلط ہے تو ان کی شہادت غلط مان لی جائے گی اور ان سے ثبوت لے کر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ اس صورت میں فائدہ یہ ہے کہ شہادت ٹھیک ٹھیک آ جائے گی۔ ایک تو اللہ کی قسم کا لحاظ ہو گا' دوسرے لوگوں میں رسوا ہونے کا ڈر رہے گا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے اپنے سب کاموں میں ڈرتے رہو۔ اس کی باتیں سنتے رہو اور مانتے چلے جاؤ۔ جو لوگ اس کے فرمان سے ہٹ جائیں اور اس کے احکام کے خلاف چلیں' وہ راہ راست نہیں پاتے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کر کے دریافت فرمائے گا کہ تم کیا جواب دیئے گئے؟ وہ کہیں گے' اے اللہ ہمیں کچھ علم نہیں' بیشک تو تمام چھپی ہوئی باتوں کا بخوبی جاننے والا ہے ○

روز قیامت انبیاء سے سوال: ☆☆ (آیت:۱۰۹) اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ رسولوں سے قیامت کے دن سوال ہو گا کہ تمہاری امتوں نے تمہیں مانا یا نہیں؟ جیسی اور آیت میں ہے فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی رسولوں سے بھی اور ان کی امتوں سے بھی ہم ضرور دریافت فرمائیں گے۔

اور جگہ ارشاد ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ الخ' تیرے رب کی قسم ہم سب سے ان کے اعمال کا سوال ضرور ضرور کریں گے۔ رسولوں کا یہ جواب کہ ہمیں مطلق علم نہیں۔ اس دن کی ہول و دہشت کی وجہ اور گھبراہٹ کی وجہ سے کچھ جواب بن نہ پڑے گا۔ یہ وہ وقت ہو گا کہ عقل جاتی رہے گی۔ پھر دوسری منزل میں ہر نبی اپنی اپنی امت پر گواہی دے گا۔ ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا

ہے کہ سوال کی غرض یہ ہے کہ تمہاری امتوں نے تمہارے بعد کیا کیا عمل کئے اور کیا کیا نئی باتیں نکالیں؟ تو وہ ان سے اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے۔ یہ معنی بھی درست ہو سکتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا علم نہیں جو اے جناب باری تیرے علم میں نہ ہو۔ حقیقتاً یہ قول بہت ہی درست ہے کہ اللہ کے علم کے مقابلے میں بندے محض بے علم ہیں۔ تقاضائے ادب اور طریقہ گفتگو یہی مناسب مقام ہے۔ گو انبیاء جانتے تھے کہ کس کس نے ہماری نبوت کو ہمارے زمانے میں تسلیم کیا لیکن چونکہ وہ ظاہر کے دیکھنے والے تھے اور رب عالم باطن میں ہے' اس لئے ان کا یہی جواب بالکل درست ہے کہ ہمیں حقیقی علم مطلقاً نہیں۔ تیرے علم کی نسبت تو ہمارا علم محض لاعلمی ہے۔ حقیقی عالم تو صرف ایک تو ہی ہے۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف
تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ
كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ
وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ ۚ
وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾

جس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے عیسیٰ بن مریم میرے ان احسانوں کو یاد کر جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کئے ہیں جبکہ میں نے روح القدس سے تیری تائید کی' تو گہوارے میں لوگوں سے باتیں کرتا تھا اور ادھیڑ عمر میں بھی' اور جبکہ میں نے تجھے کتاب و حکمت اور توراۃ وانجیل سکھائی اور جبکہ تو میرے حکم سے جانور کی صورت مٹی سے بناتا تھا۔ پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا' اور میرے ہی حکم سے تو مادر زاد اندھوں کو اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتا تھا۔ اور جب تو میرے فرمان سے مردے نکال کھڑے کرتا تھا' اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کی ایذاؤں کو تجھ سے ہٹا دیا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لایا اور ان میں جو کفار تھے' انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ تو محض کھلا کھلا جادو ہی ہے ○

حضرت عیسیٰ کے معجزات: ☆☆ (آیت: ۱۱۰) جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پر جو احسانات تھے ان کا اور آپ کے معجزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ بغیر باپ کے صرف ماں سے آپ کو پیدا کیا اور اپنی کمال قدرت کا نشان آپ کو بنایا۔ پھر آپ کی والدہ پر احسان کیا کہ ان کی برأت اسی بچے کے منہ سے کرائی اور جس برائی کی نسبت ان کی طرف بیہودہ لوگ کر رہے تھے' اللہ نے آج کے پیدا شدہ بچے کی زبان سے ان کی پاک دامنی کی شہادت اپنی قدرت سے دلوائی۔ جبرئیل علیہ السلام کو اپنے نبی کی تائید پر مقرر کر دیا۔ بچپن میں اور بڑی عمر میں انہیں اپنی دعوت دینے والا بنایا گیا۔ گہوارے میں ہی بولنے کی طاقت عطا فرمائی' اپنی والدہ محترمہ کی برات ظاہر کر کے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا اور اپنی رسالت کی طرف لوگوں کو بلایا۔

مراد کلام کرنے سے اللہ کی طرف بلانا ہے ورنہ بڑی عمر میں کلام کرنا کوئی خاص بات یا تعجب کی چیز نہیں۔ لکھنا اور سمجھنا آپ کو سکھایا۔

تورات جو کلیم اللہ پر اتری تھی اور انجیل جو آپ پر نازل ہوئی' دونوں کا علم آپ کو سکھایا۔ آپ مٹی سے پرند کی صورت بناتے۔ پھر اس میں دم کر دیتے تو وہ اللہ کے حکم سے چڑیا بن کر اڑ جاتا۔ اندھوں اور کوڑھیوں کے بھلا چنگا کرنے کی پوری تفسیر سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ مردوں کو آپ بلاتے تو وہ بحکم الٰہی زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کر آ جاتے۔ ابو ہذیل فرماتے ہیں جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کسی مردے کے زندہ کرنے کا ارادہ کرتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے۔ پہلی میں سورہ تبارک اور دوسری میں الم تنزیل السجدہ پڑھتے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پڑھتے اور اس کے سات نام لیتے جو یہ ہیں۔ یا قدیم' یا خفی' یا دائم' یا فرد' یا وتر' یا احد' یا صمد اور جب آپ کو کوئی سختی پہنچتی تو آپ اللہ تعالیٰ کے سات نام اور لیتے یاحی' یاقیوم' یا اللہ' یا رحمٰن' یا رحیم' یا ذوالجلال' والاکرام' یا نور السموات والارض وما بینھما و رب العرش العظیم۔ یہ اثر بڑا زبردست اور عظمت والا ہے اور میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جب تم دلائل و براہین لے کر اپنی امت کے پاس آئے اور ان میں سے جو کافر تھے' انہوں نے اسے جادو بتایا اور درپے آزاد ہوئے تو ان کے شر سے میں نے تمہیں بچالیا۔ انہوں نے قتل کرنا چاہا' سولی دینا چاہی لیکن میں ہمیشہ تیرا کفیل و حفیظ رہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ احسان آپ کے آسمان پر چڑھا لینے کے بعد کے ہیں یا یہ کہ یہ خطاب آپ سے بروز قیامت ہوگا اور ماضی کے صیغہ سے اس کا بیان اس کے پختہ اور یقینی ہونے کے سبب ہے۔ یہ غیبی اسرار میں سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو مطلع فرمادیا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا
اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً
مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ
قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

اس وقت میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ مجھے اور میرے رسول کو مان لیں تو ان سب نے کہدیا کہ ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم سب حکم بردار ہیں ○ جبکہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرے رب سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کوئی خوان نازل فرمائے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر تم باایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○ انہوں نے کہا' ہم چاہتے ہیں اس خوان میں سے ہم کھائیں اور ہمارے دلوں کو تسکین حاصل ہو اور ہمیں آپ کی صداقت کا بھی یقین ہو جائے اور اس پر ہم خود بھی گواہ بن جائیں ○

(آیت:۱۱۱) پھر اپنا ایک اور احسان بتایا کہ میں نے تیرے مددگار اور ساتھی بنادیئے۔ حواریوں کے دل میں الہام اور القا کیا۔ یہاں بھی لفظ وحی کا اطلاق ویسا ہی ہے جیسا ام موسیٰ کے بارے میں ہے اور شہد کی مکھی کے بارے میں ہے۔ انہوں نے الہام رب پر عمل کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تیری زبانی ان تک اپنی وحی پہنچائی اور انہیں قبولیت کی توفیق دی۔ تو انہوں نے مان لیا اور کہہ دیا کہ ہم تو مسلمین یعنی تابع فرمان اور فرماں بردار ہیں۔

بنی اسرائیل کی ناشکری اور عذاب الٰہی: ☆☆ (آیت:۱۱۲-۱۱۳) یہ مائدہ کا واقعہ ہے اور اسی کی وجہ سے اس سورت کا نام سورہ مائدہ

ہے- یہ بھی جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت کی ایک زبردست دلیل اور آپ کا ایک اعلیٰ معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے آسمانی دستر خوان اتارا اور آپ کی سچائی ظاہر کی- بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس کا ذکر موجودہ انجیل میں نہیں- عیسائیوں نے اسے مسلمانوں سے لیا ہے- واللہ اعلم- حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے آپ سے تمنا کرتے ہیں کہ اگر ہو سکے تو اللہ تعالیٰ سے ایک خوان کھانے سے بھرا ہوا طلب کیجئے- ایک قرات میں هل یستطیع ربك یعنی کیا آپ سے یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں؟ مائدہ کہتے ہیں' اس دستر خوان کو جس پر کھانا رکھا ہوا ہو- بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے بوجہ فقر و فاقہ' تنگی اور حاجت کے یہ سوال کیا تھا- جناب مسیح علیہ السلام نے' ان سے فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور رزق کی تلاش کرو' ایسے انوکھے سوالات نہ کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ ہو جائے اور تمہارے ایمان ڈگمگا جائیں- انہوں نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول' ہم تو کھانے پینے سے تنگ ہو رہے ہیں محتاج ہو گئے ہیں- اس سے ہمارے دل مطمئن ہو جائیں گے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے اپنی روزیاں آسمان سے اترتی خود دیکھ لیں گے- اسی طرح آپ پر جو ایمان ہے' وہ بھی بڑھ جائے گا' آپ کی رسالت کو یوں تو ہم مانتے ہی ہیں لیکن یہ دیکھ کر ہمارا یقین اور بڑھ جائے گا اور اس پر خود ہم گواہ بن جائیں گے' اللہ کی قدرت اور آپ کے معجزہ کی یہ ایک روشن دلیل ہوگی جس کی شہادت ہم خود دیں گے اور یہ آپ کی نبوت کی کافی دلیل ہوگی-

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً
مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ
وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا
عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا
أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۵﴾

ع ۷

حضرت عیسیٰؑ بن مریم نے دعا کی کہ اے معبود برحق' اے ہمارے پروردگار تو ہم پر آسمان سے کھانے بھرا خوان اتار تا کہ وہ ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید ہو جائے اور تیری ایک خاص نشانی بن جائے- اے اللہ تو ہمیں روزی دے اور تو بہترین روزی رساں ہے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اچھا میں اسے تمہارے لئے نازل فرماؤں گا- لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے بعد تم میں سے جو ناشکری کرے گا' میں اسے وہ سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہو ○

(آیت: ۱۱۴-۱۱۵) اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی- عید ہونے سے مراد تو عید کا دن یا نماز گزارنے کا دن ہونا ہے- یا اپنے بعد والوں کے لئے یادگار کا دن ہونا ہے یا اپنی اور اپنے بعد کی نسلوں کے لئے نصیحت و عبرت ہونا ہے یا اگلوں پچھلوں کے لئے کافی وافی ہونا ہے- حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں' یا اللہ یہ تیری قدرت کی ایک نشانی ہوگی اور میری سچائی بھی کہ تو نے میری دعا قبول فرمالی- پس لوگوں تک ان باتوں کو جو تیرے نام سے ہیں' انہیں پہنچاؤں گا- یقین کر لیا کریں گے- یا اللہ تو ہمیں یہ روزی بغیر مشقت و تکلیف کے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرما- تو تو بہترین رازق ہے- اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمالیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس کے اترنے کے بعد تم میں سے جو کوئی بھی جھٹلائے گا اور کفر کرے گا تو میں اسے وہ عذاب دوں گا جو تمہارے زمانے میں کسی اور کو نہ دیا ہو- جیسے آل فرعون کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ تم سخت تر عذاب میں داخل ہو جاؤ- اور جیسے منافقوں کے لئے جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے- حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن بدترین عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہوگا- منافقوں کو اور مائدہ آسمانی کے بعد انکار

کرنے والوں کو اور فرعونیوں کو- اب ان روایات کو سنئے جو اس بارے میں سلف سے مروی ہیں-

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اللہ کے لئے ایک مہینے کے روزے رکھو- پھر رب سے دعا کرو- وہ قبول فرمائے گا- انہوں نے تیس روزے پورے کر کے کہا' اے بھلائیوں کے بتانے والے ہم اگر کسی کا کام ایک ماہ کامل کرتے تو وہ بعد فراغت ضرور ہماری دعوت کرتا تو آپ بھی اللہ (کی طرف) سے بھرے ہوئے خوان کے آسمانوں سے اترنے کی دعا کیجئے- حضرت عیسیٰؑ نے پہلے تو انہیں سمجھایا لیکن ان کی نیک نیتی کے اظہار پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی- اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ساتھ ہی دھمکا بھی دیا- پھر فرشتوں کے ہاتھوں آسمان سے خوان نعمت اتارا جس پر سات مچھلیاں تھیں- سات روٹیاں تھیں- جہاں یہ تھے وہیں وہ ان کے ھانے کو رکھ گئے سب بیٹھ گئے اور شکم سیر ہو کر اٹھے- ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس مائدہ آسمانی میں گوشت روٹی اترا ھا حکم تھا کہ خیانت نہ کریں' کل کے لئے نہ لے جائیں لیکن انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی- لے بھی گئے اور چرا بھی لیا' جس کی سزا میں وہ بندر بن گئے-

حضرت عمارؓ فرماتے ہیں' اس میں جنت کے میوے تھے- آپ فرماتے ہیں' اگر وہ لوگ خیانت اور ذخیرہ نہ کرتے تو وہ خوان یوں ہی رہتا لیکن شام ہونے سے پہلے ہی انہوں نے چوریاں شروع کر دیں- پھر سخت عذاب کئے گئے- اے عرب بھائیو! یاد کرو تم اونٹوں اور بکریوں کی دمیں مروڑتے تھے- اللہ نے تم پر احسان کیا- خود تم ہی میں سے رسول کو بھیجا جن سے تم واقف تھے- جن کے حسب ونسب سے تم آگاہ تھے' اس رسول ﷺ نے تم پر احسان کیا- خود تم ہی میں سے رسول کو بھیجا جن سے تم واقف تھے- جن کے حسب ونسب سے تم آگاہ تھے' اس رسول ﷺ نے تمہیں بتا دیا کہ عجمیوں کے ملک تمہارے ہاتھوں فتح ہوں گے لیکن خبردار تم سونے چاندی کے خزانوں کے درپے نہ ہو جانا لیکن واللہ دن رات وہی ہیں اور تم وہ نہ رہے' تم نے خزانے جمع کرنے شروع کر دیئے- مجھے تو خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی اللہ کا عذاب برس نہ پڑے- اسحٰق بن عبداللہ فرماتے ہیں' جن لوگوں نے مائدہ آسمانی میں سے چرایا' ان کا خیال یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ختم ہو جائے اور کل کے لئے ہمارے پاس کچھ نہ رہے- مجاہدؒ سے مروی ہے کہ جب وہ اترتے' ان پر مائدہ اترتا- عطیہؒ فرماتے ہیں گو وہ تھی تو مچھلی لیکن اس میں ذائقہ ہر چیز کا تھا- وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں' ہر دن اس مائدہ پر آسمان سے میوے اترتے تھے- قسم قسم کی روزیاں کھاتے تھے' چار ہزار آدمی' ایک وقت اس پر بیٹھ جاتے- پھر اللہ کی طرف سے غذا تبدیل ہو جاتی - یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر روٹیاں جو کی تھیں-

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' اس پر سوائے گوشت کے تمام چیزیں تھیں- عکرمہؒ فرماتے ہیں' اس پر چاول کی روٹی تھی- حضرت وہبؒ فرماتے ہیں کہ ان کے اس سوال پر حضرت عیسیٰ بہت رنجیدہ ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ زمین کے رزق پر قناعت کرو اور آسمانی دستر خوان نہ مانگو- اگر وہ اترا تو چونکہ زبردست نشان ہوگا' اگر ناقدری کی تو بری طرح پکڑے جاؤ گے- ثمودیوں کی ہلاکت کا باعث بھی یہی ہوا کہ انہوں نے اپنے نبی سے نشان طلب کیا تھا لیکن حواریوں نے حضرت عیسیٰ کی ایک نہ مانی اور اصرار کیا کہ نہیں آپ ضرور دعا کیجئے- اب جناب عیسیٰ اٹھے' صوف کا جبہ اتار دیا' سیاہ بالوں کا لبادہ پہن لیا اور چادر بھی بالوں کی اوڑھ لی' وضو کر کے' غسل کر کے' مسجد میں جا کر نماز پڑھ کر' قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو گئے- دونوں پیر ملا لئے' ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لگا لی' انگلیاں بھی ملا لیں' اپنے سینے پر اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا' نگاہیں زمین میں گاڑ لیں' سر جھکا دیا اور نہایت خشوع وخضوع سے عاجزانہ طور پر گریہ وزاری شروع کر دی- آنسو رخساروں سے بہہ کر داڑھی کو تر کر کے زمین پر ٹپکنے لگے یہاں تک کہ زمین بھی تر ہو گئی- اب دعا کی جس کا بیان اس آیت میں ہے- اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ایک سرخ رنگ کا خوان دو بادلوں کے درمیان آسمان سے اترا جسے اترتے ہوئے سب نے دیکھا- سب تو خوشیاں منا رہے

تھے لیکن روح اللہ کانپ رہے تھے‘ رنگ اڑ گیا تھا اور زار و قطار رو رہے تھے کہ اللہ ہی خیر کرے‘ ذرا بے ادبی ہوئی تو مارے گئے۔ زبان مبارک سے یہ دعا نکل رہی تھی کہ یا اللہ اسے تو رحمت کا سبب بنا۔ عذاب کا سبب نہ بنا۔ یا اللہ بہت سی عجیب و غریب چیزیں میں نے تجھ سے طلب کیں اور تو نے عطا فرمائیں۔ باری تعالیٰ تو ان نعمتوں کے شکر کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اے پروردگار تو اپنی اس نعمت کو ہمارے لئے سبب غضب نہ بنا‘ الٰہی تو اسے سلامتی اور عافیت کر‘ اسے فتنہ اور عذاب نہ کر۔ یہاں تک کہ وہ خوان زمین تک پہنچ گیا اور حضرت عیسیٰؑ حواری اور عیسائیوں کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں سے ایسی پاکیزہ خوشبوئیں آ رہی تھیں کہ کسی دماغ میں ایسی خوشبو اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ حضرت عیسیٰ اور آپ کے اصحاب اسے دیکھ کر سجدے میں گر پڑے۔ یہودی بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور جل بھن رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی اس دستر خوان کے اردگرد بیٹھ گئے۔ دیکھا کہ اس پر ایک رومال ڈھکا ہوا ہے‘ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کون نیک بخت جرات و ہمت کر کے اسے کھولتا ہے؟ حواریوں نے کہا اے کلمتہ اللہ آپ سے زیادہ حقدار اس کا کون ہے‘‘ یہ سن کر حضرت عیسیٰ کھڑے ہوئے‘ نئے سرے سے وضو کیا‘ مسجد میں جا کر کئی رکعت نماز ادا کی۔ دیر تک روتے رہے‘ پھر دعا کی کہ یا اللہ اس کے کھولنے کی اجازت مرحمت ہو اور اسے برکت و رزق بنا دیا جائے۔

پھر واپس آئے اور بسم اللہ خیر الرازقین کہہ کر رومال اٹھا لیا۔ تو سب نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی لمبی چوڑی اور موٹی بھنی ہوئی مچھلی ہے۔ جس کے اوپر چھلکا نہیں اور جس میں کانٹے نہیں۔ گھی اس میں سے بہہ رہا ہے۔ اسی میں ہر قسم کی سبزیاں بھی ہیں۔ سوائے گندنا اور مولی کے اس کے سر کے پاس سرکہ رکھا ہوا ہے اور دم کے پاس نمک ہے۔ سبزیوں کے پاس پانچ روٹیاں ہیں۔ ایک پر زیتون کا تیل ہے دوسری پر کھجوریں ہیں۔ اور ایک پر پانچ انار ہیں۔ شمعون نے جو حواریوں کے سردار تھے‘ کہا کہ اے روح اللہ یہ دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا؟ آپ نے فرمایا‘ ابھی تک تمہارے سوال ختم نہیں ہوئے؟ ابھی تک کریدنا باقی ہی ہے؟ واللہ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں اس پر تمہیں کوئی عذاب نہ ہو۔ حضرت حضرت شمعون نے کہا‘ اسرائیل کے معبود برحق کی قسم‘ میں کسی سرکشی کی بنا پر نہیں پوچھ رہا۔ اے سچی ماں کے اچھے بیٹے! یقین مانئے کہ میری نیت بد نہیں۔ آپ نے فرمایا‘ نہ یہ طعام دنیا ہے نہ طعام جنت بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص حکم سے اسے آسمان و زمین کے درمیان اسی طرح کا پیدا کر دیا ہے اور تمہارے پاس بھیج دیا ہے‘ اب اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور کھا کر اس کا شکر ادا کرو۔ شکر گزاروں کو وہ زیادہ دیتا ہے اور وہ ابتداء پیدا کرنے والا قادر اور قدر دان ہے۔ شمعون نے کہا‘ اے نبی اللہ ہم چاہتے ہیں کہ اس نشان قدرت میں ہی اور نشان قدرت دیکھیں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ گویا ابھی تم نے کوئی نشان قدرت دیکھا ہی نہیں؟ اچھا لو دیکھو یہ کہہ کر آپ نے اس مچھلی سے فرمایا اے مچھلی اللہ کے حکم سے جیسی تو زندہ تھی‘ زندہ ہو جا۔ اسی وقت اللہ کی قدرت سے وہ زندہ ہو گئی اور ہل جل کر چلنے پھرنے لگی‘ آنکھیں چمکنے لگیں‘ دیدے کھل گئے اور شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کے جسم پر کھپرے بھی آ گئے۔ یہ دیکھتے ہی تمام حاضرین ڈر گئے اور ادھر ادھر ہٹنے اور دبکنے لگے۔ آپ نے فرمایا دیکھو تو خود ہی نشان طلب کرتے ہو‘ خود ہی اسے دیکھ کر گھبراتے ہو‘ واللہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ مائدہ آسمانی تمہارے لئے غضب اللہ کا نمونہ نہ بن جائے۔ اے مچھلی تو بحکم الٰہی جیسی تھی‘ ویسی ہی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت وہ ویسی ہی ہو گئی۔ اب سب نے کہا کہ اے نبی اللہ آپ اسے کھانا شروع کیجئے۔ اگر آپ کو کوئی برائی نہ پہنچے تو ہم بھی کھا لیں گے۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ وہی پہلے کھائے جس نے مانگی ہے۔ اب تو سب کے دلوں میں دہشت بیٹھ گئی کہ کہیں اس کے کھانے سے کسی وبال میں نہ پڑ جائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فقیروں کو مسکینوں کو اور بیماروں کو بلا لیا اور حکم دیا کہ تم کھانا شروع کر دو۔ یہ تمہارے رب کی دی ہوئی روزی ہے جو تمہارے نبی کی دعا سے اتری ہے۔ اللہ کا شکر کر کے کھاؤ۔ تمہیں مبارک ہو اس کی پکڑ اوروں پر ہو گی۔ تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور الحمد اللہ پر ختم کرو۔ پس تیرہ سو

آدمیوں نے بیٹھ کر پیٹ بھر کر کھانا کھایا لیکن وہ کھانا مطلقاً کم نہیں ہوا تھا پھر سب نے دیکھا' وہ دسترخوان آسمان پر چڑھ گیا- وہ کل فقیر غنی ہو گئے- وہ تمام بیمار تندرست ہو گئے اور ہمیشہ تک امیری اور صحت والے رہے- حواری اور صحابی سب کے سب بڑے ہی نادم ہوئے اور مرتے دم تک حسرت و افسوس کرتے رہے- آپ فرماتے ہیں اس کے بعد جب یہ دسترخوان اترتا تو بنی اسرائیل ادھر ادھر سے دوڑے بھاگے آتے- کیا چھوٹا' کیا بڑا- کیا امیر' فقیر' تندرست' کیا مریض ایک بھیڑ لگ جاتی- ایک دوسرے پر گرتے پڑتے آتے- یہ دیکھ کر باری مقرر ہو گئی- ایک دن اترتا ایک دن نہ اترتا- چالیس دن تک یہی کیفیت رہی کہ دن چڑھے اترتا اور ان کے سونے کے وقت چڑھ جاتا جس کا سایہ سب دیکھتے رہتے-

اس کے بعد فرمان ہوا کہ اب اس میں صرف یتیم فقیر اور بیمار لوگ ہی کھائیں- مالداروں نے اس سے بہت برا مانا اور لگے باتیں بنانے- خود بھی شک میں پڑ گئے اور لوگوں کے دلوں میں بھی طرح طرح کے وسوسے ڈالنے لگے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ آپ سچ سچ بتایئے کہ کیا واقعی یہ آسمان سے ہی اترتا ہے؟ سنیئے ہم میں سے بہت سے لوگ اس میں متردد ہیں- جناب مسیح علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے قسم ہے مسیح کے رب کی' اب تمہاری ہلاکت کا وقت آ گیا- تم نے خود طلب کیا' تمہارے نبی کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی- دسترخوان تم پر اترا- تم نے آنکھوں سے اسے اترتے دیکھا' رب کی رحمت و روزی اور برکت تم پر نازل ہوئی- بڑی عبرت و نصیحت کی نشانی تم نے دیکھ لی- آہ اب تک تمہارے دلوں کی کمزوری نہ گئی اور تمہاری زبانیں نہ رکیں- مجھے تو ڈر ہے کہ اگر رب نے تم پر رحم نہ کیا تو عنقریب تم بدترین عذابوں کے شکار ہو جاؤ گے- اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جس طرح میں نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ میں ان لوگوں کو وہ عبرتناک سزائیں دوں گا جو کسی کو نہ دی ہوں- دن غروب ہوا اور یہ بے ادب' گستاخ' جھٹلانے والے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے اپنے اپنے بستروں پر جا لیٹے' نہایت امن و امان سے ہمیشہ کی طرح اپنے بال بچوں کے ساتھ میٹھی نیند میں تھے کہ پچھلی رات عذاب الٰہی آ گیا اور جتنے بھی یہ لوگ تھے سب کے سب سور بنا دیئے گئے- جو صبح کے وقت پاخانوں کی پلیدی کھا رہے تھے- یہ اثر بہت غریب ہے- ابن ابی حاتم میں قصہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے منقول ہے لیکن میں نے اسے پورا بیان کر دیا ہے تاکہ سمجھ آ جائے- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

بہرصورت ان تمام آثار سے صاف ظاہر ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنو اسرائیل کی طلب پر آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے یہ دسترخوان نازل فرمایا- یہی قرآن عظیم کے الفاظ سے ظاہر ہے- بعض کا یہ بھی قول ہے کہ یہ مائدہ اترا ہی نہ تھا- یہ صرف بطور مثال کے بیان فرما دیا ہے- چنانچہ حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے کہ جب عذاب کی دھمکی سنی تو خاموش ہو گئے اور مطالبہ سے دستبردار ہو گئے- حسن کا قول بھی یہی ہے- اس قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ نصرانیوں کی کتاب میں اس کا ذکر نہیں- اتنے بڑے اہم واقعے کا ان کی کتابوں میں مطلق نہ پایا جانا حضرت حسن اور حضرت مجاہدؒ کے اس قول کو قوی بناتا ہے اور اس کی سند بھی ان دونوں بزرگوں تک صحت کے ساتھ پہنچتی ہے- واللہ اعلم- لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا- امام ابن جریرؒ کا مختار مذہب بھی یہی ہے- وہ فرماتے ہیں کہ فرمان ربی انی منزلها علیکم میں وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں- صحیح اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن زیادہ ٹھیک قول یہی ہے جیسے کہ سلف کے آثار و اقوال سے ظاہر ہے- تاریخ میں بھی اتنا تو ہے کہ بنی امیہ کے نائب موسیٰ بن نصیر نے مغربی شہروں کی فتح کے موقعہ پر وہیں یہ مائدہ پایا تھا اور اسے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کی خدمت میں جو بانی جامع دمشق ہیں' بھیجا تھا لیکن ابھی قاصد راستے ہی میں تھے کہ خلیفۃ المسلمین کا انتقال ہو گیا- آپ کے بعد آپ کے بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوئے اور ان کی

خدمت میں اسے پیش کیا گیا- یہ ہر قسم کے جڑاؤ اور جواہر سے مرصع تھا جسے دیکھ کر بادشاہ اور درباری سب دنگ رہ گئے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مائدہ حضرت سلمان بن داؤد علیہ السلام کا تھا- واللہ اعلم-

مسند احمد میں ہے کہ قریشیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو ہمارے لئے سونے کا بنا دے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے- آپ نے فرمایا بالکل سچا وعدہ ہے' انہوں نے کہا نہایت پختہ اور بالکل سچا- آپ نے دعا کی- اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں کوہ صفا کو سونے کا بنا دیتا ہوں لیکن اگر پھر ان لوگوں نے کفر کیا تو میں انہیں وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہو- اس پر بھی اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دوں- آپ نے فرمایا' یا اللہ معاف فرما- توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی کھول دے- یہ حدیث ابن مردویہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے-

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ
اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ
مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ
قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ
نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو تم اللہ بنا لینا؟ وہ جواب دیں گے کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے مجھے جس بات کے کہنے کا حق نہ تھا' میں کیسے کہہ دیتا؟ میں نے اگر کہا ہو تو تو خوب جانتا ہے- میرے دل کی باتیں تجھ پر بخوبی روشن ہیں- ہاں تیرے جی میں جو ہے' وہ مجھ سے مخفی ہے- تو تو تمام تر پوشیدگیوں کو خوب خوب جاننے والا ہے ○

روز قیامت نصاریٰ کی شرمندگی: ☆☆ (آیت:۱۱۶) جن لوگوں نے مسیح پرستی یا مریم پرستی کی تھی' ان کی موجودگی میں قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا کہ کیا تم ان لوگوں سے اپنی اور اپنی والدہ کی پوجا پاٹ کرنے کو کہہ آئے تھے؟ اس سوال سے مردود نصرانیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور ان پر غصے ہونا ہے تا کہ وہ تمام لوگوں کے سامنے شرمندہ اور ذلیل وخوار ہوں- حضرت قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے اور اس پر وہ آیت هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ الخ سے استدلال کرتے ہیں-

سدیؒ فرماتے ہیں یہ خطاب اور جواب دینا ہی کافی ہے- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اس قول کو ٹھیک بتا کر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان دنیا پر چڑھا لیا تھا- اس کی دلیل ایک تو یہ ہے کہ کلام لفظ ماضی کے ساتھ ہے- دوسری دلیل آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ ہے لیکن یہ دونوں دلیلیں ٹھیک نہیں- پہلی دلیل کا جواب تو یہ ہے کہ بہت سے امور جو قیامت کے دن ہونے والے ہیں ان کا ذکر قرآن کریم میں لفظ ماضی کے ساتھ موجود ہے- اس سے مقصود صرف اسی قدر ہے کہ وقوع اور ثبوت بخوبی ثابت ہو جائے- دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود جناب مسیح علیہ السلام کا یہ ہے کہ ان سے اپنی برات ظاہر کر دیں- اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں- اسے شرط کے ساتھ معلق رکھنے سے اس کا وقوع لازم نہیں جیسے کہ اسی جگہ اور آیتوں میں ہے- زیادہ ظاہر وہی تفسیر ہے جو حضرت قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے اور جو اوپر گزر چکی ہے یعنی یہ کہ یہ گفتگو اور یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوں گے تا کہ سب کے سامنے نصرانیوں کی

ذلت اور ان پر ڈانٹ ڈپٹ ہو۔

چنانچہ ایک مرفوع غریب وعزیز حدیث میں بھی یہ مروی ہے جسے حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ' ابوعبداللہ' مولی عمر بن عبدالعزیزؒ کے حالات میں لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' قیامت کے دن انبیاء اپنی اپنی امتوں سمیت اللہ کے سامنے بلوائے جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ بلوائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے احسان انہیں جتائے گا جن کا وہ اقرار کریں گے۔ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ جو احسان میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کئے' انہیں یاد کر۔ پھر فرمائے گا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو الہ سمجھنا؟ آپ اس کا بالکل انکار کریں گے' پھر نصرانیوں کو بلا کر ان سے دریافت فرمائے گا تو وہ کہیں گے۔ ہاں انہوں نے ہی ہمیں اس راہ پر ڈالا تھا اور ہمیں یہی حکم دیا تھا۔ اس سے حضرت عیسیٰؑ کے سارے بدن کے بال کھڑے ہو جائیں گے' جنہیں لے کر فرشتے اللہ کے سامنے جھکا دیں گے بہ مقدار ایک ہزار سال کے یہاں تک کہ عیسائیوں پر حجت قائم ہو جائے گی۔ اب ان کے سامنے صلیب کھڑی کی جائے گی اور انہیں دھکے دے کر جہنم میں پہنچا دیا جائے گا۔ جناب عیسیٰؑ کے جواب کو دیکھئے کہ کس قدر باادب اور کامل ہے؟ دراصل یہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ آپ کو اسی وقت یہ جواب سکھایا جائے گا جیسے کہ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ آپ فرمائیں گے کہ باری تعالیٰ نہ مجھے ایسی بات کہنے کا حق تھا نہ میں نے کہی۔ تجھ سے نہ میری کوئی بات پوشیدہ ہے نہ میرا کوئی ارادہ چھپا ہوا ہے۔ دلی راز تجھ پر ظاہر ہیں۔ ہاں تیرے بھید کسی نے نہیں پائے۔ تمام ڈھکی چھپی باتیں تجھ پر کھلی ہوئی ہیں۔ غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ
رَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ
تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

میں نے انہیں صرف وہی کہا تھا جو تو نے مجھے فرمایا تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تم سب کا پالنے والا ہے۔ جب میں ان میں رہا' ان کی دیکھ بھال کرتا رہا پھر جبکہ تو نے آپ مجھے لے لیا پھر تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر ہر چیز سے پورا باخبر ہے ○ اگر تو انہیں سزا دے تو یہ تیرے غلام ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو زبردست غلبے والا اور حکمت والا ہے ○

(آیت: ۱۱۷-۱۱۸) جس تبلیغ پر میں مامور اور مقرر تھا میں نے تو وہی تبلیغ کی تھی۔ جو کچھ مجھ سے اے جناب باری تو نے ارشاد فرمایا تھا' وہی بلا کم وکاست میں نے ان سے کہہ دیا تھا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو' وہی میرا رب ہے اور وہی تم سب کا پالنہار ہے۔ جب میں ان میں موجود تھا' ان کے اعمال دیکھتا بھالتا تھا لیکن جب تو نے مجھے بلا لیا پھر تو تو ہی دیکھتا بھالتا رہا اور تو تو ہر چیز شاہد ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا' اے لوگو تم سب اللہ عزوجل کے سامنے ننگے پیر' ننگے بدن' بے ختنہ جمع ہونے والے ہو۔ جیسے کہ ہم نے شروع پیدائش کی تھی ویسے ہی دوبارہ لوٹائیں گے۔ سب سے پہلے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ سنو کچھ لوگ میری امت کے ایسے لائے جائیں گے جنہیں بائیں جانب گھسیٹ لیا جائے گا تو میں

کہوں گا یہ تو میرے ہیں۔ کہا جائے گا، آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا گل کھلائے تھے۔ تو میں وہی کہوں گا جو اللہ کے صالح بندے کا قول ہے کہ جب تک میں ان میں رہا، ان کے اعمال پر شاہد تھا۔

پس فرمایا جائے گا کہ آپ کے بعد یہ تو دین سے مرتد ہی ہوتے رہے۔ اس کے بعد کی آیت کا مضمون اللہ تعالیٰ کی چاہت اور اس کی مرضی کی طرف کاموں کو لوٹاتا ہے، وہ جو کچھ چاہے کرتا ہے، اس سے کوئی کسی قسم کا سوال نہیں کر سکتا اور وہ ہر ایک سے باز پرس کرتا ہے۔ ساتھ ہی اس مقولے میں جناب مسیحؑ کی بیزاری ہے ان نصرانیوں سے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر بہتان باندھتے تھے اور اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے اور اس کی اولاد اور بیوی بتاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان تہمتوں سے پاک ہے اور وہ بلند و برتر ہے۔ اس عظیم الشان آیت کی عظمت کا اظہار اس حدیث سے ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ پوری ایک رات اللہ کے نبی ﷺ اسی ایک آیت کی تلاوت فرماتے رہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز پڑھی اور صبح تک ایک ہی تلاوت فرماتے رہے، اسی کو رکوع میں اور اسی کو سجدے میں پڑھتے رہے۔ وہ آیت یہی ہے۔ صبح کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یا رسول اللہؐ آج کی رات تو آپ نے اسی ایک آیت میں گزاری۔ رکوع میں بھی اسی کی تلاوت رہی اور سجدے میں بھی۔ آپؐ نے فرمایا، میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا۔ پس میری یہ شفاعت ہر موحد شخص کے لئے ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد کی اور حدیث میں ہے، حضرت جرہ بنت دجاجہ عمرے کے ارادے سے جاتی ہیں۔ جب ربذہ میں پہنچتی ہیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ فرضوں کے بعد دیکھا کہ صحابہؓ نماز میں مشغول ہیں تو آپؐ اپنے خیمے کی طرف تشریف لے گئے۔ جب جگہ خالی ہوگئی اور صحابہؓ چلے گئے تو آپ واپس تشریف لائے اور نماز میں کھڑے ہوگئے۔ میں بھی آ گیا اور آپؐ کے پیچھے کھڑا ہوگیا تو آپؐ نے اپنی دائیں طرف کھڑا ہونے کا مجھے اشارہ کیا، میں دائیں جانب آ گیا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنی بائیں طرف کھڑے ہونے کا اشارہ کیا چنانچہ وہ آ کر بائیں جانب کھڑے ہوگئے۔ اب ہم تینوں نے اپنی اپنی نماز شروع کی۔ الگ الگ تلاوت قرآن اپنی نماز میں کر رہے تھے اور حضور علیہ السلام کی زبان مبارک پر ایک ہی آیت تھی۔ بار بار اسی کو پڑھ رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کہ ذرا حضورؐ سے دریافت تو کرو کہ رات کو ایک ہی آیت کے پڑھنے کی کیا وجہ تھی؟ انہوں نے کہا، اگر حضورؐ خود کچھ فرمائیں تو اور بات ہے ورنہ میں تو کچھ بھی نہ پوچھوں گا۔ اب میں نے خود ہی جرات کر کے آپ سے دریافت کیا کہ حضورؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، سارا قرآن تو آپ پر اترا ہے اور آپ کے سینے میں ہے۔

پھر آپ نے ایک ہی آیت میں ساری رات کیسے گذار دی؟ اگر کوئی اور ایسا کرتا تو ہمیں تو بہت برا معلوم ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا، اپنی امت کے لئے دعا کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا پھر کیا جواب ملا؟ آپؐ نے فرمایا اتنا اچھا، ایسا پیارا، اس قدر آسانی والا کہ اگر عام لوگ سن لیں تو ڈر ہے کہ کہیں نماز بھی نہ چھوڑ بیٹھیں۔ میں نے کہا مجھے اجازت ہے کہ میں لوگوں میں یہ خوش خبری پہنچا دوں؟ آپ نے اجازت دی۔ میں ابھی کچھ ہی دور گیا ہوں گا کہ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اگر یہ خبر آپ نے عام طور پر کرا دی تو ڈر ہے کہ کہیں لوگ عبادت سے بے پرواہ نہ ہو جائیں۔ تو آپ نے آواز دی کہ لوٹ آؤ چنانچہ وہ لوٹ آئے اور وہ آیت ان تعذبھم الخ، تھی۔

ابن ابی حاتم میں ہے، حضورؐ نے حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کی۔ تلاوت کی پھر ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اے میرے رب میری امت اور آپ رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ جا کر پوچھو کہ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے۔ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، اپنی امت کے لئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جاؤ کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں

خوش کر دیں گے اور آپؐ بالکل رنجیدہ نہ ہوں گے۔ مسند احمد میں ہے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں، ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے ہی نہیں یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آج آپ آئیں گے ہی نہیں۔ پھر آپؐ تشریف لائے اور آتے ہی سجدے میں گر پڑے۔ اتنی دیر لگ گئی کہ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو؟ تھوڑی دیر میں آپؐ نے سر اٹھایا اور فرمانے لگے، مجھ سے میرے رب عزوجل نے میری امت کے بارے میں دریافت فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ وہ تری مخلوق ہے وہ سب تیرے بندے اور تیرے غلام ہیں۔ تجھے اختیار ہے۔ پھر مجھ سے دوبارہ میرے اللہ نے دریافت فرمایا، میں نے پھر بھی یہی جواب دیا تو مجھ سے اللہ عزوجل نے فرمایا، اے نبیؐ میں آپ کو آپ کی امت کے بارے میں کبھی شرمندہ نہ کروں گا۔ سنو مجھے میرے رب نے خوشخبری دی ہے کہ سب سے پہلے میری امت میں سے میرے ساتھ ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے، ان سب پر حساب کتاب مطلقاً نہیں۔ پھر میری طرف پیغام بھیجا کہ میرے حبیب مجھ سے دعا کرو۔ میں قبول فرماؤں گا۔ مجھ سے مانگو۔ میں دوں گا میں نے اس قاصد سے کہا کہ جو میں مانگوں مجھے ملے گا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اسی لئے تو مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔

چنانچہ میرے رب نے بہت کچھ عطا فرمایا۔ میں یہ سب کچھ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا۔ مجھے میرے رب نے بالکل بخش دیا، اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے حالانکہ زندہ سلامت چل پھر رہا ہوں۔ مجھے میرے رب نے یہ بھی عطا فرمایا کہ میری تمام امت قحط سالی کی وجہ سے بھوک کے مارے ہلاک نہ ہوگی اور نہ سب کے سب مغلوب ہو جائیں گے۔ مجھے میرے رب نے حوض کوثر دیا ہے، وہ جنت کی ایک نہر ہے جو میرے حوض میں بہہ رہی ہے۔ مجھے اس نے عزت، مدد اور رعب دیا ہے جو امتیوں کے آگے آگے مہینہ بھر کی راہ پر چلتا ہے۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے میں جنت ہی میں جاؤں گا۔ میرے اور میری امت کے لئے غنیمت کا مال حلال طیب کر دیا گیا۔ وہ سختیاں جو پہلوں پر تھیں، ہم پر سے ہٹا دی گئیں اور ہمارے دین میں کسی طرح کی کوئی تنگی نہ رکھی گئی۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۶ ۵

اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا، ان ہی کو وہ جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے خوش اور یہ رب سے راضی، یہی تو زبردست کامیابی ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے ○ وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

موحدین کے لئے خوش خبریاں: ☆☆ (آیت: ۱۱۹-۱۲۰) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ان کی بات کا جو جواب قیامت کے دن ملے گا، اس کا بیان ہو رہا ہے کہ آج کے دن موحدوں کو توحید نفع دے گی، وہ ہمیشگی والی جنت میں جائیں گے۔ وہ اللہ سے خوش ہوں گے اور اللہ ان سے خوش ہوگا۔ فی الواقع رب کی رضامندی زبردست چیز ہے۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اور

ان سے کہے گا، تم جو چاہو مجھ سے مانگو میں دوں گا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی طلب کریں گے، اللہ تعالیٰ سب کے سامنے اپنی رضامندی کا اظہار کرے گا۔ پھر فرماتا ہے، یہ ایسی بے مثل کامیابی ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ جیسے اور جگہ ہے اسی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور آیت میں ہے، رغبت کرنے والے اس کی رغبت کر لیں۔

پھر فرماتا ہے سب کا خالق، سب کا مالک، سب پر قادر، سب کا متصرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہر چیز اسی کی ملکیت میں، اسی کے قبضے میں، اسی کی چاہت میں ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں، نہ کوئی اس کا وزیر و مشیر ہے، نہ کوئی نظیر و عدیل ہے۔ نہ اس کی ماں ہے، نہ باپ، نہ اولاد، نہ بیوی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ کوئی اس کے سوا رب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ سب سے آخری سورت یہی سورہ مائدہ اتری ہے۔ (الحمدللہ سورۂ مائدہ کی تفسیر ختم ہوئی)

تفسیر سورة الانعام

یہ سورت مکے میں اتری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ ایک ساتھ ہی ایک ہی رات میں مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے اردگرد ستر ہزار فرشتے تھے جو تسبیح پڑھ رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت حضورؐ کہیں جا رہے تھے۔ فرشتوں کی کثرت زمین سے آسمان تک تھی۔ یہ ستر ہزار فرشتے اس سورت کے پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ مستدرک حاکم میں ہے، اس سورت کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس مبارک سورت کو پہنچانے کے لئے اس قدر فرشتے آئے تھے کہ آسمان کے کنارے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ابن مردویہ میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی اس وقت کی تسبیح نے ایک گونج پیدا کر دی تھی۔ زمین گونج رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ العظیم پڑھ رہے تھے۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ "مجھ پر سورہ انعام ایک دفعہ ہی اتری۔ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے جو تسبیح و حمد بیان کر رہے تھے"۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ
الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾
ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ
مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ ہُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ
وَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَ جَہۡرَکُمۡ وَ یَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ ﴿۳﴾

دریا دلی کرنے والے معافیاں دینے والے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ○

سب تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے تمام آسمان و زمین پیدا کئے ہیں اور جس نے اندھیریاں اور روشنی پیدا کی ہے۔ پھر بھی کفار لوگ اپنے رب کے شریک ٹھہرا رہے ہیں ○ اسی نے تم سب کو مٹی سے پیدا کر کے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور معین کردہ نامزد وقت اسی کے نزدیک ہے۔ پھر بھی تم شک کر رہے ہو ○ وہی معبود برحق ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ وہ تمہارے بھیدوں کو اور ظاہر احوال کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم عمل کر رہے ہو اسے بھی وہ جانتا ہے ○

اللہ کی بعض صفات : ☆☆ (آیت:۱-۳) اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کر رہا ہے گویا ہمیں اپنی تعریفوں کا حکم دے رہا ہے' اس کی تعریف جن امور پر ہے' ان میں سے ایک زمین و آسمان کی پیدائش بھی ہے- دن کی روشنی اور رات کا اندھیرا بھی ہے- اندھیرے کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے لانا نور کی شرافت کی وجہ سے ہے- جیسے فرمان ربانی عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ میں اور اس سورت کے آخری حصے کی آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ میں یہاں بھی راہ راست کو واحد رکھا اور غلط راہوں کو جمع کے لفظ سے بتایا- اللہ ہی قابل حمد ہے کیونکہ وہی خالق کل ہے مگر پھر بھی کافر لوگ اپنی نادانی سے اس کے شریک ٹھہرا رہے ہیں- کبھی بیوی اور اولاد قائم کرتے ہیں- کبھی شریک اور ساجھی ثابت کرنے بیٹھتے ہیں- اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک ہے- اس رب نے تمہارے باپ حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر تمہیں اس کی نسل سے مشرق مغرب میں پھیلا دیا- موت کا وقت بھی اسی کا مقرر کیا ہوا ہے- آخرت کے آنے کا وقت بھی اس کا مقرر کیا ہوا ہے- پہلی اجل سے مراد دنیاوی زندگی' دوسری اجل سے مراد قبر کی رہائش- گویا پہلی اجل خاص ہے یعنی ہر شخص کی عمر اور دوسری اجل عام ہے یعنی دنیا کی انتہا اور اس کا خاتمہ-

ابن عباس اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ قضی اجلا سے مراد مدت دنیا ہے اور اجل مسمی سے مراد عمر انسان ہے- بہت ممکن ہے کہ اس کا استدلال آنے والی آیت وَهُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ سے ہو- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثم قضی اجلا سے مراد نیند ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے' پھر جاگنے کے وقت لوٹا دی جاتی ہے اور اجل مسمی سے مراد موت ہے- یہ قول غریب ہے- عنده سے مراد اس کے علم کا اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہونا ہے جیسے فرمایا اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ یعنی قیامت کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہی ہے- سورہ نازعات میں بھی فرمان ہے کہ تجھ سے قیامت کے صحیح وقت کا حال دریافت کرتے ہیں حالانکہ تجھے اس کا علم کچھ بھی نہیں- وہ تو صرف اللہ ہی کو معلوم ہے- باوجود اتنی پختگی کے اور باوجود کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہونے کے پھر بھی لوگ قیامت کے آنے نہ آنے میں تردد اور شک کر رہے ہیں- اس کے بعد جو ارشاد جناب باری نے فرمایا ہے' اس میں مفسرین کے کئی ایک اقوال ہیں' لیکن کسی کا بھی وہ مطلب نہیں جو جھمیہ لے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ہر جگہ ہے- نعوذ باللہ اللہ کی برتر و بالا ذات اس سے بالکل پاک ہے- آیت کا بالکل صحیح مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں بھی اسی کی ذات کی عبادت کی جاتی ہے اور زمینوں میں بھی- اس کی الوہیت وہاں بھی ہے اور یہاں بھی- اوپر والے اور نیچے والے سب اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں- سب کی اسی سے امیدیں وابستہ ہیں اور سب کے دل اس سے لرز رہے ہیں- جن و انس سب اس کی الوہیت اور بادشاہی مانتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ الخ' یعنی وہی آسمانوں میں معبود برحق ہے اور وہی زمین میں معبود برحق ہے' یعنی آسمانوں میں جو ہیں' سب کا معبود وہی ہے اور اس طرح زمین والوں کا بھی سب کا معبود وہی ہے-

اب اس آیت کا اور جملہ یعلم سر کم و جھر کم خبر ہو جائے گا یا حال سمجھا جائے گا اور یہ بھی قول ہے کہ اللہ وہ ہے جو آسمانوں کی سب چیزوں کو اور زمین کی سب چیزوں کو چاہے وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ' جانتا ہے- پس یعلم متعلق ہوگا فی السموات و فی الارض کا اور تقدیر آیت یوں ہو جائے گی وھو اللہ یعلم سرکم و جھرکم فی السموات و فی الارض و یعلم ماتکسبون ایک قول یہ بھی ہے کہ وھو اللہ فی السموات پر وقف تام ہے اور پھر جملہ مستانفہ کے طور پر خبر ہے کہ و فی الارض یعلم سر کم و جھر کم امام ابن جریرؒ اسی تیسرے قول کو پسند کرتے ہیں- پھر فرماتا ہے تمہارے کل اعمال سے خیر و شر سے وہ واقف ہے-

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ
اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ
نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا
الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا
مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

ان کے پاس ان کے رب کی جو بھی نشانی آئی‘ یہ اس سے منہ موڑتے ہی رہے ○ یہ حق بھی جب ان کے پاس آیا انہوں نے اسے بھی ناحق کہا۔ یہ جسے مذاق میں اڑاتے رہے ہیں ○ اس کی خبریں ان کے پاس عنقریب پہنچ جائیں گی۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے ان جماعتوں کو تہ وبالا کر دیا ہے جنہیں ہم نے زمین میں وہ قوت وطاقت دے رکھی تھی کہ تمہیں تو ویسی دی بھی نہیں۔ ہم نے ان پر بارش کی بھی ریل پیل کر رکھی تھی اور ان کے مکانات کے نیچے سے چشمے جاری تھے۔ آخرش ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں نیست ونابود کر دیا اور ان کے بعد اور نئی جماعتیں پیدا کر دیں ○

کفار کو نافرمانی پر سخت انتباہ: ☆☆ (آیت:۴-۶) کفار کی سرکشی کی انتہا بیان ہو رہی ہے کہ ہر امر کی تکذیب پر گویا انہوں نے کمر باندھ لی ہے۔ نیت کر کے بیٹھے ہیں‘ جو نشانی دیکھیں گے‘ اسی کا انکار کریں گے۔ ان کی یہ خطرناک روش انہیں ایک دن ذلیل کرے گی اور وہ ذائقہ آئے گا کہ ہونٹ کاٹتے رہیں۔ یہ یوں نہ سمجھیں کہ ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ نہیں بلکہ عنقریب انہیں اللہ کی پکڑ ہو گی۔ کیا ان سے پہلے کے ایسے سرکشوں کے حالات ان کے کان میں نہیں پڑے؟ کیا ان کے عبرتناک انجام ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں؟ وہ تو قوت وطاقت میں اور زور میں ان سے بہت بڑھے چڑھے ہوئے تھے۔ وہ اپنی رہائش میں اور زمین کو بسانے میں ان سے کہیں زیادہ آگے تھے۔ ان کے لاؤ لشکر‘ ان کی جاہ وعزت‘ غرور وتمکنت ان سے کہیں زیادہ تھی۔ ہم نے انہیں خوب مست بنا رکھا تھا۔ بارشیں پے در پے حسب ضرورت ان پر برابر برسا کرتی تھیں۔ زمین ہر وقت تر وتازہ رہتی تھی۔ چاروں طرف پانی کی ریل پیل کی وجہ سے آبشاریں اور چشمے صاف شفاف پانی کے بہتے رہتے تھے۔ جب وہ تکبر میں آ گئے‘ ہماری نشانیوں کی حقارت کرنے لگے تو آخر نتیجہ یہ ہوا کہ برباد کر دیئے گئے۔ تہس نہس ہو گئے‘ بھوسی اڑ گئی۔ لوگوں میں ان کے فسانے باقی رہ گئے اور ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے اور ان کے بعد ان کے قائم مقام اور زمانہ آیا۔ اگر وہ بھی اسی روش پر چلا تو یہی سلوک ان کے ساتھ بھی ہوتا۔ اتنی نظیریں جب تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں‘ پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے‘ یہ کس قدر تمہاری غفلت ہے۔ یاد رکھو تم کچھ اللہ کے ایسے لاڈلے نہیں ہو کہ جن کاموں کی وجہ سے اوروں کو وہ تباہ کر دے‘ وہ کام تم کرتے رہو اور تباہی سے بچ جاؤ۔ اسی طرح جن رسولوں کو جھٹلانے اور ان کو نہ ماننے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے‘ ان رسولوں سے کسی طرح یہ رسول کم درجے کے نہیں بلکہ ان سے زیادہ اللہ کے ہاں یہ باعزت ہیں۔ یقین مانو کہ پہلوں سے بھی سخت اور نہایت سخت عذاب تم پر آئیں گے‘ پس تم اپنی اس غلط روش کو چھوڑ دو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے کہ اس نے تمہاری بدترین اور انتہائی شرارتوں کے باوجود تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ
لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوْا
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ
الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾

اگر ہم کاغذ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل فرماتے جسے یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تاہم منکر لوگ تو یہی کہتے کہ یہ تو صاف صریح جادو ہی ہے ○ یہ کہتے تو ہیں کہ اس نبیؐ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اگر ہم فرشتے ہی کو بھیجتے تو کام ہی فیصل کر دیا جاتا اور مہلت ہی نہ دیئے جاتے ○

انسانوں میں سے ہی رسول اللہ کا عظیم احسان ہے: ☆☆ (آیت: ۷-۱۱) کفار کی ضد اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ یہ تو حق کے دشمن ہیں۔ بالفرض یہ کتاب اللہ کو آسمان سے اترتی ہوئی اپنی آنکھوں دیکھ لیتے اور اپنے ہاتھ لگا کر اسے اچھی طرح معلوم کر لیتے پھر بھی ان کا کفر نہ ٹوٹتا اور یہ کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ محسوسات کا انکار بھی ان سے بعید نہیں۔

جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ یعنی اگر ہم آسمان کا دروازہ کھول دیتے اور یہ خود اوپر چڑھ جاتے' جب بھی یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا الخ' غرض کہ جن باتوں کے ماننے کے عادی نہیں' انہیں ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضورؐ سچے رسولؐ ہیں تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کی ڈیوٹی کیوں نہیں لگائی؟ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ ان کی اس بے ایمانی پر اگر فرشتے آ جاتے تو پھر تو کام ہی ختم کر دیا جاتا۔ چنانچہ اور آیت میں ہے مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ الخ' یعنی فرشتوں کو ہم حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں۔ اگر یہ آ جائیں تو پھر مہلت و تاخیر ناممکن ہے۔ اور جگہ ہے يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ الخ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھ لیں گے' اس دن گنہگار کو کوئی بشارت نہیں ہوگی۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ
مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾

بالفرض اگر ہم اسے فرشتہ ہی بناتے تب بھی لامحالہ بصورت انسانی کرتے ○ پھر بھی جو شبہ وہ اب کرتے ہیں' وہی اشتباہ ہم ان پر ڈالتے ○ تجھ سے پہلے کے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا ○ بالاخر ان مذاق اڑانے والوں پر ان کے مذاق کا وبال آ ہی پڑا۔ کہہ دے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ بھال لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا کچھ انجام ہوا ○

(آیت: ۹-۱۱) پھر فرماتا ہے' بالفرض رسولؐ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہم اتارتے یا خود فرشتے ہی کو اپنا رسول بنا کر انسانوں میں

بھیجتے تو لامحالہ اسے بصورت انسانی ہی بھیجتے تا کہ یہ لوگ اس کے ساتھ بیٹھ اٹھ سکیں - بات چیت کر سکیں - اس سے حکم احکام سیکھ سکیں - یکجہتی کی وجہ سے طبیعت مانوس ہو جائے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر انہیں اسی شک کا موقعہ ملتا کہ نہ جانیں یہ سچ مچ فرشتہ ہے بھی یا نہیں؟ کیونکہ وہ بھی انسان جیسا ہے' اور آیت میں ہے قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ الخ یعنی اگر زمین میں فرشتوں کی آبادی ہوتی تو ہم ان کی طرف فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل فرماتے - پس درحقیقت اس رب محسن کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ انسانوں کی طرف انہی کی جنس میں سے انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا - تا کہ اس کے پاس اٹھ بیٹھ سکیں - اس سے پوچھ گچھ لیں اور ہم جنسی کی وجہ سے خلط ملط ہو کر فائدہ اٹھا سکیں - چنانچہ ارشاد ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ الخ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ محسن حقیقی کا ایک زبردست احسان مسلمانوں پر یہ بھی ہے کہ اس نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو آیات الٰہیہ ان کے سامنے تلاوت کرتا رہتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے - مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتہ ہی اترتا تو چونکہ اس نور محض کو یہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے' اس لئے اسے انسانی صورت میں ہی بھیجتے تو پھر بھی ان پر شبہ ہی رہتا - پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو تسکین اور تسلی دیتا ہے کہ آپؐ دل گرفتہ نہ ہوں - آپؐ سے پہلے بھی جتنے انبیاء آئے' ان کا بھی مذاق اڑایا گیا لیکن بالآخر مذاق اڑانے والے تو برباد ہو گئے - اس طرح آپ کے ساتھ بھی جو لوگ بے ادبی سے پیش آتے ہیں' ایک روز پیس دیئے جائیں گے -

لوگو! ادھر ادھر پھر پھرا کر عبرت کی آنکھوں سے ان کے انجام کو دیکھو جنہوں نے تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بدسلوکی کی' ان کی نہ مانی اور ان پر پھبتیاں کسیں - دنیا میں بھی وہ خراب وخستہ ہوئے اور آخرت کی مار ابھی باقی ہے - رسولوں کو اور ان کے ماننے والوں کو ہم نے یہاں بھی ترقی دی اور وہاں بھی انہیں بلند درجے عطا فرمائے -

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ
عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا
رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲
وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳

پوچھ تو کہ آسمان وزمین کی تمام چیزوں کا مالک کون ہے؟ جواب دے کہ اللہ ہی ہے' اس نے اپنے اوپر رحم کرنا واجب کر لیا ہے' قیامت کے دن وہ تم سب کو یقیناً جمع کرے گا - اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں' ایمان سے محروم وہی رہتے ہیں جو اپنے تئیں نقصان میں ڈالتے ہیں ○ اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں' اور وہی ہے سنتا جانتا ہے ○

ہر چیز کا مالک اللہ ہے: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۳) آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے' سب اللہ کا ہے - اس نے اپنے نفس مقدس پر رحمت لکھ لی ہے - بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جب پیدا کیا تو ایک کتاب لکھی جو اس کے پاس اس کے عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت غضب پر غالب ہے - پھر اپنے پاک نفس کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا اور وہ دن یقیناً آنے والا ہے - شکی لوگ چاہے شک شبہ کریں لیکن وہ ساعت اٹل ہے - حضورؐ سے سوال ہوا کہ کیا اس دن پانی بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس دن پانی ہوگا' اولیاء اللہ ان حوضوں پر آئیں گے جو انبیاء کی ہوں گی - ان حوضوں کی

نگہبانی کے لئے ایک ہزار فرشتے نور کی لکڑیاں لئے ہوئے مقرر ہوں گے جو کافروں کو وہاں سے ہٹا دیں گی۔

یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے لیکن ہے غریب۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے ”ہر نبی کے لئے حوض ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ لوگ میرے حوض پر آئیں گے“ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اس دن کو نہیں مانتے، وہ اپنی جانوں سے خود ہی دشمنی رکھتے ہیں اور اپنا نقصان آپ ہی کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ساکن چیزیں یعنی کل مخلوق اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے اور سب اس کے ماتحت ہیں، سب کا مالک وہی ہے۔ وہ سب کی باتیں سننے والا اور سب کی حرکتیں جاننے والا ہے، چھپا کھلا سب اس پر روشن ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ
اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴ قُلْ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ مَنْ
يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۱۶

کہہ دے کہ کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا مددگار بنا لوں جو اللہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو سب کو روزیاں دیتا ہے اور خود کھانے پینے کی حاجت سے پاک ہے۔ مجھ سے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں۔ خبردار ہرگز مشرکوں میں نہ ہو جانا ○ میں تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بہت بڑے عذاب کے دن سے ڈر رہا ہوں ○ جس سے اس دن کا عذاب دور کر دیا گیا یقیناً اس پر اللہ کا کرم ہوا۔ بہت بڑی مراد مل جانی یہی ہے ○

(آیت: ۱۴۔۱۶) پھر اپنے نبیؐ کو جنہیں توحید خالص کے ساتھ اور کامل شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، حکم دیتا ہے کہ آپؐ اعلان کر دیں کہ آسمان و زمین پیدا کرنے والے اللہ کے سوا میں کسی اور کو اپنا دوست و مددگار نہیں جانتا۔ وہ ساری مخلوق کا رازق ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔ فرماتا ہے۔ میں نے تمام انسانوں جنوں کو اپنی غلامی اور عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایک قرات میں وَلَا يَطْعَمُ بھی ہے یعنی وہ خود نہیں کھاتا۔ قبا کے رہنے والے ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم بھی آپؐ کے ساتھ گئے۔ جب حضور کھانا تناول فرما کر ہاتھ دھو چکے تو آپؐ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جو سب کو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا۔ اس کے بہت بڑے احسان ہم پر ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت دی او کھانے پینے کو دیا اور تمام بھلائیاں عطا فرمائیں۔ اللہ کا شکر ہے جسے ہم پورا ادا کر ہی نہیں سکتے اور نہ اسے چھوڑ سکتے ہیں، ہم اس کی ناشکری نہیں کرتے، نہ اس سے کسی وقت ہم بے نیاز ہو سکتے ہیں، الحمد للہ اللہ نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، کپڑے پہنائے، گمراہی سے نکال کر راہ راست دکھائی، اندھے پن سے ہٹا کر آنکھیں عطا فرمائیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر ہمیں فضیلت عنایت فرمائی۔ اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں مختص ہیں جو تمام جہان کا پالنہار ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ اعلان کر دو کہ مجھے حکم ملا ہے کہ اس امت میں سب سے پہلے اللہ کا غلام میں بن جاؤں۔ پھر فرماتا ہے خبردار ہرگز ہرگز مشرکوں سے نہ ملنا۔ یہ بھی اعلان کر دیجئے کہ مجھے خوف ہے، اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے قیامت کے دن عذاب ہوں گے۔ جو اس روز عذابوں سے محفوظ رکھا گیا، یقین مانا کہ اس پر رحمت رب نازل ہوئی۔ سچی کامیابی یہی ہے۔ اور آیت میں فرمایا ہے، جو

بھی جہنم سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا' اس نے منہ مانگی مراد پالی- فوز کے معنی نفع مل جانے اور نقصان سے بچ جانے کے ہیں-

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ
یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ
فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ
اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۣ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِیَ
اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ
لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ
اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾

اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اسے ہٹانے والا بھی بجز اس کے کوئی نہیں' اور اگر وہ تجھے کوئی نفع پہنچائے تو بھی وہ تمام چیزوں پر قادر ہے ○ وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے' اور وہ حکمت والا اور خبردار ہے ○ دریافت تو کر کہ سب سے بڑی معتبر گواہی والا کون ہے؟ جواب دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے- میری جانب یہ قرآن اس لئے وحی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں بھی اور جسے یہ پہنچے' اسے ہوشیار کر دوں' کیا سچ مچ تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟ کہہ دے کہ میں تو یہ گواہی نہیں دے سکتا- صاف کہہ دے کہ معبود برحق تو صرف اللہ اکیلا ہی ہے اور میں تو جن جن کو تم شریک بناتے ہو' ان کا روادار ہی نہیں ○

قرآن کریم کا باغی جہنم کا ایندھن: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۹) اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک وہی ہے- اپنی مخلوق میں جیسی وہ چاہے تبدیلیاں کرتا ہے- اس کے احکام کو کوئی ٹال نہیں سکتا- اس کے فیصلوں کو کوئی رد نہیں کر سکتا- اسی آیت جیسی آیت مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ الخ' ہے یعنی اللہ مقتدر اعلیٰ جسے جو رحمت دینا چاہے' اسے کوئی روک نہیں سکتا- اور جس سے وہ روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا- اس آیت میں خاص اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بھی یہی فرمایا- صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے' اے اللہ جسے تو دے' اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا- اس کے بعد فرماتا ہے' وہ اپنے بندوں پر قاہر و غالب ہے- سب کی گردنیں اس کے سامنے پست ہیں- سب بڑے اس کے سامنے چھوٹے ہیں- ہر چیز اس کے قبضے اور قدرت میں ہے- تمام مخلوق اس کی تابعدار ہے- اس کے جلال' اس کی کبریائی' اس کی عظمت' اس کی بلندی' اس کی قدرت تمام چیزوں پر غالب ہے- ہر ایک کا مالک وہی ہے حکم اسی کا چلتا ہے- حقیقی شہنشاہ اور کامل قدرت والا وہی ہے- اپنے تمام کاموں میں وہ باحکمت ہے- وہ ہر چھوٹی بڑی چھپی کھلی چیز سے باخبر ہے- وہ جسے جو دے' وہ بھی حکمت سے اور جس سے جو روک لے وہ بھی حکمت سے ہے-

پھر فرماتا ہے پوچھو تو سب سے بڑا اور زبردست اور بالکل سچا گواہ کون ہے؟ جواب دے کہ مجھ میں تم میں اللہ ہی گواہ ہے- جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اور جو تم مجھ سے کر رہے ہو' اسے وہ خوب دیکھ بھال رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے- میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تا کہ میں تم سب حاضرین کو بھی اس سے آگاہ کر دوں اور جسے بھی یہ پہنچی' اس تک میرا پیغام پہنچ جائے- جیسے اور آیت میں ہے وَمَنْ

یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ یعنی دنیا کے تمام لوگوں میں سے جو بھی اس قرآن سے انکار کرے' اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ حضرت محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں' جسے قرآن پہنچ گیا' اس نے گویا خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا بلکہ گویا آپؐ سے باتیں کرلیں اور اس سے اللہ کے رسولؐ نے اللہ کا دین پیش کردیا۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے' اللہ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچاؤ جسے ایک آیت قرآنی پہنچ گئی' اسے اللہ کا امر پہنچ گیا۔ حضرت ربیع بن انسؒ کا قول ہے' اللہ کے نبیؐ کے تمام تابع لوگوں پر حق ہے کہ وہ مثل دعوت رسولؐ کے لوگوں کو دعوت خیر دیں۔ اور جن چیزوں اور کاموں سے آپؐ نے ڈرا دیا ہے' یہ بھی اس سے ڈراتے رہیں۔ مشرکو تم چاہے اللہ کے ساتھ اور معبود بھی بناؤ لیکن میں تو ہرگز ایسا نہیں کروں گا جیسے اور آیت میں ہے فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ یہ گو شہادت دیں لیکن تو ان کا ہمنوا نہ بن۔ یہاں فرمایا' تم صاف کہہ دو کہ اللہ تو ایک ہی ہے اور تمہارے تمام معبودان باطل سے میں الگ تھلگ ہوں۔ میں ان سب سے بیزار ہوں۔ کسی کا بھی روادار نہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ
اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

جنہیں ہم نے اپنی کتاب عطا فرمائی ہے' وہ تو اسے اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو' جو اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ وہ ایمان نہیں لاتے ○ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے' ظالم فلاح اور نجات نہ پائیں گے ○

(آیت ۲۰۔۲۱) پھر فرماتا ہے یہ اہل کتاب اس قرآن کو اور اس نبی کو خوب جانتے ہیں جس طرح انسان اپنی اولاد سے واقف ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ آپؐ سے اور آپؐ کے دین سے واقف اور باخبر ہیں۔ کیونکہ خود ان کی کتابوں میں یہ سب خبریں موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبریں ان کی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن' آپ کی ہجرت' آپ کی امت کی صفت' ان تمام چیزوں سے یہ لوگ آگاہ ہیں اور ایسے صاف طور پر کہ جس میں کسی قسم کا شک شبہ نہیں۔ پھر ایسے ظاہر باہر' صاف شفاف' کھلم کھلا امر سے بے ایمانی کرنا انہی کا حصہ ہے جو خود اپنا برا چاہنے والے ہوں اور اپنی جانوں کو ہلاک کرنے والے ہوں۔ حضورؐ کی آمد سے پہلے ہی نشان ظاہر ہو چکے۔ جو نبیؐ آپ سے پہلے کی بشارتیں دیتا ہوا آیا' پھر انکار کرنا سورج چاند کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھ لے؟ اور فی الواقع اس سے بھی زیادہ ظالم کوئی نہیں جو سچ کو جھوٹ کہے اور اپنے رب کی باتوں اور اس کی اٹل حجتوں اور روشن دلیلوں سے انکار کرے۔ ایسے لوگ فلاح سے' کامیابی سے' اپنا مقصد پانے سے اور نجات و آرام سے محروم محض ہیں۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ
شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ
اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

وہ دن بھی ہوگا جب ہم سب کو جمع کر کے مشرکوں سے فرمائیں گے کہ جنہیں تم اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہراتے تھے' وہ سب کہاں ہیں؟ ○ پھر تو ان کا جواب اور عذر یہی کہنا ہوگا کہ اللہ کی قسم! ہمارے رب کی قسم! ہم تو مشرک ہی نہ تھے ○ دیکھ تو انہوں نے کس طرح خود اپنے اوپر جھوٹ بولا؟ اور ان کی تمام افترا پردازیاں غائب ہو گئیں ○

قیامت کے دن مشرکوں کا حشر: ☆☆ (آیت: ۲۲-۲۴) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حشر اپنے سامنے کرے گا - پھر جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کی پرستش کرتے تھے' انہیں لاجواب' شرمندہ اور بے دلیل کرنے کے لئے ان سے فرمائے گا کہ جن جن کو تم میرا شریک ٹھہراتے رہے' آج وہ کہاں ہیں؟ سورہ قصص کی آیت وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ میں بھی یہ موجود ہے - اس کے بعد کی آیت میں جو لفظ فتنتهم ہے' اس کا مطلب فتنہ سے مراد حجت و دلیل' عذر و معذرت' ابتلا اور جواب ہے -

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے مشرکین کے اس انکار شرک کی بابت سوال کیا تو آپؓ نے جواب دیا کہ ایک وقت یہ ہوگا کہ اور ایک اور وقت ہوگا کہ اللہ سے کوئی بات چھپائیں گے نہیں - پس ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں - جب مشرکین دیکھیں گے کہ موحد نمازی جنت میں جانے لگے تو کہیں گے' آؤ ہم بھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کر دیں - اس انکار کے بعد ان کی زبانیں بند کر دی جائیں گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہیاں دینے لگیں گے تو اب کوئی بات اللہ سے نہ چھپائیں گے - یہ توجیہہ بیان فرما کر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' اب تو تیرے دل میں کوئی شک نہیں رہا؟ سنو بات یہ ہے کہ قرآن میں ایسی چیزوں کا دوسری جگہ بیان و توجیہہ موجود ہے لیکن بے علمی کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں وہاں تک نہیں پہنچتیں - یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منافقوں کے بارے ہے لیکن یہ کچھ ٹھیک نہیں اس لئے کہ آیت مکیہ ہے اور منافقوں کا وجود مکہ شریف میں تھا ہی نہیں - ہاں منافقوں کے بارے میں میں آیت يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ ہے - دیکھ لو کہ کس طرح انہوں نے خود اپنے اوپر جھوٹ بولا؟ اور جن جھوٹے معبودوں کا افترا انہوں نے کر رکھا تھا' کیسے ان سے خالی ہاتھ ہو گئے؟ چنانچہ دوسری جگہ ~~ہے~~ کہ جب ان سے یہ سوال ہوگا' خود یہ کہیں گے ضلو عنا وہ سب آج ہم سے دور ہو گئے -

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں' ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ انہیں سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے - گو یہ تمام معجزے دیکھ لیں لیکن انہیں مانیں گے ہی نہیں' یہ تو تیرے سامنے آ کر تجھ سے لڑتے جھگڑتے ہوئے صاف کہتے ہیں کہ اس قرآن میں بجز اگلوں کی کہانیوں کے دھرا ہی کیا ہے؟ ○ دوسروں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رکتے ہیں' دراصل یہ اپنے تئیں ہی غارت کر رہے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اسے سمجھتے بھی نہیں ○

(آیت: ۲۵۔۲۶) پھر فرماتا ہے' بعض ان میں وہ بھی ہیں جو قرآن سننے کو تیرے پاس آتے ہیں لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان کے دلوں پر پردے ہیں۔ وہ سمجھتے ہی نہیں ان کے کان انہیں یہ مبارک آوازیں اس طرح سناتے ہی نہیں کہ یہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور احکام قرآنی کو قبول کریں۔ جیسے اور جگہ ان کی مثال ان چوپائے جانوروں سے دی گئی جو اپنے چرواہے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن مطلب خاک نہیں سمجھتے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بکثرت دلائل و براہین اور معجزات اور نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان قبول نہیں کرتے۔ ان ازلی بدقسمتوں کے نصیب میں ایمان ہے ہی نہیں۔ یہ بے انصاف ہونے کے ساتھ ہی بے سمجھ بھی ہیں۔ اگر اب ان میں بھلائی دیکھتا تو ضرور انہیں سننے کی توفیق کے ساتھ ہی توفیق عمل وقبول بھی مرحمت فرماتا۔ ہاں انہیں اگر سوجھتی ہے تو یہ کہ اپنے باطل کے ساتھ تیرے حق کو دبا دیں۔ تجھ سے جھگڑتے ہیں اور صاف کہہ جاتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کے فسانے ہیں جو پہلی کتابوں سے نقل کر لئے گئے ہیں۔

اس کے بعد کی آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ کفار خود بھی ایمان نہیں لاتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے ہیں۔ نہ خود اتباع حق کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ نہ خود حضورؐ کے پاس آ کر آپؐ سے ہدایت حاصل کرتے ہیں نہ کسی اور کو آنے دیتے ہیں۔ زیادہ ظاہر مطلب تو یہی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اوروں کو تو ایذا رسانی سے روکتے ہیں۔ حضورؐ کی حمایت کرتے ہیں۔ آپؐ کو برحق جانتے ہیں اور خود حق کو قبول نہیں کرتے۔ جیسے کہ ابوطالب کہ حضورؐ کا بڑا ہی حمایتی تھا لیکن ایمان نصیب نہیں ہوا۔ ① آپ کے دس چچا تھے جو علانیہ تو آپؐ کے ساتھی تھے لیکن خفیہ مخالف تھے۔ لوگوں کو آپؐ کے قتل وغیرہ سے روکتے تھے لیکن خود آپؐ سے اور آپؐ کے دین سے دور ہو جاتے تھے۔ افسوس اس اپنے فعل سے خود اپنے ہی تئیں غارت کرتے تھے لیکن جانتے ہی نہ تھے کہ اس کرتوت کا وبال ہمیں ہی پڑ رہا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ
بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا
كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ
اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ دوزخ پر لا کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہوتا کہ ہم واپس لوٹائے جاتے اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور ایمان داروں میں ہو جاتے ○ حقیقت یہ ہے کہ جسے یہ اس سے پہلے چھپا رہے تھے' وہ ان کے سامنے آ گئی' بالفرض اگر یہ واپس بھیج دیئے جائیں تو بھی یقیناً یہ پھر سے وہی کریں گے جس سے منع کئے گئے ہیں۔ بیشک یہ جھوٹے لوگ ہیں ○ کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس زندگانی دنیا کے اور کچھ بھی نہیں اور نہ ہم مرنے کے بعد جلا دیئے جانے والا ہیں ○ کاش کہ تو انہیں اس وقت دیکھتا جب یہ اپنے رب کے سامنے لا کھڑے کر دیئے جائیں گے' اللہ فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں؟ کہیں گے ہاں۔ ہمارے رب کی قسم سچ ہے' فرمائے گا کہ اب تو اپنے کئے ہوئے کفر کا عذاب چکھو ○

کفار کا واویلا مگر سب بے سود: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۰) کفار کا حال اور ان کا برا انجام بیان ہو رہا ہے کہ جب یہ جہنم کو وہاں کے طرح طرح کے عذابوں، وہاں کی بدترین سزاؤں، طوق و زنجیر کو دیکھ لیں گے اس وقت ہائے وائے مچائیں گے اور تمنا کریں گے کہ کیا اچھا ہو کہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تا کہ وہاں جا کر نیکیاں کریں، اللہ کی باتوں کو نہ جھٹلائیں اور پکے سچے موحد بن جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کفر و تکذیب کو او سختی و بے ایمانی کو یہ چھپا رہے تھے، وہ ان کے سامنے کھل گئی۔ جیسے اس سے اوپر کی آیتوں میں گذرا کہ اپنے کفر کا تھوڑی دیر پہلے انکار تھا، اب یہ تمنا گویا اس انکار کے بعد کا اقرار ہے اور اپنے جھوٹ کا خود اعتراف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس سچائی کو دنیا میں چھپاتے رہے، اسے آج کھول دیں گے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ یہ تمام نشانیاں آسمان و زمین کے رب کی اتاری ہوئی ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا یعنی فرعونیوں کے دلوں میں تو کامل یقین تھا لیکن صرف اپنی بڑائی اور سنگدلی کی وجہ سے بہ ظاہر منکر تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد منافق ہوں جو ظاہراً مومن تھے اور دراصل کافر تھے اور یہ خبر جماعت کفار سے متعلق ہو۔ اگرچہ منافقوں کا وجود مدینے میں پیدا ہوا لیکن اس عادت کے موجود ہونے کی خبر مکی سورتوں میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ عنکبوت جہاں صاف فرمان ہے وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ پس یہ منافقین دار آخرت میں عذابوں کو دیکھ لیں گے اور جو کفر و نفاق چھپا رہے تھے، وہ آج ان پر ظاہر ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ اب ان کی تمنا ہو گی کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جائیں۔ یہ بھی دراصل طمع ایمانی کی وجہ سے نہیں ہو گی بلکہ عذابوں سے چھوٹ جانے کے لئے ہو گی۔

چنانچہ عالم الغیب اللہ فرماتا ہے کہ اگر یہ لوٹا دیئے جائیں جب بھی ان ہی نافرمانیوں میں پھر سے مشغول ہو جائیں گے۔ ان کا یہ قول کہ وہ رغبت ایمان کر رہے ہیں، اب بھی غلط ہے۔ نہ یہ ایمان لائیں گے نہ جھٹلانے سے باز رہیں گے۔ بلکہ لوٹنے کے بعد بھی وہی پہلا سبق رٹنے لگیں گے کہ بس اب تو یہی دنیا ہی زندگانی ہے۔ دوسری زندگی اور آخرت کوئی چیز نہیں۔ نہ مرنے کے بعد ہم اٹھائے جائیں گے۔

پھر ایک اور حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس وقت جناب باری ان سے فرمائے گا، کہو اب تو اس کا سچا ہونا تم پر ثابت ہو گیا؟ اب تو مان گئے کہ یہ غلط اور باطل نہیں؟ اس وقت سرنگوں ہو کر کہیں گے کہ ہاں اللہ کی قسم یہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اب اپنے جھٹلانے اور نہ ماننے اور کفر و انکار کا خمیازہ بھگتو اور عذابوں کا مزہ چکھو۔ بتاؤ جادو ہے یا تم اندھے ہو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ
يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

یقیناً اس جماعت نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا، یہاں تک کہ ان کے پاس ناگہاں قیامت آ پہنچی۔ کہنے لگے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی۔ یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی کمر پر لادے ہوئے ہوں گے، دیکھو تو کیا ہی برا بوجھ لادے ہوئے ہیں ○ دنیا کی زندگی تو صرف ایک

کھیل تماشا ہے' ہاں بیشک پرہیزگاروں کے لئے آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے' کیا تم لوگ عقل ہی نہیں رکھتے ○

پشیمانی مگر جہنم دیکھ کر! ☆☆ (آیت :۳۱-۳۲) قیامت کو جھٹلانے والوں کا نقصان' ان کا افسوس اور ان کی ندامت و خجالت کا بیان ہو رہا ہے جو اچانک قیامت کے آ جانے کے بعد انہیں ہوگا - نیک اعمال کے ترک کا افسوس الگ' بداعمالیوں پر پچھتاوا جدا ہے - فیھا کی ضمیر کا مرجع ممکن ہے حیاۃ ہو اور ممکن ہے اعمال ہو اور ممکن ہے دار آخرت ہو - یہ اپنے گناہوں کے بوجھ سے لدے ہوئے ہوں گے - اپنی بدکرداریاں اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے - آہ! کیسا برا بوجھ ہے؟ حضرت ابومرزوقؒ فرماتے ہیں' کافر یا فاجر جب اپنی قبر سے اٹھے گا اسی وقت اس کے سامنے ایک شخص آئے گا جو نہایت بھیانک' خوفناک اور بدصورت ہوگا - اس کے جسم سے تعفن والی سڑاند کی سخت بدبو آ رہی ہوگی - وہ اس کے پاس جب پہنچے گا' یہ دہشت و وحشت سے گھبرا کر اس سے پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گا خوب! کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ یہ جواب دے گا' ہرگز نہیں' صرف اتنا جانتا ہوں کہ تو نہایت بدصورت کریہہ منظر اور تیز بدبو والا ہے - تجھ سے زیادہ بدصورت کوئی بھی نہ ہوگا - وہ کہے گا' سن میں تیرا خبیث عمل ہوں جسے تو دنیا میں مزے لے کر کرتا رہا - سن تو دنیا میں مجھ پر سوار رہا - اب کمر جھکا میں تجھ پر سوار ہو جاؤں گا چنانچہ وہ اس پر سوار ہو جائے گا - یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہ لوگ اپنے بداعمال کو اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں گے -

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ جو بھی ظالم شخص قبر میں جاتا ہے' اس کی لاش کے قبر میں پہنچتے ہی ایک شخص اس کے پاس جاتا ہے - سخت بدصورت' سخت بدبودار' سخت میلے اور قابل نفرت لباس والا - یہ اسے دیکھتے ہی کہتا ہے تو تو بڑا ہی بدصورت ہے - بدبودار ہے - یہ کہتا ہے' تیرے اعمال ایسے ہی گندے تھے وہ کہتا ہے' تیرا لباس نہایت متعفن ہے - یہ کہتا ہے تیرے اعمال ایسے ہی قابل نفرت تھے - وہ کہتا ہے' اچھا بتا تو سہی اے منحوس تو ہے کون؟ یہ کہتا ہے تیرے عمل کا مجسمہ - اب یہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے اور اس کے لئے عذابوں کے ساتھ ہی ایک عذاب ہوتا ہے - جب قیامت کے دن یہ اپنی قبر سے چلے گا تو یہ کہے گا' ٹھہر جاؤ دنیا میں تو نے میری سواری لی ہے اب میں تیری سواری لوں گا چنانچہ وہ اس پر سوار ہو جاتا ہے اور اسے مارتا پیٹتا' ذلت کے ساتھ جانوروں کی طرح ہنکاتا ہوا جہنم میں پہنچاتا ہے - یہی معنی اس آیت کے اس جملے کے ہیں - دنیا کی زندگانی بجز کھیل تماشے کے ہے ہی کیا' آنکھ بند ہوئی اور خواب ختم - البتہ اللہ سے ڈرنے والے لوگوں کے لئے آخرت کی زندگانی بڑی چیز ہے اور بہت ہی بہتر چیز ہے - تمہیں کیا ہو گیا کہ تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے ؟

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ
مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا
وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

ہمیں بخوبی علم ہے کہ تجھے ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں - یقین مانو کہ یہ دراصل تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ بلاشبہ تجھ سے پہلے کے پیغمبر بھی جھٹلائے گئے' انہوں نے اپنے اس جھٹلائے جانے پر اور ایذادہی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی' اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں' تیرے پاس پیغمبروں کے حالات پہنچ چکے ہیں ○

حق کے دشمن کو اس کے حال پہ چھوڑ دیجئے - آپ ﷺ سچے ہیں: ☆☆ (آیت :۳۳-۳۴) اللہ تعالیٰ اپنے نبی محترم حضرت محمد

مصطفیٰ ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ آپؐ اپنی قوم کو جھٹلانے، نہ ماننے اور ایذائیں پہنچانے سے تنگ دل نہ ہوں - فرماتا ہے کہ ہمیں ان کی حرکت خوب معلوم ہے - آپؐ ان کی اس لغویت پر ملال نہ کرو - کیا اگر یہ ایمان نہ لائیں تو آپؐ ان کے پیچھے اپنی جان کو روگ لگا لیں گے؟ کہاں تک ان کے لئے حسرت و افسوس کریں گے؟ سمجھا دیجئے اور ان کا معاملہ سپرد الہ کیجئے - یہ لوگ دراصل آپ کو جھوٹا نہیں جانتے بلکہ یہ تو حق کے دشمن ہیں - چنانچہ ابوجہل نے صاف کہا تھا کہ ہم تجھے نہیں جھٹلاتے لیکن تو جو لے کر آیا ہے، اسے نہیں مانتے - حکم کی روایت میں ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی - ابن ابی حاتم میں ہے کہ اوجہل کو حضورؐ سے مصافحہ کرتے ہوئے دیکھ کر کسی نے اس سے کہا کہ اس بے دین (معاذ اللہ) سے تو مصافحہ کرتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم مجھے خوب علم ہے اور کامل یقین ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبیؐ ہیں - ہم صرف خاندانی بنا پر ان کی نبوت کے ماتحت نہیں ہوتے - ہم نے آج تک بنی عبد عناف کی تابعداری نہیں کی - الغرض حضورؐ کو رسول اللہؐ مانتے ہوئے آپ کی فرمانبرداری سے بھاگتے تھے -

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ اس قصے کو بیان کرتے ہوئے جس میں ابوجہل، ابوسفیان، صخر بن حرب، اخنس بن شریق کا رات کے وقت پوشیدہ طور پر آن کر ایک دوسرے کی بے خبری میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی قرآن سنناہے، کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے صبح تک قرآن سنا - روشنی ذرا سی نمودار ہوئی تھی جو یہ واپس چلے - اتفاقاً ایک چوک میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو گئی - حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت یہاں کہاں؟ پھر ہر ایک دوسرے سے صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ حضورؐ سے قرآن سننے کے لئے چپ چاپ آ گئے تھے - اب تینوں بیٹھ کر معاہدہ کرتے ہیں کہ آئندہ ایسا نہ کرنا ورنہ اگر اوروں کو خبر ہوئی اور وہ آئے تو وہ تو سچے پکے مسلمان ہو جائیں گے - دوسری رات کو ہر ایک نے اپنے طور پر یہ گمان کر کے کہ کل رات کے وعدے کے مطابق وہ دونوں تو آئیں گے نہیں، میں تنہا کیوں نہ جاؤں؟ میرے جانے کی کسے خبر ہو گی؟ اپنے گھر سے پچھلی رات کے اندھیرے اور سوفتے میں ہر ایک چلا اور ایک کونے میں دب کر اللہ کے نبیؐ کی زبانی تلاوت قرآن کا مزہ لیتا رہا اور صبح کے وقت واپس چلا - اتفاقاً آج بھی اسی جگہ تینوں کا میل ہو گیا - ہر ایک نے ایک دوسرے کو بڑی ملامت کی - بہت طعن ملامت کی اور نئے سرے سے عہد کیا کہ اب ایسی حرکت نہیں کریں گے - لیکن تیسری شب پھر صبر نہ ہو سکا اور ہر ایک اسی طرح پوشیدہ طور پر پہنچا اور ہر ایک کو دوسرے کے آنے کا علم بھی ہو گیا - پھر جمع ہو کر اپنے تئیں برا بھلا کہنے لگے اور بڑی سخت قسمیں کھا کر قول قرار کئے کہ اب ایسا نہیں کریں گے - صبح ہوتے ہی اخنس بن شریق کپڑے پہن کر تیار ہو کر ابوسفیان بن حرب کے پاس اس کے گھر میں گیا اور کہنے لگا اے ابوحنظلہ، ایمان سے بتاؤ، سچ سچ کہو، جو قرآن تم نے محمد (ﷺ) کی زبانی سنا، اس کی بابت تمہاری اپنی ذاتی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا، ابوثعلبہ سنو! واللہ بہت سی آیتوں کے الفاظ، معنی اور مطلب تو میں سمجھ گیا اور بہت سی آیتوں کو، ان کی مراد کو میں جانتا ہی نہیں -

اخنس نے کہا، واللہ یہی حال میرا بھی ہے - اب یہاں سے اٹھ کر اخنس سیدھا ابوجہل کے پاس پہنچا اور کہنے لگا، ابوالحکم تم سچ بتاؤ، جو کچھ تم حضورؐ سے سنتے ہو، اس میں تمہارا خیال کیا ہے؟ اس نے کہا سن، جو سنا ہے اسے تو ایک طرف رکھ دے، بات یہ ہے کہ بنو عبد مناف اور ہم میں چشمک ہے - وہ ہم سے اور ہم ان سے بڑھنا اور سبقت کرنا چاہتے ہیں اور مدت سے یہ رسہ کشی ہو رہی ہے - انہوں نے مہمانداریاں اور دعوتیں کیں - تو ہم نے بھی کیں - انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی یہی کیا - انہوں نے عوام الناس کے ساتھ احسان و سلوک کئے تو ہم نے بھی اپنی تھیلیوں کے منہ کھول ڈالے - گویا ہم کسی معاملہ میں ان سے کم نہیں رہے - اب جب کہ برابر کی ٹکر چلی جا رہی تھی تو انہوں

نے کہا ہم میں ایک نبی ہے۔ سنو چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے' نہ تو ہم اس کی تصدیق کریں گے نہ مانیں گے۔ اخنس مایوس ہو گیا اور اٹھ کر چل دیا۔ اسی آیت کی تفسیر میں ابن جریر میں ہے کہ بدر والے دن اخنس بن شریق نے قبیلہ بنو زہرہ سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہاری قرابت کے ہیں۔ تم ان کی ننھیال میں ہو۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے بھانجے کی مدد کرو۔ اگر وہ واقعی نبی ہے تو مقابلہ بے سود ہی نہیں بلکہ سراسر نقصان دہ ہے اور بالفرض نہ بھی ہو تو بھی وہ تمہارا ہے۔ اچھا ٹھہرو' دیکھو میں ابو الحکم (یعنی ابو جہل) سے بھی ملتا ہوں۔

سنو! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ گئے تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تم سلامتی کے ساتھ واپس چلے جاؤ گے اور اگر تمہاری قوم غالب آ گئی تو ان میں تو تم ہی ہو۔ اسی دن سے اس کا نام اخنس ہوا۔ اصل نام ابی تھا۔ اب اخنس تنہائی میں ابو جہل سے ملا اور کہنے لگا' سچ بتا محمد (ﷺ) تمہارے نزدیک سچے ہیں یا جھوٹے؟ دیکھو یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور نہیں۔ دل کی بات مجھ سے نہ چھپانا۔ اس نے کہا جب یہی بات ہے تو سنو۔ اللہ کی قسم محمد (ﷺ) بالکل سچے اور یقیناً صادق ہیں۔ عمر بھر میں کسی چھوٹی سی چھوٹی بات میں کبھی بھی آپؐ نے جھوٹ نہیں بولا۔ ہمارے رکنے اور مخالفت کرنے کی وجہ ایک اور صرف ایک ہی ہے وہ یہ کہ جب بنو قصی کے خاندان میں جھنڈے اور پھریرے چلے گئے' جب حج کے حاجیوں کے اور بیت اللہ شریف کے مہتمم و منتظم یہی ہو گئے' پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ نبوت بھی اسی قبیلے میں چلی گئی تو اب اور قریشیوں کے لئے کون سی فضیلت باقی رہ گئی؟ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ پس آیات اللہ سے مراد ذات حضرت محمد (ﷺ) ہے۔ پھر دوبارہ تسلی دی جاتی ہے کہ آپؐ اپنی قوم کی تکذیب' ایذا رسانی وغیرہ پر صبر کیجئے جیسے اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا اور یقین مانئے کہ جس طرح انجام کار گذشتہ نبیوں کا غلبہ رہا اور ان کے مخالفین تباہ و برباد ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپؐ کو غالب کرے گا اور آپؐ کے مخالفین مغلوب ہوں گے۔ دونوں جہان میں حقیقی بلندی آپ کی ہو گی۔ رب تو یہ بات فرما چکا ہے اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا جیسے اور آیت میں ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین یعنی ہم تو پہلے سے ہی یہ فرما چکے ہیں کہ ہمارے رسولوں کو مدد دی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔ اور آیت میں فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ اللہ تعالیٰ یہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ ان نبیوں کے اکثر قصے آپ کے سامنے بیان ہو چکے ہیں۔ ان کے حالات آپ کو پہنچ چکے ہیں۔ آپؐ خوب جانتے ہیں کہ کس طرح ان کی نصرت و تائید ہوئی اور مخالفین پر انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ
تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ
بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ړ وَالْمَوْتٰى
يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝۳۶

اگر ان کی سرتابی تجھ پر گراں گذر رہی ہے تو اگر تجھ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ لگا کر یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا کر انہیں کوئی معجزہ لا دے' اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا خبردار کہیں تو جاہلوں میں سے نہ ہو جانا ○ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو گوش دل سے سنتے ہیں۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے

اٹھائے گا- پھر سب کے سب اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○

(آیت: ۳۵-۳۶) پھر فرماتا ہے کہ اگر ان کی یہ بے رخی تجھ پر گراں گزرتی ہے' اگر تجھ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ کھود لے اور جو معجزہ یہ تجھ سے مانگتے ہیں' لا دے یا تیرے بس میں ہو تو کوئی زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جا اور وہاں سے ان کی چاہت کی کوئی نشانی لے آ- میں نے تجھے اتنی نشانیاں' اس قدر معجزے دیئے ہیں کہ ایک اندھا بھی شک نہ کر سکے- اب ان کی طلب معجزات محض مذاق ہے اور عناد وضد ہے- کوئی ضرورت نہیں کہ تو انہیں ان کی چاہت کے معجزے ہر وقت دکھاتا پھرے- یا اگر وہ تیرے بس کے نہ ہوں تو غم کر کے رہو- اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا- تجھے نادانوں میں نہ ملنا چاہئے- جیسے اور روایت میں ہے کہ اگر رب چاہتا تو روئے زمین کی مخلوق کو مومن بنا دیتا- آپ کی حرص تھی کہ سب لوگ ایماندار بن کر آپ کی تابعداری کریں تو رب نے فرما دیا کہ یہ سعادت جس کے حصے میں ہے توفیق اسی کی رفیق ہوگی- پھر فرمایا کہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنا اسے نصیب ہوگا جو کان لگا کر آپ کے کلام کو سنے سمجھے- یاد رکھے اور دل میں جگہ دے- جیسے اور آیت میں ہے کہ یہ اسے آگاہ کرتا ہے جو زندہ ہو- کفار پر تو کلمہ عذاب ثابت ہو چکا ہے- اللہ تعالیٰ مردوں کو اٹھا کر بٹھائے گا' پھر اس کی طرف سب کے سب لوٹائے جائیں گے- مردوں سے مراد یہاں کفار ہیں کیونکہ وہ مردہ دل ہیں- تو انہیں مردہ جسموں سے تشبیہ دی جس میں ان کی ذلت وخواری ظاہر ہوتی ہے-

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ
عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ
دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا
فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ
اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

کہتے ہیں اس پر کوئی نشان کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ تو جواب دے کہ اللہ ہر نشان کے اتارنے پر قادر ہے مگر ان میں سے اکثر بے علم ہیں ○ زمین پر چلنے والے تمام تر جاندار اور کل کے کل پرند جو اپنے دو پروں پر اڑتے پھرتے ہیں' سب کے سب تم جیسے ہی گروہ ہیں' ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا- پھر یہ سب اپنے رب ہی کی طرف جمع کئے جائیں گے ○ ہماری آیتوں کے جھٹلانے والے بہرے اور گونگے اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں- جسے اللہ چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے راہ راست پر لگا دے ○

معجزات کے عدم اظہار کی حکمت: ☆☆ (۳۷-۳۹) کافر لوگ بطور اعتراض کہا کرتے تھے کہ جو معجزہ ہم طلب کرتے ہیں یہ کیوں نہیں دکھاتے؟ مثلاً عرب کی کل زمین میں چشموں اور آبشاروں کا جاری ہو جانا وغیرہ- فرماتا ہے کہ قدرت الٰہی سے تو کوئی چیز باہر نہیں لیکن اس وقت حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ نہیں- اس میں ایک ظاہری حکمت تو یہ ہے کہ تمہارے چاہے ہوئے معجزے کو دیکھ لینے کے بعد بھی اگر تم ایمان نہ لائے تو اصول الٰہیہ کے مطابق تم سب کو اس جگہ ہلاک کر دیا جائے گا- جیسے تم سے اگلے لوگوں کے ساتھ ہوا- ثمودیوں کی نظیر تمہارے

سامنے موجود ہے۔ ہم تو جو چاہیں نشان بھی دکھا سکتے ہیں اور جو چاہیں عذاب بھی کر سکتے ہیں۔ چرنے چگنے والے جانور' اڑنے والے پرند بھی تمہاری طرح قسم قسم کے ہیں مثلاً پرند ایک امت' انسان ایک امت' جنات ایک امت وغیرہ۔ یا یہ کہ وہ بھی سب تمہاری ہی طرح مخلوق ہیں۔ سب پر اللہ کا علم محیط ہے۔ سب اس کی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔ نہ کسی کا وہ رزق بھولے نہ کسی کی حاجت اٹکے نہ کسی کی حسن تدبیر سے وہ غافل' خشکی' تری کا ایک ایک جاندار اس کی حفاظت میں ہے۔ جیسے فرمان ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا الخ یعنی جتنے جاندار زمین پر چلتے پھرتے ہیں' سب کی روزیاں اللہ کے ذمہ ہیں۔ وہی ان کے جیتے جی کے ٹھکانے کو اور مرنے کے بعد سونپے جانے کے مقام کو بخوبی جانتا ہے' اس کے پاس لوح محفوظ میں یہ سب کچھ درج بھی ہے۔ ان کے نام' ان کی گنتی' ان کی حرکات و سکنات سب سے وہ واقف ہے۔ اس کے وسیع علم سے کوئی چیز خارج اور باہر نہیں۔ اور مقام پر ارشاد ہے وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا الخ بہت سے وہ جاندار ہیں جن کی روزی تیرے ذمہ نہیں۔ انہیں اور تم سب کو اللہ ہی روزیاں دیتا ہے۔ وہ باریک سے باریک آواز کو سننے والا ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا ہے۔

ابو یعلی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کی دو سال کی خلافت کے زمانہ میں سے ایک سال ٹڈیاں دکھائی ہی نہیں دیں تو آپؓ کو بہت خیال ہوا اور شام' عراق' یمن وغیرہ کی طرف سوار دوڑائے کہ دریافت کر آئیں کہ ٹڈیاں اس سال کہیں نظر بھی پڑیں یا نہیں؟ یمن والا قاصد جب واپس آیا تو اپنے ساتھ مٹھی بھر ٹڈیاں بھی لیتا آیا اور حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے ڈال دیں۔ آپؓ نے انہیں دیکھ کر تین مرتبہ تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں۔ ان تمام امتوں میں سے سب سے پہلے ٹڈی ہلاک ہوگی۔ اس کے بعد تو ہلاکت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا بالکل اس طرح جیسے کسی تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ گیا اور موتی یکے بعد دیگرے جھڑنے لگ گئے۔

پھر فرماتا ہے' سب کا حشر اللہ کی طرف ہے یعنی سب کو موت ہے۔ چوپایوں کی موت ہی ان کا حشر ہے۔ ایک قول تو یہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میدان محشر میں بروز قیامت یہ بھی اللہ جل شانہ کے سامنے جمع کئے جائیں گے جیسے فرمایا وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ مسند احمد میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ جواب ملا کہ میں کیا جانوں؟ فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان کے درمیان وہ فیصلہ بھی کرے گا۔ ابن جریر کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اڑنے والے ہر ایک پرند کا علم بھی ہمارے سامنے بیان کیا گیا ہے۔

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ بے سینگ بکری قیامت کے دن سینگ والی بکری سے اپنا بدلہ لے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ تمام مخلوق' چوپائے' بہائم' پرند وغیرہ غرض تمام چیزیں اللہ کے سامنے حاضر ہوں گی۔ پھر ان میں یہاں تک عدل ہوگا کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔ پھر ان سے جناب باری فرمائے گا' تم مٹی ہو جاؤ۔ اس وقت کافر بھی یہی آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے۔ صور والی حدیث میں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔ پھر کافروں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی کم علمی اور کج فہمی میں ان بہروں گونگوں کے مثل ہیں جو اندھیروں میں ہوں۔ بتاؤ تو وہ کیسے راہ راست پر آ سکتے ہیں؟ نہ کسی کی سنیں نہ اپنی کہیں نہ کچھ دیکھ سکیں۔ جیسے سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہے کہ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو آگ سلگائے۔ جب آس پاس کی چیزیں اس پر روشن ہو جائیں' اس وقت آگ بجھ جائے اور وہ اندھیریوں میں رہ جائے اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ ایسے لوگ بہرے' گونگے' اندھے ہیں۔ وہ راہ راست کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔ اور آیت میں ہے اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ الخ' یعنی مثل ان اندھیروں کے جو

گہرے سمندر میں ہوں جس کی موجوں پر موجیں اٹھ رہی ہوں اور اوپر سے ابر چھایا ہو۔ اندھیروں پر اندھیریاں ہوں' کہ ہاتھ بھی نظر نہ آ سکے۔ جسے قدرت نے نور نہیں بخشا' وہ بے نور رہے۔ پھر فرمایا' ساری مخلوق میں اللہ ہی کا تصرف ہے۔ وہ جسے چاہے صراط مستقیم پر کر دے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ
اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا
تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ ع ۱۱ ۱۰
بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

دریافت تو کرو کہ ذرا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم پر عذاب اللہ آ جائے یا تم پر قیامت قائم ہو جائے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو ○ بلکہ تم صرف اسی اللہ کو پکارو گے۔ پھر اگر وہ چاہے گا تو اس تکلیف کو ہٹا دے گا جس کے ہٹنے کی تم دعا کرتے تھے۔ تم اس وقت اپنے تمام شریکوں کو بھول جاؤ گے ○ اور ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف اپنے رسول بھیجے۔ آخرش ہم نے انہیں تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ عاجزی کریں۔ پھر عذاب کے ان کے پاس آ چکنے کے بعد بھی انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی؟ ○

سخت لوگ اور کثرت دولت : ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ تمام مخلوق اس کے آگے پست و لاچار ہے جو چاہتا ہے' حکم کرتا ہے۔ اس کا کوئی ارادہ بدلتا نہیں' اس کا کوئی حکم ٹلتا نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کی چاہت کا خلاف کر سکے یا اس کے حکم کو ٹال سکے یا اس کی قضا کو پھیر سکے۔ وہ سارے ملک کا تنہا مالک ہے۔ اس کی کسی بات میں کوئی شریک یا دخیل نہیں۔ جو اس سے مانگے وہ اسے دیتا ہے۔ جس کی چاہے دعا قبول فرماتا ہے۔ پس فرماتا ہے خود تمہیں بھی ان تمام باتوں کا علم و اقرار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی سزاؤں کے آ پڑنے پر تم اپنے تمام شریکوں کو بھول جاتے ہو اور صرف اللہ واحد کو پکارتے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ اللہ کے ساتھ اس کے کچھ شریک بھی ہیں تو ایسے کٹھن موقعوں پر ان میں سے کسی کو کیوں نہیں پکارتے؟ بلکہ صرف اللہ واحد کو پکارتے ہو اور اپنے تمام معبودان باطل کو بھول جاتے ہو۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ سمندر میں جب ضرر پہنچتا ہے تو اللہ کے سوا ہر ایک تمہاری یاد سے نکل جاتا ہے۔ ہم نے اگلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے۔ پھر ان کے نہ ماننے پر ہم نے انہیں فقر و فاقہ میں' تنگی ترشی میں' بیماریوں اور دکھ درد میں مبتلا کر دیا کہ اب بھی وہ ہمارے سامنے گریہ وزاری کریں۔ عاجزانہ طور پر ہمارے سامنے جھک جائیں۔ ہم سے ڈر جائیں اور ہمارے دامن سے چمٹ جائیں۔ پھر انہوں نے ہمارے عذابوں کے آ جانے کے بعد بھی ہمارے سامنے عاجزی کیوں نہ کی؟ مسکینی کیوں نہ جتائی؟

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ
قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا
نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا
فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾

لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں' اسے شیطان نے ان کی نظر میں زینت دے دی۔ جو نصیحت انہیں کی گئی تھی ○ جب یہ اسے فراموش کر بیٹھے تو
ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو کچھ دیئے گئے تھے' اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ ایک دم ناامید ہو گئے ○
پس ظالم لوگوں کی جڑیں کاٹ دی گئیں۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○

(آیت: ۴۳۔۴۵) بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے۔ شرک' دشمنی' ضد' تعصب' سرکشی' نافرمانی وغیرہ کو شیطان نے انہیں بڑا حسن میں دکھایا اور یہ اس پر جمے رہے۔ جب یہ لوگ ہماری باتوں کو فراموش کر گئے' ہماری کتاب کو پس پشت ڈال دیا' ہمارے فرمان سے منہ موڑ لیا تو ہم نے بھی انہیں ڈھیل دے دی کہ یہ اپنی برائیوں میں اور آگے نکل جائیں۔ ہر طرح کی روزیاں اور زیادہ سے زیادہ مال انہیں دیتے رہے۔ یہاں تک کہ مال اولاد و رزق وغیرہ کی وسعت پر وہ بھولنے لگے اور غفلت کے گہرے گڑھے میں اتر گئے تو ہم نے انہیں ناگہاں پکڑ لیا۔ اس وقت وہ مایوس ہو گئے۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا صوفیانہ مقولہ ہے کہ جس نے کشادگی کے وقت اللہ تعالیٰ کی ڈھیل نہ سمجھی وہ محض بے عقل ہے اور جس نے تنگی کے وقت رب کی رحمت کی امید چھوڑ دی' وہ بھی محض بیوقوف ہے۔ پھر آپ اسی آیت کی تلاوت فرماتے ہیں' رب کعبہ کی قسم ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی چاہتوں کو پوری ہوتے ہوئے دیکھ کر اللہ کو بھول جاتے ہیں اور پھر رب کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔

حضرت قتادہؓ کا فرمان ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کے فرمان سے سرتابی کرتی ہے تو اول تو انہیں دنیا خوب مل جاتی ہے۔ جب وہ نعمتوں میں پڑ کر بدمست ہو جاتے ہیں تو اچانک پکڑ لئے جاتے ہیں۔ لوگو اللہ کی ڈھیل کو سمجھ جایا کرو۔ نافرمانیوں پر نعمتیں ملیں تو غافل ہو کر نافرمانیوں میں بڑھ نہ جاؤ۔ اس لئے کہ یہ تو بدکار اور بے نصیب لوگوں کا کام ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں' ہر چیز کے دروازے کھول دینے سے مراد دنیا میں آسائش و آرام کا دینا ہے۔ مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جب تم دیکھو کہ کسی گنہگار شخص کو اس کی گنہگاری کے باوجود اللہ کی نعمتیں دنیا میں مل رہی ہیں تو اسے استدراج سمجھنا یعنی وہ ایک مہلت ہے۔ پھر حضورؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور حدیث میں ہے کہ جب کسی قوم کی بربادی کا وقت آ جاتا ہے تو ان پر خیانت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہاں دی گئی ہوئی چیزوں پر اترانے لگتے ہیں تو ہم انہیں ناگہاں پکڑ لیتے ہیں اور اس وقت وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا ظالموں کی باگ ڈور کاٹ دی جاتی ہے۔ تعریفوں کے لائق وہ معبود برحق ہے جو سب کا پالنہار ہے۔ (مسند وغیرہ)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ
عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ
نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ
اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ
فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

دریافت تو کر کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا سننا اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں یہ سب لا دے' دیکھ لے کہ ہم کس کس طرح دلائل بیان کر رہے ہیں۔ پھر بھی وہ روگرداں ہو رہے ہیں ○ پوچھ تو کہ اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس عذاب اللہ اچانک آ جائے یا کھلم کھلا آ جائے تو کیا ظالموں کے سوا اور لوگ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے؟ ○ ہم تو رسولوں کو صرف خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر ہی بھیجتے ہیں۔ پھر جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں' ان پر نہ تو کوئی ڈر خوف ہے نہ اداسی اور مایوسی ○ اور جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں' انہیں ان کی بدکاری کے باعث عذاب پہنچیں گے ○

محروم اور کامران کون : ☆☆ (آیت:۴۶-۴۹) فرمان ہے کہ ان مخالفین اسلام سے پوچھو تو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں چھین لے جیسے کہ اس نے تمہیں دیئے ہیں جیسے فرمان ہے هُوَ الَّذِىْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ الخ یعنی اللہ خالق کل وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد چھین لینے سے شرعی نفع نہ پہنچانا ہو۔ اس کی دلیل اس کے بعد کا جملہ دل پر مہر لگا دینا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ کون ہے جو کان کا اور آنکھوں کا مالک ہو؟ اور فرمان ہے وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ یہاں ان سے سوال ہوتا ہے' بتلاؤ تو کہ اللہ کے سوا اور کوئی ان چیزوں کے واپس دلانے پر قدرت رکھتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں رکھتا۔ دیکھ لے کہ میں نے اپنی توحید کے کس قدر زبردست' پرزور' صاف اور بجچے تلے دلائل بیان کر دیئے ہیں اور یہ ثابت کر دیا کہ میرے سوا سب بے بس ہیں۔ لیکن یہ مشرک لوگ باوجود اس قدر کھلی' روشن اور صاف دلیلوں کے حق کو نہیں مانتے بلکہ اوروں کو بھی حق کو تسلیم کرنے سے روکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے' ذرا اس سوال کا جواب بھی دو کہ اللہ کا عذاب تمہاری بے خبری میں یا ظاہر کھلم کھلا تمہارے پاس آ جائے تو کیا سوا ظالموں اور مشرکوں کے کسی اور کو بھی ہلاکت ہوگی؟ یعنی نہ ہوگی۔ اللہ کی عبادت کرنے والے اس ہلاکت سے محفوظ رہیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ الخ' جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے خراب نہ کیا' ان کے لئے امن و امان ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ پھر فرمایا کہ رسولوں کا کام تو یہی ہے کہ ایمان والوں کو ان کے درجوں کی خوشخبریاں سنائیں اور کفار کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ جو لوگ دل سے آپؐ کی بات مان لیں اور اللہ کے فرمان کے مطابق اعمال بجا لائیں' انہیں آخرت میں کوئی ڈر خوف نہیں اور دنیا کے چھوڑنے پر کوئی ملال نہیں۔ ان کے بال بچوں کا اللہ والی ہے اور ان کے ترکے کا وہی حافظ ہے۔ کافروں کو اور جھٹلانے والوں کو ان کے کفر و فسق کی وجہ سے بڑے سخت عذاب ہوں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے فرمان چھوڑ رکھے تھے اور اس کی نافرمانیوں میں مشغول تھے۔ اس کے حرام کردہ کاموں کو کرتے تھے اور اس کے بتائے ہوئے کاموں سے بھاگتے تھے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَاۤىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ
اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ
قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۹/۱۱
وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ

مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

کہدے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اسی کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، پوچھ تو کہ کیا نابینا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر بھی کیا تم غور نہیں کرتے؟ ○ اس قرآن کے ساتھ تو انہیں ڈرا دے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے کا خوف رکھتے ہیں (جبکہ) اس کے سوا ان کا کوئی حمایتی اور سفارشی نہ ہوگا تا کہ وہ پرہیزگاری کریں ○

مسلمانو! طبقاتی عصبیت سے بچو: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ میں اللہ خزانوں کا مالک نہیں نہ مجھے ان میں کسی طرح کا اختیار ہے۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا جاننے والا ہوں۔ رب نے جو چیزیں خاص اپنے علم میں رکھی ہیں، مجھے ان میں سے کچھ بھی معلوم نہیں۔ ہاں جن چیزوں سے خود اللہ مجھے مطلع کر دے، ان پر مجھے اطلاع ہو جاتی ہے۔ میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو انسان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو شرف دیا ہے یعنی میری طرف جو وحی نازل فرمائی ہے، میں اسی کا عمل پیرا ہوں۔ اس سے ایک بالشت ادھر ادھر نہیں ہٹتا۔ کیا حق کے تابعدار جو بصارت والے ہیں اور حق سے محروم جو اندھے ہیں، برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم اتنا غور بھی نہیں کرتے؟ اور آیت میں ہے کہ کیا جو شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اترا ہے، حق ہے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو نابینا ہے؟ نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ قرآن کے ذریعہ انہیں راہ راست پر لائیں جو رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف دل میں رکھتے ہیں۔ حساب کا کھٹکا رکھتے ہیں، جانتے ہیں کہ رب کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس دن اس کے سوا اور کوئی ان کا قریبی یا سفارشی نہ ہوگا۔ وہ اگر عذاب کرنا چاہے تو کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ یہ تیرا ڈرانا اس لئے ہے کہ شاید وہ متقی بن جائیں، حاکم حقیقی سے ڈر کر نیکیاں کریں اور قیامت کے عذابوں سے چھوٹیں اور ثواب کے مستحق بن جائیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ
عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾
وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اپنے پاس سے انہیں ہرگز دور نہ کرنا جو صبح شام اپنے رب سے مناجاتیں کرتے ہیں۔ اسی کے دیدار کے طالب ہیں، تجھ پر ان کا کوئی حساب نہیں اور نہ تیرا کوئی حساب ان پر ہے کہ تو انہیں دور کرے۔ پھر تو تو آپ ظالموں میں سے ہو جائے گا ○ اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کا بعض سے امتحان کر لیا تا کہ یہ کہیں کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کے درمیان میں سے احسان کیا، کیا اللہ تعالیٰ شکر گذاروں کو بخوبی جاننے والا نہیں؟ ○

(آیت: ۵۲-۵۳) پھر فرماتا ہے یہ مسلمان غرباء جو صبح شام اپنے پروردگار کا نام جپتے ہیں، خبردار انہیں حقیر نہ سمجھنا۔ انہیں اپنے پاس سے نہ ہٹانا بلکہ انہی کو اپنی صحبت میں رکھ کر انہی کے ساتھ بیٹھ اٹھ۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

الخ یعنی انہی کے ساتھ رہ جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں - اسی کی رضامندی کی طلب کرتے ہیں - خبردار ان کی طرف سے آنکھیں نہ پھیرنا کہ دنیا کی زندگی کی آسائش طلب کرنے لگو - اس کا کہنا نہ کرنا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی ہے اور اس کا ہر کام حد سے گزرا ہوا ہے بلکہ ان کا ساتھ دے جو صبح شام اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے دعائیں مانگتے ہیں - بعض بزرگ فرماتے ہیں' مراد اس سے فرض نمازیں ہیں - اور آیت میں ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تمہارے رب کا اعلان ہے کہ مجھ سے دعائیں کرو - میں قبول کروں گا - ان اطاعتوں اور عبادتوں سے ان کا ارادہ اللہ کریم کے دیدار کا ہے - محض خلوص اخلاص والی ان کی نیتیں ہیں - ان کا کوئی حساب تجھ پر نہیں نہ تیرا کوئی حساب ان پر - جناب نوح علیہ السلام سے جب ان کی قوم کے شرفاء نے کہا تھا کہ ہم تجھے کیسے مان لیں گے؟ تیرے ماننے والے تو اکثر غریب مسکین لوگ ہیں تو آپؑ نے یہی جواب دیا کہ ان کے اعمال کا مجھے کیا علم ہے - ان کا حساب تو میرے رب پر ہے لیکن تمہیں اتنا بھی شعور نہیں - پھر بھی تم نے ان غریب مسکین لوگوں کو اپنی مجلس میں نہ بیٹھنے دیا - ان سے ذرا بھی بے رخی کی تو یاد رکھنا تمہارا شمار بھی ظالموں میں ہو جائے گا - مسند احمد میں ہے کہ قریش کے بڑے لوگ نبی ﷺ کے پاس گئے - اس وقت آپؐ کی مجلس مبارک میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ' حضرت بلال رضی اللہ عنہ' حضرت خباب رضی اللہ عنہ' حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے - انہیں دیکھ کر یہ لوگ کہنے لگے' دیکھو تو ہمیں چھوڑ کر کن کے ساتھ بیٹھے ہیں؟ تو آیت وانذر بہ سے بالشاکرین تک اتری -

ابن جریر میں ہے کہ ان لوگوں اور ان جیسے اوروں کو حضورؐ کی مجلس میں دیکھ کر مشرک سرداروں نے یہ بھی کہا تھا کہ کیا یہی لوگ رہ گئے ہیں کہ اللہ نے ہم سب میں سے چن چن کر انہی پر احسان کیا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ بے زر' بے سہارا لوگ بھی ہم امیروں ہمیں بیٹھتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے - آپؐ کی مجلس میں عرب کے وفد آیا کرتے ہیں - وہ ہمیں ان کے ساتھ دیکھ کر ہمیں بھی ذلیل خیال کریں گے تو آپ کم سے کم اتنا ہی کیجئے کہ جب ہم آئیں تب خاص مجلس ہو اور ان جیسے گرے پڑے لوگ اس میں شامل نہ کئے جائیں - ہاں جب ہم نہ ہوں تو آپؐ کو اختیار ہے - جب یہ بات طے ہو گئی اور آپؐ نے بھی اس کا اقرار کر لیا تو انہوں نے کہا' ہمارا یہ معاہدہ تحریر میں آ جانا چاہئے - آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علیؓ کو لکھنے کے لئے بلوایا - مسلمانوں کا یہ غریب طبقہ ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا - اسی وقت حضرت جبرئیلؑ اترے اور یہ آیت نازل ہوئی - حضورؐ نے کاغذ پھینک دیا اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا اور ہم نے پھر سے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حلقے میں لے لیا - لیکن یہ حدیث غریب ہے - آیت مکی ہے اور اقرع اور عینیہ ہجرت کے بہت سارے زمانے کے بعد اسلام میں آئے ہیں - حضرت شریحؒ کا بیان ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول ﷺ میں سے چھ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے - ہم لوگ سب سے پہلے خدمت نبویؐ میں جاتے اور آپ کے گرد بیٹھتے تا کہ پوری طرح اور شروع سے آخر تک آپ کی حدیثیں سنیں - قریش کے بڑے لوگوں پر یہ بات گراں گزرتی تھی - اس کے برخلاف آیت اتری (مستدرک حاکم) پھر فرماتا ہے اس طرح ہم ایک دوسرے کو پرکھ لیتے ہیں اور ایک سے ایک کا امتحان لے لیتے ہیں کہ یہ امراء ان غرباء سے متعلق اپنی رائے ظاہر کر دیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا اور ہم سب میں سے اللہ کو یہی لوگ پسند آئے؟

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ
رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اور جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو تو کہہ کہ تم پر سلام نازل ہوں۔ تمہارے رب نے خاص اپنے اوپر رحمت ورحم لازم کرلیا ہے کہ تم میں سے جو بھی بوجہ نادانی کوئی بدی کر کے پھر اس کے بعد ہی توبہ کرلے اور نیک کاری کرے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے ○

(آیت:۵۴) حضور ﷺ کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والے یہی بیچارے بے مایہ غریب غرباء لوگ تھے۔ مرد عورت' لونڈی' غلام وغیرہ۔ بڑے بڑے اور ذی وقعت لوگوں میں سے تو اس وقت یونہی کوئی اکا دکا آ گیا تھا۔ یہی لوگ دراصل انبیاء علیہم السلام کے مطیع اور فرمانبردار ہوتے رہے۔ قوم نوح نے کہا تھا وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ الخ یعنی ہم تو دیکھتے ہیں کہ تیری تابعداری ہم میں سے رذیل اور بے وقوف لوگوں نے ہی کی ہے۔ شاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان سے حضورؐ کی بابت یہ دریافت کیا کہ شریف لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے؟ یا ضعیف لوگوں نے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ ضعیف لوگوں نے۔ بادشاہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ فی الواقع تمام نبیوں کا اول پیرو یہی طبقہ ہوتا ہے۔ الغرض مشرکین مکہ ان ایمانداروں کا مذاق اڑاتے تھے اور انہیں ستاتے تھے۔ جہاں تک بس چلتا' انہیں سزائیں دیتے اور کہتے کہ یہ ناممکن ہے کہ بھلائی انہیں تو نظر آ جائے اور ہم یونہی رہ جائیں؟ قرآن میں ان کا قول یہ بھی ہے کہ لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ اگر یہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے نہ بڑھ سکتے اور آیت میں ہے جب ان کے سامنے ہماری صاف اور واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ کفار ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ تو مرتبے میں' عزت میں' حسب نسب میں کون شریف ہے؟ اس کے جواب میں رب نے فرمایا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا یعنی ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیاں تباہ کردی ہیں جو باعتبار سامان واسباب کے اور باعتبار نمود وریا کے ان سے بہت ہی آگے بڑھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ یہاں بھی ان کے ایسے ہی قول کے جواب میں فرمایا گیا کہ شکر گزاروں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ جو اپنے اقوال وافعال اور دلی ارادوں کو درست رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامتیوں کی راہیں دکھاتا ہے اور اندھیریوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور سیدھی راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔

جیسے فرمان ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا الخ جو لوگ ہماری فرمانبرداری کی کوشش کرتے ہیں' ہم انہیں اپنی صحیح راہ پر لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا ساتھ دیتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور رنگوں کو نہیں دیکھتا بلکہ نیتوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں' ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور عدی کا بیٹا مطعم اور نوفل کا بیٹا حارث اور عمرو کا بیٹا قرطہ اور بنو عبد مناف کے قبیلے کے کافر سب کے سب جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے' دیکھو آپ کے بھتیجے اگر ہماری ایک درخواست قبول کر لیں تو ہمارے دلوں میں ان کی عظمت وعزت ہوگی اور پھر ان کی مجلس میں بھی آمد ورفت شروع کر دیں گے اور ہوسکتا ہے کہ ان کی سچائی سمجھ میں آ جائے اور ہم بھی مان لیں۔ ابوطالب نے قوم کے بڑوں کا یہ پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچایا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس وقت اس مجلس میں تھے۔ فرمانے لگے یا رسول اللہؐ ایسا کرنے میں کیا حرج ہے؟ اللہ عزوجل نے واَنذر سے بالشاکرین تک آیتیں اتاریں۔ یہ غرباء جنہیں یہ لوگ فیض صحبت سے محروم کرنا چاہتے تھے' یہ تھے' بلال' عمار' سالم صبیح' ابن مسعود' مقداد' مسعود' واقد' عمرو

ذوالشمالین، یزید اور انہی جیسے اور حضرات رضی اللہ عنہم اجمعین - انہی دونوں جماعتوں کے بارے میں آیت و کذلک فتنا بھی نازل ہوئی - حضرت عمرؓ ان آیتوں کو سن کر عذر معذرت کرنے لگے - اس پر آیت و اذا جاء ک الذین یو منو ن الخ نازل ہوئی - آخری آیت میں حکم ہوتا ہے کہ ایمان والے جب تیرے پاس آ کر سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب دو - ان کا احترام کرو اور انہیں اللہ کی وسیع رحمت کی خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے نفس پر رحم واجب کر لیا ہے - بعض سلف سے منقول ہے کہ گناہ ہر شخص جہالت سے ہی کرتا ہے - عکرمہؒ فرماتے ہیں، دنیا ساری جہالت ہے - غرض جو بھی کوئی برائی کرے، پھر اس سے ہٹ جائے اور پورا ارادہ کر لے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا اور آگے کے لئے اپنے عمل کی اصلاح بھی کر لے تو وہ یقین مانے کہ غفور و رحیم اسے بخشے گا بھی اور اس پر مہربانی بھی کرے گا -

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی قضا و قدر مقرر کی تو اپنی کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے - ابن مردویہ میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کر دے گا، اپنے عرش کے نیچے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں یہ تحریر ہے کہ میرا رحم و کرم میرے غصے اور غضب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے اور میں سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہوں - پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ایک بار مٹھیاں بھر کر اپنی مخلوق کو جہنم میں سے نکالے گا جنہوں نے کوئی بھلائی نہیں کی، ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہو گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں - حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات میں ہم لکھا دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اپنی رحمت کے سو حصے کئے - پھر ساری مخلوق میں ان میں سے ایک حصہ رکھا اور ننانوے حصے اپنے پاس باقی رکھے - اسی ایک حصہ رحمت کا یہ ظہور ہے کہ مخلوق بھی ایک دوسرے پر مہربانی کرتی ہے اور تواضع سے پیش آتی ہے اور آپس کے تعلقات قائم ہیں - اونٹنی، گائے، بکری، پرند، مچھلی وغیرہ جانور اپنے بچوں کی پرورش میں تکلیفیں جھیلتے ہیں اور ان پر پیار و محبت کرتے ہیں - روز قیامت میں اس حصے کو کامل کرنے کے بعد اس میں ننانوے حصے ملا لئے جائیں گے - فی الواقع رب کی رحمت اور اس کا فضل بہت ہی وسیع اور کشادہ ہے - یہ حدیث دوسری سند سے مرفوعاً بھی مروی ہے اور ایسی ہی اکثر حدیثیں آیت و رحمتی وسعت کل شئی کی تفسیر میں آئیں گی - ان شاء اللہ تعالیٰ - ایسی ہی احادیث میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا، جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ وہ سب اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں - پھر فرمایا جانتے ہو، بندے جب یہ کر لیں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ کرے - مسند احمد میں یہ حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے -

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّىْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ گنہگاروں کا طریقہ ظاہر ہو جائے ○ کہہ دے کہ مجھے صاف منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم پکارتے رہتے ہو۔ کہہ دے کہ میں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلوں گا۔ اس صورت میں تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں نہ رہوں ○ کہہ دے کہ میں تو اپنے رب کی صاف دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلا رہے ہو۔ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ میرے پاس نہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا حکم نہیں چلتا۔ وہ حق حق باتیں بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلے کرنے والا ہے ○

نیک و بد کی وضاحت کے بعد؟ ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۷) یعنی جس طرح ہم نے اس سے پہلے ہدایت کی باتیں اور بھلائی کی راہیں واضح کر دیں، نیکی بدی کھول کھول کر بیان کر دی، اسی طرح ہم ہر اس چیز کا تفصیلی بیان کرتے ہیں جس کی تمہیں ضرورت پیش آنے والی ہے۔ اس میں علاوہ اور فوائد کے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مجرموں کا راستہ نیکوں پر عیاں ہو جائے۔ ایک اور قرات کے اعتبار سے یہ مطلب ہے تاکہ تو گنہگاروں کا طریقہ واردات لوگوں کے سامنے کھول دے۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ لوگوں میں اعلان کر دو کہ میرے پاس الٰہی دلیل ہے۔ میں اپنے رب کی دی ہوئی سچی شریعت پر قائم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس وحی آتی ہے۔ افسوس کہ تم اس حق کو جھٹلا رہے ہو۔ تم اگرچہ عذابوں کی جلدی مچا رہے ہو لیکن عذاب کا لانا میرے اختیار کی چیز نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے حکم کے ماتحت ہے۔ اس کی مصلحت وہی ہے اگر چاہے دیر سے لائے اگر چاہے تو جلدی لائے۔ وہ حق بیان فرمانے والا اور اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کرنے والا ہے۔ سنو اگر میرا ہی حکم چلتا، میرے ہی اختیار میں ثواب و عذاب ہوتا، میرے بس میں بقا اور فنا ہوتی تو میں جو چاہتا ہو جایا کرتا۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ
وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۵۸ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا
یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ
وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ
وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۵۹

کہدے کہ اگر وہ عذاب میرے بس میں ہوتے جن کو تم ابھی ابھی طلب کر رہے ہو تو کبھی کا ہمارا آپس کا جھگڑا طے ہو چکتا' اللہ تعالیٰ ظالموں کے حال سے بخوبی واقف ہے ○ غیب کی کنجیاں صرف اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ وہ تری خشکی کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے' جو پتہ جھڑے' اس کا بھی اسے علم ہے۔ زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تری اور خشکی ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں نہ ہو ○

(آیت: ۵۸۔۵۹) اور میں تو ابھی اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر لیتا اور تم پر وہ عذاب برس پڑتے جن سے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میرے بس میں کوئی بات نہیں' اختیار والا اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہے۔ وہ ظالموں کو بخوبی جانتا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! احد سے زیادہ سخت کا تو آپ پر کوئی دن نہ آیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا' عائشہؓ کیا پوچھتی ہو کہ مجھے اس قوم نے کیا کیا ایذائیں پہنچائیں؟ سب سے زیادہ بھاری دن مجھ پر عقبہ کا دن تھا جبکہ میں عبدالیل بن عبد کلال کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے آرزو کی کہ وہ میرا ساتھ دے مگر اس نے میری بات نہ مانی۔ واللہ میں سخت غمگین ہو کر وہاں سے چلا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ قرن ثعالب میں آ کر میرے حواس ٹھیک ہوئے تو میں نے دیکھا کہ اوپر سے ایک بادل نے مجھے ڈھک لیا ہے۔ سر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے آواز دے کر فرما رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کی باتیں سنیں اور جو جواب انہوں نے تجھے دیا' وہ بھی سنا۔ اب پہاڑوں کے داروغہ فرشتے کو اس نے بھیجا ہے۔ آپؐ جو چاہیں انہیں حکم دیجئے' یہ بجا لائیں گے۔ اسی وقت اس فرشتے نے مجھے پکارا' اسلام کیا اور کہا' اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قوم کی باتیں سنیں اور مجھے آپؐ کے پاس بھیجا ہے کہ ان کے بارے میں جو ارشاد آپؐ فرمائیں میں بجا لاؤں۔ اگر آپ حکم دیں تو مکہ شریف کے ان دونوں پہاڑوں کو جو جنوب شمال میں ہیں' میں اکٹھے کر دوں اور ان تمام کو ان دونوں کے درمیان پیس دوں۔

آنحضرت ﷺ نے انہیں جواب دیا کہ نہیں میں یہ نہیں چاہتا بلکہ مجھے تو امید ہے کہ کیا عجب ان کی نسل میں آگے جا کر ہی کچھ ایسے لوگ ہوں جو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ ہاں یہاں یہ بات خیال میں رہے کہ کوئی اس شبہ میں نہ پڑے کہ قرآن کی اس آیت میں تو ہے کہ اگر میرے بس میں عذاب ہوتے تو ابھی ہی فیصلہ کر دیا جاتا اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بس میں کر دیئے۔ پھر بھی آپ نے ان کے لئے تاخیر طلب کی۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ عذاب طلب کرتے' اس وقت اگر آپؐ کے بس میں ہوتا تو اسی وقت ان پر عذاب آ جاتا اور حدیث میں یہ نہیں کہ اس وقت انہوں نے کوئی عذاب مانگا تھا۔ حدیث میں تو صرف اتنا ہے کہ پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو یہ بتلایا کہ بحکم الہ میں یہ کر سکتا ہوں۔ صرف آپ کی زبان مبارک کے ہلنے کا منتظر ہوں لیکن رحمۃ للعالمین کو رحم آ گیا اور نرمی برتی۔ پس آیت و حدیث میں کوئی معارضہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضورؐ کا

فرمان ہے' غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں اللہ تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آپ نے آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ پڑھی - یعنی قیامت کا علم' بارش کا علم' پیٹ کے بچے کا علم' کل کے کام کا علم' موت کی جگہ کا علم - اس حدیث میں جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بصورت انسان آ کر حضورؐ سے ایمان' اسلام' احسان کی تفصیل پوچھنا بھی مروی ہے' یہ بھی ہے کہ جب قیامت کے صحیح وقت کا سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا' یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالٰی کے سوا کسی اور کو نہیں - پھر آپ نے آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ' تلاوت فرمائی -

پھر فرماتا ہے اس کا علم تمام موجودات کو احاطہ کئے ہوئے ہے - بری بحری کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں - آسمان و زمین کا ایک ذرہ اس پر پوشیدہ نہیں - صرصری کا کیا ہی اچھا شعر ہے -

فلا یحفی علیہ الذراما   یتر ای للنواظر او تواری

یعنی کسی کو کچھ دکھائی دے نہ دے' رب پر کچھ بھی پوشیدہ نہیں - وہ سب کی حرکات سے بھی واقف ہے - جمادات کا ہلنا جلنا یہاں تک کہ پتے کا جھڑنا بھی اس کے وسیع علم سے باہر نہیں - پھر بھلا جنات اور انسان کا کونسا علم اس پر مخفی رہ سکتا ہے؟ جیسے فرمان عالی شان ہے یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ بھید بھی اس پر عیاں ہیں - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خشکی تری کا کوئی درخت ایسا نہیں جس پر اللہ کی طرف سے کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو جو اس کے جھڑ جانے والے پتوں کو بھی لکھ لے - پھر فرماتا ہے' زمین کے اندھیروں کے دانوں کا بھی اس اللہ کو علم ہے - حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں - تیسری زمین کے اوپر اور چوتھی کے نیچے اتنے جن بستے ہیں کہ اگر وہ اس زمین پر آ جائیں تو ان کی وجہ سے کوئی روشنی نظر نہ پڑے - زمین کے

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ
يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ
ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ ع ۷ ۱۲
عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ
مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

وہی ہے جو تمہیں رات کو فوت کرتا ہے اور تم دن کو جو کچھ کرتے ہو' اسے وہ جانتا ہے - پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تا کہ مقرر کیا ہوا وقت انجام کو پہنچایا جائے - پھر تم سب کا اسی کی طرف پھر جانا ہے - پھر وہ تمہیں جو کچھ کرتے تھے' جتا دے گا ○ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ ہی تمہاری نگہبانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے' یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت واقعی آ جاتی ہے تو اسے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○ پھر سب لوگ اپنے رب کی طرف جو ان کا حقیقی کارساز ہے' واپس بلائے جائیں گے - سن رکھو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ سب سے زیادہ جلد حساب لینے والا ہے ○

ہر کونے پر اللہ کے مہروں میں سے ایک مہر اور ہر مہر پر ایک فرشتہ مقرر ہے اور ہر دن اللہ کی طرف سے ہے - اس کے پاس ایک اور فرشتے کے

ذریعہ سے حکم پہنچتا ہے کہ تیرے پاس جو ہے اس کی بخوبی حفاظت کر- حضرت عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ زمین کے ہر ایک درخت وغیرہ پر فرشتے مقرر ہیں جو ان کی خشکی تری وغیرہ کی بابت اللہ کی جناب میں عرض کر دیتے ہیں- ابن عباسؓ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور تختیاں بنائیں اور اس میں دنیا کے تمام ہونے والے امور لکھے- کل مخلوق کی روزیاں' حلال حرام' نیکی بدی سب کچھ لکھ دیا ہے- پھر یہی آیت پڑھی-

نیند موت کی چھوٹی بہن : ☆☆ (آیت:۶۰-۶۲) وفاۃ صغریٰ یعنی چھوٹی موت کا بیان ہو رہا ہے- اس سے مراد نیند ہے- جیسے اس آیت میں ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یعنی جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے فوت کرنے والا ہوں (یعنی تجھ پر نیند ڈالنے والا ہوں) اور اپنی طرف چڑھا لینے والا ہوں اور جیسے اس آیت میں ہے اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نفسوں کو ان کی موت کے وقت مار ڈالتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی انہیں نیند کے وقت فوت کر لیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے) موت والے نفس کو تو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسرے کو مقررہ وقت پورا کرنے کے لئے پھر بھیج دیتا ہے- اس آیت میں دونوں وفاۃ بیان کر دی گئی ہیں- وفاۃ کبریٰ اور وفاہ صغریٰ اور جس آیت کی اس وقت تفسیر ہو رہی ہے اس میں بھی دونوں وفاتوں کا ذکر ہے- وفاۃ حضریٰ یعنی نیند کا پہلے پھر وفاہ کبریٰ یعنی حقیقی موت کا' بیچ کا جملہ ویعلم ماجرحتم باللیل جملہ معترضہ ہے جس سے اللہ کے وسیع علم کی دلالت ہو رہی ہے کہ وہ دن رات کے کسی وقت اپنی مخلوق کی کسی حالت سے بے علم نہیں- ان کی حرکات وسکنات سب جانتا ہے- جیسے فرمان ہے سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ الخ یعنی چھپا کھلا رات کا دن کا سب باتوں کا اسے علم ہے' اور آیت میں ہے وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ الخ یعنی یہ بھی رب کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے سکون کا وقت رات کو بنایا اور دن کو تلاش معاش کا وقت بنایا- اور آیت میں ارشاد ہے وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا الخ رات کو ہم نے لباس اور دن کو سبب معاش بنایا' یہاں فرمایا رات کو وہ تمہیں سلا دیتا ہے اور دنوں کو جو تم کرتے ہو اس سے وہ آگاہ ہے- پھر دن میں تمہیں اٹھا بٹھا دیتا ہے- ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ وہ نیند میں یعنی خواب میں تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے لیکن اول معنی ہی اولیٰ ہیں- ابن مردویہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو سونے کے وقت اس کی روح کو لے جاتا ہے- پھر اگر قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ اس روح کو نہیں لوٹاتا ورنہ بحکم الہ لوٹا دیتا ہے- یہی معنی اس آیت کے جملے وھو الذی یتوفا کم باللیل کا ہے تاکہ اس طرح عمر کا پورا وقت گذرے اور جو اجل مقرر ہے' وہ پوری ہو- قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے- پھر وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا- نیکوں کو نیک اور بدوں کو برا- وہی ذات ہے جو ہر چیز پر غالب وقادر ہے- اس کی جلالت' عظمت عزت کے سامنے ہر کوئی پست ہے- بڑائی اس کی ہے اور سب اس کے سامنے عاجز و مسکین ہیں- وہ اپنے محافظ فرشتوں کو بھیجتا ہے جو انسان کی دیکھ بھال رکھتے ہیں جیسے فرمان عالیشان ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْهِ پس یہ فرشتے تو وہ ہیں جو انسان کی جسمانی حفاظت رکھتے ہیں اور دائیں بائیں آگے پیچھے سے اسے بحکم الہ بلاؤں سے بچاتے رہتے ہیں- دوسری قسم کے وہ فرشتے ہیں جو اس کے اعمال کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کی نگہبانی کرتے رہتے ہیں- جیسے فرمایا وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ان ہی فرشتوں کا ذکر آیت اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ الخ میں ہے-

پھر فرمایا یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو سکرات کے عالم میں اس کے پاس ہمارے وہ فرشتے آتے ہیں جو اسی کام پر مقرر ہیں- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ملک الموت کے بہت سے مددگار فرشتے ہیں جو روح کو جسم سے نکالتے ہیں اور حلقوم تک جب روح آ جاتی ہے پھر ملک الموت اسے قبض کر لیتے ہیں- اس کا مفصل بیان آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ میں آئے گا- ان شاءاللہ تعالیٰ-

پھر فرمایا وہ کوئی کمی نہیں کرتے یعنی روح کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اسے پوری حفاظت کے ساتھ یا تو علیین میں نیک روحوں سے ملا دیتے ہیں یا سجین میں بری روحوں میں ڈال دیتے ہیں۔ پھر وہ سب اپنے سچے مولی کی طرف بلا لئے جائیں گے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مرنے والے کی روح کو نکالنے کے لئے فرشتے آتے ہیں اور اگر وہ نیک ہے تو اس سے کہتے ہیں اے مطمئن روح جو پاک جسم میں تھی تو نہایت اچھائیوں اور بھلائیوں سے چل۔ تو راحت و آرام کی خوشخبری سن۔ تو اس رب کی طرف چل جو تجھ پر کبھی خفا نہ ہوگا۔ وہ اسے سنتے ہی نکلتی ہے اور جب تک وہ نکل نہ چکے تب تک یہی مبارک صدا اسے سنائی جاتی ہے۔ پھر اسے آسمانوں پر لے جاتے ہیں۔ اس کے لئے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور فرشتے اس کی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ مرحبا کہتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور جو موت کے فرشتوں نے کہا تھا' وہی خوشخبری یہ بھی سناتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی طرح نہایت تپاک اور گرم جوشی سے فرشتوں کے استقبال کے ساتھ یہ نیک روح اس آسمان تک پہنچتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہماری موت بھی نیکی پر کرے) اور جب کوئی برا آدمی ہوتا ہے تو موت کے فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اے خبیث روح جو گندے جسم میں تھی تو بری بن کر چل۔ گرم کھولتے ہوئے پانی اور سڑی بھسی غذا اور طرح طرح کے عذابوں کی طرف چل۔ پھر وہ اس روح کو نکالتے ہیں اور یہی کہتے رہتے ہیں۔ پھر اسے آسمان کی طرف چڑھاتے ہیں۔ دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں۔ آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں' کون ہے؟

یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں اس خبیث نفس کے لئے مرحبا نہیں۔ یہ تھی بھی ناپاک۔ جسم میں تو برائی کے ساتھ لوٹ جا۔ تیرے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے۔ چنانچہ اسے زمین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر قبر لائی جاتی ہے۔ پھر قبر میں ان دونوں روحوں سے سوال و جواب ہوتے ہیں جیسے پہلی حدیثیں گذر چکیں۔ پھر اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ اس سے مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرشتے لوٹائے جاتے ہیں یا یہ کہ مخلوق لوٹائی جاتی ہے یعنی قیامت کے دن۔ پھر جناب باری ان میں عدل و انصاف کرے گا اور احکام جاری فرمائے گا جیسے فرمایا قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ الخ' یعنی کہہ دے کہ اول و آخر والے سب قیامت کے دن جمع ہوں گے۔ اور آیت میں ہے وَّحَشَرْنٰھُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَدًا ہم سب جمع کریں گے اور کسی کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ اپنے سچے مولی کی طرف سب کا لوٹنا ہے۔ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اس سے زیادہ جلدی حساب میں کوئی نہیں

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ
تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۳ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ
ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۶۴ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ
عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا
وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

پوچھ تو کہ تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ تم اسی اللہ کو بلند اور پست آواز سے پکارتے ہو کہ اے اللہ اگر تو ہمیں اس سے نجات دے گا تو ہم بالیقین تیرے شکر گذار بندوں میں ہو جائیں گے ○ جواب دے کہ تمہیں ان اندھیریوں سے اور ہر طرح کی گھبراہٹ سے اللہ ہی نجات دیتا ہے۔ اس پر بھی تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو ○ کہدے کہ اللہ قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر کی طرف سے یا تمہارے پیروں تلے سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے بھڑا دے اور بعض کو بعض کی لڑائی کا مزا چکھادے دیکھ تو ہم کس طرح پھیر پھیر کر اپنی آیتوں کو بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ لیں ○

کر سکتا۔

احسان فراموش نہ بنو: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۵) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرماتا ہے کہ جب تم خشکی کے بیابانوں اور لق ودق سنسان جنگلوں میں راہ بھٹکے ہوئے قدم قدم پر خوف وخطر میں مبتلا ہوتے ہو اور جب تم کشتیوں میں بیٹھے ہوئے طوفان کے وقت سمندر کے تلاطم میں مایوس و عاجز ہو جاتے ہو اس وقت اپنے دیوتاؤں اور بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو۔ یہی مضمون قرآن کریم کی آیت وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ میں اور آیت هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ میں اور آیت اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ میں بھی بیان ہوا ہے۔ تضرعا وخفیة کے معنی جهراً او سراً یعنی بلند آواز اور پست آواز کے ہیں۔ الغرض اس وقت صرف اللہ کو ہی پکارتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں اس وقت سے نجات دے گا تو ہم ہمیشہ تیرے شکر گزار رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے باوجود اس عہد و پیمان کے ادھر ہم نے انہیں تنگی اور مصیبت سے چھوڑا' ادھر یہ آزاد ہوتے ہی ہمارے ساتھ شرک کرنے لگے اور اپنے جھوٹے معبودوں کو پھر پکارنے لگے۔

پھر فرماتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ جس اللہ نے تمہیں اس وقت آفت میں ڈالا تھا' وہ اب بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی اور عذاب اوپر سے یا نیچے سے لے آئے جیسے کہ سورۂ سبحان میں رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ سے تبیعا تک بیان فرمایا۔ یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جو دریا میں تمہارے لئے کشتیاں چلاتا ہے تا کہ تم اس کا فضل حاصل کرو اور وہ تم پر بہت ہی مہربان ہے۔ لیکن جب تمہیں دریا میں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو جن کی تم عبادت کرتے رہتے تھے' وہ سب تمہارے خیال سے نکل جاتے ہیں اور صرف اللہ ہی کی طرف لو لگ جاتی ہے۔ پھر جب وہ تمہیں خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو۔ فی الواقع انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ تمہیں خشکی میں ہی دھنسا دے یا تم پر آندھی کا عذاب بھیج دے۔ پھر تم کسی اور کو بھی اپنا کارساز نہ پاؤ۔ کیا تم اس بات سے بھی نڈر ہو کہ وہ تمہیں پھر دوبارہ دریا میں لے جائے اور تم پر تند و تیز ہوا بھیج دے۔ اور تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے۔ تم پھر کسی کو نہ پاؤ جو ہمارا پیچھا کر سکے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' اوپر نیچے کے عذاب مشرکوں کے لئے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس آیت میں اسی امت کو ڈرایا گیا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے معافی دے دی۔ ہم یہاں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں اور آثار بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ پر ہمارا بھروسہ ہے اور اس سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے یلبسکم کے معنی یخلطکم کے ہیں۔ یہ لفظ التباس سے ماخوذ ہے۔ شیعا کے معنی فرقا کے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ اللہ قادر ہے کہ تمہارے اوپر سے عذاب نازل فرمائے تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ میں تیرے پر عظمت وجلال چہرہ کی پناہ میں آتا ہوں اور جب یہ سنا کہ نیچے سے عذاب آئے تو بھی آپ ﷺ نے یہ دعا کی۔ پھر یہ سن کر کہ یا وہ تم میں اختلاف ڈال دے اور تمہیں ایک دوسرے سے تکلیف پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا یہ بہت زیادہ ہلکا ہے۔ ابن مردویہ کی اس حدیث کے آخر میں حضرت جابرؓ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ اگر اس آپس کی ناچاقی سے بھی پناہ مانگتے تو پناہ مل جاتی۔ مسند میں ہے' حضورؐ سے جب اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا' یہ تو ہونے والا ہی ہے۔ اب تک یہ ہوا نہیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی سے غریب بتاتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آ رہے تھے۔ آپ مسجد بنی معاویہ میں گئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ پڑھی۔ پھر آپ نے لمبی مناجات کی اور فرمایا میں نے اپنے رب سے تین چیزیں طلب کیں ایک تو یہ کہ میری تمام امت کو ڈبوئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز عطا فرمائی۔ پھر میں نے دعا کی کہ میری عام امت کو قحط سالی سے اللہ تعالیٰ ہلاک نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ پھر میں نے دعا کی کہ ان میں آپس میں پھوٹ نہ پڑے۔ میری یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضرت عبداللہ بن عبداللہؓ فرماتے ہیں' ہمارے پاس عبداللہ بن عمرؓ بنی معاویہ کے محلے میں آئے اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو تمہاری اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کس جگہ پڑھی؟ میں نے مسجد کے ایک کونے کو دکھا کر کہا یہاں۔ پھر پوچھا' جانتے ہو' یہاں تین دعائیں حضورؐ نے کیا کیا کیں؟ میں نے کہا ایک تو یہ کہ آپ کی امت پر کوئی غیر مسلم طاقت اس طرح غالب نہ آ جائے کہ ان کو پیس ڈالے۔ دوسرے یہ کہ ان پر عام قحط سالی ایسی نہ آئے کہ یہ سب تباہ ہو جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں۔ پھر تیسری دعا یہ کی کہ ان میں آپس میں لڑائیاں نہ ہوں لیکن یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ یہ سن کر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' تم نے سچ کہا۔ یاد رکھو قیامت تک یہ آپس کی لڑائیاں چلی جائیں گی۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام بنو معاویہ کے محلے میں گئے اور وہاں آٹھ رکعت نماز ادا کی' بڑی لمبی رکعت پڑھیں پھر میری طرف توجہ فرما کر فرمایا' میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں' اللہ پاک نے دو تو دیں اور ایک نہ دی۔ میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے دشمن اس طرح نہ چھا جائیں کہ انہیں برباد کر دیں اور ان سب کو ڈبو یا نہ جائے۔ اللہ نے ان دونوں باتوں سے مجھے امن دیا۔ پھر میں نے آپس میں لڑائیاں نہ ہونے کی دعا کی لیکن اس سے مجھے منع کر دیا۔

ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول مقبول ﷺ کے پاس آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ تشریف لے گئے۔ اب دریافت کرتا کرتا حضورؐ جہاں تھے وہیں پہنچا' دیکھا تو آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں بھی آپ کے پیچھے نماز میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے بڑی لمبی نماز پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے کہا حضورؐ بڑی لمبی نماز تھی۔ پھر آپ نے اپنی ان تینوں دعاؤں کا ذکر کیا۔ نسائی وغیرہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ نے ضحیٰ کی نماز کی آٹھ رکعت پڑھیں اور حضرت انسؓ کے سوال پر اپنی دعاؤں کا ذکر کیا۔ اس میں عام قحط سالی کا ذکر ہے۔ نسائی وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ساری رات نماز میں گزاری۔ صبح کے وقت سلام پھیرا تو حضرت خباب بن ارث رضی اللہ عنہ نے جو بدری صحابیؓ ہیں' پوچھا کہ ایسی طویل نماز میں تو میں نے آپؐ کو کبھی نہیں دیکھا آپ نے اس کے جواب میں وہی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں ایک دعا یہ ہے کہ اگلی امتوں پر جو عام عذاب آئے وہ میری امت پر عام طور پر نہ آئیں۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضورؐ نے نماز پڑھی جس کے رکوع وسجود پورے تھے اور نماز ہلکی تھی پھر سوال و جواب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ مسند احمد میں ہے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں' میرے لئے زمین لپیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے مشرقین مغربین دیکھ لئے جہاں جہاں تک یہ زمین میری لئے لپیٹ دی گئی تھی وہاں وہاں تک میری امت کی بادشاہت پہنچے گی۔ مجھے دونوں خزانے دیئے گئے ہیں۔ سفید اور سرخ۔ میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کر اور ان پر کوئی ان کے سوا ایسا دشمن مسلط نہ کر جو انہیں عام طور پر ہلاک کر دے یہاں تک کہ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرنے لگیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں اور ایک دوسرے کو قید کرنے لگیں اور حضورؐ نے فرمایا میں اپنی امت پر کسی چیز سے نہیں ڈرتا بجز گمراہ کرنے والے اماموں کے۔ پھر جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو قیامت تک ان میں سے اٹھائی نہ جائے گی۔

ابن مردویہ میں ہے کہ جب آپ لوگوں میں نماز پڑھتے تو نماز ہلکی ہوتی - رکوع وسجود پورے ہوتے - ایک روز آپ بہت دیر تک بیٹھے رہے یہاں تک کہ ہم نے ایک دوسرے کو اشارے سے سمجھا دیا کہ شاید آپ پر وحی اتر رہی ہے - خاموشی سے بیٹھے رہو - جب آپ فارغ ہوئے تو بعض لوگوں نے کہا' حضور آج تو اس قدر زیادہ دیر تک آپ کے بیٹھے رہنے سے ہم نے یہ خیال کیا تھا اور آپس میں ایک دوسرے کو اشارے سے یہ سمجھایا تھا - آپ نے فرمایا' نہیں یہ بات تو نہ تھی بلکہ میں نے یہ نماز بڑی رغبت و یکسوئی سے ادا کی تھی - میں نے اس میں تین چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ سے طلب کی تھیں جن میں سے دو تو اللہ تعالیٰ نے دے دیں اور ایک نہیں دی - میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ تمہیں عذاب نہ کرے جو تم سے پہلی قوموں کو کئے ہیں - اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کیا - میں نے پھر کہا' یا اللہ میری امت پر کوئی ایسا دشمن چھا نہ جائے جو ان کا صفایا کر دے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ مراد بھی پوری کر دی - پھر میں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تم میں پھوٹ نہ ڈالے کہ ایک دوسرے کو ایذا پہنچائیں مگر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول نہ فرمائی - مسند احمد کی حدیث میں ہے' میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے چار دعائیں کیں تو تین پوری ہوئیں اور ایک رد ہو گئی - چوتھی دعا اس میں یہ ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو جائے اور حدیث میں ہے دو چیزیں اللہ نے دیں' دو نہ دیں - آسمان سے پتھروں کا سب پر برسانا موقوف کر دیا گیا - زمین کے پانی کے طوفان سے سب کا غرق ہو جانا موقوف کر دیا گیا لیکن قتل اور آپس کی لڑائی موقوف نہیں کی گئی (ابن مردویہ) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ وضو کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت پر نہ تو ان کے اوپر سے عذاب اتار نہ نیچے سے انہیں عذاب چکھا اور نہ ان میں تفرقہ ڈال کہ ایک دوسرے کو مصیبت پہنچائے - اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اس سے پناہ دے دی کہ ان کے اوپر سے یا ان کے نیچے سے ان پر عام عذاب اتارا جائے (ابن مردویہ)

ابن ابی کعبؓ سے مروی ہے کہ دو چیزیں اس امت سے ہٹ گئیں اور دو رہ گئیں - اوپر کا عذاب یعنی پتھراؤ اور نیچے کا عذاب یعنی زمین کا دھنساؤ ہٹ گیا اور آپس کی پھوٹ اور ایک کا ایک کو ایذائیں پہنچانا رہ گیا - آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں چار چیزوں کا ذکر ہے جن میں سے دو تو حضورؐ کی وفات کے پچیس سال بعد ہی شروع ہو گئیں یعنی پھوٹ اور آپس کی دشمنی - دو باقی رہ گئیں' وہ بھی ضرور ہی آنے والی ہیں یعنی رجم اور خسف' آسمان سے سنگباری اور زمین میں دھنسایا جانا (احمد) حضرت حسنؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' گناہ سے لوگ بچے ہوئے تھے - عذاب رکے ہوئے تھے جب گناہ شروع ہوئے' عذاب اتر پڑے - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ با آواز بلند مجلس میں یا منبر پر فرماتے تھے' لوگو تم پر آیت قل ھو القادر اتر چکی ہے - اگر آسمانی عذاب آ جائے' ایک بھی باقی نہ بچے' اگر تمہیں وہ زمین میں دھنسا دے تو تم سب ہلاک ہو جاؤ اور تم میں سے ایک بھی نہ بچے لیکن تم پر آپس کی پھوٹ کا تیسرا عذاب آ چکا ہے - ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اوپر کا عذاب برے امام اور بد بادشاہ ہیں نیچے کا عذاب بد باطن غلام اور بد دیانت نوکر چاکر ہیں - یہ قول بھی گو صحیح ہو سکتا ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ ظاہر اور قوی ہے - اس کی شہادت میں آیت ءَاَمِنْتُم مَّنْ فِی السَّمَآءِ الخ پیش ہو سکتی ہے -

ایک حدیث میں ہے' میری امت میں سنگ باری اور زمین میں دھنس جانا اور صورت بدل جانا ہوگا - اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں جو قیامت کے قرب کی علامتوں کے بیان میں اس کے موقعہ پر جا بجا آئیں گی - ان شاء اللہ تعالیٰ - آپس کی پھوٹ سے مراد فرقہ بندی ہے' خواہشوں کو پیشوا بنانا ہے - ایک حدیث میں ہے' یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی - سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے - ایک دوسرے کی تکلیف کا مزہ چکھے' اس سے مراد سزا اور قتل ہے - دیکھ لے کہ ہم کس طرح اپنی آیتیں وضاحت کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں - تاکہ لوگ غور

وتدبیر کریں، سوچیں سمجھیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا، لوگو! میرے بعد کافر بن کر نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسروں کی گردنوں پر تلواریں چلانے لگو۔ اس پر لوگوں نے کہا حضورؐ کیا، ہم اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کو مانتے ہوئے ایسا کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہاں یہی ہوگا۔ کسی نے کہا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم مسلمان رہتے ہوئے مسلمانوں ہی کو قتل کریں۔ اس پر آیت کا آخری حصہ اور اس کے بعد کی آیت و کذب به الخ، اتری (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶۶
لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ
غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ
شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۶۹

تیری قوم نے اس قرآن کو جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے، کہہ دے کہ میں تم پر کچھ محافظ نہیں ○ ہر خبر کے لئے ایک معین وقت مقرر ہے ○ تم عنقریب جان لوگے۔ تو جب انہیں دیکھ جو ہماری آیتوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیا کر یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بحث کو شروع کریں، اور اگر کبھی شیطان تجھے بھلا دے تو خبردار یاد آ جانے کے بعد ہرگز ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا ○ ان کے حساب میں سے کوئی چیز پرہیزگاری کرنے والوں پر نہیں۔ ہاں ان کے ذمہ نصیحت کرنا ہے تا کہ وہ لوگ پرہیزگاری اختیار کرلیں ○

غلط تاویلیں کرنے والوں سے نہ ملو: ☆☆ (آیت: ۶۶-۶۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس قرآن کو اور جس ہدایت و بیان کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہے اور جسے تیری قوم قریش جھٹلا رہی ہے حقیقتاً وہ سراسر حق ہے بلکہ اس کے سوا اور کوئی حق ہے ہی نہیں۔ ان سے کہہ دیجئے میں نہ تو تمہارا محافظ ہوں نہ تم پر وکیل ہوں۔ جیسے اور آیت میں ہے، کہہ دے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے نہ مانے۔ یعنی مجھ پر صرف تبلیغ کرنا فرض ہے۔ تمہارے ذمہ سننا اور ماننا ہے۔ ماننے والے دنیا اور آخرت میں نیکی پائیں گے اور نہ ماننے والے دونوں جہان میں بدنصیب رہیں گے۔ ہر خبر کی حقیقت ہے۔ وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ تمہیں عنقریب حقیقت حال معلوم ہو جائے گی، واقعہ کا انکشاف ہو جائے گا اور جان لوگے۔

پھر فرمایا، جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں تو تو ان سے منہ پھیر لے اور جب تک وہ اپنی شیطنیت سے باز نہ آ جائیں تو ان کے ساتھ نہ اٹھو نہ بیٹھو۔ اس آیت میں گو فرمان حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حکم عام ہے۔ آپ کی امت کے ہر شخص پر حرام ہے کہ وہ ایسی مجلس میں یا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہوں۔ ان کے معنی الٹ پلٹ کرتے ہوں اور ان کی بے جا تاویلیں کرتے ہوں۔ اگر بالفرض کوئی شخص بھولے سے ان میں بیٹھ بھی جائے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے پاس بیٹھنا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خطا اور بھول سے درگذر فرمالیا ہے اور ان کاموں سے بھی جو ان سے زبردستی مجبور کر کے کرائے جائیں۔ اس آیت کے اسی حکم کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ

فِی الْکِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ الخ یعنی تم پر اس کتاب میں یہ فرمان نازل ہو چکا ہے کہ جب اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور مذاق ہوتا ہوا سنو تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی اس صورت میں ان جیسے ہی ہو جاؤ گے۔ ہاں جب وہ اور باتوں میں مشغول ہوں تو خیر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ بیٹھے اور ان کی باتوں کو برداشت کر لیا تو تم بھی ان کی طرح ہی ہو۔

پھر فرمان ہے کہ جو لوگ ان سے دوری کریں' ان کے ساتھ شریک نہ ہوں' ان کی ایسی مجلسوں سے الگ رہیں' وہ بری الزمہ ہیں۔ ان پر ان کا کوئی گناہ نہیں۔ ان کی اس بدکرداری کا کوئی بوجھ ان کے سر نہیں۔ دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ ان کے ساتھ بیٹھیں لیکن جبکہ ان کے کام میں اور ان کے خیال میں ان کی شرکت نہیں تو یہ بے گناہ ہیں لیکن یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حکم سورۂ نساء مدنی کی آیت اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ سے منسوخ ہے۔ ان مفسرین کی اس تفسیر کے مطابق آیت کے آخری جملے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے تمہیں ان سے الگ رہنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ انہیں عبرت حاصل ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہ سے باز آ جائیں اور ایسا نہ کریں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۱۰ ۱۴

انہیں چھوڑ دے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں زندگانی دنیا نے مغرور کر دیا ہے۔ اس قرآن کے ساتھ نصیحت کر دے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک نہ کیا جائے سوائے اللہ کے کسی کا نہ کوئی دوست ہے نہ سفارشی' گو کوئی سب کچھ بدلے میں دینا چاہے لیکن اس سے لیا نہ جائے گا۔ یہی ہیں جو اپنے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے' انہیں گرم گرم پانی پینے کو ملے گا اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب ہوں گے ○

(آیت: ۷۰) یعنی بے دینوں سے منہ پھیر لو۔ ان کا انجام نہایت برا ہے۔ اس قرآن کو پڑھ کر' سنا کر لوگوں کو ہوشیار کر دو۔ اللہ کی ناراضگی سے اور اس کے عذابوں سے انہیں ڈرا دو تاکہ کوئی شخص اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک نہ ہو۔ پکڑا نہ جائے۔ رسوا نہ کیا جائے۔ اپنے مطلوب سے محروم نہ رہ جائے جیسے فرمان ہے کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ الخ ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہوا ہے مگر وہ اپنے ہاتھ والے۔ یاد رکھو کسی کا کوئی والی اور سفارشی نہیں جیسے ارشاد فرمایا۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ الخ اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید فروخت ہے نہ دوستی اور محبت نہ سفارش اور شفاعت۔ کافر پورے ظالم ہیں۔ اگر یہ لوگ قیامت کے دن تمام دنیا کی چیزیں فدیئے یا بدلے میں دے دینا چاہیں تو بھی ان سے نہ فدیہ لیا جائے گا نہ بدلہ۔ کسی چیز کے بدلے وہ عذابوں سے نجات نہیں پا سکتے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ الخ جو لوگ کفر پر جئے اور کفر پر ہی مرے' یہ اگر زمین بھر کر سونا بھی دیں تو ناممکن ہے کہ قبول کیا جائے اور انہیں چھوڑا جائے۔ پس فرما دیا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے رسوا کر دیئے گئے۔ انہیں گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور انہیں سخت المناک عذاب ہوں گے کیونکہ یہ کافر تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ
عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ
فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ
اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

کہدے کہ کیا ہم اللہ کے سوا انہیں پکاریں جو نہ ہمیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں؟ اور کیا ہم اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی' اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائیں؟ مثل اس شخص کے جسے شیطان راہ بھلا دے اور وہ سرگشتہ و پریشان رہ جائے۔ اس کے ساتھی اسے راہ راست کی طرف بلائیں اور کہیں کہ ہمارے ساتھ آ جا' تو کہدے کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے' ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار بن جائیں ○

اسلام کے سوا سب راستوں کی منزل جہنم ہے: ☆☆ (آیت: ۷۱) مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارے دین میں آ جاؤ اور اسلام چھوڑ دو۔ اس پر یہ آیت اتری کہ کیا ہم بھی تمہاری طرح بے جان و بے نفع ونقصان معبودوں کو پوجنے لگیں؟ اور جس کفر سے ہٹ گئے ہیں' کیا پھر لوٹ کر اسی پر آ جائیں؟ اور تم جیسے ہی ہو جائیں؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب تو ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ صحیح راہ مل گئی۔ اب اسے کیسے چھوڑ دیں؟ اگر ہم ایسا کر لیں تو ہماری مثال اس شخص جیسی ہو گی جو لوگوں کے سیدھے راستے پر جا رہا تھا مگر راستہ گم ہو گیا۔ شیطان نے اسے پریشان کر دیا اور ادھر ادھر بھٹکانے لگا۔ اس کے ساتھ جو راستے پر تھے' وہ اسے پکارنے لگے کہ ہمارے ساتھ مل جا۔ ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں۔ یہی مثال اس شخص کی ہے جو آنحضرت ﷺ کو جان اور پہچان کے بعد مشرکوں کا ساتھ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پکارنے والے ہیں اور اسلام ہی سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ مثال اللہ تعالیٰ نے معبودان باطل کی طرف بلا لینے والوں کی بیان فرمائی ہے اور ان کی بھی جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ ایک شخص راستہ بھولتا ہے' وہیں اس کے کان میں آواز آتی ہے کہ اے فلاں ادھر آ۔ سیدھی راہ یہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھی جس غلط راستے پر لگ گئے ہیں' وہ اسے تھپکتے ہیں اور کہتے ہیں یہی راستہ صحیح ہے۔ اس پر چلا چل۔ اب اگر یہ سچے شخص کو مانے گا تو راہ راست لگ جائے گا ورنہ بھٹکتا پھرے گا۔ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے اس امید میں ہوتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں لیکن مرنے کے بعد انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ نہ تھے۔ اس وقت بہت نادم ہوتے ہیں اور سوائے ہلاکت کے کوئی چیز انہیں دکھائی نہیں دیتی۔ یعنی جس طرح کسی جنگل میں گم شدہ انسان کو جنات اس کا نام لے کر آوازیں دے کر اسے غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں جہاں وہ مارا مارا پھرتا ہے اور بالاخر ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے' اسی طرح جھوٹے معبودوں کا پجاری بھی برباد ہو جاتا ہے۔ ہدایت کے بعد گمراہ ہونے والے کی یہی مثال ہے۔ جس راہ کی طرف شیطان اسے بلا رہے ہیں' وہ تو تباہی اور بربادی کی راہ ہے اور جس راہ کی طرف اللہ بلا رہا ہے اور اس کے نیک بندے جس راہ کو سجھا رہے ہیں' وہ ہدایت ہے گو وہ اپنے ساتھیوں کے مجمع میں سے نہ نکلے اور انہیں ہی راہ راست پر سمجھتا رہے اور وہ ساتھی بھی اپنے تئیں ہدایت یافتہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ قول آیت کے لفظوں کے مطابق نہیں کیونکہ آیت میں موجود ہے کہ وہ اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ضلالت ہو؟ حیران پر زبر حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ صحیح مطلب یہی ہے کہ اس کے ساتھی جو ہدایت پر ہیں' جب اسے غلط راہ پر دیکھتے ہیں تو اس کی خیرخواہی کے لئے پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جا۔ سیدھا راستہ یہی ہے لیکن یہ بدنصیب ان کی بات پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ توجہ تک نہیں کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے قبضے میں ہے۔ وہ جسے راہ دکھائے۔ اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ
كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور یہ کہ تم نمازوں کو پابندی سے ادا کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ وہی ہے جس کی طرف تمہارا سب کا حشر کیا جائے گا ○ وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، جب وہ فرماتا ہے ہو جا تو ہو جاتا ہے۔ اسی کا قول حق ہے اور اسی کا ملک ہے جس دن صور پھونکا جائے گا اللہ ہی کو پوشیدہ اور ظاہر کا علم ہے اور وہی حکمتوں والا اور خبرداری رکھنے والا ہے ○

(آیت: ۷۲۔ ۷۳) چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ تو چاہے ان کی ہدایت پر حرص کرے لیکن جسے اللہ بھٹکا دے، اسے وہی راہ پر لا سکتا ہے ایسوں کا کوئی مددگار نہیں۔ ہم سب کو یہی حکم کیا گیا ہے کہ ہم خلوص سے ساری عبادتیں محض اسی وحدہ لاشریک لہ کے لئے کریں اور یہ بھی حکم ہے کہ نمازیں قائم رکھیں اور ہر حال میں اس سے ڈرتے رہیں۔ قیامت کے دن اسی کے سامنے حشر کیا جائے گا۔ سب وہیں جمع کئے جائیں گے۔ اسی نے آسمان وزمین کو عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہی مالک اور مدبر ہے۔ قیامت کے دن فرمائے گا ہو جا تو ہو جائے گا۔ ایک لحہ بھی دیر نہ لگے گی۔ یوم کا زبر یا تو واتقوہ پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی اس دن سے ڈرو جس دن اللہ فرمائے گا اور ہو جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوم کا زبر خلق السموات والارض پر عطف ہونے کی بنا پر ہو تو گویا ابتدا پیدائش کو بیان فرما کر پھر دوبارہ پیدائش کو بیان فرمایا۔ یہی زیادہ مناسب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فعل مضمر ہو یعنی اذکر اور اسی وجہ سے یوم پر زبر آیا ہو۔ اس کے بعد کے دونوں جملے محلاً مجرور ہیں۔ پس یہ دونوں جملے بھی محلاً مجرور ہیں۔ ان میں پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ کا قول حق ہے۔ رب کے فرمان سب کے سب سچ ہیں۔ تمام ملک کا وہی اکیلا مالک ہے۔ سب چیزیں اس کی ملکیت ہیں۔ یوم ینفخ میں یوم ممکن ہے کہ یوم یقول کا بدل ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وله الملك کا ظرف ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ آج کس کا ملک ہے؟ صرف اللہ اکیلے غالب کا اور جیسے اس آیت میں ارشاد ہوا ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ یعنی ملک آج صرف رحمان کا ہے اور آج کا دن کفار پر بہت سخت ہے۔ اور بھی اس طرح کی اور اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں صور جمع ہے صورۃ کی جیسے سور شہر پناہ کو کہتے ہیں اور وہ جمع ہے سورۂ کی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مراد صور سے قرن ہے جسے حضرت اسرافیلؑ پھونکیں گے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حضرت اسرافیلؑ صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے اپنی پیشانی جھکائے ہوئے حکم الٰہی کے منتظر ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابیؓ کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا، صور ایک نرسنگھے جیسا ہے جو پھونکا جائے گا۔ طبرانی کی مطولات میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے بعد صور کو پیدا کیا اوا سے حضرت اسرافیلؑ کو دیا۔ وہ اسے لئے ہوئے ہیں اور عرش کی طرف نگاہ جمائے ہوئے ہیں کہ کب حکم ہو اور میں اسے پھونک دوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صور کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ایک نرسنگھا ہے۔ میں نے کہا وہ کیسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، بہت ہی بڑا ہے۔ واللہ اس کے دائرے کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے۔ اس میں سے تین نفخے پھونکے جائیں گے۔ پہلا گھبراہٹ کا۔ دوسرا بیہوشی کا، تیسرا رب العلمین کے

سامنے کھڑے ہونے کا - اول اول جناب باری حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دے گا - وہ پھونک دیں گے جس سے آسمان وزمین کی تمام مخلوق گھبرا اٹھے گی مگر جسے اللہ چاہے - یہ صور بحکم رب دیر تک برابر پھونکا جائے گا - اسی طرف اشارہ اس آیت میں ہے وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّالَهَا مِنْ فَوَاقٍ یعنی انہیں صرف بلند زوردار چیخ کا انتظار ہے - پہاڑ اس صور سے مثل بادلوں کے چلنے پھرنے لگیں گے - پھر ریت ریت ہو جائیں گے - زمین میں بھونچال آ جائے گا اور وہ اس طرح تھرتھرانے لگے گی جیسے کوئی کشتی دریا کے بیچ زبردست طوفان میں موجوں سے ادھر ادھر ہو رہی ہو اور غوطے کھا رہی ہو - مثل اس ہانڈی کے جو عرش میں لٹکی ہوئی ہے، جسے ہوائیں ہلا جلا رہی ہیں - اسی کا بیان اس آیت میں ہے يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ الخ اس دن زمین جنبش میں آ جائے گی اور بہت ہی ہلنے لگے گی - اس کے پیچھے ہی پیچھے لگنے والی آ جائے گی - دل دھڑکنے لگیں گے اور کلیجے الٹنے لگیں گے - لوگ ادھر ادھر گرنے لگیں گے - مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی - حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے - بچے بوڑھے ہو جائیں گے - شیاطین مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے بھاگتے بھاگتے زمین کے کناروں پر آ جائیں گے - یہاں سے فرشتے انہیں مار مار کر ہٹائیں گے - لوگ پریشان حال، حواس باختہ ہوں گے - کوئی جائے پناہ نظر نہ آئے گی - امر الٰہی سے بچاؤ نہ ہو سکے گا - ایک دوسرے کو آوازیں دیں گے - لیکن سب اپنی اپنی مصیبت میں پڑے ہوئے ہوں گے کہ ناگہاں زمین پھٹنی شروع ہو گی - کہیں ادھر سے پھٹی - کہیں ادھر سے پھٹی - اب تو ابتر حالت ہو جائے گی - کلیجہ کپکپانے لگے گا - دل الٹ جائے گا اور اتنا صدمہ اور غم ہو گا جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا - جو آسمان کی طرف نظر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ گھل رہا ہے اور وہ بھی پھٹ رہا ہے - ستارے جھڑ رہے ہیں - سورج چاند بے نور ہو گیا ہے - ہاں مردوں کو اس کا کچھ علم نہ ہو گا -

حضرت ابوہریرہؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ قرآن کی آیت میں جو فرمایا گیا ہے فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ یعنی زمین و آسمان کے سب لوگ گھبرا اٹھیں گے لیکن جنہیں اللہ چاہے - اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، یہ شہید لوگ ہیں کہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں - روزیاں پاتے ہیں اور سب زندہ لوگ گھبراہٹ میں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں پریشانی سے محفوظ رکھے گا - یہ تو عذاب ہے جو وہ اپنی بدترین مخلوق پر بھیجے گا - اسی کا بیان آیت يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ الخ میں ہے یعنی اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو - یاد رکھو قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے - جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر ایک دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی - ہر حمل والی کا حمل گر جائے گا تو دیکھا جائے گا کہ سب لوگ بے ہوش ہوں گے حالانکہ وہ نشہ پئے ہوئے نہیں بلکہ اللہ کے سخت عذابوں نے انہیں بدحواس کر رکھا ہے - یہی حالت رہے گی جب تک اللہ چاہے - بہت دیر تک یہی گھبراہٹ کا عالم رہے گا - پھر اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت جبرئیلؑ کو بے ہوشی کے نفخے کا حکم دے گا - اس نفخہ کے پھونکتے ہی زمین و آسمان کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائیں گی مگر جسے اللہ چاہے اور اچانک سب کے سب مر جائیں گے - حضرت ملک الموت اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ زمین و آسمان کی تمام مخلوق مر گئی مگر جسے تو نے چاہا - اللہ تعالیٰ باوجود علم کے سوال کرے گا کہ یہ بتاؤ اب باقی کون کون ہے؟ وہ جواب دیں گے، تو باقی ہے، تو حی و قیوم ہے، تجھ پر کبھی فنا نہیں اور عرش کے اٹھانے والے فرشتے اور جبرئیل و میکائیل اس وقت عرش کو زبان ملے گی - اور وہ کہے گا، پروردگار، کیا جبرئیلؑ و میکائیلؑ بھی مریں گے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے اپنے عرش سے نیچے والوں پر سب پر موت لکھ دی ہے چنانچہ یہ دونوں بھی فوت ہو جائیں گے پھر ملک الموت رب جبار و قہار کے پاس آئیں گے اور خبر دیں گے کہ جبرئیل و میکائیل بھی انتقال کر گئے -

جناب الٰہ علم کے باوجود پھر دریافت فرمائے گا کہ اب باقی کون ہے - ملک الموت جواب دیں گے کہ باقی ایک تو تو ہے - ایسی بقا والا

جس پر فنا ہے ہی نہیں اور تیرے عرش کے اٹھانے والے فرشتے بھی مر گئے۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اب باقی کون رہا؟ ملک الموت جواب دیں گے کہ ایک تو جس پر موت ہے ہی نہیں اور ایک تیرا غلام میں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا' تو بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ تجھے میں نے ایک کام کے لئے پیدا کیا تھا جسے تو کر چکا۔ اب تو بھی مر جا چنانچہ وہ بھی مر جائیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ اکیلا باقی رہ جائیگا جو غلبہ والا' یگانگت والا' بے ماں باپ اور بے اولاد کے ہے۔ جس طرح مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے وہ یکتا اور اکیلا تھا۔ پھر آسمانوں اور زمینوں کو وہ اس طرح لپیٹ لے گا جیسے دفتری کاغذ کو لپیٹتا ہے۔ پھر انہیں تین مرتبہ الٹ پلٹ کرے گا اور فرمائے گا میں جبار ہوں۔ میں کبریائی والا ہوں۔ پھر تین مرتبہ فرمائے گا' آج ملک کا مالک کون ہے؟ کوئی نہ ہوگا جو جواب دے تو خود ہی جواب دے گا اللہ واحد وقہار۔ قرآن میں ہے اس دن آسمان وزمین بدل دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں پھیلا دے گا اور کھینچ دے گا جس طرح چمڑا کھینچا جاتا ہے۔ کہیں کوئی اونچ نیچ باقی نہ رہے گی۔ پھر ایک الٰہی آواز کے ساتھ ہی ساری مخلوق اس تبدیل شدہ زمین میں آ جائے گی۔ اندر والے اندر اور اوپر والے اوپر۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سے اس پر بارش برسائے گا۔ پھر آسمان کو حکم ہوگا اور وہ چالیس دن تک مینہ برسائے گا یہاں تک کہ پانی ان کے اوپر بارہ ہاتھ چڑھ جائے گا۔ پھر جسموں کو حکم ہوگا کہ وہ اگیں اور وہ اس طرح اگنے لگیں گے جیسے سبزیاں اور ترکاریاں۔ اور وہ پورے پورے کامل جسم جیسے تھے ویسے ہی ہو جائیں گے۔ پھر حکم فرمائے گا کہ میرے عرش کے اٹھانے والے فرشتے جی اٹھیں۔ چنانچہ وہ زندہ ہو جائیں گے۔ پھر اسرافیل کو حکم ہوگا کہ صور لے کر منہ سے لگا لیں۔

پھر فرمان ہوگا کہ جبرئیلؑ ومیکائیل زندہ ہو جائیں۔ یہ دونوں بھی اٹھیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ روحوں کو بلائے گا۔ مومنوں کی نورانی ارواح اور کفار کی ظلماتی روحیں آئیں گی۔ انہیں لے کر اللہ تعالیٰ صور میں ڈال دے گا۔ پھر اسرافیل کو حکم ہوگا کہ اب صور پھونک دو چنانچہ بعث کا صور پھونکا جائے گا جس سے ارواح اس طرح نکلیں گی جیسے شہد کی مکھیاں۔ تمام خلا ان سے بھر جائے گا۔ پھر رب عالم کا ارشاد ہوگا کہ مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم ہے' ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے۔ چنانچہ سب روحیں اپنے اپنے جسموں میں نتھنوں کے راستے چلی جائیں گی اور جس طرح زہر رگ وپے میں اثر کر جاتا ہے' روح روئیں روئیں میں دوڑ جائے گی۔ پھر زمین پھٹ جائے گی اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین شق ہوگی۔ لوگ نکل کر دوڑتے ہوئے اپنے رب کی طرف چل دیں گے۔ اس وقت کافر کہیں گے کہ آج کا دن بڑا بھاری ہے۔ سب ننگے پیروں' ننگے بدن' بے ختنہ ہوں گے۔ ایک میدان میں بقدر ستر سال کے کھڑے رہیں گے۔ نہ ان کی طرف نگاہ اٹھائی جائے گی نہ ان کے درمیان فیصلے کئے جائیں گے۔ لوگ بے طرح گریہ وزاری میں مبتلا ہوں گے یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے اور خون آنکھوں سے نکلنے لگے گا۔ پسینہ اس قدر آئے گا کہ منہ تک یا ٹھوڑیوں تک اس میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ آپس میں کہیں گے' آؤ کسی سے کہیں کہ وہ ہماری شفاعت کرے۔ ہمارے پروردگار سے عرض کرے کہ وہ آئے اور ہمارے فیصلے کرے تو کہیں گے کہ اس کے لائق ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر کون ہوگا؟ جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اپنی روح ان میں پھونکی اور آمنے سامنے ان سے باتیں کیں۔ چنانچہ سب مل کر آپ کے پاس جائیں گے اور سفارش طلب کریں گے لیکن حضرت آدم علیہ السلام صاف انکار کر جائیں گے۔ حضور فرماتے ہیں پھر سب کے سب میرے پاس آئیں گے۔ میں عرش کے آگے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے پاس فرشتہ بھیجے گا۔ وہ میرا بازو تھام کر مجھے سجدے سے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے محمد (ﷺ) میں جواب دوں گا کہ ہاں اے میرے رب۔ اللہ عزوجل باوجود عالم کل ہونے کے مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ کیا بات ہے؟ میں کہوں گا' یا اللہ تو نے

مجھ سے شفاعت کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے- اپنی مخلوق کے بارے میں میری شفاعت کو قبول فرما اور ان کے فیصلوں کے لئے تشریف لے آ- رب العالمین فرمائے گا' میں نے تیری سفارش قبول کی اور میں آ کر تم میں فیصلے کئے دیتا ہوں- میں لوٹ کر لوگوں کے ساتھ ٹھہر جاؤں گا کہ ناگہاں آسمانوں سے ایک بہت بڑا دھماکہ سنائی دے گا جس سے لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے- اتنے میں آسمان کے فرشتے اترنے شروع ہوں گے جن کی تعداد کل انسانوں اور سارے جنوں کے برابر ہو گی- جب وہ زمین کے قریب پہنچیں گے تو ان کے نور سے زمین جگمگا اٹھے گی- وہ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے- ہم سب ان سے دریافت کریں گے کہ کیا تم میں ہمارا رب آیا ہے؟ وہ جواب دیں گے نہیں- پھر اس تعداد سے بھی زیادہ تعداد میں اور فرشتے آئیں گے- آخر ہمارا رب عزوجل ابر کے سائے میں نزول فرمائے گا اور فرشتے بھی اس کے ساتھ ہوں گے- اس کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے- اس وقت عرش کے اٹھانے والے چار فرشتے ہیں- ان کے قدم آخری نیچے والی زمین کی تہ میں ہیں- زمین و آسمان ان کے نصف جسم کے مقابلے میں ہے ان کے کندھوں پر عرش الٰہی ہے- ان کی زبانیں ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکیزگی کے بیان میں تر ہیں- ان کی تسبیح یہ ہے سبحان ذی العرش و الجبروت سبحان ذی الملك و الملكوت سبحان الحی الذی لایموت سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت سبوح قدوس قدوس قدوس سبحان ربنا الا علی رب الملائكة والروح سبحان ربنا الا علی الذی یمیت الخلائق ولا یموت پھر اللہ جس جگہ چاہے گا' اپنی کرسی زمین پر رکھے گا اور بلند آواز سے فرمائے گا' اے جنو اور انسانو! میں نے تمہیں جس دن سے پیدا کیا تھا' اس دن سے آج تک میں خاموش رہا- تمہاری باتیں سنتا رہا- تمہارے اعمال دیکھتا رہا- سنو تمہارے اعمال نامے میرے سامنے پڑھے جائیں گے- جو اس میں بھلائی پائے' وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس میں اور کچھ پائے وہ اپنی جان کو ملامت کرے-

پھر بحکم الہ جہنم میں سے ایک دہکتی ہوئی گردن نکلے گی- اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدمؑ کی اولاد کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا- وہ تمہارا کھلا دشمن ہے؟ اور صرف میری ہی عبادت کرتے رہنا- یہی سیدھی راہ ہے- شیطان نے تو بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے کیا تمہیں عقل نہیں؟ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے اور جسے تم جھٹلاتے رہے- اے گنہگارو! آج تم نیک بندوں سے الگ ہو جاؤ- اس فرمان کے ساتھ ہی بدلوگ نیکوں سے الگ ہو جائیں گے- تمام امتیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گی جیسے قرآن کریم میں ہے کہ تو ہر امت کو گھٹنوں کے بل گرے ہوئے دیکھے گا- ہر امت اپنے نامہ اعمال کی طرف بلائی جائے گی- پھر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں فیصلے کرے گا- پہلے جانوروں میں فیصلے ہوں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا- جب کسی کا کسی کے ذمہ کوئی دعویٰ باقی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا' تم سب مٹی ہو جاؤ- اس فرمان کے ساتھ ہی تمام جانور مٹی بن جائیں گے- اس وقت کافر بھی یہی آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے-

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے شروع کرے گا- سب سے پہلے قتل وخون کا فیصلہ ہو گا- اللہ تعالیٰ اپنی راہ کے شہیدوں کو بھی بلائے گا- ان کے ہاتھوں سے قتل شدہ لوگ اپنا سر اٹھائے ہوئے حاضر ہوں گے- رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا- کہیں گے کہ باری تعالیٰ دریافت فرما کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ پس باوجود علم کے اللہ عزوجل مجاہدین سے پوچھے گا کہ تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ وہ جواب دیں گے اس لئے کہ تیری بات بلند ہو اور تیری عزت ہو- اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تم سچے ہو' اسی وقت ان کا چہرہ نورانی ہو جائے گا' سورج کی طرح چمکنے لگے گا اور فرشتے انہیں اپنے جھرمٹ میں لے کر جنت کی طرف چلیں گے- پھر باقی کے اور تمام قاتل ومقتول اسی طرح پیش ہوں گے اور جو نفس ظلم سے قتل کیا گیا ہے' اس کا بدلہ ظالم قاتل سے دلوایا جائے گا- اس طرح ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا یہاں تک کہ جو شخص دودھ

میں پانی ملا کر بیچتا تھا' اسے فرمایا جائے گا کہ اپنے دودھ سے پانی جدا کر دے- ان فیصلوں کے بعد ایک منادی با آواز بلند ندا کرے گا جسے سب سنیں گے' ہر عابد اپنے معبود کے پیچھے ہو لے اور اللہ کے سوا جس نے کسی اور کی عبادت کی ہے' وہ جہنم میں چل دے- سنو اگر یہ سچے معبود ہوتے تو جہنم میں وارد نہ ہوتے- یہ سب تو جہنم میں ہی ہمیشہ رہیں گے- اب صرف باایمان لوگ باقی رہیں گے- ان میں منافقین بھی شامل ہوں گے- اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس ہیئت میں چاہے تشریف لائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ سب اپنے معبودوں کے پیچھے چلے گئے- تم بھی جس کی عبادت کرتے تھے اس کے پاس چلے جاؤ- یہ جواب دیں گے کہ واللہ ہمارا تو کوئی معبود نہیں بجز الہ العالمین کے- ہم نے کسی اور کی عبادت نہیں کی- اب ان کے لئے پنڈلی کھول دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی عظمت کی تجلیاں ان پر ڈالے گا جس سے یہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے او سجدے میں گر پڑے گے لیکن منافق سجدہ نہیں کر سکیں گے- یہ اوندھے اور الٹے ہو جائیں گے اور اپنی کمر کے بل گر پڑیں گے- ان کی پیٹھ سیدھی کر دی جائے گی- مڑ نہیں سکیں گے- پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو سجدے سے اٹھنے کا حکم دے گا اور جہنم پر پل صراط رکھی جائے گی جو تلوار جیسی تیز دھار والی ہو گی اور جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے- بڑی پھسلنی اور خطرناک ہو گی- ایماندار تو اس پر سے اتنی سی دیر میں گزر جائیں گے جتنی دیر میں کوئی آنکھ بند کر کے کھول دے جس طرح بجلی گزر جاتی ہے اور جیسے ہوا تیزی سے چلتی ہے- یا جیسے تیز رو گھوڑے یا اونٹ ہوتے ہیں یا خوب بھاگنے والے آدمی ہوتے ہیں- بعض صحیح سالم گزر جائیں گے- بعض زخمی ہو کر پار اتر جائیں گے بعض کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے- جنتی لوگ جب جنت کے پاس پہنچیں گے تو کہیں گے کون ہمارے رب سے ہماری سفارش کرے کہ ہم جنت میں چلے جائیں؟ دوسرے لوگ جواب دیں گے اس کے حقدار تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ اور کون ہوں گے جنہیں رب ذوالکرم نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور آمنے سامنے باتیں کیں-

پس سب لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے سفارش کرانی چاہیں گے لیکن اپنا گناہ یاد کر کے جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں- تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ- وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں- لوگ حضرت نوحؑ کے پاس آ کر یہ درخواست کریں گے لیکن وہ بھی اپنے گناہ کو یاد کر کے یہی فرمائیں گے اور کہیں گے کہ تم سب حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ- وہ خلیل اللہ ہیں- لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور یہی کہیں گے- آپ بھی اپنے گناہ کو یاد کر کے یہی جواب دیں گے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس جانے کی ہدایت کریں گے کہ اللہ نے انہیں سرگوشیاں کرتے ہوئے نزدیک کیا تھا- وہ کلیم اللہ ہیں- ان پر توراۃ نازل فرمائی گئی تھی- لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے طلب سفارش کریں گے آپ بھی اپنے گناہ کا ذکر کریں گے اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے پاس بھیجیں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے' میں اس قابل نہیں- تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ-

حضورؐ فرماتے ہیں' پس سب لوگ میرے پاس آئیں گے- میں اللہ کے سامنے تین شفاعتیں کروں گا- میں جاؤں گا- جنت کے پاس پہنچ کر دروازے کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا تو مجھے مرحبا کہا جائے گا اور خوش آمدید کہا جائے گا- میں جنت میں جا کر اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑوں گا اور وہ حمد و ثنا جناب باری کی بیان کروں گا جو کسی نے نہ کی ہو- پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھاؤ- شفاعت کرو- قبول کی جائے گی- مانگو ملے گا- میں سر اٹھاؤں گا' اللہ تعالیٰ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے تاہم وہ دریافت فرمائے گا کہ کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں کہوں گا اے اللہ تو نے میری شفاعت کے قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے- چنانچہ اللہ تعالیٰ میری شفاعت ان جنتیوں کے بارے میں قبول فرمائے گا اور انہیں جنت کے داخلے کی اجازت ہو جائے گی- واللہ جیسے تم اپنے گھر سے اپنے بال بچوں سے آگاہ ہو' اس سے بہت زیادہ یہ جنتی اپنی جگہ اور اپنی بیویوں سے واقف ہوں گے- ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جائے گا- ستر ستر حوریں اور دو دو عورتیں ملیں گی- یہ

دونوں عورتیں اپنی کی ہوئی نیکیوں کے سبب پر فضیلت چہروں کی مالک ہوں گی۔ جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا جو یاقوت کے بالا خانے میں سونے کے جڑاؤ تخت پر ستر ریشمی حلے پہنے ہوئے ہوگی۔ اس کا جسم اس قدر نورانی ہوگا کہ ایک طرف اگر جنتی اپنا ہاتھ رکھے تو دوسری طرف سے نظر آئے گا۔ اس کی صفائی کی وجہ سے اس کی پنڈلی کا گودا گوشت پوست میں نظر آ رہا ہوگا اس کا دل اس کا آئینہ ہوگا۔ نہ یہ اس سے بس کرے نہ وہ اس سے اکتائے۔ جب کبھی اس کے پاس جائے گا، باکرہ پائے گا۔ یہ نہ تھکے نہ اسے تکلیف ہو۔ نہ کوئی مکروہ چیز ہو۔ یہ اپنی اس مشغولی میں مزے میں لطف وراحت میں اللہ جانے کتنی مدت گزار دے گا جو ایک آواز آئے گی کہ مانا نہ تمہارا دل اس سے بھرتا ہے نہ ان کا دل تم سے بھرے گا۔ لیکن اللہ نے تمہارے لئے اور بیویاں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ اب یہ اوروں کے پاس جائے گا جس کے پاس جائے گا بے ساختہ زبان سے یہی نکلے گا، اللہ کی قسم ساری جنت میں تم سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ مجھے تو جنت کی تمام چیزوں سے زیادہ تم سے محبت ہے۔ ہاں جنہیں ان کی بدعملیوں اور گناہوں نے تباہ کر رکھا ہے، وہ جہنم میں جائیں گے۔ اپنے اپنے اعمال کے مطابق آگ میں جلیں گے۔ بعض قدموں تک، بعض آدھی پنڈلی تک، بعض گھٹنے تک بعض آدھے بدن تک، بعض گردن تک۔ صرف چہرہ باقی رہ جائے گا کیونکہ صورت کا بگاڑنا اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے گنہگار دوزخیوں کی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جاؤ جنہیں پہچانو، انہیں نکال لاؤ۔ پھر یہ لوگ جہنم سے آزاد ہوں گے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔ پھر تو شفاعت کی عام اجازت مل جائے گی۔ کل انبیاء اور شہداء شفاعت کریں گے۔ جناب باری کا ارشاد ہوگا کہ جس کے دل میں ایک دینار برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لاؤ۔ پس یہ لوگ بھی آزاد ہوں گے اور ان میں سے بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔ پھر فرمائے گا، انہیں بھی نکال لاؤ جس کے دل میں دو ثلث دینار کے برابر ایمان ہو۔ پھر فرمائے گا ایک ثلث والوں کو بھی۔ پھر ارشاد ہوگا چوتھائی دینار کے برابر والوں کو بھی۔

پھر فرمائے گا ایک قیراط کے برابر والوں کو بھی۔ پھر ارشاد ہوگا انہیں بھی جہنم سے نکال لاؤ جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ پس یہ سب بھی نکل آئیں گے اور ان میں سے ایک شخص بھی باقی نہ بچے گا۔ بلکہ جہنم میں ایک شخص بھی ایسا نہ رہ جائے گا جس نے خلوص کے ساتھ کوئی نیکی بھی اللہ کی فرمانبرداری کے ماتحت کی ہو۔ جتنے شفیع ہوں گے، سب سفارش کر لیں گے یہاں تک کہ ابلیس کو بھی امید بندھ جائے گی اور وہ بھی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھے گا کہ شاید کوئی میری بھی شفاعت کرے کیونکہ وہ اللہ کی رحمت کا جوش دیکھ رہا ہوگا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین فرمائے گا کہ اب تو صرف میں ہی باقی رہ گیا اور میں تو سب سے زیادہ رحم وکرم کرنے والا ہوں۔ پس اپنا ہاتھ ڈال کر خود اللہ تبارک وتعالیٰ جہنم میں سے لوگوں کو نکالے گا جن کی تعداد سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ جلتے جھلستے ہوئے کوئلے کی طرح ہو گئے ہوں گے۔ انہیں نہر حیوان میں ڈالا جائے گا جہاں وہ اس طرح اگیں گے جس طرح دانہ اگتا ہے۔ جو کسی دریا کے کنارے بویا گیا ہو کہ اس کا دھوپ کا رخ تو سبز رہتا ہے اور سائے کا رخ زرد رہتا ہے۔ ان کی گردنوں پر تحریر ہوگا کہ وہ رحمان کے آزاد کردہ ہیں۔ اس تحریر سے انہیں دوسرے جنتی بھی پہچان لیں گے۔ ایک مدت تک تو یونہی رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ اے اللہ یہ حروف بھی مٹ جائیں۔ اللہ عزوجل یہ بھی مٹا دے گا۔ یہ حدیث اور آگے بھی ہے اور بہت ہی غریب ہے اور اس کے بعض حصوں کے شواہد متفرق احادیث میں ملتے ہیں۔ اس کے بعض الفاظ منکر ہیں۔ اسماعیل بن رافع قاضی اہل مدینہ اس کی روایت کے ساتھ منفرد ہیں۔ ان کو بعض محدثین نے تو ثقہ کہا ہے اور بعض نے ضعیف کہا ہے اور ان کی حدیث کی نسبت کئی ایک محدثین نے منکر ہونے کی صراحت کی ہے۔ جیسے امام احمدؒ امام ابو حاتمؒ امام عمرو بن علیؒ۔ بعض نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ متروک ہیں۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں، ان کی سب احادیث میں نظر ہے مگر ان کی حدیثیں ضعیف احادیث میں لکھنے کے قابل ہیں۔ میں نے اس حدیث کی سندوں میں جو اختلاف کئی وجوہ سے ہے، اسے علیحدہ ایک جزو میں

بیان کر دیا ہے- اس میں شک نہیں کہ اس کا بیان بہت ہی غریب ہے- یہ بھی کہا گیا کہ بہت سی احادیث کو ملا کر ایک حدیث بنا لی ہے- اسی وجہ سے اسے منکر کہا گیا ہے- میں نے اپنے استاد حافظ ابوالحاج مزی سے سنا ہے کہ انہوں نے امام ولید بن مسلمؒ کی ایک کتاب دیکھی ہے جس میں ان باتوں کے جو اس حدیث میں ہیں، شواہد بیان کئے ہیں- واللہ اعلم-

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ
اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۴ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝۷۶ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ
مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝۷۷ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا
رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ
مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۷۸ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۷۹ ۚ

جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو اللہ مانتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی پر جانتا ہوں ○ اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کے ملک و مخلوق بطور دلیل کے دکھائے تھے کہ وہ یقین ہونے والوں میں سے ہو جائیں ○ پھر جب اس پر رات کی اندھیری آئی تو اس نے ایک تارا دیکھا کہنے لگا یہ میرا رب ہے جب وہ غائب ہو گیا کہنے لگا میں چھپ جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ○ پھر چاند کو چمکتا ہوا دیکھ کر کہہ اٹھا کہ یہ میرا رب ہے۔ جب وہ بھی چھپ گیا تو کہنے لگا اگر میرے رب نے میری سچی رہبری نہ فرمائی تو میں تو گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا ○ پھر آفتاب کو روشن دیکھ کر کہنے لگا یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگا اے میری قوم کے لوگو میں تو تمہارے مقرر کردہ شریکوں سے بالکل بیزار ہوں ○ میں تو پابند توحید ہو کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں ○

ابراہیم علیہ السلام اور آزر میں مکالمہ : ☆☆ (آیت:۷۴-۷۹) حضرت عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہم السلام کے والد کا نام آزر نہ تھا بلکہ تارخ تھا- آزر سے مراد بت ہے- آپ کی والدہ کا نام مثلے تھا- آپ کی بیوی صاحبہ کا نام سارہ تھا- حضرت اسماعیلؑ کی والدہ کا نام ہاجرہ تھا- یہ حضرت ابراہیمؑ کی سریہ تھیں- علماء نسب میں سے اوروں کا بھی قول ہے کہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا- مجاہد اور سدی فرماتے ہیں، آزر اس بت کا نام تھا جس کے پجاری اور خادم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے- ہو سکتا ہے کہ اس بت کے نام کی وجہ سے انہیں بھی اسی نام سے یاد کیا جاتا ہو اور یہی نام مشہور ہو گیا ہو- واللہ اعلم- ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ آزر کا لفظ ان میں بطور عیب گیری کے استعمال کیا جاتا تھا- اس کے معنی ہیں ٹیڑھے آدمی کے- لیکن اس کلام کی سند نہیں نہ امام صاحب نے اسے کسی سے نقل کیا ہے-

سلیمانؒ کا قول ہے کہ اس کے معنی ٹیڑھے پن کے ہیں اور یہی سب سے سخت لفظ ہے جو خلیل اللہ کی زبان سے نکلا۔ ابن جریرؒ کا فرمان ہے کہ ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آزر تھا اور یہ جو عام تاریخ داں کہتے ہیں کہ ان کا نام تارخ تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے دونوں نام ہوں یا ایک تو نام ہو اور دوسرا لقب ہو۔ بات تو یہ ٹھیک اور نہایت قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ آزر اور آزر دونوں قراتیں ہیں۔ پچھلی قرات یعنی راء کے زبر کے ساتھ تو جمہور کی ہے۔ پیش والی قرات میں ندا کی وجہ سے پیش ہے اور زبر والی قرات لِاَبِیْهِ سے بدل ہونے کی ہے اور ممکن ہے کہ عطف بیان ہو اور یہی زیادہ مشابہ ہے۔ یہ لفظ علمیت اور عجمیت کی بنا پر غیر منصرف ہے۔ بعض لوگ اسے صفت بتلاتے ہیں۔ اس بنا پر بھی یہ غیر منصرف رہے گا جیسے احمر اور اسود۔

بعض اسے اَتَتَّخِذُ کا معمول مان کر منصوب کہتے ہیں۔ گویا حضرت ابراہیم یوں فرماتے ہے کہ اے باپ' کیا آپ آزر بت کو معبود مانتے ہیں؟ لیکن یہ دور کی بات ہے۔ خلاف لغت ہے کیونکہ حرف استفہام کے بعد والا اپنے سے پہلے والے میں عامل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے لئے ابتداء کلام کا حق ہے۔ عربی کا یہ تو مشہور قاعدہ ہے۔ الغرض حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے باپ کو وعظ سنا رہے ہیں اور انہیں بت پرستی سے روک رہے ہیں لیکن وہ باز نہ آئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو نہایت بری بات ہے کہ تم ایک بت کے سامنے الحاج اور عاجزی کرو جو اللہ کا حق ہے۔ یقیناً اس مسلک کے لوگ سب کے سب بہکے ہوئے اور راہ بھٹکے ہوئے ہیں اور آیت میں ہے کہ صدیق نبی ابراہیم خلیلؑ نے اپنے والد سے فرمایا' ابا آپ ان کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں نہ کچھ فائدہ پہنچائیں۔ ابا میں آپ کو وہ کھری بات سناتا ہوں جو اب تک آپ کے علم میں نہیں آئی تھی۔ آپ میری بات مان لیجئے۔ میں آپ کو صحیح راہ کی رہنمائی کروں گا۔ ابا شیطان کی عبادت سے ہٹ جایئے۔ وہ تو رحمان کا نافرمان ہے۔ ابا مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو آپ پر اللہ کا کوئی عذاب آ جائے اور آپ شیطان کے رفیق کار بن جائیں۔ باپ نے جواب دیا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے ناراض ہے؟ سن اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ پس اب تو مجھ سے الگ ہو جا۔ آپ نے فرمایا' اچھا میرا اسلام لو۔ میں تو اب بھی اپنے پروردگار سے تمہاری معافی کی درخواست کروں گا۔ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ میں تم سب کو اور تمہارے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا ہیں' چھوڑتا ہوں۔ اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوتا ہوں۔ ناممکن ہے کہ میں اس کی عبادت بھی کروں اور پھر بے نصیب اور خالی ہاتھ رہوں۔ چنانچہ حسب وعدہ خلیل اللہؑ اپنے والد کی زندگی تک استغفار کرتے رہے لیکن جبکہ مرتے ہوئے بھی وہ شرک سے باز نہ آئے تو آپ نے استغفار بند کر دیا اور بیزار ہو گئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا ایک وعدے کی بنا پر تھا۔ جب آپ پر یہ کھل گیا کہ وہ دشمن الہ ہے تو آپ اس سے بیزار اور بری ہو گئے۔ ابراہیمؑ بڑے ہی اللہ سے ڈرنے والے نرم دل' حلیم الطبع تھے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے۔ آزر آپ کو دیکھ کر کہے گا بیٹا آج میں تیری کسی بات کی مخالفت نہ کروں گا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت کے دن تو مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہو گی کہ میرا باپ رحمت سے دور کر دیا جائے۔ آپ سے فرمایا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے کی طرف دیکھو۔ دیکھیں گے کہ ایک بجو کیچڑ میں لتھڑا کھڑا ہے۔ اس کے پاؤں پکڑے جائیں گے اور آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی وحدانیت سمجھ میں آ جائے اس لئے ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان و زمین کی مخلوق دکھا دی جیسے اور آیت میں ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور جگہ ہے افلم یروا الی مابین ایدھم الخ' یعنی لوگوں کو آسمان و زمین کی مخلوق پر عبرت کی نظریں ڈالنی چاہئیں۔ انہیں اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو دیکھنا چاہئے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں۔ اگر چاہیں آسمان کا ٹکڑا ان پر گرا دیں۔ رغبت و رجوع والے بندوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

مجاہدؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ آسمان حضرت ابراہیمؑ کے سامنے کھول دیئے گئے - عرش تک آپ کی نظریں پہنچیں - حجاب اٹھا دیئے گئے اور آپ نے سب کچھ دیکھا - بندوں کو گناہوں میں دیکھ کر ان کے لئے بددعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ سے زیادہ میں ان پر رحیم ہوں - بہت ممکن ہے کہ یہ توبہ کرلیں اور بداعمالیوں سے ہٹ جائیں - پس یہ دکھلانا موقوف کر دیا گیا ہے - ممکن ہے یہ کشف کے طور پر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد معلوم کرانا اور حقائق سے متعارف کرا دینا ہو - چنانچہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک حدیث میں حضورؐ کے خواب کا ذکر ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آیا اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ اونچی جماعت کے فرشتے اس وقت کس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہتھیلی میرے دونوں بازوؤں کے درمیان رکھ دی یہاں تک کہ اس کی پوریوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی - پھر تو تمام چیزیں میرے سامنے کھل گئیں اور میں نے اسے پہچان لیا و لیکون کا واؤ زائدہ ہے - جیسے وَلِتَستَبِینَ میں اور کہا گیا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر ہے یعنی اس لئے کہ وہ عالم اور یقین والے ہو جائیں - رات کے اندھیرے میں خلیل اللہ ستارے کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ میرا رب ہے - جب وہ غروب ہو جاتا ہے تو آپ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ پروردگار نہیں کیونکہ رب دوام والا ہوتا ہے - وہ زوال اور انقلاب سے پاک ہوتا ہے - پھر جب چاند چڑھتا ہے تو یہی فرماتے ہیں - جب وہ بھی غروب ہو جاتا ہے تو اس سے بھی یکسوئی کر لیتے ہیں - پھر سورج کے طلوع ہونے پر اسے سب سے بڑا پا کر سب سے زیادہ روشن دیکھ کر یہی کہتے ہیں - جب وہ بھی ڈھل جاتا ہے تو اللہ کے سوا تمام معبودوں سے بیزار ہو جاتے ہیں - اور پکار اٹھتے ہیں کہ میں تو اپنی عبادت کے لئے اللہ کی ذات کو مخصوص کرتا ہوں جس نے ابتداء میں بغیر کسی نمونے کے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے - میں شرک سے ہٹ کر توحید کی طرف لوٹتا ہوں اور میں مشرکوں میں شامل رہنا نہیں چاہتا - مفسرین ان آیتوں کی بابت دو خیال ظاہر کرتے ہیں - ایک تو یہ کہ یہ بطور نظر اور غور و فکر کے تھا - دوسرے یہ کہ یہ سب بطور مناظرہ کے تھا - ابن عباسؓ سے دوسری بات ہی مروی ہے -

ابن جریر میں بھی اسی کو پسند کیا گیا ہے - اس کی دلیل میں آپ کا یہ قول لاتے ہیں کہ اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہ ہو جاتا - امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے ایک لمبا قصہ نقل کیا ہے جس میں ہے کہ نمرود بن کنعان بادشاہ سے یہ کہا گیا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں تیرا تخت تاراج ہوگا - تو اس نے حکم دے دیا تھا کہ اس سال میری مملکت میں جتنے بچے پیدا ہوں، سب قتل کر دیئے جائیں - حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے جب یہ سنا تو کچھ وقت قبل شہر کے باہر ایک غار میں چلی گئیں، وہیں حضرت خلیل اللہؑ پیدا ہوئے - تو جب آپ اس غار سے باہر نکلے تب آپ نے یہ سب فرمایا تھا جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے، بالکل صحیح بات یہ ہے کہ یہ گفتگو اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مناظرانہ تھی - اپنی قوم کی باطل پرستی کا احوال اللہ کو سمجھا رہے تھے - اول تو آپ نے اپنے والد کی خطا ظاہر کی کہ وہ زمین کے ان بتوں کی پوجا کرتے تھے جنہیں انہوں نے فرشتوں وغیرہ کی شکل پر بنا لیا تھا اور جنہیں وہ سفارشی سمجھ رہے تھے - یہ لوگ بزعم خود اپنے آپ کو اس قابل نہیں جانتے تھے کہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں - اس لئے بطور وسیلے کے فرشتوں کو پوجتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے بارہ میں کہہ سن کر ان کی روزی وغیرہ بڑھوا دیں اور ان کی حاجتیں پوری کرا دیں - پھر جن آسمانی چیزوں کو یہ پوجتے تھے ان میں ان کی خطا بیان کی - یہ ستارہ پرست بھی تھے - ساتوں ستاروں کو جو چلنے پھرنے والے ہیں، پوجتے تھے - چاند، عطارد، زہرہ، سورج، مریخ، مشتری، زحل - ان کے نزدیک سب سے زیادہ روشن سورج ہے، پھر چاند، پھر زہرہ، پس آپ نے ادنیٰ سے شروع کیا اور اعلیٰ تک لے گئے - پہلے تو زہرہ کی نسبت فرمایا کہ وہ پوجا کے قابل نہیں کیونکہ یہ دوسرے کے قابو میں ہیں - یہ مقررہ چال سے چلتا، مقررہ جگہ پر چلتا ہے، دائیں بائیں ذرا بھی کھسک نہیں سکتا - تو جبکہ وہ خود اپنے اوپر بھی قابو نہیں رکھتا، خود بھی آزاد نہیں تو تم پر یا دنیا پر اس کا کیا قبضہ ہوگا؟ اور کہاں

سے ہوگا؟ یہ تو خود اللہ کی ملکیت کی بے شمار چیزوں میں سے ایک چیز ہے- اس میں روشنی بھی اللہ کی دی ہوئی ہے- یہ مشرق سے نکلتا ہے پھر چلتا پھرتا رہتا ہے اور ڈوب جاتا ہے-

پھر دوسری رات اسی طرح ظاہر ہوتا ہے تو ایسی چیز معبود ہونے کی صلاحیت کیا رکھتی ہے؟ پھر اس سے زیادہ روشن چیز یعنی چاند کو دیکھتے ہیں اور اس کو بھی عبادت کے قابل نہ ہونا ظاہر فرما کر پھر سورج کو لیا اور اس کی مجبوری اور اس کی غلامی اور مسکینی کا اظہار کیا اور کہا کہ لوگو' میں تمہارے ان شرکاء سے' ان کی عبادت سے' ان کی عقیدت سے' ان کی محبت سے دور ہوں- سنو اگر یہ سچے معبود ہیں اور کچھ قدرت رکھتے ہیں تو ان سب کو ملا لو اور جو تم سب سے ہو سکے میرے خلاف کرلو- میں تو اس اللہ کا عابد ہوں جو ان مصنوعات کا صانع' جو ان مخلوقات کا خالق ہے جو ہر چیز کا مالک' رب اور سچا معبود ہے جیسے قرآنی ارشاد ہے کہ تمہارا رب صرف وہی ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا- پھر عرش پر مستوی ہو گیا- رات کو دن سے' دن کو رات سے ڈھانپتا ہے- ایک دوسرے کے برابر پیچھے جا آ رہا ہے- سورج' چاند اور تارے سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں- خلق و امر اسی کی ملکیت میں ہیں- وہ رب العالمین ہے- بڑی برکتوں والا ہے' یہ تو بالکل ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ سب فرمان بطور واقعہ کے ہوں اور حقیقت میں آپ اللہ کو پہچانتے ہی نہ ہوں- حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ رُشۡدَهٗ مِنۡ قَبۡلُ الخ' یعنی ہم نے پہلے سے حضرت ابراہیم کو سیدھا راستہ دے دیا تھا اور ہم اس سے خوب واقف تھے جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا یہ صورتیں کیا ہیں جن کی تم پرستش اور مجاورت کر رہے ہو؟ اور آیت میں ہے اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ الخ ابراہیم تو بڑے خلوص والے' اللہ کے سچے فرمانبردار تھے- وہ مشرکوں میں سے نہ تھے- اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے- اللہ نے انہیں پسند فرما لیا تھا اور صراط مستقیم کی ہدایت دی تھی- دنیا کی بھلائیاں دی تھیں اور آخرت میں بھی انہیں صالح لوگوں میں ملا دیا تھا- اب ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں کہ ابراہیم حنیف کے دین کا تابعدار رہ- وہ مشرک نہ تھا-

بخاری و مسلم میں ہے- حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے- صحیح مسلم کی حدیث قدسی میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے- کتاب اللہ میں فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت اللہ پر پیدا کیا ہے- اللہ کی خلق کی تبدیلی نہیں- اور آیت میں ہے تیرے رب نے آدم کی پیٹھ سے ان کی اولاد نکال کر انہیں ان کی جانوں پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہاں بے شک تو ہمارا رب ہے- پس یہی فطرت اللہ ہے جیسے کہ اس کا ثبوت عنقریب آئے گا ان شاء اللہ پس جبکہ تمام مخلوق کی پیدائش دین اسلام پر' اللہ کی سچی توحید پر ہے تو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جن کی توحید اور اللہ پرستی کا ثناخواں خود کلام رحمان ہے' ان کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ آپ اللہ جل شانہ سے آگاہ نہ تھے اور کبھی تارے کو اور کبھی چاند سورج کو اپنا اللہ سمجھ رہے تھے- نہیں نہیں آپ کی فطرت سالم تھی- آپ کی عقل صحیح تھی- آپ اللہ کے سچے دین پر اور خالص توحید پر تھے- آپ کا یہ تمام کلام بحیثیت مناظرہ تھا اور اس کی زبردست دلیل اس کے بعد کی آیت ہے-

وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۸۰﴾

اس کی قوم اس سے حجت کرنے لگی تو اس نے کہا' کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہو؟ مجھے تو اللہ راہ دکھا چکا ہے۔ جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک بنا رہے

ہو' میں ان سے بالکل نہیں ڈرتا' ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی بات چاہے میرا رب ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے ○

مشرکین کا توحید سے فرار: ☆☆ (آیت:۸۰) ابراہیم علیہ السلام کی سچی توحید کے دلائل سن کر پھر بھی مشرکین آپ سے بحث جاری رکھتے ہیں تو آپ ان سے فرماتے ہیں' تعجب ہے کہ تم مجھ سے اللہ جل جلالہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہو؟ حالانکہ وہ یکتا اور لاشریک ہے اس نے مجھے راہ دکھا دی ہے اور دلیل عطا فرمائی ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ تمہارے یہ سب معبود محض بے بس اور بے طاقت ہیں۔ میں نہ تو تمہاری فضول اور باطل باتوں میں آؤں گا نہ تمہاری دھمکیاں سچی جانوں گا۔ جاؤ تم سے اور تمہارے باطل معبودوں سے جو ہو سکے کر لو۔ ہرگز ہرگز کمی نہ کرو بلکہ جلدی کر گزرو۔ اگر تمہارے اور ان کے قبضے میں میرا کوئی نقصان ہے تو جاؤ پہنچا دو۔ میرے رب کی منشا بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ ضرر نفع سب اسی کی طرف ہے۔ تمام چیزیں اسی کے علم میں ہیں۔ اس پر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ افسوس اتنی دلیلیں سن کر بھی تمہارے دل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے سامنے یہی دلیل پیش کی تھی۔

قرآن میں موجود ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا' اے ہود تم کوئی دلیل تو لائے نہیں ہو اور صرف تمہارے قول سے ہم اپنے معبودوں سے دست بردار نہیں ہو سکتے نہ ہم تجھ پر ایمان لائیں گے۔ ہمارا اپنا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں نے تجھے کچھ کر دیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تم جن کو بھی اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو' میں سب سے بیزار ہوں۔ جاؤ تم سب مل کر جو کچھ مکر میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو' وہ کر لو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ میں نے تو اس رب پر توکل کر لیا ہے جو تمہارا میرا سب کا پالنہار ہے۔ تمام جانداروں کی پیشانیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ سمجھو اور سوچو تو سہی کہ میں تمہارے ان باطل معبودوں سے کیوں ڈروں گا؟ جب کہ تم اس اکیلے اللہ وحدہ لاشریک سے نہیں ڈرتے اور کھلم کھلا اس کی ذات کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہو۔ تم ہی بتلاؤ کہ ہم تم میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟ دلیل میں اعلیٰ کون ہے؟ یہ آیت مثل آیت اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا الخ اور آیت اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ الخ کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا بندہ جو خیر و شر کا' نفع و ضرر کا مالک ہے' امن والا ہو گا یا اس کا بندہ جو محض بے بس اور بے قدرت ہے' قیامت کے دن کے عذابوں سے امن میں رہے گا۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ
مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ
بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا
اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ وَتِلْكَ
حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ
نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳

کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ میں تمہارے معبودوں سے کیوں خوف کھاؤں؟ اور تم نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ انہیں شریک ٹھہرا رہے ہو جس کی کوئی دلیل اللہ نے تم پر نازل نہیں فرمائی۔ اگر تم میں صحیح علم ہے تو تم ہی بتلا دو کہ ہم دونوں جماعتوں میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟ ○ جو لوگ ایمان لا کر اپنے ایمان

کو شرک سے خلط ملط نہیں کرتے' ان ہی کے لئے امن ہے اور حقیقتاً راہ یافتہ وہی لوگ ہیں ○ یہی ہمارے وہ دلائل تھے جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا فرما رکھے تھے - ہم جسے چاہیں مرتبوں میں بڑھا چڑھا دیں - بیشک تیرا رب بڑی حکمت والا' کامل علم والا ہے ○

پھر جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور خلوص کے ساتھ دینداری کریں' رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں - امن وامان اور راہ راست والے یہی لوگ ہیں - جب یہ آیت اتری تو صحابہؓ ظلم کا لفظ سن کر چونک اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو؟ اس پر آیت اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ نازل ہوئی یعنی یہاں مراد ظلم سے شرک ہے (بخاری شریف) اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ان کے اس سوال پر فرمایا' کیا تم نے اللہ کے نیک بندے کا یہ قول نہیں سنا کہ اے میرے پیارے بچے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا - شرک بڑا بھاری ظلم ہے - پس مراد یہاں ظلم سے شرک ہے اور روایت میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم جو سمجھ رہے ہو' وہ مقصد نہیں - اور حدیث میں آپ کا خود بظلم کی تفسیر بشرك سے کرنا مروی ہے - بہت سے صحابیوں سے بہت سی سندوں کے ساتھ بہت سی کتابوں میں یہ حدیث مروی ہے - ایک روایت میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مجھ سے کہا گیا کہ تو ان ہی لوگوں میں سے ہے -

مسند احمد میں زاذانؓ اور جریر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے - جب ہم مدینہ شریف سے باہر نکل گئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک اونٹ سوار بہت تیزی سے اپنے اونٹ کو دوڑاتا ہوا آ رہا ہے - حضورؐ نے فرمایا' یہ تمہاری طرف ہی آ رہا ہے اس نے پہنچ کر سلام کیا - ہم نے جواب دیا - حضورؐ نے ان سے پوچھا - کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا' اپنے گھر سے' اپنے بال بچوں میں سے' اپنے کنبے قبیلے میں سے - دریافت فرمایا' کیا ارادہ ہے؟ کیسے نکلے ہو؟ جواب دیا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی جستجو میں - آپ نے فرمایا پھر تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے - میں ہی اللہ کا رسول ہوں - اس نے خوش ہو کر کہا' یا رسول اللہؐ مجھے سمجھایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' یہ کہہ دو کہ اللہ ایک ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسولؐ ہیں اور نمازوں کو قائم رکھے اور زکوۃ ادا کرتا رہے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اس نے کہا مجھے سب باتیں منظور ہیں - میں سب اقرار کرتا ہوں - اتنے میں ان کے اونٹ کا پاؤں ایک سوراخ میں گر پڑا اور اونٹ ایک دم سے جھٹکا لے کر جھک گیا اور وہ اوپر سے گرے اور سر کے بل گرے اور اسی وقت روح پرواز کر گئی - حضورؐ نے ان کے گرتے ہی فرمایا کہ دیکھو انہیں سنبھالو - اسی وقت حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ اپنے اونٹوں سے کود پڑے اور انہیں اٹھا لیا - دیکھا تو روح جسم سے علیحدہ ہو چکی ہے - حضورؐ سے کہنے لگے' یا رسول اللہؐ یہ تو فوت ہو گئے - آپؐ نے منہ پھیر لیا -

پھر ذرا سی دیر میں فرمانے لگے - تم نے مجھے منہ موڑتے ہوئے دیکھا ہو گا - اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے دیکھا دو فرشتے آئے تھے اور مرحوم کے منہ میں جنت کے پھول دے رہے تھے - اس سے میں نے جان لیا کہ بھوکے فوت ہوئے ہیں - سنو یہ انہی لوگوں میں سے ہیں جن کی بابت اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا' ان کے لئے امن وامان ہے اور وہ راہ یافتہ ہیں - اچھا اپنے پیارے بھائی کا کفن دفن کرو -

چنانچہ ہم انہیں پانی کے پاس اٹھا لے گئے' غسل دیا' خوشبو ملی اور قبر کی طرف جنازہ لے کر چلے - آنحضرت ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے' بغلی قبر بناؤ' سیدھی نہ بناؤ' بغلی قبر ہمارے لئے ہے اور سیدھی ہمارے سوا اوروں کے لئے ہے - لوگو یہ وہ شخص ہے جس نے عمل بہت ہی کم کیا اور ثواب زیادہ پایا - یہ ایک اعرابی تھے - انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں اپنے گھر سے اپنے بال بچوں سے' اپنے مال سے' اپنے کنبے قبیلے سے اس لئے اور صرف اس لئے الگ ہوا

ہوں کہ آپ کی ہدایت کو قبول کروں، آپ کی سنتوں پر عمل کروں۔ آپ کی حدیثیں لوں۔ یارسول اللہؐ میں گھاس پھوس کھاتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ آپ مجھے اسلام سکھایئے۔ حضورؐ نے سکھایا۔ اس نے قبول کیا۔ ہم سب ان کے اردگرد بھیڑ لگائے کھڑے تھے۔ اتنے میں جنگلی چوہے کے بل میں ان کے اونٹ کا پاؤں پڑ گیا۔ یہ گر پڑے اور گردن ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا، اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، یہ سچ مچ فی الواقع اپنے گھر سے، اپنے اہل وعیال سے اور اپنے مال مویشی سے صرف میری تابعداری کی دھن میں نکلا تھا اور وہ اس بات میں بھی سچے تھے کہ وہ میرے پاس نہیں پہنچے یہاں تک کہ ان کا کھانا صرف سبز پتے اور گھاس رہ گیا تھا۔ تم نے ایسے لوگ بھی سنے ہوں گے جو عمل کم کرتے ہیں اور ثواب بہت پاتے ہیں۔ یہ بزرگ انہی میں سے تھے۔ تم نے سنا ہوگا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے، جو ایمان لائیں اور ظلم نہ کریں، وہ امن وہدایت والے ہیں۔ یہ انہی میں سے تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

پھر فرمایا ابراہیم علیہ السلام کو یہ دلیلیں ہم نے سکھائیں جن سے وہ اپنی قوم پر غالب آ گئے جیسے انہوں نے ایک اللہ کے پرستار کا امن اور اس کی ہدایت بیان فرمائی اور خود اللہ کی طرف سے اس بات کی تصدیق کی گئی دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ① کی یہی ایک قرات ہے، اضافت کے ساتھ اور بے اضافت دونوں طرح پڑھایا گیا ہے جیسے سورۂ یوسف میں ہے اور معنی دونوں قراتوں کے قریب قریب برابر ہیں۔ تیرے رب کے اقوال رحمت والے اور اس کے کام بھی حکمت والے ہیں۔ وہ صحیح راستے والوں کو اور گمراہوں کو بخوبی جانتا ہے جیسے فرمان ہے۔ جن پر تیرے رب کی بات صادق آ گئی ہے۔ ان کے پاس چاہے تم تمام نشانیاں لے آؤ۔ پھر بھی انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھ لیں۔ پس رب کی حکمت اور اس کے علم میں کوئی شبہ نہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ
قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝٨٤ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى
وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝٨٥ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ
وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝٨٦

ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب دیا۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی۔ اس سے پہلے کے زمانے میں ہم نے نوح کو بھی راہ راست دکھائی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی نیک کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں ○ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی۔ یہ سب نیک بندوں میں تھے ○ اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو بھی ان سب کو ہم نے دنیا کے لوگوں پر برتری دی ○

خلیل الرحمٰن کو بشارت اولاد: ☆☆ (آیت: ۸۴-۸۶) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ خلیل الرحمٰن کو اس نے ان کے بڑھاپے کے وقت بیٹا عطا فرمایا جن کا نام اسحاق ہے۔ اس وقت آپ بھی اولاد سے مایوس ہو چکے تھے اور آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہؓ بھی مایوس ہو چکی تھیں۔ جو فرشتے بشارت سنانے آتے ہیں، وہ قوم لوط کی ہلاکت کے لئے جا رہے تھے۔ ان سے بشارت سن کر مائی صاحبہ سخت متعجب ہو کر کہتی ہیں، میں بڑھیا کھوسٹ ہو چکی، میرے خاوند عمر سے اتر چکے، ہمارے ہاں بچہ ہونا تعجب کی بات ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا اللہ کی قدرت میں ایسے تعجبات عام ہوتے ہیں۔ اے نبی کے گھرانے والو، تم پر رب کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، اللہ بڑی تعریفوں والا اور بڑی

بزرگیوں والا ہے۔ اتنا ہی نہیں کہ تمہارے ہاں بچہ ہوگا بلکہ وہ نبی زادہ خود بھی نبی ہوگا اور اس سے تمہاری نسل پھیلے گی اور باقی رہے گی۔ قرآن کی اور آیت میں بشارت کے الفاظ میں نبیا کا لفظ بھی ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اولاد کی اولاد بھی تم دیکھ لوگے۔ اسحاقؑ کے گھر یعقوبؑ پیدا ہوں گے اور تمہیں خوشی پر خوشی ہوگی اور پھر پوتے کا نام یعقوب رکھنا جو عقب سے مشتق ہے۔ خوش خبری ہے اس امر کی کہ یہ نسل جاری رہے گی۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا
هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

ان کے بعض باپ دادوں، اولادوں اور بھائیوں کو بھی ہم نے ہدایت دی اور ہم نے انہیں اپنا پسندیدہ کر لیا اور راہ مستقیم کی طرف ان کی رہبری کی ○ یہ ہے اللہ کی ہدایت اس سے نوازتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، یہ لوگ بھی اگر شرک کرتے تو ان کے کئے کرائے تمام اعمال غارت ہو جاتے ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب وحکمت اور پیغمبری عطا فرمائی۔ اگر یہ کفار قرآنی آیتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان آیتوں پر ایمان لانے والی وہ قوم مقرر کی ہے جو ان سے کبھی کفر نہ کرے گی ○

فی الواقع خلیل اللہ علیہ السلام اس بشارت کے قابل بھی تھے۔ قوم کو چھوڑا۔ ان سے منہ موڑا۔ شہر کو چھوڑا۔ ہجرت کی۔ اللہ نے دنیا میں بھی انعام دیئے۔ اتنی نسل پھیلائی جو آج تک دنیا میں آباد ہے۔ فرمان الٰہ ہے کہ جب ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑا تو ہم نے انہیں اسحاق ویعقوب بخشا اور دونوں کو نبی بنایا۔

یہاں فرمایا، ان سب کو ہم نے ہدایت دی تھی اور ان کی بھی نیک اولاد دنیا میں باقی رہی۔ طوفان نوحؑ میں کفار سب غرق ہو گئے۔ پھر حضرت نوحؑ کی نسل پھیلی۔ انبیاء انہی کی نسل میں سے ہوتے رہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد تو نبوت انہی کے گھرانے میں رہی جیسے فرمان ہے وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ہم نے ان ہی کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی اور آیت میں ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ یعنی ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر، پھر ان ہی دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کر دی۔ اور آیت میں ہے۔ یہ ہیں جن پر انعام الٰہ ہوا نبیوں میں سے اور جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی اور پسند کر لیا تھا ان پر جب رحمان کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو روتے گڑگڑاتے سجدے میں گر پڑتے تھے۔

پھر فرمایا ہم نے اس کی اولاد میں سے داؤد وسلیمان کو ہدایت کی۔ اس میں اگر ضمیر کا مرجع نوحؑ کو کیا جائے تو ٹھیک ہے اس لئے کہ ضمیر سے پہلے سب سے قریب نام یہی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ع ٨ ١٦

یہی وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے - پس تو بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کر کہہ دے کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا - دنیا جہاں کے سب لوگوں کے لئے یہ تو محض نصیحت ہے ○

امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ہے بھی یہ بالکل ظاہر جس میں کوئی اشکال نہیں - ہاں اسے حضرت ابراہیمؑ کی طرف لوٹانا بھی ہے تو اچھا اس لئے کہ کلام انہی کے بارے میں ہے - قصہ انہی کا بیان ہو رہا ہے لیکن بعد کے ناموں میں سے لوطؑ کا نام اولاد آدمؑ میں ہونا ذرا مشکل ہے اس لئے کہ حضرت لوطؑ خلیل اللہؑ کی اولاد میں نہیں بلکہ ان کے والد کا نام ماران ہے وہ آزر کے لڑکے تھے تو وہ آپ کے بھتیجے ہوئے ہاں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ باعتبار غلبے کے انہیں بھی اولاد میں شامل کر لیا گیا ہے جیسے کہ آیت اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ الخ میں حضرت اسمعیلؑ کو جو اولاد یعقوب کے چچا تھے باپوں میں شمار کر لیا گیا ہے - ہاں یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اولاد ابراہیم یا اولاد نوح میں گننا اس بنا پر ہے کہ لڑکیوں کی اولاد یعنی نواسے بھی اولاد میں داخل ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے -

روایت میں ہے' حجاج نے حضرت یحییٰ بن یعمر کے پاس آدمی بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو حسنؓ' حسینؓ کو آنحضرت ﷺ کی اولاد میں گنتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ قرآن سے ثابت ہے لیکن میں تو پورے قرآن میں کسی جگہ یہ نہیں پاتا - آپ نے جواب دیا کیا تو نے سورۂ انعام میں وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ الخ نہیں پڑھا اس نے کہا - ہاں یہ تو پڑھا ہے - کہا پھر دیکھو اس میں حضرت عیسیٰؑ کا نام ہے اور ان کا کوئی باپ تھا ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ لڑکی کی اولاد بھی اولاد ہی ہے - حجاج نے کہا بے شک آپ سچے ہیں' اسی لئے مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی ذریت کے لئے وصیت کرے یا وقف کرے یا ہبہ کرے تو لڑکیوں کی اولاد بھی اس میں داخل ہے - ہاں اگر اس نے اپنے لڑکوں کو دیا ہے یا ان پر وقف کیا ہے تو اس کے اپنے صلبی لڑکے اور لڑکوں کے لڑکے اس میں شامل ہوں گے اس کی دلیل عربی شاعر کا یہ شعر سنئے ؎

بنو نا بنوا ابنائنا وبناتنا   بنوهن ابنا الرجال الا جانب

یعنی ہمارے لڑکوں کے لڑکے تو ہمارے لڑکے ہیں اور ہماری لڑکیوں کے لڑکے اجنبیوں کے لڑکے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کے لڑکے بھی ان میں داخل ہیں کیونکہ صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا' میرا یہ لڑکا سید ہے اور ان شاء اللہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اللہ تعالیٰ صلح کرا دے گا - پس نواسے کو اپنا لڑکا کہنے سے لڑکیوں کی اولاد کا بھی اپنی اولاد میں داخل ہونا ثابت ہوا - اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ مجاز ہے - اس کے بعد فرمایا' ان کے باپ دادے' ان کی اولادیں' ان کے بھائی الغرض اصول و فروع اور اہل طبقہ کا ذکر آ گیا کہ ہدایت اور پسندیدگی ان سب کو گھیرے ہوئے ہے - یہ اللہ کی سچی اور سیدھی راہ پر لگا دیئے گئے ہیں - یہ جو کچھ انہیں حاصل ہوا' یہ اللہ کی مہربانی' اس کی توفیق اور اس کی ہدایت سے ہے -

پھر شرک کی کامل برائی لوگوں کے ذہن میں آ جائے - اس لئے فرمایا کہ اگر بالفرض نبیوں کا یہ گروہ بھی شرک کر بیٹھے تو ان کی بھی تمام تر نیکیاں ضائع ہو جائیں جیسے ارشاد ہے وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ الخ تجھ پر اور تجھ سے پہلے کے ایک ایک نبی پر یہ وحی بھیج دی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال اکارت ہو جائیں گے - یہ یاد رہے کہ یہ شرط ہے اور شرط کا واقع ہونا ہی ضروری نہیں جیسے فرمان ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ الخ' یعنی اگر اللہ کی اولاد ہو تو میں تو سب سے پہلے ماننے والا بن جاؤں اور جیسے اور آیت میں ہے لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ الخ یعنی اگر کھیل تماشا بنانا ہی چاہتے ہو تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے - اور فرمان ہے لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا الخ اگر اللہ تعالیٰ اولاد کا ہی ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا

لیکن وہ اس سے پاک ہے اور وہ یکتا اور غالب ہے- پھر فرمایا بندوں پر رحمت نازل فرمانے کے لئے ہم نے انہیں کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائی - پس اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ اس کے ساتھ یعنی نبوت کے ساتھ یا کتاب وحکمت ونبوت کے ساتھ کفر کریں، یہ اگر ان نعمتوں کا انکار کریں خواہ قریش ہوں، خواہ اہل کتاب ہوں، خواہ کوئی اور عربی یا عجمی ہوں تو کوئی حرج نہیں- ہم نے ایک قوم ایسی بھی تیار کر رکھی ہے جو اس کے ساتھ کبھی کفر نہ کرے گی- یعنی مہاجرین، انصار اور ان کی تابعداری کرنے والے، ان کے بعد آنے والے یہ لوگ نہ کسی امر کا انکار کریں گے نہ تحریف یا ردوبدل کریں گے بلکہ ایمان کامل لے آئیں گے- ہر ہر حرف کو مانیں گے- محکم متشابہ سب کا اقرار کریں گے- سب پر عقیدہ رکھیں گے-

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل وکرم سے ان ہی باایمان لوگوں میں کر دے- پھر اپنے پیغمبر سے خطاب کر کے فرماتا ہے جن انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہوا اور جو مجمل طور پر ان کے بڑوں چھوٹوں اور لواحقین میں سے مذکور ہوئے، یہی سب اہل ہدایت ہیں تو اپنے نبی آخر الزمان ہی کی اقتدا اور اتباع کرو اور جب یہ حکم نبی کو ہے تو ظاہر ہے کہ آپ کی امت بطور اولیٰ اس میں داخل ہے-

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حدیث لائے ہیں- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آپ کے شاگرد رشید حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ کیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا، آنحضرت ﷺ کو ان کی تابعداری کا حکم ہوا ہے- پھر فرماتا ہے کہ اے نبیؐ ان میں اعلان کر دو کہ میں تو قرآن پہنچانے کا کوئی معاوضہ یا بدلہ یا اجرت تم سے نہیں چاہتا- یہ تو صرف دنیا کے لئے نصیحت ہے کہ وہ اندھے پن کو چھوڑ کر آنکھوں کا نور حاصل کر لیں اور برائی سے کٹ کر بھلائی پالیں اور کفر سے نکل کر ایمان میں آ جائیں-

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ
مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا
وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ
كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ
ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ
مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى
وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

جیسی قدر اللہ کی جاننی چاہئے، انہوں نے نہیں جانی کہ کہنے لگے، اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا- دریافت تو کر کہ اس کتاب کو جسے موسیٰ لے کر آئے کس نے نازل فرمائی تھی؟ جو لوگوں کے لئے نور و ہدایت ہے، جسے تم نے ورق ورق بنا رکھا ہے- جسے تم ظاہر کرتے ہو اور بہت سے حصے کو چھپاتے ہو- تمہیں وہ وہ سکھایا گیا جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا، جواب دے کہ اللہ ہی نے نازل فرمائی تھی- پھر انہیں ان کی بحث میں کھیلتا ہوا چھوڑ دے ○ اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے بابرکت اور اپنے سے پہلی کتابوں کی سچا کرنے والی کر کے اتاری ہے تاکہ تو اہل مکہ کو اور اس کے آس پاس والوں کو

آ گاہ کردے- آخرت کے ماننے والے تو اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں ○

تمام رسول انسان ہی ہیں: ☆☆ (آیت: ۹۱-۹۲) اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے والے دراصل اللہ کی عظمت کے ماننے والے نہیں- عبداللہ بن کثیرؒ کہتے ہیں' کفار قریش کے حق میں یہ آیت اتری ہے- اور قول ہے کہ یہود کی ایک جماعت کے حق میں ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ فنحاص یہودی کے حق میں اور یہ بھی ہے کہ مالک بن صیف کے بارے میں کہا گیا ہے- صحیح بات یہ ہے کہ پہلا قول حق ہے اس لئے کہ آیت مکیہ ہے اور اس لئے بھی کہ یہودی آسمان سے کتاب اترنے کے بالکل منکر نہ تھے- ہاں البتہ قریشی اور عام عرب حضورؐ کی رسالت کے قائل نہ تھے اور کہتے تھے کہ انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا- جیسے قرآن ان کا تعجب نقل کرتا ہے اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ الخ یعنی کیا لوگوں کو اس بات پر اچنبھا ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی نزول فرمائی کہ وہ لوگوں کو ہوشیار کردے- اور آیت میں ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا الخ لوگوں کے اس خیال نے ہی کہ کیا اللہ نے انسان کو اپنا رسول بنالیا' انہیں ایمان سے روک دیا ہے- سنو اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم بھی آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے- یہاں بھی کفار کا یہی اعتراض بیان کر کے فرماتا ہے کہ انہیں جواب دو کہ تم جو بالکل انکار کرتے ہو کہ کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا' یہ تمہاری کیسی کھلی غلطی ہے؟ بھلا بتلاؤ موسیٰ پر تورات کس نے اتاری تھی جو سراسر نور و ہدایت تھی-

الغرض تورات کے تم سب قائل ہو جو مشکل مسائل آسان کرنے والی' کفر کے اندھیروں کو چھانٹنے' شبہ کو ہٹانے اور راہ راست دکھانے والی ہے- تم نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں- صحیح اور اصلی کتاب میں سے بہت سا حصہ چھپا رکھا ہے- کچھ اس میں سے لکھ لاتے ہو اور پھر اسے بھی تحریف کر کے لوگوں کو بتا رہے ہو- اپنی باتوں' اپنے خیالات کو اللہ کی کتاب کی طرف منسوب کرتے ہو- قرآن تو وہ ہے جو تمہارے سامنے وہ علوم پیش کرتا ہے جن سے تم اور تمہارے اگلے اور تمہارے بڑے سب محروم تھے- پچھلی سچی خبریں اس میں موجود' آنے والی واقعات کی صحیح خبریں اس میں موجود ہیں- جو آج تک دنیا کے علم میں نہیں آئی تھیں- کہتے ہیں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے مراد مسلمان ہیں- پھر حکم دیتا ہے کہ یہ لوگ تو اس کا جواب کیا دیں گے کہ تورات کس نے اتاری؟ تو خود کہہ دے کہ اللہ نے اتاری ہے- پھر انہیں ان کی جہالت و ضلالت میں ہی کھیلتا ہوا چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں موت آئے اور یقین کی آنکھوں سے خود ہی دیکھ لیں کہ اس جہان میں یہ اچھے رہتے ہیں یا مسلمان متقی؟ یہ کتاب یعنی قرآن کریم ہمارا اتارا ہے- یہ بارکت ہے- یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے- ہم نے اسے تیری طرف اس لئے نازل فرمایا کہ تو اہل مکہ کو' اس کے پاس والوں کو یعنی عرب کے قبائل اور عجمیوں کو ہوشیار کردے اور ڈراوا دے دے- من حولھا سے مراد ساری دنیا ہے- اور آیت میں ہے قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا یعنی اے دنیا جہان کے لوگو' میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں- اور آیت میں ہے لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ تاکہ میں تمہیں بھی اور جسے یہ پہنچے' اسے ڈرادوں اور قرآن سنا کر عذابوں سے خبردار کردوں- اور فرمان ہے وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے' اس کا ٹھکانہ جہنم ہے- اور آیت میں فرمایا گیا تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا یعنی اللہ برکتوں والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کو آ گاہ کردے- اور آیت میں ارشاد ہے وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی اہل کتاب سے اور ان پڑھوں سے سب سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر قبول کرلیں تو راہ راست پر ہیں اور اگر منہ

موڑ لیں تو تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہے- اللہ اپنے بندے کو خوب دیکھ رہا ہے-

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' ان کو بیان فرماتے ہوئے ایک یہ بیان فرمایا کہ ہر نبی صرف ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں- اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوا کہ قیامت کے معتقد تو اسے مانتے ہیں- جانتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے اور وہ نمازیں بھی صحیح وقتوں پر برابر پڑھا کرتے ہیں- اللہ کے اس فرض کے قیام اور اس کی حفاظت میں سستی اور کاہلی نہیں کرتے-

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ قَالَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ وَلَمۡ
یُوۡحَ اِلَیۡہِ شَیۡءٌ وَّمَنۡ قَالَ سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ؕ وَلَوۡ
تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ فِیۡ غَمَرٰتِ الۡمَوۡتِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوۡۤا
اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ
الۡہُوۡنِ بِمَا کُنۡتُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَکُنۡتُمۡ عَنۡ
اٰیٰتِہٖ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے یا کہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں کی گئی اور جو کہے جو اللہ نے اتارا ہے' میں بھی اسی جیسا اتار سکتا ہوں' کاش کہ تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جبکہ یہ موت کی بے ہوشیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو' آج تمہیں ذلت کی مار ماری جائے گی کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں کو سن کر اکڑا کرتے تھے ○

مغضوب لوگ: ☆☆ (آیت: ۹۳-۹۴) اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں سے زیادہ ظالم اور کوئی نہیں- خواہ اس جھوٹ کی نوعیت یہ ہو کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کے کئی شریک ہیں یا یوں کہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے حالانکہ دراصل رسول نہیں- خواہ مخواہ کہہ دے کہ میری طرف وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ کوئی وحی نہ اتری ہو اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں جو اللہ کی سچی وحی سے صف آرائی کا مدعی ہو- چنانچہ اور آیتوں میں ایسے لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرآن کی آیتوں کو سن کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں- کاش کہ تو ان ظالموں کو سکرات موت کی حالت میں دیکھتا جبکہ فرشتوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور وہ مار پیٹ کر رہے ہوں گے- یہ محاورہ مار پیٹ سے ہے- جیسے ہابیل قابیل کے قصے میں لَئِنۡ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ ہے- اور آیت میں وَّیَبۡسُطُوۡا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ وَاَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ ہے- ضحاک اور ابو صالح نے بھی یہی تفسیر کی ہے-

خود قرآن کی آیت میں یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَاَدۡبَارَہُمۡ موجود ہے یعنی کافروں کی موت کے وقت فرشتے ان کے منہ پر اور کمر پر مارتے ہیں- یہی بیان یہاں ہے کہ فرشتے ان کی جان نکالنے کے لئے انہی مار پیٹ کرتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو- کافروں کی موت کے وقت فرشتے انہیں عذابوں' زنجیروں' طوقوں کی' گرم کھولتے ہوئے جہنم کے پانی اور اللہ کے غضب و غصے کی خبر سناتے ہیں جس سے ان کی روح ان کے بدن میں چھپتی پھرتی ہے اور نکلنا نہیں چاہتی- اس پر فرشتے انہیں مار پیٹ کر جبراً گھسیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب تمہاری

بدترین اہانت ہوگی اور تم بری طرح رسوا کئے جاؤ گے جیسے کہ تم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اس کے فرمان کو نہیں مانتے تھے اور اس کے رسولوں کی تابعداری سے چڑتے تھے۔ مومن و کافر کی موت کا منظر جو احادیث میں آیا ہے وہ سب آیت یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الخ کی تفسیر میں ہے۔ ابن مردویہ نے اس جگہ ایک بہت لمبی حدیث بیان کی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع ۱۱ ۴ ۱۷

یقیناً تم ہمارے پاس ایسے ہی تنہا تنہا حاضر ہوئے جیسے کہ پہلی بار ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور جو ساز و سامان ہم نے تمہیں عطا فرما رکھا تھا' سب کچھ تم اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے۔ ہم تو تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جنہیں تم اپنے میں شریک سمجھتے رہے۔ تمہارے آپس کے سب تعلقات ٹوٹ گئے اور جو دعوے تم کر رہے تھے' سب جاتے رہے ○

پھر فرماتا ہے کہ جس دن انہیں ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا' اس دن ان سے کہا جائے گا کہ تم تو اسے بہت دور اور محال مانتے تھے تو اب دیکھ لو جس طرح شروع شروع میں ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا' اب دوبارہ بھی پیدا کر دیا۔ جو کچھ مال متاع ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا' سب تم وہیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' انسان کہتا ہے' میرا مال میرا مال حالانکہ تیرا مال وہی ہے جسے تو نے کھا پی لیا' وہ فنا ہو گیا یا تو نے پہن اوڑھ لیا۔ وہ پھٹا پرانا ہو کر ضائع ہو گیا یا تو نے نام مولیٰ پر خیرات کیا' وہ باقی رہا اس کے سوا جو کچھ ہے' اسے تو تو اوروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے جانے والا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں' انسان کو قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور رب العالمین اس سے دریافت فرمائے گا کہ جو تو نے جمع کیا تھا' وہ کہاں ہے؟ یہ جواب دے گا کہ خوب بڑھا چڑھا کر اسے دنیا میں چھوڑ آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے ابن آدم پیچھے چھوڑا ہوا تو یہاں نہیں ہے البتہ آگے بھیجا ہوا یہاں موجود ہے۔ اب جو یہ دیکھے گا تو کچھ بھی نہ پائے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ پھر انہیں ان کا شرک یاد دلا کر دھمکایا جائے گا کہ جنہیں تم اپنا شریک سمجھ رہے تھے اور جن پر ناز کر رہے تھے کہ یہ ہمیں بچا لیں گے اور نفع دیں گے' وہ آج تمہارے ساتھ کیوں نہیں؟ وہ کہاں رہ گئے؟ انہیں شفاعت کے لئے کیوں آگے نہیں بڑھاتے؟ حق یہ ہے کہ قیامت کے دن سارے جھوٹ بہتان افترا کھل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو سنا کر ان سے فرمائے گا' جنہیں تم نے میرے شریک ٹھہرا رکھا تھا' وہ کہاں ہیں؟ اور ان سے کہا جائے گا کہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے' وہ کہاں ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ نہ وہ تمہاری مدد کرتے ہیں نہ خود اپنی مدد وہ آپ کرتے ہیں۔ تم تو دنیا میں انہیں مستحق عبادت سمجھتے رہے۔ بینکم کی ایک قرات بینکم بھی ہے یعنی تمہاری یکجہتی ٹوٹ گئی اور پہلی قرات پر یہ معنی ہیں کہ جو تعلقات تم میں تھے' جو وسیلے تم نے بنا رکھے تھے' سب کٹ گئے۔ معبودان باطل سے جو غلط منصوبے تم نے باندھ رکھے تھے' سب برباد ہو گئے جیسے فرمان باری ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا الخ' یعنی تابعداری کرنے والے ان سے بیزار ہوں گے جن کی تابداری وہ کرتے رہے اور سارے رشتے ناتے اور تعلقات کٹ جائیں گے۔

اس وقت تابعدار لوگ حسرت و افسوس سے کہیں گے کہ اگر ہم دنیا میں واپس جائیں تو تم سے بھی ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے تم ہم سے بیزار ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کرتوت دکھائے گا۔ ان پر حسرتیں ہوں گی اور یہ جہنم سے نہیں نکلیں گے۔ اور آیت میں ہے

جب صور پھونکا جائے گا تو آپس کے نسب منقطع ہو جائیں گے اور کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہو گا- اور آیت میں ہے کہ جن جن کو تم نے اپنا معبود ٹھہرا رکھا ہے اور ان سے دوستیاں رکھتے ہو وہ قیامت کے دن تمہارے اور تم ان کے منکر ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہو گا اور کوئی بھی تمہارا مددگار کھڑا نہ ہو گا اور آیت میں ہے وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَ كُمْ الخ' یعنی ان سے کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو آواز دو وہ پکاریں گے لیکن انہیں کوئی جواب نہ ملے گا اور آیت میں ہے وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا الخ' یعنی قیامت کے دن ہم ان سب کا حشر کریں گے- پھر مشرکوں سے فرمائیں گے' کہاں ہیں تمہارے شریک؟ اس بارے کی اور آیتیں بھی بہت ہیں-

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ
مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾
فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر درخت نکالنے والا ہے- وہی زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور وہی مردے کا زندے سے نکالنے والا ہے- یہی تو تمہارا اللہ ہے- پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو ○ صبح کی روشنی کا پھاڑ نکالنے والا وہی ہے- اسی نے آرام کے لئے رات بنائی اور سورج چاند کو حساب کا معیار بنایا- یہ ہیں اندازے باندھے ہوئے اللہ غالب عالم کے ○ یہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا کہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان سے راہ پاتے رہو- جو لوگ ذی علم ہیں' ان کے لئے تو ہم نے کھول کھول کر اپنی نشانیاں بیان کر دیں ○

اس کی حیرت ناک قدرت: ☆☆ (آیت: ۹۵-۹۷) دانوں سے کھیتیاں' بیج اور گٹھلی سے درخت اللہ ہی اگاتا ہے- تم تو انہیں مٹی میں ڈال کر چلے آتے ہو- وہاں انہیں اللہ تعالیٰ پھاڑتا ہے- کونپل نکالتا' پھر وہ بڑھتے ہیں' قوی درخت بن جاتے ہیں اور دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں- پھر گویا اسی کی تفسیر میں فرمایا کہ زندہ درخت اور زندہ کھیتی کو مردہ بیج اور مردہ دانے سے وہ نکالتا ہے جیسے سورۂ یاسین میں ارشاد ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ الخ' مُخْرِجُ کا عطف فَالِقْ پر ہے اور مفسرین نے دوسرے انداز سے ان جملوں میں ربط قائم کیا ہے لیکن مطلب سب کا یہی ہے اور اسی کے قریب قریب ہے- کوئی کہتا ہے مرغی کا انڈے سے نکلنا اور مرغ سے انڈے کا نکلنا مراد ہے- بد شخص کے ہاں نیک اولاد ہونا اور نیکوں کی اولاد کا بد ہونا مراد ہے- وغیرہ- آیت درحقیقت ان تمام صورتوں کو گھیرے ہوئے ہے- پھر فرماتا ہے' ان تمام کاموں کا کرنے والا اکیلا اللہ ہی ہے- پھر کیا وجہ ہے کہ تم حق سے پھر جاتے ہو؟ اور اس لاشریک کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہو؟ وہی دن کی روشنی کا لانے والا اور رات کے اندھیرے کا پیدا کرنے والا ہے- جیسے کہ اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا کہ وہی نور و ظلمت کا پیدا کرنے والا ہے- رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے کو دن کی نورانیت سے بدل دیتا ہے- رات اپنے اندھیروں سمیت چھپ جاتی ہے اور دن اپنی تجلیوں سمیت کائنات پر قبضہ جما لیتا ہے- جیسے فرمان ہے وہی دن رات چڑھاتا ہے- الغرض چیز اور اس کی ضد اس کے زیر اختیار ہے اور یہ اس کی بے انتہا عظمت اور بہت بڑی سلطنت پر دلیل ہے- دن کی روشنی اور اس

کی چہل پہل کی ظلمت اور اس کا سکون اس کی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں ہیں- جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی اور جیسے اس آیت میں فرمایا وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی اور آیت میں ہے وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَا وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا ان تمام آیتوں میں دن رات کا اور نور و ظلمت، روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے-

حضرت صہیب رومی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک بار ان کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ رات ہر ایک کے لئے آرام کی ہے لیکن میرے خاوند حضرت صہیبؓ کے لئے وہ بھی آرام کی نہیں- اس لئے کہ وہ رات کو اکثر حصہ جاگ کر کاٹتے ہیں- جب انہیں جنت یاد آتی ہے تو شوق بڑھ جاتا ہے اور یاد الٰہ میں رات گزار دیتے ہیں اور جب جہنم کا خیال آجاتا ہے تو مارے خوف کے ان کی نیند اڑ جاتی ہے- سورج چاند اس کے مقرر کئے ہوئے اندازے پر برابر چل رہے ہیں- کوئی تغیر اور اضطراب ان میں نہیں ہوتا ہر ایک کی منزل مقرر ہے- جاڑے کی الگ، گرمی کی الگ اور اسی اعتبار سے دن رات ظاہر ہوتے ہیں- چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً الخ، اسی اللہ نے سورج کو روشن اور چاند کو منور کیا ہے- ان کی منزلیں مقرر کر دی ہیں- اور آیت میں ہے لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَھَا نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ رات دن پر سبقت لے سکتی ہے- ہر ایک اپنے فلک میں تیرتا پھرتا ہے- اور جگہ فرمایا، سورج چاند ستارے سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں- یہاں فرمایا، یہ سب اندازے اس اللہ کے مقرر کردہ ہیں جسے کوئی روک نہیں سکتا، جس کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا- جو ہر چیز کو جانتا ہے- جس کے علم سے ایک ذرہ باہر نہیں- زمین و آسمان کی کوئی مخلوق اس سے پوشیدہ نہیں- عموماً قرآن کریم جہاں کہیں رات دن سورج چاند کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے، وہاں کلام کا خاتمہ اللہ جل وعلا نے اپنی عزت و علم کی خبر پر کیا ہے جیسے اس آیت میں- اور وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الَّیْلُ میں اور سورۂ حم سجدہ کی شروع کی آیت وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا میں- پھر فرمایا ستارے تمہیں خشکی اور تری میں راہ دکھانے کے لئے ہیں- بعض سلف کا قول ہے کہ ستاروں میں ان تین فوائد کے علاوہ اگر کوئی اور کچھ مانے تو اس نے خطا کی اور اللہ پر جھوٹ باندھا- ایک تو یہ کہ یہ آسمان کی زینت ہیں- دوسرے یہ شیاطین پر آگ بن کر برستے ہیں جبکہ وہ آسمانوں کی خبریں لینے کو چڑھیں- تیسرے یہ کہ مسافروں اور مقیم لوگوں کو یہ راستہ دکھاتے ہیں- پھر فرمایا، ہم نے عقلمندوں عالموں اور واقف کار لوگوں کے لئے اپنی آیتیں بالتفصیل بیان فرما دی ہیں-

وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَھُوْنَ ۝۹۸ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْہُ خَضِرًا
نُّخْرِجُ مِنْہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِھَا قِنْوَانٌ
دَانِیَۃٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِھًا
وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ اِنَّ فِیْ
ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹

وہی ہے جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا- پھر رہنے کی جگہ ہے اور سونپنے کی بھی، ہم نے ان کے سامنے جو سمجھ رکھتے ہیں، اپنی آیتیں تفصیل دار بیان کر

دیں ○ وہی ہے جو آسمان سے بارش اتارتا ہے' پھر ہم نے اس سے ہر قسم کی روئیدگی اور بوٹیاں نکالیں - پھر اس سے ہرا سبزہ ہم نکالتے ہیں جس سے تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے دانے ہم پیدا کرتے ہیں' اور کھجور کے گابھے میں سے گچھے ہیں' جھکے ہوئے اور باغات انگور کے اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے' یہ سب پھل لائیں ان کا پھل لانا اور پکنا دیکھو' جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے تو ان سب چیزوں میں بہت کچھ نشانات ہیں ○

قدرت کی نشانیاں : ☆☆ (آیت:۹۸-۹۹) فرماتا ہے کہ تم سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تن واحد یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا ہے جیسے اور آیت میں ہے' لوگو اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا - اسی وجہ سے اس کا جوڑ پیدا کیا - پھر ان دونوں سے مرد و عورت خوب پھیلا دیئے - مُسْتَقَرٌّ سے مراد ماں کا پیٹ اور مُسْتَوْدَعٌ سے مراد باپ کی پیٹھ ہے اور قول ہے کہ جائے قرار دنیا ہے اور سپردگی کی جگہ موت کا وقت ہے - سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' ماں کا پیٹ'' زمین اور جب مرتا ہے سب جائے قرار کی تفسیر ہے - حسن بصریؒ فرماتے ہیں' جو مر گیا اس کے عمل رک گئے' یہی مراد مستقر سے ہے - ابن مسعودؓ کا فرمان ہے' مستقر آخرت میں ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ ظاہر ہے - واللہ اعلم -

سمجھداروں کے سامنے نشان ہائے قدرت بہت کچھ آ چکے - اللہ کی بہت سی باتیں بیان ہو چکیں جو کافی وافی ہیں - وہی اللہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا نہایت صحیح انداز سے - بڑا بابرکت پانی جو بندوں کی زندگانی کا باعث بنا اور سارے جہان پر اللہ کی رحمت بن کر برسا - اسی سے تمام تر و تازہ چیزیں اگیں جیسے فرمان ہے وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ پانی سے ہم نے ہر چیز کی زندگانی قائم کر دی - پھر اس سے سبزہ یعنی کھیتی اور درخت اگتے ہیں جس میں سے دانے اور پھل نکلتے ہیں - دانے بہت سارے ہوتے ہیں' گتھے ہوئے' تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے اور کھجور کے خوشے جو زمین کی طرف جھکے پڑتے ہیں - بعض درخت خرما چھوٹے ہوتے ہیں اور خوشے چمٹے ہوئے ہوتے ہیں - قنوان کو قبیلہ تمیم قنیان کہتا ہے - اس کا مفرد قنو ہے - جیسی صنوان صنو کی جمع ہے اور باغات انگوروں کے - پس عرب کے نزدیک یہی دونوں میوے سب میووں سے اعلیٰ ہیں - کھجور اور انگور اور فی الحقیقت ہیں بھی یہ اسی درجے کے - قرآن کی دوسری آیت وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ الخ' میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر فرما کر اپنا احسان بیان فرمایا ہے - اس میں جو شراب بنانے کا ذکر ہے' اس پر بعض حضرات کہتے ہیں کہ حرمت شراب کے نازل ہونے سے پہلے کی یہ آیت ہے - اور آیت میں بھی باغ کے ذکر میں فرمایا کہ ہم نے اس میں کھجور و انگور کے درخت پیدا کئے تھے - زیتون بھی ہیں' انار بھی ہیں' آپس میں ملتے جلتے پھل الگ الگ - شکل' صورت' مزہ' حلاوت' فوائد وغیرہ ہر ایک کے جداگانہ - ان درختوں میں پھلوں کا آنا بھی اور ان کا پکنا ملاحظہ کرو اور اللہ کی ان قدرتوں کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرو کہ لکڑی میں میوہ نکالتا ہے - عدم سے وجود میں لاتا ہے - سوکھے کو گیلا کرتا ہے - مٹھاس' لذت' خوشبو سب کچھ پیدا کرتا ہے - رنگ روپ شکل صورت دیتا ہے - فوائد رکھتا ہے - جیسے اور جگہ فرمایا ہے کہ پانی ایک زمین' ایک' کھیتیاں باغات ملے جلے لیکن ہم جسے چاہیں جب چاہیں بنا دیں - کھٹاس مٹھاس' کمی زیادتی سب ہمارے قبضے میں ہے - یہ سب خالق کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے ایماندار اپنا عقیدہ مضبوط کرتے ہیں -

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۲ ۶ ۱۸

ان لوگوں نے جنات کو اللہ کے شریک ٹھہرا لئے حالانکہ اللہ ہی نے جنوں کو پیدا کیا ہے' انہوں نے بے جانے بوجھے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بھی تراش لیں - یہ لوگ جو کچھ اللہ کے اوصاف بیان کرتے ہیں' اللہ ان سے بہت برتر اور پاکیزہ ہے ○

شیطانی وعدے دھوکہ ہیں: ☆☆ (آیت:۱۰۰) جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے تھے' جنات کو پوجتے تھے' ان پر انکار فرما رہا ہے- ان کے کفر و شرک سے اپنی بیزاری کا اعلان فرماتا ہے- اگر کوئی کہے کہ جنوں کی عبادت کیسے ہوئی' وہ تو بتوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے تو جواب یہ ہے کہ بت پرستی کے سکھانے والے جنات ہی تھے جیسے خود قرآن کریم میں ہے اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا الخ' یعنی یہ لوگ اللہ کے سوا جنہیں پکار رہے ہیں' وہ سب عورتیں ہیں اور یہ سوائے سرکش ملعون شیطان کے اور کسی کو نہیں پکارتے وہ تو پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ کچھ نہ کچھ انسانوں کو تو میں اپنا کر ہی لوں گا- انہیں بہکا کر سبز باغ دکھا کر اپنا مطیع بنا لوں گا- پھر تو وہ بتوں کے نام پر جانوروں کے کان کاٹ کر چھوڑ دیں گے- اللہ کی پیدا کردہ ہیئت کو بگاڑنے لگیں گے- حقیقتاً اللہ کو چھوڑ کر شیطان کی دوستی کرنے والے کے نقصان میں کیا شک ہے؟ شیطانی وعدے تو صرف دھوکے بازیاں ہیں-

اور آیت میں ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ کیا تم مجھے چھوڑ کر شیطان اور اولاد شیطان کو اپنا ولی بناتے ہو؟ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ الخ' میرے باپ! شیطان کی پرستش نہ کرو- وہ تو اللہ کا نافرمان ہے- سورۂ یاسین میں ہے کہ کیا میں نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ اے اولاد آدم تم شیطان کی عبادت نہ کرنا- وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری ہی عبادت کرنا- سیدھی راہ یہی ہے- قیامت کے دن فرشتے بھی کہیں گے سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ الخ' یعنی تو پاک ہے یہ نہیں بلکہ سچا والی ہمارا تو تو ہی ہے- یہ لوگ تو جنوں کو پوجتے تھے- ان میں سے اکثر لوگوں کا ان پر ایمان تھا- پس یہاں فرمایا ہے کہ انہوں نے جنات کی پرستش شروع کر دی حالانکہ پرستش کے لائق صرف اللہ ہے- وہ سب کا خالق ہے- جب خالق وہی ہے تو معبود بھی وہی ہے- جیسے حضرت خلیل اللہؑ نے فرمایا اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ یعنی کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود گھڑ لیتے ہو حالانکہ تمہارا اور تمہارے تمام کاموں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے- یعنی معبود وہی ہے جو خالق ہے- پھر ان لوگوں کی حماقت و ضلالت بیان ہو رہی ہے جو اللہ کی اولاد بیٹے بیٹیاں قرار دیتے تھے- یہودی حضرت عزیرؑ کو اور نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا جبکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے- یہ سب ان کی من گھڑت اور خود تراشیدہ بات تھی- اور محض غلط اور جھوٹ تھی- حقیقت سے بہت دور نرا بہتان باندھا تھا اور بے سمجھی سے اللہ کی شان کے خلاف ایک زبان سے اپنی جہالت سے کہہ دیا تھا- بھلا اللہ کو بیٹوں اور بیٹیوں سے کیا واسطہ؟ نہ اس کی اولاد نہ اس کی بیوی نہ اس کی کفو کا کوئی- وہ سب کا خالق' وہ کسی کی شرکت سے پاک' وہ کسی کی حصہ داری سے پاک- یہ گمراہ جو کہہ رہے ہیں' سب سے وہ پاک اور برتر' سب سے دور اور بالاتر ہے-

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾

آسمان و زمین کو بے نمونہ بنانے والا' اس کی اولاد کیسے ہو گی؟ جبکہ کبھی اس کی جورو ہی نہیں رہی- اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کے حال سے

واقف ہے ○ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے- کوئی معبود اس کے سوانہیں- تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے تو تم سب اسی کی عبادت کرو- وہ ہر ہر چیز کا کارساز ونگہبان ہے ○ اسے نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے- وہ تو بہت ہی باریک بیں اور بڑا ہی واقف ہے ○

اللہ بے مثال ہے- وحدہ لاشریک ہے : ☆☆ (آیت:۱۰۱) زمین وآسمان کا موجد بغیر کسی مثال اور نمونے کے انہیں عدم سے وجود میں لانے والا اللہ ہی ہے- بدعت کو بھی بدعت اسی لئے کہتے ہیں کہ پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی' بھلا اس کا صاحب اولاد ہونا کیسے ممکن ہے جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں' اولاد کے لئے تو جہاں باپ کا ہونا ضروری ہے' وہیں ماں کا وجود بھی لازمی ہے' اللہ کے مشابہ جبکہ کوئی نہیں ہے اور جوڑا تو ساتھ کا اور جنس کا ہوتا ہے- پھر اس کی بیوی کیسے؟ اور بیوی نہیں تو اولاد کہاں؟ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور یہ بھی اس کے منافی ہے کہ اس کی اولاد اور زوجہ ہو- جیسے فرمان ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ الخ' لوگ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے- ان کی بڑی فضول اور غلط افواہ ہے- عجب نہیں کہ اس بات کو سن کر آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں- رحمٰن اور اولاد؟ وہ تو ایسا ہے کہ آسمان وزمین کی کل مخلوق اس کی بندگی میں مصروف ہے- سب پر اس کا غلبہ' سب پر اس کا علم' سب اس کے سامنے فرداً فرداً آنے والے- وہ خالق کل ہے اور عالم کل ہے- اس کی جوڑ کا کوئی نہیں- وہ اولاد سے اور بیوی سے پاک ہے اور مشرکوں کے اس بیان سے بھی پاک ہے-

ہماری آنکھیں اور اللہ جل شانہ : ☆☆ (آیت:۱۰۲-۱۰۳) جس کے یہ اوصاف ہیں یہی تمہارا اللہ ہے' یہی تمہارا پالنہار ہے' یہی سب کا خالق ہے- تم اسی ایک کی عبادت کرو' اس کی وحدانیت کا اقرار کرو- اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہ سمجھو- اس کی اولاد نہیں' اس کے ماں باپ نہیں' اس کی بیوی نہیں' اس کی برابری کا اس جیسا کوئی نہیں- وہ ہر چیز کا حافظ نگہبان اور وکیل ہے- ہر کام کی تدبیر وہی کرتا ہے- سب کی روزیاں اسی کے ذمہ ہیں' ہر ایک کی ہر وقت وہی حفاظت کرتا ہے- سلف کہتے ہیں' دنیا میں کوئی آنکھ اللہ کو نہیں دیکھ سکتی- ہاں قیامت کے دن مومنوں کو اللہ کا دیدار ہوگا- حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جو کہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے جھوٹ کہا- پھر آپ نے یہی آیت پڑھی-

ابن عباسؓ سے اس کے برخلاف مروی ہے- انہوں نے رؤیت کو مطلق رکھا ہے اور فرماتے ہیں' اپنے دل سے حضورؐ نے دو مرتبہ اللہ کو دیکھا- سورۂ نجم میں یہ مسئلہ پوری تفصیل سے بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ' اسمٰعیل بن علیہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص اللہ کو دیکھ نہیں سکتا اور حضرت فرماتے ہیں یہ تو عام طور بیان ہوا ہے- پھر اس میں سے قیامت کے دن مومنوں کا دیکھنا مخصوص کر لیا ہے- ہاں معتزلہ کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں کہیں بھی اللہ کا دیدار نہ ہوگا- اس میں انہوں نے اہلسنت کی مخالفت کے علاوہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے بھی نادانی برتی- کتاب اللہ میں موجود ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے- اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے اور فرمان ہے كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ یعنی کفار قیامت والے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے- امام شافعیؒ فرماتے ہیں' اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومنوں سے اللہ تعالیٰ کا حجاب نہیں ہوگا- متواتر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے- حضرت ابوسعیدؓ' ابوہریرہؓ' انسؓ' جریرؓ' صہیبؓ' بلالؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن اللہ تبارک وتعالیٰ کو قیامت کے میدانوں میں جنت کے باغوں میں دیکھیں گے- اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی انہی میں سے کرے- آمین! یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں یعنی عقلیں- لیکن یہ قول بہت دور کا ہے اور ظاہر کے خلاف ہے اور گویا کہ ادراک کو اس نے رؤیت کے معنی میں سمجھا' واللہ اعلم- اور حضرات دیدار کے دیکھنے کو ثابت شدہ مانتے ہوئے لیکن ادراک کے انکار کے بھی

مخالف نہیں اس لئے کہ ادراک رؤیت سے خاص ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو لازم نہیں ہوتی ۔ اب جس ادراک کی یہاں نفی کی گئی ہے، یہ ادراک کیا ہے اور کس قسم کا ہے ۔ اس میں کئی قول ہیں مثلاً معرفت حقیقت پس حقیقت کا عالم بجز اللہ کے اور کوئی نہیں ۔ گو مومن دیدار کریں گے لیکن حقیقت اور چیز ہے ۔ چاند کو لوگ دیکھتے ہیں لیکن اس کی حقیقت، اس کی ذات، اس کی ساخت تک کسی کی رسائی ہوتی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ تو بے مثل ہے ۔

ابن علیہ فرماتے ہیں نہ دیکھنا دنیا کی آنکھوں کے ساتھ مخصوص ہے ۔ بعض کہتے ہیں ادراک اخص ہے رؤیت سے کیونکہ ادراک کہتے ہیں احاطہ کر لینے کو اور عدم احاطہ سے عدم رؤیت لازم نہیں آتی جیسے علم کا احاطہ نہ ہونے سے مطلق علم کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا ۔ احاطہ علم کا نہ ہونا اس آیت سے ثابت ہے کہ وَلَا يُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا صحیح مسلم میں ہے لا احصی ثناء علیك كما اثنیت علی نفسك یعنی اے اللہ میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد مطلق ثنا کا نہ کرنا نہیں ۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کسی کی نگاہ مالک الملک کو گھیر نہیں سکتی ۔ حضرت عکرمہؒ سے کہا گیا کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ تو آپ نے فرمایا، کیا تو آسمان کو نہیں دیکھ رہا؟ اس نے کہا، ہاں، فرمایا ۔ پھر سب دیکھ چکا ہے؟ قتادہؒ فرماتے ہیں، اللہ اس سے بہت بڑا ہے کہ اسے آنکھیں ادراک کر لیں ۔ چنانچہ ابن جریر میں وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ کی تفسیر میں ہے کہ اللہ کی طرف دیکھیں گے ان کی نگاہیں، اس کی عظمت کے باعث احاطہ نہ کر سکیں گی اور اس کی نگاہ ان سب کو گھیرے ہوئے ہو گی ۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث میں ہے، اگر انسان، جن، شیطان، فرشتے سب کے سب ایک صف باندھ لیں اور شروع سے لے کر آخر تک کے سب موجود ہوں تاہم ناممکن ہے کہ کبھی بھی وہ اللہ کا احاطہ کر سکیں ۔ یہ حدیث غریب ہے ۔ اس کی اس کے سوا کوئی سند نہیں نہ صحاح ستہ والوں میں سے کسی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا تو میں نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو گھیر لیتا ہے ۔ تو آپؓ نے مجھے فرمایا، یہ اللہ کا نور ہے اور وہ جو اس کا ذاتی نور ہے جب وہ اپنی تجلی کرے تو اس کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا ۔ اور روایت میں ہے اس کے بالمقابل کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی ۔ اسی جواب کے مترادف معنی وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سوتا نہیں نہ اسے سونا لائق ہے ۔ وہ ترازو کو جھکاتا ہے اور اٹھاتا ہے اس کی طرف دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے چڑھ جاتے ہیں ۔ اس کا حجاب نور ہے یا نار ہے ۔ اگر وہ ہٹ جائے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا دیں جو اس کی نگاہوں تلے ہے ۔

اگلی کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نے اللہ تعالیٰ سے دیدار دیکھنے کی خواہش کی تو جواب ملا کہ اے موسیٰ جو زندہ مجھے دیکھے گا، وہ مر جائے گا اور جو خشک مجھے دیکھ لے گا، ریزہ ریزہ ہو جائے گا ۔ خود قرآن میں ہے کہ جب تیرے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے ۔ افاقہ کے بعد کہنے لگے اللہ تو پاک ہے ۔ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مومن ہوں ۔ یاد رہے کہ اس خاص ادراک کے انکار سے قیامت کے دن مومنوں کے اپنے رب کے دیکھنے سے انکار نہیں ہو سکتا ۔ اس کی کیفیت ہ علم اسی کو ہے ۔ ہاں بے شک اس کی حقیقی عظمت، جلالت، قدرت، بزرگی وغیرہ جیسی ہے، وہ بھلا کہاں کسی کی سمجھ میں آ سکتی ہے؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، آخرت میں دیدار ہو گا اور دنیا میں کوئی بھی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا اور یہی آیت تلاوت فرمائی ۔ پس جس ادراک کی نفی کی ہے، وہ معنی میں عظمت وجلالت کی رویت کے ہے جیسا کہ وہ ہے ۔ یہ تو انسان کیا فرشتوں کے لئے بھی ناممکن ہے ۔ ہاں وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے ۔ جب وہ خالق ہے تو عالم کیوں نہ ہو گا جیسے فرمان ہے اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ الخ کیا وہ

نہیں جانے گا جو پیدا کرتا ہے' جو لطف و کرم والا اور بڑی خبرداری والا ہے اور ہو سکتا ہے کہ نگاہ سے مراد نگاہ والا ہو یعنی اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا اور وہ سب کو دیکھتا ہے- وہ ہر ایک کو نکالنے میں لطیف ہے اور ان کی جگہ سے خبیر ہے- واللہ اعلم جیسے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو وعظ کہتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹا اگر کوئی بھلائی یا برائی رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو خواہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں' اللہ اسے لائے گا- اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے-

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ
فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا
دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں' آ چکیں- اب جو دیکھے وہ اس کا اپنا ہی نفع ہے- اور جو اندھا ہو جائے' اس کا وبال اسی پر ہے- میں تم پر کچھ محافظ تو نہیں ○ ہم تو اسی طرح سے نشانیاں بیان کر دیتے ہیں تا کہ وہ بھی قائل ہو جائیں کہ تو نے پڑھ سنایا اور اس لئے بھی کہ ہم اسے علم والوں کے لئے واضح کر دیں ○

ہدایت وشفا قرآن وحدیث میں ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۴-۱۰۵) بصائر سے مراد دلیلیں اور حجتیں ہیں جو قرآن وحدیث میں موجود ہیں- جو انہیں دیکھے اور ان سے نفع حاصل کرے' وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے جیسے فرمان ہے کہ راہ پانے والا اپنے لئے راہ پاتا ہے اور گمراہ ہونے والا اپنا ہی بگاڑتا ہے- یہاں بھی فرمایا' اندھا اپنا ہی نقصان کرتا ہے کیونکہ آخر گمراہی کا اسی پر اثر پڑتا ہے جیسے ارشاد ہے' آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہو جاتے ہیں- میں تم پر نگہبان' حافظ' چوکیدار نہیں بلکہ میں تو صرف مبلغ ہوں' ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے- جس طرح توحید کے دلائل واضح فرمائے' اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر تفسیر اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا تا کہ کوئی جاہل نہ رہ جائے اور مشرکین' مکذبین اور کافرین یہ نہ کہہ دیں کہ تو نے اے نبی اہل کتاب سے یہ درس لیا ہے ان سے پڑھا ہے- انہی نے تجھے سکھایا ہے-

ابن عباسؓ سے یہ معنی بھی مروی ہیں کہ تو نے پڑھ سنایا- تو نے جھگڑا کیا تو یہ اسی آیت کی طرح آیت ہوگی جہاں بیان ہے وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ٱفْتَرٰىهُ کافروں نے کہا کہ یہ تو صرف بہتان ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور دوسروں نے اس کی تائید کی ہے- اور آیتوں میں ان کے بڑے کا قول ہے کہ اس نے بہت کچھ غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے- یقیناً یہ انسانی قول ہے اور اس لئے کہ ہم علماء کے سامنے وضاحت کر دیں تا کہ وہ حق کے قائل اور باطل کے دشمن بن جائیں- رب کی مصلحت وہی جانتا ہے کہ جو ایک گروہ کو ہدایت اور دوسرے کو ضلالت عطا کرتا ہے- جیسے فرمایا' اس کے ساتھ بہت کو ہدایت کرتا ہے- اور بہت کو گمراہ کرتا ہے اور آیت میں ہے تا کہ وہ شیطان کے القا کو بیمار دلوں کے لئے سبب فتنہ کر دے اور فرمایا وَمَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ الخ' یعنی ہم نے دوزخ کے پاسبان فرشتے مقرر کئے ہیں- ان کی مقررہ تعداد بھی کافروں کے لئے فتنہ ہے تا کہ اہل کتاب کامل یقین کر لیں- ایماندار ایمان میں بڑھ جائیں- اہل کتاب اور مومن شک وشبہ سے الگ ہو جائیں اور بیمار دل کفر والے کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا مراد ہے- اسی طرح جسے اللہ چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے- تیرے رب کے لشکروں کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا-

اور آیت میں ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ الخ' یعنی ہم نے قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے البتہ ظالموں کو تو نقصان ہی ملتا ہے- اور آیت میں ہے کہ یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفا ہے' اور بے ایمانوں کے کانوں میں بوجھ ہے اور ان پر اندھاپن غالب ہے- یہ دور کی جگہ سے پکارے جا رہے ہیں- اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں جن

سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور گمراہ بھی ہوتے ہیں۔ دارست کی دوسری قرات درَسُتَ بھی ہے یعنی پڑھا اور سیکھا اور یہ معنی ہیں کہ اسے تو مدت گزر چکی یہ تو تو پہلے سے لایا ہوا ہے' یہ تو تو پڑھایا گیا ہے اور سکھایا گیا ہے۔ ایک قرات میں درس بھی ہے لیکن یہ غریب ہے۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے درست پڑھایا ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ
عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۶ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۷ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ
عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸

تیرے رب کی طرف سے جو وحی تیری طرف کی جا رہی ہے' تو اس کی تابعداری کئے چلا جا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مشرکوں سے منہ پھیر لے ○ اگر تیرا رب چاہتا' یہ شرک ہی نہ کرتے' ہم نے تجھے ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تو ان پر وکیل ہے ○ جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں تم اے مسلمانو! انہیں گالیاں نہ دو کہ یہ ازروئے ظلم کے بےعلمی سے اللہ کو گالیاں نہ دے لیں' اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے اعمال ان کے لئے خوبصورت بنا دیئے ہیں پھر ان سب کا لوٹنا تو ان کے رب کی طرف ہی ہے پس وہ انہیں ان کے کردار پر متنبہ کرے گا ○

وحی کے مطابق عمل کرو: ☆☆ (آیت: ۱۰۶-۱۰۷) حضورؐ کو اور آپؐ کی امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وحی الٰہ کی اتباع اور اسی کے مطابق عمل کرو۔ جو وحی اللہ کی جانب سے اترتی ہے' وہ سراسر حق ہے' اس کے حق ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں۔ معبود برحق صرف وہی ہے۔ مشرکین سے درگزر کر' ان کی ایذا دہی پر صبر کر' ان کی بدزبانی برداشت کر لے' ان کی بدزبانی سن لے۔ یقین مان کہ تیری فتح کا' تیرے غلبہ کا' تیری طاقت و قوت کا وقت دور نہیں۔ اللہ کی مصلحتوں کو کوئی نہیں جانتا۔ دیر گو ہو لیکن اندھیرا نہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا۔ اس کی مشیت اس کی حکمت وہی جانتا ہے' نہ کوئی اس سے بازپرس کر سکے نہ اس کا ہاتھ تھام سکے۔ وہ سب کا حاکم اور سب سے سوال کرنے پر قادر ہے۔ تو ان کے اقوال و اعمال کا محافظ نہیں۔ تو ان کے رزق وغیرہ امور کا وکیل نہیں۔ تیرے ذمہ صرف اللہ کے حکم کو پہنچا دینا ہے جیسے فرمایا' نصیحت کر دے کیونکہ تیرا کام یہی ہے۔ تو ان پر داروغہ نہیں اور فرمایا' تمہاری ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے۔ حساب ہمارے ذمہ ہے۔

سودا بازی نہیں ہو گی: ☆☆ (آیت: ۱۰۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو اور آپ کے ماننے والوں کو مشرکین کے معبودوں کو گالیاں دینے سے منع فرماتا ہے گو کہ اس میں کچھ مصلحت بھی ہو لیکن اس میں مفسدہ بھی ہے اور وہ بہت بڑا ہے یعنی ایسا نہ ہو کہ مشرک اپنی نادانی سے اللہ کو گالیاں دینے لگ جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مشرکین نے ایسا ارادہ ظاہر کیا تھا اس پر یہ آیت اتری۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ ایسا ہوا تھا اس لئے یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی گئی۔ ابن ابی حاتم میں سدیؒ سے مروی ہے کہ ابو طالب کی موت کی بیماری کے وقت قریشیوں نے آپس میں کہا کہ چلو چل کر ابو طالب سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے (حضرت محمد رسول ﷺ) کو روک دیں ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ اب ہم اسے مار ڈالیں گے۔ ممکن ہے کہ عرب کی طرف سے آواز اٹھے کہ چچا کی موجودگی میں تو قریشیوں کی چلی نہیں' اس کی موت کے بعد مار ڈالا۔ یہ مشورہ کر کے ابوجہل' ابوسفیان' نضیر بن حارث' امیہ بن ابی خلف' عقبہ بن ابو معیط' عمرو بن عاص اور اسود بن بختری چلے۔ مطلب نامی ایک شخص کو ابو طالب

کے پاس بھیجا کہ وہ ان کے آنے کی خبر دیں اور اجازت لیں۔ اس نے جا کر کہا کہ آپ کی قوم کے سردار آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ابوطالب نے کہا' بلا لو۔ یہ لوگ گئے اور کہنے لگے' آپ کو ہم اپنا بڑا اور سردار مانتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) نے ہمیں ستا رکھا ہے۔ وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بلا کر منع کر دیجئے۔ ہم بھی اس سے رک جائیں گے۔ ابوطالب نے حضور ﷺ کو بلایا۔ آپ تشریف لائے ابوطالب نے کہا۔ آپؐ دیکھتے ہیں آپ کی قوم کے بڑے یہاں جمع ہیں۔ یہ سب آپ کے کنبے' قبیلے اور رشتے کے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ انہیں اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ یہ بھی آپ کو اور آپ کے اللہ کو چھوڑ دیں گے۔ آپ نے فرمایا' خیر ایک بات میں کہتا ہوں۔ یہ سب لوگ سوچ سمجھ کر اس کا جواب دیں۔ میں ان سے صرف ایک کلمہ طلب کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر یہ میری ایک بات مان لیں تو تمام عرب ان کا ماتحت ہو جائے۔ تمام عجم ان کی مملکت میں آ جائے بڑی بڑی سلطنتیں انہیں خراج ادا کریں۔ یہ سن کر ابوجہل نے کہا' قسم ہے ایک ہی نہیں ایسی دس باتیں بھی اگر آپ کی ہوں تو ہم ماننے کو موجود ہیں۔ فرمایئے وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بس لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ اس پر ان سب نے انکار کیا اور ناک بھوں چڑھائی۔ یہ بات دیکھ کر ابوطالب نے کہا پیارے بھتیجے اور کوئی بات کہو۔ دیکھو تمہاری قوم کے سرداروں کو تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی۔ آپؐ نے فرمایا' چچا جان آپ مجھے کیا سمجھاتے ہیں۔ اللہ کی قسم مجھے اسی ایک کلمہ کی دھن ہے اگر یہ لوگ سورج کو لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دیں جب بھی میں کوئی اور کلمہ نہیں کہوں گا۔ یہ سن کر وہ لوگ اور بگڑے اور کہنے لگے' بس ہم کہے دیتے ہیں کہ یا تو آپ ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے سے رک جائیں ورنہ پھر ہم بھی آپ کو اور آپ کے معبودوں کو گالیاں دیں گے۔ اس پر رب العالمین نے یہ آیت اتاری۔ اسی مصلحت کو مدنظر رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' وہ ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ صحابہؓ نے کہا' حضور کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی کیسے دے گا؟ آپ نے فرمایا' اس طرح کہ یہ دوسرا اس کے باپ کو گالی دے۔ دوسرے کے باپ کو گالی دے۔ یہ کسی کی ماں کو گالی دے' وہ اس کی ماں کو۔

پھر فرماتا ہے' اسی طرح اگلی امتیں بھی اپنی گمراہی کو اپنے حق میں ہدایت سمجھتی رہیں۔ یہ بھی رب کی حکمت ہے۔ یاد رہے کہ سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے' وہ انہیں ان کے سب برے بھلے اعمال کا بدلہ دے گا اور ضرور دے گا۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ لَّيُؤۡمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَمَا يُشۡعِرُكُمۡ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۰۹

اللہ تعالیٰ کی پرزور قسمیں کھا کھا کر کفار نے کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی نشان آئے گا تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے' تو کہہ دے کہ معجزے اللہ کے قبضے میں ہیں۔ مسلمانو تم کیا جانو؟ یہ لوگ تو نشانیاں آ جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے ○

معجزوں کے طالب لوگ : ☆☆ (آیت:۱۰۹) صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اور اس لئے بھی کہ خود مسلمان شک وشبہ میں پڑ جائیں' کافر لوگ قسمیں کھا کھا کر بڑے زور سے کہتے تھے کہ ہمارے طلب کردہ معجزے ہمیں دکھا دیئے جائیں تو واللہ ہم بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ہدایت فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ معجزے میرے قبضے میں نہیں۔ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ چاہے دکھائے چاہے نہ دکھائے۔ ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے حضورؐ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں' حضرت موسیٰؑ ایک پتھر پر لکڑی مارتے تھے تو اس سے بارہ چشمے نکلتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ مردوں میں جان ڈال دیتے تھے اور حضرت ثمودؑ نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا تھا تو آپ بھی جو معجزہ ہمیں

کہیں دکھا دیں' واللہ ہم سب آپ کی نبوت کو مان لیں گے' آپؐ نے فرمایا' کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو- انہوں نے کہا کہ آپؐ صفا پہاڑ کو ہمارے لئے سونے کا بنا دیں-

پھر تو قسم اللہ کی ہم سب آپ کو سچا جاننے لگیں گے- آپ کو ان کے اس کلام سے کچھ امید بندھ گئی اور آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی- وہیں حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمانے لگے' سنئے اگر آپ چاہیں تو اللہ بھی اس صفا پہاڑ کو سونے کا کر دے گا لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب ان سب کو فنا کر دے گا ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے عذابوں کو روکے ہوئے ہے- ممکن ہے ان میں نیک سمجھ والے بھی ہوں اور وہ ہدایت پر آ جائیں- آپ نے فرمایا' نہیں اللہ تعالیٰ میں صفا کا سونا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تو ان پر مہربانی فرما کر انہیں عذاب نہ کر اور ان میں سے جسے چاہ ہدایت نصب فرما- اسی پر یہ آیتیں وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ تک نازل ہوئیں- یہ حدیث گو مرسل ہے لیکن اس کے شاہد بہت ہیں چنانچہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ یعنی معجزوں کے اتارے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ ان سے اگلوں نے بھی انہیں جھٹلایا- انہا کی دوسری قرات اَنَّهَآ بھی ہے اور لَايُؤْمِنُوْنَ کی دوسری قرات لاتومنون ہے- اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے مشرکین کیا خبر ممکن ہے خود تمہارے طلب کردہ معجزوں کے آ جانے کے بعد بھی تمہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو اور یہ بھی کہا گیا کہ اس آیت میں خطاب مومنوں سے ہے یعنی اے مسلمانو' تم نہیں جانتے' یہ لوگ ان نشانیوں کے ظاہر ہو چکنے پر بھی بے ایمان ہی رہیں گے- اس صورت میں اَنَّهَا الف کے زیر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور الف کے زبر کے ساتھ بھی یشعر کم کا معمول ہو کر اور لایومنون کا لام اس صورت میں صلہ ہو گا جیسے آیت اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ میں-

اور آیت وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَايَرْجِعُوْنَ میں تو مطلب یہ ہوتا کہ اے مومنو تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اپنی من مانی اور منہ مانگی نشانی دیکھ کر ایمان لائیں گے بھی؟ اور یہ بھی کہا گیا کہ اَنَّهَا معنی میں لَعَلَّهَا کے ہے بلکہ حضرت ابی بن کعب کی قرات میں اَنَّهَا کے بدلے لَعَلَّهَا ہی ہے- عرب کے محاورے میں اور شعروں میں بھی یہی پایا گیا ہے- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اسی کو پسند فرماتے ہیں- اور اس کے بہت سے شواہد بھی انھوں نے پیش کئے ہیں- واللہ اعلم

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ۱۳ ع ۱۰ ۱۹

ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو الٹ دیں گے جیسا کہ یہ لوگ پہلی دفعہ اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتا چھوڑ دیں گے ○

(آیت: ۱۱۰) پھر فرماتا ہے کہ ان کے انکار اور کفر کی وجہ سے ان کے دل اور ان کی نگاہیں ہم نے پھیر دی ہیں- اب یہ کسی بات پر ایمان لانے والے ہی نہیں- ایمان اور ان کے درمیان دیوار حائل ہو چکی ہے- روئے زمین کے نشانات دیکھ لیں گے تو بھی بے ایمان ہی رہیں گے- اگر ایمان قسمت میں ہوتا تو حق کی آواز پر پہلے ہی لبیک پکار اٹھتے- اللہ تعالیٰ ان کی بات سے پہلے یہ جانتا تھا کہ یہ کیا کہیں گے؟ اور ان کے عمل سے پہلے جانتا تھا کہ یہ کیا کریں گے؟ اسی لئے اس نے بتلا دیا- کہ ایسا ہو گا فرماتا ہے وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ اللہ تعالیٰ جو کامل خبر رکھنے والا ہے اور اس جیسی خبر اور کون دے سکتا ہے؟ اس نے فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے روز حسرت و افسوس کے ساتھ آرزو کریں گے کہ اگر اب لوٹ کر دنیا کی طرف جائیں تو نیک اور بھلے بن کر رہیں- لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بالفرض یہ لوٹا بھی دیئے جائیں تو بھی یہ ایسے کے ایسے ہی

رہیں گے اور جن کاموں سے روکے گئے ہیں، انہی کو کریں گے، ہرگز نہ چھوڑیں گے- یہاں بھی فرمایا کہ معجزوں کو دیکھنا بھی ان کے لئے مفید نہ ہو گا- ان کی نگاہیں حق کو دیکھنے والی ہی نہیں رہیں- ان کے دل میں حق کے لئے کوئی جگہ خالی ہی نہیں- پہلی بار ہی انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا- اسی طرح نشانوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی ایمان سے محروم رہیں گے- بلکہ اپنی سرکشی اور گمراہی میں ہی بہکتے اور بھٹکتے حیران و سرگرداں رہیں گے- (اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھے- آمین)

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۸

چند اہم مضامین کی فہرست

- ہر نبی کو ایذا دی گئی ۲۱۲
- اللہ کے فیصلے اٹل ہیں ۲۱۴
- صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال باقی سب حرام ۲۱۶
- سدھائے ہوئے کتوں کا شکار ۲۱۶
- مومن اور کافر کا تقابل جائزہ ۲۱۹
- بستیوں کے رئیس گمراہ ہو جائیں تو تباہی کی علامت ہوتے ہیں ۲۲۰
- جس پر اللہ کا کرم اس پہ راہ ہدایت آسان ۲۲۲
- قرآن حکیم ہی صراط مستقیم کی تشریح ہے ۲۲۳
- یوم حشر ۲۲۴
- سب سے بے نیاز اللہ ۲۲۷
- بدعت کا آغاز ۲۲۸
- نذر نیاز ۲۲۹
- اولاد کے قاتل ۲۳۰
- مسائل زکوٰۃ اور عشر مظاہر قدرت ۲۳۰
- خود ساختہ حلال وحرام جہالت کا ثمر ہے ۲۳۳
- اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال وحرام ۲۳۴
- مشرک ہو یا کافر توبہ کرلے تو معاف! ۲۳۶
- نبی اکرم ﷺ کی وصیتیں ۲۳۸
- یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ۲۴۱
- شیطانی راہیں فرقہ سازی ۲۴۱
- قیامت اور بے بسی ۲۴۵
- اہل بدعت گمراہ ہیں ۲۴۷
- جھوٹے معبود غلط سہارے ۲۵۱
- اللہ کی رحمت اللہ کے غضب پر غالب ہے ۲۵۲
- سابقہ باغیوں کی بستیوں کے کھنڈرات باعث عبرت ہیں ۲۵۴
- ابلیس آدم علیہ السلام اور نسل آدم ۲۵۷
- ابلیس کا طریقہ واردات اس کی اپنی زبانی ۲۵۹
- اللہ تعالیٰ کے نافرمان جہنم کا ایندھن ہیں ۲۶۰
- پہلا امتحان اور اسی میں لغزش اور اس کا انجام ۲۶۱
- سفر ارضی کے بارہ میں یہودی روایات ۲۶۲
- لباس اور داڑھی جمال وجلال ۲۶۳
- ابلیس سے بچنے کی تاکید ۲۶۴
- جہالت اور طواف کعبہ ۲۶۴
- برہنہ ہو کر طواف ممنوع قرار دے دیا گیا ۲۶۶
- موت کی ساعت طے شدہ ہے---اور اٹل ہے ۲۶۸
- اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے ۲۶۹
- کفار کی گردنوں میں طوق ۲۷۰
- بدکاروں کی روحیں دھتکاری جاتی ہیں ۲۷۱
- اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل انسانی بس میں ہے! ۲۷۳
- جنتیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ ۲۷۵
- جنت اور جہنم میں دیوار اور اعراف والے ۲۷۶
- کفر کے ستون اور ان کا حشر ۲۷۸
- آخری حقیقت جنت اور دوزخ کا مشاہدہ ۲۸۱
- تمام مظاہر قدرت اس کی شان کے مظہر ہیں ۲۸۴
- نوح علیہ السلام پر کیا گزری؟ ۲۸۷
- ہود علیہ السلام اور ان کا رویہ! ۲۸۸
- قوم عاد کا باغیانہ رویہ ۲۸۹
- ثمود کی قوم اور اس کا عبرت ناک انجام ۲۹۲
- صالح علیہ السلام ہلاکت کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں ۲۹۶
- لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم ۲۹۷
- خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام ۲۹۹
- قوم شعیب کی بداعمالیاں ۳۰۰

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ
كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝۱۱۱ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ
الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ
وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۱۲

اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتارتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور ہر چیز کو ہم ان کے سامنے بھی لا کر جمع کر دیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے - ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ چاہے بلکہ ان میں کے اکثر نادانی کرتے ہیں ○ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن چند شریر انسانوں اور سرکش جنوں کو بنا دیا ہے کہ دھوکہ دہی کی غرض سے ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں ۔ اگر تیرا رب چاہتا تو یہ شیاطین ایسی حرکت نہ کرتے - تو ان سے اور ان کی بہتان بازیوں سے بے نیاز ہو جا ○

فرماتا ہے کہ یہ کفار جو قسمیں کھا کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی معجزہ وہ دیکھ لیتے تو ضرور ایمان لے آتے - یہ غلط کہتے ہیں - تمہیں ان کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہونا چاہئے - یہ کہتے ہیں کہ اگر فرشتے اترتے تو ہم مان لیتے لیکن یہ بھی جھوٹ ہے - فرشتوں کے آ جانے پر بھی اور ان کے کہہ دینے سے بھی کہ یہ رسول برحق ہیں' انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا - یہ صرف ایمان نہ لانے کے بہانے تراشتے ہیں کہ کبھی کہہ دیتے ہیں اللہ کو لے آ - کبھی کہتے ہیں فرشتوں کو لے آ - کبھی کہتے ہیں اگلے نبیوں جیسے معجزے لے آ - یہ سب حجت بازی اور حیلے حوالے ہیں - دلوں میں تکبر بھرا ہوا ہے - زبان سے سرکشی اور برائی ظاہر کرتے ہیں - اگر مردے بھی قبروں سے اٹھ کر آ جائیں اور کہہ دیں کہ یہ رسول برحق ہیں' ان کے دلوں پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوگا - قُبُلًا کی دوسری قرات قِبَلًا ہے جس کے معنی مقابلے اور معائنہ کے ہوتے ہیں - ایک قول میں قُبُلًا کے معنی بھی یہی بیان کئے گئے ہیں - ہاں مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اس کے معنی گروہ گروہ کے ہیں - ان کے سامنے اگر ایک ایک امت آ جاتی اور رسولوں کی صداقت کی گواہی دیتی تو بھی یہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے اس لئے کہ ہدایت کا مالک وہی ہے نہ کہ یہ - وہ جسے چاہے ہدایت دے دے - وہ جو کرنا چاہے' کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا اور وہ چونکہ حاکم کل ہے' ہر ایک سے باز پرس کر سکتا ہے' وہ علیم و حکیم ہے - حاکم و غالب و قاہر ہے - اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ' یعنی جن لوگوں کے ذمہ کلمہ عذاب ثابت ہو گیا ہے' وہ تمام تر نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ المناک عذاب نہ دیکھ لیں -

ہر نبی کو ایذا دی گئی: ☆☆ (آیت:۱۱۲) ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپؐ تنگ دل اور مغموم نہ ہوں جس طرح آپؐ کے زمانے کے یہ کفار آپ کی دشمنی کرتے ہیں' اسی طرح ہر نبی کے زمانے کے کفار اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ دشمنی کرتے رہے ہیں' جیسے اور آیت میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ الخ' تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا' انہیں بھی ایذائیں پہنچائی گئیں جس پر انہوں نے صبر کیا - اور آیت میں کہا گیا ہے کہ تجھ سے بھی وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں کو کہا گیا تھا - تیرا رب بڑی مغفرت ہے اور ساتھ ہی المناک عذاب کرنے والا بھی ہے - اور آیت میں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ہم نے گنہگاروں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے - یہی بات ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے کہی تھی کہ آپ جیسی چیز جو رسول بھی لے کر آیا' اس سے

وَلِتَصۡغٰۤى اِلَيۡهِ اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ صرف اس لئے کہ ان لوگوں کے دل ان باتوں کی طرف مائل ہو جائیں جو آخرت کو نہیں مانتے اور وہ انہیں پسند کر لیں اور جس عمل کے لائق یہ ہیں کر گذریں ○

عداوت کی گئی۔ نبیوں کے دشمن شریر انسان بھی ہوتے ہیں اور جنات بھی۔ عَدُوًّا سے بدل شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ ہے۔ انسانوں میں بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا' کیا تم نے شیاطین انس وجن سے اللہ کی پناہ بھی مانگ لی؟ صحابیؓ نے پوچھا' کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں۔ یہ حدیث منقطع ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مجلس میں آپ دیر تک تشریف فرما رہے۔ مجھ سے فرمانے لگے' ابوذر تم نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ' نہیں پڑھی' آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت ادا کر لو۔ جب میں فارغ ہو کر آیا تو فرمانے لگے' کیا تم نے انسانی و جناتی شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگی تھی؟ میں نے کہا نہیں۔ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور وہ جنوں کے شیطانوں سے بھی زیادہ شریر ہیں۔ اس میں بھی انقطاع ہے۔

ایک متصل روایت مسند احمد میں مطول ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ مسجد کا ہے۔ اور روایت میں حضور ﷺ کا اس فرمان کے بعد یہ پڑھنا بھی مروی ہے کہ شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا۔ الغرض یہ حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جس سے قوت صحت کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ عکرمہؒ سے مروی ہے کہ انسانوں میں شیطان نہیں' جنات کے شیطان ایک دوسرے سے کانا پھوسی کرتے ہیں' آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ انسانوں کے شیطان جو انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جنوں کے شیطان جو جنوں کو گمراہ کرتے ہیں جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے اپنی کارگزاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں کو اس طرح بہکایا۔ تو فلاں کو اس طرح بہکایا ایک دوسرے کو گمراہی کے طریقے بتاتے ہیں۔ اس سے امام ابن جریرؒ تو یہ سمجھے ہیں کہ شیطان تو جنوں سے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض انسانوں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں' بعض جنات پر۔ تو یہ مطلب عکرمہؒ کے قول سے تو ظاہر ہے۔ ہاں سدیؒ کے قول میں متحمل ہے۔ ایک قول میں عکرمہؒ اور سدیؒ دونوں سے یہ مروی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جنات کے شیاطین ہیں جو انہیں بہکاتے ہیں جیسے انسانوں کے شیان جو انہیں بہکاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر مشورہ دیتے ہیں کہ اسے اس طرح بہکا۔ صحیح وہی ہے جو حضرت ابوذرؓ والی حدیث میں اوپر گذرا۔ عربی میں ہر سرکش شریر کو شیطان کہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے سیاہ رنگ کے کتے کو شیطان فرمایا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کتوں میں شیطان ہے واللہ اعلم۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' کفار جن' کفار انسانوں کے کانوں میں صور پھونکتے رہتے ہیں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں میں مختار ابن ابی عبید کے پاس گیا' اس نے میری بڑی تعظیم و تکریم کی اپنے ہاں مہمان بنا کر ٹھہرایا رات کو بھی شاید اپنے ہاں سلاتا لیکن مجھ سے اس نے کہا کہ جاؤ لوگوں کو کچھ سناؤ میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا آپ وحی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میں نے کہا وحی کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کی طرف سے جیسے فرمان ہے بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ اور دوسری وحی شیطانی جیسے فرمان ہے شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ الخ اتنا سنتے ہی لوگ میرے اوپر پل پڑے۔ قریب تھا کہ پکڑ کر مار پیٹ شروع کر دیں' میں نے کہا ارے بھائیو! یہ تم میرے ساتھ کیا کرنے لگے؟ میں نے تو تمہارے سوال کا جواب دیا اور میں تو تمہارا مہمان ہوں چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ مختار ملعون لوگوں سے کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ اس کی بہن حضرت صفیہ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں اور بڑی دیندار تھیں-

جب حضرت عبداللہ کو مختار کا یہ قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے- قرآن میں ہے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ یعنی شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی لے جاتے ہیں- الغرض ایسے متکبر سرکش جنات وانس آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے بازی کی باتیں سکھاتے ہیں- یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر اور چاہت ومشیت ہے- وہ ان کی وجہ سے اپنے نبیوں کی اولوالعزمی اپنے بندوں کو دکھا دیتا ہے- تو ان کی عداوت کا خیال بھی نہ کر- ان کا جھوٹ تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا- تو اللہ پر بھروسہ رکھ- اسی پر توکل کر اور اپنے کام اسے سونپ کر بے فکر ہو جا- وہ تجھے کافی ہے اور وہی تیرا مددگار ہے- یہ لوگ جو اس طرح کی خرافات کرتے ہیں، یہ محض اس لئے کہ بے ایمانوں کے دل، ان کی نگاہیں اور ان کے کان ان کی طرف جھک جائیں- وہ ایسی باتوں کو پسند کریں- اس سے خوش ہو جائیں- پس ان کی باتیں وہی قبول کرتے ہیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں ہوتا- ایسے واصل جہنم ہونے والے بہکے ہوئے لوگ ہی ان کی فضول اور چکنی چپڑی باتوں میں پھنس جاتے ہیں- پھر وہ کرتے ہیں جو ان کے قابل ہے-

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ
مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ
مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۱۱۴ وَتَمَّتْ
كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۝۱۱۵

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو فیصلہ کرنے والا تلاش کروں؟ حالانکہ اسی نے تفصیل وار کتاب نازل فرمائی ہے- جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے ہی حق کے ساتھ اتاری گئی ہے- پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا ○ تیرے رب کی بات صداقت وعدالت کے ساتھ کامل ہو گئی- اس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ○

اللہ کے فیصلے اٹل ہیں: ☆☆ (۱۱۴-۱۱۵) حکم ہوتا ہے کہ مشرک جو کہ اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کر رہے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں آپس میں فیصلہ کرنے والا بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو تلاش کروں؟ اسی نے صاف کھلے فیصلے کرنے والی کتاب نازل فرما دی ہے- یہود و نصاریٰ جو صاحب کتاب ہیں اور جن کے پاس اگلے نبیوں کی بشارتیں ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل شدہ ہے- تجھے شکی لوگوں میں نہ ملنا چاہئے- جیسے فرمان ہے فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الخ، یعنی ہم نے جو کچھ وحی تیری طرف اتاری ہے، اگر تجھے اس میں شک ہو تو جو لوگ اگلی کتابیں پڑھتے ہیں تو ان سے پوچھ لے- یقین مان کہ تیرے رب کی جانب سے تیری طرف حق اتر چکا ہے- پس تو شک کرنے والوں میں نہ ہو- یہ شرط ہے اور شرط کا واقع ہونا کچھ ضروری نہیں- اسی لئے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، نہ میں شک کروں نہ کسی سے سوال کروں- تیرے رب کی باتیں صداقت میں پوری ہیں- اس کا ہر حکم عدل ہے- وہ اپنے حکم میں بھی عادل ہے اور خبروں میں صادق ہے اور یہ خبر صداقت پر مبنی ہے- جو خبریں اس نے دی ہیں، وہ بلاشبہ درست ہیں اور جو حکم فرمایا ہے،

وہ سراسر عدل ہے۔ اور جس چیز سے روکا' وہ یکسر باطل ہے۔ کیونکہ وہ جس چیز سے روکتا ہے' وہ برائی والی ہی ہوتی ہے۔ جیسے فرمان ہے يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وہ انہیں بھلی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے فرمان کو بدل سکے۔ اس کے حکم اٹل ہیں۔ دنیا میں کیا اور آخرت میں کیا' اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس کا تعاقب کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کی حرکات و سکنات کو بخوبی جانتا ہے۔ ہر عامل کو اس کے برے بھلے عمل کا بدلہ ضرور دے گا۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ
سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر تو ان کے کہے پر چلے تو وہ تجھے راہ اللہ سے بھٹکا دیں۔ وہ تو صرف گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اٹکل پچو باتیں ہی بناتے ہیں۔ تیرا رب ہی انہیں بخوبی جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ جو راہ راست پر ہیں' انہیں بھی وہی خوب جانتا ہے ○

بیکار خیالوں میں گرفتار لوگ: ☆☆ (آیت:۱۱۶-۱۱۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں گمراہ کن ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ اور جگہ ہے وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ گو تو حرص کرے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ پھر یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھی کسی یقین پر نہیں' صرف باطل گمان اور بیکار خیالوں کا شکار ہیں۔ اندازے سے باتیں بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ خیالات کے پیرو ہیں۔ توہم پرستی میں گھرے ہوئے ہیں یہ سب مشیت الٰہی ہے۔ وہ گمراہوں کو بھی جانتا ہے اور ان پر گمراہیاں آسان کر دیتا ہے۔ وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی واقف ہے اور انہیں ہدایت آسان کر دیتا ہے۔ ہر شخص پر وہی کام آسان ہوتے ہیں جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ
مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ
وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ
كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ
الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو' اسے کھا لیا کرو اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ جو چیزیں تم

پرحرام کی گئی ہیں، وہ کھول کھول کر بیان ہو چکی ہیں بجز اس حالت کے کہ تم ان چیزوں کی طرف بے بس کر دیئے جاؤ- اکثر لوگ صرف اپنی خواہشوں کی بنا پر بغیر علم کے دوسروں کو بہکاتے رہتے ہیں۔ ہر ایک حد سے تجاوز کرنے والے کو اللہ بخوبی جانتا ہے ○ کھلے چھپے ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو- گنہگاریاں کرنے والوں کو ان کی کی گنہگاریوں کی سزا یقیناً دی جائے گی ○

صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال باقی سب حرام : ☆☆ (آیت:۱۱۸-۱۱۹) حکم بیان ہو رہا ہے کہ جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھا لیا کرو- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا مباح نہیں- جیسے مشرکین از خود مر گیا ہوا مردار جانور، بتوں اور تھالوں پر ذبح کیا ہوا جانور کھا لیا کرتے تھے- کوئی وجہ نہیں کہ جن حلال جانوروں کو شریعت کے حکم کے مطابق ذبح کیا جائے اس کے کھانے میں حرج سمجھا جائے بالخصوص اس وقت کہ ہر حرام جانور کا بیان کھول کھول کر کر دیا گیا ہے- فصل کی دوسری قرات فصل ہے وہ حرام جانور کھانے ممنوع ہیں سوائے مجبوری اور سخت بے بسی کے کہ اس وقت جو مل جائے اس کے کھا لینے کی اجازت ہے- پھر کافروں کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ مردار جانور کو اور ان جانوروں کو جن پر اللہ کے سوا دوسروں کے نام لئے گئے ہوں حلال جانتے تھے- یہ لوگ بلا علم صرف خواہش پرستی کر کے دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹا رہے ہیں- ایسوں کی افترا پردازی دروغ بافی اور زیادتی کو اللہ بخوبی جانتا ہے-

(آیت:۱۲۰) ظاہری اور باطنی گناہوں کو ترک کر دو- چھوٹے بڑے پوشیدہ اور ظاہر، ہر گناہ کو چھوڑ و- نہ کھلی بدکار عورتوں کے ہاں جاؤ نہ چوری چھپے بدکاریاں کرو- کھلم کھلا ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں- غرض ہر گناہ سے دور رہو- کیونکہ ہر بدکاری کا برا بدلہ ہے- حضورؐ سے سوال ہوا کہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو نہ چاہے کہ کسی کو اس کی اطلاع ہو جائے-

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۟﴿۱۲۱﴾ ع ۱۱

جس پر نام اللہ نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ- اس کا کھانا کھلی نافرمانی ہے۔ شیطان اپنے ڈھب کے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے کج بحثی کریں- اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو تمہارے بھی مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں ○

سدھائے ہوئے کتوں کا شکار : ☆☆ (آیت:۱۲۱) یہی آیت ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ گو کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو لیکن اگر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے، اس بارے میں علماء کے تین قول ہیں- ایک تو وہی جو مذکور ہوا- خواہ جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا ہو یا بھول کر- اس کی دلیل آیت فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ہے یعنی جس شکار کو تمہارے شکاری کتے روک رکھیں، تم اسے کھا لو اور اللہ کا نام اس پر لو- اس آیت میں اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کھلی نافرمانی ہے یعنی اس کا کھانا- یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا- احادیث میں بھی شکار کے اور ذبیحہ کے متعلق حکم وارد ہوا ہے- آپؐ فرماتے ہیں، جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑے، جس جانور کو وہ تیرے لئے پکڑ کر روک لے تو اسے کھا لے- اور حدیث میں ہے، جو چیز خون بہا دے

اور اللہ کا نام بھی اس پر لیا گیا ہو، اسے کھا لیا کرو- جنوں سے حضورؐ نے فرمایا تھا، تمہارے لئے ہر وہ ہڈی غذا ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے- عید کی قربانی کے متعلق آپؐ کا ارشاد مروی ہے کہ جس نے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا، وہ اس کے بدلے دوسرا جانور ذبح کر لے اور جس نے قربانی نہیں کی وہ ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھے پھر اللہ کا نام لے کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرے- چند لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ بعض نو مسلم ہمیں گوشت دیتے ہیں- کیا خبر انہوں نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام بھی لیا یا نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا، تم ان پر اللہ کا نام لو اور کھا لو-

الغرض اس حدیث سے بھی یہ مذہب قوی ہوتا ہے کیونکہ صحابہؓ نے بھی سمجھا کہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ لوگ احکام اسلام سے صحیح طور پر واقف نہیں- ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں- کیا خبر اللہ کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں؟ تو حضورؐ نے انہیں بطور مزید احتیاط فرما دیا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو تا کہ بالفرض انہوں نے نہ بھی لیا ہو تو یہ اس کا بدلہ ہو جائے- ورنہ ہر مسلمان پر ظاہراً حسن ظن ہی ہوگا- دوسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے- اگر چھوٹ جائے گو وہ عمداً ہو یا بھول کر، کوئی حرج نہیں- اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ فسق ہے، اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور ہے جیسے اور آیت میں ہے اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ بقول عطا ان جانوروں سے روکا گیا ہے جنہیں کفار اپنے معبودوں کے نام ذبح کرتے تھے اور مجوسیوں کے ذبیحہ سے بھی ممانعت کی گئی- اس کا جواب بعض متاخرین نے یہ بھی دیا ہے کہ وَاِنَّهٗ (سورۂ انعام-۱۲۱) میں واؤ حالیہ ہے تو فسق اسی وقت ہوگا جب اسے غیر اللہ کے نام کا مان لیں اور یہ واؤ عطف کا ہو نہیں سکتا ورنہ اس سے جملہ اسمیہ جریہ کا عطف جملہ فعلیہ حالیہ پر لازم آئے گا- لیکن یہ دلیل اس کے بعد کے جملے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ سے ہی ٹوٹ جاتی ہے اس لئے کہ وہ تو یقیناً عاطفہ جملہ ہے- تو جس اگلے واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے، اگر اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملے کا عطف ناجائز ہوگا اور اگر اسے پہلے کے حالیہ جملے پر عطف ڈالا جائے تو جو اعتراض یہ دوسرے پر وارد کر رہے تھے، وہی ان پر پڑے گا- ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہٹ سکتا ہے لیکن جو بات اور دعویٰ تھا، وہ سرے سے باطل ہو جائے گا- واللہ اعلم-

ابن عباسؓ کا قول ہے، مراد اس سے مردار جانور ہے جو اپنی موت آپ مر گیا ہو- اس مذہب کی تائید ابو داؤد کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے جس میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے- اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ لیتا تو اللہ کا نام ہی لیتا- اس کی مضبوطی دار قطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ ذکر کرے تو کھا لیا کرو کیونکہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے- اسی مذہب کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش ہو سکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نو مسلموں کے ذبیحہ کے کھانے کی جس میں دونوں احتمال تھے، آپ نے اجازت دی- تو اگر بسم اللہ کا کہنا شرط اور لازم ہوتا تو حضور تحقیق کرنے کا حکم دیتے- تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کہنا بوقت ذبح بھول گیا ہے تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر قصداً نہیں کہی تو حلال نہیں- ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ سے پہلے اس بات پر اجماع تھا کہ جس ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ کہی جائے، وہ حرام ہے- اسی لئے امام ابو یوسف اور مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم اسے بیچنے کا حکم بھی دے تو وہ حکم جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ اجماع کے خلاف ہے- لیکن صاحب ہدایہ کا یہ قول محض غلط ہے- امام شافعیؒ سے پہلے بھی بہت سے ائمہ اس کے خلاف تھے- چنانچہ اوپر جو دوسرا مذہب بیان ہوا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے یہ امام شافعیؒ کا، ان کے سب ساتھیوں کا اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا اور اشہب بن عبدالعزیز کا مذہب ہے اور یہی بیان کیا گیا ہے- حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عطا بن ابی رباحؒ کا اس سے اختلاف ہے- پھر اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست ہو

سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابوجعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ بھول کر نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ حرام کہا ہے' انہوں نے اور دلائل سے اس حدیث کی بھی مخالفت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مسلم کو اس کا نام ہی کافی ہے۔ اگر وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا بھول گیا تو اللہ کا نام لے اور کھالے۔ یہ حدیث بیہقی میں ہے لیکن اس کا مرفوع روایت کرنا خطا ہے اور یہ خطا معقل بن عبداللہ خرزمی کی ہے۔ ہیں تو یہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے مگر سعید بن منصور اور عبداللہ بن زبیر حمیری اسے عبداللہ بن عباسؓ سے موقوف روایت کرتے ہیں۔ بقول امام بیہقیؒ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ شعبی اور محمد بن سیرین اس جانور کا کھانا مکروہ جانتے تھے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ گو بھول سے ہی رہ گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ سلف کراہت کا اطلاق حرمت پر کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ ہاں یہ یاد رہے کہ امام ابن جریرؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان دو ایک قولوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جو جمہور کے مخالف ہوں اور اسے اجماع شمار کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بہت سے پرند ذبح شدہ آئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور بعض پر بھول سے رہ گئی ہے اور سب خلط ملط ہو گئے ہیں۔ آپ نے فتویٰ دیا کہ سب کھالو۔ پھر محمد بن سیرینؒ سے یہی سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' جن پر اللہ کا ذکر نام نہیں کیا گیا' انہیں نہ کھاؤ۔ اس تیسرے مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا کو' بھول کو اور جس کام پر زبردستی کی جائے' اس کو معاف فرما دیا ہے۔ لیکن اس میں ضعف ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہؐ بتایئے تو ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے؟ آپ نے فرمایا' اللہ کا نام ہر مسلمان کی زبان پر ہے (یعنی وہ حلال ہے) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے۔ مروان بن سالم ابوعبداللہ شامی اس حدیث کا راوی ہے اور ان پر بہت سے آئمہ نے جرح کی ہے۔ واللہ اعلم۔ میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں تمام مذاہب اور ان کے دلائل وغیرہ تفصیل سے لکھے ہیں اور پوری بحث کی ہے۔ بظاہر دلیلوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی مسلمان کی زبان سے جلدی میں یا بھولے سے یا کسی اور وجہ سے نہ نکلے اور ذبح ہو گیا تو وہ حرام نہیں ہوتا (واللہ اعلم مترجم) عام اہل علم تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں لیکن بعض حضرات کہتے ہیں' اس میں اہل کتاب کے ذبیحہ کا استثنا کر لیا گیا ہے اور ان کا ذبح کیا ہوا حلال جانور کھا لینا ہمارے ہاں حلال ہے۔ تو گو وہ اپنی اصطلاح میں اسے نسخ سے تعبیر کریں لیکن دراصل یہ ایک مخصوص صورت ہے۔

پھر فرمایا کہ شیطان اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کہا گیا کہ مختار گمان کرتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا' وہ ٹھیک کہتا ہے۔ شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ اس وقت مختار حج کو آیا ہوا تھا۔ ابن عباسؓ کے اس جواب سے کہ وہ سچا ہے' اس شخص کو سخت تعجب ہوا۔ اس وقت آپ نے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک تو اللہ کی وحی جو آنحضرتؐ کی طرف آئی اور ایک شیطانی وحی ہے جو شیطان کے دوستوں کی طرف آتی ہے۔ شیطانی وساوس کو لے کر لشکر شیطان اللہ والوں سے جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارا ہوا جانور تو کھائیں اور جسے اللہ مار دے یعنی اپنی موت آپ مر جائے اسے نہ کھائیں؟ اس پر ایک آیت اتری اور بیان فرمایا کہ وجہ حلت اللہ کے نام کا ذکر ہے۔ لیکن ہے یہ قصہ غور طلب۔ اولاً اس وجہ سے کہ یہودی از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں جانتے تھے

دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہودی تو مدینے میں تھے اور یہ پوری سورت مکہ میں اتری ہے- تیسرے یہ کہ یہ حدیث ترمذی میں مروی ہے طبرانی میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھالو اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریشیوں سے کہلوا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے وہ جھگڑیں اور کہیں کہ جسے تم اپنی چھری سے ذبح کرو وہ تو حلال اور جسے اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے خود ذبح کرے وہ حرام؟ یعنی میتہ از خود مرا ہوا جانور- اس پر یہ آیت اتری- پس شیاطین سے مراد فارسی ہیں اور ان کے اولیاء قریش ہیں- اور بھی اس طرح کی بہت سی روایتیں کئی ایک سندوں سے مروی ہیں لیکن کسی میں بھی یہود کا ذکر نہیں-

پس صحیح یہی ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہود مدینے میں تھے اور اس لئے بھی کہ یہودی خود مردار خوار نہ تھے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جسے تم نے ذبح کیا' یہ تو وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور جو از خود مر گیا' وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا- مشرکین قریش فارسیوں سے خط و کتابت کر رہے تھے اور رومیوں کے خلاف انہیں مشورے اور امداد پہنچاتے تھے اور فارسی قریشیوں سے خط و کتابت رکھتے تھے اور آنحضرتؐ کے خلاف انہیں اکساتے اور ان کی امداد کرتے تھے- اسی میں انہوں نے مشرکین کی طرف یہ اعتراض بھی بھیجا تھا اور مشرکین نے صحابہؓ سے یہی اعتراض کیا اور بعض صحابہؓ کے دل میں بھی یہ بات کھٹکی- اس پر یہ آیت اتری- پھر فرمایا' اگر تم نے ان کی تابعداری کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے کہ تم نے اللہ کی شریعت اور فرمان کے خلاف دوسرے کی مان لی اور یہی شرک ہے کہ اللہ کے قول کے مقابل دوسرے کا قول مان لیا چنانچہ قرآن کریم میں ہے اِتَّخَذُوۡا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو الہ بنالیا ہے- ترمذی میں ہے کہ جب حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی تو آپؐ نے فرمایا' انہوں نے حرام کو حلال کہا اور حلال کو حرام کہا اور انہوں نے ان کا کہنا مانا- یہی عبادت ہے-

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا‌ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

کیا ایک وہ شخص جو مردہ تھا' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے ایک نور عطا فرمایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے' مثل اس شخص کے ہے' جس کی حالت یہ ہو کہ وہ اندھیریوں میں گھرا ہوا ہو جس سے نکل نہیں سکتا- ٹھیک اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال خوبصورت کر دیئے گئے ہیں ○

مومن اور کافر کا تقابلی جائزہ: ☆☆ (آیت:۱۲۲) مومن اور کافر کی مثال بیان ہو رہی ہے- ایک تو وہ جو پہلے مردہ تھا یعنی کفر و گمراہی کی حالت میں حیران و سرگشتہ تھا- اللہ نے اسے زندہ کیا' ایمان و ہدایت بخشی- اتباع رسولؐ کا چسکا دیا- قرآن جیسا نور عطا فرمایا جس کے منور احکام کی روشنی میں وہ اپنی زندگی گزارتا ہے- اسلام کی نورانیت اس کے دل مین رچ گئی ہے' دوسرا وہ جو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے جو ان میں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا- کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح مسلم و کافر میں بھی تفاوت ہے- نور و ظلمت کا فرق اور ایمان و کفر کا فرق ظاہر ہے' اور آیت میں ہے اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا الخ ایمان داروں کا ولی اللہ تعالیٰ ہے- وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور کافروں کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں نور سے ہٹا کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں- یہ ابدی جہنمی ہیں-

اور آیت میں ہے اَفَمَنۡ يَّمۡشِىۡ مُكِبًّا عَلٰى وَجۡهِهٖ یعنی خمیدہ قامت والا' ٹیڑھی راہ چلنے والا اور سیدھے قامت والا' سیدھی

راہ چلنے والا کیا برابر ہے؟ اور آیت میں ہے' ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے بہرے اور سنتے دیکھتے کی طرح ہے کہ دونوں میں فرق نمایاں ہے افسوس پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور جگہ فرمان ہے' اندھا اور بینا' اندھیرا اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندے اور مردے برابر نہیں- اللہ جسے چاہے سنا دے لیکن تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا- تو تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے- اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں- اس سورت کے شروع میں ظلمات اور نور کا ذکر تھا- اسی مناسبت سے یہاں بھی مومن اور کافر کی یہی مثال بیان فرمائی گئی-

بعض کہتے ہیں' مراد اس سے وہ خاص معین شخص ہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہ یہ پہلے گمراہ تھے- اللہ نے انہیں اسلامی زندگی بخشی اور انہیں نور عطا فرمایا جسے لے کر لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں- اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ظلمات میں جو پھنسا ہوا ہے' اس سے مراد ابو جہل ہے- صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے- ہر مومن اور کافر کی مثال ہے- کافروں کی نگاہ میں ان کی اپنی جہالت و ضلالت اسی طرح آراستہ و پیراستہ کر کے دکھائی جاتی ہے- یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہے کہ وہ اپنی برائیوں کو ہی اچھائیاں سمجھتے ہیں- مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کر کے پھر اپنا نور ان پر ڈالا' جسے اس نور کا حصہ ملا اس نے دنیا میں آ کر راہ پائی اور جو وہاں محروم رہا' وہ یہاں بھی بہکا ہی رہا- جیسے فرمان ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جاتا ہے- اور جیسے فرمان ہے اندھا اور دیکھتا اور اندھیرا اور روشنی برابر نہیں-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا
فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲۳ وَاِذَا
جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ
اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴

اسی طرح ہم نے ہر شہر میں وہاں کے فاسق رئیسوں کو پیدا کر دیا ہے کہ وہ وہاں فساد مچاتے رہیں- دراصل یہ اپنے ہی حق میں فتنہ انگیزیاں کر رہے ہیں لیکن ہیں بھی بے سمجھ ○ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی پہنچتی ہے' کہہ دیتے ہیں کہ جب تک خود ہمیں اسی جیسا نہ دیا جائے جو اللہ کے نبیوں کو دیا گیا ہے' ہم ہرگز نہیں ماننے کے- اپنی پیغمبری کے لائق جگہ کا زیادہ جاننے والا اللہ ہی ہے۔ ان گنہگاروں کو ابھی ہی اللہ کے پاس کی ذلت اور بڑے بھاری عذاب ان کے فتنہ انگیزیوں کے بدلے ہوں گے ○

بستیوں کے رئیس گمراہ ہو جائیں تو تباہی کی علامت ہوتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۴) ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی تسکین فرماتا ہے اور ساتھ ہی کفار کو ہوشیار کرتا ہے- فرماتا ہے کہ جیسے آپ کی اس بستی میں رؤسائے کفر موجود ہیں جو دوسروں کو بھی دین برحق سے روکتے ہیں' اس طرح ہر پیغمبر کے زمانے میں اس کی بستی میں کفر کے ستون اور مرکز رہے ہیں لیکن آخر کار وہ غارت اور تباہ ہوتے ہیں اور نتیجہ ہمیشہ نبیوں کا ہی اچھا رہتا ہے- جیسے فرمایا کہ ہر نبی کے دشمن ان کے زمانے کے گنہگار رہے- اور آیت میں ہے' ہم جب کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے رئیسوں کو کچھ حکم احکام دیتے ہیں جس میں وہ کھلم کھلا ہماری نافرمانی کرتے ہیں- پس اطاعت سے گریز کرنے پر عذابوں میں گھر جاتے ہیں- وہاں کے شریر لوگ اوج پر آ جاتے ہیں' پھر بستی ہلاک ہوتی ہے اور قسمت کا ان مٹ لکھا سامنے آ جاتا ہے-

چنانچہ اور آیتوں میں ہے کہ جہاں کہیں کوئی پیغمبر آیا، وہاں کے رئیسوں اور بڑے لوگوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں - مال میں، اولاد میں، ہم تم سے زیادہ ہیں اور ہم اسے بھی مانتے نہیں کہ ہمیں سزا - ہو اور آیت میں ہے کہ ہم نے جس بستی میں جس رسول کو بھیجا وہاں کے بڑے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو جس طریقے پر اپنے بڑوں کو پایا ہے، ہم تو اسی پر چلے چلیں گے - مکر سے مراد گمراہی کی طرف بلانا ہے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لوگوں کو پھنسانا ہے جیسے کہ قوم نوح کے بارے میں ہے وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا قیامت کے دن بھی جبکہ یہ ظالم اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، چھوٹے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے ہم تو مسلمان ہو جاتے، وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تمہیں ہدایت سے کب روکا تھا؟ تم تو خود گنہگار تھے - یہ کہیں گے، تمہاری دن رات کی فتنہ انگیزیوں نے اور کفر و شرک کی دعوت نے ہمیں گمراہ کر دیا - مکر کے معنی حضرت سفیانؒ نے ہر جگہ عمل کے کئے ہیں -

پھر فرماتا ہے کہ ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا لیکن انہیں اس کا شعور نہیں - جن لوگوں کو انہوں نے بہکایا ان کا وبال بھی انہیں کے دوش پر ہو گا جیسے فرمان ہے وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ مَّعَ اَثْقَالِهِمْ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی ڈھوئیں گے - جن کو بے عملی کے ساتھ انہوں نے بہکایا تھا - جب کوئی نشان اور دلیل دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ کچھ بھی ہو جب تک اللہ کا پیغام فرشتے کی معرفت خود ہمیں نہ آئے ہم تو باور کرنے والے نہیں - کہا کرتے تھے کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے؟ اللہ ہمیں اپنا دیدار کیوں نہیں دکھاتا؟ حالانکہ رسالت کے مستحق کی اصلی جگہ کو اللہ ہی جانتا ہے - ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے رئیس پر یہ قرآن کیوں نہیں اترا؟ جس کے جواب میں اللہ عزوجل نے فرمایا، کیا تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے وہ ہیں؟ پس مکے یا طائف کے کسی رئیس پر قرآن کے نازل نہ ہونے سے وہ آنحضرتؐ کی تحقیر کا ارادہ کرتے تھے اور یہ صرف ضد اور تکبر کی بنا پر تھا -

جیسے فرمان ہے کہ تجھے دیکھتے ہی یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے؟ یہ لوگ ذکر رحمٰن کے منکر ہیں - کہا کرتے تھے کہ اچھا یہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنا رسول بنایا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مسخروں کا مسخراپن انہی پر الٹا پڑا - انہیں ماننا ہی پڑا تھا کہ آپ شریف النسب ہیں - آپ سچے اور امین ہیں - یہاں تک کہ نبوت سے پہلے قوم کی طرف سے آپ کو امین کا خطاب ملا تھا - ابوسفیان جیسے ان کا قریشیوں کے سردار نے بھی دربار ہرقل میں بھی حضورؐ کے عالی نسب ہونے اور سچے ہونے کی شہادت دی تھی - جس سے شاہ روم نے حضورؐ کی صداقت، طہارت، نبوت وغیرہ کو مان لیا تھا - مسند کی حدیث میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیمؑ سے اسماعیلؑ کو پسند فرمایا - اولاد اسماعیلؑ سے بنو کنانہ کو پسند فرمایا - بنو کنانہ سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے -

فرمان ہے کہ یکے بعد دیگرے قرنوں میں سے سب سے بہتر زمانے میں پیغمبر بنایا گیا - ایک مرتبہ جبکہ آپ کو لوگوں کی بعض کہی ہوئی باتیں پہنچیں تو آپؐ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا، میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا، آپ اللہ کے رسولؐ ہیں - فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں - اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں مجھے بہتر بنایا ہے - مخلوق کو جب دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان دونوں میں جو بہتر حصہ تھا، اس میں کیا، پھر قبیلوں کی تقسیم کے وقت مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا - پھر جب گھر داریوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنایا - پس میں گھرانے کے اعتبار سے اور ذات کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہوں - صلوات اللہ وسلامہ علیہ - حضرت جبرئیل نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا، میں نے تمام مشرق و مغرب ٹٹول لیا لیکن آپ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا (حاکم بیہقی) مسند احمد میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور سب سے بہتر دل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پایا - پھر مخلوق کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو سب سے بہتر دل والے اصحاب رسولؐ پائے - پس حضورؐ کو اپنا خاص چیدہ رسولؐ بنایا اور اصحابؓ کو آپ کا وزیر بنایا جو آپ کے دین کے دشمنوں کے دشمن ہیں - پس یہ

مسلمان جس چیز کو بہتر سمجھیں، وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جسے یہ برا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ ایک باہر کے شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مسجد کے دروازے سے آتا ہوا دیکھ کر مرعوب ہو کر لوگوں سے پوچھا، یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ رسول کریم ﷺ کے چچا کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عباس ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو ان کے منہ سے بے ساختہ یہ آیت نکلی کہ نبوت کی جگہ کو اللہ ہی بخوبی جانتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ اس عظیم الشان نبی کی نبوت میں شک وشبہ کر رہے ہیں، اطاعت سے منہ پھیر رہے ہیں، انہیں اللہ کے سامنے قیامت کے دن بڑی ذلت اٹھانی پڑے گی۔ دنیا کے تکبر کی سزا خواری کی صورت میں انہیں ملے گی جو ان پر دائمی ہوگی۔ جیسے فرمان ہے کہ جو لوگ میری عبادت سے جی چراتے ہیں، وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ انہیں ان کے مکر کی سزا اور سخت سزا ملے گی۔ چونکہ مکاروں کی چالیں خفیہ اور ہلکی ہوتی ہیں، اس کے بدلے میں عذاب علانیہ اور سخت ہوں گے۔ یہ اللہ کا ظلم نہیں بلکہ ان کا پورا بدلہ ہے۔ اس دن ساری چھپی عیاریاں کھل جائیں گی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعہد کی راہوں کے پاس قیامت کے دن ایک جھنڈا لہراتا ہوگا اور اعلان ہوتا ہوگا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔ پس اس دنیا کی پوشیدگی اس طرح قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ اللہ ہمیں بچائے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ
اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى
السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

جس کی ہدایت کا ارادہ اللہ کا ہوتا ہے، اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے، اس کے سینے کو اتنا بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے کہ گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر پھٹکار اور نجاست ڈال دیتا ہے جو یقین نہیں کرتے ○

جس پر اللہ کا کرم اس پہ راہ ہدایت آسان : ☆☆ (آیت: ۱۲۵) اللہ کا ارادہ جسے ہدایت کرنے کا ہوتا ہے، اس پر نیکی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں جیسے فرمان ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ الخ یعنی اللہ ان کے سینے اسلام کی طرف کھول دیتا ہے اور انہیں اپنا نور عطا فرماتا ہے۔ اور آیت میں ہے، فرمایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ الخ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کر دی۔ اور اسے تمہارے دلوں کو زینت دار بنا دیا اور کفر وفسق اور نافرمانی کی تمہارے دلوں میں کراہیت ڈال دی۔ یہی لوگ راہ یافتہ اور نیک بخت ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اس کا دل ایمان وتوحید کی طرف کشادہ ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ دانا کون سا مومن ہے؟ فرمایا سب سے زیادہ موت کو یاد رکھنے والا اور سب سے زیادہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاریاں کرنے والا۔ حضورؐ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمایا کہ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ لوگوں نے اس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا جنت کی طرف جھکنا اور اس کی جانب رغبت کامل رکھنا اور دنیا کے فریب سے بھاگنا اور الگ ہونا اور موت کے آنے سے پہلے تیاریاں کرنا ضَيِّقًا کی ایک قرات ضَيْقًا بھی ہے۔ حَرَجًا کی دوسری حَرِبًا جا بھی ہے یعنی گنہگار۔ یا دونوں کے ایک ہی معنی یعنی تنگ جو ہدایت کے لئے نہ کھلے اور ایمان اس میں جگہ نہ پائے۔ ایک مرتبہ ایک بادیہ نشین بزرگ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرجہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا یہ ایک درخت ہوتا ہے جس کے پاس

نہ تو چرواہے جاتے ہیں نہ جانور نہ وحشی- آپ نے فرمایا سچ ہے' ایسا ہی منافق کا دل ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بھلائی جگہ پاتی ہی نہیں- ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اسلام باوجود آسان اور کشادہ ہونے کے اسے سخت اور تنگ معلوم ہوتا ہے- خود قرآن میں ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی- لیکن منافق کا شکی دل اس نعمت سے محروم رہتا ہے- اسے اسے لا الہ الا اللہ کا اقرار ایک مصیبت معلوم ہوتی ہے- جیسی کسی پر آسمان کی چڑھائی مشکل ہو- جیسے وہ اس کے بس کی بات نہیں- اسی طرح توحید و ایمان بھی اس کے قبضے سے باہر ہیں- پس مردہ دل والے کبھی بھی اسلام قبول نہیں کرتے- اسی طرح اللہ تعالیٰ بے ایمانوں پر شیطان مقرر کر دیتا ہے جو انہیں بہکاتے رہتے ہیں اور خیر سے ان کے دل کو تنگ کرتے رہتے ہیں- نحوست ان پر برستی رہتی ہے اور عذاب ان پر اتر آتے ہیں-

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝١٢٦
لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٢٧

تیرے رب کی سیدھی راہ یہی ہے- جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں' ان کے لئے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل وار بیان کر چکے ہیں ○ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں امن و امان کا گھر ہے- وہی ان کا کارساز ہے بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہے ○

قرآن حکیم ہی صراط مستقیم کی تشریح ہے : ☆☆ (آیت:۱۲۶-۱۲۷) گمراہوں کا طریقہ بیان فرما کر اپنے اس دین حق کی نسبت فرماتا ہے کہ سیدھی اور صاف راہ جو بے روک اللہ کی طرف پہنچا دے' یہی ہے- مُسْتَقِيْمًا کا نصب حالیت کی وجہ سے ہے- پس شرع محمدی کلام باری تعالیٰ ہی راہ راست ہے چنانچہ حدیث میں بھی قرآن کی صفت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ' اللہ کی مضبوط رسی اور حکمت والا ذکر یہی ہے (ملاحظہ ہو ترمذی مسند وغیرہ) جنہیں اللہ کی جانب سے عقل و فہم و عمل دیا گیا ہے' ان کے سامنے تو وضاحت کے ساتھ اللہ کی آیتیں آ چکیں- ان ایمانداروں کے لئے اللہ کے ہاں جنت ہے- جیسے کہ یہ سلامتی کی راہ یہاں چلے' ویسے ہی قیامت کے دن سلامتی کا گھر انہیں ملے گا- وہی سلامتیوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے- ان کا کارساز اور دلی دوست ہے- حافظ و ناصر موید و مولیٰ ان کا وہی ہے- ان کے نیک اعمال کا بدلہ یہ پاک گھر ہو گا جہاں ہمیشگی ہے اور یکسر راحت و اطمینان' سرور اور خوشی ہی خوشی ہے-

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ
وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَا
اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ
مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝١٢٨
وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٢٩ ع ۱۵ ۸

جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا- اے جنو! تم نے بنی آدم میں سے اپنی جماعت بہت بڑی کر لی تھی- ان کے دوست انسان کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے اور جو وقت تو نے ہمارے لئے مقرر کر دیا تھا' اس وعدے تک ہم پہنچ گئے- فرمائے گا تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے- آگے جو اللہ کی مرضی- تیرا رب حکمت و علم والا ہے ○ اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں بہ سبب اس کے جو وہ کرتے رہے ○

یوم حشر: ☆☆ (آیت: ۱۲۸) وہ دن بھی قریب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا۔ جنات، انسان، عابد، معبود سب ایک میدان میں کھڑے ہوں گے۔ اس وقت جنات سے ارشاد ہوگا کہ تم نے انسانوں کو خوب بہکایا اور ورغلایا۔ انسانوں کو یاد دلایا جائے گا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا۔ وہ تمہارا دشمن ہے۔ میری ہی عبادت کرتے رہنا۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ لیکن تم نے سمجھ سے کام نہ لیا اور شیطانی راگ میں آ گئے۔ اس وقت جنات کے دوست انسان جواب دیں گے کہ ہاں انہوں نے حکم دیا اور ہم نے عمل کیا۔ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور فائدہ حاصل کرتے رہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں جو مسافر کہیں اترتا تو کہتا کہ اس وادی کے بڑے جن کی پناہ میں میں آتا ہوں۔ انسانوں سے جنات کو بھی فائدہ پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ان کے سردار سمجھنے لگے تھے۔ موت کے وقت تک یہی حالت رہی۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اچھا اب بھی تم ساتھ ہی جہنم میں جاؤ۔ وہیں ہمیشہ پڑے رہنا۔ یہ استثناء جو ہے، وہ راجع ہے برزخ کی طرف۔ بعض کہتے ہیں دنیا کی مدت کی طرف۔ اس کا پورا بیان سورۂ ہود کی آیت خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ الخ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی کسی کے لئے جنت دوزخ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سب مشیت رب پر موقوف ہے۔

ہم مزاج ہی دوست ہوتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۹) لوگوں کی دوستیاں اعمال پر ہوتی ہیں۔ مومن کا دل مومن سے ہی لگتا ہے گو وہ کہیں کا ہو اور کیسا ہی ہو اور کافر کافر بھی ایک ہی ہیں وہ مختلف ممالک اور مختلف ذات پات کے ہوں۔ ایمان تمناؤں اور ظاہرداریوں کا نام نہیں۔ اس مطلب کے علاوہ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام کفار جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ مالک بن دینار کہتے ہیں، میں نے زبور میں پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں منافقوں سے انتقام منافقوں کے ساتھ ہی لوں گا۔ پھر سب سے ہی انتقام لوں گا۔ اس کی تصدیق قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے بھی ہوتی ہے کہ ہم ولی بنائیں گے بعض ظالموں کو بعض ظالموں کا یعنی ظالم جن اور ظالم انس۔ پھر آپ نے آیت وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ ہم سرکش جنوں کو سرکش انسانوں پر مسلط کر دیں گے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے، جو ظالم کی مدد کرے گا، اللہ اسی کو اس پر مسلط کر دے گا۔ کسی شاعر کا قول ہے

وما من یدالا ید الله فوقها   وما ظالم الا سیبلی بظالم

یعنی ہر ہاتھ ہر طاقت پر اللہ کا ہاتھ اور اللہ کی طاقت بالا ہے اور ہر ظالم دوسرے ظالم کے پنجے میں پھنسنے والا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے جس طرح ان نقصان یافتہ انسانوں کے دوست ان بہکانے والے جنوں کو بنا دیا، اسی طرح ظالموں کے بعض کو بعض کا ولی بنا دیتے ہیں اور بعض بعض سے ہلاک ہوتے ہیں اور ہم ان کے ظلم و سرکشی اور بغاوت کا بدلہ بعض سے بعض کو دلا دیتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي
اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا
كٰفِرِيْنَ ۝۱۳۰

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس خود تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے سامنے میری آیتیں تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی

ملاقات سے ہوشیار کر رہے تھے ۔ سب کہیں گے کہ ہاں ہم خود اپنے اوپر گواہ ہیں ۔ انہیں حیات دنیا نے دھوکے میں ڈال دیا اور اپنے کافر ہونے کی گواہی خود انہوں نے ہی دے دی ○

جن اور انسان اور پاداش عمل : ☆☆ (آیت : ۱۳۰) یہ اور سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ ہے جو قیامت کے دن اللہ کی طرف سے انسانوں اور جنوں کو ہوگی ۔ ان سے سوال ہوگا کہ کیا تم میں سے ہی تمہارے پاس میرے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے ۔ یہ یاد رہے کہ رسول کل کے کل انسان ہی تھے ۔ کوئی جن رسول نہیں ہوا ۔ ائمہ سلف خلف کا مذہب یہی ہے ۔ جنات میں نیک لوگ جنوں کو نیکی کی تعلیم کرتے تھے ۔ بدی سے روکتے تھے لیکن رسول صرف انسانوں میں سے ہی آتے رہے ۔ ضحاک بن مزاحم سے ایک روایت مروی ہے کہ جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں اور ان کی دلیل ایک تو یہ آیت ہے ۔ سو یہ کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ اس میں صراحت نہیں اور یہ آیت تو بالکل ویسی ہی ہے جیسے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ الخ سے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ الخ تک کی آیتیں ۔ صاف ظاہر ہے کہ موتی مرجان صرف کھاری پانی کے سمندروں میں نکلتے ہیں ۔ میٹھے پانی سے نہیں نکلتے لیکن ان آیتوں میں دونوں قسم کے سمندروں میں سے موتیوں کا نکلنا پایا جاتا ہے کہ ان کی جنس میں سے مراد یہی ہے ۔

اس طرح اس آیت میں مراد جنوں انسانوں کی جنس میں سے ہے نہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں سے اور رسولوں کے صرف انسان ہی ہونے کی دلیل اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ سے بَعْدَ الرُّسُلِ تک کی آیتیں اور وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ پس ثابت ہوتا ہے کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا انحصار آپ ہی کی اولاد میں ہو رہا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس انوکھی بات کا قائل ایک بھی نہیں کہ آپ سے پہلے نبی ہوتے تھے اور پھر ان میں سے نبوت چھین لی گئی ۔

اور آیت اس سے بھی صاف ہے ۔ فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے ۔ اور آیت میں ہے اور اس نے یہ مسئلہ بالکل صاف کر دیا ہے ' فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى یعنی تجھ سے پہلے ہم نے مردوں کو ہی بھیجا ہے جو شہروں کے ہی تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی نازل فرمائی تھی ۔ چنانچہ جنات کا یہی قول قرآن میں موجود ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الخ جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف پھیرا جو قرآن سنتے رہے ۔ جب سن چکے تو واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے موسیٰ کے بعد کی نازل شدہ کتاب سنی جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور راہ حق دکھاتی ہے اور صراط مستقیم کی رہبری کرتی ہے ۔ پس تم سب اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی مانو اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ اللہ تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہیں المناک عذابوں سے بچائے ۔ اللہ کی طرف سے جو پکارنے والا ہے ' اس کی نہ ماننے والے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے نہ اس کے سوا اپنا کوئی اور کارساز اور والی پا سکتے ہیں بلکہ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ۔

ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ اس موقعہ پر جنات کو رسول اللہ ﷺ نے سورۂ الرحمن پڑھ کر سنائی تھی جس میں ایک آیت سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ الخ ہے یعنی اے جنو انسانو ہم صرف تمہاری ہی طرف تمام تر توجہ کرنے کے لئے عنقریب فارغ ہوں گے ۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلا رہے ہو؟ الغرض انسانوں اور جنوں کو اس آیت میں نبیوں کے ان میں سے بھیجنے میں بطور خطاب کے شامل کر لیا ہے ورنہ رسول سب انسان ہی ہوتے ہیں ۔ نبیوں کا کام یہی رہا کہ وہ اللہ کی آیتیں سنائیں اور قیامت کے دن سے ڈرائیں ۔ اس سوال کے جواب میں سب کہیں گے کہ ہاں ہمیں اقرار ہے تیرے رسول ہمارے پاس آئے اور تیرا کلام بھی پہنچایا اور اس دن سے بھی متنبہ کر دیا

تھا۔ پھر جناب باری فرماتا ہے' انہوں نے دنیا کی زندگی دھوکے میں گزاری۔ رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔ معجزوں کی مخالفت کرتے رہے۔ دنیا کی آرائش پر جان دیتے رہ گئے۔ شہوت پرستی میں پڑے رہے۔ قیامت کے دن اپنی زبانوں سے اپنے کفر کا اقرار کریں گے کہ ہاں بے شک ہم نے نبیوں کی نہیں مانی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس لئے کہ تیرا رب ظلم کے ساتھ کسی نبی کو اس حال میں کہ وہ غافل ہوں' ہلاک کرنے والا نہیں ○ ہر شخص کے لئے اس کے اعمال کے بدلے کے درجے ہیں۔ تیرا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ○

حجت تمام: ☆☆ (آیت: ۱۳۱-۱۳۲) جن اور انسانوں کی طرف رسول بھیج کر' کتابیں اتار کر ان کے عذر ختم کر دیئے اس لئے کہ یہ اللہ کا اصول نہیں کہ وہ کسی بستی کے لوگوں کو اپنی منشا معلوم کرائے بغیر چپ چاپ اپنے عذابوں میں جکڑ لے اور اپنا پیغام پہنچائے بغیر بلاوجہ ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے۔ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی کوئی امت ایسی نہیں جہاں کوئی آگاہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ اور آیت میں ہے' ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اے لوگو اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے بچو اور جگہ ہے ہم رسولوں کو بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں کیا کرتے۔ سورۂ تبارک میں ہے' جب جہنم میں کوئی جماعت جائیگی تو وہاں کے داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس آگاہ کرنے والے نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ اس آیت کے پہلے جملے کے ایک معنی امام ابن جریرؒ نے اور بھی بیان کئے ہیں اور فی الواقع وہ معنی بہت درست ہیں۔ امام صاحب نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ کسی بستی والوں کے ظلم اور گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک نبیوں کو بھیج کر انہیں غفلت سے بیدار نہ کر دے۔ ہر عامل اپنے عمل کے بدلے کا مستحق ہے۔ نیک نیکی کا اور بد بدی کا۔ خواہ انسان ہو خواہ جن ہو۔ بدکاروں کے جہنم میں درجے ان کی بدکاری کے مطابق مقرر ہیں۔ جو لوگ خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ الٰہیہ سے روکتے ہیں' انہیں عذاب پر عذاب ہوں گے اور ان کے فساد کا بدلہ ملے گا۔ ہر عامل کا عمل اللہ پر روشن ہے تاکہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

تیرا رب بے نیاز اور رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسے کہ اس نے تمہیں دوسری قوموں کی نسل

سے پیدا کیا ہے ○ جو کچھ وعدے تمہیں دیئے جا رہے ہیں، وہ قطعاً آنے والے ہیں۔ تم اللہ کو کسی بات پر عاجز نہیں کر سکتے ○ کہدے کہ اے لوگو تم سب اپنی جگہ عمل کئے جاؤ۔ میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت میں نیک انجام کس کا ہوتا ہے؟ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ بے انصاف کسی طرح فلاح پانے والے نہیں ○

سب سے بے نیاز اللہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۵) اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، اسے کسی کی کوئی حاجت نہیں۔ اسے کسی سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ساری مخلوق اپنے ہر حال میں اس کی محتاج ہے۔ وہ بڑی ہی رافت و رحمت والا ہے۔ رحم و کرم اس کی خاص صفتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ مہربانی اور لطف سے پیش آنے والا ہے۔ تم جو اس کی مخالفت کر رہے ہو تو یاد رکھو کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں ایک آن میں غارت کر سکتا ہے اور تمہارے بعد ایسے لوگوں کو بسا سکتا ہے جو اس کی اطاعت کریں۔ یہ اس کی قدرت میں ہے۔ تم دیکھ لو اس نے آخر اوروں کے قائم مقام تمہیں بھی کیا ہے۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن وہی لاتا ہے۔ ایک کو مار ڈالتا ہے دوسرے کو پیدا کر دیتا ہے۔ لانے لے جانے پر اسے مکمل قدرت ہے جیسے فرمان ہے، اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے۔ وہ اس پر قادر ہے۔ فرمان ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ لوگو تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔ اللہ کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں۔

اور فرمان ہے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اللہ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو۔ فرماتا ہے اگر تم نافرمان ہو گئے تو وہ تمہیں بدل کر اور قوم لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ ذریت سے مراد اصل و نسل ہے۔ اے نبیؐ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت جنت دوزخ وغیرہ کے جو وعدے تم سے کئے جا رہے ہیں، وہ یقیناً سچے ہیں اور یہ سب کچھ ہونے والا ہے۔ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے اعادے پر قادر ہے۔ تم گل سڑ کر مٹی ہو جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں نئی پیدائش میں پیدا کرے گا۔ اس پر کوئی عمل مشکل نہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، اے بنی آدم اگر تم میں عقل ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کرو۔ واللہ اللہ کی فرمائی ہوئی سب باتیں بہ یقین ہونے والی ہیں، کوئی نہیں جو اللہ کے ارادے میں اسے ناکام کر دے۔ اس کی چاہت کو نہ ہونے دے۔ لوگو تم اپنی کرنی کئے جاؤ، میں اپنے طریقے پر قائم ہوں، ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر کون تھا؟ اور ضلالت پر کون تھا؟ کون نیک انجام ہوتا ہے اور کون گھٹنوں میں سر ڈال کر روتا ہے۔ جیسے فرمایا، بے ایمانوں سے کہہ دو کہ تم اپنے شغل میں رہو۔ میں بھی اپنے کام میں لگا ہوں۔ تم منتظر رہو، ہم بھی انتظار میں ہیں۔ معلوم ہو جائے گا کہ انجام کے لحاظ سے کون اچھا رہا؟ یاد رکھو اللہ نے جو وعدے اپنے رسول سے کئے ہیں سب اٹل ہیں۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ نبی جس کا چپہ چپہ مخالف تھا، جس کا نام لینا دوبھر تھا جو یکہ و تنہا تھا، جو وطن سے نکال دیا گیا تھا، جس کی دشمنی ایک ایک کرتا تھا، اللہ نے اسے غلبہ دیا، لاکھوں دلوں پر اس کی حکومت ہو گئی، اس کی زندگی میں ہی تمام جزیرہ عرب کا وہ تنہا مالک بن گیا۔ یمن اور بحرین پر بھی اس کے سامنے اس کا جھنڈا لہرانے لگا۔ پھر اس کے جانشینوں نے دنیا کو کھنگال ڈالا۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے منہ پھیر دیئے، جہاں گئے غلبہ پایا۔ جدھر رخ کیا، فتح حاصل کی، یہی اللہ کا وعدہ تھا کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ مجھ سے زیادہ قوت و عزت کسی کی نہیں۔ فرما دیا تھا کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد فرمائیں گے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ رسولوں کی طرف اس نے وحی بھیجی تھی کہ ہم ظالموں کو تہ و بالا کر دیں گے اور ان کے بعد زمینوں کے سرتاج تمہیں بنا دیں گے کیونکہ تم مجھ سے اور میرے عذابوں سے ڈرنے والے ہو۔ وہ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ تم میں سے

ایمانداروں اور نیک کاروں کو میں زمین کا سلطان بنا دوں گا جیسے کہ پہلے سے یہ دستور چلا آ رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے دین میں مضبوطی اور کشائش دے گا۔ جس کے دین سے وہ خوش ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا۔ فللہ الحمد والمنہ اولا واخرا وظاھرا وباطنا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا
لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ
اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ
اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کیے ہیں' اس میں سے کچھ حصہ تو وہ اللہ کا مقرر کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو اللہ کا ہے اپنے گمان سے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔ پھر جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے' وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے' وہ ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں ○ اسی طرح اکثر مشرکوں کے لئے ان کے معبودوں نے اپنی اولادوں کو مار ڈالنا بھی بھلا کر دکھایا ہے تا کہ انہیں برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں' اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس تو انہیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ دے ○

بدعت کا آغاز: ☆☆ (آیت:۱۳۶) مشرکین کی ایک نوایجاد (بدعت) جو کفر و شرک کا ایک طریقہ تھی' بیان ہو رہی ہے کہ ہر چیز پیدا کی ہوئی تو ہماری ہے پھر یہ اس میں سے نذرانہ کا کچھ حصہ ہمارے نام کا ٹھہراتے ہیں اور کچھ اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کا جنہیں وہ ہمارا شریک بنائے ہوئے ہیں' اسی کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے ہیں کہ اللہ کے نام کا ٹھہرایا ہوا نذرانہ بتوں کے نام والے میں مل گیا تو وہ تو بتوں کا ہو گیا لیکن اگر بتوں کے لئے ٹھہرائے ہوئے میں سے کچھ اللہ کے نام والے میں مل گیا تو اسے جھٹ سے نکال لیتے تھے۔ کوئی ذبیحہ اپنے معبودوں کے نام کا کریں تو بھول کر بھی اس پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ کیسی بری تقسیم کرتے ہیں۔ اولاً تو یہ تقسیم ہی جہالت کی علامت ہے کہ سب چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئی' اس کی ملکیت' پھر ان میں سے دوسرے کے نام کی کسی چیز کو نذر کرنے والے یہ کون؟ جو اللہ لاشریک ہے۔ انہیں اس کے شریک ٹھہرانے کا کیا مقصد؟ پھر اس ظلم کو دیکھو۔ اللہ کے حصے میں سے تو بتوں کو پہنچ جائے اور بتوں کا حصہ ہرگز اللہ کو نہ پہنچ سکے۔ یہ کیسے بدترین اصول ہیں۔ ایسی ہی غلطی یہ بھی تھی کہ اللہ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے' اس کے بندوں کو اس کا جز ٹھہرا کر اپنے اوپر کفر اوڑھتے تھے۔ اتنا نہیں سوچتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکے تو تمہارے ہوں اور جن لڑکیوں سے تم بیزار وہ اللہ کی ہوں' کیسی بری تقسیم ہے۔

شیطان کے چیلے: ☆☆ (آیت:۱۳۷) جیسی کہ شیطانوں نے انہیں راہ پر لگا دیا ہے کہ وہ اللہ کے لئے خیرات کریں تو اپنے بزرگوں کے نام کا بھی حصہ نکالیں۔ اسی طرح انہیں شیطان نے اس راہ پر بھی لگا رکھا ہے کہ وہ اپنی اولادوں کو بے وجہ قتل کر دیں۔ کوئی اس وجہ سے کہ ہم اسی کھلائیں گے کہاں سے؟ کوئی اس وجہ سے کہ ان بیٹیوں کی بنا پر ہم کسی کے خسر بنیں گے وغیرہ۔ اس شیطانی حرکت کا نتیجہ ہلاکت اور دین کی

الجھن ہے۔ یہاں تک کہ یہ بدترین طریقہ ان میں پھیل گیا تھا کہ لڑکی کے ہونے کی خبر ان کے چہرے سیاہ کر دیتی تھی' ان کے منہ سے یہ نکلتا نہ تھا کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی ۔ قرآن نے فرمایا کہ ان بے گناہ زندہ در گور کی ہوئی بچیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کر دی گئیں۔ پس یہ سب وسوسے شیطانی تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ رب کا ارادہ اور اختیار اس سے الگ نہ تھا۔ اگر وہ چاہتا تو مشرک ایسا کر سکتے۔ لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اس کی باز پرس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ پس اے نبی تم ان سے اور ان کی افترا پردازی سے علیحدگی اختیار کر لو۔ اللہ خود ان سے نمٹ لے گا۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ
بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾
وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي
اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ
وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٣٩﴾

کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور یہ کھیتی اچھوتی ہے جسے صرف وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم چاہیں۔ یہ سب ان کی اٹکل سے ہے اور کچھ مویشی ایسے بھی ہیں جن کی سواری لینا حرام کر دیا گیا ہے اور کچھ چوپائے ایسے بھی ہیں جن پر نام اللہ یہ لوگ نہیں لیتے ۔صرف اللہ پر افترا پردازی کر کے' ان کی افترا پردازیوں کی سزا اللہ تعالیٰ عنقریب دے گا ○ کہا کرتے تھے کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو ہے' وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے ہی ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے' ہاں اگر وہ مرا ہوا نکلے تو اس میں وہ سب شریک ہیں' ان کی اس غلط بیانی کی سزا انہیں ہوگی' اللہ تعالیٰ حکمت وعلم والا ہے ○

اللہ کا مقرر کردہ راستہ : ☆☆ (آیت:۱۳۸) حِجْرٌ کے معنی احرام کے ہیں۔ یہ طریقے شیطانی تھے۔ کوئی اللہ کا مقرر کردہ راستہ نہ تھا۔ اپنے معبودوں کے نام یہ چیزیں کر دیتے تھے۔ پھر جسے چاہتے کھلاتے۔ جیسے فرمان ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ الخ'① یعنی بتلاؤ تو یہ اللہ کے دیئے رزق میں سے تم جو اپنے طور پر حلال حرام مقرر کر لیتے ہو' اس کا حکم تمہیں اللہ نے دیا ہے یا تم نے خود ہی خود پر تراش لیا ہے؟ دوسری آیت میں صاف فرمایا مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ یہ کافروں کی نادانی' افترا اور جھوٹ ہے۔ بحیرہ سائبہ اور حام نام رکھ کر ان جانوروں کو اپنے معبود باطل کے نام پر داغ دیتے تھے۔ پھر ان سے سواری نہیں لیتے تھے۔ جب ان کے بچے ہوتے تھے تو انہیں ذبح کرتے تھے حج کے لئے بھی ان جانوروں پر سواری کرنا حرام جانتے تھے۔ یہ کسی کام میں ان کو لگاتے تھے نہ ان کا دودھ نکالتے تھے۔ پھر ان کاموں کو شرعی کام قرار دیتے تھے اور اللہ کا فرمان جانتے تھے۔ اللہ انہیں ان کے اس کرتوت کا اور بہتان بازی کا بدلہ دے گا۔

نذر نیاز : ☆☆ (آیت:۱۳۹) ابن عباسؓ فرماتے ہیں جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جن چوپایوں کو وہ اپنے معبودان باطل کے نام کر دیتے تھے' ان کا دودھ صرف مرد پیتے تھے' جب انہیں بچہ ہوتا تو اگر نر ہوتا تو صرف مرد ہی کھاتے۔ اگر مادہ ہوتا تو اسے ذبح ہی نہ کرتے اور اگر پیٹ ہی سے مردہ نکلتا تو مرد عورت سب کھاتے اللہ نے اس فعل سے بھی روکا۔ شعبیؒ کا قول ہے کہ بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے اور اگر وہ مر

جاتا تو گوشت مرد عورت سب کھاتے - ان کی ان جھوٹی باتوں کا بدلہ اللہ انہیں دے گا کیونکہ یہ سب ان کا جھوٹ اللہ پر باندھا ہوا تھا' فلاح و نجات اسی لئے ان سے دور کر دی گئی تھی - یہ اپنی مرضی سے کسی کو حلال' کسی کو حرام کر لیتے تھے - پھر اسے رب کی طرف منسوب کر دیتے تھے - اللہ جیسے حکیم کا کوئی فعل' کوئی قول' کوئی شرع' کوئی تقدیر بے حکمت نہیں ہوتی - وہ اپنے بندوں کے خیر و شر سے دانا ہے اور انہیں بدلے دینے والا ہے -

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا
مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ ع ۱۶ ۱۱
مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ
وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

بیشک وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں ہیں جو جہالت سے اپنی اولادوں کو مار ڈالتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی روزی کو اللہ پر جھوٹ افترا باندھ کر حرام کر لیتے ہیں' یقیناً یہ لوگ بہک گئے اور سیدھے راستے پر آنے والے بھی نہیں ○ اسی نے باغات پیدا کئے ہیں' وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے نہیں جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جدا جدا ذائقہ کی چیزیں' اور زیتون اور انار یکساں بھی اور جداگانہ بھی' ان کے میوے دار ہونے کے بعد تم ان کا میوہ کھاؤ اور اس کی زکوۃ اس کے کاٹنے کے دن ہی ادا کیا کرو اور بے جانہ اڑاؤ - فضول خرچ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ○

اولاد کے قاتل: ☆☆ (آیت: ۱۴۰) اولاد کے قاتل اللہ کے حلال کو حرام کرنے والے دونوں جہان کی بربادی اپنے اوپر لینے والے ہیں - دنیا کا گھاٹا تو ظاہر ہے - ان کے یہ دونوں کام خود نقصان پہنچانے والے ہیں بے اولاد یہ ہو جائیں گے - مال کا ایک حصہ ان کا تباہ ہو جائے گا - رہا آخرت کا نقصان سو چونکہ یہ مفتری ہیں' کذاب ہیں' وہاں کی بدترین جگہ انہیں ملے گی' عذابوں کے سزاوار ہوں گے جیسے فرمان ہے اللہ پر جھوٹ باندھنے والے نجات سے محروم' کامیابی سے دور ہیں - یہ دنیا میں گو کچھ فائدہ اٹھالیں لیکن آخر تو ہمارے بس میں آئیں گے - پھر تو ہم انہیں سخت تر عذاب چکھائیں گے کیونکہ یہ کافر تھے - ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر تو اسلام سے پہلے کے عربوں کی بدخصلتی معلوم کرنا چاہے تو سورۂ انعام کی ایکسوتیس آیات کے بعد قد خسر الذین الخ' والی آیت پڑھو① (بخاری کتاب مناقب قریش)

مسائل زکوۃ اور عشر مظاہر قدرت: ☆☆ (آیت: ۱۴۱) خالق کل اللہ تعالیٰ ہی ہے - کھیتیاں' پھل' چوپائے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں - کافروں کو کوئی حق نہیں کہ حرام حلال کی تقسیم از خود کریں - درخت بعض تو بیل والے ہیں جیسے انگور وغیرہ کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں - بعض کھڑے جو جنگلوں اور پہاڑوں پر کھڑے ہوئے ہیں - دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے مگر پھلوں کے ذائقے کے لحاظ سے الگ الگ -

انگور کھجور یہ درخت تمہیں دیتے ہیں کہ تم کھاؤ، مزہ اٹھاؤ، لطف پاؤ۔ اس کا حق اس کے کٹنے اور ناپ تول ہونے کے دن ہی دو یعنی فرض زکوۃ جو اس میں مقرر ہو وہ ادا کر دو۔ پہلے لوگ کچھ نہیں دیتے تھے۔ شریعت نے دسواں حصہ مقرر کیا اور ویسے بھی مسکینوں اور بھوکوں کا خیال رکھنا۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمان صادر فرمایا تھا کہ جس کی کھجوریں دس وسق سے زیادہ ہوں، وہ چند خوشے مسجد میں لا کر لٹکا دے تاکہ مساکین کھا لیں۔ یہ بھی مراد ہے کہ زکوۃ کے سوا اور کچھ سلوک بھی اپنی کھیتیوں، باڑیوں اور باغات کے پھلوں سے اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتے رہو۔

مثلاً پھل توڑنے اور کھیت کاٹنے کے وقت عموماً مفلس لوگ پہنچ جایا کرتے ہیں انہیں کچھ دے دیا کرو۔ بالیں پک گئی ہیں، پھل گدرا گئے ہوں اور کوئی محتاج شخص نکل آئے تو خاطر تواضع کرو۔ جس روز کاٹو، کچھ چھوڑ دو تاکہ مسکینوں کے کام آئے۔ ان کے جانوروں کا چارہ ہو۔ زکوۃ سے پہلے بھی حقداروں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہا کرو۔ پہلے تو یہ بطور وجوب تھا لیکن زکوۃ کی فرضیت کے بعد بطور نفل رہ گیا زکوۃ اس میں عشر یا نصف عشر مقرر کر دی گئی لیکن اس سے فسخ نہ سمجھا جائے۔ پہلے کچھ دینا ہوتا تھا، پھر مقدار مقرر کر دی گئی۔ زکوۃ کی مقدار سنہ ۲ ہجری میں مقرر ہوئی۔ واللہ اعلم۔ کھیتی کاٹتے وقت اور پھل اتارتے وقت صدقہ نہ دینے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان فرمائی۔ سورۂ کہف میں ان کا قصہ بیان فرمایا کہ ان باغ والوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی آج کے پھل ہم اتار لیں گے اس پر انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ یہ ابھی رات کو بے خبری کی نیند میں ہی تھے، وہاں آفت ناگہانی آ گئی اور سارا باغ ایسا ہو گیا گویا پھل توڑ لیا گیا ہے بلکہ جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے۔ یہ صبح کو اٹھ کر ایک دوسرے کو جگا کر پوشیدہ طور سے چپ چاپ چلے کہ ایسا نہ ہو حسب عادت فقیر مسکین جمع ہو جائیں اور انہیں کچھ دینا پڑے۔ یہ اپنے دلوں میں یہی سوچتے ہوئے کہ ابھی پھل توڑ کر لائیں گے۔ بڑے اہتمام کے ساتھ صبح سویرے ہی وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارا باغ تو خاک بنا ہوا ہے۔ اولاً تو کہنے لگے بھئی ہم راستہ بھول گئے۔ کسی اور جگہ آ گئے۔ ہمارا باغ تو شام تک لہلہا رہا تھا۔

پھر کہنے لگے نہیں باغ تو یہی ہے، ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ہم محروم ہو گئے۔ اس وقت ان میں جو باخبر شخص تھا، کہنے لگا، دیکھو میں تم سے نہ کہتا تھا کہ اللہ کا شکر کرو۔ اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ اب تو سب کے سب کہنے لگے، ہمارا رب پاک ہے، یقیناً ہم نے ظلم کیا پھر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہائے ہماری بدبختی کہ ہم سرکش اور حد سے گزر جانے والے بن گئے تھے۔ ہمیں اب بھی اللہ عزوجل سے امید ہے کہ وہ ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ ہم اب صرف اپنے رب سے امید رکھتے ہیں۔ ناشکری کرنے اور تنہا خوری پسند کرنے والوں پر اسی طرح ہمارے عذاب آیا کرتے ہیں۔ اور بھی آخرت کے بڑے عذاب باقی ہیں لیکن افسوس کہ یہ سمجھ بوجھ اور علم و عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔ یہاں اس آیت میں صدقہ دینے کا حکم فرما کر خاتمے پر فرمایا کہ فضول خرچی سے بچو۔ فضول خرچ اللہ کا دوست نہیں۔ اپنی اوقات سے زیادہ نہ لٹا۔ فخر و ریا کے طور پر اپنا مال برباد نہ کرو۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ نے اپنے کھجوروں کے باغ سے کھجوریں اتاریں اور عہد کر لیا کہ آج جو لینے آئے گا، میں اسے دوں گا۔ لوگ ٹوٹ پڑے۔ شام کو ان کے پاس ایک کھجور بھی نہ رہی۔ اس پر یہ فرمان اترا۔ ہر چیز میں اسراف منع ہے۔ اللہ کے حکم سے تجاوز کر جانے کا نام اسراف ہے خواہ وہ کسی بارے میں ہو۔ اپنا سارا ہی مال لٹا کر فقیر ہو کر دوسروں پر اپنا انبار ڈال دینا بھی اسراف ہے اور منع ہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ صدقہ نہ روکو جس سے اللہ کے نافرمان بن جاؤ۔ یہ بھی اسراف ہے۔ گو یہ مطلب اس آیت کے ہیں لیکن بہ ظاہر الفاظ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کھانے کا ذکر ہے تو اسراف اپنے کھانے پینے میں کرنے کی ممانعت یہاں ہے کیونکہ اس سے عقل میں اور بدن میں ضرر پہنچتا ہے۔ قرآن کی اور آیت میں ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔

صحیح بخاری میں ہے' کھاؤ پیؤ پہنو اوڑھو لیکن اسراف اور تکبر سے بچو۔ واللہ اعلم۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۴۲

اسی نے چوپائے پیدا کئے بعض تو بوجھ لادنے والے اور بعض چھوٹے قد کے' اللہ کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○

(آیت:۱۴۱) اسی اللہ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو بوجھ ڈھونے والے ہیں جیسے اونٹ' گھوڑے' خچر' گدھے وغیرہ اور بعض پستہ قد ہیں جیسے بکری وغیرہ۔ انہیں فرش اس لئے کہا گیا کہ یہ قد و قامت میں پست ہوتے ہیں۔ زمین سے ملے رہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمولہ سے مراد سواری کے جانور اور فرشا سے مراد جن کا دودھ پیا جاتا ہے اور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ جو سواری کے قابل نہیں' ان کے بالوں سے لحاف اور فرش تیار ہوتے ہیں۔ یہ قول حضرت سدیؒ کا ہے اور بہت ہی مناسب ہے۔ خود قرآن کی سورۂ یاسین میں موجود ہے کہ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کر دیئے ہیں جو ہمارے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں اور اب یہ ان کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہم نے ہی تو انہیں ان کے بس میں کر دیا ہے کہ بعض سواریاں کر رہے ہیں اور بعض کو یہ کھانے کے کام میں لاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً الخ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں ان چوپایوں کا دودھ پلاتے ہیں اور ان کے بال وغیرہ سے تمہارے اوڑھنے بچھونے اور طرح طرح کے فائدے اٹھانے کی چیزیں بناتے ہیں۔ اور جگہ ہے' اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے جانور پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواریاں کرو۔ انہیں کھاؤ۔ اور بھی فائدے اٹھاؤ۔ ان پر اپنے سفر طے کر کے اپنے کام پورے کرو۔ اسی نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں بنا دیں۔ وہ تمہیں اپنی بے شمار نشانیاں دکھا رہا ہے۔ بتاؤ تو کس کس نشانی کا انکار کرو گے؟

پھر فرماتا ہے اللہ کی روزی کھاؤ۔ پھل' اناج' گوشت وغیرہ۔ شیطانی راہ پر نہ چلو' اس کی تابعداری نہ کرو جیسے کہ مشرکوں نے اللہ کی چیزوں میں از خود حلال حرام کی تقسیم کر دی۔ تم بھی یہ کر کے شیطان کے ساتھی نہ بنو۔ وہ تمہارا دشمن ہے' اسے دوست نہ سمجھو۔ وہ تو اپنے ساتھ تمہیں بھی اللہ کے عذابوں میں پھنسانا چاہتا ہے۔ دیکھو کہیں اس کے بہکانے میں نہ آ جانا۔ اسی نے تمہارے باپ آدمؑ کو جنت سے باہر نکلوایا۔ اس کھلے دشمن کو بھولے سے بھی اپنا دوست نہ سمجھو۔ اس کی ذریت سے اور اس کے یاروں سے بھی بچو۔ یاد رکھو ظالموں کو برابر بدلہ ملے گا۔ اس مضمون کی اور بھی آیتیں کلام اللہ شریف میں بہت سی ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ
ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ
نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۴۳ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ
وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ
اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾ ع ۱۷

آٹھ نر و مادہ بھیڑ میں دو قسم اور دو قسم بکری میں۔ پوچھ تو کہ کیا دونوں نر حرام ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ میرے سامنے اس کی کوئی سند بیان کرو اگر تم سچے ہو تو ○ اور اونٹوں میں سے دو قسم اور گائے کی دو قسم نر و مادہ۔ پوچھ کہ کیا ان دونوں کے نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے یا مادین کو یا اس بچے کو جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ جس وقت اللہ نے اس کا حکم فرمایا' کیا تم آپ اس وقت موجود تھے؟ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کے ذمہ جھوٹ افترا باندھ کر باوجود بے علمی کے بہکاتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے ○

خود ساختہ حلال و حرام جہالت کا ثمر ہے: ☆☆ (آیت: ۱۴۳-۱۴۴) اسلام سے پہلے عربوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے چوپائے جانوروں میں تقسیم کر کے اپنے طور پر بہت سے حلال بنائے تھے اور بہت سے حرام کر لئے تھے جیسے بحیرہ' سائبہ' وسیلہ اور حام وغیرہ۔ اسی طرح کھیت اور باغات میں بھی تقسیم کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے۔ کھیت ہوں' باغات ہوں' چوپائے ہوں۔ پھر ان چوپایوں کی قسمیں بیان فرمائیں۔ بھیڑ' مینڈھا' بکری' بکرا' اونٹ' اونٹنی' گائے' بیل۔ اللہ نے یہ سب چیزیں تمہارے کھانے پینے سواریاں لینے اور دوسری قسم کے فائدوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ اس نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے مویشی پیدا کئے ہیں۔ بچوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان میں بھی کبھی وہ مردوں کے لئے مخصوص کر کے عورتوں پر حرام کر دیتے تھے۔ پھر ان سے ہی سوال ہوتا ہے کہ آخر اس حرمت کی کوئی' دلیل کوئی کیفیت' کوئی وجہ تو پیش کرو۔ چار قسم کے جانور مادہ اور نر ملا کر آٹھ قسم کے ہو گئے' ان سب کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ کیا تم اپنی دیکھی سنی کہہ رہے ہو؟ اس فرمان الٰہی کے وقت تم موجود تھے؟ کیوں جھوٹ کہہ کر افترا پردازی کر کے بغیر علم کے باتیں بنا کر اللہ کی مخلوق کی گمراہی کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر سب سے بڑھ کر ظالم بن رہے ہو؟ اگر یہی حال رہا تو دستور ربانی کے ماتحت ہدایت الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے۔ سب سے پہلے یہ ناپاک رسم عمر بن لحی بن قمعہ خبیث نے نکالی تھی اسی نے انبیاء کے دین کو سب سے پہلے بدلا اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے۔

قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ
يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ
خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٥﴾

کہدے کہ میں تو جو وحی میری طرف اتاری گئی ہے' اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر وہ جو مردار ہو' یا بہا ہوا خون' یا سور کا گوشت کہ بیشک وہ حرام و ناپاک ہے یا وہ گناہ کی چیز جو اللہ کے سوا اوروں کے نام پر نامزد کی گئی ہو' پس جو شخص بے بس اور عاجز ہو جائے' نہ تو وہ نافرمان ہو نہ حد سے گذر جانے والا تو بیشک تیرا

پروردگار بخشنے والا مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال و حرام: ☆☆ (آیت:۱۴۵) اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے بندے اور نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان کافروں سے جو اللہ کے حلال کو اپنی طرف سے حرام کرتے ہیں' فرما دیں کہ جو وحی الٰہی میرے پاس آئی ہے' اس میں تو حرام صرف ان چیزوں کو کیا گیا ہے جو میں تمہیں سناتا ہوں' اس میں وہ چیزیں حرمت والی نہیں' جن کی حرمت کو تم رائج کر رہے ہو- کسی کھانے والے پر حیوانوں میں سے سوا ان جانوروں کے جو بیان ہوئے ہیں' کوئی بھی حرام نہیں- اس آیت کے مفہوم کا رفع کرنے والی سورۂ مائدہ کی آئندہ آیات اور دوسری احادیث ہیں جن میں حرمت کا بیان ہے' وہ بیان کی جائیں گی- بعض لوگ اسے نسخ کہتے ہیں اور اکثر متاخرین اسے نسخ نہیں کہتے کیونکہ اس میں تو اصلی مباح کو اٹھا دینا ہے- واللہ اعلم- خون وہ حرام ہے جو بوقت ذبح بہہ جاتا ہے' رگوں میں اور گوشت میں جو خون مخلوط ہو' وہ حرام نہیں- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گدھوں اور درندوں کا گوشت اور ہنڈیا کے اوپر جو خون کی سرخی آ جائے' اس میں کوئی حرج نہیں جانتی تھیں- عمرو بن دینار نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کا کھانا حرام کر دیا ہے- آپ نے فرمایا' ہاں حکم بن عمرو تو رسول اللہ ﷺ سے یہی روایت کرتے ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ تلاوت کرتے ہیں- ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے تھے- بعض کو بوجہ طبعی کراہیت کے چھوڑ دیتے تھے- اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا' اپنی کتاب اتاری' حلال و حرام کی تفصیل بیان کر دی' پس جسے حلال کر دیا' وہ حلال ہے اور جسے حرام کر دیا' وہ حرام ہے اور جس سے خاموش رہے وہ معاف ہے- پھر آپ نے اسی آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ کی تلاوت کی- حضرت سودہ بنت زمعہ کی بکری مر گئی' جب حضورؐ سے ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی؟ جواب دیا کہ کیا مردہ بکری کی کھال اتار لینی جائز ہے؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرما کر فرمایا کہ ''اس کا صرف کھانا حرام ہے' لیکن تم اسے دباغت دے کر نفع حاصل کر سکتے ہو چنانچہ انہوں نے آدمی بھیج کر کھال اتروالی اور اس کی مشک بنوائی جو ان کے پاس مدتوں رہی اور کام آئی- (بخاری وغیرہ)

حضرت ابن عمرؓ سے قنفذ (یعنی خارپشت جسے اردو میں ساہی بھی کہتے ہیں) کے کھانے کی نسبت سوال ہوا تو آپ نے یہی آیت پڑھی- اس پر ایک بزرگ نے فرمایا' میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تھا تو آپ نے فرمایا' وہ خبیثوں میں سے ایک خبیث ہے' اسے سن کر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا' اگر حضورؐ نے یہ فرمایا ہے تو وہ یقیناً ویسی ہی ہے جیسے آپ نے ارشاد فرما دیا (ابوداؤد وغیرہ)

پھر فرمایا جو شخص ان حرام چیزوں کو کھانے پر مجبور ہو جائے لیکن وہ باغی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اسے اس کا کھا لینا جائز ہے' اللہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے' اس کی کامل تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے- یہاں تو مشرکوں کے اس فعل کی تردید منظور ہے جو انہوں نے اللہ کے حلال کو حرام کر دیا تھا- اب بتا دیا گیا کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں- اس کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں- اگر اللہ کی طرف سے وہ بھی حرام ہوتیں تو ان کا ذکر بھی آ جاتا' پھر تم اپنی طرف سے حلال کیوں مقرر کرتے ہو؟ اس بنا پر پھر اور چیزوں کی حرمت باقی رہتی جیسے کہ گھروں کے پالتو گدھوں کی ممانعت اور درندوں کے گوشت کی اور جنگل والے پرندوں کی جیسے کہ علماء کا مشہور مذہب ہے (یہ یاد رہے کہ ان کی حرمت قطعی ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور قرآن نے حدیث کا ماننا بھی فرض کیا ہے- مترجم)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ
وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ
اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ
وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾

یہودیوں پر خاصتہً ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا' اور گائے بکری کی چربی کو بھی ہم نے حرام کر دیا تھا بجز اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈی سے ملی جلی ہوئی ہو' ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی یہ سزا دی تھی بے شک ہم بالکل سچے ہیں ○

مزید تفصیل متعلقہ حلال وحرام: ☆☆ (آیت: ۱۴۶) ناخن دار جانور چوپایوں اور پرندوں میں سے وہ ہیں' جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں جیسے اونٹ' شترمرغ' بطخ وغیرہ۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جو کھلی انگلیوں والا نہ ہو۔ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ ہر ایک جدا انگلیوں والا اور انہی میں سے مرغ ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے جیسے ''اونٹ' شترمرغ اور بہت سے پرند' مچھلیاں' بطخ اور اس جیسے جانور جن کی انگلیاں الگ الگ ہیں' ان کا کھانا یہودیوں پر حرام تھا' اسی طرح گائے بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی۔ یہود کا مقولہ تھا کہ اسرائیل نے اسے حرام کر لیا تھا' اس لئے ہم بھی اسے حرام کہتے ہیں۔ ہاں جو چربی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو' انتڑیوں کے ساتھ' اوجھڑی کے ساتھ' ہڈی کے ساتھ ہو' وہ ان پر حلال تھی۔ یہ بھی ان کے ظلم' تکبر اور سرکشی کا بدلہ تھا اور ہماری نافرمانی کا انجام۔ جیسے فرمان ہے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہودیوں کے ظلم وستم اور راہ حق سے منہ پھیرنے کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دی تھیں اور اس جزا میں ہم عادل ہی تھے اور جیسی خبر ہم نے تجھے اے نبی دی ہے' وہی سچ اور حق ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت اسرائیل نے اسے حرام کیا تھا' اس لئے ہم اسے اپنے آپ پر بھی حرام کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ سمرہ نے شراب فروشی کی ہے تو آپ نے فرمایا' اللہ اسے غارت کرے' کیا یہ نہیں جانتا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے فتح مکہ والے سال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے شراب' مردار' سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام فرمائی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ مردار کی چربیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سے چمڑے رنگے جاتے ہیں اور کشتیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور چراغ میں جلایا جاتا ہے' آپؐ نے فرمایا' وہ بھی حرام ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے' جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا شروع کر دی (بخاری ومسلم) ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور تین مرتبہ یہودیوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا! اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی۔ اللہ تعالیٰ جن پر جو چیز حرام کرتا ہے' ان پر اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔ (ابن مردویہ) ایک مرتبہ آپ مسجد حرام میں حطیم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے' آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے اور یہی فرمایا (ابوداؤد' مسند احمد) حضرت اسامہ بن زیدؓ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانے میں آپؐ کی عیادت کے لئے گئے۔ اس وقت آپ عدن کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے' آپ نے چہرہ سے چادر ہٹا کر فرمایا اللہ یہودیوں پر

لعنت کرے کہ بکریوں کی چربی کو حرام مانتے ہوئے اس کی قیمت کھاتے ہیں۔'' ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝١٤٧

پھر بھی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے لوٹایا نہیں جا سکتا ○

مشرک ہو یا کافر توبہ کر لے تو معاف! ☆☆ (آیت: ١٤٧) ''اب بھی اگر تیرے مخالف یہودی اور مشرک وغیرہ تجھے جھوٹا بتائیں تو پھر بھی تو انہیں میری رحمت سے مایوس نہ کر' بلکہ انہیں رب کی رحمت کی وسعت یاد دلا تا کہ انہیں اللہ کی رضا جوئی کی تبلیغ ہو جائے' ساتھ ہی انہیں اللہ کے اٹل عذابوں سے بچنے کی طرف بھی متوجہ کر' پس رغبت' رہبت' امید' ڈر دونوں ہی ایک ساتھ سنا دے۔ قرآن کریم میں امید کے ساتھ خوف اکثر بیان ہوتا ہے۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا' تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور غفور و رحیم بھی ہے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْا مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ الخ' تیرا رب لوگوں کے گناہوں پر انہیں بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت تر عذاب کرنے والا بھی ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے' میرے بندوں کو میرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے بڑے ہی دردناک ہونے کی خبر پہنچا دے۔ اور جگہ ہے وہ گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔ نیز کئی آیات میں ہے' کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی بھاری اور نہایت سخت ہے۔ وہی ابتداء کرتا ہے اور وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ وہ غفور ہے' ودود ہے' بخشش کرنے والا ہے' مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ
اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ حَتّٰي ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ
فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَخْرُصُوْنَ ۝١٤٨ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝١٤٩

ممکن ہے کہ مشرکین یہ حجت بازی بھی کرنے لگیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی حلال چیز کو حرام کرتے' اسی طرح ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ آخر کار ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا' پوچھ تو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے کہ اسے ہمارے سامنے پڑے ہوئے ہو اور نری اٹکلیں دوڑا رہے ہو ○ کہدے کہ اللہ ہی کی حجت تمام اور پوری ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ حق دکھا دیتا ○

غلط سوچ سے باز رہو: ☆☆ (آیت: ۱۴۸-۱۴۹) مشرک لوگ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے شرک کا' حلال کو حرام کرنے کا حال تو اللہ کو معلوم ہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اگر چاہے تو اس کے بدلنے پر بھی قادر ہے- اس طرح کہ ہمارے دل میں ایمان ڈال دے یا کفر کے کاموں کی ہمیں قدرت ہی نہ دے-

پھر بھی اگر وہ ہماری اس روش کو نہیں بدلتا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمارے ان کاموں سے خوش ہے' اگر وہ چاہتا تو ہم تو کیا' ہمارے بزرگ بھی شرک نہ کرتے- جیسے ان کا یہی قول آیت لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ میں اور سورۂ نحل میں ہے- اللہ فرماتا ہے' اسی شبہ نے ان سے پہلی قوموں کو تباہ کر دیا- اگر یہ بات سچ ہوتی تو ان کے پہلے باپ دادا پر ہمارے عذاب کیوں آتے؟ رسولوں کی نافرمانی اور شرک و کفر پر مصر رہنے کی وجہ سے وہ روئے زمین سے ذلت کے ساتھ کیوں ہٹا دیئے جاتے؟ اچھا تمہارے پاس اللہ کی رضا مندی کا کوئی سٹرٹیفکیٹ ہو تو پیش کرو- ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم وہم پرست ہو' فاسد عقائد پر جمے ہوئے ہو اور اٹکل پچو باتیں اللہ کے ذمے گھڑ لیتے ہو' وہ بھی یہی کہتے تھے- تم بھی یہی کہتے ہو کہ ہم ان معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے ملا دیں' حالانکہ وہ نہ ملانے والے ہیں نہ ان کی انہیں قدرت ہے' ان سے تو اللہ نے سمجھ بوجھ چھین رکھی ہے- ہدایت و گمراہی کی تقسیم میں بھی الہ کی حکمت اور اس کی حجت ہے- سب کام اس کے ارادے سے ہو رہے ہیں' وہ مومنوں کو پسند فرماتا ہے اور کافروں سے ناخوش ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى الۡهُدٰى اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو راہ حق پر جمع کر دیتا- اور آیت میں ہے اگر تیرے رب کی چاہت ہوتی تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا- یہ تو اختلاف سے نہیں ہٹیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا رب رحم کرے بلکہ انہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے- تیرے رب کی یہ بات حق ہے کہ میں جنات اور انسانوں سے جہنم کو پر کر دوں گا- حقیقت بھی یہی ہے کہ نافرمانوں کی کوئی حجت اللہ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ کی حجت بندوں پر ہے-

قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ
هٰذَا ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ
الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ
بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ۠ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸ ۶ ۵

کہو کہ ذرا اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو یہ بشارت دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے' پس اگر وہ گواہی بھی دے دیں تو تو ان کے ساتھ مل کر ہاں میں ہاں نہ کہنے لگنا ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی تو ہرگز نہ کرنا جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں' آخرت کا یقین نہیں کرتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر سمجھتے ہیں ○

(آیت: ۱۵۰) تم نے خواہ مخواہ اپنی طرف سے جانوروں کو حرام کر رکھا ہے ان کی حرمت پر کسی کی شہادت تو پیش کر دو- اگر یہ ایسی شہادت والے لائیں تو تو ان جھوٹے لوگوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانا- ان منکرین قیامت' منکرین کلام اللہ کے جھانسے میں کہیں تم بھی نہ آ جانا-

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا
بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾

کہدے کہ آؤ تم پر تمہارے رب نے جو کچھ حرام کیا ہے' میں تمہیں وہ پڑھ سناؤں یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو' تمہیں اور انہیں روزیاں ہم ہی دیتے ہیں اور کسی بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو خواہ وہ پوشیدہ ہو اور جس جان کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے' اسے بغیر کسی شرعی وجہ کے قتل نہ کرو' یہ ہیں وہ احکام جن کا حکم اللہ تعالیٰ ہمیں دے رہا ہے تا کہ تم سمجھ بوجھ لو ○

نبی اکرم ﷺ کی وصیتیں : ☆☆ (آیت:۱۵۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو دیکھنا چاہتا ہو جو آپ کی آخری وصیت تھی تو وہ ان آیات کو تتقون تک پڑھے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''سورۂ انعام میں محکم آیا تہیں۔ پھر یہی آیات آپ نے تلاوت فرمائیں۔'' ایک مرتبہ حضورؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص ہے جو میرے ہاتھوں پر ان تین باتوں کی بیعت کرے' پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا جو اسے پورا کرے گا' وہ اللہ سے اجر پائے گا اور جو ان میں سے کسی بات کو پورا نہ کرے گا تو دنیا میں ہی اسے شرعی سزا دے دی جائے گی اور اگر سزا نہ دی گئی تو پھر اس کا معاملہ قیامت پر ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے تو سزا دے'' (مسند' حاکم)

بخاری و مسلم میں ہے ''تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کی'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سلام اللہ علیہ سے فرماتا ہے کہ ''ان مشرکین کو جو اللہ کی اولاد کے قائل ہیں' اللہ کے رزق میں سے بعض کو اپنی طرف سے حلال اور بعض کو حرام کہتے ہیں' اللہ کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہیں' کہہ دیجئے کہ سچ مچ جو چیزیں اللہ کی حرام کردہ ہیں' انہیں مجھ سے سن لو جو میں بذریعہ وحی الٰہی بیان کرتا ہوں' تمہاری طرح خواہش نفس' توہم پرستی اور اٹکل و گمان کی بنا پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کی وہ تمہیں وصیت کرتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یہ کلام عرب میں ہوتا ہے کہ ایک جملہ کو حذف کر دیا' پھر دوسرا جملہ ایسا کہہ دیا جس سے حذف شدہ جملہ معلوم ہو جائے۔ اس آیت کے آخری جملے ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ سے اَلَّا تُشْرِكُوْا سے پہلے کے محذوف جملے او صاکم پر دلالت ہو گئی۔ عرب میں یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں امرتك ان لا تقوم۔ بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے' وہ جنت میں داخل ہوگا تو میں نے کہا گو اس نے زنا کیا ہو' گو اس نے چوری کی ہو' آپ نے فرمایا ہاں گو اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ میں نے پھر یہی سوال کیا' مجھے پھر یہی جواب ملا' پھر بھی میں نے یہ بات پوچھی' اس مرتبہ جواب دیا کہ گو شراب نوشی بھی کی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ سے موحد کے جنت میں داخل ہونے کا سن کر حضرت ابوذرؓ نے یہ سوال کیا تھا اور آپ نے یہ جواب

دیا تھا اور آخری مرتبہ فرمایا تھا اور ابوذر کی ناک خاک آلود ہو چنانچہ راوی حدیث جب اسے بیان فرماتے تو یہی لفظ دہرا دیتے۔ سنن میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور میری ذات سے امید رکھے گا' میں بھی تیری خطاؤں کو معاف فرماتا رہوں گا خواہ وہ کیسی ہی ہوں' کوئی پرواہ نہ کروں گا' تو اگر میرے پاس زمین بھر کر خطائیں لائے گا تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت اور بخشش لے کر آؤں گا' بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' تو نے اتنی خطائیں کی ہوں کہ وہ آسمان تک پہنچ گئی ہوں' پھر بھی تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ اس حدیث کی شہادت میں یہ آیت آ سکتی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی مشرک کو تو اللہ مطلق نہ بخشے گا باقی گنہگار اللہ کی مشیت پر ہیں جسے چاہے بخش دے۔

صحیح مسلم میں ہے' جو توحید پر مرے' وہ جنتی ہے۔ اس بارے میں بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں' یا تمہیں سولی چڑھا دیا جائے یا تمہیں جلا دیا جائے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گو تم جلا دیئے جاؤ' یا کاٹ دیئے جاؤ' یا سولی دے دیئے جاؤ۔ اس آیت میں توحید کا حکم دے کر پھر ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہوا۔ بعض کی قرأت وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بھی ہے۔ قرآن کریم میں اکثر یہ دونوں حکم ایک ہی جگہ بیان ہوئے ہیں جیسے اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ میں مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی بقدر ضرورت احسان کرنے کا حکم ہوا ہے۔ اور وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ' میں بھی دونوں حکم ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بھی بہت سی اس مفہوم کی آیات ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا' ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا' اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں اگر اور بھی دریافت کرتا تو حضورؐ بتا دیتے۔ ابن مردویہ میں عبادہ بن صامت اور ابودرداء سے مروی ہے کہ مجھے میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی کہ اپنے والدین کی اطاعت کر اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ تو ان کے لئے ساری دنیا سے الگ ہو جا تو بھی مان لے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ باپ داداؤں کی وصیت کر کے اولاد اور اولاد کی اولاد کی بابت وصیت فرمائی کہ انہیں قتل نہ کرو جیسے کہ شیاطین نے اس کام کو تمہیں سکھا رکھا ہے۔ لڑکیوں کو تو وہ لوگ بوجہ عار کے مار ڈالتے تھے اور بعض لڑکوں کو بھی بوجہ اس کے کہ ان کے کھانے کا سامان کہاں سے لائیں گے' مار ڈالتے تھے۔ ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا حالانکہ اسی اکیلے نے پیدا کیا ہے' پوچھا' پھر کونسا گناہ ہے؟ فرمایا' اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ یہ میرے ساتھ کھائے گی' پوچھا پھر کونسا ہے؟ فرمایا' اپنے پڑوس کی عورت سے بدکاری کرنا۔ پھر حضورؐ نے آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ الخ کی تلاوت فرمائی۔ اور آیت میں ہے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ اپنی اولاد کو فقیری کے خوف سے قتل نہ کرو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہاری روزی بھی ہمارے ذمہ ہے۔ یہاں چونکہ فرمایا تھا کہ فقیری کی وجہ سے اولاد کا گلا نہ گھونٹو تو ساتھ ہی فرمایا تمہیں روزی ہم دیں گے اور انہیں بھی ہم ہی دے رہے ہیں۔

پھر فرمایا کسی ظاہر اور پوشیدہ برائی کے پاس بھی نہ جاؤ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ الخ یعنی تمام ظاہری' باطنی برائیاں' ظلم و زیادتی' شرک و کفر اور جھوٹ بہتان سب کچھ اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ اس کی پوری تفسیر آیت وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کی تفسیر میں گزر چکی ہے صحیح حدیث میں ہے' اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے تمام بے

حیائیاں اللہ نے حرام کر دی ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اگر میں کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں تو ایک ہی وار میں اس کا فیصلہ کر دوں، جب حضورؐ کے پاس ان کا یہ قول بیان ہوا تو فرمایا کیا تم سعدؓ کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو؟ واللہ میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور میرا رب مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے، اسی وجہ سے تمام فحش کام ظاہر و پوشیدہ اس نے حرام کر دیئے ہیں (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ حضورؐ سے کہا گیا کہ ہم غیرت مند لوگ ہیں، آپ نے فرمایا واللہ میں بھی غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے، یہ غیرت ہی ہے جو اس نے تمام بری باتوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اس حدیث کی سند ترمذی کی شرط پر ہے۔ ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہیں۔ اس کے بعد کسی کے ناحق قتل کی حرمت کو بیان فرمایا گو وہ بھی فواحش میں داخل ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے الگ کر کے بیان فرما دیا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جو مسلمان اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرتا ہو، اسے قتل کرنا بجز تین باتوں کے جائز نہیں۔ یا تو شادی شدہ ہو کر پھر زنا کرے یا کسی کو قتل کر دے، یا دین کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔ مسلم میں ہے اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی میں تیسرا شخص وہ بیان کیا گیا ہے جو اسلام سے نکل جائے اور اللہ کے رسولوں سے جنگ کرنے لگے، اسے قتل کر دیا جائے گا یا صلیب پر چڑھا دیا جائے گا یا مسلمانوں کے ملک سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جبکہ باغی آپ کو محاصرے میں لئے ہوئے تھے، فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، کسی مسلمان کا خون بجز ان تین کے حلال نہیں، ایک تو اسلام کے بعد کافر ہو جانے والا، دوسرا شادی شدہ ہو کر زنا کرنے والا اور تیسرا بغیر قصاص کے کسی کو قتل کر دینے والا۔ اللہ کی قسم نہ تو میں نے جاہلیت میں زنا کیا نہ اسلام لانے کے بعد، اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی میں نے کسی اور دین کی تمنا کی اور نہ میں نے کسی کو بلاوجہ قتل کیا، پھر تم میرا خون بہانے کے درپے کیوں ہو؟ حربی کافروں میں جو امن طلب کرے اور مسلمانوں کے معاہدہ امن میں آ جائے، اس کے قتل کرنے والے کے حق میں بھی بہت وعید آئی ہے اور اس کا قتل بھی شرعاً حرام ہے۔ بخاری میں ہے، معاہدہ امن کا قاتل جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے راستے تک پہنچ جاتی ہے۔ اور روایت میں ہے کیونکہ اس نے اللہ کا ذمہ توڑا، اس میں ہے کہ پچاس برس کے راستے کے فاصلے سے ہی جنت کی خوشبو پہنچی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں اللہ کی وصیتیں اور اس کے احکام تا کہ تم دین حق کو، اس کے احکام کو اور اس کی منع کردہ باتوں کو سمجھ لو۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى
يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲

یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طور پر کہ اس کے حق میں بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور جب بولو انصاف کا پاس رکھو اگرچہ کسی قرابت دار کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے ساتھ جو عہد ہوا ہے

اسے پورا نباہ دو، یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم اللہ تمہیں دے رہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۱۵۲) ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ جب آیت وَلَا تَقْرَبُوْا اور آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا نازل ہوئیں تو اصحاب رسولؐ نے یتیموں کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے بالکل الگ تھلگ کر دیا۔ اس میں علاوہ ان لوگوں کے نقصان اور محنت کے یتیموں کا نقصان بھی ہونے لگا' اگر بچ رہا تو یا تو وہ باسی کھائیں یا سڑ کر خراب ہو جائے۔ جب حضورؐ سے اس کا ذکر ہوا تو آیت وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی الخ نازل ہوئی کہ ان کے لئے خیر خواہی کرو ان کا کھانا پینا ساتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں' وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اسے پڑھ کر سن کر صحابہؓ نے ان کا کھانا اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ حکم ان کے سن بلوغ تک پہنچنے تک ہے گو بعض نے تیس سال بعض نے چالیس سال اور بعض نے ساٹھ سال کہے ہیں لیکن یہ سب قول یہاں مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر حکم فرمایا کہ لین دین اور ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔ ان کے لئے ہلاکت ہے جو لیتے وقت پورا لیں اور دیتے وقت کم دیں۔ ان امتوں کو اللہ نے غارت کر دیا جن میں یہ بدخصلت تھی۔ جامع ترمذی میں ہے کہ حضورؐ نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا تم ایک ایسی چیز کے والی بنائے گئے ہو جس کی صحیح نگرانی نہ رکھنے والے تباہ ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہم نہیں لادتے یعنی اگر کسی شخص نے اپنی طاقت بھر کوشش کر لی دوسرے کا حق دے دیا' اپنے حق سے زیادہ نہ لیا' پھر بھی نادانستہ طور پر غلطی سے کوئی بات رہ گئی ہو تو اللہ کے ہاں اس کی پکڑ نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آیت کے یہ دونوں جملے تلاوت کر کے فرمایا کہ جس نے صحیح نیت سے وزن کیا' تولا' پھر بھی اس میں کوئی کمی' زیادتی' بھول چوک سے ہو گئی تو اس کا مواخذہ نہ ہو گا۔'' یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے' بات انصاف کی کہا کرو اگرچہ قرابت داری کے معاملے میں ہی کچھ کہنا پڑے۔'' جیسے فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ اور سورۂ نساء میں بھی یہی حکم دیا کہ ہر شخص کو ہر حال میں سچائی اور انصاف نہ چھوڑنا چاہئے۔ جھوٹی گواہی اور غلط فیصلے سے بچنا چاہئے' اللہ کے عہد کو پورا کرو' اس کے احکام بجا لاؤ' اس کی منع کردہ چیزوں سے الگ رہو' اس کی کتاب' اس کے رسولؐ کی سنت پر چلتے رہو' یہی اس کے عہد کو پورا کرنا ہے' انہی چیزوں کے بارے میں اللہ کا تاکیدی حکم ہے' یہی فرمان تمہارے لئے وعظ و نصیحت کا ذریعہ ہیں تاکہ تم جو اس سے پہلے نکمے بلکہ برے کاموں میں تھے' اب ان سے الگ ہو جاؤ۔ بعض کی قرأت میں تَذَّکَّرُوْنَ بھی ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور یہ کہ میری سیدھی راہ یہی ہے' تم سب اسی پر چلے جاؤ' اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ جانا کہ وہ تمہیں راہ اللہ سے جدا کر دیں گے' تمہیں جناب باری یہ تاکیدی حکم فرما رہا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ○

شیطانی راہیں فرقہ سازی: ☆☆ (آیت: ۱۵۳) یہ اور ان جیسی آیات کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو باہم اعتماد کا حکم دیتا ہے اور اختلاف و فرقہ بندی سے روکتا ہے اس لئے کہ اگلے لوگ اللہ کے دین میں پھوٹ ڈالنے ہی سے تباہ ہوئے تھے۔ مسند میں ہے کہ اللہ کے نبیؐ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا' اللہ کی سیدھی راہ یہی ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچ کر فرمایا' ان تمام راہوں پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا۔ اسی حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جو مسند وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو آپ نے اپنے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا' یہ اللہ

تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں دو دو لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ شیطانی راہیں ہیں اور بیچ کی لکیر پر انگلی رکھ کر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ابن ماجہ میں اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا صراط مستقیم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جس پر ہم نے اپنے نبی ﷺ کو چھوڑا' اسی کا دوسرا سرا جنت میں جا ملتا ہے۔ اس کے دائیں بائیں بہت سی اور راہیں ہیں جن پر لوگ چل رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بلا رہے ہیں۔ جو ان راہوں میں سے کسی راہ پر ہو لیا' وہ جہنم میں پہنچا' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی۔ اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں جن میں بہت سے دروازے ہیں اور سب چوپٹ کھلے پڑے ہیں اور ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ اس سیدھی راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا ہیچو پکارتا رہتا ہے کہ لوگو تم سب اس صراط مستقیم پر آ جاؤ' راستے میں بکھر نہ جاؤ' بیچ راہ کے بھی ایک شخص ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے خبردار اسے نہ کھول' کھولو گے تو سیدھی راہ سے دور نکل جاؤ گے۔ پس سیدھی راہ اسلام ہے اور دونوں دیواریں اللہ کی حدود ہیں۔ کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں' نمایاں شخص اللہ کی کتاب ہے۔ اوپر سے پکارنے والا اللہ کی طرف کا نصیحت کرنے ولا ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے (ترمذی) اس نکتے کو نہ بھولنا چاہئے کہ اپنی راہ کے لئے سبیل واحد کا لفظ بولا گیا اور گمراہی کی راہوں کے لئے سبل جمع کا لفظ استعمال کیا گیا اس لئے کہ راہ حق ایک ہی ہوتی ہے اور ناحق کے بہت سے طریقے ہوا کرتے ہیں جیسے آیت اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ظُلُمٰتِ کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ قُلْ تَعَالَوْا سے تین آیات تک تلاوت کر کے فرمایا' تم میں سے کون کون ان باتوں پر مجھ سے بیعت کرتا ہے؟ پھر فرمایا' جس نے اس بیعت کو اپنا لیا' اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جس نے ان میں سے کسی بات کو توڑ دیا' اس کی دو صورتیں ہیں' یا تو دنیا میں ہی اس کی سزا شرعی اسے مل جائے گی' یا اللہ تعالیٰ آخرت تک اسے مہلت دے دے گا' پھر رب کی مشیت پر منحصر ہے اگر چاہے سزا دے' اگر چاہے تو معاف فرما دے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ
وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا ۱۹ ع ۶
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت فرمائی جس سے نیک کاروں پر نعمت پوری ہو' اس میں تمام احکام کی تفصیل ہے اور ہدایت و مہربانی ہے تاکہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ○ اور اس بابرکت کتاب کو بھی ہم نے نازل فرمایا ہے پس تم اس کی حکم برداری کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

جنوں نے قرآن حکیم سنا: ☆☆ (آیت: ۱۵۴-۱۵۵) امام ابن جریر نے تو لفظ ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مانا ہے یعنی ان سے یہ بھی کہہ دے اور ہماری طرف سے یہ خبر بھی پہنچا دے لیکن میں کہتا ہوں ثُمَّ کو ترتیب کے لئے مان کر خبر کا خبر پر عطف کر دیں تو کیا حرج ہے؟ کیونکہ ایسا ہوتا ہے اور شعروں میں بھی موجود ہے۔ چونکہ قرآن کریم کی مدح اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا میں گذری تھی' اس لئے اس پر عطف ڈال کر توراۃ کی مدح بیان کر دی۔ جیسے کہ اور بھی بہت سی آیات میں ہے۔ چنانچہ فرمان ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا یعنی اس سے پہلے توراۃ امام رحمت تھی اور اب یہ قرآن عربی تصدیق کرنے والا ہے۔ اسی سورت کے اول میں

ہے قل من انزل الکتاب الذی الخ' اس آیت میں بھی تورات کے بیان کے بعد اس قرآن کا بیان ہے-

کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے فَلَمَّا جَآءَ هُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا الخ جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے' اسے اس جیسا کیوں نہ ملا جو موسیٰ کو ملا تھا جس کے جواب میں فرمایا گیا' کیا انہوں نے موسیٰ کی اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا؟ کیا صاف طور سے نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں- جنوں کا قول بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا' ہم نے وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتری ہے' جو اپنے سے اگلی کتابوں کو سچا کہتی ہے اور راہ حق کی ہدایت کرتی ہے' وہ کتاب جامع اور کامل تھی- شریعت کی جن باتوں کی اس وقت ضرورت تھی' سب اس میں موجود تھیں' یہ احسان تھا نیک کاروں کی نیکیوں کے بدلے کا- جیسے فرمان ہے احسان کا بدلہ احسان ہی ہے- اور جیسے فرمان ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو ہم نے ان کا امام بنا دیا جبکہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین رکھا- غرض یہ بھی اللہ کا فضل تھا اور نیکوں کی نیکیوں کا صلہ- احسان کرنے والوں پر اللہ بھی احسان پورا کرتا ہے یہاں بھی اور وہاں بھی- امام ابن جریر الذی کو مصدریہ مانتے ہیں جیسے خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا میں ہے- ابن رواحہؓ کا شعر ہے

وثبت اللّٰہ ما اتاك من حسن   فی المرسلین و نصر کالذی نصروا

اللہ تیری اچھائیاں بڑھائے اور اگلے نبیوں کی طرح تیری بھی مدد فرمائے- بعض کہتے ہیں یہاں الذی معنی میں الذین کے ہے عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات لما ما علی الذین احسنوا ہے- پس مومنوں اور نیک لوگوں پر اللہ کا یہ احسان ہے اور پورا احسان ہے- بغوی کہتے ہیں' مراد اس سے انبیاء اور عام مومن ہیں- یعنی ان سب پر ہم نے اس کی فضیلت ظاہر کی- جیسے فرمان ہے يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ الخ' یعنی اے موسیٰ میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تجھے لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی- ہاں حضرت موسیٰ کی اس بزرگی سے حضرت محمد ﷺ جو خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جو خلیل اللہ ہیں' مستثنیٰ ہیں بہ سبب ان دلائل کے جو وارد ہو چکے ہیں- یحییٰ بن یعمرؒ احسن ھو کو مخذوف مان کر احسن پڑھتے تھے- ہو سکتا ہے؟ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' میں اس قرات کو جائز نہیں رکھوں گا اگرچہ عربیت کی بنا پر اس میں نقصان نہیں- آیت کے اس جملے کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ پر احسان رب کو تمام کرنے کے لئے یہ اللہ کی کتاب ان پر نازل ہوئی- ان دونوں کے مطلب میں کوئی تفاوت نہیں-

پھر تورات کی تعریف بیان فرمائی کہ اس میں ہر حکم بہ تفصیل ہے اور وہ ہدایت و رحمت ہے تاکہ لوگ قیامت کے دن اپنے رب سے ملنے کا یقین کر لیں- پھر قرآن کریم کی اتباع کی رغبت دلاتا ہے' اس میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے کا حکم دیتا ہے- برکت سے اس کا وصف بیان فرماتا ہے کہ جو بھی اس پر کاربند ہو جائے' وہ دونوں جہان کی برکتیں حاصل کرے گا اس لئے کہ یہ اللہ کی طرف مضبوط رسی ہے-

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا
وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۱۵۶ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ
اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنۡهَا ؕ سَنَجۡزِی الَّذِیۡنَ یَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰیٰتِنَا
سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا یَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

اس لئے کہ کبھی کہنے لگو' کتاب اللہ تو ہم سے پہلے کی دو جماعتوں کی طرف ہی نازل کی گئی اور ہم تو ان کی تلاوت سے بے خبر ہی رہے ○ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب اتاری جاتی تو ہم تو اس سے بہت ہی زیادہ راہ یافتہ بن جاتے' اچھا اب تو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حجت و دلیل اور ہدایت و رحمت آ پہنچی' پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات کو جھوٹی بتلائے اور ان سے کترا جائے' ہم بھی ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے کتراتے رہتے ہیں' برے عذابوں کی سزا دیں گے' جو بدلا ہوگا ان کے کترانے کا ○

لاف زنی عیب ہے- دوسروں کو نیکی سے روکنے والے بدترین ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۵۶-۱۵۷) فرماتا ہے کہ اس آخری کتاب نے تمہارے تمام عذر ختم کر دیئے جیسے فرمان ہے وَلَوۡ لَاۤ اَنۡ تُصِیۡبَهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ الخ یعنی اگر انہیں ان کی بدعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو کہہ دیتے کہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے فرمان کو مانتے- اگلی دو جماعتوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں- اگر یہ عربی زبان کا قرآن نہ اترتا تو وہ یہ عذر کر دیتے کہ ہم پر تو ہماری زبان میں کوئی کتاب نہیں اتری' ہم اللہ کے فرمان سے بالکل غافل رہے' پھر ہمیں سزا کیوں ہو؟ نہ یہ عذر باقی رہا اور نہ یہ کہ اگر ہم پر آسمان کتاب اترتی تو ہم تو اگلوں سے آگے نکل جاتے اور خوب نیکیاں کرتے- جیسے فرمان ہے وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ الخ' یعنی موکد قسمیں کھا کھا کر لاف زنی کرتے تھے کہ ہم میں اگر کوئی نبی آ جائے تو ہم ہدایت کو مان لیں-

اللہ فرماتا ہے اب تو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ہدایت و رحمت بھرا قرآن بزبان رسول عربی آ چکا جس میں حلال و حرام کا بخوبی بیان ہے اور دلوں کی ہدایت کی کافی نورانیت اور رب کی طرف سے ایمان والوں کے لئے سراسر رحمت و رحم ہے- اب تم ہی بتاؤ کہ جس کے پاس اللہ کی آیات آ جائیں اور وہ انہیں جھٹلائے' ان سے فائدہ نہ اٹھائے' نہ عمل کرے' نہ یقین لائے' نہ نیکی کرے' نہ بدی چھوڑے' نہ خود مانے' نہ اوروں کو ماننے دے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ اسی سورت کے شروع میں فرمایا ہے وَهُمۡ یَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَیَنۡئَوۡنَ عَنۡهُ خود اس کے مخالف اوروں کو بھی اسے ماننے سے روکتے ہیں دراصل اپنا ہی بگاڑتے ہیں جیسے فرمایا اَلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ الخ' یعنی جو لوگ خود کفر کرتے ہیں اور راہ الٰہی سے روکتے ہیں' انہیں ہم عذاب بڑھاتے رہیں گے- پس یہ لوگ ہیں جو نہ مانتے تھے اور نہ فرماں بردار ہوتے تھے- جیسے فرمان ہے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰكِنۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی یعنی نہ تو مانا' نہ نماز پڑھی بلکہ نہ مان کر منہ پھیر لیا- ان دونوں تفسیروں میں پہلی بہت اچھی ہے یعنی خود بھی انکار کیا اور دوسروں کو بھی انکار پر آمادہ کیا-

هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ یَاۡتِیَ رَبُّكَ اَوۡ
یَاۡتِیَ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ
لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ
كَسَبَتۡ فِیۡۤ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا ؕ قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

کیا یہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں؟ یا تیرا رب آئے؟ یا تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں؟ جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی شخص کو جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، اس کا ایمان مطلق فائدہ نہ دے گا، نہ اسے جس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکیاں نہ کی ہوں، کہہ دے کہ اچھا منتظر رہو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○

قیامت اور بے بسی: ☆☆ (آیت: ۱۵۸) اللہ تعالیٰ کافروں کو اور پیغمبروں کے مخالفوں کو اور اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اور اپنی راہ سے روکنے والوں کو ڈرا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت کا انتظار ہے؟ جبکہ فرشتے بھی آئیں گے اور خود اللہ قہار بھی ۔ وہ بھی وقت ہوگا جب ایمان بھی بے سود اور توبہ بھی بیکار ۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے، جب یہ نشان ظاہر ہو جائے گا تو زمین پر جتنے لوگ ہوں گے، سب ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہے، پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ۔ اور حدیث میں ہے، جب قیامت کی تین نشانیاں ظاہر ہو جائیں تو بے ایمان کو ایمان لانا، خیر سے رکے ہوئے لوگوں کو اس کے بعد نیکی یا توبہ کرنا کچھ سودمند نہ ہوگا ۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، دجال کا آنا دابۃ الارض کا ظاہر ہونا ۔ ایک اور روایت میں اس کے ساتھ ہی ایک دھویں کے آنے کا بھی بیان ہے ۔ اور حدیث میں ہے، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پیشتر جو توبہ کرے اس کی توبہ مقبول ہے ۔

حضرت ابوذرؓ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، جانتے ہو یہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں، فرمایا، عرش کے قریب جا کر سجدے میں پڑتا ہے اور ٹھہرا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اجازت ملے اور کہا جائے لوٹ جا، قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا، یہی وہ وقت ہوگا کہ ایمان لانا بے نفع ہو جائے گا ۔ ایک مرتبہ لوگ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کر رہے تھے، اتنے میں حضورؐ بھی تشریف لے آئے اور فرمانے لگے، قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے ۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج کا آنا، عیسیٰ بن مریم کا آنا اور دجال کا نکلنا، مشرق مغرب اور جزیرہ عرب میں تین جگہ زمین کا دھنس جانا اور عدن کے درمیان سے ایک زبردست آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کے لے جائے گی، رات دن ان کے پیچھے ہی پیچھے رہے گی (مسلم وغیرہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا نشان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ رات بہت لمبی ہو جائے گی بقدر دو راتوں کے، لوگ معمول کے مطابق اپنے کام کاج میں ہوں گے اور تہجد گذاری میں بھی ۔ ستارے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے، پھر لوگ سو جائیں گے، پھر اٹھیں گے، کام میں لگیں گے، پھر سوئیں گے، پھر اٹھیں گے لیکن دیکھیں گے کہ نہ ستارے ہٹے ہیں نہ سورج نکلا ہے، کروٹیں دکھنے لگیں گی لیکن صبح نہ ہوگی اب تو گھبرا جائیں گے اور دہشت زدہ ہو جائیں گے، منتظر ہوں گے کہ کب سورج نکلے، مشرق کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہوں گے کہ اچانک مغرب کی طرف سے سورج نکل آئے گا اس وقت تو تمام روئے زمین کے انسان مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس وقت ایمان محض بے سود ہوگا ۔ (ابن مردویہ) ایک حدیث میں حضورؐ کا اس آیت کے اس جملے کو تلاوت فرما کر اس کی تفسیر میں سورج کا مغرب سے نکلنا فرمانا بھی ہے ۔

ایک روایت میں ہے سب سے پہلی نشانی یہی ہوگی ۔ اور حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک بڑا دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض (چوڑائی) ستر سال (کی مسافت) ہے، یہ توبہ کا دروازہ ہے ۔ یہ بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے ۔ اور حدیث میں ہے، لوگوں پر ایک رات آئے گی جو تین راتوں کے برابر ہوگی، اسے تہجد گزار جان لیں گے، یہ کھڑے ہوں گے ایک معمول کے مطابق تہجد

پڑھ کر سو جائیں گے' پھر اٹھیں گے اپنا معمول ادا کر کے پھر لیٹیں گے۔ لوگ اس لمبائی سے گھبرا کر چیخ و پکار شروع کر دیں گے اور دوڑے بھاگے مسجدوں کی طرف جائیں گے کہ ناگہاں دیکھیں گے کہ سورج طلوع ہو گیا یہاں تک کہ وسط آسمان میں پہنچ کر پھر لوٹ جائے گا اور اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے طلوع ہو گا۔ یہی وہ وقت ہے جس وقت ایمان سودمند نہیں۔ اور روایت میں ہے کہ تین مسلمان شخص مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' مروان ان سے کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلی نشانی دجال کا خروج ہے۔ یہ سن کر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس گئے اور یہ بیان کیا' آپ نے فرمایا' اس نے کچھ نہیں کہا' مجھے حضورؐ کا فرمان خوب محفوظ ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے۔ اور دابۃ الارض کا دن چڑھے ظاہر ہونا ہے۔ ان دونوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہو' اسی کے بعد دوسری ظاہر ہو گی۔ حضرت عبداللہ کتاب پڑھتے جاتے تھے۔ فرمایا میرا خیال ہے کہ پہلے سورج کا نشان ظاہر ہو گا' وہ غروب ہوتے ہی عرش تلے جاتا ہے اور سجدہ کر کے اجازت مانگتا ہے' اجازت مل جاتی ہے' جب مشیت الٰہی سے مغرب سے ہی نکلنا ہو گا تو اس کی بار بار کی اجازت طلبی پر بھی جواب نہ ملے گا۔ رات کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو گا اور یہ سمجھ لے گا کہ اب اگر اجازت ملی بھی تو مشرق میں نہیں پہنچ سکتا۔ تو کہے گا کہ یا اللہ دنیا کو سخت تکلیف ہو گی تو اس سے کہا جائے گا' یہیں سے طلوع ہو چنانچہ وہ مغرب سے ہی نکل آئے گا' پھر حضرت عبداللہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

طبرانی میں ہے کہ جب سورج مغرب سے نکلے گا' ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور زور زور سے کہے گا' الٰہی مجھے حکم کر میں مانوں گا' جسے تو فرمائے میں سجدہ کرنے کے لئے تیار ہوں اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو جائے گی اور کہے گی یہ ہائے وائے کیسی ہے؟ وہ کہے گا' مجھے یہیں تک ڈھیل دی گئی تھی۔ اب وہ آخری وقت آ گیا' پھر صفا کی پہاڑی کے غار سے دابۃ الارض نکلے گا' اس کا پہلا قدم انطاکیہ میں پڑے گا' وہ ابلیس کے پاس پہنچے گا اور اسے تھپڑ مارے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کی سند بالکل ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کتابوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے لی ہو جن کے دو تھیلے انہیں یرموک کی لڑائی والے دن ملے تھے۔ اس کا فرمان رسول ہونا ناقابل تسلیم ہے۔ اللہ اعلم۔

حضورؐ فرماتے ہیں' ہجرت منقطع نہ ہو گی جب تک کہ دشمن برسر پیکار رہے۔ ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو گناہوں کو چھوڑنا دوسرے اللہ اور اس کے رسول کے پاس ترک وطن کر کے جانا۔ یہ بھی باقی رہے گی جب تک کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور توبہ قبول ہوتی رہے گی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے' سورج کے مغرب سے نکلتے ہی پھر جو کچھ جس دل میں ہے' اسی پر مہر لگ جائے گی' اور اعمال بے سود ہو جائیں گے۔ ابن مسعودؓ کا فرمان ہے کہ بہت سے نشانات گزر چکے ہیں صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ سورج کا نکلنا' دجال' دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا آنا۔ جس علامت کے ساتھ اعمال ختم ہو جائیں گے' وہ مغرب سے سورج کا طلوع ہونا ہے۔ ایک طویل مرفوع غریب منکر حدیث میں ہے کہ اس دن سورج چاند ملے جلے طلوع ہوں گے۔ آدھے آسمان سے واپس چلے جائیں گے پھر حسب عادت ہو جائیں گے۔ اس حدیث کا تو مرفوع ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں ابن عباسؓ یا وہب بن منبہؒ پر موقوف ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے موضوع کی گنتی سے نکل جائے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' قیامت کی پہلی نشانی کے ساتھ ہی اعمال کا خاتمہ ہے۔ اس دن کسی کافر کا مسلمان ہونا بے سود ہو گا۔ ہاں مومن جو اس سے پہلے نیک اعمال والا ہو گا' وہ بہتری میں رہے گا' اور جو نیک عمل نہ ہو گا' اس کی توبہ بھی اس وقت مقبول نہ ہو گی جیسے کہ پہلے احادیث گذر چکی ہیں۔ برے لوگوں کے نیک اعمال بھی اس نشان عظیم کو دیکھ لینے کے بعد کام نہ آئیں گے۔ پھر کافروں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ اچھا تم انتظار میں ہی رہو تا آنکہ توبہ کے اور ایمان کے قبول نہ ہونے کا وقت آ جائے۔ اور

قیامت کے زبردست آثار ظاہر ہو جائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ الخ قیامت کے اچانک آ جانے کا ہی انتظار ہے۔ اس کی بھی علامات ظاہر ہو چکی ہیں اس کے آ چکنے کے بعد نصیحت کا وقت کہاں؟ اور آیت میں فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ہمارے **عذابوں** کا مشاہدہ کر لینے کے بعد کا ایمان اور شرک سے انکار بے سود ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ
اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جن لوگوں نے تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے' تجھے ان سے کوئی سروکار نہیں' ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' پھر وہی انہیں اس کے بعد ان کے کرتوت سے باخبر کر دے گا ○

اہل بدعت گمراہ ہیں: ☆☆ (آیت:۱۵۹) مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں اتری ہے۔ یہ لوگ حضورؐ کی نبوت سے پہلے سخت اختلافات میں تھے جن کی خبر یہاں دی جا رہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شَیْءٍ تک اس آیت کی تلاوت فرما کر حضورؐ نے فرمایا' وہ بھی تجھ سے کوئی میل نہیں رکھتے۔ اس امت کے اہل بدعت شک شبہ والے اور گمراہی والے ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی ممکن ہے' یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہو۔ ابو امامہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ یہ بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ ایک اور غریب حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' مراد اس سے اہل بدعت ہے' اس کا بھی مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بات یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ جو بھی اللہ رسول کے دین کی مخالفت کرے اور اس میں پھوٹ اور افتراق پیدا کرے' گمراہی کی اور خواہش پرستی کی پیروی کرے' نیا دین اختیار کرے' نیا مذہب قبول کرے' وہی وعید میں داخل ہے کیونکہ حضورؐ جس حق کو لے کر آئے ہیں' وہ ایک ہی ہے' کئی ایک نہیں' اللہ نے اپنے رسولؐ کو فرقہ بندی سے بچایا ہے اور آپ کے دین کو بھی اس لعنت' سے محفوظ رکھا ہے۔

اسی مضمون کی دوسری آیت شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ الخ ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ ہم جماعت انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ پس صراط مستقیم اور دین پسندیدہ اللہ کی توحید اور رسولوں کی اتباع ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ ضلالت' جہالت' رائے' خواہش اور بد دینی ہے اور رسولؐ اس سے بیزار ہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' وہی انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کرے گا جیسے اور آیت میں ہے کہ مومنوں' یہودیوں' صابیوں اور نصرانیوں میں مجوسیوں میں مشرکوں میں اللہ خود قیامت کے دن فیصلے کر دے گا اس کے بعد اپنے احسان' حکم اور عدل کا بیان فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ
فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

نیکی لانے والے کو دس گنا بدلہ ہے اور برائی لے کر آنے والا برابر برابر ہی بدلہ پائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا ○

نیکی کا دس گنا ثواب اور غلطی کی سزا برابر' برابر: ☆☆ (آیت:۱۶۰) ایک اور آیت میں مجملاً یہ آیا ہے کہ فله خیر منها جو نیکی لائے' اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے۔ اسی آیت کے مطابق بہت سی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ ایک میں ہے تمہارا رب عزوجل بہت بڑا رحیم ہے۔ نیکی کے صرف قصد پر نیکی کے کرنے کا ثواب عطا فرما دیتا ہے اور ایک نیکی کے کرنے پر دس سے ساٹھ تک بڑھا دیتا ہے

اور بھی بہت زیادہ اور بہت زیادہ۔ اور اگر برائی کا قصد ہوا' پھر نہ کر سکا تو بھی نیکی ملتی ہے اور اگر اس برائی کو کر گزرا تو ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اللہ معاف ہی فرما دے اور بالکل ہی مٹا دے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہلاکت والے ہی اللہ کے ہاں ہلاک ہوتے ہیں۔ (بخاری' مسلم' نسائی وغیرہ)

ایک حدیث قدسی میں ہے' نیکی کرنے والے کو دس گنا ثواب ہے اور پھر بھی میں زیادہ کر دیتا ہوں اور برائی کرنے والے کو اکہرا عذاب ہے اور میں معاف بھی کر دیتا ہوں۔ زمین بھر تک جو شخص خطائیں لے آئے اگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا تو میں اتنی ہی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو میری طرف بالشت بھر آئے' میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ہاتھ بھر آئے' میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چلتا ہوا آئے' میں اس کی طرف دوڑتا ہوا جاتا ہوں (مسلم مسند وغیرہ) اس سے پہلے گزری ہوئی حدیث کی طرح ایک اور حدیث بھی ہے' اس میں فرمایا ہے کہ برائی کا ارادہ کر کے پھر اسے چھوڑ دینے والے کو بھی نیکی ملتی ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ڈر سے چھوڑ دے چنانچہ بعض روایات میں تشریح آ بھی چکی ہے۔ دوسری صورت چھوڑ دینے کی یہ ہے کہ اسے یاد ہی نہ آئے۔ بھول بسر جائے تو اسے نہ ثواب ہے نہ عذاب کیونکہ اس نے اللہ سے ڈر کر نیک نیتی سے اسے ترک نہیں کیا۔ اور اگر بدنیتی سے اس نے کوشش بھی کی' اسے پوری طرح کرنا بھی چاہا لیکن عاجز ہو گیا' کر نہ سکا موقعہ ہی نہ ملا' اسباب ہی نہ بنے' تھک کر بیٹھ گیا' تو ایسے شخص کو اس برائی کے کرنے کے برابر ہی گناہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے جنگ کریں تو جو مار ڈالے اور جو مار ڈالا جائے دونوں جہنمی ہیں' لوگوں نے کہا مار ڈالنے والا تو خیر' لیکن جو مارا گیا وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا' اس لئے کہ وہ بھی دوسرے کو مار ڈالنے کا آرزومند تھا اور حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' نیکی کے محض ارادے پر نیکی لکھ لی جاتی ہے اور عمل میں لانے کے بعد دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ برائی کے محض ارادے کو لکھا نہیں جاتا' اگر عمل کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور اگر چھوڑ دے تو نیکی لکھی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس نے گناہ کے کام کو میرے خوف سے ترک کر دیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اور اعمال کی چھ قسمیں ہیں۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جنہیں دنیا اور آخرت میں وسعت اور کشادگی دی جاتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں کشادگی ہوتی ہے اور آخرت میں تنگی۔ بعض وہ ہیں' جن پر دنیا میں تنگی رہتی ہے اور آخرت میں کشادگی ملے گی۔ بعض وہ ہیں جو دونوں جہان میں بدبخت رہتے ہیں' یہاں بھی وہاں بھی بے آبرو۔ اعمال کی چھ قسمیں تو ثواب واجب کر دینے والی ہیں۔ ایک برابر کا' ایک دس گنا اور ایک سات سو گنا۔ واجب کر دینے والی دو چیزیں وہ یہ ہیں' جو شخص اسلام و ایمان پر مرے' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' اس کے لئے جنت واجب ہے۔ اور جو کفر پر مرے اس کے لئے جہنم واجب ہے اور جو نیکی کا ارادہ کرے گو کی نہ ہو' اسے ایک نیکی ملتی ہے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل نے اسے سمجھا اس کی حرص کی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے' اس کے ذمہ گناہ نہیں لکھا جاتا اور جو کر گزرے' اسے ایک ہی گناہ ہوتا ہے اور وہ بڑھتا نہیں ہے اور جو نیکی کا کام کرے' اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو راہ اللہ عزوجل میں خرچ کرے' اسے سات سو گنا ملتا ہے (ترمذی)

فرمان ہے کہ جمعہ میں آنے والے لوگ تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو وہاں لغو کرتا ہے' اس کے حصے میں تو وہی لغو ہے' ایک دعا کرتا ہے۔ اسے اگر اللہ چاہے دے' چاہے نہ دے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو سکوت اور خاموشی کے ساتھ خطبے میں بیٹھتا ہے' کسی مسلمان کی گردن پھلانگ کر مسجد میں آگے نہیں بڑھتا نہ کسی کو ایذا دیتا ہے' اس کا جمعہ اگلے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بلکہ اور تین دن تک کے گناہوں کا

بھی' اس لئے کہ وعدہ الٰہی میں ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر ملتا ہے-

طبرانی میں ہے جمعہ جمعہ تک بلکہ اور تین دن تک کفارہ ہے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے نیکی کرنے والے کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے- فرماتے ہیں جو شخص ہر مہینے میں تین روزے رکھے' اسے سال بھر کے روزوں کا یعنی تمام عمر سارا زمانہ روزے سے رہنے کا ثواب ملتا ہے- اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہے- ایک دن کے روزے کا ثواب دس روزوں کا ملتا ہے (ترمذی) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس آیت میں حسنہ سے مراد کلمہ توحید اور سیئہ سے مراد شرک ہے- ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے لیکن اس کی کوئی صحیح سند میری نظر سے نہیں گزری- اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سی احادیث اور آثار ہیں- لیکن ان شاء اللہ یہ ہی کافی ہیں-

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا
مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ
اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا
شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿١٦٣﴾

کہدے کہ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ کی ہدایت کر دی ہے یعنی سچے دین کی جو ابراہیم کا دین ہے' جو شرک سے یکسو تھا اور مشرکوں میں نہ تھے ○ کہدے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ جس کا کوئی شریک نہیں' مجھے اسی توحید کا حکم فرمایا گیا ہے اور میں سب فرماں برداروں میں اول ہوں ○

بے وقوف وہی ہے جو دین حنیف سے منہ موڑ لے: ☆☆ (آیت: ۱۶۱-۱۶۳) سید المرسلین ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ پر اللہ کی جو نعمت ہے' اس کا اعلان کر دیں کہ اس رب نے آپ کو صراط مستقیم دکھا دی ہے جس میں کوئی کجی یا کمی نہیں' وہ ثابت اور سالم سیدھی اور ستھری راہ ہے' ابراہیم حنیف کی ملت ہے جو مشرکوں میں نہ تھے- اس دین سے وہی ہٹ جاتا ہے جو محض بے وقوف ہو- اور آیت میں ہے اللہ کی راہ میں پورا جہاد کرو- وہی اللہ ہے جس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور کشادہ دین عطا فرمایا جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے- ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے فرمانبردار تھے' مشرک نہ تھے' اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے' اللہ کے پسندیدہ تھے' راہ مستقیم کی ہدایت پائے ہوئے تھے- دنیا میں بھی ہم نے انہیں بھلائی دی تھی اور میدان قیامت میں بھی وہ نیک کار لوگوں میں ہوں گے- پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر کہ وہ مشرکین میں نہ تھا' یہ یاد رہے کہ حضورؐ کو آپ کی ملت کی پیروی کا حکم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خلیل اللہ آپ سے افضل ہیں اس لئے کہ حضورؐ کا قیام اس پر پورا ہوا اور یہ دین آپ ہی کے ہاتھوں کمال کو پہنچا- اسی لئے حدیث میں ہے کہ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور تمام اولاد آدمؑ کا علی الاطلاق سردار ہوں اور مقام محمود والا ہوں جس سے ساری مخلوق کو امید ہو گی یہاں تک کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی-

ابن مردویہ میں ہے کہ حضورؐ صبح کے وقت فرمایا کرتے تھے اصبحنا علی ملة الاسلام و کلمة الاخلاص و دین نبینا و ملة ابراهیم حنیفا و ما کان من المشرکین یعنی ہم نے ملت اسلامیہ پر' کلمہ اخلاص پر' ہمارے نبی کے دین پر اور ملت

ابراہیم حنیف پر صبح کی ہے جو مشرک نہ تھے۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب دین اللہ کے نزدیک کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، وہ جو یکسوئی اور آسانی والا ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ جس دن حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر منہ رکھ کر حبشیوں کے جنگی کرتب ملاحظہ فرمائے تھے، اس دن آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ اس لئے کہ یہود یہ جان لیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے اور اس میں یکسوئی والا آسانی والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اور حکم ہوتا ہے کہ آپ مشرکوں سے اپنا مخالف ہونا بھی بیان فرما دیں، وہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، دوسروں کے نام پر ذبیحہ کرتے ہیں۔ جبکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی کے نام پر ذبیحہ کرتا ہوں چنانچہ بقرہ عید کے دن حضورؐ نے جب دو مینڈھے ذبح کئے تو انی وجھت الخ، کے بعد یہی آیت پڑھی۔ آپ ہی اس امت میں اول مسلم تھے، اس لئے کہ یوں تو ہر نبی اور ان کی ماننے والی امت مسلم ہی تھی، سب کی دعوت اسلام ہی کی تھی، سب اللہ کی خالص عبادت کرتے رہے جیسے فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے، سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم سب میری ہی عبادت کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان قرآن میں موجود ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو میرے رب کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں رہوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ الخ ملت ابراہیمی سے وہی ہٹتا ہے، جس کی قسمت پھوٹ گئی ہو۔ وہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ تھا اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں سے ہے، اسے جب اس کے رب نے فرمایا تو تابعدار بن جا، اس نے جواب دیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔ اس بات کی وصیت ابراہیمؑ نے اپنے بچوں کو کی تھی اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کہ اے میرے بچو، اللہ نے تمہارے لئے دین کو پسند فرما لیا ہے۔

پس تم اسلام ہی پر مرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی آخری دعا میں ہے، یا اللہ تو نے مجھے ملک عطا فرمایا، خواب کی تعبیر سکھائی، آسمان و زمین کا ابتداء میں پیدا کرنے والا تو ہی ہے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے، مجھے اسلام کی حالت میں فوت کرنا اور نیک کاروں میں ملا دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ میرے بھائیو، اگر تم ایماندار ہو، اگر تم مسلم ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ سب نے جواب دیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل رکھا ہے اے اللہ! ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ ان کافروں سے بچا لے۔ اور آیت میں فرمان باری ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ الخ ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت و نور ہے جس کے مطابق وہ انبیاء حکم کرتے ہیں، جو مسلم ہیں یہودیوں کو بھی اور ربانیوں کو بھی اور احبار کو بھی۔ اور فرمان ہے وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ الخ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، سب نے کہا ہم نے ایمان قبول کیا ہمارے مسلمان ہونے پر تم گواہ رہو۔ یہ آیات صاف بتلا رہی ہیں کہ اللہ نے اپنے نبیوں کو اسلام کے ساتھ ہی بھیجا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی اپنی مخصوص شریعتوں کے ساتھ مختص تھے۔ احکام کا ادل بدل ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ حضورؐ کے دین کے ساتھ پہلے کے تمام دین منسوخ ہو گئے اور نہ منسوخ ہونے والا نہ بدلنے والا ہمیشہ رہنے والا دین اسلام آپ کو ملا، جس پر ایک جماعت قیامت تک قائم رہے گی اور اس پاک دین کا جھنڈا قیامت تک لہراتا رہے گا۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں، ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ بھائیوں کی ایک قسم تو علاتی ہے جن کا باپ ایک ہو، مائیں الگ الگ ہوں۔ ایک قسم اخیافی جن کی ماں ایک ہو اور باپ جداگانہ ہوں۔ اور ایک عینی بھائی ہیں جن کا باپ بھی

ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو۔ پس تمام انبیاء کا دین ایک ہے، یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور شریعت مختلف ہیں بہ اعتبار احکام کے، اس لئے انہیں علاتی بھائی فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی تکبیر اولیٰ کے بعد نماز میں اِنِّیْ وَجَّھْتُ اور یہ آیت پڑھ کر پھر یہ پڑھتے اللھم انت الملك لا اله الا انت انت ربی وانا عبدك ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا لایغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لایھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا لایصرف عنی سیئھا الا انت تبارکت وتعالیت استغفرك واتوب الیك یہ حدیث لمبی ہے۔ اس کے بعد راوی نے رکوع وسجدہ اور تشہد کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔ (مسلم)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ
كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ تمام چیزوں کا رب تو وہی ہے، ہر برے کام کرنے والے پر اسکا بوجھ ہے، کوئی بوجھ والا دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا، پھر تم سب کا لوٹنا تمہارے رب کی طرف ہی ہے پھر تمہارے تمام اختلافات کی خبر وہی تمہیں دیگا ○

جھوٹے معبود غلط سہارے : ☆☆ (آیت:۱۶۴) کافروں کو نہ تو خلوص عبادت نصیب ہے نہ سچا توکل رب میسر ہے، ان سے کہدے کہ کیا میں بھی تمہاری طرح اپنے اور سب کے سچے معبود کو چھوڑ کر جھوٹے معبود بنالوں؟ میری پرورش کرنے والا، حفاظت کرنے والا، مجھے بچانے والا، میرے کام بنانے والا، میری بگڑی کو سنوارنے والا تو اللہ ہی ہے، پھر میں دوسرے کا سہارا کیوں لوں؟ مالک وخالق کو چھوڑ کر بے بس اور محتاج کے پاس کیوں جاؤں؟ گویا اس آیت میں توکل علی اللہ اور عبادت رب کا حکم ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں عموماً ایک ساتھ بیان ہوا کرتی ہیں جیسے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اور فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ میں اور قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا میں اور رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا میں اور دوسری آیات میں بھی۔

پھر قیامت کے دن کی خبر دیتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ عدل وانصاف سے ملے گا۔ نیکوں کو نیک، بدوں کو بد، ایک کے گناہ دوسرے پر نہیں لادے جائیں گے، کوئی قرابتدار دوسرے کے عوض پکڑا نہ جائے گا، اس دن ظلم بالکل ہی نہ ہوگا، نہ کسی کے گناہ بڑھائے جائیں گے نہ کسی کی نیکی گھٹائی جائے گی۔ اپنی اپنی کرنی، اپنی اپنی بھرنی، ہاں جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملے ہیں، ان کے نیک اعمال کی برکت ان کی اولاد کو بھی پہنچے گی۔ جیسے فرمان ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ الخ یعنی جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کے ایمان میں ان کی تابعداری کی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے بلند درجوں میں پہنچا دیں گے گو ان کے اعمال اس درجے کے نہ ہوں لیکن چونکہ ان کی ایمان میں شرکت ہے، اس لئے درجات میں بھی بڑھا دیں گے اور یہ درجے ماں باپ کے درجے گھٹا کر نہ بڑھیں گے بلکہ یہ اللہ کا فضل وکرم ہوگا۔ ہاں برے لوگ اپنے بد اعمال کے جھگڑے میں گھرے ہوں گے۔ تم بھی عمل کئے جارہے ہو، ہم بھی کئے جارہے ہیں، اللہ کے ہاں سب کو جانا ہے، وہاں اعمال کا حساب ہونا ہے، پھر معلوم ہو جائے گا کہ اس اختلاف میں حق اور رضائے رب، مرضی مولیٰ کس کے ساتھ تھی؟ ہمارے اعمال سے تم اور تمہارے اعمال سے ہم اللہ کے ہاں پوچھے نہ جائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ کے ہاں

سچے فیصلے ہوں گے اور وہ باعلم اللہ ہمارے درمیان سچے فیصلے فرمادے گا۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ
وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع ۱۱

اسی نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فضیلت دی ہے' تا کہ اس نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے' اس میں تمہاری آزمائش کرے' بیشک تیرا رب جلد سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بہت ہی بخشش مہربانی کرنے والا بھی ہے ○

اللہ کی رحمت' اللہ کے غضب پر غالب ہے: ☆☆ (آیت: ۱۶۵) اس اللہ نے تمہیں زمین کا آباد کرنے والا بنایا ہے۔ وہ تمہیں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا رہتا ہے' ایسا نہیں کیا کہ زمین پر فرشتے بستے ہوں۔ فرمان ہے عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ ''ممکن ہے' تمہارا رب تمہارے دشمن کو غارت کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا کر آزمائے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟'' اس نے تمہارے درمیان مختلف طبقات بنائے' کوئی امیر ہے' کوئی غریب ہے' کوئی خوش خو ہے' کوئی بداخلاق ہے' کوئی خوبصورت ہے' کوئی بدصورت' یہ بھی اس کی حکمت ہے' اسی نے روزیاں تقسیم کی ہیں' ایک کو ایک کے ماتحت کر دیا ہے۔ فرمان ہے اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ الخ' دیکھ لے کہ ہم نے ان میں سے ایک کو ایک پر کیسے فضیلت دی ہے؟ اس سے منشاء یہ ہے کہ آزمائش وامتحان ہو جائے۔ امیر آدمیوں کا شکر' فقیروں کا صبر معلوم ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے' اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس تمہیں دنیا سے ہوشیار رہنا چاہئے اور عورتوں کے بارے میں بہت احتیاط سے رہنا چاہئے' بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتیں ہی تھیں۔ اس سورت کی آخری آیت میں اپنے دونوں وصف بیان فرمائے۔ عذاب کا بھی' ثواب کا بھی' پکڑ کا بھی اور بخشش کا بھی' اپنے نافرمانوں پر ناراضگی کا اور اپنے فرمانبرداروں پر رضامندی کا۔ عموماً قرآن کریم میں یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ ہی بیان فرمائی جاتی ہیں۔

جیسے فرمان ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ اور آیت میں ہے نَبِّئْ عِبَادِىْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِىْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ یعنی تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔ پس ان آیات میں رغبت و رہبت دونوں ہیں' اپنے فضل کا اور جنت کا لالچ بھی دیتا ہے اور آگ کے عذاب سے دھمکاتا بھی ہے۔ کبھی کبھی ان دونوں وصفوں کو الگ الگ بیان فرماتا ہے' تا کہ عذابوں سے بچنے اور نعمتوں کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام کی پابندی اور اپنی ناراضگی کے کاموں سے نفرت نصیب فرمائے اور ہمیں کامل یقین عطا فرمائے کہ ہم اس کے کلام پر ایمان و یقین رکھیں' وہ قریب و مجیب ہے' وہ دعاؤں کا سننے والا ہے' وہ جواد' کریم اور وہاب ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر مومن صحیح طور پر اللہ کے عذاب سے واقف ہو جائے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے جنت کے حصول کی آس ہی نہ رہے اور اگر کافر اللہ کی رحمت سے کماحقہ واقف ہو جائے تو کسی کو بھی جنت سے مایوسی نہ ہو۔ اللہ نے سو رحمتیں بنائی ہیں جن میں سے صرف ایک بندوں کے درمیان رکھی ہے' اسی سے ایک دوسرے پر رحم و کرم کرتے ہیں۔ باقی ننانوے تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں' یہ حدیث ترمذی اور

مسلم شریف میں بھی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کے وقت ایک کتاب لکھی جو عرش پر اس کے پاس ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے ایک کم ایک سو تو اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا، اسی ایک حصے میں مخلوق کو ایک دوسرے پر شفقت و کرم ہے یہاں تک کہ جانور بھی اپنے بچے کے جسم سے اپنا پاؤں رحم کھا کر اٹھا لیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔

الحمد للہ سورۂ انعام کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الاعراف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَاۤءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

اللہ رحم کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

یہ ہے وہ کتاب جو تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے، پس اس کی تبلیغ سے تیرے سینے میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہئے، یہ اس لئے اتاری گئی ہے کہ اس کے ساتھ تو لوگوں کو چوکنا کر دے اور ایمان والوں کے لئے نصیحت ہو جائے ○ اسی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے، اس کے سوائے اور رفیقوں کی تابعداری میں نہ لگ جانا، تم تو بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو ○

(آیت: ۱۔۳) اس سورت کی ابتداء میں جو حروف ہیں، ان کے متعلق جو کچھ بیان ہمیں کرنا تھا، اسے تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں مع اختلاف علماء کے ہم لکھ آئے ہیں۔ ابن عباسؓ سے اس کے معنی میں مروی ہے کہ ''اس سے مراد انا الله افضل ہے یعنی میں اللہ ہوں، میں تفصیل وار بیان فرما رہا ہوں۔''

سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم تیری جانب تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس میں کوئی شک نہ کرنا، تنگ دل نہ ہونا، اس کے پہنچانے میں کسی سے نہ ڈرنا، نہ کسی کا لحاظ کرنا، بلکہ سابقہ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر و استقامت کے ساتھ کلام اللہ کی تبلیغ مخلوق الٰہی میں کرنا، اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ تو کافروں کو ڈرا کر ہوشیار اور چوکنا کر دے یہ قرآن مومنوں کے لئے نصیحت و عبرت وعظ اور نصیحت ہے۔'' اس کے بعد تمام دنیا کو حکم ہوتا ہے کہ ''اس نبی امیؐ کی پوری پیروی کرو، اس کے قدم بہ قدم چلو، یہ تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہے، کلام اللہ تمہارے پاس لایا ہے۔ وہ اللہ تم سب کا خالق مالک ہے اور تمام جان داروں کا رب ہے۔ خبردار ہرگز ہرگز نبی سے ہٹ کر دوسرے کی تابعداری نہ کرنا ورنہ حکم عدولی پر سزا ملے گی، افسوس تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' جیسے فرمان ہے کہ ''گو تم چاہو لیکن اکثر لوگ اپنی بے ایمانی پر اڑے ہی رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد

فرماتے ہیں وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ''اگر تو انسانوں کی کثرت کی طرف جھک جائے گا تو وہ تجھے بہکا کر ہی چھین لیں گے۔'' سورۂ یوسف میں فرمان ہے ''اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہوئے بھی شرک سے باز نہیں رہتے۔''

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝٤
فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا
كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ
وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٦ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا
غَآئِبِيْنَ ۝٧

بہت سی وہ بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا' ان کے پاس ہمارا عذاب یا تو رات کے وقت آ گیا یا اس حالت میں کہ وہ دوپہر کے آرام میں تھے ○ پس جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو انہیں یہ کہتے بن پڑی کہ بیشک ہم ہی ناانصاف تھے ○ پھر یقیناً ہم ان لوگوں سے ہی سوال کریں گے جنکے پاس رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی ○ پھر ہم ان کے سب کے سامنے اپنے علم سے سب کچھ بیان کر دیں گے اور ہم غائب تو تھے ہی نہیں ○

سابقہ باغیوں کی بستیوں کے کھنڈرات باعث عبرت ہیں: ☆☆ (آیت: ۴-۷) ان لوگوں کو جو ہمارے رسولوں کی مخالفت کرتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' تم سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں' دنیا اور آخرت کی ذلت ان پر برس پڑی۔ جیسے فرمان ہے ''تجھ سے اگلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا' لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مذاق کرنے والوں کے مذاق نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔'' ایک اور آیت میں ہے۔'' بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے غارت کر دیا جواب تک الٹی پڑی ہیں'' اور جگہ ارشاد ہے' بہت سے اتراتے ہوئے لوگوں کے شہر ہم نے ویران کر دیئے' دیکھ لو کہ اب تک ان کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں جو بہت کم آباد ہوئے' حقیقتاً وارث و مالک ہم ہی ہیں' ایسے ظالموں کے پاس ہمارے عذاب اچانک آ گئے اور وہ اپنی غفلتوں اور عیاشیوں میں مشغول تھے' کہیں دن کو دوپہر کے آرام کے وقت' کہیں رات کے سونے کے وقت۔

چنانچہ ایک آیت میں ہے اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ یعنی لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے سوتے ہوئے راتوں رات اچانک ہمارا عذاب آ جائے' یا انہیں ڈر نہیں کہ دن دیہاڑے دوپہر کو ان کے آرام کے وقت ان پر ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور آیت میں ہے کہ مکاریوں کی وجہ سے ہماری نافرمانیاں کرنے والے اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان کے پاس عذاب الٰہی اس طرح آ جائے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے' یا اللہ انہیں ان کی بے خبری میں آرام کی گھڑیوں میں ہی پکڑ لے' کوئی نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے' یہ تو رب کی رحمت و رأفت ہے کہ جو گنہگار زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آ جانے کے بعد تو یہ خود اپنی زبانوں سے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لیکن اس وقت کیا نفع؟ اسی مضمون کو آیت وَكَمْ قَصَمْنَا میں بیان فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ بندوں کے عذر ختم نہیں کر دیتا' انہیں عذاب نہیں کرتا۔ عبدالملک سے جب یہ حدیث ان کے شاگردوں نے سنی تو دریافت کیا کہ اس کی صورت کیا ہے؟ تو آپ نے یہ آیت فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ الخ' پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا' امتوں سے بھی' ان کے رسولوں سے بھی یعنی سب سے قیامت کے دن سوال ہوگا۔ جیسے فرمان ہے وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی اس دن ندا کی جائے گی اور دریافت کیا جائے گا کہ تم

نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اس آیت میں امتوں سے سوال کیا جانا بیان کیا گیا ہے- اور آیت میں ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ الخ‘ رسولوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں‘ غیب کا جاننے والا تو بے شک تو ہی ہے- پس امت سے رسولوں کی قبولیت کی بابت اور رسولوں سے تبلیغ کی بابت قیامت کے دن سوال ہوگا- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ تم میں سے ہر ایک با اختیار ہے اور اپنے زیر اختیار لوگوں کی بابت اس سے سوال کیا جانے والا ہے‘ بادشاہ سے اس کی رعایا کا‘ ہر آدمی سے اس کے اہل وعیال کا‘ ہر عورت سے اس کے خاوند کے گھر کا‘ ہر غلام سے اس کے آقا کے مال کا سوال ہوگا- راوی حدیث حضرت طاؤسؒ نے اس حدیث کو بیان فرما کر پھر آیت کی تلاوت کی- اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری ومسلم کی نکالی ہوئی بھی ہے اور زیادتی ابن مردویہ نے نقل کی ہے- قیامت کے دن اعمال نامے رکھے جائیں گے اور سارے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کی خبر دے گا‘ کسی کے عمل کے وقت اللہ غائب نہ تھا‘ ہر ایک چھوٹے بڑے چھپے کھلے عمل کی اللہ کی طرف سے خبر دی جائے گی‘ اللہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے- اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ وہ کسی چیز سے غافل ہے- آنکھوں کی خیانت سے‘ سینوں کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے‘ ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے‘ زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہوتا ہے‘ اسے بھی وہ جانتا ہے‘ تر اور خشک چیز اس کے پاس کھلی کتاب میں موجود ہے-

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝۹

اس دن عدل وانصاف کے ساتھ اعمال کا تول ہونا ہی ہے‘ جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا‘ وہ چھٹکارا پانے والے ہیں ○ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگیا‘ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کیا کیونکہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے ○

میزان اور اعمال کا دین: ☆☆ (آیت: ۸-۹) قیامت کے دن نیکی‘ بدی‘ انصاف وعدل کے ساتھ تولی جائے گی‘ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا- جیسے فرمان ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ الخ قیامت کے دن‘ ہم عدل کی ترازو رکھیں گے‘ کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا‘ رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں- اور آیت میں ہے ''اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا‘ وہ نیکی کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے-'' سورۂ القارعہ میں فرمایا جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا‘ اسے عیش ونشاط کی زندگی ملی اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگیا‘ اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے‘ جو بھڑکتی ہوئی آگ کے خزانے کا نام ہے-

اور آیت میں ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَ لُوْنَ یعنی جب نفخہ پھونک دیا جائے گا‘ تو سارے رشتے ناتے اور نسب حسب ٹوٹ جائیں گے‘ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا‘ اگر تول میں نیک اعمال بڑھ گئے تو فلاح پالی‘ ورنہ خسارے کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے-

فصل: کوئی تو کہتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے- کوئی کہتا ہے‘ نامہ اعمال تولے جائیں گے- کوئی کہتا ہے‘ خود عمل کرنے والے تولے جائیں گے- کبھی نامہ اعمال‘ کبھی خود اعمال کرنے والے واللہ اعلم- ان تینوں باتوں کی دلیلیں بھی موجود ہیں- پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ اعمال گو ایک بے جسم چیز ہیں‘ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جسم عطا فرمائے گا جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے- سورۂ بقرہ اور سورۂ آل

عمران قیامت کے دن دو سائبانوں کی یا دو بادلوں کی یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ کی صورت میں آئیں گی۔ اور حدیث میں ہے کہ قرآن اپنے قاری اور عامل کے پاس ایک نوجوان خوش شکل نورانی چہرے والے کی صورت میں آئے گا یہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں قرآن ہوں اور جو تجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا اور دن میں پانی پینے سے روکتا تھا۔ حضرت براءؓ والی حدیث میں جس میں قبر کے سوال جواب کا ذکر ہے اس میں یہ بھی فرمان ہے کہ مومن کے پاس ایک نوجوان خوبصورت خوشبودار آئے گا یہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اور کافر و منافق کے پاس اس کے برخلاف شخص کے آنے کا بیان ہے یہ تو تھیں پہلے قول کی دلیلیں۔ دوسرے قول کی دلیلیں یہ ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے (۹۹) دفتر پھیلائے جائیں گے جس میں سے ہر ایک اتنا بڑا ہوگا جتنی دور تک نظر پہنچے پھر ایک پرچہ نیکی کا لایا جائے گا جس پر لا الہ الا اللہ ہوگا یہ کہے گا یا اللہ یہ اتنا سا پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس سے بے خطر رہ کہ تجھ پر ظلم کیا جائے۔ اب وہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ سب دفتر اونچے ہو جائیں گے اور یہ سب سے زیادہ وزن دار اور بھاری ہو جائیں گے (ترمذی) تیسرا قول بھی دلیل رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے ایک بہت موٹا تازہ گنہگار انسان اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن اللہ کے پاس اس کا نہ ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعریف میں جو احادیث ہیں ان میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ان کی پتلی پنڈلیوں پہ نہ جانا اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن دار ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾ ع ۱۰/۸

ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کا ٹھکانا بھی دیا اور وہیں تمہاری زندگی کے اسباب بھی مہیا کر دیئے لیکن تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کے احسانات: ☆☆ (آیت: ۱۰) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے زمین اپنے بندوں کے رہنے سہنے کے لئے بنائی اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے کہ ہلے جلے نہیں اس میں چشمے جاری کئے اس میں منزلیں اور گھر بنانے کی طاقت انسان کو عطا فرمائی اور بہت سی نفع کی چیزیں اس لئے پیدائش فرمائیں ابر مقرر کر کے اس میں سے پانی برسا کر ان کے لئے کھیت اور باغات پیدا کئے۔ تلاش معاش کے وسائل مہیا فرمائے تجارت اور کمائی کے طریقے سکھا دیئے باوجود اس کے اکثر لوگ پوری شکر گزاری نہیں کرتے ایک آیت میں فرمان ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے بیٹھو تو یہ بھی تمہارے بس کی بات نہیں لیکن انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔ مَعَايِشْ تو جمہور کی قرات ہے لیکن عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج مَعَآيِشْ پڑھتے ہیں اور ٹھیک وہی ہے جس پر اکثریت ہے اس لئے کہ معایش جمع ہے مَعِيْشَته'' کی اس کا باب عَاشَ يَعِيْشُ عَيْشًا ہے مَعِيْشَته'' کی اصل مَعْيِشَته'' ہے۔ کسرہ پر ثقیل تھا۔ نقل کر کے ماقبل کو دیا مَعِيْشَته'' ہو گیا لیکن جمع کے وقت پھر کسرہ پر آ گیا کیونکہ اب ثقل نہ رہا۔ پس مَفَاعِلٌ کے وزن پر معایش ہو گیا کیونکہ اس کلمہ میں ''یا'' اصلی ہے۔ بخلاف مدائن صحائف اور بصائر کے جو مدینہ صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہے۔ باب مدن صحف اور البصر سے ان میں چونکہ ''یا'' زائد ہے اس لئے ہمزہ دی جاتی ہے اور مفاعل کے وزن پر جمع آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورتیں بنائیں، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں چنانچہ سوائے ابلیس کے سب نے کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ○

ابلیس، آدم (علیہ السلام) اور نسل آدم: ☆☆ (آیت: ۱۱) اللہ تعالیٰ انسان کے شرف کو اسطرح بیان فرماتا ہے کہ تمہارے باپ آدم کو میں نے خود ہی بنایا اور ابلیس کی عداوت کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم کا حسد کیا، ہمارے فرمان سے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر اس نے نافرمانی کی، پس تمہیں چاہئے کہ دشمن کو دشمن سمجھو، اس کے داؤ پیچ سے ہوشیار رہو۔ اسی واقعہ کا ذکر آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا میں بھی ہے۔ حضرت آدمؑ کو پروردگار نے اپنے ہاتھ سے مٹی سے بنایا، انسانی صورت عطا فرمائی، پھر اپنے پاس سے اس میں روح پھونکی، پھر اپنی شان کی جلالت منوانے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے سامنے جھک جاؤ، سب نے سنتے ہی اطاعت کی لیکن ابلیس نہ مانا، اس واقعہ کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار لکھ آئے ہیں۔ اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور اسی کو امام بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انسان اپنے باپ کی پیٹھ میں پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ میں صورت دیا جاتا ہے اور بعض سلف نے بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں مراد اولاد آدم ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ آدم کو پیدا کیا، پھر اس کی اولاد کی صورت بنائی، لیکن یہ سب اقوال غور طلب ہیں، کیونکہ آیت میں اس کے بعد ہی فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی ہوا تھا، جمع کے صیغہ سے اس کا بیان اس لئے ہوا کہ حضرت آدمؑ تمام انسانوں کے باپ ہیں، آیت وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ الخ اس کی نظیر ہے۔ یہاں خطاب ان بنی اسرائیل سے ہے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے اور دراصل ابر کا سایہ ان کے سابقہ لوگوں پر ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں تھے نہ کہ ان پر، لیکن چونکہ ان کے اکابر پر سایہ کرنا ایسا احسان تھا کہ ان کو بھی اس کا شکر گزار ہونا چاہئے تھا، اس لئے انہی کو خطاب کر کے اپنی وہ نعمت یاد دلائی۔ یہاں یہ بات واضح ہے اس کے بالکل برعکس آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ الخ ہے کہ مراد آدمؑ ہیں کیونکہ صرف وہی مٹی سے بنائے گئے، ان کی کل اولاد نطفے سے پیدا ہوئی اور یہی صحیح ہے کیونکہ مراد جنس انسان ہے نہ کہ معین۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ
خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

جناب باری نے فرمایا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ جبکہ تجھے میرا حکم ہو چکا تھا، اس نے جواب دیا میں اس میں افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے ○

عذر گناہ بدتر از گناہ: ☆☆ (آیت: ۱۲) اَلَّا تَسْجُدَ میں لا بقول بعض نحویوں کے زائد ہے اور بعض کے نزدیک انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہ شاعر کے قول ما ان رایت ولا سمعت بمثله میں "ما" نافیہ پر "ان" نفی کے لئے صرف تاکیداً داخل ہوا ہے۔ اسی

طرح یہاں بھی ہے کہ پہلے لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ہے پھر مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ہے۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ ان دونوں اقوال کو بیان کر کے انہیں رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں منعك ایک دوسرے فعل مقدر کا متضمن ہے تو تقدیر عبارت یوں ہوئی ما احوجك والزمك واضطرك الا تسجداذا مرتك یعنی تجھے کس چیز نے بے بس محتاج اور ملزم کر دیا ہے کہ تو سجدہ نہ کرے؟ وغیرہ' یہ قول بہت ہی قوی ہے اور بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابلیس نے جو وجہ بتائی' سچ تو یہ ہے کہ وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے۔ گویا وہ اطاعت سے اس لئے باز رہتا ہے کہ اس کے نزدیک فاضل کو مفضول کے سامنے سجدہ کئے جانے کا حکم ہی نہیں دیا جا سکتا' تو وہ ملعون کہہ رہا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں' پھر مجھے اس کے سامنے جھکنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟ پھر اپنے بہتر ہونے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ میں آگ سے بنا یہ مٹی سے' ملعون اصل عنصر کو دیکھتا ہے اور اس فضیلت کو بھول جاتا ہے کہ مٹی والے کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اپنی روح پھونکی ہے' پس اس وجہ سے کہ اس نے فرمان الٰہی کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور سجدے سے رک گیا' اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیا گیا اور تمام نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ اس ملعون نے اپنے قیاس اور اپنے دعوے میں بھی خطا کی۔ مٹی کے اوصاف ہیں' نرم ہونا' حامل مشقت ہونا' دوسروں کا بوجھ سہارنا' چیزوں کو اگانا' بڑھانا' پرورش کرنا' اصلاح کرنا وغیرہ اور آگ کی صفت ہے جلدی کرنا' جلا دینا' بے چینی پھیلانا' پھونک دینا' اسی وجہ سے ابلیس اپنے گناہ پر اڑ گیا اور حضرت آدمؑ نے اپنے گناہ کی معذرت کی' اس سے توبہ کی اور اللہ کی طرف رجوع کیا' رب کے احکام کو تسلیم کیا' اپنے گناہ کا اقرار کیا' رب سے معافی چاہی' بخشش کے طالب ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' ابلیس آگ کے شعلے سے اور انسان اس چیز سے جو تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے (مسلم) ایک اور روایت میں ہے' فرشتے نور عرش سے جنات آگ سے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حور عین زعفران سے بنائی گئی ہیں۔ امام حسنؒ فرماتے ہیں' ابلیس نے یہ کام کیا اور یہی پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا دروازہ کھولا' اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے' یاد رکھو سورج چاند کی پرستش اسی کی بدولت شروع ہوئی ہے اور اس کی اسناد بھی صحیح ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ
اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾
قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ
خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ
شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اس پر اللہ نے فرمایا' تو جنت سے اتر جا' تیری اتنی ہستی نہیں کہ تو یہاں شیخی خوری کرے' جا نکل' تو بڑے ہی ذلیلوں میں سے ہے ○ کہنے لگا مجھے دوبارہ کھڑا کئے جانے کے دن تک کی مہلت عطا فرما ○ جواب ملا کہ ہاں ہاں تو مہلت دیئے گئے ہوؤں میں سے ہے ○ شیطان کہنے لگا چونکہ تو نے مجھے بے راہ کر دیا ہے' اب میں تیری سیدھی راہ پر انہیں بہکانے کے لئے بیٹھ جاؤں گا ○ اور ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آتا

رہوں گا، تو ان میں سے اکثروں کا اپنا شکر گزار نہ پائے گاO

نافرمانی کی سزا: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۵) ابلیس کو اسی وقت حکم ملا کہ ''میری نافرمانی اور میری اطاعت سے رکنے کے باعث اب تو یہاں جنت میں نہیں رہ سکتا، یہاں سے اتر جا کیونکہ یہ جگہ تکبر کرنے کی نہیں۔'' بعض نے کہا ہے فیھا کی ضمیر کا مرجع منزلت ہے یعنی جن ملکوت اعلیٰ میں تو ہے، اس مرتبے میں کوئی سرکش رہ نہیں سکتا، جا یہاں سے چلا جا، تو اپنی سرکشی کے بدلے ذلیل وخوار ہستیوں میں شامل کر دیا گیا، تیری ضد اور ہٹ کی یہی سزا ہے۔ اب لعین گھبرایا اور اللہ سے مہلت چاہنے لگا کہ مجھے قیامت تک کی ڈھیل دی جائے۔ چونکہ جناب باری جل جلالہ کی اس میں مصلحتیں اور حکمتیں تھیں، اچھے اور بروں کو دنیا میں ظاہر کرنا تھا اور اپنی حجت پوری کرنا تھی، اس ملعون کی اس درخواست کو منظور فرما لیا۔ اس حاکم پر کسی کی حکومت نہیں، اس کے سامنے بولنے کی کسی کو مجال نہیں، کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو ٹال سکے، کوئی نہیں جو اس کے حکم کو بدل سکے، وہ سریع الحساب ہے۔

ابلیس کا طریقۂ واردات، اس کی اپنی زبانی: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) ابلیس نے جب عہد الٰہی لے لیا تو اب بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا کہ جیسے تو نے میری راہ ماری میں بھی آدم کی اولاد کی راہ ماروں گا اور حق ونجات کے سیدھے راستے سے انہیں روکوں گا، تیری توحید سے بہکا کر، تیری عبادت سے سب کو ہٹا دوں گا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ فبما میں ''با'' قسم کے لئے ہے، یعنی مجھے قسم ہے اپنی بربادی کے مقابلے میں اس کی اولاد کو برباد کر کے رہوں گا۔ عون بن عبداللہ کہتے ہیں، میں مکے کے راستے پر بیٹھ جاؤں گا لیکن صحیح یہی ہے کہ نیکی کے ہر راستے پر۔

چنانچہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے وہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لئے اسلام لانے والے کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تو اپنے آپ اور اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑتا ہے۔ اللہ کو اگر بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اس کی باتوں میں نہیں آتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ ہجرت کی راہ سے روکنے کے لئے آڑے آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو اپنے وطن کو کیوں چھوڑتا ہے؟ اپنی زمین وآسمان سے کیوں الگ ہوتا ہے؟ غربت وبے کسی کی زندگی کیوں اختیار کرتا ہے؟ لیکن مسلمان اس کے بہکاوے میں نہیں آتا اور ہجرت کر گذرتا ہے۔ پھر جہاد کی روک کے لئے آتا ہے اور جہاد مال سے ہے اور جان سے۔ اس سے کہتا ہے کہ تو کیوں جہاد میں جاتا ہے؟ وہاں قتل کر دیا جائے گا، پھر تیری بیوی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی، تیرا مال اوروں کے قبضے میں چلا جائے گا، لیکن مسلمان اس کی نہیں مانتا اور جہاد میں قدم رکھ دیتا ہے، پس ایسے لوگوں کا اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں جنت میں لے جائے گو وہ جانور سے گر کر ہی مر جائیں۔ اس دوسری آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ آگے سے آنے کا مطلب آخرت کے معاملہ میں شک وشبہ پیدا کرنا ہے۔ دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رغبتیں دلاؤں گا۔ دائیں طرف سے آنا امر دین کو مشکوک کرنا ہے، بائیں طرف سے آنا گناہوں کو لذیذ بنانا ہے، شیطانوں کا یہی کام ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ شیطان کہتا ہے میں اس کی دنیا وآخرت، نیکیاں، بھلائیاں سب تباہ کر دینے کی کوشش میں رہوں گا اور برائیوں کی طرف ان کی رہبری کروں گا۔ وہ سامنے سے آ کر کہتا ہے کہ جنت دوزخ قیامت کوئی چیز نہیں، وہ پشت کی جانب سے آ کر کہتا ہے، دیکھ دنیا کس قدر زینت دار ہے، وہ دائیں طرف سے آ کر کہتا ہے، خبردار نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے، وہ بائیں سے آ کر کہتا ہے دیکھ گناہ کس قدر لذیذ ہیں، پس ہر طرف سے آ کر ہر طرح بہکاتا ہے، ہاں یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اوپر کی طرف سے نہیں آ سکتا۔ اللہ کے بندے کے درمیان حائل ہو کر رحمت الٰہی کی روک نہیں بن سکتا، پس سامنے، یعنی دنیا اور پیچھے، یعنی آخرت اور دائیں، یعنی اس طرح کہ دیکھیں اور بائیں، یعنی اس طرح نہ دیکھ سکیں، یہ سب اقوال ٹھیک ہیں۔

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تمام خیر کے کاموں سے روکتا ہے اور شر کے تمام کام سمجھا جاتا ہے' اوپر کی سمت کا نام آیت میں نہیں' وہ سمت رحمت رب کے آنے کے لئے خالی ہے اور وہاں شیطان کی روک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اکثروں کو تو شاکر نہیں پائے گا یعنی موحد۔ ابلیس کو یہ وہم ہی وہم تھا لیکن نکلا مطابق واقعہ۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ الخ یعنی ابلیس نے اپنا گمان پورا کر دکھایا سوائے مومنوں کی پاکباز جماعت کے اور لوگ اس کے مطیع بن گئے' حالانکہ شیطان کی کچھ حکومت تو ان پر نہ تھی' مگر ہاں ہم صحیح طور سے ایمان رکھنے والوں کو اور شکی لوگوں کو الگ الگ کر دینا چاہتے تھے' تیرا رب ہر چیز کا حافظ ہے۔ مسند بزار کی ایک حسن حدیث میں ہر طرف سے پناہ مانگنے کی ایک دعا آئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں اللھم انی اسئلك العفو و العافیة فی دینی و دنیای و اھلی و مالی اللھم استر عوراتی و امن روعاتی و احفظنی من بین یدی و من خلفی و عن یمینی و عن شمالی و من فوقی و اعوذبك اللھم ان اغتال من تحتی مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ ہر صبح شام اس دعا کو پڑھتے تھے اللھم انی اسئلك العافیة فی الدین و الاخرۃ اس کے بعد کی دعا کے کچھ فرق سے قریباً وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ
جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ
عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ
الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ
الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾

فرمایا یہاں سے نکل باہر ہو' تو ذلیل و خوار اور رندا ؤ درگارہ ہو کر' ان انسانوں میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا میں تم سب سے جہنم کو پر کر دوں گا ○ اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ○ لیکن شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا تا کہ ان پر وہ چیزیں کھول دے جو ان پر پوشیدہ کر دی گئی تھیں یعنی ان کی شرمگاہیں اور کہنے لگا' تمہارے پروردگار نے جو اس درخت سے تمہیں روک دیا ہے' یہ صرف اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والے بن جاؤ ○ اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلانے لگا کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں ○

اللہ تعالیٰ کے نافرمان جہنم کا ایندھن ہیں: ☆☆ (آیت:۱۸) اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے' رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے' فرشتوں کی جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے' عیب دار کر کے اتار دیا جاتا ہے' لفظ ''مذوم'' ماخوذ ہے ''ذام'' اور ''ذیم'' سے' یہ لفظ بہ نسبت لفظ ''ذم'' کے زیادہ مبالغے والا ہے' پس اس کے معنی عیب دار کے ہوئے اور مدحور کے معنی دور کئے ہوئے کے ہیں' مقصد دونوں سے ایک ہی ہے۔ پس یہ ذلیل ہو کر اللہ کے غضب میں مبتلا ہو کر نیچے اتار دیا گیا' اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوئی اور نکال دیا گیا اور فرمایا گیا کہ تو اور تیرے ماننے والے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ الخ تمہاری سب کی سزا جہنم ہے۔ تو جس

طرح چاہے انہیں بہکا' لیکن اس سے مایوس ہو جا کہ میرے خاص بندے تیرے وسوسوں میں آ جائیں گے (کیونکہ) ان کا وکیل میں خود ہوں-

پہلا امتحان اور اسی میں لغزش اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۱) ابلیس کو نکال کر حضرت آدم وحوا کو جنت میں پہنچا دیا گیا اور بجز ایک درخت کے انہیں ساری جنت کی چیزیں کھانے کی رخصت دے دی گئی' اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے- شیطان کو اس سے بڑا ہی حسد ہوا' ان کی نعمتوں کو دیکھ کر لعین جل گیا اور ٹھان لی کہ جس طرح سے ہو' انہیں بہکا کر اللہ کے خلاف کر دوں' چنانچہ جھوٹ افترا باندھ کر ان سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ درخت وہ ہے جس کے کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ کی زندگی اسی جنت میں پاؤ گے- جیسے اور آیت میں ہے کہ ابلیس نے کہا میں تمہیں ایک درخت کا پتہ دیتا ہوں جس سے تمہیں بقا اور ہمیشگی والا ملک مل جائے گا- یہاں ہے کہ ان سے کہا' تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا گیا ہے کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ- جیسے فرمان ہے یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا مطلب ہے کہ لئلا تضلوا اور آیت میں ہے اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ یہاں بھی یہی مطلب ہے- مَلَکَیْنِ کی دوسری قرات مَلِکَیْنِ بھی ہے لیکن جمہور کی قرات لام کے زبر کے ساتھ ہے- پھر اپنا اعتبار جمانے کے لئے قسمیں کھانے لگا کہ دیکھو میری بات کو سچ مانو میں تمہارا خیر خواہ ہوں' تم سے پہلے سے ہی یہاں رہتا ہوں' ہر ایک چیز کے خواص سے واقف ہوں تم اسے کھا لو بس پھر یہیں رہو گے' بلکہ فرشتے بن جاؤ گے- قاسم باب مفاعلہ سے ہے اور اس کی خاصیت طرفین کی مشارکت ہے لیکن یہاں یہ خاصیت نہیں ہے' ایسے اشعار بھی ہیں جہاں قاسم آیا ہے اور صرف ایک طرف کے لئے- اس قسم کی وجہ سے اس خبیث کے بہکاوے میں حضرت آدمؑ آ گئے- سچ ہے مومن اس وقت دھوکا کھا جاتا ہے جب کوئی ناپاک انسان اللہ کو بیچ میں دیتا ہے- چنانچہ سلف کا قول ہے کہ (مومن) اللہ کے نام کے بعد اپنے ہتھیار ڈال دیا کرتے ہیں-

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا
يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا
عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۲ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳

غرض دھوکے سے انہیں مائل کر ہی لیا' جوں ہی انہوں نے اس درخت کو چکھا' ان کی شرمگاہیں ان پر کھل گئیں' اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے' اسی وقت ان کے رب نے انہیں آواز دی' کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے؟ ○ دونوں دعائیں کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم نامراد اور برباد ہو جائیں گے ○

لغزش کے بعد کیا ہوا؟: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۳) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل درخت کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے' درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا' نظر ہی نہ پڑی تھی' لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہو گئی' بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے' کہنے لگے اے درخت مجھے چھوڑ دے' درخت سے جواب ملا' ناممکن ہے' اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کہنے لگے' یا اللہ شرمندگی ہے' شرمسار ہوں'' گویہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوف ہونا ہی ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''درخت کا پھل کھا لیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہو گئی'

جنت کے پتوں سے چھپانے لگے‘ ایک کو ایک کونے پر چپکانے لگے‘ حضرت آدمؑ مارے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے‘ لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے‘ اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا‘ نہیں یا اللہ مگر شرماتا ہوں‘ جناب باری نے فرمایا‘ آدمؑ جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا‘ کیا وہ تجھے کافی نہ تھا؟ آپ نے جواب دیا‘ بے شک کافی تھا‘ لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔

چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا‘ اب اس کشادگی کے بعد یہ تنگی ان پر بہت گراں گذری‘ کھانے پینے کو ترس گئے‘ پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی‘ کھیتی کا کام بتایا گیا‘ آپ نے زمین صاف کی‘ دانے بوئے‘ وہ اُگے بڑھے‘ بالیں نکلیں‘ دانے پکے‘ پھر توڑے گئے‘ پھر پیسے گئے‘ آٹا گندھا‘ پھر روٹی تیار ہوئی‘ پھر کھائی۔ جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ ''تین'' کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو مثل کپڑے کے تھے‘ وہ نورانی پردے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضاء چھپائے ہوئے تھے‘ نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے۔ حضرت آدمؑ اسی وقت اللہ کی طرف رغبت کرنے لگے‘ توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے‘ بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی‘ اللہ نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کو طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائیں۔''

مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے جب درخت سے کھا لیا‘ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ اس درخت سے میں نے تمہیں روک دیا تھا‘ پھر تم نے اسے کیوں کھایا؟ کہنے لگے‘ حواء نے مجھے اس کی رغبت دلائی‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی‘ بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائیں گی‘ یہ سنتے حضرت حواء نے نوحہ شروع کیا‘ حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے جناب باری میں عرض کی اور اللہ نے انہیں دعا سکھائی‘ انہوں نے دعا کی جو قبول ہوئی اور قصور معاف فرما دیا گیا۔ فالحمد للہ!

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ
وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۱۵

فرمایا تم سب اتر جاؤ‘ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو‘ تمہارے لئے زمین میں ہی ایک وقت مقرر تک رہنا سہنا ہے اور سامان زندگی بھی ○ یہ بھی فرما دیا کہ یہیں زمین میں ہی زندگی گزارو گے اور یہیں تم مرو گے اور اسی سے تم نکال کھڑے کئے جاؤ گے ○

سفر ارضی کے بارہ میں یہودی روایات: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۵) بعض کہتے ہیں یہ خطاب حضرت آدمؑ حضرت حوا‘ شیطان ملعون اور سانپ کو ہے۔ بعض سانپ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد حضرت آدمؑ ہیں اور شیطان ملعون۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں ہے اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا حوا حضرت آدمؑ کے تابع تھیں اور سانپ کا ذکر اگر صحت تک پہنچ جائے تو وہ ابلیس کے حکم میں آ گیا۔ مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں کہ آدم کہاں اترے اور شیطان کہاں پھینکا گیا وغیرہ۔ لیکن دراصل ان کا مخرج بنی اسرائیل کی روایات ہیں اور ان کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس جگہ کے جان لینے سے کوئی فائدہ نہیں‘ اگر ہوتا تو ان کا بیان قرآن میں یا حدیث میں ضرور ہوتا۔ کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے قرار کی جگہ زمین ہے‘ وہیں تم اپنی مقررہ زندگی کے دن پورے کرو گے جیسے کہ ہماری پہلی کتاب لوح محفوظ میں پہلے سے ہی لکھا ہوا موجود ہے۔ اسی زمین پر جیو گے اور مرنے کے بعد بھی اسی میں دبائے جاؤ گے اور پھر حشر ونشر بھی اسی میں ہوگا۔ جیسے فرمان ہے

مِنهَا خَلَقنٰکُم وَفِیهَا نُعِیدُکُم وَمِنهَا نُخرِجُکُم تَارَۃً اُخرٰی پس اولاد آدم کی زندگی گذارنے کی جگہ بھی یہی ہے اور مرنے کی جگہ بھی یہی، قبریں بھی اسی میں اور قیامت کے دن اٹھیں گے بھی اسی سے، پھر بدلہ دیئے جائیں گے۔

یٰبَنِیٓ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ﴿۲۶﴾

اے فرزندان آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے جو تمہارے پردے کی چیزوں کو ڈھانپتا ہے اور ہم نے زینت کا پہناوا بھی اتارا ہے، ہاں پرہیزگاری کا لباس وہی سب سے بہتر ہے، یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ سمجھ بوجھ لیں ○

لباس اور داڑھی جمال وجلال: ☆☆ (آیت:۲۶) یہاں اللہ تعالیٰ اپنا احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے لباس اتارا اور ریش بھی، لباس تو وہ ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپائے اور ریش وہ ہے جو بطور زینت رونق اور جمال کے پہنا جائے۔ لباس تو ضروریات زندگی سے ہے اور ریش زیادتی ہے، ریش کے معنی مال کے بھی ہیں اور ظاہری پوشاک کے بھی ہیں اور جمال وخوش لباسی کے بھی ہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنتے ہوئے جبکہ گلے تک وہ پہن لیا، تو فرمایا الحمد لله الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی پھر فرمانے لگے، میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جو شخص نیا کپڑا پہنے اور اس کے گلے تک پہنچتے ہی یہ دعا پڑھے، پھر پرانا کپڑا راہ اللہ دے دے تو وہ اللہ کے ذمہ میں، اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے، زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ)۔ مسند احمد میں ہے حضرت علیؓ نے ایک نوجوان سے ایک کرتہ تین درہم میں خریدا اور اسے پہنا، جب پہنچوں اور ٹخنوں تک پہنچا تو آپ نے یہ دعا پڑھی الحمد لله الذی رزقنی من ریاش ما اتجمل به فی الناس واواری به عورتی یہ دعا سن کر آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ اسے کپڑا پہننے کے وقت پڑھتے تھے، یا آپ از خود اسے پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اسے حضورؐ سے سنا ہے۔

لِبَاسُ التقوی کی دوسری قرات لِبَاسَ التقوی سین کے زبر سے بھی ہے۔ رفع سے پڑھنے والے اسے مبتدا کہتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد قیامت کے دن پرہیزگاروں کو جو لباس عطا ہوگا، وہ ہے۔'' ابن جریج کا قول ہے ''لباس تقویٰ ایمان ہے۔'' ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''عمل صالح ہے اور اسی سے ہنس مکھ ہوتا ہے۔'' عروہؒ کہتے ہیں ''مراد اس سے مشیت ربانی ہے۔'' عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں ''اللہ کے ڈر سے اپنی ستر پوشی کرنا لباس تقویٰ ہے۔'' یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ مراد یہ سب کچھ ہے اور یہ سب چیزیں ملی جلی اور آپس میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ ایک ضعیف سند والی روایت میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر نبویؐ پر کھلی گھنڈیوں کا کرتا پہنے ہوئے کھڑا دیکھا، اس وقت آپ کتوں کے مار ڈالنے اور کبوتر بازی کی ممانعت کا حکم دے رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا، لوگو اللہ سے ڈرو خصوصاً اپنی پوشیدگیوں میں اور چپکے چپکے کانا پھوسی کرنے میں، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ قسم کھا کر بیان فرماتے تھے کہ جو شخص جس کام کو پوشیدہ سے پوشیدہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسی کی چادر اس پر اعلانیہ ڈال دے گا، اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اس سے

مراد خوش خلقی ہے۔ ہاں صحیح حدیث میں صرف اتنا مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن منبر پر کتوں کے قتل کرنے اور کبوتروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ
الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ
هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ
اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا
وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸

اے اولاد آدم کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جیسے کہ اس نے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوا دیا' ان کے کپڑے ان سے اتروا لئے کہ انہیں ان کے پردے کی چیزیں دکھا دے' تمہیں وہ اور اس کی قوم وہاں سے دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہ دیکھ سکو' ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا یار اور رفیق بنا دیا ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○ یہ لوگ جب کوئی بیہودہ حرکت کرتے ہیں تو صاف کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طریقے پر پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے' تو جواب دے کہ ناممکن ہے کہ اللہ برائیوں کا حکم دے' کیا تم لوگ اللہ پر وہ باتیں جوڑ لیتے ہو جن سے تم بے علم ہو؟ ○

ابلیس سے بچنے کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۲۷) تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہوشیار کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا' وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے' دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدمؑ کو دار سرور سے نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا' ان کی پردہ دری کی پس تمہیں اس کے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہئے۔ جیسے فرمان ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے' ظالموں کا بہت ہی برا بدلہ ہے۔

جہالت اور طواف کعبہ: ☆☆ (آیت: ۲۸) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسے ہم پیدا ہوئے ہیں' اسی حالت میں طواف کریں گے۔ عورتیں بھی آگے کوئی چمڑے کا ٹکڑا یا کوئی چیز رکھ لیتی تھی اور کہتی تھیں ۔

اليوم يبدو بعضه او كله وما بدامنه فلا احله

آج اس کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو جائے گا اور جتنا بھی ظاہر ہو' میں اسے اس کے لئے جائز نہیں رکھتی' اس پر آیت و اذافعلوا الخ' نازل ہوئی ہے۔ یہ دستور تھا کہ قریش کے سوا تمام عرب بیت اللہ شریف کا طواف اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں نہیں کرتے تھے' وہ سمجھتے تھے کہ یہ کپڑے جنہیں پہن کر اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں' اس قابل نہیں رہے کہ انہیں پہنے ہوئے طواف کر سکیں' ہاں قریش جو اپنے آپ کو حمس کہتے تھے' اپنے کپڑوں میں بھی طواف کرتے تھے اور جن لوگوں کو قریش کپڑے بطور ادھار دیں' وہ بھی ان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کر سکتا تھا' یا وہ شخص کپڑے پہنے طواف کر سکتا تھا جس کے پاس نئے کپڑے ہوں' پھر طواف کے بعد ہی انہیں اتار ڈالتا تھا' اب یہ کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے تھے' پس جس کے پاس نیا کپڑا نہ ہو اور حمس بھی اس کو اپنا کپڑا نہ دے تو اسے ضروری تھا کہ وہ ننگا ہو کر طواف کرے' خواہ عورت ہو خواہ مرد'

عورت اپنے آگے کے عضو (شرمگاہ) پر ذرا سی کوئی چیز رکھ لیتی اور وہ کہتی جس کا بیان اوپر گذرا لیکن عموماً عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں، یہ بدعت انہوں نے از خود گھڑ لی تھی۔ اس فعل کی دلیل سوائے باپ دادا کی تقلید کے اور ان کے پاس کچھ نہ تھی، لیکن اپنی خوش فہمی اور نیک ظنی سے کہہ دیتے تھے کہ اللہ کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ فرمودۂ رب نہ ہوتا تو ہمارے بزرگ اس طرح نہ کرتے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں کرتا، ایک تو برا کام کرتے ہو، دوسرے جھوٹ موٹ اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو، یہ چوری اور سینہ زوری ہے۔

قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ ۟ وَ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ ادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ؕ﴿۲۹﴾ فَرِیۡقًا هَدٰی وَ فَرِیۡقًا حَقَّ عَلَیۡهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾

کہد ے کہ میرا رب تو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اپنے منہ ہر نماز کے وقت راست لو اور اسی کو پکارو در آں حالیکہ تم اس کے لئے ہی خالص عبادت کرنے والے رہو، اس نے جیسے کہ تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے، اسی طرح دوبارہ بھی پیدا ہو گے ○ ایک فرقے کو تو ہدایت کی اور ایک فرقہ ہے جس پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنا لیا اور باوجود اس کے گمان کرتے ہیں کہ راہ یافتہ ہیں ○

(آیت: ۲۹-۳۰) کہہ دے کہ رب العالمین کا حکم تو عدل وانصاف کا ہے، استقامت اور دیانت داری کا ہے، برائیوں اور گندے کاموں کے چھوڑنے کا ہے، عبادات ٹھیک طور پر بجا لانے کا ہے، جو اللہ کے سچے رسولوں کے طریقہ کے مطابق ہوں، جن کی سچائی ان کے زبردست معجزوں سے اللہ نے ثابت کر دی ہے، ان کی لائی ہوئی شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے ہوں، جب تک اخلاص اور پیغمبر کی تابعداری کسی کام میں نہ ہو، اللہ کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس نے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے، اسی طرح وہ دوبارہ بھی لوٹائے گا۔ دنیا میں بھی اسی نے پیدا کیا، آخرت کے دن بھی وہی قبروں سے دوبارہ پیدا کرے گا، پہلے تم کچھ نہ تھے، اس نے تمہیں بنایا، اب مرنے کے بعد پھر وہ تمہیں زندہ کر دے گا، جیسے اس نے شروع میں تمہاری ابتدا کی تھی، اسی طرح پھر سے تمہارا اعادہ کرے گا۔

چنانچہ حدیث میں بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک وعظ میں فرمایا، لوگو تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں، ننگے بدنوں بے ختنہ جمع کئے جاؤ گے، جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدائش میں کیا تھا اسی کو پھر دہرائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے ہی رہنے والے ہیں یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی نکالی گئی ہے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جیسے ہم نے لکھ دیا ہے، ویسے ہی تم ہو گے ایک روایت میں ہے جیسے تمہارے اعمال تھے، ویسے ہی تم ہو گے، یہ بھی معنی ہیں کہ جس کی ابتداء میں بدبختی لکھ دی ہے، وہ بدبختی اور بد اعمالی کی طرف ہی لوٹے گا گو درمیان میں نیک ہو گیا اور جس کی تقدیر میں شروع سے ہی نیکی اور سعادت لکھ دی گئی ہے وہ انجام کار نیک ہی ہو گا، گو اس سے کسی وقت برائی کے اعمال بھی سرزد ہو جائیں، جیسے کہ فرعون کے زمانے کے جادوگروں کی ساری عمر سیاہ کاریوں اور کفر میں کٹی لیکن آخر وقت مسلمان اولیاء ہو کر مرے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ تم میں سے ہر ایک کو ہدایت پر یا گمراہی پر پیدا کر چکا ہے، ایسے ہی ہو کر تم ماں کے بطن سے نکلو گے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی پیدائش مومن و کافر ہونے کی حالت میں کی ہے جیسے فرمان ہے هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّ مِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ پھر

انہیں اسی طرح قیامت کے دن لوٹائے گا یعنی مومن وکافر کے گروہوں میں اسی قول کی تائید صحیح بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور فرماتے ہیں، اس کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے اعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بام بھر کا یا ہاتھ بھر کا فرق رہ جاتا ہے، پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کر جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے اور اسی میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی جہنمیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ جہنم سے ایک ہاتھ یا ایک بام دور رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے اور جنت نشین ہو جاتا ہے۔ دوسری روایت بھی اسی طرح کی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے وہ کام لوگوں کی نظروں میں جہنم اور جنت کے ہوتے ہیں، اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ اور حدیث میں ہے، ہر نفس اسی پر اٹھایا جائے گا جس پر تھا (مسلم)

ایک اور روایت میں ہے جس پر مرا۔ اگر اس آیت سے مراد یہی لی جائے تو اس میں اس کے بعد فرمان فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ میں۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، یا نصرانی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں اور صحیح مسلم کی حدیث جس میں فرمان باری ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد وحنیف پیدا کیا، پھر شیطان نے ان کے دین سے انہیں بہکا دیا اس میں کوئی جمع کی وجہ ہونی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں دوسرے حال میں مومن وکافر ہونے کے لئے پیدا کیا، گو پہلے حال میں تمام مخلوق کو اپنی معرفت وتوحید پر پیدا کیا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ جیسے کہ اس نے ان سے روز میثاق میں عہد بھی لیا تھا اور اسی وعدے کو ان کی جبلت وگھٹی میں رکھ دیا تھا، اس کے باوجود اس نے مقدمہ کیا تھا کہ ان میں سے بعض شقی اور بدبخت ہوں گے اور بعض سعید اور نیک بخت ہوں گے جیسے فرمان ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور حدیث میں ہے ہر شخص صبح کرتا ہے، پھر اپنے نفس کی خرید وفروخت کرتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے آزاد کرا لیتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو اُسے ہلاک کر بیٹھتے ہیں اللہ کی تقدیر، اللہ کی مخلوق میں جاری ہے، اسی نے مقدر کیا، اسی نے ہدایت کی، اسی نے ہر ایک کو اس کی پیدائش دی، پھر رہنمائی کی۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ سعادت والوں میں سے ہیں ان پر نیکیوں کے کام آسان ہوں گے اور جو شقاوت والے ہیں، ان پر بدیاں آسان ہوں گی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے، اس فرقے نے راہ پائی اور ایک فرقے پر گمراہی ثابت ہو چکی، پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے۔ اس آیت سے اس مذہب کی تردید ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کسی معصیت کے عمل پر یا کسی گمراہی کے عقیدے پر عذاب نہیں کرتا، تاوقتیکہ اس کے پاس صحیح چیز صاف آ جائے اور پھر وہ اپنی برائی پر ضد اور عناد سے جما رہے۔ کیونکہ اگر یہ مذہب صحیح ہوتا تو جو لوگ گمراہ ہیں لیکن خود کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اور جو واقعی ہدایت پر ہیں، ان میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں فرق کیا، ان کے نام میں بھی اور ان کے احکام میں بھی۔ آیت آپ کے سامنے موجود ہے پڑھ لیجئے۔

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا
وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۳۱﴾ ع ۲ ۱۰

اے انسانو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت یعنی لباس لے لیا کرو، کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ گزر جاؤ، اللہ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○

برہنہ ہو کر طواف ممنوع قرار دے دیا گیا: ☆☆ (آیت:۳۱) اس آیت میں مشرکین کا رد ہے کیونکہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف

کرتے تھے جیسے کہ پہلے گزرا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''ننگے مرددن کو طواف کرتے اور ننگی عورتیں رات کو' اس وقت عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا کل حصہ یا کچھ حصہ گو ظاہر ہو لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں-'' پس اس کے برعکس مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجدوں میں جاؤ- اللہ تعالیٰ زینت کے لینے کو حکم دیتا ہے اور زینت سے مراد لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضائے مخصوصہ کو چھپا لے اور جو اس کے سوا ہو مثلاً اچھا کپڑا وغیرہ- ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن ہے یہ غور طلب اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے- واللہ اعلم- یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے' اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے' خصوصاً جمعہ اور عید کے دن اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی' کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے- یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے' جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' سفید کپڑے پہنو' وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو- سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے' وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے- سنن کی ایک اور حدیث میں ہے' سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو' وہ بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں اور انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو-

طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داریؓ نے ایک چادر ایک ہزار کو خریدی تھی اور نماز و کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے- اس کے بعد آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب کو اور حکمت کو جمع کر دیا' ارشاد ہے کھاؤ پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو- ابن عباسؓ کا قول ہے جو چاہ کھا' جو چاہ پی لیکن دو باتوں سے بچ' اسراف اور تکبر- ایک مرفوع حدیث میں ہے' کھاؤ' پیو' پہنو' اوڑھو لیکن صدقہ بھی کرتے رہو اور تکبر اور اسراف سے بچتے رہو' اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے کے جسم پر دیکھے- آپ فرماتے ہیں کھاؤ اور صدقہ کرو اور اسراف سے اور خودنمائی سے رکو فرماتے ہیں انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا' انسان کو چند لقمے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے' کافی ہیں' اگر یہ بس میں نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کے تین حصے کر لے' ایک کھانے کے لئے' ایک پانی کے لئے' ایک سانس کے لئے- فرماتے ہیں' یہ بھی اسراف ہے کہ جو تو چاہے کھائے لیکن حدیث غریب ہے- مشرکین جہاں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وہاں زمانہ حج میں چربی کو بھی اپنے اوپر حرام جانتے تھے' اللہ نے دونوں باتوں کے خلاف حکم نازل فرمایا- یہ بھی اسراف ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کھانے کو حرام کر لیا جائے - اللہ کی دی ہوئی حلال روزی بیشک انسان کھائے پئے' حرام چیز کا کھانا بھی اسراف ہے- اللہ کی مقرر کردہ حرام و حلال کی حدوں سے گزر نہ جاؤ' نہ حرام کو حلال کرو نہ حلال کو حرام کہو' ہر ایک حکم کو اسی کی جگہ پر رکھو ورنہ مسرف اور دشمن رب بن جاؤ گے-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ
الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ
اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

پوچھ تو کہ اللہ تعالیٰ نے جو زینت اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور جو پاکیزہ روزیاں ہیں' انہیں کس نے حرام کیا ہے؟ کہدے کہ یہ سب کچھ ایمان والوں کے لئے ہے زندگانی دنیا میں اور قیامت کے دن تو صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا' اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں' ان کے لئے جو علم رکھتے ہیں ○ کہدے کہ میرے پروردگار نے کل بے حیائیوں کو خواہ کھلی ہوں خواہ چھپی حرام کر دی ہیں اور گناہ کو اور حق کی سرکشی کو اور اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہرانے کو جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری اور اللہ کا نام لے کر تمہارا وہ کہنا جو تم نہیں جانتے ○

آخر کار مومن ہی اللہ کی رحمت کا سزاوار ٹھہرا: ☆☆ (آیت:۳۲) کھانے پینے کی ان بعض چیزوں کو بغیر اللہ کے فرمائے حرام کر لینے والوں کی تردید ہو رہی ہے اور انہیں ان کے فعل سے روکا جا رہا ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہی تیار ہوئی ہیں' گو دنیا میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہیں' لیکن پھر قیامت کے دن یہ الگ کر دیئے جائیں گے اور صرف مومن ہی اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ مشرک ننگے ہو کر اللہ کے گھر کا طواف کرتے تھے' سیٹیاں اور تالیاں بجاتے جاتے تھے۔ پس یہ آیات اتریں۔

اثم اور بغی کیا فرق ہے : ☆☆ (آیت:۳۳) بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ سورۂ انعام میں چھپی کھلی بے حیاؤں کے متعلق پوری تفسیر گزر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کو حرام کر دیا ہے اور ناحق ظلم و تعدی' سرکشی اور غرور کو بھی اس نے حرام کیا ہے۔ پس ''اثم'' سے مراد ہر وہ گناہ ہے جو انسان آپ کرے اور ''بغی'' سے مراد وہ گناہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان کرے یا اس کی حق تلفی کرے۔ اسی طرح رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا بھی حرام ہے اور ذات حق پر بہتان باندھنا بھی' مثلاً اس کی اولاد بتانا وغیرہ۔ خلاف واقعہ باتیں بھی جہالت کی باتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ الخ بتوں کی نجاست سے بچو' الخ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً
وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾

ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے' پھر نہ تو ایک ساعت وہ پیچھے رہتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں ○ اے انسانو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسول پہنچیں جو میرے احکام تم کو پڑھ کر سنائیں' تو جو لوگ پرہیز گاری اور اصلاح کر لیں' ان پر نہ تو کوئی ڈر خوف ہے اور نہ وہ اداس اور آزادہ ہوں گے ○ ہاں جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں اور ان سے اکڑ بیٹھیں' وہی دوزخی ہوں گے' جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

موت کی ساعت طے شدہ اور اٹل ہے: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۶) ہر زمانے اور ہر زمانے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے انتہائی مدت مقرر ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی' ناممکن ہے کہ اس سے ایک منٹ کی تاخیر ہو یا ایک لمحے کی جلدی ہو۔ انسانوں کو ڈراتا ہے کہ جب وہ

رسولوں سے ڈرانا اور رغبت دلانا سنیں تو بدکاریوں کو ترک کر دیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف جھک جائیں' جب وہ یہ کریں گے تو ہر کھٹکے' ہر ڈر' ہر خوف اور ناامیدی سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر اس کے خلاف کیا' نہ دل سے مانا نہ عمل کیا تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہیں پڑے جھلستے رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ
رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا
كٰفِرِيْنَ ۝۳۷

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' انہیں ان کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا حصہ تو ملے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آئیں گے تو کہیں گے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے اور پوجتے رہے' وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے کہ وہ سب گم ہو گئے اور (یہ) اپنے کافر ہونے کے گواہ خود ہی بن جائیں گے ○

اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے: ☆☆ (آیت:۳۷) واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور وہ بھی جو اللہ کے کلام کی آیات کو جھوٹا سمجھے' انہیں ان کا مقدر ملے گا۔ اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ انہیں سزا ہوگی' ان کے منہ کالے ہوں گے' ان کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا' اللہ کے وعدے وعید پورے ہو کر رہیں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کی عمر' عمل' رزق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' وہ دنیا میں تو ملے گا۔ یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد کا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی مطلب کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ الخ ہے کہ اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑ لینے والے فلاح کو نہیں پاتے' گو دنیا میں کچھ فائدہ اٹھا لیں لیکن آخر کار ہمارے سامنے ہی پیش ہوں گے' اس وقت ان کے کفر کے بدلے ہم انہیں سخت سزا دیں گے۔ ایک آیت میں ہے' کافروں کے کفر سے تو غمگین نہ ہو' ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہوگا' پھر ہم خود انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کریں گے' اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے واقف ہے وہ تھوڑا سا دنیوی نفع اٹھا لیں' الخ۔ پھر فرمایا کہ ''ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آتے ہیں تو ان کو بطور طنز کہتے ہیں کہ اب اپنے معبودوں کو کیوں نہیں پکارتے کہ وہ تمہیں اس عذاب سے بچا لیں' آج وہ کہاں ہیں؟ تو یہ نہایت حسرت سے جواب دیتے ہیں کہ افسوس وہ تو کھوئے گئے' ہمیں ان سے اب کسی نفع کی امید نہیں رہی' پس اپنے کفر کا آپ ہی اقرار کر کے مرتے ہیں۔''

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی
اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا
هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ

لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو امتیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گذر چکی ہیں، ان میں مل کر تم بھی جہنم میں جاؤ، جب کبھی جو امت جائے گی وہ دوسری اپنی جیسی امت پر لعنت کرے گی، جب سب کے سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا، اب تو انہیں آگ کا دوہرا دوہرا عذاب دے، جواب ملے گا کہ ہر ایک کیلئے ہی دوہرا ہے لیکن تم نہیں جانتے ○

کفار کی گردنوں میں طوق: ☆☆ (آیت: ۳۸) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکوں کو جو اللہ پر افترا باندھتے تھے، اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے، فرمائے گا کہ تم بھی اپنے جیسوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں خواہ انسانوں میں سے، جہنم میں جاؤ۔ فی النار، یا تو فی امم کا بدل ہے یا فی امم میں فی معنی میں مع کے ہے۔ ہر گروہ اپنے ساتھ کے اپنے جیسوں پر لعنت کرے گا جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "تم ایک دوسرے سے اس روز کفر کرو گے۔" اور آیت میں ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ یعنی وہ ایسا برا وقت ہو گا کہ گرو اپنے چیلوں سے دست بردار ہو جائیں گے، عذابوں کو دیکھتے ہی آپس کے سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ مرید لوگ اس وقت کہیں گے کہ اگر ہمیں بھی یہاں سے پھر واپس دنیا میں جانا مل جائے تو جیسے یہ لوگ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں، ہم بھی ان سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے کرتوت ان کے سامنے لائے گا جو ان کے لئے سراسر موجب حسرت ہوں گے اور یہ دوزخ سے کبھی آزاد نہ ہوں گے۔

یہاں فرماتا ہے کہ جب یہ سارے کے سارے جہنم میں جا چکیں گے تو پچھلے یعنی تابعدار اور مرید اور تقلید کرنے والے اگلوں سے یعنی جن کی وہ مانتے رہے، ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کرنے والے ان سے پہلے ہی جہنم میں موجود ہوں گے کیونکہ ان کا گناہ بھی بڑھا ہوا تھا، کہیں گے کہ یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر چنانچہ اور آیت میں ہے يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ الخ جبکہ ان کے چہرے آتش جہنم میں ادھر سے ادھر جھلسے جاتے ہوں گے، اس وقت حسرت و افسوس کرتے ہوئے کہیں گے، کہ کاش کہ ہم اللہ رسول کے مطیع ہوتے، یا اللہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی تابعداری کی جنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا، یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر، انہیں جواب ملا کہ ہر ایک کے لئے دگنا ہے، یعنی ہر ایک کو اس کی برائیوں کا پورا پورا بدلہ مل چکا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا الخ، جنہوں نے کفر کیا اور راہ رب سے روکا، ان کا ہم عذاب اور زیادہ کریں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور آیت میں ہے، ان کے بوجھ ان پر لادے جائیں گے جن کو انہوں نے بے علمی سے گمراہ کیا۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸ ۱۱

اس پر اگلے لوگ پچھلوں سے کہیں گے کہ لو تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں رہی، پس تم سب اپنے کئے کرتوت کے بدلے عذابوں کا مزہ چکھو ○

(آیت: ۳۹) اب وہ جن کی مانی جاتی رہی، اپنے ماننے والوں سے کہیں گے کہ جیسے ہم گمراہ تھے، تم بھی گمراہ ہوئے، اب اپنے کرتوت کا بدلہ اٹھاؤ۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کاش کہ تو دیکھتا جب کہ یہ گنہگار اللہ کے

سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے‘ ایک دوسرے پر الزام رکھ رہے ہوں گے‘ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن بن جاتے‘ وہ جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ وہ تو تمہارے سامنے کھلی ہوئی موجود تھی‘ بات یہ ہے کہ تم خود ہی گنہگار بدکردار تھے۔ یہ پھر کہیں گے کہ نہیں نہیں تمہاری دن رات کی چالاکیوں نے اور تمہاری اس تعلیم نے (کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں) ہمیں گم کردہ راہ بنا دیا‘ بات یہ ہے کہ سب کے سب اس وقت سخت نادم ہوں گے لیکن ندامت کو دبانے کی کوشش میں ہوں گے‘ کفار کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا نہ کم نہ زیادہ بلکہ (پورا پورا)۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ
أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي
سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ
مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

ہماری آیات کو جھٹلانے والوں اور ان سے اکڑ بیٹھنے والوں کے لئے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں پہنچ سکیں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے‘ گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ○ ان کے لئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنا بھی آگ ہی کا ہوگا‘ ہم ناانصافوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

بدکاروں کی روحیں دھتکاری جاتی ہیں: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) کافروں کے نہ تو نیک اعمال اللہ کی طرف چڑھیں‘ نہ ان کی دعائیں قبول ہوں‘ نہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بدکاروں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور فرشتے انہیں لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں‘ وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بد سے بدنام لے کر بتاتے ہیں کہ فلاں کی‘ یہاں تک کہ یہ اسے آسمان کے دروازے تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کے لئے دروازہ کھولا نہیں جاتا۔

پھر حضور ﷺ نے آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ پڑھی۔ یہ بہت لمبی حدیث ہے جو سنن میں موجود ہے مومن کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ مسند احمد میں یہ حدیث پوری یوں ہے‘ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں‘ ایک انصاری کے جنازے میں ہم حضورؐ کے ساتھ تھے‘ جب قبرستان پہنچے تو قبر تیار ہونے میں کچھ دیر تھی ہم سب بیٹھ گئے اور اس طرح خاموش اور باادب تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں نبی ﷺ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھرا رہے تھے‘ تھوڑی دیر میں آپ نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار ہم سے فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو‘ پھر فرمایا مومن جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہروں والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کا منہ آفتاب ہے‘ ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے‘ وہ آ کر مرنے والے مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں‘ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے‘ فرشتے ہی فرشتے نظر آتے ہیں‘ پھر حضرت ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں‘ اے اطمینان والی روح‘ اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل یہ سنتے ہی وہ روح اس طرح بدن سے نکل جاتی ہے جیسے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک جائے اسی وقت ایک پلک جھپکنے کے برابر کی دیر میں وہ جنتی فرشتے اس

پاک روح کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں، اس میں ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو نکلتی ہے کہ کبھی دنیا والوں نے نہ سونگھی ہو، اب یہ اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں، فرشتوں کی جو جماعت انہیں ملتی ہے، وہ پوچھتی ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بہتر سے بہتر جو نام دنیا میں مشہور تھا، وہ لے کر کہتے ہیں فلاں کی، یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں دروازہ کھلوا کر اوپر چڑھ جاتے ہیں، یہاں سے اس کے ساتھ اسے دوسرے آسمان تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی اور بڑی جماعت ہو جاتی ہے، اسی طرح ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے، اس میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ کر اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔ قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی پس وہ روح لوٹا دی جاتی ہے، وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں؟ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر پوچھتے ہیں کہ وہ شخص جو تم میں بھیجے گئے، کون تھے، وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ تھے صلی اللہ علیہ وسلم، فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اسے سچا مانا، وہیں آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے، اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو، اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو، پس اس کے پاس جنت کی تر و تازگی، اس کی خوشبو اور وہاں کی ہوا آتی رہتی ہے اور اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے، جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے اسے کشادگی ہی کشادگی نظر آتی ہے۔ اس کے پاس ایک نہایت حسین و جمیل شخص لباس فاخرہ پہنے ہوئے خوشبو لگائے ہوئے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے، خوش ہو جا، یہی وہ دن ہے جس کا تجھے وعدہ دیا جاتا تھا۔ اسسے پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے بھلائی پائی جاتی ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں، اب تو مومن آرزو کرنے لگتا ہے کہ اللہ کرے قیامت آج ہی قائم ہو جائے تا کہ میں جنت میں پہنچ کر اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کو پالوں کافر، مشرک کی روح کے ساتھ فرشتوں کا برتاؤ۔ کافر کی جب دنیا کی آخر گھڑی آتی ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں، ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے، اس کی نگاہ تک اسے یہی نظر آتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں، اے خبیث روح اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف چل، یہ سن کر وہ روح بدن میں چھپنے لگتی ہے جسے ملک الموت جبراً گھسیٹ کر نکالتے ہیں، اسی وقت وہ فرشتے ان کے ہاتھ سے ایک آنکھ جھپکنے میں لے لیتے ہیں اور اس جہنمی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے نہایت ہی سڑی ہوئی بدبو نکلتی ہے، یہ اسے لے کر چڑھنے لگتے ہیں فرشتوں کا جو گروہ ملتا ہے، اس سے پوچھتا ہے کہ یہ ناپاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کی روح جس کا بدترین نام دنیا میں تھا، انہیں بتاتے ہیں، پھر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھلوانا چاہتے ہیں مگر کھولا نہیں جاتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت لا تفتح الخ، تلاوت فرمائی۔

جناب باری عزوجل کا ارشاد ہوتا ہے، اس کی کتاب سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں رکھو، پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یعنی جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر پڑا پس اسے یا تو پرندا چک لے جائیں گے یا ہوائیں کسی دور دراز کی ڈراؤنی ویران جگہ پر پھینک دیں گی قبر میں سوال و جواب اور قبر کا ساتھی اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں اسے اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں، تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیتا ہے، افسوس مجھے اس کی بھی خبر نہیں پھر پوچھتے ہیں بتا اس شخص کی بابت تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ یہ کہتا ہے آہ افسوس میں اس کا جواب بھی نہیں جانتا، اسی وقت آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ میرے اس غلام نے غلط کہا، اس کے لئے جہنم کی آگ بچھا

دو اور جہنم کا دروازہ اس کی قبر کی طرف کھول دو وہاں سے اسے گرمی اور آگ کے جھونکے آنے لگتے ہیں' اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں' اس کے پاس ایک شخص نہایت مکروہ اور ڈراؤنی صورت والا' برے کپڑے پہنے بری بدبو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اب اپنی برائیوں کا مزہ چکھ' اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا' یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے وحشت اور برائی ٹپک رہی ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں' یہ کہتا ہے' یا اللہ قیامت قائم نہ ہو' انجام کار اسی روایت کی دوسری سند میں ہے کہ مومن کی روح کو دیکھ کر آسمان و زمین کے تمام فرشتے دعائے مغفرت و رحمت کرتے ہیں' اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر دروازے کے فرشتوں کی تمنا ہوتی ہے کہ اللہ کرے یہ روح ہماری طرف سے آسمان پر چڑھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کافر کی قبر میں اندھا' بہرا' گونگا فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی بڑے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے' پھر اسے جیسا وہ تھا' اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے' فرشتہ دوبارہ اسے گرز مارتا ہے جس سے یہ چیخنے چلانے لگتا ہے جسے انسان اور جنات کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے' ابن جریر میں ہے کہ نیک صالح شخص سے فرشتے کہتے ہیں' اے مطمئن نفس جو طیب جسم میں تھا' تو تعریفوں والا بن کر نکل اور جنت کی خوشبو اور نسیم جنت کی طرف چل۔ اس اللہ کے پاس چل جو تجھ پر غصے نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' دروازہ کھلواتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے' یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ اسے مرحبا کہہ کر وہی کہتے ہیں' یہاں تک کہ یہ اس آسمان میں پہنچتے ہیں جہاں اللہ ہے اس میں یہ بھی ہے کہ برے شخص سے وہ کہتے ہیں' اے خبیث نفس! جو خبیث جسم میں تھا تو برا بن کر نکل اور تیز کھولتے ہوئے پانی اور لہو پیپ اور اسی قسم کے مختلف عذابوں کی طرف چل' اس کے نکلنے تک فرشتے اسے یہی سناتے رہتے ہیں' پھر اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں' پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں' اس خبیث کو مرحبا نہ کہو یہ تھی بھی خبیث جسم میں' تو بد بن کر لوٹ جا' اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور آسمان و زمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے' پھر قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔

ابن جریج نے لکھا ہے کہ نہ ان کے اعمال چڑھیں نہ ان کی روحیں' اس سے دونوں قول مل جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد کے جملے میں جمہور کی قرات تو جَمَلُ ہے جس کے معنی نر اونٹ کے ہیں' لیکن ایک قرات میں جُمَّلُ ہے' اس کے معنی بڑے پہاڑ کے ہیں۔ مطلب بہ ہر صورت ایک ہی ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر سکے نہ پہاڑ' اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا' ان کا اوڑھنا بچھونا آگ ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے نیک اعمال کئے' ناممکن ہے کہ ہماری طرف سے کسی پر وہ بوجھ ڈالا جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے' یہ لوگ جنتی ہیں اور یہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل انسانی بس میں ہے! ☆☆ (آیت: ۴۲) اوپر گنہگاروں کا ذکر ہوا یہاں اب نیک بختوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جن کے دل میں ایمان ہے اور جو اپنے جسم سے قرآن و حدیث کے مطابق کام کرتے ہیں بخلاف بدکاروں کے کہ وہ دل میں کفر رکھتے ہیں اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ایمان اور نیکیاں انسان کے بس میں ہیں۔ اللہ کے احکام انسانی طاقت سے زیادہ نہیں

ہیں۔ ایسے لوگ جنتی ہیں اور ہمیشہ جنت میں ہی رہیں گے۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ
الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۚ وَمَا كُنَّا
لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا
بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان کے سینوں میں جو کینہ تھا، ہم نے سب نکال دیا، ان کے نیچے سے نہریں لہریں بہہ رہی ہیں، یہ کہیں گے کہ مکمل تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی، ہم تو اس کی راہ پا ہی نہ سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہماری رہبری نہ کرتا یقیناً ہمارے پاس رب کے رسول حق لائے، منادی کی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنے کئے ہوئے اعمال کے وارث بنا دیئے گئے ہو ○

(آیت: ۴۳) ان کے دلوں میں سے آپس کی کدورتیں، حسد بغض دور کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حدیث میں ہے کہ مومن آگ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت و دوزخ کے درمیان ایک ہی پل پر روک دیئے جائیں گے وہاں ان کے آپس کے مظالم کا بدلہ ہو جائے گا اور پاک ہو کر جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے، واللہ وہ لوگ اپنے اپنے درجوں کو اور مکانوں کو اس طرح پہچان لیں گے جیسے دنیا میں جان لیتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اہل جنت دروازہ جنت پر ایک درخت دیکھیں گے جس کی جڑوں کے پاس سے دو نہریں بہہ رہی ہوں گی، یہ ان میں سے ایک کا پانی پئیں گے جس سے دلوں کی کدورتیں دھل جائیں گی، یہ شراب طہور ہے، پھر دوسری نہر میں غسل کریں گے جس سے چہروں پر تر و تازگی آ جائے گی، پھر نہ تو بال بکھریں نہ سرمہ لگانے اور سنگھار کرنے کی ضرورت پڑے۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی جیسا قول مروی ہے جو آیت وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاءاللہ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان شاءاللہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دل اللہ تعالیٰ صاف کر دے گا، فرماتے ہیں کہ ہم اہل بدر کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن مردویہ میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ہر جنتی کو اپنا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تاکہ وہ اور بھی شکر کرے اور وہ کہے گا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہدایت عنایت فرمائی۔ اور ہر جہنمی کو اپنا جہنم کا ٹھکانا دکھایا جائے گا تاکہ اس کی حسرت بڑھے، اس قت وہ کہے گا، کاش کہ میں بھی راہ یافتہ ہوتا۔ پھر جنتیوں کو جنت کی جگہیں دے دی جائیں گی اور ایک منادی ندا کرے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم بہ سبب اپنی نیکیوں کے وارث بنا دیئے گئے، یعنی تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں رحمت رب ملی اور رحمت رب سے تم داخل جنت ہوئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، یاد رکھو! تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا، لوگوں نے پوچھا، آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت و فضل میں ڈھانپ لے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا
مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ
اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جنتی جہنمیوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب کا جو وعدہ تھا' ہم نے اسے بالکل سچا پایا' کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں' پس اسی وقت ان کے درمیان ایک منادی ندا کرے گا کہ نا انصافوں پر اللہ کی لعنت ہے ○ جو راہ اللہ سے لوگوں کو روکتے رہے اور اسے ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرتے رہے' اور جو آخرت کے بھی منکر ہی رہے ○

جنتیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ : ☆☆ (آیت:۴۴-۴۵) جنتی جب جنت میں جا کر امن چین سے بیٹھ جائیں گے تو دوزخیوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ان سے دریافت فرمائیں گے کہ ہم نے تو اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے کئے گئے تھے صحیح پایا' تم اپنی کہو- ''ان'' یہاں پر منسرہ ہے قول محذوف کا اور ''قد'' تحقیق کے لئے ہے- اس کے جواب میں مشرکین ندامت سے کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اپنے رب کے ان وعدوں کو جو ہم سے تھے' ٹھیک پایا- جیسا سورۂ صافات میں فرمان ہے کہ اہل جنت میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو مجھ سے تعجب کے ساتھ سوال کیا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو قیامت کے قائل ہیں؟ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے' کیا واقعی ہی ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور ہمیں بدلے دیئے جائیں گے؟ یہ کہہ کر وہ اوپر سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے اس ساتھی کو بیچ جہنم میں پائے گا' کہے گا قسم اللہ کی تو تو مجھے بھی تباہ کرنے ہی کو تھا اگر میرے رب کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو میں بھی آج گرفتار عذاب ہوتا' اب بتاؤ دنیا میں جو کہا کرتا تھا' کیا سچا تھا کہ ہم مر کر جینے والے اور بدلہ بھگتنے والے ہی نہیں؟ اس وقت فرشتے کہیں گے' یہی وہ جہنم ہے جسے تم جھوٹا مان رہے تھے' اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں؟ اب یہاں پڑے جلتے بھنتے رہو' صبر اور بے صبری دونوں نتیجے کے اعتبار سے تمہارے لئے یکساں ہے' تمہیں اپنے کئے کا بدلہ پانا ہی ہے- اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کے ان مقتولوں کو جو بدر میں کام آئے تھے اور جن کی لاشیں ایک کھائی میں تھیں' ڈانٹا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اے ابوجہل بن ہشام' اے عتبہ بن ربیعہ' اے شیبہ بن ربیعہ اور دوسرے سرداروں کا بھی نام لیا اور فرمایا' کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وہ وعدے دیکھ لئے جو اس نے مجھ سے کئے تھے-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یا رسول اللہؐ! آپ ان سے باتیں کر رہے ہیں جو مر کر مردار ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری بات کو تم بھی ان سے زیادہ نہیں سن رہے' لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے- پھر فرماتا ہے کہ اسی قت ایک منادی ندا کر کے معلوم کرا دے گا کہ ظالموں پر رب کی ابدی لعنت واقع ہو چکی' جو لوگوں کو راہ حق اور شریعت ہدیٰ سے روکتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ کی شریعت ٹیڑھی کر دیں تا کہ اس پر کوئی عمل نہ کرے' آخرت پر بھی انہیں یقین نہ تھا' اللہ کی ملاقات کو نہیں مانتے تھے' اسی لئے بے پرواہی سے برائیاں کرتے تھے' حساب کا ڈر نہ تھا' اس لئے سب سے زیادہ بدزبان اور بداعمال تھے-

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا ۢ
بِسِيمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ
لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصٰرُهُمْ
تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾ ۧ

ع ۵ ۸ ۱۲

ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے' اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کے چہروں کے نشان سے پہچانتے ہوں گے' وہ جنتیوں سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو گو وہ جنت میں نہیں گئے لیکن انہیں امید ہے ○ اور جب ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف جا پڑتی ہیں تو کہتے ہیں' اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کر دینا ○

جنت اور جہنم میں دیوار اور اعراف والے : ☆☆ (آیت: ۴۶۔۴۷) جنتیوں اور دوزخیوں کی بات بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جنت دوزخ کے درمیان ایک اور حجاب حد فاصل اور دیوار ہے کہ وہ دوزخیوں کو جنت سے فاصلے پر رکھے۔ اسی دیوار کا ذکر آیت فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ الخ میں ہے یعنی ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہے' اس کے اندر رحمت ہے اور باہر عذاب ہے' اسی کا نام اعراف ہے۔ اعراف عرف کی جمع ہے' ہر اونچی زمین کو عرب میں عرفہ کہتے ہیں' اسی لئے مرغ کے سر کی کلنگ (کلغی) کو بھی عرب میں عرف الديك کہا جاتا ہے کیونکہ اونچی جگہ ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ ایک اونچی جگہ ہے جنت دوزخ کے درمیان جہاں کچھ لوگ روک دیئے جائیں گے۔

سدیؒ فرماتے ہیں' اس کا نام اعراف اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اور لوگوں کو جانتے پہچانتے ہیں' یہاں کون لوگ ہوں گے؟ اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ یہ لوگ ہوں گے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی' بعض سلف سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت حذیفہؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے یہی فرمایا ہے اور یہی بعد والے مفسرین کا قول ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن سنداً وہ حدیث غریب ہے ایک اور سند سے مروی ہے کہ حضورؐ سے جب ان لوگوں کی بابت جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں اور جو اعراف والے ہیں' سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا' یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو اپنے باپ کی اجازت بغیر نکلے' پھر اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اور اپنے والدین کے نافرمان تھے' تو جنت میں جانے سے باپ کی نافرمانی نے روک دیا اور جہنم میں جانے سے شہادت نے روک دیا۔ ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ روایات ہیں اب اللہ ہی کو ان کی صحت کا علم ہے' بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف روایات ہوں' بہرصورت ان سے اصحاب اعراف کا حال معلوم ہو رہا ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے جب ان کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر تھیں' برائیوں کی وجہ سے جنت میں نہ جا سکے اور نیکیوں کی وجہ سے جہنم سے بچ گئے' پس یہاں آڑ میں روک دیئے جائیں گے' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ان کے بارے میں سرزد ہو۔

اور آیت میں آپ سے مروی ہے کہ یہ دوزخیوں کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہے ہوں گے اور اللہ سے نجات طلب کر رہے ہوں گے کہ اچانک

انکا رب ان کی طرف دیکھے گا اور فرمائے گا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، میں نے تمہیں بخشا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہوگا، کسی شخص ایک نیکی بھی اگر برائیوں سے بڑھ گئی تو وہ داخل جنت ہوگا اور اگر کسی کی ایک برائی بھی نیکیوں سے زیادہ ہوگئی تو دوزخ میں جائے گا پھر آپ نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ سے دو آیات تک تلاوت کیں اور فرمایا ایک رائی کے دانے کے برابر کی کمی زیادتی سے میزان کا پلڑا ہلکا بھاری ہو جاتا ہے اور جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر ہوئیں، یہ اعراف والے ہیں، یہ ٹھہرا لئے جائیں گے اور جنتی دوزخی مشہور ہو جائیں گے۔ یہ جب جنت کو دیکھیں گے تو اہل جنت پر سلام کریں گے اور جب جہنم کو دیکھیں گے تو اللہ سے پناہ طلب کریں گے۔ نیک لوگوں کو نور ملے گا جو ان کے آگے اور ان کے دائیں موجود رہے گا۔ ہر انسان کو وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں، ایک نور ملے گا لیکن پل صراط پر منافقوں کا نور چھین لیا جائے گا۔ اس وقت سچے مومن اللہ سے اپنے نور کے باقی رہنے کی دعائیں کریں گے۔ اعراف والوں کا نور چھینا نہیں جائے گا، وہ ان کے آگے آگے موجود ہوگا، انہیں جنت میں جانے کی طمع ہوگی۔ لوگو ایک نیکی دس گنی کر کے لکھی جاتی ہے اور برائی اتنی ہی لکھی جاتی ہے جتنی ہو، افسوس ان پر جن کی اکائیاں دہائیوں پر غالب آ جائیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اعراف ایک دیوار ہے جو جنت دوزخ کے درمیان ہے، اصحاب اعراف وہیں ہوں گے۔ جب انہیں عافیت دینے کا اللہ کا ارادہ ہوگا تو حکم ملے گا انہیں نہر حیات کی طرف لے جاؤ، اس کے دونوں کناروں پر سونے کے خیمے ہوں گے جو موتیوں سے مرصع ہوں گے، اس کی مٹی مشک خالص ہوگی، اس میں غوطہ لگاتے ہی ان کی رنگتیں نکھر جائیں گی اور ان کی گردنوں پر ایک سفید چمکیلا نشان ہو جائے گا جس سے وہ پہچان لئے جائیں یہ اللہ کے سامنے لائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو چاہو مانگو، یہ مانگیں گے یہاں تک کہ ان کی تمام تمنائیں اللہ تعالیٰ پوری کر دے گا، پھر فرمائے گا، ان جیسی ستر گنا اور نعمتیں بھی میں نے تمہیں دیں، پھر یہ جنت میں جائیں گے، وہ علامت ان پر موجود ہوگی جنت میں ان کا نام مساکین اہل جنت ہوگا۔ یہی روایت حضرت مجاہدؒ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم ایک حسن سند کی مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراف والوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کا فیصلہ سب سے آخر میں ہوگا، رب العالمین جب اپنے بندوں کے فیصلے کر چکے گا تو ان سے فرمائے گا کہ تم لوگوں کو تمہاری نیکیوں نے دوزخ سے تو محفوظ کر لیا لیکن تم جنت میں جانے کے حقدار ثابت نہیں ہوئے، اب تم کو میں اپنی طرف سے آزاد کرتا ہوں، جاؤ جنت میں رہو سہو اور جہاں چاہو کھاؤ پیو، یہ بھی کہا گیا کہ یہ زنا کی اولاد ہیں۔

ابن عساکر میں فرمان نبیؐ ہے کہ مومن جنوں کو ثواب ہے اور ان میں سے جو برے ہیں، انہیں عذاب بھی ہوگا، ہم نے ان کے ثواب اور ان کے ایمانداروں کی بابت حضورؐ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وہ اعراف میں ہوں گے، جنت میں میری امت کے ساتھ نہ ہوں گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ، اعراف کیا ہے؟ فرمایا جنت کا ایک باغ جہاں نہریں جاری ہیں اور پھل پک رہے ہیں۔ (بیہقی) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، یہ صالح دیندار فقہاء علما لوگ ہوں گے۔ ابومجلزؒ فرماتے ہیں، یہ فرشتے ہیں، جنت دوزخ والوں کو جانتے ہیں، پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی اور فرمایا سب جنتی جنت میں جانے لگیں گے تو کہا جائے گا کہ تم امن وامان کے ساتھ بے خوف وخطر ہو کر جنت میں جاؤ، اس کی سند گو ٹھیک ہے لیکن یہ قول بہت غریب ہے۔ کیونکہ روانی عبارت بھی اس کے خلاف ہے اور جمہور کا قول ہی مقدم ہے، کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے، حضرت مجاہدؒ کا قول بھی جو اوپر بیان ہوا، غرابت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں، صلحا، انبیاء، ملائکہ وغیرہ۔ یہ جنتیوں کو ان کے چہرے کی رونق اور سفیدی سے

اور دوزخیوں کو ان کے چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے ۔ یہ یہاں اس لئے ہیں کہ ہر ایک کا امتیاز کر لیں اور سب کو پہچان لیں یہ جنتیوں سے سلام کریں گے جہنمیوں کو دیکھ دیکھ کر اللہ کی پناہ چاہیں گے اور طمع رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بھی بہشت بریں میں پہنچا دیں، یہ طمع ان کے دل میں اللہ نے اسی لئے ڈالا ہے کہ اس کا ارادہ انہیں جنت میں لے جانے کا ہو چکا ہے ۔ جب وہ اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پروردگار ہمیں ظالموں میں سے نہ کر، جب کوئی جماعت جہنم میں پہنچائی جاتی ہے تو یہ اپنے بچاؤ کی دعائیں کرنے لگتے ہیں ۔ جہنم سے ان کے چہرے کوئلے جیسے ہو جائیں گے لیکن جب جنت والوں کو دیکھیں گے تو یہ چیز چہروں سے دور ہو جائے گی ۔ جنتیوں کے چہروں کی پہچان نورانیت ہوگی اور دوزخیوں کے چہروں پر سیاہی اور آنکھوں میں بھینگا پن ہوگا ۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ
قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۴۸
اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا
الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۴۹

اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ ان کے چہروں کے نشان سے پہچان لیں گے، کہیں گے کہ تمہیں تمہارے جمع جتھے نے تو کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور نہ تمہاری شیخی اور بڑائی کام آئی ○ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں اللہ کوئی رحمت نہ دے گا؟ تم جنت میں جاؤ، نہ تو تم پر کوئی ڈر خوف ہے اور نہ تم غمگین اور ہراساں ہوؤ گے ○

کفر کے ستون اور ان کا حشر : ☆☆ (آیت:۴۸-۴۹) کفر کے جن ستونوں کو، کافروں کے جن سرداروں کو اعراف والے ان کے چہروں سے پہچان لیں گے، انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کے پوچھیں گے کہ آج تمہاری کثرت جمعیت کہاں گئی؟ اس نے تو تمہیں مطلقاً فائدہ نہ پہنچایا، آج وہ تمہاری اکڑفوں کیا ہوئی، تم تو بری طرح عذابوں میں جکڑ دیئے گئے ۔ ان کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں فرمایا جائے گا کہ بدبختو انہی کی نسبت تم کہا کرتے تھے کہ اللہ انہیں کوئی راحت نہیں دے گا ۔ اے اعراف والو، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ جاؤ، آرام و سکون اور بغیر کسی خطرے کے داخل ہو جاؤ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعراف والوں کے اعمال صالحہ اس قابل نہ نکلے کہ انہیں جنت میں پہنچائیں، لیکن اتنی برائیاں بھی ان کی نہ تھیں کہ دوزخ میں جائیں، تو یہ اعراف پر ہی روک دیئے گئے، لوگوں کو ان کے اندازے سے پہچانتے ہوں گے ۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کر چکے گا، شفاعت کی اجازت دے گا، لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدمؑ، آپ ہمارے باپ ہیں، ہماری شفاعت اللہ تعالیٰ کی جناب میں کیجئے، آپ جواب دیں گے کہ بتاؤ کیا کہ میرے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہو، اپنی روح اس میں پھونکی ہو، اپنی رحمت اس پر اپنے غضب سے پہلے پہنچائی ہو، اپنے فرشتوں سے اسے سجدہ کرایا ہو؟ سب جواب دیں گے کہ نہیں، ایسا کوئی آپ کے سوا نہیں، آپ فرمائیں گے میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا، ہاں تم میرے لڑکے ابراہیم کے پاس جاؤ ۔ اب سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے ۔ آپ جواب دیں گے، کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا اور کوئی خلیل اللہ ہوا ہو؟ یا اللہ کے بارے میں اس کی قوم نے آگ میں پھینکا ہو؟ سب کہیں گے نہیں، آپ کے سوا اور کوئی نہیں، فرمائیں گے مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں، میں تمہاری

درخواست شفاعت نہیں لے جا سکتا' تم میرے لڑکے موسیٰ کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ بتاؤ میرے سوا اللہ نے کسی کو اپنا کلیم بنایا' اپنی سرگوشیوں کے لئے نزدیکی عطا فرمائی؟ جواب دیں گے کہ نہیں' فرمائیں گے' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' میں تمہاری سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' ہاں تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت طلبی کا تقاضا کریں گے۔ حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ کیا تم جانتے ہو کہ میرے سوا کسی کو اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا ہو؟ جواب ملے گا کہ نہیں۔ پوچھیں گے' جانتے ہو کہ کوئی مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بحکم الٰہی میرے سوا اچھا کرتا ہو' یا کوئی مردہ کو بحکم الہ زندہ کر دیتا ہو؟ کہیں گے کہ کوئی نہیں' فرمائیں گے کہ میں تو آج اپنے نفس کے بچاؤ میں ہوں' میں اس کی حقیقت سے بے خبر ہوں' مجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ تمہاری سفارش کر سکوں' ہاں تم سب کے سب حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے' میں اپنا سینہ ٹھونک کر کہوں گا کہ ہاں ہاں میں اسی لئے موجود ہوں' پھر میں چل کر اللہ کے عرش کے سامنے ٹھہر جاؤں گا' اپنے رب عزوجل کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ایسی ایسی اس کی تعریفیں بیان کروں گا کہ کسی سننے والے نے کبھی نہ سنی ہوں' پھر سجدے میں گر پڑوں گا' پھر مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ' مانگو دیا جائے گا' شفاعت کرو' قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا' میرے رب میری امت' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ سب تیری ہی ہے پھر تو ہر ہر پیغمبر اور ہر ایک فرشتہ رشک کرنے لگے گا' یہی مقام' مقام محمود ہے۔ پھر میں ان سب کو لے کر جنت کی طرف آؤں گا' جنت کا دروازہ کھلواؤں گا اور وہ میرے لئے اور ان کے لئے کھول دیا جائے گا۔ پھر انہیں ایک نہر کی طرف لے جائیں گے جس کا نام نہر الحیوان ہے' اس کے دونوں کناروں پر سونے کے محل ہیں جو یاقوت سے جڑاؤ کئے گئے ہیں' پھر وہ لوگ اس میں غسل کریں گے جس سے جنتی رنگ اور جنتی خوشبو ان میں پیدا ہو جائے گی اور چمکتے ہوئے ستاروں جیسے وہ نورانی ہو جائیں گے۔ ہاں ان کے سینوں پر سفید نشان باقی رہ جائیں گے' جس سے وہ پہچانے جائیں گے انہیں مساکین اہل جنت کہا جائے گا۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا
مِنَ الْمَاۤءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا
عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝٥٠ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَاۤءَ يَوْمِهِمْ
هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝٥١

دوزخی لوگ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی بہا دو' یا جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہی کچھ دیدو؟ وہ جواب دیں گے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں ○ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دے رکھا تھا' پس آج ہم انہیں قصداً بھلا دیں گے جیسے کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور ہماری آیات سے انکار کرتے تھے ○

جیسی کرنی ویسی بھرنی: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) دوزخیوں کی ذلت وخواری اور ان کا بھیک مانگنا اور ڈانٹ دیا جانا بیان ہو رہا ہے' کہ وہ جنتیوں سے پانی یا کھانا مانگیں گے اور اپنے نزدیک کے رشتے کنبے والے جیسے باپ' بیٹے' بھائی' بہن وغیرہ سے کہیں گے کہ ہم جل

بھن رہے ہیں، بھوکے پیاسے ہیں، ہمیں ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمہ کھانا دے دو، جنتی بحکم الٰہی انہیں جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ کفار پر حرام ہے۔ ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سب سے افضل خیرات پانی ہے، دیکھو جہنمی اہل جنت سے اسی کا سوال کریں گے۔ مروی ہے کہ جب ابو طالب موت کی بیماری میں مبتلا ہوا تو قریشیوں نے اس سے کہا، کسی کو بھیج کر اپنے بھتیجے سے کہلواؤ کہ وہ تمہارے پاس جنتی انگور کا ایک خوشہ بھجوا دے تاکہ تیری بیماری جاتی رہے، جس وقت قاصد حضورؐ کے پاس آتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پاس موجود تھے، یہ سنتے ہی فرمانے لگے، اللہ نے جنت کی کھانے پینے کی چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں پھر ان کی بدکرداری بیان فرمائی کہ یہ لوگ دین حق کو ایک ہنسی کھیل سمجھے ہوئے تھے، دنیا کی زینت اور اس کے بناؤ چناؤ میں ہی عمر بھر مشغول رہے۔ یہ چونکہ اس دن کو بھول گئے تھے، اس کے بدلے ہم بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جو کسی بھول جانے والے کا معاملہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے، اس کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی۔ فرماتا ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی نہ وہ بہکے نہ بھولے۔

یہاں جو فرمایا، یہ صرف مقابلہ کے لئے ہے جیسے فرمان ہے نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ اور جیسے دوسری آیت میں ہے کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا وَکَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی فرمان ہے اَلْیَوْمَ نَنْسٰکُمْ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا تیرے پاس ہماری نشانیاں آئی تھیں جنہیں تو بھلا بیٹھا تھا، اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا وغیرہ۔ پھر یہ بھلائیوں سے بالقصد بھلا دیئے جائیں گے۔ ہاں برائیاں اور عذاب برابر ہوتے رہیں گے، انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلایا، ہم نے انہیں آگ میں چھوڑا، رحمت سے دور کیا، جیسے یہ عمل سے دور تھے صحیح حدیث میں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا، کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا عزت و آبرو نہیں دی تھی؟ کیا گھوڑے اور اونٹ تیرے مطیع نہیں کئے تھے؟ اور کیا تجھے قسم قسم کی راحتوں میں آزاد نہیں رکھا تھا؟ بندہ جواب دے گا کہ ہاں پروردگار بے شک تو نے ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، پھر کیا تو میری ملاقات پر ایمان رکھتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، پس میں بھی آج تجھے ایسا ہی بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھول گیا تھا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰھُمْ بِکِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ ھُدًی وَّ رَحْمَةً
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ
تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ
رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ
نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۶ ۱۲

ہم ان کے پاس کتاب لائے جس کی تفصیل ہم نے علم سے کی، ان لوگوں کی رہنمائی اور ان پر مہربانی کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ○ یہ تو اس کی حقیقت کے ظاہر ہونے کا ہی انتظار کر رہے ہیں، جس دن اس کی حقیقت آ جائیگی تو اس سے پہلے جو اسے بھولے ہوئے تھے، وہ کہنے لگیں گے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے، کیا اب یہ ممکن ہے کہ ہمارے سفارشی ہوں جو ہماری سفارش کریں، یا ہو سکتا ہے کہ ہم پھر سے لوٹائے جائیں اور جو عمل ہم کرتے رہے، ان کے سوا

اور اعمال کریں' یقیناً انہوں نے اپنا نقصان آپ کیا اور ان سے ان کا باندھا ہوا جھوٹ وافترا کھو گیا ○

آخری حقیقت جنت اور دوزخ کا مشاہدہ: ☆☆ (آیت:۵۲-۵۳) اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے تمام عذر ختم کر دیئے تھے اپنے رسولوں کی معرفت اپنی کتاب بھیجی جو مفصل اور واضح تھی- جیسے فرمان ہے کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ الخ اس قرآن کی آیا تمضبوط اور تفصیل وار ہیں' پھر اس کی جو تفصیل ہے' وہ بھی علم پر ہے جیسے فرمان ہے اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہ آیت اسی آیت پر جاتی ہی جس میں فرمان ہے کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ الخ یہ کتاب تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے' پس اس سے تیرے سینے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے- یہاں فرمایا وَلَقَدۡ جِئۡنٰھُمۡ بِکِتٰبٍ الخ لیکن یہ محل نظر ہے اس لئے کہ فاصلہ بہت ہے اور یہ قول بے دلیل ہے- درحقیقت جب ان کے اس خسارے کا ذکر ہوا جو انہیں آخرت میں ہوگا' تو بیان فرمایا کہ دنیا میں ہی ہم نے تو اپنا پیغام پہنچا دیا تھا' رسول بھی کتاب بھی- جیسے ارشاد ہے کہ جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا- کہ انہیں تو اب جنت اور دوزخ کے اپنے سامنے آنے کا انتظار ہے' یا یہ مطلب کہ اس کی حقیقت یکے بعد دیگرے روشن ہوتی رہے گی یہاں تک کہ آخری حقیقت یعنی جنت دوزخ ہی سامنے آ جائیں گی اور ہر ایک اپنے لائق مقام میں پہنچ جائے گا- قیامت والے دن یہ واقعات رونما ہو جائیں گے' اب جو سن رہے ہیں' اس وقت دیکھ لیں گے- اس وقت اسے فراموش کر کے بیٹھ رہنے والے عمل سے کورے لوگ مان لیں گے کہ بے شک اللہ کے انبیاء سچے تھے' رب کی کتابیں برحق تھیں' کاش اب کوئی ہمارا سفارشی کھڑا ہو اور ہمیں اس ہلاکت سے نجات دلائے' یا ایسا ہو کہ ہم پھر سے دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو جو کام کئے تھے' اب اس کے خلاف کریں-

جیسے فرمان ہے وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَی النَّارِ الخ' کاش کہ ہم پھر دنیا میں لوٹائے جاتے' اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور مومن بن جاتے' اس سے پہلے جو وہ چھپا رہے تھے' اب ظاہر ہو گیا- حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ دنیا میں بھیجے بھی جائیں تو جس چیز سے روکے جائیں گے' وہی دوبارہ کریں گے اور جھوٹے ثابت ہوں گے انہوں نے آپ ہی اپنا برا کیا' اللہ کے سوا اوروں سے امیدیں رکھتے رہے' آج سب باطل ہو گئیں نہ کوئی ان کا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی حمایتی-

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ
اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّہَارَ
یَطۡلُبُہٗ حَثِیۡثًا ۙ وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ
بِاَمۡرِہٖ ؕ اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ؕ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۵۴﴾

لوگو! بے شک تم سب کا پالنے والا وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دین میں پیدا کیا' پھر عرش پر بیٹھا' وہی رات پر دن کو اوڑھا دیتا ہے اور رات دن کو جلدی جلدی طلب کرتی آتی ہے' اسی نے آفتاب' مہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا کہ یہ سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں' یاد رکھو پیدائش بھی اسی کی اور فرمانروائی بھی' بڑا ہی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء: ☆☆ (آیت:۵۴) بہت سی آیات میں یہ بیان ہوا کہ آسمان وزمین اور کل مخلوق اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں بنائی ہے یعنی اتوار سے جمعہ تک- جمعہ کے دن ساری مخلوق پیدا ہو چکی' اسی دن حضرت آدمؑ پیدا ہوئے' یا تو یہ دن دنیا کے معمولی دنوں کے برابر ہی تھے

جیسے کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے فی الفور سمجھا جاتا ہے، یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا جیسے کہ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے اور بروایت ضحاک ابن عباسؓ کا قول ہے، ہفتہ کے دن کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی، اسی لئے اس کا نام عربی میں یوم السبت ہے، سبت کے معنی قطع کرنے، ختم کرنے کے ہیں۔

ہاں مسند احمدؒ، نسائی اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے کہ اللہ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدمؑ کو جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں عصر سے لے کر مغرب تک، حضورؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ گنوایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات دن تک پیدائش کا سلسلہ جاری رہا حالانکہ قرآن میں موجود ہے کہ چھ دن میں پیدائش ختم ہوئی۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ زبردست حفاظ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ عبارت حضرت ابو ہریرہؓ نے کعب احبار سے لی ہے۔ فرمان رسولؐ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہوا۔ اس پر لوگوں نے بہت کچھ چہ میگوئیاں کی ہیں، جنہیں تفصیل سے بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ اس مقام میں سلف صالحین کی روش اختیار کی جائے۔ جیسے امام مالک، امام اوزاعی، امام ثوری، امام لیث، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ وغیرہ ائمہ سلف وخلف رحمہم اللہ۔ ان سب بزرگان دین کا مذہب یہی تھا کہ جیسی یہ آیت ہے، اسی طرح اسے رکھا جائے، بغیر کیفیت کے، بغیر تشبیہ کے اور بغیر مہمل چھوڑنے کے، ہاں تشبیہ دینے والوں کے ذہنوں میں جو چیز آ رہی ہے، اس سے اللہ تعالیٰ پاک اور بہت دور ہے، اللہ کے مشابہ اس کی مخلوق میں سے کوئی نہیں۔ فرمان ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ اس کے مثل کوئی نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے جو ائمہ کرام رحمتہ اللہ علیہم نے فرمائی ہے۔ انہی میں سے حضرت نعیم بن حماد خزاعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں، آپ حضرت امام بخاریؒ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں، جو شخص اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دے، وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ کے اس وصف سے انکار کرے جو اس نے اپنی ذات پاک کے لئے بیان فرمایا ہے، وہ بھی کافر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے جو اوصاف ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے بیان فرمائے ہیں، ان میں ہرگز تشبیہ نہیں۔ پس صحیح ہدایت کے راستے پر وہی ہے جو آثار صحیحہ اور اخبار صریحہ سے جو اوصاف رب العزت وحدہ لاشریک لہ کے ثابت ہیں، انہیں اسی طرح جانے جو اللہ کی جلالت شان کے شایان ہے اور ہر عیب ونقصان سے اپنے رب کو پاک اور مبرا ومنزہ سمجھے۔

پھر فرمان ہے کہ رات کا اندھیرا دن کے اجالے سے اور دن کا اجالا رات کے اندھیرے سے دور ہو جاتا ہے، ہر ایک دوسرے کے پیچھے لپکا چلا آتا ہے، یہ گیا، وہ آیا، وہ گیا، یہ آیا۔ جیسے فرمایا وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ الخ، ان کے سمجھنے کے لئے ہماری ایک نشانی رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے یہ اندھیرے میں آ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف برابر جا رہا ہے، یہ ہے اندازہ اللہ کا مقرر کیا ہوا جو غالب اور باعلم ہے۔ اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی جیسا ہو کر رہ جاتا ہے۔ نہ آفتاب ماہتاب سے آگے نکل سکتا ہے نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے، سب کے سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔ رات دن میں کوئی فاصلہ نہیں، ایک کا جانا ہی دوسرے کا آ جانا ہے، ہر ایک دوسرے کے برابر پیچھے ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ کو بعض نے پیش سے بھی پڑھا ہے۔ معنی مطلب دونوں صورت میں قریب قریب برابر ہے۔ یہ سب اللہ کے زیر فرمان، اس کے ماتحت اور اس کی ارادے میں ہیں، ملک اور تصرف اسی کا ہے، وہ برکتوں والا اور تمام جہان کا پالنے والا ہے فرمان

ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس کسی نے کسی نیکی پر اللہ کی حمد نہ کی بلکہ اپنے نفس کو سراہا' اس نے کفر کیا اور اس کے اعمال غارت ہوئے اور جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ نے کچھ اختیارات اپنے بندوں کو بھی دیئے ہیں تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمایا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ الخ (ابن جریر)

ایک مرفوع دعا رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے اللھم لك الملك كله ولك الحمد كله واليك يرجع الامر كله اسألك من الخير كله واعوذبك من الشر كله یا اللہ سارا ملک تیرا ہی ہے' سب حمد تیرے لئے ہی ہے' سب کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں' میں تجھ سے تمام بھلائیاں طلب کرتا ہوں اور ساری برائیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۵۵ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶

اپنے رب کی عبادت کرو عاجزی سے اور چھپا کر' بیشک وہ حد سے گذر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس کی عبادت کرو ڈر اور لالچ کے ساتھ' بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے بہت نزدیک ہے ○

انسان دعا مانگے قبول ہوگی: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کی ہدایت کرتا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے پروردگار کو عاجزی' مسکینی اور آہستگی سے پکارو جیسے فرمان ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ الخ' اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازیں بہت بلند کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو' تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکار رہے ہو وہ بہت سننے والا اور بہت نزدیک ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ پوشیدگی مراد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' تَضَرُّعًا کے معنی ذلت اور مسکینی اور اطاعت گذاری کے ہیں اور خفية کے معنی دلوں کے خشوع و خضوع سے' یقین کی صحت سے' اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اس کے اور اپنے درمیان یقین رکھتے ہوئے پکارو' نہ کہ ریاکاری کے ساتھ بہت بلند آواز سے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے تھے اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا' لوگ بہت بڑے فقیہہ ہو جاتے تھے اور کوئی جانتا بھی نہ تھا' لوگ لمبی لمبی نمازیں اپنے گھروں میں پڑھتے تھے اور مہمانوں کو بھی پتہ نہ چلتا تھا' یہ وہ لوگ تھے کہ جہاں تک ان کے بس میں ہوتا تھا اپنی کسی نیکی کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے' پوری کوشش سے دعائیں کرتے تھے' لیکن اس طرح جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو' یہ نہیں کہ چیخیں چلائیں یہی فرمان رب ہے کہ اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کا ذکر کیا جس سے وہ خوش تھا کہ اس نے اپنے رب کو خفیہ طور پر پکارا۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں' دعا میں بلند آواز' ندا اور چیخنے کو مکروہ سمجھا جاتا تھا بلکہ گریہ وزاری اور آہستگی کا حکم دیا جاتا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' دعا وغیرہ میں حد سے گزر جانے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔

ابومجلز کہتے ہیں مثلاً اپنے لئے نبی بن جانے کی دعا کرنا وغیرہ۔ حضرت سعد نے سنا کہ ان کا لڑکا اپنی دعا میں کہہ رہا ہے کہ' اے اللہ میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتیں اور اس کے ریشم و حریر وغیرہ وغیرہ طلب کرتا ہوں۔ اور جہنم' اس کی زنجیروں اور اس کے طوق وغیرہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو حضرت سعد نے فرمایا تو نے اللہ سے بہت سی بھلائیاں طلب کیں اور بہت سی برائیوں سے پناہ چاہی' میں نے رسول اللہ ﷺ

سے سنا ہے' آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کچھ لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے گزر جایا کریں گے- ایک سند سے مروی ہے کہ وہ دعا مانگنے میں اور وضو کرنے میں حد سے نکل جائیں گے- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تجھے اپنی دعا میں یہی کہنا کافی ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت اور جنت سے قریب کرنے والے قول و فعل کی توفیق طلب کرتا ہوں اور جہنم اور اس سے نزدیک کرنے والے قول و فعل سے تیری پناہ چاہتا ہوں (ابوداؤد)

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے' ان کے صاحبزادے اپنی دعا میں یہ کہہ رہے تھے کہ یا اللہ جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت کی دائیں جانب کا سفید رنگ کا عالیشان محل میں تجھ سے طلب کرتا ہوں پھر زمین پر امن و امان کے بعد فساد کرنے کو منع فرما رہا ہے کیونکہ اس وقت کا فساد خصوصیت سے زیادہ برائیاں پیدا کرتا ہے- پس اللہ اسے حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عبادت کرنے کا' دعا کرنے کا' مسکینی اور عاجزی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اللہ کو اس کے عذابوں سے ڈر کر اور اس کی نعمتوں کے امیدوار بن کر پکارو- اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے سروں پر منڈلا رہی ہے' جو اس کے احکام بجالاتے ہیں' اس کے منع کردہ کاموں سے باز رہتے ہیں جیسے فرمایا وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ یوں تو میری رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن میں اسے مخصوص کر دوں گا پرہیزگار لوگوں کے لئے- چونکہ رحمت ثواب کی ضامن ہوتی ہے' اس لئے قریب کہا قریبة نہ کہا یا اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف مضاف ہے- انہوں نے اللہ کے وعدوں کا سہارا لیا- اللہ نے اپنا فیصلہ کر دیا کہ اس کی رحمت بالکل قریب ہے-

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي
اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ
الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ
رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸ ع ۷/۱۴

وہ ہے جو بار[illegible] رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف سے لے جاتے ہیں' پھر ہم اس میں سے پانی اتارتے ہیں اور اس میں سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں' اسی طرح مردوں کو بھی نکالیں گے تاکہ تم غور و فکر کرو- پاک شہر کی تو پیداوار اس کے رب کے حکم سے نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس میں سے ناقص ہی نکلتی ہے' اسی طرح ہم طرح طرح سے اپنی دلیلیں ان کے سامنے بیان کرتے ہیں جو شکرگزار ہیں ○

تمام مظاہر قدرت اس کی شان کے مظہر ہیں: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اوپر بیان ہوا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے سب پر قبضہ رکھنے والا' حاکم' تدبیر کرنے والا' مطیع اور فرمانبردار رکھنے والا اللہ ہی ہے- پھر دعائیں کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے- اب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رزاق بھی وہی ہے اور قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر دینے والا بھی وہی ہے- پس فرمایا کہ بارش سے پہلے بھینی بھینی خوشگوار ہوائیں وہی چلاتا ہے بُشْراً کی دوسری قرات مُبَشِّرَاتٍ بھی ہے- رحمت سے مراد یہاں بارش ہے جیسے فرمان ہے وَهُوَ

الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡ بَعۡدِ مَاقَنَطُوۡا وَیَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ وَهُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش اتارتا ہے اور اپنی رحمت کی ریل پیل کر دیتا ہے، وہ والی ہے اور قابل تعریف۔ ایک اور آیت میں ہے، رحمت رب کے آثار دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو وہ جلا دیتا ہے، وہی مردہ انسانوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بادل جو پانی کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں، انہیں یہ ہوائیں اٹھالے چلتی ہیں، یہ زمین سے بہت قریب ہوتے ہیں اور سیاہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کے شعروں میں ہے، میں اس کا مطیع ہوں جس کے اطاعت گزار میٹھے اور صاف پانی کے بھرے ہوئے بادل ہیں اور جس کے تابع فرمان بھاری بوجھل پہاڑوں والی زمین ہے۔ پھر ہم ان بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے چلتے ہیں جس میں کوئی سبزہ نہیں، خشک اور بنجر ہے جیسے آیت وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ میں بیان ہوا ہے۔ پھر اس سے پانی برسا کر اسی غیر آباد زمین کو سرسبز بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے حالانکہ وہ بوسیدہ ہڈیاں اور پھر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل گئے ہوں گے، قیامت کے دن ان پر اللہ عزوجل بارش برسائے گا، چالیس دن تک برابر برستی رہے گی جس سے جسم قبروں میں اگنے لگیں گے جیسے دانہ زمین پر اگتا ہے، یہ بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔ قیامت کی مثال بارش کی پیداوار سے دی جاتی ہے۔ پھر فرمایا، یہ تمہاری نصیحت کے لئے ہے۔ اچھی زمین میں سے پیداوار عمدہ بھی نکلتی ہے اور جلدی بھی، جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور جو زمین خراب ہے جیسے، سنگلاخ زمین، شور زمین وغیرہ اس کی پیداوار بھی ویسی ہی ہوتی ہے، یہی مثال مومن و کافر کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جس علم و ہدایت کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر بہت زیادہ بارش ہوئی، زمین کے ایک صاف عمدہ ٹکڑے نے تو پانی قبول کیا، گھاس اور چارہ بہت سا اس میں سے نکلا، ان میں بعض ٹکڑے ایسے بھی تھے جن میں پانی جمع ہو گیا اور وہاں رک گیا پس اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، پیا اور پلایا، کھیتیاں کیں، باغات تازہ کئے۔ زمین کے جو چٹیل سنگلاخ ٹکڑے تھے، ان پر بھی وہ پانی برسا لیکن نہ تو وہاں رکا نہ وہاں کچھ اگا، یہی مثال اس کی ہے جس نے دین حق کی سمجھ پیدا کی اور میری بعثت سے اس نے فائدہ اٹھایا، خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے سر ہی نہ اٹھایا اور اللہ کی وہ ہدایت ہی نہ لی جو میری معرفت بھیجی گئی۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡكُمۡ عَذَابَ
یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ ضَلٰلٍ
مُّبِیۡنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ
رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَاَنۡصَحُ لَكُمۡ
وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا، اے میری قوم کے لوگو تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، مجھے تو تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر

ہے ○ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے بالکل کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں ○ اس نے کہا، اے میری قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں ○ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور اللہ کی وہ باتیں میں جانتا ہوں جن سے تم محض بے خبر ہو ○

پھر تذکرہ انبیاء: ☆☆ (آیت: ۵۹-۶۲) چونکہ سورت کے شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا تھا، پھر اس کے متعلقات بیان ہوئے اور اس کے متصل اور بیانات فرما کر اب پھر اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے بیان کا آغاز ہوا اور پے در پے ان کے بیانات ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے پیغمبر اہل زمین کی طرف آپ ہی آئے تھے۔ آپ نوح بن لامک بن ستوشلخ بن خنوخ (یعنی ادریس علیہ السلام یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا) بن برد بن مہلیل بن قنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

ائمہ نسب جیسے امام محمد بن اسحاقؒ وغیرہ نے آپ کا نسب نامہ اسی طرح بیان فرمایا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں، حضرت نوحؑ جیسا کوئی اور نبی امت کی طرف سے نہیں ستایا گیا، ہاں انبیاء قتل ضرور کئے گئے، انہیں نوح اسی لئے کہا گیا کہ یہ اپنے نفس کا رونا بہت روتے تھے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس زمانے تھے جو اسلام پر گزرے تھے۔ اصنام پرستی کا رواج اسی طرح شرع ہوا کہ جب اولیاء اللہ فوت ہو گئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور ان میں ان بزرگوں کی تصویریں بنالیں تا کہ ان کا حال اور ان کی عبادت کا نقشہ سامنے رہے اور اپنے آپ کو ان جیسا بنانے کی کوشش کریں، لیکن کچھ زمانے کے بعد ان تصویروں کے مجسمے بنالئے، کچھ اور زمانے کے بعد انہی بتوں کو پوجا کرنے لگے اور ان کے نام انہی اولیاء اللہ کے ناموں پر رکھ لئے، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر وغیرہ جب بت پرستی کا رواج ہو گیا، اللہ نے اپنے رسول حضرت نوحؑ کو بھیجا، آپ نے انہیں اللہ واحد کی عبادت کی تلقین کی اور کہا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن تمہیں عذاب نہ ہو۔ قوم نوح کے بڑوں نے، ان کے سرداروں نے اور ان کے چودھریوں نے حضرت نوحؑ کو جواب دیا کہ تم تو بہک گئے ہو، ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے ہٹا رہے ہو۔ ہر بدشخص نیک لوگوں کو گمراہ سمجھا کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب یہ بدکار ان نیک کاروں کو دیکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ تو بہکے ہوئے ہیں، کہا کرتے تھے کہ اگر یہ دین اچھا ہوتا تو ان سے پہلے ہم نہ مان لیتے؟ یہ تو بات ہی غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں بہکا ہوا نہیں ہوں، بلکہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہیں پیغام رب پہنچا رہا ہوں، تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ کی وہ باتیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔ ہر رسول مبلغ، فصیح، بلیغ، ناصح، خیر خواہ اور عالم باللہ ہوتا ہے، ان صفات میں اور کوئی ان کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ اے لوگو! تم میری بابت اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا، ہم کہیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی تھی اور حق رسالت ادا کر دیا تھا اور پوری خیر خواہی کی تھی، پس آپ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر نیچے زمین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، یا اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو شاہد رہ، یا اللہ تو گواہ رہ۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ
مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝٦٣ فَكَذَّبُوهُ
فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝٦٤ ع ۸ ۶ ۱۵

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تم میں سے ایک شخص پر تمہارے رب کی طرف سے ارشاد و پند نازل ہوئی کہ وہ تمہیں آگاہ کر دے تاکہ تم غضب اللہ سے بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے ○ پس انہوں نے اسے جھٹلایا' آخرش ہم نے اسے نجات بخشی اور اس کی کشتی کے ساتھیوں کو بھی اور ہماری آیتوں کو جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا' وہ تھے ہی نابینا لوگ ○

نوح علیہ السلام پر کیا گزری؟ ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۴) حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ تم اس بات کو انوکھا اور تعجب والا نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے کسی انسان پر اپنی وحی نازل فرمائے اور اسے اپنی پیغمبری سے ممتاز کر دے تاکہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے' پھر تم شرک و کفر سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نجات پالو اور تم پر گوناگوں رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ان دلیلوں اور وعظوں نے ان سنگدلوں پر کوئی اثر نہ کیا' یہ انہیں جھٹلاتے رہے' مخالفت سے باز نہ آئے' ایمان قبول نہ کیا' صرف چند لوگ سنور گئے۔ پس ہم نے ان نیک لوگوں کو اپنے نبی کے ساتھ کشتی میں بٹھا کر طوفان سے نجات دی اور باقی لوگوں کو تہ آب غرق کر دیا۔ جیسے سورۂ نوح میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے باعث غرق کر دیئے گئے' پھر دوزخ میں ڈال دیئے گئے اور کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی کسی قسم کی مدد کرتا' یہ لوگ حق سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے' نابینا ہو گئے تھے' راہ حق کو وہ آخر تک نہ پہچان سکے۔ پس اللہ نے اپنے نبیؑ کو' اپنے دوستوں کو نجات دی' اپنے اور ان کے دشمنوں کو تہ آب برباد کر دیا' جیسے اس کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی ضرور مدد فرمایا کرتے ہیں۔ دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ان کی امداد کرتا ہے' ان پرہیزگاروں کے لئے ہی عافیت ہے' انجام کار غالب اور مظفر و منصور یہی رہتے ہیں' جیسے کہ نوح علیہ السلام آخر کار غالب رہے اور کافر ناکام و نامراد ہوئے' یہ لوگ تنگ پکڑ میں آ گئے اور غارت کر دیئے گئے صرف اللہ کے رسولؑ کے اسی (۸۰) آدمیوں نے نجات پائی۔ ان ہی میں ایک صاحب جرہم نامی تھے جن کی زبان عربی تھی۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے متصلاً مروی ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝٦٥ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ
اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٦٦
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦٧ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝٦٨
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ
لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ
وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝٦٩

عادیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' کیا تم ڈرتے نہیں

ہو؟ ○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو نری بیوقوفی میں ہے اور ہمارے خیال میں تو' تو ہے ہی جھوٹے لوگوں میں سے ○ ہود نے کہا' میری قوم کے لوگو' مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں بلکہ میں تو تمام جہان کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں ○ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور ہوں بھی تمہارا دلی' خیر خواہ اور امانت دار ہوں ○ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ کہ تم میں سے ایک کی معرفت ذکر اللہ تم تک پہنچا دی کہ وہ تمہیں ہوشیار کر دے؟ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا اور تن و توش کا پھیلاؤ بھی تم کو زیادہ دیا' پس تم اللہ کے احسانات یاد رکھو تا کہ تم فلاح و نجات پاؤ ○

ہود علیہ السلام اور ان کا رویہ! ☆☆ (آیت:۶۵-۶۹) فرماتا ہے کہ جیسے قوم نوح کی طرف حضرت نوحؑ کو ہم نے بھیجا تھا قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو ہم نے نبی بنا کر بھیجا' یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے' یہ عاد اولیٰ ہیں' یہ جنگل میں ستونوں میں رہتے تھے۔ فرمان ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عاد ارم کے ساتھ تیرے رب نے کیا کیا؟ جو بلند قامت تھے' دوسرے شہروں میں جن کی مانند لوگ پیدا ہی نہیں کئے گئے' یہ لوگ بڑے قوی' طاقتور اور لانبے چوڑے قد کے تھے' جیسے فرمان ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے؟ کیا انہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ان سے زیادہ طاقت والا ہے' وہ ہماری آیتوں سے انکار کر بیٹھے' ان کے شہر یمن میں احقاف تھے' یہ ریتلے پہاڑ تھے۔

حضرت علیؓ نے حضر موت کے ایک شخص سے کہا کہ تو نے ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہو گا جس میں سرخ رنگ کی راکھ جیسی مٹی ہے' اس کے آس پاس پیلو اور بیری کے درخت بکثرت ہیں' وہ ٹیلہ فلاں جگہ حضر موت میں ہے' اس نے کہا امیر المؤمنین آپ تو اس طرح کے نشان بتا رہے ہیں گویا آپ نے بچشم خود دیکھا ہے' آپ نے فرمایا' نہیں دیکھا تو نہیں' لیکن ہاں مجھ تک حدیث پہنچی ہے کہ وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بستیاں یمن میں تھیں' اسی لئے ان کے پیغمبرؑ وہیں مدفون ہیں' آپ ان سب میں شریف قبیلے کے تھے۔ اس لئے انبیاء ہمیشہ حسب نسب کے اعتبار سے عالی خاندان میں ہی ہوتے رہے ہیں' لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور پر سخت اور زور دار تھی' اسی طرح دلوں کے اعتبار سے بھی بہت سخت تھی۔ جب اپنے نبی کی زبانی اللہ کی عبادت اور تقویٰ کی نصیحت سنی تو لوگوں کی بھاری اکثریت اور ان کے سردار اور بڑے بول اٹھے کہ تو تو پاگل ہو گیا ہے' ہمیں اپنے بتوں کی ان خوبصورت تصویروں کی عبادت سے ہٹا کر اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے۔ (یہی تعجب قریش کو ہوا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے سارے معبودوں کی عبادت سے ہٹا کر ایک کی عبادت کی دعوت کیوں دی؟)

حضرت ہودؑ نے انہیں جواب دیا کہ مجھ میں تو بے وقوفی کی بفضلہٖ کوئی بات نہیں' میں جو کہہ رہا ہوں' وہ اللہ کا فرمودہ ہے اس لئے کہ میں رسول اللہ ہوں' رب کی طرف سے حق لایا ہوں' وہ رب ہر چیز کا مالک سب کا خالق ہے' میں تو تمہیں کلام اللہ پہنچا رہا ہوں' تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور امانت داری سے حق رسالت ادا کر رہا ہوں۔ یہی وہ صفتیں ہیں جو تمام رسولوں میں یکساں ہوتی ہیں' یعنی پیغام حق پہنچانا' لوگوں کی بھلائی چاہنا اور امانتداری کا نمونہ بننا۔ تم میری رسالت پر تعجب نہ کرو بلکہ اللہ کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے تم میں سے ایک فرد کو اپنا پیغمبر بنایا کہ وہ تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرا دے' تمہیں رب کے اس احسان کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں ہلاک ہونے والوں کے بقایا میں سے بنایا' تمہیں باقی رکھا' اتنا ہی نہیں بلکہ تمہیں قوی ہیکل' مضبوط اور طاقتور کر دیا۔ یہی نعمت حضرت طالوت پر تھی کہ انہیں جسمانی اور علمی کشادگی دی گئی تھی۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تا کہ نجات حاصل کر سکو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٧٠

وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ جا اگر تو سچا ہے تو جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکا رہا ہے، انہیں لے آ ○

قوم عاد کا باغیانہ رویہ: ☆☆ (آیت: ۷۰) قوم عاد کی سرکشی، تکبر، ضد اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہی ہے کہ ہم اللہ واحد کے پرستار بن جائیں اور باپ دادوں کے پرانے معبودوں سے روگردانی کر لیں؟ سنو اگر یہی مقصود ہے تو اس کا پورا ہونا محال ہے، ہم تیار ہیں، اگر تم سچے ہو تو اپنے اللہ سے ہمارے لئے عذاب طلب کرو۔ یہی کفار مکہ نے کہا تھا، کہنے لگے کہ یا اللہ محمد کا کہا حق ہے اور وہ واقعی تیرا کلام ہے اور ہم نہیں مانتے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور سخت المناک عذاب ہمیں کر۔ قوم عاد کے بتوں کے نام یہ ہیں، صد، صمود ھبا، ان کی اس ڈھٹائی کے مقابلے میں اللہ کا عذاب اور اس کا غضب ثابت ہو گیا۔ رجس سے مراد رجز، یعنی عذاب ہے ناراضی اور غصے کے معنی یہی ہیں۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ
اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝٧١ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٧٢ ع ۱۲ ۱۷

ہود نے کہا، یقیناً تم پر تمہارے رب کی جانب سے بلا اور غضب پڑ ہی چکا، کیا تم مجھ سے ان چند ناموں کی خاطر لڑ بھڑ رہے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کر لئے ہیں، جن کی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری، اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ آخر ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ایمان قبول کرنے والے نہ تھے ○

(آیت: ۷۱-۷۲) پھر فرمایا تم ان بتوں کی بابت مجھ سے جھگڑ رہے ہو جن کے نام بھی تم نے خود رکھے ہیں، یا تمہارے بڑوں نے اور خواہ مخواہ بے وجہ انہیں معبود سمجھ بیٹھے ہو، یہ پتھر کے ٹکڑے محض بے ضرر اور بے نفع ہیں، نہ اللہ نے ان کی عبادت کی کوئی دلیل اتاری ہے، ہاں اگر تم مقابلے پر اتر ہی آئے ہو تو منتظر رہو میں بھی منتظر ہوں، ابھی معلوم ہو جائے گا کہ مقبول بارگاہ رب کون ہے اور مردود بارگاہ کون ہے؟ کون مستحق عذاب ہے اور کون قابل ثواب ہے؟ آخرش ہم نے اپنے نبی کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی اور کافروں کی جڑیں کاٹ دیں۔ قرآن کریم کے کئی مقامات پر جناب باری عزوجل نے ان کی تباہی کی صورت بیان فرمائی ہے، کہ ان پر خیر سے خالی، تند اور تیز ہوائیں بھیجی گئیں جنہوں نے انہیں اور ان کی تمام چیزوں کو غارت اور برباد کر دیا۔ عاد لوگ بڑے زناٹے کی سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے، جو ان پر برابر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی، سارے کے سارے اس طرح ہو گئے جیسے

کھجور کے درختوں کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ ہوں- دیکھ لے ان میں سے ایک بھی اب نظر آ رہا ہے؟ ان کی سرکشی کی سزا میں سرکش ہوا ان پر مسلط کر دی گئی جو ان میں سے ایک ایک کو اٹھا کر آسمان کی بلندی کی طرف لے جاتی اور وہاں سے گراتی جس سے سر الگ ہو جاتا اور دھڑ الگ گر جاتا- یہ لوگ یمن کے ملک میں، عمان اور حضر موت میں رہتے تھے- ادھر ادھر نکلتے اور لوگوں کو مار پیٹ کر جبراً وقہراً ان کے ملک و مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے، سارے کے سارے بت پرست تھے حضرت ہودؑ جو ان کے شریف خاندانی شخص تھے، ان کے پاس رب کی رسالت لے کر آئے، اللہ کی توحید کا حکم دیا، شرک سے روکا، لوگوں پر ظلم کرنے کی برائی سمجھائی، لیکن انہوں نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا، مقابلے پر تن گئے اور اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے-

گو بعض لوگ ایمان لائے تھے لیکن وہ بھی بیچارے جان کے خوف سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے، باقی لوگ بدستور اپنی بے ایمانی اور ناانصافی پر جمے رہے، خواہ مخواہ فوقیت ظاہر کرنے لگے، بیکار عمارتیں بناتے اور پھولے نہ سماتے- ان سب کاموں کو اللہ کے رسول (حضرت ہود) ناپسند فرماتے، انہیں روکتے، تقویٰ کی اور اطاعت کی ہدایت کرتے، لیکن یہ کبھی تو انہیں بے دلیل بتاتے، کبھی انہیں مجنوں کہتے- آپ اپنی برات ظاہر کرتے اور ان سے صاف فرماتے کہ مجھے تمہاری قوت و طاقت کا مطلقاً خوف نہیں، جاؤ تم سے جو ہو سکے کر لو، میرا بھروسہ اللہ پر ہے، اس کے سوا نہ کوئی بھروسے کے لائق، نہ عبادت کے قابل، ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز پست اور لاچار ہے، سچی راہ اللہ کی راہ ہے آخر جب یہ اپنی برائیوں سے باز نہ آئے تو ان پر بارش نہ برسائی گئی تین سال تک قحط سالی رہی، زچ ہو گئے، تنگ آ گئے، آخر یہ سوچا کہ چند آدمیوں کو بیت اللہ شریف بھیجیں، وہ وہاں جا کر اللہ سے دعائیں کریں- یہی ان کا دستور تھا کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو وہاں وفد بھیجتے- اس وقت ان کا قبیلہ عمالیق حرم شریف میں بھی رہتا تھا، یہ لوگ عملیق بن آدم بن سام بن نوح کی نسل میں سے تھے، ان کا سردار اس زمانے میں معاویہ بن بکر تھا- اس کی ماں قوم عاد سے تھی جس کا نام جاہدہ بنت خبیری تھا-

عادیوں نے اپنے ہاں سے ستر اشخاص کو منتخب کر کے بطور وفد مکے شریف کو روانہ کیا، یہاں آ کر یہ معاویہ کے مہمان بنے، پرتکلف دعوتوں کے اڑانے، شراب خوری کرنے اور معاویہ کی دو لونڈیوں کا گانا سننے میں اس بے خودی سے مشغول ہو گئے کہ پورا ایک مہینہ گذر گیا، انہیں اپنے کام کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی، معاویہ ان کی یہ روش دیکھ کر اور اپنی قوم کی بری حالت سامنے رکھ کر بہت کڑھتا تھا، لیکن یہ مہمان نوازی کے خلاف تھا کہ خود ان سے کہتا کہ جاؤ- اس لئے اس نے کچھ اشعار کہے اور ان ہی دونوں کنیزوں کو یاد کرائے کہ وہ یہی گا کر انہیں سنائیں- ان شعروں کا مضمون یہ تھا کہ اے لوگو جو قوم کی طرف سے اللہ سے دعائیں کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، اللہ عادیوں پر بارش برسائے جو آج قحط سالی کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں، بوڑھے بچے، مرد عورتیں تباہ حال پھر رہے ہیں یہاں تک کہ بولنا چالنا ان پر دوبھر ہو گیا ہے- جنگلی جانور آن کی آبادیوں میں پھر رہے ہیں کیونکہ کسی عادی میں اتنی قوت کہاں کہ وہ تیر چلا سکے، لیکن افسوس کہ تم یہاں اپنے من مانے مشغلوں میں منہمک ہو گئے اور بے فائدہ وقت ضائع کرنے لگے، تم سے زیادہ برا وفد دنیا میں کوئی نہ ہو گا- یاد رکھو اگر اب بھی تم نے مستعدی سے قومی خدمت نہ کی تو تم برباد اور غارت ہو جاؤ گے، یہ سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے، یہ حرم میں گئے اور دعائیں مانگنا شروع کیں اللہ تعالیٰ نے تین بادل ان کے سامنے پیش کئے- ایک سفید، ایک سیاہ، ایک سرخ، اور ایک آواز آئی کہ ان میں سے ایک اختیار کر لو، قیل بن عنز نے سیاہ بادل پسند کیا، آواز آئی کہ تو نے سیاہ بادل پسند کیا جو عادیوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑے گا نہ باپ کو نہ بیٹے کو، سب کو غارت کر دے گا سوائے بنی لویذیہ کے- یہ بنی لویذیہ بھی عادیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مکے میں مقیم تھے، ان پر وہ عذاب نہیں آئے تھے، یہی باقی

رہے اور انہی میں سے عاد اُخریٰ ہوئے' اس وفد کے سردار نے سیاہ بادل پسند کیا تھا جو اسی وقت عادیوں کی طرف چلا' اس شخص کا نام قیل بن غز تھا۔ جب یہ بادل عادیوں کے میدان میں پہنچا جس کا نام مغیث تھا تو اسے دیکھ کر وہ لوگ خوشیاں منانے لگے کہ ابر سے پانی ضرور برسے گا' حالانکہ یہ وہ تھا جس کی یہ لوگ نبی کے مقابلہ میں جلدی مچا رہے تھے' جس میں المناک عذاب تھا' جو تمام چیزوں کو فنا کر دینے والا تھا' سب سے پہلے اس عذاب الٰہی کو ایک عورت نے دیکھا جس کا نام ممید تھا یہ چیخ مار کر بیہوش ہوگئی' جب ہوش آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا آگ کا بگولہ جو بصورت ہوا تھا جسے فرشتے گھسیٹتے چلے آتے تھے۔ برابر سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ آگ والی ہوا ان پر چلتی رہی اور عذاب کا بادل ان پر برستا رہا' تمام عادیوں کا ستیاناس ہوگیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھی ایک باغیچے میں چلے گئے' وہاں اللہ نے انہیں محفوظ رکھا' وہی ہوا' ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہو کر ان کے جسموں کو لگتی رہی جس سے روح کو تازگی اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی رہی۔ ہاں عادیوں پر اس ہوا نے سنگباری شرع کر دی' ان کے دماغ پھٹ گئے' آخر انہیں اٹھا اٹھا کر دے پٹخا' سر الگ ہوگئے دھڑ الگ جا پڑے' یہ ہوا سوار کو سواری سمیت ادھر اٹھا لیتی تھی اور بہت اونچا لے جا کر اسے اوندھا دے پٹختی تھی' یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ عذاب الٰہی کے آجانے سے حضرت ہودؑ کو اور مومنوں کو نجات مل گئی رحمت حق ان کے شامل حال رہی اور باقی کفار اس بدترین سزا میں گرفتار ہوئے۔

مسند احمد میں ہے حضرت حارث بکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں اپنے ہاں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علا بن حضرمی کی شکایت لے کر چلا۔ جب میں ربذہ میں پہنچا تو بنوتمیم کی ایک بڑھیا لاچار ہو کر بیٹھی ہوئی ملی' مجھ سے کہنے لگی' اے اللہ کے بندے مجھے سرکار رسالت مآبؐ میں پہنچنا ہے' کیا تو میرے ساتھ اتنا سلوک کرے گا کہ مجھے دربار رسالت میں پہنچا دے؟ میں نے کہا آؤ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے پہنچا' دیکھا کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے' سیاہ جھنڈے لہرا رہے ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سامنے تلوار لٹکائے کھڑے ہیں' میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا' حضور ﷺ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کہیں لشکر بھیجنے والے ہیں میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا' اتنے میں حضور ﷺ اپنی منزل میں تشریف لے گئے' میں آپ کے پیچھے چلا گیا' اجازت طلب کی' اجازت ملی جب میں نے اندر جا کر سلام کیا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا' کیا تم میں اور بنوتمیم میں کچھ چشمک ہے؟ میں نے کہا' حضورؐ اس کے ذمہ دار وہی ہیں' میں اب حاضر خدمت ہو رہا تھا تو راستے میں قبیلہ تمیم کی ایک بڑھیا عورت مل گئی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی' اس نے مجھ سے درخواست کی اور میں اسے اپنی سواری پر بٹھا کر یہاں لایا ہوں' وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے' آپ نے اسے بھی اندر آنے کی اجازت دی۔

میں نے کہا یا رسول اللہؐ ہم میں اور بنوتمیم میں کوئی روک کر دیجئے' اس پر بڑھیا تیز ہو کر بولی' اگر آپ نے ایسا کر دیا تو پھر آپ کے ہاں کے بے بس کہاں پناہ لیں گے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! تیری اور میری تو وہی مثل ہوئی کہ بکری اپنی موت کو آپ اٹھا کر لے گئی' میں نے ہی تجھے یہاں پہنچایا' مجھے اس کے انجام کی کیا خبر تھی؟ اللہ نہ کرے کہ میں بھی عادی قبیلے کے وفد کی طرح ہو جاؤں' تو حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ بھئی عادیوں کے وفد کا قصہ کیا ہے؟ باوجودیکہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس کا علم تھا' لیکن یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ باتیں کرنا چاہتے ہیں' میں نے قصہ شروع کر دیا کہ حضورؐ جس وقت عادیوں میں قحط سالی نمودار ہوئی تو انہوں نے قیل نامی ایک شخص کو بطور قاصد کے بیت اللہ شریف دعا وغیرہ کرنے کے لئے بھیجا' یہ معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر مہمان بنا' یہاں شراب و کباب اور راگ رنگ

میں ایسا مشغول ہوا کہ مہینے بھر تک جام لنڈھاتا رہا اور معاویہ کی دو لونڈیوں کے گانے سنتا رہا' ان کا نام جرادہ تھا' مہینے بھر کے بعد مہرہ کے پہاڑوں پر گیا اور اللہ سے دعا مانگنے لگا کہ باری تعالیٰ میں کسی بیمار کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کے فدیئے کے لئے نہیں آیا' یا اللہ عادیوں کو تو وہ پلا جو پلایا کرتا تھا۔ اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ چند سیاہ رنگ کے بادل اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں' ان میں سے ایک غیبی صدا آئی کہ ان میں سے جو تجھے پسند ہو' قبول کر لے' اس نے سخت سیاہ بادل کو اختیار کیا' اسی وقت دوسری آواز آئی کہ لے لے خاک راکھ جو عادیوں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑے' عادیوں پر ہوا کے خزانے میں سے صرف بقدر انگوٹھی کے حلقے کے ہوا چھوڑی گئی تھی جس نے سب کو غارت اور تہ و بالا کر دیا۔ ابووائل کہتے ہیں یہ واقعہ سارے عرب میں ضرب المثل ہو گیا تھا' جب لوگ کسی کو بطور وفد کے بھیجتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ عادیوں کے وفد کی طرح نہ ہو جانا۔ اسی طرح مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ سنن کی اور کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ
نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ
وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

ثمودیوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا جس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو' تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل بھی آ چکی' اللہ کی یہ اونٹنی تمہارے لئے نشان ہے' اسے آزاد کر دو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی چگتی رہے خبردار اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا کہ تمہیں دردناک عذاب آ دبوچیں ○

ثمود کی قوم اور اس کا عبرت ناک انجام: ☆☆ (آیت:۷۳) علمائے نسب نے بیان کیا ہے کہ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح' یہ بھائی تھا جدبس بن عامر کا۔ اسی طرح قبیلہ طسم یہ سب خالص عرب تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے ثمودی عادیوں کے بعد ہوئے ہیں' ان کے شہر حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ اور اس کے اردگرد مشہور ہیں۔ سنہ ۹ ھ میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی اجاڑ بستیوں میں سے گزرے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب حضور ﷺ تبوک کے میدان میں اترے' لوگوں نے ثمودیوں کے گھروں کے پاس ڈیرے ڈالے اور انہی کے کنوؤں کے پانی سے آٹے گوندھے' ہانڈیاں چڑھائیں' تو آپ نے حکم دیا کہ سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں اور گندھے ہوئے آٹے اونٹوں کو کھلا دیئے جائیں' پھر فرمایا' یہاں سے کوچ کرو اور اس کنوئیں کے پاس ٹھہرو جس سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور فرمایا' آئندہ عذاب والی بستیوں میں پڑاؤ نہ کیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ' اسی عذاب کے شکار تم بھی بن جاؤ۔

ایک روایت میں ہے ان کی بستیوں سے روتے اور ڈرتے ہوئے گذرو کہ مبادا وہی عذاب تم پر آ جائیں' جو ان پر آئے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لوگ بہ عجلت ہجر کے لوگوں کے گھروں کی طرف لپکے' آپ نے اسی وقت یہ آواز بلند کرنے کا کہا الصلوۃ جامعۃ' جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے گھروں میں کیوں گھسے جا رہے ہو جن پر غضب الٰہی نازل ہوا' راوی حدیث ابوکبشہ فرماتے ہیں' رسول اللہؐ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ' ہم تو صرف تعجب کے طور پر انہیں دیکھنے چلے گئے تھے' آپؐ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی تعجب خیز چیز بتا رہا ہوں' تم میں سے ہی ایک شخص ہے جو تمہیں وہ چیز بتا رہا ہے جو

گذر چکیں اور وہ خبریں دے رہا ہے جو تمہارے سامنے ہیں اور جو تمہارے بعد ہونے والی ہیں پس تم ٹھیک ٹھاک رہو اور سیدھے چلے جاؤ' تمہیں بھی عذاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں' یاد رکھو' ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی جانوں سے کسی چیز کو دفع نہ کر سکیں گے۔ حضرت ابو کبشہؓ کا نام عمر بن سعد ہے اور کہا گیا ہے کہ عامر بن سعد ہے۔ واللہ اعلم ایک روایت میں ہے کہ ہجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا' معجزے نہ طلب کرو' دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی' لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے' اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہو گئے' بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا' اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو رغال' یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن ہے مسلم شریف کی شرط پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید الٰہی سکھائی' کہ فقط اس کی عبادت کریں' اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے' جتنے بھی رسول آئے سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' صرف میری ہی عبادت کرو۔ اور ارشاد ہے' ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي
الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا
فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ
الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ
اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا
اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾

یاد کر لو کہ اللہ نے عادیوں کے بعد تمہیں خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں ایسی زمین میں بسایا ہے کہ تم اس کے نرم حصے میں محلات بنا رہے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو' پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور فسادی بن کر زمین میں تباہی برپا کرتے نہ پھرو ○ اس کی قوم کے سرکش سرداروں نے قوم کے کمزور ایمان داروں سے کہا کہ کیا تمہیں صالح کے رسول اللہ ہونے کا پورا علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہاں ہم تو جس شریعت کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں' ایمان رکھنے والے ہیں ○

(آیت: ۷۴۔۷۵) حضرت صالحؑ فرماتے ہیں' لوگو تمہارے پاس دلیل الٰہی آ چکی جس میں میری سچائی ظاہر ہے' ان لوگوں نے حضرت صالحؑ سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جو ان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی جس کا نام کاتبہ تھا' اس سے آپ ایک اونٹنی نکالیں جو گابھن ہو (دودھ دینے والی اونٹنی جو دس ماہ کی حاملہ ہو) حضرت صالحؑ نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کئے اور مضبوط عہد و پیمان کئے' حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی' دعا کی' ان سب کے دیکھتے ہی چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی' اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کر لیا اور اس کے

ساتھیوں نے بھی' باقی جو اور سردار تھے' وہ ایمان لانے کے لئے تیار تھے' مگر ذواب بن عمرو بن لبید نے اور حباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور رباب بن ہمر بن جلمس وغیرہ نے انہیں روک دیا۔ حضرت جندع کا بھتیجا شہاب نامی تھا یہ ثمودیوں کا بڑا عالم فاضل اور شریف شخص تھا۔ اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن انہی بدبختوں نے اسے بھی روکا جس پر ایک مومن ثمودی مہوش بن غنمہ نے کہا' کہ آل عمرو نے شہاب کو دین حق کی دعوت دی' قریب تھا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت سوا ہو جاتی' مگر بدبختوں نے اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا' ایک مدت تک دونوں ان میں رہے۔ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے' جیسے قرآن میں ہے وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ الخ اور آیت میں ہے هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ یہ ہے اونٹنی اس کے اور تمہارے پانی پینے کے دن تقسیم شدہ اور مقررہ ہیں۔ یہ اونٹنی ثمودیوں کی بستی حجر کے ارد گرد چرتی' چگتی تھی ایک راہ جاتی' دوسری راہ آتی' یہ بہت ہی موٹی تازی اور ہیبت والی اونٹنی تھی جس راہ سے گذرتی' سب جانور ادھر ادھر ہو جاتے' کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان اوباشوں نے ارادہ کیا کہ اس کو مار ڈالیں تا کہ ہر دن ان کے جانور برابر پانی پی سکیں' ان اوباشوں کے ارادوں پر سب نے اتفاق کیا یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور انہیں شہہ دی کہ ہاں اس پاپ کو کاٹ دو' اس اونٹنی کو مار ڈالو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾
فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ
ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

جن لوگوں نے سرکشی کی تھی انہوں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو' ہم اس کے منکر ہیں ○ پس انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح جن عذابوں سے تو ہمیں دھمکاتا رہتا ہے' اگر تو فی الواقع پیغمبروں میں سے ہے تو انہیں ہم پر نازل کر دے ○ پس انہیں زلزلے نے آ پکڑا جس سے وہ اپنے گھروں میں ہی زانو پر اوندھے گرے ہوئے مردے رہ گئے ○

(آیت:۷۶۔۷۸) چنانچہ قرآن کریم میں ہے فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا الخ قوم صالح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا' تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے بدلے ان پر ہلاکت نازل فرمائی اور ان سب کو یکساں کر دیا اور آیت میں ہے کہ ہم نے ثمودیوں کو اونٹنی دی جو ان کے لئے پوری سمجھ بوجھ کی چیز تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا' یہاں بھی فرمایا کہ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا' پس اس فعل کی اسناد سارے ہی قبیلے کی طرف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے سب اس امر پر متفق تھے امام ابن جریرؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی اور حضرت صالحؑ سے بڑی دشمنی رکھتی تھی' اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار' اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا جو ثمودیوں کا ایک سردار تھا' یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا' یہ بھی حسن کے علاوہ مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی' اس کا خاوند مسلمان ہو گیا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس سرکش عورت نے خاوند کو چھوڑ دیا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے۔ صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اسے کہا کہ میں تیرے گھر آ

جاؤں گی اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے' لیکن اس نے انکار کر دیا' اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا- یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتوں تھا' اس برائی پر آمادہ ہو گیا- ادھر عنیزہ نے قدار بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے' اسے میں تجھے دے دوں گی اس شرط پر' کہ اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈال' یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا' یہ تھا بھی زناکاری کا بچہ (زنا کی پیداوار)' سالف کی اولاد میں نہ تھا' جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زناکاری کی تھی' یہ اسی سے پیدا ہوا تھا اب دونوں چلے اور اہل ثمود اور دوسرے شریروں کو بھی اس پر آمادہ کیا چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نو فسادی شخص اس بد ارادے پر تل گئے' جیسے قرآن کریم میں ہے وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ اس شہر میں نو شخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا' سراسر فسادی ہی تھے' چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے' ان کے کہنے سننے سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کے راستے میں یہ دونوں شریر اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے' جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا' اس نے کہا' قدار کیا دیکھتے ہو' اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو' یہ اس کی شکل دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے' اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا- ادھر قدار نے اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مر گئی' اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا-

حسن بصریؒ فرماتے ہیں- اس نے اللہ کی سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی' پھر جس چٹان سے نکلا تھا' اسی میں سما گیا- یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا- واللہ اعلم حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے' دیکھا کہ اونٹنی بے جان پڑی ہے' آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمایا' بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے' ہوا بھی یہی' بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا' اس لئے اترا گئے اور ان مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو' اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں آتا تو بھی آؤ روز روز کے اس جھنجھٹ سے پاک ہو جائیں-

چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہہ تیغ کرو اور صاف انکار کر دو کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ان کے اس مکر کے مقابل ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بے خبر رہے' اب انجام دیکھو لو کہ کیا ہوا؟ رات کو یہ اپنی بدنیتی سے حضرت صالحؑ کے گھر کی طرف چلے' آپ کا گھر پہاڑ کی بلندی پر تھا' ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے کہ اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب کو ہی پیس ڈالا ان کا تو یہ حشر ہوا ادھر جمعرات کے دن تمام ثمودیوں کے چہرے زرد پڑ گئے' جمعہ کے دن ان کے چہرے آگ جیسے سرخ ہو گئے اور ہفتے کے دن جو مہلت کا آخری دن تھا' ان کے منہ سیاہ ہو گئے- تین دن جب گذر گئے تو چوتھا دن اتوار صبح ہی صبح سورج کے روشن ہوتے ہی اوپر آسمان سے سخت کڑاکا ہوا' جس کی ہولناک دہشت انگیز چنگھاڑ نے ان کے کلیجے پھاڑ دیئے' ساتھ ہی نیچے سے زبردست زلزلہ آیا' ایک ہی ساعت میں ایک ساتھ ہی ان سب کا ڈھیر ہو گیا' مُردوں سے مکانات' بازار' گلی' کوچے بھر گئے' مرد' عورت' بچے' بوڑھے اول سے آخر تک سارے کے سارے تباہ ہو گئے شان رب دیکھئے کہ اس واقعہ کی خبر دنیا کو پہنچانے کے لئے ایک کافرہ عورت بچا دی گئی' یہ بھی بڑی خبیثہ تھی' حضرت صالح علیہ السلام کی عداوت کی آگ سے بھری ہوئی تھی' اس کی دونوں ٹانگیں نہیں تھیں لیکن ادھر عذاب آیا' ادھر اس کے پاؤں کھل گئے' اپنی بستی سے سرپٹ بھاگی

اور تیز دوڑتی ہوئی دوسرے شہر پہنچی اور وہاں جا کر ان سب کے سامنے سارا واقعہ بیان کر ہی چکنے کے بعد ان سے پانی مانگا۔ ابھی پوری پیاس بھی نہ بجھی تھی کہ عذاب الٰہی آ پڑا اور وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہاں ابو دغال نامی ایک شخص اور بچ گیا تھا یہ یہاں نہ تھا حرم کی پاک زمین میں تھا' لیکن کچھ دنوں کے بعد جب یہ اپنے کسی کام کی غرض سے حد حرم سے باہر آیا' اسی وقت آسمان سے پتھر آیا اور اسے بھی جہنم واصل کیا ثمودیوں میں سے سوائے حضرت صالحؑ اور ان کے مومن صحابہؓ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ ابو دغال کا واقعہ اس سے پہلے حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔ قبیلہ ثقیف جو طائف میں ہے' مذکور ہے کہ یہ اس کی نسل سے ہیں۔ عبدالرزاق میں ہے کہ اس کی قبر کے پاس سے رسول کریم ﷺ جب گذرے تو فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپؐ نے فرمایا' یہ ابو دغال کی قبر ہے' یہ ایک ثمودی شخص تھا' اپنی قوم کے عذاب کے وقت یہ حرم میں تھا' اس وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ رہا لیکن حرم شریف سے نکلا تو اسی وقت اپنی قوم کے عذاب سے یہ بھی ہلاک ہوا اور یہیں دفن کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی سونے کی لکڑی بھی دفنا دی گئی' چنانچہ لوگوں نے اس گڑھے کو کھود کر اس میں سے وہ لکڑی نکال لی۔

اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' ثقیف قبیلہ اسی کی اولاد ہے' ایک مرسل حدیث میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا' اس کے ساتھ سونے کی شاخ دفن کر دی گئی تھی' یہی نشان اس کی قبر کا ہے' اگر تم اسے کھودو تو وہ شاخ ضرور نکل آئے گی' چنانچہ بعض لوگوں نے اسے کھودا اور وہ شاخ نکال لی۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے اور حسن عزیز ہے لیکن میں کہتا ہوں اس حدیث کے وصل کا صرف ایک طریقہ بجیر بن ابی بجیر کا ہے اور یہ صرف اسی حدیث کے ساتھ معروف ہے اور بقول حضرت امام یحیٰی بن معینؒ سوائے اسماعیل بن ابی امیہ کے اسے اس سے اور کسی نے روایت نہیں کیا' احتمال ہے کہ کہیں اس حدیث کے مرفوع کرنے میں خطا نہ ہو۔ یہ عبداللہ بن عمرو ہی کا قول ہو اور پھر اس صورت میں یہ بھی ممکنات سے ہے کہ انہوں نے اسے ان دو دفتروں سے لے لیا ہو جو انہیں جنگ یرموک میں ملے تھے۔ میرے استاد شیخ ابو الحجاجؒ اس روایت کو پہلے تو حسن عزیز کہتے تھے لیکن جب میں نے ان کے سامنے یہ حجت پیش کی تو آپ نے فرمایا بے شک ان امور کا اس میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ
لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

حضرت صالحؑ نے ان سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میرے بھائیو میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری پوری خیر خواہی کی' لیکن افسوس تم اپنے خیر خواہوں کو اپنا دوست نہیں سمجھتے ○

صالح علیہ السلام ہلاکت کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں : ☆☆ (آیت:۷۹) قوم کی ہلاکت دیکھ کر افسوس' حسرت اور آخری ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر پیغمبر حق حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ تمہیں رب کی رسالت نے فائدہ پہنچایا نہ میری خیر خواہی ٹھکانے لگی' تم اپنی بے سمجھی سے دوست کو دشمن سمجھ بیٹھے اور آخر اس روز بد کو دعوت دے لی۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب بدری کفار پر غالب آئے' وہیں تین دن تک ٹھہرے رہے' پھر رات کے آخری وقت اونٹنی پر زین کس کر آپ تشریف لے چلے اور جب اس گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں ان کافروں کی لاشیں ڈالی گئی تھیں تو آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے' اے ابوجہل' اے عتبہ' اے شیبہ' اے فلاں' اے فلاں' بتاؤ رب کے وعدے تم نے درست پائے؟ میں نے تو اپنے رب کے فرمان کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی' حضرت عمرؓ نے کہا' یا رسول اللہ آپ ان

جسموں سے باتیں کر رہے ہیں جو مردار ہو گئے؟ آپ نے فرمایا' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں جو ان سے کہہ رہا ہوں اسے یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں' لیکن جواب کی طاقت نہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' تم نے میرا خاندان ہونے کے باوجود میرے ساتھ وہ برائی کی کہ کسی خاندان نے اپنے پیغمبر کے ساتھ نہ کی' تم نے میرے ہم قبیلہ ہونے کے باوجود مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے مجھے سچا سمجھا' تم نے رشتہ داری کے باوجود مجھے دیس نکالا دیا اور دوسروں نے مجھے اپنے ہاں جگہ دی' افسوس تم اپنے ہو کر مجھ سے برسر جنگ رہے اور دوسروں نے میری امداد کی' پس تم اپنے نبی کے بدترین قبیلے ہو۔ یہی حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میں نے تو ہمدردی کی انتہا کر دی' اللہ کے پیغام کی تبلیغ میں' تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی' لیکن آہ نہ تم نے اس سے کوئی فائدہ اٹھایا' نہ حق کی پیروی کی' نہ اپنے خیر خواہ کی مانی' بلکہ اسے اپنا دشمن سمجھا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ہر نبی جب دیکھتا کہ اب میری امت پر عام عذاب آنے والا ہے انہیں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوتا اور حرم مکہ میں پناہ لیتا۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ہے کہ حج کے موقعہ پر جب رسول کریم ﷺ وادی عسفان پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ آپ نے جواب دیا' وادی عسفان' فرمایا' میرے سامنے سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام ابھی ابھی گذرے' اونٹنیوں پر سوار تھے جن کی نکیلیں کھجور کے پتوں کی تھیں' کمبلوں کے تہبند بندھے ہوئے اور موٹی چادریں اوڑھے ہوئے تھے' لبیک پکارتے ہوئے بیت اللہ شریف کی طرف تشریف لے جا رہے تھے' یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

(ہم نے ہی لوط کو بھیجا) اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایسی بے حیائی کا کام کر رہے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا ○ کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر اپنی شہوت رانی کے لئے مردوں کی طرف مائل ہو رہے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم لوگ ہو ہی حد سے گذر جانے والے ○

لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) فرمان ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا' تو ان کے واقعہ کو بھی یاد کر۔ حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا اور آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر سدوم نامی بستی کی طرف بھیجا' آپ نے ان کو اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا' نیکیوں کے کرنے' برائیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا' جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی جو ان سے پہلے دنیا سے مفقود تھی' اس بدکاری کے موجد یہی ملعون لوگ تھے' عمرو بن دینارؒ یہی فرماتے ہیں۔ جامع دمشق کے بانی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہتے ہیں' اگر یہ خبر قرآن میں نہ ہوتی تو میں اس بات کو کبھی نہ مانتا کہ مرد مرد سے حاجت روائی کر لے۔ اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا' عورتوں کو جو اس کام کے لئے تھیں' چھوڑ کر تم مردوں پر ریجھ رہے ہو؟ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت اور کیا ہو گی؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' یہ ہیں میری بچیاں یعنی تمہاری قوم کی عورتیں' لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کی چاہت نہیں' ہم تو تمہارے ان مہمان لڑکوں کے خواہاں ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں جس طرح مرد مردوں میں مشغول تھے' عورتیں بھی عورتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع ۸ ۱۱

اس کے جواب میں قوم لوط کا صرف یہی قول تھا کہ انہیں اپنے شہر سے نکال دو' یہ تو بڑے ہی پاک باز لوگ ہیں ○ پس ہم نے لوط کو اور اس کے گھرانے کو بجز اس کی بیوی کے بچالیا' وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ○ اور ہم نے ان پر بڑی بارش برسائی' دیکھ لے کہ ان بدکاروں کا کیسا برا انجام ہوا ○

(آیت:۸۲) قوم لوط پر بھی نبی کی نصیحت کارگر نہ ہوئی' بلکہ الٹا دشمنی کرنے لگے اور دیس نکالا دینے پر تل گئے' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مع ایمانداروں کے وہاں سے صحیح سالم بچالیا اور تمام بستی والوں کو ذلت وپستی کے ساتھ تباہ وغارت کر دیا۔ ان کا یہ کہنا کہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں بطور طعنے کے تھا اور یہ بھی مطلب تھا کہ یہ اس کام سے جو ہم کرتے ہیں' دور ہیں' پھر ان کا ہم میں کیا کام؟ مجاہدؒ اور ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔

لوطی تباہ ہو گئے: ☆☆ (آیت:۸۳-۸۴) حضرت لوطؑ اور ان کا گھرانہ اللہ کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے۔ بجز آپ کے گھرانے کے اور کوئی آپ پر ایمان نہ لایا جیسے فرمان رب ہے فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی وہاں جتنے مومن تھے' ہم نے سب کو نکال دیا' لیکن بجز ایک گھر والے کے وہاں ہم نے کسی مسلمان کو پایا ہی نہیں' بلکہ خاندان لوط میں سے بھی خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہوئی کیونکہ یہ بدنصیب کافرہ ہی تھی' بلکہ قوم کے کافروں کی طرف دار تھی' اگر کوئی مہمان آتا تو اشاروں سے قوم کو خبر پہنچا دیتی' اسی لئے حضرت لوطؑ سے کہہ دیا گیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جانا بلکہ اسے خبر بھی نہ کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتھ تو چلی تھی لیکن جب قوم پر عذاب آیا تو اس کے دل میں ان کی محبت آ گئی اور رحم کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگی' وہیں اسی وقت اس بدنصیب پر بھی عذاب آ گیا لیکن زیادہ ظاہر قول پہلا ہی ہے یعنی نہ اسے حضرت لوطؑ نے عذاب کی خبر کی' نہ اسے اپنے ساتھ لے گئے' یہ یہیں باقی رہ گئی اور پھر ہلاک ہو گئی۔ غابرین کے معنی بھی باقی رہ جانے والے ہیں' جن بزرگوں نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کئے ہیں' وہ بطور لزوم کے ہیں' کیونکہ جو باقی تھے' وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مسلمان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شہر سے نکلتے ہی عذاب الٰہی ان پر بارش کی طرح برس پڑا' وہ بارش' پتھروں اور ڈھیلوں کی تھی جو ہر ایک پر بالخصوص نشان زدہ اسی کے لئے آسمان سے گر رہے تھے۔ گو اللہ کے عذاب کو بے انصاف لوگ دور سمجھ رہے ہوں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں' اے پیغمبر آپ خود دیکھ لیجئے کہ اللہ کی نافرمانیوں اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں' لوطی فعل کرنے والے کو اونچی دیوار سے گرا دیا جائے' پھر اوپر سے پتھراؤ کر کے اسے مار ڈالنا چاہئے کیونکہ لوطیوں کو اللہ کی طرف سے یہی سزا دی گئی۔ اور علماء کرام کا فرمان ہے کہ اسے رجم کر دیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا بے شادی ہو۔

امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک یہی ہے۔ اس کی دلیل مسند احمد' ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جسے تم لوطی فعل کرتے پاؤ' اسے اور اس کے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بھی مثل زناکاری کے ہے' شادی شدہ ہوں تو رجم ورنہ سو کوڑے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔ عورتوں سے اس قسم کی حرکت کرنا بھی چھوٹی

لواطت ہے اور بہ اجماع امت حرام ہے' بجز ایک شاذ قول کے اور بہت سی احادیث میں اس کی حرمت موجود ہے۔ اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا
الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا
فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴿۸۵﴾

مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا' انہوں نے سمجھایا کہ اے قومی بھائیو اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں' تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آ پہنچی' اب تم ناپ تول پوری کیا کرو' لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک کے صحیح انتظام کے بعد اس میں رخنہ اندازیاں نہ کرو' اگر تم ایماندار ہو تو تمہارے لئے یہی بات بہتری والی ہے ○

خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۸۵) مشہور مورخ حضرت امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ لوگ مدین بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ حضرت شعیب میکیل بن یشجر کے لڑکے تھے' ان کا نام سریانی زبان میں یژدن تھا۔ یہ یاد رہے کہ قبیلے کا نام بھی مدین تھا اور اس بستی کا نام بھی یہی تھا' یہ شہر معان سے ہوتے ہوئے حجاز جانے والے راستے میں آتا ہے۔ آیت قرآن وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ میں شہر مدین کے کنویں کا ذکر موجود ہے اس سے مراد ایکہ والے ہیں جیسا کہ ان شاءاللہ بیان کریں گے۔ آپ نے بھی تمام رسولوں کی طرح انہیں توحید کی اور شرک سے بچنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے میری نبوت کی دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ خالق کا حق بتا کر پھر مخلوق کے حق ادائیگی کی طرف رہبری کی اور فرمایا کہ ماپ تول میں کمی کی عادت چھوڑ' لوگوں کے حقوق نہ مارو' کہو کچھ اور کرو کچھ' یہ خیانت ہے۔ فرمان ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ان ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ویل ہے' اللہ اس بدخصلت سے ہر ایک کو بچائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا اور وعظ بیان ہوتا ہے' آپ کو بہ سبب فصاحت عبارت اور عمدگی وعظ کے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا' علیہ الصلوۃ والسلام۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ
قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾
وَاِنْ كَانَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَاۗىِٕفَةٌ
لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ

خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

ہر ہر راہ پر بیٹھ کر لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو راہ اللہ سے روکنا اور اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو' اپنے اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم بہت تھوڑے سے تھے' اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور اور خود دیکھ لو کہ فساد مچانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا؟ ○ اگر تم میں سے ایک گروہ اس چیز پر ایمان لائے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لائے تو تم صبر کر و سہار سے کام لو یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہم میں فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○

قوم شعیبؑ کی بداعمالیاں: ☆☆ (آیت: ۸۶-۸۷) فرماتے ہیں کہ مسافروں کے راستے میں دہشت گردی نہ پھیلاؤ' ڈاکہ نہ ڈالو اور انہیں ڈرا دھمکا کر ان کا مال زبردستی نہ چھینو' میرے پاس ہدایت حاصل کرنے کے لئے جو آنا چاہتا ہے' اسے خوفزدہ کر کے روک دیتے ہو' ایمانداروں کو اللہ کی راہ پر چلنے میں روڑے اٹکاتے ہو' راہ حق کو ٹیڑھا کر دینا چاہتے ہو' ان تمام برائیوں سے بچو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ زیادہ ظاہر ہے کہ ہر رستے پر نہ بیٹھنے کی ہدایت تو قتل و غارت کے سدّ باب کے لئے ہو جو ان کی عادت تھی اور پھر راہ حق سے مومنوں کو نہ روکنے کی ہدایت پھر کی ہو۔ تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ گنتی میں' قوت میں تم کچھ نہ تھے بہت ہی کم تھے' اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری تعداد بڑھا دی اور تمہیں زور آور کر دیا' رب کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرو' عبرت کی آنکھوں سے ان کا انجام دیکھ لو جو تم سے پہلے ابھی ابھی گذر رے ہیں' جن کے ظلم و جبر کی وجہ سے' جن کی بدامنی اور فساد کی وجہ سے رب کے عذاب ان پر ٹوٹ پڑے' وہ اللہ کی نافرمانیوں میں رسولوں کے جھٹلانے میں مشغول رہے' دلیر بن گئے جس کے بدلے اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوئی' آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی باقی نہیں رہی' نیست و نابود ہو گئے' مر مٹ گئے' دیکھو میں تمہیں صاف بے لاگ ایک بات بتا دوں' تم میں سے ایک گروہ مجھ پر ایمان لا چکا ہے اور ایک گروہ نے میرا انکار اور بری طرح مجھ سے کفر کیا ہے' اب تم خود دیکھ لو گے کہ مدد ربانی کس کا ساتھ دیتی ہے اور اللہ کی نظروں سے کون گر جاتا ہے؟ تم رب کے فیصلے کے منتظر رہو' وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا اور سچا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم خود دیکھ لو کہ اللہ والے بامراد ہوں گے اور اللہ کے دشمن نامراد ہوں گے۔

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۹

چند اہم مضامین کی فہرست

- شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی ۳۰۲
- عوام کی فطرت ۳۰۳
- گناہوں میں ڈوبے لوگ؟ ۳۰۵
- عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا ۳۰۶
- نابکار لوگوں کا تذکرہ---انبیاء اور مومنین پر نظر کرم ۳۰۸
- موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ۳۰۸
- عصائے موسیٰ اور فرعون ۳۰۸
- درباریوں کا مشورہ ۳۰۹
- جادوگروں سے مقابلہ ۳۱۰
- جادوگر سجدہ ریز ہو گئے ۳۱۱
- فرعون سیخ پا ہو گیا ۳۱۱
- آخری حربہ بغاوت کا الزام ۳۱۳
- انجام سرکشی ۳۱۷
- احسانات پہ احسانات ۳۱۹
- انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ ۳۲۲
- بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا ۳۲۴
- موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی ۳۲۵
- النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ ۳۳۵
- انبیاء کا قاتل گروہ ۳۳۷
- اصحاب سبت ۳۴۰
- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی ۳۴۲
- رشوت خوری کا انجام ذلت و رسوائی ہے ۳۴۳
- بلعم بن باعورا ۳۴۸
- اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ۳۵۲
- امت محمد ﷺ کے اوصاف ۳۵۴
- سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے ۳۵۵
- صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی ۳۵۵
- قیامت کب اور کس وقت؟ ۳۵۶
- نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا ۳۵۹
- ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم ۳۶۰
- انسان کا المیہ خود ساز خدا اور اللہ سے دوری ہے ۳۶۲
- جو اللہ سے ڈرتا ہے شیطان اس سے ڈرتا ہے ۳۶۶
- سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے ۳۶۸
- سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۳۶۸
- اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے ۳۷۰
- ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان ۳۷۵
- شمع رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں ۳۷۷
- سب سے پہلا غزوہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ ۳۸۰
- تائید الٰہی کے بعد فتح و کامرانی ۳۸۴
- شہیدان وفا کے قصے ۳۸۶
- اللہ کی مدد ہی وجہ کامرانی ہے ۳۸۸
- ایمان والوں کا معین و مددگار اللہ عزاسمہ ۳۹۰
- اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق ۳۹۱
- دل رب کی انگلیوں میں ہیں ۳۹۱
- برائیوں سے نہ روکنا عذاب الٰہی کا سبب ہے ۳۹۳
- اہل ایمان پر اللہ کے احسانات ۳۹۴
- اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو ۳۹۵
- دنیا و آخرت کی سعادت مندی ۳۹۶
- رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش ۳۹۷
- عذاب الٰہی نہ آنے کا سبب: اللہ کے رسول اور استغفار ۳۹۹
- شکست خوردہ کفار کی سازشیں ۴۰۳
- فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو ۴۰۴

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ
قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ
وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ
وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا
افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿٨٩﴾

اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں' اپنی بستی سے نکال دیں گے' یا یہ کہ تم سب پھر سے ہمارے مذہب میں آ جاؤ' اس نے جواب دیا کہ کیا ہم بیزار ہوں تو بھی؟ ○ پھر تو ہم نے یقیناً اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت باندھی' اگر اب ہم تمہارے مذہب میں پھر سے آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات بخشی' ہمارا تو اس میں لوٹنا ناممکن ہی ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ خود اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے' یہی مرضی ہو جائے' ہمارے رب کے علم نے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے' اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے' اے ہمارے پروردگار تو ہم میں اور ہماری قوم میں حق حق فیصلہ کر دے اور سب فیصلہ کرنے والوں سے تو بہتر ہے ○

شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی : ☆☆ (آیت:۸۸-۸۹) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تمام نصیحتیں سن کر جو جواب دیا' اس کا ذکر کیا جا رہا ہے- ہوا یہ کہ دلیلوں سے ہار کر یہ لوگ اپنی قوت جتانے پر اتر آئے اور کہنے لگے اب تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہم دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتے ہیں' یا تو جلا وطنی قبول کرو' یا ہمارے مذہب میں آ جاؤ- جس پر آپ نے فرمایا کہ ہم تو دل سے تمہارے ان مشرکانہ کاموں سے بیزار ہیں' انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں' پھر تمہارے اس دباؤ اور اس خواہش کے کیا معنی؟ اگر اللہ نہ کرے ہم پھر سے تمہارے کفر میں شامل ہو جائیں تو ہم سے بڑھ کر گناہگار کون ہوگا؟ اس کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے دو گھڑی پہلے محض ایک ڈھونگ رچایا تھا' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا-

خیال فرمایئے کہ اس جواب میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایمان داروں کو مرتد ہونے سے کس طرح دھمکایا ہے؟ لیکن چونکہ انسان کمزور ہے' نہ معلوم کس کا دل کیسا ہے اور آگے چل کر کیا ظاہر ہونے والا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ سب کچھ ہے' اگر وہی کسی کے خیالات الٹ دے تو میرا زور نہیں' ہر چیز کے آغاز انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' ہمارا توکل اور بھروسہ اپنے تمام کاموں میں صرف اس کی ذات پاک پر ہے- اے اللہ تو ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ فرما' ہماری مدد فرما' تو سب حاکموں کا حاکم ہے' سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا' عادل ہے' ظالم نہیں-

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱ ۹

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی تابعداری کی تو سمجھ لو کہ تم برباد ہونے والے بن گئے ○ آخرش ان کافروں کو زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ سب اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے ہوئے مردہ رہ گئے ○ گویا شعیب کو جھٹلانے والے' کبھی وہاں بستے ہی نہ تھے' درحقیقت شعیب کے جھٹلانے والے ہی برباد ہونے والے ثابت ہوئے ○ اس نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم والو میں تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات برابر پہنچا چکا اور تمہاری پوری طرح خیر خواہی کی' اب نہ ماننے والوں کا میں کہاں تک صدمہ کرتا رہوں؟ ○

قوم شعیب کا شوق تباہی پورا ہوا: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۲) اس قوم کی سرکشی بدباطنی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے انہیں یقین دلا رہے ہیں' کہ شعیب علیہ السلام کی اطاعت تمہیں غارت کر دے گی اور تم بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے- ان مومنوں کے دلوں کو ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی عذاب بصورت زلزلہ زمین سے آیا اور انہیں سچ مچ لرزا دیا اور غارت و برباد ہو کر خود ہی نقصان میں پھنس گئے' یہاں اس طرح بیان ہوا-

سورۂ ہود میں بیان ہے کہ آسمانی کڑاکے کی آواز سے یہ ہلاک کئے گئے' وہاں یہ بھی بیان ہے کہ انہوں نے اپنے وطن سے نکل جانے کی دھمکی ایمان داروں کو دی تھی' تو آسمانی ڈانٹ کی آواز نے ان کی آواز پست کر دی اور ہمیشہ کے لئے یہ خاموش کر دیئے گئے-

سورۂ شعراء میں بیان ہے کہ بادل ان پر سے عذاب بن کر برسا' کیونکہ وہیں ذکر ہے کہ خود انہوں نے اپنے نبیؑ سے کہا تھا کہ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو- واقعہ یہ ہے کہ تینوں عذاب ان پر ایک ساتھ آئے' ادھر ابر اٹھا جس سے شعلہ باری ہونے لگی' آگ برسنے لگی' ادھر تند اور سخت کڑاکے کی آواز آئی' ادھر زمین پر زلزلہ آیا- نیچے اوپر کے عذابوں سے دیکھتے ہی دیکھتے تہ و بالا کر دیئے گئے' اپنی اپنی جگہ ڈھیر ہو گئے' یا وہ وقت تھا کہ یہاں سے مومنوں کو نکالنا چاہتے تھے' یا یہ وقت ہے کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی وقت یہاں یہ لوگ آباد بھی تھے' یا مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ تم نقصان میں اترو گے' یا یہ ہے کہ خود برباد ہو گئے-

(آیت: ۹۳) قوم پر اللہ کا عذاب آ چکنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام وہاں سے چلے اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے فرمایا کہ میں سبکدوش ہو چکا ہوں' اللہ کا پیغام سنا چکا' سمجھا بجھا چکا' غم خواری ہمدردی کر چکا' لیکن تم کافر کے کافر ہی رہے' اب مجھے کیا پڑی کہ تمہارے افسوس میں اپنی جان ہلکان کروں؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا
بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝۹۴ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ
السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا
الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹۵ وَلَوْ اَنَّ
اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۶

ہم نے جس بستی میں جس نبی کو بھیجا، وہاں والوں کو تنگی اور سختی رنج و تکلیف میں مبتلا کر کے موقعہ دیا کہ وہ عاجزی اور زاری کر لیں ○ پھر ہم نے اس تکلیف کے بدلے راحت و آسانی اس قدر دی کہ وہ بھول گئے اور کہنے لگے، ہمارے باپ دادوں کو بھی تو سختی نرمی پہنچتی تھی، آخرش ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی ○ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کشادہ کر دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا، تو ہم نے بھی ان کے کرتوتک (اعمال) کے بدلے انہیں گرفتار کر لیا ○ کیا شہروں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہو چکے ہیں؟ ○

ادوار ماضی: ☆☆ (آیت: ۹۴-۹۵) سابقہ امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور ان کے انکار پر وہ امتیں مختلف بلاؤں میں مبتلا کی گئیں، مثلاً بیماریاں، فقیری، تنگی، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اکڑنا چھوڑ دیں اور اس کے سامنے جھک جائیں، مصیبتوں کے ٹالنے کی دعائیں کریں اور اس کے رسولؐ کی مان لیں، لیکن انہوں نے اس موقعہ کو ہاتھ سے نکال دیا، باوجود بری حالت ہونے کے دل کا کفر نہ ٹوٹا، اپنی ضد سے نہ ہٹے تو ہم نے دوسری طرح پھر ایک موقعہ دیا۔ سختی کو نرمی سے، برائی کو بھلائی سے، بیماری کو تندرستی سے، فقیری کو امیری سے بدل دیا تاکہ شکر کریں اور ہماری حکمرانی کے قائل ہو جائیں، لیکن انہوں نے اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا، جیسے جیسے بڑھے، ویسے ویسے کفر میں پھنسے، بدمستی میں اور بڑھے اور مغرور ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ زمانہ کے اتفاقات ہیں، پہلے سے یہی ہوتا چلا آیا ہے، کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی، زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا، الغرض اتفاق پر محمول کر کے معمولی سی بات سمجھ کر دونوں موقع ٹال دیئے اور ایمان والے دونوں حالتوں میں عبرت پکڑتے ہیں مصیبت پر صبر، راحت پر شکر ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مومن پر تعجب ہے، اس کی دونوں حالتیں انجام کے لحاظ سے اس کے لئے بہتر ہوتی ہیں، یہ دکھ پر صبر کرتا ہے، انجام بہتر ہوتا ہے، سکھ پر شکر کرتا ہے، نیکیاں پاتا ہے پس مومن رنج و راحت دونوں میں اپنی آزمائش کو سمجھ لیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے، بلاؤں کی وجہ سے مومن کے گناہ بالکل دور ہو جاتے ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ہاں منافق کی مثال گدھے جیسی ہے جسے نہیں معلوم کہ کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا؟ (او کما قال) پس ان لوگوں کو اس کے بعد اللہ کے عذاب نے اچانک آ پکڑا، یہ محض بے خبر تھے، اپنی خرمستیوں میں لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اچانک موت مومن کے لئے رحمت ہے اور کافروں کے لئے حسرت ہے۔

عوام کی فطرت: ☆☆ (آیت: ۹۶) لوگوں سے عام طور پر جو غلطی ہو رہی ہے اس کا ذکر ہے کہ عموماً ایمان سے اور نیک کاموں سے بھاگتے رہتے ہیں۔ صرف حضرت یونس علیہ السلام کی پوری بستی ایمان لائی تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ عذابوں کو دیکھ لیا اور یہ بھی صرف ان کے ساتھ ہی ہوا کہ آئے ہوئے عذاب واپس کر دیئے گئے اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچ گئے، یہ لوگ ایک لاکھ بلکہ زائد تھے، اپنی

پوری عمر تک پہنچے اور دینوی فائدے بھی حاصل کرتے رہے۔

تو فرماتا ہے کہ اگر نبیوں کے آنے پر ان کے امتی صدق دل سے ان کی تابعداری کرتے' برائیوں سے رک جاتے اور نیکیاں کرنے لگتے تو ہم ان پر کشادہ طور پر بارشیں برساتے اور زمین سے پیداوار اگاتے' لیکن انہوں نے رسولوں کی نہ مانی بلکہ انہیں جھوٹا جانا اور روبرو جھوٹا کہا' برائیوں سے' حرام کاریوں سے ایک انچ نہ ہٹے' اس وجہ سے تباہ کر دیئے گئے۔ کیا کافروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ راتوں رات ان کی بےخبری میں ان کے سوتے ہوئے عذاب الٰہی آ جائے اور یہ سوئے کے سوئے رہ جائیں؟ کیا انہیں ڈر نہیں لگتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن دہاڑے ان کے کھیل کود اور غفلت کی حالت میں اللہ جل جلالہ کا عذاب آ جائے؟ اللہ کے عذابوں سے' اللہ تعالٰی کی پکڑ سے' اس کی بےپایاں قدرت کے اندازے سے غافل وہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ بربادی کی طرف بڑھے چلے جاتے ہوں۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن نیکیاں کرتا ہے اور پھر ڈرتا رہتا ہے اور فاسق فاجر شخص برائیاں کرتا ہے اور بےخوف رہتا ہے' نتیجے میں مومن امن پاتا ہے اور فاجر پیس دیا جاتا ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾
اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع
اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ
لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کہ ان کے پاس راتوں رات ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور وہ سوئے پڑے ہوئے ہوں؟ ○ یا ان شہریوں پر دن چڑھے ہمارے عذابوں کے آ جانے سے یہ نڈر ہیں کہ اس وقت یہ اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں؟ ○ کیا یہ اللہ کے داؤں سے مطمئن ہو چکے ہیں؟ یاد رکھو اللہ کے داؤں گھات سے بےخوف وہی ہوتے ہیں جو سخت نقصان اٹھانے والے ہوں ○ اس زمین پر رہنے سہنے والوں کے بعد جو اس کے وارث بنتے ہیں' کیا انہیں بھی یہ ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کی بدکرداریوں پر عذاب کریں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ یہ سنیں ہی نہیں ○

گناہوں میں ڈوبے لوگ؟: ☆☆ (آیت: ۹۷-۱۰۰) ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا اور ہم نے انہیں تاخت و تاراج کیا۔ دوسرا گروہ ان کے قائم مقام ہوا تو کیا اس پر بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اگر وہ بداعمالیاں کریں گے تو اپنے سے اگلوں کی طرح کھو دیئے جائیں گے؟ جیسے فرمان ہے اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ الخ یعنی کیا انہیں اب تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی آباد بستیاں اجاڑ کر رکھ دیں جن کے مکانوں میں اب یہ رہتے سہتے ہیں' اگر یہ عقل مند ہوتے تو ان کے لئے بہت سی عبرتیں تھیں۔ اور اس بیان کے بعد کی آیت میں ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' کیا یہ سن نہیں رہے؟ ایک آیت میں فرمایا' تم اس سے پہلے پورے یقین سے کہتے تھے کہ تمہیں زوال آنے کا ہی نہیں حالانکہ تم جن کے گھروں میں تھے' وہ خود بھی اپنے مظالم کے سبب تباہ کر دیئے گئے تھے' خالی گھر رہ گئے۔ ایک اور آیت میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ الخ ان سے پہلے ہم نے بہت سی

بستیاں تباہ کر دیں' نہ ان میں سے اب کوئی نظر آئے' نہ کسی کی آواز سنائی دے۔ اور آیت میں ہے کہ وہ لوگ تو ان سے زیادہ مست تھے' مال دار تھے' عیش و عشرت میں تھے' راحت و آرام میں تھے' اوپر سے ابر برستا تھا' نیچے سے چشمے بہتے تھے' لیکن گناہوں میں ڈوبے رہے کہ آخر تہس نہس ہو گئے اور دوسرے لوگ ان کے قائم مقام آئے۔

عادیوں کی ہلاکت کا بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ ایسے عذاب اچانک آ گئے کہ ان کے وجود کی دھجیاں اڑ گئیں' کھنڈر کھڑے رہ گئے اور کسی چیز کا نام و نشان نہ بچا' مجرموں کا یہی حال ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیوی وجاہت بھی ان کے پاس تھی۔ آنکھ' کان' دل سب تھا لیکن اللہ جل شانہ کی باتوں کا تمسخر کرنے پر اور ان کے انکار پر جب عذاب آیا تو حیران و ششدر رہ گئے' نہ عقل آئی' نہ اسباب بچے۔ اپنے آس پاس کی ویران بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کرو' اگلوں نے جھٹلایا تو دیکھ لو کس طرح برباد ہوئے؟ تم تو ابھی تک ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے' تم سے پہلے کے منکروں پر میرے عذاب آئے' انہیں غور سے سنو' ظالموں کی بستیاں میں نے الٹ دیں اور ان کے محلات کھنڈر بنا دیئے۔ زمین میں چل پھر کر' آنکھیں کھول کر' کان لگا کر ذرا عبرت حاصل کرو' جس کی آنکھیں نہ ہوں' وہی اندھا نہیں بلکہ سچ مچ اندھا وہ ہے جس کی دلی آنکھیں بے کار ہوں۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی مذاق اڑائے گئے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے مذاق کرنے والوں کا نشان مٹ گیا' ایسے گھیرے گئے کہ ایک بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں سچی ہیں' اس کے وعدے اٹل ہیں' وہ ضرور اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو نیچا دکھاتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا
لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾

یہ ہیں وہ بستیاں جن کے کچھ حالات ہم تجھے سنا رہے ہیں' ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانات لے کر پہنچ چکے' لیکن جسے وہ اس سے پہلے جھٹلا چکے تھے اسے مان کر ہی نہ دیا' منکروں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ○ ہم نے ان کے اکثر لوگوں میں عہد کا پاس پایا ہی نہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے بے حکم اور بدکار ہی پایا ○

عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا: ☆☆ (آیت:۱۰۱-۱۰۲) پہلے قوم نوح' ہود' صالح' لوط اور قوم شعیب کا بیان گزر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان سب کے پاس ہمارے رسول حق لے کر پہنچے' معجزے دکھائے' سمجھایا' بجھایا' دلیلیں دیں لیکن وہ نہ مانے اور اپنی بدعادتوں سے باز نہ آئے' جس کی پاداش میں ہلاک ہو گئے' صرف ماننے والے بچ گئے۔ اللہ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے کہ جب تک رسول نہ آ جائیں' خبردار نہ کر دیئے جائیں' عذاب نہیں دیئے جاتے' ہم ظالم نہیں لیکن جبکہ لوگ خود ظلم پر کمر کس لیں تو پھر ہمارے عذاب انہیں آ پکڑتے ہیں۔ ان سب نے جن چیزوں کا انکار کر دیا تھا' ان پر باوجود دلیلیں دیکھ لینے کے بھی ایمان نہ لائے۔ بِمَا كَذَّبُوْا میں "ب" سببیہ ہے جیسے وَاِذَا سَمِعُوْا کے پارے کے آخر میں فرمایا ہے کہ تم کیا جانو؟ یہ لوگ تو معجزے آنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے' ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے' جیسے کہ یہ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں

بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے-

یہاں بھی فرمان ہے کہ کفار کے دلوں پر اسی طرح ہم مہریں لگا دیا کرتے ہیں' ان میں سے اکثر بد عہد ہیں بلکہ عموماً فاسق ہیں' یہ عہد وہ ہے جو روز ازل میں لیا گیا اور اسی پر پیدا کئے گئے' اسی فطرت اور جبلت میں رکھا گیا' اسی کی تاکید انبیاء علیہم السلام کرتے رہے' لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا' یا مطلق پرواہ نہ کی اور اس عہد کے خلاف غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی' اللہ کو مالک' خالق اور لائق عبادت مان کر آئے تھے لیکن یہاں اس کے سراسر خلاف کرنے لگے اور بے دلیل' خلاف عقل و نقل' خلاف فطرت اور خلاف شرع' اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت میں لگ گئے- صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو موحد اور یکطرفہ پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں-

بخاری و مسلم میں ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی نصرانی مجوسی بنا لیتے ہیں- خود قرآن کریم میں ہے' ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے' سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں' اے دنیا کے لوگو' تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو- اور آیت میں ہے تم اپنے سے پہلے کے رسولوں سے دریافت کر لو' کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود ان کے لئے مقرر کئے تھے؟ اور فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا' کہ لوگو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو- اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں- اس جملے کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں یہ بات مقرر ہو گئی تھی کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہو گا-

یہی ہو کر رہا کہ باوجود دلائل سامنے آ جانے کے ایمان نہ لائے' میثاق والے دن گو یہ ایمان قبول کر بیٹھے لیکن ان کے دلوں کی حالت اللہ جل شانہ کو معلوم تھی کہ ان کا ایمان جبراً اور ناخوشی سے ہے' جیسے فرمان ہے کہ یہ اگر دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی کام نئے سرے سے کرنے لگیں گے جن سے انہیں روکا گیا ہے-

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ
مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى
اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ
بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾

ان کے بعد پھر ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیتیں دے کر فرعون اور فرعونیوں کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا' اب تو آپ دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں تمام جہانوں کے پالنے والے کا پیغمبر ہوں ○ میری شان اسی قابل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف سچ ہی کہوں' میں تو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے معجزہ بھی لایا ہوں' تو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دے ○ اس نے کہا کہ اگر تو واقعی کوئی معجزہ لایا ہے تو اسے پیش کر اگر تو سچوں میں سے ہے ○

نابکار لوگوں کا تذکرہ -- انبیاء اور مؤمنین پر نظر کرم : ☆☆ (آیت : ۱۰۳) جن رسولوں کا ذکر گذر چکا ہے یعنی نوح ' ہود ' صالح ' لوط ' شعیب صلوات اللہ و سلامہ علیھم و علی سائر الانبیاء اجمعین کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی دلیلیں عطا فرما کر بادشاہ مصر ' فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا ' لیکن انہوں نے بھی جھٹلایا اور ظلم و زیادتی کی اور صاف انکار کر دیا ' حالانکہ ان کے دلوں میں یقین گھر کر چکا تھا - اب خود دیکھ لو کہ اللہ کی راہ سے رکنے والوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ؟ وہ مع اپنی قوم کے ڈبو دیئے گئے اور پھر لطف یہ ہے کہ مومنوں کے سامنے بے کسی کی پکڑ میں پکڑ لئے گئے تا کہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور عبرت ہو -

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون : ☆☆ (آیت : ۱۰۴ - ۱۰۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور فرعون کے درمیان جو گفتگو ہوئی ' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ کے کلیم نے فرمایا کہ اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں ' جو تمام عالم کا خالق و مالک ہے ' مجھے یہی لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی باتیں کہوں جو سراسر حق ہوں - " ب " اور " علی " یہ متعاقب ہوا کرتے ہیں جیسے رَمَيْتَ بِالْقَوْسِ اور رمیت علی القوس وغیرہ - اور بعض مفسرین کہتے ہیں حقیق کے معنی حریص کے ہیں - یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مجھ پر واجب اور حق ہے کہ اللہ ذوالمنن کا نام لے کر وہی خبر دوں جو حق و صداقت والی ہو کیونکہ میں اللہ عزوجل کی عظمت سے واقف ہوں - میں اپنی صداقت کی الٰہی دلیل بھی ساتھ ہی لایا ہوں ' تو قوم بنی اسرائیل کو اپنے مظالم سے آزاد کر دے ' انہیں اپنی زبردستی کی غلامی سے نکال دے ' انہیں ان کے رب کی عبادت کرنے دے ' یہ ایک زبردست بزرگ پیغمبر کی نسل سے ہیں یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد ہیں - فرعون نے کہا ' میں تجھے سچا نہیں سمجھتا نہ تیری طلب پوری کروں گا اور اگر تو اپنے دعوے میں واقعہ ہی سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کر -

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۷ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۰۸ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۹ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝۱۱۰ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝۱۱۱ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۱۱۲

اس پر آپ نے اپنی لکڑی ڈال دی جو اسی وقت کھلم کھلا اژدھا بن گئی ○ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ ہر دیکھنے والے کی نگاہ میں اسی وقت چمکیلا بن گیا ○ فرعون کی قوم کے درباریوں نے کہا بھئی یہ تو کوئی بہت بڑا دانا جادوگر ہے ○ یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے ' اب تم کیا مشورہ دیتے ہو ؟ ○ کہنے لگے اسے اور اس کے بھائی کو تو چھوڑ اور تمام شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے ○ کہ وہ تمام دانا جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں ○

عصائے موسیٰ اور فرعون : ☆☆ (آیت : ۱۰۷ - ۱۰۸) آپ نے فرعون کی اس طلب پر اپنے ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دی جو بہت بڑا سانپ بن گئی اور منہ پھاڑے فرعون کی طرف لپکی ' وہ مارے خوف کے تخت پر سے کود گیا اور فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ اللہ کے لئے اسے روک '

اس نے اس قدر اپنا منہ کھولا تھا کہ نیچے کا جبڑا تو زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا محل کی بلندی پر' خوف کے مارے فرعون کی ہوا نکل گئی اور چیخنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لے میں ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کر دوں گا۔ حضرت موسیٰؑ نے اسی وقت اس پر ہاتھ رکھا اور وہ اسی وقت لکڑی جیسی لکڑی بن گیا۔ حضرت وہبؒ فرماتے ہیں' حضرت موسیٰؑ کو دیکھتے ہی فرعون کہنے لگا' میں تجھے پہچانتا ہوں' آپ نے فرمایا یقیناً' اس نے کہا تو نے بچپن ہمارے گھر کے ٹکڑوں پر ہی تو گذارا ہے' اس کا جواب حضرت موسیٰ دے ہی رہے تھے کہ اس نے کہا' اسے گرفتار کر لو' آپ نے جھٹ سے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی جس نے سانپ بن کر ان پر حملہ کر دیا اور بدحواسی میں ایک دوسرے کو کچلتے اور قتل کرتے ہوئے وہ سب کے سب بھاگے' چنانچہ پچیس ہزار آدمی اس ہنگامے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے اور فرعون سیدھا اپنے گھر میں گھس گیا لیکن اس واقعہ کے بیان کی سند میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح دوسرا معجزہ آپ نے یہ ظاہر کیا کہ اپنا ہاتھ اپنی چادر میں ڈال کر نکالا تو بغیر اس کے کہ کوئی روگ یا برص یا داغ ہو' وہ سفید چمکتا ہوا بن کر نکل آیا جسے ہر ایک نے دیکھا' پھر ہاتھ اندر کیا تو جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

درباریوں سے مشورے ہوئے! ☆☆ (آیت:۱۰۹-۱۱۰) جب ڈر خوف جاتا رہا' فرعون پھر سے اپنے تخت پر آ بیٹھا اور درباریوں کے اوسان درست ہو گئے تو فرعون نے کہا' بھئی مجھے تو یہ جادوگر لگتا ہے اور ہے بھی بڑا استاد' ان لوگوں نے اس کی تائید کی اور کہا حضور درست فرما رہے ہیں۔ اب مشورے کرنے لگے کہ اگر یہ معاملہ یونہی رہا تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں گے اور جب یہ قوت پکڑے گا تو ہم سے بادشاہت چھین لے گا' ہمیں جلاوطن کر دے گا' بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟ اللہ کی شان ہے جس سے خوف کھایا' وہی سامنے آیا۔

درباریوں کا مشورہ: ☆☆ (آیت:۱۱۱-۱۱۲) درباریوں نے مشورہ دیا کہ ان دونوں بھائیوں کا معاملہ تو اس وقت رفع دفع کرو' اسے ملتوی رکھو اور ملک کے ہر حصے میں ہرکارے بھیج دو جو جادوگروں کو جمع کر کے آپ کے دربار میں لائیں' تو جب تمام استاد فن جادوگر آ جائیں' ان سے مقابلہ کرایا جائے تو یہ ہار جائے گا اور منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا' یہ اگر جادو جانتا ہے تو ہماری رعایا میں جادوگروں کی کیا کمی ہے؟ بڑے بڑے ماہر جادوگر ہم میں موجود ہیں جو اپنے فن میں بے نظیر ہیں اور بہت چست و چالاک ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ ہم سمجھ گئے کہ تو جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دینے کے ارادے سے آیا ہے' تو اگر تجھ میں کوئی سکت ہے تو آ ہاتھ ملا' ہم تجھ سے مقابلے کا دن اور جگہ مقرر کرتے ہیں اور جگہ مقرر ہو جائے پھر جو بھاگے وہی ہارا' آپ نے فرمایا اچھا یہ ہوس بھی نکال لو' جاؤ تمہارا عید کا دن مجھے منظور ہے اور دن چڑھے اجالے کا وقت اور شرط یہ ہے کہ یہ مقابلہ مجمع عام میں ہو' چنانچہ فرعون اس تیاری میں مصروف ہو گیا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا
يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْ
هُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ○ فرعون نے کہا ہاں ہاں بلکہ تم تو میرے خاص درباری بن جاؤ گے ○ کہنے لگے اے موسیٰ یا تو تم ہی ڈالو یا ہم آپ ہی ڈالنے والے بن جائیں ○ آپ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو تو جب وہ ڈال چکے لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نے جادو کر دیا اور ان سب کو ہیبت زدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو لائے ○

(آیت: ۱۱۳-۱۱۴) جادوگروں نے پہلے ہی سے فرعون سے قول و قرار لے لیا تا کہ محنت خالی نہ جائے اور اگر ہم جیت جائیں تو خالی ہاتھ نہ رہ جائیں‘ فرعون نے وعدہ کیا کہ منہ مانگا انعام اور ہمیشہ کے لئے خاص درباریوں میں داخلہ دوں گا‘ جادوگر یہ قول و قرار لے کر میدان میں اتر آئے۔

جادوگروں سے مقابلہ: ☆☆ (آیت: ۱۱۵-۱۱۶) جادوگروں کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا‘ وہ سب فی الحقیقت اپنے اس فن کے لاجواب استاد تھے‘ اس لئے انہوں نے آتے ہی حضرت موسیٰؑ کو چیلنج دیا کہ لو ہوشیار ہو جاؤ‘ تمہیں اختیار ہے میدان میں اپنے کرتب پہلے دکھاؤ اور اگر کہو تو پہل ہم کر دیں‘ آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ تمہارے حوصلے نکل جائیں اور لوگ تمہارا کمال فن دیکھ لیں اور پھر اللہ کی قدرت کو بھی دیکھ لیں اور حق و باطل میں دیکھ بھال کر فیصلہ کر سکیں‘ وہ تو یہ چاہتے ہی تھے۔ انہوں نے جھٹ سے اپنی رسیاں اور لکڑیاں نکال نکال کر میدان میں ڈالنی شروع کر دیں‘ ادھر وہ میدان میں پڑتے ہی چلتی پھرتی اور بنی بنائی سانپ معلوم ہونے لگیں‘ یہ صرف نظر بندی تھی‘ فی الواقع خارج میں اس کا وجود بدل نہیں گیا تھا بلکہ اس طرح لوگوں کو دکھائی دیتی تھیں کہ گویا زندہ ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خطرہ محسوس کرنے لگے‘ اللہ کی طرف سے اسی وقت وحی آئی کہ خوف نہ کر‘ تو ہی غالب رہے گا‘ اپنے دائیں ہاتھ کی لکڑی ڈال تو سہی‘ ان کا کیا دھرا یہ تو سب ہڑپ کر جائے گی‘ یہ سب تو جادوگری کا کرشمہ ہے‘ بھلا جادو والے بھی کبھی کامیاب ہوئے ہیں؟ بڑی موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں انہوں نے ڈالی تھیں جو سب چلتی پھرتی دوڑتی بھاگتی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ جادوگر پندرہ ہزار یا تیس ہزار سے اوپر اوپر تھے یا ستر ہزار کی تعداد میں تھے‘ ہر ایک اپنے ساتھ رسیاں اور لکڑیاں لایا تھا‘ صف بستہ کھڑے تھے اور لوگ چاروں طرف موجود تھے ہر ایک ہمہ تن شوق بنا ہوا تھا فرعون اپنے لاؤ لشکر اور درباریوں سمیت بڑے رعب سے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا‘ ادھر وقت ہوا‘ ادھر سب کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایک درویش صفت اللہ کا نبی اپنے ساتھ اپنے بھائی کو لئے ہوئے لکڑی ٹکاتے ہوئے آ رہے ہیں‘ یہ تھے جن کے مقابلے کی یہ دھوم دھام تھی‘ آپ کے آتے ہی جادوگروں نے صرف یہ دریافت کر کے کہ ابتدا کس کی طرف سے ہونی چاہئے خود ابتدا کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی‘ پھر فرعون کی‘ پھر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کر کے سب کو ہیبت زدہ کر دیا‘ اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو ہزار ہا کی تعداد میں پہاڑوں کے برابر سانپ نظر آنے لگے جو اوپر تلے ایک دوسرے سے لپٹ رہے تھے‘ ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں‘ میدان بھر گیا ہے‘ انہوں نے اپنے فن کا پورا مظاہرہ کر دکھایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا
يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لکڑی ڈال دے، وہ اسی وقت ان کے رچائے ہوئے تمام ڈھونگ کو نگلنے لگی ○ تو حق ثابت ہو گیا اور وہ جو کچھ کر رہے تھے، محض باطل ہو گیا ○ قوم فرعون وہاں ہار گئی اور بڑی ذلیل وخوار ہوئی ○ اور سارے ہی جادوگر سجدے میں گر پڑے ○ اور صاف کہہ دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے ○ یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ○

جادوگر سجدہ ریز ہو گئے: ☆☆ (آیت: ۱۱۷-۱۲۲) اسی میدان میں جادوگروں کے اس حملے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو بذریعہ وحی حکم فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکڑی کو صرف زمین پر گرا، وہ اسی وقت ان کے سارے ہی لغویات ہضم کر جائے گی، چنانچہ یہی ہوا آپ کی لکڑی نے اژدھا بن کر سارے میدان کو صاف کر دیا، جو کچھ وہاں تھا، سب کو ہڑپ کر لیا ایک بھی چیز اب میدان میں نظر نہ آتی تھی، پھر حضرت موسیٰؑ نے جہاں اس پہ ہاتھ رکھا، وہ ویسی کی ویسی لکڑی بن گئی۔ یہ دیکھتے ہی جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں، یہ تو سچ مچ اللہ کی طرف کا معجزہ ہے، حق ثابت ہو گیا، باطل دب گیا، تمیز ہو گئی، معاملہ صاف ہو گیا، فرعونی بری طرح ہارے اور بری طرح پسپا ہوئے۔

ادھر جادوگر اپنا ایمان چھپا نہ سکے، جان کے خوف کے باوجود اسی میدان میں سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے حضرت موسیٰ کے پاس جادو نہیں، یہ تو اللہ کی طرف سے معجزہ ہے جو خود اللہ نے اسے عطا فرما رکھا ہے، ہم تو اس اللہ پر ایمان لائے، حقیقتاً رب العالمین وہی ہے۔ پھر کسی کو کچھ اور شبہ نہ ہو، یا کوئی کسی طرح کی تاویل نہ کر سکے اور صفائی کر دی کہ ان دونوں بھائیوں اور اللہ کے سچے نبیوں، یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پروردگار کو ہم نے تو مان لیا۔ حضرت قاسم کا بیان ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے تو اٹھنے سے پہلے ہی پروردگار عالم نے دوزخ دکھائی جس سے انہیں بچایا گیا تھا اور جنت دکھائی جو انہیں دی گئی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا
لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ
اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

ع ۱۴ ۱۸

فرعون کہنے لگا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لا چکے؟ یقیناً یہ تمہاری ایک مکاری ہے جسے اس شہر میں ظاہر کر کے تم یہاں سے یہاں والوں کو نکال دینا چاہتے ہو، خیر تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا ○ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کٹوا کر پھر تمہیں سولی پر لٹکوا دوں گا ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں ○ تو ہم سے محض اسی بات کا انتقام لے رہا ہے کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے پاس آئیں تو ہم انہیں تسلیم کر لیں، اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر برسا دے اور ہمیں مسلمانی کی حالت میں اٹھا ○

فرعون سیخ پا ہو گیا: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۶) جادوگروں کے اس طرح مجمع عام میں ہار جانے، پھر اس طرح سب کے سامنے بے دھڑک اسلام قبول کر لینے سے فرعون آگ بگولا ہو گیا اور اس اثر کو روکنے کے لئے سب سے پہلے تو ان مسلمانوں سے کہنے لگا، تمہارا بھید مجھ

پر کھل گیا ہے، تم سب مع موسیٰ کے ایک ہی ہو، یہ تمہارا استاد ہے، تم اس کے شاگرد ہو، تم نے آپس میں پہلے یہ طے کیا کہ تو پہلے چلا جا، پھر ہم آ جائیں گے، اس طرح میدان قائم ہو، ہم مصنوعی لڑائی لڑ کر ہار جائیں گے اور اس طرح اس ملک کے اصلی باشندوں کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ فرعون کے اس جھوٹ پر اللہ کی مار ہے، کوئی بیوقوف انسان بھی اس کے ایک جملہ کو بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ سب کو معلوم تھا موسیٰ علیہ السلام اپنا بچپن فرعون کے محل میں گزارتے ہیں، اس کے بعد مدین میں عمر کا ایک حصہ بسر کرتے ہیں، مدین سے سیدھے مصر کو پہنچ کر اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں اور معجزے دکھاتے ہیں جن سے عاجز آ کر فرعون اپنے جادوگروں کو جمع کرتا ہے، وہ براہ راست اس کی سپاہ کے ساتھ اس کے دربار میں پیش ہوتے ہیں، انعام واکرام کے لالچ سے ان کے دل بڑھائے جاتے ہیں، وہ اپنی فتح مندی کا یقین دلاتے ہیں، فرعون انہیں اپنی رضامندی کا یقین دلاتا ہے اور خوب تیاریاں کر کے میدان جماتے ہیں۔

حضرت موسیٰ ان میں سے ایک سے بھی واقف نہیں، کبھی نہ کسی کو دیکھا ہے نہ سنا ہے، نہ ملے ہیں، نہ جانتے ہیں، لیکن، وزیرے چنیں شہریارے چناں، وہاں تو ان لوگوں کا مجمع تھا کہ فرعون نے جب کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں، تو سب نے گردنیں جھکا کر کہا بے شک جناب آپ ہمارے رب ہیں، تو ایسے جہالت کے پلندوں سے کوئی بات منوا لینی کیا مشکل تھی؟ اس کے رعب میں آ کر ایمان لانے کا ارادہ بدلا اور سمجھ بیٹھے کہ واقعی فرعون ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے امیر سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ جاؤں تو کیا تو مجھ پر ایمان لائے گا؟ اس نے کہا آج میدان میں ہماری جانب جو جادو پیش کیا جائے گا، اس کا جواب ساری مخلوق کے پاس نہیں، تو اگر اس پر غالب آ گیا تو مجھے بے شک یقین ہو جائے گا کہ وہ جادو نہیں معجزہ ہے۔ یہ گفتگو فرعون کے کانوں تک پہنچی، اسے یہ دوہرا رہا ہے کہ تم نے ملی بھگت کر لی۔ اس طرح لوگوں کے دل حقانیت سے ہٹا کر انہیں بدظن کرنے کے لئے دوسری چال یہ چلتا اور کہتا ہے کہ تم اپنے ایکے، اتفاق اور پوشیدہ چال سے چاہتے یہ ہو کہ ہماری دولت وشوکت چھین لو، ہمیں یہاں سے نکال باہر کرو۔ اس طرح اپنی قوم کے دل ان کی طرف سے پھیر کر، پھر انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے چوتھی چال چلتا ہے، کہ ان نومسلموں سے کہتا ہے کہ دیکھو تو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ سو میں کتنے بیس ہوتے ہیں۔ مجھے بھی قسم ہے جو تمہارے ہاتھ پاؤں نہ کٹوائے اور وہ بھی الٹی طرح یعنی پہلے اگر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے تو پھر بایاں پاؤں اور اگر پہلے سیدھا پاؤں کاٹا گیا تو پھر الٹا ہاتھ، اسی طرح بے دست و پا کر کے کھجوروں کی شاخوں پر لٹکا دوں گا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس ظالم بادشاہ سے پہلے ان دونوں سزاؤں کا رواج نہ تھا، یہ دھمکی دے کر وہ سمجھتا تھا کہ اب یہ نرم پڑ جائیں گے لیکن وہ تو ایمان میں اور پختہ ہو گئے، بالاتفاق جواب دیتے ہیں کہ اچھا ڈرایا؟ یہاں سے تو واپس اللہ کے پاس جانا ہی ہے اسی کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے، آج اگر تیری سزاؤں سے بچ گئے تو کیا اللہ کے ہاں کی سزائیں بھی معاف ہو جائیں گی؟ ہمارے نزدیک تو دنیا کی سزائیں بھگت لینا بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بھگتنے کے بہت ہی آسان ہے، تو ہم سے اللہ کے نبی کا مقابلہ کرا چکا ہے، لیکن اب جبکہ ہم پر حق واضح ہو گیا، ہم اس پر ایمان لے آئے تو تو چڑ رہا ہے، کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں ہمارا قدم پھسل نہ جائے۔ اس لئے دعا میں دل کھول دیا کہ اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما، ثابت قدمی دے، ہمیں اسلام پر ہی موت دے، تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوں، ایسا نہ ہو اس ظالم کے رعب میں یا اس کی دھمکیوں میں آ جائیں یا سزاؤں سے ڈر جائیں یا ان کے برداشت کی تاب نہ لائیں۔ ان دعاؤں کے بعد دل بڑھ جاتے ہیں، ہمتیں دوگنا ہو جاتی ہیں۔ فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہیں، تجھے جو کرنا ہے اس میں کمی نہ کر، کوئی کسر اٹھا نہ رکھ، جو جی میں ہے کر گذر، تو تو دنیا ہی میں سزائیں دے سکتا ہے، ہم صبر کر لیں گے، کیا

عجب کہ ہمارے ایمان کی وجہ سے اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے خصوصاً اس وقت کی یہ خطا کہ ہم نے جھوٹ سے سچ کا مقابلہ کیا' بے شک اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ گناہگاروں کے لئے اس کے ہاں جہنم کی سزا ہے جہاں نہ موت آئے نہ کارآمد زندگی ہو اور مومنوں کے لئے اس کے پاس جنتیں ہیں جہاں بڑے بلند درجے ہیں۔ سبحان اللہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں کافر اور جادوگر تھے اور اسی دن کے آخری حصے میں مومن بلکہ نیک شہید تھے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ
لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ
وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

فرعون کے قومی سرداروں نے کہا کہ کیا اے بادشاہ آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو یوں ہی زمین میں فساد مچانے دیا کریں گے؟ کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو بھی چھوڑ بیٹھیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں' ہم تو ان کے لڑکوں کو قتل کرا دیا کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے' ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں ○

آخری حربہ' بغاوت کا الزام: ☆☆ (آیت: ۱۲۷) فرعون اور فرعونیت نے حضرت موسیٰ اور مسلمانوں کے خلاف جو منصوبے سوچے' ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کو ان مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہے۔ کہنے لگے یہ تو آپ کی رعایا کو بہکاتے ہیں' بغاوت پھیلا دیں گے' ملک میں بدامنی پیدا کریں گے' ان کا ضرور اور جلد کوئی انتظام کرنا چاہئے۔ اللہ کی شان دیکھئے' یہ کیسے مصلح بنے ہوئے ہیں کہ اللہ کے رسول اور مومنوں کے فساد سے دنیا کو بچانا چاہتے ہیں' حالانکہ مفسد اور بدنفس خود ہیں۔ وَیَذَرَكَ میں بعض تو کہتے ہیں واؤ حالیہ ہے یعنی درآنحالیکہ موسیٰؑ اور قوم موسیٰ نے تیری پرستش چھوڑ رکھی ہے' پھر بھی تو انہیں زندہ رہنے دیتا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں ہے وَقَدْ تَرَكُوْكَ اَنْ يَّعْبُدُوْا اٰلِهَتَكَ اور قول ہے کہ واؤ عاطفہ ہے یعنی تو نے انہیں چھوڑ رکھا ہے' جس فساد کو یہ برپا کر رہے ہیں اور تیرے معبودوں کے چھوڑنے پر اکسا رہے ہیں۔ بعض کی قرأت اِلَاهَتَكَ ہے یعنی تیری عبادت سے۔ بعض کا بیان ہے کہ فرعون بھی کسی کی پوجا کرتا تھا۔

ایک قول ہے کہ اسے وہ پوشیدہ راز میں رکھتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا بت اس کی گردن میں ہی لٹکتا رہتا تھا جسے یہ سجدہ کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی بہترین گائے پر فرعون کی نگاہ پڑ جاتی تو لوگوں سے کہہ دیتا کہ اس کی پرستش کرو' اسی لئے سامری نے بھی بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا نکالا۔ الغرض اپنے سرداروں کی بات سن کر فرعون جواب دیتا ہے کہ اب ان کے لئے ہم احکام جاری کریں گے کہ ان کے ہاں جو اولاد ہو' دیکھ لی جائے' اگر لڑکا ہو تو قتل کر دیا جائے' لڑکی ہو تو زندہ چھوڑ دی جائے۔ پہلے سرکش فرعون ان مساکین کے ساتھ یہی کر چکا تھا جبکہ اسے یہ منظور تھا کہ حضرت موسیٰؑ پیدا ہی نہ ہوں' لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب آیا اور حضرت موسیٰ باوجود اس کے حکم کے زندہ و سالم بچے رہے۔ اب دوبارہ اس نے یہی قانون جاری کر دیا تا کہ بنی اسرائیل کی جمعیت ٹوٹ جائے' یہ کمزور پڑ جائیں اور بالآخر ان کا نام مٹ جائے' لیکن قدرت نے اس کا بھی خلاف کر دکھایا' اس کو اور اس کی قوم کو غارت کر دیا اور بنی اسرائیل کو اوج و ترقی پر پہنچا دیا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬
يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ
تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾

ع ۱۵ ۳ ۵

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو زمین کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے' اپنے بندوں میں سے جسے چاہے' اس کا وارث بنا دیتا ہے' انجام کار کی بہتری پرہیزگاروں ہی کا حصہ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں تو تکلیفیں پہنچائی جاتی رہیں اور آپ ہمارے پاس آ چکے' اس کے بعد بھی فرمایا' بہت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو بالکل ہی تاخت و تاراج کر دے اور خود تمہیں ہی زمین کا خلیفہ بنا دے' پھر دیکھ لے کہ تم کیسے کچھ اعمال کرتے ہو؟ ○

(آیت: ۱۲۸۔۱۲۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تکبر کے مقابلے میں تحمل اور اس کے ظلم کے مقابلے میں صبر سے کام لیا' اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ فرما چکا ہے کہ ہر لحاظ سے تم ہی اچھے رہو گے' تم اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ قوم کے لوگوں نے کہا' اے اللہ کے نبی آپ کی نبوت سے پہلے بھی ہم اس طرح ستائے جاتے رہے' اسی ذلت و اہانت میں مبتلا رہے اور اب پھر یہی نوبت آئی ہے' آپ نے مزید تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں' یقین مانو کہ تمہارا بدخواہ ہلاک ہو گا اور تم کو اللہ تعالیٰ اوج پر پہنچائے گا۔ اس وقت وہ دیکھے گا کہ کون کتنا شکر بجا لاتا ہے؟ تکلیف کا ہٹ جانا' راحت کا مل جانا انسان کو نہال نہال کر دیتا ہے' یہ پورے شکریئے کا وقت ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣٠﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ
وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا
طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوا
مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾

ہم نے فرعونیوں کو قحط سالیوں اور پھلوں کی کمی میں گرفتار کیا کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ انہیں جب راحت ملتی' کہتے ہم اسی کے قابل ہیں اور جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست سے بتاتے' آگاہ رہو کہ ان کی بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے لیکن یہ محض بے خبر ہیں ○ کہنے لگے کہ موسیٰ تو ہمیں جادو کرنے کے لئے جو بھی چاہے نشان لے آ ہم تو تیری مان کر دیتے ہی نہیں ○

اعمال کا خمیازہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۱) اب آل فرعون پر بھی سختی کے مواقع آئے تا کہ ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کے دین کی طرف جھکیں' کھیتیاں کم آئیں' قحط سالیاں پڑ گئیں' درختوں میں پھل کم لگے یہاں تک کہ ایک درخت میں ایک ہی کھجور لگی یہ صرف بطور آزمائش تھا کہ وہ اب بھی ٹھیک ٹھاک ہو جائیں' لیکن ان عقل کے اندھوں کو راستی سے دشمنی ہو گئی' شادابی اور فراخی دیکھ کر تو اکڑ کر کہتے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور خشک سالی اور تنگی دیکھ کر آواز لگاتے کہ یہ موسیٰ اور مومنوں کی وجہ سے ہے' جبکہ مصیبتیں اور راحتیں اللہ کی جانب سے ہیں' لیکن بے عملی کی باتیں بناتے رہے' ان کی بدشگونی ان کے بداعمال تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر مصیبتیں لاتے تھے۔

سیاہ دل لوگ اقرار کے بعد انکار کرتے رہے: ☆☆ (۱۳۲-۱۳۵) ان کی سرکشی اور ضد دیکھئے کہ حضرت موسیٰ سے صاف کہتے ہیں کہ

آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں پیش کریں، کیسے ہی معجزے بتائیں، ہم ایمان لانے والے نہیں، ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے جادو کے کرشمے ہیں۔ ان پر طوفان آیا، بکثرت بارشیں برسیں جس سے پھل اور اناج تباہ ہو گئے اور اسی سے وبا اور طاعون کی بیماری پھیل پڑی۔ اسی لئے بعض مفسرین نے کہا ہے، طوفان سے مراد موت ہے۔ بعض کہتے ہیں کوئی زبردست آسمانی آفت آئی تھی جس نے انہیں گھیر لیا تھا، ٹڈیوں کی مصیبت ان پر آئی یہ ایک حلال جانور ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، سات غزوے میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کئے ہیں، ہر ایک میں ہم تو ٹڈیاں کھاتے رہے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں، دو مردے اور دو خون ہمارے لئے حلال کئے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی۔ ابوداؤد میں ہے، حضورؐ سے ٹڈی کی نسبت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا، اللہ کے لشکر بہت سے ہیں جنہیں نہ میں کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔ حضورؐ نے طبیعت نہ چاہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جیسے گوہ کو آپ نے نہیں کھایا، حالانکہ دوسروں کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ اس میں تصنیف فرمایا ہے، اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضورؐ ٹڈی نہیں کھاتے تھے اور نہ گردے کھاتے تھے اور نہ گوہ، لیکن انہیں آپ نے حرام نہیں کیا۔ ٹڈی اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس وجہ سے کہ یہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ اس وجہ سے کہ آپ کو خوف تھا کہ کہیں یہ مسخ شدہ امت نہ ہو، پھر یہ روایت بھی غریب ہے، صرف یہی ایک سند ہے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹڈی کو بڑی رغبت سے کھایا کرتے، تلاش کر کے منگوایا کرتے، چنانچہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ ٹڈی کھائی جائے؟ آپ نے فرمایا کاش کہ ایک دو لپیں مل جاتیں تو کیسے مزے سے کھاتے۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿١٣٣﴾
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِندَكَ ۖ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٣٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ
إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿١٣٥﴾

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور چچڑی، جوئیں اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانات لیکن یہ اکڑتے ہی رہے، یہ تھے ہی بڑے ہی نافرمان لوگ ○ کوئی سزا جب ان پر آ جاتی تو کہنے لگتے، اے موسیٰ اپنے رب سے ہمارے لئے بمطابق اس اقرار کے جو تجھ سے ہے، دعا کر، اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو ہم تیرے ساتھ بھیج دیں گے ○ پھر جب ہم ان سے اپنے عذاب ہٹا لیتے اس مدت تک جسے وہ پہنچنے والے ہی ہیں، اسی وقت فوراً ہی وہ عہد شکنی کر ڈالتے ○

ابن ماجہ میں ہے کہ امہات المومنین تو طباقوں میں لگا کر ٹڈیاں ہدیے اور تحفے کے طور پر بھیجتی تھیں۔ امام بغوی ایک روایت لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایسا گوشت مجھے کھلا جس میں خون نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی کھلائی۔ آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ اے اللہ اسے بغیر دودھ پینے کے زندگی دے اور اس کی اولاد کو بغیر آواز نکالے اس کے

پیچھے لگا دے۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ ٹڈیوں کو مارو نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں، یہ ٹڈیاں ان کے دروازوں کی کیلیں کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتی تھیں۔ اوزاعی کہتے ہیں، میں ایک دن جنگل میں تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ ٹڈیاں بہت سی آسمان کی طرف ہیں اور ان میں سے ایک ٹڈی پر ایک شخص سوار ہے جو ہتھیار بند ہے، جو جس طرف اشارہ کرتا ہے، ساری ٹڈیاں اس طرف کو جھک جاتی ہیں اور وہ زبان سے برابر کہہ رہا ہے کہ دنیا باطل ہے اور اس میں جو ہے وہ بھی باطل ہے۔

شریح قاضی فرماتے ہیں، اس جانور میں سات مختلف جانوروں کی شان ہے، اس کا سر گوگھوڑے جیسا ہے، گردن بیل جیسی ہے، سینہ شیر جیسا ہے، پر گدھ جیسے ہیں، پیر اونٹ جیسے ہیں، دم سانپ کی طرح ہے، پیٹ بچھو جیسا ہے۔ آیت اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کی تفسیر میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرے میں جا رہے تھے تو سامنے سے ہمیں ٹڈی دل ملا، ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں سے مارنا شروع کیا، حضورؐ سے سوال کرنے پر آپؐ نے فرمایا، دریائی شکار میں محرم کو کوئی حرج نہیں حضور ﷺ جب ان ٹڈیوں کے لئے بددعا کرتے تو فرماتے اے اللہ جتنی ان میں سے بڑی ہیں، تو انہیں سب کو ہلاک کر ڈال اور جتنی چھوٹی ہیں، سب کو قتل کر ڈال، ان کے انڈے خراب کر دے، ان کی نسل کاٹ دے، ان کے منہ ہماری روزی سے روک لے، ہمیں روزیاں عطا فرما، بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اس پر حضرت جابرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ اللہ کے ایک لشکر کے غارت و برباد ہو جانے کی آپ دعا کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمندر کے اندر کی مچھلیوں کا ناک جھاڑن ہے، چنانچہ بعض لوگوں نے اسے مچھلی میں سے اسی طرح نکلتے دیکھا ہے جب مچھلی سمندر کے کنارے انڈے دے جاتی ہے وہاں سے جب پانی ہٹ جاتا ہے اور دھوپ پڑنے لگتی ہے تو وہ سب انڈے پھوٹ جاتے ہیں اور ان میں سے ٹڈیاں نکلتی ہیں جو پرواز کر جاتی ہیں آیت قرآن اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہم نے بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں، سب سے پہلے ہلاکت ٹڈیوں کی ہوگی۔ امام ابوبکر بن ابوداؤد ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لکڑی تلوار کے مقابلے پر کچھ نہیں اور درخت کی چھال ٹڈی کے مقابلے میں کچھ نہیں، یہ حدیث غریب ہے۔ قُمّل کے بارے میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ وہ سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانور ہیں جو گیہوں میں سے نکلتے ہیں ایک قول ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے پر کی ٹڈیاں ہیں۔

سعید کہتے ہیں، سیاہ رنگ کے چھوٹے سے کیڑے ہیں اس کا واحد قملہ ہے، یہ جانور جب اونٹ کو چمٹ جاتے ہیں تو اسے ہلاک کر دیتے ہیں الغرض ایسے ہی موذی جانور بصورت عذاب فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے۔ فرعون کی سرکشی اور انکار پر طوفان آیا جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے، گڑگڑا کر حضرت موسیٰؑ سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے، یہ موسلا دھار پانی رک جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ کر دیں گے، آپ نے دعا کی، طوفان ہٹ گیا تو یہ اپنے وعدے سے پھر گئے، پھر اللہ کی شان ہے کہ کھیتیاں اور باغات اس قدر پھلے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے نہیں پھلے تھے، جب تیار ہو گئے تو ٹڈیوں کا عذاب آیا، اسے دیکھ کر پھر گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہٹا لے اب ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں چنانچہ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ہٹ گیا، لیکن انہوں نے پھر وعدہ شکنی کی، فصلیں کاٹ لائے، کھلیان اٹھا لئے، لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر اور شکل میں آیا، تمام اناج وغیرہ میں کیڑا لگ گیا، اس قدر بکثرت یہ جانور پھیل گئے کہ دس پیمانے لے کر کوئی شخص پسوانے نکلتا تو پسوانے تک وہ جانور سات پیمانے کھا لیتے، گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، پھر وعدے کئے آپ نے پھر دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس آفت کو بھی ہٹا لیا، لیکن انہوں نے پھر

بے ایمانی کی' نہ بنی اسرائیل کو رہا کیا نہ ایمان قبول کیا' اس پر مینڈکوں کا عذاب آیا' دربار میں فرعون بیٹھا ہوا ہے تو وہیں مینڈک ظاہر ہو کر ٹرانے لگا' سمجھ گئے کہ یہ نئی شکل کا عذاب الٰہی ہے اب یہ پھیلنے اور بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آدمی بیٹھتا تو اس کی گردن تک آس پاس سے اسے مینڈک گھیر لیتے' جہاں بات کرنے کے لئے کوئی منہ کھولتا کہ مینڈک تڑپ کر اس کے منہ میں گھس جاتا' پھر تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے ہٹنے کی درخواست کی اور اقرار کیا کہ ہم خود ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گچنانچہ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو بھی دفع کر دیا' لیکن پھر مکر گئے' چنانچہ ان پر خون کا عذاب آیا تمام برتنوں میں خون' کھانے پینے کی چیزوں میں خون' کنویں میں سے پانی نکالیں تو خون' تالاب سے پانی لائیں تو خون' پھر تڑپ اٹھے فرعون نے کہا' یہ بھی جادو ہے لیکن جب تنگ آ گئے تو آخر حضرت موسیٰ سے مع وعدہ درخواست کی کہ ہم تو پانی سے ترس گئے۔ چنانچہ آپ نے قول قرار لے کر پھر دعا کی اور اللہ نے اس عذاب کو بھی ہٹا لیا لیکن یہ پھر منکر ہو گئے۔ فرعون جب میدان سے ناکام واپس لوٹا تو اس نے ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو' میں ایمان نہ لاؤں گا۔

چنانچہ طوفان کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے' پھر ٹڈیوں کا عذاب آیا تو درخت تو کیا گھر کی چوکھٹیں اور دروازوں تک وہ کھا گئیں' مکانات گرنے لگے' پھر حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے ایک پتھر پر لکڑی ماری' جس میں سے بے شمار چچڑیاں نکل پڑیں اور پھیل گئیں کھانا' پینا' سونا' بیٹھنا' سب بند ہو گیا' پھر مینڈکوں کا عذاب آیا' جہاں دیکھو مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے' پھر خون کا عذاب آیا نہریں' تالاب' کنویں' مٹکے' گھڑے وغیرہ غرض بجائے پانی کے خون ہی خون سب چیزیں ہو گئیں۔ عبید اللہ بن عمرو فرماتے ہیں' مینڈک کو نہ مارو' یہ جب بصورت عذاب فرعونیوں کے پاس آئے تو ایک نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے تنور میں چھلانگ ماری' اللہ نے اس کے بدلے انہیں پانی کی ٹھنڈک عطا فرمائی اور ان کی آواز کو اپنی تسبیح بنایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ خون سے مراد نکسیر پھوٹنا ہے الغرض ہر عذاب کو دیکھ کر اقرار کرتے' لیکن جب حضرت موسیٰ کی دعا سے وہ ہٹ جاتا تو پھر انکار کر جاتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ
مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا
كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿١٣٧﴾

پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے ○ اور قوم کو وارث کیا جو محض ناتواں گنی جاتی تھی اس زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور بنی اسرائیل سے تیرے رب کا بہترین وعدہ پورا ہوا' صرف ان کے صبر کی وجہ سے اور ہم نے درہم برہم کر دیا ہر اس چیز کو جسے قوم فرعون کر رہی تھی اور جو کچھ وہ بلند و بالا عمارتیں بنا رہے تھے سب کو ○

انجام سرکشی : ☆☆ (آیت:۱۳۶-۱۳۷) جب یہ لوگ اپنی سرکشی اور خود پسندی میں اتنے بڑھ گئے کہ باری تعالیٰ کی بار بار کی نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان لانے سے برابر انکار کرتے رہے' تو قدرت نے اپنے زبردست انتقام میں انہیں پھانس لیا اور سب کو دریا برد کر دیا۔

بنواسرائیل بحکم اللہ تعالیٰ ہجرت کر کے چلے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا ان کے لئے خشک ہو گیا' پھر فرعون اور اس کے ساتھی اس میں اترے تو دریا میں پھر روانی آ گئی اور پانی کا ریلا آیا اور وہ سب ڈوب گئے' یہ تھا انجام اللہ کی باتوں کو جھوٹ سمجھنے اور ان سے غافل رہنے کا- پھر پروردگار نے بنواسرائیل جیسے کمزور و ناتواں لوگوں کو اس زمین کا وارث بنا دیا' مشرق و مغرب ان کے قبضے میں آ گیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے ان بے بسوں پر احسان کرنا چاہا اور انہیں امام اور وارث بنانا چاہا' انہیں حکومت سونپ دی اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکریوں کو وہ نتیجہ دکھایا جس سے وہ بھاگ رہے تھے- فرعونیوں سے ہرے بھرے باغات' چشمے' کھیتیاں' عمدہ مقامات' فراواں نعمتیں چھڑوا کر ہم نے دوسری قوم کے سپرد کر دیں' یہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہے' سرزمین شام برکت والی ہے' بنی اسرائیل کا صبر نیک نتیجہ لایا' فرعون اور اس کی قوم کی بنی بنائی چیزیں غارت ہوئیں-

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾

بنی اسرائیل کو جب ہم نے دریا پار کر دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں کی مجاورت کئے بیٹھی تھی' کہنے لگے اے موسیٰ' ہمارے لئے بھی کوئی پوجنے کی چیز بنا دے جیسے کہ ان کے معبود ہیں' آپ نے فرمایا' تم بڑے جاہل لوگ ہو ○ یہ جس مذہب پر ہیں' وہ بھی باطل اور جس عمل پر ہیں وہ بھی باطل ○

شوق بت پرستی: ☆☆ (آیت: ۱۳۸-۱۳۹) اتنی ساری اللہ کی قدرت کی نشانیاں بنی اسرائیل دیکھ چکے لیکن دریا پار اترتے ہی بت پرستوں کے ایک گروہ کو اپنے بتوں کے آس پاس اعتکاف میں بیٹھے دیکھتے ہی موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ ''ہمارے لئے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجئے تا کہ ہم بھی اس کی عبادت کریں جیسے کہ ان کے معبود ان کے سامنے ہیں' یہ کافر لوگ کنعانی تھے' ایک قول ہے کہ لخم قبیلہ کے تھے' یہ گائے کی شکل بنائے ہوئے اس کی پوجا کر رہے تھے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا' تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے محض ناواقف ہو' تم نہیں جانتے کہ اللہ شریک و مثیل سے پاک اور بلند تر ہے یہ لوگ جس کام میں مبتلا ہیں' وہ تباہ کن ہے اور ان کا عمل باطل ہے- ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکے شریف سے حنین کو روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں بیری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے' اس کا نام ذات انواط تھا تو صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں' آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے قوم موسیٰؑ جیسی بات کہہ دی کہ ہمارے لئے بھی معبود مقرر کر دیجئے جیسا ان کا معبود ہے' جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہؑ نے فرمایا' تم جاہل لوگ ہو' یہ لوگ جس شغل میں ہیں' وہ ہلاکت خیز ہے اور جس کام میں ہیں' وہ باطل ہے ابن جریر- مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیثی تھے' جواب سے پہلے یہ سوال سن کر آنحضرت ﷺ کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے اگلوں کی سی چال چلنے لگے-

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ
بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ع ۱۶ ۱۲
وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ
مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا اور معبود تلاش کر دوں؟ اس نے تمہیں تمام جہان پر بزرگی دے رکھی ہے ○ یاد کرو جبکہ ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین سزائیں دے رہے تھے’ تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے’ دراصل اس میں تمہارے رب کی جانب سے تمہاری زبردست آزمائش تھی ○ ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس وعدہ کو دس روز سے پورا فرمایا اور یوں اس کے رب کا چالیس راتوں کا وعدہ پورا ہو گیا’ موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم میں میرا جانشین رہ’ میل جول قائم رکھ اور مفسدوں کی راہ نہ چل ○

ماضی کی یاددہانی: ☆☆ (آیت: ۱۴۰-۱۴۱) انہیں اس گمراہ خیالی سے روکنے کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ فرعونیوں کی غلامی سے اللہ نے تمہیں آزادی دلوائی’ ذلت و رسوائی سے چھٹکارا دیا’ پھر اوج و عزت عطا فرمائی’ تمہارے دیکھتے ہوئے تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا’ ایسے رب کے سوا اور کوئی لائق عبادت کیسے ہو سکتا ہے؟ فرعون کے وقت کی اپنی ابتری کو بھول گئے جس سے اللہ نے نجات دی۔ اس کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

احسانات پہ احسانات: ☆☆ (آیت: ۱۴۲) اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنا وہ احسان یاد دلاتا ہے جس کی وجہ سے موسیٰ کو شرف ہم کلامی حاصل ہوا اور تورات ملی جو ان سب کے لئے باعث ہدایت و نور تھی’ جس میں ان کی شریعت کی تفصیل تھی اور اللہ کے تمام احکام موجود تھے۔ تیس راتوں کا وعدہ ہوا’ آپ نے یہ دن روزوں سے گذارے’ وقت پورا کر کے ایک درخت کی چھال کو چبا کر مسواک کی’ حکم ہوا کہ دس اور پورے کر کے پورے چالیس کرو۔ کہتے ہیں کہ ایک مہینہ تو ذوالقعدہ کا تھا اور دس دن ذوالحجہ کے’ تو عید والے دن وہ وعدہ پورا ہوا اور اسی دن اللہ کے کلام سے آپ کو شرف ملا اسی دن دین محمدی بھی کامل ہوا ہے۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ وعدہ پورا کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کا قصد کیا جیسے اور آیت میں ہے کہ اے گروہ بنی اسرائیل’ ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور طور ایمن کا وعدہ کیا’ آپ نے جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا اور انہیں اصلاح کی اور فساد سے بچنے کی ہدایت کی’ یہ صرف بطور وعظ کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام بھی اللہ کے شریف و کریم اور ذی عزت پیغمبر تھے۔ صلوات اللہ و سلام علیہ و علی سائر۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ
اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ
فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ
جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ
تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے باتیں کیں، کہنے لگا کہ میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں، ارشاد ہوا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، اچھا اس پہاڑ کی طرف نظریں اٹھا اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین دوز کر دیا اور موسیٰ بھی غش کھا کر گر پڑا، ہوش آتے ہی کہنے لگا کہ تیری ذات پاک ہے، تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لانے والوں میں اول ہوں ○

طلب زیارت اور موت: ☆☆ (آیت:۱۴۳) وعدے کے مطابق حضرت موسیٰؑ طور پہاڑ پر پہنچے، اللہ کا کلام سنا تو دیدار کی آرزو کی، جواب ملا کہ یہ تیرے لئے ناممکن ہے- اس سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کا دیدار نہ ہوگا کیونکہ لن ابدی نفی کے لئے آتا ہے لیکن یہ قول بالکل ہی بودا ہے کیونکہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہوگا- وہ احادیث آیت وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور آیت كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ- ایک قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ یہ نفی ابدی ہے لیکن دنیاوی زندگی کے لئے ہے نہ کہ آخرت کے لئے بھی، کیونکہ آخرت میں دیدار باری تعالیٰ مومنوں کو قطعاً ہوگا جیسے کہ آیات واحادیث سے ثابت ہے، اس طرح کوئی معارضہ بھی باقی نہیں رہتا- یہ آیت مثل لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے ہے جس کی تفسیر سورۂ انعام میں گزر چکی ہے- سابقہ کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست پر ان سے کہا گیا تھا کہ اے موسیٰ مجھے جو زندہ شخص دیکھ لے، وہ مر جائے، میرے دیدار کی تاب کوئی زندہ لا نہیں سکتا، خشک چیزیں بھی میری تجلی سے تھرا اٹھتی ہیں، چنانچہ پہاڑ کا حال خود کلیم اللہؑ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور خود بھی بے ہوش ہو گئے امام ابو جعفر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو وہ چکنا چور ہو گیا، راوی حدیث ابو اسماعیل نے اپنے شاگردوں کو اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا، لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام واضح نہیں کیا گیا- ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیا کی اوپر کی پور پر رکھ کر بتایا کہ اتنے سے جمال سے پہاڑ زمین کے ساتھ ہموار ہو گیا- مسند کی روایت میں ہے کہ حمید نے اپنے استاد سے کہا، اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو استاد نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ حضرت انس بن مالکؓ سے میں نے یہ سنا اور انہوں نے آنحضرت رسول مقبول ﷺ سے-

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور امام صاحبؒ نے اسے حسن صحیح غریب فرمایا ہے- مستدرک میں اسے وارد کر کے کہا ہے کہ یہ شرط مسلم پر ہے اور صحیح ہے- خلال کہتے ہیں، اس کی سند صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں- ابن مردویہ میں بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن اسکی بھی سند صحیح نہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں صرف بقدر چھنگلی انگلی کے تجلی ہوئی تھی جس سے وہ مٹی کی طرح چور چور ہو گیا اور کلیم اللہ بھی بے ہوش ہو گئے

کہتے ہیں وہ پہاڑ دھنس گیا۔ سمندر میں چلا گیا اور حضرت موسیٰؑ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں، وہ پہاڑ اب قیامت تک ظاہر نہ ہو گا بلکہ زمین میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، اس تجلی سے چھ پہاڑ اپنی جگہ سے اڑ گئے جن میں سے تین مکے میں ہیں اور تین مدینے میں، احد، رقان اور رضوی مدینے میں، حرا، ثبیر اور ثور مکے میں۔ لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ کہتے ہیں کہ طور پر تجلی کے ظہور سے پہلے پہاڑ بالکل صاف تھے، اس کے بعد ان میں گار اور کھڈ اور شاخیں قائم ہو گئیں، جناب کلیم اللہؑ کی آرزو کے جواب میں انکار ہوا اور پھر مزید تشفی کے لئے فرمایا گیا کہ میری ادنیٰ سی تجلی کی برداشت تجھ سے تو کیا بہت زیادہ قوی مخلوق میں بھی نہیں، دیکھ پہاڑ کی جانب خیال رکھ، پھر اس پر اپنی تجلی ڈالی جس سے پہاڑ جھک گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے، صرف اللہ کی نظر نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا، وہ بالکل مٹی ہو کر ریت کا میدان ہو گیا۔ بعض قرأتوں میں اسی طرح ہے اور ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔ حضرت موسیٰ کو غشی آ گئی۔ یہ ٹھیک نہیں کہ موت آ گئی گو لغتاً یہ بھی ہو سکتا ہے جیسے فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ میں موت کے معنی ہیں، لیکن وہاں قرینہ میں موجود ہے جو اس لفظ سے اسی معنی کے ہونے کی تائید کرتا ہے اور یہاں قرینہ بے ہوشی کی تائید کرتا ہے کیونکہ آگے فرمان ہے۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ ظاہر ہے کہ افاقہ بے ہوشی سے ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ ہوش میں آتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور تعظیم وجلال بیان فرمانے لگے کہ واقعی وہ ایسا ہی ہے کہ کوئی زندہ اس کے جمال کی تاب نہیں لا سکتا، پھر اپنے سوال سے توبہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سب بنی اسرائیل سے پہلے میں ایمان لانے والا بنتا ہوں، میں اس پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ واقعی کوئی زندہ آنکھ تجھے دیکھ نہیں سکتی۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ سے پہلے کوئی مومن ہی نہ تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ کا دیدار زندوں کے لئے ناممکن ہے۔ ابن جریر میں اس آیت کی تفسیر میں محمد بن اسحاق بن یسار کی روایت سے ایک عجیب وغریب مطول اثر نقل کیا گیا ہے عجب نہیں کہ یہ اسرائیلی روایات میں سے ہو، واللہ اعلم۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک یہودی کو کسی نے ایک تھپڑ مارا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لایا کہ آپ کے فلاں انصاری صحابی نے مجھے تھپڑ مارا ہے، آپ نے اسے بلوایا اور اس سے پوچھا، اس نے کہا سچ ہے، وجہ یہ ہوئی کہ یہ کہہ رہا تھا، اس اللہ کی قسم ہے جس نے موسیٰؑ کو تمام جہاں پر فضیلت دی تو میں نے کہا، کیا حضرت محمد ﷺ پر بھی؟ اور غصے میں آ کر میں نے اسے تھپڑ مار دیا، آپ نے فرمایا، سنو نبیوں کے درمیان تم مجھے فضیلت نہ دیا کرو، قیامت میں سب بے ہوش ہوں گے، سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایا تھامے ہوئے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ انہیں مجھ سے پہلے افاقہ ہوا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش ہی نہیں ہوئے؟ یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کا جھگڑا ہو گیا اس پر مسلمان نے کہا، اس کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہان پر فضیلت دی اور یہودی نے کہا، اس کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان پر فضیلت دی، اس پر مسلمان نے اسے تھپڑ مارا۔ اس روایت میں ہے کہ شاید موسیٰؑ ان میں سے ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے استثنا کر لیا۔ حافظ ابوبکر ابن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ تھپڑ مارنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، لیکن بخاری ومسلم کی حدیث میں یہ فرمان کہ تم نبیوں کے درمیان مجھے فضیلت نہ دو، ایسا ہی ہے جیسے اور حدیث میں بھی فرمان ہے کہ نبیوں میں مجھے فضیلت نہ دو، نہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت دو یہ فرمان بطور تواضع کے ہے، یا یہ فرمان اس سے پہلے ہے کہ آپ کو اپنی فضیلت کا علم اللہ کی طرف سے ہوا ہو، یا یہ مطلب ہے کہ غصے میں آ کر یا تعصب کی بنا پر مجھے فسیلت نہ دو، یا یہ کہ صرف اپنی رائے سے میری فضیلت قائم نہ کرو۔ واللہ اعلم لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، یہ بے ہوشی میدان قیامت کی بعض ہولناکیوں کی وجہ سے ہو گی۔ واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے یہ اس وقت کا حال ہو

جب اللہ الملك و دیان تبارک وتعالیٰ لوگوں کے درمیان حق فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے گا تو اس کی تجلی سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے' جیسے حضرت موسیٰؑ اللہ کے جمال کی برداشت کوہ طور پر نہ لا سکے۔ اسی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے انہیں افاقہ ہوا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش نہ ہوئے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفا کے شروع میں لکھتے ہیں کہ دیدار الٰہی کی اس تجلی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چیونٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے جو دس فرسخ دور رات کے اندھیرے میں کسی پتھر پر چل رہی ہو اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے' معراج کے واقعہ کے بعد مخصوص ہوئے ہوں اور آپ نے رب کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا قاضی صاحب کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے حالانکہ اس کی سند غور طلب ہے' اس میں مجہول راوی ہیں اور ایسی باتیں جب تک ثقہ راویوں کے سلسلے سے نہ ثابت ہوں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ واللہ اعلم۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ
وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا
لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ
فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ
دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اور لوگوں سے ممتاز کیا اپنی رسالت کے ساتھ بھی اور اپنے کلام سے بھی پس جو بھی میں نے تجھے عطا فرمایا ہے' لے لے اور شکر گذاروں میں شامل رہ ○ اور ہم نے موسیٰ کے لئے توراۃ کی تختیوں میں ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی' اب تو اسے مضبوطی سے پکڑے رہ اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کی عمدہ باتیں مضبوطی سے لئے رہیں' میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کے گھر بھی دکھا دوں گا ○

انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ: ☆☆ (آیت:۱۴۴-۱۴۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوہری نعمت آپ کو عطا ہوئی یعنی رسالت اور ہم کلامی۔ مگر چونکہ ہمارے حضرت محمد ﷺ تمام اول و آخر تمام نبیوں کے سردار ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کرنے والا آپ کو بنایا کہ قیامت تک آپ ہی کی شریعت جاری رہے گی اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ کے تابعدار تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ فضیلت کے اعتبار سے آپ کے بعد سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو خلیل اللہ ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو کلیم اللہ تھے۔ اے موسیٰ جو مناجات اور کلام تجھے میں نے دیا ہے' وہ لے لے اور مضبوطی سے اس پر استقامت رکھ اور اس پر جتنا تجھ سے ہو سکے' شکر بجا لایا کر۔ کہا گیا ہے کہ تورات کی تختیاں جواہر کی تھیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام احکام حلال حرام کے تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے تھے' ان ہی تختیوں میں تورات تھی جس کے متعلق فرمان ہے کہ اگلے لوگوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے کتاب عطا فرمائی۔ یہ بھی مروی ہے کہ تورات سے پہلے یہ تختیاں ملی تھیں واللہ اعلم۔ الغرض دیدار الٰہی جس کی تمنا آپ نے کی تھی' اس کے عوض یہ چیز آپ کو ملی۔ کہا گیا' اسے ماننے کے ارادے سے لے لو اور اپنی قوم کو ان اچھائیوں پر عمل کرنے کی ہدایت کرو' آپ کو زیادہ تاکید ہوئی اور قوم کو ان سے کم' تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری حکم عدولی کرنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے؟ جیسے کوئی کسی کو دھمکاتے ہوئے

کہے کہ تم میری مخالفت کا انجام بھی دیکھ لو گے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں شام کے بدکاروں کے گھروں کا مالک بنا دوں گا' یا مراد اس سے فرعونیوں کا ترکہ ہو' لیکن پہلی بات ہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ فرمان تیہہ کے میدان سے پہلے اور فرعون سے نجات پا لینے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم۔

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ
وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ
لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ
سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾
وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ
هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷ ۶

میں اپنی آیتوں کی سوچ سمجھ سے ان لوگوں کو برگشتہ کئے رہوں گا جو ناحق زمین میں اکڑتے پھرتے ہیں' وہ اگرچہ تمام نشانات دیکھ لیں' انہیں ماننے کے نہیں' راہ راست دیکھ کر اسے راہ نہیں بنانے کے' اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اسے فوراً اپنا مسلک بنا لیتے ہیں' یہ وبال ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پرواہ رہے ○ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے کو نہ مانیں' ان کے اعمال غارت ہیں' انہیں بدلہ صرف ان اعمال کا ہی ملے گا جو وہ کرتے رہے ○

تکبر کا پھل محرومی: ☆☆ (آیت: ۱۴۶-۱۴۷) تکبر کا نتیجہ ہمیشہ جہالت ہوتا ہے' ایسے لوگوں کو حق کو سمجھنے' اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی' ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ان کے دل الٹ جاتے ہیں' آنکھ کان بے کار ہو جاتے ہیں' ان کی کجی ان کے دلوں کو بھی کج کر دیتی ہے۔ علماء کا مقولہ ہے کہ متکبر اور پوچھنے سے جی چرانے والا کبھی عالم نہیں ہو سکتا۔ جو شخص تھوڑی دیر کے لئے علم کے حاصل کرنے میں اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے نہ جھکائے وہ عمر بھر ذلت و رسوائی میں رہتا ہے' متکبر لوگوں کو قرآن کی سمجھ کہاں؟ وہ تو رب کی آیتوں سے بھاگتے رہتے ہیں' اس امت کے لوگ ہوں یا دوسری امتوں کے' سب کے ساتھ اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ تکبر کی وجہ سے حق کی پیروی نصیب نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اگرچہ یہ بڑے بڑے معجزے بھی دیکھ لیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہو گا' گو نجات کے راستے ان پر کھل جائیں لیکن اس راہ پر چلنا ان کے لئے دشوار ہے' ہاں بری راہ سامنے آتے ہی یہ بے طرح اس پر لپکے اس لئے کہ ان کے دلوں میں جھٹلانا ہے اور اپنے اعمال کے نتیجوں سے بے خبر ہیں۔ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں' آخرت کا یقین نہ رکھیں' اسی عقیدے پر مریں ان کے اعمال اکارت ہیں' ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے' بدلہ صرف کئے ہوئے اعمال کا ہی ملتا ہے' بھلے کا بھلا اور برے کا برا' جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا
لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ اَيْدِيْهِمْ

وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا

وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

موسیٰ کے جانے کے بعد قوم نے قبطیوں کے زیوروں سے بچھڑے کا بے روح ڈھانچہ بنالیا کہ اس کی گائے جیسی آواز تھی' کیا انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ انہیں راہ دکھا سکتا ہے' اسے لے بیٹھے تھے اور تھے ہی وہ پورے ظالم ○ اور جب اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور دیکھ لیا کہ وہ بہک گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اب اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو بیشک ہم نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے ○

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا: ☆☆ (آیت: ۱۴۸-۱۴۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے وعدے کے مطابق تورات لینے گئے ادھر فرعونیوں کے جو زیور بنی اسرائیل کے پاس رہ گئے تھے سامری نے انہیں جمع کیا اور اپنے پاس سے اس میں خاک کی مٹھی ڈال دی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپ تلے سے اس نے اٹھالی تھی' اللہ کی قدرت سے وہ سونا گل کر مثل ایک گائے کے جسم کے ہو گیا اور چونکہ کھوکھلا تھا اس میں سے آواز بھی آنے لگی اور وہ بالکل ہو بہو گائے کی سی آواز تھی۔ سامری نے بنی اسرائیل کو بہکا کر اس کی عبادت کرانی شروع کر دی بہت سے لوگ اسے پوجنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے طور پر حضرت موسیٰؑ کو اس فتنے کی خبر دی۔ یہ بچھڑا یا تو سچ مچ خون' گوشت کا بن گیا تھا یا سونے کا ہی تھا مگر شکل گائے کی تھی یہ اللہ ہی جانے' بنی اسرائیل تو آواز سنتے ہی ناچنے لگے اور اس پر ریجھ گئے سامری نے کہہ دیا کہ اللہ تو یہی ہے موسیٰ بھول گئے ہیں' انہیں اتنی بھی تمیز نہ آئی کہ وہ اللہ تو کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور کسی نفع نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتا' اس بچھڑے کو اس اللہ کو چھوڑ کر پوجو جو سب کا مالک اور سب کا خالق ہے۔ اس کی وجہ سوائے اندھے پن اور بے عقلی کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے پھر جب اس محبت میں کمی آئی' آنکھیں کھلیں تو اپنے اس فعل پر نادم ہونے لگے اور یقین کر لیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو گئے تو اللہ سے بخشش مانگنے لگے۔ ایک قرات میں تغفر ''ت'' سے بھی ہے۔ جان گئے کہ اگر معافی نہ ملی تو بڑے نقصان سے دوچار ہو جائیں گے' غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ سے جھکے اور التجا کرنے لگے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا

خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ

بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ

اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ

وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۱۸ ۴ ۸

جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصے اور رنج میں بھرا ہوا لوٹا' کہنے لگا کہ تم نے میرے بعد میری بڑی ہی بری نیابت کی' کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے امر میں جلد بازی

کی' اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگا' اس نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی' یہ لوگ مجھے تو کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے پس آپ میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائیں اور میرا شمار بھی ان ظالم لوگوں میں نہ کیجئے ○ موسیٰ کہنے لگا کہ اے میرے رب تو مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے تو تو تمام رحمت کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی: ☆☆ (آیت: ۱۵۰-۱۵۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ طور پر ہی اپنی قوم کا یہ کفر معلوم ہو چکا تھا اس لئے سخت غضبناک ہو کر واپس آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے تو میرے بعد سخت نالائقی کی' تم نے میرا انتظار بھی نہ کیا' میری ذرا سی تاخیر میں یہ ظلم ڈھایا' غصے کے مارے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ زمردیا یاقوت یا کسی اور چیز کی تھیں۔ سچ ہے جو حدیث میں ہے کہ دیکھنا سننا برابر نہیں اپنی قوم پر غصے ہو کر الواح ہاتھ سے گرا دیں' ٹھیک بات یہی ہے۔ جمہور سلف و خلف کا قول بھی یہی ہے' لیکن ابن جریر نے قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے جس کی سند بھی صحیح نہیں۔ ابن عطیہ وغیرہ نے اس کی بہت تردید کی ہے اور واقعی وہ تردید کے قابل بھی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قتادہ نے یہ اہل کتاب سے لیا ہو اور ان کا کیا اعتبار ہے؟ ان میں جھوٹے' بناوٹ کرنے والے' گھڑ لینے والے' بددین' بے دین ہر طرح کے لوگ ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں باز رکھنے کی پوری کوشش نہ کی ہو' آپ نے ان کے سر کے بالوں کے بل انہیں گھسیٹ لیا اور فرمانے لگے' انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی تو نے میری ماتحتی میں انہیں کیوں نہ روکا؟ کیا تو بھی میرے فرمان کا منکر بن گیا؟ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھائی جان میرے سر کے اور داڑھی کے بال نہ پکڑیں' میں نے تو ہر ممکن طریقے سے انہیں روکا' زیادہ اس لئے نہ الجھا کہ کہیں آپ یہ نہ فرما دیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی؟ تو نے میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ ورنہ میں تو ان گمراہوں سے اب تک زمین کو پاک کر چکا ہوتا' انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے' آپ مجھے ان ہی کی طرح نہ سمجھیں' نہ ان میں ملائیں۔

حضرت ہارونؑ کا یہ فرمانا کہ اے میرے ماں جائے بھائی' یہ صرف اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰؑ کو رحم آ جائے' ماں باپ دونوں کے ایک ہی تھے' جب آپ کو اپنے بھائی ہارون کی برأت کی تحقیق ہو گئی' اللہ کی طرف سے بھی ان کی پاک دامنی اور بے قصوری معلوم ہو گئی کہ انہوں نے اپنی قوم سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ افسوس تم فتنے میں پڑ گئے' اب بھی کچھ نہیں بگڑا' پروردگار بڑا ہی رحیم و کریم ہے' تم میری مان لو اور پھر سے میرے تابع دار بن جاؤ تو آپ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے' واقعی دیکھنے والے میں اور خبر سننے والے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ قوم کی گمراہی کی خبر سنی تو تختیاں ہاتھ سے نہ گرائیں لیکن اس منظر کو دیکھ کر قابو میں نہ رہے' تختیاں پھینک دیں۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا
السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوٓا ۚ إِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵۳﴾

یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا' ان پر ان کے رب کا غضب نازل ہو گا ہی اور دنیا کی زندگی کی رسوائی بھی' ہم اسی طرح جھوٹ افترا باندھنے

والوں کوسزا دیتے ہیں ○ ہاں جولوگ برائیاں کرنے کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو بیشک تیرا رب اس کے بعد بھی بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

باہم قتل کی سزا : ☆☆ (آیت:۱۵۲-۱۵۳) ان گئوسالہ پرستوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا' جب تک ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کوقتل نہ کرلیا' ان کی توبہ قبول نہ ہوئی جیسے کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل وار بیان ہو چکا ہے کہ انہیں حکم ہوا تھا کہ اپنے خالق سے توبہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کوقتل کرو' یہی تمہارے حق میں ٹھیک ہے' پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا' وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم وکرم والا ہے' اسی طرح دنیا میں بھی ان یہودیوں پر ذلت نازل ہوئی - ہر بدعتی کی جو اللہ کے دین میں جھوٹا طوفان اٹھائے' یہی سزا ہے' رسول کی مخالفت اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر ان کے کندھوں پر آ پڑتا ہے- حسن بصریؒ فرماتے ہیں' گو وہ دنیوی ٹھاٹھ رکھتا ہو لیکن ذلت اس کے چہرے پر برستی ہے' قیامت تک یہی سزا ہر جھوٹے' افترا باز کی اللہ کی طرف سے مقرر ہے- حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے-

پھر فرماتا ہے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے خواہ کیسا ہی گناہ ہو لیکن توبہ کے بعد وہ معاف فرما دیتا ہے گو کفر وشرک اور نفاق وشقاق ہی کیوں نہ ہو- فرمان ہے کہ جولوگ برائیوں کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو اے رسول رحمت اور اے نبی نور (یعنی قرآن) تیرا رب اس فعل کے بعد بھی غفور ورحیم ہے- حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زناکاری کرے' پھر اس سے نکاح کرلے تو؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی' کوئی دس دس مرتبہ اسے تلاوت کیا اور کوئی حکم یا منع نہیں کیا-

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا' اس نے تختیاں اٹھالیں' ان میں جو لکھا ہوا تھا' وہ ہدایت ورحمت تھی ان کے لئے جو اپنے پروردگار سے خوف کھاتے رہے ہیں ○

امت محمدیہ کے چند خصائل : ☆☆ (آیت:۱۵۴) حضرت موسیٰ کو اپنی قوم پر جو غصہ تھا' جب وہ جاتا رہا تو سخت غصے کی حالت میں جن تختیوں کو انہوں نے زمین پر ڈال دیا تھا' اب اٹھالیں' یہ غصہ صرف اللہ کی راہ میں تھا کیونکہ آپ کی قوم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی' ان تختیوں میں ہدایت ورحمت تھی- کہتے ہیں کہ جب کلیم اللہ نے تختیاں زمین پر ڈال دیں تو وہ ٹوٹ گئیں' پھر انہیں جمع کیا' تو ان میں رہبری اور رحم پایا اور تفصیل اٹھالی گئی تھی- کہتے ہیں کہ ان تختیوں کے ٹکڑے شاہی خزانوں میں بنی اسرائیل کے پاس دولت اسلامیہ کے ابتدائی زمانے تک محفوظ رہے (واللہ اعلم) اس کی صحت کا کوئی پتہ نہیں حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ وہ تختیاں جنتی جوہر کی تھیں-

اور اس آیت میں ہے کہ پھر حضرت موسیٰؑ نے خود ہی انہیں اٹھالیا اور ان میں رحمت وہدایت پائی چونکہ رہبت متضمن ہے خشوع وخضوع کو' اس لئے اسے لام سے متعدی کیا قتادہؒ کہتے ہیں' ان میں آپ نے لکھا دیکھا کہ ایک امت تمام امتوں سے بہتر ہوگی جو لوگوں کے لئے قائم کی جائے گی' جو بھلی باتوں کا حکم کرے گی اور برائیوں سے روکے گی' تو حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو یہی امت بنا دے' جواب ملا کہ یہ امت امت احمد ہے (ﷺ) پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو دنیا میں سب سے آخر آئے گی اور جنت میں سب سے پہلے جائے گی' تو بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا' پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی جس کی وہ تلاوت کریں گے یعنی حفظ کریں گے اور دوسرے لوگ دیکھ کر پڑھتے ہیں- اگر ان کی کتابیں اٹھ جائیں تو علم جاتا

رہے کیونکہ انہیں حفظ نہیں' اس طرح کا حافظہ اسی امت کے لئے مخصوص ہے کسی اور امت کو نہیں ملا' اس پر بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا۔

پھر دیکھا کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ ایک امت ہو گی جو اگلی پچھلی تمام کتابوں پر ایمان لائے گی اور گمراہوں سے جہاد کرے گی یہاں تک کہ کانے دجال سے جہاد کرے گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر دیکھا کہ ایک امت ہو گی جو اپنے صدقے آپ کھائے گی اور اجر بھی پائے گی حالانکہ اور امتیں جو صدقہ کرتی رہیں' اگر قبول ہوا تو آگ آ کر اسے کھا گئی اور اگر نامقبول ہوا تو اسے درندوں پرندوں نے کھا لیا۔ اللہ نے تمہارے صدقے تمہارے مالداروں سے تمہارے مفلسوں کے لئے لئے ہیں۔ اس پر بھی کلیم اللہ علیہ السلام نے یہی دعا کی اور یہی جواب ملا۔ پھر پڑھا کہ ایک امت ہو گی جس کا رکن اگر نیکی کا ارادہ کر لے پھر نہ کرے تو بھی نیکی لکھ لی جائے گی اور اگر کر بھی لی تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سات سو تک اسی طرح بڑھتی چلی جائیں گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر ان تختیوں میں آپ نے پڑھا کہ ایک امت ہو گی جو خود بھی شفاعت کرے گی اور ان کی شفاعت دوسرے بھی کریں گے۔ آپ نے پھر یہی دعا کی کہ اے اللہ یہ مرتبہ میری امت کو دے۔ جواب ملا یہ امت امت احمد ہے (ﷺ) ہے' اس پر آپ نے تختیاں لے لیں اور کہنے لگے اے اللہ مجھے امت احمد میں کر دے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ
اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ
بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ہمارے وعدے کی حاضری کے لئے ستر شخص چھانٹ لئے' پھر جب انہیں زلزلے نے پکڑ لیا تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر تیری یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا' ہم میں سے بعض احمق لوگوں کے کئے ہوئے کاموں پر کیا تو ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ حادثہ تو صرف تیری طرف کا ایک امتحان ہے' اس سے جسے تو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت پر لے آئے' تو ہی ہمارا کارساز ہے' پس ہمارے قصور معاف فرما' اور ہم پر مہربانی فرما تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی: ☆☆ (آیت:۱۵۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب فرمان الٰہی اپنی قوم سے ستر شخصوں کو منتخب کیا اور جناب باری سے دعائیں مانگنا شروع کیں' لیکن یہ لوگ اپنی دعا میں حد سے تجاوز کر گئے کہنے لگے' اللہ تو ہمیں وہ دے جو نہ ہم سے پہلے کسی کو دیا ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے' یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور ان پر بھونچال آ گیا' جس سے گھبرا کر حضرت موسیٰؑ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ سدیؒ کہتے ہیں' انہیں لے کر آپ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی کی معذرت کرنے کے لئے گئے تھے' یہاں جب وہ پہنچے تو کہنے لگے' ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' ایمان نہ لائیں گے' ہم کلام سن رہے ہیں لیکن دیکھنا چاہتے ہیں' اس پر کڑاکے کی آواز ہوئی اور یہ سب مر کھپ گئے' حضرت موسیٰؑ نے رونا شروع کیا کہ اللہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ان کے یہ بہترین

لوگ تھے، اگر تیری یہی منشا تھی تو اس سے پہلے ہی ہمیں ہلاک کر دیا ہوتا۔

امام محمد بن اسحاقؒ کا قول ہے کہ انہیں اس بت پرستی سے توبہ کرنے کے لئے بطور وفد کے آپ لے چلے تھے، ان سے فرما دیا تھا کہ پاک صاف ہو جاؤ، پاک کپڑے پہن لو اور روزے سے چلو، یہ اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر طور سینا پہنچے، مناجات میں مشغول ہوئے تو انہوں نے خواہش کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام سنیں، آپ نے دعا کی، جب حسب عادت بادل آیا اور موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے اور بادل میں چھپ گئے، قوم سے فرمایا تم بھی قریب آ جاؤ، یہ بھی اندر چلے گئے اور حسب معمول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا جو اللہ کے کلام کے وقت برابر چمکتا رہتا تھا، اس وقت کوئی انسان آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا، آپ نے حجاب کر لیا، لوگ سب سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا کلام شروع ہوا جو یہ لوگ بھی سن رہے تھے کہ فرمان ہو رہا ہے کہ یہ کر یہ نہ کر وغیرہ، جب باتیں ہو چکیں اور ابر اٹھ گیا تو ان لوگوں نے کہا، ہم تو جب تک اللہ کو خود خوب ظاہر نہ دیکھ لیں، ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر کڑاکا نازل ہوا اور سب کے سب ایک ساتھ مر گئے، موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور مناجات شروع کر دیں، اس میں یہاں تک کہا کہ اگر ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کیا ہوتا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اور شبر اور شبیر کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں گئے، ہارون ایک بلند جگہ کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی، جب آپ واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ کے بھائی بڑے ملنسار اور نرم آدمی تھے، آپ نے ہی انہیں الگ لے جا کر قتل کر دیا، اس پر آپ نے فرمایا، اچھا تم اپنے میں سے ستر آدمی چھانٹ کر میرے ساتھ کر دو، انہوں نے کر دیئے جنہیں لے کر آپ گئے اور حضرت ہارونؑ کی لاش سے پوچھا کہ آپ کو کس نے قتل کیا؟ اللہ کی قدرت سے وہ بولے کسی نے نہیں بلکہ میں اپنی موت مرا ہوں، انہوں نے کہا، بس موسیٰؑ اب سے آپ کی نافرمانی ہرگز نہ کی جائے گی، اسی وقت زلزلہ آیا جس سے وہ سب مر گئے، اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے دائیں بائیں گھومنے لگے اور وہ عرض کرنے لگے جو قرآن میں مذکور ہے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول کر لی، ان سب کو زندہ کر دیا اور بعد میں وہ سب انبیاء بنے لیکن یہ اثر بہت ہی غریب ہے، اس کا ایک راوی عمارہ بن عبد غیر معروف ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان پر اس زلزلے کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بچھڑے کی پرستش کے وقت خاموش تھے، ان پجاریوں کو روکتے نہ تھے، اس قول کی دلیل میں حضرت موسیٰ کا یہ فرمان بالکل ٹھیک اترتا ہے کہ اے اللہ ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کر رہا ہے؟ پھر فرماتے ہیں، یہ تو تیری طرف کی آزمائش ہی ہے، تیرا ہی حکم چلتا ہے اور تیری ہی چاہت کامیاب ہے، ہدایت وضلالت تیرے ہی ہاتھ ہے، جس کو تو ہدایت دے، اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے تو بہکائے، اس کی کوئی رہبری نہیں کر سکتا، تو جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے دے دے، اس سے کوئی چھین نہیں سکتا، ملک کا مالک تو اکیلا، حکم کا حاکم صرف تو ہی، خلق وامر تیرا ہی ہے، تو ہمارا ولی ہے، ہمیں بخش، ہم پر رحم فرما، تو سب سے اچھا معاف فرمانے والا ہے۔

غفر کے معنی ہیں چھپا دینا اور پکڑ نہ کرنا۔ جب رحمت بھی اس کے ساتھ مل جائے تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ آئندہ اس گناہ سے بچاؤ ہو جائے۔ گناہوں کا بخش دینے والا صرف تو ہی ہے، پس جس چیز سے ڈر تھا، اس کا بچاؤ طلب کرنے کے بعد اب مقصود حاصل کرنے کے لئے دعا کی جاتی ہے کہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما، اسے ہمارے نام لکھ دے، واجب وثابت کر دے۔ حسنہ کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں، رغبت ہماری تیری ہی جانب ہے، ہماری توبہ اور عاجزی تیری طرف ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ چونکہ انہوں نے ھدنا کہا تھا، اس لئے انہیں یہودی کہا گیا ہے، لیکن اس روایت کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ
اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ
كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾

تو ہمارے لئے اس دنیا کی بہتری لکھ دے اور آخرت کی بھی، ہم سب تیری طرف رجوع ہو رہے ہیں۔ جناب باری کا ارشاد ہوا کہ میں اپنے عذاب تو صرف انہیں ہی پہنچاتا ہوں جنہیں چاہوں، ہاں میری رحمت نے تمام چیزوں کو سما لیا ہے، پس میں اسے خصوصیت کے ساتھ ان کے نام لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کریں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر یقین اور ایمان رکھیں ○

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انسان: ☆☆ (آیت:۱۵۶) چونکہ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ یہ محض تیری طرف سے آزمائش ہے، اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ عذاب تو صرف گنہگاروں کو ہی ہوتا ہے اور گنہگاروں میں سے بھی انہی کو جو میری نگاہ میں گنہگار ہیں نہ کہ ہر گنہگار کو، میں اپنی حکمت، عدل اور پورے علم کے ذریعے سے جانتا ہوں کہ مستحق عذاب کون ہے؟ صرف اسی کو عذاب پہنچاتا ہے۔ ہاں البتہ میری رحمت بڑی وسیع چیز ہے جو سب پر شامل، سب پر حاوی اور سب پر محیط ہے۔

چنانچہ عرش کے اٹھانے والے اور اس کے اردگرد رہنے والے فرشتے فرماتے رہا کرتے ہیں کہ اے رب تو نے اپنی رحمت اور اپنے علم سے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی آیا، اونٹ بٹھا کر اسے باندھ کر نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کو کھول کر اس پر سوار ہو کر اونچی آواز سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور اپنی رحمت میں کسی اور کو ہم دونوں کا شریک نہ کر، آپ یہ سن کر فرمانے لگے، بتاؤ یہ خود راہ گم کردہ ہونے میں بڑھا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا بھی اس نے کیا کہا؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں حضور سن لیا، آپ نے فرمایا، اے شخص تو نے اللہ کی بہت ہی کشادہ رحمت کو بہت تنگ چیز سمجھ لیا، سن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک حصہ مخلوق میں اتارا جو تمام مخلوق میں تقسیم ہوا یعنی انسان، حیوان، جنات سب میں اور ننانوے حصے اپنے لئے باقی رکھے۔ لوگو بتاؤ یہ زیادہ راہ بہکا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ مسند کی اور حدیث میں ہے، اللہ عزوجل نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اتارا، اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے، اسی سے حیوان بھی اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں، باقی ننانوے حصے تو اس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہو گا۔ اور روایت میں ہے کہ روز قیامت اسی (ایک) حصے کے ساتھ اور (بقایا) ننانوے حصے جو موخر ہیں، ملا دیئے جائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے اسی نازل کردہ ایک حصے میں پرند بھی شریک ہیں۔ طبری میں ہے، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو اپنے دین میں فاجر ہے، جو اپنی معاش میں احمق ہے، وہ بھی اس میں داخل ہے، اس کی قسم جو میری جان اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے، وہ بھی جنت میں جائے گا جو مستحق جہنم ہو گا، اس کی قسم جس کے قبضے میں میری روح ہے، قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے کرشمے دیکھ کر ابلیس بھی امیدوار ہو کر ہاتھ پھیلا دے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کا راوی سعد غیر معروف ہے۔ پس میں اپنی اس رحمت کو ان کے لئے واجب کر دوں گا اور یہ بھی محض اپنے فضل و کرم سے۔ جیسے فرمان ہے تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کر لیا ہے، پس جن پر

رحمت واجب ہو جائے گی' ان کے اوصاف بیان فرمائے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے امت محمد (ﷺ) ہے جو تقویٰ کریں یعنی شرک سے اور کبیرہ گناہوں سے بچیں' زکوۃ دیں یعنی اپنے ضمیر کو پاک رکھیں اور مال کی زکوۃ بھی ادا کریں (کیونکہ یہ آیت مکی ہے) اور ہماری آیات کو مان لیں' ان پر ایمان لائیں اور انہیں سچ سمجھیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ
وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷ ع ۱۹ ۶

جو اس پیغمبر نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کے اوصاف اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں' جو انہیں اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے' پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی عزت اور مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا' وہی کامیاب نجات یافتہ ہیں ○

اہل کتاب کی خاتم النبین ؐ کی تصدیق : ☆☆ (آیت:۱۵۷) سابقہ کتابوں میں آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کے جو اوصاف بیان ہوئے تھے' جس سے ان نبیوں کی امت آپ کو پہچان جائے' وہ بیان ہو رہے ہیں' سب کو حکم تھا کہ ان صفات کا پیغمبر اگر تمہارے زمانے میں ظاہر ہو تو تم سب ان کی تابعداری میں لگ جانا۔ مسند احمد میں ہے' ایک صاحب فرماتے ہیں' میں کچھ خرید وفروخت کا سامان لے کر مدینے آیا' جب اپنی تجارت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں' میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا' آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے' اس کا نوجوان' خوبصورت' تنومند بیٹا نزع کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے' کیا میری صفت اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا' اسی وقت اس کا وہ بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے' ہم آپ کی صفات اور آپ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہہ دل سے گواہی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں' آپ نے فرمایا' اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے ہٹاؤ' پھر آپ ہی اس کے کفن دفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی مستدرک حاکم میں ہے حضرت ہشام بن عاص اموی فرماتے ہیں کہ میں اور ایک صاحب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت اسلام دینے کے لئے روانہ ہوئے' غوطہ دمشق میں پہنچ کر ہم جبلہ بن ایہم غسانی کے ہاں گئے' اس نے اپنا قاصد بھیجا کہ ہم اس سے باتیں کر لیں' ہم نے کہا' واللہ ہم تم سے کوئی بات نہ کریں گے' ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں' اگر وہ چاہیں تو ہم سے خود سنیں اور خود جواب دیں' ورنہ ہم قاصدوں

سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے، قاصدوں نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی، اس نے اجازت دی اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا۔

چنانچہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسلام کی دعوت دی، وہ اس وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا، کہنے لگا کہ دیکھ میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے اور حلف اٹھایا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں گا اس سیاہ لبادے کو نہ اتاروں گا، قاصد اسلام نے یہ سن کر پھر کہا، بادشاہ ہوش سنبھالو اللہ کی قسم یہ آپ کے تخت کی جگہ اور آپ کے بڑے بادشاہ کا پائے تخت بھی ان شاء اللہ عنقریب ہم اپنے قبضے میں کر لیں گے، یہ کوئی ہماری ہوس نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ سے ہمیں یہ پختہ خبر مل چکی ہے، اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں، ہاں ہم سے ہمارا یہ تخت و تاج وہ قوم چھینے گی جو دنوں کو روزے سے رہتے ہوں اور راتوں کو تہجد پڑھتے ہوں، اچھا تم بتاؤ تمہارے روزے کے احکام کیا ہیں؟ اب جو ہم نے بتائے تو اس کا منہ کالا ہو گیا، اس نے اسی وقت ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا اور کہا انہیں شاہ روم کے پاس لے جاؤ۔ جب ہم اس کے پائے تخت کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا تم اس حال میں تو اس شہر میں نہیں جا سکتے، اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے عمدہ سواریاں لا دوں، ان پر سوار ہو کر تم شہر میں چلو، ہم نے کہا ناممکن ہے، ہم تو اسی حالت میں انہی سواریوں پر چلیں گے۔ اس نے بادشاہ سے کہلوا بھیجا، وہاں سے اجازت آئی کہ اچھا انہیں اونٹوں پر ہی لے آؤ۔ ہم اپنے اونٹوں پر سوار گلے میں تلواریں لٹکائے شاہی محل کے پاس پہنچے، وہاں ہم نے اپنی سواریاں بٹھائیں، بادشاہ دریچے میں سے ہمیں دیکھ رہا تھا، ہمارے منہ سے بے ساختہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اسی وقت شام اور روم کا محل تھرا اٹھا اس طرح جس طرح کسی خوشے کو تیز ہوا کا جھونکا ہلا رہا ہو، اسی وقت محل سے شاہی قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنے دین کو اس طرح ہمارے سامنے اعلان کرو، چلو تم کو بادشاہ سلامت یاد کر رہے ہیں چنانچہ ہم اس کے ساتھ دربار میں گئے، دیکھا کہ چاروں طرف سرخ مخمل اور سرخ ریشم ہے، خود بھی سرخ لباس پہنے ہوئے ہے، تمام دربار پادریوں اور ارکان سلطنت سے بھرا ہوا ہے، جب ہم پاس پہنچ گئے تو مسکرا کر کہنے لگا، جو سلام تم میں آپس میں مروج ہے، تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہ کیا؟ ترجمان کی معرفت ہمیں بادشاہ کا یہ سوال پہنچا تو ہم نے جواب دیا کہ جو سلام ہم میں ہے، اس کے لائق تم نہیں اور جو آداب کا دستور تم میں ہے، وہ ہمیں پسند نہیں، اس نے کہا، اچھا تمہارا سلام آپس میں کیا ہے؟ ہم نے کہا السلام علیکم اس نے کہا، اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا صرف ان ہی الفاظ سے۔ پوچھا اچھا وہ بھی تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں، ہم نے کہا یہی الفاظ وہ کہتے ہیں، بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ عزوجل کی قسم ادھر ہم نے یہ کلمہ کہا، ادھر پھر سے محل میں زلزلہ پڑا یہاں تک کہ سارا دربار چھت کی طرف نظریں کر کے سہم گیا۔ بادشاہ ہیبت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کیوں جی اپنے گھروں میں بھی جب کبھی تم یہ کلمہ پڑھتے ہو تمہارے گھر بھی اسی طرح زلزلے میں آ جاتے ہیں؟ ہم نے کہا کبھی نہیں، ہم نے تو یہ بات یہیں آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے، بادشاہ کہنے لگا کہ کاش کہ تم جب کبھی اس کلمے کو کہتے تمام چیزیں اسی طرح ہل جاتیں اور میرا آدھا ملک ہی رہ جاتا، ہم نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ یہ آسان تھا بہ نسبت اس بات کے کہ یہ امر نبوت ہو پھر اس نے ہم سے ہمارا ارادہ دریافت کیا، ہم نے صاف بتایا، اس نے کہا، اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو اور روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ ہم نے دونوں باتیں بتا دیں، اس نے اب ہمیں رخصت کیا اور بڑے اکرام و احترام سے ہمیں شاہی معزز مہمانوں میں رکھا۔ تین دن جب گذرے تو رات کے وقت ہمیں قاصد بلانے آیا، ہم پھر دربار میں گئے تو اس نے ہم سے پھر ہمارا مطلب پوچھا ہم نے اسے دوہرایا، پھر اس نے ایک حویلی کی شکل کی سونا منڈھی ہوئی ایک چیز منگوائی جس میں بہت سارے مکانات تھے اور ان کے دروازے تھے اس نے اسے کنجی سے کھول کر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی جامہ نکالا، ہم نے دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں بڑی رانیں ہیں بڑی لمبی اور گھنی داڑھی ہے اور سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت لمبے لمبے ہیں ہم سے پوچھا

انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بال بہت ہی تھے۔

پھر دوسرا دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ ریشم کا پارچہ نکالا جس میں ایک سفید صورت تھی جس کے گھونگریالے بال تھے، سرخ رنگ آنکھیں تھیں، بڑے کلے کے آدمی تھے اور بڑی خوش وضع داڑھی تھی، ہم سے پوچھا، انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک شخص تھا، نہایت ہی گوار چٹا رنگ، بہت خوبصورت آنکھیں، کشادہ پیشانی، لمبے رخسار، سفید داڑھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مسکرا رہے ہیں، ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، پھر ایک دروازہ کھولا، اس میں سے ایک خوبصورت سفید شکل دکھائی دی جو ہو بہو رسول اللہ ﷺ کی تھی، ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا یہ حضرت محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، یہ کہا اور ہمارے آنسو نکل آئے، بادشاہ اب تک کھڑا ہوا تھا، اب وہ بیٹھ گیا اور ہم سے دوبارہ پوچھا کہ یہی شکل حضور کی ہے، ہم نے کہا واللہ یہی ہے اس طرح کہ گویا تو آپ کو آپ کی زندگی میں دیکھ رہا ہے، پس وہ تھوڑی دیر تک غور سے اسے دیکھتا رہا، پھر ہم سے کہنے لگا کہ یہ آخری گھر تھا لیکن میں نے اور گھروں کو چھوڑ کر اسے بیچ میں ہی اس لئے کھول دیا کہ تمہیں آزمالوں کہ تم پہچان جاتے ہو یا نہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے بھی سیاہ رنگ ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں نرمی والی صورت تھی، بال گھنگھریالے آنکھیں گہری، نظریں تیز، تیور تیکھے، دانت پر دانت، ہونٹ موٹے ہو رہے تھے جیسے کہ غصے میں بھرے ہوئے ہیں، ہم سے پوچھا، انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا، بادشاہ نے کہا، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، اسی کے متصل ایک اور صورت تھی جو قریب قریب اسی کی سی تھی، مگر ان کے سر کے بال گویا تیل لگے ہوئے تھے، ماتھا کشادہ تھا، آنکھوں میں کچھ فراخی تھی، ہم سے پوچھا، انہیں جانتے ہو؟ ہمارے انکار پر کہا، یہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید رنگ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں رنگ، میانہ قد، سیدھے بالوں والا ایک شخص تھا گویا وہ غضبناک تھے پوچھا انہیں پہنچانا، ہم نے کہا، نہیں کہا یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکال کر دکھایا جس میں سنہرے رنگ کے ایک آدمی تھے جن کا قد طویل نہ تھا رخسار ہلکے تھے، چہرہ خوبصورت تھا ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا، اس میں جو صورت تھی وہ پہلی صورت کے بالکل مشابہ تھی مگر ان کے ہونٹ پر تل تھا، ہم سے پوچھا اسے پہچان لیا؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک شکل تھی، سفید رنگ، خوبصورت اونچی ناک والے، اچھے قامت والے، نورانی چہرے والے جس میں خوف اللہ ظاہر تھا، رنگ سرخی مائل سفید تھا، پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ تمہارے نبی ﷺ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکال کر دکھایا جس میں ایک صورت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی صورت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور چہرہ تو سورج کی طرح روشن تھا، پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشم کا پارچہ نکال کر ہمیں دکھایا جس میں ایک صورت تھی سرخ رنگ، بھری پنڈلیاں، کشادہ آنکھیں، اونچا پیٹ قدرے چھوٹا قد تلوار لٹکائے ہوئے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشم نکالا جس میں ایک صورت تھی موٹی رانوں والی لمبے پیروں والی گھڑ سوار، پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے سیاہ رنگ حریری پارچہ نکالا جس میں ایک صورت تھی،

سفید رنگ نوجوان' سخت سیاہ داڑھی' بہت زیادہ بال' خوشنما آنکھیں' خوبصورت چہرہ' پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ ہم نے پوچھا آپ کے پاس یہ صورتیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی اصلی صورت کے بالکل ٹھیک نمونے ہیں' کیونکہ ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ کی صورت کو بالکل ٹھیک اور درست پایا' بادشاہ نے جواب دیا' بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب العزت سے دعا کی کہ آپ کی اولاد میں سے جو انبیاء علیہم السلام ہیں' ان سب کو آپ کو دکھایا جائے پس ان کی صورتیں آپ پر نازل ہوئیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے خزانے میں جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر تھا' محفوظ تھیں ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے لے لیا اور حضرت دانیال کو دیں پھر بادشاہ کہنے لگا کہ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اپنی بادشاہت چھوڑ دوں' میں اگر غلام ہوتا تو تمہارے ہاتھوں بک جاتا اور تمہاری غلامی میں اپنی پوری زندگی بسر کرتا۔ پھر اس نے ہمیں بہت کچھ تحفے تحائف دے کر اچھی طرح رخصت کیا جب ہم خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے اور فرمانے لگے' اس مسکین کے ساتھ اللہ کی توفیق رفیق ہوتی تو یہ ایسا کر گذرتا' ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ نصرانی اور یہودی حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اپنی کتابوں میں برابر پاتے ہیں۔

یہ روایت امام بیہقیؒ کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے' اس کی اسناد بھی خوف وخطر سے خالی ہے۔ حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں' میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفتیں تورات میں ہوں' وہ مجھے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا' ہاں واللہ آپ کی صفتیں تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پڑھوں کو گمراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے' آپ میرے بندے اور رسول ہیں' آپ کا نام متوکل ہے' آپ بدگو اور بدخلق نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے لا الہ الا اللہ کہلوا کر ٹیڑھے دین کو درست نہ کر دے' بند دلوں کو کھول دے گا' بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے گا' اندھی آنکھوں کو دیکھتی کر دے گا' یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں' پھر میں حضرت کعبؒ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا' ایک حرف کی بھی کمی بیشی دونوں صاحبوں کے بیان میں نہ تھی' یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی لغت میں دونوں کے الفاظ بولے۔ بخاری شریف کی اس روایت میں اس ذکر کے بعد کہ آپ بدخلق نہیں' یہ بھی ہے کہ آپ بازاروں میں شوروغل کرنے والے نہیں' آپ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں بلکہ معافی اور درگذر کرنے والے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے ذکر کے بعد ہے کہ سلف کے کلام میں عموماً تورات کا لفظ اہل کتاب کی کتابوں پر بولا جاتا ہے' اس کے مشابہ اور بھی روایات ہیں۔ واللہ اعلم طبرانی میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ میں تجارت کی غرض سے شام میں گیا' وہاں میری ملاقات اہل کتاب کے ایک عالم سے ہوئی' اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی تم میں ہوئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں' اس نے کہا اگر تمہیں ان کی صورت دکھائیں تو تم پہچان لو گے؟ میں نے کہا ضرور' چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی صورتیں تھیں لیکن ان میں میری نگاہ میں حضورؐ کی کوئی شبیہ نہ آئی' اسی وقت ایک اور عالم آیا' ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ جب اسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ ہمیں اپنے مکان لے گیا' وہاں جاتے ہی میری نگاہ آپ کی شبیہ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ گویا کوئی آپ کے پیچھے ہی آپ کو تھامے ہوئے ہے' میں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا یہ دوسرے صاحب کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو نبی آیا' اس کے بعد بھی نبی آیا' لیکن اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس کے پیچھے کا یہ شخص اس کا خلیفہ ہے اب جو میں نے غور سے دیکھا تو وہ بالکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل تھی۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے موذن اقرع کو ایک پادری کے پاس بھیجا' آپ اسے بلا لائے'

امیر المومنین نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم میری صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، کہا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرن، آپ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا قرن کیا ہے؟ اس نے کہا گویا کہ وہ لوہے کا سینگ ہے، وہ امیر ہے، دین میں بہت سخت، فرمایا، اچھا میرے بعد والے کی صفت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خلیفہ تو وہ نیک صالح ہے لیکن اپنے قرابت داروں کو وہ دوسروں پر ترجیح دے گا، آپ نے فرمایا، اللہ عثمان پر رحم کرے، تین بار یہ فرمایا، پھر فرمایا، اچھا ان کے بعد؟ اس نے کہا لوہے کے ٹکڑے جیسا، حضرت عمر نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور افسوس کرنے لگے، اس نے کہا اے امیر المومنین ہوں گے تو وہ نیک خلیفہ، لیکن بنائے ہی اس وقت جائیں گے جب تلوار کھچی ہوئی ہو اور خون بہہ رہا ہو (ابوداؤد) ان کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ نیکیوں کا حکم دیں گے۔ برائیوں سے روکیں گے۔ فی الواقع آپ ایسے ہی تھے۔ کونسی بھلائی ہے جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو؟ کونسی برائی ہے جس سے آپ نے نہ روکا ہو؟ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، تم جب قرآن کے یہ لفظ سنو کہ اے ایمان والو، تو اسی وقت ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ یا تو کسی خیر کا تمہیں حکم کیا جائے گا یا کسی شر سے تمہیں بچایا جائے گا۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید اللہ کی وحدانیت کی تھی جس کا حکم برابر ہر نبی کو ہوتا رہا۔ قرآن شاہد ہے کہ ہر امت کے رسول کو پہلا حکم یہی ملا کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ماسوا کسی کی عبادت نہ کرو مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جب تم میری کسی حدیث کو سنو جسے تمہارے دل پہچان لیں، تمہارے جسم اس کی قبولیت کے لئے تیار ہو جائیں اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ وہ میرے لائق ہے، تو میں اس سے بہ نسبت تمہارے زیادہ لائق ہوں اور جب تم میرے نام سے کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہارے دل انکار کریں اور تمہارے جسم نفرت کریں اور تم دیکھو کہ وہ تم سے بہت دور ہے، پس میں بہ نسبت تمہارے بھی اس سے بہت دور ہوں اس کی سند بہت پکی ہے۔

اس کی ایک اور روایت میں حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ سے منقول کوئی حدیث سنو تو اس کے ساتھ وہ خیال کرو جو خوب راہ والا، بہت مبارک اور بہت پرہیزگاری والا ہو۔ پھر حضورؐ کی ایک صفت بیان ہو رہی ہے کہ آپ کل پاک صاف اور طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں، بہت سی چیزیں ان میں ایسی تھیں جنہیں لوگوں نے از خود حرام قرار دے لیا تھا، جیسے جانوروں کو بتوں کے نام کر کے نشان ڈال کر انہیں حرام سمجھنا وغیرہ اور خبیث اور گندی چیزیں آپ لوگوں پر حرام کرتے ہیں، جیسے سور کا گوشت سود وغیرہ اور جو حرام چیزیں لوگوں نے از خود حلال کر لی تھیں بعض علماء کا فرمان ہے کہ اللہ کی حلال چیزیں کھاؤ، وہ دین میں بھی ترقی کرتی ہیں اور بدن میں بھی فائدہ پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں حرام کر دی ہیں، ان سے بچو کیونکہ ان سے دین کے نقصان کے علاوہ صحت میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چیزوں کی اچھائی برائی دراصل عقلی ہے، اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں لیکن یہ جگہ اس کے بیان کی نہیں۔ اسی آیت کو زیر نظر رکھ کر بعض اور علماء نے کہا ہے کہ جن چیزوں کا حلال حرام ہونا کسی کو نہ پہنچا ہو اور کوئی آیت یا حدیث اس کے بارے میں نہ ملی ہو تو دیکھنا چاہئے کہ عرب اسے اچھی چیز سمجھتے ہیں یا اس سے کراہت کرتے ہیں، اگر اسے اچھی چیز جان کر استعمال میں لاتے ہیں تو حلال ہے اور اگر بری چیز سمجھ کر نفرت کر کے اسے نہ کھاتے ہوں تو وہ حرام ہے اس اصول میں بھی بہت کچھ گفتگو ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ آپ بہت صاف، آسان اور سہل دین لے کر آئیں گے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں ایک طرف آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حضور ﷺ یمن کا امیر بنا کر بھیجتے ہیں تو فرماتے ہیں، تم دونوں خوش خبری دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، مل کر رہنا، اختلاف نہ کرنا۔ آپ کے صحابی ابو برزہ اسلمیؓ فرماتے ہیں، میں حضورؐ کے ساتھ رہا ہوں اور آپ کی آسانیوں کا خوب مشاہدہ کیا ہے پہلی امتوں میں بہت سختیاں تھیں، لیکن پروردگار عالم نے اس امت سے

وہ تمام تنگیاں دور فرما دیں، آسان دین اور سہولت والی شریعت انہیں عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میری امت کے دلوں میں جو وسوسے گذریں، ان پر انہیں پکڑ نہیں جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ لائیں فرماتے ہیں، میری امت کی بھول چوک اور غلطی سے اور جو کام ان سے جبراً کئے کرائے جائیں، ان سے اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھا لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس امت کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمائی کہ کہو کہ اے ہمارے پروردگار، تو ہماری بھول چوک پر ہماری پکڑ نہ کر، اے ہمارے رب، ہم پر وہ بوجھ نہ لاؤ جو ہم سے پہلوں پر تھا، اے ہمارے رب ہمیں ہماری طاقت سے زیادہ بوجھل نہ کر، ہمیں معاف فرما، ہمیں بخش، ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا کارساز مولیٰ ہے، پس ہمیں کافروں پر مدد عطا فرما۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعائیں کیں تو ہر جملے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے یہ قبول فرمایا پس جو لوگ اس نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کا ادب عزت کریں اور جو وحی آپ پر اتری ہے، اس نور کی پیروی کریں وہی دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِىْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اعلان کر دے کہ اے لوگو میں تم سب کی جانب اس اللہ کا رسول ہوں، جس کے قبضے میں آسمان و زمین کی بادشاہت ہے، جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے، پس تم سب اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو اس پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور تم اسی کی پیروی کرو تاکہ راہ راست پاؤ ○

النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ: ☆☆ (آیت: ۱۵۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ تمام عرب و عجم کے گوروں کالوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ آپ کی شرافت و عظمت ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور تمام دنیا کے لئے صرف آپ ہی نبی ہیں۔ جیسے فرمان قرآن ہے قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ یعنی اعلان کر دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہ ہے، اس پاک قرآن کی وحی میری جانب اس لئے اتاری گئی ہے کہ میں اس سے تمہیں اور جن لوگوں تک یہ پہنچے، سب کو ہوشیار کر دوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ یعنی مخلوق کے مختلف گروہ میں سے جو بھی آپ کا انکار کرے، اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔

اور آیت میں ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ یعنی اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سے کہہ دو کہ کیا تم مانتے ہو؟ اگر تسلیم کر لیں مسلمان ہو جائیں تو راہ پر ہیں ورنہ تیرے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی قرآنی آیات بکثرت ہیں اور احادیث تو اس بارے میں بے شمار ہیں۔ دین اسلام کی ذرا سی بھی سمجھ جسے ہے، وہ بالیقین جانتا اور مانتا ہے کہ آپ تمام جہان کے لوگوں کی طرف رسول اللہ ہیں (ﷺ) اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کچھ چشمک ہو گئی، حضرت صدیقؓ نے حضرت فاروقؓ کو ناراض کر دیا حضرت فاروقؓ اسی حالت میں چلے گئے حضرت صدیقؓ نے درخواست کی کہ آپ معاف فرمائیں اور اللہ سے میرے لئے بخشش چاہیں، لیکن حضرت

عمرؓ راضی نہ ہوئے بلکہ کواڑ بند کر لئے، آپ لوٹ کر دربار محمدی میں آئے، اس وقت اور صحابی بھی حضورؐ کی مجلس میں موجود تھے، آپ نے فرمایا، تمہارے اس ساتھی نے انہیں ناراض اور غضبناک کر دیا، حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ کی واپسی کے بعد بہت ہی نادم ہوئے اور اسی وقت دربار رسالت ماب میں حاضر ہو کر تمام بات کہہ سنائی، حضورؐ ناراض ہوئے، ابوبکر صدیقؓ بار بار کہتے جاتے تھے کہ یا رسول اللہ! زیادہ ظلم تو مجھ سے سرزد ہوا ہے، حضورؐ نے فرمایا، کیا تم میرے ساتھی کو میری وجہ سے چھوڑتے نہیں؟ سنو جب میں نے اس آواز حق کو اٹھایا کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو تم نے کہا تو جھوٹا ہے، لیکن اس ابوبکرؓ نے کہا، آپ سچے ہیں مسند امام احمد میں ہیں ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، یاد رہے کہ میں اسے فخراً نہیں کہتا، میں تمام سرخ و سیاہ لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہوں اور میری مدد مہینے بھر کے فاصلے سے صرف رعب کے ساتھ کی گئی ہے اور میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں، حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے، وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنا دی گئی ہے اور مجھے اپنی امت کی شفاعت عطا فرمائی گئی ہے، جسے میں نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ غزوہ تبوک والے سال رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے، پس بہت سے صحابہ آپ کے پیچھے جمع ہو گئے کہ آپ کی چوکیداری کریں، نماز کے بعد آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اس رات مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے اور کسی کو نہیں دی گئیں (۱) میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھ سے پہلے کے تمام رسول صرف اپنی اپنی قوم کی طرف ہی نبی بنا کر بھیجے جاتے رہے (۲) مجھے اپنے دشمنوں پر رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے، گو وہ مجھ سے مہینے بھر کے فاصلے پر ہوں وہیں وہ مرعوب ہو جاتے ہیں (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں، حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے، وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے (۴) اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیزیں بنا دی گئی ہیں، جہاں کہیں میرے امتی کو نماز کا وقت آ جائے، وہ تیمم کر لے اور نماز ادا کر لے، مجھ سے پہلے کے لوگ اس کی عظمت کرتے تھے، سوائے ان جگہوں کے جو نماز کے لئے مخصوص تھیں اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مجھ سے فرمایا گیا، آپ دعا کیجئے، مانگئے کیا مانگتے ہیں؟ ہر نبی مانگ چکا ہے تو میں نے اپنے اس سوال کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے، پس وہ تم سب کے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اس کی اسناد بہت پختہ ہے اور مسند احمد میں یہ حدیث موجود ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ میری اس امت میں سے، جس یہودی یا نصرانی کے کان میں میرا ذکر پڑے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے، وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہ حدیث دوسری سند سے صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا ذکر اس امت کے جس یہودی نصرانی کے پاس پہنچے اور وہ مجھ پر اور میری وحی پر ایمان نہ لائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں آپ نے ان پانچوں چیزوں کا ذکر فرمایا جو صرف آپ کو ہی ملی ہیں، پھر فرمایا، ہر نبی نے شفاعت کا سوال کر لیا ہے اور میں نے اپنے سوال کو چھپا رکھا ہے اور ان کے لئے اٹھا رکھا ہے جو میری امت میں سے توحید پر مرے یہ حدیث جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہیں دی گئیں، مہینے بھر کی مسافت تک رعب سے، امداد و نصرت، ساری زمین کا مسجد و طہور ہونا کہ میری امت کو جہاں وقت نماز آ جائے، ادا کر لے، غنیمتوں کا حلال کیا جانا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں، شفاعت کا دیا جانا، تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا جانا، حالانکہ پہلے کے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجے جاتے تھے۔

پھر فرماتا ہے کہ کہو مجھے اس اللہ نے بھیجا ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے' سب چیزوں کا خالق مالک ہے' جسکے ہاتھ میں ملک ہے' جو مارنے جلانے پر قادر ہے' جس کا حکم چلتا ہے' پس اے لوگو تم اللہ پر اور اس کے رسول و نبیؐ پر ایمان لاؤ جو ان پڑھ ہونے کے باوجود دنیا کو پڑھا رہے ہیں' انہی کا تم سے وعدہ تھا اور ان ہی کی بشارت تمہاری کتابوں میں بھی ہے' انہی کی صفتیں اگلی کتابوں میں ہیں' یہ خود اللہ کی ذات پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں' قول و فعل سب میں اللہ کے کلام کے مطیع ہیں' تم سب ان کے ماتحت اور فرمانبردار ہو جاؤ' انہی کے طریقے پر چلو اور انہی کی فرمانبرداری کرو' تم راہ راست پر آ جاؤ گے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

قوم موسیٰ میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کی رہبری کرتی ہے اور حق کے ساتھ انصاف و عدل کرتی ہے ○

انبیاء کا قاتل گروہ: ☆☆ (آیت:۱۵۹) اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ امت موسیٰ میں بھی ایک گروہ حق کا ماننے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ الخ اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر قائم ہے' راتوں کو اللہ کے کلام کی تلاوت کرتی رہتی ہے اور برابر سجدے کیا کرتی ہے۔ اور آیت میں ہے وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا ہے' ایمان لاتے ہیں' اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں' اللہ کی باتوں کو دینوی نفع کی خاطر فروخت نہیں کرتے' ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ الخ جنہیں ہم نے اس قرآن سے پہلے اپنی کتاب دی ہے' وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں' اس کی آیات سن کر اپنے ایمان کا اور اس کی حقانیت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے ہی مسلمان تھے' انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر ہے۔

اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ الخ جو لوگ ہماری کتاب ہوئے ہیں اور اسے حق تلاوت کی ادائیگی کے ساتھ پڑھتے ہیں' وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ الخ جو لوگ پہلے علم دیئے گئے ہیں وہ ہمارے پاک قرآن کی آیات سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں' ہماری پاکیزگی کا اظہار کر کے ہمارے وعدوں کی سچائی بیان کرتے ہیں' اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے کرتے ہیں اور عاجزی اور اللہ سے خوف کھانے میں سبقت لے جاتے ہیں۔

امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس جگہ ایک عجیب خبر لکھی ہے کہ ابن جریجؒ فرماتے ہیں' جب بنی اسرائیل نے کفر کیا اور اپنے نبیوں کو قتل کیا' ان کے بارہ گروہ تھے' ان میں سے ایک گروہ اس نالائق گروہ سے الگ رہا' اللہ تعالیٰ سے معذرت کی اور دعا کی کہ ان میں اور ان گیارہ گروہ میں وہ تفریق کر دے' چنانچہ زمین میں ایک سرنگ ہوگئی' یہ اس میں چلے گئے اور چین کے پرلے پار نکل گئے' وہاں پر سچے سیدھے مسلمان انہیں ملے جو ہمارے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آیت وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ الخ کا یہی مطلب ہے۔ اس آیت میں جس دوسرے وعدے کا ذکر ہے یہ آخرت کا وعدہ ہے۔ کہتے ہیں اس سرنگ میں ڈیڑھ سال تک وہ چلتے رہے۔ کہتے ہیں اس قوم کے اور تمہارے درمیان ایک نہر ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ
مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ
وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

ہم نے انہیں بارہ قبیلوں اور گروہ میں بانٹ دیا اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جبکہ اس کی قوم نے اس سے پانی طلب کیا کہ اپنی لکڑی پتھر پر مار دے پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا' اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من وسلویٰ اتارا' جو ستھری روزی ہم نے تم کو دے رکھی ہے' کھاؤ' انہوں نے ہمارا تو کوئی بگاڑ نہیں کیا' ہاں بیشک اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے ان سے فرمایا کہ تم اس بستی میں رہو اور جہاں جی چاہے یہاں کھاؤ پیو اور زبان سے حطۃ کہو یعنی ہمارے گناہ اتار دے اور اس دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ تو ہم تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے' نیکی کرنے والوں کو ہم زیادتی دیا کرتے ہیں ○

(آیت: ۱۶۰-۱۶۲) یہ سب آیات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور وہیں ان کی پوری تفسیر بھی بحمداللہ ہم نے بیان کر دی ہے' وہ سورت مدنیہ ہے اور یہ مکیہ ہے- ان آیات اور ان احادیث کا فرق بھی مع لطافت کے ہم نے وہیں ذکر کر دیا ہے- یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں-

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْئَلْهُمْ عَنِ ع ۵
الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ
اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا
يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

پھر بھی ان میں سے جو ظالم تھے' انہیں جو بات کہی گئی تھی' اس کے سوا انہوں نے اور بدل ڈالی' پھر تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا' اس لئے کہ وہ ظلم پر کمر بستہ تھے ○ ان سے اس گاؤں کا حال تو دریافت کر جو دریا کے کنارے تھا' جبکہ وہاں کے لوگ ہفتے کے دن احکام میں حد سے گذرنے لگے' جبکہ ان کی مچھلیاں ان کے پاس ان کے ہفتے والے دن تو کھلم کھلا چڑھی چلی آتی تھیں اور جس دن وہ ہفتہ نہ مناتے' مچھلیاں بھی ان کے پاس نہ آتیں' ہم انہیں یوں ہی آزمانے لگے'

کیونکہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○

تصدیق رسالت سے گریزاں یہودی علماء: ☆☆ (آیت:۱۶۳) اس واقعہ کی آیت وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ گزر چکی ہے اسی واقعہ کا تفصیلی بیان اس آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلوات الہ وسلامہ علیہ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے یہودیوں سے ان کے پہلے باپ دادوں کی بابت سوال کیجئے' جنہوں نے اللہ کے فرمان کی مخالفت کی تھی' پس ان کی سرکشی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے ہماری اچانک پکڑ ان پر مسلط ہوئی' اس واقعہ کو یاد دلا کہ یہ بھی میری ناگہانی سزا سے ڈر کر اپنی اس ملعون صفت کو بدل دیں اور آپ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں ہیں' انہیں نہ چھپائیں' ایسا نہ ہو کہ اُن کی طرح اِن پر بھی ہمارے عذاب اِن کی بے خبری میں برس پڑیں' ان لوگوں کی یہ بستی بحر قلزم کے کنارے واقع تھی' جس کا نام آئلہ تھا' مدین اور طُور کے درمیان یہ شہر تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بستی کا نام مدین تھا ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام متنا تھا' یہ مدین اور عینو ں کے درمیان تھا۔ انہیں حکم ملا کہ یہ ہفتہ کے دن کی حرمت کریں اور اس دن شکار نہ کھیلیں' مچھلی نہ پکڑیں' ادھر مچھلیوں کی بحکم الٰہی یہ حالت ہوئی کہ ہفتے والے دن تو چڑھی چلی آتیں' کھلم کھلا ہاتھ لگتیں' تیرتی پھرتیں' سب طرف سے سمٹ کر آ جاتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا تو ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی بلکہ تلاش پر بھی ہاتھ نہ لگتی' یہ ہماری آزمائش تھی کہ مچھلیاں ہیں تو شکار منع اور شکار جائز ہے تو مچھلیاں ندارد' چونکہ یہ لوگ فاسق اور بے حکم تھے' اس لئے ہم نے بھی ان کو اس طرح آزمایا' آخر ان لوگوں نے حیلہ جوئی شروع کی' ایسے اسباب جمع کرنے شروع کئے جو باطن میں اس حرام کام کا ذریعہ بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کی طرح حیلے کر کے ذرا سی دیر کے لئے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لینا۔ اس حدیث کو امام عبداللہ ابن بطہ لائے ہیں اور اس کی سند نہایت عمدہ ہے' اس کے راوی احمد بن محمد بن سلم کا ذکر امام خطیب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور انہیں ثقہ کہا ہے باقی تمام راوی بہت مشہور ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں' ایسی بہت سی سندوں کو امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ
اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ
عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا
قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

جبکہ ان کے ایک گروہ نے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ غارت کرنے والا ہے' یا جنہیں سخت تر عذاب کرنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں کا اپنے اوپر کا الزام اتارنے کے لئے اور اس خیال سے بھی کہ شاید یہ باز آ جائیں ○ آخر ان لوگوں نے جب وہ تمام باتیں بھلا دیں جو انہیں بطور نصیحت کی گئیں تھیں' تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو بچا کر ان ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں سخت بدترین عذابوں میں پھانس لیا ○ پھر جس کام سے وہ

روکے گئے تھے جب اس میں حد سے تجاوز کر گئے، تو آخرش ہم نے حکم دے دیا کہ تم سب ذلیل بندر بن جاؤ ○

اصحاب سبت: ☆☆ (آیت: ۱۶۴-۱۶۶) جس بستی کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کے تین گروہ ہو گئے تھے، ایک تو حرام شکار کھیلنے والا اور حیلے حوالوں سے مچھلی پکڑنے والا، دوسرا گروہ انہیں روکنے والا اور ان سے بیزاری ظاہر کر کے ان سے الگ ہو جانے والا اور تیسرا گروہ چپ چاپ رہ کر نہ اس کام کو کرنے والا نہ اس سے روکنے والا جیسے کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار بیان کر آئے ہیں۔ جو لوگ خاموش تھے نہ برائی کرتے تھے نہ بروں کو برائی سے روکتے تھے، انہوں نے روکنے والوں کو سمجھانا شرع کیا کہ میاں ان لوگوں کو کہنے سننے سے کیا فائدہ؟ انہوں نے تو اللہ کے عذاب مول لے لئے ہیں، رب کے غضب کے لئے تیار ہو گئے ہیں، اب تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ تو اس پاک گروہ نے جواب دیا کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ کے پاس ہم معذرت خواہ ہو جائیں کہ ہم اپنا فرض برابر ادا کرتے رہے، انہیں ہر وقت سمجھاتے بجھاتے رہے۔ ''معذرۃ'' پیش سے بھی ایک قرأت ہے تو گویا ھذا کا لفظ یہاں مقدر ماننا یعنی انہوں نے کہا، یہ ہماری معذرت ہے اور زبر کی قرأت پر یہ مطلب ہے کہ ہم جو انہیں روک رہے ہیں، یہ کام بطور اس کے کر رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہم پر الزام نہ آئے، کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کسی وقت کی نصیحت ان پر اثر کر جائے، یہ لوگ اپنی اس حرام کاری سے باز آ جائیں، اللہ سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربانی کرے اور ان کے گناہ معاف فرما دے، آخر کار ان کی نصیحت خیر خواہی بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی، ان بدکاروں نے ایک نہ مانی تو ہم نے اس مسلم گروہ کو تو جو برابر ان سے نالاں رہا، ان سے الگ رہا اور انہیں سمجھاتا بجھاتا رہا، نجات دے دی اور باقی کے ظالموں کو جو ہماری نافرمانیوں کے مرتکب تھے، اپنے بدترین عذابوں سے پکڑ لیا عبارت کی عمدگی ملاحظہ ہو کہ روکنے والوں کی نجات کا کھلے لفظوں میں اعلان کیا، ظالموں کی ہلاکت کا بھی غیر مشتبہ الفاظ میں بیان کیا اور چپ رہنے والوں کے حالات سے سکوت کیا گیا، اس لئے کہ ہر عمل کی جزا اسی کی ہم جنس ہے، یہ لوگ نہ تو اس ظلم عظیم میں شریک تھے کہ ان کی مذمت علانیہ کی جائے، نہ دلیری سے روکتے تھے کہ صاف طور پر قابل تعریف ٹھہریں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، جو گروہ ممانعت کرنے کے بعد تھک کر بیٹھ گیا تھا اور پھر روکنا چھوڑ دیا تھا، اللہ کا عذاب جب آیا تو یہ گروہ بھی اس عذاب سے بچ گیا، صرف وہی ہلاک ہوئے جو گناہ میں مبتلا تھے آپ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ پہلے حضرت ابن عباسؓ کو اس میں بڑا تردد تھا کہ آیا یہ لوگ ہلاک ہوئے یا بچ گئے، یہاں تک کہ ایک روز میں آیا تو دیکھا کہ قرآن گود میں رکھے ہوئے رو رہے ہیں، پہلے تو میرا حوصلہ نہ پڑا کہ سامنے آؤں، لیکن دیر تک جب یہی حالت رہی تو میں نے قریب آ کر سلام کیا، بیٹھ گیا اور رونے کی وجہ دریافت کی، تو آپ نے فرمایا، دیکھو یہ سورہ اعراف ہے، اس میں ایلہ کے یہودیوں کا ذکر ہے کہ انہیں ہفتے کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دی گئی اور ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتے کے دن ہی نکلیں، ہفتے کے دن دریا مچھلیوں سے بھرے رہتے تھے، تر و تازہ موٹی اور عمدہ بکثرت مچھلیاں پانی کے اوپر اچھلتی کودتی رہتی تھیں، باقی دنوں میں سخت کوشش کے باوجود بھی نہ ملتی تھیں، کچھ دنوں تک تو ان کے دلوں کے اندر حکم الٰہی کی عظمت رہی اور یہ ان کے پکڑنے سے رکے رہے، لیکن پھر شیطان نے ان کے دل میں یہ قیاس ڈال دیا کہ اس دن منع کھانے سے ہے، تم نے آج کھانا نہیں، پکڑ لو اور جائز دن کھا لینا، سچے مسلمانوں نے انہیں اس حیلہ جوئی سے ہر چند روکا اور سمجھایا کہ دیکھو شکار کھیلنا شروع نہ کرو شکار کرنا اور کھانا دونوں ممنوع ہیں اگلے جمعہ کے دن جو جماعت شیطانی پھندے میں پھنس چکی تھی، وہ اپنے بال بچوں سمیت شکار کو نکل کھڑی ہوئی، باقی کے لوگوں کی دو جماعتیں بن گئیں، ایک ان کے دائیں ایک بائیں، دائیں جانب والی تو برابر انہیں روکتی رہی،

کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کے عذابوں کے لئے تیاری نہ کرو، بائیں والوں نے کہا، میاں تمہیں کیا پڑی؟ یہ تو خراب ہونے والے ہیں، اب تم انہیں نصیحت کر کے کیا لو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خیر اللہ کے ہاں ہم تو چھوٹ جائیں گے اور ہمیں تو اب تک مایوسی بھی نہیں، کیا عجب کہ یہ لوگ سنور جائیں تو ہلاکت اور عذاب سے محفوظ رہیں، ہماری تو عین منشا یہ ہے، لیکن یہ بدکار اپنی بے ایمانی سے باز نہ آئے اور نصیحت انہیں کارگر نہ ہوئی تو دائیں طرف کے لوگوں نے کہا تم نے ہمارا کہا نہ مانا، اللہ کی نافرمانی کی، ارتکاب حرمت کیا، عجب نہیں راتوں رات تم پر کوئی عذاب رب آئے اور اللہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسا دے یا کسی اور طرح تمہیں سزا دے رات ہم تو یہیں گذاریں گے اور تمہارے ساتھ شہر میں نہیں رہیں گے۔ جب صبح ہوگئی اور شہر کے دروازے نہ کھلے تو انہوں نے کواڑ کھٹ کھٹائے، آوازیں دیں، لیکن کوئی جواب نہ آیا، آخر سیڑھی لگا کر ایک شخص کو قلعہ کی دیوار پر چڑھایا، اس نے دیکھا تو حیران ہو گیا کہ سب لوگ بندر بنا دیئے گئے، اس نے ان سب مسلمانوں کو خبر دی، یہ دروازے توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ سب دم دار بندر بن گئے ہیں، یہ تو کسی کو پہچان نہ سکے لیکن وہ پہچان گئے ہر بندر اپنے اپنے رشتے دار کے قدموں میں لوٹنے لگا، ان کے کپڑے پکڑ پکڑ کر رونے لگا، تو انہوں نے کہا دیکھو ہم تو تمہیں منع کر رہے تھے، لیکن تم نے مانا ہی نہیں، وہ اپنا سر ہلاتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے ہمارے اعمال کی شامت نے ہی ہمیں برباد کیا ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ تو قرآن میں ہے کہ روکنے والے نجات یافتہ ہوئے، لیکن یہ بیان نہیں کہ جو روکنے والوں کو منع کرتے تھے، ان کا کیا حشر ہوا؟ اب ہم بھی بہت سی خلاف باتیں دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت عکرمہ کہتے ہیں میں نے آپ سے یہ سن کر کہا، اللہ مجھے آپ پر نثار کر دے، آپ یہ تو دیکھئے کہ وہ لوگ ان کے اس فعل کو برا سمجھتے رہے تھے، ان کی مخالفت کرتے تھے، جانتے تھے کہ یہ ہلاک ہونے والے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بچ گئے، آپ کی سمجھ میں آ گیا اور اسی وقت حکم دیا کہ مجھے دو چادریں انعام میں دی جائیں۔

الغرض اس بیچ کی جماعت کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ عذاب سے بچ گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عذاب ان پر بھی آیا۔ ابن رومان فرماتے ہیں کہ ہفتے والے دن خوب مچھلیاں آتیں، پانی ان سے بھر جاتا پھر بیچ کے کسی دن نظر نہ آتیں، دوسرے ہفتے کو پھر یہی حال ہوتا سب سے پہلے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ڈور اور کانٹا تیار کیا، مچھلی کو اس میں ہفتے کے دن پھنسا لیا اور پانی میں ہی چھوڑ دیا، اتوار کی رات کو جا کر نکال لیا، بھونا، لوگوں کو مچھلی کی خوشبو پہنچی تو سب نے گھیر لیا، ہر چند پوچھا، لیکن اول تو یہ سختی سے انکار کرتا رہا، آخرش بات بنا دی کہ دراصل ایک مچھلی کا چھلکا مجھے مل گیا تھا، میں نے اسے بھونا تھا۔ دوسرے ہفتے کے دن اس نے اسی طرح دو مچھلیاں پھانس لیں، اتوار کی رات کو نکال کر بھوننے لگا لوگ آ گئے تو اس نے کہا، میں نے ایک ترکیب نکال لی ہے جس سے نافرمانی بھی نہ ہو اور کام بھی نہ رکے، اب جو حیلہ بیان کیا تو ان سب نے اسے پسند کیا اور بکثرت لوگ یونہی کرنے لگے، یہ لوگ رات کو شہر پناہ کے پھاٹک بند کر کے سوتے تھے۔۔ جس رات عذاب آیا، حسب دستور یہ شہر پناہ کے پھاٹک لگا کر سوئے تھے، صبح کو جب باہر والے شہر میں داخل ہونے کیلئے آئے تو خلاف معمول اب تک دروازے بند پائے، آوازیں دیں، کوئی جواب نہ ملا تو قلعہ پر چڑھ گئے، دیکھا تو بندر بنا دیئے گئے ہیں، کھول کر اندر گئے تو بندر اپنے اپنے رشتہ داروں کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ اس سے پہلے سورہ بقرہ کی ایسی ہی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر بالتفصیل ان واقعات کو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں، وہیں دیکھ لیجئے، فالحمدللہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو چپ رہے تھے، وہ بھی ان گنہگاروں کے ساتھ ہلاک ہوئے ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پہلے ہفتہ کے دن کی تعظیم بطور بدعت خود ان لوگوں نے نکالی، اب اللہ کی طرف سے بطور آزمائش وہ تعظیم ان پر ضروری قرار دے دی گئی اور حکم ہو گیا

کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کرو۔ پھر مچھلیوں کا اس دن نمایاں ہونا' اور دنوں میں نہ نکلنا وغیرہ بیان فرما کر فرمایا کہ پھر ان میں سے ایک شخص نے ایک مچھلی ہفتے کے دن پکڑی' اس کی ناک میں سوراخ کر کے ڈور باندھ کر ایک کیل کنارے گاڑ کر اس میں ڈور اٹکا کر مچھلی کو دریا میں ڈال دیا' دوسرے دن جا کر پانی میں سے نکال لایا اور بھون کر کھالی۔ سوائے اس پاک باز حق گو جماعت کے لوگوں کے کسی نے' نہ اسے روکا' نہ منع کیا' نہ سمجھایا' لیکن ان کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا' اس ایک کی دیکھا دیکھی اور بھی یہی کام کرنے لگے' یہاں تک کہ بازاروں میں مچھلی آنے لگی اور علانیہ یہ کام ہونے لگا۔ ایک اور جماعت کے لوگوں نے اس حق والی جماعت سے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو' اللہ تو انہیں ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب کرنے والا ہے' تو انہوں نے وہ جواب دیا یعنی اللہ کا فرمان دہرایا' لیکن لوگ فرمان ربانی کو بھول بیٹھے اور عذاب رب کے خود شکار ہو گئے' یہ تین گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک تو شکار کھیلنے والا' ایک منع کرنے والا اور ایک ان منع کرنے والوں سے کہنے والا کہ اب نصیحت بیکار ہے۔ پس وہ تو بچ گئے جو برابر روکتے رہے تھے۔ اور باقی دونوں جماعتیں ہلاک کر دی گئیں۔ سند اس کی نہایت عمدہ ہے' لیکن حضرت ابن عباسؓ کا حضرت عکرمہؒ کے قول کی طرف رجوع کرنا اس قول کے کہنے سے اولیٰ ہے' اس لئے اس قول کے بعد ان پر ان کے حال کی حقیقت کھل گئی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ ہم نے ظالموں کو سخت عذابوں سے دبوچ لیا۔ مفہوم کی دلالت تو اس بات پر ہے کہ جو باقی رہے' بچ گئے۔ ''بئیس'' کی کئی ایک قرائتیں ہیں اس کے معنی سخت' دردناک' تکلیف دہ کے ہیں اور سب کا مطلب قریب قریب یکساں ہے۔ ان کی سرکشی اور ان کے حد سے گزر جانے کے باعث ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم ذلیل' حقیر اور ناقدرے بندر بن جاؤ چنانچہ وہ ایسے ہی ہو گئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ
سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ
دُوْنَ ذٰلِكَ ۘ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿١٦٨﴾

یاد کرو جبکہ تیرے رب نے صاف صاف خبر کر دی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو انہیں بدترین سزائیں دیتے رہیں گے' بیشک تیرا رب بہت جلد سزاؤں کا کرنے والا ہے اور بیشک وہ بڑا ہی بخشنے اور مہربانی کرنے والا ہے ○ ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ گروہ کر کے انہیں ملک میں پھیلا دیا' ان میں سے بعض تو نیک کار ہیں اور بعض اور طرح کے' ہم نے انہیں سکھ دکھ سے دونوں طرح آزما لیا کہ وہ لوٹ آئیں ○

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی: ☆☆ (آیت:۱۶۷) اللہ تعالیٰ نے یہود کو اطلاع کر دی کہ ان کی اس سخت نافرمانی' بار بار کی بغاوت اور ہر موقعہ پہ نافرمانی' رب سے سرکشی اور اللہ کے حرام کو اپنے کام میں لانے کے لئے حیلہ جوئی کر کے اسے حلال کی جامہ پوشی کا بدلہ یہ ہے' کہ قیامت تک تم دبے رہو' ذلت میں رہو' لوگ تمہیں پست کرتے چلے جائیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان پر تاوان مقرر کر دیا تھا' سات سال' یا تیرہ سال تک یہ اسے ادا کرتے رہے' سب سے پہلے خراج کا طریقہ آپ نے ہی ایجاد کیا' پھر ان پر یونانیوں کی حکومت ہوئی' پھر کسرانیوں' کلدانیوں اور نصرانیوں کی' سب کے زمانے میں ذلیل اور حقیر رہے' ان سے جزیہ لیا جاتا رہا اور انہیں پستی سے ابھرنے کا کوئی موقعہ نہ ملا' پھر اسلام آیا اور اس نے بھی انہیں پست کیا' جزیہ اور خراج برابر ان سے وصول ہوتا رہا' غرض یہ ذلیل رہے اور اس

امت کے ہاتھوں بھی حقارت کے گڑھے میں گرے رہے۔ بالآخر یہ دجال کے ساتھ مل جائیں گے لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جا کر ان کی تخم ریزی کر دیں گے۔ جو بھی اللہ کی شریعت مخالفت کرتا ہے' اللہ کے فرمان کی تحقیر کرتا ہے' اللہ اسے جلدی ہی سزا دے دیتا ہے' ہاں جو اس کی طرف رغبت ورجوع کرے' توبہ کرے' جھکے تو وہ بھی اس کے ساتھ بخشش ورحمت سے پیش آتا ہے' چونکہ ایمان نام ہے خوف اور امید کا' اسی لئے یہاں اور اکثر جگہ عذاب ثواب' پکڑ دکڑ اور بخشش اور لالچ دونوں کا ایک ساتھ بیان ہوا ہے۔

رشوت خوری کا انجام ذلت ورسوائی ہے : ☆☆ (آیت:١٦٨) بنی اسرائیل مختلف فرقے اور گروہ کر کے زمین میں پھیلا دیئے گئے' جیسے فرمان ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے کہا' تم زمین میں رہو سہو' جب آخرت کا وعدہ آئے گا' ہم تمہیں جمع کر کے لائیں گے' ان میں کچھ تو نیک تھے' کچھ بد تھے' جنات میں بھی یہی حال ہے جیسے سورہ جن میں ان کا قول ہے کہ ہم میں کچھ تو نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے ہیں' ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے آئے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ہم نے انہیں سختی نرمی سے' لالچ اور خوف سے' عافیت اور بلا سے' غرض ہر طرح پرکھ لیا تا کہ وہ اپنے کرتوت سے ہٹ جائیں' جب یہ زمانہ بھی گذرا جس میں نیک وبد ہر طرح کے لوگ تھے' ان کے بعد تو ایسے ناخلف اور نالائق آئے جن میں کوئی بھلائی اور خیریت تھی ہی نہیں' یہ اب تورات کی تلاوت والے رہ گئے۔ ممکن ہے اس سے مراد صرف نصرانی ہوں اور ممکن ہے کہ یہ خبر عام نصرانی غیر نصرانی سب پر مشتمل ہو' وہ حق بات کو بدلنے اور منانے کی فکر میں لگ گئے' جیب بھر دو جو چاہو کہلوالو' پس ہوس یہ ہے کہ ہے کیا؟ توبہ کر لیں گے' معاف ہو جائے گا' پھر موقعہ آیا' پھر دنیا لے کر اللہ کی باتیں بدل دیں' گناہ کیا' توبہ کی' پھر موقعہ ملتے ہی لپک کر گناہ کر لیا' مقصود ان کا دنیا طلبی ہے' حلال سے ملے چاہے حرام سے' پھر بھی مغفرت کی تمنا ہے' یہ ہیں جو وارث رسول کہلواتے ہیں اور جن سے اللہ نے عہد لیا ہے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ ﴿١٧٠﴾

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوئے کہ کتاب کے وارث بن کر اس خسیس دنیا کا اسباب اختیار کرتے ہیں' اس پر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہمیں تو ضرور بخش دیا جائے گا' حالانکہ اگر پھر بھی ان کے پاس اسی طرح کا اسباب آ جائے تو یہ اسے بھی لے لیں' کیا ان سے کتاب کا یہ مضبوط عہد نہیں لیا گیا' کہ وہ سوائے حق بات کے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے نہ کہیں گے' انہوں نے تو جو کچھ اس کتاب میں ہے' خود پڑھا ہے' آخرت کا گھر پرہیزگار لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے' کیا تم نہیں سمجھتے ○ جو کتاب اللہ کو مضبوطی سے لئے رہیں اور نماز کی پابندی کریں' یقیناً ہم نیکی اور اصلاح کرنے والوں کا ثواب برباد نہیں کرتے ○

(آیت:١٦٩-١٧٠) جیسے دوسری آیت میں ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز تک ضائع کر دیا۔ بنی اسرائیل

کا آوے کا آوا بگڑ گیا، آج ایک کو قاضی بناتے ہیں، وہ رشوتیں کھانے اور احکام بدلنے لگتا ہے، وہ اسے ہٹا کر دوسرے کو قائم مقام کرتے ہیں، اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے، پوچھتے ہیں بھئی ایسا کیوں کرتے ہو؟ جواب ملتا ہے اللہ غفور و رحیم ہے، پھر وہ ان لوگوں میں سے کسی کو اس عہدے پر لاتے ہیں جو اگلے قاضیوں، حاکموں اور ججوں کا شاکی تھا لیکن وہ بھی رشوتیں لینے لگتا ہے اور ناحق فیصلے کرنے لگتا ہے، پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم سے مضبوط عہد و پیمان ہم نے لے لیا ہے کہ تم حق کو ظاہر کیا کرو، اسے نہ چھپاؤ، لیکن یہ ذلیل دنیا کے لالچ میں آ کر عذاب رب مول لے رہے ہو۔ اسی وعدے کا بیان وَاِذْاَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ میں ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے عہد لیا تھا کہ وہ کتاب اللہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہیں گے اور اس کی کوئی بات نہ چھپائیں گے۔ یہ بھی اس کے خلاف تھا کہ گناہ کرتے چلے جائیں، توبہ نہ کریں اور بخشش کی امید رکھیں۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پاس کے اس اجر و ثواب کی لالچ دکھاتا ہے کہ اگر تقویٰ کیا، حرام سے بچے، خواہش نفسانی کے پیچھے نہ لگے، رب کی اطاعت کی تو آخرت کا بھلا تمہیں ملے گا، جو اس فانی دنیا کے ٹھاٹھ سے بہت ہی بہتر ہے، کیا تم میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ گراں بہا چیز کو چھوڑ کر ردی چیز کے پیچھے پڑے ہو؟ پھر جناب باری عز و جل ان مومنوں کی تعریف کرتا ہے، جو کتاب اللہ پر قائم ہیں اور اس کتاب کی راہنمائی کے مطابق اس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی اتباع کرتے ہیں، کلام رب پر جم کر عمل کرتے ہیں، احکام الٰہی کو دل سے مانتے ہیں اور بجا لاتے ہیں، اس کے منع کردہ کاموں سے رک گئے ہیں، نماز کو پابندی، دلچسپی، خشوع اور خضوع سے ادا کرتے ہیں، حقیقتاً یہی لوگ اصلاح پر ہیں، ناممکن ہے کہ ان نیک اور پاکباز لوگوں کا بدلہ ضائع کر دے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۹
وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ
تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

اور جبکہ ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا، اس طرح کہ سمجھنے لگے کہ وہ ان پر گر پڑنے والا ہی ہے، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی سے لئے رہو اور جو کچھ اس میں ہے، اسے یاد رکھو تاکہ تمہارا بچاؤ ہو جائے ○ جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی اولادیں نکالیں اور خود ان ہی کو ان کا گواہ بنا دیا کہ کیا میں تمہارا پرورش کرنے والا نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ بیشک ہو ہم گواہ ہیں، یہ اس لئے کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہدو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے ○

(آیت:۱۷۱) اسی طرح کی آیت وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ الخ ہے یعنی ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا، اسے فرشتے اٹھا لائے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام انہیں ارض مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ اتر جانے کے بعد تختیاں اٹھا لیں اور ان میں جو حکم احکام تھے، وہ انہیں سنائے تو انہیں وہ سخت معلوم ہوئے اور تسلیم و تعمیل سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا (نسائی) مروی ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے ان سے فرمایا کہ لو اللہ کی

کتاب کے احکام قبول کرو‘ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں سناؤ‘ اس میں کیا احکام ہیں؟ اگر آسان ہوئے تو ہم منظور کر لیں گے ورنہ نہیں مانیں گے‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کے اصرار پر بھی یہ لوگ یہی کہتے رہے‘ آخر اسی وقت اللہ کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا ہو گیا اور اللہ کے پیغمبرؑ نے فرمایا‘ بولو اب مانتے ہو یا اللہ تعالیٰ تم پر پہاڑ گرا کر تمہیں فنا کر دے؟ اسی وقت یہ سب کے سب مارے ڈر کے سجدے میں گر پڑے‘ لیکن بائیں آنکھ سجدے میں تھی اور دائیں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے‘ چنانچہ یہودیوں میں اب تک سجدے کا طریقہ یہی ہے‘ وہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح کے سجدے نے ہم پر سے عذاب الٰہی دور کر دیا ہے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو کھولا تو ان میں کتاب تھی جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا‘ اسی وقت تمام پہاڑ درخت پتھر سب کانپ اٹھے‘ آج بھی یہودی تلاوت تورات کے وقت کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے سر جھک جاتے ہیں۔

ہر روح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانا: ☆☆ (آیت:۱۷۲) اولاد آدمؑ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ان کی پیٹھوں سے روز اول میں نکالیں‘ پھر ان سب سے اس بات کا اقرار کر لیا کہ رب‘ خالق‘ مالک‘ معبود صرف وہی ہے‘ اسی فطرت پر پھر دنیا میں ان سب کو ان کے وقت پر اس نے پیدا کیا‘ یہی وہ فطرت ہے جس کی تبدیلی ناممکن ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دین پر پیدا ہوتا ہے‘ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی‘ نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں‘ جیسے کہ بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و مخلص پیدا کیا۔ پھر شیطان نے آ کر انہیں ان کے سچے دین سے بہکا کر میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

أَوْ تَقُولُوٓا إِنَّمَآ أَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۚ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾

یا کہنے لگو کہ شرک تو پہلے ہی سے ہمارے بڑے کرتے رہے اور ہم تو ان کی نسلوں میں سے تھے‘ تو کیا تو ہمیں ان خطا کاروں کے جرم کی سزا میں ہلاک کر رہا ہے؟ ہم اسی طرح تفصیل وار آیتوں کو بیان فرما دیتے ہیں تا کہ لوگ باز آ جائیں ○

(آیت:۱۷۳۔۱۷۴) قبیلہ بنو سعد کے ایک صحابی حضرت اسود بن سریعؓ فرماتے ہیں‘ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چار غزوے کیے‘ لوگوں نے لڑنے والے کفار کے قتل کے بعد ان کے بچوں کو بھی پکڑ لیا‘ جب آپؐ کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا‘ لوگ ان بچوں کو کیوں پکڑ رہے ہیں؟ کسی نے کہا حضورؐ وہ بھی تو مشرکوں کے ہی بچے ہیں؟ فرمایا‘ سنو تم میں سے بہتر لوگ مشرکین کی اولاد میں ہیں‘ یاد رکھو ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے‘ پھر زبان چلنے پر اس کے ماں باپ یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم دینے لگتے ہیں‘ اس کے راوی حضرت حسن فرماتے ہیں‘ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اللہ نے اولاد آدمؑ سے اپنی توحید کا اقرار لیا ہے (ابن جریر) اس اقرار کے بارے میں کئی ایک احادیث مروی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخی سے کہا جائے گا‘ اگر تمام دنیا تیری ہو تو کیا تو خوش ہے کہ اسے اپنے فدیئے میں دے کر میرے عذابوں سے آج بچ جائے؟ وہ کہے گا ہاں‘ اللہ تعالیٰ فرمائے گا‘ میں نے تو اس سے بہت ہی ہلکے درجے کی چیز تجھ سے طلب کی تھی اور اس کا وعدہ بھی تجھ سے لے لیا تھا کہ میرے سوا تو کسی اور کی عبادت نہ کرے‘ لیکن تو اسے توڑے بغیر نہ رہا اور دوسرے

کو میرا شریک عبادت ٹھہرایا۔

مسند میں ہے' نعمان نامی میدان میں اللہ تعالیٰ نے پشت آدم میں سے عرفے کے دن ان کی تمام اولاد ظاہر فرمائی' سب کو اس کے سامنے پھیلا دیا اور فرمایا کہ میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا' ہاں ہم گواہ ہیں' پھر آپ نے مبطلون تک آیت تلاوت فرمائی یہ روایت موقوف ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم اس وقت لوگ چیونٹیوں کی طرح تھے اور تر زمین پر تھے۔ حضرت ضحاک بن مزاحم کے چھ دن کی عمر کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا' جابر اسے دفن کر کے اس کا منہ کفن سے کھول دینا اور گرہ بھی کھول دینا کیونکہ میرا یہ بچہ بٹھا دیا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا۔ جابر نے حکم کی بجا آوری کی' پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے بچے سے کیا سوال ہو گا اور کون سوال کرے گا؟ فرمایا' اس میثاق کے بارے میں جو صلب آدم میں لیا گیا ہے' سوال کیا جائے گا' میں نے پوچھا' وہ میثاق کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو جتنے انسان قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں' سب کی روحیں آ گئیں' اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ وہ اسی کی عبادت کریں گے' اس کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانیں گے' خود ان کے رزق کا کفیل بنا' پھر انہیں صلب آدم میں لوٹا دیا' پس یہ سب قیامت سے پہلے ہی پہلے پیدا ہوں گے۔ جس نے اس وعدے کو پورا کیا اور اپنی زندگی میں اس پر قائم رہا' اسے وہ وعدہ نفع دے گا اور جس نے اپنی زندگی میں اس کی خلاف ورزی کی' اسے پہلے کا وعدہ کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور جو بچپن میں ہی مر گیا' وہ میثاق اول پر اور فطرت پر مرا' ان آثار سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والی حدیث کا موقوف ہونا ہی اکثر اور زیادہ ثبوت والا ہے ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بنی آدمؑ کی پیٹھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ایسی نکالیں جیسے کنگھی بالوں میں سے نکلتی ہے' ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا' انہوں نے اقرار کیا' فرشتوں نے شہادت دی اس لیے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اس سے غفلت کا بہانہ نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا' یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا' تو آپ نے میرے سنتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا کیا' اپنے داہنے ہاتھ سے ان کی پیٹھ کو چھوا' اس سے اولاد نکلی' فرمایا' میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے' یہ جہنمیوں کے اعمال کریں گے' تو آپ سے سوال ہوا کہ پھر عمل کس گنتی میں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو جنتی ہیں' ان سے مرتے دم تک جنتیوں کے اعمال ہی سرزد ہوں گے اور جنت میں جائیں گے' ہاں جو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس سے وہی اعمال سرزد ہوں گے' انہی پر مرے گا اور جہنم میں داخل ہو گا (ابوداؤد) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نکال کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور رکھ کر حضرت آدم کے سامنے پیش کیا' حضرت آدم نے پوچھا کہ یا اللہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے' ان میں سے ایک کے ماتھے کی چمک حضرت آدمؑ کو بہت اچھی لگی' پوچھا' یا اللہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ تیری اولاد میں سے بہت دور جا کر ہیں' ان کا نام داؤد ہے' پوچھا ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا' یا اللہ چالیس سال میری عمر میں سے ان کی عمر میں زیادہ کر' پس جب حضرت آدمؑ کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں' فرشتے نے کہا کہ آپ کو یاد نہیں کہ آپ نے یہ چالیس سال اپنے بچے حضرت داؤد کو ہبہ کر دیئے ہیں' بات یہ ہے کہ چونکہ آدمؑ نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کی عادی ہے' آدم خود بھول گئے' ان کی اولاد بھی بھولتی ہے' آدم نے خطا کی' ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے' یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح لکھتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ان میں جذامی ہے' کوئی کوڑھی ہے' کوئی اندھا ہے' کوئی بیمار ہے' تو پوچھا

کہ یا اللہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا یہ کہ میرا شکر ادا کیا جائے-

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ ان میں یہ زیادہ روشن اور نورانی چہروں والے کون ہیں؟ فرمایا یہ انبیاء ہیں کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں' یہ ہمارا ذاتی عمل ہے یا کہ فیصل شدہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پیٹھوں سے نکالا' انہیں گواہ بنایا' پھر اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی' پس اہل جنت پر تو نیک کام آسان ہوتے ہیں اور دوزخیوں پر برے کام آسان ہوتے ہیں- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور قضیہ ختم کیا تو جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملنے والا ہے' انہیں اپنی داہنی مٹھی میں لیا اور بائیں والوں کو بائیں مٹھی میں لیا' پھر فرمایا اے دائیں طرف والو' انہوں نے کہا لبیک وسعدیک' فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں' پھر سب کو ملا دیا' کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ ان کے لئے اور اعمال ہیں جنہیں یہ کرنے والے ہیں' یہ تو صرف اس لئے کہلوایا گیا ہے کہ انہیں یہ عذر نہ رہے کہ ہم اس سے غافل تھے' پھر سب کو صلب آدمؑ میں لوٹا دیا حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں' اس میدان میں اس دن سب کو جمع کیا' صورتیں دیں' بولنے کی طاقت دی' پھر عہد و میثاق لیا اور اپنے رب ہونے پر خود انہیں گواہ بنایا اور ساتوں آسمانوں' ساتوں زمینوں اور حضرت آدمؑ کو گواہ کیا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں علم نہ تھا- جان لو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں' نہ میرے سوا کوئی اور مربی ہے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' میں اپنے رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں یہ وعدہ یاد دلائیں گے' میں اپنی کتابیں اتاروں گا' تاکہ تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلاتی رہیں' سب نے جواب میں کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے' تو ہی ہمارا معبود ہے' تیرے سوا ہمارا کوئی مربی نہیں' پس سب سے اطاعت کا وعدہ لیا- اب جو حضرت آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو امیر غریب اور اس کے سوا مختلف قسم کے لوگوں پر نظر پڑی تو آپ کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ سب برابر ایک ہی حالت کے ہوتے' تو جواب ملا کہ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص میری شکر گذاری کرے- آپ نے دیکھا کہ ان میں اللہ کے پیغمبر بھی ہیں- ان سے پھر علیحدہ ایک اور میثاق لیا گیا جس کا بیان آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ الخ' میں ہے- اسی عام میثاق کا بیان آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ میں ہے- اسی لئے فرمان ہے هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى اسی کا بیان اس آیت میں ہے وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ (مسند احمد) حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن' حضرت قتادہ' حضرت سدی اور بہت سے سلف سے ان احادیث کے مطابق اقوال مروی ہیں طوالت سے بچنے کیلئے چند اصحاب کے نام درج کر دیئے ہیں' ماحصل سب کا یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا- کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آپ کی پیٹھ سے نکالا' جنتی دوزخی الگ الگ کئے اور وہیں ان کو اپنے رب ہونے پر گواہ کر لیا- یہ جن دو احادیث میں ہے وہ دونوں مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں- اسی لئے سلف و خلف میں اس بات کے قائل گذرے ہیں کہ اس سے مراد فطرت پر پیدا کرنا ہے جیسے کہ مرفوع اور صحیح احادیث میں وارد ہے- یہی وجہ ہے کہ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ اور مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کہا ورنہ من ادم اور من ظهره ہوتا' ان کی نسلیں اس روز نکالی گئیں جو کہ یکے بعد دیگرے مختلف قرنوں میں ہونے والی تھیں- جیسے فرمان ہے هُوَالَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اللہ ہی نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین کیا ہے- اور جگہ ہے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا رہا ہے-

اور آیت میں ہے جیسے تمہیں دوسرے لوگوں کی اولاد میں کیا الغرض حال و قال سے سب نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کیا- شہادت قولی ہوتی ہے جیسے آیت شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا میں اور شہادت کبھی حال سے ہوتی ہے جیسے آیت شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ میں یعنی ان کا حال ان کے کفر کی کھلی اور کافی شہادت ہے- اس طرح کی آیت وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ہے- اسی طرح سوال

بھی کبھی زبان سے ہوتا ہے کبھی حال سے۔ جیسے فرمان ہے وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ اس نے تمہیں تمہارا منہ مانگا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی' پس اگر یہ واقع میں ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے' تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تا کہ اس پر حجت رہے' اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمان رسولؐ سے خبر پالینا کافی ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو رسولوں کو ہی نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح جانتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھہرایا ہے پس اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت ربانی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحید باری تعالیٰ ہے' اسی لئے فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم توحید سے غافل تھے اور یہ بھی نہ کہہ سکو کہ شرک تو ہمارے اگلے باپ دادوں نے کیا تھا' ان کے اس ایجاد کردہ گناہ پر ہمیں سزا کیوں؟ پھر تفصیل وار آیات کے بیان فرمانے کا راز ظاہر کیا کہ اس کو سن کر برائیوں سے باز آجانا ممکن ہو جاتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ
الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ
اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ
تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾
سَاۗءَ مَثَلَا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

انہیں اس شخص کا واقعہ بھی پڑھ سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن وہ ان سے الگ ہٹ گیا اور شیطان اس کے درپے ہو گیا' پس انجام کار وہ گمراہوں میں جاملا ○ اگر ہم چاہتے تو نشانیوں کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے لیکن اس نے تو پستی ہی کی طرف میلان کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا' پس اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر اس پر مشقت لاد دے تو بھی ہانپتا رہے' اور چھوڑ دے جب بھی ہانپتا ہی رہے' یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں' تو ان واقعات کو بیان کرتا رہ' تا کہ یہ غور و فکر کر سکیں ○ بڑی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں ○

بلعم بن باعورا: ☆☆ (آیت:۱۷۵-۱۷۷) مروی ہے کہ جس شخص کا واقعہ ان آیات میں بیان ہو رہا ہے' اس کا نام بلعم بن باعورا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام صفی بن راہب تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ بیت المقدس میں رہا کرتا تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا۔ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا' اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی' بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے' اللہ اس کی دعا مقبول فرما لیا کرتا تھا' اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا' اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکر و فریب سے اپنا گرویدہ کر لیا اور اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا' یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جاملا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام

بلعام تھا' یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے۔ ممکن ہے یہ کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا' اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ خود حضور ﷺ کے زمانے کو بھی اس نے پایا' آپ کی آیات بینات دیکھیں' معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے' ہزارہا کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا' لیکن مشرکین کے میل جول' ان میں امتیاز' ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا' اس نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیئے کہے۔ لعنۃ اللہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لاچکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دعائیں جو بھی یہ کرے گا' مقبول ہوں گی' اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دعاؤں میں سے ایک دعا میرے لئے کر' اس نے منظور کر لیا اور پوچھا کیا دعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن وخوبصورت عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو' اس نے دعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہو گئی' اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی' بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہو گئی' اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے' یہ بھی منظور ہوئی' وہ کتیا بن گئی' اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا' لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں' آپ دعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لادے چنانچہ اس نے وہ تیسری دعا بھی کر لی' تینوں دعائیں یوں ہی ضائع ہو گئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خبر رہ گیا۔ مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ نبی تھا' یہ محض جھوٹ ہے اور کھلا افترا ہے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے' انہی جبارین میں بلعام نامی یہ شخص تھا' اس کی قوم اور اس کے قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰؑ اور اس کی قوم کے لئے آپ بددعا کیجئے' اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا وآخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہو گئی' یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا' بددعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرا دیا۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیہہ میں چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون (علیہ السلام) کو نبی بنا کر بھیجا' انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں' یہ آمادہ ہو گئے' بیعت کر لی' انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا' جو بڑا عالم تھا' اسم اعظم جانتا تھا' یہ بدنصیب کافر ہو گیا' قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا' تم نہ گھبراؤ' جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا' میں ان پر بددعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا' اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے' لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا بلکہ ایک گدھی پال رکھی تھی' اسی بدقسمت کا ذکر اس آیت میں ہے' شیطان اس پر غالب آ گیا' اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا' جو وہ کہتا' یہ کرتا تھا' آخر ہلاک ہو گیا مسند ابو یعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہو گا اور دینی ترقی پر ہو گا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا' اسے پس پشت ڈال دے گا' اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا' حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہو گا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ یا وہ جسے تہمت لگا رہا ہے' فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں' دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں' اپنی دی ہوئی آیات کی تابعداری پر قائم رکھیں لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہو گیا' اسے سجدہ کر لیا' کہتے ہیں کہ اس بلعام

سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بد دعا کیجئے، اس نے کہا اچھا میں، اللہ سے حکم لے لوں، جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں، اس نے سب سے کہا کہ مجھے بد دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے، انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے، اس نے سب رکھ لئے، پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے، آپ ضرور ان پر بد دعا کیجئے، اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا، اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا، اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا تھا اس کی بھی سمجھ میں آ گیا، اٹھ کر بد دعا شروع کی اللہ کی شان ہے بد دعا ان پر کرنے کی بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بد دعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح و نصرت کی دعا نکلتی، قوم نے کہا، آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا، کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں، سنو اگر سچ مچ میری زبان سے ان کے لئے بد دعا نکلی بھی تو قبول نہ ہو گی سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں، اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے۔ تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں۔ ممکن ہے بوجہ مسافرت یہ لوگ زنا کاری میں مبتلا ہو جائیں، اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے، اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا، خود بادشاہ کی بڑی حسین و جمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی، اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰؑ کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے، یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے، حرام کاری سے بچ نہ سکے، شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا، اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں، اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا، اس نے اجازت دی، یہ خبیث اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا۔ اور اس نے اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دست و بازو قوی کر دیئے، اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے ہوئے اٹھا لیا، لوگوں نے بھی انہیں دیکھا، اب اس لشکر پر رب کا عذاب طاعون کی شکل میں آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا، وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی، اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی، آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے، سامنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا، یہ اتر پڑا اور سجدے میں گر گیا، الغرض ایمان سے خالی ہو گیا، اس کا نام یا تو بلعام تھا، یا بلعم بن باعورا، یا ابن ابر، یا ابن باعور بن شہوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہاراون، یا ابن حران بن آزر، یہ بلقا کا رئیس تھا، اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔ واللہ اعلم ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بد دعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی، اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا، کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی، اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا، گدھی کو اللہ نے زبان دی، اس نے کہا تیرا ناس جائے، تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے اس کے رسولؐ سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے؟ دیکھ تو سہی، فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں، اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا، آگے بڑھ گیا، حسبان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا، اب ان کے لئے بد دعا اور اپنی قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی، دعا کی جگہ بد دعا اور بد دعا کی جگہ دعا نکلنے لگی، قوم نے کہا، کیا کر رہے ہو؟ کہا بے بس ہوں، اسی وقت اس کی زبان نکل کر سینے پر لٹکنے لگی، اس نے کہا، لو میری

دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا۔ پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب رب آ جائے گا۔ ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانیہ تھی اور جس کا نام کسبتی تھا، جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی، وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گذری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا، وہ اس پر فریفتہ ہو گیا، دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہہ دیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے، آپ نے کہا بیشک، اس نے کہا اچھا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا، اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا، وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا۔ حضرت فنحاس بن عیزار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے، جب آئے اور تمام حقیقت سنی تو بے تاب ہو کر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیمے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرو لیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے، کہنی کو کوکھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما، ہم پر سے یہ وبا دور فرما، دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں، ان کی دعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مر چکے تھے دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکریاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آ جائیں، بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فنحاص کی اولاد کو دیا کرتے ہیں، اسی بلعام بن باعورا کا ذکر ان آیات میں ہے۔

فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ خالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے۔ یا تو اس مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی، کتے کی طرح ہانپتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا، یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جمے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت، علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا، جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اپنے پاؤں تلے روندو خواہ چھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے، انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر، اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں، منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔

پھر اللہ عزوجل اپنے نبی ؐ کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہ، تا کہ ان میں سے جو عالم ہیں، وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آ جائیں اور یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا، دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا، آخر نہ یہ ملا نہ وہ، دونوں ہاتھ خالی رہ گئے، اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایات پڑھ رہے ہیں، آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر پھول نہ جائیں، ورنہ یہ بھی اس کی طرح دنیا میں کھو دیئے جائیں گے۔ انہیں چاہئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں۔ سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور دوسرے لوگوں پر حق کو ظاہر کریں، دیکھ لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف نگلنے اگلنے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگ جائے، وہ بھی کتے جیسا ہی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، ہمارے لئے بری مثالیں نہیں، اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو پھر لے لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ گنہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں، یہ تو اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں، طاعت مولیٰ، اتباع ہدیٰ سے

ہٹا کر خواہش کی غلامی اور دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۷۸ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚۖ
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ
بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ
اَضَلُّ ۭ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۷۹

راہ راست پر تو وہی ہیں جنہیں اللہ ہدایت دے دے اور جنہیں وہ بے راہ کر دے وہ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور ہم نے بہت انسان اور جنات جہنم کے لئے ہی پیدا کئے ہیں، ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے بوجھتے نہیں، ان کی آنکھیں بھی ہیں لیکن ان سے دیکھتے بھالتے نہیں، ان کے کان بھی ہیں لیکن سن گن ان میں بھی نہیں، یہ تو چوپاؤں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے، یہی لوگ تو پورے غافل اور بے خبر رہے ہیں ○

بہترین دعا: ☆☆ (آیت:۱۷۸) رب جنہیں راہ دکھائے، انہیں کوئی بے راہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہی غلط راہ پر ڈال دے، اس کی شومی قسمت میں کیا شک ہے؟ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں، ہم اپنے نفس کی شراتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی، اللہ کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میری گواہی ہے کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (مسند احمد وغیرہ)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے: ☆☆ (آیت:۱۷۹) بہت سے انسان اور جن جہنمی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں، مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ یہ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے، پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا۔ جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو میں نے کہا کہ مبارک ہو اس کو، یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا، آپ نے فرمایا کچھ اور بھڈی؟ سن اللہ تعالیٰ نے جنت کو اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے حالانکہ کہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے، اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کیے ہیں انہیں اسی لیے مقرر کر دیا ہے درآں حالیکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی ہیں۔

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے، ماں کے رحم میں اللہ تعالیٰ اپنا فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے چار چیزوں یعنی روزی، عمر، عمل اور نیکی یا بدی کو لکھ دیتا ہے۔ یہ بھی بیان گذر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو پشت آدم سے نکالا تو ان کے دو حصے کر دیئے، دائیں والے اور بائیں والے اور فرما دیا یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں اور تقدیر کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں کہ یہاں پورا بیان ہو جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ایسے خالی از خیر محروم قسمت

لوگ کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے' تمام اعضاء ہوتے ہیں لیکن قوتیں سب سے چھن جاتی ہیں' اندھے' بہرے' گونگے بن کر زندگی گڑھے میں ہی گذار دیتے ہیں' اگر ان میں خیر باقی ہوتی تو اللہ اپنی باتیں انہیں سناتا بھی' یہ تو خیر سے بالکل خالی ہو گئے' سنتے ہیں اور ان سنی کر جاتے ہیں' آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ رحمان کے ذکر سے منہ موڑنے کی سزا یہ ملی ہے کہ شیطان کے بھائی بن گئے ہیں' راہ حق سے دور جا پڑے ہیں مگر سمجھ یہی رہے ہیں کہ ہم سچے اور صحیح راستے پر ہیں۔ ان میں اور چوپائے جانوروں میں کوئی فرق نہیں نہ یہ حق کو دیکھیں اور نہ ہدایت کو دیکھیں' نہ اللہ کی باتوں کو سوچیں۔ چوپائے بھی تو اپنے حواس دنیا کے کام میں لاتے ہیں' اسی طرح یہ بھی فکر عقبیٰ سے' ذکر رب سے' راہ مولا سے غافل' گونگے اور اندھے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَاءً الخ' یعنی ان کافروں کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اس کے پیچھے چلا رہا ہے جو در حقیقت سنتی و نتی خاک بھی نہیں۔ ہاں صرف شور و غل تو اس کے کان میں پڑتا ہے۔ چوپائے آواز تو سنتے ہیں لیکن کیا کہا؟ اسے سمجھے ان کی بلا۔

پھر ترقی کر کے فرماتا ہے کہ یہ تو ان چوپایوں سے بھی بدترین ہیں کہ چوپائے گو نہ سمجھیں' لیکن آواز پر کان تو کھڑے کر دیتے ہیں' اشاروں پر حرکت تو کرتے ہیں' یہ تو اپنے مالک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے' اپنی پیدائش کی غایت کو آج تک معلوم ہی نہیں کیا' جبھی تو اللہ سے کفر کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اس کے برخلاف جو اللہ کا مطیع انسان ہو' وہ اللہ کے اطاعت گذار فرشتے سے بہتر ہے اور کفار انسان سے چوپائے جانور بہتر ہیں' ایسے لوگ پورے غافل ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اللہ ہی کے لئے ہیں تمام بہترین نام' پس ان ناموں سے تم اسے پکارا کرو' انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں' وہ اپنے کئے کا بدلہ ضرور دیئے جائیں گے ○

اسماء الحسنٰی: ☆☆ (آیت:۱۸۰) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ انہیں جو محفوظ کر لے' وہ جنتی ہے' وہ وتر ہیطاق ہی کو پسند کرتا ہے (بخاری وغیرہ) ترمذی میں یہ ننانوے نام اس طرح ہیں الله الذى لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم الملك القدوسالسلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارى المصور الغفار القهار الوهاب الرزاق الفتاح العليم القابض الباسط الخافص الرافع المعز المذل السميع البصير الحكم العدل اللطيف الخبير الحليم العظيم الغفور الشكور العلى الكبير الحفيظ المقيت الحسيب الحليل الكريم الرقيب المجيب الواسع الحكيم الودود المجيد الباعث الشهيد الحق الوكيل القوى المتين انولى الحميد المحصى المبدى المعيد المحى المميت الحى القيوم الواجد الماجد الواحد الاحد الفرد الصمد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الاخر الظاهر الباطن الوالى المتعالىٰ البر التواب المنتقم العفو الرؤوف مالك الملك ذوالجلال والاكرام المقسط الجامع الغنى المغنى المانع الضار النافع النور الهادى البديع الباقى الوارث الرشيد الصبور۔

یہ حدیث غریب ہے۔ کچھ کی زیادتی کے ساتھ اسی طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی وارد ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ راویوں نے یہ نام قرآن سے چھانٹ لیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ یاد رہے کہ یہی ننانوے نام اللہ کے ہوں اور نہ ہوں، یہ بات نہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جسے کبھی بھی کوئی غم و رنج پہنچے اور وہ یہ دعا کرے اللھم انی عبدك ابن عبدك ابن امتك ناصیتی بیدك ماض فیّ حكمك عدل فیّ قضاؤك اسألك بكل اسم هو لك سمیت به نفسك و انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القران العظیم ربیع قلبی ونور صدری و جلاء حزنی و ذهاب همی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے غم و رنج کو دور کر دے گا اور اس کی جگہ راحت و خوشی عطا فرمائے گا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ پھر کیا ہم اسے اوروں کو بھی سکھائیں؟ آپ نے فرمایا بے شک، جو اسے سنے، اسے چاہئے کہ دوسروں کو بھی سکھائے۔ امام ابو حاتم بن حبان بستی بھی اسی روایت کو اسی طرح اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ امام ابو بکر بن عربی بھی اپنی کتاب عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کتاب و سنت سے جمع کیے ہیں، جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی ہے، واللہ اعلم۔

اللہ کے ناموں سے الحاد کرنے والوں کو چھوڑ دو جیسے کہ لفظ اللہ سے کافروں نے اپنے بت کا نام لات رکھا اور عزیز سے مشتق کر کے عزیٰ نام رکھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جو اللہ کے ناموں میں شریک کرتے ہیں، انہیں چھوڑ دو، جو انہیں جھٹلاتے ہیں، ان سے منہ موڑ لو۔ الحاد کے لفظی معنی ہیں درمیانہ، سیدھے راستے سے ہٹ جانا اور گھوم جانا۔ اسی لیے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کیونکہ سیدھی کھدائی سے ہٹا کر بنائی جاتی ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ ع ۱۰

ہماری مخلوق میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی پر انصاف کرتے ہیں ○

امت محمد ﷺ کے اوصاف: ☆☆ (آیت:۱۸۱) یعنی بعض لوگ حق و عدل پر قائم ہیں، حق بات ہی زبان سے نکالتے ہیں، حق کام ہی کرتے ہیں، حق کی طرف ہی اوروں کو بلاتے ہیں، حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں۔ اور بعض آثار میں مروی ہے کہ اس سے مراد امت محمد یہ ہے چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب نبی ﷺ اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ یہ تمہارے لیے ہے تم سے پہلے یہ وصف قوم موسیٰ کا تھا۔ ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد ہے میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں، وہ خواہ کبھی بھی اتریں۔ بخاری و مسلم میں ہے، آپؐ فرماتے ہیں، میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گا، انہیں ان سے دشمنی کرنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائیگا، وہ اسی پر رہیں گے۔ ایک اور روایت ہے (اس وقت) وہ شام میں ہوں گے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾ أَوَلَمْ
يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ
مُبِينٌ ﴿١٨٤﴾

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹ جانتے ہیں، ہم انہیں آہستہ آہستہ اس طرح گھسیٹتے جائیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، میری تدبیر بہت ہی مضبوط ہے ○ کیا انہوں نے کبھی اس بات کو نہیں سوچا کہ ان کے رفیق کو کسی طرح کی دیوانگی نہیں، وہ تو صاف صاف آگاہ کرنے والا ہی ہے ○

سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے: ☆☆ (آیت:۱۸۲-۱۸۳) یعنی ایسے لوگوں کو روزی میں کشادگی دی جائے گی، معاش کی آسانیاں ملیں گی، وہ دھوکے میں پڑ جائیں گے اور حقانیت کو بھول جائیں گے، جب پورے مست ہو جائیں گے اور ہماری نصیحت کو گئی گذری کر دیں گے، تو ہم انہیں ہر طرح کے آرام دیں گے یہاں تک کہ وہ مست ہو جائیں گے، تب انہیں ہم ناگہانی پکڑ میں پکڑ لیں گے، اس وقت وہ مایوسی کے ساتھ منہ تکتے رہ جائیں گے اور ان ظالموں کی رگ کٹ جائے گی۔ حقیقتاً تعریفوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انہیں میں تو ڈھیل دوں گا اور یہ میرے اس داؤ سے بے خبر ہوں گے، میری تدبیر کبھی ناکام نہیں ہوتی، وہ بڑی مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے۔

صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی: ☆☆ (آیت:۱۸۴) کیا ان کافروں نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ میں جنون کی کوئی بات بھی ہے؟ جیسے فرمان ہے قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ الخ آؤ میری ایک بات تو مان لو، ذرا سی دیر خلوص کے ساتھ اللہ کو حاضر جان کر اکیلے وکیلے غور تو کرو کہ مجھ میں کون سا دیوانہ پن ہے؟ میں تو تمہیں آنے والے سخت خطرے کی اطلاع دے رہا ہوں کہ اس سے ہوشیار رہو۔ جب تم یہ کرو گے تو خود اس نتیجے پر پہنچ جاؤ گے کہ میں مجنون نہیں بلکہ اللہ کا پیغام دے کر تم میں بھیجا گیا ہوں۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ صفا پہاڑ پر چڑھ کر قریشیوں کے ایک ایک قبیلے کا الگ الگ نام لے کر انہیں اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اسی طرح صبح کر دی تو بعض کہنے لگے کہ دیوانہ ہو گیا ہے اس پر یہ آیت اتری۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ
اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ
اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

کیا انہوں نے کبھی آسمان و زمین کی مملکت میں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں کبھی غور نہیں کیا؟ اور اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ گئی ہو؟ پھر اب یہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ○ اللہ کے بہکائے ہوئے کا رہنما کوئی نہیں، انہیں تو اللہ تعالیٰ سرکشی میں ہی سرگرداں چھوڑ دیتا ہے ○

شیطانی چکر: ☆☆ (آیت:۱۸۵) اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اتنی بڑی وسیع بادشاہت میں سے اور زمین و آسمان کی ہر طرح کی مخلوق میں سے، کسی ایک چیز نے بھی بعد از غور و فکر انہیں یہ توفیق نہ دی کہ یہ باایمان ہو جاتے؟ اور رب کو بے نظیر و بے شبہ واحد و فرد مان لیتے؟ اور جان لیتے کہ اتنی بڑی خلق، کا خالق، اتنے بڑے ملک کا واحد مالک ہی عبادتوں کے لائق ہے؟ پھر یہ ایمان قبول کر لیتے اور اسی کی عبادتوں میں لگ جاتے اور شرک و کفر سے یکسو ہو جاتے؟ انہیں ڈر لگنے لگتا کہ کیا خبر ہماری موت کا وقت قریب ہی آ گیا ہو؟ ہم کفر پر ہی مر جائیں تو ابدی سزاؤں میں پڑ جائیں؟ جب انہیں اتنی نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد، اس قدر باتیں سمجھا دینے کے بعد بھی ایمان و یقین نہ آیا، اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے آ جانے کے بعد بھی یہ راہ راست پر نہ آئے تو اب کس بات کو مانیں گے؟۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج والی رات جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ گویا اوپر کی طرف بجلی کی

کڑک اور کھڑکھڑاہٹ ہو رہی ہے۔ میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس پہنچا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں جتنے اونچے تھے جن میں سانپ پھر رہے تھے جو باہر سے ہی نظر آتے تھے، میں نے حضرت جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ سود خور ہیں، جب میں وہاں سے اترنے لگا تو آسمان اول پر آ کر میں نے دیکھا، نیچے کی جانب دھواں، غبار اور شور و غل ہے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا یہ شیاطین ہیں جو اپنی خرمستیوں اور دھینگا مشتیوں سے لوگوں کی آنکھوں پر پردے ڈال رہے ہیں کہ وہ آسمان و زمین کی بادشاہت کی چیزوں میں غور و فکر نہ کر سکیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ بڑے بڑے عجائبات دیکھتے۔ اس کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان کی بہت سی روایات منکر ہیں۔

میری نشانیاں اور تعلیم گمراہوں کے لیے بے سود ہیں: ☆☆ (آیت:۱۸٦) جس پر گمراہی لکھ دی گئی ہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، وہ چاہے ساری نشانیاں دیکھ لے لیکن بے سود، اللہ کا ارادہ جس کے لیے فتنے کا ہو تو اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ میرا حکم تو یہی ہے کہ آسمان و زمین کی میری بے شمار نشانیوں پر غور کرو لیکن یہ ظاہر ہے کہ آیات اور ڈراوے بے ایمانوں کے لیے سود مند نہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ
اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٨٧

تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا قائم ہونا کب ہے؟ تو جواب دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار کے پاس ہی ہے، وہی اسے اس کے مقررہ وقت پر ظاہر کر دے گا، وہ تو زمین و آسمان میں گراں ہو رہی ہے، وہ تمہارے پاس اچانک ہی آ جائے گی، اس طرح تجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ گویا تو اس سے واقف ہے، صاف کہہ دے کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○

قیامت کب اور کس وقت؟ ☆☆ (آیت:۱۸۷) یہ دریافت کرنے والے قریشی بھی تھے اور یہودی بھی لیکن چونکہ یہ آیت مکی ہے اسلئے ٹھیک یہی ہے کہ قریشیوں کا سوال تھا چونکہ وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے، اس لیے اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے کہ اگر سچے ہو تو اس کا ٹھیک وقت بتا دو، ادھر بے ایمان اس کی جلدی مچا رہے ہیں، ادھر ایماندار اسے حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں، بات یہ ہے کہ جنہیں اس میں بھی شک ہے دور دراز کی گمراہی میں تو وہی ہیں۔ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت واقع کب ہو گی؟ جواب سکھایا گیا کہ اس کے صحیح وقت کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں، وہی اس کے صحیح وقت سے واقف ہے، بجز اس کے کسی کو اس کے واقع ہونے کا وقت معلوم نہیں، اس کا علم زمین و آسمان پر بھی بھاری ہے، ان کی رہنے والی ساری مخلوق اس علم سے خالی ہے، وہ جب آئے گی، سب پر ایک ہی وقت واقع ہو گی، سب کو ضرر پہنچے گا، آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، سورج بے نور ہو جائے گا، پہاڑ اڑنے لگیں گے، اسی لیے وہ ساری مخلوق پر گراں گذر رہی ہے، اس کے واقع ہونے کے صحیح وقت کا علم ساری مخلوق پر بھاری ہے، زمین و آسمان والے سب اس سے عاجز اور بے خبر ہیں، وہ تو اچانک سب کی بے خبری میں ہی آئے گی، کوئی بزرگ سے بزرگ فرشتہ، کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر بھی اس کے آنے کے وقت کا عالم نہیں، وہ تو سب کی بے خبری میں ہی آ جائے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' دنیا کے تمام کام حسب دستور ہو رہے ہوں گے' جانوروں والے اپنے جانوروں کے پانی پینے والے حوض درست کر رہے ہوں گے' تجارت والے ناپ تول میں مشغول ہوں گے' قیامت آ جائے گی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا' اسے دیکھتے ہی سب لوگ ایمان قبول کر لیں گے' لیکن اس وقت کا ایمان ان کے لیے بے سود ہو گا' جو اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں اور جنہوں نے اس سے پہلے نیکیاں نہ کی ہوں۔ قیامت اس طرح دفعتاً آ جائے گی کہ ایک شخص کپڑا پھیلائے دوسرے کو دکھا رہا ہو گا اور دوسرا دیکھ رہا ہو گا' بھاؤ تاؤ ہو رہا ہو گا کہ قیامت واقع ہو جائے گی' نہ یہ خرید و فروخت کر سکیں گے' نہ کپڑے کی تہہ کر سکیں گے' کوئی دودھ دوہ کر آ رہا ہو گا' پی نہ سکے گا کہ قیامت آ جائے گی' کوئی حوض درست کر رہا ہو گا' ابھی جانوروں کو پانی نہ پلا چکا ہو گا کہ قیامت آ جائے گی' کوئی لقمہ اٹھائے ہوئے ہو گا' ابھی منہ میں نہ ڈالا ہو گا کہ قیامت آ جائے گی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' آدمی دودھ کا کٹورا (برتن) اٹھا کر پینا چاہتا ہو گا' ابھی منہ سے نہ لگا پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی' کپڑے کے خریدار بھی سودا نہ کر چکے ہوں گے کہ قیامت آ جائے گی' حوض والے بھی لیپا پوتی کر رہے ہوں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ تجھ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تو ان کا سچا رفیق ہے' یہ تیرے پکے دوست ہیں' اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ تجھے اس کا حال معلوم ہے' حالانکہ کسی مقرب فرشتے یا نبی یا رسول کو اس کا علم ہرگز نہیں۔ قریشیوں نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور ہم تو آپ کے قرابتدار ہیں' ہمیں تو بتا دیجیے کہ قیامت کب اور کس دن کس سال آئے گی؟ اس طرح پوچھا کہ گویا آپ کو معلوم ہے' حالانکہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے جیسے فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے یہی معنی زیادہ ترجیح والے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی جب اعرابی کا روپ دھار کر سائل کی شکل میں آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا' تو آپؐ نے صاف جواب دیا کہ اس کا علم نہ مجھے ہے' نہ تجھے' اس سے پہلے کے سوالات آپ بتا چکے تھے' اس سوال کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر کے پھر سورہ لقمان کی آخری آیت پڑھی کہ ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' یعنی علم قیامت' بارش کا آنا' مادہ کے پیٹ کے بچے کا حال' کل کے حالات' موت کی جگہ' ہاں جب انہوں نے اس کی علامتیں پوچھیں تو حضورؐ نے بتا دیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا' جبکہ جبرئیلؑ آپ کے ہر جواب پر یہی فرماتے جاتے تھے کہ آپ نے سچ فرمایا' ان کے چلے جانے کے بعد صحابہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ حضورؐ یہ کون صاحب تھے؟ آپ نے فرمایا جبرئیل تھے' تمہیں دین سکھانے آئے تھے جب بھی وہ میرے پاس جس شکل میں بھی آئے' میں نے انہیں پہچان لیا' لیکن اس مرتبہ تو میں خود اب تک نہ پہچان سکا تھا۔ (الحمد للہ میں نے اس کے تمام طریقے کل سندوں کے ساتھ پوری بحث کر کے بخاری شریف کی شرح کے اول میں ہی ذکر کر دیئے ہیں) ایک اعرابی نے آ کر باآواز بلند آپ کا نام لے کر آپ کو پکارا' آپ نے اسی طرح جواب دیا' اس نے کہا' قیامت کب ہو گی؟ آپ نے فرمایا' وہ آنے والی تو قطعاً ہے' تو بتا' تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ روزے نماز تو میرے پاس زیادہ نہیں البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے اپنے دل کو لبریز پاتا ہوں' آپ نے فرمایا انسان اسی کے ہمراہ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہو' مومن اس حدیث کو سن کر بہت ہی خوش ہوئے کہ اس قدر خوشی انہیں اور کسی چیز پر نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ سے ایسا سوال کرے جس کی ضرورت نہ ہو تو آپ اسے وہ بات بتاتے جو اس سے کہیں زیادہ مفید ہو' اسی لئے اس سائل کو بھی فرمایا کہ وقت کا علم کیا فائدہ دے گا؟ ہو سکے تو تیاری کر لو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اعرابی لوگ حضورؐ سے جب بھی قیامت کے بارے میں سوال کرتے تو آپ جو ان میں سب سے کم عمر ہوتا'

اسے دیکھ کر فرماتے کہ اگر یہ اپنی طبعی عمر تک پہنچا تو اس کے بڑھاپے تک ہی تم اپنی قیامت کو پالو گے اس سے مراد ان کی موت ہے جو آخرت کے برزخ میں پہنچا دیتی ہے۔ بعض روایات میں ان کے اس قسم کے سوال پر آنحضرتؐ کا علی الاطلاق یہی فرمانا بھی مروی ہے کہ اس نوعمر کے بڑھاپے تک قیامت آ جائے گی یہ اطلاق بھی اسی تقلید پر محمول ہوگا یعنی مراد اس سے ان لوگوں کی موت کا وقت ہے وفات سے ایک ماہ قبل آپؐ نے فرمایا، تم مجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہو، اس کے صحیح وقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر جتنے متنفس ہیں، ان میں سے ایک بھی سو سال تک باقی نہ رہے گا (مسلم) مطلب اس سے یہ ہے کہ سو سال تک اس زمانے کے موجود لوگوں سے یہ دنیا خالی ہو جائے گی۔

آپ فرماتے ہیں معراج والی شب میری ملاقات حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی، وہاں قیامت کے وقت کا ذکر چلا تو حضرت ابراہیمؑ کی طرف سب نے بات کو جھکا دیا، آپ نے جواب دیا کہ مجھے تو اس کا علم نہیں سب حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے یہی جواب وہاں سے ملا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا، اس کے واقع ہونے کا وقت تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، ہاں مجھ سے میرے رب نے فرما رکھا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے، میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی، وہ مجھے دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا آخر اللہ اسے میرے ہاتھوں ہلاک کرے گا یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے، آ، اور اسے قتل کر ڈال۔ جب اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا، تب لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹیں گے، اس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے جو کودتے پھلانگتے چاروں طرف پھیل جائیں گے، جہاں سے گذریں گے، تباہی پھیلا دیں گے، جس پانی سے گذریں گے، سب پی جائیں گے، آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے، میں اللہ سے دعا کروں گا، اللہ تعالیٰ سب کو ہلاک کر دے گا، ان کی لاشوں کی سڑاند پھیلے گی جس سے لوگ تنگ آ جائیں گے، اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال آئے گی۔ پھر تو پہاڑ اڑنے لگیں گے اور زمین سکڑنے لگے گی، جب یہ سب کچھ ظاہر ہوگا اس وقت قیامت ایسی قریب ہو گی جیسی پورے دن والی حاملہ عورت کے بچہ جننے کا زمانہ قریب ہوتا ہے کہ گھر کے لوگ ہوشیار رہتے ہیں کہ نہ جانے دن کو پیدا ہو جائے یا رات کو۔ (ابن ماجہ مسند وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم کسی رسول کو بھی نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کی علامات بیان فرماتے ہیں، نہ کہ مقررہ وقت، اس لئے کہ آپ احکام رسول اللہ ﷺ کے جاری کرنے اور دجال کو قتل کرنے اور اپنی دعا کی برکت سے یاجوج ماجوج کو ہلاک کرنے کے لئے اس امت کے آخر زمانے میں نازل ہوں گے جس کا علم اللہ نے آپ کو دے دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے قیامت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، اس کا علم اللہ کے پاس ہی ہے سوائے اس کے اسے اور کوئی نہیں جانتا، ہاں میں تمہیں اس کی شرطیں بتلاتا ہوں اس سے پہلے بڑے بڑے فتنے اور لڑائیاں ہوں گی، لوگوں کے خون ایسے سفید ہو جائیں گے کہ گویا کوئی کسی کو جانتا پہچانتا ہی نہیں (مسند) آپ اس آیت کے اترنے سے پہلے بھی اکثر قیامت کا ذکر فرماتے رہا کرتے تھے۔ پس غور کر لو کہ یہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الرسل ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، نبی الرحمہ ہیں، نبی اللہ ہیں الملحمہ ہیں، عاقب ہیں، مقفی ہیں، حاشر ہیں، جن کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا، جن کا فرمان ہے کہ میں اور قیامت اس طرح آئے ہیں اور آپ نے اپنی دونوں انگلیاں جوڑ کر بتائیں، یعنی شہادت کی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی، لیکن باوجود اس کے قیامت کا علم آپ کو نہ تھا، آپ سے جب سوال ہوا تو یہی حکم ملا، جواب دو کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۖ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ۲۳ ع ۷ ۱۴

کہہ دے کہ میں تو اپنی جان کے بھی کسی فائدے نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' وہی ہو کر رہتا ہے جو اللہ چاہے' اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ (اکٹھا) کر لیتا اور کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا' میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں' ان لوگوں کو جو ایمان لائیں ○

نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا: ☆☆ (آیت: ۱۸۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ تمام کام اللہ کے سپرد کریں اور صاف کہہ دیں کہ غیب کی کسی بات کا مجھے علم نہیں' میں تو صرف وہ جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے معلوم کرا دے۔ جیسے سورہ جن میں ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا' مجھے اگر غیب کی اطلاع ہوتی تو میں اپنے لئے بہت سی بھلائیاں سمیٹ لیتا۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اگر مجھے اپنی موت کا علم ہوتا تو نیکیوں میں بھی سبقت لے جاتا' لیکن یہ قول غور طلب ہے کیونکہ حضورؐ کے اعمال دائمی تھے' جو نیکی ایک بار کرتے' پھر اسے معمول بنا لیتے' ساری زندگی اور زندگی کا ہر ایک دن بلکہ ہر ایک گھڑی ایک ہی طرح کی تھی' گویا کہ آپ کی نگاہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگی رہتی تھیں' زیادہ سے زیادہ یہ بات یوں ہو سکتی ہے کہ دوسروں کو میں ان کی موت کے وقت سے خبردار کر کے انہیں اعمال نیک کی رغبت دلاتا۔ واللہ اعلم۔

اس سے زیادہ اچھا قول اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ میں مال جمع کر لیتا' مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس چیز کے خریدنے میں نفع ہے' میں اسے خرید لیتا' جانتا کہ اس کی خریداری میں نقصان ہے نہ خریدتا خشک سالی کیلئے تر سالی میں ذخیرہ جمع کر لیتا' ارزانی کے وقت گرانی کے علم سے سودا جمع کر لیتا' کبھی کوئی برائی مجھے نہ پہنچتی کیونکہ میں علم غیب سے جان لیتا کہ یہ برائی ہے تو میں پہلے سے ہی اس سے جتن کر لیتا' لیکن میں علم غیب نہیں جانتا اس لئے فقیری بھی مجھ پر آتی ہے' تکلیف بھی ہوتی ہے' مجھ میں تم یہ وصف نہ مانو' سنو مجھ میں وصف یہ ہے کہ میں برے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں' ایمانداروں کو جنت کی خوش خبری سناتا ہوں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ہم نے اسے تیری زبان پر آسان کر دیا ہے کہ تو پرہیز گاروں کو خوشخبری سنا دے اور بروں کو ڈرا دے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

اسی نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے' اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے سکون حاصل کرے' جب مرد عورت سے ملا تو اسے ہلکا سا بوجھ رہ گیا جسے وہ لئے پھرتی رہی' پھر جب زیادہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت فرمائے گا تو ہم یقیناً تیرے شکر گذاروں میں

ہو جائیں گے ○ پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شائستہ اولاد بخشی تو وہ اللہ کی اس دین میں اس کے شریک ٹھہرانے لگے' سو ان کے اس شرک کرنے سے اللہ کی شان بہت ہی بلند ہے ○

ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم: ☆☆ (آیت:۱۸۹-۱۹۰) تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت آدم علیہ السلام سے ہی پیدا کیا' انہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا' پھر ان دونوں سے نسل انسان جاری کی- جیسے فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی الخ لوگو ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے' پھر تمہارے کنبے اور قبیلے بنا دیئے تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے رہو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ذی عزت وہ ہے جو پرہیزگاری میں سب سے آگے ہے- سورۂ نساء کے شروع میں ہے' اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا ہے' انہی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا' پھر ان دونوں میاں بیوی سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے- یہاں فرماتا ہے کہ انہی سے ان کی بیوی کو بنایا تا کہ یہ آرام اٹھائیں چنانچہ ایک اور آیت میں ہے لِتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً لوگو یہ بھی اللہ کی ایک مہربانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں بنا دیں تا کہ تم ان سے سکون و آرام حاصل کرو اور اس نے تم میں باہم محبت و الفت پیدا کر دی' پس یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چاہت ہے جو میاں بیوی میں وہ پیدا کر دیتا ہے- اسی لئے جادوگروں کی برائی بیان کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا کہ وہ اپنی مکاریوں سے میاں بیوی میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں- عورت مرد کے ملاپ سے بحکم الٰہی عورت کو حمل ٹھہر جاتا ہے' جب تک وہ نطفے' خون اور لوتھڑے کی شکل میں ہوتا ہے' ہلکا سا رہتا ہے' وہ برابر اپنے کام کاج میں آمد و رفت میں لگی رہتی ہے' کوئی ایسی زیادہ تکلیف اور بار نہیں معلوم ہوتا اور اندر ہی اندر وہ برابر بڑھتا رہتا ہے' اسے تو یونہی کبھی کچھ وہم سا ہوتا ہے کہ شاید کچھ ہو' کچھ وقت یونہی گذر جانے کے بعد بوجھ معلوم ہونے لگتا ہے' حمل ظاہر ہو جاتا ہے' بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے' طبیعت تھکنے لگتی ہے' اب ماں باپ دونوں اللہ سے دعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہ ہمیں صحیح سالم بیٹا عطا فرمائے تو ہم شکر گذاری کریں گے' ڈر لگتا ہے کہ کہیں کچھ اور بات نہ ہو جائے- اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور صحیح سالم انسانی شکل و صورت کا بچہ عطا فرمایا تو اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں- مفسرین نے اس جگہ بہت سے آثار و احادیث بیان کی ہیں جنہیں میں یہاں نقل کرتا ہوں اور ان میں جو بات ہے' وہ بھی بیان کروں گا' پھر جو بات صحیح ہے' اسے بتاؤں گا ان شاءاللہ-

مسند احمد میں ہے کہ جب حضرت حوا کو اولاد ہوئی تو ابلیس گھومنے لگا' ان کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے' شیطان نے سکھایا کہ اب اس کا نام عبدالحارث رکھ دے تو یہ زندہ رہے گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور یہی ہوا اور اصل میں یہ شیطانی حرکت تھی اور اسی کا حکم تھا- امام ترمذیؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے- میں کہتا ہوں' اس حدیث میں کئی کمزوریاں ہیں' ایک تو یہ کہ اس کے ایک راوی عمر بن ابراہیم مصری کی بابت امام ابو حاتم رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ایسا نہیں کہ اس سے حجت پکڑی جائے گو امام ابن معینؒ نے اس کی توثیق کی ہے- لیکن ابن مردویہؒ نے اسے معمر سے' اس نے اپنے باپ سے' اس نے سمرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے- (واللہ اعلم) دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو کہ مرفوع نہیں-

ابن جریر میں خود حضرت سمرہ بن جندبؓ کا اپنا فرمان ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنے لڑکے کا نام عبدالحارث رکھا- تیسرے اس آیت کی تفسیر' اس کے راوی حضرت حسن سے اس کے علاوہ بھی مروی ہے' ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے- چنانچہ ابن جریر میں ہے' حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' حضرت آدمؑ کا واقعہ نہیں بلکہ بعض مذاہب والوں کا واقعہ ہے- اور روایت میں آپ کا یہ فرمان منقول ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں' فرماتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ کا فعل بیان

ہوا ہے کہ اپنی اولادوں کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ یہ سب اسناد حضرت حسنؒ تک بالکل صحیح ہیں اور اس آیت کی جو کچھ تفسیر کی گئی ہے، اس میں سب سے بہتر تفسیر یہی ہے۔ خیر مقصد یہ تھا کہ اتنا بڑا متقی اور پرہیزگار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں، ایک مرفوع حدیث قول پیغمبرؐ روایت کرے، پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے، یہ بالکل ان ہونی بات ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ حضرت سمرہؓ کا اپنا قول ہے۔ اس کے بعد یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ حضرت سمرہؓ نے اسے اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہو جیسے کعب وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے، اس کا بیان بھی سنئے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں، حضرت حواؑ کے جو بچے پیدا ہوتے تھے، ان کا نام عبداللہ عبیداللہ وغیرہ رکھتی تھیں، وہ بچے فوت ہو جاتے تھے، پھر ان کے پاس ابلیس آیا اور کہا اگر تم کوئی اور نام رکھو تو تمہارے بچے زندہ رہیں گے چنانچہ ان دونوں نے یہی کیا، جو بچہ پیدا ہوا، اس کا نام عبدالحارث رکھا، اس کا بیان ان آیات میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے دو بچے اس سے پہلے مر چکے تھے، اب حالت حمل میں شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارے پیٹ میں کیا ہے؟ ممکن ہے کوئی جانور ہی ہو، ممکن ہے صحیح سالم ہوگا، زندہ رہے گا، یہ بھی اس کے بہکاوے میں آ گئے اور عبدالحارث نام رکھا، اسی کا بیان ان آیات میں ہے۔

اور روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ حمل کے وقت یہ آیا اور انہیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا، اب یا تو تم میری اطاعت کرو ورنہ میں اسے یہ کر ڈالوں گا، وہ کر ڈالوں گا وغیرہ، ہر چند ڈرایا مگر انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی، اللہ کی شان وہ بچہ مردہ پیدا ہوا، دوبارہ حمل ٹھہرا تو یہ ملعون پھر آن پہنچا اور اسی طرح خوف زدہ کرنے لگا، اب بھی انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی چنانچہ یہ دوسرا بچہ بھی مردہ ہوا، تیسرے حمل کے وقت یہ خبیث پھر آیا، اس مرتبہ اولاد کی محبت میں آ کر انہوں نے اس کی بات مان لی اور اس کا نام عبدالحارث رکھا، اسی کا بیان ان آیات میں ہے۔ ابن عباسؓ سے اس اثر کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے جیسے حضرت مجاہدؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ اور دوسرے طبقے میں سے قتادہؒ، سدیؒ وغیرہ، اس طرح سلف سے خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اثر اہل کتاب سے لیا گیا ہے، اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اسے ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے، پس ظاہر ہے کہ یہ اہل کتاب کے آثار سے ہے، جن کی بابت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی ان کی روایات تین طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جن کی صحت ہمارے ہاں کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسرا وہ جن کی تکذیب کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہو۔ تیسرا وہ جس کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حضور ﷺ اس روایت کے بیان میں تو کوئی حرج نہیں لیکن تصدیق تکذیب جائز نہیں۔ میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ مروی ہے، انہوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے۔ لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں جو حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کا اپنی اولاد کے معاملے میں اللہ کے ساتھ کرنے کا بیان ان آیات میں ہے نہ کہ حضرت آدم و حوا کا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اس شرک سے اور ان کے شریک ٹھہرانے سے بلند و بالا ہے۔ ان آیات میں یہ ذکر اور ان سے پہلے آدم و حوا کا ذکر مثل تمہید کے ہے، کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپوں کا ذکر ہوا، اور ان ہی کا شرک بیان ہوا ذکر شخص سے ذکر جنس کی طرف استطراد کے طور پر جیسے آیت وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ میں ہے یعنی ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور انہیں شیطانوں پر انگارے برسانے والا بنایا اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں، وہ جھڑتے نہیں، ان سے شیطانوں کو مار نہیں پڑتی۔ یہاں بھی استطراد تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف ہے، اس کی اور بھی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں موجود

ہیں- واللہ اعلم-

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾
وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

کیا یہ لوگ انہیں اللہ کا شریک مقرر کر رہے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں ○ اپنے پوجنے والوں کی مدد کی نہ تو انہیں طاقت ہے اور نہ ہی وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ○

انسان کا المیہ خود معبود سازی اور اللہ سے دوری ہے: ☆☆ (آیت: ۱۹۱-۱۹۲) جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں' وہ سب اللہ کے ہی بنائے ہوئے ہیں وہی ان کا پالنے والا ہے وہ بالکل بے اختیار ہیں' کسی نفع نقصان کا انہیں' اختیار نہیں' وہ اپنے پجاریوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ تو ہل جل بھی نہیں سکتے' دیکھ اور سن بھی نہیں سکتے' ان بتوں سے تو ان کے پجاری ہی توانا' تندرست اور اچھے ہیں کہ ان کی آنکھیں بھی ہیں' کان بھی ہیں' یہ بے قوف تو انہیں پوجتے ہیں جنہوں نے ساری مخلوق میں سے ایک چیز کو بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں- جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو آؤ ایک لطیف مثال سنو' تم جنہیں پکار رہے ہو' یہ سارے ہی جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو ان کی طاقت سے خارج ہے' بلکہ ان کی کمزوری تو یہاں تک ہے کہ کوئی مکھی ان کی کسی چیز کو چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس بھی نہیں کر سکتے' طلب کرنے والے اور جن سے طلب کی جا رہی ہے' بہت ہی بودے ہیں- تعجب ہے کہ اتنے کمزوروں کی عبادت کی جاتی ہے جو اپنا حق بھی ایک مکھی سے نہیں لے سکتے' وہ تمہاری روزیوں اور مدد پر کیسے قادر ہوں گے؟

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ
اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ
بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ
بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

بلکہ اگر تم انہیں سیدھی بات کی طرف بلاؤ تو وہ تو اس میں بھی تمہاری تابعداری نہیں کر سکتے' تمہارا انہیں بلانا اور چپ رہنا دونوں ہی برابر ہے ○ تم جنہیں بھی اللہ کے سوا پکار رہے ہو' وہ سب تم جیسے ہی اللہ کے غلام ہیں' اچھا اگر تم سچے ہو تو انہیں بلواؤ اور یہ تمہاری دعائیں قبول تو کر لیں؟ ○ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکتے ہوں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں ایسی کہ ان سے دیکھ سکتے ہیں' یا ان کے ایسے کان ہیں جن سے سن لیتے ہیں؟ کہہ دے کہ اچھا تم اپنے سب شریکوں کو بلا لو' پھر میرے حق میں مکر و فریب کر لو اور مجھے مہلت دو ○

(آیت: ۱۹۲-۱۹۴) حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم خود ہی گھڑتے اور بناتے ہو؟ وہ نہ تو اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں نہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں' یہاں تک کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے

انہیں توڑ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لیکن ان سے یہ نہ ہو سکا کہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھ سے بچا لیتے' ہاتھ میں تبر لے کر سب کا چورا کر دیا اور ان معبودان باطل سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتے۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما یہی کام کرتے تھے کہ رات کے وقت چپکے سے جا کر مشرکین کے بت توڑ آتے اور جو لکڑی کے ہوتے' انہیں توڑ کر بیوہ عورتوں کو دے دیتے کہ وہ اپنا ایندھن بنا لیں اور قوم کے بت پرست عبرت حاصل کریں' خود حضرت معاذؓ کا باپ عمرو بن جموح بھی بت پرست تھا' یہ دونوں نوجوان دوست وہاں بھی پہنچتے اور اس بت کو پلیدی سے آلودہ کر آتے' جب یہ آتا تو اپنے معبود کو اس حالت میں دیکھ کر بہت پیچ و تاب کھاتا' پھر دھوتا' پھر اس پر خوشبو ملتا' ایک مرتبہ اس نے اس کے پاس تلوار رکھ دی اور کہا دیکھ آج تیرا دشمن آئے تو اس تلوار سے اس کا کام تمام کر دینا' یہ اس رات بھی پہنچے اور اس کی درگت کر کے پاخانے سے لیپ کر کے چلے آئے مگر تاہم اسے اثر نہ ہوا' صبح کو اسی طرح اس نے اسے دھو دھا کر ٹھیک ٹھاک کر کے خوشبو لگا کر بٹھا کر ڈنڈوت کی یعنی (اٹھک بیٹھک) کی۔ جب ان دونوں نے دیکھا کہ کسی طرح یہ نہیں مانتا تو ایک رات اس بت کو اٹھا لائے اور ایک کتے کا پلا جو مردار پڑا تھا' اس کے گلے میں باندھ دیا اور محلے کے ایک کنویں میں ڈال دیا صبح اس نے اپنے بت کو نہ پا کر تلاش کیا تو کنویں میں اسے نظر آیا کہ کتے کے مردہ بچے کے ساتھ پڑا ہوا ہے' اب اسے بت سے اور بت پرستی سے نفرت ہو گئی اور اس نے کہا

تاللہ لو کنت الھا مستدن لم تک والکلب جمیعا فی قرن

یعنی اگر تو سچ مچ معبود ہوتا تو کنویں میں کتے کے پلے کے ساتھ پڑا ہوا نہ ہوتا۔ پھر نبی کریم ﷺ ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے' پھر تو اسلام میں پورے پکے ہو گئے' احد کی لڑائی میں شریک ہوئے اور کفار کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل جنت الفردوس مأواہ انہیں اگر بلایا جائے تو یہ قبول کرنا تو درکنار' سن بھی نہیں سکتے' محض پتھر ہیں' بے جان ہیں' بے آنکھ اور بے کان ہیں جیسے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد! آپ ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں' جو نہ سنیں' نہ دیکھیں' نہ تجھے کوئی نفع پہنچا سکیں' نہ تیرے کسی کام آ سکیں' انہیں پکارنا اور نہ پکارنا دونوں برابر ہیں' یہ تو تم جیسے ہی بے بس اور اللہ کی مخلوق ہیں' بتاؤ تو کبھی انہوں نے تمہاری فریاد رسی کی ہے؟ یا کبھی تمہاری دعا کا جواب دیا ہے؟ حقیقت میں ان سے افضل و اعلیٰ تو تم خود ہو' تم سنتے' دیکھتے' چلتے پھرتے' بولتے چالتے ہو' یہ تو اتنا بھی نہیں کر سکتے' اچھا تم ان سے میرا کچھ بگاڑنے کی درخواست کرو' میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر ان سے ہو سکے تو بلا تامل اپنی پوری طاقت سے جو میرا بگاڑ سکتے ہوں بگاڑ لیں۔

إِنَّ وَلِـِّۧىَ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

میرا کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے' وہ اپنے نیک بندوں کی حمایت کرتا رہتا ہے ○ اور اس اللہ کے سوا تم جن جن کو پکارتے ہو' وہ تمہاری حمایت کی کوئی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ تو خود اپنی جانوں کی بھی مدد نہیں کر سکتے ○ اور اگر تم انہیں راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنتے' گو وہ تجھے بظاہر تیری طرف

دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں' لیکن دراصل دیکھتے بھالتے نہیں ○

(آیت: ۱۹۶-۱۹۸) سنو میں تو اللہ کو اپنا حمایتی اور مددگار سمجھتا ہوں' وہی میرا بچانے والا ہے اور وہ مجھے کافی وافی ہے' اس پر میرا بھروسہ ہے' اسی سے میرا لگاؤ ہے' میں ہی نہیں' ہر نیک بندہ یہی کرتا ہے اور وہ بھی اپنے تمام سچے غلاموں کی نگہبانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا' میرے بعد بھی ان سب کا نگران اور محافظ وہی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام سے آپ کی قوم نے کہا کہ ہمارا تو خیال ہے کہ تو جو ہمارے معبودوں پر ایمان نہیں رکھتا' اسی سبب سے انہوں نے تجھے ان مشکلات میں ڈال دیا ہے' اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا' سنو تم کو اور اللہ کو گواہ کر کے علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے تمام معبودوں سے بری اور بیزار اور ان سب کا دشمن ہوں' تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو تو بگاڑ لو' تمہیں بھی قسم ہے جو ذرا سی کوتاہی کرو' میرا توکل اللہ کی ذات پر ہے' تمام جانداروں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اور میرا رب ہی سچی راہ پر ہے۔ حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا کہ تم اور تمہارے بزرگ جن کی تم پرستش کرتے ہو' میں ان سب کا دشمن ہوں اور وہ مجھ سے دور ہیں سوائے اس رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہبری کی' آپ نے اپنے والد اور قوم سے بھی یہی فرمایا کہ میں تمہارے معبودان باطل سے بری اور بیزار ہوں' سوائے اس سچے معبود کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' وہی میری رہبری کرے گا۔ ہم نے اسی کلمے کو اس کی نسل میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ دیا تا کہ لوگ اپنے باطل خیالات سے ہٹ جائیں۔ پہلے تو غائبانہ فرمایا تھا' پھر اور تاکید کے طور پر خطاب کر کے فرماتا ہے کہ جن جن کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو' وہ تمہاری امداد نہیں کر سکتے اور نہ وہ خود اپنا ہی کوئی نفع کر سکتے ہیں' یہ تو سن ہی نہیں سکتے' تجھے تو یہ آنکھوں والے دکھائی دیتے ہیں' لیکن دراصل ان کی اصلی آنکھیں ہی نہیں کہ کسی کو دیکھ سکیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر تم انہیں پکارو تو وہ سنتے نہیں چونکہ وہ تصاویر اور بت ہیں' ان کی مصنوعی آنکھیں ہیں' محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں' لیکن دراصل دیکھ نہیں رہے' چونکہ وہ پتھر بصورت انسان ہیں' اس لئے ضمیر بھی ذی العقول کی لائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے' یہی امام ابن جریر اور قتادہؒ کا قول ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹
وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۰۰

درگذر کرنے کا شیوہ اختیار کر اور نیکیوں کا حکم کرتا رہ اور نادانوں سے چشم پوشی کر ○ اور اگر کوئی شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ کی پناہ طلب کر لیا کر' بیشک وہ خوب سننے جاننے والا ہے ○

اچھے اعمال کی نشاندہی: ☆☆ (آیت: ۱۹۹-۲۰۰) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ان سے وہ مال لے جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو اور جسے یہ بخوشی اللہ کی راہ میں پیش کریں' پہلے چونکہ زکوۃ کے احکام تفصیل کے ساتھ نہیں اترے تھے اس لیے یہی حکم تھا۔ یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرو۔ یہ بھی مطلب ہے کہ مشرکین سے بدلہ نہ لو' دس سال تک تو یہی حکم رہا کہ درگذر کرتے رہو' پھر جہاد کے احکام اترے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ لوگوں کے اچھے اخلاق اور عمدہ عادات جو ظاہر ہوں' انہی پر نظر رکھو' ان کے باطن نہ ٹٹولو' تجسس نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس

آیت کو سن کر حضرت جبرئیلؑ سے آپ نے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر، جو تجھے نہ دے تو اس کے ساتھ بھی احسان وسلوک کر، جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس کے ساتھ بھی تعلق رکھ۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا اور آپ کا ہاتھ تھام کر درخواست کی کہ مجھے افضل اعمال بتائیے، آپ نے فرمایا جو تجھ سے توڑے تو اس سے بھی جوڑ، جو تجھ سے روکے تو اسے دے، جو تجھ پر ظلم کرے تو اس پر بھی رحم کر۔ اوپر والی روایت مرسل اور یہ روایت ضعیف ہے۔ عرف سے مراد نیک ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عینیہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھائی حر بن قیس کے ہاں آ کے ٹھہرا، حضرت حر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاص درباریوں میں تھے، آپ کے درباری اور نزدیکی کا شرف صرف انہیں حاصل تھا جو قرآن کریم کے ماہر تھے خواہ وہ جوان ہوں خواہ بوڑھے، اس نے درخواست کی کہ مجھے آپ امیر المومنین عمر کے دربار میں حاضری کی اجازت دلوا دیجئے، آپ نے وہاں جا کر ان کے لیے اجازت چاہی، امیر المومنین نے اجازت دے دی، یہ جاتے ہی کہنے لگے، اے ابن خطاب تو ہمیں بکثرت مال بھی نہیں دیتا اور ہم میں عدل کے ساتھ فیصلے بھی نہیں کرتا، آپ کو یہ کلام بھی برا لگا، ممکن تھا کہ اسے اس کی اس تہمت پر سزا دیتے، لیکن اسی وقت حضرت حر نے کہا، اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ عفو و درگذر کی عادت رکھ، اچھائیوں کا حکم کرتا رہ اور جاہلوں سے چشم پوشی کر، امیر المومنین یقین کیجئے یہ نرا جاہل ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کا امیر المؤمنین کے کان میں پڑنا تھا کہ آپ کا تمام رنج و غم و غصہ و غضب جاتا رہا، آپ کی یہ تو عادت ہی تھی کہ ادھر اللہ کا نام سنا، ادھر گردن جھکا دی۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کا ذکر ہے کہ آپ نے شامیوں کے ایک قافلے کو دیکھا، جس میں گھنٹی تھی تو آپ نے فرمایا، یہ گھنٹیاں منع ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم اس مسئلے کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں، بڑی بڑی گھنٹیوں سے منع ہے، اس جیسی چھوٹی گھنٹیوں میں کیا حرج ہے؟ حضرت سالم نے آیت کا آخری جملہ پڑھ کر ان جاہلوں سے چشم پوشی کر لی۔ عرف، معروف، عارف، عارفہ، سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس میں ہر اچھی بات کی اطاعت کا ذکر آ گیا۔ پھر حکم دیا کہ جاہلوں سے منہ پھیر لیا کر۔ گو یہ حکم آپ کو ہے لیکن دراصل تمام بندوں کو یہی حکم ہے، مطلب یہ ہے کہ تکلیف برداشت کر لیا کرو، تکلیف دہی کا خیال بھی نہ کرو، یہ معنی نہیں کہ دین حق کے معاملے میں جو جہالت سے پیش آئے، تم سے کچھ نہ کہو، مسلمانوں سے جو کفر پر جم کر مقابلہ کرے، تم اسے کچھ نہ کہنا، یہ مطلب اس جملے کا نہیں۔ یہ وہ پاکیزہ اخلاق ہیں جن کا مجسم عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ کسی نے اسی مضمون کو اپنے شعروں میں باندھا ہے۔

خذ العفو وامر بعرف کما امرت واعرض عن الجاهلين
ولن فى الكلام بكل الانام . فمستحسن من ذوى الجاهلين

یعنی درگذر کیا کر، بھلی بات بتا دیا کر، جیسے کہ تجھے حکم ہوا ہے، نادانوں سے ہٹ جایا کر، ہر ایک سے نرم کلامی سے پیش آیا کر، یاد رکھ کہ عزت و جاہ پر پہنچ کر نرم اور خوش اخلاق رہنا ہی کمال ہے۔ بعض مسلمانوں کا مقولہ ہے کہ لوگ دو طرح کے ہیں، ایک تو بھلے اور محسن، جو احسان و سلوک کریں، قبول کر لے اور ان کے سر نہ ہو جا کہ ان کی وسعت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈال دے۔ دوسرے بد اور ظالم، انہیں نیکی اور بھلائی کا حکم دے، پھر بھی اگر وہ اپنی جہالت پر اور بدکرداری پر اڑے رہیں اور تیرے سامنے سرکشی اختیار کریں تو، تو ان سے روگردانی کر لے، یہی چیز اسے اس کی برائی سے ہٹا دے گی۔ جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ الخ، بہترین طریق سے دفع کر دو تو تمہارے دشمن بھی تمھارے دوست بن جائیں گے، لیکن یہ انہی سے ہو سکتا ہے جو صابر ہوں اور نصیبوں والے ہوں۔ اس کے بعد شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا

حکم ہوا' اس لیے کہ وہ سخت ترین دشمن ہے اور ہے بھی احسان فراموش - انسانی دشمنوں سے بچاؤ تو عفو و درگذر اور سلوک و احسان سے ہو جاتا ہے' لیکن اس ملعون سے سوائے اللہ کی پناہ کے اور کوئی بچاؤ نہیں - یہ تینوں حکم جو سورہ اعراف کی ان تینوں آیات میں ہیں' یہی سورہ مومنون میں بھی ہیں اور سورہ حم السجدہ میں بھی ہیں - شیطان تو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے دشمن انسان ہے' یہ جب غصہ دلائے' جوش میں لائے' فرمان الٰہی کے خلاف ابھارے' جاہلوں سے بدلہ لینے پر آمادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیا کر' وہ جاہلوں کی جہالت کو بھی جانتا ہے اور تیرے بچاؤ کی ترکیبوں کو بھی جانتا ہے' ساری مخلوق کا اسے علم ہے اور وہ تمام کاموں سے خبردار ہے - کہتے ہیں کہ جب اگلے تین حکم سنے تو کہا' اے اللہ ان کاموں کے کرنے کے وقت تو شیطان ان کے خلاف بری طرح آمادہ کر دے گا اور نفس تو جوش انتقام سے پر ہوتا ہے' کہیں ان کی خلاف ورزی نہ ہو جائے تو یہ پچھلی آیت نازل ہوئی کہ ایسا کرنے سے شیطانی وسوسہ دفع ہو جائے گا اور تم اخلاق کریمانہ پر عامل ہو جاؤ گے - میں نے اپنی اسی تفسیر کے شروع میں ہی اعوذ کی بحث میں اس حدیث کو بھی وارد کیا ہے کہ دو شخص لڑ جھگڑ رہے تھے جن میں سے ایک سخت غضبناک تھا' حضورؐ نے فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ یاد ہے' اگر یہ کہہ لے تو ابھی یہ بات جاتی رہے' وہ کلمہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) ہے - کسی نے اس میں بھی ذکر کیا تو اس نے کہا کہ کیا میں کوئی دیوانہ ہو گیا ہوں؟ نزغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں' وہ خواہ غصے سے ہو یا کسی اور وجہ سے - فرمان قرآن ہے کہ میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ وہ بھلی بات زبان سے نکالا کریں' شیطان ان میں فساد کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے - عیاذ کے معنی التجا اور استناد کے ہیں اور ملاذ کا لفظ طلب خیر کے لیے بولا جاتا ہے جیسے حسن بن ہانی کا شعر ہے -

یامن الوذبه فیما اوملہ   ومن اعوذ به مما احاذره
لا یجبر الناس عظما انت کاسره   ولا یهیضون عظما انت جابره

یعنی اے اللہ تو میری آرزوؤں کا مرکز ہے اور میرے بچاؤ اور پناہ کا مسکن ہے - مجھے یقین ہے کہ جس ہڈی کو تو توڑنا چاہے' اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے تو جوڑنا چاہے' اسے کوئی توڑ نہیں سکتا - باقی احادیث جو تعوذ (اعوذ باللہ) کے متعلق تھیں' وہ ہم اپنی اس تفسیر کے شروع میں ہی لکھ آئے ہیں -

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ۝۲۰۱ وَإِخْوَٰنُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ۝۲۰۲

پرہیزگار تو شیطانی وسوسے کے آتے ہی چوکنا ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی دیکھ بھال کرنے لگتے ہیں ○ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں' انہیں تو شیاطین گمراہی میں گھسیٹے لئے جاتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○

جو اللہ سے ڈرتا ہے' شیطان اس سے ڈرتا ہے: ☆☆ (آیت:۲۰۱-۲۰۲) طائف کی دوسری قرأت 'طیف' ہے' یہ دونوں مشہور قرأتیں ہیں دونوں کے معنی ایک ہیں' بعض نے لفظی تعریف بھی کی ہے - فرمان ہے کہ وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں' جنہیں اللہ کا ڈر ہے' جو نیکیوں کے عامل اور برائیوں سے رکنے والے ہیں' انہیں جب کبھی غصہ آ جائے' یا شیطان ان پر اپنا کوئی داؤ چلانا چاہے' یا ان کے دل میں کسی گناہ کی رغبت ڈالے' اور ان سے کوئی گناہ کرانا چاہے تو اللہ کے عذاب سے بچنے میں جو ثواب ہے' یہ اسے بھی یاد کر لیتے ہیں' رب کے وعدے وعید کی یاد کرتے ہیں اور فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں' توبہ کر لیتے ہیں' اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شیطانی شر سے پناہ

مانگنے لگتے ہیں اور اسی وقت اللہ کی جناب میں رجوع کرنے لگتے ہیں اور استقامت کے ساتھ صحت پر جم جاتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی جسے مرگی کا دورہ پڑا کرتا تھا' اس نے درخواست کی کہ آپ میرے لیے دعا کیجئے' آپؐ نے فرمایا' اگر تم چاہو تو میں دعا کروں اور اللہ تمہیں شفا بخشے اور اگر چاہو تو صبر کرو تو اللہ تم سے حساب نہ لے گا' اس نے کہا کہ حضورؐ میں صبر کرتی ہوں کہ میرا حساب معاف ہو جائے۔ سنن میں بھی یہ حدیث ہے کہ اس عورت نے کہا تھا کہ میں گر پڑتی ہوں اور بیہوشی کی حالت میں میرا کپڑا کھل جاتا ہے جس سے بے پردگی ہوتی ہے' اللہ سے میری شفا کی درخواست کیجئے' آپ نے فرمایا تم ان دونوں باتوں میں سے ایک کو پسند کر لو' یا تو میں دعا کروں اور تمہیں شفا ہو جائے' یا تم صبر کرو اور تمہیں جنت ملے' اس نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں کہ مجھے جنت ملے' لیکن اتنی دعا تو ضرور کیجئے کہ میں بے پردہ نہ ہو جایا کروں' آپؐ نے دعا کی چنانچہ ان کا کپڑا کیسی ہی وہ تلملاتیں' اپنی جگہ سے نہ ہٹتا تھا۔ حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں عمرو بن جامع کے حالات میں نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عابد مسجد میں رہا کرتا تھا اور اللہ کی عبادت کا بہت مشتاق تھا' ایک عورت نے اس پر ڈورے ڈالنے شروع کیے' یہاں تک کہ اسے بہکا لیا قریب تھا کہ وہ اس کے ساتھ کوٹھڑی میں چلا جائے اچانک اسے یہ آیت اِذَا مَسَّهُمْ الخ یاد آئی اور غش کھا کر گر پڑا بہت دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا' اس نے پھر اس آیت کو یاد کیا اور اس قدر اللہ کا خوف اس کے دل میں سمایا کہ اس کی جان نکل گئی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے والد سے ہمدردی اور غم خواری کی' چونکہ انہیں رات ہی کو دفن کر دیا گیا تھا' آپ ان کی قبر پر گئے' آپ کے ساتھ بہت سے آدمی تھے' آپ نے وہاں جا کر ان کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی' اور اسے آواز دے کر فرمایا' اے نوجوان! ولمن خاف مقام ربه جنتان جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھے' اس کے لیے دو دو جنتیں ہیں' اسی وقت قبر کے اندر سے آواز آئی کہ مجھے میرے رب عزوجل نے وہ دونوں مرتبے دو دو عطا فرما دیئے' یہ تو تھا حال اللہ والوں کا اور پرہیزگاروں کا کہ وہ شیطانی جھٹکوں سے بچ جاتے ہیں' اس کے فن فریب سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اب ان کا حال بیان ہو رہا ہے جو خود شیطان کے بھائی بنے ہوئے ہیں' جیسے فضول خرچ لوگوں کو قرآن نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے' ایسے لوگ اس کی باتیں سنتے ہیں' مانتے ہیں اور ان پر ہی عمل کرتے ہیں' شیاطین ان کے سامنے برائیاں اچھے رنگ میں پیش کرتے ہیں' ان پر وہ آسان ہو جاتی ہیں اور یہ پوری مشغولیت کے ساتھ ان میں پھنس جاتے ہیں' دن بدن اپنی بدکاری میں بڑھتے جاتے ہیں' جہالت اور نادانی کی حد کر دیتے ہیں' نہ شیطان ان کے بہکانے میں کوتاہی برتتے ہیں' نہ یہ برائیاں کرنے میں کمی کرتے ہیں' یہ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور وہ ان وسوسوں میں پھنستے رہتے ہیں' یہ انہیں بھڑکاتے اور گناہوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں' وہ برے عمل کیے جاتے ہیں اور برائیوں پر مداومت اور لذت کے ساتھ جمے رہتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ
اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٢٠٣

ان کے سامنے جب تو کوئی خاص معجزہ پیش نہیں کرتا تو وہ کہتے ہیں کہ تو اسے بھی اپنی طرف سے کیوں نہ چھانٹ لایا؟ تو جواب دے کہ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری جانب میرے پروردگار کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' یہ قرآن بصارتوں والا تمہارے رب کی طرف کا موجود ہے جو ایمانداروں کے لئے سراسر ہدایت ورحمت ہے ○

سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰۳) یہ لوگ کوئی معجزہ مانگتے اور آپ اسے پیش نہ کرتے تو کہتے کہ نبی ہوتا تو ایسا کر لیتا، بنا لیتا، اللہ سے مانگ لیتا، اپنے آپ گھڑ لیتا، آسمان سے گھسیٹ لاتا، الغرض معجزہ طلب کرتے اور وہ طلب بھی سرکشی اور عناد کے ساتھ ہوتی۔ جیسے فرمان قرآن ہے اِنۡ نَّشَاۡءُ نُنَزِّلۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً الخ اگر ہم چاہتے تو کوئی نشان ان پر آسمان سے اتارے جس سے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ وہ لوگ حضورؐ سے کہتے رہتے تھے کہ جو ہم مانگتے ہیں، وہ معجزہ اپنے رب سے طلب کر کے ہمیں ضرور دکھا دیجئے، تو حکم دیا کہ ان سے فرما دیجئے کہ میں تو اللہ کی باتیں ماننے والا اور ان پر عمل کرنے والا وحی الٰہی کا تابع ہوں، میں اس کی جناب میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا، آگے نہیں بڑھ سکتا، جو حکم دے صرف اسے بجا لاتا ہوں، اگر کوئی معجزہ وہ عطا فرمائے، دکھا دوں، جو وہ ظاہر نہ فرمائے اسے میں نہیں لا سکتا، میرے بس میں کچھ نہیں، میں اس سے معجزہ طلب نہیں کیا کرتا، مجھ میں اتنی جرات نہیں، ہاں اس کی اجازت پا لیتا ہوں تو اس سے دعا کرتا ہوں، وہ حکمتوں والا اور علم والا ہے، میرے پاس تو میرے رب کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو سب سے زیادہ واضح دلیل، سب سے زیادہ سچی حجت اور سب سے زیادہ روشن برہان ہے، جو حکمت، ہدایت اور رحمت سے پر ہے، اگر دل میں ایمان ہے تو اس اچھے سچے عمدہ اور اعلیٰ معجزے کے بعد دوسرے معجزے کی طلب باقی نہیں رہتی۔

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾

جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو تم اس کی طرف ہی کان لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی: ☆☆ (آیت: ۲۰۴) چونکہ اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے بصیرت و بصارت ہے اور ساتھ ہی ہدایت اور رحمت ہے اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل وعلا حکم فرماتا ہے کہ اس کی عظمت و احترام کے طور پر اس کی تلاوت کے وقت کان لگا کر اسے سنو، ایسا نہ کرو جیسا کفار قریش نے کیا، وہ کہتے تھے لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ الخ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل مچا دو۔ اس کی اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے جبکہ فرض نماز میں امام باآواز بلند قرأت کرتا ہو۔ جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ امام اقتدا کئے جانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، جب وہ تکبیر کہے، تم تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے، تم خاموش رہو۔ اسی طرح سنن میں بھی یہ حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے امام مسلم بن حجاج رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور اپنی کتاب میں نہیں لائے (یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو خاموش رہنے کا حکم ہے، یہ صرف اس قرأت کے لئے ہے الحمد (سورۃ فاتحہ) کے سوا ہو۔ جیسے کہ طبرانی کبیر میں صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو، وہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھ لے، پس سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور قرأت کے وقت خاموشی کا حکم ہے، واللہ اعلم۔ مترجم) اس آیت کے شان نزول کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ پہلے نماز پڑھتے ہوئے باتیں بھی کر لیا کرتے تھے، تب یہ آیت اتری۔ اور دوسری آیت میں چپ رہنے کا حکم کیا گیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے ہم آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے، پس یہ آیت اتری، آپ نے ایک مرتبہ نماز میں لوگوں کو امام کے ساتھ ہی ساتھ پڑھتے ہوئے سن کر فارغ ہو کر فرمایا کہ تم اب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے، جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے (واضح رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس سے مراد امام کے باآواز بلند الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت مقتدی کا خاموش رہنا ہے، نہ کہ پست آواز کی قرأت والی نماز میں، اور

بلند آواز کی قرأت والی نماز میں الحمد سے خاموشی (مراد نہیں، کیونکہ) امام کے پیچھے الحمد تو خود آپ بھی پڑھا کرتے تھے جیسے کہ جزاء القراۃ بخاری میں ہے انه قرا فی العصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بام القران و سورة یعنی آپ نے امام کے پیچھے عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ الحمد بھی پڑھی اور دوسری سورت بھی ملائی، پس آپ کے مندرجہ بالا فرمان کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت سنے اور چپ رہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس انصاری نوجوان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ قرآن سے کچھ پڑھتے، یہ بھی اسے پڑھتا، پس یہ آیت اتری۔ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس نماز سے فارغ ہو کر پلٹے جس میں آپ نے با آواز بلند قرأت پڑھی تھی، پھر پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے کہا، ہاں یا رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا، میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن کی چھینا جھپٹی ہو رہی ہے؟ راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان نمازوں میں جن میں آپ اونچی آواز سے قرأت پڑھا کرتے تھے، قرأت سے رک گئے، جبکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا۔

امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں اور ابو حاتم رازی اس کی تصحیح کرتے ہیں (مطلب اس حدیث کا بھی یہی ہے کہ امام جب پکار کر قرأت پڑھے، اس وقت مقتدی سوائے الحمد کے کچھ نہ پڑھے کیونکہ ایسی ہی روایت ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد وغیرہ میں ہے، جس میں ہے کہ جب آپ کے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا لا تفعلوا الا بفاتحة فانه لاصلوة لمن لم يقرأ بها یعنی ایسا نہ کیا کرو، صرف سورہ فاتحہ پڑھو کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا، اس کی نماز نہیں ہوتی، پس لوگ اونچی آواز والی قرأت کی نماز میں جس قرأت سے رک گئے، وہ الحمد کے علاوہ تھی کیونکہ اسی سے روکا تھا، اسی سے صحابہؓ رک گئے، الحمد تو پڑھنے کا حکم دیا تھا، بلکہ ساتھ ہی فرما دیا تھا کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم) زہری کا قول ہے کہ امام جب اونچی آواز سے قرأت پڑھے تو انہیں امام کی قرأت کافی ہے، امام کے پیچھے والے نہ پڑھیں گو انہیں امام کی آواز سنائی بھی نہ دے، ہاں البتہ جب امام آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو، اس وقت مقتدی بھی آہستہ پڑھ لیا کریں اور کسی کو لائق نہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ پڑھے، خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ علماء کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی پر، نہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے نہ کچھ اور۔ امام شافعیؒ کے دو اقوال جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے اور یہ ان کا پہلا قول ہے جیسے کہ امام مالکؒ کا مذہب، ایک اور روایت میں امام احمد کا بہ سبب ان دلائل کے جن کا ذکر گزر چکا۔ یعنی نیا دوسرا قول آپ کا یہ ہے مقتدی صرف سورہ فاتحہ امام کے سکتوں کے درمیان پڑھ لے جبکہ صحابہؓ تابعینؒ اور ان کے بعد والے گروہ کا بھی یہی فرمان ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں، مقتدی پر مطلقاً قرأت واجب نہیں، نہ اس نماز میں جس میں امام آہستہ قرأت پڑھے اور نہ اس میں جس میں بلند آواز سے قرأت پڑھے، اس لئے کہ حدیث میں ہے امام کی قرأت مقتدیوں کی بھی قرأت ہے، اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہی حدیث موطا امام مالک میں موقوفاً مروی ہے اور یہی صحیح ہے یعنی یہ قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہونا زیادہ صحیح ہے، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان (لیکن یہ بھی یاد رہے کہ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ کنا نقرا فی الظهر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب یعنی ہم ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دو رکعتوں

میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ امام کی قرأت اسے کافی ہے' اس سے مراد سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرأت ہے۔ واللہ اعلم' مترجم) یہ مسئلہ اور جگہ نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی خاص مسئلے پر حضرت امام ابوعبداللہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ ہر نماز میں خواہ اس میں قرأت اونچی پڑھی جاتی ہو یا آہستہ' مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے واللہ اعلم۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ آیت فرض نماز کے بارے میں ہے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ میں نے عبید بن عمر اور عطا بن ابی رباح کو میں نے دیکھا کہ واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں نے کہا' تم اس وعظ کو نہیں سنتے اور وعید کے قابل ہو رہے ہو؟ انہوں نے میری طرف دیکھا' پھر باتوں میں مشغول ہو گئے' میں نے پھر یہی کہا' انہوں نے پھر میری طرف دیکھا اور پھر اپنی باتوں میں لگ گئے' میں نے پھر تیسری مرتبہ ان سے یہی کہا' تیسری بار انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا' یہ نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نماز کے سوا جب کوئی قرآن کریم پڑھ رہا ہو تو کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بھی بہت سے بزرگوں کا فرمان ہے کہ مراد اس سے نماز میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز اور جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے۔ حضرت عطاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں' نماز میں اور ذکر کے وقت۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' عیدالاضحیٰ' عیدالفطر' جمعہ کے دن اور جن نمازوں میں امام اونچی قرأت پڑھے۔ ابن جریرؒ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مراد اس سے نماز میں اور خطبے میں چپ رہنا ہے جیسے کہ حکم ہوا ہے' امام کے پیچھے خطبے کی حالت میں چپ رہو۔ مجاہدؒ نے اسے مکروہ سمجھا کہ جب امام خوف کی آیت یا رحمت کی آیت تلاوت کرے' تو اس کے پیچھے سے کوئی شخص کچھ کہے بلکہ خاموشی کے لئے کہا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی خوف کی آیت سے گزرتے تو پناہ مانگتے اور جب کبھی کسی رحمت کے بیان والی آیت سے گذرتے تو اللہ سے سوال کرتے۔ (مترجم) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جب تو قرآن سننے بیٹھے تو اس کے احترام میں خاموش رہا کر۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ
مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ
وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع ۲۴ ۱۸ ۱۴

اور یاد کر اپنے پروردگار کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ بغیر اونچی آواز کے اپنے قول سے صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلوں میں نہ ہو جا۔ جو لوگ تیرے رب کے نزدیک ہیں' وہ اس کی عبادت سے جی بھاری نہیں کرتے' اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں اور صرف اسی کے سامنے سجدے کرتے رہتے ہیں ○

اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے: ☆☆ (آیت: ۲۰۵۔۲۰۶) اللہ تعالیٰ یہاں حکم فرماتا ہے کہ صبح شام اس کو بکثرت یاد کر۔ اور جگہ بھی ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ یعنی اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کیا کر سورج طلوع اور سورج

غروب ہونے سے پہلے، یہ آیت مکیہ ہے اور یہ حکم معراج سے پہلے کا ہے۔ ''غدو'' کہتے ہیں دن کے ابتدائی حصے کو ''اصال'' جمع ہے اصیل کی، جیسے کہ ایمان جمع ہے یمین کی۔ حکم دیا کہ رغبت، لالچ اور ڈر خوف کے ساتھ اللہ کی یاد اپنے دل میں اپنی زبان سے کرتے رہو، چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں، اسی لئے مستحب یہی ہے کہ اونچی آواز کے ساتھ اور چلا چلا کر اللہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے جب حضورؐ سے سوال کیا کہ ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی چپکے چپکے کرلیا کریں، یا دور ہے کہ ہم پکار پکار کر آوازیں دیں؟ تو اللہ تعالیٰ جل وعلا نے یہ آیت اتاری وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ الخ جب میرے بندے تجھ سے میری بابت سوال کریں تو جواب دے کہ میں بہت ہی نزدیک ہوں، دعا کرنے والے کی دعا کو جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے، قبول فرمالیا کرتا ہوں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ لوگوں نے ایک سفر میں با آواز بلند دعائیں کرنی شروع کیں تو آپ نے فرمایا، لوگو اپنی جانوں پر ترس کھاؤ، تم کسی بہرے کو، یا کسی غائب کو نہیں پکار رہے، جسے تم پکارتے ہو، وہ تو بہت ہی پست آواز سننے والا اور بہت ہی قریب ہے، تمہاری سواری کی گردن جتنی تم سے قریب ہے، اس سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مراد اس آیت سے بھی وہی ہو جو آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ الخ سے ہے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو، جبرئیل کو، رسول اللہ ﷺ کو اور خود اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگتے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ نہ تو آپ اس قدر بلند آواز سے پڑھیں کہ مشرکین چڑ کر بکنے جھکنے لگیں، نہ اس قدر پست آواز سے پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ اس کے درمیان کا راستہ ڈھونڈ نکالیں یعنی نہ بہت بلند نہ بہت آہستہ، یہاں بھی فرمایا کہ بہت بلند آواز سے نہ ہو اور غافل نہ بننا۔ امام ابن جریر اور ان سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں قرآن کے سننے والے کو جو خاموشی کا حکم تھا، اسی کو دہرایا جارہا ہے کہ اللہ کا ذکر اپنی زبان سے اپنے دل میں کیا کرو، لیکن یہ بعید ہے اور انصاف کے منافی ہے جس کا حکم فرمایا گیا ہے اور مراد اس سے یا تو نماز میں ہے، یا نماز اور خطبے میں اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت خاموشی بہ نسبت ذکر ربانی کے افضل ہے، خواہ وہ پوشیدہ ہو خواہ ظاہر، پس ان دونوں کی متابعت نہیں کی گئی۔ اس لئے مراد اس سے بندوں کو صبح شام ذکر کی کثرت کی رغبت دلانا ہے تا کہ وہ غافلوں میں سے نہ ہوجائیں۔ (ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔

تفسیر سورۃ انفال

تفسیر بیضاوی وغیرہ میں بھی یہی ہے اور دونوں آیات کے ظاہری ربط کا تقاضا بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم) اسی لئے فرشتوں کی تعریف بیان ہوئی کہ وہ رات دن اللہ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں، بالکل تھکتے نہیں، پس فرماتا ہے کہ جو تیرے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ ان کا ذکر اس لئے کیا کہ اس کثرت عبادت واطاعت میں ان کی اقتدا کی جائے، اسی لئے ہمارے لئے بھی شریعت نے سجدہ مقرر کیا، فرشتے بھی سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے، تم اسی طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں باندھتے ہیں کہ وہ پہلے اول صف کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں ذرا سی بھی گنجائش اور جگہ باقی نہیں چھوڑتے۔ اس آیت پر اجماع کے ساتھ سجدہ واجب ہے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی، قرآن میں تلاوت کا پہلا سجدہ یہی ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو سجدے کی آیات میں شمار کیا ہے۔

اس کی چھیالیس آیتیں ہیں۔ ایک ہزار چھ سو اکتیس کلمات ہیں۔ پانچ ہزار دو سو چورانوے حروف ہیں۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

بخشش اور مہربانی والے معبود کے نام سے شروع

تجھ سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں، جواب دے کہ غنیمت کے مال اللہ اور اس کے رسول کے ہیں، پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنا باہمی معاملہ ٹھیک ٹھاک رکھو اللہ کے اور اس کے رسول کے فرمانبردار بنے رہو اگر تم ایمان دار ہو ○

تفسیر سورۃ انفال: (آیت:۱) بخاری شریف میں ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، سورہ انفال غزوہ بدر کے بارے میں اتری ہے، فرماتے ہیں، انفال سے مراد غنیمت کے مال ہیں جو صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے ہی تھیں، ان میں سے کوئی چیز کسی اور کے لئے نہ تھی۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا، گھوڑا بھی انفال میں سے ہے اور سامان بھی، سائل نے پھر پوچھا، آپ نے پھر یہی جواب دیا، اس نے پھر پوچھا کہ جس انفال کا ذکر کتاب اللہ میں ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ غرض پوچھتے پوچھتے ابن عباس کو تنگ کر دیا تو آپ نے فرمایا اس کا یہ کرتوت اس سے کم نہیں جسے حضرت عمرؓ نے مارا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ سے جب سوال ہوتا تو آپ فرماتے نہ تجھے حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، واللہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا، حکم فرمانے والا، حلال حرام کی وضاحت کرنے والا ہی بنا کر بھیجا ہے، آپ نے اس سائل کو جواب دیا کہ کسی کسی کو بطور نفل (مال غنیمت) گھوڑا بھی ملتا اور ہتھیار بھی، دو تین دفعہ اس نے یہی سوال کیا جس سے آپ غضبناک ہو گئے اور فرمانے لگے یہ تو ایسا ہی شخص ہے جسے حضرت عمرؓ نے کوڑے لگائے تھے یہاں تک کہ اس کی ایڑیاں اور ٹخنے خون آلودہ ہو گئے تھے، اس پر سائل کہنے لگا کہ خیر آپ سے تو اللہ نے عمرؓ کا بدلہ لے ہی لیا۔ الغرض ابن عباسؓ کے نزدیک تو یہاں نفل سے مراد پانچویں حصے کے علاوہ وہ انعامی چیزیں ہیں جو امام اپنے سپاہیوں کو عطا فرمائے۔ واللہ اعلم۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس پانچویں حصے کا مسئلہ پوچھا جو چار ایسے ہی حصوں کے بعد رہ جائے، پس یہ آیت اتری۔ ابن مسعودؓ وغیرہ فرماتے ہیں لڑائی والے دن اس سے زیادہ امام نہیں دے سکتا بلکہ لڑائی کی شروع سے پہلے اگر چاہے دے دے۔ عطاؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد مشرکوں کا وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے مل جائے خواہ جانور ہو خواہ لونڈی غلام یا اسباب ہو، پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی تھا، آپ کو اختیار تھا کہ جس کام میں چاہیں لگا لیں، تو گویا ان کے نزدیک مال فئے انفال ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی گروہ کو ان کی کارکردگی یا حوصلہ افزائی کے عوض امام انہیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے، اسے انفال کہا جاتا ہے۔ مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ بدر والے دن جب میرے بھائی عمیر قتل کئے گئے، میں نے سعید بن عاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی جسے ذو االکتیعہ کہا جاتا تھا اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا، جاؤ اسے باقی مال کے ساتھ رکھ آؤ، میں نے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس وقت میرے دل پر کیا گذری، ایک طرف بھائی کے قتل کا صدمہ، دوسری طرف اپنا حاصل کردہ سامان واپس ہونے کا صدمہ، ابھی میں چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ سورۂ انفال نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا جاؤ اور وہ تلوار جو تم ڈال آئے ہو لے جاؤ۔

مسند میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے

مجھے مشرکوں سے بچالیا' اب آپ یہ تلوار مجھے دے دیجئے' آپ نے فرمایا سنو نہ یہ تمہاری ہے نہ میری ہے' اسے بیت المال میں داخل کردو' میں نے رکھ دی اور میرے دل میں خیال آیا کہ آج جس نے مجھ جیسی محنت نہیں کی' اسے یہ انعام مل جائے گا' یہ کہتا ہوا جا ہی رہا تھا جو آواز آئی کہ کوئی میرا نام لے کر میرے پیچھے سے مجھے پکار رہا ہے' لوٹا اور پوچھا کہ حضورؐ کہیں میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری؟ آپ نے فرمایا' ہاں' تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی' اس وقت وہ میری نہ تھی۔ اب وہ مجھے دی گئی اور میں تمہیں دے رہا ہوں۔ پس آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الخ' اس بارے میں اتری ہے ابوداؤد طیالسی میں انہی سے مروی ہے کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں' مجھے بدر والے دن ایک تلوار ملی' میں اسے لے کر سرکار رسالت مابؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمایئے' آپ نے فرمایا جاؤ' جہاں سے لی ہے وہیں رکھ دو' میں نے پھر طلب کی' آپؐ نے پھر یہی جواب دیا' میں نے پھر مانگی' آپؐ نے پھر یہی فرمایا' اسی وقت یہ آیت اتری۔ یہ پوری حدیث ہم نے آیت وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ الخ کی تفسیر میں درج کی ہے۔ پس ایک تو یہ آیت' دوسری آیت وَوَصَّيْنَا الخ' تیسری آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الخ چوتھی آیت آیت وصیت (صحیح مسلم شریف)

سیرت ابن اسحاق میں ہے حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مجھے سیف بن عائذ کی تلوار ملی جسے مرزبان کہا جاتا تھا۔ جب نبی ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو' وہ جمع کرا دے' میں بھی گیا اور وہ تلوار رکھ آیا۔ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی آپ سے کچھ مانگتا تو آپ انکار نہ کرتے۔ حضرت ارقم بن ارقم خزاعی رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کو دیکھ کر آپ سے اسی کا سوال کیا' آپ نے انہیں عطا فرما دی اس آیت کے نزول کا سبب مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت ابوامامہ نے حضرت عبادہ سے انفال کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا' ہم بدریوں کے بارے میں ہے جبکہ ہم مال کفار کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگے اور جھگڑے بڑھ گئے تو یہ آیت اتری اور یہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد ہو گئی اور حضورؐ نے اس مال کو برابری سے تقسیم فرمایا۔ مسند احمد میں ہے کہ ہم غزوہ بدر میں حضور ﷺ کے ساتھ نکلے' اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی' ہماری ایک جماعت نے تو ان کا تعاقب کیا کہ پوری ہزیمت دے دی۔

دوسری جماعت نے مال غنیمت میدان جنگ سے سمیٹنا شروع کیا اور ایک جماعت اللہ کے نبی ﷺ کے اردگرد کھڑی ہو گئی کہ کہیں کوئی دشمن آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچائے' رات کو سب لوگ جمع ہوئے اور ہر جماعت اپنا حق اس مال پر جتانے لگی' پہلی جمات نے کہا' دشمنوں کو ہم نے ہی شکست دی ہے' دوسری جماعت نے کہا' مال غنیمت ہمارا ہی سمیٹا ہوا ہے' تیسری جماعت نے کہا' ہم نے حضورؐ کی چوکیداری کی ہے' پس یہ آیت اتری اور حضورؐ نے خود اس مال کو ہم میں تقسیم فرمایا۔ آپؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دشمن کی زمین پر حملہ کرتے تو چوتھائی بانٹتے اور لوٹتے وقت تہائی اور آپ انفال کو مکروہ سمجھتے ابن مردویہ میں ہے کہ بدر والے دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو ایسا کرے' اسے یہ انعام اور جو ایسا کرے اسے یہ انعام' اب نوجوان تو دوڑ پڑے اور نمایاں کارنامے انجام دیئے' بوڑھوں نے مورچے تھامے اور جھنڈوں تلے رہے' اب جوانوں کا مطالبہ تھا کہ سارا مال ہمیں ملنا چاہئے۔ بوڑھے کہتے تھے کہ لشکر گاہ کو ہم نے محفوظ رکھا' تم اگر شکست اٹھاتے تو یہیں آتے' اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ حضورؐ کا اعلان ہو گیا تھا کہ جو کسی کافر کو قتل کرے' اسے اتنا ملے گا اور جو کسی کافر کو قید کرے' اسے اتنا ملے گا۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی پکڑ لائے اور حضرتؐ کو وعدہ یاد دلایا' اس پر حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ پھر تو ہم سب یونہی رہ جائیں گے' بزدلی یا بے طاقتی کی وجہ سے ہم آگے نہ بڑھے ہوں یہ بات نہیں بلکہ اس لئے کہ پچھلی جانب سے کفار نہ آ پڑیں' حضورؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے' اس لئے ہم آپ کے اردگرد رہے' اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری اور آیت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ الخ

بھی اتری - امام ابوعبیداللہ قاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب احوال الشرعیہ میں لکھا ہے کہ انفال غنیمت ہے اور حربی کافروں کے جو مال مسلمانوں کے قبضے میں آئیں، وہ سب ہیں، پس انفال آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں تھے - بدر والے دن بغیر پانچواں حصہ نکالے جس طرح اللہ نے آپ کو سمجھایا، آپ نے مجاہدین میں تقسیم کیا اس کے بعد پانچواں حصہ نکالنے کے حکم کی آیت اتری اور یہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا لیکن ابن زید وغیرہ اسے منسوخ نہیں بتلاتے بلکہ محکم کہتے ہیں - انفال غنیمت کی جمع ہے مگر اس میں سے پانچواں حصہ مخصوص ہے - اس کی اہل کے لئے جیسے کہ کتاب اللہ میں حکم ہے اور جیسے کہ سنت رسول اللہ جاری ہوئی ہے - انفال کے معنی کلام عرب میں ہر اس احسان کے ہیں جسے کوئی بغیر کسی پابندی یا وجہ کے دوسرے کے ساتھ کرے - پہلے کی تمام امتوں پر یہ مال حرام تھے، اس امت پر اللہ نے رحم فرمایا اور مال غنیمت ان کے لئے حلال کیا -

چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں - پھر ان کے ذکر میں ایک یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہ تھیں - امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ امام، لشکر میں سے کسی کو کوئی انعام دے جو اس کے مقررہ حصہ کے علاوہ ہو، اسے نفل کہتے ہیں - غنیمت کے انداز اور اس کے کارنامے کے صلے کے برابر یہ ملتا ہے - اس نفل کی چار صورتیں ہیں - پہلی صورت تو مقتول کا مال اسباب وغیرہ ہے جس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا - دوسری صورت وہ نفل جو پانچواں حصہ علیحدہ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے، مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر کسی دشمن پر بھیج دیا، وہ غنیمت یا مال لے کر پلٹا تو امام اس میں سے اسے چوتھائی یا تہائی بانٹ دے - تیسری صورت یہ ہے کہ جو پانچواں حصہ نکال کر باقی کا تقسیم ہو چکا ہے، اب امام بقدر خزانہ اور بقدر شخصی جرات کے اس میں سے جسے جتنا چاہے دے - چوتھی صورت یہ ہے کہ امام پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے ہی کسی کو کچھ دے مثلاً چرواہوں کو، سائیسوں کو، بہشتیوں کو وغیرہ، پھر ہر صورت میں بہت کچھ اختلاف ہے - امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے جو سامان اسباب مقتولین کا مجاہدین کو دیا جائے، وہ انفال میں داخل ہے - دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنا حصہ پانچویں حصے میں سے پانچواں جو تھا، اس میں سے آپ جسے چاہیں جتنا چاہیں، عطا فرمائیں، یہ نفل ہے، پس امام کو چاہئے کہ دشمنوں کی کثرت، مسلمانوں کی قلت اور ایسے ہی ضروری وقتوں میں سے اس سنت کی تابعداری کرے، ہاں جب ایسا موقع نہ ہو تو نفل ضروری نہیں - تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ایک چھوٹی سی جماعت کہیں بھیجتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرے، پانچواں حصہ نکال کر باقی سب اسی کا ہے تو وہ سب انہی کا ہے کیونکہ انہوں نے اسی شرط پر غزوہ کیا ہے اور یہ رضامندی سے طے ہو چکی ہے، لیکن ان کے اس بیان میں جو کچھ کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا، اس میں ذرا کلام ہے - حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ دو اونٹنیاں وہ ہیں جو انہیں بدر کے دن پانچویں حصے میں ملی تھیں، میں نے ان کا پورا بیان کتاب السیرہ میں کر دیا ہے - فالحمد للہ - تم اپنے کاموں میں اللہ کا ڈر رکھو، آپس میں صلح و صفائی رکھو - ظلم، جھگڑے اور مخالفت سے باز آ جاؤ، جو ہدایت و علم اللہ کی طرف سے تمہیں ملا ہے، اس کی قدر کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے رہو، عدل و انصاف سے ان مالوں کو تقسیم کرو، پرہیزگاری اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کرو -

مسند ابویعلی میں ہے کہ حضورؐ بیٹھے بیٹھے ایک مرتبہ مسکرائے اور پھر ہنس دیئے، عمرؓ نے دریافت کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، کیسے ہنس دیئے؟ آپ نے فرمایا، میری امت کے دو شخص اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے، ایک نے کہا، اللہ میرے بھائی سے میرے ظلم کا بدلہ لے، اللہ نے اس سے فرمایا، ٹھیک ہے اسے بدلہ دے، اس نے کہا اللہ میرے پاس تو نیکیاں اب باقی نہیں رہیں، اس نے کہا اللہ پھر میری برائیاں اس پر لاد دے، اس وقت حضورؐ کے آنسو نکل آئے اور فرمانے لگے، وہ دن بڑا ہی سخت ہے لوگ چاہتے ہوں گے،

تلاش میں ہوں گے کہ کسی پر ان کا بوجھ لاد دیا جائے' اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے طالب اپنی نگاہ اٹھا اور ان جنتیوں کو دیکھ وہ دیکھے گا اور کہے گا چاندی کے قلعے اور سونے کے محل میں دیکھ رہا ہوں جو لولو اور موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہیں' پروردگار مجھے بتایا جائے کہ یہ مکانات اور یہ درجے کسی نبی کے ہیں' یا کسی صدیق کے' یا کسی شہید کے؟ اللہ فرمائے گا یہ اس کے ہیں جو ان کی قیمت دا کر دے' یہ کہے گا اللہ کس سے ان کی قیمت ادا ہو سکے گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرے پاس تو اس کی قیمت ہے' وہ خوش ہو کر پوچھے گا کہ پروردگار وہ کیا؟ اللہ فرمائے گا یہی کہ تیرا جو حق اس مسلمان پر ہے تو اسے معاف کر دے' وہ فوراً کہے گا' اللہ میں نے معاف کیا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ اب اس کا ہاتھ تھام لے اور تم دونوں جنت میں چلے جاؤ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کا آخری حصہ تلاوت فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور آپس کی اصلاح کرو' دیکھو اللہ تعالیٰ خود قیامت کے دن مومنوں میں صلح کرائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا
تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ①
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ② اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

مومن وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے ذکر اللہ کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان بڑھا دیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ○ جو نمازوں کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے' وہ ہماری راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ○ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں' ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں بڑے مرتبے ہیں اور بخشش ہے اور بہت ہی اچھی روزی ○

ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان : ☆☆ (آیت:۲-۴) ابن عباسؓ فرماتے ہیں منافقوں کے دل میں نہ فریضے کی دائیگی کے وقت ذکر اللہ ہوتا ہے نہ کسی اور وقت پر' نہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور رہتا ہے' نہ اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے' نہ تنہائی میں نمازی رہتے ہیں نہ اپنے مال کی زکوۃ دیتے ہیں' ایسے لوگ ایمان سے خالی ہوتے ہیں' لیکن ایماندار ان کے برعکس ہوتے ہیں۔ ان کے دل یاد خالق سے کپکپاتے رہتے ہیں' فرائض ادا کرتے ہیں' آیات الٰہی سن کر ایمان چمک اٹھتے ہیں' تصدیق میں بڑھ جاتے ہیں' رب کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے' اللہ کی یاد سے تھرتھراتے رہتے ہیں' اللہ کا ڈر ان میں سمایا ہوا ہوتا ہے' اسی وجہ سے نہ تو حکم کا خلاف کرتے ہیں اور نہ منع کئے ہوئے کام کو کرتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ ان سے اگر کوئی برائی سرزد ہو بھی جاتی ہے تو یاد الٰہ کرتے ہیں' پھر اپنے گناہ سے استغفار کرتے ہیں' حقیقت میں سوائے اللہ کے کوئی گناہوں کا بخشنے والا بھی نہیں' یہ لوگ باوجود علم کے کسی گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ اور آیات میں ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ الخ' جو شخص اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکا' اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے جی میں ظلم یا گناہ کرنے کا خیال آتا ہے لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ' وہیں ان کا دل کانپنے لگتا ہے۔ ام درداء فرماتی ہیں کہ دل اللہ کے خوف سے حرکت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے وقت انسان کو اللہ عزوجل سے دعا مانگنی چاہئے' ایمانی حالت بھی ان کی روز بروز زیادتی میں رہتی ہے ادھر قرآنی آیات سنیں اور ایمان بڑھا۔

جیسے اور جگہ ہے کہ جب کوئی سورت اترتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں کس کا ایمان بڑھا دیا۔ بات یہ ہے کہ ایمان والوں کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس آیت سے اور اس جیسی دیگر آیات سے حضرت امام الائمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ ایمان کی زیادتی سے مراد ہے کہ دلوں میں ایمان کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے، یہی مذہب جمہور امت کا ہے بلکہ کئی ایک نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جیسے شافعی، احمد بن حنبل، ابوعبید وغیرہ جیسے کہ ہم نے شرح بخاری کے شروع میں پوری طرح بیان کر دیا ہے۔ والحمدللہ۔ ان کا بھروسہ صرف اپنے رب پر ہوتا ہے، نہ اس کے سوا کسی سے وہ امید رکھیں، نہ اس کے سوا کوئی ان کا مقصود، نہ اس کے سوا کسی سے وہ پناہ چاہیں، نہ اس کے سوا کسی سے مرادیں مانگیں، نہ کسی اور کی طرف جھکیں، وہ جانتے ہیں کہ قدرتوں والا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا ہرگز نہیں ہوتا، تمام ملک میں اسی کا حکم چلتا ہے، مالک صرف وہی ہے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کے کسی حکم کو کوئی ٹال سکے اور وہ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں، اللہ پر توکل کرنا ہی پورا ایمان ہے۔ ان مومنوں کے ایمان اور اعتقاد کی حالت بیان فرما کر اب ان کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نمازوں کے پابند ہوتے ہیں۔ وقت کی، وضو کی، رکوع کی، سجدے کی، کامل پاکیزگی کی، قرآن کی تلاوت، تشہد، درود، سب چیزوں کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ اللہ کے اس حق کی ادائیگی کے ساتھ ہی بندوں کے حق بھی نہیں بھولتے ۔ واجب خرچ یعنی زکوٰۃ، مستحب خرچ یعنی اللہ کے راستہ میں صدقہ وخیرات برابر دیتے ہیں۔

چونکہ تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے، اس لئے اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق کی سب سے زیادہ خدمت کرے، اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں دیتے رہو، یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے، بہت جلد تم اسے چھوڑ کر رخصت ہونے والے ہو، پھر فرماتا ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں وہ سچے مومن ہیں۔ طبرانی میں ہے حارث بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری صبح کس حال میں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں، آپؐ نے فرمایا کہ سمجھ لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہر چیز کی حقیقت ہوا کرتی ہے، جانتے ہو حقیقت ایمان کیا ہے؟ جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنی خواہشیں دنیا سے الگ کر لیں، راتیں اللہ تعالیٰ کی یاد میں جاگ کر اور دن اللہ کی راہ میں بھوکے پیاسے رہ کر گذارتا ہوں، گویا میں اللہ کے عرش کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں ہنسی خوشی ایک دسرے سے مل جل رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ دوزخ میں جل بھن رہے ہیں، آپ نے فرمایا حارثہ تو نے حقیقت جان لی، پس اس حال پر ہمیشہ قائم رہنا، تین مرتبہ یہی فرمایا۔

پس آیت میں بالکل محاورہ عرب کے مطابق ہے جیسے وہ کہا کرتے ہیں کہ گو فلاں قوم میں سردار بہت سے ہیں لیکن صحیح معنی میں سردار فلاں ہے، یا فلاں قبیلے میں تاجر بہت ہیں لیکن صحیح طور پر تاجر فلاں ہے، یا فلاں لوگوں میں شاعر بہت ہیں لیکن سچا شاعر فلاں ہے۔ ان کے مرتبے اللہ کے ہاں بڑے بڑے ہیں، اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے، وہ ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے گا ان کی نیکیوں کی قدردانی کرے گا، گو یہ درجے اونچے نیچے ہوں گے لیکن کسی بلند مرتبہ شخص کے دل میں یہ خیال نہ ہوگا کہ میں فلاں سے اعلیٰ ہوں اور نہ کسی ادنیٰ درجے والوں کو یہ خیال ہوگا کہ میں فلاں سے کم ہوں۔ بخاری ومسلم میں ہے، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ علیین والوں کو نیچے کے درجے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے پوچھا، یہ مرتبے تو انبیاء کے ہوں گے؟ کوئی اور تو اس مرتبے پر نہ پہنچ سکے گا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ لوگ بھی جو اللہ پر ایمان لائیں اور رسولوں کو سچ جانیں۔ اہل سنن کی حدیث میں ہے کہ اہل جنت بلند درجہ جنتیوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں

کے چمکیلے ستاروں کو دیکھا کرتے ہو یقیناً ابوبکرؓ اور عمرؓ انہی میں سے ہیں اور بہت اچھے ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ
الْمُؤْمِنِينَ لَكٰرِهُونَ ۝٥ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا
يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝٦ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ
إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِينَ ۝٧ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ
الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝٨

جیسے کہ تجھے پروردگار نے بہترین تدبیر کے ساتھ تیرے گھر سے نکالا حالانکہ مومنوں کی ایک جماعت اسے ناپسند کرنے والی تھی ○ یہ تو تجھ سے بالکل سچی بات میں جو واضح ہو چکی ہے، جھگڑ رہے ہیں گویا کہ وہ موت کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف گھسیٹے جا رہے ہیں ○ یاد کر جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی، تمہاری چاہت تھی کہ بغیر شوکت والی جماعت تمہارے ہاتھ لگے اور حق تعالیٰ کی چاہت تھی کہ وہ دین حق کو اپنے فرمان سے سچا ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ دے ○ تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے، گو گنہگاروں کو برا ہی لگے ○

شمع رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں: ☆☆ (آیت: ۵-۸) ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ جیسے تم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا آخر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے نبی کو اس کی تقسیم کا اختیار دے دیا اور اپنے عدل وانصاف کے ساتھ اسے تم میں بانٹ دیا اور درحقیقت تمہارے لئے اسی میں بھلائی تھی۔ اسی طرح اس نے باوجود تمہاری اس چاہت کے کہ قریش کا تجارتی قافلہ تمہیں مل جائے اور جنگی جماعت سے مقابلہ نہ ہو اس نے تمہارا مقابلہ بغیر کسی وعدے کے ایک پرشکوہ جماعت سے کرا دیا اور تمہیں اس پر غالب کر دیا کہ اللہ کی بات بلند ہو جائے اور تمہیں فتح، نصرت، غلبہ اور شان، شوکت عطا ہو۔ جیسے فرمان ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ الخ تم پر جہاد فرض کیا گیا حالانکہ تم اسے برا جانتے ہو، بہت ممکن ہے کہ ایک چیز کو اپنے حق میں اچھی نہ جانو اور درحقیقت وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک چیز کو اپنے حق میں اچھی جانو اور حقیقت میں وہ بدتر ہو، دراصل حقائق کا علم اللہ ہی کو ہے تم محض بے علم ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جیسے مومنوں کے ایک گروہ کی چاہت کے خلاف تجھے تیرے رب نے شہر سے باہر لڑائی کے لئے نکالا اور نتیجہ اسی کا اچھا ہوا، ایسے ہی جو لوگ جہاد کے لئے نکلنا بوجھ سمجھ رہے ہیں دراصل یہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مال غنیمت میں ان کا اختلاف بالکل بدر والے دن کے اختلاف کے مشابہ تھا، کہنے لگے تھے آپ نے ہمیں قافلے کا فرمایا تھا، لشکر کا نہیں، ہم جنگی تیاری کر کے نکلے ہی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے اسی ارادے سے نکلے تھے کہ ابوسفیان کے اس قافلے کو روکیں جو شام سے مدینہ کو قریشیوں کے بہت سے مال اسباب لے کر آ رہا تھا۔ حضورؐ نے لوگوں کو تیار کیا اور تین سو دس سے کچھ اوپر لوگوں کے لے کر آپ مدینے سے چلے اور سمندر کے کنارے کے راستے کی طرف سے بدر کے مقام سے چلے، ابوسفیان کو چونکہ آپ کے نکلنے کی خبر پہنچ چکی تھی، اس نے اپنا راستہ

بدل دیا اور ایک تیز رو قاصد کو مکے دوڑایا، وہاں سے قریش تقریباً ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر لوہے میں ڈوبے ہوئے بدر کے میدان میں پہنچ گئے، پس یہ دونوں جماعتیں ٹکرا گئیں، گھمسان کی لڑائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حق کو فتح دلوائی، اپنا دین بلند کیا اور اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام کو کفر پر غالب کیا جیسے کہ اب بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ جب حضور کو یہ پتہ چلا کہ مشرکین کی جنگی مہم مکے سے آ رہی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے بذریعہ وحی کے وعدہ کیا کہ یا تو قافلہ آپ کو ملے گا یا لشکر کفار۔ اکثر مسلمان دل سے چاہتے تھے کہ قافلہ مل جائے کیونکہ یہ نسبتاً ہلکی چیز تھی لیکن اللہ کا ارادہ تھا کہ اس وقت بغیر زیادہ تیاری اور اہتمام کے اور آپ کے قول قرار کے مڈبھیڑ ہو جائے اور حق و باطل کی تمیز ہو جائے، کفار کی ہمت ٹوٹ جائے اور دین حق نکھر آئے۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو کہ ہم اس قافلے کی طرف بڑھیں؟ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مال غنیمت دلوا دے، ہم سب نے تیاری ظاہر کی، آپ ہمیں لے کر چلے، ایک دن یا دو دن کا سفر کر کے آپ نے ہم سے فرمایا کہ قریشیوں سے جہاد کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہیں تمہارے چلنے کا علم ہو گیا ہے اور وہ تم سے لڑنے کے لئے چل پڑے ہیں، ہم نے جواب دیا کہ واللہ ہم میں ان سے مقابلے کی طاقت نہیں، ہم تو صرف قافلے کے ارادے سے نکلے ہیں، آپ نے پھر یہی سوال کیا اور ہم نے پھر یہی جواب دیا۔ اب حضرت مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم اس وقت آپ کو وہ نہ کہیں گے جو موسیٰ کی قوم نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ تو اور تیرا رب جا کر کافروں سے لڑ لے، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اب تو ہمیں بڑا ہی رنج ہونے لگا کہ کاش یہی جواب ہم بھی دیتے تو ہمیں مال کے ملنے سے اچھا تھا، پس یہ آیت اتری۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ بدر کی جانب چلتے ہوئے رسول اکرم ﷺ روحا میں پہنچے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ ہاں، ہمیں بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ فلاں فلاں جگہ ہیں، آپ نے پھر خطبہ دیا اور یہی فرمایا، اب کی مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہی جواب دیا، آپ نے پھر تیسرے خطبے میں یہی فرمایا، اس پر حضرت سعد بن معاذؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ، کیا آپ ہم سے دریافت فرما رہے ہیں؟ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو عزت و بزرگی عنایت فرمائی ہے اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، نہ میں ان راستوں میں کبھی چلا ہوں اور نہ مجھے اس لشکر کا علم ہے، ہاں اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ برک الغماد تک بھی چڑھائی کریں تو واللہ ہم آپ کی رکاب تھامے آپ کے پیچھے ہوں گے، ہم ان کی طرح نہیں جنہوں نے حضرت موسیٰؑ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ تو اپنے ساتھ اپنے پروردگار کو لے کر چلا جا اور تم دونوں ان سے لڑ لو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، نہیں نہیں بلکہ اے اللہ کے رسول آپ چلئے، اللہ آپ کا ساتھ دے، ہم تو آپ کے زیر حکم کفار سے جہاد کے لئے صدق دل سے تیار ہیں، یا رسول اللہ (ﷺ) گو آپ کسی کام کو زیر نظر رکھ کر نکلے ہوں لیکن اس وقت کوئی اور نیا کام پیش نگاہ ہو تو بسم اللہ کیجئے، ہم تابعداری سے منہ پھیرنے والے نہیں، آپ جس سے چاہیں ناطہ توڑ لیجئے، جس سے چاہیں عداوت کیجئے، اور جس سے چاہیں محبت کیجئے، ہم اسی میں آپ کے ساتھ ہیں، یا رسول اللہ ہماری جانوں کے ساتھ ہمارے مال بھی حاضر ہیں، آپ کو جس قدر ضرورت ہو لیجئے اور کام میں لگایئے، پس حضرت سعدؓ کے اس فرمان پر قرآن کی یہ آیات اتری ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے بدر میں جنگ کرنے کی بابت صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت سعد بن عبادہ

رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور حضورؐ نے مجاہدین کو کمر بندی کا حکم دے دیا، اس وقت بعض مسلمانوں کو یہ ذرا گراں گذرا اس پر یہ آیات اتریں۔ پس حق میں جھگڑنے سے مراد جہاد میں اختلاف کرنا ہے اور مشرکوں کے لشکر سے مڈبھیڑ ہونے اور ان کی طرف چلنے کو ناپسند کرنا ہے، اس کے بعد ان کے لئے واضح ہو گیا یعنی یہ امر کہ حضورؐ بغیر حکم رب العزت کے کوئی حکم نہیں دیتے۔ دوسری تفسیر میں ہے، اس سے مراد مشرک لوگ ہیں جو حق میں روڑے اٹکاتے ہیں، اسلام کا ماننا ان کے نزدیک ایسا ہے جیسے دیکھتے ہوئے موت کے منہ میں کودنا، یہ وصف مشرکوں کے سوا اور کسی کا نہیں اور اہل کفر کی پہلی علامت یہی ہے۔ ابن زید کا یہ قول نقل کر کے امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ اس سے پہلے کا قول يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ اہل ایمان کی خبر ہے تو اس سے متصل خبر بھی انہی کی ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن اسحاق ہی کا قول اس بارے میں ٹھیک ہے کہ یہ خبر مومنوں کی ہے، نہ کہ کافروں کی حق بات یہی ہے جو امام صاحب نے کہی۔ سیاق کلام کی دلالت بھی اسی پر ہے (واللہ اعلم)۔

مسند احمد میں ہے کہ بدر کی لڑائی کی فتح کے بعد بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اب چلئے قافلے کو بھی دبالیں، اب کوئی روک نہیں ہے، اس وقت عباس بن عبدالمطلب کفار سے قید ہو کر آئے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے، اونچی آواز سے کہنے لگے کہ حضورؐ ایسا نہ کیجئے، آپ نے دریافت فرمایا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا، وہ اللہ نے پورا کیا ایک جماعت آپ کو مل گئی۔ مسلمانوں کی چاہت تھی کہ لڑائی والے گروہ سے تو مڈبھیڑ نہ ہو البتہ قافلے والے مل جائیں اور اللہ کی چاہت تھی کہ شوکت وشان والی، قوت وگھمنڈ والی لڑائی بھڑائی والی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر تمہیں غالب کر کے تمہاری مدد کرے، اپنے دین کو ظاہر کر دے اور اپنے کلمے کو بلند کر دے اور اپنے دین کو دوسرے تمام دینوں پر اونچا کر دے، پس انجام کی بھلائی اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ اپنی عمدہ تدبیر سے تمہیں سنبھال رہا ہے، تمہاری مرضی کے خلاف کرتا ہے اور اس میں تمہاری مصلحت اور بھلائی ہوتی ہے، جیسے فرمایا کہ جہاد تم پر لکھا گیا اور وہ تمہیں ناپسند ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہاری ناپسندیدگی کی چیز میں ہی انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے بہتری ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ درحقیقت تمہارے حق میں بری ہو۔ اب جنگ بدر کا مختصر سا واقعہ بزبان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سنئے، جب رسول کریم ﷺ نے سنا کہ ابوسفیان شام سے مع قافلے کے اور مع اسباب کے آ رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ چلو ان کا راستہ روکو، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے یہ اسباب تمہیں دلوا دے، چونکہ کسی لڑانے والی جماعت سے لڑائی کرنے کا خیال بھی نہ تھا، اس لئے لوگ بغیر کسی خاص تیاری کے جیسے تھے، ویسے ہی ہلکے پھلکے نکل کھڑے ہوئے، ابوسفیان بھی غافل نہ تھا، اس نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور آنے جانے والوں سے بھی دریافت حال کر رہا تھا، ایک قافلے سے اسے معلوم ہو گیا کہ حضورؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر تیرے اور تیرے قافلے کی طرف چل پڑے ہیں، اس نے ضیغم بن عمرو غفاری کو انعام دے دلا کر اسی وقت قریش مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ تمہارے مال خطرے میں ہیں، حضورؐ مع اپنے اصحاب کے اس طرف آ رہے ہیں، تمہیں چاہئے کہ پوری تیاری سے فوراً ہماری مدد کو آؤ اس نے بہت جلد وہاں پہنچ کر خبر دی تو قریشیوں نے زبردست حملے کی تیاری کر لی اور نکل کھڑے ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ جب ذفران وادی میں پہنچے تو آپ کو قریش کے لشکروں کا ساز وسامان سے نکلنا معلوم ہو گیا، آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا اور یہ خبر بھی کر دی۔

حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر جواب دیا اور بہت اچھا کہا، پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی معقول جواب دیا، پھر حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہو، اسے انجام دیجئے، ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں

اور ہر طرح فرمانبردار ہیں، ہم بنواسرائیل کی طرح نہیں کہ اپنے نبیؑ سے کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑ لو، ہم تماشا دیکھتے ہیں، نہیں بلکہ ہمارا یہ قول ہے کہ اللہ کی مدد کے ساتھ چلئے کیجئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ برک غماد یعنی حبشہ کے ملک تک بھی چلیں تو ہم آپ کے ساتھ سے منہ نہ موڑیں گے اور وہاں پہنچائے اور پہنچے بغیر کسی طرح نہ رہیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے انہیں بہت اچھا کہا اور ان کو بڑی دعائیں دیں، لیکن آپ پھر بھی یہی فرماتے رہے کہ لوگو مجھے مشورہ دو، میری بات کا جواب دو، اس سے مراد آپ کی انصاریوں کے گروہ سے تھی، ایک تو اس لئے کہ گنتی میں یہی زیادہ تھے، دوسرے اس لئے بھی کہ عقبہ میں جب انصار نے بیعت کی تھی تو اس بات پر کی تھی کہ جب آپ مکے سے نکل کر مدینے میں پہنچ جائیں، پھر ہم آپ کے ساتھ ہیں، جو بھی دشمن آپ پر چڑھائی کر کے آئے، ہم اس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں گے، اس میں چونکہ یہ وعدہ نہ تھا کہ خود آپ اگر کسی پر چڑھ کر جائیں تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے، اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اب ان کا ارادہ معلوم کر لیں کا اشارہ سمجھ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ شاید آپ ہم سے جواب چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں یہی بات ہے تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ، ہمارا آپ پر ایمان ہے، ہم آپ کو سچا جانتے ہیں اور جو کچھ آپ لائے ہیں، اسے بھی حق مانتے ہیں، ہم آپ کا فرمان سننے اور اس پر عمل کرنے کی بیعت کر چکے ہیں، اے اللہ کے رسولؐ، جو حکم اللہ تعالیٰ کا آپ کو ہوا ہے، اسے پورا کیجئے، ہم آپ کی ہمرکابی سے نہ ہٹیں گے، اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، اگر سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر آپ اس میں گھوڑا ڈال دیں تو ہم بھی بلا تامل اس میں کود پڑیں گے، ہم میں سے ایک کو بھی آپ ایسا نہ پائیں گے جسے ذرا سا بھی تامل ہو، ہم اس پر بخوشی رضامند ہیں کہ آپ ہمیں دشمنوں کے مقابلے پر چھوڑ دیں، ہم لڑائیوں میں بہادری کرنے والے، مصیبت کے جھیلنے والے اور دشمن کے دل پر سکہ جما دینے والے ہیں، آپ ہمارے کام دیکھ کر انشاء اللہ خوش ہوں گے، چلئے اللہ کا نام لے کر چڑھائی کیجئے، اللہ برکت دے۔ ان کے اس جواب سے رسول اکرم ﷺ بہت ہی مسرور ہوئے اسی وقت کوچ کا حکم دیا کہ چلو اللہ کی برکت پر خوش ہو جاؤ، رب مجھ سے وعدہ کر چکا ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت ہمارے ہاتھ لگے گی، واللہ میں تو ان لوگوں کے گرنے کی جگہ ابھی یہیں سے گویا اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ
مِّنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا
بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ
عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ ع ١٠ ١٥

یہی وہ وقت تھا جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری فریاد رسی کی کہ میں تمہاری امداد ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے کروں گا ○ اسے تو اللہ نے صرف تمہارے لئے ایک خوشخبری بنائی تھی کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، فتح و نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے، اللہ غالب ہے اور باحکمت ○

سب سے پہلا غزوہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ: ☆☆ (آیت:۹-۱۰) مسند احمد میں ہے کہ بدر والے دن نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف نظر ڈالی، وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے، پھر مشرکین کو دیکھا، ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، اسی وقت آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہمد باندھے ہوئے تھے، آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شروع کی کہ الٰہی جو تیرا وعدہ ہے، اسے اب پورا فرما، الٰہی جو

وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے، وہی کر، اے اللہ اہل اسلام کی یہ تھوڑی سی جماعت اگر ہلاک ہو جائے گی تو پھر کبھی بھی تیری توحید کے ساتھ زمین پر عبادت نہ ہو گی، قفیو نہی آپ دعا اور فریاد میں لگے رہے، یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں پر سے اتر گئی۔ اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، آپ کی چادر اٹھا کر آپ کے جسم مبارک پر ڈال کر (پیچھے سے آپ کو اپنی بانہوں میں لے کر) آپ کو وہاں سے ہٹانے لگے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ، اب بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے جی بھر کر دعا مانگ لی، وہ اپنے وعدے کو ضرور پورا کرے گا، اسی وقت یہ آیت اتری۔

اس کے بعد مشرک اور مسلمان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو شکست دی، ان میں سے ستر شخص تو قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ حضورؐ نے ان قیدی کفار کے بارے میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ نے تو فرمایا یا رسول اللہؐ آخر یہ ہمارے کنبے برادری کے خویش و اقارب ہیں، آپ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے، مال ہمیں کام آئے گا اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کل انہیں ہدایت دے دے اور یہ ہمارے قوت و بازو بن جائیں پھر آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا، میری رائے تو اس بارے میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف ہے، میرے نزدیک تو ان میں سے فلاں جو میرا قریشی رشتہ دار ہے، مجھے سونپ دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں اور عقیل کو حضرت علیؓ کے سپرد کیجئے کہ وہ اس کا کام تمام کریں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ان کا فلاں بھائی کیجئے کہ وہ اسے صاف کر دیں، ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ظاہر کر دیں کہ ہمارے دل ان مشرکوں کی محبت سے خالی ہیں، اللہ رب العزت کے نام پر انہیں چھوڑ چکے ہیں اور رشتہ داریاں ان سے توڑ چکے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ سرداران کفر ہیں اور کافروں کے گرو ہیں، انہیں زندہ چھوڑنا مناسب نہیں، حضور ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول کیا اور حضرت عمرؓ کی بات کی طرف مائل نہ ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دسرے دن صبح ہی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں، میں نے پوچھا کہ آخر اس رونے کا کیا سبب ہے؟ اگر کوئی ایسا ہی باعث ہو تو میں بھی ساتھ دوں ورنہ تکلف سے ہی رونے لگوں کیونکہ آپ دونوں بزرگوں کو روتا دیکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا، یہ رونا بوجہ اس عذاب کے ہے جو تیرے ساتھیوں پر فدیہ لے لینے کے باعث پیش ہوا، آپ نے اپنے پاس کے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، دیکھو اللہ کا عذاب اس درخت تک پہنچ چکا ہے۔ اسی کا بیان آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى سے مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا تک ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت حلال فرمایا پھر اگلے سال جنگ احد کے موقعہ پر فدیہ لینے کے بدلے ان کی سزا طے ہوئی، ستر مسلمان صحابہؓ شہید ہوئے، لشکر اسلام میں بھگدڑ مچ گئی، آنحضرت ﷺ کے سامنے کے چار دانت شہید ہوئے، آپ کے سر پر جو خود تھا، وہ ٹوٹ گیا، چہرہ خون آلودہ ہو گیا۔ پس یہ آیت اتری اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ الخ یعنی جب تمہیں مصیبت پہنچی تو کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ جواب دے کہ یہ خود تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ تم اس سے پہلے اس سے دگنی راحت بھی تو پا چکے ہو، یقین مانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ فدیہ لینے کا بدل ہے یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کی دعا کے بارے میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب حضورؐ نے دعا میں اپنا پورا مبالغہ کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ اب مناجات ختم کیجئے، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے، وہ اسے ضرور پورا کرے گا اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت

مقداد بن اسود نے ایک ایسا کام کیا کہ اگر میں کرتا تو مجھے اپنے اور تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہوتا' آنحضرت ﷺ جب مشرکوں پر بددعا کر رہے تھے تو مقداد بن اسود آئے اور کہنے لگے' ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو قوم موسیٰ نے کہا تھا کہ خود اپنے رب کو ساتھ لے کر جا اور لڑ بھڑ لو بلکہ ہم جو کہتے ہیں' وہ کر کے بھی دکھائیں گے چلئے ہم آپ کے دائیں بائیں برابر کفار سے جہاد کریں گے آگے پیچھے بھی ہم ہی ہم نظر آئیں گے' میں نے دیکھا کہ ان کے اس قول سے رسول اللہ ﷺ خوش ہو گئے اور آپ کا چہرہ مبارک چمکنے لگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس دعا کے بعد حضور ﷺ یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ عنقریب مشرکین شکست کھائیں گے اور پیٹھ دکھائیں گے (نسائی وغیرہ) ارشاد ہوا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کی جائے گی جو برابر ایک دوسرے کے پیچھے سلسلہ وار آئیں گے اور تمہاری مدد کریں گے' ایک کے بعد ایک آتا رہے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے لشکر کے دائیں طرف میں آئے تھے جس پر کمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی اور بائیں طرف پر حضرت میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کی فوج کے ساتھ اترے تھے' اس طرف میری کمان تھی۔ ایک قرأت میں مردفین بھی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ان دونوں فرشتوں کے ساتھ پانچ پانچ سو فرشتے تھے جو بطور امداد آسمان سے بحکم الٰہی اترے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر پر حملہ کرنے کے لئے اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک ایک کوڑا مانگنے کی آواز اور ساتھ ہی ایک گھڑ سوار کی آواز آئی کہ اے خیروم آگے بڑھ' وہیں دیکھا کہ وہ مشرک چت گرا ہوا ہے' اس کا منہ کوڑے کے لگنے سے بگڑ گیا ہے اور ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو گئی ہیں۔ اس انصاری صحابیؓ نے حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تو سچا ہے' یہ تیری آسمانی مدد تھی' پس اس دن ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ ''بدر والے دن فرشتوں کا اترنا'' پھر حدیث لائے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس آئے اور پوچھا کہ بدری صحابہؓ کا درجہ آپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اور مسلمانوں سے بہت افضل' حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا' اس طرح بدر میں آنے والے فرشتے بھی اور فرشتوں میں افضل گنے جاتے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت حاطب بن ابوبلتعہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا مشورہ رسول اللہ ﷺ کو دیا تو آپ نے فرمایا وہ تو بدری صحابی ہیں' تم نہیں جانتے' اللہ تعالیٰ نے بدریوں پر نظر ڈالی اور فرمایا تم جو چاہے کرو' میں نے تمہیں بخش دیا۔

پھر فرماتا ہے کہ فرشتوں کا بھیجنا اور تمہیں اس کی خوشخبری دینا صرف تمہاری خوشی اور اطمینان دل کے لئے تھا ورنہ اللہ تعالیٰ ان کو بھیجے بغیر بھی اس پر قادر ہے' جس کی چاہے مدد کرے اور اسے غالب کر دے' بغیر نصرت پروردگار کے کوئی فتح نہیں پا سکتا' اللہ ہی کی طرف سے مدد ہوتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فاذا لقیتم الذین کفروا الخ کافروں سے جب میدان (جنگ) ہو تو گردن مارنا ہے' جب اس میں کامیابی ہو جائے تو پھر قید کرنا ہے' اس کے بعد یا احسان کے طور پر چھوڑ دینا یا فدیہ لے لینا ہے یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے' یہ ظاہری صورت ہے' اگر رب چاہے تو آپ ہی ان سے بدلے لے لیکن وہ ایک سے ایک کو آزما رہا ہے' اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے' انہیں اللہ تعالیٰ راہ دکھائے گا اور انہیں خوشحال کر دے گا اور جان پہچان کی جنت میں لے جائے گا۔

اور آیت میں ہے وتلك الديام ندا ولها بين الناس الخ یہ دن ہم لوگوں میں گھماتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ لے اور شہیدوں کو الگ کر لے' ظالموں سے اللہ ناخوش رہتا ہے۔ اس میں ایمانداروں کا امتیاز ہو جاتا ہے اور یہ کفار کے مٹانے کی صورت ہے۔ جہاد کا شرعی فلسفہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو موحدوں کے ہاتھوں سزا دیتا ہے' اس سے پہلے عام آسمانی عذابوں سے وہ ہلاک کر دیئے جاتے

تھے جیسے قوم نوح پر طوفان آیا' عادوالے آندھی میں تباہ ہوئے' ثمودی چیخ سے غارت کر دیئے گئے' قوم لوط پر پتھر بھی برسے' زمین میں بھی دھنسائے گئے اور ان کی بستیاں الٹ دی گئیں' قوم شعیب پر ابر کا عذاب آیا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں دشمنان دین مع فرعون اور اس کی قوم اور اس کے لشکروں کے ڈبو دیئے گئے۔ اللہ نے توراۃ اتاری اور اس کے بعد سے اللہ کا حکم جاری ہو گیا جیسے فرمان ہے ولقد اتینا موسی الکتاب من؟ بعدما اھلکنا القرون الا ولی بصائر پہلی بستیوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو سوچنے سمجھنے کی بات تھی۔ پھر سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دینا شروع کی تاکہ مسلمانوں کے دل صاف ہو جائیں اور کافروں کی ذلت اور بڑھ جائے' جیسے اس امت کو اللہ جل شانہ کا حکم ہے قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم الخ اے مومنو! ان سے جہاد کرو' اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سزا دے گا' انہیں ذلیل کرے گا اور تمہیں ان پر مدد عطا فرما کر مومنوں کے سینے صاف کر دے گا۔ اس میدان بدر میں گھمنڈ و نخوت کے پتلوں کا' کفر کے سرداروں کا ان مسلمانوں کے ہاتھ قتل ہونا جن پر ہمیشہ ان کی نظریں ذلت و حقارت کے ساتھ پڑتی رہیں' کچھ کم نہ تھا' ابوجہل اگر اپنے گھر میں اللہ کے کسی عذاب سے ہلاک ہو جاتا تو اس میں وہ شان نہ تھی جو معرکہ قتال میں مسلمانوں کے ہاتھوں ٹکڑے ہونے میں ہے۔

جیسے کہ ابولہب کی موت اسی طرح کی واقع ہوئی تھی کہ اللہ کے عذاب میں ایسا سڑا کہ موت کے بعد کسی نے نہ تو اسے نہلایا نہ دفنایا بلکہ دور سے پانی ڈال کر لوگوں نے پتھر پھینکنے شروع کئے اور انہیں میں وہ دب گیا۔ اللہ عزت والا ہے' پھر اس کا رسولؐ اور ایماندار' دنیا و آخرت میں عزت اور بھلائی ان ہی کے حصے کی چیز ہے جیسے ارشاد ہے انا لننصر رسلنا الخ ہم ضرور بہ ضرور اپنے رسولوں کی' ایماندار بندوں کی اس جہان میں اور اس جہان میں مدد فرمائیں گے۔ اللہ حکیم ہے' گو وہ قادر تھا کہ بغیر تمہارے لڑے بھڑے کفار کو ملیا میٹ کر دے' لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے جو وہ تمہارے ہاتھوں انہیں ڈھیر کر رہا ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ
مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ
وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ
إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ
الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ
عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

جبکہ اس نے اپنے پاس سے تمہاری تسکین کے لئے تم پر اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے بارش برسائی کہ تمہیں اس سے پاک صاف کر دے اور تم سے شیطانی آلودگی

کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جما دے ○ جبکہ تیرے پروردگار نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں‘ تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو‘ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا‘ پس تم گردنوں کے اوپر وار لگاؤ اور ان کی پور پور پر ضرب لگاؤ ○ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ بھی بڑی سخت مار مارنے والا ہے ○ یہ ہے اس کا ذائقہ تم چکھتے رہو‘ بیشک کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے ○

تائیدالٰہی کے بعد فتح وکامرانی: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۴) اللہ تعالیٰ اپنے احسانات بیان فرماتا ہے کہ اس جنگ بدر میں جبکہ اپنی کمی اور کافروں کی زیادتی‘ اپنی بے سروسامانی اور کافروں کے پرشوکت سروسامان دیکھ کر مسلمانوں کے دل پر برا اثر پڑ رہا تھا‘ پروردگار نے ان کے دلوں کے اطمینان کے لئے ان پر اونگھ ڈال دی۔ جنگ احد میں بھی یہی حال ہوا تھا جیسے فرمان ہے ثم انزل علیکم منۢ بعد الغم امنة نعاسا یغشیٰ الخ‘ یعنی پورے غم ورنج کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو اونگھ کی صورت میں تمہیں ڈھانپے ہوئے تھا‘ ایک جماعت اسی میں مشغول تھی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد والے دن اونگھ غالب آ گئی تھی‘ اس وقت نیند میں جھوم رہا تھا‘ میری تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑتی تھی اور میں اٹھاتا تھا‘ میں نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ لوگ ڈھالیں سروں پر رکھے ہوئے نیند کے جھولے لے رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر والے دن ہمارے پورے لشکر میں گھڑ سوار صرف ایک ہی حضرت مقدادؓ تھے‘ میں نے نگاہ بھر کر دیکھا کہ سارا لشکر نیند میں مست ہے‘ صرف رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے آپ ایک درخت تلے نماز میں مشغول تھے‘ روتے جاتے تھے اور نماز پڑھتے جاتے تھے‘ صبح تک آپ اسی طرح مناجات میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن کا ملنا ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حرکت ہے اونگھ صرف آنکھوں میں ہی ہوتی ہے اور نیند کا تعلق دل سے ہے یہ یاد رہے کہ اونگھ آنے کا مشہور واقعہ تو جنگ احد کا ہے‘ لیکن اس آیت میں جو بدر کے واقعہ کے قصے کے بیان میں ہے‘ اونگھ کا اترنا موجود ہے۔ پس سخت لڑائی کے وقت یہ واقعہ ہوا اور مومنوں کے دل اللہ کے عطا کردہ امن سے مطمئن ہو گئے‘ یہ بھی مومنوں پر اللہ کا فضل وکرم اور اس کا لطف ورحم تھا‘ سچ ہے سختی کے بعد آسانی ہے صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ رسول کریم ﷺ ایک چھپر تلے دعا میں مشغول تھے جو حضورؐ اونگھنے لگے‘ تھوڑی دیر میں جاگے اور تبسم فرما کر حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا‘ خوش ہو‘ یہ ہیں جبرئیل (علیہ السلام) گرد آلود‘ پھر آیت قرآنی سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ پڑھتے ہوئے جھونپڑے کے دروازے سے باہر تشریف لائے یعنی ابھی ابھی یہ لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔ دوسرا احسان اس جنگ کے موقعہ پر یہ ہوا کہ بارش برس گئی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا‘ مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے‘ شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم تو اپنے آپ کو اللہ والے سمجھتے ہو اور اللہ کے رسولؐ کو اپنے میں موجود مانتے ہو اور حالت یہ ہے کہ پانی تک تمہارے قبضے میں نہیں؟ مشرکین کے ہاتھ میں پانی ہے‘ تم نماز بھی جنبی ہونے کی حالت میں پڑھ رہے ہو‘ تو ایسے وقت آسمان سے مینہ برسنا شروع ہوا اور پانی کی ریل پیل ہو گئی‘ مسلمانوں نے پانی پیا بھی‘ پلایا بھی‘ نہا دھو کر پاکی بھی حاصل کر لی اور پانی بھر بھی لیا اور شیطانی وسوسہ بھی زائل ہو گیا اور جو چکنی مٹی پانی کے راستے میں تھی‘ دھل کر وہاں کی سخت زمین نکل آئی اور ریت جم گئی کہ اس پر آمد ورفت آسان ہو گئی اور فرشتوں کی امداد آسمان سے آ گئی‘ پانچ سو فرشتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ماتحتی میں اور پانچ سو حضرت میکائیلؑ کی ماتحتی میں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ جب بدر کی طرف تشریف لے چلے تو سب سے پہلے جو پانی تھا‘ وہاں

ٹھہرے' حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کو اللہ کا حکم یہاں پڑاؤ کرنے کا ہوا تب تو خیر اور اگر جنگی مصلحت کے ساتھ پڑاؤ کیا ہو تو آپ اور آگے چلئے - آخری پانی پر قبضہ کیجئے - وہیں حوض بنا کر یہاں کے سب پانی وہاں جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی کے بغیر رہ جائے گا اور آپ نے یہی کیا بھی - مغازی اموی میں ہے کہ اس رائے کے بعد جبرئیلؑ کی موجودگی میں ایک فرشتے نے آ کر آپ کو سلام پہنچایا اور اللہ کا حکم بھی کہ یہی رائے ٹھیک ہے' آپ نے اس وقت حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ آپ انہیں جانتے ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا' میں آسمان کے تمام فرشتوں سے واقف نہیں ہوں - ہاں ہے تو یہ فرشتہ' شیطان نہیں' شیطان نہیں' سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ مشرکین ڈھلوان کی طرف تھے اور مسلمان اونچائی کی طرف' بارش ہونے سے مسلمانوں کی طرف تو زمین دھل کر صاف ہو گئی اور پانی سے انہیں نفع پہنچا لیکن مشرکین کی طرف پانی کھڑا ہو گیا' کیچڑ اور پھسلن ہو گئی کہ انہیں چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا حضرت مجاہد کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش اونگھ سے پہلے نازل کی' غبار جم گیا' زمین سخت ہو گئی' دلوں میں خوشی پیدا ہو گئی' ثابت قدمی میسر ہو چکی' اب اونگھ آنے لگی اور مسلمان تازہ دم ہو گئے - صبح لڑائی ہونے والی تھی' رات کو ہلکی سی بارش ہو گئی' ہم درختوں تلے جا چھپے' حضورؐ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہے' یہ اس لئے کہ اللہ تمہیں پاک کر دے' وضو بھی کر لو اور غسل بھی' اس ظاہری پاکی کے ساتھ ہی باطنی پاکیزگی بھی حاصل ہوئی' شیطانی وسوسے بھی دور ہو گئے' دل مطمئن ہو گئے' جیسے کہ جنتیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ الخ ان کے بدن پر سبز ا باریک اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور انہیں ان کا رب پاک صاف شربت پلائے گا پس لباس اور زیور تو ظاہری زینت کی چیز ہوئی اور پاک کرنے والا پانی جس سے دلوں کی پاکیزگی اور حسد و بغض کی دوری ہو جائے' یہ تھی باطنی زینت -

پھر فرماتا ہے کہ اس سے مقصود دلوں کی مضبوطی بھی تھی کہ صبر و برداشت پیدا ہو شجاعت و بہادری ہو دل بڑھ جائے - ثابت قدمی ظاہر ہو جائے اور حملے میں استقامت پیدا ہو جائے - واللہ اعلم - پھر اپنی ایک باطنی نعمت کا اظہار فرما رہا ہے تاکہ مسلمان اس پر بھی اللہ کا شکر بجا لائیں کہ اللہ تعالیٰ تبارک و تقدس و تمجد نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور مسلمانوں کی مدد و نصرت کرو' ان کے ساتھ مل کر ہمارے دشمنوں کو نیچا دکھاؤ' ان کی گنتی گھٹاؤ اور ہمارے دوستوں کی تعداد بڑھاؤ - کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بد دلی پھیلی ہوئی ہے' وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں جم سکتے - ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے - اب ہر ایک دوسرے سے کہتا' دوسرا تیسرے سے' پھر صحابہؓ کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت و قوت نہیں -

پھر فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم اس کام میں لگو' ادھر میں مشرکوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دوں گا' میں ان کے دلوں میں ذلت اور حقارت ڈال دوں گا' میرے حکم کے نہ ماننے والوں کا میرے رسول کے منکروں کا یہی حال ہوتا ہے - پھر تم ان کے سروں پر وار لگا کر دماغ نکال دو' گردنوں پر تلوار مار کر سر اور دھڑ میں جدائی کر دو' ہاتھ پاؤں اور جوڑ جوڑ پور پور کو تاک تاک کر زخم لگاؤ - پس گردنوں کے اوپر سے بعض کے نزدیک مراد تو سر ہیں اور بعض کے نزدیک خود گردن مراد ہے - چنانچہ اور جگہ ہے فَضَرْبَ الرِّقَابِ گردنیں مارو - حضورؐ فرماتے ہیں' میں قدرتی عذابوں سے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا نہیں گیا بلکہ گردن مارنے اور قید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں - امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ گردن پر اور سر پر وار کرنے کا استدلال اس سے ہو سکتا ہے - مغازی اموی میں ہے کہ مقتولین بدر کے پاس سے جب رسول اللہ ﷺ گذرے تو ایک شعر کا ابتدائی ٹکڑا آپ نے پڑھ دیا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا شعر پڑھ دیا' آپ کو نہ شعر یاد تھے نہ آپ کے لائق - اس شعر کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ ظالم اور باغی تھے اور آج تک غلبے اور شوکت سے تھے' آج ان کے سر ٹوٹے ہوئے اور

ان کے دماغ بکھرے ہوئے ہیں- کہتے ہیں کہ جو مشرک لوگ فرشتوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے انہیں مسلمان اس طرح پہچان لیتے تھے کہ ان کی گردنوں کے اوپر اور ہاتھ پیروں کے جوڑ ایسے زخم زدہ تھے جیسے آگ سے جلے ہونے کے نشانات- بنان جمع ہے بنانة کی- عربی شعروں میں بنانة کا استعمال موجود ہے پس ہر جوڑ اور ہر حصے کو بنان کہتے ہیں- اوزاعیؒ کہتے ہیں منہ پر' آنکھ پر' آگ کے کوڑے برساؤ' ہاں جب انہیں گرفتار کرلو پھر نہ مارنا- ابوجہل معلون نے کہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے' مسلمانوں کو زندہ گرفتار کرلو تا کہ ہم انہیں اس بات کا مزہ زیادہ دیر تک چکھائیں کہ وہ ہمارے دین کو برا کہتے تھے' ہمارے دین سے ہٹ گئے تھے' لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ بیٹھے تھے- پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور فرشتوں کو یہ حکم دیا-

چنانچہ جو ستر آدمی ان کافروں کے قتل ہوئے' ان میں ایک یہ پاجی بھی تھا اور جو ستر آدمی قید ہوئے' ان میں ایک عقبہ بن ابی معیط بھی تھا لعنہ اللہ تعالیٰ' اس کو قید میں ہی قتل کیا گیا اور اس سمیت مقتولین مشرکین کی تعداد ستر ہی تھی' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کا نتیجہ اور بدلہ یہ ہے- شقاق ماخوذ ہے شق سے' شق کہتے ہیں پھاڑنے چیرنے اور دو ٹکڑے کرنے کو' پس ان لوگوں نے گویا شریعت' ایمان اور فرمانبرداری کو ایک طرف کیا اور دوسری جانب خود رہے- لکڑی کے پھاڑنے کو بھی عرب یہی کہتے ہیں جبکہ لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیں- اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف چل کر کوئی بچ نہیں سکا' کون ہے جو اللہ سے چھپ جائے اور اس کے بے پناہ اور سخت عذابوں سے بچ جائے؟ نہ کوئی اس کے مقابلے کا' نہ کسی کو اس کے عذابوں کی طاقت' نہ اس سے کوئی بچ نکلے' نہ اس کا غضب کوئی سہہ سکے' وہ بلند و بالا' وہ غالب اور انتقام والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں' وہ اپنی ذات میں' اپنی صفتوں میں یکتا اور لاشریک ہے- اے کافرو! دنیا کے یہ عذاب اٹھاؤ اور ابھی آخرت میں دوزخ کا عذاب باقی ہے-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا
تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا
لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اے مومنو جب کافروں سے دستی جنگ ہونے لگے تو خبردار ان سے پیٹھ نہ پھیرنا ○ ایسے دن جو بھی ان سے منہ موڑے سوائے ان کے جو لڑائی کے لئے داؤ گھات کرتے ہوں یا جو اپنے لشکر سے ملنا چاہتے ہوں' وہ غضب اللہ لے کر مڑتا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو جاتا ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے ○

شہیدان وفا کے قصے : ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) جہاد کے میدان میں جو مسلمان بھی بھاگ کھڑا ہو' اس کی سزا اللہ کے ہاں جہنم کی آگ ہے- جب لشکر کفار سے مڈبھیڑ ہو جائے' اس وقت پیٹھ پھیرنا حرام ہے' ہاں اس شخص کے لئے جو فن جنگ کے طور پر پینترا بدلے یا دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر موقعہ پر وار کرنے کے لئے بھاگے' یا اس طرح لشکر کا لشکر پیچھے ہٹے اور دشمن کو گھات میں لے کر پھر ان پر اچانک چھاپہ مار دے تو بے شک اس کے لئے پیٹھ پھیرنا جائز ہے- دوسری صورت یہ ہے کہ ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں جانا ہو جہاں چھوٹے سے لشکر سے بڑے لشکر کا ٹکراؤ ہو' یا اپنے امیر سے ملنا ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے- مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا' میں بھی اس میں ہی تھا' لوگوں میں بھگدڑ مچی' میں بھی بھاگا' ہم لوگ بہت ہی نادم ہوئے کہ ہم اللہ کی راہ سے

بھاگے ہیں، اللہ کا غضب ہم پر ہے، ہم اب مدینے جائیں اور وہاں رات گذار کر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوں، اگر ہماری توبہ کی کوئی صورت نکل آئے تو خیر ورنہ ہم جنگلوں میں نکل جائیں۔ چنانچہ نماز فجر سے پہلے ہم جا کر بیٹھ گئے، جب حضورؐ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا بھاگنے والے، آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تم لوٹنے والے ہو، میں تمہاری جماعت ہوں اور میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں، ہم نے بے ساختہ آگے بڑھ کر حضورؐ کے ہاتھ چوم لئے ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہہ کر فرماتے ہیں، ہم اسے ابن ابی زیاد کے علاوہ کسی کی حدیث سے پہچانتے نہیں۔

ابن ابی حاتم میں حضورؐ کے اس فرمان کے بعد آپ کا اس آیت کا تلاوت کرنا بھی مذکور ہے۔ حضرت ابوعبیدہ جنگ فارس میں ایک پل پر گھیر لئے گئے، مجوسیوں کے ٹڈی دل لشکروں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا، موقعہ تھا کہ آپ ان میں سے بچ کر نکل آتے لیکن آپ نے مردانہ وار اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش فرمایا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا، اگر وہ وہاں سے میرے پاس چلے آتے تو ان کے لئے جائز تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی جماعت ہوں، مجھ سے مل جانے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، لوگو! میں تمہارے لئے وہ جماعت ہوں کہ میدان جنگ سے اگر تم میرے پاس آ جاؤ، آ سکتے ہو۔ اور روایت میں ہے، میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ تم اس آیت کا غلط مطلب نہ لینا، یہ واقعہ بدر کے متعلق ہے۔ اب تمام مسلمانوں کے لئے وہ فئة (جماعت، گروہ) جس کی طرف پناہ لینے کے لئے واپس مڑنا جائز ہے، میں ہوں۔

ابن عمرؓ سے نافع نے سوال کیا کہ ہم لوگ دشمن کی لڑائی کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فئة سے مراد امام لشکر ہے یا مسلمانوں کا جنگی مرکز، آپ نے فرمایا، فئة رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری ہے۔ نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ ضحاک فرماتے ہیں، جو لشکر کفار سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے پاس پناہ لے اس کے لئے جائز ہے۔ آج بھی امیر اور سالار لشکر کے پاس، یا اپنے مرکز میں جو بھی آئے اس کے لئے یہی حکم ہے، ہاں اس صورت کے سوا نامردی اور بزدلی کے طور پر لشکر گاہ سے جو بھاگ کھڑا ہو، لڑائی میں پشت دکھائے وہ جہنمی ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے وہ حرمت کے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سات گناہوں سے جو مہلک ہیں، بچتے رہو، پوچھا گیا کہ وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو (کرنا یا کرانا)، کسی کو ناحق مار ڈالنا، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہونا، ایماندار پاک دامن بے عیب عورتوں پر تہمت لگانا فرمان ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ لے کر لوٹتا ہے، اس کی لوٹنے اور رہنے سہنے کی جگہ جہنم ہے جو بہت ہی بدتر ہے۔ بشیر بن معبد کہتے ہیں، میں حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آیا تو آپ نے شرط بیان کی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت اور محمد ﷺ کی عبدیت و رسالت کی شہادت دوں، پانچوں وقت کی نماز قائم رکھوں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور حج مطابق اسلام۔ وں اور رمضان المبارک کے مہینے کے روزے رکھوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں، میں نے کہا یا رسول اللہؐ اس میں سے دو کام میرے بس کے نہیں ایک تو جہاد دوسرے زکوٰۃ، میں نے تو سنا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھانے والا اللہ کے غضب میں آ جاتا ہے، مجھے تو ڈر ہے کہ موت کا بھیانک مال کہیں کسی وقت میرا منہ نہ پھیر دے اور مال غنیمت اور عشر ہی میرے پاس ہوتا ہے وہ ہی میرے بچوں اور گھر والوں کا اثاثہ ہے۔ سواری لیں اور دودھ پئیں۔ اسے میں کسی کو کیسے دے دوں۔ آپ نے اپنا ہاتھ ہلا کر فرمایا، جب جہاد بھی نہ ہو اور صدقہ بھی نہ ہو تو جنت کیسے مل جائے؟ میں نے کہا اچھا یا رسول اللہؐ سب شرطیں منظور ہیں چنانچہ میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں، مسند احمد میں ہے اور اس سند سے غریب ہے۔

طبرانی میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ تین گناہوں کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اللہ کے ساتھ شرک' ماں باپ کی نافرمانی' لڑائی سے بھاگنا یہ حدیث بھی بہت غریب ہے۔ اسی طبرانی میں ہے' آپ فرماتے ہیں جس نے استغفر الله الذی لا اله الا هو واتوب الیه پڑھ لیا' اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں گو وہ لڑائی سے بھاگا ہو' ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے غریب بتاتے ہیں اور آنحضرتؐ کے مولیٰ زید اس کے راوی ہیں' ان سے اس کے سوا کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بھاگنے کی حرکت کا یہ حکم صحابہ کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے کہ ان پر جہاد فرض عین تھا اور کہا گیا ہے کہ انصار کے ساتھ ہی مخصوص تھا' اس لئے کہ ان کی بیعت سننے اور ماننے کی تھی' خوشی میں بھی اور ناخوشی میں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بدری صحابہؓ کے ساتھ یہ خاص تھا کیونکہ ان کی کوئی جماعت تھی ہی نہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ اے اللہ اگر تو اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' یومئذ سے مراد بدر کا دن ہے۔ اب اگر کوئی اپنی بڑی جماعت کی طرف آ جائے یا کسی قلعے میں پناہ لے تو میرے خیال میں تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ بدر والے دن جو بھاگے' اس کے لئے دوزخ واجب تھی' اس کے بعد جنگ احد ہوئی۔ اس وقت یہ آیات اتریں اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ سے عفا الله عنهم تک۔ اس کے سات سال بعد جنگ حنین ہوئی جس کے بارے میں قرآنی ذکر ہے ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ پھر اللہ نے جس کی چاہی توبہ قبول فرمائی۔ ابوداؤد' نسائی' مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ ابو سعیدؓ فرماتے ہیں' یہ آیت بدریوں کے بارے میں اتری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ گو یہ مان لیا جائے کہ سبب نزول اس آیت کا بدری لوگ ہیں مگر لڑائی سے منہ پھیرنا تو حرام ہے جیسے کہ اس سے پہلے حدیث میں گذرا کہ سات ہلاک کرنے والے گناہوں میں ایک یہ بھی ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ واللہ اعلم۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝١٧ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ
كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٨

پس تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور تو نے جب پھینکی تھی تو تو نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینک ماری تھی' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بہترین اور عمدہ احسان کرنا چاہتا تھا' اللہ ہے سننے جاننے والا' یہ تو ہو چکا ○ اب بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کفار کے حیلوں کو پست وست کرنے والا ہے ○

اللہ کی مدد ہی وجۂ کامرانی ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۸) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ بندوں کے کل کاموں کا خالق میں ہی ہوں' بندوں سے جو بھی اچھائیاں سرزد ہوں' اس پر قابل تعریف وہی ہے' اس لئے کہ توفیق اسی کی طرف سے ہے اور اعانت و مدد بھی اسی کی جانب سے ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم نے آپ اپنی طاقت وقوت سے اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا' تم تو مٹھی بھر تھے اور دشمن بہت زیادہ تھے' تم بے کس اور کمزور تھے دشمن کس بل والے' قوت' طاقت والے تھے۔ یہ اللہ ہی کی مدد تھی کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ الخ اللہ نے بدر کے دن تمہاری مدد کی۔ اور آیت میں ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ الخ بہت سی جگہ اللہ جل شانہ نے تمہاری امداد فرمائی ہے۔ حنین کے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی زیادتی پر گھمنڈ ہوا لیکن وہ بے کار ثابت ہوئی اور یہ

وسیع زمین تم پر تنگ ہوگئی اور آخر منہ موڑ کر تم بھاگ کھڑے ہوئے، پس ثابت ہوا کہ گنتی کی زیادتی، ہتھیاروں کی عمدگی اور ساز و سامان کی فراوانی پر غلبہ موقوف نہیں، وہ تو اللہ کی مدد پر موقوف ہے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ یعنی بسا اوقات چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے لشکروں کے منہ پھیر دیئے ہیں اور ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، یہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے پھر مٹی کی اس مٹھی کا ذکر ہو رہا ہے جو حضور ﷺ نے بدر کی لڑائی میں کافروں کی طرف پھینکی تھی۔ پہلے تو آپ نے اپنی جھونپڑی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی، روئے، گڑگڑائے اور مناجات کر کے باہر نکلے اور کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے بگڑ جائیں، ان کے منہ پھر جائیں، ساتھ ہی صحابہؓ کو حکم دیا کہ فوراً حملہ کر دو، ادھر حملہ ہوا، ادھر سے وہ کنکریاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کافروں کی آنکھوں میں ڈال دیں، وہ سب اپنی آنکھیں مل ہی رہے تھے کہ لشکر اسلام ان کے سر پر پہنچ گیا۔ پس فرماتا ہے کہ وہ مٹھی تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی یعنی پھینکی تو حضورؐ نے لیکن ان کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں شکست دینے والا اللہ تعالیٰ ہی تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جس میں یہ بھی کہا کہ اے میرے پروردگار، اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کبھی بھی تیری عبادت زمین پر نہ کی جائے گی، اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، یا رسول اللہ، آپ ایک مٹھی زمین سے مٹی کی بھر لیں اور ان کے منہ کی طرف پھینک دیں چنانچہ آپؐ نے یہی کیا پس مشرکین کے سارے لشکر کے منہ اور آنکھ اور نتھنوں میں وہ مٹی گھس گئی اور انہیں پیٹھ پھیرتے ہی بنی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں حضرت علیؓ سے فرمایا، کنکریوں کی ایک مٹھی زمین سے بھر کر مجھے دو، حضرت علیؓ نے مٹھی بھر دی جس میں کنکریاں بھی تھیں اور مٹی بھی، آپ نے مشرکوں کی طرف وہ مٹھی پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں، ادھر سے مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور قتل کرنا اور قیمہ کرنا شروع کر دیا، اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ یہ تیرے بس کی بات نہ تھی بلکہ یہ اللہ کے بس کی چیز تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ تین کنکر لے کر آپ نے پھینکے تھے، ایک دائیں ایک بائیں ایک بیچ میں گو حنین والے دن بھی آپ نے کنکریاں مشرکوں کی طرف پھینکی تھیں لیکن یہاں ذکر جنگ بدر کے دن کا ہے حکیم بن حزام کا بیان ہے کہ جنگ بدر کے دن ہم نے ایک آواز سنی کہ گویا آسمان سے کوئی کنکر کسی طشت میں گرا، اسی وقت حضورؐ کی پھینکی ہوئی کنکریاں ہم میں پہنچیں اور ہمیں شکست ہوئی۔ یہ روایت اس سند سے بہت غریب ہے یہاں دو قول اور بھی ہیں لیکن بالکل غریب ہیں، ایک تو یہ کہ خیبر کی جنگ کے موقع پر یوم ابن ابی الحقیق میں رسول اللہ ﷺ نے ایک کمان منگائی، لوگوں نے بہت لمبی کمان لا کر آپ کو دی آپ نے اس سے قلعے کی طرف تیر پھینکا، وہ گھومتا ہوا چلا اور سردار قلعہ ابوالحقیق کو اس کے گھر میں اس کے بستر پر جا کر لگا اور اسی سے وہ مرا، اس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ وہ تیر تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکا تھا، یہ روایت غریب ہے ممکن ہے، راوی کو شبہ ہو گیا ہو یا مراد ان کی یہ ہو کہ یہ آیت عام ہے یہ واقعہ بھی اسی میں شامل ہے، ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سورہ انفال کی اس آیت میں جنگ بدر کے بیان کا ذکر ہے، تو یہ واقعہ اسی جنگ بدر کا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے واللہ اعلم۔

دوسرا غریب قول یہ ہے کہ احد کی لڑائی والے دن آنحضرت ﷺ نے ابی بن خلف کو ایک نیزہ مارا تھا، یہ لوہے میں غرق تھا لیکن تاہم نیزہ اس کے تالو پر جا لگا اور یہ گھوڑے سے لڑھکنے لگا، اسی میں اس کی موت ہوئی، اس دنیوی عذاب کے ساتھ ہی آخرت کا عذاب بھی شامل ہو گیا لیکن غالباً اس قول سے مراد آیت کا عام ہونا ہے نہ یہ کہ اسی بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے، تا کہ مومنوں کو اپنی نعمت کا اقرار کرادے کہ باوجود ان کی کثرت، ان کی قلت، ان کے ساز وسامان، ان کی بے سروسامانی کے رب العالمین نے انہیں ان پر غالب کر دیا۔ حدیث میں ہے، ہر ایک امتحان ہمارا امتحان ہے اور ہم پر اللہ کا احسان ہے۔ اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ مدد اور غلبے کا مستحق کون ہے۔ پھر فرماتا ہے اس فتح کے ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے حیلے حوالے کمزور کر دے گا، ان کی شان گھٹا دے گا ان کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا اور یہی ہوا بھی۔ فالحمد للہ۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا
فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ
عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ ع ۹

تم جو فتح مانگا کرتے تھے تو اب تو تمہارے سامنے ہی فتح ہوگئی، اب بھی اگر تم باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر لوٹو گے تو ہم بھی پھر لوٹیں گے یقین مانو کہ تمہارا جتھا گو کتنا ہی بڑا ہو تمہیں کچھ بھی تو نفع نہ پہنچا سکے گا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے ○

ایمان والوں کا معین و مددگار اللہ عزاسمہ: ☆☆ (آیت:۱۹) اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہا ہے کہ تم یہ دعائیں کرتے تھے کہ ہم میں اور مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے جو حق پر ہو اسے غالب کر دے اور اس کی مدد فرمائے تو اب تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہوگئی، مسلمان بحکم الٰہی اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے۔ ابوجہل نے بدر والے دن کہا تھا کہ اے اللہ ہم میں سے جو رشتوں ناتوں کا توڑنے والا ہو اور غیر معروف چیز لے کر آیا ہوا سے تو کل کی لڑائی میں شکست دے، پس اللہ تعالیٰ نے یہی کیا اور یہ اور اس کا لشکر ہار گئے۔ مکہ سے نکلنے سے پہلے ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی تھی کہ الٰہی دونوں لشکروں میں سے تیرے نزدیک جو اعلیٰ ہو اور زیادہ بزرگ ہو اور زیادہ بہتری والا ہو، تو اس کی مدد کر، پس اس آیت میں ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ لو اللہ کی مدد آ گئی، تمہارا کہا ہوا پورا ہوگیا، ہم نے اپنے نبی کو جو ہمارے نزدیک بزرگ، بہتر اور اعلیٰ تھا غالب کر دیا۔ خود قرآن نے ان کی دعا نقل کی ہے کہ یہ کہتے تھے اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك الخ، الٰہی اگر یہ تیری جانب سے راست ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر اب بھی تم اپنے کفر سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول کو نہ جھٹلاؤ تو دونوں جہان میں بھلائی پاؤ گے اور اگر پھر تم نے یہی کفر و گمراہی کی تو ہم بھی اسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں تمہیں پست کریں گے، اگر تم نے پھر اسی طرح فتح مانگی تو ہم پھر اپنے نیک بندوں پر اپنی مدد اتاریں گے، لیکن پہلا قول قوی ہے، یاد رکھو گو تم سب کے سب مل کر چڑھائی کرو، تمہاری تعداد کتنی ہی بڑھ جائے، اپنے تمام لشکر جمع کر لو لیکن سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ خالق کائنات مومنوں کے ساتھ ہے اس لئے کہ وہ اس کے رسول کے ساتھ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا

وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ
الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ
وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باوجود سننے کے تم اس سے روگردانی نہ کرو ○ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے باوجود نہ سننے کے کہدیا کہ ہم نے سن لیا ○ یقیناً تمام جان داروں سے زیادہ برے اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو کچھ بھی عقل نہیں رکھتے ○ اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھی بھلائی ہوتی تو وہ انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر وہ انہیں سنوائے بھی جب بھی یہ تو منہ موڑ کر الٹے بھاگیں گے ○

اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۳) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کا حکم دیتا ہے اور مخالفت سے اور کافروں جیسا ہونے سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اطاعت کو نہ چھوڑو' تابع داری سے منہ نہ موڑو' جن کاموں سے اللہ اور اس کا رسول روک دے' رک جایا کرو' سن کر ان سنی نہ کر دیا کرو' مشرکوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ سنا نہیں اور کہہ دیا کہ سن لیا' نہ منافقوں کی طرح بنو کہ بظاہر ماننے والا ظاہر کر دیا اور در حقیقت یہ بات نہیں۔ بدترین مخلوق جانوروں' کیڑے مکوڑوں سے بھی برے' اللہ کے نزدیک ایسے ہی لوگ ہیں جو حق باتوں سے اپنے کان بہرے کر لیں اور حق کے سمجھنے سے گونگے بن جائیں' بے عقلی سے کام لیں' اس لئے کہ تمام جانور بھی اللہ قادر کل کے زیر فرمان ہیں' جو جس کام کے لئے بنایا گیا ہے' اس میں مشغول ہے مگر یہ ہیں کہ پیدا کئے گئے عبادت کے لئے لیکن کفر کرتے ہیں چنانچہ اور آیت میں انہیں جانوروں سے تشبیہ دی گئی' فرمان ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً الخ کافروں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی انہیں آواز دے تو سوائے پکار اور ندا کے کچھ نہ سنیں۔ اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھکے ہوئے اور غافل۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد اس سے بنو عبدالدار کے قریشی ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں' مراد اس سے منافق ہیں۔ بات یہ ہے کہ مشرک منافق دونوں ہی مراد ہیں' دونوں میں صحیح فہم اور سلامتی والی عقل نہیں ہوتی نہ ہی عمل صالح کی انہیں توفیق ہوتی ہے' اگر ان میں بھلائی ہوتی تو اللہ انہیں سنا دیتا لیکن نہ ان میں بھلائی' نہ توفیق الٰہی' اللہ جل شانہ کو علم ہے کہ انہیں سنایا بھی سمجھایا بھی تو بھی یہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئیں گے بلکہ اور اکڑ کر بھاگ جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ
لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی پکار کو قبول کر لو جب بھی وہ تمہیں پکارے' اس کام کے لئے جس میں تمہاری زندگی ہے' جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور یہ بھی جان رکھو کہ تم سب اسی کی جانب اکٹھے کئے جاؤ گے ○

دل رب کی انگلیوں میں ہیں: ☆☆ (آیت: ۲۴) صحیح بخاری شریف میں ہے اسْتَجِيْبُوْا معنی میں اجیبوا کے ہے لِمَا يُحْيِيْكُمْ کے معنی میں بما یصلحکم کے ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول تمہیں جب آواز دے' تم جواب دو اور مان لو کیونکہ اس کے فرمان کے ماننے

میں ہی تمہاری مصلحت ہے۔ حضرت ابو سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تھا، آنحضرت ﷺ میرے پاس سے گذرے، مجھے آواز دی، میں آپ کے پاس نہ آیا، جب نماز پڑھ چکا تو حاضر خدمت ہوا، آپؐ نے فرمایا تجھے کس نے روکا تھا کہ تو میرے پاس چلا آئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو اللہ اور اللہ کا رسول تمہیں جب آواز دیں تم قبول کر لیا کرو کیونکہ اس میں تمہاری زندگی ہے، سن میں اس مسجد سے نکلنے سے پہلے ہی میں تمہیں قرآن کی سب سے بڑی سورت سکھاؤں گا جب آنحضرت ﷺ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلایا۔

اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے اور آپ نے وہ سورت فاتحہ بتلائی اور فرمایا سات آیات دہرائی ہوئی یہی ہیں اس حدیث کا پورا بیان سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ زندگی، آخرت میں نجات، عذاب سے بچاؤ اور چھٹکارا، قرآن کی تعلیم، حق کو تسلیم کرنے اور اسلام لانے اور جہاد میں ہے، ان ہی چیزوں کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے، اللہ انسان اور اس کے دل میں حائل ہے یعنی مومن میں اور کفر میں، کافر میں اور ایمان میں یہ معنی ایک مرفوع حدیث میں بھی ہیں لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ قول ابن عباسؓ کا ہے، مرفوع حدیث نہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یعنی اس کو اس حال میں چھوڑنا ہے کہ وہ کسی چیز کو سمجھتا نہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر نہ ایمان لا سکے نہ کفر کر سکے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت مثل آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے ہے یعنی بندے کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہم ہیں، اس آیت کے مناسب احادیث بھی ہیں۔ مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ تو ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ ہم آپ پر اور آپ پر اتری ہوئی وحی پر ایمان لا چکے ہیں، کیا پھر بھی آپ کو ہماری نسبت خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان دل ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان کا تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے، ترمذی میں بھی یہ روایت کتاب القدر میں موجود ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور یہ دعا پڑھا کرتے تھے یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك اے دلوں کے پھیرنے والے، میرے دل کو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رکھ۔ مسند احمد میں ہے، آپ فرماتے ہیں، ہر دل اللہ تعالیٰ رب العالمین کی انگلیوں سے میں دو انگلیوں کے درمیان ہے، جب سیدھا کرنا چاہتا ہے، کر دیتا ہے اور جب ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے، کر دیتا ہے۔ آپ کی دعا تھی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے اللہ، میرا دل اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ فرماتے ہیں، میزان رب رحمان کے ہاتھ میں ہے، جھکاتا ہے اور اونچی کرتا ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ آپ کی اس دعا کو اکثر سن کر ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ بکثرت اس دعا کے کرنے کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا، انسان کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جب چاہتا ہے، ٹیڑھا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے سیدھا کر دیتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ کی اس دعا کو بکثرت سن کر ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ کیا دل پلٹ جاتے ہیں؟ آپ نے یہی جواب دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا پروردگار ہے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت و نعمت عطا فرمائے وہ بڑی ہی بخشش کرنے والا اور بہت انعاموں والا ہے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں، میں نے حضورؐ سے پھر درخواست کی کہ کیا آپ مجھے میرے لئے بھی کوئی دعا سکھائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ دعا مانگا کرو اللھم رب النبی محمد اغفرلی ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن ما احییتنی یعنی اے اللہ اے محمد نبی ﷺ کے پروردگار، میرے گناہ معاف فرما، میرے دل کی سختی دور کر دے، مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا لے جب تک بھی تو مجھے زندہ رکھے۔ مسند

احمد میں ہے کہ تمام انسانوں کے دل ایک ہی دل کی طرح اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جس طرح چاہتا ہے انہیں الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے، پھر آپؐ نے دعا کی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے اللہ، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر لے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اس بلا سے ڈرتے رہو، جو خاص کر انہی لوگوں پر نہیں آئے گی جنہوں نے تم میں سے برے کام کیے ہوں اور جان لو کہ اللہ سخت عذابوں والا ہے ○

برائیوں سے نہ روکنا عذاب الٰہی کا سبب ہے: ☆☆ (آیت: ۲۵) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے کہ اس امتحان اور اس محنت اور فتنے کا خوف رکھو جو گنہگاروں بدکاروں پر ہی نہیں رہے گا بلکہ اس بلاء کی وبا عام ہوگی۔ حضرت زبیرؓ سے لوگوں نے کہا کہ اے ابو عبداللہ تمہیں کونسی چیز لائی ہے؟ تم نے مقتول خلیفہ کو دھوکہ دیا، پھر اس کے خون کے بدلے کی جستجو میں تم آئے، اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس آیت وَاتَّقُوْا الخ، کو پڑھتے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے اہل ہیں یہاں تک کہ یہ واقعات رونما ہوئے۔ اور روایت میں ہے کہ عہد نبویؐ میں ہی ہم اس آیت سے ڈرا دیئے گئے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی، عمار، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں، یہ آیت ایک مدت تک پڑھی جاتی رہی لیکن ہمارا خیال یہ بھی تھا کہ اس سے مراد ہم ہیں، اب معلوم ہوا کہ ہم ہی اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت خاصتاً اہل بدر کے بارے میں اتری ہے کہ وہ جنگ جمل میں آپس میں خوب لڑے بھڑے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، مراد اس سے خاص اصحاب رسول ہیں۔ فرماتے ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو حکم فرما رہا ہے کہ وہ آپس میں کسی خلاف شرع کام کو باقی اور جاری نہ رہنے دیں ورنہ اللہ کے عام عذاب میں سب پکڑ لئے جائیں گے یہ تفسیر نہایت عمدہ ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، تم میں سے ہر شخص فتنے میں مشغول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں، پس تم میں سے جو بھی پناہ مانگے، وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے، ہر گمراہ کن فتنے سے پناہ طلب کر لیا کرے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس فرمان میں صحابہؓ اور غیر صحابہؓ سب کو تنبیہ ہے، گو خطاب انہی سے ہے، اسی پر دلالت ان احادیث کی ہے جو فتنے سے ڈرانے کے لئے ہیں گو ان کے بیان میں ائمہ کرام کی مستقل تصانیف ہیں لیکن بعض مخصوص احادیث ہم یہاں بھی نقل کرتے ہیں، اللہ ہماری مدد فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو اللہ عزوجل عذاب نہیں کرتا، ہاں اگر وہ کوئی برائی دیکھیں اور اس کے مٹانے پر قادر ہوں، پھر بھی اس خلاف شرع کام کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب کرتا ہے (مسند احمد) اس کی اسناد میں ایک راوی مبہم ہے۔ اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ، یا تو تم اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہو گے، یا اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے کوئی عام عذاب نازل فرمائے گا، پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے لیکن وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (مسند احمد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک آدمی ایک بات زبان سے نکالتا تھا اور منافق ہو جاتا تھا لیکن اب تو تم ایک ہی مجلس میں نہایت بے پرواہی سے چار چار دفعہ ایسے کلمات اپنی زبان سے نکال دیا کرتے ہو، واللہ یا تو تم نیک باتوں کا حکم دو، بری باتوں سے

روکو اور نیکیوں کی رغبت دلاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو تہس نہس کر دے گا، یا تم پر برے لوگوں کو مسلط کر دے گا پھر نیک لوگ دعائیں کریں گے لیکن وہ قبول نہ فرمائے گا (مسند) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں اپنے کانوں کی طرف اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا، اللہ کی حدوں پر قائم رہنے والے، ان میں واقع ہونے والے اور ان کے بارے میں سستی کرنے والوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے، کوئی نیچے تھا، کوئی اوپر تھا، نیچے والے پانی لینے کے لئے اوپر آتے تھے، اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی، آخر انہوں نے کہا، آؤ یہیں نیچے سے ہی کشتی کا ایک تختہ توڑ لیں، حسب ضرورت پانی یہیں سے لے لیا کریں گے تا کہ نہ اوپر جانا پڑے نہ انہیں تکلیف پہنچے، پس اگر اوپر والے ان کے کام اپنے ذمہ لے لیں اور انہیں کشتی کے نیچے کا تخت اکھاڑنے سے روک دیں تو وہ بھی بچیں اور یہ بھی ورنہ وہ بھی ڈوبیں گے اور یہ بھی (بخاری)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جب میری امت میں گناہ ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عام عذاب ان پر بھیجے گا، ام المؤمنین ام سلمہؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ان میں تو نیک لوگ بھی ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ پوچھا پھر وہ لوگ کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا انہیں بھی وہی پہنچے گا جو اوروں کو پہنچا اور پھر انہیں اللہ کی مغفرت اور رضامندی ملے گی (مسند احمد) ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو لوگ برے کام کرنے لگیں اور ان میں کوئی ذی عزت، ذی اثر شخص ہو اور وہ منع نہ کرے روکے نہیں تو ان سب کو اللہ کا عذاب ہو گا، سزا میں سب شامل رہیں گے (مسند و ابوداؤد وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ کرنے والے تھوڑے ہوں، نہ کرنے والے زیادہ اور ذی اثر ہوں، پھر بھی وہ اس برائی کو نہ روکیں تو اللہ ان سب کو اجتماعی سزا دے گا۔ مسند کی اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، جب زمین والوں میں بدی ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب اتارتا ہے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ان ہی میں اللہ کے اطاعت گذار بندے بھی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا، عذاب عام ہو گا اور پھر وہ اللہ کی رحمت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ
وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

وہ وقت یاد کرو جبکہ تم بہت ہی کم تعداد میں تھے اور روئے زمین پر بہت ہی کمزور تھے، ہر وقت تمہیں کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مخالف لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے، پس اللہ نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت فرمائیں اس لئے کہ تم شکر گذاری کرو ○

اہل ایمان پر اللہ کے احسانات: ☆☆ (آیت: ۲۶) مومنوں کو پروردگار عالم اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ ان کی گنتی اس نے بڑھا دی، ان کی کمزوری کو طاقت سے بدل دیا، ان کے خوف کو امن سے بدل دیا، ان کی ناتوانی کو قوت سے بدل دیا، ان کی فقیری کو امیری سے بدل دیا، انہوں نے جیسے جیسے اللہ کے فرمان کی بجا آوری کی، ویسے ویسے یہ ترقی پا گئے۔ مومن صحابہؓ مکہ میں قیام کے دوران تعداد میں بہت تھوڑے تھے، چھپے پھرتے تھے، بے قرار رہتے تھے، ہر وقت دشمنوں کا خطرہ لگا رہتا تھا، مجوسی ان کے دشمن، یہودی ان کی جان کے پیچھے، بت پرست ان کے خون کے پیاسے، نصرانی ان کی فکر میں، دشمنوں کی یہ حالت تھی تو ان کی اپنی یہ حالت کہ تعداد میں انگلیوں پر گن لو۔ بغیر طاقت، شان، شوکت مطلقاً نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتا ہے یہ مان لیتے ہیں، وہاں پہنچتے ہی اللہ ان کے قدم جما دیتا ہے، وہاں مدینہ والوں کو ان کا ساتھی بلکہ پشت پناہ بنا دیتا ہے، وہ ان کی مدد پر اور ساتھ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں، بدر والے دن اپنی جانیں

ہتھیلیوں پر لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں' اپنے مال پانی کی طرح راہ حق میں بہاتے ہیں اور دوسرے موقعوں پر بھی نہ اطاعت چھوڑتے ہیں' نہ ساتھ' نہ سخاوت' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چاند کی طرح چمکنے لگتے ہیں اور سورج کی طرح دمکنے لگتے ہیں۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے یہ لوگ سب سے زیادہ گرے ہوئے' سب سے زیادہ تنگ حال' سب سے زیادہ بھوکے ننگے' سب سے زیادہ گمراہ اور بے دین و مذہب تھے' جیتے تو ذلت کی حالت میں' مرتے تو جہنمی ہو کر' ہر ایک ان کے سر کچلتا لیکن یہ آپس میں الجھتے رہتے' واللہ روئے زمین پر ان سے زیادہ گمراہ کوئی نہ تھا' اب یہ اسلام لائے' اللہ کے رسولؐ کے اطاعت گذار بنے تو ادھر سے ادھر تک شہروں بلکہ ملکوں پر ان کا قبضہ ہو گیا' دنیا کی دولت ان کے قدموں پر بکھرنے لگی' لوگوں کی گردنوں کے مالک اور دنیا کے بادشاہ بن گئے' یاد رکھو یہ سب سچے دین اور اللہ کے رسولؐ کی تعلیم پر عمل کے نتائج تھے۔ پس تم اپنے پروردگار کے شکر میں لگے رہو اور اس کے بڑے بڑے احسان تم پر ہیں' وہ شکر کو اور شکر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ سنو شکر گذار نعمتوں کی زیادتی میں ہی رہتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ ع

ع ۳ ۱۷

اے ایمان والو! نہ تو اللہ کی خیانت کرو نہ رسول کی خیانت کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو' درآں حالیکہ تم واقف کار ہو ○ اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہت بڑا ثواب اور اجر ہے ○

اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے' انہیں آنحضرت ﷺ نے بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی شرط کے ماننے پر قلعہ خالی کر دیں' ان یہودیوں نے آپ ہی سے مشورہ دریافت کیا تو آپ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر انہیں بتا دیا کہ حضورؐ کا فیصلہ تمہارے حق میں یہی ہوگا' اب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بہت ہی نادم ہوئے کہ افسوس میں نے بہت برا کیا' اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی خیانت کی' اسی ندامت کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہو' میں کھانے کا ایک لقمہ بھی نہ اٹھاؤں گا چاہے مر ہی جاؤں' مسجد نبویؐ میں آ کر ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو بندھوا دیا' نو دن اسی حالت میں گذر گئے' غشی آ گئی' بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر پڑے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول کر لی اور یہ آیات نازل ہوئیں' لوگ آئے' آپ کو خوشخبری سنائی اور اس ستون سے کھولنا چاہا تو انہوں نے فرمایا' واللہ میں اپنے آپ کو کسی سے نہ کھلواؤں گا سوائے اس کے کہ خود رسول کریم ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے کھولیں' چنانچہ آپ خود تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے انہیں کھولا' تو آپ عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہؐ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کر لے تو میں اپنا کل مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں گا' آپ نے ارشاد فرمایا نہیں' صرف ایک تہائی فی سبیل اللہ دے دو' یہی کافی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ ابوسفیان مکے سے چلا' جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابوسفیان فلاں جگہ

ہے' آپ ؐ نے صحابہ ؓ سے ذکر کیا اور فرمادیا کہ اس طرف چلو لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ کرنا لیکن ایک منافق نے اسے لکھ بھیجا کہ تیرے پکڑنے کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں' ہوشیار رہنا' پس یہ آیت اتری لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور اس کی سند اور متن دونوں ہی قابل نظر ہیں-

بخاری و مسلم میں حضرت حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ فتح مکہ والے سال انہوں نے قریش کو خط بھیج دیا جس میں آنحضرت ﷺ کے ارادے سے انہیں مطلع کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خبر کر دی' آپ نے آدمی ان کے پیچھے دوڑائے اور خط پکڑا گیا' حضرت حاطب ؓ نے اپنے قصور کا اقرار کیا حضرت عمر ؓ نے ان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی کہ اس نے اللہ کے رسول ؐ اور مومنوں سے خیانت کی ہے' آپ ؐ نے فرمایا' اسے چھوڑ دو' یہ بدری صحابی ؓ ہے' تم نہیں جانتے' اور بدر والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بذات خود فرمادیا ہے' جو چاہو تم کرو' میں نے تمہیں بخش دیا ہے- میں کہتا ہوں کسی خاص واقعہ کے بارے میں اترنے کے باوجود الفاظ کی عمومیت اپنے حکم عموم پر ہی رہے گی- یہی جمہور علماء کا قول ہے- خیانت عام ہے چھوٹے' بڑے' لازم' متعدی سب گناہ خیانت میں داخل ہیں- اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو یعنی فرض کو ناقص نہ کرو' پیغمبر کی سنت کو نہ چھوڑو' اس کی نافرمانی نہ کرو- عروہ بن زبیر ؓ کہتے ہیں کہ کسی کے سامنے اس کے حق کا اظہار کرنا اور در پردہ کرنا اس کے الٹ کرنا' باتیں کرنا اور اس کے سامنے اس کے خلاف کرنا بھی امانت کو ضائع کرنا اور اپنے نفس کی خیانت کرنا ہے- سدی ؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی نے اللہ و رسول ؐ کی خیانت کی تو اس نے امانت داری میں رخنہ ڈال دیا- ایک صورت اس کی حضورؐ کی زمانے میں یہ بھی تھی کہ آپ کی بات سنی' پھر اسے مشرکوں میں پھیلا دیا' پس منافقوں کے اس فعل سے مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے-

پھر فرماتا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہارے امتحان کا باعث ہیں- یہ دیکھیں آیا اللہ کا شکر کرتے ہو اور اس کی اطاعت کرتے ہو؟ یا ان میں مشغول ہو کر' ان کی محبت میں پھنس کر اللہ کی باتوں اور اس کی اطاعت سے ہٹ جاتے ہو؟ اسی طرح ہر خیر و شر سے اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''مسلمانو' مال و اولاد کے چکر میں اللہ کی یاد نہ بھول جانا' ایسا کرنے والے نقصان پانے والے ہیں'' - اور آیت میں ہے کہ تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں' ان سے ہوشیار رہنا' سمجھ لو کہ اللہ کے پاس اجر یہاں کے مال و اولاد سے بہت بہتر ہیں اور بہت بڑے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض تو دشمن ہی ہوتے ہیں اور اکثر بے نفع ہوتے ہیں- اللہ سبحانہ و تعالیٰ متصرف و مالک ہے' دنیا و آخرت اسی کی ہے' قیامت کے ثواب اسی کے قبضے میں ہیں- ایک اثر میں فرمان الٰہی ہے کہ اے ابن آدم مجھے ڈھونڈ' تو پائے گا' مجھے پالینا تمام چیزوں کو پالینا ہے' میرا فوت ہو جانا تمام چیزوں کا فوت ہو جانا ہے' میں تیری تمام چیزوں سے تیری محبت کا زیادہ حقدار ہوں-

صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے' تین چیزیں جس میں ہوں' اس نے ایمان کی مٹھاس چکھ لی' جسے اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ پیارے ہوں' جو محض اللہ کے لئے دوستی رکھتا ہو اور جسے آگ میں جل جانے سے بھی زیادہ برا ایمان کے بعد کفر کرنا معلوم ہوتا ہو- بلکہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی اولاد و مال اور نفس کی محبت پر مقدم ہے جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی باایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے نفس' اہل' مال' اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ
لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ
اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اے مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو اللہ تمہارے لئے نجات اور فتح کر دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے ○ اے نبی اللہ کی نعمت کی بھی یاد کر جبکہ کافر تیرے ساتھ فریب بازیاں کر رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلا وطن کر دیں، وہ مکر کر رہے تھے اور اللہ بھی مکر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ○

دنیا و آخرت کی سعادت مندی: ☆☆ (آیت:۲۹) فرقان سے مراد نجات ہے۔ دنیوی بھی اور اخروی بھی اور فتح و نصرت، غلبہ و امتیاز بھی مراد ہے جس سے حق و باطل میں تمیز ہو جائے۔ بات یہی ہے کہ جو اللہ کی فرمانبرداری کرے، نافرمانی سے بچے، اللہ اس کی مدد کرتا ہے، جو حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے، دنیا و آخرت کی سعادت مندی حاصل کر لیتا ہے، اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں، لوگوں سے پوشیدہ کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا وہ کامل مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ جیسے فرمان عالی شان ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْلَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی اے مسلمانو! اللہ کا ڈر دلوں میں رکھو، اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت کے دوہرے حصے دے گا اور تمہارے لئے ایک نور مہیا کر دے گا جس کے ساتھ تم چلتے پھرتے رہو گے اور تمہیں بخش بھی دے گا، اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش: ☆☆ (آیت:۳۰) کافروں نے یہی تین ارادے کئے تھے جب ابوطالب نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کفار کے راز اور ان کی پوشیدہ چالیں معلوم بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں وہ تین مشورے کر رہے ہیں، اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ نے فرمایا میرے پروردگار نے، اس نے کہا آپ کا پروردگار بہترین پروردگار ہے، تم اس کی خیر خواہی میں ہی رہنا، آپؐ نے فرمایا، میں اس کی خیر خواہی کیا کرتا، وہ خود میری حفاظت اور بھلائی کرتا ہے، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ لیکن اس واقعہ میں ابوطالب کا ذکر بہت غریب بلکہ منکر ہے اس لئے کہ آیت تو مدینے میں اتری ہے اور کافروں کا یہ مشورہ ہجرت کی رات تھا اور یہ واقعہ ابوطالب کی موت کے تقریباً تین سال بعد کا ہے، اسی کی موت نے ان کی جرأتیں دوبالا کر دی تھیں۔ اس ہمت اور نصرت کے بعد ہی تو کافروں نے آپ کی ایذا دہی پر کمر باندھی تھی۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ قریش کے تمام قبیلوں کے سرداروں نے دارالندوہ میں جمع ہونے کا ارادہ کیا، ملعون ابلیس انہیں ایک بہت بڑے مقطع بزرگ کی صورت میں ملا، انہوں نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ اس نے کہا، اہل نجد کا شیخ ہوں، مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگ آج ایک مشورے کی غرض سے جمع ہونے والے ہیں، میں بھی حاضر ہوا کہ اس مجلس میں شامل ہو جاؤں اور رائے میں اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہ کروں، آخر مجلس جمع ہوئی تو اس نے کہا، اس شخص کے بارے میں پورے غور و خوض سے کوئی صحیح رائے قائم کر لو، واللہ اس نے تو سب کا ناک میں دم کر دیا ہے، کسی نے کہا اسے قید کر دو پھر بھول جاؤ، یہ سڑ سڑ کر مر جائے گا جیسے کہ زہیر اور نابغہ وغیرہ

شاعروں کا حشر ہوا' یہ بھی تو ان ہی شاعروں میں سے ایک ہے۔ اس پر شیخ نجد (ابلیس) نے کہا' یہ رائے ٹھیک نہیں' دیکھو ایسا کرنے سے اس کے جتنے ساتھی ہیں' وہ اچانک حملہ کر کے تم پر چڑھائی کر دیں گے اور تم سے لڑ بھڑ کر اسے چھڑا لے جائیں گے' پھر یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اپنے حلیفوں سے مدد لے کر تم سے زبردست انتقام لے لیں' سب نے کہا شیخ جی سچ فرماتے ہیں' بھئی کوئی اور رائے پیش کرو' کسی نے کہا' اسے یہاں سے نکال دو' جلاوطن کر دو' پھر اس کے کرتوت تمہیں کوئی نقصان نہیں دیں گے' وہ یہاں سے دفع ہو جائیں گے کہیں منہ چھپائے پڑا رہے گا' تم اس کی ایذا سے چھوٹ جاؤ گے' غیروں میں اس کا برا حشر ہوگا۔ یہ سن کر شیخ نجد چلایا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں' تم نہیں دیکھتے کہ اس کی باتیں کیسی میٹھی ہیں؟ اس کی زبان کس قدر چلتی ہے؟ وہ دلوں پر کیسے قبضہ کر لیتا ہے؟ کوئی نہیں جو اس کی باتوں کا بھوکوں کی طرح مشتاق نہ رہتا ہو' واللہ اگر تم نے اسے یہاں سے نکالا تو وہ اپنی شیریں زبانی اور آتش بیانی سے ہزار ہا ساتھی پیدا کر لے گا اور پھر جو ادھر کا رخ کرے گا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا' پھر تو تمہارے شریفوں کو تہہ تیغ کر کے تم سب کو یہاں سے بیک بینی و دو گوش نکال باہر کرے گا۔ سب نے کہا شیخ جی سچ فرماتے ہیں اور کوئی رائے پیش کرو اس پر ابوجہل ملعون نے کہا' ایک رائے میری سن لو' میرا خیال ہے کہ تم سب کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی' بس یہی رائے ٹھیک ہے' تم اس پر بے فکر ہو کر عمل کرو' سب ۔۔ ہاں چچا جان بیان فرمائیے! اس نے کہا' ہر قبیلے سے ایک نوجوان جری بہادر شریف مانا ہوا شخص چن لو' پھر سب نوجوان ایک ساتھ اس پر حملہ کریں اور اپنی تلواروں سے اس کے ٹکڑے اڑا دیں' پھر تو اس کے قبیلے کے لوگ یعنی بنی ہاشم کو یہ تو ہمت نہ ہوگی کہ قریش کے تمام قبیلوں سے لڑیں' کیونکہ ہر قبیلے کا ایک نوجوان اس کے قتل میں شریک ہوگا' اس کا خون تمام قبائل قریش میں بٹا ہوا ہوگا' ناچار وہ دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں گے' ہم اس بلا سے چھوٹ جائیں گے اور اس شخص کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اب تو شیخ نجدی اچھل پڑا اور کہنے لگا اللہ جانتا ہے' بس یہی ایک رائے بالکل ٹھیک ہے' اس کے سوا کوئی اور بات سمجھ میں نہیں آتی' بس یہی کرو اور اس قصے کو ختم کرو' اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی' چنانچہ یہ پختہ فیصلہ کر کے یہ مجلس برخاست ہوئی اسی وقت حضرت جبرئیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے فرمایا' آج کی رات آپ اپنے گھر میں اپنے بستر پر نہ سوئیں' کافروں نے آپ کے خلاف آج میٹنگ میں یہ تجویز طے کی ہے' چنانچہ آپ نے یہی کیا' اس رات آپ اپنے گھر اپنے بستر پر نہ لیٹے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور آپ کے مدینے پہنچ جانے کے بعد اس آیت میں اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا اور ان کے اس فریب کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ الخ' اس دن کا نام ہی یوم الزحمہ ہو گیا' ان کے انہی ارادوں کا ذکر آیت وان کادوا لیستفزونک میں ہے۔ آنحضرت ﷺ مکہ شریف میں اللہ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ قریشیوں نے جمع ہو کر مکر کا ارادہ کیا' جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو خبر کر دی اور کہا کہ آج آپ اس مکان میں نہ سوئیں جہاں سویا کرتے تھے' آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے بستر پر اپنی سبز چادر اوڑھا کر لیٹنے کو فرمایا اور آپ باہر آئے' قریش کے مختلف قبیلوں کا مقررہ جتھا آپ کے دروازے کو گھیرے کھڑا تھا' آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اور کنکر بھر کر ان کے سروں اور ان کی آنکھوں میں ڈال کر سورۂ یاسین کی فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ تک کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتی ہوئی آئیں' آپ نے دریافت فرمایا کہ پیاری بیٹی کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا کہ ابا جی کیسے نہ روؤں' یہ قریش خانہ کعبہ میں جمع ہیں' لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کر یہ طے کیا ہے کہ ہر قبیلے کے لوگ آپ کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوں اور ایک ساتھ حملہ کر کے قتل کر دیں تاکہ الزام سب پر آئے اور ایک بلوہ قرار پائے' کوئی خاص شخص قاتل نہ ٹھہرے' آپ نے فرمایا' بیٹی پانی

لاؤ، پانی آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور مسجد حرام کی طرف چلے، انہوں نے آپ کو دیکھا اور دیکھتے ہی غل مچایا کہ لو وہ آ گیا، اٹھو، اسی وقت ان کے سر جھک گئے، ٹھوڑیاں سینے سے لگ گئیں، نگاہ اونچی نہ کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی بھر کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا، یہ منہ الٹے ہو جائیں گے، یہ چہرے برباد ہو جائیں، جس شخص پر ان کنکریوں میں سے کوئی کنکر پڑا، وہ ہی بدر والے دن کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رات کو مشرکوں کا مشورہ ہوا، کسی نے کہا، صبح کو اسے قید کر دو، کسی نے کہا مار ڈالو، کسی نے کہا دیس نکالا دے دو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس پر مطلع فرما دیا، اس رات حضرت علیؓ آپ کے بستر پر سوئے اور آپ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے، غار میں جا کر بیٹھ رہے، مشرکین یہ سمجھ کر کہ خود رسول اکرم ﷺ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، ساری رات پہرہ دیتے رہے، صبح سب کود کر اندر پہنچے، دیکھا تو حضرت علیؓ ہیں، ساری تدبیر چوپٹ ہو گئیں، پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، یہ لوگ قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے اس پہاڑ تک پہنچ گئے، وہاں سے پھر کوئی پتہ نہ چل سکا، پہاڑ پر چڑھ گئے، اس غار کے پاس سے گذرے لیکن دیکھا کہ وہاں مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے، کہنے لگے، اگر اس میں جاتے تو یہ جالا کیسے ثابت رہ جاتا؟ حضور ﷺ نے تین راتیں اسی غار میں گذاریں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مکر کیا، میں بھی ان سے ایسی مضبوط چال چلا کہ آج تجھے ان سے بچا کر لے ہی آیا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ
لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾
وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ
عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

جب ان کے سامنے ہماری کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں، ہم نے سن لیا، ہم آپ اگر چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں، یہ بجز اگلوں کی لکھی ہوئی کہانیوں کے ہے ہی کیا؟ ○ جبکہ انہوں نے کہا کہ الٰہی اگر یہ تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لا ○

عذاب الٰہی نہ آنے کا سبب، اللہ کے رسول اور استغفار : ☆☆ (آیت:۳۱-۳۲) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے غرور و تکبر، ان کی سرکشی اور ناحق شناسی، ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی حالت بیان کرتا ہے کہ جھوٹ موٹ بک دیتے ہیں کہ ہاں بھئی ہم نے قرآن سن لیا، اس میں رکھا کیا ہے، ہم خود قادر ہیں، اگر چاہیں تو اسی جیسا کلام کہہ دیں، حالانکہ وہ کہہ نہیں سکتے، اپنی عاجزی اور تہی دستی کو خوب جانتے ہیں لیکن زبان سے شیخی بگھارتے تھے، جہاں قرآن سنا تو اس کی قدر گھٹانے کے لئے بک دیا، جب کہ ان سے زبردست دعوے کے ساتھ کہا گیا کہ لاؤ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لاؤ تو سب عاجز ہو گئے، پس یہ قول صرف جاہلوں کی خوش طبعی کے لئے کہتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث ملعون تھا، یہ خبیث فارس کے ملک میں گیا تھا اور رستم و اسفندیار کے قصے یاد کر آیا تھا، یہاں حضورؐ کو نبوت مل چکی تھی، آپ لوگوں کو کلام اللہ شریف سنا رہے ہوتے، جب آپ فارغ ہوتے تو یہ اپنی مجلس جماتا اور فارس کے قصے سناتا، پھر فخراً کہتا کہو میرا بیان اچھا ہے یا محمد کا؟ صلی اللہ

علیہ وسلم۔ یہ بدر کے دن قید کر کے لایا گیا اور حضورؐ کے فرمان سے آپ کے سامنے اس کی گردن ماری گئی۔ فالحمد اللہ۔ اسے قید کرنے والے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔

عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، یہ تینوں اسی قید میں قتل کئے گئے۔ حضرت مقدادؓ نے کہا بھی کہ یا رسولؐ اللہ میرا قیدی؟ آپؐ نے فرمایا، یہ اللہ عزوجل کی کتاب کے بارے میں زبان درازی کرتا تھا، انہوں نے بعد از قتل پھر کہا کہ حضورؐ میں جسے باندھ کر لایا ہوں؟ آپ نے دعا کی کہ یا اللہ اپنے فضل سے مقداد کو غنی کر دے، آپ خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ حضورؐ یہی میرا مقصد اور مقصود تھا، اسی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک روایت میں طعیمہ کی بجائے مطعم بن عدی کا نام ہے لیکن یہ غلط ہے، بدر والے دن وہ تو زندہ ہی نہ تھا، بلکہ حضورؐ کا فرمان مروی ہے کہ اگر آج یہ زندہ ہوتا اور مجھ سے ان قیدیوں کو طلب کرتا تو میں اسے دے دیتا اس لئے کہ طائف سے لوٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو وہی اپنی پناہ میں مکہ میں لے گیا تھا۔ یہ کفار کہتے تھے کہ قرآن میں سوائے پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیوں کے کیا دھرا ہے، انہی کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتا رہتا ہے، حالانکہ یہ محض جھوٹ بات تھی جو انہوں نے گھڑ لی تھی، اسی لئے ان کے اس قول کو نقل کر کے جناب باری نے فرمایا ہے کہ انہیں جواب دے کہ اسے تو آسمان و زمین کی تمام غائب باتوں کے جاننے والے نے اتارا ہے جو غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے، توبہ کرنے والوں کی خطائیں معاف فرماتا ہے، اپنے سامنے جھکنے والوں پر بڑے کرم کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب تک تو ان میں موجود ہے، اللہ انہیں عذاب نہ کرے گا اور نہ اللہ انہیں اس حال میں عذاب کرنے والا ہے کہ وہ استغفار کرنے والے ہوں ○

(آیت: ۳۳) پھر ان کی جہالت کا کرشمہ بیان ہو رہا ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ یا اللہ اگر یہ حق ہے تو ہمیں اس کی ہدایت دے اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما لیکن بجائے اس کے یہ دعا کرنے لگے کہ ہمیں جلد عذاب کر۔ بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر چیز کا وقت مقرر ہے ورنہ ان پر بھی عذاب آ جاتا لیکن اگر تمہارا یہی حال رہا تو پھر بھی وہ دن دور نہیں کہ جب اچانک ان کی بے خبری میں اپنے وقت پر آ ہی جائے گا۔ یہ تو کہا کرتے تھے کہ ہمارا فیصلہ فیصلے کے دن سے پہلے ہی ہو جائے گا، بطور مذاق عذاب کے واقع ہونے کی درخواست کرتے تھے جو کافروں پر آنے والا ہے، جسے کوئی روک نہیں سکتا، جو اس اللہ کی طرف سے ہو گا جو سیڑھیوں والا ہے۔ پہلی امتوں کے جاہلوں کا بھی یہی وطیرہ رہا، قوم شعیبؑ نے کہا تھا کہ اے مدعی نبوت، اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کو گرا دے، اسی طرح ان لوگوں نے کہا، ابو جہل وغیرہ نے یہ دعا کی تھی جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ رسول اللہؐ کی موجودگی میں انہی میں سے بعض کا استغفار اللہ کی عذاب کی ڈھال ہے۔ نضر بن حارث بن کلدہ نے بھی یہی دعا کی تھی جس کا ذکر سَاَلَ سَآئِلٌ میں ہے۔ ان کے اسی قول کا ذکر آیت وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا الخ، میں ہے اور آیت وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی الخ میں ہے اور آیت سَاَلَ سَآئِلٌ الخ، میں ہے۔

غرض دس سے اوپر اوپر آیات اس بیان میں ہیں۔ عمرو بن عاص جنگ احد میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ اگر محمد (ﷺ) کا لایا ہوا دین حق ہے تو مجھے میرے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے، گو اس امت کے بے وقوفوں نے یہ تمنا کی لیکن اللہ نے اس امت پر رحم فرمایا اور جواب دیا کہ ایک تو پیغمبر کی موجودگی عام عذاب سے مانع ہے، دوسرے تم لوگوں کا استغفار۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ مشرک حج میں طواف کے وقت کہتے تھے لبیك اللھم لبیك لبیك لا شریك لك اسی وقت رسول اللہ ﷺ فرماتے بس بس لیکن وہ پھر کہتے الاشریك ھو لك تملکه وما ملك یعنی ہم حاضر ہیں' اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں' پھر کہتے' ہاں وہ شریک جو خود بھی تیری ملکیت میں ہیں اور جن چیزوں کے وہ مالک ہیں' ان کا بھی اصل مالک تو ہی ہے اور کہتے غفرانك غفرانك اے اللہ ہم تجھ سے استغفار کرتے ہیں' اے اللہ تو ہمیں معاف فرما' اسی طلب بخشش کو عذاب کے جلد نہ آنے کا سبب بتایا گیا ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں ان میں دو سبب تھے' ایک تو نبی ﷺ' دوسرے استغفار' پس آپؐ تو چل دیئے اور استغفار باقی رہ گیا' قریشی آپس میں کہا کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) کو اللہ نے ہم میں سے ہم پر بزرگ بنایا' اے اللہ اگر یہ سچا ہے تو تو ہمیں عذاب کر' جب ایمان لائے تو اپنے اس قول پر بڑے ہی نادم ہوئے اور استغفار کیا' اسی کا بیان دوسری آیت میں ہے۔ پس انبیاء کی موجودگی میں قوموں پر عذاب نہیں آتا ہاں وہ نکل جائیں پھر عذاب برس پڑتے ہیں اور چونکہ ان کی قسمت میں ایمان تھا اور بعد از ایمان وہ استغفار کرنے والے یعنی نمازی بننے والے تھے' اس لئے بھی ان سے عذاب ٹلتا رہا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ خود مکہ میں ان ہی میں سے مومن تھے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے' پس آنحضرت ﷺ کی موجودگی اور مسلمانوں کا استغفار اہل مکہ کے لئے باعث امن وامان تھا۔ امن کی ان دو وجوہات میں سے ایک تو اب نہ رہا' دوسرا اب بھی موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے' مجھ پر دو امن میری امت کے لئے اترے ہیں' ایک میری موجودگی' دوسرے ان کا استغفار' پس جب میں چلا جاؤں گا تو استغفار قیامت تک کے لئے ان میں چھوڑ جاؤں گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان نے کہا' اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم' میں تو جب تک تیرے بندوں کے جسم میں روح ہے انہیں بہکاتا رہوں گا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا' مجھے بھی میری جلالت اور میری بزرگی کی قسم' جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے' میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا (مستدرک حاکم) مسند احمد میں ہی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بندہ اللہ کے عذابوں سے امن میں رہتا ہے جب تک وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرتا رہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ
عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

کوئی وجہ نہیں کہ اللہ انہیں عذاب نہ کرے' یہ تو لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور یہ اس مسجد کے متولی ہونے کے لائق بھی نہیں ہیں' اس کے سزاوار تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن اکثر کافر بے علم ہیں ○ ان کی تو نماز بھی خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے اور کچھ نہیں' تو جیسا کفر کرتے رہے' اس کے بدلے عذاب چکھو ○

عذاب الٰہی نہ آنے کا مزید بیان: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) ارشاد ہے کہ فی الواقع کفار عذابوں کے لائق ہیں لیکن آنحضرت ﷺ

کی موجودگی کی وجہ سے ان سے عذاب رکے ہوئے ہیں چنانچہ آپ کی ہجرت کے بعد ان پر عذاب الٰہی آیا بدر کے دن ان کے تمام سردار مار ڈالے گئے یا قید کر دیئے گئے ۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں استغفار کی ہدایت کی کہ اپنے شرک وفساد سے ہٹ جائیں اور اللہ سے معافی طلب کریں ۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ معافی نہیں مانگتے تھے ورنہ عذاب نہ ہوتا، ہاں ان میں جو کمزور مسلمان رہ گئے تھے اور ہجرت پر قادر نہ تھے، وہ استغفار میں لگے رہتے تھے اور ان کی ان میں موجودگی اللہ کے عذابوں کے رکنے کا ذریعہ تھی ۔ چنانچہ حدیبیہ کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد الٰہی ہے هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یعنی یہ مکہ والے ہی تو وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی نہ آنے دیا کہ وہ جہاں تھے، وہیں رکے کھڑے رہے اور اپنے حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ سکے اور اگر شہر مکہ میں کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں ایسی نہ ہوتیں کہ تم ان کے حال سے واقف نہیں تھے اور عین ممکن تھا کہ لڑائی کی صورت میں تم انہیں بھی پامال کر ڈالتے اور نادانستہ ان کی طرف سے تمہیں نقصان پہنچ جاتا تو بے شک تمہیں اسی وقت لڑائی کی اجازت مل جاتی، اس وقت کی صلح اس لئے ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں لے لے، اگر مکہ میں رکے ہوئے مسلمان وہاں سے کہیں ہجرت کر جاتے تو یقیناً ان کافروں کو دردناک مار ماری جاتی ۔

پس آنحضرت ﷺ کی موجودگی اہل مکہ کے لئے باعث امن رہی، پھر حضورؐ کی ہجرت کے بعد جو ضعیف مسلمان وہاں رہ گئے تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے، ان کی موجودگی کی وجہ سے عذاب نہ آیا، جب وہ بھی مکہ سے نکل گئے تب یہ آیت اتری کہ اب کوئی مانع باقی نہ رہا، پس مسلمانوں کو مکہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مل گئی اور یہ مفتوح ہوئے ۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر مراد ان کا خود کا استغفار ہو تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ۔ چنانچہ حسن بصریؒ وغیرہ کا یہ قول بھی ہے کہ اہل مکہ سے جنگ بھی ہوئی، انہیں ضرر بھی پہنچے، ان پر قحط سالیاں بھی آئیں، پس ان مشرکوں کا اس آیت میں استثنا کر لیا گیا ہے، انہیں اللہ کے عذاب کیوں نہ ہوں؟ یہ مومن لوگوں کو کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں، جو مومن بوجہ اپنی کمزوری کے اب تک مکہ میں ہی ہیں اور ان کے سوا اور مومنوں کو بھی طواف ونماز سے روکتے ہیں، حالانکہ اصل اہلیت ان ہی میں ہے، ان مشرکوں میں اس کی اہلیت نہیں جیسے فرمان ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ الخ مشرکین اللہ کے گھروں کی آبادی کے اہل نہیں، وہ تو کفر میں مبتلا ہیں، ان کے اعمال اکارت ہیں اور وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں ۔ مسجدوں کی آبادی کے اہل اللہ پر، قیامت پر ایمان رکھنے والے، نمازی، زکوۃ ادا کرنے والے، صرف خوف الٰہی رکھنے والے ہی ہیں اور وہی راہ یافتہ لوگ ہیں ۔ اور آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا، اللہ کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام کی بے حرمتی کرنا، اس کے لائق لوگوں کو اس سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے ۔

آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے دوست کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہر ایک پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والا پھر آپ نے پڑھا ان اولیاء ہ الا المتقون ۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضورؐ نے قریشیوں کو جمع کیا، پھر پوچھا کہ تم میں اس وقت کوئی اور تو نہیں؟ انہوں نے کہا بہنوں کی اولاد اور حلیف اور مولیٰ ہیں، فرمایا کہ یہ تینوں تو تم میں سے ہی ہیں، سنو تم میں سے میرے دوست وہی ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری والے ہوں ۔

پس اللہ کے اولیاء محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنھم ہیں اور تمام مجاہد خواہ وہ کوئی ہو اور وہ کہیں کے ہوں پھر ان کی ایک اور شرارت اور بے ڈھنگا پن بیان فرماتا ہے ۔ کعبہ میں آ کر کیا کرتے ہیں؟ یا تو جانوروں کی سی سیٹیاں بجاتے تھے، منہ میں انگلیاں رکھیں اور سیٹیاں شروع کر دیں یا تالیاں پیٹنے لگے، طواف کرتے ہیں تو ننگے ہو کر، رخسار جھکا کر، سیٹی بجائی، تالی بجائی، چلئے نماز ہوگئی، کبھی رخسار زمین پر لٹکالیا، بائیں طرف سے طواف کیا ۔ یہ بھی مقصود تھا کہ حضورؐ کی نماز بگاڑیں، مومنوں کا مذاق اڑائیں، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکیں حکم

ہوتا ہے کہ لواب اپنے کفر کا بھرپور پھل چکھو۔ بدر کے دن قید ہو کے قتل ہوئے' تلوار چلی' چیخ اور زلزلے آئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ
حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ
يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ
وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰي بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا
فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ ع ٩ ١٨

جولوگ راہ اللہ سے روکتے ہیں' اپنے مال خرچ کرتے ہیں وہ خرچ کرلیں' آخر میں یہ خرچ ان کے لئے باعث ندامت ہوگا' پھر وہ ہار بھی جائیں گے کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہی ہوگا ○ اس لئے کہ اللہ بروں کو بھلوں سے الگ الگ کر دے اور بروں کو بعض کو بعض پر تہہ بہ تہہ کر کے سب کو ایک ساتھ جہنم میں کر دے' یہی ہیں نقصان اٹھانے والے ○

شکست خوردہ کفار کی سازشیں: ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) قریشیوں کو بدر میں شکست فاش ہوئی' اپنے مردے اور اپنے قیدی مسلمانوں کے ہاتھوں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے' ابوسفیان اپنا قافلہ اور مال ومتاع لے کر پہنچا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ' عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ اور وہ لوگ جن کے عزیز واقارب اس لڑائی میں کام آئے تھے' ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری کیا درگت ہوئی؟ اب اگر آپ رضامند ہوں تو یہ سارا مال روک لیا جائے اور اسی خزانے سے دوسری جنگ کی تیاری وسیع پیمانے پر کی جائے اور انہیں مزہ چکھا دیا جائے چنانچہ یہ بات مان لی گئی اور پختہ ہوگئی' اسی پر یہ آیت اتری کہ خرچ کر و ورنہ یہ بھی غارت ہو جائے گا اور دوبارہ منہ کی کھاؤ گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت بھی بدر کے بارے میں اتری ہے۔ الفاظ آیت کے عام ہیں گو سبب نزول خاص ہو' حق کو روکنے کے لیے جو بھی مال خرچ کرے' وہ آخر ندامت کے ساتھ رہ جائے گا' دین کا چراغ انسانی پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا' اس خواہش کا انجام نامرادی ہی ہے' خود اللہ اپنے دین کا ناصر اور حافظ ہے' اس کا کلمہ بلند ہوگا' اس کا بول بالا ہوگا' اس کا دین غالب ہوگا' کفار منہ دیکھتے رہ جائیں گے' دنیا میں الگ رسوائی اور ذلت ہوگی' آخرت میں الگ بربادی اور خواری ہوگی' جیتے جی یا تو اپنے سامنے اپنی پستی' ذلت' نکبت و ادبار اور خواری دیکھ لیں گے یا مرنے پر عذاب نار دیکھ لیں گے' پستی وغلامی کی مار اور شکست ان کے ماتھے پر لکھ دی گئی ہے' پھر ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے' تاکہ اللہ شقی اور سعید کو الگ الگ کر دے' برے اور بھلے کو ممتاز کر دے۔ یہ تفریق اور امتیاز آخرت میں ہوگی اور دنیا میں بھی فرمان ہے ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا الخ قیامت کے دن ہم کافروں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے معبود یہیں اسی جگہ ٹھہرے رہو۔ اور آیت میں ہے' قیامت کے دن یہ سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے کہ اس دن یہ ممتاز ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اے گنہگارو تم آج نیک کاروں سے الگ ہو جاؤ۔ اسی طرح دنیا میں بھی ایک دوسرے سے بالکل ممتاز تھے۔ مومنوں کے اعمال ان کے اپنے ہیں اور ان سے بالکل جداگانہ۔ لام لام تولیل ہوسکتا ہے یعنی کافر اپنے

مالوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں تا کہ مومن و کافر میں علیحدگی ہو جائے کہ کون اللہ کا فرمانبردار ہے اور کون نافرمانی میں ممتاز ہے؟ چنانچہ فرمان ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ الخ یعنی دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ کے وقت جو کچھ تم سے ہوا' وہ اللہ کے حکم سے تھا تا کہ مومنوں اور منافقوں میں تمیز ہو جائے' ان سے جب کہا گیا کہ آ ؤ راہ حق میں جہاد کرو یا دشمنوں کو دفع کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم فنون جنگ سے واقف ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اور آیت میں ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ الخ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری موجودہ حالتوں پر ہی چھوڑنے والا نہیں' وہ پاک اور پلید کو علیحدہ علیحدہ کرنے والا ہے اور یہ ہی نہیں کہ اللہ تمہیں اپنے غیب پر خبردار کر دے۔ فرمان ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک تو اللہ نے تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو کھلم کھلا نہیں کیا' سورہ برات میں بھی اسی جیسی آیت موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں کافروں کے ہاتھوں میں اس لیے مبتلا کیا ہے اور اس لیے انہیں اپنے مال باطل میں خرچ کرنے پر لگایا ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہو جائے' خبیث کو خبیث سے ملا کر جمع کر کے جہنم میں ڈال دے اور دنیا و آخرت میں یہ لوگ برباد ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ
مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

ان کافروں سے کہہ دے کہ اگر اب بھی یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو جو کچھ گذر چکا' انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر یہ پھر لوٹیں گے تو یقیناً اگلے کافروں کی روش گذر چکی ہے ○ اور ان سے جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے' اگر یہ لوگ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ جو یہ کر رہے ہیں۔ اور اگر یہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا والی اور دوست ہے' وہ بہت ہی اچھا دوست اور بہت بہتر مددگار ہے ○

فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) کافروں سے کہہ دے کہ اگر وہ اپنے کفر سے اور ضد سے باز آ جائیں' اسلام اور اطاعت قبول کر لیں' رب کی طرف جھک جائیں تو ان سے جو ہو چکا ہے' سب معاف کر دیا جائے گا' کفر بھی' خطا بھی' گناہ بھی۔ حدیث میں ہے' جو شخص اسلام لا کر نیکیاں کرے' وہ اپنے جاہلیت کے اعمال پر پکڑا نہ جائے گا اور اسلام میں بھی پھر برائیاں کرے تو اگلی پچھلی تمام خطاؤں پر اس کی پکڑ ہو گی۔ اور حدیث میں ہے اسلام سے پہلے کے سب گناہ معاف ہیں' توبہ بھی اپنے سے پہلے کے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ نہ مانیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو وہ اگلوں کی حالت دیکھ لیں کہ ہم نے انہیں ان کے کفر کی وجہ سے کیسا غارت کیا؟ ابھی بدری کفار کا حشر بھی ان کے سامنے ہے' جب تک فتنہ باقی ہے' تم جنگ جاری رکھو۔ دو مسلمان گروہوں کا آپس میں لڑنا اور فتنہ کیا ہے؟ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آیت وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا الخ' کو پیش نظر رکھ کر

آپ اس وقت کی باہمی جنگ میں شرکت کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا' تم لوگوں کا یہ طعنہ اس سے بہت ہلکا ہے کہ میں کسی مومن کو قتل کر کے جہنمی بن جاؤں۔

جیسے فرمان الٰہی ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ اس نے کہا' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فتنہ باقی ہو تب تک لڑائی جاری رکھو' آپ نے فرمایا یہی ہم نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کیا' اس وقت مسلمان کم تھے' انہیں کافر گرفتار کر لیتے تھے اور دین میں فتنے ڈالتے تھے یا تو قتل کر ڈالتے تھے یا قید کر لیتے تھے' جب مسلمان بڑھ گئے' وہ فتنہ جاتا رہا' اس نے جب دیکھا کہ آپؓ مانتے نہیں تو کہا' اچھا حضرت علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت عثمانؓ کو اللہ نے معاف فرمایا لیکن تمہیں اللہ کی وہ معافی بری معلوم ہوتی ہے'' حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد تھے' یہ ہیں آپ کی صاحبزادی' یہ کہتے ہوئے ان کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ ابن عمرؓ ایک مرتبہ لوگوں کے پاس آئے تو کسی نے کہا کہ اس فتنے کے وقت کی لڑائی کی نسبت جناب کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو فتنے سے کیا مراد ہے؟ آنحضرت ﷺ کافروں سے جنگ کرتے تھے' اس وقت ان کا زور تھا' ان میں جانا فتنہ تھا' تمہاری تو یہ ملکی لڑائیاں ہیں' اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے زمانے میں دو شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں' وہ آپ کے سامنے ہے' آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور رسول ﷺ کے صحابی ہیں' آپ کیوں میدان جنگ میں نہیں اترے؟ فرمایا اس لئے کہ اللہ نے ہر مومن کا خون حرام کر دیا ہے' انہوں نے کہا' فتنے کے باقی رہنے تک لڑنا اللہ کا حکم نہیں؟ آپ نے فرمایا ہے اور ہم نے اسے نبھایا بھی یہاں تک کہ فتنہ دور ہو گیا اور دین سب اللہ ہی کا ہو گیا' اب تم اپنی اس باہمی جنگ سے فتنہ کھڑا کرنا اور غیر اللہ کے دین کے لئے ہو جانا چاہتے ہو۔ ذوالسبطین حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے' میں ہرگز اس شخص سے جنگ نہ کروں گا' جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو' حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس کی تائید کی اور فرمایا' میں بھی یہی کہتا ہوں تو ان پر بھی یہی آیت پیش کی گئی اور یہی جواب آپ نے بھی دیا۔ بقول ابن عباسؓ وغیرہ فتنہ سے مراد شرک ہے اور یہ بھی کہ مسلمانوں کی کمزوری ایسی نہ رہے کہ کوئی انہیں ان کے سچے دین سے مرتد کرنے کی طاقت رکھے' دین سب اللہ کا ہو جائے یعنی توحید نکھر جائے' لا الہ الا اللہ کا کلمہ زبانوں پر چڑھ جائے' شرک اور معبودان باطل کی پرستش اٹھ جائے' تمہارے دین کے ساتھ کفر باقی نہ رہے۔

بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں' جب وہ اسے کہہ لیں گے تو مجھ سے اپنی جانیں اور اپنے مال بچا لیں گے' ہاں حق اسلام کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری کے لئے' ایک شخص غیرت کے لئے' ایک شخص ریاکاری کے لئے لڑائی کر رہا ہے تو ان میں سے کون اللہ کی راہ میں ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی غرض سے جہاد کرے' وہ اللہ کی راہ میں ہے' پھر فرمایا کہ اگر تمہارے جہاد کی وجہ سے یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو تم ان سے لڑائی موقوف کر دو' ان کے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو' اللہ ان کے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔

جیسے فرمان ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ الخ یعنی اگر یہ توبہ کر لیں اور نمازی اور زکوۃ دینے والے بن جائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو' ان کے راستے نہ روکو۔ اور آیت میں ہے کہ اس صورت میں وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے' پھر اگر گروہ باز آ جائیں تو زیادتی کا بدلہ تو صرف ظالموں کے لئے ہی

ہے۔ ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ ایک شخص پر تلوار لے کر چڑھ گئے' جب وہ زد میں آ گیا اور دیکھا کہ تلوار چلا چاہتی ہے تو اس نے جلدی سے لا الہ الا اللہ کہہ دیا' لیکن اس کے سر پر تلوار پڑ گئی اور وہ قتل ہو گیا' جب حضور ﷺ سے اس واقعہ کا بیان ہوا تو آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا' کیا تو نے اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا؟ تو لا الہ الا اللہ کے ساتھ قیامت کے دن کیا کرے گا؟ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو اس نے صرف اپنے بچاؤ کے لئے کہا تھا' آپ نے فرمایا' کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ بتا کون ہوگا جو قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا مقابلہ کرے' بار بار آپ یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میرے دل میں خیال آنے لگا کہ کاش کہ میں آج کے دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا؟

پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ اب بھی باز نہ رہیں' تمہاری مخالفت اور تم سے لڑائی نہ چھوڑیں تو تم یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولا' تمہارا مالک' تمہارا مددگار اور ناصر ہے' وہ تمہیں ان پر غالب کرے گا' وہ بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت عروہؓ سے کچھ باتیں دریافت کی تھیں جس کے جواب میں آپ نے انہیں لکھا' سلام علیک کے بعد میں آپ کے سامنے اس اللہ کی تعریفیں کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' بعد حمد وصلوۃ کے آپ کا خط ملا آپ نے ہجرت رسول اللہ ﷺ کی بابت مجھ سے سوال کیا ہے' میں آپ کو اس واقعہ کی خبر لکھتا ہوں' اللہ ہی کی مدد پر خیر کرنا اور شر سے روکنا موقوف ہے' مکہ سے آپ کے تشریف لے جانے کا واقعہ یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت دی' سبحان اللہ کیسے اچھے نبی' کیسے اچھے پیشوا بہترین رہنما تھے' اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے' ہمیں جنت میں آپؐ کی زیارت نصیب فرمائے' ہمیں آپؐ ہی کے دین پر زندہ رکھے' اسی پر موت دے اور اسی پر قیامت کے دن کھڑا کرے' آمین۔ جب آپؐ نے اپنی قوم کو ہدایت اور نور کی طرف دعوت دی جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا تو شروع شروع تو انہیں کچھ زیادہ برا معلوم نہیں ہوا بلکہ قریب تھا کہ آپ کی باتیں سننے لگیں' مگر جب ان کے معبودان باطل کا ذکر آیا' اس وقت وہ بگڑ بیٹھے' آپ کی باتوں کا برا ماننے لگے آپؐ پر سختی کرنے لگے اسی زمانے میں طائف کے چند قریش مال لے کر پہنچے' وہ بھی ان کے شریک حال ہو گئے' اب آپؐ کی باتوں کے ماننے والے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے لگے جس کی وجہ سے عام لوگ آپ کے پاس آنے جانے سے ہٹ گئے سوائے ان چند ہستیوں کے جو اللہ کی حفاظت میں تھیں' یہی حالت ایک عرصے تک رہی جب تک کہ مسلمانوں کی تعداد کی کمی زیادتی کی حد تک نہیں پہنچی تھی پھر سرداران کفر نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب تک کہ جتنے لوگ ایمان لا چکے ہیں' ان پر اور زیادہ سختی کی جائے' جو [illegible] کا رشتہ د[illegible]ر قریبی ہو وہ اسے ہر طرح تنگ کرے تاکہ وہ رسول اکرم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں' اب فتنہ بڑھ گیا اور بعض لوگ ان کی سزاؤں کی تاب نہ لا کر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے' کھرے اور ثابت قدم لوگ دین حق پر اس مصیبت کے زمانے میں بھی جمے رہے اور اللہ نے انہیں مضبوط کر دیا اور محفوظ رکھ لیا' آخر جب تکلیفیں حد سے بڑھنے لگیں تو رسول مقبول ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت د[illegible]' حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک نیک آدمی تھا' اس کی سلطنت ظلم وزیادتی سے خالی تھی ہر طرف اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں' یہ جگہ قریش کی تجارتی منڈی تھی جہاں ان کے تاجر رہا کرتے تھے اور بے خوف وخطر بڑی بڑی تجارتیں کیا کرتے تھے۔

پس جو لوگ یہاں مکہ میں کافروں کے ہاتھوں بہت تنگ آ گئے تھے اور اب مصیبت جھیلنے کے قابل نہیں رہے تھے اور ہر وقت انہیں اپنے دین کے اپنے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا خطرہ لگا رہتا تھا' وہ سب حبشہ چلے گئے' لیکن خود حضور ﷺ یہیں ٹھہرے رہے' اس پر بھی جب کئی سال گذر گئے تو یہاں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی' اسلام پھیل گیا اور شریف اور سردار لوگ بھی اسلامی جھنڈے تلے آ گئے'

یہ دیکھ کر کفار کو اپنی دشمنی کا جوش ٹھنڈا کرنا پڑا، وہ ظلم وزیادتی سے بالکل تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ رک گئے۔

پس وہ فتنہ جس کے زلزلوں نے صحابہؓ کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا، اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکے شریف واپس چلے آئیں، چنانچہ وہ بھی تھوڑے بہت آ گئے۔ اسی اثناء میں مدینہ شریف کے چند انصار مسلمان ہو گئے، ان کی وجہ سے مدینہ شریف میں بھی اشاعت اسلام ہونے لگی، ان کا مکہ شریف آنا جانا شروع ہوا، اس سے مکہ والے کچھ بگڑے اور بھرکرارادہ کرلیا کہ دوبارہ سخت سختی کریں چنانچہ دوسری مرتبہ پھر فتنہ شروع ہوا ہجرت پر پہلے فتنے نے آمادہ کیا واپسی پر پھر فتنہ پھیلا، اب ستر بزرگ سرداران مدینہ یہاں آئے اور مسلمان ہو کر آنحضرت رسول مقبول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ موسم حج کے موقعہ پر آئے تھے، عقبہ میں انہوں نے بیعت کی، عہد و پیمان، قول وقرار ہوئے کہ ہم آپ کے اور آپ ہمارے، اگر کوئی بھی آپ کا آدمی ہمارے ہاں آ جائے تو ہم اس کے امن وامان کے ذمے دار ہیں، خود آپ اگر تشریف لائیں تو ہم جان ومال سے آپ کے ساتھ ہیں اس چیز نے قریش کو اور بھڑکا دیا اور انھوں نے کمزور اور ضعیف مسلمانوں کو مزید ستانا شروع کر دیا، ان کی سزائیں بڑھا دیں اور خون کے پیاسے ہو گئے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ مدینہ شرف کی طرف ہجرت کر جائیں، یہ تھا آخری اور انتہائی فتنہ جس نے نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی نکالا بلکہ خود اللہ کے محترم رسول ﷺ بھی مکہ کو خالی کر گئے، یہی ہے، وہ جسے اللہ فرماتا ہے، ان سے جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور سارا دین اللہ کا ہی ہو جائے۔

الحمدللہ نویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے

تفسیر ابنِ کثیر

پارہ نمبر
۱۰

چند اہم مضامین کی فہرست

- مال غنیمت کی تقسیم کا بیان ۴۱۰
- اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے ذریعے ایمان کو کفر سے ممتاز کر دیا ۴۱۴
- جہاد کے وقت کثرت سے اللہ کا ذکر ۴۱۷
- میدان بدر میں ابلیس مشرکین کا ہمراہی تھا ۴۱۸
- کفار کے لیے سکرات موت کا وقت بڑا شدید ہے ۴۲۲
- اللہ ظالم نہیں' لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ۴۲۳
- زمین کی بدترین مخلوق وعدہ خلاف کفار ہیں ۴۲۳
- کفار کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہو ۴۲۴
- ایک غازی دس کفار پہ بھاری ۴۲۸
- اسیرانِ بدر اور مشورہ ۴۲۹
- مجاہدین بدر کی شان ۴۳۳
- دو مختلف مذہب والے آپس میں دوست نہیں ہو سکتے ۴۳۵
- مہاجر اور انصار میں وحدت ۴۳۵
- جہاد اور حرمت والے مہینے ۴۴۱
- پابندی عہد کی شرائط ۴۴۳
- جہاد ہی راہ اصلاح ہے ۴۴۴
- وعدہ خلاف قوم کو دنداں شکن جواب دو ۴۴۵
- ظالموں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچاؤ ۴۴۵
- سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں جہاد ہے ۴۴۸
- ترک موالات ومودت کا حکم ۴۵۰
- نصرت الٰہی کا ذکر ۴۵۱
- مشرکین کو حدود حرم سے نکال دو ۴۵۵
- بزرگ بڑے نہیں اللہ جل شانہ سب سے بڑا ہے ۴۵۷
- احترام آدمیت کا منشور ۴۶۵
- احکامات دین میں ردوبدل انتہائی مذموم سوچ ہے ۴۶۹
- غزوہ تبوک اور جہاد سے گریزاں لوگوں کو انبیاء ۴۷۱
- جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے ۴۷۳
- عیار لوگوں کو بے نقاب کر دو ۴۷۴
- نہ ادھر کے نہ ادھر کے ۴۷۵
- غلط گو غلط کار کفار و منافق ۴۷۶
- فتنہ و فساد کی آگ منافق ۴۷۷
- جد بن قیس جیسے بدتمیزوں کا حشر ۴۷۷
- بدفطرت لوگوں کا دوغلا پن ۴۷۸
- شہادت ملی تو جنت، بچ گئے تو غازی ۴۷۸
- کثرت مال و دولت عذاب بھی ہے ۴۷۹
- جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی حقیقت ۴۸۰
- مال و دولت کے حریص منافق ۴۸۰
- نکتہ چین منافقوں کا مقصد ۴۸۲
- نادان اور کوڑھ مغز کون؟ ۴۸۴
- مسلمان باہم گفتگو میں محتاط رہا کریں ۴۸۵
- ایک کے ہاتھ نیکیوں کے کھیت دوسرے ہاتھ برائیوں کی وبا ۴۸۶
- بدکاروں کے ماضی سے عبرت حاصل کرو ۴۸۸
- مسلمان ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں ۴۸۹
- مومنوں کو نیکیوں کے انعامات ۴۸۹
- دعا قبول ہوئی تو اپنا عہد بھول گیا ۴۹۵
- منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز ۴۹۶
- منافق کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت ہے ۴۹۸
- جہنم کی آگ کالی ہے ۴۹۸
- منافقوں کا جنازہ ۵۰۰
- منافق کی آخرت خراب ۵۰۳
- عدم جہاد کے شرعی عذر ۵۰۳

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ
الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور راہ چلتے مسافروں کا۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتارا ہے جو دن حق و باطل کی جدائی کا تھا۔ جس دن دو فوجیں بھڑ گئی تھیں، اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

مال غنیمت کی تقسیم کا بیان : ☆☆ (آیت:۴۱) سابقہ تمام امتوں پر مال غنیمت حرام رہا، لیکن اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اسے حلال کر دیا، اس کی تقسیم کی تفصیل یہاں بیان ہو رہی ہے۔ مال غنیمت وہ ہے جو مسلمانوں کو جہاد کے بعد کافروں سے ہاتھ لگے اور جو مال بغیر لڑے جنگ کے ہاتھ آئے، مثلاً صلح ہو گئی اور مقررہ تاوان جنگ ان سے وصول کیا، یا کوئی مر گیا اور لاوارث تھا، یا جزیہ اور خراج کی رقم وغیرہ، وہ فے ہے۔ سلف و خلف کی ایک جماعت اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے۔ بعض لوگ غنیمت کا اطلاق فے پر اور فے کا اطلاق غنیمت پر بھی کرتے ہیں، اس لئے قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت سورہ حشر کی آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ، کی ناسخ ہے۔ اب مال غنیمت کے پانچ حصے ہوں گے، چار حصے مجاہدین کے اور ایک حصہ ان کا جن کا بیان اس آیت میں ہے، لیکن یہ قول بعید از قیاس ہے، اس لئے کہ یہ آیت بدر کے واقعہ کے بعد اتری ہے اور وہ آیت بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

علماء سیر و مغازی کا اتفاق ہے کہ واقعہ بنونضیر واقعہ بدر کے بعد کا ہے اور اس بات میں تو کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ جو لوگ فے اور غنیمت میں فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت تو فے کے بارے میں ہے اور یہ غنیمت کے بارے میں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ ان دونوں قسم کے مال کی تقسیم امام کی رائے پر ہے۔ پس مقررہ حشر کی آیت اور اس آیت میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ امام کی مرضی ہو۔ واللہ اعلم۔ آیت میں بیان ہے کہ خمس یعنی پانچواں حصہ مال غنیمت میں سے نکال دینا چاہیے، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ہو، گو سوئی ہو یا دھاگہ ہو۔ پروردگار عالم فرماتا ہے، جو خیانت کرے گا، وہ اسے لے کر قیامت کے دن پیش ہوگا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا بدلہ ملے گا، کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ خمس میں سے اللہ کے لئے مقرر شدہ حصہ کعبہ میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت ابو العالیہ ریاحی کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال کے رسول اللہ ﷺ پانچ حصے کرتے تھے، چار مجاہدین میں تقسیم ہوتے، پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر کر نکال لیتے اور اسے کعبہ میں داخل کر دیتے، پھر جو بچا اس کے پانچ حصے کر ڈالتے، ایک رسول اللہ ؐ کا، ایک قرابت داروں کا، ایک یتیموں کا، ایک مسکینوں کا، ایک مسافروں کا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ کا نام صرف بطور تبرک ہے، گویا رسول اللہ ﷺ کے حصے کے بیان کا وہ شروع ہے۔ ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ جب حضور ؐ کوئی لشکر بھیجتے اور مال غنیمت کا مال ملتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کر ڈالتے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

پس یہ فرمان کہ اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ یہ صرف کلام کے شروع کے لئے ہے، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، اللہ کا ہے، پانچویں حصے میں

سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ اللہ رسول کا ایک ہی حصہ ہے، اس کی تائید بیہقی کی اس صحیح سند والی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے وادی القریٰ میں آ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ غنیمت کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے، باقی کے چار حصے لشکریوں کے، اس نے پوچھا تو اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، یہاں تک کہ تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں۔

حضرت حسنؓ نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا، کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضامند نہ ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے برابر کئے جاتے تھے، چار تو ان لشکریوں کو ملتے تھے جو اس جنگ میں شامل تھے، پھر پانچویں حصے کے چار حصے کئے جاتے تھے، ایک چوتھائی اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا، پھر یہ حصہ آنحضرت ﷺ لیتے تھے یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ آپ اور آپ کے بعد جو بھی آپ کا نائب ہو، اس کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں، اللہ کا حصہ اللہ کے نبی کا ہے اور جو آپ کا حصہ تھا، وہ آپ کی بیویوں کا ہے۔ عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کا جو حصہ ہے، وہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کا ہے آپ کو اختیار ہے جس کام میں آپ چاہیں لگائیں۔ مقدام بن معدی کرب، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابودرداء حضرت حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ان میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ذکر ہونے لگا تو ابودرداء نے عبادہ بن صامت سے کہا، فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے ایک جہاد میں خمس کے ایک اونٹ کے پیچھے صحابہ کو نماز پڑھائی، سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال اپنی چٹکی میں لے کر فرمایا کہ مال غنیمت کے اونٹ کے یہ بال بھی مال غنیمت میں سے ہی ہیں اور میرے نہیں ہیں، میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دے دیا جاتا ہے، پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو، خیانت نہ کرو، خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والوں کے لئے دونوں جہان میں آگ ہے، قریب والوں سے، دور والوں سے راہ حق میں جہاد جاری رکھو، شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو، وطن میں اور سفر میں اللہ کی مقرر کردہ حدیں جاری کرتے رہو، اللہ کے لئے جہاد کرتے رہو، جہاد جنت کے بہت سے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غم و رنج سے نجات دیتا ہے۔ (مسند امام احمد)

یہ حدیث حسن ہے اور بہت ہی اعلیٰ ہے۔ صحاح ستہ میں اس سند سے مروی نہیں لیکن مسند ہی کی دوسری روایت میں دوسری سند سے خمس کا اور خیانت کا ذکر مروی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی میں بھی مختصراً یہ حدیث مروی ہے۔ اس حصے میں سے رسول مقبول ﷺ بعض چیزیں اپنی ذات کے لئے بھی مخصوص فرما لیا کرتے تھے، لونڈی، غلام، تلوار، گھوڑا وغیرہ، جیسا کہ محمد بن سیرین اور عامر شعبی اور اکثر علماء نے فرمایا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن کے مال غنیمت میں سے تھی جو حضورؐ کے پاس تھی، اسی کے بارے میں احد والے دن خواب دیکھا تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح آئیں تھیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے، حضرت یزید بن عبداللہ کہتے ہیں، ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے، ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا، ہم نے اسے پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے زہیر بن اقیش کی طرف ہے کہ اگر تم اللہ کی وحدت کی اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دو اور نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور غنیمت کے مال سے خمس ادا کرتے رہو اور نبی ﷺ کا حصہ اور خالص حصہ ادا کرتے رہو، تو تم اللہ اور اس

کے رسولؐ کی امان میں ہو، ہم نے ان سے پوچھا کہ تجھے یہ کس نے لکھ دیا ہے اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے، پس ان صحیح احادیث کی دلالت اور ثبوت اس بات پر ہے، اسی لئے اکثر بزرگوں نے اسے حضورؐ کے خواص میں سے شمار کیا ہے، صلوات الله و سلامه عليه ۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق جو چاہے کر سکتا ہے، جیسے کہ مال فے میں اسے اختیار ہے ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی قول حضرت امام مالکؒ اور اکثر سلف کا ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے ۔ جب یہ ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا تو یہ بھی خیال رہے کہ خمس، جو حضورؐ کا حصہ تھا اسے اب آپ کے بعد کیا کیا جائے ۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اب یہ حصہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کا ہو گا ۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت قتادہؒ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے ۔ اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسلمانوں کی مصلحت میں صرف ہو گا ۔ ایک قول ہے کہ یہ بھی اہل حاجت کی بقایا قسموں پر خرچ ہو گا یعنی قرابت دار، یتیم، مسکین اور مسافر ۔ امام ابن جریرؒ کا مختار مذہب یہی ہے ۔ اور بزرگوں کا فرمان ہے کہ حضورؐ کا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا جائے ۔ عراق والوں کی ایک جماعت کا یہی قول ہے ۔ اور کہا گیا ہے کہ خمس کا یہ پانچواں حصہ سب کا سب قرابت داروں کا ہے، چنانچہ عبداللہ بن محمد اور علی بن حسین کا قول ہے کہ یہ ہمارا حق ہے، پوچھا گیا کہ آیت میں یتیموں اور مسکینوں کا بھی ذکر ہے تو سیدنا علی بن حسینؓ علیؒ نے فرمایا، اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور مسکین ہیں ۔

سیدنا علی بن حسینؓ حسن بن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ کلام کا شروع اس طرح ہوا ہے ورنہ دنیا و آخرت کا سب کچھ اللہ ہی کا ہے ۔ حضورؐ کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں کیا ہو، اس میں اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں، حضرت کا حصہ آپؐ کے خلیفہ کو ملے گا ۔ بعض کہتے ہیں آپؐ کے قرابت داروں کو ۔ بعض کہتے ہیں خلیفہ کے قرابتداروں کو ۔ ان کی رائے میں ان دونوں حصوں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے کام میں لگایا جائے اور اسی طرح خلافت صدیقیہ و فاروقی میں ہوتا بھی رہا ہے ۔ ابراہیم کہتے ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ حضورؐ کے اس حصے کو جہاد کے کام میں خرچ کرتے تھے، پوچھا گیا کہ حضرت علیؓ اس بارے میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ اس بارے میں ان سے سخت تھے ۔ اکثر علماء رحمہم اللہ کا یہی قول ہے ۔ ہاں ذوی القربیٰ کا جو حصہ ہے، وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا ہے ۔ اس لئے کہ اولاد عبدالمطلب نے اولاد ہاشم کی جاہلیت میں اور شروع اسلام میں موافقت کی اور انہی کے ساتھ انہوں نے گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کر لیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ستائے جانے کی وجہ سے یہ لوگ بگڑ بیٹھے تھے اور آپؐ کی حمایت میں تھے، ان میں سے مسلمان تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی وجہ سے، کافر خاندانی طرفداری اور رشتوں ناتوں کی حمایت کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی فرمانبرداری کی وجہ سے ستائے گئے ۔ ہاں بنو عبد شمس اور بنو نوفل گو یہ بھی آپ کے چچازاد بھائی تھے، لیکن وہ ان کی موافقت میں نہ تھے بلکہ ان کے خلاف تھے انہیں الگ کر چکے تھے، اور ان سے لڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ قریش کے تمام قبائل ان کے مخالف ہیں، اسی لئے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان کی بہت ہی مذمت کی ہے کیونکہ یہ قرابت دار تھے، اس قصیدے میں انہوں نے کہا ہے کہ انہیں بہت جلد اللہ کی طرف سے ان کی اس شرارت کا پورا پورا بدلہ ملے گا، ان بے وقوفوں نے اپنے ہو کر ایک خاندان اور ایک خون کے ہو کر ہم سے آنکھیں پھیر لی ہیں وغیرہ ایک موقعہ پر ابن جبیر بن معطم بن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور شکایت کی کہ آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبدالمطلب کو تو دیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا، حالانکہ آپؐ کی قرابت داری کے لحاظ سے وہ اور ہم بالکل یکساں اور برابر ہیں، آپؐ نے فرمایا سنو، بنو ہاشم اور

بنو عبدالمطلب تو بالکل ایک ہی چیز ہیں، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے مجھ سے نہ کبھی جاہلیت میں جدائی برتی نہ اسلام میں۔ یہ قول تو جمہور علماء کا ہے کہ یہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔

بعض کہتے ہیں، یہ صرف بنو ہاشم ہیں۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں، پس صدقے کی جگہ ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر کر دیا، یہی رسول اللہ ﷺ کے وہ قرابت دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی بن حسینؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سب قریش ہیں۔ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ ذوی القربیٰ کون ہیں؟ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ ہم تو کہتے تھے ہم ہیں لیکن ہماری قوم نہیں مانتی، وہ سب کہتے ہیں کہ سارے ہی قریش ہیں۔ (مسلم وغیرہ) بعض روایات میں صرف پہلا جملہ ہی ہے، دوسرے جملے کی روایت کے راوی ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن مدنی کی روایت میں ہی یہ جملہ ہے کہ سب کہتے ہیں کہ سارے قریش ہیں، اس میں ضعف بھی ہے ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے تو میں نے منہ پھیر لیا، خمس کا پانچواں حصہ تمہیں کافی ہے، یہ حدیث حسن ہے، اس کے راوی ابراہیم بن مہدی کو امام ابو حاتم ثقہ بتاتے ہیں، لیکن یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ منکر روایات لاتے ہیں، واللہ اعلم۔ آیت میں یتیموں کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کے وہ بچے جن کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہیں اور بعض کہتے ہیں، ہر امیر فقیر یتیم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔ مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی فقیری اور ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کافی ہو جائے۔ ابن السبیل وہ مسافر ہے جو اتنی حد تک وطن سے نکل چکا ہو یا جا رہا ہو کہ جہاں پہنچ کر اسے نماز کو قصر پڑھنا جائز ہو اور سفر خرچ کافی اس کے پاس نہ رہا ہو، اس کی تفسیر سورہ برأت کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ الخ، کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہمارا اللہ پر بھروسہ ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہارا اللہ پر اور اس کی اتاری ہوئی وحی پر ایمان ہے تو جو وہ فرما رہا ہے لاؤ، یعنی مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ الگ کر دیا کرو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ وفد عبدالقیس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں، اور چار سے منع کرتا ہوں، میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں، جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور نماز کو پابندی سے ادا کرنا، زکوٰۃ دینا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا، پس خمس کا دینا بھی ایمان میں داخل ہے۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ خمس کا ادا کرنا ایمان میں ہے، پھر اس حدیث کو نقل فرمایا ہے اور ہم نے شرح صحیح بخاری میں اس کا پورا مطلب واضح بھی کر دیا ہے۔ وللہ الحمد والمنہ۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان و انعام بیان فرماتا ہے کہ اس نے حق و باطل میں فرق کر دیا، اپنے دین کو غالب کیا اپنے نبی کی اور آپ کے لشکریوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں انہیں غلبہ دیا، کلمہ ایمان، کلمہ کفر پر چھا گیا، پس یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے جس میں حق و باطل کی تمیز ہو گئی، بہت سے بزرگوں سے یہی تفسیر مروی ہے، یہی سب سے پہلا غزوہ تھا۔ مشرک لوگ عتبہ بن ربیعہ کی ماتحتی میں تھے، جمعہ کے دن انیس یا سترہ رمضان کو یہ لڑائی ہوئی تھی، اصحاب رسولؐ تین سو دس سے کچھ اوپر تھے اور مشرکوں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تھی، باوجود اس کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی، ستر سے زائد کافر تو مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ لیلتہ القدر کو گیارہویں رات میں ہی یقین کے ساتھ تلاش کرو اس لئے کہ اس کی صبح کو بدر کی لڑائی کا دن تھا۔ حسنؓ بن علی فرماتے ہیں کہ لیلتہ الفرقان جس دن دونوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی، رمضان شریف کی سترہویں تھی، یہ

رات بھی جمعہ کی رات تھی‘ غزوے اور سیرت کے مرتب کرنے والے کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ہاں یزید بن ابوحبیب جو اپنے زمانے کے مصری علاقے کے امام تھے‘ فرماتے ہیں کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا لیکن کسی اور نے ان کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول یقیناً ان کے قول پر مقدم ہے۔ واللہ اعلم۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ
أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن
لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ
عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

جبکہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے بہت نیچا تھا‘ اگر تم آپ آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم میں اس وعدے کے بارے میں بہت سے اختلاف پڑتے لیکن اللہ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا تاکہ وہ ظاہری طور پر بھی برباد ہو جو دلیل کی رو سے ہلاک ہو چکا ہے اور وہ جی جاتے جو دلیل سے جیتا ہے‘ بیشک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے ذریعے ایمان کو کفر سے ممتاز کر دیا: ☆☆ (آیت:۴۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن تم وادی الدینا میں تھے‘ جو مدینہ شریف سے قریب ہے اور مشرک لوگ مکہ کی جانب مدینہ کی دور کی وادی میں تھے اور ابوسفیان اور اس کا قافلہ تجارتی اسباب سمیت نیچے کی جانب دریا کی طرف تھا‘ اگر تم کفار قریش سے جنگ کا ارادہ پہلے سے کرتے تو یقیناً تم میں اختلاف پڑتا کہ کثرت تعداد اور کثرت اسباب معلوم ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ ارادے پست ہو جاتے‘ اس لئے قدرت نے پہلے سے طے کئے بغیر دونوں جماعتوں کو اچانک ملا دیا کہ اللہ کا یہ ارادہ پورا ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بلندی حاصل ہو اور شرک اور مشرکوں کو پستی ملے‘ پس جو کرنا تھا‘ وہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔

چنانچہ کعبؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ اور مسلمان تو صرف قافلے کے ارادے سے ہی نکلے تھے‘ لیکن اللہ نے دشمن سے مڈبھیڑ کرا دی بغیر کسی تقرر کے اور بغیر کسی جنگی تیاری کے‘ ابوسفیان ملک شام سے قافلہ لے کر چلا‘ ابوجہل اسے مسلمانوں سے بچانے کے لئے مکہ سے نکلا‘ قافلہ دوسرے راستے سے نکل گیا اور مسلمانوں اور کافروں کی جنگ ہو گئی‘ اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے ایک دوسرے کو خصوصاً پانی لانے والوں کو دیکھ کر انہیں ایک دوسرے کا علم ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حضورؐ برابر اپنے ارادے سے جا رہے تھے‘ صفراء کے قریب پہنچ کر بسبس بن عمرو اور عدی بن ابوالزعباء جہنی کو ابوسفیان کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا‘ ان دونوں نے بدر کے میدان میں پہنچ کر بطحا کے ایک ٹیلے پر اپنی سواریاں بٹھائیں اور پانی کے لئے نکلے‘ راستے میں دو لڑکیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھا‘ ایک دوسری سے کہتی ہے‘ تو میرا قرضہ کیوں ادا نہیں کرتی؟ اس نے کہا جلدی نہ کر‘ کل یا پرسوں یہاں قافلہ آنے والا ہے‘ میں تجھے تیرا حق دے دوں گی‘ مجدی بن عمرو بیچ میں بول اٹھا اور کہا یہ سچ کہتی ہے‘ اسے ان دونوں صحابیوں نے سن لیا‘ اپنے اونٹ کسے اور فوراً خدمت نبویؐ میں جا کر آپ کو خبر دی۔

ادھر ابوسفیان اپنے قافلے سے پہلے یہاں اکیلا پہنچا اور مجدی بن عمرو سے کہا کہ اس کنویں پر تم نے کسی کو دیکھا‘ اس نے کہا‘ نہیں‘ البتہ

دو سوار آئے تھے' اپنے اونٹ اس ٹیلے پر بٹھائے' اپنی مشک میں پانی بھرا اور چل دیئے' یہ سن کر یہ اس جگہ پہنچا' مینگنیاں لیں اور انہیں توڑا اور کھجوروں کی گٹھلیاں ان میں پا کر کہنے لگا' واللہ یہ مدنی لوگ ہیں' وہیں سے واپس اپنے قافلے میں پہنچا اور راستہ بدل کر سمندر کے کنارے چل دیا جب اسے اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنا قاصد قریشیوں کے پاس بھیجا کہ اللہ نے تمہارے قافلے مال' اور آدمیوں کو بچا لیا' تم لوٹ جاؤ' یہ سن کر ابوجہل نے کہا' نہیں جب یہاں تک ہم آ چکے ہیں تو ہم بدر تک ضرور جائیں گے یہاں ایک بازار لگا کرتا تھا' وہاں ہم تین روز ٹھہریں گے' وہاں اونٹ ذبح کریں گے' شرابیں پئیں گے کباب بنائیں گے تا کہ عرب میں ہماری دھوم مچ جائے اور ہر ایک کو ہماری بہادری اور بے جگری معلوم ہو اور وہ ہمیشہ ہم سے خوف زدہ رہیں۔ لیکن اخنس بن شریق نے کہا کہ بنو زہرہ کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال محفوظ کر دیئے' تم کو چاہئے کہ اب واپس چلے جاؤ' اس کے قبیلے نے اس کی مان لی' یہ لوگ اور بنو عدی لوٹ گئے۔

بدر کے قریب پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب' حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کو خبر لانے کے لئے بھیجا' چند اور صحابہؓ کو بھی ان کے ساتھ کر دیا انہیں بنو سعید بن عاص کا اور بنو حجاج کا غلام کنویں پر مل گیا' دونوں کو گرفتار کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' اس وقت آپ نماز میں تھے' صحابہؓ نے ان سے سوال کرنا شروع کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا' قریش کے سقے ہیں' انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا تھا۔ صحابہؓ کا خیال تھا کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان پر سختی شروع کی' آخر گھبرا کر انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے قافلے کے ہیں' تب انہیں چھوڑا۔ حضورؐ نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ سچ بولتے رہے' تم انہیں مارتے پیٹتے رہے اور جب انہوں نے جھوٹ کہا' تم نے چھوڑ دیا' واللہ یہ سچے ہیں' یہ قریش کے غلام ہیں۔ آپ نے ان غلاموں سے فرمایا ہاں بھئی بتاؤ قریش کا لشکر کہاں ہے؟ انہوں نے کہا' وادی قصویٰ کے اس طرف ٹیلے کے پیچھے' آپؐ نے فرمایا' وہ تعداد میں کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا' بہت ہیں' آپؐ نے فرمایا' آخر کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا تعداد تو ہمیں معلوم نہیں' آپؐ نے فرمایا' اچھا یہ بتا سکتے ہو' ہر روز کتنے اونٹ کٹتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن نو ایک دن دس' آپؐ نے فرمایا' پھر وہ نو سو سے ایک ہزار تک ہیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ ان میں سرداران قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوالبختری بن ہشام' حکیم بن حزام' نوفل بن خویلد' حارث بن عامر بن نوفل' طعیمہ بن عدی' نضر بن حارث' زمعہ بن اسود' ابوجہل' امیہ بن خلف اور منبہ بن حجاج' سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود یہ سن کر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا' لو مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف ڈال دیئے ہیں۔

بدر کے دن جب دونوں جماعتوں کا مقابلہ شروع ہونے لگا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لئے ایک جھونپڑی بنا دیں' آپ وہاں رہیں' ہم اپنے جانوروں کو یہیں بٹھا کر میدان میں جا کودیں اگر فتح ہوئی تو الحمدللہ یہی مطلوب ہے' ورنہ آپ ہمارے جانوروں پر سوار ہو کر انہیں اپنے ساتھ لے کر ہماری قوم کے ان حضرات کے پاس چلے جائیں جو مدینہ شریف میں ہیں' وہ ہم سے زیادہ آپؐ سے محبت رکھتے ہیں' انہیں معلوم نہ تھا کہ کوئی جنگ ہونے والی ہے ورنہ وہ ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے اور آپ کی مدد کے لئے آپ کے ہم رکاب نکل کھڑے ہوتے۔ حضورؐ نے ان کے مشورے کی قدر کی' انہیں دعا دی اور اس ڈیرے میں آپ ٹھہر گئے' آپ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکرؓ تھے اور کوئی نہ تھا' صبح ہوتے ہی قریشیوں کے لشکر ٹیلے کے پیچھے سے آتے ہوئے نمودار ہوئے' انہیں دیکھ کر آپؐ نے جناب باری میں دعا کی کہ باری تعالیٰ یہ فخر و غرور کے ساتھ تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لئے آ رہے ہیں' باری تعالیٰ تو انہیں پست و ذلیل کر۔ اس آیت کے آخری جملے کی تفسیر سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ یہ اس لئے کہ کفر کرنے والے دلیل ربانی دیکھ لیں' گو کفر ہی پر رہیں اور ایمان والے بھی دلیل کے ساتھ ایمان لائیں۔ یعنی آمادگی اور بغیر شرط و

قرارداد کے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور مشرکوں کا یہاں اچانک آمنا سامنا کرا دیا کہ حقانیت کو باطل پر غلبہ دے کر حق کو مکمل طور پر ظاہر کر دے' اس طرح کہ کسی کو شک و شبہ باقی نہ رہے اب جو کفر پر رہے' وہ بھی کفر کو کفر سمجھ کر رہے اور جو ایمان والا ہو جائے وہ دلیل دیکھ کر ایمان دار بنے' ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے اور کفر ہی اصلی ہلاکت ہے۔

جیسے فرمان قرآن ہے او من کان میتا فاحییناہ الخ' یعنی وہ جو مردہ تھا' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لئے نور بنا دیا کہ اس کی روشنی میں وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ تہمت کے قصہ میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ ہیں کہ پھر جسے ہلاک ہونا تھا' وہ ہلاک ہو گیا یعنی بہتان میں حصہ لیا' اللہ تعالیٰ تمہارے تضرع و زاری اور تمہاری دعا و استغفار اور فریاد و مناجات کا سننے والا ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ تم اہل حق ہو' تم مستحق امداد ہو' تم اس قابل ہو کہ تمہیں کافروں اور مشرکوں پر غلبہ دیا جائے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا
لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ
اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ
لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴ ع ۷

جبکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی۔ اگر ان کی زیادتی دکھاتا تو تم بزدل ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے ○ جبکہ اس نے بوقت ملاقات انہیں تمہاری نگاہوں میں بہت کم دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں کم دکھائے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچا دے جو کرنا ہی تھا' سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں ○

لڑائی میں مومن کم اور کفار زیادہ دکھائی دیئے: ☆☆ (آیت:۴۳-۴۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مشرکوں کی تعداد بہت کم دکھائی آپؐ نے اپنے اصحاب سے ذکر کیا اور یہ چیز ان کی ثابت قدمی کا باعث بن گئی۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ان آنکھوں سے ان کی تعداد کم دکھائی' جن آنکھوں سے آپ سوتے تھے' لیکن یہ قول غریب ہے۔ جب قرآن میں منام کے لفظ ہیں تو اس کی تاویل بلا دلیل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ممکن تھا کہ اُن کی تعداد کی زیادتی اِن میں رعب بٹھا دے اور آپس میں اختلاف شروع ہو جائے کہ آیا ان سے لڑیں یا نہ لڑیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ہی بچا لیا اور ان کی تعداد کم کر کے دکھائی' اللہ پاک دلوں کے بھید سے' سینے کے راز سے واقف ہے' آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے۔ خواب میں تعداد میں کم دکھا کر پھر یہ بھی مہربانی فرمائی کہ بوقت جنگ بھی مسلمانوں کی نگاہوں اور ان کی جانچ میں وہ بہت ہی کم آئے تا کہ مسلمان دلیر ہو جائیں اور انہیں کوئی چیز ہی نہ سمجھیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے اندازہ کر کے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر کے قریب ہوں گے' اس نے پورا اندازہ کر کے کہا نہیں کوئی ایک سو ہیں' پھر ان میں سے ایک شخص ہمارے ہاتھ میں قید ہو گیا' اس سے ہم نے پوچھا کہ تم کتنے ہو؟ اس نے کہا' ایک ہزار کا یہ لشکر ہے۔ پھر اسی طرح کافروں کی نظروں میں بھی اللہ حکیم نے مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی۔ اب تو وہ ان پر اور یہ ان

پر ٹوٹ پڑے تاکہ رب کا کام جس کا کرنا وہ اپنے علم میں مقرر کر چکا تھا، پورا ہو جائے، کافروں پر اپنی پکڑ اور مومنوں پر اپنی رحمت نازل فرما دے، جب تک لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی، یہی کیفیت دونوں جانب رہی۔ لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے اپنے بندوں کی مدد فرمائی، مسلمانوں کا لشکر بڑھ گیا اور کافروں کا زور ٹوٹ گیا، چنانچہ اب تو کافروں کو مسلمان اپنے سے دگنے نظر آنے لگے اور اللہ نے موحدوں کی مدد کی اور آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا خزانہ کھول دیا۔ جیسے کہ آیت قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ الخ، میں بیان ہوا ہے، پس دونوں آیات ایک سی ہیں۔ مسلمان تب تک کم نظر آتے رہے جب تک لڑائی شروع نہیں ہوئی، شروع ہوتے ہی مسلمان دگنے دکھائی دینے لگے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا
اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا
تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور بکثرت یاد اللہ کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ○ اور اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و سہار رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

جہاد کے وقت کثرت سے اللہ کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۶) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو لڑائی کی کامیابی کی تدبیر اور دشمن کے مقابلے کے وقت شجاعت کا سبق سکھا رہا ہے۔ ایک غزوہ میں رسول مقبول ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا! لوگو دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو لیکن جب دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو استقلال رکھو اور یقین مانو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے، پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے سچی کتاب کے نازل فرمانے والے، اے بادلوں کے چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت دینے والے، اللہ ان کافروں کو شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما (بخاری ومسلم) عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ دشمن کے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ گو وہ چیخیں چلائیں لیکن تم خاموش رہا کرو۔ طبرانی میں ہے، تین وقت ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی پسند ہے (۱) تلاوت قرآن کے وقت (۲) جہاد کے وقت اور (۳) جنازے کے وقت۔

ایک اور حدیث میں ہے کامل بندہ وہ ہے جو دشمن کے مقابلے کے وقت میرا ذکر کرتا رہے یعنی اس حال میں بھی میرے ذکر کو، مجھ سے دعا کرنے اور فریاد کرنے کو ترک نہ کرے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، لڑائی کے دوران یعنی جب تلوار چلتی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرض رکھا ہے۔ حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چپ رہنا اور ذکر اللہ کرنا لڑائی کے وقت بھی واجب ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، تو جریج نے آپ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بلند آواز سے کریں؟ آپ نے فرمایا، ہاں کعب احبار فرماتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر اللہ سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک اور کوئی چیز نہیں۔ اس میں بھی اولیٰ وہ ہے جس کا حکم لوگوں کو نماز میں کیا گیا ہے اور جہاد میں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بوقت جہاد بھی اپنے ذکر کا حکم فرمایا ہے، پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ شاعر کہتا ہے کہ عین جنگ وجدال کے وقت بھی میرے دل میں تیری یاد ہوتی ہے۔ عنترہ کہتا ہے نیزوں اور تلواروں کے شپاشپ چلتے

ہوئے بھی میں تجھے یاد کرتا رہتا ہوں۔

پس آیت میں جناب باری نے دشمنوں کے مقابلے کے وقت میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور صبر و استقامت کا حکم دیا کہ نامرد بزدل اور ڈرپوک نہ بنو اللہ کو یاد کرو اسے نہ بھولو اس سے فریاد کرو اس سے دعائیں کرو اسی پر بھروسہ رکھو اسی سے مدد طلب کرو یہی کامیابی کے گر ہیں اس وقت بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ جانے دو وہ جو فرمائیں بجالاؤ جن سے روکیں رک جاؤ آپس میں جھگڑے اور اختلاف نہ پھیلاؤ ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے بزدلی جم جائے گی ہوا اکھڑ جائے گی قوت اور تیزی جاتی رہے گی اقبال اور ترقی رک جائے گی دیکھو صبر کا دامن نہ چھوڑو اور یقین رکھو کہ صابروں کے ساتھ خود اللہ ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ ان احکام میں ایسے پورے اترے کہ ان کی مثال سابقہ امتوں میں بھی نہیں بعد والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ یہی شجاعت یہی اطاعت رسولؐ یہی صبر و استقلال تھا جس کے باعث مدد ربانی شامل حال رہی اور بہت ہی کم مدت میں باوجود تعداد اور اسباب کی کمی کے مشرق و مغرب کو فتح کر لیا نہ صرف یہ کہ لوگوں کے ملکوں کے مالک بنے بلکہ ان کے دلوں کو بھی فتح کر کے اللہ کی طرف لگا دیا۔ رومیوں اور فارسیوں ترکوں صقلیہ بربریوں حبشیوں سوڈانیوں اور قبطیوں کو غرض دنیا کے گوروں کالوں کو مغلوب کر لیا اللہ کے کلمہ کو بلند کیا دین حق کو پھیلایا اور اسلامی حکومت کو دنیا کے کونے کونے میں جما دیا۔ اللہ ان سے خوش رہے اور انہیں بھی خوش رکھے۔ خیال تو کرو کہ تیس سال میں دنیا کا نقشہ بدل دیا تاریخ کا ورق پلٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی انہی کی جماعت میں حشر کرے وہ کریم و وہاب ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ
وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾
وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ
لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ
الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي
أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع ٤

ان لوگوں جیسے نہ بنو جو حق کو دھکا دینے اور لوگوں میں خود نمائی کرنے کے لئے اپنے شہروں سے چلے اور راہ اللہ سے روکنے لگے جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے ○ جب کہ ان کے اعمال شیطان انہیں زینت دار دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آ سکتا میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں نمودار ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا میں تو تم سے بری ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے ○

میدان بدر میں ابلیس مشرکین کا ہمراہی تھا: ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) اللہ تعالیٰ جہاد میں ثابت قدمی نیک نیتی ذکر اللہ کی کثرت کی نصیحت فرما کر مشرکین کی مشابہت سے روک رہا ہے کہ جیسے وہ حق کو مٹانے اور لوگوں میں اپنی بہادری دکھانے کے لئے فخر و غرور کے ساتھ اپنے شہروں سے چلے تم ایسا نہ کرنا۔ چنانچہ ابوجہل سے جب کہا گیا کہ قافلہ تو بچ گیا اب لوٹ کر واپس چلنا چاہئے تو اس ملعون نے جواب دیا کہ واہ کیسا لوٹنا بدر کے پانی پر جا کر پڑاؤ کریں گے وہاں شرابیں اڑائیں گے کباب کھائیں گے گانا سنیں گے تاکہ لوگوں

میں شہرت ہو جائے۔

اللہ کی شان کے قربان جایئے' ان کے ارمان قدرت نے پلٹ دیئے' یہیں ان کی لاشیں گریں اور یہیں کے گڑھوں میں ذلت کے ساتھ ٹھونس دیئے گئے' اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے' ان کے ارادے اس پر کھلے ہیں' اسی لئے انہیں برے وقت سے پالا پڑا' پس یہ مشرکین کا ذکر ہے جو اللہ کے رسولوں کے سرتاج سے بدر میں لڑنے چلے تھے' ان کے ساتھ گانے والیاں بھی تھیں' باجے گاجے بھی تھے' شیطان لعین ان کا پشت پناہ بنا ہوا تھا' انہیں پھسلا رہا تھا' ان کے کام کو خوبصورت' بھلا دکھا رہا تھا' ان کے کانوں میں پھونک رہا تھا کہ بھلا تمہیں کون ہرا سکتا ہے؟ ان کے دل سے بنو بکر کا مکہ پر چڑھائی کرنے کا خوف نکال رہا تھا اور سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں ان کے سامنے کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا کہ میں تو اس علاقے کا سردار ہوں' بنو مدلج سب میرے تابع ہیں' میں تمہارا حمایتی ہوں تم بے فکر رہو۔ شیطان کا کام بھی یہی ہے کہ جھوٹے وعدے دے' نہ پورا ہونے والی امیدوں کے سبز باغ دکھائے اور دھوکے کے جال میں پھنسائے' بدر والے دن یہ اپنے جھنڈے اور لشکر کو ساتھ لے کر مشرکوں کی حمایت میں نکلا' ان کے دلوں میں ڈالتا رہا کہ بس تم بازی لے گئے' میں تمہارا امدادگار ہوں لیکن جب مسلمانوں سے مقابلہ شروع ہوا اور اس خبیث کی نظریں فرشتوں پر پڑیں تو پچھلے پیروں بھاگا اور کہنے لگا' میں وہ دیکھتا ہوں جس سے تمہاری آنکھیں اندھی ہیں۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں' بدر والے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے مدلجی شخص کی صورت میں اپنے لشکر سمیت پہنچا اور شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں نمودار ہوا اور مشرکین کے دل بڑھائے' ہمت دلائی' جب میدان جنگ میں صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی مٹھی بھر کر مشرکوں کے منہ پر ماری' اس سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام شیطان کی طرف چلے' اس وقت یہ ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا' آپ کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر اپنے لشکروں سمیت بھاگ کھڑا ہوا' اس شخص نے کہا سراقہ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم ہمارے حمایتی ہو' پھر یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ ملعون چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا' کہنے لگا' میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے' میں تو اللہ سے ڈرنے والا آدمی ہوں' اللہ کے عذاب بڑے بھاری ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اسے پیٹھ پھیرتا دیکھ کر حارث بن ہشام نے پکڑ لیا' اس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا جس سے یہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوسرے لوگوں نے کہا' سراقہ تو اس حال میں ہمیں ذلیل کرتا ہے؟ اور ایسے وقت ہمیں دھوکہ دیتا ہے' وہ کہنے لگا' ہاں ہاں میں تم سے بری الذمہ اور بے تعلق ہوں' میں انہیں دیکھ رہا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضورؐ پر تھوڑی دیر کے لئے ایک طرح کی بے خودی سی طاری ہو گئی' پھر ہوشیار ہو کر فرمانے لگے' صحابیوؓ خوش ہو جاؤ' یہ ہیں تمہاری دائیں جانب حضرت جبرئیل علیہ السلام اور یہ ہیں تمہاری بائیں طرف میکائیل علیہ السلام اور یہ ہیں حضرت اسرافیل علیہ السلام تینوں مع اپنی اپنی فوجوں کے آ موجود ہوئے ہیں۔

ابلیس سراقہ بن مالک جعشم مدلجی کی صورت میں مشرکوں میں تھا' ان کے دل بڑھا رہا تھا اور ان میں پیشین گوئیاں کر رہا تھا کہ بے فکر رہو آج تمہیں کوئی ہرا نہیں سکتا' لیکن فرشتوں کے لشکر کو دیکھتے ہی اس نے تو منہ موڑا اور یہ کہتا ہوا بھاگا کہ میں تم سے بری ہوں' میں انہیں دیکھ رہا ہوں جو تمہاری نگاہ میں نہیں آتے' حارث بن ہشام چونکہ اسے سراقہ ہی سمجھے ہوئے تھا' اس لئے اس کا ہاتھ تھام لیا' اس نے اس کے سینے میں اس زور سے گھونسہ مارا کہ یہ منہ کے بل گر پڑا اور شیطان بھاگ گیا' سمندر میں کود پڑا اور اپنا کپڑا اونچا کر کے کہنے

لگا، یا اللہ میں تجھے تیرا وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔

اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ ہٰۤؤُلَآءِ دِیۡنُہُمۡ وَ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۴۹﴾

جبکہ منافق کہہ رہے تھے اور وہ بھی جن کے دلوں میں روگ تھا کہ انہیں تو ان کے دین نے مست بنا دیا ہے، جو بھی اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ بلاشک و شبہ غلبے والا اور حکمت والا ہے ○

طبرانی میں حضرت رفاعہ بن رافع سے بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں، جب قریشیوں نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو انہیں بنی بکر کی جنگ یاد آ گئی اور خیال کیا کہ ایسا نہ ہو، ہماری عدم موجودگی میں یہاں چڑھائی کر دیں، قریب تھا کہ وہ اپنے ارادے سے دستبردار ہو جائیں، اسی وقت ابلیس لعین سراقہ کی صورت میں ان کے پاس آیا جو بنو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا، کہنے لگا، اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں، تم ان کا بے خطر ساتھ دو اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے مکمل تیار ہو کر جاؤ، خود بھی ان کے ساتھ چلا، ہر منزل میں یہ اسے دیکھتے تھے، سب کو یقین تھا کہ سراقہ خود ہمارے ساتھ ہے یہاں تک کہ لڑائی شروع ہو گئی، اس وقت یہ مردود دم دبا کر بھاگا، حارث بن ہشام یا عمیر بن وہب نے اسے جاتے دیکھ لیا، اس نے شور مچا دیا کہ سراقہ کہاں بھاگا جا رہا ہے، شیطان انہیں موت اور دوزخ کے منہ میں دھکیل کر خود فرار ہو گیا، کیونکہ اس نے اللہ کے لشکروں کو مسلمانوں کی امداد کے لئے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا، صاف کہہ دیا کہ میں تم سے بری ہوں، میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور اس بات میں وہ سچا بھی تھا۔

پھر کہتا ہے میں اللہ کے خوف سے ڈرتا ہوں، اللہ کے عذاب سخت اور بھاری ہیں، اس نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کے ساتھ اترتے دیکھ لیا تھا، سمجھ گیا تھا کہ ان کے مقابلے کی مجھ میں یا مشرکوں میں طاقت نہیں، وہ اپنے اس قول میں تو جھوٹا تھا کہ میں خوف الٰہی کرتا ہوں، یہ تو صرف اس کی زبانی بات تھی، دراصل وہ اپنے میں طاقت ہی نہیں پاتا تھا، یہی اس دشمن رب کی عادت ہے کہ بھڑکاتا اور بہکاتا ہے، حق کے مقابلے میں لاکھڑا کر دیتا ہے، پھر روپوش ہو جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے، شیطان انسان کو کفر کا حکم دیتا ہے، پھر جب وہ کفر کر چکتا ہے تو یہی کہنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ایک اور آیت میں ہے کہ جب حق واضح ہو جاتا ہے تو یہ کہتا ہے اللہ کے وعدے سچے ہیں، میں خود جھوٹا، میرے وعدے بھی سراسر جھوٹے، میرا تم پر کوئی زور دعویٰ تو تھا ہی نہیں، تم نے تو آپ میری آرزو پر گردن جھکا دی اب مجھے سرزنش نہ کرو خود اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہیں بچا سکوں گا نہ تم میرے کام آ سکو گے، اس سے پہلے جو تم مجھے رب کا شریک بنا رہے تھے میں تو آج اس کا بھی انکاری ہوں، یقین مانو کہ ظالموں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اگر میری آنکھیں آج بھی ہوتیں تو میں تمہیں بدر کے میدان میں وہ گھاٹی دکھا دیتا جہاں سے فرشتے آتے تھے، بے شک و شبہ مجھے وہ معلوم ہے۔ انہیں ابلیس نے دیکھ لیا اور اللہ نے انہیں حکم دیا کہ مومنوں کو ثابت قدم رکھو، یہ لوگوں کے پاس ان کے جان پہچان کے آدمیوں کی شکل میں آتے اور کہتے خوش ہو جاؤ۔ یہ کافر بھی کوئی چیز ہیں، اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہے، بے خوفی کے ساتھ شیر کا سا حملہ کر دو، ابلیس یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا، اب تک وہ سراقہ کی شکل میں کفار میں موجود تھا، ابو جہل نے یہ حال دیکھ کر اپنے لشکروں میں گشت شروع کیا، کہہ رہا تھا کہ گھبراؤ نہیں، اس کے بھاگ کھڑے ہونے سے دل تنگ نہ ہو جاؤ، وہ تو محمد (ﷺ) کی طرف سے سکھایا پڑھایا ہوا آیا تھا کہ تمہیں عین موقعہ پر بزدل کر دے، کوئی گھبرانے کی بات نہیں، لات و عزیٰ کی قسم! آج ان مسلمانوں

کو ان کے نبی سمیت گرفتار کر لیں گے‘ نامردی نہ کرو‘ دل بڑھاؤ اور سخت حملہ کرو‘ دیکھو خبردار انہیں قتل نہ کرنا‘ زندہ پکڑنا تاکہ انہیں دل کھول کر سزا دیں۔ یہ بھی اپنے زمانے کا فرعون ہی تھا‘ اس نے بھی جادوگروں کے ایمان لانے کو کہا تھا کہ یہ تو صرف تمہارا ایک مکر ہے کہ یہاں سے تم ہمیں نکال دو اور اس نے بھی کہا تھا کہ جادوگرو یہ موسیٰ تمہارا استاد ہے حالانکہ یہ محض اس کا فریب تھا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ عرفہ کے دن جس قدر ابلیس حقیر و ذلیل رسوا اور درماندہ ہوتا ہے‘ اتنا کسی اور دن نہیں دیکھا گیا‘ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام معافی اور عام رحمت اترتی ہے‘ ہر ایک کے گناہ عموماً معاف ہو جاتے ہیں۔ ہاں بدر کے دن اس کی ذلت و رسوائی کا کچھ مت پوچھو‘ جب اس نے دیکھا کہ فرشتوں کی فوجیں جبرئیلؑ کی ماتحتی میں آ رہی ہیں۔ جب دونوں فوجیں صف بندی کر کے آمنے سامنے آ گئیں تو اللہ کی قدرت و حکمت سے مسلمان کافروں کو بہت کم نظر آنے لگے اور کافر مسلمانوں کی نگاہ میں کم جچنے لگے‘ اس پر کافروں نے قہقہہ لگایا کہ دیکھو مسلمان کیسے مذہبی دیوانے ہیں؟ مٹھی بھر آدمی ہم ایک ہزار کے لشکر سے ٹکرا رہے ہیں‘ ابھی کوئی دم میں ان کا چورا ہو جائے گا‘ پہلے ہی حملے میں وہ چوٹ کھائیں گے کہ سر ہلاتے رہ جائیں۔ رب العالمین فرماتا ہے‘ انہیں نہیں معلوم کہ یہ متوکلین کا گروہ ہے‘ ان کا بھروسہ اس پر ہے جو غلبہ کا مالک ہے‘ حکمت کا مالک ہے‘ اللہ کے دین کی سختی مسلمانوں میں محسوس کر کے کافروں کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ انہیں مذہبی دیوانگی ہے‘ دشمن الٰہی ابوجہل ملعون ٹیلے کے اوپر سے جھانک کر اللہ والوں کی کمی اور بے سروسامانی دیکھ کر گدھے کی طرح پھول گیا اور کہنے لگا‘ لو آج ہم نے میدان مار لیا ہے‘ بس آج سے اللہ کی عبادت کرنے والوں سے زمین خالی نظر آئے گی‘ ابھی ہم ان میں سے ایک ایک کے دو دو کر کے رکھ دیں گے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دین میں طعنے دینے والے مکہ کے منافق تھے۔ عامر کہتے ہیں‘ یہ چند لوگ تھے جو زبانی مسلمان ہوئے تھے لیکن آج بدر کے میدان میں مشرکوں کے ساتھ تھے‘ انہیں مسلمانوں کی کمی اور کمزوری دیکھ کر تعجب معلوم ہوا اور کہا کہ یہ لوگ تو مذہبی فریب خوردہ ہیں۔

مجاہدؒ کہتے ہیں‘ یہ قریش کی ایک جماعت تھی۔ قیس بن ولید بن مغیرہ‘ ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ‘ حارث بن زمعہ بن اسود بن عبدالمطلب اور علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج یہ قریش کے ساتھ تھے لیکن یہ متردد تھے اور اسی میں رکے ہوئے تھے۔ یہاں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہنے لگے‘ یہ لوگ تو صرف مذہبی مجنون ہیں ورنہ مٹھی بھر بے رسد اور بے ہتھیار آدمی اتنی ٹڈی دل شوکت و شان والی فوجوں کے سامنے کیوں کھڑے ہو جاتے؟۔

حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بدر کی لڑائی میں نہیں آئے تھے‘ ان کا نام منافق رکھ دیا گیا‘ کہتے ہیں کہ یہ قوم اسلام کا اقرار کرتی تھی لیکن مشرکوں کی رو میں بہہ کر یہاں چلی آئی۔ یہاں آ کر مسلمانوں کا قلیل سا لشکر دیکھ کر انہوں نے یہ کہا۔ جناب باری جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو اس مالک الملک پر بھروسہ کرے‘ اسے وہ ذی عزت کر دیتا ہے کیونکہ عزت اس کی لونڈی ہے‘ غلبہ اس کا غلام ہے‘ وہ بلند جناب ہے‘ وہ بڑا ذی شان ہے‘ وہ سچا سلطان ہے‘ وہ حکیم ہے‘ اس کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں‘ وہ ہر چیز کو اس کی ٹھیک جگہ رکھتا ہے‘ مستحقین امداد کی وہ مدد فرماتا ہے اور مستحقین ذلت کو وہ ذلیل کرتا ہے‘ وہ سب کو خوب جانتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ
وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا
قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾

کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں' ان کے منہ پر اور کمروں پر مار مارتے ہیں کہ تم جلنے کا عذاب چکھو ○ یہ بہ سبب ان کاموں کے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے ہی بھیج رکھا ہے اور بیشک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

کفار کے لئے سکرات موت کا وقت بڑا شدید ہے: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کاش اے پیغمبر دیکھتا کہ فرشتے کس بری طرح کافروں کی روح قبض کرتے ہیں' وہ اس وقت ان کے چہروں اور کمروں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں' آگ کا عذاب اپنی بداعمالیوں کے بدلے چکھو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ بھی بدر کے دن کا ہے کہ سامنے سے ان کافروں کے چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب بھاگتے تھے تو پیٹھ پر وار پڑتے تھے' فرشتے ان کا خوب بھرتہ بنا رہے تھے۔

ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا' میں نے ابوجہل کی پیٹھ پر کانٹوں کے نشان دیکھے ہیں آپ نے فرمایا ہاں یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت بدر کے ساتھ مخصوص تو نہیں' الفاظ عام ہیں اور ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے۔ سورہ قتال (محمد) میں بھی اس بات کا بیان ہوا ہے اور سورہ انعام کی آیت وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ الخ میں بھی اس کا بیان مع تفسیر گذر چکا ہے۔ چونکہ یہ نافرمان لوگ تھے' ان کی موت کے وقت فرشتوں کے ہاتھ ان کی جانب بڑھے ہوئے ہوتے ہیں' وہ انہیں خوب مارتے ہیں' ان کی روحیں اپنی سیاہ کاریوں کی وجہ سے بدن میں چھپتی پھرتی ہیں جنہیں فرشتے جبراً نکالتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تیرے لئے اللہ کا غضب ہے اور عذاب الٰہی ہے جیسے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس بری حالت میں سکرات موت کے وقت جب کہ کافر کے پاس ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں تو فرماتے ہیں اے خبیث روح چل گرم ہواؤں' گرم پانی اور گرم سائے کی طرف' پس وہ روح بدن میں چھپتی پھرتی ہے' آخر اسے جبراً گھسیٹا جاتا ہے جس طرح کسی زندہ شخص کی کھال کو اتارا جائے' اسی کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آ جاتے ہیں' فرشتے اس سے کہتے ہیں' اب جلنے کا مزہ چکھو' یہ تمہاری دنیوی بداعمالی کی سزا ہے' اللہ تعالیٰ ظالم نہیں' وہ تو عادل حاکم ہے' برکت وبلندی' غنا' پاکیزگی والا بزرگ اور تعریفوں والا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے کہ میرے بندو' میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر دیا ہے' پس آپس میں کوئی کسی پر ظلم وستم نہ کرے' میرے غلامو! میں تو صرف تمہارے کئے ہوئے اعمال ہی کو گھیرے ہوئے ہوں' بھلائی پا کر میری تعریفیں کرو اور اس کے سوا کچھ اور دیکھو تو اپنے تئیں ہی ملامت کرو۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي
يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ
فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ
بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ
الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

مثل فرعونیوں کے حال کے اور ان سے اگلوں کے کہ انہوں نے اللہ کی آیات سے کفر کیا' پس اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا' اللہ تعالیٰ یقیناً قوت والا اور سخت عذاب والا ہے ○ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی اور یہ کہ اللہ سننے جاننے والا ہے ○ مثل حالت فرعونیوں کے اور ان کے پہلے کے لوگوں کے کہ انہوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹلائیں' پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انہیں برباد کیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا اور یہ سارے ستم گار تھے ○ تمام جانداروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں' پھر وہ ایمان نہ لائیں ○

کفار اللہ کے ازلی دشمن ہیں : ☆☆ (آیت:۵۲) ان کافروں نے بھی تیرے ساتھ وہی کیا جو ان سے پہلے کافروں نے اپنے نبیوں کے ساتھ کیا تھا۔ پس ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی کیا جو ہم نے ان سے گزشتہ لوگوں کے ساتھ کیا تھا جو ان ہی جیسے تھے' مثلاً فرعونی اور ان سے پہلے کے لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات کو نہ مانا جس کے باعث اللہ کی پکڑ ان پر آ گئی' تمام قوتیں اللہ ہی کی ہیں اور اس کے عذاب بھی بھاری ہیں' کوئی نہیں جو اس پر غالب آ سکے اور کوئی نہیں جو اس سے بھاگ سکے۔

اللہ ظالم نہیں' لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں : ☆☆ (آیت:۵۳-۵۴) اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی نعمتیں گناہوں سے پہلے نہیں چھینتا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے' اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی ان باتوں کو نہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہیں' جب وہ کسی قوم کی برائیوں کی وجہ سے انہیں برائی پہنچانا چاہتا ہے تو اس کے ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا' نہ اس کے پاس کوئی حمایتی کھڑا ہو سکتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ فرعونیوں اور ان جیسے ان سے گزشتہ لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا' انہیں اللہ نے اپنی نعمتیں دیں' وہ سیاہ کاریوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دیئے ہوئے باغات' چشمے' کھیتیاں' خزانے' محلات اور نعمتیں جن میں وہ مست ہو رہے تھے' سب چھین لیں' اس بارے میں انہوں نے اپنا برا خود کیا' اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔

زمین کی بدترین مخلوق وعدہ خلاف کفار ہیں : ☆☆ (آیت:۵۵) زمین پر جتنے بھی چلتے پھرتے ہیں' ان سب سے بدتر اللہ کے نزدیک بے ایمان کافر ہیں جو عہد کر کے توڑ دیتے ہیں' ادھر قول وقرار کیا' ادھر پھر گئے' ادھر قسمیں کھائیں' ادھر توڑ دیں' نہ اللہ کا خوف نہ گناہ کا کھٹکا' پس جو ان پر لڑائی میں غالب آ جائے تو ایسی سزا کے بعد آنے والوں کو بھی عبرت حاصل ہو' وہ بھی خوف زدہ ہو جائیں پھر ممکن ہے کہ اپنے ایسے کرتوت سے باز رہیں۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ
وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ
خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ
اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۷ ۱۰ ۲

جن سے تو نے عہد و پیان کر لیا' پھر بھی وہ اپنے عہد و پیان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے ○ پس جب کبھی تو لڑائی میں ان پر غالب آ جائے' انہیں ایسی مار مار کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں' ہو سکتا ہے کہ وہ عبرت حاصل کریں ○ اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو پھر برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے' اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○

اللہ تعالیٰ خائنوں کو پسند نہیں فرماتا : ☆☆ (آیت:۵۸) اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ اے نبیؐ اگر کسی سے تمہارا عہد و پیمان ہوا ہو اور تمہیں خوف ہو کہ یہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کریں گے' تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ برابری کی حالت میں عہد نامہ توڑ دو اور انہیں اطلاع کر دو تا کہ وہ بھی صلح کے خیال میں نہ رہیں' کچھ دن پہلے ہی سے انہیں خبر دو' اللہ خیانت کو ناپسند فرماتا ہے' کافروں سے بھی تم خیانت نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکریوں کی روم کی سرحد کی طرف پیش قدمی شروع کی کہ مدت صلح ختم ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں تو ایک شیخ اپنی سواری پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ اللہ بہت بڑا ہے' اللہ بہت بڑا ہے' وعدہ وفائی کرو' عذر درست نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم سے عہد و پیمان ہو جائیں تو نہ کوئی گرہ کھولو' نہ باندھو' جب تک کہ مدت صلح ختم نہ ہو جائے' یا انہیں اطلاع دے کر عہد نامہ چاک نہ ہو جائے' جب یہ بات حضرت معاویہؓ کو پہنچی تو آپ نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا' یہ شیخ حضرت عمرو بن عنبسہ تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شہر کے قلعے کے پاس پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا' تم مجھے بلاؤ' میں تمہیں بلاؤں گا جیسے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو انہیں بلاتے دیکھا ہے' پھر فرمایا میں بھی انہی میں سے ایک شخص تھا' پس مجھے اللہ عز و جل نے اسلام کی ہدایت کی' اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو جو ہمارا حق ہے' وہی تمہارا حق ہو گا اور جو ہم پر ہے' تم پر بھی وہی ہو گا اور اگر تم اسے نہیں مانتے تو ذلت کے ساتھ تمہیں جزیہ دینا ہو گا' اسے بھی قبول نہ کرو تو ہم تمہیں ابھی سے مطلع کرتے ہیں جبکہ ہم تم برابری کی حالت میں ہیں' اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتا' تین دن تک انہیں اسی طرح دعوت دی' آخر چوتھے روز صبح ہی حملہ کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور مدد بھی فرمائی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹ وَاَعِدُّوْا
لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ
عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ
يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰

کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے' یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے ○ اور تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی' کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا' اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے' اللہ انہیں خوب جان رہا ہے اور تم جو کچھ بھی راہ اللہ میں خرچ کرو گے' وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا ○

کفار کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو : ☆☆ (آیت:۵۹-۶۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہم سے بھاگ نکلے' اب ہم ان کی پکڑ پر قادر نہیں' بلکہ وہ ہر وقت ہمارے قبضۂ قدرت میں ہیں' وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے ۔ اور آیت میں ہے برائیاں کرنے والے ہم سے آگے بڑھ نہیں سکتے ۔ فرماتا ہے' کافر ہمیں یہاں عاجز نہیں کر سکتے' وہاں ان کا ٹھکانہ آگ ہے جو بدترین جگہ ہے ۔ اور فرمان ہے' کافروں کا شہروں میں آنا جانا' چلنا پھرنا کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے' یہ تو سب آنی جانی چیزیں ہیں' ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو

بدترین گود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی طاقت و امکان کے مطابق ان کفار کے مقابلے کے لئے ہر وقت مستعد رہو، جو قوت، طاقت، گھوڑے، لشکر رکھ سکتے ہو، موجود رکھو۔ مسند میں ہے کہ حضورؐ نے منبر پر قوت کی تفسیر تیراندازی سے کی اور دو مرتبہ یہی فرمایا، تیراندازی کیا کرو، سواری کیا کرو اور تیراندازی گھوڑ سواری سے بہتر ہے۔

ابو ہریرہؓ کہتے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں کے پالنے والے تین قسم کے ہیں۔ ایک تو اجر و ثواب پانے والے، ایک نہ تو ثواب نہ عذاب پانے والے، ایک عذاب بھگتنے والے۔ جو جہاد کے ارادے سے پالے، اس کے گھوڑے کا چلنا پھرنا، چرنا چگنا باعث ثواب ہے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی رسی توڑ کر کہیں چڑھ جائے تو بھی اس کے قدموں کے نشانات اور اس کی لید پر اسے نیکیاں ملتی ہیں، کسی نہر پر گذرتے ہوئے وہ پانی پی لے اگرچہ مجاہد نے پلانے کا ارادہ نہ بھی کیا ہو، تاہم اسے نیکیاں ملتی ہیں، پس یہ گھوڑا تو اس کے پالنے والے کے لئے بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ اور جس شخص نے گھوڑا اس نیت سے پالا کہ وہ دوسروں سے بے نیاز ہو جائے، پھر اللہ کا حق بھی اس کی گردن اور اس کی سواری میں نہیں بھولا، یہ اس کے لئے جائز ہے یعنی نہ اسے اجر نہ اسے گناہ۔ تیسرا وہ شخص جس نے فخر و ریا کے طور پر پالا اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے وہ اس کے ذمے وبال ہے اور اس کی گردن پر بوجھ ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ اچھا گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے فرمایا، اس کے بارے میں کوئی آیت تو اتری نہیں، ہاں یہ جامع عام آیت موجود ہے کہ جو شخص ایک ذرے کے برابر نیکی کرے گا، وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرے کے برابر بھی برائی کرے گا، وہ اسے دیکھ لے گا، یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں، گھوڑے تین طرح کے ہیں، رحمان کے، شیطان کے اور انسان کے، اس میں ہے کہ شیطانی گھوڑے دو ہیں، جو گھڑ دوڑ کی شرطیں لگانے اور جوئے بازی کرنے کے لئے ہوں، اکثر علماء کا قول ہے کہ تیراندازی، گھوڑ سواری سے افضل ہے جبکہ امام مالک اس کے خلاف ہیں لیکن جمہور کا قول قوی ہے کیونکہ حدیث میں آ چکا ہے۔

حضرت معاویہ بن خدیج حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اس وقت وہ اپنے گھوڑے کی خدمت کر رہے تھے، پوچھا تمہیں یہ گھوڑا کیا کام آتا ہے؟ فرمایا، میرا خیال ہے کہ اس جانور کی دعا میرے حق میں قبول ہو گی، کہا جانور اور دعا؟ فرمایا ہاں اللہ کی قسم ہر گھوڑا ہر صبح دعا کرتا ہے کہ اے اللہ تو نے مجھے بندوں میں سے ایک کے حوالے کیا ہے تو تو مجھے اس کی تمام اہل سے اور مال سے اور اولاد سے زیادہ محبوب بنا کر اس کے پاس رکھ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر عربی گھوڑے کو ہر صبح دو دعائیں کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں، گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔ گھوڑوں والے اللہ کی مدد میں ہیں، اسے نیک نیتی سے جہاد کے ارادے سے پالنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص ہر وقت ہاتھ بڑھا کر خیرات کرتا رہے۔ اور بھی احادیث اس بارے میں بہت سی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں بھلائی کی تفصیل ہے کہ اجر اور غنیمت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اس سے تمہارے دشمن خوف زدہ اور ہیبت خوردہ رہیں گے، ان ظاہری مقابلے کے دشمنوں کے علاوہ اور دشمن بھی ہیں یعنی بنو قریظہ، فارس اور محلوں کے شیاطین۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جنات ہیں۔ ایک منکر حدیث میں ہے، جس گھر میں کوئی آزاد گھوڑا ہو، وہ گھر کبھی بدنصیب نہیں ہو گا لیکن اس روایت کی نہ تو سند ٹھیک ہے نہ یہ صحیح ہے اور اس سے مراد منافق بھی لیا گیا ہے اور یہی قول زیادہ مناسب بھی ہے جیسے فرمان الٰہی ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ الخ، تمہارے چاروں طرف دیہاتی اور شہری منافق ہیں جنہیں تم نہیں جانتے لیکن ہم ان سے خوب واقف ہیں۔ پھر ارشاد ہے کہ جہاد میں جو کچھ تم خرچ کرو گے، اس کا پورا بدلہ پاؤ گے۔ ابوداؤد میں ہے ایک درہم کا ثواب سات سو گنا کر

کے ملے گا جیسے کہ آیت مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ الخ' میں ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' پہلے تو رسول اللہ ﷺ صرف مسلمانوں کو ہی خیرات صدقات دینے کا حکم دیا کرتے تھے جب یہ آیت وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ الخ' اتری تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ جو بھی سوال کرے' چاہے وہ کسی دین کا ہو' اس کے ساتھ حسن سلوک کرو لیکن یہ روایت غریب ہے اور ابن ابی حاتم نے اسے روایت کیا ہے-

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ
اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ
لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾

اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ' یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے ○ اگر وہ تجھ سے دغا بازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تجھے کافی ہے- اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے ○ ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے- زمین میں جو کچھ ہے' تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا- یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے- وہ عزتوں حکمتوں والا ہے ○

جس قوم سے بدعہدی کا خوف ہو' انہیں آگاہ کر کے عہدنامہ چاک کر دو: ☆☆ (آیت:۶۱-۶۳) فرمان ہے کہ جب کسی قوم کی خیانت کا خوف ہو تو برابری سے آگاہ کر کے عہدنامہ چاک کر ڈالو' لڑائی کی اطلاع کر دو- اس کے بعد اگر وہ لڑائی پر آمادگی ظاہر کریں تو اللہ پر بھروسہ کر کے جہاد شروع کر دو اور اگر وہ پھر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو تم پھر صلح و صفائی کر لو- اسی آیت کی تعمیل میں حدیبیہ والے دن رسول کریم ﷺ نے مشرکین مکہ سے نو سال کی مدت کے لئے صلح کر لی جو شرائط کے ساتھ طے ہوئی- حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا' عنقریب اختلاف ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ ہو سکے تو صلح ہی کر لینا (مسند امام احمد) مجاہد کہتے ہیں' یہ بنو قریظہ کے بارے میں اتری ہے لیکن یہ محل نظر ہے- سارا قصہ بدر کا ہے- بہت سے بزرگوں کا خیال ہے کہ سورہ براۃ کی آیت سیف قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ الخ' سے منسوخ ہے لیکن اس میں بھی نظر ہے کیونکہ اس آیت میں جہاد کا حکم طاقت و استطاعت پر ہے لیکن دشمنوں کی زیادتی کے وقت ان سے صلح کر لینا بلاشک وشبہ جائز ہے جیسے کہ اس آیت میں ہے اور جیسے کہ حدیبیہ کی صلح اللہ کے رسول ﷺ نے کی- پس اس کے بارے میں کوئی نص اس کے خلاف یا خصوصیت یا منسوخیت کی نہیں آئی - واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے' اللہ پر بھروسہ رکھ' وہی تجھے کافی ہے' وہی تیرا مددگار ہے- اگر یہ دھوکہ بازی کر کے کوئی فریب دینا چاہتے ہیں اور اس درمیان میں اپنی شان و شوکت اور آلات جنگ بڑھانا چاہتے ہیں تو تو بے فکر رہ- اللہ تیرا طرف دار ہے وہ تجھے کافی ہے- اس کے مقابلے کا کوئی نہیں- پھر اپنی ایک اعلیٰ نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ مہاجرین و انصار نے صرف میرے فضل سے تیری تائید کی- انہیں تجھ پر ایمان لانے' تیری اطاعت کرنے کی توفیق دی- تیری مدد اور تیری نصرت پر انہیں آمادہ کیا- اگرچہ تو روئے زمین کے تمام خزانے خرچ کر ڈالتا لیکن ان میں وہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتا جو اللہ نے خود کر دی- ان کی صدیوں پرانی عداوتیں دور کر دیں- اوس و خزرج انصار کے دونوں قبیلوں میں

جاہلیت میں آپس میں خوب تلوار چلا کرتی تھی۔ نور ایمان نے اس عداوت کو محبت سے بدل دیا۔ جیسے قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دل ملا دیئے اور اپنے فضل سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا، تم جہنم کے کنارے تک پہنچ گئے تھے لیکن اس نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لئے اسی طرح اپنی باتیں بیان فرماتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اے انصاریو، کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں پا کر اللہ کی عنایت سے تمہیں راہ راست نہیں دکھائی؟ کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے امیر کر دیا۔ جدا جدا نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دل ملا دیئے۔ آپ کی ہر بات پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول کا اس سے بھی زیادہ احسان ہم پر ہے۔

الغرض اپنے اس انعام و اکرام کو بیان فرما کر اپنی عزت و حکمت کا اظہار کیا کہ وہ بلند جناب ہے۔ اس سے امید رکھنے والا ناامید نہیں رہتا۔ اس پر توکل کرنے والا سرسبز رہتا ہے۔ وہ اپنے کاموں میں، اپنے حکموں میں حکیم ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اس سے قرابت داری کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ تب ہوتا ہے جب نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے۔ جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے اگر تو روئے زمین کے خزانے بھی ختم کر دیتا تو تیرے بس میں نہ تھا کہ ان کے دل ملا دے۔ شاعر کہتا ہے، تجھ سے دھوکا کرنے والا، تجھ سے بے پرواہی برتنے والا تیرا رشتے دار نہیں بلکہ تیرا حقیقی رشتے دار وہ ہے جو تیری آواز پر لبیک کہے اور تیرے دشمنوں کی سرکوبی میں تیرا ساتھ دے۔ اور شاعر کہتا ہے، میں نے تو خوب مل جل کر آزما کر دیکھ لیا کہ قرابت داری سے بھی بڑھ کر دلوں کا میل جول ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں، ان کی یہ محبت راہ حق میں تھی۔ توحید و سنت کی بنا پر تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، رشتے داریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ احسان کی بھی ناشکری کر دی جاتی ہے لیکن جب اللہ کی جانب سے دل ملا دیئے جاتے ہیں، انہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ پھر آپ نے اسی جملے کی تلاوت فرمائی۔

عبدہ بن ابی لبابہ فرماتے ہیں، میری حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا کہ جب دو شخص اللہ کی راہ میں محبت رکھنے والے آپس میں ملتے ہیں، ایک دوسرے سے خندہ پیشانی سے ہاتھ ملاتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے، میں نے کہا، یہ کام تو بہت آسان ہے، فرمایا یہ نہ کہو، یہی الفت وہ ہے جس کی نسبت جناب باری فرماتا ہے، اگر تو روئے زمین کے خزانے خرچ کر دے تو بھی یہ تیرے بس کی بات نہیں کہ دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دے۔ ان کے اس فرمان سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھ سے بہت زیادہ سمجھدار ہیں۔

ولید بن ابی مغیث کہتے ہیں، میں نے حضرت مجاہد سے سنا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا، صرف مصافحہ ہی سے؟ تو آپ نے فرمایا، کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ پھر آپ نے اسی جملے کی تلاوت کی۔ تو حضرت ولید نے فرمایا، تم مجھ سے بہت بڑے عالم ہو۔ عمیر بن اسحاقؒ کہتے ہیں، سب سے پہلی چیز جو لوگوں میں سے اٹھ جائے گی، وہ الفت و محبت ہے۔ طبرانی میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی سے مل کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے ہوا سے۔ ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گو وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔

ع ٦

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٦٤
يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ
مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ
مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝٦٥ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ
ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ
وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝٦٦

اے نبی تجھے اللہ کافی ہے اور وہ مومن جو تیری پیروی کر رہے ہیں ○ اے نبی ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلا' اگر تم میں سے بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں ○ اچھا اب اللہ تعالیٰ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے' پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر چرب رہیں گے' اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

ایک غازی دس کفار پہ بھاری: ☆☆ (آیت: ٦٤-٦٦) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلا رہا ہے اور انہیں اطمینان دلا رہا ہے کہ وہ انہیں دشمنوں پر غالب کرے گا چاہے وہ ساز و سامان اور افرادی قوت میں زیادہ ہوں' ٹڈی دل ہوں اور گو مسلمان بے سرو سامان اور مٹھی بھر ہوں۔ فرماتا ہے' اللہ کافی ہے اور جتنے مسلمان تیرے ساتھ ہوں گے' وہی کافی ہیں۔ پھر اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہو۔ حضورؐ صف بندی کے وقت' مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے۔ بدر کے دن فرمایا' اٹھو اس جنت کو حاصل کرو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی ہے۔ حضرت عمیر بن حمام کہتے ہیں' اتنی چوڑی؟ فرمایا ہاں ہاں اتنی ہی' اس نے کہا واہ واہ' آپ نے فرمایا یہ کس ارادے سے کہا؟ کہا اس امید پر کہ اللہ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ نے فرمایا میری پیشین گوئی ہے کہ تو جنتی ہے۔ وہ اٹھتے ہی دشمن کی طرف بڑھتے ہیں۔ اپنی تلوار کا میان توڑ دیتے ہیں۔ کچھ کھجوریں جو پاس ہیں کھانی شروع کرتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں جتنی دیر میں انہیں کھاؤں' اتنی دیر تک بھی اب یہاں ٹھہرنا مجھ پر شاق ہے' انہیں ہاتھ سے پھینک دیتے ہیں اور حملہ کر کے شیر کی طرح دشمن کے بیچ میں گھس جاتے ہیں اور جوہر تلوار دکھاتے ہوئے کافروں کی گردنیں مارتے ہوئے راہ حق میں شہید ہو جاتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ و رضاء۔ ابن المسیب اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' یہ آیت حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت اتری جب کہ مسلمانوں کی تعداد پوری چالیس کی ہوئی۔ لیکن اس میں ذرا نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت مدنی ہے اور حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ مکہ شریف کا ہے۔ حبشہ کی ہجرت کے بعد کا اور مدینہ کی ہجرت سے پہلے کا۔ واللہ اعلم۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مومنوں کو بشارت دیتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ تم میں سے بیس ان کافروں میں سے دو سو پر غالب آئیں گے۔ ایک سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے غرض ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے کا ہے۔ پھر حکم

منسوخ ہو گیا لیکن بشارت باقی ہے۔ جب یہ حکم مسلمانوں پر گراں گذرا' ایک دس کے مقابلے سے ذرا جھجکا تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور فرمایا کہ اب اللہ نے بوجھ ہلکا کر دیا۔ لیکن جتنی تعداد کم ہوئی' اتنا ہی صبر ناقص ہو گیا۔ پہلے حکم تھا کہ بیس مسلمان دو سو کافروں سے پیچھے نہ ہٹیں۔ اب یہ ہو کہ اپنے سے دگنی تعداد یعنی سو دو سو سے نہ بھاگیں۔ پس گرانی گذرنے پر ضعیفی اور ناتوانی کو قبول فرما کر اللہ نے تخفیف کر دی۔ پس دگنی تعداد کے کافروں سے تو لڑائی میں پیچھے ہٹنا لائق نہیں۔ ہاں اس سے زیادتی کے وقت طرح دے جانا جرم نہیں۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں' یہ آیت ہم صحابیوں کے بارے میں اتری ہے' حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا' پہلا حکم اٹھ گیا۔ (مستدرک حاکم)

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي
الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ
فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹ ع۵

نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہئیں جب تک کہ ملک میں اچھی طرح خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے۔ تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے۔ اللہ ہے زور آور باحکمت ○ اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے' اس بارے میں تمہیں کوئی بڑی سزا ہوتی ○ پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے' خوب کھاؤ پیؤ اللہ سے ڈرتے دبتے رہو۔ یقیناً اللہ غفور ورحیم ہے ○

اسیران بدر اور مشورہ: ☆☆ (آیت: ۶۷-۶۹) مسند امام احمد میں ہے' بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ لیا کہ اللہ نے انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے۔ بتاؤ کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ آپ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ یہ کل تک تمہارے بھائی بند ہی تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اپنا جواب دوہرایا۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا۔ اب کی دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہماری رائے میں تو آپ ان کی خطا سے درگذر فرمایئے اور انہیں فدیہ لے کر آزاد کیجئے۔ اب آپ کے چہرے سے غم کے آثار جاتے رہے۔ عفو عام کر دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ اسی سورت کے شروع میں ابن عباسؓ کی روایت گذر چکی ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن آپؐ نے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہؐ' یہ آپ کی قوم کے ہیں' آپ والے ہیں۔ انہیں زندہ چھوڑا جائے۔ ان سے توبہ کرا لی جائے۔ کیا عجب کہ کل اللہ کی ان پر مہربانی ہو جائے لیکن حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ یہ آپ کو جھٹلانے والے' آپ کو نکال دینے والے ہیں' حکم دیجئے کہ ان کی گردنیں ماری جائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ اسی میدان میں درخت بکثرت ہیں۔ آگ لگوا دیجئے۔ اور انہیں جلا دیجئے۔ آپ خاموش ہو رہے۔ کسی کو کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔ لوگوں میں بھی ان تینوں بزرگوں کی رائے کا ساتھ دینے والے ہو گئے۔ اتنے میں آپ پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے' بعض دل نرم ہوتے ہوتے دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دل

سخت ہوتے ہوتے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ میرے تابعدار تو میرے ہیں ہی لیکن مخالف بھی تیری معافی اور بخشش کے ماتحت ہیں اور تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جو کہیں گے یا اللہ اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو عزیز و حکیم ہے اور اے عمرؓ تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم پر بددعا کی کہ یا اللہ زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا باقی نہ رکھ۔ سنو تمہیں اس وقت احتیاج ہے' ان قیدیوں میں سے کوئی بھی بغیر فدیے کے رہا نہ ہو ورنہ ان کی گردنیں ماری جائیں۔ اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ سہیل بن بیضا کو اس سے مخصوص کر لیا جائے اس لئے کہ وہ اسلام کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اس پر حضورؐ خاموش ہو گئے۔ واللہ میں سارا دن خوف زدہ رہا کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر نہ برسائے جائیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مگر سہیل بن بیضا' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے یہ حدیث ترمذی' مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ ان قیدیوں میں عباس بھی تھے انہیں ایک انصاری نے گرفتار کیا تھا۔ انصار کا خیال تھا کہ اسے قتل کر دیں' آپ کو بھی یہ حال معلوم تھا آپ نے فرمایا رات کو مجھے اس خیال سے نیند نہیں آئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا' اگر آپ اجازت دیں تو میں انصار کے پاس جاؤں۔ آپ نے اجازت دی۔ حضرت عمرؓ انصار کے پاس آئے اور کہا کہ عباس کو چھوڑ دو۔ انہوں نے جواب دیا واللہ ہم اسے نہ چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا گو رسول اللہ ﷺ کی رضامندی اسی میں ہو؟ انہوں نے کہا اگر ایسا ہے تو آپ انہیں لے جائیے۔ ہم نے بخوشی چھوڑا۔ اب حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ عباسؓ مسلمان ہو جاؤ۔ واللہ تمہارے اسلام لانے سے مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے بھی زیادہ خوشی ہوگی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے اسلام لانے سے خوش ہو جائیں گے۔ ان قیدیوں کے بارے میں حضورؐ نے ابوبکرؓ سے مشورہ لیا تو آپ نے تو فرمایا' یہ سب ہمارے ہی کنبے قبیلے کے لوگ ہیں۔ انہیں چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمرؓ سے جب مشورہ لیا تو آپ نے جواب دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ آخر آپ نے فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اپنے صحابہؓ کو اختیار دیجئے کہ وہ ان دو باتوں سے ایک کو پسند کر لیں۔ اگر چاہیں تو فدیہ لے لیں اور اگر چاہیں تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں لیکن یہ یاد رہے کہ فدیہ لینے کی صورت میں اگلے سال ان میں سے اتنے ہی شہید ہوں گے۔ صحابہؓ نے کہا ہمیں یہ منظور ہے اور ہم فدیہ لے کر چھوڑیں گے (ترمذی' نسائی وغیرہ) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ ان بدری قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے صحابیو! اگر چاہو تو انہیں قتل کر دو اور اگر چاہو ان سے زر فدیہ وصول کر کے انہیں رہا کر دو لیکن اس صورت میں اتنے ہی آدمی تمہارے شہید کئے جائیں گے۔ پس ان ستر شہیدوں میں سب سے آخر حضرت ثابت بن قیس تھے جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ' یہ روایت حضرت عبیدہ سے مرسلاً بھی مروی ہے۔ فاللہ اعلم۔ اگر پہلے ہی سے اللہ کی کتاب میں تمہارے لئے مال غنیمت حلال نہ لکھا ہوا ہوتا اور جب تک ہم بیان نہ فرما دیں تب تک عذاب نہیں کیا کرتے۔ ایسا دستور ہمارا نہ ہوتا تو جو مال فدیہ تم نے لیا' اس پر تمہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا' اسی طرح پہلے سے اللہ طے کر چکا ہے کہ کسی بدری صحابی کو وہ عذاب نہیں کرے گا۔ ان کے لئے مغفرت کی تحریر ہو چکی ہے۔ ام الکتاب میں تمہارے لئے مال غنیمت کی حلت لکھی جا چکی ہے۔ پس مال غنیمت تمہارے لئے حلال طیب ہے' شوق سے کھاؤ پیو اور اپنے کام میں لاؤ۔ پہلے لکھا جا چکا تھا کہ اس امت کے لئے یہ حلال ہے۔ یہی قول امام ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے اور اس کی شہادت بخاری و مسلم کی حدیث سے ملتی ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' مہینے بھر کے فاصلے تک میری مدد رعب سے کی گئی۔ میرے لئے مسجد پاکی اور نماز کی جگہ بنا دی گئی' مجھ پر غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں' مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی۔ ہر نبی خاصتہً اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا لیکن میں عام لوگوں کی طرف پیغمبر

بنا کر بھیجا گیا ہوں- آپ فرماتے ہیں' کسی سیاہ سر والے انسان کے لئے میرے سوا غنیمت حلال نہیں کی گئی- پس صحابہؓ نے ان بدری قیدیوں سے فدیہ لیا- ابوداؤد میں ہے' ہر ایک سے چار سو کی رقم بطور تاوان جنگ کے وصول کی گئی- پس جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ امام وقت کو اختیار ہے کہ اگر چاہے قیدی کفار کو قتل کر دے' جیسے کہ بنو قریظہ کے قیدیوں کے ساتھ حضورؐ نے کیا- اگر چاہے بدلے کا مال لے کر انہیں چھوڑ دے جیسے کہ بدری قیدیوں کے ساتھ حضورؐ نے کیا یا مسلمان قیدیوں کے بدلے چھوڑ دے جیسے کہ حضور ﷺ نے قبیلہ سلمہ بن اکوع کی ایک عورت اور اس کی لڑکی کو مشرکوں کے پاس جو مسلمان قیدی تھی' ان کے بدلے میں دیا اور اگر چاہے انہیں غلام بنا کر رکھے- یہی مذہب امام شافعیؒ کا اور علماء کرام کی ایک جماعت کا ہے- گو اوروں نے اس کا خلاف بھی کیا ہے- یہاں اس کی تفصیل کی جگہ نہیں-

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ
يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ
مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ
فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

اے نبی اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا- اللہ بخشنے والا مہربان ہے ہی ○ اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا خیال کریں گے تو یہ تو اس سے پہلے خود اللہ کی خیانت بھی کر چکے ہیں- آخر اس نے انہیں گرفتار کرا دیا- اللہ علم والا حکمت والا ہے ○

فدیہ طے ہو گیا: ☆☆ (آیت: ۷۰-۷۱) بدر والے دن آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ بعض بنو ہاشم وغیرہ زبردستی اس لڑائی میں نکالے گئے ہیں- انہیں ہم سے لڑائی کرنے کی خواہش نہ تھی- پس بنو ہاشم کو قتل نہ کرنا- ابوالبختری بن ہشام کو بھی قتل نہ کیا جائے- عباس بن عبدالمطلب کو بھی قتل نہ کیا جائے- اسے بھی بادل نخواستہ ان لوگوں نے اپنے ساتھ کھینچا ہے- اس پر ابوحذیفہ بن عتبہ نے کہا کہ کیا ہم اپنے باپ دادوں کو اپنے بچوں کو اپنے بھائیوں کو اور اپنے کنبے قبیلے کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کی گردن ماروں گا- جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا' اے ابوحفصہ کیا رسول اللہ (ﷺ) کے چچا کے منہ پر تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں' یہ پہلا موقعہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت سے مجھے یاد فرمایا- حضرت عمرؓ نے فرمایا' یا رسول اللہؐ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابوحذیفہ کی گردن اڑا دوں- واللہ وہ تو منافق ہو گیا- حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' واللہ مجھے اپنے اس دن کے قول کا کھٹکا آج تک ہے میں اس سے ابھی تک ڈر رہا ہوں' میں تو اس دن چین پاؤں گا جس دن اس کا کفارہ ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ میں راہ حق میں شہید کر دیا جاؤں-

چنانچہ جنگ یمامہ میں آپ شہید ہوئے- رضی اللہ عنہ و رضاء- ابن عباسؓ کہتے ہیں' جس دن بدری قیدی گرفتار ہو کر آئے' رسول اللہ ﷺ کو اس رات نیند نہ آئی- صحابہؓ نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا' میرے چچا کی آہ و بکا کی آواز میرے کانوں میں ان قیدیوں میں سے آ رہی ہے- صحابہؓ نے اس وقت ان کی قید کھول دی- تب آپ کو نیند آئی- انہیں ایک انصاری صحابیؓ نے گرفتار کیا تھا- یہ بہت مالدار تھے- انہوں نے سو اوقیہ سونا اپنے فدیے میں دیا- بعض انصاریوں نے سرکار نبوتؐ میں گزارش بھی کی کہ ہم چاہتے ہیں' اپنے بھانجے عباس کو بغیر

کوئی زرِ فدیہ لئے آزاد کر دیں لیکن مساوات کے علم بردار ﷺ نے فرمایا' ایک چونی بھی کم نہ لینا - پورا فدیہ لو - قریش نے فدیے کی رقمیں دے کر اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا - ہر ایک نے اپنے اپنے قیدی کی من مانی رقم وصول کی - عباس رضی اللہ عنہ نے کہا بھی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں تو مسلمان ہی تھا - آپ نے فرمایا مجھے تمہارے اسلام کا علم ہے - اگر یہ تمہارا قول صحیح ہے تو اللہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا لیکن چونکہ احکام ظاہر پر ہیں' اس لئے آپ اپنا فدیہ ادا کیجئے بلکہ اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی - نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب کا اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا جو بنو حارث بن فہر کے قبیلے سے ہے' انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ؐ میرے پاس تو اتنا مال نہیں - آپ ؐ نے فرمایا' وہ مال کہاں گیا جو تم نے اور ام الفضل نے زمین میں دفنایا ہے اور تم نے کہا ہے کہ اگر میں اپنے اس سفر میں کامیاب رہا تو یہ مال بنو الفضل اور عبداللہ اور قشم کا ہے؟ اب تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ واللہ میرا علم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ؐ ہیں - اس مال کو بجز میرے اور ام الفضل کے کوئی نہیں جانتا - اچھا یوں کیجئے' میرے پاس سے بیس اوقیہ سونا آپ کے لشکریوں کو ملا ہے - اسی کو میرا زرِ فدیہ سمجھ لیا جائے - آپ ؐ نے فرمایا ہرگز نہیں' وہ مال تو ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے دلوا ہی دیا - چنانچہ اب آپ نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا اور اپنے حلیف کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کیا - اس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اگر تم میں بھلائی ہے تو اللہ اس سے بہتر بدلہ دے گا - حضرت عباس ؓ کا بیان ہے کہ اللہ کا یہ فرمان پورا ہوا اور ان بیس اوقیہ کے بدلے مجھے اسلام میں اللہ نے بیس غلام دلوائے جو سب کے سب مالدار تھے - ساتھ ہی مجھے اللہ عزوجل کی مغفرت کی بھی امید ہے - آپ ؓ فرماتے ہیں' میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے - میں نے اپنے اسلام کی خبر حضور ؐ کو دی اور کہا کہ میرے بیس اوقیہ کا بدلہ مجھے دلوائے جو مجھ سے لئے گئے ہیں - آپ نے انکار کیا - الحمدللہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور آپ کے ساتھیوں نے حضور ؐ سے کہا تھا کہ ہم تو آپ کی وحی پر ایمان لا چکے ہیں آپ کی رسالت کے گواہ ہیں ہم اپنی قوم میں آپ کی خیر خواہی کرتے رہے اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ دلوں کے حال سے واقف ہے - جس کے دل میں نیکی ہوگی' اس سے جو لیا گیا ہے' اس سے بہت زیادہ دے دیا جائے گا اور پھر اگلا شرک بھی معاف کر دیا جائے گا - فرماتے ہیں کہ ساری دنیا مل جانے سے بھی زیادہ خوشی مجھے اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے - مجھ سے جو لیا گیا' واللہ اس سے سو حصے زیادہ مجھے ملا - اور مجھے امید ہے کہ میرے گناہ بھی دھل گئے - مذکور ہے کہ جب بحرین کا خزانہ سرکار رسالت مآب ؐ میں پہنچا' وہ اسی ہزار کا تھا - آپ ؐ نماز ظہر کے لیے وضو کر چکے تھے - آپ ؐ نے ہر ایک شکایت کرنے والے کی اور ہر ایک سوال کرنے والے کی دادرسی کی اور نماز سے پہلے ہی سارا خزانہ راہ اللہ میں لٹا دیا -

حضرت عباس ؓ کو حکم دیا کہ لے اس میں سے لے اور گٹھڑی باندھ کر لے جاؤ - پس یہ ان کے لیے بہت بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ گناہ بھی معاف فرمائے گا - یہ خزانہ ابن الحضرمی نے بھیجا تھا - اتنا مال حضور ؐ کے پاس اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہیں آیا - سب کا سب بوریوں پر پھیلا دیا گیا اور نماز کی اذان ہوئی - آپ تشریف لائے اور مال کے پاس کھڑے ہو گئے - مسجد کے نمازی بھی آ گئے - پھر حضور ؐ نے ہر ایک کو دینا شروع کیا - نہ تو اس دن ناپ تول تھی اور نہ گنتی اور شمار تھا' پس جو آیا' وہ لے گیا اور دل کھول کر لے گیا - حضرت عباس ؓ نے تو اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ لی لیکن اٹھا نہ سکے تو حضور ؐ سے عرض کی یا رسول اللہ ؐ ذرا اونچا کر دیجئے - آپ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اتنی کہ دانت چمکنے لگے - فرمایا کچھ کم کر دو جتنا اٹھے اتنا ہی لو - چنانچہ کچھ کم لیا اور یہ کہتے ہوئے چلے کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ایک بات تو پوری ہوتی دکھا دی اور دوسرا وعدہ بھی ان شاء اللہ پورا ہو کر ہی رہے گا - اس سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا - حضور ؐ برابر اس مال کو تقسیم فرماتے رہے یہاں تک کہ اس میں سے

ایک پائی بھی نہ بچی - آپؐ نے اپنی اہل کو اس میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہ دی - پھر نماز کے لیے آگے بڑھے اور نماز پڑھائی - دوسری حدیث - حضورؐ کے پاس بحرین سے مال آیا اتنا کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنا مال کبھی نہیں آیا - حکم دیا کہ مسجد میں پھیلا دو - پھر نماز کے لیے آئے - کسی کی طرف التفات نہ کیا - نماز پڑھا کر بیٹھ گئے - پھر تو جسے دیکھتے اسے دیتے - اتنے میں حضرت عباسؓ آ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ مجھے دلوایئے - میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے - آپ نے فرمایا' اپنے ہاتھ سے لے لو - انہوں نے چادر میں گٹھڑی باندھی لیکن وزنی ہونے کے باعث اٹھا نہ سکے تو کہا یا رسول اللہؐ کسی کو حکم دیجئے کہ وہ میرے کاندھے پر چڑھا دے - آپ نے فرمایا میں تو کسی سے نہیں کہتا' کہا اچھا آپ ہی اٹھوا دیجئے - آپؐ نے اس کا بھی انکار کیا - اب تو بادل نخواستہ اس میں سے کچھ کم کرنا پڑا - پھر اٹھا کر کندھے پر رکھ کر چل دیئے - ان کے اس لالچ کی وجہ سے حضورؐ کی نگاہیں' جب تک یہ آپ کی نگاہ سے اوجھل نہ ہو گئے' انہی پر رہیں -

پس جب کل مال بانٹ چکے' ایک کوڑی بھی باقی نہ بچی تب آپ وہاں سے اٹھے - امام بخاری نے تعلیقاً جزم کے صیغہ کے ساتھ وارد کی ہے - ● اگر یہ لوگ خیانت کرنا چاہیں گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں' اس سے پہلے وہ اللہ کی خیانت بھی کر چکے ہیں - تو ان سے یہ بھی ممکن ہے کہ اب جو ظاہر کریں اس کے خلاف اپنے دل میں رکھیں - اس سے تو نہ گھبرا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کو تیرے قابو میں کر دیا ہے ایسے ہی وہ ہمیشہ قادر ہے - اللہ کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں - ان کے اور تمام مخلوق کے ساتھ جو وہ کرتا ہے' اپنے ازلی ابدی پورے علم اور کامل حکمت کے ساتھ - حضرت قتادہؒ کہتے ہیں' یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب کے بارے میں اتری ہے جو کہ مرتد ہو کر مشرکوں میں جا ملا تھا - عطا خراسانی کا قول ہے کہ حضرت عباسؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم آپ کی خیر خواہی کرتے رہیں گے - سدی نے اسے عام اور سب کو شامل کہی - یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم -

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ
النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہ اللہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور مدد کی' یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی' تمہارے لئے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے - تم جو کچھ کر رہے ہو' اللہ خوب دیکھتا ہے ○

مجاہدین بدر کی شان: ☆☆ (آیت:۷۲) مسلمانوں کی قسمیں بیان ہو رہی ہیں - ایک تو مہاجر جنہوں نے اللہ کے نام پر وطن ترک کیا - اپنے گھر اور مال' تجارت' کنبہ' قبیلہ' دوست احباب چھوڑے' اللہ کے دین پر قائم رہنے کے لیے نہ جان کو جان سمجھا نہ مال کو مال - دوسرے

انصار مدنی جنہوں نے ان مہاجروں کو اپنے ہاں ٹھہرایا- اپنے مالوں میں ان کا حصہ لگا دیا، ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے لڑائی کی- یہ سب آپس میں ایک ہی ہیں- اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان میں بھائی چارہ کرا دیا- ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا- یہ بھائی بندی قرابت داری سے بھی مقدم تھی، ایک دوسرے کا وارث بنتا تھا، آخر میں یہ منسوخ ہو گئی- حضور ؐ فرماتے ہیں، مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے والی وارث ہیں اور فتح مکہ کے بعد کے آزاد کردہ مسلمان لوگ قریشی اور آزاد شدہ ثقیف آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں قیامت تک- اور روایت میں ہے کہ دنیا اور آخرت میں مہاجر و انصار کی تعریف میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں- فرمان ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الخ، پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار اور ان کے احسان کے تابعدار وہ ہیں جن سے اللہ خوش ہے اور وہ اس سے خوش ہیں- اس نے ان کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے درختوں کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں- اور آیت میں ہے لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الخ، نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی توجہ فرمائی جنہوں نے سختی کے وقت بھی آپ ؐ کی اتباع نہ چھوڑی- اور آیت میں ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الخ، ان مہاجر محتاجوں کے لیے جو اپنے مالوں سے اور اپنے شہروں سے نکال دیئے گئے، جو اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو میں ہیں، جو اللہ اور رسول ؐ کی مدد میں لگے ہوئے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں- اور جنہوں نے ان کو جگہ دی، ان سے محبت رکھی، انہیں کشادہ دلی کے ساتھ دیا بلکہ اپنی ضرورت پر ان کی حاجت کو مقدم رکھا- یعنی جو ہجرت کی فضیلت اللہ نے مہاجرین کو دی ہے، ان پر وہ ان کا حسد نہیں کرتے- ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر انصار پر مقدم ہیں- علماء کا اس پر اتفاق ہے- مسند بزار میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ ؓ کو ہجرت اور نصرت میں اختیار دیا تو آپ نے ہجرت کو پسند فرمایا-

پھر فرماتا ہے جو ایمان لائے لیکن انہوں نے ترک وطن نہیں کیا، انہیں ان کی رفاقت حاصل نہیں- یہ مومنوں کی تیسری قسم ہے جو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے- ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہ تھا نہ خمس میں- ہاں کسی لڑائی میں حصہ لیں تو اور بات ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضور ؐ جب کسی کو کسی فوجی دستے کا سپہ سالار بنا کر بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے کہ دیکھو اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھنا، مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہانہ برتاؤ رکھنا- جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو- اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں کے ساتھ لڑو، اپنے دشمن مشرکوں کے سامنے تین باتیں پیش کرو- ان میں سے جو بھی وہ منظور کر لیں، ان کو اختیار ہے- ان سے کہو کہ اسلام قبول کر لیں- اگر مان لیں تو پھر ان سے رک جاؤ اور ان کا اسلام قبول کر لو اور انہیں کہو کہ کفرستان چھوڑ دو- مہاجرین کے شہروں کو چلے جائیں- تو جو حق مہاجرین کے ہیں، ان کے بھی قائم ہو جائیں گے اور جو مہاجرین پر ہے ان پر بھی ہوگا- ورنہ یہ دیہات کے اور مسلمانوں کی طرح ہوں گے- ایمان کے احکام ان پر جاری رہیں گے- فے اور غنیمت کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا- ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کسی فوج میں شرکت کریں اور کوئی معرکہ سر کریں- یہ نہ مانیں تو انہیں کہو کہ جزیہ دیں- اگر یہ قبول کر لیں تو تم لڑائی سے رک جاؤ اور ان سے جزیہ لے لیا کرو- اگر ان دونوں باتوں کا انکار کریں تو اللہ کی مدد کے بھروسے پر اللہ کی نصرت طلب کر کے ان سے جہاد کرو- جو دیہاتی مسلمان وہیں مقیم ہیں، ہجرت نہیں کی، یہ اگر کسی وقت تم سے مدد کی خواہش کریں، دشمنان دین کے مقابلے پر تمہیں بلائیں تو ان کی مدد تم پر واجب ہے لیکن اگر مقابلے پر کوئی ایسا قبیلہ ہو کہ ان میں اور تم میں صلح کا معاہدہ ہے تو خبردار تم عہد شکنی نہ کرنا- قسمیں نہ توڑنا-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ
فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۷۳

کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں' اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد ہو جائے گا ○

دو مختلف مذاہب والے آپس میں دوست نہیں ہو سکتے: ☆☆ (آیت: ۷۳) اوپر مومنوں کے کارنامے اور رفاقت و ولایت کا ذکر ہوا۔ اب یہاں کافروں کی نسبت بھی بیان فرما کر کافروں اور مومنوں میں دوستانہ کاٹ دیا۔ مستدرک حاکم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ دو مختلف مذاہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے نہ مسلمان کافر کا وارث اور نہ کافر مسلمان کا وارث' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بخاری و مسلم میں بھی ہے' مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ سنن وغیرہ میں ہے' دو مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں۔ اسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ حسن کہتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک نئے مسلمان سے آپ نے عہد لیا کہ نماز قائم رکھنا' زکوۃ دینا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا' رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور جب اور جہاں شرک کی آگ بھڑک اٹھے تو اپنے آپ کو ان کا مقابل اور ان سے برسر جنگ سمجھنا۔ یہ روایت مرسل ہے۔ اور روایت مفصل میں ہے' آپ فرماتے ہیں کہ میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں ٹھہرا رہے۔ کیا وہ دونوں جگہ لگی ہوئی آگ نہیں دیکھتا؟ ابوداؤد میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں جو مشرکوں سے خلا ملا رکھے اور ان میں ٹھہرا رہے' وہ انہی جیسا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ اللہ کے رسول رسولوں کے سرتاج حضرت محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں' جب تمہارے پاس وہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم رضامند ہو تو اس کے نکاح میں دے دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں زبردست فتنہ و فساد برپا ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ چاہے وہ انہی میں رہتا ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کی طرف سے پیغام نکاح آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو اس کا نکاح کر دو۔ تین بار یہی فرمایا۔ آیت کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکوں سے علیحدگی اختیار نہ کی اور ایمانداروں سے دوستیاں نہ رکھیں تو ایک فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یہ اختلاط برے نتیجے دکھائے گا۔ لوگوں میں زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۷۴ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
مَعَكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ
فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷۵ ع ۱۰ ۶ ۶

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ اللہ میں اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد پہنچائی' یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ○ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا' پس یہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم میں' بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○

مہاجر اور انصار میں وحدت: ☆☆ (آیت: ۷۴-۷۵) مومنوں کا دنیوی حکم ذکر فرما کر اب آخرت کا حال بیان فرما رہا ہے۔ ان کے ایمان کی سچائی ظاہر کر رہا ہے جیسے کہ سورت کے شروع میں بیان ہوا ہے۔ انہیں بخشش ملے گی' ان کے گناہ معاف ہوں گے۔ انہیں عزت کی پاک روزی ملے گی جو برکت والی' ہمیشگی والی' طیب و طاہر ہوگی' قسم قسم کی لذیذ عمدہ اور نہ ختم ہونے والی ہوگی۔ ان کی اتباع کرنے والے' ایمان

وعمل صالح میں ان کا ساتھ دینے والے آخرت میں بھی درجوں میں ان کے ساتھ ہی ہوں گے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ میں ہے۔ متفق علیہ بلکہ متواتر حدیث میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے' جو کسی قوم سے محبت رکھے' وہ ان میں سے ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث گذر چکی ہے کہ مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں' فتح مکہ کے بعد مسلمان قریشی اور ثقیف کے آزاد شدہ آپس میں ایک ہیں' قیامت تک یہ سب آپس میں ولی ہیں۔ پھر اولوالارحام کا بیان ہوا۔ یہاں ان سے مراد وہی قرابت دار نہیں جو علماء فرائض کے نزدیک اس نام سے یاد کیے جاتے ہیں یعنی جن کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور جو عصبہ بھی نہ ہوں جیسے خالہ' ماموں' پھوپھی نواسے' نواسیاں' بھانجے' بھانجیاں وغیرہ۔

بعض کا یہی خیال ہے۔ آیت سے حجت پکڑتے ہیں اور اسے اس بارے میں صراحت والی بتاتے ہیں۔ یہ نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام قرابت داروں کو شامل ہے جیسے کہ ابن عباسؓ مجاہدؒ عکرمہؒ حسنؒ قتادہؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ناسخ ہے۔ آپس کی قسموں پر وارث بننے کی اور بھائی چارے پر وارث بننے کی جو پہلے دستور تھا۔ پس یہ علماء فرائض کے ذوی الارحام کو شامل ہوگی خاص نام کے ساتھ۔ اور جو انہیں وارث نہیں بناتے' ان کے پاس کئی دلیلیں ہیں۔ سب سے قوی یہ حدیث ہے کہ اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دلوا دیا ہے' پس کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی حقدار ہوتے تو ان کے بھی حصے مقرر ہو جاتے۔ جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔

الحمدللہ سورہ انفال کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ پر ہمارا بھروسہ ہے۔ وہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

سورۃ التوبۃ

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝٢

اللہ اور اس کے رسولؐ کی بیزاری کا اعلان ہے ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا ○ پس اے مشرکو تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو۔ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ○

(آیت: ۱-۲) یہ سورت سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ پر اتری ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ سب سے آخر آیت یَسْتَفْتُوْنَكَ الخ' اتری اور سب سے آخری سورت سورہ براۃ اتری ہے۔ اس کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ نے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر کے اسے قرآن میں نہیں لکھا تھا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے آپ نے سورہ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورہ براۃ کو جو مئین میں سے ہے' ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھا؟ آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات حضور رسول اللہ ﷺ پر ایک ساتھ کئی سورتیں اترتی تھیں۔ جب آیت اترتی آپ وحی کے لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو جس میں یہ یہ ذکر ہے۔ سورہ انفال مدینہ شریف میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورہ براۃ سب سے آخر میں اتری تھی۔ بیانات دونوں کے ملتے تھے۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں یہ بھی اسی میں سے نہ ہو۔ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے

ہے- اس لئے میں نے دونوں سورتیں متصل لکھیں اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور سات پہلی لمبی سورتوں میں انہیں رکھا-
اس سورت کا ابتدائی حصہ اس وقت اترا جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے- حج کا زمانہ تھا- مشرکین اپنی عادت کے مطابق حج میں آ کر بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے- آپ نے ان میں خلا ملا ہونا ناپسند فرما کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امام بنا کر اس سال مکہ شریف روانہ فرمایا کہ مسلمانوں کو احکام حج سکھائیں اور مشرکوں میں اعلان کر دیں کہ وہ آئندہ سال سے حج کو نہ آئیں اور سورہ براۃ کا بھی عام لوگوں میں اعلان کر دیں- آپ کے پیچھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ آپ کا پیغام بحیثیت آپ کی نزدیکی قرابت داری کے آپ بھی پہنچا دیں جیسے کہ اس کا تفصیلی بیان آ رہا ہے- ان شاء اللہ-

پس فرمان ہے کہ یہ بے تعلقی ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے- بعض تو کہتے ہیں یہ اعلان اس عہد و پیمان کے متعلق ہے جن سے کوئی وقت معین نہ تھا یا جن سے عہد چار ماہ سے کم کا تھا لیکن جن کا لمبا عہد تھا- وہ بدستور باقی رہا- جیسے فرمان ہے کہ فَاَتِمُّوْۤا اِلَیۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰی مُدَّتِهِمۡ ان کی مدت پوری ہونے تک تم ان سے ان کا عہد نبھاؤ- حدیث شریف میں بھی ہے کہ آپ نے فرمایا' ہم سے جن کا عہد و پیمان ہے' ہم اس پر مقررہ وقت تک پابندی سے قائم ہیں- گو اس بارے میں اور اقوال بھی ہیں لیکن سب سے اچھا اور سب سے قوی قول یہی ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے عہد ہو چکا تھا' ان کے لئے چار ماہ کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے مقرر کی اور جن سے عہد نہ تھا' ان کے لئے حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کی حد بندی مقرر کر دی یعنی دس ذی الحجہ سے محرم ختم تک پچاس دن- اس مدت کے بعد حضورؐ کو ان سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں اور جن سے عہد ہے' وہ دس ذی الحجہ کے اعلان کے دن سے لے کر بیس ربیع الاخر تک اپنی تیاری کر لیں- پھر اگر چاہیں مقابلے پر آ جائیں- یہ واقعہ سنہ ۹ھ کا ہے- آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا تھا اور حضرت علیؓ کو تیس یا چالیس آیتیں قرآن کی اس سورت کی دے کر بھیجا کہ آپ چار ماہ کی مدت کا اعلان کر دیں- آپ نے ان کے ڈیروں میں گھروں میں' منزلوں میں جا جا کر یہ آیتیں انہیں سنا دیں اور ساتھ ہی سرکار نبوت کا یہ حکم بھی سنا دیا کہ اس سال کے بعد حج کے لئے کوئی مشرک نہ آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا شخص نہ کرے- قبیلہ خزاعہ' قبلہ مدلج اور دوسرے سب قبائل کے لئے بھی یہی اعلان تھا- تبوک سے آ کر آپ نے حج کا ارادہ کیا تھا لیکن مشرکوں کا وہاں آنا اور ان کا ننگے ہو کر وہاں کا طواف کرنا آپؐ کو ناپسند تھا- اس لئے حج نہ کیا اور اس سال حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا- انہوں نے ذی المجاز کے بازاروں میں اور ہر گلی کوچے اور ہر ہر پڑاؤ اور میدان میں اعلان کیا کہ چار مہینے تک کی تو شرک اور مشرک کو مہلت ہے- اس کے بعد ہماری اسلامی تلواریں اپنا جوہر دکھائیں گی- بیس دن ذی الحجہ کے' محرم پورا صفر پورا اور ربیع الاول- پورا اور دس دن ربیع الاخر کے- زہری کہتے ہیں' شوال محرم تک کی ڈھیل تھی لیکن یہ قول غریب ہے اور سمجھ سے بھی بالاتر ہے کہ حکم پہنچنے سے پہلے ہی مدت شماری کیسے ہو سکتی ہے؟

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ
اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡۤءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ وَرَسُوۡلُهٗ ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَهُوَ خَيۡرٌ
لَّـكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍۙ ﴿۳﴾

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو بڑے حج کے دن صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی - اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے' کافروں کو دکھ کی مار کی خبر پہنچا دے ○

حج اکبر کے دن اعلان: ☆☆ (آیت:۳) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے عام اعلان ہے اور ہے بھی بڑے حج کے دن - یعنی عید قربان کو جو حج کے تمام دنوں میں بڑا اور افضل دن ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکوں سے بری الذمہ' بیزار اور الگ ہے - اگر اب بھی تم گمراہی اور شرک و برائی چھوڑ دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے' توبہ کر لو' نیک بن جاؤ' اسلام قبول کر لو' شرک و کفر چھوڑ دو - اور اگر تم نے نہ مانا' اپنی ضلالت پر قائم رہے تو تم نہ اب اللہ کے قبضے سے باہر ہو نہ آئندہ کسی وقت اللہ کو دبا سکتے ہو' وہ تم پر قادر ہے - تمہاری چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں - وہ کافروں کو دنیا میں بھی سزا کرے گا - صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قربانی والے دن ان لوگوں میں جو اعلان کے لئے بھیجے گئے تھے' بھیجا - ہم نے منادی کر دی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی شخص ننگا ہو کر نہ کرے - پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ سورہ براءۃ کا اعلان کر دیں -

پس آپ نے بھی منیٰ میں ہمارے ساتھ عید کے دن انہی احکام کی منادی کی - حج اکبر کا دن بقرہ عید کا دن ہے کیونکہ لوگ حج اصغر بولا کرتے تھے - حضرت ابو بکر صدیق ضی اللہ عنہ کے اعلان کے بعد حجۃ الوداع میں ایک بھی مشرک حج کو نہیں آیا تھا - حنین کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا تھا - پھر اس سال حضرت الصدیق کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منادی کے لئے روانہ فرمایا - پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ برات کا اعلان کر دیں - امیر حج حضرت علیؓ کے آنے کے بعد بھی حضرت الصدیق ہی رہے رضی اللہ عنہما - لیکن اس روایت میں غربت ہے - عمرہ جعرانہ والے سال امیر حج حضرت عتاب بن اسیدؓ تھے - حضرت ابو بکر تو سنہ ۹ ھ میں امیر حج تھے - مسند کی روایت میں ہے' حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' اس سال حضرت علیؓ کے ساتھ میں تھا - ہم نے پکار پکار کر منادی کر دی کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے - بیت اللہ کا طواف آئندہ سے کوئی شخص عریانی کی حالت میں نہیں کر سکے گا - جن کے ساتھ ہمارے عہد و پیمان ہیں' ان کی مدت آج سے چار ماہ کی ہے' اس مدت کے گزر جانے کے بعد اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری الذمہ ہیں - اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ کے حج کی اجازت نہیں - حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' یہ منادی کرتے کرتے میرا گلا پڑ گیا - حضرت علیؓ کی آواز بیٹھ جانے کے بعد میں نے منادی شروع کر دی تھی - ایک روایت میں ہے' جس سے عہد ہے' اس کی مدت وہی ہے -

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' مجھے تو ڈر ہے کہ یہ جملہ کسی راوی کے وہم کی وجہ سے نہ ہو - کیونکہ مدت کے بارے میں اس کے خلاف بہت سی روایتیں ہیں - مسند میں ہے کہ براۃ کا اعلان کرنے کو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو بھیجا - وہ ذوالحلیفہ پہنچے ہوں گے جو آپ نے فرمایا کہ یہ اعلان تو یا میں خود کروں گا یا میرے اہل بیت میں سے کوئی شخص کرے گا - پھر آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا - ② حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سورہ برات کی دس آیتیں جب اتریں' آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا انہیں لے جاؤ - اہل مکہ کو سناؤ - پھر مجھے یاد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم جاؤ - ابو بکرؓ سے تم ملو' جہاں بھی وہ ملیں ان سے کتاب لے لینا اور مکہ والوں کے پاس جا کر انہیں پڑھ سنانا - میں چلا - جحفہ میں جا کر ملاقات ہوئی - میں نے ان سے کتاب لے لی - آپ واپس لوٹے اور حضورؐ سے پوچھا کہ کیا میرے بارے میں کوئی آیتیں نازل ہوئی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا کہ یا تو یہ پیغام خود آپ پہنچایئے یا اور کوئی شخص جو آپ میں سے ہو - اس

سند میں ضعف ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اسی وقت لوٹ آئے - نہیں بلکہ آپ نے اپنی سرداری میں وہ حج کرایا - حج سے فارغ ہو کر پھر واپس آئے جیسے کہ اور روایتوں میں صراحتاً مروی ہے - اور حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ سے جب حضورؐ نے اس پیغام رسانی کا ذکر کیا تو حضرت علیؓ نے عذر پیش کیا کہ میں عمر کے لحاظ سے اور تقریر کے لحاظ سے اپنے میں کمی پاتا ہوں - آپؐ نے فرمایا لیکن ضرورت اس کی ہے کہ اسے یا تو میں آپ پہنچاؤں یا تو پہنچائے - حضرت علیؓ نے کہا اگر یہی ہے تو لیجئے - میں جاتا ہوں - آپؐ نے فرمایا - جاؤ - اللہ تیری زبان کو ثابت رکھے اور تیرے دل کو ہدایت دے - پھر اپنا ہاتھ ان کے منہ پر رکھا - لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حج کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کیا بات پہنچانے بھیجا تھا؟ آپ نے وہی اوپر والی چاروں باتیں بیان فرمائیں - مسند وغیرہ میں یہ روایت کسی طریق سے آئی ہے - اس میں لفظ یہ ہیں کہ جن سے معاہدہ ہے' وہ جس مدت تک ہے' اسی تک رہے گا -

اور حدیث میں ہے کہ آپ سے لوگوں نے کہا کہ آپ حج میں حضرت صدیق اکبر کو بھیج چکے ہیں کاش کہ یہ پیغام بھی انہیں پہنچا دیتے - آپؐ نے فرمایا اسے تو کوئی میرے گھر والا ہی پہنچائے گا - اس میں ہے کہ حضرت علیؓ حضورؐ کی عضبا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے - انہیں راستے میں دیکھ کر حضرت الصدیق نے پوچھا کہ سردار ہو یا ماتحت؟ فرمایا نہیں' میں تو ماتحت ہوں - وہاں جا کر آپ نے تو حج کا انتظام کیا اور عید والے دن حضرت علیؓ نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے یہ احکام پہنچائے - پھر یہ دونوں آپ کے پاس آئے - پس مشرکین میں سے جن سے عام عہد تھا' ان کے لئے تو چار ماہ کی مدت ہو گئی - باقی جس سے جتنا عہد تھا' وہ بدستور رہا - اور روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور مجھے ان کے پاس چالیس آیتیں سورہ برات کی دے کر بھیجا تھا - آپ نے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا - پھر حضرت علیؓ سے فرمایا' اٹھئے اور سرکار رسالت مابؐ کا پیغام لوگوں کو سنا دیجئے - پس حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر ان چالیس آیتوں کی تلاوت فرمائی - پھر لوٹ کر منیٰ میں آ کر جمرہ پر کنکریاں پھینکیں' اونٹ نحر کیا - سر منڈوایا - پھر مجھے معلوم ہوا کہ سب حاجی اس خطبے کے وقت موجود تھے - اس لئے میں نے ڈیروں میں' خیموں میں اور پڑاؤ میں جا جا کر منادی شروع کر دی - میرا خیال ہے شاید اس وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہو گیا' یہ دسویں تاریخ کا ذکر ہے حالانکہ اصل پیغام نویں کو عرفہ کے دن پہنچا دیا گیا تھا - ابو اسحاق کہتے ہیں' میں نے ابوجحیفہ سے پوچھا کہ حج اکبر کا کون سا دن ہے؟ آپ نے فرمایا' عرفے کا دن - میں نے کہا' یہ آپ اپنی طرف سے فرما رہے ہیں یا صحابہؓ سے سنا ہوا - فرمایا سب کچھ یہی ہے - عطاء بھی یہی فرماتے ہیں - حضرت عمرؓ بھی یہی فرما کر فرماتے ہیں' پس اس دن کوئی روزہ نہ رکھے - راوی کہتا ہے میں نے اپنے باپ کے بعد حج کیا - مدینے پہنچا اور پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ لوگوں نے کہا' حضرت سعید بن مسیب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ - میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے مدینے والوں سے پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ تو انہوں نے آپ کا نام لیا تو میں آپ کے پاس آیا ہوں - یہ فرمائیے کہ عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' میں تمہیں اپنے سے ایک سو درجے بہترین شخص کو بتاؤں - وہ عمرو بن عمر ہیں - وہ اس روزے سے منع فرماتے تھے اور اسی دن کو حج اکبر فرماتے تھے - (ابن ابی حاتم وغیرہ) اور بھی بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے کہ حج اکبر سے مراد عرفے کا دن ہے - ایک مرسل حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے عرفے کے خطبے میں فرمایا' یہی حج اکبر کا دن ہے -

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بقر عید کا دن ہے - حضرت علیؓ یہی فرماتے ہیں - ایک مرتبہ حضرت علیؓ بقر عید والے دن اپنے سفید خچر پر سوار جا رہے تھے کہ ایک شخص نے آن کر لگام تھام لیں اور یہی پوچھا' آپ نے فرمایا' حج اکبر کا دن آج ہی کا دن ہے - لگام چھوڑ دے -

عبداللہ بن ابی اوفی کا قول بھی یہی ہے- حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنے عید کے خطبے میں فرمایا آج ہی کا دن یوم الاضحیٰ ہے- آج ہی کا دن یوم النحر ہے- آج ہی کا دن حج اکبر کا دن ہے- ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے- اور بھی بہت سے لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ حج اکبر بقرہ عید کا دن ہے- امام ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے- صحیح بخاری کے حوالے سے پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے منادی کرنے والوں کو منیٰ میں عید کے دن بھیجا تھا- ابن جریر میں ہے' رسول اللہ ﷺ حجتہ الوداع میں جمروں کے پاس دسویں تاریخ ذی الحجہ کو ٹھہرے اور فرمایا' یہی دن حج اکبر کا دن ہے- اور روایت میں ہے کہ آپؐ کی اونٹنی سرخ رنگ تھی- آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ جانتے بھی ہو آج کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا قربانی کا دن ہے- آپ نے فرمایا سچ ہے- یہی دن حج اکبر کا ہے- اور روایت میں ہے کہ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے- لوگ اس کی نکیل تھامے ہوئے تھے- آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ یہ کونسا دن ہے.. جانتے ہو؟ ہم اس خیال سے خاموش ہو گئے کہ شاید آپ اس کا کوئی اور ہی نام بتائیں- آپ نے فرمایا' یہ حج اکبر کا دن نہیں؟ اور روایت میں ہے' لوگوں نے آپ کے سوال پر جواب دیا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے- سعید بن میبّب فرماتے ہیں کہ عید کے بعد کا دن ہے- مجاہدؒ کہتے ہیں' حج کے سب دنوں کا یہی نام ہے- سفیان بھی یہی کہتے ہیں کہ جیسے یوم جمل' یوم صفین ان لڑائیوں کے تمام دنوں کا نام ہے' ایسے ہی یہ بھی ہے- حسن بصریؒ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' تمہیں اس سے کیا حاصل- یہ تو اس سال تھا جس سال حج کے امیر حضرت ابوبکر صدیق تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ- ابن سیرین اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں یہ وہ دن تھا جس میں رسول اللہؐ کا اور عام لوگوں کا حج ہوا-

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا
وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ
وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے ذرا سا بھی نقصان تمہیں نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو- اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ○ پس حرمت والے مہینوں کے گذرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو- انہیں گرفتار کرو- ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو ہاں اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو- یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

عہد نامہ کی شرط: ☆☆ (آیت:۴) پہلے جو حدیثیں بیان ہو چکی ہیں' ان کا اور اس آیت کا مضمون ایک ہی ہے- اس سے صاف ہو گیا کہ جن سے مطلقاً عہد و پیمان ہوئے تھے' انہیں تو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اس میں وہ اپنا جو چاہیں کر لیں اور جن سے کسی مدت تک عہد و پیمان ہو چکے ہیں' وہ سب عہد ثابت ہیں بشرطیکہ وہ لوگ معاہدے کی شرائط پر قائم رہیں- نہ مسلمانوں کو خود کوئی ایذا پہنچائیں نہ ان کے دشمنوں کی کمک اور امداد کریں- اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے پورے لوگوں سے محبت رکھتا ہے-

جہاد اور حرمت والے مہینے: ☆☆ (آیت: ۵) حرمت والے مہینوں سے مراد یہاں وہ چار مہینے ہیں جن کا ذکر آیت مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ الخ میں ہے۔ پس ان کے حق میں آخری حرمت والا مہینہ محرم الحرام کا ہے ابن عباسؓ اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے لیکن اس میں ذرا تامل ہے بلکہ مراد اس سے یہاں وہ چار مہینے ہیں جن میں مشرکین کو پناہ ملی تھی کہ ان کے بعد تم سے لڑائی ہے چنانچہ خود اسی سورت میں اس کا بیان اور آیت میں آ رہا ہے۔ فرماتا ہے ان چار ماہ کے بعد مشرکوں سے جنگ کرو انہیں قتل کرو انہیں گرفتار کرو جہاں بھی پاؤ پس یہ عام ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ خاص ہے۔ حرم میں لڑائی نہیں ہو سکتی جیسے فرمان ہے وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ یعنی مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ اگر یہ وہاں تم سے لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑائی کرنے کی اجازت ہے۔ چاہو قتل کرو چاہو قید کر لو۔ ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھ کر تاک لگاؤ۔ انہیں زد پر لا کر مارو۔ یعنی یہی نہیں کہ مل جائیں تو جھڑپ ہو جائے خود چڑھ کر جاؤ۔ ان کی راہیں بند کر دو اور انہیں مجبور کر دو کہ یا تو اسلام لائیں یا لڑیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں پابند نماز ہو جائیں۔ زکوۃ دینے کے مانعین سے جہاد کرنے کی اسی جیسی آیتوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دلیل لی تھی کہ لڑائی اس شرط پر حرام ہے کہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام کے واجبات بجا لائیں۔ اس آیت میں ارکان اسلام کو ترتیب وار بیان فرمایا ہے۔ اعلیٰ پھر ادنیٰ۔ پس شہادت کے بعد سب سے بڑا رکن اسلام نماز ہے جو اللہ عزوجل کا حق ہے۔ نماز کے بعد زکوۃ ہے جس کا نفع فقیروں مسکینوں محتاجوں کو پہنچتا ہے اور مخلوق کا زبردست حق جو انسان کے ذمے ہے ادا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نماز کے ساتھ ہی زکوۃ کا ذکر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا کہ لوگوں سے جہاد جاری رکھو جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ کوئی معبود بجز اللہ کے نہیں ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) رسول اللہؐ ہیں اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں نمازوں کے قائم کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے۔ جو زکوۃ نہ دے اس کی نماز بھی نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وہ زکوۃ ادا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ آپ کی فقہ سب سے بڑھی ہوئی تھی جو آپ نے زکوۃ کے منکروں سے جہاد کیا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے لوگوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ برحق کے اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ ان دونوں باتوں کا اقرار کر لیں ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر لیں ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں ہم جیسی نمازیں پڑھنے لگیں تو ہم پر ان کے خون ان کے مال حرام ہیں مگر احکام حق کے ماتحت۔ انہیں ہر وہ حق حاصل ہے جو اور مسلمانوں کا ہے اور ان کے ذمے ہر وہ چیز ہے جو اور مسلمانوں کے ذمے ہے۔ یہ روایت بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے سوائے ابن ماجہ کے۔ ابن جریر میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں جو دنیا سے اس حال میں جائے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کی خالص عبادت کرتا ہو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ اس حال میں جائے گا کہ اللہ اس سے خوش ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہی اللہ کا دین ہے۔ اسی کو تمام پیغمبر علیہم السلام لائے تھے اور اپنے رب کی طرف سے اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا تھا۔ اس سے پہلے کہ باتیں پھیل جائیں اور خواہشیں ادھر ادھر لگ جائیں اس کی سچائی کی شہادت اللہ کی آخری وحی میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ پس توبہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد برحق کے سوا اوروں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں۔ نماز اور زکوۃ کے پابند ہو

جائیں۔ اور آیت میں ہے کہ ان تینوں کاموں کے بعد وہ تمہارے دینی برادر ہیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں' یہ تلوار کی آیت ہے۔ اس نے ان تمام عہد و پیمان کو چاک کر دیا جو مشرکوں سے تھے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ برات کے نازل ہونے پر چار مہینے گزر جانے کے بعد کوئی عہد و ذمہ باقی نہیں رہا۔ پہلی شرطیں برابری کے ساتھ توڑ دی گئیں۔ اب اسلام اور جہاد باقی رہ گیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو چار تلواروں کے ساتھ بھیجا ایک تو مشرکین عرب میں فرماتا ہے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم مشرکون کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ روایت اسی طرح مختصراً ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسری تلوار اہل کتاب میں فرماتا ہے قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ الخ' اللہ تبارک وتعالیٰ پر' قیامت کے دن پر' ایمان نہ لانے والوں اور اللہ رسولؐ کے حرام کردہ کو حرام نہ ماننے والوں اور اللہ کے سچے دین کو قبول نہ کرنے والوں سے جو اہل کتاب ہیں' جہاد کرو تاوقتیکہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دینا قبول نہ کر لیں۔ تیسری تلوار منافقوں میں فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ الخ' اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ چوتھی تلوار باغیوں میں ارشاد ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا الخ' اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر بھی اگر کوئی جماعت دوسری کو دباتی چلی جائے تو ان باغیوں سے تم لڑو جب تک کہ وہ پلٹ کر اللہ کے حکم کی ماتحتی میں نہ آ جائیں۔ ضحاکؒ اور سدیؒ کا قول ہے کہ یہ آیت تلوار آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً سے منسوخ ہے یعنی بطور احسان کے یا فدیہ لے کر کافر قیدیوں کو چھوڑ دو۔ قتادہ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ پچھلی آیت پہلی سے منسوخ ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝۶ ع

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دیا کر یہاں تک کہ وہ کلام اللہ شریف سن لے' پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے' یہ اس لئے کہ یہ لوگ بے علم ہیں ○

امن مانگنے والوں کو امن دو۔ منافقوں کی گردن ماردو : ☆☆ (آیت:۶) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے' ان میں سے اگر کوئی آپ سے امن طلب کرے تو آپ اس کی خواہش پوری کر دیں' اسے امن دیں یہاں تک کہ وہ قرآن کریم سن لے' آپ کی باتیں سن لے' دین کی تعلیم معلوم کر لے' حجت ربانی پوری ہو جائے پھر اپنے امن میں ہی اسے اس کے وطن پہنچا دو' بےخوفی کے ساتھ یہ اپنی امن کی جگہ پہنچ جائے' ممکن ہے کہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کر لے' یہ اس لیے ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں انہیں دینی معلومات بہم پہنچاؤ اور اللہ کی دعوت اس کے بندوں کے کانوں تک پہنچا دو۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو تیرے پاس دینی باتیں سننے سمجھنے کے لیے آئے خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو' وہ امن میں ہے یہاں تک کہ کلام سنے' پھر جہاں سے آیا ہے' وہاں باامن پہنچ جائے' اسی لیے حضورؐ ان لوگوں کو جو دین سمجھنے اور اللہ کی طرف سے لائے ہوئے پیغام کو سننے کے لیے آتے' انہیں امن دے دیا کرتے تھے۔ حدیبیہ والے سال بھی قریش کے جتنے قاصد آئے' انہیں یہاں کوئی خطرہ نہ تھا' عروہ بن مسعود' مکرز بن حفص' سہیل بن عمرو وغیرہ وغیرہ یکے بعد دیگرے آتے رہے' یہاں آ کر انہیں وہ شان نظر آئی جو قیصر و کسریٰ کے دربار میں بھی نہ تھی' یہی انہوں نے اپنی قوم سے کہا' پس یہ رویہ بھی بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا۔ مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کا قاصد جب حضورؐ کی

بارگاہ میں پہنچا، آپ نے اس سے پوچھا کیا تم مسیلمہ کی رسالت کے قائل ہو؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، اگر قاصدوں کا قتل میرے نزدیک ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ آخر یہ شخص حضرت ابن مسعودؓ کوفہ کی کی امارت کے زمانے میں قتل کر دیا گیا، اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا۔ ابن مسعود کو جب معلوم ہوا کہ یہ مسیلمہ کا ماننے والا ہے، تو آپ نے بلوایا اور فرمایا اب تو قاصد نہیں ہے اب تیری گردن مارنے سے کوئی امر مانع نہیں چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا، اللہ کی لعنت اس پر ہو۔ الغرض دارالحرب سے جو قاصد آئے یا تاجر آئے یا صلح کے طالب آئے یا آپس میں اصلاح کے ارادے سے آئے یا جزیہ لے کر حاضر ہوا امام یا نائب امام نے انہیں امن وامان دے دیا ہو تو جب تک وہ دارالاسلام میں رہے یا اپنے وطن نہ پہنچ جائے، اسے قتل کرنا حرام ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو دارالاسلام میں سال بھر تک نہ رہنے دیا جائے، زیادہ سے زیادہ وہ چار ماہ تک یہاں ٹھہر سکتا ہے، پھر چار ماہ سے زیادہ اور سال بھر کے اندر دو قول امام شافعیؒ وغیرہ علماء کے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ
رَسُولِهٖٓ اِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ
فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾
كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ
يُرْضُونَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٨﴾

مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے مگر جن سے تم نے عہد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے، جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں، تم بھی ان سے وفاداری کرو، اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں سے محبت رکھتا ہے ○ ان کے وعدوں کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو نہ تو یہ قرابداری کا خیال کریں نہ عہد و پیمان کا، اپنی زبانوں سے تو تمہیں پرچا رہے ہیں لیکن دل نہیں مانتے، ان میں سے اکثر تو فاسق ہیں ○

پابندئ عہد کی شرائط: ☆☆ (آیت:۷) اوپر والے حکم کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ چار ماہ کی مہلت دینے پر لڑائی کی اجازت دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے شرک و کفر کو چھوڑنے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے والے ہی نہیں، ہاں صلح حدیبیہ جب تک ان کی طرف سے نہ ٹوٹے، تم بھی نہ توڑنا۔ یہ صلح دس سال کے لیے ہوئی تھی، ماہ ذی القعدہ سنہ ۶ ہجری سے حضورؐ نے اس معاہدے کو نبھایا یہاں تک کہ قریشیوں کی طرف سے یہ معاہدہ توڑا گیا، ان کے حلیف بنو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ پر چڑھائی کر دی بلکہ حرم میں بھی انہیں قتل کیا، اس بنا پر رمضان شریف سنہ ۸ ہجری میں حضورؐ نے ان پر چڑھائی کر دی، رب العالمین نے مکہ آپ کے ہاتھوں فتح کرایا اور انہیں آپ کے بس میں کر دیا۔ وللہ الحمد والمنہ لیکن آپ نے باوجود غلبہ اور قدرت کے ان میں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا سب کو آزاد کر دیا۔ انہی لوگوں کو طلقاء کہتے ہیں یہ تقریباً دو ہزار تھے جو کفر پر پھر بھی باقی رہے اور ادھر ادھر ہو گئے، رحمۃ للعالمینؐ نے سب کو عام پناہ دے دی اور انہیں مکہ شریف میں آنے اور یہاں اپنے مکانوں میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی کہ چار ماہ تک وہ جہاں چاہیں آ جا سکتے ہیں، انہی میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ تھے پھر اللہ نے ان کی رہبری کی اور اسلام نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر اندازے کے کرنے میں اور ہر کام کے کرنے میں تعریفوں والا ہی ہے۔

کافروں کی دشمنی: ☆☆ (آیت:۸) اللہ تعالیٰ کافروں کے مکروفریب اور ان کی دلی عداوت سے مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ ان کی

دوستی اپنے دل میں نہ رکھیں نہ ان کے قول وقرار پر مطمئن رہیں' ان کا کفر وشرک انہیں وعدوں کی پابندی پر رہنے نہیں دیتا' یہ تو وقت کے منتظر ہیں' ان کا بس چلے تو یہ تمہیں کچا چباڈالیں' نہ قرابت داری کو دیکھیں اور نہ وعدوں کی پاسداری کریں' ان سے جو ہو سکے' وہ تکلیف تم پر توڑیں اور خوش ہوں- آل کے معنی قرابت داری کے ہیں' ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت حسان کے شعر میں بھی یہی معنی کیے گئے ہیں کہ وہ اپنے غلبہ کے وقت اللہ کا بھی لحاظ نہیں کریں گے نہ کسی اور کا- یہی لفظ ال ایل بن کر جبرئیل میکائیل اور اسرافیل میں آیا ہے یعنی اس کا معنی اللہ ہے لیکن پہلا قول ہی ظاہر اور مشہور ہے اور اکثر مفسرین کا بھی یہی قول ہے- مجاہد کہتے ہیں مراد عہد ہے- قتادہ کا قول ہے کہ مراد قسم ہے-

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ
سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ
اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱

انہوں نے اللہ کی آیات کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس کی راہ سے اٹک گئے' بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں ○ یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتے داری کا یا عہد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے' یہ ہیں ہی حد سے گذر جانے والے ○ اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم تو جاننے والوں کے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان فرما رہے ہیں ○

جہاد ہی راہ اصلاح ہے: ☆☆ (آیت:۹-۱۱) مشرکوں کی مذمت کے ساتھ ہی مسلمانوں کو ترغیب جہاد دی جارہی ہے کہ ان کافروں نے دنیائے خسیس کو آخرت نفیس کے بدلے پسند کرلیا ہے خود راہ حق سے ہٹ کر مومنوں کو بھی روک رہے ہیں' ان کے اعمال بہت ہی بد ہیں یہ تو مومنوں کو نقصان پہنچانے کے ہی درپے ہیں' نہ انہیں رشتہ داری کا خیال ہے نہ معاہدے کا پاس' یہ تو حد سے تجاوز کر گئے ہیں ہاں اب بھی سچی توبہ اور نماز کی پابندی انہیں تمہارا بنا سکتی ہے-

چنانچہ بزار کی حدیث میں ہے' جو دنیا کو اس حال میں چھوڑے کہ اللہ کی عبادتیں خلوص کے ساتھ کر رہا ہو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو' نماز وزکوۃ کا پابند ہو تو اللہ اس سے خوش ہو کر ملے گا- یہی اللہ کا وہ دین ہے جسے انبیاء علیہم السلام لاتے رہے اور اسی کی تبلیغ اللہ کی طرف سے وہ کرتے رہے' اس سے پہلے کہ باتیں پھیل جائیں اور خواہشیں بڑھ جائیں' اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں یعنی بتوں اور بت پرستی کو چھوڑ دیں اور نماز قائم کرنے والے اور زکوۃ ادا کرنے والے بن جائیں تو تم ان کے راستے چھوڑ دو- اور آیت میں ہے کہ پھر تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں- امام بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال سے تو مرفوع حدیث وہیں پر ختم ہے کہ اللہ اس سے رضامند ہو کر ملے گا' اس کے بعد کا کلام راوی حدیث ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا ہے- واللہ اعلم-

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲

اور اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ' ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں' ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں ○

وعدہ خلاف قوم کو دندان شکن جواب دو: ☆☆ (آیت:۱۲) اگر یہ مشرک اپنی قسموں کو توڑ کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کریں اور تمہارے دین پر اعتراض کرنے لگیں تو تم ان کفر کے سروں کو توڑ مروڑ دو- اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ جو حضور ﷺ کو گالیاں دے' دین میں عیب جوئی کرے' اس کا ذکر اہانت کے ساتھ کرے' اسے قتل کر دیا جائے' ان کی قسمیں محض بے اعتبار ہیں' یہی طریقہ ان کے کفر و عناد سے روکنے کا ہے- ابو جہل' عتبہ' شیبہ' امیہ وغیرہ یہ سب سرداران کفر تھے- ایک خارجی نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو کہا کہ یہ کفر کے پیشواؤں میں سے ایک ہے' آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے' میں تو ان میں سے ہوں جنہوں نے کفر کے پیشواؤں کو قتل کیا تھا- حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں' اس آیت والے اس کے بعد قتل نہیں کیے گئے- حضرت علی ؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے' گو نزول کے اعتبار سے اس سے مراد مشرکین قریش ہیں لیکن حکماً اس میں اور سب شامل ہیں- واللہ اعلم- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تمہیں ان میں کچھ لوگ ایسے ملیں گے جن کی چندھیا منڈی ہوئی ہوگی تو تم اس شیطانی بیٹھک کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دینا' واللہ ان میں سے ایک کا قتل دوسرے ستر لوگوں کے قتل سے مجھے زیادہ پسند ہے اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے' کفر کے اماموں کو قتل کر دو (ابن ابی حاتم)-

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے جو اپنی قسموں کو توڑ دیتے ہیں اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کی فکر میں ہیں اور خود ہی اول بار تم سے چھیڑ کریں' کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایماندار رہو ○

ظالموں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچاؤ: ☆☆ (آیت:۱۳) اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو پوری طرح جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے فرما رہا ہے کہ یہ عہد شکن قسمیں توڑنے والے کفار وہی ہیں' جنہوں نے رسول ؐ کو جلاوطن کرنے کی پوری ٹھان لی تھی' چاہتے تھے کہ قید کر لیں یا قتل کر ڈالیں یا دیس نکالا دے دیں' ان کے مکر سے اللہ کا مکر کہیں بہتر تھا' صرف ایمان کی بنا پر دشمنی کر کے پیغمبر کو اور مومنوں کو وطن سے خارج کرتے تھے' بھڑ بھڑا کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے تاکہ تجھے مکہ شریف سے نکال دیں' برائی کی ابتداء بھی انہی کی طرف سے ہے- بدر کے دن لشکر لے کر نکلے حالانکہ معلوم ہو چکا تھا کہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے لیکن تاہم غرور و فخر سے اللہ کے لشکر کو شکست دینے کے ارادے سے مسلمانوں سے صف آراء ہو گئے جیسے کہ پورا واقعہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے' انہوں نے عہد شکنی کی اور اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ؐ کے حلیفوں سے جنگ کی' بنو بکر کی بنو خزاعہ کے خلاف مدد کی اس وعدہ خلافی کی وجہ سے حضور ؐ نے ان پر لشکر کشی کی' ان کی خوب سرکوبی کی اور مکہ فتح کر لیا- فالحمد للہ-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان نجس لوگوں سے خوف کھاتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو تمہارے دل میں بجز اللہ کے کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے وہی اس لائق ہے کہ ایماندار اس سے ڈرتے رہیں- دوسری آیت میں ہے کہ ان سے نہ ڈرو' صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو' میرا غلبہ'

میری سلطنت' میری سزا' میری قدرت' میری ملکیت' بیشک اس قابل ہے کہ ہروقت' ہردل میری ہیبت سے لرزتا رہے' تمام کام میرے ہاتھ میں ہیں' جو چاہوں کرسکتا ہوں اور کرگذرتا ہوں' میری منشا کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا راز بیان ہورہا ہے کہ اللہ قادر تھا جو عذاب چاہتا' ان پر بھیج دیتا لیکن یہ اس کی منشا ہے کہ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے اور ان کی بربادی تم خود کرو' تمھارے دل کی بھڑاس خوب نکل جائے اور تمھیں راحت و آرام شادمانی و کامرانی حاصل ہو۔ یہ بات کچھ انہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام مومنوں کے لیے بھی ہے خصوصاً خزاعہ کا قبیلہ جن کے خلاف عہد قریش اپنے حلیفوں میں مل کر چڑھ دوڑے' ان کے دل اسی وقت ٹھنڈے ہوں گے' ان کے غبار اسی وقت بیٹھیں گے جب مسلمانوں کے ہاتھوں کفار نیچے ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ غضبناک ہوجاتیں تو آپ ان کی ناک پکڑ لیتے اور فرماتے اے عائشہ یہ دعا کرو اللھم رب النبی محمد اغفر ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن اے اللہ اے محمد (ﷺ) کے پروردگار' میرے گناہ بخش دے اور میرے دل کا غصہ دور کر اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے بچا لے۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے توبہ قبول فرمالے وہ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے خوب آگاہ ہے' اپنے تمام کاموں میں' اپنے شرعی احکام میں' اپنے تمام حکموں میں حکمت والا ہے' جو چاہتا ہے کرتا ہے' جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے' وہ عادل و حاکم ہے' ظلم سے پاک ہے' ایک ذرے برابر بھلائی' برائی ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کا بدلہ دنیا اور آخرت میں دیتا ہے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ
وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ
اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن
تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا
مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع ۱۰ ۸

ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب کرے گا' انہیں ذلیل اور رسوا کرے گا' تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا ○ اور ان کے دل کا غم و غصہ دور کردے گا اور جس کی طرف چاہے گا' رحمت سے توجہ فرمائے گا' اللہ جانتا بوجھتا حکمت والا ہے ○ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جو مجاہد ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بناتے اور اللہ خوب خبردار ہے ہر اس کام سے جو تم کررہے ہو ○

مسلمان بھی آزمائے جائیں گے : ☆☆ (آیت:۱۴-۱۶) یہ ناممکن ہے کہ امتحان کے بغیر مسلمان بھی چھوڑ دیئے جائیں' سچے اور جھوٹے مسلمان کو ظاہر کردینا بھی ضروری ہے۔ وَلِیْجَۃً کے معنی بھیدی اور دخل دینے والے کے ہیں۔ پس سچے وہ ہیں جو جہاد میں آگے بڑھ کر حصہ لیں اور ظاہر و باطن میں اللہ اور رسول کی خیرخواہی اور حمایت کریں' ایک قسم کا بیان دوسری قسم کو ظاہر کردیتا تھا اس لیے دوسری قسم کے لوگوں کا بیان چھوڑ دیا۔ ایسی عبارتیں شاعروں کے شعروں میں بھی ہیں۔ ایک جگہ قرآن کریم میں ہے کہ کیا لوگوں نے یہ گمان کررکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش ہوگی ہی نہیں حالانکہ اگلے مومنوں کی بھی ہم نے آزمائش کی

یاد رکھو اللہ سچے جھوٹوں کو ضرور الگ الگ کر دے گا- اور آیت میں اسی مضمون کو اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ' کے لفظوں میں بیان فرمایا ہے- اور آیت میں ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ' اللہ ایسا نہیں کہ تم مومنوں کو تمھاری حالت پر ہی چھوڑ دے اور امتحان کر کے یہ نہ معلوم کر لے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے؟ پس جہاد کے مشروع کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے' گو اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے' جو ہو گا وہ بھی اسے معلوم ہے اور جو نہیں ہوا اور جب ہو گا' تب کس طرح ہو گا یہ بھی وہ جانتا ہے' چیز کے ہونے سے پہلے ہی اسے اس کا علم ہے اور ہر چیز کی ہر حالت سے وہ واقف ہے' لیکن وہ چاہتا ہے کہ دنیا پر بھی کھرا کھوٹا' سچا جھوٹا ظاہر کر دے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے اور نہ اس کی قضا و قدر اور ارادے کو کوئی بدل سکتا ہے-

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ
خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ
فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸

ناممکن ہے کہ مشرک اللہ کی مسجدوں کی آبادی کر لیں وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں' ان کے اعمال غارت و اکارت ہیں اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں ○ اللہ کی مسجدوں کی رونق و آبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں' نمازوں کے پابند ہوں' زکوٰۃ دیتے ہوں' اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں پس یہی لوگ یقیناً راہ یافتہ ہیں ○

مشرکوں کو اللہ کے گھر سے کیا تعلق؟ ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۸) یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو اللہ کی مسجدوں (کی تعمیر) کرنے والے بننا لائق ہی نہیں' یہ مشرک ہیں' بیت اللہ سے انہیں کیا تعلق؟ مساجد کو مسجد بھی پڑھا گیا ہے- پس مراد مسجد حرام ہے جو روئے زمین کی مسجدوں سے اشرف ہے' اول دن سے صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے' جس کی بنیادیں خلیل اللہ نے رکھی تھیں اور یہ لوگ مشرک ہیں- حال و قال دونوں اعتبار سے' تم نصرانی سے پوچھو' وہ صاف کہے گا' میں نصرانی ہوں' یہود سے پوچھو وہ اپنی یہودیت کا اقرار کریں گے' صابی سے پوچھو' وہ اپنا صابی ہونا اپنی زبان سے کہے گا' اسی طرح مشرک بھی اپنے مشرک ہونے کے اقراری ہیں- ان کے اس شرک کی وجہ سے ان کے اعمال اکارت ہو چکے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لیے ناری ہیں' یہ تو مسجد حرام سے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہی ہیں' گو یہ کہیں' لیکن یہ اللہ کے اولیاء نہیں' اولیاء اللہ تو وہ ہیں جو متقی ہوں لیکن اکثر لوگ علم سے کورے اور خالی ہوتے ہیں- ہاں بیت اللہ کی آبادی مومنوں کے ہاتھوں ہوتی ہے' پس جس کے ہاتھ سے مسجدوں کی آبادی ہو' اس کے ایمان کا قرآن گواہ ہے- مسند میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب تم کسی کو مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو' پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- اور حدیث میں ہے' مسجدوں کو آباد کرنے والے اللہ والے ہیں- اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسجد والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب پوری قوم پر سے ہٹا لیتا ہے- اور حدیث میں ہے' اللہ عز و جل فرماتا ہے' مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کو آباد کرنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنے

عذاب ہٹا لیتا ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے' جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ الگ تھلگ پڑی ہوئی ادھر ادھر کی بکھری بکری کو پکڑ کر لے جاتا ہے' پس تم پھوٹ اور اختلاف سے بچو' جماعت کو اور عوام کو اور مسجد کو لازم پکڑے رکھو۔ اصحاب رسول ؐ کا بیان ہے کہ مسجدیں اس زمین' پر اللہ کا گھر ہیں' جو ان میں داخل ہو' اللہ کا ان پر حق ہے کہ وہ مساجد کا احترام کریں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو نماز کی اذان سن کر پھر بھی مسجد میں آ کر با جماعت نماز نہ پڑھے' اس کی نماز نہیں ہوتی' وہ اللہ کا نافرمان ہے کہ مسجدوں کی آبادی کرنے والے اللہ کے اور قیامت کے ماننے والے ہی ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا' نمازی بدنی عبادت' نماز کے پابند ہوتے ہیں اور مالی عبادت' زکوٰۃ کے بھی ادا کرنے والے ہوتے ہیں' ان کی بھلائی اپنے لیے بھی ہوتی ہے اور پھر عام مخلوق کے لیے بھی ہوتی ہے' ان کے دل اللہ کے سوا اور کسی سے ڈرتے نہیں' یہی راہ یافتہ لوگ ہیں' موحد' ایماندار' قرآن و حدیث کے ماتحت' پانچوں نمازوں کے پابند' صرف اللہ کا خوف کھانے والے' اس کے سوا دوسرے کی بندگی نہ کرنے والے ہی راہ یافتہ اور کامیاب اور بامقصد ہیں۔ یہ یاد رہے کہ بقول حضرت ابن عباس ؓ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ عسیٰ ہے' وہاں یقین کے معنی میں ہے' امید کے معنی میں نہیں مثلاً فرمان ہے عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا تو مقام محمود میں پہنچانا یعنی حضور ؐ کا شافع محشر ہونا یقینی چیز ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ محمد بن اسحاق ؒ فرماتے ہیں' عسیٰ کلام اللہ میں حق و یقین کے لیے آتا ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ
اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر' آخرت کے دن پر ایمان لائے اور راہ اللہ میں جہاد کرے' یہ اللہ کے نزدیک برابری کے نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو راہ نہیں دکھاتا ○

سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں جہاد ہے: ☆☆ (آیت:۱۹) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کافروں کا قول تھا کہ بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی سعادت ایمان و جہاد سے بہتر ہے' ہم چونکہ یہ دونوں خدمتیں انجام دے رہے ہیں' اس لیے ہم سے بہتر کوئی نہیں۔ اللہ نے ان کے فخر و غرور اور حق سے تکبر اور منہ پھیرنے کو بے نقاب کیا کہ میری آیات کی تمہارے سامنے تلاوت ہوتے ہوئے تم ان سے بے پرواہی سے منہ موڑ کر اپنی بات چیت میں مشغول رہتے ہو' پس تمہارا گمان بے جا' تمہارا غرور غلط' تمہارا فخر نامناسب ہے ویسے بھی اللہ کے ساتھ ایمان اور اس کی راہ میں جہاد بہت بڑی چیز ہے لیکن تمہارے مقابلے میں تو وہ اور بھی بڑی چیز ہے کیونکہ اگر تمہاری کوئی نیکی ہو بھی تو اسے شرک کا کیڑا کھا جاتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ یہ دونوں گروہ برابر کے نہیں' یہ تو خود کو آبادی کرنے والا کہتے تھے' اللہ نے ان کا نام ظالم رکھا' ان کی اللہ کے گھر کی خدمت بے کار کر دی گئی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی قید کے زمانے میں صحابہ سے کہا تھا کہ تم اگر اسلام و جہاد میں تھے تو ہم بھی اللہ کے گھر کی خدمت اور حاجیوں کو آرام پہنچانے میں تھے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ شرک کے وقت کی نیکی بے کار ہے' صحابہ ؓ نے جب ان پر لے دے شروع کی تو حضرت عباس ؓ نے کہا تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی تھے' ہم غلاموں کو آزاد کرتے تھے' ہم بیت اللہ کو غلاف چڑھاتے تھے' ہم حاجیوں کو پانی پلاتے تھے' اس پر یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ یہ گفتگو حضرت عباس ؓ اور حضرت علی ؓ کے درمیان ہوئی تھی۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ يُبَشِّرُهُمْ
رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، راہ اللہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا، وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں ○ انہیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور جنتوں کی، ان کے لئے وہاں دوامی نعمت ہے ○ وہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑے ثواب ہیں ○

مروی ہے عثمان بن طلحہ، عباس بن عبدالمطلب، علی بن ابی طالب بیٹھے بیٹھے اپنی اپنی بزرگیاں بیان کرنے لگے، عثمانؓ نے کہا، میں بیت اللہ کا کنجی بردار ہوں، میں اگر چاہوں، وہاں رات گذار سکتا ہوں۔ عباسؓ نے کہا، میں زمزم کا پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں، اگر چاہوں تو مسجد میں ساری رات رہ سکتا ہوں۔ علیؓ نے کہا میں نہیں جانتا تم دونوں صاحب کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے، میں مجاہد ہوں، اس پر یہ پوری آیت اتری۔ عباسؓ نے اپنا ڈر ظاہر کیا کہ کہیں میں چاہ زمزم کے پانی پلانے کے عہدے سے نہ ہٹا دیا جاؤں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہیں تم اپنے منصب پر فائز رہو، تمہارے لیے اس میں بھلائی ہے، اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث وارد ہوئی ہے جس کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے، حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر اسلام کے بعد میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں، بجز اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں، دوسرے نے اسی طرح مسجد حرام کی آبادی کو کہا، تیسرے نے اسی طرح راہ رب کے جہاد کو کہا، حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ منبر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آوازیں بلند نہ کرو، یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے، جمعہ کے بعد ہم سب آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے وعدہ کیا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد میں خود جا کر حضورؐ سے یہ بات دریافت کروں گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۴ ع ۸ ۹

اے مسلمانو دوست نہ بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ کفر کو اسلام سے زیادہ عزیز رکھیں تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے وہ پورا گنہگار ظالم ہے ○ کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم سے عذاب کے آنے کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا ○

ترک موالات ومودت کا حکم : ☆☆ (آیت:۲۳-۲۴) اللہ تعالیٰ کافروں سے ترک موالات کا حکم دیتا ہے- ان کی دوستیوں سے روکتا ہے گو وہ ماں باپ ہوں، بہن بھائی ہوں، بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں- اور آیت میں ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ الخ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو ہرگز اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرنے والا نہیں پائے گا گو وہ ان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا رشتے دار ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا گیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے، انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا- بیہقی میں ہے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں، آپ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا، باپ بیٹے میں جنگ شروع ہو گئی، آپ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اس پر آیت لَا تَجِدُ الخ نازل ہوئی-

پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر یہ رشتے اور اپنے حاصل کیے ہوئے مال اور مندے ہو جانے کی دہشت کی تجارتیں اور پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ اور رسولؐ سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو پھر تمہیں اللہ کے عذاب کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، ایسے بدکاروں کو اللہ بھی راستہ نہیں دکھاتا- رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ جا رہے تھے، حضرت عمرؓ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا، حضرت عمرؓ کہنے لگے، یا رسول اللہؐ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں سوائے میری اپنی جان کے، حضورؐ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی مومن نہ ہو گا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اللہ کی قسم اب آپ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے آپ نے فرمایا، اے عمرؓ تو مومن ہو گیا (بخاری شریف)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ
اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ
عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جبکہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ○

صحیح حدیث میں آپ کا فرمان ثابت ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہو گا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے، اولاد اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں- مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے، آپ فرماتے ہیں جب تم عینہ (بیع العینة یعنی کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا) کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور وہ اس وقت تک دور نہ ہو گی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ-

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ
جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ نے اپنی طرف کی تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی اور ان کفار کا یہی بدلہ تھا○ پھر اس کے بعد بھی جس پر چاہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی توجہ فرمائے گا اور اللہ ہے ہی بخشش و مہربانی کرنے والا ○

نصرت الٰہی کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) مجاہدؒ کہتے ہیں براۃ کی یہ پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنا بہت بڑا احسان مومنوں پر ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے نبیؐ کے ساتھیوں کی خود امداد فرمائی' انہیں دشمنوں پر غالب کر دیا اور ایک جگہ نہیں ہر جگہ اس کی مدد شامل حال رہی' اسی وجہ سے فتح و ظفر نے کبھی ہم رکابی نہ چھوڑی' یہ صرف تائید ربانی تھی نہ کہ مال اسباب اور ہتھیار کی فراوانی اور نہ تعداد کی زیادتی - یاد کرو حنین والے دن تمہیں ذرا اپنی تعداد کی کثرت پر ناز ہو گیا تھا تو کیا حال ہوا؟ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے تھے' صرف چند گنتی کے لوگ ہی اللہ کے پیغمبر ﷺ کے ساتھ ٹھہرے' اسی وقت اللہ کی مدد نازل ہوئی' اس نے دلوں میں تسکین ڈال دی' یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ مدد اسی اللہ کی طرف سے ہے' اس کی مدد سے چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے گروہوں کے منہ پھیر دیئے ہیں' اللہ کی امداد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے - یہ واقعہ ہم عنقریب تفصیل وار بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ -

مسند کی حدیث میں ہے' بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین چھوٹا لشکر چار سو کا ہے اور بہترین بڑا لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کی تعداد تو اپنی زیادتی کے باعث کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی' یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے' امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور یہ روایت سوائے ایک راوی کے باقی سب راویوں نے مرسل بیان کی ہے - ابن ماجہ اور بیہقی میں بھی یہ روایت اسی طرح مروی ہے - واللہ اعلم - سنہ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد ماہ شوال میں جنگ حنین ہوئی تھی' جب حضورؐ فتح مکہ سے فارغ ہوئے اور ابتدائی امور سب انجام دے چکے اور عموماً مکی حضرات مسلمان ہو چکے اور انہیں آپ آزاد بھی کر چکے تو آپ کو خبر ملی کہ قبیلہ ہوازن جمع ہوا ہے اور آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہے' ان کا سردار مالک بن عوف نصری ہے' ثقیف کا سارا قبیلہ ان کے ساتھ ہے' اسی طرح بنوجشم' بنوسعد بن بکر بھی ہیں اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی ہیں اور کچھ لوگ بنوعمرو بن عامر کے اور عون بن عامر کے بھی ہیں' یہ سب لوگ مع اپنی عورتوں اور بچوں اور گھریلو مال کے میدان میں نکل کھڑے ہوئے ہیں' یہاں تک کہ اپنی بکریوں اور اونٹوں کو بھی انہوں نے ساتھ ہی رکھا - تو آپ اس لشکر کو لے کر جو آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار وغیرہ کا تھا' ان کے مقابلہ کے لئے چلے' قریباً دو ہزار نو مسلم مکی بھی آپ کے ساتھ ہو لئے' مکہ اور طائف کے درمیان کی وادی میں دونوں لشکر مل گئے اس جگہ کا نام حنین تھا - صبح سویرے منہ اندھیرے قبیلہ ہوازن جو کمین گاہ میں چھپے ہوئے تھے' انہوں نے بے خبری میں مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا بے پناہ تیر باری کرتے ہوئے آگے بڑھے اور تلواریں چلانی شروع کر دیں' یہاں مسلمانوں میں دفعتاً ابتری پھیل گئی اور یہ منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے' لیکن رسول اللہ ﷺ ان کی طرف بڑھے' آپ اس وقت سفید خچر پر سوار تھے -

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانور کی دائیں جانب سے نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف سے نکیل پکڑے ہوئے تھے۔ جانور کی تیزی کو یہ لوگ روک رہے تھے۔ آپ با آواز بلند اپنا نام لے کر لوگوں کو پہچان کرا رہے تھے مسلمانوں کو واپسی کا حکم فرما رہے تھے اور ندا کرتے جاتے تھے کہ اللہ کے بندو کہاں چلے، میری طرف آؤ، میں اللہ کا سچا رسولؐ ہوں، میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں، میں اولاد عبدالمطلب میں سے ہوں، آپ کے ساتھ اس وقت صرف اسی یا سو کے قریب صحابہؓ رہ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت ابوسفیان بن حارث، حضرت ایمن بن ام ایمن، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ آپ کے ساتھ ہی تھے۔

پھر آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو بہت بلند آواز والے تھے، حکم دیا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے میرے صحابیوں کو آواز دو کہ وہ منہ بھاگیں، پس آپ نے یہ کہہ کر کہ اے ببول کے درخت تلے بیعت کرنے والو! اے سورہ بقرہ کے حاملو! پس یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچنی تھی کہ انہوں نے ہر طرف سے لبیک لبیک کہنا شروع کیا اور آواز کی جانب لپک پڑے اور اسی وقت لوٹ کر آپ کے آس پاس آ کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ اڑ گیا تو اس نے اپنی زرہ پہن لی اور اونٹ پر سے کود گیا اور پیدل سرکار نبوتؐ میں حاضر ہو گیا۔ جب کچھ جماعت آپ کے اردگرد جمع ہو گئی، آپؐ نے اللہ سے دعا مانگنی شروع کی کہ بار الٰہی جو وعدہ تیرا میرے ساتھ ہے، اسے پورا فرما۔ پھر آپؐ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور اسے کافروں کی طرف پھینکا جس سے ان کی آنکھیں اور ان کا منہ بھر گیا۔ وہ لڑائی کے قابل نہ رہے۔ ادھر مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور مسلمانوں کی باقی فوج حضورؐ کے پاس پہنچی۔ اتنی دیر میں تو انہوں نے ان کفار کو قید کر کے حضورؐ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبدالرحمٰن فہری جن کا نام یزید بن اسید ہے یا یزید بن انیس ہے اور کرز بھی کہا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں اس معرکے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، دن سخت گرمی والا تھا۔ دوپہر کو ہم درختوں کے سائے تلے ٹھہر گئے۔ سورج کے ڈھلنے کے بعد میں نے اپنے ہتھیار لگا لئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں پہنچا۔ سلام کے بعد میں نے کہا، حضورؐ ہوائیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں ٹھیک ہے بلال! اس وقت بلالؓ ایک درخت کے سائے میں تھے۔ حضور کی آواز سنتے ہی پرندے کی طرح گویا اڑ کر لبيك و سعديك و انا فداوك کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا، میری سواری تیار کرو۔ اسی وقت انہوں نے زین نکالی جس کے دونوں پلے کھجور کی رسی کے تھے جس میں کوئی فخر و غرور کی چیز نہ تھی۔ جب کس چکے تو حضورؐ سوار ہوئے۔ ہم نے صف بندی کر لی، شام اور رات اسی طرح گذری۔ پھر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہو گئی تو مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے جیسے قرآن نے فرمایا ہے، حضورؐ نے آواز دی کہ اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ اے مہاجرین! میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ ہوں۔ پھر اپنے گھوڑے سے اتر پڑے۔ مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور یہ فرما کر کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں، کافروں کی طرف پھینک دی۔ اسی سے اللہ نے انہیں شکست دے دی۔ ان مشرکوں کا بیان ہے کہ ہم میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں اور منہ میں یہ مٹی نہ آئی ہو۔ اسی وقت ہمیں ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا زمین و آسمان کے درمیان لوہا کسی لوہے کے طشت پر بج رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بھاگے ہوئے مسلمان جب ایک سو آپ کے پاس واپس پہنچ گئے، آپؐ نے اسی وقت حملہ کا حکم دے دیا۔ اول تو منادی انصار کی تھی پھر خزرج ہی پر رہ گئی۔ یہ قبیلہ لڑائی کے وقت بڑا ہی صابر تھا۔ آپؐ نے اپنی سواری پر سے میدان جنگ کا نظارہ دیکھا اور فرمایا، اب لڑائی گرما گرمی سے ہو رہی ہے۔ اس میں ہے کہ اللہ نے جس کافر کو چاہا قتل کرا دیا جسے چاہا قید کرا دیا۔ اور ان کے مال اور

اولادیں اپنے نبی کو فے میں دلا دیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا، اے ابوعمارہ کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے حنین والے دن بھاگ نکلے تھے؟ آپ نے فرمایا لیکن رسول اللہ ﷺ کا قدم پیچھے نہیں ہٹا تھا۔ بات یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ تیراندازی کے فن کے استاد تھے۔ اللہ کے فضل سے ہم نے انہیں پہلے ہی حملے میں شکست دے دی لیکن جب لوگ مال غنیمت پر جھک پڑے، انہوں نے موقعہ دیکھ کر پھر جو پوری مہارت کے ساتھ تیروں کی بارش برسائی تو یہاں بھگدڑ مچ گئی۔

سبحان اللہ رسول اللہ ﷺ کی کامل شجاعت اور پوری بہادری کا موقع تھا۔ لشکر بھاگ نکلا ہے۔ اس وقت آپ کسی تیز سواری پر نہیں جو بھاگنے دوڑنے میں کام آئے بلکہ خچر پر سوار ہیں اور مشرکوں کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اپنے تئیں چھپاتے نہیں بلکہ اپنا نام اپنی زبان سے پکار پکار کر بتا رہے ہیں کہ نہ پہچاننے والے بھی پہچان لیں۔ خیال فرمایئے کہ کس قدر ذات واحد پر آپ کا توکل ہے اور کتنا کامل یقین آپ کو اللہ کی مدد پر ہے۔ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امر رسالت کو پورا کر کے ہی رہے گا اور آپ کے دین کو دنیا کے اور دینوں پر غالب کر کے ہی رہے گا فصلوات الله و سلامه علیه ابدا۔ اب اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر اور مسلمانوں کے اوپر سکینت نازل فرماتا ہے اور اپنے فرشتوں کا لشکر بھیجتا ہے جنہیں کوئی نہ دیکھتا تھا۔ ایک مشرک کا بیان ہے کہ حنین والے دن جب ہم مسلمانوں سے لڑنے لگے، ایک بکری کا دودھ نکالا جائے اتنی دیر بھی ہم نے انہیں اپنے سامنے جمنے نہیں دیا، فوراً بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم نے ان کا تعاقب شروع کیا یہاں تک کہ ہمیں ایک صاحب سفید خچر پر سوار نظر پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ خوبصورت نورانی چہرے والے کچھ لوگ ان کے اردگرد ہیں۔ ان کی زبان سے نکلا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ واپس لوٹ جاؤ۔ بس یہ کہنا تھا کہ ہمیں شکست ہوگئی یہاں تک کہ مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، میں بھی اس لشکر میں تھا۔ آپؐ کے ساتھ صرف اسی مہاجر و انصار رہ گئے تھے۔ ہم نے پیٹھ نہیں دکھائی تھی۔ ہم پر اللہ نے اطمینان و سکون نازل فرما دیا تھا۔ حضورؐ اپنے سفید خچر پر سوار دشمنوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جانور نے ٹھوکر کھائی۔ آپ زین پر سے نیچے جھک گئے۔ میں نے آواز دی کہ حضورؐ اونچے ہو جایئے۔ اللہ آپ کو اونچا ہی رکھے۔ آپ نے فرمایا ایک مٹھی مٹی کی تو بھر دو۔ میں نے بھر دی۔ آپؐ نے کافروں کی طرف پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ پھر فرمایا مہاجر و انصار کہاں ہیں میں نے کہا یہیں ہیں۔ فرمایا۔ انہیں آواز دو۔ میرا آواز دینا تھا کہ وہ تلواریں سونتے ہوئے لپک لپک کر آ گئے۔ اب تو مشرکین کی کچھ نہ چلی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے، شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ حنین کے دن جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا ہے اور آپ تنہا رہ گئے ہیں تو مجھے بدر والے دن اپنے باپ اور چچا کا مارا جانا یاد آ گیا کہ وہ علیؓ اور حمزہؓ کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ ان کے انتقام لینے کا اس سے اچھا موقعہ اور کون سا ملے گا؟ آؤ پیغمبر کو قتل کر دو۔ اس ارادے سے میں آپ کی دائیں جانب بڑھا لیکن وہاں میں نے عباس بن عبدالمطلب کو پایا۔ سفید چاندی جیسی زرہ پہنے مستعد کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ چچا ہیں۔ اپنے بھتیجے کی پوری حمایت کریں گے چلو بائیں جانب سے جا کر اپنا کام کروں ادھر سے آیا تو دیکھا ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کھڑے ہیں۔ میں نے کہا ان کے بھی چچا کے لڑکے بھائی ہیں۔ اپنے بھائی کی ضرور حمایت کریں گے۔ پھر میں کاوا کاٹ کر پیچھے کی طرف آیا۔ آپ کے قریب پہنچ گیا۔ اب یہی باقی رہ گیا تھا کہ تلوار سونت کر وار کر دوں کہ میں نے دیکھا ایک آگ کا کوڑا بجلی کی طرح چمک کر مجھ پر پڑا چاہتا ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پچھلے پاؤں پیچھے کی طرف ہٹا۔ اسی وقت حضورؐ نے میری جانب التفات کیا اور

فرمایا شیبہ میرے پاس آ، اللہ اس کے شیطان کو دور کر دے۔ اب میں نے آنکھ کھول کر جو رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو واللہ آپ مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ آپ نے فرمایا شیبہ جا کافروں سے لڑ، شیبہ کا بیان ہے کہ اس جنگ میں آنحضرتؐ کے ساتھیوں میں میں بھی تھا لیکن میں اسلام کی وجہ سے یا اسلام کی معرفت کی بنا پر نہیں نکلا تھا بلکہ میں نے کہا، واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہوازن قریش پر غالب آ جائیں؟ میں آپ کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا جو میں نے ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ کر کہا، یا رسول اللہ میں تو ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ رہا ہوں، آپؐ نے فرمایا، شیبہ وہ تو سوا کافروں کے کسی کو نظر نہیں آتے۔ پھر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر دعا کی، یا اللہ شیبہ کو ہدایت کر، پھر دوبارہ سہ بارہ یہی کیا اور یہی کہا۔ واللہ آپ کا ہاتھ ہٹنے سے پہلے ہی ساری دنیا سے زیادہ آپ کی محبت میں اپنے دل میں پانے لگا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں اس غزوے میں آپؐ کے ہم رکاب تھا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی چیز آسمان سے اتر رہی ہے۔ چیونٹیوں کی طرح اس نے میدان گھیر لیا اور اسی وقت مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے۔ واللہ ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ آسمانی مدد تھی۔ یزید بن عامر سوائی اپنے کفر کے زمانے میں جنگ حنین میں کافروں کے ساتھ تھا۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سے جب دریافت کیا جاتا کہ اس موقعہ پر تمہارے دلوں کا رعب و خوف سے کیا حال تھا؟ تو وہ طشت میں کنکریاں رکھ کر بجا کر کہتے، بس یہی آواز ہمیں ہمارے دل سے آ رہی تھی، بے طرح کلیجہ اچھل رہا تھا۔ اور دل دہل رہا تھا۔

صحیح مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے۔ مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں الغرض کفار کو اللہ نے یہ سزا دی اور یہ ان کے کفر کا بدلہ تھا۔ باقی ہوازن پر اللہ نے مہربانی فرمائی۔ انہیں توبہ نصیب ہوئی۔ مسلمان ہو کر خدمت مخدوم میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ فتح مندی کے ساتھ لوٹتے ہوئے مکہ شریف جعرانہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جنگ کو بیس دن کے قریب گذر چکے تھے اسی لئے آپؐ نے فرمایا کہ اب تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو یا تو قیدی یا مال؟ انہوں نے قیدیوں کا واپس لینا پسند کیا۔ ان قیدیوں کی، چھوٹوں بڑوں کی، مرد عورت کی، بالغ نابالغ کی تعداد چھ ہزار تھی۔ آپ نے یہ سب انہیں لوٹا دیئے ان کا مال بطور غنیمت کے مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اور نو مسلم جو مکہ کے آزاد کردہ تھے، انہیں بھی آپ نے اس مال میں سے دیا کہ ان کے دل اسلام کی طرف پورے مائل ہو جائیں۔ ان میں سے ایک ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ مالک بن عوف نصری کو بھی آپ نے سو اونٹ دیئے اور اسی کو اس کی قوم کا سردار بنا دیا جیسے کہ وہ تھا۔ اسی کی تعریف میں اسی نے اپنے مشہور قصیدے میں کہا ہے کہ میں نے تو حضرت محمد ﷺ جیسا نہ کسی اور کو دیکھا نہ سنا۔ دینے میں اور، بخشش و عطا کرنے میں اور، قصوروں سے درگذر کرنے میں دنیا میں آپ کا ثانی نہیں۔ آپ کل قیامت کے دن ہونے والے تمام امور سے مطلع فرماتے رہتے ہیں، یہی نہیں شجاعت اور بہادری میں بھی آپ بے مثل ہیں، میدان جنگ میں گرجتے ہوئے شیر کی طرح آپ دشمنوں کی طرف بڑھتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا
يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۵ ۱۰

اے ایمان والو' مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں۔ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ تمہیں دولت مند کر دے گا۔ اپنے فضل سے اگر چاہے' اللہ علم وحکمت والا ہے ○ لڑو ان لوگوں سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ جو حرام نہیں جانتے اسے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں ○

مشرکین کو حدود حرم سے نکال دو : ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین اپنے پاک دین والے پاکیزگی اور طہارت والے مسلمان بندوں کو حکم فرماتا ہے کہ وہ دین کی رو سے نجس مشرکوں کو بیت اللہ شریف کے پاس نہ آنے دیں' یہ آیت سنہ ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ اسی سال آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ مجمع حج میں اعلان کر دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور کوئی ننگا شخص بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرے' اس شرعی حکم کو اللہ تعالیٰ قادر وقیوم نے یوں ہی پورا کیا کہ نہ وہاں مشرکوں کو داخلہ نصیب ہوا نہ کسی نے اس کے بعد عریانی کی حالت میں اللہ کے گھر کا طواف کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ غلام اور ذمی شخص کو مستثنیٰ بتاتے ہیں۔ مسند کی حدیث میں فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ہماری اس مسجد میں اس کے بعد سوائے معاہدہ والے اور تمام غلاموں کے اور کوئی کافر نہ آئے۔ لیکن اس مرفوع سے زیادہ صحیح سند والی موقوف رویت ہے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود ونصرانی کو مسلمانوں کی مسجدوں میں نہ آنے دو۔ ان کا یہ امتناعی حکم اسی آیت کے تحت تھا۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حرم سارا اس حکم میں مثل مسجد حرام کے ہے۔ یہ آیت مشرکوں کی نجاست پر بھی دلیل واثق ہے۔ صحیح حدیث میں ہے' مومن نجس نہیں ہوتا۔ باقی رہی یہ بات کہ مشرکوں کا بدن اور ذات بھی نجس ہے یا نہیں' جمہور کا قول تو یہ ہے کہ نجس نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کیا ہے۔ بعض ظاہر یہ کہتے ہیں کہ مشرکوں کے بدن بھی ناپاک ہیں۔

حسنؒ فرماتے ہیں جو ان سے مصافحہ کرے' وہ ہاتھ دھو ڈالے۔ اس حکم پر بعض لوگوں نے کہا کہ پھر تو ہماری تجارت کا مندا ہو جائے گا۔ ہمارے بازار بے رونق ہو جائیں گے اور بہت سے فائدے جاتے رہیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ غنی وحمید فرماتا ہے کہ تم اس بات سے نہ ڈرو' اللہ تمہیں اور بہت سی صورتوں سے دلا دے گا' تمہیں اہل کتاب سے جزیہ دلائے گا۔ اور تمہیں غنی کر دے گا۔ تمہاری مصلحتوں کو تم سے زیادہ رب جانتا ہے' اس کا حکم' اس کی ممانعت کسی نہ کسی حکمت سے ہی ہوتی ہے۔ یہ تجارت اتنے فائدے کی نہیں جتنا فائدہ وہ تمہیں جزیئے سے دیتا ہے۔ ان اہل کتاب سے جو اللہ' اس کے رسولؐ' اور قیامت کے منکر ہیں' جو کسی نبی کے صحیح معنی میں پورے متبع نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کے اور اپنے بڑوں کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' اگر انہیں اپنے نبیؐ پر' اپنی شریعت پر پورا ایمان ہوتا تو وہ ہمارے اس نبیؐ پر بھی ضرور ایمان لاتے' ان کی بشارت تو ہر نبی دیتا رہا' ان کی اتباع کا حکم ہر نبی نے دیا لیکن باوجود اس کے وہ اس اشرف الرسل کے انکاری ہیں۔

پس اگلے نبیوں کی شرع سے بھی درصل انہیں کوئی دور کا سروکار بھی نہیں۔ اسی وجہ سے ان نبیوں کا زبانی اقرار ان کے لئے بے سود ہے کیونکہ یہ سید الانبیاء افضل الرسل خاتم النبیین اکمل المرسلین سے کفر کرتے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی جہاد کرو۔ ان سے جہاد کے حکم کی یہ پہلی آیت ہے۔ اس وقت تک آس پاس کے مشرکین سے جنگ ہو چکی تھی۔ ان میں سے اکثر توحید کے جھنڈے تلے آ چکے تھے۔ جزیرۃ العرب میں اسلام نے جگہ کر لی تھی اب یہود و نصاریٰ کی خبر لینے اور انہیں راہ حق دکھانے کا حکم ہوا۔ سنہ ۹ ہجری میں یہ حکم اترا اور آپ نے رومیوں سے جہاد کی تیاری کی لوگوں کو اپنے ارادے سے مطلع کیا مدینہ کے اردگرد کے عربوں کو آمادہ کیا اور تقریباً تیس ہزار کا لشکر لے کر روم کا رخ کیا۔ بجز منافقین کے یہاں کوئی نہ رکا سوائے بعض کے۔ موسم سخت گرم تھا پھلوں کا وقت تھا روم سے جہاد کے لئے شام کے ملک کا دور دراز کا کٹھن سفر تھا۔ تبوک تک تشریف لے گئے وہاں تقریباً بیس روز قیام فرمایا پھر اللہ سے استخارہ کر کے حالت کی تنگی اور لوگوں کی ضعیفی کی وجہ سے واپس لوٹے۔ جیسے کہ عنقریب اس کا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہو گا۔ اسی آیت سے استدلال کر کے بعض نے فرمایا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے اور ان جیسوں سے ہی لیا جائے جیسے مجوس ہیں چنانچہ ہجر کے مجوسیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا تھا۔

امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور مشہور مذہب امام احمدؒ کا بھی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں سب عجمیوں سے لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرک ہوں۔ ہاں عرب میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جزیئے کا لینا تمام کفار سے جائز ہے خواہ وہ کتابی ہوں یا مجوسی ہوں یا بت پرست وغیرہ ہوں۔ ان مذاہب کے دلائل وغیرہ کی تفصیل کی جگہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

پس فرماتا ہے کہ جب تک وہ ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھوں جزیہ نہ دیں، انہیں نہ چھوڑو۔ پس اہل ذمہ کو مسلمانوں پر عزت و توقیر دینی اور انہیں اوج و ترقی دینی جائز نہیں، صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، یہود و نصاریٰ سے سلام کی ابتداء نہ کرو اور جب ان سے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے تنگی سے مجبور کرو۔ یہی وجہ تھی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے ایسی ہی شرطیں کی تھیں۔ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں، میں نے اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر حضرت عمرؓ کو دیا تھا کہ اہل شام کو فلاں فلاں شہری لوگوں کی طرف سے یہ معاہدہ ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر آئے، ہم نے آپ سے اپنی جان، مال اور اہل و عیال کے لئے امن طلب کی۔ ہم ان شرطوں پر وہ امن حاصل کرتے ہیں کہ ہم اپنے ان شہروں میں اور ان کے آس پاس کوئی گرجا گھر اور خانقاہ نئی نہیں بنائیں گے۔ مندر اور نہ ایسے کسی خرابی والے مکان کی اصلاح کریں گے اور جو مٹ چکے ہیں، انہیں درست نہیں کریں گے۔ ان میں اگر کوئی مسلمان مسافر اترنا چاہے تو روکیں گے نہیں خواہ دن ہو یا رات ہو۔ ہم ان کے دروازے رہ گذر اور مسافروں کے لئے کشادہ رکھیں گے اور جو مسلمان آئے، ہم اس کی تین دن تک مہمانداری کریں گے، ہم اپنے ان مکانوں یا رہائشی مکانوں وغیرہ میں کہیں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے، مسلمانوں سے کوئی دھوکہ فریب نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قرآن نہ سکھائیں گے، شرک کا اظہار نہ کریں گے نہ کسی کو شرک کی طرف بلائیں گے، ہم میں سے کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہے، ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے، مسلمانوں کی توقیر و عزت کریں گے، ہماری جگہ اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو ہم اٹھ کر انہیں جگہ دے دیں گے، ہم مسلمانوں سے کسی چیز میں برابری نہ کریں گے، نہ لباس میں نہ جوتی میں نہ مانگ نکالنے میں، ہم ان کی زبانیں نہیں بولیں گے، ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے، زین والے گھوڑوں پر سواریاں نہ کریں گے، تلواریں نہ لٹکائیں گے نہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔

انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں کرائیں گے‘ شراب فروشی نہیں کریں گے‘ اپنے سروں کے اگلے بالوں کو ترشوا دیں گے اور جہاں کہیں ہوں گے‘ زنار ضرورتاً ڈالے رہیں گے‘ صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔ اپنی مذہبی کتابیں مسلمانوں کی گذرگاہوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے۔

گرجوں میں ناقوس بلند آواز سے بجائیں گے نہ مسلمانوں کی موجودگی میں با آواز بلند اپنی مذہبی کتابیں پڑھیں گے نہ اپنے مذہبی شعار کو راستوں پر کریں گے نہ اپنے مردوں پر اونچی آواز سے ہائے وائے کریں گے نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے راستوں میں آگ لے کر جائیں گے‘ مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہ لیں گے‘ مسلمانوں کی خیر خواہی ضرور کرتے رہیں گے۔ ان کے گھروں میں جھانکیں گے نہیں۔ جب یہ عہد نامہ حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے ایک شرط اور بھی اس میں بڑھوائی کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز ماریں گے نہیں۔ یہ تمام شرطیں ہمیں قبول و منظور ہیں اور ہمارے سب ہم مذہب لوگوں کو بھی۔ انہی شرائط پر ہمیں امن ملا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی ہم خلاف ورزی کریں تو ہم سے آپ کا ذمہ الگ ہو جائے گا اور جو کچھ آپ اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کرتے ہیں‘ ان تمام کے مستحق ہم بھی ہو جائیں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ
ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے‘ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے‘ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی ریس کرنے لگے‘ اللہ انہیں غارت کرے‘ کیسے پلٹائے جاتے ہیں ○

بزرگ بڑے نہیں‘ اللہ جل شانہ سب سے بڑا ہے: ☆☆ (آیت: ۳۰) ان تمام آیتوں میں بھی جناب باری عزوجل مومنوں کو مشرکوں‘ کافروں‘ یہودیوں اور نصرانیوں سے جہاد کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ فرماتا ہے دیکھو وہ اللہ کی شان میں کیسی گستاخیاں کرتے ہیں یہود عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اللہ اس سے پاک اور برتر و بلند ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ ان لوگوں کو حضرت عزیرؑ کی نسبت جو یہ وہم ہوا‘ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے ان کے علماء کو قتل کر دیا‘ ان کے رئیسوں کو قید کر لیا۔ عزیر علیہ السلام علم اٹھ جانے اور علماء کے قتل ہو جانے سے اور بنی اسرائیل کی تباہی سے سخت رنجیدہ ہوئے‘ اب جو رونا شروع کیا تو آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے۔ روتے روتے پلکیں بھی جھڑ گئیں۔ ایک دن اسی طرح روتے ہوئے ایک میدان سے گذر ہوا۔ دیکھا کہ ایک عورت ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے ہائے اب میرے کھانے کو کیا ہو گا؟ میرے کپڑوں کا کیا ہو گا؟ آپ اس کے پاس ٹھہر گئے اور اس سے فرمایا‘ اس شخص سے پہلے تجھے کون کھلاتا تھا اور کون پہناتا تھا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تو اب بھی زندہ باقی ہے۔ اس پر تو کبھی نہیں موت آئے گی۔ یہ سن کر اس عورت نے کہا‘ اے عزیر پھر تو یہ تو بتا کہ بنی اسرائیل سے پہلے علماء کو کون علم سکھاتا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ‘ اس نے کہا آپ یہ رونا دھونا لے کر کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ کو سمجھ میں آ گیا کہ یہ جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ ہے‘ پھر آپ سے فرمایا گیا کہ فلاں نہر پر جا کر غسل کرو۔ وہیں دو رکعت نماز ادا کرو‘ وہاں تمہیں ایک شخص ملیں گے۔ وہ جو کچھ کھلائیں‘ وہ کھا لو۔

چنانچہ آپ وہیں تشریف لے گئے۔ نہا کر نماز ادا کی۔ دیکھا کہ ایک شخص ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ منہ کھولو آپ نے منہ کھول دیا۔ انہوں نے تین مرتبہ کوئی چیز آپ کے منہ میں بڑی ساری ڈالی۔ اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ توراۃ کے سب سے بڑے عالم بن گئے، بنی اسرائیل میں گئے۔ ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تورات لایا ہوں۔ انہوں نے کہا، ہم سب آپ کے نزدیک سچے ہیں، آپ نے اپنی انگلی کے ساتھ قلم کو لپیٹ لیا اور اسی انگلی سے بیک وقت پوری توراۃ لکھ ڈالی۔ ادھر لوگ لڑائی سے لوٹے۔ ان میں ان کے علماء بھی واپس آئے تو انہیں عزیر علیہ السلام کی اس بات کا علم ہوا۔ یہ گئے اور پہاڑوں اور غاروں میں تورات شریف کے جو نسخے چھپا آئے تھے، وہ نکال لائے اور ان نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھے ہوئے نسخے کا مقابلہ کیا۔ تو بالکل صحیح پایا۔

اس پر بعض جاہلوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کو نصرانی اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ ان کا واقعہ تو ظاہر ہے۔ پس ان دونوں گروہوں کی غلط بیانی قرآن بیان فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ ان کی صرف زبانی باتیں ہیں جو محض بے دلیل ہیں۔ جس طرح ان سے پہلے کے لوگ کفر وضلالت میں تھے، یہ بھی انہی کے مرید ومقلد ہیں، اللہ انہیں لعنت کرے۔ حق سے کیسے بھٹک گئے؟ مسند احمد، ترمذی اور ابن جریر میں ہے کہ جب عدی بن حاتم کو رسول اللہ ﷺ کا دین پہنچا تو شام کی طرف بھاگ نکلا۔ جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا۔ یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہوگئی۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ
ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی، حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم کیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے ○

پھر حضور ﷺ نے بطور احسان اس کی بہن کو آزاد کر دیا اور رقم بھی دی یہ سیدھی اپنے بھائی کے پاس گئیں اور انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا کہ تم رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے پاس چلے جاؤ چنانچہ یہ مدینہ شریف آ گئے تھے۔ اپنی قوم طے کے سردار تھے۔ ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچائی۔ آپ خود ان کے پاس آئے۔ اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی۔

حضورؐ کی زبان مبارک سے اسی آیت اِتَّخَذُوْا کی تلاوت ہو رہی تھی تو انہوں نے کہا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں سنو، ان کے کیئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے اور جسے ان کے علماء اور درویش حلال بتا دیں، اسے حلال سمجھنے لگے، یہی ان کی عبادت تھی، پھر آپؐ نے فرمایا، عدی کیا تم اس سے بے خبر ہو کہ اللہ سب سے بڑا ہے؟ کیا تمہارے خیال میں اللہ سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مان لی۔ اور اللہ کی توحید اور حضورؐ کی رسات کی گواہی ادا کی۔ آپؐ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا، یہود پر غضب الٰہی اترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔① حضرت حذیفہ بن

یمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے کہ اس سے مراد حلال وحرام کے مسائل میں علماء اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں' انہوں نے بزرگوں کی ماننی شروع کر دی اور اللہ کی کتاب کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اسی لئے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں حکم تو صرف یہ تھا کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں' وہی جسے حرام کر دے' حرام ہے اور وہ جسے حلال فرما دے' حلال ہے۔ اسی کے فرمان شریعت ہیں' اسی کے احکام بجالانے کے لائق ہیں' اسی کی ذات عبادت کی مستحق ہے۔ وہ شریکوں سے اور شرک سے پاک ہے' اس جیسا اس کا شریک' اس کا نظیر' اس کا مددگار' اس کی ضد کا کوئی نہیں۔ وہ اولاد سے پاک ہے' نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ پروردگار۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳

ان کی چاہت ہے کہ نور اللہ اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں ○ اسی نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک برا مانیں ○

کفار کی دلی مذموم خواہش : ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۳) فرماتا ہے کہ ہر قسم کے کافروں کا ارادہ اور چاہت یہی ہے کہ نور الٰہی بجھا دیں' ہدایت ربانی اور دین حق کو مٹا دیں تو خیال کر لو کہ اگر کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے آفتاب یا مہتاب کی روشنی بجھانی چاہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح یہ لوگ بھی نور رب کے بجھانے کی چاہت میں اپنی امکانی کوشش کریں' آخر عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ ضروری بات ہے اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ دین حق' تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بول بالا ہو گا۔ تم مٹانا چاہتے ہو' اللہ اس کو بلند کرنا چاہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اللہ کی چاہت تمہاری چاہت پر غالب رہے گی۔ تم گو ناخوش رہو لیکن آفتاب ہدایت بیچ آسمان میں پہنچ کر ہی رہے گا۔ عربی لغت میں کافر کہتے ہیں کسی چیز کے چھپا لینے والے کو اسی اعتبار سے رات کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بھی تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ دانے زمین میں چھپا دیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ اسی اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ حضورؐ کی سچی خبروں اور صحیح ایمان اور نفع والے علم پہ مبنی یہ ہدایت ہے اور عمدہ اعمال جو دنیا و آخرت میں نفع دیں' ان کا مجموعہ یہ دین حق ہے۔ یہ تمام اور مذاہب عالم پر چھا کر رہے گا۔

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میرے لئے مشرق و مغرب کی زمین لپیٹ دی گئی میری امت کا ملک ان تمام جگہوں تک پہنچے گا۔ فرماتے ہیں تمہارے ہاتھوں پر مشرق و مغرب فتح ہو گا تمہارے سردار جہنمی ہیں۔ بجز ان کے جو متقی' پرہیزگار اور امانت دار ہوں۔ فرماتے ہیں' یہ دین تمام اس جگہ پر پہنچے گا جہاں پر دن رات پہنچیں۔ کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جہاں اللہ عزوجل اسلام کو نہ پہنچائے۔ عزیزوں کو عزیز کرے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا' اسلام کو عزت دینے والوں کو عزت ملے گی اور کفر

کو ذلت نصیب ہو گی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے تو یہ بات خود اپنے گھر میں بھی دیکھ لی۔ جو مسلمان ہوا، اسے خیر و برکت، عزت و شرافت ملی اور جو کافر رہا، اسے ذلت و نکبت، نفرت و لعنت نصیب ہوئی۔ پستی اور حقارت دیکھی اور کمینہ پن کے ساتھ جزیہ دینا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے۔ وہ عزت والوں کو عزت دے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا، جنہیں عزت دینی چاہے گا، انہیں اسلام نصیب کرے گا اور جنہیں ذلیل کرنا ہو گا، وہ اسے نہیں مانیں گے لیکن اس کی ماتحتی میں انہیں آنا پڑے گا۔

حضرت عدیؓ فرماتے ہیں، میرے پاس رسول کریم ﷺ تشریف لائے۔ مجھ سے فرمایا۔ اسلام قبول کر، تاکہ سلامتی ملے۔ میں نے کہا میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تیرے دین کا تجھ سے زیادہ مجھے علم ہے۔ میں نے کہا سچ؟ آپ نے فرمایا بالکل سچ۔ کیا تو رکوسیہ میں سے نہیں ہے؟ کیا تو اپنی قوم سے ٹیکس وصول نہیں کرتا؟ میں نے کہا یہ تو سچ ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے دین میں یہ تیرے لئے حلال نہیں۔ پس یہ سنتے ہی میں تو جھک گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے اسلام سے کون سی چیز روکتی ہے؟ سن صرف ایک یہی بات تجھے روک رہی ہے کہ مسلمان بالکل ضعیف اور کمزور و ناتواں ہیں، تمام عرب انہیں گھیرے ہوئے ہے، یہ ان سے نپٹ نہیں سکتے لیکن سن حیرہ کا تجھے علم ہے؟ میں نے کہا دیکھا تو نہیں لیکن سنا ضرور ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر دین کو پورا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سانڈنی سوار حیرہ سے چل کر اکیلے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے گا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔

واللہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ میں نے کہا۔ کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں کسریٰ بن ہرمز کے۔ تم میں مال کی اس قدر کثرت ہو پڑے گی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ اس حدیث کو بیان کرتے وقت حضرت عدیؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کا فرمان پورا ہوا۔ یہ دیکھو آج حیرہ سے سواریاں چلتی ہیں۔ بے خوف خطر بغیر کسی کی پناہ کے بیت اللہ پہنچ کر طواف کرتی ہیں۔ صادق و مصدوق کی دوسری پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ کسریٰ کے خزانے فتح ہوئے۔ میں خود اس فوج میں تھا جس نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور کسریٰ کے مخفی خزانے اپنے قبضے میں لئے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری پیشین گوئی بھی قطعاً پوری ہو کر ہی رہے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، دن رات کا دور ختم نہ ہو گا جب تک پھر لات و عزیٰ کی عبادت نہ ہونے لگے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا رسول اللہ آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ کے نازل ہونے کے بعد سے میرا خیال تو آج تک یہی رہا کہ یہ پوری بات ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں پوری ہو گئی اور مکمل ہی رہے گی جب تک اللہ پاک کو منظور ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ رب العالمین ایک پاک ہوا بھیجیں گے جو ہر اس شخص کو بھی فوت کرے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ پھر وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں کوئی خیر و خوبی نہ ہو گی۔ پس وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف پھر سے لوٹ جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور راہ اللہ سے روک دیتے ہیں- اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ کرتے ہیں اور راہ اللہ میں خرچ نہیں کرتے٬ انہیں دردناک عذابوں کی خبر پہنچا دے ○ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور کمریں داغ دی جائیں گی' یہ ہے جسے تم اپنے لئے خزانہ بنا رہے تھے' پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو ○

یہودیوں کے علماء کو احبار اور نصاریٰ کے عابدوں کو رہبان کہتے ہیں- آیت لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ الخ' میں یہود کے علماء کو احبار کہا گیا ہے- نصرانیوں کے عابدوں کو رہبان اور ان کے علماء کو قسیس اس آیت میں کہا گیا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا آیت کا مقصود لوگوں کو بڑے علماء اور گمراہ صوفیوں اور عابدوں سے ہوشیار کرانا اور ڈرانا ہے- حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہمارے علماء میں سے وہی بگڑتے ہیں' جن میں کچھ نہ کچھ شائبہ یہودیت کا ہوتا ہے اور ہم مسلمانوں میں صوفیوں اور عابدوں میں سے وہی بگڑتے ہیں جن میں نصرانیت کا شائبہ ہوتا ہے- صحیح حدیث شریف میں ہے کہ تم یقیناً اپنے سے پہلوں کی روش پر چل پڑو گے- ایسی پوری مشابہت ہوگی کہ ذرا بھی فرق نہ رہے گا- لوگوں نے پوچھا کیا یہود نصاریٰ کی روش پر؟ آپ نے فرمایا انہی کی روش پر- اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ فارسیوں اور رومیوں کی روش پر؟ آپ نے فرمایا اور کون لوگ ہیں؟ پس ان کے اقوال و افعال کی مشابہت سے ہر ممکن بچنا چاہئے- اس لئے کہ یہ اس وجاہت سے ریاست و منصب حاصل کرنا اور اس وجاہت سے لوگوں کا مال غصب کرنا چاہتے ہیں- احبار یہود کو زمانہ جاہلیت میں بڑا ہی رسوخ حاصل تھا- ان کے تحفے' ہدیئے' خراج' چراغی مقرر تھی جو بغیر مانگے انہیں پہنچ جاتی تھی- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد اسی طمع نے انہیں قبول اسلام سے روکا- لیکن حق کے مقابلے کی وجہ سے اس طرف سے بھی کورے رہے اور آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے- ذلت و حقارت ان پر برس پڑی اور غضب الٰہی میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو گئے- یہ حرام خور جماعت خود حق سے رک کر اوروں کے بھی درپے رہتی تھی' حق کو باطل سے خلط ملط کر کے لوگوں کو بھی راہ حق سے روک دیتے تھے- جاہلوں میں بیٹھ کر گپ ہانکتے کہ ہم لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ یہ صریح دھوکا ہے- وہ تو جہنم کی طرف بلانے والے ہیں' قیامت کے دن یہ بے یار و مددگار چھوڑ دیئے جائیں گے-

عالموں اور صوفیوں یعنی واعظوں اور عابدوں کا ذکر کرنے کے بعد اب امیروں' دولت مندوں اور رئیسوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جس طرح یہ دونوں طبقے اپنے اندر بدترین لوگوں کو بھی رکھتے ہیں' ایسے ہی اس تیسرے طبقے میں بھی شریر النفس لوگ ہوتے ہیں- عموماً انہی تین طبقے کے لوگوں کا عوام پر اثر ہوتا ہے- عوام کی کثیر تعداد ان کے ساتھ بلکہ ان کے پیچھے ہوتی ہے- پس ان کا بگڑنا گویا مذہبی دنیا کا ستیاناس ہونا ہے جیسے کہ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

وهل افسد الدين الاالملوك　　واحبار سوء ورهبانها

یعنی دین واعظوں، عالموں، صوفیوں اور درویشوں سے ناپاک طبقے سے ہی بگڑتا ہے۔ کنز اصطلاح شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوۃ ادا نہ کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمرؓ سے یہی مروی ہے بلکہ فرماتے ہیں جس مال کی زکوۃ دے دی جاتی ہو، وہ اگر ساتویں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو کنز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں، بغیر زکوۃ کے مال سے اس مالدار کو داغا جائے گا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ یہ زکوۃ کے اترنے سے پہلے تھا۔ زکوۃ کا حکم نازل فرما کر اللہ نے اسے مال کی طہارت بنا دیا۔ خلیفہ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور عراک بن مالکؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اسے قول ربانی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ الخ' نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ تلواروں کا زیور بھی کنز یعنی خزانہ ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں وہی سناتا ہوں جو میں نے جناب پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم تو نفقہ ہے اور اس سے زیادہ کنز ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ مال کی کثرت کی مذمت اور کمی کی مدحت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ بطور نمونے کے ہم بھی یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ تین مرتبہ آپ کا یہی فرمان سن کر صحابہؓ پر شاق گذرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے یہ حالت بیان کر کے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور دین کے کاموں میں مدد دینے والی بیوی۔ مسند احمد میں ہے کہ سونے چاندی کی مذمت کی یہ آیت جب اتری اور صحابہؓ نے آپس میں چرچا کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا، لو میں حضورؐ سے دریافت کر آتا ہوں، اپنی سواری تیز کر کے رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔ اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ نے کہا، پھر ہم اپنی اولادوں کے لئے کیا چھوڑ جائیں؟ اس میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیچھے ہی پیچھے حضرت ثوبانؓ بھی تھے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اسی لئے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔ میراث کے مقرر کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں، حضرت عمرؓ یہ سن کر مارے خوشی کے تکبیریں کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا اور سنو، میں تمہیں بہترین خزانہ بتاؤں، نیک عورت، جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر ڈالے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے فوراً بجا لائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کی ناموس کی حفاظت کرے۔ حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل میں اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ۔ کھیلیں۔ مجھے برا معلوم ہوا، آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کی تھی۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اسے یاد رکھ لو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں، تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو۔ اللهم انى اسئلك الثبات فى الامرو العزيمة على الرشد واسئلك شكر نعمتك واسئلك حسن عبادتك واسئلك قلبا سليما واسئلك لسانا صادقا واسئلك من خير ما تعلم واعوذبك من شر ما تعلم واستغفر ك لما تعلم انك انت علام الغيوب یعنی یا اللہ میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکر اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی

والا دل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے وہ تیرے علم میں جو برائی ہے، اور اس کی پناہ اور جن برائیوں کو تو جانتا ہے، ان سے استغفار طلب کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب جاننے والا ہے۔ آیت میں بیان ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ نہ کرنے والے اور اسے بچا بچا کر رکھنے والے دردناک عذاب دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن اسی مال کو خوب تپا کر گرم آگ جیسا کر کے اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور کمر داغی جائے گی اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ان سے فرمایا جائے گا کہ لو اپنی جمع جتھا کا مزہ چکھو۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ گرم پانی کا تریڑ دوزخیوں کے سروں پر بہاؤ اور ان سے کہو کہ عذاب کا لطف اٹھاؤ۔ تم بڑے ذی عزت اور بزرگ سمجھے جاتے رہے ہو۔ بدلہ اس کا یہ ہے۔ ثابت ہوا کہ جو شخص جس چیز کو محبوب بنا کر اللہ کی اطاعت سے اسے مقدم رکھے گا، اسی کے ساتھ اسے عذاب ہوگا۔ ان مالداروں نے مال کی محبت میں اللہ کے فرمان کو بھلا دیا تھا۔ آج اسی مال سے انہیں سزا دی جا رہی ہے جیسے کہ ابولہب کھلم کھلا حضور ؐ کی دشمنی کرتا تھا اور اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی۔ قیامت کے دن آگ کے اور بھڑکانے کے لئے وہ اپنے گلے میں رسی ڈال کر لکڑیاں لا لا کر اسے سلگائے گی اور وہ اس میں جلتا رہے گا۔ یہ مال جو یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں، یہی مال قیامت کے دن سب سے زیادہ مضر ثابت ہوں گے۔ اسی کو گرم کر کے اس سے داغ دیئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایسے مالداروں کے جسم اتنے لمبے چوڑے کر دیئے جائیں گے کہ ایک ایک دینار و درہم اس پر آ جائے۔ پھر کل مال آگ جیسا بنا کر علیحدہ علیحدہ کر کے سارے جسم پر پھیلا دیا جائے گا یہ نہیں ایک کے بعد ایک داغ لگے بلکہ ایک ساتھ سب کے سب۔ مرفوعاً بھی یہ روایت آئی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت طاؤس ؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مال ایک اژدھا بن کر اس کے پیچھے لگے گا، جو عضو سامنے آ جائے گا، اسی کو چبا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو اپنے بعد خزانہ چھوڑ جائے، اس کا وہ خزانہ قیامت کے دن زہریلا اژدھا بن کر جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے، اس کے پیچھے لگے گا۔ یہ بھاگتا ہوا پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا تیرا جمع کردہ اور مرنے کے بعد چھوڑا ہوا خزانہ۔ آخر اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا۔ پھر باقی جسم بھی۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے، اس کا مال قیامت کے دن آگ کی تختیوں جیسا بنا دیا جائے گا۔ اور اس سے اس کی پیشانی، پہلو اور کمر داغی جائے گی۔ پچاس ہزار سال تک لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک تو اس کا یہی حال رہے گا۔ پھر اسے اس کی منزل کی راہ دکھا دی جائے گی، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ امام بخاری ؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ زید بن وہب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملے اور دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آ گئے ہو؟ آپ نے فرمایا، ہم شام میں تھے۔ وہاں میں نے آیت والذین یکنزون الخ، کی تلاوت کی تو حضرت معاویہ ؓ نے فرمایا، یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں۔ یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ میں نے کہا، ہمارے اور ان کے سب کے حق میں ہے۔ اس میں میرا ان کا اختلاف ہو گیا انہوں نے میری شکایت کا خط دربار عثمانی میں لکھا، خلافت کا فرمان میرے نام آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ جب مدینہ پہنچا تو چاروں طرف سے مجھے لوگوں نے گھیر لیا۔ اس طرح بھیڑ لگ گئی کہ گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ غرض میں مدینے میں ٹھہرا لیکن لوگوں کی آمدورفت سے تنگ آ گیا۔ آخر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ تم مدینے کے قریب ہی کسی صحرا میں چلے جاؤ۔ میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی لیکن یہ کہہ دیا کہ واللہ جو میں کہتا تھا، اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ بال بچوں کے کھلانے کے بعد جو بچے، اسے جمع کر رکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اسی کا آپ فتویٰ دیتے تھے اور اس کو لوگوں میں پھیلاتے تھے۔ اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے۔ اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے مخالف لوگوں پر بڑا ہی تشدد کرتے تھے۔ حضرت معاویہ ؓ نے آپ کو روکنا چاہا کہ کہیں

لوگوں میں عام ضرر نہ پھیل جائے- یہ نہ مانے تو آپ نے خلافت سے شکایت کی-

امیر المومنین نے انہیں بلا کر ربذہ میں تنہا رہنے کا حکم دیا- آپ وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی رحلت فرما گئے- حضرت معاویہؓ نے بطور امتحان ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھجوائیں- آپ نے شام سے قبل سب ادھر ادھر راہ للہ خرچ کر ڈالیں- شام کو وہی صاحب جو انہیں صبح کو ایک ہزار اشرفیاں دے گئے تھے' وہ آئے اور کہا مجھ سے غلطی ہوگئی- امیر معاویہؓ نے وہ اشرفیاں اور صاحب کے لئے بھجوائی تھیں- میں نے غلطی سے آپ کو دے دیں- وہ واپس کیجئے- آپ نے فرمایا' تم پر آفرین ہے' میرے پاس تو اب ان میں سے ایک پائی بھی نہیں- اچھا جب میرا مال آ جائے گا تو میں آپ کو آپ کی اشرفیاں واپس کر دوں گا-

ابن عباسؓ بھی اس آیت کا حکم عام بتاتے ہیں- سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں ہے- احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں' میں مدینے میں آیا' دیکھا کہ قریشیوں کی ایک جماعت محفل لگائے بیٹھی ہے- میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا کہ ایک صاحب تشریف لائے- میلے کچیلے' موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے بہت خستہ حالت میں اور آتے ہی کھڑے ہو کر فرمانے لگے' روپیہ پیسہ جمع کرنے والے اس سے خبردار رہیں کہ قیامت کے دن جہنم کے انگارے ان کی چھاتی کی بٹنی پر رکھے جائیں گے جو کھوے کی ہڈی کے پاس ہو جائیں گے- پھر پیچھے کی طرف سے آگے کو سوراخ کرتے اور جلاتے ہوئے نکل جائیں گے- سب لوگ سر نیچا کئے بیٹھے رہے- کوئی بھی کچھ نہ بولا- وہ بھی مڑ کر چل دیئے اور ایک ستون سے لگ کر بیٹھ گئے- میں ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ میرے خیال میں تو ان لوگوں کو آپ کی بات بری لگی- آپ نے فرمایا- یہ کچھ نہیں جانتے- ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ تین دن گذرنے کے بعد میرے پاس اس میں سے کچھ بھی بچا ہوا رہے' ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے لئے میں کچھ رکھ لوں تو اور بات ہے- غالباً اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابوذرؓ کا یہ مذہب تھا جو آپ نے اوپر پڑھا- واللہ اعلم- ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ کو ان کا حصہ ملا' آپ کی لونڈی نے اسی وقت ضروریات فراہم کرنا شروع کیا- سامان کی خرید کے بعد سات درہم بچ رہے- حکم دیا کہ اس کے فلوس لے لو تو حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اسے آپ اپنے پاس رہنے دیجئے تا کہ بوقت ضرورت کام نکل جائے یا کوئی مہمان آ جائے تو کام نہ اٹکے- آپ نے فرمایا- نہیں- مجھ سے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہے کہ جو سونا چاندی سر بند کر کے رکھی جائے' وہ رکھنے والے کے لئے آگ کا انگارا ہے- جب تک کہ اسے راہ للہ نہ دے دے- ابن عساکر میں ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ سے فقیر بن کر مل غنی بن کر نہ مل- انہوں نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا سائل کو رد نہ کر جو ملے اسے چھپا نہ رکھ' انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکے گا- آپؐ نے فرمایا یہی ہے ورنہ آگ ہے- اس کی سند ضعیف ہے- اہل صفہ میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا- دو دینار یا دو درہم پس انداز کئے ہوئے نکلے- آپؐ نے فرمایا یہ آگ کے دو داغ ہیں- تم لوگ اپنے ساتھی کے جنازے کی نماز پڑھ لو- اور روایت میں ہے کہ ایک اہل صفہ کے انتقال کے بعد ان کی تہمد کی آنٹی میں سے ایک دینار نکلا- آپ نے فرمایا ایک داغ آگ کا- پھر دوسرے کا انتقال ہوا- ان کے پاس سے دو دینار برآمد ہوئے- آپؐ نے فرمایا' یہ دو داغ آگ کے ہیں' فرماتے ہیں' جو لوگ سرخ و سفید یعنی سونا چاندی چھوڑ کر مرے' ایک ایک قیراط کے بدلے' ایک ایک تختی آگ کی بنائے جائے گی اور اس کے قدم سے لے کر ٹھوڑی تک اس کے جسم میں اس آگ سے داغ کئے جائیں گے- آپؐ کا فرمان ہے کہ جس نے دینار سے دینار اور درہم سے درہم ملا کر جمع کر کے رکھ چھوڑا' اس کی کھال کشادہ کر کے پیشانی اور پہلو اور کمر پر اس سے داغ دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا' یہ ہے جسے تم اپنی جانوں کے لئے خزانہ بناتے رہے- اب اس کا بدلہ چکھو' اس کا راوی ضعیف کذاب و متروک ہے-

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ
اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۗ
ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا
الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے- اسی دن سے کہ آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے- ان میں سے چار حرمت و ادب کے ہیں' یہی درست دین ہے تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں' جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ○

احترام آدمیت کا منشور: ☆☆ (آیت:۳۶) مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج کے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلیت پر آ گیا ہے- سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں جن میں سے چار حرمت و ادب والے ہیں- تین پے در پے ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور چوتھا رجب جو مضر کے ہاں ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے- پھر پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے- آپ نے سکوت فرمایا- ہم سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور ہی نام رکھیں گے- پھر پوچھا کیا یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن نہیں؟ ہم نے کہا ہاں- پھر پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ جانے اور اس کا رسول' آپ نے پھر سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اس مہینے کا نام کوئی اور رکھیں گے' آپ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا ہاں-

پھر آپؐ نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ خوب جاننے والے ہیں؟ آپ پھر خاموش ہو رہے اور ہمیں پھر خیال آنے لگا کہ شاید آپ کو اس کا کوئی اور ہی نام رکھنا ہے' پھر فرمایا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا بے شک- آپؐ نے فرمایا' یاد رکھو تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم میں آپس میں ایسی ہی حرمت والی ہیں جیسی حرمت و عزت تمہارے اس دن کی' تمہارے اس مہینہ کی تمہارے اس شہر کی' تم ابھی ابھی اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا- سنو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کرنے لگو' بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ سنو تم میں سے جو موجود ہیں' انہیں چاہئے کہ جو موجود نہیں' ان تک پہنچا دیں- بہت ممکن ہے کہ جسے وہ پہنچائے' وہ ان بعض سے بھی زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہو-

اور روایت میں ہے کہ وسط ایام تشریق میں منیٰ میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقعہ کا یہ ذکر ہے- ابوحرہ رقاشی کے چچا جو صحابی ہیں' کہتے ہیں کہ اس خطبے کے وقت حضورؐ کی ناقہ کی نکیل تھامے ہوئے تھا اور لوگوں کی بھیڑ کو روکے ہوئے تھا- آپ کے پہلے جملے کا یہ مطلب ہے کہ جو کمی بیشی' تقدیم تاخیر مہینوں کی جاہلیت کے زمانے کے مشرک کرتے تھے' وہ الٹ پلٹ کر اس وقت ٹھیک ہو گئی ہے- جو مہینہ آج ہے' وہی درحقیقت بھی ہے- جیسے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ یہ شہر ابتداء مخلوق سے باحرمت و باعزت ہے- وہ آج

بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک حرمت والا ہی رہے گا پس عربوں میں جو رواج پڑ گیا تھا کہ ان کے اکثر حج ذی الحجہ کے مہینے میں نہیں ہوتے تھے' اب کی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے حج کے موقعہ پر یہ بات نہ تھی بلکہ حج اپنے ٹھیک مہینے پر تھا- بعض لوگ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کا حج ذوالقعدہ میں ہوا لیکن یہ غور طلب قول ہے جیسے کہ ہم مع ثبوت بیان کریں گے- آیت اِنَّمَا النَّسِیٓءُ الخ' کی تفسیر میں اس قول سے بھی زیادہ غرابت والا ایک قول بعض سلف کا یہ بھی ہے کہ اس سال یہود و نصاریٰ' مسلمان سب کے حج کا دن اتفاق سے ایک ہی تھا یعنی عیدالاضحیٰ کا دن-

☆ **فصل** ☆ شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب المشہور فی اسماء الایام والشہور میں لکھا ہے کہ محرم کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس نام کی وجہ سے اس کی حرمت کی تاکید ہے اس لئے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے' کبھی حلال کر ڈالتے کبھی حرام کر ڈالتے - اس کی جمع محرمات محارم محاریم- صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے- جب مکان خالی ہو جائے تو عرب کہتے ہیں صفر المکان- اس کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے- ربیع الاول کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کی اقامت ہو جاتی ہے- ارتباع کہتے ہیں' اقامت کو' اس کی جمع اربعا ہے جیسے نصیب کی جمع انصبا- اور جمع اس کی اربعہ ہے جیسے رغیف کی جمع ارغفہ ہے- ربیع الاخر کے مہینے کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے- گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے- جمادی الاولی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں پانی جم جاتا تھا- ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا لیکن یہ بات کچھ جچتی نہیں' اس لئے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالات ہر ماہ میں ہر سال یکساں نہیں ہوتے' ہاں یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کا نام جس سال رکھا گیا ہو' اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہو گیا ہو- چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادی کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے- اس کی جمع جمادیات ہے- جیسے حباری حباریات- یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہے- جمادی الاول اور جمادی الاخر بھی کہا جاتا ہے- جمادی الاخری کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے گویا یہ پانی کے جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے- رجب یہ ماخوذ ہے ترجیب سے' ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو- چونکہ یہ مہینہ عظمت و عزت والا ہے اس لئے اسے رجب کہتے ہیں اس کی جمع ارجاب رجاب اور رجبات ہے- شعبان کا نام شعبان اس لئے ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جاتے تھے- تشعب کے معنی ہیں جدا جدا ہونا-

پس اس مہینے کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا- اس کی جمع شعابینشعبانات آتی ہے- رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں- رمضت الفصال اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں- اس کی جمع رمضانات اور رماضین اور رامضہ آتی ہے- بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے- یہ محض غلط اور ناقابل التفات قول ہے- میں کہتا ہوں' اس بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے لیکن وہ ضعیف ہے- میں نے کتاب الصیام کے شروع میں اس کا بیان کر دیا ہے- شوال ماخوذ ہے شالت الابل سے- یہ مہینہ اونٹوں کی مستیوں کا مہینہ تھا یہ دمیں اٹھا دیا کرتے تھے- اس لئے اس مہینہ کا یہی نام ہو گیا- اس کی جمع شواویل شواول شوالات آتی ہے- ذوالقعدہ یا ذوالقعدہ کا نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے- نہ لڑائی کے لئے نکلتے نہ کسی اور سفر کے لئے- اس کی جمع ذوات العقدہ ہے- ذوالحجہ کو ذوالحجہ بھی کہہ سکتے ہیں چونکہ اسی

ماہ میں حج ہوتا تھا۔ اس لئے اس کا یہ نام مقرر ہو گیا۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔ یہ تو ان مہینوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ تھی۔ اب ہفتے کے سات دنوں کے نام اور ان ناموں کی جمع سنئے۔ اتوار کے دن کو یوم الاحد کہتے ہیں اس کی جمع احاد، اوحاد اور وحود آتی ہے۔ پیر کے دن کو اثنین کہتے ہیں۔ اس کی جمع اثانین آتی ہے۔ منگل کو ثلاثا کہتے ہیں۔ یہ مذکر بھی بولا جاتا ہے اور مونث بھی، اس کی جمع ثلاثات اور اثالث آتی ہے۔ بدھ کے دن کو اربعاء کہتے ہیں۔ جمع اربعاوات اور ارابیع آتی ہے۔ جمعرات کو خمیس کہتے ہیں۔ جمع اخمسہ، اخامس آتی ہے۔ جمعه کو جَمُعه اور جُمْعه اور جُمَعه کہتے ہیں اس کی جمع جُمُعٌ اور جَمَاعَاتٌ آتی ہے۔ سنیچر یعنی ہفتے کے دن کو سبت کہتے ہیں سبت کے معنی ہیں قطع کے چونکہ ہفتے کے دنوں کی گنتی یہیں پر ختم ہو جاتی ہے، اس لئے اسے سبت کہتے ہیں۔ قدیم عربوں میں ہفتے کے دن کے نام یہ تھے۔ اول، رھون، جبار، دبار، مونث، عروبہ، شبار۔ قدیم خالص عربوں کے اشعار کے عربوں میں دنوں کے نام پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان بارہ ماہ میں چار حرمت والے ہیں۔ جاہلیت کے عرب بھی انہیں حرمت والے مانتے تھے لیکن بسل نامی ایک گروہ اپنے تشدد کی بنا پر آٹھ مہینوں کو حرمت والا خیال کرتے تھے۔ حضورؐ کے فرمان میں رجب کو قبیلہ مضر کی طرف اضافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس مہینے کو وہ رجب مہینہ شمار کرتے تھے، دراصل وہی رجب کا مہینہ عند اللہ بھی تھا جو جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک رجب، شعبان اور شوال کے درمیان کے مہینے کا یعنی رمضان کا نام تھا۔ پس حضورؐ نے کھول دیا کہ حرمت والا رجب مضر کا ہے نہ کہ ربیعہ کا۔ ان چار ذی حرمت مہینوں میں سے تین پے در پے اس مصلحت سے ہیں کہ حاجی ذوالقعدہ کے مہینے میں نکلے تو اس وقت لڑائیاں، مار پیٹ، جنگ وجدال، قتل وقتال بند ہو، لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ پھر ذی الحجہ میں احکام حج کی ادائیگی، امن وامان، عمدگی اور شان سے ہو جائے پھر وہ ماہ محرم کی حرمت میں واپس گھر پہنچ جائے۔ درمیانہ سال میں رجب کو حرمت والا بنانے کی غرض یہ ہے کہ زائرین اپنے طواف بیت اللہ کے شوق کو عمرے کی صورت میں ادا کر لیں گو دور دراز علاقوں والے ہوں، وہ بھی مہینہ بھر میں آمد و رفت کریں یہی اللہ کا سیدھا اور سچا دین ہے۔ پس اللہ کے فرمان کے مطابق تم ان پاک مہینوں کی حرمت کرو۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ گناہوں سے بچو۔ اس لئے کہ اس میں گناہوں کی برائی اور بڑھ جاتی ہے جیسے کہ حرم شریف کا گناہ اور جگہ کے گناہ سے بڑھ جاتا ہے۔

فرمان ربانی ہے کہ جو حرم میں الحاد کا ارادہ کرے، ہم اسے دردناک عذاب دیں گے۔ اس طرح سے ان محترم مہینوں میں کیا ہوا گناہ اور دنوں میں کئے ہوئے گناہوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت امام شافعیؒ اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک ان مہینوں کے قتل کی دیت بھی سخت ہے۔ اسی طرح حرم کے اندر قتل اور ذی محرم رشتے دار کے قتل کی بھی دیت سخت ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، فیھن سے مراد سال بھر کے کل مہینے ہیں۔

پس ان کل مہینوں میں گناہوں سے بچو خصوصاً ان چار مہینوں میں کہ یہ حرمت والے ہیں۔ ان کی بڑی عزت ہے، ان میں گناہ سزا کے اعتبار سے اور نیکیاں اجر وثواب کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ ان حرمت والے مہینوں کی سزا اور بوجھ بڑھ جاتا ہے گو ظلم ہر حال میں بری چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس امر کو چاہے بڑھا دے، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بھی پسند فرمالیا۔ فرشتوں میں، انسانوں میں، اپنے رسول چن لئے۔ اسی طرح کلام میں سے اپنے ذکر کو پسند فرمالیا اور زمین میں سے مسجدوں کو پسند فرمالیا اور مہینوں میں سے رمضان شریف کو اور ان چاروں مہینوں کو پسند فرمالیا اور دنوں میں سے جمعہ کے دن اور راتوں میں لیلۃ القدر کو۔ پس تمہیں ان

چیزوں کی عظمت کا لحاظ رکھنا چاہئے جنہیں اللہ نے عظمت دی ہے - امور کی تعظیم، عقل منداور فہیم لوگوں کے نزدیک اتنی ضروری ہے جتنی ان کی تعظیم اللہ تعالیٰ سبحانہ نے بتائی ہے - ان کی حرمت کا ادب نہ کرنا حرام ہے - ان میں جو کام حرام ہیں، انہیں حلال نہ کرلو - جو حلال ہیں، انہیں حرام نہ بنالو جیسے کہ اہل شرک کرتے تھے - یہ ان کے کفر میں زیادتی کی بات تھی - پھر فرمایا کہ تم سب کے سب کافروں سے جہاد کرتے رہو جیسے کہ وہ سب کے سب تم میں سے برسر جنگ ہیں - حرمت والے ان چار مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنا منسوخ یا محکم ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں - پہلا تو یہ کہ یہ منسوخ ہے - یہ قول زیادہ مشہور ہے - اس آیت کے الفاظ پر غور کیجئے کہ پہلے تو فرمان ہوا کہ ان مہینوں میں ظلم نہ کرو - پھر مشرکوں سے جنگ کرنے کا ذکر فرمایا - ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے - حرمت کے مہینے بھی اس میں گئے - اگر یہ مہینے اس سے الگ ہوتے تو ان کے گزر جانے کی قید ساتھ ہی بیان ہوتی -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ ماہ ذوالقعدہ میں کیا تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ ہوازن قبیلے کی طرف ماہ شوال میں چلے - جب ان کو ہزیمت ہوئی اور ان میں سے بچے ہوئے افراد بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہوئے تو آپ وہاں گئے اور چالیس دن تک محاصرہ رکھا - پھر بغیر فتح کئے ہوئے وہاں سے واپس لوٹ آئے - پس ثابت ہے کہ آپ نے حرمت والے مہینے میں محاصرہ کیا -

دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنا حرام ہے اور ان مہینوں کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں - اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ شعائر الٰہیہ کو اور حرمت والے مہینوں کو حلال نہ کیا کرو - اور فرمان ہے، حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں قصاص ہیں - پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی ان سے ویسی ہی زیادتی کا بدلہ لو - اور فرمان ہے اِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ الخ، حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کے بعد مشرکوں سے جہاد کرو - یہ پہلے بیان گذر چکا ہے کہ یہ ہر سال میں چار مہینے ہیں - نہ کہ تسیر کے مہینے جو کہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے -

پھر فرمایا کہ تم سب مسلمان ان سے اسی طرح لڑو جیسے کہ وہ تم سے سب کے سب لڑتے ہیں - ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے پہلے سے جداگانہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بالکل نیا اور الگ ہو، مسلمانوں کو رغبت دلانے اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے تو فرماتا ہے کہ جیسے تم سے جنگ کرنے کے لئے، وہ مڈبھیڑ آپس میں مل کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں، تم بھی اپنے سب کلمہ گو اشخاص کو لے کر ان سے مقابلہ کرو - یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے میں مسلمانوں کو حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی رخصت دی ہو جبکہ جملہ ان کی طرف سے ہو - جیسے آیت اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ میں ہے اور جیسے آیت وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ الخ میں بیان ہے، کہ ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہ وہاں لڑائی نہ کریں - ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو - یہی جواب حرمت والے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف کے محاصرے کا ہے کہ دراصل ہوازن اور ثقیف کے ساتھ جنگ کا یہ لڑائی تتمہ تھی - انہوں نے ہی جنگ کی ابتداء کی تھی - ادھر ادھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو جمع کر کے لڑائی کی دعوت دی تھی -

پس حضورؐ نے ان کی طرف پیش قدمی کی، یہ پیش قدمی بھی حرمت والے مہینے میں نہ تھی - یہاں شکست کھا کر یہ لوگ طائف میں جا چھپے اور وہاں قلعہ بند ہو گئے - آپ اس مرکز کو خالی کرانے کے لئے اور آگے بڑھے - انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا یا مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا ادھر محاصرہ جاری رہا - منجنیق وغیرہ سے چالیس دن تک ان کو گھیرے رہے الغرض اس جنگ کی ابتداء حرمت

والے مہینے میں نہیں ہوئی تھی لیکن جنگ نے طول کھینچا۔ حرمت والا مہینہ بھی آ گیا۔ جب چند دن گذر گئے۔ آپ نے محاصرہ ہٹا لیا۔ پس جنگ کا جاری رکھنا اور چیز ہے اور جنگ کی ابتداء اور چیز ہے۔ اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ واللہ اعلم۔ اب اس میں جو حدیثیں ہیں، ہم انہیں وارد کرتے ہیں۔ ہم انہیں سیرت میں بھی بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَةٌ فِی الۡكُفۡرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوۡنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوۡا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۳۷﴾ ع ۵ ⑧ ۱۱

مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر کی زیادتی ہے۔ اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں کہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے، اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں، پھر اسے حلال بنا لیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے، انہیں ان کے برے کام بھلے دکھا دیئے گئے ہیں، قوم کفار کی اللہ رہنمائی نہیں فرماتا ○

احکامات دین میں ردوبدل انتہائی مذموم سوچ ہے: ☆☆ (آیت:۳۷) مشرکوں کے کفر کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ کس طرح اپنی فاسد رائے کو اور اپنی ناپاک خواہش کو شریعت ربانی میں داخل کر کے اللہ کے دین کے احکام میں ردوبدل کر دیتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیتے تھے۔ تین مہینے کی حرمت کو تو ٹھیک رکھا۔ پھر چوتھے مہینے محرم کی حرمت کو اس طرح بدل دیا کہ محرم کو صفر کے مہینے میں کر دیا اور محرم کی حرمت نہ کی۔ تا کہ بظاہر سال کے چار مہینے کی حرمت بھی پوری ہو جائے اور اصلی حرمت کے مہینے محرم میں لوٹ مار قتل و غارت بھی ہو جائے اور اس پر اپنے قصیدوں میں مبالغہ کرتے تھے اور فخریہ اپنا یہ فعل اچھالتے تھے۔ ان کا ایک سردار تھا جنادہ بن عمرو بن امیہ کنانی۔ یہ ہر سال حج کو آتا۔ اس کی کنیت ابوثمامہ تھی۔ یہ منادی کر دیتا کہ نہ تو ابوثمامہ کے مقابلے میں کوئی آواز اٹھا سکتا ہے نہ اس کی بات میں کوئی عیب جوئی کر سکتا ہے۔ سنو پہلے سال کا صفر مہینہ حلال ہے اور دوسرے سال کا حرام۔

پس ایک سال کے محرم کی حرمت نہ رکھتے۔ دوسرے سال کے محرم کی حرمت منا لیتے۔ ان کی اسی زیادتی کفر کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ شخص اپنے گدھے پر سوار آتا اور جس سال یہ محرم کو حرمت والا بنا دیتا، لوگ اس کی حرمت کرتے اور جس سال وہ کہہ دیتا کہ محرم کو ہم نے ہٹا کر صفر میں اور صفر کو آگے بڑھا کر محرم میں کر دیا ہے، اس سال عرب میں اس ماہ محرم کی حرمت کوئی نہ کرتا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی کنانہ کے اس شخص کو علمس کہا جاتا تھا۔ یہ منادی کر دیتا کہ اس سال کی حرمت نہ منائی جائے۔ اگلے سال محرم اور صفر دونوں کی حرمت رہے گی۔ پس اس کے قول پر جاہلیت کے زمانے میں عمل کر لیا جاتا۔ اور اب حرمت کے اصلی مہینے میں جس میں ایک انسان اپنے باپ کے قاتل کو پا کر بھی اس کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتا تھا، اب آزادی سے آپس میں خانہ جنگیاں اور لوٹ مار ہوتی۔ لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ گنتی میں وہ موافقت کرتے تھے اور اس صورت میں گنتی کی موافقت بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک سال میں تین مہینے رہ جاتے ہیں اور دوسرے سال میں پانچ ماہ ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے تو حج فرض تھا ذی الحجہ کے مہینے میں لیکن مشرک ذی الحجہ کا نام محرم رکھ لیتے۔ پھر برابر گنتی گنتے جاتے اور اس حساب سے جو ذی

الحجہ آتا اس میں حج ادا کرتے۔

پھر محرم کے نام سے خاموشی برت لیتے ۔ اس کا ذکر ہی نہ کرتے ۔ پھر لوٹ کر صفر نام رکھ دیتے ۔ پھر رجب کو جمادی الاخر' پھر شعبان کو رمضان اور رمضان کو شوال پھر ذوالقعدہ کو شوال' ذی الحجہ کو ذی القعدہ اور محرم کو ذی الحجہ کہتے اور اس میں حج کرتے ۔ پھر اس کا اعادہ کرتے اور دو سال تک ہر ایک مہینے میں برابر حج کرتے ۔ جس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا' اس سال مشرکوں کی اس گنتی کے مطابق دوسرے برس کا ذولقعدہ کا مہینہ تھا ۔ آنحضور ﷺ کے حج کے موقعہ پر ٹھیک ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور اسی کی طرف آپ نے اپنے خطبے میں اشارہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ زمانہ گھوم پھر کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس ہیئت پر اس وقت تھا جب زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے بنائے لیکن یہ قول بھی درست نہیں معلوم ہوتا ۔ اس وجہ سے کہ اگر ذو لقعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کا حج ہوا تو یہ حج کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ الخ' یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے آج کے حج اکبر کے دن مشرکوں سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان ہے ۔ اس کی منادی حضرت صدیقؓ کے حج میں ہی کی گئی ۔ پس اگر یہ حج ذی الحجہ کے مہینے میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو حج کا دن نہ فرماتا ۔ اور صرف مہینوں کی تقدیم و تاخیر کو جس کا بیان اس آیت میں ہے' ثابت کرنے کے لئے اس تکلیف کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ تو اس کے بغیر بھی ممکن ہے ۔ کیونکہ مشرکین ایک سال تو محرم الحرام کے مہینے کو حلال کر لیتے اور اس کے عوض ماہ صفر کو حرمت والا کر لیتے' سال کے باقی مہینے اپنی جگہ رہتے ۔ پھر دوسرے محرم کو حرام سمجھتے اور اس کی حرمت و عزت باقی رکھتے تاکہ سال کے چار حرمت والے مہینے جو اللہ کی طرف سے مقرر تھے' ان کی گنتی میں موافقت کر لیں ۔ پس کبھی تو حرمت والے تینوں مہینے جو پے در پے ہیں' ان میں سے آخری ماہ محرم کی حرمت رکھتے ۔ کبھی اسے صفر کی طرف مؤخر کر دیتے ۔ رہا حضورؐ کا فرمان کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے یعنی اس وقت جو مہینہ ان کے نزدیک ہے' وہی مہینہ صحیح گنتی میں بھی ہے ۔ اس کا پورا بیان ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ عقبہ میں رسول اللہ ﷺ ٹھہرے ۔ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے ۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثناء بیان فرما کر فرمایا کہ مہینوں کی تاخیر شیطان کی طرف سے کفر کی زیادتی تھی کہ کافر بہکیں ۔ وہ ایک سال محرم کو حرمت والا کرتے اور صفر کو حلت والا' پھر محرم کو حلت والا کر لیتے ۔ یہی ان کی وہ تقدیم تاخیر ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے ۔ امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السیرت میں اس پر بہت اچھا کلام کیا ہے جو بے حد مفید اور عمدہ ہے ۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کام کو سب سے پہلے کرنے والا علمس حذیفہ بن عبید تھا ۔ پھر قیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ۔ پھر اس کا لڑکا عباد' پھر اس کا لڑکا قلع' پھر اس کا لڑکا' امیہ' پھر اس کا لڑکا عوف' پھر اس کا لڑکا ابوثمامہ جنادہ' اسی کے زمانہ میں اشاعت اسلام ہوئی ۔ عرب لوگ حج سے فارغ ہو کر اس کے پاس جمع ہوتے ۔ یہ کھڑا ہو کر انہیں لیکچر دیتا اور رجب' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی حرمت بیان کرتا اور ایک سال تو محرم کو حلال کر دیتا اور محرم صفر کو بنا دیتا اور ایک سال محرم کو ہی حرمت والا کہہ دیتا کہ اللہ کی حرمت کے مہینوں کی گنتی موافق ہو جائے اور اللہ کا حرام حلال بھی ہو جائے ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ

الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾
اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو راہ اللہ میں کوچ کرو تو تم زمین پکڑ لیتے ہو' کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر ہی ریجھ گئے ہو' سنو زندگانی دنیا تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یونہی سی ہے ○ اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا۔ تم اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

غزوہ تبوک اور جہاد سے گریزاں لوگوں کو انتباہ: ☆☆ (آیت:۳۹) ایک طرف تو گرمی سخت پڑ رہی تھی' دوسری طرف پھل پک گئے تھے اور درختوں کے سائے بڑھ گئے تھے- ایسے وقت رسول اللہ ﷺ ایک دور دراز کے سفر کے لئے تیار ہو گئے- غزوہ تبوک میں اپنے ساتھ چلنے کے لئے سب سے فرما دیا- کچھ لوگ جو رہ گئے تھے' انہیں جو تنبیہہ کی گئی' ان آیتوں کا شروع اس آیت سے ہے کہ جب تمہیں اللہ کی راہ کے جہاد کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کیوں زمین میں دھنسنے لگتے ہو- کیا دنیا کی ان فانی چیزوں کی ہوس میں آخرت کی باقی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہو؟ سنو دنیا کی تو آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں- حضورؐ نے اپنی کلمے کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' اس انگلی کو کوئی سمندر میں ڈبو کر نکالے' اس پر جتنا پانی سمندر کے مقابلے میں ہے' اتنا ہی مقابلہ دنیا اور آخرت سے ہے- حضرت ابو ہریرہؓ سے کسی نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے' آپ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ کا ثواب دیتا ہے- آپ نے فرمایا بلکہ میں نے دو لاکھ کا فرمان بھی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے- پھر آپ نے اس آیت کے اسی جملے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ دنیا جو گذر گئی اور باقی ہے' وہ سب آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے- مروی ہے کہ عبدالعزیز بن مروان نے اپنے انتقال کے وقت اپنا کفن منگوایا- اسے دیکھ کر فرمایا' بس میرا تو دنیا میں حصہ تھا- میں اتنی دنیا لے کر جا رہا ہوں- پھر پیٹھ موڑ کر رو کر کہنے لگے' ہائے دنیا تیرا زیادہ بھی کم ہے اور تیرا کم تو بہت ہی چھوٹا ہے' افسوس ہم تو دھوکے میں ہی رہے- پھر ترک جہاد پر اللہ تعالیٰ ڈانٹتا ہے کہ سخت دردناک عذاب ہوں گے- ایک قبیلے کو حضورؐ نے جہاد کے لئے بلوایا وہ نہ اٹھے- اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی-

پھر فرماتا ہے کہ اپنے دل میں اترانا مت کہ ہم رسولؐ کے مددگار ہیں' اگر تم درست نہ رہے تو اللہ تمہیں برباد کر کے اپنے رسولؐ کا دوسرے لوگوں کو مددگار کر دے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے- تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے- یہ نہیں کہ تم نہ جاؤ تو مجاہدین جہاد کر ہی نہ سکیں- اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے- وہ تمہارے بغیر بھی اپنے دشمنوں پر اپنے غلاموں کو غالب کر سکتا ہے- کہا گیا ہے کہ یہ آیت اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اور آیت مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ الخ' یہ سب آیتیں آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً الخ' سے منسوخ ہیں لیکن امام جریر رحمتہ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے نکلنے کو فرمائیں' وہ فرمان سنتے ہی اٹھ کھڑے ہو جائیں- فی الواقع یہ توجیہہ بہت عمدہ ہے واللہ اعلم-

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ
اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ
إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ
لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ
وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے اس کی مدد اس وقت کی تھی جبکہ اسے کافروں نے دیس نکالا دیا تھا - دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر - اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس جناب باری نے اپنی طرف کی تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا بھی نہیں، اس نے کافروں کی بات پست کر دی، بلند و عزیز تو اللہ کا کلمہ ہی ہے، اللہ غالب ہے - حکمت والا ہے ○

آغاز ہجرت : ☆☆ (آیت: ۴۰) تم اگر میرے رسولؐ کی امداد و تائید چھوڑ دو تو میں کسی کا محتاج نہیں ہوں - میں آپ اس کا ناصر، موید، کافی اور حافظ ہوں - یاد رکھو ہجرت والے سال جبکہ کافروں نے آپ کے قتل، قید یا دیس نکالا دینے کی سازش کی تھی اور آپ اپنے سچے ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تن تنہا مکہ شریف سے بحکم الٰہی تیز رفتاری سے نکلے تھے تو کون ان کا مددگار تھا؟ تین دن غار میں گذارے تا کہ ڈھونڈنے والے مایوس ہو کر واپس چلے جائیں تو یہاں سے نکل کر مدینہ شریف کا راستہ لیں - صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لحہ بہ لحہ گھبرا رہے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے - ایسا نہ ہو کہ وہ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو کوئی ایذا پہنچائے - حضورؐ ان کی تسکین فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ابوبکر ان دو کی نسبت تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے - مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکر ابن ابوقحافہؓ نے آنحضرت ﷺ سے غار میں کہا کہ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کو بھی دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا - آپؐ نے فرمایا، ان دو کو کیا سمجھتا ہے جن کا تیسرا خود اللہ ہے - الغرض اس موقعہ پر جناب باری سبحانہ وتعالیٰ نے آپؐ کی مدد فرمائی - بعض بزرگوں نے فرمایا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین نازل فرمائی - ابن عباسؓ وغیرہ کی یہی تفسیر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تو مطمئن اور سکون و تسکین والے تھے ہی - لیکن اس خاص حال میں تسکین کا از سر نو بھیجنا کچھ اس کے خلاف نہیں - اسی لئے اسی کے ساتھ فرمایا کہ اپنے غائبانہ لشکر اتار کر اس کی مدد فرمائی یعنی فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کلمہ کفر دبا دیا اور اپنے کلمے کا بول بالا کیا - شرک کو پست کیا اور توحید کو اونچا کیا - حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی بہادری کے لئے، دوسرا حمیت قومی کے لئے، تیسرا لوگوں کو خوش کرنے کے لئے لڑ رہا ہے تو ان میں اللہ کی راہ کا مجاہد کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جو کلمہ حق کو بلند و بالا کرنے کی نیت سے لڑے، وہ راہ حق کا مجاہد ہے - اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر غالب ہے - جس کی مدد کرنا چاہے کرتا ہے - نہ اس کے سامنے کوئی روک سکے نہ اس کے ارادے کو کوئی بدل سکے - کون ہے جو اس کے سامنے لب ہلا سکے یا آنکھ ملا سکے - اس کے سب اقوال و افعال، حکمت و مصلحت، بھلائی اور خوبی سے پر ہیں - تعالیٰ شانہ وجد مجدہ -

انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو تو بھی۔ راہ رب میں اپنی مال و جان سے جہاد کرو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو ○

جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے: ☆☆ (آیت:۴۱) کہتے ہیں کہ سورہ براۃ میں یہی آیت پہلے اتری ہے۔ اس میں ہے کہ غزوہ تبوک کے لئے تمام مسلمانوں کو ہادی امم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکل کھڑے ہونا چاہئے۔ اہل کتاب رومیوں سے جہاد کے لئے تمام مومنوں کو چلنا چاہئے، خواہ دل مانے یا نہ مانے۔ خواہ آسانی نظر آئے یا طبیعت پر گراں گزرے۔ ذکر ہو رہا تھا کہ کوئی بڑھاپے کا، کوئی بیماری کا عذر کر دے تو یہ آیت اتری۔ بوڑھے جوان سب کو پیغمبر کا ساتھ دینے کا عام حکم ہوا۔ کسی کا کوئی عذر نہ چلا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی اور اس حکم کی تعمیل میں سرزمین شام میں چلے گئے اور نصرانیوں سے جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ جان بخشنے والے اللہ کو اپنی جان سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنہ وارضاء۔ اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر آئے تو فرمانے لگے ہمارے رب نے تو میرے خیال سے بوڑھے جوان سب کو جہاد کے لئے چلنے کی دعوت دی ہے۔ میرے پیارے بچو۔ میرا سامان تیار کرو۔ میں ملک شام کے جہاد میں شرکت کے لئے ضرور جاؤں گا۔ بچوں نے کہا ابا جی حضورؐ کی حیات تک آپ نے حضورؐ کی ماتحتی میں جہاد کیا۔ خلافت صدیقی میں آپ مجاہدین کے ساتھ رہے۔ خلافت فاروقی کے آپ مجاہد مشہور ہیں۔ اب آپ کی عمر جہاد کی نہیں رہی۔ آپ گھر پر آرام کیجئے۔ ہم لوگ آپ کی طرف سے میدان جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں لیکن آپ نہ مانے اور اسی وقت گھر سے روانہ ہو گئے، سمندر پار جانے کے لئے کشتی لی اور چلے۔ ہنوز منزل مقصود سے کئی دن کی راہ پر تھے جو سمندر کے عین درمیان روح پروردگار کو سونپ دی۔ نو دن تک کشتی چلتی رہی لیکن کوئی جزیرہ یا ٹاپو نظر نہ آیا کہ وہاں آپ کو دفنایا جاتا۔ نو دن کے بعد خشکی پر اترے اور آپ کو سپرد لحد کیا۔ اب تک نعش مبارک جوں کی توں تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضا۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے خفافاً وثقالاً کی تفسیر جوان اور بوڑھے مروی ہے۔

الغرض جوان ہوں، بوڑھے ہوں، امیر ہوں، فقیر ہوں، فارغ ہوں، مشغول ہوں، خوش حال ہوں یا تنگ دل ہوں، بھاری ہوں یا ہلکے ہوں، حاجت مند ہوں، کاری گر ہوں، آسانی والے ہوں، سختی والے ہوں، پیشہ ور ہوں یا تجارتی ہوں، قوی ہوں یا کمزور، جس حالت میں بھی ہوں، بلا عذر کھڑے ہو جائیں اور راہ حق کے جہاد کے لئے چل پڑیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے طور پر ابو عمرو اوزاعی کا قول ہے کہ جب اندرون روم حملہ ہوا ہو تو مسلمان ہلکے پھلکے اور سوار چلیں۔ اور جب ان بندرگاہوں کے کناروں پر حملہ ہو تو ہلکے، بوجھل، سوار، پیدل ہر طرح نکل کھڑے ہو جائیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت فَلَوْ لَا نَفَرَ الخ سے یہ حکم منسوخ ہے۔ اس پر ہم پوری روشنی ڈالیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مروی ہے کہ ایک بھاری بدن کے بڑے شخص نے آپ سے اپنا حال ظاہر کر کے اجازت چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا اور یہ آیت اتری۔ لیکن یہ حکم صحابہؓ پر سخت گذرا۔

پھر جناب باری نے اسے آیت لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ الخ، سے منسوخ کر دیا یعنی ضعیفوں، بیماروں، تنگ دست فقیروں پر جب کہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو، اگر وہ اللہ کے دین اور شرع مصطفیٰ کے حامی اور طرف دار اور خیر خواہ ہوں تو میدان جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں۔ حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول غزوے سے لے کر پوری عمر تک سوائے ایک سال کے ہر غزوے میں موجود رہے اور فرماتے رہے کہ خفیف وثقیل دونوں کو نکلنے کا حکم ہے اور انسان کی حالت ان دو حالتوں سے سوا نہیں ہوتی۔ حضرت ابو راشد حرانی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مقداد بن اسود سوار سرکار رسالت مابؐ کو حمص میں دیکھا کہ ہڈی اتر گئی ہے۔ پھر بھی ہودج میں سوار ہو کر جہاد کو جا رہے ہیں تو میں نے کہا، اب تو شریعت آپ کو معذور سمجھتی ہے۔ آپ یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا سنو، سورۃ البعوث یعنی سورہ برات ہمارے

سامنے اتری ہے جس میں حکم ہے کہ ہلکے بھاری سب جہاد کو جاؤ۔ حضرت حیان بن زید شرعی کہتے ہیں کہ صفوان بن عمرو والی حمص کے ساتھ جراجمہ کی جانب جہاد کے لئے چلے' میں نے دمشق کے ایک عمر رسیدہ بزرگ کو دیکھا کہ حملہ کرنے والوں کے ساتھ اپنے اونٹ پر سوار وہ بھی آ رہے ہیں۔۔ ان کی بھنویں ان کی آنکھوں پر پڑ رہی ہیں۔ شیخ فانی ہو چکے ہیں۔ میں نے پاس جا کر کہا' چچا صاحب آپ تو اب اللہ کے نزدیک بھی معذور ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنی بھنویں ہٹائیں اور فرمایا بھتیجے سنو اللہ تعالیٰ نے ہلکے اور بھاری ہونے کی دونوں صورتوں میں ہم سے جہاد میں نکلنے کی طلب کی ہے۔ سنو جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے' وہاں اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ پھر اس پر بعد از ثابت قدمی اللہ کی رحمت برستی ہے۔ سنو اللہ کی آزمائش شکر وصبر وذکر اللہ اور توحید خالص سے ہوتی ہے جہاد کے حکم کے بعد مالک زمین وزماں اپنی راہ میں اپنے رسولؐ کی مرضی میں مال وجان کے خرچ کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ دنیا وآخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔ دینوی نفع تو یہ ہے کہ تھوڑا سا خرچ ہوگا اور بہت سی غنیمت ملے گی۔ آخرت کے نفع سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے۔ وہ مجاہد کو یا تو شہید کر کے جنت کا مالک بنا دیتا ہے یا اسے سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹاتا ہے۔ خود الہ العالمین کا فرمان عالی شان ہے کہ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے باوجودیکہ تم اسے کترا کھا رہے ہو۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ تمہاری نہ چاہی ہوئی چیز ہی دراصل تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہاری چاہت کی چیز فی الواقع تمہارے حق میں بے حد مضر ہو' سنو تم تو بالکل نادان ہو اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دانا بینا ہے۔ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا' مسلمان ہو جا' اس نے کہا جی تو چاہتا نہیں' آپؐ نے فرمایا گو نہ چاہے (مسند احمد)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ
عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا
مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿٤٢﴾

اگر جلد وصول ہونے والا مال اسباب ہوتا اور ہلکا سا سفر ہوتا تو یہ ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے لیکن ان پر تو دوری اور دراز کی مشکل پڑ گئی' اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھانے لگیں گے کہ اگر ہم میں قوت وطاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے' یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے ○

عیار لوگوں کو بے نقاب کر دو: ☆☆ (آیت:۴۲) جو لوگ غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے اور اس کے بعد حضورؐ کے پاس آ آ کر اپنے جھوٹے اور بناوٹی عذر پیش کرنے لگے تھے' انہیں اس آیت میں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دراصل انہیں کوئی معذوری نہ تھی۔ اگر کوئی آسان غنیمت اور قریب کا سفر ہوتا تو یہ لالچی ساتھ ہو لیتے لیکن شام تک کے لمبے سفر نے ان کے گھٹنے توڑ دیئے' اس مشقت کے خیال نے ان کے ایمان کمزور کر دیئے۔ اب یہ آ آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اللہ کے رسولؐ کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو بھلا ہم شرف رکابی چھوڑنے والے تھے؟ ہم تو جان ودل سے آپ کے قدموں میں حاضر ہو جاتے۔ اللہ فرماتا ہے' ان کے جھوٹ کا مجھے علم ہے۔ انہوں نے تو اپنے آپ کو غارت کر دیا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ
صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِينَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾

اللہ تجھے معاف فرما دے۔ تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے ○ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ○ یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے۔ جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگرداں ہیں ○

نہ ادھر کے نہ ادھر کے: ☆☆ (آیت: ۴۵) سبحان اللہ! اللہ کی اپنے محبوب سے کیسی باتیں ہو رہی ہیں؟ سخت بات کے سنانے سے پہلے ہی معافی کا اعلان سنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد رخصت دینے کا عہد بھی سورہ نور میں کیا جاتا ہے اور ارشاد عالی ہوتا ہے فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ الخ یعنی ان میں سے کوئی اگر آپ سے اپنے کسی کام اور شغل کی وجہ سے اجازت چاہے تو آپ جسے چاہیں اجازت دے سکتے ہیں۔ یہ آیت ان کے بارے میں اتری ہے جن لوگوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ حضورؐ سے اجازت طلبی تو کریں۔ اگر اجازت ہو جائے تو اچھا اور اگر اجازت نہ بھی دیں تو بھی ہم اس غزوے میں جائیں گے تو نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہیں اجازت نہ ملتی تو اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ سچے عذر والے اور جھوٹے بہانے والے کھل جاتے۔ نیک و بد میں ظاہری تمیز ہو جاتی۔ اطاعت گزار تو حاضر ہو جاتے۔ نافرمان باوجود اجازت نہ ملنے کے بھی نہ نکلتے۔ کیونکہ انہوں نے تو طے کر لیا تھا، حضورؐ ہاں کہیں یا نہ کہیں ہم تو جہاد میں جانے کے نہیں۔ اس لئے جناب باری نے اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سچے ایماندار لوگ راہ حق کے جہاد سے رکنے کی اجازت تجھ سے طلب کریں۔ وہ تو جہاد کو موجب قربت الہیہ مان کر اپنی جان و املاک کے فدا کرنے کے آرزو رزومند رہتے ہیں۔ اللہ بھی اس متقی جماعت سے بخوبی آگاہ ہے۔ بلا عذر شرعی بہانے بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت طلب کرنے والے تو بے ایمان لوگ ہیں جنہیں دار آخرت کی جزا کی کوئی امید ہی نہیں۔ ان کے دل آج تک تیری شریعت کے بارے میں شک و شبہ میں ہی ہیں، یہ حیران و پریشان ہیں۔ ایک قدم ان کا آگے بڑھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹتا ہے۔ انہیں ثابت قدمی اور استقلال نہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ یہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے، یہ اللہ کے گمراہ کئے ہوئے ہیں۔ تو ان کے سنوارنے کا کوئی رستہ نہ پائے گا۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ
اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾
لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ
يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾

اگر ان کا ارادہ جہاد کے لئے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لئے سامان کی تیاری کر رکھتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا۔ پس انہیں حرکت سے ہی روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو ○ اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے، ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں۔ اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

غلط گو غلط کار کفار و منافق : ☆☆ (آیت:۴۶-۴۷) عذر کرنے والوں کے غلط ہونے کی ایک ظاہری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو کم از کم سامان سفر تو تیار کر لیتے لیکن یہ تو اعلان اور حکم کے بعد بھی کئی دن گذرنے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ ایک تنکا بھی ادھر سے ادھر نہ کیا، دراصل اللہ کو ان کا تمہارے ساتھ نکلنا پسند ہی نہ تھا۔ اس لئے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اور قدرتی طور پر ان سے کہہ دیا گیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کا ہی ساتھ دو۔ ان کے ساتھ کو ناپسند رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورے نامراد اعلیٰ درجے کے بزدل، بڑے ہی ڈرپوک ہیں۔ اگر یہ تمہارے ساتھ ہوتے تو پتہ کھڑکا اور بندہ سرکا کی مثل کو اصل کر دکھاتے اور ان کے ساتھ ہی تم میں بھی فساد برپا ہو جاتا۔ یہ ادھر کی ادھر، ادھر کی ادھر لگا بجھا کر، بات کا بتنگڑ بنا کر، آپس میں پھوٹ اور عداوت ڈلوا دیتے اور کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے تمہیں آپس میں ہی الجھا دیتے۔ ان کے ماننے والے، ان کے ہم خیال، ان کی پالیسی کو اچھی نظر سے دیکھنے والے خود تم میں بھی موجود ہیں۔ وہ اپنے بھولے پن سے ان کی شرر انگیزیوں سے بے خبر رہتے ہیں جس کا نتیجہ مومنوں کے حق میں نہایت برا نکلتا ہے۔ آپس میں شر و فساد پھیل جاتا ہے۔

مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کے حامی اور ہمدرد ہیں۔ یہ لوگ تمہاری جاسوسی کرتے رہتے ہیں اور تمہاری پل پل کی خبریں انہیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ معنی کرنے سے وہ لطافت باقی نہیں رہتی جو شروع آیت سے ہے یعنی ان لوگوں کا تمہارے ساتھ نہ نکلنا اللہ کو اس لئے بھی ناپسند رہا کہ تم میں بعض وہ بھی ہیں جو ان کو مان لیا کرتے ہیں۔ یہ تو بہت درست ہے لیکن ان کے نہ نکلنے کی وجہ کے لئے جاسوسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے قتادہ وغیرہ مفسرین کا یہی قول ہے۔ امام محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور جد بن قیس بھی تھا اور یہی بڑے بڑے رؤسا اور ذی اثر منافق تھے۔ اللہ نے انہیں دور ڈال دیا۔ اگر یہ ساتھ ہوتے تو ان کے سامنے ان کی بات مان لینے والے وقت پر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بن جاتے، محمدیؐ لشکر میں ابتری پھیل جاتی کیونکہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے واقف ہونے کی وجہ سے ان کے ظاہری اسلام اور چرب کلامی پر مفتوں تھے اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔ یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی، سچ ہے پورا علم اللہ ہی کو ہے، غائب حاضر جو ہو چکا ہو اور ہونے والا ہو، سب اس پر روشن ہے۔ اسی لئے اپنے علم غیب کی بنا پر وہ فرماتا ہے کہ تم مسلمانو! ان کا نہ نکلنا ہی غنیمت سمجھو۔ یہ ہوتے تو اور فساد و فتنہ برپا کرتے۔ نہ خود جہاد کرتے نہ کرنے دیتے۔ اس لئے فرمان ہے کہ اگر کفار دوبارہ بھی دنیا میں لوٹائے جائیں تو نئے سرے سے پھر وہی کریں جس سے منع کیئے جائیں اور یہ جھوٹے کے جھوٹے ہی رہیں۔

ایک اور آیت میں ہے کہ اگر اللہ کے علم میں ان کے دلوں میں کوئی بھی خیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ عز و جل انہیں ضرور سنا دیتا لیکن اب تو یہ حال ہے کہ سنیں بھی تو منہ موڑ کر لوٹ جائیں۔ اور جگہ ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ تم آپس میں ہی موت کا کھیل کھیلو یا جلاوطن ہو جاؤ تو سوائے بہت کم لوگوں کے یہ ہرگز اسے نہ کرتے۔ حالانکہ ان کے حق میں بہتر اور اچھا یہی تھا کہ جو نصیحت انہیں کی جائے، یہ اسے بجا لائیں تاکہ اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں اور راہ مستقیم دکھائیں۔ ایسی آیتیں اور بھی بہت ساری ہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى
جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ
جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تیرے لئے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا باوجودیکہ وہ ناخوشی میں ہی رہے ○ ان میں سے کوئی تو کہتا ہے کہ مجھے اجازت دیجئے۔ مجھے فتنے میں نہ ڈالئے' آگاہ رہو۔ وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں' یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے ○

فتنہ و فساد کی آگ' منافق: ☆☆ (آیت: ۴۸) اللہ تعالیٰ منافقین سے نفرت دلانے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا بھول گئے' مدتوں تو یہ فتنہ و فساد کی آگ سلگاتے رہے اور تیرے کام الٹ دینے کی بیسیوں تدبیریں کر چکے ہیں۔ مدینے میں آپ کا قدم آتے ہی تمام عرب نے ایک ہو کر مصیبتوں کی بارش برسا دی۔ باہر سے وہ چڑھ دوڑے۔ اندر سے یہود مدینہ اور منافقین مدینہ نے بغاوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں سب کی کمانیں توڑ دیں' ان کے جوڑ ڈھیلے کر دیئے' ان کے جوش ٹھنڈے کر دیئے' بدر کے معرکے نے ان کے ہوش و حواس بھلا دیئے اور ان کے ارمان ذبح کر دیئے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی نے صاف کہہ دیا کہ بس اب یہ لوگ ہمارے بس کے نہیں رہے۔ اب تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ظاہر میں اسلام کی موافقت کی جائے۔ دل میں جو ہے سو ہے' وقت آنے دو۔ دیکھا جائے گا اور دکھا دیا جائے گا۔ جیسے جیسے حق کی بلندی اور توحید کا بول بالا ہوتا گیا' یہ لوگ حسد کی آگ میں جلتے گئے۔ آخر حق نے قدم جمائے' اللہ کا کلمہ غالب آ گیا اور یہ یونہی سینہ پیٹتے اور ڈنڈے بجاتے رہے۔

جد بن قیس جیسے بدتمیزوں کا حشر: ☆☆ (آیت: ۴۹) جد بن قیس سے حضورؐ نے فرمایا' اس سال نصرانیوں کے جلاوطن کرنے میں تو ہمارا ساتھ دے گا؟ تو اس نے کہا' یا رسول اللہؐ مجھے تو معاف رکھئے' میری ساری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بے طرح شیدائی ہوں۔ عیسائی عورتوں کو دیکھ کر مجھ سے تو اپنا نفس روکا نہ جائے گا۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس منافق نے یہ بہانہ بنایا حالانکہ وہ فتنے میں تو پڑا ہوا ہے۔ رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑنا جہاد سے منہ موڑنا یہ کیا کم فتنہ ہے؟ یہ منافق بنوسلمہ قبیلے کا رئیس اعظم تھا۔ حضورؐ نے جب اس قبیلے کے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ تو انہوں نے کہا جد بن قیس جو بڑا ہی شوم اور بخیل ہے۔ آپؐ نے فرمایا' بخل سے بڑھ کر اور کیا بری بیماری ہے؟ سنو اب سے تمہارا سردار نوجوان سفید اور خوبصورت حضرت بشر بن برا بن معرور ہیں۔ جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔ نہ اس سے وہ بچ سکیں نہ بھاگ سکیں نہ نجات پا سکیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ
اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ
يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾

تجھے اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور تجھے کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے سے ہی درست کر لیا تھا- پھر تو بڑے ہی اپھرتے ہوئے لوٹتے ہیں ○ تو کہدے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کے کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی' وہ ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے' مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ○

بدفطرت لوگوں کا دوغلا پن: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) ان بد باطن لوگوں کی اندرونی خباثت کا بیان ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت سے' ان کی بھلائی اور ترقی سے ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر اللہ نہ کرے' یہاں اس کے خلاف ہوا تو بڑے شور و غل مچاتے ہیں' گا گا کر اپنی چالاکی کے افسانے گائے جاتے ہیں کہ میاں اسی وجہ سے ہم تو ان سے بچے رہے- مارے خوشی کے بغلیں بجانے لگتے ہیں- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو جواب دے کہ رنج و راحت اور ہم خود اللہ کی تقدیر اور اس کی منشاء کے ماتحت ہیں' وہ ہمارا مولیٰ ہے' وہ ہمارا آقا ہے-' وہ ہماری پناہ ہے- ہم مومن ہیں اور مومنوں کا بھروسہ اسی پر ہوتا ہے- وہ ہمیں کافی ہے- بس وہ ہمارا کارساز ہے اور بہترین کارساز ہے-

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ
بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا
اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ
يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ
تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا
يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ
كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾

کہہ دے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ہی ایک ہے' اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا تمہیں دے یا ہمارے ہاتھوں سے' پس ایک طرف تم منتظر رہو- دوسری جانب تمہارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں ○ کہہ دے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو' قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا- یقیناً تم بے حکم لوگ ہو ○ کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوا نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے منکر ہیں اور بڑی کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں ○

شہادت ملی تو جنت' بچ گئے تو غازی: ☆☆ (ایت: ۵۲-۵۴) مسلمانوں کے جہاد میں دو ہی انجام ہوتے ہیں اور دونوں ہر طرح اچھے ہیں- اگر شہادت ملی تو جنت اپنی ہے اور اگر فتح ملی تو غنیمت و اجر ہے' پس اے منافقو تم جو ہماری بابت انتظار کر رہے ہو- وہ انہی دو اچھائیوں میں سے ایک کا ہے اور ہم جس بات کا انتظار تمہارے بارے میں کر رہے ہیں' وہ دو برائیوں میں سے ایک کا ہے یعنی یا تو یہ کہ اللہ کا عذاب براہ راست تم پر آ جائے یا ہمارے ہاتھوں سے تم پر اللہ کی مار پڑے کہ قتل و قید ہو جاؤ- اچھا اب تم اپنی جگہ اور ہم اپنی جگہ منتظر رہیں- دیکھیں پردۂ

غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمہارے خرچ کرنے کا اللہ بھوکا نہیں- تم خوشی سے دو تو اور ناراضگی سے دو تو' وہ تو قبول فرماتا نہیں' اس لئے کہ تم فاسق لوگ ہو- تمہارے خرچ کی عدم قبولیت کا باعث تمہارا کفر ہے اور اعمال کی قبولیت کی شرط کفر کا نہ ہونا بلکہ ایمان کا ہونا ہے- ساتھ ہی کسی عمل میں تمہارا نیک قصد اور سچی ہمت نہیں- نماز کو آتے ہو تو بھی بجھے دل سے' گرتے مرتے پڑتے سست اور کاہل ہو کر- دیکھا دیکھی مجمع میں دو چار دے بھی دیتے ہو تو مرے جی سے' دل کی تنگی سے- صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ نہیں تھکتا لیکن تم تھک جاؤ' اللہ پاک ہے- وہ پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے- متقیوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں' تم فاسق ہو- تمہارے اعمال قبولیت سے گرے ہوئے ہیں-

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵

تو ان کے مال و اولاد سے تعجب میں نہ پڑ' اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں ○

کثرت مال و دولت عذاب بھی ہے: ☆☆ (آیت: ۵۵) ان کے مال و اولاد کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہ دیکھ- ان کی دنیا کی اس ہیرا پھیری کی کوئی حقیقت نہ گن' یہ ان کے حق میں کوئی بھلی چیز نہیں- یہ تو ان کے لئے دینوی سزا بھی ہے کہ نہ اس میں سے زکوۃ نکلے نہ اللہ کے نام خیرات ہو-

قتادہؒ کہتے ہیں' یہاں مطلب مقدم و موخر ہے یعنی تجھے ان کی مال و اولاد اچھے نہ لگنے چاہئیں- اللہ کا ارادہ اس سے انہیں اس حیات دنیا میں ہی سزا دینے کا ہے- پہلا قول حضرت حسن بصیرؒ کا ہے- وہی اچھا اور قوی ہے- امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں- اس میں یہ ایسے پھنسے رہیں گے کہ مرتے دم تک راہ ہدایت نصیب نہیں ہوگی- یوں ہی بتدریج پکڑ لئے جائیں گے اور انہیں پتہ بھی نہ چلے گا- یہی حشمت' وجاہت' مال و دولت جہنم کی آگ بن جائے گا-

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ
قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا
لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى
الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا
مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ
اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝۵۹ ع ۸ ۷

یہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے لوگ ہیں' حالانکہ وہ دراصل تمہارے نہیں- بات صرف اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں ○ اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غار یا کوئی بھی سر گھسانے کی جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کر الٹے بھاگ چھوٹیں ○ ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں تجھ پر عیب رکھتے ہیں' اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے ○ اگر یہ لوگ اللہ رسول کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے- اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی' ہم تو اللہ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں ○

جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی حقیقت : ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) ان کی تنگ دلی' ان کی غیر مستقل مزاجی' ان کی سراسیمگی' پریشانی' گھبراہٹ اور بے اطمینانی کا یہ حال ہے کہ تمہارے پاس آ کر تمہارے دل میں گھر کرنے کے لئے اور تمہارے ہاتھوں سے بچنے کے لئے بڑی لمبی چوڑی زبردست قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ ہم تمہارے ہیں' ہم مسلمان ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے- یہ صرف خوف و ڈر ہے جو ان کے پیٹ میں درد پیدا کر رہا ہے- اگر آج انہیں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی قلعہ مل جائے' اگر آج یہ کوئی محفوظ غار دیکھ لیں یا کسی اچھی سرنگ کا پتہ انہیں چل جائے تو یہ تو سارے کے سارے دم بھر میں اس طرف دوڑ جائیں' تیرے پاس ان میں سے ایک بھی نظر نہ آئے کیونکہ انہیں تجھ سے کوئی محبت یا انس تو نہیں ہے- یہ تو صرف مجبوری اور خوف کی بنا پر تمہاری چاپلوسی کر لیتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اسلام ترقی کر رہا ہے- یہ جھکتے چلے جا رہے ہیں' مومنوں کی ہر خوشی سے یہ جلتے تڑپتے ہیں- ان کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی- موقعہ مل جائے تو آج بھاگ جائیں-

مال و دولت کے حریص منافق : ☆☆ (آیت:۵۸-۵۹) بعض منافق آنحضرت ﷺ پر تہمت لگاتے ہیں کہ آپ مال زکوۃ کو صحیح تقسیم نہیں کرتے وغیرہ- اور ان سے ان کا ارادہ سوائے اپنے نفع کے حصول کے اور کچھ نہ تھا- انہیں کچھ مل جائے تو راضی راضی ہیں- اگر اتفاق سے یہ رہ جائیں تو بس ان کے نتھنے پھولے جاتے ہیں- حضورؐ نے مال زکوۃ جب ادھر ادھر تقسیم کر دیا تو انصار میں سے کسی نے ہانک لگائی کہ یہ عدل نہیں- اس پر یہ آیت اتری- اور روایت میں ہے کہ ایک نومسلم صحرائی حضور کو سونا چاندی بانٹتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر اللہ نے تجھے عدل کا حکم دیا ہے تو تو عدل نہیں کرتا- آپؐ نے فرمایا' تو تباہ ہو- اگر میں بھی عادل نہیں تو زمین پر اور کون عادل ہوگا؟ پھر آپؐ نے فرمایا' اس سے اور اس جیسوں سے بچو- میری امت میں ان جیسے لوگ ہوں گے' قرآن پڑھیں گے لیکن حلق سے نہیں اترے گا' وہ جب نکلیں' انہیں قتل کر ڈالو' پھر نکلیں تو مار ڈالو' پھر جب ظاہر ہوں' پھر گردنیں مارو- آپؐ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم نہ میں تمہیں دوں نہ تم سے روکوں- میں تو ایک خازن ہوں- جنگ حنین کے مال غنیمت کے وقت ذوالخویصرہ ہرقوص نامی ایک شخص نے حضورؐ پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا تو عدل نہیں کرتا- انصاف سے کام کر' آپؐ نے فرمایا' اگر میں عدل نہ کروں تو پھر تیری بربادی کہیں نہیں جا سکتی- جب اس نے پیٹھ پھیری تو آپؐ نے فرمایا' اس کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جن کی نمازوں کے مقابلے میں تمہاری نمازیں حقیر معلوم ہوں گی اور ان کے روزوں کے مقابلے میں تم میں سے ہر ایک کو اپنے روزے حقیر معلوم ہوں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے- تمہیں جہاں بھی مل جائیں' ان کے قتل میں کمی نہ کرو' آسمان تلے ان مقتولوں سے بدتر مقتول اور کوئی نہیں-

پھر ارشاد ہے کہ انہیں رسول کے ہاتھوں جو کچھ بھی اللہ نے دلوا دیا تھا اگر یہ اس پر قناعت کرتے' صبر و شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے' وہ اپنے فضل سے اپنے رسول کے ہاتھوں ہمیں اور بھی دلوائے گا- ہماری امیدیں ذات الٰہی سے ہی وابستہ ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا- پس ان میں اللہ کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو دے' اس پر انسان کو صبر و شکر کرنا چاہئے- توکل ذات واحد پر رکھے' اسی کو کافی وافی سمجھے' رغبت اور توجہ' لالچ اور امید اور توقع اس کی ذات پاک سے رکھے- رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی اطاعت میں سرمو فرق نہ کرے

اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرے کہ جو احکام ہوں، انہیں بجالانے اور جو منع کام ہوں، انہیں چھوڑ دینے اور جو خبریں ہوں، انہیں مان لینے اور صحیح اطاعت کرنے میں وہ رہبری فرمائے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لئے اور راہ اللہ میں اور راہ رو مسافروں کے لئے، فرض ہے اللہ کی طرف سے، اللہ علم و حکمت والا ہے ○

زکوۃ اور صدقات کا مصرف نبیؐ نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے تحت ہے؟ ☆☆ (آیت:۶۰) اوپر کی آیت میں ان جاہل منافقوں کا ذکر تھا جو ذات رسولؐ پر تقسیم صدقات میں اعتراض کر بیٹھتے تھے۔ اب یہاں اس آیت میں بیان فرما دیا کہ تقسیم زکوۃ پیغمبرؐ کی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ ہمارے بتائے ہوئے مصارف میں ہی لگتی ہے۔ ہم نے خود اس کی تقسیم کر دی ہے۔ کسی اور کے سپرد نہیں کی۔ ابوداؤد میں ہے، زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے سرکار نبوتؐ میں حاضر ہو کر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک شخص نے آن کر آپ سے سوال کیا کہ مجھے صدقے میں کچھ دلوایئے، آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نبی، غیر نبی کسی کے حکم پر تقسیم زکوۃ کے بارے میں راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ خود اس نے تقسیم کر دی ہے۔ آٹھ مصرف مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر تو ان میں سے کسی میں ہے تو میں تجھے دے سکتا ہوں۔ امام شافعیؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ زکوۃ کے مال کی تقسیم ان آٹھوں قسم کے تمام لوگوں پر کرنی واجب ہے اور امام مالکؒ وغیرہ کا قول ہے کہ واجب نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک کو ہی دے دینا کافی ہے۔ گو اور قسم کے لوگ بھی ہوں۔ عام اہل علم کا قول یہی ہے کہ آیت میں بیان مصرف ہے نہ کہ ان سب کو دینے کے وجوب کا ذکر۔ ان اقوال کی دلیلوں اور مناظروں کی جگہ یہ کتاب نہیں۔ واللہ اعلم۔ فقیروں کو سب سے پہلے اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی حاجت بہت سخت ہے۔ گو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسکین فقیر سے بھی برے حال والا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ تلے مال نہ ہو، اسی کو فقیر نہیں کہتے بلکہ فقیر وہ بھی ہے جو محتاج ہو، گرا پڑا ہو، گو کچھ کھاتا کماتا بھی ہو۔ ابن علیہ کہتے ہیں۔ اس روایت میں اخلق کا لفظ ہے۔ اخلق کہتے ہیں ہمارے نزدیک تجارت کو لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں۔ اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں، فقیر وہ ہے جو سوال سے بچنے والا ہو اور مسکین وہ ہے جو سائل ہو۔ لوگوں کے پیچھے لگنے والا اور گھروں اور گلیوں میں گھومنے والا۔ قتادہ کہتے ہیں، فقیر وہ ہے جو بیماری والا ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم جسم والا ہو۔ ابراہیم کہتے ہیں، مراد اس سے مہاجر فقراء ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں۔ یعنی دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملے۔ عکرمہ کہتے ہیں، مسلمانو فقراء کو مساکین نہ کہو۔ مسکین تو صرف اہل کتاب کے لوگ ہیں۔ اب وہ حدیثیں سنئے جو ان آٹھوں قسموں کے متعلق ہے۔ فقراء۔ حضورؐ فرماتے ہیں، صدقہ مال دار پر اور تندرست، توانا پر حلال نہیں۔ کچھ شخصوں نے حضورؐ سے صدقے کا مال مانگا۔ آپؐ نے بغور نیچے سے اوپر تک انہیں ہٹا کٹا، قوی، تندرست دیکھ کر فرمایا اگر تم چاہو تو تمہیں دے دوں مگر امیر شخص کا اور قوی طاقت اور کماؤ شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

مساکین، حضورؐ فرماتے ہیں مسکین یہی گھوم گھوم کر ایک لقمہ دو لقمے، ایک کھجور دو کھجور لے کر ٹل جانے والے ہی نہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ پھر مساکین کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، جو بے پرواہی کے برابر نہ پائے نہ اپنی ایسی حالت رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور کچھ دے دے نہ کسی سے خود کوئی سوال کرے۔ صدقہ وصول کرنے والے یہ تحصیل دار ہیں۔ انہیں اجرت اسی مال سے ملے گی۔

آنحضرت ﷺ کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے، اس عہدے پر نہیں آ سکتے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ ہمیں صدقہ وصولی کا عامل بنا دیجئے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر صدقہ حرام ہے۔ یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔ جن کے دل بہلائے جاتے ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں جیسے کہ حضورؐ نے صفوان بن امیہ کو غنیمت حنین کا مال دیا تھا حالانکہ وہ اس وقت کفر کی حالت میں حضورؐ کے ساتھ نکلا تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ آپ کی اس داد و دہش نے میرے دل میں آپؐ کی سب سے زیادہ محبت پیدا کر دی حالانکہ پہلے سب سے بڑا دشمن آپؐ کا میں ہی تھا۔ بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام مضبوط ہو جائے اور ان کا دل اسلام پر لگ جائے۔ جیسے کہ حضورؐ نے حنین والے دن مکہ کے آزاد کردہ لوگوں کے سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک کو دیتا ہوں۔ دوسرے کو جو اس سے زیادہ میرا محبوب ہے، نہیں دیتا اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اوندھے منہ جہنم میں گر پڑے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے یمن سے کچا سونا مٹی سمیت آپؐ کی خدمت میں بھیجا تو آپؐ نے صرف چار شخصوں میں ہی تقسیم فرمایا۔ اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر، عقلمہ بن علاچہ اور زید خیر اور فرمایا ’میں ان کی دلجوئی کے لئے انہیں دے رہا ہوں۔ بعض کو اس لئے بھی دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آس پاس والوں سے صدقہ پہنچائے یا آس پاس کے دشمنوں کی نگہداشت رکھے اور انہیں اسلامیوں پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ دے۔ ان سب کی تفصیل کی جگہ احکام و فروع کی کتابیں ہیں نہ کہ یہ تفسیر۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر اور عامر شعبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب یہ مصرف باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی ہے۔ مسلمان ملکوں کے مالک بن گئے ہیں اور بہت سے بندگان اللہ ان کے ماتحت ہیں۔ لیکن اور بزرگوں کا قول ہے کہ اب بھی مولفتہ القلوب کو زکوۃ دینی جائز ہے۔ فتح مکہ اور فتح ہوازن کے بعد بھی حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ان لوگوں کو مال دیا۔ دوسرے یہ کہ اب بھی ایسی ضرورتیں پیش آ جایا کرتی ہیں۔ آزادگی گردن کے بارے میں بہت سے بزرگ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وہ غلام ہیں جنہوں نے رقم مقرر کر کے اپنے مالکوں سے اپنی آزادگی کی شرط کر لی ہے۔ انہیں مال زکوۃ سے رقم دی جائے کہ وہ ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔ اور بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ غلام جس نے یہ شرط نہ لکھوائی ہو، اسے بھی مال زکوۃ سے خرید کر آزاد کرنے میں کوئی ڈر خوف نہیں۔ غرض مکاتب غلام اور محض غلام دونوں کی آزادگی زکوۃ کا ایک مصرف ہے، احادیث میں بھی اس کی بہت کچھ فضیلت وارد ہوئی ہے یہاں تک کہ فرمایا ہے کہ آزاد کردہ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی۔ اس لئے کہ ہر نیکی کی جزا اسی جیسی ہوتی ہے۔

قرآن فرماتا ہے تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم نے کیا ہوگا۔ حدیث میں ہے، تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ کے ذمے حق ہے۔ وہ غازی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو، وہ مکاتب غلام اور قرض دار جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہو، وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ بدکاری سے محفوظ رہنے کا ہو۔ کسی نے حضورؐ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپؐ نے فرمایا

نسمہ آزاد کر اور گردن خلاصی کر۔ اس نے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادگی یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو آزاد کر دے۔ اور گردن خلاصی یہ ہے کہ تو بھی اس میں جو تجھ سے ہو سکے، مدد کرے۔ قرض دار کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک شخص دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر لے لے، کسی کے قرض کا اپنا ضامن بن جائے۔ پھر اس کا مال ختم ہو جائے یا وہ خود قرض دار بن جائے یا کسی نے برائی پر قرض اٹھایا ہوا اور اب وہ توبہ کر لے۔ پس انہیں بھی مال زکوٰۃ دیا جائے گا کہ یہ قرض ادا کر دیں۔ اس مسئلے کی اصل قبیصہ بن مخارق ہلالی کی یہ روایت ہے کہ میں نے دوسرے کا حوالہ اپنی طرف لیا تھا۔ پھر میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا، تم ٹھہرو ہمارے پاس مال صدقہ آئے گا۔ ہم اس میں سے تمہیں دیں گے۔ پھر فرمایا قبیصہ سن۔ تین قسم کے لوگوں کو ہی سوال حلال ہے۔ ایک تو وہ جو ضامن پڑے، پس اس رقم کے پورا ہونے تک اسے سوال جائز ہے۔ پھر سوال نہ کرے۔ دوسرا وہ جس کا مال کسی آفت ناگہانی سے ضائع ہو جائے، اسے بھی سوال کرنا درست ہے یہاں تک کہ ضرورت پوری ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جس پر فاقہ گذرنے لگے اور اس کی قسم کے تین ذی ہوش لوگ اس کی شہادت کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ ہاں بے شک فلاں شخص پر فاقے گذرنے لگے ہیں۔ اسے بھی مانگ لینا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا سہارا ہو جائے اور سامان زندگی مہیا ہو جائے۔ ان کے سوا اوروں کو سوال کرنا حرام ہے۔ اگر وہ مانگ کر، کچھ لے کر کھائیں گے تو حرام کھائیں گے (مسلم شریف) ایک شخص نے زمانہ نبویؐ میں ایک باغ خریدا، قدرت الٰہی سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا۔ اس سے وہ بہت قرض دار ہو گیا۔ حضورؐ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے، لے لو۔ اس شخص کے سوا تمہارے لئے اور کچھ نہیں۔ (مسلم)

آپ فرماتے ہیں کہ ایک قرض دار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا کر اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور کیوں رقم ضائع کر دی جس سے لوگوں کے حقوق برباد ہوئے۔ وہ جواب دے گا کہ یا اللہ تجھے خوب علم ہے۔ میں نے نہ اس کی رقم کھائی نہ پی نہ اڑائی بلکہ میرے ہاں مثلاً چوری ہو گئی یا آگ لگ گئی یا کوئی اور آفت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میرا بندہ سچا ہے۔ آج تیرے قرض کے ادا کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ کوئی چیز منگوا کر ان کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اپنے فضل و رحمت سے جنت میں لے جائے گا (مسند احمد) راہ الٰہی میں وہ مجاہدین غازی داخل ہیں جن کا دفتر میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ حج بھی راہ الٰہی میں داخل ہے۔ مسافر جو سفر میں بے سروسامان رہ گیا ہو یا اپنے شہر سے سفر کو جانے کا قصد رکھتے ہوں لیکن مال نہ ہو تو اسے بھی سفر خرچ مال زکوٰۃ سے دینا جائز ہے جو اسے آمدورفت کے لئے کافی ہو۔ آیت کے اس لفظ کی دلیل کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مالدار پر زکوٰۃ حرام ہے۔ بجز پانچ قسم کے مالداروں کے ایک تو وہ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو۔ دوسرا وہ جو مال کی زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے۔ تیسرا قرض دار، چوتھا راہ الٰہی کا غازی مجاہد۔ پانچواں وہ جسے کوئی مسکین بطور تحفے کے اپنی کوئی چیز جو زکوٰۃ میں اسے ملی ہو دے۔ اور روایت میں ہے زکوٰۃ مالدار کے لئے حلال نہیں مگر فی سبیل اللہ جو ہو یا سفر میں ہو اور جسے اس کا کوئی مسکین پڑوسی بطور تحفے ہدیئے کے دے یا اپنے ہاں بلا لے۔ زکوٰۃ کے ان آٹھوں مصارف کو بیان فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے یعنی مقدر ہے۔ اللہ کی تقدیر، اس کی تقسیم اور اس کا فرض کرنا۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کا عالم ہے۔ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے۔ وہ اپنے قول، فعل شریعت اور حکم میں حکمت والا ہے۔ بجز اس کے کوئی بھی لائق عبادت نہیں نہ اس کے سوا کوئی کسی کا پالنے والا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ
قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ
كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہلکے کان کا ہے' تو کہہ دے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لئے ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں' یہ ان کے لئے رحمت ہے' رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں' ان کے لئے دکھ کی مار ہے ○ محض تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول رضامند کرنے کے زیادہ مستحق تھے ○ کیا یہ نہیں جانتے؟ کہ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے' اس کے لئے یقیناً دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے' یہ ہے زبردست رسوائی ○

نکتہ چین منافقوں کا مقصد : ☆☆ (آیت:۶۱) منافقوں کی ایک جماعت بڑی موذی ہے۔ اپنی باتوں سے اللہ کے رسول ﷺ کو دکھ پہنچاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ نبی تو کانوں کا بڑا ہی کچا ہے' جس سے جو سنا' مان لیا' جب ہم اس کے پاس جائیں گے اور قسمیں کھائیں گے' وہ ہماری بات کا یقین کر لے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بہتر کانوں والا' بہترین سننے والا ہے' وہ صادق وکاذب کو خوب جانتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں مانتا ہے' اور باایمان لوگوں کی سچائی بھی جانتا ہے۔ وہ مومنوں کے لئے رحمت ہے اور بے ایمانوں کے لئے اللہ کی حجت ہے۔ رسولؐ کے ستانے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نادان اور کوڑ مغز کون؟ ☆☆ (آیت:۶۲-۶۳) واقعہ یہ ہوا تھا کہ منافقوں میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا کہ ہمارے سردار اور رئیس بڑے ہی عقل مند' دانا اور تجربہ کار ہیں۔ اگر محمد (ﷺ) کی باتیں حق ہوتیں تو یہ کیا ایسے بیوقوف تھے کہ انہیں نہ مانتے۔ یہ بات ایک سچے مسلمان صحابیؓ نے سن لی اور اس نے کہا واللہ' حضور کی سب باتیں بالکل سچی ہیں اور نہ ماننے والوں کی بے وقوفی اور کوڑ مغز ہونے میں کوئی شک ہی نہیں۔ جب یہ صحابی دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ بیان کیا کہ آپ نے اس شخص کو بلوا بھیجا لیکن وہ سخت قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں۔ یہ تو مجھ پر تہمت باندھتا ہے۔ اس صحابیؓ نے دعا کی کہ پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر دکھا۔ اس پر یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے مخالف ابدی جہنمی ہیں۔ ذلت ورسوائی' عذاب دوزخ بھگتنے والے ہیں۔ اس سے بڑھ کر شومی طالع' اس سے زیادہ رسوائی' اس سے بڑھ کر شقاوت اور کیا ہوگی؟

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ
بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا
تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ
وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾
لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ
عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾

منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں انہیں بتلا دے‘ کہہ دے کہ تم مذاق اڑاتے رہو‘ یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دبک رہے ہو ○ اگر تو ان سے پوچھے تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے‘ تو کہہ دے کہ کیا اللہ‘ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں ○ تم بہانے نہ بناؤ‘ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے‘ اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگذر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے ○

نبی اکرم ﷺ سے گھبراتے بھی ہیں : ☆☆ (آیت:۶۴) آپس میں بیٹھ کر باتیں تو گانٹھ لیتے لیکن پھر خوف زدہ رہتے کہ کہیں اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو بذریعہ وحی الٰہی خبر نہ ہو جائے- اور آیت میں ہے تیرے سامنے آ کر وہ دعائیں دیتے ہیں جو اللہ نے نہیں دیں- پھر اپنے جی میں اکڑتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں کوئی سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لئے جہنم کی کافی سزا موجود ہے جو بدترین جگہ ہے- یہاں فرماتا ہے‘ دینی باتوں اور مسلمانوں کی حالت پر دل کھول کر مذاق اڑا لو- اللہ بھی وہ راز افشاء کر دے گا جو تمہارے دلوں میں ہے- یاد رکھو ایک دن رسوا اور ذلیل ہو کر رہو گے- چنانچہ فرمان ہے کہ یہ بیمار دل لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دلوں کی بدیاں ظاہر ہی نہ ہوں گی- ہم تو انہیں اس قدر فضیحت کریں گے اور ایسی نشانیاں تیرے سامنے رکھ دیں گے کہ تو ان کے لب و لہجے سے ہی انہیں پہچان لے گا- اس سورت کا نام ہی سورۃ الفاضحہ ہے اس لئے کہ اس نے منافقوں کی قلعی کھول دی-

مسلمان باہم گفتگو میں محتاط رہا کریں : ☆☆ (آیت:۶۵-۶۶) ایک منافق کہہ رہا تھا کہ ہمارے یہ قرآن خواں لوگ بڑے شکم دار‘ شیخی باز اور بڑے فضول اور بزدل ہیں- حضورؐ کے پاس جب اس کا ذکر ہوا تو یہ عذر پیش کرتا ہوا آیا کہ یارسول اللہ ہم تو یونہی وقت گزاری کے لئے ہنس رہے تھے- آپؐ نے فرمایا‘ ہاں تمہاری ہنسی کے لئے اللہ‘ رسول اور قرآن ہی رہ گیا ہے- یاد رکھو اگر کسی کو ہم معاف کر دیں گے تو کسی کو سخت سزا بھی دیں گے- اس وقت حضورؐ اپنی اونٹنی پر سوار جا رہے تھے- یہ منافق آپ کی تلوار پر ہاتھ رکھے پتھروں سے ٹھوکریں کھاتا ہوا معذرت کرتا ساتھ ساتھ جا رہا تھا- آپؐ اس کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے- جس مسلمان نے اس کا یہ قول سنا تھا‘ اس نے اسی وقت اسے جواب بھی دیا تھا کہ تو بکتا ہے‘ جھوٹا ہے‘ تو منافق ہے- یہ واقعہ جنگ تبوک کے موقع کا ہے- مسجد میں اس نے یہ ذکر کیا تھا- سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ تبوک جاتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ منافقوں کا ایک گروہ بھی تھا جن میں ودیعہ بن ثابت اور مخش بن حمیر وغیرہ تھے- یہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ نصرانیوں کی لڑائی کو عربوں کی آپس کی لڑائی جیسی سمجھنا سخت خطرناک غلطی ہے- اچھا ہے انہیں وہاں پٹنے دو- پھر ہم بھی یہاں ان

کی درگت بنائیں گے۔ اس پر ان کے دوسرے سردار فحش نے کہا، بھئی ان باتوں کو چھوڑ دو ورنہ یہ ذکر پھر قرآن میں آئے گا۔ کوڑے کھا لینا ہمارے نزدیک تو اس رسوائی سے بہتر ہے۔ آگے آگے یہ لوگ یہ تذکرے کرتے جا ہی رہے تھے کہ حضورؐ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا، جانا ذرا دیکھنا، یہ لوگ جل گئے، ان سے پوچھ تو کہ یہ کیا ذکر کر رہے تھے؟ اگر یہ انکار کریں تو تو کہنا کہ تم یہ باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمارؓ نے جا کر ان سے یہ کہا، یہ حضورؐ کے پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ حضورؐ ہنسی ہنسی میں ہمارے منہ سے ایسی بات نکل گئی، ودیعہ نے تو یہ کہا لیکن فحش بن حمیر نے کہا، یارسول اللہ آپؐ میرا اور میرے باپ کا نام ملاحظہ فرمایئے پس اس وجہ سے یہ لغو حرکت اور حماقت مجھ سے سرزد ہوئی۔ معاف فرمایا جاؤں۔ پس اس سے جناب باری نے درگذر فرما لیا اور اس آیت میں اسی سے درگذر فرمانے کا ذکر بھی ہوا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنا نام بدل لیا۔ عبدالرحمٰن رکھا۔ سچا مسلمان بن گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے اپنی راہ شہید کرتا کہ یہ دھبہ دھل جائے چنانچہ یمامہ والے دن یہ بزرگ شہید کر دیئے گئے اور ان کی نعش بھی نہ ملی رضی اللہ عنہ ورضاء۔ ان منافقوں نے بطور طعنہ زنی کے کہا تھا کہ لیجئے کیا آنکھیں پھٹ گئیں ہیں اب یہ چلے ہیں کہ رومیوں کے قلعے اور ان کے محلات فتح کریں۔ بھلا اس عقلمندی اور دوربینی کو تو دیکھئے جب حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر مطلع کر دیا تو یہ صاف منکر ہو گئے اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔ ہم تو آپس میں ہنسی کھیل کر رہے تھے۔ ہاں ان میں ایک شخص تھا جسے انشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہوگا۔ یہ کہا کرتا تھا کہ یا اللہ میں تیرے کلام کی ایک آیت سنتا ہوں جس میں میرے گناہ کا ذکر ہے۔ جب میں سنتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میرا دل کپکپانے لگتا ہے۔ پروردگار تو میری توبہ قبول فرما اور مجھے اپنی راہ میں شہید کر اور اس طرح کہ نہ کوئی مجھے غسل دے نہ کفن دے نہ دفن کرے، یہی ہوا۔ جنگ یمامہ میں یہ شہداء کے ساتھ شہید ہوئے تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں لیکن ان کی نعش کا پتہ ہی نہ چلا۔ جناب باری کی طرف سے اور منافقوں کو جواب ملا کہ اب بہانے نہ بناؤ۔ تم زبانی ایماندار بنے تھے لیکن اب اسی زبان سے تم کافر ہو گئے۔ یہ قول کفر کا کلمہ ہے کہ تم نے اللہ رسول اور قرآن کی ہنسی اڑائی۔ ہم اگر کسی سے درگذر بھی کر جائیں لیکن تم سب سے یہ معاملہ نہیں ہونے کا، تمہارے اس جرم اور اس بدترین خطا اور اس کافرانہ گفتگو کی تمہیں سخت ترین سزا بھگتنا پڑے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ
بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷

تمام منافق مرد و عورت آپس میں ایک ہی ہیں، یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے۔ اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا، بیشک منافق ہی فاسق و بدکردار ہیں ○

ایک کے ہاتھ نیکیوں کے کھیت، دوسرے کے ہاتھ برائیوں کی وبا: ☆☆ (آیت: ۶۷) منافقوں کی خصلتیں مومنوں کے بالکل برخلاف ہوتی ہیں۔ مومن بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ منافق برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلائیوں سے منع کرتے ہیں۔ مومن سخی ہوتے ہیں۔ منافق بخیل ہوتے ہیں۔ مومن ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔ منافق یاد الٰہی بھلائے رہتے ہیں۔ اسی کے بدلے اللہ بھی ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جیسے کسی کو کوئی بھول گیا ہو۔ قیامت کے دن یہی ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم

تمہیں ٹھیک اسی طرح بھلا دیں گے جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے۔ منافق راہ حق سے دور ہو گئے ہیں، گمراہی کی چکردار بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہیں۔ ان منافقوں اور کافروں کی ان بداعمالیوں کی سزا ان کے لئے اللہ تعالیٰ جہنم کو مقرر فرما چکا ہے جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے۔ وہاں کا عذاب انہیں بس ہو گا۔ انہیں رب رحیم اپنی رحمت سے دور کر چکا ہے اور ان کے لئے اس نے دائمی اور مستقل عذاب رکھے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ
مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ
قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ
بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی انہیں کافی ہے، ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان ہی کے لئے دائمی عذاب ہے ○ مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے، تم سے وہ زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے، پس وہ اپنا دینی حصہ برت گئے۔ پھر تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا جیسے تم سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جیسے کہ انہوں نے کی تھی، ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہوئے۔ یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں ○

(آیت:۶۹) ان لوگوں کو بھی اگلے لوگوں کی طرح کے عذاب پہنچے۔ خلاق سے مراد یہاں دین ہے۔ جیسے اگلے لوگ جھوٹ اور باطل میں کودتے پھاندتے رہے، ایسے ہی ان لوگوں نے بھی کیا۔ ان کے یہ فاسد اعمال اکارت ہو گئے۔ نہ دنیا میں سودمند ہوئے نہ آخرت میں ثواب دلانے والے ہیں۔ یہی صریح نقصان ہے کہ عمل کیا اور ثواب نہ ملا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جیسے آج کی رات کل کی رات سے مشابہ ہوتی ہے، اسی طرح اس امت میں بھی یہودیوں کی مشابہت آ گئی۔ میرا تو خیال ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ جانور کے سوراخ میں داخل ہوا تو تم بھی اس میں گھسو گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے طریقوں کی تابعداری کرو گے بالکل بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی کے بل میں گھسے ہیں تو یقیناً تم بھی گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا اس سے مراد آپ کی کون لوگ ہیں؟ کیا اہل کتاب؟ آپؐ نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن کے ان لفظوں کو پڑھ لو

کالذین من قبلکم الخ' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں خلاق سے مراد دین ہے- اور تم نے بھی اسی طرح کا خوض کیا جس طرح کا انہوں نے- لوگوں نے پوچھا' کیا فارسیوں اور رومیوں کی طرح؟ آپ نے فرمایا اور لوگ ہیں ہی کون؟ اس حدیث کے مفہوم پر شاہد صحیح احادیث میں بھی ہیں-

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ
وَعَادٍ وَثَمُودَ ۥ وَقَوْمِ إِبْرٰهِيمَ وَأَصْحٰبِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۖ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾

کیا انہیں اپنے سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں- قوم نوحؑ ور عاد وثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور اہل موتفکات' ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے' اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ○

بدکاروں کے ماضی سے عبرت حاصل کرو: ☆☆ (آیت: ۷۰) ان بدکردار منافقوں کو وعظ سنایا جا رہا ہے کہ اپنے سے پہلے جیسوں کے حالات پر عبرت کی نظر ڈالو- دیکھو کہ نبیوں کی تکذیب کیا پھل لائی؟ قوم نوح کا غرق ہونا اور سوا مسلمانوں کے کسی کا نہ بچنا یاد کرو- عادیوں کا ہود علیہ السلام کے نہ ماننے کی وجہ سے ہوا کے جھونکوں سے تباہ ہونا یاد کرو' ثمودیوں کا حضرت صالح علیہ السلام کے جھٹلانے اور اللہ کی نشانی اونٹنی کے کاٹ ڈالنے سے ایک جگر دوز کڑاکے کی آواز سے تباہ و برباد ہونا یاد کرو- ابراہیم علیہ السلام کا دشمنوں کے ہاتھوں سے بچ جانا اور ان کے دشمنوں کا غارت ہونا' نمرود بن کنعان بن کوش جیسے بادشاہ کا مع اپنے لاؤ لشکر کے تباہ ہونا نہ بھولو- وہ سب لعنت کے مارے بےنشان کر دیئے گئے- قوم شعیب انہی بدکرداریوں اور کفر کے بدلے زلزلے اور سائبان والے دن کے عذاب سے تہ و بالا کر دی گئی جو مدین کی رہنے والی تھی- قوم لوط جن کی بستیاں الٹی پڑی ہیں' مدین اور سدوم وغیرہ' اللہ نے انہیں بھی اپنے نبی لوطؑ کے ماننے اور اپنی بدفعلی نہ چھوڑنے کے باعث ایک ایک کو پیوند زمین کر دیا- ان کے پاس ہمارے رسول ہماری کتاب اور کھلے معجزے اور صاف دلیلیں لے کر پہنچے لیکن انہوں نے ایک نہ مانی-

بالآخر اپنے ظلم سے آپ برباد ہوئے- اللہ تعالیٰ نے تو حق واضح کر دیا' کتاب اتار دی' رسول بھیج دیئے' حجت ختم کر دی لیکن یہ رسولوں کے مقابلے پر آمادہ ہوئے' کتاب اللہ کی تعمیل سے بھاگے' حق کی مخالفت کی- پس لعنت رب اتری اور انہیں خاک سیاہ کر گئی-

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۚ أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ
اللّٰهُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

مومن مرد عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں' یہ بھلائیاں سکھاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں- نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں-

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ کی اور اس کے رسول کی مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ عزت و غلبے والا حکمت و درست کاری والا ہے ○

مسلمان ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں: ☆☆ (آیت:۷۱) منافقوں کی بدخصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک خصلتیں بیان فرما رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا دست و بازو بنے رہتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لیے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے، آپؐ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے، مسلمان اپنی دوستی اور سلوک میں مثل ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگ اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔ سب کو بھلائیاں دکھاتے ہیں، اچھی باتیں بتاتے ہیں، برے کاموں سے، بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ حکم الٰہی بھی یہی ہے۔ فرماتا ہے، تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو بھلائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے منع کرے۔ یہ نمازی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی زکوٰۃ بھی دیتے ہیں تا کہ ایک طرف اللہ کی عبادت ہو اور دوسری جانب مخلوق کی دلجوئی ہو۔ اللہ اور رسول کی اطاعت ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ جو حکم ملا، بجا لائے۔ جس سے روکا، رک گئے۔ یہی لوگ ہیں جو رحم الٰہی کے مستحق ہیں۔ یہی صفتیں ہیں جن سے اللہ کی رحمت ان کی طرف لپکتی ہے۔

اللہ عزیز ہے۔ وہ اپنے فرمانبرداروں کی خود بھی عزت کرتا ہے اور انہیں ذی عزت بنا دیتا ہے۔ دراصل عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اس نے اپنے رسولوں اور اپنے ایماندار غلاموں کو بھی عزت دے رکھی ہے، اس کی حکمت ہے کہ ان میں یہ صفتیں رکھیں اور منافقوں میں وہ خصلتیں رکھیں، اس کی حکمت کی تہہ کو کون پہنچ سکتا ہے؟ جو چاہے کرے، وہ برکتوں اور بلندیوں والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۷۲ ع ۹ ۱۵

ان ایماندار مردوں عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جو ان ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے، یہی زبردست کامیابی ہے ○

مومنوں کو نیکیوں کے انعامات: ☆☆ (آیت:۷۲) مومنوں کی ان نیکیوں پر جو اجر و ثواب انہیں ملے گا، ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ابدی نعمتیں، ہمیشگی کی راحتیں، باقی رہنے والی جنتیں، جہاں قدم قدم پر خوشگوار پانی کے چشمے ابل رہے ہیں، جہاں بلند و بالا خوبصورت، مزین، صاف ستھرے، آرائش و زیبائش والے محلات اور مکانات ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، دو جنتیں تو صرف سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ بھی وہاں ہے، سب سونے ہی سونے کا ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ برتن بھی اور کل چیزیں بھی۔ ان میں اور دیدار الٰہی میں کوئی حجاب بجز اس کبریائی کی چادر کی نہیں جو اللہ جل وعلا کے چہرے پر ہے، یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ہوگا۔ ایک ہی موتی کا بنا ہوا۔ اس کا طول ساٹھ میل کا ہوگا۔ مومن کی بیویاں وہیں ہوں گی جن کے پاس یہ آتا جاتا رہے گا لیکن

ایک دوسرے کو دکھائی نہ دیں گی۔

آپ کا فرمان ہے، جو اللہ رسولؐ پر ایمان لائے، نماز قائم رکھے، رمضان کے روزے رکھے اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے، اس نے ہجرت کی ہو یا اپنے وطن میں ہی رہا ہو۔ لوگوں نے کہا، پھر ہم اوروں سے بھی یہ حدیث بیان کر دیں؟ آپؐ نے فرمایا، جنت میں ایک سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدوں کے لیے بنائے ہیں۔ ہر دو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ پس جب بھی تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو۔ وہ سب سے اونچی اور سب سے بہتر جنت ہے۔ جنتوں کی سب نہریں وہیں سے نکلتی ہیں۔ اس کی چھت رحمان کا عرش ہے۔ فرماتے ہیں۔ اہل جنت جنتی بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے چمکتے دمکتے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ یہ بھی معلوم رہے کہ تمام جنتوں میں خالص ایک اعلیٰ مقام ہے جس کا نام وسیلہ ہے کیونکہ وہ عرش سے بالکل قریب ہے۔ یہ جگہ ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ آپ فرماتے ہیں، جب تم مجھ پر درود پڑھو تو اللہ سے میرے لیے وسیلہ طلب کیا کرو۔ پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا وہ اعلیٰ درجہ جو ایک ہی شخص کو ملے گا اور مجھے اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ آپؐ فرماتے ہیں، موذن کی اذان کا جواب دو، جیسے کلمات وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرو، وہ جنت کی ایک منزل ہے جو تمام مخلوق الٰہیہ میں سے ایک ہی شخص کو ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے ہی عنایت ہو گی۔ جو شخص میرے لئے اللہ سے اس وسیلے کی طلب کرے اس کے لئے میری شفاعت بروز قیامت حلال ہو گئی۔ فرماتے ہیں، میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو، دنیا میں جو بھی میرے لئے وسیلے کی دعا کرے گا، میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی بنوں گا۔ صحابہؓ نے ایک دن آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمیں جنت کی باتیں سنایئے، ان کی بنا کس چیز کی ہے؟ فرمایا سونے چاندی کی اینٹوں کی، اس کا گارا خالص مشک ہے، اس کے کنکر لولو اور یاقوت ہے، اس کی مٹی زعفران ہے، اس میں جو جائے گا، وہ نعمتوں میں ہو گا جو کبھی خالی نہ ہوں۔ وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا جس کے بعد موت کا کھٹکا بھی نہیں۔ نہ اس کے کپڑے خراب ہوں نہ اس کی جوانی ڈھلے۔ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے اور باہر کا حصہ اندر سے۔ ایک اعرابی نے پوچھا، حضورؐ یہ بالا خانے کن کے لئے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو اچھا کلام کرے، کھانا کھلائے، روزے رکھے اور راتوں کو لوگوں کے سونے کے وقت تہجد کی نماز ادا کرے۔ فرماتے ہیں، کوئی ہے جو جنت کا شائق اور اس کے لئے محنت کرنے والا ہو؟ واللہ جنت کی کوئی چار دیواری محدود کرنے والا نہیں۔ وہ تو ایک چمکتا ہوا بقعہ نور ہے اور مہکتا ہوا گلستان ہے اور بلند و بالا پاکیزہ محلات ہیں اور جاری و ساری لہریں ہیں اور گدرائے ہوئے اور پکے میووں کے خوشے ہیں اور خوش جمال، خوبصورت، پاک سیرت حوریں ہیں اور بیش قیمت رنگین ریشمی جوڑے ہیں، مقام ہے ہیشگی کا، گھر ہے سلامتی کا، میوے ہیں لدے پھندے، سبزہ ہے پھیلا ہوا، کشادگی اور راحت ہے، امن اور چین ہے، نعمت اور رحمت ہے، عالیشان خوش منظر کوشک اور حویلیاں ہیں۔ یہ سن کر لوگ بول اٹھے کہ حضورؐ ہم سب اس جنت کے مشتاق اور اس کے حاصل کرنے کے کوشاں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان شاء اللہ کہو۔ پس لوگوں نے ان شاء اللہ کہا۔

پھر فرماتا ہے، ان تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور بالا نعمت اللہ کی رضامندی ہے۔ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ عزوجل جنتیوں کو پکارے گا کہ اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیك ربنا وسعدیك والخیر فی یدیك۔ پوچھے گا کہو، تم خوش ہو گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ خوش کیوں نہ ہوتے۔ تو نے تو اے پروردگار ہمیں وہ دیا جو مخلوق میں سے کسی کو نہ ملا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لو میں تمہیں اس سے بہت ہی

افضل و اعلیٰ چیز عطا فرماتا ہوں- وہ کہیں گے یا اللہ اس سے بہتر چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' سنو میں نے اپنی رضامندی تمہیں عطا فرمائی- آج کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا- حضورؐ فرماتے ہیں' جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے' اللہ عزوجل فرمائے گا' کچھ اور چاہیے تو دوں' وہ کہیں گے' یا اللہ جو تو نے ہمیں عطا فرما رکھا ہے' اس سے بہتر تو کوئی اور چیز ہو ہی نہیں سکتی- اللہ فرمائے گا' وہ میری رضامندی ہے جو سب سے بہتر ہے- امام حافظ ضیاء مقدسی نے صفت جنت میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے- اس میں اس حدیث کو شرط صحیح پر بتایا ہے واللہ اعلم-

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا
بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا
اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ
يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ
عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھ اور ان پر سختی کرتا رہ' ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے' جو نہایت بدترین جگہ ہے ○ یہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبانوں سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے- یہ صرف اسی بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسولؐ نے دولت مند کر دیا' اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے' اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کرے گا' اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہو گا ○

چار تلواریں؟ ☆☆ (آیت: ۷۳-۷۴) کافروں منافقوں سے جہاد کا اور ان پر سختی کا حکم ہوا- مومنوں سے جھک کر ملنے کا حکم ہوا- کافروں کی اصلی جگہ جہنم مقرر فرما دی- پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا- ایک تلوار تو مشرکوں میں- فرماتا ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کی خوب خبر لو- دوسری تلوار اہل کتاب کے کفار میں- فرماتا ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ جو اللہ پر' قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے' اللہ اور رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں مانتے- دین حق کو قبول نہیں کرتے' ان اہل کتاب سے جہاد کرو جب تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور نہ کر لیں- تیسری تلوار منافقین میں- ارشاد ہوتا ہے جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو- چوتھی تلوار باغیوں میں فرمان ہے فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ باغیوں سے لڑو جب تک کہ پلٹ کر وہ اللہ کے احکام کی حکم برداری کی طرف نہ آ جائیں- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منافق جب اپنا نفاق ظاہر کرنے لگیں تو ان

سے تلوار سے جہاد کرنا چاہئے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہاتھ سے نہ ہو سکے تو ان کے منہ پر ڈانٹ ڈپٹ سے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے کافروں سے تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقوں کے ساتھ زبانی جہاد کو فرمایا ہے اور یہ کہ ان پر نرمی نہ کی جائے۔ مجاہدؒ کا بھی تقریباً یہی قول ہے۔ ان پر حد شرعی کا جاری کرنا بھی ان سے جہاد کرنا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ کبھی تلوار بھی ان کے خلاف اٹھانی پڑے گی ورنہ جب تک کام چلے' زبان کافی ہے۔ جیسا موقعہ ہو کر لے۔

قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔ حالانکہ درحقیقت کفر کا بول بول چکے ہیں اور اپنے ظاہری اسلام کے بعد کھلا کفر کر چکے ہیں۔ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے۔ ایک جہنی اور ایک انصاری میں لڑائی ہوئی۔ جہنی شخص انصاری پر چھا گیا تو اس منافق نے انصار کو اس کی مدد پر ابھارا اور کہنے لگا' واللہ ہماری اور اس محمد (ﷺ) کی تو وہی مثال ہے کہ ''اپنے کتے کو موٹا تازہ کر کہ وہ تجھے ہی کاٹے'' واللہ اگر ہم اب کی مرتبہ مدینے واپس گئے تو ہم ذی عزت لوگ ان تمام کمینے لوگوں کو وہاں سے نکال کر باہر کریں گے۔ ایک مسلمان نے جا کر حضورؐ سے یہ گفتگو دہرا دی۔ آپ نے اسے بلوا کر اس سے سوال کیا تو یہ قسم کھا کر انکار کر گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری قوم کے جو لوگ حرہ کی جنگ میں کام آئے' ان پر مجھے بڑا ہی رنج وصدمہ ہو رہا تھا۔ اس کی خبر حضرت زید بن ارقمؓ کو پہنچی تو آپ نے مجھے خط میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے آپ دعا کرتے ہیں' یا اللہ انصار کو اور انصار کے لڑکوں کو بخش دے۔ نیچے کے راوی ابن الفضل کو اس میں شک ہے کہ آپ نے اپنی اس دعا میں ان کے پوتوں کا نام بھی لیا یا نہیں؟ پس حضرت انسؓ نے موجودہ لوگوں میں سے کسی سے حضرت زید کی نسبت سوال کیا تو اس نے کہا یہی وہ زید ہیں جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی۔ سچائی کی شہادت خود رب علیم نے دی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک منافق نے کہا' اگر یہ سچا ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی زیادہ احمق ہیں۔ حضرت زیدؓ نے کہا' واللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سچے ہیں اور بے شک تو اپنی حماقت میں گدھے سے بڑھا ہوا ہے۔ پھر آپ نے یہ بات حضورؐ کے گوش گذار کی لیکن وہ منافق پلٹ گیا اور صاف انکار کر گیا اور کہا کہ زید نے جھوٹ بولا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور حضرت زیدؓ کی سچائی بیان فرمائی۔ لیکن مشہور بات یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا ہے۔ ممکن ہے راوی کو اس آیت کے ذکر میں وہم ہو گیا ہو اور دوسری آیت کے بدلے اسے بیان کر دیا ہو۔ یہی حدیث بخاری شریف میں ہے لیکن اس جملے تک کہ زیدہ وہ ہیں جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی سچائی کی شہادت خود رب علیم نے دی۔ ممکن ہے کہ بعد کا حصہ موسیٰ بن عقبہ راوی کا اپنا قول ہو۔

اسی کی ایک روایت میں یہ پچھلا حصہ ابن شہاب کے قول سے مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

مغازی اموی میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ تبوک کے واقعہ کے بعد ہے کہ جو منافق موخر چھوڑ دیئے گئے تھے اور جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا' ان میں سے بعض آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی تھے۔ ان میں جلاس بن عوید بن صامت بھی تھا۔ ان کے گھر میں عمیر بن سعد کی والدہ تھیں جو اپنے ساتھ حضرت عمیر کو بھی لے گئی تھیں۔ جب ان منافقوں کے بارے میں قرآنی آیتیں نازل ہوئیں تو جلاس کہنے لگا' واللہ اگر یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ یوں تو آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور آپ کی تکلیف مجھ پر میری تکلیف سے بھی زیادہ شاق ہے لیکن آپ نے اس وقت تو ایسی بات منہ سے نکالی ہے کہ اگر میں اسے پہنچاؤں تو رسوائی ہے اور نہ پہنچاؤں تو ہلاکت ہے' رسوائی یقیناً ہلاکت سے ہلکی چیز ہے۔ یہ کہہ کر یہ

بزرگ حاضر حضورؐ ہوئے اور ساری بات آپ کو کہہ سنائی- جلاس کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے سرکار نبوت میں حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر کہا کہ عمیر جھوٹا ہے- میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی- اس پر یہ آیت اتری- مروی ہے کہ اس کے بعد جلاس نے توبہ کر لی اور درست ہو گئے- یہ توبہ کی بات بہت ممکن ہے کہ امام محمد بن اسحاق کی اپنی کہی ہوئی ہو- حضرت کعبؓ کی یہ باتیں نہیں- واللہ اعلم- اور روایت میں ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت اپنے سوتیلے بیٹے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قبا سے آ رہے تھے- دونوں گدھوں پر سوار تھے- اس وقت جلاس نے یہ کہا تھا- اس پر ان کے صاحبزادے نے فرمایا کہ اے دشمن رب' میں تیری اس بات کی رسول اللہ ﷺ کو خبر کروں گا- فرماتے ہیں کہ مجھے تو ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں میرے بارے میں قرآن نہ نازل ہو یا مجھ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آ جائے یا اس گناہ میں بھی اپنے باپ کا شریک نہ کر دیا جاؤں چنانچہ میں سیدھا حاضر ہوا اور تمام بات حضور کو مع اپنے ڈر کے سنا دی- ابن جریر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سائے دار درخت تلے بیٹھے ہوئے فرمانے لگے کہ ابھی تمہارے پاس ایک شخص آئے گا اور تمہیں شیطان دیکھے گا- خبردار تم اس سے کلام نہ کرنا- اسی وقت ایک انسان کیری آنکھوں والا آیا- آپؐ نے اس سے فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ وہ اسی وقت گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا- سب نے قسمیں کھا کھا کر کہا' ہم نے کوئی ایسا لفظ نہیں کہا یہاں تک کہ حضورؐ نے ان سے درگذر فرما لیا پھر یہ آیت اتری- اس میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے وہ قصد کیا جو پورا نہ ہوا' مراد اس سے جلاس کا یہ ارادہ ہے کہ اپنے سوتیلے لڑکے کو جس نے حضورؐ کی خدمت میں بات کہہ دی تھی' قتل کر دے- ایک قول ہے کہ عبداللہ بن ابی نے خود حضورؐ کے قتل کا ارادہ کیا تھا- یہ قول بھی ہے کہ بعض لوگوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اسے سردار بنا دیں گو رسول اللہ ﷺ راضی نہ ہوں- یہ بھی مروی ہے کہ دس سے اوپر اوپر آدمیوں نے غزوہ تبوک میں راستے میں حضورؐ کو دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہا تھا-

چنانچہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' میں اور حضرت عمارؓ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کے آگے پیچھے تھے- ایک چلاتا تھا- دوسرا نکیل تھامتا تھا- ہم عقبہ میں تھے کہ بارہ شخص منہ پر نقاب ڈالے آئے اور اونٹنی کو گھیر لیا- حضورؐ نے انہیں للکارا اور وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے- آپؐ نے ہم سے فرمایا- کیا تم نے انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں' لیکن ان کی سواریاں ہماری نگاہوں میں ہیں- آپؐ نے فرمایا' یہ منافق تھے اور قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا- جانتے ہو یہ کس ارادے سے آئے تھے؟ ہم نے کہا نہیں- فرمایا اللہ کے رسول کو عقبہ میں پریشان کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے- ہم نے کہا حضورؐ ان کی قوم کے لوگوں سے کہلوا دیجئے کہ ہر قوم والے اپنی قوم کے جس آدمی کی شرکت اس میں پائیں' اس کی گردن اڑا دیں- آپؐ نے فرمایا نہیں ورنہ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں گی کہ محمد (ﷺ) پہلے تو انہی لوگوں کو لے کر اپنے دشمنوں سے لڑے- ان پر فتح حاصل کر کے پھر اپنے ان ساتھیوں کو بھی قتل کر ڈالا- آپؐ نے ان کے لئے بددعا کی کہ یا اللہ ان کے دلوں پر آتشیں پھوڑے پیدا کر دے-

اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی میں حضورؐ نے اعلان کرا دیا کہ میں عقبہ کے راستے میں جاؤں گا- اس کی راہ کوئی نہ آئے- حضرت حذیفہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت عمارؓ پیچھے سے چلا رہے تھے کہ ایک جماعت اپنی اونٹنیوں پر سوار آ گئی- حضرت عمارؓ نے ان کی سواریوں کو مارنا شروع کیا اور حضرت حذیفہؓ نے حضورؐ کے فرمان سے آپ کی سواری کو نیچے کی طرف چلانا شروع کر دیا- جب نیچے کا میدان آ گیا' آپؐ سواری سے اتر آئے- اتنے میں عمارؓ بھی واپس پہنچ گئے- آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے- پہچانا بھی؟ حضرت عمارؓ نے کہا منہ تو چھپے ہوئے تھے لیکن سواریاں معلوم ہیں' پوچھا ان کا ارادہ کیا تھا' جانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں آپؐ نے فرمایا' انہوں نے چاہا تھا کہ شور کر کے ہماری اونٹنی کو بھڑکا دیں اور ہمیں گرا دیں- ایک شخص سے حضرت عمارؓ نے ان کی تعداد

دریافت کی تو اس نے کہا چودہ- آپ نے فرمایا' اگر تو بھی ان میں تھا تو پندرہ- حضورؐ نے ان سے تین شخصوں کے نام گنوائے- انہوں نے کہا واللہ ہم نے تو منادی کی' نداسنی اور نہ ہمیں اپنے ساتھیوں کے کسی بدارادے کا علم تھا- حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ باقی کے بارہ لوگ اللہ رسولؐ سے لڑائی کرنے والے ہیں' دنیا میں اور آخرت میں بھی- امام محمد بن اسحاق نے ان سے بہت سے لوگوں کے نام بھی گنوائے ہیں- واللہ اعلم-

صحیح مسلم میں ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص کے ساتھ حضرت عمارؓ کا کچھ تعلق تھا تو اس کو آپ نے قسم دے کر اصحاب عقبہ کی گنتی دریافت کی- لوگوں نے بھی اس سے کہا کہ ہاں بتا دو- اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ چودہ تھے- اگر مجھے بھی شامل کیا جائے تو پندرہ ہوئے- ان میں سے بارہ تو دشمن اللہ اور رسولؐ ہی تھے اور تین شخصوں کی قسم پر کہ نہ ہم نے منادی کی نہ نداسنی نہ ہمیں جانے والوں کے ارادے کا علم تھا' اس لئے معذور رکھا گیا- گرمی کا موسم تھا- پانی بہت کم تھا آپ نے فرما دیا تھا کہ مجھ سے پہلے وہاں کوئی نہ پہنچے لیکن اس پر بھی کچھ لوگ پہنچ گئے تھے- آپ نے ان پر لعنت کی' آپ کا فرمان ہے کہ میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں جو نہ جنت میں جائیں گے نہ اس کی خوشبو پائیں گے' آٹھ کے کندھوں پر تو آتشی پھوڑا ہوگا جو سینے تک پہنچے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا- اسی باعث حضرت حذیفہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا رازدار کہا جاتا تھا- آپ نے صرف انہی کو ان منافقوں کے نام بتائے تھے-- واللہ اعلم- طبرانی میں ان کے نام یہ ہیں- معتب بن قشیر' ودیعہ بن ثابت' جدین بن عبداللہ بن نبیل بن حارث جو عمرو بن عوف کے قبیلے کا تھا اور حارث بن یزید طائی اوس بن قیظی' حارث بن سوید' سفیہ بن دراہ' قیس بن فہر' سوید' داعس قبیلہ بنو جعلی کے' قیس بن عمرو بن سہل' زید بن لصیت اور سلالہ بن ہمام- یہ دونوں قبیلہ بنو قینقاع کے ہیں- یہ سب بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے- اس آیت میں اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اپنے رسول کے ہاتھوں مالدار بنایا- اگر ان پر اللہ کا پورا فضل ہو جاتا تو انہیں ہدایت بھی نصیب ہو جاتی جیسے کہ حضورؐ نے انصار سے فرمایا' کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا کہ پھر اللہ نے میری وجہ سے تمہاری رہبری کی' تم متفرق تھے- اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم میں الفت ڈال دی- تم فقیر بے نوا تھے- اللہ نے میرے سبب سے تمہیں غنی اور مالدار کر دیا- ہر سوال کے جواب میں انصار رضی اللہ عنہم فرماتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ کا اور اس کے رسول کا اس سے زیادہ احسان ہے- الغرض بیان یہ ہے- بے قصور ہونے کے بدلے یہ لوگ دشمنی اور بے ایمانی پر اتر آئے- جیسے سورہ بروج میں ہے کہ ان مسلمانوں میں سے ان کافروں کا انتقام صرف ان کے ایمان کے باعث تھا- حدیث میں ہے کہ ابن جمیل صرف اس بات کا انتقام لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا- اللہ نے اسے غنی کر دیا- پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ اپنے اسی طریقہ پر کاربند رہے تو انہیں دنیا میں بھی سخت سزا ہوگی- قتل' صدمہ' غم اور دوزخ کے ذلیل و پست کر دینے والے ناقابل برداشت عذاب کی سزا بھی- دنیا میں کوئی نہ ہوگا جو ان کی طرفداری کرے' ان کی مدد کرے' ان کے کام آئے' ان سے برائی ہٹائے یا انہیں نفع پہنچائے یہ بے یار و مددگار رہ جائیں گے-

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ
وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ
بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا
فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ

مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم صدقہ خیرات کریں گے اور نیک کاروں میں ہو جائیں گے ○ لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا ○ اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اللہ سے ملنے کے دن تک کیونکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کا خلاف کیا اور جھوٹ بولتے رہے ○ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام خبروں سے خبردار ہے ○

دعا قبول ہوئی تو اپنا عہد بھول گیا: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۸) بیان ہو رہا ہے کہ ان منافقوں میں وہ بھی ہے جس نے عہد کیا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ مالدار کر دے تو میں بڑی سخاوت کروں اور نیک بن جاؤں لیکن جب اللہ نے اسے امیر اور خوشحال بنا دیا' اس نے وعدہ شکنی کی اور بخیل بن بیٹھا جس کی سزا میں قدرت نے اس کے دل میں ہمیشہ کے لئے نفاق ڈال دیا۔ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے مالداری کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا تھوڑا مال جس کا شکر ادا ہو' اس بہت سے اچھا ہے جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔ اس نے پھر دوبارہ بھی درخواست کی تو آپ نے پھر سمجھایا کہ تو اپنا حال اللہ کے نبی جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا؟ واللہ اگر میں چاہتا تو پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔ اس نے کہا حضور واللہ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب سخاوت کی داد دوں۔ ہر ایک کو اس کا حق ادا کروں۔ آپ نے اس کے لئے مال میں برکت کی دعا کی۔ اس کی بکریوں میں اس طرح زیادتی شروع ہوئی جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں یہاں تک کہ مدینہ شریف اس کے جانوروں کے لئے تنگ ہو گیا۔ یہ ایک میدان میں نکل گیا۔ ظہر' عصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ باقی نمازیں جماعت سے نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی اسے اور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے اور سب جماعتیں اس سے چھوٹ گئیں۔ مال بڑھتا گیا' ہفتے بعد جمعہ کے لئے آنا بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا؟ ایک مرتبہ حضورؐ نے اس کا حال دریافت کیا' لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ آپؐ نے اظہار افسوس کیا۔

ادھر آیت اتری کہ ان کے مال سے صدقے لے اور صدقے کے احکام بھی بیان ہوئے۔ آپ نے دو شخصوں کو جن میں ایک قبیلہ جہنیہ کا اور دوسرا قبیلہ سلیم کا تھا' انہیں تحصیلدار بنا کر صدقہ لینے کے احکام لکھ کر انہیں پروانہ دے کر بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور فلانے بنی سلیم سے صدقہ لے آؤ۔ یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ فرمان پیغمبر دکھایا۔ صدقہ طلب کیا تو وہ کہنے لگا واہ واہ یہ تو جزیئے کی بہن ہے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ یہ کیا بات ہے اچھا اب تو جاؤ۔ لوٹتے ہوئے آنا۔ دوسرا شخص سلمی جب اسے معلوم ہوا تو اس نے اپنے بہترین جانور نکالے اور انہیں لے کر خود ہی آگے بڑھا۔ انہوں نے ان جانوروں کو دیکھ کر کہا نہ تو یہ ہمارے لینے کے لائق نہ تجھ پر ان کا دینا واجب' اس نے کہا میں تو اپنی خوشی سے ہی بہترین جانور دینا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں قبول فرمائیے۔ بالآخر انہوں نے لے لئے۔ اوروں سے بھی وصول کیا اور لوٹتے ہوئے پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے کہا ذرا مجھے وہ پرچہ تو پڑھاؤ جو تمہیں دیا گیا ہے۔ پڑھ کر کہنے لگا' بھئی یہ تو صاف صاف جزیہ ہے۔ کافروں پر جو ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ تو بالکل ویسا ہی ہے۔ اچھا تم جاؤ۔ میں سوچ سمجھ لوں۔ یہ واپس چلے گئے' انہیں دیکھتے ہی حضورؐ نے ثعلبہ پر اظہار افسوس کیا اور سلمی شخص کے لئے برکت کی دعا کی۔ اب انہوں نے بھی ثعلبہ اور سلمی دونوں کا

واقعہ کہہ سنایا-

پس اللہ تعالیٰ جل وعلا نے یہ آیت نازل فرمائی- ثعلبہ کے ایک قریبی رشتے دار نے جب یہ سب کچھ سنا تو ثعلبہ سے جا کر واقعہ بیان کیا اور آیت بھی پڑھ سنائی- یہ حضرتؐ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے- آپؐ نے فرمایا- اللہ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے- یہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا- آپ نے فرمایا' یہ تو سب تیرا ہی کیا دھرا ہے' میں نے تو تجھے کہا تھا لیکن تو نہ مانا- یہ واپس اپنی جگہ چلا آیا- حضورؐ نے انتقال تک اس کی کوئی چیز قبول نہ فرمائی- پھر یہ خلافت صدیقی میں آیا اور کہنے لگا میری جو عزت حضورؐ کے پاس تھی' وہ اور میرا جو مرتبہ انصار میں ہے' وہ آپ خوب جانتے ہیں- آپ میرا صدقہ قبول فرمایئے- آپ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو میں کون؟ غرض آپ نے بھی انکار کر دیا- جب آپ کا بھی انتقال ہو گیا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ مسلمانوں کے والی ہوئے' یہ پھر آیا اور کہا امیر المومنین آپ میرا صدقہ قبول فرمایئے- آپ نے جواب دیا جب حضورؐ نے قبول نہیں فرمایا' خلیفہ اول نے قبول نہیں فرمایا تو اب میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا- پھر خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگا منت سماجت کرنے لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود حضورؐ نے اور آپ کے دونوں خلیفہ نے تیرا صدقہ قبول نہیں فرمایا تو میں کیسے قبول کر لوں؟ چنانچہ قبول نہیں کیا- اسی اثنا میں یہ شخص ہلاک ہو گیا-

الغرض پہلے تو سخاوت کے وعدے کئے تھے اور وہ بھی قسمیں کھا کھا کر- پھر اپنے وعدے سے پھر گیا اور سخاوت کے عوض بخیلی کی اور وعدہ شکنی کر لی- اس جھوٹ اور عہد شکنی کے بدلے اس کے دل میں نفاق پیوست ہو گیا جو اس وقت سے اس کی پوری زندگی تک اس کے ساتھ رہا- حدیث میں بھی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں- جب بات کرے' جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے خلاف کرے' جب امانت سونپی جائے' خیانت کرے- لیکن یہ نہیں جانتے کہ اللہ دل کے ظاہر اور پوشیدہ ارادوں اور سینے کے رازوں کا عالم ہے- وہ پہلے سے ہی جانتا تھا کہ یہ خالی زبانی بکواس ہے کہ مالدار ہو جائیں تو یوں خیراتیں کریں- یوں شکر گزاری کریں- یوں نیکیاں کریں- لیکن دلوں پر نظریں رکھنے والا اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ مال مست ہو جائیں گے اور دولت پا کر خرمستیاں' ناشکری اور بخل کرنے لگیں گے- وہ ہر حاضر غائب کا جاننے والا ہے' وہ ہر چھپے کھلے کا عالم ہے' ظاہر باطن سب اس پر روشن ہے-

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي
الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ
مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیراتیں کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں' یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں' اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے انہی کے لئے دکھ کی مار ہے ○

منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز: ☆☆ (آیت:۷۹) منافقوں کی ایک بدخصلت یہ بھی ہے کہ ان کی زبانوں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا نہ سخی نہ بخیل- یہ عیب جو بدگو لوگ بہت برے ہیں' اگر کوئی شخص بڑی رقم اللہ کی راہ میں دے تو یہ اسے ریاکار کہنے لگتے ہیں اور

اگر کوئی مسکین اپنی مالی کمزوری کی بنا پر تھوڑا بہت دے تو یہ ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں' لو ان کی اس حقیر چیز کا بھی اللہ بھوکا تھا۔ چنانچہ جب صدقات دینے کی آیت اترتی ہے تو صحابہؓ اپنے اپنے صدقات لئے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے دل کھول کر بہت بڑی رقم دی تو اسے ان منافقوں نے ریاکار کا خطاب دیا۔ بیچارے ایک صاحب مسکین آدمی تھے۔ صرف ایک صاع اناج لائے تھے انہیں کہا کہ اس کے اس صدقے کی اللہ کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے بقیع میں فرمایا کہ جو صدقہ دے گا' میں اس کی بابت قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دوں گا۔ اس وقت ایک صحابی نے اپنے عمامے میں سے کچھ دینا چاہا لیکن پھر لپیٹ لیا۔ اتنے میں ایک صاحب جو سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے' ایک اونٹنی لے کر آگے بڑھے جن سے زیادہ اچھی اونٹنی بقیع بھر میں نہ تھی۔ کہنے لگے یا رسول اللہ یہ اللہ کے نام پر خیرات ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ اس نے کہا۔ لیجئے سنبھال لیجئے۔ اس پر کسی نے کہا اس سے تو اونٹنی ہی اچھی ہے۔ آپ نے سن لیا اور فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تجھ سے اور اس سے تین گنا اچھا ہے۔ افسوس سینکڑوں اونٹ رکھنے والے تجھ جیسوں پر افسوس' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر فرمایا۔ مگر وہ جو اپنے مال کو اس طرح اس طرح کرے اور ہاتھ بھر بھر کر آپ نے اپنے ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارہ کیا۔ یعنی راہ اللہ ہر نیک کام میں خرچ کرے۔

پھر فرمایا' انہوں نے فلاح پالی جو کم مال والے اور زیادہ عبادت والے ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ چالیس اوقیہ چاندی لائے اور ایک غریب انصاریؓ ایک صاع اناج لائے۔ منافقوں نے ایک کو ریاکار بتایا۔ دوسرے کے صدقے کو حقیر کہہ دیا۔ ایک مرتبہ آپ کے حکم سے لوگوں نے مال خیرات دینا اور جمع کرنا شروع کیا۔ ایک صاحب ایک صاع کھجوریں لے آئے اور کہنے لگے' حضورؐ میرے پاس کھجوروں کے دو صاع تھے۔ ایک میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے روک لیا اور ایک لے آیا۔ آپ نے اسے بھی جمع شدہ مال میں ڈال دینے کو فرمایا۔ اس پر منافق بکواس کرنے لگے کہ اللہ اور رسولؐ تو اس سے بے نیاز ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا میرے پاس ایک سو اوقیہ سونا ہے۔ میں یہ سب صدقہ کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' ہوش میں بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا' ہاں ہوش میں ہوں' فرمایا پھر کیا کر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا سنو میرے پاس آٹھ ہزار ہیں جن میں سے چار ہزار تو میں اللہ کو قرض دے رہا ہوں اور چار ہزار اپنے لئے رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے جو تو نے رکھ لیا ہے اور جو تو نے خرچ کر دیا ہے۔ منافق ان پر باتیں بنانے لگے کہ لوگوں کو اپنی سخاوت دکھانے کے لئے اتنی بڑی رقم دے دی۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اتار کر بڑی رقم اور چھوٹی رقم والوں کی سچائی اور ان منافقوں کا موذی پن ظاہر کر دیا۔ بنو عجلان کے عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس وقت بڑی رقم خیرات میں دی تھی جو ایک سو وسق پر مشتمل تھی۔ منافقوں نے اسے ریاکاری پر محمول کیا تھا۔ اپنی محنت مزدوری کی تھوڑی سی خیرات دینے والے ابوعقیل تھے۔ یہ قبیلہ بنو انیف کے شخص تھے۔ ان کے ایک صاع خیرات پر منافقوں نے ہنسی اور ہجو کی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ یہ چندہ حضورؐ نے مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر روانہ کرنے کے لئے جمع کیا تھا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دو ہزار دیئے تھے اور دو ہزار رکھے تھے۔ دوسرے بزرگ نے رات بھر کی محنت میں دو صاع کھجوریں حاصل کر کے ایک صاع رکھ لیں اور ایک صاع دے دیں۔ یہ حضرت ابوعقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ رات بھر اپنی پیٹھ پر بوجھ ڈھوتے رہے۔ ان کا نام حباب تھا۔ اور قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ثعلبہ تھا۔ پس منافقوں کے اس تمسخر کی سزا میں اللہ نے بھی ان سے یہی بدلہ لیا۔ ان منافقوں کے لئے آخرت میں المناک عذاب ہیں اور ان کے اعمال کا ان عملوں جیسا ہی برا بدلہ ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ
مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰ ع ۸

ان کے لئے تو استغفار کر، یا نہ کر اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرے تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا' یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے اور ان کے رسول سے کفر کیا ہے' ایسے فاسق لوگوں کو رب کریم ہدایت نہیں دیتا ○

منافق کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت: ☆☆ (آیت:۸۰) فرماتا ہے کہ یہ منافق اس قابل نہیں کہ اے نبیؐ تو ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کرے۔ ایک بار نہیں اگر تو ستر مرتبہ بھی بخشش ان کے لئے چاہے تو اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ جو ستر کا ذکر ہے' اس سے مراد صرف زیادتی ہے۔ وہ ستر سے کم ہو یا بہت زیادہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد اس سے ستر کا ہی عدد ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تو ان کے لئے ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا تا کہ اللہ انہیں بخش دے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرما دیا کہ ان کے لئے تیرا استغفار کرنا نہ کرنے کے برابر ہے۔ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ میرا باپ نزع کی حالت میں ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس کے پاس تشریف لے چلیں' اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں۔ آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حباب۔ آپ نے فرمایا تیرا نام عبداللہ ہے' حباب تو شیطان کا نام ہے۔ اب آپ ان کے ساتھ ہوئے ان کے باپ کو اپنا کرتہ اپنے پسینے والا پہنایا۔ اس کی جنازے کی نماز پڑھائی۔ آپ سے کہا بھی گیا کہ آپ اس کے جنازے پر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر مرتبہ کے استغفار سے بھی نہ بخشنے کو فرمایا تو میں ستر بار پھر ستر بار پھر ستر بار استغفار کروں گا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ
يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا
تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ
كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ
جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲

پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں یہ راہ اللہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرناپسند رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہہ بھی دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو تو کہہ دے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے ○ پس انہیں بہت کم ہنسنا چاہئے اور بہت زیادہ روئیں بدلے میں اس کے جو یہ کیا کرتے تھے ○

جہنم کی آگ کالی ہے: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) جو لوگ غزوہ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور گھروں میں بیٹھنے پر اکڑ رہے تھے۔ جنہیں راہ اللہ میں مال و جان سے جہاد کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا' جنہوں نے ایک دوسرے کے کان بھرے تھے کہ اس گرمی میں کہاں نکلو

گے؟ ایک طرف پھل پکے ہوئے ہیں، سائے بڑھے ہوئے ہیں دوسری جانب لو کے تھپیڑے چل رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ جہنم کی آگ جس کی طرف تم اس بدکرداری سے جا رہے ہو، وہ اس گرمی سے زیادہ بڑھی ہوئی حرارت اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ آگ تو اس آگ کا سترواں حصہ ہے جیسے کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تمہاری یہ آگ آتش دوزخ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکتے۔ حضورؐ فرماتے ہیں ایک ہزار سال تک آتش دوزخ دھونکی گئی تو سرخ ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال تک دھونکی گئی تو سیاہ ہوگئی پس وہ اندھیری رات جیسی سخت سیاہ ہے۔ ایک بار آپؐ نے آیت وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کی تلاوت کی اور فرمایا ایک ہزار سال تک جلائے جانے سے وہ سفید پڑ گئی، پھر ایک ہزار سال تک بھڑکانے سے سرخ ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال دھونکے جانے سے سیاہ ہوگئی۔ پس وہ سیاہ رات جیسی ہے، اس کے شعلوں میں بھی چمک نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری مشرق میں ہو تو اس کی حرارت مغرب تک پہنچ جائے۔ ابویعلیٰ کی ایک غریب روایت ہے کہ اگر مسجد میں ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی ہوں اور کوئی جہنمی یہاں آ کر سانس لے تو اس کی گرمی سے مسجد اور مسجد والے سب جل جائیں۔ اور حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا دوزخ میں وہ ہوگا جس کے دونوں پاؤں میں دو جوتیاں آگ کے تسمے سمیت ہوں گی جس کی گرمی سے اس کی کھوپڑی ابل رہی ہوگی اور وہ سمجھ رہا ہوگا کہ سب سے زیادہ عذاب اسی کو ہو رہا ہے حالانکہ دراصل سب سے ہلکا عذاب اس کا ہوگا۔ قرآن فرماتا ہے، وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دیتی ہے۔ اور کئی آیتوں میں ہے کہ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی تمام چیزیں اور ان کی کھالیں جھلس جائیں گی۔ پھر لوہے کے ہتھوڑوں سے ان کے سر کچلے جائیں گے۔ وہ جب وہاں سے نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو۔ ایک اور آیت میں ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، انہیں ہم بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں گے۔ ان کی کھالیں جھلستی جائیں گی اور ہم ان کھالوں کے بدلے اور کھالیں بدلتے جائیں گے کہ وہ خوب عذاب چکھیں۔ اس آیت میں بھی فرمایا ہے کہ اگر انہیں سمجھ ہوتی تو یہ جان لیتے کہ جہنم کی آگ کی گرمی اور تیزی بہت زیادہ ہے۔ تو یقیناً یہ باوجود موسمی گرمی کے رسول اللہؐ کے ساتھ جہاد میں خوشی خوشی نکلتے اور اپنے جان و مال کو راہ اللہ میں فدا کرنے پر تل جاتے۔ عرب کا شاعر کہتا ہے کہ تو نے اپنی عمر سردی گرمی سے بچنے کی کوشش میں گزار دی حالانکہ تجھے لائق تھا کہ اللہ کی نافرمانیوں سے بچتا کہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ ان بدباطن منافقوں کو ڈرا رہا ہے کہ تھوڑی سی زندگی میں یہاں تو جتنا چاہیں ہنس لیں۔ لیکن اس آنے والی بڑی زندگی میں ان کے لئے رونا ہی رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگو روؤ اور رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ۔ جہنمی روئیں گے یہاں تک کہ ان کے رخساروں پر نہروں جیسے گڑھے پڑ جائیں گے آخر آنسو ختم ہو جائیں گے اب آنکھیں خون برسانے لگیں گی ان کی آنکھوں سے اس قدر آنسو اور خون بہا ہوگا کہ اگر کوئی اس میں کشتیاں چلانی چاہے تو چلا سکتا ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ جہنمی جہنم میں روئیں گے اور خوب روتے ہی رہیں گے، آنسو ختم ہونے کے بعد پیپ نکلنا شروع ہوگا۔ اس وقت دوزخ کے داروغے ان سے کہیں گے کہ اے بدبخت رحم کی جگہ تو تم کبھی نہ روئے اب یہاں کا رونا دھونا لاحاصل ہے۔ اب یہ اونچی آوازوں سے چلا چلا کر جنتیوں سے فریاد کریں گے کہ تم لوگ ہمارے ہو۔ رشتے کنبے کے ہو۔ سنو ہم قبروں سے پیاسے اٹھے تھے۔ پھر میدان محشر میں بھی پیاسے ہی رہے اور آج تک یہاں بھی پیاسے ہی ہیں، ہم پر رحم کرو کچھ پانی ہمارے حلق میں چھوا دو یا جو روزی اللہ نے تمہیں دی

ہے' اس میں سے ہی تھوڑا بہت ہمیں دے دو۔ چالیس سال تک کتوں کی طرح چیختے رہیں گے۔ چالیس سال کے بعد انہیں جواب ملے گا کہ تم یونہی دھتکارے ہوئے بھوکے پیاسے ہی ان سڑیل اور اٹل سخت عذابوں میں پڑے رہو۔ اب یہ تمام بھلائیوں سے مایوس ہو جائیں گے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ
لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ
تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ
اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پس اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان کی کسی جماعت کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے' پھر یہ تجھ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں تو تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو' تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا۔ پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو ○

مکاروں کی سزا: ☆☆ (آیت:۸۳) فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی کے ساتھ اس غزوے سے واپس مدینے پہنچا دے اور ان میں سے کوئی جماعت تجھ سے کسی اور غزوے میں تیرے ساتھ چلنے کی درخواست کرے تو بطور ان کو سزا دینے کے تو صاف کہہ دینا کہ نہ تو تم میرے ساتھ والوں میں میرے ساتھ چل سکتے ہو نہ تم میری ہمراہی میں دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہو۔ تم جب موقعہ پر دغا دے گئے اور پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہے تو اب تیاری کے کیا معنی؟ پس یہ آیت مثل وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ الخ' کے ہے۔ بدی کا برا بدلہ بدی کے بعد ملتا ہے جیسے کہ نیکی کی جزا بھی نیکی کے بعد ملتی ہے۔ عمرہ حدیبیہ کے وقت قرآن نے فرمایا تھا۔ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ الخ یعنی جب تم غنیمتیں لینے چلو گے' یہ پیچھے رہ جانے والے لوگ تم سے کہیں گے کہ ہمیں اجازت دو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ ہو لیں۔ یہاں فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ بیٹھ رہنے والوں میں ہی تم بھی رہو۔ جو عورتوں کی طرح گھروں میں گھسے رہتے ہیں۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ
عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ
فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

ان میں سے کوئی مرجائے تو تو اس کے جنازے کی نماز ہرگز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔ یہ اللہ اور ان کے رسولؐ کے منکر ہو گئے اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ○

منافقوں کا جنازہ: ☆☆ (آیت:۸۴) حکم ہوتا ہے کہ اے نبیؐ تم منافقوں سے بالکل بے تعلق ہو جاؤ۔ ان میں سے کوئی مرجائے تو تم نہ اس کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اس کی قبر پر جا کر اس کے لئے دعائے استغفار کرو۔ اس لئے کہ یہ کفر و فسق پر زندہ رہے اور اسی پر مرے۔ یہ حکم تو عام ہے گو اس کا شان نزول خاص عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے جو منافقوں کا رئیس اور امام تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن

کے لئے آپ خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرمائیے۔ آپؐ نے دے دیا۔ پھر کہا' آپ خود اس کے جنازے کی نماز پڑھائیے۔ آپؐ نے یہ درخواست بھی منظور فرما لی اور نماز پڑھانے کے ارادے سے اٹھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کی کہ حضورؐ آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا' سنو اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ تو ان کے لئے استغفار کرے یا نہ کرے' اگر تو ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ تو میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے' یا رسول اللہ یہ منافق تھا لیکن تاہم حضورؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نماز میں صحابہؓ بھی آپ کی اقتدا میں تھے۔

ایک روایت میں ہے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ اس کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو میں صف میں سے نکل کر آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ کیا آپ اس دشمن رب عبداللہ بن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا۔ اس کی وہ تمام باتیں دہرائیں۔ حضورؐ مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے۔ آخر میں فرمایا' عمرؓ مجھے چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے استغفار کا مجھے اختیار دیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار ان کے گناہ معاف کرا سکتا ہے تو میں یقیناً ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ چنانچہ آپؐ نے نماز بھی پڑھائی۔ جنازے کے ساتھ بھی چلے۔ دفن کے وقت بھی موجود رہے۔ اس کے بعد مجھے اپنی اس گستاخی پر بہت ہی افسوس ہونے لگا کہ اللہ اور رسول اللہ خوب علم والے ہیں۔ میں نے ایسی اور اس قدر جرات کیوں کی؟ کچھ ہی دیر ہوگی جو یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد آخر دم تک نہ حضورؐ نے کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھی نہ اس کی قبر پر آ کر دعا کی۔ اور روایت میں ہے کہ اس کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ تشریف نہ لائے تو ہمیشہ کے لیئے یہ بات ہم پر رہ جائے گی۔ جب آپ تشریف لائے تو اسے قبر میں اتار دیا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا' اس سے پہلے مجھے کیوں نہ لائے؟ چنانچہ وہ قبر سے نکالا گیا۔ آپ نے اس کے سارے جسم پر تھتکار کر دم کیا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا۔ اور روایت میں ہے کہ وہ خود یہ وصیت کر کے مرا تھا کہ اس کے جنازے کی نماز خود رسول اللہ ﷺ پڑھائیں۔ اس کے لڑکے نے آ کر حضورؐ کو اس کی آرزو اور اس کی آخری وصیت کی بھی خبر کی اور یہ بھی کہا کہ اس کی وصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپؐ کے پیراہن میں کفنایا جائے۔ آپؐ اس کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت جبرئیلؑ یہ آیتیں لے کر اترے۔ اور روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ کا دامن تان کر نماز کے ارادے کے وقت یہ آیت سنائی لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اور روایت میں ہے اس نے اپنی بیماری کے زمانے میں حضورؐ کو بلایا۔ آپؐ تشریف لے گئے اور جا کر فرمایا کہ یہودیوں کی محبت نے تجھے تباہ کر دیا۔ اس نے کہا' یا رسول اللہؐ یہ وقت ڈانٹ ڈپٹ کا نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپؐ میرے لئے دعا استغفار کریں۔ میں مر جاؤں تو مجھے اپنے پیرہن میں کفنائیں۔ بعض سلف سے مروی ہے کہ کرتا دینے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت عباسؓ آئے تو ان کے جسم پر کسی کا کپڑا ٹھیک نہیں آیا۔ آخر اس کا کرتا لیا۔ وہ ٹھیک آ گیا۔ یہ بھی لمبا چوڑا' چوڑی چکلی ہڈی کا آدمی تھا۔ پس اس کے بدلے میں آپ نے اسے اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا عطا فرمایا۔ اس آیت کے اترنے کے بعد نہ تو کسی منافق کے جنازے کی نماز آپؐ نے پڑھی نہ کسی کے لئے استغفار کیا۔

مسند احمد میں ہے کہ جب آپ کو کسی جنازے کی طرف بلایا جاتا تو آپ پوچھ لیتے۔ اگر لوگوں سے بھلائیاں معلوم ہوتیں تو آپؐ جا کر اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات کان میں پڑتی تو صاف انکار کر دیتے۔ حضرت عمرؓ کا طریقہ آپ کے بعد یہ

رہا کہ جس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے، اس کے جنازے کی نماز آپ بھی پڑھتے۔ جس کی حضرت حذیفہؓ نہ پڑھتے آپ بھی نہ پڑھتے اس لئے کہ حضرت حذیفہؓ کو حضورؐ نے منافقوں کے نام گنوا دیئے تھے اور صرف انہی کو یہ نام معلوم تھے اسی بنا پر انہیں رازدار رسول کہا جاتا تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمرؓ ایک شخص کے جنازے کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو حضرت حذیفہؓ نے چٹکی لے کر انہیں روک دیا۔ جنازے کی نماز اور استغفار ان دونوں چیزوں سے منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کو روک دینا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسلمانوں کے بارے میں ان دونوں چیزوں کی پوری تاکید ہے۔ ان میں مردوں کے لئے بھی پورا نفع ہے اور زندوں کے لئے بھی کامل اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے، آپ فرماتے ہیں، جو جنازے میں جائے اور نماز پڑھے جانے تک ساتھ رہے، اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ملتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہے؟ فرمایا سب سے چھوٹا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حضورؐ کی عادت مبارک تھی کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر وہیں اس کی قبر کے پاس ٹھہر کر حکم فرماتے کہ اپنے ساتھی کے لئے استغفار کرو، اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو۔ اس سے اس وقت سوال و جواب ہو رہا ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ
وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ
مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا
بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾

ان کے مال و اولاد سے تو کچھ بھی تعجب نہ کرنا، اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ تیرے پاس آ کر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجئے ○ یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ریجھ گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ اب وہ کچھ سمجھ عقل نہیں رکھتے ○

(آیت: ۸۵) اسی مضمون کی آیہ کریمہ گذر چکی ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ لکھ دی گئی ہے جس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

(آیت: ۸۶-۸۷) ان لوگوں کی برائی بیان ہو رہی ہے جو وسعت طاقت قوت ہونے کے باوجود جہاد کے لئے نہیں نکلتے، جی چرا جاتے ہیں اور حکم ربانی سن کر پھر بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنے رک رہنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ان کی بے حمیتی تو دیکھو کہ یہ عورتوں جیسے ہو گئے، لشکر چلے گئے، یہ نامرد زنانے عورتوں کی طرح پیچھے رہ گئے۔ بوقت جنگ بزدل ڈرپوک اور گھروں میں گھسے رہنے والے

اور بوقت امن بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے۔ یہ بھونکنے والے کتوں اور گرجنے والے بادلوں کی طرح ڈھول کے پول ہیں۔

چنانچہ اور جگہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ خوف کے وقت ایسی آنکھیں پھیرنے لگتے ہیں جیسے کوئی مر رہا ہو اور جہاں وہ موقع گزر گیا' لگے چرب زبانی کرنے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے' باتیں بنانے۔ امن کے وقت تو مسلمانوں میں فساد پھیلانے لگتے ہیں اور وہ بلند بانگ بہادری کے ڈھول پیٹتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں لیکن لڑائی کے وقت عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر پردہ نشین بن جاتے ہیں' بل اور سوراخ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے تئیں چھپاتے پھرتے ہیں۔ ایماندار تو سورت اترنے اور اللہ کے حکم ہونے کا انتظار کرتے ہیں لیکن بیمار دلوں والے منافق جہاں سورت اتری اور جہاد کا حکم سنا' آنکھیں بند کر لیں' دیدے پھیر لئے۔ ان پر افسوس ہے۔ اور ان کے لئے تباہی خیز مصیبت ہے۔ اگر یہ اطاعت گزار ہوتے تو ان کی زبان سے اچھی بات نکلتی' ان کے ارادے اچھے رہتے یہ اللہ کی باتوں کی تصدیق کرتے تو یہی چیز ان کے حق میں بہتر تھی لیکن ان کے دلوں پر تو ان کی بداعمالیوں سے مہر لگ چکی ہے۔ اب تو ان میں اس بات کی صلاحیت بھی نہیں رہی کہ اپنے نفع نقصان کو ہی سمجھ لیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹ ۱۱ ع ۹ ۱۷
وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ
وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰

لیکن خود رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے رہتے ہیں' یہی لوگ خوبیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ○ انہی کے لئے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ بادیہ نشینوں میں سے عذر والے لوگ حاضر ہوئے کہ انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں' اب تو ان میں سے جتنے کفار ہیں' انہیں دکھ دینے والی مار پہنچ کر رہے گی ○

منافق کی آخرت خراب : ☆☆ (آیت: ۸۸-۸۹) منافقوں کی مذمت اور ان کی اخروی خستہ حالت بیان فرما کر اب مومنوں کی مدحت اور ان کی اخروی راحت بیان ہو رہی ہے۔ یہ جہاد کے لئے کمر باندھے رہتے ہیں۔ یہ جان و مال راہ حق میں فدا کرتے رہتے ہیں۔ انہی کے حصے میں بھلائیاں اور خوبیاں ہیں یہی فلاح پانے والے لوگ ہیں۔ انہی کے لئے جنت الفردوس ہے اور انہی کے لئے بلند درجے ہیں۔ یہی مقصد حاصل کرنے والے' یہی کامیابی کو پہنچ جانے والے لوگ ہیں۔

جہاد اور معذور لوگ : ☆☆ (آیت: ۹۰) یہ بیان ان لوگوں کا ہے جو حقیقتاً کسی شرعی عذر کے باعث جہاد میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ مدینہ

کے اردگرد کے یہ لوگ آ آ کر اپنی کمزوری و ضعیفی' بے طاقتی بیان کر کے اللہ کے رسولؐ سے اجازت لیتے ہیں کہ اگر حضورؐ انہیں واقعی معذور سمجھیں تو اجازت دے دیں۔ یہ بنو غفار کے قبیلے کے لوگ تھے۔ ابن عباسؓ کی قرات میں وَجَآءَ الْمُعْذِرُوْنَ ہے یعنی اہل عذر لوگ۔ یعنی معنی مطلب زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اسی جملے کے بعد ان لوگوں کا بیان ہے جو جھوٹے تھے۔ یہ نہ آئے نہ اپنا رک جانے کا سبب پیش کیا نہ حضورؐ سے رک رہنے کی اجازت چاہی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ عذر پیش کرنے والے بھی دراصل عذر والے نہ تھے۔ اسی لئے ان کے عذر مقبول نہ ہوئے لیکن پہلا قول پہلا ہی ہے۔ وہی زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عذاب کا حکم بھی ان کے لئے ہوگا جو بیٹھے ہی رہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى
الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۙ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ
قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا
وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا
مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا
مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ناتواں ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں' کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور ان کے رسولؐ کی خیر خواہی کرتے رہیں' ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں' اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے ○ ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو تیرے پاس آتے ہیں کہ تو انہیں سواری مہیا کر دے تو تو جواب دیتا ہے کہ میں تو تمہاری سواری کے لئے کچھ بھی نہیں پاتا تو وہ رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں ○ بیشک ان لوگوں پر تو راہ الزام ہے اور انہی پر ہے جو باوجودیکہ دولت مند ہونے کے تجھ سے اجازت طلب کرتے ہیں' جو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں جن کے دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے۔ جس سے وہ محض بے علم ہو گئے ہیں ○

عدم جہاد کے شرعی عذر : ☆☆ (آیت:۹۱) اس آیت میں ان شرعی عذروں کا بیان ہو رہا ہے جن کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص جہاد میں نہ جائے تو اس پر شرعی حرج نہیں۔ پس ان تینوں میں سے ایک قسم تو وہ ہے جو لازم ہوتی ہے کسی حالت میں انسان سے الگ نہیں ہوتی جیسے پیدائشی کمزوری یا اندھا پن یا لنگڑا پن' کوئی لولا لنگڑا یا اپاہج' بیمار یا بالکل ہی ناطاقت ہو۔ دوسری قسم کے وہ عذر ہوتے ہیں جو کبھی ہیں اور

کبھی نہیں۔ اتفاقیہ اسباب ہیں مثلاً کوئی بیمار ہو گیا ہے یا بالکل فقیر ہو گیا ہے، سامان سفر، سامان جہاد مہیا نہیں کر سکتا وغیرہ پس یہ لوگ شرکت جہاد نہ کر سکیں تو ان پر شرعاً کوئی مواخذہ، گناہ یا عار نہیں لیکن انہیں اپنے دل میں صلاحیت اور خلوص رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کے اللہ کے دین کے خیر خواہ بنے رہیں، اوروں کو جہاد پر آمادہ کریں۔ بیٹھے بیٹھے جو خدمت مجاہدین کی انجام دے سکتے ہوں، دیتے رہیں۔ ایسے نیک کاروں پر کوئی وجہ الزام نہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حواریوں نے عیسیٰ نبی اللہ سے پوچھا کہ ہمیں بتائیے، اللہ کا خیر خواہ کون ہے؟ آپ فرمایا جو اللہ کے حق کو لوگوں کے حق پر مقدم کرے اور جب ایک کام دین کا اور ایک دنیا کا آ جائے تو دینی کام کی اہمیت کا پورا لحاظ رکھے۔ پھر فارغ ہو کر دنیوی کام کو انجام دے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر لوگ نماز استسقاء کے لیے میدان میں نکلے۔ ان میں حضرت بلال بن سعد بھی تھے۔ آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء۔ کی پھر فرمایا اے حاضرین، کیا تم یہ مانتے ہو کہ تم سب اللہ کے گنہگار بندے ہو؟ سب نے اقرار کیا۔ پھر آپ نے دعا شروع کی کہ پروردگار ہم نے تیرے کلام میں سنا پڑھا ہے کہ نیک بندوں پر کوئی مشکل نہیں۔ ہم اپنی برائیوں کا اقرار کرتے ہیں۔

پس تو ہمیں معاف فرما، ہم پر رحم فرما، ہم پر اپنی رحمت سے بارشیں برسا۔ اب آپ نے ہاتھ اٹھائے اور آپ کے ساتھ ہی اور سب نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اسی وقت جھوم جھوم کر بدلیاں برسنے لگیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، میں حضورؐ کا منشی تھا۔ سورہ برات جب اتر رہی تھی، میں اسے بھی لکھ رہا تھا۔ میرے کان میں قلم اڑا ہوا تھا۔ جہاد کی آیتیں اتر رہی تھیں، حضورؐ منتظر تھے کہ دیکھیں کیا حکم نازل ہوتا ہے؟ اتنے میں ایک نابینا صحابی آئے اور کہنے لگے، حضورؐ میں جہاد کے احکام اس اندھاپے میں کیسے بجا لا سکتا ہوں؟ اسی وقت یہ آیت اتری۔ پھر ان کا ذکر ہوتا ہے جو جہاد کے لیے تڑپتے ہیں مگر قدرتی اسباب سے مجبور ہو کر بادل نخواستہ رک جاتے ہیں۔ جہاد کا حکم ہوا۔ حضورؐ کا اعلان ہوا، مجاہدین کا لشکر جمع ہونا شروع ہوا تو ایک جماعت آئی جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل بن مقرن مزنی وغیرہ تھے۔ انہوں نے کہا، حضورؐ ہمارے پاس سواریاں نہیں۔ آپ ہماری سواریوں کا انتظام کر دیں تا کہ ہم بھی راہ حق میں جہاد کرنے کا اور آپؐ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ واللہ میرے پاس تو ایک بھی سواری نہیں۔ یہ ناامید ہو کر روتے پیٹتے، غم زدہ اور رنجیدہ ہو کر لوٹے۔ ان پر اس سے زیادہ بھاری بوجھ کوئی نہ تھا کہ یہ اس وقت ہمرکابی کی اور جہاد کی سعادت سے محروم ہو گئے اور عورتوں کی طرح انہیں یہ مدت گھروں میں گذارنی پڑے گی۔ نہ ان کے پاس خود ہی کچھ ہے اور نہ کہیں سے کچھ ملتا ہے۔

پس جناب باری نے ان کو یہ آیت نازل فرما کر ان کی تسکین کر دی۔ یہ آیت قبیلہ مزینہ کی شاخ بنی مقرن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ محمد بن کعبؒ کا بیان ہے کہ یہ سات آدمی تھے۔ بنی عمرو کے سالم بن عوف، بنی واقف کے حرمی بن عمرو، بنی مازن کے عبدالرحمٰن بن کعب، بنی معلیٰ کے فضل اللہ، بنی سلمہ کے عمرو بن عشمہ اور عبداللہ بن عمرو مزنی اور بنو حارثہ کے علیہ بن زید۔ بعض روایتوں میں کچھ ناموں میں ہیر پھیر بھی ہے۔ انہی نیک نیت بزرگوں کے بارے میں اللہ کے رسول، رسولوں کے سرتاج صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واہل بیتہ وسلم کا فرمان ہے کہ اے میرے مجاہد ساتھیو، تم نے مدینے میں جو لوگ اپنے پیچھے چھوڑے ہیں، ان میں وہ بھی ہیں کہ تم جو خرچ کرتے ہو، جس میدان

میں چلتے ہو‘ جو جہاد کرتے ہو‘ سب میں وہ بھی ثواب کے شریک ہیں- پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی- اور روایت میں ہے کہ یہ سن کر صحابہؓ نے کہا کہ وہ باوجود اپنے گھروں میں رہنے کے ثواب میں ہمارے شریک ہیں؟ آپؐ نے فرمایا‘ ہاں اسی لیے کہ وہ معذور ہیں- عذر کے باعث رکے ہیں- ایک اور آیت میں ہے‘ انہیں بیماریوں نے روک لیا ہے- پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جنہیں فی الواقع کوئی عذر نہیں- مالدار ہٹے کٹے ہیں- لیکن پھر بھی سرکار نبوت میں آ کر بہانے تراش تراش کر جہاد میں ساتھ نہیں دیتے- عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ جاتے ہیں‘ زمین پکڑ لیتے ہیں- فرمایا ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ کی مہر لگ چکی ہے- اب وہ اپنے بھلے برے کے علم سے بھی کورے ہو گئے ہیں-

تفسیر ابن کثیر

۱۱
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- فاسق اور چوہے کی مماثلت ۵۰۸
- دیہات، صحرا اور شہر ہر جگہ انسانی فطرت یکساں ہے ۵۰۹
- دعاؤں کے طلبگار متبع ہیں، مبتدع نہیں ۵۱۰
- سابقوں کو بشارت ۵۱۰
- تساہل اور سستی سے بچو ۵۱۳
- صدقہ مال کا تزکیہ ہے ۵۱۴
- ایک قصہ ایک عبرت، مسجد قرار ۵۱۶
- مومنین کی صفات ۵۲۲
- مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی نبی اکرمؐ کو ممانعت ۵۲۳
- تپتے صحرا، شدت کی پیاس اور مجاہدین سرگرم سفر ۵۲۷
- غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کو تنبیہہ ۵۳۳
- مجاہدین کے اعمال کا بہترین بدلہ قربت الٰہی ۵۳۳
- اسلامی مرکز کا استحکام اولین اصول ہے ۵۳۴
- فرمان الٰہی میں شک وشبہ کفر کا مرض ہے ۵۳۶
- رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہیں ۵۳۷
- عقل زدہ کافر اور رسول اللہ ﷺ ۵۴۰
- تخلیق کائنات کی قرآن روداد ۵۴۰
- قیامت کا عمل اسی تخلیق کا اعادہ ہے ۵۴۱
- اللہ عزوجل کی عظمت وقدرت کے ثبوت مظاہر کائنات ۵۴۱
- کفار کی بدترین حجتیں ۵۴۵
- شرک کے آغاز کی روداد ۵۴۸
- احسان فراموش انسان ۵۵۰
- دنیا اور اس کی حقیقت ۵۵۱
- عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ۵۵۲
- اللہ کی الوہیت کے منکر ۵۵۵
- مصنوعی معبودوں کی حقیقت ۵۵۶
- اعجاز قرآن حکیم ۵۵۶
- مشرکین سے اجتناب فرمائیے ۵۵۸
- اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ ہے ۵۵۹
- مٹی ہونے کے بعد جینا کیسا ہے؟ ۵۶۱
- خالص کل عالم کل ہے ۵۶۱
- رسول کریم ﷺ کے منصب عظیم کا تذکرہ ۵۶۲
- بغیر شرعی دلیل کے حلال وحرام کی مذمت ۵۶۲
- اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے ۵۶۴
- اولیاء اللہ کا تعارف ۵۶۵
- خوابوں کے بارے میں ۵۶۵
- عزت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے ۵۶۷
- ساری مخلوق صرف اس کی ملکیت ہے ۵۶۷
- نوح علیہ السلام کی قوم کا کردار ۵۶۸
- سلسلہ رسالتؐ کا تذکرہ ۵۶۹
- موسیٰ علیہ السلام بمقابلہ فرعونی ساحرین ۵۷۱
- بزدلی ایمان کے درمیان دیوار بن گئی ۵۷۲
- اللہ پہ مکمل بھروسہ ایمان کی روح ہے ۵۷۳
- قوم فرعون سے بنی اسرائیل کی نجات ۵۷۳
- بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات ۵۷۷
- ٹھوس دلائل کے باوجود انکار قابل مذمت ہے ۵۷۸
- اللہ کی حکمت سے کوئی آگاہ نہیں ۵۸۰
- دعوت غور وفکر ۵۸۰
- دین حنیف کی وضاحت ۵۸۱
- نافرمان کا اپنا نقصان ہے ۵۸۲
- تعارف قرآن حکیم ۵۸۳
- اللہ اندھیروں کی چادروں میں موجود ہر چیز کو دیکھتا ہے ۵۸۴

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ
فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

جب تم لوٹ کر ان کے پاس پہنچو گے تو یہ تمہارے سامنے آ کر عذر معذرت پیش کرنے لگیں گے' تو کہہ دے کہ عذر معذرت کی باتیں نہ بناؤ۔ ہم تمہاری ان باتوں کا یقین ہرگز نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کچھ احوال ہمیں بتلا دیتے ہیں' اب تمہارے اگلے اعمال اللہ آپ دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غائب حاضر سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ آپ تمہیں تمہارے تمام کرتوتوں سے آگاہ کرے گا ○ یہ لوگ تو تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھانے لگیں گے۔ جب کہ تم ان کے پاس واپس پہنچو گے اس لئے کہ تم ان سے چشم پوشی کر لو' اچھا تم انہیں منہ لگانا چھوڑ دو۔ یہ بڑے گندے لوگ ہیں۔ ان ٹھکانہ جہنم ہے' جو بدلہ ہے ان کاموں کا جو یہ کرتے رہے ○ یہ تمہیں راضی کرنے کے لئے تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں۔ تو اگر ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو نافرمان' بے حکم لوگوں سے کبھی بھی راضی نہیں ہوتا ○

فاسق اور چوہے کی مماثلت: ☆☆ (آیت:۹۲-۹۶) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم میدان جہاد سے واپس مدینے پہنچو گے تو سبھی منافق عذر و معذرت کرنے لگیں گے۔ تم ان سے صاف کہہ دینا کہ ہم تمہاری ان باتوں میں نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نیتوں سے ہمیں خبردار کر دیا ہے۔ دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوت سب لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ پھر آخرت میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہی ہے۔ وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔ تمہارے ایک ایک کام کا بدلہ دے گا۔ خیر و شر کی جزا سزا سب کو بھگتنی پڑے گی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ تم کو راضی کرنے کے لئے اپنی معذوری اور مجبوری کو سچ ثابت کرنے کے لئے قسمیں تک کھائیں گے۔ تم انہیں منہ بھی نہ لگانا۔ ان کے اعتقاد نجس ہیں۔ ان کا باطن باطل ہے۔ آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کی خطاؤں اور گناہوں کا بدلہ ہے۔ سنو کہ ان کی خواہش صرف تمہیں رضامند کرنا ہے اور بالفرض تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ تعالیٰ ان بدکاروں سے کبھی راضی نہیں ہوگا۔

یہ اللہ و رسول کی اطاعت سے باہر ہیں۔ شریعت سے خارج ہیں۔ چوہا چونکہ بل سے بگاڑ کرنے کے لئے نکلتا ہے' اس لئے عرب اسے فويسقه کہتے ہیں۔ اسی طرح خوشے سے جب تری ظاہر ہوتی ہے تو کہتے ہیں فسقت الرطبة پس یہ چونکہ اللہ و رسول کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں' اس لئے انہیں فاسق کہتے ہیں۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ
يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ
السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ
الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

ع ۱۰

گنوار سخت منکر و منافق ہیں- اللہ تعالیٰ نے جو احکام شریعت اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں' یہ اس کے سمجھنے کے بالکل ہی اہل نہیں ہیں' اللہ بہت دانا اور بڑا باحکمت ہے ○ ان بادہ نشینوں میں ایسے بھی ہیں کہ اللہ کی راہ کے خرچ کو ناحق کا تاوان شمار کرتے ہیں اور تم پر مصیبتوں کے آنے کے منتظر ہیں- بدترین مصیبت انہی کے لئے ہے- اللہ تعالیٰ خوب سننے جاننے والا ہے ○ ہاں! ان دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی خیر خیرات کو اللہ کی نزدیکی کا اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں' ہاں ہاں یہ ان کے لئے اللہ کی نزدیکی ہے- اللہ انہیں رحمت میں داخل کرے گا- یقیناً اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے ○

دیہات' صحرا اور شہر ہر جگہ انسانی فطرت یکساں ہے: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۹) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ دیہاتیوں اور صحرا نشین بدوؤں میں کفار و منافق بھی ہیں اور مومن مسلمان بھی ہیں- لیکن کافروں اور منافقوں کا کفر و نفاق نہایت سخت ہے- ان میں اس بات کی مطلقاً اہلیت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان حدوں کا علم حاصل کریں جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہیں چنانچہ ایک اعرابی حضرت زید بن صوحان کے پاس بیٹھا ہوا تھا- اس وقت یہ اس مجلس میں لوگوں کو کچھ بیان فرما رہے تھے- نہاوند والے دن ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا- اعرابی بول اٹھا کہ آپ کی باتوں سے تو آپ کے لیے محبت میرے دل میں پیدا ہوتی ہے لیکن تمہارا یہ کٹا ہوا ہاتھ مجھے اور ہی شبہ میں ڈالتا ہے- آپ نے فرمایا' اس سے تمہیں کیا شک ہوا- یہ تو بایاں ہاتھ ہے- تو اعرابی نے کہا واللہ مجھے نہیں معلوم کہ دایاں ہاتھ کاٹتے ہیں یا بایاں؟ انہوں نے فرمایا' اللہ عزوجل نے سچ فرمایا کہ اعراب بڑے ہی سخت کفر و نفاق والے اور اللہ کی حدود کے بالکل ہی نہ جاننے والے ہیں-

مسند احمد میں ہے' جو بادیہ نشین ہوا' اس نے ظلم و جفا کی- اور جو شکار کے پیچھے پڑ گیا اس نے غفلت کی- اور جو بادشاہ کے پاس پہنچا' وہ فتنے میں پڑا- ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے- امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں- چونکہ صحرا نشینوں میں عموماً سختی اور بد خلقی ہوتی ہے اللہ عزوجل نے ان میں سے کسی کو اپنی رسالت کے ساتھ ممتاز نہیں فرمایا بلکہ رسول ہمیشہ شہری لوگ ہوتے رہے- جیسے فرمان الٰہی ہے- وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ہم نے تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے' سب انسان مرد تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے تھے- وہ سب متمدن بستیوں کے لوگ تھے- ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کو کچھ ہدیہ پیش کیا- آپ نے اس کے ہدیہ سے کئی گنا زیادہ انعام دیا جب جا کر بمشکل تمام راضی ہوا- آپؐ نے فرمایا اب سے میں نے قصد کیا ہے کہ سوائے قریشی' ثقفی' انصاری یا دوسی کے کسی کا تحفہ قبول نہ کروں گا- یہ اس لئے کہ یہ چاروں شہروں کے رہنے والے تھے- مکہ' طائف' مدینہ اور یمن کے لوگ

تھے- پس یہ فطرتاً ان بادیہ نشینوں کی نسبت سے نرم اخلاق اور دور اندیش لوگ تھے ان میں اعراب جیسی سختی اور کھردراپن نہ تھا- اللہ خوب جانتا ہے کہ ایمان و علم عطا فرمائے جانے کا اہل کون ہے؟ وہ اپنے بندوں میں ایمان و کفر، علم و جہل، نفاق و اسلام کی تقسیم میں باحکمت ہے- اس کے زبردست علم کی وجہ سے اس کے کاموں کی باز پرس اس سے کوئی نہیں کر سکتا- اور اس کی حکمت کی وجہ سے اس کا کوئی کام بے جا نہیں ہوتا- ان بادیہ نشینوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ کی راہ کے خرچ کو ناحق کا تاوان اور اپنا صریح نقصان جانتے ہیں اور ہر وقت اسی کے منتظر رہتے ہیں کہ تم مسلمانوں پر کب بلا و مصیبت آئے- کب تم حوادث و آفات میں گھر جاؤ لیکن ان کی یہ بدخواہی انہی کے آگے آئے گی- انہی پر برائی کا زوال آئے گا- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کا سننے والا ہے- اور خوب جانتا ہے کہ مستحق امداد کون ہے اور ذلت کے لائق کون ہے-

دعاؤں کے طلبگار متبع ہیں، مبتدع نہیں : ☆☆ اعراب کی اس قسم کو بیان فرما کر اب ان میں سے بھلے لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے- وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں- آخرت کو مانتے ہیں- راہ اللہ میں خرچ کر کے اللہ کی نزدیکی تلاش کرتے ہیں- ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی دعائیں لیتے ہیں- بے شک ان کو اللہ کی قربت حاصل ہے- اللہ انہیں اپنی رحمتیں عطا کر دے گا- وہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے-

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

جو لوگ سبقت کرنے والے اول والے ہیں، مہاجرین میں سے اور انصار میں سے اور جو نیک کاموں میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں، اللہ ان سب سے خوش ہے اور وہ سب اللہ سے راضی ہیں- ان کے لئے اس نے وہ جنتیں مہیا کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں- یہ ہے پوری پوری کامیابی ○

سابقون کو بشارت : ☆☆ (آیت: ۱۰۰) اس مبارک آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ ان مہاجرین و انصار سے جو سبقت لے جانے والوں میں اولین تھے اور ان کی تابعداری کرنے کی وجہ سے انہیں اپنی رضامندی کا اظہار فرما رہا ہے کہ انہیں نعمتوں والی ابدی جنتیں اور ہمیشہ کی نعمتیں ملیں گی- شعبی کہتے ہیں، ان سے مراد وہ مہاجر و انصار ہیں جو حدیبیہ والے سال بیعتہ الرضوان میں شریک تھے- لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اشعری وغیرہ سے مروی ہے کہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر اس کا ہاتھ پکڑ کر دریافت فرمایا کہ تمہیں یہ آیت کس نے پڑھائی ہے؟ اس نے کہا، حضرت ابیؓ بن کعب نے- آپؓ نے فرمایا، تم میرے ساتھ ان کے پاس چلو- جب ان کے پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا، تم نے اسے یہ آیت اسی طرح پڑھائی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں، آپؓ نے پوچھا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے اسے سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں- آپؓ نے فرمایا، میرا تو خیال تھا کہ جس بلند درجے پر ہم پہنچے ہیں، اس پر ہمارے بعد کوئی نہ پہنچے گا- حضرت ابیؓ نے فرمایا، اس آیت کی تصدیق سورہ جمعہ کی آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ الخ سے اور سورہ حشر کی آیت وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ الخ سے اور سورہ انفال کی آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ سے بھی ہوتی ہے- حضرت حسنؒ وَالْاَنْصَارِ پڑھتے تھے اور وَّالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ پر عطف ڈال کر پڑھتے- اللہ تعالیٰ عظیم و کبیر خبر دیتا ہے کہ وہ سابقین اولین مہاجر و انصار سے خوش ہے اور ان سے بھی خوش جو احسان کے ساتھ ان کے متبع ہیں- افسوس ان پر ہے، خانہ خراب وہ ہیں جو ان سے دشمنی رکھیں- انہیں برا کہیں- یا ان میں سے کسی ایک کو بھی برا کہیں یا اس سے دشمنی رکھیں- خصوصاً تمام صحابہ انصار و مہاجرین کے سردار سب

سے بہتر وافضل صدیق اکبر خلیفہ اعظم حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بھی بغض رکھے یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ بولے اللہ اس سے ناراض ہے۔ رسوائے مخلوق رافضیوں کا بدترین گروہ افضل صحابہ کو برا کہتا ہے، ان سے دشمنی رکھتا ہے۔ اللہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ یہی بات دلیل ہے اس پر کہ ان کی عقلیں الٹی ہیں اور ان کے دل اوندھے ہیں۔ انہیں قرآن پر ایمان کہاں ہے؟ جب کہ یہ ان پر تبرا بھیجتے ہیں جن کی بابت قرآن اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اظہار کھلے لفظوں میں بیان کرتا ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ہاں اہلسنت ان سے خوش ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اور ان کو برا کہتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے برا کہا ہے۔ اللہ کے دوستوں سے وہ محبت کرتے ہیں۔ اللہ کے دشمنوں کے وہ بھی دشمن ہیں۔ وہ متبع ہیں، مبتدع نہیں۔ وہ پیروی اور اقتدا کرتے ہیں۔ نافرمانی اور خلاف نہیں کرتے۔ یہی جماعت اللہ تعالیٰ سے کامیابی حاصل کرنے والی ہے اور یہی اللہ کے سچے بندے ہیں۔ کثر ھم اللہ

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ
مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ
مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾

تمہارے آس پاس کے بادیہ نشینوں میں منافق ہیں، اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ انہیں تو نہیں جانتا، ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔ ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے۔ پھر بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ○

منافقت کے خوگر شہری: ☆☆ (آیت:۱۰۱) اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو بتلاتا ہے کہ "مدینے کے اردگرد رہنے والے گنواروں میں اور خود اہل مدینہ میں بہت سے منافق ہیں جو برابر اپنے نفاق کے خوگر ہو چکے ہیں۔" تمرد فلان علی اللہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کرے۔

پھر فرماتا ہے کہ "تم تو انہیں جانتے نہیں۔ ہم جانتے ہیں۔" اور آیت میں ہے "اگر ہم چاہیں تو ان کو تجھے دکھا دیں اور تو ان کی علامات اور چہروں سے انہیں پہچان لے۔ یقیناً تو انہیں ان کی باتوں کے لب ولہجے سے جان لے گا۔ غرض ان دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہ سمجھنا چاہئے۔ نشانیوں سے پہچان لینا اور بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف کا قطعی علم کہ فلاں فلاں منافق ہے، یہ اور چیز ہے۔ پس بعض منافق لوگوں کی منافقت حضرت محمد ﷺ پر کھل گئی تھی مگر آپ کا تمام منافقوں کو جاننا ممکن نہ تھا۔ آپ تو صرف اتنا جانتے تھے کہ مدینے میں بعض منافق ہیں۔ صبح وشام وہ دربار رسالت میں حاضر رہا کرتے تھے اور آپ کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ اس قول کی صحت مسند احمد کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مکے کا ہمارا کوئی اجر نہیں۔ آپ نے فرمایا، تمہارے پاس تمہارے اجر آ ہی جائیں گے گو تم لومڑی کے بھٹ میں ہو۔ پھر آپ نے ان کے کان سے اپنا منہ لگا کر فرمایا کہ میرے ان ساتھیوں میں بھی منافق ہیں۔

پس مطلب یہ ہوا کہ بعض منافق الٹی سلٹی باتیں بک دیا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایسی ہی بات ہے۔ آیت وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا کی تفسیر میں ہم کہہ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بارہ یا پندرہ منافقوں کے نام بتلائے تھے۔ پس اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک ایک کر کے تمام منافقوں کا آپ کو علم تھا۔ نہیں بلکہ چند مخصوص لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کرا دیا تھا۔ واللہ اعلم۔
ابن عساکر میں ہے کہ حرملہ نامی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، ایمان تو یہاں ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اور

نفاق یہاں ہے اور ہاتھ سے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور نہیں ذکر کیا اللہ کا مگر تھوڑا- پس رسول اللہ ﷺ نے دعا کی' اے اللہ اسے ذکر کرنے والی زبان' شکر کرنے والا دل دے اور اسے میری اور مجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت عنایت فرما اور اس کے کام کا انجام بخیر کر- اب تو وہ کہنے لگا' یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھی اور بھی ہیں جن کا میں سردار تھا- وہ سب بھی منافق ہیں- اگر اجازت ہو تو انہیں بھی لے آؤں- آپؐ نے فرمایا' سنو جو ہمارے پاس آئے گا' ہم اس کے لئے استغفار کریں گے اور جو اپنے دین (نفاق) پر اڑا رہے گا' اللہ ہی اس کے ساتھ اولیٰ ہے- تم کسی کی پردہ دری نہ کرو-'' حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تکلف سے اوروں کا حال بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی ہے- اس سے خود اس کی حالت پوچھو تو یہی کہے گا کہ میں نہیں جانتا- حالانکہ انسان اپنی حالت سے بہ نسبت اوروں کی حالت کے زیادہ عالم ہوتا ہے- یہ لوگ وہ تکلف کرتے ہیں جو تکلف انبیاء علیہم السلام نے بھی نہیں کیا- نبی اللہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ان کے اعمال کا مجھے علم نہیں- نبی اللہ حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں وَمَآ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ میں تم پر کوئی نگہبان نہیں- اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے لَا تَعۡلَمُھُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُھُمۡ تو انہیں نہیں جانتا- ہم ہی جانتے ہیں-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اے فلاں تو نکل جا- تو منافق ہے اور اے فلاں تو بھی یہاں سے چلا جا- تو منافق ہے- پس بہت سے لوگوں کو آپؐ نے مسجد سے چلے جانے کا حکم فرمایا' ان کا نفاق مسلمانوں پر کھل گیا- یہ پورے رسوا ہوئے- یہ تو مسجد سے نکل کر جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ رہے تھے- آپ ان سے ذرا کترا گئے یہ سمجھ کر کہ شاید نماز ہو چکی اور یہ لوگ فارغ ہو کر جا رہے ہیں اور میں غیر حاضر رہ گیا- اور وہ لوگ بھی آپ سے شرمائے یہ سمجھ کر کہ ان پر بھی ہمارا حال کھل گیا ہوگا- اب مسجد میں آ کر دیکھا کہ ابھی نماز تو ہوئی نہیں- تو ایک شخص نے آپؓ کو کہا' لیجئے خوش ہو جایئے- آج اللہ نے منافقوں کو خوب شرمندہ و رسوا کیا- یہ تو تھا پہلا عذاب جب کہ حضورؐ نے انہیں مسجد سے نکلوا دیا- اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے- دو مرتبہ کے عذاب سے مجاہد کے نزدیک مراد قتل و قید ہے- اور روایت میں بھوک اور قبر کا عذاب ہے- ابن جریجؒ فرماتے ہیں' عذاب دنیا اور عذاب قبر مراد ہے- عبدالرحمٰنؒ بن زید فرماتے ہیں' دنیا کا عذاب تو مال و اولاد ہے- جیسے قرآن میں ہے وَلَا تُعۡجِبۡکَ اَمۡوَالُھُمۡ وَاَوۡلَادُھُمۡ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّعَذِّبَھُمۡ بِھَا فِی الدُّنۡیَا یعنی '' تجھے ان کا مال اور ان کی اولادیں اچھی نہ لگنی چاہئیں- اللہ کا ارادہ تو ان کی وجہ سے انہیں دنیا میں عذاب دینا ہے'' پس یہ مصیبتیں ان کے لئے عذاب ہیں ہاں مومنوں کے لئے اجر و ثواب ہیں- اور دوسرا عذاب جہنم کا آخرت کے دن ہے- محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں'' پہلا عذاب تو یہ کہ اسلام کے احکام بظاہر ماننے پڑے- اس کے مطابق عمل کرنا پڑا جو دلی منشا کے خلاف ہے- دوسرا عذاب قبر کا- پھر ان دونوں کے سوا دائمی جہنم کا عذاب-'' قتادہ کہتے ہیں'' عذاب دنیا اور عذاب قبر پر عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جانا ہے-'' مذکور ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کے نام بتائے تھے- اور فرمایا تھا کہ ان میں سے چھ کو دبیلہ کافی ہوگا جو جہنم کی آگ کا انگارا ہوگا- جو ان کے شانے پر ظاہر ہوگا اور سینے تک پہنچ جائے گا- اور چھ بری موت مریں گے- یہی وجہ تھی کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ کوئی ایسا ویسا داغدار شخص مرا ہے تو انتظار کرتے کہ اس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پڑھتے تو آپ بھی پڑھتے ورنہ نہ پڑھتے- مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میں بھی ان میں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا' نہیں آپ ان منافقوں میں نہیں- اور آپ کے بعد مجھے اس سے کسی پر بے خوفی نہیں-

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا خود اقرار کرلیا ہے۔ انہوں نے نیک عمل کو دوسرے برے عمل سے خلط ملط کر دیا ہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

تساہل اور سستی سے بچو: ☆☆ (آیت:۱۰۲) منافقوں کا حال اوپر کی آیتوں میں بیان فرمایا جو اللہ کی راہ کے جہاد سے بے ایمانی، شک اور جھٹلانے کے طور پر جی چراتے ہیں اور شامل نہیں ہوتے۔ اس آیت میں ان کا بیان ہو رہا ہے جو ہیں تو ایمان دار اور سچے پکے مسلمان لیکن سستی اور طلب راحت کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہوئے۔ انہیں ایک تو اپنے گناہوں کا اقرار ہے، اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی نیکیاں بھی ہیں۔ پس یہ نیکی بدی والے لوگ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہیں۔ اس کی معافی اور درگذر کے ماتحت ہیں۔ یہ آیت گو معین لوگوں کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ ہر مسلمان جو نیکی کے ساتھ بدی میں بھی ملوث ہو وہ اللہ کے سپرد ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت اتری ہے جب کہ انہوں نے بنو قریظہ سے کہا تھا کہ ذبح ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ یہ لوگ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت ابولبابہؓ کے ساتھ اور بھی پانچ یا سات یا نو آدمی تھے۔ جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو ان بزرگوں نے اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ستونوں سے باندھ دیا تھا کہ جب تک خود رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے، ہم اس قید سے آزاد نہ ہوں گے۔ جب یہ آیت اتری حضورؐ نے خود آپ ان کے بندھن کھولے اور ان سے درگذر فرمالیا۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میرے پاس آج رات کو دو آنے والے آئے۔ جو مجھے اٹھا کر لے چلے ہم ایک شہر میں پہنچے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا وہاں ہمیں چند ایسے لوگ ملے جن کا آدھا دھڑ تو بہت ہی سڈول نہایت خوشنما اور خوبصورت تھا اور آدھا نہایت ہی برا اور بدصورت۔ ان دونوں نے ان سے کہا جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ وہ گئے اور غوطہ لگا کر واپس آئے تو وہ برائی ان سے دور ہوگئی تھی اور وہ نہایت خوبصورت اور اچھے ہو گئے تھے۔ پھر ان دونوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ جنت عدن ہے۔ یہی آپ کی منزل ہے۔ اور جنہیں آپ نے ابھی دیکھا یہ وہ لوگ ہیں جو نیکیوں کے ساتھ بدیاں بھی ملائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے درگذر فرمالیا اور انہیں معاف فرمایا۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو اسی طرح مختصراً ہی روایت کیا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

ان کے مال سے صدقہ لے کہ اس سے تو انہیں پاک صاف کر دے اور ان کے لئے دعائے خیر کر، تیری دعا ان کے لئے تسکین و آرام ہے، اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے ○ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقہ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ○

صدقہ مال کا تزکیہ ہے: ☆☆ (آیت:۱۰۳-۱۰۴) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ ان کے مالوں کا صدقہ لیا کریں- تاکہ اس وجہ سے انہیں پاکی اور ستھرائی حاصل ہو- اس کی ضمیر کا مرجع بعض کے نزدیک وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی نیکیوں کے ساتھ کچھ برائیاں بھی کر لی تھیں- لیکن حکم اس کا عام ہے- عرب کے بعض قبیلوں کو اسی سے دھوکا ہوا تھا کہ یہ حکم خاص ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ' اسی وجہ سے انہوں نے خلیفہ برحق حضرت ابوبکر صدیق کو (زکوٰۃ کو فرض مان کر) زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا- جس پر آپؓ نے مع باقی صحابہؓ کے ان سے لڑائی کی کہ وہ زکوٰۃ خلیفۃ الرسول کو اسی طرح ادا کریں جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے- یہاں تک کہ اگر وہ ایک بچہ اونٹنی کا یا ایک رسی بھی نہ دیں گے تو بھی میں ان سے لڑائی جاری رکھوں گا- حکم ہوتا ہے کہ ان سے زکوٰۃ لے اور ان کے لئے دعائیں کر-

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے والد آپؐ کے پاس اپنا صدقہ لے کر آئے تو حسب عادت آپؐ نے دعا کی کہ اے اللہ آل ابی اوفی پر اپنی رحمتیں نازل فرما- اسی طرح جب آپ کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپؐ ان کے لئے دعا فرماتے- ایک عورت نے آپؐ سے آ کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ میرے لئے اور میرے خاوند کے لئے دعا کیجئے- آپؐ نے فرمایا صلی اللہ علیك وعلی زوجك صَلَوٰاتَكَ کی اور قرات صَلَوٰاتُكَ ہے- پہلی قرات مفرد کی ہے دوسری جمع کی ہے- فرماتا ہے کہ تیری دعا ان کے لئے اللہ کی رحمت کا باعث ہے- اور ان کے وقار و عزت کا سبب ہے- اللہ تعالیٰ تیری دعاؤں کا سننے والا ہے- اور اسے بھی وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون ان دعاؤں کا مستحق ہے اور کون اس کا اہل ہے- مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لئے دعا کرتے تو اسے اور اس کی اولاد کو اور اس کی اولاد کی اولاد کو پہنچتی تھی- پھر فرمایا' کیا انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور وہی ان کے صدقات لیتا ہے اس میں بندوں کو توبہ اور صدقے کی طرف بہت زیادہ غبت دلائی ہے- یہ دونوں چیزیں گناہوں کو دور کر دینے والی' انہیں معاف کرانے والی اور ان کو مٹا دینے والی ہیں- توبہ کرنے والوں کی توبہ اللہ عزوجل قبول فرماتا ہے- اور حلال کمائی سے صدقہ دینے والوں کا صدقہ اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر صدقہ کرنے والے کے لئے اسے پالتا ہے- یہاں تک کہ ایک کھجور کو احد کے پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے-

چنانچہ ترمذی وغیرہ میں ہے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ صدقہ قبول فرماتا ہے- اپنے دائیں ہاتھ میں اسے لیتا ہے اور جس طرح تم اپنے کو پالتے ہو' اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک ایک کھجور احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے- اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ عزوجل کی کتاب میں بھی موجود ہے- پھر اسی آیت کا یہی جملہ آپ نے تلاوت فرمایا- اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی- يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ یعنی سود کو اللہ تعالیٰ گھٹاتا ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے-

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' صدقہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں جاتا ہے اس سے پہلے کہ وہ سائل کے ہاتھ میں جائے- پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی- ابن عساکر میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں نے جہاد کیا جس میں ان پر حضرت عبدالرحمن بن خالد امام تھے- مسلمانوں میں سے ایک شخص نے مال غنیمت میں سے ایک سو رومی دینار چرا لئے- جب لشکر وہاں سے لوٹ کر واپس آ گیا تو اسے سخت ندامت ہوئی- وہ ان دیناروں کو لے کر امام کے پاس آیا لیکن انہوں نے ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ میں اب لے کر کیا کروں؟ لشکر تو متفرق ہو گیا- کیسے بانٹ سکتا ہوں؟ اب تو تو اسے اپنے پاس ہی رہنے دے- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس

ہی لانا - اس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے پوچھنا شروع کیا لیکن ہر ایک یہی جواب دیتا رہا - یہ مسکین ان دیناروں کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا اور ہر چند کہا کہ آپ انہیں لے لیجئے لیکن آپ نے بھی نہ لئے - اب تو یہ روتا پیٹتا وہاں سے نکلا - راستے میں اسے حضرت عبداللہ بن شاعر سکسکی رحمتہ اللہ علیہ ملے - یہ مشہور دمشقی ہیں اور اصل میں حمص کے ہیں - یہ بہت بڑے فقیہ تھے - انہوں نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس شخص نے اپنا تمام واقعہ بیان کیا - آپ نے فرمایا جو میں کہوں گا' وہ کرو گے بھی؟ اس نے کہا یقیناً - آپ نے فرمایا جاؤ اور خمس تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے آؤ - یعنی بیس دینار - اور باقی کے اسی دینار اللہ کی راہ میں اس پورے لشکر کی طرف سے خیرات کر دو -

اللہ تعالیٰ ان سب کے نام اور مکان جانتا ہے - اور وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے - اس شخص نے یہی کیا - حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا واللہ مجھے اگر یہ مسئلہ سوجھ جاتا اور میں اسے یہ فتویٰ دے دیتا تو مجھے اپنی ساری سلطنت اور ملکیت سے زیادہ محبوب تھا - اس نے نہایت اچھا فتویٰ دیا -

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کہہ دے کہ تم عمل کئے جاؤ - تمہارے عمل اللہ آپ دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایماندار بھی' پھر تم سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپے کھلے کا جاننے والا ہے - وہ تمہیں جتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے ○

اپنے اعمال سے ہوشیار رہو: ☆☆ (آیت:۱۰۵) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ ان کے اعمال اللہ کے سامنے ہیں - اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کے سامنے قیامت کے دن کھلنے والے ہیں - چھوٹے سے چھوٹا اور پوشیدہ سے پوشیدہ عمل بھی اس دن سب پر ظاہر ہو جائے گا - تمام اسرار کھل جائیں گے - دلوں کے بھید ظاہر ہو جائیں گے - اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں پر بھی ان کے اعمال دنیا میں ہی ظاہر کر دیتا ہے - چنانچہ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی کسی ٹھوس پتھر میں گھس کر جس کا نہ دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو' کوئی عمل کرے' اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا خواہ کیسا ہی عمل ہو -

ابوداؤد طیالسی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے قبیلوں اور برادریوں پر پیش کئے جاتے ہیں - اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو وہ لوگ اپنی قبروں میں خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ برے ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں الٰہی انہیں توفیق دے کہ یہ تیرے فرمان پر عامل بن جائیں - مسند احمد میں بھی یہی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے خویش و اقارب مردوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں - اگر وہ نیک ہوتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے سوا ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یا اللہ انہیں موت نہ آئے جب تک کہ تو انہیں ہدایت عطا نہ فرما جیسے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی (لیکن ان روایتوں کی سندیں قابل غور ہیں) -

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب تجھے کسی شخص کے نیک اعمال بہت اچھے لگیں تو تو کہہ دے کہ اچھا ہے - عمل کئے چلے جاؤ - اللہ اور اس کا رسول اور مومن تمہارے اعمال عنقریب دیکھ لیں گے - ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کی آئی

ہے۔ اس میں ہے کسی کے اعمال پر خوش نہ ہو جاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اس کا خاتمہ کس پر ہوتا ہے؟ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک زمانہ دراز تک نیک عمل کرتا رہتا ہے کہ اگر وہ اس وقت مرتا تو قطعاً جنتی ہو جاتا۔ لیکن پھر اس کی حالت بدل جاتی ہے اور وہ بداعمالیوں میں پھنس جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک لمبی مدت تک برائیاں کرتا رہتا ہے کہ اگر اسی حالت میں مرے تو جہنم میں ہی جائے لیکن پھر اس کا حال بدل جاتا ہے اور نیک عمل شروع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کی موت سے پہلے عامل بنا دیتا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم اس کا مطلب نہیں سمجھے آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اسے توفیق خیر عطا فرماتا ہے اور اس پر اسے موت آتی ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٠٦ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا ۢ بَيْنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ
وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٠٧

اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں پڑا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر کہ وہ یا تو انہیں عذاب کرے یا انہیں معاف فرما دے اللہ تعالیٰ کامل علم وحکمت والا ہے ○ جن لوگوں نے مسجد بنائی ہے تکلیف پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور شروع سے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑ رہے ہیں انہیں گھات لگانے کا موقعہ دینے کے لئے، وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ صرف بھلائی کا ہی تھا لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ محض جھوٹے ہیں ○

(آیت:۱۰۶) اس سے مراد وہ تین بزرگ صحابہ ہیں جن کی توبہ ڈھیل میں پڑ گئی تھی۔ حضرت مرارہ بن ربیع حضرت کعب بن مالک حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ جنگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ شک اور نفاق کے طور پر نہیں۔ بلکہ سستی راحت طلبی پھلوں کی پختگی سائے کے حصول وغیرہ کے لئے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اپنے تئیں مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جیسے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی۔ اور کچھ لوگوں نے ایسا نہیں کیا تھا ان میں یہ تینوں بزرگ تھے۔ پس اوروں کی تو توبہ قبول ہو گئی اور ان تینوں کا کام پیچھے ڈال دیا گیا یہاں تک کہ آیت لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ الخ، نازل ہوئی جو اس کے بعد آ رہی ہے۔ اور اس کا پورا بیان بھی حضرت کعب بن مالک کی روایت میں آ رہا ہے۔ یہاں فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے ارادے پر ہیں اگر چاہے سزا دے اگر چاہے معافی دے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ سزا کے لائق کون ہے۔ اور مستحق معافی کون ہے؟ وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی معبود نہ اس کے سوا کوئی مربی۔

ایک قصہ ایک عبرت، مسجد ضرار: ☆☆ (آیت:۱۰۷) ان پاک آیتوں کا سبب نزول سنئے! رسول اللہ ﷺ مکے شریف سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے۔ اس سے پہلے مدینے میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو عامر راہب تھا۔ یہ خزرج کے قبیلے میں سے تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں نصرانی بن گیا تھا، اہل کتاب کا علم بھی پڑھا تھا۔ عابد بھی تھا۔ اور قبیلہ خزرج اس کی بزرگی کا قائل تھا۔ جب حضور ﷺ یہاں آئے، مسلمانوں کا اجتماع آپ کے پاس ہونے لگا، یہ قوت پکڑنے لگے یہاں تک کہ بدر کی لڑائی ہوئی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں غالب رکھا تو یہ جل بھن گیا۔ کھلم کھلا مخالفت و عداوت کرنے لگا اور یہاں سے بھاگ کر کفار مکہ سے مل گیا۔ اور انہیں مسلمانوں سے لڑائی کرنے پر آمادہ کرنے

لگا- یہ تو عداوت اسلام میں پاگل ہو رہے تھے- تیار ہو گئے اور اپنے ساتھ عرب کے اور بھی بہت سے قبائل کو ملا کر جنگ کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اور میدان احد میں جم کر لڑے- اس لڑائی میں مسلمانوں کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہے- ان کا پورا امتحان ہو گیا- گو انجام کار مسلمانوں کا ہی بھلا ہو- اور عاقبت اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی ہے- اسی فاسق نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان بہت سے گڑھے کھود رکھے تھے جن میں سے ایک میں اللہ کے رسول محترم ﷺ گر پڑے- چہرے پر زخم آئے- سامنے سے نیچے کی طرف کے چار دانت ٹوٹ گئے- سر بھی زخمی ہوا- صلوات اللہ وسلامہ علیہ- شروع لڑائی کے وقت ہی ابو عامر فاسق اپنی قوم کے پاس گیا اور بہت ہی خوشامد اور چاپلوسی کی کہ تم میری مدد اور موافقت کرو- لیکن انہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے- تو نامراد رہے- اے بدکار! اے اللہ کے دشمن تو ہمیں راہ حق سے بہکانے کو آیا ہے؟ الغرض برا بھلا کہہ کر ناامید کر دیا گیا- یہ لوٹا اور یہ کہتا ہوا کہ میری قوم تو میرے بعد بہت ہی شریر ہو گئی ہے- مدینے میں اس نابکار کو رسول اللہ ﷺ نے بہت سمجھایا تھا-

قرآن پڑھ پڑھ کر نصیحت کی تھی اور اسلام کی رغبت دلائی تھی لیکن اس نے نہ مانا تھا- تو حضور ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے کہیں دور دراز ذلت وحقارت کے ساتھ موت دے- جب اس نے دیکھا کہ احد میں بھی اس کی چاہت پوری نہ ہوئی اور اسلام کا کلمہ بلندی پر ہی ہے تو یہ یہاں سے شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا اور اسے رسول اللہ ﷺ سے لڑائی کے لئے آمادہ کیا- اس نے بھی اس سے وعدہ کر لیا اور تمنائیں دلائیں- اس وقت اس نے اپنے ہم خیال لوگوں کو جو منافقانہ رنگ میں مدینے شریف میں رہتے سہتے تھے اور جن کے دل اب تک شک وشبہ میں تھے' لکھا کہ اب میں مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دوں گا- میں نے ہرقل کو آمادہ کر دیا ہے- وہ لشکر جرار لے کر چڑھائی کرنے والا ہے- مسلمانوں کو ناکوں چنے چبوا دے گا اور ان کا بیج بھی باقی نہ رکھے گا- تم ایک مکان مسجد کے نام سے تعمیر کرو تا کہ میرے قاصد جو آئیں' وہ وہیں ٹھہریں- وہیں مشورے ہوں اور ہمارے لئے وہ پناہ کی اور گھات لگانے کی محفوظ جگہ بن جائے- انہوں نے مسجد قبا کے پاس ہی ایک اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی اور تبوک کی لڑائی کے لئے آنحضرت ﷺ کی روانگی سے پہلے ہی اسے خوب مضبوط اور پختہ بنا لیا- اور آ کر آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ ہماری مسجد میں تشریف لایئے اور نماز ادا کیجئے- تا کہ ہمارے لئے یہ بات حجت ہو جائے اور ہم وہاں نماز شروع کر دیں- ضعیف اور کمزور لوگوں کو دور جانے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی- خصوصا جاڑے کی راتوں میں کمزور اور بیمار اور معذور لوگ دور دراز کی مسجد میں بڑی دقت سے پہنچتے ہیں- اس لئے ہم نے قریب ہی یہ مسجد بنا لی ہے- آپ نے فرمایا' اس وقت تو سفر درپیش ہے پابہ رکاب ہوں ان شاء اللہ واپسی میں سہی- اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کفر کے مورچے سے بچا لیا- جب میدان تبوک سے آپ سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے-

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ
اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۱۰۸

دیکھ تو اس میں کبھی کھڑا نہ ہونا' جس مسجد کی بنیاد اول دن سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہی زیادہ حقدار ہے کہ تو وہاں کھڑا ہو- اس میں وہ لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے ○

(آیت:۱۰۸) ابھی مدینے شریف سے ایک دن یا کچھ کم کے فاصلے پر تھے کہ وحی اللہ نازل ہوئی اور اس مسجد ضرار کی حقیقت آپ پر ظاہر کر دی گئی- اور اس کے بانیوں کی نیت کا بھی علم آپ کو کرا دیا گیا- اور وہاں کی نماز سے روک کر مسجد قبا میں جس کی بنیاد خوف الٰہی پر رکھی گئی تھی، نماز پڑھنے کا حکم صادر ہوا- پس آپ نے وہیں سے مسلمانوں کو بھیج دیا کہ جاؤ میرے پہنچنے سے پہلے اس مسجد کو توڑ دو-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ابو عامر خبیث ان انصاریوں سے کہہ گیا تھا کہ تم مسجد کے نام سے عمارت بنا لو اور جو تم سے ہو سکے تیاری کر رکھو- ہتھیار وغیرہ مہیا کر لو- میں شاہ روم قیصر کے پاس جا رہا ہوں اور اس سے مدد لے کر محمد اور اس کے ساتھیوں کو یہاں سے نکال دوں گا- پس یہ لوگ جب یہ مسجد تیار کر چکے، حضورؐ سے کہا کہ ہماری چاہت ہے کہ آپؐ ہماری اس مسجد میں تشریف لاویں- وہاں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا کریں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اس مسجد میں ہرگز کھڑے بھی نہ ہونا- اور روایت میں ہے کہ جب آپ ذی اوان میں اترے اور مسجد کی اطلاع ملی تو آپ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ کو بلایا- ان کے بھائی عمر بن عدی کو بلوایا اور حکم دیا کہ ان ظالموں کی مسجد میں جاؤ اور اسے گرا دو بلکہ جلا دو- یہ دونوں بزرگ تابڑ توڑ جلدی جلدی چلے- سالم بن عوف کے محلے میں جا کر حضرت مالکؓ نے حضرت معنؓ سے فرمایا، آپ یہیں ٹھہریئے- یہ میرے قبیلے کے لوگوں کے مکان ہیں- یہاں سے آگ لاتا ہوں- چنانچہ گئے اور ایک کھجور کا سلگتا ہوا تنا لے آئے اور سیدھے اس مسجد ضرار میں پہنچ کر اس میں آگ لگا دی اور کدال چلانی شروع کر دی وہاں جو لوگ تھے، ادھر ادھر بھاگ گئے اور ان بزرگوں نے اسی عمارت کو جڑ سے کھود ڈالا-

پس اس بارے میں یہ آیتیں اتری ہیں- اس کے بانی بارہ شخص تھے- خدام بن خالد بنو عبید بن زید میں سے جو بنی عمرو بن عوف میں سے ہیں- اسی کے گھر میں سے مسجد شقاق نکلی تھی- اور ثعلبہ بن حاطب جو بنی عبید میں سے تھا اور بنو امیہ کے موالی جو ابولبابہ بن عبدالمنذر کے قبیلے میں سے تھے- قرآن فرماتا ہے کہ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہماری نیت نیک تھی- لوگوں کے آرام کی غرض سے ہم نے اسے بنایا ہے- لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ جھوٹے ہیں- بلکہ انہوں نے مسجد قبا کو ضرر پہنچانے اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور مومنوں میں جدائی ڈالنے اور اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں کو پناہ دینے کے لئے اسے بنایا ہے- یہ کمین گاہ ہے، ابو عامر فاسق کی جو لوگوں میں راہب مشہور ہے- اللہ کی لعنتیں اس پر نازل ہوں- فرمان ہے ''کہ تو ہرگز اس مسجد میں نہ کھڑا ہونا-'' اس فرمان میں آپ کی امت بھی داخل ہے- انہیں بھی اس مسجد میں نماز پڑھنی حرام قرار دی گئی- پھر رغبت دلائی جاتی ہے کہ مسجد قبا میں نماز ادا کرو- جس کی بنیاد اللہ کے ڈر پر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر رکھی گئی ہے اور مسلمانوں کے اتفاق پر اور ان کی خیر خواہی پر بنائی گئی ہے- اسی مسجد میں تمہارا نمازیں پڑھنا درست اور حق بجانب ہے- چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار اور پیدل اس مسجد میں آیا کرتے تھے- اور حدیث میں ہے کہ جب آپؐ ہجرت کر کے مدینے شریف پہنچے اور بنی عمرو بن عوف میں ٹھہرے اور اس پاک مسجد کی نیو رکھی، اس وقت خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قبلہ کی جہت معین کی تھی- واللہ اعلم-

ابوداؤد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، آیت فیہ رجال مسجد قبا والوں کے بارے میں اتری ہے- وہ پانی سے استنجا کیا کرتے تھے- یہ حدیث ضعیف ہے- امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں- طبرانی میں ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپؐ نے عویم بن ساعدہؓ کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ آخر یہ کون سی طہارت ہے جس کی ثنا اللہ رب العزت بیان فرما رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے جو مرد و عورت پاخانے سے نکلتا ہے، وہ پانی سے استنجا کیا کرتا ہے- آپؐ نے فرمایا بس یہی وہ طہارت ہے- مسند احمد

میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس مسجد قبا میں تشریف لائے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہاری مسجد کے بیان میں تمہاری طہارت کی آج تعریف کی ہے تو بتلاؤ کہ تمہاری وہ طہارت کیسے ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمیں اور تو کچھ معلوم نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہم نے اپنے پڑوسی یہودیوں کی نسبت جب سے یہ معلوم کیا کہ وہ پاخانے سے نکل کر پانی سے پاکی کرتے ہیں، ہم نے اس وقت سے اپنا یہی وطیرہ کرلیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ سوال حضرت عویم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ پانی سے طہارت کرنا ہی وہ پاکیزگی تھی جس کی تعریف اللہ عزوجل نے کی۔ اور روایت میں ان کے جواب میں ہے کہ ہم توراۃ کے حکم کی رو سے پانی سے استنجا کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ الغرض جس مسجد کا اس آیت میں ذکر ہے، وہ مسجد قبا ہے۔ اس کی تصریح بہت سے سلف صالحین نے کی ہے۔ لیکن ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ تقویٰ پر بننے والی مسجد مسجد نبوی ہے جو مدینے شریف کے درمیان ہے۔ غرض ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں جب کہ مسجد قبا شروع دن سے تقویٰ کی بنیادوں پر ہے تو مسجد نبوی اس وصف کی اس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جو مسجد اللہ کے ڈر پر بنائی گئی ہے، وہ یہ میری مسجد ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ دو شخصوں میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ اس آیت میں کونسی مسجد مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ میری یہ مسجد ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کا قول تھا کہ یہ مسجد مسجد قبا ہے اور دوسرے کا قول تھا کہ یہ مسجد مسجد نبوی ہے۔ یہ حدیث ترمذی، نسائی وغیرہ میں ہے۔ ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو بنو خدرہ قبیلے کا تھا اور دوسرا بنو عمرو بن عوف میں سے تھا۔ خدری کا دعویٰ تھا کہ یہ مسجد نبوی ہے اور عمری کہتا تھا، مسجد قبا ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جا کر دریافت فرماتے ہیں کہ وہ مسجد کہاں ہے جس کی بنیادیں شروع سے ہی پرہیزگاری پر ہیں۔ آپؐ نے کچھ کنکر اٹھا کر انہیں زمین پر پھینک کر فرمایا، وہ تمہاری یہی مسجد ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ سلف کی اور خلف کی ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے (اس سے مراد یہ دونوں مسجدیں ہیں۔ واللہ اعلم) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ جن اگلی مسجدوں کی پہلے دن سے بنیاد اللہ کے تقویٰ پر رکھی گئی ہو، وہاں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور جہاں اللہ کے نیک بندوں کی جماعت ہو جو دین کے حامل ہوں، وضو اچھی طرح کرنے والے ہوں، کامل طہارت کے ساتھ رہنے والے ہوں، گندگیوں سے دور ہوں، ان کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔

مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو صبح کی نماز پڑھائی جس میں سورہ روم پڑھی۔ اس میں آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا، قرآن کریم کی قرات میں خلط ملط ہو جانے کا باعث تم میں سے وہ لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے۔ ہمارے ساتھ کے نمازیوں کو وضو نہایت عمدہ کرنا چاہئے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ طہارت کا کمال اللہ کی عبادتوں کے بجالانے انہیں پوری کرنے اور کامل کرنے اور شرعی حیثیت سے بجالانے، میں سہولت پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ پانی سے استنجا کرنا بے شک طہارت ہے۔ لیکن اعلیٰ طہارت گناہوں سے بچنا ہے۔ حضرت اعمش فرماتے ہیں، گناہوں سے توبہ کرنا اور شرک سے بچنا پوری پاکیزگی ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی کہ جب اہل قبا سے ان کی اس اللہ کی پسندیدہ طہارت کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنے جواب میں پانی سے استنجا کرنا بیان کیا۔ پس یہ آیت ان کے حق میں اتری ہے۔ بزار میں ہے کہ انہوں نے کہا، ہم پتھروں سے صفائی کر

کے پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ لیکن اس روایت میں محمد بن عبدالعزیز کا زہری سے تفرد ہے اور ان سے بھی ان کے بیٹے کے سوا اور کوئی راوی نہیں۔ اس حدیث کو ان لفظوں سے میں نے یہاں صرف اس لئے وارد کیا ہے کہ فقہا میں یہ مشہور ہے لیکن محدثین کل کے کل اسے معروف نہیں بتاتے۔ خصوصاً متاخرین لوگ۔ واللہ اعلم۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ
مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ
جَهَنَّمَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۹ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ
بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱۰ ۱۴ ع ۱۱ ۲

کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے ڈر پر رکھی' بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر پڑنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی جو اسے جہنم کی آگ میں لے گری۔ اللہ تعالیٰ ناانصافوں کی رہبری نہیں فرماتا ○ ان کی بنائی ہوئی یہ عمارت تو ہمیشہ کیلئے ان کے دلوں میں شک وشبہ کا باعث ہی رہے گی ہاں یہ اور بات ہے کہ انکے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں' اللہ خوب جاننے والا اور کامل حکمتوں والا ہے ○

(آیت: ۱۰۹-۱۱۰) وہ کہ جس نے اللہ کے ڈر اور اللہ کی رضا کی طلب کے لئے بنیاد رکھی اور جس نے مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور پھوٹ ڈلوانے اور مخالفین اللہ ورسول کو پناہ دینے کے لئے بنیاد رکھی' یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ دوسری قسم کے لوگ تو اپنی بنیاد اس خندق کے کنارے پر رکھتے ہیں جس میں آگ بھری ہوئی ہو اور ہو بھی وہ بنیاد ایسی کمزور کہ آگ میں جھک رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک دن وہ آگ میں گر پڑے گی۔ ظالموں اور فسادیوں کے کام کبھی نیک نتیجہ نہیں ہوتے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد ضرار سے دھواں نکلتے دیکھا۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اس مسجد کو توڑا اور اس کی بنیادیں اکھیڑ پھینکیں' انہوں نے اس کے نیچے سے دھواں اٹھتا پایا۔ خلف بن یامین کہتے ہیں' میں نے منافقوں کی اس مسجد ضرار کو جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے' دیکھا ہے کہ اس کے ایک پتھر سے دھواں نکل رہا تھا۔ اب وہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ ان کے اس بدکرتوت کی وجہ سے ان کے دل میں نفاق جگہ پکڑ گیا ہے جو کبھی بھی ٹلنے والا نہیں۔ یہ شک وشبہ میں ہی رہیں گے جیسے کہ بنی اسرائیل کے وہ لوگ جنہوں نے بچھڑا پوجا تھا۔ ان کے دلوں میں بھی اس کی محبت گھر کر گئی تھی۔ ہاں جب ان کے دل پاش پاش ہو جائیں یعنی وہ خود مر جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال سے خبردار ہے۔ اور خیر وشر کا بدلہ دینے میں باحکمت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ
الْجَنَّةَ ۗ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ قف وَعْدًا عَلَيْهِ
حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ
مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے- وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' پھر مارتے ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں- یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے توراۃ میں اور انجیل میں اور قرآن میں بھی- اللہ سے زیادہ وعدے کا پورا کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے- پس تمہیں اس خرید وفروخت پر خوش ہو جانا چاہیے جو تم نے کی ہے- یہی ہے زبردست کامیابی ○

مجاہدین کے لیے استثنائی انعامات: ☆☆ (آیت:۱۱۱) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن بندے. جب راہ حق میں اپنے مال اور اپنی جانیں دیں' اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اپنے فضل وکرم اور لطف ورحم سے انہیں جنت عطا فرمائے گا- بندہ اپنی چیز جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہی ہے' اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کی اس اطاعت گذاری سے مالک الملک خوش ہو کر اس پر اپنا اور فضل کرتا ہے- سبحان اللہ کتنی زبردست اور گراں قیمت چیز پروردگار کیسی حقیر چیز پر دیتا ہے- دراصل ہر مسلمان اللہ سے یہ سودا کر چکا ہے- اسے اختیار ہے کہ وہ اسے پورا کرے یا یونہی اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے دنیا سے اٹھ جائے- اسی لئے مجاہدین جب جہاد کے لئے جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے بیوپار کیا- یعنی وہ خرید فروخت جسے وہ پہلے سے کر چکا تھا' اس نے پوری کی- حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے جو چاہیں شرط منوالیں- آپؐ نے فرمایا' میں اپنے رب کے لئے تم سے یہ شرط قبول کراتا ہوں کہ اسی کی عبادت کرنا- اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرنا- اور اپنے لئے تم سے اس بات کی پابندی کراتا ہوں کہ جس طرح اپنی جان ومال کی حفاظت کرتے ہو' میری بھی حفاظت کرنا- حضرت عبداللہ نے پوچھا جب ہم یونہی کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا جنت- یہ سنتے ہی خوشی سے کہنے لگے' واللہ اس سودے میں تو ہم بہت ہی نفع میں رہیں گے- بس اب پختہ بات ہے نہ ہم اسے توڑیں گے نہ توڑنے کی درخواست کریں گے- پس یہ آیت نازل ہوئی- یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں نہ اس کی پرواہ ہوتی ہے کہ ہم مارے جائیں گے نہ اللہ کے دشمنوں پر وار کرنے میں انہیں تامل ہوتا ہے- مرتے ہیں اور مارتے ہیں- ایسوں کے لئے یقیناً جنت واجب ہے-

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص راہ اللہ میں نکل کھڑا ہو' جہاد کے لئے' رسولوں کی سچائی مان کر' اسے یا تو فوت کر کے بہشت بریں میں اللہ تبارک وتعالیٰ لے جاتا ہے یا پورے پورے اجر اور بہترین غنیمت کے ساتھ واپس اسے لوٹاتا ہے- اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمے ضروری کر لی ہے اور اپنے رسولوں پر اپنی بہترین کتابوں میں نازل بھی فرمائی ہے- حضرت موسیٰ پر اتری ہوئی تورات میں حضرت عیسیٰؑ پر اتری ہوئی انجیل میں اور حضرت محمدؐ پر اترے ہوئے قرآن میں اللہ کا یہ وعدہ موجود ہے- صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین- اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا- اللہ سے زیادہ وعدوں کا پورا کرنے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا- نہ اس سے زیادہ سچائی کسی کی باتوں میں ہوتی ہے- جس نے اس خرید وفروخت کو پورا کیا' اس کے لئے خوشی ہے اور مبارکباد ہے- وہ کامیاب ہے- اور جنتوں کی ابدی نعمتوں کا مالک ہے-

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾

یہ لوگ توبہ کرنے والے عبادت گزار اللہ کی تعریفیں کرنے والے اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے رکوع سجدوں میں مشغول رہنے والے اچھے کاموں کا حکم کرنے والے بری باتوں سے روکنے والے اللہ تعالیٰ کی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں تو ان مسلمانوں کو بشارتیں سنا دے ○

مومنین کی صفات : ☆☆ (آیت:۱۱۲) جن مومنوں کا اوپر ذکر ہوا ہے، ان کی پاک اور بہترین صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں، برائیوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ اپنے رب کی عبادت پر جمے رہتے ہیں، ہر قسم کی عبادتوں کی حفاظت کرتے ہیں، قولی عبادت ہو یا فعلی، یہ بجا لاتے ہیں چونکہ قولی عبادتوں میں خاص طور پر قابل ذکر چیز اللہ کی حمد و ثنا ہے اس لئے وہ اس کی حمد بکثرت ادا کرتے ہیں۔ اور فعلی عبادتوں میں خصوصیت کے ساتھ افضل عبادت روزہ ہے۔ اس لئے وہ اسے بھی اچھائی سے رکھتے ہیں۔ کھانے کو پینے کو جماع کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہی مراد لفظ سائحون سے یہاں ہے۔ یہی وصف آنحضرت ﷺ کی بیویوں کا قرآن نے بیان فرمایا ہے اور یہی لفظ سائحات وہاں بھی ہے۔ رکوع و سجود کرتے رہتے ہیں یعنی نماز کے پابند ہیں۔ ان اللہ کی عبادتوں کے ساتھ ہی ساتھ مخلوق کے نفع سے بھی غافل نہیں۔ اللہ کی اطاعت کا ہر ایک کو حکم کرتے ہیں۔ برائیوں سے روکتے رہتے ہیں۔ خود علم حاصل کر کے بھلائی برائی میں تمیز کر کے احکام الٰہی کی حفاظت کر کے پھر اوروں کو بھی اس کی رغبت دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی عبادت اور اس کی مخلوق کی حفاظت دونوں زیر نظر رہتے ہیں۔ یہی باتیں ایمان کی ہیں اور یہی اوصاف مومنوں کے ہیں۔ انہیں خوش خبریاں ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ سیاحت سے مراد روزہ لیتے ہیں۔ اسی طرح ابن عباسؓ بھی بلکہ آپؐ سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے، وہاں یہی مطلب ہے۔ ضحاکؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس امت کی سیاحت روزہ ہے۔ مجاہد، سعید، عطا، عبدالرحمٰن، ضحاک، سفیان وغیرہ کہتے ہیں کہ مراد سَآئِحُوْنَ سے صائمون ہے۔ یعنی جو روزے رمضان کے رکھیں۔ ابو عمرو کہتے ہیں، روزہ پر دوام کرنے والے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ مراد سَّآئِحُوْنَ سے روزے دار ہیں لیکن اس حدیث کا موقوف ہونا ہی زیادہ صحیح ہے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس لفظ کا مطلب پوچھا گیا تو آپؐ نے یہی فرمایا۔ تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور تو یہی قول ہے اور ایسی دلیلیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مراد سیاحت سے اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ مجھے سیاحت کی اجازت دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں سیاحت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بدلے اپنی راہ کا جہاد اور ہر اونچائی پر اللہ اکبر کہنا عطا فرمایا ہے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں، مراد اس سے علم دین کے طالب علم ہیں۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں، اللہ کی راہ کے مہاجر ہیں۔ بعض لوگ صوفیہ طبقہ کے جو اس سے مراد لیتے ہیں کہ زمین کی سیر کرنی، سفر میں رہنا، ادھر ادھر جانا آنا، پہاڑوں دروں، جنگلوں اور بنوں میں پھرنا، اس کا نام سیاحت ہے۔ یہ محض غلط فہمی ہے یہ سیاحت مشروع نہیں۔ ہاں خدانخواستہ اگر بستی میں رہنے سے دین میں کوئی فتنہ پڑنے کا اندیشہ ہو تو اور بات ہے۔ جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، قریب ہے کہ مومن کا سب سے بہتر مال بکریاں بن جائیں جن کے پیچھے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں میں پڑا رہے۔ اپنے دین کو لے کر فتنوں سے بھاگتا اور بچتا رہے۔ اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے یعنی بقول ابن عباس اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے والے۔ بقول حسن بصری فرائض کی پابندی کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بجا لانے والے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا
اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾
وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ
اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ
حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

نبی کو اور ایمان داروں کو یہ لائق ہی نہیں کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں؟ اس کے بعد کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں ○ ابراہیم کا اپنے والد کے لئے استغفار تو صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو وہ اس سے کر چکا تھا' پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ دشمن رب ہے تو وہ اسی وقت اس سے بیزار ہو گیا' ابراہیم تو بڑا ہی نرم دل' بردبار تھا ○

مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی نبی اکرم ﷺ کو ممانعت: ☆☆ (آیت: ۱۱۳-۱۱۴) مسند احمد میں ہے کہ ابوطالب کی موت کے وقت اس کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے۔ وہاں اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ آپؐ نے فرمایا' چچا لا الہ الا اللہ کہہ لے۔ اس کلمے کی وجہ سے اللہ عزوجل کے ہاں میں تیری سفارش تو کر سکوں۔ یہ سن کر ان دونوں نے کہا کہ اے ابوطالب کیا تو عبدالمطلب کے دین سے پھر جائے گا؟ اس پر اس نے کہا کہ میں تو عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' خیر میں جب تک منع نہ کر دیا جاؤں تیرے لئے بخشش مانگتا رہوں گا۔ لیکن آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اتری۔ یعنی نبی کو اور مومنوں کو لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔ ان پر تو یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ مشرک جہنمی ہیں۔ اسی بارے میں آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ الخ بھی اتری ہے۔ یعنی تو جسے محبت کرے' اسے راہ نہیں دکھا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے راہ دکھاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی زبانی اپنے مشرک ماں باپ کے لئے استغفار سن کر اس سے کہا کہ تو مشرکوں کے لئے استغفار کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے استغفار نہیں کیا؟ فرماتے ہیں' میں نے جا کر یہ ذکر نبی ﷺ سے کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ کہا جب کہ وہ مر گیا پھر میں نہیں جانتا یہ قول مجاہد کا ہے۔ مسند احمد میں ہے' ہم تقریباً ایک ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپؐ منزل پر اترے۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے بیٹھے۔ اس وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر تاب نہ لا سکے۔ اٹھ کر عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا' بات یہ ہے کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہ ملی۔ اس پر میری آنکھیں بھر آئیں کہ میری ماں ہے اور جہنم کی آگ ہے۔ اچھا اور سنو' میں نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا۔ اب وہ ممانعت ہٹ گئی ہے۔ زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم کرو کیونکہ اس سے تمہیں بھلائی یاد آئے گی۔ میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو روکنے سے منع فرمایا تھا۔ اب تم کھاؤ اور جس طرح چاہو روک رکھو۔ اور میں نے تمہیں بعض خاص برتنوں میں پینے کو منع فرمایا تھا لیکن اب تم جس برتن میں چاہو پی سکتے ہو۔ لیکن خبردار نشے والی چیز ہرگز نہ پینا۔

ابن جریر میں ہے کہ مکہ شریف آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ایک نشان قبر کے پاس بیٹھ گئے اور کچھ دیر خطاب کر کے آپ کھڑے

ہوئے۔ ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیا بات تھی؟ آپؐ نے فرمایا' میں نے اپنے پروردگار سے اپنی ماں کی قبر کے دیکھنے کی اجازت مانگی۔ وہ تو مل گئی لیکن اس کے لئے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو نہ ملی۔ اب جو آپؐ نے رونا شروع کیا تو ہم نے تو آپؐ کو کبھی ایسا اور اتنا روتے نہیں دیکھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ قبرستان کی طرف نکلے۔ ہم بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ وہاں آ کر آپؐ ایک قبر کے پاس بیٹھ کر دیر تک مناجات میں مشغول رہے۔ پھر رونے لگے۔ ہم بھی خوب روئے۔ پھر کھڑے ہوئے تو ہم سب بھی کھڑے ہو گئے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو اور ہمیں بلا کر فرمایا کہ تم کیسے روئے؟ ہم نے کہا کہ آپ کو روتا دیکھ کر۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ قبر میری ماں آمنہ کی تھی۔ میں نے اسے دیکھنے کی اجازت چاہی تھی جو مجھے ملی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ دعا کی اجازت نہ ملی اور آیت ماکان الخ' اتری پس جو ماں کی محبت میں صدمہ ہونا چاہئے' مجھے ہوا۔ دیکھو میں نے زیارت قبر کی تمہیں ممانعت کی تھی لیکن اب میں رخصت دیتا ہوں۔ کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی ہے۔

طبرانی میں ہے کہ غزوۂ تبوک کی واپسی میں عمرے کے وقت ثنیۃ عسفان سے اترتے ہوئے آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا' تم عقبہ میں ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔ وہاں سے اتر کر آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دیر تک مناجات کرتے رہے۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ آپ کے رونے سے سب لوگ رونے لگے اور یہ سمجھے کہ آپؐ کی امت کے بارے میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی جس سے آپ اس قدر رو رہے ہیں۔ انہیں روتا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ واپس پلٹے اور دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا' آپؐ کو روتا دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ شاید آپؐ کی امت کے بارے میں کوئی ایسا نیا حکم اترا جو طاقت سے باہر ہے۔ آپؐ نے فرمایا' سنو بات یہ ہے کہ یہاں میری ماں کی قبر ہے۔ میں نے اپنے پروردگار سے قیامت کے دن اپنی ماں کی شفاعت کی اجازت طلب کی لیکن اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمائی تو میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا۔ جبرئیل آئے اور مجھ سے فرمایا' ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے صرف ایک وعدے سے تھا جس کا وعدہ ہو چکا تھا لیکن جب اس پر کھل گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ فوراً بے زار ہو گیا۔ پس آپؐ بھی اپنی ماں سے اسی طرح بیزار ہو جایئے جس طرح حضرت ابراہیم اپنے باپ سے بیزار ہو گئے۔ پس مجھے اپنی ماں پر رحم اور ترس آیا۔

پھر میں نے دعا کی کہ میری امت پر سے چار سختیاں دور کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو تو دور فرما دیں لیکن دو کے دور فرمانے سے انکار فرما دیا (۱) آسمان سے پتھر برسا کر ان کی ہلاکت (۲) زمین میں انہیں دھنسا کر ان کی ہلاکت (۳) ان میں پھوٹ اور اختلاف کا پڑنا (۴) ان میں ایک کو ایک سے ایذائیں پہنچنا۔ ان چاروں چیزوں سے بچاؤ کی میری دعا تھی۔ دو پہلی چیزیں تو مجھے عنایت ہو گئیں۔ میری امت آسمانی پتھراؤ سے اور زمین میں دھنسائے جانے سے تو بچا دی گئی۔ ہاں آپس کا اختلاف' آپس کی سر پھٹول' یہ نہیں اٹھی۔ آپؐ کی والدہ کی قبر ایک ٹیلے تلے تھی۔ اس لئے آپؐ راستے سے گھوم کر وہاں گئے تھے۔ یہ روایت غریب ہے اور سیاق عجیب ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ غریب اور منکر وہ روایت ہے جو امام خطیب بغدادی نے اپنی کتاب بنام سابق لاحق میں مجہول سند سے وارد کی ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی والدہ کو زندہ کر دیا۔ وہ ایمان لائیں۔ پھر مر گئیں۔ اسی طرح کی سہیلی کی ایک روایت ہے جس میں ایک نہیں کئی ایک راوی مجہول ہیں۔ اس میں ہے کہ آپؐ کے ماں باپ دونوں دوبارہ زندہ ہوئے۔ پھر ایمان لائے۔ ابن دحیہ نے اسی روایت پر نظریں جما کر کہا ہے کہ یہ نئی زندگی اسی طرح کی ہے جس طرح مروی ہے کہ سورج ڈوب جانے کے بعد واپس لوٹا اور حضرت علیؓ نے نماز عصر ادا کی۔ طحاوی تو کہتے ہیں کہ سورج والی یہ روایت ثابت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں' ان کی دوبارہ کی زندگی شرعاً یا عقلاً ممتنع نہیں۔ کہتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ آپؐ کے چچا ابو طالب کو بھی اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور وہ آپؐ پر ایمان لایا۔ میں کہتا ہوں اگر صحیح روایت سے یہ روایتیں ثابت ہوں تو بے شک مانع کوئی نہیں (لیکن تینوں روایتیں محض گپ ہیں) واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' آپؐ نے ارادہ کیا کہ اپنی ماں کے لئے استغفار کریں۔ اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا- تو آپؐ نے حضرت ابراہیم کے استغفار کو پیش کیا- اس کا جواب آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الخ، میں مل گیا- فرماتے ہیں، اس آیت سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کیا جاتا تھا- اب ممنوع ہو گیا- ہاں زندوں کے لئے جائز رہا- لوگوں نے آ کر حضور سے کہا کہ ہمارے بڑوں میں ایسے بھی تھے جو پڑوس کا اکرام کرتے تھے- صلہ رحمی کرتے تھے- غلام آزاد کرتے تھے- ذمہ داری کا خیال رکھتے تھے- تو کیا ہم ان کے لئے استغفار نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا، کیوں نہیں، میں بھی اپنے والد کے لئے استغفار کرتا ہوں جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے والد کے لئے کرتے تھے- اس پر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الخ، سے الْجَحِيمِ تک نازل ہوئی- پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذر بیان ہوا اور فرمایا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الخ، مذکور ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے چند باتیں وحی کی ہیں جو میرے کانوں میں گونج رہی ہیں اور میرے دل میں جگہ پکڑے ہوئے ہیں- مجھے حکم فرمایا گیا کہ میں کسی ایسے شخص کے لئے استغفار نہ کروں جو شرک پر مرا ہو اور یہ کہ جو شخص اپنا فالتو مال دے دے، اس کے لئے یہی افضل ہے اور جو روک رکھے، اس کے لئے برائی ہے- ہاں برابر سرابر حسب ضرورت پر اللہ کے ہاں ملامت نہیں- ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ایک یہودی مر گیا جس کا ایک لڑکا تھا لیکن وہ مسلمان تھا- اس لئے اپنے باپ کے جنازے میں وہ شریک نہ ہوا- جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمانے لگے، اسے جنازے میں جانا چاہئے تھا اور دفن میں بھی موجود رہنا چاہئے تھے اور باپ کی زندگی تک اس کے لئے ہدایتکی دعا کرنی چاہئے تھی- ہاں موت کے بعد اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیتا- پھر آپ نے آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الخ، تلاوت فرمائی کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ طریقہ نہیں چھوڑا- اس کی صحت کی گواہ ابو داؤد وغیرہ کی یہ روایت بھی ہو سکتی ہے کہ ابو طالب کی موت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آ کر کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ آپؐ کے بوڑھے چچا گمراہ مر گئے ہیں- آپؐ نے فرمایا جاؤ انہیں دفنا کر سیدھے میرے پاس آؤ- مروی ہے کہ جب ابو طالب کا جنازہ حضورؐ کے پاس سے گزرا تو آپؐ نے فرمایا، میں تو تجھ سے صلہ رحمی کا رشتہ نبھا چکا-

حضرت عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں میں تو قبلے کی طرف منہ کرنے والوں میں سے کسی کے جنازے کی نماز نہ چھوڑوں گا- گو وہ کوئی حبشن زنا سے حاملہ ہی ہو- اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر ہی نماز و دعا حرام کی ہے اور فرمایا ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الخ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سنا کہ وہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو ابو ہریرہؓ اور اس کی ماں کے لئے استغفار کرے- تو اس نے کہا، باپ کے لئے بھی- آپؓ نے فرمایا- نہیں اس لئے کہ میرا باپ شرک پر مرا ہے- آیت میں فرمان الٰہی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر اپنے باپ کا دشمن ہونا کھل گیا یعنی وہ کفر ہی پر مر گیا، مروی ہے کہ قیامت کے دن جب حضرت ابراہیمؑ سے ان کا باپ ملے گا، نہایت سراسیمگی، پریشانی کی حالت میں، چہرہ غبار آلود اور کالا پڑا ہوا ہو گا، کہے گا کہ ابراہیمؑ آج میں تیری نافرمانی نہ کروں گا- حضرت ابراہیمؑ جناب باری میں عرض کریں گے کہ میرے رب تو نے مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے- اور میرا باپ تیری رحمت سے دور ہو کر عذابوں میں مبتلا ہو- یہ بہت بڑی رسوائی ہے- اس پر فرمایا جائے گا کہ اپنی پیٹھ پیچھے دیکھو- دیکھیں گے کہ ایک بجو کیچڑ میں لتھڑا ہوا کھڑا ہے- یعنی آپؐ کے والد کی صورت مسخ ہو گئی ہو گی اور اس کے پاؤں پکڑ کر گھسیٹ کر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا-

فرماتا ہے کہ ابراہیم بڑا ہی دعا کرنے والا تھا- حضورؐ سے اواہ کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا رونے دھونے والا، اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرنے والا- ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، بہت ہی رحم کرنے والا- مخلوق اللہ کے ساتھ نرمی اور سلوک اور مہربانی کرنے والا- ابن عباسؓ کا قول ہے، پورے یقین والا- سچے ایمان والا- توبہ کرنے والا- حبشی زبان میں اواہ مومن اور موقن یقین و ایمان والے کو کہتے ہیں- ذوالنجادین نامی ایک صحابی کو اس بنا پر کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تو وہ اسی وقت دعا کے ساتھ آواز

اٹھاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اواہ فرمایا۔ (مسند احمد) اواہ سے مراد تسبیح پڑھنے والا، ضحیٰ کی نماز پڑھنے والا، اپنے گناہوں کی یاد آنے پر استغفار کرنے والا۔ اللہ کے دین کی حفاظت کرنے والا، رب سے ڈرنے والا، پوشیدہ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے والا بھی مروی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا۔ کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکثرت یاد کرتا ہے اور اللہ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ اواہ ہے۔ (ابن جریرؒ) اسی ابن جریرؒ میں ہے کہ حضورؐ نے ایک میت کو دفن کر کے فرمایا، یقیناً تو اواہ یعنی بکثرت تلاوت کلام اللہ شریف کرنے والا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے اپنی دعا میں اوہ اوہ کر رہا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد حضورؐ اس کے دفن میں شامل تھے چونکہ رات کا وقت تھا۔ اس لئے آپؐ کے ساتھ چراغ بھی تھا۔ (ابن جریر) یہ روایت غریب ہے۔ کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے سامنے جہنم کا ذکر ہوتا تھا تو آپ اس سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اواہ یعنی فقیہ۔ امام ابن جریرؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ سب سے بہتر قول ان تمام اقوال میں یہ ہے کہ مراد اس لفظ سے بکثرت دعا کرنے والا ہے۔ الفاظ کے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے استغفار کیا کرتے تھے اور تھے بھی بکثرت دعا مانگنے والے۔ بردبار بھی تھے۔ جو آپ پر ظلم کرے، آپ سے برا پیش آئے، آپ تحمل کر جایا کرتے تھے۔ باپ نے آپ کو ایذا دی، صاف کہہ دیا تھا کہ تو میرے معبودوں سے منہ پھیر رہا ہے۔ تو اگر اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالوں گا۔ وغیرہ لیکن پھر بھی آپ نے اس کے لئے استغفار کرنے کا وعدہ کر لیا۔ پس اللہ فرماتا ہے کہ ابراہیم اواہ اور حلیم تھے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا
يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ
وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی قوم کو راہ پر لا چکا پھر ایسا نہیں کہ انہیں گمراہ کر دے جب تک کہ ان کے لئے ان چیزوں کو کھول نہ دے جن سے انہیں بچنا چاہئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے ○ اللہ ہی کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ○

معصیت کا تسلسل گمراہی کا بیج ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱۵-۱۱۶) اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ کریم وعادل اللہ کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد حجت پوری کیے بغیر گمراہ نہیں کرتا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ ثمودیوں کو ہم نے ہدایت دی لیکن انہوں نے بینائی کے باوجود اندھے پن کو ترجیح دی۔ اوپر کی آیت کی مناسبت کی وجہ سے مشرکوں کے لئے استغفار نہ کرنے کے بارے میں خاص طور پر اور اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت کے چھوڑنے اور ہر طاعت کے بجا لانے میں عام طور پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے بیان فرما چکا ہے۔ اب جو چاہے کرے، جو چاہے چھوڑے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ مومنوں کو مشرک مردوں کے استغفار سے روکے بغیر ہی ان کے اس استغفار کی وجہ سے انہیں اپنے نزدیک گمراہ بنا دے۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ انہیں ایمان کی راہ پر لا چکا ہے۔ پس پہلے اپنی کتاب کے ذریعے انہیں اس سے روک رہا ہے۔ اب جو مان گیا اور اللہ کی ممانعت کے کام سے رک گیا، اس پر اس سے پہلے کیے ہوئے کام کی وجہ سے گمراہی لازم نہیں ہو جاتی۔ اس لئے کہ طاعت ومعصیت، حکم وممانعت کے بعد ہوتی ہے۔ اس سے پہلے مطیع اور عاصی ظاہر نہیں ہوتا۔ پہلے ہی ان چیزوں کو وہ

ظاہر فرما دیتا ہے جس سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ پورا باخبر اور سب سے بڑھ کر علم والا ہے۔ پھر مومنوں کو مشرکین سے اور ان کے ذی اختیار بادشاہوں سے جہاد کی رغبت دلاتا ہے۔ اور انہیں اپنی مدد پر بھروسہ کرنے کو فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک میں ہی ہوں۔ تم میرے دشمنوں سے مرعوب مت ہونا۔ کون ہے جو ان کا حمایتی بن سکے؟ اور کون ہے جو ان کی مدد پر میرے مقابلے میں آ سکے؟ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے مجمع میں بیٹھے ہوئے فرمانے لگے، کیا جو میں سنتا ہوں، تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے کان میں تو کوئی آواز نہیں آ رہی۔ آپؐ نے فرمایا، میں آسمانوں کا چرچرانا سن رہا ہوں اور حقیقت میں اس کا چرچرانا ٹھیک بھی ہے۔ ان میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں اور قیام میں نہ ہو۔ کعب احبارؒ فرماتے ہیں، ساری زمین میں سوئی کے ناکے برابر کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو جو یہاں کا علم اللہ کی طرف نہ پہنچاتا ہو۔ آسمان کے فرشتوں کی گنتی زمین کے سنگریزوں سے بھی زیادہ ہے۔ عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کے ٹخنے اور پنڈلی کے درمیان کا فاصلہ ایک سو سال کا ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ
فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہو گیا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو مشکل کی گھڑی میں نبی کی پیروی میں لگے رہے، اسکے بعد کہ قریب تھا کہ ان کی ایک جماعت کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر بھی اللہ ان پر مہربان ہو گیا، بے شک وہ ان کے اوپر شفقت و مہربانی کرنے والا ہے ○

تپتے صحرا کی پیاس اور مجاہدین سرگرم سفر: ☆☆ (آیت:۱۱۷) مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنگ تبوک کے بارے میں اتری ہے۔ اس جنگ میں جانے کے وقت سال بھی قحط کا تھا، گرمیوں کا موسم تھا، کھانے پینے کی کمی تھی، راستوں میں پانی نہ تھا۔ شام کے ملک تک کا دور دراز کا سفر تھا۔ سامان رسد کی اتنی کمی تھی کہ دو دو آدمیوں میں ایک ایک کھجور بٹتی تھی۔ پھر تو یہ ہو گیا تھا کہ ایک کھجور ایک جماعت کو ملتی۔ یہ چوس کر اسے دیتا۔ وہ اور کو اور ایک ایک چوس کر پانی پی لیتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ان پر لازم کر دی اور انہیں واپس لایا۔ حضرت عمرؓ سے جب اس سختی کا سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا، سخت گرمیوں کے زمانے میں ہم نکلنے کو تھے، ایک منزل میں تو پیاس کے مارے ہماری گردنیں ٹوٹنے لگیں یہاں تک کہ لوگ اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی نچوڑ کر اس پانی کو پیتے اور پھر اسے اپنے کلیجے سے لگا لیتے۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو ہمیشہ ہی قبول فرمایا ہے۔ اب بھی دعا کیجئے کہ اللہ قبول فرمائے۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کی، اسی وقت آسمان پر ابر چھا گیا اور برسنے لگا اور خوب برسا جس کے پاس جتنے برتن تھے، سب بھر لئے۔ اور بارش رک گئی، اب جو ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے لشکر کے احاطے سے باہر ایک قطرہ بھی کہیں نہیں برسا تھا۔ پس اس جہاد میں جنہوں نے روپے پیسے سے، سواری سے، خوراک سے، سامان رسد اور ہتھیار سے پانی وغیرہ سے غرض کسی طرح بھی مومنوں کی مدد کی تھی، ان کی فضیلت و برتری بیان ہو رہی ہے۔ یہی وہ وقت تھا کہ بعض کے دل پھر جانے کے قریب ہو گئے تھے۔ مشقت، شدت اور بھوک پیاس نے دلوں کو ہلا دیا تھا، مسلمان جھنجوڑ دیئے گئے تھے لیکن رب نے انہیں سنبھال لیا اور اپنی طرف جھکا لیا اور ثابت قدمی عطا فرما کر خود بھی ان پر مہربان ہو گیا، اللہ تعالیٰ جیسی رافت و رحمت اور کس کی ہے؟ وہ ان پر خوب ہی رحمت و کرم رکھتا ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا
رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ
اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا ع
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ان تینوں پر بھی جو پیچھے رکھ دیئے گئے تھے' یہاں تک کہ یہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے ان پر تنگ آ گئی اور خود وہ اپنی جانوں سے بھی تنگ آ گئے اور باور کر لیا کہ اللہ کی گرفت سے بجز اسی کی طرف رجوع کرنے کے اور کوئی جائے پناہ نہیں- پس اللہ نے ان کی طرف مہربانی سے توجہ فرمائی کہ وہ رجوع ہوتے رہیں- یقیناً اللہ تعالیٰ توجہ فرمانیوالا رحم کرنے کو والا ہے ○ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور سچوں کے ساتھی بن جاؤ ○

جنگ تبوک میں عدم شمولیت سے پشیمان : ☆☆ (آیت:۱۱۸-۱۱۹) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ جو آپ کے نابینا ہو جانے کے بعد آپ کا ہاتھ تھام کر لے جایا لے آیا کرتے تھے- کہتے ہیں کہ جنگ تبوک کے موقع پر میرے والد کے رہ جانے کا واقعہ خود ان کی زبانی یہ ہے کہ فرماتے ہیں' میں اس کے سوا کسی اور غزوے میں پیچھے نہیں رہا- ہاں غزوہ بدر کا ذکر نہیں- اس میں جو لوگ شامل نہیں ہوئے تھے' ان پر کوئی سرزنش نہیں ہوئی- رسول اللہ ﷺ تو قافلے کے ارادے سے چلے تھے لیکن وہاں اللہ کی مرضی سے قریش کے جنگی مرکز سے لڑائی ٹھہر گئی- تو چونکہ یہ لڑائی بے خبری میں ہوئی' اس لئے میں اس میں حاضر نہ ہو سکا' اس کی بجائے الحمدللہ میں لیلتہ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جب کہ ہم نے اسلام پر موافقت کی تھی- اور میرے نزدیک تو یہ چیز بدر سے بھی زیادہ محبوب ہے- گو بدر کی شہرت لوگوں میں بہت زیادہ ہے- اچھا اب غزوہ تبوک کی غیر حاضری کا واقعہ سنئے- اس وقت مجھے جو آسانی اور قوت تھی' وہ اس سے پہلے کبھی میسر نہ آئی تھی- اس وقت میرے پاس دو دو اونٹنیاں تھیں- حضورؐ جس غزوے میں جاتے تو یہ کرتے یعنی ایسے الفاظ کہتے کہ لوگ صاف مطلب نہ سمجھیں- لیکن چونکہ اس وقت موسم سخت گرم تھا' سفر بہت دور دراز کا تھا' دشمن بڑی تعداد میں تھا' پس آپ نے مسلمانوں کے سامنے اپنا مقصد صاف صاف واضح کر دیا کہ وہ پوری پوری تیاری کر لیں- آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بھی اتنی زیادہ تھی کہ رجسٹر میں ان کے نام نہ آ سکے-

پس کوئی باز پرس نہ تھی- جو بھی چاہتا کہ میں رک جاؤں' وہ رک سکتا تھا اور آنحضرتؐ پر اس کا رکنا مخفی رہ سکتا تھا- ہاں اللہ کی وحی آ جائے یہ تو بات ہی اور ہے- اس لڑائی کے سفر کے وقت پھل پکے ہوئے تھے- سائے بڑھے ہوئے تھے- مسلمان صحابہؓ اور خود حضورؐ تیاریوں میں تھے- میری یہ حالت تھی کہ صبح نکلتا تھا کہ سامان تیار کر لوں لیکن ادھر ادھر شام ہو جاتی اور میں خالی ہاتھ گھر لوٹ جاتا- اور کہتا کوئی بات نہیں- روپیہ ہاتھ تلے ہے- کل خرید لوں گا اور تیاری کر لوں گا- یہاں تک کہ یونہی صبح شام صبح شام آج کل آج کل کرتے کوچ کا دن آ گیا اور لشکر اسلام بجانب تبوک چل پڑا- میں نے کہا کوئی بات نہیں ایک دو دن میں میں بھی پہنچتا ہوں- یونہی یوں آج کا کام کل پر ڈالا اور کل کا پرسوں پر یہاں تک کہ لشکر دور جا پہنچا- گرے پڑے لوگ بھی چل دیئے- میں نے کہا خیر دور ہو گئے اور کئی دن ہو گئے تو کیا ہوا- میں تیز چل کر جا ملوں گا لیکن افسوس کہ یہ بھی مجھ سے نہ ہو سکا- ارادوں ہی ارادوں میں رہ گیا- اب تو یہ حالت تھی کہ میں بازاروں میں نکلتا تو مجھے سوائے منافقوں اور بیمار' لولے ﷺ' لنگڑے' اندھے مریضوں اور معذور لوگوں کے اور کوئی نظر نہ آتا-

رسول اللہ ﷺ نے تبوک پہنچ کر مجھے یاد فرمایا کہ کعب بن مالک نے کیا کیا؟ اس پر بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا' اسے تو اچھے کپڑوں اور جسم کی راحت رسانی نے روک رکھا ہے- یہ سن کر حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا' آپ یہ درست نہیں فرما رہے- یا رسول اللہ ہمارا خیال تو کعبؓ کی نسبت بہتر ہی ہے- حضورؐ خاموش ہو رہے- جب مجھے معلوم ہوا کہ اب آپ لوٹ رہے ہیں تو میرا جی بہت ہی گھبرایا- اور میں حیلے بہانے سوچنے لگا کہ یوں یوں بہانہ بنا کر حضورؐ کے غصے سے نکل جاؤں گا- اپنے والوں سے بھی رائے ملا لوں گا- یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ مدینے شریف کے قریب آ گئے تو میرے دل سے باطل اور جھوٹ بالکل الگ ہو گیا- اور میں نے سمجھ لیا کہ جھوٹے حیلے مجھے نجات نہیں دلوا سکے- سچ ہی کا آخر بول بالا رہتا ہے- پس میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جھوٹ بالکل نہیں بولوں گا- صاف صاف سچ سچ بات کہہ دوں گا- آپ خیر سے تشریف لائے اور حسب عادت پہلے مسجد میں آئے- دو رکعت نماز ادا کی اور وہیں بیٹھے- اسی وقت اس جہاد میں شرکت نہ کرنے والے آنے لگے اور عذر معذرت حیلے بہانے کرنے لگے- یہ لوگ اسی (۸۰) سے کچھ اوپر اوپر تھے- آپؐ ان کی باتیں سنتے اور اندرونی حالت سپرد اللہ کر کے ظاہری باتوں کو قبول فرما کر ان کے لئے استغفار کرتے- میں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا- آپؐ نے غصے کے ساتھ تبسم فرمایا اور مجھے اپنے پاس بلایا- میں قریب آن کر بیٹھ گیا- آپؐ نے فرمایا' تم کیسے رک گئے؟ تم نے تو سواری بھی خرید لی تھی- میں نے کہا- یا رسول اللہؐ اگر آپ کے سوا کسی اور کے پاس میں بیٹھا ہوا ہوتا تو بیسیوں باتیں بنا لیتا- بولنے میں اور باتیں بنانے میں میں کسی سے پیچھے نہیں ہوں- لیکن میں جانتا ہوں کہ آج اگر جھوٹ سچ ملا کر آپؐ کے غصے سے میں آزاد ہو گیا تو ممکن ہے کل اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے مطلع فرما کر پھر مجھ سے ناراض کر دے- اور آج میرے سچ کی بنا پر اگر آپ مجھ سے بگڑے تو ہو سکتا ہے کہ میری سچائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے پھر خوش کر دے- حضورؐ سچ تو یہ ہے کہ واللہ مجھے کوئی عذر نہ تھا- مجھے اس وقت جو آسانی اور فرصت تھی' اتنی تو کبھی اس سے پہلے میسر بھی نہیں ہوئی- آپؐ نے فرمایا' ہے تو یہ سچا- اچھا تم جاؤ- اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں جو فیصلہ کرے گا' وہی ہو گا- میں کھڑا ہو گیا- بنو سلمہ کے چند شخص بھی میرے ساتھ ہی اٹھے اور ساتھ ہی چلے اور مجھ سے کہنے لگے' اس سے پہلے تو تم سے کبھی کوئی اس قسم کی خطا نہیں ہوئی- لیکن تعجب ہے کہ تم نے کوئی عذر معذرت پیش نہیں کی جیسے کہ اوروں نے کی- پھر آنحضرت ﷺ تمہارے لئے استغفار کرتے تو تمہیں تو یہ کافی تھا-

الغرض کچھ اس بے طرح یہ لوگ میرے پیچھے پڑے کہ مجھے خیال آنے لگا کہ پھر واپس جاؤں اور حضورؐ کے سامنے اپنی پہلی بات کو جھٹلا کر کوئی حیلہ غلط سلط میں بھی پیش کر دوں- پھر میں نے پوچھا کیوں جی' کوئی اور بھی میرے جیسا اس معاملے میں اور ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو شخص اور ہیں اور انہیں بھی وہی جواب ملا ہے جو تمہیں ملا ہے- میں نے کہا وہ کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ واقفی- ان دونوں صالح اور نیک بدری صحابیوں کا نام جب میں نے سنا تو مجھے پورا اطمینان ہو گیا اور میں گھر چلا گیا- آنحضرت ﷺ نے ہم تینوں سے کلام کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا تھا- لوگ ہم سے الگ ہو گئے' کوئی ہم سے بولتا چالتا نہ تھا یہاں تک کہ مجھے تو اپنا وطن پردیس معلوم ہونے لگا کہ گویا میں یہاں کی کسی چیز سے واقف ہی نہیں ہوں- پچاس راتیں ہم پر اسی طرح گزر گئیں- وہ دونوں بدری بزرگ تو تھک ہار کر اپنے اپنے مکانوں میں بیٹھ رہے- باہر اندر آنا جانا بھی انہوں نے چھوڑ دیا- میں ذرا زیادہ آنے جانے والا اور تیز طبیعت والا تھا- نہ میں نے مسجد جانا چھوڑا نہ بازاروں میں جانا آنا ترک کیا- ہاں مجھ سے کوئی بولتا نہ تھا- نماز کے بعد جب کہ حضور ﷺ مسجد میں لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما ہوتے تو میں آتا اور سلام کرتا اور اپنے جی میں کہتا کہ میرے سلام کے جواب میں آپؐ

کے ہونٹ ہلے بھی یا نہیں؟ پھر آپؐ کے قریب ہی کہیں بیٹھ جاتا اور کنکھیوں سے آپؐ کو دیکھتا رہتا۔ جب میں نماز میں ہوتا تو آپؐ کی نگاہ مجھ پر پڑتی لیکن جہاں میں آپ کی طرف التفات کرتا' آپؐ میری طرف سے منہ موڑ لیتے۔ آخر اس ترک کلامی کی طویل مدت نے مجھے پریشان کر دیا۔

ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے باغ کی دیوار سے کود کر ان کے پاس گیا۔ مجھے ان سے بہت ہی محبت تھی۔ میں نے سلام کیا لیکن واللہ انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا ابو قتادہ تجھے اللہ کی قسم' کیا تو نہیں جانتا کہ میں اللہ رسول سے محبت رکھتا ہوں؟ اس نے پھر خاموشی اختیار کی۔ میں نے دوبارہ انہیں قسم دی اور پوچھا۔ وہ پھر بھی خاموش رہے میں نے سہ بارہ انہیں قسم دے کر یہی سوال کیا۔ اس کے جواب میں بھی وہ خاموش رہے اور فرمایا' اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ اب تو میں اپنے دل کو نہ روک سکا۔ میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور بہت ہی غمگین ہو کر میں پھر دیوار پر چڑھ کر باہر نکل گیا۔ میں بازار میں جا رہا تھا کہ میں نے شام کے ایک قبطی کو جو مدینے میں غلہ بیچنے آیا تھا' یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ کوئی مجھے کعب بن مالکؓ کا پتہ بتا دے۔ لوگوں نے اسے میری طرف اشارہ کر کے بتا دیا' وہ میرے پاس آیا اور مجھے شاہ غسان کا خط دیا۔ میں لکھا پڑھا تو تھا ہی۔ میں نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا' ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سردار نے تم پر ظلم کیا ہے۔ تم کوئی ایسے گرے پڑے آدمی نہیں ہو۔ تم یہاں دربار میں چلے آؤ۔ ہم ہر طرح کی خدمت گزاریوں کے لئے تیار ہیں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ ایک اور مصیبت اور منجانب اللہ آزمائش ہے۔ میں نے تو جا کر چولھے میں اس رقعے کو جلا دیا۔ چالیس راتیں جب گزر چکیں تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آ رہا ہے۔ اس نے آ کر آپؐ کا پیغام پہنچایا کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ رہو۔ میں نے پوچھا یعنی کیا طلاق دے دوں؟ یا کیا کروں؟ اس نے کہا نہیں۔ طلاق نہ دو لیکن ان سے ملو جلو نہیں۔ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی یہی پیغام پہنچا۔ میں نے تو اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ نہ کر دے۔ ہاں حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی نے آن کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میرے خاوند بہت بوڑھے ہیں۔ کمزور بھی ہیں اور گھر میں کوئی خادم بھی نہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کا کام کاج کر دیا کروں۔

آپؐ نے فرمایا' اس میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ تم سے ملیں نہیں۔ انہوں نے کہا واللہ ان میں تو حرکت کی قوت ہی نہیں اور جب سے یہ بات پیدا ہوئی ہے تب سے لے کر آج تک ان کے آنسو تھمے ہی نہیں۔ مجھ سے بھی میرے بعض دوستوں نے کہا کہ تم بھی اتنی اجازت تو حاصل کر لو جتنی حضرت ہلالؓ کے لئے ملی ہے۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ میں اس بارے میں حضورؐ سے کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ اللہ جانے آپؐ جواب میں کیا ارشاد فرمائیں؟ ظاہر ہے کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں اور میں جوان ہوں۔ دس دن اس بات پر بھی گزر گئے۔ اور ہم سے سلام کلام بند ہونے کو پوری پچاس راتیں گذر چکیں۔ اس پچاسویں رات کو صبح کی نماز میں نے اپنے گھر کی چھت پر ادا کی۔ اور میں دل برداشتہ حیران و پریشان اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ اپنی جان سے تنگ تھا۔ زمین باوجود اپنی کشادگی کے مجھ پر تنگ تھی کہ میرے کان میں سلع پہاڑی پر سے کسی کی آواز آئی کہ وہ با آواز بلند کہہ رہا ہے کہ اے کعب بن مالکؓ خوش ہو جا۔ واللہ میں اسی وقت سجدے میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ اللہ عز و جل کی طرف سے قبولیت توبہ کی کوئی خبر آ گئی۔ بات بھی یہی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد رسول کریم ﷺ نے یہ خبر صحابہؓ سے بیان فرمائی تھی اور یہ سنتے ہی وہ پیدل اور سوار ہم تینوں کی طرف دوڑ پڑے تھے کہ ہمیں خبر پہنچائیں۔ ایک صاحب تو اپنے گھوڑے پر سوار میری طرف خوشخبری لئے ہوئے آ رہے تھے لیکن اسلم کے ایک صاحب نے دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ کر با آواز بلند میرا نام لے کر مجھے خوشخبری پہنچائی سوار سے پہلے ان کی آواز میرے کان میں آ گئی۔ جب یہ صاحب میرے پاس پہنچے تو میں نے اپنے پہنے

ہوئے دونوں کپڑے انہیں بطور انعام دیئے- واللہ اس دن میرے پاس اور کچھ بھی نہ تھا- دو کپڑے اور ادھار لے کر میں نے پہنے- اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے نکلا- راستے میں جوق در جوق لوگ مجھ سے ملنے لگے اور مجھے میری توبہ کی بشارت اور مبارکباد دینے لگے- کہ کعب اللہ تعالیٰ کا تمہاری توبہ کو قبول فرما لینا تمہیں مبارک ہو- میں جب مسجد میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور دیگر صحابہ بھی حاضر حضورؐ تھے- مجھے دیکھتے ہی حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی-

مہاجرین میں سے سوائے آپ کے اور کوئی صاحب کھڑے نہیں ہوئے- حضرت کعبؓ حضرت طلحہؓ کی اس محبت کو ہمیشہ ہی اپنے دل میں لئے رہے- جب میں نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے سلام کیا' اس وقت آپ کے چہرہ مبارک کی رگیں خوشی سے چمک رہی تھیں- آپؐ نے فرمایا' کعبؓ تم پر تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک آج جیسا خوشی کا دن کوئی نہیں گزرا- میں نے کہا یا رسول اللہ یہ خوشخبری آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ عزوجل کی جانب سے؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' حضور ﷺ کو جب کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ مثل چاند کے ٹکڑے کے چمکنے لگ جاتا تھا اور ہر شخص چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی پہچان لیا کرتا تھا- میں نے آپؐ کے پاس بیٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے نذر مانی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرما لے تو میرا سب مال اللہ کے نام صدقہ ہے- اس کے رسولؐ کے سپرد ہے- آپ نے فرمایا تھوڑا بہت مال اپنے پاس رکھ لو- یہی تمہارے لئے بہتر ہے- میں نے کہا اچھا جو حصہ میرا خیبر میں ہے' وہ تو میرا رہا باقی للہ خیرات ہے- یا رسول اللہؐ میری نجات کا ذریعہ میرا سچ بولنا ہے- میں نے یہ بھی نذر مانی ہے کہ باقی زندگی بھی سوائے سچ کے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالوں گا- میرا ایمان ہے کہ سچ کی وجہ سے جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی' وہ کسی مسلمان کو نہیں ملی- اس وقت سے لے کر آج تک بحمد للہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا- اور جو عمر باقی ہے' اس میں بھی اللہ تعالیٰ سے مجھے یہی امید ہے-

اللہ رب العزت نے لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ سے کئی آیتیں تک ہماری توبہ کے بارے نازل فرمائیں- اسلام کی نعمت کے بعد مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے اس دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی جھوٹ بات نہ کہی جیسے کہ اوروں نے جھوٹی باتیں بنائیں ورنہ میں بھی ان کی طرح ہلاک ہو جاتا- ان جھوٹے لوگوں کو کلام اللہ شریف میں بہت ہی برا کہا گیا- فرمایا سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ الخ' یعنی تمہارے واپس آنے کے بعد یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر چاہتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کر لو- اچھا تم چشم پوشی کر لو لیکن یاد رہے کہ اللہ کے نزدیک یہ لوگ گندے اور پلید ہیں- ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کے عمل کا بدلہ ہوگا- یہ تمہیں رضامند کرنے کے لئے حلف اٹھا رہے ہیں- تم گو ان سے راضی ہو جاؤ لیکن ایسے فاسق لوگوں سے اللہ خوش نہیں- تم تینوں کا امر ان لوگوں کے امر سے پیچھے ڈال دیا گیا تھا- ان کے عذر تو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمائے تھے- ان سے دوبارہ بیعت کر لی تھی اور ان کے لئے استغفار بھی کیا تھا- اور ہمارا معاملہ تاخیر میں پڑ گیا تھا جس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا- اسی لئے آیت کے الفاظ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ہیں- پس اس پیچھے چھوڑ دیئے جانے سے مراد غزوے سے رک جانا نہیں بلکہ ان لوگوں کے جھوٹے عذر کے قبول کئے جانے سے ہمارا معاملہ موخر کر دینا ہے- یہ حدیث بالکل صحیح ہے-

بخاری ومسلم دونوں میں ہے- الحمد للہ اس حدیث میں اس آیت کی پوری اور صحیح تفسیر موجود ہے- یہ تینوں بزرگ انصاری تھے رضی اللہ عنہم اجمعین- ایک روایت میں مرارہ بن ربیعہ کے بدلے ربیع بن مرارہ آیا ہے- ایک میں ربیع بن مرار یا مرار بن ربیع ہے- لیکن صحیح وہی ہے جو صحیحین میں ہے یعنی مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ- ہاں زہری کی اوپر والی روایت میں جو یہ لفظ ہیں کہ وہ دونوں بدری صحابی تھے جو

حضرت کعب کی طرح چھوڑ دیئے گئے تھے' یہ خطا ہے- ان تینوں بزرگوں میں سے ایک بھی بدری نہیں- واللہ اعلم- چونکہ آیت میں ذکر تھا کہ کس طرح ان بزرگوں نے صحیح اور سچا واقعہ کہہ دیا جس سے گو کچھ دنوں تک وہ رنج وغم میں رہے لیکن آخر سلامتی اور ابدی راحت ملی- اس کے بعد ہی فرماتا ہے کہ اے مومنو سچ بولا کرو اور سچائی کو لازم پکڑے رہو- سچوں میں ہو جاؤ تا کہ ہلاکت سے نجات پاؤ- غم رنج سے چھوٹ جاؤ- مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگو سچائی کو لازم کر لو- سچ بھلائی کی رہبری کرتا ہے اور بھلائی جنت کی رہبری کرتی ہے- انسان برابر سچ بولنے اور سچ پر کاربند رہنے سے اللہ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے- جھوٹ سے بچو- جھوٹ بولتے رہنے سے اللہ کے ہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے-

یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قصداً یا مذاقاً کسی حالت میں بھی جھوٹ انسان کے لائق نہیں- کیونکہ اللہ مالک الملک فرماتا ہے' ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھی بن جاؤ- پس کیا تم اس میں کسی کے لئے بھی رخصت پاتے ہو؟ بقول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سچوں سے مراد آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ ہیں- ابوبکر وعمر اور ان کے ساتھی- رضی اللہ عنہم اجمعین' حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر سچوں کے ساتھی بننا چاہتے ہو تو دنیا میں بے رغبت رہو اور مسلمانوں کو نہ ستاؤ-

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا
عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَطَــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا
اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

مدینے والوں کو اور ان کے آس پاس کے بادیہ نشینوں کو یہ نہ چاہئے کہ جہاد میں رسول اللہؐ کے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ چاہئے کہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ چاہیں' یہ اس لئے کہ ان مجاہدین کو جو پیاس اور رنج اور تکلیف اور بھوک اللہ کی راہ میں پہنچی ہے اور جہاں کہیں ایسے مقام پر وہ چلتے ہیں جس سے کافروں کے دل کٹیں اور دشمنان دین سے جو کچھ یہ چھین لیتے ہیں' اس سب کے بدلے ان کے لئے نیک عمل لکھ لئے جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کے اجر ضائع نہیں کرتا ○

غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کو تنبیہہ : ☆☆ (آیت: ۱۲۰) ان لوگوں کو جو غزوۂ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ نہیں گئے تھے' اللہ تعالیٰ ڈانٹ رہا ہے کہ مدینے والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو مجاہدین کے برابر ثواب والا نہیں سمجھنا چاہئے- وہ اس اجر وثواب سے محروم رہ گئے جو ان مجاہدین فی سبیل اللہ کو ملا- مجاہدین کو ان کی پیاس پر' تکلیف پر' بھوک پر' ٹھہرنے اور چلنے پر' ظفر اور غلبے پر' غرض ہر ہر حرکت وسکون پر اللہ کی طرف سے اجر عظیم ملتا رہتا ہے- رب کی ذات اس سے پاک ہے کہ کسی نیکی کرنے والے کی محنت برباد کر دے-

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا
اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

وہ جو کچھ کم زیادہ خرچ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو طے کرتے ہیں' وہ بھی ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے ○

مجاہدین کے اعمال کا بہترین بدلہ قربت الٰہی: ☆☆ (آیت:۱۲۱) یہ مجاہد جو کچھ تھوڑا بہت خرچ کریں اور راہ اللہ میں جس زمین پر چلیں پھریں' وہ سب ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ نکتہ یاد رہے کہ اوپر کا کام ذکر کر کے اجر کے بیان میں لفظ ''بہ'' لائے تھے اور یہاں نہیں لائے اس لئے کہ وہ غیر اختیاری افعال تھے اور یہ خود ان سے صادر ہوتے ہیں۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ اللہ تعالیٰ دے گا۔ اس آیت کا بہت بڑا حصہ اور اس کا کامل اجر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سمیٹا ہے۔ غزوہ تبوک میں آپ نے دل کھول کر مال خرچ کیا۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں اس سختی کے لشکر کی امداد کا ذکر فرما کر اس کی رغبت دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ایک سو اونٹ مع کجاوے پالان رسیوں وغیرہ کے میں دوں گا۔ آپؐ نے پھر اسی کو بیان فرمایا تو پھر سے حضرت عثمانؓ نے فرمایا' ایک سو اور بھی دوں گا۔ آپؐ ایک زینہ منبر کا اترے' پھر رغبت دلائی تو حضرت عثمانؓ نے پھر فرمایا' ایک سو اور بھی۔ آپؐ نے خوشی خوشی اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے فرمایا' بس عثمانؓ! آج کے بعد کوئی عمل نہ بھی کرے تو بھی یہی کافی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک ہزار دینار کی تھیلی لا کر حضرت عثمانؓ نے آپؐ کے پلے میں ڈال دی۔ آپؐ انہیں اپنے ہاتھ سے الٹ پلٹ کرتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے' آج کے بعد یہ جو بھی عمل کریں' انہیں نقصان نہ دے گا۔ بار بار یہی فرماتے رہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' جس قدر انسان اپنے وطن سے راہ الٰہی میں دور نکلتا ہے' اتنا ہی اللہ کے قرب میں بڑھتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ
مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا
اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ١٢٢ ع ۴

مسلمانوں کو یہ تو نہ چاہیے کہ وہ سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوں۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ جائیں کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب واپس لوٹیں تو اپنی قوم کو آگاہ کرتے رہیں تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر لیں ○

نبی اکرم ﷺ کو تنہا نہ چھوڑو: ☆☆ (آیت:۱۲۲) اس آیت میں اس بیان کی تفصیل ہے جو غزوہ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ چلنے کے متعلق تھا۔ سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جب خود رسول اللہ ﷺ جہاد میں نکلیں تو آپ کا ساتھ دینا ہر مسلمان پر واجب ہے جیسے فرمایا اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اور فرمایا ہے مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ یعنی ہلکے بھاری نکل کھڑے ہو جاؤ۔ مدینے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو لائق نہیں کہ وہ رسول اللہ کے پیچھے رہ جائیں۔ پس یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قبیلوں کے نکلنے کا بیان ہے اور ہر قبیلے کی ایک جماعت کے نکلنے کا اگر وہ سب نہ جائیں۔ تاکہ آپؐ کے ساتھ جانے والے آپؐ پر اتری ہوئی وحی کو سمجھیں اور واپس آ کر اپنی قوم کو دشمن کے حالات سے باخبر کریں۔ پس انہیں دونوں باتیں اس کوچ میں حاصل ہو جائیں گی۔ اور آپؐ کے بعد قبیلوں میں سے جانے والی جماعت یا تو دینی سمجھ کے لئے ہو گی یا جہاد کے لئے۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے یہ معنی بھی مروی ہیں کہ مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ سب کے سب چلے جائیں اور اللہ کے نبی ﷺ کو تنہا چھوڑ دیں۔ ہر جماعت میں سے چند لوگ جائیں اور

آپؐ کی اجازت سے جائیں۔ جو باقی ہیں، وہ ان کے بعد جو قرآن اترے، جو احکام بیان ہوں، انہیں سیکھیں، سمجھیں۔ جب یہ آ جائیں تو انہیں سکھائیں پڑھائیں۔ اس وقت اور لوگ جائیں۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں، یہ آیت ان صحابیوںؓ کے بارے میں اتری ہے جو بادیہ نشینوں میں گئے۔ وہاں انہیں فوائد بھی پہنچے اور نفع کی چیزیں بھی ملیں۔ اور لوگوں کو انہوں نے ہدایات بھی کیں۔ لیکن بعض لوگوں نے انہیں طعنہ دیا کہ تم لوگ اپنے ساتھیوں کے پیچھے رہ جانے والے ہو۔ وہ میدان جہاد میں گئے اور تم آرام سے یہاں ہم میں ہو۔ ان کے بھی دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ وہاں سے واپس آنحضرت ﷺ کے پاس چلے آئے۔

پس یہ آیت اتری اور انہیں معذور سمجھا گیا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ لشکروں کو بھیجیں تو کچھ لوگوں کو آپؐ کی خدمت میں ہی رہنا چاہئے کہ وہ دین سیکھیں اور کچھ لوگ جائیں۔ اپنی قوم کو دعوت حق دیں اور انہیں اگلے واقعات سے عبرت دلائیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جہاد کے لئے نکلیں اس وقت سوائے معذوروں، اندھوں وغیرہ کے کسی کو حلال نہیں کہ آپؐ کے ساتھ نہ جائے اور جب آپ لشکروں کو روانہ فرمائیں تو کسی کو حلال نہیں کہ آپؐ کی اجازت بغیر جائے۔ یہ لوگ جو حضورؐ کے پاس رہتے تھے، اپنے ساتھیوں کو جب کہ وہ واپس لوٹتے، ان کے بعد کا اترا ہوا قرآن اور بیان شدہ احکام سنا دیتے۔ پس آپؐ کی موجودگی میں سب کو نہ جانا چاہئے۔ مروی ہے کہ یہ آیت جہاد کے بارے میں نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مضر پر قحط سالی کی بددعا کی اور ان کے ہاں قحط پڑا تو ان کے پورے قبیلے کے قبیلے مدینے شریف میں چلے آئے۔ یہاں جھوٹ موٹ اسلام ظاہر کر کے صحابہؓ پر اپنا بار ڈال دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو متنبہ کیا کہ دراصل یہ مومن نہیں۔ آپ نے انہیں ان کی جماعتوں کی طرف واپس کیا اور ان کی قوم کو ایسا کرنے سے ڈرایا۔ کہتے ہیں کہ ہر قبیلے میں سے کچھ لوگ حضورؐ کی خدمت میں آتے۔ دین اسلام سیکھتے۔ واپس جا کر اپنی قوم کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم کرتے۔ نماز زکوٰۃ کے مسائل سمجھاتے۔ ان سے صاف فرما دیتے کہ جو اسلام قبول کر لے گا، وہ ہمارا ہے ورنہ نہیں۔ یہاں تک کہ ماں باپ کو بھی چھوڑ دیتے۔ آنحضرت ﷺ انہیں مسئلے مسائل سے آگاہ کر دیتے۔ حکم احکام سکھا پڑھا دیتے۔ وہ اسلام کے مبلغ بن کر جاتے۔ ماننے والوں کو خوش خبریاں دیتے۔ نہ ماننے والوں کو ڈراتے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں جب آیت اِلَّا تَنْفِرُوْا الخ اور آیت مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ الخ اتریں تو منافقوں نے کہا، پھر تو بادیہ نشین لوگ ہلاک ہو گئے کہ وہ حضرتؐ کے ساتھ نہیں جاتے۔ بعض صحابہؓ بھی ان میں تعلیم و تبلیغ کیلئے گئے ہوئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آیت وَالَّذِيْنَ يُحَاجُّوْنَ فِي اللّٰهِ الخ بھی اتری۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ آپ کے ساتھ گئے ہیں، وہ مشرکوں پر غلبہ و نصرت دیکھ کر واپس آن کر اپنی قوم کو ڈرا دیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا
فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے ایمان والو! جو کفار تم سے قریب قریب رہتے ہیں، پہلے ان سے جہاد کرو اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں، جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے ○

اسلامی مرکز کا استحکام اولین اصول ہے: ☆☆ (آیت:۱۲۳) اسلامی مرکز کے متصل جو کفار ہیں، پہلے تم مسلمانوں کو ان سے نمٹنا چاہئے۔ اسی حکم کے بموجب رسول اللہ ﷺ نے پہلے جزیرۃ العرب کو صاف کیا، یہاں غلبہ پا کر مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضر موت وغیرہ کل علاقہ فتح کر کے یہاں کے لوگوں کو اسلامی جھنڈے تلے کھڑا کر کے غزوہ روم کی تیاری کی۔ جو اول تو جزیرۃ العرب سے ملحق

تھا' دوسرے وہاں کے رہنے والے اہل کتاب تھے۔ تبوک تک پہنچ کر حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے آگے کا عزم ترک کیا۔ یہ واقعہ ۹ ھ کا ہے۔ دسویں سال حجتہ الوداع میں مشغول رہے۔ اور حج کے صرف اکاسی (۸۱) دن بعد آپؐ اللہ کو پیارے ہوئے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے وزیر' دوست اور خلیفہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے۔ اس وقت دین اسلام کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں کہ آپ نے انہیں مضبوط کر دیا۔ اور مسلمانوں کی ابتری کو برتری سے بدل دیا۔ دین سے بھاگنے والوں کو واپس اسلام میں لے آئے۔ مرتدوں سے دنیا خالی کی۔ ان سرکشوں نے جو زکوٰۃ روک لی تھی' ان سے وصول کی۔ جاہلوں پر حق واضح کیا۔ امانت رسولؐ ادا کی۔ اور ان ابتدائی ضروری کاموں سے فارغ ہوتے ہی اسلامی لشکروں کو سرزمین روم کی طرف دوڑا دیا کہ صلیب پرستوں کو ہدایت کریں۔ اور ایسے ہی جرار لشکر فارس کی طرف بھیجے کہ وہاں کے آتش کدے ٹھنڈے کریں۔ پس آپ کی سفارت کی برکت سے رب العالمین عالم نے ہر طرف فتح عطا فرمائی۔ کسریٰ اور قیصر خاک میں مل گئے۔ ان کے پرستار بھی غارت و برباد ہوئے ان کے خزانے راہ اللہ میں کام آئے۔ اور جو خبر اللہ کے رسول سلام اللہ علیہ دے گئے تھے' وہ پوری ہوئی۔ جو کسر رہ گئی تھی' وہ آپ کے وصی اور ولی شہید محراب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ کافروں اور منافقوں کی رگ ہمیشہ کے لئے کچل دی گئی۔ ان کے زور ڈھا دیئے گئے۔ اور مشرق و مغرب تک فاروقی سلطنت پھیل گئی۔ قریب و بعید سے بھرپور خزانے دربار فاروق میں آنے لگے۔ اور شرعی طور پر حکم الٰہی کے ماتحت مسلمانوں میں مجاہدین میں تقسیم ہونے لگے۔ اس پاک نفس پاک روح شہید کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار کے اجماع سے امر خلافت امیر المومنین شہید الدار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ اس وقت اسلام اپنی اصلی شان سے ظہور پذیر تھا۔ اسلام کے لمبے اور زور آور ہاتھوں نے روئے زمین پر قبضہ جمالیا تھا۔ بندوں کی گردنیں اللہ کے سامنے خم ہو چکی تھیں۔ حجت اللہ ظاہر تھی کلمہ اللہ غالب تھا۔ شان عثمانؓ اپنا کام کرتی جاتی تھی۔ آج اس کو حلقہ بگوش کیا تو کل اس کو۔ یکے بعد دیگرے ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں زیر نگیں خلافت ہوئے۔ یہی تھا اس آیت کے پہلے جملے پر عمل کہ نزدیک کے کافروں سے جہاد کرو۔

پھر فرماتا ہے کہ لڑائی میں انہیں تمہارا زور بازو معلوم ہو جائے۔ کامل مومن وہ ہے جو اپنے مومن بھائی سے تو نرمی برتے لیکن اپنے دشمن کافر پر سخت ہو۔ جیسے فرمان ہے فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗۤ الخ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لائے گا جو اس کے محبوب ہوں اور وہ بھی اس سے محبت رکھتے ہوں۔ مومنوں کے سامنے تو نرم ہوں اور کافروں پر ذی عزت ہوں۔ اسی طرح اور آیت میں ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ والے آپس میں نرم دل ہیں۔ کافروں پر سخت ہیں ارشاد ہے یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ یعنی اے نبیؐ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ حدیث میں ہے کہ میں ضحوک ہوں یعنی اپنوں میں نرمی کرنے والا اور قتال ہوں یعنی دشمنان اللہ سے جہاد کرنے والا۔

پھر فرماتا ہے کہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ یعنی کافروں سے لڑو' بھروسہ اللہ پر رکھو اور یقین مانو کہ جب تم اس سے ڈرتے رہو گے' اس کی فرماں برادری کرتے رہو گے تو اس کی مدد و نصرت بھی تمہارے ساتھ رہے گی۔ دیکھ لو خیر کے تینوں زمانوں تک مسلمانوں کی یہی حالت رہی۔ دشمن تباہ حال اور مغلوب رہے۔ لیکن جب ان میں تقویٰ اور طاعت کم ہو گئی' فتنے فساد پڑ گئے' اختلاف اور خواہش پسندی شروع ہو گئی تو وہ بات نہ رہی' دشمنوں کی للچائی ہوئی نظریں ان کی طرف اٹھیں۔ وہ اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کھڑے ہوئے' ادھر کا رخ کیا لیکن پھر بھی مسلمان سلاطین آپس میں الجھے رہے۔ وہ ادھر ادھر سے نوالے لینے لگے۔ آخر دشمن اور بڑھے' سلطنتیں کچلنی شروع

کیں۔ ملک فتح کرنے شروع کئے۔ آہ! اکثر حصہ اسلامی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہی حکم اس سے پہلے تھا اور اس کے بعد بھی ہے۔ تاہم جو بادشاہ جس قدر اللہ ترس ہوا' اسی قدر اللہ کی مدد نے اس کا ساتھ دیا۔ اب بھی اللہ سے امید ہے اور دعا ہے کہ وہ پھر سے مسلمانوں کو غلبہ دے اور کافروں کی چوٹیاں ان کے ہاتھ میں دے دے۔ دنیا جہاں میں ان کا بول بالا ہو۔ اور پھر سے مشرق سے لے کر مغرب تک پرچم اسلام لہرانے لگے۔ وہ اللہ کریم وجواد ہے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ
اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا
وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

جب کبھی کوئی سورت اتاری گئی تو بعض منافق کہتے ہیں کہ تم میں سے کسے اس نے ایمان میں بڑھادیا؟ بات یہ ہے کہ ایمانداروں کو تو وہ ایمان میں بڑھادیتی ہے اور وہ شاداں وفرحاں ہوجاتے ہیں ○ ہاں جن کے دلوں میں بیماری ہے' ان کی تو گندگی پر بندگی بڑھادیتی ہے۔ وہ تو مرتے دم تک کافر ہی رہتے ہیں ○

فرمان الٰہی میں شک وشبہ کفر کا مرض ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۴-۱۲۵) قرآن کی کوئی سورت اتری اور منافقوں نے آپس میں کانا پھوسی شروع کی کہ بتاؤ اس سورت نے کس کا ایمان زیادہ کردیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایمانداروں کے ایمان تو اللہ کی آیتیں بڑھادیتی ہیں۔ یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس پر کہ ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اکثر ائمہ اور علما کا یہی مذہب ہے' سلف کا بھی اور خلف کا بھی۔ بلکہ بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ہم اس مسئلے کو خوب تفصیل سے شرح بخاری کے شروع میں بیان کرآئے ہیں۔ ہاں جن کے دل پہلے ہی سے شک وشبہ کی بیماری میں ہیں' ان کی خرابی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ قرآن مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے لیکن کافر تو اس سے اور بھی اپنا نقصان کرلیا کرتے ہیں۔ یہ ایمانداروں کے لئے ہدایت وشفا ہے اور بے ایمانوں کے تو کانوں میں بوجھ ہے۔ ان کی آنکھوں پر اندھاپا ہے۔ وہ تو بہت ہی فاصلے سے پکارے جارہے ہیں۔ یہ بھی کتنی بڑی بدبختی ہے کہ دلوں کی ہدایت کی چیز بھی ان کی ضلالت وہلاکت کا باعث بنتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے عمدہ غذا بھی بدمزاج کو موافق نہیں آتی۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ
وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى
بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال دو ایک مرتبہ وہ بلاؤں میں ڈالے جاتے ہیں لیکن باوجود اس کے نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں ○ جہاں کوئی سی سورت نازل کی گئی اور ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا، کہ کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے، پھر چپکے سے سرک گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی پھیر دیئے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے بالکل ہی خالی ہیں ○ لوگو تمہارے پاس تم میں سے ہی اللہ کے رسول آ گئے ہیں جن پر تمہاری تکلیف بہت ہی دشوار گزرتی ہے جو تمہاری بھلائی کے خواہاں ہیں- جو مسلمانوں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں ○

عذاب سے دوچار ہونے کے بعد بھی منافق باز نہیں آتا: ☆☆ (آیت:۱۲۶-۱۲۷) یہ منافق اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ہر سال دو ایک دفعہ ضرور وہ کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں- لیکن پھر بھی نہ انہیں اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ نصیب ہوتی ہے نہ آئندہ کے لئے عبرت ہوتی ہے- کبھی قحط سالی ہے، کبھی جنگ ہے، کبھی جھوٹی گپیں ہیں جن سے لوگ بے چین ہو رہے ہیں- فرمان رسولؐ ہے، کاموں میں سختی بڑھ رہی ہے- بخیلی عام ہو رہی ہے- ہر سال اپنے سے پہلے کے سال سے بد آ رہا ہے- جب کوئی سورت اترتی ہے، ایک دوسرے کی طرف دیکھتا ہے کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر حق سے پلٹ جاتے ہیں- نہ حق کو سمجھیں نہ مانیں- وعظ سے منہ پھیر لیں اور ایسے بھاگیں جیسے گدھا شیر سے- حق کو سنا اور دائیں بائیں کھسک گئے- ان کی اس بے ایمانی کا بدلہ یہی ہے کہ اللہ نے ان کے دل بھی حق سے گھما دیئے- ان کی کجی نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے- یہ بدلہ ہے اللہ کے خطاب کو بے پرواہی کر کے نہ سمجھنے کا، اس سے بھاگنے اور منہ موڑ لینے کا-

رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہیں: ☆☆ (آیت:۱۲۸-۱۲۹) مسلمانوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا احسان عظیم یاد دلا رہا ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے خود انہی میں سے ان کی ہی زبان میں اپنا رسول بھیجا- حضرت خلیل اللہؑ نے یہی دعا کی تھی- اسی کا بیان آیت لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ الخ میں ہے یہی حضرت جعفر بن ابو طالبؓ نے دربار نجاشی میں اور یہی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے دربار کسریٰ میں بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ہمیں میں سے ایک رسول بھیجا- جس کا نسب ہمیں معلوم، جس کی عادت سے ہم واقف، جس کے آنے جانے کی ہمیں خبر، جس کی صداقت و امانت کے ہم خود شاہد ہیں- جاہلیت کی برائیوں میں سے کوئی برائی اللہ نے آپ کی ذات میں پیدا نہیں ہونے میں صحیح النسب ہوں- پھر اتنے نرم دل کہ امت کی تکلیفوں سے خود کانپ اٹھیں- آسان، نرم اور سادگی والا دین لے کر آئے ہیں- جو بہت آسان ہے- سہل ہے- کامل ہے اور اعلیٰ اور عمدہ ہے- وہ تمہاری ہدایت کے متمنی ہیں- وہ دنیوی اخروی نفع تمہیں پہنچانا چاہتے ہیں- حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں- ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے اس حال میں چھوڑا کہ جو پرند اڑ کر نکلتا، اس کا علم بھی آپ ہمیں کر دیتے-

حضور ﷺ فرماتے ہیں، جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم سے دور کرنے والی تمام چیزیں میں تم سے بیان کر چکا ہوں- آپؐ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جو کچھ حرام کیا ہے، وہ عنقریب تم پر ظاہر کر دینے والا ہے اور اس کی باز پرس قطعاً ہونے والی ہے- جس طرح پتنگے اور پروانے آگ پر گرتے ہیں، اس طرح تم بھی گر رہے ہو اور میں تمہاری کولیاں بھر بھر کر تمہیں اس سے روک رہا ہوں- حضورؐ سوئے ہوئے ہیں جو دو فرشتے آتے ہیں- ایک پاؤں کی طرف بیٹھتا ہے- ایک سرہانے- پھر پاؤں والا سرہانے والے سے کہتا ہے اس کی اور اس کی امت کی مثال بیان کرو- اس نے فرمایا، یہ مثال سمجھو کہ ایک قوم سفر میں ہے، ایک چٹیل میدان میں پہنچتی ہے جہاں ان کا سامان خوراک ختم ہو جاتا ہے- اب نہ تو آگے بڑھنے کی قوت، نہ پیچھے ہٹنے کی سکت- ایسے وقت ایک بھلا آدمی اچھے لباس والا ان کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تمہیں اس بیابان سے چھٹکارا دلا کر ایسی جگہ پہنچا سکتا ہوں جہاں تمہیں نتھرے ہوئے پانی کے لبالب حوض اور میووں کے لدے ہوئے درخت اور ہری بھری لہلہاتی کھیتیاں ملیں بشرطیکہ تم میرے پیچھے ہو لو- انہوں نے اس کی بات کو مان لیا اور وہ انہیں ایسی ہی جگہ لے گیا- وہاں انہوں نے کھایا پیا اور خوب پھلے پھولے- اب اس نے کہا، دیکھو میں نے تمہیں اس بھوک پیاس سے نجات دلائی اور یہاں امن چین میں لایا- اب

ایک اور بات تم سے کہتا ہوں' وہ بھی مانو۔ اس سے آگے اس سے بھی بہتر جگہ ہے۔ وہاں کے حوض' وہاں کے میوے' وہاں کے کھیت اس سے بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ ایک جماعت نے تو اسے سچا مانا اور ہاں کر لی۔ لیکن دوسرے گروہ نے اسی پر بس کر لیا اور اسکی تابعداری سے ہٹ گئے۔ (مسند احمد) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر درود وسلام بھیجے۔ آؤ ایک واقعہ آپؐ کی کمال شفقت کا سنو! ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خون بہا ادا کرنے کے لئے آپؐ سے امداد طلب کی۔ آپؐ نے اسے بہت کچھ دیا۔ پھر پوچھا۔ کیوں صاحب میں نے تم سے سلوک کیا؟ اس نے کہا کچھ بھی نہیں۔ اس سے کیا ہوگا؟۔ صحابہؓ بہت بگڑے۔ قریب تھا کہ اسے لپٹ جائیں کہ اتنا لینے پر بھی یہ ناشکری کرتا ہے؟ اور حضورؐ کے سوال کا ایسا غلط اور گستاخانہ جواب دیتا ہے۔ لیکن آپؐ نے انہیں روک دیا۔ گھر پر تشریف لے گئے۔ وہیں اسے بلوا لیا۔ سارا واقعہ کہہ سنایا۔ پھر اسے اور بھی بہت کچھ دیا۔ پھر پوچھا کہو' اب تو خوش ہو؟ اس نے کہا ہاں اب دل سے راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپؐ کے اہل وعیال میں ہم سب کی طرف سے نیک بدلہ دے۔ آپؐ نے فرمایا' سنو تم آئے' تم نے مجھ سے مانگا' میں نے دیا' پھر میں نے تم سے پوچھا کہ خوش ہو؟ تو تم نے الٹا پلٹا جواب دیا جس سے میرے صحابی تم سے نالاں ہیں' اب میں نے پھر دے دلا کر تمہیں راضی کر لیا ہے۔ اب تم ان کے سامنے بھی اسی طرح اپنی رضامندی ظاہر کرنا جیسے اب تم نے میرے سامنے کی ہے تاکہ ان کا رنج بھی دور ہو جائے۔ اس نے کہا بہت اچھا۔

چنانچہ جب وہ صحابہؓ کے مجمع میں آپؐ کے پاس آیا' آپؐ نے فرمایا' دیکھو یہ شخص آیا تھا' اس نے مجھ سے مانگا تھا' میں نے اسے دیا تھا' پھر اس سے پوچھا تھا تو اس نے ایسا جواب دیا تھا جو تمہیں ناگوار گزرا۔ میں نے اسے پھر اپنے گھر بلوایا اور زیادہ دیا۔ تو یہ خوش ہو گیا۔ کیوں بھئی اعرابی یہی بات ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ' اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہمارے اہل وعیال اور قبیلے کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آپؐ نے مجھ سے بہت اچھا سلوک کیا۔ جزاك الله' اس وقت آپؐ نے فرمایا' میری اور اس اعرابی کی مثال سنو جیسے وہ شخص جس کی اونٹنی بھاگ گئی' لوگ اس کے پکڑنے کو دوڑے' وہ ان سے بدک کر اور بھاگنے لگی۔ آخر اونٹنی والے نے کہا' لوگو تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔ مجھے اور میری اونٹنی کو چھوڑ دو۔ اس کی خوخصلت سے میں واقف ہوں اور یہ میری ہی ہے۔ چنانچہ اس نے نرمی سے اسے بلانا شروع کیا۔ زمین سے گھاس پھونس توڑ کر اپنی مٹھی میں لے کر اسے دکھایا اور اپنی طرف بلایا۔ وہ آ گئی۔ اس نے اس کی نکیل تھام لی اور پالان وکجاوہ ڈال دیا سنو اس کے پہلی دفعہ کے بگڑنے پر اگر میں بھی تمہارا ساتھ دیتا تو یہ جہنمی بن جاتا۔ ابراہیم بن حکم بن ابان کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ اے نبی مومنوں کے سامنے اپنا بازو پست رکھو۔ لوگ میری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔ تو ہمیشہ اپنا بھروسہ اللہ عزیز ورحیم پر رکھ۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۱۲۹ ع ۱۶ ۷

تو اس پر بھی اگر یہ پھر جائیں تو اعلان کر دے کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' میرا بھروسہ اسی پر ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ○

منحرفین شریعت سے آپ بے نیاز ہو جائیں: ☆☆ (آیت: ۱۲۹) یہاں بھی فرماتا ہے' اگر یہ لوگ تیری شریعت سے منہ پھیر لیں تو تو کہہ دے کہ' مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں' میرا توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔'' جیسے فرمان ہے' مشرق ومغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ تو اسی کو اپنا کارساز ٹھہرا۔ وہ رب عرش عظیم ہے۔ یعنی ہر چیز کا مالک وخالق وہی ہے۔

عرش عظیم تمام مخلوقات کی چھت ہے۔ آسمان وزمین اور کل کائنات بقدرت رب عرش تلے ہے۔ اس اللہ کا علم ہر چیز پر شامل ہے اور ہر چیز کو اپنے احاطے میں کئے ہوئے ہے۔ اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ ہر ایک کا کارساز ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں، سب سے آخری آیت قرآن کریم کی یہی ہے مروی ہے۔ کہ جب خلافت صدیقی میں قرآن کو جمع کیا تو کاتبوں کو حضرت ابی بن کعبؓ لکھواتے تھے۔ جب اس سے پہلے کی آیت لا یفقھون تک پہنچے تو کہنے لگے کہ یہی آخری آیت ہے۔ آپ نے فرمایا، نہیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو آیتیں اور پڑھوائی ہیں۔ پھر آپ نے ان دونوں آیتوں کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ قرآن کی آخری آیتیں یہ ہیں۔ پس ختم بھی اسی پر ہوا جس پر شروع ہوا تھا یعنی لا الہ الا اللہ پر۔ یہی وحی تمام نبیوں پر آتی رہی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تم سب میری ہی عبادت کرو۔ یہ روایت بھی غریب ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ان دونوں آیتوں کو لے کر آئے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ان سے گواہ طلب کیا، انہوں نے کہا گواہ کی تو مجھے خبر نہیں۔ ہاں سورہ برات کی یہ دو آخری آیتیں مجھے خود رسول ﷺ نے پڑھائی ہیں۔ اور مجھے خوب اچھی طرح حفظ ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے گواہی دی کہ میں نے بھی انہیں رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ یہ گواہی سن کر آپؓ نے فرمایا، اگر ان کے ساتھ تیسری آیت بھی ہوتی تو میں اسے علیحدہ سورت بنا لیتا۔ تم انہیں قرآن کی کسی سورت کے ساتھ لکھ لو۔ چنانچہ سورہ براۃ کے آخر میں یہ لکھ لی گئیں۔ پہلے یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی قرآن کے جمع کرنے کا مشورہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اور بحکم خلیفہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے جمع کرنا شروع کیا تھا۔ اس جماعت میں حضرت عمرؓ بھی آمد و رفت رکھتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، سورہ برات کا آخری حصہ میں نے خزیمہ بن ثابت یا ابوخزیمہ کے پاس پایا۔ یہ بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ ایک جماعت صحابہ نے اس کا مذاکرہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو کیا جیسے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا تھا جب کہ ان کے سامنے اس کی ابتدائی بات کہی تھی۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص صبح شام حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم کو سات سات مرتبہ پڑھ لے اللہ تعالیٰ اسے اس کی تمام پریشانیوں سے نجات دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ خواہ صداقت سے پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو لیکن یہ زیادتی غریب ہے۔ ایک مرفوع روایت بھی اسی قسم کی ہے لیکن وہ بہت منکر ہے۔ واللہ اعلم۔ الحمد للہ سورہ برات کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ یونس

(تفسیر سورۂ یونس) سورہ بقرہ کے شروع میں حروف مقطعات کی بحث گذر چکی ہے۔ ابن عباسؓ سے اس کے معنی میں مروی ہے کہ میں ہوں اللہ دیکھنے والا نگہبان۔ ضحاک وغیرہ یہی کہتے ہیں۔ یہ آیتیں مضبوط اور روشن قرآن کی ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں تورات اور زبور۔ قتادہؒ کہتے ہیں قرآن سے پہلے کی کتابیں۔ لیکن مجھے تو نہ اس قول کی کوئی توجیہ معلوم ہوتی ہے نہ مطلب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ
اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ

لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا
لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲

اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم کے نام سے

یہ آیتیں ہیں حکمتوں بھری کتاب کی ○ کیا لوگوں کو یہ بات انوکھی معلوم ہوئی کہ ہم نے ان میں سے ایک انسان کی طرف اپنی وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو آگاہ کر دے اور ایمانداروں کو خوشخبری سنا دے کہ ان کا سچا اور مضبوط پایہ ہے۔ ان کے پالنے والے کے ہاں، لیکن کافر کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہ تو صریح جادوگر ہے ○

عقل زدہ کافر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ☆☆ (آیت:۱-۲) کافروں کو اس پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ ایک انسان اللہ کا رسول بن جائے۔ کہتے تھے کہ کیا بشر ہمارا ہادی ہوگا؟ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ کیا تمہیں یہ کوئی انوکھی بات لگتی ہے کہ تم میں سے ہی ایک شخص پر تمہارے رب کی وحی نازل ہوئی۔ کفار قریش نے بھی کہا تھا کہ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کی بجائے ایک ہی اللہ مقرر کر دیا؟ یہ تو بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ حضورؐ کی رسالت سے بھی انہوں نے صاف انکار کر دیا اور انکار کی وجہ یہی پیش کی کہ محمدؐ جیسے ایک انسان پر اللہ کی وحی کا آنا ہم نہیں مان سکتے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ سچے پائے سے مراد سعادت اور نیکی کا ذکر ہے۔ بھلائیوں کا اجر ہے۔ ان کے نیک کام ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، صدقہ، تسبیح۔ اور ان کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت۔ الغرض ان کی سچائی کا ثبوت اللہ کو پہنچ چکا ہے۔ ان کے نیک اعمال وہاں جمع ہیں۔ یہ سابق لوگ ہیں۔ عرب کے شعروں میں بھی قدم کا لفظ ان معنوں میں بولا گیا ہے۔ جو رسول ان میں ہے، وہ بشیر بھی ہے، نذیر بھی ہے لیکن کافروں نے اسے جادوگر کہہ کر اپنے جھوٹ پر مہر لگا دی۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ
اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

تم سب کا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا ہے۔ پھر عرش پر قائم ہوا ہے، ہر امر کا وہی انتظام کر رہا ہے، کوئی کسی کا سفارشی بن نہیں سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد، یہی اللہ تم سب کا پالنہار ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو، کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○

تخلیق کائنات کی قرآنی روداد : ☆☆ (آیت:۳) تمام عالم کا رب وہی ہے۔ آسمان وزمین کو اس نے صرف چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ یا تو ایسے ہی معمولی دن۔ یا ہر دن یہاں کی گنتی سے ایک ہزار دن کے برابر کا۔ پھر عرش پر وہ مستوی ہو گیا۔ جو سب سے بڑی مخلوق ہے اور ساری مخلوق کی چھت ہے۔ جو سرخ یاقوت کا ہے۔ جو نور سے پیدا شدہ ہے۔ یہ قول غریب ہے۔ وہی تمام مخلوق کا انتظام کرتا ہے۔ اس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔ اسے کوئی کام مشغول نہیں کر لیتا۔ وہ سوالات سے اکتا نہیں سکتا۔ مانگنے والوں کی پکار اسے حیران نہیں کر سکتی۔ ہر چھوٹے بڑے کا، ہر کھلے چھپے کا، ہر ظاہر باہر کا، پہاڑوں میں، سمندروں میں، آبادیوں میں، ویرانوں میں، وہی بندوبست کر رہا ہے۔ ہر جاندار کا روزی رساں وہی ہے۔ ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے۔ زمین کے اندھیروں کے دانوں کی اس کو خبر ہے۔ ہر تر و خشک چیز کھلی کتاب میں موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت لشکر کا لشکر مثل عربوں کے جاتا دیکھا گیا- ان سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا' ہم جنات ہیں- ہمیں مدینے سے ان آیتوں نے نکالا ہے- کوئی نہیں جو اس کی اجازت بغیر سفارش کر سکے- آسمان کے فرشتے بھی اس کی اجازت کے بغیر زبان نہیں کھولتے - اسی کو شفاعت نفع دیتی ہے جس کے لئے اجازت ہو- یہی اللہ تم سب مخلوق کا پالنہار ہے- تم اسی کی عبادت میں لگے رہو- اسے واحد اور لاشریک مانو- مشرکو اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے -؟ جو اس کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہو حالانکہ جانتے ہو کہ خالق و مالک وہی اکیلا ہے- اس کے وہ خود قائل تھے- زمین و آسمان اور عرش عظیم کا رب اسی کو مانتے تھے-

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ
اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶

تم سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے' اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے' وہی اول بار پیدائش کرتا ہے- پھر دوبارہ اسے لوٹائے گا کہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ عطا فرمائے اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں' ان کے لئے سخت گرم پانی کا پینا ہے اور دکھ دینے والی مار ہے جو ان کے کفر کا بدلہ ہوگی ○ اسی نے سورج کو روشن کیا ہے- اسی نے چاند کو نورانی کیا ہے- اسی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں کہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو جایا کرے' اللہ نے انہیں حق سے ہی پیدا کیا ہے' وہ اپنی آیتیں جاننے والوں کے لئے تفصیل وار بیان فرما دیتا ہے ○ دن رات کے ہیر پھیر میں اور آسمان و زمین کی مخلوقات رب میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو پرہیزگار ہیں ○

قیامت کا عمل اسی تخلیق کا اعادہ ہے: ☆☆ (آیت:۴) قیامت کے دن ایک بھی نہ بچے گا- سب اپنے اللہ کے پاس حاضر کئے جائیں گے جیسے اس نے شروع میں پیدا کیا تھا- ایسے ہی دوبارہ اعادہ کرے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہوگا- اس کے وعدے اٹل ہیں- عدل کے ساتھ وہ اپنے نیک بندوں کو اجر دے گا اور پورا پورا بدلہ عنایت فرمائے گا- کافروں کو بھی ان کے کفر کا بدلہ ملے گا- طرح طرح کی سزائیں ہوں گی- گرم پانی' گرمی گرم' لو ان کے حصے میں آئیں گے- اور بھی قسم قسم کے عذاب ہوتے رہیں گے- وہ جہنم جسے یہ جھٹلا رہے تھے' ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگی- اس کے اور گرم پگھلے ہوئے تانبے جیسے پانی کے درمیان یہ حیران و پریشان ہوں گے-

اللہ عزوجل کی عظمت وقدرت کے ثبوت مظاہر کائنات: ☆☆ (آیت:۵-۶) اس کی کمال قدرت' اس کی عظیم سلطنت کی نشانی یہ چمکیلا آفتاب ہے اور یہ روشن ماہتاب ہے- یہ اور ہی فن ہے اور وہ اور ہی کمال ہے- اس میں' اس میں بڑا ہی فرق ہے- اس کی شعاعیں جگمگا دیں اور اس کی شعاعیں خود منور رہیں- دن کو آفتاب کی سلطنت رہتی ہے' رات کو ماہتاب کی جگمگاہٹ رہتی ہے- ان کی منزلیں اس نے مقرر

کر رکھی ہیں- چاند شروع میں چھوٹا ہوتا ہے- چمک کم ہوتی ہے- رفتہ رفتہ بڑھتا ہے اور روشن بھی ہوتا ہے پھر اپنے کمال کو پہنچ کر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور اسی اگلی حالت پر آ جاتا ہے- ہر مہینے میں اس کا یہ ایک دور ختم ہوتا ہے- نہ سورج چاند کو پکڑ لے نہ چاند سورج کی راہ روکے نہ دن رات پر سبقت کرے نہ رات دن سے آگے بڑھے- ہر ایک اپنی اپنی جگہ پابندی سے چل پھر رہا ہے- دورہ ختم کر رہا ہے- دنوں کی گنتی' سورج کی چال پر اور مہینوں کی گنتی چاند پر ہے- یہ مخلوق عبث نہیں بلکہ بحکمت ہے-

زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزیں باطل پیدا شدہ نہیں- یہ خیال تو کافروں کا ہے جن کا ٹھکانا دوزخ ہے- تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم نے تمہیں یونہی پیدا کر دیا ہے اور اب تم ہمارے قبضے سے باہر ہو- یاد رکھو میں اللہ ہوں- میں مالک ہوں- میں حق ہوں- میرے سوا کسی کی کچھ چلتی نہیں- عرش کریم بھی منجملہ مخلوق کے میری ادنیٰ مخلوق ہے- حجتیں اور دلیلیں ہم کھول کھول کر بیان فرما رہے ہیں کہ اہل علم لوگ سمجھ لیں- رات دن کے ردوبدل میں' ان کے برابر جانے آنے میں' رات پر دن کا آنا' دن پر رات کا چھا جانا' ایک دوسرے کے برابر پیچھے لگا تار آنا جانا اور زمین و آسمان کا پیدا ہونا اور ان کی اور مخلوق کا رچایا جانا' یہ سب عظمت اللہ کی بولتی ہوئی نشانیاں ہیں- ان سے منہ پھیر لینا کوئی عقلمندی کی دلیل نہیں- یہ نشانات بھی جنہیں فائدہ نہ دیں' انہیں ایمان کیسے نصیب ہوگا؟ تم اپنے آگے پیچھے اوپر نیچے بہت سی چیزیں دیکھ سکتے ہو- عقلمندوں کے لئے یہ بڑی بڑی نشانیاں ہیں- کہ وہ سوچ سمجھ کر اللہ کے عذابوں سے بچ سکیں اور اس کی رحمت حاصل کر سکیں-

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ
رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹
دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ
دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ ع ۱۰

جو لوگ ہم سے ملنے کے منکر ہیں اور دنیا کی زندگی پر ریجھے ہوئے ہیں' اسی پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ○ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے' ان کے اعمال کے بدلے ○ یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے عمل بھی اچھے کئے ہیں' ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے راہ دے گا' ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی' نعمتوں اور راحتوں والی جنتوں میں ○ جہاں ان کی پکار سبحانک اللھم ہوگی اور جہاں ان کی دعائے خیر السلام علیکم ہوگی' ان کی آخری پکار یہی ہوگی کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○

نادان و محروم لوگ: ☆☆ (آیت: ۷-۸) جو لوگ قیامت کے منکر ہیں' جو اللہ کی ملاقات کے امیدوار نہیں- جو اس دنیا پر خوش ہو گئے ہیں' اسی پر دل لگا لیا ہے' نہ اس زندگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں' نہ اس زندگی کو سودمند بناتے ہیں اور اس پر مطمئن ہیں- اللہ کی پیدا کردہ نشانیوں سے غافل ہیں' اللہ کی نازل کردہ آیتوں میں غور و فکر نہیں کرتے' ان کی آخری جگہ جہنم ہے جو ان کی خطاؤں اور گناہوں کا بدلہ ہے جو ان کے کفر و شرک کی جزا ہے-

خوش انجام خوش نصیب لوگ: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) نیک بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو اللہ پر ایمان لائے- رسولوں کو مانا، فرماں برداری کی، نیکیوں پر چلتے رہے، انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے راہ مل جائے گی- پل صراط سے پار ہو جائیں گے، جنت میں پہنچ جائیں گے، نور مل جائے گا- جس کی روشنی میں چلیں پھریں گے- پس ممکن ہے کہ بایمانھم میں بے سبب کی ہو- اور ممکن ہے کہ استعانت کی ہو- ان کے اعمال اچھی بھلی صورت اور عطر و خوشبو بن کر ان کے پاس ان کی قبر میں آئیں گے اور انہیں خوشخبری دیں گے- یہ پوچھیں گے کہ تم کون ہو؟ وہ جواب دیں گے تمہارے نیک اعمال- پس یہ اپنے ان نورانی عمل کی روشنی میں جنت میں پہنچ جائیں گے- اور کافر کا عمل نہایت بدصورت، بدبودار ہو کر اس پر چمٹ جائے گا اور اسے دھکے دے کر جہنم میں لے جائے گا- یہ جو چیز کھانا چاہیں گے، اسی وقت فرشتے اسے تیار کر کے لائیں گے- انہیں سلام کہیں گے- یہ جواب دیں گے اور کھائیں گے- کھا کر اپنے رب کی حمد بیان کریں گے- ان کے صرف سبحانك اللھم کہتے ہی دس ہزار خادم اپنے ہاتھوں میں سونے کے کٹوروں میں کھانا لے کر حاضر ہو جائیں گے اور یہ سب میں سے کھائے گا- ان کا آپس میں بھی تحفہ سلام ہو گا- وہاں کوئی لغو بات کانوں میں نہ پڑے گی- در و دیوار سے سلامتی کی آوازیں آتی رہیں گی- رب رحیم کی طرف سے بھی سلامتی کا قول ہو گا- فرشتے بھی ہر ایک دروازے سے آ کر سلام کریں گے- آخری قول ان کا اللہ کی ثناء ہو گا- وہ معبود برحق ہے-

اول و آخر حمد و تعریف کے سزاوار ہے- اسی لئے اس نے اپنی حمد بیان فرمائی- مخلوق کی پیدائش کے شروع میں، اس کی بقا میں، اپنی کتاب کے شروع میں، اور اس کے نازل فرمانے کے شروع میں- اس قسم کی آیتیں قرآن کریم میں ایک نہیں کئی ایک ہیں جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ الخ وغیرہ- وہی اول، آخر دنیا عقبےٰ میں لائق حمد و ثنا ہے- ہر حال میں اس کی حمد ہے- حدیث شریف میں ہے کہ اہل جنت سے تسبیح و حمد اس طرح ادا ہو گی جیسے سانس چلتا رہتا ہے- یہ اس لئے کہ ہر وقت نعمتیں، راحتیں، آرام اور آسائش بڑھتا ہوا دیکھیں گے پس لامحالہ حمد ادا ہو گی- سچ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کے سوا کوئی پالنہار ہے-

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ
اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو برائی پہنچانے میں جلدی کرے جیسی جلدی وہ بھلائی حاصل کرنے میں کرتے ہیں تو اب تک ان کی اجل بھی آ چکی ہوتی، جنہیں ہماری ملاقات کی امید تک نہیں، ہم بھی انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا تذکرہ فرماتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۱) فرمان ہے کہ میرے الطاف اور میری مہربانیوں کو دیکھو کہ بندے کبھی کبھی تنگ آ کر، گھبرا کر، اپنے لئے، اپنے بال بچوں کے لئے، اپنے مال کے لئے، بددعائیں کر بیٹھتے ہیں لیکن میں انہیں قبول کرنے میں جلدی نہیں کرتا- ورنہ وہ کسی گھر کے نہ رہیں جیسے کہ میں انہی چیزوں کی برکت کی دعائیں قبول فرما لیا کرتا ہوں- ورنہ یہ تباہ ہو جاتے- پس بندوں کو ایسی بددعاؤں سے پرہیز چاہئے- چنانچہ مسند بزار کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں- اپنی جان و مال پر بددعا نہ کرو- ایسا نہ ہو کہ کسی قبولیت کی ساعت موافقت کر جائے اور وہ بددعا قبول ہو جائے- اسی مضمون کا بیان آیت وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ الخ میں ہے- غرض یہ ہے کہ انسان کا کسی وقت اپنی اولاد مال وغیرہ کے لئے بددعا کرنا کہ اللہ اسے غارت کرے وغیرہ- اگر نیک دعاؤں کی طرح قبولیت میں ہی آ جایا کرے تو لوگ برباد ہو جائیں-

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ
مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ
اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾
ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

انسان کو جب کوئی برائی پہنچتی ہے تو لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہم سے خوب دعائیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن جہاں ہم نے اس سے اس برائی کو دفع کر دیا پھر تو اس بے پرواہی سے چلتا ہے کہ گویا کسی مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا' حد سے گزر جانے والوں کے لئے اسی طرح ان کے اعمال مزین کر دیئے جاتے ہیں ○ تم سے پہلے کی بستی والوں نے بھی جب ظلم پر کمر کس لی' ہم نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔ ان کے پاس بھی ان کے رسولوں نے دلیلیں پہنچا دی تھیں لیکن وہ ایسے نہ تھے کہ مان لیں' گنہگار لوگوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ ان کے بعد ہم نے اس زمین میں تمہیں ان کا جانشین بنایا ہے کہ ہم دیکھ لیں کہ تم کیسے کچھ عمل کرتے ہو ○

مومن ہر حال میں اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں: ☆☆ (آیت:۱۲) اسی آیت جیسی آیت وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ہے یعنی جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بڑی لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ سے اپنی تکلیف کے دور ہونے کی التجائیں کرتا ہے۔ لیکن جہاں دعا قبول ہوئی' تکلیف دور ہوئی اور ایسا ہو گیا جیسے کہ نہ اسے کبھی تکلیف پہنچی تھی نہ اس نے کبھی دعا کی تھی۔ ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور انہیں اپنے ایسے ہی گناہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں ایماندار' نیک اعمال' ہدایت و رشد والے ایسے نہیں ہوتے۔ حدیث شریف میں ہے مومن کی حالت پر تعجب ہے۔ اس کے لئے ہر الٰہی فیصلہ اچھا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اسے تکلیف پہنچی' اس نے صبر و استقامت اختیار کی اور اسے نیکیاں ملیں' اسے راحت پہنچی' اس نے شکر کیا۔ اس پر بھی نیکیاں ملیں۔ یہ بات مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

ظالم تہہ و بالا ہو گئے: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۴) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ سابقہ اقوام پر تکذیب رسولؐ کی وجہ سے عذاب آئے۔ تہس نہس ہو گئے۔ اب تم ان کے قائم مقام ہو اور تمہارے پاس بھی افضل الرسل آ چکے ہیں۔ اللہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے اعمال کی کیا کیفیت رہتی ہے۔؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا میٹھی' مزے کی' سبز رنگ والی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ دنیا سے ہوشیار رہو۔ اور عورتوں سے ہوشیار رہو۔ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کا ہی آیا تھا۔ (مسلم) حضرت عوف بن مالکؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک رسی لٹکائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے تو اسے مکمل تھام لیا' پھر لٹکائی گئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح پوری لے لی۔ پھر منبر کے اردگرد لوگوں نے ناپنا شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تین ذراع بڑھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے یہ خواب سن کر فرمایا۔ بس ہٹو بھی۔ ہمیں خوابوں کی کیا حاجت؟ پھر اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا' عوفؓ تمہارا خواب کیا تھا؟ حضرت عوف نے کہا جانے دیجئے۔ جب آپؓ

کو اس کی ضرورت ہی نہیں- آپ نے جب مجھے ڈانٹ دیا پھر اب کیوں پوچھتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا اس وقت تو تم خلیفتہ الرسولؓ کو ان کی موت کی خبر دے رہے تھے- اب بیان کرو- انہوں نے بیان کیا- تو آپ نے فرمایا' لوگوں کا منبر کی طرف تین ذراع ناپنا یہ تھا کہ ایک تو خلیفہ برحق تھا- دوسرا خلیفہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بالکل بے پرواہ تھا- تیسرا خلیفہ شہید ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' پھر ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا کہ ہم تمہارے اعمال دیکھیں- اے عمر کی ماں کے لڑکے تو خلیفہ بنا ہوا ہے' خوب دیکھ بھال لے کہ کیا کیا عمل کر رہا ہے؟ آپ کا فرمان کہ ''میں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتا'' سے مراد ان چیزوں میں ہے جو اللہ چاہے- شہید ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی' اس وقت مسلمان آپ کے مطیع و فرمانبردار تھے-

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ
بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ
تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ
رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ
عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

جب انکے سامنے ہماری روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس تو اسکے سوا کوئی اور قرآن لا یا اسی کو بدل دے تو جواب دے کہ یہ مجھ سے تو نہیں ہو سکنے کا کہ اسے میں اپنی طرف سے بدل دوں' میں تو صرف اس وحی کا تابعدار ہوں جو میری طرف بھیجی جائے' مجھے اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگا ہوا ہے ○ تو کہہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تمہارے سامنے نہ پڑھتا نہ وہ خود تمہیں اس سے خبردار کرتا- دیکھو تو میں اس سے پہلے بھی تم میں اپنی بڑی عمر گزار چکا ہوں' کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے ○

کفار کی بدترین حجتیں: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) مکے کے کفار کا بغض دیکھئے- قرآن سن کر کہنے لگے' اسے تو بدل لا- بلکہ کوئی اور ہی لا- تو جواب دے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں- میں تو اللہ کا غلام ہوں- اس کا رسول ہوں- اس کا کہا کہتا ہوں- اگر میں ایسا کروں تو قیامت کے عذاب کا مجھے ڈر ہے- دیکھو اس بات کی دلیل یہ کیا کم ہے کہ میں ایک بے پڑھا لکھا شخص ہوں- تم لوگ استاد کلام ہو لیکن پھر بھی اس کا معارضہ اور مقابلہ نہیں کر سکتے- میری صداقت و امانت کے تم خود قائل ہو- میری دشمنی کے باوجود تم آج تک مجھ پر انگلی ٹکا نہیں سکتے- اس سے پہلے میں تم میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزار چکا ہوں- کیا پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟ شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے آنحضرت ﷺ کی صفتیں دریافت کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم نے اسے جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟ تو اسے باوجود دشمن اور کافر ہونے کے کہنا پڑا کہ نہیں' یہ ہے آپ کی صداقت جو دشمنوں کی زبان سے بھی بے ساختہ ظاہر ہوتی تھی- ہرقل نے نتیجہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں کیسے مان لوں کہ لوگوں کے معاملات میں تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لے- حضرت جعفر بن ابو طالبؓ نے دربار نجاشی میں شاہ حبش سے فرمایا تھا' ہم میں اللہ تعالیٰ نے جس رسولؐ کو بھیجا ہے' ہم اس کی صداقت' امانت' نسب وغیرہ سب کچھ جانتے ہیں' وہ نبوت سے پہلے ہم میں چالیس سال گزار چکے ہیں- سعید بن مسیب سے تینتالیس سال مروی ہیں لیکن

مشہور قول پہلا ہی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ۭ
اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا باندھ لے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک گنہگار کامیاب نہیں ہوتے ○

مجرم اور ظالموں کا سرغنہ: ☆☆ (آیت: ۱۷) اس سے زیادہ ظالم، اس سے زیادہ مجرم، اس سے زیادہ سرکش اور کون ہوگا؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اس کی طرف نسبت کر کے وہ کہے جو اس نے نہ فرمایا ہو۔ رسالت کا دعویٰ کر دے حالانکہ اللہ نے اسے نہ بھیجا ہو۔ ایسے جھوٹے لوگ تو عامیوں کے سامنے بھی چھپ نہیں سکتے چہ جائیکہ عاقلوں کے سامنے۔ اس گناہ کا کبیرترین ہونا تو کسی سے مخفی نہیں۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی اس سے غافل رہیں۔ یاد رکھو جو بھی منصب نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی صداقت یا جھوٹ اس پر ایسے دلائل قائم کر دیتی ہے کہ اس کا معاملہ بالکل ہی کھل جاتا ہے۔ ایک طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو لیجئے اور دوسری جانب مسیلمہ کذاب کو رکھیئے تو اتنا ہی فرق معلوم ہوگا جتنا آدھی رات اور دوپہر کے وقت میں۔ دونوں کے اخلاق، عادات، حالات کا معائنہ کرنے والا، حضورؐ کی سچائی اور اس کی غلط گوئی میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سجاح اور اسود عنسی کا دعویٰ ہے کہ نظر ڈالنے کے بعد کسی کو ان کے جھوٹ میں شک نہیں رہتا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں آئے تو لوگ آپؐ کے دیکھنے کے لئے گئے۔ میں بھی گیا۔ آپؐ کے چہرے پر نظریں پڑتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں۔ پاس گیا تو سب سے پہلے آپؐ کی زبان مبارک سے یہ کلام سنا کہ لوگو سلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاتے رہا کرو۔ صلہ رحمی قائم رکھو۔ راتوں کو لوگوں کی نیند کے وقت تہجد کی نماز پڑھا کرو تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔ اسی طرح جب سعد بن بکر کے قبیلے کے وفد میں ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پوچھا کہ اس آسمان کا بلند کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ۔ اس نے پوچھا ان پہاڑوں کا گاڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ۔ اس نے پوچھا اس زمین کا پھیلانے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ۔ تو اس نے کہا میں آپ کو اسی اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے ان آسمانوں کو بلند کیا، ان پہاڑوں کو گاڑ دیا۔ اس زمین کو پھیلا دیا کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو اپنا رسول بنا کر ہماری طرف بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں اسی اللہ کی قسم ہاں۔ اسی طرح نماز زکوۃ حج اور روزے کی بابت بھی اس نے ایسی ہی تاکیدی قسم دلا کر سوال کیا اور آپ نے بھی قسم کھا کر جواب دیا۔ تب اس نے کہا آپ سچے ہیں۔ اس کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ نہ میں اس پر بڑھاؤں گا اور نہ کم کروں گا۔ پس اس شخص نے صرف اسی پر کفایت کر لی۔ اور جو دلائل آپ کی صداقت کے اس کے سامنے تھے، ان پر اسے اعتبار آ گیا۔ حضرت حسانؓ نے آپؐ کی تعریف میں کتنا اچھا شعر کہا ہے۔

لو لم تكن فيه ايات مبينته   كانت بديهته تاتيك بالخير

یعنی حضورؐ میں اگر ظاہر اور کھلی نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو صرف یہی ایک بات کافی تھی کہ چہرہ دیکھتے ہی بھلائی اور خوبی تیری طرف لپکتی ہے۔ فصلوات الله و سلامه عليه۔ برخلاف آپ کے کذاب مسیلمہ کہ جس نے اسے بیک نگاہ دیکھ لیا، اس کا جھوٹ اس پر کھل گیا۔ خصوصاً جس نے اس کے فضول اقوال اور بدترین افعال دیکھ لئے۔ اسے اس کے جھوٹ میں ذرا سا شائبہ بھی نہ رہا۔ جسے وہ اللہ کا کلام کہہ رہا تھا، اس کی بدمزگی، اس کی بے کاری تو اتنی ظاہر ہے کہ اللہ کے کلام کے سامنے پیش کئے جانے کے بھی قابل نہیں۔ لو اب تم ہی انصاف

کرو- آیت الکرسی کے مقابلے میں اس ملعون نے یہ آیت بنائی تھی- باضفدع بنت صفدعین نقی کم تنقین لا للماء تکدرین و لا الشارب تمنعین یعنی اے مینڈکوں کے بچے مینڈک تو ٹراتا رہ- نہ تو پانی خراب کر سکے نہ پینے والوں کو روک سکے- اسی طرح اس کے ناپاک کلام کے نمونے میں اس کی بنائی ہوئی ایک آیت ہے- کہ لقد انعم اللہ علی الحبلی اذاخرج منھا نسمتہ تسعی من بین صفاق و حشی اللہ نے حاملہ پر بڑی مہربانی فرمائی کہ اس کے پیٹ سے چلتی پھرتی جان برآمد کی، جھلی اور آنتوں کے درمیان سے-

سورۃ الفیل کے مقابلے میں وہ پاجی کہتا ہے الفیل و ما ادرك مالفیل له خرطوم طویل یعنی ہاتھی اور کیا جانے تو کیا ہے ہاتھی؟ اس کی بڑی لمبی سونڈ ہوتی ہے- والنازعات کا معارضہ کرتے ہوئے یہ کمینہ کہتا ہے والعاجنات عجنا والخابزات خبزا واللاقمات لقما اھالتہ و سمعان ان قریشا قوم یعتدون یعنی آٹا گوندھنے والیاں اور روٹی پکانے والیاں اور لقمے بنانے والیاں، سالن اور گھی سے- قریشی لوگ بہت آگے نکل گئے- اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ بچوں کا کھیل ہے یا نہیں؟ شریف انسان تو سوائے مذاق کے ایسی بات منہ سے بھی نہیں نکال سکتا- پھر اس کا انجام دیکھئے- لڑائی میں مارا گیا- اس کا گروہ مٹ گیا- اس کے ساتھیوں پر لعنت برسی- حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس خائب و خاسر ہو کر منہ پر مٹی مل کر پیش ہوئے اور رو دھو کر، توبہ کر کے جوں توں کر کے جان بچائی- پھر تو اللہ کے سچے دین کی چاشنی سے ہونٹ چوسنے لگے- ایک روز ان سے خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مسیلمہ کا قرآن تو سناؤ تو وہ بہت سٹ پٹائے- بے حد شرمائے اور کہنے لگے- حضرت ہمیں اس ناپاک کلام کے زبان سے نکالنے پر مجبور نہ کیجئے- ہمیں تو اس سے شرم معلوم ہوتی ہے- آپؓ نے فرمایا نہیں- تم ضرور سناؤ تاکہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو بھی اس کی رکاکت اور بے ہودگی معلوم ہو جائے- آخر مجبور ہو کر انہوں نے نہایت ہی شرماتے وہ کچھ پڑھا جس کا نمونہ اوپر گزرا کہ کہیں مینڈک کا ذکر ہے، کہیں ہاتھی کا، کہیں روٹی کا، کہیں حمل کا- اور وہ سارے ہی ذکر بے سود بے مزہ اور بے کار- حضرت ابوبکرؓ نے آخر میں فرمایا، یہ تو بتاؤ تمہاری عقلیں کہاں ماری گئیں تھیں؟ واللہ اسے تو کوئی بیوقوف بھی ایک لمحہ کے لئے کلام اللہ نہیں کہہ سکتا- مذکور ہے کہ عمرو بن العاص اپنے کفر کے زمانے میں مسیلمہ کے پاس پہنچا- یہ دونوں بچپن کے دوست تھے- اس نے پوچھا، کہو عمرو تمہارے ہاں کے نبی پر آج کل جو وحی اتری ہو اس میں سے کچھ سنا سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، ان کے اصحاب ایک مختصر سی سورت پڑھتے تھے جو میری زبان پر بھی چڑھ گئی لیکن بھائی اپنے مضمون کے لحاظ سے وہ سورت بہت بڑی اور بہت ہی اعلی ہے اور لفظوں کے اعتبار سے بہت ہی مختصر اور بڑی جامع ہے- پھر اس نے سورہ والعصر پڑھ سنائی- مسیلمہ چپکا ہو گیا- بہت دیر کے بعد کہنے لگا، مجھ پر اسی جیسی سورت اتری ہے- اس نے کہا ہاں تو بھی سنا دے تو اس نے پڑھایا وبریا وبرانما انت اذنان و صدروسائرك حقر لغر یعنی اے وبر جانور تیرے تو بس دو کان ہیں اور سینہ ہے اور باقی جسم تو تیرا بالکل حقیر اور عیب دار ہے- یہ سنا کر عمرو سے پوچھتا ہے کہو دوست کیسی کہی؟ اس نے کہا دوست اپنے جھوٹ پر مہر لگا دی- اور کیسی کہی؟ پس جب کہ ایک مشرک پر بھی سچے جھوٹے کی تمیز مشکل نہ ہوئی تو ایک صاحب عقل، تمیز دار باایمان پر کیسے یہ بات چھپ سکتی ہے؟ اسی کا بیان آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ الخ میں ہے یعنی اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے یا اس کی طرف وحی نہ آنے کے باوجود وحی آنے کا دعوی کرنے والے سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں- اسی طرح جو کہے کہ میں بھی اللہ کی طرح کا کلام اتار سکتا ہوں، مندرجہ بالا آیت میں بھی یہی فرمان ہے، پس وہ بڑا ہی ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے، وہ بڑا

ہی ظالم ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے۔ حجت ظاہر ہو جانے پر بھی نہ مانے۔ حدیث میں ہے' سب سے بڑا سرکش اور بدنصیب وہ ہے جو کسی نبی کو قتل کرے یا نبی اسے قتل کرے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ
هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا
كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ
رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں ضرر پہنچا سکیں نہ نفع دے سکیں۔ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں' ان سے پوچھ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو وہ خبر دے رہے ہو جو وہ نہ تو آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں' وہ پاک اور بلند ہے ہر اس چیز سے جسے یہ شریک ٹھہرا رہے ہیں ○ سب کے سب انسان ایک ہی گروہ تھے۔ پھر اختلاف میں پڑ گئے' اگر پہلے ہی سے تیرے رب کا کلمہ نہ گزر چکا ہوتا تو ان سب کے درمیان ہر اس چیز کا فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ مختلف ہیں ○

شرک کے آغاز کی روداد: ☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) مشرکوں کا خیال تھا کہ جن کو ہم پوجتے ہیں' یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے۔ اس غلط عقیدے کی قرآن کریم تردید فرماتا ہے کہ وہ کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ ان کی شفاعت تمہیں کچھ کام نہ آئے گی۔ تم تو اللہ کو بھی سکھانا چاہتے ہو گویا جو چیز زمین آسمان میں وہ نہیں جانتا۔ تم اس کی خبر اسے دینا چاہتے ہو۔ یعنی یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک و کفر سے پاک ہے۔ وہ برتر و بری ہے۔ سنو پہلے سب ہی سب اسلام پر تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک دس صدیاں وہ سب لوگ مسلمان تھے۔ پھر اختلاف رونما ہوا اور لوگوں نے تیری میری پرستش شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے سلسلوں کو جاری کیا تاکہ ثبوت و دلیل کے بعد جس کا جی چاہے زندہ رہے' جس کا جی چاہے مر جائے۔ چونکہ اللہ کی طرف سے فیصلے کا دن مقرر ہے۔ حجت تمام کرنے سے پہلے عذاب نہیں ہوتا اس لئے موت موخر ہے ورنہ ابھی ہی حساب چکا دیا جاتا۔ مومن کامیاب رہتے اور کافر ناکام۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ
فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۱۰

کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان اس کے رب کی جانب سے کیوں نہیں اتارا گیا؟ تو کہہ دے کہ غیب کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اچھا تم منتظر رہو' میں بھی تمہارے ساتھ ہی منتظر ہوں ○

ثبوت صداقت مانگنے والے: ☆☆ (آیت: ۲۰) کہتے ہیں کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو جیسے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی ملی تھی' انہیں ایسا کوئی نشان کیوں نہیں ملا؟ چاہئے تھا کہ یہ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیتا یا مکے کے پہاڑوں کو ہٹا کر یہاں کھیتیاں باغ اور نہریں بنا دیتا۔ گو اللہ کی قدرت اس سے عاجز نہیں لیکن اس کی حکمت کا تقاضا وہی جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنے نبی کے لئے باغات اور نہریں بنا دے لیکن یہ پھر بھی

قیامت کے منکر ہی رہیں گے۔ اور آخر جہنم میں جائیں گے۔ اگلوں نے بھی ایسے معجزے طلب کئے۔ جب دکھائے گئے، پھر بھی جھٹلایا تو عذاب الٰہی آ گئے۔ آنحضرت ﷺ سے بھی یہی فرمایا گیا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں ان کے منہ مانگے معجزے دکھا دوں لیکن پھر بھی یہ کافر رہے تو غارت کر دیئے جائیں گے اور اگر چاہو تو مہلت دوں۔ آپ نے اپنے حلم و کرم سے دوسری بات ہی اختیار کی۔ یہاں حکم ہوتا ہے کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ تمام کاموں کا انجام وہی جانتا ہے۔ تم ایمان نہیں لاتے تو نتیجے کے منتظر رہو۔ دیکھو میرا کیا ہوتا ہے اور تمہارا کیا ہوتا ہے؟ آہ کیسے بدنصیب تھے جو مانگتے تھے۔ اس سے بدر جہا بڑھ کر دیکھ چکے تھے اور سب معجزوں کو جانے دو۔ چاند کو ایک اشارے سے دو ٹکڑے کر دینا، ایک ٹکڑے کا پہاڑ کے اس طرف اور دوسرے کا اس طرف چلے آنا کیا یہ معجزہ کسی طرح اور کسی معجزے سے کم تھا؟ لیکن چونکہ ان کا یہ سوال محض کفر کی بناء پر تھا ورنہ یہ بھی اللہ دکھا دیتا۔ جن پر عذاب عملاً آ جاتا ہے، وہ چاہے دنیا بھر کے معجزے دیکھ لیں، انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اگر ان پر فرشتے اترتے، اگر ان سے مردے باتیں کرتے، اگر ہر ایک چیز ان کے سامنے کر دی جاتی، پھر بھی انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اسی کا بیان آیت وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ میں آیت وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ اور آیت وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ الخ میں بھی ہوا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو ان کے منہ مانگے معجزے دکھانے بھی بے سود ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے تو کفر پر گرہ لگا لی ہے۔ اس لئے فرما دیا کہ آگے چل کر دیکھ لینا کیا ہوتا ہے۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ
مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ
مَا تَمْكُرُوْنَ ۝٢١ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى
اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا
جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا
اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا
مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝٢٢ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ
يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ
عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٣

لوگوں کو دکھ پہنچنے کے بعد جب ہم سکھ کا مزہ چکھاتے ہیں تو اسی وقت ہماری قدرتوں میں حیلے بنانے لگتے ہیں، تو کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ تو بہت جلد حیلہ بنا سکتا ہے۔ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تمہاری حیلہ بازیاں لکھ رہے ہیں ○ اللہ ہی ہے جو تمہیں خشکی تری کے سفر کراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو، اور باد موافق انہیں بہا لے چلتی ہے اور اہل کشتی ہشاش بشاش ہوتے ہیں کہ ناگاہ تیز و تند ناموافق ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور ہر طرف سے موجیں ان کے پاس آنے لگتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ گھیر لئے گئے اسی وقت خالص اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اسی سے دعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچا لیا تو یقیناً ہم شکر

گزاروں میں ہو جائیں گے ○ پھر جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں خلاصی دی کہ یہ ملک میں ناحق فساد برپا کرنے لگے، لوگو! تمہاری سرکشیوں کا وبال خود تم پر ہی ہے۔ اچھا جیتے جی برت لو۔ پھر سب کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے۔ پس ہم آپ تمہیں تمہارے کرتوت پر خبردار کریں گے ○

احسان فراموش انسان: ☆☆ (آیت:۲۱۔۲۳) انسانی ناشکری کا بیان ہو رہا ہے کہ اسے سختی کے بعد کی آسانی، خشک سالی کے بعد کی ترسالی، قحط کے بعد کی بارش اور بھی ناشکرا کر دیتی ہے۔ یہ ہماری آیتوں سے مذاق اڑانے لگتا ہے۔ کیا تو اس وقت ہماری طرف ان کا جھکنا اور کیا اس وقت ان کا اکڑنا نہیں دیکھتا۔ رات کو بارش ہوئی۔ صبح کو حضورؑ نے نماز پڑھائی۔ پھر پوچھا، جانتے بھی ہو رات کو باری تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہؓ نے کہا ہمیں کیا خبر؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ کا ارشاد ہوا ہے کہ صبح کو میرے بہت سے بندے ایماندار ہو جائیں گے اور بہت سے کافر۔ کچھ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے بارش ہوئی، وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے بن جائیں گے اور ستاروں کی ایسی تاثیروں کے منکر ہو جائیں گے۔ اور کچھ کہیں گے کہ فلاں فلاں پچھتر کی وجہ سے بارش برسائی گئی۔ وہ مجھ سے کافر ہو جائیں گے اور ستاروں پر ایمان رکھنے والے بن جائیں گے۔

یہاں فرماتا ہے کہ جیسے یہ چالبازی ان کی طرف سے ہے، میں بھی اس کے جواب سے غافل نہیں ہوں۔ انہیں ڈھیل دیتا ہوں۔ یہ اسے غفلت سمجھتے ہیں۔ پھر جب پکڑ آ جاتی ہے تو حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ میں غافل نہیں۔ میں نے تو اپنے امین فرشتے چھوڑ رکھے ہیں جو ان کے کرتوت برابر لکھتے جا رہے ہیں۔ پھر میرے سامنے پیش کریں گے۔ میں خود دانا، بینا ہوں لیکن تاہم وہ سب تحریر میرے سامنے ہوگی جس میں ان کے چھوٹے بڑے، برے بھلے سب اعمال ہوں گے۔ اسی اللہ کی حفاظت میں تمہارے خشکی اور تری کے سفر ہوتے ہیں۔ تم کشتیوں میں سوار ہو، موافق ہوائیں چل رہی ہیں، کشتیاں تیر کی طرح منزل مقصود کو جا رہی ہیں۔ تم خوشیاں منا رہے ہو کہ یکایک باد مخالف چلی اور چاروں طرف سے پہاڑوں کی طرح موجیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سمندر میں تلاطم شروع ہو گیا۔ کشتی تنکے کی طرح جھکولے کھانے لگی اور تمہارے کلیجے الٹنے لگے۔ ہر طرف سے موت نظر آنے لگی۔ اس وقت سارے بنے بنائے معبود اپنی جگہ دھرے رہ گئے اور نہایت خشوع و خضوع سے صرف مجھ سے دعائیں مانگی جانیلگیں۔ وعدے کئے جانے لگے کہ اب کے اس مصیبت سے نجات مل جانے کے بعد شکر گزاری میں باقی عمر گزار دیں گے۔ توحید میں لگے رہیں گے۔ کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے۔ آج سے خالص توبہ ہے۔

لیکن ادھر نجات ملی، کنارے پر اترے، خشکی میں چلے پھرے کہ اس مصیبت کے وقت کو، اس خالص دعا کو، پھر اقرار شکر و توحید کو یکسر بھول گئے اور ایسے ہو گئے گویا ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔ ہم سے کبھی معاملہ پڑا ہی نہ تھا۔ ناحق اکڑفوں کرنے لگے، مستی میں آ گئے۔ لوگو تمہاری اس سرکشی کا وبال تم پر ہی ہے۔ تم اس سے دوسروں کا نہیں بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، وہ گناہ جس پر یہاں بھی اللہ کی پکڑ نازل ہو اور آخرت میں بھی بدترین عذاب ہو، فساد و سرکشی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ تم اس دنیائے فانی کے تھوڑے سے معمولی برائے نام فائدے تو چاہے اٹھا لو لیکن آخر انجام تو میری طرف ہی ہے۔ میرے سامنے آؤ گے، میرے قبضے میں ہو گے۔ اس وقت ہم آپ تمہیں تمہاری بداعمالیوں پر متنبہ کریں گے۔ ہر ایک کو اس کے کئے اعمال کا بدلہ دیں گے لہٰذا اچھائی پا کر ہمارا شکر کرو اور برائی دیکھ کر اپنے سوا کسی اور کو ملامت اور الزام نہ دو۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ
بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ
اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ
قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ
لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

دنیا کی زندگی کی مثال تو بالکل بارش جیسی ہے جسے ہم آسمان سے برساتے ہیں۔ پھر اس سے زمین کا سبزہ اور روئیدگی مل جل کر وہ چیزیں اگتی ہیں جو انسان بھی کھاتے ہیں اور چوپائے بھی' یہاں تک کہ جب زمین سرسبز ہو کر آراستہ پیراستہ ہو گئی اور وہاں کے رہنے والوں نے اندازہ لگا لیا کہ اب ہم اس سے نفع پانے پر قادر ہو گئے کہ ناگہاں امر الٰہی اس پر رات کو یا دن کو آ پہنچا اور ہم نے اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکا اس طرح کہ گویا کل کچھ بھی نہ تھا' غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس طرح ہم کھول کھول کر اپنی نشانیاں بیان فرما دیتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے' اور جسے چاہتا ہے راہ راست پر لا کھڑا کر دیتا ہے ○

دنیا اور اس کی حقیقت: ☆☆ (آیت:۲۴-۲۵) دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور اس کی دو گھڑی کی سہانی رونق' پھر اس کی بربادی اور بے رونقی کی مثال زمین کے سبزے سے دی جا رہی ہے کہ بادل سے پانی برسا۔ زمین لہلہا اٹھی۔ طرح طرح کی سبزیاں' چارے' پھل پھول' کھیت' باغات' پیدا ہو گئے۔ انسانوں کے کھانے کی چیزیں جانوروں کے چرنے چگنے کی چیزیں چاروں طرف پھیل پڑیں' زمین سرسبز ہو گئی' ہر چہار طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آنے لگی' کھیتی والے خوش ہو گئے۔ باغات والے پھولے نہیں سماتے کہ اب کے پھل اور اناج بکثرت ہے۔ ناگہاں آندھیوں کے جھکڑ چلنے لگے' برف باری ہوئی' اولے گرے' پالہ پڑا' پھل چھوڑ' پتے بھی جل گئے۔ درخت جڑوں سے اکھڑ گئے' تازگی خشکی سے بدل گئی' پھل ٹھٹھر گئے' جل گئے' کھیت و باغات ایسے ہو گئے کہ گویا تھے ہی نہیں۔ اور جو چیز کل تھی بھی' آج نہیں تو گویا کل بھی نہ تھی۔

حدیث میں ہے' بڑے دنیا دار کروڑ پتی کو جو ہمیشہ ناز و نعمت میں ہی رہا تھا' لا کر جہنم میں ایک غوطہ دے کر پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کہو تمہاری زندگی کیسی گزری؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے تو کبھی کوئی راحت نہیں دیکھی۔ کبھی آرام کا نام بھی نہیں سنا۔ اسی طرح دنیا کی زندگی میں ایک گھڑی بھی جس پر آرام کی نہیں گزری تھی' اسے لایا جائے گا۔ جنت میں ایک غوطہ دلا کر پوچھا جائے گا کہ کہو دنیا میں کیسے رہے؟ جواب دے گا کہ پوری عمر کبھی رنج و غم کا نام بھی نہیں سنا۔ کبھی تکلیف اور دکھ دیکھا بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح عقلمندوں کے لئے واقعات واضح کرتا ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کر لیں۔ ایسا نہ ہو اس فانی چند روزہ دنیا کے ظاہری چکر میں پھنس جائیں اور اس ڈھل جانے والے سائے کو اصلی اور پائدار سمجھ لیں۔ اس کی رونق دو روزہ ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو اپنے چاہنے والوں سے بھاگتی ہے۔ اور نفرت کرنے والوں سے لپٹتی ہے۔ دنیا کی زندگی کی مثال اسی طرح ہے۔ اور بھی بہت سی آیتوں میں بیان ہوئی ہے مثلاً سورہ کہف کی آیت وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ

الدُّنْیَا الخ میں اور سورہ زمر اور سورہ حدید میں۔ خلیفہ مراون بن حکم نے ممبر پر وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا و ما كان الله ليهلكهم الا بذنوب اهلها الخ' پڑھ کر فرمایا' میں نے تو اسی طرح پڑھی ہے لیکن قرآن میں یہ لکھی ہوئی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے صاحبزادے نے فرمایا' میرے والد بھی اسی طرح پڑھتے تھے۔ ابن عباسؓ کے پاس جب آدمی بھیجا گیا تو آپ نے فرمایا' ابی بن کعب کی قرأت بھی یونہی ہے۔ لیکن یہ قرات غریبہ ہے۔ اور گویا یہ جملہ تفسیر یہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف اپنے بندوں کو بلاتا ہے جو دنیا کی طرح فانی نہیں بلکہ باقی ہے۔ دنیا کی طرح دو دن کے لئے زینت دار نہیں بلکہ ہمیشہ کی نعمتوں اور ابدی راحتوں والی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ مجھ سے کہا گیا تیری آنکھیں سو جائیں۔ تیرا دل جاگتا رہے اور تیرے کان سنتے رہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمایا گیا' ایک سردار نے ایک گھر بنایا۔ وہاں دعوت کا انتظام کیا۔ ایک بلانے والے کو بھیجا۔ پس جس نے اس کی دعوت قبول کی۔ گھر میں داخل ہوا اور دستر خوان سے کھانا کھایا۔ جس نے نہ قبول کی نہ اسے اپنے گھر میں آنا ملا نہ دعوت کا کھانا میسر ہوا نہ سردار اس سے خوش ہوا۔ پس اللہ سردار ہے اور گھر اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں۔ یہ روایت مرسل ہے۔ دوسری متصل بھی ہے۔ اس میں ہے کہ ایک دن ہمارے مجمع میں آ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' خواب میں میرے پاس جبرئیل و میکائیل آئے۔ جبرئیلؑ سرہانے اور میکائیلؑ پیروں کی طرف کھڑے ہو گئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا' اس کی مثال بیان کرو۔ پھر یہ مثال بیان کی' پس جس نے تیری دعوت قبول کی' وہ اسلام میں داخل ہوا اور جو اسلام لایا' وہ جنت میں پہنچا اور وہاں کھایا پیا۔ ایک حدیث میں ہے' ہر دن سورج کے طلوع ہونے کے وقت اس کے دونوں جانب دو فرشتے ہوتے ہیں جو باآواز بلند انسانوں اور جنوں کے سوا سب کو سنا کر کہتے ہیں کہ لوگو اپنے رب کی طرف آؤ۔ جو کم ہو یا کافی ہو' وہ بہتر ہے اس سے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے۔ قرآن فرماتا ہے' لوگو اللہ تعالیٰ تمہیں دارالسلام کی طرف بلاتا ہے (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ
قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾
وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ
ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ
قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾

نیکیاں کرنے والوں کے لئے بھلائی بھی ہے اور زیادتی بھی' نہ تو ان کے چہروں پر سیاہی ہوگی اور نہ ذلت' یہ تو جنتی لوگ ہیں جو وہاں ہمیشہ ہمیش رہیں گے ○ جنہوں نے برائی کی ہے' انہیں انہی برائیوں کے برابر کا بدلہ ملے گا۔ انہیں ذلت ڈھانپ لے گی' انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا' گویا کہ ان کے چہرے رات کے سیاہ ٹکڑے سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں۔ یہ جہنمی لوگ ہیں جو اسی میں ہمیشہ رہیں گے ○

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی: ☆☆ (آیت: ۲۶) یہاں جس نے نیک اعمال کئے اور باایمان رہا' وہاں اسے بھلائیاں اور نیک بدلے ملیں گے۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ ایک ایک نیکی بڑھا چڑھا کر زیادہ ملے گی۔ ایک کے بدلے سات سات سو تک۔ جنت'

حور، قصور وغیرہ وغیرہ آنکھوں کی طرح طرح کی ٹھنڈک، دل کی لذت اور ساتھ ہی اللہ عزوجل کے چہرے کی زیارت۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا لطف و رحم ہے۔ بہت سے سلف خلف صحابہؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ زیادہ سے مراد اللہ عزوجل کا دیدار ہے۔ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے اور اس وقت ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا کہ اے جنتیو! تم سے اللہ کا ایک وعدہ ہوا تھا۔ اب وہ بھی پورا ہونے کو ہے۔ یہ کہیں گے الحمدللہ، ہمارے میزان بھاری ہو گئے، ہمارے چہرے نورانی ہو گئے، ہم جنت میں پہنچ گئے۔ ہم جہنم سے دور ہو گئے۔ اب کیا چیز باقی ہے؟ اسی وقت حجاب ہٹ جائے گا اور یہ اپنے پاک پروردگار کا دیدار کریں گے۔ واللہ کسی چیز میں انہیں وہ لذت و سرور نہ حاصل ہوا ہو گا جو دیدار اللہ میں ہو گا۔ (مسلم وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ منادی کہے گا، حسنیٰ سے مراد جنت تھی اور زیادت سے مراد دیدار اللہ تھا۔ ایک حدیث میں یہ فرمان رسول ﷺ سے بھی مروی ہے۔ میدان محشر میں ان کے چہروں پر نہ سیاہی ہو گی نہ ذلت ہو گی جیسے کہ کافروں کے چہروں پر یہ دونوں چیزیں ہوں گی۔ غرض ظاہری اور باطنی اہانت سے وہ دور ہوں گے۔ چہرے پرنور، دل راحتوں سے مسرور۔ اللہ ہمیں بھی انہی میں کرے۔ آمین۔

ایک تقابلی جائزہ: ☆☆ (آیت: ۲۷) نیکوں کا حال بیان فرما کر اب بدوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ ان کی نیکیاں بڑھا کر ان کی برائیاں برابر ہی رکھی جائیں گی۔ نیکی کم مگر بدکاریاں ان کے چہروں پر سیاہیاں بن کر چڑھ جائیں گی، ذلت و پستی سے ان کے منہ کالے پڑ جائیں گے۔ یہ اپنے مظالم سے اللہ کو بےخبر سمجھتے رہے حالانکہ انہیں اس دن تک کی ڈھیل ملی تھی، آج آنکھیں چڑھ جائیں گی، شکلیں بگڑ جائیں گی۔ کوئی نہ ہو گا جو کام آئے اور عذاب سے بچائے۔ کوئی بھاگنے کی جگہ نہ نظر آئے گی۔ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ کافروں کے چہرے ان کے کفر کی وجہ سے سیاہ ہوں گے، اب کفر کا مزہ اٹھاؤ۔ مومنوں کے منہ نورانی اور چمکیلے، گورے اور صاف ہوں گے، کافروں کے چہرے ذلیل اور پست ہوں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ
أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ
إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ
كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا
أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ ع ۳ ۱۰ ۸

اس دن سے ڈرو جس دن ہم تمام مخلوق کا حشر کریں گے۔ پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر ہم ان میں تفرقہ ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہرگز ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○ ہم میں اور تم میں اللہ تعالیٰ پورا شاہد ہے۔ ہم تو تمہاری عبادت سے بالکل ہی غافل تھے ○ وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو آگے بھیجا اور سب کے سب اپنے سچے اور حقیقی مالک کی طرف رجوع ہوں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھ لیا کرتے تھے، وہ سب کچھ ان سے گم ہو جائے گا ○

میدان حشر میں سبھی موجود ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) مومن کافر، نیک بد، جن اور انسان سب میدان قیامت میں اللہ کے

سامنے جمع ہوں گے- سب کا حشر ہوگا- ایک بھی باقی نہ رہے گا- پھر مشرکوں کو اور ان کے شریکوں کو الگ کھڑا کر دیا جائے گا- ان مجرموں کی جماعت مومنوں سے الگ ہو جائے گی- سب جدا جدا گروہ میں بٹ جائیں گے- ایک سے ایک الگ ہو جائے گا- اللہ تبارک وتعالیٰ خود فیصلوں کے لئے تشریف لائے گا- مومن سفارش کر کے اللہ کو لائیں گے کہ وہ فیصلے فرما دے- یہ امت ایک اونچے ٹیلے پر ہوگی- مشرکین کے شرکا اپنے عابدوں سے بیزاری ظاہر کریں گے- اسی طرح خود مشرکین بھی ان سے انجان ہو جائیں گے- سب ایک دوسرے سے انجان بن جائیں گے- اب بتلاؤ ان مشرکوں سے بھی زیادہ کوئی بہکا ہوا ہے کہ انہیں پکارتے رہے جو آج تک ان کی پکار سے بھی غافل رہے اور آج ان کے دشمن بن کر مقابلے پر آ گئے- صاف کہا کہ تم نے ہماری عبادت نہیں کی- ہمیں کچھ خبر نہیں، ہم تمہاری عبادتوں سے بالکل غافل رہے- اسے اللہ خوب جانتا ہے نہ ہم نے اپنی عبادت کو تم سے کہا تھا نہ ہم اس سے کبھی خوش رہے- تم اندھی، نہ سنتی، بے کار چیزوں کو پوجتے رہے جو خود ہی بے خبر تھے، نہ وہ اس سے خوش نہ ان کا یہ حکم- بلکہ تمہاری پوری حاجت مندی کے وقت تمہارے شرک کے منکر تمہاری عبادتوں کے منکر بلکہ تمہارے دشمن- اس حی وقیوم، سمیع وبصیر، قادر ومالک، وحدہ لاشریک کو تم نے چھوڑ دیا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہ تھا- جس نے رسول بھیج کر تمہیں توحید سکھائی اور سنائی تھی- سب رسولوں کی زبانی کہلوایا تھا کہ میں ہی معبود ہوں- میری ہی عبادت واطاعت کرو- سوائے میرے کوئی پوجا کے لائق نہیں- ہر قسم کے شرک سے بچو- کبھی کسی طرح بھی مشرک نہ بنو- وہاں ہر شخص اپنے اعمال دیکھ لے گا- اپنی بھلائی برائی معلوم کر لے گا- نیک وبد سامنے آ جائے گا- اسرار بے نقاب ہوں گے- کھل پڑیں گے- اگلے پچھلے چھوٹے بڑے کام سامنے ہوں گے- نامہ اعمال کھلے ہوئے ہوں گے، ترازو چڑھی ہوئی ہوگی- آپ اپنا حساب کر لے گا- تَبْلُوْا کی دوسری قرأت تَتْلُوْا بھی ہے- اپنے اپنے کرتوت کے پیچھے ہر شخص ہوگا- حدیث میں ہے، ہر امت کو حکم ہوگا کہ اپنے اپنے معبودوں کے پیچھے چل کھڑی ہو جائے- سورج پرست سب سورج کے پیچھے ہوں گے، چاند پرست چاند کے پیچھے، بت پرست بتوں کے پیچھے- سارے کے سارے حق تعالیٰ مولائے برحق کی طرف لوٹائے جائیں گے- تمام کاموں کے فیصلے اس کے ہاتھ ہوں گے- اپنے فضل سے نیکوں کو جنت میں اور اپنے عدل سے بدوں کو جہنم میں لے جائے گا- مشرکوں کی ساری افترا پردازیاں رکھی کی رکھی رہ جائیں گی- بھرم کھل جائیں گے- پردے اٹھ جائیں گے-

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ
اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

پوچھ تو کہ تم سب کو آسمان وزمین سے روزیاں کون پہنچا رہا ہے؟ اور کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے، اور کون ہے جو تمام کاموں کا انتظام کرتا ہے، اس کا جواب ان کے پاس یہی ہے کہ صرف اللہ ہی، تو کہہ دے کہ کیا پھر تم بچتے نہیں ہو؟ ○ یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا سچا، پس حق کے بعد گمراہی کے سوا اور ہے ہی کیا؟ پس تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ ○ اسی طرح تیرے رب کی بات نافرمانوں پر ثابت ہو

چکی ہے کہ وہ ایمان لائیں گے ہی نہیں ○

اللہ کی الوہیت کے منکر: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۳) اللہ کی ربوبیت کو مانتے ہوئے الوہیت اللہ کا انکار کرنے والے قریشیوں پر حجت اللہ پوری ہو رہی ہے کہ ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں سے بارش کون برساتا ہے؟ پھر اپنی قدرت سے زمین کو پھاڑ کر کھیتی اور باغ کون اگاتا ہے؟ دانے اور پھل کون پیدا کرتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ سب کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی۔ اس کے ہاتھ میں ہے چاہے روزی دے چاہے روک لے۔ کان' آنکھیں بھی اس کے قبضے میں ہیں۔ دیکھنے کی سننے کی حالت بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ اگر وہ چاہے اندھا بہرا بنا دے۔ پیدا کرنے والا وہی' اعضا کا دینے والا وہی۔ وہ اس قوت کو چھین لے تو کوئی نہیں دے سکتا۔ اس کی قدرت وعظمت کو دیکھو کہ مردے سے زندے کو پیدا کر دے۔ زندے سے مردے کو نکالے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ ہر چیز کی بادشاہت اسی کے ہاتھ ہے۔ سب کو وہی پناہ دیتا ہے اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہی متصرف وحاکم ہے۔ کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ وہ سب پر حاکم ہے' آسمان وزمین اس کے قبضے میں' ہر تر وخشک کا مالک وہی ہے۔ عالم بالا اور سفلی اسی کا ہے۔ کل انس وجن' فرشتے اور مخلوق اس کے سامنے عاجز وبے کس ہیں۔ ہر ایک پست ولاچار ہے۔ ان سب باتوں کا ان مشرکین کو بھی اقرار ہے۔ پھر کیا بات ہے جو یہ تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار نہیں کرتے۔ جہالت وعبادت سے دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ فاعل خود مختار اللہ کو جانتے ہوئے' رب و مالک مانتے ہوئے' معبود سمجھتے ہوئے پھر بھی دوسروں کی پوجا کرتے ہیں۔ وہی ہے تم سب کا سچا معبود۔ اللہ تعالیٰ حق وکیل ہے۔ اس کے سوائے تمام معبود باطل ہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ بے شریک ہے۔ مستحق عبادت صرف وہی ہے۔ حق ایک ہی ہے۔ اس کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ پس تمہیں اس کی عبادت سے ہٹ کر دوسروں کی عبادت کی طرف نہ جانا چاہئے' یاد رکھو وہی رب العلمین ہے۔ وہی ہر چیز میں متصرف ہے۔ کافروں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے' ان کی عقل ماری گئی ہے۔ خالق' رازق' متصرف' مالک صرف اللہ کو مانتے ہوئے اس کے رسولوں کا خلاف کر کے اس کی توحید کو نہیں مانتے۔ اپنی بدبختی سے جہنم کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ
اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴ قُلْ هَلْ مِنْ
شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ
اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ
اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵ وَمَا يَتَّبِعُ
اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

کہہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ابتداً مخلوق کو پیدا کرے۔ پھر دوبارہ اسے لوٹا دے؟ کہہ دے کہ اللہ ہی مخلوق کو ابتدا میں پیدا کرتا ہے اور وہی پھر اس کا اعادہ کرتا ہے' سو تم کہاں سے الٹے پھرے جاتے ہو؟ ○ پوچھ کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو دین حق کی راہ دکھا سکے؟ کہہ دے کہ اللہ

ہی دین حق کی رہبری کرتا ہے۔ پس جو حق کی راہ دکھائے۔ وہ پیروی کیے جانے کے زیادہ لائق ہے یا وہ جو خود ہی بغیر راہ دکھائے راہ نہ پا سکے' تمہیں کیا ہو گیا' کیسا انصاف کرتے ہو؟ ○ ان میں کے اکثر تو صرف اٹکل پر ہی چلتے ہیں' ظاہر ہے کہ اٹکل اور گمان معرفت حق میں کچھ بھی کام نہیں دیتے' جو کام یہ کرتے ہیں سب سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے ○

مصنوعی معبودوں کی حقیقت : ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۶) مشرکوں کے شرک کی تردید ہو رہی ہے کہ بتلاؤ تمہارے معبودوں میں سے ایک بھی ایسا ہے جو آسمانوں و زمین کو اور مخلوق کو پیدا کر سکے۔ یا بگاڑ کر بنا سکے نہ ابتدا پر کوئی قادر نہ اعادہ پر کوئی قادر۔ بلکہ اللہ ہی ابتدا کرے وہی اعادہ کرے۔ وہ اپنے تمام کاموں میں یکتا ہے۔ پس تم طریق حق سے گھوم کر راہ ضلالت کی طرف کیوں جا رہے ہو۔ کہو تو تمہارے معبود کسی بھٹکے ہوئے کی رہبری کر سکتے ہیں؟ یہ بھی ان کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ بھی اللہ کے ہاتھ ہے۔ ہادی برحق وہی ہے' وہی گمراہوں کو راہ راست دکھاتا ہے' اس کے سوا کوئی ساتھی نہیں۔ پس جو رہبری تو کیا کرے خود ہی اندھا بہرا ہو' اس کی تابعداری ٹھیک؟ یا اس کی اطاعت اچھی جو سچا ہادی' مالک کل' قادر کل ہو؟ یہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ ان کی پوجا کیوں کرتا ہے؟ جو نہ سنیں نہ دیکھیں نہ کوئی فائدہ دے سکیں۔ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان کی پوجا کرتے ہو جنہیں خود اپنے ہاتھوں بناتے ہو۔ حالانکہ تمہارا اور تمہارے کام کی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہاں فرماتا ہے تمہاری عقلیں کیا اوندھی ہو گئیں کہ خالق و مخلوق کو ایک کر دیا' نیکی سے ہٹ کر بدی میں جا گرے' توحید سے چھوڑ کر شرک میں پھنس گئے۔ اس کو اور اس کو پوجنے لگے۔ رب جل جلالہ مالک و حاکم و ہادی و رب سے بھٹک گئے۔ اس کی طرف خلوص اور دلی توجہ چھوڑ دی۔ دلیل و برہان سے ہٹ گئے۔ مغالطوں اور تقلید میں پھنس گئے۔ گمان اور اٹکل کے پیچھے پڑ گئے۔ وہم و خیال کی بھنور میں آ گئے۔ حالانکہ ظن و گمان فضول چیز ہے۔ حق کے سامنے وہ محض بے کار ہے۔ تمہیں اس سے کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ انہیں پوری سزا دے گا۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ
تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ
وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

یہ قرآن ایسا کلام نہیں کہ اللہ کے سوا اور کی طرف سے گھڑا ہوا ہو بلکہ یہ تو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے اور تفصیل ہے شریعت کی کتاب کی جس کے اللہ رب العالمین کی طرف سے ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ○ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسی نے اسے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ پھر تم بھی تو اس کی کسی سورت کی مثال بنا کر لاؤ۔ ہاں تم اللہ کے سوا اور جس جس کو چاہو بلا بھی لینا اگر تم سچے ہو ○

اعجاز قرآن حکیم : ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۸) قرآن کریم کے اعجاز کا اور قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا بیان ہو رہا ہے کہ کوئی اس کا بدل اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس جیسا قرآن بلکہ اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی کسی کے بس کی نہیں۔ یہ بے مثل قرآن بے مثل اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت' اس کی وجاہت و حلاوت' اس کے معنوں کی بلندی' اس کے مضامین کی عمدگی بالکل بے نظیر چیز ہے۔ اور یہی دلیل ہے اس کی کہ یہ قرآن اس اللہ کی طرف سے ہے جس کی ذات بے مثل' صفتیں بے مثل' جس کے اقوال بے مثل' جس کے

افعال بے مثل، جس کا کلام اس سے عالی اور بلند کہ مخلوق کا کلام اس کے مشابہ ہو سکے۔ یہ کلام تو رب العٰلمین کا ہی کلام ہے، نہ کوئی اور اسے بنا سکے، نہ یہ کسی اور کا بنایا ہوا۔ یہ تو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، ان پر نگہبانی کرتا ہے، ان کا اظہار کرتا ہے، ان میں جو تحریف، تبدیل تادیل ہوئی ہے، اسے بے حجاب کرتا ہے، حلال حرام، جائز ناجائز غرض کل امور شرع کا شافی اور پورا بیان فرماتا ہے۔ پس اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے، اس میں اگلی خبریں ہیں اس میں آنے والی پیش گوئیاں ہیں اور آنے والی خبریں ہیں۔ سب جھگڑوں کے فیصلے ہیں۔ سب احکام کے حکم ہیں۔ اگر تمہیں اس کے کلام اللہ ہونے میں شک ہے، تم اسے گھڑا ہوا سمجھتے ہو اور کہتے ہو کہ محمد ﷺ نے اپنی طرف سے کہہ لیا ہے تو جاؤ تم سب مل کر ایک ہی سورۃ اس جیسی بنا لاؤ اور کل انسانوں اور جنوں سے مدد بھی لے لو۔ یہ تیسرا مقام ہے جہاں کفار کو مقابلے پر بلا کر عاجز کیا گیا ہے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہوں تو اس کے مقابلے میں اسی جیسا کلام پیش کریں۔ لیکن یہ ہے ناممکن۔ یہ خبر بھی ساتھ ہی دے دی تھی کہ انسان و جنات سب جمع ہو جائیں، ایک دوسرے کا ساتھ دیں لیکن اس قرآن جیسا بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ اس پورے قرآن کے مقابلہ سے جب وہ عاجز ولاچار ثابت ہو چکے تو ان سے مطالبہ ہوا کہ اس جیسی صرف دس سورتیں ہی بنا کر لاؤ۔ سورہ ہود کے شروع کی آیت قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ الخ میں یہی فرمان ہے۔ جب یہ بھی ان سے نہ ہو سکا تو اور آسانی کر دی گئی اور سورہ بقرۃ میں جو مدنی ہے، فرمایا کہ اچھا ایک ہی سورت اس جیسی بنا کر پیش کرو۔ وہاں بھی ساتھ ہی فرمایا کہ نہ یہ تمہارے بس کی بات نہ ساری مخلوق کے بس کی بات۔ پس اس الہامی کتاب کو جھٹلا کر عذاب الٰہی مول نہ لو۔ اس وقت کلام کی فصاحت و بلاغت پر پورا زور تھا۔ عرب اپنے مقابلے میں سارے جہاں کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔ اپنی زبان پر بڑا گھمنڈ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ قرآن اتارا کہ سب سے پہلے انہی شاعروں اور زبان دانوں اور عالموں کی گردنیں اس کے سامنے خم ہوئیں جیسے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے نے کہ مردوں کو بحکم الٰہی جلا دینا۔ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بحکم اللہ شفا دے دینا، دنیا کے سب سے پہلے معالجوں اور اطباء کو راہ اللہ پر لا کھڑا کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ کام دوا کا نہیں، اللہ کا ہے۔ جادوگروں نے سانپ کو جو حضرت موسیٰؑ کی لکڑی تھی، دیکھتے ہی آپ کی نبوت کا یقین کر لیا اور عاجز و درماندہ ہو گئے۔ اسی طرح اس قرآن نے فصیح و بلیغ لوگوں کی زبانیں بند کر دیں۔ ان کے دلوں میں یقین آ گیا کہ بے شک یہ کلام انسان کا کلام نہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں نبیوں کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ ان کی وجہ سے لوگ ان پر ایمان لائے۔ میرا ایسا معجزہ قرآن ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ
كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ
اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾

ع ۱۰

بلکہ یہ تو اسے جھٹلانے لگے جس کے علم کو نہیں پہنچے اور نہ اب تک اس کی حقیقت ان کے پاس پہنچی ہے، ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تھا۔ پس تو آپ دیکھ لے کہ ان ظالموں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ ان میں سے بعض تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض نہیں لاتے، تیرا رب فسادیوں کو خوب جانتا ہے ○

(آیت: ۳۹۔۴۰) پس مجھے امید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت ان کے بہت ہی زیادہ ہوں گے۔ یہ (کافر) لوگ بغیر سوچے

سمجھے، بغیر علم حاصل کئے اسے جھٹلانے لگے۔ اب تک تو اس کے مصداق اور حقیقت تک بھی یہ نہیں پہنچے۔ اپنی جہالت وسفاہت کی وجہ سے اس کی ہدایت، اس کے علم سے محروم رہ گئے اور چلانا شروع کر دیا کہ ہم اسے نہیں مانتے۔ ان سے پہلے کی امتوں نے بھی اللہ کے کلام کو اسی طرح جھٹلا دیا تھا جس بنا پر وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ تو آپ نے دیکھ لیا کہ ان کا کیسا برا انجام ہوا۔ کس طرح ان کے پرخچے اڑے؟ ہمارے رسولوں کو ستانے ان کے نہ ماننے کا کبھی انجام اچھا نہیں ہوتا۔ تمہیں ڈرنا چاہئے کہیں انہی آفتوں کا نشانہ تم بھی نہ بنو۔ تیری امت کے بھی بعض لوگ تو اس پر ایمان لائے ہیں، تجھے رسول برحق مانا ہے۔ تیری باتوں سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ اور بعض ایمان سے رہ گئے ہیں۔ خیر سے خالی ہو گئے ہیں۔ تیرا رب مفسدوں کو بخوبی جانتا ہے۔ گمراہ اور نیک راہ اس پر ظاہر ہیں۔ ہدایت اور ضلالت کے مستحق اس کے سامنے ہیں۔ وہ عادل ہے، ظالم نہیں۔ ہر ایک کو اس کا حصہ دیتا ہے۔ وہ برکت اور بلندی والا، پاک اور انتہائی حسن والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـُٔوْنَ
مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ
اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ
اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا کام ہے اور تمہارے لئے تمہارا کام ہے۔ تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس کا ذمے دار نہیں جو تم کر رہے ہو ○ ان میں ایسے بھی ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا تو بہروں کو سنائے گا اگرچہ وہ عقل بھی نہ رکھتے ہوں؟ ○ اور ان میں سے بعض تیری طرف دیکھنے لگتے ہیں، تو کیا اندھوں کو راہ دکھلائے گا گو وہ دیکھتے بھی نہ ہوں ○ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا، لیکن لوگ اپنی جانوں پر آپ ہی ظلم کرتے ہیں ○

مشرکین سے اجتناب فرمائیے : ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۴) فرمان ہوتا ہے کہ اے نبیؐ اگر یہ مشرکین تجھے جھوٹا ہی بتلاتے رہیں تو تو ان سے اور ان کے کاموں سے اپنی بےزاری کا اعلان کر دے اور کہہ دے کہ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ، میرے اعمال میرے ساتھ۔ جیسے کہ سورہ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ میں بیان ہوا ہے۔ اور جیسے کہ حضرت خلیل اللہ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے بےزار ہیں جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنے معبود بنا رکھا ہے۔ ان میں سے بعض تیرا پاکیزہ کلام بھی سنتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کا بلند و بالا کلام بھی ان کے کانوں میں پڑ رہا ہے۔ لیکن ہدایت نہ تیرے ہاتھ نہ ان کے ہاتھ۔ گو یہ فصیح وصحیح کلام دلوں میں گھر کرنے والا، انسانوں کو پورا نفع دینے والا ہے، یہ کافی اور وافی ہے لیکن بہروں کو کون سنا سکے؟ یہ دل کے کان نہیں رکھتے۔ اللہ ہی کے ہاتھ ہدایت ہے۔ یہ تجھے دیکھتے ہیں، تیرے پاکیزہ اخلاق، تیری ستھری تعلیم، تری نبوت کی روشن دلیلیں ہر وقت ان کے سامنے ہیں لیکن ان سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مومن تو انہیں دیکھ کر ایمان بڑھاتے ہیں لیکن ان کے دل اندھے ہیں۔ عقل وبصیرت ان میں نہیں ہے۔ مومن وقار کی نظر ڈالتے ہیں اور یہ حقارت کی۔ ہر وقت ہنسی مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔

پس اپنے اندھے پن کی وجہ سے راہ ہدایت دیکھ نہیں سکتے۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت کا دخل ہے کہ ایک تو دیکھے اور سنے اور نفع

پائے' دوسرا دیکھے سنے اور نفع سے محروم رہے۔ اسے اللہ کا ظلم نہ سمجھو۔ وہ تو سراسر عدل کرنے والا ہے' کسی پر کبھی کوئی ظلم وہ روا نہیں رکھتا۔ لوگ خود اپنا برا آپ ہی کر لیتے ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کی زبانی فرماتا ہے کہ اے میرے بندو' میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام کر دیا ہے۔ خبردار ایک دوسرے پر ظلم ہرگز نہ کرنا۔ اس کے آخر میں ہے۔ اے میرے بندو! یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جنہیں میں جمع کر رہا ہوں۔ پھر تمہیں ان کا بدلہ دوں گا۔ پس جو شخص بھلائی پائے' وہ اللہ کا شکر بجا لائے اور جو اس کے سوا کچھ اور پائے وہ صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے (مسلم)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ
بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ۝٤٥ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۝٤٦ وَ
لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ
هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٤٧

جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا گویا کہ یہ دن کی ایک ساعت ہی رہے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے' بے شک وہ برباد ہوئے جو اللہ سے ملنے کو جھٹلاتے رہے اور راہ یافتہ نہ ہوئے ○ اگر ہم تجھے اپنا کوئی وعدہ دکھا دیں جو ہم ان سے کرتے ہیں یا ہم تجھے فوت کر لیں بہرصورت ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ پھر اللہ ہی انکے کرتوتوں پر شاہد ہے ○ ہر امت کیلئے رسول ہے' پھر جب انکا رسول آ گیا تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور وہ ظلم نہیں کئے جاتے ○

جب سب اپنی قبر سے اٹھیں گے: ☆☆ (آیت:۴۵) بیان ہو رہا ہے کہ وہ وقت بھی آ رہا ہے جب قیامت قائم ہو گی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کی قبروں سے اٹھا کر میدان قیامت میں جمع کرے گا۔ اس وقت انہیں ایسا معلوم ہو گا کہ گویا گھڑی بھر دن ہی ہم رہے تھے' صبح یا شام ہی تک ہمارا رہنا ہوا تھا۔ کہیں گے کہ دس روز دنیا میں گزارے ہوں گے۔ تو بڑے بڑے حافظے والے کہیں گے' کہاں کے دس دن' تم تو ایک ہی دن رہے۔ قیامت کے دن یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ایک ساعت ہی رہے۔ وغیرہ ایسی آیتیں قرآن کریم میں بہت سی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ دنیا کی زندگی آج بہت تھوڑی معلوم ہو گی۔ سوال ہو گا کہ کتنے سال دنیا میں گزارے' جواب دیں گے کہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کم۔ شمار والوں سے پوچھ لو۔ جواب ملے گا کہ واقعہ میں دار دنیا دار آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے اور فی الحقیقت وہاں کی زندگی بہت ہی تھوڑی تھی لیکن تم نے اس کا خیال زندگی بھر نہ کیا۔ اس وقت بھی ہر ایک دوسرے کو پہچانتا ہو گا۔ جیسے دنیا میں تھے' ویسے ہی وہاں بھی ہوں گے۔ رشتے' کنبے کو باپ بیٹوں کو الگ الگ پہنچان لیں گے۔ لیکن ہر ایک نفسا نفسی میں مشغول ہو گا۔ جیسے فرمان الٰہی ہے کہ صور کے پھونکتے ہی حسب ونسب سب فنا ہو جائیں گے۔ کوئی دوست اپنے کسی دوست سے کچھ سوال تک نہ کرے گا۔ جو اس دن کو جھٹلاتے رہے' وہ آج گھاٹے میں رہیں گے۔ ان کے لئے ہلاکت ہو گی' انہوں نے اپنا ہی برا کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔ اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہو گا کہ ایک دوسرے سے دور ہے' دوستوں کے درمیان تفریق ہے' حسرت وندامت کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ ہے: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۷) فرمان ہے کہ اگر تیری زندگی میں ہم ان کفار پر کوئی عذاب اتاریں یا تجھے ان

عذابوں کے اتارنے سے پہلے ہی اپنے پاس بلالیں۔ بہرصورت ہے تو یہ سب ہمارے قبضے میں ہی اور ٹھکانا ان کا ہمارے ہاں ہی ہے۔ اور ہم پر ان کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا' گذشتہ رات اسی حجرے کے پاس میرے سامنے میری ساری امت پیش کی گئی۔ کسی نے پوچھا کہ اچھا موجود لوگ تو خیر لیکن جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے' وہ کیسے پیش کئے گئے؟ آپؐ نے فرمایا ان کی مٹی کے جسم پیش کئے گئے جیسے تم اپنے کسی ساتھی کو پہچانتے ہو' ایسے ہی میں نے انہیں پہچان لیا۔ ہر امت کے رسول ہیں۔ جب کسی امت کے پاس رسول پہنچ گیا' پھر حجت پوری ہوگئی۔ اب قیامت کے دن ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ بغیر کسی ظلم کے حساب چکا دیا جائے گا۔ جیسے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ الخ والی آیت میں ہے۔ ہر امت اللہ کے سامنے ہوگی' رسول موجود ہوگا' نامہ اعمال ساتھ ہوگا' گواہ فرشتے حاضر ہوں گے' ایک کے بعد دوسری امت آئے گی۔ اس شریف امت کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا' گو دنیا میں یہ سب سے آخر میں آئی ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہم سب سے آخر میں آئے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ ہمارے فیصلے سب سے اول ہوں گے۔ اپنے نبی کی فضیلت وشرف کی وجہ سے یہ امت بھی اللہ کے ہاں شریف وافضل ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ
لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ
اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾
اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا
بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو ○ تو کہہ دے کہ میں تو اپنی جان کے نقصان نفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے' ہر ایک امت کا ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا وقت آجائے گا تو نہ ایک ساعت کی دیر کر سکیں گے اور نہ جلدی کر سکیں گے ○ کہہ تم بتاؤ تو سہی' اگر تمہارے پاس اس کا عذاب رات کو آجائے یا دن کو۔ بہرحال کیا چیز ہے جس کی جلدی یہ گنہگار مچا رہے ہیں؟ ○ کیا پھر جس وقت وہ آجائے گا تب تم اس پر ایمان لاؤ گے' کیا اب؟ حالانکہ تم تو اس کی جلدی مچار ہے تھے ○ پھر تو ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ تمہیں بدلہ نہ دیا جائے گا مگر اسی کا جو تم کرتے رہے ○

بے معنی سوال کرنے والوں کو جواب: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۲) ان کا بے فائدہ سوال دیکھو۔ وعدہ کا دن کب آئے گا؟ یہ پوچھتے ہیں اور پھر وہ بھی نہ ماننے اور انکار کے بعد بطور یہ جلدی مچا رہے ہیں اور مومن خوف زدہ ہو رہے ہیں کیونکہ وہ اسے حق جانتے ہیں۔ وقت نہ معلوم ہو نہ سہی' جانتے ہیں کہ بات سچی ہے۔ ایک دن آئے گا ضرور۔ ہدایات دی جاتی ہیں کہ انہیں جواب دے کہ میرے اختیار میں تو کوئی بات نہیں۔ جو بات مجھے بتلا دی جائے' میں تو وہی جانتا ہوں۔ کسی چیز کی مجھ میں قدرت نہیں یہاں تک کہ خود اپنے نفع نقصان کا بھی میں مالک نہیں۔ میں تو اللہ کا غلام ہوں اور اس کا رسولؐ ہوں۔ اس نے مجھ سے فرمایا' میں نے تم سے کہا کہ قیامت آئے گی ضرور۔ نہ اس نے مجھے اس کا

خاص وقت بتا یا نہ میں تمہیں بتا سکوں۔ ہاں ہر زمانے کی ایک میعاد معین ہے جہاں اجل آئی۔ پھر نہ ایک ساعت پیچھے نہ آگے۔ اجل آنے کے بعد نہیں رکتی۔ پھر فرمایا کہ وہ تو اچانک آنے والی ہے۔ ممکن ہے رات کو آ جائے۔ دن کو آ جائے۔ اس کے عذاب میں دیر کیا ہے؟ پھر اس شور مچانے سے اور وقت کا تعین پوچھنے سے کیا حاصل؟۔ کیا جب قیامت آ جائے' عذاب دیکھ لو تب ایمان لاؤ گے؟ وہ محض بے سود ہے۔ اس وقت تو یہ سب کہیں گے کہ ہم نے دیکھ سن لیا۔ کہیں گے' ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور دوسروں سے کفر کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان بے نفع ہے۔ اللہ کا طریقہ اپنے بندوں میں یہی رہا ہے۔ وہاں تو کافروں کو نقصان ہی رہے گا۔ اس دن تو ان سے صاف کہہ دیا جائے گا اور بہت ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہ اب تو دائمی عذاب چکھو' ہمیشہ کی مصیبت اٹھاؤ۔ انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا کہ یہ ہے جسے تم نہیں مانتے تھے۔ اب بتاؤ کہ یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اب اس میں چلے جاؤ۔ اب تو صبر کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ اپنے اعمال کا بدلہ ضرور پاؤ گے۔

وَیَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ
بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی ع ۱۳ ۱۰
الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ
وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے' تو کہہ دے کہ قسم ہے میرے پروردگار کی' یہ بالکل حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ اگر ہر ظلم کرنے والے انسان کے لئے وہ ہو جو روئے زمین پر ہے تو وہ سب اپنے فدیئے میں دیدیں' دل ہی دل میں پشیمان ہوں گے جب کہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے' عدل کے ساتھ ان میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے ○ خبردار رہو' آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کا ہے' خبردار رہو یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں ○ وہی جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○

مٹی ہونے کے بعد جینا کیسا ہے؟ ☆☆ (آیت:۵۳-۵۴) پوچھتے ہیں کہ کیا مٹی ہو جانے اور سڑ گل جانے کے بعد جی اٹھنا اور قیامت کا قائم ہونا حق ہی ہے؟ تو ان کا شبہ مٹا دے اور قسم کھا کر کہہ دے کہ یہ سراسر حق ہی ہے۔ جس اللہ نے تمہیں اس وقت پیدا کیا جب کہ تم کچھ نہ تھے۔ وہ تمہیں دوبارہ جب کہ تم مٹی ہو جاؤ گے' پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے۔ وہ تو جو چاہتا ہے' فرما دیتا ہے کہ یوں ہو جا۔ اسی وقت ہو جاتا ہے اسی مضمون کی اور دو آیتیں قرآن کریم میں ہیں۔ سورہ سبا میں ہے قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ الخ سورہ تغابن میں ہے قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ الخ ان دونوں میں بھی قیامت کے ہونے پر قسم کھا کر یقین دلایا گیا ہے۔ اس دن تو کفار زمین بھر کر سونا اپنے بدلے میں دے کر بھی چھٹکارا پانا پسند رکھیں گے۔ دلوں میں ندامت ہو گی' عذاب سامنے ہوں گے' حق کے ساتھ فیصلے ہو رہے ہوں گے' کسی پر ظلم ہرگز نہ ہو گا۔

خالق کل عالم کل ہے: ☆☆ (آیت:۵۵-۵۶) مالک آسمان و زمین' مختار کل کائنات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے وعدے سچے ہیں' وہ پورے ہو کر ہی رہیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ جلانے مارنے والا وہی ہے' سب باتوں پر وہ قادر ہے۔ جسم سے علیحدہ

ہونے والی چیز کو اس کے بکھر کر' بگڑ کر ٹکڑے ہونے کو وہ جانتا ہے' اس کے حصے کن جنگلوں میں' کن دریاؤں میں' کہاں ہیں' وہ خوب جانتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي
الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٥٧ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ
وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝٥٨ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ
آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝٥٩

لوگو! تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی اور وہ شفاء ہے ان علتوں کی جو سینوں میں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے مسلمانوں کے واسطے ○ اور کہہ دے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہی ایسی چیز ہے جس پر شادمانی منانی چاہئے' یہ اس سے بہت بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں ○ کہہ کہ بھلا دیکھو تو سہی' جو روزی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اتاری' تم نے اس میں سے کچھ تو حرام کر لی اور کچھ حلال' پوچھ کہ کیا اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا یا تم اللہ پر بہتان باندھ لیتے ہو؟ ○

رسول کریم ﷺ کے منصب عظیم کا تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) اپنے رسول کریم پر قرآن عظیم نازل فرمانے کے احسان کو اللہ رب العزت بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ کا وعظ تمہارے پاس آ چکا جو تمہیں بدیوں سے روک رہا ہے' جو دلوں کے شک شکوک دور کرنے والا ہے' جس سے ہدایت حاصل ہوتی ہے' جس سے اللہ کی رحمت ملتی ہے۔ جو اس سچائی کی تصدیق کریں' اسے مانیں' اس پر یقین رکھیں' اس پر ایمان لائیں' وہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ یہ ہمارا نازل کردہ قرآن مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے' ظالم تو اپنے نقصان میں ہی بڑھتے رہتے ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ کہہ دے کہ یہ تو ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ اللہ کے فضل و رحمت یعنی اس قران کے ساتھ خوش ہونا چاہئے۔ دنیائے فانی کے دھن دولت پر ریجھ جانے اور اس پر شادمان و فرحاں ہو جانے سے تو اس دولت کو حاصل کرنے اور اس ابدی خوشی اور دائمی مسرت کو پا لینے سے بہت خوش ہونا چاہئے۔ ابن ابی حاتم اور طبرانی میں ہے کہ جب عراق فتح ہو گیا اور وہاں سے خراج دربار فاروقؓ میں پہنچا تو آپؓ نے اونٹوں کی گنتی کرنا چاہی لیکن وہ بے شمار تھے۔ حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کر کے اسی آیت کی تلاوت کی۔ تو آپ کے مولی عمرو نے کہا' یہ بھی تو اللہ کا فضل و رحمت ہی ہے۔ آپ نے فرمایا' تم نے غلط کہا' یہ تو ہمارے حاصل کردہ ہیں' جس فضل و رحمت کا بیان اس آیت میں ہے' وہ یہ نہیں۔

بغیر شرعی دلیل کے حلال وحرام کی مذمت: ☆☆ (آیت: ۵۹-۶۰) مشرکوں نے بعض جانور مخصوص نام رکھ کر اپنے لیے حرام قرار دے رکھے تھے۔ اس عمل کی تردید میں یہ آیتیں ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور چوپایوں میں یہ کچھ نہ کچھ حصہ تو اس کا کرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے' حضرت عوف بن مالک بن فضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میلا کچیلا جسم' بال بکھرے ہوئے۔ آپؐ نے مجھ سے پوچھا' تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کس قسم کا مال؟ میں نے کہا۔ اونٹ' غلام' گھوڑے' بکریاں وغیرہ۔ غرض ہر قسم کا مال ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تجھے سب کچھ دے رکھا ہے تو اس کا اثر بھی تیرے جسم پر ظاہر ہونا چاہئے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تیرے ہاں اونٹنیاں بچے بھی دیتی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا' وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں۔ پھر تو اپنے ہاتھ میں چھری لے کر کسی کا کان کاٹ کے اس کا نام بحیرہ رکھ

لیتا ہے۔ کسی کی کھال کاٹ کر حرام نام رکھ لیتا ہے۔ پھر اسے اپنے اوپر اور اپنے والوں پر حرام سمجھ لیتا ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپؐ نے فرمایا' سن اللہ نے تجھے جو دیا ہے' وہ حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بازو تیرے بازو سے قوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چھری تیری چھری سے بہت زیادہ تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کے فعل کی پوری مذمت بیان فرمائی ہے جو اپنی طرف سے بغیر شرعی دلیل کے کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ ع ۷ ۱۱

جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' ان کا قیامت کے دن کی بابت کیا خیال ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے ہی فضل و احسان والا ہے لیکن اکثر لوگ نا شکری کرتے ہیں ○

(آیت: ۶۰) انہیں اللہ نے قیامت کے عذاب سے دھمکایا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا کیا خیال ہے؟ یہ کس ہوا میں ہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ بے بس ہو کر قیامت کے دن ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر اپنا فضل و کرم ہی کرتا ہے۔ وہ دنیا میں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اسی کا فضل ہے کہ اس نے دنیا میں بہت سی نفع کی چیزیں لوگوں کے لئے حلال کر دی ہیں۔ صرف انہی چیزوں کو حرام فرمایا ہے جو بندوں کو نقصان پہنچانے والی اور ان کے حق میں مضر ہیں۔ دنیوی طور پر یا اخروی طور پر۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کر کے اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اپنی جانوں کو خود تنگی میں ڈالتے ہیں۔ مشرک لوگ اسی طرح از خود احکام گھڑ لیا کرتے تھے اور انہیں شریعت سمجھ بیٹھتے تھے۔ اہل کتاب نے بھی اپنے دین میں ایسی ہی بدعتیں ایجاد کر لی تھیں۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے' قیامت کے دن اولیاء اللہ کی تین قسمیں کر کے انہیں جناب باری کے سامنے لایا جائے گا۔ پہلی قسم والوں میں سے ایک سے سوال ہوگا کہ تم لوگوں نے یہ نیکیاں کیوں کیں؟ وہ جواب دیں گے کہ پروردگار تو نے جنت بنائی' اس میں درخت لگائے' ان درختوں میں پھل پیدا کئے' وہاں نہریں جاری کیں' حوریں پیدا کیں اور اور نعمتیں تیار کیں' پس اسی جنت کے شوق میں ہم راتوں کو بیدار رہے اور دنوں کو بھوک پیاس اٹھائی۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اچھا تو تمہارے اعمال جنت کے حاصل کرنے کے لئے تھے۔ میں تمہیں جنت میں جانے کی اجازت دیتا ہوں اور یہ میرا خاص فضل ہے کہ جہنم سے تمہیں نجات دیتا ہوں۔ گو یہ بھی میرا فضل ہی ہے کہ میں تمہیں جنت میں پہنچاتا ہوں۔ پس یہ اور اس کے سب ساتھی بہشت بریں میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر دوسری قسم کے لوگوں میں سے ایک سے پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ نیکیاں کیسے کیں؟ وہ کہے گا' پروردگار تو نے جہنم کو پیدا کیا۔ اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کے لیے وہاں طوق و زنجیر' حرارت' آگ' گرم پانی اور گرم ہوا کا عذاب رکھا۔ وہاں طرح طرح کے روح فرسا دکھ دینے والے عذاب تیار کئے۔ پس میں راتوں کو جاگتا رہا' دنوں کو بھوکا پیاسا رہا' صرف اس جہنم سے ڈر کر۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے تجھے اس جہنم سے آزاد کیا اور تجھ پر میرا یہ خاص فضل ہے کہ تجھے اپنی جنت میں لے جاتا ہوں۔

پس یہ اور اس کے ساتھی سب جنت میں چلے جائیں گے۔ پھر تیسری قسم کے لوگوں میں سے ایک کو لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تم نے نیکیاں کیوں کیں؟ وہ جواب دے گا کہ صرف تیری محبت میں اور تیرے شوق میں۔ تیری عزت کی قسم' میں راتوں کو

عبادت میں جاگتا رہا اور دنوں کو روزے رکھ کر بھوک پیاس سہتا رہا' یہ سب صرف تیرے شوق اور تیری محبت کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تو نے یہ اعمال صرف میری محبت اور میرے اشتیاق میں ہی کئے ہیں۔ لے اب میرا دیدار کر لے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ جل جلالہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنا دیدار کرائے گا' فرمائے گا' دیکھ لے یہ ہوں میں۔ پھر فرمائے گا' یہ میرا خاص فضل ہے کہ میں تجھے جہنم سے بچاتا ہوں اور جنت میں پہنچاتا ہوں۔ میرے فرشتے تیرے پاس پہنچتے رہیں گے اور میں خود بھی تجھ پر سلام کہا کروں گا' پس وہ مع اپنے ساتھیوں کے جنت میں چلا جائے گا۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ
مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا
يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ
وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٦١

تو جس کسی مشغلے میں ہو اور اللہ کی طرف سے آئے ہوئے قرآن کی جو کچھ تلاوت کر رہا ہو اور جو کچھ بھی کام تم کرتے ہو' ہم برابر تم پر مطلع رہتے ہیں جب بھی تم اس کام کو شروع کرتے ہو' تیرے رب سے ذرے برابر کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہتی' نہ زمین میں نہ آسمان میں' اس سے بھی کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو ○

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے: ☆☆ (آیت:٦١) اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے نبی ﷺ کو خبر دیتا ہے کہ خود آپؐ کے اور آپ کی تمام امت کے تمام احوال ہر وقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ساری مخلوقؑ کے کل کام اس کے علم میں ہیں۔ اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ سب چھوٹی بڑی چیزیں ظاہر کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ الخ' غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ خشکی تری کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر پتے کے جھڑنے کی اسے خبر ہے۔ زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہو' جو تر و خشک چیز ہو' سب کتاب مبین میں موجود ہے۔ الغرض درختوں کا ہلنا۔ جمادات کا ادھر ادھر ہونا' جانداروں کا حرکت کرنا' کوئی چیز روئے زمین کی اور تمام آسمانوں کی ایسی نہیں' جس سے علیم و خبیر اللہ بے خبر ہو۔ فرمان ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ ایک اور آیت میں ہے کہ زمین کے ہر جاندار کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ جب کہ درختوں' ذروں' جانوروں اور تمام تر و خشک چیزوں کے حال سے اللہ عزوجل واقف ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بندوں کے اعمال سے وہ بے خبر ہو جنہیں عبادت الٰہی کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے اس ذی عزت اور بڑے رحم و کرم والے اللہ پر تو بھروسہ رکھ جو تیرے قیام کی حالت میں بھی تجھے دیکھتا رہتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیرا آنا جانا بھی دیکھ رہا ہے۔ یہی بیان یہاں ہے کہ تم سب ہماری آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب حضور ﷺ سے احسان کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے یہی فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے' اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے یقیناً دیکھ ہی رہا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٢
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝٦٣ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ۭ﴿٦٤﴾

خبردار رہو کہ جو لوگ اللہ کے دوست ہیں' ان پر کسی قسم کا خوف و ہراس نہیں نہ وہ غمگین ہونگے ○ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ○ ان کے لئے دنیا میں بھی بشارتیں ہیں اور آخرت میں بھی' کلام الٰہی کے لئے کوئی تبدیلی نہیں' یہی تو زبردست کامیابی اور مقصدوری ہے ○

اولیاء اللہ کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۶۲-۶۴) اولیا اللہ وہ ہیں جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہو' جن کا ظاہر تقویٰ اور پرہیزگاری میں ڈوبا ہوا ہو' جتنا تقویٰ ہوگا' اتنی ہی ولایت ہوگی۔ ایسے لوگ محض نڈر اور بے خوف ہیں۔ قیامت کے دن کی وحشت ان سے دور ہے' نہ وہ کبھی غم و رنج سے آشنا ہوں گے۔ دنیا میں جو چھوٹ جائے' اس پر انہیں حسرت و افسوس نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بھی بہت سے سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اولیا اللہ وہ ہیں جن کا چہرہ دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے۔ بزار کی مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے۔ وہ حدیث مرسلا بھی مروی ہے۔ ابن جریر میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں' جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ لوگوں نے پوچھا۔ حضورؐ وہ کون ہیں؟ ہمیں بتایئے تاکہ ہم بھی ان سے محبت و الفت رکھیں۔ آپؐ نے فرمایا' 'یہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ مالی فائدے کی وجہ سے نہیں' رشتے داری اور نسب کی بنا پر نہیں۔ صرف اللہ کے دین کی وجہ سے ان کے چہرے نورانی ہوں گے' یہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ سب کو ڈر خوف ہوگا لیکن یہ بالکل بے خوف اور محض نڈر ہوں گے جب لوگ غمزدہ ہوں گے یہ بے غم ہوں گے''۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یہی روایت منقطع سند سے ابوداؤد میں بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ دور دراز کے رہنے والے خاندانوں اور برادریوں سے الگ شدہ لوگ جن میں کوئی رشتہ' کنبہ' قوم' برادری نہیں' وہ محض توحید و سنت کی وجہ سے اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے آپس میں ایک ہو گئے ہوں گے اور آپس میں میل ملاپ' محبت' مودت' دوستی اور بھائی چارہ رکھتے ہوں گے' دین میں سب ایک ہوں گے۔ ان کے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نورانی منبر بچھا دے گا جن پر وہ عزت سے تشریف رکھیں گے۔ لوگ پریشان ہوں گے لیکن یہ بااطمینان ہوں گے۔ یہی ہیں وہ اللہ کے اولیا جن پر کوئی خوف غم نہیں۔

خوابوں کے بارے میں: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بشارتوں کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے فرمایا' کہ یہ نیک خواب ہیں جنہیں مسلمان دیکھے یا اس کے لئے دکھائے جائیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے جب اس کا سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا' تم نے آج مجھ سے وہ بات پوچھی جو تم سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی سوائے اس شخص کے جس نے یہی سوال حضورؐ سے کیا اور آپؐ نے وہ جواب دیا (جو اد پر مذکور ہوا) اور روایت میں ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے یہ سوال آپؐ سے کیا تھا اور آپؐ نے اس جواب کے دینے سے پہلے انہیں فرمایا تھا کہ تجھ سے پہلے میرے کسی امتی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ خود انہی صحابیؓ سے جب سائل نے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے بھی یہ فرما کر پھر تفسیر مرفوع حدیث سے بیان فرمائی۔ اور روایت میں ہے' حضرت عبادہؓ نے سوال کیا کہ آخرت کی بشارت تو جنت ہے' دنیا کی بشارت کیا ہے۔ فرمایا' نیک خواب جسے بندہ دیکھے یا اس کے لئے اوروں کو دکھائے جائیں۔ یہ نبوت کا چوالیسواں یا سترواں جز ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ یارسول اللہ انسان نیکیاں کرتا ہے' پھر لوگوں میں اس کی تعریف ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہی دنیوی بشارت

ہے۔ (مسلم) فرماتے ہیں کہ دنیا کی بشارت نیک خواب ہیں جن سے مومن کو خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ یہ نبوت کا انچاسواں حصہ ہے۔ اس کے دیکھنے والے کو اسے بیان کرنا چاہئے اور جو اس کے سوا دیکھے' وہ شیطانی خواب ہیں تا کہ اسے غم زدہ کر دے۔ چاہئے کہ ایسے موقعہ پر تین دفعہ بائیں جانب تھتکار دے۔ اللہ کی بڑائی بیان کرے اور کسی سے اس خواب کو بیان نہ کرے۔ (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اور حدیث میں ہے دنیوی بشارت' نیک خواب اور اخروی بشارت جنت۔

ابن جریرؒ میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' نبوت جاتی رہی' خوشخبریاں رہ گئیں۔ بشریٰ کی یہی تفسیر ابن مسعود' ابو ہریرہ' ابن عباس' مجاہد' عروہ' ابن زبیر' یحییٰ بن ابی کثیر' ابراہیم نخعی' عطا بن ابی رباح وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد اس سے وہ خوشخبری ہے جو مومن کو اس کی موت کے وقت فرشتے دیتے ہیں جس کا ذکر آیت اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ الخ' میں ہے کہ سچے پکے مومنوں کے پاس فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو' تم غم نہ کرو' تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری سناتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔ ہم دنیا و آخرت میں تمہارے کارساز و ولی ہیں۔ سنو تم جو چاہو گے' جنت میں پاؤ گے' جو مانگو گے' ملے گا۔ تم تو غفور و رحیم اللہ کے خاص مہمان بنو گے۔''

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مطول حدیث میں ہے کہ مومن کی موت کے وقت نورانی' سفید چہرے والے' پاک صاف' اجلے سفید کپڑوں والے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پاک روح چل' کشادگی' راحت' تر و تازگی' خوشبو اور بھلائی کی طرف چل۔ تیرے اس پالنہار کی طرف جو تجھ سے کبھی خفا نہیں ہونے کا۔ پس اس کی روح اس بشارت کو سن کر اس کے منہ سے اتنی آسانی اور شوق سے نکلتی ہے جیسے مشک کے منہ سے پانی کا کوئی قطرہ چھو جائے۔ اور آخرت کی بشارت کا ذکر آیت لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ الخ میں ہے یعنی انہیں اس دن کی زبردست پریشانی بالکل ہی نہ گھبرائے گی۔ ادھر ادھر سے ان کے پاس فرشتے آئے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ اسی دن کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا۔ ایک آیت میں ہے يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ' جس دن تو مومن مردوں عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف چل رہا ہو گا۔ لو تم خوشخبری سن لو کہ آج تمہیں وہ جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں کی رہائش ہمیشہ کی ہو گی۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ اللہ کا وعدہ غلط نہیں ہوتا۔ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اس نے جو فرما دیا' سچ ہے' ثابت ہے' اٹل ہے' یقینی اور ضروری ہے۔ یہ ہے پوری مقصد آوری' یہ ہے زبردست کامیابی' یہ ہے مراد کا ملنا اور یہ ہے گود کا بھرنا۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۵
اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ
الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ
هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا
فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۷

ان کی باتوں سے تو ہرگز رنجیدہ نہ ہونا' عزت تو سب کی سب اللہ ہی کی ہے۔ وہ ہے ہی سنتا جانتا ○ سن رکھو' آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے' سب اللہ کا ہے' اللہ کے سوا اور شریکوں کو جو پکارتے ہیں' وہ پیروی نہیں کرتے' وہ تو صرف وہم کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض اٹکل باندھتے ہیں ○ وہ اللہ ہے جس نے تمہارے آرام

کے لئے رات بنادی ہے اور دن کو روشن دکھانے والا بنایا ہے، جو لوگ سنتے ہیں ان کے لئے تو اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ○

عزت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے: ☆☆ (آیت: ۶۵-۶۷) ان مشرکوں کی باتوں کا کوئی رنج وغم نہ کر- اللہ تعالیٰ سے ان پر مدد طلب کر- اسی پر بھروسہ رکھ' ساری عزتیں اسی کے ہاتھ ہیں' وہ اپنے رسول کو اور مومنوں کو عزت دے گا- وہ بندوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے- وہ ان کی حالتوں سے پورا خبردار ہے- آسمان وزمین کا وہی مالک ہے- اس کے سوا جن جن کو تم پوجتے ہو' ان میں سے کوئی کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا- کوئی نفع نقصان ان کے بس کا نہیں- پھر ان کی عبادت بھی محض بے دلیل ہے- صرف گمان' اٹکل' جھوٹ اور افترا ہے- حرکت' رنج وتعب' تکلیف اور کام کاج سے راحت وآرام' سکون واطمینان حاصل کرنے کے لئے اللہ نے رات بنا دی ہے- دن کو اس نے روشن اور اجالے والا بنا دیا ہے تاکہ تم اس میں کام کاج کرو' معاش اور روزی کی فکر' سفر' تجارت' کاروبار کر سکو- ان دلیلوں میں بہت کچھ عبرت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو ان آیتوں کو دیکھ کر ان کے خالق کی عظمت وجبروت کا تصور باندھتے ہیں- اس خالق ومالک کی قدر وعزت کرتے ہیں-

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ
اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ؕ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷ ۱۰ ۱۲

کہتے ہیں کہ اللہ کی بھی اولاد ہے- وہ پاک ہے' وہ بے نیاز ہے' آسمانوں میں زمین میں جو بھی ہے اسی کا ہے' تمہارے پاس اس کی کوئی بھی دلیل نہیں' اللہ پر کیوں وہ کہتے ہو جو نہیں جانتے ○ کہہ دے کہ اللہ پر جھوٹ افترا جو باندھتے ہیں' وہ چھٹکارے سے محروم رہ جاتے ہیں ○ دنیا میں تو یونہی سا فائدہ اور بات ہے- پھر ان سب کا لوٹنا تو ہماری طرف ہی ہے' پھر تو ہم بھی انہیں ان کے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھائیں گے ○

ساری مخلوق صرف اس کی ملکیت ہے: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۰) جو لوگ اللہ کی اولاد مانتے تھے' ان کے عقیدے کا بطلان بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اس سے پاک ہے' وہ سب سے بے نیاز ہے' سب اس کے محتاج ہیں' زمین وآسمان کی ساری مخلوق اس کی ملکیت ہے' اس کی غلام ہے- پھر ان میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہو جائے؟ تمہارے اس جھوٹ اور بہتان کی خود تمہارے پاس بھی کوئی دلیل نہیں- تم تو اللہ پر بھی اپنی جہالت سے باتیں بنانے لگے- تمہارے اس کلمے سے تو ممکن ہے کہ آسمان پھٹ جائیں' زمین شق ہو جائے' پہاڑ ٹوٹ جائیں کہ تم اللہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے ہو؟ بھلا اس کی اولاد کیسے ہو گی؟ اسے تو یہ لائق نہیں-

زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہے- سب اس کے شمار میں ہیں- سب کی گنتی اس کے پاس ہے- ہر ایک تنہا تنہا اس کے سامنے پیش ہونے والا ہے- یہ افترا پرداز گروہ ہر کامیابی سے محروم ہے- دنیا میں انہیں کچھ مل جائے تو وہ عذاب کا پیش خیمہ اور سزاؤں کی زیادتی کا باعث ہے- آخر ایک وقت آئے گا جب عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے- سب کا لوٹنا اور سب کا اصلی ٹھکانا تو ہمارے ہاں ہے- یہ کہتے تھے اللہ کا بیٹا ہے- ان کے اس کفر کا ہم اس وقت ان کو بدلہ چکھائیں گے جو نہایت سخت اور بہت بدترین ہو گا-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ
مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا
اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ
اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ
مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾

انہیں نوح کا احوال بھی سنا جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم پر میرا رہنا سہنا اور اللہ کی باتوں سے نصیحت کرنا گراں گزرتا ہو تو سنو۔ میرا بھروسہ تو اللہ کی ذات پر ہے۔ تم سب مل کر اپنے شریکوں کو بھی لے کر اپنا مضبوط ارادہ مقرر کر لو اور دیکھو تمہارے کام میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ پھر میرے ساتھ جو کرنا ہے' کر گزرو اور مجھے مطلقاً مہلت نہ دو ○ اگر تم نے منہ پھیر لیا تو میں کسی بدلے کا تو تم سے خواہاں نہیں ہوں' میرا اجر تو میرے اللہ پر ہے۔ مجھے یہی فرمایا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں رہوں ○

نوح علیہ السلام کی قوم کا کردار: ☆☆ (آیت: ۷۱۔۷۲) اے رسول ﷺ تو انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دے کہ ان کا اور ان کی قوم کا کیا حشر ہوا؟ جس طرح کفار مکہ تجھے جھٹلاتے اور ستاتے ہیں' قوم نوح نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ بالآخر سب کے سب غرق کر دیئے گئے' سارے کافر دریا برد ہو گئے۔ پس انہیں بھی خبردار رہنا چاہئے اور میری پکڑ سے بے خوف نہ ہونا چاہئے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مرتبہ ان سے صاف فرما دیا کہ اگر تم پر یہ گراں گزرتا ہے کہ میں تم میں رہتا ہوں اور تمہیں اللہ کی باتیں سنا رہا ہوں' تم اس سے چڑتے ہو اور مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو تو سنو میں صاف کہتا ہوں کہ میں تم سے نڈر ہوں۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ میں تمہیں کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ میں تم سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ تم سے جو ہو سکے کر لو' میرا جو بگاڑ سکو بگاڑ لو۔ تم اپنے ساتھ اپنے شریکوں اور اپنے جھوٹے معبودوں کو بھی بلا لو اور مل جل کر مشورے کر کے بات کھول کر پوری قوت کے ساتھ مجھ پر حملہ کرو' تمہیں قسم ہے جو میرا بگاڑ سکتے ہو' اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو' مجھے بالکل مہلت نہ دو' اچانک گھیر لو' میں بالکل بے خوف ہوں' اس لئے کہ تمہاری روش کو میں باطل جانتا ہوں۔ میں حق پر ہوں' حق کا ساتھی اللہ ہوتا ہے' میرا بھروسہ اسی کی عظیم الشان ذات پر ہے' مجھے اسکی قدرت کی بڑائی معلوم ہے۔ یہی حضرت ہودؑ نے فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جس جس کی بھی تم پوجا کر رہے ہو' میں تم سے اور ان سے بالکل بری ہوں' خوب کان کھول کر سن لو اللہ بھی سن رہا ہے' تم سب مل کر میرے خلاف کوشش کر لو' میں تو تم سے مہلت بھی نہیں مانگتا۔ میرا بھروسہ اپنے اور تمہارے حقیقی مربی پر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں' اگر تم اب بھی مجھے جھٹلاؤ' میری اطاعت سے منہ پھیر لو تو میرا اجر ضائع نہیں جائے گا۔ کیونکہ میرا اجر دینے والا میرا مربی ہے' مجھے تم سے کچھ نہیں لینا۔ میری خیر خواہی' میری تبلیغ کسی معاوضے کی بنا پر نہیں' مجھے تو جو اللہ کا حکم ہے' میں اس کی بجا آوری میں لگا ہوا ہوں' مجھے اسکی طرف سے مسلمان ہونے کا حکم دیا گیا ہے سو الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔ اللہ کا پورا فرماں بردار ہوں۔ تمام نبیوں کا دین اول سے آخر تک صرف اسلام ہی رہا ہے۔ گو احکام میں قدرے اختلاف رہا ہو۔

جیسے فرمان ہے، ہر ایک کے لئے راہ اور طریقہ ہے- دیکھئے یہ نوح علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں، یہ ہیں ابراہیم علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں- اللہ ان سے فرماتا ہے اسلام لا- وہ جواب دیتے ہیں، رب العلمین کے لئے میں اسلام لایا- اسی کی وصیت آپ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو کرتے ہیں کہ بچو اللہ نے تمہارے لئے اسی دین کو پسند فرما لیا ہے- خبردار یاد رکھنا، مسلم ہونے کی حالت میں ہی موت آئے- حضرت یوسف علیہ السلام اپنی دعا میں فرماتے ہیں- خدایا مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا- موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ اگر تم مسلمان ہو تو اللہ پر توکل کرو- آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کرنے والے جادوگر اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں، تو ہمیں مسلمان اٹھانا- بلقیس کہتی ہیں، میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوتی ہوں- قرآن فرماتا ہے کہ توراۃ کے مطابق وہ انبیاء حکم فرماتے ہیں جو مسلمان ہیں- حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں، آپ گواہ رہیے، ہم مسلمان ہیں- خاتم الرسل سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع کی دعا کے آخر میں فرماتے ہیں- میں اول مسلمان ہوں یعنی اس امت میں- ایک حدیث میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، ہم انبیاء ایسے ہیں جیسے ایک باپ کی اولاد- دین ایک اور بعض بعض احکام جداگانہ- پس توحید میں سب یکساں ہیں گو فروعی احکام میں علیحدگی ہو- جیسے وہ بھائی جن کا باپ ایک ہو، مائیں جدا جدا ہوں-

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ
عَلٰي قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

لیکن پھر بھی انہوں نے اسے جھٹلایا- آخر ش ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں بٹھا کر نجات دیدی اور ہم نے انہیں جانشین کر دیا اور ان سب کو ڈبو دیا جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے، تو آپ دیکھ لے کہ جنہیں ڈرایا گیا تھا، ان کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ نوح کے بعد بھی ہم نے پیغمبروں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا- وہ ان کے پاس دلیلیں لے کر پہنچے مگر جس چیز کو وہ پہلے سے جھٹلا چکے تھے، اس پر ایمان لانے کے لئے وہ تیار نہ ہوئے، حد سے نکل جانے والوں پر ہم اسی طرح مہر لگا دیتے ہیں ○

(آیت: ۷۳) پھر فرماتا ہے، قوم نوح نے نوح نبیؑ کو نہ مانا بلکہ انہیں جھوٹا کہا- آخر ہم نے انہیں غرق کر دیا- نوح نبی علیہ السلام کو مع ایمانداروں کے اس بدترین عذاب سے ہم نے صاف بچا لیا- کشتی میں سوار کر کے انہیں طوفان سے محفوظ رکھ لیا- وہی وہ زمین پر باقی رہے، پس ہماری اس قدرت کو دیکھ لے کہ کس طرح ظالموں کا نام و نشان مٹا دیا اور کس طرح مومنوں کو بچا لیا-

سلسلہ رسالتؑ کا تذکرہ : ☆☆ (آیت: ۷۴) حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی رسولوں کا سلسلہ جاری رہا- ہر رسول اپنی قوم کی طرف اللہ کا پیغام اور اپنی سچائی کی دلیلیں لے کر آتا رہا- لیکن عموماً ان سب کے ساتھ بھی لوگوں کی وہی پرانی روش رہی- یعنی ان کی سچائی کو تسلیم نہ کیا جیسے آیت وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ الخ میں ہے- پس جس طرح ان کے حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دلوں پر مہر لگ گئی، اسی طرح ان جیسے تمام لوگوں کے دل مہر زدہ ہو جاتے ہیں اور عذاب دیکھ لینے سے پہلے انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا- یعنی نبیوں اور ان کے تابعداروں

کو بچالینا اور مخالفین کو ہلاک کرنا- حضرت نوح نبی علیہ السلام کے بعد سے برابر یہی ہوتا رہا- حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھی انسان زمین پر آباد تھے- جب ان میں بت پرستی شروع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو ان میں بھیجا- یہی وجہ ہے کہ جب قیامت کے دن لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس سفارش کی درخواست لے کر جائیں گے تو کہیں گے کہ آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف مبعوث فرمایا- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس زمانے گزرے اور وہ سب اسلام میں ہی گزرے ہیں اسی لئے فرمان الٰہی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کے آنے والے ہم نے ان کی بدکرداریوں کے باعث ہلاک کر دیا- مقصود یہ کہ ان باتوں کو سن کر مشرکین عرب ہوشیار ہو جائیں کیونکہ وہ سب سے افضل واعلیٰ نبی کو جھٹلا رہے ہیں- پس جب کہ ان سے کم مرتبہ نبیوں اور رسولوں کے جھٹلانے پر ایسے دہشت افزا عذاب سابقہ لوگوں پر نازل ہو چکے ہیں تو اس سید المرسلین امام الانبیاء ﷺ کے جھٹلانے پر ان سے بھی بدترین عذاب ان پر نازل ہوں گے-

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ
بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى
اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ
السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا
وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا- پس انہوں نے تکبر کیا- وہ سب تھے ہی گنہگار لوگ ○ ان کے پاس جب ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے ○ موسیٰ نے کہا اس سچی بات کو جب کہ وہ تمہارے پاس آ چکی' تم یوں کہہ رہے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟' سنو جادوگر کامیاب نہیں ہوتے ○ وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس دین سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے؟ اور تم دونوں کی ہی سرداری اس ملک میں ہو جائے؟ ہم تو تمہاری مان کر دینے کے نہیں ○

(آیت: ۷۵-۷۸) ان نبیوں کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا- اپنی دلیلیں اور حجتیں عطا فرما کر بھیجا- لیکن آل فرعون نے بھی اتباع حق سے تکبر کیا اور تھے بھی پکے مجرم اور قسمیں کھا کر کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے- حالانکہ دل قائل تھے کہ یہ حق ہے لیکن صرف اپنی بڑھی چڑھی خود رائی اور ظلم کی عادت سے مجبور تھے- اس پر موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا کہ اللہ کے سچے دین کو جادو کہہ کر کیوں اپنی ہلاکت کو بلا رہے ہو؟ کہیں جادوگر بھی کامیاب ہوتے ہیں؟ ان پر اس نصیحت نے بھی الٹا اثر کیا اور دو اعتراض اور جڑ دیئے کہ تم تو ہمیں اپنے باپ دادا کی روش سے ہٹا رہے ہو اور اس سے نیت تمہاری یہی ہے کہ اس ملک کے مالک بن جاؤ- سو بکتے رہو- ہم تو تمہاری ماننے کے نہیں- اس قصے کو قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے- اس لئے کہ یہ عجیب وغریب قصہ ہے- فرعون موسیٰ سے بہت ڈرتا بچتا رہا- لیکن قدرت نے حضرت موسیٰؑ کو اسی کے ہاں پلوایا اور شہزادوں کی طرح عزت کے گہوارے میں جھلایا- جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو ایک ایسا سبب کھڑا کر دیا کہ یہاں سے آپ چلے گئے- پھر جناب باری نے ان سے خود کلام کیا- نبوت ورسالت دی اور اسی کے ہاں پھر بھیجا- فقط

ایک ہارون علیہ السلام کو ساتھ دے کر آپ نے یہاں آ کے اس عظیم الشان سلطان کے رعب و دبدبے کی کوئی پرواہ نہ کر کے اسے دین حق کی دعوت دی- اس سرکش نے اس پر بہت برا منایا اور کمینہ پن پر اتر آیا- لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں رسولوں کی خود ہی حفاظت کی- وہ وہ معجزات اپنے نبی کے ہاتھوں ظاہر کئے کہ ان کے دل ان کی نبوت مان گئے- لیکن تاہم ان کا نفس ایمان پر آمادہ نہ ہوا اور یہ اپنے کفر سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہوئے- آخر عذاب اللہ آ ہی گیا- اور ان کی جڑیں کاٹ دی گئیں- فالحمد للہ-

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ
لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى
مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ
عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲ ۱۴

فرعون کہنے لگا کہ میرے پاس ہر ایک دانا جادوگر کو لے آؤ ○ جب جادوگر جمع ہو گئے تو موسیٰ نے کہا کہ تمہیں جو کچھ ڈالنا ہے ڈال دو ○ جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا' یہ جو کچھ تم لائے ہو یہ تو جادو ہے' اسے تو اللہ تعالیٰ ابھی درہم برہم کر دے گا- ایسے مفسدوں کا کام اللہ تعالیٰ سنوارتا نہیں ○ وہ تو حق کو اپنے فرمان سے ثابت کر دکھائے گا گو گنہگار اسے ناپسند کرتے ہیں ○

موسیٰ علیہ السلام بمقابلہ فرعونی ساحرین : ☆☆ (آیت:۷۹-۸۲) سورہ اعراف' سورہ طٰہٰ' سورہ شعرا اور اس سورت میں بھی فرعونی جادوگروں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ بیان فرمایا گیا ہے- ہم نے اس پورے واقعہ کی تفصیل سورۂ اعراف کی تفسیر میں لکھدی ہے- فرعون نے جادوگروں اور شعبدہ بازوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی- اس کے لئے انتظامات کئے- قدرت نے بھرے میدان میں اسے شکست فاش دی اور خود جادوگر حق کو مان گئے- وہ سجدے میں گر کر اللہ پر اور اس کے دونوں نبیوں پر وہیں ایمان لائے اور اپنے ایمان کا غیر مشتبہ الفاظ میں سب کے سامنے فرعون کی موجودگی میں اعلان کر دیا- اس وقت فرعون کا منہ کالا ہو گیا اور اللہ کے دین کا بول بالا ہوا- اس نے اپنی سپاہ اور جادوگروں کے جمع کرنے کا حکم دیا- یہ آئے- صفیں باندھ کر کھڑے ہوئے- فرعون نے ان کی کمر ٹھونکی- انعام کے وعدے دیئے' انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ بولو اب ہم پہلے اپنا کرتب دکھائیں یا تم پہل کرتے ہو- آپ نے اسی بات کو بہتر سمجھا کہ ان کے دل کی بھڑاس پہلے نکل جائے- لوگ ان کے تماشے اور باطل کے ہتھکنڈے پہلے دیکھ لیں- پھر حق آئے اور باطل کا صفایا کر جائے' یہ اچھا اثر ڈالے گا' اس لئے آپ نے انہیں فرمایا کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے' شروع کر دو- انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں ہیبت زدہ کرنے کا زبردست مظاہرہ کیا- جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بھی خطرہ پیدا ہو گیا- فوراً اللہ کی طرف سے وحی اتری کہ خبردار ڈرنا مت- اپنے دائیں ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دے- وہ ان کے سب ڈھکوسلے صاف کر دے گی- یہ جادو کے مکر کی صفت ہے- اس میں اصلیت کہاں- انہیں اوج و فلاح کیسے نصیب ہو؟ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سنبھل گئے اور زور دے کر پیشگوئی کی کہ تم تو یہ سب جادو کے کھلونے بنا لائے ہو- دیکھنا اللہ تعالیٰ انہیں ابھی درہم برہم کر دے گا- تم فسادیوں کے اعمال دیرپا ہو ہی نہیں سکتے- حضرت لیث بن ابی سلیمؒ فرماتے ہیں' مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان آیتوں میں اللہ کے حکم سے جادو کی شفا ہے- ایک برتن میں پانی لے کر اس پر یہ آیتیں

پڑھ کر دم کر دی جائیں اور جس پر جادو کر دیا گیا ہو اس کے سر پر وہ پانی بہا دیا جائے فَلَمَّآ اَلْقَوْا سے كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ تک یہ آیتیں اور آیت فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے چار آیتوں تک اور آیت اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (ابن ابی حاتم)۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پس فرعون کی قوم کی کچھ اولاد کے سوا موسیٰ پر کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ فرعون اور اپنی قوم کے ڈر کی وجہ کہ کہیں وہ انہیں تکلیف نہ پہنچائے' اس ملک میں فرعون تھا بھی سرکش' اور تھا بھی وہ انصاف کی حد سے گزر جانے والوں میں ○

بزدلی ایمان کے درمیان دیوار بن گئی: ☆☆ (آیت:۸۳) ان زبردست روشن دلیلوں اور معجزوں کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت کم فرعونی ایمان لا سکے۔ کیونکہ ان کے دل میں فرعون کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ خبیث رعب دبدبے والا بھی تھا اور ترقی پر بھی تھا۔ حق ظاہر ہو گیا تھا لیکن کسی کو اس کی مخالفت کی جرأت نہیں تھی۔ ہر ایک کو خوف تھا کہ اگر آج میں ایمان لے آیا تو کل اس کی سخت سزاؤں سے مجبور ہو کر دین حق چھوڑنا پڑے گا۔ پس بہت کم ایسے جانباز موحد نکلے جنہوں نے اس کی سلطنت اور سزا کی کوئی پرواہ نہ کی اور حق کے سامنے سر جھکا دیا۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر فرعون کی بیوی تھی۔ اس کی آل کا ایک اور شخص تھا ایک جو فرعون کا خزانچی تھا۔ اس کی بیوی تھی وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے حضرت موسیٰ پر بنی اسرائیل کی تھوڑی سی تعداد کا ایمان لانا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ذریت سے مراد قلیل ہے یعنی بہت کم لوگ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اولاد بھی مراد ہے۔ یعنی جب حضرت موسیٰؑ نبی بن کر آئے' اس وقت جو لوگ تھے' ان کی موت کے بعد ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ ایمان لائے۔ امام ابن جریرؒ تو قول مجاہدؒ کو پسند فرماتے ہیں کہ قَوْمِهٖ میں ضمیر کا مرجع حضرت موسیٰؑ ہیں کیونکہ یہی نام اس سے قریب ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ ذریت کے لفظ کا تقاضا جوان اور کم عمر لوگ ہیں اور بنو اسرائیل تو سب کے سب مومن تھے جیسا کہ مشہور ہے۔ یہ تو حضرت موسیٰؑ کے آنے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ ان کی کتابوں میں تو موجود تھا کہ اس طرح نبی اللہ آئیں گے اور ان کے ہاتھوں انہیں فرعون کی غلامی کی ذلت سے نجات ملے گی۔ ان کی کتابوں کی یہی بات تو فرعون کے ہوش و حواس گم کئے ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ کی دشمنی پر کمر کس لی تھی اور آپ کی نبوت کے ظاہر ہونے سے پہلے اور آپ کے آنے سے پہلے اور آپ کے آ جانے کے بعد ہم تو اس کے ہاتھوں بہت ہی تنگ کئے گئے ہیں۔ آپ نے انہیں تسلی دی کہ جلدی نہ کرو۔ اللہ تمہارے دشمن کا ناس کرے گا۔ تمہیں ملک کا مالک بنائے گا۔ پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ پس یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آیت سے مراد قوم موسیٰ کی نئی نسل ہو۔ اور یہ کہ بنو اسرائیل میں سے سوائے قارون کے اور کوئی دین کا چھوڑنے والا ایسا نہ تھا جس کے فتنے میں پڑ جانے کا خوف ہو۔ قارون گو قوم موسیٰ میں سے تھا لیکن وہ باغی تھا۔ فرعون کا دوست تھا۔ اس کے حاشیہ نشینوں میں تھا' اس سے گہرے تعلق رکھتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ملهم میں ضمیر فرعون کی طرف عائد ہے اور بطور اس کی تابعداری کرنے والوں کی زیادتی کے ضمیر جمع کی لائی گئی ہے۔ یا یہ کہ فرعون سے پہلے لفظ ال جو مضاف تھا' محذوف کر دیا گیا ہے۔ اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام رکھ دیا ہے۔ انکا قول بھی بہت دور کا ہے۔ گو امام ابن

جریرؒ نے بعض نحویوں سے بھی ان دونوں اقوال کی حکایت کی ہے اور اس سے اگلی آیت جو آ رہی ہے وہ بھی دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل سب مومن تھے۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

موسیٰ نے کہا' میری قوم کے لوگو! اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور تم سچے حکم بردار ہو تو تم اسی پر پورا بھروسہ بھی کرو ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا بھروسہ اللہ ہی پر ہے' اے ہمارے پروردگار تو ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا ○ اور ہمیں اپنی رحمت سے اس کافر قوم سے نجات عطا فرما ○

اللہ پہ مکمل بھروسہ ایمان کی روح ہے: ☆☆ (آیت: ۸۴-۸۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں کہ اگر تم مومن مسلمان ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ جو اس پر بھروسہ کرے' وہ اسے کافی ہے عبادت و توکل دونوں ہم پلہ چیزیں ہیں۔ فرمان اللہ ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ۔ ایک اور آیت میں اپنے نبی ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے۔ کہہ دے کہ اِلٰہ رحمان پر ہم ایمان لائے اور اسی کی ذات پاک پر ہم نے توکل کیا۔ فرماتا ہے۔ مشرق و مغرب کا رب جو عبادت کے لائق معبود ہے' جس کے سوا پرستش کے لائق اور کوئی نہیں۔ تو اسی کو اپنا وکیل و کارساز بنا لے۔ تمام ایمانداروں کو جو سورت پانچوں نمازوں میں تلاوت کرنے کا حکم ہوا' اس میں بھی ان کی زبانی اقرار کرایا گیا کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ بنو اسرائیل نے اپنے نبی علیہ السلام کا یہ حکم سن کر اطاعت کی اور جواباً عرض کیا کہ ''ہمارا بھروسہ اپنے رب پر ہی ہے۔ پروردگار تو ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنانا کہ وہ ہم پر غالب رہ کر یہ سمجھنے نہ لگیں کہ اگر یہ حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو ہم ان پر غالب کیسے رہ سکتے''؟ یہ مطلب بھی اس دعا کا بیان کیا گیا ہے کہ ''اللہ ہم پر ان کے ہاتھوں عذاب مسلط نہ کرانا' نہ اپنے پاس سے کوئی عذاب ہم پر نازل فرما کہ یہ لوگ کہنے لگیں کہ اگر بنی اسرائیل حق پر ہوتے تو ہماری سزائیں کیوں بھگتتے یا اللہ کے عذاب ان پر کیوں اترتے؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ ہم پر غالب رہے تو ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ہمارے سچے دین سے ہمیں ہٹانے کے لئے کوششیں کریں اور اے پروردگار ان کافروں سے جنہوں نے حق سے انکار کر دیا ہے' حق' کو چھپا لیا ہے تو ہمیں نجات دے۔ ہم تجھ پر ایمان لائے ہیں اور ہمارا بھروسہ صرف تیری ذات پاک پر ہے۔''

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر کے گھروں میں جگہ کرو اور اپنے گھر قبلہ بنا لو اور نماز کو قائم رکھو' اور تو ایمانداروں کو بشارت سنا دے ○

قوم فرعون سے بنی اسرائیل کی نجات: ☆☆ (آیت: ۸۷) بنی اسرائیل کا فرعون اور فرعون کی قوم سے نجات پانا' اس کی کیفیت بیان ہو رہی ہے۔ دونوں نبیوں کو اللہ کی وحی ہوئی کہ ''اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بنا لو۔ اور اپنے گھروں کو مسجدیں مقرر کر لو۔ اور خوف کے وقت گھروں میں ہی نماز ادا کر لیا کرو''۔ چنانچہ فرعون کی سختی بہت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے انہیں کثرت سے نماز ادا کرنے کا حکم ہوا۔ یہی حکم اس امت کو ہے کہ ایمان دار و صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ حضور ﷺ کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ ہوتی فوراً نماز کے لئے

کھڑے ہو جاتے۔ یہاں بھی حکم ہوتا ہے کہ اپنے گھروں کو قبلہ بنالو' اے نبی ﷺ ان مومنوں کو تم بشارت دو' انہیں دار آخرت میں ثواب ملے گا اور دنیا میں ان کی تائید و نصرت ہو گی۔ اسرائیلیوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ فرعونیوں کے سامنے ہم اپنی نماز اعلان سے نہیں پڑھ سکتے تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے گھر قبلہ رو ہو کر وہیں نماز ادا کر سکتے ہو۔ اپنے گھر آمنے سامنے بنانے کا حکم ہو گیا۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى
اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ
سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

موسیٰ نے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار' تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی کی آرائش اور مال دے رکھا ہے۔ اے ہمارے رب یہ اس لئے کہ وہ تیری راہ سے بہکاتے پھریں' اے پروردگار تو ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو اور سخت کر دے کہ وہ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں' ایمان نہ لائیں ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ اب تم استقلال رکھو اور بے علموں کی راہ کے پیچھے ہرگز نہ لگو ○

فرعون کا تکبر اور موسیٰ علیہ السلام کی بددعا: ☆☆ (آیت: ۸۸-۸۹) جب فرعون اور فرعونیوں کا تکبر' تجبر' تعصب بڑھتا ہی گیا۔ ظلم و ستم بے رحمی اور جفا کاری انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ کے صابر نبیوں نے ان کے لئے بددعا کی کہ یا اللہ تو نے انہیں اور دنیا کی زینت مال خوب خوب دیا اور تو بخوبی جانتا ہے کہ وہ تیرے حکم کے مطابق مال خرچ نہیں کرتے یہ صرف تیری طرف سے انہیں ڈھیل اور مہلت ہے۔ یہ مطلب تو ہے جب لِیَضِلُّوْا پڑھا جائے جو ایک قرات ہے اور جب لِیُضِلُّوا پڑھیں تو مطلب یہ ہے کہ یہ اس لئے کہ وہ اوروں کو گمراہ کریں جن کی گمراہی تیری چاہت میں ہے۔ ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ یہی لوگ اللہ کے محبوب ہیں ورنہ اتنی دولت مندی اور اس قدر عیش و عشرت انہیں کیوں نصیب ہوتا؟ اب ہماری دعا ہے کہ ان کے یہ مال تو غارت اور تباہ کر دے۔ چنانچہ ان کے تمام مال اسی طرح پتھر بن گئے۔ سونا چاندی ہی نہیں بلکہ کھیتیاں تک پتھر کی ہو گئیں۔ حضرت محمد بن کعب اس سورہ یونس کی تلاوت امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے کر رہے تھے۔ جب اس آیت تک پہنچے تو خلیفتہ المسلمین نے سوال کیا کہ یہ طمس کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا' ان کے مال پتھر بنا دیئے گئے تھے۔ حضرت عمر نے اپنا صندوقچہ منگوا کر اس میں سے سفید چنا نکال کر دکھایا جو پتھر بن گیا تھا اور دعا کی کہ پروردگار ان کے دل سخت کر دے۔ ان پر مہر لگا دے کہ انہیں عذاب دیکھنے تک ایمان لانا نصیب نہ ہو۔ یہ بددعا صرف دینی حمیت اور دینی دل سوزی کی وجہ سے تھی۔ یہ غصہ اللہ اور اسکے دین کی خاطر تھا' جب دیکھ لیا اور مایوسی کی حد آ گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے کہ الٰہی زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ ورنہ اوروں کو بھی بہکائیں گے اور جو نسل ان کی ہو گی' وہ بھی انہی جیسی بے ایمان بدکار ہو گی۔ جناب باری نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں بھائیوں کی یہ دعا قبول فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔ اسی وقت وحی آئی کہ ''تمہاری یہ دعا مقبول ہو گئی'' سے دلیل پکڑی گئی ہے کہ آمین کا کہنا بمنزلہ دعا کرنے کے ہے کیونکہ دعا کرنے والے صرف حضرت موسیٰ تھے۔ آمین کہنے والے حضرت ہارونؑ تھے لیکن اللہ نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔ پس مقتدی کے آمین کہہ لینے سے گویا فاتحہ کا پڑھ لینے والا ہے۔ پس اب تم دونوں بھائی میرے حکم پر مضبوطی سے جم جاؤ۔ جو میں کہوں' بجا لاؤ۔ اس دعا کے بعد فرعون چالیس ماہ زندہ رہا۔ کوئی کہتا ہے چالیس دن۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا
وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰیٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کر دیا۔ فرعون اپنے لشکروں سمیت ظلم و زیادتی سے ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے کی مصیبت نے آ دبوچا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں بجز اس اللہ کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں شامل ہوتا ہوں ○

دریائے نیل، فرعون اور قوم بنی اسرائیل: ☆☆ (آیت: ۹۰) فرعون اور اس کے لشکریوں کے غرق ہونے کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبی کے ساتھ چھ لاکھ کی تعداد میں جو بال بچوں کے علاوہ تھی، مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور فرعون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے بڑا ہی تاؤ کھایا اور زبردست لشکر جمع کر کے اپنے تمام لوگوں کو لے کر ان کے پیچھے لگا۔ اس نے تمام لاؤ لشکر کو تمام سرداروں، فوجوں، رشتے کنبے کے تمام لوگوں اور کل ارکان سلطنت کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اپنے پورے ملک میں کسی صاحب حیثیت شخص کو باقی نہیں چھوڑا تھا۔ بنی اسرائیل جس راہ گئے تھے، اسی راہ یہ بھی نہایت تیزی سے جا رہا تھا۔ ٹھیک سورج چڑھے، اس نے انہیں اور انہوں نے اسے دیکھ لیا۔ بنی اسرائیل گھبرا گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے، لو اب پکڑ لئے گئے کیونکہ سامنے دریا تھا اور پیچھے لشکر فرعون۔ نہ آگے بڑھ سکتے تھے، نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے، آگے بڑھتے تو ڈوبتے۔ پیچھے ہٹتے تو قتل ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسکین دی اور فرمایا، میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے تمہیں لئے جا رہا ہوں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے کوئی نہ کوئی نجات کی راہ بتلا دے گا۔ تم بےفکر رہو۔ وہ سختی کو آسانی سے، تنگی کو فراخی سے بدلنے پر قادر ہے۔ اسی وقت وحی ربانی آئی کہ اپنی لکڑی دریا پر مار دے۔ آپ نے یہی کیا۔ اس وقت پانی پھٹ گیا، راستے دے دیئے اور پہاڑوں کی طرح پانی کھڑا ہو گیا۔ ان کے بارہ قبیلے تھے۔ بارہ راستے دریا میں بن گئے۔ تیز اور سوکھی ہوائیں چل پڑیں جس نے راستے خشک کر دیئے۔ اب نہ تو فرعونیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے کا کھٹکا رہا، نہ پانی میں ڈوب جانے کا۔ ساتھ ہی قدرت نے پانی کی دیواروں میں طاق اور سوراخ بنا دیئے کہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کو بھی دیکھ سکے۔ تا کہ دل میں یہ خدشہ بھی نہ رہے کہ کہیں وہ ڈوب نہ گیا ہو۔ بنو اسرائیل ان راستوں سے جانے لگے اور دریا پار اتر گئے۔ انہیں پار ہوتے ہوئے فرعونی دیکھ رہے تھے۔ جب یہ سب کے سب اس کنارے پہنچ گئے، اب لشکر فرعون بڑھا اور سب کے سب دریا میں اتر گئے۔ ان کی تعداد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس ایک لاکھ گھوڑے تو صرف سیاہ رنگ کے تھے۔ جو باقی رنگ کے تھے، ان کی تعداد کا خیال کر لیجئے۔ فرعون بڑا کائیاں تھا۔ دل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت جانتا تھا۔ اسے یہ رنگ دیکھ کر یقین ہو چکا تھا کہ یہ بھی بنی اسرائیل کی غیبی تائید ہوئی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ یہاں سے واپس لوٹ جائے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ قدرت کا قلم چل چکا تھا۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار آ گئے۔ ان کے جانور کے پیچھے فرعون کا گھوڑا لگ گیا۔ آپ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ فرعون کا گھوڑا اسے گھسیٹتا ہوا دریا میں اتر گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو آواز لگائی کہ بنی اسرائیل گزر گئے اور تم یہاں ٹھہر گئے، چلو ان کے پیچھے۔ اپنے گھوڑے بھی میری طرح دریا میں ڈال دو۔ اسی وقت ساتھیوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو مہمیز کیا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام اس گروہ کے پیچھے تھے تا کہ ان کے جانوروں کو ہنکائیں غرض بغیر ایک کے بھی باقی رہے سب دریا اتر گئے۔ جب یہ سب اندر پہنچ گئے اور ان کا سب سے آگے کا حصہ دوسرے کنارے کے قریب پہنچ چکا، اسی وقت جناب باری قادر و قیوم کا دریا کو حکم ہوا کہ اب مل جا اور ان کو ڈبو دے۔ پانی کے پتھر بنے ہوئے پہاڑ فوراً پانی ہو گئے اور اسی وقت یہ سب غوطے کھانے لگے اور فوراً ڈوب گئے۔ ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ پانی کی موجوں نے انہیں اوپر تلے کر کے ان

کے جوڑ جوڑ الگ الگ کر دیئے فرعون جب موجوں میں پھنس گیا اور سکرات موت کا اسے مزہ آنے لگا تو کہنے لگا کہ میں لاشریک رب واحد پر ایمان لاتا ہوں۔ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

۹ ع ۱۰ ۱۴

کیا اب؟ حالانکہ تو اس سے پہلے خوب نافرمانیاں کر چکا ہے اور مفسدوں میں رہ چکا ہے ○ اچھا آج ہم تیرے جسم کو بچالیں گے کہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشان بن جائے' بے شک اکثر لوگ ہماری آیتوں سے البتہ غافل ہیں ○

(آیت: ۹۱۔۹۲) ظاہر ہے کہ عذاب کے دیکھ چکنے کے بعد عذاب کے آ جانے کے بعد ایمان سودمند نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو فرما چکا ہے اور یہ قاعدہ جاری کر چکا ہے۔ اسی لئے فرعون کو جواب ملا کہ اس وقت یہ کہتا ہے حالانکہ اب تک شر و فساد پر تلا رہا۔ پوری عمر اللہ کی نافرمانیاں کرتا رہا۔ ملک میں فساد مچاتا رہا۔ خود گمراہ ہو کر اوروں کو بھی راہ حق سے روکتا رہا۔ لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے کا امام تھا۔ قیامت کے دن بے یار و مددگار رہے گا۔ فرعون کا اس وقت کا قول اللہ تعالیٰ علام الغیوب نے اپنے علم غیب سے آنحضرت ﷺ سے بیان فرمایا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس واقعے کی خبر دیتے وقت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ کاش آپ اس وقت ہوتے اور دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں اس کی بات پوری ہونے پر رحمت اللہ اس کی دست گیری نہ کر لے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ڈوبتے وقت فرعون نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے ایمان کا اقرار کرنا شروع کیا جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں مٹی بھرنی شروع کی۔ اس فرعون کثیر بن زاذان ملعون کا منہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس وقت بند کر رہے تھے اور اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس رہے تھے۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت میں شک پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ اس کی لاش بلند ٹیلے پر خشکی میں ڈال دے تا کہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کا معائنہ کر لیں۔ چنانچہ اس کا جسم مع اس کے لباس کے خشکی پر ڈال دیا گیا تا کہ بنی اسرائیل کو معلوم ہو جائے اور ان کیلئے نشانی اور عبرت بن جائے۔ وہ جان لیں کہ غضب الٰہی کو کوئی چیز دفعہ نہیں کر سکتی۔ باوجود ان کھلے واقعات کے بھی اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔ کچھ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ان فرعونیوں کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مع مسلمانوں کے نجات پانا عاشورے کے دن ہوا تھا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں آئے تو یہودیوں کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتے تھے کہ اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آئے تھے۔ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ تم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہ نسبت ان کے زیادہ حقدار ہو۔ تم بھی اس عاشورے کے دن کا روزہ رکھو۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا مقام رہنے کو دیا اور ستھری نفیس چیزیں کھانے کو دیں' پس باوجود علم کے آ جانے کے انہوں نے آپس میں اختلاف کیا' تیرا رب ان میں قیامت کے دن ان تمام امور کا فیصلہ کر دیگا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ○

بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات: ☆☆ (آیت: ۹۳) اللہ نے جو نعمتیں بنی اسرائیل پر انعام فرمائیں' ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ شام اور ملک مصر میں بیت المقدس کے آس پاس انہیں جگہ دی۔ تمام و کمال ملک مصر پر ان کی حکومت ہو گئی۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد دولت موسویہ قائم ہو گئی۔ جیسے قرآن میں بیان ہے کہ ہم نے ان کمزور بنی اسرائیلیوں کو مشرق و مغرب کے ملک کا مالک کر دیا۔ برکت والی زمین ان کے قبضے میں دے دی اور ان پر اپنی سچی بات کی سچائی کھول دی۔ ان کے صبر کا پھل انہیں مل گیا۔ فرعون' فرعونی اور ان کی کاریگریاں سب نیست و نابود ہو گئیں۔ اور آیتوں میں ہے کہ ہم نے فرعونیوں کو باغوں سے' چشموں سے' خزانوں سے' بہترین مقامات اور مکانات سے نکال باہر کیا۔ اور بنی اسرائیل کے قبضے میں یہ سب کچھ کر دیا۔ اور آیتوں میں ہے کم ترکوا من جنات الخ' باوجود اس کے خلیل الرحمٰنؑ کے شہر بیت المقدس کی محبت ان کے دل میں چٹکیاں لیتی رہی۔ وہاں عمالقہ کی قوم کا قبلہ تھا۔ انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے درخواست کی' انہیں جہاد کا حکم ہوا۔ یہ نامردی کر گئے' جس کے بدلے انہیں چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں پھرنا پڑا۔ وہیں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ان کے بعد یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر بیت المقدس کو فتح کیا۔ یہاں بخت نصر کے زمانے تک انہی کا قبضہ رہا۔ پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ انہوں نے اسے لے لیا۔

پھر یونانی بادشاہوں نے وہاں قبضہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک وہاں یونانیوں کا ہی قبضہ رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضد میں ان ملعون یہودیوں نے شاہ یونان سے ساز باز کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے احکام انہیں باغی قرار دے کر نکلوا دیئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو تو اپنی طرف چڑھا لیا اور آپ کے کسی حواری پر آپ کی شباہت ڈال دی۔ انہوں نے آپ کے دھوکے میں اسے قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا۔ یقیناً جناب روح اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ان کے ہاتھوں قتل نہیں ہوئے۔ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا۔ اللہ عزیز و حکیم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً تین سو سال بعد قسطنطین نامی یونانی بادشاہ عیسائی بن گیا۔ وہ بڑا پاجی اور مکار تھا۔ دین عیسوی میں یہ بادشاہ صرف سیاسی منصوبوں کے پورا کرنے اور اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے اور دین نصاریٰ کو بدل ڈالنے کے لئے گھسا تھا۔ حیلہ اور مکر و فریب اور چال کے طور پر یہ مسیحی بنا تھا کہ مسیحیت کی جڑیں کھوکھلی کر دے۔

نصرانی علماء اور درویشوں کو جمع کر کے ان سے قوانین شریعت کے مجموعے کے نام سے نئی نئی تراشی ہوئی باتیں لکھوا کر ان بدعتوں کو نصرانیوں میں پھیلا دیا اور اصل کتاب و سنت سے انہیں ہٹا دیا۔ اس نے کلیسیاء' گرجے' خانقاہیں' ہیکلیں وغیرہ بنوائیں اور بیسیوں قسم کے مجاہدے اور نفس کشی کے طریقے اور طرح طرح کی عبادتیں' ریاضتیں نکال کر لوگوں میں اس نئے دین کی خوب اشاعت کی اور حکومت کے زور اور زر کے لالچ سے اسے دور تک پہنچا دیا۔ جو بے چارے موحد' متبع انجیل اور سچے تابعدار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین پر قائم رہے' انہیں ان ظالموں نے شہر بدر کر دیا۔ یہ لوگ جنگلوں میں رہنے سہنے لگے اور یہ نئے دین والے جن کے ہاتھوں میں تبدیلی اور مسخ والا دین رہ گیا تھا' اٹھ کھڑے ہوئے اور تمام جزیرہ روم پر چھا گئے۔ قسطنطنیہ کی بنیادیں اس نے رکھیں۔ بیت اللحم اور بیت المقدس کے کلیسیا اور حواریوں کے شہر سب اسی کے بسائے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی شاندار' دیرپا اور مضبوط عمارتیں اس نے بنوائیں۔ صلیب کی پرستش' مشرق کا قبلہ' کنیسوں کی تصویریں' سور کا کھانا وغیرہ یہ سب چیزیں نصرانیت میں اسی نے داخل کیں۔ فروع اصول سب بدل کر دین مسیحی کو الٹ پلٹ کر دیا۔ امانت کبیرہ اسی کی ایجاد ہے جو دراصل ذلیل ترین خیانت ہے۔ لمبے چوڑے' فقہی مسائل کی کتابیں اسی نے لکھوائیں۔ اب بیت المقدس انہی کے ہاتھوں میں رہا یہاں تک کہ صحابہؓ رسول ﷺ نے اسے فتح کیا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ مقدس شہر اس مقدس جماعت کے قبضے میں آیا۔ الغرض یہ پاک جگہ انہیں ملی تھی اور پاک روزی اللہ نے دے رکھی تھی جو شرعاً بھی حلال اور طبعاً بھی طیب۔ افسوس باوجود اللہ کی کتاب ہاتھ میں ہونے کے انہوں نے اختلاف بازی اور فرقہ بندی شروع کر دی۔ ایک دو نہیں بہتر فرقے قائم ہو

گئے۔ اللہ اپنے رسول پر درود و سلام نازل فرمائے۔ آپ نے ان کی اس پھوٹ کا ذکر فرما کر فرمایا کہ میری امت میں بھی یہی بیماری پھیلے گی اور ان کے تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک جنتی' باقی سب دوزخی ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ جنتی کون ہیں؟ فرمایا وہ جو اس پر ہوں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (مستدرک حاکم) اللہ فرماتا ہے' ان کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن میں آپ ہی کروں گا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاۗءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۹۴ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۵ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ
كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۹۶ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۹۷

جو کچھ ہم نے تیری جانب نازل فرمایا ہے' اس میں سے کسی بات میں بھی تجھے شک ہو تو ان سے دریافت کر لے جو تجھ سے پہلے کتاب اللہ پڑھتے آئے ہیں' یقیناً تیرے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے۔ تجھے ہرگز شک و شبہ کرنے والوں میں نہ ہونا چاہئے ○ تو ان میں سے بھی نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ورنہ تو نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جائے گا ○ جس پر تیرے پروردگار کی بات ٹھیک اتر آئی ہے' وہ تو ایمان لانے کے نہیں ○ اگرچہ ان کے پاس سب نشانیاں آ جائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں ○

ٹھوس دلائل کے باوجود انکار قابل مذمت ہے: ☆☆ (آیت: ۹۴-۹۷) جب یہ آیت اتری تو حضور ﷺ نے فرمایا' نہ مجھے کچھ شک نہ مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت۔ پس اس آیت سے مطلب صرف اتنا ہے کہ آپ کی امت کے ایمان کی مضبوطی کی جائے اور ان سے بیان کیا جائے کہ اگلی الہامی کتابوں میں بھی ان کے نبی کی صفتیں موجود ہیں' خود اہل کتاب بھی بخوبی واقف ہیں۔ جیسے آیت اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ الخ' میں ہے۔ ان لوگوں پر تعجب اور افسوس ہے' ان کی کتابوں میں اس نبی آخر الزمان کی تعریف و توصیف اور جان پہچان ہونے کے باوجود بھی ان کتابوں کے احکام کو خلط ملط کرتے اور تحریف و تبدیل کر کے بات بدل دیتے ہیں اور دلیل سامنے ہونے کے باوجود انکاری رہتے ہیں۔ شک و شبہ کی ممانعت کے بعد آیات اللہ کی تکذیب کی ممانعت ہوئی۔ پھر بدقسمت لوگوں کے ایمان سے نا امیدی دلائی گئی جب تک کہ وہ عذاب نہ دیکھ لیں' ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ تو اس وقت ایمان لائیں گے جس وقت ایمان لانا بے سود ہو گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے اور فرعونیوں کے لئے یہی بددعا کی تھی۔ ان کی جہالت اس درجے پر پہنچ چکی ہے کہ بالفرض ہم اپنے فرشتوں کو ان پر اتاریں' مردے ان سے بولیں۔ ہر پوشیدہ چیز سامنے آ جائے جب بھی انہیں ایمان نصیب نہیں ہو گا ہاں مرضی مولیٰ اور چیز ہے۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ
اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ
اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸

پس کیوں نہ ہوئی ایسی بستی جو ایمان لاتی اور اسے اس کا ایمان نفع دیتا سوائے یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لائی' ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوا

کرنے والا عذاب دور کر دیا اور اور انہیں ایک معین وقت تک فائدہ دیا ○

افسوس انسان نے اکثر حق کی مخالفت کی: ☆☆ (آیت: ۹۸) کسی بستی کے تمام باشندے کسی نبی پر کبھی ایمان نہیں لائے- یا تو سب نے ہی کفر کیا یا اکثر نے- سورہ یاسین میں فرمایا' بندوں پر افسوس ہے' ان کے پاس جو رسول آئے' انہوں نے ان کا مذاق اڑایا- ایک آیت میں ہے ان سے پہلے جو رسول آئے' انہیں لوگوں نے جادوگر یا مجنون کا ہی خطاب دیا- تجھ سے پہلے جتنے رسول آئے' سب کو ان کی قوم کے سرکشوں' ساہوکاروں نے یہی کہا کہ ہم نے تو اپنے بڑوں کو جس لکیر پر پایا' اسی کے فقیر بنے رہیں گے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' مجھ پر انبیاء پیش کئے گئے- کسی نبی کے ساتھ تو لوگوں کا ایک گروہ تھا- کسی کے ساتھ صرف ایک آدمی' کسی کے ساتھ صرف دو' کوئی محض تنہا- پھر آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی کثرت کا بیان کیا- پھر اپنی امت کا اس سے بھی زیادہ ہونا' زمین کے مشرق و مغرب کی سمت کو ڈھانپ لینا بیان فرمایا- الغرض تمام انبیاء میں سے کسی کی ساری امت نے انہیں نبی نہیں مانا- سوائے اہل نینوی کے جو حضرت یونس علیہ السلام کی امت کے لوگ تھے- یہ بھی اس وقت جب نبی علیہ السلام کی زبان سے عذاب کی خبر معلوم ہوگئی- پھر اس کے ابتدائی آثار بھی دیکھ لئے- ان کے نبی علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے بھی گئے' اس وقت یہ سارے کے سارے اللہ کے سامنے جھک گئے- اس سے فریاد شروع کی- اس کی جناب میں عاجزی اور گریہ وزاری کرنے لگے- اپنی مسکینی ظاہر کرنے لگے- اور دامن رحمت سے لپٹ گئے- سارے کے سارے میدان میں نکل کھڑے ہوئے- اپنی بیویوں' بچوں اور جانوروں کو بھی ساتھ اٹھا کر لے گئے- اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے' دعائیں مانگنے لگے کہ یا رب عذاب ہٹا لے- رحمت رب جوش میں آئی- پروردگار نے ان سے عذاب ہٹا لیا اور دنیا کی رسوائی کے عذاب سے انہیں بچا لیا- اور ان کی عمر تک کی انہیں مہلت دے دی اور اس دنیا کا فائدہ انہیں پہنچایا- یہاں جو فرمایا کہ دنیا کا عذاب ان سے ہٹا لیا-

اس سے بعض نے کہا ہے کہ اخروی عذاب دور نہیں- لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ دوسری آیت میں ہے فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ وہ ایمان لائے اور ہم نے انہیں زندگی کا فائدہ دیا- اس سے ثابت ہوا کہ وہ ایمان لائے- اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان آخرت کے عذاب سے نجات دینے والا ہے- واللہ اعلم- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی بستی اہل کفر کا عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا ان کیلئے نفع بخش ثابت نہیں ہوا سوائے قوم یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ جب انہیں دیکھا کہ ان کے نبی ان میں سے نکل گئے اور انہوں نے خیال کر لیا کہ اب اللہ کا عذاب آیا چاہتا ہے' اسی وقت توبہ استغفار کرنے لگے- ٹاٹ پہن کر خشوع و خضوع سے میلے کچیلے میدان میں آ کھڑے ہوئے- بچوں کو ماؤں سے دور کر دیا- جانوروں کے تھنوں سے ان کے بچوں کو الگ کر دیا- اب جو رونا دھونا اور فریاد شروع کی تو چالیس دن رات اسی طرح گزار دیئے- اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی سچائی دیکھ لی- ان کی توبہ و ندامت قبول فرمائی اور ان سے عذاب دور کر دیا- یہ لوگ موصل کے شہر نینوی کے رہنے والے تھے- فَلَوْ لَا کی فَهَلَّا قرات بھی ہے- ان کے سروں پر عذاب رات کی سیاہی کے ٹکڑوں کی طرح گھوم رہا تھا- ان کے علماء نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ جنگل میں نکل کھڑے ہو اور اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہم سے اپنے عذاب دور کر دے اور یہ کہو يَا حَيُّ حِيْنَ لَا حَيَّ يَا حَيُّ مُحْيِي الْمَوْتٰى يَا حَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ قوم یونس کا پورا قصہ سورہ والصافات کی تفسیر میں ان شاء اللہ العزیز ہم بیان کریں گے-

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ
تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۹۹ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۰

اگر تیرا رب چاہتا تو زمین والے سب کے سب سارے ہی ایمان دار ہو جاتے، تو کیا تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟ ○ بغیر اللہ کی مرضی کے کوئی شخص ایمان لا ہی نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ گندگی کو تو انہیں پر ڈالتا ہے جو عقل سمجھ نہیں رکھتے ○

اللہ کی حکمت سے کوئی آگاہ نہیں: ☆☆ (آیت:۹۹۔۱۰۰) اللہ کی حکمت ہے کہ کوئی ایمان لائے اور کسی کو ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ ورنہ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو تمام انسان ایمان دار ہو جاتے۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی دین پر کاربند کر دیتا۔ لوگوں میں اختلاف تو باقی ہی رہے۔ سوائے ان کے جن پر رب کا رحم ہوا، انہیں اسی لئے پیدا کیا ہے، تیرے رب کا یہ فرمان حق ہے کہ جہنم انسانوں اور جنوں سے پر ہوگی۔ کیا ایماندار ناامید نہیں ہو گئے؟ یہ کہ اللہ اگر چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت کر سکتا تھا۔ یہ تو ناممکن ہے کہ تو ایمان ان کے دلوں کے ساتھ چپکا دے، یہ تیرے اختیار سے باہر ہے۔ ہدایت، ضلالت اللہ کے ہاتھ ہے۔ تو ان پر افسوس اور رنج و غم نہ کر۔ اگر یہ ایمان نہ لائیں تو تو اپنے آپ کو ان کے پیچھے ہلاک کر دے گا؟ تو جسے چاہے راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ یہ تو اللہ کے قبضے میں ہے، تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہے۔ حساب ہم خود لے لیں گے، تو تو نصیحت کر دینے والا ہے۔ ان پر داروغہ نہیں۔ اسی مضمون کی ان آیتوں کے سوا بھی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں جو بتاتی ہیں کہ یہ شان اللہ ہی کی ہے کہ جو چاہے کر گزرے، جسے چاہے راہ راست دکھائے، جسے چاہے گمراہ کر دے۔ اس کا علم، اس کی حکمت، اس کا عدل اسی کے ساتھ ہے۔ اسکی مشیت بغیر کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا۔ وہ ان کو ایمان سے خالی، ان کے دلوں کو نجس اور گندہ کر دیتا ہے جو اللہ کی قدرت، اللہ کی برہان، اللہ کے احکام کی آیتوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ عقل و سمجھ سے کام نہیں لیتے، وہ عادل ہے، حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ
وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ
اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ
مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ
حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۱ ۱۵

کہہ دے کہ ذرا نظر تو ڈالو کہ آسمانوں میں کیا کچھ ہے اور زمین میں کیا کچھ ہے، نہ تو نشانیاں فائدہ دیں نہ ڈراوے انہیں جنہیں ایمان نہیں ○ انہیں اور تو کوئی انتظار نہیں بجز ان لوگوں کے برے دنوں جیسے دنوں کے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، کہہ دے کہ اچھا انتظار کرتے رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی منتظر ہوں ○ آخرش ہم اپنے نبیوں کو اور سچے مسلمانوں کو نجات دیں گے۔ بات اسی طرح ہے، ہم نے اپنے اوپر ضروری کر لیا ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں ○

دعوت غور و فکر: ☆☆ (آیت:۱۰۱۔۱۰۳) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں، اس کی قدرتوں میں، اس کی پیدا کردہ نشانیوں میں غور و فکر کرو۔ آسمان و زمین اور ان کے اندر کی نشانیاں بے شمار ہیں۔ آسمانوں میں چلتے پھرتے اور ٹھہرے ہوئے، کم زیادہ روشنی والے ستارے، سورج، چاند، رات دن اور ان کا اختلاف، کبھی دن کی کمی، کبھی راتوں کا چھوٹا ہو جانا، آسمانوں کی بلندی، ان کی چوڑائی، ان کا حسن و زینت، اس سے بارش برسنا، اس بارش سے زمین کا ہرا بھرا ہو جانا، اس میں طرح طرح کے پھل پھول کا پیدا ہونا، اناج اور کھیتی کا اگنا، مختلف قسم کے جانوروں کا اس میں پھیلا ہوا ہونا، جن کی شکلیں جداگانہ، جن کے نفع الگ الگ، جن کے رنگ علیحدہ علیحدہ، پھر زمین پر پہاڑوں، جنگلوں، میدانوں، ٹیلوں، آبادیوں، غیر آباد ٹکڑوں کا ہونا، اسی پر سمندروں، دریاؤں کا بہنا، ان دریاؤں میں عجائبات کا پایا جانا، ان میں طرح طرح کی ہزارہا قسم کی مخلوق کا ہونا، ان

میں چھوٹی بڑی کشتیوں کا چلنا' یہ اس رب قدیر کی قدرتوں کے نشان' کیا تمہاری رہبری اس کی توحید' اس کی جلالت' اس کی عظمت' اس کی یگانگت' اس کی وحدت' اس کی عبادت' اس کی اطاعت' اس کی ملکیت کی طرف نہیں کرتے؟ یقین مانو نہ اس کے سوا کوئی پروردگار' نہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت' درحقیقت بے ایمانوں کے لئے اس سے زیادہ نشانات بھی بے سود ہیں۔

آسمان ان کے سر پر' زمین ان کے قدموں میں' رسول ﷺ ان کے سامنے' دلیل وسند ان کے آگے' لیکن یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ان پر کلمۂ عذاب صادق آچکا ہے۔ یہ تو عذاب کے آجانے سے پہلے مومن نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسی عذاب کے اور انہی کٹھن دنوں کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے کے لوگوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گزر چکے ہیں۔ اچھا انہیں انتظار کرنے دے اور تو بھی انہیں اعلان کر کے منتظر رہ۔ انہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ دیکھ لیں گے کہ ہم اپنے رسولوں اور اپنے سچے غلاموں کو نجات دیں گے۔ یہ ہم نے خود اپنے نفس کریم پر واجب کر لیا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ تمہارے پروردگار نے اپنے نفس پر رحمت لکھ لی ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی ہے جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آچکی ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ
الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ
يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ
اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا
تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ
فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ
فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۗ
يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

اعلان کر دے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو میں تو ان کی عبادت کرنے کا نہیں جن کی عبادت تم اللہ کو چھوڑ کر کر رہے ہو بلکہ میں تو اسی اپنے اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا جو تمہیں وفات دیتا ہے۔ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں باایمان ہی رہوں ○ اور یہ کہ اپنا منہ اسی دین کی طرف سیدھا رکھ۔ مخلص ہو کر' اور ہرگز مشرکوں کے گروہ میں سے نہ ہونا ○ اللہ کے سوا کسی اور سے دعا نہ کر جو نہ تجھے نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے' اگر تو نے ایسا کیا تو پھر تو یقیناً ظالموں میں سے ہی ہو جائے گا۔ اگر اللہ ہی تجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اسے اس کے سوا کوئی بھی دور کرنے والا نہیں' اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر لے تو اس کے فضل کا ٹالنے والا بھی کوئی نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنا فضل پہنچا دے' وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بہت ہی مہربان ہے ○

دین حنیف کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۰۴۔۱۰۷) یکسوئی والا سچا دین جو میں اپنے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہوں' اس میں اے لوگو اگر تمہیں کوئی شک وشبہ ہے تو ہو' یہ تو ناممکن ہے کہ تمہاری طرح میں بھی مشرک ہو جاؤں اور اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کرنے لگوں۔ میں تو صرف اسی اللہ کا بندہ ہوں اور اسی کی بندگی میں لگا رہوں گا جو تمہاری موت پر بھی ویسا ہی قادر ہے جیسا تمہاری پیدائش پر قادر ہے۔ تم سب اسی کی طرف لوٹنے والے اور اسی کے سامنے جمع ہونے والے ہو۔ اچھا اگر تمہارے یہ معبود کچھ طاقت وقدرت رکھتے ہیں تو ان سے کہو

کہ جو ان کے بس میں ہو، مجھے سزا دیں۔ حق تو یہ ہے کہ نہ کوئی سزا ان کے قبضے میں، نہ جزا۔ یہ محض بے بس ہیں، بے نفع ونقصان ہیں۔ بھلائی برائی سب میرے اللہ کے قبضے میں ہے وہ واحد اور لاشریک ہے۔ مجھے اس کا حکم ہے کہ میں مومن رہوں۔ یہ بھی مجھے حکم مل چکا ہے کہ میں صرف اسی کی عبادت کروں۔ شرک سے یکسو اور بالکل علیحدہ رہوں۔ اور مشرکوں میں ہرگز شمولیت نہ کروں۔ خیر وشر، نفع وضرر اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ کسی اور کو کسی امر میں کچھ بھی اختیار نہیں۔ پس کسی اور کی کسی طرح کی عبادت بھی لائق نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اپنی پوری عمر اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کرتے رہو۔ رب کی رحمتوں کے موقعہ کی تلاش میں رہو۔ ان موقعوں پر اللہ پاک جسے چاہے، اپنی بھرپور رحمتیں عطا فرما دیتا ہے۔ اس سے اپنے عیبوں کی پردہ پوشی اور اپنے خوف ڈر کا امن طلب کیا کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو شخص جب بھی توبہ کرے، اللہ اسے بخشنے والا اور اس پر مہربانی کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ
اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۭ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ
وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع ٦

کہہ دے کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق آ چکا ہے، جو راہ پالے، وہ اپنے ہی نفع کے لئے راہ یافتہ ہوگا، اور جو راہ گم کر دے، اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، میں کچھ تم پر داروغہ نہیں ہوں ○ اے نبی تو اسی کی پیروی کرتا رہ جو تیری طرف وحی کیا جائے اور صبر وسہار کر یہاں تک کہ اللہ خود فیصلہ کر دے، وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ○

نافرمان کا اپنا نقصان ہے: ☆☆ (آیت: ۱۰۸۔۱۰۹) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے فرماتا ہے کہ لوگوں کو آپ خبردار کر دیں کہ جو میں لایا ہوں، وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بلاشک وشبہ وہ نرا حق ہے۔ جو اس کی اتباع کرے گا، وہ اپنے نفع کو جمع کرے گا اور جو اس سے بھٹک جائے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ میں تم پر وکیل نہیں ہوں کہ تمہیں ایمان پر مجبور کر دوں۔ میں تو کہنے سننے والا ہوں۔ ہادی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو خود بھی میرے احکام اور وحی کا تابعدار رہ اور اس پر مضبوطی سے جما رہ۔ لوگوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کر۔ ان کی ایذاؤں پر صبر وتحمل سے کام لے۔ یہاں تک کہ خود اللہ تجھ میں اور ان میں فیصلہ کر دے۔ وہ بہترین فیصلے کرنے والا ہے جس کا کوئی فیصلہ عدل وحکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

ابویعلیٰ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ بوڑھے کیسے ہو گئے؟ فرمایا مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ عم، اور سورہ کورت نے بوڑھا کر دیا۔ ترمذی کی اس حدیث میں سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ والمرسلات، سورہ النباء اور سورہ اذا الشمس کورت کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں ہے، سورہ ہود اور اس جیسی اور سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ طبرانی میں ہے، مجھے سورہ ہود نے اور اس جیسی سورتوں مثلاً واقعہ، الحاقہ، اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔ ایک روایت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال کے جواب میں آپ کا صرف دو سورتوں کا ذکر کرنا ہی مروی ہے۔ سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ۔

تفسیر سورہ ہود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍۙ ۝۱
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌۙ ۝۲ وَّاَنِ
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴

اللہ تعالیٰ مہربان رحمت والے کے نام سے۔

یہ کتاب جس کی آیتیں حکم والی ہیں اور پھر واضح کردہ ہیں، جو درست کار خبردار اللہ کی طرف سے ہیں ○ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تمہیں اس ایک طرف سے ڈرانے اور بشارت سنانے والا ہوں ○ اور تم اپنے پروردگار سے استغفار کرو اور اسی کی طرف رجوع رہو کہ وہ تمہیں معیاد معلوم تک اچھا فائدہ پہنچائے اور ہر بزرگی والے کو اس کی جزا دے۔ اس پر بھی اگر تم روگردانی کرو تو مجھے تو تم بہت بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے ○ تم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے، وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

تعارف قرآن حکیم: ☆☆ (آیت: ۱-۴) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو حروف سورتوں کے شروع میں آتے ہیں، ان کی پوری تفصیل اس تفسیر کے شروع میں سورہ بقرہ کے ان حروف کے بیان میں گزر چکی ہے جسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ یہ قرآن لفظوں میں محکم اور معنی میں مفصل ہے۔ پس مضمون اور معنی ہر طرح سے کامل ہے۔ یہ اس اللہ کا کلام ہے جو اپنے اقوال واحکام میں حکیم ہے۔ جو کاموں کے انجام سے خبردار ہے۔ یہ قرآن اللہ کی عبادت کرانے اور دوسروں کی عبادت سے روکنے کے لئے اترا ہے۔ سب رسولوں پر پہلی وحی اسی توحید کی آتی رہی ہے۔ سب سے یہی فرمایا گیا ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے سوا اور کسی کی پرستش نہ کریں۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی مخالفت کی وجہ سے جو عذاب آ جاتے ہیں، ان سے میں ڈرا رہا ہوں۔ اور اس کی اطاعت کی بنا پر جو ثواب ملتے ہیں، ان کی میں بشارت سناتا ہوں۔ حضور ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے خاندانوں کو آواز دیتے ہیں۔ زیادہ قریب والے پہلے، پھر ترتیب وار جب سب جمع ہو جاتے ہیں تو آپ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اگر میں تم سے کہوں کہ کوئی لشکر صبح کو تم پر دھاوا کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے آج تک آپؐ کی زبان سے کوئی جھوٹ سنا ہی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا سنو، میں تم سے کہتا ہوں کہ قیامت کے دن تمہاری ان بداعمالیوں کی وجہ سے سخت تر عذاب ہوگا۔ پس تم ان سے ہوشیار ہو جاؤ۔ پھر ارشاد ہے کہ اے نبی ﷺ یہ بھی کہہ دو کہ میں تمہیں اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کرنے اور آئندہ کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ اگر تم بھی ایسا ہی کرتے رہے تو دنیا میں بھی اچھی زندگی بسر کرو گے اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی بڑے بلند درجے عنایت فرمائے گا۔ قرآن کریم نے آیت مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى میں فرمایا ہے کہ جو مرد و عورت ایمان دار ہو کر نیک عمل بھی کرتا رہے، اسے ہم پاکیزہ زندگی سے زندہ

رکھیں گے۔ صحیح حدیث میں بھی ہے، حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ کی رضا مندی کی تلاش میں تو جو کچھ بھی خرچ کرے گا، اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے پائے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تو اپنی بیوی کے منہ میں دے، اس کا بھی۔ فضل والوں کو اللہ تعالیٰ فضل دے گا۔ یعنی گناہ تو برابر لکھا جاتا ہے اور نیکی دس گنا لکھی جاتی ہے۔ پھر اگر گناہ کی سزا دنیا میں ہی ہوگئی تو نیکیاں جوں کی توں باقی رہیں۔ اور اگر یہاں اس کی سزا نہ ملی تو زیادہ سے زیادہ ایک نیکی اس کے مقابل جا کر بھی نو نیکیاں بچ رہیں۔ پھر جس کی اکائیاں دھائیوں پر غالب آ جائیں، وہ تو واقعی خود ہی بد اور برا ہے۔ پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے جو اللہ کے احکام سے روگردانی کرلیں اور رسولوں کی نہ مانیں کہ ایسے لوگوں کو ضرور ضرور قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا۔ تم سب کو لوٹ کر مالک ہی کے پاس جانا ہے، اسی کے سامنے جمع ہونا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اپنے دوستوں سے احسان، اپنے دشمنوں سے انتقام، مخلوق کی نئی پیدائش سب اس کے قبضے میں ہے۔ پس پہلے رغبت دلائی اور اب ڈرایا۔

اَلَآ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۵

دیکھو تو یہ لوگ اپنے سینے موڑتے ہیں کہ اس اللہ سے چھپ جائیں، یہ اس وقت جب کہ اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں۔ وہ بخوبی جانتا ہے جسے چھپاتے ہیں اور جسے کھولتے ہیں۔ وہ سینوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ○

اللہ اندھیروں کی چادروں میں موجود ہر چیز کو دیکھتا ہے: ☆☆ (آیت:۵) آسمان کی طرف اپنی شرمگاہ کا رخ کرنا وہ مکروہ جانتے تھے اور مجامعت کے وقت۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرات میں تَثۡنُوۡنِیۡ ہے۔ مجامعت کے وقت اور تنہائی میں وہ عریانی سے حجاب کرتے تھے کہ پاخانہ کے وقت آسمان تلے ننگے ہوں یا مجامعت اس حالت میں کریں۔ وہ اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے۔ اور یہ بھی مراد ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں شک کرتے تھے اور کام برائی کے کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ برے کام یا برے عمل کے وقت، وہ جھک جھک کر اپنے سینے دوہرے کر ڈالتے گویا کہ وہ اللہ سے شرما رہے ہیں۔ اور اس سے چھپ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ راتوں کو کپڑے اوڑھے ہوئے بھی جو تم کرتے ہو، اس سے بھی اللہ تو خبردار ہے۔ جو چھپاؤ، جو کھولو، جو دلوں میں، اور سینوں میں رکھو، وہ سب کو جانتا ہے۔ دل کے بھید، سینے کے راز، اور ہر ایک پوشیدگی اس پر ظاہر ہے۔

زہیر بن ابوسلمہ اپنے مشہور معلقہ میں کہتا ہے کہ تمہارے دلوں کی کوئی بات اللہ تعالیٰ پر چھپی ہوئی نہیں، تم گو کسی خیال میں ہو لیکن یاد رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ تمہارے بدخیالات پر وہ تمہیں یہیں سزا کرے اور ہوسکتا ہے کہ وہ نامہ اعمال میں لکھ لئے جائیں اور قیامت کے دن پیش کئے جائیں۔ یہ جاہلیت کا شاعر ہے۔ اسے اللہ کا، اس کے کامل علم کا، قیامت کا، اور اس دن کی جزا سزا کا، اعمال نامے کا اور قیامت کے دن اس کے پیش ہونے کا اقرار ہے۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ جب رسول مقبول ﷺ کے پاس سے گزرتے تو سینہ موڑ لیتے اور سر ڈھانپ لیتے۔ آیت میں لِیَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے چھپنا چاہتے ہیں۔ یہی اولیٰ ہے کیونکہ اسی کے بعد ہے کہ جب یہ لوگ سوتے وقت کپڑے اوڑھ لیتے ہیں، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام افعال کا جو وہ چھپ کر کریں اور جو ظاہر کریں، علم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں الا انهم تَثۡنُوۡنِیۡ صدورهم ہے۔ اس قرات کے بھی معنی تقریباً یکساں ہیں۔ الحمدللہ تفسیر محمدی کا گیارہواں پارہ ختم ہوا۔

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

۱۲
پارہ نمبر

- ہر مخلوق کا روزی رساں اللہ ۵۸۶
- تخلیق کائنات کا تذکرہ ۵۸۶
- انسان کا نفسیاتی تجزیہ ۵۸۸
- ریا ہر نیکی کے لیے زہر ہے ۵۹۰
- مومن کون ہیں؟ ۵۹۱
- عقل و ہوش اور ایمان والے لوگ ۵۹۴
- آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلا نبی؟ ۵۹۵
- دعوت حق سب کے لیے یکساں ہے ۵۹۷
- میرا پیغام اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے ۵۹۷
- قوم نوحؑ کا مانگا ہوا عذاب اسے ملا ۵۹۸
- نوحؑ کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب ۶۰۴
- طوفان نوحؑ کا آخری منظر ۶۰۵
- یہ تاریخ ماضی وحی کے ذریعہ بیان کی گئی ۶۰۶
- قوم ہودؑ کی تاریخ ۶۰۶
- قوم ہودؑ کے مطالبات ۶۰۷
- ہود علیہ السلام کا قوم کو جواب ۶۰۸
- صالح علیہ السلام اور ان کی قوم میں مکالمات ۶۰۹
- ابراہیم علیہ السلام کو بشارت اولاد اور فرشتوں سے گفتگو ۶۱۰
- حضرت ابراہیمؑ کی بردباری اور سفارش ۶۱۲
- حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کا نزول ۶۱۳
- لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے ۶۱۴
- اہل مدین کی جانب حضرت شعیبؑ کی آمد ۶۱۶
- پرانے معبودوں سے دستبرداری سے انکار ۶۱۷
- قوم مدین کا جواب اور اللہ کا عتاب ۶۱۹
- قبطی قوم کا سردار فرعون اور موسیٰ علیہ السلام ۶۲۰
- عذاب یافتہ لوگوں کی چیخیں ۶۲۲
- انبیاء کے فرماں بردار اور جنت ۶۲۳
- مشرکوں کا حشر ۶۲۳
- استقامت کی ہدایت ۶۲۴
- اوقات نماز کی نشاندہی ۶۲۴
- نیکی کی دعوت دینے والے چند لوگ ۶۲۷
- ذکر ماضی تمہارے لیے سامان سکون ۶۲۸
- تعارف قرآن بزبان اللہ الرحمان ۶۲۹
- بہترین قصہ حضرت یوسف علیہ السلام ۶۳۱
- یعقوب علیہ السلام کی تعبیر اور ہدایات ۶۳۲
- بشارت اور نصیحت بھی ۶۳۳
- یوسف علیہ السلام کے خاندان کا تعارف ۶۳۳
- بڑے بھائی کی رائے پر اتفاق ۶۳۴
- بھائی اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گئے ۶۳۵
- کنویں سے بازار مصر تک ۶۳۷
- بازار مصر سے شاہی محل تک ۶۳۹
- زلیخا کی بدنیتی سے الزام تک ۶۴۰
- یوسف علیہ السلام کے تقدس کا سبب ۶۴۰
- الزام کی مدافعت اور بچے کی گواہی ۶۴۲
- داستان عشق اور حسینان مصر ۶۴۳
- جیل خانہ اور یوسف علیہ السلام ۶۴۶
- جیل خانہ میں بادشاہ کے باورچی اور ساقی سے ملاقات ۶۴۶
- جیل خانہ میں خوابوں کی تعبیر کا سلسلہ اور تبلیغ توحید ۶۴۷
- خواب اور اس کی تعبیر ۶۴۹
- تعبیر بتا کر بادشاہ وقت کو اپنی یاد دہانی کی تاکید ۶۵۰
- شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں حضرت یوسفؑ تک رسائی ۶۵۰
- تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا حضرت یوسفؑ کو وزارت سونپنا ۶۵۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى
الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ
مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں- وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی' سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے ○ اللہ ہی وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان وزمین کو پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اگر تو ان سے کہے کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے تو کافر لوگ پلٹ کر جواب دیں گے کہ یہ تو نرا صاف صاف جادو ہی ہے ○

ہر مخلوق کا روزی رساں اللہ : ☆☆ (آیت:۶) ہر ایک چھوٹی بڑی' خشکی تری کی مخلوق کا روزی رساں ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے- وہی ان کے چلنے پھرنے' آنے جانے' رہنے سہنے' مرنے جینے اور ماں کے رحم میں قرار پکڑنے اور باپ کی پیٹھ کی جگہ کو جانتا ہے- امام ابن ابی حاتمؒ نے اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام کے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں- فاللہ اعلم- یہ تمام باتیں اللہ کے پاس کی واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہیں- جیسے فرمان ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ الخ' یعنی زمین پر چلنے والے جانور اور اپنے پروں پر اڑنے والے پرند سب کے سب تم جیسی ہی امتیں ہیں' ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی' پھر سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کئے جائیں گے- اور فرمان ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ الخ' یعنی غیب کی کنجیاں اسی اللہ کے پاس ہیں- انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- خشکی تری کی تمام چیزوں کا اسے علم ہے- جو پتہ جھڑتا ہے' اس کے علم میں ہے' کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں جو واضح کتاب میں نہ ہو-

تخلیق کائنات کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۷) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اسے ہر چیز پر قدرت ہے- آسمان وزمین کو اس نے صرف چھ دن میں پیدا کیا ہے- اس سے پہلے اس کا عرش کریم پانی کے اوپر تھا- مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اے بنو تمیم تم خوشخبری قبول کرو- انہوں نے کہا' خوشخبریاں تو آپ نے سنا دیں- اب کچھ دلوائیے- آپ نے فرمایا اے اہل یمن تم قبول کرو- انہوں نے کہا' ہاں' ہمیں قبول ہے- مخلوق کی ابتدا تو ہمیں سنائیے کہ کس طرح ہوئی؟ آپؐ نے فرمایا' سب سے پہلے اللہ تھا- اس کا عرش پانی کے اوپر تھا- اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کا تذکرہ لکھا-

راوی حدیث حضرت عمرانؓ کہتے ہیں' حضورؐ نے اتنا ہی فرمایا تھا جو کسی نے آن کر مجھے خبر دی کہ تیری اونٹنی زانو کھلوا کر بھاگ گئی' میں اسے ڈھونڈنے چلا گیا- پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا بات ہوئی؟ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے- ایک روایت میں ہے' اللہ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا- ایک روایت میں ہے' اس کے ساتھ کچھ نہ تھا- اس کا عرش پانی پر تھا- اس نے ہر چیز کا تذکرہ لکھا- پھر آسمان وزمین کو پیدا

کیا- مسلم کی حدیث میں ہے، زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر لکھی- اس کا عرش پانی پر تھا- صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ایک قدسی حدیث لائے ہیں کہ اے انسان تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دوں گا اور فرمایا ''اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے-'' دن رات کا خرچ اس میں کوئی کمی نہیں لاتا- خیال تو کرو کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے اب تک کتنا کچھ خرچ کیا ہو گا لیکن تاہم اس کے داہنے ہاتھ میں جو تھا، وہ کم نہیں ہوتا- اس کا عرش پانی پر تھا- اس کے ہاتھ میں میزان ہے- جھکاتا ہے اور اونچا کرتا ہے- مسند میں ہے، ابورزین لقیط بن عامر بن منتفق عقیلی نے حضورؐ سے سوال کیا کہ مخلوق کی پیدائش کرنے سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا؟ آپؐ نے فرمایا، عما میں نیچے بھی ہوا اور اوپر بھی ہوا- پھر عرش کو اس کے بعد پیدا کیا- یہ روایت ترمذی کتاب التفسیر میں بھی ہے- سنن ابن ماجہ میں بھی ہے-

امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں- مجاہد کا قول ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے سے پہلے عرش الٰہی پانی پر تھا- وہب، ضمرہ، قتادہ، ابن جریر وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں- قتادہؒ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ابتداء مخلوق کس طرح ہوئی! ربیع بن انس کہتے ہیں اس کا عرش پانی پر تھا جب آسمان و زمین کو پیدا کیا، تو اس پانی کے دو حصے کر دیئے- نصف عرش کے نیچے یہی بحر مسجود ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں، بوجہ بلندی کے عرش کو عرش کہا جاتا ہے- سعد طائی فرماتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے- محمد بن اسحاق فرماتے ہیں، اللہ اسی طرح تھا جس طرح اس نے اپنے نفس کریم کا وصف کیا- اس لئے کہ کچھ نہ تھا، پانی تھا، اس پر عرش تھا- عرش پر ذوالجلال و الاکرام ذوالعزت و السلطان ذوالملك و القدره ذوالعلم و الرحمة و النعمه تھا جو جو چاہے، کر گزرنے والا ہے- ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا کہ پانی کس چیز پر تھا؟ آپؓ نے فرمایا ہوا کی پیٹھ پر-

پھر فرماتا ہے- آسمان و زمین کی پیدائش تمہارے نفع کے لئے ہے اور تم اس لئے ہو کہ اسی ایک خالق کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو- یاد رکھو تم بے کار پیدا نہیں کئے گئے- آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں باطل پیدا نہیں کیں- یہ گمان تو کافروں کا ہے اور کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے- اور آیت میں ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا الخ، کیا تم اور یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے؟ اللہ جو سچا مالک ہے، وہی حق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش کریم کا رب ہے- اور آیت میں ہے، انسانوں اور جنوں کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے- وہ تمہیں آزما رہا ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والے کون ہیں؟ یہ نہیں فرمایا کہ زیادہ عمل والے کون ہیں؟ اس لئے کہ عمل حسن وہ ہوتا ہے جس میں خلوص ہو اور شریعت محمدیہؐ کی تابعداری ہو- ان دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل بے کار اور غارت ہے- پھر فرماتا ہے کہ اے نبیؐ اگر آپؐ انہیں کہیں کہ تم مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے، جس اللہ نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے، وہ دوبارہ بھی پیدا کرے گا تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم اسے نہیں مانتے - حالانکہ قائل بھی ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے- ظاہر ہے کہ شروع جس پر گراں نہ گزرا- اس پر دوبارہ کی پیدائش کیسے گراں گزرے گی؟ یہ تو بہ نسبت اول مرتبہ کے بہت ہی آسان ہے-

فرمان الٰہی ہے- وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ اسی نے پہلی پیدائش شروع میں کی- وہی دوبارہ پیدائش کرے گا اور یہ تو اس پر نہایت ہی آسان ہے- اور آیت میں ہے کہ تم سب کا بنانا اور مار کر زندہ کرنا مجھ پر ایسا ہی ہے جیسا ایک کا- لیکن یہ لوگ اسے نہیں مانتے تھے اور اسے کھلے جادو سے تعبیر کرتے تھے- کفر و عناد سے اس قول کو جادو کا اثر خیال کرتے-

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا
يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا
بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۸

ع ۸

اور اگر ہم ان سے عذاب کو گنی چنی مدت تک کے لئے پیچھے ڈال دیں تو یہ ضرور پکار اٹھیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روکے ہوئے ہے! سنو جس دن وہ ان کے پاس آئے گا، پھر ان سے ٹلنے والا نہیں پھر تو جس کی ہنسی اڑا رہے تھے، وہ انہی پر الٹ پڑے گا ○

(آیت: ۸) پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم عذاب و پکڑ کو ان سے کچھ مقرر مدت تک کے لئے موخر کر دیں تو یہ اس کو نہ آنے والا جان کر جلدی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں کہ عذاب ہم سے موخر کیوں ہو گئے؟ ان کے دل میں کفر و شرک اس طرح بیٹھ گیا ہے کہ اس سے چھٹکارا ہی نہیں ملتا- امت کا لفظ قرآن و حدیث میں کئی ایک معنی میں مستعمل ہے- اس سے مراد مدت بھی ہے- اس آیت میں اور آیت وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ جو سورہ یوسف میں ہے، یہی معنی ہیں- امام و مقتدی کے معنی میں بھی یہ لفظ آتا ہے- جیسے حضرت ابراہیم کے بارے میں أُمَّةً قَانِتًا الخ آیا ہے- ملت اور دین کے بارے میں بھی یہ لفظ آتا ہے- جیسے مشرکوں کا قول إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ ہے اور جماعت کے معنی میں بھی آتا ہے وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً والی آیت میں اور آیت وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِى كُلِّ أُمَّةٍ میں اور آیت وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ میں- ان آیتوں میں امت سے مراد کافر، مومن سب امتی ہیں- جیسے مسلم کی حدیث میں ہے، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو یہودی نصرانی اس امت کا میرا نام سنے اور مجھ پر ایمان نہ لائے، وہ جہنمی ہے- ہاں تابعدار امت وہ ہے جو رسولوں کو مانے جیسے كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ والی آیت میں-

صحیح حدیث میں ہے، میں کہوں گا، امتی امتی، اسی طرح امت کا لفظ فرقے اور گروہ کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے آیت وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٌ الخ اور جیسے آیت مِّنْ أَهْلِ الْكِتَـٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ الآیہ میں-

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ
كَفُورٌ ۹ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ
ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۱۰ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۱۱

اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے اس سے لے لیں، تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے ○ اور اگر ہم اسے کوئی رحمت پہنچائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی رہیں، یقیناً وہ بڑا ہی خوش ہو کر فخر کرنے لگتا ہے ○ سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا نیک بدلہ بھی ○

انسان کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۹-۱۱) سوائے کامل ایمان والوں کے عموماً لوگوں میں جو برائیاں ہیں، ان کا بیان ہو رہا ہے کہ راحت کے بعد کی سختی پر مایوس اور محض ناامید ہو جاتے ہیں- اللہ سے بدگمانی کر کے آئندہ کے لئے بھلائی کو بھول بیٹھتے ہیں گویا کہ نہ کبھی اس

سے پہلے کوئی آرام اٹھایا تھا نہ اس کے بعد کسی راحت کی توقع ہے۔

یہی حال اس کے برخلاف بھی ہے۔ اگر سختی کے بعد آسانی ہوگئی تو کہنے لگتے ہیں کہ بس اب برا وقت ٹل گیا۔ اپنی راحت، اپنی تن آسانیوں پر مست و بے فکر ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کا استہزا کرنے لگتے ہیں۔ اکڑفوں میں پڑ جاتے ہیں اور آئندہ کی سختی کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ ہاں ایمان دار اس بری خصلت سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ دکھ درد میں صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں۔ راحت و آرام میں اللہ کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ صبر پر مغفرت اور نیکی پر ثواب پاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن کو کوئی سختی، کوئی مصیبت، کوئی دکھ، کوئی غم ایسا نہیں پہنچتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف نہ فرماتا ہو یہاں تک کہ کانٹا لگنے پر بھی۔

صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے، مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ سراسر بہتر ہی بہتر ہوتا ہے۔ یہ راحت پا کر شکر کرتا ہے اور بھلائی سمیٹتا ہے۔ تکلیف اٹھا کر صبر کرتا ہے، نیکی پاتا ہے۔ ایسا حال مومن کے سوا اور کسی کا نہیں ہوتا۔ اسی کا بیان سورہ والعصر میں ہے۔ یعنی عصر کے وقت کی قسم، تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کریں اور ایک دوسرے کو دین حق کی اور صبر کی ہدایت کرتے رہیں۔ یہی بیان آیت اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا الخ میں ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ
اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ
اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ (۱۲) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ
قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۳) فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۴)

پس شاید کہ تو اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والا ہے جو تیری طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے تیرا دل تنگ ہونے والا ہے صرف ان کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا، سن تو تو صرف ڈرانے والا ہی ہے، ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہی ہے ○ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ ملا بھی لو اگر تم سچے ہو ○ پھر اگر وہ تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور در اصل اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟ ○

کافروں کی تنقید کی پرواہ نہ کریں: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۴) کافروں کی زبان پر جو آتا، وہی طعنہ بازی رسول اللہ ﷺ پر کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے سچے پیغمبر کو دلاسہ اور تسلی دیتا ہے کہ آپ نہ اس سے کام میں سستی کریں، نہ تنگ دل ہوں۔ یہ تو ان کا شیوہ ہے۔ کبھی وہ کہتے،

اگر یہ رسولؐ ہے تو کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے؟ اس کی ہم نوائی میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا؟ اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کے کھانے کو کوئی خاص باغ کیوں نہیں بنایا گیا؟ مسلمانوں کو طعنہ دیتے کہ تم تو اس کے پیچھے چل رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبرؐ آپ ملول خاطر نہ ہوں' آزردہ دل نہ ہوں' اپنے کام سے نہ رکیے' انہیں حق کی پکار سنانے میں کوتاہی نہ کیجئے' دن رات اللہ کی طرف بلاتے رہیے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی دکھ دہ باتیں آپؐ کو بری لگتی ہیں۔ آپؐ توجہ بھی نہ کیجئے۔ ایسا نہ ہو آپؐ مایوس ہو جائیں یا تنگ دل ہو کر بیٹھ جائیں کہ یہ آوازے کستے' پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ اپنے سے پہلے کے رسولوں کو دیکھئے۔ سب جھٹلائے گئے' ستائے گئے اور صابر و ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی مدد آ پہنچی۔

پھر قرآن کا معجزہ بیان فرمایا کہ اس جیسا قرآن لانا تو کہاں؟ اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی ساری دنیا مل کر بنا کر نہیں لا سکتی اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسی اس کی ذات مثال سے پاک' ویسے ہی اس کی صفتیں بھی بے مثال۔ اس کے کلام جیسا مخلوق کا کلام ہو' یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی ذات اس سے بلند و بالا' پاک اور منفرد ہے۔ معبود اور رب صرف وہی ہے۔ جب تم سے یہ نہیں ہو سکا اور اب تک نہیں ہو سکا تو یقین کر لو کہ تم اس کے بنانے سے عاجز ہو اور دراصل یہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کا علم' اس کے حکم احکام' اس کی روک ٹوک اسی کلام میں ہیں اور ساتھ ہی مان لو کہ معبود برحق صرف وہی ہے۔ بس آؤ اسلام کے جھنڈے تلے کھڑے ہو جاؤ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا
وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

جو شخص دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت پر ریجھا ہوا ہو' ہم بھی ایسوں کو ان کے کل اعمال یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی ○ ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا' وہاں سب باطل ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برباد ہوئے ○

ریا ہر نیکی کے لیے زہر ہے: ☆☆ (آیت:۱۵-۱۶) ابن عباسؓ فرماتے ہیں ریاکاروں کی نیکیوں کا بدلہ سب کچھ اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔ ذرا سی بھی کمی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص دنیا میں دکھاوے کے لئے نماز پڑھے' روزے رکھے یا تہجد گزاری کرے' اس کا اجر اسے دنیا میں ہی مل کر رہتا ہے۔ آخرت میں وہ خالی ہاتھ اور محض بے عمل اٹھتا ہے۔ حضرت انسؓ وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں اتری ہے اور مجاہد کہتے ہیں' ریاکاروں کے بارے میں اتری ہے۔ الغرض جس کا جو قصد ہو' اسی کے مطابق اس سے معاملہ ہوتا ہے۔ دنیا طلبی کے لئے جو اعمال ہوں وہ آخرت میں کارآمد نہیں ہو سکتے۔ مومن کی نیت اور مقصد چونکہ آخرت طلبی ہی ہوتا ہے' اللہ اسے آخرت میں اس کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے اور دنیا میں بھی اس کی نیکیاں اس کے کام آتی ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔

قرآن کریم کی آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ الخ میں بھی اسی کا تفصیلی بیان ہے کہ دنیا طلب لوگوں میں سے جسے ہم جس قدر چاہیں' دے دیتے ہیں۔ پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے' جہاں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوتا ہے۔ ہاں جس کی طلب آخرت ہو اور بالکل اسی کے

مطابق اس کا عمل بھی ہو اور وہ ایمان دار بھی تو ایسے لوگوں کی کوشش کی قدر دانی کی جاتی ہے۔ انہیں ہر ایک کو ہم تیرے رب کی عطا سے بڑھاتے رہتے ہیں۔ تیرے پروردگار کا انعام کسی سے رکا ہوا نہیں۔ تو خود دیکھ لے کہ کس طرح ہم نے ایک کو ایک پر فضیلت بخشی ہے۔ آخرت کیا باعتبار درجوں کے اور کیا باعتبار فضیلت کے بہت ہی بڑی اور زبردست چیز ہے۔ اور آیت میں ارشاد ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْلَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ الخ جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو' ہم خود اس میں اس کے لئے برکت عطا فرماتے ہیں۔ اور جس کا ارادہ دنیا کی کھیتی کا ہو ہم گو اسے اس میں سے کچھ دے دیں لیکن آخرت میں وہ بے نصیب رہ جاتا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ
مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ
الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٧﴾

کیا وہ شخص جو اپنے رب کے پاس کی دلیل پر ہو اور اس کے متصل ہی اللہ کی طرف کا گواہ ہو اور اس سے پہلے کتاب جو موسیٰ کی پیشوا اور رحمت' یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں' تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو' اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ پس تو اس میں کسی قسم کے شبہ میں نہ رہ۔ یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے۔ یہ تو بات ہی اور ہے کہ اکثر لوگ ایمان والے نہیں ہوتے ○

مومن کون ہیں؟ ☆☆ (آیت: ۱۷) ان مومنوں کا وصف بیان ہو رہا ہے جو فطرت پر قائم ہیں جو اللہ کی وحدانیت کو دل سے مانتے ہیں۔ جیسے حکم الٰہی ہے کہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا الخ اپنا منہ دین حنیف پر قائم کر دے۔ اللہ کی فطرت' جس پر اس نے انسانی فطرت پیدا کی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے کہ جانوروں کے بچے صحیح سالم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر لوگ ان کے کان کاٹ ڈالتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے' میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان آ کر انہیں ان کے دین سے بہکا دیتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ میرے ساتھ انہیں شریک کریں جن کی کوئی دلیل میں نے نہیں اتاری۔ مسند اور سنن میں ہے کہ ہر بچہ اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان کھلے' الخ۔

پس مومن فطرت اللہ پر ہی باقی رہتا ہے۔ پس ایک تو فطرت اس کی صحیح سالم ہوتی ہے۔ پھر اس کے پاس اللہ کا شاہد آتا ہے یعنی اللہ کی شریعت پیغمبرؑ کے ذریعے پہنچتی ہے جو شریعت حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ ختم ہوئی۔ پس شاہد سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں' اللہ کی رسالت اولاً حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے اور آپ کے واسطے سے حضرت محمد ﷺ۔ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ وہ علی ہیں لیکن وہ قول ضعیف ہے۔ اس کا کوئی قائل ثابت ہی نہیں۔ حق بات پہلی ہی ہے۔ پس مومن کی فطرت اللہ کی وحی سے مل جاتی ہے۔ اجمالی طور پر اسے پہلے سے ہی یقین ہوتا ہے' پھر شریعت کی تفصیلات کو مان لیتا ہے۔ اس کی فطرت ایک ایک مسئلے کی تصدیق کرتی جاتی ہے۔ پس فطرت سلیم' اس کے ساتھ قرآن کی تعلیم' جسے حضرت جبرئیلؑ نے اللہ کے نبی کو پہنچایا اور آپؐ نے اپنی امت کو' پھر اس سے پہلے کی ایک اور تائید بھی موجود' وہ کتاب موسیٰ یعنی تورات جسے اللہ نے اس زمانے کی امت کے لئے پیشوائی کے قابل بنا کر بھیجی تھی اور جو اللہ کی طرف سے رحمت تھی' اس پر جن کا پورا ایمان ہے' وہ لامحالہ اس نبی اور اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ اس کتاب نے اس

کتاب پر ایمان لانے کی رہنمائی کی ہے۔ پس یہ لوگ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

پھر پورے قرآن کو یا اس کے کسی حصے کو نہ ماننے والوں کی سزا کا بیان فرمایا کہ دنیا والوں میں سے جو گروہ' جو فرقہ اسے نہ مانے خواہ یہودی ہو' خواہ نصرانی' کہیں کا ہو' کوئی ہو' کسی رنگت اور شکل و صورت کا ہو' قرآن پہنچا اور نہ مانا' وہ جہنمی ہے۔ جیسے رب العالمین نے اپنے نبیؐ کی زبانی اسی قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ کہ میں اس سے تمہیں بھی آگاہ کر رہا ہوں اور انہیں بھی جنہیں یہ پہنچ جائے۔ اور آیت میں ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا لوگوں میں اعلان کر دو کہ اے انسانو' میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبرؐ ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت میں سے جو بھی مجھے سن لے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' میں جو صحیح حدیث سنتا ہوں' اس کی تصدیق کتاب اللہ میں ضرور پاتا ہوں۔ مندرجہ بالا حدیث سن کر میں اس تلاش میں لگا کہ اس کی تصدیق قرآن کی کس آیت سے ہوتی ہے تو مجھے یہ آیت ملی۔ پس تمام دین والے اس سے مراد ہیں۔ پھر جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اس قرآن کے اللہ کی طرف سے سراسر حق ہونے میں تجھے کوئی شک شبہ نہ کرنا چاہئے جیسے ارشاد ہے کہ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اور جگہ ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ اکثر لوگ ایمان سے کورے ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ یعنی گو تیری چاہت ہو لیکن یقین کر لے کہ اکثر لوگ مومن نہیں ہوں گے۔ اور آیت میں ہے وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تو دنیا والوں کی اکثریت کی پیروی کرے گا تو وہ تو تجھے راہ اللہ سے بھٹکا دیں گے۔ اور آیت میں ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ان پر ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا اور سوائے مومنوں کی ایک مختصر سی جماعت کے باقی سب اسی کے پیچھے لگ گئے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۸

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھ لے' یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا۔ خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر ○

اللہ جل شانہ پہ بہتان باندھنے والے: ☆☆ (آیت:۱۸) جو لوگ اللہ کے ذمے بہتان باندھ لیں' ان کا انجام اور قیامت کے دن کی ساری مخلوق کے سامنے کی ان کی رسوائی کا بیان ہو رہا ہے۔ مسند احمد میں صفوان بن محرز کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن کی سرگوشی کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپؓ نے فرمایا' میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل مومن کو اپنے سے قریب کرے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور اسے لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لے گا اور اسے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا کہ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ اور فلاں بھی؟ اور فلاں بھی؟ یہ اقرار کرتا جائے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ بس اب ہلاک ہوا۔ اس وقت ارحم الراحمین فرمائے گا کہ میرے بندے دنیا میں ان پر پردہ ڈالتا

رہا۔ سن آج بھی میں انہیں بخشتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا عمل نامہ اسے دے دیا جائے گا۔ اور کفار اور منافقین پر تو گواہ پیش ہوں گے جو کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جو اللہ پر جھوٹ بولتے تھے۔ یاد رہے کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے الخ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۹ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا
يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱ لَا جَرَمَ
اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۲

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کر لیتے ہیں، یہی ہیں آخرت کے منکر ○ نہ یہ لوگ دنیا میں اللہ کو ہرا سکے نہ ان کا کوئی حمایتی اللہ کے سوا ہوا، ان کے لئے عذاب دگنا کیا جائے گا، نہ یہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے ○ یہی ہیں جنھوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا اور جن سے اپنا باندھا ہوا افترا گم ہو گیا ○ بے شک یہی لوگ آخرت میں زیاں کار ہوں گے ○

(آیت: ۱۹-۲۲) یہ لوگ اتباع حق، ہدایت اور جنت سے اوروں کو روکتے رہے اور اپنا طریقہ ٹیڑھا ترچھا ہی تلاش کرتے رہے۔ ساتھ ہی قیامت اور آخرت کے دن کے بھی منکر ہی رہے۔ اسے مانا ہی نہیں۔ یاد رہے کہ یہ اللہ کے ماتحت ہیں۔ وہ ان سے ہر وقت انتقام لینے پر قادر ہے۔ اگر چاہے تو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی پکڑ لے لیکن اس کی طرف سے تھوڑی سی ڈھیل انہیں مل گئی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے، اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے بالآخر جب پکڑتا ہے تب چھوڑتا ہی نہیں۔ ان کی سزائیں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔ اس لئے کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں سے انہوں نے کام نہ لیا۔ حق سننے سے کانوں کو بہرہ رکھا۔ حق کی تابعداری سے آنکھوں کو اندھا رکھا۔ جہنم میں جاتے وقت خود ہی کہیں گے کہ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ یعنی اگر سنتے ہوتے، عقل رکھتے ہوتے تو آج دوزخی نہ بنتے۔ یہی فرمان آیت اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ الخ میں ہے کہ کافروں کے لیے راہ اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے لیے عذاب پر عذاب بڑھتا چلا جائے گا۔ ہر ایک حکم عدولی پر، ہر ایک برائی کے کام پر، سزا بھگتیں گے۔

پس صحیح قول یہی ہے کہ آخرت کی نسبت کے اعتبار سے کفار بھی فروع شرع کے مکلّف ہیں۔ یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور خود اپنے تئیں جہنمی بنایا۔ جہاں کا عذاب ذرا سی دیر بھی ہلکا نہیں ہوگا۔ آگ کے شعلے کم ہونے تو کہاں، اور تر تیز ہوتے جائیں گے جنہیں انہوں نے گھڑ لیا تھا یعنی بت اور اللہ کے شریک وغیرہ آج وہ ان کے کسی کام نہ آئیں گے بلکہ نظر بھی نہ پڑیں گے بلکہ اور نقصان پہنچائیں گے۔ وہ تو ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے شرک سے صاف مکر جائیں گے۔ گو یہ انہیں باعث عزت سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ان کے لئے باعث ذلت ہیں۔ کھلے طور پر اس بات کا قیامت کے دن انکار کر دیں گے کہ ان مشرکوں نے انہیں پوجا۔ یہی ارشاد خلیل الرحمانؑ کا اپنی قوم سے تھا کہ ان بتوں سے گو تم دنیوی تعلقات وابستہ رکھو لیکن قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کر دیں گے اور ایک دوسرے پر

لعنت کرنے لگیں گے۔ اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور کوئی کسی کو کوئی مدد نہ پہنچائے گا۔

یہی مضمون آیت اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا الخ میں ہے یعنی اس وقت پیشوا لوگ اپنے مریدوں سے دست بردار ہو جائیں گے۔ عذاب الٰہی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ وہ بھی ان کی ہلاکت اور نقصان کی خبر دیتی ہیں۔ یقیناً یہی لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ جنت کے درجوں کے بدلے انہوں نے جہنم کے گڑھے لئے۔ اللہ کی نعمتوں کے بدلے جہنم کی آگ قبول کی۔ میٹھے ٹھنڈے خوشگوار جنتی پانی کے بدلے جہنم کا آگ جیسا کھولتا ہوا گرم پانی انہیں ملا۔ حور عین کے بدلے لہو پیپ اور بلند و بالا محلات کے بدلے دوزخ کے تنگ مقامات انہوں نے لئے، رب رحمان کی نزدیکی اور دیدار کے بدلے اس کا غضب اور سزا انہیں ملی۔ بے شک یہاں یہ سخت گھاٹے میں رہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ
كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۱۲

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کئے اور اپنے پالنے والے کی طرف جھکتے رہے، وہی جنت میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں ○ ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھتے سنتے جیسی ہے، کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ○

عقل و ہوش اور ایمان والے لوگ : ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) بروں کے ذکر کے بعد اچھے لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جن کے دل ایمان والے، جن کے جسمانی اعضا فرماں برداری کرنے والے تھے، قول و فعل سے فرمان رب بجا لانے والے اور رب کی نافرمانی سے بچنے والے تھے۔ یہ لوگ جنت کے وارث ہوں گے۔ بلند و بالا بالا خانے، بچھے بچھائے تخت، جھکے ہوئے خوشوں اور میووں کے درخت، ابھرے ابھرے فرش، خوبصورت بیویاں، قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل، چاہت کے لذیذ کھانے پینے اور سب سے بڑھ کر دیدار الٰہی۔ یہ نعمتیں ہوں گی جو ان کے لئے ہیشگی لئے ہوئے ہوں گی۔ نہ انہیں موت آئے، نہ بڑھاپا، نہ بیماری، نہ غفلت، نہ پاخانہ پیشاب، نہ تھوک، نہ ناک مشک بو والا پسینہ آیا اور غذا ہضم۔ پہلے بیان کردہ کافر شکی لوگ اور یہ مومن متقی لوگ بالکل وہی نسبت رکھتے ہیں جو اندھے، بہرے اور بینا اور سنتے میں ہے۔ کافر دنیا میں حق کو دیکھنے میں اندھے تھے اور آخرت کے دن بھی بھلائی کی راہ نہیں پائیں گے نہ اسے دیکھیں گے۔ وہ حقانیت کی دلیلوں کے سننے سے بہرے تھے، نفع دینے والی بات سنتے ہی نہ تھے، اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور سناتا۔ اس کے برخلاف مومن سمجھ دار، ذکی، عاقل، عالم، دیکھتا بھالتا، سوچتا، سمجھتا، حق و باطل میں تمیز کرتا۔ بھلائی لے لیتا، برائی چھوڑ دیتا، دلیل اور شبہ میں فرق کر لیتا اور باطل سے بچتا، حق کو مانتا۔ بتلایئے یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ تعجب ہے کہ پھر بھی تم ایسے دو مختلف شخصوں میں فرق نہیں سمجھتے۔ ارشاد ہے لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ الخ دوزخی اور جنتی ایک نہیں ہوتے۔ جنتی تو بالکل کامیاب ہیں۔ اور آیت میں ہے، اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں، اندھیرا اور اجالا برابر نہیں، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ اللہ تو جسے چاہے سنا سکتا ہے تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا۔ تو تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، ہر ہر امت

میں ڈرانے والا ہو چکا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ
لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾
فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا
مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ
الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں ○ کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے ○ اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے کمین موٹی سمجھ والوں کے اور کوئی نہیں۔ ہم تیری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے ہے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں ○

آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلا نبی؟ ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۷) سب سے پہلے کافروں کی طرف رسول بنا کر بت پرستی سے روکنے کے لئے زمین پر حضرت نوح علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے۔ آپؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ اگر تم غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑ و گے تو عذابوں میں پھنسو گے۔ دیکھو تم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرتے رہو۔ اگر تم نے خلاف ورزی کی تو قیامت کے دن کے دردناک سخت عذابوں میں مجھے تمہارے لینے کا خوف ہے۔ اس پر قومی کافروں کے رؤساء اور امراء بول اٹھے کہ آپ کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں۔ ہم جیسے ہی انسان ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر تم ایک ہی کے پاس وحی آئے۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایسے رذیل لوگ آپ کے حلقے میں شامل ہو گئے ہیں۔ کوئی شریف اور رئیس آپ کا فرماں بردار نہیں ہوا اور یہ لوگ بے سوچے سمجھے بغیر غور و فکر کے آپؑ کی مجلس میں آن بیٹھے ہیں اور ہاں میں ہاں ملائے جاتے ہیں۔

پھر ہم دیکھتے ہین کہ اس نئے دین نے تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچایا کہ تم خوش حال ہو گئے ہو، تمہاری روزیاں بڑھ گئی ہوں، یا خلق و خلق میں تمہیں کوئی برتری ہم پر حاصل ہو گئی ہو۔ بلکہ ہمارے خیال سے تو تم سب جھوٹے ہو۔ نیکی اور صلاحیت اور عبادت پر جو وعدے تم ہمیں آخرت کے ملک کی دے رہے ہو ہمارے نزدیک تو یہ سب بھی جھوٹی باتیں ہیں۔ ان کفار کی بے عقلی تو دیکھئے۔ اگر حق کے قبول کرنے والے نچلے طبقہ کے لوگ ہوئے تو کیا اس سے حق کی شان گھٹ گئی؟ حق حق ہی ہے خواہ اس کے ماننے والے بڑے لوگ ہوں خواہ چھوٹے لوگ ہوں۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ حق کی پیروی کرنے والے ہی شریف لوگ ہیں۔ چاہے وہ مسکین مفلس ہی ہوں اور حق سے روگردانی کرنے والے ہی ذلیل اور رذیل ہیں گو وہ غنی، مالدار اور امیر امراء ہوں۔ ہاں یہ واقعہ ہے کہ سچائی کی آواز کو پہلے پہل غریب مسکین لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور امیر کبیر لوگ ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔

فرمان قرآن ہے کہ تجھ سے پہلے جس جس بستی میں ہمارے انبیاءؑ آئے، وہاں کے بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے، ہم تو انہی کی خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔ شاہ روم ہرقل نے جو ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ شریف لوگوں نے اس کی تابعداری کی ہے یا ضعیف لوگوں نے؟ تو اس نے یہی جواب دیا تھا کہ ضعیفوں نے۔ جس پر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کے تابعدار یہی

لوگ ہوتے ہیں۔ حق کی فوری قبولیت بھی کوئی عیب کی بات نہیں' حق کی وضاحت کے بعد رائے فکر کی ضرورت ہی کیا بلکہ ہر عقل مند کا کام یہی ہے کہ حق کے ماننے میں سبقت اور جلدی کرے۔ اس میں تامل کرنا جہالت اور کند ذہنی ہے۔ اللہ کے تمام پیغمبر بہت واضح اور صاف اور کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا' اس میں کچھ نہ کچھ جھجک ضرور پائی سوائے ابوبکرؓ کے کہ انہوں نے کوئی تردد و تامل نہ کیا' واضح چیز کو دیکھتے ہی فوراً بے جھجک قبول کر لیا۔ ان کا تیسرا اعتراض کہ ہم کوئی برتری تم میں نہیں دیکھتے' یہ بھی ان کے اندھے پن کی وجہ سے ہے۔ اپنی ان کی آنکھیں اور کان نہ ہوں اور ایک موجود چیز کا انکار کریں تو فی الواقع اس کا نہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ تو نہ حق کو دیکھیں نہ حق کو سنیں بلکہ اپنے شک میں غوطے لگاتے رہتے ہیں۔ اپنی جہالت میں ڈبکیاں مارتے رہتے ہیں۔ جھوٹے مفتری خالی ہاتھ رذیل اور نقصانوں والے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً
مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝۲۸

نوح نے کہا' میری قوم والو! مجھے بتلاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس کی کوئی نعمت عطا کی ہوئی ہوتی' پھر وہ تمہاری نگاہوں میں نہ آئی' تو کیا زبردستی میں اسے تمہارے گلے سے منڈھ دوں؟ حالانکہ تم اس سے بیزار ہو ○

بلا اجرت خیر خواہ سے ناروا سلوک؟ ☆☆ (آیت: ۲۸) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ سچی نبوت یقین اور واضح چیز میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے آ چکی۔ بہت بڑی رحمت و نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی اور وہ تم سے پوشیدہ رہی' تم اسے نہ دیکھ سکے' نہ تم نے اس کی قدر دانی کی' نہ اسے پہچانا بلکہ بے سوچے سمجھے تم نے اسے دھکے دے دیئے اور اسے جھٹلانے لگ گئے۔ اب بتلاؤ کہ تمہاری اس ناپسندیدگی کی حالت میں میں کیسے یہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں اس کا ماتحت بنا دوں؟۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا
بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا
تَجْـهَلُوْنَ ۝۲۹ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ
يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

میری قوم والو میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا' میرا ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ نہ میں ایمان داروں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں' انہیں اپنے رب

سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو ○ میری قوم کے لوگو! اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کون کرسکتا ہے؟ کیا تم کچھ بھی غور وفکر نہیں کرتے؟ ○ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں- سنو میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا' نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں' نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمہاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں' انھیں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے گا ہی نہیں' ان کے دل میں جو ہے' اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے' اگر میں ایسی باتیں کہوں تو یقیناً میرا اشمار ظالموں میں ہو جائے ○

دعوت حق سب کے لیے یکساں ہے: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۰) آپؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ نصیحت تمہیں کر رہا ہوں' جتنی خیر خواہی تمہاری کرتا ہوں' اس کی کوئی اجرت تو تم سے نہیں مانگتا' میری اجرت تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے- تم جو مجھ سے کہتے ہو کہ ان غریب مسکین ایمان والوں کو میں دھکے دیدوں' مجھ سے تو یہ کبھی نہیں ہونے کا- یہی طلب آنحضرتؐ سے بھی کی گئی تھی جس کے جواب میں یہ آیت اتری لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ الخ' یعنی صبح شام اپنے رب کے پکارنے والوں کو اپنی مجلس سے نہ نکال- اور آیت میں ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ الخ' اسی طرح ہم نے ایک کو دوسرے سے آزمالیا اور وہ کہنے لگے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم سب کو چھوڑ کر اللہ کا فضل نازل ہوا؟ کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا؟-

میرا پیغام اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے: ☆☆ (آیت:۳۱) آپؑ فرماتے ہیں کہ میں صرف رسول اللہ ہوں' اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور توحید کی طرف' اس کے فرمان کے مطابق تم سب کو بلاتا ہوں- اس سے میری مراد تم سے مال سمیٹنا نہیں- ہر بڑے چھوٹے کے لئے میری دعوت عام ہے- جو قبول کرے گا' نجات پائے گا- اللہ کے خزانوں کے ہیر پھیر کی مجھ میں قدرت نہیں- میں غیب نہیں جانتا- ہاں جو بات اللہ مجھے معلوم کرادے' معلوم ہو جاتی ہے- میں فرشتہ ہونے کا دعوے دار نہیں ہوں- بلکہ ایک انسان ہوں جس کی تائید اللہ کی طرف سے معجزوں سے ہو رہی ہے' جنہیں تم رذیل اور ذلیل سمجھ رہے ہو' میں تو اس کا قائل نہیں کہ انہیں اللہ کے ہاں ان کی نیکیوں کا بدلہ نہیں ملے گا- ان کے باطن کا حال بھی مجھے معلوم نہیں- اللہ ہی کو اس کا علم ہے- اگر ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو انہیں اللہ کے ہاں ضرور نیکیاں ملیں گی جوان کے انجام کی برائی کو کہے' اس نے ظلم کیا اور جہالت کی بات کہی-

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۳۲ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ۳۳ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ
اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۳۴ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ
فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ ۳۵

کہنے لگے کہ اے نوح تو ہم سے جھگڑا اور خوب ہی جھگڑ چکا اب تو تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے ○ جواب دیا کہ اسے بھی اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے ہاں تم اسے دہرانے والے نہیں ہو ○ تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو' وہ تم سب کا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○ کیا یہ کہتے ہیں؟ کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا

ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے تو بری ہوں جو تم کر رہے ہو ○

قوم نوح ؑ کی عجلت پسندی کی حماقت: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۴) قوم نوح ؑ کی عجلت بیان ہو رہی ہے کہ عذاب مانگ بیٹھے کہنے لگے۔ بس حجتیں تو ہم نے بہت سی سن لیں۔ آخری فیصلہ ہمارا یہ ہے کہ ہم تو تیری تابعداری نہیں کرنے کے اب اگر تو سچا ہے تو دعا کر کے ہم پر عذاب لاؤ۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ بھی میرے بس کی بات نہیں اللہ کے ہاتھ ہے۔ اسے کوئی عاجز کرنے والا نہیں۔ اگر اللہ کا ارادہ ہی تمہاری گمراہی اور بربادی کا ہے تو پھر واقعی میری نصیحت بے سود ہے سب کا مالک اللہ ہی ہے تمام کاموں کی تکمیل اسی کے ہاتھ ہے۔ متصرف، حاکم، عادل، غیر ظالم، فیصلوں کے امر کا مالک، ابتداء پیدا کرنے والا، پھر لوٹانے والا، دنیا آخرت کا تنہا مالک وہی ہے۔ ساری مخلوق کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

کفار کا الزام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب: ☆☆ (آیت: ۳۵) یہ درمیانی کلام اسے قصے کی بیچ میں اس کی تائید اور تقریر کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ کفار تجھ پر اس قرآن کے از خود گھڑ لینے کا الزام لگا رہے ہیں تو جواب دے کہ اگر ایسا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے میں جانتا ہوں کہ اللہ کے عذاب کیسے کچھ ہیں؟ پھر کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ پر جھوٹ افترا گھڑ لوں؟ ہاں اپنے گناہوں کے ذمے دار تم آپ ہو۔

وَ اُوۡحِىَ اِلٰى نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ يُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ
اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ۚ﴿۳۶﴾ وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا
وَوَحۡيِنَا وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۷﴾
وَيَصۡنَعُ الۡفُلۡكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيۡهِ مَلَاٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ سَخِرُوۡا مِنۡهُ ؕ
قَالَ اِنۡ تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡكُمۡ كَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ؕ﴿۳۸﴾
فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَيَحِلُّ عَلَيۡهِ
عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۳۹﴾

نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی ایمان لائے گا ہی نہیں تو ان کے کاموں پر غمگین نہ ہو ○ اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر وہ پانی میں ڈبو دیئے جانے والے ہیں ○ نوح علیہ السلام کی کشتی کی تیاری کی حالت میں اس کی قوم کی جو جماعت اس کے پاس سے گزرتی، وہ اس کا مذاق اڑاتی اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم مسخرا پن کر رہے ہو ○ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آنا ہے، جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہمیشگی کی سزا اتر آئے ○

قوم نوح ؑ کا مانگا ہوا عذاب اسے ملا: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۹) قوم نوح نے جب عذابوں کی مانگ جلدی مچائی تو آپ نے اللہ سے دعا کی کہ الٰہی یا زمین پر کسی کافر کو رہتا بستا نہ چھوڑ۔ پروردگار میں عاجز آ گیا ہوں، تو میری مدد کر، اسی وقت وحی آئی۔ کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا۔ تو ان پر افسوس نہ کر نہ ان کا کوئی ایسا خاص خیال کر۔ ہمارے دیکھتے ہی ہماری تعلیم کے مطابق ایک کشتی

تیار کر اور اب ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، ہم ان کا ڈبو دینا مقرر کر چکے۔ بعض سلف کہتے ہیں، حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر تختے بنا لو۔ اس میں ایک سو سال گزر گئے، پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے۔ ایک قول ہے، چالیس سال لگے، واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحاق توراۃ سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی لکڑی کی یہ کشتی تیار ہوئی۔ اس کا طول اسی ہاتھ تھا اور عرض پچاس ہاتھ کا تھا۔ اندر باہر سے روغن کیا گیا تھا۔ پانی کاٹنے کے پر پرزے بھی تھے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ لمبائی تین سو ہاتھ کی تھی۔

ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ طول بارہ سو ہاتھ کا تھا اور چوڑائی چھ سو ہاتھ کی تھی۔ کہا گیا ہے کہ طول دو ہزار ہاتھ اور چوڑائی ایک سو ہاتھ کی تھی۔ واللہ اعلم۔ اس کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ کی تھی۔ اس میں تین درجے تھے۔ ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے کے حصے میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصے میں انسان تھے۔ اوپر کے حصے میں پرندے تھے۔ ان میں چوڑا دروازہ تھا، اوپر سے بالکل بند تھی۔ ابن جریرؒ نے ایک غریب اثر عبداللہ بن عباسؓ سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ بحکم الٰہی کسی ایسے مردہ کو جلاتے جس نے کشتی نوح دیکھی ہو تو ہمیں اس سے معلومات حاصل ہوتیں۔ آپ انہیں لے کر چلے۔ ایک ٹیلے پر پہنچ کر وہاں کی مٹی اٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؑ کو ہی علم ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ پنڈلی ہے حام بن نوح کی۔ پھر آپ نے اپنی لکڑی اس ٹیلے پر مار کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو اسی وقت ایک بڈھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھاپے میں مرا تھا؟ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوانی میں لیکن اب دل پر دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہو گئی۔ اس دہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا، اچھا حضرت نوح کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کرو۔ اس نے کہا، وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی، تین درجوں کی تھی۔ ایک میں جانور اور چوپائے تھے، دوسرے میں انسان، تیسرے میں پرند۔ جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر نر مادہ نکل آئے اور وہ میلا کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کئے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرقاب ہونے کا علم کیسے ہو گیا؟ اس نے کہا کہ نوحؑ نے کوے کو خبر لینے کے لئے بھیجا لیکن وہ ایک لاش پر بیٹھ گیا، دیر تک وہ واپس آیا تو آپ نے اس کے لئے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی۔ اسی لئے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا، وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔ آپ نے اس کی گردن میں خصرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لئے امن وانس کی دعا کی۔ پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔ حواریوں نے کہا کہ اے رسول اللہؑ آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلئے کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا، یہ تمہارے ساتھ کیسے آ سکتا ہے جب کہ اس کی روزی نہیں۔ پھر فرمایا، اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جا، وہ اسی وقت مٹی ہو گیا۔ نوح علیہ السلام تو کشتی بنانے میں لگے اور کافروں کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا۔ وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے اور طعنہ دیتے کیونکہ انہیں جھوٹا جانتے تھے اور عذاب کے وعدے پر انہیں یقین نہ تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے، اچھا دل خوش کر لو۔ وقت آ رہا ہے کہ اس کا پورا بدلہ لے لیا جائے۔ ابھی جان لو گے کہ کون اللہ کے عذاب سے دنیا میں رسوا ہوتا ہے اور کس پر اخروی عذاب آ چمٹتا ہے جو کبھی ٹالے نہ ٹلے۔

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا ہم نے فرما دیا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑے دوہرے سوار کرا لے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے اور سب ایمان والوں کو بھی، اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے ○

قوم نوحؑ پر عذاب الٰہی کا نزول: ☆☆ (آیت:۴۰) حسب فرمان ربی آسمان سے موسلا دھار لگا تار بارش برسنے لگی اور زمین سے بھی پانی ابلنے لگا اور ساری زمین پانی سے بھر گئی اور جہاں تک منظور رب تھا، پانی بھر گیا اور حضرت نوح کو رب العالمین نے اپنی نگاہوں کے سامنے چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور کافروں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ تنور کے ابلنے سے بقول ابن عباسؓ یہ مطلب ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے بھی پانی ابل پڑا۔ یہی قول جمہور سلف وخلف کا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ تنور صبح کا نکلنا اور فجر کا روشن ہونا ہے یعنی صبح کی روشنی اور فجر کی چمک لیکن زیادہ غالب پہلا قول ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں یہ تنور کوفے میں تھا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے، ہند میں ایک نہر ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں، جزیرہ میں ایک نہر ہے جسے عین الوردہ کہتے ہیں لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ الغرض ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی نوح علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اپنے ساتھ کشتی میں جاندار مخلوق میں سے ہر قسم کا ایک جوڑا نر مادہ سوار کرا لو۔ کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کے لئے بھی یہی حکم تھا۔ جیسے نباتات۔ کہا گیا ہے کہ پرندوں میں سب سے پہلے درہ کشتی میں آیا اور سب سے آخر میں گدھا سوار ہونے لگا۔ ابلیس اس کی دم میں لٹک گیا۔ جب گدھے کے دو اگلے پاؤں کشتی میں آ گئے اور اس نے اپنے پچھلا دھڑ اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکا کیونکہ دم پر اس ملعون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوح جلدی کر رہے تھے۔ یہ بہتیرا چاہتا تھا مگر پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا آ جا تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو آیا۔ تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ ہی آیا۔

بعض سلف کہتے ہیں کہ شیر کو اپنے ساتھ لے جانا مشکل ہو گیا، آخر اسے بخار چڑھ آیا تب اسے سوار کر لیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی اپنی کشتی میں سوار کر لئے تو لوگوں نے کہا، شیر کی موجودگی میں یہ مویشی کیسے آرام سے رہ سکیں گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر بخار ڈال دیا۔ اس سے پہلے زمین پر یہ بیماری نہ تھی۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی، یہ ہمارا کھانا اور دیگر سب چیزیں خراب کر رہے ہیں تو اللہ کے حکم سے شیر کی چھینک میں سے ایک بلی نکلی جس سے چوہے دبک کر کونے کھدرے میں بیٹھ رہے۔ حضرت نوحؑ کو حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو مگر ان میں سے جو ایمان نہیں لائے انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپ کا لڑکا حام بھی انہیں کافروں میں تھا۔ وہ الگ ہو گیا۔ یا آپ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ رسول کی منکر تھی۔ اور تیری قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لے۔ لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ساڑھے نو سو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپ پر بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کل اسی (۸۰) آدمی تھے جن میں عورتیں بھی تھیں۔① کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب بہتر اشخاص تھے۔ ایک قول ہے، صرف دس آدمی تھے۔ ایک قول ہے حضرت نوحؑ تھے اور ان کے تین لڑکے تھے۔ سام، حام، یافث اور چار عورتیں تھیں۔ تین تو ان تینوں کی بیویاں اور چوتھی حام کی بیوی اور کہا گیا ہے کہ خود حضرت نوحؑ کی بیوی۔ لیکن اس میں نظر ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہوئی- اس لئے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھی تو جس طرح لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی' اسی طرح یہ بھی- واللہ اعلم واحکم-

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤١﴾

نوح علیہ اسلام نے کہا' اس کشتی میں بیٹھ جاؤ- اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے' یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے ○

کشتی نوح پر کون کون سوار ہوا؟: ☆☆ (آیت:۴۱) حضرت نوحؑ جنہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے' ان سے فرمایا کہ آؤ اس میں سوار ہو جاؤ- اس کا پانی پر چلنا اللہ کے نام کی برکت سے ہے اور اسی طرح اس کا آخری ٹھہراؤ بھی اسی پاک نام سے ہے- ایک قرات میں مجرھا و مرسھا بھی ہے- یہی اللہ کا آپ کو حکم تھا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ تو کہنا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور یہ بھی دعا کرنا کہ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ اسی لئے مستحب ہے کہ تمام کاموں کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لی جائے خواہ کشتی پر سوار ہونا ہو' خواہ جانور پر سوار ہونا ہو- جیسے فرمان باری ہے کہ اسی اللہ نے تمہارے لئے تمام جوڑے پیدا کئے ہیں اور کشتیاں اور چوپائے تمہاری سواری کے لئے پیدا کئے ہیں کہ تم ان کی پیٹھ پر سواری کرو' الخ حدیث میں بھی اس کی تاکید اور رغبت آئی ہے' سورہ زخرف میں اس کا پورا بیان ہوگا ان شاءاللہ تعالیٰ- طبرانی میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' میری امت کے لئے ڈوبنے سے بچاؤ ان کے اس قول میں ہے کہ سوار ہوتے ہوئے کہہ لیں بسم الله الملك وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ پوری آیت بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس دعا کے آخر میں اللہ کا وصف غفور ورحیم اس لئے لائے کہ کافروں کی سزا کے مقابلے میں مومنوں پر رحمت وشفقت کا اظہار ہو- جیسے فرمان ہے تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور ساتھ ہی غفور ورحیم بھی ہے- اور آیت میں ہے- اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ یعنی تیرا پروردگار لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے- اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رحمت وانتقام کا بیان ملا جلا ہے-

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُ ٗ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿٤٣﴾

وہ کشتی انہیں لے کر موجوں میں پہاڑ کی طرح جا رہی تھی- نوح نے اپنے لڑکے کو جو ایک کنارے تھا' پکار کر کہا کہ پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ ○ اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا' نوح نے کہا' آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں' صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا' اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا ○

(آیت: ۴۲-۴۳) پانی روئے زمین پر پھر گیا ہے' کسی اونچے سے اونچے پہاڑ کی بلند سے بلند چوٹی بھی دکھائی نہیں دیتی بلکہ پہاڑوں سے بھی اوپر پندرہ ہاتھ اور بقولے اسی میل اوپر کو ہو گیا ہے باوجود اس کے کشتی نوح بحکم اللہ برابر صحیح طور پر جا رہی ہے' خود اللہ اس کا محافظ ہے۔ اور وہ خاص اس کی عنایت و مہر ہے جیسے فرمان ہے اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ الخ یعنی پانی کی طغیانی کے وقت ہم نے آپ تمہیں کشتی میں چڑھا لیا کہ ہم اسے تمہارے لئے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں۔ اور آیت میں ہے کہ ہم نے تمہیں اس تختوں والی کشتی پر سوار کرایا اور اپنی حفاظت میں پار اتارا اور کافروں کو ان کے کفر کا انجام دکھا دیا اور اسے ایک نشان بنا دیا۔ کیا اب بھی کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے؟ اس وقت حضرت نوحؑ نے اپنے صاحبزادے کو بلایا۔ یہ آپ کے چوتھے لڑکے تھے۔ اس کا نام حام تھا۔ یہ کافر تھا۔ اسے آپؑ نے کشتی میں سوار ہونے کے وقت ایمان کی اور اپنے ساتھ بیٹھ جانے کی ہدایت کی تاکہ ڈوبنے سے اور کافروں کے عذاب سے بچ جائے۔ مگر اس بدنیت نے جواب دیا کہ نہیں' مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان باراں سے بچ جاؤں گا۔ ایک اسرائیلی روایت میں ہے کہ اس نے شیشے کی کشتی بنائی تھی۔ واللہ اعلم۔ قرآن میں تو یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھا کہ یہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچنے کا۔ میں جب جا پہنچوں گا تو یہ پانی میرا کیا بگاڑے گا؟ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ آج عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہیں' وہی بچے گا جس پر اللہ کا رحم ہو۔ یہاں عاصم معصوم کے معنی میں جیسے طاعم مطعوم کے معنی میں اور کاسی مکسو کے معنی میں آیا ہے یہ باتیں ہو ہی رہی ہیں جو ایک موج آئی اور پسر نوح کو لے ڈوبی۔

وَقِيلَ يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ ٱلْمَآءُ
وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ وَٱسْتَوَتْ عَلَى ٱلْجُودِىِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ
ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾

فرما دیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان بس کر' تھم جا۔ اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا ہو گیا اور کشتی جودی نامی پہاڑ پر جا لگی اور فرما دیا گیا کہ نا انصافی کرنے والے لوگوں پر لعنت نازل ہو جیو ○

طوفان نوح علیہ السلام کی روداد: ☆☆ (آیت: ۴۴) روئے زمین کے سب لوگ اس طوفان میں جو درحقیقت غضب الٰہی اور مظلوم پیغمبرؑ کی بددعا کا عذاب تھا' غرق ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل نے زمین کو اس پانی کے نگل لینے کا حکم دیا جو اس کا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی آسمان کو بھی پانی برسانے سے رک جانے کا حکم ہو گیا۔ پانی گھٹنے لگا اور کام پورا ہو گیا' یعنی تمام کافر نابود ہو گئے صرف کشتی والے مومن ہی بچے۔ کشتی بحکم ربی جودی پر رکی۔ مجاہد کہتے ہیں' یہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے۔ سب پہاڑ ڈبو دیئے گئے تھے اور یہ پہاڑ بوجہ اپنی عاجزی اور تواضع کے غرق ہونے سے بچ رہا تھا۔ یہیں کشتی نوح لنگر انداز ہوئی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں' مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لئے یہیں ثابت و سالم رکھی رہی' یہاں تک کہ اس امت کے اول لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط سینکڑوں کشتیاں بنیں بگڑیں بلکہ راکھ اور خاک ہو گئیں۔ ضحاک فرماتے ہیں جودی نام کا پہاڑ موصل میں ہے۔ بعض کہتے ہیں' طور پہاڑ کو ہی جودی بھی کہتے ہیں۔ زر بن جبیش کو ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف کے زاویہ میں نماز بکثرت پڑھتے ہوئے دیکھ کر توبہ بن سالم نے پوچھا کہ آپ جو جمعہ کے دن برابر یہاں اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپؒ

نے جواب دیا کہ کشتی نوح یہیں لگی تھی۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بال بچوں سمیت کل اسی آدمی تھی۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی میں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ شریف کی طرف کر دیا۔ یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جودی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا، کہ وہ خشکی کی خبر لائے۔ وہ ایک مردار کے کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی آپؑ نے ایک کبوتر کو بھیجا۔ وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ اور پنجوں میں مٹی لے کر واپس آیا، اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ پس آپؑ جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنا ڈال دی جسے ثمانین کہتے ہیں۔ ایک دن صبح کو جب لوگ جاگے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ ایسی زبانیں بولنے لگے جن میں سب سے اعلیٰ اور بہتر عربی زبان تھی۔ ایک کو دوسرے کا کلام سمجھنا محال ہو گیا۔ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب زبانیں معلوم کرا دیں۔ آپؑ ان سب کے درمیان مترجم تھے۔ ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ کشتی نوح مشرق مغرب کے درمیان چل پھر رہی تھی۔ پھر جودی پر ٹھہر گئی۔ حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں، رجب کی دسویں تاریخ مسلمان اس میں سوار ہوئے تھے پانچ ماہ تک اسی میں رہے۔ انہیں لے کر کشتی جودی پر مہینے بھر تک ٹھہری رہی۔ آخر محرم کے عاشورے کے دن وہ سب اس میں سے اترے۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن جریر میں ہے، انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے چند یہودیوں کو عاشورے کے دن روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا، اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا تھا۔ اور اسی دن کشتی نوح جودی پر لگی تھی۔ پس ان دونوں پیغمبروں نے شکر الٰہی کا روزہ اس دن رکھا تھا۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا، پھر موسیٰ علیہ السلام کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں اور اس دن کے روزے کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ پس آپؐ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جو آج روزے سے ہو، وہ تو اپنا روزہ پورا کرے اور جو ناشتہ کر چکا ہو، وہ بھی باقی دن کچھ نہ کھائے۔ یہ روایت اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کے شاہد صحیح حدیث میں بھی موجود ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ظالموں کو خسارہ، ہلاکت اور رحمت حق سے دوری ہوئی۔ وہ سب ہلاک ہوئے۔ ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر بھی رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک ٹھہرے۔ آپ نے ایک درخت بویا تھا جو سو سال تک بڑھتا اور بڑا ہوتا رہا۔ پھر اسے کاٹ کر تختے بنا کر کشتی بنانی شروع کی۔ کافر لوگ مذاق اڑاتے کہ یہ اس خشکی میں کشتی کیسے چلائیں گے؟ آپ جواب دیتے تھے کہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جب آپؑ بنا چکے اور پانی زمین سے ابلنے اور آسمان سے برسنے لگا اور گلیاں اور راستے پانی سے ڈوبنے لگے تو اس بچے کی ماں جسے اپنے اس بچے سے غایت درجے کی محبت تھی، وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا، تہائی حصے پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر کو چڑھی۔ دو تہائی تک پہنچی جب پانی وہاں بھی پہنچا تو اس نے چوٹی پر جا کر دم لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا۔ جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا اٹھا لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچا اور ماں بچہ دونوں غرق ہو گئے۔ پس اگر اس دن کوئی کافر بھی بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے کہ کعب احبار اور ابن جبیر سے بھی اس بچے اور اس

کی ماں کا یہی قصہ مروی ہے۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ
وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ
مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ
رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا
تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾

نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہنے لگا کہ میرے رب میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے۔ اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے ○ اللہ نے فرمایا' اے نوح یقیناً وہ تیرے گھرانے کے لوگوں میں نہیں ہے' اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں تجھے ہرگز اس چیز کو نہ مانگنا چاہئے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو' میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں اپنا شمار کرانے سے باز رہے ○ کہنے لگا' میرے پالنہار' میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا علم ہی نہ ہو۔ اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں تو خرابی والوں میں ہو جاؤں گا ○

نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) یاد رہے کہ یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ پروردگار یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میری اہل میں سے تھا۔ اور میری اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا' ان میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا' میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا۔ میں کہہ چکا تھا کہ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ یعنی تیری اہل کو بھی تو کشتی میں چڑھا لے مگر جس پر میری بات بڑھ چکی ہے۔ یہ بوجہ اپنے کفر کے انہی میں سے تھا جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا تھا ہی نہیں کیونکہ آپؑ کے بطن سے نہ تھا۔ بلکہ بدکاری سے تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ آپ کی بیوی کا اگلے گھر کا لڑکا تھا۔ یہ دونوں قول غلط ہیں' بہت سے بزرگوں نے صاف لفظوں میں اسے غلط کہا ہے بلکہ ابن عباسؓ اور بہت سے سلف سے منقول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زناکاری نہیں کی۔

پس یہاں اس فرمان سے کہ وہ تیری اہل میں سے نہیں' یہی مطلب ہے کہ تیری جس اہل کی نجات کا میرا وعدہ ہے' یہ ان میں سے نہیں۔ یہی بات سچ ہے اور یہی قول اصلی ہے۔ اس کے سوا اور طرف جانا محض غلطی ہے اور ظاہر خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ اپنے کسی نبی کے گھر میں زانیہ عورت دے۔ خیال فرمایئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جنہوں نے بہتان بازی کی تھی' ان پر اللہ تعالیٰ کس قدر غضبناک ہوا؟ اس لڑکے کے اہل میں سے نکل جانے کی وجہ خود قرآن نے بیان فرما دی ہے کہ اس کے عمل نیک نہ تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں' ایک قرات اِنَّه' عَمِلَ عَمَلاً غَيْرَ صَالِحٍ ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے' حضرت اسماءؓ بنت یزید فرماتی ہیں' میں نے

رسول اللہ ﷺ کو اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ پڑھتے سنا ہے اور یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ الخ پڑھتے سنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوا کہ فَخَانَتٰھُمَا کا کیا مطلب ہے؟

آپؓ نے فرمایا' اس سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوح کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی' یہ مجنون ہے۔ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپؑ کے ہاں آتے' اپنی قوم کو خبر کر دیتی۔ پھر آپ نے آیت اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ پڑھی۔ حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب حضرت نوحؑ کے لڑکے کے بارے میں سوال ہوا تو آپؒ نے فرمایا' اللہ سچا ہے' اس نے اسے حضرت نوح کا لڑکا فرما دیا ہے۔ پس وہ یقیناً حضرت نوح کا ثابت النسب لڑکا ہی تھا۔ دیکھو اللہ فرماتا ہے وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَہٗ اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی۔ ایسا ہی حضرت مجاہد سے مروی ہے۔ اور یہی ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے۔ اور فی الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ
وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

فرمادیا گیا کہ اے نوح ہماری طرف کی سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر' اور بہت سی وہ امتیں ہونگی جنھیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ○

طوفان نوحؑ کا آخری منظر : ☆☆ (آیت:۴۸) کشتی ٹھہری اور اللہ کا سلام آپؑ پر اور آپؑ کے تمام مومن ساتھیوں پر اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک جو ایماندار آنے والے ہیں' سب پر نازل ہوا۔ ساتھ ہی کافروں کے دنیوی فائدے سے مستفید ہونے اور پھر عذاب میں گرفتار ہونے کا بھی اعلان ہوا۔ پس یہ آیت قیامت تک کے مومنوں کی سلامتی اور برکت اور کافروں کی سزا پر مبنی ہے۔ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ فرما لیا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا ابلنا بند ہو گیا۔ ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جو اب تک پانی برسا رہے تھے' بند کر دیئے گئے۔ زمین کو پانی کے جذب کر لینے کا حکم ہو گیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا اور بقول اہل توراۃ کے ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کشتی نوح جودی پر لگی۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے۔ پھر آپؑ نے کوے کو پانی کی تحقیق کے لئے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا۔ آپؑ نے کبوتر کو بھیجا جو واپس آیا۔ اپنے پاؤں رکھنے کو اسے جگہ نہ ملی' آپؑ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا۔ پھر سات دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا۔ شام کو وہ واپس آیا' اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لئے ہوئے تھا۔ اس سے اللہ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا رہ گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا۔ اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپؑ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی۔

الغرض پورے ایک سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوح ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اتر آؤ۔ الخ۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا
قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِلٰى
عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ
قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾

ع ۱۴

یہ خبریں غیب کی خبروں میں ہیں جن کی وحی ہم تیری طرف کرتے ہیں' انھیں اس سے پہلے نہ تو تو جانتا تھا نہ تیری قوم' پس تو صبر کرتا رہ' یقین مان کہ انجام کار پرہیز گاروں کے لئے ہی ہے ○ عادیوں کی طرف ان کے بھائی ہود کو ہم نے بھیجا' اس نے کہا میری قوم والو! اللہ ہی کی عبادت کیا کرو۔ اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم تو صرف بہتان بازی کر رہے ہو ○ میرے قومی بھائیو! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں چاہتا' میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے ○ اے میری قوم کے لوگو' تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھا دے۔ تم باوجود گنہگار ہونے کے روگردانی نہ کرو ○

یہ تاریخ ماضی وحی کے ذریعہ بیان کی گئی: ☆☆ (آیت:۴۹) قصہ نوحؑ اور اسی قسم کے گذشتہ واقعات وہ ہیں جو تیرے سامنے نہیں ہوئے لیکن بذریعہ وحی کے ہم تجھے ان کی خبر کر رہے ہیں اور تو لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت اس طرح کھول رہا ہے کہ گویا ان کے ہونے کے وقت تو وہیں موجود تھا۔ اس سے پہلے نہ تو تجھے ہی ان کی کوئی خبر تھی نہ تیری قوم میں سے کوئی اور ان کا علم رکھتا تھا کہ کسی کو بھی گمان ہو کہ شاید تو نے اس سے سیکھ لئے ہوں۔ پس صاف بات ہے کہ یہ اللہ کی وحی سے تجھے معلوم ہوئے۔ اور ٹھیک اسی طرح جس طرح اگلی کتابوں میں موجود ہیں۔ پس اب تجھے ان کے ستانے جھٹلانے پر صبر و برداشت کرنا چاہئے۔ ہم تیری مدد پر ہیں۔ تجھے اور تیرے تابعداروں کو ان پر غلبہ دیں گے' انجام کے لحاظ سے تم ہی غالب رہو گے۔ یہی طریقہ اور پیغمبروں کا بھی رہا۔

قوم ہودؑ کی تاریخ: ☆☆ (آیت:۵۰-۵۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا' انہوں نے قوم کو اللہ کی توحید کی دعوت دی۔ اور اس کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ سے روکا۔ اور بتلایا کہ جن کو تم پوجتے ہو' ان کی پوجا خود تم نے گھڑ لی ہے۔ بلکہ ان کے نام اور وجود تمہارے خیالی ڈھکوسلے ہیں۔ ان سے کہا کہ میں اپنی اس نصیحت کا کوئی بدلہ اور معاوضہ تم سے نہیں چاہتا۔ میرا ثواب میرا رب مجھے دے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم یہ موٹی سی بات بھی عقل میں نہیں لاتے؟ کہ یہ دنیا آخرت کی بھلائی کی تمہیں راہ دکھانے والا ہے اور تم سے کوئی اجرت طلب کرنے والا نہیں۔ تم استغفار میں لگ جاؤ' گذشتہ گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔ اور توبہ کرو۔ آئندہ کے لئے گناہوں سے رک جاؤ۔ یہ دونوں باتیں جس میں ہوں' اللہ تعالیٰ اس کی روزی اس پر آسان کرتا ہے۔ اس کا کام اس پر سہل کرتا ہے۔ اس کی نشانی کی حفاظت کرتا ہے۔ سنو ایسا کرنے سے تم پر بارشیں برابر عمدہ اور زیادہ برسیں گی اور تمہاری قوت و طاقت میں دن

دونی رات چوگنی برکتیں ہوں گی- حدیث شریف میں ہے' جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لے' اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نجات دیتا ہے- ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور روزی تو ایسی جگہ سے پہنچاتا ہے جو خود اس کے بھی خواب خیال میں بھی نہ ہو-

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ
وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا
بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾
مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى
اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ
عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

وہ کہنے لگے اے ہود تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں ○ بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود کے برے جھپٹے میں آ گیا ہے- اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں جنھیں تم شریک رب بنا رہے ہو ○ اچھا تم سب مل کر میرے حق میں بدی کر لو اور مجھے بالکل ہی مہلت نہ دو ○ میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے' جتنے بھی پاؤں دھرنے والے ہیں' سب کی چوٹیاں وہی تھامے ہوئے ہے' یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے ○

قوم ہود کے مطالبات: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۶) قوم ہود نے اپنے نبی علیہ السلام کی نصیحت سن کر جواب دیا کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں' اس کی کوئی دلیل و حجت تو ہمارے پاس آپ لائے نہیں- اور یہ ہم کرنے سے رہے کہ آپ کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور ہم چھوڑ ہی دیں- نہ ہم آپ کو سچا ماننے والے ہیں نہ آپ پر ایمان لانے والے- بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چونکہ تو ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے روک رہا ہے اور انہیں عیب لگاتا ہے' اس لئے جھنجھلا کر ان میں سے کسی کی مار تجھ پر پڑی ہے- تیری عقل چل گئی ہے- یہ سن کر اللہ کے نبی نے فرمایا' اگر یہی ہے تو سنو' میں نہ صرف تمہیں ہی بلکہ اللہ کو بھی گواہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا جس جس کی عبادت ہو رہی ہے- سب سے بری اور بےزار ہوں- اب تم ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ اوروں کو بھی بلا لو اور اپنے ان سب جھوٹے معبودوں کو بھی ملا لو- اور تم سے جو ہو سکے' مجھے نقصان پہنچا دو- مجھے کوئی مہلت نہ لینے دو- نہ مجھ پر کوئی ترس کھاؤ- جو نقصان تمہارے بس میں ہو' مجھے پہنچانے میں کمی نہ کرو- میرا توکل ذات رب پر ہے- وہ میرا اور تمہارا سب کا مالک ہے- ناممکن ہے کہ اس کی منشاء بغیر میرا بگاڑ کوئی بھی کر سکے- دنیا بھر کے جاندار اس کے قبضے میں اور اس کی ملکیت میں ہیں- کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اس کی بادشاہی سے الگ ہو- وہ ظالم نہیں جو تمہارے منصوبے پورے ہونے دے- وہ صحیح راستے پر ہے- بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں' مومن پر وہ اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جو مہربانی ماں باپ کو اولاد پر ہوتی ہے- وہ کریم ہے' اس کے کرم کی کوئی حد نہیں- اسی وجہ سے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں حضرت ہود علیہ السلام کے اس فرمان پر دوبارہ غور کیجئے کہ آپؑ نے عادیوں کے لئے اپنے اس قول میں توحید ربانی کی بہت سی دلیلیں بیان کر دیں- بتا دیا کہ جب اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا- جب اس کے سوا کسی چیز پر کسی کا قبضہ نہیں تو پھر وہی ایک مستحق عبادت ٹھہرا- اور جن کی عبادت تم اس کے سوا کر رہے ہو' وہ سب باطل ٹھہرے- اللہ ان سے پاک ہے ملک' تصرف' قبضہ' اختیار اسی کا ہے-

سب اسی کی ماتحتی میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي
قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾
وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا
بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾
وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ
عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ ع ۱۱

پس اگر تم روگردانی کرلو تو کرلو۔ میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا چکا جو دیکر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔ میرا رب تمہارے قائم مقام اور لوگوں کو کردے گا' اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے' یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ○ جب ہمارا حکم پہنچا' ہم نے ہودؑ کو اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا فرمائی' اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بال بال بچالیا ○ یہ تھے عادی جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کردیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش مخالف کے حکم کی تابعداری کی ○ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ دیکھ لو قوم عاد نے اپنے رب سے کفر کیا' ہود کی قوم کے عادیوں پر لعنت ہو ○

ہود علیہ السلام کا قوم کو جواب: ☆☆ (آیت: ۵۷-۶۰) حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنا کام تو میں پورا کر چکا' اللہ کی رسالت تمہیں پہنچا چکا' اب اگر تم منہ موڑ لو اور نہ مانو تو تمہارا وبال تم پر ہی ہے نہ کہ مجھ پر۔ اللہ کو قدرت ہے کہ وہ تمہاری جگہ انہیں دے جو اس کی توحید کو مانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ تمہارا کفر اسے کوئی نقصان نہیں دینے کا۔ بلکہ اس کا وبال تم پر ہی ہے۔ میرا رب بندوں پر شاہد ہے۔ ان کے اقوال وافعال اس کی نگاہ میں ہیں۔ آخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ خیر و برکت سے خالی' عذاب و سزا سے بھری ہوئی آندھیاں ان پر چلنے لگیں۔

اس وقت حضرت ہود علیہ السلام اور آپؑ کی جماعت مسلمین اللہ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے نجات پا گئے۔ سزاؤں سے بچ گئے۔ سخت عذاب ان پر سے ہٹا لئے گئے۔ یہ تھے عادی جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا' اللہ کے پیغمبروں کی مان کر نہ دی۔ یہ یاد رہے کہ ایک نبی کا نافرمان کل نبیوں کا نافرمان ہے۔ یہ انہی کی مانتے رہے جو ان میں ضدی اور سرکش تھے۔ اللہ کی اور اس کے مومن بندوں کی لعنت ان پر برس پڑی۔ اس دنیا میں بھی ان کا ذکر لعنت سے ہونے لگا اور قیامت کے دن بھی میدان محشر میں سب کے سامنے ان پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ اور پکار دیا جائے گا کہ عادی اللہ کے منکر ہیں۔ حضرت سدی کا قول ہے کہ ان کے بعد جتنے نبی آئے' سب ان پر لعنت ہی کرتے آئے۔ ان کی زبانی اللہ کی لعنتیں بھی ان پر ہوتی رہیں۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا
فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝٦١ قَالُوْا
يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝٦٢ قَالَ يٰقَوْمِ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً
فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝٦٣

ثمودیوں کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا' اس نے کہا کہ اے میری قوم' تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے۔ پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو' بے شک میرا رب سب کے پاس ہی ہے اور ہے بھی دعاؤں کا قبول کرنے والا ○ وہ کہنے لگے اے صالح' اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے۔ کیا تو' ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے؟ ہمیں تو اس دین میں شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے۔ ہم متحیر ہیں ○ اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو' ذرا بتلاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس کی رحمت عطا کی ہوئی ہوئی' پھر اگر میں نے اس کی نافرمانی کر لی تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو ○

صالح علیہ السلام اور ان کی قوم میں مکالمات : ☆☆ (آیت:٦١) حضرت صالح علیہ السلام ثمودیوں کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قوم کو آپؑ نے اللہ کی عبادت کرنے کی اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے باز آنے کی نصیحت کی۔ بتلایا کہ انسان کی ابتدائی پیدائش اللہ تعالیٰ نے مٹی سے شروع کی ہے۔ تم سب کے باپ بابا آدم علیہ السلام اسی مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی نے اپنے فضل سے تمہیں زمین پر بسایا ہے کہ تم اس میں گزران کر رہے ہو۔ تمہیں اللہ سے استغفار کرنا چاہئے۔ اس کی طرف جھکے رہنا چاہئے۔ وہ بہت ہی قریب ہے۔ اور قبول فرمانے والا ہے۔

باپ دادا کے معبود ہی ہم کو پیارے ہیں : ☆☆ (آیت:٦٢-٦٣) حضرت صالح علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کے درمیان جو بات چیت ہوئی' اس کا بیان ہو رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو یہ بات زبان سے نکال۔ اس سے پہلے تو ہماری بہت کچھ امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں لیکن تو نے ان سب پر پانی پھیر دیا۔ ہمیں پرانی روش اور باپ دادا کے طریقے اور پوجا پاٹ سے ہٹانے لگا۔ ہمیں تو تیری اس نئی رہبری میں بہت بڑا شک شبہ ہے۔ آپؑ نے فرمایا' سنو میں اعلیٰ دلیل پر ہوں۔ میرے پاس میرے رب کی نشانی ہے' مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے۔ میرے پاس اللہ کی رسالت کی رحمت ہے۔ اب اگر میں تمہیں اس کی دعوت نہ دوں اور اللہ کی نافرمانی کروں اور اس کی عبادت کی طرف تمہیں نہ بلاؤں تو کون ہے جو میری مدد کر سکے؟ اور اللہ کے عذاب سے مجھے بچا سکے؟ میرا ایمان ہے کہ مخلوق میرے کام نہیں آ سکتی تم میرے لئے محض بے سود ہو۔ سوائے نقصان کے تم مجھے اور کیا دے سکتے ہو۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ
وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝٦٤ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ
تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝٦٥
فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝٦٦ وَاَخَذَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝٦٧ۙ كَاَنْ
لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝٦٨ ع ٨
وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ
فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاۗءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝٦٩

میری قوم والو یہ ہے اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی جو تمہارے لئے ایک معجزہ ہے۔ اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ ورنہ فوری عذاب تمہیں پکڑ لے گا ○ پھر بھی ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر اسے مار ڈالا' اس پر صالح نے کہا کہ اچھا اب تم اپنے گھروں میں تین دن تک تو رہ سہہ لو۔ یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے ○ پھر جب ہمارا فرمان آ پہنچا' ہم نے صالح کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنے فضل سے اس سے بھی بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی' یقیناً تیرا پروردگار ہی نہایت توانا اور غالب ہے ○ ظالموں کو بڑے زور کی کڑک نے آ دبوچا۔ پھر تو وہ اپنے گھروں میں زانوں کے بل مردہ پڑے ہوئے رہ گئے ○ ایسے کہ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے' آگاہ رہو کہ ثمودیوں نے اپنے رب سے کفر کیا' سن لو ان ثمودیوں پر پھٹکار ہے ○ ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر پہنچے اور سلام کہا۔ اس نے بھی جواب سلام دیا اور بغیر کسی دیر کے گائے کے بچے کا بھنا ہوا گوشت لے آیا ○

(آیت ٦٤-٦٨) ان تمام آیتوں کی پوری تفسیر اور ثمودیوں کی ہلاکت کے اور اونٹنی کے مفصل واقعات سورہ اعراف میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کو بشارت اولاد اور فرشتوں سے گفتگو : ☆☆ (آیت:٦٩) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وہ فرشتے بطور مہمان بشکل انسان آتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کی خوشخبری اور حضرت ابراہیم کے ہاں فرزند ہونے کی بشارت لے کر اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ آ کر سلام کرتے ہیں۔ آپ ان کے جواب میں سلام کہتے ہیں۔ اس لفظ کو پیش سے کہنے میں علم بیان کے مطابق ثبوت ودوام پایا جاتا ہے۔ سلام کے بعد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے سامنے مہمان داری پیش کرتے ہیں۔ بچھڑے کا گوشت جسے گرم پتھروں پر سینک لیا گیا تھا' لاتے ہیں۔ جب دیکھا کہ ان نو وارد مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے ہی نہیں' اس وقت ان سے کچھ بدگمان سے ہو گئے اور کچھ دل میں خوف کھانے لگے۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَھُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡہِ نَکِرَھُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡھُمۡ خِیۡفَۃً ؕ
قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ ﴿۷۰﴾ وَ امۡرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ
فَضَحِکَتۡ فَبَشَّرۡنٰھَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَ مِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾
قَالَتۡ یٰوَیۡلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوۡزٌ وَّ ھٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا ؕ اِنَّ
ھٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ
اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ اِنَّہٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۷۳﴾

اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ اسے نہیں لگ رہے تو انہیں انجان پا کر دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگا' انھوں نے کہا ڈر نہیں۔ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں ○ اس کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی' وہ ہنس دی تو ہم نے اسے اسحاق کی۔ اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی ○ وہ کہنے لگی' آہ میرے ہاں کیسے اولاد ہوسکتی ہے؟ میں آپ پوری بڑھیا اور یہ ہیں میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے' یہ تو یقیناً بہت بڑے تعجب کی چیز ہے ○ فرشتوں نے کہا' کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے۔ تم پر اے اس گھر کے لوگو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ بے شک اللہ سزاوار حمد و ثنا اور بڑی بزرگیوں والا ہے ○

(آیت: ۷۰۔۷۳) حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ ہلاکت قوم لوط کے لئے جو فرشتے بھیجے گئے' وہ بصورت نوجوان انسان زمین پر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پر اترے' آپ نے انہیں دیکھ کر بڑی تکریم کی' جلدی جلدی اپنا بچھڑا لے کر اس کو گرم پتھروں پر سینک کر لا حاضر کیا اور خود بھی ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ آپؑ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ کھلانے پلانے کے کام کاج میں لگ گئیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔ وہ کھانے سے رکے اور کہنے لگے ابراہیم ہم جب تلک کسی کھانے کی قیمت نہ دے دیں' کھایا نہیں کرتے آپؑ نے فرمایا ہاں قیمت دے دیجئے۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا قیمت ہے آپؑ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا اور کھانا کھا کر الحمد للہ کہنا۔ یہی اس کی قیمت ہے۔ اس وقت حضرت جبرئیلؑ نے حضرت میکائیلؑ کی طرف دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ فی الواقع یہ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالٰی انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی جو انہوں نے کھانا شروع نہ کیا تو آپؑ کے دل میں طرح طرح کے خیالات گذرنے لگے۔ حضرت سارہؓ نے دیکھا کہ خود حضرت ابراہیمؑ ان کے اکرام میں یعنی ان کے کھلانے کی خدمت میں ہیں' تاہم وہ کھانا نہیں کھاتے تو ان مہمانوں کی اس عجیب حالت پر انہیں بیساختہ ہنسی آ گئی۔ حضرت ابراہیمؑ کو خوف زدہ دیکھ کر فرشتوں نے کہا! آپؑ خوف نہ کیجئے۔ اب دہشت دور کرنے کے لئے اصلی واقعہ کھول دیا کہ ہم کوئی انسان نہیں' فرشتے ہیں۔ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں کہ انہیں ہلاک کریں۔

حضرت سارہؓ کو قوم لوط کی ہلاکت کی خبر نے خوش کر دیا۔ اسی وقت انہیں ایک دوسری خوشخبری بھی ملی کہ اس ناامیدی کی عمر میں تمہارے ہاں بچہ ہوگا۔ انہیں یہ بھی تعجب تھا کہ جس قوم پر اللہ کا عذاب اتر رہا ہے' وہ پوری غفلت میں ہے۔ الغرض فرشتوں نے آپؑ کو اسحاق نامی بچہ پیدا ہونے کی بشارت دی۔ اور پھر اسحاق کے ہاں یعقوب کے ہونے کی بھی ساتھ ہی خوش خبری سنائی۔ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی تو بشارت دی گئی تھی اور ساتھ ہی ان کے ہاں بھی اولاد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہ سن کر حضرت سارہ علیہا السلام نے عورتوں کی عام عادت کے مطابق اس پر تعجب ظاہر کیا کہ میاں بیوی دونوں کے اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں اولاد کیسی؟ یہ تو سخت حیرت کی بات ہے۔ فرشتوں نے کہا' امر اللہ میں کیا

حیرت؟ تم دونوں کو اس عمر میں ہی اللہ بیٹا دے گا گو تم سے آج تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور تمہارے میاں کی عمر بھی ڈھل چکی ہے لیکن اللہ کی قدرت میں کمی نہیں۔ وہ جو چاہے ہو کر رہتا ہے' اے نبی کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں' تمہیں اس کی قدرت میں تعجب نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تعریفوں والا اور بزرگ ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا
فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ﴿۷۵﴾ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ
اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ
عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

جب ابراہیم کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے لگ گیا ○ یقیناً ابراہیم بہت تحمل والا' نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والا تھا ○ اے ابراہیم اس خیال کو چھوڑ دے' تیرے رب کا حکم آ پہنچا ہے' ان پر نہ لوٹایا جانے والا عذاب ضرور آنے والا ہے ○

حضرت ابراہیمؑ کی بردباری اور سفارش: ☆☆ (آیت: ۷۴-۷۶) مہمانوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کے دل میں جو دہشت سمائی تھی' ان کا حال کھل جانے پر وہ دور ہو گئی۔ پھر آپؑ نے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی خوش خبری بھی سن لی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتے قوم لوط کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے ہیں تو آپؑ فرمانے لگے کہ اگر کسی بستی میں تین سو مومن ہوں' کیا پھر بھی وہ بستی ہلاک کی جائے گی؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر چالیس ہوں؟ جواب ملا پھر بھی نہیں۔ دریافت کیا اگر تیس ہوں؟ کہا گیا پھر بھی نہیں۔ یہاں تک کہ تعداد گھٹاتے گھٹاتے پانچ کی بابت پوچھا' فرشتوں نے یہی جواب دیا۔ پھر ایک ہی کی نسبت سوال کیا اور یہی جواب ملا تو آپؑ نے فرمایا' پھر اس بستی کو حضرت لوط علیہ السلام کی موجودگی میں تم کیسے ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے کہا' ہمیں وہاں حضرت لوطؑ کی موجودگی کا علم ہے۔ اسے اور اس کے اہل خانہ کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچا لیں گے۔ اب آپؑ کو اطمینان ہوا اور خاموش ہو گئے۔ حضرت ابراہیمؑ بردبار' نرم دل اور رجوع رہنے والے تھے اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی بہترین صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت ابراہیم کی اس گفتگو اور سفارش کے جواب میں فرمان باری ہوا کہ اب آپ اس سے چشم پوشی کیجئے۔ قضاء حق نافذ و جاری ہو گئی۔ اب عذاب آئے گا اور وہ لوٹایا نہ جائے گا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ
هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ
كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۭ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِیْ هُنَّ
اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ۭ اَلَیْسَ مِنْكُمْ
رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ
وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾

جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گیا اور دل ہی دل میں کڑھنے لگا اور کہنے لگا کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے ○ اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ پہنچی، وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی، لوط نے کہا اے قوم کے لوگو، یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہیں- اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو، کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں؟ ○ انھوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری لڑکیوں کی کوئی حاجت نہیں، تو ہماری اصلی چاہت سے بخولی واقف ہے ○

حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کا نزول: ☆☆ (آیت: ۷۷-۷۹) حضرت ابراہیمؑ کو یہ فرشتے اپنا بھید بتا کر وہاں سے چل دیئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کی زمین میں یا ان کے مکان میں پہنچے- امرد خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے تاکہ قوم لوط کی پوری آزمائش ہو جائے، حضرت لوط ان مہمانوں کو دیکھ کر قوم کی حالت سامنے رکھ کر سٹپٹا گئے، دل ہی میں دل میں پیچ و تاب کھانے لگے کہ اگر انہیں مہمان بناتا ہوں تو ممکن ہے خبر پا کر لوگ چڑھ دوڑیں اور اگر مہمان نہیں رکھتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا ہیبت ناک دن ہے- قوم والے اپنی شرارت سے باز نہیں آئیں گے- مجھ میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں- کیا ہو گا؟ قتادہؒ فرماتے ہیں- حضرت لوطؑ اپنی زمین میں تھے کہ یہ فرشتے بصورت انسان آئے اور ان کے مہمان بنے- شرما شرمی انکار تو نہ کر سکے اور انہیں لے کر گھر چلے، راستے میں صرف اس نیت سے کہ یہ اب بھی واپس چلے جائیں، ان سے کہا کہ واللہ یہاں کے لوگوں سے زیادہ برے اور خبیث لوگ اور کہیں نہیں ہیں- کچھ دور جا کر پھر یہی کہا- غرض گھر پہنچنے تک چار بار یہی کہا- فرشتوں کو اللہ کا حکم بھی یہی تھا کہ جب تک ان کا نبی، ان کی برائی نہ بیان کرے، انہیں ہلاک نہ کرنا-

سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چل کر دوپہر کو یہ فرشتے نہر سدوم پہنچے- وہاں حضرت لوطؑ کی صاحبزادی جو پانی لینے گئی تھیں، مل گئیں، ان سے انہوں نے پوچھا کہ یہاں ہم کہیں ٹھہر سکتے ہیں؟ اس نے کہا- آپ یہیں رکیے- میں واپس آ کر جواب دوں گی- انہیں ڈر لگا کہ اگر قوم والوں کے ہاتھ یہ لگ گئے تو ان کی بڑی بے عزتی ہو گی- یہاں آ کر والد صاحب سے ذکر کیا کہ شہر کے دروازے پر چند پردیسی نوعمر لوگ ہیں، میں نے تو آج تک نہیں دیکھے- جاؤ اور انہیں ٹھہراؤ ورنہ قوم والے انہیں ستائیں گے- اس بستی کے لوگوں نے حضرت لوطؑ سے کہہ رکھا تھا کہ دیکھو کسی باہر والے کو تم اپنے ہاں ٹھہرایا نہ کرو- ہم آپ سب کچھ کر لیا کریں گے- آپ نے جب یہ حالت سنی تو جا کر چپکے سے انہیں اپنے گھر لے آئے- کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی- مگر آپؑ کی بیوی جو قوم سے ملی ہوئی تھی، اسی کے ذریعہ بات پھوٹ نکلی- اب کیا تھا- دوڑے بھاگے آ گئے، جسے دیکھو، خوشیاں مناتا جلدی جلدی لپکتا چلا آتا ہے، ان کی تو یہ خو خصلت ہو گئی تھی اس سیاہ کاری کو تو گویا انہوں نے عادت بنا لیا تھا- اس وقت اللہ کے نبیؑ انہیں نصیحت کرنے لگے کہ تم اس بدخصلت کو چھوڑو- اپنی خواہشیں عورتوں سے پوری کرو- بناتی یعنی میری لڑکیاں- اس لئے فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا گویا باپ ہوتا ہے- قرآن کریم کی ایک اور آیت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو پہلے ہی آپ کو منع کر چکے تھے کہ کسی کو اپنے ہاں نہ ٹھہرایا کرو- حضرت لوطؑ نے انہیں سمجھایا اور دنیا و آخرت کی بھلائی انہیں سمجھائی اور کہا کہ عورتیں ہی اس بات کے لئے موزوں ہیں- ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کرنا ہی پاک کام ہے- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، یہ سمجھا جائے کہ آپؑ نے اپنی لڑکیوں کی نسبت یہ فرمایا تھا نہیں بلکہ نبی اپنی پوری امت کا گویا باپ ہوتا ہے- قتادہؒ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے- امام ابن جریج فرماتے ہیں، یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت لوطؑ نے عورتوں سے بے نکاح ملاپ کرنے کو فرمایا ہو- نہیں مطلب آپؑ کا ان سے نکاح کر لینے کے حکم کا تھا- فرماتے ہیں، اللہ سے ڈرو، میرا کہا مانو، عورتوں کی طرف رغبت کرو، ان سے نکاح کر کے حاجت روائی کرو- مردوں کی طرف اس رغبت سے نہ آؤ اور خصوصاً یہ تو میرے مہمان ہیں، میری عزت کا خیال کرو- کیا تم میں

ایک بھی سمجھدار، نیک، راہ یافتہ، بھلا آدمی نہیں۔ اس کے جواب میں ان سرکشوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ یہاں بھی بناتك یعنی تیری لڑکیاں کے لفظ سے مراد قوم کی عورتیں ہیں۔ اور تجھے معلوم ہے کہ ہمارا ارادہ کیا ہے؟ یعنی ہمارا ارادہ ان لڑکوں سے ملنے کا ہے، پھر جھگڑا اور نصیحت بے سود ہے۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ۝٨٠
قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ
بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ
مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ
بِقَرِیْبٍ۝٨١

لوطؑ نے کہا، کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط آسرے کی پناہ میں ہوتا ○ اب فرشتوں نے کہا، اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ ناممکن کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں۔ پس تو اپنے والوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔ تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے بجز تیری بیوی کے، اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح بالکل نزدیک ہی نہیں؟ ○

لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ میری نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی تو انہیں دھمکایا کہ اگر مجھ میں قوت، طاقت ہوتی یا میرا کنبہ، قبیلہ زوردار ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت ہو لوط علیہ السلام پر کہ وہ زور آور قوم کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ مراد اس سے ذات اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔ آپ کے بعد پھر جو پیغمبر بھیجا گیا، وہ اپنے آبائی وطن میں ہی بھیجا گیا۔ ان کی اس افسردگی، کامل ملال اور سخت تنگ دلی کے وقت فرشتوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم تک یا آپ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ آپ رات کے آخری حصے میں اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جایئے۔ خود ان سب کے پیچھے رہئے۔ اور سیدھے اپنی راہ چلے جایئے۔ قوم والوں کی آہ و بکا، پر ان کے چیخنے چلانے پر تمہیں مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے۔ پھر اس اثبات سے حضرت لوط کی بیوی کا استثنا کر لیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہ کر سکے گی۔ وہ عذاب کے وقت قوم کی ہائے وائے سن کر مڑ کر دیکھے گی۔ اس لئے کہ رحمانی قضا میں اس کا بھی ان کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔ ایک قرات میں الا امراتك تے کی پیش سے بھی ہے۔ جن لوگوں کے نزدیک پیش اور زبر دونوں جائز ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ آپؑ کی بیوی بھی یہاں سے نکلنے میں آپؑ کے ساتھ تھی لیکن عذاب کے نازل ہونے پر قوم کا شور سن کر صبر نہ کر سکی۔ مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم۔ اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر بھی آیا اور وہ ڈھیر ہو گئی۔

حضرت لوطؑ کی مزید تشفی کے لئے فرشتوں نے اس خبیث قوم کی ہلاکت کا وقت بھی بیان کر دیا کہ یہ صبح ہوتے ہی تباہ ہو جائے گی۔ اور صبح اب بالکل قریب ہے۔ یہ کور باطن آپؑ کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور ہر طرف سے لپکتے ہوئے آ پہنچے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہوئے ان لوطیوں کو روک رہے تھے، جب کسی طرح وہ نہ مانے اور حضرت لوط علیہ السلام آزردہ خاطر ہو کر تنگ آ گئے، اس وقت جبرئیل علیہ السلام گھر میں سے نکلے اور ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ حضرت حزیفہ بن یمان رضی اللہ

عنہ کا بیان ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں کے پاس آتے' انہیں سمجھاتے کہ دیکھو اللہ کا عذاب نہ خریدو مگر انہوں نے خلیل الرحمان کی بھی نہ مانی ۔ یہاں تک کہ عذاب کے آنے کا قدرتی وقت آ پہنچا ۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے ۔ آپ اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ آج کی رات ہم آپؑ کے مہمان ہیں ۔ حضرت جبرئیل کو فرمان رب ہو چکا تھا کہ جب تک حضرت لوط علیہ السلام تین مرتبہ ان کی بدچلنی کی شہادت نہ دے لیں' ان پر عذاب نہ کیا جائے ۔ آپ جب انہیں لے کر چلے تو چلنے کی خبر دی کہ یہاں کے لوگ بڑے بد ہیں ۔ یہ یہ برائی ان میں گھسی ہوئی ہے ۔ کچھ دور اور جانے کے بعد دوبارہ کہا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی برائی کی خبر نہیں؟ میرے علم میں تو روئے زمین پر ان سے زیادہ برے لوگ نہیں' آہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں؟ میری قوم تو تمام مخلوق سے بد تر ہے ۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا' دیکھو دو مرتبہ یہ کہہ چکے ۔ جب انہیں لے کر آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو رنج و افسوس سے رو دیئے اور کہنے لگے' میری قوم تمام مخلوق سے بدتر ہے ۔ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ کس بدی میں مبتلا ہیں؟ روئے زمین پر کوئی بستی اس بستی سے بری نہیں ۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر فرشتوں سے فرمایا' دیکھو تین مرتبہ یہ اپنی قوم کی بدچلنی کی شہادت دے چکے ۔ یاد رکھنا اب عذاب ثابت ہو چکا ۔ گھر میں گئے اور یہاں سے آپ کی بڑھیا بیوی اونچی جگہ پر چڑھ کر کپڑا ہلانے لگی جسے دیکھتے ہی بستی کے بدکار دوڑ پڑے ۔ پوچھا کیا بات ہے ۔ اس نے کہا' لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں' میں نے تو ان سے زیادہ خوبصورت اور ان سے زیادہ خوشبو والے لوگ کبھی دیکھے ہی نہیں ۔ اب کیا تھا ۔ یہ خوشی خوشی مٹھیاں بند کئے دوڑتے بھاگتے حضرت لوطؑ کے گھر گئے ۔ چاروں طرف سے آپؑ کے گھر کو گھیر لیا ۔ آپ نے انہیں قسمیں دیں' نصیحتیں کیں ۔ فرمایا کہ عورتیں بہت ہیں ۔ لیکن وہ اپنی شرارت اور اپنے بد ارادے سے باز نہ آئے ۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے عذاب کی اجازت چاہی ۔ اللہ کی جانب سے اجازت مل گئی ۔ آپ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے ۔ آپؑ کے دو پر ہیں ۔ جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہے ۔ آپ کے دانت صاف چمکتے ہوئے ہیں ۔ آپؑ کی پیشانی اونچی اور بڑی ہے ۔ مرجان کی طرح کے دانے ہیں ۔ لولو ہیں اور آپ کے پاؤں سبزی کی طرح ہیں ۔

حضرت لوط علیہ السلام سے آپؑ نے فرمایا کہ ہم تو تیرے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں' یہ لوگ تجھ تک پہنچ نہیں سکتے ۔ آپؑ اس دروازے سے نکل جایئے ۔ یہ کہہ کر ان کے منہ پر اپنا پر مارا ۔ جس سے وہ اندھے ہو گئے ۔ راستوں تک کو نہیں پہچان سکتے تھے ۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی اہل کو لے کر راتوں رات چل دیئے ۔ یہی اللہ کا حکم بھی تھا ۔ محمد بن کعب قتادہ سدیؒ وغیرہ کا یہی بیان ہے ۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع ۷ ۱۵

پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا' ہم نے اس بستی کو زیر و زبر کر دیا ۔ اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور اس پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے ۔ نشان دار تھے ۔ تیرے رب کی طرف سے اور وہ ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے ○

آج کے ایٹم بم اس وقت کے پتھروں کی بارش: ☆☆ (آیت: ۸۲-۸۳) سورج کے نکلنے کے وقت اللہ کا عذاب ان پر آ گیا ۔ ان کی بستی سدوم نامی تہ و بالا ہو گئی ۔ عذاب نے اوپر تلے سے ڈھانک لیا ۔ آسمان سے پکی مٹی کے پتھر ان پر برسنے لگے جو سخت' وزنی اور بہت

بڑے بڑے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے سجین سِجِّیلٍ دونوں ایک ہی ہیں۔ منضود سے مراد پے بہ پے تہ بہ تہ ایک کے بعد ایک کے ہیں۔ ان پتھروں پر قدرتی طور سے ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس کے نام کا پتھر تھا' اسی پر گرتا تھا۔ وہ مثل طوق کے تھے جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ان شہریوں پر بھی برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے' ان پر بھی وہیں گرے۔ ان میں سے جو جہاں تھا' وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔ کوئی کھڑا ہوا کسی جگہ کسی سے باتیں کر رہا ہے' وہیں پتھر آسمان سے آیا اور اسے ہلاک کر گیا۔ غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھا لیا یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں۔ آپؑ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر انہیں زمین پر الٹ دیا۔ ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہو گئے۔ اکے دکے جو رہ گئے تھے' ان کے بھیجے آسمانی پتھروں نے پھوڑ دیئے اور محض بے نام و نشان کر دیئے گئے۔ مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں۔ ہر بستی میں ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ ایک روایت میں ہے' تین بستیاں تھیں۔ بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔ یہاں کبھی کبھی خلیل اللہ' حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آ کر وعظ و نصیحت فرما جایا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ چیزیں کچھ ان سے دور نہ تھیں۔ سنن کی حدیث میں ہے کسی کو اگر تم لواطت کرتا ہوا پاؤ تو اوپر والے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ
بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا
الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا
تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾

ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا' اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لانے والے دن کے عذاب کا خوف بھی ہے ○ اے میری قوم والو ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ ○ اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا نفع تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو' میں کچھ تم پر نگہبان داروغہ نہیں ہوں ○

اہل مدین کی جانب حضرت شعیبؑ کی آمد: ☆☆ (آیت:۸۴) عرب کا ایک قبیلہ جو حجاز و شام کے درمیان معان کے قریب رہتا تھا' ان کے شہروں کا نام اور خود ان کا نام بھی مدین تھا۔ ان کی جانب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ آپؑ ان میں شریف النسب اور اعلیٰ خاندان کے تھے اور انہی میں سے تھے۔ اسی لئے اخاھم کے لفظ سے بیان کیا یعنی ان کے بھائی۔ آپ نے بھی انبیاء کی عادت اور سنت اور اللہ تعالیٰ کے پہلے اور تاکیدی حکم کے مطابق اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ناپ

تول کی کمی سے روکا کہ کسی کا حق نہ مارو۔ اور اللہ کا یہ احسان یاد دلایا کہ اس نے تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال کر رکھا ہے۔ اور اپنا ڈر ظاہر کیا کہ اپنی مشرکانہ روش اور ظالمانہ حرکت سے اگر باز نہ آؤ گے تو تمہاری یہ اچھی حالت بدحالی سے بدل جائے گی۔

ناپ تول میں انصاف کرو: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۶) پہلے تو اپنی قوم کو ناپ تول کی کمی سے روکا۔ اب لین دین کے دونوں وقت عدل و انصاف کے ساتھ پورے پورے ناپ تول کا حکم دیتے ہیں اور زمین میں فساد اور تباہ کاری کرنے کو منع کرتے ہیں۔ ان میں رہزنی اور ڈاکے مارنے کی بدخصلت بھی تھی۔ لوگوں کے حق مار کر نفع اٹھانے سے اللہ کا دیا ہوا نفع بہت بہتر ہے۔ اللہ کی یہ وصیت تمہارے لئے خیریت لئے ہوئے ہے۔ عذاب سے جیسے ہلاکت ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں رحمت سے برکت ہوتی ہے۔ ٹھیک تول کر، پورا ناپ کر، حلال سے جو نفع ملے، اسی میں برکت ہوتی ہے۔ خبیث وطیب میں کیا مساوات؟ دیکھو میں تمہیں ہر وقت دیکھ نہیں رہا۔ تمہیں برائیوں کا ترک اور نیکیوں کا فعل اللہ ہی کے لئے کرنا چاہئے نہ کہ دنیا دکھاوے کے لئے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ
نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ
مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ
اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

انھوں نے جواب دیا کہ اے شعیب کیا تیری تلاوت تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں جو کچھ چاہیں، اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں، تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے ○ کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ظاہر دلیل لئے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہو، میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں، میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے، میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع ہوں ○

پرانے معبودوں سے دستبرداری سے انکار: ☆☆ (آیت: ۸۷) حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں، صلوٰۃ سے مراد یہاں قرات ہے۔ وہ لوگ ازراہ مذاق کہتے ہیں کہ واہ آپ اچھے رہے کہ آپ کو آپ کی قرات نے حکم دیا کہ ہم باپ دادوں کی روش کو چھوڑ کر اپنے پرانے معبودوں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ اور بھی لطف ہے کہ ہم اپنے مال کے بھی مالک نہ رہیں کہ جس طرح جو چاہیں، اس میں تصرف کریں۔ کسی کو ناپ تول میں کم نہ دیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں، واللہ واقعہ یہی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز کا حکم یہی تھا کہ آپ انہیں غیر اللہ کی عبادت اور مخلوق کے حقوق کے غصب سے روکیں۔ ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ان کے اس قول کا مطلب کہ جو ہم چاہیں، اپنے مالوں میں کریں، یہ ہے کہ زکوٰۃ کیوں دیں؟ نبی اللہ کو ان کا حلیم ورشید کہنا ازراہ مذاق وحقارت تھا۔

قوم کو تبلیغ: ☆☆ (آیت: ۸۸) آپؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ دیکھو میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل وحجت اور بصیرت پر قائم

ہوں اور اسی کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ اس نے اپنی مہربانی سے مجھے بہترین روزی دے رکھی ہے یعنی نبوت یا رزق حلال۔ یا دونوں۔ میری روش تم یہ نہ پاؤ گے کہ تمہیں تو بھلی بات کا حکم کروں اور خود تم سے چھپ کر اس کے برعکس کروں۔ میری مراد تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنی ہے۔ ہاں میرے ارادہ کی کامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ اور توکل ہے اور اسی کی جانب رجوع، توجہ اور جھکنا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے، حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے بھائی مالک نے کہا کہ اے معاویہ رسول اللہ ﷺ نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔ تم آپ کے پاس جاؤ۔ آپؐ سے تمہاری بات چیت بھی ہو چکی ہے اور تمہیں آپ پہچانتے بھی ہیں۔ پس میں اس کے ساتھ چلا۔ اس نے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو آپؐ رہا کر دیجئے۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ آپؐ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا، واللہ اگر آپؐ ایسا جواب دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ آپؐ ہمیں تو پڑوسیوں کے بارے میں اور حکم دیتے ہیں اور آپ خود اس کا خلاف کرتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، کیا لوگوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے؟ اگر میں ایسا کروں تو اس کا وبال مجھ پر ہی ہے۔ ان پر تو کوئی نہیں۔ جاؤ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔ اور روایت میں ہے کہ اس کی قوم کے چند لوگ کسی شبہ میں گرفتار تھے۔ اس پر قوم کا ایک آدمی حاضر حضور ہوا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ فرما رہے تھے۔ اس نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کسی چیز سے دوسروں کو روکتے ہیں اور خود اسے کرتے ہیں۔ آپؐ نے سمجھا نہیں۔ اس لئے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ حضرت بہز بن حکیم کے دادا کہتے ہیں، میں نے بیچ میں بولنا شروع کر دیا کہ اچھا ہے، آپ کے کان میں یہ الفاظ نہ پڑیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؐ کے منہ سے میری قوم کے لئے کوئی بد دعا نکل جائے کہ پھر انہیں فلاح نہ ملے لیکن رسول اللہ ﷺ برابر اسی کوشش میں رہے یہاں تک کہ آپؐ نے اس کی بات سمجھ لی اور فرمانے لگے، کیا انہوں نے ایسی بات زبان سے نکالی؟ یا ان میں سے کوئی اس کا قائل ہے؟ واللہ اگر میں ایسا کروں تو اس کا بوجھ بار میرے ذمے ہے۔ ان پر کچھ نہیں۔ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔ اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے مسند احمد لائے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب تم میری جانب سے کوئی ایسی حدیث سنو کہ تمہارے دل اس کا انکار کریں اور تمہارے بدن اور بال اس سے علیحدگی کریں یعنی متاثر نہ ہوں اور تم سمجھ لو کہ وہ تم سے بہت دور ہے تو میں اس سے بھی زیادہ دور ہوں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی، کیا آپ بالوں میں جوڑ لگانے کو منع کرتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا آپ کے گھر کی بعض عورتیں تو ایسا کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہو تو میں نے اللہ کے نیک بندے کی وصیت کی حفاظت نہیں کی۔ میرا ارادہ نہیں کہ جس چیز سے تمہیں روکوں، اس کے برعکس خود کروں۔ حضرت ابو سلیمان ضبی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے آتے تھے جن میں اوامر و نواہی لکھے ہوئے ہوتے تھے اور آخر میں یہ لکھا ہوتا تھا کہ میں بھی اس میں وہی ہوں جو اللہ کے نیک بندے نے فرمایا کہ میری توفیق اللہ ہی کے فضل سے ہے۔ اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ
نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾
وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

میری قوم کے لوگو! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میری مخالفت میں آ کر ان عذابوں کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو قوم نوح علیہ السلام اور قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچے ہیں' اور قوم لوط تو تم سے کچھ بھی دور نہیں ○ تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف جھک جاؤ' یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ○

میری عداوت میں اپنی بردبادی مت مول لو : ☆☆ (آیت:۸۹-۹۰) فرماتے ہیں کہ میری عداوت اور بغض میں آ کر تم اپنے کفر اور اپنے گناہوں پر جم نہ جاؤ ورنہ تمہیں وہ عذاب پہنچے گا جو تم سے پہلے ایسے کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کو پہنچا ہے۔ خصوصاً قوم لوط جو تم سے قریب زمانے میں ہی گذری ہے اور قریب جگہ میں ہے۔ تم اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگو۔ آئندہ کے لئے گناہوں سے توبہ کر لو۔ ایسا کرنے والوں پر میرا رب بہت ہی مہربان ہو جاتا ہے اور ان کو اپنا پیارا بنا لیتا ہے۔ ابولیلیٰ کندی کہتے ہیں کہ میں اپنے مالک کا جانور تھامے کھڑا تھا۔ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپؓ نے اوپر سے سر بلند کیا اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا' میری قوم کے لوگو مجھے قتل نہ کرو۔ تم اس طرح تھے۔ پھر آپؓ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھائیں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ
فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ
ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ
اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ
هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

انہوں نے کہا شعیب تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزوری کی حالت میں پاتے ہیں' اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے۔ ہم تو تجھے کوئی حیثیت والی ہستی نہیں گنتے ○ اس نے جواب دیا کہ اے میرے قومی لوگو' کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلہ کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہیں کہ تم نے اسے پس پشت ڈال رکھا ہے؟ یقیناً میرا پروردگار جو کچھ تم کر رہے ہو' سب کو گھیرے ہوئے ہے ○ اے قومی بھائیو! اب تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ۔ میں بھی عمل کر رہا ہوں' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور کون ہے جو جھوٹا ہے؟ تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں ○

قوم مدین کا جواب اور اللہ کا عتاب : ☆☆ (آیت:۹۱-۹۲) قوم مدین نے کہا کہ اے شعیب آپ کی اکثر باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں۔ اور خود آپ بھی ہم میں بے انتہا کمزور ہیں۔ سعید وغیرہ کا قول ہے کہ آپؑ کی نگاہ کم تھی۔ تھے آپؑ بہت ہی صاف گو یہاں تک کہ آپ کو خطیب الانبیاء کا لقب حاصل تھا۔ سدیؒ کہتے ہیں' اس وجہ سے کمزور کہا گیا ہے کہ آپؑ اکیلے تھے۔ مراد اس سے آپؑ کی حقارت تھی۔ اس لئے کہ آپؑ کے کنبے والے بھی آپؑ کے دین پر نہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تو پتھر مار مار کر تیرا قصہ ہی ختم کر دیتے۔ یا یہ کہ تجھے دل کھول کر برا کہتے۔ ہم میں تیری کوئی قدر و منزلت' رفعت و عزت نہیں۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا' بھائیو تم مجھے میری قرابت داری کی وجہ سے چھوڑتے ہو۔ اللہ کی وجہ سے نہیں چھوڑتے تو گویا تمہارے نزدیک قبیلے والے اللہ سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اللہ کے نبی کو برائی پہنچاتے ہوئے اللہ کا خوف نہیں کرتے؟ افسوس تم نے کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔ اس کی کوئی عظمت و اطاعت تم میں نہ رہی۔ خیر اللہ تعالیٰ

تمہارے تمام حال احوال جانتا ہے۔ وہ تمہیں پورا بدلہ دے گا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَا۠ىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾
يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ
الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ
الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

ع ۱۲ ۸

جب ہمارا عذاب آ پہنچا، ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ تمام مسلمانوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو آواز سخت کے عذاب نے دھر دبوچا جس سے وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے پڑے ہوئے مردے ہو گئے ○ گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، آگاہ رہو مدین کے لئے بھی ویسی ہی دوری ہوئی جیسی دوری ثمود کو ہوئی ○ یقیناً ہم نے ہی موسیٰ کو اپنے نشانوں اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا ○ فرعون اور اس کی جماعت کی طرف۔ پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی حکم ٹھیک اور درست تھا ہی نہیں ○ وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو دوزخ میں جا کھڑا کرے گا۔ وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر لا کھڑے کیے گئے ○ ان پر تو اس دنیا میں بھی لعنت چپکا دی گئی اور قیامت کے دن بھی، برا انعام ہے جو دیا گیا ○

مدین والوں پر عذاب الٰہی: ☆☆ (آیت: ۹۴۔۹۵) جب اللہ کے نبی علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو تھک کر فرمایا، اچھا تم اپنے طریقے پر چلے جاؤ۔ میں اپنے طریقے پر قائم ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والے عذاب کن پر نازل ہوتے ہیں؟ اور اللہ کے نزدیک جھوٹا کون ہے؟ تم منتظر رہو۔ میں بھی انتظار میں ہوں۔ آخرش ان پر بھی عذاب الٰہی اترا۔ اس وقت نبی اللہ اور مومن بچا دیئے گئے۔ ان پر رحمت رب ہوئی اور ظالموں کو تہس نہس کر دیا گیا۔ وہ جل بجھے۔ بے حس و حرکت رہ گئے۔ ایسے کہ گویا کبھی اپنے گھروں میں آباد ہی نہ تھے۔ اور جیسے کہ ان سے پہلے کے ثمودی تھے۔ اللہ کی لعنت کا باعث بنے۔ ویسے ہی یہ بھی ہو گئے۔ ثمودی ان کے پڑوسی تھے اور گناہ اور بدامنی میں انہی جیسے تھے۔ اور یہ دونوں قومیں عرب ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔

قبطی قوم کا سردار فرعون اور موسیٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۹۶-۹۹) فرعون سردار قوم قبط اور اس کی جماعت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں اور ظاہر باہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے فرعون کی اطاعت نہ چھوڑی۔ اسی کی گمراہ روش پر اس کے پیچھے لگے رہے۔ جس طرح یہاں انہوں نے اس کی فرماں برداری ترک نہ کی اور اسے اپنا سردار مانتے رہے، اسی طرح قیامت کے دن اسی کے پیچھے یہ ہوں گے اور وہ اپنی پیشوائی میں انہیں سب کو اپنے ساتھ ہی جہنم میں لے جائے گا اور خود دگنا عذاب برداشت کرے گا۔ یہی حال بروں کی تابعداری کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ وہ کہیں گے بھی کہ الٰہی انہی لوگوں نے ہمیں بہکایا۔ تو انہیں دوگنا عذاب

دے۔ مسند میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امراؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ انہیں لے کر جہنم کی طرف جائے گا۔ اس آگ کے عذاب۔ پر یہ اور زیادتی ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ یہ لوگ ابدی لعنت میں پڑے۔ قیامت کے دن کی لعنت مل کر ان پر دو دو لعنتیں پڑ گئیں۔ یہ اور لوگوں کو جہنم کی دعوت دینے والے امام تھے۔ اس لئے ان پر دوہری لعنت پڑی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ
وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ
عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ
اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ
اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ
مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾

بستیوں کی یہ بعض خبریں جنھیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں، ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض بالکل نابود ہوگئیں ○ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ خود انھوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ انھیں ان کے ان معبودوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جب کہ تیرے پروردگار کا حکم آ پہنچا، بلکہ اور ان کا نقصان ہی انھوں نے بڑھایا ○ تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے، بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے ○ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشان عبرت ہے جو قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں، وہ دن جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ وہ دن ہے جس میں سب حاضر کئے جائیں گے ○

عبرت کدے کچھ آباد ہیں کچھ ویران: ☆☆ (آیت: ۱۰۰-۱۰۱) نبیوں اور ان کی امتوں کے واقعات بیان فرما کر ارشاد باری ہوتا ہے کہ یہ ان بستیوں والوں کے واقعات ہیں۔ جنہیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک آباد ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں۔ ہم نے انہیں ظلم سے ہلاک نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اپنے اوپر اپنے ہاتھوں ہلاکت مسلط کر لی۔ اور جن معبودان باطل کے انہیں سہارے تھے، وہ بروقت انہیں کچھ کام نہ آ سکے بلکہ ان کی پوجا پاٹ نے انہیں اور غارت کر دیا۔ دونوں جہاں کا وبال ان پر آ پڑا۔

(آیت: ۱۰۲) جس طرح ان ظالموں کی ہلاکت ہوئی، ان جیسا جو بھی ہوگا، اسی نتیجے کو وہ بھی دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ المناک اور بہت سختی والی ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو ڈھیل دے کر پھر پکڑیں گے۔ وقت ناگہاں دبا لیتا ہے۔ پھر مہلت نہیں ملتی۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

ہلاکت اور نجات، ٹھوس دلائل: ☆☆ (آیت: ۱۰۳-۱۰۵) کافروں کی اس ہلاکت اور مومنوں کی نجات میں صاف دلیل ہے ہمارے ان وعدوں کی سچائی پر جو ہم نے قیامت کے بارے میں کئے ہیں جس دن تمام اول و آخر کے لوگ جمع کئے جائیں گے۔ ایک بھی باقی نہ چھوٹے گا اور وہ بڑا بھاری دن ہوگا۔ تمام فرشتے، تمام رسول، تمام مخلوق حاضر ہوگی۔ حاکم حقیقی، عادل کافی انصاف کرے گا۔ قیامت کے قائم

ہونے میں دیر کی وجہ یہ ہے کہ رب یہ بات پہلے ہی مقرر کر چکا ہے کہ اتنی مدت تک دنیا بنی آدم سے آباد رہے گی۔ اتنی مدت خاموشی پر گزرے گی۔ پھر فلاں وقت قیامت قائم ہوگی۔ جس دن قیامت آ جائے گی' کوئی نہ ہوگا جو اللہ کی اجازت کے بغیر لب بھی کھول سکے۔ مگر رحمٰن جسے اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک بولے۔ تمام آوازیں رب رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی۔

بخاری و مسلم کی حدیث شفاعت میں ہے' اس دن صرف رسول ہی بولیں گے اور ان کا کلام بھی صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ سلامت رکھ۔ یا اللہ سلامتی دے۔ مجمع محشر میں بہت سے تو برے ہوں گے اور بہت سے نیک۔ اس آیت کے اترنے پر حضرت عمرؓ پوچھتے ہیں کہ پھر یا رسول اللہ' ہمارے اعمال اس بنا پر ہیں جس سے پہلے ہی فراغت کر لی گئی ہے یا کسی نئی بنا پر؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس حساب پر جو پہلے سے ختم ہو چکا ہے جو قلم چلا چکا ہے لیکن ہر ایک کے لئے وہی آسان ہوگا جس کے لئے اس کی پیدائش کی گئی ہے۔ (مسند ابو یعلی)

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾

اے ہم جو دیر کرتے ہیں' وہ صرف ایک معین مدت تک ہے ○ جس دن وہ آ جائے گی' مجال نہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت بغیر کوئی بات بھی کر لے' سو ان میں کوئی تو بد بخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ○ لیکن جو بد بخت ہوئے' وہ دوزخ میں ہوں گے۔ وہاں ان کی باریک اور موٹی گدھے جیسی آواز ہوگی ○ وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں بقدر مدت بقائے آسمان و زمین کے۔ سوائے اس وقت کے جو اللہ کا چاہا ہوا ہے' یقیناً تیرا رب کر گزرتا ہے جو کچھ چاہے ○

عذاب یافتہ لوگوں کی چیخیں: ☆☆ (آیت: ۱۰۶۔ ۱۰۷) گدھے کے چیخنے میں جیسے زیر و بم ہوتا ہے' ایسی ہی ان کی چیخیں ہوں گی۔ یہ یاد رہے کہ عرب کے محاوروں کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ وہ ہیشگی کے محاورے کو اسی طرح بولا کرتے ہیں کہ یہ ہیشگی والا ہے جب تک آسمان و زمین کو قیام ہے۔ یہ بھی ان کے محاورے میں ہے کہ یہ باقی رہے گا جب تک دن رات کا چکر بندھا ہوا ہے۔ پس ان الفاظ سے ہیشگی مراد ہے نہ کہ قید۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمین و آسمان کے بعد دار آخرت میں ان کے سوا اور آسمان و زمین ہو پس یہاں مراد جنس ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر جنت کا آسمان و زمین ہے۔ اس کے بعد اللہ کی منشا کا ذکر ہے جیسے آیت اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ میں ہے۔ اس استثناء کے بارے میں بہت سے قول ہیں جنہیں ابن جوزی نے زاد المسیر میں نقل کیا ہے۔ ابن جریر نے خالد بن معدان' ضحاک' قتادہ اور ابن سنان کے اس قول کو پسند فرمایا ہے کہ موحد گناہ گاروں کی طرف استثناء عائد ہے۔ بعض سلف سے اس کی تفسیر میں بڑے ہی غریب اقوال وارد ہوئے ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ ہی کو اس کا پورا علم ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

لیکن جو نیک بخت کئے گئے وہ جنت میں ہونگے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہے مگر جو چاہے تیرا پروردگار' بخشش ہے بے انتہا ○

انبیاء کے فرماں بردار اور جنت: ☆☆ (آیت:۱۰۸) رسولوں کے تابعدار جنت میں رہیں گے۔ جہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ زمین و آسمان کی بقا تک ان کی بھی جنت میں بقا رہے گی مگر جو اللہ چاہے یعنی یہ بات بذاتہ واجب نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے پر ہے۔ بقول ضحاک و حسن یہ بھی موحد گنہگاروں کے حق میں ہے۔ وہ کچھ مدت جہنم میں گزار کر اس کے بعد وہاں سے نکالے جائیں گے۔ یہ عطیہ ربانی ہے جو ختم نہ ہوگا۔ نہ گھٹے گا۔ یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں ذکر مشیت سے یہ کھٹکا نہ گزرے کہ ہیشگی نہیں۔ جیسے کہ دوزخیوں کے دوام کے بعد بھی اپنی مشیت اور ارادے کی طرف رجوع کیا۔ سب اس کی حکمت و عدل ہے۔ وہ ہر اس کام کو کر گزرتا ہے جس کا ارادہ کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے' موت کو چت کبرے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر فرما دیا جائے گا کہ اہل جنت تم ہمیشہ رہو گے اور موت نہیں اور اے جہنم والو تمہارے لیے ہیشگی ہے۔ موت نہیں۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ
اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝۱۰۹ وَلَقَدْ ع
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ
رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۱۰ وَاِنَّ
كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱۱

سو تو ان چیزوں سے شک شبہ میں نہ رہ جنھیں یہ لوگ پوج رہے ہیں۔ ان کی پوجا تو اسی طرح ہے جس طرح ان کے باپ دادوں کی اس سے پہلے تھی' ہم ان سب کو ان کا پورا پورا حصہ بغیر کمی کے دینے والے ہی ہیں ○ یقیناً ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ پھر اس میں اختلاف ڈال دیا گیا' اگر پہلے ہی تیرے رب کی بات صادر نہ ہو گئی ہوئی ہوتی تو یقیناً ان میں فیصلہ کر دیا جاتا' انھیں تو اس میں شبہ سا ہی ہے ○ یہ تو قلق میں ہیں۔ یقیناً ان میں سے ہر ایک جب اسکے روبرو جائے گا' تیرا رب اسے اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا' جو جو وہ کر رہے ہیں' اسے سب خبر ہے ○

مشرکوں کا حشر: ☆☆ (آیت:۱۰۹۔۱۱۱) مشرکوں کے شرک کے باطل ہونے میں ہرگز شبہ تک نہ کرنا۔ ان کے پاس سوائے باپ دادا کی بھونڈی تقلید کے اور دلیل ہی کیا ہے؟ ان کی نیکیاں انہیں دنیا میں ہی مل جائیں گی۔ آخرت میں عذاب ہی عذاب ہوگا۔ جو خیر و شر کے وعدے ہیں' سب پورے ہونے والے ہیں۔ ان کے عذاب کا مقررہ حصہ انہیں ضرور پہنچے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی لیکن لوگوں نے تفرقہ ڈالا۔ کسی نے اقرار کیا تو کسی نے انکار کر دیا۔ پس انہی نبیوں جیسا حال آپ کا بھی ہے۔ کوئی مانے گا' کوئی ٹالے گا۔ چونکہ ہم وقت مقرر کر چکے ہیں' چونکہ ہم بغیر حجت پوری کئے عذاب نہیں کیا کرتے' اس لئے یہ تاخیر ہے ورنہ ابھی انہیں ان کے گناہوں کا مزہ یاد آ جاتا۔ کافروں کو اللہ اور اس کے رسول کی باتیں غلط ہی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا شک و شبہ زائل نہیں ہوتا۔ سب کو اللہ جمع کرے گا اور ان کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس قرآۃ کا بھی معنی اس ہمارے ذکر کردہ معنی کی طرف ہی لوٹتا ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝١١٢ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ
النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝١١٣
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ
يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ ۝١١٤ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١١٥

پس تو جمارہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو تیرے ساتھ توبہ کر چکے ہیں خبردار تم حد سے نہ بڑھنا۔ اللہ تمہارے تمام اعمال کا دیکھنے والا ہے ○ دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی آگ کا لو لگ جائے گا اور اللہ کے سوا اور تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیئے جاؤ گے ○ دن کے دونوں سروں میں نماز برپا رکھ اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی' یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیا کرتی ہیں' یہ ہے نصیحت نصیحت پکڑنے والوں کے لئے ○ تو صبر کرتا رہ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ○

استقامت کی ہدایت: ☆☆ (آیت: ۱۱۲-۱۱۳) استقامت اور سیدھی راہ پر دوام' ہیشگی اور ثابت قدمی کی ہدایت اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور تمام مسلمانوں کو کر رہا ہے۔ یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ ساتھ ہی سرکشی سے روکتا ہے کیونکہ یہی تباہ کرنے والی چیز ہے گو کسی مشرک ہی پر کی گئی ہو۔ پروردگار بندوں کے عمل سے آگاہ ہے۔ مداہنت اور دین کے کاموں میں سستی نہ کرو۔ شرک کی طرف نہ جھکو۔ مشرکین کے اعمال پر رضامندی کا اظہار نہ کرو۔ ظالموں کی طرف نہ جھکو۔ ورنہ آگ تمہیں پکڑ لے گی۔ ظالموں کی طرفداری' ان کے ظلم پر مدد ہے۔ یہ ہرگز نہ کرو۔ اگر ایسا کیا تو کون ہے جو تم سے عذاب الٰہی ہٹائے؟ اور کون ہے جو تمہیں اس سے بچائے۔

اوقات نماز کی نشاندہی: ☆☆ (آیت: ۱۱۴-۱۱۵) ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں' دن کے دونوں سرے سے مراد صبح کی اور مغرب کی نماز ہے۔ قتادہؒ ضحاکؒ وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے سرے سے مراد صبح کی نماز اور دوسرے سے مراد ظہر اور عصر کی نماز۔ رات کی گھڑیوں سے مراد عشاء کی نماز اور بقول مجاہد وغیرہ مغرب و عشا کی۔ نیکیوں کا کرنا گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنن میں ہے' آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' جس مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے' پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے' تو اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا۔ پھر فرمایا' اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے' جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے' جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے۔ تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

مسند میں ہے کہ آپؐ نے پانی منگوایا' وضو کیا' پھر فرمایا' میرے اس وضو کی طرح رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا' جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑا ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے' اس کے صبح سے لے کر اب تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر مغرب کی نماز ادا کرے' تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں' پھر عشا کی نماز سے مغرب سے عشا تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سوتا ہے۔ لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔ پھر صبح اٹھ کر نماز فجر پڑھ لینے سے عشا سے لے کر صبح کی نماز تک کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر

دیتی ہیں۔

صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے مکان کے دروازے پر ہی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہ جائے گا۔ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا ’’بس یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے‘‘ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ’’پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان رمضان تک کا کفارہ ہے جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے‘‘۔ مسند احمد میں ہے ’’ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو مٹا دیتی ہے۔‘‘ بخاری میں ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا۔ پھر حضرت ﷺ سے اپنے اس گناہ کی ندامت ظاہر کی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اس نے کہا، کیا میرے لئے ہی یہ مخصوص ہے؟ آپؐ نے جواب دیا ’’نہیں بلکہ میری ساری امت کے لئے یہی حکم ہے‘‘۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا ’’میں نے باغ میں اس عورت سے سب کچھ کیا، ہاں جماع نہیں کیا۔ اب میں حاضر ہوں۔ جو سزا میرے لئے آپ تجویز فرمائیں، میں برداشت کرلوں گا‘‘۔ حضور ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی۔ اگر یہ بھی اپنے نفس کی پردہ پوشی کرتا۔ آنحضرت ﷺ برابر اسی شخص کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا۔ اسے واپس بلا لاؤ۔ جب وہ آ گیا تو آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس پر حضرت معاذؓ نے دریافت کیا کہ کیا یہ اسی کے لئے ہے‘‘ آپ نے فرمایا ’’نہیں بلکہ سب لوگوں کے لئے ہے۔‘‘

مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ’’اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزیاں تقسیم فرمائی ہیں، اخلاق بھی تقسیم فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے خوش ہو اور اسے بھی جس سے غضبناک ہو۔ لیکن دین صرف انہی کو دیتا ہے جن سے اسے محبت ہو۔ پس جسے دین مل جائے یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے۔ اور بندہ ایماندار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ لوگوں نے پوچھا، ایذائیں کیا کیا؟ فرمایا دھوکہ اور ظلم۔ سنو جو شخص مال حرام کمائے، پھر اس میں سے خرچ کرے، اللہ اسے برکت سے محروم رکھتا ہے۔ اگر وہ اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا۔ اور جتنا کچھ اپنے بعد باقی چھوڑ مرے، وہ سب اس کے لئے آگ دوزخ کا توشہ بنتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔‘‘ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک عورت سودا لینے کے لئے آتی تھی۔ افسوس کہ میں اسے کوٹھڑی میں لے جا کر اس سے بجز جماع کے اور ہر طرح لطف اندوز ہوا۔ اب جو حکم اللہ ہو وہ مجھ پر جاری کیا جائے‘‘۔ آپؓ نے فرمایا، شاید اس کا خاوند غیر حاضر ہوگا؟ اس نے کہا، جی ہاں یہی بات تھی۔ آپؓ نے فرمایا، تم جاؤ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ مسئلہ پوچھو۔ حضرت صدیق اکبر نے بھی یہی سوال کیا۔ پس آپؓ نے بھی حضرت عمر کی طرح فرمایا، پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت بیان کی۔ آپ نے فرمایا، شاید کہ اس کا خاوند اللہ کی راہ میں گیا ہوا ہوگا؟ پس قرآن کریم کی یہ آیت اتری تو وہ کہنے لگا ’’کیا یہ خاص میرے لئے ہی ہے‘‘؟ تو حضرت عمرؓ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، نہیں اس طرح صرف تیری ہی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوسکتیں بلکہ یہ سب لوگوں کے لئے عام ہے‘‘۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرؓ سچے ہیں۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ وہ عورت مجھ سے ایک درہم کی کھجوریں خریدنے آئی تھی تو میں نے اسے کہا کہ اندر کوٹھڑی میں اس سے بہت اچھی کھجوریں ہیں۔ وہ اندر گئی، میں نے بھی اندر جا کر اسے چوم لیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا تو آپؓ نے فرمایا، اللہ سے ڈر اور اپنے نفس پر

پردہ ڈالے رہ۔ لیکن ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے جا کر حضور ﷺ سے واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا، افسوس تو نے ایک غازی مرد کی اس کی غیر حاضری میں ایسی خیانت کی۔ میں نے تو یہ سن کر اپنے آپؐ کو جہنمی سمجھ لیا اور میرے دل میں خیال آنے لگا کہ کاش کہ میرا اسلام اس کے بعد کا ہوتا؟ حضور ﷺ نے ذرا سی دیر اپنی گردن جھکا لی۔ اسی وقت حضرت جبرئیلؑ یہ آیت لے کر اترے۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ کی مقرر کردہ حد مجھ پر جاری کیجئے۔ ایک دو دفعہ اس نے یہ کہا لیکن آپؐ نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ پھر جب نماز کھڑی ہوئی اور آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو نے اچھی طرح وضو کیا؟ اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا بس تو تو ایسا ہی ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ خبردار اب کوئی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت ابوعثمان کا بیان ہے کہ میں حضرت سلمانؓ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ پکڑ کے اسے جھنجھوڑا تو تمام خشک پتے جھڑ گئے۔ پھر فرمایا ''ابوعثمان تم پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا ہاں جناب ارشاد ہو۔ فرمایا۔ اسی طرح میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ پھر فرمایا ''جب بندہ مسلمان اچھی طرح وضو کر کے پانچوں نمازیں ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس خشک شاخ کے پتے جھڑ گئے۔'' پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں برائی اگر کوئی ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کر لو کہ اسے مٹا دے۔ اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے ملا کرو۔ اور حدیث میں ہے ''جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے افضل نیکی ہے۔ ابویعلی میں ہے، دن رات کے جس وقت میں کوئی لا الہ الا اللہ پڑھے، اس کے نامہ اعمال میں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں یہاں تک کہ ان کی جگہ ویسی ہی نیکیاں ہو جاتی ہیں''۔ اس کے راوی عثمان ضعف ہے۔ بزار میں ہے، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضور ﷺ میں نے کوئی خواہش ایسی نہیں چھوڑی جسے پوری نہ کی ہو۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تو اللہ کے ایک ہونے کی اور میری رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو آپؐ نے فرمایا، بس یہ ان سب پر غالب رہے گی۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ
عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ
وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿١١٧﴾
وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ
مُخْتَلِفِيْنَ ﴿١١٨﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ
كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١١٩﴾

پس کیوں نہ ہوئے تم سے اگلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے باہوش ذی اثر لوگ جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے بجز ان چند کے جنھیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی، ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انھیں آسودگی دی گئی تھی۔ وہ تھے ہی گنہگار ○ تیرا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کرے، اور وہاں کے لوگ نیک کار ○ اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر ایک گروہ کر دیتا وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے ○ بجز ان کے جن پر

تیرا رب رحم فرمائے' انھیں تو اسی لئے پیدا کیا ہے' تیرے رب کی یہ بات پوری ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے پر کروں گا ○

نیکی کی دعوت دینے والے چند لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۱۶-۱۱۷) یعنی سوائے چند لوگوں کے ہم گذشتہ زمانے کے لوگوں میں ایسے کیوں نہیں پاتے جو شریوں اور منکروں کو برائیوں سے روکتے رہیں- یہی وہ ہیں جنہیں ہم اپنے عذاب سے بچا لیا کرتے ہیں- اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت میں ایسی جماعت کی موجودگی کا قطعی اور فرضی حکم دیا- فرمایا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الخ' بھلائی اور نیکی کی دعوت دینے والی ایک جماعت تم میں ہر وقت موجود رہنی چاہیے- الخ' ظالموں کا شیوہ یہی ہے کہ وہ اپنی بد عادتوں سے باز نہیں آتے- نیک علماء کے فرمان کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے یہاں تک کہ اللہ کے عذاب ان کی بے خبری میں ان پر مسلط ہو جاتے ہیں- بھلی بستیوں پر اللہ کی طرف سے ازراہ ظلم عذاب کبھی آتے ہی نہیں- ہم ظلم سے پاک ہیں لیکن خود ہی وہ اپنی جانوں پر مظالم کرنے لگتے ہیں-

جس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہو: ☆☆ (آیت: ۱۱۸-۱۱۹) اللہ کی قدرت کسی کام سے عاجز نہیں- وہ چاہے تو سب کو ہی اسلام یا کفر پر جمع کر دے- لیکن اس کی حکمت ہے جو انسانی رائے' ان کے دین و مذاہب جدا جدا' برابر جاری و ساری ہیں- طریقے مختلف' مالی حالات جداگانہ ایک ایک کے ماتحت یہاں مراد دین و مذہب کا اختلاف ہے- جن پر اللہ کا رحم ہو جائے' وہ رسولوں کی تابعداری' رب تعالیٰ کی حکم برداری میں برابر لگے رہتے ہیں- اب وہ نبی آخر الزماں ﷺ کے مطیع ہیں- اور یہی نجات پانے والے ہیں- چنانچہ مسند و سنن میں حدیث ہے' جس کی ہر سند دوسری سند کو تقویت پہنچا رہی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر گروہ ہوئے- نصاری بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے' اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے- سب جہنمی ہیں' سوائے ایک جماعت کے- صحابہؓ نے پوچھا ''یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں'' آپؐ نے جواب دیا' وہ جو اس پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحابؓ (مستدرک حاکم) بقول عطا مُخْتَلِفِيْنَ سے مراد یہودی' نصرانی' مجوسی ہیں اور اللہ کے رحم والی جماعت سے مراد یک طرفہ دین اسلام کے مطیع لوگ ہیں-

قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہی جماعت ہے گو ان کے وطن اور بدن جدا ہوں- اور اہل معصیت فرقت و اختلاف والے ہیں گو ان کے وطن اور بدن ایک ہی جا جمع ہوں- قدرتی طور پر ان کی پیدائش ہی اسی لئے ہے- شقی و سعید کی ازلی تقسیم ہے- یہ بھی مطلب ہے کہ رحمت حاصل کرنے والی یہ جماعت بالخصوص اسی لئے ہے- حضرت طاؤسؒ کے پاس دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے اور آپس کے اختلاف میں بہت بڑھ گئے تو آپؒ نے فرمایا کہ تم نے جھگڑا اور اختلاف کیا- اس پر ایک شخص نے کہا' اسی لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں- آپ نے فرمایا' غلط ہے- اس نے اپنے ثبوت میں اسی آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا' اس لئے نہیں پیدا کیا کہ آپس میں اختلاف کریں' بلکہ پیدائش تو جمع کے لئے اور رحمت حاصل کرنے کے لئے ہوئی ہے جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رحمت کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ عذاب کے لئے- اور آیت میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں نے جنوں و رانسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے- تیسرا قول یہ بھی ہے کہ رحمت اور اختلاف کے لئے پیدا کیا ہے- چنانچہ مالک اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک فرقہ جنتی اور ایک جہنمی- انہیں رحمت حاصل کرنے اور انہیں اختلاف میں مصروف رہنے کے لئے پیدا کیا ہے- تیرے رب کا یہ فیصلہ ناطق ہے کہ اس کی مخلوق میں ان دونوں اقسام کے لوگ ہوں گے- اور ان دونوں سے جنت دوزخ پر کئے جائیں گے- اس کی کامل حکمتوں کو وہی جانتا ہے-

بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت دوزخ دونوں میں آپس میں گفتگو ہوئی- جنت نے کہا' مجھ میں تو صرف ضعیف اور کمزور لوگ ہی داخل ہوتے ہیں- اور جہنم نے کہا' میں تکبر اور ظلم کرنے والوں کے ساتھ مخصوص کی گئی ہوں- اس پر اللہ تعالیٰ عز و جل

نے جنت سے فرمایا' تو میری رحمت ہے' جسے میں چاہوں اسے تجھ سے نوازوں گا۔ اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے جس سے میں چاہوں۔ تیرے عذاب کے ذریعے اس سے انتقام لوں گا۔ تم دونوں پر ہو جاؤ گی۔ جنت میں تو برابر زیادتی رہے گی یہاں تک کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا اور اسے اس میں بسائے گا اور جہنم بھی برابر زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اس پر اللہ رب العزت اپنا قدم رکھ دے گا تب وہ کہے گی تیری عزت کی قسم اب بس ہے۔ بس ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ
وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾
وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا
عٰمِلُوْنَ ﴿١٢١﴾ۙ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا
رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٣﴾ۧ ع ١٤ ١٠

رسولوں کے سب احوال ہم تیرے سامنے دل کی تسکین کے لئے بیان فرما رہے ہیں۔ تیرے پاس اس صورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لئے ○ ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دے کہ تم اپنے طور پر عمل کئے جاؤ۔ ہم بھی عمل میں مشغول ہیں ○ اور تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی منتظر ہیں ○ زمینوں اور آسمانوں کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ تمام کاموں کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے۔ پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے' تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ○

ذکر ماضی تمہارے لیے سامان سکون: ☆☆ (آیت:۱۲۰) پہلی امتوں کا اپنے نبیوں کو جھٹلانا' نبیوں کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا' آخر اللہ کے عذاب کا آنا' کافروں کا برباد ہونا' نبیوں رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا' یہ سب واقعات ہم تجھے سنا رہے ہیں۔ تاکہ تیرے دل کو ہم اور مضبوط کر دیں اور تجھے کامل سکون حاصل ہو جائے۔ اس سورت میں بھی حق تجھ پر واضح ہو چکا۔ کہ اس دنیا میں بھی تیرے سامنے سچے واقعات بیان ہو چکے۔ یہ عبرت ہے کفار کے لئے اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے کہ وہ اس سے نفع حاصل کریں۔

(آیت:۱۲۱۔۱۲۲) بطور دھمکانے' ڈرانے اور ہوشیار کرنے کے ان کافروں سے کہہ دو کہ اچھا تم اپنے طریقے سے نہیں ہٹتے تو نہ ہٹو۔ ہم بھی اپنے طریقے پر کاربند ہیں۔ تم منتظر رہو کہ آخر انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم بھی اسی انجام کی راہ دیکھتے ہیں۔ فالحمدللہ دنیا نے ان کافروں کا انجام دیکھ لیا اور ان مسلمانوں کا بھی جو اللہ کے فضل وکرم سے دنیا پر چھا گئے۔ مخالفین پر کامیابی کے ساتھ غلبہ حاصل کر لیا۔ دنیا کو مٹھی میں لے لیا۔ فللہ الحمد۔

(آیت:۱۲۳) آسمان وزمین کے ہر غیب کو جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ عزوجل ہی ہے۔ اسی کی سب کو عبادت کرنی چاہئے۔ اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ جو بھی اس پر بھروسہ رکھے' وہ اس کے لئے کافی ہے۔ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات کا خاتمہ بھی انہی آیتوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔

الحمدللہ سورہ ہود کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورہ یوسف

اس سورت کی فضیلت میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ اپنے ماتحتوں کو سورہ یوسف سکھاؤ۔ جو مسلمان اسے پڑھے یا اسے اپنے گھر والوں کو سکھائے یا اپنے ماتحت لوگوں کو سکھائے، اس پر اللہ تعالیٰ سکرات موت آسان کرتا ہے اور اسے اتنی قوت بخشتا ہے کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے۔ لیکن اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔ اس کا ایک متابع ابن عساکر میں ہے لیکن اس کی بھی تمام سندیں منکر ہیں۔ امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب دلائل النبوۃ میں ہے کہ جب یہودیوں نے یہ سورت سنی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ ان کے ہاں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان تھا۔ یہ روایت کلبی کی ابو صالح سے اور ان کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا
لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ② نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ
اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ
الۡغٰفِلِیۡنَ ③

یہ ہیں روشن کتاب کی آیتیں ○ یقیناً ہم نے آپ اس عربی قرآن کو نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ سکو ○ ہم آپ تیرے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں۔ تیری جانب اس قرآن کو اپنی وحی کے ساتھ نازل فرمانے سے۔ یقیناً تو اس سے پہلے بے خبروں میں تھا ○

تعارف قرآن بزبان اللہ الرحمان: ☆☆ (آیت: ۱-۳) سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں حروف مقطعات کی بحث گزر چکی ہے۔ اس کتاب یعنی قرآن شریف کی یہ آیتیں بہت واضح، کھلی ہوئی اور خوب صاف ہیں۔ مبہم چیزوں کی حقیقت کھول دیتی ہیں یہاں پر تلک معنی میں ھذا کے ہے۔ چونکہ عربی زبان نہایت کامل اور مقصد کو پوری طرح واضح کر دینے والی اور وسعت و کثرت والی ہے، اس لئے یہ پاکیزہ تر کتاب اس بہترین زبان میں، افضل تر رسولؐ پر، فرشتوں کے سردار فرشتے کی سفارت میں، تمام روئے زمین کے بہتر مقام میں، وقتوں میں بہترین وقت میں، نازل ہو کر ہر اک طرح کے کمال کو پہنچی تا کہ تم ہر طرح سوچ سمجھ سکو اور اسے جان لو۔ ہم بہترین قصہ بیان فرماتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اگر کوئی واقعہ بیان فرماتے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ ایک زمانے تک قرآن کریم نازل ہوتا گیا اور آپؐ صحابہؓ کے سامنے تلاوت فرماتے رہے پھر انہوں نے کہا، حضور کوئی واقعہ بھی بیان ہو جاتا تو؟ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ پھر کچھ وقت کے بعد کہا کاش کہ آپؐ کوئی بات بیان فرماتے۔ اس پر آیت اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ اتری اور بات بیان ہوئی۔ روش کلام کا ایک ہی انداز دیکھ کر صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ بات سے اوپر کی اور قرآن سے نیچے کی کوئی چیز ہوتی یعنی واقعہ، اس پر یہ آیتیں اتریں۔ پھر انہوں نے حدیث کی خواہش کی اس پر آیت اَللّٰہُ نَزَّلَ الخ اتری۔

پس قصے کے ارادے پر بہترین قصہ اور بات کے ارادے پر بہترین بات نازل ہوئی۔ اس جگہ جہاں کہ قرآن کریم کی تعریف ہو رہی ہے اور یہ بیان ہے کہ یہ قرآن اور سب کتابوں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔ مناسب ہے کہ ہم مسند احمد کی اس حدیث کو بھی بیان کر

دیں جس میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کسی اہل کتاب سے ایک کتاب ہاتھ لگ گئی تھی۔ اسے لے کر آپؓ حاضر حضور ہوئے اور آپؐ کے سامنے اسے سنانے لگے۔ آپ سخت غضب ناک ہو گئے اور فرمانے لگے اے خطاب کے لڑکے' کیا تم اس میں مشغول ہو کر بہک جانا چاہتے ہو؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اس کو نہایت روشن اور واضح طور پر لے کر آیا ہوں۔ تم ان اہل کتاب سے کوئی بات نہ پوچھو۔ ممکن ہے کہ وہ صحیح جواب دیں اور تم اسے جھٹلا دو اور ہو سکتا ہے کہ وہ غلط جواب دیں اور تم اسے سچا سمجھ لو۔ سنو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر آج خود حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی سوائے میری تابعداری کے کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے آپؐ سے کہا کہ بنو قریضہ قبیلہ کے میرے ایک دوست نے تورات میں سے چند جامع باتیں مجھے لکھ دی ہیں۔ تو کیا میں انہیں آپ کو سناؤں؟ آپؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ اے عمرؓ کیا تم حضور ﷺ کے چہرے کو نہیں دیکھ رہے؟ اب حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑی تو آپؓ کہنے لگے' ہم اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر دل سے رضامند ہیں۔ تب آپؐ کے چہرہ سے غصہ دور ہوا اور فرمایا' اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر تم میں خود حضرت موسیٰ ہوتے' پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع میں لگ جاتے تو تم سب گمراہ ہو جاتے۔ امتوں میں سے میرا حصہ تم ہو اور نبیوں میں سے تمہارا حصہ میں ہوں۔

ابو یعلی میں ہے کہ سوس کا رہنے والا قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپؓ نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام فلاں فلاں ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں پوچھا تو سوس میں مقیم ہے؟ اس نے کہا ہاں تو آپؓ کے ہاتھ میں جو خوشہ تھا' اسے مارا۔ اس نے کہا امیر المومنین میرا کیا قصور ہے؟ آپؓ نے فرمایا' بیٹھ جا۔ میں بتاتا ہوں۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اسی سورت کی آیتیں لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ تک پڑھیں۔ تین مرتبہ ان آیتوں کی تلاوت کی اور تین مرتبہ اسے مارا۔ اس نے پھر پوچھا کہ امیر المومنین میرا قصور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے دانیال کی کتاب لکھی ہے۔ اس نے کہا' پھر جو آپ فرمائیں۔ میں کرنے کو تیار ہوں' آپؓ نے فرمایا جا اور گرم پانی اور سفید روئی سے اسے بالکل مٹا دے۔ خبردار آج کے بعد سے نہ اسے خود پڑھنا نہ کسی اور کو پڑھانا۔ اب اگر میں نے اس کے خلاف سنا کہ تو نے خود اسے پڑھا یا کسی کو پڑھایا تو ایسی سخت سزا کروں گا کہ عبرت بنے۔ پھر فرمایا' بیٹھ جا ایک بات سنتا جا۔ میں نے جا کر اہل کتاب کی ایک کتاب لکھی۔ پھر اسے چمڑے میں لئے ہوئے حضور علیہ السلام کے پاس آیا۔ آپؐ نے مجھ سے پوچھا' تیرے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ایک کتاب ہے کہ ہم علم میں بڑھ جائیں۔ اس پر آپؐ اس قدر ناراض ہوئے کہ غصے کی وجہ سے آپ کے رخسار پر سرخی نمودار ہو گئی۔ پھر منادی کی گئی کہ نماز جمع کرنے والی ہے۔ اسی وقت انصار نے ہتھیار سنبھال لئے کہ کسی نے حضور ﷺ کو ناراض کر دیا ہے اور منبر نبویؐ کے چاروں طرف وہ لوگ ہتھیار بند بیٹھ گئے۔ اب آپؐ نے فرمایا' لوگو میں جامع کلمات دیا گیا ہوں اور کلمات کے خاتم دیا گیا ہوں اور پھر میرے لئے بہت ہی اختصار کیا گیا ہے میں اللہ کے دین کی باتیں بہت سفید اور نمایاں لایا ہوں۔ خبردار تم بہک نہ جانا۔ گہرائی میں اترنے والے کہیں تمہیں بہکا نہ دیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے میں تو یا رسول اللہ' اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر آپ کے رسول ﷺ ہونے پر دل سے راضی ہوں۔ اب حضور ﷺ منبر سے اترے۔ اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کو محدثین ضعیف کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ ان کی حدیث کو صحیح نہیں لکھتے۔ میں کہتا ہوں اس کا ایک شاہد اور سند سے حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی لائے ہیں کہ خلافت فاروقی کے زمانے میں آپ نے حمص کے چند آدمی بلائے۔ ان میں دو شخص وہ تھے جنہوں نے یہودیوں سے چند باتیں منتخب کر کے لکھ لی تھیں۔ وہ اس مجموعے کو بھی اپنے ساتھ لائے تا کہ حضرت عمرؓ سے دریافت کر لیں۔ اگر آپ نے اجازت دی تو ہم اس میں اسی جیسی اور

باتیں بھی بڑھالیں گے ورنہ اسے بھی پھینک دیں گے۔ یہاں آ کر انہوں نے کہا کہ ’’امیر المومنین یہودیوں سے ہم بعض ایسی باتیں سنتے ہیں کہ جن سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو کیا وہ باتیں ان سے لے لیں یا بالکل ہی نہ لیں؟‘‘ آپؓ نے فرمایا‘ شاید تم نے ان کی کچھ باتیں لکھ رکھی ہیں؟ سنو! میں اس میں فیصلہ کن واقعہ سناؤں۔ میں حضور ﷺ کے کے زمانے میں خیبر گیا۔ وہاں کے ایک یہودی کی باتیں مجھے بہت پسند آئیں۔ میں نے اس سے درخواست کی اور اس نے وہ باتیں مجھے لکھ دیں۔ میں نے واپس آ کر حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ وہ لے کر آؤ۔ میں خوشی خوشی چلا کہ شاید حضور ﷺ کو میرا یہ کام پسند آ گیا۔ لا کر میں نے اس کا پڑھنا شروع کیا۔ اب جو ذرا سی دیر کے بعد میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حضور ﷺ تو سخت ناراض ہیں۔ میری زبان سے تو ایک حرف بھی نہ نکلا اور مارے خوف کے میرا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ میری یہ حالت دیکھ کر اب آپ نے ان تحریروں کو اٹھا لیا اور ان کا ایک ایک حرف مٹانا شروع کیا اور زبان مبارک سے ارشاد فرماتے جاتے تھے کہ دیکھو خبردار ان کی نہ ماننا۔ یہ تو گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے ہیں اور یہ تو دوسروں کو بھی بہکا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس ساری تحریر کا ایک حرف بھی باقی نہ رکھا۔ یہ سنا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے بھی ان کی باتیں لکھی ہوئی ہوتیں تو میں تمہیں ایسی سزا کرتا جو اوروں کے لئے عبرت ہو جائے۔ انہوں نے کہا واللہ ہم ہرگز ایک حرف بھی نہ لکھیں گے۔ باہر آتے ہی جنگل میں جا کر انہوں نے اپنی وہ تختیاں گڑھا کھود کر دفن کر دیں۔ مراسیل ابی داؤد میں بھی حضرت عمرؓ سے ایسی ہی روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴

جب کہ یوسف نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جی میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو دیکھا اور دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں ○

بہترین قصہ حضرت یوسف علیہ السلام: ☆☆ (آیت:۴) حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ’’کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ (بخاری) آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا کہ سب لوگوں میں زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا‘ جس کے دل میں اللہ کا ڈر سب سے زیادہ ہو۔ انہوں نے کہا‘ ہمارا مقصود ایسا عام جواب نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا‘ پھر سب لوگوں میں زیادہ بزرگ حضرت یوسف ہیں جو خود نبی تھے‘ جن کے والد نبی تھے‘ جن کے دادا نبی تھے‘ جن کے پردادا نبی اللہ اور خلیل اللہ تھے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ آپؐ نے فرمایا‘ پھر کیا تم عرب کے قبیلوں کی نسبت یہ سوال کرتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا سنو جاہلیت کے زمانے میں جو ممتاز اور شریف تھے‘ وہ اسلام لانے کے بعد بھی ویسے ہی شریف ہیں‘ جب کہ انہوں نے دینی سمجھ حاصل کر لی ہو (بخاری) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں‘ نبیوں کے خواب اللہ کی وحی ہوتے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں۔ اور سورج چاند سے مراد آپ کے والد اور والدہ ہیں۔ اس خواب کی تعبیر خواب دیکھنے کے چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ بعض کہتے ہیں‘ اسی برس کے بعد ظاہر ہوئی۔ جب کہ آپ نے اپنے ماں باپ کو تخت شاہی پر بٹھایا۔ اور گیارہ بھائی آپؐ کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ میرے مہربان باپ‘ یہ دیکھئے آج اللہ تعالیٰ نے میرے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ بستانہ نامی یہودیوں کا ایک زبردست عالم تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان گیارہ ستاروں کے نام دریافت کئے۔ آپؐ خاموش رہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہو کر آپ کو نام بتائے۔ آپؐ نے اسے بلوایا اور فرمایا‘ اگر میں تجھے ان کے نام بتا دوں تو مسلمان

ہو جائے گا؟ اس نے اقرار کیا تو آپؐ نے فرمایا' سنوان کے نام یہ ہیں۔ جریان۔ طارق۔ ذیال۔ ذوالکتفین۔ قابل۔ وثاب۔ عمودان۔ فلیق۔ مصبح۔ فروح۔ فرغ۔ یہودی نے کہا' ہاں ہاں اللہ کی قسم ان ستاروں کے یہی نام ہیں۔ (ابن جریر) یہ روایت دلائل بیہقی میں اور ابویعلی بزار اور ابن ابی حاتم میں بھی ہے۔ ابویعلی میں یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ خواب اپنے والد صاحب سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''یہ سچا خواب ہے۔ یہ پورا ہو کر رہے گا۔'' آپؐ فرماتے ہیں' سورج سے مراد باپ ہیں اور چاند سے مراد ماں ہیں۔ لیکن اس روایت کی سند میں حکم بن ظہیر فزاری منفرد ہیں جنہیں بعض اماموں نے ضعیف کہا ہے اور اکثر نے انہیں متروک کر رکھا ہے۔ یہی حسن یوسف کی روایت کے راوی ہیں۔ انہیں چاروں ہی ضعیف کہتے ہیں۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

یعقوب نے کہا پیارے بچے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں' شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے ○

یعقوب علیہ السلام کی تعبیر اور ہدایات : ☆☆ (آیت:۵) حضرت یوسفؑ کا یہ خواب سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تاکید کر دی کہ اسے بھائیوں کے سامنے نہ دہرانا کیونکہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اور بھائی آپ کے سامنے پست ہوں گے یہاں تک کہ وہ آپ کی عزت و تعظیم کے لئے آپ کے سامنے اپنی بہت ہی لاچاری اور عاجزی ظاہر کریں۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ اس خواب کو سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر شیطان کے بہکاوے میں آ کر ابھی سے وہ تمہاری دشمنی میں لگ جائیں۔ اور حسد کی وجہ سے کوئی نا معقول طریق کار کرنے لگیں اور کسی حیلے سے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں' تم لوگ کوئی اچھا خواب دیکھو تو خیر اسے بیان کر دو۔ اور جو شخص کوئی ایسا برا خواب دیکھے تو جس کروٹ پر ہو' وہ کروٹ بدل دے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے اور اس کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔ اس صورت میں اسے وہ خواب کوئی نقصان نہ دے گا۔ مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' خواب کی تعبیر جب تک نہ لی جائے وہ گویا پرند کے پاؤں پر ہے۔ ہاں جب اس کی تعبیر بیان ہو گئی' پھر وہ ہو جاتا ہے۔ اسی سے یہ حکم بھی لیا جا سکتا ہے کہ نعمت کو چھپانا چاہئے جب تک کہ وہ از خود اچھی طرح حاصل نہ ہو جائے اور ظاہر نہ ہو جائے جیسے کہ ایک حدیث میں ہے۔ ضرورتوں کے پورا کرنے پر ان کے چھپانے سے بھی مدد لیا کرو کیونکہ ہر وہ شخص جسے کوئی نعمت ملے' لوگ اس کے حسد کے درپے ہو جاتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ
وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى
اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ ع۶ ۱۱
لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۷ اِذْ قَالُوْا
لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ۝٨

اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھے تیرا پروردگار اور تجھے باتوں کی کل بٹھانی بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا اور یعقوب کے گھر والوں کو بھی جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دو دادوں یعنی ابراہیم واسحاق کو بھی بھرپور اپنی نعمت دی' یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمتوں والا ہے ○ یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لئے بڑے بڑے نشان ہیں ○ جب کہ انھوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی بہ نسبت ہمارے باپ کو بہت زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم طاقت ور جماعت ہیں' کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں ○

بشارت اور نصیحت بھی: ☆☆ (آیت:۶) حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت یوسف علیہ السلام کو انہیں ملنے والے مرتبوں کی خبر دیتے ہیں کہ جس طرح خواب میں اس نے تمہیں یہ فضیلت دکھائی اسی طرح وہ تمہیں بلند مرتبہ نبوت کا بھی عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں خواب کی تعبیر سکھا دے گا۔ اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دے گا یعنی نبوت۔ جیسے کہ اس سے پہلے وہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی عطا فرما چکا ہے جو تمہارے دادا اور پردادا تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے کہ نبوت کے لائق کون ہے؟

یوسف علیہ السلام کے خاندان کا تعارف: ☆☆ (آیت:۷-۸) فی الواقع حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے واقعات اس قابل ہیں کہ ان کا دریافت کرنے والا ان سے بہت سی عبرتیں حاصل کر سکے اور نصیحتیں لے سکے۔ حضرت یوسف کے ایک ہی ماں سے دوسرے بھائی بنیامین تھے باقی سب بھائی دوسری ماں سے تھے یہ سب آپس میں کہتے ہیں کہ واللہ ابا جان ہم سے زیادہ ان دونوں کو چاہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ہم پر جو جماعت ہیں ان کو ترجیح دیتے ہیں جو صرف دو ہیں۔ یقیناً یہ تو والد صاحب کی صریح غلطی ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر دراصل کوئی دلیل نہیں۔ اور اس آیت کا طرز بیان تو بالکل اس کے خلاف پر ہے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد انہیں نبوت ملی لیکن یہ چیز بھی محتاج دلیل ہے اور دلیل میں آیت قرآنی قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا میں سے لفظ اسباط پیش کرنا بھی احتمال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ بطون بنی اسرائیل کو اسباط کہا جاتا ہے جیسے کہ عرب کو قبائل کہا جاتا ہے اور عجم کو شعوب کہا جاتا ہے پس آیت میں صرف اتنا ہی ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط پر وحی الٰہی نازل ہوئی انہیں اس لئے اجمالاً ذکر کیا گیا کہ یہ بہت تھے لیکن ہر سبط برادران یوسف میں سے ایک کی نسل تھی۔ پس اس کی کوئی دلیل نہیں کہ خاص ان بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے خلعت نبوت سے نوازا تھا واللہ اعلم۔

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ
وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝٩ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ
لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ
بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝١٠

یوسف کو تو مار ہی ڈالو یا اسے کسی نامعلوم جگہ پہنچا دو کہ تمہارے والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہی ہو جائے اس کے بعد تم صلاحیت والے ہو جانا ○ ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی گمنام کنویں کی تہہ میں ڈال آؤ کہ اسے کوئی راہ قافلہ اٹھا لے جائے اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو ○

(آیت:۹-۱۰) پھر آپس میں کہتے ہیں ایک کام کرو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری یوسف کا پتا ہی کاٹو۔ نہ یہ ہو نہ ہماری راہ کا کانٹا بنے۔ ہم ہی ہم نظر آئیں اور ابا کی محبت صرف ہمارے ہی ساتھ رہے۔ اب اسے باپ سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں یا تو اسے مار

ہی ڈالو- یا کہیں ایسی دور دراز جگہ پھینک آ ؤ کہ ایک کی دوسرے کو خبر ہی نہ ہو- اور یہ واردات کر کے پھر نیک بن جانا توبہ کر لینا اللہ معاف کرنے والا ہے-

یہ سن کر ایک نے مشورہ دیا جو سب سے بڑا تھا اور اس کا نام روبیل تھا- کوئی کہتا ہے یہودا تھا کوئی کہتا ہے شمعون تھا- اس نے کہا بھئی یہ تو ناانصافی ہے بے وجہ' بے قصور صرف عداوت میں آ کر خون ناحق گردن پر لینا تو ٹھیک نہیں یہ بھی کچھ اللہ کی حکمت تھی رب کو منظور ہی نہ تھا ان میں قتل یوسف کی قوت ہی نہ تھی- منظور رب تو یہ تھا کہ یوسف کو نبی بنائے' بادشاہ بنائے اور انہیں عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا کرے پس ان کے دل روبیل کی رائے سے نرم ہو گئے اور طے ہوا کہ اسے کسی غیر آباد کنویں کی تہ میں پھینک دیں قتادہ کہتے ہیں یہ بیت المقدس کا کنواں تھا انہیں یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے مسافر وہاں سے گزریں اور وہ اسے اپنے قافلے میں لے جائیں پھر کہاں یہ اور کہاں ہم؟ جب گڑ دیئے کام نکلتا ہو تو زہر کیوں دو؟ بغیر قتل کئے مقصود حاصل ہوتا ہے تو کیوں ہاتھ خون آلود کرو ان کے گناہ کا تصور تو کرو یہ رشتے داری کے توڑنے' باپ کی نافرمانی کرنے' چھوٹے پر ظلم کرنے' بے گناہ کو نقصان پہنچانے' بڑے بوڑھے کو ستانے اور حقدار کا حق کاٹنے' حرمت وفضیلت کا خلاف کرنے' بزرگی کو ٹالنے اور اپنے باپ کو دکھ پہنچانے' اور اسے اس کے کلیجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے سکھ سے ہمیشہ کے لئے دور کرنے اور بوڑھے باپ' اللہ کے لاڈلے پیغمبرؑ کو اس بڑھاپے میں ناقابل برداشت صدمہ پہنچانے اور اس بے سمجھ بچے کو اپنے مہربان باپ کی پیار بھری نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل کرنے کے درپے ہیں- اللہ کے دونبیوں کو دکھ دینا چاہتے ہیں' محبوب ومحب میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں' سکھ کی جانوں کو دکھ میں ڈالنا چاہتے ہیں- پھول سے نازک بے زبان بچے کو اس کے مشفق مہربان بوڑھے باپ کی نرم وگرم گودی سے الگ کرتے ہیں- اللہ انہیں بخشے آہ شیطان نے کیسی الٹی پڑھائی ہے- اور انہوں نے بھی کیسی بدی پر کمر باندھی ہے-

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝١١
اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝١٢ قَالَ اِنِّيْ
لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ
غٰفِلُوْنَ ۝١٣ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ۝١٤

کہنے لگے کہ ابا آخر آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے؟ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں ○ کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے اس کی حفاظت کے ہم ذمے دار ہیں ○ کہا اسے تمہارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ کہیں تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے ○ انھوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی زور آور جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو تو ہم بالکل عاجز ہی ہوئے ○

بڑے بھائی کی رائے پر اتفاق : ☆☆ (آیت:۱۱-۱۲) بڑے بھائی روبیل کے سمجھانے پر سب بھائیوں نے اس رائے پر اتفاق کر لیا کہ یوسف کو لے جائیں اور کسی غیر آباد کنویں میں ڈال آئیں- اس کے طے کرنے کے بعد باپ کو دھوکہ دینے اور بھائی کو پھسلا کر لے جانے اور اس پر آفت ڈھانے کے لئے سب مل کر باپ کے پاس آئے- باوجودیکہ تھے بداندیش بدخواہ برا چاہنے والے لیکن باپ کو اپنی

باتوں میں پھنسانے کے لئے اور اپنی گہری سازش میں انہیں الجھانے کے لئے پہلے ہی جال بچھاتے ہیں کہ ابا جی آخر کیا بات ہے جو آپ ہمیں یوسف کے بارے میں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں اس کی خیر خواہی ہم سے زیادہ کون کر سکتا ہے؟- یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ کی دوسری قرات نرتع و نلعب بھی ہے- باپ سے کہتے ہیں کہ بھائی یوسف کو کل ہمارے ساتھ سیر کے لئے بھیجئے- ان کا جی خوش ہوگا دو گھڑی کھیل کود لیں گے، ہنس بول لیں گے، آزادی سے چل پھر لیں گے- آپ بے فکر رہئے، ہم سب اس کی پوری حفاظت کریں گے- ہر وقت دیکھ بھال رکھیں گے- آپ ہم پر اعتماد کیجئے ہم اس کے نگہبان ہیں-

انجانے خطرے کا اظہار: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۴) نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کی اس طلب کا کہ بھائی یوسف کو ہمارے ساتھ سیر کے لئے بھیجئے جواب دیتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہے مجھے اس سے بہت محبت ہے تم اسے لے جاؤ گے، مجھ پر اس کی اتنی دیر کی جدائی بھی شاق گزرے گی- حضرت یعقوب کی اس بڑھی ہوئی محبت کی وجہ یہ تھی کہ آپ حضرت یوسف کے چہرے پر خیر کے نشان دیکھ رہے تھے- نبوت کا نور پیشانی سے ظاہر تھا- اخلاق کی پاکیزگی ایک ایک بات سے عیاں تھی صورت کی خوبی، سیرت کی اچھائی کا بیان تھی اللہ کی طرف سے دونوں باپ بیٹوں پر صلوۃ وسلام ہو- دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ممکن ہے تم اپنی بکریوں کے چرانے چگانے اور دوسرے کاموں میں مشغول رہو اور اللہ نہ کرے کوئی بھیڑیا آ کر اس کا کام تمام کر جائے- اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے- آہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسی بات کو انہوں نے لے لیا اور دماغ میں بسا لیا کہ یہی ٹھیک عذر ہے، یوسف کو الگ کر کے ابا کے سامنے یہی گھڑنت گھڑ دیں گے- اسی وقت بات بنائی اور جواب دیا کہ ابا آپ نے کیا خوب سوچا ہماری جماعت کی جماعت قوی اور طاقتور موجود ہو اور ہمارے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے؟ بالکل ناممکن- اگر ایسا ہو جائے تو پھر تو ہم سب بے کار نکمے عاجز نقصان والے ہی ہوئے-

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ
اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١٥

پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ اسے غیر آباد گہرے کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں، ہم نے یوسف کی طرف وحی کی کہ یقیناً وقت آ رہا ہے کہ تو انہیں اس ماجرے کی خبر اس حال میں دے کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں ○

بھائی اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گئے: ☆☆ (آیت:۱۵) سمجھا بجھا کر بھائیوں نے باپ کو راضی کر ہی لیا- اور حضرت یوسف کو لے کر چلے جنگل میں جا کر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یوسف علیہ السلام کو کسی غیر آباد کنوئیں کی تہ میں ڈال دیں- حالانکہ باپ سے یہ کہہ کر لے گئے تھے کہ اس کا جی بہلے گا، ہم اسے عزت کے ساتھ لے جائیں گے- ہر طرح خوش رکھیں گے- اس کا جی بہل جائے گا اور یہ راضی خوشی رہے گا- یہاں آتے ہی غداری شروع کر دی اور لطف یہ ہے کہ سب نے ایک ساتھ دل سخت کر لیا- باپ نے ان کی باتوں میں آ کر اپنے لخت جگر کو ان کے سپرد کر دیا جاتے ہوئے سینے سے لگا کر پیار پچکار کر دعائیں دے کر رخصت کیا- باپ کی آنکھوں سے ہٹتے ہی ان سب نے بھائی کو ایذائیں دینی شروع کر دیں، برا بھلا کہنے لگے اور چانٹا چٹول سے بھی باز نہ رہے- مارتے پیٹتے، برا بھلا کہتے، اس کنوئیں کے پاس پہنچے اور ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑ کر کنوئیں میں گرانا چاہا- آپ ایک ایک کے دامن سے چمٹتے ہیں اور ایک ایک سے رحم کی درخواست کرتے ہیں لیکن ہر ایک جھڑک دیتا ہے اور دھکا دے کر مار پیٹ کر ہٹا دیتا ہے مایوس ہو گئے سب نے مل کر مضبوط باندھا اور کنوئیں میں لٹکا دیا آپ نے کنوئیں کا کنارہ ہاتھ سے تھام لیا لیکن بھائیوں نے انگلیوں پر مار مار کر اسے بھی ہاتھ سے چھڑا لیا آدھی دور آپؑ پہنچے ہوں گے کہ

انہوں نے رسی کاٹ دی آپؑ تہ میں جا گرے، کنویں کے درمیان میں ایک پتھر تھا جس پر آپؑ آ کر کھڑے ہو گئے۔ عین اس مصیبت کے وقت عین اس سختی اور تنگی کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی جانب وحی کی کہ آپؑ کا دل مطمئن ہو جائے آپؑ صبر و برداشت سے کام لیں اور انجام کا آپؑ کو علم ہو جائے۔ وحی میں فرمایا گیا کہ غمگین نہ ہو یہ نہ سمجھ کہ یہ مصیبت دور نہ ہو گی۔ سن اللہ تعالیٰ تجھے اس سختی کے بعد آسانی دے گا۔ اس تکلیف کے بعد راحت ملے گی۔ ان بھائیوں پر اللہ تجھے غلبہ دے گا یہ گو تجھے پست کرنا چاہتے ہیں لیکن اللہ کی چاہت ہے کہ وہ تجھے بلند کرے یہ جو کچھ آج تیرے ساتھ کر رہے ہیں وقت آئے گا کہ تو انہیں ان کے اس کرتوت کو یاد دلائے گا اور یہ ندامت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اپنے قصور سن رہے ہوں گے اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو گا کہ تو تو ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب برادران یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپؑ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن یہ نہ پہچان سکے۔ اس وقت آپؑ نے ایک پیالہ منگوایا اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا۔ آواز نکلنی ہی تھی اس وقت آپؑ نے فرمایا لو یہ جام تو کچھ کہہ رہا ہے اور تمہارے متعلق ہی کچھ خبر دے رہا ہے یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا ایک یوسف نامی سوتیلا بھائی تھا۔ تم اسے باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔ پھر اسے انگلی ماری اور ذرا سی دیر کان لگا کر فرمایا لو یہ کہہ رہا ہے کہ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس گئے اور وہاں جا کر ان سے کہہ دیا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ اب تو یہ حیران ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے ہائے برا ہوا بھانڈا پھوٹ گیا اس جام نے تو تمام سچی سچی باتیں بادشاہ سے کہہ دیں۔ پس یہی ہے جو آپ کو کنویں میں وحی ہوئی کہ ان کے اس کرتوت کو تو انہیں ان کی بے شعوری میں جتائے گا۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ
وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا
وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ
سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ
عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

رات کے اندھیرے میں اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے ○ اور کہنے لگے ابا جی ہم تو آپس میں شرطیہ دوڑ میں لگ گئے یوسف کو ہم نے اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تھا جو اسے بھیڑیا کھا گیا' آپ تو ہماری بات باور کرنے کے نہیں گو ہم بالکل سچے ہی ہوں ○ یوسف کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے' باپ نے کہا یوں نہیں بلکہ تم نے اپنے دل سے ہی ایک بات بنا لی ہے' پس صبر ہی بہتر ہے تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے ○

بھائیوں کی واپسی اور معذرت: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) چپ چاپ ننھے بھیا پر' اللہ کے معصوم نبی پر' باپ کی آنکھ کے تارا پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر رات ہوئے باپ کے پاس سرخ رو ہونے اور اپنی ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے غمزدہ ہو کر روتے ہوئے پہنچے۔ اور اپنے ملال کا یوسف کے نہ ہونے کا سبب یہ بیان کیا کہ ہم نے تیر اندازی اور دوڑ شروع کی۔ چھوٹے بھائی کو اسباب کے پاس چھوڑا اتفاق کی بات ہے اسی وقت بھیڑیا آ گیا اور بھائی کا لقمہ بنا لیا' چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ پھر باپ کو اپنی بات صحیح طور پر جچانے اور ٹھیک باور کرانے کے لئے پانی سے پہلے بند باندھتے ہیں کہ ہم اگر آپ کے نزدیک سچے ہی ہوتے تب بھی یہ واقعہ ایسا ہے کہ آپ ہمیں سچا ماننے میں تامل کرتے۔ پھر جب کہ پہلے ہی

سے آپ نے اپنا ایک کھٹکا ظاہر کیا ہو اور خلاف ظاہر واقعہ میں ہی اتفاقاً ایسا ہی ہو بھی جائے تو ظاہر ہے کہ آپ اس وقت تو ہمیں سچا مان ہی نہیں سکتے - ہیں تو ہم سچے ہی - لیکن آپ بھی ہم پر اعتبار نہ کرنے میں ایک حد تک حق بجانب ہیں-

کیونکہ یہ واقعہ ہی ایسا انوکھا ہے ہم خود حیران ہیں کہ یہ ہو کیا گیا؟ - یہ تو تھا زبانی کھیل' ایک کام بھی اسی کے ساتھ کر لائے تھے یعنی بکری کے ایک بچے کو ذبح کر کے اس کے خون سے حضرت یوسف کا پیراہن داغدار کر دیا کہ بطور شہادت کے ابا کے سامنے پیش کریں گے کہ دیکھو یہ ہیں یوسف بھائی کے خون کے دھبے ان کے کرتے پر - لیکن اللہ کی شان چور کے پاؤں کہاں؟ سب کچھ تو کیا لیکن کرتا پھاڑنا بھول گئے - اس لئے باپ پر سب مکر کھل گیا - لیکن اللہ کے نبی نے ضبط کیا اور صاف لفظوں میں گو نہ کہا تاہم بیٹوں کو بھی پتہ چل گیا کہ ابا جی کو ہماری بات جچی نہیں فرمایا کہ تمہارے دل نے یہ تو ایک بات بنا دی ہے - خیر میں تو تمہاری اس مذبوحی حرکت پر صبر ہی کروں گا - یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنے مہر و کرم سے اس دکھ کو ٹال دے - تم جو ایک جھوٹی بات مجھ سے بیان کر رہے ہو اور ایک محال چیز پر مجھے یقین دلا رہے ہو اس پر میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں اس کی مدد شامل حال رہی تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا - ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کرتا دیکھ کر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تعجب ہے بھیڑیا یوسف کو کھا گیا اس کا پیرہن خون آلود ہوا مگر کہیں سے ذرا بھی نہ پھٹا - خیر میں صبر کروں گا' جس میں کوئی شکایت نہ ہو نہ کوئی گھبراہٹ ہو - کہتے ہیں کہ تین چیزوں کا نام صبر ہے اپنی مصیبت کسی سے ذکر نہ کرنا - اپنے دل کا دکھڑا کسی کے سامنے نہ رونا - اور ساتھ ہی اپنے نفس کو پاک نہ سمجھنا - امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کی پوری حدیث کو بیان کیا ہے جس میں آپ پر تہمت لگائے جانے کا ذکر ہے - اس میں آپ نے فرمایا ہے واللہ میری اور تمہاری مثال حضرت یوسف کے باپ کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا اب صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری ان باتوں پر اللہ ہی سے مدد چاہی گئی ہے-

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَأَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ
يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَأَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ
الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۴ ۱۲

ایک قافلہ آیا انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا' کہنے لگا واہ واہ خوشی کی بات ہے یہ تو نوجوان بچہ ہے' انھوں نے اسے مال تجارت قرار دے کر چھپا دیا' اللہ باخبر تھا اس سے جو وہ کر رہے تھے ○ بھائیوں نے اسے بہت ہی ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہموں پر ہی بیچ ڈالا' وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے ○

کنویں سے بازار مصر تک: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) بھائی تو حضرت یوسف کو کنویں میں ڈال کر چل دیئے - یہاں تین دن آپ کو اسی اندھیرے کنویں میں اکیلے گزر گئے - محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کنویں میں گرا کر بھائی تماشا دیکھنے کے لئے اس کے آس پاس ہی دن بھر پھرتے رہے کہ دیکھیں وہ کیا کرتا ہے اور اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ قدرت اللہ کی ایک قافلہ وہیں سے گزرا - انہوں نے اپنے سقے کو پانی کے لئے بھیجا - اس نے اسی کونے میں ڈول ڈالا' حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی کو مضبوط تھام لیا اور بجائے پانی کے آپ باہر نکلے - وہ آپ کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا رہ نہ سکا با آواز بلند کہہ اٹھا کہ لو سبحان اللہ یہ تو نوجوان بچہ آ گیا - دوسری قرات اس کی یا بشرای بھی ہے-

سدی کہتے ہیں بشریٰ کے بھیجنے والے کا نام بھی تھا اس نے اس کا نام لے کر پکار کر خبر دی کہ میرے ڈول میں تو ایک بچہ آیا ہے۔ لیکن سدی کا یہ قول غریب ہے۔ اس طرح کی قرات پر بھی وہی معنی ہو سکتے ہیں اس کی اضافت اپنے نفس کی طرف ہے اور یائے اضافت ساقط ہے۔ اسی کی تائید قرات یٰبُشْرٰیَ سے ہوتی ہے جیسے عرب کہتے ہیں یَانَفْسُ اِصْبِرِیْ اور یَا غُلَامُ اَقْبِلْ اضافت کے حرف کو ساقط کر کے۔ اس وقت کسرہ دینا بھی جائز ہے اور رفع دینا بھی پس یہ اسی قبیل سے ہے اور دوسری قرات اس کی تفسیر ہے واللہ اعلم۔ ان لوگوں نے آپ کو بحیثیت پونجی کے چھپا لیا قافلے کے اور لوگوں پر اس راز کو ظاہر نہ کیا بلکہ کہہ دیا کہ ہم نے کنویں کے پاس کے لوگوں سے اسے خریدا ہے انہوں نے ہمیں اسے دے دیا ہے تاکہ وہ بھی اپنا حصہ نہ ملائیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ برادران یوسف نے شناخت چھپائی۔ اور حضرت یوسف نے بھی اپنے تئیں ظاہر نہ کیا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ کہیں مجھے قتل ہی کر دیں۔ اس لئے چپ چاپ بھائیوں کے ہاتھوں آپ بک گئے۔ سقے سے انہوں نے کہا اس نے آواز دے کر بلا لیا انہوں نے اونے پونے یوسف علیہ السلام کو ان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اللہ کچھ ان کی اس حرکت سے بے خبر نہ تھا وہ خوب دیکھ بھال رہا تھا گو وہ قادر تھا کہ اسی وقت اس بھید کو ظاہر کر دے لیکن اس کی حکمتیں اسی کے ساتھ ہیں اس کی تقدیر یونہی جاری ہوئی تھی خلق و امر اسی کا ہے وہ رب العالمین برکتوں والا ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو بھی ایک طرح سے تسکین دی گئی ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ قوم آپ کو دکھ دے رہی ہے میں قادر ہوں کہ آپ کو ان سے چھڑا دوں انہیں غارت کر دوں لیکن میرے کام حکمت کے ساتھ ہیں دیر ہے اندھیر نہیں بے فکر رہو عنقریب غالب کروں گا اور رفتہ رفتہ ان کو پست کر دوں گا۔ جیسے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان میری حکمت کا ہاتھ کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر انجام حضرت یوسف کے سامنے انہیں جھکنا پڑا اور ان کے مرتبے کا اقرار کرنا پڑا۔ بہت تھوڑے مول پر بھائیوں نے انہیں بیچ دیا۔ ناقص چیز کے بدلے بھائی جیسا بھائی دے دیا۔ اور اس کی بھی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی بلکہ اگر ان سے بالکل بلا قیمت مانگا جاتا تو بھی دے دیتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ قافلے والوں نے اسے بہت کم قیمت پر خریدا۔ لیکن یہ کچھ زیادہ درست نہیں اس لئے کہ انہوں نے تو اسے دیکھ کر خوشیاں منائی تھی اور بطور پونجی اسے پوشیدہ کر دیا تھا۔

پس اگر انہیں اس کی بے رغبتی ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے؟ پس ترجیح اسی بات کو ہے کہ یہاں مراد بھائیوں کا حضرت یوسف کو گرے ہوئے نرخ پر بیچ ڈالنا ہے۔ بخس سے مراد حرام اور ظلم بھی ہے۔ لیکن یہاں وہ مراد نہیں لی گئی۔ کیونکہ اس قیمت کی حرمت کا علم تو ہر ایک کو ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نبی بن نبی بن نبی بن خلیل الرحمن علیہم السلام تھا پس آپ کو تو کریم بن کریم بن کریم بن کریم تھے۔ پس یہاں مراد ناقص کم تھوڑی اور کھوٹی بلکہ برائے نام قیمت پر بیچ ڈالنا ہے باوجود اس کے وہ ظلم و حرام بھی تھا۔ بھائی کو بیچ رہے ہیں اور وہ بھی کوڑیوں کے مول۔ چند درہموں کے بدلے بیس یا بائیس یا چالیس درہم کے بدلے۔ یہ دام لے کر آپس میں بانٹ لئے۔ اور اس کی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی انہیں نہیں معلوم تھا کہ اللہ کے ہاں ان کی کیا قدر ہے؟ وہ کیا جانتے تھے کہ یہ اللہ کے نبی بننے والے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اتنا سب کچھ کرنے پر بھی صبر نہ ہوا قافلے کے پیچھے ہو لئے اور ان سے کہنے لگے دیکھو اس غلام میں بھاگ نکلنے کی عادت ہے' اسے مضبوط باندھ دو' کہیں تمہارے ہاتھوں سے بھی بھاگ نہ جائے۔ اسی طرح باندھے باندھے مصر تک پہنچے اور وہاں آپ کو بازار میں لے جا کر بیچنے لگے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے جو لے گا وہ خوش ہو جائے گا۔ پس شاہ مصر نے آپ کو خرید لیا وہ تھا بھی مسلمان۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ
أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي
الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ
حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾

مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے بیوی سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدے پہنچائے یا اسے ہم اپنا ہی بنالیں' یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم جما دیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھا دیں' اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں ○ جب یوسف پوری طاقت کی عمر کو پہنچ گیا ہم نے اسے دانائی اور علم دیا' ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ○

بازار مصر سے شاہی محل تک: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۲) رب کا لطف بیان ہو رہا ہے کہ جس نے آپ کو مصر میں خریدا' اللہ نے اس کے دل میں آپ کی عزت و وقعت ڈال دی۔ اس نے آپ کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ اس میں خیر و صلاح ہے۔ یہ مصر کا وزیر تھا۔ اس کا نام قطفیر تھا۔ کوئی کہتا ہے اس کے باپ کا نام دوحیب تھا' یہ مصر کے خزانوں کا داروغہ تھا۔ مصر کی سلطنت اس وقت ریان بن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ یہ عمالیق میں سے ایک شخص تھا۔ عزیز مصر کی بیوی صاحبہ کا نام راعیل تھا۔ کوئی کہتا ہے زلیخا تھا۔ یہ رعابیل کی بیٹی تھیں۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ مصر میں جس نے آپ کو خریدا اس کا نام مالک بن ذعر بن قریب بن عنق بن مدیان بن ابراہیم تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ دور بین اور دور رس اور انجام پر نظریں رکھنے والے اور عقلمندی سے تاڑنے والے تین شخص گزرے ہیں۔ ایک تو یہی عزیز مصر کہ بیک نگاہ حضرت یوسف کو تاڑ گیا اور جاتے ہی بیوی سے کہا کہ اسے اچھی طرح آرام سے رکھو۔ دوسرے وہ بچی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیک نگاہ جان لیا اور جا کر باپ سے کہا کہ اگر آپ کو آدمی کی ضرورت ہے تو ان سے معاملہ کر لیجئے یہ قوی اور با امانت شخص ہے۔ تیسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے خلافت حضرت عمرؓ جیسے شخص کو سونپی۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنا ایک اور احسان بیان فرما رہا ہے کہ بھائیوں کے پھندے سے ہم نے چھڑایا پھر ہم نے مصر میں لا کر یہاں کی سرزمین پر ان کا قدم جما دیا۔ کیونکہ اب ہمارا یہ ارادہ پورا ہونا تھا کہ ہم اسے تعبیر خواب کا کچھ علم عطا فرمائیں۔ اللہ کے ارادہ کو کون ٹال سکتا ہے؟ کون روک سکتا ہے؟ کون خلاف کر سکتا ہے؟ وہ سب پر غالب ہے سب اس کے سامنے عاجز ہیں جو وہ چاہتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے جو ارادہ کرتا ہے کر چکتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ علم سے خالی ہوتے ہیں نہ اس کی حکمت کو مانتے ہیں' نہ اس کی حکمت کو جانتے ہیں نہ اس کی باریکیوں پر ان کی نگاہ ہوتی ہے' نہ وہ اس کی حکمتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ جب آپ کی عقل کامل ہوئی جب جسم اپنی نشوونما تمام کر چکا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے آپ کو مخصوص کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نیک کاروں کو اسی طرح بھلا بدلہ دیتے ہیں کہتے ہیں اس سے مراد تینتیس ۳۳ برس کی عمر ہے۔ یا تیس سے کچھ اوپر کی یا بیس کی یا چالیس کی یا پچیس کی یا تیس کی یا اٹھارہ کی۔ یا مراد جوانی کو پہنچنا ہے اور اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں واللہ اعلم۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ
وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا
يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھا یوسف کو بہلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگہبانی چھوڑ دے دروازے بند کر کے کہنے لگی اور آ جاؤ' یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! عزیز مصر میرا سردار ہے مجھے اس نے بہت ہی اچھی طرح رکھا ہے' بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا ○

زلیخا کی بدنیتی سے الزام تک: ☆☆ (آیت: ۲۳) عزیز مصر جس نے آپ کو خریدا تھا اور بہت اچھی طرح اولاد کے مثل رکھا تھا اپنی گھر والی سے بھی تاکیداً کہہ دیا تھا کہ انہیں کسی طرح تکلیف نہ ہو عزت و اکرام سے انہیں رکھو۔ اس عورت کی نیت میں کھوٹ آ جاتی ہے۔ جمال یوسف پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ دروازے بھیڑ کر بن سنور کر برے کام کی طرف یوسف کو بلاتی ہے لیکن حضرت یوسفؑ بڑی سختی سے انکار کر کے اسے مایوس کر دیتے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ تیرا خاوند میرا سردار ہے۔ اس وقت اہل مصر کے محاورے میں بڑوں کے لئے یہی لفظ بولا جاتا تھا۔ آپؑ فرماتے ہیں تمہارے خاوند کی مجھ پر مہربانی ہے وہ میرے ساتھ سلوک و احسان سے پیش آتے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ میں ان کی خیانت کروں۔ یاد رکھو چیز کو غیر جگہ رکھنے والے بھلائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ هَيْتَ لَكَ کو بعض لوگ سریانی زبان کا لفظ کہتے ہیں بعض قبطی زبان کا بعض اسے غریب لفظ بتلاتے ہیں بعض حورانیہ کا لغت بتاتے ہیں۔ کسائی اسی قرات کو پسند کرتے تھے اور کہتے تھے اہل حوران کا یہ لغت ہے حجاز میں آ گیا ہے۔ اہل حوران کے ایک عالم نے کہا ہے کہ یہ ہمارا لغت ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس کی شہادت میں شعر بھی پیش کیا ہے۔ اس کی دوسری قرات هیت بھی ہے پہلی قرات کے معنی تو آؤ کے تھے اس کے معنی ہیں میں تیرے لئے تیار ہوں بعض لوگ اس قرات کا انکار ہی کرتے ہیں۔ ایک قرات هیت بھی ہے۔ یہ قرات غریب ہے۔ ایک قرات هیت بھی ہے۔ عام مدنی لوگوں کی یہی قرات ہے۔ اس پر بھی شہادت میں شعر پیش کیا جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قاریوں کی قراتیں قریب قریب ہیں پس جس طرح تم سکھائے گئے ہو پڑھتے رہو۔ گہرائی سے اور اختلاف سے اور لعن طعن سے اور اعتراض سے بچو اس لفظ کے یہی معنی ہیں کہ آ۔ اور سامنے ہو وغیرہ۔ پھر آپ نے اس لفظ کو پڑھا کسی نے کہا اسے دوسری طرح بھی پڑھتے ہیں آپؓ نے فرمایا درست ہے مگر میں نے تو جس طرح سیکھا ہے اسی طرح پڑھوں گا۔ یعنی هَيْتَ نہ کہ هِيْتُ۔ یہ لفظ تذکیر انیث واحد تثنیہ جمع سب کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ جیسے هَيْتَ لَكَ هَيْتَ لَكُمْ هَيْتَ لَكُمَا هَيْتَ لَكُنَّ هَيْتَ لَهُنَّ۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ
لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

اس عورت نے یوسف کی طرف کا قصد کیا اور یوسف نے اس کا' اگر نہ ہوتی یہ بات کہ دیکھ لے وہ اپنے پروردگار کی دلیل' یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کریں' بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا ○

یوسف علیہ السلام کے تقدس کا سبب: ☆☆ (آیت: ۲۴) سلف کی ایک جماعت سے تو اس آیت کے بارے میں وہ مروی ہے جو ابن

جریرؒ وغیرہ لائے ہیں- اور کہا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا قصد اس عورت کے ساتھ صرف نفس کا کھٹکا تھا- بغوی کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عز و جل کا فرمان ہے کہ جب میرا کوئی بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم اس کی نیکی لکھ لو- اور جب اس نیکی کو کر گزرے تو اس جیسی دس گنی نیکی لکھ لو- اور اگر کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اسے نہ کرے تو اس کے لئے نیکی لکھ لو- کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس برائی کو چھوڑا ہے- اور اگر اس برائی کو کر ہی گزرے تو اس کے برابر اسے لکھ لو- اس حدیث کے الفاظ اور بھی کئی ایک ہیں اصل بخاری مسلم میں بھی ہے- ایک قول ہے کہ حضرت یوسف نے اسے مارنے کا قصد کیا تھا- ایک قول ہے کہ اسے بیوی بنانے کی تمنا کی تھی- ایک قول ہے کہ آپ قصد کرتے اگر دلیل نہ دیکھتے لیکن چونکہ دلیل دیکھ لی قصد نہیں فرمایا- لیکن اس قول میں عربی زبان کی حیثیت سے کلام ہے جسے امام ابن جریر وغیرہ نے بیان فرمایا ہے- یہ تو تھے اقوال قصد یوسف کے متعلق- وہ دلیل جو آپ نے دیکھی اس کے متعلق بھی اقوال ملاحظہ فرمائیے- کہتے ہیں اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو دیکھا کہ گویا وہ اپنی انگلی منہ میں ڈالے کھڑے ہیں-

اور حضرت یوسفؑ کے سینے پر آپؑ نے ہاتھ مارا کہتے ہیں اپنے سردار کی خیالی تصویر سامنے آ گئی کہتے ہیں آپؑ کی نظر چھت کی طرف اٹھ گئی دیکھتے ہیں کہ اس پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے لَا تَقْرَبُوْا الزِّنٰی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً و مقتا وَسَآءَ سَبِیْلًا خبردار زنا کے قریب بھی پھٹکنا بڑی بے حیائی اور اللہ کے غضب کا کام ہے اور وہ بڑا ہی برا راستہ ہے- کہتے ہیں تین آیتیں لکھی ہوئی تھیں- ایک تو اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ تم پر نگہبان مقرر ہیں- دوسری وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ تم جس حال میں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے- تیسری آیت اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ الخ اللہ ہر شخص کے ہر عمل پر حاضر ناظر ہے کہتے ہیں کہ چار آیتیں لکھی پائیں تین وہی جو اوپر ہیں اور ایک حرمت زنا کی جو اس سے پہلے ہے- کہتے ہیں کہ کوئی آیت دیوار پر ممانعت زنا کے بارے میں لکھی ہوئی پائی- کہتے ہیں ایک نشان تھا جو آپؑ کے ارادے سے آپؑ کو روک رہا تھا- ممکن ہے وہ صورت یعقوب ہو- اور ممکن ہے اپنے خریدنے والے کی صورت ہو- اور ممکن ہے آیت قرآنی ہو کوئی ایسی صاف دلیل نہیں کہ کسی خاص ایک چیز کے فیصلے پر ہم پہنچ سکیں پس بہت ٹھیک راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اسے یونہی مطلق چھوڑ دیا جائے جیسے کہ اللہ کا فرمان میں بھی اطلاق ہے- (اسی طرح قصد کو بھی) پھر فرماتا ہے ہم نے جس طرح اس وقت اسے ایک دلیل دکھا کر برائی سے بچا لیا اسی طرح اس کے اور کاموں میں بھی ہم اس کی مدد کرتے رہے اور اسے برائیوں اور بے حیائیوں سے محفوظ رکھتے رہے- وہ تھا بھی ہمارا برگزیدہ پسندیدہ بہترین اور مخلص بندہ- اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ پر درود و سلام نازل ہوں-

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا
الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ
اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ
مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ
مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَکَذَبَتْ
وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ
مِنْ کَیْدِکُنَّ ؕ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ

هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿٢٩﴾

دونوں دروازے اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ پھاڑ ڈالا۔ دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اور کوئی دردناک سزا دی جائے ○ یوسف نے کہا یہ عورت ہی مجھے بہلا پھسلا کر میرے نفس کی حفاظت سے مجھے غافل کرانا چاہتی تھی، عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی دی، کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں ہے ○ اور اگر اس کا پیراہن پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے ○ خاوند نے جو دیکھا کہ پیراہن پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے ○ خاوند نے دیکھا کہ پیراہن یوسف پیٹھ کی جانب سے چاک کیا گیا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو عورتوں کے چھند ہیں، بے شک ہتھ کنڈے بھاری ہیں ○ یوسف اب اس بات کو آتی جاتی کرو اور اے عورت تو اپنے گناہ سے توبہ کر، بے شک تو گنہگاروں میں ہے ○

الزام کی مدافعت اور بچے کی گواہی: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۹) حضرت یوسفؑ اپنے تئیں بچانے کے لئے وہاں سے دروازے کی طرف دوڑے اور یہ عورت آپ کو پکڑنے کے ارادے سے آپؑ کے پیچھے بھاگی۔ پیچھے سے کرتا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ زور سے اپنی طرف گھسیٹا۔ جس سے حضرت یوسف پیچھے کی طرف گر جانے کے قریب ہو گئے لیکن آپؑ نے بھی آگے کو زور لگا کر دوڑ جاری رکھی اس میں کرتا پیچھے سے بالکل بے طرح پھٹ گیا اور دونوں دروازے پر پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ عورت کا خاوند موجود ہے اسے دیکھتے ہی اس نے چال چلی اور فوراً ہی سارا الزام یوسف کے سر تھوپ دیا اور آپ اپنی پاک دامنی بلکہ عصمت اور مظلومیت جتانے لگی۔ سوکھا سا منہ بنا کر اپنے خاوند سے اپنی بپتا اور پھر پاکیزگی بیان کرتے ہوئے کہتی ہے فرمایئے حضور آپ کی بیوی سے جو بدکاری کا ارادہ رکھے اس کی کیا سزا ہونی چاہئے؟ قید سخت یا بری مار سے کم تو ہرگز کوئی سزا اس جرم کی نہیں ہو سکتی۔ اب جب کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی آبرو کو خطرے میں دیکھا اور خیانت کی بدترین تہمت لگتی دیکھی تو اپنے اوپر سے الزام ہٹانے اور صاف اور سچی حقیقت کے ظاہر کر دینے کے لئے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھیں، میرے بھاگنے پر مجھے پکڑ رہی تھیں یہاں تک کہ میرا کرتا بھی پھاڑ دیا۔ اسی عورت کے قبیلے سے ایک گواہ نے گواہی دی۔ اور مع ثبوت و دلیل ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیرہن کو دیکھ لو اگر وہ سامنے کے رخ سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اس نے اسے اپنی طرف لانا چاہا اس نے اسے دھکے دیئے۔ روکا منع کیا ہٹایا اس میں سامنے سے کرتا پھٹ گیا تو واقعی قصوروار مرد ہے اور عورت جو اپنی بے گناہی بیان کرتی ہے وہ سچی ہے فی الواقع اس صورت میں وہ سچی ہے۔ اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا پاؤ تو عورت کے جھوٹ اور مرد کے سچ ہونے میں شبہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت اس پر مائل تھی یہ اس سے بھاگا وہ دوڑی، پکڑا، کرتا ہاتھ میں آ گیا اس نے اپنی طرف گھسیٹا اس نے اپنی جانب کھینچا وہ پیچھے کی طرف سے پھٹ گیا۔ کہتے ہیں یہ گواہ بڑا آدمی تھا جس کے منہ پر داڑھی تھی یہ عزیز مصر کا خاص آدمی تھا اور پوری عمر کا مرد تھا۔ اور زلیخا کے چچا کا لڑکا تھا زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی پس ایک قول تو اس گواہ کے متعلق یہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا دودھ پیتا گہوارے میں جھولتا بچہ تھا۔

ابن جریر میں ہے کہ چار چھوٹے بچوں نے چھٹپن میں ہی کلام کیا ہے اس پوری حدیث میں اس بچے کا بھی ذکر ہے جس نے حضرت یوسف صدیقؑ کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں چار بچوں نے کلام کیا ہے فرعون کی لڑکی کی مشاطہ کے لڑکے نے۔ حضرت یوسف کے گواہ نے۔ جریج کے صاحب نے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے۔ مجاہد نے تو ایک بالکل ہی غریب بات کہی ہے کہتے ہیں وہ صرف اللہ کا حکم تھا کوئی انسان تھا ہی نہیں۔ اسی تجویز کے مطابق جب زلیخا کے شوہر نے دیکھا تو حضرت یوسف کے پیراہن کو

پیچھے کی جانب سے پھٹا ہوا دیکھا۔ اس کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ یوسفؑ سچا ہے اور اس کی بیوی جھوٹی ہے وہ یوسف صدیق پر تہمت لگا رہی ہے تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو تم عورتوں کا فریب ہے۔ اس نوجوان پر تم تہمت باندھ رہی ہو اور جھوٹا الزام رکھ رہی ہو۔ تمہارے تریا چرتر تو ہیں ہی چکر میں ڈال دینے والے۔ پھر حضرت یوسف سے کہتا ہے کہ آپؑ اس واقعہ کو بھول جایئے' جانے دیجئے اس نامراد واقعہ کا پھر سے ذکر ہی نہ کیجئے۔ پھر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم اپنے گناہ سے استغفار کرو نرم آدمی تھا نرم اخلاق تھے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ وہ جان رہا تھا کہ عورت معذور سمجھے جانے کے لائق ہے اس نے وہ دیکھا ہے جس پر صبر کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے اسے ہدایت کر دی کہ اپنے برے ارادے سے توبہ کر۔ سراسر تو ہی خطاوار ہے۔ کیا خود اور الزام دوسروں کے سر رکھا۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ
نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰

شہر کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیز کی بیوی اپنے جوان غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لئے بہلانے پھسلانے میں لگی رہتی ہے۔ اس کے تو دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے' ہمارے خیال میں تو وہ صریح غلطی میں پڑ رہی ہے ○

داستاں عشق اور حسینان مصر: ☆☆ (آیت: ۳۰) اس داستان محبت کی خبر شہر میں ہو گئی' چرچے ہونے لگے۔ چند شریف زادیوں نے نہایت تعجب و حقارت سے اس قصے کو دوہرایا کہ دیکھو وزیر کی بیوی ہے اور ایک غلام پر جان دے رہی ہے اس کی محبت کو اپنے دل میں جمائے ہوئے ہے۔ شغف کہتے ہیں حد سے گزری ہوئی قاتل محبت کو اور شغف اس سے کم درجے کی ہوتی ہے دل کے پردوں کو عورتیں شغاف کہتی ہیں کہ عزیز کی بیوی صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ ان غیبتوں کا پتہ عزیز کی بیوی کو بھی چل گیا۔ یہاں لفظ مکر اس لئے بولا گیا ہے کہ بقول بعض خود ان عورتوں کا یہ فی الواقع ایک کھلا مکر تھا۔ انہیں تو دراصل حسن یوسف کے دیدار کی تمنا تھی یہ تو صرف ایک حیلہ بنایا تھا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ
مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ
عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ
لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝۳۱ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ
الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ
وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ
الصّٰغِرِيْنَ ۝۳۲

اس نے جب ان کی اس پر فریب غیبت کا حال سنا تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے ایک مجلس مرتب کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا اے یوسف ان کے سامنے چلے جاؤ' ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور زبان سے نکل گیا کہ حاشاءللہ یہ انسان تو ہرگز نہیں' یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے ○ اسی وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا یہی ہے جس کے بارے میں میں تجھے طعنے دے رہی تھی' میں نے ہر چند اسے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن

یہ بال بال بچا رہا، واللہ جو کچھ میں اسے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہو گا ○

(آیت: ۳۱-۳۲) عزیز کی بیوی بھی ان کی چال سمجھ گئی اور پھر اس میں اس نے اپنی معذوری کی مصلحت بھی دیکھی تو ان کے پاس اسی وقت بلاوا بھیج دیا کہ فلاں وقت آپ کی میرے ہاں دعوت ہے- اور ایک مجلس، محفل اور بیٹھک درست کر لی جس میں پھل اور میوہ بہت تھا اس نے تراش تراش کر چھیل چھیل کر کھانے کے لئے ایک ایک تیز چاقو سب کے ہاتھ میں دے دیا یہ تھا ان عورتوں کے دھوکے کا جواب انہوں نے اعتراض کر کے جمال یوسف دیکھنا چاہا اس نے اپنے تئیں معذور ظاہر کرنے اور ان کے مکر کو ظاہر کرنے کے لئے انہیں خود زخمی کر دیا اور خود ان ہی کے ہاتھ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ آئیے- انہیں اپنی مالکہ کا حکم ماننے سے کیسے انکار ہو سکتا تھا؟ اسی وقت جس کمرے میں تھے وہاں سے آ گئے عورتوں کی نگاہ جو آپؑ کے چہرے پر پڑی تو سب کی سب دہشت زدہ رہ گئیں ہیبت وجلال اور رعب حسن سے بے خود ہو گئیں اور بجائے اس کے کہ ان تیز چلنے والی چھریوں سے پھل کٹتے ان کے ہاتھ اور انگلیاں کٹنے لگیں حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ضیافت با قاعدہ پہلے ہو چکی تھی اب تو صرف میوے سے تواضع ہو رہی تھی- میٹھے ہاتھوں میں تھے، چاقو چل رہے تھے، جو اس نے کہا یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ سب یک زبان ہو کر بول اٹھیں ہاں ضرور- اسی وقت حضرت یوسف سے کہلوا بھیجا کہ تشریف لائیے آپؑ آئے پھر اس نے کہا جائیے آپؑ چلے گئے آتے جاتے سامنے سے پیچھے سے ان سب عورتوں نے پوری طرح آپؑ کو دیکھا- دیکھتے ہی سب سکتے میں آ گئیں ہوش حواس جاتے رہے بجائے نیبو کاٹنے کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے- اور کوئی احساس تک نہ ہوا ہاں جب حضرت یوسفؑ چلے گئے تب ہوش آیا اور تکلیف محسوس ہوئی- تب پتہ چلا کہ بجائے پھل کے ہاتھ کاٹ لیے ہیں- اس پر عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا ایک ہی مرتبہ کے جمال نے تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا پھر بتاؤ میرا کیا حال ہو گا؟ عورتوں نے کہا واللہ یہ انسان نہیں- یہ تو فرشتہ ہے اور فرشتہ بھی بڑے مرتبے والا- آج کے بعد ہم کبھی تمہیں ملامت نہ کریں گی- ان عورتوں نے حضرت یوسفؑ جیسا تو کہاں ان کے قریب ان کے مشابہ بھی کوئی شخص نہیں دیکھا تھا- آپؑ کو آدھا حسن قدرت نے عطا فرما رکھا تھا-

چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ تیسرے آسمان میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا تھا- اور روایت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ اور آپ کی والدہ صاحبہ کو آدھا حسن قدرت کی فیاضیوں نے عنایت فرمایا تھا- اور روایت میں تہائی حسن یوسفؑ کو اور آپ کی والدہ کو دیا گیا تھا- آپؑ کا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا جب کبھی کوئی عورت آپؑ کے پاس کسی کام کے لئے آتی تو آپ اپنا منہ ڈھک کر اس سے بات کرتے کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائے- اور روایت میں ہے کہ حسن کے تین حصے کئے گئے تمام لوگوں میں دو حصے تقسیم کئے گئے اور ایک حصہ صرف آپؑ کو اور آپ کی ماں کو دیا گیا- یا جن کی دو تہائیاں ان ماں بیٹے کو ملیں اور ایک تہائی میں دنیا کے تمام لوگوں کو اور روایت میں ہے کہ حسن کے دو حصے کئے گئے ایک حصے میں حضرت یوسفؑ اور آپ کی والدہ حضرت سارہ اور ایک حصے میں دنیا کے اور سب لوگ- سہیلی میں ہے کہ آپؑ کو حضرت آدم کا آدھا حسن دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے کمال صورت کا نمونہ بنایا تھا اور بہت ہی حسین پیدا کیا تھا آپ کی اولاد میں آپؑ کا ہم پلہ کوئی نہ تھا- اور حضرت یوسف کو ان کا آدھا حسن دیا گیا تھا- پس ان عورتوں نے آپؑ کو دیکھ کر ہی کہا کہ معاذ اللہ یہ انسان نہیں- بشرا کی دوسری قرات بشریٰ ہے یعنی یہ تو خرید کیا ہوا ہو ہی نہیں سکتا یہ تو کوئی ذی عزت فرشتہ ہے- اب عزیز کی بیوی نے کہا بتلاؤ اب تو تم مجھے عذر والی سمجھو گی؟ اس کا جمال و کمال کیا ایسا نہیں کہ صبر و برداشت چھین لے؟ میں نے اسے ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا- اب سمجھ لو کہ جہاں اس میں یہ بہترین ظاہری خوبی ہے وہاں عصمت وعفت کی یہ باطنی خوبی بھی بے نظیر ہے- پھر دھمکانے لگی کہ اگر میری بات یہ نہ مانے گا تو اسے قید خانہ بھگتنا

پڑے گا- اور میں اس کو بہت ذلیل کروں گی-

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا
تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ
الْجٰهِلِيْنَ ۝٣٣ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٣٤

یوسف نے دعا کی اے میرے پروردگار جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے' اگر تو نے ان کا فن فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل میں جاہلوں سے جا ملوں گا ○ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دئے' یقیناً وہ سننے جاننے والا ہے ○

(آیت: ۳۳-۳۴) اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے اس ڈھونگ سے اللہ کی پناہ طلب کی اور دعا کی کہ یا اللہ مجھے جیل خانے جانا پسند ہے مگر تو مجھے ان کے بد ارادوں سے محفوظ رکھ ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤں- اے اللہ تو اگر مجھے بچا لے تو میں بچ سکتا ہوں ورنہ مجھ میں اتنی قوت نہیں- مجھے اپنے کسی نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں تیری مدد اور تیرے رحم و کرم بغیر نہ میں کسی گناہ سے رک سکوں' نہ کسی کو کر سکوں میں اے باری تعالیٰ تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں' تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر دے کہ میں ان عورتوں کی طرف جھک جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں- اللہ تعالیٰ کریم و قادر نے آپؑ کی دعا قبول فرما لی اور آپؑ کو بال بال بچا لیا' عصمت و عفت عطا فرمائی' اپنی حفاظت میں رکھا اور برائی سے آپؑ بچے ہی رہے- باوجود بھرپور جوانی کے باوجود بے انداز حسن و خوبی کے باوجود ہر طرح کے کمال کے' جو آپ میں تھا' آپ اپنی خواہش نفس کی بے جا تکمیل سے بچتے رہے- اور اس عورت کی طرف رخ بھی نہ کیا جو رئیس زادی ہے' رئیس کی بیوی ہے' ان کی مالکہ ہے' پھر بہت ہی خوبصورت ہے' جمال کے ساتھ ہی مال بھی ہے' ریاست بھی ہے- وہ اپنی بات کے ماننے پر انعام و اکرام کا اور نہ ماننے پر جیل کا اور سخت سزا کا حکم سنا رہی ہے- لیکن آپ کے دل میں خوف اللہ کا سمندر موج زن ہے' آپ اپنے اس دنیوی آرام کو اور اس عیش اور لذت کو نام رب پر قربان کرتے ہیں اور قید و بند کو اس پر ترجیح دیتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں سے بچ جائیں اور آخرت میں ثواب کے مستحق بن جائیں-

بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عز و جل اپنے سائے تلے سایہ دے گا جس دن کوئی سایہ سوا اس کے سائے کے نہ ہوگا- (۱) مسلمان عادل بادشاہ- (۲) وہ جوان مرد و عورت جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری- (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو جب مسجد سے نکلا مسجد کی دھن میں رہے یہاں تک کہ پھر وہاں جائے- (۴) وہ دو شخص جو آپس میں محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں اسی پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں- (۵) وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس پوشیدگی سے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہوتی- (۶) وہ شخص جسے کوئی جاہ و منصب والی جمال و صورت والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں- (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں بہ نکلیں-

ع ۶ ۱۴

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

ان تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں یہ مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لئے قید خانے میں رکھیں ○

جیل خانہ اور یوسف علیہ السلام : ☆☆ (آیت:۳۵) حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا راز سب پر کھل گیا۔ لیکن تاہم ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کچھ مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ میں ہی رکھیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس میں ان سب نے یہ مصلحت سوچی ہو کہ لوگوں میں بات پھیل گئی ہے کہ عزیز کی بیوی اس کی چاہت میں مبتلا ہے۔ جب ہم یوسفؑ کو قید کر دیں گے تو لوگ سمجھ لیں گے کہ قصور اسی کا تھا اسی نے کوئی ایسی نگاہ کی ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ جب شاہ مصر نے آپؑ کو قید خانے سے آزاد کرنے کے لئے اپنے پاس بلوایا تو آپؑ نے وہیں سے فرمایا کہ میں نہ نکلوں گا جب تک میری برات اور میری پاکدامنی صاف طور پر ظاہر نہ ہو جائے اور آپ حضرات اس کی پوری تحقیق نہ کر لیں جب تک بادشاہ نے ہر طرح کے گواہ سے بلکہ خود عزیز کی بیوی سے پوری تحقیق نہ کر لی اور آپؑ کا بے قصور ہونا، ساری دنیا پر کھل نہ گیا آپؑ جیل خانے سے باہر نہ نکلے۔ پھر آپؑ باہر آئے جب کہ ایک دل بھی ایسا نہ تھا جس میں صدیق اکبر، نبی اللہ پاکدامن اور معصوم رسول اللہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو۔ قید کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی کہ عزیز کی بیوی کی رسوائی نہ ہو۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے تو کہا کہ میں نے خواب میں اپنے تئیں شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے تئیں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں ○

جیل خانہ میں بادشاہ کے باورچی اور ساقی سے ملاقات : ☆☆ (آیت:۳۶) اتفاق سے جس روز حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانے جانا پڑا اسی دن بادشاہ کا ساقی اور نان بائی بھی کسی جرم میں جیل خانے بھیجا گیا۔ ساقی کا نام بندار تھا اور باورچی کا نام بحلث تھا۔ ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے کھانے پینے میں بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی تھی قید خانے میں بھی نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نیکیوں کی کافی شہرت تھی۔ سچائی، امانت داری، سخاوت، خوش خلقی، کثرت عبادت، اللہ ترسی، علم و عمل، تعبیر خواب، احسان وسلوک وغیرہ میں آپؑ مشہور ہو گئے تھے جیل خانے کے قیدیوں کی بھلائی ان کی خیر خواہی ان سے مروت وسلوک ان کے ساتھ بھلائی اور احسان ان کی دلجوئی اور دلداری ان کے بیماروں کی تیمارداری خدمت اور دوا دارو بھی آپؑ کا تشخص تھا۔ یہ دونوں شاہی ملازم حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت ہی محبت کرنے لگے۔ ایک دن کہنے لگے کہ حضرت ہمیں آپؑ سے بہت ہی محبت ہو گئی ہے آپؑ نے فرمایا اللہ تمہیں برکت دے۔ بات یہ ہے کہ مجھے تو جس نے چاہا کوئی نہ کوئی آفت ہی مجھ پر لایا۔ پھوپھی کی محبت، باپ کا پیار، عزیز کی بیوی کی چاہت سب مجھے یاد ہے۔ اور اس کا نتیجہ میری ہی نہیں بلکہ تمہاری بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب دونوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا ساقی نے تو

دیکھا کہ وہ انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہے۔

ابن مسعودؓ کی قرات میں خمراً کے بدلے لفظ عنباً ہے۔ اہل عمان انگور کو خمر کہتے ہی ہیں۔ اس نے دیکھا تھا کہ گویا اس نے انگور کی بیل بوئی ہے اس میں خوشے لگے ہیں' اس نے توڑے ہیں' پھر ان کا شیرہ نچوڑ رہا ہے کہ بادشاہ کو پلائے۔ یہ خواب بیان کر کے آرزو کی کہ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتلائیے۔ اللہ کے پیغمبرؑ نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں تین دن کے بعد جیل خانے سے آزاد کر دیا جائے گا اور تم اپنے کام پر یعنی بادشاہ کی ساقی گری پر لگ جاؤ گے۔ دوسرے نے کہا جناب میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرند آ آ کر اس میں سے کھا رہے ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات تو یہی ہے کہ واقعی ان دونوں نے یہی خواب دیکھے تھے۔ اور ان کی صحیح تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی تھی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ درحقیقت انہوں نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمائش کے لئے جھوٹے خواب بیان کر کے تعبیر طلب کی تھی۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ
اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ
قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ
مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ
نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾

یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا' یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے' میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں ○ میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں یعنی ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے دین کا' ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں' ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ○

جیل خانہ میں خوابوں کی تعبیر کا سلسلہ اور تبلیغ توحید: ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۸) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کو تسکین دیتے ہیں کہ میں تمہارے خواب کی صحیح تعبیر جانتا ہوں اور اس کے بتانے میں مجھے کوئی بخل نہیں۔ اس کی تعبیر کے واقع ہونے سے پہلے ہی میں تمہیں وہ بتا دوں گا۔ حضرت یوسف کے اس فرمان اور اس وعدے سے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف' تنہائی کی قید میں تھے' کھانے کے وقت کھول دیا جاتا تھا اور ایک دوسرے سے مل سکتے تھے اس لئے آپؑ نے ان سے یہ وعدہ کیا اور ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے تھوڑی تھوڑی کر کے دونوں خواب کی پوری تعبیر بتلائی گئی ہو۔ ابن عباس سے یہ اثر مروی ہے گو بہت غریب ہے۔ پھر فرماتے ہیں مجھے یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے ان کافروں کا مذہب چھوڑ رکھا ہے جو نہ اللہ کو مانیں نہ آخرت کو برحق جانیں۔ میں نے اللہ کے پیغمبروں کے سچے دین کو مان رکھا ہے اور اسی کی تابعداری کرتا ہوں' خود میرے باپ دادا اللہ کے رسول تھے' ابراہیم

، اسحاق، یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ فی الواقع جو بھی راہ راست پر استقامت سے چلے ہدایت کا پیرو رہے۔ اللہ کے رسولوں کی اتباع کو لازم پکڑ لے، گمراہوں کی راہ سے منہ پھیر لے۔

اللہ تبارک تعالیٰ اس کے دل کو پرنور اور اس کے سینے کو معمور کر دیتا ہے۔ اسے علم و عرفان کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اسے بھلائی میں لوگوں کا پیشوا کر دیتا ہے کہ اور دنیا کو وہ نیکی کی طرف بلاتا رہتا ہے۔ ہم جب کہ راہ راست دکھا دیئے گئے توحید کی سمجھ دے دئے گئے شرک کی برائی بتا دیئے گئے۔ پھر ہمیں کیسے یہ بات زیب دیتی ہے؟ کہ ہم اللہ کے ساتھ اور کسی کو بھی شریک کر لیں۔ یہ توحید اور یہ سچا دین اور یہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی یہ خاص اللہ کا فضل ہے جس میں ہم تنہا نہیں بلکہ اللہ کی اور مخلوق بھی شامل ہے۔ ہاں ہمیں یہ برتری ہے کہ ہماری جانب یہ براہ راست اللہ کی وحی آئی۔ اور لوگوں کو ہم نے یہ وحی پہنچائی۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اللہ کی اس زبردست نعمت کی جو اللہ نے ان پر رسول بھیج کر انعام فرمائی ہے، ناقدری کرتے ہیں اور اسے مان کر نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی نعمت کے بدلے کفر کرتے ہیں۔ اور خود مع اپنے ساتھیوں کے ہلاکت کے گھر میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ دادا کو بھی باپ کے مساوی میں رکھتے ہیں اور فرماتے جو چاہے میں حطیم میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دادا دادی کا ذکر نہیں کیا دیکھو حضرت یوسفؑ کے بارے میں فرمایا میں نے اپنے باپ ابراہیمؑ اسحاق اور یعقوبؑ کے دین کی پیروی کی۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ
اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾.

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟ ○ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ فرماں روائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○

شاہی باورچی اور ساقی کے خواب کی تعبیر اور پیغام توحید : ☆☆ (آیت:۳۹-۴۰) یوسف علیہ السلام سے وہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے آئے ہیں آپ نے انہیں تعبیر خواب بتا دینے کا اقرار کر لیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے انہیں توحید کا وعظ سنا رہے ہیں۔ اور شرک سے اور مخلوق پرستی سے نفرت دلا رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ وہ خدائے واحد جس نے ہر چیز پر قبضہ کر رکھا ہے جس کے سامنے تمام مخلوق پست و عاجز لاچار و بے بس ہے۔ جس کا ثانی شریک اور ساجھی کوئی نہیں۔ جس کی عظمت و سلطنت چپے چپے اور ذرے ذرے پر ہے وہی ایک بہتر؟ یا تمہارے یہ خیالی کمزور اور ناکارے بہت سے معبود بہتر؟۔

پھر فرمایا کہ تم جن جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو بے سند ہیں۔ یہ نام اور ان کے لئے عبادت یہ تمہاری اپنی گھڑت ہے۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارے باپ دادے بھی اس مرض کے مریض تھے۔ لیکن کوئی دلیل اس کی تم لا نہیں سکتے بلکہ اس کی کوئی عقلی نقلی دلیل

دنیا میں اللہ نے بنائی ہی نہیں۔ حکم تصرف' قبضہ' قدرت' کل کی کل اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا اور اپنے سوا کسی اور کی عبادت کرنے سے باز آنے کا قطعی اور حتمی حکم دے رکھا ہے۔ دین مستقیم یہی ہے کہ اللہ کی توحید ہو اس کے لئے ہی عمل و عبادت ہو۔ اسی اللہ کا حکم اس پر بے شمار دلیلیں موجود۔ لیکن اکثر لوگ ان باتوں سے ناواقف ہیں۔ نادان ہیں توحید و شرک کا فرق نہیں جانتے۔ اسی لئے اکثر شرک کی دلدل میں دھنسے رہتے ہیں۔ باوجود نبیوں کی چاہت کے انہیں یہ امن نصیب نہیں ہوتا۔ خواب کی تعبیر سے پہلے اس بحث کے چھیڑنے کی ایک خاص مصلحت یہ بھی تھی کہ ان میں سے ایک کے لئے تعبیر نہایت بری تھی تو آپؑ نے چاہا کہ یہ اسے نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔ لیکن اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ خصوصاً ایسے موقعہ پر جب کہ اللہ کے پیغمبر ان سے تعبیر دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ یہاں تو صرف یہ بات ہے کہ انہوں نے آپ کی بزرگی اور عزت دیکھ کر آپؑ سے ایک بات پوچھی۔ آپؑ نے اس کے جواب سے پہلے انہیں اس سے زیادہ بہتر کی طرف توجہ دلائی۔ اور دین اسلام ان کے سامنے مع دلائل پیش فرمایا۔ کیونکہ آپؑ نے دیکھا تھا کہ ان میں بھلائی کے قبول کرنے کا مادہ ہے۔ بات کو سوچیں گے۔ جب آپؑ اپنا فرض ادا کر چکے۔ احکام اللہ کی تبلیغ کر چکے۔ تو اب بغیر اس کے کہ وہ دوبارہ پوچھیں آپؑ نے ان کا جواب شروع کیا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ
فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ
فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ
رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲ ع ۷ ۱۵

اے میرے قید خانے کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا' لیکن دوسرا سولی دیا جائیگا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کھائیں گے' تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے وہ کام فیصل کر دیا گیا ○ جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا' پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے میں ہی کاٹے ○

خواب اور اس کی تعبیر: ☆☆ (آیت:۴۱) اب اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ان کے خواب کی تعبیر بتلا رہے ہیں لیکن یہ نہیں فرماتے کہ تیرے خواب کی یہ تعبیر ہے اور تیرے خواب کی یہ تعبیر ہے تاکہ ایک رنجیدہ نہ ہو جائے اور موت سے پہلے اس پر موت کا بوجھ نہ پڑ جائے۔ بلکہ مبہم کر کے فرماتے ہیں تم دو میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کا ساقی بن جائے گا یہ دراصل یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے جس نے شیرہ انگور تیار کرتے اپنے تئیں دیکھا تھا۔ اور دوسرا جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی تھیں اس کے خواب کی تعبیر یہ دی کہ اسے سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا مغز کھائیں گے پھر ساتھ ہی فرمایا کہ یہ اب ہو کر ہی رہے گا۔ اس لئے کہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے وہ معلق رہتا ہے اور جب تعبیر ہو چکی وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ تعبیر سننے کے بعد ان دونوں نے کہا کہ ہم نے تو دراصل کوئی خواب دیکھا ہی نہیں۔

آپؑ نے فرمایا اب تو تمہارے سوال کے مطابق ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص خواہ مخواہ کا خواب گھڑ لے اور پھر اس کی تعبیر بھی دے دی جائے تو وہ لازم ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خواب گویا پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک اس کی تعبیر نہ دے دی جائے جب تعبیر دے دی گئی پھر وہ واقع ہو جاتا ہے مسند ابو یعلیٰ میں مرفوعاً مروی ہے کہ خواب کی تعبیر

سب سے پہلے جس نے دی اس کے لئے ہے۔

تعبیر بتا کر بادشاہ وقت کو اپنی یاد دہانی کی تاکید: ☆☆ (آیت:۴۲) جسے حضرت یوسفؑ نے اس کے خواب کی تعبیر کے مطابق اپنے خیال میں جیل خانہ سے آزاد ہونے والا سمجھا تھا اس سے در پردہ علیحدگی میں کہ وہ دوسرا یعنی باورچی نہ سنے فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے ذرا میرا ذکر بھی کر دینا۔ لیکن یہ اس بات کو بالکل ہی بھول گیا۔ یہ بھی ایک شیطانی چال ہی تھی جس سے نبی اللہ علیہ السلام کئی سال تک قید خانے میں ہی رہے۔ پس ٹھیک قول یہی ہے کہ فانساہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع نجات پانے والا شخص ہی ہے۔ گویا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ضمیر حضرت یوسف کی طرف پھرتی ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یوسف یہ کلمہ نہ کہتے تو جیل خانے میں اتنی لمبی مدت نہ گزارتے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور سے کشادگی چاہی یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے اس لئے کہ سفیان بن وکیع اور ابراہیم بن یزید دونوں راوی ضعیف ہیں۔ حسن اور قتادہ سے مرسلاً مروی ہے۔ گو مرسل حدیثیں کسی موقع پر قابل قبول بھی ہوں لیکن ایسے اہم مقامات پر ایسی مرسل روایتیں ہرگز احتجاج کے قابل نہیں ہو سکتیں۔ واللہ اعلم۔ بضع لفظ تین سے نو تک کے لئے آتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ حضرت ایوبؑ بیماری میں سات سال تک مبتلا رہے۔ اور حضرت یوسفؑ قید خانے میں سات سال تک رہے۔ اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال تک رہا ابن عباسؓ کہتے ہیں مدت قید بارہ سال تھی۔ ضحاک کہتے ہیں چودہ برس آپ نے قید خانے میں گزارے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ
عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ
فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ
وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ۝۴۴ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا
وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝۴۵

بادشاہ نے کہا میں نے جواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی فربہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہے اور سات بالیں ہیں ہری ہری اور سات اور ہیں بالکل خشک' اے درباریو میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو ○ انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو اڑتے اڑتے پریشان خواب ہیں' اور ایسے شوریدہ پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں ○ ان دو قیدیوں میں سے جو چھوٹا تھا اسے مدت کے بعد یاد آ گیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجئے ○

شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں یوسف علیہ السلام تک رسائی: ☆☆ (آیت:۴۳-۴۵) قدرت اللہ نے یہ مقرر رکھا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے بعزت و اکرام پاکیزگی برات اور عصمت کے ساتھ نکلیں۔ اس کے لئے قدرت نے یہ سبب بنایا کہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ بھونچکا سا ہو گیا۔ دربار منعقد کیا اور تمام امراء' رؤسا' کاہن' منجم علماء اور خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں کو جمع کیا۔ اور اپنا خواب بیان کر کے ان سب سے تعبیر دریافت کی۔ لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اور سب نے لاچار ہو کر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ کوئی باقاعدہ لائق تعبیر سچا خواب نہیں جس کی تعبیر ہو سکے۔ یہ تو یونہی پریشاں خواب مخلوط خیالات اور فضول توہمات کا خاکہ ہے اس کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔ اس وقت شاہی ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ وہ تعبیر خواب کے پورے ماہر ہیں۔ اس علم میں ان کو کافی مہارت

ہے یہ وہی شخص ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل خانہ بھگت رہا تھا یہ بھی اور اس کا ایک اور ساتھی بھی۔ اسی سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر بھی کرنا۔ لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا تھا۔ آج مدت مدید کے بعد اسے یاد آ گیا اور اس نے سب کے سامنے کہا کہ اگر آپ کو اس کی تعبیر سننے کا شوق ہے اور وہ بھی صحیح تعبیر تو مجھے اجازت دو۔ یوسف صدیق علیہ السلام جو قید خانے میں ہیں ان کے پاس جاؤں اور ان سے دریافت کر آؤں۔ سب نے اسے منظور کیا اور اسے اللہ کے محترم نبی علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ اُمَّةٍ کی دوسری قرات اُمَتِہٍ بھی ہے۔ اس کے معنی بھول کے ہیں۔ یعنی بھول جانے کے بعد اسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان یاد آیا۔

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ
عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى
النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ
فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ
يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ
فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع ۷

اے یوسف اے بہت بڑے سچے یوسف آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی اور بھی ہیں بالکل خشک تا کہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ سب جان لیں ○ یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگا تار حسب عادت برابر غلہ بویا کرنا' اور فصل کاٹ کر اسے بالوں سمیت ہی رہنے دینا بجز اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے لئے ○ اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا بجز اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھو ○ اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں شیرہ انگور بھی خوب نچوڑیں گے ○

(آیت: ۴۶۔ ۴۹) دربار سے اجازت لے کر یہ چلا۔ قید خانے پہنچ کر اللہ کے نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی علیہم السلام سے کہا کہ اے نرے سچے یوسف علیہ السلام بادشاہ نے اس طرح کا ایک خواب دیکھا ہے۔ اسے تعبیر کا اشتیاق ہے۔ تمام دربار بھرا ہوا ہے۔ سب کی نگاہیں لگیں ہوئیں۔ آپؑ مجھے تعبیر بتلا دیں تو میں جا کر انہیں سناؤں اور سب معلوم کر لیں۔ آپؑ نے نہ تو اسے کوئی ملامت کی کہ تو اب تک مجھے بھولے رہا۔ باوجود میرے کہنے کے تو نے آج تک بادشاہ سے میرا ذکر بھی نہ کیا۔ نہ اس امر کی درخواست کی کہ مجھے جیل خانے سے آزاد کیا جائے بلکہ بغیر کسی تمنا کے اظہار کے بغیر کسی الزام دینے کے خواب کی پوری تعبیر سنا دی۔ اور ساتھ ہی تدبیر بھی بتا دی۔

فرمایا کہ سات فربہ گایوں سے مراد یہ ہے کہ سات سال تک برابر حاجت کے مطابق بارش برستی رہے گی۔ خوب تر سالی ہو گی۔ غلے کھیت باغات خوب پھلیں گے۔ یہی مراد سات ہری بالیوں سے ہے۔ گائیں بیل ہی ہلوں میں جتتے ہیں ان سے زمین پر کھیتی کی جاتی ہے اب ترکیب بھی بتلا دی کہ ان سات برسوں میں جو اناج غلہ نکلے۔ اسے بطور ذخیرے کے جمع کر لینا۔ اور رکھنا بھی بالوں اور خوشوں سمیت

تا کہ سڑے گلے نہیں خراب نہ ہو- ہاں اپنی کھانے کی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لینا- لیکن خیال رہے کہ ذرا سا بھی زیادہ نہ لیا جائے صرف حاجت کے مطابق ہی نکالا جائے- ان سات برسوں کے گزرتے ہی اب جو قحط سالیاں شروع ہوں گی وہ برابر سات سال تک متواتر رہیں گی- نہ بارش برسے گی نہ پیداوار ہوگی- یہی مراد ہے سات دبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے ہے کہ ان سات برسوں میں وہ جمع شدہ ذخیرہ تم کھاتے پیتے رہو گے- یادرکھنا ان میں کوئی غلہ کھیتی نہ ہوگی- وہ جمع کردہ ذخیرہ ہی کام آئے گا- تم دانے بوؤ گے لیکن پیداوار کچھ بھی نہ ہوگی- آپؑ نے خواب کی پوری تعبیر دے کر ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنادی کہ ان سات خشک سالیوں کے بعد جو سال آئے گا وہ بڑی برکتوں والا ہوگا- خوب بارشیں برسیں گی خوب غلے اور کھیتیاں ہوں گی- ریل پیل ہو جائے گی- اور تنگی دور ہو جائے گی- اور لوگ حسب عادت زیتون وغیرہ کا تیل نکالیں گے- اور حسب عادت انگور کا شیرہ نچوڑیں گے- اور جانوروں کے تھن دودھ سے لبریز ہو جائیں گے کہ خوب دودھ نکالیں اور پئیں-

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ
اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ
رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ
عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ
امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ
وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿۵۲﴾

بادشاہ کہنے لگا یوسف کو میرے پاس لاؤ' جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے؟ جنھوں نے اپنے ہاتھ آپ کاٹ لئے تھے ان کے حیلے کو صحیح طور پر جاننے والا میرا پروردگار ہی ہے ○ بادشاہ نے پوچھا کہ اے عورتو! اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے جب تم داؤ گھات کر کے یوسف کو اس کی دلی منشا سے بہکانا چاہتی تھیں' انھوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں پائی' پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو سچی بات نتھر آئی فی الواقع میں آپ ہی اسے اس کے نفس کی حفاظت کی جانب سے ورغلا رہی تھی اور کوئی شک نہیں واقعی یوسف سچے لوگوں میں ہے ○ اس تمام بات سے غرض یہ تھی کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی کوئی خیانت نہیں کی تھی اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ دغابازوں کے ہتھکنڈے چلنے نہیں دیتا ○

تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو وزارت سونپنا: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۲) خواب کی تعبیر معلوم کر کے جب قاصد پلٹا اور اس نے بادشاہ کو تمام حقیقت سے مطلع کیا- تو بادشاہ کو اپنے خواب کی تعبیر پر یقین آ گیا- ساتھ ہی اسے بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے ہی عالم فاضل شخص ہیں- خواب کی تعبیر میں تو آپؑ کو کمال حاصل ہے- ساتھ ہی اعلی اخلاق والے حسن تدبیر والے اور خلق اللہ کا نفع چاہنے والے اور محض بے طمع شخص ہیں- اب اسے شوق ہوا کہ خود آپؑ سے ملاقات کرے- اسی وقت حکم دیا کہ جاؤ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانے سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ- دوبارہ قاصد آپؑ کے پاس آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا تو آپؑ نے

فرمایا میں یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک کہ شاہ مصر اور اس کے درباری اور اہل مصر یہ نہ معلوم کرلیں کہ میرا قصور کیا تھا؟ عزیز کی بیوی کی نسبت جو بات مجھ سے منسوب کی گئی ہے اس میں سچ کہاں تک ہے؟ اب تک میرا قید خانہ بھگتنا واقعی کسی حقیقت کی بنا پر تھا؟ یا صرف ظلم و زیادتی کی بنا پر؟ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر میرا یہ پیغام پہنچا دوں کہ وہ اس واقعہ کی پوری تحقیق کریں- حدیث شریف میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس صبر کی اور آپؑ کی اس شرافت وفضیلت کی تعریف آئی ہے-

صحیحین وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ شک کے حقدار ہم بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت زیادہ ہیں جب کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے رب مجھے اپنا مردوں کا زندہ کرنا مع کیفیت دکھا- (یعنی جب ہم اللہ کی اس قدرت میں شک نہیں کرتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کیسے شک کر سکتے تھے؟ پس آپ کی یہ طلب ازروئے مزید اطمینان کے تھی نہ کہ ازروئے شک- چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ میرے اطمینان دل کے لئے ہے) - اللہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی زور آور جماعت یا مضبوط قلعہ کی پناہ میں آنا چاہنے لگے- اور سنو اگر میں یوسف علیہ السلام کے برابر جیل خانہ بھگتے ہوئے ہوتا اور پھر قاصد میری رہائی کا پیغام لاتا تو میں تو اسی وقت جیل خانے سے آزادی منظور کر لیتا-

مسند احمد میں اسی آیت فاضلہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہوتا تو اسی وقت قاصد کی بات مان لیتا اور کوئی عذر تلاش نہ کرتا- مسند عبدالرزاق میں ہے آپ فرماتے ہیں واللہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر وکرم پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے اللہ اسے بخشے- دیکھو تو سہی بادشاہ نے خواب دیکھا ہے وہ تعبیر کے لئے مضطرب ہے قاصد آ کر آپؑ سے تعبیر پوچھتا ہے آپؑ فی الفور بغیر کسی شرط کے بتا دیتے ہیں- اگر میں ہوتا تو جب تک جیل خانے سے اپنی رہائی نہ کرا لیتا ہرگز نہ بتلاتا- مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر وکرم پر تعجب معلوم ہو رہا ہے اللہ انہیں بخشے کہ جب ان کے پاس قاصد ان کی رہائی کا پیغام لے کر پہنچتا ہے تو آپ فرماتے ہیں ابھی نہیں جب تک کہ میری پاکیزگی پاک دامنی اور بے قصوری سب پر تحقیق سے کھل نہ جائے- اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں تو دوڑ کر دروازے پر پہنچتا یہ روایت مرسل ہے-

اب بادشاہ نے تحقیق کرنی شروع کی ان عورتوں کو جنہیں عزیز کی بیوی نے اپنے ہاں دعوت پر جمع کیا تھا اور خود اسے بھی دربار میں بلوایا- پھر ان تمام عورتوں سے پوچھا کہ ضیافت والے دن کیا گزری تھی؟ سب بیان کرو- انہوں نے جواب دیا کہ ماشا اللہ یوسفؑ پر کوئی الزام نہیں اس پر بے سروپا تہمت ہے- واللہ ہم خوب جانتی ہیں کہ یوسف میں کوئی بدی نہیں- اس وقت عزیز کی بیوی خود بھی بول اٹھی کہ اب حق ظاہر ہو گیا واقعہ کھل گیا- حقیقت نکھر آئی مجھے خود اس امر کا اقرار ہے کہ واقعی میں نے ہی اسے پھنسانا چاہا تھا- اس نے جو بروقت کہا تھا کہ یہ عورت مجھے پھسلا رہی تھی اس میں وہ بالکل سچا ہے- میں اس کا اقرار کرتی ہوں اور اپنا قصور آپ بیان کرتی ہوں تا کہ میرے خاوند یہ بات بھی جان لیں کہ میں نے اس کی کوئی خیانت دراصل نہیں کی- یوسفؑ کی پاکدامنی کی وجہ سے کوئی شر اور برائی مجھ سے ظہور میں نہیں آئی- بدکاری سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچائے رکھا- میرے اس اقرار سے اور واقعہ کے کھل جانے سے صاف ظاہر ہے اور میرے خاوند جان سکتے ہیں کہ میں برائی میں مبتلا نہیں ہوئی- یہ بالکل سچ ہے کہ خیانت کرنے والوں کی مکاریوں کو اللہ تعالیٰ فروغ نہیں دیتا- ان کی دغابازی کوئی پھل نہیں لاتی-

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے بارہویں پارے کی تفسیر ختم ہوئی' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے- آمین-

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس مہربان مالک نے آج اس مبارک تفسیر کے اٹھائیس پاروں کے ترجمے سے اور ان کے چھپوانے سے مجھے فارغ کیا۔ الحمدللہ الحمدللہ۔ صرف دسویں اور گیارہویں پارے کا ترجمہ باقی رہ گیا۔ اسی رحیم وکریم سے امید ہے کہ باقی کے ان دونوں پاروں کے ترجمے کی بھی توفیق عنایت فرمائے اور انہیں بھی آسانی سے پورے کردے۔ اے کرم ورحم والے رب العالمین ہمیں اپنے پاک کلام کی سمجھ اور اس پر عمل عطا فرما۔ اور قیامت کے دن آمنے سامنے اپنے مہربانی بھرے کلام سے نواز۔ آمین۔ الراقم المترجم عاجز ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم (میمن متوطن ریاست جوناگڑھ کاٹھیاواڑ مدرس مدرسہ محمدیہ وایڈیٹر اخبار محمدی باڑہ ہندوراؤ دہلی۔ بتاریخ ۲ رمضان المبارک ۸۴۲)ء

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۱۳

چند اہم مضامین کی فہرست

- دعوت وحدانیت ۶۷۸
- رسول اور نبی صرف مرد ہی ہوئے ہیں ۶۷۸
- جب مخالفت عروج پر ہو ۶۷۹
- عبرت ونصیحت ۶۸۱
- عالم سفلی کے انواع واقسام ۶۸۴
- عقل کے اندھے ضدی لوگ ۶۸۵
- منکرین قیامت ۶۸۵
- اعتراض برائے اعتراض ۶۸۶
- علم الٰہی ۶۸۶
- سب پہ محیط علم ۶۸۸
- بجلی کی گرج ۶۹۰
- دعوت حق ۶۹۲
- عظمت وسطوت الٰہی ۶۹۲
- اندھیرا اور روشنی ۶۹۳
- باطل بے ثبات ہے ۶۹۴
- ذوالقرنین ۶۹۵
- ایک موازنہ ۶۹۶
- منافق کا نفسیاتی تجزیہ ۶۹۶
- بروج وبالاخانے ۶۹۷
- مومنین کی صفات ۶۹۸
- مسئلہ رزق ۶۹۹
- مشرکین کے اعتراض ۶۹۹
- رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی ۷۰۲
- قرآن حکیم کی صفات جلیلہ ۷۰۳
- سچائی کا مذاق اڑانا آج بھی جاری ہے ۷۰۴
- عالم خیر وشر ۷۰۵
- کافر موت مانگیں گے ۷۰۶
- شاداں وفرحاں لوگ ۷۰۷
- ہر کام کا وقت مقرر ہے ۷۰۸
- آپ ﷺ کے انتقال کے بعد ۷۱۰
- کافروں کے شرمناک کارنامے ۷۱۱
- رسالت کے منکر ۷۱۱
- ہر قوم کی اپنی زبان میں رسول ۷۱۴
- اولاد کا قاتل ۷۱۵
- کفار اور انبیاء میں مکالمات ۷۱۷
- آل لوط ۷۱۸
- بے سود اعمال ۷۲۰
- حیات ثانیہ ۷۲۱
- چٹیل میدان اور مخلوقات ۷۲۱
- طوطا چشم دشمن شیطان ۷۲۳
- لا الہ الا اللہ کی شہادت ۷۲۴
- قبر کا عذاب ۷۲۷
- منافقین قریش ۷۳۳
- احسان اور احسن سلوک ۷۳۴
- سب کچھ تمہارا مطیع ہے ۷۳۵
- حرمت وعظمت کا مالک شہر ۷۳۶
- دوسری دعا ۷۳۷
- مناجات ۷۳۸
- عذاب دیکھنے کے بعد ۷۳۹
- انبیاء کی مدد ۷۴۰
- جکڑے ہوئے مفسد انسان ۷۴۲
- تمام انسان اور جن پابند اطاعت ہیں ۷۴۳

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ
رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ
فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ
عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے ہی مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے ○ بادشاہ نے کہا، اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص ذاتی کاموں کے لئے مقرر کرلوں، پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ تو ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانتدار ہے ○ یوسف نے کہا، آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں ○

(آیت:۵۳) عزیز مصر کی بیوی کہہ رہی ہے کہ میں اپنی پاکیزگی بیان نہیں کر رہی، اپنے آپ کو نہیں سراہتی۔ نفس انسانی تمناؤں اور بری باتوں کا مخزن ہے۔ اس میں ایسے جذبات اور شوق اچھلتے رہتے ہیں۔ وہ برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے، اسی کے پھندے میں پھنس کر میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ مگر جسے اللہ چاہے، نفس کی برائی سے محفوظ رکھ لیتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ بخشش کرنا، معافی دینا اس کی ابدی اور لازمی صفت ہے۔ یہ قول عزیز مصر کی عورت کا ہی ہے۔ یہی بات زیادہ مشہور ہے اور زیادہ لائق ہے اور واقعہ کے بیان سے بھی زیادہ مناسب ہے۔ اور کلام کے معنی کے ساتھ بھی زیادہ موافق ہے۔ امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسے وارد کیا ہے۔ اور علامہ ابوالعباس حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اسے ایک مستقل تصنیف میں بیان فرمایا ہے اور اس کی پوری تائید کی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قول حضرت امام یوسف علیہ السلام کا ہے۔ لیعلم سے اس دوسری آیت کے ختم تک انہی کا فرمان ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تو صرف یہی ایک قول نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بادشاہ نے عورتوں کو جمع کر کے جب ان سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہلایا پھسلایا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حاشاللّٰہ، ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے اقرار کیا کہ واقعی حق تو یہی ہے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، یہ سب اس لئے تھا کہ میری امانت داری کا یقین ہو جائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا، وہ دن بھی یاد ہے کہ آپ نے کچھ ارادہ کرلیا تھا؟ تب آپ نے فرمایا، میں اپنے نفس کی برات تو نہیں کر رہا؟ بے شک نفس برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ الغرض ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلام حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے۔ لیکن پہلا قول یعنی اس کلام کا عزیز کی عورت کا کلام ہونا ہی زیادہ قوی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اوپر سے انہی کا کلام چلا آ رہا ہے جو بادشاہ کے سامنے سب کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔ اس وقت تو حضرت یوسف علیہ السلام وہاں موجود ہی نہ تھے۔ اس تمام قصے کے کھل جانے کے بعد بادشاہ نے آپ کو بلوایا۔

(آیت:۵۴-۵۵) جب بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کھل گئی تو خوش ہو کر کہا کہ انہیں میرے پاس بلا لاؤ کہ میں انہیں اپنے خاص مشیروں میں کرلوں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے۔ جب وہ آپ سے ملا، آپ کی صورت دیکھی، آپ کی باتیں سنیں، آپ کے اخلاق دیکھے تو دل سے گرویدہ ہو گیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا کہ آج سے آپ ہمارے ہاں معزز اور معتبر ہیں۔ اس وقت آپ نے ایک خدمت اپنے لئے پسند فرمائی اور اس کی اہلیت ظاہر کی۔ انسان کو یہ جائز بھی ہے کہ جب وہ انجان لوگوں میں ہو تو اپنی

قابلیت بوقت ضرورت بیان کر دے۔ اس خواب کی بناء پر جس کی تعبیر آپ نے دی تھی' آپ نے یہی آرزو کی کہ زمین کی پیداوار غلہ وغیرہ جو جمع کیا جاتا ہے' اس پر مجھے مقرر کیا جائے تاکہ میں محافظت کروں نیز اپنے علم کے مطابق عمل کر سکوں تاکہ رعایا کو قحط سالی کی مصیبت کے وقت قدرے عافیت مل سکے۔ بادشاہ کے دل پر تو آپ کی امانت داری' سچائی' سلیقہ مندی اور کامل علم کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ اسی وقت اس نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاۤءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاۤءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۵۶ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۵۷ ع ۸

اس طرح ہم نے یوسف کو ملک کا قبضہ دے دیا کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے' ہم جسے چاہیں' اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیک کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے ○ یقیناً ایمانداروں اور پرہیز گاروں کا اخروی اجر بہت ہی بہتر ہے ○

(آیت: ۵۶-۵۷) زمین مصر میں یوں حضرت یوسف علیہ السلام کی ترقی ہوئی۔ اب ان کے اختیار میں تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ جہاں چاہیں مکانات تعمیر کریں۔ یا اس تنہائی اور قید کو دیکھئے یا اب اس اختیار اور آزادی کو دیکھئے۔ سچ ہے رب جسے چاہے اپنی رحمت کا جتنا حصہ چاہے دے۔ صابروں کا صبر پھل لا کر ہی رہتا ہے۔ بھائیوں کا دکھ سہا' اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے عزیز مصر کی عورت سے بگاڑ لی اور قید خانے کی مصیبتیں برداشت کیں۔ پس رحمت الٰہی کا ہاتھ بڑھا اور صبر کا اجر ملا۔ نیک کاروں کی نیکیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ پھر ایسے باایمان تقویٰ والے آخرت میں بڑے درجے اور اعلیٰ ثواب پاتے ہیں۔ یہاں یہ ملا۔ وہاں کے ملنے کی تو کچھ نہ پوچھئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن میں آیا ہے کہ یہ دنیا کی دولت و سلطنت ہم نے تجھے اپنے احسان سے دی ہے اور قیامت کے دن بھی تیرے لئے ہمارے ہاں اچھی مہمانی ہے۔ الغرض شاہ مصر ریان بن ولید نے سلطنت مصر کی وزارت آپ کو دی' پہلے اسی عہدے پر اس عورت کا خاوند تھا جس نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ اسی نے آپ کو خرید لیا تھا۔ آخر شاہ مصر آپ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ کے خریدنے والے کا نام اطغر تھا۔ یہ انہی دنوں میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کی زوجہ راعیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ جب آپ ان سے ملے تو فرمایا' کہو کیا یہ اس تمہارے ارادے سے بہتر نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے صدیقؑ مجھے ملامت نہ کیجئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں حسن و خوبصورتی والی دھن دولت والی عورت تھی میرے خاوند مردمی سے محروم تھے۔ وہ مجھ سے مل ہی نہیں سکتے تھے۔ ادھر آپ کو قدرت نے جس فیاضی سے دولت حسن کے ساتھ مالا مال کیا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ پس مجھے اب ملامت نہ کیجئے۔ کہتے ہیں کہ واقعی حضرت یوسفؑ نے انہیں کنواری پایا۔

پھر ان کے بطن سے آپ کو دو لڑکے ہوئے۔ افراثیم اور میشا۔ افراثیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشعؑ کے والد ہیں اور رحمت نامی صاحبزادی ہوئی جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز کی بیوی راستے میں کھڑی تھیں جو حضرت یوسفؑ کی سواری نکلی تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ الحمدللہ اللہ کی شان کے قربان جس نے اپنی فرمانبرداری کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہی پر پہنچایا اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلامی پر لا اتارا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾
وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا
تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ
لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا
سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا
بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس گئے تو اس نے انھیں پہچان لیا اور انھوں نے اسے نہ پہچانا ○ جب انھیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے ناپ بھی پورا دیا اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں ○ پس اگر تم اسے لے کر میرے پاس نہ آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ناپ نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا ○ انھوں نے کہا' اچھا ہم اس کے باپ سے اس کی بابت بات چیت کر کے کوشش پوری کریں گے ○ اپنے خدمتگاروں سے کہا کہ ان کی پونجیاں انھی کی بوریوں میں رکھ دو کہ یہ جب لوٹ کر اپنے اہل وعیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں ○

(آیت: ۵۸-۶۲) کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وزیر مصر بن کر سات سال تک غلے اور اناج کو بہترین طور پر جمع کیا۔ اس کے بعد جب عام قحط سالی شروع ہوئی اور لوگ ایک ایک دانے کو ترسنے لگے تو آپ نے محتاجوں کو دینا شروع کیا' یہ قحط علاقہ مصر سے نکل کر کنعان وغیرہ شہروں کو بھی شامل تھا۔ آپ ہر بیرونی شخص کو اونٹ بھر کر غلہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ اور خود آپ کا لشکر بلکہ خود بادشاہ بھی دن بھر میں صرف ایک ہی مرتبہ دوپہر کے وقت ایک آدھ نوالہ کھا لیتے تھے اور اہل مصر کو پیٹ بھر کر کھلاتے تھے۔ پس اس زمانے میں یہ بات ایک رحمت رب تھی۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے پہلے سال مال کے بدلے غلہ بیچا۔ دوسرے سال سامان اسباب کے بدلے تیسرے سال بھی اور چوتھے سال بھی۔ پھر خود لوگوں کی جان اور ان کی اولاد کے بدلے۔ پس خود لوگ' ان کے بچے اور ان کی کل ملکیت اور مال کے آپ مالک بن گئے۔ لیکن اس کے بعد آپ نے سب کو آزاد کر دیا اور ان کے مال بھی ان کے حوالے کر دیئے۔

یہ روایت بنو اسرائیل کی ہے جسے ہم سچ جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ ان آنے والوں میں برادران یوسف بھی تھے جو باپ کے حکم سے آئے تھے۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ عزیز مصر مال ومتاع کے بدلے غلہ دیتے ہیں تو آپ نے اپنے دس بیٹوں کو یہاں بھیجا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو جو آپ کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے نزدیک بہت ہی پیارے تھے' اپنے پاس روک لیا۔ جب یہ قافلہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے تو بہ یک نگاہ سب کو پہچان لیا لیکن ان میں سے ایک بھی آپ کو نہ پہچان سکا۔ اس لئے کہ آپ ان سے بچپن میں ہی جدا ہو گئے تھے۔ بھائیوں نے آپ کو سوداگروں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ پھر کیا ہوا۔ اور یہ تو ذہن میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ وہ بچہ جسے بحیثیت غلام بیچا تھا' آج وہی عزیز مصر بن کر بیٹھا ہے۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے طرز گفتگو بھی ایسا اختیار کیا کہ انہیں وہم بھی نہ ہو۔ ان سے پوچھا کہ تم لوگ میرے ملک میں کیسے آ گئے؟ انہوں نے کہا' یہ سن کر کہ آپ غلہ

عطا فرماتے ہیں- آپ نے فرمایا' مجھے تو شک ہوتا ہے کہ کہیں تم جاسوس نہ ہو؟ انہوں نے کہا معاذ اللہ ہم جاسوس نہیں- فرمایا تم رہنے والے کہاں کے ہو؟ کہا کنعان کے اور ہمارے والد صاحب کا نام یعقوب نبی اللہ ہے- آپ نے پوچھا تمہارے سوا ان کے اور لڑکے بھی ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم بارہ بھائی تھے- ہم میں جو سب سے چھوٹا تھا اور ہمارے باپ کی آنکھوں کا تارا تھا' وہ تو ہلاک ہو گیا- اسی کا ایک بھائی اور ہے- اسے باپ نے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا بلکہ اپنے پاس ہی روک لیا ہے کہ اس سے ذرا آپ کو اطمینان اور تسلی رہے-

ان باتوں کے بعد آپ نے حکم دیا کہ انہیں سرکاری مہمان سمجھا جائے اور ہر طرح خاطر مدارت کی جائے اور اچھی جگہ ٹھہرایا جائے- اب جب انہیں غلہ دیا جانے لگا اور ان کے تھیلے بھر دیئے گئے اور جتنے جانور ان کے ساتھ تھے' وہ جتنا غلہ اٹھا سکتے تھے' بھر دیا تو فرمایا' دیکھو اپنی صداقت کے اظہار کے لئے اپنے اس بھائی کو جسے تم اس مرتبہ اپنے ساتھ نہیں لائے' اب اگر آؤ تو لیتے آنا' دیکھو میں نے تم سے اچھا سلوک کیا ہے اور تمہاری بڑی خاطر تواضع کی ہے- اس طرح رغبت دلا کر پھر دھمکا بھی دیا کہ اگر دوبارہ کے آنے میں اسے ساتھ نہ لائے تو میں تمہیں ایک دانہ اناج کا نہ دوں گا بلکہ تمہیں اپنے نزدیک بھی نہ آنے دوں گا- انہوں نے وعدے کئے کہ ہم انہیں کہہ سن کر لالچ دکھا کر ہر طرح پوری کوشش کریں گے کہ اپنے اس بھائی کو بھی لائیں تا کہ بادشاہ کے سامنے ہم جھوٹے نہ پڑیں- سدی رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے رہن رکھ لیا کہ جب اسے لاؤ گے تو یہ پاؤ گے- لیکن یہ بات کچھ جی کو لگتی نہیں اس لئے کہ آپ نے تو انہیں واپسی کی بڑی رغبت دلائی اور بہت کچھ تمنا ظاہر کی- جب بھائی کوچ کی تیاریاں کرنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چالاک چاکروں سے اشارہ کیا کہ جو اسباب یہ لائے تھے اور جس کے عوض انہوں نے ہم سے غلہ لیا ہے' وہ بھی انہیں واپس کر دو لیکن اس خوبصورتی سے کہ انہیں معلوم تک نہ ہو- ان کے کجادوں اور بوروں میں ان کی تمام چیزیں رکھ دو- ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ کو خیال ہوا ہو کہ اب گھر میں کیا ہو گا جسے لے کر یہ غلہ لینے کے لئے آئیں- اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے باپ اور بھائی سے اناج کا کچھ معاوضہ لینا مناسب نہ سمجھا ہو اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ آپ نے یہ خیال فرمایا ہو کہ جب یہ اپنا اسباب کھولیں گے اور یہ چیزیں اس میں پائیں گے تو ضروری ہے کہ ہماری یہ چیزیں ہمیں واپس دینے کو آئیں تو اس بہانے ہی بھائی سے ملاقات ہو جائے گی-

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ
اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ
اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے ابا جی ہم سے تو غلہ کا پیمانہ روک لیا گیا- اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے کہ ہم پیمانہ بھر کر لائیں- ہم اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہیں ○ کہا کہ مجھے تو اس کی بابت بھی تمہارا بس ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا' پس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور ہے بھی وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ○

(آیت:۶۳-۶۴) بیان ہو رہا ہے کہ باپ کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا کہ اب ہمیں تو غلہ مل نہیں سکتا تاوقتیکہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو نہ بھیجیں- اگر انہیں ساتھ کر دیں تو البتہ مل سکتا ہے- آپ بے فکر رہئے- ہم آپ اس کی نگہبانی کر لیں گے نَكْتَلْ کی دوسری

قرأت یُکْتَلْ بھی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بس وہی تم ان کے ساتھ کرو گے جو اس سے پہلے ان کے بھائی حضرت یوسفؑ کے ساتھ کر چکے ہو کہ یہاں سے لے گئے اور یہاں پہنچ کر کوئی بات بنا دی۔ حَافِظاً کی دوسری قرأت حِفْظاً بھی ہے آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین محافظ اور نگہبان ہے اور ہے بھی وہ ارحم الراحمین' میرے بڑھاپے پر' میری کمزوری پر وہ رحم فرمائے گا اور جو غم و رنج مجھے اپنے بچے کا ہے۔ وہ دور کر دے گا۔ مجھے اس کی پاک ذات سے امید ہے کہ وہ میرے یوسف کو مجھ سے پھر ملا دے گا اور میری پراگندگی کو دور کر دے گا۔ اس پر کوئی کام مشکل نہیں۔ وہ اپنے بندوں سے اپنے رحم و کرم کو نہیں روکتا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا
يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ
اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝۶۵ قَالَ لَنْ
اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ
اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا
نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۶۶

جب انھوں نے اپنا اسباب کھولا تو انھوں نے اپنا سرمایہ موجود پایا جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا' کہنے لگے اے ہمارے باپ' ہمیں اور کیا چاہیے' دیکھئے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو رسد لا دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کا پیمانہ زیادہ لائیں گے۔ یہ ناپ تو بہت آسان ہے ○ یعقوب علیہ السلام نے کہا' میں تو اسے ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پہنچا دو گے بجز اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔ جب انھوں نے پکا قول و قرار دے دیا تو اس نے کہا ہم جو کچھ کہتے ہیں' اللہ اس پر نگہبان ہے ○

(آیت:۶۵-۶۶) یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بھائیوں کی واپسی کے وقت اللہ کے نبی نے ان کا مال و متاع' ان کے اسباب کے ساتھ پوشیدہ طور پر واپس کر دیا تھا۔ یہاں گھر پہنچ کر جب انہوں نے کجاوے کھولے اور اسباب علیحدہ علیحدہ کیا تو اپنی سب چیزیں جوں کی توں واپس شدہ پائیں تو اپنے والد سے کہنے لگے' لیجئے اب آپ کو اور کیا چاہیے۔ اصل تک تو عزیز مصر نے ہمیں واپس کر دی ہے اور بدلے کا غلہ پورا پورا دے دیا ہے۔ اب تو آپ بھائی صاحب کو ضرور ہمارے ساتھ کر دیجئے تو ہم اپنے خاندان کے لئے غلہ بھی لائیں گے اور بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ اور بھی مل جائے گا کیونکہ عزیز مصر ہر شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ ہی دیتے ہیں۔ اور آپ کو نہیں ہمارے ساتھ کرنے میں تامل کیوں ہے؟ ہم اس کی دیکھ بھال اور نگہداشت پوری طرح کریں گے۔ یہ ناپ بہت ہی آسان ہے۔ یہ تھا کلام کا تتمہ اور کلام کو اچھا کرنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ان تمام باتوں کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جب تک تم حلفیہ اقرار نہ کرو کہ اپنے اس بھائی کو اپنے ہمراہ مجھ تک واپس پہنچاؤ گے' میں اسے تمہارے ساتھ بھیجنے کا نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ خدانخواستہ تم سب ہی گھر جاؤ اور چھوٹ نہ سکو۔ چنانچہ بیٹوں نے اللہ کو بیچ میں رکھ کر مضبوط عہد و پیمان کیا۔ اب حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرما کر کہ ہماری اس گفتگو کا اللہ وکیل ہے' اپنے پیارے بچے کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس لئے کہ قحط کے مارے غلے کی ضرورت تھی اور بغیر بھیجے چارہ نہ تھا۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ
مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ
اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ
حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا
عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى ع ١١
يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور کہنے لگا اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ کئی ایک دروازوں میں سے جدا جدا طور پر داخل ہونا، میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا - حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے، میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے ○ جب وہ انھی راستوں میں سے جن کا حکم ان کے والد نے انھیں دیا تھا، گئے کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے، وہ اس سے انھیں ذرا بھی بچالے، ہاں یعقوب نے اپنے ضمیر کے ایک خطرے کو سرانجام دے لیا، وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ○ یہ سب جب یوسفؑ کے پاس پہنچ گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں - پس یہ جو کچھ کرتے رہے، اس کا کچھ رنج نہ کر ○

(آیت: ٦٧-٦٨) چونکہ نبی خدا حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بچوں پر نظر لگ جانے کا کھٹکا تھا کیونکہ وہ سب اچھے، خوبصورت، تنومند، طاقتور مضبوط، دیدہ رو نوجوان تھے - اس لئے بوقت رخصت ان سے فرماتے ہیں کہ پیارے بچو! تم سب شہر کے ایک ہی دروازے سے شہر میں نہ جانا بلکہ مختلف دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے جانا - نظر کا لگ جانا حق ہے - گھوڑ سوار کو یہ گرا دیتی ہے - پھر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ یہ میں جانتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ یہ تدبیر تقدیر میں ہیرا پھیری نہیں کر سکتی - اللہ کی قضا کو کوئی شخص کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا - اللہ کا چاہا پورا ہو کر ہی رہتا ہے - حکم اسی کا چلتا ہے - کون ہے جو اس ارادے کو بدل سکے؟ اس کے فرمان کو ٹال سکے؟ اس کی قضا کو لوٹا سکے؟ میرا بھروسہ اسی پر ہے اور مجھ پر ہی کیا موقوف ہے - ہر ایک توکل کرنے والے کو اسی پر توکل کرنا چاہئے - چنانچہ بیٹوں نے باپ کی فرماں برداری کی اور اسی طرح کئی ایک دروازوں میں بٹ گئے اور شہر میں پہنچے - اس طرح وہ اللہ کی قضا کو لوٹا تو نہیں سکتے تھے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک ظاہری تدبیر پوری کی کہ اس سے وہ نظر بد سے بچ جائیں - وہ ذی علم تھے - الہامی علم ان کے پاس تھا - ہاں اکثر لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے -

(آیت: ٦٩) بنیامین جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی تھے، انہیں لے کر آپ کے اور بھائی جب مصر پہنچے، آپ نے اپنے سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرایا، بڑی عزت و تکریم کی اور صلہ اور انعام و اکرام دیا، اپنے بھائی سے تنہائی میں فرمایا کہ میں تیرا بھائی یوسف ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام و اکرام فرمایا ہے، اب تمہیں چاہئے کہ بھائیوں نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے، اس کا رنج نہ کرو اور اس حقیقت کو

بھی ان پر نہ کھولو۔ میں کوشش میں ہوں کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں اپنے پاس روک لوں۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ
اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا
عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ
جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ
مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ
اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ
فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

پھر جب انھیں ان کا سامان اسباب ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پانی پینے کا پیالہ رکھ دیا' پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو تم لوگ تو چور ہو ○ انھوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمہاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ ○ جواب دیا کہ شاہی جام گم ہے' جو اسے لے آئے' اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا' اس وعدہ کا میں ضامن ہوں ○ انھوں نے کہا اللہ کی قسم تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لئے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں ○ انھوں نے کہا اچھا چور کی کیا سزا ہے۔ اگر تم جھوٹے ہو ○ جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے پایا جائے' وہی اس کا بدلہ ہے' ہم تو ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں ○

(آیت: ۷۰-۷۲) جب آپ اپنے بھائیوں کے حسب عادت ایک ایک اونٹ غلے کا دینے لگے اور ان کا اسباب لدنے لگا تو اپنے چالاک ملازموں سے چپکے سے اشارہ کر دیا کہ چاندی کا شاہی کٹورا بنیامین کے اسباب میں چپکے سے رکھ دیں۔ بعض نے کہا ہے' یہ کٹورا سونے کا تھا۔ اسی میں پانی پیا جاتا تھا اور اسی سے غلہ بھر کے دیا جاتا تھا بلکہ ویسا ہی پیالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی تھا۔ پس آپ کے ملازمین نے ہوشیاری سے وہ پیالہ آپ کے بھائی حضرت بنیامین کی خورجی میں رکھ دیا۔ جب یہ چلنے لگے تو سنا کہ پیچھے سے منادی ندا کرتا آ رہا ہے کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ ان کے کان کھڑے ہوئے' رک گئے۔ ادھر متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ آپ کی کیا چیز کھوئی گئی ہے؟۔ جواب ملا کہ شاہی پیمانہ جس سے اناج ناپا جاتا تھا' سنو شاہی اعلان ہے کہ اس کے ڈھونڈ لانے والے کو ایک بوجھ اونٹ غلہ ملے گا۔ اور میں خود ضامن ہوں۔

(آیت: ۷۳-۷۵) اپنے اوپر چوری کی تہمت سن کر برادران یوسف کے کان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے تم ہمیں جان چکے ہو۔ ہمارے عادات وخصائل سے واقف ہو چکے ہو' ہم ایسے نہیں کہ کوئی فساد اٹھائیں' ہم ایسے نہیں ہیں کہ چوریاں کرتے پھریں۔ شاہی ملازموں نے کہا' اچھا اگر جام وپیمانے کا چور تم میں سے ہی کوئی ہو اور تم جھوٹے پڑو تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟۔ جواب دیا کہ دین ابراہیمی کے مطابق اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اس شخص کے سپرد کر دیا جائے جس کا مال اس نے چرایا ہے' ہماری شریعت کا یہی فیصلہ ہے۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کا مطلب پورا ہو گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کی تلاشی لی جائے۔

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ۚ
كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا
أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾
قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا
يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَانًا ۖ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾

پس یوسف نے ان کی خرجیوں کی تلاش شروع کی اپنے بھائی کی خرجی کی تلاش سے پہلے۔ پھر اس جام کو اپنے بھائی کے شلیتے سے نکالا' ہم نے یوسف کے لئے اسی طرح یہ تدبیر کی' اس بادشاہ کے انصاف کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا مگر یہ کہ منظور اللہ ہو' ہم جسے چاہیں درجے بلند کر دیں' ہر ذی علم سے فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے ○ کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی تو اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا' کہا کہ تم گھٹیا درجے کے ہو' اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ○

(آیت:۷۶) چنانچہ پہلے بھائیوں کے اسباب کی تلاشی لی حالانکہ معلوم تھا کہ ان کی خورجیاں خالی ہیں لیکن صرف اس لئے کہ انہیں اور دوسرے لوگوں کو کوئی شبہ نہ ہو۔ آپ نے یہ کام کیا۔ جب بھائیوں کی تلاشی ہو چکی اور جام نہ ملا تو اب بنیامین کے اسباب کی تلاشی شروع ہوئی۔ چونکہ ان کے اسباب میں رکھوایا تھا اس لئے اس میں سے نکلنا ہی تھا' نکلتے ہی حکم دیا کہ انہیں روک لیا جائے۔ یہ تھی وہ ترکیب جو جناب باری نے اپنی حکمت اور حضرت یوسف کی اور بنیامین وغیرہ کی مصلحت کے لئے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو سکھائی تھی۔ کیونکہ شاہ مصر کے قانون کے مطابق تو باوجود چور ہونے کے بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے لیکن چونکہ بھائی خود ہی فیصلہ کر چکے تھے' اس لئے یہی فیصلہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جاری کر دیا۔ آپ کو معلوم تھا کہ شرع ابراہیمی کا فیصلہ چور کی بابت کیا ہے۔ اس لئے بھائیوں سے پہلے ہی منوالیا تھا۔ جس کے درجے اللہ بڑھانا چاہے' بڑھا دیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے' تم میں سے ایمانداروں کے درجے ہم بلند کریں گے۔ ہر عالم سے بالا کوئی اور عالم بھی ہے یہاں تک کہ اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ اسی سے علم کی ابتدا ہے اور اسی کی طرف علم کی انتہا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں فَوْقَ كُلِّ عَالِمٍ عَلِيْمٌ ہے۔

(آیت:۷۷) بھائی کے شلیتے میں سے جام کا نکلنا دیکھ کر بات بنا دی کہ دیکھو اس نے چوری کی تھی اور یہی کیا اس کے بھائی یوسف نے بھی ایک مرتبہ اس سے پہلے چوری کر لی تھی۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ اپنے نانا کا بت چپکے سے اٹھا لائے تھے اور اسے توڑ دیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک بڑی بہن تھیں جن کے پاس اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کا ایک کمر پٹہ تھا جو خاندان کے بڑے آدمی کے پاس رہا کرتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوتے ہی اپنی ان پھوپھی صاحبہ کی پرورش میں تھے۔ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے کمال درجے کی محبت تھی۔ جب آپ کچھ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو لے جانا چاہا۔ بہن صاحبہ سے درخواست کی۔ لیکن بہن نے جدائی کو ناقابل برداشت بیان کر کے انکار کر دیا۔

ادھر آپ کے والد صاحب حضرت یعقوب علیہ السلام کے شوق کی بھی انتہا نہ تھی۔ سر ہو گئے۔ آخر بہن صاحب نے فرمایا' اچھا کچھ

دنوں رہنے دو- پھر لے جانا- اسی اثنا میں ایک دن انہوں نے وہی کمر پٹہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے چھپا دیا- پھر تلاش شروع کی- گھر بھر چھان مارا نہ ملا- شور مچا- آخر یہ ٹھہری کہ گھر میں جو ہیں ان کی تلاشیاں لی جائیں- تلاشیاں لی گئیں- کسی کے پاس ہو تو نکلے- آخر حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاشی لی گئی- ان کے پاس سے برآمد ہوا- حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر دی گئی- اور ملت ابراہیمی کے قانون کے مطابق آپ اپنی پھوپھی کی تحویل میں کر دیئے گئے- اور پھوپھی نے اس طرح اپنے شوق کو پورا کیا- انتقال کے وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ چھوڑا- اسی بات کا طعنہ آج بھائی دے رہے ہیں- جس کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے چپکے سے اپنے دل میں کہا کہ تم بڑے خانہ خراب لوگ ہو- اس کے بھائی کی چوری کا حال اللہ خوب جانتا ہے-

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا
مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۷۸ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ
نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹ ۧ
فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا ع
اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا
فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ
اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰

کہنے لگے کہ اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں- آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجئے' ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے محسن شخص ہیں ○ یوسف نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے' اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' ایسا کرنے سے تو یقیناً ہم ناانصاف ہو جائیں گے ○ جب یہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے' ان میں سے جو سب سے بڑا تھا' اس نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کو بیچ میں رکھ کر پختہ قول و قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم زبردست قصور کر چکے ہو' پس میں تو اس سرزمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ میرا یہ معاملہ فیصل کر دے' وہی بہترین حاکم ہے ○

(آیت: ۷۸-۷۹) جب بنیامین کے پاس سے شاہی مال برآمد ہوا اور ان کے اپنے اقرار کے مطابق وہ شاہی قیدی ٹھہر چکے تو اب انہیں رنج ہونے لگا- عزیز مصر کو پرچانے لگے اور اسے رحم دلانے کے لئے کہا کہ ان کے والد ان کے بڑے ہی دلدادہ ہیں- ضعیف اور بوڑھے شخص ہیں- ان کا ایک سگا بھائی پہلے ہی گم ہو چکا ہے- جس کے صدمے سے وہ پہلے ہی سے چور ہیں- اب جو یہ سنیں گے تو ڈر ہے کہ زندہ نہ بچ سکیں- آپ ہم میں سے کسی کو ان کے قائم مقام اپنے پاس رکھ لیں اور اسے چھوڑ دیں' آپ بڑے محسن ہیں- اتنی عرض ہماری قبول فرما لیں- حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھلا یہ سنگدلی اور ظلم کیسے ہو سکتا ہے کہ کرے کوئی' بھرے کوئی- چور کو روکا جائے گا نہ کہ شاہ کو- ناکردہ گناہ کو سزا دینا اور گنہگار کو چھوڑ دینا' یہ تو صریح ناانصافی اور بدسلوکی ہے-

(آیت: ۸۰) جب برادران یوسف اپنے بھائی کے چھٹکارے سے مایوس ہو گئے' انہیں اس بات نے ششن و پنج میں ڈال دیا کہ ہم والد سے سخت عہد و پیمان کر کے آئے ہیں کہ بنیامین کو آپ کی حضور میں پہنچا دیں گے- اب یہاں سے یہ کسی طرح چھوٹ نہیں سکتے- الزام

ثابت ہو چکا۔ ہماری اپنی قرارداد کے مطابق وہ شاہی قیدی ٹھہر چکے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے؟ اس آپس کے مشورے میں بڑے بھائی نے اپنا خیال ان لفظوں میں ظاہر کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس زبردست ٹھوس وعدے کے بعد جو ہم ابا جان سے کر کے آئے ہیں' اب انہیں منہ دکھانے کے قابل تو نہیں رہے۔ نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے کہ کسی طرح بنیامین کو شاہی قید سے آزاد کرالیں۔ پھر اس وقت ہمیں اپنا پہلا قصور اور نادم کر رہا ہے جو یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں ہم سے اس سے پہلے سرزد ہو چکا ہے پس اب میں تو یہیں رک جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ یا تو والد صاحب میرا قصور معاف فرما کر مجھے اپنے پاس حاضر ہونے کی اجازت دیں یا اللہ تعالیٰ مجھے کوئی فیصلہ سجھا دے کہ میں یا تو لڑ بھڑ کر اپنے بھائی کو لے کر جاؤں اللہ تعالیٰ کوئی اور صورت بنا دے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام روبیل تھا یا یہودا تھا' یہی تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اور بھائیوں نے قتل کرنا چاہا تھا' انہوں نے روکا تھا۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا
شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ وَسْـَٔلِ
الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٨٣﴾
وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ
الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾

تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ ابا جی آپ کے صاحبزادے نے چوری کی' اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہم آپ جانتے تھے۔ ہم کچھ غیب کی حفاظت کرنے والے تو نہ تھے ○ آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرما لیں جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ واللہ ہم بالکل سچے ہیں ○ کہا یہ تو نہیں بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنا لی ہے' پس اب صبر ہی بہتر ہے' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس ہی پہنچا دے' وہی علم وحکمت والا ہے ○ پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا آہ یوسف! اس کی آنکھیں بوجہ رنج وغم کے سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کے مارے گھٹا جا رہا تھا ○

(آیت:۸۱-۸۲) اب یہ اپنے اور بھائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ تم ابا جی کے پاس جاؤ۔ انہیں حقیقت حال سے مطلع کرو۔ ان سے کہو کہ ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ چوری کر لیں گے اور چوری کا مال ان کے پاس موجود ہے' ہم سے تو مسئلے کی صورت پوچھی گئی۔ ہم نے بیان کر دی۔ آپ کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو اہل مصر سے دریافت فرما لیجئے۔ جس قافلے کے ساتھ ہم آئے ہیں اس سے پوچھ لیجئے۔ کہ ہم نے صداقت' امانت' حفاظت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اور ہم جو کچھ عرض کر رہے ہیں' وہ بالکل راستی پر مبنی ہے۔

(آیت:۸۳-۸۴) بھائیوں کی زبانی یہ خبر سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے پیراہن یوسف خون آلود پیش کر کے اپنی گھڑی ہوئی کہانی سنائی تھی کہ صبر ہی بہتر ہے۔ آپ سمجھے کہ اسی کی طرح یہ بات بھی ان کی اپنی بنائی ہوئی ہے۔ بیٹوں سے یہ فرما کر اب اپنی امید ظاہر کی جو اللہ سے تھی کہ بہت ممکن ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ میرے تینوں بچوں کو مجھ سے ملا دے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو بنیامین کو اور آپ کے بڑے صاحبزادے روبیل کو جو مصر میں ٹھہر گئے تھے اس امید پر کہ اگر موقعہ

لگ جائے تو بنیامین کو خفیہ طور پر نکال لے جائیں یا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حکم دے اور یہ اس کی رضامندی کے ساتھ واپس لوٹیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے۔ میری حالت کو خوب جان رہا ہے۔ حکیم ہے۔ اس کی قضا و قدر اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اب آپ کے اس نئے رنج نے پرانا رنج بھی تازہ کر دیا اور حضرت یوسف کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ انا للہ الخ پڑھنے کی ہدایات صرف اسی امت کو کی گئی ہے۔ اس نعمت سے اگلی امتیں مع اپنے نبیوں کے محروم تھیں۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ایسے موقعہ پر یا اسفی علی یوسف کہتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں غم نے آپ کو نابینا کر دیا تھا اور زبان خاموش تھی۔ مخلوق میں سے کسی سے شکایت و شکوہ نہیں کرتے تھے۔ غمگین اور اندوہ گین رہا کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ لوگ تجھ سے یہ کہہ کر دعا مانگتے ہیں کہ اے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے اللہ۔ تو تو ایسا کر کہ ان تین ناموں میں چوتھا نام میرا بھی شامل ہو جائے۔ جواب ملا کہ اے داؤد حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور صبر کیا۔ تیری آزمائش ابھی ایسی نہیں ہوئی۔ اسحاق علیہ السلام نے خود اپنی قربانی منظور کر لی اور اپنا گلا کٹوانے بیٹھ گئے۔ تجھ پر یہ بات بھی نہیں آئی۔ یعقوب علیہ السلام سے میں نے ان کے لخت جگر کو الگ کر دیا۔ اس نے بھی صبر کیا۔ تیرے ساتھ یہ واقعہ بھی نہیں ہوا' یہ روایت مرسل ہے اور اس میں نکارت بھی ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اس روایت کے راوی علی بن زید بن جدعان اکثر منکر اور غریب روایتیں بیان کر دیا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے کہ احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ نے یہ روایت بنی اسرائیل سے لی ہو جیسے کعب وہب وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل کی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو اس موقعہ پر جب کہ بنیامین قید میں تھے' ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں رحم دلانے کے لئے لکھا تھا کہ ہم مصیبت زدہ لوگ ہیں۔ میرے داد حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے۔ میرے والد حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح کے ساتھ آزمائے گئے۔ میں خود فراق یوسف میں مبتلا ہوں۔ لیکن یہ روایت بھی سنداً ثابت نہیں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

بیٹوں نے کہا' واللہ تم تو ہمیشہ یوسف کی یاد ہی میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل جاؤ یا ختم ہو جاؤ ○ اس نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانی اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف کی وہ باتیں معلوم ہیں جن سے تم سراسر بے خبر ہو ○

(آیت:۸۵-۸۶) بچوں نے باپ کا یہ حال دیکھ کر انہیں سمجھانا شروع کیا کہ اباجی آپ تو اسی کی یاد میں اپنے تئیں گھلا دیں گے بلکہ ہمیں تو ڈر ہے کہ اگر آپ کا یہی حال کچھ دنوں اور رہا تو کہیں زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ میں تم سے تو کچھ نہیں کہہ رہا۔ میں تو اپنے رب کے پاس اپنا دکھ رو رہا ہوں۔ اور اس کی ذات سے بہت امید رکھتا ہوں۔ وہ بھلائیوں والا ہے۔ مجھے یوسف کا خواب یاد ہے جس کی تعبیر ظاہر ہو کر رہے گی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک مخلص دوست نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا کہ آپ کی بینائی کیسے جاتی رہی؟ اور آپ کی کمر کیسے کبڑی ہو گئی؟ آپ نے فرمایا' یوسف کو رو رو کر آنکھیں کھو بیٹھا اور بنیامین کے صدمے نے کمر توڑ دی۔ اسی وقت

حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا' اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد کہتا ہے کہ میری شکایتیں دوسروں کے سامنے کرنے سے آپ شرماتے نہیں؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت فرمایا کہ میری پریشانی اور غم کی شکایت اللہ ہی کے سامنے ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' آپ کی شکایت کا اللہ کو خوب علم ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس میں بھی نکارت ہے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾
فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ
وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ
عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

میرے پیارے بچو تم جاؤ اور یوسف کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو یقیناً رحمت رب سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں ○ پھر جب لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ اے عزیز' ہم اور ہمارا خاندان بڑی تکلیف میں ہے۔ ہم حقیر پونجی لے کر آئے ہیں۔ پس آپ ہمیں پورا پیمانہ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے' اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والے کو بدلہ دیتا ہے ○

(آیت: ۸۷-۸۸) حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ تم ادھر ادھر جاؤ اور حضرت یوسف اور بنیامین کی تلاش کرو۔ عربی میں تَحَسُّ کا لفظ بھلائی کی جستجو کے لئے بولا جاتا ہے اور برائی کی ٹٹول کے لئے تَجَسُّسُ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ساتھ میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اس کی رحمت سے مایوس وہی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ تم تلاش بند نہ کرو۔ اللہ سے نیک امید رکھو اور اپنی کوشش جاری رکھو۔ چنانچہ یہ لوگ چلے۔ پھر مصر پہنچے۔ حضرت یوسفؑ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ وہاں اپنی خستہ حالی ظاہر کی کہ قحط سالی نے ہمارے خاندان کو ستا رکھا ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں رہا جس سے غلہ خریدتے۔ اب ردی' واہی' ناقص' بے کار' کھوٹی اور قیمت نہ بننے والی کچھ یونہی سی رکھی رکھائی چیزیں لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ گو یہ بدلہ نہیں کہا جا سکتا نہ قیمت بنتی ہے لیکن تاہم ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں دیجئے جو سچی' صحیح اور پوری قیمت پر دیا کرتے ہیں۔ ہمارے بوجھ بھر دیجئے۔ ہماری خورجیاں پر کر دیجئے ابن مسعود کی قرأت میں فاوف لنا الکیل کے بدلے فافو قرر کا بنا ہے یعنی ہمارے اونٹ غلے سے لاد دیجئے۔ اور ہم پر صدقہ کیجئے۔ ہمارے بھائی کو رہائی دیجئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ غلہ ہمیں ہمارے اس مال کے بدلے نہیں بلکہ بطور خیرات دیجئے۔

حضرت سفیان بن عینیہ رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ سے پہلے بھی کسی نبی پر صدقہ حرام ہوا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھ کر استدلال کیا کہ نہیں ہوا۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ کیا کسی شخص کا اپنی دعا میں یہ کہنا مکروہ ہے کہ یا اللہ مجھ پر صدقہ کر۔ فرمایا ہاں اس لئے کہ صدقہ وہ کرتا ہے جو طالب ثواب ہو۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ
جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ

وَهٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ
اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ
اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِیْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ
یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ز وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾

یوسف نے کہا' جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی جہالت میں کیا کیا کیا؟ ○ انھوں نے پوچھا' شاید تو ہی یوسف ہے' جواب دیا کہ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیز گاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیک کار کا اجر ضائع نہیں کرتا ○ انہوں نے کہا' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے ○ جواب دیا کہ آج تم پر کوئی خفگی بھرا الزام نہیں ہے۔ اللہ تمہیں بخشے۔ وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے ○

(آیت:۸۹-۹۲) جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس اس عاجزی اور بے بسی کی حالت میں پہنچے' اپنے تمام دکھ رونے لگے' اپنے والد کی اور اپنے گھر والوں کی مصیبتیں بیان کیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ نہ رہا گیا۔ اپنے سر سے تاج اتار دیا اور بھائیوں سے کہا' کچھ اپنے کرتوت یاد بھی ہیں کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا؟ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ وہ نری جہالت کا کرشمہ تھا اسی لئے بعض سلف فرماتے ہیں کہ اللہ کا ہر گنہگار جاہل ہے۔ قرآن فرماتا ہے ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُو السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دو دفعہ کی ملاقات میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا حکم الٰہی نہ تھا۔ اب کی مرتبہ حکم ہو گیا۔ آپ نے معاملہ صاف کر دیا۔ جب تکلیف بڑھ گئی' سختی زیادہ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے راحت دے دی اور کشادگی عطا فرما دی۔

جیسے ارشاد ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ اب بھائی چونک پڑے' کچھ اس وجہ سے کہ تاج اتارنے کے بعد پیشانی کی نشانی دیکھ لی اور کچھ اس قسم کے سوالات' کچھ حالات' کچھ اگلے واقعات سب سامنے آ گئے۔ تاہم اپنا شک دور کرنے کے لئے پوچھا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ آپ نے اس سوال کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ ہاں میں خود یوسف ہوں اور یہ میرا سگا بھائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بچھڑنے کے بعد ملا دیا' تفرقہ کے بعد اجتماع کر دیا' تقوی اور صبر رائیگاں نہیں جاتے۔ نیک کاری بے پھل لائے نہیں رہتی۔ اب تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت اور بزرگی کا اقرار کر لیا کہ واقعی صورت سیرت دونوں اعتبار سے آپ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ملک و مال کے اعتبار سے بھی اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اسی طرح بعض کے نزدیک نبوت کے اعتبار سے بھی کیونکہ حضرت یوسف نبی تھے اور یہ بھائی نبی نہ تھے۔ اس اقرار کے بعد اپنی خطا کاری کا بھی اقرار کیا۔ اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا' میں آج کے دن کے بعد تمہیں تمہاری یہ خطا یاد بھی نہ دلاؤں گا' میں تمہیں کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرنا نہیں چاہتا نہ تم پر الزام رکھتا ہوں نہ تم پر اظہار خفگی کرتا ہوں بلکہ میری دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرمائے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔ بھائیوں نے عذر پیش کیا' آپ نے قبول فرما لیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی کرے اور تم نے جو کیا ہے' اسے بخش دے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَاْتُوْنِیْ
بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾ ع وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ

رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَآ أَن تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَـٰلِكَ
الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾

میرا یہ کرتہ تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں اور آ جائیں' اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ ○ جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو خوشبو آ رہی ہے' اگر تم مجھے کم عقل نہ بناؤ ○ وہ کہنے لگے کہ واللہ آپ تو اپنی اسی پرانی غلطی پر قائم ہیں ○

(آیت: ۹۳-۹۵) چونکہ اللہ کے رسول حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے رنج وغم میں روتے روتے نابینا ہو گئے تھے' اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ میرا یہ کرتہ لے کر تم ابا کے پاس جاؤ۔ اسے ان کے منہ پر ڈالتے ہی ان شاء اللہ ان کی نگاہ روشن ہو جائے گی۔ پھر انہیں اور اپنے گھرانے کے تمام اور لوگوں کو یہیں میرے پاس لے آؤ۔ ادھر یہ قافلہ مصر سے نکلا ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی خوشبو پہنچا دی تو آپ نے اپنے ان بچوں سے جو آپ کے پاس تھے' فرمایا کہ مجھے تو میرے پیارے فرزند یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ لیکن تم تو مجھے سترا بہترا کم عقل بڈھا کہہ کر میری اس بات کو باور نہیں کرنے کے۔ ابھی قافلہ کنعان سے آٹھ دن کے فاصلے پر تھا جو بحکم الٰہی ہوا نے حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے پیراہن کی خوشبو پہنچا دی۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کی مدت اسی سال کی گزر چکی تھی اور قافلہ اسی فرسخ آپ سے دور تھا۔ لیکن بھائیوں نے کہا' آپ تو یوسف کی محبت میں غلطی میں پڑے ہوئے ہیں نہ غم آپ کے دل سے دور ہو نہ آپ کو تسلی ہو۔ ان کا یہ کلمہ بڑا سخت تھا۔ کسی لائق اولاد کو لائق نہیں کہ اپنے باپ سے یہ کہے نہ کسی امتی کو لائق ہے کہ اپنے نبی سے یہ کہے۔

فَلَمَّآ أَن جَآءَ الْبَشِيرُ أَلْقَـٰهُ عَلَىٰ وَجْهِهِۦ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ
أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّىٓ أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا
يَـٰٓأَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَآ إِنَّا كُنَّا خَـٰطِـِٔينَ ﴿٩٧﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ
لَكُمْ رَبِّىٓ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾

جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر اس کے منہ پر وہ کرتہ ڈالا' اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گیا' کہنے لگا کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف کی وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ○ وہ کہنے لگے' ابا جی آپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے۔ بے شک ہم قصوروار ہیں ○ کہا اچھا میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا' وہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے ○

(آیت: ۹۶-۹۸) کہتے ہیں کہ پیراہن یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے یہودا لائے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے ہی پہلے جھوٹ موٹ وہ کرتا پیش کیا تھا۔ جسے خون آلود کر کے لائے تھے اور باپ کو یہ سمجھایا تھا کہ یہ یوسف کا خون ہے۔ اب بدلے کے لئے یہ کرتہ بھی یہی لائے کہ برائی کے بدلے بھلائی ہو جائے۔ بری خبر کے بدلے خوشخبری ہو جائے۔ آتے ہی باپ کے منہ پر ڈالا۔ اسی وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں کھل گئیں اور بچوں سے کہنے لگے' دیکھو میں تو ہمیشہ تم سے کہا کرتا تھا کہ اللہ کی بعض وہ باتیں میں جانتا ہوں جن سے تم محض بے خبر ہو۔ میں تم سے کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے یوسف کو ضرور مجھ سے ملائے گا۔ ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے آج میرے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ بیٹے کہنے لگے ابا جی! آپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی

بخشش طلب کیجئے- باپ جواب میں فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے انکار نہیں اور مجھے اپنے رب سے یہ بھی امید ہے کہ وہ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا اس لئے کہ وہ بخششوں اور مہربانیوں والا ہے- توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرما لیا کرتا ہے- میں صبح سحری کے وقت تمہارے لئے استغفار کروں گا- ابن جریر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے تو سنتے کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ الٰہی تو نے پکارا' میں نے مان لیا تو نے حکم دیا' میں بجا لایا- یہ سحر کا وقت ہے- پس تو مجھے بخش دے- آپ نے کان لگا کر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے یہ آواز آ رہی ہے- آپ نے ان سے پوچھا' انہوں نے کہا' یہی وہ وقت ہے جس کے لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میں تمہارے لئے تھوڑی دیر بعد استغفار کروں گا- حدیث میں ہے کہ یہ رات جمعہ کی رات تھی- ابن جریر میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب جمعہ کی رات آ جائے- لیکن یہ حدیث غریب ہے- بلکہ اس کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے واللہ اعلم-

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ
سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا
رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ
مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ
اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾

جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن و امان کے ساتھ مصر میں آؤ ○ اپنے تخت پر اپنے ماں باپ کو اونچا بٹھایا اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے- تب کہا ابا جی- یہ ہے میرے پہلے کے خواب کی تعبیر' میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا' اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا اور تمہیں صحرا سے لے آیا- اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا' میرا رب جو چاہے اس کے لئے بہترین تدبیر کرنے والا ہے اور ہے بھی وہ بہت علم و حکمت والا ○

(آیت: ۹۹-۱۰۰) بھائیوں پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے تئیں ظاہر کر کے فرمایا تھا کہ ابا جی کو اور لھر کے سب لوگوں کو یہیں لے آؤ- بھائیوں نے یہی کیا- اس بزرگ قافلے نے کنعان سے کوچ کیا- جب مصر کے قریب پہنچے تو نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے استقبال کے لئے چلے اور حکم شاہی سے شہر کے تمام امیر امرا اور ارکان دولت بھی آپ کے ساتھ تھے- یہ بھی مروی ہے کہ خود شاہ مصر بھی استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا تھا- اس کے بعد جو جگہ دینے وغیرہ کا ذکر ہے' اس کی بابت بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کی عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی آپ نے ان سے فرمایا تم مصر میں چلو ان شاء اللہ پر امن اور بے خطر رہو گے- اب شہر میں داخلے کے بعد آپ نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور انہیں اونچے تخت پر بٹھایا- لیکن امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں سدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول بالکل ٹھیک ہے- جب پہلی ہی ملاقات ہوئی تو آپ نے انہیں اپنے پاس کر لیا اور جب شہر کا دروازہ آیا تو فرمایا' اب اطمینان کے ساتھ یہاں چلئے- لیکن اس میں بھی ایک بات رہ گئی ہے- ایوا الصل میں منزل میں جگہ

دینے کو کہتے ہیں جیسے اوی الیه اخاه میں ہے۔ اور حدیث میں بھی ہے من اوی محدثا پس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کا مطلب یہ بیان نہ کریں کہ ان کے آ جانے کے بعد انہیں جگہ دینے کے بعد آپ نے ان سے فرمایا کہ تم امن کے ساتھ مصر میں داخل ہو یعنی یہاں قحط وغیرہ کی مصیبتوں سے محفوظ ہو کر با آرام رہو سہو۔ مشہور ہے کہ اور جو قحط سالی کے سال باقی تھے۔ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تشریف آوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیئے۔ جیسے کہ اہل مکہ کی قحط سالی سے تنگ آ کر ابوسفیان نے آپ سے شکایت کی اور بہت روئے پیٹے اور سفارش چاہی۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت آپ کے والد صاحب کے ہمراہ آپ کی خالہ صاحبہ آئی تھیں۔ لیکن امام ابن جریر اور امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ کی والدہ خود ہی زندہ موجود تھیں۔ ان کی موت پر کوئی صحیح دلیل نہیں اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ اس بات کو چاہتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ زندہ موجود تھیں۔ یہی بات ٹھیک بھی ہے۔ آپ نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھا لیا۔ اس وقت ماں باپ بھی اور گیارہ بھائی کل کے کل آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ آپ نے فرمایا' ابا جی لیجئے میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی' یہ ہیں گیارہ ستارے اور یہ ہیں سورج چاند جو میرے سامنے سجدے میں ہیں۔ ان کی شرع میں یہ چیز جائز تھی کہ بڑوں کو سلام کے ساتھ سجدہ کرتے تھے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ بات جائز ہی رہی لیکن اس ملت محمدیہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی اور کے لئے سوائے اپنی ذات پاک کے سجدے کو مطلقا حرام کر دیا۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنے لئے ہی مخصوص کر لیا۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے قول کا ماحصل مضمون یہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ شامی لوگ اپنے بڑوں کو سجدے کرتے ہیں۔ یہ جب لوٹے تو انہوں نے حضور ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ نے پوچھا' معاذ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے اہل شام کو دیکھا کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ تو اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ نے فرمایا' اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے۔ بہ سبب اس کے بہت بڑے حق کے جو اس پر ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کے ابتدائی زمانے میں راستے میں حضور ﷺ کو دیکھ کر آپ کے سامنے سجدہ کیا تو آپ کے فرمایا' سلمان مجھے سجدہ نہ کرو۔ سجدہ اس اللہ کو کرو جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے۔ جو کبھی نہ مرے گا۔ الغرض چونکہ اس شریعت میں جائز تھا' اس لئے انہوں نے سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا' لیجئے ابا جی میرے خواب کا ظہور ہو گیا۔ میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔ اس کا انجام ظاہر ہو گیا۔ چنانچہ اور آیت میں قیامت کے دن کے لئے بھی یہی لفظ بولا گیا ہے یوم یاتی تاویله پس یہ بھی اللہ کا مجھ پر ایک احسان عظیم ہے کہ اس نے میرے خواب کو سچا کر دکھایا اور جو میں نے سوتے سوتے دیکھا تھا' الحمد للہ مجھے جاگتے میں بھی اس نے دکھا دیا۔ اور احسان اس کا یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نجات دی اور تم سب کو صحرا سے یہاں لا کر مجھ سے ملا دیا۔ آپ چونکہ جانوروں کے پالنے والے تھے' اس لئے عموماً بادیہ میں ہی قیام رہتا تھا' فلسطین بھی شام کے جنگلوں میں ہے۔ اکثر اوقات پڑاؤ رہا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ اولاج میں حسمی کے نیچے رہا کرتے تھے اور مویشی پالتے تھے' اونٹ بکریاں وغیرہ ساتھ رہتی تھیں۔

پھر فرماتے ہیں' اس کے بعد کہ شیطان نے ہم میں پھوٹ ڈلوادی تھی' اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اس کے ویسے ہی اسباب مہیا کر دیتا ہے اور اسے آسان اور سہل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ اپنے افعال' اقوال' قضا وقدر' مختار و مراد میں وہ باحکمت ہے۔ سلیمان کا قول ہے کہ خواب کے دیکھنے اور اس کی تاویل کے ظاہر ہونے میں چالیس سال کا وقفہ تھا۔ عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں' خواب کی تعبیر کے واقع ہونے میں اس سے زیادہ زمانہ لگتا بھی نہیں۔ یہ آخری مدت ہے۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ باپ بیٹے اسی برس کے بعد ملے۔ تم خیال تو کرو کہ زمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام سے زیادہ اللہ کا کوئی محبوب بندہ نہ تھا۔ پھر بھی اتنی مدت انہیں فراق یوسف میں گزری۔ ہر وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے اور دل میں غم کی موجیں اٹھتیں۔ اور روایت میں ہے کہ یہ مدت تراسی سال کی تھی۔ فرماتے ہیں، جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے گئے، اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اسی برس تک آپ باپ کی نظروں سے اوجھل رہے۔ پھر ملاقات کے بعد تیئس برس زندہ رہے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ بقول قتادہ رحمتہ اللہ علیہ ترپن برس کے بعد باپ بیٹا ملے۔ ایک قول ہے کہ اٹھارہ سال ایک دوسرے سے دور رہے اور ایک قول ہے کہ چالیس سال کی جدائی رہی اور پھر مصر میں باپ سے ملنے کے بعد سترہ سال زندہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل جب مصر پہنچے ہیں، ان کی تعداد صرف تریسٹھ کی تھی اور جب یہاں سے نکلے ہیں، اس وقت ان کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار کی تھی۔ مسروق کہتے ہیں، آنے کے وقت یہ مع مرد و عورت تین سو نوے تھے۔ عبداللہ بن شداد کا قول ہے کہ جب یہ لوگ آئے کل چھیاسی تھے یعنی مرد عورت بوڑھے بچے سب ملا کر اور جب نکلے ہیں اس وقت ان کی گنتی چھ لاکھ سے اوپر اوپر تھی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ قف اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ
مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھائی، اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا والی اور کار ساز ہے، تو مجھے مسلمان مار اور نیکوں میں ملا دے ○

(آیت: ۱۰۱) نبوت مل چکی، بادشاہت عطا ہو گئی، دکھ کٹ گئے، ماں باپ اور بھائی سب سے ملاقات ہو گئی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جیسے یہ دنیوی نعمتیں تو نے مجھ پر پوری کی ہیں، ان نعمتوں کو آخرت میں پوری فرما، جب بھی موت آئے تو اسلام پر اور تیری فرمانبرداری پر آئے اور میں نیک لوگوں میں ملا دیا جاؤں اور نبیوں اور رسولوں میں صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ بہت ممکن ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا بوقت وفات ہو۔ جیسے کہ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انتقال کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی اٹھائی اور یہ دعا کی کہ اے اللہ رفیق اعلیٰ میں ملا دے۔ تین مرتبہ آپ نے یہی دعا کی۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا مقصود یہ ہے کہ جب بھی وفات آئے، اسلام پر آئے اور نیکوں میں مل جاؤں۔ یہ نہیں کہ اسی وقت آپ نے یہ دعا اپنی موت کے لئے کی ہو۔ اس کی بالکل وہی مثال ہے جو کوئی کسی کو دعا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تجھے اسلام پر موت دے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ ابھی ہی تجھے موت آ جائے۔ یا جیسے ہم مانگتے ہیں کہ الٰہی ہمیں تیرے دین پر ہی موت آئے یا ہماری یہی دعا کہ اللہ مجھے اسلام پر مار اور نیک کاروں میں ملا۔ اور اگر یہی مراد ہو کہ واقعی آپ نے اسی وقت موت مانگی تو ممکن ہے کہ یہ بات اس شریعت میں جائز ہو۔ چنانچہ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب آپ کے تمام کام بن گئے، آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، ملک، مال، عزت، آبرو، خاندان، برادری، بادشاہت سب مل گئے تو آپ کو صالحین کی جماعت میں پہنچنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کسی نبی نے سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے آپ سے پہلے موت طلب نہیں کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہی سب سے پہلے اس دعا کے مانگنے والے ہیں، ممکن ہے اس سے مراد ابن عباس کی یہ ہو کہ اس دعا کو سب سے پہلے کرنے والے یعنی خاتمہ اسلام پر ہونے کی دعا کے سب

سے پہلے مانگنے والے آپ ہی تھے- جیسے کہ یہ دعا رب اغفرلی و لوالدی سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے مانگی تھی- باوجود اس کے بھی اگر یہی کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی ہی دعا کی تھی تو ہم کہتے ہیں' ہوسکتا ہے کہ ان کے دین میں جائز ہو- ہمارے ہاں تو سخت ممنوع ہے- مسند میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے کوئی کسی سختی اور ضرر سے گھبرا کر موت کی آرزو نہ کرے' اگر اسے ایسی ہی تمنا کرنی ضروری ہے تو یوں کہے اے اللہ جب تک میری حیات تیرے علم میں میرے لئے بہتر ہے' مجھے زندہ رکھ اور جب تیرے علم میں میری موت میرے لئے بہتر ہو' مجھے موت دے دے- بخاری و مسلم کی اسی حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی کسی سختی کے نازل ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز نہ کرے- اگر وہ نیک ہے تو اس کی زندگی اس کی نیکیاں بڑھائے گی اور اگر وہ بد ہے تو بہت ممکن ہے کہ زندگی میں کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے بلکہ یوں کہے اے اللہ جب تک میرے لئے حیات بہتر ہے' تو مجھے زندہ رکھ-

مسند احمد میں ہے' ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے- آپ نے ہمیں وعظ ونصیحت کی اور ہمارے دل گرما دئے- اس وقت ہم سب سے زیادہ رونے والے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے' روتے روتے ان کی زبان سے نکل گیا کہ کاش کہ میں مرجاتا' آپ نے فرمایا- سعد میرے سامنے موت کی تمنا کرتے ہو؟ تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے- پھر فرمایا' اے سعد اگر تو جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو جس قدر عمر بڑھے گی اور نیکیاں زیادہ ہوں گی تیرے حق میں بہتر ہے- مسند میں ہے' آپ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی ہرگز ہرگز موت کی تمنا نہ کرے نہ اس کی دعا کرے اس سے پہلے کہ وہ آئے- ہاں اگر کوئی ایسا ہو کہ اسے اپنے اعمال کا وثوق اور ان پر یقین ہو- سنو تم میں سے جو مرتا ہے' اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں- مومن کے اعمال اس کی نیکیاں ہی بڑھاتے ہیں- یہ یاد رہے کہ یہ حکم اس مصیبت میں ہے جو دنیوی ہو اور اسی کی ذات کے متعلق ہو- لیکن اگر فتنہ مذہبی ہو' مصیبت دینی ہو تو موت کا سوال جائز ہے- جیسے کہ فرعون کے جادوگروں نے اس وقت دعا کی تھی جب کہ فرعون انہیں قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا- کہا تھا کہ الہی ہم کو صبر عطا کر اور ہمیں اسلام کی حالت میں موت دے- اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام جب درد زہ سے گھبرا کر کھجوروں کے تنے تلے گئیں تو بے ساختہ منہ سے نکل گیا کہ کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور آج تو لوگوں کی زبان سے بھلا دی گئی ہوتی- یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب معلوم ہوا کہ لوگ انہیں زنا کی تہمت لگا رہے ہیں اس لئے کہ آپ خاوند والی نہ تھیں اور حمل ٹھہر گیا تھا- پھر بچہ پیدا ہوا تھا اور دنیا نے شور مچایا تھا کہ مریم بڑی بدعورت ہے- نہ ماں بری نہ باپ بدکار- پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی مخلصی بیان کر دی اور اپنے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارے میں زبان دی اور مخلوق کو زبردست معجزہ اور ظاہر نشان دکھا دیا صلوات اللہ و سلامہ علیہا-

ایک حدیث میں ایک لمبی دعا کا ذکر ہے جس میں یہ جملہ بھی ہے کہ الہی جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے اس فتنے میں مبتلا کرنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' دو چیزوں کو انسان اپنے حق میں بری جانتا ہے' موت کو بری جانتا ہے اور موت مومن کے لئے فتنے سے بہتر ہے- مال کی کمی کو انسان اپنے لئے برائی خیال کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی ہے[1] الغرض دینی فتنوں کے وقت طلب موت جائز ہے- چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری زمانے میں جب دیکھا کہ لوگوں کی شرارتیں کسی طرح ختم نہیں ہوتیں اور کسی طرح اتفاق نصیب نہیں ہوتا تو دعا کی کہ الہ العالمین مجھے اب تو اپنی طرف قبض کر لے- یہ لوگ مجھ سے اور میں ان سے تنگ آ چکا ہوں- حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ پر بھی جب فتنوں کی زیادتی ہوئی اور دین کا سنبھالنا مشکل ہو پڑا اور امیر خراسان کے ساتھ بڑے معرکے پیش آئے تو آپ نے جناب باری سے دعا کی کہ الہی اب مجھے اپنے پاس بلا لے- ایک حدیث میں ہے کہ فتنوں کے زمانوں میں انسان قبر کو دیکھ کر کہے گا' کاش کہ میں اس جگہ ہوتا کیونکہ فتنوں' بلاؤں' زلزلوں اور سختیوں نے ہر ایک مفتون کو فتنے میں

ڈال رکھا ہوگا۔

ابن جریر میں ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ان بیٹوں کے لئے جن سے بہت سے قصور سرزد ہو چکے تھے، استغفار کیا تو اللہ نے ان کا استغفار قبول کیا اور انہیں بخش دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سارا خاندان مصر میں جمع ہو گیا تو برادران یوسفؑ نے ایک روز آپس میں کہا کہ ہم نے ابا جی کو جتنا ستایا ہے، ظاہر ہے۔ ہم نے بھائی یوسف پر جو ظلم توڑے ہیں، ظاہر ہیں۔ اب گو یہ دونوں بزرگ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہماری خطا سے درگزر فرما جائیں۔ لیکن کچھ خیال بھی ہے کہ اللہ کے ہاں ہماری کیسی درگت بنے گی؟ آخر یہ ٹھہری کہ آؤ ابا جی کے پاس چلیں اور ان سے التجائیں کریں۔ چنانچہ سب مل کر آپ کے پاس آئے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بھی باپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے بیک زبان کہا کہ حضور ہم آپ کے پاس ایک ایسے اہم امر کے لئے آج آئے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی ایسے اہم کام کے لئے آپ کے پاس نہیں آئے تھے، ابا جی اور اے بھائی صاحب، ہم اس وقت ایسی مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہمارے دل اس قدر کپکپا رہے ہیں کہ آج سے پہلے ہماری ایسی حالت کبھی نہیں ہوئی۔ الغرض کچھ اس طرح نرمی اور لجاجت کی کہ دونوں بزرگوں کا دل بھر آیا، ظاہر ہے کہ انبیا کے دلوں میں تمام مخلوق سے زیادہ رحم اور نرمی ہوتی ہے۔ پوچھا کہ آخر تم کیا کہتے ہو اور ایسی تم پر کیا بپتا پڑی ہے؟ سب نے کہا، آپ کو خوب معلوم ہے کہ ہم نے آپ کو کس قدر ستایا، ہم نے بھائی پر کیسے ظلم وستم ڈھائے؟ دونوں نے کہا ہاں معلوم ہے پھر؟ کہا، کیا یہ درست ہے کہ آپ دونوں نے ہماری تقصیر معاف فرما دی؟ کہا ہاں بالکل درست ہے۔ ہم دل سے معاف کر چکے۔ تب لڑکوں نے کہا، آپ کا معاف کر دینا بھی بے سود ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف نہ کر دے۔ پوچھا اچھا پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا یہی کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں یہاں تک کہ بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے ہمیں بخش دیا تو البتہ ہماری آنکھوں میں نور اور دل میں سرور آ سکتا ہے ورنہ ہم تو دونوں جہاں سے گئے گزرے۔ اس وقت آپ کھڑے ہو گئے۔ قبلے کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت یوسف علیہ السلام آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے، بڑے ہی خشوع وخضوع سے جناب باری میں گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں شروع کیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام دعا کرتے تھے، حضرت یوسفؑ آمین کہتے تھے کہتے ہیں کہ بیس سال تک دعا مقبول نہ ہوئی۔

آخر بیس سال تک جب کہ بھائیوں کا خون خوف خداوندی سے خشک ہونے لگا تب وحی آئی اور قبولیت دعا اور بخشش فرزندان کی بشارت سنائی گئی بلکہ یہ بھی فرمایا گیا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ تیرے بعد نبوت بھی انہیں ملے گی۔ یہ قول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور اس میں دو راوی ضعیف ہیں۔ یزید رقاشی، صالح مری۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی موت کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ مجھے ابراہیم واسحاق کی جگہ میں دفن کرنا۔ چنانچہ بعد از انتقال آپ نے یہ وصیت پوری کی اور ملک شام کی زمین میں آپ کے باپ دادا کے پاس دفن کیا۔ علیهم الصلوات و السلام۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝١٠٢ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠٣ وَمَا تَسْــَٔـلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا
ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٤

ع ۱۱

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے‘ جس کی ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں‘ تو تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ انھوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے ○ گو تو لاکھ چاہے لیکن اکثر لوگ ایماندار نہ ہوں گے ○ تو ان سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کر رہا‘ یہ تو تمام دنیا کے لئے نری نصیحت ہی نصیحت ہے ○

(آیت:۱۰۲-۱۰۴) حضرت یوسفؑ کا تمام وکمال قصہ بیان فرما کر کہ کس طرح بھائیوں نے ان کے ساتھ برائی کی اور کس طرح ان کی جان تلف کرنی چاہی اور اللہ نے انہیں کس طرح بچایا اور کس طرح اوج وترقی پر پہنچایا اب اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ اور اس جیسی اور چیزیں سب ہماری طرف سے تمہیں دی جاتی ہیں تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور آپ کے مخالفین کی بھی آنکھیں کھلیں اور ان پر ہماری حجت قائم ہو جائے‘ تو اس وقت کچھ ان کے پاس تھوڑے ہی تھا جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کھلا داؤ فریب کر رہے تھے- کنویں میں ڈالنے کے لئے سب مستعد ہو گئے تھے- صرف ہمارے بتانے سکھانے سے تجھے یہ واقعات معلوم ہوئے- جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے قصے کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ جب وہ قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو کون پالے‘ تو اس وقت ان کے پاس نہ تھا- الخ- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں بھی اسی قسم کا ارشاد فرمایا ہے کہ بجانب مغربی جب ہم حضرت موسیٰ کو اپنی باتیں سمجھا رہے تھے‘ تو وہاں نہ تھا- اسی طرح اہل مدین کا معاملہ بھی تجھ سے پوشیدہ ہی تھا- ملاء اعلیٰ کی آپس کی گفتگو میں تو موجود نہ تھا- یہ سب ہماری طرف سے بذریعہ وحی تجھے بتایا گیا‘ یہ کھلی دلیل ہے تیری رسالت ونبوت کی کہ گذشتہ واقعات تو اس طرح کھول کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے کہ گویا تو نے آپ بچشم خود دیکھے ہیں اور تیرے سامنے ہی گزرے ہیں- پھر یہ واقعات نصیحت وعبرت حکمت وموعظت سے پر ہیں جن سے انسانوں کی دین ودنیا سنور سکتی ہے- باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ایمان سے کورے رہ جاتے ہیں گو تو لاکھ چاہے کہ یہ مومن بن جائیں- اور آیت میں ہے وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تو انسانوں کی اکثریت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے راہ اللہ سے بہکا اور بھٹکا دیں گے- بہت سے واقعات کے بیان کے بعد ہر ایک واقعہ کے ساتھ قرآن نے فرمایا ہے کہ گو اس میں بڑا زبردست نشان ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ ماننے والے نہیں- آپ جو کچھ بھی جفاکشی کر رہے ہیں اور مخلوق خدا کو راہ خدا دکھا رہے ہیں‘ اس میں آپ کا اپنا دنیوی نفع ہرگز مقصود نہیں‘ آپ ان سے کوئی اجرت اور کوئی بدلہ نہیں چاہتے بلکہ یہ صرف اللہ کی رضاجوئی کے لئے‘ مخلوق کے نفع کے لئے ہے- یہ تو تمام جہان کے لئے سراسر ذکر ہے کہ وہ راہ راست پائیں‘ نصیحت حاصل کریں‘ عبرت پکڑیں‘ ہدایت ونجات پائیں-

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۱۰۵ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝۱۰۶ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۰۷

آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں ○ ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں ○ کیا وہ اس بات سے بےخوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب آ جائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ محض بےخبر ہی ہوں؟ ○

(آیت:۱۰۵-۱۰۷) بیان ہو رہا ہے قدرت کی بہت سے نشانیاں‘ وحدانیت کی بہت سی گواہیاں‘ دن رات ان کے سامنے ہیں- پھر بھی اکثر لوگ نہایت بے پرواہی اور سبک سری سے ان میں کبھی غور وفکر نہیں کرتے- کیا یہ اتنا وسیع آسمان‘ کیا یہ اس قدر پھیلی ہوئی زمین‘ کیا یہ روشن ستارے‘ یہ

گردش والا سورج چاند، یہ درخت اور یہ پہاڑ یہ کھیتیاں اور سبزیاں، یہ تلاطم برپا کرنے والے سمندر، یہ بزور چلنے والی ہوائیں، یہ مختلف قسم کے رنگارنگ میوے، یہ الگ الگ غلے اور قدرت کی بے شمار نشانیاں ایک عقل مند کے اس قدر بھی کام نہیں آ سکتیں کہ وہ ان سے اپنے اللہ کی، جو احد ہے، صمد ہے، واحد ہے، لاشریک ہے، قادر و قیوم ہے، باقی اور کافی ہے، اس ذات کو پہچان لیں اور اس کے ناموں اور صفتوں کے قائل ہو جائیں؟ بلکہ ان میں سے اکثریت کی ذہنیت تو یہاں تک بگڑ چکی ہے کہ اللہ پر ایمان ہے۔ پھر شرک سے دست برداری نہیں۔ آسمان و زمین، پہاڑ اور درخت، انسان اور جن کا خالق اللہ مانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کے سوا دوسروں کو اس کے ساتھ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ مشرکین حج کو آتے ہیں۔ احرام باندھ کر لبیک پکارتے ہوئے کہتے ہیں کہ یاالٰہی تیرا کوئی شریک نہیں۔ جو بھی شریک ہیں ان کا خود کا مالک بھی تو ہے اور ان کی ملکیت کا مالک بھی تو ہی ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب وہ اتنا کہتے ہیں کہ ہم حاضر ہیں الٰہی تیرا کوئی شریک نہیں تو آنحضرت ﷺ فرماتے، بس بس یعنی اب آگے کچھ نہ کہو۔ فی الواقع شرک ظلم عظیم ہے کہ اللہ کے ساتھ دوسرے کی بھی عبادت کی جائے۔ صحیحین میں ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالت پناہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تیرا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح اسی آیت کے تحت میں منافقین بھی داخل ہیں۔ ان کے عمل اخلاص والے نہیں ہوتے بلکہ وہ ریاکار ہوتے ہیں اور ریاکاری بھی شرک ہے۔ قرآن کا فرمان ہے ان المنافقین خادعون اللہ و ھو خادعھم الخ، منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ کی طرف سے خود دھوکے میں ہیں، یہ نماز کو بڑے ہی سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھانا مقصود ہوتا ہے، ذکر اللہ تو برائے نام ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض شرک بہت ہلکے اور پوشیدہ ہوتے ہیں۔ خود کرنے والے کو بھی پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بیمار کے پاس گئے۔ اس کے بازو پر ایک دھاگا بندھا ہوا دیکھ کر آپ نے اسے توڑ دیا اور یہی آیت پڑھی کہ ایماندار ہوتے ہوئے بھی مشرک بنتے ہو؟ حدیث شریف میں ہے، تو اللہ کے سوا دوسرے کے نام کی جس نے قسم کھائی، وہ مشرک ہو گیا۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جھاڑ پھونک، ڈورے دھاگے اور جھوٹے تعویذ شرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توکل کے باعث سب سختیوں سے دور کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد وغیرہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ کی عادت تھی جب کبھی باہر سے آتے، زور سے کھنکھارتے، تھوکتے کہ گھر والے سمجھ جائیں اور آپ انہیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھ پائیں کہ برا لگے۔ ایک دن اسی طرح آپ آئے۔ اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا تھی جو بوجہ بیماری کے مجھ پر دم جھاڑا کرنے کو آئی تھی۔ میں نے آپ کی کھنکھار کی آواز سنتے ہی اسے چارپائی تلے چھپا دیا، آپ آئے۔ میرے پاس میری چارپائی پر بیٹھ گئے اور میرے گلے میں دھاگا دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا اس میں دم کرا کے میں نے باندھ لیا ہے۔ آپ نے اسے پکڑ کر توڑ دیا اور فرمایا، عبداللہ کا گھر شرک سے بے نیاز ہے۔ خود میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذات اور ڈورے دھاگے شرک ہیں۔ میں نے کہا، یہ آپ کیسے فرماتے ہیں۔ میری آنکھ دکھ رہی تھی۔ میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی۔ وہ دم جھاڑا کر دیتا تھا تو سکون ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا تیری آنکھ میں شیطان چوکا مارا کرتا تھا اور اس کی پھونک سے وہ رک جاتا تھا، تجھے یہ کافی تھا کہ وہ کہتی جو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے اَذْھِب الْبَاسِ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءٌ لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

مسند احمد کی اور حدیث میں عیسیٰ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عبداللہ بن حکیم بیمار پڑے۔ ہم ان کی عیادت کے لئے گئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کوئی ڈورا دھاگا لٹکا لیں تو اچھا ہو، آپ نے فرمایا میں ڈورا دھاگا لٹکاؤں؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، جو شخص جو چیز

لٹکائے، وہ اسی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ مسند میں ہے، جو شخص کوئی ڈورا دھاگا لٹکائے، اس نے شرک کیا۔ ایک روایت میں ہے جو شخص ایسی کوئی چیز لٹکائے، اللہ اس کا کام پورا نہ کرے اور جو شخص اسے لٹکائے اللہ اسے لٹکا ہوا ہی رکھے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تمام شریکوں سے زیادہ بے نیاز اور بے پرواہ ہوں۔ جو شخص اپنے کسی کام میں میرا کوئی شریک ٹھہرائے، میں اسے اور اس کے شریک کو چھوڑ دیتا ہوں۔ (مسلم) مسند میں ہے، قیامت کے دن جب کہ اول و آخر سب جمع ہوں گے، اللہ کی طرف سے ایک منادی ندا کرے گا کہ جس نے اپنے عمل میں شرک کیا ہے، وہ اس کا ثواب اپنے شریک سے طلب کر لے اللہ تعالیٰ تمام شرکاء سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہے۔ مسند میں ہے، آپ فرماتے ہیں مجھے تم پر سب سے زیادہ ڈر چھوٹے شرک کا ہے، لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا ریا کاری۔ قیامت کے دن لوگوں کو جزائے اعمال دی جائے گی۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ اے ریا کارو تم جاؤ اور جن کے دکھانے سنانے کے لئے تم نے عمل کئے تھے انہیں سے اپنا اجر طلب کرو اور دیکھو کہ وہ دیتے ہیں یا نہیں؟ مسند میں ہے، آپ فرماتے ہیں، جو شخص کوئی بدشگونی لے کر اپنے کام سے لوٹ جائے وہ مشرک ہو گیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے دریافت کیا، حضور ﷺ پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہنا اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُكَ وَلَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُكَ یعنی اے اللہ سب بھلائیاں، سب نیک شگون تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تیرے سوا کوئی بھلائیوں اور نیک شگونیوں والا نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ لوگو شرک سے بچو۔ وہ تو چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ چیز ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن حرب اور حضرت قیس بن مصارب کھڑے ہو گئے اور کہا، یا تو آپ اس کی دلیل پیش کیجئے یا ہم جائیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی شکایت کریں۔ آپ نے فرمایا، لو دلیل لو۔ ہمیں آنحضرت ﷺ نے ایک دن خطبہ سنایا اور فرمایا، لوگو شرک سے بچو۔ وہ تو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ پس کسی نے آپؐ سے پوچھا کہ پھر اس سے بچاؤ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا یہ دعا پڑھا کرو اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ اَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَیْئًا نَعْلَمُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا لَا نَعْلَمُ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سوال کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ شرک تو یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ دوسرے کو پکارا جائے۔

اس حدیث میں دعا کے الفاظ یہ ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَ اَنَا اَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا لَا اَعْلَمُ (مسند ابویعلی) ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے جسے میں صبح شام اور سوتے وقت پڑھا کروں تو آپؐ نے فرمایا یہ دعا پڑھ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَّ مَلِیْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَ مِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ وَ شِرْكِهٖ اور روایت میں ہے کہ مجھے حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھنی سکھائی۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں وَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْٓءً اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰی مُسْلِمٍ فرمان ہے کہ کیا ان مشرکوں کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اگر اللہ کو منظور ہو تو چاروں طرف سے عذاب الٰہی انہیں اس طرح آ گھیرے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ جیسے ارشاد ہے اَفَاَ مِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّئَاتِ الخ، یعنی مکاریاں اور برائیاں کرنے والے کیا اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ایسی جگہ سے عذاب لا دے کہ انہیں شعور بھی نہ ہو یا انہیں لیٹتے بیٹھتے ہی پکڑ لے یا ہوشیار کر کے تھام لے۔ اللہ کسی بات میں عاجز نہیں۔ یہ تو صرف اس کی رحمت و رافت ہے کہ گناہ کریں اور پھلیں پھولیں۔ فرمان الٰہی ہے کہ بستیوں کے گنہگار اس بات سے بے خطر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس راتوں کو ان کے سوتے ہوئے ہی عذاب آ جائیں یا دن دھاڑے بلکہ ہنستے کھیلتے ہوئے عذاب آ دھمکیں، اللہ کے مکر سے بے خوف نہ ہونا چاہئے ایسے لوگ سخت نقصان اٹھاتے ہیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ
وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا
رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

تو کہہ میری راہ یہی ہے اللہ کی طرف - میں اور میرے فرمانبردار بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ' اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ○ تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے ہیں' سب شہری مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے' کیا زمین میں چل پھر کر انھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لئے بہت ہی بہتر ہے' کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے ؟ ○

دعوت وحدانیت ☆☆ (آیت:۱۰۸) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جنہیں تمام جن وانس کی طرف بھیجا ہے' حکم دیتا ہے کہ لوگوں کو خبر کر دو کہ میرا مسلک' میرا طریق' میری سنت یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کی دعوت عام کر دوں - پورے یقین ودلیل اور بصیرت کے ساتھ' میں اس طرف سب کو بلا رہا ہوں - میرے جتنے پیرو ہیں' وہ بھی اسی طرف سب کو بلا رہے ہیں - شرعی' نقلی اور عقلی دلیلوں کے ساتھ اس طرف دعوت دیتے ہیں - ہم اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں' اس کی تعظیم تقدیس' تسبیح تہلیل بیان کرتے ہیں' اسے شریک سے' نظیر سے' عدیل سے' وزیر سے' مشیر سے اور ہر طرح کی کمی اور کمزوری سے پاک مانتے ہیں' نہ اس کی اولاد مانیں' نہ بیوی' نہ ساتھی' نہ ہم جنس - وہ ان تمام بری باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے - آسمان و زمین اور ان کی ساری مخلوق اس کی حمد و تسبیح کر رہی ہے لیکن لوگ ان کی تسبیح سمجھتے نہیں' اللہ بڑا ہی حلیم اور غفور ہے -

رسول اور نبی صرف مرد ہی ہوئے ہیں ☆☆ (آیت:۱۰۹) بیان فرماتا ہے کہ رسول اور نبی مرد ہی بنتے رہے نہ کہ عورتیں - جمہور اہل اسلام کا یہی قول ہے کہ نبوت عورتوں کو کبھی نہیں ملی - اس آیت کریمہ کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے - لیکن بعض کا قول ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ' موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بھی نبیہ تھیں - ملائکہ نے حضرت سارہ کو ان کے لڑکے اسحاق اور پوتے یعقوب کی بشارت دی - موسیٰ کی ماں کی طرف انہیں دودھ پلانے کی وحی ہوئی - مریم کو حضرت عیسیٰ کی بشارت فرشتے نے دی - فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ نے تجھے پسندیدہ' پاک اور برگزیدہ کر لیا ہے تمام جہان کی عورتوں پر - اے مریم اپنے رب کی فرماں برداری کرتی رہ' اس کے لئے سجدے کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر - اس کا جواب یہ ہے کہ اتنا تو ہم مانتے ہیں جتنا قرآن نے بیان فرمایا - لیکن اس سے ان کی نبوت ثابت نہیں ہوتی - صرف اتنا فرمان یا اتنی بشارت یا اتنے حکم کسی کی نبوت کے لئے دلیل نہیں -

اہل سنت والجماعت کا اور سب کا مذہب یہ ہے کہ عورتوں میں سے کوئی نبوت والی نہیں - ہاں ان میں صدیقات ہیں جیسے کہ سب سے اشرف اور افضل عورت حضرت مریم کی نسبت قرآن نے فرمایا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ پس اگر وہ نبی ہوتیں تو اس مقام میں وہی مرتبہ بیان کیا جاتا - آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے رہنے والے انسان ہی نبی ہوتے رہے نہ کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اترتا ہو - چنانچہ اور آیت میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں آمد و رفت بھی رکھتے تھے - وہ ایسے نہ تھے کہ کھانا کھانے سے پاک ہوں' نہ ایسے تھے کہ کبھی

مرنے والے ہی نہ ہوں، ہم نے ان سے اپنے وعدے پورے کئے، انہیں اور ان کے ساتھ جنہیں ہم نے چاہا، نجات دی اور مسرف لوگوں کو ہلاک کر دیا- اسی طرح اور آیت میں ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ الخ، یعنی میں کوئی پہلا رسول تو نہیں؟ الخ یاد رہے کہ اہل قریٰ سے مراد اہل شہر ہیں نہ کہ بادیہ نشین- وہ تو بڑے کج طبع اور بداخلاق ہوتے ہیں- مشہور و معروف ہے کہ شہری نرم طبع اور خوش خلق ہوتے ہیں- اسی طرح بستیوں سے دور والے، پرلے کنارے رہنے والے بھی عموماً ایسے ہی ٹیڑھے ترچھے ہوتے ہیں- قرآن فرماتا ہے اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا الخ، جنگلوں کے رہنے والے بدو کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں- قتادہ بھی یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کیونکہ شہریوں میں علم و حاکم زیادہ ہوتا ہے-

ایک حدیث میں ہے کہ بادیہ نشین اعراب میں سے کسی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا- آپ نے اسے بدلہ دیا لیکن اسے اس نے بہت کم سمجھا، آپؐ نے اور دیا- اور دیا یہاں تک کہ اسے خوش کر دیا- پھر فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ سوائے قریش اور انصاری اور ثقفی اور دوسی لوگوں کے اوروں کا تحفہ قبول ہی نہ کروں- ایک حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ مومن جو لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے، وہ اس سے بہتر ہے جو نہ ان سے ملے جلے اور نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے- یہ جھٹلانے والے کیا ملک میں چلتے پھرتے نہیں کہ اپنے سے پہلے کے جھٹلانے والوں کی حالتوں کو دیکھیں اور ان کے انجام پر غور کریں؟ جیسے فرمان ہے اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ الخ، یعنی کیا انہوں نے زمین کی سیر نہیں کی کہ ان کے دل سمجھدار ہوتے- ان کے کان سن لیتے، ان کی آنکھیں دیکھ لیتیں کہ ان جیسے گنہگاروں کا کیا حشر ہوتا رہا ہے؟ وہ نجات سے محروم رہتے ہیں- عتاب الٰہی انہیں غارت کر دیتا ہے- عالم آخرت ان کے لئے بہت ہی بہتر ہے جو احتیاط سے زندگی گزار دیتے ہیں- یہاں بھی نجات پاتے ہیں اور وہاں بھی، اور وہاں کی نجات یہاں کی نجات سے بہت ہی بہتر ہے- وعدہ الٰہی ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ہم اپنے رسولوں کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی اس دنیا میں بھی مدد فرماتے ہیں اور قیامت کے دن بھی ان کی امداد کریں گے، اس دن گواہ کھڑے ہوں گے، ظالموں کے عذر بے سود رہیں گے، ان پر لعنت برسے گی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا- گھر کی اضافت آخرت کی طرف کی- جیسے صلوٰۃ اولیٰ اور مسجد جامع اور عام اول اور بارحتہ الاولیٰ اور یوم الخمیس میں ایسی ہی اضافت ہے- عربی شعروں میں بھی یہ اضافت بکثرت آئی ہے-

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور یہ خیال کرنے لگے کہ انہیں جھوٹ کہا گیا، فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی- جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی، بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گنہگاروں سے واپس نہیں کیا جاتا ○

جب مخالفت عروج پر ہو: ☆☆ (آیت: ۱۱۰) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس کی مدد اس کے رسولوں پر بروقت اترتی ہے- دنیا کے جھٹکے جب زوروں پر ہوتے ہیں، مخالفت جب تن جاتی ہے، اختلاف جب بڑھ جاتا ہے، دشمنی جب پوری ہو جاتی ہے، انبیاء اللہ کو جب چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا ہے، معاً اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے- كُذِبُوْا اور كُذِّبُوْا دونوں قراتیں ہیں، حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ لفظ كُذِبُوْا یا كُذِّبُوْا ہے؟ حضرت عائشہؓ کی قرأت ذال کی تشدید سے ہے- چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ لفظ كُذِبُوْا ہے یا كُذِّبُوْا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا كُذِّبُوْا ہے- انہوں نے کہا پھر تو یہ معنی ہوئے کہ رسولوں نے گمان کیا کہ

وہ جھٹلائے گئے تو یہ گمان کی کون سی بات تھی۔ یہ تو یقینی بات تھی کہ وہ جھٹلائے جاتے تھے۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ یقینی بات تھی کہ وہ کفار کی طرف سے جھٹلائے جاتے تھے لیکن وہ وقت بھی آئے کہ ایمان دار امتی بھی ایسے زلزلے میں ڈالے گئے اور اس طرح ان کی مدد میں تاخیر ہوئی کہ رسولوں کے دل میں آئی کہ غالباً اب تو ہماری جماعت بھی ہمیں جھٹلانے لگی ہوگی۔ اب مدد رب آئی ۔ اور انہیں غلبہ ہوا۔ تم اتنا تو خیال کرو کہ کُذِبُوْا کیسے ٹھیک ہوسکتا ہے؟ معاذ اللہ کیا انبیاء علیہم السلام اللہ کی نسبت یہ بدگمانی کر سکتے ہیں کہ انہیں رب کی طرف سے جھٹلایا گیا؟ ابن عباسؓ کی قرأت میں کُذِبُوْا ہے۔ آپ اس کی دلیل میں آیت حتی یقول الرسول الخ' پڑھ دیتے تھے یعنی یہاں تک کہ انبیاء اور ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کہاں ہے۔ یاد رکھو مدد رب بالکل قریب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا سختی سے انکار کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ جناب رسول اللہ آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے جتنے وعدے کئے' آپ کو کامل یقین تھا کہ وہ سب یقینی اور حتمی ہیں اور سب پورے ہو کر ہی رہیں گے۔ آخر دم تک کبھی نعوذ باللہ آپ کے دل میں یہ وہم ہی پیدا نہیں ہوا کہ کوئی وعدہ ربانی غلط ثابت ہوگا۔ یا ممکن ہے کہ غلط ہو جائے یا پورا نہ ہو۔ ہاں انبیاء علیہم السلام پر برابر بلائیں اور آزمائشیں آتی رہیں' یہاں تک کہ ان کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں میرے ماننے والے بھی مجھ سے بدگمان ہو کر مجھے جھٹلا نہ رہے ہوں۔

ایک شخص قاسم بن محمد کے پاس آ کر کہتا ہے کہ محمد بن کعب قرظی کُذِبُوْا پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ صدیقہ عائشہؓ سے سنا ہے وہ کُذِّبُوْا پڑھتی تھیں یعنی ان کے ماننے والوں نے انہیں جھٹلایا۔ پس ایک قرات تو تشدید کے ساتھ ہے۔ دوسری تخفیف کے ساتھ ہے' پھر اس کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے تو وہ مروی ہے جو اوپر گزر چکا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے یہ آیت اسی طرح پڑھ کر فرمایا' یہی وہ ہے جو تو برا جانتا ہے۔ یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جسے ان دونوں بزرگوں سے اوروں نے روایت کیا ہے' اس میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب رسول ناامید ہو گئے کہ ان کی قوم ان کی مانے گی اور قوم نے یہ سمجھ لیا کہ نبیوں نے ان سے جھوٹ کہا' اسی وقت اللہ کی مدد آ پہنچی اور جسے اللہ نے چاہا' نجات بخشی۔ اسی طرح کی تفسیر اوروں سے بھی مروی ہے۔ ایک نوجوان قریشی نے حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت ہمیں بتایئے' اس لفظ کو کیا پڑھیں؟' مجھ سے تو اس لفظ کی قرات کی وجہ سے ممکن ہے کہ اس سورت کا پڑھنا ہی چھوٹ جائے۔ آپ نے فرمایا سنو' اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیا اس سے مایوس ہو گئے کہ ان کی قوم ان کی بات مانے گی اور قوم والے سمجھ بیٹھے کہ نبیوں نے غلط کہا ہے' یہ سن کر حضرت ضحاک بن مزاحم بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس جیسا جواب کسی ذی علم کا میں نے نہیں سنا اگر میں یہاں سے یمن پہنچ کر بھی ایسے جواب کو سنتا تو میں اسے بھی بہت آسان جانتا۔

مسلم بن یسار رحمتہ اللہ علیہ نے بھی آپ کا یہ جواب سن کر اٹھ کر آپ سے معانقہ کیا اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانیوں کو بھی اسی طرح دور کر دے' جس طرح آپ نے ہماری پریشانی دور فرمائی۔ بہت سے اور مفسرین نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے بلکہ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کی قرأت تو ذال کے زبر سے ہے یعنی کُذَبُوْا ہاں بعض مفسرین وَظَنُّوْا کا فاعل مومنوں کو بتاتے ہیں اور بعض کافروں کو' یعنی کافروں نے یا یہ کہ بعض مومنوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں سے جو وعدہ مدد کا تھا' اس میں وہ جھوٹے ثابت ہوئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں' رسول ناامید ہو گئے یعنی اپنی قوم کے ایمان سے اور نصرت ربانی میں دیر دیکھ کر ان کی قوم گمان کرنے لگی کہ وہ جھوٹا وعدہ دیئے گئے تھے۔ پس یہ دونوں روایتیں تو ان دونوں بزرگ صحابیوں سے مروی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا صاف انکار کرتی ہیں۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی قول صدیقہؓ کی طرفداری کرتے اور دوسرے قول کی تردید کرتے ہیں اور اسے ناپسند کر کے رد کر دیتے ہیں' واللہ اعلم۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا
يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ
شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ ع ۱۲ ۷

ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے' یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں اور کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے ہر چیز کی' اور ہدایت و رحمت ہے ایمان دار لوگوں کے لئے ○

عبرت و نصیحت: ☆☆ (آیت:۱۱۱) نبیوں کے واقعات' مسلمانوں کی نجات' کافروں کی ہلاکت کے قصے' عقلمندوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت والے ہیں۔ یہ قرآن بناوٹی نہیں بلکہ اگلی آسمانی کتابوں کی سچائی کی دلیل ہے۔ ان میں جو حقیقی باتیں اللہ کی ہیں' ان کی تصدیق کرتا ہے۔ اور جو تحریف و تبدیلی ہوئی ہے' اسے چھانٹ دیتا ہے' ان کی جو باتیں باقی رکھنے کی تھیں' انہیں باقی رکھتا ہے۔ اور جو احکام منسوخ ہو گئے' انہیں بیان کرتا ہے۔ ہر ایک حلال و حرام' محبوب و مکروہ کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ طاعات' واجبات' مستحبات' محرمات' مکروہات وغیرہ کو بیان فرماتا ہے۔ اجمالی اور تفصیلی خبریں دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل و علا کی صفات بیان فرماتا ہے اور بندوں نے جو غلطیاں اپنے خالق کے بارے میں کی ہیں' ان کی اصلاح کرتا ہے۔ مخلوق کو اس سے روکتا ہے کہ وہ اللہ کی کوئی صفت اس کی مخلوق میں ثابت کریں۔ پس یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے' ان کے دل ضلالت سے ہدایت اور جھوٹ سے سچ اور برائی سے بھلائی کی راہ پاتے ہیں اور رب العباد سے دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل کر لیتے ہیں۔ ہماری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دنیا و آخرت میں ایسے ہی مومنوں کا ساتھ دے اور قیامت کے دن جب کہ بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے منہ کالے ہو جائیں گے' ہمیں مومنوں کے ساتھ نورانی چہروں میں شامل رکھے۔ آمین۔ الحمد للہ سورہ یوسف کی تفسیر ختم ہو گئی۔ اللہ کا شکر ہے وہی تعریفوں کے لائق ہے اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔

تفسیر سورۃ رعد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

الٓمٓرٰ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ ۗ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ
بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ
رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿٢﴾

اللہ رحمان و رحیم کے نام سے ○

یہ ہیں قرآن کی آیتیں' اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے' سب حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ○ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ پھر وہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے' اسی نے سورج چاند کو ماتحتی میں لگا رکھا ہے' ہر ایک میعاد معین پر گشت کر رہا

ہے، وہ کام کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی اپنے نشانات کھول کھول کر بیان کر رہا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو ○

(آیت:۱) سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات آتے ہیں، ان کی پوری تشریح سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں لکھ آئے ہیں۔ اور یہ بھی ہم کہہ آئے ہیں کہ جس سورت کے اول میں یہ حروف آئے ہیں، وہاں عموماً یہی بیان ہوتا ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ان حروف کے بعد فرمایا، یہ کتاب کی یعنی قرآن کی آیتیں ہیں۔ بعض نے کہا مراد کتاب سے توراۃ و انجیل ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ پھر اسی پر عطف ڈال کر اور صفتیں اس پاک کتاب کی بیان فرمائیں کہ یہ سراسر حق ہے اور اللہ کی طرف سے تجھ پر اتارا گیا ہے۔ اَلْحَقُّ خبر ہے۔ اس کا متبدا پہلے بیان ہوا ہے۔ یعنی اَلَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْكَ لیکن ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ واؤ زائدہ ہے یا عاطفہ ہے اور صفت کا صفت پر عطف ہے جیسے ہم نے پہلے کہا ہے۔ پھر اس کی شہادت میں شاعر کا قول لائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ باوجود حق ہونے کے پھر بھی اکثر لوگ ایمان سے محروم ہیں جیسے پہلے گزر رہا ہے کہ گو تو حرص کرے لیکن اکثر لوگ ایمان قبول کرنے والے نہیں۔ یعنی اس کی حقانیت واضح ہے لیکن ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور سرکشی انہیں ایمان کی طرف متوجہ نہ ہونے دے گی۔

(آیت:۲) کمال قدرت اور عظمت سلطنت ربانی دیکھو کہ بغیر ستونوں کے آسمانوں کو اس نے بلند وبالا اور قائم کر رکھا ہے۔ زمین سے آسمان کو اللہ نے کیسا اونچا کیا اور صرف اپنے حکم سے اسے ٹھہرایا۔ جس کی انتہا کوئی نہیں پاتا۔ آسمان دنیا ساری زمین کو اور جو اس کے ارد گرد ہے، پانی ہوا وغیرہ سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر طرف سے برابر اونچا ہے۔ زمین سے پانچ سو سال کی راہ پر ہے، ہر جگہ سے اتنا ہی اونچا ہے۔ پھر اس کی اپنی موٹائی اور دل بھی پانچ سو سال کے فاصلے کا ہے، پھر دوسرا آسمان اس آسمان کو بھی گھیرے ہوئے ہے اور پہلے سے دوسرے تک کا فاصلہ وہی پانچ سو سال کا ہے۔ اسی طرح تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں، پھر چھٹا، پھر ساتواں جیسے فرمان الٰہی ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ الخ، یعنی اللہ نے سات آسمان پیدا کئے ہیں اور اسی کے مثل زمین۔ حدیث شریف میں ہے، ساتوں آسمان اور ان میں اور ان کے درمیان میں جو کچھ ہے، وہ کرسی کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے کہ چٹیل میدان میں کوئی حلقہ ہو اور کرسی عرش کے مقابلے پر بھی ایسی ہی ہے۔ عرش کی قدر اللہ عزوجل کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

بعض سلف کا بیان ہے کہ عرش سے زمین تک کا فاصلہ پچاس ہزار سال کا ہے۔ عرش سرخ یاقوت کا ہے۔ بعض مفسر کہتے ہیں، آسمان کے ستون تو ہیں لیکن دیکھے نہیں جاتے۔ لیکن ایاس بن معاویہ فرماتے ہیں، آسمان زمین پر مثل قبے کے ہے یعنی بغیر ستون کے ہے۔ قرآن کے طرز عبارت کے لائق بھی یہ بات ہے اور آیت وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ سے بھی یہی ظاہر ہے۔ پس تَرَوْنَهَا اس نفی کی تاکید ہو گی یعنی آسمان بلاستون اس قدر بلند ہے اور تم آپ دیکھ رہے ہو، یہ ہے کمال قدرت۔ امیہ بن ابو الصلت کے اشعار میں ہے، جس کے اشعار کی بابت حدیث میں ہے کہ اس کے اشعار ایمان لائے ہیں اور اس کا دل کفر کرتا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ اشعار حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں جن میں ہے ۔

وَاَنْتَ الَّذِیْ مِنْ فَضْلِ مَنٍّ وَّرَحْمَةٍ   بَعَثْتَ اِلٰی مُوْسٰی رَسُوْلًا مُّنَادِيًا
فَقُلْتَ لَهٗ فَاذْهَبْ وَهَارُوْنَ فَادْعُوَا   اِلَى اللّٰهِ فِرْعَوْنَ الَّذِیْ كَانَ طَاغِيًا
وَقُوْلَا لَهٗ هَلْ اَنْتَ سَوَّيْتَ هٰذِهٖ   بِلَا وَتَدٍ حَتّٰى اسْتَقَلَّتْ كَمَا هِيَا
وَقُوْلَا لَهٗ اَنْتَ رَفَعْتَ هٰذِهٖ   بِلَا عَمَدٍ اَوْ فَوْق ذٰلك بَانِيَا

وَقُوْلَا لَهٗ هَلْ اَنْتَ سَوَّيْتَ وَسْطَهَا مُنِيْرًا اِذَا مَا جَنَّكَ الَّيْلُ هَادِيَا
وَ قُوْلَا لَنَا مَنْ اَنْبَتَ الْحَبَّ فِى الثَّرٰى فَيَصْبَحُ مِنْهُ الْعَشْبُ يَهْتَزُّ رَابِيَا
وَقُوْلَهٗ مَنْ يُّرْسِلُ الشَّمْسَ غُدْوَةً فَيَصْبَحُ مَا مَسَّتْ مِنَ الْاَرْض ضَاحِيَا
وَيَخْرُجُ مِنْهُ حَبَّهٗ فِىْ رُؤُسِهٖ فَفِىْ ذَاكَ اٰيَاتٌ لِّمَنْ كَانَ وَاعِيَا

یعنی تو وہ اللہ ہے جس نے اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو مع ہارون علیہ السلام کے فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور ان سے فرما دیا کہ اس سرکش کو قائل کرنے کے لئے اس سے کہیں کہ اس بلند و بالا بے ستون آسمان کو کیا تو نے بنایا ہے؟ اور اس میں سورج چاند ستارے تو نے پیدا کئے ہیں؟ اور مٹی سے دانوں کو اگانے والا' پھر ان درختوں میں بالیں پیدا کر کے ان میں دانے پکانے والا کیا تو ہے؟ کیا قدرت کی یہ زبردست نشانیاں ایک گہرے انسان کے لئے اللہ کی ہستی کی دلیل نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا۔ اس کی تفسیر سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ جس طرح ہے اسی طرح چھوڑ دی جائے۔ کیفیت' تشبیہ' تعطیل' تمثیل سے اللہ کی ذات پاک ہے اور برتر و بلند و بالا ہے۔ سورج چاند اس کے حکم کے مطابق گردش میں ہیں اور وقت موزوں یعنی قیامت تک برابر اسی طرح لگے رہیں گے۔ جیسے فرمان ہے کہ سورج اپنی جگہ برابر چل رہا ہے۔ اس کی جگہ سے مراد عرش کے نیچے ہے جو زمین کے تلے سے دوسری طرف سے ملحق ہے۔ یہ اور تمام ستارے یہاں تک پہنچ کر عرش سے اور دور ہو جاتے ہیں کیونکہ صحیح بات جس پر بہت سی دلیلیں ہیں۔ یہی ہے کہ وہ قبہ ہے متصل عالم باقی آسمانوں کی طرح وہ محیط نہیں اس لئے کہ اس کے پائے ہیں اور اس کے اٹھانے والے ہیں اور یہ بات آسمان مستدیر گھومے ہوئے آسمان میں تصور میں نہیں آ سکتی۔ جو بھی غور کرے گا' اسے سچ مانے گا۔ آیات واحادیث کا جانچنے والا اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

صرف سورج چاند کا ہی ذکر یہاں اس لئے ہے کہ ساتوں سیاروں میں بڑے اور روشن یہی دو ہیں۔ پس جب کہ یہ دونوں مسخر ہیں تو اور تو بطور اولیٰ مسخر ہوئے۔ جیسے کہ سورج چاند کو سجدہ نہ کرو' سے مراد اور ستاروں کو بھی سجدہ نہ کرنا ہے۔ پھر اور آیت میں تصریح بھی موجود ہے فرمان ہے وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ الخ' یعنی سورج کو اپنی وحدانیت کی دلیلوں کو بالتفصیل بیان فرما رہا ہے کہ تم اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اور اسے مان لو کہ وہ تمہیں فنا کر کے پھر زندہ کر دے گا۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ
فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ
مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ
صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ؕ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

اسی نے زمین کو پھیلا کر بچھا دیا ہے اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کر دی ہیں' اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کر دیئے ہیں' رات کو دن

سے چھپا دیتا ہے' یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور زمین میں مختلف ٹکڑے ایک دوسرے سے لگتے لگاتے ہیں اور باغات ہیں۔ انگوروں کے اور کھیت ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں شاخ دار اور بعض ایسے ہیں جو دوشاخے نہیں۔ سب ایک ہی پانی پلائے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہم ایک کو ایک پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں' اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○

عالم سفلی کے انوع واقسام : ☆☆ (آیت: ۲-۴) اوپر کی آیت میں عالم علوی کا بیان تھا' یہاں عالم سفلی کا ذکر ہو رہا ہے' زمین کو طول وعرض میں پھیلا کر اللہ ہی نے بچھایا ہے۔ اس میں مضبوط پہاڑ بھی اسی کے گاڑے ہوئے ہیں' اس میں دریاؤں اور چشموں کو بھی اسی نے جاری کیا ہے تاکہ مختلف شکل وصورت' مختلف رنگ' مختلف ذائقوں کے پھل پھول کے درخت اس سے سیراب ہوں۔ جوڑا جوڑا میوے اس نے پیدا کئے' کھٹے میٹھے وغیرہ۔ رات دن ایک دوسرے کے پے درپے برابر آتے جاتے رہتے ہیں' ایک کا آنا دوسرے کا جانا ہے۔ پس مکان اور زمان سب میں تصرف اسی قادر مطلق کا ہے۔ اللہ کی ان نشانیوں' حکمتوں اور دلائل کو جو غور سے دیکھے' وہ ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے۔ زمین کے ٹکڑے ملے جلے ہوئے ہیں' پھر قدرت کو دیکھئے کہ ایک ٹکڑے سے تو پیداوار ہو اور دوسرے سے کچھ نہ ہو۔ ایک کی مٹی سرخ' دوسرے کی مٹی سفید' زرد' وہ سیاہ' یہ پتھریلی' وہ نرم' یہ میٹھی' وہ شور' ایک ریتلی' ایک صاف' غرض یہ بھی خالق کی قدرت کی نشانی ہے اور بتاتی ہے کہ فاعل' خود مختار' مالک الملک' لاشریک ایک وہی اللہ خالق کل ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی معبود' نہ پالنے والا۔ زَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ کو اگر جَنّٰتٌ پر عطف ڈالیں تو پیش سے مرفوع پڑھنا چاہئے اور اَعْنَابٍ پر عطف ڈالیں تو زیر سے مضاف الیہ مان کر مجرور پڑھنا چاہئے۔ ائمہ کی جماعت کی دونوں قرائتیں ہیں۔ صِنْوَانٌ کہتے ہیں ایک درخت جو کئی تنوں اور شاخوں والا ہو جیسے انار اور انجیر اور بعض کھجوریاں۔ غَيْرُ صنوان جو اس طرح نہ ہو۔ ایک ہی تنا ہو جیسے اور درخت ہوتے ہیں۔ اسی سے انسان کے چچا کو صنوُ الاَبُ کہتے ہیں۔ حدیث میں بھی یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انسان کا چچا مثل باپ کے ہوتا ہے۔ برا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ایک جڑ یعنی ایک تنے میں کئی ایک شاخدار درخت کھجور ہوتے ہیں اور ایک تنے پر ایک ہی ہوتا ہے۔ یہی صنوان اور غیر صنوان ہے۔ یہی قول اور بزرگوں کا بھی ہے۔ سب کے لئے پانی ایک ہی ہے یعنی بارش کا لیکن ہر مزے اور پھل میں کمی بیشی میں بے انتہا فرق ہے۔ کوئی میٹھا ہے' کوئی کھٹا ہے' حدیث میں بھی یہ تفسیر ہے ملاحظہ ہو ترمذی شریف۔ الغرض قسموں اور جنسوں کا اختلاف' شکل صورت کا اختلاف' رنگ کا اختلاف' بو کا اختلاف' مزے کا اختلاف' پتوں کا اختلاف' تروتازگی کا اختلاف' ایک بہت ہی میٹھا' ایک سخت کڑوا' ایک نہایت خوش ذائقہ' ایک بے حد بدمزہ' رنگ کسی کا زرد' کسی کا سرخ' کسی کا سفید' کسی کا سیاہ۔ اسی طرح تازگی اور پھل میں بھی اختلاف حالانکہ غذا کے اعتبار سے سب یکساں ہیں۔ یہ قدرت کی نیرنگیاں ایک ہوشیار شخص کے لئے عبرت ہیں۔ اور فاعل مختار اللہ کی قدرت کا بڑا زبردست پتہ دیتی ہیں کہ جو وہ چاہتا ہے' ہوتا ہے۔ عقل مندوں کے لئے یہ آیتیں اور یہ نشانیاں کافی وافی ہیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ
جَدِيْدٍ ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵

اگر تجھے تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے' کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے' یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا' یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی ہیں جو جہنم کے رہنے والے ہیں' جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

عقل کے اندھے ضدی لوگ: ☆☆ (آیت:۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ان کے جھٹلانے کا کوئی تعجب نہ کریں۔ یہ ہیں ہی ایسے۔ اس قدر نشانیاں دیکھتے ہوئے اللہ کی قدرت کا ہمیشہ مطالعہ کرتے ہوئے، اسے مانتے ہوئے کہ سب کا خالق اللہ ہی ہے، پھر بھی قیامت کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ اس سے بڑھ کر روزمرہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر دیتا ہے۔ ہر عاقل جان سکتا ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور دوبارہ پیدا کرنا بہ نسبت اول بار پیدا کرنے کے بہت آسان ہے۔ جیسے فرمان ربانی ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ يُّحْیِ الْمَوْتٰی بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ یعنی جس نے آسمان وزمین بغیر تھکے پیدا کر دیا، کیا وہ مردوں کو جلانے پر قادر نہیں؟ بے شک ہے بلکہ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ دراصل یہ کفار ہیں، ان کی گردنوں میں قیامت کے دن طوق ہوں گے اور جہنمی ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶

یہ تجھ سے سزا کی طلبی میں جلدی کر رہے ہیں، راحت سے پہلے ہی۔ یقیناً ان سے پہلے سزائیں بطور مثال گزر چکی ہیں، بے شک تیرا رب البتہ بخشش والا ہے۔ لوگوں کی بے جا حرکتوں پر بھی، اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ تیرا رب بڑی سزا دینے والا بھی ہے ○

منکرین قیامت: ☆☆ (آیت:۶) یہ منکرین قیامت کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب جلد ہی کیوں نہیں لاتے؟ کہتے تھے کہ اے اپنے آپ پر اللہ کی وحی نازل ہونے کا دعویٰ کرنے والے ہمارے نزدیک تو تو پاگل ہے۔ اگر بالفرض سچا ہے تو عذاب کے فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟ اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ فرشتے حق کے اور فیصلے کے ساتھ ہی آیا کرتے ہیں۔ جب وہ وقت آئے گا، اس وقت ایمان لانے یا توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کی فرصت ومہلت نہیں ملے گی۔ اسی طرح اور آیت میں ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ دو آیتوں تک اور جگہ ہے سَاَلَ سَآئِلٌ الخ۔ اور آیت میں ہے کہ بے ایمان اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور ایماندار اس سے خوف کھا رہے ہیں اور اسے برحق جان رہے ہیں۔ اسی طرح اور آیت میں فرمان ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور المناک عذاب نازل فرما۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کفر وانکار کی وجہ سے اللہ کے عذاب کا آنا محال جان کر اس قدر نڈر اور بے خوف ہو گئے تھے کہ عذاب کے اترنے کی آرزو اور طلب کیا کرتے تھے۔ یہاں فرمایا کہ ان سے پہلے کے ایسے لوگوں کی مثالیں ان کے سامنے ہیں کہ کس طرح وہ عذاب کی پکڑ میں آ گئے۔ کہہ دو کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حلم وکرم ہے کہ گناہ دیکھتا ہے اور فوراً نہیں پکڑتا ورنہ روئے زمین پر کسی کو چلتا پھرتا نہ چھوڑے۔ دن رات خطائیں دیکھتا ہے اور درگزر فرماتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ عذاب پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس کے عذاب بھی بڑے خطرناک، نہایت سخت دردناک دکھ دینے والے ہیں۔ چنانچہ فرمان ہے فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ الخ، اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ تمہارا رب وسیع رحمتوں والا ہے لیکن اس کے آئے ہوئے عذاب گنہگاروں پر سے نہیں ہٹائے جا سکتے۔

اور فرمان ہے کہ تیرا پروردگار جلد عذاب کرنے والا، بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اور آیت میں ہے نَبِّئْ عِبَادِیْٓ الخ، میرے بندوں کو خبر کر دے کہ میں غفور رحیم ہوں اور میرے عذاب بھی بڑے دردناک ہیں۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سے آیتیں

ہیں جن میں امید وبیم' خوف ولالچ کا ایک ساتھ بیان ہوا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے۔ اس آیت کے اترنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اگر اللہ تعالیٰ کا معاف فرمانا نہ ہوتا تو کسی کی زندگی کا لطف باقی نہ رہتا اور اگر اس کا دھمکانا ڈرانا اور سزا کرنا نہ ہوتا تو ہر شخص بے پرواہی سے ظلم وزیادتی میں مشغول ہو جاتا۔ ابن عساکر میں ہے کہ حسن بن عثمان ابوحسان راوی رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں اللہ عزوجل کا دیدار کیا۔ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے سامنے کھڑے اپنے ایک امتی کی شفاعت کر رہے ہیں جس پر فرمان باری ہوا کہ کیا تجھے اتنا کافی نہیں کہ میں نے سورہ رعد میں تجھ پر آیت وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ نازل فرمائی ہے۔ ابوحسان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ
مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ ع ۷
الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹

کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اتارا گیا' بات یہ ہے کہ تو تو صرف آگاہ کرنے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے ○ مادہ اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے' اسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور پیٹ کا گھٹنا بڑھنا بھی ○ ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے۔ چھپے کھلے کا وہ عالم ہے۔ سب سے بڑا اور سب سے بلند وبالا ○

اعتراض برائے اعتراض: ☆☆ (آیت: ۷) کافر لوگ ازروئے اعتراض کہا کرتے تھے کہ جس طرح اگلے پیغمبر معجزے لے کر آئے' یہ پیغمبر کیوں نہیں لائے؟ مثلاً صفا پہاڑ سونے کا بنا دیتے یا مثلاً عرب کے پہاڑ یہاں سے ہٹ جاتے اور یہاں سبزہ اور نہریں ہو جاتیں۔ پس ان کے جواب میں اور جگہ ہے کہ ہم یہ معجزے بھی دکھا دیتے مگر اگلوں کی طرح ان کے جھٹلانے پر پھر اگلوں جیسے ہی عذاب ان پر آ جاتے۔ تو ان کی باتوں سے مغموم ومتفکر نہ ہو جایا کر' تیرے ذمے تو صرف تبلیغ ہی ہے۔ تو ہادی ہے' ان کے نہ ماننے سے تیری پکڑ نہ ہوگی۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے' یہ تیرے بس کی بات نہیں۔ ہر قوم کے لئے رہبر اور داعی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہادی میں ہوں۔ تو تو ڈرانے والا ہے۔ اور آیت میں وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ہر امت میں ڈرانے والا گزرا ہے اور مراد یہاں ہادی سے پیغمبر ہے۔ پس پیشوا' رہبر ہر گروہ میں ہوتا ہے جس کے علم وعمل سے دوسرے راہ پاسکیں اس امت کے پیشوا آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ایک نہایت ہی منکر' واہی روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے وقت آپ نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا' منذر تو میں ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' اے علیؓ تو ہادی ہے' میرے بعد ہدایات پانے والے تجھ سے ہدایت پائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اس جگہ ہادی سے مراد قریش کا ایک شخص ہے۔ جنید کہتے ہیں' وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہادی ہونے کی روایت کی ہے لیکن اس میں سخت نکارت ہے۔

علم الٰہی: ☆☆ (آیت: ۸-۹) اللہ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تمام جاندار مادہ حیوان ہوں یا انسان' ان کے پیٹ کے بچوں کا' ان کے حمل کا' اللہ کو علم ہے کہ پیٹ میں کیا ہے؟ اسے اللہ بخوبی جانتا ہے یعنی مرد ہے یا عورت؟ اچھا ہے یا برا؟ نیک ہے یا بد؟ عمر والا ہے یا بے عمر

کا؟ چنانچہ ارشاد ہے هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ الخ وہ بخوبی جانتا ہے جب کہ تمہیں زمین سے پیدا کرتا ہے اور جب کہ تم ماں کے پیٹ میں چھپے ہوئے ہوتے ہو۔ الخ اور فرمان ہے يَخْلُقُكُمْ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ الخ وہ تمہیں تمہاری ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ ایک کے بعد دوسری پیدائش میں تین تین اندھیریوں میں۔ ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ الخ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے نطفے کو خون بستہ کیا' خون بستہ کو لوتھڑا گوشت کا کیا۔ لوتھڑے کو ہڈی کی شکل میں کر دیا۔ پھر ہڈی کو گوشت چڑھایا۔ پھر آخری اور پیدائش میں کیا۔ پس بہترین خالق بابرکت ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں تک وہ بصورت خون بستہ رہتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں تک وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے' پھر اللہ تبارک وتعالیٰ خالق کل ایک فرشتے کو بھیجتا ہے' جسے چار باتوں کے لکھ لینے کا حکم ہوتا ہے' اس کا رزق' عمر' عمل اور نیک بد ہونا لکھ لیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے' وہ پوچھتا ہے کہ اے اللہ مرد ہوگا یا عورت؟ شقی ہوگا یا سعید؟ روزی کیا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے اور وہ لکھ لیتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں بجز اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کے اور کوئی نہیں جانتا' کل کی بات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' کون شخص کہاں مرے گا۔ اسے بھی اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب قائم ہوگی۔ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔

پیٹ میں کیا گھٹتا ہے' اس سے مراد حمل کا ساقط ہو جانا ہے اور رحم میں کیا بڑھ رہا ہے' کیسے پورا ہو رہا ہے' یہ بھی اللہ کو بخوبی علم رہتا ہے۔ دیکھ لو کوئی عورت دس مہینے لیتی ہے کوئی نو۔ کسی کا حمل گھٹتا ہے' کسی کا بڑھتا ہے۔ نو ماہ سے گھٹنا' نو سے بڑھ جانا' اللہ کے علم میں ہے۔ حضرت ضحاک کا بیان ہے کہ میں دو سال ماں کے پیٹ میں رہا جب پیدا ہوا تو میرے اگلے دو دانت نکل آئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ حمل کی انتہائی مدت دو سال کی ہوتی ہے۔ کمی سے مراد بعض کے نزدیک ایام حمل میں خون کا آنا اور زیادتی سے مراد نو ماہ سے زیادہ حمل کا ٹھہرا رہنا ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' نو سے پہلے جب عورت خون کو دیکھے تو نو سے زیادہ ہو جاتے ہیں مثل ایام حیض کے۔ خون کے گرنے سے بچہ اچھا ہو جاتا ہے اور نہ گرے تو بچہ پورا پاٹھا اور بڑا ہوتا ہے۔ حضرت مکحول رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں بالکل بے غم' بے کھٹکے اور با آرام ہوتا ہے۔ اس کی ماں کے حیض کا خون اس کی غذا ہوتا ہے' جو بے طلب با آرام اسے پہنچتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کو ان دنوں حیض نہیں آتا۔ پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے زمین پر آتے ہی روتا چلاتا ہے' اس انجان جگہ سے اسے وحشت ہوتی ہے' جب اس کی نال کٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی ماں کے سینے میں پہنچا دیتا ہے اور اب بھی بے طلب' بے جستجو' بے رنج وغم' بے فکری کے ساتھ اسے روزی ملتی رہتی ہے۔ پھر ذرا بڑا ہوتا ہے' اپنے ہاتھوں کھانے پینے لگتا ہے' لیکن بالغ ہوتے ہی روزی کے لئے ہائے ہائے کرنے لگتا ہے۔ موت اور قتل تک سے روزی حاصل ہونے کا امکان ہو تو پس وپیش نہیں کرتا۔ افسوس اے ابن آدم تجھ پر حیرت ہے۔ جس نے تجھے تیری ماں کے پیٹ میں روزی دی' جس نے تجھے تیری ماں کی گود میں روزری دی' جس نے تجھے بچے سے بالغ بنانے تک روزی دی اب تو بالغ اور عقل مند ہو کر یہ کہنے لگا کہ ہائے کہاں سے کھاؤں گا؟ موت ہو یا قتل ہو؟ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ ہر چیز اس کے پاس اندازے کے ساتھ موجود ہے۔ رزق اجل سب مقرر شدہ ہے۔

حضور ﷺ کی ایک صاحبزادی صاحبہ نے آپؐ کے پاس آدمی بھیجا کہ میرا بچہ آخری حالت میں ہے' آپ کا تشریف لانا میرے لئے خوشی کا باعث ہے۔ آپ نے فرمایا' جاؤ ان سے کہہ دو کہ جو اللہ لے لے' وہ اسی کا ہے' جو دے رکھے' وہ بھی اسی کا ہے۔ ہر چیز کا صحیح اندازہ اس کے پاس ہے۔ ان سے کہہ دو کہ صبر کریں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو بھی جانتا ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہے اور اسے بھی جو بندوں پر ظاہر ہے' اس سے کچھ بھی مخفی نہیں۔ وہ سب سے بڑا۔ وہ ہر ایک سے بلند ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ ساری مخلوق

اس کے سامنے عاجز ہے' تمام سر اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ تمام بندے اس کے سامنے عاجز' لاچار اور محض بے بس ہیں۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ
بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى
يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ
وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور با آواز بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو' سب اللہ پر برابر اور یکساں ہیں ○ اس کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں جو بحکم اللہ اس کی نگہبانی کرتے رہتے ہیں' کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے' اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کا سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور بجز اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں ہوتا ○

سب پہ محیط علم: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ کا علم تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس کے عمل سے باہر نہیں۔ پست اور بلند ہر آواز وہ سنتا ہے چھپا کھلا سب جانتا ہے۔ تم چھپاؤ یا کھولو اس سے مخفی نہیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' وہ اللہ پاک ہے جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیرا ہوا ہے۔ قسم اللہ کی اپنے خاوند کی شکایت لے کر آنے والی عورت نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کانا پھوسی کی کہ میں پاس ہی گھر میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن میں بھی پوری طرح نہ سن سکی لیکن اللہ تعالیٰ نے آیتیں قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ الخ اتاریں یعنی اس عورت کی یہ تمام سرگوشی اللہ تعالیٰ سن رہا تھا۔ وہ سمیع و بصیر ہے' جو اپنے گھر کے تہہ خانے میں راتوں کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہو۔ وہ' اور جو دن کے وقت کھلم کھلا آباد راستوں میں چلا جا رہا ہو' وہ علم الٰہی میں برابر ہیں۔ جیسے آیت اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ الخ میں فرمایا ہے۔

اور آیت وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ میں ارشاد ہوا ہے کہ تمہارے کسی کام کے وقت ہم ادھر ادھر نہیں ہوتے' کوئی ذرہ ہماری معلومات سے خارج نہیں۔ اللہ کے فرشتے بطور نگہبان اور چوکیدار کے بندوں کے ارد گرد مقرر ہیں جو انہیں آفتوں سے اور تکلیفوں سے بچاتے رہتے ہیں جیسے کہ اعمال پر نگہبان فرشتوں کی اور جماعت ہے' جو باری باری پے در پے آتے جاتے رہتے ہیں' رات کے الگ' دن کے الگ۔ اور جیسے کہ دو فرشتے انسان کے دائیں بائیں اعمال لکھنے پر مقرر ہیں' داہنے والا نیکیاں لکھتا ہے' بائیں جانب والا بدیاں لکھتا ہے۔ اسی طرح دو فرشتے اس کے آگے پیچھے ہیں جو اس کی حفاظت و حراست کرتے رہتے ہیں۔ پس ہر انسان ہر وقت چار فرشتوں میں رہتا ہے' دو کاتب اعمال دائیں بائیں' دو نگہبانی کرنے والے آگے پیچھے' پھر رات کے الگ دن کے الگ۔ چنانچہ حدیث میں ہے' تم میں فرشتے پے در پے آتے جاتے رہتے ہیں' رات کے' اور دن کے' ان کا میل صبح اور عصر کی نماز میں ہوتا ہے' رات گزارنے والے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ باوجود علم کے اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم گئے تو انہیں نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ آئے۔ اور حدیث میں ہے' تمہارے ساتھ وہ ہیں جو سوا پاخانے اور جماع کے وقت کے تم سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ پس تمہیں ان کا لحاظ' ان کی شرم' ان کا اکرام اور ان کی عزت کرنی چاہیے۔

پس جب اللہ کو کوئی نقصان بندے کو پہنچانا منظور ہوتا ہے۔ بقول ابن عباس محافظ فرشتے اس کام کو ہو جانے دیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں'

ہر بندے کے ساتھ اللہ کی طرف سے موکل ہے جو اسے سوتے جاگتے جنات سے، انسان سے، زہریلے جانوروں اور تمام آفتوں سے بچاتا رہتا ہے۔ ہر چیز کو روک دیتا ہے مگر وہ جسے اللہ پہنچانا چاہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ دنیا کے بادشاہوں امیروں وغیرہ کا ذکر ہے جو پہرے چوکی میں رہتے ہیں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ سلطان اللہ کی نگہبانی میں ہوتا ہے امر اللہ سے یعنی مشرکین اور ظاہرین سے۔ واللہ اعلم۔ ممکن ہے غرض اس قول سے یہ ہو کہ جیسے بادشاہوں امیروں کی چوکیداری سپاہی کرتے ہیں، اسی طرح بندے کے چوکیدار اللہ کی طرف سے مقرر شدہ فرشتے ہوتے ہیں۔

ایک غریب روایت میں تفسیر ابن جریر میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا کہ فرمائیے بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، ایک تو دائیں جانب نیکیوں کا لکھنے والا جو بائیں جانب والے پر امیر ہے، جب تو کوئی نیکی کرتا ہے، وہ ایک کی بجائے دس لکھ لی جاتی ہیں۔ جب تو کوئی برائی کرے تو بائیں والا دائیں والے سے اس کے لکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ذرا ٹھہر جاؤ۔ شاید یہ توبہ واستغفار کرلے۔ تین مرتبہ وہ اجازت مانگتا ہے۔ تب تک بھی اگر اس نے توبہ نہ کی تو یہ نیکی کا فرشتہ اس سے کہتا ہے، اب لکھ لے اللہ ہمیں اس سے بچائے یہ تو بڑا برا ساتھی ہے۔ اسے اللہ کا لحاظ نہیں، یہ اس سے نہیں شرماتا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ انسان جو بات زبان پر لاتا ہے، اس پر نگہبان متعین اور مہیا ہیں۔ اور دو فرشتے تیرے آگے پیچھے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ الخ اور ایک فرشتہ تیرے ماتھے کے بال تھامے ہوئے ہے جب تو اللہ کے لئے تواضع اور فروتنی کرتا ہے۔ وہ تجھے پست اور عاجز کر دیتا ہے اور دو فرشتے تیرے ہونٹوں پر ہیں، جو درود تو مجھ پر پڑھتا ہے، اس کی وہ حفاظت کرتے ہیں۔ ایک فرشتہ تیرے منہ پر کھڑا ہے کہ کوئی سانپ وغیرہ جیسی چیز تیرے حلق میں نہ چلی جائے اور دو فرشتے تیری آنکھوں پر ہیں، پس یہ دس فرشتے ہر بنی آدم کے ساتھ ہیں۔ پھر دن کے الگ ہیں اور رات کے الگ ہیں۔ یوں ہر شخص کے ساتھ بیس فرشتے منجانب اللہ موکل ہیں۔ ادھر بہکانے کے لئے دن بھر تو ابلیس کی ڈیوٹی رہتی ہے اور رات کو اس کی اولاد کی۔ مسند احمد میں ہے، تم میں سے ہر ایک کے ساتھ جن ساتھی ہے اور فرشتہ ساتھی ہے، لوگوں نے کہا، آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں لیکن اللہ نے اس پر میری مدد کی ہے، وہ مجھے بھلائی کے سوا کچھ نہیں کہتا (مسلم) یہ فرشتے بحکم رب اس کی نگہبانی رکھتے ہیں۔ بعض قراتوں میں مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کے بدلے بِاَمْرِ اللّٰهِ ہے۔ کعب کہتے ہیں اگر ابن آدم کے لئے ہر نرم وسخت کھل جائے تو البتہ ہر چیز اسے خود نظر آنے لگے۔ اور اگر اللہ کی طرف سے یہ محافظ فرشتے مقرر نہ ہوں جو کھانے پینے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں تو واللہ تم تو اچک لئے جاؤ۔ ابو امامہ فرماتے ہیں، ہر آدمی کے ساتھ محافظ فرشتہ ہے جو تقدیری امور کے سوا اور تمام بلاؤں کو اس سے دفعہ کرتا رہتا ہے۔ ایک شخص قبیلہ مراد کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ انہیں نماز میں مشغول دیکھا تو کہا کہ قبیلہ مراد کے آدمی آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ آپ پہرہ چوکی مقرر کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے اس کے محافظ مقرر ہیں بغیر تقدیر کے لکھے کے کسی برائی کو انسان تک پہنچنے نہیں دیتے، سنو! اجل ایک مضبوط قلعہ ہے اور عمدہ ڈھال ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں ہے، لوگوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ جھاڑ پھونک جو ہم کرتے ہیں، کیا اس سے اللہ کی مقرر کی ہوئی تقدیر ٹل جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ خود اللہ کی مقرر کردہ ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک کی طرف وحی الٰہی ہوئی کہ اپنی قوم سے کہہ دے کہ جس بستی والے اور جس گھر والے اللہ کی اطاعت گذاری کرتے کرتے اللہ کی معصیت کرنے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی راحت کی چیزوں کو ان سے دور کر کے انہیں وہ چیزیں پہنچاتا ہے جو انہیں تکلیف دینے والی ہوں۔ اس کی تصدیق قرآن کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ الخ سے بھی ہوتی ہے۔ امام

ابن ابی شیبہ کی کتاب صفتہ العرش میں یہ روایت مرفوعاً بھی آئی ہے۔ عمیر بن عبدالملک کہتے ہیں کہ کوفے کے منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ سنایا جس میں فرمایا کہ اگر میں چپ رہتا تو حضور ﷺ بات شروع کرتے اور جب میں پوچھتا تو آپ مجھے جواب دیتے۔ ایک دن آپؐ نے مجھ سے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی، اپنی بلندی کی جو عرش پر ہے کہ جس بستی کے جس گھر کے لوگ میری نافرمانیوں میں مبتلا ہوں، پھر انہیں چھوڑ کر میری فرمانبرداری میں لگ جائیں تو میں بھی اپنے عذاب اور دکھ ان سے ہٹا کر اپنی رحمت اور سکھ انہیں عطا فرماتا ہوں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ایک راوی غیر معروف ہے۔

هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

وہی اللہ ہے جو تمہیں بجلی کی چمک ڈرانے کے لئے اور امید دلانے کے لئے دکھاتا ہے اور بوجھل بادلوں کو پیدا کرتا ہے ○ گرج اس کی تسبیح وتعریف کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے، وہی آسمان سے بجلیاں گراتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اس پر ڈال دیتا ہے، کفار اللہ کی بابت لڑ جھگڑ رہے ہیں، اللہ سخت قوت والا ہے ○

بجلی کی گرج: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) بجلی بھی اس کے حکم میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا کہ برق پانی ہے۔ مسافر اسے دیکھ کر اپنی ایذا اور مشقت کے خوف سے گھبراتا ہے اور مقیم برکت ونفع کی امید پر رزق کی زیادتی کا لالچ کرتا ہے، وہی بوجھل بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو بوجہ پانی کے بوجھ کے زمین کے قریب آ جاتے ہیں۔ پس ان میں بوجھ پانی کا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ کڑک بھی اس کی تسبیح وتعریف کرتی ہے۔ ایک اور جگہ ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح وحمد کرتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بادل پیدا کرتا ہے جو اچھی طرح بولتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ ممکن ہے بولنے سے مراد گرجنا اور ہنسنے سے مراد بجلی کا ظاہر ہونا ہو۔ سعد بن ابراہیم کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے۔ اس سے اچھی بولی اور اس سے اچھی ہنسی والا کوئی اور نہیں۔ اس کی ہنسی بجلی ہے اور اس کی گفتگو گرج ہے۔ محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں۔ ایک انسان جیسا، ایک بیل جیسا ایک گدھ جیسا، ایک شیر جیسا، وہ جب دم ہلاتا ہے تو بجلی ظاہر ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ گرج کڑک سن کر یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ (ترمذی) اور روایت میں یہ دعا ہے سُبْحَانَ مَنْ يُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ حضرت علیؓ گرج سن کر پڑھتے سبحان من سبحت لہٗ ابن ابی زکریا فرماتے ہیں، جو شخص گرج کڑک سن کر کہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اس پر بجلی نہیں گرے گی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ گرج کڑک کی آواز سن کر باتیں چھوڑ دیتے اور فرماتے سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِىْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ اور فرماتے کہ اس آیت میں اور اس آواز میں زمین والوں کے لئے بہت تنزیر وعبرت ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہارا رب العزت فرماتا ہے، اگر میرے بندے میری پوری اطاعت کرتے تو راتوں کو بارشیں برساتا اور دن کو سورج چڑھاتا اور انہیں گرج کی آواز تک نہ سناتا۔

طبرانی میں ہے، آپ فرماتے ہیں، گرج سن کر اللہ کا ذکر کرو۔ کیونکہ ذکر کرنے والوں پر کڑاکا نہیں گرتا۔ وہ بجلی بھیجتا ہے جس پر

چاہے اس پر گراتا ہے- اسی لئے آخر زمانے میں بکثرت بجلیاں گریں گی-

مسند کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب بجلی بکثرت گرے گی یہاں تک کہ ایک شخص اپنی قوم سے آ کر پوچھے گا کہ صبح کس پر بجلی گری؟ وہ کہیں گے فلاں فلاں پر- ابویعلی راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو ایک مغرور سردار کے بلانے کو بھیجا' اس نے کہا کون رسول اللہ؟ اور کون اللہ؟ اللہ سونے کا ہے یا چاندی کا؟ یا پیتل کا؟ قاصد واپس آیا اور حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ دیکھئے میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ متکبر' مغرور شخص ہے- آپؐ اسے نہ بلوائیں- آپؐ نے فرمایا' دوبارہ جاؤ اور اس سے یہی کہو' اس نے جا کر پھر بلایا لیکن اس ملعون نے یہی جواب اس مرتبہ بھی دیا- قاصد نے واپس آ کر پھر حضورؐ سے عرض کیا' آپ نے تیسری مرتبہ بھیجا' اب کی مرتبہ بھی اس نے پیغام سن کر وہی جواب دینا شروع کیا کہ ایک بادل اس کے سر پر آ گیا - کڑکا اور اس میں سے بجلی گری اور اس کے سر سے کھوپڑی اڑا لی گئی- اس کے بعد یہ آیت اتری-

ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی حضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تانبے کا ہے یا موتی کا یا یاقوت کا' ابھی اس کا سوال پورا نہ ہوا تھا جو بجلی گری اور وہ تباہ ہو گیا اور یہ آیت اتری- قتادہ کہتے ہیں' مذکور ہے کہ ایک شخص نے قرآن کو جھٹلایا اور آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکار کیا- اسی وقت آسمان سے بجلی گری اور وہ ہلاک ہو گیا اور یہ آیت اتری- اس آیت کے شان نزول میں عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ کا قصہ بھی بیان ہوتا ہے- یہ دونوں سرداران عرب مدینے میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کو مان لیں گے لیکن اس شرط پر کہ آپ ہمیں آدھوں آدھ کا شریک کر لیں- آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے' اللہ تجھے یہ وقت ہی نہیں دے گا پھر یہ دونوں مدینے میں ٹھہرے رہے کہ موقعہ پا کر حضور ﷺ کو غفلت میں قتل کر دیں چنانچہ ایک دن انہیں موقعہ مل گیا- ایک نے تو آپؐ کو سامنے سے باتوں میں لگا لیا- دوسرا تلوار تولے پیچھے سے آ گیا لیکن اس حافظ حقیقی نے آپ کو ان کی شرارت سے بچا لیا- اب یہاں سے نامراد ہو کر چلے اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے عرب کو آپ کے خلاف ابھارنے لگے- اسی حال میں اربد پر آسمان سے بجلی گری اور اس کا کام تو تمام ہو گیا' عامر طاعون کی گلٹی سے پکڑا گیا اور اسی میں بلک بلک کر جان دی اور اسی جیسوں کے بارے میں یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے بجلی گراتا ہے- اربد کے بھائی لبید نے اپنے بھائی کے اس واقعہ کو اشعار میں خوب بیان کیا ہے- اور روایت میں ہے کہ عامر نے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا' جو سب مسلمانوں کا حال وہی تیرا حال- اس نے کہا' پھر تو میں مسلمان نہیں ہوتا- اگر آپؐ کے بعد اس امر کا والی میں بنوں تو میں دین قبول کرتا ہوں- آپؐ نے فرمایا' یہ امر خلافت نہ تیرے لئے ہے نہ تیری قوم کے لیے ہاں ہمارا لشکر تیری مدد پر ہو گا- اس نے کہا اس کی مجھے ضرورت نہیں- اب بھی نجدی لشکر میری پشت پناہی پر ہے مجھے تو کچے پکے کا مالک کر دیں تو میں دین اسلام قبول کر لوں- آپؐ نے فرمایا' نہیں- یہ دونوں آپؐ کے پاس سے چلے گئے- عامر کہنے لگا' واللہ میں مدینے کو چاروں طرف سے لشکروں سے محصور کر لوں گا-

حضور ﷺ نے فرمایا' اللہ تیرا یہ ارادہ پورا نہیں ہونے دے گا- اب ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایک تو حضرت ﷺ کو باتوں میں لگائے' دوسرا تلوار سے آپ کا کام تمام کر دے- پھر ان میں سے لڑے گا کون؟ زیادہ سے زیادہ دیت دے کر پیچھا چھٹ جائے گا- اب یہ دونوں پھر آپؐ کے پاس آئے- عامر نے کہا' ذرا آپؐ اٹھ کر یہاں آیئے- میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں- آپ اٹھے' اس کے ساتھ چلے' ایک دیوار تلے' وہ باتیں کرنے لگا- حضور ﷺ بھی کھڑے ہوئے سن رہے تھے' اربد نے موقعہ پا کر تلوار پر ہاتھ رکھا- اسے میان سے باہر نکالنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ہاتھ شل کر دیا اس سے تلوار نکلی ہی نہیں- جب کافی دیر لگ گئی اور اچانک حضور ﷺ کی نظر

پشت کی جانب پڑی تو آپ نے یہ حالت دیکھی اور وہاں سے لوٹ کر چلے آئے- اب یہ دونوں مدینے سے چلے' حرہ راقم میں آ کر ٹھہرے لیکن حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پہنچے اور انہیں وہاں سے نکالا' راقم میں پہنچے ہی تھے جو اربد پر بجلی گری- اس کا تو وہیں ڈھیر ہو گیا- عامر یہاں سے بھاگم بھاگ چلا لیکن جریح میں پہنچا تھا جو اسے طاعون کی گلٹی نکلی- بنوسلول قبیلے کی ایک عورت کے ہاں یہ ٹھہرا- وہ کبھی کبھی اپنی گردن کی گلٹی کو دباتا اور تعجب سے کہتا' یہ تو ایسی ہے جیسے اونٹ کی گلٹی ہوتی ہے' افسوس میں سلولیہ عورت کے گھر پر مروں گا- کیا اچھا ہوتا کہ میں اپنے گھر ہوتا- آخر اس سے نہ رہا گیا' گھوڑا منگوایا' سوار ہوا اور چل دیا لیکن راستے ہی میں ہلاک ہو گیا پس ان کے بارے میں یہ آیتیں اَللّٰهُ يَعْلَمُ سے مِنْ وَّالٍ تک نازل ہوئیں- ان میں حضرت ﷺ کی حفاظت کا ذکر بھی ہے- پھر اربد پر بجلی گرنے کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں- اس کی عظمت و توحید کو نہیں مانتے- حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے مخالفوں اور منکروں کو سخت سزا اور نا قابل برداشت عذاب کرنے والا ہے- پس یہ آیت مثل آیت وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ الخ' کے ہے یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اسی طرح کہ انہیں معلوم نہ ہو سکا- اب تو خود دیکھ لے کہ ان کے مکر کا انجام کیا ہوا؟ ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو غارت کر دیا- اللہ سخت پکڑ کرنے والا ہے- بہت قوی ہے' پوری قوت و طاقت والا ہے-

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ
بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ
وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۴

اسی کو پکارنا حق ہے' جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں' وہ ان کے کسی کام پر نہیں پہنچتے مگر جیسے کہ کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ ان کے منہ میں پڑ جائے تو وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں' ان منکروں کی جتنی پکار ہے' سب گمراہی میں ہے ○

دعوت حق: ☆☆ (آیت:۱۴) حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' اللہ کے لئے دعوت حق ہے' اس سے مراد توحید ہے- محمد بن منکدر کہتے ہیں' مراد لا اله الا الله ہے- پھر مشرکوں کافروں کی مثال بیان ہوئی کہ جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں خود بخود پہنچ جائے تو ایسا نہیں ہونے کا- اسی طرح یہ کفار جنہیں پکارتے ہیں اور جن سے امیدیں رکھتے ہیں' وہ ان کی امیدیں پوری نہیں کرنے کے- اور یہ مطلب بھی ہے کہ جیسے کوئی اپنی مٹھیوں میں پانی بند کر لے تو وہ رہنے کا نہیں- پس باسط قابض کے معنی میں ہے- عربی شعر میں بھی قابض ماء آیا ہے پس جیسے پانی مٹھی میں روکنے والا اور جیسے پانی کی طرف ہاتھ پھیلانے والا پانی سے محروم ہے' ایسے ہی یہ مشرک اللہ کے سوا دوسروں کو گو پکاریں لیکن رہیں گے محروم ہی' دین و دنیا کا کوئی فائدہ انہیں نہ پہنچے گا- ان کی پکار بے سود ہے-

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ
بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ۝۱۵

اللہ ہی کے لئے زمین کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی رہتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام ○

عظمت و سطوت الٰہی: ☆☆ (آیت:۱۵) اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و سلطنت کو بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے پست ہے اور ہر ایک اس کی سرکار میں اپنی عاجزی کا اظہار کرتی ہے- مومن خوشی سے اور کافر بزور اس کے سامنے سجدہ میں ہے- ان کی پرچھائیں صبح و شام

ان کے سامنے جھکتی رہتی ہے۔ اصال جمع ہے اصیل کی۔ اور آیت میں بھی اس کا بیان ہوا ہے۔ فرمان ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَاخَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ الخ یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ تمام مخلوق اللہ کے سامنے دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ
هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ
خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶

پوچھ کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ کہہ دے اللہ۔ کہہ دے کہ کیا تم بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو؟ جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے، کہہ دے کیا اندھا اور دیکھتا برابر ہو سکتا ہے، یا کیا اندھیریاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔ کیا جنہیں یہ شریک اللہ ٹھہرا رہے ہیں، انھوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے کہ ان کی نظر میں مخلوق مشتبہ ہو گئی ہو، کہہ دے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے۔ وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے ○

اندھیرا اور روشنی : ☆☆ (آیت:۱۶) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یہ مشرکین بھی اس کے قائل ہیں کہ زمین و آسمان کا رب اور مدبر اللہ ہی ہے۔ اس کے باوجود دوسرے اولیاء کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ وہ سب عاجز بندے ہیں۔ ان کے تو کیا خود اپنے بھی نفع نقصان کا انہیں کوئی اختیار نہیں، پس یہ اور اللہ کے عابد یکساں نہیں ہو سکتے۔ یہ تو اندھیروں میں ہیں اور بندۂ رب نور میں ہے۔ جتنا فرق اندھے اور دیکھنے والے میں ہے، جتنا فرق اندھیروں اور روشنی میں ہے، اتنا ہی فرق ان دونوں میں ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا ان مشرکین کے مقرر کردہ شریک الٰہ ان کے نزدیک کسی چیز کے خالق ہیں؟ کہ ان پر تمیز مشکل ہو گئی کہ کس چیز کا خالق اللہ ہے؟ اور کس چیز کے خالق ان کے معبود ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔ اللہ کے مشابہ، اس جیسا، اس کے برابر کا اور اس کی مثل کا کوئی نہیں۔ وہ وزیر سے، شریک سے، بیوی سے پاک ہے اور ان سب سے اس کی ذات بلند و بالا ہے۔ یہ تو مشرکین کی پوری بے وقوفی ہے کہ اپنے جھوٹے معبودوں کو اللہ کا پیدا کیا ہوا، اس کی مملوک سمجھتے ہوئے پھر بھی ان کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ لبیک پکارتے ہوئے کہتے ہیں کہ یا اللہ ہم حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ وہ تیری ملکیت میں ہے اور جس چیز کا وہ مالک ہے، وہ بھی دراصل تیری ہی ملکیت ہے۔ قرآن نے اور جگہ ان کا مقولہ بیان فرمایا ہے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى یعنی ہم تو ان کی عبادت صرف اس لالچ میں کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ ان کے اس اعتقاد کی رگ گردن توڑتے ہوئے ارشاد ربانی ہوا کہ اس کے پاس کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر لب نہیں ہلا سکتا۔ آسمانوں کے فرشتے بھی شفاعت اس کی اجازت بغیر کر ہی نہیں سکتے۔ سورہ مریم میں فرمایا، زمین و آسمان کی تمام مخلوق اللہ کے سامنے غلام بن کر آنے والی ہے، سب اس کی نگاہ میں اور اس کی گنتی میں ہیں اور ہر ایک تنہا تنہا اس کے سامنے قیامت کے دن حاضری دینے والا ہے۔

پس جب کہ سب کے سب بندے اور غلام ہونے کی حیثیت میں یکساں ہیں، پھر ایک کا دوسرے کی عبادت کرنا بڑی حماقت اور کھلی بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر اس نے رسولوں کا سلسلہ شروع دنیا سے جاری رکھا۔ ہر ایک نے لوگوں کو پہلا سبق یہ دیا کہ اللہ ایک ہی

عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں لیکن انہوں نے نہ اپنے اقرار کا پاس کیا نہ رسولوں کی متفقہ تعلیم کا لحاظ کیا' بلکہ مخالفت کی' رسولوں کو جھٹلایا تو کلمہ عذاب ان پر صادق آ گیا۔ یہ رب کا ظلم نہیں۔

اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ
ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ
فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي
الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

اسی نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اپنی اپنی سمائی کے مطابق نالے بہہ نکلے۔ پھر پانی کے ریلے نے اوپر چڑھے جھاگ کو اٹھا لیا' اور اس چیز میں بھی جس کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں زیور یا ساز و سامان کیلئے اسی طرح کے جھاگ ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ اب جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے' وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے' اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے ○

باطل بے ثبات ہے: ☆☆ (آیت:۱۷) حق و باطل کے فرق' حق کی پائیداری اور باطل کی بے ثباتی کی یہ دو مثالیں بیان فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں سے مینہ برساتا ہے' چشموں دریاؤں نالوں وغیرہ کے ذریعے برسات کا پانی بہنے لگتا ہے۔ کسی میں کم' کسی میں زیادہ' کوئی چھوٹی' کوئی بڑی۔ یہ دلوں کی مثال ہے اور ان کے تفاوت کی۔ کوئی آسمانی علم بہت زیادہ حاصل کرتا ہے کوئی کم۔ پھر پانی کی اس رو پر جھاگ تیرنے لگتا ہے۔ ایک مثال تو یہ ہوئی۔ دوسری مثال سونے' چاندی' لوہے' تانبے کی ہے کہ اسے آگ میں تپایا جاتا ہے۔ سونے چاندی زیور کے لئے' لوہا تانبا برتن بھانڈے وغیرہ کے لئے ان میں بھی جھاگ ہوتے ہیں تو جیسے ان دونوں چیزوں کے جھاگ مٹ جاتے ہیں' اسی طرح باطل جو کبھی حق پر چھا جاتا ہے' آخر چھٹ جاتا ہے اور حق نتھر آتا ہے جیسے پانی نتھر کر صاف ہو کر رہ جاتا ہے اور جیسے چاندی سونا وغیرہ تپا کر کھوٹ سے الگ کر لئے جاتے ہیں۔ اب سونے چاندی پانی وغیرہ سے تو دنیا نفع اٹھاتی رہتی ہے اور ان پر جو کھوٹ اور جھاگ آ گیا تھا' اس کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سمجھانے کے لئے کتنی صاف صاف مثالیں بیان فرما رہا ہے کہ سوچیں سمجھیں۔ جیسے فرمایا ہے کہ ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے بیان فرماتے ہیں لیکن اسے علماء خوب سمجھتے ہیں۔ بعض سلف کی سمجھ میں جو کوئی مثال نہیں آتی تھی تو وہ رونے لگتے تھے کیونکہ انہیں نہ سمجھنا علم سے خالی لوگوں کا وصف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' پہلی مثال میں بیان ہے' ان لوگوں کا جن کے دل یقین کے ساتھ علم الٰہی کے حامل ہوتے ہیں اور بعض دل وہ بھی ہیں جن میں شک باقی رہ جاتا ہے پس شک کے ساتھ کا علم بے سود ہوتا ہے۔ یقین پورا فائدہ دیتا ہے۔ زبد سے مراد شک ہے جو کمتر چیز ہے' یقین کارآمد چیز ہے' جو باقی رہنے والی ہے۔ جیسے زیور جو آگ میں تپایا جاتا ہے تو کھوٹ جل جاتا ہے اور کھری چیز رہ جاتی ہے' اسی طرح اللہ کے ہاں یقین مقبول۔ شک مردود ہے۔ پس جس طرح پانی رہ گیا اور پینے وغیرہ کے کام آیا اور جس طرح سونا چاندی اصلی رہ گیا اور اس کے ساز و سامان بنے' اسی طرح نیک اور خالص اعمال عامل کو نفع دیتے ہیں اور باقی رہتے ہیں۔ ہدایت و حق پر جو عامل رہے' وہ نفع پاتا ہے جیسے لوہے کی چھری تلوار بغیر تپائے بن نہیں سکتی۔ اسی طرح باطل' شک اور ریاکاری والے اعمال اللہ کے ہاں کارآمد نہیں ہو سکتے۔ قیامت کے دن باطل ضائع ہو جائے گا۔ اور اہل حق کو حق نفع دے گا۔

سورہ بقرہ کے شروع میں منافقوں کی دو مثالیں اللہ رب العزت نے بیان فرمائیں۔ ایک پانی کی' ایک آگ کی۔ سورہ نور میں کافروں کی دو مثالیں بیان فرمائیں۔ ایک سراب یعنی ریت کی' دوسری سمندر کی تہہ کے اندھیروں کی۔ ریت کا میدان موسم گرما میں دور سے بالکل لہریں لیتا ہوا دریا کا پانی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن یہودیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا مانگتے ہو؟ کہیں گے پیاسے ہو رہے ہیں' پانی چاہئے' تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر جاتے کیوں نہیں ہو؟ چنانچہ جہنم انہیں ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں ریتیلے میدان۔ دوسری آیت میں فرمایا اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ الخ بخاری و مسلم میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جس ہدایت و علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے' اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ زمین کے ایک حصہ نے تو پانی کو قبول کیا' گھاس چارہ بکثرت اگ آیا۔ بعض زمین جاذب تھی' اس نے پانی کو روک لیا۔ پس اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا۔ پانی ان کے پینے کے' پلانے کے' کھیت کے کام آیا اور جو ٹکڑا زمین کا سنگلاخ اور سخت تھا' نہ اس میں پانی ٹھہرا نہ وہاں کچھ پیداوار ہوئی۔ پس یہ اس کی مثال ہے جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور میری بعثت سے اللہ نے اسے فائدہ پہنچایا اس نے خود علم سیکھا دوسروں کو سکھایا اور مثال ہے اس کی جس نے اس کے لئے سر بھی نہ اٹھایا اور نہ اللہ کی وہ ہدایت قبول کی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ پس وہ سنگلاخ زمین کی مثل ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے' میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی۔ جب آگ نے اپنی آس پاس کی چیزیں روشن کر دیں تو پتنگے اور پروانے وغیرہ کیڑے اس میں گر گر کر جان دینے لگے۔ وہ انہیں ہر چند روکتا ہے لیکن بس پھر بھی وہ برابر گر رہے ہیں بالکل یہی مثال میری اور تمہاری ہے کہ تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں روکتا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آگ سے پرے ہٹو لیکن تم میری نہیں سنتے' نہیں مانتے' مجھ سے چھوٹ چھوٹ کر آگ میں گرے چلے جاتے ہو۔ پس حدیث میں بھی پانی اور آگ کی دونوں مثالیں آ چکی ہیں۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰىؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ
لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ ع ۲ ۱۱ ۸
اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۹ۙ

جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کی' ان کے لئے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کی حکم برداری نہ کی' اگر ان کے لئے زمین میں جو کچھ ہے' سب کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی ہو' جب بھی وہ سب کچھ اپنے بدلے میں دے دیں' یہی ہیں جن کے لئے حساب کی سختی ہے اور جن کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے ○ کیا ایک وہ شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے' حق ہے' اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو' نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہوں ○

ذوالقرنین: ☆☆ (آیت:۱۸) نیکوں بدوں کا انجام بیان ہو رہا ہے۔ اللہ رسول کو ماننے والے' احکام کے پابند' خبروں پر یقین رکھنے والے تو نیک بدلہ پائیں گے۔ ذوالقرنین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ظلم کرنے والے کو ہم بھی سزا دیں گے اور اللہ کے ہاں بھی سخت عذاب دیا جائے گا۔ اور ایماندار اور نیک اعمال لوگ بہترین بدلہ پائیں گے اور ہم بھی ان سے نرمی کی باتیں کریں گے۔ اور آیت میں فرمان ربی ہے'

نیکوں کے لئے نیک بدلہ ہے اور زیادتی بھی۔ پھر فرماتا ہے جو لوگ اللہ کی باتیں نہیں مانتے یہ قیامت کے دن ایسے عذابوں کو دیکھیں گے کہ اگر ان کے پاس ساری زمین بھر سونا ہو تو وہ اپنے فدیے میں دینے کے لئے تیار ہو جائیں بلکہ اس جتنا اور بھی۔ مگر قیامت کے روز نہ فدیہ ہوگا نہ بدلہ نہ عوض نہ معاوضہ۔ ان سے سخت باز پرس ہوگی ایک ایک چھلکے اور ایک ایک دانے کا حساب لیا جائے گا۔ حساب میں پورے نہ اتریں گے تو عذاب ہوگا۔ جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا جو بدترین جگہ ہوگی۔

ایک موازنہ: ☆☆ (آیت:۱۹) ارشاد ہوتا ہے کہ ایک وہ شخص جو اللہ کے کلام کو جو آپ کی جانب اترا سراسر حق مانتا ہو سب پر ایمان رکھتا ہو ایک کو دوسرے کی تصدیق کرنے والا اور موافقت کرنے والا جانتا ہو سب خبروں کو سچ جانتا ہو سب حکموں کو مانتا ہو سب برائیوں کو بد جانتا ہو آپ کی سچائی کا قائل ہو۔ اور دوسرا وہ شخص جو نابینا ہو بھلائی کو سمجھتا ہی نہیں اور اگر سمجھ بھی لے تو مانتا نہ ہو نہ سچا جانتا ہو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے فرمان ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ جنتی خوش نصیب ہیں یہی فرمان یہاں ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔ بات یہ ہے کہ بھلی سمجھ سمجھ داروں کی ہی ہوتی ہے۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝۲۰ وَ الَّذِيْنَ
يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝۲۱ وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ
وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۲

جو اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو توڑتے نہیں ○ اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا کھٹکا رکھتے ہیں ○ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کی وجہ سے صبر کرتے رہتے ہیں اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے رہتے ہیں ○

منافق کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت:۲۰-۲۲) ان بزرگوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں اور ان کے بھلے انجام کی خبر دی جا رہی ہے جو آخرت میں جنت کے مالک بنیں گے اور یہاں بھی جو نیک انجام ہیں۔ وہ منافقوں کی طرح نہیں ہوتے کہ عہد شکنی غداری اور بے وفائی کریں۔ یہ منافق کی خصلت ہے کہ وعدہ کر کے توڑ دیں۔ جھگڑوں میں گالیاں بکیں باتوں میں جھوٹ بولیں امانت میں خیانت کریں۔ صلہ رحمی کا رشتہ داروں سے سلوک کرنے کا فقیر محتاج کو دینے کا بھلی باتوں کے نباہنے کا جو حکم الٰہی ہے یہ اس کے عامل ہیں۔ رب کا خوف دل میں رکھتے ہوئے فرمان الٰہی سمجھ کر نیکیاں کرتے ہیں بدیاں چھوڑتے ہیں۔ آخرت کے حساب سے ڈرتے ہیں اسی لئے برائیوں سے بچتے ہیں نیکیوں کی رغبت کرتے ہیں۔ اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑتے۔ ہر حال میں فرمان الٰہی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ گو نفس حرام کاموں اور اللہ کی نافرمانیوں کی طرف جانا چاہے لیکن یہ اسے روک لیتے ہیں اور ثواب آخرت یاد دلا کر مرضی مولا رضائے رب کے طالب ہو کر نافرمانیوں سے باز رہتے ہیں۔ نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ رکوع سجدہ قعدہ خشوع خضوع شرعی طور پر بجا لاتے ہیں جنہیں دینا اللہ نے فرمایا ہے انہیں اللہ کی دی ہوئی چیزیں دیتے رہتے ہیں۔ فقیر محتاج مساکین اپنے ہوں یا غیر ہوں ان کی برکتوں سے محروم نہیں رہتے۔ چھپے کھلے دن

رات' وقت بے وقت برابر راہ للہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ قباحت کو احسان سے' برائی کو بھلائی سے' دشمنی کو دوستی سے ٹال دیتے ہیں۔ دوسرا سرکشی کرے' یہ نرمی کرتے ہیں۔ دوسرا سر چڑھے' یہ سر جھکا دیتے ہیں۔ دوسروں کے ظلم سہ لیتے ہیں اور خود نیک سلوک کرتے ہیں۔ تعلیم قرآن ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ الخ بہت اچھے طریقے سے ٹال دو تو دشمن بھی گاڑھا دوست بن جائے گا۔ صبر کرنے والے' صاحب نصیت ہی اس مرتبے کو پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اچھا انجام ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ ﴿٢٣﴾
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۭ ﴿٢٤﴾

ان ہی کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغات جہاں یہ خود جائیں گے اور ان کے باپ داداؤں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو نیک کار ہوں' ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے ○ کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہوتی رہے۔ صبر کے بدلے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اس گھر کا ○

بروج و بالا خانے: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) وہ اچھا انجام اور بہترین گھر جنت ہے جو ہمیشگی والا اور پائیدار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جنت کے ایک محل کا نام عدن ہے جس میں بروج اور بالا خانے ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں' ہر دروازے پر پانچ ہزار فرشتے ہیں' وہ محل مخصوص ہے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے لئے۔ ضحاک رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' یہ جنت کا شہر ہے جس میں انبیاء ہوں گے۔ شہداء ہوں گے اور ہدایت کے ائمہ ہوں گے۔ ان کے آس پاس اور لوگ ہوں گے اور ان کے اردگرد اور جنتیں ہیں۔ وہاں یہ اپنے اور چہیتوں کو بھی اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ ان کے بڑے باپ دادے' ان کے چھوٹے بیٹے پوتے' ان کے جوڑے جو بھی ایماندار اور نیکو کار تھے' ان کے پاس ہوں گے اور راحتوں میں مسرور ہوں گے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے عامل اس درجہ بلند تک پہنچنے کے قابل نہ بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درجے بڑھا دے گا اور اعلیٰ منزل تک پہنچا دے گا جیسے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ الخ' جن ایمانداروں کی اولاد ان کی پیروی ایمان میں کرتی ہے' ہم انہیں بھی ان کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ ان کے پاس مبارک باد اور سلام کے لئے ہر ہر دروازے سے ہر وقت فرشتے آتے رہتے ہیں' یہ بھی اللہ کا انعام ہے تاکہ یہ ہر وقت خوش رہیں اور بشارتیں سنتے رہیں۔ نبیوں' صدیقوں' شہیدوں کا پڑوس' فرشتوں کے سلام اور جنت الفردوس مقام۔ مسند کی حدیث میں ہے' جانتے بھی ہو کہ سب سے پہلے جنت میں کون جائیں گے؟ لوگوں نے کہا' اللہ کو علم ہے اور اس کے رسول ﷺ کو' فرمایا' سب سے پہلے جنتی مساکین مہاجرین ہیں جو دنیا کی لذتوں سے دور تھے' جو تکلیفوں میں مبتلا تھے' جن کی امنگیں دلوں میں ہی رہ گئیں اور قضا آ گئی۔ رحمت کے فرشتوں کو حکم الٰہی ہوگا کہ جاؤ انہیں مبارک باد دو' فرشتے کہیں گے' الٰہی ہم تیرے آسمانوں کے رہنے والے تیری بہترین مخلوق ہیں۔ کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم جا کر انہیں سلام کریں اور انہیں مبارک باد پیش کریں؟ جناب باری جواب دے گا' یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے صرف میری عبادت کی' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا' دنیوی راحتوں سے محروم رہے' مصیبتوں میں مبتلا رہے' کوئی مراد پوری ہونے نہ پائی اور یہ صابر و شاکر رہے۔ اب تو فرشتے جلدی جلدی بصد شوق ان کی طرف دوڑیں گے' ادھر ادھر کے ہر ہر دروازے سے گھسیں گے اور سلام کر کے مبارک باد پیش کریں گے۔ طبرانی میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں جانے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ فقراء مہاجرین جو مصیبتوں میں مبتلا رہے' جب انہیں جو حکم ملا' بجا لاتے رہے۔ انہیں ضرورتیں بادشاہوں ایسی ہوتی تھیں لیکن مرتے دم تک پوری نہ ہوئیں۔ جنت کو بروز

قیامت اللہ تعالیٰ اپنے سامنے بلائے گا- وہ بنی سنوری اپنی تمام نعمتوں اور تازگیوں کے ساتھ حاضر ہوگی- اس وقت ندا ہوگی کہ میرے وہ بندے جو میری راہ میں جہاد کرتے تھے' میری راہ میں ستائے جاتے تھے' میری راہ میں لڑتے بھڑتے تھے' وہ کہاں ہیں' آ ؤ بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں چلے جاؤ- اس وقت فرشتے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اور عرض کریں گے کہ پروردگار ہم تو صبح شام تیری تسبیح و تقدیس میں لگے رہے- یہ کون ہیں جنہیں ہم پر بھی تو نے فضیلت عطا فرمائی؟ اللہ رب العزت فرمائے گا' یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میری راہ میں جہاد کیا' میری راہ میں تکلیفیں برداشت کیں- اب تو فرشتے جلدی کر کے ان کے پاس ہر ہر دروازے سے جا پہنچیں گے سلام کریں گے اور مبارک بادیاں پیش کریں گے کہ تمہیں تمہارے صبر کا بدلہ کتنا اچھا ملا- حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن جنت میں اپنے تخت پر با آرام نہایت شان سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوا ہوگا' خادموں کی قطاریں ادھر ادھر کھڑی ہوں گی جو دروازے والے خادم سے فرشتہ اجازت مانگے گا' وہ دوسرے خادم سے کہے گا' وہ یکے بعد دیگرے پوچھے گا یہاں تک کہ مومن سے پوچھا جائے گا- مومن اجازت دے گا کہ اسے آنے دو- یونہی ایک دوسرے کو پیغام پہنچائے گا اور آخری خادم فرشتے کو اجازت دے گا اور دروازہ کھول دے گا- وہ آئے گا اور سلام کرے گا اور چلا جائے گا- ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر سال کے آخر پر شہداء کی قبروں پر آتے اور کہتے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور اسی طرح ابوبکر' عمر' عثمان' بھی رضی اللہ عنہم (اس کی سند ٹھیک نہیں)

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي
الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ ع ٨

جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم اللہ نے ہے' انہیں توڑتے رہتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے رہتے ہیں' ان پر لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے ○ اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے' بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے- یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہوگئے حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلے میں نہایت حقیر پونجی ہے ○

مومنین کی صفات: ☆☆ (آیت: ۲۵) مومنوں کی صفتیں اوپر بیان ہوئیں کہ وہ وعدے کے پورے' رشتوں ناتوں کے ملانے والے ہوتے ہیں- پھر ان کا اجر بیان ہوا کہ وہ جنتوں کے مالک بنیں گے- اب یہاں ان بدنصیبوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کے خلاف خصائل رکھتے تھے نہ خدا کے وعدوں کا لحاظ کرتے تھے نہ صلہ رحمی اور احکام اللہ کی پابندی کا خیال رکھتے تھے- یہ لعنتی گروہ ہے اور برے انجام والا ہے- حدیث میں ہے' منافق کی تین نشانیاں ہیں- باتوں میں جھوٹ بولنا' وعدوں کا خلاف کرنا' امانت میں خیانت کرنا- ایک حدیث میں ہے' جھگڑوں میں گالیاں بکنا' اس شان کے لوگ رحمت الٰہی سے دور ہیں- ان کا انجام برا ہے- یہ جہنمی گروہ ہے- یہ چھ خصلتیں ہوئیں جو منافقین سے اپنے غلبہ کے وقت ظاہر ہوتی ہیں- باتوں میں جھوٹ' وعدہ خلافی' امانت میں خیانت' اللہ کے عہد کو توڑ دینا' اللہ کے ملانے کے حکم کی چیزوں کو نہ ملانا' ملک میں فساد پھیلانا- اور یہ دبے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی جھوٹ' وعدہ خلافی اور خیانت کرتے ہیں-

مسئلہ رزق: ☆☆ (آیت: ۲۶) اللہ جس کی روزی میں کشادگی دینا چاہے قادر ہے' جسے تنگ روزی دینا چاہے قادر ہے' یہ سب کچھ حکمت و عدل سے ہو رہا ہے۔ کافروں کو دنیا پر ہی سہارا ہو گیا۔ یہ آخرت سے غافل ہو گئے۔ سمجھنے لگے کہ یہاں رزق کی فراوانی حقیقی اور بھلی چیز ہے حالانکہ دراصل یہ مہلت ہے اور آہستہ پکڑ کی شروع ہے لیکن انہیں کوئی تمیز نہیں۔ مومنوں کو جو آخرت ملنے والی ہے' اس کے مقابل تو یہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں' یہ نہایت ناپائیدار اور حقیر چیز ہے۔ آخرت بہت بڑی اور بہتر چیز۔ لیکن عموماً لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اسے کوئی سمندر میں ڈبو لے اور دیکھے کہ اس میں کتنا پانی آتا ہے؟ جتنا یہ پانی سمندر کے مقابلے پر ہے' اتنی ہی دنیا آخرت کے مقابلے میں ہے (مسلم) ایک چھوٹے چھوٹے کانوں والے بکری کے مرے ہوئے بچے کو راستے میں پڑا ہوا دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا' جیسا یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جن کا یہ تھا' اس سے بھی زیادہ بے کار اور ناچیز اللہ کے سامنے ساری دنیا ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ
اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ
الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ
مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ تو جواب دے کہ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے' کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکے' اسے راستہ دکھا دیتا ہے ○ جو لوگ ایمان لائے' ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں' یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام بھی کئے' ان کے لئے خوش حالی ہے اور بہترین ٹھکانا ہے ○

مشرکین کے اعتراض: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۹) مشرکین کا ایک اعتراض بیان ہو رہا ہے کہ اگلے نبیوں کی طرح یہ ہمیں ہمارا کہا ہوا کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتا؟ اس کی پوری بحث کئی بار گزر چکی کہ اللہ کو قدرت تو ہے لیکن اگر پھر بھی یہ ٹس سے مس نہ ہوئے تو انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ خدا کی طرف سے نبی ﷺ پر وحی آئی کہ ان کی چاہت کے مطابق میں صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیتا ہوں' زمین عرب میں میٹھے دریاؤں کی ریل پیل کر دیتا ہوں' پہاڑی زمین کو زراعتی زمین سے بدل دیتا ہوں لیکن پھر بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو انہیں وہ سزا دوں گا جو کسی کو نہ ہوتی ہو۔ اگر چاہوں تو یہ کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دوں تو آپ نے دوسری صورت پسند فرمائی۔ سچ ہے ہدایت و ضلالت اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ کسی معجزے کے دیکھنے پر موقوف نہیں' بے ایمانوں کے لئے نشانات اور ڈراوے سب بے سود ہیں۔ جن پر کلمہ عذاب صادق ہو چکا ہے وہ تمام تر نشانات دیکھ کر بھی مان کر نہ دیں گے ہاں عذابوں کو دیکھ کر تو پورے ایماندار بن جائیں گے لیکن وہ محض بے کار چیز ہے۔ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّنَا الخ یعنی اگر ہم ان پر فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہر چھپی چیز ان کے سامنے ظاہر کر دیتے جب بھی انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں کے اکثر جاہل ہیں۔ جو اللہ کی طرف جھکے' اس سے مدد چاہے' اس کی طرف عاجزی کرے' وہ راہ یافتہ ہو جاتا ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان جم گیا

ہے' جن کے دل اللہ کی طرف جھکتے ہیں' اس کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں' راضی خوشی ہو جاتے ہیں اور فی الواقع ذکر اللہ اطمینان دل کی چیز بھی ہے۔ ایمانداروں اور نیک کاروں کے لئے خوشی' نیک فالی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ان کا انجام اچھا ہے' یہ مستحق مبارک باد ہیں' یہ بھلائی کو سمیٹنے والے ہیں' ان کا لوٹنا بہتر ہے' ان کا مال نیک ہے۔

مروی ہے کہ طوبیٰ سے مراد ملک حبش ہے اور نام ہے جنت کا اور اس سے مراد جنت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جنت کی جب پیدائش ہو چکی' اس وقت جناب باری نے یہی فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے کہ ساری جنت میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر گھر میں اس کی شاخ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے' لولو کے دانے سے پیدا کیا ہے اور بحکم الٰہی یہ بڑھا اور پھیلا ہے۔ اس کی جڑوں سے جنتی شہد' شراب' پانی اور دودھ کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے' طوبیٰ نامی جنت کا ایک درخت ہے۔ سو سال کے راستے کا' اسی کے خوشوں سے جنتیوں کے لباس نکلتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جس نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ پر ایمان لایا' اسے مبارک ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں اسے بھی مبارک ہو اور اسے ڈبل مبارک ہو جس نے مجھے نہ دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ ایک شخص نے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' جنتی درخت ہے جو سو سال کی راہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جنتیوں کے لباس اس کی شاخوں سے نکلتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' جنت میں ایک درخت ہے کہ سوار ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے گا لیکن وہ ختم نہ ہوگا۔ اور روایت میں ہے کہ چال بھی تیز اور سواری بھی تیز چلنے والی۔ صحیح بخاری شریف میں آیت وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ کی تفسیر میں بھی یہی ہے اور حدیث میں ہے' ستر سال۔ یا سو سال اس کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر میں آپؐ نے فرمایا ہے' اس کی ایک شاخ کے سائے تلے ایک سو سال تک سوار چلتا رہے گا اور سو سو سوار اس کی ایک ایک شاخ تلے ٹھیر سکتے ہیں۔ اس میں سونے کی ٹڈیاں ہیں۔ اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں کے برابر ہیں (ترمذی) آپؐ فرماتے ہیں ہر جنتی کو طوبیٰ کے پاس لے جائیں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس شاخ کو چاہے پسند کرے' سفید' سرخ' زرد' سیاہ جو نہایت خوبصورت نرم اور اچھی ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' طوبیٰ کو حکم ہوگا کہ میرے بندوں کے لئے بہترین چیزیں ٹپکا۔ تو اس میں سے گھوڑے اور اونٹ برسنے لگیں گے۔ سجے سجائے اور زین لگام وغیرہ کسے کسائے اور عمدہ بہترین لباس وغیرہ۔

ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک عجیب و غریب اثر وارد کیا ہے۔ رہب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے جس کے سائے تلے سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن راستہ ختم نہ ہوگا۔ اس کی تر و تازگی کھلے ہوئے چمن کی طرح ہے' اس کے پتے بہترین اور عمدہ ہیں' اس کے خوشے عنبریں ہیں' اس کے کنکر یاقوت ہیں' اس کی مٹی کافور ہے' اس کا گارا مشک ہے' اس کی جڑ سے شراب کی' دودھ کی اور شہد کی نہریں بہتی ہیں' اس کے نیچے جنتیوں کی مجلسیں ہوں گے' یہ بیٹھے ہوئے ہوں گے جو ان کے پاس فرشتے اونٹنیاں لے کر آئیں گے جن کی زنجیریں سونے کی ہوں گی۔ جن پر یاقوت کے پالان ہوں گے' جن پر سونا جڑاؤ ہو رہا ہوگا۔ جن پر ریشمی جھولیں ہوں گی۔ وہ اونٹنیاں ان کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ یہ سواریاں تمہیں بھجوائی گئی ہیں اور دربار الٰہی میں تمہارا ابلاوا ہے یہ ان پر سوار ہوں گے۔ وہ پرندوں کی پرواز سے بھی تیز رفتار ہوں گی۔ جنتی ایک دوسرے سے مل کر چلیں گے اونٹنیوں کے کان سے کان بھی نہ ملیں گے' پوری فرمانبرداری کے ساتھ چلیں گی۔ راستے میں جو درخت آئیں گے' وہ خود بخود ہٹ جائیں گے کہ کسی کو اپنے ساتھی سے الگ نہ ہونا پڑے یونہی رحمٰن و رحیم اللہ کے پاس پہنچیں گے' اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردے ہٹا دے گا یہ اپنے رب کے منہ کو دیکھیں گے اور کہیں گے اَللّٰھُمَّ اَنۡتَ السَّلَامُ وَ اِلَیۡكَ السَّلَامُ وَ حَقٌّ لَّكَ الۡجَلَالُ وَ الۡاِكۡرَامُ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ رب العزت فرمائے گا اَنَا السَّلَامُ

وَ مِنِّی السَّلَامُ تم پر میری رحمت ثابت ہو چکی اور محبت بھی۔ میرے ان بندوں کو مرحبا ہو جو بن دیکھے مجھ سے ڈرتے رہے۔ میری فرماں برداری کرتے رہے، جنتی کہیں گے باری تعالیٰ۔ نہ تو ہم سے تیری عبادت کا حق ادا ہوا نہ تیری پوری قدر ہوئی۔ ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے سجدہ کریں۔ اللہ فرمائے گا۔ یہ محنت کی جگہ نہیں نہ عبادت کی، یہ تو نعمتوں راحتوں اور مالا مال ہونے کی جگہ ہے۔ عبادتوں کی تکلیف جاتی رہی۔ مزے لوٹنے کے دن آ گئے۔ جو چاہو مانگو۔ پاؤ گے۔ تم میں سے جو شخص جو مانگے، میں اسے دوں گا۔ پس یہ مانگیں گے، کم سے کم سوال والا کہے گا کہ الٰہی تو نے دنیا میں جو پیدا کیا تھا جس میں تیرے بندے ہائے وائے کر رہے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ شروع دنیا سے ختم دنیا تک دنیا میں جتنا کچھ تھا، مجھے عطا فرما، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے تو کچھ نہ مانگا۔ اپنے مرتبے سے بہت کم چیز مانگی۔ اچھا ہم نے دی۔ میری بخشش اور دین میں کیا کمی ہے؟ پھر فرمائے گا جن چیزوں تک میرے ان بندوں کے خیالات کی رسائی بھی نہیں، وہ انہیں دو، چنانچہ دی جائیں گی یہاں تک کہ ان کی خواہشیں پوری ہو جائیں گی ان چیزوں میں جو انہیں یہاں ملیں گی، تیز رو گھوڑے ہوں گے، ہر چار پر یاقوتی تخت ہو گا، ہر تخت پر سونے کا ایک ڈیرا ہو گا۔ ہر ڈیرے میں جنتی فرش ہو گا جن پر بڑی بڑی آنکھوں والی دو دو حوریں ہوں گی جو دو دو حلے پہنے ہوئے ہوں گی، جن میں جنت کے تمام رنگ ہوں گے اور تمام خوشبوئیں۔ ان خیموں کے باہر سے ان کے چہرے ایسے چمکتے ہوں گے گویا وہ باہر بیٹھی ہیں۔ ان کی پنڈلی کے اندر کا گودا باہر سے نظر آ رہا ہو گا جیسے سرخ یاقوت میں ڈورا پرویا ہوا ہو اور وہ اوپر سے نظر آ رہا ہو۔ ہر ایک دوسری پر اپنی فضیلت ایسی جانتی ہو گی جیسی فضیلت سورج کی پتھر پر، اس طرح جنتی کی نگاہ میں بھی دونوں ایسی ہی ہوں گی۔ یہ ان کے پاس جائے گا اور ان سے بوس و کنار میں مشغول ہو جائے گا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر کہیں گی۔ واللہ ہمارے تو خیال میں بھی نہ تھا کہ اللہ تم جیسا خاوند ہمیں دے گا۔ اب بحکم الٰہی اسی طرح صف بندی کے ساتھ سواریوں پر یہ واپس ہوں گے اور اپنی منزلوں میں پہنچیں گے۔ دیکھو تو سہی کہ اللہ نے انہیں کیا کیا نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں؟ وہاں بلند درجہ لوگوں میں، اونچے اونچے بالا خانوں میں جو نرے موتی کے بنے ہوئے ہوں گے، جن کے دروازے سونے کے ہوں گے، جن کے منبر نور کے ہوں گے۔ جن کی چمک سورج کی چمک سے بالاتر ہو گی۔ اعلیٰ علیین میں ان کے محل ہوں گے یاقوت کے بنے ہوئے، نورانی، جن کے نور سے آنکھوں کی روشنی جاتی رہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں ایسی نہ کر دے گا۔ جو محلات یاقوت سرخ کے ہوں گے ان میں سبز ریشمی فرش ہوں گے اور جو زمرد یاقوت کے ہوں گے ان کے فرش سرخ مخمل کے ہوں گے جو زمرد اور سونے کے جڑاؤ کے ہوں گے، ان تختوں کے پائے جواہر کے ہوں گے، ان پر چھتیں لولوکی ہوں گی، ان کے برج مرجان کے ہوں گے، ان کے پہنچنے سے پہلے ہی الٰہی تحفے وہاں پہنچ چکے ہوں گے، سفید یاقوتی گھوڑے غلمان لئے کھڑے ہوں گے جن کا سامان چاندی کا جڑاؤ ہو گا۔ ان کے تخت پر اعلیٰ ریشمی نرم و دبیز فرش بچھے ہوئے ہوں گے۔ یہ ان سواریوں پر سوار ہو کر بے تکلف جنت میں جائیں گے۔ دیکھیں گے کہ ان کے گھروں کے پاس نورانی منبروں پر فرشتے ان کے استقبال کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں وہ ان کا شاندار استقبال کریں گے، مبارک باد دیں گے، مصافحہ کریں گے۔ پھر یہ اپنے گھروں میں داخل ہوں گے انعامات خدا وہاں موجود پائیں گے اپنے محلات کے پاس وہ جنتیں ہری بھری پائیں گے اور دو پھلی پھولی جن میں دو چشمے پوری روانی سے جاری ہوں گے اور ہر قسم کے جوڑ دار میوے ہوں گے اور خیموں میں پاکدامن بھولی بھالی پردہ نشین حوریں ہوں گی۔ جب یہ یہاں پہنچ کر راحت و آرام میں ہوں گے، اس وقت اللہ رب العزت فرمائے گا، میرے پیارے بندو، تم نے میرے وعدے سچے پائے؟ کیا تم میرے ثوابوں سے خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے الٰہی ہم خوب خوش ہو گئے؟ بہت ہی راضی رضامند ہیں، دل سے راضی ہیں، کلی کلی کھلی ہوئی ہے تو بھی ہم سے خوش رہ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میری رضامندی نہ ہوتی تو میں اپنے اس مہمان خانے میں تمہیں کیسے داخل ہونے دیتا؟ اپنا دیدار کیسے کراتا؟ میرے فرشتے تم سے مصافحہ کیوں کرتے؟ تم خوش رہو۔ باآرام رہو۔ تمہیں مبارک ہو، تم پھلو پھولو اور

سکھ چین اٹھاؤ' میرے یہ انعامات گھٹنے اور ختم ہونے والے نہیں- اس وقت وہ کہیں گے اللہ ہی کی ذات سزاوار تعریف ہے جس نے ہم سے غم و رنج کو دور کر دیا اور ایسے مقام پر پہنچایا کہ جہاں ہمیں کوئی تکلیف کوئی مشقت نہیں' یہ اسی کا فضل ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا اور قدر داں ہے-

یہ سیاق غریب ہے اور یہ اثر عجیب ہے- ہاں اس کے بعض شواہد بھی موجود ہیں- چنانچہ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے جو سب سے اخیر میں جنت میں جائے گا' فرمائے گا کہ مانگ' وہ مانگتا جائے گا اور اللہ کریم دیتا جائے گا یہاں تک کہ اس کا سوال پورا ہو جائے گا- اب اس کے سامنے کوئی خواہش باقی نہیں رہے گی تو اب اللہ تعالیٰ خود اسے یاد دلائے گا کہ یہ مانگ' یہ مانگ' یہ مانگے گا اور پائے گا- پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' یہ سب میں نے تجھے دیا اور اتنا ہی اور بھی دس مرتبہ عطا فرمایا- صحیح مسلم شریف کی قدسی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے انسان جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے دعائیں کریں اور مانگیں- میں ہر ایک کے تمام سوالات پورے کروں گا لیکن میرے ملک میں اتنی بھی کمی نہ آئے گی جتنی کسی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے سمندر کے پانی میں آئے' الخ- خالد بن معدان کہتے ہیں' جنت کے ایک درخت کا نام طوبیٰ ہے- اس میں تھن ہیں جن سے جنتیوں کے بچے دودھ پیتے ہیں' کچے گرے ہوئے بچے جنت کی نہروں میں ہیں- قیامت کے قائم ہونے تک- پھر چالیس سال کے بن کر اپنے ماں باپ کے ساتھ جنت میں رہیں گے-

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ
لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ
بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ
مَتَابِ ﴿۳۰﴾

اسی طرح ہم نے تجھے اس امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ تو انہیں ہماری طرف سے جو وحی تجھ پر اترے' پڑھ سنائے یہ اللہ رحمان کے منکر ہیں' تو کہہ دے کہ میرا پالنے والا تو وہی ہے- اس کے سوا در حقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں- اسی کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میرا رجوع ہے ○

رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی: ☆☆ (آیت: ۳۰) ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے اس امت کی طرف ہم نے تجھے بھیجا کہ تو انہیں کلام اللہ پڑھ کر سنائے' اسی طرح تجھ سے پہلے اور رسولوں کو ان اگلی امتوں کی طرف بھیجا تھا- انہوں نے بھی پیغام الٰہی اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا مگر انہوں نے جھٹلایا- اسی طرح تو بھی جھٹلایا گیا تو تجھے تنگ دل نہ ہونا چاہئے- ہاں ان جھٹلانے والوں کو ان کا انجام دیکھنا چاہئے جو ان سے پہلے تھے کہ عذاب الٰہی نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا- پس تیری تکذیب تو ان کی تکذیب سے بھی ہمارے نزدیک زیادہ ناپسند ہے اب یہ دیکھ لیں کہ ان پر کیسے عذاب برستے ہیں؟ یہی فرمان آیت تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ الخ میں اور آیت وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ میں ہے کہ دیکھ لے ہم نے اپنے والوں کی کس طرح امداد فرمائی؟ اور انہیں کیسے غالب کیا؟ تیری قوم کو دیکھ کہ رحمٰن سے کفر کر رہی ہے- وہ اللہ کے اس وصف اور نام کو مانتی ہی نہیں- حدیبیہ کا صلح نامہ لکھتے وقت اس پر اڑ گئے کہ ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے نہیں دیں گے- ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن اور رحیم کیا ہے؟ پوری حدیث بخاری میں موجود ہے- قرآن میں ہے قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ' اللہ کہہ کر اسے پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے پکارو' وہ تمام بہترین ناموں والا ہے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' اللہ کے نزدیک عبداللہ اور عبدالرحمٰن نہایت پیارے نام ہیں- جس سے تم کفر کر رہے ہو میں تو اسے مانتا ہوں وہی میرا پروردگار ہے' میرے بھروسے اسی کے ساتھ ہیں' اسی کی جانب میری تمام تر توجہ اور رجوع

اور دل کا میل ہے' اس کے سوا کوئی ان باتوں کا مستحق نہیں۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ
اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْئَسِ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا
يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ
قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

اگر بالفرض قرآن کے ساتھ پہاڑ چلا دیئے جاتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی یا مردوں سے باتیں کرا دی جاتیں' پھر بھی انھیں ایمان نہ آتا' بات یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دلجمعی نہیں کہ اگر اللہ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے' کفار کو تو ان کے کفر کے بدلے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی سخت سزا پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے اردگرد گھومتی رہے گی تاوقتیکہ وعدہ الٰہی آ پہنچے اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

قرآن حکیم کی صفات جلیلہ : ☆☆ (آیت:۳۱) اللہ تعالیٰ اس پاک کتاب قرآن کریم کی تعریفیں بیان فرما رہا ہے کہ اگر سابقہ کتابوں میں سے کسی کتاب کے ساتھ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جانے والے اور زمین پھٹ جانے والی اور مردے جی اٹھنے والے ہوتے تو یہ قرآن جو تمام اگلی کتابوں سے بڑھ چڑھ کر ہے' ان سب سے زیادہ اس بات کا اہل تھا۔ اس میں تو وہ معجز بیانی ہے کہ سارے جنات و انسان مل کر بھی اس جیسی ایک سورت نہ بنا کر لا سکے۔ یہ مشرکین اس کے بھی منکر ہیں تو معاملہ سپرد اللہ کرو' وہ مالک کل ہے۔ تمام کاموں کا مرجع وہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے' ہو جاتا ہے' جو نہیں چاہتا' ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کے بھٹکائے ہوئے کی رہبری اور اس کے راہ دکھائے ہوئے کی گمراہی کسی کے بس میں نہیں۔ یہ یاد رہے کہ قرآن کا اطلاق اگلی الہامی کتابوں پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ وہ سب سے مشتق ہے۔

مسند میں ہے حضرت داؤد پر قرآن اس قدر آسان کر دیا گیا تھا کہ ان کے حکم سے سواری کسی جاتی' اس کے تیار ہونے سے پہلے ہی وہ قرآن کو ختم کر لیتے' سوا اپنے ہاتھ کی کمائی کے وہ اور کچھ نہ کھاتے تھے۔ پس مراد یہاں قرآن سے زبور ہے۔ کیا ایماندار اب تک اس سے مایوس نہیں ہوئے کہ تمام مخلوق ایمان نہیں لائے گی۔ کیا وہ مشیت الٰہی کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں۔ رب کی یہ منشا ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو روئے زمین کے لوگ مسلمان ہو جاتے۔ بھلا اس قرآن کے بعد کس معجزے کی ضرورت دنیا کو رہ گئی؟ اس سے بہتر' اس سے واضح' اس سے صاف' اس سے زیادہ دلوں میں گھر کرنے والا اور کون سا کلام ہوگا؟ اسے تو اگر بڑے سے بڑے پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ بھی خشیت الٰہی سے چکنا چور ہو جاتا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ہر نبی کو ایسی چیز ملی کہ لوگ اس پر ایمان لائیں۔ میری ایسی چیز اللہ کی یہ وحی ہے۔ پس مجھے امید ہے کہ سب نبیوں سے زیادہ تابعداروں والا میں ہو جاؤں گا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزے ان کے ساتھ ہی چلے گئے اور میرا یہ معجزہ جیتا جاگتا رہتی دنیا تک رہے گا۔ نہ اس کے عجائبات ختم ہوں نہ یہ کثرت تلاوت سے پرانا ہوگا نہ اس سے علماء کا پیٹ بھر جائے۔ یہ فضل ہے' دل لگی نہیں۔ جو سرکش اسے چھوڑ دے گا' اللہ اسے توڑ دے گا' جو اس کے سوا اور میں ہدایت تلاش کرے گا' اسے اللہ گمراہ کر دے گا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کافروں نے آنحضرت محمد ﷺ سے کہا' اگر آپ یہاں کے پہاڑ یہاں سے ہٹوا دیں اور یہاں کی زمین زراعت کے قابل ہو جائے اور جس طرح سلیمان علیہ السلام زمین کی کھدائی ہوا سے کراتے تھے' آپ بھی کرا دیجئے' یا جس

طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے‘ آپ بھی کر دیجئے‘ اس پر یہ آیت اتری۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں‘ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قرآن کے ساتھ یہ امور ظاہر ہوتے تو اس تمہارے قرآن کے ساتھ بھی ہوتے۔ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا تاکہ تم سب کو آزما لے‘ اپنے اختیار سے ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ کیا ایمان والے نہیں جانتے؟ یا یئس کے بدلے دوسری جگہ یتبیتن بھی ہے۔ ایمان داران کی ہدایت سے مایوس ہو چکے تھے۔ ہاں اللہ کے اختیارات میں کسی کا بس نہیں۔ وہ اگر چاہے تمام مخلوق کو ہدایت پر کھڑا کر دے۔ یہ کفار برابر دیکھ رہے ہیں کہ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے اللہ کے عذاب برابر ان پر برستے رہتے ہیں یا ان کے آس پاس آ جاتے ہیں۔ پھر بھی یہ نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَاحَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى الخ‘ یعنی ہم نے تمہارے آس پاس کی بہت سی بستیوں کو ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے غارت و برباد کر دیا اور طرح طرح سے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں کہ لوگ برائیوں سے باز رہیں۔

اور آیت میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا کیا وہ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں‘ کیا اب بھی اپنا ہی غلبہ مانتے چلے جائیں گے؟ تَحُلُّ کا فاعل قَارِعَه ہے۔ یہی ظاہر اور مطابق روانی عبارت ہے۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قارعہ پہنچے یعنی چھوٹا سا لشکر اسلامی یا تو خود ان کے شہر کے قریب اتر پڑے یعنی محمد ﷺ یہاں تک کہ وعدہ ربانی آ پہنچے۔ اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ قارعہ سے مراد آسمانی عذاب ہے اور آس پاس اترنے سے مراد آنحضرت ﷺ کا اپنے لشکروں سمیت ان کی حدود میں پہنچ جانا ہے اور ان سے جہاد کرنا ہے۔ ان سب کا قول ہے کہ یہاں وعدہ ربانی سے مراد فتح مکہ ہے۔ لیکن حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں‘ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اللہ کا وعدہ اپنے رسولوں کی نصرت و امداد کا ہے۔ وہ کبھی ٹلنے والا نہیں‘ انہیں اور ان کے تابعداروں کو ضرور بلندی نصیب ہوگی۔ جیسے فرمان ہے فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوا انْتِقَامٍ یہ غلط گمان ہرگز نہ کرو کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے۔ اللہ غالب ہے اور بدلہ لینے والا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ
اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ
نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۗ اَمْ
تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ
زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

یقیناً تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کے ساتھ بھی مسخرا پن کیا گیا تھا اور میں نے بھی کافروں کو ڈھیل دی تھی۔ پھر انہیں پکڑ لیا تھا۔ پس میرے عذاب کی کیسی کچھ تکلیف ہوئی؟ ○ آیا وہ اللہ کہ جو خبر لینے والا ہے‘ ہر شخص کی‘ اس کے کئے ہوئے اعمال پر‘ ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں‘ کہہ ذرا ان کے نام تو لو‘ کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا صرف اوپری اوپری باتیں بنا رہے ہو‘ بات اصل یہ ہے کہ کفر کرنے والوں کو ان کے مکر بھلے بجھائے گئے ہیں اور وہ صحیح راہ سے روک دیئے گئے ہیں‘ جس کو اللہ گمراہ کر دے‘ اس کا راہ دکھانے والا کوئی نہیں ○

سچائی کا مذاق اڑانا آج بھی جاری ہے: ☆☆ (آیت:۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ آپ اپنی قوم کے غلط رویہ سے

رنج وفکر نہ کریں۔ آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا بھی یونہی مذاق اڑایا گیا تھا۔ میں نے ان کافروں کو بھی کچھ دیر تو ڈھیل دی تھی۔ آخرش بری طرح پکڑ لیا تھا اور نام ونشان تک مٹا دیا تھا۔ تجھے معلوم ہے کہ کس کیفیت سے میرے عذاب ان پر آئے؟ اور ان کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ جیسے فرمان ہے۔ بہت سی بستیاں ہیں جو باوجود ظلم کے بہت دنوں دنیا میں مہلت لئے رہیں لیکن آخرش اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں عذابوں کا شکار ہوئیں۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے' پھر جب پکڑتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الخ' کی تلاوت کی۔

عالم خیر وشر: ☆☆ (آیت: ۳۳) اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کا محافظ ہے۔ ہر ایک کے اعمال کو جانتا ہے' ہر نفس پر نگہبان ہے' ہر عامل کے خیر وشر کے عمل سے باخبر ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں' کوئی کام اس کی بے خبری میں نہیں ہوتا۔ ہر حالت کا اسے علم ہے' ہر عمل پر وہ موجود ہے' ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے' ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمے ہے' ہر ایک کے ٹھکانے کا اسے علم ہے' ہر بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے' ظاہر و باطن ہر بات کو وہ جانتا ہے' تم جہاں ہو' وہاں اللہ تمہارے ساتھ ہے' تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے' ان صفتوں والا اللہ کیا تمہارے ان جھوٹے خداؤں جیسا ہے جو نہ سنیں نہ دیکھیں نہ اپنے لئے کسی چیز کے مالک نہ کسی اور کے نفع نقصان کا انہیں اختیار۔ اس جواب کو حذف کر دیا کیونکہ دلالت کلام موجود ہے۔ اور وہ فرمان الٰہی وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ہے' انہوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا اور ان کی عبادت کرنے لگے۔ تم ذرا ان کے نام تو بتاؤ۔ ان کے حالات تو بیان کرو تا کہ دنیا جان لے کہ وہ محض بے حقیقت ہیں۔ کیا تم زمین کی ان چیزوں کی خبر اللہ کو دے رہے ہو جنہیں وہ نہیں جانتا یعنی جن کا وجود ہی نہیں۔ اس لئے کہ اگر وجود ہوتا تو علم الٰہی سے باہر نہ ہوتا کیونکہ اس پر کوئی مخفی سے مخفی چیز بھی حقیقتاً مخفی نہیں یا صرف اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہو؟ فضول گپ مار رہے ہو' تم نے آپ ان کے نام گھڑ لئے' تم نے ہی انہیں نفع ونقصان کا مالک قرار دیا اور تم نے ہی ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ یہی تمہارے بڑے کرتے رہے' نہ تو تمہارے ہاتھ میں کوئی الٰہی دلیل ہے نہ اور کوئی ٹھوس دلیل۔ یہ تو صرف وہم پرستی اور خواہش پروری ہے۔ ہدایت اللہ کی طرف سے نازل ہو چکی ہے۔ کفار کا مکر انہیں بھلے رنگ میں دکھائی دے رہا ہے۔ وہ اپنے کفر پر اور اپنے شرک پر ہی ناز کر رہے ہیں' دن رات اسی میں مشغول ہیں اور اسی کی طرف اوروں کو بلا رہے ہیں جیسے فرمایا وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ الخ' ان کے شیطانوں نے ان کی بے ڈھنگیاں ان کے سامنے دلکش بنا دی ہیں' یہ راہ الٰہی سے' طریقہ ہدیٰ سے روک دیئے گئے ہیں۔ ایک قرأت اس کی صَدُّوْا بھی ہے یعنی انہوں نے اسے اچھا جان کر پھر اوروں کو اس میں پھانسنا شروع کر دیا اور راہ رسولؐ سے لوگوں کو روکنے لگے' رب کے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کو کون راہ دکھا سکے؟ جیسے فرمایا وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو اس کے لئے مجال مداخلت نہیں رکھتا۔ اور آیت میں ہے کہ گو تو ان کی ہدایت کا لالچی ہو لیکن اللہ ان گمراہوں کو راہ دکھانا نہیں چاہتا۔ پھر کون ہے جو ان کی مدد کرے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ
وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے‘ انھیں غضب اللہ سے بچانے والا کوئی بھی نہیں ○ اس جنت کی صفت جس کا وعدہ پرہیزگاروں کو دیا گیا ہے- یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں لہریں لے رہی ہیں‘ اس کے میوے ہیشگی والے ہیں اور اس کے سائے بھی‘ یہ ہے انجام کار پرہیزگاروں کا‘ اور کافروں کا انجام دوزخ ہے ○

کافر موت مانگیں گے: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) کفار کی سزا اور نیکوکار کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے- کافروں کا کفر و شرک بیان فرما کر ان کی سزا بیان فرمائی کہ وہ مومنوں کے ہاتھوں قتل و غارت ہوں گے‘ اس کے ساتھ ہی آخرت کے سخت تر عذابوں میں گرفتار ہوں گے- جو اس دنیا کی سزا سے بدرجہا بدتر ہیں‘ ملاعنہ کرنے والے میاں بیوی سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے- یہاں کا عذاب فانی‘ وہاں کا باقی اور اس آگ کا عذاب جو یہاں کی آگ سے ستر حصے زیادہ تیز ہے- پھر قید وہ جو تصور میں بھی نہ آ سکے جیسے فرمان ہے فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ الخ‘ آج اس عذاب جیسے نہ کسی کے عذاب نہ اس جیسی کسی کی قید و بند- فرمان ہے وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا الخ‘ قیامت کے منکروں کے لئے ہم نے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے‘ دور سے ہی انہیں دیکھتے ہی شور و غل شروع کر دے گی‘ وہاں کے تنگ و تاریک مکانات میں- جب یہ جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو ہائے وائے کرتے ہوئے موت مانگنے لگیں گے- ایک ہی موت کیا مانگتے ہو- بہت سی موتیں مانگو- اب بتلاؤ کہ یہ ٹھیک ہے یا جنت خلد ٹھیک ہے جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے کہ وہ ان کا بدلہ ہے اور ان کا ہمیشہ رہنے کا ٹھکانا- پھر نیکوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ ان سے جن جنتوں کا وعدہ ہے‘ اس کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس سے چاروں طرف نہریں جاری ہیں- جہاں چاہیں پانی لے جائیں- پانی بھی نہ بگڑنے والا- پھر دودھ کی نہریں ہیں اور دودھ بھی ایسا جس کا مزہ کبھی نہ بگڑے اور شراب کی نہریں ہیں جس میں صرف لذت ہی لذت ہے‘ بدمزگی نہ بے ہودہ نشہ اور صاف شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں اور ساتھ ہی رب کی رحمت‘ مالک کی معرفت- اس کے پھل ہیشگی والے‘ اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا ہونے والی نہیں-

جب آنحضرت ﷺ نے کسوف کی نماز پڑھی تھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ حضور ﷺ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے کسی چیز کے گویا لینے کا ارادہ کیا تھا- پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پچھلے پاؤں پیچھے کو ہٹنے لگے‘ آپؐ نے فرمایا‘ ہاں میں نے جنت کو دیکھا تھا اور چاہا تھا کہ ایک خوشہ توڑ لوں- اگر لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے- ابو یعلی میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز میں ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ناگاہ آگے بڑھے اور ہم بھی بڑھے- پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے گویا کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا- پھر آپؐ پیچھے ہٹ آئے- نماز کے خاتمہ کے بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آج تو ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا کہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا- آپ نے فرمایا ہاں‘ میرے سامنے جنت پیش کی گئی جو تر و تازگی سے مہک رہی تھی- میں نے چاہا کہ اس میں سے ایک خوشہ انگور کا توڑ لاؤں لیکن میرے اور اس کے درمیان آڑ کر دی گئی- اگر میں اسے توڑ لاتا تو تمام دنیا رہتی دنیا تک اسے کھاتی رہتی اور پھر بھی ذرا سا بھی کم نہ ہوتا- ایک دیہاتی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا جنت میں انگور ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا‘ ہاں اس نے کہا کتنے بڑے خوشے ہوں گے؟ فرمایا اتنے بڑے کہ اگر کوئی کالا کوا مہینہ بھر اڑتا رہے تو بھی اس خوشے سے آگے نہ نکل سکے- اور حدیث میں ہے کہ جنتی جب کوئی پھل توڑیں گے‘ اسی وقت اس کی جگہ دوسرا لگ جائے گا- حضور ﷺ فرماتے ہیں‘ جنتی خوب کھائیں پئیں گے لیکن نہ تھوک آئے گی نہ ناک آئے گی نہ پیشاب نہ پاخانہ‘ مشک جیسی خوشبو والا پسینہ آئے گا اور اسی سے کھانا ہضم ہو جائے گا جیسے سانس بے تکلف چلتا ہے‘ اس طرح تسبیح و تقدیس الہام کی جائے گی (مسلم وغیرہ)

ایک اہل کتاب نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں جنتی کھائیں پئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ ہر شخص کو کھانے پینے اور جماع اور شہوت کی اتنی قوت دی جائے گی جتنی یہاں سو آدمیوں کو مل کر ہو۔ اس نے کہا' اچھا تو جو کھائے گا' پیئے گا' اسے پیشاب پاخانے کی بھی حاجت لگے گی' پھر جنت میں گندگی کیسی؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں بلکہ پسینے کے راستے سب ہضم ہو جائے گا اور وہ پسینہ مشک بو ہوگا۔ (مسند و نسائی) فرماتے ہیں کہ جس پرندے کی طرف کھانے کے ارادے سے جنتی نظر ڈالے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا اس کے سامنے گر پڑے گا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ پھر وہ اسی طرح بحکم الٰہی زندہ ہو کر اڑ جائے گا۔ قرآن میں ہے' وہاں بکثرت میوے ہوں گے کہ نہ کٹیں' نہ ٹوٹیں' نہ ختم ہوں نہ گھٹیں' سایے جھکے ہوئے' شاخیں نیچی' سائے بھی دائمی ہوں گے جیسے فرمان ہے' ایماندار' نیک کردار' بہتی نہروں والی جنتوں میں جائیں گے' وہاں ان کے لئے پاک بیویاں ہوں گی اور بہترین لمبے چوڑے سائے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جنت کے ایک درخت کے سائے تلے تیز سواری والا سوار سو سال تک تیز دوڑتا ہوا جائے لیکن پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ قرآن میں ہے' سائے ہیں پھیلے اور بڑھے ہوئے۔

عموماً قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے تاکہ لوگوں کو جنت کا شوق ہو اور دوزخ' سے ڈر لگے۔ یہاں بھی جنت کا اور وہاں کی چند نعمتوں کا ذکر فرما کر فرمایا کہ یہ ہے انجام پرہیزگار اور تقوی شعار لوگوں کا اور کافروں کا انجام جہنم ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ جہنمی اور جنتی برابر نہیں' جنتی بامراد ہیں۔ خطیب دمشق حضرت بلال بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے بندو' کیا تمہارے کسی عمل کی قبولیت کا یا کسی گناہ کی معافی کا کوئی پروانہ تم میں سے کسی کو ملا؟ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم بے کار پیدا کئے گئے ہو؟ اور تم اللہ کے بس میں آنے والے نہیں ہو؟ واللہ اگر اطاعت الٰہی کا بدلہ دنیا میں ہی ملتا تو تم تمام نیکیوں پر جم جاتے۔ کیا تم دنیا پر ہی فریفتہ ہو گئے ہو؟ کیا اسی کے پیچھے مر مٹو گے؟ کیا تمہیں جنت کی رغبت نہیں جس کے پھل اور جس کے سائے ہمیشہ رہنے والے ہیں (ابن ابی حاتم)

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ
اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾
وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ
بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا
وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع ۶ ۱۱

جنھیں ہم نے کتاب دی ہے' وہ تو جو کچھ تجھ پر اتارا جاتا ہے' اس سے خوش ہوتے ہیں اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں کے منکر ہیں' تو اعلان کر دے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں' میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں ○ اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان اتارا ہے' اگر تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کر لی' اس کے بعد کہ تیرے پاس علم آ چکا ہے تو نہ تو اللہ کے عذابوں سے تجھے کوئی حمایتی ملے گا اور نہ بچانے والا ○

شاداں و فرحاں لوگ: ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) جو لوگ اس سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں اور وہ اس کے عامل ہیں' وہ تو اس قرآن

کے تجھ پر اترنے سے شاداں وفرحاں ہو رہے ہیں کیونکہ خود ان کی کتابوں میں اس کی بشارت اور اس کی صداقت موجود ہے۔ جیسے آیت اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ الخ میں ہے کہ اگلی کتابوں کو اچھی طور سے پڑھنے والے اس آخری کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ تم مانو یا نہ مانو اگلی کتابوں والے تو اس کے سچے تابعدار بن جاتے ہیں کیونکہ ان کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کی خبر ہے اور وہ اس وعدے کو پورا دیکھ کر خوشی سے مان لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے وعدے غلط نکلیں اس کے فرمان صحیح ثابت نہ ہوں۔ پس وہ شادماں ہوتے ہوئے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ ہاں ان جماعتوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے۔ غرض بعض اہل کتاب مسلمان ہیں بعض نہیں۔ تو اے نبیؐ اعلان کر دے کہ مجھے صرف الہ واحد کی عبادت کا حکم ملا ہوا ہے کہ دوسرے کی شرکت کے بغیر صرف اسی کی عبادت اس کی ہی توحید کے ساتھ کروں۔ یہی حکم مجھ سے پہلے کے تمام نبیوں اور رسولوں کو ملا تھا اسی راہ کی طرف اسی الٰہی عبادت کی طرف میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں اسی اللہ کی طرف سب کو بلاتا ہوں اور اسی اللہ کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ جس طرح ہم نے تم سے پہلے نبی بھیجے ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اسی طرح یہ قرآن جو محکم اور مضبوط ہے عربی زبان میں جو تیری اور تیری قوم کی زبان ہے اس قرآن کو ہم نے تجھ پر نازل فرمایا۔ یہ بھی تجھ پر خاص احسان ہے کہ اس واضح اظہار مفصل اور محکم کتاب کے ساتھ تجھے ہم نے نوازا کہ نہ اس کے آگے سے باطل آ سکے نہ اس کے پیچھے سے آ کر اس میں مل سکے یہ حکیم وحمید اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ اے نبی ﷺ تیرے پاس الٰہی علم آسمانی وحی آ چکی ہے۔ اب بھی اگر تو نے ان کی خواہش کی ماتحتی کی تو یاد رکھ کہ الٰہی عذابوں سے تجھے کوئی بھی نہ بچا سکے گا۔ نہ کوئی تیری حمایت پر کھڑا ہو گا۔ سنت نبویہ اور طریقہ محمدیہؐ کے علم کے بعد جو گمراہی والوں کے راستوں کو اختیار کریں ان علماء کے لئے اس آیت میں زبردست وعید ہے۔ •

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ
وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ
كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

ہم تجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا کسی رسول سے نہیں ہو سکتا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی اجازت کے لئے آئے ہر مقررہ وعدے کی ایک لکھت ہے ○ اللہ جو چاہے نابود کر دے اور جو چاہے ثابت رکھے لوح محفوظ اسی کے پاس ہے ○

ہر کام کا وقت مقرر ہے: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) ارشاد ہے کہ جیسے آپ باوجود انسان ہونے کے رسول اللہ ہیں ایسے ہی آپ سے پہلے کے تمام رسول بھی انسان ہی تھے کھانا کھاتے تھے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے بیوی بچوں والے تھے۔ اور آیت میں ہے کہ اے اشرف الرسل آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ میں بھی تم جیسا ہی ایک انسان ہوں میری طرف وحی ربانی کی جاتی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا راتوں کو تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے بھی ملتا ہوں۔ جو شخص میرے طریقے سے منہ موڑ لے وہ میرا نہیں۔ مسند احمد میں آپؐ کا فرمان ہے کہ چار چیزیں تمام انبیاء کا طریقہ رہیں خوشبو لگانا نکاح کرنا مسواک کرنا اور مہندی۔ پھر فرماتا ہے کہ معجزے ظاہر کرنا کسی نبی کے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ عزوجل کے قبضے کی چیز ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے۔ ہر ایک بات

مقررہ وقت اور معلوم مدت کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ ہر شے کی ایک مقدار معین ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا اللہ کو علم ہے؟ سب کچھ کتاب میں لکھا موجود ہے۔ یہ تو اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ ہر کتاب کی جو آسمان سے اتری ہے، اس کی ایک اجل ہے اور ایک مدت مقرر ہے ان میں سے جسے چاہتا ہے، منسوخ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ پس اس قرآن سے جو اس نے اپنے رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ پر نازل فرمایا ہے، تمام اگلی کتابیں منسوخ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹائے، جو چاہے باقی رکھے۔ سال بھر کے امور مقرر کر دیئے لیکن اختیار سے باہر نہیں۔ جو چاہا باقی رکھا۔ جو چاہا بدل دیا۔ سوائے شقاوت، سعادت، حیات وممات کے کہ ان سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے ان میں تغیر نہیں ہوتا۔ منصور کہتے ہیں میں نے حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ہم میں سے کسی کا یہ دعا کرنا کیسا ہے کہ الٰہی اگر میرا نام نیکوں میں ہے تو باقی رکھ اور اگر بدوں میں ہے تو اسے ہٹا دے اور نیکوں میں کر دے۔ آپ نے فرمایا یہ تو اچھی دعا ہے، سال بھر کے بعد پھر ملاقات ہوئی یا کچھ زیادہ عرصہ گزر گیا تھا تو میں نے پھر ان سے یہی بات دریافت کی آپ نے اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے دو آیتوں کی تلاوت کی اور فرمایا لیلتہ القدر میں سال بھر کی روزیاں، تکلیفیں مقرر ہو جاتی ہیں۔ پھر جو اللہ چاہے مقدم و مؤخر کرتا ہے۔ ہاں سعادت، شقاوت کی کتاب نہیں بدلتی۔ حضرت شفیق بن سلمہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے، اے اللہ اگر تو نے ہمیں بدبختوں میں لکھا ہے تو اسے مٹا دے اور ہماری گنتی نیکوں میں لکھ لے اور اگر تو نے ہمیں نیک لوگوں میں لکھا ہے تو اسے باقی رکھ، تو جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے اصل کتاب تیرے ہی پاس ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے روتے روتے یہ دعا پڑھا کرتے تھے، اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر برائی اور گناہ لکھ رکھے ہیں تو انہیں مٹا دے۔ تو جسے چاہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے۔ ام الکتاب تیرے پاس ہی ہے۔ تو اسے سعادت اور رحمت کر دے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی دعا کیا کرتے تھے۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر ایک آیت کتاب اللہ میں نہ ہوتی تو میں قیامت تک جو امور ہونے والے ہیں، سب آپ کو بتا دیتا۔ پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے۔ آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ان تمام اقوال کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر کی الٹ پلٹ اللہ کے اختیار کی چیز ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز بدل نہیں سکتی اور عمر کی زیادتی کرنے والی بجز نیکی کے کوئی چیز نہیں۔ نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ دعا اور قضا دونوں کی مڈبھیڑ آسمان و زمین کے درمیان ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے پاس لوح محفوظ ہے جو پانچ سو سال کے راستے کی چیز ہے، سفید موتی کی ہے، یاقوت کے دو پٹھوں کے درمیان۔ تریسٹھ بار اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرماتا ہے۔ جو چاہتا ہے، مٹاتا ہے، جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ رات کی تین ساعتیں باقی رہنے پر دفتر کھولا جاتا ہے، پہلی ساعت میں اس دفتر پر نظر ڈالی جاتی ہے جسے اس کے سوا کوئی اور نہیں دیکھتا۔ پس جو چاہتا ہے، مٹاتا ہے، جو چاہتا ہے، برقرار رکھتا ہے۔ کلبی فرماتے ہیں، روزی کو بڑھانا، گھٹانا، عمر کو بڑھانا گھٹانا، اس سے مراد ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ سے یہ بات کس نے بیان کی؟ فرمایا ابو صالح نے، ان سے حضرت جابر بن عبداللہ بن رباب نے، ان سے نبی ﷺ نے۔ پھر ان سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو جواب دیا کہ جمعرات کے دن سب باتیں لکھی جاتی ہیں۔ ان میں سے جو باتیں جزا و سزا سے خالی ہوں، نکال دی جاتی ہیں جیسے تیرا یہ قول کہ میں نے کھایا، میں نے پیا، میں آیا، میں گیا وغیرہ جو سچی باتیں ہیں اور ثواب وعذاب کی چیزیں نہیں اور باقی جو ثواب وعذاب کی چیزیں ہیں، وہ رکھ لی جاتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ دو کتابیں ہیں۔ ایک میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور اللہ کے پاس ہے۔ اصل کتاب

وہی ہے-فرماتے ہیں' مراد اس سے وہ شخص ہے جو ایک زمانے تک تو اللہ کی اطاعت میں لگا رہتا ہے' پھر معصیت میں لگ جاتا ہے اور اسی پر مرتا ہے- پس اس کی نیکی محو ہو جاتی ہے اور جس کے لئے ثابت رہتی ہے- یہ وہ ہے جو اس وقت تو نافرمانیوں میں مشغول ہے لیکن خدا کی طرف سے اس کے لئے فرمانبرداری پہلے سے مقرر ہو چکی ہے پس آخری وقت وہ خیر پر لگ جاتا ہے اور طاعت خدا میں مرتا ہے- یہ ہے جس کے لئے ثابت رہتی ہے- سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جسے چاہے بخشے- جسے چاہے نہ بخشے ابن عباسؓ کا قول ہے' جو چاہتا ہے' منسوخ کرتا ہے' جو چاہتا ہے' تبدیل نہیں کرتا' ناسخ کا اختیار اسی کے پاس ہے اور ادل بدل بھی- بقول قتادہ' یہ آیت مثل آیت ماننسخ الخ' کے ہے یعنی جو چاہے منسوخ کر دے' جو چاہے باقی اور جاری رکھے- مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب اس سے پہلے کی آیت اتری کہ کوئی رسول بغیر اللہ کے فرمان کے کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا تو قریش کے کافروں نے کہا' پھر تو محمد ﷺ بالکل بے بس ہیں- کام سے تو فراغت حاصل ہو چکی ہے- پس انہیں ڈرانے کے لئے یہ آیت اتری کہ ہم جو چاہیں تجدید کر دیں- ہر رمضان میں تجدید ہوتی ہے- پھر اللہ جو چاہتا ہے' مٹا دیتا ہے' جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے' روزی بھی' تکلیف بھی' دیتا ہے اور تقسیم بھی- حسن بصری فرماتے ہیں' جس کی اجل آ جائے' چل بستا ہے' نہ آئی ہو' رہ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے دن پورے کر لے-

ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اسی قول کو پسند فرماتے ہیں- حلال و حرام اس کے پاس ہے- کتاب کا خلاصہ اور جڑ اسی کے ہاتھ ہے- کتاب خود رب العلمین کے پاس ہی ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب سے ام الکتاب کی بابت دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے مخلوق کو اور مخلوق کے اعمال کو جان لیا- پھر کہا کہ کتاب کی صورت میں ہو جائے' ہو گیا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ام الکتاب سے مراد ذکر ہے-

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

ان سے کئے ہوئے وعدوں میں سے کوئی اگر ہم تجھے دکھا دیں یا تجھے ہم فوت کر لیں تو تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہی ہے- حساب تو ہمارے ذمہ ہی ہے ○ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں' اللہ حکم کرتا ہے' کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں' وہ جلد حساب لینے والا ہے ○

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کی وفات کے بعد: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) تیرے دشمنوں پر جو ہمارے عذاب آنے والے ہیں' وہ ہم تیری زندگی میں لائیں' تو اور تیرے انتقال کے بعد لائیں تو تجھے کیا؟ تیرا کام تو صرف ہمارے پیغام پہنچا دینا ہے- وہ تو کر چکا- ان کا حساب' ان کا بدلہ ہمارے ہاتھ ہے- تو صرف انہیں نصیحت کر دے- تو ان پر کوئی داروغہ اور نگہبان نہیں' جو منہ پھیرے گا اور کفر کرے گا' اسے اللہ ہی بڑی سزاؤں میں داخل کر دے گا' ان کا لوٹنا تو ہماری طرف ہی ہے اور ان کا حساب بھی ہمارے ذمے ہے- کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو تیرے قبضے میں دیتے آ رہے ہیں؟ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ آباد اور عالی شان محل کھنڈر اور ویرانے بنتے جا رہے ہیں؟ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ مسلمان کافروں کو دباتے چلے آ رہے ہیں؟ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ برکتیں اٹھتی جا رہی ہیں' خرابیاں آتی جا رہی ہیں؟ لوگ

مرتے جا رہے ہیں' زمین اجڑتی جا رہی ہے۔ خود زمین ہی اگر تنگ ہوتی جاتی تو تو انسان کو چھپڑ ڈالنا بھی محال ہو جاتا' مقصد انسان کا اور درختوں کا کم ہوتے رہنا ہے۔ مراد اس سے زمین کی تنگی نہیں بلکہ لوگوں کی موت ہے' علماء وفقہا اور بھلے لوگوں کی موت بھی زمین کی بربادی ہے۔ عرب شاعر کہتا ہے۔

الارض تحیا اذا ما عاش عالمها　　متی یمت عالم منها یمت طرف
کالارض تحیا اذا ما الغیث حل بها　　و ان ابی عارفی اکنا فها التلف

یعنی جہاں کہیں جو عالم دین ہے' وہاں کی زمین کی زندگی اسی سے ہے۔ اس کی موت اس زمین کی ویرانی اور خرابی ہے۔ جیسے کہ بارش جس زمین پر برسے' لہلہانے لگتی ہے اور اگر نہ برسے تو سوکھنے اور بنجر ہونے لگتی ہے۔ پس آیت میں مراد اسلام کا شرک پر غالب آنا ہے' ایک کے بعد ایک بستی کو تابع کرنا ہے جیسے فرمایا وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى الخ' یہی قول امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی پسندیدہ ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنی مکاری میں کمی نہ کی تھی لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں' جو شخص جو کچھ کر رہا ہے' اللہ کے علم میں ہے' کافروں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ اس جہان کی جزا کس کے لئے ہے؟ ○

کافروں کے شرمناک کارنامے: ☆☆ (آیت: ۴۲) اگلے کافروں نے بھی اپنے نبیوں کے ساتھ مکر کیا' انہیں نکالنا چاہا' اللہ نے ان کے مکر کا بدلہ لیا۔ انجام کار پرہیزگاروں کا ہی بھلا ہوا۔ اس سے پہلے آپ کے زمانے کے کافروں کی کارستانی بیان ہو چکی ہے کہ وہ آپ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا دیس نکالا دینے کا مشورہ کر رہے تھے۔ وہ گھات میں تھے اور اللہ ان کی گھات میں تھا۔ بھلا اللہ سے زیادہ اچھی پوشیدہ تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ ان کے مکر پر ہم نے بھی یہی کیا اور یہ بے خبر رہے۔ دیکھ لے کہ ان کے مکر کا انجام کیا ہوا؟ یہی کہ ہم نے انہیں غارت کر دیا اور ان کی ساری قوم کو برباد کر دیا' ان کے ظلم کی شہادت دینے والے' ان کی غیر آباد بستیوں کے کھنڈرات ابھی موجود ہیں۔ ہر ایک کے ہر ایک عمل سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے' پوشیدہ عمل' دل کے خوف اس پر ظاہر ہیں۔ ہر عامل کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ الکفار کی دوسری قرات الکافر بھی ہے۔ ان کافروں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کا اچھا رہتا ہے۔ ان کا یا مسلمانوں کا۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ حق والوں کو ہی غالب رکھا ہے' انجام کے اعتبار سے یہی اچھے رہتے ہیں' دنیا و آخرت انہی کی سنورتی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾ ع ٦

یہ کافر کہتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول نہیں' تو جواب دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا بس ہے' اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے ○

رسالت کے منکر: ☆☆ (آیت: ۴۳) کافر تجھے جھٹلا رہے ہیں۔ تیری رسالت کے منکر ہیں۔ تو غم نہ کر۔ کہہ دیا کر کہ اللہ کی شہادت کافی ہے تیری نبوت کا وہ خود گواہ ہے' میری تبلیغ' پر تمہاری تکذیب پر وہ شاہد ہے' میری سچائی' تمہاری تکذیب کو وہ دیکھ رہا ہے۔ علم کتاب جس کے

پاس ہے' اس سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں رضی اللہ عنہ- یہ قول حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے لیکن بہت غریب قول ہے اس لئے کہ یہ آیت مکہ شریف میں اتری ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تو ہجرت کے بعد مدینے میں مسلمان ہوئے ہیں- اس سے زیادہ ظاہر ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہود و نصاریٰ کے حق گو عالم مراد ہیں- ہاں ان میں حضرت عبداللہ بن سلام بھی ہیں اور حضرت سلمان اور حضرت تمیم داری وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی- حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ اس سے مراد بھی خود اللہ تعالیٰ ہے- حضرت سعید رحمتہ اللہ علیہ اس سے انکاری تھے کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام لئے جائیں کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور آیت کو من عندہ پڑھتے تھے- یہی قرات مجاہد اور حسن بصری سے بھی مروی ہے- ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی قرأت ہے لیکن وہ حدیث ثابت نہیں- صحیح بات یہی ہے کہ یہ اسم جنس ہے- ہر وہ عالم جو اگلی کتاب کا عالم ہے- اس میں داخل ہے' ان کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی صفت اور آپ کی بشارت موجود تھی- ان کے نبیوں نے آپ کی بابت پیش گوئی کر دی تھی- جیسے فرمان رب ذی شان ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ یعنی میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے- میں اسے ان لوگوں کے نام لکھ دوں گا جو متقی ہیں- زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں' ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں' رسول نبی امی ﷺ کی اطاعت کرنے والے ہیں' جس کا ذکر اپنی کتاب تورات و انجیل میں موجود پاتے ہیں- اور آیت میں ہے کہ کیا یہ بات بھی ان کے لئے کافی نہیں کہ اس کے حق ہو۔ کا علم علماء بنی اسرائیل کو بھی ہے؟-

ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علمائے یہود سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنے باپ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی مسجد میں جا کر عید منائیں' مکے پہنچے- آنحضرت ﷺ یہیں تھے- یہ لوگ جب حج سے لوٹے تو آپ سے ملاقات ہوئی- اس وقت آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور لوگ بھی آپ کے پاس تھے- یہ بھی مع اپنے ساتھیوں کے کھڑے ہو گئے' آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ آپ ہی عبداللہ بن سلام ہیں' کہا ہاں' فرمایا قریب- آؤ جب قریب گئے تو آپؐ نے فرمایا' کیا تم میرا ذکر تورات میں نہیں پاتے؟ انہوں نے کہا' آپ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میرے سامنے بیان فرمائیے- اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے- آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور حکم دیا کہ کہو قل ھوا اللہ احد آپ نے پوری سورت پڑھ سنائی' ابن سلام نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا' مسلمان ہو گئے' مدینے واپس چلے آئے لیکن اپنے اسلام کو چھپائے رہے' جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینے پہنچے' اس وقت آپ کھجور کے ایک درخت پر چڑھے ہوئے کھجوریں اتار رہے تھے- جو آپ کو خبر پہنچی' اسی وقت درخت سے کود پڑے' ماں کہنے لگیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آ جاتے تو تم درخت سے نہ کودتے- کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ اماں جی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے بھی زیادہ خوشی مجھے ختم المرسلین ﷺ کی یہاں تشریف آوری سے ہوئی ہے- الحمدللہ سورہ رعد کی تفسیر ختم ہوئی-

---

تفسیر سورۃ ابراھیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿١﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

شَدِيْدِۨ ۝٢ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ
بَعِيْدٍ ۝٣

اللہ مہربان رحم کرنے والے کے نام سے ○

یہ عالی شان کتاب ہم نے تیری طرف اتاری ہے کہ تو لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لے آئے۔ ان کے پروردگار کے حکم سے زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی راہ کی طرف ○ جس اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، منکروں کیلئے تو سخت عذاب کی خرابی ہے ○ جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں اور راہ اللہ سے روکتے رہتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن پیدا کرنا چاہتے ہیں، یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں ○

(آیت:۱-۳) حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں، ان کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اے نبی ﷺ یہ عظیم الشان کتاب ہم نے تیری طرف اتاری ہے یہ کتاب تمام کتابوں سے اعلیٰ، رسول تمام رسولوں سے افضل و بالا۔ جہاں اتری، وہ جگہ دنیا کی تمام جگہوں سے بہترین اور عمدہ۔ اس کتاب کا پہلا وصف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے تو لوگوں کو اندھیروں سے اجالے میں لاسکتا ہے۔ تیرا پہلا کام یہ ہے کہ گمراہیوں کو ہدایت سے، برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے۔ ایمانداروں کا حمایتی خود اللہ ہے، وہ انہیں اندھیروں سے اجالے میں لاتا ہے اور کافروں کے ساتھی اللہ کے سوا اور ہیں جو انہیں نور سے ہٹا کر تاریکیوں میں پھانس دیتے ہیں۔ اللہ اپنے غلام پر اپنی روشن اور واضح نشانیاں اتارتا ہے کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے ہٹا کر نور کی طرف پہنچا دے۔ اصل ہادی اللہ ہی ہے۔ رسولوں کے ہاتھوں جن کی ہدایت اسے منظور ہوتی ہے، وہ راہ پالیتے ہیں اور غیر مغلوب پر غالب، زبردست اور ہر چیز پر بادشاہ بن جاتے ہیں اور ہر حال میں تعریفوں والے اللہ کی راہ کی طرف ان کی رہبری ہو جاتی ہے۔ اللّٰهِ کی دوسری قرأت اللّٰهُ بھی ہے۔ پہلی قرأت بطور صفت کے ہے اور دوسری بطور نئے جملے کے، جیسے آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ، میں۔ جو کافر تیرے مخالف ہیں، تجھے نہیں مانتے، انہیں قیامت کے دن سخت عذاب ہوں گے۔ یہ لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، دنیا کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اور آخرت کو بھولے بیٹھے ہیں، رسولوں کی تابعداری سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں، راہ اللہ جو سیدھی اور صاف ہے، اسے ٹیڑھی ترچھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اسی جہالت و ضلالت میں رہیں گے لیکن راہ حق نہ ٹیڑھی ہوئی نہ ہوگی۔ پھر ایسی حالت میں ان کی صلاحیت کی کیا امید؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ
اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٤ وَلَقَدْ
اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ
وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝٥

ہم نے ہر ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے راہ دکھا دے، وہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○ یاد کر جب کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تو اپنی قوم کو اندھیریوں سے روشنی میں نکال اور انہیں اللہ کے احسانات یاد دلا، اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لئے ○

ہر قوم کی اپنی زبان میں رسول: ☆☆ (آیت:۴) یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی انتہائی درجے کی مہربانی ہے کہ ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا تا کہ سمجھنے سمجھانے کی آسانی رہے- مسند میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ہر نبی رسول کو اللہ تعالیٰ نے اس کی امت کی زبان میں ہی بھیجا ہے حق ان پر کھل تو جاتا ہی ہے، پھر ہدایت وضلالت اللہ کی طرف سے ہے- اس کے چاہنے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا- وہ غالب ہے- اس کا ہر کام حکمت سے ہے- گمراہ وہی ہوتے ہیں جو اسی کے مستحق ہوں اور ہدایت پر وہی آتے ہیں جو اس کے مستحق ہوں- چونکہ ہر نبی صرف اپنی اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا رہا اس لئے اسے اس کی قومی زبان میں ہی کتاب اللہ ملتی تھی اور اس کی اپنی زبان بھی وہی ہوتی تھی-

آنحضرت محمد بن عبداللہ علیہ صلوات اللہ کی رسالت عام تھی- ساری دنیا کی سب قوموں کی طرف آپ رسول اللہ تھے جیسے خود حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے پانچ چیزیں خصوصیت سے دی گئی ہیں جو کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں- مہینے بھر کی راہ کی دوری پر صرف رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاکیزہ قرار دی گئی ہے، مجھ پر مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہیں تھے، مجھے شفاعت سونپی گئی ہے، ہر نبی صرف اپنی قوم ہی کی طرف آتا تھا اور میں تمام عام لوگوں کی طرف رسول اللہ بنایا گیا ہوں- قرآن یہی فرماتا ہے کہ اے نبیؑ اعلان کر دو کہ میں تم سب کی جانب اللہ کا رسول ہوں صلی اللہ علیہ وسلم-

نو (۹) نشانیاں: ☆☆ (آیت:۵) جیسے ہم نے تجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور تجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے کہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے، اسی طرح ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا- بہت سی نشانیاں بھی دی تھیں جن کا بیان آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ الخ، میں ہے- انہیں بھی یہی حکم تھا کہ لوگوں کو نیکیوں کی دعوت دے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں اور جہالت وضلالت سے ہٹا کر علم وہدایت کی طرف لے آ- انہیں اللہ کے احسانات یاد دلا- کہ اللہ نے انہیں فرعون جیسے ظالم وجابر بادشاہ کی غلامی سے آزاد کیا، ان کے لئے دریا کو کھڑا کر دیا، ان پر ابر کا سایہ کر دیا، ان پر من وسلوی اتارا- اور بھی بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں- مسند کی مرفوع حدیث میں اِيَّامِ اللّٰهِ کی تفسیر اللہ کی نعمتوں سے مروی ہے- لیکن ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ میں یہ روایت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے موقوفاً بھی آئی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے- ہم نے اپنے بندوں بنی اسرائیل کے ساتھ جو احسان کئے، فرعون سے نجات دلوانا، اس کے ذلیل عذابوں سے چھڑوانا، اس میں ہر صابر وشاکر کے لئے عبرت ہے- جو مصیبت میں صبر کے اور راحت میں شکر کے خوگر ہیں- حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں- اچھا بندہ وہ ہے جو سختی کے وقت صبر کرے اور نرمی کے وقت شکر کرے- صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مومن کا تمام کام عجیب ہے- اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے وہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے راحت وآرام ملے تو شکر کرتا ہے- اس کا انجام بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے-

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ
مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ ع ۶
كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸

جس وقت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے وہ احسانات یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں جب کہ اس نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں برے دکھ پہنچاتے تھے' تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے' اس میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش تھی ○ جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے ○ موسیٰ نے کہا کہ اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے ○

اولاد کا قاتل: ☆☆ (آیت:۶-۸) فرمان الٰہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں- مثلاً فرعونیوں سے انہیں نجات دلوانا جو انہیں بے وقعت کر کے ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے یہاں تک کہ تمام نرینہ اولاد قتل کر ڈالتے تھے صرف لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے- یہ نعمت اتنی بڑی ہے کہ تم اس کی شکر گزاری کی طاقت نہیں رکھتے- یہ مطلب بھی اس جملہ کو ہو سکتا ہے کہ فرعونی ایذا دراصل تمہاری ایک بہت بڑی آزمائش تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں- واللہ اعلم' جیسے فرمان ہے وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ یعنی ہم نے انہیں بھلائی برائی سے آزما لیا کہ وہ لوٹ آئیں- جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں آگاہ کر دیا- اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی اپنی عزت وجلالت اور کبریائی کی جیسے آیت وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ الخ' میں- پس اللہ کا حتمی وعدہ ہوا اور اس کا اعلان بھی کہ شکر گزاروں کی نعمتیں اور بڑھ جائیں گی اور ناشکروں کی' نعمتوں کے منکروں اور ان کے چھپانے والوں کی نعمتیں اور چھن جائیں گی اور انہیں سخت سزا ہو گی- حدیث میں ہے' بندہ بوجہ گناہ کے اللہ کی روزی سے محروم ہو جاتا ہے-

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک سائل گزرا- آپ نے اسے ایک کھجور دی- وہ بڑا بگڑا اور کھجور نہ لی- پھر دوسرا سائل گزرا- آپؐ نے اسے بھی وہی کھجور دی- اس نے اسے بخوشی لے لی اور کہنے لگا کہ اللہ کے رسول کا عطیہ ہے' آپؐ نے اسے بیس درہم دینے کا حکم فرمایا- اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے لونڈی سے فرمایا' اسے لے جاؤ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس چالیس درہم ہیں- وہ اسے دلوا دو- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم سب اور روئے زمین کی تمام مخلوق بھی ناشکری کرنے لگے تو اللہ کا کیا بگاڑے گی؟ وہ بندوں سے اور ان کی شکر گزاری سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے- تعریفوں کا مالک اور قابل وہی ہے- چنانچہ فرمان ہے اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ تم اگر کفر کرو تو اللہ تم سے غنی ہے اور آیت میں ہے فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ الخ' انہوں نے کفر کیا' منہ موڑ لیا تو اللہ نے ان سے مطلقاً بے نیازی برتی- صحیح مسلم شریف میں قدسی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر انسان' جن سب مل کر بہترین تقوے والے دل کے شخص جیسے بن جائیں تو اس سے میرا ملک ذرا سا بھی بڑھ نہ جائے گا اور اگر تمہارے سب اگلے پچھلے انسان جنات بدترین دل کے بن جائیں تو اس وجہ سے میرے ملک میں سے ایک ذرہ بھی نہ گھٹے گا- اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان' جن سب ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کا سوال پورا کر دوں تو بھی میرے پاس کے خزانوں میں اتنی ہی کمی آئے گی جتنی کمی سمندر میں سوئی ڈالنے سے ہو- پس ہمارا رب پاک ہے' بلند ہے' غنی ہے اور حمید ہے-

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ
وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ
مُرِيْبٍ ۝۹

کیا تمہارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں؟ یعنی قوم نوح کی اور عاد و ثمود کی' اور ان کے بعد والوں کی جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا' ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے لیکن وہ اپنے ہاتھ اپنے منہ میں پھیر لے گئے اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے' ہم اس کے منکر ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو' ہمیں تو اس میں بڑا بھاری شبہ ہے۔ ہم اس سے خاطر جمع نہیں ○

(آیت:۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باقی وعظ بیان ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو اللہ کی وہ نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو تم سے پہلے کے لوگوں پر رسولوں کے جھٹلانے کی وجہ سے کیسے سخت عذاب آئے اور کس طرح وہ غارت کئے گئے یہ قول تو ہے امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا لیکن ہے ذرا غور طلب۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وعظ تو ختم ہو چکا۔ اب یہ نیا بیان قرآن ہے۔ کہا گیا ہے کہ عادیوں اور ثمودیوں کے واقعات تورات شریف میں تھے ہی نہیں تو اگر یہ بات بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہی مانی جائے تو ظاہر ہے کہ ان کے قصے یہودیوں کے سامنے بیان ہو چکے تھے اور یہ دونوں واقعات بھی تورات میں تھے۔ واللہ اعلم۔ فی الجملہ ان لوگوں کے اور ان جیسے اور بھی بہت سے لوگوں کے واقعات قرآن کریم میں ہمارے سامنے بیان ہو چکے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے پیغمبر اللہ کی آیتیں اور اللہ کے دیئے ہوئے معجزے لے کر پہنچے' ان کی گنتی کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں' نسب کے بیان کرنے والے غلط گو ہیں۔ بہت سی امتیں ایسی بھی گزری ہیں جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ معد بن عدنان کے بعد کا نسب نامہ صحیح طور پر کوئی نہیں جانتا۔ وہ اپنے ہاتھ ان کے منہ تک لوٹا لے گئے' کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ رسولوں کے منہ بند کرنے لگے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھنے لگے کہ محض جھوٹ ہے جو رسول کہتے ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ جواب سے لاچار ہو کر انگلیاں منہ پر رکھ لیں' ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اپنے منہ سے انہیں جھٹلانے لگے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر فی معنی میں ''بے'' کے ہو جیسے بعض عرب کہتے ہیں اَدْخَلَكَ اللّٰهُ بِالْجَنَّةِ یعنی فِي الْجَنَّةِ شعر میں بھی یہ محاورہ مستعمل ہے۔ اور بقول مجاہد اس کے بعد کا جملہ اسی کی تفسیر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے مارے غصے کے اپنی انگلیاں اپنے منہ میں ڈال لیں۔ چنانچہ اور آیت میں منافقین کے بارے میں ہے کہ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَ نَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ یہ لوگ خلوت میں تمہاری جلن سے اپنی انگلیاں چباتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ کلام اللہ سن کر تعجب سے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ دیتے ہیں اور کہہ گزرتے ہیں کہ ہم تو تمہاری رسالت کے منکر ہیں' ہم تمہیں سچا نہیں جانتے بلکہ سخت شبہ میں ہیں۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا حق تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمان و زمین کا بنانے والا ہے' وہ تو تمہیں اس لئے بلا رہا ہے کہ تمہارے تمام گناہ معاف فرما دے اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت عطا فرمائے۔ وہ کہنے لگے تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو' تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روک دو جن

کی عبادت ہمارے باپ دادے کرتے رہے' اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی سند پیش کرو ○

کفار اور انبیاء میں مکالمات: ☆☆ (آیت:۱۰) رسولوں کی اور ان کی قوم کے کافروں کی بات چیت بیان ہو رہی ہے۔ قوم نے اللہ کی عبادت میں شک و شبہ کا اظہار کیا۔ اس پر رسولوں نے کہا اللہ کے بارے میں شک؟ یعنی اس کے وجود میں شک کیسا؟ فطرت اس کی شاہد عدل ہے انسان کی بنیاد میں اس کا اقرار موجود ہے۔ عقل سلیم اس کے ماننے پر مجبور ہے۔ اچھا اگر دلیل کے بغیر اطمینان نہیں تو دیکھ لو کہ یہ آسمان و زمین کیسے پیدا ہو گئے؟ موجود کے لیے موجد کا ہونا ضروری ہے۔ انہیں بغیر نمونہ پیدا کرنے والا وہی وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اس عالم کی تخلیق تو مطیع مخلوق ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس سے کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں آتی؟ کہ اس کا صانع اس کا خالق ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک اور معبود برحق ہے۔ یا کیا تمہیں اس کی الوہیت اور اس کی وحدانیت میں شک ہے؟ جب تمام موجودات کا خالق اور موجد وہی ہے تو پھر عبادت میں تنہا وہی کیوں نہ ہو؟ چونکہ اکثر امتیں خالق کے وجود کے قائل تھیں' پھر اوروں کی عبادت' انہیں واسطہ اور وسیلہ جان کر' اللہ سے نزدیک کرنے والے اور نفع دینے والے سمجھ کر کرتی تھیں' اس لئے رسول اللہ انہیں ان کی عبادتوں سے یہ سمجھا کر روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف بلا رہا ہے کہ آخرت میں تمہارے گناہ معاف فرما دے اور جو وقت مقدر ہے' اس تک تمہیں اچھائی سے پہنچا دے۔ ہر ایک فضیلت والے کو وہ اس کی فضیلت عنایت فرمائے گا۔ اب امتوں نے پہلے مقام کو تسلیم کرنے کے بعد جواب دیا کہ تمہاری رسالت ہم کیسے مان لیں" تم میں انسانیت تو ہم جیسی ہی ہے۔ اچھا اگر سچے ہو تو زبردست معجزہ پیش کرو جو انسانی طاقت سے باہر ہو؟

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ
يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ
بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ مَا لَنَآ
اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ
اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ٦ ١٤
لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ
فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ۙ

ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا' یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے' اپنا فضل کرتا ہے' بے حکم اللہ ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھائیں' ایمان داروں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ آخر کیا وجہ کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں ○ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سمجھائی ہیں' واللہ جو ایذائیں تم ہمیں دو گے' ہم ان پر صبر ہی کریں گے' توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں ○ کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں دیس بدر کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ' تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی غارت کر دیں گے ○

(آیت:۱۱-۱۲) اس کے جواب میں پیغمبران رب نے فرمایا کہ یہ تو بالکل مسلم ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں۔ لیکن رسالت و نبوت اللہ کا عطیہ ہے۔ وہ جسے چاہے دے۔ انسانیت رسالت کے منافی نہیں۔ اور جو چیز تم ہمارے ہاتھوں سے دیکھنا چاہتے ہو اس کی نسبت بھی سن

لو کہ وہ ہمارے بس کی بات نہیں' ہاں ہم اللہ سے طلب کریں گے- اگر ہماری دعا مقبول ہوئی تو بے شک ہم دکھائیں گے- مومنوں کو تو ہر کام میں اللہ ہی پر توکل ہے اور خصوصیت کے ساتھ ہمیں اس پر زیادہ توکل اور بھروسہ ہے اس لئے بھی کہ اس نے تمام راہوں میں سے بہترین راہ دکھائی- تم جتنا چاہو دکھ دو لیکن ان شاء اللہ دامن توکل ہمارے ہاتھ سے چھوٹنے کا نہیں- متوکلین کے گروہ کے لئے اللہ کا توکل کافی وافی ہے- آل لوط: ☆☆ (آیت:۱۳) کافر جب تنگ ہوئے' کوئی حجت باقی نہ رہی تو نبیوں کو دھمکانے لگے اور دیس نکالے سے ڈرانے لگے- قوم شعیب نے بھی اپنے نبی اور مومنوں سے یہی کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے- لوطیوں نے بھی یہی کہا تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے نکال دو- مشرکین قریش نے بھی یہی منصوبہ باندھا تھا- اور یہ بھی کہا تھا کہ قید کر لو' قتل کر دو یا ملک سے باہر نکال دو- وہ اگرچہ مکر کرتے تھے لیکن اللہ بھی ان کے داؤ میں تھا- اپنے نبی کو سلامتی کے ساتھ مکے سے لے گیا' مدینے والوں کو آپ کا انصار و مددگار بنا دیا' وہ آپ ؐ کے لشکر میں شامل ہو کر آپ ؐ کے جھنڈے تلے کافروں سے لڑے اور بتدریج اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترقیاں دیں یہاں تک کہ بالآخر آپ ؐ نے مکہ بھی فتح کر لیا اب تو دشمنان دین کے منصوبے خاک میں مل گئے- ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی- ان کی آرزوئیں پامال ہو گئیں- اللہ کا دین لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہو گیا اور تھوڑے سے زمانے میں مشرق سے مغرب تک اشاعت اسلام ہو گئی فالحمد للہ- یہاں فرمان ہے کہ ادھر کفار نے نبیوں کو دھمکایا' ادھر اللہ نے ان سے سچا وعدہ فرمایا کہ یہی ہلاک ہوں گے-

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ
وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾
مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ
وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ
بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

اور ان کے بعد ہم خود تمہیں اس زمین میں بسائیں گے' یہ ہے ان کے لئے جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھیں اور میرے وعدے سے خوفزدہ رہیں ○ آخر فیصلے کو طلب کرنے لگے تو سرکش ضدی لوگ نامراد ہو گئے ○ اس کے سامنے دوزخ ہے جہاں وہ پیپ کا پانی پلایا جائے گا جسے بمشکل گھونٹ گھونٹ پئے گا ○ پھر بھی اسے گلے سے اتار نہ سکے گا- ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مرنے والا نہیں' پھر اس کے پیچھے بھی سخت عذاب ہے ○

اور پھر فرمایا کہ: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۷) اور تم زمین کے مالک بنو گے- جیسے فرمان ہے کہ ہمارا کلمہ ہمارے رسولوں کے بارے میں سبقت کر چکا ہے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا- اور آیت میں ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ الخ' اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب آئیں گے' اللہ قوت والا' عزت والا ہے- اور آیت میں ارشاد ہے کہ ذکر کے بعد زبور میں بھی یہی تحریر ہے- حضرت موسیٰ ؑ نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا کہ تم اللہ سے مدد طلب کرو' صبر و برداشت کرو' زمین اللہ ہی کی ہے- اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے' انجام کار پرہیزگاروں کا ہی ہے- اور جگہ ارشاد ہے وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ الخ' ضعیف اور کمزور لوگوں کو ہم نے زمین کی مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جہاں ہماری برکتیں تھیں- بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے ہمارا ان سے جو بہترین وعدہ تھا' وہ پورا ہو گیا' ان کے دشمن فرعون اور فرعونی اور ان کی تمام تیاریاں سب یکمشت خاک میں مل گئیں- نبیوں سے فرما دیا گیا کہ یہ زمین تمہارے قبضے میں

آئے گی یہ وعدے ان کے لئے ہیں جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہیں اور میرے ڈراوے اور عذاب سے خوف کھاتے رہیں- جیسے فرمان باری ہے فَاَمَّا مَنْ طَغٰى الخ، یعنی جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی، اس کا ٹھکانا جہنم ہے- اور آیت میں ہے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف جس نے کیا، اسے دوہری جنتیں ہیں- رسولوں نے اپنے رب سے مدد و فتح اور فیصلہ طلب کیا یا یہ کہ ان کی قوم نے اسے طلب کیا جیسے قریش مکہ نے کہا تھا کہ الٰہی اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا اور کوئی دردناک عذاب ہمیں کر- اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ادھر سے کفار کا مطالبہ ہوا، ادھر سے رسولوں نے بھی اللہ سے دعا کی جیسے بدر والے دن ہوا تھا کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ دعا مانگ رہے تھے، دوسری جانب سرداران کفر بھی کہہ رہے تھے کہ الٰہی آج سچے کو غالب کر، یہی ہوا بھی- مشرکین سے کلام اللہ میں اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ تم فتح طلب کیا کرتے تھے، لو اب وہ آ گئی، اب بھی اگر باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے الخ، نقصان یافتہ وہ ہیں جو متکبر ہوں، اپنے تئیں کچھ گنتے ہوں- حق سے عناد رکھتے ہوں تو قیامت کے روز فرمان ہوگا کہ ہر ایک کافر، سرکش اور بھلائی سے روکنے والے کو جہنم داخل کرو، جو اللہ کے ساتھ دوسروں کی پوجا کرتا تھا، اسے سخت عذاب میں لے جاؤ-

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو لایا جائے گا- وہ تمام مخلوق کو ندا کر کے کہے گی کہ میں ہر ایک سرکش ضدی کے لئے مقرر کی گئی ہوں- الخ، اس وقت ان بدلوگوں کا کیا ہی برا حال ہوگا جب کہ انبیا تک اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے ہوں گے- وراء یہاں پر معنی ''امام'' سامنے کے ہیں جیسے آیت وَكَانَ وَرَآئَهُمْ مَّلِكٌ میں ہے ابن عباسؓ کی قرأت ہی وَكَانَ وَرَآئَهُمْ مَّلِكٌ ہے غرض سامنے سے جہنم اس کی تاک میں ہوگی جس میں جا کر پھر نکلنا ناممکن ہوگا قیامت کے دن تک تو صبح شام وہ پیش ہوتی رہی- اب وہ ٹھکانا بن گئی- پھر وہاں اس کے لئے پانی کے بدلے آگ جیسا پیپ ہے اور حد سے زیادہ ٹھنڈا اور بدبودار وہ پانی ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے رستا ہے- جیسے فرمایا هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ الخ، پس ایک گرمی میں حد سے گزرا ہوا، ایک سردی میں حد سے گزرا ہوا- صَدِيْدٍ کہتے ہیں پیپ اور خون کو جو دوزخیوں کے گوشت سے اور ان کی کھالوں سے بہا ہوا ہوگا- اسی کو طينة الخبال بھی کہا جاتا ہے- مسند احمد میں ہے کہ جب اس کے پاس لایا جائے گا تو اسے سخت تکلیف ہوگی، منہ کے پاس پہنچتے ہی سارے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں گر پڑے گی- ایک گھونٹ لیتے ہی پیٹ کی آنتیں پاخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی- اللہ کا فرمان ہے کہ وہ کھولتا ہوا گرم پانی پلائے جائیں گے جو ان کی آنتیں کاٹ دے اور فرمان ہے، فریاد کرنے پر ان کی فریاد رسی پگھلے ہوئے تانبے جیسے گرم پانی سے کی جائے گی جو چہر جھلسا دے، الخ- جبراً گھونٹ گھونٹ کر کے اتارے گا، فرشتے لوہے کے گرز مار مار کر پلائیں گے، بدمزگی، بدبو، حرارت، گرمی کی تیزی یا سردی کی تیزی کی وجہ سے گلے سے اترنا محال ہوگا- بدن میں، اعضاء میں، جوڑ جوڑ میں وہ درد اور تکلیف ہوگی کہ موت کا مزہ آئے لیکن موت آنے کی نہیں- رگ رگ پر عذاب ہے لیکن جان نہیں نکلتی- ایک ایک رواں ناقابل برداشت مصیبت میں جکڑا ہوا ہے لیکن روح بدن سے جدا نہیں ہوسکتی- آگے پیچھے دائیں بائیں سے موت آ رہی ہے لیکن آتی نہیں- طرح طرح کے عذاب دوزخ کی آگ گھیرے ہوئے ہے مگر موت بلائے سے بھی نہیں آتی- نہ موت آئے نہ عذاب جائے- ہر سزا ایسی ہے کہ موت کے لئے کافی سے زیادہ ہے لیکن وہاں تو موت کو موت آ گئی ہے تاکہ سزا دوام والی ہوتی رہے- ان تمام باتوں کے ساتھ پھر سخت تر، مصیبت ناک، الم افزا عذاب اور ہیں- جیسے زقوم کے درخت کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے جس کے شگوفے شیطانوں کے سروں جیسے ہیں- وہ اسے کھائیں گے اور پیٹ بھر کے کھائیں گے- پھر کھولتا ہوا تیز گرم پانی پیٹ میں جا کر اس سے ملے گا- پھر ان کا لوٹنا جہنم کی جانب ہے- الغرض، کبھی زقوم کھانے کا- کبھی حمیم پینے کا، کبھی آگ میں جلنے کا، کبھی صدید پینے کا عذاب انہیں ہوتا رہے گا- اللہ کی پناہ-

فرمان رب عالیشان ہے هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ الخ' یہی وہ جہنم ہے جسے کافر جھٹلاتے رہے- آج جہنم کے ابلتے ہوئے تیز گرم پانی کے درمیان وہ چکر کھاتے پھریں گے- اور آیت میں ہے کہ زقوم کا درخت گنہگاروں کی غذا ہے جو پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا' پیٹ میں جا کر ابلے گا اور ایسے جوش مارے گا جیسے گرم پانی کھول رہا ہو- اسے پکڑو اور اسے بیچ جہنم میں ڈال دو- پھر اس کے سر پر گرم پانی کے تریڑے کا عذاب بہاؤ' مزہ چکھ- تو اپنے خیال میں بڑا عزیز تھا اور اکرام والا تھا' یہی ہے جس سے تم ہمیشہ شک وشبہ کرتے رہے- سورہ واقعہ میں فرمایا کہ وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جائیں گے' یہ بائیں ہاتھ والے کیسے بدلوگ ہیں' گرم ہوا اور گرم پانی میں پڑے ہوئے ہوں گے اور دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا نہ باعزت- دوسری آیت میں ہے سرکشوں کے لئے جہنم کا برا ٹھکانا ہے جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ رہائش کی بدترین جگہ ہے- اس مصیبت کے ساتھ تیز گرم پانی اور پیپ' لہو اور اسی کے ہم شکل اور بھی قسم قسم کے عذاب ہوں گے جو دوزخیوں کو بھگتنے پڑیں گے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا- یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا نہ کہ اللہ کا ظلم-

مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِۨشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ
فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ
بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّ
مَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا' ان کے اعمال مثل اس راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے' جو بھی انہوں نے کیا' اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے' یہی دور کی گمراہی ہے- کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بہترین تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے' اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے ○ اللہ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں ○

بے سود اعمال: ☆☆ (آیت:۱۸) کافر جو اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادتوں کے خوگر تھے' پیغمبروں کی نہیں مانتے تھے' جن کے اعمال ایسے تھے جیسے بنیاد بغیر کی عمارت ہو جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ سخت ضرورت کے وقت خالی ہاتھ کھڑے رہ گئے- پس فرمان ہے کہ ان کافروں کی یعنی ان کے اعمال کی مثال قیامت کے دن جب کہ یہ پورے محتاج ہوں گے' سمجھ رہے ہوں گے کہ اب ابھی ہماری بھلائیوں کا بدلہ ہمیں ملے گا لیکن کچھ نہ پائیں گے' مایوس رہ جائیں گے' حسرت سے منہ تکنے لگیں گے جیسے تیز آندھی والے دن ہوا راکھ کو اڑا کر ذرہ ذرہ ادھر ادھر بکھیر دے' اسی طرح ان کے اعمال محض اکارت ہو گئے- جیسے اس بکھری ہوئی اور اڑی ہوئی راکھ کا جمع کرنا محال' ایسے ہی ان کے بے سود اعمال کا بدلہ محال- وہ تو وہاں ہوں گے ہی نہیں- ان کے آنے سے پہلے ہی هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو گئے- فرمان رب ہے مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ الخ' یہ کفار جو کچھ اس حیات دنیا میں خرچ کرتے رہتے ہیں' اس کی مثال اس آگ کے گولے جیسی ہے جو ظالموں کی کھیتی جھلسا دے- اللہ ظالم نہیں لیکن وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے رہتے ہیں- اور آیت میں ہے کہ ایمان والو! اپنے صدقے خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو جیسے وہ جو ریاکاری کے لئے خرچ کرتا ہو اور اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو' اس کی مثال اس چٹان کی طرح ہے جس پر مٹی تھی لیکن بارش کے پانی نے اسے دھو دیا- اب وہ بالکل صاف ہو گیا- یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہیں- اللہ تعالیٰ کافروں

کی رہبری نہیں فرماتا۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ یہ دور کی گمراہی ہے۔ ان کی کوشش ان کے کام بے پایہ اور بے ثبات ہیں' سخت حاجت مندی کے وقت ثواب گم پائیں گے۔ یہی انتہائی بدقسمتی ہے۔

حیات ثانیہ: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ قیامت کے دن کی دوبارہ پیدائش پر میں قادر ہوں۔ جب میں نے آسمان وزمین کی پیدائش کردی تو انسان کی پیدائش مجھ پر کیا مشکل ہے۔ آسمان کی اونچائی' کشادگی' بڑائی پھر اس میں ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرتے ستارے اور یہ زمین' پہاڑوں' جنگلوں' درختوں اور حیوانوں والی سب اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے جو ان کی پیدائش سے عاجز نہ آیا' وہ کیا مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بے شک قادر ہے۔ سورۂ یاسین میں فرمایا کہ کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا۔ پھر وہ جھگڑالو بن بیٹھا۔ ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا۔ اپنی پیدائش بھول گیا اور کہنے لگا' ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دے کہ وہی اللہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا' وہ ہر چیز کی پیدائش کو بخوبی جانتا ہے۔ اسی نے سبز درخت سے تمہارے لئے آگ بنائی ہے کہ تم اسے جلاتے ہو۔ کیا آسمان وزمین کا خالق ان جیسوں کی پیدائش پر قادر نہیں؟ بے شک ہے' وہی بڑا خالق اور بہت بڑا عالم ہے' اس کے ارادے کے بعد اس کا صرف اتنا حکم بس ہے کہ ہو جا۔ اسی وقت وہ ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ پاک ہے' جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تمہارا سب کا لوٹنا ہے۔ اس کے قبضے میں ہے کہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور نئی مخلوق تمہارے قائم مقام یہاں آباد کردے۔ اس پر یہ کام بھی بھاری نہیں' تم اس کے امر کا خلاف کرو گے تو یہی ہوگا جیسے فرمایا' اگر تم منہ موڑ لو گے تو وہ تمہارے بدلے اور قوم لائے گا جو تمہاری طرح کی نہ ہوگی۔ اور آیت میں ہے' اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لائے گا جو اس کی پسندیدہ ہوگی اور اس سے محبت رکھنے والی ہوگی۔ اور جگہ ہے اگر وہ چاہے تمہیں برباد کردے اور دوسرے لائے۔ اللہ اس پر قادر ہے۔

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا
اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ
اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ
اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۠﴿۲۱﴾ ع ۲ ۹ ۱۵

سب کے سب اللہ کے سامنے روبرو کھڑے ہوں گے۔ اس وقت کمزور لوگ بڑائی والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابعدار تھے تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ہم سے دور کرسکنے والے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی ضرور تمہاری رہنمائی کرتے! اب تو ہم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ہی برابر ہے' ہمارے لئے کوئی چھٹکارا نہیں ○

چٹیل میدان اور مخلوقات: ☆☆ (آیت:۲۱) صاف چٹیل میدان میں ساری مخلوقات نیک و بد اللہ کے سامنے موجود ہوگی۔ اس وقت جو لوگ ماتحت تھے' ان سے کہیں گے جو سردار اور بڑے تھے اور جو انہیں اللہ کی عبادت اور رسولؐ کی اطاعت سے روکتے تھے کہ ہم تمہارے تابع فرمان تھے' جو حکم تم دیتے تھے' ہم بجالاتے تھے۔ جو تم فرماتے تھے' ہم مانتے تھے۔ پس جیسے کہ تم ہم سے وعدے کرتے تھے اور ہمیں تمنائیں دلاتے تھے' کیا آج اللہ کے عذابوں کو ہم سے ہٹاؤ گے؟ اس وقت یہ پیشوا اور سردار کہیں گے کہ ہم تو خود راہ راست پر نہ تھے۔ تمہاری رہبری کیسے کرتے؟ ہم پر اللہ کا کلمہ سبقت کر گیا' عذاب کے مستحق ہم سب ہو گے۔ اب نہ ہائے وائے اور نہ بے قراری نفع دے اور نہ صبر و برداشت۔

عذاب کے بچاؤ کی تمام صورتیں ناپید ہیں- حضرت عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ دوزخی لوگ کہیں گے کہ دیکھو یہ مسلمان اللہ کے سامنے روتے دھوتے تھے- اس وجہ سے وہ جنت میں پہنچے آؤ ہم بھی اللہ کے سامنے روئیں گڑگڑائیں- خوب روئیں پیٹیں گے چلائیں گے لیکن بے سود رہے گا تو کہیں گے جنتیوں کے جنت میں جانے کی ایک وجہ صبر کرنا تھی- آؤ ہم بھی خاموشی اور صبر اختیار کریں اب ایسا صبر کریں گے کہ ایسا صبر کبھی دیکھا نہیں گیا لیکن یہ بھی لاحاصل رہے گا- اس وقت کہیں گے ہائے صبر بھی بے سود اور بے قراری بھی بے نفع- ظاہر تو یہ ہے کہ پیشواؤں اور تابعداروں کی یہ بات چیت جہنم میں جانے کے بعد ہوگی جیسے آیت وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ الخ جب کہ وہ جہنم میں جھگڑیں گے اس وقت ضعیف لوگ تکبر والوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ماتحت تھے تو کیا آگ کے کسی حصہ سے تم ہمیں نجات دلا سکو گے؟ وہ متکبر لوگ کہیں گے ہم تو سب جہنم میں موجود ہیں- اللہ کے فیصلے بندوں میں ہو چکے ہیں- اور آیت میں ہے قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ الخ فرمائے گا کہ جاؤ ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جو انسان جنات تم سے پہلے جہنم میں پہنچ چکے ہیں- جو گروہ جائے گا وہ دوسرے کو لعنت کرتا جائے گا- جب سب کے سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے پہلوں کی نسبت جناب باری میں عرض کریں گے کہ پروردگار ان لوگوں نے ہمیں تو بہکا دیا- انہیں دوہرا عذاب کر- جواب ملے گا کہ ہر ایک کو دوہرا ہے لیکن تم نہیں جانتے- اور اگلے پچھلوں سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں تھی- اپنے کئے ہوئے کاموں کے بدلے کا عذاب چکھو- اور آیت میں ہے کہ وہ کہیں گے رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا الخ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے پیشواؤں اور بڑوں کی اطاعت کی جنہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا اے ہمارے پالنہار! تو انہیں دہرا عذاب کر اور بڑی لعنت کر یہ لوگ محشر میں بھی جھگڑیں گے- فرمان ہے اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ الخ کاش کہ تو دیکھتا جب کہ ظالم لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ رہے ہوں گے تابعدار لوگ اپنے بڑوں سے کہتے ہوں گے کہ کیا ہدایت آ جانے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روک دیا؟ نہیں بلکہ تم تو آپ گنہگار بدکار تھے- یہ کمزور لوگ پھر ان زور آوروں سے کہیں گے کہ تمہارے رات دن کے داؤ گھات اور ہمیں یہ حکم دینا کہ ہم اللہ سے کفر کریں اس کے شریک ٹھہرائیں اب سب لوگ پوشیدہ طور پر اپنی اپنی جگہ نادم ہو جائیں گے جب کہ عذابوں کو سامنے دیکھ لیں گے- ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا-

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ
الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ
كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۲ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا
سَلٰمٌ ۝۲۳

جب کہ کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا کہ اللہ نے تو تمہیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کئے تھے، ان کا خلاف کیا، میرا تم پر کوئی دباؤ تھا ہی نہیں، ہاں میں نے تمہیں پکارا اور تم نے میری مان لی، پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے تئیں ملامت کرو، نہ میں تمہارا فریاد رس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے، میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے شریک اللہ مانتے رہے، یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے ○ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، وہ ان جنتوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں انہیں ہیشگی ہوگی اپنے رب کے حکم سے، جہاں ان کا تحفہ سلام ہی سلام ہوگا ○

طوطا چشم دشمن شیطان: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۳) اللہ تعالیٰ جب بندوں کی قضا سے فارغ ہوگا، مومن جنت میں اور کافر دوزخ میں پہنچ جائیں گے، اس وقت ابلیس ملعون جہنم میں کھڑا ہو کر ان سے کہے گا کہ اللہ کے وعدے سچے اور برحق تھے، رسولوں کی تابعداری میں ہی نجات اور سلامتی تھی، میرے وعدے تو دھوکے تھے- میں تو تمہیں غلط راہ پر ڈالنے کے لئے سبز باغ دکھایا کرتا تھا، میری باتیں بے دلیل تھیں، میرا کلام بے حجت تھا- میرا کوئی زور غلبہ تم پر نہ تھا- تم تو خواہ مخواہ میری ایک آواز پر دوڑ پڑے- میں نے کہا، تم نے مان لیا، رسولوں کے سچے وعدے، ان کی بادلیل آواز، ان کی کامل حجت والی دلیلیں تم نے ترک کر دیں- ان کی مخالفت اور میری موافقت کی-- جس کا نتیجہ آج اپنی آنکھوں سے تم نے دیکھ لیا- یہ تمہارے اپنے کرتوتوں کا بدلہ ہے- مجھے ملامت نہ کرنا بلکہ اپنے نفس کو ہی الزام دینا، گناہ تمہارا اپنا ہے- تم نے دلیلیں چھوڑیں، تم نے میری بات مانی، آج میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا نہ تمہیں بچا سکوں نہ نفع پہنچا سکوں- میں تو تمہارے شرک کے باعث تمہارا منکر ہوں- میں صاف کہتا ہوں کہ میں شریک الٰہ نہیں- جیسے فرمان الٰہی ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ الخ، اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا اوروں کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کو قبول نہ کر سکیں بلکہ اس کے پکارنے سے محض غافل ہوں اور محشر کے دن ان کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر بن جائیں- اور آیت میں ہے كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ الخ، یقیناً وہ لوگ ان کی عبادتوں سے منکر ہو جائیں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے، یہ ظالم لوگ ہیں اس لئے کہ حق سے منہ پھیر لیا، باطل کے پیروکار بن گئے، ایسے ظالموں کے لئے المناک عذاب ہیں- پس ظاہر ہے کہ ابلیس کا یہ کلام دوزخیوں سے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہوگا- تا کہ حسرت وافسوس میں اور بڑھ جائیں- لیکن ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، جب اگلوں پچھلوں کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا، اور ان میں فیصلے کر دے گا، فیصلوں کے وقت عام گھبراہٹ ہوگی- مومن کہیں گے، ہم میں فیصلے ہو رہے ہیں، اب ہماری سفارش کے لئے کون کھڑا ہوگا؟ پس حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جائیں گے- حضرت عیسیٰ فرمائیں گے نبی امی ﷺ کے پاس پہنچو چنانچہ وہ میرے پاس آئیں گے- مجھے کھڑا ہونے کی اللہ تبارک وتعالیٰ اجازت دے گا، اسی وقت میری مجلس سے پاکیزہ تیز اور عمدہ خوشبو پھیلے گی کہ اس سے بہتر اور عمدہ خوشبو کبھی کسی نے نہ سونگھی ہوگی- میں چل کر رب العالمین کے پاس آؤں گا میرے سر کے بالوں سے لے کر میرے پیر کے انگوٹھے تک نورانی ہو جائے گا- اب میں سفارش کروں گا اور جناب حق تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے گا- یہ دیکھ کر کافر لوگ کہیں گے کہ چلو بھئی ہم بھی کسی کو سفارشی بنا کر لے چلیں اور اس کے لئے ہمارے پاس سوائے ابلیس کے اور کون ہے؟ اسی نے ہم کو بہکایا تھا- چلو اسی سے عرض معروض کریں- آئیں گے، ابلیس سے کہیں گے کہ مومنوں نے تو شفیع پا لیا- اب تو ہماری طرف سے شفیع بن جا- اس لئے کہ ہمیں گمراہ بھی تو نے ہی کیا ہے- یہ سن کر یہ ملعون کھڑا ہوگا- اس کی مجلس سے ایسی گندی بدبو پھیلے گی کہ اس سے پہلے کسی ناک میں ایسی بدبو نہ پہنچی ہو- پھر وہ کہے گا جس کا بیان اس آیت میں ہے-

محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جہنمی اپنا صبر اور بے صبری یکساں بتلائیں گے، اس وقت ابلیس ان سے یہ کہے گا، اس وقت وہ اپنی جانوں سے بھی بے زار ہو جائیں گے، ندا آئے گی کہ تمہاری اس وقت کی اس بے زاری سے بھی زیادہ بے زاری

اللہ کی تم سے اس وقت تھی جب کہ تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر کرتے تھے - عامر شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تمام لوگوں کے سامنے اس دن دو شخص خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوں گے - حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا - اور آیتیں هٰذَا يَوْ مُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ الخ' تک اسی بیان میں ہیں اور ابلیس کھڑا ہو کر کہے گا - مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ الخ - برے لوگوں کے انجام کا اور ان کے درد و غم اور ابلیس کے جواب کا ذکر فرما کر اب نیک لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ ایمان دار نیک اعمال لوگ جنتوں میں جائیں گے - جہاں چاہیں جائیں آئیں' چلیں پھریں' کھائیں پئیں' ہمیشہ ہمیش کے لئے وہیں رہیں -

یہاں نہ آزردہ ہوں نہ دل بھرے' نہ طبیعت بھرے' نہ مارے جائیں نہ نکالے جائیں نہ نعمتیں کم ہوں - وہاں ان کا تحفہ سلام ہی سلام ہوگا جیسے فرمان ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءُ هَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا الخ' یعنی جب جنتی جنت میں جائیں گے اور اس کے دروازے ان کے لئے کھولے جائیں گے اور وہاں کے داروغہ انہیں سلام علیک کہیں گے' الخ اور آیت میں ہے ہر دروازے سے ان کے پاس فرشتے آئیں گے اور سلام علیکم کہیں گے - اور آیت میں ہے کہ وہاں تحیتہ اور سلام ہی سنائے جائیں گے - اور اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ان کی پکار وہاں اللہ کی پاکیزگی کا بیان ہوگا اور ان کا تحفہ وہاں سلام ہوگا - اور ان کی آخر آواز اللہ رب العالمین کی حمد ہوگی -

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ
حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِۨجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی' مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں ○ جو اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا رہتا ہے - اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا' اسے کچھ مضبوطی تو ہے ہی نہیں ○

لا الہ الا اللہ کی شہادت: ☆☆ (آیت:۲۴-۲۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں - کلمہ طیبہ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے - پاکیزہ درخت کی طرح کا مومن ہے - اس کی جڑ مضبوط ہے - یعنی مومن کے دل میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جما ہوا ہے اس کی شاخ آسمان میں ہے - یعنی اس کی توحید کے کلمہ کی وجہ سے اس کے اعمال آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں - اور بھی بہت مفسرین سے یہی مروی ہے کہ مراد اس سے مومن کے اعمال ہیں اور اس کے پاک اقوال اور نیک کام - مومن مثل کھجور کے درخت کے ہے - ہر وقت ہر صبح ہر شام اس کے اعمال آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں - رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجور کا ایک خوشہ لایا گیا - تو آپؐ نے اسی آیت کا پہلا حصہ تلاوت فرمایا اور فرمایا کہ پاک درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے -

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہم آنحضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے- جو آپ نے فرمایا، مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے-- جس کے پتے نہیں جھڑتے نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں- جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ درخت کھجور کا ہے- لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں حضرت ابوبکرؓ ہیں، حضرت عمرؓ ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپکا ہو رہا- آنحضرت ﷺ نے فرمایا، وہ درخت کھجور کا ہے- جب یہاں سے اٹھ کر چلے تو میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا- تو آپ نے فرمایا، پیارے بچے اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا- حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ شریف تک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہا لیکن سوائے ایک حدیث کے اور کوئی روایت انہیں رسول اللہ ﷺ سے کرتے ہوئے نہیں سنا- اس میں ہے کہ یہ سوال آپ نے اس وقت کیا جب آپ کے سامنے کھجور کے درخت کے بیچ کا گودا لایا گیا تھا- میں اس لیے خاموش رہا کہ میں اس مجلس میں سب سے کم عمر تھا- اور روایت میں ہے کہ جواب دینے والوں کا خیال اس وقت جنگلی درختوں کی طرف چلا گیا- ابن ابی حاتم میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ مالدار لوگ درجات میں بہت بڑھ گئے- آپؐ نے فرمایا کہ یاد رکھو اگر تمام دنیا کی چیزیں لے کر انبار لگا دو تو بھی وہ آسمان تک نہیں پہنچ سکتے ہیں- تجھے ایسا عمل بتلاؤں جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں آسمان میں ہیں، اس نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ہر فرض نماز کے بعد دس بار کہہ لیا کرو جس کی اصل مضبوط اور جس کی فرع آسمان میں ہے- ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وہ پاکیزہ درخت جنت میں ہے- ہر وقت اپنا پھل لائے یعنی صبح شام یا ہر ماہ میں یا ہر دو ماہ میں یا ششماہی میں یا ہر ساتویں مہینے یا ہر سال- لیکن الفاظ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ مومن کی مثال اس درخت جیسی ہے جس کے پھل ہر وقت، جاڑے گرمی میں، دن رات میں اترتے رہتے ہیں- اسی طرح مومن کے نیک اعمال دن رات کے ہر وقت چڑھتے رہتے ہیں- اس کے رب کے حکم سے یعنی کامل، اچھے، بہت اور عمدہ-

اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبرت، ان کی سوچ سمجھ اور ان کی نصیحت کے لئے مثال واضح فرماتا ہے- پھر برے کلمہ کی یعنی کافر کی مثال بیان فرمائی- جس کی کوئی اصل نہیں، جو مضبوط نہیں، اس کی مثال اندرائن کے درخت سے دی- جسے حنظل اور شریان کہتے ہیں- ایک موقوف روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی آیا ہے اور یہ روایت مرفوعاً بھی آئی ہے- اس درخت کی جڑ زمین کی تہہ میں نہیں ہوتی - جھٹکا مارا اور اکھڑ آیا- اسی طرح سے کفر بے جڑ اور بے شاخ ہے، کافر کا نہ کوئی نیک عمل چڑھے نہ مقبول ہو-

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝۲۷ ع ۶ ۱۶

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی- ہاں نا انصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے- اللہ جو چاہے کر گزرے ○

ایمان والوں کے لئے اللہ کی مدد: ☆☆ (آیت: ۲۷) صحیح بخاری شریف میں ہے، رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان سے جب اس کی قبر میں سوال ہوتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ ہیں- یہی مراد اس آیت کی ہے- مسند میں ہے کہ ایک انصاری کے جنازے میں ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے- قبرستان پہنچے- ابھی تک قبر تیار نہ تھی- آپ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے آس

پاس ایسے بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں جو تنکا تھا، اس سے آپؐ زمین پر لکیریں نکال رہے تھے جو سر اٹھا کر دو تین مرتبہ فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہو، بندہ جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہرے والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کے چہرے سورج جیسے ہیں، ان کے ساتھ جنتی کفن اور جنتی خوشبو ہوتی ہے۔ اس کے پاس جہاں تک اس کی نگاہ کام کرے، وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں، اے پاک روح اللہ تعالیٰ کی مغفرت اس کی رضامندی کی طرف چل، وہ اس آسانی سے نکل آتی ہے جیسے کسی مشک سے پانی کا قطرہ ٹپ آیا ہو۔ ایک آنکھ جھپکنے کے برابر کی دیر ہی میں وہ فرشتے اسے ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے فوراً لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں۔ خود اس روح میں سے بھی مشک سے بھی عمدہ خوشبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر ایسی عمدہ خوشبو نہ سونگھی گئی ہو۔ وہ اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں۔ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا جو بہترین نام دنیا میں مشہور تھا، وہ بتلاتے ہیں اور اس کے باپ کا نام بھی۔ آسمان دنیا تک پہنچ کر دروازے کھلواتے ہیں۔ آسمان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہاں کے فرشتے اسے دوسرے آسمان تک اور دوسرے آسمان سے تیسرے آسمان تک۔

اسی طرح ساتویں آسمان پر وہ پہنچتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے کو کتاب علیین میں لکھ لو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ میں نے اسی سے اسے پیدا کیا ہے اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔ پس اس کی روح اسی کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ اسلام۔ پھر سوال کرتا ہے کہ وہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ یہ کہتا ہے، وہ رسول اللہؐ تھے۔ فرشتے پوچھتے ہیں، تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے کتاب اللہ پڑھی۔ اس پر ایمان لایا، اسے سچا مانا۔ اسی وقت آسمان سے ایک منادی ندا دیتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے۔ اس کے لئے جنتی فرش بچھا دو اور جنتی لباس پہنا دو اور جنت کی طرف کا دروازہ کھول دو۔ پس جنت کی روح پرور خوشبودار ہواؤں کی لپٹیں اسے آنے لگتی ہیں۔ اس کی قبر بقدر درازگی نظر کے وسیع کر دی جاتی ہے۔ اس کے پاس ایک شخص خوبصورت نورانی چہرے والا عمدہ کپڑوں والا، اچھی خوشبو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے، آپ خوش ہو جایئے۔ اسی دن کا وعدہ آپ دیئے جاتے تھے۔ یہ اس سے پوچھتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کے چہرے سے بھلائی ہی بھلائی نظر آتی ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اس وقت مسلمان آرزو کرتا ہے کہ یا اللہ قیامت جلد قائم ہو جائے تو میں اپنے اہل و عیال اور ملک و مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

اور کافر بندہ جب دنیا کی آخری ساعت اور آخرت کی اول ساعت میں ہوتا ہے، اس کے پاس سیاہ چہرے کے آسمانی فرشتے آتے ہیں اور ان کے ساتھ جہنمی ٹاٹ ہوتا ہے جہاں تک نگاہ پہنچے وہاں تک وہ بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر حضرت ملک الموت علیہ السلام آ کر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں۔ اے خبیث روح اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کی طرف چل۔ اس کی روح جسم میں چھپتی پھرتی ہے جسے بہت سختی کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔ اسی وقت ایک آنکھ جھپکنے جتنی دیر میں اسے فرشتے ان کے ہاتھوں سے لے لیتے ہیں اور اس جہنمی بورے میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اس میں سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ بدبو نہیں پائی گئی۔ اب یہ اسے لے کر اوپر کو چڑھتے ہیں۔ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں، یہ خبیث روح کس کی ہے؟ وہ اس کا بدترین نام جو دنیا میں تھا، بتلاتے ہیں اور اس کے باپ کا نام بھی۔ آسمان دنیا تک پہنچ کر دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں لیکن کھولا نہیں جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ الخ، کی تلاوت فرمائی کہ نہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں نہ وہ جنت میں جا سکیں یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں

سے اونٹ گزر جائے - اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ لو جو سب سے نیچے کی زمین میں ہے - پس اس کی روح وہیں پھینک دی جاتی ہے - پھر آپ نے آیت وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ الخ' کی تلاوت فرمائی یعنی اللہ کے ساتھ جو شرک کرے گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا - یا تو اسے پرندا چک لے جائیں گے یا آندھی اسے کسی دور کے گڑھے میں پھینک مارے گی - پھر اس کی روح اسی جسم میں لوٹائی جاتی ہے - اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں جو اسے اٹھا بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے مجھے نہیں معلوم - پھر پوچھتے ہیں' تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے' مجھے اس کا بھی علم نہیں - پھر پوچھتے ہیں' وہ کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے - ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں - اسی وقت آسمان سے ایک منادی کی ندا آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹا ہے اس کے لئے جہنم کی آگ کا فرش کر دو اور دوزخ کی جانب کا دروازہ کھول دو' وہیں سے اسے دوزخی ہوا اور دوزخ کا جھونکا پہنچتا رہتا ہے اور اس کی قبر اس پر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں - بڑی بری اور ڈراؤنی صورت والا' بڑے میلے کچیلے خراب کپڑوں والا' بڑی بدبو والا ایک شخص اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اب غمناک ہو جاؤ - اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا - یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے برائی برستی ہے - وہ کہتا ہے میں تیرے بداعمال کا مجسمہ ہوں - تو یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ قیامت قائم نہ ہو - (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ)

مسند میں ہے کہ نیک بندے کی روح نکلنے کے وقت آسمان و زمین کے درمیان کے فرشتے اور آسمان کے فرشتے سب اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور آسمانوں کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں' ہر دروازے کے فرشتوں کی دعا ہوتی ہے کہ اس کی پاک اور نیک روح ان کے دروازے سے چڑھائی جائے الخ' اور برے شخص کے بارے میں اس میں ہے کہ اس کی قبر میں ایک اندھا بہرا گونگا فرشتہ مقرر ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ مٹی بن جائے - اس سے وہ اسے مارتا ہے - یہ مٹی ہو جاتا ہے' اسے اللہ عزوجل پھر لوٹاتا ہے - جیسا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے - وہ اسے پھر وہی گرز مارتا ہے - یہ ایسا چیختا ہے کہ اس کی چیخ کو سوائے انسانوں اور جن کے ہر کوئی سنتا ہے -

قبر کا عذاب: ☆☆ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اسی آیت سے قبر کے عذاب کا ثبوت ملتا ہے - حضرت عبداللہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' مراد اس سے قبر کے سوالوں کے جواب میں مومن کو استقامت کا ملنا ہے - مسند عبد بن حمید میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے' لوگ منہ پھیرتے ہیں' ابھی ان کی واپسی کی چال کی جوتیوں کی آہٹ اس کے کانوں ہی میں ہے جو دو فرشتے اس کے پاس پہنچ کر اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے - مومن جواب دیتا ہے کہ میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھ جہنم میں تیرا یہ ٹھکانا تھا - لیکن اب اسے بدل کر اللہ نے جنت کی یہ جگہ تجھے عنایت فرمائی ہے - فرماتے ہیں کہ اسے دونوں جگہ نظر آتی ہیں - حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اس کی قبر ستر گز چوڑی کر دی جاتی ہے اور قیامت تک سرسبزی سے بھری رہتی ہے - مسند احمد میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس امت کی آزمائش ان کی قبروں میں ہوتی ہے - اس میں یہ بھی ہے کہ مومن اس وقت آرزو کرتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو - میں اپنے لوگوں کو یہ خوشخبری سنا دوں - وہ کہتے ہیں - ٹھہر جاؤ - اس میں یہ بھی ہے کہ منافق کو بھی اس کی دونوں جگہیں دکھا دی جاتی ہے - فرماتے ہیں کہ ہر شخص جس پر مرا ہے' اسی پر اٹھایا جاتا ہے - مومن اپنے ایمان پر' منافق اپنے نفاق پر -

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ فرشتہ جو آتا ہے' اس کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھوڑا ہوتا ہے' مومن اللہ کی معبودیت اور توحید کی

اور محمد ﷺ کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اپنا جنت کا مکان دیکھ کر اس میں جانا چاہتا ہے۔ لیکن اسے کہا جاتا ہے ابھی یہیں آرام کرو۔ اس کے آخر میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ جب ایک فرشتے کو ہاتھ میں گرز لئے دیکھیں گے تو حواس کیسے قائم رہیں گے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ یعنی اللہ کی طرف سے انہیں ثابت قدمی ملتی ہے۔ اور حدیث میں ہے' روح نکلنے کے وقت مومن سے کہا جاتا ہے کہ اے اطمینان والی روح جو پاک جسم میں تھی' نکل تعریفوں والی ہو کر اور خوش ہو جا۔ راحت و آرام اور پھل پھول اور رحیم و کریم اللہ کی رحمت کے ساتھ۔ اس میں ہے کہ آسمان کے فرشتے اس روح کو مرحبا کہتے ہیں اور یہی خوشخبری سناتے ہیں۔ اس میں ہے کہ برے انسان کی روح کو کہا جاتا ہے کہ اے خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی' نکل بری بن کر اور تیار ہو جا آگ جیسا پانی پینے کے لئے اور لہو پیپ کھانے کے لئے اور اسی جیسے اور بے شمار عذابوں کے لئے۔ اس میں ہے کہ آسمان کے فرشتے اس کے لئے دروازہ نہیں کھولتے اور کہتے ہیں بری ہو کر مذمت کے ساتھ لوٹ جا۔ تیرے لئے دروازے نہیں کھلیں گے۔

اور روایت میں ہے کہ آسمانی فرشتے نیک روح کے لئے کہتے ہیں' اللہ تجھ پر رحمت کرے اور اس جسم پر بھی جس میں تو تھی۔ یہاں تک کہ اسے اللہ عزوجل کے پاس پہنچاتے ہیں۔ وہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ اسے آخری مدت تک کے لئے لے جاؤ۔ اس میں ہے کہ کافر کی روح کی بدبو کا بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اپنی ناک پر رکھ لی۔ اور روایت میں ہے کہ رحمت کے فرشتے مومن کی روح کے لئے جنتی سفید ریشم لے کر اترتے ہیں۔ ایک ایک کے ہاتھ سے اس روح کو لینا چاہتا ہے۔ جب یہ پہلے کے مومنوں کی ارواح سے ملتی ہے تو جیسے کوئی نیا آدمی سفر سے آئے اور اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں' اس سے زیادہ یہ روحیں اس روح سے مل کر راضی ہوتی ہیں۔ پھر پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ لیکن ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ابھی سوال جواب نہ کرو۔ ذرا آرام تو کر لینے دو۔ یہ تو غم سے ابھی ہی چھوٹی ہے۔ لیکن وہ جواب دیتی ہے کہ وہ تو مر گیا۔ کیا تمہارے پاس نہیں پہنچا؟ وہ کہتے ہیں چھوڑو۔ اس کے ذکر کو۔ وہ اپنی اماں ہاویہ میں گیا۔ اور روایت میں ہے کہ کافر کی روح کو جب زمین کے دروازے کے پاس لاتے ہیں تو وہاں کے داروغہ فرشتے اس کی بدبو سے گھبراتے ہیں۔ آخر اسے سب سے نیچے کی زمین میں پہنچاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں جابین میں اور کافروں کی روحیں برھوت نامی حضر موت کے قید میں جمع رہتی ہیں۔ اس کی قبر بہت تنگ ہو جاتی ہے۔ ترمذی میں ہے کہ میت کے قبر میں رکھے جانے کے بعد اس کے پاس دو سیاہ فام کیری آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں۔ ایک منکر دوسرا نکیر۔ اس کے جواب کو سن کر وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علم تھا کہ تم ایسے ہی جواب دو گے۔ پھر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور نورانی بنا دی جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے سو جا۔ یہ کہتا ہے کہ میں تو اپنے گھر والوں سے کہوں گا۔ لیکن وہ دونوں کہتے ہیں کہ دلہن کی سی بے فکری کی نیند سو جا۔ جسے اس کے اہل میں سے وہی جگاتا ہے جو اسے سب سے زیادہ پیارا ہو۔ یہاں تک کہ اللہ خود اسے اس خواب گاہ سے جگائے۔ منافق جواب میں کہتا ہے کہ لوگ جو کچھ کہتے تھے' میں بھی کہتا رہا لیکن جانتا نہیں۔ وہ کہتے ہیں' ہم تو جانتے ہی تھے کہ تیرا یہ جواب ہوگا۔ اسی وقت زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ سمٹ جا۔ وہ سمٹتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر گھس جاتی ہیں۔ پھر اسے عذاب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے اور اسے اس کی قبر سے اٹھائے۔

اور حدیث میں ہے کہ مومن کے جواب پر کہا جاتا ہے کہ اسی پر تو جیا۔ اسی پر تیری موت ہوئی اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا۔ ابن جریر میں فرمان رسول کریم ﷺ ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میت تمہاری جوتیوں کی آہٹ سنتی ہے جب کہ تم اسے دفنا کر واپس لوٹتے ہو۔ اگر وہ ایمان پر مرا ہے تو نماز اس کے سرہانے ہوتی ہے' زکوٰۃ دائیں جانب ہوتی ہے' روزہ بائیں طرف ہوتا ہے۔ نیکیاں مثلاً

صدقہ خیرات' صلہ رحمی' بھلائی' لوگوں سے احسان وغیرہ اس کے پیروں کی طرف ہوتے ہیں - جب اس کے سر کی طرف سے کوئی آتا ہے تو نماز کہتی ہے یہاں سے جانے کی جگہ نہیں - دائیں طرف سے زکوٰۃ روکتی ہے - بائیں طرف سے روزہ' پیروں کی طرف سے اور نیکیاں' پس اس سے کہا جاتا ہے بیٹھ جاؤ - وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے ایسا معلوم دیتا ہے کہ گویا سورج ڈوبنے کے قریب ہے - وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جو ہم پوچھیں' اس کا جواب دو - وہ کہتا ہے تم چھوڑو' پہلے میں نماز ادا کر لوں - وہ کہتے ہیں وہ تو تو کرے گا ہی - ابھی تو ہمیں ہمارے سوالوں کا جواب دے - وہ کہتا ہے' اچھا تم کیا پوچھتے ہو؟ وہ کہتے ہیں' اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے اور کیا شہادت دیتا ہے - وہ پوچھتا ہے' کیا حضرت محمد ﷺ کے بارے میں؟ جواب ملتا ہے کہ ہاں آپ ہی کے بارے میں' یہ کہتا ہے کہ میری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں' آپ اللہ کے پاس سے ہمارے پاس دلیلیں لے کر آئے' ہم نے آپ کو سچا مانا - پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اسی پر زندہ رکھا گیا اور اسی پر مرا اور ان شاء اللہ اسی پر دوبارہ اٹھایا جائے گا - پھر اس کی قبر ستر ہاتھ پھیلا دی جاتی ہے اور نورانی کر دی جاتی ہے اور جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے - اور کہا جاتا ہے' دیکھ یہ ہے تیرا اصلی ٹھکانا - اب تو اسے خوشی اور راحت ہی راحت ہوتی ہے - پھر اس کی روح پاک روحوں میں سبز پرندوں کے قالب میں جنتی درختوں میں رہتی ہے اور اس کا جسم جس سے اس کی ابتدا کی گئی تھی اس کا جسم جس سے اس کی ابتدا کی گئی تھی اسی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے یعنی مٹی کی طرف - یہی اس آیت کا مطلب ہے۔

اور روایت میں ہے کہ موت کے وقت کی راحت و نور کو دیکھ کر مومن اپنے روح کے نکل جانے کی تمنا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی ملاقات محبوب ہوتی ہے۔ جب اس کی روح آسمان پر چڑھ جاتی ہے تو اس کے پاس مومنوں کی اور روحیں آتی ہیں اور اپنی جان پہچان کے لوگوں کی بابت اس سے سوالات کرتی ہیں - اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں تو مر چکا ہے تو یہ ناراض ہو کر کہتے ہیں یہاں نہیں لایا گیا - مومن کو اس کی قبر میں بیٹھا دیا جاتا ہے - پھر اس سے پوچھا جاتا ہے' تیرا نبی کون ہے؟ یہ کہتا ہے' میرے نبی محمد ﷺ ہیں - فرشتہ کہتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ یہ جواب دیتا ہے' میرا دین اسلام ہے - اسی میں ہے کہ اللہ کے دشمن کو جب موت آنے لگتی ہے اور یہ اللہ کی ناراضگی کے اسباب دیکھ لیتا ہے تو نہیں چاہتا کہ اس کی روح نکلے - اللہ بھی اس کی ملاقات سے ناخوش ہوتا ہے - اس میں ہے کہ اسے سوال و جواب اور مار پیٹ کے بعد کہا جاتا ہے ایسا سو جیسے سانپ کٹا ہوا - اور روایت میں ہے کہ جب یہ حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے کیسے معلوم ہو گیا' کیا تو نے آپؐ کے زمانہ کو پایا ہے؟ اس میں ہے کہ کافر کی قبر میں ایسا بہرا فرشتہ عذاب کرنے والا ہوتا ہے کہ جو نہ کبھی سنے نہ رحم کرے - ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - موت کے وقت مومن کے پاس فرشتے آ کر سلام کرتے ہیں' جنت کی بشارت دیتے ہیں' اس کے جنازے کے ساتھ چلتے ہیں' لوگوں کے ساتھ اس کے جنازے کی نماز میں شرکت کرتے ہیں - اس میں ہے' کافروں کے پاس فرشتے آتے ہیں - ان کے چہروں پر ان کی کمر پر مار مارتے ہیں - اسے اس کی قبر میں جواب بھلا دیا جاتا ہے - اسی طرح ظالموں کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے -

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے - اس میں ہے کہ مومن کہتا ہے کہ میرے نبی حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' کئی دفعہ اس سے سوال ہوتا ہے اور یہ یہی جواب دیتا ہے - اسے جہنم کا ٹھکانا دکھا کر کہا جاتا ہے کہ اگر ٹیڑھا چلتا تو تیری یہ جگہ تھی - اور جنت کا ٹھکانا دکھا کر کہا جاتا ہے کہ توبہ کی وجہ سے یہ ٹھکانا ہے - حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' دین میں ثابت قدمی کلمہ توحید پر استقامت ہے - اور آخرت میں ثابت قدمی منکر نکیر کے جواب کی ہے - قتادہؒ فرماتے ہیں' خیر اور عمل صالح کے ساتھ دنیا میں رکھے جاتے ہیں اور قبر میں بھی - ابو عبداللہ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادر الاصول میں لائے ہیں کہ صحابہؓ کی جماعت کے پاس آ کر حضور ﷺ نے مدینہ کی مسجد میں فرمایا کہ گذشتہ رات میں نے عجیب باتیں دیکھیں - دیکھا کہ میرے ایک امتی کو عذاب قبر نے گھیر رکھا ہے - آخر اس کے

وضو نے آ کر اسے چھڑا لیا‘ میرے ایک امتی کو دیکھا کہ شیطان اسے وحشی بنائے ہوئے ہے لیکن ذکر اللہ نے آ کر اسے خلاصی دلوائی - ایک امتی کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اسے گھیر رکھا ہے اس کی نماز نے آ کر اسے بچا لیا ہے - ایک امتی کو دیکھا کہ پیاس کے مارے ہلاک ہو رہا ہے‘ جب حوض پر جاتا ہے‘ دھکے لگتے ہیں - اس کا روزہ آیا اور اس نے اسے پانی پلا دیا - اور آسودہ کر دیا - آپ نے ایک اور امتی کو دیکھا کہ انبیا حلقے باندھ باندھ کر بیٹھے ہیں یہ جس حلقے میں بیٹھنا چاہتا ہے‘ وہاں والے اس کو اٹھا دیتے ہیں - اسی وقت اس کی جنابت کا غسل آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس بٹھا دیا - ایک امتی کو دیکھا کہ چاروں طرف سے اسے اندھیرا گھیرے ہوئے ہے اور اوپر نیچے سے بھی وہ اسی میں گھرا ہوا ہے‘ جو اس کا حج اور عمرہ آیا اور اسے اس اندھیرے میں سے نکال کر نور میں پہنچا دیا - ایک امتی کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے کلام کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے بولتے نہیں‘ اسی وقت صلہ رحمی آئی اور اعلان کیا کہ اس سے بات چیت کرو چنانچہ وہ بولنے چالنے لگے - ایک امتی کو دیکھا کہ وہ اپنے منہ پر سے آگ کے شعلے ہٹانے کو ہاتھ بڑھا رہا ہے - اتنے میں اس کی خیرات آئی اور اس کے منہ پر پردہ اور اوٹ ہو گئی اور اس کے سر پر سایہ بن گئی - اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اسے ہر طرف سے قید کر لیا ہے - لیکن اس کا نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا آیا اور ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر رحمت کے فرشتوں سے ملا دیا - اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے اور اللہ میں اور اس میں حجاب ہے - اس کے اچھے اخلاق آئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کے پاس پہنچا آئے - اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کا نامہ اعمال اس کی بائیں طرف سے آ رہا ہے لیکن اس کے خوف الٰہی نے آ کر اسے اس کے سامنے کر دیا - اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر لڑھکنیاں کھا رہا ہے کہ اس کا مجھ پر درود پڑھنا آیا اور ہاتھ تھام کر سیدھا کر دیا - اور وہ پار اتر گیا - ایک کو دیکھا کہ جنت کے دروازے پر پہنچا لیکن دروازہ بند ہو گیا - اسی وقت لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پہنچی دروازے کھلوا دیئے اور اسے جنت میں پہنچا دیا - قرطبیؒ اس حدیث کو وارد کر کے فرماتے ہیں‘ یہ حدیث بہت بڑی ہے‘ اس میں ان مخصوص اعمال کا ذکر ہے جو مخصوص مصیبتوں سے نجات دلوانے والے ہیں (تذکرہ)

اسی بارے میں حافظ ابو یعلیٰ موصلی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک غریب مطول حدیث روایت کی ہے جس میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے تو میرے دوست کے پاس جا - میں نے اسے آسانی اور سختی دونوں طرح سے آزما لیا - ہر ایک حالت میں اسے اپنی خوشی میں خوش پایا - تو جا اور اسے میرے پاس لے آ کہ میں اسے ہر طرح کا آرام وعیش دوں - ملک الموت علیہ السلام اپنے ساتھ پانچ سو فرشتوں کو لے کر چلتے ہیں - ان کے پاس جنتی کفن وہاں کی خوشبو اور ریحان کے خوشے ہوتے ہیں جس کے سرے پر بیس رنگ ہوتے ہیں ملک الموت علیہ السلام تو اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرشتے اس کے چاروں طرف بیٹھ جاتے ہیں - ہر ایک کے ساتھ جو کچھ جنتی تحفہ ہے‘ وہ اس کے اعضا پر رکھ دیا جاتا ہے اور سفید ریشم اور مشک اذفر اس کی ٹھوڑی تلے رکھ دیا جاتا ہے‘ اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کی روح کبھی جنتی پھولوں سے‘ کبھی جنتی لباسوں سے‘ کبھی جنتی پھلوں سے اس طرح بہلائی جاتی ہے جیسے روتے ہوئے بچہ کو لوگ بہلاتے ہیں - اس وقت اس کی حوریں ہنس ہنس کر اس کی چاہت کرتی ہیں‘ روح ان مناظر کو دیکھ کر بہت جلد جسمانی قید سے نکل جانے کا قصد کرتی ہے‘ ملک الموت فرماتے ہیں‘ ہاں اے پاک روح بغیر کانٹے کی بیریوں کی طرف اور لدے ہوئے کیلوں کی طرف اور لمبی لمبی چھاؤں کی طرف اور پانی کے جھرنوں کی طرف چل - واللہ ماں جس قدر بچے پر مہربان ہوتی ہے‘ اس سے بھی زیادہ ملک الموت اس پر شفقت ورحمت کرتا ہے - اس لئے کہ اسے علم ہے کہ یہ محبوب الٰہی ہے - اگر اسے ذرا سی بھی تکلیف پہنچی تو میرے رب کی ناراضگی مجھ پر ہو گی - بس اس طرح اس روح کو اس جسم سے الگ کر لیتا ہے جیسے گندھے ہوئے آٹے میں سے بال - انہیں کے بارے میں فرمان الٰہی ہے کہ ان کی روح کو پاک فرشتے فوت کرتے ہیں -

اور جگہ فرمان ہے کہ اگر وہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آرام و آسائش ہے۔ یعنی موت آرام کی اور آسائش کی ملنے والی اور دنیا کے بدلے کی جنت ہے۔ ملک الموت کے روح کو قبض کرتے ہی روح جسم سے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل تجھے جزائے خیر دے۔ تو اللہ کی اطاعت کی طرف جلدی کرنے والا اور اللہ کی معصیت سے دیر کرنے والا تھا۔ تو نے آپ بھی نجات پائی اور مجھے بھی نجات دلوائی۔ جسم بھی روح کو ایسا ہی جواب دیتا ہے۔ زمین کے وہ تمام حصے جن پر یہ عبادت الٰہی کرتا تھا' اس کے مرنے سے چالیس دن تک روتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کے وہ کل دروازے جن سے اس کے نیک اعمال چڑھتے تھے اور جن سے اس کی روزیاں اترتی تھیں' اس پر روتے ہیں۔ اس وقت وہ پانچ سو فرشتے اس جسم کے اردگرد کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے نہلانے میں شامل رہتے ہیں' انسان اس کی کروٹ بدلے' اس سے پہلے خود فرشتے بدل دیتے ہیں اور اسے نہلا کر انسانی کفن سے پہلے اپنا ساتھ لایا ہوا کفن پہنا دیتے ہیں۔ ان کی خوشبو سے پہلے اپنی خوشبو لگا دیتے ہیں اور اس کے گھر کے دروازے سے لے کر اس کی قبر تک دو طرفہ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے استغفار کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت شیطان اس زور سے رنج کے ساتھ چیختا ہے کہ اس کے جسم کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں اور کہتا ہے میرے لشکریو تم برباد ہو جاؤ ہائے یہ تمہارے ہاتھوں سے کیسے بچ گیا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تو معصوم تھا۔ جب اس کی روح کو لے کر ملک الموت چڑھتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کو لے کر اس کا استقبال کرتے ہیں۔ ہر ایک اسے جداگانہ بشارت الٰہی سناتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح عرش الٰہی کے پاس پہنچتی ہے۔ وہاں جاتے ہی سجدے میں گر پڑتی ہے۔

اسی وقت جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کی روح کو بغیر کانٹوں کی بیریوں میں اور تہ بہ تہ کیلوں کے درختوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور بہتے پانیوں میں جگہ دو۔ پھر جب اسے قبر میں رکھا جاتا ہے تو دائیں طرف نماز کھڑی ہو جاتی ہے' بائیں جانب روزہ کھڑا ہو جاتا ہے' سر کی طرف قرآن آ جاتا ہے' نمازوں کو چل کر جانا پیروں کی طرف ہوتا ہے' ایک کنارے صبر کھڑا ہو جاتا ہے۔ عذاب کی ایک گردن لپکتی آتی ہے لیکن دائیں جانب سے نماز اسے روک دیتی ہے کہ یہ ہمیشہ چوکنا رہا۔ اب اس قبر میں آ کر ذرا راحت پائی ہے۔ وہ بائیں طرف سے آتی ہے۔ یہاں سے روزہ یہی کہہ کر اسے آنے نہیں دیتا' سرہانے سے آتی ہے' یہاں سے قرآن اور ذکر یہی کہہ کر آڑے آتے ہیں۔ وہ پائنتیوں سے آتی ہے۔ یہاں اسے اس کا نمازوں کے لئے چل کر جانا اسے روک دیتا ہے۔ غرض چاروں طرف سے اللہ کے محبوب کے لئے روک ہو جاتی ہے اور عذاب کو کہیں سے راہ نہیں ملتی۔ وہ واپس چلا جاتا ہے۔ اس وقت صبر کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ اگر تم سے ہی یہ عذاب دفع ہو جائے تو مجھے بولنے کی کیا ضرورت؟ ورنہ میں بھی اس کی حمایت کرتا۔ اب میں پل صراط پر اور میزان کے وقت اس کے کام آؤں گا۔ اب دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں۔ ایک کو نکیر کہا جاتا ہے دوسرے کو منکر۔ یہ اچک لے جانے والی بجلی جیسے ہوتے ہیں ان کے دانت سیہہ جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے سانس سے شعلے نکلتے ہیں۔ ان کے بال پیروں تلے لٹکتے ہوتے ہیں۔ ان کے دو کندھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہوتی ہے۔ ان کے دل نرمی اور رحمت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ہتھوڑے ہوتے ہیں کہ اگر قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر جمع ہو کر اسے اٹھانا چاہیں تو ناممکن۔ وہ آتے ہی اسے کہتے ہیں اٹھ کر بیٹھ۔ یہ اٹھ کر سیدھے طرح بیٹھ جاتا ہے۔ اس کا کفن اس کے پہلو پر آ جاتا ہے۔ وہ اس سے پوچھتے ہیں' تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ صحابہؓ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے کہا رسولؐ اللہ ایسے ڈراؤنے فرشتوں کو کون جواب دے سکے گا؟ آپؐ نے اسی آیت یثبت اللہ الخ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا وہ بے جھجک جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور میرا دین اسلام ہے جو فرشتوں کا بھی دین ہے اور میرے نبی محمدؐ ہیں جو خاتم الانبیاء تھے (ﷺ) وہ کہتے ہیں' آپ نے صحیح جواب دیا۔ اب تو وہ اس کے لئے اس کی قبر کو اس کے آگے سے' اس کے دائیں سے' اس کے

بائیں سے، اس کے پیچھے سے، اس کے سر کی طرف سے، اس کے پاؤں کی طرف سے چالیس چالیس ہاتھ کشادہ کر دیتے ہیں۔ وہ سو ہاتھ کی وسعت کر دیتے ہیں اور چالیس ہاتھ کا احاطہ کر دیتے ہیں اور اس سے فرماتے ہیں، اپنے اوپر نظریں اٹھا، یہ دیکھتا ہے کہ جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں، اے اللہ کے دوست چونکہ تو نے اللہ کی بات مان لی، تیری منزل یہ ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، اس وقت جو سرور و راحت اس کے دل کو ہوتی ہے وہ لازوال ہوتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے، اب اپنے نیچے کی طرف دیکھ۔ یہ دیکھتا ہے کہ جہنم کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں۔ دیکھ اس سے اللہ نے تجھے ہمیشہ کے لئے نجات بخشی۔ پھر تو اس کا دل اتنا خوش ہوتا ہے کہ یہ خوشی ابدالاباد تک ہٹتی نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے لئے ستر دروازے جنت کے کھل جاتے ہیں جہاں سے باد صبا کی لپٹیں خوشبو اور ٹھنڈک کے ساتھ آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ اسے اللہ عزوجل اس کی اس خواب گاہ سے قیامت کے قائم ہو جانے پر اٹھائے۔ اسی اسناد سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ برے بندے کے لئے ملک الموت سے فرماتا ہے جا اور اس میرے دشمن کو لے آ۔ اسے میں نے زندگی میں برکت دے رکھی تھی۔ اپنی نعمتیں عطا فرما رکھی تھیں لیکن پھر بھی یہ میری نافرمانیوں سے نہ بچا، اسے لے آ تا کہ میں اس سے انتقام لوں، اسی وقت حضرت ملک الموت علیہ السلام اس کے سامنے انتہائی بد اور ڈراؤنی صورت میں آتے ہیں ایسی کہ کسی نے اتنی بھیانک اور گھناؤنی صورت نہ دیکھی ہو۔ بارہ آنکھیں ہوتی ہے، جہنم کا خاردار لباس ساتھ ہوتا ہے، پانچ سو فرشتے جو جہنمی آگ کے انگارے اور آگ کے کوڑے اپنے ساتھ لئے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ملک الموت وہ خاردار کھال جو جہنم کی آگ کی ہے، اس کے جسم پر مارتے ہیں، روئیں روئیں میں آگ کے کانٹے گھس جاتے ہیں، پھر اس طرح گھماتے ہیں کہ اس کا جوڑ جوڑ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ پھر اس کی روح اس کے پاؤں کے انگوٹھوں سے کھینچتے ہیں اور اس کے گھٹنوں پر ڈال دیتے ہیں، اس وقت اللہ کا دشمن بے ہوش ہو جاتا ہے۔ پس ملک الموت اسے اٹھا لیتے ہیں۔ فرشتے اپنے جہنمی کوڑے اس کے چہرے پر اور پیٹھ پر مارتے ہیں۔ پھر ملک الموت اسے دبوچتے ہیں اور اس کی روح اس کی ایڑیوں کی طرف سے کھینچتے ہیں اور اس کے گھٹنوں پر ڈال دیتے ہیں پھر اسے تہہ بند باندھنے کی جگہ پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ دشمن رب اس وقت پھر بے تاب ہو جاتا ہے۔ فرشتہ موت پھر اس بے ہوشی کو اٹھا لیتا ہے اور فرشتے جہنمی انگاروں کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیتے ہیں اور ملک الموت علیہ السلام فرماتے ہیں، اے لعین وملعون روح چل سینک میں اور جھلستے پانی اور کالے سیاہ دھوئیں کے غبار میں جس میں نہ تو خنکی ہے نہ اچھی جگہ۔ جب یہ روح قبض ہو جاتی ہے تو اپنے جسم سے کہتی ہے، اللہ تجھ سے سمجھے، تو مجھے اللہ کی نافرمانیوں کی طرف بھگائے لئے جا رہا تھا۔ خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی برباد کیا۔ جسم بھی روح سے یہی کہتا ہے۔ زمین کے وہ تمام حصے جہاں یہ اللہ کی معصیت کرتا تھا، اس پر لعنت کرنے لگتے ہیں۔

شیطانی لشکر دوڑتا ہوا شیطان کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے آج ایک کو جہنم میں پہنچا دیا۔ اس کی قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں پسلیاں دائیں گھس جاتی ہیں۔ کالے ناگ بختی اونٹوں کے برابر اس کی قبر میں بھیجے جاتے ہیں جو اس کے کانوں اور اس کے پاؤں کے انگوٹھوں سے اسے ڈسنا شروع کرتے ہیں اور اوپر چڑھتے آتے ہیں یہاں تک کہ وسط جسم میں مل جاتے ہیں۔ دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں جن کی آنکھیں تیز بجلی جیسی، جن کی آواز گرج جیسی، جن کے دانت درندے جیسے، جن کے سانس آگ کے شعلے جیسے، جن کے بال پیروں کے نیچے تک، جن کے دو مونڈھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہے، جن کے دل میں رحمت ورحم کا نام ونشان بھی نہیں۔ جن کا نام ہی منکر نکیر ہے، جن کے ہاتھ میں لوہے کے اتنے بڑے ہتھوڑے ہیں جنہیں ربیعہ اور مضر مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے۔ وہ اسے کہتے ہیں، اٹھ بیٹھ یہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے اور تہہ باندھنے کی جگہ اس کا کفن آ پڑتا ہے۔ وہ اس سے پوچھتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا

ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ یہ کہتا ہے مجھے تو کچھ خبر نہیں، وہ کہتے ہیں ہاں نہ تو نے معلوم کیا نہ تو نے پڑھا۔ پھر اس زور سے اسے ہتھوڑا مارتے ہیں کہ اس کے شرارے اس کی قبر کو پر کر دیتے ہیں۔ پھر لوٹ کر اس سے کہتے ہیں، اپنے اوپر کو دیکھ۔ یہ ایک کھلا ہوا دروازہ دیکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں واللہ اگر تو اللہ کا فرمانبردار رہتا تو تیری یہ جگہ تھی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں اب تو اسے وہ حسرت ہوتی ہے جو کبھی اس کے دل سے جدا نہیں ہونے کی۔ پھر وہ کہتے ہیں اب اپنے نیچے دیکھ، وہ دیکھتا ہے کہ ایک دروازہ جہنم کا کھلا ہوا ہے، فرشتے کہتے ہیں اے دشمن رب چونکہ تو نے اللہ کی مرضی کے خلاف کام کئے ہیں، اب تیری جگہ یہ ہے، واللہ اس وقت اس کا دل رنج اور افسوس سے بیٹھ جاتا ہے۔ جو صدمہ اسے کبھی بھولنے کا نہیں، اس کے لئے ستتر دروازے جہنم کے کھل جاتے ہیں، جہاں سے گرم ہوا اور بھاپ اسے ہمیشہ ہی آیا کرتی ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ اٹھا بٹھائے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور یہ سیاق بہت عجیب ہے اور اس کا راوی یزید قاضی جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیچے کا راوی ہے، اس کی غرائب و منکرات بہت ہیں اور ائمہ کے نزدیک وہ ضعیف الروایت ہے واللہ اعلم۔ ابوداؤد میں ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی شخص کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرے جاتے اور فرماتے، اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو، اور اس کے لئے ثابت قدمی طلب کرو، اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔ حافظ ابن مردویہ نے فرمان باری وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ الخ کی تفسیر میں ایک بہت لمبی حدیث وارد کی ہے۔ بھی غرائب سے پر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ
دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ
اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى
النَّارِ ﴿۳۰﴾

کیا تو نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا ○ یعنی دوزخ ہے، جس میں یہ سب جائیں گے، جو بدترین ٹھکانہ ہے ○ انہوں نے اللہ کے ہم سر بنا لئے کہ لوگوں کو راہ اللہ سے بہکائیں، تو کہہ دے کہ خیر مزے کر لو۔ تمہاری بازگشت تو آخر جہنم ہی ہے ○

منافقین قریش: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) صحیح بخاری میں ہے الم تر معنی میں الم تعلم کے ہے یعنی کیا تو نہیں جانتا۔ بوار کے معنی ہلاکت کے ہیں بار یبور بورا سے بورا کے معنی ھلکین کے ہیں۔ مراد ان لوگوں سے بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار اہل مکہ ہیں۔ اور قول ہے کہ مراد اس سے جبلہ بن ابہم اور اس کی اطاعت کرنے والے وہ عرب ہیں جو رومیوں سے مل گئے تھے لیکن مشہور اور صحیح قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اول ہی ہے۔ گو الفاظ اپنے عموم کے اعتبار سے تمام کفار پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر اور کل لوگوں کے لئے نعمت بنا کر بھیجا ہے۔ جس نے اس رحمت و نعمت کی، قدردانی کی وہ جنتی ہے اور جس نے ناقدری کی، وہ جہنمی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پہلے قول کی موافقت میں مروی ہے، ابن کوا کے جواب میں آپ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ بدر کے دن کے کفار قریش ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ ایک شخص کے سوال پر آپؓ نے فرمایا، اس سے منافقین قریش ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کیا مجھ سے قرآن کی بابت کوئی کچھ بات دریافت نہیں کرتا؟ واللہ میرے علم میں اگر آج کوئی مجھ سے زیادہ قرآن کا عالم ہوتا تو چاہے وہ سمندروں پار ہوتا لیکن میں ضرور اس کے پاس پہنچتا۔ یہ سن کر عبداللہ بن کوا کھڑا ہو گیا اور کہا یہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمان الٰہی ہے کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا' یہ مشرکین قریش ہیں۔ ان کے پاس اللہ کی نعمت ایمان پہنچی لیکن اس نعمت کو انہوں نے کفر سے بدل دیا۔ اور روایت میں آپ سے مروی ہے کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر ہیں بنوامیہ اور بنو مغیرہ۔ بنو مغیرہ نے اپنی قوم کو بدر میں لا کھڑا کیا اور انہیں ہلاکت میں ڈالا اور بنوامیہ نے احد والے دن اپنے والوں کو غارت کیا۔ بدر میں ابوجہل تھا اور احد میں ابوسفیان اور ہلاکت کے گھر سے مراد جہنم ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بنو مغیرہ تو بدر میں ہلاک ہوئے اور بنوامیہ کو کچھ دنوں کا فائدہ مل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی مروی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا' یہ دونوں قریش کے بدکار ہیں۔ میرے ماموں اور تیرے چچا' میری ممیال والے تو بدر کے دن ناپید ہو گئے اور تیرے چچا والوں کو اللہ نے مہلت دے رکھی ہے۔ یہ جہنم میں جائیں گے جو بری جگہ ہے۔ انہوں نے خود شرک کیا' دوسروں کو شرک کی طرف بلایا۔ اے نبی ﷺ تم ان سے کہہ دو کہ دنیا میں کچھ کھا پی لو' پہن اوڑھ لو' آخر ٹھکانہ تو تمہارا جہنم ہے۔ جیسے فرمان ہے' ہم انہیں یونہی سا آرام دے دیں گے۔ پھر سخت عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔ دنیاوی نفع اگرچہ ہو گا لیکن لوٹیں گے تو ہماری ہی طرف۔ اس وقت ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب کریں گے۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

میرے ایمان دار بندوں سے کہہ دے کہ نمازوں کو قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے۔ اس میں سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ اور ظاہر خرچ بھی کرتے رہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی اور محبت ○

احسان اور احسن سلوک: ☆☆ (آیت:۳۱) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اطاعت کا اور اپنے حق ماننے کا اور مخلوق الٰہی سے احسان و سلوک کرنے کا حکم دے رہا ہے فرماتا ہے کہ نماز برابر پڑھتے رہیں جو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہے اور زکوٰۃ ضرور دیتے رہیں۔ قرابت داروں کو بھی اور انجان لوگوں کو بھی۔ اقامت سے مراد وقت کی' حد کی' رکوع کی' خشوع کی' سجدے کی حفاظت کرنا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی روزی اس کی راہ میں پوشیدہ اور کھلے طور پر اس کی خوشنودی کے لئے اوروں کو بھی دینی چاہئے تا کہ اس دن نجات ملے جس دن کوئی خرید فروخت نہ ہو گی نہ کوئی دوستی آشنائی ہو گی۔ کوئی اپنے آپ بطور فدیے کے بیچنا بھی چاہے تو بھی ناممکن' جیسے فرمان ہے فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی آج تم سے اور کافروں سے کوئی فدیہ اور بدلہ نہ لیا جائے گا۔ وہاں کسی کی دوستی کی وجہ سے کوئی چھوٹے گا نہیں بلکہ وہاں عدل وانصاف ہی ہو گا۔ خلال مصدر ہے۔ امراءالقیس کے شعر میں بھی یہ لفظ ہے۔ دنیا میں لین دین' محبت دوستی کام آ جاتی ہے لیکن وہاں یہ چیز اگر اللہ کے لئے نہ ہو تو محض بے سود رہے گی۔ کوئی سوداگری' کوئی شناسا وہاں کام نہ آئے گا۔ زمین بھر کر سونا فدیے میں دینا چاہے لیکن رد ہے۔ کسی کی دوستی' کسی کی سفارش کافر کو کام نہ دے گی۔ فرمان ربانی ہے وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا اس دن کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرو جس دن کوئی کسی کو کچھ کام نہ آئے گا نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا نہ کسی کو کسی کی شفاعت نفع دے گی

نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا۔ فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ایمان دارو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے، تم اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ بیوپار ہے نہ دوستی نہ شفاعت۔ کافر ہی دراصل ظالم ہیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ
لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَکُمُ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ﴿۳۳﴾
وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ
لَا تُحْصُوْھَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لئے پھل نکالے ہیں اور کشتیاں تمہارے بس میں کر دی ہیں کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں، اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں ○ اسی نے تمہارے لئے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں، اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے ○ اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے، اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے ○

سب کچھ تمہارا مطیع ہے: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۴) اللہ کی طرح طرح کی بے شمار نعمتوں کو دیکھو۔ آسمان کو اس نے ایک محفوظ چھت بنا رکھا ہے۔ زمین کو بہترین فرش بنا رکھا ہے، آسمان سے بارش برسا کر زمین سے مزے مزے کے پھل کھیتیاں باغات تیار کر دیتا ہے۔ اسی کے حکم سے کشتیاں پانی کے اوپر تیرتی پھرتی ہیں کہ تمہیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچائیں۔ تم وہاں کا مال یہاں، یہاں کا وہاں لے جاؤ، لے آؤ، نفع حاصل کرو، تجربہ بڑھاؤ۔ نہریں بھی اسی نے تمہارے کام میں لگا رکھی ہیں، تم ان کا پانی پیو پلاؤ، اس سے کھیتیاں کرو، نہاؤ دھوؤ اور طرح طرح کے فائدے حاصل کرو۔ ہمیشہ چلتے پھرتے اور کبھی نہ تھکتے سورج چاند بھی تمہارے فائدے کے کاموں میں مشغول ہیں، مقررہ چال پر مقررہ جگہ پر گردش میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ ان میں تکرار ہو نہ آگا پیچھا، دن رات انہی کے آنے جانے سے پے در پے آتے جاتے رہتے ہیں، ستارے اسی کے حکم کے ماتحت ہیں اور رب العالمین بابرکت ہے۔ کبھی دنوں کو بڑے کر دیتا ہے، کبھی راتوں کو بڑھا دیتا ہے، ہر چیز اپنے کام میں سر جھکائے مشغول ہے۔ وہ اللہ عزیز و غفار ہے۔ تمہاری ضرورت کی تمام چیزیں اس نے تمہارے لئے مہیا کر دی ہیں۔ تم اپنے حال وقال سے جن جن چیزوں کے محتاج تھے، اس نے سب کچھ تمہیں دے دی ہیں، مانگنے پر بھی وہ دیتا ہے اور بے مانگے بھی اس کا ہاتھ نہیں رکتا۔ تم بھلا رب کی تمام نعمتوں کا شکریہ تو کیا ادا کرو گے، تم سے تو ان کی پوری گنتی بھی محال ہے۔

طلق بن حبیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا کا حق اس سے بہت بھاری ہے کہ بندے اسے ادا کر سکیں اور اللہ کی نعمتیں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ بندے ان کی گنتی کر سکیں، لوگو صبح شام توبہ استغفار کرتے رہو۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی تیرے ہی لئے سب حمد و ثنا سزاوار ہے، ہماری ثنائیں ناکافی ہیں، پوری اور بے پرواہ کرنے والی نہیں، الٰہی تو معاف فرما۔ بزار میں آپ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن انسان کے تین دیوان نکلیں گے۔ ایک میں نیکیاں لکھی ہوئی ہوں گی، دوسرے میں گناہ ہوں گے اور تیسرے میں اللہ کی نعمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا کہ اٹھ اور اپنا معاوضہ اس کے نیک اعمال سے لے لے

اس سے اس کے سارے ہی عمل ختم ہو جائیں گے۔ پھر بھی وہ یکسو ہو کر کہے گی کہ باری تعالیٰ میری پوری قیمت وصول نہیں ہوئی۔ خیال کیجئے ابھی گناہوں کا دیوان یونہی الگ تھلگ رکھا ہوا ہے اور تمام نعمتوں کا دیوان بھی یونہی رکھا ہوا ہے۔ اگر بندے پر اللہ کا ارادہ رحم و کرم کا ہوا تو اب وہ اس کی نیکیاں بڑھا دے گا اور اس کے گناہوں سے تجاوز کر لے گا اور اس سے فرما دے گا کہ میں نے اپنی نعمتیں تجھے بغیر بدلے کے بخش دیں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل وعلا سے دریافت کیا کہ میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ شکر کرنا خود بھی تو تیری ایک نعمت ہے۔ جواب ملا کہ داؤد اب تو شکر ادا کر چکا جب کہ تو نے یہ جان لیا اور اس کا اقرار کر لیا کہ تو میری نعمتوں کے شکر کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ ہی کے لئے تو حمد ہے جس کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت کا شکر بھی بغیر ایک نئی نعمت کے ہم ادا نہیں کر سکتے کہ اس نئی نعمت پر پھر ایک شکر واجب ہو جاتا ہے۔ پھر اس نعمت کی شکر گزاری کی ادائیگی کی توفیق پر پھر نعمت ملی' جس کا شکریہ واجب ہوا۔ ایک شاعر نے یہی مضمون اپنے شعروں میں باندھا ہے کہ رونگٹے رونگٹے پر زبان ہے تو بھی تیری ایک نعمت کا شکر بھی پورا ادا نہیں ہو سکتا' تیرے احسانات اور انعامات بے شمار ہیں۔

> وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ
> وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ
> النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ
> رَّحِيْمٌ ۝۳۶

ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد ہے کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے ○ میرے پالنے والے اللہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا رکھا ہے' میری تابعداری کرنے والا میرا ہے' اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معافی اور کرم کرنے والا ہے ○

حرمت و عظمت کا مالک شہر: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حرمت والا شہر مکہ ابتداء میں توحید پر ہی بنایا گیا تھا۔ اس کے اول بانی خلیل اللہ علیہ السلام اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرنے والوں سے بری تھے۔ انہی نے اس اللہ کی شہر کے با امن ہونے کی دعا کی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ سب سے پہلا بابرکت اور باہدایت خانہ خدا مکے شریف کا ہی ہے جس میں بہت سی واضح نشانیوں کے علاوہ مقام ابراہیم بھی ہے۔ اس شہر میں جو پہنچ گیا' امن و امان میں آ گیا۔ اس شہر کو بنانے کے بعد خلیل اللہ نے دعا کی کہ الٰہی اس شہر کو پرامن بنا۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق جیسے بچے عطا فرمائے۔ حضرت اسماعیل کو دودھ پیتا اس کی والدہ کے ساتھ لے کر یہاں آئے تھے تب بھی آپ نے اس شہر کے با امن ہونے کی دعا کی تھی لیکن اس وقت کے الفاظ یہ تھے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا پس اس دعا میں بَلَدً پر لام نہیں ہے' اس لئے کہ یہ دعا شہر کی آبادی سے پہلے کی ہے اور اب چونکہ شہر بس چکا تھا' بلد کو معرف بللام لائے۔ سورہ بقرہ میں ہم ان چیزوں کو وضاحت و تفصیل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں۔ پھر دوسری دعا میں اپنی اولاد کو بھی شریک کیا۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنی دعاؤں میں اپنے ماں باپ کو اور اولاد کو بھی شامل رکھے۔ پھر آپ نے بتوں کی گمراہی' ان کا فتنہ' اکثر لوگوں کا بہکا جانا بیان فرما کر ان سے اپنی بے زاری کا اظہار کیا اور انہیں اللہ کے حوالے کیا کہ وہ چاہے بخشے چاہے سزا دے۔ جیسے روح اللہ علیہ السلام بروز قیامت کہیں گے کہ اگر تو انہیں عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تو عزیز و حکیم ہے۔ یہ یاد رہے کہ اس میں صرف اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے کی طرف لوٹنا ہے نہ کہ اس کے واقع ہونے کو جائز سمجھنا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت خلیل اللہ کا یہ قول اور حضرت روح اللہ کا قول اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ' تلاوت کر کے رو رو کر اپنی امت کو یاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ جا کر دریافت کرو کہ کیوں رو رہے ہو؟ آپ نے سبب بیان کیا'

حکم ہوا کہ جاؤ اور کہہ دو کہ آپ کو ہم آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے ۔ ناراض نہ کریں گے ۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ
بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ
النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کے جنگل میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے ۔ اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں ۔ پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں ○

دوسری دعا: ☆☆ (آیت : ۳۷) یہ دوسری دعا ہے ۔ پہلی دعا اس شہر کے آباد ہونے سے پہلے جب آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مع ان کی والدہ صاحبہ کے یہاں چھوڑ کر گئے تھے تب کی تھی اور یہ دعا اس شہر کے آباد ہو جانے کے بعد کی ۔ اسی لئے یہاں بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ کا لفظ لائے اور نماز کے قائم کرنے کا بھی ذکر فرمایا ۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ' یہ متعلق ہے لفظ المحرم کے ساتھ یعنی اسے باحرمت اس لئے بنایا ہے کہ یہاں والے اطمینان سے یہاں نمازیں ادا کر سکیں ۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے فرمایا ' کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف جھکا دے ' اگر سب لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکانے کی دعا ہوتی تو فارس و روم ' یہود و نصاریٰ غرض تمام دنیا کے لوگ یہاں الٹ پڑتے ۔ آپ نے صرف مسلمانوں کے لئے یہ دعا کی ۔ اور دعا کرتے ہیں کہ انہیں پھل بھی عنایت فرما ۔ یہ زمین زراعت کے قابل بھی نہیں اور دعا ہو رہی ہے پھلوں کی روزی کی ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی جیسے ارشاد ہے اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا یعنی کیا ہم نے انہیں حرمت و امن والی ایسی جگہ عنایت نہیں فرمائی جہاں ہر چیز کے پھل ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں جو خاص ہمارے پاس کی روزی ہے ۔ پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ' عنایت و رحم ہے کہ شہر کی پیداوار کچھ بھی نہیں اور پھل ہر قسم کے وہاں موجود ' چاروں طرف سے وہاں چلے آئیں ۔ یہ ہے حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی دعا کی قبولیت ۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي
اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ
لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ
رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ
يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ۷ ۱۸

اے ہمارے پروردگار تو تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ہم ظاہر کریں ' زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں ○ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس

بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق عطا فرمائے‘ کچھ شک نہیں کہ میرا پالنہار اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے ○ اے میرے پالنے والے مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی‘ اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما ○ اے ہمارے پروردگار مجھے بخش دے۔ میرے ماں باپ کو بھی بخش اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے ○

مناجات: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۱) خلیل خدا علیہ السلام اپنی مناجات میں فرماتے ہیں کہ الٰہی تو میرے ارادے اور میرے مقصود کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ میری چاہت ہے کہ یہاں کے رہنے والے تیری رضا کے طالب اور فقط تیری طرف راغب رہیں۔ ظاہر و باطن تجھ پر روشن ہے‘ زمین و آسمان کی ہر چیز کا حل تجھ پر کھلا ہے۔ تیرا احسان ہے کہ اس پورے بڑھاپے میں تو نے میرے ہاں اولاد عطا فرمائی اور ایک پر ایک بچہ دیا۔ اسماعیلؑ بھی اسحٰق علیہ السلام بھی۔ تو دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے‘ میں نے مانگا‘ تو نے دیا۔ پس تیرا شکر ہے۔ الٰہی مجھے نمازوں کا پابند بنا اور میری اولاد میں بھی یہ سلسلہ قائم رکھ‘ میری تمام دعائیں قبول فرما۔ وَلِوَالِدَیَّ کی قرأت بعض نے وَلِوَالِدِیْ بھی کی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ دعا اس سے پہلے کی ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے معلوم ہو جائے کہ آپ کا والد خدا کی دشمنی پر ہی مرا ہے۔ جب یہ ظاہر ہو گیا تو آپ اپنے والد سے بے زار ہو گئے۔ پس یہاں آپ اپنے ماں باپ کی اور تمام مومنوں کی خطاؤں کی معافی اللہ سے چاہتے ہیں کہ اعمال کے حساب اور بدلے کے دن قصور معاف ہوں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ۥ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ
لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ
لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾

ناانصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھ‘ وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دیئے ہوئے ہے‘ جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ○ اپنے سر اوپر اٹھائے دوڑ بھاگ کر رہے ہوں گے‘ خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی‘ اور ان کے دل اڑے اور گرے ہوئے خالی ہوں گے ○

ہولناک منظر ہوگا: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۳) کوئی یہ نہ سمجھے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کا اللہ کو علم ہی نہیں اس لئے یہ دنیا میں پھل پھول رہے ہیں‘ نہیں اللہ ایک ایک کے ایک ایک گھڑی کے برے بھلے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ یہ ڈھیل خود اس کی دی ہوئی ہے کہ یا تو اس میں واپس ہو جائے یا پھر گناہوں میں بڑھ جائے یہاں تک کہ قیامت کا دن آ جائے جس دن کی ہولناکیاں آنکھیں پتھرا دیں گی‘ دیدے چڑھا دیں گی‘ سر اٹھائے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جائیں گے‘ کہیں ادھر ادھر نہ ہوں گے‘ سب کے سب پورے اطاعت گزار بن جائیں گے‘ دوڑے بھاگے حضور کی حاضری کے لئے بے تابانہ آئیں گے‘ آنکھیں نیچے کو نہ جھکیں گی۔ گھبراہٹ اور فکر کے مارے پلک سے پلک نہ جھپکے گی۔ دلوں کا یہ حال ہوگا کہ گویا اڑے جاتے ہیں‘ خالی پڑے ہیں‘ خوف کے سوا کوئی چیز نہیں۔ وہ حلقوم تک پہنچے ہوئے ہیں‘ اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے ہیں‘ دہشت سے خراب ہو رہے ہیں۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ
الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾

لوگوں کو اس دن سے ہوشیار کر دے جب کہ ان کے پاس عذاب آ جائے گا اور ظالم کہنے لگیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں بہت تھوڑے قریب کے وقت تک

کی ہی مہلت دے کہ ہم تیری تبلیغ مان لیں اور تیرے پیغمبروں کی تابعداری میں لگ جائیں- کیا تم اس سے پہلے بھی قسمیں نہیں کھا رہے تھے کہ تمہارے لئے زوال ہی نہیں ○

عذاب دیکھنے کے بعد: ☆☆ (آیت:۴۴) ظالم اور ناانصاف لوگ اللہ کا عذاب دیکھ کر تمنائیں کرتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ ہمیں ذرا سی مہلت مل جائے کہ ہم فرماں برداری کر لیں اور پیغمبروں کی اطاعت بھی کر لیں- اور آیت میں ہے' موت کو دیکھ کر کہتے ہیں رَبِّ ارْجِعُوْنِ الٰہی اب واپس لوٹا دے الخ یہی مضمون آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ الخ میں ہے یعنی اے مسلمانو تمہیں تمہارے مال' اولاد یاد الٰہی سے غافل نہ کر دیں' ایسا کرنے والے لوگ ظاہری خسارے میں ہیں- ہمارا دیا ہوا ہماری راہ میں دیتے رہو' ایسا نہ ہو کہ موت کے وقت آرزو کرنے لگو کہ مجھے ذرا سی دیر کی مہلت مل جائے تو میں خیرات ہی کر لوں اور نیک لوگوں میں مل جاؤں- یاد رکھو اجل آنے کے بعد کسی کو مہلت نہیں ملتی اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے- محشر میں بھی ان کا یہی حال ہوگا چنانچہ سورۂ سجدہ کی آیت وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الخ میں ہے کہ کاش کہ تم گنہگاروں کو دیکھتے کہ وہ اپنے پروردگار کے روبرو سر جھکائے کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا- تو ہمیں ایک بار دنیا میں پھر بھیج دے کہ ہم یقین والے ہو کر نیک اعمال کر لیں یہی بیان آیت وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ الخ اور آیت وَھُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْھَا الخ وغیرہ میں بھی ہے- یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ تم تو اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ تمہاری نعمتوں کو زوال ہی نہیں' قیامت کوئی چیز ہی نہیں' مر کر اٹھنا ہی نہیں' اب اس کا مزہ چکھو- یہ کہا کرتے تھے اور خوب مضبوط قسمیں کھا کھا کر دوسروں کو بھی یقین دلاتے تھے کہ مردوں کو اللہ دوبارہ زندہ نہ کرے گا-

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝۴۵ وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝۴۶

اور کیا تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے سہتے نہ تھے جو اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے تھے اور کیا تم پر وہ معاملہ کھلا نہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کچھ کیا- ہم نے تمہارے سمجھانے کو بہت سی مثالیں بیان کر دی تھیں ○ یہ اپنی چالیں چل ہی رہے ہیں اور اللہ کو ان کی تمام چالوں کا علم ہے' یہ تو ناممکن ہے کہ ان کی چالیں ایسی ہوں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں ○

(آیت:۴۵-۴۶) پھر فرماتا ہے کہ تم دیکھ چکے' سن چکے کہ تم سے پہلے کے تم جیسوں کے ساتھ ہم نے کیا کیا؟ ان کی مثالیں ہم تم سے بیان بھی کر چکے کہ ہمارے عذابوں نے کیسے انہیں غارت کر دیا- باوجود اس کے تم ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور چوکنا نہیں ہوتے- یہ گو کتنے ہی چالاک ہوں لیکن ظاہر ہے کہ اللہ کے سامنے کسی کی چالاکی نہیں چلتی- حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جس نے جھگڑا کیا تھا- اس نے دو بچے گدھ کے پالے- جب وہ بڑے ہو گئے' جوانی کو پہنچے' طاقت وقوت والے ہو گئے تو ایک چھوٹی سی چوکی کے ایک پائے سے ایک کو باندھ دیا- دوسرے سے دوسرے کو باندھ دیا' انہیں کھانے کو کچھ نہ دیا- خود اپنے ایک ساتھی سمیت اس چوکی پر بیٹھ گیا اور ایک لکڑی کے سرے پر گوشت باندھ کر اسے اوپر کو اٹھایا- بھوکے گدھ کھانے کے لئے اوپر کو اڑے اور اپنے زور سے چوکی کو بھی لے اڑے اب جب کہ یہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ ہر چیز انہیں مکھی کی طرح کی نظر آنے لگی تو اس نے لکڑی جھکا دی- اب گوشت نیچے دکھائی دینے لگا- اس لئے

جانوروں نے پر سمیٹ کر گوشت لینے کے لئے نیچے اترنا شروع کیا اور تخت بھی نیچا ہونے لگا یہاں تک کہ زمین تک پہنچ گیا پس یہ ہیں وہ مکاریاں جن سے پہاڑوں کا زوال بھی ممکن سا ہو جائے ۔

عبداللہ کی قرأت میں کَادَ مَکْرُھُمْ ہے ۔ حضرت علیؓ ‘ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت بھی یہی ہے ۔ یہ قصہ نمرود کا ہے جو کنعان کا بادشاہ تھا ۔ اس نے اس حیلے سے آسمان کا قبضہ چاہا تھا ۔ اس کے بعد قبطیوں کے بادشاہ فرعون کو بھی یہی خبط سمایا تھا ‘ بڑا بلند منارہ تعمیر کرایا تھا لیکن دونوں کی ناتوانی ‘ ضعیفی اور عاجزی ظاہر ہو گئی ۔ اور ذلت و خواری ‘ پستی و تنزل کے ساتھ حقیر و ذلیل ہوئے ۔ کہتے ہیں کہ جب بخت نصر اس حیلہ سے اپنے تخت کو بہت اونچا لے گیا یہاں تک کہ زمین اور زمین والے اس کی نظروں سے غائب ہو گئے تو اسے ایک قدرتی آواز آئی کہ اے سرکش طاغی کیا ارادہ ہے ؟ یہ ڈر گیا ۔ ذرا سی دیر بعد پھر اسے یہی غیبی ندا سنائی دی ۔ اب تو اس کا پتہ پانی ہو گیا اور جلدی سے نیزہ جھکا کر اترنا شروع کر دیا ۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کی قرأت میں لِتَزُوْلُ ہے ۔ بدلے میں لِتَزُوْلَ کے ‘ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو نافیہ مانتے ہیں یعنی ان کے مکر پہاڑوں کو زائل نہیں کر سکتے ۔ حسن بصری بھی یہی کہتے ہیں ۔

ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اس کی توجیہہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان کا شرک و کفر پہاڑوں وغیرہ کو ہٹا نہیں سکتا ‘ کوئی ضرر دے نہیں سکتا ‘ صرف اس کا وبال انہی کی جانوں پر ہے ۔ میں کہتا ہوں ‘ اسی کے مشابہ یہ فرمان الٰہی بھی ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا زمین پر اکڑفوں سے نہ چل نہ تو تو زمین کو چیر سکتا ہے نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے ۔ دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ہے کہ ان کا شرک پہاڑوں کو زائل کر دینے والا ہے ۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ اس سے تو آسمانوں کا پھٹ جانا ممکن ہے ۔ ضحاک و قتادہ کا بھی یہی قول ہے ۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

تو ہرگز یہ خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ اپنے نبیوں سے وعدہ خلافی کرے اللہ بڑا ہی غالب اور بدلہ لینے والا ہے ○ جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ واحد غلبے والے کے روبرو ہوں گے ○

انبیاء کی مدد : ☆☆ (آیت : ۴۷-۴۸) اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو مقرر اور مؤکد کر رہا ہے کہ دنیا و آخرت میں جو اس نے اپنے رسولوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے ‘ وہ کبھی اس کے خلاف کرنے والا نہیں ۔ اس پر کوئی اور غالب نہیں ۔ وہ سب پر غالب ہے ۔ اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں اس کا چاہا ہو کر ہی رہتا ہے ۔ وہ کافروں سے ان کے کفر کا بدلہ ضرور لے گا ۔ قیامت کے دن ان پر حسرت و مایوسی طاری ہو گی ۔ اس دن زمین ہو گی لیکن اس کے سوا اور ہو گی ۔ اسی طرح آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے ۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ‘ ایسی سفید صاف زمین پر حشر کئے جائیں گے جیسے میدے کی سفید ٹکیا ہو جس پر کوئی نشان اور اونچ نیچ نہ ہو گی ۔

مسند احمد میں ہے ‘ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ‘ سب سے پہلے میں نے ہی اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اس وقت لوگ کہاں ہوں گے ؟ آپ ؐ نے فرمایا پل صراط پر ۔ اور روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے وہ بات پوچھی کہ میری امت میں سے کسی اور نے یہ بات مجھ سے نہیں پوچھی ۔ اور روایت میں ہے کہ یہی سوال مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا آیت

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ الخ کے متعلق تھا اور آپؐ نے یہی جواب دیا تھا۔ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا۔ ایک یہودی عالم آیا اور اس نے آپؐ کا نام لے کر سلام علیک کہا۔ میں نے اسے ایسے زور سے دھکا دیا کہ قریب تھا کہ گر پڑے۔ اس نے مجھ سے کہا، تو نے مجھے کیوں دھکا دیا؟ میں نے کہا، بے ادب یا رسول اللہ نہیں کہتا اور آپؐ کا نام لیتا ہے، اس نے کہا، ہم تو جو نام ان کا ان کے گھرانے کے لوگوں نے رکھا ہے، اسی نام سے پکاریں گے، آپؐ نے فرمایا، میرے خاندان نے میرا نام محمدؐ ہی رکھا ہے یہودی نے کہا، سنئے، میں آپ سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، پھر میرا جواب تجھے کوئی نفع بھی دے گا؟ اس نے کہا سن تو لوں گا۔ آپؐ کے ہاتھ میں جو تنکا تھا، اسے آپؐ نے زمین پر پھراتے ہوئے فرمایا کہ اچھا دریافت کرلو۔ اس نے کہا جب زمین و آسمان بدلے جائیں گے اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا پل صراط کے پاس اندھیروں میں، اس نے کہا سب سے پہلے پل صراط سے پار کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا، مہاجرین فقراء، اس نے پوچھا انہیں سب سے پہلے تحفہ کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مچھلی کی کلیجی کی زیادتی۔ اس نے پوچھا، اس کے بعد انہیں کیا غذا ملے گی۔؟ فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے اطراف میں چرتا چگتا رہا تھا۔ اس نے پوچھا پھر پینے کو کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنتی نہر سلسبیل کا پانی۔ یہودی نے کہا، آپؐ کے سب جواب برحق ہیں۔ اچھا، اب میں ایک بات اور پوچھتا ہوں جسے یا تو نبی جانتا ہے یا دنیا کے اور دو ایک آدمی، آپؐ نے فرمایا: کیا میرا جواب تجھے کچھ فائدہ دے گا؟ اس نے کہا: سن تو لوں گا۔ بچے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، مرد کا خاص پانی سفید رنگ کا ہوتا ہے اور عورت کا خاص پانی زرد رنگ کا۔ جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو اگر مرد کا پانی غالب آ جائے تو بحکم الٰہی لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو اللہ کے حکم سے لڑکی ہوتی ہے۔ یہودی نے کہا، بے شک آپ سچے ہیں اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔ پھر وہ واپس چلا گیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے مجھے جواب سکھا دیا۔ (مسند احمد)

ابن جریر طبری میں ہے کہ یہودی عالم کے پہلے سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا، اس وقت مخلوق اللہ کی مہمانی میں ہوگی پس اس کے پاس کی چیز ان سے عاجز نہ ہوگی۔ عمرو بن میمون رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں، یہ زمین بدل دی جائے گی اور زمین سفید میدے کی ٹکیا جیسی ہوگی جس میں نہ کوئی خون بہا ہوگا جس پر نہ کوئی خطا ہوئی ہوگی، آنکھیں تیز ہوں گی، داعی کی آواز کانوں میں ہوگی، سب ننگے پاؤں ننگے بدن کھڑے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ پسینہ مثل لگام کے ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ایک مرفوع روایت میں ہے کہ سفید رنگ کی وہ زمین ہوگی جس پر نہ خون کا قطرہ گرا ہوگا نہ اس پر کسی گناہ کا عمل ہوا ہوگا۔ اسے مرفوع کرنے والا ایک ہی راوی ہے یعنی جریر بن ایوب اور وہ قوی نہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہودیوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا، پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا، جانتے ہو، میں نے آدمی کیوں بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا، اللہ ہی کو علم ہے اور اس کے رسول کو، آپؐ نے فرمایا آیت یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ الخ کے بارے میں یاد رکھو۔ وہ اس دن چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ جب وہ لوگ آئے، آپؐ نے ان سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ سفید ہوگی جیسے میدہ۔ اور بھی سلف سے مروی ہے کہ چاندی کی زمین ہوگی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان سونے کا ہوگا۔ ابی فرماتے ہیں، وہ باغات بنا ہوا ہوگا۔ محمد بن قیس کہتے ہیں، زمین روٹی بن جائے گی کہ مومن اپنے قدموں تلے سے ہی کھا لیں۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ زمین بدل کر روٹی بن جائے گی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن ساری زمین آگ بن جائے گی۔ اس کے پیچھے جنت ہوگی جس کی نعمتیں باہر سے ہی نظر آ رہی ہوں گے۔ لوگ اپنے پسینوں میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ ابھی حساب کتاب شروع نہ ہوا ہوگا۔ انسان کا

پسینہ پہلے تو قدموں میں ہی ہوگا - پھر بڑھ کر ناک تک پہنچ جائے گا بوجہ اس سختی اور گھبراہٹ اور خوفناک منظر کے جو اس کی نگاہوں کے سامنے ہے- کعب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' آسمان باغات بن جائیں گے' سمندر آگ ہو جائیں گے' زمین بدل دی جائے گی- ابوداؤد کی حدیث میں ہے' سمندر کا سفر صرف غازی یا حاجی یا عمرہ کرنے والے ہی کریں- کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے یا آگ کے نیچے سمندر ہے- صور کی مشہور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمین کو بسیط کر کے عکاظی چمڑے کی طرح کھینچے گا- اس میں کوئی اونچ نیچ نظر نہ آئے- پھر ایک ہی آواز کے ساتھ تمام مخلوق اس نئی زمین پر پھیل جائے گی- پھر ارشاد ہے کہ تمام مخلوق اپنی قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ واحد وقہار کے سامنے روبرو ہو جائے گی- وہ اللہ جو اکیلا ہے اور جو ہر چیز پر غالب ہے' سب کی گردنیں اس کے سامنے خم ہیں اور سب اس کے تابع فرمان ہیں-

وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ ۝۴۹
سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝۵۰
لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۝۵۱

تو اس دن گنہگاروں کو دیکھے گا کہ زنجیروں میں ملے جلے ایک جگہ جکڑے ہوئے ہوں گے ○ ان کے لباس گندھک کے ہونگے اور آگ ان کے چہروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی ○ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دے' بے شک اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگنے کی ○

جکڑے ہوئے مفسد انسان : ☆☆ (آیت:۴۹-۵۱) زمین وآسمان بدلے ہوئے ہیں- مخلوق الہٰی کے سامنے کھڑی ہے' اس دن اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم دیکھو گے کہ کفر وفساد کرنے والے گنہگار آپس میں جکڑے بندھے ہوئے ہوں گے- ہر ہر قسم کے گنہگار دوسروں سے ملے جلے ہوئے ہوں گے جیسے فرمان ہے اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ظالموں کو اور ان کی جوڑ کے لوگوں کو اکٹھا کرو- اور آیت میں ہے وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ جب کہ نفس کے جوڑے ملا دیئے جائیں- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا یعنی جب کہ جہنم کے تنگ مکان میں وہ ملے جلے ڈالے جائیں گے تو وہاں وہ موت موت پکاریں گے- حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنات کی بابت بھی مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ کا لفظ ہے- اصفاد کہتے ہیں قید کی زنجیروں کو- عمرو بن کلثوم کے شعر میں مصفد بمعنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے قیدی کے آیا ہے- جو کپڑے انہیں پہنائے جائیں گے وہ گندھک کے ہوں گے جو اونٹوں کو لگایا جاتا ہے اسے آگ تیزی اور سرعت سے پکڑتی ہے- یہ لفظ قَطِرَان بھی ہے- قَطْرَان بھی ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' پگھلے ہوئے تانبے کو قطران کہتے ہیں- اس سخت گرم آگ جیسے تانبے کے ان جہنمیوں کے لباس ہوں گے- ان کے منہ بھی آگ میں ڈھکے ہوئے ہوں گے- چہروں تک آگ چڑھی ہوئی ہوگی- سر سے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے- منہ بگڑے گئے ہوں گے- مسند احمد میں ہے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جو ان سے نہ چھوٹیں گے- حسب پر فخر- نسب میں طعنہ زنی- ستاروں سے بارش کی طلبی- میت پر نوحہ- سنو! نوحہ کرنے والی نے اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کر لی تو اسے قیامت کے دن گندھک کا کرتہ اور کھجلی کا دوپٹہ پہنایا جائے گا- مسلم میں بھی یہ حدیث ہے- اور روایت میں ہے کہ وہ جنت دوزخ کے درمیان کھڑی کی جائے گی گندھک کا کرتہ ہوگا اور منہ پر آگ کھیل رہی ہوگی- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کاموں کا

بدلہ دے گا - بروں کی برائیاں سامنے آ جائیں گی - اللہ تعالیٰ بہت ہی جلد ساری مخلوق کے حساب سے فارغ ہو جائے گا - ممکن ہے یہ آیت بھی مثل آیت اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ کے ہو یعنی لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا لیکن پھر بھی وہ غفلت کے ساتھ منہ پھیرے ہوئے ہی ہیں - اور ممکن ہے کہ یہ بندے کے حساب کے وقت کا بیان ہو - یعنی بہت جلد حساب سے فارغ ہو جائے گا - کیونکہ وہ تمام باتوں کا جاننے والا ہے - اس پر ایک بات بھی پوشیدہ نہیں - جیسے ایک ویسے ہی ساری مخلوق - جیسے فرمان ہے مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد کا زندہ کر دینا مجھ پر ایسا ہی ہے جیسے ایک کو مارنا اور جلانا - یہی معنی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ہیں کہ حساب کے احاطے میں اللہ تعالیٰ بہت جلدی کرنے والا ہے - ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں یعنی وقت حساب بھی قریب اور اللہ کو حساب میں دیر بھی نہیں - ادھر شروع ہوا - ادھر ختم ہوا واللہ اعلم -

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۷ ۱۱ ۱۹

یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ ہوشیار کر دیئے جائیں اور بخوبی معلوم کر لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تا کہ عقلمند لوگ سوچ سمجھ لیں ○

تمام انسان اور جن پابند اطاعت ہیں: ☆☆ (آیت:۵۲) ارشاد ہے کہ یہ قرآن دنیا کی طرف اللہ کا کھلا پیغام ہے جسے اور آیت میں نبی ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا ہے کہ لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ یعنی تا کہ میں اس قرآن سے تمہیں بھی ہوشیار کر دوں اور جسے یہ پہنچے یعنی کل انسان اور تمام جنات - جیسے اس سورت کے شروع میں فرمایا ہے کہ اس کتاب کو ہم نے ہی تیری طرف نازل فرمایا ہے کہ تو لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے الخ - اس قرآن کریم کی غرض یہ ہے کہ لوگ ہوشیار کر دیئے جائیں - ڈرا دیئے جائیں - اور اس کی دلیلیں، حجتیں دیکھ سن کر، پڑھ پڑھا کر تحقیق سے معلوم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور عقلمند لوگ نصیحت و عبرت وعظ و پند حاصل کر لیں - سوچ سمجھ لیں -

تفسیر سورة الحجر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱﴾

معبود مہربان رحم والے کے نام سے شروع

یہ ہیں کتاب الٰہی کی آیتیں اور کھلا اور روشن قرآن ○

تفسیر سورۃ الحجر (آیت:۱) سورتوں کے اول جو حروف مقطعہ آئے ہیں - ان کا بیان پہلے گزر چکا ہے - آیت میں قرآن کی آیتوں کے واضح اور ہر شخص کی سمجھ میں آنے کے قابل ہونے کا بیان فرمایا ہے -

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پارہ نمبر ۱۳ کی تفسیر مکمل ہوئی -

تفسیر ابن کثیر

۱۴
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- سرکش و متکبر ہلاک ہوں گے ۷۴۷
- ستارے اور شیاطین ۷۴۹
- اللہ تعالیٰ کے خزانے ۷۵۰
- ابلیس لعین کا انکار ۷۵۲
- جنت میں کوئی بغض و کینہ نہ رہے گا ۷۵۴
- قوم لوط کی خرمستیاں ۷۵۸
- آل ہود کا عبرتناک انجام ۷۵۸
- اصحاب ایکہ کا المناک انجام ۷۵۹
- آل ثمود کی تباہیاں ۷۵۹
- نبی اکرم ﷺ کو تسلیاں ۷۶۰
- قرآن عظیم سبع مثانی اور ایک لازوال دولت ۷۶۰
- انبیاء کی تکذیب عذاب الٰہی کا سبب ہے ۷۶۲
- روز قیامت ایک ایک چیز کا سوال ہوگا ۷۶۳
- رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا عبرتناک انجام ۷۶۳
- یقین کا مفہوم ۷۶۴
- وحی کیا ہے؟ ۷۶۶
- چوپائے اور انسان ۷۶۷
- تقویٰ بہترین زاد راہ ہے ۷۶۹
- سورج چاند کی گردش میں پوشیدہ فوائد ۷۷۰
- اللہ خالق کل ۷۷۲
- قرآن حکیم کے ارشادات کو دیرینہ کہنا کفر کی علامت ہے ۷۷۳
- نمرود کا تذکرہ ۷۷۴
- مشرکین کی جان کنی کا عالم ۷۷۵
- اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۷۷۹
- دین کی پاسبانی میں ہجرت ۷۷۹
- انسان اور منصب رسالت پر اختلاف ۷۸۰
- اللہ عزوجل کا غضب ۷۸۱
- عرش سے فرش تک ۷۸۲
- ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے ۷۸۳
- باز پرس لازمی ہوگی ۷۸۴
- وہ بندوں کو مہلت دیتا ہے ۷۸۵
- شیطان کے دوست ۷۸۶
- بہترین دعا ۷۸۹
- مشرکین کی جہالت کا ایک انداز ۷۹۰
- بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ۷۹۰
- توحید کی تاکید ۷۹۱
- مومن اور کافر میں فرق ۷۹۲
- ہر امت کا گواہ اس کا نبی ۷۹۶
- کتاب مبین ۷۹۸
- عہد و پیمان کی حفاظت ۸۰۰
- کتاب و سنت کے فرماں بردار ۸۰۲
- آعوذ کا مقصد ۸۰۳
- سب سے زیادہ منزلت و رفعت ۸۰۴
- صبر و استقامت ۸۰۸
- اللہ کی عظیم نعمت بعثت نبویؐ ہے ۸۰۹
- حلال و حرام صرف اللہ کی طرف سے ہیں ۸۱۰
- دوسروں سے منسوب ہر چیز حرام ہے ۸۱۱
- جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت کے امام ۸۱۱
- حکمت سے مراد کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ہے ۸۱۳
- قصاص اور حصول قصاص ۸۱۴
- ملائکہ اور مجاہدین ۸۱۵

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ
يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳
وَ مَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴
مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵

وہ بھی وقت ہوگا کہ کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے ○ تو انہیں کھاتا نفع اٹھاتا اور امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دے۔ یہ خود ابھی جان لیں گے ○ کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر کہ اس کے لئے مقررہ نوشتہ تھا ○ کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے رہتا ہے ○

بعد از مرگ پشیمانی: ☆☆ (آیت:۲-۵) کافر اپنے کفر پر عنقریب نادم و پشیمان ہوں گے اور مسلمان بن کر زندگی گزارنے کی تمنا کریں گے۔ یہ بھی مروی ہے کہ کفار بدر جب جہنم کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ آرزو کریں گے کہ کاش کہ وہ دنیا میں مومن ہوتے۔ یہ بھی ہے کہ ہر کافر اپنی موت کو دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کرتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی ہر کافر کی یہی تمنا ہوگی۔ جہنم کے پاس کھڑے ہو کر کہیں گے کہ کاش کہ اب ہم واپس دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو نہ تو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں نہ ترک ایمان کریں۔ جہنمی لوگ اوروں کو جہنم سے نکلتے دیکھ کر بھی اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔ ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ گنہگار مسلمانوں کو جہنم میں مشرکوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ روک لے گا تو مشرک ان مسلمانوں سے کہیں گے کہ جس اللہ کی تم دنیا میں عبادت کرتے رہے' اس نے تمہیں آج کیا فائدہ دیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آئے گا اور ان مسلمانوں کو جہنم سے نکال لے گا۔

اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ کاش کہ وہ بھی دنیا میں مسلمان ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ مشرکوں کے اس طعنے پر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہو' اسے جہنم سے آزاد کر دو۔ الخ۔ طبرانی میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لا اٰلہ الا اللہ کے کہنے والوں میں سے بعض لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے جہنم میں جائیں گے پس لات وعزیٰ کے پجاری ان سے کہیں گے کہ تمہارے لا الہ الا اللہ کہنے نے تمہیں کیا نفع دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ ہی جہنم میں جل رہے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آئے گا' اللہ ان سب کو وہاں سے نکال لے گا۔ اور نہر حیات میں غوطہ دے کر انہیں ایسا کر دے گا جیسے چاند گہن سے نکلا ہو۔ پھر یہ سب جنت میں جائیں گے۔ وہاں انہیں جہنمی کہا جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سن کر کسی نے کہا' کیا آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا' سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔ باوجود اس کے میں کہتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث خود رسول کریم ﷺ کی زبانی سنی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرک لوگ اہل قبلہ سے کہیں گے کہ تم تو مسلمان تھے۔ پھر تمہیں اسلام نے کیا نفع دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ جہنم میں جل رہے ہو' وہ جواب دیں گے کہ ہاں ہمارے گناہ تھے جن کی پاداش میں ہم پکڑے گئے الخ اس میں یہ بھی ہے کہ ان کے چھٹکارے کے وقت کفار کہیں گے کہ کاش کہ ہم مسلمان ہوتے اور ان کی طرح جہنم سے چھٹکارا پاتے۔

پھر حضور ﷺ نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر شروع سورت سے مُسْلِمِيْنَ تک تلاوت فرمائی۔ یہی روایت اور سند سے ہے۔ اس میں اَعُوْذُ کے بدلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ان مسلمان گنہگاروں سے مشرکین

کہیں گے کہ تم تو دنیا میں یہ خیال کرتے تھے کہ تم اولیاء اللہ ہو۔ پھر ہمارے ساتھ یہاں کیسے؟ یہ سن کر اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کی اجازت دے گا۔ پس فرشتے اور نبی اور مومن شفاعت کریں گے اور اللہ انہیں جہنم سے چھوڑتا جائے گا۔ اس وقت مشرک لوگ کہیں گے کہ کاش کہ وہ بھی مسلمان ہوتے تو شفاعت سے محروم نہ رہتے اور ان کے ساتھ جہنم سے چھوٹ جاتے۔ یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ یہ لوگ جب جنت میں جائیں گے تو ان کے چہروں پر قدرے سیاہی ہوگی اس وجہ سے انہیں جہنمی کہا جاتا ہوگا۔ پھر یہ دعا کریں گے کہ الٰہی یہ لقب بھی ہم سے ہٹا دے۔ پس انہیں جنت کی ایک نہر میں غسل کرنے کا حکم ہوگا اور وہ نام بھی ان سے دور کر دیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بعض لوگوں کو آگ ان کے گھٹنوں تک پکڑ لے گی اور بعض کو زانوں تک اور بعض کو گردن تک' جیسے جن کے گناہ اور جیسے جن کے اعمال بعض ایک مہینے کی سزا بھگت کر نکل آئیں گے۔ سب سے لمبی سزا والا وہ ہوگا جو جہنم میں اتنی مدت رہے گا جتنی مدت دنیا کی ہے یعنی دنیا کے پہلے دن سے دنیا کے آخری دن تک۔ جب ان کے نکالنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کرلے گا' اس وقت یہود و نصاریٰ اور دوسرے دین والے جہنمی ان اہل توحید سے کہیں گے کہ تم اللہ پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر ایمان لائے تھے۔ پھر بھی آج ہم اور تم جہنم میں یکساں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا کہ ان کی اور کسی بات پر اتنا غصہ نہ آیا تھا۔ پھر ان موحدوں کو جہنم سے نکال کر جنت کی نہر کے پاس لایا جائے گا۔ یہ ہے فرمان رُبَمَا يَوَدُّ الخ میں۔ پھر بطور ڈانٹ کے فرماتا ہے کہ انہیں کھاتے پیتے اور مزے کرتے چھوڑ دے آخر تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ تم کھا پی لو' تمہارا مجرم ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ انہیں ان کی دور دراز کی خواہشیں توبہ کرنے سے اللہ کی طرف جھکنے سے غافل رکھیں گی۔ عنقریب حقیقت کھل جائے گی۔

اتمام حجت کے بعد: ☆☆ ہم کسی بستی کو دلیلیں پہنچانے اور ان کا مقررہ وقت ختم ہونے سے پہلے ہلاک نہیں کرتے۔ ہاں جب وقت مقررہ آجاتا ہے' پھر تقدیم و تاخیر ناممکن ہے۔ اس میں اہل مکہ کو تنبیہہ ہے کہ وہ شرک سے' الحاد سے' پیغمبر رب صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آجائیں ورنہ مستحق ہلاک ہو جائیں گے اور اپنے وقت پر تباہ ہو جائیں گے۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶
لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا
نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ
نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹

کہنے لگے کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے ○ اگر تو سچا ہی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟ ○ ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں اور اس وقت وہ مہلت دیئے گئے نہیں ہو سکتے ○ ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ○

سرکش و متکبر ہلاک ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۶-۹) کافروں کا کفر' ان کی سرکشی' تکبر اور ضد کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ بطور مذاق اور ہنسی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اے وہ شخص جو اس بات کا مدعی ہے کہ تجھ پر قرآن' اللہ کا کلام اتر رہا ہے' ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو سراسر پاگل ہے کہ اپنی تابعداری کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اور ہم سے کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑ دیں۔ اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا جو تیری سچائی ہم سے بیان کریں۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ الخ اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ اس کے ساتھ مل کر فرشتے کیوں نہیں آئے؟ رب کی ملاقات

کے منکروں نے آواز اٹھائی کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے جاتے؟ یا یہی ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے۔ دراصل یہ گھمنڈ میں آ گئے اور بہت ہی سرکش ہو گئے۔ فرشتوں کو دیکھ لینے کا دن جب آ جائے گا' اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشی نہ ہو گی' یہاں بھی فرمان ہے کہ ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں یعنی رسالت یا عذاب کے ساتھ۔ اس وقت پھر کافروں کو مہلت نہیں ملے گی۔

اس ذکر یعنی قرآن کو ہم نے ہی اتارا ہے اور اس کی حفاظت کے ذمے دار بھی ہم ہی ہیں' ہمیشہ تغیر و تبدل سے بچا رہے گا بعض کہتے ہیں کہ لہ کی ضمیر کا مرجع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی قرآن اللہ ہی کا نازل کیا ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حافظ وہی ہے جیسے فرمان ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ تجھے لوگوں کی ایذا رسانی سے اللہ محفوظ رکھے گا۔ لیکن پہلا معنی اولی ہے اور عبارت کی ظاہر روانی بھی اسی کو ترجیح دیتی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ
قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ
يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ
مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا ع ۱۵
لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

ہم نے اگلی امتوں میں بھی اپنے رسول برابر بھیجے ○ لیکن جو رسول آیا' اسی کا انہوں نے مذاق اڑایا ○ گنہگاروں کے دلوں میں ہم اسی طرح یہی رچا دیا کرتے ہیں ○ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً اگلوں کا طریقہ گزرا ہوا ہے ○ اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں۔ جب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا ہے ○ یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے اسے زینت والا کیا ہے ○

(آیت: ۱۰-۱۳) اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دیتا ہے کہ جس طرح لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں' اسی طرح آپ سے پہلے کے نبیوں کو بھی وہ جھٹلا چکے ہیں۔ ہر امت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوئی ہے اور اسے مذاق میں اڑایا گیا ہے۔ ضدی اور متکبر گروہ کے دلوں میں بہ سبب ان کے حد سے بڑھے ہوئے گناہوں کے تکذیب رسول سمو دی جاتی ہے' یہاں مجرموں سے مراد مشرکین ہیں۔ وہ حق کو قبول کرتے ہی نہیں' نہ کریں' اگلوں کی عادت ان کے سامنے ہے۔ جس طرح وہ ہلاک اور برباد ہوئے اور ان کے انبیاء نجات پا گئے۔ اور ایمان دار عافیت حاصل کر گئے۔ وہی نتیجہ یہ بھی یاد رکھیں' دنیا و آخرت کی بھلائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں اور دونوں جہان کی رسوائی نبی کی مخالفت میں ہے۔

کافر ہٹ دھرم ہوتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) ان کی سرکشی' ضد' ہٹ دھرمی' خود بینی اور باطل پرستی کی تو یہ کیفیت ہے کہ بالفرض اگر ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے اور انہیں وہاں چڑھا دیا جائے تو بھی یہ حق کو حق کہہ کر نہ دیں گے بلکہ اس وقت بھی ہانک لگائیں

گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ آنکھیں بہکا دی گئی ہیں، جادو کر دیا گیا ہے، نگاہ چھین لی گئی ہے، دھوکہ ہو رہا ہے، بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔

ستارے اور شیاطین: ☆☆ (آیت:۱۶) اس بلند آسمان کا جو ٹھہرے رہنے والے اور چلنے پھرنے والے ستاروں سے زینت دار ہے، پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ جو بھی اسے غور و فکر سے دیکھے، وہ عجائبات قدرت اور نشانات عبرت اپنے لئے بہت سے پا سکتا ہے۔ بروج سے مراد یہاں پر ستارے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا الخ بعض کا قول ہے کہ مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں۔ عطیہ کہتے ہیں، وہ جگہیں جہاں چوکی پہرے ہیں۔

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ
السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا
وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے ○ ہاں جو سننے کو چرانا چاہے، اس کے پیچھے کھلا شعلہ لگتا ہے ○ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اور اس میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں اور اس میں ہم نے ہر چیز باندازہ اگا دی ہے ○ اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنا دی ہیں اور جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو ○

(آیت:۱۷-۲۰) اور جہاں سے سرکش شیطانوں پر مار پڑتی ہے کہ وہ بلند و بالا فرشتوں کی گفتگو نہ سن سکیں۔ جو آگے بڑھتا ہے، شعلہ اس کے جلانے کو لپکتا ہے۔ کبھی تو یہ نیچے والے کے کان میں بات ڈالنے سے پہلے ہی اس کا کام ختم ہو جاتا ہے، کبھی اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے جیسے کہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں صراحتاً مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کی بابت فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر جھکا لیتے ہیں جیسے زنجیر پتھر پر۔ پھر جب ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں تو دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب کا کیا ارشاد ہوا؟ وہ کہتے ہیں جو بھی فرمایا حق ہے اور وہی بلند و بالا اور بہت بڑا ہے۔ فرشتوں کی باتوں کو چوری چوری سننے کے لئے جنات اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور اس طرح ایک پر ایک ہوتا ہے۔ راوی حدیث حضرت صفوان نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس طرح بتایا کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں کشادہ کر کے ایک کو ایک پر رکھ لی۔ شعلہ اس سننے والے کا کام کبھی تو اس سے پہلے ہی ختم کر دیتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے کان میں کہہ دے، اسی وقت وہ جل جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ اسے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو اور اسی طرح مسلسل پہنچا دے اور وہ بات زمین تک آ جائے اور جادوگر یا کاہن کے کان اس سے آشنا ہو جائیں۔ پھر تو وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلا دیتا ہے۔ جب اس کی وہ ایک بات جو آسمان سے اسے اتفاقاً پہنچ گئی تھی، صحیح نکلتی ہے تو لوگوں میں اس کی دانشمندی کے چرچے ہونے لگتے ہیں کہ دیکھو فلاں نے فلاں دن یہ کہا تھا۔ بالکل سچ نکلا۔

پھر اللہ تعالیٰ زمین کا ذکر فرماتا ہے کہ اسی نے اسے پیدا کیا، پھیلایا، اس میں پہاڑ بنائے، جنگل اور میدان قائم کئے، کھیت اور باغات اور تمام چیزیں اندازے، مناسبت اور موزونیت کے ساتھ، ہر ایک موسم، ہر ایک زمین، ہر ایک ملک کے لحاظ سے بالکل ٹھیک پیدا کیں جو بازار کی زینت اور لوگوں کے لیے خوشگوار ہیں۔ زمین میں قسم قسم کی معیشت اس نے پیدا کر دی اور انہیں بھی پیدا کیا جن کے روزی رساں تم نہیں ہو۔ یعنی چوپائے اور جانور، لونڈی غلام وغیرہ۔ پس قسم قسم کی چیزیں، قسم قسم کے اسباب، قسم قسم کی راحت، ہر طرح کے آرام اس نے تمہارے لئے مہیا کر دیئے۔ کمائی کے طریقے تمہیں سکھائے۔ جانوروں کو تمہارے زیردست کر دیا تا کہ کھاؤ بھی سواریاں بھی کرو، لونڈی غلام دیئے کہ راحت و آرام حاصل

کرو- انکی روزیاں بھی کچھ تمہارے ذمہ نہیں بلکہ ان کا رزاق بھی رب عالم پروردگار کل ہے- نفع تم اٹھاؤ- روزی وہ پہنچائے- فسبحانہ اعظم شانہ-

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ
مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ
وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ
مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ
اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۱۰

جتنی بھی چیزیں ہیں سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں، ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ انداز سے اتارتے ہیں ○ ہم بوجھل کرنے والی ہوائیں چلا کر پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں وہ پلاتے ہیں، تم کچھ اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو ○ ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی بالآخر وارث ہیں- تم میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے بھی ہمارے علم میں ہیں ○ تیرا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا، یقیناً وہ بڑی حکمتوں والا، بڑے علم والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کے خزانے: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۵) تمام چیزوں کا تنہا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے- ہر کام اس پر آسان ہے- ہر قسم کی چیزوں کے خزانے اس کے پاس موجود ہیں- جتنا جب اور جہاں چاہتا ہے، نازل فرماتا ہے- اپنی حکمتوں کا عالم وہی ہے- بندوں کی مصلحتوں سے بھی واقف وہی ہے- یہ محض اس کی مہربانی ہے ورنہ کون ہے جو اس پر جبر کر سکے- حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہر سال بارش برابر ہی برستی ہے- ہاں تقسیم اللہ کے ہاتھ ہے- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- حکم بن عینیہ سے بھی یہی قول مروی ہے، کہتے ہیں کہ بارش کے ساتھ اس قدر فرشتے اترتے ہیں، جن کی گنتی کل انسانوں اور جنات سے زیادہ ہوتی ہے- ایک ایک قطرے کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ کہاں برسا اور اس سے کیا اگا- بزار میں ہے کہ اللہ کے پاس کے خزانے کیا ہیں؟ صرف کلام ہے- جب کہا ہو جا، ہو گیا- اس کا ایک راوی قوی نہیں- ہوا چلا کر ہم بادلوں کو پانی سے بوجھل کر دیتے ہیں، اس میں سے پانی برسنے لگتا ہے- یہی ہوائیں چل کر درختوں کو باردار کر دیتی ہیں کہ پتے اور کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں، اس وصف کو بھی خیال میں رکھئے کہ یہاں جمع کا صیغہ لائے ہیں اور ریح عقیمہ میں وصف وحدت کے ساتھ کیا ہے تاکہ کثرت سے نتیجہ برآمد ہو- باربرداری کم از کم دو چیزوں کے بغیر ناممکن ہے- ہوا چلتی ہے، وہ آسمان سے پانی اٹھاتی ہے اور بادلوں کو پر کر دیتی ہے- ایک ہوا ہوتی ہے جو زمین میں پیداوار کی قوت پیدا کرتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو بادلوں کو ادھر ادھر سے اٹھاتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو انہیں جمع کر کے تہہ بہ تہہ کر دیتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو انہیں پانی سے بوجھل کر دیتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو درختوں کو پھل دار ہونے کے قابل کر دیتی ہے-

ابن جریر میں بہ سند ضعیف ایک حدیث مروی ہے کہ جنوبی ہوا جنتی ہے، اس میں لوگوں کے منافع ہیں اور اسی کا ذکر کتاب اللہ میں لئے مہیا کر دیئے- کمائی کے طریقے تمہیں سکھائے- جانوروں کو تمہارے زیر دست کر دیا تاکہ کھاؤ بھی سواریاں بھی کرو، لونڈی غلام دیئے کہ راحت و آرام حاصل کرو- ان کی روزیاں بھی کچھ تمہارے ذمہ نہیں بلکہ ان کا رزاق بھی رب عالم پروردگار کل ہے- نفع تم اٹھاؤ- روزی وہ پہنچائے- فسبحانہ اعظم شانہ-

ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بہت ہی خوش شکل عورت نماز میں آیا کرتی تھی تو بعض مسلمان اس خیال سے کہ اس پر نگاہ نہ پڑے آگے بڑھ جاتے تھے اور بعض ان کے خلاف اور پیچھے ہٹ آتے تھے اور سجدے کی حالت میں اپنے ہاتھوں تلے سے دیکھتے تھے۔ پس یہ آیت اتری لیکن اس روایت میں سخت نکارت ہے۔ عبدالرزاق میں ابوالجوزا کا قول اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ نماز کی صفوں میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے۔ یہ صرف ان کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس میں ذکر نہیں۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہی زیادہ مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد بنؒ کعب کے سامنے عونؒ بن عبداللہ جب یہ کہتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں، یہ مطلب نہیں بلکہ اگلوں سے مراد وہ ہیں جو مر چکے اور پچھلوں سے مراد اب پیدا شدہ اور پیدا ہونے والے ہیں۔ تیرا رب سب کو جمع کرے گا۔ وہ حکمت و علم والا ہے۔ یہ سن کر حضرت عون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، اللہ آپ کو توفیق اور جزائے خیر دے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ ﴿۲۶﴾

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

یقیناً ہم نے انسان کو خشک مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی تھی ○ پیدا فرمایا ہے۔ اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ سے پیدا کیا ○

خشک مٹی: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) صلصال سے مراد خشک مٹی ہے۔ اسی جیسی آیت خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ہے یہ بھی مروی ہے کہ بودار مٹی کو حما کہتے ہیں چکنی مٹی کو مسنون کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں تر مٹی۔ اوروں سے مروی ہے بودار مٹی اور گندھی ہوئی مٹی۔ انسان سے پہلے ہم نے جنات کو جلا دینے والی آگ سے بنایا ہے۔ سموم کہتے ہیں آگ کی گرمی کو اور حرور کہتے ہیں دن کی گرمی کو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس گرمی کی لوئیں اس گرمی کا سترہواں حصہ ہیں۔ جس سے جن پیدا کئے گئے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جن آگ کے شعلے سے بنائے گئے ہیں یعنی آگ سے بہت بہتر، عمرو کہتے ہیں سورج کی آگ سے۔ صحیح میں وارد ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور جن شعلے والی آگ سے اور آدم علیہ السلام اس سے جو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس آیت سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت و شرافت اور ان کے عنصر کی پاکیزگی اور طہارت کا بیان ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ
مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ
فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ ﴿۳۰﴾
اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ
یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ
اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

جب کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کو خمیر کی ہوئی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں ○ تو جب کہ میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا ○ چنانچہ تمام فرشتوں نے سب کے سب نے سجدہ کر لیا ○ مگر ابلیس کہ اس نے سجدہ

کرنے والوں میں شمولیت کرنے سے صاف انکار کر دیا ○ فرمایا اے ابلیس، تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ ○ وہ بولا کہ میں ایسا نہیں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ○

ابلیس لعین کا انکار: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۳) اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کی پیدائش کا ذکر اس نے فرشتوں میں کیا اور پیدائش کے بعد سجدہ کرایا۔ اس حکم کو سب نے تو مان لیا لیکن ابلیس لعین نے انکار کر دیا اور کفر و حسد، انکار و تکبر، فخر و غرور کیا۔ صاف کہا کہ میں آگ کا بنایا ہوا، یہ خاک کا بنایا ہوا۔ میں جو اس سے بہتر ہوں، اس کے سامنے کیوں جھکوں؟ اگرچہ تو نے اسے مجھ پر بزرگی دی لیکن میں انہیں گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ ابن جریر نے یہاں پر ایک عجیب و غریب اثر وارد کیا ہے۔ کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا، ان سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ تم اسے سجدہ کرنا۔ انہوں نے کہا، ہم ایسا نہ کریں گے۔ چنانچہ اسی وقت ان کو آگ نے جلا دیا۔ پھر اور فرشتے پیدا کئے گئے۔ ان سے بھی یہی کہا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا اور تسلیم کیا۔ مگر ابلیس جو پہلے کے منکروں میں سے تھا، اپنے انکار پر جما رہا لیکن اس کا ثبوت ان سے نہیں یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۙ۝۳۴ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ
الدِّيۡنِ ۝۳۵ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝۳۶ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۙ۝۳۷ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ۝۳۸

فرمایا اب تو بہشت سے نکل جا کیونکہ تو راندہ درگاہ ہے ○ اور تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت کے دن تک ○ کہنے لگا کہ اے میرے رب مجھے اس دن تک کی ڈھیل دے کہ لوگ دوبارہ اٹھا کھڑے کئے جاویں ○ فرمایا کہ اچھا تو ان میں ہے جنہیں مہلت ملی ہے ○ روز مقرر کے وقت تک کی ○

ابدی لعنت: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۸) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکومت کا ارادہ کیا جو نہ ٹلے نہ ٹالا جا سکے کہ تو اس بہترین اور اعلیٰ جماعت سے دور ہو جا۔ تو پھٹکارا ہوا ہے۔ قیامت تک تجھ پر ابدی اور دوامی لعنت برسا کرے گی۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت اس کی صورت بدل گئی اور اس نے نوحہ خوانی شروع کی، دنیا میں تمام نوحے اسی ابتدا سے ہیں۔ مردود و مطرود ہو کر پھر آتش حسد سے جلتا ہوا آرزو کرتا ہے کہ قیامت تک کی اسے ڈھیل دی جائے۔ اسی کو یوم البعث کہا گیا ہے۔ پس اس کی یہ درخواست منظور کی گئی اور مہلت مل گئی۔

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ
اَجۡمَعِيۡنَ ۙ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝۴۰ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ
عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ۝۴۱ اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ
اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ۝۴۲

کہنے لگا کہ اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لئے مزین کروں گا اور ان سب کو بھی بہکاؤں گا ○ بجز تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں ○ ارشاد ہوا کہ ہاں یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ ہے ○ میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں لیکن ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں ○

ابلیس کے سیاہ کارنامے : ☆☆ (آیت:۳۹-۴۲) ابلیس کی سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ اس نے اللہ کے گمراہ کرنے کی قسم کھا کر کہا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے کہا کہ چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا' میں بھی اولاد آدم کے لئے زمین میں تیری نافرمانیوں کو خوب زینت دار کر کے دکھاؤں گا- اور انہیں رغبت دلا دلا کر نافرمانیوں میں مبتلا کروں گا- جہاں تک ہو سکے گا' کوشش کروں گا کہ سب کو ہی بہکا دوں- لیکن ہاں تیرے خالص بندے میرے ہاتھ نہیں آ سکتے- ایک اور آیت میں بھی ہے کہ گو تو نے اسے مجھ پر برتری دی ہے لیکن اب میں بھی اس کی اولاد کے پیچھے پڑ جاؤں گا چاہے کچھ تھوڑے سے چھوٹ جائیں' باقی سب کو ہی لے ڈوبوں گا- اس پر جواب ملا کہ تم سب کا لوٹنا تو میری ہی طرف ہے- اعمال کا بدلہ میں ضرور دوں گا' نیک کو نیک' بد کو بد- جیسے فرمان ہے کہ تیرا رب تاک میں ہے- غرض لوٹنا اور لوٹنے کا راستہ اللہ ہی کی طرف ہے- علیٰ کی ایک قرات علیٰ بھی ہے- جسے آیت وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ میں ہے یعنی بلند لیکن پہلی قرأت مشہور ہے-

جن بندوں کو میں نے ہدایت پر لگا دیا ہے ان پر تیرا کوئی زور نہیں ہاں تیرا زور تیرے تابعداروں پر ہے- یہ استثناء منقطع ہے- ابن جریر میں ہے کہ بستیوں سے باہر نبیوں کی مسجدیں ہوتی تھیں- جب وہ اپنے رب سے کوئی خاص بات معلوم کرنا چاہتے تو وہاں جا کر جو نماز مقدر میں ہوتی' ادا کر کے سوال کرتے- ایک دن ایک نبی کے اور اس کے قبلے کے درمیان شیطان بیٹھ گیا- اس نبی نے تین بار کہا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم- شیطان نے کہا' اے نبی اللہ آخر آپ میرے داؤں سے کیسے بچ جاتے ہیں؟ نبی نے کہا' تو بتا کہ تو بنی آدم پر کس داؤ سے غالب آ جاتا ہے؟ آخر معاہدہ ہوا کہ ہر ایک صحیح چیز دوسرے کو بتا دے تو نبی اللہ نے کہا- سن اللہ کا فرمان ہے کہ میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی اثر نہیں- صرف ان پر جو خود گمراہ ہوں اور تیری ماتحتی کریں- اس دشمن رب نے کہا یہ آپ نے کیا فرمایا- اسے تو میں آپ کی پیدائش سے بھی پہلے سے جانتا ہوں- نبی نے کہا اور سن اللہ کا فرمان ہے کہ جب شیطانی حرکت ہو تو اللہ سے پناہ طلب کر- وہ سننے جاننے والا ہے- واللہ تیری آہٹ پاتے ہی میں اللہ سے پناہ چاہ لیتا ہوں- اس نے کہا سچ ہے- اسی سے آپ میرے پھندے میں نہیں پھنستے- نبی اللہ علیہ السلام نے فرمایا' اب تو بتا کہ تو ابن آدم پر کیسے غالب آ جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں اسے غصے اور خواہش کے وقت دبوچ لیتا ہوں- پھر فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی ابلیس کی پیروی کرے- وہ جہنمی ہے- یہی فرمان قرآن سے کفر کرنے والوں کی نسبت ہے-

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع ۱۹

یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے ○ جس کے سات دروازے ہیں' ہر دروازے کے لئے ان کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے ○

(آیت:۴۳-۴۴) پھر ارشاد ہوا کہ جہنم کے کئی ایک دروازے ہیں- ہر دروازے سے جانے والا ابلیسی گروہ مقرر ہے- اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان کے لئے دروازے تقسیم شدہ ہیں- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا' جہنم کے دروازے اس طرح ہیں یعنی ایک پر ایک- اور وہ سات ہیں- ایک کے بعد ایک کر کے ساتوں دروازے پر ہو جائیں گے- عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سات طبقے ہیں- ابن جریر سات دروازوں کے یہ نام بتلاتے ہیں :- جہنم' لظی' حطمہ' سعیر' سقر' جحیم' ھاویہ- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے- قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' یہ باعتبار اعمال ان کی منزلیں ہیں- ضحاک کہتے ہیں مثلاً ایک دروازہ یہود کا' ایک نصاریٰ کا' ایک صابیوں کا' ایک مجوسیوں کا' ایک مشرکوں کافروں کا' ایک منافقوں کا' ایک اہل توحید کا لیکن توحید والوں کو چھٹکارے کی امید ہے باقی سب ناامید ہو گئے ہیں- ترمذی میں ہے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جہنم کے سات دروازے ہیں- جن

میں سے ایک ان کے لئے ہے جو میری امت پر تلوار اٹھائے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض دوزخیوں کے ٹخنوں تک آگ ہوگی۔ بعض کی کمر تک بعض کی گردنوں تک غرض گناہوں کی مقدار کے حساب سے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿٤٥﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿٤٦﴾

پرہیزگار لوگ جنتی باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○ سلامتی اور امن کے ساتھ یہاں آ جاؤ ○

جنت میں کوئی بغض و کینہ نہ رہے گا: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۶) دوزخیوں کا ذکر کر کے اب جنتیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ باغات' نہروں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کو بشارت سنائی جائے گی کہ اب تم ہر آفت سے بچ گئے' ہر ڈر' خوف اور گھبراہٹ سے مطمئن ہو گئے۔ نہ نعمتوں کے زوال کا ڈر' نہ یہاں سے نکالے جانے کا خطرہ' نہ فنا نہ کمی۔ اہل جنت کے دلوں میں گو دنیوی رنجشیں باقی رہ گئی ہوں مگر جنت میں جاتے ہی ایک دوسرے سے مل کر تمام گلے شکوے ختم ہو جائیں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿٤٨﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿٤٧﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿٥٠﴾

ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا' ہم سب کچھ نکال دیں گے۔ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے شاہی تختوں پر بیٹھے ہوں گے ○ نہ تو وہاں انہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکال دیئے جائیں گے ○ میرے بندوں کو خبر کر دے کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں ○ اور ساتھ ہی میرے عذاب بھی نہایت دردناک ہیں ○

(آیت: ۴۷-۵۰) حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں' جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی سینے بے کینہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ مرفوع حدیث میں بھی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن جہنم سے نجات پا کر جنت دوزخ کے درمیان کے پل پر روک لئے جائیں گے۔ جو نا چاقیاں اور ظلم آپس میں تھے' ان کا ادلہ بدلہ ہو جائے گا اور پاک دل صاف سینہ ہو کر جنت میں جائیں گے۔① اشتر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جانے کی اجازت مانگی اس وقت آپ کے پاس حضرت طلحہ کے صاحبزادے بیٹھے تھے تو آپ نے کچھ دیر کے بعد اسے اندر بلایا۔ اس نے کہا کہ شاید ان کی وجہ سے مجھے آپ نے دیر میں اجازت دی؟ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ کہا پھر تو اگر آپ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہوں تو بھی آپ مجھے اسی طرح روک دیں؟ آپ نے فرمایا' بے شک مجھے تو اللہ سے امید ہے کہ میں اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کی شان میں یہ ہے کہ ان کے دلوں میں جو کچھ خفگی تھی' ہم نے دور کر دی' بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے تخت شاہی پر جلوہ فرما ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عمران بن طلحہ اصحاب جمل سے فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے انہیں مرحبا کہا اور فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد ان میں سے ہیں جن کے دلوں کے غصے اللہ دور کر کے بھائی بھائی بنا کر جنت کے تختوں پر آمنے سامنے بٹھائے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سن کر فرش کے کونے پر بیٹھے ہوئے دو شخصوں نے کہا' اللہ کا عدل اس سے بہت بڑھا ہوا ہے کہ جنہیں

آپ قتل کریں، ان کے بھائی بن جائیں؟ آپ نے غصے سے فرمایا، اگر اس آیت سے مراد میرے اور طلحہ جیسے لوگ نہیں تو اور کون ہوں گے؟ اور روایت میں ہے کہ قبیلہ ہمدان کے ایک شخص نے یہ کہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دھمکی اور بلند آواز سے یہ جواب دیا تھا کہ محل ہل گیا۔ اور روایت میں ہے کہ کہنے والے کا نام حارث اعور تھا اور اس کی اس بات پر آپ نے غصے ہو کر جو چیز آپ کے ہاتھ میں تھی، وہ اس کے سر پر مار کر یہ فرمایا تھا۔ ابن جرموز جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، جب دربار علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آیا تو آپ نے بڑی دیر بعد اسے داخلے کی اجازت دی۔ اس نے آ کر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بلوائی کہہ کر برائی سے یاد کیا تو آپ نے فرمایا، تیرے منہ میں مٹی۔ میں اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان شاء اللہ ان لوگوں میں ہیں جن کی بابت اللہ کا یہ فرمان ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ہم بدریوں کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

کثیر کہتے ہیں، میں ابو جعفر محمد بن علی کے پاس گیا اور کہا کہ میرے دوست آپ کے دوست ہیں اور مجھ سے مصالحت رکھنے والے آپ سے مصالحت رکھنے والے ہیں، میرے دشمن آپ کے دشمن ہیں اور مجھ سے لڑائی رکھنے والے آپ سے لڑائی رکھنے والے ہیں۔ واللہ میں ابوبکر اور عمر سے بری ہوں۔ اس وقت حضرت ابو جعفر نے فرمایا، اگر میں ایسا کروں تو یقیناً مجھ سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں ناممکن کہ میں اس وقت ہدایت پر قائم رہ سکوں۔ ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو اے کثیر محبت رکھ۔ اگر اس میں تجھے کچھ گناہ ہو تو میری گردن پر۔ پھر آپ نے اسی آیت کے آخری حصہ کی تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ ان دس شخصوں کے بارے میں ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعد بن زید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ آمنے سامنے ہوں گے تاکہ کسی کی طرف کسی کی پیٹھ نہ رہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک مجمع میں آ کر اسے تلاوت فرما کر فرمایا، یہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ وہاں انہیں کوئی مشقت تکلیف اور ایذا نہ ہوگی۔

صحیحین میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت کے سونے کے محل کی خوشخبری سنا دوں جس میں نہ شور و غل ہے نہ تکلیف و مصیبت۔ یہ جنتی جنت سے کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ حدیث میں ہے، ان سے فرمایا جائے گا کہ اے جنتیو تم ہمیشہ تندرست رہو گے۔ کبھی بیمار نہ پڑو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔ کبھی بوڑھے نہ بنو گے۔ اور ہمیشہ یہیں رہو گے، کبھی نکالے نہ جاؤ گے۔ اور آیت میں ہے وہ تبدیلی مکان کی خواہش ہی نہ کریں گے نہ ان کی جگہ ان سے چھنے گی۔ اے نبی ﷺ آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔ اور میرے عذاب بھی نہایت سخت ہیں۔ اسی جیسی آیت اور بھی گزر چکی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کو امید کے ساتھ ڈر بھی رکھنا چاہئے۔

حضور ﷺ اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس آتے ہیں اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر فرماتے ہیں، جنت دوزخ کی یاد کرو۔ اس وقت یہ آیتیں اتریں۔ یہ مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔ آپ بنو شیبہ کے دروازے سے صحابہؓ کے پاس آ کر کہتے ہیں۔ میں تو تمہیں ہنستے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر واپس مڑ گئے اور حطیم کے پاس سے ہی الٹے پاؤں پھر ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ ابھی میں جا ہی رہا تھا جو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ تو میرے بندوں کو ناامید کر رہا ہے؟ انہیں میرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے المناک ہونے کی خبر دے دے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، اگر بندے اللہ تعالیٰ کی معافی کو معلوم کر لیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ کے عذاب کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط
قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ
بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ
تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾
قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ
فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ
مُّجْرِمِيْنَ ۙ ﴿۵۸﴾

انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا بھی حال سنا دے ○ کہ جب انہوں نے اس کے پاس آ کر سلام کہا‘ تو اس نے کہا ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے ○ انہوں نے کہا‘ ڈر نہیں- ہم تجھے ایک ہوشیار دانا فرزند کی بشارت دیتے ہیں ○ کہا‘ کیا اس بڑھاپے کے دبوچ لینے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو؟ ○ یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا‘ بالکل سچی‘ تجھے لائق نہیں کہ نا امید لوگوں میں شامل ہو جا ○ کہا‘ اپنے رب کی رحمت سے نا امید تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں ○ پوچھا کہ اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو‘ تمہارا ایسا کیا اہم کام ہے؟ ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ○

فرشتے بصورت انسان: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۶) لفظ ضیف واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے- جیسے زور اور سفر- یہ فرشتے تھے جو بصورت انسان سلام کر کے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس آئے تھے- آپ نے بچھڑا کاٹ کر اس کا گوشت بھون کر ان مہمانوں کے سامنے لا رکھا- جب دیکھا کہ وہ ہاتھ نہیں ڈالتے تو ڈر گئے اور کہا کہ ہمیں تو آپ سے ڈر لگنے لگا- فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ڈرو نہیں- پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہونے کی بشارت سنائی- جیسے کہ سورہ ھود میں ہے- تو آپ نے اپنے اور اپنی بیوی صاحبہ کے بڑھاپے کو سامنے رکھ کر اپنا تعجب دور کرنے کے لئے اور وعدے کو ثابت کرنے کے لئے پوچھا کہ کیا اس حالت میں ہمارے ہاں بچہ ہوگا؟- فرشتوں نے دوبارہ زور دار الفاظ میں وعدے کو دہرایا اور نا امیدی سے دور رہنے کی تعلیم کی تو آپ نے اپنے عقیدے کا اظہار کر دیا کہ میں مایوس نہیں ہوں- ایمان رکھتا ہوں کہ میرا رب اس سے بھی بڑی باتوں پر قدرت کاملہ رکھتا ہے-

(آیت:۵۷-۵۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب ڈر خوف جاتا رہا بلکہ بشارت بھی مل گئی تو اب فرشتوں سے ان کے آنے کی وجہ دریافت کی-

اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ط اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا
ع ۱۶ لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ الْمُرْسَلُوْنَ ۙ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ
قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾
وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ

الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۗءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

مگر خاندان لوط کہ ہم ان سب کو تو ضرور بچالیں گے ○ بجز لوط کی بیوی کے‘ ہم نے اسے رکنے اور باقی رہ جانے والوں میں مقرر کردیا ہے ○ جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس پہنچے ○ تو لوطؑ نے کہا تم لوگ تو کچھ اجنبی سے معلوم ہو رہے ہو ○ انھوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک شبہ کرر ہے تھے ○ ہم تو تیرے پاس صریح حق لائے ہیں اور ہیں بھی بالکل سچے ○ اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصہ میں چل دے تو آپ ان کے پیچھے رہنا اور خبردار تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے وہاں چلے جاؤ ○ اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کردیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی ○

(آیت: ۵۹-٦٠) انہوں نے بتلایا کہ لوطیوں کی بستیاں الٹنے کے لئے ہم آئے ہیں مگر حضرت لوط علیہ السلام کی آل نجات پالے گی- ہاں اس آل میں سے ان کی بیوی بچ نہیں سکتی- وہ قوم کے ساتھ رہ جائے گی اور ہلاکت میں ان کے ساتھ ہی ہلاک ہوگی-

دو حسین لڑکے: ☆☆ (آیت: ٦۱-٦۴) یہ فرشتے نوجوان حسین لڑکوں کی شکل میں حضور لوط علیہ السلام کے پاس گئے- تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا‘ تم بالکل ناشناس اور انجان لوگ ہو- تو فرشتوں نے راز کھول دیا کہ ہم عذاب الٰہی لے کر آئے ہیں جسے آپ کی قوم نہیں مانتی تھی اور جس کے آنے میں شک شبہ کررہی تھی- ہم حق بات اور قطعی حکم لے کر آئے ہیں- اور فرشتے حقانیت کے ساتھ ہی نازل ہوا کرتے ہیں اور ہم ہیں بھی سچے- جو خبر آپ کو دے رہے ہیں‘ وہ ہو کر رہے گی کہ آپ نجات پائیں اور آپ کی یہ کافر قوم ہلاک ہوگی-

لوط علیہ السلام کو ہدایت: ☆☆ (آیت: ٦۵-٦٦) حضرت لوط علیہ السلام سے فرشتے کہہ رہے ہیں کہ رات کا کچھ حصہ گزرتے ہی آپ اپنے والوں کو لے کر یہاں سے چلے جائیں- خود آپ ان سب کے پیچھے رہیں تاکہ ان کی اچھی طرح نگرانی کر چکیں- یہی سنت رسول اللہ ﷺ کی تھی کہ آپ لشکر کے آخر میں چلا کرتے تھے تاکہ کمزور اور گرے پڑے لوگوں کا خیال رہے- پھر فرمادیا کہ جب قوم پر عذاب آئے اور ان کا شوروغل سنائی دے تو ہرگز ان کی طرف نظریں نہ اٹھانا‘ انہیں اسی عذاب وسزا میں چھوڑ کر تمہیں جانے کا حکم ہے- چلے جاؤ گویا ان کے ساتھ کوئی تھا جو انہیں راستہ دکھاتا جائے- ہم نے پہلے ہی سے حضرت لوط علیہ السلام سے فرمادیا تھا کہ صبح کے وقت یہ لوگ مٹا دیئے جائیں گے- جیسے دوسری آیت میں ہے کہ ان کے عذاب کا وقت صبح ہے جو بہت ہی قریب ہے-

وَجَاۗءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۷﴾

شہری لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آئے ○ لوط نے کہا: یہ لوگ میرے مہمان ہیں، تم مجھے رسوانہ کرو ○ اللہ سے ڈرو اور میری آبروریزی نہ کرو ○ وہ بولے: کیا ہم نے تجھے دنیا کے اجنبی لوگوں کی حمایت سے منع نہیں کر رکھا؟ ○ لوط نے کہا، اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری بچیاں موجود ہیں ○ تیری عمر کی قسم، وہ تو اپنی بدمستی میں سرگرداں تھے ○ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک بڑے زور کی آواز نے پکڑ لیا ○ بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر تلے کر دیا اور ان لوگوں پر کنکر والے پتھر برسائے ○ ہر ایک عبرت حاصل کرنے والے کے لئے تو اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○ یہ بستی ایسی راہ پر ہے جو برابر چلتی رہتی ہے ○ اور اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی نشانی ہے ○

قوم لوطؑ کی خرمستیاں: ☆☆ (آیت:۶۷-۷۲) قوم لوطؑ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر نوجوان خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ اپنے بدارادے سے خوشیاں مناتے ہوئے چڑھ دوڑے- پیغمبر رب علیہ السلام نے انہیں سمجھانا شروع کیا کہ اللہ سے ڈرو- میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو- اس وقت خود حضرت لوط علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ فرشتے ہیں- جیسے کہ سورہ ھود میں ہے- یہاں گو اس کا ذکر بعد میں ہے اور فرشتوں کا ظاہر ہو جانا پہلے ذکر ہوا ہے لیکن اس سے ترتیب مقصود نہیں، واؤ ترتیب کے لئے ہوتا بھی نہیں اور خصوصاً ایسی جگہ جہاں اس کے خلاف دلیل موجود ہو- آپ ان سے کہتے ہیں کہ میری آبروریزی کے درپے نہ ہو جاؤ- لیکن وہ جواب دیتے ہیں کہ جب آپ کو یہ خیال تھا تو انہیں آپ نے اپنا مہمان کیوں بنایا؟ ہم تو آپ کو اس سے منع کر چکے ہیں- تب آپ نے انہیں مزید سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری عورتیں جو میری لڑکیاں ہیں، وہ خواہش پوری کرنے کی چیزیں ہیں نہ کہ یہ- اس کا پورا بیان نہایت وضاحت کے ساتھ ہم پہلے کر چکے ہیں- اس لئے دہرانے کی ضرورت نہیں- چونکہ یہ بدلوگ اپنی خرمستی میں تھے اور جو قضا اور عذاب ان کے سروں پر جھوم رہا تھا، اس سے غافل تھے، اس لئے خدائے تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی عمر کی قسم کھا کر ان کی یہ حالت بیان فرما رہا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کی بہت تکریم اور تعظیم ہے- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی جتنی مخلوق پیدا کی ہے- ان میں حضور ﷺ سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں، اللہ نے آپ کی حیات کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہیں کھائی- سَکۡرَۃ سے مراد ضلالت و گمراہی ہے، اسی میں وہ کھیل رہے تھے اور تردد میں تھے-

آل ہود کا عبرتناک انجام: ☆☆ (آیت:۷۳-۷۷) سورج نکلنے کے وقت آسمان سے ایک دل دہلانے والی اور جگر پاش پاش کر دینے والی چنگھاڑ کی آواز آئی- اور ساتھ ہی ان کی بستیاں اوپر کو اٹھیں- آسمان کے قریب پہنچ گئیں اور وہاں سے الٹ دی گئیں، اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو گیا- ساتھ ہی ان پر آسمان سے پتھر برسے ایسے جیسے پکی مٹی کے کنکر آلود پتھر ہوں، سورۂ ہود میں اس کا مفصل بیان ہو چکا ہے- جو بھی بصیرت و بصارت سے کام لے، دیکھے، سنے، سوچے، سمجھے، اس کے لئے تو ان بستیوں کی بربادی میں بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں- ایسے پاکباز لوگ ذرا ذرا سی چیزوں سے بھی عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں، پند پکڑتے ہیں اور غور سے ان واقعات کو دیکھتے ہیں اور لم تک پہنچ جاتے ہیں- تامل اور غور و خوض کر کے اپنی حالت سنوار لیتے ہیں- ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مومن کی عقلمندی اور دوربینی کا لحاظ رکھو- وہ اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- اور حدیث میں ہے کہ وہ اللہ کے نور اور اللہ کی توفیق سے دیکھتا ہے- اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے بندے لوگوں کو ان کے نشانات سے پہچان لیتے ہیں- یہ بستی شارع عام پر موجود ہے جس پر ظاہری اور باطنی عذاب آیا، الٹ گئی، پتھر کھائے، عذاب کا نشانہ بنی- اب ایک گندے اور بدمزہ کھائی کی جھیل سی بنی ہوئی

ہے-تم رات دن وہاں سے آتے جاتے ہو-تعجب ہے کہ پھر بھی عقلمندی سے کام نہیں لیتے -غرض صاف' واضح اور آمد و رفت کے راستے پر یہ الٹی ہوئی بستی موجود ہے- یہ بھی معنی کئے ہیں کہ وہ کتاب مبین میں ہے لیکن یہ معنی کچھ زیادہ بند نہیں بیٹھتے واللہ اعلم- اللہ رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے یہ ایک کھلی دلیل اور جاری نشانی ہے کہ کس طرح اللہ اپنے والوں کو نجات دیتا ہے اور اپنے دشمنوں کو غارت کرتا ہے-

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا
لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۱۹
وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ
مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

ایکہ بستی کے رہنے والے بھی بڑے ظالم تھے ○ جن سے ہم نے آخر انتقام لے ہی لیا- یہ دونوں شہر کھلے عام راستے پر ہیں ○ حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ○ جنہیں ہم نے اپنی نشانیاں بھی عطا فرمائی تھیں لیکن تاہم وہ ان سے گردن موڑنے والے ہی رہے ○ یہ لوگ اپنے مکان پہاڑوں میں خاطر جمعی سے تراش لیا کرتے تھے ○ آخر انہیں بھی صبح ہوتے ہوتے آواز تند نے آ دبوچا ○ پس کسی تدبیر کسب نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا ○

اصحاب ایکہ کا المناک انجام: ☆☆ (آیت:۷۸-۷۹) اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیب ہے- ایکہ کہتے ہیں درختوں کے جھنڈ کو- ان کا ظلم علاوہ شرک وکفر کے غارتگری اور ناپ تول کی کمی بھی تھی- ان کی بستی لوطیوں کے قریب تھی اور ان کا زمانہ بھی ان سے بہت قریب تھا- ان پر بھی ان کی پیہم شرارتوں کی وجہ سے عذاب الٰہی آیا- یہ دونوں بستیاں بر سر شارع عام تھیں- حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے فرمایا تھا کہ لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں-

آل ثمود کی تباہیاں: ☆☆ (آیت:۸۰-۸۴) حجر والوں سے مراد ثمودی ہیں جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا- اور یہ ظاہر ہے کہ ایک نبی کا جھٹلانے والا گویا سب نبیوں کا انکار کرنے والا ہے- اسی لئے فرمایا گیا کہ انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا- ان کے پاس ایسے معجزے پہنچے جن سے حضرت صالح علیہ السلام کی سچائی ان پر کھل گئی جیسے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان سے اونٹنی کا نکلنا جو ان کے شہروں میں چرتی چگتی تھی اور ایک دن وہ پانی پیتی تھی- ایک دن شہریوں کے جانور- مگر پھر بھی یہ لوگ گردن کش ہی رہے بلکہ اس اونٹنی کو مار ڈالا- اس وقت حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا' بس اب تین دن کے اندر اندر تم پر قہر الٰہی نازل ہوگا- یہ بالکل سچا وعدہ ہے اور اٹل عذاب ہے- ان لوگوں نے اللہ کی بتلائی ہوئی راہ پر بھی اپنے اندھاپے کو ترجیح دی- یہ لوگ صرف اپنی قوت جتانے اور ریاکاری ظاہر کرنے کے واسطے تکبر و تجبر کے طور پر پہاڑوں میں مکان تراشتے تھے- کسی خوف کے باعث یا ضرورتاً یہ چیز نہ تھی- جب رسول کریم ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان کے مکانوں سے گزرے تو آپ نے سر پر کپڑا ڈال لیا اور سواری کو تیز چلایا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جن پر عذاب الٰہی اترا ہے' ان کی بستیوں سے روتے ہوئے گزرو' اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بنا کر چلو کہ ایسا نہ ہو کہ انہی عذابوں کا شکار تم بھی بن جاؤ- آخر ان پر ٹھیک چوتھے دن کی صبح عذاب الٰہی بصورت چنگھاڑ آیا- اس وقت ان کی کمائیاں کچھ کام نہ آئیں- جن کھیتیوں اور پھلوں کی حفاظت کے لئے اور انہیں بڑھانے کے لئے ان لوگوں نے اونٹنی کا پانی پینا ناپسند کر کے اسے قتل کر دیا تھا' وہ آج بے سود ثابت ہوئے اور امر رب اپنا کام کر گیا-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ
السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ
الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے اور قیامت ضرور ضرور آنے والی ہے پس تو وضع داری اور اچھائی سے درگزر کر لے ○ یقیناً تیرا پروردگار ہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے ○

نبی اکرم ﷺ کو تسلیاں: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۶) اللہ نے تمام مخلوق عدل کے ساتھ بنائی ہے' قیامت آنے والی ہے' بروں کو برے بدلے' نیکوں کو نیک بدلے ملنے والے ہیں۔ مخلوق باطل سے پیدا نہیں کی گئی۔ ایسا گمان کافروں کا ہوتا ہے اور کافروں کے لئے ویل دوزخ ہے اور آیت میں ہے' کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے؟ اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ بلندی والا ہے اللہ مالک حق جس کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں' عرش کریم کا مالک وہی ہے۔ پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ مشرکوں سے چشم پوشی کیجئے۔ ان کی ایذا اور جھٹلانا اور برا کہنا برداشت کر لیجئے۔ جیسے اور آیت میں ہے' ان سے چشم پوشی کیجئے۔ اور سلام کہہ دیجئے۔ انہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے تھا۔ یہ آیت مکیہ ہے اور جہاد بعد از ہجرت مقرر اور شروع ہوا ہے۔ تیرا رب خالق ہے اور خالق مار ڈالنے کے بعد بھی پیدائش پر قادر ہے۔ اسے کسی چیز کی بار بار کی پیدائش عاجز نہیں کر سکتی۔ ریزوں کو جب بکھر جائیں' وہ جمع کر کے جان ڈال سکتا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ الخ' آسمان و زمین کا خالق کیا ان جیسوں کی پیدائش کی قدرت نہیں رکھتا؟ بے شک وہ پیدا کرنے والا' علم والا ہے۔ وہ جب کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو اسے ہو جانے کو فرما دیتا ہے بس وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ذات ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا
تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا
تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

یقیناً ہم نے تجھے سات آیتیں دے رکھی ہیں کہ دہرائی جاتی ہیں اور تجھے بزرگ قرآن بھی دے رکھا ہے ○ تو ہرگز اپنی نظریں اس چیز کی طرف نہ دوڑا جس سے ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو بہرہ مند کر رکھا ہے نہ تو ان پر افسوس کر اور مومنوں کے لئے اپنا بازو جھکائے رہ ○

قرآن عظیم سبع مثانی اور ایک لازوال دولت: ☆☆ (آیت: ۸۷-۸۸) اے نبی ﷺ ہم نے جب قرآن عظیم جیسی لازوال دولت تجھے عنایت فرما رکھی ہے۔ تو تجھے نہ چاہئے کہ کافروں کے دنیوی مال و متاع اور ٹھاٹھ باٹھ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے' یہ تو سب فانی ہے اور صرف ان کی آزمائش کے لئے چند روزہ انہیں عطا ہوا ہے۔ ساتھ ہی تجھے ان کے ایمان نہ لانے پر صدمے اور افسوس کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ ہاں تجھے چاہئے کہ نرمی' خوش خلقی' تواضع اور ملنساری کے ساتھ مومنوں سے پیش آتا رہے۔ جیسے ارشاد ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ لوگو! تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک رسول آ گئے ہیں جن پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے' جو تمہاری بہبودی کا دل سے خواہاں ہے' جو مسلمانوں پر پرلے درجے کا شفیق و مہربان ہے۔ سبع مثانی کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم کی ابتدا کی

سات لمبی سورتیں ہیں۔ سورہ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس۔ اس لئے کہ ان سورتوں میں فرائض کا، حدود کا، قصوں کا اور احکام کا خاص طریق پر بیان ہے۔ اسی طرح مثالیں، خبریں اور عبرتیں بھی زیادہ ہیں۔ بعضوں نے سورہ اعراف تک کی چھ سورتیں گنوا کر ساتویں سورت انفال اور براۃ کو بتلایا ہے۔ ان کے نزدیک یہ دونوں سورتیں مل کر ایک ہی سورت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھ ملی تھیں لیکن جب آپ نے تختیاں گرا دیں تو دو اٹھ گئیں اور چار رہ گئیں۔ ایک قول ہے، قرآن عظیم سے مراد بھی یہی ہیں۔ زیاد کہتے ہیں، میں نے تجھے سات جز دیئے ہیں۔ حکم، منع، بشارت، ڈر اور مثالیں، نعمتوں کا شمار اور قرآنی خبریں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد سبع مثانی سے سورہ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں۔ یہ سات آیتیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سمیت ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ نے تمہیں مخصوص کیا ہے۔ یہ کتاب کا شروع ہیں۔ اور ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں۔ خواہ فرض نماز ہو، خواہ نفل نماز ہو، امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اسی قول کو پسند فرماتے ہیں اور اس بارے میں جو حدیثیں مروی ہیں۔ ان سے اس پر استدلال کرتے ہیں، ہم نے وہ تمام احادیث فضائل سورہ فاتحہ کے بیان میں اپنی اس تفسیر کے اول میں لکھدی ہیں فالحمدللہ۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس جگہ دو حدیثیں وارد فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے، حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نماز پڑھ رہا تھا جو آنحضرت ﷺ آئے مجھے بلایا لیکن میں آپ کے پاس نہ آیا۔ نماز ختم کر کے پہنچا تو آپ نے پوچھا کہ اسی وقت کیوں نہ آئے؟ میں نے کہا، یا رسول اللہ میں نماز میں تھا، آپؐ نے فرمایا، کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں؟ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ یعنی ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی بات مان لو جب بھی وہ تمہیں پکاریں۔ سن اب میں تجھے مسجد میں سے نکلنے سے پہلے ہی قرآن کریم کی بہت بڑی سورت بتلاؤں گا۔ تھوڑی دیر میں جب حضور ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا۔ آپؐ نے فرمایا وہ سورۃ الحمدللہ رب العالمین کی ہے۔ یہی سبع مثانی ہے اور یہی بڑا قرآن ہے جو میں دیا گیا ہوں۔ دوسری حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ ام القرآن یعنی سورہ فاتحہ سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے۔ پس صاف ثابت ہے کہ سبع مثانی اور قرآن عظیم سے مراد سورہ فاتحہ ہے لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس کے سوا اور بھی یہی ہے۔ اس کے خلاف یہ حدیثیں نہیں۔ جب کہ ان میں بھی یہ حقیقت پائی جائے جیسے کہ پورے قرآن کریم کا وصف بھی اس کے مخالف نہیں۔ جیسے فرمان الٰہی ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ پس اس آیت میں سارے قران کو مثانی کہا گیا ہے۔ اور متشابہ بھی۔ پس وہ ایک طرح سے مثانی ہے اور دوسری وجہ سے متشابہ۔ اور قرآن عظیم بھی یہی ہے جیسے کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ تقوے پر جس مسجد کی بناء ہے، وہ کون ہے؟ تو آپ نے اپنی مسجد کی طرف اشارہ کیا حالانکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آیت مسجد قبا کے بارے میں اتری ہے۔ پس قاعدہ یہی ہے کہ کسی چیز کا ذکر دوسری چیز سے انکار نہیں ہوتا۔ جب کہ وہ بھی وہی صفت رکھتی ہو۔ واللہ اعلم۔

پس تجھے ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے بے نیاز رہنا چاہئے۔ اسی فرمان کی بنا پر امام ابن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحیح حدیث جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ہم میں سے وہ نہیں جو قرآن کے ساتھ تغنی نہ کرے کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ قرآن کو لے کر اس کے ماسوا سے دست بردار اور بے پرواہ نہ ہو جائے وہ مسلمان نہیں۔ گو یہ تفسیر بالکل صحیح ہے لیکن اس حدیث سے یہ مقصود نہیں۔ حدیث کا صحیح مقصد اس ہماری تفسیر کے شروع میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، حضور ﷺ کے ہاں ایک مرتبہ مہمان آئے آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے ایک یہودی سے رجب کے وعدے پر آٹا ادھار منگوایا لیکن اس نے کہا بغیر کسی چیز کو رھن رکھے میں نہیں دوں گا۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا، واللہ میں آسمان والوں میں امین ہوں اور زمین والوں میں بھی، اگر یہ مجھے ادھار دیتا یا میرے ہاتھ فروخت کر دیتا تو میں اسے ضرور ادا کرتا پس آیت لَا تَمُدَّنَّ الخ نازل ہوئی اور گویا آپ کی دل جوئی کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، انسان کو ممنوع ہے کہ کسی کے مال و متاع کو

للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکے۔ یہ جو فرمایا کہ ان کی جماعتوں کو جو فائدہ ہم نے دے رکھا ہے اس سے مراد کفار کے مالدار لوگ ہیں۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی
الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ
لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

کہہ دے کہ میں تو کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں ○ جیسے کہ ہم نے ان قسمیں کھانے والوں پر اتارا جنھوں نے اس کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ قسم ہے تیرے پالنے والے کی ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ○ ہر اس چیز کی جو وہ کرتے رہے ○

انبیاء کی تکذیب عذاب الٰہی کا سبب ہے: ☆☆ (آیت: ۸۹-۹۳) حکم ہوتا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تمام لوگوں کو عذاب الٰہی سے صاف صاف ڈرا دینے والا ہوں۔ یاد رکھو میرے جھٹلانے والے بھی اگلے نبیوں کے جھٹلانے والوں کی طرح عذاب الٰہی کے شکار ہوں گے۔ مقتسمین سے مراد قسمیں کھانے والے ہیں جو انبیاء علیہ السلام کی تکذیب اور ان کی مخالفت اور ایذا دہی پر آپس میں قسما قسمی کر لیتے تھے جیسے کہ قوم صالح کا بیان قرآن حکیم میں ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر عہد کیا کہ راتوں رات صالح اور ان کے گھرانے کو ہم موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اسی طرح قرآن میں ہے کہ وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ مردے پھر جینے کے نہیں' الخ۔ اور جگہ ان کا اس بات پر قسمیں کھانے کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو کبھی کوئی رحمت نہیں مل سکتی۔ الغرض جس چیز کو نہ مانتے' اس پر قسمیں کھانے کی انہیں عادت تھی اس لئے انہیں مقتسمین کہا گیا ہے۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اور ان ہدایات کی مثال جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے' اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آ کر کہے کہ لوگو میں نے دشمن کا لشکر اپنی آنکھوں دیکھا ہے' دیکھو ہوشیار ہو جاؤ' بچنے اور ہلاک نہ ہونے کے سامان کر لو۔ اب کچھ لوگ اس کی بات مان لیتے ہیں اور اسی عرصہ میں چل پڑتے ہیں اور دشمن کے پنجے سے بچ جاتے ہیں لیکن بعض لوگ اسے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اور وہیں بے فکری سے پڑے رہتے ہیں کہ ناگاہ دشمن کا لشکر آ پہنچتا ہے اور گھیر گھار کر انہیں قتل کر دیتا ہے' پس یہ ہے مثال میرے ماننے والوں کی اور نہ ماننے والوں کی۔ ان لوگوں نے ان اللہ کی کتابوں کو جو ان پر اتری تھیں' پارہ پارہ کر دیا' جس مسئلے کو جی چاہا' مانا۔ جس سے دل گھبرایا' چھوڑ دیا۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ کتاب کے بعض حصے کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے' یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے کفار کا کتاب اللہ کی نسبت یہ کہنا ہے کہ یہ جادو ہے' یہ کہانت ہے' یہ اگلوں کی کہانی ہے' اس کا کہنے والا جادوگر ہے' مجنوں ہے' کاہن ہے وغیرہ۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس سرداران قریش جمع ہوئے۔ حج کا موسم قریب تھا اور یہ شخص ان میں بڑا شریف اور ذی رائے سمجھا جاتا تھا۔ اس نے ان سب سے کہا کہ دیکھو حج کے موقع پر دور دراز سے تمام عرب یہاں جمع ہوں گے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے اس ساتھی نے ایک اودھم مچا رکھا ہے لہٰذا اس کی نسبت ان بیرونی لوگوں سے کیا کہا جائے۔ یہ بتاؤ اور کسی ایک بات پر اجماع کر لو کہ سب وہی کہیں۔ ایسا نہ ہو کوئی کچھ کہے۔ کوئی کچھ کہے۔ اس سے تو تمہارا اعتبار اٹھ جائے گا اور وہ پردیسی تمہیں جھوٹا خیال کریں گے۔ انہوں نے کہا ابو عبد الشمس آپ ہی کوئی ایسی بات تجویز کر دیجئے' اس نے کہا' پہلے تم اپنی تو کہو تا کہ مجھے بھی غور و خوض کا موقعہ ملے' انہوں نے کہا پھر ہماری رائے میں تو ہر شخص اسے کاہن بتلائے۔ اس نے کہا۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا۔ پھر مجنوں کہنا بالکل درست ہے۔ اس نے کہا یہ بھی غلط ہے۔ کہا اچھا تو شاعر کہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شعر جانتا ہی

نہیں۔ کہا اچھا پھر جادوگر کہیں؟ کہا اسے جادو سے مس بھی نہیں اس نے کہا سنو واللہ اس کے قول میں عجب مٹھاس ہے ان باتوں میں سے تم جو کہو گے دنیا سمجھ لے گی کہ محض غلط اور سفید جھوٹ ہے۔ گو کوئی بات نہیں بنتی لیکن کچھ کہنا ضرور ہے۔ اچھا بھائی سب اسے جادوگر بتلائیں۔ اس امر پر یہ مجمع برخاست ہوا۔ اور اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

روز قیامت ایک ایک چیز کا سوال ہوگا: ☆☆ ان کے اعمال کا سوال ان سے ان کا رب ضرور کرے گا یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ سے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے ہر ایک شخص قیامت کے دن تنہا تنہا اللہ کے سامنے پیش ہوگا جیسے ہر ایک شخص چودہویں رات کے چاند کو اکیلا اکیلا دیکھتا ہے۔ اللہ فرمائے گا اے انسان تو مجھ سے مغرور کیوں ہوگیا؟ تو نے اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟ تو نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا؟۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں دو چیز کا سوال ہر ایک سے ہوگا۔ معبود کسے بنا رکھا تھا؟ اور رسول کی مانی یا نہیں؟ ابن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں عمل اور مال کا سوال ہوگا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے معاذ! انسان سے قیامت کے دن ہر ہر عمل کا سوال ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کے آنکھ کے سرمے اور اس کے ہاتھ کی گندھی ہوئی مٹی کے بارے میں بھی اس سے سوال ہوگا دیکھ معاذ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ کی نعمتوں کے بارے میں تو کمی والا رہ جائے۔ اس آیت میں تو ہے کہ ہر ایک سے اس کے عمل کی بابت سوال ہوگا۔ اور سورہ رحمٰن کی آیت میں ہے کہ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ کہ اس دن کسی انسان یا جن سے اس کے گناہوں کا سوال نہ ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تطبیق یہ ہے کہ یہ سوال نہ ہوگا کہ تو نے یہ عمل کیا؟ بلکہ یہ سوال ہوگا کہ کیوں کیا؟

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٩٤ اِنَّا
كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝٩٥ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٩٦ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا
يَقُوْلُوْنَ ۝٩٧ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝٩٨
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝٩٩

ع ٦ ١٠

پس تو اس حکم کو جو تجھے کیا جا رہا ہے کھول کر سنا دے اور مشرکوں سے منہ پھیر لے ○ تجھ سے جو لوگ مسخرا پن کرتے ہیں ان کی سزا کے لئے ہم کافی ہیں ○ جو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کرتے ہیں انھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ○ ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے تو تنگ دل ہوتا ہے ○ تو اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ اور سجدے کرنے والوں میں رہ ○ اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ تجھے یقین آ جائے ○

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا عبرتناک انجام: ☆☆ (آیت: ۹۴-۹۹) حکم ہو رہا ہے کہ اے پیغمبر رب ﷺ آپ خدا کی باتیں لوگوں کو صاف صاف بے جھجک پہنچا دیں نہ کسی کی رو رعایت کیجئے نہ کسی کا ڈر خوف کیجئے۔ مشرکوں کے سامنے توحید کھلم کھلا بیان کر دیجئے۔ خود عمل کر کے دوسروں تک بھی پہنچائیے۔ نماز میں قرآن کی با آواز بلند تلاوت کیجئے اس آیت کے اترنے سے پہلے تک حضور ﷺ پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے لیکن اس کے بعد آپ اور آپ کے اصحابؓ نے کھلے طور پر اشاعت دین شروع کر دی۔ ان مذاق اڑانے والوں کو ہم پر چھوڑ دے ہم آپ ان سے نمٹ لیں گے تو اپنی تبلیغ کے فریضے میں کوتاہی نہ کر۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ ذرا سی سستی آپ کی طرف سے دیکھیں تو خود بھی دست بردار ہو جائیں۔ تو ان سے مطلقاً خوف نہ کر اللہ تعالیٰ تیرا حافظ و ناصر ہے۔ وہ تجھے ان کے شر سے بچا لے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اے

رسول ﷺ جو کچھ تیری جانب اتارا گیا ہے' تو اسے پہنچا دے- اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنے رب کی رسالت نہیں پہنچائی-

اللہ تعالیٰ خود ہی لوگوں کی برائی سے تجھے محفوظ رکھ لے گا- چنانچہ ایک دن حضور ﷺ راستے سے جا رہے تھے کہ بعض مشرکوں نے آپ کو چھیڑا- اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہیں نشتر مارا جس سے ان کے جسموں میں ایسا ہو گیا جیسے نیزے کے زخم ہوں- اسی میں وہ مر گئے اور یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤسا تھے- بڑی عمر کے تھے اور نہایت شریف گنے جاتے تھے- بنو اسد کے قبیلے میں سے تو اسود بن عبدالمطلب ابوزمعہ- یہ حضور ﷺ کا بڑا ہی دشمن تھا- ایذائیں دیا کرتا تھا اور مذاق اڑایا کرتا تھا- آپ نے تنگ آ کر اس کے لئے بددعا بھی کی تھی کہ اے اللہ اسے اندھا کر دے- بے اولاد کر دے- بنی زہرہ میں سے اسود تھا اور بنی مخزوم میں سے ولید تھا اور بنی سہم میں سے عاص بن وائل تھا اور خزاعہ میں سے حارث تھا- یہ لوگ برابر حضور ﷺ کو ایذا رسانی کے درپے لگے رہتے تھے اور لوگوں کو آپ کے خلاف ابھارا کرتے تھے اور جو تکلیف ان کے بس میں ہوتی' آپ کو پہنچایا کرتے' جب یہ اپنے مظالم میں حد سے گزر گئے اور بات بات میں حضور ﷺ کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فاصدع سے یعلمون تک کی آیتیں نازل فرمائیں- کہتے ہیں کہ حضور ﷺ طواف کر رہے تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے- بیت اللہ شریف میں آپ کے پاس کھڑے ہو گئے- اتنے میں اسود بن عبدیغوث آپ کے پاس سے گزرا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا- اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور اسی میں وہ مرا- اتنے میں ولید بن مغیرہ گزرا اور اس کی ایڑی ایک خزاعی شخص کے تیر کے پھل سے کچھ یونہی سی چھل گئی تھی اور اسے بھی دو سال گزر چکے تھے- حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ پھول گئی' پکی اور اسی میں وہ مرا- پھر عاص ابن وائل گزرا- اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا کچھ دنوں بعد یہ طائف جانے کے لئے اپنے گدھے پر سوار چلا تو راستے میں گر پڑا اور تلوے میں کیل گھس گئی جس نے اس کی جان لی- حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا اور اسے خون آنے لگا اور اسی میں مرا-

ان سب موذیوں کا سردار ولید بن مغیرہ تھا- اسی نے انہیں جمع کیا تھا- پس یہ پانچ یا سات شخص تھے جو جڑ تھے اور ان کے اشاروں سے اور ذلیل لوگ بھی کمینہ پن کی حرکتیں کرتے رہتے تھے- یہ لوگ اس لغو حرکت کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے- انہیں اپنے کرتوت کا مزہ ابھی ابھی آ جائے گا- اور بھی جو رسول کا مخالف ہو اللہ کے ساتھ شرک کرے' اس کا یہی حال ہے- ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی بکواس سے اے نبی تمہیں تکلیف ہوتی ہے' دل تنگ ہوتا ہے لیکن تم ان کا خیال بھی نہ کرو- اللہ تمہارا مدد گار ہے تم اپنے رب کے ذکر اور اس کی تسبیح اور حمد میں لگے رہو- اس کی عبادت جی بھر کر کرو' نماز کا خیال رکھو' سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دو- مسند احمد میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم شروع دن کی چار رکعت سے عاجز نہ ہو- میں تجھے آخر دن تک کفایت کروں گا- حضور علیہ السلام کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کا معاملہ آ پڑتا تو آپ نماز شروع کر دیتے-

یقین کا مفہوم: ☆☆ یقین سے مراد اس آخری آیت میں موت ہے- اس کی دلیل سورہ مدثر کی وہ آیتیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جہنمی اپنی برائیاں بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے' مسکینوں کو کھانا کھلاتے نہیں تھے' باتیں بنایا کرتے تھے اور قیامت کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ موت آ گئی- یہاں بھی موت کی جگہ لفظ یقین ہے- ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب حضور ﷺ ان کے پاس گئے تو انصار کی ایک عورت ام العلاء نے کہا کہ اے ابوالسائب اللہ کی تجھ پر رحمتیں ہوں' بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری تکریم وعزت کی' حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا' تجھے کیسے یقین ہو گیا کہ اللہ نے اس کا اکرام کیا' انہوں نے جواب دیا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' پھر کون ہو گا جس کا اکرام ہو؟ آپ نے فرمایا' سنو اسے موت آ چکی اور مجھے اس کیلئے بھلائی کی امید ہے- اس حدیث میں بھی موت کی جگہ یقین کا لفظ ہے- اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز وغیرہ عبادات انسان پر فرض ہے جب تک کہ

اس کی عقل باقی رہے اور ہوش حواس ثابت ہوں جیسی اس کی حالت ہو اسی کے مطابق نماز ادا کر لے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر، نہ ہو سکے تو بیٹھ کر، نہ ہو سکے تو کروٹ پر لیٹ کر۔ بدمذہبوں نے اس سے اپنے مطلب کی ایک بات گھڑ لی ہے کہ جب تک انسان درجہ کمال تک نہ پہنچے، اس پر عبادات فرض رہتی ہیں لیکن جب معرفت کی منزلیں طے کر چکا تو عبادت کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ سراسر کفر وضلالت اور جہالت ہے۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ انبیا اور خصوصاً سرور انبیاء علیہم السلام اور آپ کے اصحاب ؓ معرفت کے تمام درجے طے کر چکے تھے اور ربانی علم وعرفان میں سب دنیا سے کامل تھے، رب کی صفات اور ذات کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ باوجود اس کے سب سے زیادہ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور رب کی اطاعت میں تمام دنیا سے زیادہ مشغول رہتے تھے اور دنیا کے آخری دم تک اسی میں لگے رہے۔ پس ثابت ہے کہ یہاں مراد یقین سے موت ہے۔ تمام مفسرین صحابہ ؓ تابعین وغیرہ کا یہی مذہب ہے فالحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے اس نے جو ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے، اس پر ہم اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اسی سے نیک کاموں میں مدد چاہتے ہیں۔ اسی کی پاک ذات پر ہمارا بھروسہ ہے۔ ہم اس مالک حاکم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ بہترین اور کامل اسلام ایمان اور نیکی پر موت دے۔ وہ جواد ہے اور کریم ہے۔

الحمد للہ سورۂ حجر کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

تفسیر سورة النحل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ○

اللہ کا حکم آ پہنچا، اب اس کی جلدی نہ مچاؤ، تمام پاکی اس کے لئے ہے، وہ برتر ہے۔ ان سب سے جنہیں یہ شریک اللہ بتلاتے ہیں ○

عذاب کا شوق جلد پورا ہوگا: ☆☆ (آیت:۱) اللہ تعالیٰ قیامت کی نزدیکی کی خبر دے رہا ہے اور گویا کہ وہ قائم ہو چکی۔ اس لئے ماضی کے لفظ سے بیان فرماتا ہے جیسے فرمان ہے، لوگوں کا حساب قریب آ چکا۔ پھر بھی وہ غفلت کے ساتھ منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور آیت میں ہے قیامت قریب آ چکی۔ چاند پھٹ گیا۔ پھر فرمایا، اس قریب والی چیز کے اور قریب ہونے کی تمنائیں نہ کرو۔ ہ کی ضمیر کا مرجع یا تو لفظ اللہ ہے یعنی اللہ سے جلدی نہ چاہو یا عذاب ہیں یعنی عذابوں کی جلدی نہ مچاؤ۔ دونوں معنی ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے، یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں مگر ہماری طرف سے اس کا وقت مقرر نہ ہوتا تو بے شک ان پر عذاب آ جاتے لیکن عذاب ان پر آئے گا ضرور اور وہ بھی ناگہاں ان کی غفلت میں۔ یہ عذابوں کی جلدی کرتے ہیں اور جہنم ان سب کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا ایک عجیب مطلب بیان کیا ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اللہ کے فرائض اور حدود نازل ہو چکے۔ امام ابن جریر ؒ نے اسے خوب رد کیا ہے اور فرمایا ہے، ایک شخص بھی تو ہمارے علم میں ایسا نہیں جس نے شریعت کے وجود سے پہلے اسے مانگنے میں عجلت کی ہو۔ مراد اس سے عذابوں کی جلدی ہے جو کافروں کی عادت تھی کیونکہ وہ انہیں مانتے ہی نہ تھے۔ جیسے قرآن پاک نے فرمایا ہے یَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا الخ، بے ایمان تو اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور ایماندار ان سے لرزاں وترساں ہیں کیونکہ وہ انہیں برحق مانتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عذاب الٰہی میں شک کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑتے ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، قیامت کے قریب مغرب کی جانب سے ڈھال کی طرح کا سیاہ ابر نمودار ہوگا اور وہ بہت جلد آسمان پر چڑھے گا۔ پھر اس میں سے ایک منادی ندا کرے گا۔ لوگ تعجب سے ایک دوسرے سے کہیں گے، میاں کچھ سنا بھی؟ بعض

ہاں کہیں گے اور بعض بات کو اڑا دیں گے۔ وہ پھر دوبارہ ندا کرے گا اور کہے گا اے لوگو! اب تو سب کہیں گے کہ ہاں صاحب آواز تو آئی۔ پھر وہ تیسری دفعہ منادی کرے گا اور کہے گا اے لوگو! امر خداوندی آ پہنچا۔ اب جلدی نہ کرو۔ اللہ کی قسم دو شخص جو کسی کپڑے کو پھیلائے ہوئے ہوں گے سمیٹنے بھی نہ پائیں گے جو قیامت قائم ہو جائے گی۔ کوئی اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہوگا۔ ابھی پانی بھی پلا نہ پایا ہوگا جو قیامت آ جائے گی۔ دودھ دوھنے والے پی بھی نہ سکیں گے کہ قیامت آ جائے گی' ہر ایک نفسا نفسی میں لگ جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نفس کریم سے شرک اور عبادت غیر سے پاکیزگی بیان فرماتا ہے۔ فی الواقع وہ ان تمام باتوں سے پاک' بہت دور اور بہت بلند ہے۔ یہی مشرک ہیں جو منکر قیامت بھی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲

وہی فرشتوں کو اپنی وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے' اتارتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ تو تم مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○

وحی کیا ہے؟: ☆☆ (آیت:۲) روح سے مراد یہاں وحی ہے جیسے آیت وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا الخ' ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنے حکم سے وحی نازل فرمائی حالانکہ تجھے تو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کی ماہیت کیا ہے؟ ہاں ہم نے اسے نور بنا کر جسے بندوں میں سے راستہ دکھا دیا۔ یہاں فرمان ہے کہ ہم اپنے جن بندوں کو چاہیں' پیغمبری عطا فرماتے ہیں' ہمیں ہی اس کا پورا علم ہے کہ اس کے لائق کون ہے؟ ہم ہی فرشتوں میں سے بھی اس اعلیٰ منصب کے فرشتے چھانٹ لیتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اللہ اپنی وحی اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے' اتارتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ہوشیار کر دیں جس دن سب کے سب اللہ کے سامنے ہوں گے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہ ہوگی۔ اس دن ملک کس کا ہوگا؟ صرف اللہ واحد وقہار کا۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگوں میں وحدانیت الٰہ کا اعلان کر دیں۔ اور پارسائی سے دور مشرکوں کو ڈرائیں اور لوگوں کو سمجھا دیں کہ وہ مجھ سے ڈرتے رہا کریں۔ عالم علوی اور سفلی کا خالق اللہ کریم ہی ہے۔ بلند آسمان اور پھیلی ہوئی زمین مع تمام مخلوق کے اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہ سب بطور حق ہے نہ بطور عبث۔ نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا ہوگی۔ وہ تمام اور معبودوں اور مشرکوں سے بری اور بے زار ہے۔ واحد ہے' لاشریک ہے' اکیلا ہی خالق کل ہے۔ اسی لئے اکیلا ہی سزاوار عبادت ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴
وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵
وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶
وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ
الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا' وہ اس سے بری ہے جو مشرک کرتے ہیں ○ اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا کہ وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا ○

اسی نے چوپائے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرمی کے لباس ہیں۔ اور بھی بہت سے نفع ہیں اور بعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں ○ اور ان میں تمہاری رونق بھی ہے۔ جب چرا کر لاؤ تب بھی اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی ○ اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر آدھی جان کے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے ○

انسان حقیر وذلیل لیکن خالق کا انتہائی نافرمان ہے: ☆☆ (آیت: ۳-۴) اس نے انسان کا سلسلہ نطفے سے جاری رکھا ہے جو ایک پانی ہے۔ حقیر وذلیل، یہ جب ٹھیک ٹھاک بنا دیا جاتا ہے تو اکڑ فوں میں آ جاتا ہے، رب سے جھگڑنے لگتا ہے، رسولوں کی مخالفت پر تل جاتا ہے۔ بندہ تھا، چاہئے تو تھا کہ بندگی میں لگا رہتا لیکن یہ تو رندگی کرنے لگا۔ اور آیت میں ہے، اللہ نے انسان کو پانی سے بنایا۔ اس کا نسب اور سسرال قائم کیا اللہ قادر ہے۔ رب کے سوا یہ ان کی پوجا کرنے لگے ہیں جو بے نفع اور بے ضرر ہیں، کافر کچھ اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ سورہ یٰسین میں فرمایا، کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ تو بڑا ہی جھگڑالو نکلا۔ ہم پر بھی باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش بھول گیا۔ کہنے لگا کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اے نبی ﷺ تم ان سے کہہ دو کہ انہیں وہ خالق اکبر پیدا کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا۔ وہ تو ہر طرح کی مخلوق کی ہر طرح کی پیدائش کا پورا عالم ہے۔ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ہتھیلی پر تھوک کر فرمایا کہ جناب باری فرماتا ہے کہ اے انسان تو مجھے کیا عاجز کر سکتا ہے۔ میں نے تو تجھے اس تھوک جیسی چیز سے پیدا کیا ہے۔ جب تو زندگی پا گیا، تنومند ہو گیا، لباس مکان مل گیا تو تو لگا سمیٹنے اور میری راہ سے روکنے؟ اور جب دم گلے میں اٹکا تو تو کہنے لگا کہ اب میں صدقہ کرتا ہوں۔ راہ اللہ دیتا ہوں۔ بس اب صدقے خیرات کا وقت نکل گیا۔

چوپائے اور انسان: ☆☆ (آیت: ۵-۷) جو چوپائے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اور انسان ان سے مختلف فائدے اٹھا رہا ہے، اس نعمت کو رب العالمین بیان فرما رہا ہے جیسے اونٹ، گائے، بکری۔ جس کا مفصل بیان سورہ انعام کی آیت میں آٹھ قسموں سے کیا ہے۔ ان کے بال اون صوف وغیرہ کا گرم لباس اور جڑاول بنتی ہے۔ دودھ پیتے ہیں، گوشت کھاتے ہیں۔ شام کو جب وہ چر چگ کر واپس آتے ہیں، بھری ہوئی کوکھوں والے، بھرے ہوئے تھنوں والے، اونچی کوھانوں والے کتنے بھلے معلوم ہوتے ہیں؟ اور جب چراگاہ کی طرف جاتے ہیں۔ کیسے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر تمہارے بھاری بھاری بوجھ ایک شہر سے دوسرے شہر تک اپنی کمر پر لاد کر لے جاتے ہیں کہ تمہارا وہاں پہنچنا بغیر آدھی جان کئے مشکل تھا۔ حج کے، عمرے کے، جہاد کے، تجارت کے اور ایسے ہی اور سفر انہیں پر ہوتے ہیں، تمہیں لے جاتے ہیں۔ تمہارے بوجھ ڈھوتے ہیں۔ جیسے آیت وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنعَامِ لَعِبْرَةً الخ میں ہے کہ یہ چوپائے جانور بھی تمہاری عبرت کا باعث ہیں، ان کے پیٹ سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور ان سے بہت سے فائدے پہنچاتے ہیں۔ ان کا گوشت بھی تم کھاتے ہو۔ ان پر سواریاں بھی کرتے ہو۔

سمندر کی سواری کے لئے کشتیاں ہم نے بنا دی ہیں۔ اور آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ الخ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں کہ تم ان پر سواری کرو۔ انہیں کھاؤ، نفع اٹھاؤ، دلی حاجتیں پوری کرو اور تمہیں کشتیوں پر بھی سوار کرایا۔ اور بہت سی نشانیاں دکھائیں۔ پس تم ہمارے کس کس نشان کا انکار کرو گے؟ یہاں بھی اپنی یہ نعمتیں جتا کر فرمایا کہ تمہارا وہ رب جس نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع بنا دیا ہے، وہ تم پر بہت ہی شفقت ورحمت والا ہے۔ جیسے سورہ یٰسین میں فرمایا، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھوں چوپائے بنائے اور انہیں ان کا مالک بنا دیا اور انہیں ان کا مطیع بنا دیا کہ بعض کو کھائیں۔ بعض پر سوار ہوں۔ اور آیت میں ہے وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ اس اللہ نے تمہارے لئے کشتیاں بنا دیں اور چوپائے پیدا کر دیئے کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے رب کا فضل وشکر کرو اور کہو وہ پاک ہے جس نے انہیں ہمارا ماتحت کر دیا حالانکہ ہم میں یہ طاقت نہ تھی۔ ہم مانتے ہیں کہ ہم اسی کی جانب

لوٹیں گے۔ دِفْ کے معنی کپڑا اور منافع سے مراد کھانا پینا، نسل حاصل کرنا، سواری کرنا، گوشت کھانا، دودھ پینا ہے۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

گھوڑوں کو، خچروں کو، گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان کی سواری لو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔ اور بھی وہ ایسی بہت چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں ○

سواری کے جانوروں کی حرمت: ☆☆ (آیت:۸) اپنی ایک اور نعمت بیان فرما رہا ہے کہ زینت کے لئے اور سواری کے لئے اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے ہیں۔ بڑا مقصد ان جانوروں کی پیدائش سے انسان کا ہی فائدہ ہے۔ چونکہ انہیں اور چوپایوں پر فضیلت دی اور علیحدہ ذکر کیا، اس وجہ سے بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی دلیل اس آیت سے لی ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ اور ان کی موافقت کرنے والے فقہا کہتے ہیں کہ خچر اور گدھے کے ساتھ گھوڑے کا ذکر ہے اور پہلے کے دونوں جانور حرام ہیں، اس لئے یہ بھی حرام ہوا چنانچہ خچر اور گدھے کی حرمت حدیثوں میں آئی ہے اور اکثر علماء کا مذہب بھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان تینوں کی حرمت آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں چوپایوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہیں تو کھاتے ہو پس یہ تو ہوئے کھانے کے جانور اور ان تینوں کا بیان کر کے فرمایا ہے کہ ان پر تم سواری کرتے ہو پس یہ ہوئے سواری کے جانور۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے گھوڑوں کے، خچروں کے، اور گدھوں کے گوشت کو منع فرمایا ہے لیکن اس کے راویوں میں ایک راوی صالح بن یحییٰ مقدام ہیں جن میں کلام ہے۔

مسند کی اور حدیث میں مقدام بن معدی کرب سے منقول ہے کہ ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں تھے، میرے پاس میرے ساتھی گوشت لائے، مجھ سے ایک پتھر مانگا میں نے دیا۔ انہوں نے اس میں اسے باندھا، میں نے کہا کہ ٹھہرو۔ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کر آؤں۔ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خیبر میں تھے لوگوں نے یہودیوں کے کھیتوں پر جلدی کر دی، حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کر دوں کہ نماز کے لئے آ جائیں اور مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آئے۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو تم نے یہودیوں کے باغات میں گھسنے کی جلدی کی۔ سنو معاہدہ کا مال بغیر حق کے حلال نہیں اور پالتو گدھوں کے اور گھوڑوں کے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک کچلیوں والا درندہ اور ہر ایک پنجے سے شکار کھیلنے والا پرندہ حرام ہے۔ حضور ﷺ کی ممانعت یہود کے باغات سے شاید اس وقت تھی جب ان سے معاہدہ ہو گیا۔ پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو بے شک گھوڑے کی حرمت کے بارے میں تو نص تھی لیکن اس میں صحیحین کی حدیث کے مقابلے کی قوت نہیں جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو منع فرما دیا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔ اور حدیث میں ہے کہ ہم نے خیبر والے دن گھوڑے اور خچر اور گدھے ذبح کئے تو ہمیں حضور ﷺ نے خچر اور گدھے کے گوشت سے تو منع کر دیا لیکن گھوڑے کے گوشت سے نہیں روکا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے مدینے میں حضرت ﷺ کی موجودگی میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ پس یہ سب سے بڑی، سب سے قوی اور سب سے زیادہ ثبوت والی حدیث ہے اور یہی مذہب جمہور علماء کا ہے۔ مالک، شافعی، احمد، ان کے سب ساتھی اور اکثر سلف و خلف یہی کہتے ہیں واللہ اعلم۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے گھوڑوں میں وحشت اور جنگلی پن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے اسے مطیع کر دیا۔ وہب نے اسرائیلی روایتوں میں

بیان کیا ہے کہ جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں واللہ اعلم۔ ان تینوں جانوروں پر سواری لینے کا جواز تو قرآن کے لفظوں سے ثابت ہے۔

حضور ﷺ کو ایک خچر ہدیے میں دیا گیا تھا جس پر آپؐ سواری کرتے تھے۔ ہاں یہ آپؐ نے منع فرمایا ہے کہ گھوڑوں کو گدھیوں سے ملایا جائے۔ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ نسل منقطع نہ ہو جائے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم گھوڑے اور گدھی کے ملاپ سے خچر لیں اور آپ اس پر سوار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' یہ کام وہ کرتے ہیں جو علم سے کورے ہیں۔

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝۹ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ ع۹
وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ
وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱

درمیانی راہ اللہ کی طرف پہنچے والی ہے اور ٹیڑھی راہیں ہیں' اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ پر لگا دیتا ○ وہی تمہارے فائدے کے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اگے ہوئے درختوں کو تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو ○ اسی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے' دھیان دھرنے والے لوگوں کے لئے تو اس میں بڑا ہی نشان ہے ○

تقویٰ بہترین زادراہ ہے : ☆☆ (آیت:۹) دنیوی راہیں طے کرنے کے اسباب بیان فرما کر اب دینی راہ چلنے کے اسباب بیان فرماتا ہے۔ محسوسات سے معنویات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ قرآن میں اکثر بیانات اس قسم کے موجود ہیں۔ سفر حج کے توشہ کا ذکر کر کے تقویٰ کے توشے کا جو آخرت میں کام دے' بیان ہوا ہے۔ ظاہری لباس کا ذکر فرما کر لباس تقوی کی اچھائی بیان کی ہے۔ اسی طرح یہاں حیوانات سے دنیا کے کٹھن راستے اور دور دراز سفر طے ہونے کا بیان فرما کر آخرت کے راستے دینی راہیں بیان فرمائیں کہ حق راستہ اللہ سے ملانے والا ہے' رب کی سیدھی راہ وہی ہے۔ اسی پر چلو۔ دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ بہک جاؤ گے اور سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ گے۔ فرمایا! میری طرف پہنچنے کی سیدھی راہ یہی ہے جو میں نے بتائی ہے۔ طریق حق جو اللہ سے ملانے والا ہے اللہ نے ظاہر کر دیا ہے اور وہ دین اسلام ہے جسے اللہ نے واضح کر دیا ہے اور ساتھ ہی دوسرے راستوں کی گمراہی بھی بیان فرما دی ہے۔ پس سچا راستہ ایک ہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ باقی اور راہیں غلط راہیں ہیں' حق سے الگ تھلگ ہیں' لوگوں کی اپنی ایجاد ہیں جیسے یہودیت' نصرانیت' مجوسیت وغیرہ۔ پھر فرماتا ہے کہ ہدایت رب کے قبضے کی چیز ہے۔ اگر چاہے تو روئے زمین کے لوگوں کو نیک راہ پر لگا دے' زمین کے تمام باشندے مومن بن جائیں' سب لوگ ایک ہی دین کے عامل ہو جائیں لیکن یہ اختلاف باقی ہی رہے گا مگر جس پر اللہ رحم فرمائے' اسی کے لئے انہیں پیدا کیا ہے۔ تیرے رب کی بات پوری ہو کر ہی رہے گی کہ جہنم' جنت انسان و جنات سے بھر جائے۔

تمہارے فائدوں کے سامان : ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) چوپائے اور دوسرے جانوروں کی پیدائش کا احسان بیان فرما کر مزید احسانوں کا ذکر فرماتا ہے کہ اوپر سے پانی وہی برساتا ہے جس سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اور تمہارے فائدے کے جانور بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میٹھا صاف شفاف' خوش گوار' اچھے ذائقے کا پانی تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ اس کا احسان نہ ہو تو وہ کھاری اور کڑوا بنا

دے۔ اسی آب باراں سے درخت اگتے ہیں اور وہ درخت تمہارے جانوروں کا چارہ بنتے ہیں۔ سوم کے معنی چرنے کے ہیں اسی وجہ سے اہل سائمہ چرنے والے اونٹوں کو کہتے ہیں۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے سورج نکلنے سے پہلے چرانے کو منع فرمایا۔ پھر اس کی قدرت دیکھو کہ ایک ہی پانی سے مختلف مزے کے، مختلف شکل وصورت کے، مختلف خوشبو کے طرح طرح کے پھل پھول وہ تمہارے لئے پیدا کرتا ہے پس یہ سب نشانیاں ایک شخص کو اللہ کی وحدانیت جاننے کے لئے کافی ہیں۔ اسی کا بیان اور آیتوں میں اس طرح ہوا ہے کہ آسمان وزمین کا خالق، بادلوں سے پانی برسانے والا، ان سے ہرے بھرے باغات پیدا کرنے والا، جن کے پیدا کرنے سے تم عاجز تھے، اللہ ہی ہے۔ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں۔ پھر بھی لوگ حق سے ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ۙ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اسی نے رات دن اور سورج چاند کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کے لئے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں ○ اور بھی بہت سی چیزیں طرح طرح کے رنگ روپ کی اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے تو اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ○

سورج چاند کی گردش میں پوشیدہ فوائد: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) اللہ تعالیٰ اپنی اور نعمتیں یاد دلاتا ہے کہ دن رات برابر تمہارے فائدے کے لئے آتے جاتے ہیں۔ سورج چاند گردش میں ہیں، ستارے چمک چمک کر تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں، ہر ایک کا ایک ایسا صحیح اندازہ اللہ نے مقرر کر رکھا ہے جس سے وہ نہ ادھر ادھر ہوں نہ تمہیں کوئی نقصان ہو، ہر ایک رب کی قدرت میں اور اس کے غلبے تلے ہے۔ اس نے چھ دن میں آسمان زمین پیدا کیا۔ پھر عرش پر مستوی ہوا۔ دن رات برابر پے در پے آتے رہتے ہیں، سورج چاند ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ خلق وامر کا مالک وہی ہے۔ وہ رب العالمین بڑی برکتوں والا ہے۔ جو سوچ سمجھ رکھتا ہو اس کے لئے تو اس میں قدرت وسلطنت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان آسمانی چیزوں کے بعد اب تم زمینی چیزیں دیکھو کہ حیوان، کان، نباتات، جمادات وغیرہ مختلف رنگ روپ کی چیزیں بے شمار فوائد کی چیزیں اسی نے تمہارے لئے زمین پر پیدا کر رکھی ہیں۔ جو لوگ اللہ کی نعمتوں کو سوچیں، اور قدر کریں ان کے لئے تو یہ زبردست نشان ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا

لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ۝۱۵ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجۡمِ ہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ۝۱۶
اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۝۱۷ وَ اِنۡ
تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝۱۸

دریا بھی اسی نے تمہارے بس میں کر دیئے ہیں کہ تم اس میں سے نکلا ہوا تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے اپنے پہننے کے زیورات نکال سکو تو آپ دیکھے گا کہ کشتیاں اس میں پانی چیرتی ہوئی ہیں اور اس لئے بھی کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور ہو سکتا ہے کہ تم شکر گزاری بھی کرو ○ اسی نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیئے ہیں تا کہ تمہیں ہلا نہ دے اور نہریں اور راہیں بنا دیں تا کہ تم منزل مقصود کو پہنچو ○ اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں، ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں ○ تو کیا وہ جو پیدا کرے، اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے؟ ○ اگر تم اللہ کی نعمتوں کی گنتی کرنا چاہو تو تم اسے بھی پورا نہیں کر سکتے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

اللہ کے انعامات: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۸) اللہ تعالیٰ اپنی اور مہربانی جتاتا ہے کہ سمندر پر دریا پر بھی اس نے تمہیں قابض کر دیا، باوجود اپنی گہرائی کے اور اپنی موجوں کے وہ تمہارا تابع ہے، تمہاری کشتیاں اس میں چلتی ہیں۔ اسی طرح اس میں سے مچھلیاں نکال کر ان کے تر و تازہ گوشت تم کھاتے ہو۔ مچھلی حلت کی حالت میں، احرام کی حالت میں، زندہ ہو یا مردہ ہو، اللہ کی طرف سے حلال ہے۔ لولو اور جواہر اس نے تمہارے لئے اس میں پیدا کیے ہیں جنہیں تم سہولت سے نکال لیتے ہو اور بطور زیور کے اپنے کام میں لیتے ہو۔ پھر اس میں کشتیاں ہواؤں کو ہٹاتی، پانی کو چیرتی اپنے سینوں کے بل تیرتی چلی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے۔ انہی کو کشتی بنانا رب عالم نے سکھایا، پھر لوگ برابر بناتے چلے آئے اور ان پر دریا کے لمبے لمبے سفر طے ہونے لگے، اس پار کی چیزیں اس پار اور اس پار کی اس پار آنے جانے لگیں۔ اسی کا بیان اس میں ہے کہ تم اللہ کا فضل یعنی اپنی روزی تجارت کے ذریعہ ڈھونڈو۔ اور اس کی نعمت و احسان کا شکر مانو اور قدر دانی کرو۔ مسند بزار میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغربی دریا سے کہا کہ میں اپنے بندوں کو تجھ میں سوار کرنے والا ہوں، تو ان کے ساتھ کیا کرے گا؟ اس نے کہا، ڈبو دوں گا، فرمایا، تیری تیزی تیرے کناروں پر ہے اور انہیں میں اپنے ہاتھ میں لے چلوں گا۔ تجھے میں نے زیور اور شکار سے محروم کیا۔

پھر مشرقی سمندر سے یہی بات کہی، اس نے کہا، میں اپنے ہاتھوں پر انہیں اٹھاؤں گا اور جس طرح ماں اپنے بچے کی خبر گیری کرتی ہے، میں ان کی کرتا رہوں گا۔ پس اسے اللہ تعالیٰ نے زیور بھی دیئے اور شکار بھی۔ اس حدیث کا راوی صرف عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔ عبداللہ بن عمرو سے بھی یہ روایت موقوفاً مروی ہے۔ اس کے بعد زمین کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس کے ٹھہرانے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس پر مضبوط اور وزنی پہاڑ جما دیئے کہ اس کے ہلنے کی وجہ سے اس پر رہنے والوں کی زندگی دشوار نہ ہو جائے۔ جیسے فرمان ہے وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰهَا حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی تو وہ ہل رہی تھی یہاں تک کہ فرشتوں نے کہا، اس پر تو کوئی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ صبح دیکھتے ہیں کہ پہاڑ اس پر گاڑ دیئے گئے ہیں اور اس کا ہلنا موقوف ہو گیا۔ پس فرشتوں کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پہاڑ کس چیز سے پیدا کیے گئے۔ قیس بن عبادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین نے کہا، تو مجھ پر بنی آدم کو بساتا ہے جو میری پیٹھ پر گناہ کریں گے اور خباثت پھیلائیں گے۔ وہ کانپنے لگی۔

پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اس پر جما دیا جنہیں تم دیکھ رہے ہو اور بعض کو دیکھتے ہی نہیں ہو۔ یہ بھی اس کا کرم ہے کہ اس نے نہریں، چشمے

اور دریا چاروں طرف بہا دیئے، کوئی تیز ہے، کوئی مندا، کوئی لمبا ہے، کوئی مختصر، کبھی کم پانی ہے، کبھی زیادہ، کبھی بالکل سوکھا پڑا ہے۔ پہاڑوں پر، جنگلوں میں، ریت میں، پتھروں میں برابر یہ چشمے بہتے رہتے ہیں اور ریل پیل کر دیتے ہیں۔ یہ سب اس کا فضل و کرم، لطف و رحم ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی پروردگار نہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت، وہی رب ہے۔ وہی معبود ہے، اسی نے راستے بنا دیئے ہیں، خشکی میں، تری میں، پہاڑ میں، جنگل میں، بستی میں، اجاڑ میں، ہر جگہ اس کے فضل و کرم سے راستے موجود ہیں کہ ادھر سے ادھر لوگ جا آ سکیں۔ کوئی تنگ راستہ ہے، کوئی وسیع، کوئی آسان کوئی سخت۔ اور بھی علامتیں اس نے مقرر کر دیں جیسے پہاڑ ہیں، ٹیلے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جن سے تری خشکی کے رہرو مسافر راہ معلوم کر لیتے ہیں۔ اور بھٹکے ہوئے سیدھے رستے لگ جاتے ہیں۔ ستارے بھی رہنمائی کے لئے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں انہی سے راستہ اور سمت معلوم ہوتی ہے۔ مالک سے مروی ہے کہ نجوم سے مراد پہاڑ ہیں۔ پھر اپنی عظمت و کبریائی کا بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ لائق عبادت اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اللہ کے سوا جن جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں، وہ محض بے بس ہیں۔ کسی چیز کے پیدا کرنے کی انہیں طاقت نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے۔ ظاہر ہے کہ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں۔ پھر دونوں کی عبادت کرنا کس قدر ستم ہے؟ اتنا بھی بے ہوش ہو جانا شایان انسانیت نہیں۔

پھر اپنی نعمتوں کی فراوانی اور کثرت بیان فرماتا ہے کہ تمہاری گنتی میں بھی نہیں آ سکتیں، اتنی نعمتیں میں نے تمہیں دے رکھی ہیں، یہ بھی تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ میری نعمتوں کی گنتی کر سکو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرماتا رہتا ہے۔ اگر اپنی تمام تر نعمتوں کا شکر بھی تم سے طلب کرے تو تمہارے بس کا نہیں۔ اگر ان نعمتوں کے بدلے تم سے چاہے تو تمہاری طاقت سے خارج ہے۔ سنو اگر وہ تم سب کو عذاب کرے تو بھی وہ ظالم نہیں لیکن وہ غفور و رحیم اللہ تمہاری برائیوں کو معاف فرما دیتا ہے، تمہاری تقصیروں سے تجاوز کر لیتا ہے۔ توبہ، رجوع، اطاعت اور طلب رضامندی کے ساتھ جو گناہ ہو جائیں، ان سے چشم پوشی کر لیتا ہے۔ بڑا ہی رحیم ہے، توبہ کے بعد عذاب نہیں کرتا۔

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ ﴿۲۰﴾
اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۲ ۸

جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو، اللہ سب کچھ جانتا ہے ○ جن جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں ○ مردے ہیں۔ زندہ نہیں، انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے ○

اللہ خالق کل: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۱) چھپا کھلا سب کچھ اللہ جانتا ہے، دونوں اس پر یکساں۔ ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ قیامت کے دن دے گا۔ نیکوں کو جزا، بدوں کو سزا۔ جن معبودان باطل سے لوگ اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں، وہ کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ جیسے کہ خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ تم انہیں پوجتے ہو جنہیں خود بناتے ہو۔ درحقیقت تمہارا اور تمہارے کاموں کا خالق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ بلکہ تمہارے معبود جو اللہ کے سوا جمادات، بے روح چیزیں، سنتے سیکھتے اور شعور نہیں رکھتے، انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ قیامت کب ہو گی؟ تو ان سے نفع کی امید اور ثواب کی توقع کیسے رکھتے ہو؟ یہ امید تو اس اللہ سے ہونی چاہئے جو ہر چیز کا عالم اور تمام کائنات کا خالق ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ
مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَ اِذَا قِيْلَ
لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا
اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

تم سب کا معبود صرف اللہ اکیلا ہے' آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل منکر ہیں اور وہ خود تکبر سے بھرے ہوئے ہیں ○ بے شک وشبہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جسے چھپائیں اور جسے ظاہر کریں' بخوبی جانتا ہے' وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○ ان سے جب دریافت کیا جائے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے تو جواب دیتے ہیں۔ اگلوں کی کہانیاں ہیں ○ اسی کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصے دار ہوں گے جنھیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے' دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں؟ ○

(آیت: ۲۲-۲۳) اللہ ہی معبود برحق ہے' اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں' وہ واحد ہے' احد ہے' فرد ہے' صمد ہے۔ کافروں کے دل بھلی بات سے انکار کرتے ہیں۔ وہ اس حق کلمے کو سن کر سخت حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ واحد کا ذکر سن کر ان کے دل مرجھا جاتے ہیں۔ ہاں اوروں کا ذکر ہو تو کھل جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی عبادت سے مغرور ہیں۔ نہ ان کے دل میں ایمان نہ عبادت کے عادی۔ ایسے لوگ ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔ یقیناً خدائے تعالیٰ ہر چھپے کھلے کا عالم ہے ہر عمل پر جزا اور سزا دے گا۔ وہ مغرور لوگوں سے بے زار ہے۔

قرآن حکیم کے ارشادات کو دیرینہ کہنا کفر کی علامت ہے: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۵) ان منکرین قرآن سے جب سوال کیا جائے کہ کلام اللہ میں کیا نازل ہوا تو اصل جواب سے ہٹ کر بک دیتے ہیں کہ سوائے گزرے ہوئے افسانوں کے کیا رکھا ہے؟ وہی لکھ لئے ہیں اور صبح شام دہرا رہے ہیں۔ پس رسول ﷺ پر افترا باندھتے ہیں۔ کبھی کچھ کہتے ہیں۔ کبھی اس کے خلاف اور کچھ کہنے لگتے ہیں۔ دراصل کسی بات پر جم ہی نہیں سکتے اور یہ بہت بری دلیل ہے ان کے تمام اقوال کے باطل ہونے کی۔ ہر ایک جو حق سے ہٹ جائے' وہ یونہی مارا مارا بہکا بہکا پھرتا ہے۔ کبھی حضور ﷺ کو جادوگر کہتے' کبھی شاعر' کبھی کاھن' کبھی مجنوں۔ پھر ان کے بڈھے گرو ولید بن مغیرہ مخزومی نے انہیں بڑے غور و خوض کے بعد کہا کہ سب مل کر اس کلام کو موثر جادو کہا کرو۔ ان کے اس قول کا نتیجہ بد ہوگا اور ہم نے انہیں اس راہ پر اس لئے لگا دیا ہے کہ یہ اپنے پورے گناہوں کے ساتھ ان کے بھی کچھ گناہ اپنے اوپر لا دیں جو ان کے مقلد ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے' ہدایت کی دعوت دینے والے کو اپنے اجر کے ساتھ اپنے متبع لوگوں کا اجر بھی ملتا ہے لیکن ان کے اجر کم نہیں ہوتے اور برائی کی طرف بلانے والوں کو ان کی ماننے والوں کے گناہ بھی ملتے ہیں لیکن ماننے والوں کے گناہ کم ہو کر نہیں۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ الخ یہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ہی ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کے افترا کا سوال ان سے قیامت کے دن ہونا ضروری ہے۔ پس ماننے والوں کے بوجھ گو ان کی گردنوں پر ہیں لیکن وہ بھی ہلکے نہیں ہوں گے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ
الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ
شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا- آخرش حکم اللہ ان کی عمارتوں کی جڑوں سے پہنچا اور ان کے سروں پر ان کی چھتیں اوپر سے گر پڑیں اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آ گیا جہاں کا انھیں خواب وخیال بھی نہ تھا ○ پھر قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ انھیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم لڑتے جھگڑتے رہتے تھے؟ جنہیں علم دیا گیا تھا' وہ جواب دیں گے کہ آج تو کافروں کو رسوائی اور برائی چمٹ گئی ○

نمرود کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) بعض تو کہتے ہیں اس مکار سے مراد نمرود ہے جس نے بالا خانہ تیار کیا تھا- سب سے پہلے سب سے بڑی سرکشی اسی نے زمین میں کی- اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کرنے کو ایک مچھر بھیجا جو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا بھیجا چاٹتا رہا' اس مدت میں اسے اس وقت قدرے سکون معلوم ہوتا تھا جب اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جائیں' خوب دونوں ہاتھوں کے زور سے اس کے سر پر ہتھوڑے پڑتے رہتے تھے- اس نے چار سو سال تک سلطنت بھی کی تھی اور خوب فساد پھیلایا تھا- بعض کہتے ہیں' اس سے مراد بخت نصر ہے- یہ بھی بڑا مکار تھا لیکن اللہ کو کوئی کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ گو اس کا مکر پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے سرکا دینے والا ہو- بعض کہتے ہیں' یہ تو کافروں اور مشرکوں نے اللہ کے ساتھ جو غیروں کی عبادت کی' ان کے عمل کی بربادی کی مثال ہے جیسے نوح نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا- وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ان کافروں نے بڑا ہی مکر کیا' ہر حیلے سے لوگوں کو گمراہ کیا' ہر وسیلے سے انہیں شرک پر آمادہ کیا- چنانچہ ان کے چیلے قیامت کے دن ان سے کہیں گے کہ تمہارا رات دن کا مکر کہ ہم سے کفر و شرک کے لیے کہنا- الخ

ان کی عمارت کی جڑ اور بنیاد سے عذاب الٰہی آیا یعنی بالکل ہی کھو دیا- اصل سے کاٹ دیا جیسے فرمان ہے' جب لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے- اور فرمان ہے ان کے پاس اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں کا انہیں خیال بھی نہ تھا' ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ یہ اپنے ہاتھوں اپنے مکانات تباہ کرنے لگے اور دوسری جانب سے مومنوں کے ہاتھوں مٹے' عقل مندو! عبرت حاصل کرو- یہاں فرمایا کہ اللہ کا عذاب ان کی عمارت کے نیچے تلے سے آ گیا اور ان پر اوپر سے چھت آ پڑی اور نادانستہ جگہ سے ان پر عذاب اتر آیا- قیامت کے دن کی رسوائی اور فضیحت ابھی باقی ہے- اس وقت چھپا ہوا سب کھل جائے گا- اندر کا سب باہر آ جائے گا- سارا معاملہ طشت ازبام ہو جائے گا- حضور ﷺ فرماتے ہیں' ہر غدار کے لئے اس کے پاس ہی جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جو اس کے غدر کے مطابق ہوگا- اور مشہور کر دیا جائے گا کہ فلاں کا یہ غدر ہے جو فلاں کا لڑکا تھا- اسی طرح ان لوگوں کو بھی میدان محشر میں سب کے سامنے رسوا کیا جائے گا- ان سے ان کا پروردگار ڈانٹ ڈپٹ کر دریافت فرمائے گا کہ جن کی حمایت میں تم میرے بندوں سے الجھتے رہتے تھے' وہ آج کہاں ہیں؟ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے؟ آج بے یار و مددگار کیوں ہو؟ یہ چپ ہو جائیں گے' کیا جواب دیں؟ لاچار ہو جائیں گے' کون سی جھوٹی دلیل پیش کریں؟ اس وقت علماء کرام جو دنیا اور آخرت میں اللہ کے اور مخلوق کے پاس عزت رکھتے ہیں' جواب دیں گے کہ رسوائی اور عذاب آج

کافروں کو گھیرے ہوئے ہے اور ان کے معبودان باطل ان سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا
السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ
مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹

یہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ فرشتے جب ان کی جان قبض کرنے لگے' اس وقت انھوں نے صلح کی بات ڈالی کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے' کیوں نہیں؟ اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے ○ پس اب تو ہمیشگی کے طور پر تم جہنم کے دروازوں سے جہنم میں جاؤ' سو کیا ہی برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا ○

مشرکین کی جان کنی کا عالم: ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) مشرکین کی جانکنی کے وقت کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب فرشتے ان کی جان لینے کے لئے آتے ہیں تو یہ اس وقت سننے' عمل کرنے اور مان لینے کا اقرار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے کرتوت چھپاتے ہوئے اپنی بے گناہی بیان کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھا کر اپنا مشرک نہ ہونا بیان کریں گے۔ جس طرح دنیا میں اپنی بے گناہی پر لوگوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے' انہیں جواب ملے گا کہ جھوٹے ہو' بداعمالیاں جی کھول کر کر چکے ہو' اللہ غافل نہیں جو باتوں میں آ جائے۔ ہر ایک عمل اس پر روشن ہے۔ اب اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتو اور جہنم کے دروازوں سے جا کر ہمیشہ اسی بری جگہ میں پڑے رہو۔ مقام برا' مکان برا' ذلت و رسوائی والا' اللہ کی آیتوں سے تکبر کرنے کا اور اس کے رسولوں کی اتباع سے جی چرانے کا یہی بدلہ ہے۔ مرتے ہی ان کی روحیں جہنم رسید ہوئیں اور جسموں پر قبروں میں جہنم کی گرمی اور اس کی لپک آنے لگی۔ قیامت کے دن روحیں جسموں سے مل کر نار جہنم میں گئیں۔ اب نہ موت نہ تخفیف۔ جیسے فرمان باری ہے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا الخ یہ دوزخ کی آگ کے سامنے ہر صبح شام لائے جاتے ہیں۔ قیامت کے قائم ہوتے ہی اے آل فرعون تم سخت تر عذاب میں چلے جاؤ۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ
دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱
الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲

پرہیزگاروں سے پوچھا جائے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا' جن لوگوں نے بھلائی کی' ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے' کیا ہی خوب پرہیزگاروں کا گھر ہے ○ ہمیشگی والے باغات جہاں وہ جائیں گے جن کے نیچے نہریں لہریں لے

رہی ہیں۔ جو کچھ یہ طلب کریں، وہاں ان کے لئے موجود ہے، پرہیز گاروں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح بدلے عطا فرماتا ہے ○ ان کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں۔ کہتے ہیں کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے ○

متقیوں کے لئے بہترین جزا: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) بروں کے حالات بیان فرما کر نیکوں کے حالات جو ان کے بالکل برعکس ہیں، بیان فرما رہا ہے۔ برے لوگوں کا جواب تو یہ تھا کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب صرف گزرے لوگوں کے افسانے کی نقل ہے لیکن یہ نیک لوگ جواب دیتے ہیں کہ وہ سراسر برکت و رحمت ہے۔ جو بھی اسے مانے اور اس پر عمل کرے، وہ برکت و رحمت سے مالا مال ہو جائے۔ پھر خبر دیتا ہے کہ میں اپنے رسولوں سے وعدہ کر چکا ہوں کہ نیکوں کو دونوں جہان کی خوشی حاصل ہوگی۔ جیسے فرمان ہے کہ جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ مومن ہو تو ہم اسے بڑی پاک زندگی عطا فرمائیں گے اور اس کے بہترین اعمال کا بدلہ بھی ضرور دیں گے۔ دونوں جہان میں وہ جزا پائے گا۔ یاد رہے کہ دار آخرت، دار دنیا سے بہت ہی افضل و احسن ہے۔ وہاں کی جزا نہایت اعلیٰ اور دائمی ہے جیسے قارون کے مال کی تمنا کرنے والوں سے علماء کرام نے فرمایا تھا کہ ثواب الٰہی بہتر ہے الخ، قرآن فرماتا ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ اللہ کے پاس کی چیزیں نیک کاروں کے لئے بہت اعلیٰ ہیں۔ اور جگہ ہے، آخرت خیر اور باقی ہے۔ اپنے نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا، تیرے لئے آخرت دنیا سے اعلیٰ ہے۔ پھر فرماتا ہے، دار آخرت متقیوں کے لئے بہت ہی اچھا ہے۔ جنّت عدن بدل ہے دار المتقین کا یعنی ان کے لئے آخرت میں جنت عدن ہے جہاں وہ رہیں گے جس کے درختوں اور محلوں کے نیچے سے برابر چشمے ہر وقت جاری ہیں، جو چاہیں گے، پائیں گے۔

حدیث میں ہے، اہل جنت بیٹھے ہوں گے، سر پر ابر اٹھے گا اور جو خواہش یہ کریں گے، وہ ان کو عطا کرے گا یہاں تک کہ کوئی کہے گا، آنکھوں کی ہر ٹھنڈک موجود ہوگی اور وہ بھی ہیشگی والی۔ اس کو ہم عمر کنواریاں ملیں تو یہ بھی ہوگا۔ پرہیز گار، تقویٰ شعار لوگوں کے بدلے اللہ ایسے ہی دیتا ہے جو ایمان دار ہوں، ڈرنے والے ہوں اور نیک عمل ہوں۔ ان کے انتقال کے وقت یہ شرک کی گندگی سے پاک ہوتے ہی فرشتے آتے ہیں، سلام کرتے ہیں، جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ جیسے فرمان عالی شان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ الخ جن لوگوں نے اللہ کو رب مانا، پھر اس پر جمے رہے، ان کے پاس فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں، تم کوئی غم نہ کرو، جنت کی خوشخبری سنو، جس کا تم سے وعدہ تھا، ہم دنیا و آخرت میں تمہارے والی ہیں، جو تم چاہو گے، پاؤ گے، جو مانگو گے، ملے گا۔ تم تو اللہ غفور و رحیم کے مہمان ہو۔ اس مضمون کی حدیثیں ہم آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الخ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ
كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾ ع ٩/١٠

کیا یہ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا تیرے رب کا حکم آ جائے؟ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے تھے، ان پر اللہ تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انہیں مل گئے۔ اور جس کی ہنسی اڑاتے تھے، وہ ان پر

الٹ پڑا ○

فرشتوں کا انتظار: ☆☆ (آیت:۳۳-۳۴) اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکوں کو ڈانٹتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں تو ان فرشتوں کا انتظار ہے جو ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے۔ یا قیامت کا انتظار ہے اور اس کے افعال واحوال کا۔ ان جیسے ان سے پہلے کے مشرکین کا بھی یہی وطیرہ رہا یہاں تک کہ ان پر عذاب الٰہی آ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کر کے' ان کے عذر ختم کر کے' کتابیں اتار کر' رسول بھیج کر پھر بھی ان کے انکار کی شدت کے بعد ان پر عذاب اتارے۔ اللہ کے رسولوں کی دھمکیوں کو مذاق میں اڑانے کے وبال میں گھر گئے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنا بگاڑ لیا۔ اسی لئے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ
مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ
كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ
وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

مشرک لوگ کہنے لگے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے' یہی فعل ان سے پہلے کے لوگوں کا رہا' تو رسولوں پر تو صرف کھلم کھلا پیغام کا پہنچا دینا ہے ○ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرتے رہو اور اس کے سوا کے تمام معبودوں سے بچو' پس بعض لوگوں کو تو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہو چکی' تم آپ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ○ گو تو ان کی ہدایت کا لالچی رہ لیکن اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کر دے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے ○

الٹی سوچ: ☆☆ (آیت:۳۵-۳۷) مشرکوں کی الٹی سوچ دیکھئے۔ گناہ کریں' شرک پر اڑیں' حلال کو حرام کریں' جیسے جانوروں کو اپنے خداؤں کے نام سے منسوب کرنا اور تقدیر کو حجت بنائیں اور کہیں کہ اگر اللہ کو ہمارے اور ہمارے بڑوں کے یہ کام برے لگتے تو ہمیں اسی وقت سزا ملتی۔ انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ ہمارا دستور نہیں' ہمیں تمہارے یہ کام سخت ناپسند ہیں اور ان کی ناپسندیدگی کا اظہار ہم اپنے سچے پیغمبروں کی زبانی کر چکے۔ سخت تاکیدی طور پر تمہیں ان سے روک چکے' ہر بستی میں' ہر جماعت' ہر شہر میں اپنے پیغامبر بھیجے' سب نے اپنا فرض ادا کیا۔ بندگان رب میں اللہ کے احکام کی تبلیغ صاف صاف کر دی۔ سب سے کہہ دیا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا دوسرے کو نہ پوجو' سب سے پہلے جب شرک کا ظہور زمین پر ہوا' اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو خلعت نبوت دے کر بھیجا اور سب سے آخر ختم المرسلین کا لقب دے کر رحمتہ اللعالمین کو اپنا نبی بنایا جن کی دعوت تمام جن وانس کے لئے زمین کے اس کونے سے اس کونے تک تھی جیسے فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پس تم صرف میری ہی عبادت کرو۔ ایک اور آیت میں ہے، تو اپنے سے پہلے کے رسولوں سے پوچھ لے کہ کیا ہم نے ان کے لئے سوائے اپنے اور معبود مقرر کئے تھے جن کی وہ عبادت کرتے ہوں؟ یہاں بھی فرمایا، ہر امت کے رسولوں کی دعوت، توحید کی تعلیم اور شرک سے بے زاری ہی رہی۔ پس مشرکین کو اپنے شرک پر، اللہ کی چاہت، اس کی شریعت سے معلوم ہوتی ہے اور وہ ابتدا ہی سے شرک کی بیخ کنی اور توحید کی مضبوطی کی ہے۔ تمام رسولوں کی زبانی اس نے یہی پیغام بھیجا۔ ہاں انہیں شرک کرتے ہوئے چھوڑ دینا یہ اور بات ہے جو قابل حجت نہیں۔ اللہ نے جہنم اور جہنمی بھی تو بنائے ہیں۔ شیطان کافر سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اپنے بندوں سے ان کے کفر پر راضی نہیں۔ اس میں بھی اس کی حکمت تامہ اور حجت بالغہ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ رسولوں کے آگاہ کر دینے کے بعد دنیاوی سزائیں بھی کافروں اور مشرکوں پر آئیں۔ بعض کو ہدایت بھی ہوئی۔ بعض اپنی گمراہی میں ہی بھٹکتے رہے۔ تم رسولوں کے مخالفین کا، اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کا انجام زمین میں چل پھر کر آپ دیکھ لو۔ گزشتہ واقعات کا جنہیں علم ہے، ان سے دریافت کر لو کہ کس طرح عذاب الٰہی نے مشرکوں کو غارت کیا۔ اس وقت کے کافروں کے لئے ان کافروں میں مثالیں اور عبرت موجود ہے۔ دیکھ لو انکار رب کا نتیجہ کتنا مہلک ہوا؟ ۔ پھر اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ گو آپ ان کی ہدایت کے کیسے ہی حریص ہوں لیکن بے فائدہ ہے۔ رب ان کی گمراہیوں کی وجہ سے انہیں در رحمت سے دور ڈال چکا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا جسے اللہ ہی فتنے میں ڈالنا چاہے تو اسے کچھ بھی تو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا، اگر اللہ کا ارادہ تمہیں بہکانے کا ہے تو میری نصیحت اور خیر خواہی تمہارے لئے محض بے سود ہے۔ اس آیت میں بھی فرماتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ بہکاوے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، وہ تو دن بدن اپنی سرکشی اور بہکاوے میں بڑھتے رہتے ہیں۔ فرمان ہے اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ الخ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ گو تمام نشانیاں ان کے پاس آ جائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کا منہ دیکھ لیں۔ پس اللہ یعنی اس کی شان، اس کا امر۔ اس لئے کہ جو وہ چاہتا ہے، ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ پس فرماتا ہے کہ وہ اپنے گمراہ کئے ہوئے کو راہ نہیں دکھاتا۔ نہ کوئی اور اس کی رہبری کر سکتا ہے نہ کوئی اس کی مدد کے لئے اٹھ سکتا ہے کہ عذاب الٰہی سے بچا سکے۔ خلق و امر اللہ ہی کا ہے وہ رب العالمین ہے، اس کی ذات بابرکت ہے، وہی سچا معبود ہے۔

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ۙ لَا يَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ يَّمُوۡتُ ؕ بَلٰى وَعۡدًا
عَلَيۡهِ حَقًّا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ
لَهُمُ الَّذِىۡ يَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ كَانُوۡا
كٰذِبِيۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَىۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ
لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۴۰﴾ ع

ع ۶ ۱۱

بڑی سخت سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو اللہ زندہ نہیں کرے گا، ہاں ضرور زندہ کرے گا۔ یہ تو اس کا برحق لازمی وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ بے علمی کر رہے ہیں ○ اس لئے بھی کہ یہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے تھے اسے اللہ تعالیٰ صاف کر دے اور اس لئے بھی کہ خود کافر اپنا جھوٹا ہونا جان لیں ○ ہم جب کسی چیز کا

ارادہ کریں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے ○

قیامت یقیناً قائم ہوگی: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) چونکہ کافر قیامت کے قائل نہیں اس لئے دوسروں کو بھی اس عقیدے سے ہٹانے کے لئے وہ پوری کوشش کرتے ہیں۔ ایمان فروشی کر کے اللہ کی تاکیدی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اللہ کا یہ وعدہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ بوجہ اپنی جہالت اور لاعلمی کے رسولوں کا خلاف کرتے ہیں اللہ کی باتوں کو نہیں مانتے اور کفر کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ پھر قیامت کے آنے اور جسموں کے دوبارہ زندہ ہونے کی بعض حکمتیں ظاہر فرماتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ جائے۔ اس وقت سب دیکھ لیں گے کہ انہیں دھکے دے کر جہنم میں جھونکا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جہنم جس کا تم انکار کرتے رہے اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو؟ اس میں اب پڑے رہو۔ صبر سے رہو یا ہائے وائے کرو سب برابر ہے۔ اعمال کا بدلہ بھگتنا ضروری ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝٤١
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٤٢

جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد راہ اللہ میں ترک وطن کیا ہے، ہم انھیں بہتر سے بہتر ٹھکانا دنیا میں عطا فرمائیں گے، اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے ○ جنھوں نے دامن صبر نہ چھوڑا اور اپنے پالنے والے پر ہی بھروسہ کرتے رہے ○

اللہ ہر چیز پر قادر ہے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۲) پھر اپنی بے اندازہ قدرت کا بیان فرماتا ہے کہ جو وہ چاہے اس پر قادر ہے۔ کوئی بات اسے عاجز نہیں کر سکتی، کوئی چیز اس کے اختیار سے خارج نہیں، وہ جو کرنا چاہے، فرما دیتا ہے کہ ہو جا، اسی وقت وہ کام ہو جاتا ہے۔ قیامت بھی اس کے فرمان کا عمل ہے۔ جیسے فرمایا، ایک آنکھ جھپکنے میں اس کا کہا ہو جائے گا، تم سب کا پیدا کرنا اور مرنے کے بعد زندہ کر دینا اس پر ایسا ہی ہے جیسے ایک کو ادھر کہا، ہو جا، ادھر ہو گیا۔ اس کو دوبارہ کہنے یا تاکید کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کے ارادہ سے مراد جدا نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کا خلاف کر سکے۔ اس کے حکم کے خلاف زبان ہلا سکے۔ وہ واحد و قہار ہے، وہ عظمتوں اور عزتوں والا ہے، سلطنت اور جبروت والا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود نہ حاکم نہ رب نہ قادر۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے، اسے ایسا نہیں چاہئے تھا۔ وہ مجھے جھٹلا رہا ہے حالانکہ یہ بھی اسے لائق نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ سخت قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ اللہ مردوں کو پھر زندہ نہ کرے گا۔ میں کہتا ہوں، یقیناً زندہ ہوں گے۔ یہ برحق وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ کہتا ہے، اللہ تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ میں احد ہوں، میں اللہ ہوں، میں صمد ہوں، جس کا ہم جنس کوئی اور نہیں۔ ابن ابی حاتم میں تو یہ حدیث موقوفاً مروی ہے۔ صحیحین میں دوسرے لفظوں کے ساتھ مرفوعاً روایت بھی آئی ہے۔

دین کی پاسبانی میں ہجرت: ☆☆ جو لوگ راہ اللہ میں ترک وطن کر کے، دوست، احباب، رشتے، کنبے، تجارت کو اللہ کے نام پر ترک کر کے دین ربانی کی پاسبانی میں ہجرت کر جاتے ہیں، ان کے اجر بیان ہو رہے ہیں کہ دونوں جہان میں یہ اللہ کے ہاں معزز و محترم ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ سبب نزول اس کا مہاجرین حبش ہوں جو مکے میں مشرکین کی سخت ایذائیں سہنے کے بعد ہجرت کر کے حبش چلے گئے کہ آزادی سے دین حق پر عامل رہیں۔ ان کے بہترین لوگ یہ تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت رقیہ

رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ۔ قریب قریب اسی آدمی تھے، مرد بھی عورتیں بھی جو سب صدیق اور صدیقہ تھے، اللہ ان سب سے خوش ہو اور انہیں بھی خوش رکھے۔

پس اللہ تعالیٰ ایسے سچے لوگوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ انہیں وہ اچھی جگہ عنایت فرمائے گا۔ جیسے مدینہ، اور پاک روزی، مال کا بھی بدلہ ملا اور وطن کا بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص خوف الٰہی سے جیسی چیز کو چھوڑے، اللہ تعالیٰ اسی جیسی اس سے کہیں بہتر پاک اور حلال چیز اسے عطا فرماتا ہے۔ ان غریب الوطن مہاجرین کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حاکم و بادشاہ کر دیا اور دنیا پر ان کو سلطنت عطا کی۔ ابھی آخرت کا اجر و ثواب باقی ہے۔ پس ہجرت سے جان چرانے والے مہاجرین کے ثواب سے واقف ہوتے تو ہجرت میں سبقت کرتے۔ اللہ تعالیٰ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے خوش ہو کہ آپ جب کبھی کسی مہاجر کو اس کا حصہ غنیمت وغیرہ دیتے تو فرماتے لو اللہ تمہیں برکت دے، یہ تو دنیا کا اللہ کا وعدہ ہے اور ابھی اجر آخرت جو بہت عظیم الشان ہے، باقی ہے۔ پھر اسی آیت مبارک کی تلاوت کرتے۔ ان پاکباز لوگوں کا اور وصف بیان فرماتا ہے کہ جو تکلیفیں راہ اللہ میں انہیں پہنچتی ہیں، یہ انہیں جھیل لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر جو انہیں توکل ہے، اس میں کبھی فرق نہیں آتا، اسی لئے دونوں جہاں کی بھلائیاں یہ لوگ اپنے دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لیتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا
اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

تجھ سے پہلے بھی ہم انسانوں کو ہی بھیجتے رہے جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے۔ پس تم اگر نہیں جانتے تو یاد والوں سے دریافت کر لو ○ دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ۔ یہ یاد اور کتاب ہم نے تیری طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے، تو اسے کھول کھول کر بیان کر دے شاید کہ وہ دھیان دھریں ○

انسان اور منصب رسالت پر اختلاف : ☆☆ (آیت: ۴۳-۴۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو عرب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ وہ کسی انسان کو اپنا رسول بنائے جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ فرماتا ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب معلوم ہوا کہ ہم نے کسی انسان کی طرف اپنی وحی نازل فرمائی کہ وہ لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اور فرمایا ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے، سبھی انسان تھے جن پر ہماری وحی آتی تھی۔ تم پہلی آسمانی کتاب والوں سے پوچھ لو کہ وہ انسان تھے یا فرشتے؟ اگر وہ بھی انسان ہوں تو پھر اپنے اس قول سے باز آؤ۔ ہاں اگر ثابت ہو کہ سلسلہ نبوت فرشتوں میں ہی رہا تو بے شک اس نبی کا انکار کرتے ہوئے تم اچھے لگو گے۔ اور آیت میں مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کا لفظ بھی فرمایا یعنی وہ رسول بھی زمین کے باشندے تھے۔ آسمان کی مخلوق نہ تھے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مراد اہل ذکر سے اہل کتاب ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ اور اعمش رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ذکر سے مراد قرآن ہے جیسے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ الخ میں ہے۔ یہ قول بجائے خود ٹھیک ہے لیکن

اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن لینا درست نہیں کیونکہ قرآن کے تو وہ لوگ منکر تھے۔ پھر قرآن والوں سے پوچھ کر ان کی تشفی کیسے ہو سکتی تھی؟ اسی طرح امام ابوجعفر باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اہل ذکر ہیں یعنی یہ امت' یہ قول بھی اپنی جگہ ہے۔ درست ہے فی الواقع یہ امت تمام اگلی امتوں سے زیادہ علم والی ہے اور اہل بیت کے علماء اور علماء سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ جب کہ وہ سنت مستقیمہ پر ثابت اور ان کے صاحبزادے جعفر اور ان جیسے اور بزرگ حضرات' اللہ کی رحمت و رضا انہیں حاصل ہو جو کہ اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے اور صراط مستقیم پر قدم جمائے ہوئے اور ہر حقدار کے حق بجالانے والے اور ہر ایک کو اس کی سچی جگہ اتارنے والے' ہر ایک کی قدر و عزت کرنے والے تھے اور خود وہ اللہ کے تمام نیک بندوں کے دلوں میں اپنی مقبولیت رکھتے ہیں۔ یہ بے شک صحیح تو ہے لیکن اس آیت میں یہ مراد نہیں۔ یہاں بیان ہو رہا ہے کہ آپ بھی انسان ہیں اور آپ سے پہلے بھی انبیاء بنی آدم میں سے ہی ہوتے رہے۔ جیسے فرمان قرآن ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا الخ کہہ دے کہ میرا رب پاک ہے۔ میں صرف ایک انسان ہوں جو اللہ کا رسول ہوں۔ لوگ محض یہ بہانہ کر کے رسولوں کا انکار کر بیٹھے کہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنی رسالت دے؟ اور آیت میں ہے' تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' سبھی کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے تھے۔ اور آیت میں ہے' ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہوں یا یہ کہ مرنے والے ہی نہ ہوں۔ اور جگہ ارشاد ہے قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ میں کوئی شروع کا اور پہلا اور نیا رسول تو نہیں؟

ایک اور آیت میں ہے' میں تم جیسا انسان ہوں۔ میری جانب وحی اتاری جاتی ہے الخ' پس یہاں بھی ارشاد ہوا کہ پہلے کی کتابوں والوں سے پوچھ لو کہ نبی انسان ہوتے تھے یا غیر انسان؟ پھر یہاں فرماتا ہے کہ رسول کو وہ دلیلیں دے کر' حجتیں عطا فرما کر بھیجتا ہے' کتابیں ان پر نازل فرماتا ہے' صحیفے انہیں عطا فرماتا ہے۔ زبر سے مراد کتابیں ہیں جیسے قرآن میں اور جگہ ہے وَکُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ جو کچھ انہوں نے کیا' کتابوں میں ہے۔ اور آیت میں ہے وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ ہم نے زبور میں لکھ دیا الخ پھر فرماتا ہے' ہم نے تیری طرف ذکر نازل فرمایا یعنی قرآن اس لئے کہ چونکہ تو اس کے معنی مطلب سے اچھی طرح واقف ہے اسے لوگوں کو سمجھا بجھا دے۔ حقیقتاً اے نبیؐ آپ ہی اس پر سب سے زیادہ حریص ہیں۔ آپؐ ہی اس کے سب سے بڑے عالم ہیں اور آپ ہی اس کے سب سے زیادہ عامل ہیں۔ اس لئے کہ آپ افضل الخلائق ہیں۔ اولاد آدم کے سردار ہیں۔ جو اجمال اس کتاب میں ہے' اس کی تفصیل آپؐ کے ذمے ہے' لوگوں پر جو مشکل ہو' آپؐ اسے سمجھا دیں تا کہ وہ سوچیں' سمجھیں' راہ پائیں اور پھر نجات اور دونوں جہان کی بھلائی حاصل کریں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ
یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ
تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ فَاِنَّ
رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۷﴾

بدترین داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو ○ یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔ یہ کسی صورت میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ○ یا انہیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے' پس یقیناً تمہارا پروردگار اعلیٰ شفقت اور انتہائی رحم والا ہے ○

اللہ عزوجل کا غضب: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور مالک ارض و سماوات اپنے حلم کا باوجود علم کے اور اپنی مہربانی کا

باوجود غصے کے بیان فرماتا ہے کہ وہ اگر چاہے اپنے گنہگار بدکردار بندوں کو زمین میں دھنسا سکتا ہے۔ بے خبری میں ان پر عذاب لا سکتا ہے لیکن اپنی نہایت مہربانی سے درگزر کیے ہوئے ہے جیسے سورہ تبارک میں فرمایا۔ اللہ جو آسمان میں ہے کیا تم اس کے غضب سے نہیں ڈرتے کہ کہیں زمین کو دلدل بنا کر تمہیں اس میں دھنسا نہ دے کہ وہ تمہیں ہچکولے ہی لگاتی رہا کرے کیا تمہیں آسمانوں والے اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟ کہ کہیں وہ تم پر آسمان سے پتھر نہ برسا دے۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مکار بدکردار لوگوں کو ان کے چلتے پھرتے آتے جاتے کھاتے کماتے ہی پکڑ لے۔ سفر حضر رات دن جس وقت چاہے پکڑ لے۔ جیسے فرمان ہے اَفَاَ مِنَ اَهْلُ الْقُرٰى کیا بستی والے اس سے نڈر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رات ہی رات میں ان کے سوتے سلاتے ہی آ جائے یا دن چڑھے ان کے کھیل کود کے وقت ہی آ جائے۔ اللہ کو کوئی شخص اور کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا۔ وہ ہارنے والا تھکنے والا اور ناکام ہونے والا نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ڈر خوف کے انہیں پکڑ لے تو دونوں عتاب ایک ساتھ ہو جائیں۔ ڈر اور پھر پکڑ۔ ایک کو اچانک موت آ جائے اور دوسرا ڈرے۔ پھر مرے۔ لیکن رب العلیٰ رب کائنات بڑا ہی رؤف و رحیم ہے اس لئے جلدی نہیں پکڑتا۔ صحیحین میں ہے خلاف طبع باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ انہیں رزق و عافیت عنایت فرماتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑ نازل فرماتا ہے پھر وہ اچانک تباہ ہو جاتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے آیت وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الخ پڑھی۔ اور آیت قرآن میں ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ الخ بہت سی بستیاں ہیں جنہیں میں نے کچھ مہلت دی لیکن آخر ان کے ظلم کی بناء پر انہیں گرفتار کر لیا۔ لوٹنا تو میری ہی جانب ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۩ ﴿۵۰﴾

کیا انھوں نے مخلوق اللہ میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ اس کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ کے سامنے سربسجود ہیں اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں ○ یقیناً آسمان و زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تو تکبر نہیں کرتے ○ اور اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے کپکپاتے رہتے ہیں اور جو حکم مل جائے اس کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں ○

عرش سے فرش تک: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۰) اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کی عظمت و جلالت کبریائی اور بے ہمتائی کا خیال کیجئے کہ ساری مخلوق عرش سے فرش تک اس کے سامنے مطیع اور غلام جمادات و حیوانات انسان اور جنات فرشتے اور کل کائنات اس کی فرمانبردار ہر چیز صبح شام اس کے سامنے ہر طرح سے اپنی عاجزی اور بے کسی کا ثبوت پیش کرنے والی جھک جھک کر اس کے سامنے سجدے کرنے والی۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں سورج ڈھلتے ہی تمام چیزیں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑتی ہیں۔ ہر ایک رب العالمین کے سامنے ذلیل و پست ہے عاجز و بے بس ہے پہاڑ وغیرہ کا سجدہ ان کا سایہ ہے سمندر کی موجیں اس کی نماز ہے۔ انہیں گویا ذوی العقول سمجھ کر سجدے کی نسبت ان کی طرف کی۔ اور فرمایا زمین

و آسمان کے کل جاندار اس کے سامنے سجدے میں ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا الخ ' خوشی ناخوشی ہر چیز رب العالمین کے سامنے سربسجود ہے' ان کے سائے صبح شام سجدہ کرتے ہیں۔ فرشتے بھی باوجود اپنی قدر ومنزلت کے اللہ کے سامنے پست ہیں' اس کی عبادت سے تنگ نہیں آ سکتے۔ اللہ تعالیٰ جل وعلا سے کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں اور جو حکم ہے' اس کی بجا آوری میں مشغول ہیں۔ نہ نافرمانی کرتے ہیں نہ سستی کرتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ
فَارْهَبُوْنِ (51) وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ
وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ (52) وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ
فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ (53) ثُمَّ اِذَا
كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ (54)
لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (55)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ' معبود تو صرف وہی اکیلا ہی ہے' پس تم سب صرف میرا ہی ڈر خوف رکھو ○ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے' کیا پھر بھی تم اس کے سوا اوروں سے ڈرتے رہتے ہو؟ ○ تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں' اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو اسی کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو ○ اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگ جاتے ہیں ○ کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں' اچھا کچھ فائدہ اٹھا لو۔ آخر کار تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا ○

ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۵) اللہ واحد کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں' وہ لاشریک ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے' مالک ہے' پالنہار ہے۔ اسی کی خالص عبادت دائمی اور واجب ہے۔ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کے طریقے نہ اختیار کرنے چاہئیں۔ آسمان وزمین کی تمام مخلوق خوشی یا ناخوشی اس کے ماتحت ہے۔ سب کو لوٹایا جانا اسی کی طرف ہے۔ خلوص کے ساتھ اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے سے بچو۔ دین خالص صرف اللہ ہی کا ہے' آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک وہی تنہا ہے۔ نفع نقصان اسی کے اختیار میں ہے۔ جو کچھ نعمتیں بندوں کے ہاتھ میں ہیں' سب اسی کی طرف سے ہیں' رزق' نعمتیں' عافیت' تصرف اسی کی طرف سے ہے' اسی کے فضل واحسان بدن پر ہیں۔ اور اب بھی ان نعمتوں کے پا لینے کے بعد بھی تم اس کے ویسے ہی محتاج ہو' مصیبتیں اب بھی سر پر منڈلا رہی ہیں۔ سختی کے وقت وہی یاد آتا ہے اور گڑگڑا کر پوری عاجزی کے ساتھ کٹھن وقت میں اسی کی طرف جھکتے ہو۔ خود مشرکین مکہ کا بھی یہی حال تھا کہ جب سمندر میں گھر جاتے' باد مخالف کے جھونکے کشتی کو پتے کی طرح ہچکولے دینے لگتے تو اپنے ٹھاکروں' دیوتاؤں' بتوں' پیروں' فقیروں' ولیوں' نبیوں سب کو بھول جاتے اور خالص اللہ سے لو لگا کر خلوص دل سے اس سے بچاؤ اور نجات طلب کرتے۔ لیکن کنارے پر کشتی کے پار لگتے ہی اپنے پرانے الٰہ سب یاد آ جاتے اور معبود حقیقی کے ساتھ پھر ان کی پوجا پاٹ ہونے لگتی۔ اس سے بڑھ کر بھی ناشکری' کفر اور نعمتوں کی فراموشی اور کیا ہو سکتی ہے؟۔ یہاں بھی فرمایا کہ مطلب نکل جاتے ہی بہت سے لوگ آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ لیکفروا کا لام لام عاقبت ہے اور لام تعلیل بھی کہا گیا ہے یعنی ہم نے یہ خصلت ان کی اس لئے کر دی ہے کہ وہ اللہ کی نعمت پر پردے ڈالیں اور اس کا انکار کریں حالانکہ

دراصل نعمتوں کا دینے والا' مصیبتوں کا دفع کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں۔ پھر انہیں ڈراتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو اپنا کام چلا لو' معمولی سا فائدہ یہاں کا اٹھا لو لیکن اس کا انجام ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا
كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۶ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا
يَشْتَهُوْنَ ۝۵۷ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا
وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ
بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ ۝۵۹ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۰ ع ۱۰ ۱۲

جسے جانتے بوجھتے بھی نہیں' اس کا حصہ ہماری دی ہوئی چیز میں مقرر کرتے ہیں' واللہ ان کے اس بہتان کا سوال ان سے ضرور ہی کیا جائے گا ○ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں اور اپنے لئے وہ جو اپنی خواہش کے مطابق ہو ○ ان میں سے کسی کو جب لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے ○ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے' سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟ ○ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بری مثال ہے' اللہ کے لئے تو نہایت ہی بلند صفت ہے' وہ بڑا ہی غالب اور باحکمت ہے ○

باز پرس لازمی ہوگی: ☆☆ (آیت:۵۶-۶۰) مشرکوں کی بے عقلی اور بے ڈھنگی بیان ہو رہی ہے کہ دینے والا اللہ ہے' سب کچھ اسی کا دیا ہوا اور یہ اس میں سے اپنے جھوٹے معبودوں کے نام کر دیتے ہیں جن کا صحیح علم بھی انہیں نہیں' پھر اس میں سختی ایسی کریں کہ اللہ کے نام کا تو چاہے ان کے معبودوں کے نام ہو جائے لیکن ان کے معبودوں کے نام کیا گیا اللہ کے نام نہ ہو سکے۔ ایسے لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی اور اس افترا کا بدلہ انہیں پورا پورا ملے گا۔ جہنم کی آگ ہوگی اور یہ ہوں گے۔ پھر ان کی دوسری بے انصافی اور حماقت بیان ہو رہی ہے کہ اللہ کے مقرب غلام فرشتے ان کے نزدیک اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ خطا کر کے پھر ان کی عبادت کرتے ہیں جو خطا پر خطا ہے۔ یہاں تین جرم ان سے سرزد ہوئے۔ اولاً تو اللہ کے لئے اولاد ٹھہرانا جو اس سے یکسر پاک ہے۔ پھر اولاد میں سے بھی وہ قسم اسے دینا جسے خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے یعنی لڑکیاں۔ کیا ہی الٹی بات ہے کہ اپنے لئے تو لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں۔ پھر ان کی عبادت کرنا یہ ان کا سراسر بہتان ہے۔ محض جھوٹ ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے لئے اولاد ہو؟ پھر اولاد بھی وہ جو ان کے نزدیک نہایت ردی اور ذلیل چیز ہے۔ کیا حماقت ہے کہ انہیں تو اللہ لڑکے دے اور اپنے لئے لڑکیاں رکھے؟ اللہ اس سے بلکہ اولاد سے پاک ہے۔ انہیں جب خبر ملے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو مارے ندامت وشرم کے منہ کالا پڑ جائے' زبان بند ہو جائے' غم سے کمر جھک جائے' زہر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جائے۔ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرے۔ اسی سوچ میں رہے کہ اب کیا کروں۔ اگر لڑکی کو زندہ چھوڑتا ہوں تو بڑی رسوائی ہے۔ نہ وہ وارث بنے نہ کوئی چیز سمجھی جائے' لڑکے کو اس پر ترجیح دی جائے غرض زندہ رکھے تو نہایت ذلت سے۔ ورنہ صاف بات ہے کہ جیتے جی گڑھا کھودا اور دبا دی۔ یہ حالت تو اپنی ہے۔ پھر اللہ کے لئے یہی چیز ثابت کرتے ہیں۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں؟ کتنی بے حیائی کی تقسیم کرتے ہیں۔ اللہ کے لئے جو بیٹی

ثابت کریں، اسے اپنے لئے سخت تر باعث توہین وتذلیل سمجھیں۔ اصل یہ ہے کہ بری مثال اور نقصان انہی کافروں کے لئے ہے۔ اللہ کے لئے کمال ہے۔ وہ عزیز وحکیم ہے اور ذوالجلال والاکرام ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ
دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا
يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا
جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝۶۲

اگر لوگوں کے گناہ پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا رہتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا۔ وہ تو انھیں ایک وقت مقررہ تک ڈھیل دیئے ہوئے ہے۔ جب ان کا وہ وقت آ جائے گا، پھر نہ تو ایک ساعت کی دیر لگے نہ جلدی ہو ○ اپنے لئے جو مکروہ رکھتے ہیں، اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، ان کی زبانیں جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں کہ ان کے لئے خوبی ہے، نہیں نہیں دراصل ان کے لئے آگ ہے اور یہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں ○

وہ بندوں کو مہلت دیتا ہے: ☆☆ (آیت: ۶۱-۶۲) اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم، لطف ورحم کا بیان ہو رہا ہے کہ بندوں کے گناہ دیکھتا ہے اور پھر بھی انہیں مہلت دیتا ہے۔ اگر فوراً ہی پکڑے تو آج زمین پر کوئی چلتا پھرتا نظر نہ آئے۔ انسانوں کی خطاؤں میں جانور بھی ہلاک ہو جائیں۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے۔ بروں کے ساتھ بھلے بھی پکڑ میں آ جائیں۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے حلم وکرم، لطف ورحم سے پردہ پوشی کر رہا ہے، درگزر فرما رہا ہے، معافی دے رہا ہے۔ ایک خاص وقت تک کی مہلت دیئے ہوئے ہے ورنہ کیڑے اور بھنگے بھی نہ بچتے۔ بنی آدم کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے عذاب الٰہی ایسے آتے کہ سب کو غارت کر جاتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ کوئی صاحب فرما رہے ہیں، ظالم اپنا ہی نقصان کرتا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پرندا پنے گھونسلوں میں بوجہ اس کے ظلم کے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کچھ ذکر کر رہے تھے کہ آپؐ نے فرمایا، اللہ کسی نفس کو ڈھیل نہیں دیتا۔ عمر کی زیادتی نیک اولاد سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔ پھر ان بچوں کی دعائیں ان کی قبر میں انہیں پہنچتی رہتی ہیں۔ یہی ان کی عمر کی زیادتی ہے۔ اپنے لئے یہ ظالم لڑکیاں ناپسند کریں، شرکت نہ چاہیں اور اللہ کے لئے یہ سب روا رکھیں۔ پھر یہ خیال کریں کہ یہ دنیا میں بھی اچھائیاں سمیٹنے والے ہیں اور اگر قیامت قائم ہوئی تو وہاں بھی بھلائی ان کے لئے ہے۔ یہ کہا کرتے تھے کہ نفع کے مستحق اس دنیا میں تو ہم ہیں ہی اور صحیح بات تو یہ ہے کہ قیامت نے آنا نہیں۔ بالفرض آئی بھی تو وہاں کی بہتری بھی ہمارے لئے ہی ہے۔ ان کفار کو عنقریب سخت عذاب چکھنے پڑیں گے۔ ہماری آیتوں سے کفر، پھر آرزو یہ کہ مال واولاد ہمیں وہاں بھی ملے گا۔ سورۂ کہف میں دو ساتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا ہے کہ وہ ظالم اپنے باغ میں جاتے ہوئے اپنے نیک ساتھی سے کہتا ہے میں تو اسے ہلاک ہونے والا جانتا ہی نہیں نہ قیامت کا قائل ہوں اور اگر بالفرض میں دوبارہ زندہ کیا گیا تو وہاں اس سے بھی بہتر چیز دیا جاؤں گا۔ کام برے کریں، آرزو نیکی کی رکھیں، کانٹے بوئیں اور پھل چاہیں۔ کہتے ہیں کعبۃ اللہ شریف کی عمارت کو نئے سرے سے بنانے کے لئے جب ڈھایا تو بنیادوں میں سے ایک پتھر نکلا جس پر ایک کتبہ لکھا ہوا تھا۔ جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہو اور نیکیوں کی

امید رکھتے ہو۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کانٹے بو کر انگور کی امید رکھنا۔ پس ان کی امیدیں تھیں کہ دنیا میں بھی انہیں جاہ وحشمت اور لونڈی غلام ملیں گے اور آخرت میں بھی۔ اللہ فرماتا ہے دراصل ان کے لئے آتش دوزخ تیار ہے۔ وہاں یہ رحمت رب سے بھلا دیئے جائیں گے اور ضائع اور برباد ہو جائیں گے۔ آج یہ ہمارے احکام بھلائے بیٹھے ہیں۔ کل انہیں ہم اپنی نعمتوں سے بھلا دیں گے' یہ جلدی ہی جہنم نشین ہونے والے ہیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ
وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ ع ۸ ۵ ۱۴

قسم اللہ کی ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی اپنے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کی بداعمالی ان کی نگاہوں میں مزین کر دی۔ وہ شیطان آج بھی ان کا رفیق بنا ہوا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ○ اس کتاب کو ہم نے تجھ پر اسی لئے اتارا ہے کہ تو ہر اس چیز کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور یہ رہنمائی اور ایمانداروں کے لئے رحمت ہے ○ اور اللہ آسمان سے پانی برسا کر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے' یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے البتہ نشان ہے جو سنیں ○

شیطان کے دوست: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۵) اے نبی ﷺ آپ تسلی رکھیں۔ آپ کو آپ کی قوم کا جھٹلانا کوئی انوکھی بات نہیں' کون سا نبی آیا جو جھٹلایا نہ گیا؟ باقی رہے جھٹلانے والے' وہ شیطان کے مرید ہیں۔ برائیاں انہیں شیطانی وسواس سے بھلائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کا ولی شیطان ہے۔ وہ انہیں کوئی نفع پہنچانے والا نہیں۔ ہمیشہ کے لئے مصیبت افزا عذابوں میں چھوڑ کر ان سے الگ ہو جائے گا۔ قرآن حق و باطل میں' سچ جھوٹ میں تمیز کرانے والی کتاب ہے' ہر جھگڑا اور ہر اختلاف کا فیصلہ اس میں موجود ہے۔ یہ دلوں کے لئے ہدایت ہے اور ایماندار جو اس پر عامل ہیں' ان کے لئے رحمت ہے۔ اس قرآن سے کس طرح مردہ دل جی اٹھتے ہیں' اس کی مثال مردہ زمین اور بارش کی ہے۔ جو لوگ بات کو سنیں سمجھیں' وہ تو اس سے بہت کچھ عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ
مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا
حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے' اسی میں سے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں

کے لئے سہتا پچتا ہے ○ کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو اور حلال اور عمدہ روزی بھی' جو لوگ عقل رکھتے ہیں' ان کے لئے تو اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے ○

خوشگوار دودھ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا گواہ ہے: ☆☆ (آیت: ۶۶-۶۷) اونٹ' گائے' بکری وغیرہ بھی اپنے خالق کی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں۔ بطونہ میں ضمیر کو یا تو نعمت کے معنی پر لوٹایا ہے یا حیوان پر' چوپائے بھی حیوان ہی ہیں۔ ان حیوانوں کے پیٹ میں جو الا بلا بھری ہوئی ہوتی ہے' اسی میں سے پروردگار عالم تمہیں نہایت خوش ذائقہ' لطیف اور خوشگوار دودھ پلاتا ہے۔ دوسری آیت میں بطونہا ہے۔ دونوں باتیں جائز ہیں۔ جیسے آیت كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ میں ہے اور جیسے آیت وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ میں ہے۔ پس جاء میں مذکر لائے۔ مراد اس سے مال ہے جانور کے بطن میں جو گوبر خون وغیرہ ہے' ان سے بچا کر دودھ تمہارے لئے نکالتا ہے۔ نہ اس کی سفیدی میں فرق آئے نہ حلاوت میں' نہ مزے میں۔ معدے میں غذا پہنچی' وہاں سے خون رگوں کی طرف دوڑ گیا' دودھ تھن کی طرف پہنچا' پیشاب نے مثانے کا راستہ پکڑا' گوبر اپنے مخرج کی طرف جمع ہوا۔ نہ ایک دوسرے سے ملے نہ ایک دوسرے کو بدلے۔ یہ خالص دودھ جو پینے والے کے حلق میں باآرام اتر جائے' اس کی خاص نعمت ہے۔ اس نعمت کے بیان کے ساتھ ہی دوسری نعمت بیان فرمائی کہ کھجور اور انگور کے شیرے سے تم شراب بنا لیتے ہو۔ یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں چیزوں کی شراب ایک ہی حکم میں ہے جیسے مالک رحمتہ اللہ علیہ' شافعی رحمتہ اللہ علیہ' احمد رحمتہ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے اور یہی حکم ہے اور شرابوں کا جو گیہوں' جوار اور شہد سے بنائی جائیں جیسے کہ حدیثوں میں مفصل آ چکا ہے۔ یہ جگہ اس کی تفصیل کی نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں شراب بناتے ہو جو حرام ہے اور اور طرح کھاتے پیتے ہو جو حلال ہے۔ مثلاً خشک کھجوریں' کشمش وغیرہ اور نبیذ شربت بنا کر' سرکہ بنا کر اور کئی اور طریقوں سے۔ پس جن لوگوں کو عقل کا حصہ دیا گیا ہے' وہ اللہ کی قدرت وعظمت کو ان چیزوں اور ان نعمتوں سے بھی پہچان سکتے ہیں۔ دراصل جوہر انسانیت عقل ہی ہے۔ اسی کی نگہبانی کے لئے شریعت مطہرہ نے نشے والی شرابیں اس امت پر حرام کر دیں۔ اسی نعمت کا بیان سورہ یٰسین کی آیت وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ الخ میں ہے یعنی زمین میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگا دیئے اور ان میں پانی کے چشمے بہا دیئے تاکہ لوگ اس کا پھل کھائیں یہ ان کے اپنے بنائے ہوئے نہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر گزاری نہیں کریں گے؟ وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کی پیداوار میں اور خود انسانوں میں اور اس مخلوق میں جسے یہ جانتے ہی نہیں ہر طرح کی جوڑا جوڑا چیزیں پیدا کر دی ہیں۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ
الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ
یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾

تیرے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ پہاڑوں میں' درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی بلند عمارتوں میں اپنے چھتے بنا ○ اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی

آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے پینے کا شہد نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے، غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بھی بہت بڑا نشان ہے ○

وحی سے کیا مراد ہے؟: ☆☆ (آیت: ۶۸-۶۹) وحی سے مراد یہاں پر الہام و ہدایت اور ارشاد ہے- شہد کی مکھیوں کو اللہ کی جانب سے یہ بات سمجھائی گئی کہ وہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور چھتوں میں شہد کے چھتے بنائے- اس ضعیف مخلوق کے اس گھر کو دیکھئے، کتنا مضبوط، کیسا خوبصورت اور کیسی کاری گری کا ہوتا ہے- پھر اسے ہدایت کی اور اس کے لئے مقدر کر دیا کہ یہ پھلوں پھولوں اور گھاس پات کے رس چوستی پھرے اور جہاں چاہے جائے آئے لیکن واپس لوٹتے وقت سیدھی اپنے چھتے کو پہنچ جائے چاہے بلند پہاڑ کی چوٹی ہو چاہے بیابان کے درخت ہوں چاہے آبادی کے بلند مکانات اور ویرانے کے سنسان کھنڈر ہوں، یہ نہ راستہ بھولے نہ بھٹکتی پھرے خواہ کتنی ہی دور نکل جائے- لوٹ کر اپنے چھتے میں اپنے بچوں، انڈوں اور شہد میں پہنچ جائے- اپنے پروں سے موم بنائے- اپنے منہ سے شہد جمع کرے اور دوسری جگہ سے بچے- ذللا کی تفسیر اطاعت گزار اور مسخر سے بھی کی گئی ہے- پس یہ حال ہوگا سالکہ کا جیسے قرآن میں وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ الخ میں بھی یہی معنی مراد ہے- اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ لوگ شہد کے چھتے کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتے ہیں- لیکن پہلا قول بہت زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ اس کے طریق کا حال ہے- ابن جریرؒ دونوں قول صحیح بتلاتے ہیں- ابویعلی موصلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مکھی کی عمر چالیس دن کی ہوتی ہے سوائے شہد کی مکھی کے- کئی مکھیاں آگ میں بھی ہوتی ہیں- شہد کے رنگ مختلف ہوتے ہیں- سفید، زرد، سرخ وغیرہ جیسے پھل پھول اور جیسی زمین- اس ظاہری خوبی اور رنگ کی چمک کے ساتھ اس میں شفا بھی ہے- بہت سی بیماریوں کو اللہ تعالیٰ اس سے دور کر دیتا ہے یہاں فِيْهِ الشِّفَآءُ لِلنَّاسِ نہیں فرمایا ورنہ ہر بیماری کی دوا یہی ٹھہرتی بلکہ فرمایا اس میں شفا ہے لوگوں کے لئے- پس یہ سرد بیماریوں کی دوا ہے- علاج ہمیشہ بیماریوں کے خلاف ہوتا ہے- پس شہد گرم ہے سردی کی بیماری میں مفید ہے-

مجاہد اور ابن جریر سے منقول ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن میں شفا ہے- یہ قول گو اپنے طور پر صحیح ہے اور واقعی قرآن شفا ہے لیکن اس آیت میں یہ مراد لینا سیاق کے مطابق نہیں- اس میں تو شہد کا ذکر ہے اسی لئے مجاہد کے اس قول کی اقتدا نہیں کی گئی- ہاں قرآن کے شفا ہونے کا ذکر آیت وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ الخ میں ہے اور آیت شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ میں ہے- اس آیت میں تو مراد شہد ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ کسی نے آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آ رہے ہیں- آپؐ نے فرمایا، اسے شہد پلاؤ، وہ گیا شہد دیا پھر آیا اور کہا حضور ﷺ اسے تو بیماری اور بڑھ گئی- آپؐ نے فرمایا: جا اور شہد پلا- اس نے جا کر پھر پلایا، پھر حاضر ہو کر یہی عرض کیا کہ دست اور بڑھ گئے، آپؐ نے فرمایا اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا پھر شہد دے- تیسری مرتبہ شہد سے بفضل اللہ شفا حاصل ہو گئی- بعض طبیبوں نے کہا ہے، ممکن ہے اس کے پیٹ میں فضلے کی زیادتی ہو، شہد نے اپنی گرمی کی وجہ سے اس کی تحلیل کر دی- فضلہ خارج ہونا شروع ہوا- دست بڑھ گئے- اعرابی نے اسے مرض کا بڑھ جانا سمجھا- حضور ﷺ سے شکایت کی- آپ ﷺ نے اور شہد دینے کو فرمایا اس سے زور سے فضلہ خارج ہونا شروع ہوا پھر شہد دیا، پیٹ صاف ہو گیا، بلا نکل گئی اور کامل شفا بفضل اللہ حاصل ہو گئی اور حضور ﷺ کی بات جو بہ اشارہ الٰہی تھی، پوری ہو گئی-

بخاری اور مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ سرور رسول ﷺ کو مٹھاس اور شہد سے بہت الفت تھی- آپ کا فرمان ہے کہ تین چیزوں میں شفا ہے- پچھنے لگانے میں، شہد کے پینے میں اور داغ لگوانے میں- لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے روکتا ہوں- بخاری شریف کی

حدیث میں ہے کہ تمہاری دواؤں میں سے کسی میں اگر شفا ہے تو پچھنے لگانے میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے دغوانے میں جو بیماری کے مناسب ہو لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ مسند احمد میں ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتا بلکہ ناپسند رکھتا ہوں۔ ابن ماجہ میں ہے، تم ان دونوں شفاؤں کی قدر کرتے رہو، شہد اور قرآن۔ ابن جریرؒ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کوئی شفا چاہے تو قرآن کریم کی کسی آیت کو کسی صحیفے پر لکھ لے اور اسے بارش کے پانی سے دھو لے اور اپنی بیوی کے مال سے اس کی اپنی رضامندی سے پیسے لے کر شہد خرید لے اور اسے پی لے۔ پس اس میں کئی وجہ سے شفا آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ہم نے قرآن میں وہ نازل فرمایا ہے جو مومنین کے لئے شفا ہے اور رحمت ہے۔

اور آیت میں ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً مُّبٰرَكًا ہم آسمان سے بابرکت پانی برساتے ہیں۔ اور فرمان ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا یعنی اگر عورتیں اپنے مال مہر میں سے اپنی خوشی تمہیں کچھ دے دیں تو بے شک تم اسے کھاؤ پیو مزے سے۔ شہد کے بارے میں فرمان اللہ ہے فیه شفاء للناس شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ ابن ماجہ میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص ہر مہینے میں تین دن صبح کو شہد چاٹ لے، اسے کوئی بڑی بلا نہیں پہنچے گی۔ اس کا ایک راوی زبیر بن سعید متروک ہے۔ ابن ماجہ کی اور حدیث میں آپؐ کا فرمان ہے کہ تم سنا اور سنوت کا استعمال کیا کرو، ان میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے سام کے۔ لوگوں نے پوچھا سام کیا؟ فرمایا موت۔ سنوت کے معنی شبت کے ہیں اور لوگوں نے کہا ہے، سنوت شہد ہے جو گھی کی مشک میں رکھا ہوا ہو۔ شاعر کے شعر میں بھی یہ لفظ اس معنی میں آیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ مکھی جیسی بے طاقت چیز کا تمہارے لئے شہد اور موم بنانا، اس کا اس طرح آزادی سے پھرنا، اپنے گھر کو نہ بھولنا وغیرہ یہ سب چیزیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے میری عظمت، خالقیت اور مالکیت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ اسی سے لوگ اپنے اللہ کے قادر، حکیم، علیم، کریم، رحیم ہونے پر دلیل حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ
الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ ع ۵ ۱۵
وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ
فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ
فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱

اللہ تعالیٰ نے ہی تم سب کو پیدا کیا ہے۔ وہی پھر تمہیں فوت کرے گا۔ تم میں ایسے بھی ہیں جو بدترین عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے بوجھنے کے بعد بھی نہ جانیں، بے شک اللہ تعالیٰ دانا اور توانا ہے ○ اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے پس جنہیں زیادتی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنی ماتحتی کے غلاموں کو نہیں دیا کرتے کہ وہ اور یہ اس میں برابر ہو جائیں، تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو رہے ہیں؟ ○

بہترین دعا: ☆☆ (آیت: ۷۰) تمام بندوں پر قبضہ اللہ تعالیٰ کا ہے، وہی انہیں عدم سے وجود میں لایا ہے، وہی انہیں پھر فوت کرے گا۔ بعض لوگوں کو بہت بڑی عمر تک پہنچاتا ہے کہ وہ پھر سے بچوں جیسے ناتواں بن جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، پچھتر سال کی عمر میں عموماً انسان ایسا ہی ہو جاتا ہے، طاقت ختم ہو جاتی ہے، حافظہ جاتا رہتا ہے۔ علم کی کمی ہو جاتی ہے، عالم

ہونے کے بعد بے علم ہو جاتا ہے-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی دعا میں فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَاَرْذَلِ الْعُمُرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَ الْمَمَاتَ یعنی الٰہی میں بخیلی سے، عاجزی سے، بڑھاپے سے، ذلیل عمر سے، قبر کے عذاب سے، دجال کے فتنے سے، زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں- زہیر بن ابوسلمہ نے بھی اپنے مشہور قصیدہ معلقہ میں اس عمر کو رنج و غم کا مخزن و منبع بتایا ہے-

مشرکین کی جہالت کا ایک انداز: ☆☆ (آیت:۷۱) مشرکین کی جہالت اور ان کے کفر کا بیان ہو رہا ہے کہ اپنے معبودوں کو اللہ کے غلام جاننے کے باوجود ان کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں- چنانچہ حج کے موقع پر وہ کہا کرتے تھے لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْكَ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَ مَا مَلَكَ یعنی اے اللہ میں تیرے پاس حاضر ہوں- تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو خود تیرے غلام ہیں ان کا اور ان کی ماتحت چیزوں کا اصلی مالک تو ہی ہے- پس اللہ تعالیٰ انہیں الزام دیتا ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کی اپنی برابری اور اپنے مال میں شرکت پسند نہیں کرتے تو پھر میرے غلاموں کو میری الوہیت میں کیسے شریک ٹھہرا رہے ہو؟ یہی مضمون آیت ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ میں بیان ہوا ہے- کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے مال میں، اپنی بیویوں میں اپنا شریک بنانے سے نفرت کرتے ہو تو پھر میرے غلاموں کو میری الوہیت میں کیسے شریک سمجھ رہے ہو؟ یہی اللہ کی نعمتوں سے انکار ہے کہ اللہ کے لئے وہ پسند کرنا جو اپنے لئے بھی پسند نہ ہو- یہ ہے مثال معبودان باطل کی- جب تم خود اس سے الگ ہو پھر اللہ تو اس سے بہت زیادہ بےزار ہے- رب کی نعمتوں کا کفر اور کیا ہو گا کہ کھیتیاں چوپائے ایک اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور تم انہیں اس کے سوا اوروں کے نام سے منسوب کرو- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک رسالہ لکھا کہ اپنی روزی پر قناعت اختیار کرو- اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک سے زیادہ امیر کر رکھا ہے، یہ بھی اس کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ وہ دیکھے کہ امیر امراء کس طرح شکر اللہ ادا کرتے ہیں اور جو حقوق دوسروں کے ان پر جناب باری نے مقرر کئے ہیں، کہاں تک انہیں ادا کرتے ہیں-

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ
اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ یَكْفُرُوْنَ ۝۷۲

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں، کیا پھر بھی لوگ باطل پر ایمان لائیں گے؟ اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے؟ ○

بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان: ☆☆ (آیت:۷۲) اپنے بندوں پر اپنا ایک اور احسان جتاتا ہے کہ انہی کی جنس سے انہی کی ہم شکل، ہم وضع عورتیں ہم نے ان کے لئے پیدا کیں- اگر جنس اور ہوتی تو دلی میل جول، محبت و موعدت قائم نہ رہتی لیکن اپنی رحمت سے اس نے مرد و عورت ہم جنس بنائے- پھر اس جوڑے سے نسل بڑھائی، اولاد پھیلائی، لڑکے ہوئے، لڑکوں کے لڑکے ہوئے، حَفَدَةً کے ایک معنی تو یہی پوتوں کے ہیں، دوسرے معنی خادم اور مددگار کے ہیں- پس لڑکے اور پوتے بھی ایک طرح خدمت گزار ہوتے ہیں اور عرب میں یہی دستور بھی تھا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں انسان کی بیوی کی سابقہ گھر کی اولاد اس کی نہیں ہوتی- حَفَدَةً اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کے

سامنے اس کے لئے کام کاج کرے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد مادی رشتہ ہے' اس کے معنی کے تحت میں یہ سب داخل ہیں' چنانچہ قنوت میں جملہ آتا ہے وَ اِلَیْكَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ ہماری سعی' کوشش اور خدمت تیرے لئے ہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اولاد سے' غلام سے' سسرال والوں سے خدمت حاصل ہوتی ہے۔ ان سب کے پاس سے نعمت اللہ ہمیں ملتی ہے۔ ہاں جن کے نزدیک حَفَدَةً کا تعلق اَزْوَاجًا سے ہے' ان کے نزدیک تو مراد اولاد اور اولاد کی اولاد اور داماد اور بیوی کی اولاد ہیں۔ پس یہ سب بسا اوقات اسی شخص کی حفاظت میں' اس کی گود میں اور اس کی خدمت میں ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہی مطلب سامنے رکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ اولاد تیری غلام ہے جیسے کہ ابو داؤد میں ہے۔ ور جنہوں نے حَفَدَةً سے مراد خادم لیا ہے ان کے نزدیک یہ معطوف ہے اللہ کے فرمان وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا پر' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں اور اولاد کو خادم بنا دیا ہے اور تمہیں کھانے پینے کی بہترین ذائقے دار چیزیں عنایت فرمائی ہیں۔ پس باطل پر یقین رکھ کر اللہ کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرنی چاہئے' رب کی نعمتوں پر پردہ ڈال دیا اور ان کی دوسروں کی طرف نسبت کر دی۔ صحیح حدیث میں ہے قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے احسان جتاتے ہوئے فرمائے گا' کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ میں نے تجھے ذی عزت نہیں بنایا تھا؟ میں نے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے تابع نہیں کیا تھا؟ اور میں نے تجھے سرداری میں اور آرام میں نہیں چھوڑا تھا؟

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَیْئًا وَّ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۷۳ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ
الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۷۴ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا
رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ یَسْتَوٗنَ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۷۵

اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے انہیں کچھ بھی تو روزی نہیں دے سکتے اور نہ کچھ مقدور رکھتے ہیں ○ لوگو! اللہ پر مثالیں مت بناؤ' اللہ خوب جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے ○ اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملک کا جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک اور شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول روزی دے رکھی ہے جس میں سے وہ چھپے کھلے خرچ کرتا رہتا ہے۔ کیا یہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب تعریف ہے' بلکہ ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں ○

توحید کی تاکید: ☆☆ (آیت:۷۳-۷۴) نعمتیں دینے والا' پیدا کرنے والا' روزی پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ اکیلا وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اور یہ مشرکین اس کے ساتھ اوروں کو پوجتے ہیں جو نہ آسمان سے بارش برسا سکیں نہ زمین سے کھیت اور درخت اگا سکیں۔ وہ اگر سب مل کر بھی چاہیں تو بھی نہ ایک بوند بارش برسانے پر قادر نہ ایک پتے کے پیدا کرنے کی ان میں سکت' پس تم اللہ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو۔ اس کے شریک وسہیم اور اس جیسا دوسروں کو نہ سمجھو۔ اللہ عالم ہے اور وہ اپنے علم کی بنا پر اپنی توحید پر گواہی دیتا ہے' تم جاہل ہو۔ اپنی جہالت سے اللہ کے شریک دوسروں کو ٹھہرا رہے ہو۔

مومن اور کافر میں فرق : ☆☆ (آیت:۷۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں، یہ کافر اور مومن کی مثال ہے۔ پس ملکیت کے غلام سے مراد کافر اور اچھی روزی والے اور خرچ کرنے والے سے مراد مومن ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں، اس مثال سے بت کی اور اللہ تعالیٰ کی جدائی سمجھانا مقصود ہے کہ یہ اور وہ برابر کے نہیں۔ اس مثال کا فرق اس قدر واضح ہے جس کے بتانے کی ضرورت نہیں، اسی لئے فرمایا کہ تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے۔ اکثر مشرک بے علمی پر تلے ہوئے ہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ
هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ
هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ ع ٦ ١٦
وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ
الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللّٰهُ
اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے دو شخصوں کی جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے۔ کہیں بھی اسے بھیجے، وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر، برابر ہو سکتے ہیں؟ ○ آسمان و زمین کا علم صرف اللہ ہی کو معلوم ہے، قیامت کا امر تو ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکر گزاری کرو ○

گونگے بت مشرکین کے معبود : ☆☆ (آیت:۷۶) ہو سکتا ہے کہ یہ مثال بھی اس فرق کے دکھانے کی ہو جو اللہ تعالیٰ میں اور مشرکین کے بتوں میں ہے۔ یہ بت گونگے ہیں۔ نہ کلام کر سکیں، نہ کوئی بھلی بات کہہ سکیں، نہ کسی چیز پر قدرت رکھیں۔ قول و فعل دونوں سے خالی۔ پھر محض بوجھ، اپنے مالک پر بار، کہیں بھی جائے کوئی بھلائی نہ لائے۔ پس ایک تو یہ اور ایک وہ جو عدل کا حکم کرتا ہے اور خود بھی راہ مستقیم پر ہو یعنی قول و فعل دونوں کے اعتبار سے بہتر، یہ دونوں کیسے برابر ہو جائیں گے۔ ایک قول ہے کہ گونگا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہ مثال بھی کافر و مومن کی ہو جیسے اس سے پہلے کی آیت میں تھی۔ کہتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص کے غلام کا ذکر پہلے ہے اور دوسرے شخص سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں اور غلام گونگے سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ غلام ہے جس پر آپ خرچ کرتے تھے، جو آپ کو تکلیف پہنچاتا رہتا تھا اور آپ نے اسے کام کاج سے آزاد کر رکھا تھا لیکن پھر بھی یہ اسلام سے چڑتا تھا، منکر تھا اور آپ کو صدقہ کرنے اور نیکیاں کرنے سے روکتا تھا۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

نیکیوں کی دیوار لوگ : ☆☆ (آیت:۷۷-۷۹) اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان فرما رہا ہے کہ زمین و آسمان کا غیب وہی جانتا ہے، کوئی نہیں جو غیب داں ہو۔ اللہ جسے چاہے، جس چیز پر چاہے، اطلاع دے دے۔ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے نہ کوئی اس کا خلاف کر سکے نہ کوئی اسے روک سکے۔ جس کام کا جب ارادہ کرے قادر ہے پورا ہو کر ہی رہتا ہے، آنکھ بند کر کے کھولنے میں تو تمہیں کچھ دیر لگتی ہوگی لیکن

حکم الٰہی کے پورا ہونے میں اتنی دیر بھی نہیں لگتی- قیامت کا آنا بھی اس پر ایسا ہی آسان ہے- وہ بھی حکم ہوتے ہی آ جائے گی- ایک کا پیدا کرنا اور سب کا پیدا کرنا اس پر یکساں ہے- اللہ کا احسان دیکھو کہ اس نے لوگوں کو ماؤں کے پیٹوں سے نکالا- یہ محض نادان تھے- پھر انہیں کان دیئے جس سے وہ سنیں- آنکھیں دیں جس سے دیکھیں' دل دیئے جس سے سوچیں سمجھیں- عقل کی جگہ دل ہے اور دماغ بھی کہا گیا ہے- عقل سے ہی نفع نقصان معلوم ہوتا ہے یہ قویٰ اور حواس انسان کو بتدریج تھوڑے تھوڑے ہو کر ملتے ہیں' عمر کے ساتھ ساتھ اس کی بڑھوتری بھی ہوتی رہتی ہے- یہاں تک کہ کمال کو پہنچ جائیں- یہ سب اس لئے ہے کہ انسان اپنی ان طاقتوں کو اللہ کی معرفت اور عبادت میں لگائے رہے- صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے کہ جو میرے دوستوں سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے لڑائی کا اعلان کرتا ہے- میرے فرائض کی بجا آوری سے جس قدر بندہ میری قربت حاصل کر سکتا ہے' اتنی کسی اور چیز سے نہیں کر سکتا- نوافل بکثرت پڑھتے پڑھتے بندہ میرے نزدیک اور میرا محبوب ہو جاتا ہے- جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ تھامتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے- وہ اگر مجھ سے مانگے' میں دیتا ہوں' اگر دعا کرے میں قبول کرتا ہوں' اگر پناہ چاہے' میں پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کرنے کے کام میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مومن کی روح کے قبض کرنے میں موت کو ناپسند کرتا ہے- میں اسے ناراض کرنا نہیں چاہتا اور موت ایسی چیز ہی نہیں جس سے کسی ذی روح کو نجات مل سکے-

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن اخلاص اور اطاعت میں کامل ہو جاتا ہے تو اس کے تمام افعال محض اللہ کے لئے ہو جاتے ہیں- وہ سنتا ہے اللہ کے لئے- دیکھتا ہے اللہ کے لئے یعنی شریعت کی باتیں سنتا ہے- شرع نے جن چیزوں کا دیکھنا جائز کیا ہے' انہی کو دیکھتا ہے' اسی طرح اس کا ہاتھ بڑھانا' پاؤں چلانا بھی اللہ کی رضامندی کے کاموں کے لئے ہی ہوتا ہے- اللہ پر اس کا بھروسہ رہتا ہے- اسی سے مدد چاہتا ہے' تمام کام اس کے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے ہی ہوتے ہیں- اس لئے بعض غیر صحیح حدیثوں میں اس کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ پھر وہ میرے ہی لئے سنتا ہے اور میرے ہی لئے دیکھتا ہے اور میرے لئے پکڑتا ہے اور میرے لئے ہی چلتا پھرتا ہے- آیت میں بیان ہے کہ ماں کے پیٹ سے وہ نکالتا ہے' کان' آنکھ' دل' دماغ وہ دیتا ہے تاکہ تم شکرادا کرو- اور آیت میں فرمان ہے قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ الخ یعنی اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے ہیں لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو' اسی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے اور اسی کی طرف تمہارا حشر کیا جانے والا ہے-

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ
اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۷۹

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو حکم کے بندھے ہوئے آسمان میں ہیں' جنہیں بجز اللہ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں' بے شک اس میں تو ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں ○

(آیت:۷۹) پھر اللہ پاک رب العالمین اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ ان پرندوں کی طرف دیکھو جو آسمان و زمین کے درمیان کی فضا میں پرواز کرتے پھرتے ہیں- انہیں پروردگار ہی اپنی قدرت کاملہ سے تھامے ہوئے ہے- یہ قوت پرواز اسی نے انہیں دے رکھی ہے اور

ہواؤں کو ان کا مطیع بنا رکھا ہے۔ سورہ ملک میں بھی یہی فرمان ہے کہ کیا وہ اپنے سروں پر اڑتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھتے جو پر کھولے ہوئے ہیں اور پر سمیٹے ہوئے بھی ہیں' انہیں بجز اللہ رحمٰن و رحیم کے کون تھامتا ہے؟ وہ اللہ تمام مخلوق کو بخوبی دیکھ رہا ہے' یہاں بھی خاتمے پر فرمایا کہ اس میں ایمانداروں کے لئے بہت سے نشان ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ
اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا
وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں سکونت کی جگہ بنا دی ہے اور اس نے تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنا دیئے ہیں جنھیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن بھی اور ان کی اون اور رووں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لئے فائدہ کی چیزیں بنا دیں ○ اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے سائے بنائے ہیں اور اسی نے تمہارے لئے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں اور اسی نے تمہارے لئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور ایسے کرتے بھی جو تمہیں لڑائی کے وقت کام آئیں' وہ اسی طرح اپنی پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے کہ تم حکم بردار بن جاؤ ○

احسانات الٰہی کی ایک جھلک: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) قدیم اور بہت بڑے ان گنت احسانات و انعامات والا اللہ اپنی اور نعمتیں ظاہر فرما رہا ہے۔ اسی نے بنی آدم کے رہنے سہنے' آرام اور راحت حاصل کرنے کے لئے انہیں مکانات دے رکھے ہیں۔ اسی طرح چوپائے' جانوروں کی کھالوں کے خیمے' ڈیرے' تمبو اس نے عطا فرما رکھے ہیں کہ سفر میں کام آئیں' نہ لے جانا دوبھر' نہ لگانا مشکل' نہ اکھیڑنے میں کوئی تکلیف پھر بکریوں کے بال' اونٹوں کے بال' بھیڑوں اور دنبوں کی اون تجارت کے لئے مال کے طور پر سے تمہارے لیے بنایا ہے۔ وہ گھر کے برتنے کی چیز بھی ہے۔ اس سے کپڑے بھی بنتے ہیں' فرش بھی تیار ہوتے ہیں' تجارت کے طور پر مال تجارت ہے فائدے کی چیز ہے' جس سے لوگ مقررہ وقت تک سودمند ہوتے ہیں۔

درختوں کے سائے اس نے تمہارے فائدے اور راحت کے لئے بنائے ہیں۔ پہاڑوں پر غار قلعے وغیرہ اس نے تمہیں دے رکھے ہیں کہ ان میں پناہ حاصل کرو۔ چھپنے اور رہنے سہنے کی جگہ بنا لو۔ سوتی' اونی اور بالوں کے کپڑے اس نے تمہیں دے رکھے ہیں کہ پہن کر سردی گرمی کے بچاؤ کے ساتھ ہی اپنا ستر چھپاؤ اور زیب و زینت حاصل کرو اور اس نے تمہیں زرہیں' خود بکتر عطا فرمائے ہیں جو دشمنوں کے حملے اور لڑائی کے وقت تمہیں کام دیں۔ اسی طرح وہ تمہیں تمہاری ضرورت کی پوری پوری نعمتیں دیئے چلا جاتا ہے کہ تم راحت و آرام پاؤ اور اطمینان سے اپنے منعم حقیقی کی عبادت میں لگے رہو۔ تُسْلِمُوْنَ کی دوسری قرأت تَسْلَمُوْنَ بھی ہے۔ یعنی تم سلامت رہو۔ اور پہلی قرأت

کے معنی تا کہ تم فرمانبردار بن جاؤ- اس سورہ کا نام سورۃ النعم بھی ہے- لام کے زبر والی قرات سے یہ بھی مراد ہے کہ تم کو اس نے لڑائی میں کام آنے والی چیزیں دیں کہ تم سلامت رہو' دشمن کے وار سے بچو- بے شک جنگل اور بیابان بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں لیکن یہاں پہاڑوں کی نعمت اس لئے بیان کی کہ جن سے کلام ہے' وہ پہاڑوں کے رہنے والے تھے تو ان کی معلومات کے مطابق ان سے کلام ہو رہا ہے' اسی طرح چونکہ وہ بھیڑ بکریوں اور اونٹوں والے تھے' انہیں یہی نعمتیں یاد دلائیں حالانکہ ان سے بڑھ کر اللہ کی نعمتیں مخلوق کے ہاتھوں میں اور بھی بے شمار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سردی کے اتارنے کا احسان بیان فرمایا حالانکہ اس سے اور بڑے احسانات موجود ہیں- لیکن یہ ان کے سامنے اور ان کی جانی پہچانی چیز تھی اسی طرح چونکہ یہ لڑنے بھڑنے والے جنگجو لوگ تھے' لڑائی کے بچاؤ کی چیز بطور نعمت ان کے سامنے رکھی حالانکہ اس سے صدہا درجے بڑی اور نعمتیں بھی مخلوق کے ہاتھ میں موجود ہیں- اسی طرح چونکہ ان کا ملک گرم تھا' فرمایا کہ لباس سے تم گرمی کی تکلیف زائل کرتے ہو ورنہ کیا اس سے بہتر اس منعم حقیقی کی اور نعمتیں بندوں کے پاس نہیں؟

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ
نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۱ ۷ ۱۷

پھر بھی اگر یہ منہ موڑے رہیں تو تجھ پر تو صرف ظاہری تبلیغ کر دینا ہی ہے ○ یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے منکر ہو رہے ہیں بلکہ ان میں کے اکثر ناشکرے ہیں ○

(آیت:۸۲-۸۳) اسی لئے ان نعمتوں اور رحمتوں کے اظہار کے بعد ہی فرماتا ہے کہ اگر اب بھی یہ لوگ میری عبادت اور توحید کے اور میرے بے پایاں احسانوں کے قائل نہ ہوں تو تجھے ان کی ایسی کیا پڑی ہے؟ چھوڑ دے اپنے کام میں لگ جا- تجھ پر تو صرف تبلیغ ہی ہے- وہ کئے جا- یہ خود جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نعمتوں کا دینے والا ہے اور اس کی بے شمار نعمتیں ان کے ہاتھوں میں ہیں لیکن باوجود علم کے منکر ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں بلکہ اس کی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں- سمجھتے ہیں کہ مددگار فلاں ہے' رزق دینے والا فلاں ہے- یہ اکثر لوگ کافر ہیں' اللہ کے ناشکرے ہیں- ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا- آپؐ نے اس آیت کی تلاوت اس کے سامنے کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رہنے سہنے کی جگہ کے لئے گھر اور مکانات دیئے- اس نے کہا سچ ہے' پھر آپؐ نے پڑھا کہ اس نے تمہیں چوپایوں کی کھالوں کے خیمے دیئے- اس نے کہا یہ بھی سچ ہے' اسی طرح آپؐ ان آیتوں کو پڑھتے گئے اور وہ ہر ایک نعمت کا اقرار کرتا رہا- آخر میں آپؐ نے پڑھا اس لئے کہ تم مسلمان اور مطیع ہو جاؤ- اس وقت وہ پیٹھ پھیر کر چل دیا تو اللہ تعالیٰ نے آخری آیت اتاری کہ اقرار کے بعد انکار کر کے کافر ہو جاتے ہیں-

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ
فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا

نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِكَ ۚ فَاَلۡقَوۡا اِلَيۡهِمُ الۡقَوۡلَ اِنَّكُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ۚ ﴿۸۶﴾

جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ وہ عذر رجوع طلب کئے جائیں گے ○ جب یہ ظالم عذاب دیکھ لیں گے پھر نہ تو وہ ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ ڈھیل دیئے جائیں گے ○ جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنھیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے پس وہ انھیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو ○

ہر امت کا گواہ اس کا نبی: ☆☆ (آیت:۸۴-۸۶) قیامت کے دن مشرکوں کی جو بری حالت بنے گی' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس دن ہر امت پر اس کا نبی گواہی دے گا کہ اس نے اللہ کا پیغام انہیں پہنچا دیا تھا پھر کافروں کو کسی عذر کی بھی اجازت نہ ملے گی کیونکہ ان کا بطلان اور جھوٹ بالکل ظاہر ہے۔ سورۃ والمرسلات میں بھی یہی فرمان ہے کہ اس دن نہ وہ بولیں گے نہ انہیں کسی عذر کی اجازت ملے گی۔ مشرکین عذاب دیکھیں گے لیکن پھر کوئی کمی نہ ہوگی۔ ایک ساعت بھی عذاب ہلکا نہ ہوگا نہ انہیں کوئی مہلت ملے گی اچانک پکڑ لئے جائیں گے۔ جہنم آ موجود ہوگی جو ستر ہزار لگاموں والی ہوگی جس کی ایک لگام پر ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ اس میں سے ایک گردن نکلے گی جو اس طرح پھن پھیلائے گی کہ تمام اہل محشر خوف زدہ ہو کر گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ اس وقت جہنم اپنی زبان سے با آواز بلند اعلان کرے گی کہ میں اس ہر ایک سرکش ضدی کے لئے مقرر کی گئی ہوں جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا ہو اور ایسے ایسے کام کئے ہوں چنانچہ وہ کئی قسم کے گنہگاروں کا ذکر کرے گی۔

جیسے کہ حدیث میں ہے پھر وہ ان تمام لوگوں کو لپٹ جائے گی اور میدان محشر میں سے انہیں لپک لے گی جیسے کہ پرند دانہ چگتا ہے جیسے کہ فرمان باری ہے اِذَا رَاَتۡهُمۡ الخ جب کہ وہ دور سے دکھائی دے گی تو اس کا شور وغل' کڑ کنا' بھڑ کنا یہ سننے لگیں گے اور جب اس کے تنگ و تاریک مکان میں جھونک دیئے جائیں گے تو موت کو پکاریں گے۔ آج ایک چھوڑ کئی ایک موتوں کو بھی پکاریں تو کیا ہو سکتا ہے؟ اور آیت میں ہے وَرَاءَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ گنہگار جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اس میں جھونک دیئے جائیں گے لیکن کوئی بچاؤ نہ پائیں گے اور آیت میں ہے لَوۡ يَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا کاش کہ کافر اس وقت کو جان لیتے جب کہ وہ اپنے چہروں پر سے اور اپنی کمروں پر سے جہنم کی آگ کو دور نہ کر سکیں گے نہ کسی کو مددگار پائیں گے۔ اچانک عذاب الٰہی انہیں ہکا بکا کر دیں گے' نہ انہیں ان کے دفع کرنے کی طاقت ہوگی نہ ایک منٹ کی مہلت ملے گی۔ اس وقت ان کے معبودان باطل جن کی عمر بھر عبادتیں اور نذریں نیازیں کرتے رہے' ان سے بالکل بے نیاز ہو جائیں گے اور ان کی احتیاج کے وقت انہیں مطلقاً کام نہ آئیں گے۔ انہیں دیکھ کر یہ کہیں گے کہ الٰہی یہ ہیں جنہیں ہم دنیا میں پوجتے رہے تو وہ کہیں گے' جھوٹے ہو۔ ہم نے کب تم سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری پرستش کرو جناب باری نے فرمایا وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ يَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنۡ لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗ الخ' یعنی اس سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں جو اللہ کے سوا انہیں پکارتا ہے جو اسے قیامت تک جواب نہ دیں بلکہ وہ ان کے پکارنے سے بھی بے خبر ہوں اور حشر کے دن ان کے دشمن ہو جانے والے ہوں اور ان کی عبادت کا انکار کر جانے والے ہوں اور آیتوں میں ہے کہ اپنا حمایتی اور باعث عزت جان کر جنہیں یہ پکارتے رہے وہ تو ان کی عبادتوں کے منکر ہو جائیں گے اور ان کے مخالف بن جائیں گے۔ خلیل اللہ علیہ والسلام نے بھی یہی فرمایا کہ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ بِبَعۡضٍ الخ یعنی قیامت کے دن ایک دوسروں کے منکر ہو جائیں گے اور آیت میں ہے کہ انہیں قیامت کے دن حکم ہوگا کہ اپنے شریکوں کو پکارو الخ۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ
عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

اس دن وہ سب عاجز ہو کر اللہ کے سامنے اطاعت کا اقرار پیش کریں گے اور جو بہتان باندھا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائے گا ○ جنھوں نے کفر کیا اور راہ اللہ سے روکا، ہم انھیں عذابوں پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔ یہ بدلہ ہوگا ان کی فتنہ پردازیوں کا ○

(آیت: ۸۷-۸۸) اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں۔ اس دن سب کے سب مسلمان تابع فرمان ہو جائیں گے جیسے فرمان ہے اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ يَوْمَ يَاْ تُوْنَنَا یعنی جس دن یہ ہمارے پاس آئیں گے، اس دن خوب ہی سننے والے ' دیکھنے والے ہو جائیں گے اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰى اِذِالْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُؤُسِهِمْ الخ تو دیکھے گا کہ اس دن گنہگار لوگ اپنے سر جھکائے کہہ رہے ہوں گے کہ الٰہی ہم نے دیکھ سن لیا الخ اور آیت میں ہے کہ سب چہرے اس دن اللہ حی وقیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے، تابع اور مطیع ہوں گے، زیر فرمان ہوں گے۔ ان کے سارے بہتان وافترا جاتے رہیں گے۔ ساری چالاکیاں ختم ہو جائیں گی، کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا۔ جنہوں نے کفر کیا انہیں ان کے کفر کی سزا ملے گی اور اپنے کفر میں دوسروں کو بھی اوروں کو گھسیٹنے کی اور ملوث کرنے کی دوگنی سزا ہوگی۔ یہ وہ ہیں جو خود بھی دور بھاگتے تھے اور دوسروں کو بھی حق سے دور بھگاتے رہتے تھے، دراصل وہ آپ ہی ہلاکت کی دلدل میں پھنس رہے تھے لیکن بے وقوف تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے عذاب کے بھی درجے ہوں گے، جس طرح مومنوں کی جزا کے درجے ہوں گے جیسے فرمان خداوندی ہے لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ہر ایک کے لئے دہرا اجر ہے لیکن تمہیں علم نہیں۔ ابو یعلی میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ عذاب جہنم کے ساتھ ہی زہریلے سانپوں کا ڈسنا بڑھ جائے گا جو اتنے بڑے بڑے ہوں گے جتنے بڑے کھجور کے درخت ہوتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عرش تلے سے پانچ نہریں آتی ہیں جن سے جہنمیوں کو دن رات عذاب ہوگا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا
بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ ۱۲ ع ۶ ۱۸
بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

جس دن ہم ہر امت میں انہی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا شافی بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے ○ اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔ وہ آپ تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو ○

کتاب مبین: ☆☆ (آیت:۸۹) اللہ تعالیٰ اپنے محترم رسول ﷺ سے خطاب کر کے فرما رہے ہیں کہ اس دن کو یاد کر اور اس دن جو تیری شرافت و کرامت ہونے والی ہے' اس کا بھی ذکر کر۔ یہ آیت بھی ویسی ہی ہے جیسی سورہ نساء کے شروع کی آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی کیونکر گزرے گی جب کہ ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔ حضور ﷺ نے ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سورہ نساء پڑھوائی۔ جب وہ اس آیت تک پہنچے تو آپؐ نے فرمایا بس کر' کافی ہے' ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس وقت آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر فرماتا ہے' اپنی اس اتاری ہوئی کتاب میں تیرے سامنے سب کچھ بیان فرما دیا ہے' ہر علم اور ہر شے اس قرآن میں ہے ہر حلال حرام' ہر ایک نافع علم' ہر بھلائی' گذشتہ کی خبریں' آئندہ کے واقعات' دین دنیا' معاش معاد' سب کے ضروری احکام و احوال اس میں موجود ہیں۔ یہ دلوں کی ہدایت ہے' یہ رحمت ہے' یہ بشارت ہے۔ امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب و سنت رسول ﷺ کو ملا کر ہر چیز کا بیان ہے۔ اس آیت کو اوپر والی آیت سے غالباً یہ تعلق ہے کہ جس نے تجھ پر اس کتاب کی تبلیغ فرض کی ہے اور اسے نازل فرمایا ہے' وہ قیامت کے دن تجھ سے اس کی بابت سوال کرنے والا ہے جیسے فرمان ہے کہ امتوں اور رسولوں سے سب سے سوال ہوگا۔ واللہ ہم سب سے ان کے اعمال کی باز پرس کریں گے۔ رسولوں کو جمع کر کے ان سے سوال ہوگا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے' ہمیں کوئی علم نہیں تو علام الغیوب ہے۔ اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ یعنی جس نے تجھ پر تبلیغ قرآن فرض کی ہے' وہ تجھے قیامت کے دن اپنے پاس لوٹا کر اپنے سونپے ہوئے فریضے کی بابت تجھ سے پرسش کرنے والا ہے۔ یہ ایک قول بھی اس آیت کی تفسیر میں ہے اور ہے بھی معقول اور عمدہ۔

برابر کا بدلہ: ☆☆ (آیت:۹۰) اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور سلوک و احسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ گو بدلہ لینا بھی جائز ہے جیسے آیت وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ الخ میں فرمایا کہ اگر بدلہ لے سکو تو برابر برابر کا بدلہ لو لیکن اگر صبر و برداشت کر لو تو کیا ہی کہنا۔ یہ بڑی مردانگی کی بات ہے اور آیت میں فرمایا اس کا اجر اللہ کے ہاں ملے گا۔ ایک اور آیت میں ہے زخموں کا قصاص ہے لیکن جو در گزر کر جائے' اس کے گناہوں کی معافی ہے پس عدل تو فرض' احسان نفل اور کلمہ توحید کی شہادت بھی عدل ہے۔ ظاہر و باطن کی پاکیزگی بھی عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ باطن کی صفائی ظاہر سے بھی زیادہ ہو۔ اور فحشاء اور منکر یہ ہے کہ باطن میں کھوٹ ہو اور ظاہر میں بناوٹ ہو۔ وہ صلہ رحمی کا بھی حکم دیتا ہے۔ جیسے صاف لفظوں میں ارشاد ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ الخ' رشتے داروں' مسکینوں' مسافروں کو ان کا حق دو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ محرمات سے وہ تمہیں روکتا ہے' برائیوں سے منع کرتا ہے' ظاہری باطنی تمام برائیاں حرام ہیں' لوگوں پر ظلم و زیادتی حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی گناہ ظلم و زیادتی اور قطع رحمی سے بڑھ کر ایسا نہیں کہ دنیا میں بھی جلدی ہی اس کا بدلہ ملے اور آخرت میں بھی سخت پکڑ ہو۔ اللہ کے یہ احکام اور یہ نواہی تمہاری نصیحت کے لئے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سارے قرآن کی جامع تر آیت سورۂ نحل میں یہ آیت ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں' جو اچھی عادتیں ہیں' ان کا حکم قرآن نے دیا ہے اور جو بری خصلتیں لوگوں میں ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے' بد خلقی اور برائی سے اس نے ممانعت کر دی ہے۔ حدیث شریف میں ہے' بہترین اخلاق اللہ کو پسند ہیں اور بد خلقی کو وہ مکروہ رکھتا ہے۔

اکثم بن صیفی کو جب رسول اللہ ﷺ کی بابت اطلاع ہوئی تو اس نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہونے کی ٹھان لی لیکن اس کی قوم اس کے سر ہو گئی اور اسے روک لیا۔ اس نے کہا' اچھا مجھے نہیں جانے دیتے تو قاصد لاؤ جنہیں میں وہاں بھیجوں۔ دو شخص اس خدمت کی انجام دہی کے لئے تیار ہوئے۔ یہاں آ کر انہوں نے کہا کہ ہم اکثم بن صیفی کے قاصد ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا' پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں (ﷺ) اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا

رسول پھر آپؐ نے یہی آیت انہیں پڑھ سنائی انہوں نے کہا دوبارہ پڑھیے۔ آپ نے پھر پڑھی یہاں تک کہ انہوں نے یاد کر لی پھر واپس جا کر اکثم کو خبر دی اور کہا اپنے نسب پر اس نے کوئی فخر نہیں کیا۔ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام بتا دیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ بڑے نسب والے مصر میں اعلیٰ خاندان کے ہیں اور پھر یہ کلمات ہمیں تعلیم فرمائے جو آپؐ کی زبانی ہم نے سنے۔ یہ سن کر اکثم نے کہا وہ تو بڑی اچھی اور اعلیٰ باتیں سکھاتے ہیں اور بری اور سفلی باتوں سے روکتے ہیں۔ میرے قبیلے کے لوگو تم اسلام کی طرف سبقت کرو تا کہ تم دوسروں پر سرداری کرو اور دوسروں کے ہاتھوں میں دم بن کر نہ رہ جاؤ۔

اس آیت کے شان نزول میں ایک حسن حدیث مسند امام احمد میں وارد ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی انگنائی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ آپؐ کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بیٹھتے نہیں ہو؟ وہ بیٹھ گیا' آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کر رہے تھے کہ حضور ﷺ نے دفعتاً اپنی نظریں آسمان کی جانب اٹھائیں کچھ دیر اوپر ہی کو دیکھتے رہے' پھر نگاہیں آہستہ آہستہ نیچی کیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف آپ نے رخ بھی کر لیا اور اس طرح سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں اور کوئی آپؐ سے کچھ کہہ رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک یہی حالت طاری رہی۔ پھر آپؐ نے نگاہیں اونچی کرنی شروع کیں یہاں تک کہ آسمان تک آپ کی نگاہیں پہنچیں۔ پھر آپ ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور اسی پہلی بیٹھک پر عثمان کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا۔ پوچھا کہ حضرت آپؐ کے پاس کئی بار بیٹھنے کا اتفاق ہوا لیکن آج جیسا منظر تو کبھی نہیں دیکھا' آپؐ نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ کہا یہ کہ آپؐ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر نیچی کر لی اور اپنے دائیں طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف گھوم کر بیٹھ گئے۔ مجھے چھوڑ دیا پھر اس طرح سر ہلانے لگے جیسے کوئی آپؐ سے کچھ کہہ رہا ہو۔ اور آپؐ اسے اچھی طرح سن سمجھ رہے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' اچھا تم نے یہ سب کچھ دیکھا' اس نے کہا' برابر دیکھتا ہی رہا۔ آپؐ نے فرمایا' میرے پاس اللہ کا نازل کردہ فرشتہ وحی لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا اللہ کا بھیجا ہوا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہاں اللہ کا بھیجا ہوا۔ پوچھا پھر اس نے آپ سے کیا کہا؟ آپ نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اسی وقت میرے دل میں ایمان بیٹھ گیا اور حضور ﷺ کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ ایک اور روایت میں حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا جو آپؐ نے اپنی نگاہیں اوپر کو اٹھائیں اور فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورت کی اس جگہ رکھوں' یہ روایت بھی صحیح ہے واللہ اعلم۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ
تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ
اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب کہ تم آپس میں قول و قرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد توڑا نہ کرو۔ باوجودیکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو' تم جو کچھ کرتے ہو' اللہ

تعالیٰ بخوبی جان رہا ہے ○ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا کہ ٹھہراؤ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث اس لئے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہو جائے' بات صرف یہی ہے کہ اس زیادتی سے اللہ تمہیں آزما رہا ہے' یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لئے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے ○

عہد و پیمان کی حفاظت : ☆☆ (آیت: ۹۱-۹۲) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عہد و پیمان کی حفاظت کریں' قسموں کو پورا کریں' توڑیں نہیں۔ قسموں کو نہ توڑنے کی تاکید کی اور آیت میں فرمایا کہ اپنی قسموں کا نشانہ اللہ کو نہ بناؤ۔ اس سے بھی قسموں کی حفاظت کرنے کی تاکید مقصود ہے۔ اور آیت میں ہے کہ قسم توڑنے کا کفارہ ہے قسموں کی پوری حفاظت کرو۔ پس ان آیتوں میں یہ حکم ہے۔ اور صحیحین کی حدیث میں ہے' آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' واللہ میں جس چیز پر قسم کھالوں اور پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اس نیک کام کو کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔ تو مندرجہ بالا آیتوں اور حدیثوں میں کچھ فرق نہ سمجھا جائے۔ وہ قسمیں اور عہد و پیمان جو آپس کے معاہدے اور وعدے کے طور پر ہوں' ان کا پورا کرنا تو بے شک بے حد ضروری ہے اور جو قسمیں رغبت دلانے یا روکنے کے لئے زبان سے نکل جائیں' وہ بے شک کفارہ دے کر ٹوٹ سکتی ہیں۔ پس اس آیت میں مراد جاہلیت کے زمانے جیسی قسمیں ہیں۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اسلام میں دو جماعتوں کی آپس میں ایک رہنے کی قسم کوئی چیز نہیں۔ ہاں جاہلیت میں ایسی امداد و اعانت کی جو قسمیں آپس میں ہو چکی ہیں' اسلام ان کو اور مضبوط کرتا ہے۔ اس حدیث کے پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں کہ ایک برادری والے دوسری برادری والوں سے عہد و پیمان کریں کہ ہم تم ایک ہیں' راحت رنج میں شریک ہیں وغیرہ۔ کیونکہ رشتہ اسلام تمام مسلمانوں کو ایک برادری کر دیتا ہے۔ مشرق و مغرب کے مسلمان ایک دوسرے کے ہمدرد و غمخوار ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں رسول کریم علیہ افضل التسلیم نے انصار و مہاجرین میں باہم قسمیں اٹھوائیں۔ اس سے یہ ممنوع بھائی بندی مراد نہیں۔ یہ تو بھائی چارہ تھا جس کی بناء پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ آخر میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ورثہ قریبی رشتے داروں سے مخصوص ہو گیا۔ کہتے ہیں اس فرمان الٰہی سے مطلب ان مسلمانوں کو اسلام پر جمع رہنے کا حکم دینا ہے جو حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام کے احکام کی پابندی کا اقرار کرتے تھے۔ تو انہیں فرماتا ہے کہ ایسی تاکیدی قسم اور پورے عہد کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی جماعت کی کمی اور مشرکوں کی جماعت کی کثرت دیکھ کر تم اسے توڑ دو۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یزید بن معاویہ کی بیعت لوگ توڑنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گھرانے کے لوگوں کو جمع کیا اور اللہ کی تعریف کر کے اما بعد کہہ کر فرمایا کہ ہم نے یزید کی بیعت اللہ اور رسول ﷺ کی بیعت پر کی ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر غدار کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ یہ غدر ہے۔ فلاں بن فلاں کا' اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے بعد سب سے بڑا اور سب سے برا غدر یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی بیعت کسی کے ہاتھ پر کر کے پھر توڑ دینا۔ یاد رکھو تم میں سے کوئی یہ برا کام نہ کرے اور اس بارے میں حد سے نہ بڑھے ورنہ مجھ میں اور اس میں جدائی ہے۔ مسند احمد میں حضور ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص کسی مسلمان بھائی سے کوئی شرط کرے اور اسے پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ مثل اس شخص کے ہے جو اپنے پڑوسی کو امن دینے کے بعد بے پناہ چھوڑ دے۔ پھر انہیں دھمکاتا ہے جو عہد و پیمان کی حفاظت نہ کریں کہ ان کے اس فعل سے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ مکہ میں ایک عورت تھی جس کی عقل میں فتور تھا۔ سوت کاتنے کے بعد' ٹھیک ٹھاک اور مضبوط ہو جانے کے بعد بے وجہ توڑ تاڑ کر پھر ٹکڑے کر دیتی۔ یہ تو اس کی مثال ہے جو عہد کو مضبوط کر کے پھر توڑ دے۔ یہی بات ٹھیک ہے۔ اب اسے جانے دیجئے کہ واقعہ میں کوئی ایسی عورت تھی بھی یا نہیں جو یہ کرتی ہو نہ کرتی ہو۔ یہاں تو صرف

مثال مقصود ہے- اَنْکَاثًا کے معنی ٹکڑے ٹکڑے ہے- ممکن ہے کہ یہ نَقَضَتْ غَزْلَهَا کا اسم مصدر ہو- اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بدل ہو کان کی کبر کا یعنی انکاث نہ ہو- جمع ملك کی کی ناکث سے- پھر فرماتا ہے کہ قسموں کو مکر وفریب کا ذریعہ نہ بناؤ کہ اپنے سے بڑوں کو اپنی قسموں سے اطمینان دلاؤ اور اپنی ایمانداری اور نیک نیتی کا سکہ بٹھا کر پھر غداری اور بے ایمانی کر جاؤ- ان کی کثرت دیکھ کر جھوٹے وعدے کر کے صلح کر لو اور پھر موقع پا کر لڑائی شروع کر دو ایسا نہ کرو- پس جب کہ اس حالت میں بھی عہد شکنی حرام کر دی تو اپنی جمعیت اور کثرت کے وقت تو بطور اولی حرام ہوئی- بحمد اللہ ہم سورہ انفال میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ لکھ آئے ہیں کہ ان میں اور شاہ روم میں ایک مدت تک کے لئے صلح نامہ ہو گیا تھا- اس مدت کے خاتمے کے قریب آپ نے مجاہدین کو سرحد روم کی طرف روانہ کیا کہ وہ سرحد پر پڑاؤ ڈالیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی دھاوا کر دیں تا کہ رومیوں کو تیاری کا موقعہ نہ ملے- جب حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ہوئی تو آپ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے' اللہ اکبر اے معاویہ عہد پورا کر- غدر اور بدعہدی سے بچ- میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس قوم سے عہد معاہدہ ہو جائے تو جب تک کہ مدت صلح ختم نہ ہو جائے' کوئی گرہ کھولنے کی بھی اجازت نہیں- یہ سنتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکروں کو واپس بلوا لیا- اَرْبٰی سے مراد اکثر ہے- اس جملے کا یہ بھی مطلب ہے کہ دیکھا کہ دشمن قوی اور زیادہ ہے' صلح کر لی اور اس صلح کو ذریعہ فریب بنا کر انہیں غافل کر کے چڑھ دوڑے اور یہ بھی مطلب ہے کہ ایک قوم سے معاہدہ کر لیا- پھر دیکھا کہ دوسری قوم ان سے زیادہ قوی ہے' اس سے معاملہ کر لیا اور اگلے معاہدے کو توڑ دیا- یہ سب منع ہے- اس کثرت سے اللہ تمہیں آزماتا ہے یا یہ کہ اپنے اس حکم سے یعنی پابندی وعدہ کے حکم سے اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور تم میں صحیح فیصلے قیامت کے دن وہ آپ کر دے گا- ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا نیکوں کو نیک' بدوں کو بد-

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا
تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا
وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ
هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے- یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو- اس سے باز پرس کی جانے والی ہے ○ تم اپنی قسموں کو آپس کی دغابازی کا بہانہ نہ بناؤ- پھر تو تمہارے قدم اپنی مضبوطی کے بعد ڈگمگا جائیں گے اور تمہیں سخت سزا برداشت کرنی پڑے گی کیونکہ تم نے راہ اللہ سے روک دیا' اور تمہیں بڑا سخت عذاب ہوگا ○ تم عہد اللہ کو تھوڑے مول کے بدلے نہ بیچ دیا کرو یاد رکھو اللہ کے پاس کی چیز ہی تمہارے لئے بہتر ہے ○

ایک مذہب ومسلک: ☆☆ (آیت: ۹۳-۹۵) اگر اللہ چاہتا تو دنیا بھر کا ایک ہی مذہب ومسلک ہوتا جیسے فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی اللہ کی چاہت ہوتی تو اے لوگو تم سب کو وہ ایک ہی گروہ کر دیتا- ایک اور آیت میں ہے کہ اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ با ایمان ہی ہوتے یعنی ان میں موافقت ویگانگت ہوتی اور اختلاف وبغض بالکل نہ ہوتا- تیرا رب قادر ہے

اگر چاہے تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دے لیکن یہ تو متفرق ہی رہیں گے مگر جن پر تیرے رب کا رحم ہو اسی لئے انہیں پیدا کیا ہے۔ ہدایت وضلالت اسی کے ہاتھ ہے۔ قیامت کے دن وہ حساب لے گا' پوچھ گچھ کرے گا اور چھوٹے بڑے' نیک و بد کل اعمال کا بدلہ دے گا۔ پھر مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ قسموں کو اور عہد و پیان کو مکاری کا ذریعہ نہ بناؤ ورنہ ثابت قدمی کے بعد پھسل جاؤ گے۔ جیسے کوئی سیدھی راہ سے بھٹک جائے اور تمہارا یہ کام اوروں کے بھی راہ اللہ سے ہٹ جانے کا سبب بن جائے گا جس کا بدترین وبال تم پر پڑے گا۔ کیونکہ کفار جب دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے عہد کر کے توڑ دیا' وعدے کا خلاف کیا تو انہیں دین پر وثوق واعتماد نہ رہے گا پس وہ اسلام کو قبول کرنے سے رک جائیں گے اور چونکہ ان کے اس رکنے کے باعث تم بنو گے اس لئے تمہیں بڑا عذاب ہو گا اور سخت سزا دی جائے گی۔ اللہ کو بیچ میں رکھ کر جو وعدے کرو' اس کی قسمیں کھا کر جو عہد و پیان ہوں انہیں دنیوی لالچ سے توڑ دینا یا بدل دینا تم پر حرام ہے گو ساری دنیا حاصل ہو جائے تاہم اس حرمت کے مرتکب نہ بنو۔ کیونکہ دنیا ہیچ ہے اللہ کے پاس جو ہے وہی بہتر ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ
صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً
طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۷

بشرطیکہ تم میں علم ہو' تمہارے پاس جو کچھ ہے' سب فانی ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے باقی ہے۔ صبر کرنے والوں کو ہم ان کے بھلے اعمال کا بہترین بدلہ ضرور عطا فرمائیں گے ○ جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت ہو لیکن ہو با ایمان تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انھیں دیں گے ○

(آیت:۹۶) اس جزا اور اس ثواب کی امید رکھو۔ جو اللہ کی اس بات پر یقین رکھے' اسی کا طالب رہے اور حکم الٰہی کی پابندی کے ماتحت اپنے وعدوں کی نگہبانی کرے' اس کے لئے جو اجر و ثواب اللہ کے پاس ہے' وہ ساری دنیا سے بہت زیادہ اور بہت بہتر ہے۔ اسے اچھی طرح جان لو' نادانی سے ایسا نہ کرو کہ ثواب آخرت ضائع ہو جائے بلکہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ سنو' دنیا کی نعمتیں زائل ہونے والی ہیں اور آخرت کی نعمتیں لازوال اور ابدی ہیں۔ مجھے قسم ہے جن لوگوں نے دنیا میں صبر کیا' میں انہیں قیامت کے دن ان کے بہترین اعمال کا نہایت اعلیٰ صلہ عطا فرماؤں گا اور انہیں بخش دوں گا۔

کتاب وسنت کے فرماں بردار: ☆☆ (آیت:۹۷) اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ اپنے ان بندوں سے جو اپنے دل میں اللہ پر' اس کے رسول ﷺ پر ایمان کامل رکھیں اور کتاب وسنت کی تابعداری کے ماتحت نیک اعمال کریں' وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں دنیا میں بھی بہترین اور پاکیزہ زندگی عطا فرمائے گا' عمدگی سے ان کی عمر بسر ہو گی خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں' ساتھ ہی انہیں اپنے پاس دار آخرت میں بھی ان کے نیک اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔ دنیا میں پاک اور حلال روزی' قناعت' خوش نفسی' سعادت' پاکیزگی' عبادت کا لطف' اطاعت کا مزہ' دل کی ٹھنڈک' سینے کی کشادگی' سب ہی کچھ اللہ کی طرف سے ایماندار نیک عامل کو عطا ہوتی ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اس نے فلاح حاصل کر لی جو مسلمان ہو گیا اور برابر سرابر روزی دیا گیا اور جو ملا

اس پر قناعت نصیب ہوئی اور حدیث میں ہے جسے اسلام کی راہ دکھا دی گئی اور جسے پیٹ پالنے کا ٹکڑا میسر ہو گیا اور اللہ نے اس کے دل کو قناعت سے بھر دیا اس نے نجات پا لی (ترمذی)

صحیح مسلم شریف میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کی نیکی کا بدلہ دنیا میں عطا فرماتا ہے اور آخرت کی نیکیاں بھی انہیں دیتا ہے' ہاں کافر اپنی نیکیاں دنیا میں ہی کھا لیتا ہے۔ آخرت کے لئے اس کے ہاتھ میں کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾
اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۲ ۱۱ ۱۹

قرآن پڑھنے کے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کر لیا کر ○ ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا ○ ہاں اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں ○

آعوذ کا مقصد: ☆☆ (آیت: ۹۸-۱۰۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی زبانی اپنے مومن بندوں کو حکم فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے وہ اعوذ پڑھ لیا کریں۔ یہ حکم فرضیت کے طور پر نہیں۔ ابن جریرؒ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اعوذ کی پوری بحث مع معنی وغیرہ کے ہم اپنی اس تفسیر کے شروع میں لکھ آئے ہیں۔ فالحمد للہ۔ اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ قاری قرآن میں اُلجھنے' غور وفکر سے رک جانے اور شیطانی وسوسوں کے آنے سے بچ جائے۔ اسی لئے جمہور کہتے ہیں کہ قرأت شروع کرنے سے پہلے اعوذ پڑھ لیا کرے۔ کسی کا قول یہ بھی ہے کہ ختم قرأت کے بعد پڑھے۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور حدیثوں کی دلالت بھی اسی پر ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ایماندار متوکلین کو وہ ایسے گناہوں میں پھانس نہیں سکتا جن سے وہ توبہ ہی نہ کریں۔ اس کی کوئی حجت ان کے سامنے چل نہیں سکتی' یہ مخلص بندے اس کے گہرے مکر سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہاں جو اس کی اطاعت کریں' اس کے کہے میں آ جائیں' اسے اپنا دوست اور حمایتی ٹھہرا لیں' اسے اللہ کی عبادتوں میں شریک کرنے لگیں' ان پر تو یہ چھا جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ "ب" کو سببیہ بتلائیں یعنی وہ اس کی فرمانبرداری کے باعث اللہ کے ساتھ شرکت کرنے لگ جائیں' یہ معنی بھی ہیں کہ وہ اسے اپنے مال میں اور اپنی اولاد میں شریک الٰہ ٹھہرا لیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ
نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے' اسے وہ خوب جانتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تو تو بہتان باز ہے' بات یہ ہے کہ ان

میں کے اکثر جانتے ہی نہیں ○ کہہ دے کہ اسے تیرے رب کی طرف سے جبرئیل حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں تا کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ استقامت اور ہدایت عطا فرمائے اور مسلمانوں کی رہنمائی اور بشارت کے لئے ○

ازلی بدنصیب لوگ: ☆☆ (آیت:۱۰۱-۱۰۲) مشرکوں کی کم عقلی، بے ثباتی اور بے یقینی کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں ایمان کیسے نصیب ہو؟ یہ تو ازلی بدنصیب ہیں، ناسخ منسوخ سے احکام کی تبدیلی دیکھ کر بکنے لگتے ہیں کہ لو صاحب ان کا بہتان کھل گیا۔ اتنا نہیں جانتے کہ قادر مطلق اللہ جو چاہے کرے۔ جو ارادہ کرے حکم دے، ایک حکم کو اٹھا دے دوسرے کو اس کی جگہ رکھ دے۔ جیسے آیت ماننسخ الخ میں فرمایا ہے۔ پاک روح یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے اللہ کی طرف سے حقانیت وصداقت، عدل وانصاف کے ساتھ لے کر تیری جانب آتے ہیں تا کہ ایماندار ثابت قدم ہو جائیں، اب اترا، مانا، پھر اترا، پھر مانا، ان کے دل رب کی طرف جھکتے رہیں، تازہ تازہ کلام اللہ سنتے رہیں، مسلمانوں کے لئے ہدایت وبشارت ہو جائے، اللہ اور رسول اللہ کے ماننے والے راہ یافتہ ہو کر خوش ہو جائیں۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۱۰۳

ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اسے تو ایک آدمی سکھا جاتا ہے، اس کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں، عجمی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے ○

سب سے زیادہ منزلت ورفعت والا کلام: ☆☆ (آیت:۱۰۳) کافروں کی ایک بہتان بازی بیان ہو رہی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اسے یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے۔ قریش کے کسی قبیلے کا ایک عجمی غلام تھا، صفا پہاڑی کے پاس خرید وفروخت کیا کرتا تھا، حضور ﷺ کبھی کبھی اس کے پاس بیٹھ جایا کرتے تھے اور کچھ باتیں کر لیا کرتے تھے، یہ شخص صحیح عربی زبان بولنے پر قادر بھی نہ تھا۔ ٹوٹی پھوٹی زبان میں بمشکل اپنا مطلب ادا کر لیا کرتا تھا۔ اس افترا کا جواب جناب باری دیتا ہے کہ وہ کیا سکھائے گا جو خود بولنا نہیں جانتا، عجمی زبان کا آدمی ہے اور یہ قرآن تو عربی زبان میں ہے پھر فصاحت وبلاغت والا، کمال وسلاست والا، عمدہ اور اعلیٰ پاکیزہ اور بالا۔ معنی، مطلب، الفاظ، واقعات ہیں۔ سب سے نرالا، بنی اسرائیل کی آسمانی کتابوں سے بھی منزلت اور رفعت والا۔ وقعت اور عزت والا۔ تم میں اگر ذرا سی عقل ہوتی تو یوں ہتھیلی پر چراغ رکھ کر چوری کرنے کو نہ نکلتے، ایسا جھوٹ نہ بکتے جو بیوقوفوں کے ہاں بھی نہ چل سکے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ایک نصرانی غلام جسے جبر کہا جاتا تھا جو بنو حضرمی قبیلے کے کسی شخص کا غلام تھا، اس کے پاس رسول اللہ ﷺ مروہ کے پاس بیٹھ جایا کرتے تھے، اس پر مشرکین نے یہ بے پر کی اڑائی کہ یہ قرآن اسی کا سکھایا ہوا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ کہتے ہیں کہ اس کا نام یعیش تھا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ مکہ شریف میں ایک لوہار تھا جس کا نام بلعام تھا۔ یہ عجمی شخص تھا، اسے حضور ﷺ تعلیم دیتے تھے تو آپ کا اس کے پاس آنا جانا دیکھ کر قریش مشہور کرنے لگے کہ یہی شخص آپ کو کچھ سکھاتا ہے اور آپ اسے کلام اللہ کے نام سے اپنے حلقے میں سکھاتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے۔ مراد اس سے سلمان فارسی ہیں رضی اللہ عنہ۔ لیکن یہ قول تو نہایت بودا ہے کیونکہ حضرت سلمان تو مدینے میں آپؐ سے ملے اور یہ آیت مکے میں اتری ہے۔ عبید اللہ بن مسلم کہتے ہیں۔ ہمارے دو مقامی آدمی روم کے رہنے والے تھے جو اپنی زبان میں اپنی کتاب پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ بھی جاتے آتے۔ کبھی ان کے پاس کھڑے ہو کر سن لیا کرتے، اس پر مشرکین نے اڑایا کہ انہی سے

آپ قرآن سیکھتے ہیں' اس پر یہ آیت اتری۔ سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مشرکین میں سے ایک شخص تھا جو وحی لکھا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور یہ بات گھڑ لی۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے' انھیں اللہ کی طرف سے بھی رہنمائی نہیں ہوتی اور ان کے لئے المناک عذاب ہیں ○ جھوٹ افترا تو وہی باندھتے ہیں جنھیں اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا۔ یہی لوگ جھوٹے ہیں ○

ارادہ نہ ہو تو بات نہیں بنتی : ☆☆ (آیت: ۱۰۴-۱۰۵) جو اللہ کے ذکر سے منہ موڑے' اللہ کی کتاب سے غفلت کرے' اللہ کی باتوں پر ایمان لانے کا قصد ہی نہ رکھے' ایسے لوگوں کو اللہ بھی دور ڈال دیتا ہے انہیں دین حق کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ آخرت میں سخت دردناک عذابوں میں پھنستے ہیں۔ پھر بیان فرمایا کہ یہ رسول اللہ پر جھوٹ افترا باندھنے والے نہیں' یہ کام تو بدترین مخلوق کا ہے جو ملحد و کافر ہوں' ان کا جھوٹ لوگوں میں مشہور ہوتا ہے اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تو تمام مخلوق سے بہتر و افضل' دین دار' اللہ شناس' سچوں کے سچے ہیں۔ سب سے زیادہ کمال علم و ایمان' عمل و نیکی میں آپ کو حاصل ہے۔ سچائی میں' بھلائی میں' یقین میں' معرفت میں آپ کا ثانی کوئی نہیں۔ ان کافروں سے ہی پوچھ لو۔ یہ بھی آپ کی صداقت کے قائل ہیں۔ آپ کی امانت کے مداح ہیں۔ آپ ان میں محمد امین کے ممتاز لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ شاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان سے آنحضرت ﷺ کی نسبت بہت سے سوالات کئے' ان میں ایک یہ بھی تھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے تم نے اسے کبھی جھوٹ کی طرف نسبت کی ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا' کبھی نہیں اس پر شاہ نے کہا' کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک وہ شخص جس نے دنیوی معاملات میں لوگوں کے بارے میں کبھی بھی جھوٹ کی گندگی سے اپنی زبان خراب نہ کی ہو' وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے لگے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ
مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝
لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر غضب اللہ ہے'

اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے ○ یہ اس لئے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ غافل ہیں ○ کچھ شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ○

ایمان کے بعد کفر پسند لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۰۶-۱۰۹) اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں، دیکھ کر اندھے ہو جائیں، پھر کفر پر ان کا سینہ کھل جائے، اس پر اطمینان کر لیں، یہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوتے ہیں کہ ایمان کا علم حاصل کر کے پھر اس سے پھر گئے اور انہیں آخرت میں بڑا سخت عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے آخرت بگاڑ کر دنیا کی محبت کی اور صرف دنیا طلبی کی وجہ سے اسلام پر مرتد ہونے کو ترجیح دی۔ چونکہ ان کے دل ہدایت حق سے خالی تھے، اللہ کی طرف سے ثابت قدمی انہیں نہ ملی۔ دلوں پر مہریں لگ گئیں۔ نفع کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کان اور آنکھیں بھی بے کار ہو گئیں، نہ حق سن سکیں، نہ دیکھ سکیں۔ پس کسی چیز نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور اپنے انجام سے غافل ہو گئے۔ یقیناً ایسے لوگ قیامت کے دن اپنا اور اپنے ہم خیال لوگوں کا نقصان کرنے والے ہیں۔ پہلی آیت کے درمیان جن لوگوں کا استثناء کیا ہے یعنی وہ جن پر جبر کیا جائے اور ان کے دل ایمان پر جمے ہوئے ہوں، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بہ سبب مار پیٹ اور ایذاؤں کے مجبور ہو کر زبان سے مشرکوں کی موافقت کریں لیکن ان کا دل وہ نہ کہتا ہو بلکہ دل میں اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر کامل اطمینان کے ساتھ پورا ایمان ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے جب کہ آپ کو مشرکین نے عذاب کرنا شروع کیا جب تک کہ آپ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کفر نہ کریں۔ پس با دل ناخواستہ مجبوراً اور کراھاً آپ نے ان کی موافقت کی۔ پھر اللہ کے نبیؐ کے پاس آ کر عذر بیان کرنے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ شعبی، قتادہ اور ابو مالک رحمتہ اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں۔

ابن جریر میں ہے کہ مشرکوں نے آپ کو پکڑا اور عذاب دینے شروع کئے یہاں تک کہ آپ ان کے ارادوں کے قریب ہو گئے۔ پھر حضور علیہ السلام کے پاس آ کر اس کی شکایت کرنے لگے تو آپؐ نے پوچھا تم اپنے دل کا حال کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے، جما ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا! اگر وہ پھر لوٹیں تو تم بھی لوٹنا۔ بیہقی میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کو برا بھلا کہا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے کیا پھر آپؐ کے پاس آ کر اپنا یہ دکھ بیان کیا کہ یارسول اللہ ﷺ انہوں نے اذیت دینا ختم نہیں کیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہہ لیا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے نہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ ایمان پر مطمئن۔ فرمایا! اگر وہ پھر کریں تو تم بھی پھر کر لینا۔ اسی پر یہ آیت اتری۔

پس علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جس پر جبر و کراہ کیا جائے، اسے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے ان کی موافقت کر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی ان کی نہ مانے جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھایا کہ مشرکوں کی ایک نہ مانی حالانکہ وہ انہیں بدترین تکلیفیں دیتے تھے یہاں تک کہ سخت گرمیوں میں پوری تیز دھوپ میں آپ کو لٹا کر آپ کے سینے پر بھاری وزنی پتھر رکھ دیا کہ اب بھی شرک کرو تو نجات پاؤ لیکن آپؓ نے پھر بھی ان کی نہ مانی۔ صاف انکار کر دیا اور اللہ کی توحید احد احد کے لفظ سے بیان فرماتے رہے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ "واللہ اگر اس سے بھی زیادہ تمہیں چبھنے والا کوئی لفظ میرے علم میں ہوتا تو میں وہی کہتا" اللہ ان سے راضی رہے اور انہیں بھی ہمیشہ راضی رکھے۔ اسی طرح حضرت خبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب ان سے مسیلمہ کذاب نے کہا کہ کیا تو حضرت محمد (ﷺ) کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا میرے رسول اللہ ہونے کی بھی گواہی دیتا

ہے؟ تو آپ نے فرمایا، میں نہیں سنتا۔ اس پر اس جھوٹے مدعی نبوت نے ان کے جسم کے ایک عضو کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر یہی سوال جواب ہوا۔ دوسرا عضو جسم کٹ گیا۔ یونہی ہوتا رہا لیکن آپ آخر دم تک اسی پر قائم رہے، اللہ آپ سے خوش ہو اور آپ کو بھی خوش رکھے۔

مسند احمد میں ہے کہ جو چند لوگ مرتد ہو گئے تھے، انہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگ میں جلوا دیا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذاب سے تم عذاب نہ کرو۔ ہاں بے شک میں انہیں قتل کرا دیتا۔ اس لئے کہ فرمان رسول ﷺ ہے کہ جو اپنے دین کو بدل دے، اسے قتل کر دو۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا، ابن عباس کی ماں پر افسوس۔ اسے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی وارد کیا ہے۔

مسند میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس ہے، پوچھا یہ کیا؟ جواب ملا کہ یہ ایک یہودی تھا۔ پھر مسلمان ہو گیا۔ اب پھر یہودی ہو گیا ہے۔ ہم تقریباً دو ماہ سے اسے اسلام پر لانے کی کوشش میں ہیں تو آپ نے فرمایا، واللہ میں بیٹھوں گا بھی نہیں جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو۔ یہی فیصلہ ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کہ جو اپنے دین سے لوٹ جائے، اسے قتل کر دو یا فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے۔ یہ واقعہ صحیحین میں بھی ہے لیکن الفاظ اور ہیں۔

پس افضل و اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین پر قائم اور ثابت قدم رہے گو اسے قتل بھی کر دیا جائے۔

چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ عبداللہ بن حذافہ سہمی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ آپ کو رومی کفار نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے آپ سے کہا کہ تم نصرانی بن جاؤ۔ میں تمہیں اپنے راج پاٹ میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی شہزادی تمہارے نکاح میں دیتا ہوں۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو کیا، اگر تو اپنی تمام بادشاہت مجھے دے دے اور تمام عرب کا راج بھی مجھے سونپ دے اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دین محمدؐ سے پھر جاؤں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بادشاہ نے کہا، پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ تجھے اختیار ہے۔ چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا اور تیراندازوں نے قریب سے بحکم بادشاہ ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم چھیدنا شروع کیا، بار بار کہا جاتا تھا کہ اب بھی نصرانیت قبول کر لو اور آپ پورے استقلال اور صبر سے فرماتے جاتے تھے کہ ہرگز نہیں۔ آخر بادشاہ نے کہا، اسے سولی سے اتار لو، پھر حکم دیا کہ پیتل کی دیگ یا پیتل کی بنی ہوئی گائے خوب تپا کر آگ بنا کر لائی جائے۔ چنانچہ وہ پیش ہوئی۔ بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کی بابت حکم دیا کہ اسے اس میں ڈال دو۔

اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلمان قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا۔ وہ مسکین اسی وقت چرمر ہو کر رہ گئے۔ گوشت پوست جل گیا۔ ہڈیاں چمکنے لگیں۔ رضی اللہ عنہ۔ پھر بادشاہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ دیکھو اب بھی ہماری مان لو اور ہمارا مذہب قبول کر لو ورنہ اسی آگ کی دیگ میں اسی طرح تمہیں بھی ڈال کر جلا دیا جائے گا۔ آپ نے پھر بھی اپنے ایمانی جوش سے کام لے کر فرمایا کہ ناممکن کہ میں اللہ کے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں چرخی پر چڑھا کر اس میں ڈال دو۔ جب یہ اس آگ کی دیگ میں ڈالے جانے کے لئے چرخی پر اٹھائے گئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں۔ اسی وقت اس نے حکم دیا کہ رک جاؤ۔ انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اس لئے کہ اسے امید بندھ گئی تھی کہ شاید اس عذاب کو دیکھ کر اب اس کے خیالات پلٹ گئے ہیں۔ میرا حکم مان لے گا اور میرا مذہب قبول کر کے میرا داماد بن کر میری سلطنت کا ساجھی بن جائے گا لیکن بادشاہ کی یہ تمنا اور یہ خیال محض بے سود نکلا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں صرف اس وجہ سے رویا تھا کہ آج ایک ہی جان

ہے جسے راہ اللہ میں اس عذاب کے ساتھ میں قربان کر رہا ہوں کاش کہ میرے روئیں روئیں میں ایک ایک جان ہوتی کہ آج میں سب جانیں راہ للہ میں اسی طرح ایک ایک کر کے فدا کرتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو قید خانہ میں رکھا' کھانا پینا بند کر دیا' کئی دن کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اس بھوک پر بھی اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا اور اسے نہ کھانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اس حالت میں یہ میرے لئے حلال تو ہو گیا ہے لیکن میں تجھ جیسے دشمن کو اپنے بارے میں خوش ہونے کا موقعہ دینا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا' اچھا تو میرے سر کا بوسہ لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھ کے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیتا ہوں۔ آپ نے اسے قبول فرما لیا۔ اس کے سر کا بوسہ لے لیا اور بادشاہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دیا' جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ یہاں سے آزاد ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا' ہر مسلمان پر حق ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ کا ماتھا چومے اور میں ابتدا کرتا ہوں۔ یہ فرما کر پہلے آپ نے ان کے سر پر بوسہ دیا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ
جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۰
يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ
اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ
بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی' پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا' بے شک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انہیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا ہے ○ جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لئے لڑتا جھگڑتا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر مطلقاً ظلم نہ کیا جائے گا ○ اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن و اطمینان سے تھی۔ اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آ رہی تھی۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا جامہ پہنا دیا جو بدلہ تھا ان کے کئے اعمال کا ○

صبر و استقامت: ☆☆ (آیت: ۱۱۰-۱۱۱) یہ دوسری قسم کے لوگ ہیں جو بوجہ اپنی کمزوری اور مسکینی کے مشرکین کے ظلم کے شکار تھے اور ہر وقت ستائے جاتے تھے۔ آخر انہوں نے ہجرت کی۔ مال' اولاد' ملک وطن چھوڑ کر راہ اللہ میں چل کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی جماعت میں مل کر پھر جہاد کے لئے نکل پڑے اور صبر و استقامت سے اللہ کے کلمے کی بلندی میں مشغول ہو گئے' انہیں اللہ تعالیٰ ان کاموں یعنی قبولیت فتنہ کے بعد بھی بخشنے والا اور ان پر مہربانیاں کرنے والا ہے۔ بروز قیامت ہر شخص اپنی نجات کی فکر میں لگا ہو گا' کوئی نہ ہو گا جو اپنی ماں یا باپ یا بھائی یا بیوی کی طرف سے کچھ کہہ سن سکے۔ اس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔ نہ ثواب گھٹے نہ گناہ بڑھے۔ اللہ ظلم سے پاک ہے۔

اللہ کی عظیم نعمت بعثت نبویؐ ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱۲) اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ یہ امن واطمینان میں تھے۔ آس پاس لڑائیاں ہوتیں، یہاں کوئی آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھتا جو یہاں آ جاتا امن میں سمجھا جاتا۔ جیسے قرآن نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم ہدایت کی پیروی کریں تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں، کیا ہم نے انہیں امن وامان کا حرم نہیں دے رکھا جہاں ہماری روزیاں قسم قسم کے پھلوں کی شکل میں ان کے پاس چاروں طرف سے کھنچی چلی آتی ہیں۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ عمدہ اور گزارے لائق روزی اس شہر کے لوگوں کے پاس ہر طرف سے آ رہی تھی لیکن پھر بھی یہ اللہ کی نعمتوں کے منکر رہے جن میں سب سے اعلیٰ نعمت آنحضرت ﷺ کی بعثت تھی جیسے ارشاد باری ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ کیا تو نے انہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کی طرف پہنچا دیا جو جہنم ہے جہاں یہ داخل ہوں گے اور جو بری قرارگاہ ہے۔ ان کی اس سرکشی کی سزا انہیں دونوں نعمتیں دو زحمتوں سے بدل دی ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ
وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا
وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ان کے پاس انہی میں سے رسول پہنچا، پھر بھی انھوں نے اسے جھٹلایا۔ آخرش انھیں عذاب نے آ دبوچا۔ وہ تھے ہی گنہگار ○ جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے، کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے حرام ہیں پھر بھی اگر کوئی شخص بے بس کر دیا جائے، نہ وہ ظالم ہو نہ حد سے گزرنے والا ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ○

(آیت: ۱۱۳) امن خوف سے، اطمینان بھوک اور گھبراہٹ سے، انہوں نے اللہ کے رسول کی نہ مانی۔ آپؐ کے خلاف کمر کس لی تو آپؐ نے ان کے لئے قحط سالی کی بددعا کی۔ جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔ اس قحط سالی میں انہوں نے اونٹ کے خون میں لتھڑے ہوئے بال تک کھائے۔ امن کے بعد خوف آیا۔ ہر وقت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکر سے خوف زدہ رہنے لگے۔ آپؐ کی دن دگنی ترقی اور آپؐ کے لشکروں کی کثرت کا سنتے اور سہمے جاتے تھے یہاں تک کہ بالآخر اللہ کے پیغمبر ﷺ نے ان کے شہر مکہ پر چڑھائی کی اور اسے فتح کر کے وہاں قبضہ کر لیا۔ یہ ان کی بداعمالیوں کا ثمرہ تھا کیونکہ یہ ظلم وزیادتی پر اڑے ہوئے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کرتے رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے خود ان میں سے ہی بھیجا تھا، جس احسان کا بیان آیت لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ الخ میں فرمایا ہے۔ اور اسی کا بیان آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ الخ میں ہے اور اسی معنی کی آیت كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ میں ہے تکفرون تک، اس لطیفے کو بھی نہ بھولئے کہ جیسے کفر کی وجہ سے امن کے بعد خوف آیا اور فراخی کے بعد بھوک آئی، ایمان کی وجہ سے خوف کے بعد امن ملا اور بھوک کے بعد حکومت سرداری امارت اور امامت ملی۔ فسبحانہ ما اعظم شانہ۔ سلیم بن نمیر کہتے ہیں ہم حضرت حفصہ زوجہ محترمہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ حج سے لوٹتے ہوئے آ رہے تھے۔ اس وقت مدینہ شریف میں خلیفۃ المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھرے ہوئے تھے۔ مائی صاحبہ اکثر راہ چلتوں سے ان کی بابت دریافت فرمایا کرتی تھیں۔ دو سواروں کو جاتے ہوئے دیکھ کر آدمی بھیجا کہ ان سے خلیفۃ الرسول کا حال پوچھو۔

انہوں نے خبر دی کہ افسوس آپ شہید کر دیئے گئے۔ اسی وقت آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم یہی وہ شہید ہے جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وضرب اللہ الخ عبید اللہ بن مغیرہ کے استاد کا بھی یہی قول ہے۔

حلال وحرام صرف اللہ کی طرف سے ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۱۴-۱۱۵) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنی دی ہوئی پاک روزی حلال کرتا ہے اور شکر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اس لئے کہ نعمتوں کا داتا وہی ہے، اسی لئے عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ پھر ان چیزوں کا بیان فرما رہا ہے جو اس نے مسلمانوں پر حرام کر دی ہیں، جس میں ان کے دین کا نقصان بھی ہے اور ان کی دنیا کا نقصان بھی ہے جیسے از خود مرا ہوا جانور اور بوقت ذبح کیا جائے۔ لیکن جو شخص ان کے کھانے کی طرف بے بس، لاچار، عاجز محتاج، بے قرار ہو جائے اور انہیں کھا لے تو اللہ بخشش ورحمت سے کام لینے والا ہے۔ سورہ بقرہ میں اسی جیسی آیت گزر چکی ہے اور وہیں اس کی کامل تفسیر بھی بیان کر دی ہے اب دوبارہ دہرانے کی حاجت نہیں۔ فالحمد للہ۔ پھر کافروں کے رویہ سے مسلمانوں کو روک رہا ہے کہ جس طرح انہوں نے از خود اپنی سمجھ سے حلت وحرمت قائم کر لی ہے، تم نہ کرو، آپس میں طے کر لیا کہ فلاں کے نام سے منسوب جانور حرمت وعزت والا ہے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا
حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ۝۱۱۶ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝۱۱۷ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ
وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۱۸ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ
لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۤءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا ۙ
اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۹ ع ۱۵ ۹ ۲۱

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں ○ انھیں بہت تھوڑا برتنا ملتا ہے اور ان کے لئے ہی دردناک عذاب ہیں ○ یہودیوں پر جو کچھ ہم نے حرام کیا تھا اسے ہم پہلے ہی سے تجھے سنا چکے ہیں، ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ جو کوئی جہالت سے برے عمل کرے پھر توبہ کرے اور اصلاح بھی کر لے تو پھر بھی تیرا رب بلاشک وشبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے ○

(آیت: ۱۱۶-۱۱۷) تو فرمان ہے کہ اپنی زبانوں سے جھوٹ موٹ اللہ کے ذمے الزام رکھ کر آپ حلال حرام نہ ٹھہرا لو۔ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی اپنی طرف سے کسی بدعت کو نکالے جس کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو یا اللہ کے حرام کو حلال کرے یا مباح کو حرام قرار دے اور اپنی رائے اور تشبیہ سے احکام ایجاد کرے۔ لما تصف میں ما مصدریہ ہے یعنی تم اپنی زبان سے حلال حرام کا جھوٹ وصف نہ گھڑ لو۔ ایسے لوگ دنیا کی فلاح سے، آخرت کی نجات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں گو تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیں لیکن مرتے ہی المناک عذابوں کا لقمہ بنیں گے۔ یہاں کچھ عیش وعشرت کر لیں، وہاں بے بسی کے ساتھ سخت عذاب برداشت کرنے پڑیں گے۔ جیسے

فرمان الٰہی ہے' اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے نجات سے محروم ہیں۔ دنیا میں چاہے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں' پھر ہم ان کے کفر کی وجہ سے انہیں سخت عذاب چکھائیں گے۔

دوسروں سے منسوب ہر چیز حرام ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱۸-۱۱۹) اوپر بیان گزرا کہ اس امت پر مردار' خون' لحم خنزیر اور اللہ کے سوا دوسروں کے نام سے منسوب کردہ چیزیں حرام ہیں۔ پھر جو رخصت اس بارے میں تھی' اسے ظاہر فرما کر جو آسانی اس امت پر کی گئی ہے' اسے بیان فرمایا۔ یہودیوں پر ان کی شریعت میں جو حرام تھا اور جو تنگی اور حرج ان پر تھا' اسے بیان فرما رہا ہے کہ ہم نے ان کی حرمت کی چیزوں کو پہلے ہی سے تجھے بتا دیا ہے سورہ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ میں ان حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانوروں کو حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکری کی چربی کو سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈیوں سے ملی ہوئی ہو' یہ بدلہ تھا ان کی سرکشی کا۔ ہم اپنے فرمان میں بالکل سچے ہیں۔ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا ہاں وہ خود نا انصاف تھے۔ ان کے ظلم کی وجہ سے ہم نے وہ پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں' حرام کر دیں۔ دوسری وجہ ان کا راہ اللہ سے اوروں کو روکنا بھی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے اس رحم و کرم کی خبر دیتا ہے جو وہ گنہگار مومنوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ادھر اس نے توبہ کی۔ ادھر رحمت کی گود اس کے لئے پھیل گئی۔ بعض سلف کا قول ہے کہ جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے' وہ جاہل ہی ہوتا ہے۔ توبہ کہتے ہیں گناہ سے ہٹ جانے کو اور اصلاح کہتے ہیں اطاعت پر کمر کس لینے کو۔ پس جو ایسا کرے اس کے گناہ اور اس کی لغزش کے بعد بھی اللہ اسے بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۭ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

بے شک ابراہیم پیشوا اور اللہ کا فرماں بردار اور یک طرفہ مخلص تھا' وہ مشرکوں میں سے نہ تھا ○ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار تھا' اللہ نے اسے اپنا برگزیدہ کر لیا تھا اور اسے راہ راست سمجھا دی تھی ○ ہم نے اسے دنیا میں بھی ہر طرح کی بہتری دی تھی' اور بے شک وہ آخرت میں بھی البتہ نیک کاروں میں ہے ○ پھر ہم نے تیری جانب وحی بھیجی کہ تو ابراہیم حنیف کی پیروی کر تا رہ جو مشرکوں میں سے نہ تھا ○

جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہدایت کے امام: ☆☆ (آیت: ۱۲۰-۱۲۳) امام حنیفؑ والد انبیاءؑ خلیل اللہؑ رسول جل و علا حضرت ابراہیم علیہ والسلام کی تعریف بیان ہو رہی ہے اور مشرکوں' یہودیوں اور نصرانیوں سے انہیں علیحدہ کیا جا رہا ہے۔ امتہ کے معنی امام کے ہیں جن کی اقتدا کی جائے۔ قانت کہتے ہیں اطاعت گذار' فرماں بردار کو' حنیف کے معنی ہیں شرک سے ہٹ کر توحید کی طرف آ جانے والا۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ مشرکوں سے بیزار تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب امة قانتا کے معنی دریافت کئے گئے تو فرمایا' لوگوں کو بھلائی سکھانے والا اور اللہ اور رسول ﷺ کی ماتحتی کرنے والا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں امت کے معنی ہیں' لوگوں کے دین کا معلم۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت معاذ امة قانتا اور حنیف تھے۔ اس پر کسی نے اپنے دل میں

سوچا کہ عبداللہ غلطی کر گئے - ایسے تو قرآن کے مطابق حضرت خلیل الرحمٰن تھے - پھر زبانی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو امت فرمایا ہے تو آپ نے فرمایا' جانتے بھی ہو' امت کے کیا معنی؟ اور قانت کے کیا معنی؟ امت کہتے ہیں اسے جو لوگوں کو بھلائی سکھائے اور قانت کہتے ہیں اسے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت میں لگا رہے - بے شک حضرت معاذؓ ایسے ہی تھے -

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ تنہا امت تھے اور تابع فرمان تھے - وہ اپنے زمانہ میں تنہا موحد و مومن تھے - باقی تمام لوگ اس وقت کافر تھے - قتادہؒ فرماتے ہیں' وہ ہدایت کے امام تھے اور اللہ کے غلام تھے - اللہ کی نعمتوں کے قدرداں اور شکر گزار تھے اور رب کے تمام احکام کے عامل تھے جیسے خود اللہ نے فرمایا وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی وہ ابراہیم جس نے پورا کیا یعنی اللہ کے تمام احکام کو تسلیم کیا - اور ان پر عمل بجالایا - اسے اللہ نے مختار اور مصطفیٰ بنالیا - جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ الخ ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو رشد و ہدایت دے رکھی تھی اور ہم اسے خوب جانتے تھے - اسے ہم نے راہ مستقیم کی رہبری کی تھی' صرف ایک اللہ وحدہ لا شرك له کی وہ عبادت و اطاعت کرتے تھے اور اللہ کی پسندیدہ شریعت پر قائم تھے - ہم نے انہیں دین و دنیا کی خبر کا جامع بنایا تھا - اپنی پاکیزہ زندگی کے تمام ضروری اوصاف حمیدہ ان میں تھے - ساتھ ہی آخرت میں بھی نیکوں کے ساتھی اور صلاحیت والے تھے - ان کا پاک ذکر دنیا میں بھی باقی رہا اور آخرت میں بڑے عظیم الشان درجے ملے - ان کے کمال' ان کی عظمت' ان کی محبت' توحید اور ان کے پاک طریق پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ اے خاتم رسل' اے سیدالانبیا تجھے بھی ہمارا حکم ہو رہا ہے کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر - جو مشرکوں سے بری الذمہ تھا -

سورہ انعام میں ارشاد ہے قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ الخ کہہ دے کہ مجھے میرے رب نے صراط مستقیم کی رہبری کی ہے - مضبوط اور قائم دین ابراہیم حنیف کی جو مشرکوں میں نہ تھا -

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَی الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ہفتے کے دن کی عظمت تو صرف ان لوگوں کے ذمے ہی ضروری کی گئی تھی جنھوں نے اس میں اختلاف کیا تھا' بات یہ ہے کہ تیرا پروردگار آپ ہی ان میں ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا ○

جمعہ کا دن : ☆☆ (آیت :۱۲۴) پھر یہودیوں پر انکار ہو رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے - ہر امت کے لئے ہفتے میں ایک دن اللہ تعالیٰ نے ایسا مقرر کیا ہے جس میں وہ جمع ہو کر اللہ کی عبادت کی خوشی منائیں - اس امت کے لئے وہ دن جمعہ کا دن ہے اس لئے کہ وہ چھٹا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا کمال کیا - اور ساری مخلوق پیدا ہو چکی اور اپنے بندوں کو ان کی ضرورت کی اپنی پوری نعمت عطا فرمادی - مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہی دن بنی اسرائیل کے لئے مقرر فرمایا گیا تھا لیکن وہ اس سے ہٹ کر ہفتے کے دن کو لے بیٹھے یہ سمجھ کر کہ جمعہ کو مخلوق پوری ہو گئی - ہفتہ کے دن اللہ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی - پس تورات جب اتری' ان پر وہی ہفتے کا دن مقرر ہوا اور انہیں حکم ملا کہ اسے مضبوطی سے تھامے رہیں' ہاں یہ ضرور فرمادیا گیا تھا کہ آنحضرت محمد ﷺ جب بھی آئیں تو وہ سب کے سب کو چھوڑ کر صرف آپ ہی کی اتباع کریں - اس بات پر ان سے وعدہ بھی لے لیا تھا - پس ہفتے کا دن انہوں نے خود ہی اپنے لئے چھانٹا تھا - اور آپ ہی جمعہ کو چھوڑا تھا -

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زمانہ تک یہ اسی پر رہے - کہا جاتا ہے کہ پھر آپ نے انہیں اتوار کے دن کی طرف دعوت

دی- ایک قول ہے کہ آپ نے توراۃ کی شریعت چھوڑی نہ تھی سوائے بعض منسوخ احکام کے اور ہفتے کے دن کی محافظت آپ نے بھی برابر جاری رکھی- جب آپ چڑھا لئے گئے تو آپ کے بعد قسطنطین بادشاہ کے زمانے میں صرف یہودیوں کی ضد میں آ کر صخرہ سے مشرق جانب کو اپنا قبلہ انہوں نے مقرر کر لیا اور ہفتے کی بجائے اتوار کا دن مقرر کر لیا- صحیحین کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہم سب سے آخر والے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے والے ہیں- ہاں انہیں کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی- یہ دن بھی اللہ نے ان پر فرض کیا لیکن ان کے اختلاف نے انہیں کھو دیا اور اللہ رب العزت نے ہمیں اس کی ہدایت دی- پس یہ سب لوگ ہمارے پیچھے ہی پیچھے ہیں- یہود ایک دن پیچھے نصاریٰ دو دن- آپ فرماتے ہیں' ہم سے پہلے کی امتوں کو اللہ نے اس دن سے محروم کر دیا- یہود نے ہفتے کا دن رکھا' نصاریٰ نے اتوار کا اور جمعہ ہمارا ہوا- پس جس طرح دنوں کے اس اعتبار سے وہ ہمارے پیچھے ہیں- اسی طرح قیامت کے دن بھی ہمارے پیچھے ہی رہیں گے- ہم دنیا کے اعتبار سے پچھلے ہیں اور قیامت کے اعتبار سے پہلے ہیں یعنی تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلے ہمارے ہوں گے- (مسلم)

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ
سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلا تارہ اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیا کر' یقیناً تیرا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے ○

حکمت سے مراد کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۵) اللہ تعالیٰ رب العالمین اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ اللہ کی مخلوق کو راہ اللہ کی طرف بلائیں- حکمت سے مراد بقول امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ ہے- اور اچھے وعظ سے مراد جس میں ڈر اور دھمکی بھی ہو کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں اور اللہ کے عذابوں سے بچاؤ طلب کریں- ہاں یہ بھی خیال رہے کہ اگر کسی سے مناظرے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ نرمی اور خوش لفظی سے ہو- جیسے فرمان ہے وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ الخ اہل کتاب سے مناظرے مجادلے کا بہترین طریقہ ہی برتا کرو- اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی نرمی کا حکم ہوا تھا- دونوں بھائیوں کو یہ کہہ کر فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا کہ اسے نرم بات کہنا تا کہ عبرت حاصل کرے اور ہوشیار ہو جائے- گمراہ اور ہدایت یاب سب اللہ کے علم میں ہیں' شقی و سعید سب اس پر واضح ہیں وہاں لکھے جا چکے ہیں اور تمام کاموں کے انجام سے فراغت ہو چکی ہے- آپ تو اللہ کی راہ کی دعوت دیتے رہیں لیکن نہ ماننے والوں کے پیچھے اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالئے- آپ ہدایت کے ذمے دار نہیں- آپ صرف آگاہ کرنے والے ہیں- آپ پر پیغام کا پہنچا دینا فرض ہے- حساب ہم آپ لیں گے- ہدایت آپ کے بس کی چیز نہیں کہ جسے محبوب سمجھیں- ہدایت عطا کر دیں' لوگوں کی ہدایت کے ذمے دار آپ نہیں- یہ اللہ کے قبضے اور اس کے ہاتھ کی چیز ہے-

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ
لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ إِنَّ اللّٰهَ
مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کر لو تو بے شک صابروں کے لئے یہی بہتر ہے ○ تو صبر کر بغیر توفیق اللہ کے تو صبر کر ہی نہیں سکتا' تو ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہو اور جو مکر و فریب یہ کرتے رہتے ہیں' ان سے تنگ دل نہ ہو ○ یقین مان کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے ○

قصاص اور حصول قصاص: ☆☆ (آیت: ۱۲۶-۱۲۸) قصاص میں اور حق کے حاصل کرنے میں برابری اور انصاف کا حکم ہو رہا ہے۔ امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں' اگر کوئی تم سے کوئی چیز لے لے تو تم بھی اس سے اسی جیسی لے لو۔ ابن زید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے تو مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم تھا۔ جب ذرا حیثیت دار لوگ مسلمان ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اگر اللہ کی طرف سے بدلے کی رخصت ہو جائے تو ہم بھی ان کتوں سے نبڑ لیا کریں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ آخر یہ بھی حکم جہاد سے منسوخ ہو گئی۔ حضرت عطا بن یسار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' سورہ نحل پوری مکے شریف میں اتری ہے مگر اس کی یہ تین آخری آیتیں مدینے شریف میں اتری ہیں جب کہ جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور آپ کے اعضائے جسم بھی شہادت کے بعد کاٹ لئے گئے جس پر رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ اب جب مجھے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں پر غلبہ دے تو میں ان میں سے تیس شخصوں کے ہاتھ پاؤں اسی طرح کاٹوں گا۔ مسلمانوں کے کان میں جب اپنے محترم نبی ﷺ کے یہ الفاظ پڑے تو ان کے جوش بہت بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ واللہ ہم ان پر غالب آ کر ان کی لاشوں کے وہ ٹکڑے ٹکڑے کریں گے کہ عربوں نے کبھی ایسا دیکھا ہی نہ ہو۔ اس پر یہ آیتیں اتریں (سیرت ابن اسحاق) لیکن یہ روایت مرسل ہے اور اس میں ایک راوی ایسا ہے جن کا نام ہی نہیں لیا گیا مبہم چھوڑا گیا۔ ہاں دوسری سند سے یہ متصل بھی مروی ہے۔

بزار میں ہے کہ جب حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ آپ پاس کھڑے ہو کر دیکھنے لگے' آہ اس سے زیادہ دل دکھانے والا منظر اور کیا ہو گا کہ محترم چچا کی لاش کے ٹکڑے آنکھوں کے سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ آپ پر اللہ کی رحمت ہو' جہاں تک میرا علم ہے' میں جانتا ہوں کہ آپ رشتے ناتے کے جوڑنے والے' نیکیوں کو لپک کر کرنے والے تھے۔ واللہ دوسرے لوگوں کے درد و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تو آپ کے اس جسم کو یونہی چھوڑ دیتا یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ درندوں کے پیٹوں میں سے نکالتا یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ فرمایا۔ جب ان مشرکوں نے یہ حرکت کی ہے تو واللہ میں بھی ان میں کے ستر شخصوں کی یہی بری حالت بناؤں گا۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور یہ آیتیں اتریں تو آپ اپنی قسم کے پورا کرنے سے رک گئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔ لیکن سند اس کی بھی کمزور ہے۔ اس کے راوی صالح بشیر مری ہیں جو ائمہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں بلکہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ تو انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں۔ شعبی اور ابن جریج کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی زبان سے نکلا تھا کہ ان لوگوں نے جو ہمارے شہیدوں کی بے حرمتی کی ہے اور ان کے اعضاء بدن کاٹ دیئے ہیں' واللہ ہم بھی ان سے اس کا بدلہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیتیں

اتاریں- مسند احمد میں ہے کہ جنگ احد میں ساٹھ انصاری شہید ہوئے اور چھ مہاجر- تو اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی زبان سے نکل گیا کہ جب ہم ان مشرکوں پر غلبہ پائیں تو ہم بھی ان کے ٹکڑے کیے بغیر نہ رہیں گے- چنانچہ فتح مکہ والے دن ایک شخص نے کہا کہ آج کے دن کے بعد قریش پہچانے بھی نہ جائیں گے- اسی وقت ندا ہوئی' اللہ کے رسول ﷺ تمام لوگوں کو پناہ دیتے ہیں سوائے فلاں فلاں کے (جن کے نام لے دیئے گئے) اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں- نبی ﷺ نے اسی وقت فرمایا کہ ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے- اس آیت کریمہ کی مثالیں قرآن کریم میں اور بھی بہت سی ہیں- اس میں عدل کی مشروعیت بیان ہوئی ہے اور افضل طریقے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- جیسے آیت وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا- الخ میں کہ برائی کا بدلہ لینے کی رخصت عطا فرما کر پھر فرمایا ہے کہ جو درگزر کر لے اور اصلاح کر لے' اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے- اسی طرح آیت وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ میں بھی زخموں کا بدلہ لینے کی اجازت دے کر فرمایا ہے کہ جو بطور صدقہ معاف کر دے' یہ معافی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی- اسی طرح اس آیت میں بھی برابر برابر بدلہ لینے کے جواز کا ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوا ہے کہ اگر صبر کر لو تو یہ بہت ہی بہتر ہے- پھر صبر کی مزید تاکید کی اور ارشاد فرمایا کہ یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں- یہ ان ہی سے ہی ہو سکتا ہے جن کی مدد پر اللہ ہو اور جنہیں اس کی جانب سے توفیق نصیب ہوئی ہو-

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے مخالفین کا غم نہ کھا' ان کی قسمت میں ہی مخالفت لکھ دی گئی ہے نہ ان کے فن فریب سے آزردہ خاطر ہو- اللہ تجھے کافی ہے' وہی تیرا مددگار ہے' وہی تجھے ان سب پر غالب کرنے والا ہے اور ان کی مکاریوں اور چالاکیوں سے بچانے والا ہے- ان کی عداوت اور ان کے برے ارادے تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے-

ملائکہ اور مجاہدین: ☆☆ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید ہدایات اور اس کی توفیق ان کے ساتھ ہے جن کے دل اللہ کے ڈر سے اور جن کے اعمال احسان کے جوہر سے مالا مال ہوں- چنانچہ جہاد کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی اتاری تھی کہ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں تمہارے ساتھ ہوں- پس تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو- اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى تم خوف نہ کھاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں- دیکھتا سنتا ہوں- غار میں رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے- پس یہ ساتھ تو خاص تھا- اور مراد اس سے تائید ونصرت الٰہی کا ساتھ ہونا ہے- اور عام ساتھ کا بیان آیت وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور آیت مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ الخ اور آیت وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ الخ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو اور وہ تمہارے اعمال دیکھنے والا ہے اور جو تین شخص کوئی سرگوشی کرنے لگیں' ان میں چوتھا اللہ ہوتا ہے اور پانچ میں چھٹا وہ ہوتا ہے اور اس سے کم وبیش میں بھی جہاں وہ ہوں' اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور تم کسی حال میں ہو یا تلاوت قرآن میں ہو یا تم اور کوئی کام میں لگے ہوئے ہو' ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں- پس ان آیتوں میں ساتھ سے مراد سننے دیکھنے کا ساتھ ہے- تقویٰ کے معنی ہیں حرام کاموں اور گناہ کے کاموں کو اللہ کے فرمان پر ترک کر دینا اور احسان کے معنی ہیں پروردگار کی اطاعت وعبادت کو بجا لانا- جن لوگوں میں یہ دونوں صفتیں ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں رہتے ہیں' جناب باری ان کی تائید اور مدد فرماتا رہتا ہے- ان کے مخالفین اور دشمن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان سب پر کامیابی عطا فرماتا ہے- ابن ابی حاتم میں حضرت محمد بن حاطب رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو باایمان' پرہیزگار اور نیک کار ہیں-

الحمدللہ سورہ نحل کی تفسیر ختم ہوئی- اور الحمدللہ اسی کے ساتھ چودھویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی- اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے-

truemaslak @inbox.com

www.deenekhalis.com For Dawah Purpose Only www.rahehaq.com

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پہ نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نُورانیت کی طرف نکال لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد سوم

رئیس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

مُترجم

خطیب الہند مولانا مُحمّد جُوناگڑھی

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

www.esnips.com/user/truemaslak

www.deenekhalis.com For Dawah Purpose Only www.rahehaq.com

تفسیر ابن کثیر

۱۵
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- فضیلت سورۂ بنی اسرائیل ۵
- سرگزشت معراج ۵
- طوفان نوح کے بعد ۲۹
- بہترین راہنما قرآن حکیم ہے ۳۱
- دن اور رات کے فوائد ۳۲
- اچھے یا برے اعمال انسان کے اپنے لیے ہیں ۳۴
- طالب دنیا کی چاہت ۴۰
- حق دار کو حق دیا جاتا ہے ۴۱
- گناہ اور استغفار ۴۴
- ماں باپ سے حسن سلوک کی تاکید ۴۴
- میانہ روی کی تعلیم ۴۵
- قتل اولاد کی مذمت ۴۶
- کبیرہ گناہوں سے ممانعت ۴۶
- ناحق قتل ۴۷
- یتیم کا مال ۴۸
- بلاتحقیق فیصلہ نہ کرو ۴۹
- تکبر کے ساتھ چلنے کی ممانعت ۴۹
- ذلیل کن عادتیں ۵۰
- کفار کا ایک نفسیاتی تجزیہ ۵۳
- افضل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ۵۷
- وسیلہ یا قرب الٰہی ۵۷
- مقصد معراج ۶۰
- ابلیس کی قدیمی دشمنی ۶۱
- سمندر ہو یا صحرا ہر جگہ اسی کا اقتدار ہے ۶۳
- وطنی عصبیت اور یہودی ۶۶
- اوقات صلوٰۃ کی نشاندہی ۶۷
- مقام محمود کا تعارف ۶۸
- حکم ہجرت ۷۳
- انسانی فطرت میں خیر و شر موجود ہے ۷۵
- قرآن اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ۷۷
- فکری مغالطے اور کفار ۸۱
- میدان حشر کا ایک ہولناک منظر ۸۲
- انسانی فطرت کا نفسیاتی تجزیہ ۸۴
- قرآن کریم کی صفات عالیہ ۸۷
- رحمٰن یا رحیم؟ ۸۸
- مشرکین کے سوالات ۹۱
- اصحاب کہف کا قصہ ۹۳
- غار اور سورج کی شعائیں ۹۶
- موت کے بعد زندگی ۹۸
- اصحاب کہف کی تعداد ۱۰۱
- اصحاب کہف کتنا سوئے؟ ۱۰۲
- جہنم کی دیواریں ۱۰۵
- سونے کے کنگن اور ریشمی لباس ۱۰۵
- احسان فراموشی مترادف کفر ہے ۱۰۷
- سب کے سب میدان حشر میں ۱۱۲
- اللہ کے سوا سب ہی بے اختیار ہیں ۱۱۵
- مشرک قیامت کو شرمندہ ہوں گے ۱۱۵
- عذاب الٰہی کے منتظر کفار ۱۱۷
- بدترین شخص کون ہے؟ ۱۱۸
- حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کا ایک بندہ ۱۱۸
- شوق تعلیم و تعلم ۱۲۳
- حکمت الٰہی کے مظاہر ۱۲۵

www.esnips.com/user/truemaslak

www.deenekhalis.com For Dawah Purpose Only www.rahehaq.com

تفسیر سورة بنی اسرائیل

فضیلت سورۂ بنی اسرائیل: ☆☆ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم سب سے پہلے، سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نفلی روزے کبھی تو اس طرح پے در پے لگا تار رکھتے چلے جاتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے شاید حضور ﷺ یہ پورا مہینہ روزوں ہی میں گزار دیں گے اور کبھی کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتے کہ شاید آپ اس مہینے میں روزے رکھیں گے ہی نہیں۔ اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱

بڑے مہربان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع ○

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لئے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔ یقیناً اللہ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے ○

سرگزشت معراج: ☆☆ (آیت:۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کی عزت وعظمت اور اپنی پاکیزگی وقدرت بیان فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس جیسی قدرت کسی میں نہیں۔ وہی عبادت کے لائق اور صرف وہی ساری مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک ہی رات کے ایک حصے میں مکے شریف کی مسجد سے بیت المقدس کی مسجد تک لے گیا۔ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مرکز رہا۔ اسی لئے تمام انبیاء علیہم السلام وہیں آپؐ کے پاس جمع کئے گئے اور آپؐ نے وہیں ان سب کی امامت کی۔ جو اس امر کی دلیل ہے کہ امام اعظم اور رئیس مقدم آپ ہی ہیں۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین اس مسجد کے اردگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے۔ پھل پھول، کھیت باغات وغیرہ سے۔ یہ اس لئے کہ ہمارا ارادہ اپنے اس محترم رسول ﷺ کو اپنی زبردست نشانیاں دکھانے کا تھا جو آپؐ نے اس رات ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں، مومنوں، کافروں، یقین رکھنے والوں اور انکار کرنے والوں سب کی باتیں سننے والا ہے اور سب کو دیکھ رہا ہے۔ ہر ایک کو وہی دے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ معراج کی بابت بہت سی حدیثیں ہیں جو اب بیان ہو رہی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ معراج والی رات جب کہ کعبۃ اللہ شریف سے آپؐ کو بلوایا گیا، آپؐ کے پاس تین فرشتے آئے۔ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے، اس وقت آپؐ بیت اللہ شریف میں سوئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک جو سب سے آگے تھا، اس نے پوچھا کہ یہ ان سب میں سے کون ہیں؟ درمیان والے نے جواب دیا کہ یہ ان سب میں بہتر ہیں۔ تو سب سے اخیر والے نے کہا۔ پھر ان کو لے چلو۔ بس اس رات تو اتنا ہی ہوا۔ پھر آپؐ نے انہیں نہ دیکھا۔ دوسری

www.esnips.com/user/truemaslak

www.deenekhalis.com For Dawah Purpose Only www.rahehaq.com

رات پھر یہ تینوں آئے۔ اس وقت بھی آپؐ سو رہے تھے۔ لیکن آپ کا سونا اس طرح کا تھا کہ آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگ رہا تھا۔ تمام انبیاء کی نیند اسی طرح کی ہوتی ہے۔ اس رات انہوں نے آپؐ سے کوئی بات نہ کی۔ آپؐ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لٹا دیا۔ اور آپؐ کا سینہ گردن تک خود جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے چاک کیا۔ اور سینے اور پیٹ کی تمام چیزیں نکال کر انہیں اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی سے دھویا۔ جب خوب پاک صاف کر چکے تو آپؐ کے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں سونے کا ایک بڑا پیالہ تھا جو حکمت و ایمان سے پر تھا۔ اس سے آپ کے سینے کو اور گلے کی رگوں کو پر کر دیا گیا۔ پھر سینے کو سی دیا گیا۔ پھر آپؐ کو آسمان دنیا کی طرف لے چڑھے۔ وہاں کے دروازوں میں سے ایک دروازے کو کھٹکھٹایا۔ فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہو؟ آپ نے فرمایا۔ ”جبرئیل“۔ پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ ”فرمایا میرے ساتھ محمد ہیں“ (ﷺ) پوچھا کیا آپ کو بلوایا گیا ہے؟ جواب دیا کہ ”ہاں“۔ سب بہت خوش ہوئے اور مرحبا کہتے ہوئے آپ کو لے گئے۔

آسمانی فرشتے بھی کچھ نہیں جانتے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک کہ انہیں معلوم نہ کرایا جائے۔ آپؐ نے آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام کو پایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا کہ یہ آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ انہیں سلام کیجئے۔ آپؐ نے سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا مرحبا کہی اور فرمایا ”آپ میرے بہت ہی اچھے بیٹے ہیں“۔ وہاں دو نہریں جاری دیکھ کر آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ نہریں کیا ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا کہ ”نیل اور فرات کا عنصر“۔ پھر آپ کو آسمان میں لے چلے۔ آپؐ نے ایک اور نہر دیکھی جس پر لولو اور موتیوں کے بالا خانے تھے جسے آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کے لئے خاص طور پر بنا رکھا ہے۔ پھر آپ کو تیسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں کے فرشتوں سے بھی وہی سوال جواب وغیرہ ہوئے جو آسمان اول پر اور دوسرے آسمان پر ہوئے تھے۔ پھر آپ کو چوتھے آسمان پر چڑھایا گیا۔ ان فرشتوں نے بھی اسی طرح پوچھا اور جواب پایا وغیرہ۔ پھر پانچویں آسمان پر چڑھائے گئے۔ وہاں بھی وہی کہا سنا گیا۔ پھر چھٹے پر، پھر ساتویں آسمان پر گئے۔ وہاں بھی یہی بات چیت ہوئی۔ ہر آسمان پر وہاں کے نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں جن کے نام حضور ﷺ نے بتائے جن میں سے مجھے یہ یاد ہیں کہ دوسرے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام، چوتھے آسمان میں حضرت ہارون، پانچویں والے کا نام مجھے یاد نہیں۔ چھٹے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ساتویں میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ۔ علیہ و علی سائرالا نبیاء صلوات الله و سلامه جب آپؐ یہاں سے بھی اونچے چلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”الٰہی میرا خیال تھا کہ مجھ سے بلند تو کسی کو نہ کرے گا“۔ اب آپؐ اس بلندی پر پہنچے جس کا علم اللہ ہی کو ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ آپ سے بہت ہی نزدیک ہوا۔ بقدر دو کمان کے بلکہ اس سے کم فاصلے پر۔ پھر اللہ کی طرف سے آپؐ کی جانب وحی کی گئی۔ جس میں آپ کی امت پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ جب آپؐ وہاں سے اترے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو روکا اور پوچھا کہ کیا حکم ملا؟ فرمایا ”دن رات میں پچاس نمازوں کا“۔ کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا۔ ”یہ آپ کی امت کی طاقت سے باہر ہے۔ آپ واپس جایئے اور کمی کی طلب کیجئے“۔ آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا کہ گویا آپ ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ ان کا بھی اشارہ پایا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو کیا حرج ہے؟ آپؐ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف گئے اور اپنی جگہ ٹھہر کر دعا کی کہ الٰہی ہمیں تخفیف عطا ہو۔ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر آپؐ واپس لوٹے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو پھر روکا اور یہ سن کر فرمایا۔ ”جاؤ اور کم کراؤ“۔ آپؐ پھر گئے۔ پھر کم ہوئیں یہاں تک کہ آخر میں پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی فرمایا کہ دیکھو میں بنی اسرائیل میں اپنی عمر گزار کر آیا ہوں۔ انہیں اس سے بھی کم حکم تھا لیکن پھر بھی وہ بے طاقت ثابت ہوئے اور اسے

www.esnips.com/user/truemaslak

چھوڑ بیٹھے- آپ کی امت تو ان سے بھی ضعیف ہے، جسم کے اعتبار سے بھی اور دل، بدن، آنکھ، کان کے اعتبار سے بھی- آپ پھر جایئے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی طلب کیجئے- آپؐ نے پھر حسب عادت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا- حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو پھر اوپر لے گئے- آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ ”اے اللہ میری امت کے جسم، دل، کان، آنکھیں اور بدن کمزور ہیں- ہم سے اور بھی تخفیف کر“- اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ آپؐ نے جواب دیا لبیك و سعدیك- فرمایا ”سن میری باتیں بلتی نہیں، جو میں نے اب مقرر کیا ہے، یہی میں ام الکتاب میں لکھ چکا ہوں- یہ پانچ ہیں پڑھنے کے اعتبار سے اور پچاس ہیں ثواب کے اعتبار سے“- جب آپ واپس آئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہو سوال منظور ہوا؟ آپؐ نے فرمایا ”ہاں کمی ہوگئی یعنی پانچ کا ثواب پچاس کا مل گیا، ہر نیکی کا ثواب دس گنا عطا فرمایا جانے کا وعدہ ہو گیا“- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں- انہوں نے اس سے بھی ہلکے احکام کو ترک کر دیا تھا- آپؐ پھر جایئے اور پروردگار سے کمی طلب کیجئے- رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ اے کلیم اللہ، میں گیا آیا اب تو مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوتی ہے- آپؐ نے فرمایا ”اچھا پھر تشریف لے جایئے- بسم اللہ کیجئے“ اب جب آپ جاگے تو آپ مسجد الحرام میں ہی تھے- صحیح بخاری شریف میں یہ حدیث کتاب التوحید میں ہے اور صفۃ النبی ﷺ میں بھی ہے-

یہ روایت شریک بن عبداللہ بن ابونمر سے مروی ہے لیکن انہوں نے اضطراب کر دیا ہے بوجہ اپنی کمزوری حافظہ کے بالکل ٹھیک ضبط نہیں رکھا- ان احادیث کے آخر میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- بعض اسے واقعہ خواب بیان کرتے ہیں شاید اس جملے کی بنا پر جو اس کے آخر میں وارد ہے- واللہ اعلم- حافظ ابوبکر بیہقی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کے اس جملے کو جس میں ہے کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ قریب ہوا اور اتر آیا بس بقدر دو کمان کے ہو گیا بلکہ اور نزدیک- شریک نامی راوی کی وہ زیادتی بتاتے ہیں جس میں وہ منفرد ہیں- اسی لئے بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپؐ نے اس رات اللہ عزوجل کو دیکھا- لیکن حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ان آیتوں کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا- یہی زیادہ صحیح ہے اور امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان بالکل حق ہے- اور روایت میں ہے کہ جب آپؐ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا وہ نور ہے- میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اور روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا ہے- یہ جو سورہ النجم میں ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی یعنی پھر وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا- اس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسے کہ ان تینوں بزرگ صحابیوں رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیان ہے- صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تو کوئی اس آیت کی اس تفسیر میں ان کا مخالف نظر نہیں آتا-

مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میرے پاس براق لایا گیا- جو گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا جو ایک ایک قدم اتنی اتنی دور رکھتا تھا جتنی دور اس کی نگاہ پہنچے- میں اس پر سوار ہوا، وہ مجھے لے چلا، میں بیت المقدس پہنچا اور اسی کنڈے میں اسے باندھ دیا جہاں انبیاء علیہ السلام باندھا کرتے تھے پھر میں نے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی- جب وہاں سے نکلا تو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب لائے اور ایک میں دودھ- میں نے دودھ کو پسند کر لیا- جبرئیل نے فرمایا، تم فطرت تک پہنچ گئے- پھر اوپر والی حدیث کی طرح آسمان اول پر پہنچنا، اس کا کھلوانا، فرشتوں کا دریافت کرنا، جواب پانا، ہر آسمان پر اسی طرح ہونا بیان ہے- پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر کی- دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہونے کا ذکر ہے جو دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے- ان دونوں نے بھی آپ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی- پھر تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا ہے، آپ نے بھی مرحبا کہا نیک دعا کی- پھر

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کی بابت فرمان الٰہی ہے وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ہم نے اسے اونچی جگہ اٹھا لیا ہے۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں مگر جو آج گئے' ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی۔ پھر سدرۃ المنتہی تک پہنچے' جس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اور جس کے پھل مٹکے جیسے۔ اسے امر الٰہی نے ڈھک رکھا تھا۔ اس خوبی کا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ پھر وحی ہونے کا اور پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا اور بمشورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس جا جا کر کمی کرا کرا کر پانچ تک پہنچنے کا بیان ہے۔ اس میں ہر بار کے سوال پر پانچ کی کمی کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آخر میں آپ سے فرمایا گیا' جو نیکی کا ارادہ کرے گو وہ عمل میں نہ آئے تاہم اسے ایک نیکی کا ثواب مل جاتا ہے اور اگر کر لے تو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور گناہ کے صرف ارادے سے گناہ نہیں لکھا جاتا اور کر لینے سے ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے (مسلم) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس رات آپ کو اسرا بیت اللہ سے بیت المقدس تک ہوا' اسی رات معراج بھی ہوئی اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ براق کی لگام بھی تھی اور زین بھی تھی جب وہ سواری کے وقت کسمسایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا' کیا کر رہا ہے؟ واللہ تجھ پر آپ ﷺ سے پہلے آپ سے زیادہ بزرگ شخص کوئی سوار نہیں ہوا۔ پس براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔ آپؐ فرماتے ہیں' جب مجھے میرے رب عزوجل کی طرف چڑھایا گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ اور چھیل رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت وآبرو کے درپے رہتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ معراج والی رات جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا تو میں نے انہیں وہاں نماز میں کھڑا پایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے مسجد اقصیٰ کے نشانات پوچھے' آپؐ نے بتانے شروع کئے ہی تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے' آپؐ بجا ارشاد فرما رہے ہیں اور سچے ہیں۔ میری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھ رکھا تھا۔

مسند بزار میں ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ میں سویا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور میرے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ دیا۔ پس میں کھڑا ہو کر ایک درخت میں بیٹھ گیا جس میں پرندوں کے مکان جیسے تھے۔ ایک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھ گئے۔ وہ درخت پھول گیا اور اونچا ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ میں تو اپنی چادر ٹھیک کر رہا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سخت تواضع اور فروتنی کے عالم میں ہیں تو میں جان گیا کہ اللہ کی معرفت کے علم میں یہ مجھ سے افضل ہیں۔ آسمان کا ایک دروازہ میرے لئے کھولا گیا۔ میں نے ایک زبردست عظیم الشان نور دیکھا جو حجاب میں تھا اور اس کے اس طرف یاقوت اور موتی تھے۔ پھر میری جانب بہت کچھ وحی کی گئی۔

دلائل بیہقی میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ کی پیٹھ کو انگلی سے اشارہ کیا آپ ان کے ساتھ ایک درخت کی جانب چلے جس میں پرندوں کے گھونسلے جیسے تھے الخ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہماری طرف نور اترا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تو بیہوش ہو کر گر پڑے الخ پھر میری جانب وحی کی گئی کہ نبی اور بادشاہ بننا چاہتے ہو؟ یا نبی اور بندہ بننا چاہتے ہو اور جنتی؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسی طرح تواضع سے گرے ہوئے مجھے اشارے سے فرمایا کہ تواضع اختیار کرو تو میں نے جواب دیا کہ الٰہی میں نبی اور بندہ بننا منظور کرتا ہوں۔ اگر یہ روایت صحیح ہو جائے تو ممکن ہے کہ یہ واقعہ معراج کے سوا اور ہو کیونکہ

اس میں نہ بیت المقدس کا ذکر ہے نہ آسمان پر چڑھنے کا واللہ اعلم۔ بزار کی ایک روایت میں ہے حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا لیکن یہ روایت غریب ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ براق نے جب حضرت جبرئیلؑ کی بات سنی اور پھر وہ آپ کو سوار کرا کر لے چلا تو آپؐ نے راستے کے ایک کنارے پر ایک بڑھیا کو دیکھا۔ پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ چلے چلئے۔ پھر آپ نے چلتے چلتے دیکھا کہ کوئی راستے سے یکسو ہے اور آپ کو بلا رہی ہے۔ پھر آپؐ آگے بڑھے تو دیکھا کہ اللہ کی ایک مخلوق ہے اور باآواز بلند کہہ رہی ہے السلام علیك یا اول السلام علیك یا اخر السلام علیك یا حاشر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' جواب دیجئے آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ پھر دوبارہ ایسا ہی ہوا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا یہاں تک کہ آپؐ بیت المقدس پہنچے۔ وہاں آپ کے سامنے پانی شراب اور دودھ پیش کیا گیا۔ آپ نے دودھ لے لیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ آپؐ نے راز فطرت پالیا۔ اگر آپؐ پانی کا برتن لے کر پی لیتے تو آپؐ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔ پھر آپؐ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپؐ کے زمانے تک کے تمام انبیاء بھیجے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی امامت کرائی اور اس رات نماز سب نے آپؐ کی اقتداء میں پڑھی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا راستے کے کنارے جس بڑھیا کو آپؐ نے دیکھا تو وہ گویا یہ دکھایا گیا کہ دنیا کی عمر اب صرف اتنی ہی باقی ہے جیسے اس بڑھیا کی عمر اور جس کی آواز پر آپؐ توجہ کرنے والے تھے' وہ دشمن رب ابلیس تھا اور جن کی سلام کی آوازیں آپؐ نے سنیں' وہ ابراہیمؑ موسیٰ اور عیسیٰ تھے' علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اس میں بھی بعض الفاظ میں غرابت ونکارت ہے واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ جب میں براق پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں چلا تو ایک جگہ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ یہیں اتر کر نماز ادا کیجئے۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو فرمایا۔ جانتے ہو کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ یہ طیبہ (یعنی مدینہ) ہے۔ یہی ہجرت گاہ ہے۔ پھر ایک اور جگہ مجھ سے نماز پڑھوائی اور فرمایا یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ پھر ایک اور جگہ نماز پڑھوا کر فرمایا۔ یہ بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا۔ وہاں تمام انبیاء جمع ہوئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے امام بنایا۔ میں نے ان کی امامت کی۔ پھر مجھے آسمان کی طرف چڑھا لے گئے۔ پھر آپؐ کا ایک ایک آسمان پر پہنچنا' وہاں پیغمبروں سے ملنا مذکور ہے۔ فرماتے ہیں' جب میں سدرۃ المنتہٰی تک پہنچا تو مجھے ایک نورانی ابر نے ڈھک لیا' میں اسی وقت سجدے میں گر پڑا۔ پھر آپؐ پر پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور کم ہونا وغیرہ کا بیان ہے۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں ہے کہ میری امت پر تو صرف دو نمازیں مقرر ہوئی تھیں لیکن وہ انہیں بھی نہ بجا لائے۔ آپؐ پھر پانچ سے بھی کمی چاہنے کے لئے گئے تو فرمایا گیا کہ میں نے تو آسمان وزمین کی پیدائش والے دن ہی تجھ پر اور تیری امت پر یہ پانچ نمازیں مقرر کر دی تھیں۔ یہ پڑھنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہیں پس تو اور تیری امت اس کی حفاظت کرنا۔ آپؐ فرماتے ہیں اب مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کا یہی آخری حکم ہے۔ پھر جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپؐ نے مجھے پھر واپس لوٹنے کا مشورہ دیا لیکن چونکہ میں معلوم کر چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی حکم ہے اس لئے میں پھر اللہ کے پاس نہ گیا۔

ابن ابی حاتم میں بھی معراج کے واقعہ کی مطول حدیث ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ بیت المقدس کی مسجد کے پاس اس دروازے پر پہنچے جسے باب محمد کہا جاتا ہے (ﷺ) وہیں ایک پتھر تھا جسے حضرت جبرئیل نے اپنی انگلی لگائی تو اس میں سوراخ ہو گیا۔ وہیں آپؐ نے براق کو باندھا اور مسجد پر چڑھ گئے۔ بیچوں بیچ پہنچ جانے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا' آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ آرزو کی ہے کہ وہ آپ کو حوریں دکھائے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں۔ کہا! آیئے وہ یہ ہیں۔ سلام کیجئے۔ وہ صخرہ کے بائیں جانب بیٹھی ہوئیں تھیں۔ میں

نے وہاں پہنچ کر انہیں سلام کیا۔ سب نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم سب کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم نیک سیرت خوبصورت حوریں ہیں‘ ہم بیویاں ہیں اللہ کے ان پرہیزگار بندوں کی جو نیکوکار ہیں۔ جو گناہوں کے میل کچیل سے دور ہیں۔ جو پاک کر کے ہمارے پاس لائے جائیں گے۔ پھر نہ نکالے جائیں گے‘ ہمارے پاس ہی رہیں گے‘ کبھی جدا نہ ہوں گے‘ ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہ مریں گے۔ میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ وہیں لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے اور ذرا سی دیر میں بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ موذن نے اذان کہی۔ تکبیر ہوئی اور ہم سب کھڑے ہو گئے۔ منتظر تھے کہ امامت کون کرائے گا؟ جو جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا۔ میں نے انہیں نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا‘ جانتے بھی ہو کن کو آپ نے نماز پڑھائی؟ میں نے کہا‘ نہیں فرمایا آپ کے پیچھے آپ کے یہ سب مقتدی اللہ کے پیغمبر تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ مبعوث فرما چکا ہے‘ پھر میرا ہاتھ تھام کر آسمان کی طرف لے چلے پھر بیان ہے کہ آسمانوں کے دروازے کھلوائے۔ فرشتوں نے سوال کیا۔ جواب پا کر دروازے وغیرہ کھولے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا ”میرے بیٹے اور نیک نبی کو مرحبا ہو“۔ اس میں چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کرنے کا ذکر بھی ہے۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملنے اور ان کے بھی وہی فرمانے کا ذکر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ پھر مجھے وہاں سے بھی اونچا لے گئے۔ میں نے ایک نہر دیکھی‘ جس میں لولؤ یاقوت اور ابرجد کے جام تھے اور بہترین خوش رنگ سبز پرند تھے۔ میں نے کہا ”یہ تو نہایت ہی نفیس پرند ہیں“ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ”ہاں ان کے کھانے والے ان سے بھی اچھے ہیں“ پھر فرمایا ”معلوم بھی ہے یہ کون سی نہر ہے؟“ میں نے کہا ”نہیں“ فرمایا ”وہ نہر کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرما رکھی ہے“ اس میں سونے چاندی کے آبخورے تھے جو یاقوت و زمرد سے جڑاؤ تھے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا‘ میں نے ایک سونے کا پیالہ لے کر پانی بھر کر پیا تو وہ شہد سے بھی زیادہ میٹھا تھا اور مشک سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔ جب میں اس سے بھی اوپر پہنچا تو ایک نہایت خوش رنگ بادل نے مجھے آگھیرا جس میں مختلف رنگ تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے تو مجھے چھوڑ دیا اور میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑا۔ پھر پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا بیان ہے۔ پھر آپؐ واپس ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو کچھ نہ فرمایا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو سمجھا بجھا کر واپس طلب تخفیف کے لئے بھیجا الغرض اسی طرح آپ کا بار بار آنا‘ بادل میں ڈھک جانا‘ دعا کرنا‘ تخفیف ہونا‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے ہوئے آنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیان کرنا یہاں تک کہ پانچ نمازوں کا رہ جانا بیان وغیرہ ہے۔

آپ فرماتے ہیں پھر مجھے جبرئیل لے کر نیچے اترے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جس آسمان پر میں پہنچا‘ وہاں کے فرشتوں نے خوشی ظاہر کی۔ ہنس ہنس کر مسکراتے ہوئے مجھ سے ملے بجز ایک فرشتے کہ کہ اس نے میرے سلام کا جواب تو دیا مجھے مرحبا بھی کہا لیکن مسکرائے نہیں۔ یہ کون ہیں؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ ”وہ مالک ہیں۔ جہنم کے داروغہ ہیں۔ اپنے پیدا ہونے سے لے کر آج تک وہ ہنسے ہی نہیں اور قیامت تک ہنسیں گے بھی نہیں کیونکہ ان کی خوشی کا یہی ایک بڑا موقعہ تھا“۔ واپسی میں قریشیوں کے ایک قافلے کو دیکھا جو غلہ لادے جا رہا تھا۔ اس میں ایک اونٹ تھا جس پر ایک سفید اور ایک سیاہ بورا تھا۔ جب آپؐ اس کے قریب سے گزرے تو وہ چمک گیا اور مڑ گیا اور گر پڑا اور لنگڑا ہو گیا آپؐ اس طرح اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اپنے اس معراج کا ذکر لوگوں سے کیا۔ مشرکوں نے جب یہ سنا تو وہ سیدھے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے‘ لو تمہارے پیغمبر صاحب تو کہتے ہیں کہ وہ آج کی ایک ہی رات میں مہینہ بھر کے فاصلے کے مقام تک ہو آئے۔ آپؓ نے جواب دیا کہ اگر فی الواقع آپؐ نے یہ فرمایا ہو تو آپ سچے ہیں۔ ہم تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ کو سچا جانتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ آپ کو آن کی آن میں آسمان سے خبریں پہنچتی ہیں۔ مشرکوں نے

حضور ﷺ سے کہا کہ آپ اپنی سچائی کی کوئی علامت بھی آپ پیش کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں میں نے راستے میں فلاں فلاں جگہ قریش کا قافلہ دیکھا - ان کا ایک اونٹ جس پر سفید و سیاہ رنگ کے دو بورے ہیں' وہ ہمیں دیکھ کر بھڑکا' گھوما اور چکر کھا کر گر پڑا اور ٹانگ ٹوٹ گئی - جب وہ قافلہ آیا' لوگوں نے ان سے جا کر پوچھا کہ راستے میں کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی؟ انہوں نے کہا ہاں ہوئی - فلاں اونٹ فلاں جگہ اس طرح گرا وغیرہ - کہتے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسی تصدیق کی وجہ سے انہیں صدیق کہا گیا ہے - رضی اللہ عنہ - پھر آپ سے لوگوں نے سوال کیا کہ آپ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے - ان کے حلیے تو بیان کیجئے - آپؐ نے فرمایا ہاں' موسیٰ تو گندم گوں رنگ کے ہیں' جیسے ازدعمان کے آدمی ہوتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام درمیانہ قد کے کچھ سرخی مائل رنگ کے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کے لبوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں - اس سیاق میں بھی عجائب وغرائب ہیں -

مسند احمد میں ہے' حطیم میں سویا ہوا تھا اور روایت میں حجر میں سویا ہوا تھا کہ آنے والا آیا - ایک نے درمیان والے سے کہا اور وہ میرے پاس آیا اور یہاں سے یہاں تک چاک کر ڈالا یعنی گلے کے پاس سے ناف تک - پھر مندرجہ بالا حدیثوں کے مطابق بیان ہے - اس میں ہے کہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میں نے سلام کیا - آپؑ نے جواب دیا اور فرمایا ''نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو'' - جب میں وہاں سے آگے بڑھ گیا تو آپؑ رو دیئے - پوچھا گیا کیسے روئے؟ جواب دیا کہ اس لئے کو جو بچہ میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا' اس کی امت بہ نسبت میری امت کے جنت میں زیادہ تعداد میں جائے گی - اس میں ہے کہ سدرۃ المنتہی کے پاس چار نہریں دیکھیں - دو ظاہر اور دو باطن میں - جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا' آپ نے مجھے بتلایا کہ باطنی تو جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری نیل وفرات ہیں - پھر میری جانب بیت المعمور بلند کیا گیا - پھر میرے پاس شراب کا' دودھ کا اور شہد کا برتن آیا - میں نے دودھ کا برتن لے لیا - فرمایا' یہ فطرت ہے جس پر تو ہے اور تیری امت - اس میں ہے کہ جب پانچ نمازیں ہی رہ گئیں اور پھر بھی کلیم اللہ نے واپسی کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا' میں تو اپنے رب سے سوال کرتے کرتے شرما گیا - اب میں راضی ہوں اور تسلیم کر لیتا ہوں -

اور روایت میں ہے کہ میرے گھر کی چھت کھول دی گئی - میں اس وقت مکہ میں تھا الخ - اس میں ہے کہ جب میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آسمان دنیا پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں جن کے دائیں بائیں بڑی بڑی جماعت ہے' وہ داہنی جانب دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں اور ہنسنے لگتے ہیں اور جب بائیں جانب نظر اٹھتی ہے تو رو دیتے ہیں - میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ اور ان کے دائیں بائیں کون ہیں؟ فرمایا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ ان کی اولاد ہے - دائیں جانب والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے جہنمی ہیں - انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور انہیں دیکھ کر رنجیدہ - اس روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملاقات ہوئی - اس میں ہے کہ ساتویں آسمان سے میں اور اونچا پہنچایا گیا - مستوی میں پہنچ کر میں نے قلموں کے لکھنے کی آوازیں سنیں - اس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے میں طلب تخفیف کے لئے گیا تو اللہ نے آدھی معاف فرما دیں - پھر گیا' پھر آدھی معاف ہوئی' پھر گیا تو پانچ مقرر ہوئیں - اس میں ہے کہ سدرۃ المنتہی سے ہو کر میں جنت میں پہنچایا گیا - جہاں سچے موتیوں کے خیمے تھے اور جہاں کی مٹی مشک خالص تھی - یہ پوری حدیث صحیح بخاری شریف کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے اور ذکر بنی اسرائیل میں بھی ہے اور بیان حج میں اور احادیث انبیاء میں بھی ہے - امام مسلم نے صحیح مسلم کتاب الایمان میں بھی وارد فرمائی ہے - مسند احمد میں عبداللہ بن شقیق رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو کم از کم ایک بات تو ضرور پوچھ لیتا - آپ نے دریافت فرمایا' کیا بات؟ کہا یہی کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یہ تو میں نے آپ سے پوچھا تھا - آپ

نے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا۔ میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اور روایت میں ہے کہ وہ نور ہے' میں اسے کہاں سے دیکھ سکتا ہوں؟ ' ایک روایت میں ہے' میں نے نور دیکھا۔ بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب میں نے معراج کے واقعہ کا لوگوں سے ذکر کیا اور قریش نے مجھے جھٹلایا' میں اس وقت حطیم میں کھڑا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میری نگاہوں کے سامنے لا دیا اور اسے بالکل ظاہر کر دیا۔ اب جو نشانیاں وہ مجھ سے پوچھتے تھے' میں دیکھتا جاتا تھا اور بتاتا جاتا تھا۔ بیہقی میں ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔ اس میں ہے کہ جب واپس آ کر آپ نے لوگوں میں یہ قصہ بیان فرمایا تو بہت سے لوگ فتنے میں پڑ گئے۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ کفار قریش کی جماعت اسی وقت دوڑی بھاگی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگے' لو اور سنو' آج تو تمہارے ساتھی ایک عجیب خبر سنا رہے ہیں' کہتے ہیں' ایک ہی رات میں وہ بیت المقدس سے ہو کر بھی آ گئے۔ آپ نے فرمایا' اگر وہ فرماتے ہیں تو سچ ہے۔ واقعی ہو آئے ہیں' انہوں نے کہا یعنی تم اسے بھی مانتے ہو کہ رات کو جائے اور صبح سے پہلے ملک شام سے واپس مکہ پہنچ جائے؟ آپ نے فرمایا' اس سے بھی زیادہ بڑی بات کو میں اس سے بہت پہلے سے مانتا چلا آیا ہوں۔ یعنی میں مانتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اور وہ ان تمام میں سچے ہیں۔ اسی وقت سے آپ کا لقب ابوبکر صدیق ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔

مسند احمد میں ہے' حضرت زر بن حبیش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا' اس وقت آپ معراج کا واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' ہم چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے' دونوں صاحب اندر نہیں گئے میں نے یہ سنتے ہی کہا' غلط ہے رسول اللہ ﷺ اندر گئے بلکہ اس رات آپ نے وہاں نماز بھی پڑھی۔ آپ نے فرمایا' تیرا کیا نام ہے' میں تجھے جانتا تو ہوں لیکن نام یاد نہیں پڑتا۔ میں نے کہا میرا نام زر بن حبیش ہے۔ فرمایا تم نے یہ بات کیسے معلوم کر لی؟ میں نے کہا' یہ تو قرآن کی خبر ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے قرآن سے بات کہی' اس نے نجات پائی۔ پڑھئے وہ کون سی آیت ہے تو میں نے سبحان الذی کی یہ آیت پڑھی۔ آپ نے فرمایا اس میں کس لفظ کے معنی ہیں کہ حضور ﷺ نے وہاں نماز ادا کی؟ ورنہ آپ نے اس رات وہاں نماز نہیں پڑھی اور اگر پڑھ لیتے تو تم پر اسی طرح وہاں کی نماز لکھ دی جاتی' جس طرح بیت اللہ کی ہے۔ واللہ وہ دونوں براق پر ہی رہے یہاں تک کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھل گئے پس جنت دوزخ دیکھ لی اور آخرت کے وعدے کی اور تمام چیزیں بھی۔ پھر ویسے کے ویسے ہی لوٹ آئے۔ پھر آپ خوب ہنسے اور فرمانے لگے مزہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہاں آپ نے براق باندھا کہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ حالانکہ عالم الغیب والشہادہ رب عالم نے اسے آپ کے لئے مسخر کیا تھا۔ میں نے پوچھا' کیوں جناب یہ براق کیا ہے؟ کہا ایک جانور ہے سفید رنگ لانبے قد کا' جو ایک ایک قدم اتنی اتنی دور رکھتا ہے جتنی دور نگاہ کام کرے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محض انکار سے وہ روایتیں جن میں بیت المقدس کی نماز کا ثبوت ہے' وہ مقدم ہیں (واللہ اعلم)

حافظ ابوبکر بیہقی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب دلائل النبوۃ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے آپ سے معراج کے واقعہ کے ذکر کی درخواست کی تو آپ نے پہلے تو یہی آیت سبحان الذی کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میں عشا کے بعد مسجد میں سویا ہوا تھا جو ایک آنے والے نے آ کر مجھے جگایا۔ میں اٹھ بیٹھا لیکن کوئی نظر نہ پڑا۔ ہاں کچھ جانور سا نظر آیا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور برابر دیکھتا ہوا مسجد کے باہر چلا گیا تو مجھے ایک عجیب جانور نظر پڑا۔ ہمارے جانوروں میں سے تو اس کے کچھ مشابہ خچر ہے' ہلتے ہوئے اور اوپر کو اٹھے ہوئے کانوں والا تھا' اس کا نام براق ہے۔ مجھ سے پہلے کے انبیاء بھی اسی پر سوار ہوتے رہے۔ میں اس پر سوار ہو کر چلا ہی تھا کہ میری دائیں جانب

سے کسی نے آواز دی کہ محمد میری طرف دیکھ، میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا۔ لیکن نہ میں نے جواب دیا نہ ٹھہرا۔ پھر جو ذرا اور آگے بڑھا تو بائیں طرف سے بھی آواز آئی لیکن میں وہاں بھی نہ ٹھہرا نہ دیکھا نہ جواب دیا۔ پھر کچھ آگے گیا کہ ایک عورت دنیا بھر کی زینت کئے ہوئے بانہیں کھولے کھڑی ہوئی ہے، اس نے مجھے اسی طرح آواز کی کہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں لیکن میں نے نہ اس کی طرف التفات کیا نہ ٹھہرا۔ پھر آپ کا بیت المقدس پہنچنا، دودھ کا برتن لینا اور جبرئیل کے فرمان سے خوش ہو کر دو دفعہ تکبیر کہنا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا۔ آپؐ کے چہرہ پر فکر کیسا ہے؟ میں نے وہ دونوں واقعے راستے کے بیان کئے تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلا شخص تو یہود تھا۔ اگر آپ اسے جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ کی امت یہود ہو جاتی۔ دوسرا نصرانیوں کا دعوت دینے والا تھا۔ وہاں اگر آپ ٹھہرتے اور اس سے باتیں کرتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی۔ اور وہ عورت جو تھی وہ دنیا تھی اگر آپ اسے جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر گمراہ ہو جاتی۔ پھر میں اور جبرئیل بیت المقدس میں گئے۔ ہم دونوں نے دو دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر ہمارے سامنے معراج لائی گئی جس سے بنی آدم کی روحیں چڑھتی ہیں۔ دنیا نے ایسی اچھی چیز کبھی نہیں دیکھی، تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ یہ اسی سیڑھی کو دیکھتے ہوئے تعجب کے ساتھ۔ ہم دونوں اوپر چڑھ گئے۔ میں نے اسماعیل نامی فرشتے سے ملاقات کی جو آسمان دنیا کا سردار ہے، جس کے ہاتھ تلے ستر ہزار فرشتے ہیں، جن میں سے ہر ایک فرشتے کے ساتھ اس کے لشکری فرشتوں کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ فرمان الٰہی ہے، تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا، پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبرئیل، پوچھا گیا آپ کے ساتھ اور کون ہیں؟ بتلایا کہ محمد ہیں (ﷺ) کہا گیا کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں، وہاں میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا، اسی ہیئت میں جس میں وہ اس دن تھے جس دن اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان کی اصلی صورت پر۔ ان کے سامنے ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں۔ نیک لوگوں کی روحوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں، پاک روح ہے اور جسم بھی پاک ہے۔ اسے علیین میں لے جاؤ اور بدکاروں کی روحوں کو دیکھ فرماتے ہیں، خبیث روح ہے، جسم بھی خبیث ہے۔ اسے سجین میں لے جاؤ۔ کچھ ہی چلا ہوں گا جو میں نے دیکھا کہ خوان لگے ہوئے ہیں جن پر نہایت نفیس گوشت بھنا ہوا ہے اور دوسری جانب اور خوان لگے ہوئے ہیں جن پر بدبودار، سڑا، بسا گوشت رکھا ہوا ہے، کچھ لوگ ہیں جو عمدہ گوشت کے تو پاس بھی نہیں آتے اور اس سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا کہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی رغبت کرتے تھے۔

پھر میں کچھ اور چلا تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹ کی طرح کے ہیں، ان کے منہ پھاڑ پھاڑ کر فرشتے انہیں اس گوشت کے لقمے دے رہے ہیں جو ان کے دوسرے راستے سے واپس نکل جاتا ہے، وہ چیخ چلا رہے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام، یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھا جایا کرتے تھے، جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ ضرور بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ میں جائیں گے۔ میں کچھ دور اور چلا جو دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل ادھر لٹکی ہوئی ہیں اور ہائے وائے کر رہی ہیں۔ میرے پوچھنے پر جواب ملا کہ یہ آپ کی امت کی زناکار عورتیں ہیں۔ میں کچھ دور اور گیا تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پیٹ بڑے بڑے گھڑوں جیسے ہیں۔ جب وہ اٹھنا چاہتے ہیں، گر گر پڑتے ہیں اور بار بار کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ قیامت قائم نہ ہو۔ فرعونی جانوروں سے وہ روندے جاتے ہیں اور اللہ کے سامنے آہ و زاری کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے، سود خور ان لوگوں کی طرح ہی

کھڑے ہوں گے، جنہیں شیطان نے باؤلا بنا رکھا ہو۔ میں کچھ دور اور چلا تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پہلو سے گوشت کاٹ کاٹ کر فرشتے انہی کو کھلا رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ جس طرح اپنے بھائی کا گوشت اپنی زندگی میں کھاتا رہا، اب بھی کھا۔ میں نے پوچھا، جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا، یہ آپ کی امت کے عیب جو اور آوازہ کش لوگ ہیں۔

پھر ہم دوسرے آسمان پر چڑھے تو میں نے وہاں ایک نہایت ہی حسین شخص کو دیکھا جو اور حسین لوگوں پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو فضیلت چاند کو ستاروں پر ہے، میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ آپ کے بھائی حضور یوسف علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا جس کا جواب انہوں نے دیا۔ پھر ہم تیسرے آسمان کی طرف چڑھے اسے کھلوایا۔ وہاں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو دیکھا۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ آدمی تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے مجھے جواب دیا، پھر میں چوتھے آسمان کی طرف چڑھا۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو پایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مکان پر اٹھا لیا ہے، میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھا، وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تھے جن کی آدھی داڑھی سفید تھی اور آدھی سیاہ اور بہت لمبی داڑھی تھی، قریب قریب ناف تک۔ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا، انہوں نے بتایا کہ یہ اپنی قوم کے ہر دلعزیز حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کی جماعت ہے، انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب دیا، پھر میں چھٹے آسمان کی طرف چڑھا۔ وہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ کا گندم گوں رنگ تھا۔ بال بہت تھے۔ اگر دو کرتے بھی پہن لیں تو بال ان سے گزر جائیں۔ آپ فرمانے لگے، لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس ان سے بڑے مرتبے کا ہوں۔ حالانکہ یہ مجھ سے بڑے مرتبے کے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کرنے پر مجھے سلام ہوا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنے پر مجھے سلام ہوا کہ آپ حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام ہیں۔ آپ کے پاس بھی آپ کی قوم کے لوگ تھے۔ آپ نے بھی میرے سلام کا جواب دیا پھر میں ساتویں آسمان کی طرف چڑھا۔ وہاں میں نے اپنے والد حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو اپنی پیٹھ بیت المعمور سے ٹکائے ہوئے بیٹھا دیکھا۔ آپ بہت ہی بہتر آدمی ہیں۔ دریافت کرنے پر مجھے آپ کا نام بھی معلوم ہوا۔ میں نے سلام کیا آپ نے جواب دیا۔ میں نے اپنی امت کو نصفا نصف دیکھا۔ نصف کے تو سفید بگلے جیسے کپڑے تھے اور نصف کے سخت سیاہ کپڑے تھے۔ میں بیت المعمور میں گیا۔ میرے ساتھ ہی سفید کپڑے والے سب گئے اور دوسرے جن کے خاکی کپڑے تھے، وہ سب روک دیئے گئے ہیں وہ بھی خیر پر۔ پھر ہم سب نے وہاں نماز ادا کی اور وہاں سے سب باہر آئے۔ اس بیت المعمور میں ہر دن ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں لیکن جو ایک دن پڑھ گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آتی۔

پھر میں سدرۃ المنتہیٰ کی جانب بلند کیا گیا، جس کا ہر ایک پتہ اتنا بڑا تھا کہ میری ساری امت کو ڈھانک لے۔ اس میں سے ایک نہر جاری تھی جس کا نام سلسبیل ہے۔ پھر اس میں سے دو چشمے پھوٹے۔ ایک نہر کوثر، دوسرا نہر رحمت۔ میں نے اس میں غسل کیا۔ میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے۔ پھر میں جنت کی طرف چڑھایا گیا۔ وہاں میں نے ایک حور دیکھی۔ اس سے پوچھا تو کس کی ہے؟ اس نے کہا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی۔ وہاں میں نے نہ بگڑنے والے پانی کی اور مزہ متغیر نہ ہونے والے دودھ کی اور بے نشہ لذیذ شراب اور صاف ستھرے شہد کی نہریں دیکھیں۔ اس کے انار بڑے بڑے ڈولوں کے برابر تھے۔ اس کے پرند تمہارے ان بختی اونٹوں جیسے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال تک گزرا۔ پھر میرے سامنے جہنم پیش کی گئی جہاں غضب الٰہی ناراضگی الٰہی تھی۔ اس میں اگر پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو وہ اسے بھی کھا

جائے - پھر میرے سامنے سے وہ بند کر دی گئی - میں پھر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا گیا اور مجھے ڈھانپ لیا پس میرے اور اس کے درمیان صرف بقدر دو کمانوں کے فاصلہ رہ گیا بلکہ اور قریب اور سدرۃ المنتہیٰ کے ہر ایک پتے پر فرشتہ آ گیا اور مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور فرمایا کہ تیرے لئے ہر نیکی کے عوض دس ہیں تو جب کسی نیکی کا ارادہ کرے گا گو بجا نہ لائے تاہم نیکی لکھ لی جائے گی اور جب بجا بھی لائے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور برائی کے محض ارادے پر تغیر کئے ہوئے کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر کر لی تو صرف ایک ہی برائی شمار ہوگی - پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے اور آپ کے مشورے سے جانے اور کمی ہونے کا ذکر ہے جیسے کہ بیان گزر چکا - آخر جب پانچ رہ گئیں تو فرشتے نے ندا کی کہ میرا فریضہ پورا ہو گیا - میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور انہیں ہر نیکی کے بدلے اسی جیسی دس نیکیاں دیں -

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر اب کی مرتبہ بھی مجھے پھر واپس جانے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا کہ اب تو جاتے ہوئے مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوتی ہے - پھر آپ نے صبح کو مکے میں ان عجائبات کا ذکر کیا کہ میں اس شب بیت المقدس پہنچا' آسمانوں پر چڑھایا گیا اور یہ یہ دیکھا - اس پر ابوجہل بن ہشام کہنے لگا' لو تعجب کی بات سنو - اونٹوں کو مارتے پیٹتے ہم تو بیت المقدس مہینہ بھر میں پہنچیں اور مہینہ بھر ہی واپسی میں لگ جائے - یہ کہتے ہیں دو ماہ کی مسافت ایک ہی رات میں طے کر آئے - آپ نے فرمایا' سنو جاتے وقت میں نے تمہارے قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور آتے وقت مجھے وہ عقبہ میں ملا - سنو اس میں فلاں فلاں شخص ہے' فلاں اس رنگ کے اونٹ پر ہے اور اس کے پاس یہ یہ اسباب ہے - ابوجہل نے کہا' خبریں تو تو دے رہا ہے' دیکھئے کیسی نکلیں؟ اس پر ان میں سے ایک شخص نے کہا' میں بیت المقدس کا حال تم سب سے زیادہ جانتا ہوں - اس کی عمارت کا حال' اس کی شکل وصورت' پہاڑ سے اس کی نزدیکی وغیرہ - پس رسول اللہ ﷺ سے حجاب دور کر دیئے گئے اور جیسے ہم گھر میں بیٹھے گھر کی چیزوں کو دیکھتے ہیں' اسی طرح آپؐ کے سامنے بیت المقدس کر دیا گیا - آپ فرمانے لگے - اس کی بناوٹ اس طرح کی ہے - اس کی ہیئت اس طرح کی ہے - وہ پہاڑ سے اس قدر نزدیک ہے وغیرہ - اس نے کہا بے شک آپ سچ فرماتے ہیں - پھر اس نے کفار کے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا - محمد ﷺ اپنی بات میں سچے ہیں یا کچھ ایسے ہی الفاظ کہے - یہ روایت اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے - ہم نے باوجود اس کی غربت اور نکارت اور ضعف کے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس میں اور احادیث کے بہت سے شواہد ہیں اور اس لئے بھی کہ بیہقی میں ہے -

حضرت یزید بن ابی حکیم کہتے ہیں' میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' پوچھا کہ حضور ﷺ آپ کی امت میں ایک شخص جنہیں سفیان ثوری کہا جاتا ہے - اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں - میں نے پھر اور راویوں کے نام بیان کر کے پوچھا کہ وہ آپ کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کو ایک رات معراج ہوئی آپ نے آسمان میں دیکھا الخ - آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے - میں نے کہا حضور ﷺ! آپ کی امت کے لوگ آپ کی طرف سے معراج والے واقعے میں بہت سی عجیب وغریب باتیں بیان کرتے ہیں - آپؐ نے فرمایا' ہاں وہ باتیں قصہ کہنے والوں کی ہیں - حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ہم نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اپنے معراج کی کیفیت تو بیان فرمایئے - آپؐ نے فرمایا! سنو میں نے اپنے اصحابؓ کو مکہ میں عشا کی نماز دیر سے پڑھائی - پھر جبرئیل علیہ السلام میرے پاس سفید رنگ کا ایک جانور لائے - گدھے سے اونچا اور خچر سے اونچا اور مجھ سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جایئے - اس نے کچھ سختی کی تو آپ نے اس کا کان مروڑا اور مجھے اس پر سوار کرا دیا - اس میں مدینے میں نماز پڑھنے کا' پھر مدین میں اس درخت کے پاس نماز پڑھنے کا ذکر ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے تھے - پھر بیت اللحم میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے تھے - پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا' وہاں سخت پیاس لگنے کا اور دودھ اور شہد کے برتن آنے کا اور

پیٹ بھر کر دودھ پینے کا ذکر ہے- فرماتے ہیں- وہیں ایک شیخ تکیہ لگائے بیٹھے تھے جنہوں نے کہا' یہ فطرت تک پہنچ گئے اور راہ یافتہ ہوئے- پھر ہم ایک وادی پر آئے جہاں جہنم کو میں نے دیکھا جو سخت دہکتے ہوئے انگارے کی طرح تھی- پھر لوٹتے ہوئے فلاں جگہ قریش کا قافلہ ہمیں ملا جو اپنے کسی گم شدہ اونٹ کی تلاش میں تھا- میں نے انہیں سلام کیا- بعض لوگوں نے میری آواز بھی پہچان لی اور آپس میں کہنے لگے' یہ آواز تو بالکل محمد کی ہے (ﷺ) پھر صبح سے پہلے میں اپنے اصحاب کے پاس مکہ شریف پہنچ گیا-

میرے پاس ابوبکر آئے (رضی اللہ عنہ) اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ رات کو کہاں تھے؟ جہاں جہاں خیال پہنچا' میں نے سب جگہ تلاش کیا لیکن آپؐ نہ ملے- میں نے کہا' میں تو رات بیت المقدس ہو آیا' کہا' وہ تو یہاں سے مہینہ بھر کے فاصلے پر ہے- اچھا وہاں کے کچھ نشانات بیان فرمایئے- اسی وقت وہ میرے سامنے کر دیا گیا گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں- اب جو بھی مجھ سے سوال ہوتا' میں دیکھ کر جواب دے دیتا- پس ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' میری گواہی ہے کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں- لیکن کفار قریش باتیں بنانے لگے کہ ابن ابی کبشہ کو دیکھو' کہتا پھرتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس ہو آیا- آپ نے فرمایا' سنو میں تمہیں ایک نشان بتاؤں' تمہارے قافلے کو میں نے فلاں مقام پر دیکھا- ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے فلاں شخص لے آیا- اب وہ اتنے فاصلے پر ہیں- ایک منزل ان کی فلاں جگہ ہو گی- دوسری فلاں جگہ اور وہ فلاں دن یہاں پہنچیں گے- ان کے قافلے میں سب سے پہلے گندمی رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ جھول پڑی ہوئی ہے اور دو سیاہ بوریاں اسباب کی دونوں طرف لدی ہوئی ہیں- جب وہ دن آیا جو دن اس کے قافلے کے واپس پہنچنے کا حضور ﷺ نے بیان فرمایا تھا' دوپہر کو لوگ دوڑے بھاگے شہر کے باہر گئے کہ دیکھیں یہ سب باتیں سچ ہیں؟ تو دیکھا کہ قافلہ آ رہا ہے اور واقعی وہی اونٹ آگے ہے- یہی روایت اور کتابوں میں بہت مطول بھی مروی ہے اور اس میں بہت باتیں منکر بھی ہیں- مثلاً بیت اللحم میں آپؐ کا نماز ادا کرنا اور کا بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنا وغیرہ-

ابن عباسؓ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ معراج والی رات جنت میں تشریف لے گئے تو ایک طرف سے پیروں کی چاپ کی آواز آئی آپؐ نے پوچھا' جبرئیل یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ موذن ہیں- آپؐ نے واپس آ کر فرمایا بلال تو تم نجات پا چکے- میں نے اس اس طرح دیکھا- اس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بوقت ملاقات فرمایا- نبی امی کو مرحبا ہو- حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے' لانبے قد کے' کانوں تک یا کانوں سے قدرے اونچے بال والے تھے- اس میں ہے کہ ہر نبی نے آپ کو پہلے سلام کیا- جہنم کے ملاحظہ کے وقت آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مردار کھا رہے ہیں- پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی غیبت گو تھے) وہیں آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو خود آگ جیسا سرخ ہو رہا تھا- آنکھیں ٹیڑھی ترچھی تھیں- پوچھا یہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہی ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مار ڈالا تھا-

مسند احمد میں ہے کہ جب آپ کو بیت المقدس پہنچا کر وہاں سے واپس لا کر ایک ہی رات میں مکہ شریف پہنچا دیا گیا اور آپؐ نے یہ خبر لوگوں کو سنائی' بیت المقدس کے نشان بتائے' ان کے قافلے کی خبر دی تو بعض لوگ یہ کہہ کر کہ ہم ایسی باتوں میں انہیں سچا نہیں مان سکتے' اسلام سے پھر گئے- پھر یہ ابوجہل کے ہمراہ قتل کئے گئے- ابوجہل کہنے لگا کہ یہ ہمیں شجرۃ الزقوم سے ڈرا رہا ہے' لاؤ کھجور اور مکھن لاؤ اور تمرق کر لو یعنی ملا کر کھا لو اور آپ نے اس رات دجال کو اس کی اصلی صورت میں دیکھا اور آنکھوں کا دیکھنا نہ کہ خواب میں دیکھنا- حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا- دجال کی شبیہ آپؐ نے بیان فرمائی' وہ بھدا' خبیث' چندھا ہے اور اس کی ایک آنکھ ایسی قائم ہے جیسے تارا اور بال ایسے ہیں جیسے کسی درخت کی گھنی شاخیں- حضرت عیسیٰؑ کا وصف آپ نے اس طرح بیان فرمایا کہ

وہ سفید رنگ' گھنگھریالے بالوں والے درمیانے قد کے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے مضبوط اور قوی آدمی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بالکل ہو بہو مجھ جیسے تھے' الخ-

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے مالک کو بھی جو جہنم کے داروغہ ہیں' دیکھا- ان نشانیوں میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں- پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے چچازاد بھائی نے آیت قرآن فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ پڑھی جس کی تفسیر حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ اس طرح کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے ہونے میں تو شک نہ کر- ہم نے اسے یعنی موسیٰ کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا- یہ روایت صحیح مسلم شریف میں بھی ہے- اور سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں' شب معراج میں ایک مقام سے مجھے نہایت ہی اعلیٰ اور مست خوشبو کی مہک آنے لگی- میں نے پوچھا کہ یہ خوشبو کیسی ہے؟ جواب ملا کہ فرعون کی لڑکی کی مشاطہ اور اس کی اولاد کے محل کی- فرعون کی شہزادی کو کنگھی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اتفاقاً کنگھی گر پڑی تو اس کی زبان سے بے ساختہ بسم اللہ نکل گیا- اس پر شہزادی سے اس نے کہا' اللہ تو میرے باپ ہی ہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ اللہ وہ ہے جو مجھے اور تجھے اور خود فرعون کو روزیاں دیتا ہے- اس نے کہا' اچھا تو میرے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے- اس نے جواب دیا کہ ہاں ہاں میرا تیرا اور تیرے باپ سب کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے- اس نے اپنے باپ سے کہلوایا- وہ سخت غضبناک ہوا اور اسی وقت اسے بر سر دربار بلوا بھیجا اور کہا' کیا تو میرے سوا کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا' میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بلندیوں اور بزرگیوں والا ہے-

فرعون نے اسی وقت حکم دیا کہ تانبے کی جو گائے بنی ہوئی ہے' اسے خوب تپایا جائے اور جب وہ بالکل آگ جیسی ہو جائے تو اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے اس میں ڈال دیا جائے- آخر میں خود اسے بھی اسی طرح ڈال دیا جائے- چنانچہ وہ گرم کی گئی- جب آگ جیسی ہو گئی تو حکم دیا کہ اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے اس میں ڈالنا شروع کرو- اس نے کہا' بادشاہ ایک درخواست میری منظور کر' وہ یہ کہ میری اور میرے ان بچوں کی ہڈیاں ایک ہی جگہ ڈال دینا- اس نے کہا کہ اچھا تیرے کچھ حقوق ہمارے ذمہ ہیں- اس لئے یہ منظور ہے- جب سب بچے اس میں ڈال دیئے گئے اور سب جل کر راکھ ہو گئے تو سب سے چھوٹے کی باری آئی جو ماں کی چھاتی سے لگا ہوا دودھ پی رہا تھا- فرعون کے سپاہیوں نے اسے گھسیٹا تو اس نیک بندی کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا- اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو اسی وقت زبان دے دی اور اس نے با آواز بلند کہا اماں جان! افسوس نہ کرو' اماں جان ذرا بھی پس و پیش نہ کرو- حق پر جان دینا ہی سب سے بڑی نیکی ہے چنانچہ انہیں صبر آ گیا- اسے بھی اس میں ڈال دیا اور آخر میں ان بچوں کی ماں کو بھی رضی اللہ عنہم اجمعین- یہ خوشبو کی مہکیں اسی کے جنتی محل سے آ رہی ہیں- آپؐ نے اس واقعہ کے ساتھ ہی بیان فرمایا کہ چار چھوٹے بچوں نے گہوارے ہی میں بات چیت کی' ایک تو یہی بچہ اور ایک وہ بچہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی اور ایک وہ بچہ جس نے حضرت جریج ولی اللہ کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام- اس روایت کی سند بے عیب ہے-

اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات کی صبح مجھے یقین تھا کہ جب میں یہ ذکر لوگوں سے کروں گا تو وہ مجھے جھٹلائیں گے چنانچہ آپؐ ایک طرف غمگین ہو کر بیٹھ گئے- اسی وقت آپؐ کے پاس دشمن رب ابو جہل گزرا اور پاس بیٹھ کر بطور مذاق کہنے لگا' کہیئے کوئی نئی بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہے- اس نے کہا کیا؟ آپؐ نے فرمایا' رات کو مجھے سیر کرائی گئی' اس نے پوچھا' کہاں تک پہنچے؟ فرمایا بیت المقدس تک' کہا اور صبح کو پھر یہاں موجود بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں- اب اس موذی کے دل میں خیال آیا کہ اس وقت انہیں جھٹلانا اچھا نہیں- ایسا نہ ہو

کہ لوگوں کے مجمع میں پھر یہ بات نہ کہیں- اس لئے اس نے کہا' کیوں صاحب اگر میں ان سب لوگوں کو جمع کر لوں تو سب کے سامنے بھی آپ یہی کہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا' کیوں نہیں؟ سچی باتیں چھپانے کی نہیں ہوتیں- اسی وقت اس نے ہانک لگائی کہ اے بنی کعب بن لوی کی اولاد دوالو آؤ- سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو اس ملعون نے کہا' اب اپنی قوم کے ان لوگوں کے سامنے وہ بات بیان کرو جو مجھ سے کر رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا' ہاں سنو' مجھے اس رات سیر کرائی گئی- سب نے پوچھا کہاں تک گئے؟ آپؐ نے فرمایا بیت المقدس تک- لوگوں نے کہا' اچھا اور پھر صبح کو ہم میں موجود ہو؟ آپؐ نے فرمایا ہاں- اب تو کسی نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں' کوئی تعجب کے ساتھ اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھ کر بیٹھ رہا اور سخت حیرت کے ساتھ انہوں نے بالاتفاق آپؐ کو جھوٹا سمجھا' پھر کچھ دیر کے بعد کہنے لگے' اچھا تم وہاں کی کیفیت اور جو نشانات ہم پوچھیں بتا سکتے ہو؟ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بیت المقدس ہو آئے تھے اور وہاں کے چپے چپے سے واقف تھے' آپؐ نے فرمایا' پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ وہ پوچھنے لگے' آپ بتلانے لگے- فرماتے ہیں' بعض ایسے باریک سوال انہوں نے کئے کہ ذرا مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی- اسی وقت مسجد میرے سامنے کر دی گئی- اب میں دیکھتا جاتا تھا اور بتاتا جاتا تھا- بس یوں سمجھو کہ عقیل کے گھر کے پاس ہی مسجد تھی یا عقال کے گھر کے پاس- یہ اس لئے کہ بعض اوصاف مجھے مسجد کے یاد نہیں رہے تھے- آپؐ کے ان نشانات کے بتلانے کے بعد سب کہنے لگے' حضور ﷺ نے اوصاف تو صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک بتائے- اللہ کی قسم ایک بات میں بھی غلطی نہیں کی- یہ حدیث نسائی وغیرہ میں بھی موجود ہے- بیہقی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان پر ہے- جو چیز چڑھے وہ یہیں تک پہنچتی ہے- پھر یہاں سے اٹھا لی جاتی ہے اور جو اترے' وہ یہیں تک اترتی ہے' پھر یہاں سے لے لی جاتی ہے- اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں چہچہا رہی تھیں- حضور ﷺ کو پانچ وقت کی نمازیں سورہ بقرہ کے آخر کی آیتیں دی گئیں اور یہ کہ آپؐ کی امت میں سے جو شرک نہ کرے گا' اس کے کبیرہ گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے- مسلم وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے-

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معراج کی مطول حدیث بھی مروی ہے جس میں غرابت ہے- حسن بن عرفہ نے اپنے مشہور جزء میں اسے وارد کیا ہے- حضرت ابوظبیان کہتے ہیں' ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابوعبیدہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے- آپ کے پاس محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو حضرت محمد بن سعد نے ابوعبیدہ سے کہا' تم نے معراج کی بابت جو کچھ اپنے والد صاحب سے سنا ہو' سناؤ انہوں نے کہا نہیں' آپ ہی سنایئے جو آپ نے اپنے والد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہو- پس آپ نے روایت بیان کرنی شروع کی- اس میں یہ بھی ہے کہ جب براق اونچائی پر چڑھتا' اس کے ہاتھ پاؤں برابر کے ہو جاتے- اس طرح جب نیچے کی طرف اترتا تب بھی برابر ہی رہتے جس سے سوار کو تکلیف نہ ہو- ہم ایک صاحب کے پاس سے گزرے جو طویل قامت' سیدھے بالوں والے' گندمی رنگ کے تھے' ایسے ہی جیسے ازدشنوہ قبیلے کے آدمی ہوتے ہیں- وہ باآواز بلند کہہ رہے تھے کہ تو نے اس کا اکرام کیا اور اسے فضیلت عطا فرمائی- ہم نے انہیں سلام کیا' انہوں نے جواب دیا تو پوچھا کہ جبرئیل یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ احمد ہیں (ﷺ) انہوں نے فرمایا' نبی امی عربی کو مرحبا ہو' جس نے اپنے رب کی رسالت پہنچائی اور اپنی امت کی خیر خواہی کی- پھر ہم لوٹے- میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا' یہ موسیٰ بن عمران ہیں علیہ الصلوۃ والسلام- میں نے کہا اور یہ ایسے لفظوں سے باتیں کس سے کر رہے تھے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ سے آپ کے بارے میں- میں نے کہا' اللہ سے اور اس آواز سے؟ فرمایا ہاں' اللہ کو ان کی تیزی معلوم ہے- پھر ہم ایک درخت کے پاس سے نکلے جس کے پھل چراغوں جیسے تھے- اس کے نیچے ایک بزرگ شیخ

بیٹھے ہوئے تھے‘ جن کے پاس بہت سے چھوٹے بچے تھے - حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا - چلو اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سلام کرو - ہم نے وہاں پہنچ کر انہیں سلام کیا‘ جواب پایا‘ جبرئیل علیہ السلام سے آپ نے میری نسبت پوچھا‘ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کے لڑکے احمد علیہ السلام ہیں‘ تو آپ نے فرمایا مرحبا ہو نبی امی کو‘ جس نے اپنے رب کی پیغمبری پوری کی اور اپنی امت کی خیر خواہی کی - میرے خوش نصیب بیٹے آج رات آپ کی ملاقات اپنے پروردگار سے ہونے والی ہے - آپ کی امت سب سے آخر امت ہے اور سب سے کمزور بھی ہے - خیال رکھنا ایسے ہی کام ہوں جو ان پر آسان رہیں -

پھر ہم مسجد اقصیٰ پہنچے - میں نے اتر کر براق کو اسی حلقے میں باندھا جس میں اور انبیاء باندھا کرتے تھے - پھر مسجد میں گیا - وہاں میں نے نبیوں کو پہچانا - کوئی نماز میں کھڑا ہے‘ کوئی رکوع میں ہے‘ کوئی سجدے میں - پھر میرے پاس شہد کا‘ دودھ کا برتن لایا گیا - میں نے دودھ کا برتن لے کر پی لیا - جبرئیل علیہ السلام نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا‘ رب محمد ﷺ کی قسم تو فطرت کو پہنچ گیا - پھر نماز کی تکبیر ہوئی اور میں نے ان سب کو نماز پڑھائی - پھر ہم واپس لوٹ آئے - اس کی اسناد غریب ہے - اس میں بھی غرائب ہیں مثلاً انبیاء کا آپ کی شناخت کا سوال‘ پھر آپ کا ان کے پاس سے جانے کے بعد ان کی معرفت کا سوال وغیرہ - حالانکہ صحیح احادیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلے ہی آپ کو بتلا دیا کرتے تھے کہ یہ فلاں نبی ہیں تاکہ سلام پہچان کے بعد ہو پھر اس میں ہے کہ انبیاء سے ملاقات بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہوئی - حالانکہ صحیح روایتوں میں ہے کہ ان سے ملاقات آسمانوں پر ہوئی - پھر آپ دوبارہ اترتے ہوئے واپسی میں بیت المقدس کی مسجد میں آئے - وہ سب بھی آپ کے ساتھ تھے اور یہاں آپ نے انہیں نماز پڑھائی پھر براق پر سوار ہو کر مکے شریف واپس آئے واللہ اعلم -

مسند احمد میں ابن مسعود کی روایت سے ہے کہ میں شب معراج ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملا - وہاں قیامت کے قائم ہونے کے خاص وقت کی بابت مذاکرہ ہوا - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھو - انہوں نے بھی بے خبری ظاہر کی - پھر طے ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر رکھو‘ آپ نے فرمایا‘ اس کے صحیح وقت کا علم تو بجز اللہ کے کسی کو نہیں‘ ہاں یہ تو مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے‘ اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی‘ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرف گھلنے لگے گا‘ آخر میری وجہ سے اللہ اسے ہلاک کرے گا - پھر تو درخت پتھر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان دیکھ یہاں میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے - آ اور اسے قتل کر - پس اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرے گا - لوگ ٹھنڈے دلوں اپنے شہروں اور وطنوں میں لوٹ جائیں گے - اسی زمانے میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر اونچائی سے کودتے پھاندتے آئیں گے - جو چیز پائیں گے‘ غارت کر دیں گے‘ جو پانی دیکھیں گے‘ پی جائیں گے‘ آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے‘ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا - اللہ ان سب کو ایک ساتھ ہی ہلاک کر دے گا لیکن زمین پر ان لاشوں کے تعفن کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو جائے گا - اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا‘ جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی - مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ اس کے بعد ہی فوراً قیامت آ جائے گی جیسے پورے دن کی حمل والی ہو کہ نہ جانے صبح فارغ ہو جائے یا رات ہی کو -

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد تک پہنچایا گیا‘ اس رات آپ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان تھے جو جبرئیل علیہ السلام دائیں اور میکائیل علیہ السلام بائیں سے آپ کو اڑا لے گئے یہاں تک کہ آپ آسمان کی بلندیوں تک پہنچے - لوٹتے ہوئے آپ نے ان کی تسبیحیں بھی مع اور تسبیحوں کے سنیں - یہ روایت اسی سورت کی آیت تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ الخ کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ - مسند میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جابیہ

میں تھے، بیت المقدس کی فتح کا ذکر ہوا آپ نے حضرت کعب سے پوچھا کہ تمہارے خیال میں مجھے وہاں کس جگہ نماز پڑھنی چاہئے - انہوں نے فرمایا مجھ سے پوچھتے ہو تو میں تو کہوں گا، صخرہ کے پیچھے نماز پڑھئے تا کہ بیت المقدس آپ کے سامنے رہے - آپ نے فرمایا تم نے وہی یہودیت کی مشابہت کی - میں تو اس جگہ نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ہے - پس آپ نے آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف نماز ادا کی - بعد از ادائے نماز آپ نے صخرہ کے آس پاس سے تمام کوڑا اسمیٹا اور اپنی چادر میں باندھ کر باہر پھینکنا شروع کیا اور اوروں نے بھی آپ کا ہاتھ بٹایا - پس آپ نے نہ تو صخرہ کی ایسی تعظیم کی جیسے یہود کرتے تھے کہ نماز بھی اسی کے پیچھے پڑھتے تھے بلکہ اسی کو قبلہ بنا رکھا تھا - چونکہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بھی اسلام سے پہلے یہودی تھے، اسی لئے آپ نے ایسی رائے پیش کی تھی جسے خلیفۃ المسلمین نے ٹھکرا دیا اور نہ آپ نے نصرانیوں کی طرح صخرہ کی اہانت کی کہ انہوں نے تو اسے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنا رکھا تھا - بلکہ آپ نے خود اس کے آس پاس سے کوڑا اٹھا کر پھینکا - یہ بالکل اس حدیث کے مشابہ ہے جس میں ہے کہ نہ تو قبروں پر بیٹھو نہ ان کی طرف نماز ادا کرو -

سرگزشت معراج کا تسلسل: ☆☆ ایک طویل روایت معراج کی بابت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غرب والی بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ جبرئیل اور میکائیل آپؐ کے پاس آئے - جبرئیل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام سے کہا کہ میرے پاس زمزم کے پانی کا طشت بھر لاؤ کہ ان میں ان کے دل کو پاک کروں اور ان کے سینے کو کھول دوں پھر آپؐ کا پیٹ چاک کیا اور اسے تین بار دھویا اور تینوں مرتبہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے لائے ہوئے پانی کے طشت سے اسے دھویا اور آپ کے سینے کو کھول دیا، سب غل و غش دور کر دیا اور علم و حلم، ایمان و یقین سے اسے پر کیا، اسلام اس میں بھر دیا اور آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی - اور ایک گھوڑے پر بٹھا کر آپؐ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام لے چلے - دیکھا کہ ایک قوم ہے، ادھر کھیتی کاٹتی، ادھر بڑھ جاتی ہے - حضرت جبرئیل علیہ السلام سے آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ اللہ کی راہ کے مجاہد ہیں جن کی نیکیاں سات سات سو تک بڑھتی ہیں، جو خرچ کریں، اس کا بدلہ پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بہترین رازق ہے - پھر آپؐ کا گزر اس قوم پر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے ہر بار ٹھیک ہو جاتے اور پھر کچلے جاتے - دم بھر کی انہیں مہلت نہ ملتی تھی - میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ فرض نمازوں کے وقت ان کے سر بھاری ہو جایا کرتے تھے -

پھر کچھ لوگوں کو میں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے دھجیاں لٹک رہی ہیں اور اونٹ اور جانوروں کی طرح کانٹوں اور جہنمی درخت چر چگ رہے اور جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے ہیں، میں نے کہا یہ کیسے لوگ ہیں؟ فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دینے والے - اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے - پھر میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سامنے ایک ہنڈیا میں تو صاف ستھرا گوشت ہے، دوسری میں خبیث سڑا بھسا گندہ گوشت ہے، یہ اس اچھے گوشت سے تو روک دیئے گئے ہیں اور اس بدبودار بدمزہ سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں، میں نے سوال کیا، یہ کس گناہ کے مرتکب ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ مرد ہیں جو اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر حرام عورتوں کے پاس رات گزارتے تھے - اور وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال خاوندوں کو چھوڑ کر اوروں کے ہاں رات گزارتی تھیں - پھر آپؐ نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے کہ ہر کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے اور ہر چیز کو زخمی کر دیتی ہے - پوچھا یہ کیا؟ فرمایا یہ آپ کے ان امتیوں کی مثال ہے جو راستے روک کر بیٹھ جاتے ہیں - پھر اس آیت کو پڑھا وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ الخ یعنی ہر ہر راستے پر لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور راہ حق سے روکنے کے لیے نہ بیٹھا کرو - الخ پھر دیکھا کہ ایک شخص بہت بڑا ڈھیر جمع کئے ہوئے ہے جسے اٹھا نہیں سکتا، پھر بھی وہ اور بڑھا رہا ہے - پوچھا، جبرئیل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے اوپر لوگوں کے حقوق اس قدر ہیں کہ وہ ہرگز ادا نہیں کر سکتا تا

ہم وہ اور حقوق چڑھا رہا ہے اور امانتیں لے رہا ہے۔

پھر آپؐ نے ایک جماعت کو دیکھا جن کی زبان اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ ادھر کٹے، ادھر درست ہو گئے، پھر کٹ گئے، یہی حال برابر جاری ہے۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ فتنے کے واعظ اور خطیب ہیں۔ پھر دیکھا کہ ایک چھوٹے سے پتھر کے سوراخ میں سے ایک بڑا بھاری بیل نکل رہا ہے، پھر وہ لوٹنا چاہتا ہے لیکن نہیں جا سکتا۔ پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو کوئی بڑا بول بولتا تھا۔ اس پر نادم تو ہوتا تھا لیکن لوٹا نہیں سکتا تھا۔ پھر آپ ایک وادی میں پہنچے۔ وہاں نہایت نفیس، خوش گوار ٹھنڈی ہوا اور دل خوش کن، معطر، خوشبودار، راحت وسکون کی مبارک صدائیں سن کر آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے کہ یا اللہ مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر۔ میرے بالا خانے، ریشم، موتی، مونگے، سونا، چاندی، جام، کٹورے اور پانی، دودھ، شراب وغیرہ وغیرہ نعمتیں بہت زیادہ ہو گئیں۔ اسے اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ ہر ایک مسلمان مومن مرد وعورت جو مجھے اور میرے رسولوں کو مانتا ہو، نیک عمل کرتا ہو، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، میرے برابر کسی کو نہ سمجھتا ہو، وہ سب تجھ میں داخل ہوں گے۔ سن! جس کے دل میں میرا ڈر ہے، وہ ہر خوف سے محفوظ ہے۔ جو مجھ سے سوال کرتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ جو مجھے قرض دیتا ہے۔ میں اسے بدلہ دیتا ہوں، جو مجھ پر توکل کرتا ہے میں اسے کفایت کرتا ہوں، میں سچا معبود ہوں، میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ میرے وعدے خلاف نہیں ہوتے، مومن نجات یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ہے جو سب سے بہتر خالق ہے۔ یہ سن کر جنت نے کہا، بس میں خوش ہو گئی۔ پھر آپ ایک دوسری وادی میں پہنچے جہاں نہایت بری اور بھیانک مکروہ آوازیں آ رہی تھیں اور سخت بدبو تھی۔ آپ نے اس کی بابت بھی جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، انہوں نے بتلایا کہ یہ جہنم کی آواز ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اے اللہ مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر اور مجھے وہ دے میرے طوق وزنجیر، میرے شعلے اور گرمائی، میرا تھور اور لہو پیپ، میرے عذاب اور سزا کے سامان بہت وافر ہو گئے ہیں، میرا گہراؤ بہت زیادہ ہے، میری آگ بہت تیز ہے۔ مجھے وہ دے جس کا وعدہ مجھ سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہر مشرک وکافر، خبیث، منکر، بے ایمان مرد وعورت تیرے لئے ہے۔ یہ سن کر جہنم نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔

آپؐ پھر چلے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے، اتر کر صخرہ میں اپنے گھوڑے کو باندھا، اندر جا کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ فراغت کے بعد انہوں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے کہا، آپ کی طرف بھیجا گیا؟ فرمایا ہاں، سب نے مرحبا کہا کہ بہترین بھائی اور بہت ہی اچھے خلیفہ ہیں اور بہت اچھائی اور عزت سے آئے ہیں۔ پھر آپ کی ملاقات نبیوں کی روحوں سے ہوئی۔ سب نے اپنے پروردگار کی ثنابیان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا اور مجھے بہت بڑا ملک دیا اور میری امت کو ایسی فرمانبردار بنایا کہ ان کی اقتداء کی جاتی ہے، اسی نے مجھے آگ سے بچالیا اور اسے میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بنادی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ سے کلام کیا۔ میرے دشمنوں کو، آل فرعون کو ہلاک کیا، بنی اسرائیل کو میرے ہاتھوں نجات دی، میری امت میں ایسی جماعت رکھی جو حق کی ہادی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی تھی۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ثنابیان کرنی شروع کی کہ الحمدللہ اللہ نے مجھے عظیم الشان ملک دیا، مجھے زبور کا علم دیا، میرے لئے لوہا نرم کر دیا، پہاڑوں کو مسخر کر دیا اور پرندوں کو بھی جو میرے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے تھے، مجھے حکمت اور پرزور کلام عطا فرمایا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ثناخوانی شروع کی کہ الحمدللہ اللہ نے ہواؤں کو میرے تابع کر دیا اور شیاطین کو بھی کہ وہ میرے فرمان کے ماتحت بڑے بڑے محلات اور نقشے اور برتن وغیرہ بناتے تھے۔ اس نے مجھے جانوروں کی گفتگو کے سمجھنے کا علم فرمایا۔ ہر چیز میں مجھے فضیلت دی، انسانوں کے

جنوں کے، پرندوں کے لشکر میرے ماتحت کر دیئے اور اپنے بہت سے مومن بندوں پر مجھے فضیلت دی اور مجھے وہ سلطنت دی جو میرے بعد کسی کے لائق نہیں اور وہ بھی ایسی جس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی تھی اور کوئی حساب نہ تھا - پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنی شروع کی کہ اس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور میری مثال حضرت آدم علیہ السلام کی سی کی - جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا تھا کہ ہو جا اور وہ ہو گئے تھے - اس نے مجھے کتاب و حکمت، تورات و انجیل سکھائی میں مٹی کا پرند بناتا - پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ بحکم الٰہی زندہ پرند بن کر اڑ جاتا - میں بچپن کے اندھوں کو اور جذامیوں کو بحکم الٰہی اچھا کر دیتا تھا، مردے اللہ کی اجازت سے زندہ ہو جاتے تھے - مجھے اس نے اٹھالیا، مجھے پاک صاف کر دیا، مجھے اور میری والدہ کو شیطان سے بچالیا - ہم پر شیطان کا کچھ دخل نہ تھا -

اب جناب رسول آخر الزماں ﷺ نے فرمایا، تم سب نے تو اللہ کی تعریفیں بیان کر لیں، اب میں کرتا ہوں - اللہ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے جس نے مجھے رحمت للعالمین بنا کر اپنی تمام مخلوق کے لیے ڈرانے اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا، مجھ پر قرآن کریم نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے - میری امت کو تمام اور امتوں سے افضل بنایا جو کہ اوروں کی بھلائی کے لئے بنائی گئی ہے - اسے بہترین امت بنایا - انہی کو اول کی اور آخر کی امت بنایا - میرا سینہ کھول دیا، میرے بوجھ دور کر دیئے، میرا ذکر بلند کر دیا اور مجھے شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، انہی وجوہ سے آنحضرت محمد ﷺ تم سب سے افضل ہیں -

امام ابوجعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شروع کرنے والے آپ ہیں یعنی بروز قیامت شفاعت آپ ہی سے شروع ہوگی، پھر آپ کے سامنے تین ڈھکے ہوئے برتن پیش کئے گئے پانی کے برتن میں سے آپ نے تھوڑا سا پی کر واپس کر دیا - پھر دودھ کا برتن لے کر آپ نے پیٹ بھر کر دودھ پیا - پھر شراب کا برتن لایا گیا تو آپ نے اس کے پینے سے انکار کر دیا کہ میں شکم سیر ہو چکا ہوں - حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، یہ آپ کی امت پر حرام کر دی جانے والی ہے اور اگر آپ اسے پی لیتے تو آپ کی امت میں سے آپ کے تابعدار بہت ہی کم ہوتے - پھر آپ کو آسمان کی طرف چڑھایا گیا، دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا، یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا محمد ہیں (ﷺ) - پوچھا گیا کیا آپ کی طرف بھیج دیا گیا؟ فرمایا ہاں، انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس بھائی اور خلیفہ کو خوش رکھے یہ بڑے اچھے بھائی اور نہایت عمدہ خلیفہ ہیں - اس وقت دروازہ کھول دیا گیا - آپؐ نے دیکھا کہ ایک شخص ہیں پوری پیدائش کے، عام لوگوں کی طرح ان کی پیدائش میں کوئی نقصان نہیں، ان کے دائیں ایک دروازہ ہے جہاں سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہے اور بائیں جانب ایک دروازہ ہے جہاں سے خبیث ہوا آ رہی ہے - داہنی طرف کے دروازے کو دیکھ کر ہنس دیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف کے دروازے کو دیکھ کر رو دیتے ہیں اور غمگین ہو جاتے ہیں میں نے کہا جبرئیل علیہ السلام یہ شیخ پوری پیدائش والے کون ہیں؟ جن کی خلقت میں کچھ بھی نہیں گھٹا - اور یہ دونوں دروازے کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں - دائیں جانب جنت کا دروازہ ہے - اپنی جنتی اولاد کو دیکھ کر خوش ہو کر ہنس دیتے ہیں اور بائیں جانب جہنم کا دروازہ ہے - آپ اپنی دوزخی اولاد کو دیکھ کر رو دیتے ہیں اور غمگین ہو جاتے ہیں -

پھر دوسرے آسمان کی طرف چڑھے - اسی طرح کے سوال جواب کے بعد دروازہ کھلا - وہاں آپ نے دو جوانوں کو دیکھا - دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہیں - یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں - پھر اسی طرح تیسرے آسمان پر پہنچے - وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو پایا جنہیں حسن میں اور لوگوں پر وہی فضیلت تھی جو چاند کو باقی ستاروں پر - پھر چوتھے آسمان پر اسی طرح پہنچے - وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو پایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مکان پر چڑھا لیا ہے - پھر آپ پانچویں آسمان

پر بھی انہی سوالات وجوابات کے بعد پہنچے۔ دیکھا کہ ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے آس پاس کچھ لوگ ہیں جو ان سے باتیں کر رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم میں ہردلعزیز تھے اور یہ لوگ بنی اسرائیل ہیں۔ پھر اسی طرح چھٹے آسمان پر پہنچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ آپؐ کے ان سے بھی آگے نکل جانے پر وہ رو دیئے۔ دریافت کرنے پر سبب یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میری نسبت یہ سمجھتے تھے کہ تمام اولاد آدم میں اللہ کے پاس سب سے زیادہ بزرگ میں ہوں لیکن یہ ہیں میرے خلیفہ جو دنیا میں ہیں اور میں آخرت میں ہوں۔ خیر صرف یہی ہوتے تو بھی چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن ہر نبی کے ساتھ ان کی امت ہے۔

پھر آپ اسی طرح ساتویں آسمان پر پہنچے۔ وہاں ایک صاحب کو دیکھا جن کی داڑھی میں کچھ سفید بال تھے۔ وہ جنت کے دروازے پر ایک کرسی لگائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ بعض کے چہرے تو روشن ہیں اور بعض کے چہروں پر کچھ کم چمک ہے بلکہ رنگ میں کچھ اور بھی ہے۔ یہ لوگ اٹھے اور نہر میں ایک غوطہ لگایا جس سے رنگ قدرے نکھر گیا پھر دوسری نہر میں نہائے۔ کچھ اور نکھر گئے پھر تیسری میں غسل کیا۔ بالکل روشن سفید چہرے ہو گئے۔ آ کر دوسروں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے اور انہی جیسے ہو گئے۔ آپ کے سوال پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، روئے زمین پر سفید بال سب سے پہلے ان ہی کے نکلے۔ یہ سفید منہ والے وہ ایماندار لوگ ہیں جو برائیوں سے بالکل بچے رہے اور جن کے چہروں کے رنگ میں کچھ کدورت تھی، یہ وہ لوگ ہیں جن سے نیکیوں کے ساتھ کچھ بدیاں بھی سرزد ہو گئی تھیں۔ ان کی توبہ پر اللہ تعالیٰ مہربان ہو گیا۔ اول نہر اللہ کی رحمت ہے، دوسری نعمت ہے، تیسری شراب طہور کی نہر ہے جو جنتیوں کی خاص شراب ہے۔

پھر آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو آپ سے کہا گیا کہ آپ ہی کی سنتوں پر جو پابندی کرے وہ یہاں تک پہنچایا جاتا ہے، اس کی جڑ سے پاکیزہ پانی کی، صاف ستھرے دودھ کی، لذیذ بے نشہ شراب کی اور صاف شہد کی نہریں جاری تھیں۔ اس درخت کے سائے میں کوئی سوار اگر ستر سال بھی چلا جائے تاہم اس کا سایہ ختم نہیں ہوتا۔ اس کا ایک ایک پتہ اتنا بڑا ہے کہ ایک ایک امت کو ڈھانپ لے۔ اللہ تعالیٰ کے نور نے اسے چاروں طرف سے ڈھک رکھا تھا اور پرند کی شکل کے فرشتوں نے اسے چھپا لیا تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں وہاں تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ سے باتیں کیں فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ آپ نے گزارش کی کہ اے اللہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور انہیں بڑا ملک دیا، موسیٰ علیہ السلام سے تو نے باتیں کیں، داؤد علیہ السلام کو تو نے عظیم الشان سلطنت دی اور ان کے لئے لوہا نرم کر دیا، سلیمان علیہ السلام کو تو نے بادشاہت دی، جنات، انسان، شیاطین، ہوائیں ان کے تابع فرمان کیں اور وہ بادشاہت دی جو کسی کے لائق ان کے سوا نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو تو نے تورات وانجیل سکھائی۔ اپنے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے والا اور مردوں کو جلانے والا بنایا، انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان رجیم سے بچایا کہ اسے ان پر کوئی دخل نہ تھا، میری نسبت فرمان ہو۔ رب العالمین عزوجل نے فرمایا، تو میرا خلیل ہے، توراۃ میں میں نے تجھے خلیل الرحمٰن کا لقب دیا ہے۔ تجھے تمام لوگوں کی طرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے، تیرا سینہ کھول دیا ہے، تیرا بوجھ اتار دیا ہے، تیرا ذکر بلند کر دیا ہے۔ جہاں میرا ذکر آئے، وہاں تیرا ذکر بھی ہوتا ہے اور تیری امت کو میں نے سب امتوں سے بہتر بنایا ہے جو لوگوں کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے۔ تیری امت کو بہترین امت بنایا ہے، تیری ہی امت کو اولین اور آخرین بنایا ہے۔ ان کا خطبہ جائز نہیں جب تک وہ تیرے بندے اور رسول ہونے کی شہادت نہ دے لیں۔ میں نے تیری امت میں ایسے لوگ بنائے ہیں جن کے دل میں الکتاب ہے۔ تجھے از روئے پیدائش سب سے اول کیا اور از روئے بعثت کے سب سے آخر کیا اور از روئے فیصلہ کے بھی سب سے اول کیا، تجھے میں نے سات ایسی آیتیں دیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں جو تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں، تجھے میں نے اپنے عرش تلے سے سورہ بقرہ کے خاتمے کی آیتیں

دیں جو تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، میں نے تجھے کوثر عطا فرمائی اور میں نے تجھے اسلام کے آٹھ حصے دیئے ۔ اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، رمضان کے روزے، نیکی کا حکم، برائی سے روک اور میں نے تجھے شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا ۔ پس آپؐ فرمانے لگے، مجھے میرے رب نے چھ باتوں کی فضیلت مرحمت فرمائی ۔ کلام کی ابتدا اور اس کی انتہا دی ۔ جامع باتیں دیں ۔ تمام لوگوں کی طرف خوشخبری دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ۔ میرے دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہوں، وہیں سے اس کے دل میں میرا رعب ڈال دیا گیا ۔ میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوئیں ۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو بنائی گئی ۔

پھر آپؐ پر پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا اور بہ مشورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تخفیف طلب کرنے کا اور آخر میں پانچ رہ جانے کا ذکر ہے ۔ جیسے کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے ۔ پس پانچ رہیں اور ثواب پچاس کا جس سے آپؐ بہت ہی خوش ہوئے ۔ جاتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت تھے اور آتے وقت نہایت نرم اور سب سے بہتر ۔ اور کتاب کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسی آیت سُبْحَانَ الَّذِیْ کی تفسیر میں آپؐ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس لمبی حدیث کا ایک راوی ابو جعفر رازی بہ ظاہر حافظہ کے کچھ ایسے اچھے نہیں معلوم ہوتے ۔ اس کے بعض الفاظ میں سخت غرابت اور بہت زیادہ نکارت ہے ۔ انہیں ضعیف بھی کہا گیا ہے اور صرف انہی کی روایت والی حدیث قابل توجہ ہے ۔ ایک اور بات یہ ہے کہ خواب والی حدیث کا کچھ حصہ بھی اس میں آ گیا ہے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت سی احادیث کا مجموعہ ہو یا خواب یا معراج کے سوا کے واقعہ کی اس میں روایت ہو ۔ واللہ اعلم ۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں آپؐ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلیہ بیان کرنا وغیرہ بھی مروی ہے ۔

صحیح مسلم کی حدیث میں حطیم میں آپؐ سے بیت المقدس کے سوالات کئے جانے اور پھر اس کے ظاہر ہو جانے کا واقعہ بھی ہے، اس میں بھی ان تینوں نبیوں سے ملاقات کرنے کا اور ان کے حلیہ کا بیان ہے اور یہ بھی کہ آپ نے انہیں نماز میں کھڑا پایا ۔ آپ نے مالک، خازن جہنم کو بھی دیکھا اور انہوں نے ہی ابتداءاً آپ سے سلام کیا ۔ بیہقی وغیرہ میں کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ہانی کے مکان پر سوئے ہوئے تھے ۔ آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو گئے تھے ۔ وہیں سے آپؐ کو معراج ہوئی ۔ پھر امام حاکم نے بہت لمبی حدیث بیان فرمائی ہے جس میں درجوں کا اور فرشتوں وغیرہ کا ذکر ہے ۔ اللہ کی قدرت سے تو کوئی چیز بعید نہیں بشرطیکہ وہ روایت صحیح ثابت ہو جائے ۔ امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ اس روایت کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ مکے شریف سے بیت المقدس تک جانے اور معراج کے بارے میں اس حدیث میں پوری کفایت ہے لیکن اس روایت کو بہت ائمہ حدیث نے مرسل بیان کیا ہے واللہ اعلم ۔

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سنئے ۔ بیہقی میں ہے کہ جب صبح کے وقت لوگوں سے حضور ﷺ نے اس بات کا ذکر کیا تو بہت سے لوگ مرتد ہو گئے جو اس سے پہلے باایمان اور تصدیق کرنے والے تھے، پھر حضرت صدیقؓ کے پاس ان کا جانا اور آپ کا سچا ماننا اور صدیق لقب پانا مروی ہے ۔ خود حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج میرے ہی مکان سے کرائی گئی ہے ۔ اس رات آپؐ نماز عشا کے بعد میرے مکان پر ہی آرام فرما تھے ۔ آپ بھی سو گئے اور ہم سب بھی ۔ صبح سے کچھ ہی پہلے ہم نے حضور علیہ السلام کو جگایا ۔ پھر آپ کے ساتھ ہی ہم نے صبح کی نماز ادا کی تو آپؐ نے فرمایا، اے ام ہانی میں نے تمہارے ساتھ ہی عشا کی نماز ادا کی اور اب صبح کی نماز میں بھی تمہارے ساتھ یہیں ہوں ۔ اس درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المقدس پہنچایا اور میں نے وہاں نماز بھی پڑھی ۔ ایک راوی کلبی متروک ہے اور بالکل ساقط ہے لیکن اسے ابو یعلیٰ میں اور سند سے خوب تفصیل سے روایت کیا ہے ۔ طبرانی میں حضرت ام ہانیؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ شب معراج میرے ہاں سوئے ہوئے تھے ۔ میں نے رات کو آپؐ کی ہر چند تلاش کی لیکن نہ پایا، ڈر تھا کہ کہیں قریشیوں نے

کوئی دھوکا نہ کیا - لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے لے چلے - دروازے پر ایک جانور تھا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا - مجھے اس پر سوار کیا -

پھر مجھے بیت المقدس پہنچایا - حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا - وہ اخلاق میں اور صورت شکل میں بالکل میرے مشابہ تھے - حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا - لانبے قد کے سیدھے بالوں کے ایسے تھے جیسے ازدشنوہ کے قبیلے کے لوگ ہوا کرتے ہیں - اسی طرح مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دکھایا - درمیانہ قد، سفید سرخی مائل رنگ بالکل ایسے جیسے عروہ بن مسعود ثقفی ہیں - دجال کو دکھایا ایک آنکھ اس کی بالکل مٹی ہوئی تھی ایسا تھا جیسے قطن بن عبدالعزی - یہ فرما کر فرمایا کہ اچھا اب میں جاتا ہوں - جو کچھ دیکھا ہے، وہ قریش سے بیان کرتا ہوں - میں نے آپؐ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا، اللہ آپ اپنی قوم میں اس خواب کو بیان نہ کریں - وہ آپ کو جھٹلائیں گے، آپ کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر بس چلا تو آپ کی بے ادبی کریں گے - لیکن آپؐ نے جھٹکا مار کر اپنا دامن میرے ہاتھ سے چھڑا لیا اور سیدھے قریش کے مجمع میں پہنچ کر ساری باتیں بیان فرما دیں - جبیر بن مطعم کہنے لگا، بس حضرت آج ہمیں معلوم ہو گیا، اگر آپ سچے ہوتے تو ایسی بات ہم میں بیٹھ کر نہ کہتے - ایک شخص نے کہا کیوں حضرت؟ راستے میں ہمارا فلاں قافلہ بھی ملا تھا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور ان کا ایک اونٹ کھو گیا تھا جس کی تلاش کر رہے تھے - کسی نے کہا اور فلاں قبیلے والوں کے اونٹ بھی راستے میں ملے؟ آپؐ نے فرمایا، وہ بھی ملے تھے، فلاں جگہ تھے - ان میں ایک سرخ رنگ اونٹنی تھی جس کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا - ان کے پاس ایک بڑے پیالے میں پانی تھا - جسے میں نے بھی پیا - انہوں نے کہا، اچھا ان کے اونٹوں کی گنتی بتاؤ - ان میں چرواہے کون کون تھے - یہ بھی بتاؤ؟ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے قافلہ آپ کے سامنے کر دیا - آپؐ نے ساری گنتی بھی بتا دی اور چرواہوں کے نام بھی بتا دیئے - ایک چرواہا ان میں ابن ابی قحافہ تھا اور یہ بھی فرما دیا کہ کل صبح کو وہ ثنیہ پہنچ جائیں گے - چنانچہ اس وقت اکثر لوگ بطور آزمائش ثنیہ جا پہنچے - دیکھا کہ واقعی قافلہ آ گیا - ان سے پوچھا کہ تمہارا اونٹ گم ہو گیا تھا؟ انہوں نے کہا درست ہے، گم ہو گیا تھا - دوسرے قافلے والوں سے پوچھا تمہاری کسی سرخ رنگ اونٹنی کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ بھی صحیح ہے - پوچھا، کیا تمہارے پاس بڑا پیالہ پانی کا بھی تھا - ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، ہاں اللہ کی قسم اسے تو میں نے خود رکھا تھا اور ان میں سے نہ کسی نے اسے پیا نہ وہ پانی گرایا گیا - بے شک محمد ﷺ سچے ہیں - یہ آپ پر ایمان لائے اور اس دن سے ان کا نام صدیق رکھا گیا -

’’فصل‘‘ ان تمام احادیث کی واقفیت کے بعد جن میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، کم از کم اتنا تو ضرور معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کا مکے شریف سے بیت المقدس تک لے جانا ہوا - اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ صرف ایک ہی مرتبہ ہوا ہے - گو راویوں کی عبارتیں اس باب میں مختلف الفاظ سے ہیں - گو ان میں کمی بیشی بھی ہے، یہ کوئی بات نہیں اور سوائے انبیاء علیہم السلام کے خطا سے پاک ہے کون؟ بعض لوگوں نے ہر ایسی روایت کو ایک الگ واقعہ کہا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ واقعہ کئی بار ہوا لیکن یہ لوگ بہت دور نکل گئے اور بالکل انوکھی بات کہی اور نہ جانے کی جگہ چلے گئے اور پھر بھی مطلب حاصل نہ ہوا - متاخرین میں سے بعض نے ایک اور ہی توجیہہ پیش کی ہے اور اس پر انہیں بڑا ناز ہے - وہ یہ کہ ایک مرتبہ تو آپ کو مکے سے صرف بیت المقدس تک کی سیر ہوئی - ایک مرتبہ مکے سے آسمانوں پر چڑھائے گئے اور ایک مرتبہ مکے سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے آسمانوں تک - لیکن یہ قول بھی بعید از قیاس اور بالکل غریب ہے - سلف میں سے تو اس کا کوئی قائل نہیں - اگر ایسا ہوتا تو خود آنحضرت ﷺ خود ہی اسے کھول کر بیان فرما دیتے اور راوی آپ سے اس کے بار بار ہونے کی روایت بیان کرتے -

بقول حضرت زہری معراج کا یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے- عروہ بھی یہی کہتے ہیں- سدی کہتے ہیں، چھ ماہ پہلے کا ہے- لہٰذا حق بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جاگتے میں نہ کہ خواب میں مکہ شریف سے بیت المقدس تک کی اسرا کرائی گئی- اس وقت آپ براق پر سوار تھے- مسجد قدس کے دروازے پر آپ نے براق کو باندھا، وہاں جا کر اس کے قبلہ رخ تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت نماز ادا کی- پھر معراج لائے گئے جو درجوں والی ہے اور بطور سیڑھی کے ہے- اس سے آپ آسمان دنیا پر چڑھائے گئے- پھر ساتوں آسمانوں پر پہنچائے گئے- ہر آسمان کے مقربین الٰہی سے ملاقاتیں ہوئیں، انبیاء علیہم السلام سے ان کے منازل و درجات کے مطابق سلام علیک ہوئی- چھٹے آسمان میں کلیم اللہ علیہ السلام سے اور ساتویں میں خلیل اللہ علیہ السلام سے ملے- پھر ان سے بھی آگے بڑھ گئے- صلی اللہ علیہ وسلم وعلی سائر الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام- یہاں تک کہ آپ مستوی میں پہنچے جہاں قضا و قدر کی قلموں کی آوازیں آپ نے سنیں- سدرۃ المنتہی کو دیکھا جس پر عظمت ربی چھا رہی تھی- سونے کی ٹڈیاں اور طرح طرح کے رنگ وہاں پر نظر آ رہے تھے- فرشتے چاروں طرف سے اسے گھیرے ہوئے تھے- وہیں پر آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر تھے- وہیں آپ نے رف رف سبز رنگ کا دیکھا جس نے آسمان کے کناروں کو ڈھک رکھا تھا- بیت المعمور کی زیارت کی جو خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کے زمینی کعبے کے ٹھیک اوپر آسمانوں پر ہے، یہی آسمانی کعبہ ہے- خلیل اللہ علیہ السلام اس سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے- اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت ربانی کے لئے جاتے ہیں مگر جو آج گئے، پھر ان کی باری قیامت تک نہیں آتی- آپ نے جنت دوزخ دیکھی- یہیں اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کر کے پھر تخفیف کر دی اور پانچ رکھیں جو خاص اس کی رحمت تھی- اس سے نماز کی بزرگی اور فضیلت بھی صاف طور پر ظاہر ہے- پھر آپؐ واپس بیت المقدس کی طرف اترے اور آپ کے ساتھ ہی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اترے- وہاں آپؐ نے ان سب کو نماز پڑھائی جب کہ نماز کا وقت ہو گیا- ممکن ہے وہ اس دن کی صبح کی نماز ہو- ہاں بعض حضرات کا قول ہے کہ امامت انبیاء آپ نے آسمانوں میں کی- لیکن صحیح روایات سے بہ ظاہر یہ واقعہ بیت المقدس کا معلوم ہوتا ہے-

گو بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جاتے ہوئے آپ نے یہ نماز پڑھائی لیکن ظاہر یہ ہے کہ آپ نے واپسی میں امامت کرائی- اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ جب آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات ہوتی ہے تو آپ ہر ایک کی بابت حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ اگر بیت المقدس میں ہی ان کی امامت آپ نے کرائی ہوئی ہوتی تو اب چنداں اس سوال کی ضرورت نہیں رہتی- دوسرے یہ کہ سب سے پہلے اور سب سے بڑی غرض تو بلندی پر جناب باری تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا تھا تو بہ ظاہر یہی بات سب پر مقدم تھی- جب یہ ہو چکا اور آپ پر اور آپ کی امت پر اس رات میں جو فریضہ نماز مقرر ہونا تھا، وہ بھی ہو چکا، اب آپ کو اپنے بھائیوں کے ساتھ جمع ہونے کا موقع ملا اور ان سب کے سامنے آپ کی بزرگی اور فضیلت ظاہر کرنے کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اشارے سے آپ نے امام بن کر انہیں نماز پڑھائی- پھر بیت المقدس سے بذریعہ براق آپ واپس رات کو اندھیرے اور صبح کے کچھ ہی اجالے کے وقت مکہ شریف پہنچ گئے- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

اب یہ جو مروی ہے کہ آپؐ کے سامنے دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی پیش کیا گیا یا چاروں ہی چیزیں، اس کی بابت روایتوں میں یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس کا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ آسمانوں کا ہو لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی جگہ یہ چیز آپ کے سامنے پیش ہوئی ہو اس لئے کہ جیسے کسی آنے والے کے سامنے بطور مہمانی کے کچھ چیز رکھی جاتی ہے، اسی طرح یہ تھا واللہ اعلم-

معراج جسمانی تھی یا روحانی؟: ☆☆ پھر اس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ معراج آپؐ کے جسم و روح سمیت کرائی گئی تھی صرف روحانی طور پر؟ اکثر علماء کرام تو یہی فرماتے ہیں کہ جسم و روح سمیت آپ کو معراج ہوئی اور ہوئی بھی جاگتے میں نہ کہ بطور خواب کے۔ ہاں اس کا انکار نہیں کہ حضور ﷺ کو پہلے خواب میں یہی چیزیں دکھائی گئی ہوں۔ آپ خواب میں جو کچھ ملاحظہ فرماتے، اسے اسی طرح پھر واقعہ میں جاگتے ہوئے بھی ملاحظہ فرما لیتے۔ اس کی بڑی دلیل ایک تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بیان فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزگی بیان فرمائی ہے۔ اس اسلوب بیان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے بعد کی بات کوئی بڑی اہم ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا مانا جائے تو خواب میں ایسی باتیں دیکھ لینا اتنا اہم نہیں کہ اس کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ پہلے سے بطور احسان اور بطور اظہار قدرت اپنی تسبیح بیان کرے۔ پھر اگر یہ واقعہ خواب کا ہی تھا تو کفار اس طرح جلدی سے آپ کی تکذیب نہ کرتے، ایک شخص اپنا خواب اور خواب میں دیکھی ہوئی عجائب چیزیں بیان کر رہا ہے یا کرے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بھڑ بھڑا کر آ جائیں اور سنتے ہی سختی سے انکار کرنے لگیں۔ پھر جو لوگ کہ اس سے پہلے آپؐ پر ایمان لا چکے تھے اور آپؐ کی رسالت کو قبول کر چکے تھے، کیا وجہ ہے کہ وہ واقعہ معراج کو سن کر اسلام سے پھر جاتے ہیں؟ اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپؐ نے خواب کا قصہ بیان نہیں فرمایا تھا۔ پھر قرآن کے لفظ بِعَبْدِہٖ پر غور کیجئے۔ عبد کا اطلاق روح اور جسم دونوں کے مجموعے پر آتا ہے۔ پھر اسری بعبدہ لیلا کا فرمانا اس چیز کو اور صاف کر دیتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو رات کے تھوڑے سے حصے میں لے گیا۔ اس دیکھنے کو لوگوں کی آزمائش کا سبب آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ میں فرمایا گیا ہے۔ اگر یہ خواب ہی تھا تو اس میں لوگوں کی ایسی بڑی کون سی آزمائش تھی جسے مستقل طور پر بیان فرمایا جاتا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آنکھوں کا دیکھنا تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا (بخاری) خود قرآن فرماتا ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى نہ تو نگاہ بہکی نہ بھٹکی۔ ظاہر ہے کہ بصر یعنی نگاہ انسان کی ذات کا ایک وصف ہے نہ کہ صرف روح کا پھر براق کی سواری کا لایا جانا اور اس سفید چمکیلے جانور پر سوار کرا کر آپ کو لے جانا بھی اس کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ جاگنے کا اور جسمانی ہے ورنہ صرف روح کے لئے سواری کی ضرورت نہیں واللہ اعلم۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ معراج صرف روحانی تھی نہ کہ جسمانی۔ چنانچہ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا یہ قول مروی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جسم غائب نہیں ہوا تھا بلکہ روحانی معراج تھی۔ اس قول کا انکار نہیں کیا گیا کیونکہ حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الخ آیت اتری ہے۔ اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی نسبت خبر دی ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں نے خواب میں تیرا ذبح کرنا دیکھا ہے۔ اب تو سوچ لے کیا دیکھتا ہے؟ پھر یہی حال رہا۔ پس ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی جاگتے میں بھی آتی ہے اور خواب میں بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے واللہ اعلم۔ اس میں سے کون سی سچی بات تھی؟ آپؐ گئے اور آپؐ نے بہت سی باتیں دیکھیں۔ جس حال میں بھی آپؐ تھے سوتے یا جاگتے سب حق اور سچ ہے۔ یہ تو تھا محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کا قول۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی بہت کچھ تردید کی ہے اور ہر طرح اسے رد کیا ہے اور اسے خلاف ظاہر قرار دیا ہے کہ الفاظ قرآنی کے سراسر خلاف یہ قول ہے۔ پھر اس کے خلاف بہت سی دلیلیں پیش کی ہیں جن میں سے چند ہم نے بھی اوپر بیان کر دی ہیں واللہ اعلم۔

فائدہ: ☆☆ ایک نہایت عمدہ اور بہت زبردست فائدہ اس بیان میں اس روایت سے ہوتا ہے جو حافظ ابو نعیم اصبہانی کتاب دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ جب دحیہ بن خلیفہ کو رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کے پاس بطور قاصد کے اپنے نامہ مبارک کے ساتھ بھیجا، یہ گئے، پہنچے اور عرب تاجروں کو جو ملک شام میں تھے، ہرقل نے جمع کیا۔ ان میں ابو سفیان صخر بن حرب تھا اور اس کے ساتھی مکے کے دوسرے کافر بھی تھے۔ پھر اس

نے ان سے بہت سے سوالات کئے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ابوسفیان کی اول سے آخر تک یہی کوشش رہی کہ کسی طرح حضور ﷺ کی برائی اور حقارت اس کے سامنے کرے تاکہ بادشاہ کے دل کا میلان آنحضرت ﷺ کی طرف نہ ہو۔ وہ خود کہتا ہے کہ میں صرف اس خوف سے غلط باتیں کرنے اور تہمتیں دھرنے سے باز رہا کہ کہیں میرا کوئی جھوٹ اس پر کھل نہ جائے۔ پھر تو یہ میری بات کو جھٹلا دے گا اور بڑی ندامت ہوگی۔ اسی وقت دل میں خیال آ گیا اور میں نے کہا، بادشاہ سلامت سنئے، میں ایک واقعہ بیان کروں جس سے آپ پر یہ بات کھل جائے گی کہ محمد (ﷺ) بڑے جھوٹے آدمی ہیں۔ سنئے ایک دن وہ کہنے لگا کہ اس رات وہ مکے سے چلا اور آپ کی اس مسجد میں یعنی بیت المقدس کی مسجد قدس میں آیا اور پھر واپس صبح سے پہلے مکہ پہنچ گیا۔ میری یہ بات سنتے ہی بیت المقدس کا لاٹ پادری جو شاہ روم کی اس مجلس میں اس کے پاس بڑی عزت سے بیٹھا تھا، فوراً ہی بول اٹھا کہ یہ بالکل سچ ہے۔ مجھے اس رات کا علم ہے۔ قیصر نے تعجب خیز نظر سے اس کی طرف دیکھا اور ادب سے پوچھا، جناب کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا، سنئے میری عادت تھی اور یہ کام میں نے اپنے متعلق کر رکھا تھا کہ جب تک مسجد شریف کے تمام دروازے اپنے ہاتھ سے بند نہ کرلوں، سوتا نہ تھا۔ اس رات میں دروازے بند کرنے کو کھڑا ہوا۔ سب دروازے اچھی طرح بند کر دیئے لیکن ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے ہر چند زور لگایا لیکن کواڑ اپنی جگہ سے سرکا بھی نہیں، میں نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو آواز دی۔ وہ آئے ہم سب نے مل کر طاقت لگائی لیکن سب کے سب ناکام رہے۔ بس یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ہم کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے سرکانا چاہتے ہیں لیکن اس کا پہیہ تک بھی تو نہیں ہلا۔ میں نے بڑھئی بلوائے۔ انہوں نے دیکھا۔ بہت ترکیبیں کیں، کوششیں کیں لیکن وہ بھی ہار گئے اور کہنے لگے صبح پر اکھٹے چنانچہ وہ دروازہ اس شب یونہی رہا۔ دونوں کواڑ بالکل کھلے رہے۔ صبح ہی جب میں اسی دروازے کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کے پاس کونے میں جو چٹان پتھر کی تھی اس میں ایک سوراخ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رات کو کسی نے کوئی جانور باندھا ہے۔ اس کے اثر اور نشان موجود تھے۔ میں سمجھ گیا اور میں نے اسی وقت اپنی جماعت سے کہا کہ آج کی رات ہماری یہ مسجد کسی نبی کے لئے کھلی رکھی گئی اور اس نے یہاں ضرور نماز ادا کی ہے۔ یہ حدیث بہت لمبی ہے۔

''فائدہ'' حضرت ابوالخطاب عمر بن دحیہ اپنی کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معراج کی حدیث وارد کر کے اس کے متعلق نہایت عمدہ کلام کر کے پھر فرماتے ہیں، معراج کی حدیث متواتر ہے۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوذر، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید، حضرت ابن عباس، حضرت شداد بن اوس، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمٰن بن قرظ، حضرت ابوحبہ، حضرت ابولیلیٰ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر، حضرت حذیفہ، حضرت بریدہ، حضرت ابوایوب، حضرت ابوامامہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابوالحمراء، حضرت صہیب رومی، حضرت ام ہانی، حضرت عائشہ اور حضرت اسماء وغیرہ سے مروی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے بعض نے تو اسے مطول بیان کیا ہے اور بعض نے مختصر۔ گو ان میں سے بعض روایتیں سنداً صحیح نہیں لیکن بالجملہ صحت کے ساتھ واقعہ معراج ثابت ہے اور مسلمان اجماعی طور پر اس کے قائل ہیں۔ ہاں بے شک زندیق اور ملحد لوگ اس کے منکر ہیں۔ وہ اللہ کے نورانی چراغ کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ پوری روشنی کے ساتھ چمکتا ہوا ہی رہے گا گو کافروں کو برا لگے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا ○ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ چڑھا لیا تھا' وہ تو ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا ○

طوفان نوح کے بعد: ☆☆ (آیت: ۲-۳) آنحضرت ﷺ کے معراج کے واقعہ کے بیان کے بعد اپنے پیغمبر کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بیان فرماتا ہے- قرآن کریم میں عموماً یہ دونوں بیان ایک ساتھ آئے ہیں- اسی طرح تورات اور قرآن کا بیان بھی ملا جلا ہوتا ہے- حضرت موسیٰ کی کتاب کا نام تورات ہے- وہ کتاب بنی اسرائیل کے لئے ہادی تھی- انہیں حکم ہوا تھا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو ولی اور مددگار اور معبود نہ سمجھیں- ہر ایک نبی اللہ کی توحید لے کر آتا رہا ہے- پھر انہیں کہا جاتا ہے کہ اے ان بزرگوں کی اولاد جنہیں ہم نے اپنے اس احسان سے نوازا تھا کہ طوفان نوحؑ کی عالمگیر ہلاکت سے انہیں بچا لیا اور اپنے پیارے نبی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر چڑھا لیا تھا' تمہیں اپنے بڑوں کی طرح ہماری شکر گزاری کرنی چاہئے- دیکھو میں نے تمہاری طرف اپنے آخری رسول حضرت محمد کو بھیجا ہے- مروی ہے کہ حضرت نوحؑ چونکہ کھاتے پیتے اور پہنتے غرض ہر وقت اللہ کی حمد و ثنا بیان فرماتے رہتے تھے' اس لئے آپ کو شکر گزار بندہ کہا گیا- مسند احمد وغیرہ میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے بہت ہی خوش ہوتا ہے جو نوالہ کھائے تو اللہ کا شکر بجا لائے اور پانی کا گھونٹ پئے تو اللہ کا شکر ادا کرے- یہ بھی مروی ہے کہ آپ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے- شفاعت والی لمبی حدیث جو بخاری وغیرہ میں ہے' اس میں ہے کہ جب لوگ طلب شفاعت کے لئے حضرت نوح نبی علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو ان سے کہیں گے کہ زمین والوں کی طرف آپ ہی پہلے رسول ہیں- اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے- آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے الخ-

لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝٤
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ
شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝٥

ہم نے بنو اسرائیل کے لئے ان کی کتاب میں صاف صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو بار فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرنے لگو گے ○ ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم تمہارے مقابلہ پر اپنے ان بندوں کو اٹھا کھڑا کریں گے جو بڑے ہی لڑاکا ہوں گے- پس وہ تمہارے گھروں کے اندر تک پھیل پڑیں گے' اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا ○

پیشین گوئی: ☆☆ (آیت: ۴-۶) جو کتاب بنی اسرائیل پر اتری تھی' اس میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی سے خبر دے دی تھی کہ وہ زمین پر دو مرتبہ سرکشی کریں گے اور سخت فساد برپا کریں گے پس یہاں پر قضینا کے معنی مقرر کر دینا اور پہلے ہی سے خبر دے دینا کے ہیں- جیسے آیت وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ میں یہی معنی ہیں- پس ان کے پہلے فساد کے وقت ہم نے اپنی مخلوق میں سے ان لوگوں کو ان پر مسلط کیا جو بڑے ہی لڑنے والے' سخت جان اور ساز و سامان سے پورے لیس تھے- وہ ان پر چھا گئے' ان کے شہر چھین لئے' لوٹ مار کر کے ان کے گھروں تک کو خالی کر کے بے خوف و خطر واپس چلے گئے' اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا- کہتے ہیں کہ یہ جالوت کا لشکر تھا- پھر اللہ نے بنی اسرائیل کی مدد کی اور یہ حضرت طالوت کی بادشاہت میں پھر لڑے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا- یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصل کے بادشاہ سنجاریب اور اس کے لشکر نے ان پر فوج کشی کی تھی- بعض کہتے ہیں بابل کا بادشاہ بخت نصر چڑھ آیا تھا-

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ
جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿۶﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف
وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا
عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ
عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾

پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ پھیریں گے اور مال اولاد سے تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہیں بڑے جتھے والا کر دیں گے ○ اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدے کے لیے اچھے کام کرو گے اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیئے - پھر جب دوسرا وعدہ آئے گا تو وہ تمہارے منہ بگاڑ دیں گے اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں گے اور جس جس چیز پر قابو پائیں گے' توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں گے ○ تمہارا رب تو اس بات پر ہے کہ تم پر رحم کرے' ہاں اگر تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں گے ہم نے منکروں کا قید خانہ جہنم کو بنا رکھا ہے ○

ابن ابی حاتم نے یہاں پر ایک عجیب وغریب قصہ نقل کیا ہے کہ کس طرح اس شخص نے بتدریج ترقی کی تھی - اولاً یہ ایک فقیر تھا - پڑا رہتا تھا اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتا تھا - پھر تو بیت المقدس تک اس نے فتح کر لیا اور وہاں پر بنی اسرائیل کو بے دریغ قتل کیا - ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ایک مطول مرفوع حدیث بیان کی ہے جو محض موضوع ہے اور اس کے موضوع ہونے میں کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا - تعجب ہے کہ باوجود اس قدر وافر علم کے حضرت امام صاحب نے یہ حدیث وارد کر دی - ہمارے استاد شیخ حافظ علامہ ابوالحجاج مزی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے اور کتاب کے حاشیہ پر لکھ بھی دیا ہے - اس باب میں بنی اسرائیلی روایتیں بھی بہت سی ہیں لیکن ہم انہیں وارد کر کے بے فائدہ اپنی کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ان میں سے بعض تو موضوع ہیں اور بعض گو ایسی نہ ہوں لیکن بحمد اللہ ہمیں ان روایتوں کی کوئی ضرورت نہیں - کتاب اللہ نے ہمیں ان چیزوں کا محتاج نہیں رکھا - مطلب صرف اس قدر ہے کہ بنی اسرائیل کی سرکشی کے وقت اللہ نے ان کے دشمن ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے انہیں خوب مزہ چکھایا' بری طرح درگت بنائی' ان کے بال بچوں کو تہہ تیغ کیا' انہیں اس قدر ذلیل کیا کہ ان کے گھروں تک میں گھس کر ان کا ستیاناس کیا اور ان کی سرکشی کی پوری سزا دی - انہوں نے بھی ظلم و زیادتی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی - عوام تو عوام انہوں نے تو نبیوں کے گلے کاٹے تھے' علماء کو سر بازار قتل کیا تھا - بخت نصر ملک شام پر غالب آیا - بیت المقدس کو ویران کر دیا - وہاں کے باشندوں کو قتل کیا پھر دمشق پہنچا یہاں دیکھا کہ ایک سخت پتھر پر خون جوش مار رہا ہے - پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم نے تو اسے باپ دادوں سے اسی طرح دیکھا ہے - یہ خون برابر ابلتا رہتا ہے - ٹھہرتا نہیں - اس نے وہیں پر قتل عام شروع کر دیا - ستر ہزار مسلمان وغیرہ اس کے ہاتھوں یہاں پہ قتل ہوئے - پس وہ خون ٹھہر گیا - اس نے علماء اور حفاظ کو اور تمام شریف اور ذی عزت لوگوں کو بیدردی سے قتل کیا - ان میں کوئی بھی حافظ تورات نہ بچا - پھر قید کرنا شروع کیا - ان قیدیوں میں نبی زادے بھی تھے - غرض ایک لرزہ خیز ہنگامہ ہوا لیکن چونکہ صحیح روایتوں سے بلکہ صحت کے قریب والی روایتوں سے بھی تفصیلات نہیں ملتی' اس لئے ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے واللہ اعلم -

پھر فرماتا ہے' نیکی کرنے والا دراصل اپنے لئے ہی بھلا کرتا ہے اور برائی کرنے والا حقیقت میں اپنا ہی برا کرتا ہے جیسے ارشاد ہے - مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا جو شخص نیک کام کرے' وہ اس کے اپنے لئے ہے اور جو برائی کرے' اس کا بوجھ بھی اسی پر

ہے۔ پھر جب دوسرا وعدہ اور پھر بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانیوں پر کھلے عام کمر کس لی اور بیبا کی اور بے حیائی کے ساتھ ظلم کرنے شروع کر دیئے تو پھر ان کے دشمن چڑھ دوڑے کہ وہ ان کی شکلیں بگاڑ دیں اور بیت المقدس کی مسجد جس طرح پہلے انہوں نے اپنے قبضے میں کر لی تھی' اب پھر دوبارہ کر لیں اور جہاں تک بن پڑے' ہر چیز کا ستیاناس کر دیں چنانچہ یہ بھی ہو کر رہا۔ تمہارا رب تو ہے ہی رحم و کرم کرنے والا اور اس سے نا امیدی نازیبا ہے' بہت ممکن ہے کہ پھر سے دشمنوں کو پست کر دے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ ادھر تم نے سر اٹھایا' ادھر ہم نے تمہارا سر کچلا۔ ادھر تم نے فساد مچایا' ادھر ہم نے تمہیں برباد کیا۔ یہ تو ہوئی دنیوی سزا۔ ابھی آخرت کی زبردست اور غیر فانی سزا باقی ہے۔ جہنم کافروں کا قید خانہ ہے جہاں سے نہ وہ نکل سکیں نہ چھوٹ سکیں نہ بھاگ سکیں۔ ہمیشہ کے لئے ان کا اوڑھنا بچھونا یہی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' پھر بھی انہوں نے سر اٹھایا اور بالکل فرمان الٰہی کو چھوڑا اور مسلمانوں سے ٹکرا گئے تو اللہ تعالیٰ نے امت محمد ﷺ کو ان پر غالب کیا اور انہیں ذلیل ہو کر جزیہ دینا پڑا۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩ وَّاَنَّ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠ ع ١٠

یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں' اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے ○
اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے' ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

بہترین راہنما قرآن حکیم ہے: ☆☆ (آیت:۹-۱۰) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی پاک کتاب کی تعریف میں فرماتا ہے کہ یہ قرآن بہترین راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔ ایماندار جو ایمان کے مطابق فرمان نبویؐ پر عمل بھی کریں' انہیں یہ بشارتیں سناتا ہے کہ ان کے لئے اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ انہیں بے شمار ثواب ملے گا۔ اور جو ایمان سے خالی ہیں' انہیں یہ قرآن قیامت کے دن کے دردناک عذابوں کی خبر دیتا ہے جیسے فرمان ہے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ انہیں المناک عذابوں کی خبر پہنچا دے۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝١١
وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ
السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝١٢

انسان برائی کی دعائیں مانگنے لگتا ہے بالکل اس کی اپنی بھلائی کی دعا کی طرح' انسان ہے ہی بڑا جلد باز ○ ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کے نشان بنائے ہیں۔ رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو منور دکھانے والی بنائی ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور اس لئے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ اور ہر ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرما دیا ہے ○

بددعا اور انسان: ☆☆ (آیت:۱۱) یعنی انسان کبھی کبھی دل گیر اور ناامید ہو کر اپنی سخت غلطی سے خود اپنے لئے برائی کی دعا مانگنے لگتا ہے۔ کبھی اپنے مال و اولاد کے لئے بددعا کرنے لگتا ہے۔ کبھی موت کی' کبھی ہلاکت کی' کبھی بربادی اور لعنت کی۔ لیکن اس کا اللہ اس پر خود اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ادھر وہ دعا کرے' ادھر وہ قبول فرما لے تو ابھی ہلاک ہو جائے۔ حدیث میں بھی ہے کہ اپنی جان و مال کے لئے بد

دعا نہ کرو ایسا نہ ہو کہ کسی قبولیت کی ساعت میں کوئی ایسا بد کلمہ زبان سے نکل جائے۔ اس کی وجہ صرف انسان کی اضطرابی حالت اور ان کی جلد بازی ہے یہ ہے ہی جلد باز۔ حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقعہ پر حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ابھی پیروں تلے روح نہیں پہنچی تھی کہ آپ نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا' روح سر کی طرف سے آ رہی تھی' ناک تک پہنچی تو چھینک آئی' آپ نے کہا' الحمدللہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَرْحَمُكَ رَبُّكَ یا اٰدَمُ اے آدم تجھ پر تیرا رب رحم کرے۔ جب آنکھوں تک پہنچی تو آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے۔ جب اور نیچے کے اعضاء میں پہنچی تو خوشی سے اپنے آپ کو دیکھنے لگے۔ ابھی پیروں تک نہیں پہنچی جو چلنے کا ارادہ کیا لیکن نہ چل سکے تو دعا کرنے لگے کہ اے اللہ رات سے پہلے روح آ جائے۔

دن اور رات کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۱۲) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے دو کا یہاں بیان فرماتا ہے کہ دن رات اس نے الگ الگ طرح کے بنائے۔ رات آرام کے لئے' دن تلاش معاش کے لئے کہ اس میں کام کاج کرو' صنعت وحرفت کرو' سیر وسفر کرو۔ رات دن کے اختلاف سے دنوں کی' جمعوں کی' مہینوں کی' برسوں کی گنتی معلوم کر سکو تا کہ لین دین میں' معاملات میں' قرض میں' مدت میں' عبادت کے کاموں میں سہولت اور پہچان ہو جائے۔ اگر ایک ہی وقت رہتا تو بڑی مشکل ہو جاتی۔ سچ ہے اگر اللہ چاہتا تو ہمیشہ رات ہی رات رکھتا۔ کوئی اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ دن کر دے اور اگر وہ ہمیشہ دن ہی دن رکھتا تو کس کی مجال تھی کہ رات لا دے؟ یہ نشانات قدرت سننے دیکھنے کے قابل ہیں۔ یہ اسی کی رحمت ہے کہ رات سکون کے لئے بنائی اور دن تلاش معاش کے لئے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا تار آنے والے بنایا تا کہ شکر ونصیحت کا ارادہ رکھنے والے کامیاب ہو سکیں۔ اسی کے ہاتھ رات دن کا اختلاف ہے۔ وہ رات کا پردہ دن پر اور دن کا نقاب رات پر چڑھا دیتا ہے۔ سورج چاند اسی کی ماتحتی میں ہے۔ ہر ایک اپنے مقررہ وقت پر چل پھر رہا ہے۔ وہ اللہ غالب اور غفار ہے۔ صبح کا چاک کرنے والا ہے۔ اسی نے رات کو سکون والی بنایا ہے اور سورج چاند کو مقرر کیا ہے۔ یہ اللہ عزیز وحلیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ رات اپنے اندھیرے سے اور چاند کے ظاہر ہونے سے پہچانی جاتی ہے اور دن روشنی سے اور سورج کے چڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ سورج چاند دونوں ہی روشن اور منور ہیں لیکن ان میں بھی پورا تفاوت رکھا کہ ہر ایک پہچان لیا جا سکے۔ سورج کو بہت روشن اور چاند کو نورانی اسی نے بنایا ہے۔ منزلیں اسی نے مقرر کی ہیں تا کہ حساب اور سال معلوم رہیں۔ اللہ کی یہ پیدائش حق ہے الخ۔ قرآن میں ہے' لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں' کہہ دے کہ وہ لوگوں کے لئے اوقات ہیں اور حج کے لئے بھی الخ۔ رات کا اندھیرا ہٹ جاتا ہے۔ دن کا اجالا آ جاتا ہے۔ سورج دن کی علامت ہے۔ چاند رات کا نشان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو کچھ سیاہی والا پیدا کیا ہے۔ پس رات کی نشانی چاند کو بہ نسبت سورج کے ماند کر دیا ہے اس میں ایک طرح کا دھبہ رکھ دیا ہے۔ ابن الکواء نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ چاند میں یہ چھائیں کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا' اس کا بیان اس آیت میں ہے کہ ہم نے رات کے نشان یعنی چاند میں سیاہ دھندلکا ڈال دیا اور دن کا نشان خوب روشن ہے۔ یہ چاند سے زیادہ منور اور چاند سے بہت بڑا ہے' دن رات کو دو نشانیاں مقرر کر دی ہیں۔ پیدائش ہی ان کی اسی طرح کی ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ
حَسِيْبًا ۝۱۴

ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے۔ اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے رو برو کھلا ہوا پائے گا ○

لے خود ہی اپنی کتاب آپ ہی پڑھ لے' آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے ○

انسان کے اعمال: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۴) اوپر کی آیتوں میں زمانے کا ذکر کیا جس میں انسان کے اعمال ہوتے ہیں اب یہاں فرمایا ہے کہ اس کا جو عمل ہوتا ہے' بھلا ہو یا برا' وہ اس پر چپک جاتا ہے۔ بدلہ ملے گا۔ نیکی کا نیک' بدی کا بد' خواہ وہ کتنی ہی کم مقدار میں کیوں نہ ہو؟ جیسے فرمان ہے' ذرہ برابر کی خیر اور اتنی ہی شر ہر شخص قیامت کے دن دیکھ لے گا۔ اور جیسے فرمان ہے' دائیں اور بائیں جانب وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوئی بات منہ سے نکلے' وہ اسی وقت لکھ لیتے ہیں۔ اور جگہ ہے وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ الخ تم پر نگہبان ہیں جو بزرگ ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ تمہارے ہر ہر فعل سے باخبر ہیں۔ اور آیت میں ہے' تمہیں صرف تمہارے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اور جگہ ہے' ہر برائی کرنے والے کو سزا دی جائے گی۔ مقصود یہ ہے کہ ابن آدم کے چھوٹے بڑے' ظاہر و باطن' نیک و بد اعمال' صبح شام' دن رات برابر لکھے جا رہے ہیں۔

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں البتہ ہر انسان کی شامت عمل اس کی گردن میں ہے۔ ابن لہیعہ فرماتے ہیں یہاں تک کہ شگون لینا بھی' لیکن اس حدیث کی یہ تفسیر غریب ہے واللہ اعلم۔

اس کے اعمال کے مجموعے کی کتاب قیامت کے دن یا اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی یا بائیں میں۔ نیکوں کے دائیں ہاتھ میں اور بروں کے بائیں ہاتھ میں کھلی ہوئی ہوگی کہ وہ بھی پڑھ لے اور دوسرے بھی دیکھ لیں۔ اس کی تمام عمر کے کل عمل اس میں لکھے ہوئے ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ الخ اس دن انسان اپنے تمام اگلے پچھلے اعمال سے خبردار کر دیا جائے گا۔ انسان تو اپنے معاملے میں خود ہی حجت ہے گو وہ اپنی بے گناہی کے کتنے ہی بہانے پیش کر دے۔ اس وقت اس سے فرمایا جائے گا کہ تو خوب جانتا ہے کہ تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اس میں وہی لکھا گیا ہے جو تو نے کیا ہے۔ اس وقت چونکہ بھولی بسری چیزیں بھی یاد آ جائیں گی' اس لئے درحقیقت کوئی عذر پیش کرنے کی گنجائش نہ رہے گی۔ پھر سامنے کتاب ہے جو پڑھ رہا ہے خواہ وہ دنیا میں ان پڑھ ہی تھا لیکن آج ہر شخص سے پڑھ لے گا۔ گردن کا ذکر خاص طریقے پر اس لئے کیا کہ وہ ایک مخصوص حصہ ہے۔ اس میں جو چیز لٹکا دی گئی ہو' چپک گئی' ضروری ہو گئی' شاعروں نے بھی اسی خیال کو ظاہر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے' بیماری کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں' فال کوئی چیز نہیں' ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ہر انسان کا شگون اس کے گلے کا ہار ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ ہر دن کے عمل پر مہر لگ جاتی ہے۔ جب مومن بیمار پڑتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں' اے اللہ تو نے فلاں کو تو روک لیا ہے' اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے اس کے جو عمل تھے' وہ برابر لکھتے جاؤ یہاں تک کہ میں اسے تندرست کر دوں یا فوت کر دوں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں طائر سے مراد عمل ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اے ابن آدم تیرے دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں' صحیفے کھلے رکھے ہیں' داہنی جانب والا نیکیاں اور بائیں طرف والا بدیاں لکھ رہا ہے۔ اب تجھے اختیار ہے' نیکی کر یا بدی' کم کر یا زیادہ' تیری موت پر یہ دفتر لپیٹ دیئے جائیں گے اور تیری قبر میں تیری گردن میں لٹکا دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن کھلے ہوئے تیرے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے اور تجھ سے کہا جائے گا' لے اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور تو ہی حساب اور انصاف کر لے۔ اللہ کی قسم وہ بڑا ہی عادل ہے جو تیرا معاملہ تیرے ہی سپرد کر رہا ہے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى
نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

جو راہ راست حاصل کر لے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لئے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے اس کا بوجھ بار اسی کے اوپر ہے کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا۔ ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں ○

اچھے یا برے اعمال انسان کے اپنے لیے ہیں: ☆☆ (آیت:۱۵) جس نے راہ راست اختیار کی حق کی اتباع کی نبوت کی مانی اس کے اپنے حق میں اچھائی ہے اور جو حق سے ہٹا صحیح راہ سے پھر اس کا وبال اسی پر ہے کوئی کسی کے گناہ میں پکڑا نہ جائے گا۔ ہر ایک کا عمل اسی کے ساتھ ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو دوسرے کا بوجھ بٹائے اور جگہ قرآن میں ہے وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالاً مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ اور آیت میں ہے وَمِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ یہ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے بہکا رکھا تھا۔ لہٰذا ان دونوں مضمونوں میں کوئی نفی کا پہلو نہ سمجھا جائے اس لئے کہ گمراہ کرنے والوں پر ان کے گمراہ کرنے کا بوجھ ہے نہ کہ ان کے بوجھ ہلکے کئے جائیں گے اور ان پر لادے جائیں گے۔ ہمارا عادل اللہ ایسا نہیں کرتا۔ پھر اپنی ایک اور رحمت بیان فرماتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے پہنچنے سے پہلے کسی امت کو عذاب نہیں کرتا۔ چنانچہ سورہ تبارک میں ہے کہ دوزخیوں سے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے بے شک آئے تھے لیکن ہم نے انہیں سچا نہ جانا انہیں جھٹلا دیا اور صاف کہہ دیا کہ تم تو یونہی بک رہے ہو سرے سے یہ بات ہی ان ہونی ہے کہ اللہ کسی پر کچھ اتارے۔ اسی طرح جب یہ لوگ جہنم کی طرف کشاں کشاں پہنچائے جا رہے ہوں گے اس وقت بھی داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے رب کی آیتیں تمہارے سامنے پڑھتے ہوں اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں یقیناً آئے لیکن کلمہ عذاب کافروں پر ٹھیک اترا اور آیت میں ہے کفار جہنم میں پڑے چیخ رہے ہوں گے کہ اے اللہ ہمیں اس سے نکال تو ہم اپنے قدیم کرتوت چھوڑ کر اب نیک اعمال کریں گے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی؟ تم اگر نصیحت حاصل کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور میں نے تم میں اپنے رسول بھی بھیجے تھے جنہوں نے خوب آگاہ کر دیا تھا۔ اب تو عذاب برداشت کرو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ الغرض اور بھی بہت آیتوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر رسول بھیجے کسی کو جہنم میں نہیں بھیجتا۔

صحیح بخاری میں آیت اِنَّ رَحۡمَةَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ کی تفسیر میں ایک لمبی حدیث مروی ہے جس میں جنت دوزخ کا کلام ہے۔ پھر ہے کہ جنت کے بارے میں اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا اور وہ جہنم کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں ڈال دی جائے گی جہنم کہتی رہے گی کہ کیا ابھی اور زیادہ ہے؟ اس کی بابت علما کی ایک جماعت نے بہت کچھ کلام کیا ہے دراصل یہ جنت کے بارے میں ہے اس لئے کہ وہ دار فضل ہے اور جہنم دار عدل ہے اس میں بغیر عذر توڑے بغیر حجت ظاہر کئے کوئی داخل نہ کیا جائے گا۔ اس لئے حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ راوی کو اس میں الٹا یاد رہ گیا اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جس میں اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ دوزخ پر نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا۔ اس وقت وہ کہے گی بس بس اور اس وقت بھر جائے گی اور چاروں طرف سے سمٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کافروں کے جو نابالغ چھوٹے بچے بچپن میں مر جاتے ہیں اور جو دیوانے لوگ ہیں اور نیم بہرے اور جو ایسے زمانے میں گزرے ہیں جس وقت زمین پر کوئی رسول یا دین کی صحیح تعلیم نہیں ہوتی اور انہیں دعوت اسلام نہیں پہنچتی اور جو بالکل بڈھے حواس باختہ ہوں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اس بارے میں شروع سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ان کے بارے میں جو حدیثیں ہیں وہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں پھر ائمہ کا کلام بھی مختصراً ذکر کروں گا اللہ تعالیٰ مدد کرے۔

پہلی حدیث مسند احمد میں ہے، چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں گے ایک تو بالکل بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنتا اور دوسرا بالکل احمق پاگل آدمی جو کچھ بھی نہیں جانتا، تیسرے بالکل بڈھا پھوس آدمی جس کے حواس درست نہیں، چوتھے وہ لوگ جو ایسے زمانوں میں گزرے ہیں جن میں کوئی پیغمبر یا اس کی تعلیم موجود نہ تھی۔ بہرا تو کہے گا، اسلام آیا لیکن میرے کان میں کوئی آواز نہیں پہنچی، دیوانہ کہے گا کہ اسلام آیا لیکن میری حالت تو یہ تھی کہ بچے مجھ پر مینگنیاں پھینک رہے تھے اور بالکل بڈھے بے حواس آدمی کہیں گے کہ اسلام آیا لیکن میرے ہوش وحواس ہی درست نہ تھے جو میں سمجھ سکتا، رسولوں کے زمانوں کا اور ان کی تعلیم کو موجود نہ پانے والوں کا قول ہوگا کہ نہ رسول آئے نہ میں نے حق پایا پھر میں کیسے عمل کرتا؟ اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ اچھا جاؤ جہنم میں کود جاؤ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر وہ فرماں برداری کرلیں اور جہنم میں کود پڑیں تو جہنم کی آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔ اور روایت میں ہے کہ جو کود پڑیں گے، ان پر تو سلامتی اور ٹھنڈک ہو جائے گی اور جو رکیں گے، انہیں حکم عدولی کے باعث گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ابن جریر میں اس حدیث کے بیان کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کی تصدیق میں کلام اللہ کی آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ الخ پڑھ لو۔

دوسری حدیث ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ابو حمزہ مشرکوں کے بچوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ گنہگار نہیں جو دوزخ میں عذاب کئے جائیں اور نیکوکار بھی نہیں کہ جنت میں بدلہ دیئے جائیں۔

تیسری حدیث ابو یعلی میں ہے کہ ان چاروں کے عذر سن کر جناب باری فرمائے گا کہ اوروں کے پاس تو میں اپنے رسول بھیجتا تھا لیکن تم سے میں آپ کہتا ہوں کہ جاؤ اس جہنم میں چلے جاؤ جہنم میں سے بھی فرمان برداری سے ایک گردن اونچی ہوگی اس فرمان کو سنتے ہی وہ لوگ جو نیک طبع ہیں فوراً دوڑ کر اس میں کود پڑیں گے اور جو بد باطن ہیں، وہ کہیں گے، اللہ پاک ہم اسی سے بچنے کے لئے تو یہ عذر معذرت کر رہے تھے اللہ فرمائے گا جب تم خود میری نہیں مانتے تو میرے رسولوں کی کیا مانتے، اب تمہارے لئے فیصلہ یہی ہے کہ تم جہنمی ہو اور ان فرمانبرداروں سے کہا جائے گا کہ تم بے شک جنتی ہو تم نے اطاعت کرلی۔

چوتھی حدیث مسند حافظ ابو یعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا، وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہے۔ پھر مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہے، تو کہا گیا یا رسول اللہ انہوں نے کوئی عمل تو نہیں کیا، آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن اللہ انہیں بخوبی جانتا ہے۔

پانچویں حدیث۔ حافظ ابو بکر احمد بن عمر بن عبدالخالق بزار رحمتہ اللہ علیہ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی کمروں پر لادے ہوئے آئیں گے اور اللہ کے سامنے عذر کریں گے کہ نہ ہمارے پاس تیرے رسول پہنچے نہ ہمیں تیرا کوئی حکم پہنچا اگر ایسا ہوتا تو ہم جی کھول کر مان لیتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اچھا اب اگر حکم کروں تو مان لو گے؟ وہ کہیں گے ہاں ہاں بے شک بلا چون وچرا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا، اچھا جاؤ جہنم کے پاس جا کر اس میں داخل ہو جاؤ، یہ چلیں گے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اب جو اس کا جوش اور اس کی آواز اور اس کے عذاب دیکھیں گے تو واپس آجائیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہمیں اس سے تو بچا لے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو تم اقرار کر چکے ہو کہ میری فرمانبرداری کرو گے، پھر یہ نافرمانی کیوں؟ وہ کہیں گے اچھا اب اسے مان لیں گے اور کر

گزریں گے چنانچہ ان سے مضبوط عہد و پیمان لئے جائیں گے، پھر یہی حکم ہوگا، یہ جائیں گے اور پھر خوفزدہ ہو کر واپس لوٹیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہم تو ڈر گئے ہم سے تو اس فرمان پر کار بند نہیں ہوا جاتا - اب جناب باری فرمائے گا، تم نافرمانی کر چکے اب جاؤ ذلت کے ساتھ جہنمی بن جاؤ - آپ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ ہی یہ بحکم الٰہی اس میں کود جاتے تو آتش دوزخ ان پر سرد پڑ جاتی اور ان کا ایک رواں بھی نہ جلاتی - امام بزار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس حدیث کا متن معروف نہیں - ایوب سے صرف عباد ہی روایت کرتے ہیں اور عباد سے صرف ریحان بن سعید ہی روایت کرتے ہیں - میں کہتا ہوں اسے ابن حبان نے ثقہ بتلایا ہے - یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں، ان میں کوئی ڈر خوف کی بات نہیں - ابوداؤد نے ان سے روایت نہیں کی - ابو حاتم کہتے ہیں، یہ شیخ ہیں - ان میں کوئی حرج نہیں - ان کی حدیثیں لکھائی جاتی ہیں اور ان سے دلیل نہیں لی جاتی -

چھٹی حدیث - امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمتہ اللہ علیہ روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خالی زمانے والے اور مجنوں اور بچے اللہ کے سامنے آئیں گے - ایک کہے گا میرے پاس تیری کتاب پہنچی ہی نہیں، مجنوں کہے گا میں بھلائی برائی کی تمیز ہی نہیں رکھتا، بچہ کہے گا میں نے سمجھ بوجھ کا، بلوغت کا زمانہ پایا ہی نہیں - اسی وقت ان کے سامنے آگ شعلے مارنے لگے گی - اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اسے ہٹا دو تو جو لوگ آئندہ نیکی کرنے والے تھے وہ تو اطاعت گزار ہو جائیں گے اور جو اس عذر کے ہٹ جانے کے بعد بھی نافرمانی کرنے والے تھے وہ رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جب تم میری ہی براہ راست نہیں مانتے تو میرے پیغمبروں کی کیا مانتے؟

ساتویں حدیث - انہی تین شخصوں کے بارے میں اوپر والی حدیثوں کی طرح - اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو اس میں سے ایسے شعلے بلند ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ تو ساری دنیا کو جلا کر بھسم کر دیں گے، دوڑتے ہوئے واپس لوٹ آئیں گے - پھر دوبارہ یہی ہوگا - اللہ عزوجل فرمائے گا، تمہاری پیدائش سے پہلے ہی تمہارے اعمال کی مجھے خبر تھی - میں نے علم ہوتے ہوئے تمہیں پیدا کیا تھا - اسی علم کے مطابق تم ہو - اے جہنم انہیں دبوچ لے چنانچہ اسی وقت آگ انہیں لقمہ بنا لے گی -

آٹھویں حدیث - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ان کے اپنے قول سمیت پہلے بیان ہو چکی ہے - صحیحین میں آپ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے کہ بکری کے صحیح سالم بچے کے کان کاٹ دیا کرتے ہیں - لوگوں نے کہا، حضور ﷺ اگر وہ بچپن میں ہی مر جائے تو؟ آپؐ نے فرمایا! اللہ کو ان کے اعمال کی صحیح اور پوری خبر تھی - مسند کی حدیث میں ہے کہ مسلمان بچوں کی کفالت جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہے - صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد، یکسو مخلص بنایا ہے - ایک روایت میں اس کے ساتھ ہی مسلمان کا لفظ بھی ہے -

نویں حدیث - حافظ ابوبکر برقانی اپنی کتاب المستخرج علی البخاری میں روایت لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے - لوگوں نے باآواز بلند دریافت کیا کہ مشرکوں کے بچے بھی؟ آپؐ نے فرمایا! مشرکوں کے بچے بھی - طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم بنائے جائیں گے -

دسویں حدیث - مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے پوچھا یا رسولؐ اللہ جنت میں کون کون جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا! نبی اور شہید بچے اور زندہ در گور کئے ہوئے بچے - علماء میں سے بعض کا مسلک تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں، خاموش ہیں، ان کی دلیل بھی گزر چکی - بعض کہتے ہیں یہ جنتی ہیں ان کی دلیل معراج والی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے اپنے اس خواب میں ایک شیخ کو ایک جنتی درخت تلے دیکھا، جن کے پاس بہت سے بچے تھے۔ سوال پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں کی اور مشرکوں کی اولاد ہیں، لوگوں نے کہا حضور ﷺ مشرکین کی اولاد بھی؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں مشرکین کی اولاد بھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں، یہ دوزخی ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں، ان کا امتحان قیامت کے میدانوں میں ہو جائے گا۔ اطاعت گزار جنت میں جائیں گے۔ اللہ اپنے سابق علم کا اظہار کر کے پھر انہیں جنت میں پہنچائے گا اور بعض بوجہ اپنی نافرمانی کے جو اس امتحان کے وقت ان سے سرزد ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنا پہلا علم آشکارا کر دے گا، اس وقت انہیں جہنم کا حکم ہوگا۔ اس مذہب سے تمام حدیثیں اور مختلف دلیلیں جمع ہو جاتی ہیں اور پہلے کی حدیثیں جو ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں، اس معنی کی کئی ایک ہیں۔

شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا نقل فرمایا ہے اور اسی کی تائید امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقاد میں کی ہے۔ اور بھی بہت سے محققین علما اور پرکھ والے حافظوں نے یہی فرمایا ہے۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ ضمری نے امتحان کی بعض روایتیں بیان کر کے لکھا ہے، اس بارے کی حدیثیں قوی نہیں ہیں اور ان سے حجت ثابت نہیں ہوتی اور اہل علم ان کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ آخرت دار جزا ہے دار عمل نہیں ہے اور نہ دار امتحان ہے۔ اور جہنم میں جانے کا حکم بھی تو انسانی طاقت سے باہر کا حکم ہے اور اللہ کی یہ عادت نہیں۔ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کا جواب بھی سن لیجئے اس بارے جو حدیثیں ہیں، ان میں سے بعض تو بالکل صحیح ہیں۔ جیسے کہ ائمہ علماء نے تصریح کی ہے۔ بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں لیکن وہ بوجہ صحیح اور حسن حدیثوں کے قوی ہو جاتی ہیں۔ اور جب یہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں حجت و دلیل کے قابل ہو گئیں۔ اب رہا امام صاحب کا یہ فرمان کہ آخرت دار عمل اور دار امتحان نہیں، وہ دار جزا ہے، یہ بے شک صحیح ہے لیکن اس سے اس کی نفی کیسے ہو گئی کہ قیامت کے مختلف میدانوں کی پیشیوں میں جنت دوزخ میں داخلے سے پہلے کوئی حکم احکام دیئے جائیں گے۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے تو مذہب اہلسنت والجماعت کے عقائد میں بچوں کے امتحان کو داخل کیا ہے۔ مزید براں آیت قرآن یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ اس کی کھلی دلیل ہے کہ منافق و مومن کی تمیز کے لئے پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کا حکم ہوگا۔ صحاح کی حدیثوں میں ہے کہ مومن تو سجدہ کر لیں گے اور منافق الٹے منہ پیٹھ کے بل گر پڑیں گے۔ صحیحین میں اس شخص کا قصہ بھی ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا کہ وہ اللہ سے وعدے وعید کرے گا سوا اس سوال کے اور کوئی سوال نہ کرے گا۔ اس کے پورا ہونے کے بعد وہ اپنے قول قرار سے پھر جائے گا اور ایک اور سوال کر بیٹھے گا وغیرہ۔ آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابن آدم تو بڑا ہی عہد شکن ہے۔ اچھا جا جنت میں چلا جا۔

پھر امام صاحب کا یہ فرمانا کہ انہیں ان کی طاقت سے خارج بات کا یعنی جہنم میں کود پڑنے کا حکم کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ بھی صحت حدیث میں کوئی روک پیدا نہیں کر سکتا۔ خود امام صاحب اور تمام مسلمان مانتے ہیں کہ پل صراط پر سے گزرنے کا حکم سب کو ہوگا جو جہنم کی پیٹھ پر ہوگا اور تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ مومن اس پر سے اپنی نیکیوں کے اندازے سے گزر جائیں گے۔ بعض مثل بجلی کے، بعض مثل ہوا کے، بعض مثل گھوڑوں کے، بعض مثل اونٹوں کے، بعض مثل بھاگنے والوں کے، بعض مثل پیدل چلنے والوں کے، بعض گھٹنوں کے بل سرک سرک کر، بعض کٹ کٹ کر جہنم میں پڑیں گے۔ پس جب یہ چیز وہاں ہے تو انہیں جہنم میں کود پڑنے کا حکم تو اس سے کوئی بڑا نہیں بلکہ یہ اس سے بڑا اور بہت بھاری ہے۔ اور سنئے، حدیث میں ہے کہ دجال کے ساتھ آگ اور باغ ہوگا۔ شارع علیہ السلام نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ دیکھ رہے ہیں، اس میں سے پئیں وہ ان کے لئے ٹھنڈک اور

سلامتی کی چیز ہے- پس یہ اس واقعہ کی صاف نظیر ہے- اور لیجئے بنو اسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اس کی سزا میں اللہ نے حکم دیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں' ایک ابر نے آ کر انہیں ڈھانپ لیا اب جو تلوار چلی تو صبح ہی صبح' ابر پھٹنے سے پہلے ان میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے- بیٹے نے باپ کو اور باپ نے بیٹے کو قتل کیا' کیا یہ حکم اس حکم سے کم تھا؟ کیا اس کا عمل نفس پر گراں نہیں؟ پھر تو اس کی نسبت بھی کہہ دینا چاہئے تھے کہ اللہ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا-

ان تمام بحثوں کے صاف ہونے کے بعد اب سنئے- مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کی بابت بھی بہت سے اقوال ہیں- ایک یہ کہ یہ سب جنتی ہیں ان کی دلیل وہی معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مشرکوں اور مسلمانوں کے بچوں کو آنحضرت ﷺ کا دیکھنا ہے اور دلیل ان کی مسند کی وہ روایت ہے جو پہلے گزر چکی کہ آپؐ نے فرمایا' بچے جنت میں ہیں- ہاں امتحان ہونے کی جو حدیثیں گزریں وہ ان میں سے مخصوص ہیں- پس جن کی نسبت رب العالمین کو معلوم ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار ہیں' ان کی روحیں عالم برزخ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس ہیں اور مسلمانوں کے بچوں کی روحیں بھی اور جن کی نسبت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ قبول کرنے والی نہیں' ان کا امر اللہ کے سپرد ہے وہ قیامت کے دن جہنمی ہوں گے- جیسے کہ احادیث امتحان سے ظاہر ہے- امام اشعری نے اسے اہل سنت سے نقل کیا ہے اب کوئی تو کہتا ہے کہ یہ مستقل طور پر جنتی ہیں کوئی کہتا ہے یہ اہل جنت کے خادم ہیں- گو ایسی حدیث داؤد طیالسی میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے واللہ اعلم-

دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکوں کے بچے بھی اپنے باپ دادوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے جیسے کہ مسند وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کے تابعدار ہیں- یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا بھی کہ باوجود بے عمل ہونے کے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا عمل کرنے والے تھے' اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے- ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی اولاد کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں- میں نے کہا مشرکوں کی اولاد؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں- میں نے کہا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا ہو؟ آپ نے فرمایا وہ کیا کرتے' یہ اللہ کے علم میں ہے-

مسند کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں ان کا رونا پیٹنا اور چیخنا چلانا بھی تجھے سنا دوں- امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے روایت لائے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول خدا ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی نسبت سوال کیا جو جاہلیت کے زمانے میں فوت ہوئے تھے' آپؐ نے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں' جب آپؐ نے دیکھا کہ یہ بات انہیں بہت بھاری پڑی ہے تو آپؐ نے فرمایا' اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم خود ان سے بے زار ہو جاتیں- حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا' اچھا جو بچہ آپ سے ہوا تھا؟ آپؐ نے فرمایا' سنو مومن اور ان کی اولاد جنتی ہیں اور مشرک اور ان کی اولاد جہنمی- پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی اتباع ایمان کے ساتھ کی' ہم ان کی اولاد انہی کے ساتھ ملا دیں گے- یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد میں محمد بن عثمان راوی مجہول الحال ہیں اور ان کے شیخ زاذان نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پایا واللہ اعلم-

ابوداؤد میں حدیث ہے' زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کردہ شدہ دوزخی ہیں- ابوداؤد میں بہ سند حسن مروی ہے حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں اپنے بھائی کو لئے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور ﷺ ہماری ماں جاہلیت کے زمانے میں مر گئی ہیں' وہ صلہ رحمی کرنے والی اور مہمان نواز تھیں' ہماری ایک نابالغ بہن انہوں نے زندہ دفن کر دی تھی- آپؐ نے

فرمایا، ایسا کرنے والی اور جس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے، دونوں دوزخی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو پالے اور اسے قبول کرلے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کرنا چاہئے۔ کوئی فیصلہ کن بات یکطرفہ نہ کہنی چاہئے، ان کا اعتماد آپؐ کے اس فرمان پر ہے کہ ان کے اعمال کا صحیح اور پورا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بخاری میں ہے کہ مشرکوں کی اولاد کے بارے میں جب آپؐ سے سوال ہوا تو آپؐ نے انہی لفظوں میں جواب دیا تھا۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ یہ اعراف میں رکھے جائیں گے۔ اس قول کا بھی نتیجہ یہی ہے کہ یہ جنتی ہیں اس لئے کہ اعراف کوئی رہنے سہنے کی جگہ نہیں۔ یہاں والے بالآخر جنت میں ہی جائیں گے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم اس کی تفسیر کرآئے ہیں واللہ اعلم۔ یہ تو تھا اختلاف مشرکوں کی اولاد کے بارے میں لیکن مومنوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں تو علما کا بلا اختلاف یہی قول ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ جیسے کہ حضرت امام احمدؒ کا قول ہے اور یہی لوگوں میں مشہور بھی ہے اور ان شاء اللہ عزوجل ہمیں بھی یہی امید ہے۔ لیکن بعض علماء سے منقول ہے کہ وہ ان کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب بچے اللہ کی مرضی اور اس کی چاہت کے ماتحت ہیں۔ اہل فقہ اور اہلحدیث کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ مؤطا مالک کی ابواب القدر کی حدیثوں میں بھی کچھ اسی جیسا ہے گو امام مالکؒ کا کوئی فیصلہ اس میں نہیں۔ لیکن بعض متاخرین کا قول ہے کہ مسلمان بچے تو جنتی ہیں اور مشرکوں کے بچے مشیت الٰہی کے ماتحت ہیں۔ ابن عبدالبر نے اس بات کو اسی وضاحت سے بیان کیا ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ کتاب التذکرہ میں امام قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے واللہ اعلم۔ اس بارے میں ان بزرگوں نے ایک حدیث یہ بھی وارد کی ہے کہ انصاریوں کے ایک بچے کے جنازے میں حضور ﷺ کو بلایا گیا تو ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، اس بچے کو مرحبا ہو۔ یہ تو جنت کی چڑیا ہے، نہ برائی کا کوئی کام کیا نہ اس زمانے کو پہنچا، تو آپؐ نے فرمایا، اس کے سوا کچھ اور بھی اے عائشہ؟ سنو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت اور جنتیوں کو مقرر کر دیا ہے حالانکہ وہ اپنے باپ کی پیٹھ میں تھے۔ اسی طرح اس نے جہنم کو پیدا کیا ہے اور اس میں جلنے والے پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ ابھی اپنے باپ کی پیٹھ میں ہیں۔ مسلم اور سنن کی یہ حدیث ہے۔

چونکہ یہ مسئلہ صحیح دلیل بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور لوگ اپنی بے علمی کے باعث بغیر ثبوت شارع کے اس میں کلام کرنے لگے ہیں، اس لئے علماء کی ایک جماعت نے اس میں کلام کرنا ہی ناپسند رکھا ہے۔ ابن عباس، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق اور محمد بن حنفیہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو منبر پر خطبے میں فرمایا تھا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس امت کا کام ٹھیک ٹھاک رہے گا جب تک کہ یہ بچوں کے بارے میں اور تقدیر کے بارے میں کچھ کلام نہ کریں گے (ابن حبان) امام ابن حبان کہتے ہیں، مراد اس سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں کلام نہ کرنا ہے۔ اور کتابوں میں یہ روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے قول سے موقوفاً مروی ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا
فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوش حال لوگوں کو کوئی حکم دیتے ہیں، وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تہ وبالا کر دیتے ہیں ○

تقدیر اور ہمارے اعمال: ☆☆ (آیت:۱۶) مشہور قرات تو اَمَرْنَا ہے۔ اس امر سے مراد تقدیری امر ہے جیسے اور آیت میں ہے اَتٰهَا اَمْرُنَا یعنی وہاں ہمارا مقرر کردہ امر آ جاتا ہے رات کو یا دن کو۔ یاد رہے کہ اللہ برائیوں کا حکم نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فحش کاریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے مستحق عذاب ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ ہم انہیں اپنی اطاعت کے احکام کرتے ہیں، وہ

برائیوں میں لگ جاتے ہیں- پھر ہمارا سزا کا قول ان پر راست آجاتا ہے- جن کی قرات اَمَّرْنَا ہے وہ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہاں کے سردار ہم بدکاروں کو بنا دیتے ہیں- وہ وہاں اللہ کی نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ عذاب الٰہی انہیں اس بستی سمیت تہس نہس کر دیتا ہے- جیسے فرمان ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا الخ ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم رکھے ہیں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی ہم ان کے دشمن بڑھا دیتے ہیں' وہاں سرکشوں کی زیادتی کر دیتے ہیں- مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے' بہتر مال جانور ہے جو زیادہ بچے دینے والا ہو یا راستہ ہے جو کھجور کے درختوں سے گھرا ہوا ہو- بعض کہتے ہیں یہ تناسب ہے جیسے کہ آپ کا قول ہے گناہ والیاں نہ کہ اجر پانے والیاں-

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ
بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ
فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

ہم نے نوحؑ کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کر دیں' تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ○ جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا ہی کا ہو' اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لئے چاہیں' سردست دیتے ہیں بالآخر اس کے لئے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں' جہاں وہ برے حالوں دھتکارا ہوا داخل ہوگا ○ اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہئے وہ کرتا بھی ہو اور ہو بھی وہ باایمان' پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدردانی کی جائے گی ○

آل قریش سے خطاب: ☆☆ (آیت:۱۷) اے قریشیو! ہوش سنبھالو- میرے اس بزرگ رسول کی تکذیب کر کے بے خوف نہ ہو جاؤ- تم سے پہلے نوح علیہ السلام کے بعد کے لوگوں کو دیکھو کہ رسولوں کی تکذیب نے ان کا نام ونشان مٹا دیا- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوح سے پہلے کے حضرت آدم علیہ السلام تک کے لوگ دین اسلام پر تھے- پس تم اے قریشیو! کچھ ان سے زیادہ ساز وسامان اور گنتی اور طاقت والے نہیں ہو' باوجود اس کے تم اشرف الرسل خاتم الانبیاء کو جھٹلا رہے ہو- پس تم عذاب اور سزا کے زیادہ لائق ہو- اللہ تعالیٰ پر اپنے کسی بندے کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں- خیر وشر سب اس پر ظاہر ہے کھلا چھپا سب وہ جانتا ہے ہر عمل کو خود دیکھ رہا ہے-

طالب دنیا کی چاہت: ☆☆ (آیت:۱۸-۱۹) کچھ ضروری نہیں کہ طالب دنیا کی ہر ایک چاہت پوری ہی ہو' جس کا جو ارادہ اللہ پورا کرنا چاہے کر دے لیکن ہاں ایسے لوگ آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائیں گے- یہ تو وہاں جہنم کے گڑھے میں گھرے ہوئے ہوں گے' نہایت برے حال میں ذلت وخواری میں ہوں گے- کیونکہ یہاں انہوں نے یہی کیا تھا' فانی کو باقی پر' دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تھی اس لئے وہاں رحمت الٰہی سے دور ہیں- مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو' یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو' اسے وہی جمع کرتا رہتا ہے جس کے پاس اپنی گرہ کی عقل بالکل نہ ہو- ہاں جو صحیح طریقے سے طالب دار آخرت ہو جائے اور آخرت میں کام آنے والی نیکیاں سنت کے مطابق کرتا رہے اور اس کے دل میں بھی ایمان تصدیق اور یقین ہو' عذاب وثواب کے وعدے صحیح جانتا ہو' اللہ رسول کو مانتا ہو' ان کی کوشش قدردانی سے دیکھی جائے گی نیک بدلہ ملے گا-

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۲۰ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۲۱ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۲۲

ہر ایک کو ہم بہم پہنچائے جاتے ہیں، انہیں بھی اور انہیں بھی تیرے پروردگار کے انعامات میں سے۔ تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے ○ دیکھ لے کہ ان میں ایک کو ایک پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں کی تمیز میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے ○ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا کہ آخرش تو برے حالوں بے کس ہو کر بیٹھ رہے ○

حق دار کو حق دیا جاتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) یعنی ان دونوں قسم کے لوگوں کو ایک وہ جن کا مطلب صرف دنیا ہے۔ دوسرے وہ جو طالب آخرت ہیں دونوں قسم کے لوگوں کو ہم بڑھاتے رہتے ہیں جس میں بھی وہ ہیں، یہ تیرے رب کی عطا ہے، وہ ایسا متصرف اور حاکم ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ مستحق سعادت کو سعادت اور مستحق شقاوت کو شقاوت دے دیتا ہے۔ اس کے احکام کوئی رد نہیں کر سکتا، اس کے رد کیئے ہوئے کو کوئی دے نہیں سکتا، اس کے ارادوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تیرے رب کی نعمتیں عام ہیں نہ کسی کے روکے رکیں نہ کسی کے ہٹائے ہٹیں وہ نہ کم ہوتی ہیں نہ گھٹتی ہیں۔ دیکھ لو کہ دنیا میں ہم نے انسانوں کے کیسے مختلف درجے رکھے ہیں، ان میں امیر بھی ہیں فقیر بھی ہیں، درمیانہ حالت میں بھی ہیں، اچھے بھی ہیں، برے بھی ہیں اور درمیانہ درجے کے بھی۔ کوئی بچپن میں مرتا ہے، کوئی بوڑھا بڑا ہو کر، کوئی اس کے درمیان۔ آخرت درجوں کے اعتبار سے دنیا سے بھی بڑھی ہوئی ہے، کچھ تو طوق و زنجیر پہنے ہوئے جہنم کے گڑھوں میں ہوں گے، کچھ جنت کے درجوں میں ہوں گے، بلند و بالا بالا خانوں میں، نعمت و راحت، سرور و خوشی میں، پھر خود جنتیوں میں بھی درجوں کا تفاوت ہوگا، ایک ایک درجے میں زمین و آسمان کا سا تفاوت ہوگا۔ جنت میں ایسے ایک سو درجے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بلند درجوں والے اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی چمکتے ستارے کو آسمان کی اونچائی پر دیکھتے ہو۔ پس آخرت درجوں اور فضیلتوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہے۔ طبرانی میں ہے، جو بندہ دنیا میں جو درجہ چڑھنا چاہے گا اور اپنی خواہش میں کامیاب ہو جائے گا، وہ آخرت کا درجہ گھٹا دے گا جو اس سے بہت بڑا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

فاقہ اور انسان: ☆☆ (آیت: ۲۲) یہ خطاب ہر ایک مکلف سے ہے۔ آپ کی تمام امت کو حق تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے، اللہ کی مدد ہٹ جائے گی۔ جس کی عبادت کرو گے، اسی کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان کا مالک نہیں، وہ واحد لاشریک ہے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جسے فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اسے بند کروانا چاہے، اس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو اللہ سے اس کی بابت دعا کرے، اللہ اس کے پاس تونگری بھیج دے گا یا تو جلدی یا دیر سے۔ یہ حدیث ابوداؤد و ترمذی میں ہے۔ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ

أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ
لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا
رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾

تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا ○ اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رہنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ایسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے ○

اٹل فیصلے، محکم حکم: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) یہاں قضی معنی میں حکم فرمانے کے ہے- تاکیدی حکم الٰہی جو کبھی ٹلنے والا نہیں، یہی ہے کہ عبادت اللہ ہی کی ہو اور والدین کی اطاعت میں سرمو فرق نہ آئے- ابی ابن کعب، ابن مسعود اور ضحاک بن مزاحم کی قرات میں قضی کے بدلے وصی ہے- یہ دونوں حکم ایک ساتھ جیسے یہاں ہیں ایسے ہی اور بھی بہت سی آیتوں میں ہیں- جیسے فرمان ہے اَنْ اشْكُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْكَ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مندرہ- خصوصاً ان کے بڑھاپے کے زمانے میں ان کا پورا ادب کرنا، کوئی بری بات زبان سے نہ نکالنا یہاں تک کہ ان کے سامنے اف بھی نہ کرنا، نہ کوئی ایسا کام کرنا جو انہیں برا معلوم ہو، اپنا ہاتھ ان کی طرف بے ادبی سے نہ بڑھانا بلکہ ادب، عزت اور احترام کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا، نرمی اور تہذیب سے گفتگو کرنا، ان کی رضامندی کے کام کرنا، دکھ نہ دینا، ستانا نہیں، ان کے سامنے تواضع، عاجزی، فروتنی اور خاکساری سے رہنا، ان کے لئے ان کے بڑھاپے میں، ان کے انتقال کے بعد دعائیں کرتے رہنا، خصوصاً یہ دعا کہ الٰہی ان پر رحم کر جیسے رحم سے انہوں نے میرے بچپن کے زمانے میں میری پرورش کی- ہاں ایمانداروں کو کافروں کے لئے دعا کرنا منع ہو گئی ہے گو وہ باپ ہی کیوں نہ ہوں؟

ماں باپ سے سلوک واحسان کے احکام کی حدیثیں بہت سی ہیں- ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے منبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہی جب آپؐ سے وجہ دریافت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اے نبی اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس تیرا ذکر ہو اور اس نے تجھ پر درود بھی نہ پڑھا ہو- کہئے آمین، چنانچہ میں نے آمین کہی- پھر فرمایا، اس شخص کی ناک بھی اللہ تعالیٰ خاک آلود کرے جس کی زندگی میں ماہ رمضان آیا اور چلا بھی گیا اور اس کی بخشش نہ ہوئی- آمین کہئے، چنانچہ میں نے اس پر بھی آمین کہی- پھر فرمایا اللہ اسے بھی برباد کرے جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پالیا اور پھر بھی ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ پہنچ سکا- کہئے آمین، میں نے کہا آمین-

مسند احمد کی حدیث میں ہے جس نے کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچہ کو پالا اور کھلایا پلایا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گیا، اس کے لئے یقیناً جنت واجب ہے اور جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اللہ اسے جہنم سے آزاد کرے گا، اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم سے آزاد ہو گا- اس حدیث کی ایک سند میں ہے، جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو پالیا، پھر بھی دوزخ میں گیا، اللہ اسے اپنی رحمت سے دور کرے- مسند احمد کی ایک روایت میں یہ تینوں چیزیں ایک ساتھ بیان ہوئی ہیں یعنی گردن آزاد کرنا، خدمت والدین اور پرورش یتیم- ایک روایت میں ماں باپ کی نسبت یہ بھی ہے کہ اللہ اسے دور کرے اور اسے برباد کرے الخ-

ایک روایت میں تین مرتبہ اس کے لئے یہ بددعا ہے- ایک روایت میں حضور ﷺ کا نام سن کر درود نہ پڑھنے والے اور ماہ رمضان میں بخشش اللہ سے محروم رہ جانے والے اور ماں باپ کی خدمت اور رضامندی سے جنت میں نہ پہنچنے والے کے لئے خود حضور ﷺ کا یہ بددعا کرنا منقول ہے- ایک انصاری نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ میں کوئی سلوک کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں چار سلوک۔

(۱) ان کے جنازے کی نماز-

(۲) ان کے لئے دعا و استغفار-

(۳) ان کے وعدوں کو پورا کرنا-

(۴) ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہو، یہ ہے وہ سلوک جو ان کی موت کے بعد بھی تو ان کے ساتھ کر سکتا ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ) ایک شخص نے آ کر حضور ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میں جہاد کے ارادے سے آپ کی خدمت میں خوشخبری لے کر آیا ہوں- آپ نے فرمایا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا! جا اسی کی خدمت میں لگا رہ، جنت اسی کے پیروں کے پاس ہے- دوبارہ سہ بارہ اس نے مختلف مواقع پر اپنی یہی بات دہرائی اور یہی جواب حضور ﷺ نے بھی دہرایا (نسائی، ابن ماجہ وغیرہ) فرماتے ہیں، اللہ تمہیں تمہارے باپوں کی نسبت وصیت فرماتا ہے، اللہ تمہیں تمہاری ماؤں کی نسبت وصیت فرماتا ہے- پچھلے جملے کو تین بار بیان فرما کر فرمایا، اللہ تمہیں تمہارے قرابت داروں کی بابت وصیت کرتا ہے سب سے زیادہ نزدیک والا پھر اس کے پاس والا (ابن ماجہ، مسند احمد) فرماتے ہیں، دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر جو اس کے بعد ہو، اسی طرح درجہ بدرجہ (مسند احمد) بزار کی مسند میں ضعیف سند سے مروی ہے کہ ایک صاحب اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کرا رہے تھے حضور ﷺ سے دریافت کرنے لگے کہ اب تو میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ایک شمہ بھی نہیں اس کی سند میں حسن بن ابو جعفر ضعیف ہے واللہ اعلم-

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ
لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا
اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷
وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ
لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝۲۸

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب بخوبی جانتا ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ تو رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے ○ رشتے داروں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بے جا خرچ سے بچو ○ بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں- اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے ○ اور اگر تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے، اپنے رب کی اس رحمت کی جستجو میں جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہئے کہ عمدگی اور نرمی سے انہیں سمجھا دے ○

گناہ اور استغفار: ☆☆ (آیت: ۲۵) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلدی میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے نزدیک عیب کی اور گناہ کی بات نہیں سمجھتے چونکہ ان کی نیت بخیر ہوتی ہے اس لئے اللہ ان پر رحمت کرتا ہے' جو ماں باپ کا فرمانبردار' نمازی ہو اس کی خطائیں اللہ کے ہاں معاف ہیں' کہتے ہیں کہ اَوَّابِیْن وہ لوگ ہیں جو مغرب وعشا کے درمیان نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں جو ضحیٰ کی نماز ادا کرتے رہیں' جو ہر گناہ کے بعد توبہ کرلیا کریں۔ جو جلدی سے بھلائی کی طرف لوٹ آیا کریں۔ تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے خلوص دل سے استغفار کرلیا کریں۔ عبید کہتے ہیں جو برابر ہر مجلس سے اٹھتے ہوئے یہ دعا پڑھ لیا کریں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَآ اَصَبْتُ فِیْ مَجْلِسِیْ ھٰذَا ابن جریر فرماتے ہیں' اولیٰ قول یہ ہے کہ جو گناہ سے توبہ کرلیا کریں۔ معصیت سے طاعت کی طرف آ جایا کریں۔ اللہ کی ناپسندیدگی کے کاموں کو ترک کر کے اس کی رضامندی اور پسندیدگی کے کام کرنے لگیں۔ یہی قول بہت ٹھیک ہے کیونکہ لفظ اواب مشتق ہے ادب سے اور اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں جیسے عرب کہتے ہیں اب فلان اور جیسے قرآن میں ہے اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَھُمْ ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ جب سفر سے لوٹتے تو فرماتے اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ لوٹنے والے توبہ کرنے والے' عبادتیں کرنے والے' اپنے رب کی ہی تعریفیں کرنے والے۔

ماں باپ سے حسن سلوک کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۸) ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کا حکم دے کر اب قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے پھر جو زیادہ قریب ہو اور جو زیادہ قریب ہو اور حدیث میں ہے جو اپنے رزق کی اور اپنی عمر کی ترقی چاہتا ہو' اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔ بزار میں ہے' اس آیت کے اترتے ہی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر فدک عطا فرمایا۔ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ اور واقعہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ آیت مکیہ ہے اور اس وقت تک باغ فدک حضور ﷺ کے قبضے میں نہ تھا۔ ۶ ھ میں خیبر فتح ہوا تب باغ فدک آپ کے قبضے میں آیا۔ پس یہ قصہ اس پر پورا نہیں اترتا۔ مساکین اور مسافرین کی پوری تفسیر سورہ برات میں گزر چکی ہے یہاں دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خرچ کا حکم کر کے پھر اسراف سے منع فرماتا ہے۔ نہ تو انسان کو بخیل ہونا چاہئے نہ مسرف بلکہ درمیانہ درجہ رکھے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا الخ' یعنی ایماندار اپنے خرچ میں نہ تو حد سے گزرتے ہیں نہ بالکل ہاتھ روک لیتے ہیں۔ پھر اسراف کی برائی بیان فرماتا ہے کہ ایسے لوگ شیطان جیسے ہیں۔ تبذیر کہتے ہیں غیر حق میں خرچ کرنے کو۔ اپنا کل مال بھی اگر راہ اللہ دے دے تو یہ تبذیر و اسراف نہیں اور غیر حق میں تھوڑا سا بھی دے تو مبذر ہے۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا' یا رسول اللہ ﷺ میں مالدار آدمی ہوں اور اہل وعیال' کنبے قبیلے والا ہوں تو مجھے بتائیے کہ میں کیا روش اختیار کروں؟ آپؐ نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ الگ کر اس سے تو پاک صاف ہو جائے گا۔ اپنے رشتے داروں سے سلوک کر' سائل کا حق پہنچاتا رہ اور پڑوسی اور مسکین کا بھی۔ اس نے کہا حضور ﷺ اور تھوڑے الفاظ میں پوری بات سمجھا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا' قرابت داروں' مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کر اور بے جا خرچ نہ کر۔ اس نے کہا حَسْبِيَ اللّٰهُ اچھا حضور ﷺ جب میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ ادا کر دوں تو اللہ ورسول کے نزدیک میں بری ہو گیا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں جب تو نے میرے قاصد کو دے دیا تو تو بری ہو گیا اور تیرے لئے جو اجر ثابت ہو گیا' اب جو اسے بدل ڈالے' اس کا گناہ اس کے ذمے ہے۔ یہاں فرمان ہے کہ اسراف اور بیوقوفی اور اللہ کی اطاعت کے ترک اور نافرمانی کے ارتکاب کی وجہ سے مسرف لوگ شیطان کے بھائی بن جاتے ہیں۔ شیطان میں یہی بد خصلت ہے کہ وہ رب کی نعمتوں کا ناشکرا' اس کی اطاعت کا تارک' اسی کی نافرمانی اور مخالفت کا عامل ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان قرابت داروں' مسکینوں

مسافروں میں سے کوئی کبھی تجھ سے کچھ سوال کر بیٹھے اور اس وقت تیرے ہاتھ تلے کچھ نہ ہو اور اس وجہ سے تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے تو بھی جواب نرم دے کہ بھائی جب اللہ ہمیں دے گا' ان شاء اللہ ہم آپ کے حق نہ بھولیں گے وغیرہ۔

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ
الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُومًا مَّحۡسُورًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ
يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًا ۢ بَصِيۡرًا ﴿٣٠﴾ ع ۲ ۸ ۲

اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دیا کر کہ پھر ملامت کیا ہوا اور پچھتا تا ہوا بیٹھ جائے ○ یقیناً تیرا رب جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی' یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے ○

میانہ روی کی تعلیم: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۰) حکم ہو رہا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی میانہ روش رکھو' نہ بخیل بنو' نہ مسرف۔ ہاتھ گردن سے نہ باندھ لو یعنی بخیل نہ بنو کہ کسی کو نہ دو۔ یہودیوں نے بھی اسی محاورے کو استعمال کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنتیں نازل ہوں کہ یہ اللہ کو بخیلی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کریم وہاب پاک اور بہت دور ہے۔ پس بخل سے منع کر کے پھر اسراف سے روکتا ہے کہ اتنا کھل نہ کھیلو کہ اپنی طاقت سے زیادہ دے ڈالو۔ پھر ان دونوں حکموں کا سبب بیان فرماتا ہے کہ بخیلی سے تو ملامتی بن جاؤ گے ہر ایک کی انگلی اٹھے گی کہ یہ بڑا بخیل ہے' ہر ایک دور ہو جائے گا کہ یہ محض بے فیض آدمی ہے۔ جیسے زہیر نے اپنے معلقہ میں کہا ہے وَمَنۡ كَانَ ذَامَالٍ وَّيَبۡخَلُ بِمَالِهٖ عَلٰى قَوۡمِهٖ يُسۡتَغۡنَ عَنۡهُمۡ وَيُذۡمَمَّ یعنی جو مالدار ہو کر بخیلی کرے' لوگ اس سے بے نیاز ہو کر اس کی برائی کرتے ہیں۔ پس بخیلی کی وجہ سے انسان برا بن جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے' ہر ایک اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور جو حد سے زیادہ خرچ کر گزرتا ہے' وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔ ضعیف اور عاجز ہو جاتا ہے جیسے کوئی جانور جو چلتے چلتے تھک جائے۔ اور راستے میں اڑ جائے لفظ حَسِيۡرٌ سورہ تبارک میں بھی آیا ہے۔ پس یہ بطور لف ونشر کے ہے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے' بخیل اور سخی کی مثال ان دو شخصوں جیسی ہے جن پر دو لوہے کے جبے ہوں' سینے سے گلے تک' سخی تو جوں جوں خرچ کرتا ہے' اس کی کڑیاں ڈھیلی ہوتی جاتی ہیں اور اس کے ہاتھ کھلتے جاتے ہیں اور وہ جبہ بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی پوریوں تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے اثر کو مٹاتا ہے اور بخیل جب کبھی خرچ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے جبے کی کڑیاں اور سمٹ جاتی ہیں۔ وہ ہر چند اسے وسیع کرنا چاہتا ہے لیکن اس میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ صحیحین میں ہے کہ آپ نے حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا' اللہ کی راہ میں خرچ کرتی رہ' جمع نہ رکھا کر ورنہ اللہ بھی روک لے گا' بند باندھ کر روک نہ لیا کر ورنہ پھر اللہ بھی رزق کا منہ بند کر لے گا۔ ایک اور روایت میں ہے' شمار کر کے نہ رکھا کر ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گنتی کر کے روک لے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تو راہ اللہ میں خرچ کیا کر' اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ صحیحین میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں' ایک دعا کرتا ہے کہ الٰہی سخی کو بدلہ دے اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ بخیل کا مال تلف کر۔ مسلم شریف میں ہے صدقے خیرات سے کسی کا مال نہیں گھٹتا اور ہر سخاوت کرنے والے کو اللہ ذی عزت کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کی وجہ سے دوسروں سے عاجزانہ برتاؤ کرے اللہ اسے بلند درجے کا کر دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے طمع سے بچو' اسی نے تم سے اگلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے' طمع کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ بخیلی کرو' انہوں نے بخیلی کی پھر اس نے انہیں صلہ رحمی توڑنے کو کہا انہوں نے یہ بھی کیا پھر فسق و فجور کا حکم دیا یہ اس پر بھی کاربند

ہوئے- بیہقی میں ہے جب انسان خیرات کرتا ہے ستر شیطانوں کے جبڑے ٹوٹ جاتے ہیں- مسند کی حدیث میں ہے' درمیانہ خرچ رکھنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا- پھر فرماتا ہے کہ رزق دینے والا' کشادگی کرنے والا' تنگی میں ڈالنے والا' اپنی مخلوق میں اپنی حسب منشا ہیر پھیر کرنے والا' جسے چاہے غنی اور جسے چاہے فقیر کرنے والا' اللہ ہی ہے- ہر بات میں اس کی حکمت ہے' وہی اپنی حکمتوں کا علیم ہے' وہ خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مستحق امارت کون ہے اور مستحق فقیری کون ہے؟ حدیث قدسی میں ہے میرے بعض بندے وہ ہیں کہ فقیری ہی کے قابل ہیں اگر میں انہیں امیر بنادوں تو ان کا دین تباہ ہو جائے اور میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو امیری کے لائق ہیں اگر میں انہیں فقیر بنادوں تو ان کا دین بگڑ جائے- ہاں یہ یاد رہے کہ بعض لوگوں کے حق میں امیری اللہ کی طرف سے ڈھیل کے طور پر ہوتی ہے اور بعضوں کے لئے فقیری بطور عذاب ہوتی ہے- اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں سے بچائے-

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۳۲

مفلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالا کرو' ان کو اور تم کو ہم ہی روزیاں دیتے ہیں' یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے ○ خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے ○

قتل اولاد کی مذمت: ☆☆ (آیت: ۳۱) دیکھو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ان کے ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے- ایک طرف ماں باپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنا مال اپنے بچوں کو بطور ورثے کے دو اور دوسری جانب فرماتا ہے کہ انہیں مار نہ ڈالا کرو- جاہلیت کے لوگ نہ تو لڑکیوں کو ورثہ دیتے تھے نہ ان کا زندہ رکھنا پسند کرتے تھے بلکہ دختر کشی ان کی قوم کا ایک عام رواج تھا- قرآن اس نافرجام رواج کی تردید کرتا ہے کہ یہ خیال کس قدر بودا ہے کہ انہیں کھلائیں گے کہاں سے؟ کسی کی روزی کسی کے ذمہ نہیں- سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے- سورہ انعام میں فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ فقیری اور تنگدستی کے خوف سے اپنی اولاد کی جان نہ لیا کرو- تمہیں اور انہیں روزیاں دینے والے ہم ہیں- ان کا قتل جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے- خطا کی دوسری قرات خطاء ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں- صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' یا رسول اللہ ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے- میں نے پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے- میں نے کہا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے-

کبیرہ گناہوں سے ممانعت: ☆☆ (آیت: ۳۲) زنا کاری اور اس کے اردگرد کی تمام سیاہ کاریوں سے قرآن روک رہا ہے زنا کو شریعت نے کبیرہ اور بہت سخت گناہ بتایا ہے وہ بدترین طریقہ اور نہایت بری راہ ہے- مسند احمد میں ہے کہ ایک نوجوان نے زنا کاری کی اجازت آپ سے چاہی لوگ اس پر جھک پڑے کہ چپ رہ کیا کر رہا ہے' کیا کہہ رہا ہے- آپ نے اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا' بیٹھ جا' جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا' کیا تو اس کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا' نہیں اللہ کی قسم نہیں یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ پر اللہ فدا کرے' ہرگز نہیں- آپ نے فرمایا' پھر سوچ لے کہ کوئی اور کیسے پسند کرے گا؟ آپ نے فرمایا اچھا تو اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے اسی طرح تاکید سے انکار کیا- آپ نے فرمایا' ٹھیک اسی طرح کوئی بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتا' اچھا اپنی بہن کے لئے اسے تو پسند

کرے گا؟ اس نے اسی طرح انکار کیا' آپؐ نے فرمایا' اسی طرح دوسرے بھی اپنی بہنوں کے لئے اسے مکروہ سمجھتے ہیں- بتا کیا تو چاہے گا کہ کوئی تیری پھوپھی سے ایسا کرے؟ اس نے اسی سختی سے انکار کیا- آپؐ نے فرمایا' اسی طرح کوئی اور بھی اسے اپنی پھوپھی کے لئے نہ چاہے گا' اچھا اپنی خالہ کے لئے؟ اس نے کہا' ہرگز نہیں' فرمایا' اسی طرح اور سب لوگ بھی- پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر دعا کی کہ الٰہی اس کے گناہ بخش' اس کے دل کو پاک کر' اسے عصمت والا بنا- پھر تو یہ حالت تھی کہ یہ نوجوان کسی کی طرف نظر بھی نہ اٹھاتا- ابن ابی الدنیا میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' شرک کے بعد کوئی گناہ زنا کاری سے بڑھ کر نہیں کہ آدمی اپنا نطفہ کسی ایسے رحم میں ڈالے جو اس کیلئے حلال نہیں-

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے' ہرگز ناحق قتل نہ کرنا' اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے' ہم نے اس کے وارثوں کو غلبہ اور طاقت دے رکھی ہے- پس اسے چاہئے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے' بے شک وہ مدد کیا گیا ہے ○

ناحق قتل: ☆☆ (آیت: ۳۳) بغیر حق شرعی کے کسی کو قتل کرنا حرام ہے- بخاری و مسلم میں ہے جو مسلمان اللہ کے واحد ہونے کی اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو' اس کا قتل تین باتوں کے سوا حلال نہیں- یا تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا شادی شدہ ہو اور پھر زنا کیا ہو یا دین کو چھوڑ کر جماعت کو چھوڑ دیا ہو- سنن میں ہے ساری دنیا کا فنا ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مومن کے قتل سے زیادہ آسان ہے- اگر کوئی شخص ناحق دوسرے کے ہاتھوں قتل کیا گیا ہے تو اس کے وارثوں کو اللہ تعالیٰ نے قتل پر غالب کر دیا ہے- اسے قصاص لینے اور دیت لینے اور بالکل معاف کر دینے میں سے ایک کا اختیار ہے- ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کریمہ کے عموم سے حضرت معاویہؓ کی سلطنت پر استدلال کیا ہے کہ وہ بادشاہ بن جائیں گے اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی آپ ہی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی مظلومی کے ساتھ شہید کئے گئے تھے- حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طلب کرتے تھے کہ ان سے قصاص لیں اس لئے کہ یہ بھی اموی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اموی تھے- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں ذرا ڈھیل کر رہے تھے- ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطالبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ تھا کہ ملک شام ان کے سپرد کر دیں- حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تاوقتیکہ آپ قاتلان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دیں' میں ملک شام کو آپ کی زیر حکومت نہ کروں گا چنانچہ آپ نے مع کل اہل شام کے بیعت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار کر دیا- اس جھگڑے نے طول پکڑا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے حکمران بن گئے-

معجم طبرانی میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات کی گفتگو میں ایک دفعہ فرمایا کہ آج میں تمہیں ایک بات سناتا ہوں نہ تو وہ ایسی پوشیدہ ہے نہ ایسی علانیہ- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا' اس وقت میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ یکسوئی اختیار کر لیں واللہ اگر آپ کسی پتھر میں بھی چھپے ہوئے ہوں گے تو نکال لئے جائیں گے لیکن انہوں نے میری نہ مانی- اب ایک اور سنو اللہ کی قسم معاویہ تم پر بادشاہ ہو جائیں گے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے جو مظلوم مار ڈالا جائے' ہم اس کے وارثوں کو غلبہ اور طاقت دیتے ہیں- پھر انہیں قتل کے بدلے میں قتل میں حد سے نہ گزرنا چاہئے الخ' سنو یہ قریشی تو تمہیں فارس و روم کے

طریقوں پر آمادہ کر دیں گے اور سنو تم پر نصاریٰ اور یہود اور مجوسی کھڑے ہو جائیں گے اس وقت جس نے معروف کو تھام لیا' اسی نے نجات پا لی اور جس نے چھوڑ دیا اور افسوس کہ تم چھوڑنے والوں میں سے ہی ہو تو مثل ایک زمانے والوں کے ہوؤ گے کہ وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہو گئے۔ اب فرمایا ولی کو قتل کے بدلے میں حد سے نہ گزر جانا چاہئے کہ وہ قتل کے ساتھ مثلہ کرے۔ کان' ناک کاٹے یا قاتل کے سوا اور سے بدلہ لے۔ ولی مقتول شریعت' غلبے اور مقدرت کے لحاظ سے ہر طرح مدد کیا گیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ
وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا
الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ
خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ بجز اس طریقے کے جو بہت ہی بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ جائے اور وعدے پورے کیا کرو' کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہونے والی ہے ○ اور جب ناپنے لگو تو بھرپور پیمانے سے ناپو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو' یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے ○

یتیم کا مال: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۵) یتیم کے مال میں بدنیتی سے ہیر پھیر نہ کرو' ان کے مال ان کی بلوغت سے پہلے صاف کر ڈالنے کے ناپاک ارادوں سے بچو۔ جس کی پرورش میں یہ یتیم بچے ہوں' اگر وہ خود مالدار ہے تب تو اسے ان یتیموں کے مال سے بالکل الگ رہنا چاہئے اور اگر وہ فقیر محتاج ہے تو خیر بقدر معروف کھالے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' حضور ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا' میں تو تجھے بہت کمزور دیکھ رہا ہوں اور تیرے لئے وہی پسند فرماتا ہوں جو خود اپنے لئے چاہتا ہوں۔ خبردار کبھی دو شخصوں کا والی نہ بننا اور نہ کبھی یتیم کے مال کا متولی بننا۔ پھر فرماتا ہے' وعدہ وفائی کیا کرو' جو وعدے وعید جو لین دین ہو جائے اس کی پاسبانی کرو' اس کی بابت قیامت کے دن جواب دہی ہوگی۔ ناپ پیانہ پورا پورا ابھر کر دیا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیز گھٹا کر کم نہ دو۔ قسطاس کی دوسری قرات قسطاس بھی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے بغیر پاسنگ کی صحیح وزن بتانے والی سیدھی ترازو سے بغیر ڈنڈی مارے تولا کرو' دونوں جہان میں تم سب کے لئے یہی بہتری ہے دنیا میں بھی یہ تمہارے لین دین کی رونق ہے اور آخرت میں بھی یہ تمہارے چھٹکارے کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اے تاجرو تمہیں ان دو چیزوں کو سونپا گیا ہے جن کی وجہ سے تم سے پہلے کے لوگ برباد ہو گئے یعنی ناپ تول' نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت رکھتے ہوئے صرف خوف الٰہی سے اسے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں اسے اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا تَمْشِ فِي
الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ
طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو' اس کے پیچھے مت پڑ' کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے ○ زمین میں اکڑ کر نہ چلا کر کہ نہ تو

تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے ○ ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے ○

بلاتحقیق فیصلہ نہ کرو: ☆☆ (آیت:۳۶) یعنی جس بات کا علم نہ ہو اس میں زبان نہ ہلاؤ- بغیر علم کے کسی کی عیب جوئی اور بہتان بازی نہ کرو- جھوٹی شہادتیں نہ دیتے پھرو- بن دیکھے نہ کہہ دیا کرو کہ میں نے دیکھا' نہ بے سنے سننا بیان کرو' نہ بے علمی پر اپنا جاننا بیان کرو- کیونکہ ان تمام باتوں کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی- غرض وہم وخیال اور گمان کے طور پر کچھ کہنا منع ہو رہا ہے- جیسے فرمان قرآن ہے اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ کہ زیادہ گمان سے بچو- بعض گمان گناہ ہیں- حدیث میں ہے' گمان سے بچو' گمان بدترین جھوٹی بات ہے- ابو داؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ تکیہ کلام بہت ہی برا ہے کہ لوگ خیال کرتے ہیں- اور حدیث میں ہے بدترین بہتان یہ ہے کہ انسان جھوٹ موٹ کوئی خواب گھڑ لے اور صحیح حدیث میں ہے' جو شخص ایسا خواب ازخود گھڑ لے' قیامت کے دن اسے یہ تکلیف دی جائے گی کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے اور یہ اس سے ہرگز نہیں ہونا- قیامت کے دن آنکھ' کان' دل سب سے باز پرس ہوگی' سب کو جواب دہی کرنی ہو گی- یہاں تِلۡكَ کی جگہ اُولٰٓئِكَ کا استعمال ہے- عرب میں یہ استعمال برابر جاری ہے یہاں تک کہ شاعروں کے شعروں میں بھی-

تکبر کے ساتھ چلنے کی ممانعت: ☆☆ (آیت:۳۷-۳۸) اکڑ کر' اترا کر' تکبر کے ساتھ چلنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو منع فرماتا ہے- یہ عادت سرکش اور مغرور لوگوں کی ہے- پھر اسے نیچا دکھانے کے لئے فرماتا ہے کہ گو کتنے ہی بلند سر ہو کر چلو لیکن پہاڑ کی بلندی سے پست ہی رہو گے اور گو کیسے ہی کھٹ پٹ کرتے ہوئے پاؤں مار مار کر چلو لیکن زمین کو پھاڑنے سے رہے- بلکہ ایسے لوگوں کا حال برعکس ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص چادر جوڑے میں اتراتا ہوا چلا جا رہا تھا جو وہیں زمین میں دھنسا دیا گیا جو آج تک دھنستا ہوا چلا جا رہا ہے- قرآن میں قارون کا قصہ موجود ہے کہ وہ مع اپنے محلات کے زمین دوز کر دیا گیا- ہاں تواضع' نرمی' فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے- وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور لوگ اسے جلیل القدر سمجھتے ہیں اور تکبر کرنے والا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے کتوں اور سوروں سے بھی زیادہ حقیر جانتے ہیں- امام ابوبکر بن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب الخمول والتواضع میں لائے ہیں کہ ابن الاہیم دربار منصور میں جا رہا تھا ریشمی جبہ پہنے ہوئے تھا اور پنڈلیوں کے اوپر سے اسے دوہرا سلوایا تھا کہ نیچے سے قبا بھی دکھائی دیتی رہے اور اکڑتا اینڈتا جا رہا تھا-

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر فرمایا افوہ نک چڑھا' بل کھایا' رخساروں پھولا' اپنے ڈنڈ بازو دیکھتا' اپنے تئیں تولتا' سمتوں کے ذکر وشکر کو بھولا' رب کے احکام کو چھوڑے ہوئے' حق اللہ کو توڑا' دیوانوں کی چال چلتا' عضو عضو میں کسی کی دی ہوئی نعمت رکھتا' شیطان کی لعنت کا مارا ہوا دیکھو جا رہا ہے- ابن الاہیم نے سن لیا اور اسی وقت لوٹ آیا اور عذر بہانہ کرنے لگا- آپ نے فرمایا' مجھ سے معذرت کیا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور اسے ترک کر- کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا وَلَا تَمۡشِ فِى الۡاَرۡضِ مَرَحًا الخ- عابد بختری رحمتہ اللہ علیہ نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑتے ہوئے چلتا دیکھ کر فرمایا' اے شخص جس نے تجھے یہ اکرام دیا ہے' اس کی روش ایسی نہ تھی- اس نے اسی وقت توبہ کر لی- ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسے شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ شیطان کے یہی بھائی ہوتے ہیں- حضرت خالد بن معدان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' لوگو اکڑ اکڑ کر چلنا چھوڑو اس لئے کہ انسان ----- (اصل عربی میں کچھ عبارت غائب ہے) اس کا ہاتھ اس کے باقی جسم سے (ابن ابی الدنیا)- ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ جب میری امت غرور اور تکبر کی چال چلنے لگے گی اور فارسیوں اور رومیوں کو اپنی خدمت میں لگائے گی تو اللہ تعالیٰ ایک کو ایک پر مسلط کر دے گا- سَيِّئُهٗ کی دوسری

قرات سَیِّئُہٗ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ جن جن کاموں سے ہم نے تمہیں روکا ہے' یہ سب کام نہایت برے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ ہیں۔ یعنی اپنی اولاد کو قتل نہ کرو سے لے کر اکڑ کر نہ چلو تک کے تمام کام۔ اور سیئة کی قرات پر مطلب یہ ہے کہ وَ قَضٰی رَبُّكَ سے یہاں تک جو حکم احکام اور جو ممانعت اور روک بیان ہوئی' اس میں جن برے کاموں کا ذکر ہے' وہ سب اللہ کے نزدیک مکروہ کام ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے یہی توجیہہ بیان فرمائی ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾
اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ
اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

یہ بھی ان جملہ اس وحی کے ہے جو تیری جانب رب نے حکمت سے اتاری ہے' تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا کہ ملامت خوردہ اور راندہ درگاہ ہو کر ⑩ دوزخ میں ڈال دیا جائے ○ کیا بیٹوں کے لئے تو اللہ نے تمہیں چھانٹ لیا اور خود اپنے لئے فرشتوں کو لڑکیاں بنا لیں؟ بے شک تم بہت بڑا بول بول رہے ہو ○ ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طرح بیان فرما دیا کہ لوگ سمجھ جائیں لیکن اس پر بھی انہیں تو نفرت ہی بڑھتی رہتی ہے ○

ذلیل کن عادتیں: ☆☆ (آیت:۳۹) یہ احکام ہم نے دیئے ہیں۔ سب بہترین اوصاف ہیں اور جن باتوں سے ہم نے روکا ہے' وہ بڑی ذلیل خصلتیں ہیں۔ ہم یہ سب باتیں تیری طرف بذریعہ وحی کے نازل فرما رہے ہیں کہ تو لوگوں کو حکم دے اور منع کرے۔ دیکھ میرے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہرانا ورنہ وہ وقت آئے گا کہ خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگے گا اور اللہ کی طرف سے بھی ملامت ہو گی بلکہ تمام اور مخلوق کی طرف سے بھی اور تو ہر بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت سے خطاب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔

مجرمانہ سوچ پر تبصرہ: ☆☆ (آیت:۴۰) ملعون مشرکوں کی تردید ہو رہی ہے کہ یہ تم نے خوب تقسیم کی ہے کہ بیٹے تمہارے اور بیٹیاں اللہ کی۔ جو تمہیں ناپسند' جن سے تم جلو کڑھو بلکہ زندہ درگور کر دو' انہیں اللہ کے لئے ثابت کرو۔ اور آیتوں میں بھی ان کا یہ کمینہ پن بیان ہوا ہے کہ یہ کہتے ہیں اللہ رحمان کی اولاد ہے حقیقتاً ان کا یہ قول نہایت ہی برا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے' زمین شق ہو جائے' پہاڑ چورا چورا ہو جائیں کہ یہ اللہ رحمان کی اولاد ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ اللہ کو یہ کسی طرح لائق ہی نہیں۔ زمین و آسمان کی کل مخلوق اس کی غلام ہے۔ سب اس کے شمار میں ہیں اور گنتی میں اور ایک ایک اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا پیش ہونے والا ہے۔

دلائل کے ساتھ ہدایت: ☆☆ (آیت:۴۱) اس پاک کتاب میں ہم نے تمام مثالیں کھول کھول کر بیان فرما دی ہیں۔ وعدے وعید صاف طور پر مذکور ہیں تاکہ لوگ برائیوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچیں۔ لیکن تاہم ظالم لوگ تو حق سے نفرت رکھنے اور اس سے دور بھاگنے میں ہی بڑھ رہے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا
اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ
عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ
فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

کہہ دے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک تو مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے ○ جو کچھ یہ کہتے ہیں' اس سے وہ پاک اور بالاتر' بہت دور اور بہت بلند ہے ○ ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے' سب اسی کی تسبیح کر رہے ہیں' ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے' وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے ○

لوگو عقل کے ناخن لو: ☆☆ (آیت:۴۲-۴۳) جو مشرک اللہ کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں اور انہیں شریک الہ مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہی کی وجہ سے ہم قرب الٰہی حاصل کر سکتے ہیں ان سے کہو کہ اگر تمہارا یہ گمان فاسد کچھ بھی جان رکھتا ہوتا اور اللہ کے ساتھ واقعی کوئی ایسے معبود ہوتے کہ وہ جسے چاہیں قرب الٰہی دلوا دیں اور جس کی جو چاہیں سفارش کر دیں تو خود وہ معبود ہی اس کی عبادت کرتے۔ اس کا قرب ڈھونڈتے۔ پس تمہیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے' نہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت' نہ دوسرے معبود کی کوئی ضرورت کہ الٰہ میں اور تم میں وہ واسطہ بنے۔ اللہ کو یہ واسطے سخت ناپسند اور مکروہ معلوم ہوتے ہیں اور ان سے وہ انکار کرتا ہے۔ اپنے تمام نبیوں رسولوں کی زبان سے اس سے منع فرماتا ہے۔ اس کی ذات ظالموں کے بیان کردہ اس وصف سے بالکل پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ان آلودگیوں سے ہمارا مولا پاک ہے' وہ احد اور صمد ہے' وہ ماں باپ اور اولاد سے پاک ہے' اس کی جنس کا کوئی نہیں۔

سبحان العلی الاعلی: ☆☆ (آیت:۴۴) ساتوں آسمان و زمین اور ان میں بسنے والی کل مخلوق اس کی قدوسیت' تسبیح' تنزیہ' تعظیم' جلالت' بزرگی' بڑائی' پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے اور مشرکین جو نکمے اور باطل اوصاف ذات الٰہی کے لئے مانتے ہیں' ان سے یہ تمام مخلوق برات کا اظہار کرتی ہے اور اس کی الوہیت اور ربوبیت میں اسے واحد اور لاشریک مانتی ہے۔ ہر ہستی اللہ کی توحید کی زندہ شہادت ہے۔ ان نالائق لوگوں کے اقوال سے مخلوق تکلیف میں ہے۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے' زمین دھنس جائے' پہاڑ ٹوٹ جائیں۔

طبرانی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے جبرائیل و میکائیل مسجد اقصیٰ تک شب معراج میں لے گئے۔ جبرئیل آپ کے دائیں تھے اور میکائیل بائیں۔ آپ کو ساتوں آسمان تک اڑا لے گئے۔ وہاں سے آپ لوٹے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح سنی کہ سَبَّحَتِ السَّمٰوَاتُ الْعُلٰى مِنْ ذِى الْمُهَابَةِ مُشْفِقَاتِ الذِّى الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى مخلوق میں سے ہر ایک چیز اس کی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے۔ لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں۔ حیوانات' نباتات' جمادات سب اس کی تسبیح خواں ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ کھانا کھاتے میں کھانے کی تسبیح ہم سنتے رہتے تھے۔ ابوذر والی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی مٹھی میں چند کنکریاں لیں' میں نے خود سنا کہ وہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں۔ اسی طرح

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی - یہ حدیث صحیح میں اور مسندوں میں مشہور ہے - کچھ لوگوں کو حضور ﷺ نے اپنی اونٹنیوں اور جانوروں پر سوار کھڑے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ سواری سلامتی کے ساتھ لو اور پھر اچھائی سے چھوڑ دیا کرو، راستوں اور بازاروں میں اپنی سواریوں کو لوگوں سے باتیں کرنے کی کرسیاں نہ بنالیا کرو - سنو بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے بھی زیادہ ذکر اللہ کرنے والی اور ان سے بھی بہتر افضل ہوتی ہیں - (مسند احمد) سنن نسائی میں ہے کہ حضور ﷺ نے مینڈک کے مار ڈالنے کو منع فرمایا اور فرمایا اس کا بولنا اللہ کی تسبیح ہے - اور حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ اخلاص کہنے کے بعد ہی کسی کی نیکی قابل قبول ہوتی ہے - الحمد للہ کلمہ شکر ہے اس کا نہ کہنے والا ناشکرا ہے - اللہ اکبر زمین و آسمان کی فضا بھر دیتا ہے - سبحان اللہ کا کلمہ مخلوق کی تسبیح ہے - اللہ نے کسی مخلوق کو تسبیح اور نماز کے اقرار سے باقی نہیں چھوڑا - جب کوئی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرا بندہ مطیع ہوا اور مجھے سونپا - مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے جس میں ریشمی کف اور ریشمی گھنڈیاں تھیں، آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس شخص کا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چرواہوں کے لڑکوں کو اونچا کرے اور سرداروں کے لڑکوں کو ذلیل کرے - آپ کو غصہ آ گیا اور اس کا دامن گھسیٹتے ہوئے فرمایا کہ تجھے میں جانوروں کا لباس پہنے ہوئے تو نہیں دیکھتا؟ پھر حضور ﷺ واپس چلے آئے اور بیٹھ کر فرمانے لگے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ میں تمہیں بطور وصیت کے دو حکم دیتا ہوں اور دو ممانعت - ایک تو میں تمہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے منع کرتا ہوں - دوسرے تکبر سے روکتا ہوں اور پہلے حکم تو تمہیں یہ کرتا ہوں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ کہتے رہو اس لئے کہ اگر آسمان اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں ترازو کے پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے میں صرف یہی کلمہ ہو تو بھی یہی کلمہ وزنی رہے گا - سو اگر تمام آسمان و زمین ایک حلقہ بنا دیئے جائیں اور ان پر اس کو رکھ دیا جائے تو وہ انہیں پاش پاش کر دے، دوسرا حکم میرا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ پڑھنے کا ہے کہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کی وجہ سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے - ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا، آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ حضرت نوح علیہ اسلام نے اپنے لڑکے کو کیا حکم دیا - فرمایا کہ پیارے بچے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سبحان اللہ کہا کرو - یہ کل مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی سے مخلوق کو روزی دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر چیز اس کی تسبیح و حمد بیان کرتی ہے اس کی اسناد بوجہ اودی راوی کے ضعیف ہے - عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ستون، درخت، دروازوں کی چولیں، ان کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز، پانی کی کھڑ کھڑاہٹ یہ سب اللہ کی تسبیح ہے اللہ فرماتا ہے کہ ہر چیز حمد و ثنا کے بیان میں مشغول ہے - ابراہیم کہتے ہیں، طعام بھی تسبیح خوانی کرتا ہے سورہ حج کی آیت بھی اس کی شہادت دیتی ہے - اور مفسرین کہتے ہیں کہ ہر ذی روح چیز تسبیح خواں ہے جیسے حیوانات اور نباتات -

ایک مرتبہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ کے پاس خوان آیا تو ابو یزید قاشی نے کہا کہ اے ابوسعید کیا یہ خوان بھی تسبیح گو ہے آپ نے فرمایا، ہاں تھا - مطلب یہ ہے کہ جب تک تر لکڑی کی صورت میں تھا، تسبیح گو تھا، جب کٹ کر سوکھ گیا تسبیح جاتی رہی - اس قول کی تائید میں اس حدیث سے بھی مدد لی جا سکتی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہیں فرماتے ہیں انہیں عذاب کیا جا رہا ہے اور کسی بڑی چیز میں نہیں، ایک تو پیشاب کے وقت پر پردے کا خیال نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغل خور تھا - پھر آپؐ نے ایک تر ٹہنی لے کر اس کے دو ٹکڑے کر کے دو قبروں پر گاڑ دیئے اور فرمایا کہ شاید جب تک یہ خشک نہ ہوں، ان کے عذاب میں تخفیف رہے (بخاری و مسلم) اس سے بعض علماء نے کہا ہے کہ جب تک یہ تر رہیں گی، تسبیح پڑھتی رہیں گی، جب خشک ہو جائیں گی، تسبیح بند ہو جائے گی واللہ اعلم - اللہ تعالیٰ حلیم و غفور ہے اپنے گنہگاروں کو سزا کرنے میں جلدی نہیں کرتا، تاخیر کرتا ہے، ڈھیل دیتا ہے پھر بھی اگر کفر و فسق پر اڑا رہے تو اچانک عذاب مسلط کر دیتا ہے - صحیحین میں ہے، اللہ

تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے، پھر جب مواخذہ کرتا ہے تو نہیں چھوڑتا- دیکھو قرآن میں ہے کہ جب تیرا رب کسی بستی کے لوگوں کو ان کے مظالم پر پکڑتا ہے تو پھر ایسی ہی پکڑ ہوتی ہے الخ اور آیت میں ہے کہ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی پھر آخرش پکڑ لیا- اور آیت میں ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ الخ ہاں جو گناہوں سے رک جائے، ان سے ہٹ جائے، توبہ کرے تو اللہ بھی اس پر رحم اور مہربانی کرتا ہے- جیسے آیت قرآن میں ہے، جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر استغفار کرے تو تو اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا- سورہ فاطر کے آخر کی آیتوں میں یہی بیان ہے-

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ﴿٤٥﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ
يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ
وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾

تو جب قرآن پڑھتا ہے، ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں ○ اور ان کے دلوں پر ہم پردے ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ، اور جب تو صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ اس قرآن میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں ○

کفار کا ایک نفسیاتی تجزیہ : ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۶) فرماتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں، کوئی اثر ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا- وہ حجاب انہیں چھپا لیتا ہے یہاں مستور ساتر کے معنی میں ہے جیسے میمون اور مشئوم معنی میں یامن اور شائم کے ہیں- وہ پردے گو بہ ظاہر نظر نہ آئیں لیکن ہدایت میں اور ان میں وہ حد فاصل ہو جاتے ہیں- مسند ابو یعلی موصلی میں ہے کہ سورہ تبت یدا کے اترنے پر عورت ام جمیل شور مچاتی دھاری دار پتھر ہاتھ میں لئے یہ کہتی ہوئی آئی کہ اس مذمم کو ہم ماننے والے نہیں ہمیں اس کا دین ناپسند ہے، ہم اس کے فرمان کے مخالف ہیں- اس وقت رسول کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تھے- کہنے لگے حضور ﷺ یہ آ رہی ہے اور آپ کو دیکھ لے گی- آپؐ نے فرمایا، بے فکر رہو- یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی اور آپؐ نے اس سے بچنے کے لئے تلاوت قرآن شروع کر دی- یہی آیت تلاوت فرمائی- وہ آئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھنے لگی کہ میں نے سنا ہے، تمہارے نبی ﷺ نے میری ہجو کی ہے، آپؓ نے فرمایا، نہیں، رب کعبہ کی قسم تیری کوئی ہجو حضور ﷺ نے نہیں کی، وہ یہ کہتی ہوئی لوٹی کہ تمام قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی لڑکی ہوں- اکنہ کنان کی جمع ہے- اس پردے نے ان کے دلوں کو ڈھک رکھا ہے جس سے یہ قرآن سمجھ نہیں سکتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے، جس سے وہ قرآن اس طرح سن نہیں سکتے کہ انہیں فائدہ پہنچے- اور جب تو قرآن میں اللہ کی وحدانیت کا ذکر پڑھتا ہے تو یہ بے طرح بھاگ کھڑے ہوتے ہیں- نفور جمع ہے نافر کی جیسے قاعد کی جمع عقود آتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ مصدر بغیر فعل ہو واللہ اعلم- جیسے اور آیت میں ہے کہ اللہ واحد کے ذکر سے بے ایمانوں کے دل اچاٹ ہو جاتے ہیں- مسلمانوں کا لا الہ الا اللہ کہنا مشرکوں پر بہت گراں گزرتا تھا- ابلیس اور اس کا لشکر اس سے بہت چڑتا تھا- اس کے دبانے کی پوری کوشش کرتا تھا لیکن اللہ کا ارادہ ان کے برخلاف اسے بلند کرنے اور عزت دینے اور پھیلانے کا تھا- یہی وہ کلمہ ہے کہ اس کا قائل فلاح پاتا ہے- اس کا عامل مدد دیا جاتا ہے- دیکھو

اس جزیرے کے حالات تمہارے سامنے ہیں کہ یہاں سے وہاں تک یہ پاک کلمہ پھیل گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد شیطانوں کا بھاگنا ہے گو بات یہ ٹھیک ہے اللہ کے ذکر سے' اذان سے' تلاوت قرآن سے شیطان بھاگتا ہے لیکن اس آیت کی یہ تفسیر کرنا غرابت سے خالی نہیں۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ
نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا
مَّسْحُوْرًا ﴿٤٧﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾

اسے سننے کے وقت ان کی نیتوں سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ جب یہ تیری طرف کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی اور جب یہ مشورہ کرتے ہیں تب بھی جب کہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم تو اس کی تابعداری میں لگے ہوئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ○ دیکھ تو سہی کہ تیری کیا کیا مثالیں بیان کرتے پھرتے ہیں اور بہک رہے ہیں۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا ○

سرداران کفر کا المیہ : ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) سرداران کفر جو آپس میں باتیں بناتے تھے' وہ آنحضرت ﷺ کو پہنچائی جا رہی ہیں کہ آپ تو تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں یہ چپکے چپکے کہا کرتے ہیں کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ یہ تو ایک انسان ہے جو کھانے پینے کا محتاج ہے۔ گو یہ لفظ اسی معنی میں شعر میں بھی ہے اور امام ابن جریرؒ نے اسی کو ٹھیک بھی بتلایا ہے لیکن ہے یہ غور طلب۔ ان کا ارادہ اس موقع پر اس کہنے سے یہ تھا کہ خود یہ جادو میں مبتلا ہے کوئی ہے جو اسے اس موقع پر کچھ پڑھا جاتا ہے۔ کافر لوگ طرح طرح کے وہم آپ کی نسبت ظاہر کرتے تھے کوئی کہتا آپ شاعر ہیں' کوئی کہتا کاہن ہیں' کوئی مجنوں بتلاتا' کوئی جادوگر وغیرہ۔ اس لئے فرماتا ہے کہ دیکھو یہ کیسے بہک رہے ہیں کہ حق کی جانب آ ہی نہیں سکتے۔ سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب' ابوجہل بن ہشام' اخنس بن شریق رات کے وقت اپنے اپنے گھروں سے کلام اللہ شریف حضور ﷺ کی زبانی سننے کے لئے نکلے۔ آپ اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ لوگ آ کر چپ چاپ چھپ کر ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی رات کو سنتے رہے فجر ہوتے وقت یہاں سے چلے' اتفاقاً راستے میں سب کی آپس میں ملاقات ہو گئی ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے اب سے یہ حرکت نہ کرنا ورنہ اور لوگ تو بالکل اسی کے ہو جائیں گے۔ لیکن رات کو پھر یہ تینوں آ گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن سننے میں رات گزاری۔ صبح واپس چلے راستے میں مل گئے پھر سے کل کی باتیں دوہرائیں اور آج پختہ ارادہ کیا کہ اب سے ایسا کام ہرگز کوئی نہ کرے گا۔ تیسری رات پھر یہی ہوا اب کے انہوں نے کہا' آؤ عہد کر لیں کہ اب نہیں آئیں گے چنانچہ قول و قرار کر کے جدا ہوئے۔

صبح کو اخنس اپنی لاٹھی سنبھالے ابوسفیان کے گھر پہنچا اور کہنے لگا' ابوحنظلہ مجھے بتاؤ' تمہاری اپنی رائے آنحضرت ﷺ کی بابت کیا ہے؟ اس نے کہا ابوثعلبہ جو آیتیں قرآن کی میں نے سنی ہیں' ان میں سے بہت سی آیتوں کا تو مطلب میں جان گیا لیکن بہت سی آیتوں کی مراد مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ اخنس نے کہا' واللہ میرا بھی یہی حال ہے۔ یہاں سے ہو کر اخنس ابوجہل کے پاس پہنچا۔ اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سنئے۔ شرافت و سرداری کے بارے میں ہمارا بنو عبد مناف سے مدت کا جھگڑا چلا آتا ہے انہوں نے کھلایا تو ہم نے بھی کھلانا شروع کر دیا۔ انہوں نے سواریاں دیں تو ہم نے بھی انہیں سواریوں کے جانور دیئے۔ انہوں نے لوگوں کے ساتھ سلوک کئے اور ان انعامات میں ہم نے بھی ان سے پیچھے رہنا پسند نہ کیا۔ اب جب کہ تمام باتوں میں وہ اور ہم برابر رہے' اس دوڑ میں جب وہ بازی لے جا نہ سکے تو جھٹ سے

انہوں نے کہہ دیا کہ ہم میں نبوت ہے' ہم میں ایک شخص ہے جس کے پاس آسمانی وحی آتی ہے' اب بتاؤ اس کو ہم کیسے مان لیں؟ واللہ نہ اس پر ہم ایمان لائیں گے نہ کبھی اسے سچا کہیں گے- اسی وقت اخنس اسے چھوڑ کر چل دیا-

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾
قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ
صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ
قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ
بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۱۲

کہنے لگے کہ کیا جب کہ ہم ہڈیاں اور مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کر دیئے جائیں گے؟ ○ جواب دے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی اور ایسی خلقت جو تمہارے دلوں میں بہت ہی سخت معلوم ہو ○ اب یہ پوچھیں گے کہ کون ہے جو دوبارہ ہماری زندگی لوٹائے؟ تو جواب دے کہ وہی اللہ جس نے تمہیں اول بار پیدا کیا' اس پر وہ اپنے سر ہلا ہلا کر تجھ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے کب؟ تو جواب دے کہ کیا عجب کہ وہ قریب ہی آن لگی ہو؟ ○ جس دن وہ تمہیں بلائے گا' تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور گمان کرنے لگو گے کہ تمہارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہوا ○

سب دوبارہ پیدا ہوں گے: ☆☆ (آیت:۴۹-۵۲) کافر جو قیامت کے قائل نہ تھے اور مرنے کے بعد کے جینے کو محال جانتے تھے' وہ بطور انکار پوچھا کرتے تھے کہ کیا ہم جب ہڈی اور مٹی ہو جائیں گے' غبار بن جائیں گے' کچھ نہ رہیں گے' بالکل مٹ جائیں گے' پھر بھی نئی پیدائش سے پیدا ہوں گے؟ سورہ نازعات میں ان منکروں کا قول بیان ہوا ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد الٹے پاؤں زندگی میں لوٹائے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ گئی ہوں؟ بھئی یہ تو بڑے ہی خسارے کی بات ہے- سورہ یٰسین میں ہے کہ یہ ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے بیٹھ گیا اور اپنی پیدائش کو فراموش کر گیا- الخ- پس انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ ہڈیاں تو کیا تم خواہ پتھر بن جاؤ خواہ لوہا بن جاؤ- خواہ اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ مثلاً پہاڑ یا زمین یا آسمان بلکہ تم خود موت ہی کیوں نہ بن جاؤ' اللہ پر تمہارا جلانا مشکل نہیں' جو چاہو ہو جاؤ' دوبارہ اٹھو گے ضرور- حدیث میں ہے کہ بھیڑیئے کی صورت میں موت کو قیامت کے دن جنت و دوزخ کے درمیان لایا جاتا ہے اور دونوں سے کہا جائے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے ہاں' پھر اسے وہیں ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ہو جائے گی کہ اے جنتیو اب دوام ہے موت نہیں اور اے جہنمیو! اب ہمیشہ قیام ہے' موت نہیں-

یہاں فرمان ہے کہ یہ پوچھتے ہیں کہ اچھا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں یا پتھر اور لوہا ہو جائیں گے یا جو ہم چاہیں اور جو بڑی سے بڑی سخت چیز ہو' وہی ہم ہو جائیں تو یہ تو بتلاؤ کہ کس کے اختیار میں ہے کہ اب ہمیں پھر سے اس زندگی کی طرف لوٹا دے؟ ان کے اس سوال اور بے جا اعتراض کے جواب میں تو انہیں سمجھا کہ تمہیں لوٹانے والا تمہارا سچا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے جب کہ تم کچھ نہ تھے پھر اس پر دوسری بار کی پیدائش کیا گراں ہے بلکہ بہت آسان ہے تم خواہ کچھ بھی بن جاؤ- یہ جواب چونکہ لاجواب ہے' بھونچکے تو ہو جائیں گے لیکن پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے' بدعقیدگی نہ چھوڑیں گے اور بطور مذاق سر ہلاتے ہوئے کہیں گے کہ اچھا یہ ہو گا کب؟

سچے ہو تو وقت کا تعین کر دو - بے ایمانوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ جلدی مچاتے رہتے ہیں - ہاں ہے تو وہ وقت قریب ہی، تم اس کے لئے انتظار کرلو، غفلت نہ برتو اس کے آنے میں کوئی شک نہیں، آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھا کرو - اللہ کی ایک آواز کے ساتھ ہی تم زمین سے نکل کھڑے ہو گے - ایک آنکھ جھپکانے کی دیر بھی تو نہ لگے گی - اللہ کے فرمان کے ساتھ ہی تم سے میدان محشر پر ہو جائے گا - قبروں سے اٹھ کر اللہ کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے احکام کی بجا آوری میں کھڑے ہو جاؤ گے - حمد کے لائق وہی ہے، تم اس کے حکم سے اور ارادے سے باہر نہیں ہو - حدیث میں ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ کہنے والوں پر ان کی قبر میں کوئی وحشت نہیں ہو گی گویا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قبروں سے اٹھ رہے ہیں، اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے - کہیں گے کہ اللہ کی حمد ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا - سورہ فاطر کی تفسیر میں یہ بیان آ رہا ہے - ان شاء اللہ

اس وقت تمہارا یقین ہو گا کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے گویا صبح یا شام، کوئی کہے گا دس دن، کوئی کہے گا ایک دن، کوئی سمجھے گا ایک ساعت ہی - سوال پر یہی کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی اور اس پر قسمیں کھائیں گے - اسی طرح دنیا میں بھی اپنے جھوٹ پر قسمیں کھاتے رہے تھے -

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ
يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ
وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

میرے بندوں سے کہہ دے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا رہتا ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ○ تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے بھی بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کر دے چاہے تمہیں سزا دے - ہم نے تجھے ان کا ذمہ دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا ○ آسمان و زمین میں جو بھی ہیں، تیرا رب سب کو بخوبی جانتا ہے، ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دے رکھی ہے - داؤد کو زبور ہم نے ہی عطا فرمائی ہے ○

مسلمانو ایک دوسرے کا احترام کرو: ☆☆ (آیت: ۵۳) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ مومن بندوں سے فرما دیں کہ وہ اچھے لفظوں اور بہتر فقروں اور تہذیب سے کلام کرتے رہیں ورنہ شیطان ان کے آپس میں سر پھٹول اور برائی ڈلوا دے گا - لڑائی جھگڑے شروع ہو جائیں گے - وہ انسان کا دشمن ہے - گھات میں لگا رہتا ہے، اسی لئے حدیث میں مسلمان بھائی کی طرف کسی ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی حرام ہے کہ کہیں شیطان اسے لگا نہ دے اور یہ جہنمی نہ بن جائے - ملاحظہ ہو مسند احمد - حضور ﷺ نے لوگوں کے ایک مجمع میں فرمایا کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کوئی کسی پر ظلم و ستم نہ کرے، کوئی کسی کو بے عزت نہ کرے پھر آپ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، تقویٰ یہاں ہے - جو دو شخص آپس میں دینی دوست ہوں، پھر ان میں جدائی ہو جائے، اسے ان میں سے جو بیان کرے وہ بیان کرنے والا برا ہے - وہ بدتر ہے - وہ نہایت شریر ہے (مسند)

افضل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام: ☆☆ (آیت:۵۴-۵۵) تمہارا رب تم سے بخوبی واقف ہے وہ ہدایت کے مستحق لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔ وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اپنی اطاعت کی توفیق دیتا ہے اور اپنی جانب جھکا لیتا ہے۔ اسی طرح جسے چاہے بداعمالی پر پکڑ لیتا ہے اور سزا دیتا ہے۔ ہم نے تجھے ان کا ذمہ دار نہیں بنایا' تیرا کام صرف ہوشیار کر دینا ہے' تیری ماننے والے جنتی ہوں گے اور نہ ماننے والے دوزخی بنیں گے۔ زمین و آسمان کے تمام انسان' جنات' فرشتوں کا اسے علم ہے۔ ہر ایک کے مراتب کا اسے علم ہے' ایک کو ایک پر فضیلت ہے۔ نبیوں میں بھی درجے ہیں' کوئی کلیم اللہ ہے' کوئی بلند درجہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبیوں میں فضیلتیں قائم نہ کیا کرو اس سے مطلب صرف تعصب اور نفس پرستی سے اپنے طور پر فضیلت قائم کرنا ہے نہ یہ کہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ فضیلت سے بھی انکار جو فضیلت جس نبی کی از روئے دلیل ثابت ہو جائے گی' اس کا ماننا واجب ہے۔

مانی ہوئی بات ہے کہ تمام انبیا سے رسول افضل ہیں اور رسولوں میں پانچ اولوالعزم رسول سب سے افضل ہیں جن کا نام سورۃ احزاب کی آیت میں ہے یعنی محمد' نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ' صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔ سورہ شوریٰ کی آیت شَرَعَ لَكُمْ الخ میں بھی ان پانچوں کے نام موجود ہیں۔ جس طرح یہ سب چیزیں ساری امت مانتی ہے' اسی طرح بغیر اختلاف کے یہ بھی ثابت ہے کہ ان میں بھی سب سے افضل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا کہ مشہور ہے' ہم نے اس کے دلائل اور جگہ تفصیل سے بیان کئے ہیں واللہ الموفق۔ پھر فرماتا ہے ہم نے داؤد پیغمبر علیہ السلام کو زبور دی۔ یہ بھی ان کی فضیلت اور شرف کی دلیل ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن اتنا آسان کر دیا گیا تھا کہ جانور پر زین کسی جائے' اتنی سی دیر میں آپ قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ
الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝۵۶ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ
اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ
عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷

کہہ دے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں ○ جنہیں یہ لوگ پکارتے رہتے ہیں' خود وہ اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے' وہ خود اس کی رحمت کی امیدواری میں لگے رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہو رہے ہیں' بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے ○

وسیلہ یا قرب الٰہی: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرنے والوں سے کہئے کہ تم انہیں خوب پکار کر دیکھ لو کہ آیا وہ تمہارے کچھ بھی کام آ سکتے ہیں؟ نہ ان کے بس کی یہ بات ہے کہ مشکل کشائی کریں نہ یہ بات کہ اسے کسی اور پر ٹال دیں وہ محض بے بس ہیں' قادر اور طاقت والا صرف اللہ واحد ہی ہے۔ مخلوق کا خالق اور سب کا حکمران وہی ہے۔ یہ مشرک کہا کرتے تھے کہ ہم فرشتوں' مسیح اور عزیر کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے معبود تو خود اللہ کی نزدیکی کی جستجو میں ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جن جنات کی یہ مشرکین پرستش کرتے تھے' وہ خود مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن یہ اب تک اپنے کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہیں خبردار کیا گیا کہ تمہارے معبود خود اللہ کی طرف جھک گئے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' یہ جن فرشتوں کی ایک قسم سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت مریم علیہ

السلام، حضرت عزیر علیہ السلام، سورج، چاند، فرشتے سب قرب اللہ کی تلاش میں ہیں ۔ ابن جریر فرماتے ہیں، ٹھیک مطلب یہ ہے کہ جن جنوں کو یہ پوجتے تھے، آیت میں وہی مراد ہیں کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ کا زمانہ تو گزر چکا تھا اور فرشتے پہلے ہی سے عابد اللہ تھے تو مراد یہاں بھی جنات ہیں ۔ وسیلہ کے معنی قربت و نزدیکی کے ہیں جیسے کہ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے ۔ یہ سب بزرگ اسی دھن میں ہیں کہ کون اللہ سے زیادہ نزدیکی حاصل کر لے؟ وہ اللہ کی رحمت کے خواہاں اور اس کے عذاب سے ترساں ہیں ۔ حقیقت میں بغیر ان دونوں باتوں کے عبادت نامکمل ہے ۔ خوف گناہوں سے روکتا ہے اور امید اطاعت پر آمادہ کرتی ہے ۔ درحقیقت اس کے عذاب ڈرنے کے لائق ہیں ۔ اللہ ہمیں بچائے ۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ
مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا
الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا
نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

جتنی بھی بستیاں ہیں، ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یا تو انہیں ہلاک کر دینے والے ہیں یا سخت تر سزا دینے والے ہیں ۔ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ ہمیں نشانات کے نازل کرنے سے روک صرف اسی کی ہے کہ اگلے لوگ انہیں جھٹلا چکے ہیں ۔ ہم نے ثمودیوں کو بطور نشان کے اونٹنی دی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا، ہم تو لوگوں کو صرف دھمکانے کے لئے ہی نشانات بھیجتے ہیں ○

(آیت:۵۸) وہ نوشتہ جو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے، وہ حکم جو جاری کر دیا گیا ہے، اس کا بیان اس آیت میں ہے کہ گنہگاروں کی بستیاں یقیناً ویران کر دی جائیں گی یا ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہی کے قریب ہو جائیں گی، اس میں ہماری جانب سے کوئی ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کے اپنے کرتوت کا خمیازہ ہوگا، ان کے اعمال کا وبال ہوگا، رب کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے سرکشی کرنے کا پھل ہوگا ۔

عجیب وغریب مانگ: ☆☆ (آیت:۵۹) حضور ﷺ کے زمانے کے کافروں نے آپ سے کہا کہ حضرت آپؐ کے پہلے کے انبیاء میں سے بعض کے تابع ہوا تھی، بعض مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے، وغیرہ ۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی آپؐ پر ایمان لائیں تو آپؐ اس صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیجئے ۔ ہم آپ کی سچائی کے قائل ہو جائیں گے ۔ آپؐ پر وحی آئی کہ اگر آپؐ کی بھی یہی خواہش ہو تو میں اس پہاڑ کو ابھی سونے کا بنا دیتا ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ اگر پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو اب انہیں مہلت نہ ملے گی ۔ فی الفور عذاب آ جائے گا اور تباہ کر دیئے جائیں گے ۔ اور اگر آپ کو انہیں تاخیر دینے اور سوچنے کا موقع دینا منظور ہے تو میں ایسا کروں ۔ آپؐ نے فرمایا، الٰہی میں انہیں باقی رکھنے میں ہی خوش ہوں ۔ مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ باقی کی اور پہاڑیاں یہاں سے کھسک جائیں تاکہ ہم یہاں کھیتی باڑی کر سکیں ۔ الخ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے دعا مانگی جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا آپؐ کا پروردگار آپؐ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپؐ چاہیں تو صبح کو ہی یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے گا لیکن اگر پھر بھی ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا تو اسے وہ سزا ہوگی جو اس سے پہلے کسی کو نہ

ہوئی ہو اور اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں ان پر توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے چھوڑ دوں۔ آپ نے دوسری شق اختیار کی۔ مسند ابویعلی میں ہے کہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الخ جب اتری تو تعمیل ارشاد کے لئے جبل ابی قبیس پر چڑھ گئے اور فرمانے لگے' اے بنی عبد مناف میں تمہیں ڈرانے والا ہوں۔ قریش یہ آواز سنتے ہی جمع ہو گئے پھر کہنے لگے' سنئے آپ نبوت کے مدعی ہیں۔ سلیمان نبی علیہ السلام کے تابع ہوا تھی' موسیٰ نبی علیہ السلام کے تابع دریا ہو گیا تھا' عیسیٰ نبی علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ تو بھی نبی ہے اللہ سے کہہ کہ یہ پہاڑ یہاں سے ہٹوا کر زمین قابل زراعت بنا دے تا کہ ہم کھیتی باڑی کریں۔ یہ نہیں تو ہمارے مردوں کی زندگی کی دعا اللہ سے کر کہ ہم اور وہ مل کر بیٹھیں اور ان سے باتیں کریں۔ یہ بھی نہیں تو اس پہاڑ کو سونے کا بنوا دے کہ ہم جاڑے اور گرمیوں کے سفر سے نجات پائیں اسی وقت آپؐ پر وحی اترنی شروع ہو گئی اس کے خاتمے پر آپؐ نے فرمایا! اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا تھا' مجھے اس کے ہو جانے میں اور اس بات میں کہ دروازہ رحمت میں چلے جاؤ اختیار دیا گیا کہ ایمان اسلام کے بعد تم رحمت الٰہی سمیٹ لو یا تم یہ نشانات دیکھ لو لیکن پھر نہ مانو تو گمراہ ہو جاؤ اور رحمت کے دروازے تم پر بند ہو جائیں تو میں تو ڈر گیا اور میں نے در رحمت کا کھلا ہونا ہی پسند کیا۔ کیونکہ دوسری صورت میں تمہارے ایمان نہ لانے پر تم پر وہ عذاب اترتے جو تم سے پہلے کسی پر نہ اترے ہوں۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور آیت وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ نازل ہوئی۔ یعنی آیتوں کے بھیجنے اور منہ مانگے معجزوں کے دکھانے سے ہم عاجز تو نہیں بلکہ یہ ہم پر بہت آسان ہے جو تیری قوم چاہتی ہے' ہم انہیں دکھا دیتے لیکن اس صورت میں ان کے نہ ماننے پر پھر ہمارے عذاب نہ رکتے۔ اگلوں کو دیکھ لو کہ اسی میں برباد ہوئے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں ہے کہ میں تم پر دسترخوان اتار رہا ہوں لیکن اس کے بعد جو کفر کرے گا اسے ایسی سزا دی جائے گی جو اس سے پہلے کسی کو نہ ہوئی ہو۔ ثمودیوں کو دیکھو کہ انہوں نے ایک خاص پتھر میں سے اونٹنی کا نکلنا طلب کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی دعا پر وہ نکلی لیکن وہ نہ مانے بلکہ اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' رسول کو جھٹلاتے رہے جس پر انہیں تین دن کی مہلت ملی اور آخر غارت کر دیئے گئے۔ ان کی یہ اونٹنی بھی اللہکی وحدانیت کی ایک نشانی تھی اور اس کے رسول کی صداقت کی علامت تھی لیکن ان لوگوں نے پھر بھی کفر کیا' اس کا پانی بند کیا 'بالآخر اسے قتل کر دیا' جس کی پاداش میں اول سے لے کر آخر تک سب مار ڈالے گئے اور اللہ غالب کی پکڑ میں آ گئے۔ آیتیں صرف دھمکانے کے لئے ہوتی ہیں کہ وہ عبرت ونصیحت حاصل کر لیں۔

مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کوفے میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس کی جانب جھکو' تمہیں فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مدینہ شریف میں کئی بار جھٹکے محسوس ہوئے تو آپ نے فرمایا' واللہ تم نے ضرور کوئی نئی بات کی ہے دیکھو اگر اب ایسا ہوا تو میں تمہیں سخت سزائیں کروں گا۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا! سورج چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان میں کسی کی موت وحیات سے گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے بندوں کو خوفزدہ کر دیتا ہے' جب تم یہ دیکھو تو ذکر اللہ' دعا اور استغفار کی طرف جھک پڑو۔ اے امت محمد! واللہ اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں کہ اس کے لونڈی غلام زنا کاری کریں۔ اے امت محمد! واللہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا
الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ
فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ۧ۶۰

یاد کر جبکہ ہم نے تجھ سے فرمادیا کہ تیرے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے' جو نمائش ہم نے تجھے دکھائی تھی وہ لوگوں کیلئے صاف آزمائش ہی تھی اور اسی طرح وہ درخت بھی جس سے قرآن میں اظہار نفرت کیا گیا ہے' ہم انہیں ڈرا رہے ہیں لیکن یہ انہیں اور بڑی سرکشی میں بڑھا رہا ہے ○

مقصد معراج: ☆☆ (آیت: ٦٠) اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام کو تبلیغ دین کی رغبت دلا رہا ہے اور آپؐ کے بچاؤ کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ سب لوگ اسی کی قدرت تلے ہیں' وہ سب پر غالب ہے' سب اس کے ماتحت ہیں' وہ ان سب سے تجھے بچاتا رہے گا۔ جو ہم نے تجھے دکھایا' وہ لوگوں کی ایک صریح آزمائش ہے۔ یہ دکھانا معراج والی رات تھا جو آپؐ کی آنکھوں نے دیکھا۔ ملعون (نفرتی) درخت سے مراد زقوم کا درخت ہے۔ بہت سے تابعین اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ دکھانا آنکھ کا دکھانا تھا' مشاہدہ جو شب معراج میں دکھایا گیا تھا۔ معراج کی حدیثیں پوری تفصیل کے ساتھ اس سورت کے شروع میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ معراج کے واقعہ کو سن کے بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے اور حق سے پھر گئے کیونکہ ان کی عقل میں یہ نہ آیا تو اپنی جہالت سے اسے جھوٹا جانا اور دین کو چھوڑ بیٹھے۔ ان کے برخلاف کامل ایمان والے اپنے یقین میں اور بڑھ گئے اور ان کے ایمان اور مضبوط ہو گئے۔ ثابت قدمی اور استقلال میں زیادہ ہو گئے۔ پس اس واقعہ کو لوگوں کی آزمائش اور ان کے امتحان کا ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کر دیا۔

حضور ﷺ نے جب خبر دی اور قرآن میں آیت اتری کہ دوزخیوں کو زقوم کا درخت کھلایا جائے گا اور آپؐ نے اسے دیکھا بھی تو کافروں نے اسے سچ نہ مانا اور ابوجہل ملعون مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا' لاؤ کھجور اور مکھن لاؤ اور اس کا زقوم کرو یعنی دونوں کو ملا دو اور خوب شوق سے کھاؤ بس یہی زقوم ہے پھر اس خوراک سے گھبرانے کے کیا معنی؟ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد بنو امیہ ہیں لیکن یہ قول بالکل ضعیف اور غریب ہے۔ پہلے قول کے قائل وہ تمام مفسر ہیں جو اس آیت کو معراج کے بارے میں مانتے ہیں۔ جیسے ابن عباس' مسروق' ابو مالک' حسن بصری وغیرہ۔ سہل بن سعید کہتے ہیں' حضور ﷺ نے فلاں قبیلے والوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح ناچتے ہوئے دیکھا اور آپ کو اس سے بہت رنج ہوا۔ پھر انتقال تک آپؐ پوری ہنسی سے ہنستے ہوئے نہیں دکھائی دیئے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ (ابن جریر) لیکن یہ سند بالکل ضعیف ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہے اور ان کے استاد بھی بالکل ضعیف ہیں۔ خود امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے کہ مراد اس سے شب معراج ہے اور شجرۃ الزقوم ہے کیونکہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ ہم کافروں کو اپنے عذابوں وغیرہ سے ڈرا رہے ہیں لیکن وہ اپنی ضد' تکبر' ہٹ دھرمی اور بے ایمانی میں اور بڑھ رہے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ
قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝٦١ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ
كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ
ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٦٢ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ
جَهَنَّمَ جَزَاۗؤُكُمْ جَزَاۗءً مَّوْفُوْرًا ۝٦٣ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ
بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ
وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝٦٤

جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا' وہ کہنے لگا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ ○ اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز بہت تھوڑے لوگوں کے اپنے بس میں کرلوں گا ○ ارشاد ہوا کہ جا ان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا بدلہ ہے ○ ان میں سے جسے بھی تو اپنی آواز سے بہکا سکے' بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور ان کے مال اور اولاد میں ان سے اپنا بھی ساجھا لگا اور انہیں دل بہلاوے دیا کر' ان سے شیطان کے جتنے بھی وعدے ہوتے ہیں' سب کے سب سراسر فریب دھوکا ہے ○

ابلیس کی قدیمی دشمنی: ☆☆ (آیت:٦١-٦٢) ابلیس کی قدیمی عداوت سے انسان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ وہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن تھا- اس کی اولاد برابر اسی طرح تمہاری دشمن ہے' سجدے کا حکم سن کر سب فرشتوں نے تو سر جھکا دیا لیکن اس نے تکبر جتایا اسے حقیر سمجھا اور صاف انکار کر دیا کہ ناممکن ہے کہ میرا سر کسی مٹی سے بنے ہوئے کے سامنے جھکے' میں اس سے کہیں افضل ہوں' میں آگ ہوں- یہ خاک ہے- پھر اس کی ڈھٹائی دیکھئے کہ اللہ جل وعلیٰ کے دربار میں گستاخانہ لہجے سے کہتا ہے کہ اچھا اسے اگر تو نے مجھ پر فضیلت دی تو کیا ہوا میں بھی اس کی اولاد کو برباد کر کے ہی چھوڑوں گا' سب کو اپنا تابعدار بنالوں گا اور بہکا دوں گا' بس تھوڑے سے میرے پھندے سے چھوٹ جائیں گے باقی سب کو غارت کر دوں گا-

شیطانی آواز کا بہکاوا: ☆☆ (آیت:٦٣-٦٤) ابلیس نے اللہ سے مہلت چاہی' اللہ تعالیٰ نے منظور فرمالی اور ارشاد ہوا کہ وقت معلوم تک مہلت ہے تیری اور تیرے تابعداروں کی برائیوں کے بدلے جہنم ہے جو پوری سزا ہے- اپنی آواز سے جسے تو بہکا سکے بہکا لے یعنی گانے اور تماشوں سے انہیں بہکاتا پھر- جو بھی اللہ کی نافرمانی کی طرف بلانے والی صدا ہو وہ شیطانی آواز ہے- اسی طرح تو اپنے پیادے اور سوار لے کر جس پر تجھ سے حملہ ہو سکے حملہ کر لے- رجل جمع ہے راجل کی جیسے رکب جمع ہے راکب کی اور صحب جمع ہے صاحب کی- مطلب یہ ہے کہ جس قدر تجھ سے ہو سکے' ان پر اپنا تسلط اور اقتدار جما- یہ امر قدری ہے نہ کہ حکم- شیطانوں کی یہی خصلت ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو بھڑکاتے اور بہکاتے رہتے ہیں' انہیں گناہوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں- اللہ کی معصیت میں جو سواری پر ہو اور پیدل ہو وہ شیطانی لشکر میں ہے ایسے جن بھی ہیں اور انسان بھی ہیں جو اس کے مطیع ہیں جب کسی پر آوازیں اٹھائی جائیں تو عرب کہتے ہیں اَجْلَبَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ آپ کا یہ فرمان کہ گھوڑ دوڑ میں جلب نہیں وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے آپؐ کا یہ فرمان کہ گھوڑ دوڑ میں جلب نہیں' وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے- جلبہ کا اشتقاق بھی اسی سے ہے یعنی آوازوں کا بلند ہونا- ان کے مال اور اولاد میں بھی تو شریک رہ یعنی اللہ کی نافرمانیوں میں ان کا مال خرچ کرا' سود خوری ان سے کرا' برائی سے مال جمع کریں اور حرام کاریوں میں خرچ کریں' حلال جانوروں کو اپنی خواہش سے حرام قرار دیں وغیرہ- اولاد میں شرکت یہ ہے مثلاً زنا کاری جس سے اولاد ہو' جو اولاد بچپن میں بوجہ بے وقوفی ان کے ماں باپ نے زندہ درگور کر دی ہو یا مار ڈالی ہو یا اسے یہودی نصرانی مجوسی وغیرہ بنا دیا ہو- اولادوں کے نام عبدالحارث' عبدشمس اور عبدفلاں رکھا ہو- غرض کسی صورت میں بھی شیطان کو اس میں داخل کیا ہو یا اس کو ساتھ کیا ہو یہی شیطان کی شرکت ہے- صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو ایک طرف موحد پیدا کیا پھر شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور حلال چیزیں حرام کر دیں-

صحیحین میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے' یہ پڑھ لے اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا یعنی یا اللہ تو ہمیں شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو ہمیں عطا فرمائے- تو اگر اس میں کوئی بچہ اللہ کی طرف سے ٹھہر جائے گا تو اسے ہرگز ہرگز کبھی بھی شیطان کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا- پھر فرماتا ہے کہ جا تو انہیں دھوکے کے جھوٹے وعدے دیا کر' چنانچہ قیامت کے دن یہ خود کہے گا کہ اللہ کے وعدے تو سب سچے تھے اور میرے وعدے سب غلط تھے-

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾
رَّبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن
فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾

میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی قابو اور بس نہیں' تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے ○ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو' بے شک وہ تمہارے اوپر بہت ہی مہربان ہے ○

(آیت:٦٥) پھر فرماتا ہے کہ میرے مومن بندے میری حفاظت میں ہیں' میں انہیں شیطان رجیم سے بچاتا رہوں گا۔ اللہ کی وکالت' اس کی حفاظت' اس کی نصرت' اس کی تائید' بندوں کو کافی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے شیطان پر اس طرح قابو پالیتا ہے جیسے وہ شخص جو کسی جانور کو لگام چڑھائے ہوئے ہو۔

آسانیاں ہی آسانیاں: ☆☆ (آیت:٦٦) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بتاتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی آسانی اور سہولت کے لئے اور ان کی تجارت و سفر کے لئے دریاؤں میں کشتیاں چلادی ہیں' اس کے فضل و کرم' لطف و رحم کا ایک نشان یہ بھی ہے کہ تم دور دراز ملکوں میں جا آسکتے ہو اور خاص فضل یعنی اپنی روزیاں حاصل کر سکتے ہو۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ
فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾
أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ
حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾

سمندر میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں پکارتے تھے سب کو گم کر جاتے ہیں۔ صرف وہی اللہ باقی رہ جاتا ہے پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو' انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ○ تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی کنارے میں دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ کی آندھی بھیج دے۔ پھر تم اپنے لئے کسی نگہبان کو نہ پاسکو ○

مصیبت ختم ہوتے ہی شرک: ☆☆ (آیت:٦٧) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ بندے مصیبت کے وقت تو خلوص کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف جھکتے ہیں اور اس سے دلی دعائیں کرنے لگتے ہیں اور جہاں وہ مصیبت اللہ تعالیٰ نے ٹال دی' یہ آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ فتح مکہ کے وقت جب کہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ حبشہ جانے کے ارادے سے بھاگا اور کشتی میں بیٹھ کر چلا' اتفاقاً کشتی طوفان میں پھنس گئی' باد مخالف کے جھونکے اسے پتے کی طرح ہلانے لگے اس وقت کشتی میں جتنے کفار تھے' سب ایک دوسرے سے کہنے لگے' اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی کچھ کام نہیں آنے کا' اسی کو پکارو۔ عکرمہ کے دل میں اسی وقت خیال آیا کہ جب تری میں صرف وہی کام کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی وہی کام آسکتا ہے۔ الٰہی میں نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس آفت سے بچالیا تو میں سیدھا جا کر محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا اور یقیناً وہ مجھ پر مہربانی اور رحم و کرم فرمائیں گے صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ سمندر سے پار ہوتے ہی وہ سیدھے رسول کریم ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا پھر تو اسلام کے پہلوان ثابت ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ پس فرماتا ہے کہ سمندر کی اس مصیبت کے وقت تو اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہو لیکن پھر اس کے ہٹتے ہی اللہ کی توحید ہٹا دیتے ہو اور دوسروں سے التجائیں کرنے لگتے ہو۔ انسان ہے ہی ایسا ناشکرا کہ نعمتوں کو بھلا بیٹھتا ہے بلکہ منکر ہو جاتا ہے ہاں جسے اللہ بچا لے اور توفیق خیر دے۔

اظہار قدرت واختیار: ☆☆ (آیت:۶۸) رب العالمین لوگوں کو ڈرا رہا ہے کہ جو تری میں تمہیں ڈبو سکتا تھا' وہ خشکی میں دھنسانے کی قدرت بھی رکھتا ہے پھر وہاں تو صرف اسی کو پکارنا اور یہاں اس کے ساتھ اوروں کو شریک کرنا' یہ کس قدر ناانصافی ہے؟ وہ تو تم پر پتھروں کی بارش بھی برسا کر ہلاک کر سکتا ہے جیسے لوطیوں پر ہوئی تھی۔ جس کا بیان خود قرآن میں کئی جگہ ہے۔ سورہ تبارک میں فرمایا کہ کیا تمہیں اس اللہ کا ڈر نہیں جو آسمانوں میں ہے کہ کہیں وہ تمہیں زمین میں نہ دھنسا دے کہ یکایک زمین جنبش کرنے لگے۔ کیا تمہیں آسمانوں والے اللہ کا خوف نہیں کہ کہیں وہ تم پر پتھر نہ برسا دے؟ پھر جان لو کہ ڈرانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس وقت تم نہ اپنا مددگار پاؤ گے' نہ دستگیر' نہ وکیل' نہ کارساز' نہ نگہبان' نہ پاسبان۔

أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ
قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ
عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ
خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ ع ٧ ١٠

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پھر دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور تم پر تیز و تند ہواؤں کے جھونکے بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تمہیں ڈبو دے پھر تم اپنے لئے ہم پر اس کا دعویٰ کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے ○ یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی ○

سمندر ہو یا صحرا ہر جگہ اسی کا اقتدار ہے: ☆☆ (آیت:۶۹) ارشاد ہو رہا ہے کہ اے منکرو سمندر میں تم میری توحید کے قائل ہوئے' باہر آ کر پھر انکار کر گئے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ پھر تم دوبارہ دریائی سفر کرو اور بادِ تند کے تھپیڑے تمہاری کشتی کو ڈگمگا دیں اور آخر ڈبو دیں اور تمہیں تمہارے کفر کا مزہ آ جائے پھر تو کوئی مددگار کھڑا نہ ہو' نہ کوئی ایسا مل سکے کہ ہم سے تمہارا بدلہ لے۔ ہمارا پیچھا کوئی نہیں کر سکتا' کس کی مجال کہ ہمارے فعل پر انگلی اٹھائے۔

انسان پر اللہ کے انعامات: ☆☆ (آیت:۷۰) سب سے اچھی پیدائش انسان کی ہے جیسے فرمان ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ہم نے انسان کو بہترین صفت پر پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو کر صحیح چال چلتا ہے' اپنے ہاتھوں سے تمیز کے ساتھ اپنی غذا کھاتا ہے اور حیوانات ہاتھ پاؤں سے چلتے ہیں منہ سے چارہ چگتے ہیں۔ پھر اسے سمجھ بوجھ دی ہے جس سے نفع نقصان' بھلائی برائی سوچتا ہے۔ دینی دنیوی فائدہ معلوم کر لیتا ہے۔ اس کی سواری کے لئے خشکی میں جانور' چوپائے' گھوڑے' خچر' اونٹ وغیرہ اور تری کے سفر کے لئے اسے کشتیاں بنانی سکھا دیں۔ اسے بہترین خوشگوار اور خوش ذائقہ کھانے پینے کی چیزیں دیں' کھیتیاں ہیں' پھل ہیں' گوشت ہے

دودھ ہیں اور بہترین بہت سی ذائقے دار لذیذ مزیدار چیزیں۔ پھر عمدہ مکانات رہنے کو' اچھے خوشنما لباس پہننے کو' قسم قسم کے' رنگ برنگ کے۔ یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی چیزیں یہاں لے جانے لے آنے کے اسباب اس کے لئے مہیا کر دیئے اور مخلوق میں سے عموماً ہر ایک پر اسے برتری بخشی۔

اس آیۃ کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا گیا ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ فرشتوں نے کہا الٰہی تو نے اولاد آدم کو دنیا دے رکھی ہے کہ وہ کھاتے پیتے ہیں اور موج مزے کر رہے ہیں تو تو اس کے بدلے ہمیں آخرت میں ہی عطا فرما کیونکہ ہم اس دنیا سے محروم ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم' اس کی نیک اولاد کو جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اس کے برابر میں ہرگز نہ کروں گا جسے میں نے کلمہ کن سے پیدا کیا ہے۔ یہ روایت مرسل ہے۔ لیکن اور سند سے متصل بھی مروی ہے۔ ابن عساکر میں ہے کہ فرشتوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی تو نے پیدا کیا اور بنو آدم کا خالق بھی تو ہی ہے' انہیں تو کھانا پانی دے رہا ہے' کپڑے لتے وہ پہنتے ہیں' نکاح شادیاں وہ کرتے ہیں' سواریاں ان کے لئے ہیں' راحت آرام انہیں حاصل ہے' ان میں سے کسی چیز کے حصے دار ہم نہیں۔ خیر یہ اگر دنیا میں ان کے لئے ہے تو یہ چیزیں آخرت میں تو ہمارے لئے کر دے۔ اس کے جواب میں جناب باری نے فرمایا' جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور اپنی روح جس میں میں نے پھونکی ہے اسے میں اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہہ دیا کہ ہو جاؤ' وہ ہو گیا۔ طبرانی میں ہے قیامت کے دن ابن آدم سے زیادہ بزرگ اللہ کے ہاں کوئی نہ ہو گا۔ پوچھا گیا کہ فرشتے بھی نہیں؟ فرمایا فرشتے بھی نہیں وہ تو مجبور ہیں جیسے سورج چاند۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُ بِيَمِينِهِ
فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ
فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۷۲﴾

جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا سمیت بلائیں گے' پھر جن کا بھی عمل نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا' وہ تو شوق سے اپنا نامہ اعمال پڑھنے لگیں گے اور ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیے جائیں گے ○ اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا' وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا رہے گا ○

الکتاب ہی ہدایت وامام ہے: ☆☆ (آیت:۱۷-۷۱-۷۲) امام سے مراد یہاں نبی ہیں۔ ہر امت قیامت کے دن اپنے نبی کے ساتھ بلائی جائے گی جیسے اس آیت میں ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ الخ ہر امت کا رسول ہے پھر جب ان کے رسول آئیں گے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ حساب کیا جائے گا۔ بعض سلف کا قول ہے کہ اس میں اہل حدیث کی بہت بڑی بزرگی ہے اس لئے کہ ان کے امام آنحضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ ابن زید کہتے ہیں مراد یہاں امام سے کتاب اللہ ہے جو ان کی شریعت کے بارے میں اتری تھی۔ ابن جریرؒ اس تفسیر کو بہت پسند فرماتے ہیں اور اسی کو مختار کہتے ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں مراد اس سے ان کی کتابیں ہیں۔ ممکن ہے کتاب سے مراد یا تو احکام کی کتاب اللہ ہو یا نامہ اعمال۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے مراد عمل نامہ لیتے ہیں۔ ابو العالیہ' حسن' ضحاک بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ترجیح والا قول ہے جیسے فرمان اللہ ہے وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ہر چیز کا ہم نے ظاہر کتاب میں احاطہ کر لیا ہے اور آیت میں ہے وَوُضِعَ الْكِتَٰبُ الخ کتاب یعنی نامہ اعمال درمیان میں رکھ دیا جائے گا اس وقت تو دیکھے گا کہ گنہگار لوگ اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے۔ الخ اور آیت میں ہے ہر امت کو تو گھٹنوں کے بل گری ہوئی دیکھے گا۔

ہر امت اپنے نامہ اعمال کی جانب بلائی جارہی ہوگی' آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہے ہماری کتاب جو تم پر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گی جو کچھ تم کرتے رہے ہم برابر لکھتے رہتے تھے۔

یہ یاد رہے کہ یہ تفسیر پہلی تفسیر کے خلاف نہیں ایک طرف نامہ اعمال ہاتھ میں ہوگا دوسری جانب خود نبی سامنے موجود ہوگا۔ جیسے فرمان ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگے گی نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو موجود کر دیا جائے گا اور آیت میں ہے فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی کیا کیفیت ہوگی اس وقت جب کہ ہر امت کا ہم گواہ لائیں گے اور تجھے ان تمام پر گواہ کر کے لائیں گے۔ لیکن مراد یہاں امام سے نامہ اعمال ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جن کے دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ تو اپنی نیکیاں فرحت و سرور' خوشی اور راحت سے پڑھنے لگیں گے بلکہ دوسروں کو دکھاتے اور پڑھواتے پھریں گے۔ اسی کا مزید بیان سورہ الحاقہ میں ہے۔ فتیل سے مراد لمبا تاگا ہے جو کھجور کی گٹھلی کے بیچ میں ہوتا ہے۔ بزار میں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا عمل نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' اس کا جسم بڑھ جائے گا' چہرہ چمکنے لگے گا' سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا' یہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے کہ الٰہی ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے' وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے۔ لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اس کا جسم بڑھ جائے گا' اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہنے لگیں گے' اس سے اللہ کی پناہ یا اس کی برائی سے پناہ۔ اللہ اسے ہمارے پاس نہ لا۔ وہیں وہ آ جائے گا یہ کہیں گے اللہ اسے رسوا کر' یہ جواب دے گا اللہ تمہیں غارت کرے' تم میں سے ہر شخص کے لئے یہی الٰہی مار ہے۔ اس دنیا میں جس نے اللہ کی آیتوں سے' اس کی کتاب سے' اس کی راہ ہدایت سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں سچ مچ رسوا ہوگا اور دنیا سے بھی زیادہ راہ بھولا ہوا ہوگا۔ (عَيَاذًا بِاللّٰهِ)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا
غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ
تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ
وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

یہ لوگ تو تجھے اس وحی سے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے' بہکا دینا چاہ رہے تھے کہ تو اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑا لے۔ تب تو تجھے یہ لوگ اپنا دلی دوست بنا لیتے ○ اگر ہم خود تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ تو ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتا ○ پھر تو ہم بھی تجھے دوہرا عذاب تو دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا بھی۔ پھر تو تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتا ○

(آیت:۷۳-۷۵) مکار و فجار کی چالاکیوں سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے رسول کو بچاتا رہا' آپ کو معصوم اور ثابت قدم ہی رکھا خود ہی آپ کا ولی و ناصر رہا' اپنی ہی حفاظت اور صیانت میں ہمیشہ آپ کو رکھا' آپ کی تائید اور نصرت برابر کرتا رہا' آپ کے دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دیا' آپ کے مخالفین کے بلند بانگ ارادوں کو پست کر دیا' مشرق سے مغرب تک آپ کا کلمہ پھیلا دیا۔ اسی کا بیان ان دونوں آیتوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر قیامت تک بے شمار درود و سلام بھیجتا رہے آمین۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع ۷ ۸

یہ تو تیرے قدم اس سرزمین سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ تجھے اس سے نکال دیں۔ پھر تو یہ بھی تیرے بعد بہت ہی کم ٹھہرنا پاتے ○ جیسا دستور ان کا جو تجھ سے پہلے رسول ہم نے بھیجے۔ تو ہمارے دستور میں کبھی ردوبدل نہ پائے گا ○

وطنی عصبیت اور یہودی: ☆☆ (آیت: ۷۶-۷۷) کہتے ہیں کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ کو ملک شام چلا جانا چاہئے وہی نبیوں کا وطن ہے اس شہر مدینہ کو چھوڑ دینا چاہئے اس پر یہ آیت اتری۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ یہ آیت مکی ہے اور مدینے میں آپ کی رہائش اس کے بعد ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ تبوک کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یہودیوں کے کہنے سے کہ شام جو نبیوں کی اور محشر کی زمین ہے، آپ کو وہیں رہنا چاہئے اگر آپؐ سچے پیغمبر ہیں تو وہاں چلے جائیں، آپؐ نے انہیں ایک حد تک سچا سمجھا۔ غزوہ تبوک سے آپ کی نیت یہی تھی۔ لیکن تبوک پہنچتے ہی سورۂ بنی اسرائیل کی آیتیں اتریں اس کے بعد کہ سورت ختم کر دی گئی تھی وَاِنْ كَادُوْا سے تَحْوِيْلًا تک اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینے کی واپسی کا حکم دیا اور فرمایا، وہیں آپؐ کی موت وزیست اور وہیں سے دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہونا ہے۔

لیکن اس کی سند بھی غور طلب ہے اور صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بھی ٹھیک نہیں اور تبوک کا غزوہ یہود کے کہنے سے نہ تھا بلکہ اللہ کا فرمان موجود ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ جو کفار تمہارے اردگرد ہیں، ان سے جہاد کرو۔ اور آیت میں ہے کہ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ رسول کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے، ایسے اہل کتاب سے راہ اللہ میں جہاد کرو یہاں تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دینا منظور کر لیں۔ اور اس غزوے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے جو اصحاب جنگ موتہ میں شہید کر دیئے گئے تھے، ان کا بدلہ لیا جائے، واللہ اعلم۔ اور اگر مندرجہ بالا واقعہ صحیح ہو جائے تو اسی پر وہ حدیث محمول کی جائے گی جس میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں، مکہ مدینہ اور شام میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ولید تو اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ شام سے مراد بیت المقدس ہے لیکن شام سے مراد تبوک کیوں نہ لیا جائے جو بالکل صاف اور بہت درست ہے واللہ اعلم۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کافروں کا وہ ارادہ ہے جو انہوں نے مکے سے جلاوطن کرنے کے بارے میں کیا تھا چنانچہ یہی ہوا بھی کہ جب انہوں نے آپ کو نکالا، پھر یہ بھی وہاں زیادہ مدت نہ گزار سکے، اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپؐ کو غالب کیا۔ ڈیڑھ سال ہی گزرا تھا کہ بدر کی لڑائی بغیر کسی تیاری اور اطلاع کے اچانک ہو گئی اور وہیں کافروں کا اور کفر کا دھڑ ٹوٹ گیا، ان کے شریف و رئیس تہ تیغ ہوئے، ان کی شان و شوکت خاک میں مل گئی، ان کے سردار قید میں آ گئے۔ پس فرمایا کہ یہی عادت پہلے سے جاری ہے سابقہ رسولوں کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ کفار نے جب انہیں تنگ کیا اور دیس نکالا دیا، پھر وہ بھی بچ نہ سکے، عذاب اللہ نے انہیں غارت اور بے نشان کر دیا۔ ہاں چونکہ ہمارے پیغمبر رسول رحمت تھے، اس لئے کوئی آسمانی عام عذاب ان کافروں پر نہ آیا۔ جیسے فرمان ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی تیری موجودگی میں اللہ انہیں عذاب نہ کرے گا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

نماز کو قائم رکھ آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی، یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہوا ہے ○ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کر۔ یہ زیادتی تیرے لئے ہے۔ عنقریب تیرا رب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے گا ○

اوقات صلوٰۃ کی نشاندہی: ☆☆ (آیت: ۷۸-۷۹) نمازوں کو وقتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ دلوک سے مراد غروب ہے یا زوال ہے۔ امام ابن جریر زوال کے قول کو پسند فرماتے ہیں اور اکثر مفسرین کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے حضور ﷺ کی اور آپ کے ساتھ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جنہیں آپ نے چاہا دعوت کی، کھانا کھا کر سورج ڈھل جانے کے بعد آپ میرے ہاں سے چلے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، چلو یہی وقت دلوک شمس کا ہے۔ پس پانچوں نمازوں کا وقت اس آیت میں بیان ہو گیا۔ غسق سے مراد اندھیرا ہے جو کہتے ہیں کہ دلوک سے مراد غروب ہے، ان کے نزدیک ظہر، عصر، مغرب، عشا کا بیان تو اس میں ہے اور فجر کا بیان وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں ہے۔ حدیث سے بہ تواتر اقوال و افعال آنحضرت ﷺ سے پانچوں نمازوں کے اوقات ثابت ہیں اور مسلمان بحمد اللہ اب تک اس پر ہیں، ہر پچھلے زمانے کے لوگ اگلے زمانے والوں سے برابر لیتے چلے آتے ہیں۔ جیسے کہ ان مسائل کے بیان کی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے والحمد للہ۔

صبح کی تلاوت قرآن پر دن اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ تنہا شخص کی نماز پر جماعت کی نماز پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ صبح کی نماز کے وقت دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسے بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تم قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ الخ۔ صحیحین میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پے در پے آتے رہتے ہیں، صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہو جاتا ہے تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری، وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے باوجودیکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ چوکیدار فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہوتے ہیں پھر یہ چڑھ جاتے ہیں اور وہ ٹھہر جاتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے اور اس ارشاد فرمانے کا ذکر کیا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اسے بخشوں، کوئی ہے کہ مجھ سے سوال کرے اور میں اسے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے پس اس وقت پر اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تہجد کی نماز کا حکم فرماتا ہے، فرضوں کا تو حکم ہے ہی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا! رات کی نماز۔ تہجد کہتے ہیں نیند کے بعد کی نماز کو۔ لغت میں مفسرین کی تفسیروں میں اور حدیث میں یہ موجود ہے، آپؐ کی عادت بھی یہی تھی کہ سو کر اٹھتے پھر تہجد پڑھتے۔ جیسے کہ اپنی جگہ بیان موجود ہے۔ ہاں حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جو نماز عشا کے بعد ہو ممکن ہے کہ اس سے بھی مراد سو جانے کے بعد ہو۔ پھر فرمایا یہ زیادتی تیرے لئے ہے۔ بعض تو کہتے

ہیں تہجد کی نماز اوروں کے برخلاف صرف حضور ﷺ پر فرض تھی۔ بعض کہتے ہیں یہ خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ آپؐ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف تھے اور امتیوں کی اس نماز کی وجہ سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اس حکم کی بجا آوری پر ہم تجھے اس جگہ کھڑا کریں گے کہ جہاں کھڑا ہونے پر تمام مخلوق آپؐ کی تعریفیں کرے گی اور خود خالق اکبر بھی۔ کہتے ہیں کہ مقام محمود پر قیامت کے دن آپؐ اپنی امت کی شفاعت کے لئے جائیں گے تاکہ اس دن کی گھبراہٹ سے آپ انہیں راحت دیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، لوگ ایک ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے پکارنے والا اپنی آواز انہیں سنائے گا آنکھیں کھل جائیں گی، ننگے پاؤں، ننگے بدن ہوں گے جیسے کہ پیدا کئے گئے تھے، سب کھڑے ہوں گے کوئی بھی بغیر اجازت الٰہی بات نہ کر سکے گا۔ آواز آئے گی، اے محمد ﷺ! آپ کہیں گے لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ۔ اے اللہ تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے، برائی تیری جانب سے نہیں، راہ یافتہ وہی ہے جسے تو ہدایت بخشے، تیرا غلام تیرے سامنے موجود ہے، وہ تیری ہی مدد سے قائم ہے، وہ تیری ہی جانب جھکنے والا ہے۔ تیری پکڑ سے سوائے تیرے دربار کے اور کوئی جائے پناہ نہیں، تو برکتوں اور بلندیوں والا ہے۔ اے رب البیت تو پاک ہے۔ یہ ہے مقام محمود جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اس آیت میں کیا ہے۔

مقام محمود کا تعارف: ☆☆ پس یہ مقام مقام شفاعت ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے آپ باہر آئیں گے۔ اور سب سے پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا وعدہ اللہ کریم نے اپنے رسول مقبول سے کیا ہے (ﷺ) بے شک حضور ﷺ کو بہت سی بزرگیاں ایسی ملیں گی جن میں کوئی آپ کی برابری کا نہیں۔ سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کی زمین شق ہوگی اور آپؐ سواری پر سوار محشر کی طرف جائیں گے، آپ کا ایک جھنڈا ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب کے سب اس کے نیچے ہوں گے، آپؐ کو حوض کوثر ملے گا جس پر سب سے زیادہ لوگ وارد ہوں گے۔ بہت بڑی شفاعت آپ کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلوں کے لئے آئے اور یہ اس کے بعد ہوگی کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ہو آئیں اور سب انکار کر دیں۔ پھر آپ کے پاس آئیں گے اور آپ اس کے لئے تیار ہوں گے جیسے کہ اس کی حدیثیں مفصل آ رہی ہیں ان شاء اللہ۔

آپ ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کی بابت حکم ہو چکا ہوگا کہ انہیں جہنم کی طرف لے جائیں پھر وہ آپ کی شفاعت سے واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔ سب سے پہلے آپ ہی کی امت کے فیصلے کئے جائیں گے۔ آپؐ ہی اپنی امت سمیت سب سے پہلے پل صراط سے پار ہوں گے، آپ ہی جنت میں لے جانے کے پہلے سفارشی ہوں گے۔ جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ صور کی حدیث میں ہے کہ تمام مومن آپ ہی کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے اور آپ کی امت اور امتوں سے پہلے جائے گی۔ آپ کی شفاعت سے کم درجے کے جنتی اعلیٰ اور بلند درجے پائیں گے۔ آپ ہی صاحب وسیلہ ہیں جو جنت کی سب سے اعلیٰ منزل ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو نہیں ملنے کی۔ یہ صحیح ہے کہ بحکم الٰہی گنہگاروں کی شفاعت فرشتے بھی کریں گے، نبی بھی کریں گے، مومن بھی کریں گے لیکن حضور ﷺ کی شفاعت جس قدر لوگوں کے بارے میں ہوگی، ان کی گنتی کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں، اس میں کوئی آپ کے مثل اور برابر نہیں۔ کتاب السیرت کے آخر میں باب الخصائص میں میں نے اسے خوب تفصیل سے بیان کیا ہے والحمدللہ۔

اب مقام محمود کے بارے کی حدیثیں سنیئے۔ اللہ ہماری مدد کرے۔ بخاری میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لوگ

قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے‘ ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی کہ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے‘ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی انتہا محمد ﷺ کی طرف ہوگی - پس یہی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا - ابن جریر میں ہے‘ حضور ﷺ فرماتے ہیں‘ سورج بہت نزدیک ہوگا یہاں تک کہ پسینہ آدھے کانوں تک پہنچ جائے گا‘ اسی حالت میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے‘ وہ صاف انکار کر دیں گے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں گے آپ یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں پھر حضرت محمد ﷺ سے کہیں گے آپ مخلوق کی شفاعت کے لئے چلیں گے یہاں تک کہ جنت کے دروازے کا کنڈا تھام لیں گے پس اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر پہنچائے گا -

بخاری کی اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اہل محشر سب کے سب اس وقت آپ کی تعریفیں کریں گے - بخاری میں ہے جو شخص اذان سن کر اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ الخ پڑھ لے‘ اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہے - مسند احمد میں ہے‘ حضور ﷺ فرماتے ہیں‘ قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا - میں یہ کچھ بطور فخر کے نہیں کہتا - اسے ترمذی بھی لائے ہیں اور حسن صحیح کہا ہے - ابن ماجہ میں بھی یہ ہے - حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کو سات قراتوں پر پڑھنے کا بیان ہے اس کے آخر میں ہے کہ میں نے کہا الٰہی میری امت کو بخش‘ الٰہی میری امت کو بخش‘ تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے اٹھا رکھی ہے‘ جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کرے گی‘ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام بھی -

مسند احمد میں ہے کہ مومن قیامت کے دن جمع ہوں گے پھر ان کے دل میں خیال ڈالا جائے گا کہ ہم کسی سے کہیں کہ وہ ہماری سفارش کر کے ہمیں اس جگہ سے آرام دے‘ پس سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدمؑ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا‘ آپ کے لئے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا‘ آپ کو تمام چیزوں کے نام بتائے‘ آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش لے جایئے تاکہ ہمیں اس جگہ سے راحت ملے‘ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں آپ کو اپنا گناہ یاد آ جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے لگیں گے - فرمائیں گے‘ تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ - وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں جنہیں زمین والوں کی طرف اللہ پاک نے بھیجا‘ یہ آئیں گے یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں آپ کو بھی اپنی خطا یاد آئے گی کہ اللہ سے وہ سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا - پس اپنے پروردگار سے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس جاؤ‘ وہ آپ کے پاس آئیں گے‘ آپ فرمائیں گے‘ میں اس قابل نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ‘ ان سے اللہ نے کلام کیا ہے اور انہیں تورات دی ہے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھ میں اتنی قابلیت کہاں؟ پھر آپ اس قتل کا ذکر کریں گے جو بغیر کسی مقتول کے معاوضے کے آپ نے کر دیا تھا - پس بوجہ اس کے اللہ سے شرمانے لگیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے‘ اس کا کلمہ اور اس کی روح ہے - وہ یہاں آئیں گے لیکن آپ فرمائیں گے میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں‘ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ جن کے اول آخر تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں -

پس وہ سب میرے پاس آئیں گے‘ میں کھڑا ہوں گا - اپنے رب سے اجازت چاہوں گا‘ جب اسے دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا - جب تک اللہ کو منظور ہوگا میں سجدے میں ہی رہوں گا پھر فرمایا جائے گا‘ اے محمد سر اٹھایئے‘ کہئے‘ سنا جائے گا‘ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی‘ مانگئے‘ دیا جائے گا‘ پس میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا - پھر میں سفارش پیش کروں گا‘ میرے

لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں انہیں جنت میں پہنچا آؤں گا، پھر دوبارہ جناب باری میں حاضر ہو کر اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑوں گا، جب تک وہ چاہے مجھے سجدے میں ہی رہنے دے گا پھر کہا جائے گا کہ اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، سوال کرو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی- پس میں سر اٹھا کر اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا-

پھر تیسری مرتبہ لوٹوں گا اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے، اسی حالت میں پڑا رہوں گا پھر فرمایا جائے گا کہ محمد ﷺ سر اٹھا، بات کر، سنی جائے گی، سوال کر، عطا فرمایا جائے گا، سفارش کر، قبول کی جائے چنانچہ میں سر اٹھا کر وہ حمد بیان کر کے جو مجھے وہی سکھائے گا، سفارش کروں گا پھر چوتھی بار واپس آؤں گا اور کہوں گا باری تعالیٰ اب تو صرف وہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک لیا ہے- فرماتے ہیں، جہنم میں سے وہ بھی شخص نکل آئے گا جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کہا اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو پھر وہ لوگ بھی دوزخ سے نکالے جائیں گے جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کہا ہو اور ان کے دل میں ایک ذرے جتنا ایمان ہو- یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے-

مسند احمد میں ہے آپؐ فرماتے ہیں میری امت پل صراط سے گزر رہی ہوگی، میں وہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں گا کہ میرے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور فرمائیں گے، اے محمد ﷺ انبیاء کی جماعت آپ سے کچھ مانگتی ہے- وہ سب آپ کے لئے جمع ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام امتوں کو جہاں بھی چاہے، الگ الگ کر دے، اس وقت وہ سخت غم میں ہیں، تمام مخلوق پسینوں میں گویا لگام چڑھا دی گئی ہے- مومن پر تو وہ مثل زکام کے ہے لیکن کافر پر تو موت کا ڈھانپ لینا ہے- آپ فرمائیں گے کہ ٹھہرو، میں آتا ہوں پس آپ جائیں گے عرش تلے کھڑے رہیں گے اور وہ عزت و آبرو ملے گی کہ کسی برگزیدہ فرشتے اور کسی بھیجے ہوئے نبی رسول کو نہ ملی ہو، پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ سر اٹھائیے، مانگئے ملے گا، سفارش کیجئے، قبول ہوگی پس مجھے اپنی امت کی شفاعت ملے گی کہ ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں میں بار بار اپنے رب عزوجل کی طرف آتا جاتا رہوں گا اور ہر بار سفارش کروں گا یہاں تک کہ جناب باری مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد (ﷺ) جاؤ مخلوق الٰہی میں سے جس نے ایک دن بھی خلوص کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کی گواہی دی ہو اور اسی پر مرا ہو، اسے بھی جنت میں پہنچا آؤ-

مسند احمد میں ہے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اس وقت ایک شخص کچھ کہہ رہا تھا، انہوں نے بھی کچھ کہنے کی اجازت مانگی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی- آپ کا خیال یہ تھا کہ جو کچھ یہ پہلا شخص کہہ رہا ہے، وہی بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہیں گے- حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں، مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ زمین پر جتنے درخت اور کنکر ہیں، ان کی گنتی کے برابر لوگوں کی شفاعت میں کروں گا- پس اے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو تو اس کی امید ہو اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ناامید ہوں؟

مسند احمد میں ہے کہ ملیکہ کے دونوں لڑکے رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، ہماری ماں، ہمارے والد کی بڑی ہی عزت کرتی تھیں، بچوں پر بڑی مہربانی اور شفقت کرتی تھیں، مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی تھیں- ہاں انہوں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی زندہ لڑکیاں درگور کر دی تھیں، آپ نے فرمایا، پھر وہ جہنم میں پہنچی- وہ دونوں ملول خاطر ہو کر لوٹے تو آپ نے حکم دیا کہ انہیں واپس بلا لاؤ- وہ

لوٹے اوران کے چہروں پرخوشی تھی کہ اب حضور ﷺ کوئی اچھی بات سنائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا، سنو میری ماں اور تمہاری ماں دونوں ایک ساتھ ہی ہیں۔ ایک منافق یہ سن کر کہنے لگا کہ اس سے اس کی ماں کو کیا فائدہ؟ ہم اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ ایک انصاری جو حضور ﷺ سے سب سے زیادہ سوالات کرنے کا عادی تھا، کہنے لگا، یارسول اللہ ﷺ کیا اس کے یا ان دونوں کے بارے میں آپ سے اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ کیا ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ اس نے کچھ سنا ہے، فرمانے لگے، نہ میرے رب نے چاہا نہ مجھے اس بارے میں کوئی طمع دی۔

سنو میں قیامت کے دن مقام محمود پر پہنچایا جاؤں گا، انصاری نے کہا، وہ کیا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ اس وقت جب کہ تمہیں ننگے بدن بے ختنہ لایا جائے گا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے خلیل کو کپڑے پہناؤ۔ پس دو چادریں سفید رنگ کی پہنائی جائیں گی اور آپ عرش کی طرف منہ کئے بیٹھ جائیں گے پھر میرا لباس لایا جائے گا میں ان کی دائیں طرف اس جگہ کھڑا ہوں گا کہ تمام اگلے پچھلے لوگ رشک کریں گے اور کوثر سے لے کر حوض تک ان کے لئے کھول دیا جائے گا، منافق کہنے لگے پانی کے جاری ہونے کے لئے تو مٹی اور کنکر لازمی ہیں۔ آپ نے فرمایا، اس کی مٹی مشک ہے اور کنکر موتی ہیں۔ اس نے کہا ہم نے تو کبھی ایسا نہیں سنا۔ اچھا پانی کے کنارے درخت بھی ہونے چاہئیں، انصاری نے کہا یارسول اللہ ﷺ کیا وہاں درخت بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں سونے کی شاخوں والے۔ منافق نے کہا، آج جیسی بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی۔ اچھا درختوں میں پتے اور پھل بھی ہونے چاہئیں۔ انصاری نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا ان درختوں میں پھل بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں قسم قسم کے جواہر، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ ایک گھونٹ بھی جس نے اس میں سے پی لیا، وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا، وہ پھر کبھی آسودہ نہ ہوگا۔

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا، پس روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے، پھر چوتھے تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کھڑے ہوں گے آپ سے زیادہ کسی کی شفاعت نہ ہوگی، یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ میں اپنی امت سمیت ایک ٹیلے پر کھڑا ہوں گا، مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ کا حلہ پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور جو کچھ کہنا چاہوں گا کہوں گا، یہی مقام محمود ہے۔ مسند احمد میں ہے، قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی، میں اپنے آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھ کر اپنی امت کو اور امتوں میں پہچان لوں گا، کسی نے پوچھا حضور ﷺ اور ساری امتیں جو حضرت نوحؑ کے وقت تک کی ہوں گی، ان سب میں سے آپ خاص اپنی امت کیسے پہچان لیں گے؟ آپؐ نے فرمایا، وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں منہ چمک رہے ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا اور میں انہیں یوں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے اور نشان یہ ہے کہ ان کی اولادیں ان کے آگے آگے چل پھر رہی ہوں گی۔ مسند احمد میں ہے حضور علیہ السلام کے پاس گوشت لایا گیا اور شانے کا گوشت چونکہ آپ کو زیادہ مرغوب تھا وہی آپ کو دیا گیا۔ آپ اس میں سے گوشت توڑ توڑ کر کھانے لگے اور فرمایا قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا، آواز دینے والا انہیں سنائے گا۔ نگاہیں اوپر کو چڑھ جائیں گی سورج بالکل نزدیک ہو جائے گا اور لوگ ایسی سختی اور رنج و غم میں مبتلا ہو جائیں گے جو نا قابل برداشت ہے، اس وقت وہ آپس میں کہیں گے کہ دیکھو تو سہی، ہم سب کس مصیبت میں مبتلا ہیں چلو کسی سے کہہ کر اسے سفارشی بنا کر اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجیں۔ چنانچہ مشورہ سے طے ہوگا اور لوگ حضرت آدم علیہ السلام

کے پاس جائیں گے اور کہیں گے، آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے، آپ میں اپنی روح پھونکی ہے، اپنے فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے کے ان سے سجدہ کرایا ہے، آپ کیا ہماری خستہ حالی ملاحظہ نہیں فرما رہے؟ آپ پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا رب آج اس قدر غضبناک ہو رہا ہے کہ کبھی اس سے پہلے ایسا غضبناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک درخت سے روکا تھا لیکن مجھ سے نافرمانی ہوگئی۔ آج تو مجھے خود اپنا خیال لگا ہوا ہے، نفسانفسی لگی ہوئی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

لوگ وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح علیہ السلام آپ کو زمین والوں کی طرف سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کا نام اس نے شکر گزار بندہ رکھا۔ آپ ہمارے لئے اپنے رب کے پاس شفاعت کیجئے، دیکھئے تو ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج تو میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصے ہوا نہ اس کے بعد کبھی ایسا غصے ہوگا۔ میرے لئے ایک دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کے خلاف مانگ لی مجھے تو آج اپنی پڑی ہے، نفسا نفسی لگ رہی ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے، آپ نبی اللہ ہیں، آپ خلیل اللہ ہیں، کیا آپ ہماری یہ بپتا نہیں دیکھتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میرا رب سخت غضبناک ہے کہ نہ تو اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض ہوا نہ اس کے بعد کبھی اس سے زیادہ غصے میں آئے گا، پھر آپ اپنے جھوٹ یاد کر کے نفسانفسی کرنے لگیں گے اور فرمائیں گے، میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت اور اپنے کلام سے نوازا ہے، آپ ہمارے پروردگار کے پاس ہماری شفاعت لے جائیے دیکھئے تو کیسی سخت آفت میں ہیں؟ آپ فرمائیں گے، آج تو میرا رب سخت ناراض ہے، ایسا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا ناراض ہوگا، میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک انسان کو مار ڈالا تھا، نفسی نفسی تم مجھے چھوڑو۔ کسی اور سے کہو تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے، اے عیسیٰ علیہ السلام آپ رسول اللہ اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں جو مریم علیہ السلام کی طرف بھیجی گئی، بچپن میں گہوارے میں ہی آپ نے بولنا شروع کر دیا تھا، جائیے ہمارے رب سے ہماری شفاعت کیجئے، خیال تو فرمائیے کہ ہم کس قدر بے چین ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج جیسا غصہ تو نہ پہلے تھا نہ بعد میں ہوگا، نفسی نفسی، آپ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہ کریں گے۔ فرمائیں گے، تم کسی اور ہی کے پاس جاؤ۔ دیکھو میں بتاؤں تم سب محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ سب حضور ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد ﷺ آپ رسول اللہ ہیں، آپ خاتم الانبیا ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ہماری شفاعت کیجئے دیکھئے دیکھئے تو ہم کیسی سخت بلاؤں میں گھرے ہوئے ہیں پھر میں کھڑا ہوں گا اور عرش تلے آ کر اپنے رب عزوجل کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد وثنا کے وہ الفاظ کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی اور پر نہیں کھلے تھے۔ پھر مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ، مانگو، تمہیں ملے گا، شفاعت کرو منظور ہوگی۔ میں اپنا سر سجدے سے اٹھاؤں گا اور کہوں گا میرے پروردگار میری امت، میرے رب میری امت، الٰہی میری امت پس مجھ سے فرمایا جائے گا جاؤ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں، جنت میں لے جاؤ انہیں جنت کے داہنی طرف کے دروازے سے پہنچاؤ لیکن اور تمام دروازوں سے بھی انہیں روک نہیں۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، جنت کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور حمیر میں یا مکہ اور بصریٰ میں۔ یہ حدیث

صحیحین میں بھی ہے۔ مسلم شریف میں ہے قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار میں ہوں، اس دن سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی، میں ہی پہلا شفیع ہوں اور پہلا شفاعت قبول کیا گیا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، یہ شفاعت ہے۔ مسند احمد میں ہے، مقام محمود وہ مقام ہے، جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

عبدالرزاق میں ہے کہ قیامت کے دن کھال کی طرح اللہ تعالیٰ زمین کو کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر شخص کے لئے صرف اپنے دونوں قدم ٹکانے کی جگہ ہی رہے گی، سب سے پہلے مجھے طلب کیا جائے گا حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ رحمٰن تبارک وتعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، اللہ کی قسم اس سے پہلے اسے اس نے نہیں دیکھا۔ میں کہوں گا کہ باری تعالیٰ اس فرشتے نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے تو میری طرف بھیج رہا تھا اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا، اس نے سچ کہا، اب میں یہ کہہ کر شفاعت کروں گا کہ اے اللہ تیرے بندوں نے زمین کے مختلف حصوں میں تیری عبادت کی ہے، آپ فرماتے ہیں یہی مقام محمود ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ
صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ
الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

دعا کیا کر کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں لے جا، اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لئے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرما دے ○ اعلان کر دے کہ حق آ چکا اور باطل نابود ہو گیا، یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا ○

حکم ہجرت: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مکہ شریف میں تھے پھر آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور یہ آیت اتری۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار مکہ نے مشورہ کیا کہ آپ کو قتل کر دیں یا نکال دیں یا قید کر لیں پس اللہ کا یہی ارادہ ہوا کہ اہل مکہ کو ان کی بداعمالیوں کا مزہ چکھا دے۔ اس نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مدینے جانے کا حکم فرمایا۔ یہی اس آیت میں بیان ہو رہا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، داخل ہونا مدینے میں اور مکے سے نکلنا یہی قول سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سچائی کے داخلے سے مراد موت ہے اور سچائی سے نکلنے سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے اور اقوال بھی ہیں لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوا کہ غلبے اور مدد کی دعا ہم سے کرو۔ اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے فارس اور روم کا ملک اور عزت دینے کا وعدہ فرما لیا اتنا تو حضور ﷺ معلوم کر چکے تھے کہ بغیر غلبے کے دین کی اشاعت اور زور نا ممکن ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سے مدد و غلبہ طلب کیا تا کہ کتاب اللہ اور حدود اللہ، فرائض شرع اور قیام دین آپ کر سکیں۔ یہ غلبہ بھی اللہ کی ایک زبردست رحمت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ایک دوسرے کو کھا جاتا۔ ہر زور آور کمزور کا شکار کر لیتا۔ سلطانا نصیرا سے مراد کھلی دلیل بھی ہے لیکن پہلا قول پہلا ہی ہے اس لئے کہ حق کے ساتھ غلبہ اور طاقت بھی ضروری چیز ہے تا کہ مخالفین حق دبے رہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے لوہے کے اتارنے کے احسان کو قرآن میں خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سلطنت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہت سی ان برائیوں کو روک دیتا ہے جو صرف قرآن سے نہیں رک سکتی تھیں۔ یہ بالکل واقعہ ہے بہت سے لوگ ہیں کہ قرآن کی نصیحتیں، اس کے وعدے وعید ان کو بدکاریوں سے نہیں ہٹا سکتے۔ لیکن اسلامی طاقت سے مرعوب ہو کر وہ برائیوں سے رک جاتے ہیں۔ پھر کافروں کی گوشمالی کی جاتی ہے کہ اللہ کی جانب سے حق آ چکا، سچائی اتر آئی، جس میں کوئی

شک وشبہ نہیں، قرآن ایمان، نفع دینے والا، سچا علم منجانب اللہ آ گیا، کفر برباد و غارت اور بے نام ونشان ہو گیا، وہ حق کے مقابلہ میں بے دست و پا ثابت ہوا، حق نے باطل کا دماغ پاش پاش کر دیا اور وہ نابود اور بے وجود ہو گیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکے میں آئے بیت اللہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بت تھے، آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے انہیں کچوکے دے رہے تھے اور یہی آیت پڑھتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، حق آ چکا، باطل نہ دوبارہ آ سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے۔ ابویعلی میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مکے میں آئے، بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی آپ نے فوراً حکم دیا کہ ان سب کو اوندھے منہ گرا دو پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

یہ قرآن جو ہم نازل فرما رہے ہیں، مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے، ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی ○

قرآن حکیم شفا ہے: ☆☆ (آیت:۸۲) اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی بابت جس میں باطل کا شائبہ بھی نہیں، فرماتا ہے کہ وہ ایمانداروں کے دلوں کی تمام بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ شک، نفاق، شرک، ٹیڑھ پن اور باطل کی لگاوٹ سب اس سے دور ہو جاتی ہے۔ ایمان، حکمت، بھلائی، رحمت نیکیوں کی رغبت اس سے حاصل ہوتی ہے۔ جو بھی اس پر ایمان ویقین لائے، اسے سچ سمجھ کر اس کی تابعداری کرے، یہ اسے اللہ کی رحمت کے نیچے لا کھڑا کرتا ہے۔ ہاں جو ظالم و جابر ہو جو اس سے انکار کرے، وہ اللہ سے اور دور ہو جاتا ہے۔ قرآن سن کر اس کا کفر اور بڑھ جاتا ہے پس یہ آفت خود کافر کی طرف سے اس کے کفر کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ قرآن کی طرف سے، وہ تو سراسر رحمت و شفا ہے چنانچہ اور آیت قرآن میں ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ الخ کہہ دے کہ یہ ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمانوں کے کانوں میں پردے ہیں اور ان کی نگاہوں پر پردہ ہے یہ تو دور دراز سے آوازیں دیئے جاتے ہیں۔

اور آیت میں ہے وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ الخ جہاں کوئی سورت اتری کہ ایک گروہ نے پوچھنا شروع کیا کہ تم میں سے کس کو اس نے ایمان میں بڑھایا؟ سنو ایمان والوں کے تو ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں ہاں جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی گندگی پر گندگی بڑھ جاتی ہے اور مرتے دم تک کفر پر قائم رہتے ہیں۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ الغرض مومن اس پاک کتاب کو سن کر نفع اٹھاتا ہے، اسے حفظ کرتا ہے، اسے یاد کرتا ہے، اس کا خیال رکھتا ہے۔ بے انصاف لوگ نہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں، نہ اسے حفظ کرتے ہیں، نہ اس کی نگہبانی کرتے ہیں، اللہ نے اسے شفا و رحمت صرف مومنوں کے لئے بنایا ہے۔

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ
فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ
ع ۷ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

انسان پر جب بھی ہم اپنی نعمت انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب بھی اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے ○ کہہ دو کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر عامل ہے، جو پوری ہدایت کے راستے پر ہیں انہیں تمہارا رب ہی بخوبی جاننے والا ہے ○ یہ لوگ تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے

ہیں تو جواب دے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے- تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی کم ہے ○

انسانی فطرت میں خیر و شر موجود ہے : ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) خیر و شر‘ برائی بھلائی جو انسان کی فطرت میں ہیں‘ قرآن کریم ان کو بیان فرما رہا ہے- مال‘ عافیت‘ فتح‘ رزق‘ نصرت‘ تائید‘ کشادگی‘ آرام پاتے ہی نظریں پھیر لیتا ہے- اللہ سے دور ہو جاتا ہے گویا اسے کبھی برائی پہنچی ہی نہیں- اللہ سے کروٹ بدل لیتا ہے گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہیں اور جہاں مصیبت‘ تکلیف دکھ درد‘ آفت حادثہ پہنچا اور یہ نا امید ہوا‘ سمجھ لیتا ہے کہ اب بھلائی‘ عافیت‘ راحت‘ آرام ملنے ہی کا نہیں-

قرآن کریم اور جگہ ارشاد فرماتا ہے وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِ نْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَؤُسٌ كَفُوْرٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ انسان کو راحتیں دے کر جوں ہی ہم نے واپس لے لیں تو یہ محض مایوس اور ناشکرا بن گیا اور جہاں مصیبتوں کے بعد ہم نے عافیتیں دیں‘ یہ پھول گیا‘ گھمنڈ میں آ گیا اور ہانک لگانے لگا کہ بس اب برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں- فرماتا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی طرز پر‘ اپنی طبیعت پر‘ اپنی نیت پر‘ اپنے دین اور طریقے پر عامل ہے تو لگے رہیں- اس کا علم کہ فی الواقع راہ راست پر کون ہے‘ صرف اللہ ہی کو ہے- اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے مسلک پر گو کاربند ہوں اور اسے اچھا سمجھ رہے ہوں لیکن اللہ کے پاس جا کر کھلے گا کہ جس راہ پر وہ تھے‘ وہ کیسی خطرناک تھی- جیسے فرمان ہے کہ بے ایمانوں سے کہہ دو کہ اچھا ہے اپنی جگہ اپنے کام کرتے جاؤ الخ‘ بدلے کا وقت یہ نہیں‘ قیامت کا دن ہے‘ نیکی بدی کی تمیز اس دن ہو گی‘ سب کو بدلے ملیں گے‘ اللہ پر کوئی امر پوشیدہ نہیں-

(آیت: ۸۵) بخاری وغیرہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ مدینے کے کھیتوں میں جا رہے تھے آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی میں آپ کے ہمراہ تھا- یہودیوں کے ایک گروہ نے آپ کو دیکھ کر آپس میں کانا پھوسی شروع کی کہ آؤ ان سے روح کی بابت سوال کریں- کوئی کہنے لگا اچھا‘ کسی نے کہا مت پوچھو‘ کوئی کہنے لگے تمہیں اس سے کیا نتیجہ؟ کوئی کہنے لگا‘ شاید کوئی جواب ایسا دیں جو تمہارے خلاف ہو- جانے دو نہ پوچھو- آخر وہ آئے اور حضرتؐ سے سوال کیا اور آپؐ اپنی لکڑی پر ٹیک لگا کر ٹھہر گئے میں سمجھ گیا کہ وحی اتر رہی ہے خاموش کھڑا رہ گیا اس کے بعد آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی- اس سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ پوری صورت مکی ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکے کی اتری ہوئی آیت سے ہی اس موقعہ پر مدینے کے یہودیوں کو جواب دینے کی وحی ہوئی ہو یا یہ کہ دوبارہ یہی آیت نازل ہوئی ہو- مسند احمد کی روایت سے بھی اس آیت کا مکے میں اترنا ہی معلوم ہوتا ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قریشیوں نے یہودیوں سے درخواست کی کہ کوئی مشکل سوال بتاؤ کہ ہم ان سے پوچھیں- انہوں نے سوال سمجھایا- اس کے جواب میں یہ آیت اتری تو یہ سرکش کہنے لگے ہمیں بڑا علم ہے‘ تورات ہمیں ملی ہے اور جس کے پاس تورات ہو‘ اسے بہت سی بھلائی مل گئی-

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا الخ یعنی اگر تمام سمندروں کی سیاہی بن جائے اور اس سے کلمات الٰہی لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ روشنائی سب خشک ہو جائے گی اور اللہ کے کلمات باقی رہ جائیں گے تو پھر تم اس کی مدد میں ایسے ہی اور بھی لاؤ- عکرمہؒ نے یہودیوں کے سوال پر اس آیت کا اترنا اور ان کے اس مکروہ قول پر دوسری آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ الخ‘ کا اترنا بیان فرمایا ہے یعنی روئے زمین کے درختوں کی قلمیں اور روئے زمین کے سمندروں کی روشنائی اور ان کے ساتھ ہی ساتھ ایسے ہی اور سمندر بھی ہوں تب بھی اللہ کے کلمات پورے نہیں ہو سکتے- اس میں شک نہیں کہ توراۃ کا علم جو جہنم سے بچانے والا ہے‘ بڑی چیز ہے لیکن

اللہ کے علم کے مقابلہ میں بہت تھوڑی چیز ہے۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ مکے میں یہ آیت اتری کہ تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو مدینے کے علماء یہود آپؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے سنا ہے آپ یوں کہتے ہیں کہ تمہیں تو بہت ہی کم علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے مراد آپ کی قوم ہے یا ہم؟ آپ نے فرمایا تم بھی اور وہ بھی۔ انہوں نے کہا' سنو خود قرآن میں پڑھتے ہو کہ ہم کو تورات ملی ہے اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم الٰہی کے مقابلے میں یہ بھی بہت کم ہے۔ ہاں بے شک تمہیں اللہ نے اتنا علم دے رکھا ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہیں بہت کچھ نفع ملے اور یہ آیت اتری وَلَوْ اَنَّ مَافِی الْاَرْضِ الخ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے روح کی بابت سوال کیا کہ اسے جسم کے ساتھ عذاب کیوں ہوتا ہے؟ وہ تو اللہ کی طرف سے ہے چونکہ اس بارے میں کوئی آیت وحی آپ پر نہیں اتری تھی آپؐ نے انہیں کچھ نہ فرمایا' اسی وقت آپؐ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت اتری یہ سن کر یہودیوں نے کہا' آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپؐ نے فرمایا' جبرئیل اللہ کی طرف سے یہ فرمان لائے وہ کہنے لگے وہ تو ہمارا دشمن ہے اس پر آیت قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ الخ نازل ہوئی یعنی جبرئیل کے دشمن کا دشمن اللہ ہے اور ایسا شخص کافر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد ایک ایسا عظیم الشان فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ ایسا بھی ہے کہ اگر اس سے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کو ایک لقمہ بنانے کو کہا جائے تو وہ بنا لے اس کی تسبیح یہ ہے سُبْحَانَكَ حَيْثُ كُنْتَ الٰہی تو پاک ہے جہاں بھی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان پر ستر ہزار لغت ہیں وہ ان تمام زبانوں سے ہر بولی میں اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ اس کی ہر ایک تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اور فرشتوں کے ساتھ اللہ کی عبادت میں قیامت تک اڑتا رہتا ہے۔ یہ اثر بھی عجیب وغریب ہے واللہ اعلم۔

سہیلی کی روایت میں تو ہے کہ اس کے ایک لاکھ سر ہیں۔ اور ہر سر میں ایک لاکھ منہ ہیں اور ہر منہ میں ایک لاکھ زبانیں ہیں جن سے مختلف بولیوں میں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو انسانی صورت پر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ وہ فرشتے ہیں کہ اور فرشتوں کو تو وہ دیکھتے ہیں لیکن اور فرشتے انہیں نہیں دیکھتے۔ پس وہ فرشتوں کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے لئے یہ فرشتے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہیں جواب دے کہ روح امر ربی ہے یعنی اس کی شان سے ہے' اس کا علم صرف اسی کو ہے' تم میں سے کسی کو نہیں تمہیں جو علم ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے پس وہ بہت ہی کم ہے۔ مخلوق کو صرف وہی معلوم ہے جو اس نے انہیں معلوم کرایا ہے۔ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آ رہا ہے کہ جب یہ دونوں بزرگ کشتی پر سوار ہو رہے تھے' اس وقت ایک چڑیا کشتی کے تختے پر بیٹھ کر اپنی چونچ پانی میں ڈبو کر اڑ گئی تو جناب خضرؑ نے فرمایا' اے موسیٰ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا اور اتنا ہی ہے جتنا یہ چڑیا اس سمندر سے لے اڑی۔ (اوکما قال)

بقول سہیلی بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہیں ان کے سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ ان کا سوال ضد کرنے اور نہ ماننے کے طور پر تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جواب ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ روح شریعت الٰہی میں سے ہے' تمہیں اس میں نہ جانا چاہئے۔ تم جان رہے ہو کہ اس کے پہچاننے کی کوئی طبعی اور علمی راہ نہیں بلکہ وہ شریعت کی جہت سے ہے پس تم شریعت کو قبول کر لو لیکن ہمیں تو یہ طریقہ خطرے سے خالی نظر نہیں آتا واللہ اعلم۔

پھر سہیلی نے اختلاف علماء بیان کیا ہے کہ روح نفس ہی ہے یا اس کے سوا۔ اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ روح جسم میں مثل ہوا کے جاری ہے اور نہایت لطیف چیز ہے جیسے کہ درختوں کی رگوں میں پانی چڑھتا ہے اور جو روح فرشتہ ماں کے پیٹ کے بچے میں پھونکتا ہے' وہ جسم کے ساتھ ملتے ہی نفس بن جاتی ہے اور جسم کی مدد سے وہ اچھی بری صفتیں اپنے اندر حاصل کر لیتی ہے یا تو ذکر اللہ کے ساتھ مطمئن ہونے والی ہو جاتی ہے یا برائیوں کا حکم کرنے والی بن جاتی ہے مثلاً پانی درخت کی حیات ہے اس کے درخت سے ملنے کے باعث وہ ایک خاص بات اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے مثلاً انگور پیدا ہوئے پھر ان کا پانی نکالا گیا یا شراب بنائی گئی پس وہ اصلی پانی اب جس صورت میں آیا' اب اسے اصلی پانی نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اب جسم کے اتصال کے بعد روح کو اعلیٰ روح نہیں کہا جا سکتا اسی طرح اسے نفس بھی نہیں کہا جا سکتا یہ کہنا بھی بطور انجام کو پہچاننے کے ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ روح نفس اور مادہ کی اصل ہے اور نفس اس سے اور اس کے بدن کے ساتھ کے اتصال سے مرکب ہے۔ پس روح نفس ہے لیکن ایک وجہ سے نہ کہ تمام وجوہ سے۔ بات تو یہ دل کو لگتی ہے لیکن حقیقت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ لوگوں نے اس بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور بڑی بڑی مستقل کتابیں اس پر لکھی ہیں۔ اس مضمون پر بہترین کتاب حافظ ابن مندہ کی کتاب ''الروح'' ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ
لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝۸۶ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ
عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝۸۷ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ
يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝۸۸ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۸۹

اگر ہم چاہیں تو جو وحی تیری طرف ہم نے اتاری ہے' سب سلب کر لیں پھر تجھے اس کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی بھی میسر نہ آ سکے ○ یہ تو صرف تیرے رب کا رحم و کرم ہے' یقین مان کہ تجھ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے ○ اعلان کر دے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں ○ ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے ہر طرح ہیر پھیر سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں مگر تاہم اکثر لوگ ناشکری سے باز نہیں آتے ○

قرآن اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم : ☆☆ (آیت:۸۶-۸۹) اللہ تعالیٰ اپنے زبردست احسان اور عظیم الشان نعمت کو بیان فرما رہا ہے جو اس نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ پر انعام کیا ہے یعنی آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس میں کہیں سے بھی کسی وقت باطل کی آمیزش ناممکن ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس وحی کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' آخر زمانے میں ایک سرخ ہوا چلے گی شام کی طرف سے یہ اٹھے گی اس وقت قرآن کے ورقوں میں سے اور حافظوں کے دلوں میں سے قرآن سلب ہو جائے گا۔ ایک حرف بھی باقی نہیں رہے گا پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر اپنا فضل و کرم اور احسان بیان کر کے فرماتا ہے' کہ اس قرآن کریم کی بزرگی ایک یہ بھی ہے کہ تمام مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز ہے۔ کسی کے بس میں اس جیسا کلام نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ بے مثل' بے نظیر' بے شریک ہے' اسی طرح اس کا

کلام مثال سے، نظیر سے، اپنے جیسے سے پاک ہے۔ ابن اسحاق نے وارد کیا ہے کہ یہودی آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم بھی اسی جیسا کلام بنا لاتے ہیں پس یہ آیت اتری لیکن ہمیں اس کے ماننے میں تامل ہے اس لئے کہ یہ سورت مکیہ ہے اور اس کا کل بیان قریشیوں سے ہے، وہی مخاطب ہیں اور یہود کے ساتھ مکے میں آپ کا اجتماع نہیں ہوا، مدینے میں ان سے میل ہوا واللہ اعلم۔

ہم نے اس پاک کتاب میں ہر قسم کی دلیلیں بیان فرما کر حق کو واضح کر دیا ہے اور ہر بات کو شرح وبسط سے بیان فرما دیا ہے باوجود اس کے بھی اکثر لوگ حق کی مخالفت کر رہے ہیں اور حق کو دھکے دے رہے ہیں اور اللہ کی ناشکری میں لگے ہوئے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ
يَنْۢبُوْعًا ۙ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ
عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ
بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا
بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ۹

کہنے لگے ہم تو تجھ پر ایمان لانے کے نہیں تاوقتیکہ تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دے ○ یا خود تیرے اپنے لئے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان تو بہت سی نہریں جاری کر دکھائے ○ یا تو آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسے کہ تیرا گمان ہے یا تو خود اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دے ○ یا تیرے اپنے لئے کوئی سونے کا گھر ہو جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائے جسے ہم آپ پڑھ لیں، تو جواب دے کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں ○

قریش کے امراء کی آخری کوشش: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ابوسفیان بن حرب اور بنی عبدالدار قبیلے کے دو شخص اور ابوالبختری بنی اسد کا اور اسود بن مطلب بن اسد اور زمعہ بن اسود اور ولید بن مغیرہ اور ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ اور امیہ بن خلف اور عاص بن وائل اور نبیہ اور منبہ سہمی حجاج کے لڑکے، یہ سب یا ان میں سے کچھ سورج کے غروب ہو جانے کے بعد کعبۃ اللہ کے پیچھے جمع ہوئے اور کہنے لگے، بھئی کسی کو بھیج کر محمد (ﷺ) کو بلوا لو اور اس سے کہہ سن کر آج فیصلہ کر لو تاکہ کوئی عذر باقی نہ رہے چنانچہ قاصد گیا اور خبر دی کہ آپ کی قوم کے اشراف لوگ جمع ہوئے ہیں اور آپ کو یاد کیا ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کو ان لوگوں کا ہر وقت خیال رہتا تھا، آپ کے جی میں آئی کہ بہت ممکن ہے اللہ نے انہیں صحیح سمجھ دے دی ہو اور یہ راہ راست پر آ جائیں اس لئے آپ فوراً ہی تشریف لائے۔ قریشیوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا، سنئے آج ہم آپ پر حجت پوری کر دیتے ہیں تاکہ پھر ہم پر کسی قسم کا الزام نہ آئے اسی لئے ہم نے آپ کو بلوایا ہے واللہ کسی نے اپنی قوم کو اس مصیبت میں نہیں ڈالا ہو گا جو مصیبت تو نے ہم پر کھڑی کر رکھی ہے، تم ہمارے باپ دادوں کو گالیاں دیتے ہو، ہمارے دین کو برا کہتے ہو، ہمارے بزرگوں کو بیوقوف بناتے ہو، ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو، تم نے ہم میں تفریق ڈال دی، لڑائیاں کھڑی کر دیں واللہ آپ نے ہمیں کسی برائی کے پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، اب

صاف صاف سن لیجئے اور سوچ سمجھ کر جواب دیجئے اگر آپ کا ارادہ ان تمام باتوں سے مال جمع کرنے کا ہے تو ہم موجود ہیں ہم خود آپ کو اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ کے برابر ہم میں سے کوئی مالدار نہ ہو اور اگر آپ کا ارادہ اس سے یہ ہے کہ آپ ہم پر سرداری کریں تو لو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں ہم آپ کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی تابعداری منظور کرتے ہیں۔ اگر آپ بادشاہت کے طالب ہیں تو بخدا ہم آپ کی بادشاہت کا اعلان کر دیتے ہیں اور اگر واقعی آپ کے دماغ میں کوئی فتور ہے، کوئی جن آپ کو ستا رہا ہے تو ہم موجود ہیں، دل کھول کر رقمیں خرچ کر کے تمہارا علاج معالجہ کریں گے یہاں تک کہ آپ کو شفا ہو جائے یا ہم معذور سمجھ لئے جائیں۔

یہ سب سن کر سردار رسولاں شفیع پیغمبراں ﷺ نے جواب دیا کہ سنو بحمد اللہ مجھے کوئی دماغی عارضہ یا خلل آسیب نہیں نہ میں اپنی اس رسالت کی وجہ سے مالدار بننا چاہتا ہوں نہ کسی سرداری کی طمع ہے نہ بادشاہ بننا چاہتا ہوں بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تم سب کی طرف اپنا رسول برحق بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبریاں سنا دوں اور ڈرا دھمکا دوں، میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے، تمہاری سچی خیر خواہی کی، تم اگر قبول کر لو گے تو دونوں جہان میں نصیب دار بن جاؤ گے اور اگر نا منظور کر دو گے تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ جناب باری تعالیٰ شانہ مجھ میں اور تم میں سچا فیصلہ فرما دے (او کما قال)

اب سرداران قوم نے کہا کہ محمد (ﷺ) اگر آپ کو ہماری ان باتوں میں سے ایک بھی منظور نہیں تو اب اور سنو یہ تو خود تمہیں بھی معلوم ہے کہ ہم سے زیادہ تنگ شہر کسی اور کا نہیں، ہم سے زیادہ کم مال کوئی قوم نہیں، ہم سے زیادہ پیٹ پیٹ کر بہت کم روزی حاصل کرنے والی بھی کوئی قوم نہیں تو آپ اپنے رب سے جس نے آپ کو اپنی رسالت دے کر بھیجا ہے، دعا کیجئے کہ یہ پہاڑ یہاں سے ہٹا لے تاکہ ہمارا علاقہ کشادہ ہو جائے، شہروں شہروں کو وسعت ہو جائے اس میں نہریں، چشمے اور دریا جاری ہو جائیں جیسے کہ شام اور عراق میں ہیں اور یہ بھی دعا کیجئے کہ ہمارے باپ دادے زندہ ہو جائیں اور ان میں قصی بن کلاب ضرور ہو وہ ہم میں ایک بزرگ اور سچا شخص تھا ہم اس سے پوچھ لیں گے وہ آپ کی بابت جو کہہ دے گا، ہمیں اطمینان ہو جائے گا اگر آپ نے یہ کر دیا تو ہمیں آپ کی رسالت پر ایمان آ جائے گا اور ہم آپ کی دل سے تصدیق کرنے لگیں گے اور آپ کی بزرگی کے قائل ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا، میں ان چیزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔ ان میں سے کوئی کام میرے بس کا نہیں۔ میں تو اللہ کی باتیں تمہیں پہنچانے کے لئے آیا ہوں۔ تم قبول کر لو، دونوں جہان میں خوش رہو گے۔ نہ قبول کرو گے تو میں صبر کروں گا۔ اللہ کے حکم پر منتظر رہوں گا یہاں تک کہ پروردگار عالم مجھ میں اور تم میں فیصلہ فرما دے۔ انہوں نے کہا، اچھا یہ بھی نہ سہی، لیجئے ہم خود آپ کے لئے ہی تجویز کرتے ہیں آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ کوئی فرشتہ آپ کے پاس بھیجے جو آپ کی باتوں کی سچائی اور تصدیق کر دے، آپ کی طرف سے ہمیں جواب دے اور اس سے کہہ کر آپ اپنے لئے باغات اور خزانے اور سونے چاندی کے محل بنوا لیجئے تاکہ خود آپ کی حالت تو سنور جائے، بازاروں میں چلنا پھرنا، ہماری طرح تلاش معاش میں نکلنا یہ تو چھوٹ جائے۔ یہ اگر ہو جائے تو ہم مان لیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی عزت ہے اور آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا، نہ میں یہ کروں نہ اپنے رب سے یہ طلب کروں نہ اس کے ساتھ میں بھیجا گیا۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر بنایا ہے بس اور کچھ نہیں۔ تم اگر مان لو تو دونوں جہان میں اپنا بھلا کرو گے اور نہ مانو نہ سہی میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا پروردگار میرے اور تمہارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے؟ انہوں نے کہا اچھا پھر ہم کہتے ہیں کہ جاؤ اپنے رب سے کہہ کر ہم پر آسمان گرا دو تم تو کہتے ہی ہو کہ اگر اللہ چاہے تو ایسا کر دے تو پھر ہم کہتے ہیں بس کر دو ڈھیل نہ کرو، آپ نے فرمایا یہ اللہ کے اختیار کی بات ہے جو وہ چاہے کرے جو نہ چاہے نہ کرے۔ مشرکین نے کہا، سنئے کیا اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہم تیرے پاس اس وقت بیٹھیں گے اور تجھ سے یہ چیزیں طلب کریں گے

اور اس قسم کے سوالات کریں گے تو چاہئے تھا کہ وہ تجھے پہلے سے مطلع کر دیتا اور یہ بھی بتا دیتا کہ تجھے کیا جواب دینا چاہئے اور جب ہم تیری نہ مانیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔ سنئے ہم نے تو سنا ہے کہ آپ کو یہ سب کچھ یمامہ کا ایک شخص رحمان نامی ہے' وہ سکھا جاتا ہے' اللہ کی قسم ہم تو رحمان پر ایمان لانے کے نہیں۔ ناممکن ہے کہ ہم اسے مانیں ہم نے آپ سے سبکدوشی حاصل کر لی جو کچھ کہنا سننا تھا' کہہ سن چکے اور آپ نے ہماری واجبی اور انصاف کی بات بھی نہیں مانی اب کان کھول کر ہوشیار ہو کر سن لیجئے کہ ہم آپ کو اس حالت میں آزاد نہیں رکھ سکتے اب یا تو ہم آپ کو ہلاک کر دیں گے یا آپ ہمیں تباہ کر دیں' کوئی کہنے لگا' ہم تو فرشتوں کو پوجتے ہیں جو اللہ کی بیٹیاں ہیں کسی نے کہا جب تک تو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے فرشتوں کو کھلم کھلا ہمارے پاس نہ لائے' ہم ایمان نہ لائیں گے۔

پھر مجلس برخاست ہوئی۔ عبداللہ بن ابی' امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم جو آپ کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا تھا' آپ کے ساتھ ہو لیا اور کہنے لگا کہ یہ تو بڑی نامنصفی کی بات ہے کہ قوم نے جو کہا' وہ بھی آپ نے منظور نہ کیا' پھر جو طلب کیا' وہ بھی آپؐ نے پورا نہ کیا' پھر جس چیز سے آپؐ انہیں ڈراتے تھے وہ مانگا' وہ بھی آپؐ نے نہ کیا' اب تو اللہ کی قسم میں آپ پر ایمان لاؤں گا ہی نہیں جب تک کہ آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ کر کوئی کتاب نہ لائیں اور چار فرشتے اپنے ساتھ اپنے گواہ بنا کر نہ لائیں۔ حضور ﷺ ان تمام باتوں سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ گئے تو آپؐ بڑے شوق سے تھے کہ شاید قوم کے سردار میری کچھ مان لیں لیکن جب ان کی سرکشی اور ایمان سے دوری آپؐ نے دیکھی' بڑے ہی مغموم ہو کر واپس اپنے گھر آئے' (ﷺ)۔ بات یہ ہے کہ ان کی یہ تمام باتیں بطور کفر و عناد اور بطور نیچا دکھانے اور لاجواب کرنے کے تھیں ورنہ اگر ایمان لانے کے لئے نیک نیتی سے یہ سوالات ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ معجزے دکھا دیتا چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ کی چاہت ہو تو جو یہ مانگتے ہیں' میں دکھا دوں لیکن یہ یاد رہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لائے تو انہیں وہ عبرتناک سزائیں دوں گا جو کسی کو نہ دی ہوں۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں ان پر توبہ کی قبولیت کا اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھوں آپؐ نے دوسری بات پسند فرمائی۔ اللہ اپنے نبی رحمت اور نبی توبہ پر درود و سلام بہت بہت نازل فرمائے۔ اسی بات اور اسی حکمت کا ذکر آیت وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ الخ میں اور آیت وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ الخ' میں بھی ہے کہ یہ سب چیزیں ہمارے بس میں ہیں' سب ممکن ہے لیکن اسی وجہ سے کہ ان کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان نہ لانے والوں کو پھر ہم نہیں چھوڑا کرتے۔ ہم ان نشانات کو روک رکھتے ہیں اور ان کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کا آخر ٹھکانا جہنم بنا رکھا ہے۔

پس ان کا سوال تھا کہ ریگستان عرب میں نہریں چل پڑیں' دریا ابل پڑیں وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی کام بھی اس قادر و قیوم اللہ پر بھاری نہیں' سب کچھ اس کی قدرت تلے اور اس کے فرمان تلے ہے۔ لیکن وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ ازلی کافر ان معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لانے کے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ یعنی جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے' انہیں باوجود تمام تر معجزات دیکھ لینے کے بھی ایمان نصیب نہ ہو گا یہاں تک کہ وہ المناک عذابوں کا معائنہ نہ کر لیں۔ وَلَوْ اَنَّنَا الخ میں فرمایا کہ اے نبی ان کی خواہش کے مطابق اگر ہم ان پر فرشتے بھی نازل فرمائیں اور مردے بھی ان سے باتیں کر لیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ غیب کی تمام چیز کھلم کھلا ان کے سامنے ظاہر کر دیں تو بھی یہ کافر بغیر مشیت الٰہی ایمان لانے کے نہیں۔ ان میں سے اکثر جہالت کے پتلے ہیں۔ اپنے لیے دریا طلب کرنے کے بعد انہوں نے کہا' اچھا آپ ہی کے لیے باغات اور نہریں ہو جائیں۔ پھر کہا کہ اچھا یہ بھی نہ سہی' یہ تو آپ کہتے ہی ہیں کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا' ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو اب آج ہی ہم پر اس کے ٹکڑے گرا دیجئے چنانچہ انہوں نے خود بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی کہ الٰہی اگر یہ سب کچھ تیری جانب سے ہی برحق

ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ الخ۔

شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی یہی خواہش کی تھی جس بنا پر ان پر سائبان کے دن کا عذاب اترا۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ رحمتہ للعالمین اور نبی التوبہ تھے، آپؐ نے اللہ سے دعا کی کہ وہ انہیں ہلاکت سے بچالے۔ ممکن ہے یہ نہیں تو ان کی اولادیں ہی ایمان قبول کرلیں۔ توحید اختیار کرلیں، اور شرک چھوڑ دیں۔ آپ کی یہ آرزو پوری ہوئی عذاب نہ اترا، خود ان میں سے بھی بہت سوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی یہاں تک کہ عبداللہ بن امیہ جس نے آخر میں حضرتؐ کے ساتھ جا کر آپ کو باتیں سنائی تھیں اور ایمان نہ لانے کی قسمیں کھائی تھیں، وہ بھی اسلام کے جھنڈے تلے آئے (رضی اللہ عنہ)۔ زخرف سے مراد سونا ہے بلکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں لفظ مِنْ ذَھَبَ ہے۔ کفار کا اور مطالبہ یہ تھا کہ تیرے لئے سونے کا گھر ہو جائے یا ہمارے دیکھتے ہوئے تو سیڑھی لگا کر آسمان پر پہنچ جائے اور وہاں سے کوئی کتاب لائے جو ہر ایک کے نام کی الگ الگ ہو راتوں رات ان کے سرہانے وہ پرچے پہنچ جائیں ان پر ان کے نام لکھے ہوئے ہوں، اس کے جواب میں حکم ہوا کہ ان سے کہہ دو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے آگے کسی کی کچھ نہیں چلتی وہ اپنی سلطنت اور مملکت کا تنہا مالک ہے، جو چاہے کرے جو نہ چاہے نہ کرے، تمہاری منہ مانگی چیز ظاہر کرے نہ کرے یہ اس کے اختیار کی بات ہے۔ میں تو صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والا رسول ہوں، میں نے اپنا فرض ادا کر دیا، احکام الٰہی تمہیں پہنچا دیئے، اب جو تم نے مانگا وہ اللہ کے بس کی بات ہے نہ کہ میرے بس کی۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں بطحا مکہ کی بابت مجھ سے فرمایا گیا کہ اگر تم چاہو تو میں اسے سونے کا بنا دوں میں نے گزارش کی کہ نہیں اللہ میری تو یہ چاہت ہے کہ ایک روز پیٹ بھرا رہوں اور دوسرے روز بھوکا رہوں، بھوک میں تیری طرف جھکوں، تضرع اور زاری کروں اور بکثرت تیری یاد کروں۔ بھرے پیٹ ہو جاؤں تو تیری حمد کروں، تیرا شکر بجالاؤں۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا
اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ
يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا
رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا؟ ○ تو جواب دے کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے ○

فکری مغالطے اور کفار: ☆☆ (آیت: ۹۴-۹۵) اکثر لوگ ایمان سے اور رسولوں کی تابعداری سے اسی بنا پر رک گئے کہ انہیں یہ سمجھ نہ آیا کہ کوئی انسان بھی رسول اللہ بن سکتا ہے وہ اس پر سخت تر متعجب ہوئے اور آخر انکار کر بیٹھے اور صاف کہہ گئے کہ کیا ایک انسان ہماری رہبری کرے گا؟ فرعون اور اس کی قوم نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان کیسے لائیں، خصوصاً اس صورت میں کہ ان کی ساری قوم ہماری ماتحتی میں ہے۔ یہی اور امتوں نے اپنے زمانے کے نبیوں سے کہا تھا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو، سو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم ہمیں اپنے بڑوں کے معبودوں سے بہکا رہے ہو اچھا لاؤ کوئی زبردست ثبوت پیش کرو۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم اور انسانوں میں سے رسولوں کے بھیجنے کی وجہ کو بیان فرماتا ہے اور اس حکمت کو ظاہر فرماتا ہے کہ

اگر فرشتے رسالت کا کام انجام دیتے تو نہ ان کے پاس تم بیٹھ اٹھ سکتے نہ ان کی باتیں پوری طرح سے سمجھ سکتے۔ انسانی رسول چونکہ تمہارے ہی ہم جنس ہوتے ہیں، تم ان سے خلا ملا رکھ سکتے ہو، ان کی عادات و اطوار دیکھ سکتے ہو اور مل جل کر ان سے اپنی زبان میں تعلیم حاصل کر سکتے ہو ان کا عمل دیکھ کر خود سیکھ سکتے ہو جیسے فرمان ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ اور آیت میں ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ اور آیت میں ہے كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ الخ مطلب سب کا یہی ہے کہ یہ تو اللہ کا زبردست احسان ہے کہ اس نے تم میں سے ہی اپنے رسول بھیجے کہ وہ آیات الٰہی تمہیں پڑھ کر سنائیں، تمہارے اخلاق پاکیزہ کریں اور تمہیں کتاب و حکمت سکھائیں اور جن چیزوں سے تم بے علم تھے، وہ تمہیں عالم بنا دیں۔ پس تمہیں میری یاد کی کثرت کرنی چاہئے تاکہ میں بھی تمہیں یاد کروں، تمہیں میری شکرگزاری کرنی چاہئے اور ناشکری سے بچنا چاہئے۔ یہاں فرماتا ہے کہ اگر زمین کی آبادی فرشتوں کی ہوتی تو بے شک ہم کسی آسمانی فرشتے کو ان میں رسول بنا کر بھیجتے۔ چونکہ تم خود انسان ہو، ہم نے اسی مصلحت سے انسانوں میں سے ہی اپنے رسول بنا کر تم میں بھیجے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۹۶ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ
عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ
سَعِيْرًا ۝۹۷

کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا بس ہے، وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ اور بخوبی دیکھنے والا ہے ○ اللہ جس کی رہنمائی کر دے، وہ تو راہ یاب ہے، اور جسے وہ راہ سے کھو دے، ناممکن ہے کہ تو اس کا رفیق اس کے سوا کسی اور کو پالے، ایسے لوگوں کا ہم بروز قیامت اوندھے منہ حشر کریں گے درآنحالیکہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جب کبھی وہ ہلکی ہونے لگے گی، ہم ان پر اسے بھڑکا دیں گے ○

صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی: ☆☆ (آیت:۹۶) میری سچائی پر میں اور گواہ کیوں ڈھونڈوں؟ اللہ کی گواہی کافی ہے۔ میں اگر اس کی پاک ذات پر تہمت باندھتا ہوں تو وہ آپ مجھ سے انتقام لے گا۔ چنانچہ قرآن کی سورہ الحاقہ میں بیان ہے کہ اگر یہ پیغمبر زبردستی کوئی بات ہمارے سر چپکا دیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ تھام کر اس کی گردن اڑا دیتے اور ہمیں اس سے کوئی نہ روک سکتا۔ پھر فرمایا کہ کسی بندے کا حال اللہ سے مخفی نہیں، وہ انعام و احسان، ہدایت و لطف کے قابل لوگوں کو اور گمراہی اور بدبختی کے قابل لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔

میدان حشر کا ایک ہولناک منظر: ☆☆ (آیت:۹۷) اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ تمام مخلوق میں تصرف صرف اسی کا ہے، اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا، اس کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا، نہ اس کے بہکائے ہوئے کی کوئی دستگیری کر سکتا ہے، اس کا ولی اور مرشد کوئی نہیں بن سکتا۔ ہم انہیں اوندھے منہ میدان قیامت (محشر کے مجمع) میں لائیں گے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ سے سوال ہوا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جس نے پیروں پر چلایا ہے، وہ سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

مسند میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے بنی غفار قبیلے کے لوگو! سچ کہو اور قسمیں نہ کھاؤ، صادق مصدوق پیغمبر نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ لوگ تین قسم کے بنا کر حشر میں لائے جائیں گے ایک فوج تو کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے والی،

ایک چلنے اور دوڑنے والی' ایک وہ جنہیں فرشتے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم کے سامنے جمع کریں گے - لوگوں نے کہا' دو قسمیں تو سمجھ میں آ گئیں لیکن یہ چلنے اور دوڑنے والے سمجھ میں نہیں آئے آپ نے فرمایا' سواریوں پر آفت آ جائے گی یہاں تک کہ ایک انسان اپنا ہرا بھرا باغ دے کر پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے گا لیکن نہ مل سکے گی - یہ اس وقت نابینا ہوں گے' بے زبان ہوں گے' کچھ بھی نہ سن سکیں گے غرض مختلف حال ہوں گے اور گناہوں کی شامت میں گناہوں کے مطابق گرفتار کئے جائیں گے - دنیا میں حق سے اندھے' بہرے اور گونگے بنے رہے آج سخت احتیاج والے دن سچ مچ اندھے' بہرے گونگے بنا دیئے گئے - ان کا اصلی ٹھکانا' گھوم پھر کر آنے اور رہنے سہنے بسنے ٹھہرنے کی جگہ جہنم قرار دی گئی - وہاں کی آگ جہاں مدھم پڑنے کو آئی اور بھڑکا دی گئی' سخت تیز کر دی گئی - جیسے فرمایا فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا یعنی اب سزا برداشت کرو - سوائے عذاب کے کوئی چیز تمہیں زیادہ نہ دی جائے گی -

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا
عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا
اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ
اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور اس کہنے کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزے ہو جائیں گے' پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھا کھڑے کئے جائیں گے ○ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے' وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے؟ اسی نے ان کے لئے ایسا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک و شبہ سے یکسر خالی ہے' لیکن ناانصاف لوگ ناشکرے بنے بغیر رہتے ہی نہیں ○

بوسیدہ ہڈیاں پھر توانا ہوں گی: ☆☆ (آیت: ۹۸-۹۹) فرمان ہے کہ اوپر جن منکروں کو جس سزا کا ذکر ہوا ہے' وہ اسی کے قابل تھے' وہ ہماری دلیلوں کو جھوٹ سمجھتے تھے اور قیامت کے قائل ہی نہ تھے اور صاف کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے کے بعد' مٹی کے ریزوں سے مل جانے کے بعد' ہلاک اور برباد ہو چکنے کے بعد کا دوبارہ جی اٹھنا تو عقل کے باہر ہے -

پس ان کے جواب میں قرآن نے اس کی ایک یہ دلیل پیش کی کہ اس زبردست قدرت کے مالک نے آسمان و زمین کو بغیر کسی چیز کے اول بار بلا نمونہ پیدا کیا جس کی قدرت ان بلند و بالا' وسیع اور سخت مخلوق کی ابتدائی پیدائش سے عاجز نہیں - کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو جائے گا؟ آسمان و زمین کی پیدائش تو تمہاری پیدائش سے بہت بڑی ہے - وہ ان کے پیدا کرنے میں نہیں تھکا' کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے سے بے اختیار ہو جائے گا؟ کیا آسمان و زمین کا خالق انسانوں جیسے اور پیدا نہیں کر سکتا؟ بے شک کر سکتا ہے' اس کا وصف ہے کہ وہ خلاق ہے' وہ علیم ہے' وہ قدرتوں والا ہے' جس چیز کی نسبت فرما دے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے اس کا حکم ہی چیز کے وجود کے لئے کافی وافی ہے - وہ انہیں قیامت کے دن دوبارہ کی نئی پیدائش میں ضرور اور قطعاً پیدا کرے گا - اس نے ان کے اعادہ کی' ان کے قبروں سے نکل کھڑے ہونے کی' مدت مقرر کر رکھی ہے - اس وقت یہ سب کچھ ہو کر رہے گا - یہاں کی قدرے تاخیر صرف معینہ وقت کو پورا کرنے کے لئے ہے - افسوس کس قدر واضح دلائل کے بعد بھی لوگ کفر و ضلالت کو نہیں چھوڑتے -

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ
خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝۱۰۰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ع ۷
مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ
لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا ۝۱۰۱

کہہ دے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاؤ تو تم تو اس وقت بھی اس کے خرچ ہو جانے کے خوف سے اس میں بخیلی کرتے، انسان ہے ہی تنگ دل ○ ہم نے موسیٰ کو نو معجزے بالکل صاف صاف عطا فرمائے۔ تو آپ ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ میرے خیال میں تو تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے ○

انسانی فطرت کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۱۰۰) انسانی طبیعت کا خاصہ بیان ہو رہا ہے کہ رحمت الٰہی جیسی نہ کم ہونے والی چیزوں پر بھی اگر یہ قابض ہو جائے تو وہاں بھی اپنی بخیلی اور تنگ دلی نہ چھوڑے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اگر ملک کے کسی حصے کے یہ مالک ہو جائیں تو کسی کو ایک کوڑی پرکھنے کو نہ دیں۔ پس یہ انسانی طبیعت ہے۔ ہاں جو اللہ کی طرف سے ہدایت کئے جائیں اور توفیق خیر دیئے جائیں، وہ اس بد خصلت سے نفرت کرتے ہیں، وہ سخی اور دوسروں کا بھلا کرنے والے ہوتے ہیں۔ انسان بڑا ہی جلد باز ہے، تکلیف کے وقت لڑکھڑا جاتا ہے اور راحت کے وقت پھول جاتا ہے اور دوسروں کے فائدہ سے اپنے ہاتھ روکنے لگتا ہے، ہاں نمازی لوگ اس سے بری ہیں الخ۔ ایسی آیتیں قرآن میں اور بھی بہت سی ہیں۔ اس سے اللہ کے فضل و کرم، اس کی بخشش و رحم کا پتہ بھی چلتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ دن رات کا خرچ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں لاتا۔ ابتدا سے اب تک کے خرچ نے بھی اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

نو معجزے: ☆☆ (آیت: ۱۰۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو ایسے معجزے ملے جو آپؑ کی نبوت کی صداقت اور نبوت پر کھلی دلیل تھی۔ لکڑی، ہاتھ، قحط سالی، دریا، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ یہ تھیں تفصیل وار آیتیں۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ یہ معجزے یہ ہیں: ہاتھ کا چمکیلا بن جانا۔ لکڑی کا سانپ ہو جانا اور پانچ وہ جن کا بیان سورہ اعراف میں ہے اور مالوں کا مٹ جانا اور پتھر۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ معجزے آپؑ کا ہاتھ، آپؑ کی لکڑی، قحط سالیاں، پھلوں کی کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون ہیں۔ یہ قول زیادہ ظاہر، بہت صاف، بہتر اور قوی ہے۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے ان میں سے قحط سالی اور پھلوں کی کمی کو ایک گن کر نواں معجزہ آپ کی لکڑی کا جادوگروں کے سانپوں کو کھا جانا بیان کیا ہے۔ لیکن ان تمام معجزوں کے باوجود فرعونیوں نے تکبر کیا اور اپنی گنہگاری پر اڑے رہے باوجودیکہ دل یقین لا چکا تھا مگر ظلم و زیادتی کر کے کفر و انکار پر جم گئے۔ اگلی آیتوں سے ان آیتوں کا ربط یہ ہے کہ جیسے آپ کی قوم آپ سے معجزے طلب کرتی ہے، ایسے ہی فرعونیوں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معجزے طلب کئے جو ظاہر ہوئے لیکن انہیں ایمان نصیب نہ ہوا آخرش ہلاک کر دیئے گئے۔

اسی طرح اگر آپ کی قوم بھی معجزوں کے آ جانے کے بعد کافر رہی تو پھر مہلت نہ ملے گی اور معاً تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ خود فرعون نے معجزے دیکھنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ پس یہاں جن نو نشانیوں کا بیان ہے یہ وہی ہیں اور ان ہی کا بیان وَاَلْقِ عَصَاكَ سے قَوْمًا فٰسِقِيْنَ تک میں ہے ان آیتوں میں لکڑی کا اور ہاتھ کا ذکر موجود ہے اور باقی آیتوں کا بیان سورہ

اعراف میں ہے- ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزے دیئے تھے مثلاً آپ کی لکڑی کے لگنے سے ایک پتھر میں سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا' بادل کا سایہ کرنا' من وسلوی کا اترنا وغیرہ وغیرہ- یہ سب نعمتیں بنی اسرائیل کو مصر کے شہر چھوڑنے کے بعد ملیں پس ان معجزوں کو یہاں اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وہ فرعونیوں نے نہیں دیکھے تھے یہاں صرف ان نو معجزوں کا ذکر کیا جو فرعونیوں نے دیکھے تھے اور انہیں جھٹلایا تھا-

مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا' چل تو ذرا- اس نبی سے ان کے قرآن کی اس آیت کے بارے میں پوچھ لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ نو آیات کیا ملی تھیں؟ دوسرے نے کہا' نبی نہ کہہ' سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی- اب دونوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا' آپ نے فرمایا' یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو' جادو نہ کرو' سود نہ کھاؤ' بے گناہ لوگوں کو پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں نہ لے جاؤ کہ اسے قتل کرا دو اور پاک دامن عورتوں پر بہتان نہ باندھو یا فرمایا جہاد سے نہ بھاگو- اور اے یہودیو! تم پر خاص کر یہ حکم بھی تھا کہ ہفتے کے دن زیادتی نہ کرو اب تو وہ بے ساختہ آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور کہنے لگے ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں- آپ نے فرمایا' پھر تم میری تابعداری کیوں نہیں کرتے؟ کہنے لگے حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ میری نسل میں نبی ضرور ہیں اور ہمیں خوف ہے کہ آپ کی تابعداری کے بعد یہود ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے- ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے- امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں لیکن ہے ذرا مشکل کام اس لئے کہ اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کے حافظے میں قدرے قصور ہے اور ان پر جرح بھی ہے' ممکن ہے نو کلمات کا شبہ نو آیات سے انہیں ہو گیا ہو اس لئے کہ یہ تورات کے احکام ہیں فرعون پر حجت قائم کرنے والی یہ چیزیں نہیں واللہ اعلم-

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ
اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا
بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ ط

موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں' اے فرعون میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً برباد و ہلاک کیا گیا ہے ○ آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں اس سرزمین سے ہی اکھیڑ دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا ○ ازاں بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اس سرزمین پر تم رہو سہو- ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا' ہم تم سب کو سمیٹ اور لپیٹ کر لے آئیں گے ○

(آیت: ۱۰۲-۱۰۴) اسی لئے فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ سب معجزے سچے ہیں اور ان میں سے ایک ایک میری سچائی کی جیتی جاگتی دلیل ہے میرا خیال ہے کہ تو ہلاک ہونا چاہتا ہے' اللہ کی لعنت تجھ پر اترا ہی چاہتی ہے' تو مغلوب ہو گا اور تباہی کو پہنچے گا مثبور کے معنی ہلاک ہونے کے اس شعر میں بھی ہیں۔

اذا جار الشیطان فی سنن الغی و من مال میله مثبور

یعنی شیطان کے دوست ہلاک شدہ ہیں۔ عَلِمْتَ کی دوسری قرات عَلِمْتُ تے کے زبر کے بدلے تے کے پیش سے بھی ہے لیکن جمہور کی قرات تے کے زبر سے ہی ہے۔ اور اسی معنی کو وضاحت سے اس آیت میں بیان فرماتا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ الخ یعنی جب ان کے پاس ہماری ظاہر اور بصیرت افروز نشانیاں پہنچ چکیں تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ یہ کہہ کر منکرین انکار کر بیٹھے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین آ چکا تھا لیکن صرف ظلم و زیادتی کی راہ سے نہ مانے الخ۔ الغرض یہ صاف بات ہے کہ جن نو نشانیوں کا ذکر ہوا ہے' یہ عصا' ہاتھ' قحط سالی' پھلوں کی کم پیداواری' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک اور دم (خون) تھیں۔ جو فرعون اور اس کی قوم کے لئے اللہ کی طرف سے دلیل و برہان تھیں اور آپ کے معجزے تھے جو آپ کی سچائی اور اللہ کے وجود پر دلائل تھے' ان نو نشانیوں سے مراد وہ احکام نہیں جو اوپر کی حدیث میں بیان ہوئے کیونکہ وہ فرعون اور فرعونیوں پر حجت نہ تھے بلکہ ان پر حجت ہونے اور ان احکام کے بیان ہونے کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں۔ یہ وہم صرف عبداللہ بن سلمہ راوی حدیث کی وجہ سے لوگوں کو پیدا ہوا اس کی بعض باتیں واقعی قابل انکار ہیں واللہ اعلم۔

بہت ممکن ہے کہ ان دونوں یہودیوں نے دس کلمات کا سوال کیا ہو اور راوی کو نو آیتوں کا وہم رہ گیا ہو۔ فرعون نے ارادہ کیا کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ پس ہم نے خود اسے مچھلیوں کا لقمہ بنایا اور اس کے تمام ساتھیوں کو بھی۔ اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اب زمین تمہاری ہے رہو سہو' کھاؤ پیو۔ اس آیت میں حضور ﷺ کو بھی زبردست بشارت ہے کہ مکہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو گا۔ حالانکہ سورت مکیہ ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی واقع میں ہوا بھی اسی طرح کہ اہل مکہ نے آپ کو مکہ شریف سے نکال دینا چاہا جیسے قرآن نے آیت وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ الخ میں بیان فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو غالب کیا اور مکے کا مالک بنا دیا اور فاتحانہ حیثیت سے آپؐ بعد از جنگ مکے میں آئے اور یہاں اپنا قبضہ کیا اور پھر اپنے حلم و کرم سے کام لے کر مکے کے مجرموں کو اور اپنے جانی دشمنوں کو عام طور پر معافی عطا فرما دی' (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بنی اسرائیل جیسی ضعیف قوم کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا تھا اور فرعون جیسے سخت اور متکبر بادشاہ کے مال' زمین' پھل' کھیتی اور خزانوں کا مالک کر دیا۔ جیسے آیت وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الخ میں بیان ہوا ہے۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اب تم یہاں رہو سہو' قیامت کے وعدے کے دن تم اور تمہارے دشمن سب ہمارے سامنے اکٹھے لائے جاؤ گے' ہم تم سب کو جمع کر لائیں گے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ۝۱۰۵ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ
وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝۱۰۶ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ
سُجَّدًا ۙ ۝۱۰۷ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸
وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹

ہم نے اس قرآن کو راستی سے اتارا اور یہ بھی راستی سے اترا' ہم نے تجھے صرف خوشخبری سنانے والا اور دھمکانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اتارا ہے کہ تم اسے بہ مہلت لوگوں کو سناؤ اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا○ کہہ دے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے' ان

کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں ○ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے ہمارے رب کا وعدہ بلاشک وشبہ پورا ہو کر رہنے والا ہی ہے ○ وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع وخضوع اور بڑھا دیتا ہے ○

قرآن کریم کی صفات عالیہ: ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۶) ارشاد ہے کہ قرآن حق کے ساتھ نازل ہوا' یہ سراسر حق ہی ہے- اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ اسے نازل فرمایا ہے- اس کی حقانیت پر وہ خود شاہد ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں' اس میں وہی ہے جو اس نے آپ اپنی دانست کے ساتھ اتارا ہے' اس کے تمام حکم احکام اور نہی وممانعت اسی کی طرف سے ہے' حق والے نے حق کے ساتھ اسے اتارا اور یہ حق کے ساتھ ہی تجھ تک پہنچا' نہ راستے میں کوئی باطل اس میں ملا نہ باطل کی یہ شان کہ اس سے مخلوط ہو سکے- یہ بالکل محفوظ ہے' کمی زیادتی سے یکسر پاک ہے' پوری طاقت والے امانتدار فرشتے کی معرفت نازل ہوا ہے جو آسمانوں میں ذی عزت اور وہاں کا سردار ہے- تیرا کام مومنوں کو خوشی سنانا اور کافروں کو ڈرانا ہے- اس قرآن کو ہم نے لوح محفوظ سے بیت العزۃ پر نازل فرمایا جو آسمان اول میں ہے- وہاں سے متفرق تھوڑا تھوڑا کر کے واقعات کے مطابق تیئس برس میں دنیا پر نازل ہوا- اس کی دوسری قرات فَرَّقْنَاهُ ہے یعنی ایک ایک آیت کر کے تفسیر اور تفصیل اور تبیین کے ساتھ اتارا ہے کہ تو اسے لوگوں کو بہ سہولت پہنچا دے اور آہستہ آہستہ انہیں سنا دے' ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے-

سماعت قرآن عظیم کے بعد: ☆☆ (آیت: ۱۰۷-۱۰۹) فرمان ہے کہ تمہارے ایمان پر صداقت قرآن موقوف نہیں' تم مانو یا نہ مانو- قرآن فی نفسہ کلام اللہ اور بے شک برحق ہے- اس کا ذکر تو ہمیشہ سے قدیم کتابوں میں چلا آ رہا ہے- جو اہل کتاب صالح اور عامل کتاب اللہ ہیں' جنہوں نے اگلی کتابوں میں کوئی تحریف وتبدیلی نہیں کی' وہ تو اس قرآن کو سنتے ہی بے چین ہو کر شکریہ کا سجدہ کرتے ہیں کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ہماری موجودگی میں اس رسول کو بھیجا اور اس کلام کو نازل فرمایا- اپنے رب کی قدرت کاملہ پر اس کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں- جانتے تھے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے' غلط نہیں ہوتا- آج وہ وعدہ پورا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں' اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے وعدے کی سچائی کا اقرار کرتے ہیں- خشوع وخضوع' فروتنی اور عاجزی کے ساتھ روتے' گڑگڑاتے' اللہ کے سامنے اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں- ایمان وتصدیق اور کلام اللہ اور رسول اللہ کی وجہ سے وہ ایمان واسلام میں' ہدایت وتقویٰ میں' ڈر اور خوف میں اور بڑھ جاتے ہیں- یہ عطف صفت کا صفت پر ہے- سجدے کا سجدے پر نہیں-

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ
الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ
ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ
لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ
وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۱۱ ع ۱۲ ۱۱ ۱۲

کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر' جس نام سے بھی پکارو' تمام اچھے نام اسی کے ہیں' نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے ○ اور یہ کہتا رہ کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجھی رکھتا ہے- نہ وہ ایسا حقیر کہ اس کا کوئی حمایتی ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ ○

رحمٰن یا رحیم؟ : ☆☆ (آیت: ۱۱۰-۱۱۱) کفار اللہ کی رحمت کی صفت کے منکر تھے، اس کا نام رحمان نہیں سمجھتے تھے تو جناب باری تعالیٰ اپنے نفس کے لئے اس نام کو ثابت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہی نہیں کہ اللہ کا نام اللہ ہو، رحمٰن ہو یا رحیم اور بس ان کے سوا بھی بہت سے بہترین اور احسن نام اس کے ہیں- جس پاک نام سے چاہو، اس سے دعائیں کرو- سورہ حشر کے آخر میں بھی اپنے بہت سے نام اس کے بیان فرمائے ہیں- ایک مشرک نے حضور ﷺ سے سجدے کی حالت میں یا رحمٰن یا رحیم سن کر کہا کہ لیجئے یہ موحد ہیں- دو معبودوں کو پکارتے ہیں- اس پر یہ آیت اتری- پھر فرماتا ہے اپنی نماز کو بہت اونچی آواز سے نہ پڑھو- اس آیت کے نزول کے وقت حضور ﷺ مکے میں پوشیدہ تھے جب صحابہؓ کو نماز پڑھاتے اور بلند آواز سے اس میں قرأت پڑھتے تو مشرکین قرآن کو، اللہ کو، رسول کو گالیاں دیتے اس لئے حکم ہوا کہ اس قدر بلند آواز سے پڑھنے کی ضرورت نہیں کہ مشرکین سنیں اور گالیاں بکیں- ہاں ایسا آہستہ بھی نہ پڑھنا کہ آپ کے ساتھی بھی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی آواز سے قرات کیا کرو- پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو یہ تکلیف جاتی رہی اب جس طرح چاہیں پڑھیں- مشرکین جہاں قرآن کی تلاوت شروع ہوتی تو بھاگ کھڑے ہوتے- اگر کوئی سننا چاہتا تو ان کے خوف کے مارے چھپ چھپا کر، بچ بچا کر کچھ سن لیتا- لیکن جہاں مشرکوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں سخت ایذا دہی شروع کی اب اگر بہت بلند آواز کریں تو ان کی چڑ اور ان کی گالیوں کا خیال اور اگر بہت پست کر لیں تو وہ جو چھپے لکے کان لگائے بیٹھے ہیں وہ محروم، اس لئے درمیانی آواز سے قرات کرنے کا حکم ہوا-

الغرض نماز کی قرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے- مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی نماز میں پست آواز سے قرات پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ با آواز بلند قرات پڑھا کرتے تھے- حضرت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ آہستہ کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اپنے رب سے سرگوشی ہے وہ میری حاجات کا علم رکھتا ہے تو فرمایا کہ یہ بہت اچھا ہے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں تو آپ سے بھی فرمایا گیا، بہت اچھا ہے لیکن جب یہ آیت اتری تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قدرے بلند آواز کرنے کو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قدرے پست آواز کرنے کو فرمایا گیا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اسی طرح ثوری اور مالک ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے باپ سے، وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، آپؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہی قول حضرت مجاہد حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابوعیاض، حضرت مکحول، حضرت عروہ بن زبیر رحمہم اللہ کا بھی ہے- مروی ہے کہ بنو تمیم قبیلے کا ایک اعرابی جب بھی حضور ﷺ نماز سے سلام پھیرتے، یہ دعا کرتا کہ الٰہی مجھے اونٹ عطا فرما مجھے اولاد دے پس یہ آیت اتری-

ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت تشہد کے بارے میں نازل ہوئی ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ نہ تو ریاکاری کرو نہ عمل چھوڑو- یہ بھی نہ کرو کہ علانیہ تو عمدہ کر کے پڑھو اور خفیہ برا کر کے پڑھو- اہل کتاب پوشیدہ پڑھتے اور اسی درمیان کوئی فقرہ بہت بلند آواز سے چیخ کر زبان سے نکالتے اس پر سب ساتھ مل کر شور مچا دیتے تو ان کی موافقت سے ممانعت ہوئی اور جس طرح اور لوگ چھپاتے تھے، اس سے بھی روکا گیا پھر اس کے درمیان کا راستہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا جو حضور ﷺ نے مسنون فرمایا ہے- اللہ کی حمد کرو جس میں تمام تر کمالات اور پاکیزگی کی صفتیں ہیں- جس کے تمام تر بہترین نام ہیں جو تمام تر نقصانات سے پاک ہے- اس کی اولاد نہیں، اس کا شریک نہیں، وہ واحد ہے، احد ہے، صمد ہے، نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد، نہ اس کی جنس کا کوئی اور، نہ وہ ایسا حقیر کہ کسی کی حمایت کا محتاج ہو یا وزیر و مشیر کی

اسے حاجت ہو بلکہ تمام چیزوں کا خالق مالک صرف وہی ہے سب کا مدبر مقدر وہی ہے، اسی کی مشیت تمام مخلوق میں چلتی ہے، وہ وحدہ لاشریک لہ ہے نہ اس کی کسی سے بھائی بندی ہے نہ وہ کسی کی مدد کا طالب ہے۔ تو ہر وقت اس کی عظمت، جلالت، کبریائی، بڑائی اور بزرگی بیان کرتا رہ۔ اور مشرکین جو تہمتیں اس پر باندھتے ہیں، تو ان سے اس کی ذات کی بزرگی بڑائی اور پاکیزگی بیان کرتا رہ۔ یہود و نصاریٰ تو کہتے تھے کہ اللہ کی اولاد ہے مشرکین کہتے تھے لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَ مَا مَلَكَ یعنی ہم حاضر باش غلام ہیں۔ الٰہی تیرا کوئی شریک نہیں لیکن جو خود تیری ملکیت میں ہیں، تو ہی ان کا اور ان کی ملکیت کا مالک ہے۔ صابی اور مجوسی کہتے تھے کہ اگر اولیاء اللہ نہ ہوں تو اللہ سارے انتظام آپ نہیں کر سکتا۔ اس پر یہ آیت اتری اور ان سب باطل پرستوں کی تردید کر دی گئی۔

نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے تمام چھوٹے بڑے لوگوں کو یہ آیت سکھایا کرتے تھے۔ آپ نے اس آیت کا نام آیت العز یعنی عزت والی آیت رکھا ہے۔ بعض آثار میں ہے کہ جس گھر میں رات کو یہ آیت پڑھی جاوے، اس گھر میں کوئی آفت یا چوری نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ نکلا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا یا آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ راہ چلتے ایک شخص کو آپ نے دیکھا، نہایت ردی حالت میں ہے، اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ بیماریوں اور نقصانات نے میری یہ درگت کر رکھی ہے آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں کچھ وظیفہ بتا دوں کہ یہ دکھ بیماری سب کچھ جاتی رہے؟ اس نے کہا ہاں ہاں یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتلایئے احد اور بدر میں آپ کے ساتھ نہ ہونے کا افسوس میرا جاتا رہے گا اس پر آپ ہنس پڑے اور فرمایا تو بدری اور احدی صحابہؓ کے مرتبے کو کہاں سے پا سکتا ہے تو ان کے مقابلے میں محض خالی ہاتھ اور بے سرمایہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ انہیں جانے دیجئے آپ مجھے بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یوں کہو تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا الخ میں نے یہ وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا، چند دن گزرے تھے کہ میری حالت بہت ہی سنور گئی حضور ﷺ نے مجھے دیکھا اور پوچھا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، ان کلمات کی وجہ سے اللہ کی طرف سے برکت ہے جو آپ نے مجھے سکھائے تھے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں بھی نکارت ہے۔ اسے حافظ ابو یعلی اپنی کتاب میں لائے ہیں واللہ اعلم۔

تفسیر سورۃ کہف

(تفسیر سورۃ کہف) اس سورت کی فضیلت کا بیان خصوصاً اس کی اول آخر کی دس آیتوں کی فضیلت کا بیان اور یہ کہ یہ سورت فتنہ دجال سے محفوظ رکھنے والی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی نے اس سورت کی تلاوت شروع کی ان کے گھر میں ایک جانور تھا اس نے اچھلنا بدکنا شروع کر دیا صحابیؓ نے جو غور سے دیکھا تو انہیں سائبان کی طرح کا ایک بادل نظر پڑا جس نے ان پر سایہ کر رکھا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا آپؐ نے فرمایا پڑھتے رہو یہ ہے وہ سکینہ جو اللہ کی طرف سے قرآن کی تلاوت پر نازل ہوتا ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایت ہے یہ صحابی حضرت اسید بن حضیر تھے رضی اللہ عنہ۔ جیسے کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ جس شخص نے سورہ کہف کے شروع کی دس آیتیں حفظ کر لیں، وہ فتنہ دجال سے بچا لیا گیا۔ ترمذی میں تین آیتوں کا بیان ہے۔ مسلم میں آخری دس آیتوں کا ذکر ہے، نسائی میں دس آیتوں کو مطلق بیان کیا گیا ہے۔ مسند احمد میں ہے، جو شخص اس سورہ کہف کا اول و آخر پڑھ لے، اس کے لئے اس کے پاؤں سے سر تک نور ہو گا اور ساری سورت کو پڑھے، اسے زمین سے آسمان تک کا نور ملے

گا۔ ایک غریب سند سے ابن مردویہ میں ہے کہ جمعہ کے دن جو شخص سورہ کہف پڑھ لے اس کے پیر کے تلووں سے لے کر آسمان کی بلندی تک کا نور ملے گا جو قیامت کے دن خوب روشن ہو گا اور دوسرے جمعہ تک کے اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں نظر ہے زیادہ اچھا تو اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے سورۂ کہف جمعہ کے دن پڑھ لی اس کے پاس سے لے کر بیت اللہ شریف تک نورانیت ہو جاتی ہے۔ مستدرک حاکم میں مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے سورہ کہف جمعہ کے دن پڑھی اس کے لئے وہ جمعہ کے درمیان تک نور کی روشنی رہتی ہے۔ بیہقی میں ہے کہ جس نے سورۂ کہف اسی طرح پڑھی جس طرح نازل ہوئی ہے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا۔ حافظ ضیاء مقدسی کی کتاب المختارہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کر لے گا وہ آٹھ دن تک ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہے گا یہاں تک کہ اگر دجال بھی اس عرصہ میں نکلے تو وہ اس سے بھی بچا دیا جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ
لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا
حَسَنًا ۙ ② مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ ③ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ
اللّٰهُ وَلَدًا ۤ ④ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَاۗىِٕهِمْ ۭ كَبُرَتْ
كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤

اللہ مہربان رحم والے کے نام سے شروع ○

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ○ بلکہ تمام ٹھیک ٹھاک رکھا تا کہ اپنے باپ کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا دے کہ ان کے لئے بہترین بدلے ہیں ○ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے ○ درحقیقت نہ تو خود انہیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ دادوں کو یہ تو تہمت بڑی بری ہے جو ان کے منہ نکل رہی ہے نرا جھوٹ بک رہے ہیں ○

مستحق تعریف قرآن مجید: ☆☆ (آیت: ١-۵) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ ہر امر کے شروع اور اس کے خاتمے پر اپنی تعریف و حمد کرتا ہے۔ ہر حال میں وہ قابل حمد اور لائق ثنا اور سزاوار تعریف ہے اول آخر مستحق حمد فقط اسی کی ذات والا صفات ہے۔ اس نے اپنے نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل فرمایا جو اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس سے اللہ کے تمام بندے اندھیروں سے نکل کر نور کی طرف آ سکتے ہیں اس نے اس کتاب کو ٹھیک ٹھاک اور سیدھی اور راست رکھا ہے جس میں کوئی کجی، کوئی کسر، کوئی کمی نہیں صراط مستقیم کی رہبر واضح جلی، صاف اور واضح ہے۔ بدکاروں کو ڈرانے والی، نیک کاروں کو خوشخبریاں سنانے والی، معتدل، سیدھی، مخالفوں منکروں کو خوفناک عذابوں کی خبر دینے والی یہ کتاب ہے جو عذاب اللہ کی طرف کے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایسے عذاب کہ نہ اس کے سے عذاب کسی کے نہ اس کی سی پکڑ کسی کی۔ ہاں جو اس پر یقین کرے ایمان لائے نیک عمل کرے اسے یہ کتاب اجر عظیم کی خوشی سناتی ہے۔ جس ثواب کو پائندگی اور دوام ہے وہ جنت انہیں

ملے گی جس میں کبھی فنا نہیں جس کی نعمتیں غیر فانی ہیں- اور انہیں بھی یہ عذابوں سے آگاہ کرتا ہے جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے ہیں جیسے مشرکین مکہ کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے-

مشرکین کے سوالات: ☆☆ بے علمی اور جہالت کے ساتھ منہ سے بول پڑتے ہیں یہ تو یہ ان کے بڑے بھی ایسی باتیں بے علمی سے کہتے رہے- کلمۃ کا نصب تمیز کی بنا پر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے کَبُرَتُ کَلِمَتُھُمْ ھٰذِہٖ کَلِمَۃً اور کہا گیا ہے کہ یہ تعجب کے طور پر ہے- تقدیر عبادت یہ ہے اَعْظِمْ بِکَلِمَتِھِمْ کَلِمَۃً جیسے کہا جاتا ہے اَکْرِمْ بِذَیْدِ رَجُلاً بعض بصریوں کا یہی قول ہے- مکہ کے بعض قاریوں نے اسے کلمۃ پڑھا ہے جیسے کہا جاتا ہے عَظُمَ قَوْلُکَ وَ کَبُرَ شَانُکَ جمہور کی قرات پر تو معنی بالکل ظاہر ہیں کہ ان کے اس کلمے کی برائی اور اس کا نہایت ہی برا کلمہ ہونا بیان ہو رہا ہے جو محض بے دلیل ہے' صرف کذب وافترا ہے اسی لئے فرمایا کہ محض جھوٹ بکتے ہیں- اس سورت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ قریشیوں نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو محیط کو مدینے کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ تم جا کر محمد (ﷺ) کی بابت کل حالات ان سے بیان کرو ان کے پاس اگلے انبیاء کا علم ہے ان سے پوچھو ان کی آپ کی بابت کیا رائے ہے؟ یہ دونوں مدینے گئے احبار مدینہ سے ملے حضور ﷺ کے حالات واوصاف بیان کئے آپ کی تعلیم کا ذکر کیا اور کہا کہ تم ذی علم ہو بتاؤ ان کی نسبت کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا دیکھو ہم تمہیں ایک فیصلہ کن بات بتاتے ہیں تم جا کر ان سے تین سوالات کرو اگر جواب دے دیں تو ان کے سچے ہونے میں کچھ شک نہیں بے شک وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو ان کے جھوٹا ہونے میں بھی کوئی شک نہیں پھر جو تم چاہو کرو- ان سے پوچھو' اگلے زمانے میں جو نوجوان چلے گئے تھے' ان کا واقعہ بیان کرو- وہ ایک عجیب واقعہ ہے- اور اس شخص کے حالات دریافت کرو جس نے تمام زمین کا گشت لگایا تھا مشرق مغرب ہو آیا تھا- اور روح کی ماہیت دریافت کرو اگر بتا دے تو اسے نبی مان کر اس کی اتباع کرو اور اگر نہ بتا سکے تو وہ شخص جھوٹا ہے جو چاہو کرو- یہ دونوں وہاں سے واپس آئے اور قریشیوں سے کہا' لو بھئی آخری اور انتہائی فیصلے کی بات انہوں نے بتا دی ہے- اب چلو حضرت ﷺ سے سوالات کریں چنانچہ یہ سب آپؐ کے پاس آئے اور تینوں سوالات کئے- آپؐ نے فرمایا' تم کل آؤ' میں تمہیں جواب دوں گا لیکن ان شاء اللہ کہنا بھول گئے پندرہ دن گزر گئے نہ آپؐ پر وحی آئی نہ اللہ کی طرف سے ان باتوں کا جواب معلوم کرایا گیا- اہل مکہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے کہ لیجئے صاحب کل کا وعدہ تھا' آج پندرھواں دن ہے لیکن وہ بتا نہیں سکے ادھر آپ کو دوہرا غم ستانے لگا قریشیوں کو جواب نہ ملنے پر ان کی باتیں سننے کا اور وحی کے بند ہو جانے کا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے سورہ کہف نازل ہوئی اسی میں ان شاء اللہ نہ کہنے پر آپ کو ڈانٹا گیا ان نوجوانوں کا قصہ بیان کیا گیا' راس سیاح کا ذکر کیا گیا اور آیت وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ الخ میں روح کی بابت جواب دیا گیا-

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا
الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝٦ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا
لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا
جُرُزًا ۝٨ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ
كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩

پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا تو ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالے گا؟ ○ روئے زمین پر جو کچھ ہے' ہم نے اسے زمین کی رونق کا

باعث بنایا ہے کہ ہم انہیں آزمالیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے ○ اس پر جو کچھ ہے، ہم اسے ایک ہموار صاف میدان کر ڈالنے والے ہیں ○ کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے؟ ○

مشرکین کی گمراہی پر افسوس نہ کرو: ☆☆ (آیت:٦-٨) مشرکین جو آپ سے دور بھاگتے تھے، ایمان نہ لاتے تھے اس پر جو رنج و افسوس آپؐ کو ہوتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی کر رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے کہ ان پر اتنا رنج نہ کرو، اور جگہ ہے ان پر اتنے غمگین نہ ہو، اور جگہ ہے، ان کے ایمان نہ لانے سے اپنے کو ہلاک نہ کر۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ یہ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو تو اپنی جان کو روگ نہ لگا لے، اس قدر غم و غصہ، رنج و افسوس نہ کر، نہ گھبرا، نہ دل تنگ ہو اپنا کام کئے جا۔ تبلیغ میں کوتاہی نہ کر۔ راہ یافتہ اپنا بھلا کریں گے۔ گمراہ اپنا برا کریں گے۔ ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے، دنیا فانی ہے اس کی زینت زوال والی ہے، آخرت باقی ہے، اس کی نعمت دوامی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے، اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس دنیا سے اور عورتوں سے بچو، بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کا ہی تھا۔ یہ دنیا ختم ہونے والی اور خراب ہونے والی ہے، اجڑنے والی اور غارت ہونے والی ہے، زمین ہموار صاف رہ جائے گی جس پر کسی قسم کی روئیدگی بھی نہ ہوگی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ کیا لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم غیر آباد بنجر زمین کی طرف پانی کو لے چلتے ہیں اور اس میں سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جسے وہ خود کھاتے ہیں اور ان کے چوپائے بھی۔ کیا پھر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ زمین اور زمین پر جو ہیں، سب فنا ہونے والے اور اپنے مالک حقیقی کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ پس تو کچھ بھی ان سے سنے، انہیں کیسے ہی حال میں دیکھے، مطلق افسوس اور رنج نہ کر۔

اصحاب کہف : ☆☆ (آیت:٩) اصحاب کہف کا قصہ اجمال کے ساتھ بیان ہو رہا ہے پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا فرماتا ہے کہ وہ واقعہ ہماری قدرت کے بے شمار واقعات میں سے ایک نہایت معمولی واقعہ ہے۔ اس سے بڑے بڑے نشان روز مرہ تمہارے سامنے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش، رات دن کا آنا جانا، سورج چاند کی اطاعت گزاری وغیرہ قدرت کی ان گنت نشانیاں ہیں جو بتلا رہی ہیں کہ اللہ کی قدرت بے انداز ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس پر کوئی کام مشکل نہیں، اصحاب کہف سے تو کہیں زیادہ تعجب خیز اور اہم نشان قدرت تمہارے سامنے دن رات موجود ہیں، کتاب و سنت کا جو علم میں نے تجھے عطا فرمایا ہے، وہ اصحاب کہف کی شان سے کہیں زیادہ ہے۔ بہت سی حجتیں میں نے اپنے بندوں پر اصحاب کہف سے زیادہ واضح کر دی ہیں۔ کہف کہتے ہیں پہاڑی غار کو۔ وہیں یہ نوجوان چھپ گئے تھے۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ
رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝١٠ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ
فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝١١ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ
اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝١٢ ع

ان چند نوجوانوں نے جب غار میں آرام کیا تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے راہ یابی کو آسان کر دے ○ پس ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال تک اسی غار میں پردے ڈال دیئے ○ پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا کہ ہم یہ معلوم کر لیں کہ دونوں گروہ میں سے اس انتہائی مدت کو جو انہوں نے گزاری، کس نے زیادہ یاد رکھی ہے؟ ○

''رقیم'' یا تو ایلہ کے پاس کی وادی کا نام ہے یا ان کی اس جگہ کی عمارت کا نام ہے یا کسی آبادی کا نام ہے یا اس پہاڑ کا نام ہے اس پہاڑ کا نام نجلوس بھی آیا ہے غار کا نام حیزوم کہا گیا ہے اور ان کے کتے کا نام حمران بتایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' سارے قرآن کو میں جانتا ہوں لیکن لفظ حنان اور لفظ اواہ اور لفظ رقیم کو۔ مجھے نہیں معلوم کہ رقیم کتاب کا نام ہے یا کسی بنا کا۔ اور روایت میں آپ سے مروی ہے کہ وہ کتاب ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ یہ پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر غار کے دروازے پر اسے لگا دیا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں' قرآن میں ہے کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ پس آیت کے ظاہری الفاظ تو اس کی تائید کرتے ہیں اور یہی امام ابن جریرؒ کا مختار قول ہے کہ رقیم فعیل کے وزن پر مرقوم کے معنی میں ہے جیسے مقتول قتیل اور مجروح جریح واللہ اعلم۔

یہ نوجوان اپنے دین کے بچاؤ کے لئے اپنی قوم سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے کہ کہیں وہ انہیں دین سے بہکا نہ دیں ایک پہاڑ کے غار میں گھس گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی ہمیں اپنی جانب سے رحمت عطا فرما' ہمیں اپنی قوم سے چھپائے رکھ' ہمارے اس کام میں اچھائی کا انجام کر۔ حدیث کی ایک دعا میں ہے کہ الٰہی جو فیصلہ تو ہمارے حق میں کرے' اسے انجام کے لحاظ سے بھلا کر۔ مسند میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں عرض کرتے کہ اے اللہ ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذابوں سے بچا لے۔ یہ غار میں جا کر جو پڑ کر سوئے تو برسوں گزر گئے پھر ہم نے انہیں بیدار کیا ایک صاحب درہم لے کر بازار سے سودا خریدنے چلے' جیسے کہ آگے آ رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ انہیں وہاں کتنی مدت گزری' اسے دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ یاد رکھنے والا ہے؟ اسے ہم بھی معلوم کریں۔ امد کے معنی عدد یعنی گنتی کے ہیں اور کہا گیا ہے کہ غایت کے معنی میں بھی یہ لفظ آیا ہے جیسے کہ عرب کے شاعروں نے اپنے شعروں میں اسے غایت کے معنی میں باندھا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ
وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا
رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا
لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴

ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں' یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی ○ ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب کہ یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں اگر ایسا ہو تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کہی ○

اصحاب کہف کا قصہ : ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۴) یہاں سے تفصیل کے ساتھ اصحاب کہف کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ یہ چند نوجوان تھے جو دین حق کی طرف مائل ہوئے اور ہدایت پر آ گئے قریش میں بھی یہی ہوا تھا کہ جوانوں نے تو حق کی آواز پر لبیک کہی تھی لیکن بجز چند کے اور بوڑھے لوگ اسلام کی طرف جرات سے مائل نہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کے کانوں میں بالے تھے یہ متقی' مومن اور راہ یافتہ نوجوانوں کی جماعت تھی اپنے رب کی وحدانیت کو مانتے تھے' اس کی توحید کے قائل ہو گئے تھے اور روز بروز ایمان و ہدایت میں بڑھ رہے تھے۔ یہ اور اس جیسی اور آیتوں اور حدیثوں سے استدلال کر کے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ محدثین کرام کا مذہب ہے کہ ایمان میں زیادتی

ہوتی ہے۔ اس میں مرتبے ہیں یہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔ یہاں ہے ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا اور جگہ ہے وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْ زَادَھُمْ ھُدًی الخ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھ جاتی ہے الخ اور آیت میں ہے فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا الخ ایمان والوں کے ایمان کو بڑھاتی ہے الخ۔ اور جگہ ارشاد ہے لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ایمان میں اور بڑھ جائیں۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

مذکور ہے کہ یہ لوگ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین پر تھے واللہ اعلم۔ لیکن بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کا واقعہ ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ نصرانی ہوتے تو یہود اس قدر توجہ سے نہ ان کے حالات معلوم کرتے نہ معلوم کرنے کی ہدایت کرتے۔ حالانکہ یہ بیان گزر چکا ہے قریشیوں نے اپنا وفد مدینے کے یہود کے علماء کے پاس بھیجا تھا کہ تم ہمیں کچھ ایسی باتیں بتلاؤ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کرلیں تو انہوں نے کہا کہ تم اصحاب کہف کا اور ذوالقرنین کا واقعہ آپؐ سے دریافت کرو اور روح کے متعلق سوال کرو پس معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی کتاب میں ان کا ذکر تھا اور انہیں اس واقعہ کا علم تھا جب یہ ثابت ہوا تو یہ ظاہر ہے کہ یہود کی کتاب نصرانیت سے پہلے کی ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں قوم کی مخالفت پر صبر عطا فرمایا اور انہوں نے قوم کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ وطن اور راحت۔ آرام کو بھی چھوڑ دیا۔ بعض سلف کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومی بادشاہ کی اولاد اور روم کے سردار تھے۔ ایک مرتبہ قوم کے ساتھ عید منانے گئے تھے اس زمانے کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا بڑا سخت اور سرکش شخص تھا۔ سب کو شرک کی تعلیم کرتا اور سب سے بت پرستی کراتا تھا۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾
وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ
يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾

یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ ان کی الوہیت کی یہ کوئی صاف دلیل کیوں پیش نہیں کرتے' اللہ پر جھوٹ افترا باندھنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟ ○ جب کہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہو گئے تو اب تم کسی غار میں جا بیٹھو تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام میں سہولت مہیا کر دے گا ○

(آیت: ۱۵-۱۶) یہ نوجوان جو اپنے باپ دادوں کے ساتھ اس میلے میں گئے تھے' انہوں نے جب وہاں یہ تماشا دیکھا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ بت پرستی محض لغو اور باطل چیز ہے عبادتیں اور ذبیحے صرف اللہ کے نام پر ہونے چاہئیں جو آسمان و زمین کا خالق مالک ہے پس یہ لوگ ایک ایک کر کے یہاں سے سرکنے لگے ایک درخت تلے جا کر ان میں سے ایک صاحب بیٹھ گئے دوسرے بھی یہیں آ گئے اور بیٹھ گئے تیسرے بھی آئے چوتھے بھی آئے غرض ایک ایک کر کے سب یہیں جمع ہو گئے حالانکہ ایک دوسرے میں تعارف نہ تھا لیکن ایمان کی روشنی نے ایک دوسرے کو ملا دیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ روحیں بھی ایک جمع شدہ لشکر ہیں جو روز ازل میں تعارف والی ہیں وہ یہاں مل جل کر رہتی ہیں اور جو وہیں انجان رہیں' ان کا یہاں بھی ان میں اختلاف رہتا ہے (بخاری ومسلم)

عرب کہا کرتے ہیں کہ جنسیت ہی میل جول کی علت ہے۔ اب سب خاموش تھے ایک کو ایک سے ڈر تھا کہ اگر میں اپنے مافی الضمیر

کو بتا دوں گا تو یہ دشمن ہو جائیں گے کسی کو دوسرے کی نسبت اطلاع نہ تھی کہ وہ بھی اس کی طرح قوم کی اس احمقانہ اور مشرکانہ رسم سے بے زار ہے۔ آخر ایک دانا اور جری نوجوان نے کہا کہ دوستو کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے کہ لوگوں کے اس عام شغل کو چھوڑ کر تم ان سے یکسو ہو کر یہاں آ بیٹھے ہو میرا تو جی چاہتا ہے کہ ہر شخص اس بات کو ظاہر کر دے جس کی وجہ سے اس نے قوم کو چھوڑا ہے۔ اس پر ایک نے کہا، بھائی بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنی قوم کی یہ رسم ایک آنکھ نہیں بھاتی جب کہ آسمان و زمین کا اور ہمارا تمہارا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر ہم اس کے سوا دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ یہ سن کر دوسرے نے کہا اللہ کی قسم یہی نفرت مجھے یہاں لائی ہے تیسرے نے بھی یہی کہا جب ہر ایک نے یہی وجہ بیان کی تو سب کے دل میں محبت کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہ سب روشن خیال موحد آپس میں سچے دوست اور ماں جائے بھائیوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے خیر خواہ بن گئے۔ آپس میں اتحاد و اتفاق ہو گیا۔

اب انہوں نے ایک جگہ مقرر کر لی وہیں اللہ واحد کی عبادت کرنے لگے رفتہ رفتہ قوم کو بھی پتہ چل گیا وہ ان سب کو پکڑ کر اس ظالم مشرک بادشاہ کے پاس لے گئے اور شکایت پیش کی بادشاہ نے ان سے پوچھا، انہوں نے نہایت دلیری سے اپنی توحید اور اپنا مسلک بیان کیا بلکہ بادشاہ اور اہل دربار اور کل دنیا کو اس کی دعوت دی، دل مضبوط کر لیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان و زمین کا مالک و خالق ہے۔ ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود بنائیں ہم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اس کے سوا کسی اور کو پکاریں اس لئے کہ شرک نہایت باطل چیز ہے ہم اس کام کو کبھی نہیں کرنے کے۔ یہ نہایت ہی بے جابات اور لغو حرکت اور جھوٹی راہ ہے۔ یہ ہماری قوم مشرک ہے اللہ کے سوا دوسروں کی پکار اور ان کی عبادت میں مشغول ہے جس کی کوئی دلیل یہ پیش نہیں کر سکتے، پس یہ ظالم اور کاذب ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کی اس صاف گوئی اور حق گوئی سے بادشاہ بہت بگڑا انہیں دھمکایا ڈرایا اور حکم دیا کہ ان کے لباس اتار لو اور اگر یہ باز نہ آئیں گے تو میں انہیں سخت سزا دوں گا۔ اب ان لوگوں کے دل اور مضبوط ہو گئے لیکن یہ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہاں رہ کر ہم دینداری پر قائم نہیں رہ سکتے اس لئے انہوں نے قوم، وطن، دیس اور رشتے کنبے کو چھوڑنے کا ارادہ پختہ کر لیا۔ یہی حکم بھی ہے کہ جب انسان دین کا خطرہ محسوس کرے، اس وقت ہجرت کر جائے۔ حدیث میں ہے کہ انسان کا بہترین مال ممکن ہے کہ بکریاں ہوں جنہیں لے کر دامن کوہ میں اور مرغزاروں میں رہے سہے اور اپنے دین کے بچاؤ کی خاطر بھاگتا پھرے۔ پس ایسے حال میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانا امر مشروع ہے۔ ہاں اگر ایسی حالت نہ ہو، دین کی بربادی کا خوف نہ ہو تو پھر جنگلوں میں نکل جانا مشروع نہیں کیونکہ جمعہ جماعت کی فضیلت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ جب یہ لوگ دین کے بچاؤ کے لئے اتنی اہم قربانی پر آمادہ ہو گئے تو ان پر رب کی رحمت نازل ہوئی۔ فرما دیا گیا کہ ٹھیک ہے جب تم ان کے دین سے الگ ہو گئے تو بہتر ہے کہ جسموں سے بھی ان سے جدا ہو جاؤ۔ جاؤ تم کسی غار میں پناہ حاصل کرو تم پر تمہارے رب کی رحمت کی چھاؤں ہو گی وہ تمہیں تمہارے دشمن کی نگاہوں سے چھپا لے گا اور تمہارے کام میں آسانی اور راحت مہیا فرمائے گا۔ پس یہ لوگ موقعہ پا کر یہاں سے بھاگ نکلے اور پہاڑ کے غار میں چھپ رہے۔

بادشاہ اور قوم نے ہر چند ان کی تلاش کی لیکن کوئی پتہ نہ چلا اللہ نے ان کے غار کو اندھیرے میں چھپا دیا۔ دیکھئے یہی بلکہ اس سے بہت زیادہ تعجب خیز واقعہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ پیش آیا۔ آپؐ مع اپنے رفیق خاص یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غار ثور میں جا چھپے مشرکین نے بہت کچھ دوڑ دھوپ کی، تگ و دو میں کوئی کمی نہ کی لیکن حضرت ﷺ انہیں باوجود پوری تلاش اور سخت کوشش کے نہ ملے اللہ نے ان کی بینائی چھین لی، آس پاس سے گزرتے تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے، حضرت ﷺ موجود ہیں اور انہیں دکھائی نہیں دیتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان حال ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اگر کسی نے اپنے پیر کی

طرف بھی نظر ڈال لی تو ہم دیکھ لئے جائیں گے۔ آپؐ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ابو بکر ان دو کے ساتھ تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ اگر تم میرے نبی کی امداد نہ کرو تو کیا ہوا؟ جب کافروں نے اسے نکال دیا، میں نے خود اس کی امداد کی جب کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکون اس پر نازل فرمایا اور ایسے لشکر سے اس کی مدد کی جسے تم نہ دیکھ سکتے تھے آخر اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور اپنا کلمہ بلند فرمایا۔ اللہ عزت وحکمت والا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ واقعہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی عجیب تر اور انوکھا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان نوجوانوں کو قوم اور بادشاہ نے پالیا۔ جب غار میں انہیں دیکھ لیا تو کہا، بس ہم تو خود ہی یہی چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اس کا منہ ایک دیوار سے بند کر دیا کہ یہیں مر جائیں لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ صبح شام ان پر دھوپ آتی جاتی ہے وغیرہ واللہ اعلم۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۧ ﴿۱۷﴾ ع ۵ ۱۴

تو دیکھے گا کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کی بائیں جانب سے کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں، یہ ہے قدرت اللہ کی نشانیوں میں سے، اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے، وہ راہ راست پر ہے اور جسے گمراہ کر دے، ناممکن ہے کہ تو اس کا کوئی کارساز رہنما پا سکے ○

غار اور سورج کی شعاعیں: ☆☆ (آیت: ۱۷) یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اس غار کا منہ شمال رخ ہے۔ سورج کے طلوع کے وقت ان کے دائیں جانب دھوپ کی چھاؤں جھک جاتی ہے۔ پس دوپہر کے وقت وہاں بالکل دھوپ نہیں رہتی۔ سورج کی بلندی کے ساتھ ہی ایسی جگہ سے شعاعیں دھوپ کی کم ہوتی جاتی ہیں اور سورج کے ڈوبنے کے وقت دھوپ ان کے غار کی طرف اس کے دروازے کے شمال رخ سے جاتی ہے مشرق کی جانب سے۔ علم ہیئت کے جاننے والے اسے خوب سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں سورج چاند اور ستاروں کی چال کا علم ہے۔ اگر غار کا دروازہ مشرق رخ ہوتا تو سورج کے غروب کے وقت وہاں دھوپ بالکل نہ جاتی اور اگر قبلہ رخ ہوتا تو سورج کے طلوع کے وقت دھوپ نہ پہنچتی اور نہ غروب کے وقت پہنچتی اور نہ سایہ دائیں بائیں جھکتا اور اگر دروازہ مغرب رخ ہوتا تو بھی سورج نکلنے کے وقت اندر دھوپ نہ جا سکتی بلکہ زوال کے بعد اندر پہنچتی اور پھر برابر مغرب تک رہتی۔ پس ٹھیک بات وہی ہے جو ہم نے بیان کی فللہ الحمد۔ تقرضهم کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترک کرنے اور چھوڑ دینے کے کئے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتا دیا تا کہ ہم اسے سوچیں سمجھیں اور یہ نہیں بتایا کہ وہ غار کس شہر کے کس پہاڑ میں ہے اس لئے کہ ہمیں اس سے کوئی فائدہ نہیں، نہ اس سے کسی شرعی مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ پھر بھی بعض مفسرین نے اس میں تکلیف اٹھائی ہے کوئی کہتا ہے وہ ایلہ کے قریب ہے، کوئی کہتا ہے نینویٰ کے پاس ہے، کوئی کہتا ہے روم میں ہے، کوئی کہتا ہے بلقا میں ہے۔ اصل علم اللہ ہی کو ہے۔ وہ کہاں ہے اگر اس میں کوئی دینی مصلحت یا ہمارا کوئی مذہبی فائدہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیں بتا دیتا اپنے رسول ﷺ کی زبانی بیان کرا دیتا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تمہیں جو جو کام اور چیزیں جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی تھیں، ان میں سے ایک بھی ترک کئے بغیر میں نے بتا دی ہیں پس

اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرما دی اور اس کی جگہ نہیں بتائی۔ فرما دیا کہ سورج کے طلوع کے وقت ان کے غار سے وہ دائیں جانب جھک جاتا ہے اور غروب کے وقت انہیں بائیں طرف چھوڑ دیتا ہے، وہ اس سے فراخی میں ہیں، انہیں دھوپ کی تپش نہیں پہنچتی ورنہ ان کے بدن اور کپڑے جل جاتے۔ یہ اللہ کی ایک نشانی ہے کہ رب نے انہیں اس غار میں پہنچایا جہاں انہیں زندہ رکھا، دھوپ بھی پہنچے، ہوا بھی جائے، چاندنی بھی رہے تا کہ نہ نیند میں خلل آئے نہ نقصان پہنچے۔ فی الواقع اللہ کی طرف سے یہ بھی کامل نشان قدرت ہے۔ ان نوجوانوں موحدوں کی ہدایت خود اللہ نے کی تھی، یہ راہ راست پا چکے تھے، کسی کے بس میں نہ تھا کہ انہیں گمراہ کر سکے اور اس کے برعکس جسے وہ راہ نہ دکھائے اس کا ہادی کوئی نہیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ
لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

تو خیال کرے گا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ خود ہم ہی انہیں دائیں بائیں کروٹیں دلا دیا کرتے ہیں، ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے، اگر تو جھانک کر انہیں دیکھنا چاہے تو ضرور الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو اور ان کی دہشت و رعب سے تو پر کر دیا جائے ○

ایک آنکھ بند ایک کھلی: ☆☆ (آیت:۱۸) یہ سو رہے ہیں لیکن دیکھنے والا انہیں بیدار سمجھتا ہے کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ مذکور ہے کہ بھیڑیا جب سوتا ہے تو ایک آنکھ بند رکھتا ہے، ایک کھلی ہوتی ہے۔ پھر اسے بند کر کے اسے کھول دیتا ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

یَنَام باحدی مُقْلَتَیْهِ وَ یَتَّقِیْ   بِاُخْرَی الرَّزَایَا فَهُوَ یَقْظَانٌ نَائِم

جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں اور دشمنوں سے بچانے کے لئے تو اللہ نے نیند میں بھی ان کی آنکھیں کھلی رکھی ہیں اور زمین نہ کھا جائے، کروٹیں گل نہ جائیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلوا دیتا ہے، کہتے ہیں سال بھر میں دو مرتبہ کروٹ بدلتے ہیں۔ ان کا کتا بھی انگنائی میں دروازے کے پاس مٹی میں چوکھٹ کے قریب بطور پہریدار کے بازو زمین پر ٹکائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے دروازے کے باہر اس لئے ہے کہ جس گھر میں کتا، تصویر، جنبی اور کافر شخص ہو، اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے۔ جیسے کہ ایک حسن حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اس کتے کو بھی اسی حالت میں نیند آ گئی ہے۔ سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے دیکھئے نا اس کتے کی کتنی شان ہو گئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کا یہ شکاری کتا پلا ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے باورچی کا یہ کتا تھا۔ چونکہ وہ بھی ان کے ہم مسلک تھے، ان کے ساتھ ہجرت میں تھے، ان کا کتا ان کے پیچھے لگ گیا تھا واللہ اعلم۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو مینڈھا ذبح ہوا اس کا نام جریر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس ہدہد نے ملکہ سبا کی خبر دی تھی، اس کا نام عنفز تھا اور اصحاب کہف کے اس کتے کا نام قطیر تھا اور بنی اسرائیل نے جس بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی اس کا نام مہوت تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے ہند میں اترے تھے، حضرت حوا جدہ میں، ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصفہان میں۔ ایک قول ہے کہ اس کتے کا نام حمران تھا۔ نیز اس کتے کے رنگ میں بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن ہمیں حیرت ہے کہ اس سے کیا نتیجہ؟ کیا فائدہ؟ کیا ضرورت؟ بلکہ عجب نہیں کہ ایسی بحثیں ممنوع ہوں۔ اس لئے کہ یہ تو آنکھیں بند کر کے پتھر پھینکنا ہے، بے دلیل زبان کھولنا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں وہ رعب دیا ہے کہ کوئی انہیں دیکھ ہی نہیں سکتا۔ یہ اس لئے کہ لوگ ان کا تماشہ نہ بنا لیں، کوئی

جرات کر کے ان کے پاس نہ چلا جائے' کوئی انہیں ہاتھ نہ لگا سکے وہ آرام اور چین سے جب تک حکمت الٰہی مقتضی ہے' باآرام سوتے رہیں۔ جو انہیں دیکھتا ہے' مارے رعب کے کلیجہ تھرتھرا جاتا ہے۔ اسی وقت الٹے پیروں واپس لوٹتا ہے' انہیں نظر بھر کر دیکھنا بھی ہر ایک کے لئے محال ہے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ
كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ
وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ
يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰

اسی طرح ہم نے انہیں جگا کر اٹھا دیا کہ آپس میں پوچھ گچھ کر لیں' ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھئی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے' انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم' کہنے لگے تمہارے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے' اب تو تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجو۔ وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے۔ پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے آئے اسے چاہئے کہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے ○ اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں پھر اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور پھر تو تمہیں ہرگز فلاح نہیں ہونے کی ○

موت کے بعد زندگی : ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں سلا دیا تھا' اسی طرح اپنی قدرت سے انہیں جگا دیا۔ تین سو نو سال تک سوتے رہے لیکن جب جاگے بالکل ویسے ہی تھے جیسے سوتے وقت تھے' بدن بال کھال سب اصلی حالت میں تھے۔ بس جیسے سوتے وقت تھے' ویسے ہی اب بھی تھے۔ کسی قسم کا کوئی تغیر نہ تھا آپس میں کہنے لگے کہ کیوں جی ہم کتنی مدت سوتے رہے؟ تو جواب ملا کہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کم کیونکہ صبح کے وقت یہ سو گئے تھے اور اس وقت شام کا وقت تھا اس لئے انہیں یہی خیال ہوا۔ لیکن پھر خود انہیں خیال ہوا کہ ایسا تو نہیں اس لئے انہوں نے ذہن لڑانا چھوڑ دیا اور فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ اب چونکہ بھوک پیاس معلوم ہو رہی تھی' اس لئے انہوں نے بازار سے سودا منگوانے کی تجویز کی۔ دام ان کے پاس تھے۔ جن میں سے کچھ راہ للہ خرچ کئے تھے کچھ موجود تھے۔ کہنے لگے کہ اسی شہر میں کسی کو دام دے کر بھیج دو وہ وہاں سے کوئی پاکیزہ چیز کھانے پینے کی لائے یعنی عمدہ اور بہتر چیز جیسے آیت وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی پاک نہ ہوتا اور آیت میں ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وہ فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی کی۔ زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مال کو طیب و طاہر کر دیتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بہت سارا کھانا لانے سے ہے جیسے کھیتی کے بڑھ جانے کے وقت عرب کہتے ہیں زکا الزرع اور جیسے شاعر کا قول ہے۔

قَبَائِلُنَا سَبْعٌ وَّ اَنْتُمْ ثَلَاثَةٌ وَالسَّبْعُ اَزْكٰى مِنْ ثَلَاثٍ وَّ اَطْيَب

پس یہاں بھی یہ لفظ زیادتی اور کثرت کے معنی میں ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے اس لئے کہ اصحاب کہف کا مقصد اس قول سے حلال چیز کا لانا تھا۔ خواہ وہ زیادہ ہو یا کم۔ کہتے ہیں کہ جانے والے کو بہت احتیاط برتنی چاہئے' آنے جانے اور سودا خریدنے میں ہوشیاری سے کام لے

جہاں تک ہو سکے لوگوں کی نگاہوں میں نہ چڑھے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی معلوم کر لے۔ اگر انہیں علم ہو گیا تو پھر خیر نہیں۔ دقیانوس کے آدمی اگر تمہاری جگہ کی خبر پا گئے تو وہ طرح طرح کی سخت سزائیں تمہیں دیں گے کہ یا تو تم ان سے گھبرا کر دین حق چھوڑ کر پھر سے کافر بن جاؤ یا یہ کہ وہ انہی سزاؤں میں تمہارا کام ہی ختم کر دیں۔ اگر تم ان کے دین میں جا ملے تو سمجھ لو کہ تم نجات سے دست بردار ہو گئے پھر تو اللہ کے ہاں کا چھٹکارا تمہارے لئے محال ہو جائے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ
السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا
ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي
اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱

ہم نے اسی طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں، جب کہ وہ اپنے امر میں آپس میں اختلاف کر رہے تھے۔ کہنے لگے ان کے غار پر ایک عمارت بنا لو ان کا رب ہی ان کے حال کا زیادہ عالم ہے، جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا، وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے آس پاس مسجد بنا لیں گے ○

دوبارہ جینے کی حجت: ☆☆ (آیت:۲۱) ارشاد ہے کہ اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے لوگوں کو ان کے حال پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ کے وعدے اور قیامت کے آنے کی سچائی کا انہیں علم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے کے وہاں موجود لوگوں کو قیامت کے آنے میں کچھ شکوک پیدا ہو چلے تھے۔ ایک جماعت تو کہتی تھی کہ فقط روحیں دوبارہ جی اٹھیں گی۔ جسم کا اعادہ نہ ہو گا پس اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد اصحاب کہف کو جگا کر قیامت کے ہونے اور جسموں کے دوبارہ جینے کی حجت واضح کر دی ہے اور عینی دلیل دے دی۔

مذکور ہے کہ جب ان میں سے ایک صاحب دام لے کر سودا خریدنے کو غار سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی دیکھی ہوئی ایک چیز نہیں، سارا نقشہ بدلا ہوا ہے اس شہر کا نام افسوس تھا۔ زمانے گزر چکے تھے، بستیاں بدل چکی تھیں، صدیاں بیت گئی تھیں اور یہ تو اپنے نزدیک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہمیں یہاں پہنچے ایک آدھ دن گزرا ہے۔ یہاں انقلاب زمانہ اور کا اور ہو چکا تھا جیسے کسی نے کہا ہے ؎

اَمَّا الدِّيَارُ فَاِنَّهَا كَدِيَارِهِمْ   وَاَرٰى رِجَالَ الْحَيِّ غَير رِجَالِهٖ

گھر گو انہی جیسے ہیں لیکن قبیلے کے لوگ تو سب اور ہی ہیں اس نے دیکھا کہ نہ تو شہر کی کوئی چیز اپنے حال پر ہے نہ شہر کا کوئی بھی رہنے والا جان پہچان کا ہے، نہ یہ کسی کو جانیں نہ انہیں اور کوئی پہچانے۔ تمام عام خاص اور ہی ہیں۔ یہ اپنے دل میں حیران تھا۔ دماغ چکرا رہا تھا کہ کل شام ہم اس شہر کو چھوڑ کر گئے ہیں یہ دفعتاً ہو کیا گیا؟ ہر چند سوچتا تھا کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر خیال کرنے لگا کہ شاید میں مجنوں ہو گیا ہوں یا میرے حواس ٹھکانے نہیں رہے یا مجھے کوئی مرض لگ گیا ہے یا میں خواب میں ہوں۔ لیکن فوراً ہی یہ خیالات ہٹ گئے مگر کسی بات پر تسلی نہ ہو سکی اس لئے ارادہ کر لیا کہ مجھے سودا لے کر اس شہر کو جلد چھوڑ دینا چاہئے۔ ایک دکان پر جا کر اسے دام دیئے اور سودا کھانے پینے کا طلب کیا۔ اس نے اس سکے کو دیکھ کر سخت تر تعجب کا اظہار کیا اپنے پڑوسی کو دیا کہ دیکھنا یہ سکہ کیا ہے؟ کب کا ہے؟ کس زمانے کا ہے؟ اس نے دوسرے کو دیا اس سے کسی اور نے دیکھنے کو مانگ لیا۔ الغرض وہ تو ایک تماشہ بن گیا ہر زبان سے یہی نکلنے لگا کہ اس نے کسی پرانے زمانے کا خزانہ پایا ہے، اس میں سے یہ لایا ہے اس سے پوچھو یہ کہاں کا ہے؟ کون ہے؟ یہ سکہ کہاں سے پایا؟

چنانچہ لوگوں نے اسے گھیر لیا مجمع لگا کر کھڑے ہو گئے اور اوپر تلے ٹیڑھے ترچھے سوالات شروع کر دیئے اس نے کہا میں تو اسی شہر کے رہنے والوں میں سے ہوں' کل شام کو میں یہاں سے گیا ہوں' یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے۔ اب تو سب نے قہقہہ لگا کر کہا' بھئی یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سے سوالات ہوئے اس نے تمام حال کہہ سنایا اب ایک طرف بادشاہ اور دوسرے سب لوگ متحیر' ایک طرف سے خود ششدر و حیران۔ آخر سب لوگ ان کے ساتھ ہوئے۔ اچھا ہمیں اپنے اور ساتھی دکھاؤ اور اپنا غار بھی دکھا دو۔ یہ انہیں لے کر چلے غار کے پاس پہنچ کر کہا تم ذرا ٹھہرو میں پہلے انہیں جا کر خبر کر دوں۔ ان کے الگ ہٹتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر بے خبری کے پردے ڈال دیئے۔ انہیں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گیا؟ اللہ نے پھر اس راز کو مخفی کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ یہ لوگ مع بادشاہ کے گئے۔ ان سے ملے' سلام علیک ہوئی' بغل گیر ہوئے' یہ بادشاہ خود مسلمان تھا' اس کا نام تندوسیس تھا' اصحاب کہف ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور محبت وانسیت سے ملے جلے' باتیں کیں' پھر واپس جا کر اپنی اپنی جگہ جا لیٹے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوت کر لیا رحمہم اللہ اجمعین واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حبیب بن مسلمہ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے' وہاں انہوں نے روم کے شہروں میں ایک غار دیکھا جس میں ہڈیاں تھیں' لوگوں نے کہا یہ ہڈیاں اصحاب کہف کی ہیں آپ نے فرمایا تین سو سال گزر چکے کہ ان کی ہڈیاں کھوکھلی ہو کر مٹی ہو گئیں (ابن جریر) پس فرماتا ہے کہ جیسے ہم نے انہیں انوکھی طرز پر سلایا اور بالکل انوکھے طور پر جگایا' اسی طرح بالکل نرالے طرز پر اہل شہر کو ان کے حالات سے مطلع فرمایا تا کہ انہیں اللہ کے وعدوں کی حقانیت کا علم ہو جائے اور قیامت کے ہونے میں اور اس کے برحق ہونے میں انہیں کوئی شک نہ رہے۔ اس وقت وہ آپس میں سخت مختلف تھے' لڑ جھگڑ رہے تھے' بعض قیامت کے قائل تھے' بعض منکر تھے پس اصحاب کہف کا ظہور منکروں پر حجت اور ماننے والوں کے لئے دلیل بن گیا۔ اب اس بستی والوں کا ارادہ ہوا کہ ان کے غار کا منہ بند کر دیا جائے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ جنہیں سرداری حاصل تھی' انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم تو ان کے ارد گرد مسجد بنا لیں گے۔ امام ابن جریر ان لوگوں کے بارے میں دو قول نقل کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں سے مسلمانوں نے یہ کہا تھا' دوسرے یہ کہ یہ قول کفار کا تھا واللہ اعلم۔ لیکن بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قائل کلمہ گو تھے ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کا یہ کہنا اچھا تھا یا برا؟ تو اس بارے میں صاف حدیث موجود ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یہود و نصاری پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور اولیا کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا جو انہوں نے کیا' اس سے آپ اپنی امت کو بچانا چاہتے تھے۔ اسی لئے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب حضرت دانیال کی قبر عراق میں پائی تو حکم فرمایا کہ اسے پوشیدہ کر دیا جائے اور جو رقعہ ملا ہے جس میں بعض لڑائیوں وغیرہ کا ذکر ہے' اسے دفن کر دیا جائے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ
سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا ۢ بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ
وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ
اِلَّا قَلِيْلٌ ڣ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ
مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

ع ۵ ۱۵

کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا' کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ نشانہ دیکھے بغیر پتھر چلا دینے کی طرح' کچھ کہیں

گے کہ وہ سات ہیں اور ان کا کتا آٹھواں ہے، تو کہہ دے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو بخوبی جاننے والا ہے۔ انہیں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔ پس تو ان کے مقدمے میں صرف سرسری گفتگو ہی کر اور ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ کر ○

اصحاب کہف کی تعداد: ☆☆ (آیت:۲۲) لوگ اصحاب کہف کی گنتی میں کچھ کا کچھ کہا کرتے تھے۔ تین قسم کے لوگ تھے۔ چوتھی گنتی بیان نہیں فرمائی۔ دو پہلے کے اقوال کو تو ضعیف کر دیا کہ یہ اٹکل کے تکے ہیں، بے نشانے کے پتھر ہیں کہ اگر کہیں لگ جائیں تو کمال، نہیں، نہ لگیں تو زوال نہیں۔ ہاں تیسرا قول بیان فرما کر سکوت اختیار فرمایا۔ تردید نہیں کی یعنی سات وہ آٹھواں ان کا کتا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات صحیح اور واقع میں یونہی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر بہتر یہی ہے کہ علم الٰہی کی طرف اسے لوٹا دیا جائے ایسی باتوں میں باوجود کوئی صحیح علم نہ ہونے کے غور و خوض کرنا عبث ہے۔ جس بات کا علم ہو جائے، منہ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔

اس گنتی کا صحیح علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں انہیں میں سے ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ سات تھے حضرت عطا خراسانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے اور یہی ہم نے پہلے لکھا تھا۔ ان میں کے بعض تو بہت ہی کم عمر تھے۔ عنفوان شباب میں تھے۔ یہ لوگ دن رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، روتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہتے تھے۔ مروی ہے کہ یہ نو تھے۔ ان میں سے جو سب سے بڑے تھے ان کا نام مکسلمین تھا۔ اسی نے بادشاہ سے باتیں کی تھیں اور اسے اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دی تھی۔ باقی کے نام یہ ہیں فحشلمین، تملیخ، مطونس، کشطونس، بیرونس، دنیموس، بطونس اور قابوس۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت یہی ہے کہ یہ سات شخص تھے آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ شعیب جبائی کہتے ہیں، ان کے کتے کا نام حمران تھا لیکن ان ناموں کی صحت میں نظر ہے واللہ اعلم۔ ان میں کی بہت سی چیزیں اہل کتاب سے لی ہوئی ہیں۔ پھر اپنے نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے بارے میں زیادہ بحث مباحثہ نہ کریں۔ یہ ایک نہایت ہی ہلکا کام ہے۔ جس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں اور نہ ان کے بارے میں کسی سے دریافت کیجئے کیونکہ عموماً وہ اپنے دل سے جوڑ کر کہتے ہیں کوئی صحیح اور سچی دلیل ان کے ہاتھوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کے سامنے بیان فرمایا ہے، یہ جھوٹ سے پاک ہے، شک وشبہ سے دور ہے، قابل ایمان ویقین ہے بس یہی حق ہے اور سب سے مقدم ہے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاْیۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ
اللّٰهُ ۫ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّهۡدِیَنِ
رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا ○ مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا، اور جب بھی بھولے اپنے پروردگار کی یاد کر لیا کرنا اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی رہبری کرے ○

ان شاء اللہ کہنے کا حکم: ☆☆ (آیت:۲۴) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ختم المرسلین نبی کو ارشاد فرماتا ہے کہ جس کسی کام کو کل کرنا چاہو تو یوں نہ کہہ دیا کرو کہ کل کروں گا بلکہ اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لیا کرو کیونکہ کل کیا ہوگا۔ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ علام الغیوب اور تمام چیزوں پر قادر صرف وہی ہے۔ اس کی مدد طلب کر لیا کرو۔ صحیحین میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نوے بیویاں تھیں۔ ایک روایت میں ہے سو تھیں۔ ایک میں ہے بہتر تھیں تو آپؑ نے ایک بار کہا کہ آج رات میں ان سب کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو بچہ ہوگا تو سب اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اس وقت فرشتے نے کہا ان شاء اللہ کہہ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ کہا اپنے

ارادے کے مطابق وہ سب بیویوں کے پاس گئے مگر سوائے ایک بیوی کے کسی کے ہاں بچہ نہ ہوا اور جس ایک کے ہاں ہوا بھی' وہ بھی آدھے جسم کا تھا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو یہ ارادہ ان کا پورا ہوتا اور ان کی حاجت روائی ہو جاتی۔ اور یہ سب بچے جوان ہو کر اللہ کی راہ کے مجاہد بنتے۔

اسی سورت کی تفسیر کے شروع میں اس آیت کا شان نزول بیان ہو چکا ہے کہ جب آپ سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل تمہیں جواب دوں گا ان شاء اللہ نہ کہا اس بنا پر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ اس حدیث کو پوری طرح ہم نے اس سورت کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دیا ہے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ جب بھول جائے تب اپنے رب کو یاد کر یعنی ان شاء اللہ کہنا اگر موقعہ پر یاد نہ آیا تو جب یاد آئے کہہ لیا کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف کھائے کہ اسے پھر بھی انشاء اللہ کہنے کا حق ہے گو سال بھر گزر چکا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کلام میں یا قسم میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب بھی یاد آئے کہہ لے گو کتنی ہی مدت گزر چکی ہو اور گو اس کا خلاف بھی ہو چکا ہو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ اب اس پر قسم کا کفارہ نہیں رہے گا اور اسے قسم توڑنے کا اختیار رہے۔ یہی مطلب اس قول کا امام بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہی بالکل ٹھیک ہے اسی پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام محمول کیا جا سکتا ہے ان سے اور حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد ان شاء اللہ کہنا بھول جانا ہے۔ اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ یہ مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ' دوسرا کوئی تو اپنی قسم کے ساتھ ہی متصل طور پر انشاء اللہ کہے تو معتبر ہے۔ یہ بھی ایک مطلب ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو کیونکہ بھول شیطانی حرکت ہے اور ذکر الٰہی یاد کا ذریعہ ہے۔ پھر فرمایا کہ تجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جائے کہ تجھے اس کا علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے دریافت لیا کر اور اس کی طرف توجہ کرتا کہ وہ تجھے ٹھیک بات اور ہدایت والی راہ بتا اور دکھا دے۔ اور بھی اقوال اس بارے میں مروی ہیں واللہ اعلم۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾
قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ
حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے بلکہ نو سال اور زیادہ گزارے ○ تو کہہ دے کہ اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے' آسمانوں اور زمینوں کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے' وہ کیا ہی اچھا دیکھنے سننے والا ہے۔ سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ○

اصحاب کہف کتنا سوئے؟: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو اس مدت کی خبر دیتا ہے جو اصحاب کہف نے اپنے سونے کے زمانے میں گزاری کہ وہ مدت سورج کے حساب سے تین سو سال کی تھی اور چاند کے حساب سے تین سو نو سال کی تھی۔ فی الواقع شمسی اور قمری سال میں سو سال پر تین سال کا فرق پڑتا ہے اسی لئے تین سو الگ بیان کر کے پھر نو الگ بیان کئے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب تجھ سے ان کے سونے کی مدت دریافت کی جائے اور تیرے پاس اس کا کچھ علم نہ ہو اور نہ اللہ نے تجھے واقف

کیا ہو تو آگے نہ بڑھ اور ایسے امور میں یہ جواب دیا کر کہ اللہ ہی کو صحیح علم ہے، آسمان اور زمین کا غیب وہی جانتا ہے ہاں جسے وہ جو بات بتا دے، وہ جان لیتا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ تین سو سال ٹھہرے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے، اللہ ہی کو اس کا پورا علم ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی معنی کی قرات مروی ہے۔ لیکن قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ اہل کتاب کے ہاں شمسی سال کا رواج ہے اور وہ تین سو سال مانتے ہیں تین سو نو کا ان کا قول نہیں اگر ان ہی کا قول نقل ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ اور نو سال زیادہ کئے۔ بظاہر تو یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے نہ کہ کسی کا قول بیان فرماتا ہے، یہی اختیار امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کی روایت اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات دونوں منقطع ہیں۔ پھر شاذ بھی ہیں، جمہور کی قرأت وہی ہے جو قرآن میں ہے۔ پس وہ شاذ دلیل کے قابل نہیں واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور ان کی آواز کو خوب سن رہا ہے، ان الفاظ میں تعریف کا مبالغہ ہے، ان دونوں لفظوں میں مدح کا مبالغہ ہے یعنی وہ خوب دیکھنے سننے والا ہے۔ ہر موجود چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے، کوئی کام، کوئی کلام اس سے مخفی نہیں، کوئی اس سے زیادہ سننے دیکھنے والا نہیں۔ سب کے عمل دیکھ رہا ہے، سب کی باتیں سن رہا ہے، خلق کا خالق، امر کا مالک وہی ہے۔ کوئی اس کے فرمان کو رد نہیں کر سکتا۔ اس کا کوئی وزیر اور مددگار نہیں، نہ کوئی شریک اور مشیر ہے۔ وہ ان تمام کمیوں سے پاک ہے، تمام نقصانات سے دور ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ
مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ
وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب کی وحی کی گئی ہے، اسے پڑھتا رہ، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، تو اس کے سوا ہرگز ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا ○ اپنے تئیں انہی کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے رہتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادہ رکھتے ہیں۔ خبردار تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دینوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا، دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا۔ جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے ○

تلاوت وتبلیغ: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) اللہ کریم اپنے رسول ﷺ کو اپنے کلام کی تلاوت اور اس کی تبلیغ کی ہدایت کرتا ہے، اس کے کلمات کو نہ کوئی بدل سکے نہ ٹال سکے نہ ادھر ادھر کر سکے، سمجھ لے کہ اس کے سوائے جائے پناہ نہیں، اگر تلاوت وتبلیغ چھوڑ دی تو پھر بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اے رسولؐ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اترا ہے، اس کی تبلیغ کرتا رہا اگر نہ کی تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا لوگوں کے شر سے اللہ تجھے بچائے رکھے گا۔ اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ الخ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ سے تیرے منصب کی بابت قیامت کے دن ضرور سوال کرے گا۔ اللہ کا ذکر، اس کی تسبیح، حمد، بڑائی اور بزرگی بیان کرنے والوں کے پاس بیٹھا رہا کر جو صبح شام یاد الٰہی میں

لگے رہتے ہیں خواہ وہ فقیر ہوں خواہ امیر، خواہ رزیل ہوں خواہ شریف، خواہ قوی ہوں خواہ ضعیف۔

قریش نے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ چھوٹے لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھا کریں جیسے بلال، عمار، صہیب، خباب، ابن مسعود وغیرہ۔ اور ہماری مجلسوں میں بیٹھا کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی درخواست رد کرنے کا حکم فرمایا جیسے اور آیت میں ہے وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ یعنی صبح شام یادالٰہی کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نہ ہٹا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ہم چھ شخص غریب غرباء حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، قبیلہ ہذیل کا ایک شخص، بلال اور دو آدمی اور اتنے میں معزز مشرکین آئے اور کہنے لگے انہیں اپنی مجلس میں اس جرات کے ساتھ نہ بیٹھنے دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضور ﷺ کے جی میں کیا آیا؟ جو اس وقت آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ اتری۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک واعظ قصہ گوئی کر رہا تھا جو حضور ﷺ تشریف لائے وہ خاموش ہو گئے تو آپ نے فرمایا، تم بیان کئے چلے جاؤ۔ میں تو صبح کی نماز سے لے کر آفتاب کے نکلنے تک اسی مجلس میں بیٹھا رہوں تو اپنے لئے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اور حدیث میں ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں ایسی مجلس میں بیٹھ جاؤں، یہ مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ذکر اللہ کرنے والوں کے ساتھ صبح کی نماز سے سورج نکلنے تک بیٹھ جانا مجھے تو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اور نماز عصر کے بعد سے سورج کے غروب ہوتے تک اللہ کا ذکر کرنا مجھے آٹھ غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ پیارا ہے گو وہ غلام اولاد اسماعیل سے گراں قدر اور قیمتی کیوں نہ ہوں گو ان میں سے ایک ایک کی دیت بارہ بارہ ہزار کی ہو تو مجموعی قیمت چھیانوے ہزار کی ہوئی۔ بعض لوگ چار غلام بتاتے ہیں لیکن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، واللہ حضور ﷺ نے آٹھ غلام فرمائے ہیں۔ بزار میں ہے کہ حضور ﷺ آئے ایک صاحب سورہ کہف کی قرات کر رہے تھے آپ کو دیکھ کر خاموش ہو گئے تو آپ نے فرمایا، یہی ان لوگوں کی مجلس ہے جہاں اپنے نفس کو روک کر رکھنے کا مجھے حکم الٰہی ہوا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ یا تو سورہ حج کی وہ تلاوت کر رہے تھے یا سورہ کہف کی۔ مسند احمد میں ہے، فرماتے ہیں، ذکر اللہ کے لئے جو مجلس جمع ہو، نیت بھی ان کی بخیر ہو تو آسمان سے منادی ندا کرتا ہے، کہ اٹھو اللہ نے تمہیں بخش دیا، تمہاری برائیاں بھلائیوں سے بدل گئیں۔ طبرانی میں ہے کہ جب یہ آیت اتری، آپ اپنے کسی گھر میں تھے، اسی وقت ایسے لوگوں کی تلاش میں نکلے۔ کچھ لوگوں کو ذکر اللہ میں پایا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے، کھالیں خشک تھیں، بمشکل ایک ایک کپڑا انہیں حاصل تھا فوراً ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا ہے۔ پھر فرماتا ہے ان سے تیری آنکھیں تجاوز نہ کریں، ان یادالٰہی کرنے والوں کو چھوڑ کر مالداروں کی تلاش میں نہ لگ جانا جو دین سے برگشتہ ہیں، جو عبادت سے دور ہیں، جن کی برائیاں بڑھ گئی ہیں جن کے اعمال حماقت کے ہیں، تو ان کی پیروی نہ کرنا، ان کے طریقے کو پسند نہ کرنا، ان پر رشک بھری نگاہیں نہ ڈالنا، ان کی نعمتیں للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھنا۔ جیسے فرمان ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الخ ہم نے انہیں جو دنیوی عیش و عشرت دے رکھی ہے، یہ صرف ان کی آزمائش کے لئے ہے۔ تو للچائی ہوئی نگاہوں سے انہیں نہ دیکھنا، دراصل تیرے رب کے پاس کی روزی بہتر اور بہت باقی ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ
فَلْيَكْفُرْ لا اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا لا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَ
اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط
وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف کا ہے- اب جو چاہے ایمان لائے- جو چاہے کفر کرے، ظالموں کے لئے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی، اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا- جو چہرے بھون دے گا، بڑا ہی برا پانی ہے، اور بڑی بری آرام گاہ (دوزخ) ہے ○

جہنم کی دیواریں: ☆☆ (آیت:۲۹) جو کچھ میں اپنے رب کے پاس سے لایا ہوں وہی حق صدق اور سچائی ہے- شک وشبہ سے بالکل خالی- اب جس کا جی چاہے مانے نہ چاہے نہ مانے- نہ ماننے والوں کے لئے آگ جہنم تیار ہے جس کی چار دیواری کے جیل خانے میں یہ بے بس ہوں گے- حدیث میں ہے کہ جہنم کی چار دیواری کی وسعت چالیس چالیس سال کی راہ کی ہے (مسند احمد) اور خود وہ دیواریں بھی آگ کی ہیں اور روایت میں ہے، سمندر بھی جہنم ہے پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا، واللہ نہ اس میں جاؤں جب تک بھی زندہ رہوں اور نہ اس کا کوئی قطرہ مجھے پہنچے- مہل کہتے ہیں غلیظ پانی کو جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ اور جیسے خون اور پیپ جو بے حد گرم ہو- حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ سونا پگھلایا جب وہ پانی جیسا ہو گیا اور جوش مارنے لگا فرمایا مہل کی مشابہت اس میں ہے- جہنم کا پانی بھی سیاہ ہے وہ خود بھی سیاہ ہے، جہنمی بھی سیاہ ہیں- مہل سیاہ رنگ، بدبودار، غلیظ، گندی، سخت گرم چیز ہے چہرے کے پاس جاتے ہی کھال جھلس دیتی ہے، منہ جلا دیتی ہے-

مسند احمد میں ہے، کافر کے منہ کے پاس جاتے ہی اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں آ پڑے گی- قرآن میں ہے، وہ پیپ پلائے جائیں گے بمشکل ان کے حلق سے اترے گی- چہرے کے پاس آتے ہی کھال جل کر گر پڑے گی، پیتے ہی آنتیں کٹ جائیں گی ان کی ہائے وائے شور غل پر یہ پانی ان کو پینے کو دیا جائے گا- بھوک کی شکایت پر زقوم کا درخت دیا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اس طرح جسم چھوڑ کر اتر جائیں گی کہ ان کا پہچاننے والا ان کھالوں کو دیکھ کر بھی پہچان لے، پھر پیاس کی شکایت پر سخت گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا جو منہ کے پاس پہنچتے ہی تمام گوشت کو بھون ڈالے گا- ہائے کیا برا پانی ہے- یہ وہ گرم پانی پلایا جائے گا، ان کا ٹھکانہ، ان کی منزل، ان کا گھر، ان کی آرام گاہ بھی نہایت بری ہے- جیسے اور آیت میں اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا وہ بڑی بری جگہ اور بے حد کٹھن منزل ہے-

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ
مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ
ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا
عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝۳۱

یقیناً جو لوگ ایمان لائیں، نیک اعمال کریں ہم تو کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے ○ ان کے لئے ہیشگی والی جنتیں ہیں- ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی- وہاں یہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ نرم وباریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے- وہاں تختوں کے اوپر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے، کیا خوب بدلہ ہے، اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے ○

سونے کے کنگن اور ریشمی لباس: ☆☆ (آیت:۳۰-۳۱) اوپر برے لوگوں کا حال اور انجام بیان فرمایا اب نیکوں کا آغاز وانجام بیان

ہو رہا ہے یہ اللہ رسول اور کتاب کے ماننے والے نیک عمل کرنے والے ہوتے ہیں' ان کے لئے ہمیشگی والی دائمی جنتیں ہیں' ان کے بالا خانوں کے اور باغات کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ انہیں زیورات خصوصاً سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ ان کا لباس وہاں خالص ریشم کا ہوگا نرم باریک اور نرم موٹے ریشم کا لباس ہوگا' یہ با آرام شاہانہ شان سے مسندوں پر جو تختوں پر ہوں گے' تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ کہا گیا ہے کہ لیٹنے اور چار زانوں بیٹھنے کا نام بھی اتکا ہے' ممکن ہے یہی مراد یہاں بھی ہو چنانچہ حدیث میں ہے' میں اتکا کر کے کھانا نہیں کھاتا۔ اس میں بھی یہی دو قول ہیں اَرَآئِكُ جمع ہے اَرِيْكَة کی' تخت' چھپر کھٹ وغیرہ کو کہتے ہیں۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کتنی ہی اچھی اور آرام دہ جگہ ہے برخلاف دوزخیوں کے کہ ان کے لیے بری سزا اور بری جگہ ہے۔ سورہ فرقان میں بھی انہیں دونوں گروہ کا اسی طرح مقابلہ کا بیان ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ
أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ
اٰتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾
وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ
مَالًا وَّأَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ
مَآ أَظُنُّ أَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ أَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً
وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ إِلٰى رَبِّيْ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

انہیں ان دو شخصوں کی مثال بھی سنا دے جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے جنہیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا تھا اور دونوں کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی ○ دونوں باغ اپنا پھل خوب لاتے تھے اس میں کوئی کمی نہ تھی ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی ○ الغرض اس کے پاس میوے تھے' ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے کے اعتبار سے بھی زیادہ عزت والا ہوں ○ یہ اپنے باغ میں گیا اور تھا اپنی جان پر ظلم کرنے والا' کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہو جائے ○ اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں اس لوٹنے کی جگہ اس سے بھی زیادہ بہتر پاؤں گا ○

فخر و غرور: ☆☆ (آیت:۳۲-۳۶) چونکہ اوپر مسکین مسلمانوں اور مالدار کافروں کا ذکر ہوا تھا' یہاں ان کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے کہ دو شخص تھے جن میں سے ایک مالدار تھا' انگوروں کے باغ' اردگرد کھجوروں کے درخت' درمیان میں کھیتی' درخت پھلدار' بیلیں ہری' کھیتی سرسبز پھل پھول بھرپور' نقصان کسی قسم کا نہیں' ادھر ادھر نہریں جاری تھیں۔ اس کے پاس ہر وقت طرح طرح کی پیداوار موجود' مالدار شخص۔ اس کی دوسری قرات ثمر بھی ہے یہ جمع ہے ثُمْرَة کی جیسے خَشْبَة کی جمع خُشُبٌ۔ الغرض اس نے ایک دن اپنے ایک دوست سے فخر و غرور کرتے ہوئے کہا کہ میں مال میں' عزت و اولاد میں' جاہ و حشم میں' نوکر چاکر میں تجھ سے زیادہ حیثیت والا ہوں' ایک فاجر شخص کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں اس کے پاس بکثرت ہوں۔ یہ اپنے باغ میں گیا اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا یعنی تکبر' اکڑ' انکار قیامت اور کفر کرتا ہوا۔ اس قدر مست تھا

کہ اس کی زبان سے نکلا کہ ناممکن ہے میری یہ لہلہاتی کھیتیاں' یہ پھلدار درخت' یہ جاری نہریں' یہ سرسبز بیلیں کبھی فنا ہو جائیں- حقیقت میں یہ اس کی کم عقلی' بے ایمانی اور دنیا کی حرستی اور اللہ کے ساتھ کفر کی وجہ تھی- اسی لئے کہہ رہا ہے کہ میرے خیال سے تو قیامت آنے والی نہیں- اور اگر بالفرض آئی بھی تو ظاہر ہے کہ اللہ کا میں پیارا ہوں ورنہ وہ مجھے اس قدر مال ومتاع کیسے دے دیتا؟ تو وہاں بھی وہ مجھے اس سے بھی بہتر عطا فرمائے گا- جیسے اور آیت میں ہے وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی اگر میں لوٹایا گیا تو وہاں میرے لئے اور اچھائی ہو گی- اور آیت میں ارشاد ہے' اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا یعنی تو نے اسے بھی دیکھا جو تو کر رہا ہے' ہماری آیتوں سے کفر اور باوجود اس کے اس کی تمنا یہ ہے کہ مجھے قیامت کے دن بھی بکثرت مال واولاد ملے گی' یہ اللہ کے سامنے دلیری کرتا ہے اور اللہ پر باتیں بناتا ہے- اس آیت کا شان نزول عاص بن وائل ہے جیسے کہ اپنے موقعہ پر آئے گا ان شاء اللہ-

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ
مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا
هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ
جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ
اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿٣٩﴾ ۚ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ
خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ
صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ ۙ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ
طَلَبًا ﴿٤١﴾

اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس اللہ سے کفر کرتا ہے؟ جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا ○ لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے- میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا ○ تو اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہیں کہتا کہ اللہ کا چاہا ہونے والا ہے- کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے' اگر چہ تو مجھے مال واولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے ○ مگر بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی بہتر دے اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور پھسلنا میدان بن جائے ○ یا اس کا پانی خشک ہو جائے اور ترے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈ لائے ○

احسان فراموشی مترادف کفر ہے: ☆☆ (آیت:۳۷-۴۱) اس کافر مالدار کو جو جواب اس مومن مفلس نے دیا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح اس نے وعظ وپند کی' ایمان ویقین کی ہدایت کی اور گمراہی اور غرور سے ہٹانا چاہا فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے انسانی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ملے جلے پانی سے جاری رکھی جیسے آیت کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ الخ میں ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا- تم اس کی ذات کا' اس کی نعمتوں کا انکار کیسے کر سکتے ہو؟ اس کی نعمتوں کے' اس کی قدرتوں کے بے شمار نمونے خود تم میں اور تم پر موجود ہیں- کون نادان ایسا ہے جو نہ جانتا ہو کہ وہ پہلے کچھ نہ تھا اللہ نے اسے موجود کر دیا- وہ خود بخود اپنے ہونے پر قادر نہ تھا اللہ نے اس کا وجود پیدا کیا- پھر وہ انکار کے لائق کیسے ہو گیا؟ اس کی توحید الوہیت سے کون انکار کر سکتا ہے-

میں تو تیرے مقابلے میں کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ میرا رب وہی اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے میں اپنے رب کے ساتھ مشرک بننا ناپسند کرتا ہوں۔ پھر اپنے ساتھی کو نیک رغبت دلانے کے لئے کہتا ہے کہ اپنی لہلہاتی ہوئی کھیتی اور ہرے بھرے میووں سے لدے باغ کو دیکھ کر تو اللہ کا شکر کیوں نہیں کرتا؟ کیوں مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ نہیں کہتا؟ اسی آیت کو سامنے رکھ کر بعض سلف کا مقولہ ہے کہ جسے اپنی اولاد یا مال یا حال پسند آئے' اسے یہ کلمہ پڑھ لینا چاہئے۔ ابو یعلی موصلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں' جس بندے پر اللہ اپنی کوئی نعمت انعام فرمائے' اہل وعیال ہوں' دولتمندی ہو' فرزند ہوں' پھر وہ اس کلمہ کو کہہ لے تو اس میں کوئی آنچ نہ آئے گی سوائے موت کے پھر آپ اس آیت کی تلاوت کرتے۔ حافظ ابوالفتح کہتے ہیں' یہ حدیث صحیح نہیں۔

مسند احمد میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا' کیا میں تمہیں جنت کا ایک خزانہ بتا دوں؟ وہ خزانہ لا حول ولا قوة الا بالله کہنا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے میرے اس بندے نے مان لیا اور اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پھر پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا' صرف لاحول نہیں بلکہ وہ جو سورہ کہف میں ہے یعنی مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پھر فرمایا کہ اس نیک شخص نے کہا کہ مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے آخرت کے دن اس سے بہتر نعمتیں عطا فرمائے اور تیرے اس باغ کو جسے تو ہیشگی والا سمجھے بیٹھا ہے' تباہ کر دے۔ آسمان سے اس پر عذاب بھیج دے۔ زور کی بارش آندھی کے ساتھ آئے۔ تمام کھیت اور باغ اجڑ جائیں۔ سوکھی صاف زمین رہ جائے گویا کہ کبھی یہاں کوئی چیز اگی ہی نہ تھی۔ یا اس کی نہروں کا پانی دھنسا دے۔ غور مصدر ہے معنی میں غائر کے بطور مبالغے کے لایا گیا ہے۔

وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ
فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ
بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ
خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾

ع ۱۲ ۱۷

اس کے سارے پھل گھیر لئے گئے۔ پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا' اپنے ہاتھ ملنے لگا اور وہ باغ تو اوندھا الٹا پڑا ہوا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ کاش کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا ○ اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اٹھی کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا ○ یہیں سے ثابت ہے کہ اختیارات اس اللہ تعالیٰ ہیشگی والے کے ہی ہیں۔ وہ ثواب دینے کے اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہے ○

کف افسوس: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۴) اس کا کل مال' کل پھل غارت ہو گیا۔ وہ مومن اسے جس بات سے ڈرا رہا تھا' وہی ہو کر رہی۔ اب تو وہ اپنے مال کی بربادی پر کف افسوس ملنے لگا اور آرزو کرنے لگا کہ کاش کہ میں اللہ کے ساتھ مشرک نہ بنتا۔ جن پر فخر کرتا تھا' ان میں سے کوئی اس وقت کام نہ آیا' فرزند قبیلہ سب رہ گیا۔ فخر وغرور سب مٹ گیا نہ اور کوئی کھڑا ہوا نہ خود میں ہی کوئی ہمت ہوئی۔ بعض لوگ هُنَالِكَ پر وقف کرتے ہیں اور اسے پہلے جملے کے ساتھ ملا لیتے ہیں یعنی وہاں وہ اپنا انتقام نہ لے سکا اور بعض مُنْتَصِرًا پر آیت کر کے آگے سے نئے جملے کی ابتدا کرتے ہیں وَلَايَةُ کی دوسری قرات وِلَايَةُ بھی ہے۔ پہلی قرات پر مطلب یہ ہوا کہ ہر مومن وکافر اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں' عذاب کے وقت کوئی بھی سوائے اس کے کام نہیں آ سکتا جیسے فرمان ہے فَلَمَّا

رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ یعنی ہمارے عذاب دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لاتے ہیں اور اس سے پہلے جنہیں ہم اللہ کے شریک ٹھہرایا کرتے تھے' ان سے انکار کرتے ہیں۔ اور جیسے کہ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا کہ میں اس اللہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں شامل ہوتا ہوں اس وقت جواب ملا کہ اب ایمان قبول کرتا ہے؟ اس سے پہلے تو نافرمان رہا اور مفسدوں میں شامل رہا۔ واؤ کے کسر کی قرأت پر یہ معنی ہوئے کہ وہاں حکم صحیح طور پر اللہ ہی کے لئے ہے۔ لِلّٰهِ الْحَقِّ کی دوسری قرات قاف کے پیش سے بھی ہے کیونکہ یہ اَلْوِلَایَةُ کی صفت ہے جیسے فرمان ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ الخ میں ہے بعض لوگ قاف کا زیر پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ صفت ہے حق تعالیٰ کی۔ جیسے اور آیت میں ہے ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ الخ اسی لئے پھر فرماتا ہے کہ جو اعمال صرف اللہ ہی کے لئے ہوں' ان کا ثواب بہت ہوتا ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی وہ بہت بہتر ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ
زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کر جیسے کہ پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اس سے زمین کو روئیدگی ملتی ہے ○ پھر آخر کار وہ چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے لئے پھرتی ہیں' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ مال و اولاد تو دنیا کی زندگی کی ہی زینت ہے ○ ہاں البتہ باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب کے اور آئندہ کی اچھی توقع کے بہت ہی عمدہ ہیں ○

حیات وموت کا نقشہ : ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۶) دنیا اپنے زوال' فنا' خاتمے اور بربادی کے لحاظ سے مثل آسمانی بارش کے ہے جو زمین کے دانوں وغیرہ سے ملتی ہے اور ہزار ہا پودے لہلہانے لگتے ہیں۔ تروتازگی اور زندگی کے آثار ہر چیز پر ظاہر ہونے لگتے ہیں لیکن کچھ دنوں کے گزرتے ہی وہ سوکھ ساکھ کر چورا چورا ہو جاتے ہیں اور ہوائیں انہیں دائیں بائیں اڑائے پھرتی ہیں۔ اس حالت پر جو اللہ قادر تھا' وہ اس حالت پر بھی قادر ہے۔ عموماً دنیا کی مثال بارش سے بیان فرمائی جاتی ہے جیسے سورہ یونس کی آیت اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ میں اور جیسے سورہ زمر کی آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً الخ میں۔ اور جیسے سورہ حدید کی آیت اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا الخ میں صحیح حدیث میں بھی ہے۔ دنیا سبز رنگ میٹھی ہے الخ۔ پھر فرماتا ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ جیسے فرمایا ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ الخ انسان کے لئے خواہشوں کی محبت مثلاً عورتیں' بیٹے' خزانے وغیرہ مزین کر دی گئی ہے۔ اور آیت میں ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ الخ تمہارے مال' تمہاری اولادیں فتنہ ہیں اور اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔ یعنی اس کی طرف جھکنا' اس کی عبادت میں مشغول رہنا دنیا طلبی سے بہتر ہے۔ اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ باقیات صالحات ہر لحاظ سے عمدہ چیز ہے۔ مثلاً پانچوں وقت کی نمازیں اور سبحان اللہ و الحمدللہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ اور الحمدللہ اور اللہ اکبر اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے

تھے جو موذن پہنچا آپ نے پانی منگوایا ایک برتن میں قریب تین پاؤ کے پانی آیا' آپ نے وضو کر کے فرمایا حضور علیہ السلام نے اسی طرح وضو کر کے فرمایا' جو میرے اس وضو جیسا وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرے تو صبح سے لے کر ظہر تک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں- پھر عصر میں بھی اسی طرح نماز پڑھ لی تو ظہر سے عصر تک کے تمام گناہ معاف' پھر مغرب کی نماز پڑھی تو عصر سے مغرب تک کے گناہ معاف- پھر عشا کی نماز پڑھی تو مغرب سے عشا تک کے گناہ معاف پھر رات کو وہ سو رہا صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی تو عشا سے لے کے صبح تک کے گناہ معاف- یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں- لوگوں نے پوچھا یہ تو ہوئیں نیکیاں اب اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ بتلایئے کہ باقیات صالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ-

حضرت سعید بن میسّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' باقیات صالحات یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ حضرت سعید بن میسّب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد عمارہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بتاؤ باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نماز اور روزہ- آپ نے فرمایا' تم نے صحیح جواب نہیں دیا انہوں نے کہا' زکوٰۃ اور حج' فرمایا ابھی جواب ٹھیک نہیں ہوا- سنو! وہ پانچ کلمے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا تو آپ نے بجز الحمد للہ کے اور چار کلمات بتلائے- حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بجز لاحول کے اور چاروں کلمات بتلاتے ہیں-

حسن رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی چاروں کلمات کو باقیات صالحات بتلاتے ہیں- ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' رسول ﷺ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ یہ ہیں باقیات صالحات- حضور ﷺ فرماتے ہیں' قیات صالحات کی کثرت کرو پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا ملت' پوچھا گیا وہ کیا ہے یا رسولؐ اللہ؟ آپؐ نے فرمایا' تکبیر تہلیل' تسبیح اور الحمد للہ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (احمد) سالم بن عبداللہ کے مولی عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی کام کے لئے بھیجا تو انہوں نے کہا سالم سے کہہ دینا کہ فلاں قبر کے پاس کے کونے میں مجھ سے ملاقات کریں مجھے ان سے کچھ کام ہے چنانچہ دونوں کی وہاں ملاقات ہوئی سلام علیک ہوا تو سالم نے پوچھا' کچھ کے نزدیک باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ سالم نے کہا' یہ آخری کلمہ آپ نے اس میں کب سے بڑھایا؟ قرظی نے کہا' میں تو ہمیشہ سے اس کلمے کو شمار کرتا ہوں دو تین بار یہی سوال جواب ہوا تو حضرت محمد بن کعب نے فرمایا' کیا تمہیں اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں انکار ہے- کہا' سنو میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے انہوں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے' جب مجھے معراج کرائی گئی' میں نے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا' آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں- انہوں نے مجھے مرحبا اور خوش آمدید کہا اور فرمایا آپ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ وہ جنت میں اپنے لئے بہت کچھ باغات لگالیں' اس کی مٹی پاک ہے' اس کی زمین کشادہ ہے' میں نے پوچھا' وہاں باغات لگانے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بکثرت پڑھیں-

مسند احمد میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات عشا کی نماز کے بعد حضور ﷺ ہمارے پاس آئے آسمان کی طرف دیکھ کر نظریں نیچی کر لیں' ہمیں خیال ہوا کہ شاید آسمان میں کوئی نئی بات ہوئی ہے پھر آپ نے فرمایا میرے بعد جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے والے بادشاہ ہوں گے جو ان کے جھوٹ کو تسلیم کرے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری کرے' وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس کا

ہوں- اور جوان کے جھوٹ کو نہ بچائے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری نہ کرے' وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں- لوگو! سن رکھو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ یہ باقیات صالحات یعنی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں- مسند میں ہے' آپؐ نے فرمایا واہ واہ پانچ کلمات ہیں اور نیکی کے ترازو میں بے حد وزنی ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اور وہ بچہ جس کے انتقال پر اس کا باپ طلب اجر کے لیے صبر کرے- واہ واہ پانچ چیزیں ہیں' جوان کا یقین رکھتا ہوا اللہ سے ملاقات کرے' وہ قطعاً جنتی ہے- اللہ پر' قیامت کے دن پر' جنت و دوزخ پر' مرنے کے بعد کے جی اٹھنے پر اور حساب پر ایمان رکھے-

مسند احمد میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سفر میں تھے کسی جگہ اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں- حسان بن عطیہ کہتے ہیں' میں نے اس وقت کہا کہ یہ آپ نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا واقعی میں نے غلطی کی سنو اسلام لانے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کوئی کلمہ اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالا جو میرے لئے لگام بن جائے بجز اس ایک کلمے کے پس تم لوگ اسے یاد سے بھلا دو اور اب جو میں کہہ رہا ہوں' اسے یاد رکھو' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ سونے چاندی کے جمع کرنے میں لگ جائیں' تم اس وقت ان کلمات کو بکثرت پڑھا کرو- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثُّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَ الْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ وَ اَسْئَلُكَ شُکْرَ نِعْمَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَ اَسْئَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے اپنے کام کی ثابت قدمی اور نیکی کے کام کا پورا قصد اور تیری نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق طلب کرتا ہوں اور تجھ سے دعا ہے کہ تو مجھے سلامتی والا دل اور سچی زبان عطا فرما' تیرے علم میں جو بھلائی ہے' میں اس کا خواستگار ہوں اور تیرے علم میں جو برائی ہے' میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں' پروردگار ہر اس برائی سے میری توبہ ہے جو تیرے علم میں ہو بے شک غیب داں صرف تو ہی ہے- حضرت سعید بن جنادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل طائف میں سے سب سے پہلے میں نبی اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں اپنے گھر سے صبح ہی صبح چل کھڑا ہوا' اور عصر کے وقت منیٰ میں پہنچ گیا پہاڑ پر چڑھا پھر اترا پھر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا' اسلام قبول کیا' آپ نے مجھے سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ سکھائی اور یہ کلمات تعلیم فرمائے- سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ فرمایا' یہ ہیں باقی رہنے والی نیکیاں-

اس سند سے مروی ہے کہ جو شخص رات کو اٹھے' وضو کرے' کلی کرے پھر سو سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں بجز قتل و خون کے کہ وہ معاف نہیں ہوتا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' باقیات صالحات ذکر اللہ ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ تَبَارَكَ اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَاَسْتَغْفِرُاللّٰہَ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ہے اور روزہ' نماز' حج' صدقہ' غلاموں کی آزادی' جہاد' صلہ رحمی اور کل نیکیاں یہ سب باقیات صالحات ہیں جن کا ثواب جنت والوں کو جب تک آسمان و زمین ہیں' ملتا رہتا ہے- فرماتے ہیں پاکیزہ کلام بھی اسی میں داخل ہے- حضرت عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کل اعمال صالحہ اسی میں داخل ہیں- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے مختار بتلاتے ہیں-

وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰھُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ
مِنْھُمْ اَحَدًا ۚ ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا
خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو تو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کا ہم حشر کریں گے' ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے ○ سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ حاضر کئے جائیں گے' یقیناً ہم تمہیں اسی طرح لائے جس طرح تمہیں اول مرتبہ ہم نے پیدا کیا تھا لیکن تم تو اسی خیال میں رہے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ گاہ کرنے ہی کے نہیں ○

سب کے سب میدان حشر میں: ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولنا کیوں کا ذکر فرما رہا ہے اور جب تعجب خیز بڑے بڑے کام اس دن ہوں گے' ان کا ذکر کر رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا' پہاڑ اڑ جائیں گے گو تمہیں جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن اس دن تو بادلوں کی طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے۔ آخر روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے' زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی جس میں کوئی اونچ نیچ تک باقی نہ رہے گی' نہ اس میں کوئی مکان ہوگا نہ چھپر' ساری مخلوق بن آڑ کے اللہ کے بالکل سامنے روبرو ہوگی۔ کوئی بھی مالک سے کسی جگہ چھپ نہ سکے گا' کوئی جائے پناہ یا سر چھپانے کی جگہ نہ ہوگی۔ کوئی درخت' پتھر' گھانس پھونس دکھائی نہ دے گا۔ تمام اول و آخر کے لوگ جمع ہوں گے' کوئی چھوٹا بڑا غیر حاضر نہ ہوگا۔ تمام اگلے پچھلے اس مقرر دن جمع کئے جائیں گے۔ اس دن سب لوگ حاضر شدہ ہوں گے اور سب موجود ہوں گے۔ تمام لوگ اللہ کے سامنے صف بستہ پیش ہوں گے' روح اور فرشتے صفیں باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے' کسی کو بات کرنے کی بھی تاب نہ ہوگی بجز ان کے جنہیں اللہ رحمان اجازت دے اور وہ بات بھی معقول کہیں پس یا تو سب کی ایک ہی صف ہوگی یا کئی صفوں میں ہوں گے جیسے ارشاد قرآن ہے' تیرا رب آئے گا اور فرشتے صف بہ صف۔ وہاں منکرین قیامت کو سب کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ ہوگی کہ دیکھو جس طرح ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا' اسی طرح دوسری بار پیدا کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لیا اس سے پہلے تو تم اس کے قائل نہ تھے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹ ع ۵ ۱۸

نامہ اعمال درمیان میں رکھ دیئے جائیں گے پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے؟ جس نے کوئی چھوٹا بڑا بغیر گھیرے باقی ہی نہیں چھوڑا' جو کچھ انہوں نے کیا تھا' سب موجود پائیں گے' تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا ○

(آیت: ۴۹) نامۂ اعمال سامنے کر دیئے جائیں گے' جس میں ہر چھوٹا بڑا' کھلا چھپا عمل لکھا ہوا ہوگا اپنی بداعمالیوں کو دیکھ دیکھ کر گنہگار خوف و حیرت زدہ ہو جائیں گے اور افسوس و رنج سے کہیں گے کہ ہائے ہم نے اپنی عمر کیسی غفلت میں بسر کی' افسوس بدکرداریوں میں لگے رہے اور دیکھو تو اس کتاب نے ایک معاملہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جسے لکھا نہ ہو چھوٹے بڑے تمام گناہ اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر ہم چلے' ایک میدان میں منزل کی (ٹھہرے)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے فرمایا' جاؤ جسے کوئی لکڑی' کوئی کوڑا' کوئی گھانس پھونس مل جائے' لے آؤ ہم سب ادھر ادھر ہو گئے چپٹیاں' چھال' لکڑی' پتے کانٹے' درخت جھاڑ جھنکاڑ جو ملا' لے آئے۔ ڈھیر لگ گیا تو آپؐ نے فرمایا دیکھ رہے ہو؟ اسی طرح گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے' اللہ سے ڈرتے رہو' چھوٹے بڑے گناہوں سے بچو کیونکہ سب لکھے جا رہے ہیں اور شمار کئے جا رہے ہیں جو خیر و شر' بھلائی برائی جس کسی نے کی ہوگی' اسے موجود پائے گا جیسے یَوْمَ تَجِدُ الخ اور آیت یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ الخ اور آیت یَوْمَ تُبْلَى الخ میں ہے تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر بدعہد کے

لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا اس کی بدعہدی کے مطابق جس سے اس کی پہچان ہو جائے- اور حدیث میں ہے کہ یہ جھنڈا اس کی رانوں کے پاس ہوگا اور اعلان ہوگا کہ یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی ہے- تیرا رب ایسا نہیں کہ مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم کرے ہاں البتہ درگزر کرنا، معاف فرما دینا، عفو کرنا یہ اس کی صفت ہے- ہاں بدکاروں کو اپنی قدرت وحکمت اور عدل وانصاف سے وہ سزا بھی دیتا ہے، جہنم گنہگاروں اور نافرمانوں سے بھر جائے پھر کافروں اور مشرکوں کے سوا اور مومن گنہگار چھوٹ جائیں گے- اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ناانصافی نہیں کرتا، نیکیوں کو بڑھاتا ہے، گناہوں کو برابر ہی رکھتا ہے- عدل کا ترازو اس دن سامنے ہوگا کسی کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہوگی الخ-

مسند احمد میں ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مجھے روایت پہنچی کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے جو وہ بیان کرتے ہیں، میں نے اس حدیث کو خاص ان سے سننے کے لئے ایک اونٹ خریدا سامان کس کر سفر کیا مہینہ بھر کے بعد شام میں ان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں میں نے دربان سے کہا جاؤ خبر کرو کہ جابر دروازے پر ہے انہوں نے پوچھا کیا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؟ میں نے کہا جی ہاں- یہ سنتے ہی جلدی کے مارے چادر سنبھالتے ہوئے جھٹ سے باہر آ گئے اور مجھے لپٹ گئے معانقہ سے فارغ ہو کر میں نے کہا، مجھے یہ روایت پہنچی کہ آپ نے قصاص کے بارے میں کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو میں نے چاہا کہ خود آپ سے میں وہ حدیث سن لوں اس لئے یہاں آیا اور سنتے ہی سفر شروع کر دیا اس خوف سے کہ کہیں اس حدیث کے سننے سے پہلے میں مر نہ جاؤں یا آپ کو موت نہ آ جائے، اب آپ سنائیے وہ حدیث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن اپنے تمام بندوں کا اپنے سامنے حشر کرے گا، ننگے بدن، بے ختنہ، بے سروسامان پھر انہیں ندا کرے گا جسے دور نزدیک والے سب یکساں سنیں گے فرمائے گا کہ میں مالک ہوں، میں بدلے دلوانے والا ہوں- کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں نہ جائے گا جب تک اس کا جو حق کسی جنتی کے ذمہ ہو، میں نہ دلوا دوں اور نہ کوئی جنتی جنت میں داخل ہو سکتا ہے جب تک اس کا حق جو جہنمی پر ہے، میں نہ دلوا دوں گو ایک تھپڑ ہی ہو- ہم نے کہا حضور ﷺ یہ حق کیسے دلوائے جائیں گے حالانکہ ہم سب تو وہاں ننگے پاؤں، ننگے بدن بے مال واسباب ہوں گے آپؐ نے فرمایا، ہاں اس دن حق نیکیوں اور برائیوں سے ادا کئے جائیں گے- اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ دار بکری نے مارا ہے تو اس سے بھی اس کو بدلہ دلوایا جائے گا اس کے اور بھی بہت سے شواہد ہیں جنہیں ہم نے بالتفصیل آیت وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ کی تفسیر میں اور آیت اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَافَرَّطْنَا الخ کی تفسیر میں بیان کئے ہیں-

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ
اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾
مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠
وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

ہم نے سب فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کے سامنے سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر لیا، یہ جنوں میں سے تھا- اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی، کیا پھر بھی تم

اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے' ایسے ظالموں کا بہت برا بدلہ ہے ○ میں نے انہیں آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش میں اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا زور بازو بنانے والا بھی نہیں ○

محسن کو چھوڑ کر دشمن سے دوستی: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۱) بیان ہو رہا ہے کہ ابلیس تمہارا بلکہ تمہارے اصلی باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی قدیمی دشمن رہا ہے اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر تمہیں اس کی بات نہ ماننی چاہئے۔ اللہ کے احسان و اکرام' اس کے لطف و کرم کو دیکھو کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا' تمہیں پالا پوسا پھر اسے چھوڑ کر اس کے بلکہ اپنے بھی دشمن کو دوست بنانا کس قدر خطرناک غلطی ہے؟ اس کی پوری تفسیر سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے تمام فرشتوں کو بطور ان کی تعظیم اور تکریم کے ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب نے حکم برداری کی لیکن چونکہ ابلیس بداصل تھا' آگ سے پیدا شدہ تھا' اس نے انکار کر دیا اور فاسق بن گیا۔ فرشتوں کی پیدائش نورانی تھی۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' ابلیس شعلے مارنے والی آگ سے اور آدم علیہ السلام اس سے جس کا بیان تمہارے سامنے کر دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ ہر چیز اپنی اصلیت پر آ جاتی ہے اور وقت پر برتن میں جو ہو' وہی ٹپکتا ہے۔ گو ابلیس فرشتوں کے سے اعمال کر رہا تھا' انہی کی مشابہت کرتا تھا اور اللہ کی رضا مندی میں دن رات مشغول تھا' اسی لئے ان کے خطاب میں یہ بھی آ گیا لیکن یہ سنتے ہی وہ اپنی اصلیت پر آ گیا' تکبر اس کی طبیعت میں سما گیا اور صاف انکار کر بیٹھا اس کی پیدائش ہی آگ سے تھی جیسے اس نے خود کہا کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے۔ ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا وہ جنات کی اصل ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ جنات ایک قسم تھی فرشتوں کی جو تیز آگ سے پیدا کئے گئے تھے اس کا نام حارث تھا۔ جنت کا داروغہ تھا اس جماعت کے سوا اور فرشتے نوری تھے جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے تھی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابلیس شریف فرشتوں میں سے تھا اور بزرگ قبیلے کا تھا' جنتوں کا داروغہ تھا' آسمان دنیا کا بادشاہ تھا' زمین کا بھی سلطان تھا' اس سے کچھ اس کے دل میں گھمنڈ آ گیا تھا کہ وہ تمام اہل آسمان سے شریف ہے' وہ گھمنڈ بڑھتا جا رہا تھا اس کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو تھا پس اس کے اظہار کے لئے حضرت آدمؑ کو سجدے کرنے کا حکم ہوا تو اس کا گھمنڈ ظاہر ہو گیا از روئے تکبر کے صاف انکار کر دیا اور کافروں میں جا ملا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا جیسے لوگوں کو شہروں کی طرف نسبت کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں مکی' مدنی' بصری' کوفی۔ یہ جنت کا خازن آسمان دنیا کے کاموں کا مدبر تھا یہاں کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ اس معصیت سے پہلے وہ ملائکہ میں داخل تھا لیکن زمین پر رہتا تھا۔ سب فرشتوں سے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والا اور سب سے زیادہ علم والا تھا اسی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس کے قبیلے کا نام جن تھا آسمان و زمین کے درمیان آمد و رفت رکھتا تھا۔ رب کی نافرمانی سے غضب میں آ گیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہو گیا۔ پس متکبر شخص سے توبہ کی امید نہیں ہو سکتی۔ ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ یہ تو جنت کے اندر کام کاج کرنے والوں میں تھا۔ سلف کے اور بھی اس بارے میں بہت سے آثار مروی ہیں لیکن یہ اکثر و بیشتر بنی اسرائیلی ہیں صرف اس لئے نقل کئے گئے ہیں کہ نگاہ سے گزر جائیں۔ اللہ ہی کو ان کے اکثر کا صحیح حال معلوم ہے۔ ہاں بنی اسرائیل کی روایتیں وہ تو قطعاً قابل تردید ہیں جو ہمارے ہاں کے دلائل کے خلاف ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہمیں تو قرآن کافی وافی ہے' ہمیں اگلی کتابوں کی باتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہم ان سے محض بے نیاز ہیں اس لئے کہ وہ تبدیلی' ترمیم' کمی بیشی سے خالی نہیں۔ بہت سی بناوٹی چیزیں ان میں داخل ہو گئی ہیں اور ایسے لوگ ان میں نہیں پائے جاتے

جو اعلیٰ درجہ کے حافظ ہوں کہ میل کچیل دور کر دیں کھرا کھوٹا پرکھ لیں' زیادتی اور باطل کے ملانے والوں کی دال نہ گلنے دیں۔ جیسے کہ اللہ رحمٰن نے اس امت میں اپنے فضل و کرم سے ایسے امام اور علماء اور سادات اور بزرگ اور متقی اور پاکباز اور حفاظ پیدا کئے ہیں جنہوں نے حدیثوں کو جمع کیا' تحریر کیا۔ صحیح' حسن' ضعیف منکر' متروک' موضوع سب کو الگ الگ کر دکھایا یا گھڑنے والوں' بنانے والوں' جھوٹ بولنے والوں کو چھانٹ کر الگ کھڑا کر دیا تاکہ ختم المرسلین سید العالمین ﷺ کا پاک اور متبرک کلام محفوظ رہ سکے اور باطل سے بچ سکے اور کسی کا بس نہ چلے کہ آپ کے نام سے جھوٹ کو رواج دے لے اور باطل کو حق میں ملا دے۔ پس ہماری دعا ہے کہ اس کل طبقہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و رضامندی نازل فرمائے اور ان سب سے خوش رہے آمین! آمین! اللہ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور یقیناً ان کا منصب اسی لائق ہے رضی اللہ عنہم وارضاہم۔ الغرض ابلیس اطاعت الٰہی سے نکل گیا۔ پس تمہیں چاہئے کہ اپنے دشمن سے دوستی نہ کرو اور مجھے چھوڑ کر اس سے تعلق نہ جوڑو۔ ظالموں کو بڑا برا بدلہ ملے گا۔ یہ مقام بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسے سورہ یٰسین میں قیامت کا' اس کی ہولناکیوں کا اور نیک و بد لوگوں کے نتیجوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اے مجرمو! تم آج کے دن الگ ہو جاؤ۔ الخ۔

اللہ کے سوا سب ہی بے اختیار ہیں: ☆☆ جنہیں تم اللہ کے سوا الٰہ بنائے ہوئے ہو وہ سب تم جیسے ہی میرے غلام ہیں۔ کسی چیز کی ملکیت انہیں حاصل نہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں میں نے انہیں شامل نہیں رکھا تھا بلکہ اس وقت وہ موجود بھی نہ تھے۔ تمام چیزوں کو صرف میں نے ہی پیدا کیا ہے۔ سب کی تدبیر صرف میرے ہی ہاتھ ہے۔ میرا کوئی شریک' وزیر' مشیر' نظیر' نہیں۔ جیسے اور آیت میں فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ الخ' جن جن کو تم اپنے گمان میں کچھ سمجھ رہے ہو' سب کو ہی سوا اللہ کے پکار کر دیکھ لو۔ یاد رکھو انہیں آسمان و زمین میں کسی ایک ذرے کے برابر بھی اختیارات حاصل نہیں' نہ ان کا ان میں کوئی ساجھا ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ نہ ان میں سے کوئی شفاعت کر سکتا ہے' جب تک اللہ کی اجازت نہ ہو جائے الخ مجھے یہ لائق نہیں نہ اس کی ضرورت کہ کسی کو خصوصاً گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو اور مددگار بناؤں۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ
فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع

جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو جو میرے شریک تھے' انہیں پکارو! یہ پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا ہم ان کے درمیان ہلاکت کا سامان کر دیں گے ○ گنہگار جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے ○

مشرک قیامت کو شرمندہ ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۳) تمام مشرکوں کو قیامت کے دن شرمندہ کرنے کے لئے سب کے سامنے کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو پکارو جنہیں تم دنیا میں پکارتے رہے تاکہ وہ تمہیں آج کے دن کی مصیبت سے بچالیں وہ پکاریں گے لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ پائیں گے جیسے اور آیت میں ہے وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى الخ ہم تمہیں اسی طرح تنہا تنہا لائے جیسے کہ ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دے رکھا تھا تم وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے آج تو ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان شریکوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھتے جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہرائے ہوئے تھے اور جن کی شفاعت کا یقین کئے ہوئے تھے تمہارے اور ان کے

درمیان میں تعلقات ٹوٹ گئے اور تمہارے گمان باطل ثابت ہو چکے اور آیت میں ہے وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآئَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو پکارو یہ پکاریں گے لیکن وہ جواب نہ دیں گے الخ اسی مضمون کو آیت وَمَنْ اَضَلُّ سے دو آیتوں تک بیان فرمایا ہے۔

سورہ مریم میں ارشاد ہے کہ انہوں نے اپنی عزت کے لئے اللہ کے سوا اور بہت سے معبود بنا رکھے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا وہ تو سب ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے۔ ان میں اور ان کے معبودان باطل میں ہم آڑ، حجاب اور ہلاکت کا گڑھا بنا دیں گے تا کہ یہ ان سے اور وہ ان سے نہ مل سکیں۔ نیک راہ اور گمراہ الگ الگ رہیں، جہنم کی یہ وادی انہیں آپس میں ملنے نہ دے گی۔ کہتے ہیں یہ وادی لہو اور پیپ کی ہوگی، ان میں آپس میں اس دن دشمنی ہو جائے گی۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے ہلاکت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم کی کوئی وادی بھی ہو یا اور کوئی فاصلے کی وادی ہو۔ مقصود یہ ہے کہ ان عابدوں کو وہ معبود جواب تک نہ دیں گے نہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے مل سکیں گے۔ کیونکہ ان کے درمیان ہلاکت ہوگی اور ہولناک امور ہوں گے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے، مراد یہ ہے کہ مشرکوں اور مسلمانوں میں ہم آڑ کر دیں گے جیسے آیت وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ اور آیت يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ اور آیت وَامْتَازُوا الْيَوْمَ الخ اور آیت وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا الخ وغیرہ میں ہے۔ یہ گنہگار جہنم دیکھ لیں گے۔ ستر ہزار لگاموں میں وہ جکڑی ہوئی ہوگی ہر ایک لگام پر ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے دیکھتے ہی سمجھ لیں گے کہ ہمارا قید خانہ یہی ہے۔ داخلے کے بغیر داخلے سے بھی زیادہ رنج و غم اور مصیبت و الم شروع ہو جائے گا۔ عذاب کا یقین عذاب سے پہلے کا عذاب ہے لیکن کوئی چھٹکارے کی راہ نہ پائیں گے، کوئی نجات کی صورت نظر نہ آئے گی۔ حدیث میں ہے کہ پانچ ہزار سال تک کافر اسی تھرتھری میں رہے گا کہ جہنم اس کے سامنے اور اس کا کلیجہ قابو سے باہر ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴

ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کے لئے بیان کر دی ہیں، لیکن انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے ○

ہر بات صاف صاف کہہ دی گئی: ☆☆ (آیت: ۵۴) انسانوں کے لئے ہم نے اس اپنی کتاب میں ہر بات کا بیان خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تا کہ لوگ راہ حق سے نہ بہکیں، ہدایت کی راہ سے نہ بھٹکیں لیکن باوجود اس بیان، اس فرقان کے پھر بھی بجز راہ یافتہ لوگوں کے اور تمام کے تمام راہ نجات سے ہٹے ہوئے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے مکان میں آئے اور فرمایا تم سوئے ہوئے ہو نماز میں نہیں ہو؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ ہیں وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے، اٹھا بٹھاتا ہے۔ آپ یہ سن کر بغیر کچھ فرمائے لوٹ گئے لیکن اپنے زانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے جا رہے تھے کہ انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ

قُبُلًا ۝٥٥ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝٥٦

لوگوں کے پاس ہدایت آ چکنے کے بعد انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آئے یا ان کے سامنے کھلم کھلا عذاب آ موجود ہو جائے ○ ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لئے ہی بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبریاں سنا دیں اور ڈرا دیں' کافر لوگ جھوٹی باتوں کو سند بنا کر جھگڑے کر کے چاہتے ہیں کہ اس سے حق کو لڑکھڑا دیں۔ وہ میری آیتوں اور جس چیز سے ڈرایا جائے' اسے مذاق میں اڑاتے ہیں ○

عذاب الٰہی کے منتظر کفار: ☆☆ (آیت:۵۵-۵۶) اگلے زمانے کے اور اس وقت کے کافروں کی سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی اس کی تابعداری سے رکے رہتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ کسی نے تمنا کی کہ آسمان ہم پر گر پڑے' کسی نے کہا کہ لا جو عذاب لا سکتا ہے لے آ۔ قریش نے بھی کہا الٰہی اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہمیں کر۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اے نبی ہم تو تجھے مجنوں جانتے ہیں اور اگر فی الواقع تو سچا نبی ہے تو ہمارے سامنے فرشتے کیوں نہیں لاتا؟ وغیرہ وغیرہ پس عذاب اللہ کے انتظار میں رہتے ہیں اور اس کے معائنہ کے درپے رہتے ہیں۔ رسولوں کا کام تو صرف مومنوں کو بشارتیں دینا اور کافروں کو ڈرا دینا ہے۔ کافر لوگ ناحق کی حجتیں کر کے حق کو اپنی جگہ سے پھسلا دینا چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ چاہت کبھی پوری نہیں ہو گی حق ان کی باطل باتوں سے دبنے والا نہیں۔ یہ میری آیتوں اور ڈراوے کی باتوں کو خالی مذاق ہی سمجھ رہے ہیں اور اپنی بے ایمانی میں بڑھ رہے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝٥٧ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝٥٨ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝٥٩

۵ ع ٦ ٢٠

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے۔ وہ پھر بھی منہ موڑے رہے اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے' اسے بھول جائے' بے شک ہم نے ان کے دلوں پر اس کی سمجھ سے پردے ڈال رکھے ہیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' گو تو انہیں ہدایت کی طرف بلاتا رہے لیکن یہ کبھی بھی ہدایت نہیں پانے کے ○ تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے' وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بے شک انہیں جلد ہی عذاب کرے' بلکہ ان کیلئے ایک وعدے کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی جگہ ہی نہیں پائیں گے۔ یہ ہیں وہ بستیاں جو ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر غارت کر دیں' ان کی تباہی کی

بھی ہم نے ایک معیاد مقرر کر رکھی تھی ○

بدترین شخص کون ہے؟: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۹) فی الحقیقت اس سے بڑھ کر پاپی کون ہے جس کے سامنے اس کے پالنے پوسنے والے کا کلام پڑھا جائے اور وہ اس کی طرف التفات تک نہ کرے، اس سے مانوس نہ ہو بلکہ منہ پھیر کر انکار کر جائے اور جو بدعملیاں اور سیاہ کاریاں اس سے پہلے کی ہیں، انہیں بھی فراموش کر جائے۔ اس ڈھٹائی کی سزا یہ ہوتی ہے کہ دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں پھر قرآن و بیان کا سمجھنا نصیب نہیں ہوتا، کانوں میں گرانی ہو جاتی ہے، بھلی بات کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ اب لاکھ دعوت ہدایت دو لیکن راہ یابی مشکل ومحال ہے۔ اے نبیؐ تیرا رب بڑا ہی مہربان بہت اعلیٰ رحمت والا ہے اگر وہ گنہگاروں کی سزا جلدی ہی کر ڈالا کرتا تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ بچتا وہ لوگوں کے ظلم سے درگزر کر رہا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پکڑے گا ہی نہیں۔ یاد رکھو وہ سخت عذابوں والا ہے یہ تو اس کا حلم ہے، پردہ پوشی ہے، معافی ہے تاکہ گمراہی والے راہ راست پر آ جائیں، گناہوں والے توبہ کر لیں اور اس کے دامن رحمت کو تھام لیں۔ لیکن جس نے اس حلم سے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی سرکشی پر جما رہا تو اس کی پکڑ کا دن قریب ہے جو اتنا سخت دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے، حمل گر جائیں گے اس دن کوئی جائے پناہ نہ ہوگی، کوئی چھٹکارے کی صورت نہ ہوگی۔ یہ ہیں تم سے پہلے کی امتیں کہ وہ بھی تمہاری طرح کفر و انکار میں پڑ گئیں اور آخرش مٹادی گئیں۔ ان کی ہلاکت کا مقررہ وقت آ پہنچا اور وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ پس اے منکرو! تم بھی ڈرتے رہو تم اشرف الرسل اعظم ہی کو ستا رہے ہو اور انہیں جھٹلا رہے ہو حالانکہ اگلے کفار سے تم قوت و طاقت میں، سامان و اسباب میں بہت کم ہو۔ میرے عذابوں سے ڈرو، میری باتوں سے نصیحت پکڑو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ
اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا
فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ
اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

جب کہ موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا، میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچوں، گو مجھے سالہا سال چلنا پڑے ○ جب وہ دونوں وہاں پہنچے جہاں دونوں دریا کے ملنے کی جگہ تھی، وہاں اپنی مچھلی بھول گئے جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنا لیا ○ جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لا ہمارا ناشتہ دے۔ ہمیں تو اپنے اس سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کا ایک بندہ: ☆☆ (آیت: ۶۰-۶۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ اللہ کا ایک بندہ دو دریا ملنے کی جگہ ہے اس کے پاس وہ علم ہے جو تمہیں حاصل نہیں آپ نے اسی وقت ان سے ملاقات کرنے کی ٹھان لی اب اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں کہ میں تو وہاں پہنچے بغیر دم نہ لوں گا۔ کہتے ہیں، یہ دو سمندر ایک تو بحیرہ فارس مشرقی اور دوسرا بحیرہ روم مغربی ہے۔ یہ جگہ طنجہ کے پاس مغرب کے شہروں کے آخر میں ہے واللہ اعلم۔ تو فرماتے ہیں کہ گو مجھے قرنوں تک چلنا پڑے کوئی حرج نہیں۔ کہتے ہیں کہ قیس کے لغت میں برس کو حقب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں، حقب سے مراد اسی برس ہیں۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ ستر برس کہتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ بتلاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ اپنے ساتھ نمک چڑھی ہوئی ایک مچھلی لے لیں جہاں وہ گم ہو جائے، وہیں ہمارا وہ بندہ ملے گا۔ یہ دونوں مچھلی کو ساتھ لئے چلے مجمع البحرین میں پہنچ

گئے وہاں نہر حیات تھی وہیں دونوں لیٹ گئے اس نہر کے پانی کے چھینٹے مچھلی پر پڑے' مچھلی ہلنے جلنے لگ گئی۔ آپ کے ساتھی حضرت یوشع علیہ السلام کی زنبیل میں یہ مچھلی رکھی ہوئی تھی اور وہ سمندر کے کنارے تھا۔ مچھلی نے سمندر کے اندر کود جانے کے لئے جست لگائی اور حضرت یوشعؑ کی آنکھ کھل گئی مچھلی ان کے دیکھتے ہوئے پانی میں گئی اور پانی میں سیدھا سوراخ ہوتا چلا گیا۔ پس جس طرح زمین میں سوراخ اور سرنگ بن جاتی ہے' اسی طرح پانی میں جہاں سے وہ گئی سوراخ ہو گیا' ادھر ادھر پانی کھڑا ہو گیا اور وہ سوراخ بالکل کھلا ہوا رہا۔ پتھر کی طرح پانی میں چھید ہو گیا' جہاں جس پانی کو لگتی ہوئی وہ مچھلی گئی' وہاں کا وہ پانی پتھر جیسا ہو گیا اور پورا سوراخ بنتا چلا گیا۔ محمد بن اسحاق مرفوعاً لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس بات کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پانی اس طرح ابتدائے دنیا سے نہیں جما سوائے اس مچھلی کے چلے جانے کی جگہ کے اردگرد کے پانی کے۔ یہ نشان مثل سوراخ زمین کے برابر موسیٰ علیہ السلام کے واپس پہنچنے تک باقی ہی رہے۔ اس نشان کو دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اسی کی تلاش میں تو ہم تھے۔ جب مچھلی کو بھول کر یہ دونوں آگے بڑھے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک کا کام دونوں ساتھیوں کی طرف منسوب ہوا ہے۔ بھولنے والے صرف یوشع تھے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ حالانکہ دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ لولو اور مرجان صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں جب وہاں سے ایک مرحلہ اور طے کر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے ناشتہ طلب کیا اور سفر کی تکلیف بھی بیان کی یہ تکلیف مقصود سے آگے نکل آنے کے بعد ہوئی۔ اس پر آپ کے ساتھی کو مچھلی کا چلا جانا یاد آیا اور کہا جس چٹان کے پاس ہم ٹھہرے تھے' اس وقت میں مچھلی بھول گیا اور آپ سے ذکر کرنا بھی شیطان نے یاد سے ہٹا دیا۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات اَنْ اَذْكُرَلَهٗ ہے فرماتے ہیں کہ اس مچھلی نے تو عجیب و غریب طور پر پانی میں اپنی راہ پکڑی۔ اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لو اور سنو اسی جگہ کی تلاش میں ہم تھے۔ تو وہ دونوں اپنے اسی راستے پر اپنے نشانات قدم کے کھوج پر واپس لوٹے۔ وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی رحمت اور اپنے پاس کا علم عطا فرما رکھا تھا۔ یہ حضرت خضر ہیں۔ (علیہ السلام)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضرت نوف کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام سے ملنے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' وہ دشمن اللہ جھوٹا ہے ہم سے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں خطبہ کر رہے تھے جو آپ سے سوال ہوا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں' تو چونکہ آپ نے اس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اللہ جانے اس لئے رب کو یہ کلمہ ناپسند آیا اسی وقت وحی آئی کہ ہاں مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' پھر پروردگار میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو اسے توشے دان میں ڈال لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے' وہیں وہ مل جائیں گے۔ تو آپ اپنے ساتھ اپنے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام کو لے کر چلے' پتھر کے پاس پہنچ کر اپنے سر اس پر رکھ کر دو گھڑی سو رہے۔ مچھلی اس توشے دان میں تڑپی اور کود کر اس سے نکل گئی سمندر میں ایسی گئی جیسے کوئی سرنگ لگا کر زمین میں اتر گیا ہو پانی کا چلنا بہنا اللہ تعالیٰ نے موقوف کر دیا اور طاق کی طرح وہ سوراخ باقی رہ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جاگے تو آپ کے ساتھی یہ ذکر آپ سے کرنا بھول گئے اسی وقت وہاں سے چل پڑے دن پورا ہونے کے بعد رات بھر چلتے رہے صبح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکان اور بھوک محسوس ہوئی اللہ نے جہاں جانے کا حکم دیا تھا'

جب تک وہاں سے آگے نہ نکل گئے' تکان کا نام تک نہ تھا اب اپنے ساتھی سے کھانا مانگا اور تکلیف بیان کی۔

قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ
وَمَاۤ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ ۖ
عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ
مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾

اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جب کہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے' وہیں تو مچھلی بھول گیا تھا' دراصل شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں' اس مچھلی نے تو ایک انوکھے طور پر دریا میں اپنا راستہ کر لیا ○ موسیٰ نے کہا' یہ ہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے ○ پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھا رکھا تھا ○

(آیت: ۶۳-۶۵) اس وقت آپ کے ساتھی نے فرمایا کہ پتھر کے پاس جب ہم نے آرام لیا تھا' وہیں اسی وقت مچھلی تو میں بھول گیا اور اس کے ذکر کو بھی شیطان نے بھلا دیا اور اس مچھلی نے تو سمندر میں عجیب طور پر اپنی راہ نکال لی۔ مچھلی کے لئے سرنگ بن گئی اور ان کے لئے حیرت کا باعث بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اسی کی تو تلاش تھی۔ چنانچہ اپنے نشان قدم دیکھتے ہوئے دونوں واپس ہوئے اسی پتھر کے پاس پہنچے دیکھا کہ ایک صاحب کپڑوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں آپ نے سلام کیا۔ اس نے کہا! تعجب ہے آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟ آپ نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے پوچھا! کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا' ہاں اور میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ سکھائیں جو بھلائی آپ کو اللہ کی طرف سے سکھائی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا! موسیٰ علیہ السلام آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے اس لئے کہ مجھے جو علم ہے وہ آپ کو نہیں اور آپ کو جو علم ہے وہ مجھے نہیں' اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جداگانہ علم عطا فرما رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں صبر کروں گا اور آپ کے کسی فرمان کی نافرمانی نہ کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر تم میرا ساتھ چاہتے ہو تو مجھ سے خود کسی بات کا سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں آپ تمہیں اس کی بابت خبردار کروں۔

اتنی باتیں طے کر کے دونوں ساتھ چلے دریا کے کنارے ایک کشتی تھی ان سے اپنے ساتھ لے جانے کی بات چیت کرنے لگے انہوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ لئے دونوں کو سوار کر لیا۔ کچھ ہی دور چلے ہوں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ خضر علیہ السلام چپ چاپ کشتی کے تختے کلہاڑے سے توڑ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' یہ کیا؟ ان لوگوں نے تو ہمارے ساتھ احسان کیا بغیر کرایہ لئے کشتی میں سوار کیا اور آپ نے اس کے تختے توڑنے شروع کر دیئے جس سے تمام اہل کشتی ڈوب جائیں یہ تو بڑا ہی ناخوش گوار کام کرنے لگے۔ اسی وقت حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' دیکھو میں نے تو تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام معذرت کرنے لگے کہ خطا ہو گئی بھولے سے پوچھ بیٹھا معاف فرمائیے اور سختی نہ کیجئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' واقعی یہ پہلی غلطی بھول سے ہی تھی۔ فرماتے ہیں کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آ بیٹھی اور سمندر میں چونچ ڈال کر پانی لے کر اڑ گئی اس وقت حضرت

خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا' میرے اور تیرے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہے جتنا پانی سے سمندر میں سے اس چڑیا کی چونچ نے کم کیا ہے۔ اب کشتی کنارے لگی اور ساحل پر دونوں چلنے لگے جو حضرت خضر علیہ السلام کی نگاہ چند کھیلتے ہوئے بچوں پر پڑی ان میں سے ایک بچے کا سر پکڑ حضرت خضر علیہ السلام نے اس طرح مروڑ دیا کہ اسی وقت اس کا دم نکل گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے اور فرمانے لگے' بغیر کسی قتل کے اس بچے کو آپ نے ناحق مار ڈالا؟ آپ نے بڑا ہی منکر کام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' دیکھو اسی کو میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری ہماری نبھ نہیں سکتی اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے سے زیادہ سختی کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اچھا اب اگر میں کوئی سوال کر بیٹھوں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا یقیناً اب آپ معذور ہو گئے۔

چنانچہ پھر دونوں ہمراہ چلے ایک بستی والوں کے پاس پہنچے ان سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا وہیں ایک دیوار دیکھی جو جھک گئی تھی اور گرنے کے قریب تھی اسی وقت حضرت خضرؑ نے ہاتھ لگا کر اسے ٹھیک اور درست کر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خیال تو فرمایئے' ہم یہاں آئے' ان لوگوں سے کھانا طلب کیا' انہوں نے نہ دیا' مہمان نوازی کے خلاف کیا' ان کا یہ کام تھا' آپ ان سے اجرت لے سکتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' یہ ہے مجھ میں اور تم میں جدائی اب میں تمہیں ان کاموں کی اصلیت بتلا دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کاش کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تو ان دونوں کی اور بھی بہت سی باتیں ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں وَكَانَ وَرَآئَهُمْ کے بدلے وَكَانَ اَمَامَهُمْ ہے اور سَفِينَةٍ کے بعد صَالِحَةٍ کا لفظ بھی ہے اور وَ اَمَّا الْغُلَامُ کے بعد فَكَانَ كَافِرًا کے لفظ بھی ہیں۔ اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے کہ اس پتھر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام رک گئے وہیں ایک چشمہ تھا جس کا نام نہر حیات تھا اس کا پانی جس چیز کو لگ جاتا' وہ زندہ ہو جاتی تھی۔ اس میں چڑیا کے پانی لینے کے بعد خضر کا یہ قول منقول ہے کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ کے علم میں اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا کی چونچ کا پانی اس سمندر کے مقابلے میں الخ۔

صحیح بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے' حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ان کے پاس تھا آپ نے فرمایا کہ جس کو جو سوال کرنا ہو کر لے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے' کوفے میں ایک واعظ ہیں جن کا نام نوف ہے پھر پوری حدیث بیان کی جیسا کہ اوپر گزری۔ اس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس خطبہ سے آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور دل نرم پڑ گئے تھے جب آپ جانے لگے تو ایک شخص آپ کے پاس پہنچا اور اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب کیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف علم کو نہ لوٹایا۔ اس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نشان طلب کیا تو ارشاد ہوا کہ ایک مری ہوئی مچھلی اپنے ساتھ رکھ لو جس جگہ اس میں روح پڑ جائے' وہیں پر آپ کی اس شخص سے ملاقات ہو گی۔ چنانچہ آپ نے مچھلی لی زنبیل میں رکھ لی اور اپنے ساتھی سے کہا' آپ کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ جہاں یہ مچھلی آپ کے پاس سے چلی جائے' وہاں آپ مجھے خبر کر دینا انہوں نے کہا یہ تو بالکل آسان سی بات ہے۔ ان کا نام یوشع بن نون تھا۔ لفتہ سے یہی مراد ہے۔ یہ دونوں بزرگ تر جگہ میں ایک درخت تلے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیند آ گئی تھی اور حضرت یوشع جاگ رہے تھے جو مچھلی کود گئی انہوں نے خیال کیا کہ جگانا تو ٹھیک نہیں جب آنکھ کھلے گی' ذکر کر دوں گا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پانی میں جانے کے وقت جو سوراخ ہو گیا تھا' اسے راوی حدیث عمرو نے اپنے انگوٹھے اور اس کے پاس کی دونوں انگلیوں کا حلقہ کر کے دکھایا کہ اس طرح کا تھا جیسے پتھر میں ہوتا ہے۔ واپسی پر حضرت خضرؑ سمندر کے کنارے سبز گدی بچھائے ملے ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے اس کا

ایک سرا تو دونوں پیروں کے نیچے رکھا ہوا تھا اور دوسرا کنارہ سر تلے تھا- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلام پر آپ نے منہ کھولا- اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ میں تورات موجود ہے وحی آسمان سے آ رہی ہے کیا یہ بس نہیں؟ اور میرا علم آپ کے لائق بھی نہیں اور نہ میں آپ کے علم کے قابل ہوں- اس میں ہے کہ کشتی کا تختہ توڑ کر آپ نے ایک تانت سے باندھ دیا تھا- پہلی دفعہ کا آپ کا سوال تو بھولے سے ہی تھا' دوسری مرتبہ کا بطور شرط کے تھا' ہاں تیسری بار کا سوال قصداً علیحدگی کی وجہ سے تھا- اس میں ہے کہ لڑکوں میں ایک لڑکا تھا کافر ہوشیار اسے حضرت خضرؑ نے لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا ایک قرات میں زَاكِيَةً مُّسْلِمَةً بھی ہے وَرَآئَهُمْ کی قرات اَمَامَهُمْ بھی ہے اس ظالم بادشاہ کا نام اس میں ہدد بن بدد ہے اور جس بچے کو قتل کیا گیا تھا اس کا نام جیسور تھا کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے بدلے ان کے ہاں ایک لڑکی ہوئی- ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ کر رہے تھے اور فرمایا کہ اللہ کو اور اس کے امر کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا- الخ- یہ نوف کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کے لڑکے تھے ان کا قول تھا کہ جس موسیٰ کا ان آیتوں میں ذکر ہے' یہ موسیٰ بن میشا تھے- اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ سے سوال کیا کہ الٰہی اگر تیرے بندوں میں مجھ سے بڑا عالم کوئی ہو تو مجھے آگاہ فرما اس میں ہے کہ نمک چڑھی ہوئی مچھلی آپ نے اپنے ساتھ رکھی تھی- اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا' تم یہاں کیوں آئے؟ آپ کو تو ابھی بنی اسرائیل میں ہی مشغول کار رہنا ہے اس میں ہے کہ چھپی ہوئی باتیں حضرت خضرؑ کو معلوم کرائی جاتی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ ٹھہر نہیں سکتے کیونکہ آپ تو ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے اور مجھے راز پر اطلاع ہوتی ہے چنانچہ شرط ہو گئی کہ گو آپ کیسا ہی خلاف دیکھیں لیکن لب نہ ہلائیں جب تک کہ حضرت خضر خود نہ بتلائیں- کہتے ہیں کہ یہ کشتی تمام کشتیوں سے مضبوط' عمدہ' بہتر اور اچھی تھی وہ بچہ ایک بے مثل بچہ تھا بڑا حسین' بڑا ہوشیار بڑا ہی طرار' حضرت خضرؑ نے اسے پکڑ کر پتھر سے اس کا سر کچل کر اسے مار ڈالا- حضرت موسیٰ خوف خدا سے کانپ اٹھے کہ ننھا سا پیارا بے گناہ بچہ اس بے دردی سے بغیر کسی سبب کے حضرت خضر نے جان سے مار ڈالا- دیوار گرتی ہوئی دیکھ کر ٹھہر گئے پہلے تو اسے باقاعدہ گرایا اور پھر بہ آرام چننے بیٹھے- حضرت موسیٰ علیہ السلام اکتا گئے کہ بیٹھے بٹھائے اچھا دھندا لے بیٹھے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس دیوار کے نیچے کا خزانہ صرف علم تھا-

اور روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم مصر پر غالب آ گئی اور یہاں آ کر وہ باآرام رہنے سہنے لگے تو حکم الٰہی ہوا کہ انہیں اللہ کے احسانات یاد دلاؤ- آپ خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کے احسانات بیان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ یہ نعمتیں عطا فرمائیں' آل فرعون سے اس نے تمہیں نجات دی' تمہارے دشمنوں کو غارت اور غرق کر دیا پھر تمہیں ان کی زمین کا مالک کر دیا' تمہارے نبی سے باتیں کیں' اسے اپنے لئے پسند فرما لیا' اس پر اپنی محبت ڈال دی' تمہاری تمام حاجتیں پوری کیں' تمہارے نبی تمام زمین والوں سے افضل ہیں' اس نے تمہیں توراۃ عطا فرمائی- الغرض پورے زوروں سے اللہ کی بے شمار اور ان گنت نعمتیں انہیں یاد دلائیں- اس پر ایک بنی اسرائیلی نے کہا فی الواقع بات یہی ہے اے نبی اللہ کیا زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ آپ نے بے ساختہ فرمایا کہ نہیں ہے- اسی وقت جناب باری تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ ان سے کہو کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اپنا علم کہاں کہاں رکھتا ہوں؟ بے شک سمندر کے کنارے پر ایک شخص ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان کو میں دیکھ لوں' وحی ہوئی کہ اچھا سمندر کے کنارے جاؤ وہاں تمہیں ایک مچھلی ملے گی اسے لے لو اپنے ساتھی کو سونپ دو' پھر سمندر کے کنارے چل دو جہاں تو مچھلی کو بھول جائے اور وہ تجھ سے گم ہو جائے' وہیں تو میرے اس نیک بندے کو پائے گا- حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چلتے چلتے تھک گئے تو اپنے ساتھی سے جو ان کا غلام تھا' مچھلی کے

بارے میں سوال کیا' اس نے جواب دیا کہ جس پتھر کے پاس ہم ٹھہرے تھے' وہیں میں مچھلی کو بھول گیا اور تجھ سے ذکر کرنا شیطان نے بالکل بھلا دیا' میں نے دیکھا کہ مچھلی تو گویا سرنگ بناتی ہوئی دریا میں جا رہی ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سن کر بڑا ہی تعجب ہوا' جب لوٹ کر وہاں آئے تو دیکھا کہ مچھلی نے پانی میں جانا شروع کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی لکڑی سے پانی کو چیرتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لئے مچھلی جہاں سے گزرتی تھی' اس کے دونوں طرف کا پانی پتھر بن جاتا تھا اس سے بھی اللہ کے نبی سخت متعجب ہوئے۔ اب مچھلی ایک جزیرے میں آپ کو لے گئی الخ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حر بن قیس میں اختلاف تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ صاحب کون تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان تھا کہ یہ خضر تھے اسی وقت ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بلا کر اپنا اختلاف بیان کیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی وہ حدیث بیان کی جو تقریباً اوپر گزر چکی ہے۔ اس میں سائل کے سوال کے لفظ یہ ہیں کہ کیا آپ اس شخص کا ہونا بھی جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو؟

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ
رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ
تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِىْۤ اِنْ
شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِىْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِىْ
فَلَا تَسْـَٔلْنِىْ عَنْ شَىْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ۹ ع ۱۱ ۲۱

اس سے موسیٰ نے کہا کہ کیا میں آپ کی تابعداری کروں کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے ○ اس نے کہا' آپ میرے ساتھ ہرگز ہرگز صبر نہیں کر سکتے ○ اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ ○ موسیٰ نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا ○ اس نے کہا' اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی ذکر نہ سناؤں ○

شوق تعلیم و تعلم : ☆☆ (آیت: ۶۶-۷۰) یہاں اس گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان ہوئی تھی۔ حضرت خضر اس علم کے ساتھ مخصوص کئے گئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ تھا۔ اور حضرت موسیٰ کے پاس وہ علم تھا' جس سے حضرت خضرؑ بے خبر تھے' پس حضرت موسیٰ علیہ السلام ادب سے اور اس لئے کہ حضرت خضر کو مہربان کر لیں' ان سے سوال کرتے ہیں' شاگرد کو اسی طرح ادب کے ساتھ اپنے استاد سے دریافت کرنا چاہئے' پوچھتے ہیں کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ رہوں آپ کی خدمت کرتا رہوں اور آپ سے علم حاصل کروں جس سے مجھے نفع پہنچے اور میرے عمل نیک ہو جائیں۔ حضرت خضر اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم میرا ساتھ نہیں نبھا سکتے' میرے کام آپ کو اپنے علم کے خلاف نظر آئیں گے' میرا علم آپ کو نہیں اور آپ کو جو علم ہے' وہ اللہ نے مجھے نہیں سکھایا' پس میں اپنی ایک الگ خدمت پر مقرر ہوں اور آپ الگ خدمت پر۔ ناممکن ہے کہ آپ اپنی معلومات کے خلاف میرے افعال دیکھیں اور پھر صبر کر سکیں۔ اور واقعہ میں آپ اس حال میں معذور بھی ہیں۔ کیونکہ باطنی حکمت اور مصلحت آپ کو معلوم نہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ ان پر مطلع فرما دیا کرتا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ کریں گے' میں اسے صبر سے برداشت کرتا رہوں گا کسی

بات میں آپ کا خلاف نہ کروں گا۔

پھر حضرت خضر علیہ السلام نے ایک شرط پیش کی کہ اچھا کسی چیز کے بارے میں تم مجھ سے سوال نہ کرنا میں جو کہوں، وہ سن لینا تم اپنی طرف سے کسی سوال کی ابتدا نہ کرنا۔ ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین عزوجل سے سوال کیا کہ تجھے اپنے تمام بندوں سے زیادہ پیارا کون ہے؟ جواب ملا کہ جو ہر وقت میری یاد میں رہے اور مجھے نہ بھلائے۔ پوچھا کہ تمام بندوں میں سے سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ فرمایا جو حق کے ساتھ فیصلے کرے اور خواہش کے پیچھے نہ پڑے۔ دریافت کیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا وہ عالم جو زیادہ علم کی جستجو میں رہے، ہر ایک سے سیکھتا رہے کہ ممکن ہے کوئی ہدایت کا کلمہ مل جائے اور ممکن ہے کوئی بات گمراہی سے نکلنے کی ہاتھ لگ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر دریافت کیا کہ کیا زمین میں تیرا کوئی بندہ مجھ سے بھی زیادہ عالم ہے؟ فرمایا ہاں، پوچھا وہ کون؟ فرمایا خضر، فرمایا میں اسے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا دریا کے کنارے پتھر کے پاس جہاں سے مچھلی بھاگ کھڑی ہو۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی جستجو میں چلے۔ پھر وہ ہوا جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ اسی پتھر کے پاس دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سمندروں کے ملاپ کی جگہ جہاں سے زیادہ پانی کہیں بھی نہیں۔ چڑیا نے چونچ میں پانی لیا تھا۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا
لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝٧١ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ
لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝٧٢ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ
وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝٧٣

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ خضرؑ نے اس کے تختے توڑ دیئے۔ موسیٰ نے کہا کیا تو اسے توڑ رہا ہے۔ پھر تو کشتی والے سب ڈوب جائیں گے۔ تو تو بڑی بری منکر چیز لایا۔ خضرؑ نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰؑ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑ اور مجھے اپنے کام میں تنگی میں نہ ڈال۔

شرائط طے ہو گئیں: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۳) دونوں میں جب شرط طے ہو گئی کہ تو سوال نہ کرنا جب تک میں خود ہی اس کی حکمت تجھ پر ظاہر نہ کروں تو دونوں ایک ساتھ چلے۔ پہلے مفصل روایتیں گزر چکی ہیں کہ کشتی والوں نے انہیں پہچان کر بغیر کرایہ لئے سوار کر لیا تھا جب کشتی چلی اور بیچ سمندر میں پہنچی تو حضرت خضرؑ نے ایک تختہ اس کا اکھیڑ ڈالا پھر اسے اوپر سے ہی جوڑ دیا یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ سے صبر نہ ہو سکا۔ شرط کو بھول گئے اور جھٹ سے کہنے لگے کہ یہ کیا واہیات ہے۔ لِتُغْرِقَ کا لام لام عاقبت ہے۔ لام تعلیل نہیں ہے جیسے شاعر کے اس قول میں لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْا لِلْخَرَابِ یعنی ہر پیدا شدہ جاندار کا انجام موت ہے اور ہر بنائی ہوئی عمارت کا انجام اجڑنا ہے۔ امرا کے معنی منکر اور عجیب کے ہیں۔ یہ سن کر حضرت خضرؑ نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا کہ تم نے اپنی شرط کا خلاف کیا۔ میں تو تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ تمہیں ان باتوں کا علم نہیں، تم خاموش رہنا مجھ سے نہ کچھ کہنا نہ سوال کرنا۔ ان کاموں کی مصلحت و حکمت اللہ مجھے معلوم کراتا ہے اور تم سے یہ چیزیں مخفی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی کہ اس بھول کو معاف کرو اور مجھ پر سختی نہ کرو، پہلے جو لمبی حدیث مفصل واقعہ کی

بیان ہوئی ہے، اس میں ہے کہ یہ پہلا سوال فی الواقع بھول چوک سے ہی تھا۔

فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا
زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے کو پایا۔ خضر نے اسے مار ڈالا۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تو نے ایک پاک جان کو بغیر کسی قصاص کے مار ڈالا؟ بے شک تو تو بڑی بری چیز لایا۔

حکمت الٰہی کے مظاہر: ☆☆ (آیت: ۷۴) فرمان ہے کہ اس واقعہ کے بعد دونوں صاحب ایک ساتھ چلے ایک بستی میں چند بچے کھیلتے ہوئے ملے ان میں سے ایک بہت ہی تیز طرار، نہایت خوبصورت، چالاک اور بھلا لڑکا تھا۔ اس کو پکڑ کر حضرت خضرؑ نے اس کا سر توڑ دیا یا تو پتھر سے یا ہاتھ سے ہی گردن مروڑ دی بچہ اسی وقت مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور بڑے سخت لہجے میں کہا، یہ کیا واہیات ہے؟ چھوٹے بے گناہ بچے کو بغیر کسی شرعی سبب کے مار ڈالنا۔ یہ کون سی بھلائی ہے؟ بے شک تم نہایت منکر کام کرتے ہو۔

الحمدللہ تفسیر محمدی کا پندرھواں پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۱۶

چند اہم مضامین کی فہرست

- موسیٰ علیہ السلام کی بے صبری ۱۲۸
- اللہ کی مصلحتوں کی وضاحت ۱۲۹
- اللہ کی حفاظت کا ایک انداز ۱۳۰
- ذوالقرنین کا تعارف ۱۳۴
- ایک وحشی صفت بستی ۱۳۵
- یاجوج اور ماجوج ۱۳۶
- عبادت واطاعت کا طریقہ ۱۴۱
- جنت الفردوس کا تعارف ۱۴۲
- سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۳
- دعا اور قبولیت ۱۴۶
- تشفی قلب کے لیے ایک اور مانگ ۱۴۹
- پیدائش یحییٰ علیہ السلام ۱۹
- ناممکن کو ممکن بنانے پہ قادر اللہ تعالیٰ ۱۵۰
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ۱۵۱
- مریم علیہا السلام اور معجزات ۱۵۵
- تقدس مریم اور عوام ۱۵۶
- قیامت کا دن دوزخیوں کے لیے یوم حسرت ۱۶۱
- باپ کی ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی ۱۶۳
- حضرت ادریس علیہ السلام کا تعارف ۱۶۷
- انبیاء کی جماعت کا ذکر ۱۶۸
- جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں تاخیر کیوں؟ ۱۷۲
- منکرین قیامت کی سوچ ۱۷۳
- کثرت مال فریب زندگی ۱۷۷
- مشرکوں سے مباہلہ ۱۷۸
- اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ۱۷۹
- عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف ۱۸۲
- اللہ تعالیٰ کا امین فرشتہ ۱۸۴
- علم قرآن سب سے بڑی دولت ہے ۱۸۵
- اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ۱۸۸
- لاٹھی اژدہا بن گئی ۱۹۰
- معجزات کی نوعیت ۱۹۱
- موسیٰ علیہ السلام کا بچپن ۱۹۴
- اللہ تعالیٰ کی تدابیر اعلیٰ اور محروم ہدایت فرعون ۱۹۵
- فرعون سے نجات کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیاں ۲۰۰
- اللہ کے سامنے اظہار بے بسی ۲۰۴
- اللہ رب العزت کا تعارف ۲۰۷
- فرعون کے ساحر اور موسیٰ علیہ السلام ۲۰۸
- نتیجہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا گواہ بنا ۲۱۱
- ایمان یافتہ جادوگروں پر فرعون کا عتاب ۲۱۲
- بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کا تعاقب ۲۱۳
- بنی اسرائیل کا دریا پار جانا ۲۱۵
- موسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر شرک ۲۱۶
- گائے پرست سامری اور بچھڑا ۲۱۸
- سب سے اعلیٰ کتاب ۲۲۰
- صور کیا ہے؟ ۲۲۰
- پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ ۲۲۱
- نوعیت شفاعت اور روز قیامت ۲۲۲
- انسان کو انسان کیوں کہا جاتا ہے؟ ۲۲۴
- دنیا کی سزائیں ۲۲۷
- ویرانوں سے عبرت حاصل کرو ۲۲۷
- قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ ۲۳۰

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۷۵ قَالَ
اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ
مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝۷۶ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ
اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا
يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ
عَلَيْهِ اَجْرًا ۝۷۷ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ
بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۷۸

وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے ○ موسیٰ نے جواب دیا' اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ یقیناً تم میری طرف سے معذرت کو پہنچ چکے ○ پھر دونوں چلے ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کرنے لگے انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا۔ دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرنا ہی چاہتی تھی۔ اس نے اسے ٹھیک ٹھاک اور درست کر دیا' موسیٰ کہنے لگے' اگر تم چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے ○ وہ کہنے لگے' بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان۔ اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا دوں گا جن پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا ○

موسیٰ علیہ السلام کی بے صبری: ☆☆ (آیت:۷۵-۷۶) حضرت خضرؑ نے اس دوسری مرتبہ اور زیادہ تاکید سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی منظور کی ہوئی شرط کے خلاف کرنے پر تنبیہ فرمائی۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بار اور ہی راہ اختیار کی اور فرمانے لگے' اچھا اب کی دفعہ اور جانے دو اب اگر میں آپ پر اعتراض کروں تو مجھے آپ اپنے ساتھ نہ رہنے دینا یقیناً آپ بار بار مجھے متنبہ فرماتے رہے اور اپنی طرف سے آپ نے کوئی کمی نہیں کی۔ اب اگر قصور کروں تو سزا پاؤں۔ ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی یاد آ جاتا اور اس کے لئے آپ دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے۔ ایک روز فرمانے لگے' ہم پر اللہ کی رحمت ہو اور موسیٰ پر کاش کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ اور بھی ٹھہرتے اور صبر کرتے تو اور یعنی بہت سی تعجب خیز باتیں معلوم ہوتیں۔ لیکن انہوں نے تو یہ کہہ کر چھٹی لے لی کہ اب اگر پوچھوں تو ساتھ چھوٹ جائے۔ میں اب زیادہ تکلیف میں آپ کو ڈالنا نہیں چاہتا۔

ایک اور انوکھی بات: ☆☆ (آیت:۷۷-۷۸) دو دفعہ کے اس واقعہ کے بعد پھر دونوں صاحب مل کر چلے ایک بستی میں پہنچے۔ مروی ہے وہ بستی ایک تھی۔ یہاں کے لوگ بڑے ہی بخیل تھے۔ انتہا یہ کہ دو بھوکے مسافروں کے طلب کرنے پر انہوں نے روٹی کھلانے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ وہاں دیکھتے ہیں کہ ایک دیوار گرنا ہی چاہتی ہے' جگہ چھوڑ چکی ہے' جھک پڑی ہے۔ دیوار کی طرف ارادے کی اسناد بطور استعارہ کے ہے۔ اسے دیکھتے ہی یہ کمر کس کر لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے مضبوط کر دیا اور بالکل درست کر دیا۔ پہلے حدیث بیان ہو چکی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے لوٹا دیا۔ خم ٹھیک ہو گیا اور دیوار درست بن گئی۔ اس وقت پھر کلیم اللہ علیہ السلام بول اٹھے کہ سبحان اللہ ان لوگوں نے تو ہمیں کھانے تک کو نہ پوچھا بھلا مانگنے پر بھاگ گئے۔ اب جو تم نے ان کی یہ مزدوری کر دی' اس پر کچھ اجرت کیوں

نہ لے لی جو بالکل ہمارا حق تھا۔ اس وقت وہ بندہ رحمان بول اٹھے لو صاحب اب مجھ میں اور آپ میں حسب معاہدہ خود جدائی ہو گئی۔ کیونکہ بچے کے قتل پر آپ نے سوال کیا تھا اس وقت جب میں نے آپ کو اس غلطی پر متنبہ کیا تھا تو آپ نے خود ہی کہا تھا کہ اب اگر کسی بات کو پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دینا۔ اب سنو! جن باتوں پر آپ نے تعجب سے سوال کیا اور برداشت نہ کر سکے' ان کی اصلی حکمت آپ پر ظاہر کئے دیتا ہوں۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ
فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ
غَصْبًا ۝۷۹ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝۸۰ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ
زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝۸۱

کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے رہتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا ○ اور اس نوجوان کے ماں باپ ایماندار تھے' ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کر دے ○ اس لئے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر' پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت و پیار والا بچہ عنایت فرمائے ○

اللہ کی مصلحتوں کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۷۹) بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کے انجام سے حضرت خضرؑ کو مطلع کر دیا تھا اور انہیں جو حکم ملا تھا' وہ انہوں نے کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس راز کا علم نہ تھا اس لئے بظاہر اسے خلاف سمجھ کر اس پر انکار کرتے تھے لہذا حضرت خضرؑ نے اب اصل معاملہ سمجھا دیا۔ فرمایا کہ کشتی کو عیب دار کرنے میں تو یہ مصلحت تھی کہ اگر صحیح سالم ہوتی تو آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر ایک اچھی کشتی کو ظلماً چھین لیتا تھا۔ جب اسے وہ ٹوٹی پھوٹی دیکھے گا تو چھوڑ دے گا اگر یہ ٹھیک ٹھاک اور ثابت ہوتی تو ساری کشتی ہی ان مسکینوں کے ہاتھ سے چھن جاتی اور ان کی روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا جو بالکل جاتا رہتا۔ مروی ہے کہ اس کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں' اس بادشاہ کا نام حدو بن بدو تھا۔ بخاری شریف کے حوالے سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ تورات میں ہے کہ یہ عیص بن اسحاق کی نسل سے تھا تورات میں جن بادشاہوں کا صریح ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے واللہ اعلم۔

اللہ کی رضا اور انسان: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۱) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس نوجوان کا نام جیسور تھا۔ حدیث میں ہے کہ اس کی جبلت میں ہی کفر تھا۔ حضرت خضر فرماتے ہیں کہ بہت ممکن تھا کہ اس بچے کی محبت اس کے ماں باپ کو بھی کفر کی طرف مائل کر دے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس کی پیدائش سے اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے تھے اور اس کی ہلاکت سے وہ بہت غمگین ہوئے حالانکہ اس کی زندگی ان کے لئے ہلاکت تھی۔ پس انسان کو چاہئے کہ اللہ کی قضا پر راضی رہے۔ رب انجام کو جانتا ہے اور ہم اس سے غافل ہیں۔ مومن جو کام اپنے لئے پسند کرتا ہے' اس کی اپنی پسند سے وہ اچھا ہے جو اللہ اس کے لئے پسند فرماتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کے لئے جو اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں' وہ سراسر بہتری اور عمدگی والے ہی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی بہت ممکن ہے کہ ایک کام تم اپنے لئے برا اور ضرر والا سمجھتے ہو اور وہی دراصل تمہارے لئے بھلا اور مفید ہو۔ حضرت خضر فرماتے ہیں کہ ہم نے چاہا کہ اللہ انہیں

ایسا بچہ دے جو بہت پرہیزگار ہو اور جس پر ماں باپ کو زیادہ پیار ہو۔ یا یہ کہ جو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک ہو۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس لڑکے کے بدلے اللہ نے ان کے ہاں ایک لڑکی دی۔ مروی ہے کہ اس بچے کے قتل کے وقت اس کی والدہ کے حمل سے ایک مسلمان لڑکا تھا اور وہ حاملہ تھیں۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ
كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ
اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ
اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۸۲ ع ۱۲

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کے باپ بڑے نیک شخص تھے، تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آ کر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے اور اختیار سے کوئی کام نہیں کیا، یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ○

اللہ کی حفاظت کا ایک انداز: ☆☆ (آیت: ۸۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ بڑے شہر پر بھی قریہ کا اطلاق ہو سکتا ہے کیونکہ پہلے حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ فرمایا تھا اور یہاں فی المدينة فرمایا۔ اسی طرح مکہ شریف کو بھی قریہ کہا گیا ہے۔ فرمان ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ۔ اور آیت میں مکہ اور طائف دونوں شہروں کو قریہ فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ اس دیوار کو درست کر دینے میں مصلحت الٰہی یہ تھی کہ یہ اس شہر کے دو یتیموں کی تھی اس کے نیچے ان کا مال دفن تھا۔ ٹھیک تفسیر تو یہی ہے گو یہ بھی مروی ہے کہ وہ علمی خزانہ تھا۔ بلکہ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ جس خزانے کا ذکر کتاب اللہ میں ہے، یہ خالص سونے کی تختیاں تھیں جن پر لکھا ہوا تھا کہ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر کا قائل ہوتے ہوئے اپنی جان کو محنت و مشقت میں ڈال رہا ہے اور رنج و غم برداشت کر رہا ہے۔ تعجب ہے کہ جو جہنم کے عذابوں کا ماننے والا ہے، پھر بھی ہنسی کھیل میں مشغول ہے۔ تعجب ہے کہ موت کا یقین رکھتے ہوئے غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ عبارت ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی لیکن اس میں ایک راوی بشر بن منذر ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ مصیصہ کے قاضی تھے ان کی حدیث میں وہم ہے۔

سلف سے بھی اس بارے میں بعض آثار مروی ہیں۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ سونے کی تختی تھی جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد قریب قریب مندرجہ بالا نصیحتیں اور آخر میں کلمہ طیبہ تھا۔ عمر مولیٰ غفرہ سے بھی تقریباً یہی مروی ہے۔ امام جعفر بن محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس میں ڈھائی سطریں تھیں پوری تین نہ تھیں، الخ مذکور ہے کہ یہ دونوں یتیم بوجہ اپنے ساتویں دادا کی نیکیوں کے محفوظ رکھے گئے تھے۔ جن بزرگوں نے یہ تفسیر کی ہے، وہ بھی پہلی تفسیر کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں بھی ہے کہ یہ علمی باتیں سونے کی تختی پر لکھی ہوئی تھیں اور ظاہر ہے کہ سونے کی تختی خود مال ہے اور بہت بڑی رقم کی چیز ہے واللہ اعلم۔

والدین کے سبب اولاد پر رحم: ☆☆ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے بال بچے بھی دنیا اور آخرت میں اللہ کی مہربانی حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے قرآن و حدیث میں صراحتاً مذکور ہے دیکھئے آیت میں ان کی کوئی صلاحیت بیان

نہیں ہوئی ہاں ان کے والد کی نیک بختی اور نیک عملی بیان ہوئی ہے۔ اور پہلے گزر چکا کہ یہ باپ جس کی نیکی کی وجہ سے ان کی حفاظت ہوئی' یہ ان بچوں کا ساتواں دادا تھا واللہ اعلم۔ آیت میں ہے تیرے رب نے چاہا' یہ اسناد اللہ کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ جوانی تک پہنچانے پر بجز اس کے اور کوئی قادر نہیں۔ دیکھئے بچے کے بارے میں اور کشتی کے بارے میں ارادے کی نسبت اپنی طرف کی گئی ہے فَاَرَدْنَا اور فَاَرَدْتُّ کے لفظ ہیں واللہ اعلم۔ پھر فرماتے ہیں کہ دراصل یہ تینوں باتیں جنہیں تم نے خطرناک سمجھا سراسر رحمت تھیں۔ کشتی والوں کو گو قدرے نقصان ہوا لیکن اس سے پوری کشتی بچ گئی۔ بچے کے مرنے کی وجہ سے گو ماں باپ کو رنج ہوا لیکن ہمیشہ کے رنج اور عذاب اللہ سے بچ گئے اور پھر نیک بدلہ ہاتھوں ہاتھ مل گیا۔ اور یہاں اس نیک شخص کی اولاد کا بھلا ہوا۔ یہ کام میں نے اپنی خوشی سے نہیں کئے بلکہ احکام الٰہی بجا لایا۔ اس سے بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر استدلال کیا ہے اور پوری بحث پہلے گزر چکی ہے اور لوگ کہتے ہیں' یہ رسول تھے۔ ایک قول ہے' یہ فرشتے تھے لیکن اکثر بزرگوں کا فرمان ہے کہ یہ ایک ولی اللہ تھے۔

امام ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان بن خالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔ ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔ لقب خضر ہے۔ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ یہ شہزادے تھے۔ یہ اور ابن صلاح تو قائل ہیں کہ وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ گو بعض حدیثوں میں بھی یہ ذکر آیا ہے لیکن ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں سب سے زیادہ مشہور حدیث اس بارے میں وہ ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعزیت کے لئے آپ تشریف لائے تھے لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اکثر محدثین وغیرہ اس کے برخلاف ہیں اور وہ حیات خضر کے قائل نہیں۔ ان کی ایک دلیل آیت قرآنی وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ہے یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے کسی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ اور دلیل آنحضرت ﷺ کا غزوہ بدر میں یہ فرمانا ہے کہ الٰہی اگر میری یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں تیری عبادت پھر نہ کی جائے گی۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ملتے کیونکہ حضور ﷺ تمام جن وانس کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام زندہ (زمین پر) ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے چارہ نہ تھا۔ آپ اپنی وفات سے کچھ دن پہلے فرماتے ہیں کہ آج جو زمین پر ہیں' ان میں سے ایک بھی آج سے لے کر سو سال پر باقی نہیں رہے گا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت خضر کو خضر اس لئے کہا گیا کہ وہ سفید رنگ سوکھی گھاس پر بیٹھ گئے تھے یہاں تک کہ اس کے نیچے سے سبزہ اگ آیا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ خشک زمین پر بیٹھ گئے تھے اور پھر وہ لہلہانے لگی۔

الغرض حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب یہ گتھی سلجھا دی اور ان کاموں کی اصل حکمت بیان کر دی تو فرمایا کہ یہ تھے وہ راز جن کے آشکارا کرنے کے لئے آپ جلدی کر رہے تھے۔ چونکہ پہلے شوق ومشقت زیادہ تھی' اس لئے لفظ لم تستطع کہا اور اب بیان کر دینے کے بعد وہ بات نہ رہی اس لئے لفظ لَمْ تَسْطِعْ کہا۔ یہی صفت آیت فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا میں ہے یعنی یاجوج ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھ سکے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے۔ پس چڑھنے میں تکلیف بہ نسبت سوراخ کرنے کے کم ہے اس لئے ثقیل کا مقابلہ ثقیل سے اور خفیف کا مقابلہ خفیف سے کیا گیا اور لفظی اور معنوی مناسبت قائم کر دی واللہ اعلم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا ذکر ابتداً قصہ میں تو تھا لیکن پھر نہیں اس لئے کہ مقصود صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا تھا۔ حدیثوں میں ہے کہ آپ کے یہ ساتھی حضرت یوشع بن نون تھے۔ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی

اسرائیل کے والی بنائے گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آب حیات پی لیا تھا اس لئے انہیں ایک کشتی میں بٹھا کر بیچ سمندر کے چھوڑ دیا وہ کشتی یونہی ہمیشہ تک موجوں کے تلاطم میں رہے گی یہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ اس واقعہ کے راویوں میں ایک تو حسن ہے جو متروک ہے' دوسرا اس کا باپ ہے جو غیر معروف ہے۔ یہ واقعہ سنداً ٹھیک نہیں۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ
ذِكْرًا ؕ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾

تجھ سے ذوالقرنین کا واقعہ یہ لوگ دریافت کر رہے ہیں' تو کہہ دے کہ میں ان کا تھوڑا سا حال تمہیں پڑھ سناتا ہوں ○ ہم نے اسے اس زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے سامان بھی عنایت کر دیئے تھے ○

کفار کے سوالات کے جوابات: ☆☆ (آیت:۸۳-۸۴) پہلے گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے اہل کتاب سے کہلوایا تھا کہ ہمیں کچھ ایسی باتیں بتلاؤ جو ہم محمد (ﷺ) سے دریافت کریں اور ان کے جواب آپ سے نہ بن پڑیں۔ تو انہوں نے سکھایا تھا کہ ایک تو ان سے اس شخص کا واقعہ پوچھو جس نے روئے زمین کی سیاحت کی تھی' دوسرا سوال ان سے ان نوجوانوں کی نسبت کرو جو بالکل لاپتہ ہو گئے ہیں اور تیسرا سوال ان سے روح کی بابت کرو۔ ان کے ان سوالوں کے جواب میں یہ سورۂ کہف نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ سے ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرنے کو آئی تھی۔ تو آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ تم اس لئے آئے ہو۔ پھر آپ نے وہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں ہے کہ وہ ایک رومی نوجوان تھا اسی نے اسکندریہ بنایا۔ اسے ایک فرشتہ آسمان تک چڑھا لے گیا تھا اور دیوار تک لے گیا تھا اس نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے منہ کتوں جیسے تھے وغیرہ۔ لیکن اس میں بہت طول ہے اور بے کار ہے اور ضعف ہے اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ دراصل یہ بنی اسرائیل کی روایات ہیں۔ تعجب ہے کہ امام ابوزرعہ رازی جیسے علامہ زماں نے اسے اپنی کتاب دلائل نبوت میں مکمل وارد کیا ہے۔ فی الواقع یہ ان جیسے بزرگ سے تو تعجب خیز چیز ہی ہے۔ اس میں جو ہے کہ یہ رومی تھا' یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسکندر ثانی البتہ رومی تھا وہ قیلیس مقدونی کا لڑکا ہے جس سے روم کی تاریخ شروع ہوتی ہے اور سکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی بناء کے بعد طواف بیت اللہ کیا ہے۔ آپ پر ایمان لایا تھا آپ کا تابعدار بنا تھا' انہی کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اور سکندر ثانی کا وزیر ارسطاطالیس مشہور فلسفی تھا واللہ اعلم۔ اسی نے مملکت روم کی تاریخ لکھی یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اور سکندر اول جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے' یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں تھا جیسے کہ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ بنایا تو اس نے آپ کے ساتھ طواف کیا تھا اور اللہ کے نام بہت سی قربانیاں کی تھیں۔ ہم نے بفضلہ ان کے بہت سے واقعات اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ذکر کر دیئے ہیں۔

وہبؒ کہتے ہیں' یہ بادشاہ تھے چونکہ ان کے سر کے دونوں طرف تانبا رہتا تھا' اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا یہ وجہ بھی بتلائی گئی ہے کہ یہ روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔ بعض کا قول ہے کہ فی الواقع اس کے سر کے دونوں طرف کچھ سینگ سے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ یہ لوگ مخالف ہو گئے اور ان کے سر کے ایک جانب اس قدر مارا کہ یہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے پھر سر کے دوسری طرف اسی

قدر مارا جس سے یہ پھر مر گئے اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے- ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مشرق سے مغرب تک سیاحت کر آئے تھے اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا ہے- ہم نے اسے بڑی سلطنت دے رکھی تھی- ساتھ ہی قوت لشکر، آلات حرب سب کچھ ہی دے رکھا تھا- مشرق سے مغرب تک اس کی سلطنت تھی، عرب عجم سب اس کے ماتحت تھے- ہر چیز کا اسے علم دے رکھا تھا- زمین کے ادنیٰ اعلیٰ نشانات بتلا دیئے تھے- تمام زبانیں جانتے تھے- جس قوم سے لڑائی ہوتی، اس کی زبان بول لیتے تھے- ایک مرتبہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، کیا تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین نے اپنے گھوڑے ثریا سے باندھے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو سنئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے اسے ہر چیز کا سامان دیا تھا- حقیقت میں اس بات میں حق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اس لئے بھی کہ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ کو جو کچھ کہیں لکھا ملتا تھا، روایت کر دیا کرتے تھے گو وہ جھوٹ ہی ہو- اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ کعب کا کذب تو بارہا سامنے آ چکا ہے یعنی خود تو جھوٹ نہیں گھڑتے تھے لیکن جو روایت ملتی گو بے سند ہو، بیان کرنے سے نہ چوکتے اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات جھوٹ سے، خرافات سے، تحریف سے، تبدیل سے محفوظ نہ تھیں- بات یہ ہے کہ ہمیں ان اسرائیلی روایت کی طرف التفات کرنے کی بھی کیا ضرورت؟ جب کہ ہمارے ہاتھوں میں اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر ﷺ کی سچی اور صحیح احادیث موجود ہیں-

افسوس انہی بنی اسرائیلی روایات نے بہت سی برائی مسلمانوں میں ڈال دی اور بڑا فساد پھیل گیا- حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے اس بنی اسرائیلی روایت کے ثبوت میں قرآن کی اس آیت کا آخری حصہ جو پیش کیا ہے، یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر بات ہے کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اور ثریا پر پہنچنے کی طاقت نہیں دی- دیکھئے بلقیس کے حق میں بھی قرآن نے یہی الفاظ کہے ہیں وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اسے ہر چیز دی گئی تھی- اس سے بھی مراد صرف اسی قدر ہے کہ بادشاہوں کے ہاں عموماً جو ہوتا ہے، وہ سب اس کے پاس بھی تھا، اسی طرح حضرت ذوالقرنین کو اللہ نے تمام راستے اور ذرائع مہیا کر دیئے تھے کہ وہ اپنی فتوحات کو وسعت دیتے جائیں اور زمین سرکشوں اور کافروں سے خالی کراتے جائیں اور اس کی توحید کے ساتھ موحدین کی بادشاہت دنیا پر پھیلائیں اور اللہ والوں کی حکومت جمائیں- ان کاموں میں جن اسباب کی ضرورت پڑتی ہے، وہ سب رب عزوجل نے حضرت ذوالقرنین کو دے رکھے تھے واللہ اعلم- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ مشرق ومغرب تک کیسے پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا، سبحان اللہ- اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا اور تمام اسباب انہیں مہیا کر دئے تھے اور پوری قوت وطاقت دے دی تھی-

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ
فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ
اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ
فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا
مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ
مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

وہ ایک راہ کے درپے ہو گیا ○ یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا- اسے ایک دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا اور اس چشمے کے پاس ایک قوم کو بھی پایا-

ہم نے فرما دیا کہ اے ذوالقرنین یا تو تو انہیں تکلیف پہنچائے یا ان کے بارے میں تو کوئی بہترین روش اختیار کرے ○ جواب دیا کہ جو ظلم کرے گا، اسے تو ہم بھی اب سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے پھر سے سخت تر عذاب کرے گا۔ ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے، اس کے لئے تو بدلے میں بھلائی ہی ہے، اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی ہی کہیں گے ○

ذوالقرنین کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۸) ذوالقرنین ایک راہ لگ گئے۔ زمین کی ایک سمت یعنی مغربی جانب کوچ کر دیا۔ جو نشانات زمین پر تھے ان کے سہارے چل کھڑے ہوئے۔ جہاں تک مغربی رخ چل سکتے تھے، چلتے رہے یہاں تک کہ اب سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچ گئے۔ یہ یاد رہے کہ اس سے مراد آسمان کا وہ حصہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے، نہیں کیونکہ وہاں تک تو کسی کا جانا ناممکن ہے۔ ہاں اس رخ جہاں تک زمین پر جانا ممکن ہے، حضرت ذوالقرنین پہنچ گئے۔ اور یہ جو بعض قصے مشہور ہیں کہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی آپ تجاوز کر گئے اور سورج مدتوں ان کی پس پشت غروب ہوتا رہا، یہ بے بنیاد باتیں ہیں اور عموماً اہل کتاب کی خرافات ہیں اور ان میں سے بھی بددینوں کی گھڑنت ہیں اور محض دروغ بے فروغ ہیں۔

الغرض جب انتہائے مغرب کی سمت پہنچ گئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا بحر محیط میں سورج غروب ہو رہا ہے۔ جو بھی کسی سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھے گا تو بہ ظاہر یہی منظر اس کے سامنے ہو گا کہ گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔ حالانکہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس سے الگ کبھی نہیں ہوتا حَمِئَة یا تو مشتق ہے حماة سے یعنی چکنی مٹی۔ آیت قرآنی وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ یہی مطلب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سن کر حضرت نافع نے سنا کہ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے، تم ہم سے زیادہ قرآن کے عالم ہو لیکن میں تو کتاب میں دیکھتا ہوں کہ وہ سیاہ رنگ مٹی میں غائب ہو جاتا تھا۔ ایک قرات میں فِی عَیْنٍ حَامِیَةٍ ہے یعنی گرم چشمے میں غروب ہونا پایا۔ یہ دونوں قرأتیں مشہور ہیں اور دونوں درست ہیں خواہ کوئی سی قرات پڑھے اور ان کے معنی میں بھی کوئی تفاوت نہیں کیونکہ سورج کی نزدیکی کی وجہ سے پانی، گرم ہو اور وہاں کی مٹی کے سیاہ رنگ کی وجہ سے اس کا پانی کیچڑ جیسا ہو۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ سورج کو غروب ہوتے دیکھ کر فرمایا، اللہ کی بھڑکی آگ میں اگر اللہ کے حکم سے اس کی سوزش کم نہ ہو جاتی تو یہ تو زمین کی تمام چیزوں کو جھلس ڈالتا۔ اس کی صحت میں نظر ہے بلکہ مرفوع ہونے میں بھی بہت ممکن ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرو کا اپنا کلام ہو اور ان دو تھیلوں کی کتابوں سے لیا گیا ہو جو انہیں یرموک سے ملے تھے واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ کہف کی یہی آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے عَیْنٍ حَامِیَةٍ پڑھا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو حَمِئَةٍ پڑھتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، آپ کس طرح پڑھتے ہیں، انہوں نے جواب دیا جس طرح آپ نے پڑھا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آدمی بھیجا کہ بتلاؤ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ تورات میں اس کے متعلق کچھ ہے؟ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اسے عربیت والوں سے پوچھنا چاہئے، وہی اس کے پورے عالم ہیں۔ ہاں تورات میں تو میں یہ پاتا ہوں کہ وہ پانی اور مٹی میں یعنی کیچڑ میں چھپ جاتا ہے اور مغرب کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یہ سب قصہ سن کر ابن حاضر نے کہا، اگر میں اس وقت ہوتا تو آپ کی تائید میں تبع کے وہ دو شعر پڑھ دیتا جس میں اس نے ذوالقرنین کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ مشرق و مغرب تک پہنچا کیونکہ اللہ نے اسے ہر قسم کے سامان مہیا فرمائے تھے اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ مٹی جیسے کیچڑ میں غروب ہوتا نظر آتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

پوچھا، اس شعر میں تین لفظ ہیں خلب، ثاط اور حرمد۔ ان کے کیا معنی ہیں؟ مٹی، کیچڑ اور سیاہ۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام سے یا کسی اور شخص سے فرمایا، یہ جو کہتے ہیں لکھ لو۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورہ کہف کی تلاوت حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے سنی اور جب آپ نے حَمِئَۃ پڑھا۔ تو کہا کہ واللہ جس طرح تورات میں ہے، اسی طرح پڑھتے ہوئے میں نے آپ ہی کو سنا، تورات میں بھی یہی ہے کہ وہ سیاہ رنگ کیچڑ میں ڈوبتا ہے۔ وہیں ایک شہر تھا جو بہت بڑا تھا اس کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر وہاں شور وغل نہ ہو تو کیا عجب کہ ان لوگوں کو سورج کے غروب ہونے کی آواز تک آئے۔ وہاں ایک بہت بڑی امت کو آپ نے بستا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں پر بھی انہیں غلبہ دیا اب ان کے اختیار میں تھا کہ یہ ان پر جبر وظلم کریں یا ان میں عدل وانصاف کریں۔ اس پر ذوالقرنین نے اپنے عدل وایمان کا ثبوت دیا اور عرض کیا کہ جو اپنے کفر وشرک پر اڑا رہے گا، اسے تو ہم سزا دیں گے قتل وغارت سے یا یہ کہ تانبے کے برتن کو گرم آگ کر کے اس میں ڈال دیں گے کہ وہیں اس کا مرنڈا ہو جائے یا یہ کہ سپاہیوں کے ہاتھوں انہیں بدترین سزائیں کرائیں گے واللہ اعلم۔ اور پھر جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت تر اور دردناک عذاب کرے گا۔ اس سے قیامت کے دن کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ اور جو ایمان لائے، ہماری توحید کی دعوت قبول کر لے، اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے دست برداری کر لے، اسے اللہ اپنے ہاں بہترین بدلہ دے گا اور خود ہم بھی اس کی عزت افزائی کریں گے اور بھلی بات کہیں گے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾
كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

پھر وہ اور راہ کے پیچھے لگا ○ یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچا، اسے ایک ایسی قوم پر نکلتا پایا کہ ان کے لئے ہم نے اس سے اور کوئی پردہ اور اوٹ نہیں بنائی ○ واقعہ ایسا ہی ہے، ہم نے اس کے آس پاس کی کل خبروں کا احاطہ کر رکھا ہے ○

ایک وحشی صفت بستی: ☆☆ (آیت:۸۹-۹۱) ذوالقرنین مغرب سے واپس مشرق کی طرف چلے۔ راستے میں جو قومیں ملتیں، اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی انہیں دعوت دیتے۔ اگر وہ قبول کر لیتے تو بہت اچھا ورنہ ان سے لڑائی ہوتی اور اللہ کے فضل سے وہ ہارتے۔ آپ انہیں اپنا ماتحت کر کے وہاں کے مال ومویشی اور خادم وغیرہ لے کر آگے کو چلتے۔ بنی اسرائیلی خبروں میں ہے کہ یہ ایک ہزار چھ سو سال تک زندہ رہے۔ اور برابر زمین پر دین الٰہی کی تبلیغ میں رہے ساتھ ہی بادشاہت بھی پھیلتی رہی۔ جب آپ سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچے وہاں دیکھا کہ ایک بستی آباد ہے لیکن وہاں کے لوگ بالکل نیم وحشی جیسے ہیں۔ نہ وہ مکانات بناتے ہیں نہ وہاں کوئی درخت ہے سورج کی دھوپ سے پناہ دینے والی کوئی چیز وہاں انہیں نظر نہ آئی۔ ان کے رنگ سرخ تھے ان کے قد پست تھے عام خوراک ان کی مچھلی تھی۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جایا کرتے تھے اور غروب ہونے کے بعد جانوروں کی طرح ادھر ادھر ہو جایا کرتے تھے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہاں تو کچھ اگتا نہ تھا سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جاتے اور زوال کے بعد دور دراز اپنی کھیتیوں وغیرہ میں مشغول ہو جاتے۔ سلمہ کا قول ہے کہ ان کے کان بڑے بڑے تھے ایک اوڑھ لیتے، ایک بچھا لیتے۔ قتادہ

رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں، یہ وحشی حبشی تھے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہاں کبھی کوئی مکان یا دیوار یا احاطہ نہیں بنا سورج کے نکلنے کے وقت یہ لوگ پانی میں گھس جاتے۔ وہاں کوئی پہاڑ بھی نہیں۔ پہلے کسی وقت ان کے پاس ایک لشکر پہنچا تو انہوں نے ان سے کہا کہ دیکھو سورج نکلتے وقت باہر نہ ٹھہرنا۔ انہوں نے کہا نہیں ہم تو رات ہی رات یہاں سے چلے جائیں گے لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ ہڈیوں کے چمکیلے ڈھیر کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا یہاں پہلے ایک لشکر آیا تھا۔ سورج کے نکلنے کے وقت وہ یہیں ٹھہرا رہا سب مر گئے یہ ان کی ہڈیاں ہیں یہ سنتے ہی وہ وہاں سے واپس ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے کہ ذوالقرنین کی، اس کے ساتھیوں کی کوئی حرکت کوئی گفتار اور رفتار ہم پر پوشیدہ نہ تھی۔ گو اس کا لاؤ لشکر بہت تھا زمین کے ہر حصے پر پھیلا ہوا تھا۔ لیکن ہمارا علم زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ ہم سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝۹۲ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ
دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝۹۳ قَالُوْا يٰذَا
الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ
نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝۹۴ قَالَ
مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
رَدْمًا ۝۹۵ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ
انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝۹۶

وہ پھر ایک سفر کے سامان میں لگا ○ یہاں تک کہ جب دو دیواروں کے درمیان پہنچا، ان دونوں کے ادھر اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی ○ انھوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج اس ملک میں بڑے بھاری فسادی ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ سرمایہ اکٹھا کر دیں؟ اس شرط پر کہ آپ ہم میں اور ان میں کوئی دیوار بنا دیں ○ اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو کر رکھا ہے، وہی بہتر ہے۔ تم صرف اپنی قوت و طاقت سے میری مدد کرو ○ میں تم میں اور ان میں مضبوط حجاب بنا دیتا ہوں۔ مجھے لوہے کی چادریں لا دو، یہاں تک کے جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان یہ دیوار برابر کر دی تو حکم دیا کہ آگ تیز جلاؤ تاوقتیکہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل آگ کر دیا تو فرمایا میرے پاس لاؤ۔ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں ○

یاجوج اور ماجوج: ☆☆ (آیت: ۹۲-۹۶) اپنے شرقی سفر کو ختم کر کے پھر ذوالقرنین وہیں مشرق کی طرف ایک راہ چلے۔ دیکھا کہ دو پہاڑ ہیں جو ملے ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک گھاٹی ہے جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر ترکوں پر تباہی ڈالا کرتے ہیں، انہیں قتل کرتے ہیں، کھیت باغات تباہ کرتے ہیں، بال بچوں کو بھی ہلاک کرتے ہیں اور سخت فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔ یاجوج ماجوج بھی انسان ہیں جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ عزوجل حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے آدم آپ لبیک و سعدیک کے ساتھ جواب دیں گے حکم ہوگا، آگ کا حصہ الگ کر، پوچھیں گے کتنا حصہ؟ حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں، یہی وہ وقت ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا تم میں دو امتیں ہیں کہ وہ جن میں ہوں انہیں کثرت کو پہنچا دیتی ہیں یعنی یاجوج ماجوج۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں ایک عجیب بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خاص پانی کے چند قطرے جو مٹی میں گرے تھے' انہی سے یاجوج ماجوج پیدا کئے گئے ہیں گویا وہ حضرت حوا اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے نہیں بلکہ صرف نسل آدم علیہ السلام سے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ قول بالکل ہی غریب ہے نہ اس پر عقلی دلیل ہے نہ نقلی اور ایسی باتیں جو اہل کتاب سے پہنچتی ہیں' وہ ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کے ہاں کے ایسے قصے ملاوٹی اور بناوٹی ہوتے ہیں واللہ اعلم۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکے تھے سام' حام اور یافث۔ سام کی نسل سے کل عرب ہیں اور حام کی نسل سے کل حبشی ہیں اور یافث کی نسل سے کل ترک ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے اس جد اعلیٰ یافث کی ہی اولاد ہیں' انہیں ترک اس لئے کہا گیا ہے کہ انہیں بہ وجہ ان کے فساد اور شرارت کے انسانوں کی دیگر آبادی کے پس پشت پہاڑوں کی آڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ذوالقرنین کے سفر کے متعلق اور اس دیوار کے بنانے کے متعلق اور یاجوج ماجوج کے جسموں' ان کی شکلوں اور ان کے کانوں وغیرہ کے متعلق وہب بن منبہ سے ایک بہت لمبا چوڑا واقعہ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے جو علاوہ عجیب وغریب ہونے کے صحت سے دور ہے۔ ابن ابی حاتم میں بھی ایسے بہت سے واقعات درج ہیں لیکن سب غریب اور غیر صحیح ہیں۔ ان پہاڑوں کے درے میں ذوالقرنین نے انسانوں کی ایک آبادی پائی جو بوجہ دنیا کے دیگر لوگوں سے دوری کے اور ان کی اپنی مخصوص زبان کے اوروں کی بات بھی تقریباً نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کی قوت وطاقت' عقل وہنر کو دیکھ کر درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم آپ کے لئے بہت سا مال جمع کر دیں اور آپ ان پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو کسی مضبوط دیوار سے بند کر دیں تاکہ ہم ان فسادیوں کی روزمرہ کی ان تکالیف سے بچ جائیں۔ اس کے جواب میں حضرت ذوالقرنین نے فرمایا' مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں اللہ کا دیا سب کچھ میرے پاس موجود ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ یہی جواب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا کے قاصدوں کو دیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اپنے اس جواب کے بعد فرمایا کہ ہاں تم اپنی قوت وطاقت اور کام کاج سے میرا ساتھ دو تو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دیتا ہوں۔ زُبَر جمع ہے زُبْرَۃ کی۔ ذوالقرنین فرماتے ہیں کہ لوہے کے ٹکڑے اینٹوں کی طرح کے میرے پاس لاؤ۔ جب یہ ٹکڑے جمع ہو گئے تو آپ نے دیوار بنانی شروع کرا دی اور وہ لمبائی چوڑائی میں اتنی ہو گئی کہ تمام جگہ گھر گئی اور پہاڑ کی چوٹی کے برابر پہنچ گئی۔ اس کے طول وعرض اور موٹائی کی ناپ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔

جب یہ دیوار بالکل بن گئی تو حکم دیا کہ اب اس کے چوطرف آگ بھڑکاؤ۔ جب وہ لوہے کی دیوار بالکل انگارے جیسی سرخ ہو گئی تو حکم دیا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور ہر طرف سے اس کے اوپر بہا دو چنانچہ یہ بھی کیا گیا۔ پس ٹھنڈی ہو کر یہ دیوار بہت ہی مضبوط اور پختہ ہو گئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاری دار چادر ہو۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے آپ نے فرمایا کیسی ہے؟ اس نے کہا دھاری دار چادر جیسی' جس میں سرخ وسیاہ دھاریاں ہیں تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ خلیفہ واثق نے اپنے زمانے میں اپنے امیروں کو ایک وافر لشکر اور بہت سا سامان دے کر روانہ کیا تھا کہ وہ اس دیوار کی خبر لائیں یہ لشکر دو سال سے زیادہ سفر میں رہا اور ملک در ملک پھرتا ہوا آخرش اس دیوار تک پہنچا دیکھا کہ لوہے اور تانبے کی دیوار ہے اس میں ایک بہت بڑا نہایت پختہ عظیم الشان دروازہ بھی اسی کا ہے جس پر منوں کے وزنی قفل لگے ہوئے ہیں اور جو مال مسالہ دیوار کا بچا ہوا ہے' وہ وہیں پر ایک برج میں رکھا ہوا ہے جہاں پہرہ چوکی مقرر ہے۔ دیوار بے حد بلند ہے کتنی ہی کوشش کی جائے لیکن اس پر چڑھنا ناممکن ہے اس سے ملا ہوا پہاڑیوں کا سلسلہ دونوں طرف برابر چلا گیا ہے اور بھی بہت سے عجائب وغرائب امور

دیکھے جوانہوں نے واپس آ کر خلیفہ کی خدمت میں عرض کیے۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا
رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ
وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ
وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

پس نہ تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت ہے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں ○ کہا کہ یہ صرف میرے رب کی مہربانی ہے' ہاں جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اسے زمین دوز کر دے گا' بے شک میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے ○ اس دن ہم انہیں آپس میں ایک دوسرے میں دھنستے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا۔ پس سب کو اکٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے ○

دیوار بنا دی گئی: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۹) اس دیوار پر نہ تو چڑھنے کی طاقت یاجوج ماجوج کو ہے نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں کہ وہاں سے نکل آئیں۔ چونکہ چڑھنا بہ نسبت توڑنے کے زیادہ آسان ہے۔ اسی لئے چڑھنے میں مَا اسْطَاعُوْ کا لفظ لائے اور توڑنے میں مَا اسْتَطَاعُوْا کا لفظ لائے۔ غرض نہ تو وہ چڑھ کر آ سکتے ہیں نہ سوراخ کر کے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' ہر روز یاجوج ماجوج اس دیوار کو کھودتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہوتا ہے کہ سورج کی شعاع ان کو نظر آ جائیں چونکہ دن گزر جاتا ہے اس لئے ان کے سردار کا حکم ہوتا ہے کہ اب بس کرو کل آ کر توڑ دیں گے لیکن جب وہ دوسرے دن آتے ہیں تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ان کا نکلنا اللہ کو منظور ہوگا تو یہ کھودتے ہوئے جب دیوار کو چھلکے جیسی کر دیں گے تو ان کا سردار کہے گا اب چھوڑ دو کل ان شاءاللہ اسے توڑ ڈالیں گے پس انشاءاللہ کہہ لینے کی برکت سے دوسرے دن جب وہ آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے۔ ویسی ہی پائیں گے فوراً گرا دیں گے اور باہر نکل پڑیں گے۔ تمام پانی چاٹ جائیں گے لوگ تنگ آ کر قلعوں میں پناہ گزیں ہو جائیں گے۔ یہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے اور مثل خون آلود تیروں کے ان کی طرف لوٹائے جائیں گے تو یہ کہیں گے زمین والے سب دب گئے آسمان والوں پر بھی ہم غالب آ گئے اب ان کی گردنوں میں گلٹیاں نکلیں گی اور سب کے سب بحکم الٰہی اسی وبا سے ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ زمین کے جانوروں کی خوراک ان کے جسم و خون ہوں گے جس سے وہ خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے لائے ہیں اور فرمایا ہے یہ روایت غریب ہے سوائے اس سند کے مشہور نہیں۔ اس کی سند بہت قوی ہے لیکن اس کا متن نکارت سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ آیت کے ظاہری الفاظ صاف ہیں کہ نہ وہ چڑھ سکتے ہیں نہ سوراخ کر سکتے ہیں کیونکہ دیوار نہایت مضبوط' بہت پختہ اور سخت ہے۔

کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یاجوج ماجوج روزانہ اسے چاٹتے ہیں اور بالکل چھلکے جیسی کر دیتے ہیں' پھر کہتے ہیں چلو کل توڑ دیں گے۔ دوسرے دن آتے ہیں تو جیسی اصل میں تھی' ویسی ہی پاتے ہیں آخر دن وہ بہ الہام الٰہی جاتے وقت ان شاءاللہ کہیں گے دوسرے دن جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے' ویسی ہی پائیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ انہی کعب سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی ہو پھر بیان کی ہو اور کسی راوی کو وہم ہو گیا ہو اور اس نے آنحضرت ﷺ کا فرمان سمجھ کر اسے مرفوعاً بیان کر دیا ہو واللہ اعلم۔ یہ جو ہم

کہہ رہے ہیں اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نیند سے بیدار ہوئے چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الہ الا اللہ عرب کی خرابی کا وقت قریب آ گیا، آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا اس پر ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بھلے لوگوں کی موجودگی میں بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب خبیث لوگوں کی کثرت ہو جائے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ ہاں بخاری شریف میں راویوں کے ذکر میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں۔ مسلم میں ہے، اور بھی اس کی سند میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بہت ہی کم پائی گئی ہیں۔

مثلاً زہری کی روایت عروہ سے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں اور چار عورتوں کا آپس میں ایک دوسرے سے روایت کرنا پھر چاروں عورتیں صحابیہ رضی اللہ عنہم۔ پھر ان میں بھی دو حضور علیہ السلام کی بیویوں کی لڑکیاں اور دو آپ کی بیویاں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ بزار میں یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (مترجم کہتا ہے اس تکلف کی اور ان مرفوع حدیثوں کے متعلق اس قول کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم آیت قرآن اور ان صحیح مرفوع حدیثوں کے درمیان بہت آسانی سے یہ تطبیق دے سکتے ہیں کہ کوئی ایسا سوراخ نہیں کر سکتے جس میں سے نکل آئیں۔ پتلی کر دینا یا حلقے کے برابر سوراخ کر دینا اور بات ہے، جو مقصود ذوالقرنین کا اس دیوار کے بنانے سے تھا، وہ بفضلہ حاصل ہے کہ نہ وہ اوپر سے اتر سکیں نہ توڑ کر یا سوراخ کر کے نکل سکیں اور اسی کی خبر آیت میں ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں واللہ اعلم۔ مترجم) اس دیوار کو بنا کر ذوالقرنین اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور اللہ کا شکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگو یہ بھی رب کی رحمت ہے کہ اس نے ان شریروں کی شرارت سے مخلوق کو اب امن دے دیا ہاں جب اللہ کا وعدہ آ جائے گا تو اس کا ڈھیر ہو جائے گا۔ یہ زمین دوز ہو جائے گی۔ مضبوطی کچھ کام نہ آئے گی۔ اونٹنی کا کوہان جب اس کی پیٹھ سے ملا ہوا ہو تو عرب میں اسے نَاقَة دَكَّاءَ کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پہاڑ پر رب نے تجلی کی تو وہ پہاڑ زمین دوز ہو گیا وہاں بھی لفظ جَعَلَهٗ دَكًّا ہے۔ پس قریب قیامت یہ دیوار پاش پاش ہو جائے گی اور ان کے نکلنے کا راستہ بن جائے گا۔ اللہ کے وعدے اٹل ہیں، قیامت کا آنا یقینی ہے۔ اس دیوار کے ٹوٹتے ہی یہ لوگ نکل پڑیں گے اور لوگوں میں گھسنے جائیں گے، اپنوں بیگانوں کی تمیز اٹھ جائے گی۔ یہ واقعہ دجال کے آ جانے کے بعد قیامت کے قیام سے پہلے ہو گا۔ اس کا پورا بیان آیت حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ۔

جب صور پھونکا جائے گا: ☆☆ اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور سب جمع ہو جائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان جن سب خلط ملط ہو جائیں گے۔ بنی خزارہ کے ایک شیخ کا بیان ابن جریر میں ہے کہ جب جن انسان آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے، اس وقت ابلیس کہے گا کہ میں جاتا ہوں، معلوم کرتا ہوں کہ یہ کیا بات ہے؟ مشرق کی طرف بھاگے گا لیکن وہاں فرشتوں کی جماعتوں کو دیکھ کر رک جائے گا اور لوٹ کر مغرب کو پہنچے گا، وہاں بھی یہی رنگ دیکھ کر دائیں بائیں بھاگے گا لیکن چاروں طرف سے فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر نا امید ہو کر چیخ و پکار شروع کر دے گا، اچانک اسے ایک چھوٹا سا راستہ دکھائی دے گا اپنی ساری ذریات کو لے کر اس میں چل پڑے گا آگے جا کر دیکھے گا کہ دوزخ بھڑک رہی ہے ایک داروغہ جہنم اس سے کہے گا کہ اے موذی خبیث کیا اللہ نے تیرا مرتبہ نہیں بڑھایا تھا؟ کیا تو جنتیوں میں نہ تھا؟ یہ کہے گا آج ڈانٹ ڈپٹ کیوں کرتے ہو؟ آج تو چھٹکارے کا راستہ بتاؤ میں عبادت اللہ کے لئے تیار ہوں اگر حکم ہو تو اتنی

اور ایسی عبادت کروں کہ روئے زمین پر کسی نے نہ کی ہو- داروغہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ تیرے لئے ایک فریضہ مقرر کرتا ہے وہ خوش ہو کر کہے گا میں اس کے حکم کی بجا آواری کے لئے پوری مستعدی سے موجود ہوں- حکم ہو گا کہ یہی کہ تم سب جہنم میں چلے جاؤ- اب یہ خبیث ہکا بکا رہ جائے گا وہیں فرشتہ اپنے پر سے اسے اور اس کی تمام ذریت کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دے گا- جہنم انہیں لے کر آ دبوچے گی اور ایک مرتبہ تو وہ جھلائے گی کہ تمام مقرب فرشتے اور تمام نبی رسول گھٹنوں کے بل اللہ کے سامنے عاجزی میں گر پڑیں گے- طبرانی میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' یاجوج ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اگر وہ چھوڑ دیئے جائیں تو دنیا کی معاش میں فساد ڈال دیں' ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے پھر ان کے سوا تین امتیں اور ہیں تاویل' مارس اور منسک- یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر اور ضعیف ہے-

نسائی میں ہے کہ ان کی بیویاں بچے ہیں ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے- پھر فرمایا اور پھونک دیا جائے گا جیسے حدیث میں ہے کہ وہ ایک قرن ہے جس میں صور پھونک دیا جائے گا پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے- جیسے کہ لمبی حدیث بیان ہو چکی ہے- اور بھی بہت سی حدیثوں سے اس کا ثبوت ہے- حضور ﷺ فرماتے ہیں میں کیسے چین اور آرام سے بیٹھوں؟ صور والا فرشتہ صور کو منہ سے لگائے ہوئے پیشانی جھکائے ہوئے کان لگائے ہوئے منتظر بیٹھا ہے کہ کب حکم ہو اور میں پھونک دوں- لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ پھر ہم کیا کہیں؟ فرمایا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا پھر فرماتا ہے' ہم سب کو حساب کے لئے جمع کریں گے- سب کا حشر ہمارے سامنے ہو گا جیسے سورہ واقعہ میں ہے کہ اگلے پچھلے سب کے سب مقرر دن کے وقت اکٹھے کئے جائیں گے- اور آیت میں ہے وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ہم سب کو جمع کریں گے- ایک بھی تو باقی نہ بچے گا-

وَّعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ عَرۡضَا ۙ۝١٠٠ الَّذِيۡنَ كَانَتۡ اَعۡيُنُهُمۡ
فِىۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِكۡرِىۡ وَكَانُوۡا لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَمۡعًا ۝١٠١ اَفَحَسِبَ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا عِبَادِىۡ مِنۡ دُوۡنِىۡۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ اِنَّاۤ
اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا ۝١٠٢

اس دن ہم جہنم کو بھی کافروں کے سامنے لا کھڑا کر دیں گے ○ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور (امر حق) سن بھی نہیں سکتے تھے ○ کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں میرے سوا وہ میرے غلاموں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ سنو ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے ○

جہنم کو دیکھ کر: ☆☆ (آیت: ۱۰۰-۱۰۲) کافر جہنم میں جانے سے پہلے جہنم کو اور اس کے عذاب کو دیکھ لیں گے اور یہ یقین کر کے کہ وہ اسی میں داخل ہونے والے ہیں' داخل ہونے سے پہلے ہی جلنے کڑھنے لگیں گے' غم و رنج' ڈر خوف کے مارے گھلنے لگیں گے- صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جہنم کو قیامت کے دن گھسیٹ کر لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی- ہر ایک لگام پر ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے- یہ کافر دنیا کی ساری زندگی میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بے کار کئے بیٹھے رہے' نہ حق دیکھا نہ حق سنا' نہ مانا نہ عمل کیا- شیطان کا ساتھ دیا اور رحمان کے ذکر سے غفلت برتی- اللہ کے احکام اور ممانعت کو پس پشت ڈالے رہے- یہی سمجھتے رہے کہ ان کے جھوٹے معبود ہی انہیں سارا نفع پہنچائیں گے اور کل سختیاں دور کریں گے- محض غلط خیال ہے بلکہ وہ تو ان کی عبادت کے بھی منکر ہو جائیں گے اور ان کے دشمن بن کر کھڑے ہوں گے- ان کافروں کی منزل تو جہنم ہی ہے جو ابھی سے تیار ہے-

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ
سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ
صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ
جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝

پوچھ لے کہ اگر تم کہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ باعتبار اعمال کے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ ○ وہ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں ○ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کی ملاقات سے کفر کیا تو ان کے تمام اعمال غارت ہو گئے۔ پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے ○ حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق میں اڑایا ○

عبادت واطاعت کا طریقہ: ☆☆ (آیت:۱۰۳-۱۰۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے صاحبزادے مصعب نے سوال کیا کہ کیا اس آیت سے مراد خارجی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مراد اس سے یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کو جھٹلایا اور نصرانیوں نے جنت کو سچا نہ جانا اور کہا کہ وہاں کھانا پینا کچھ نہیں۔ خارجیوں نے اللہ کے وعدے کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیا۔ پس حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ خارجیوں کو فاسق کہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے یہ آیت یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار کو شامل ہے اسی طرح خارجیوں کا حکم بھی اس میں ہے کیونکہ آیت عام ہے۔ جو بھی اللہ کی عبادت و اطاعت اس طریقے سے بجالائے جو طریقہ اللہ کو پسند نہیں تو گو وہ اپنے اعمال سے خوش ہو اور سمجھ رہا ہو کہ میں نے آخرت کا توشہ بہت کچھ جمع کر لیا ہے میرے نیک اعمال اللہ کے پسندیدہ ہیں اور مجھے ان پر اجر و ثواب ضرور ملے گا لیکن اس کا یہ گمان غلط ہے۔ اس کے اعمال مقبول نہیں بلکہ مردود ہیں اور وہ غلط گمان شخص ہے۔ آیت مکی ہے اور ظاہر ہے کہ مکے میں یہود و نصاریٰ مخاطب نہ تھے۔ اور خارجیوں کا تو اس وقت تک وجود بھی نہ تھا۔ پس ان بزرگوں کا یہی مطلب ہے کہ آیت کے عام الفاظ ان سب کو اور ان جیسے اور سب کو شامل ہیں۔

جیسے سورہ غاشیہ میں ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے ذلیل و خوار ہوں گے جو دنیا میں بہت محنت کرنے والے بلکہ اعمال سے تھکے ہوئے تھے اور سخت تکلیفیں اٹھائے ہوتے تھے آج وہ باوجود ریاضت و عبادت کے جہنم واصل ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دئے جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ان تمام کئے کرائے اعمال کو ہم نے آگے بڑھ کر ردی اور بے کار کر دیا۔ اور آیت میں ہے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی پیاسا ریت کے تودے کو پانی کا دریا سمجھ رہا ہو لیکن جب پاس آتا ہے تو ایک بوند بھی پانی کی نہیں پاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے طور پر عبادت ریاضت تو کرتے رہے اور دل میں بھی سمجھتے رہے کہ ہم بہت کچھ نیکیاں کر رہے ہیں اور وہ مقبول اور پسندیدہ اللہ ہیں لیکن چونکہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نہ تھیں نبیوں کے فرمان کے مطابق نہ تھیں اس لئے بجائے مقبول ہونے کے مردود ہو گئیں اور بجائے محبوب ہونے کے مغضوب ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔ اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کے تمام تر ثبوت ان کے سامنے تھے لیکن انہوں نے آنکھیں

بند کرلیں اور مانے ہی نہیں۔ ان کا نیکی کا پلڑا بالکل خالی رہے گا۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک موٹا تازہ بڑا بھاری آدمی آئے گا لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو اس آیت کی تلاوت کرلو فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے بہت زیادہ کھانے پینے والے موٹے تازے انسان کو قیامت کے دن اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن اس کا وزن اناج کے ایک دانے کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بزار میں ہے ایک قریشی کافر اپنے حلے میں اتراتا ہوا حضور ﷺ کے سامنے سے گزرا تو آپ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ ان میں سے ہے جن کا کوئی وزن قیامت کے دن اللہ کے پاس نہ ہوگا۔ مرفوع حدیث کی طرح حضرت کعب کا قول بھی مروی ہے۔ یہ بدلہ ہے ان کے کفر' اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں کو ہنسی مذاق میں اڑانے کا۔ اور ان کے نہ ماننے بلکہ انہیں جھٹلانے کا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کے لئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے ○ جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ ہی نہ ہوگا ○

جنت الفردوس کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۱۰۷-۱۰۸) اللہ پر ایمان رکھنے والے' اس کے رسولوں کو سچا ماننے والے' ان کی باتوں پر عمل کرنے والے بہترین جنتوں میں ہوں گے۔ صحیحین میں ہے کہ جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ یہ سب سے اعلیٰ سب سے عمدہ جنت ہے اسی سے اور جنتوں کی نہریں بہتی ہیں۔ یہی ان کا مہمان خانہ ہوگی۔ یہ یہاں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ نہ نکالے جائیں نہ نکلنے کا خیال آئے' نہ اس سے بہتر کوئی اور جگہ' نہ وہ وہاں کے رہنے سے گھبرائیں کیونکہ ہر طرح کے اعلیٰ عیش مہیا ہیں۔ ایک پر ایک رحمت مل رہی ہے۔ روز بروز رغبت و محبت' انس و الفت بڑھتی جا رہی ہے اس لئے نہ طبیعت اکتاتی ہے نہ دل بھرتا ہے بلکہ روز شوق بڑھتا ہے اور نئی نعمت ملتی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲ ۹ ۲

کہہ دے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لائیں ○ اعلان کردے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں ہاں میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود

ہے‘ تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو‘ اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے ○

اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کا شمار ناممکن : ☆☆ (آیت:۱۰۹) حکم ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت سمجھانے کے لئے دنیا میں اعلان کر دیجئے کہ اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بن جائے اور پھر الٰہی کلمات‘ الٰہی قدرتوں کے اظہار الٰہی باتیں‘ الٰہی حکمتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ تمام سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی۔ گو پھر ایسے ہی دریا لائے جائیں اور پھر لائے جائیں اور پھر لائے جائیں لیکن ناممکن کہ اللہ کی قدرتیں‘ اس کی حکمتیں‘ اس کی دلیلیں ختم ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے وَلَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ یَمُدُّهٗ مِنۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ کَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ یعنی روئے زمین کے درختوں کی قلمیں بن جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہیاں بن جائیں پھر ان کے بعد سات سمندر اور بھی لائے جائیں لیکن ناممکن ہے کہ کلمات اللہ پورے لکھ لئے جائیں۔ اللہ کی عزت اور حکمت‘ اس کا غلبہ اور قدرت وہی جانتا ہے۔ تمام انسانوں کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ تمام درختوں کی قلمیں گھس گھس کر ختم ہو جائیں تمام سمندروں کی سیاہیاں نبڑ جائیں لیکن کلمات الٰہی ویسے ہی رہ جائیں گے جیسے تھے‘ وہ ان گنت ہیں‘ بے شمار ہیں۔ کون ہے جو اللہ کی صحیح اور پوری قدر و عزت جان سکے؟ کون ہے جو اس کی پوری ثنا و صفت بجا لا سکے؟ بے شک ہمارا رب ویسا ہی ہے جیسا وہ خود فرما رہا ہے۔ بے شک ہم جو تعریفیں اس کی کریں‘ وہ ان سب سے سوا ہے اور ان سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ یاد رکھو جس طرح ساری زمین کے مقابلے پر ایک رائی کا دانہ ہے‘ اسی طرح جنت کی اور آخرت کی نعمتوں کے مقابل تمام دنیا کی نعمتیں ہیں۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم : ☆☆ (آیت:۱۱۰) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو حضور ﷺ پر اتری۔ حکم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں سے فرمائیں کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں‘ تم بھی انسان ہو اگر مجھے جھوٹا جانتے ہو تو لاؤ اس قرآن جیسا ایک قرآن تم بھی بنا کر پیش کر دو۔ دیکھو میں کوئی غیب داں تو نہیں تم نے مجھ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کیا‘ اصحاب کہف کا قصہ پوچھا تو میں نے ان کے صحیح واقعات تمہارے سامنے بیان کر دیئے جو نفس الامر کے مطابق ہیں۔ اگر میرے پاس اللہ کی وحی نہ آتی تو میں ان گذشتہ واقعات کو جس طرح وہ ہوئے ہیں‘ تمہارے سامنے کس طرح بیان کر سکتا؟ سنو تمام تر وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ تم موحد بن جاؤ۔ شرک کو چھوڑ دو۔ میری دعوت یہی ہے جو بھی تم میں سے اللہ سے مل کر اجر و ثواب لینا چاہتا ہو‘ اسے شریعت کے مطابق عمل کرنے چاہئیں اور شرک سے بالکل بچنا چاہئے۔ ان دونوں رکنوں کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں‘ خلوص ہو اور مطابقت سنت ہو۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ بہت سے نیک کاموں میں باوجود مرضی رب کی تلاش کے میرا ارادہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ میری نیکی دیکھیں تو میرے لئے کیا حکم ہے‘ آپ خاموش رہے اور یہ آیت اتری یہ حدیث مرسل ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک شخص نماز‘ روزہ‘ صدقہ‘ خیرات‘ حج زکوٰۃ کرتا ہے‘ اللہ کی رضامندی بھی ڈھونڈتا ہے اور لوگوں میں نیک نامی اور بڑائی بھی۔ آپ نے فرمایا اس کی کل عبادت اکارت ہے‘ اللہ تعالیٰ شرک سے بیزار ہے جو اس کی عبادت میں اور نیت بھی کرے تو اللہ تعالیٰ فرما دیتا ہے کہ یہ سب اسی دوسرے کو دے دو مجھے اس کی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم حضور ﷺ کے پاس باری باری آتے رات گزارتے کبھی آپ کو کوئی کام ہوتا تو فرما دیتے ایسے لوگ بہت زیادہ تھے ایک شب ہم آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے رسول مقبول ﷺ تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟ ہم نے جواب دیا‘ یا رسول اللہ ہماری توبہ ہے ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے اور دل ہمارے خوفزدہ

تھے۔ آپ نے فرمایا' میں تمہیں اس سے بھی زیادہ دہشت ناک بات بتاؤں؟ وہ پوشیدہ شرک ہے کہ انسان دوسرے انسان کو دکھانے کے لئے نماز پڑھے۔

مسند احمد میں ہے' ابن غنم کہتے ہیں' میں اور حضرت ابو درداء جابیہ کی مسجد میں گئے وہاں' ہمیں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے بائیں ہاتھ سے تو انہوں نے میرا داہنا ہاتھ تھام لیا اور اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت ابو درداء کا بایاں ہاتھ تھام لیا اور اسی طرح ہم تینوں وہاں سے باتیں کرتے ہوئے نکلے۔ آپ فرمانے لگے' دیکھو اگر تم دونوں یا تم میں سے جو بھی زندہ رہا تو ممکن ہے اس وقت کو بھی وہ دیکھ لے کہ حضور ﷺ کی زبان سے قرآن سیکھا ہوا بھلا آدمی حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے والا اور ہر حکم کو مناسب جگہ رکھنے والا آئے اور اس کی قدر و منزلت لوگوں میں ایسی ہو جیسی مردہ گدھے کے سر کی۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ اور حضرت عوف بن مالک آ گئے اور بیٹھتے ہی حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' لوگو مجھے تو تم پر سب سے زیادہ اس کا ڈر ہے جو میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے یعنی پوشیدہ خواہش اور شرک کا۔ اس پر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اللہ معاف فرمائے' ہم سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس بات سے شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ اس جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کی جائے۔ ہاں پوشیدہ شہوات تو یہی خواہش کی چیزیں عورتیں وغیرہ ہیں لیکن یہ شرک ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔

حضرت شداد رضی اللہ عنہ فرمانے لگے' اچھا بتاؤ تو ایک آدمی دوسروں کے دکھانے کے لئے نماز' روزہ' صدقہ' خیرات کرتا ہے۔ اس کا حکم تمہارے نزدیک کیا ہے؟ کیا اس نے شرک کیا؟ سب نے جواب دیا' بے شک ایسا شخص مشرک ہے۔ آپ نے فرمایا' میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص دکھاوے کے لئے نماز پڑھے وہ مشرک ہے' جو دنیا کو دکھانے کے لئے روزے رکھے وہ مشرک ہے' جو لوگوں میں اپنی سخاوت جتانے کے لئے صدقہ خیرات کرے وہ بھی مشرک ہے' اس پر حضرت عوف بن مالک نے کہا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے اعمال میں جو اللہ کے لئے ہو اللہ اسے قبول فرمالے اور جو دوسرے کے لئے ہو اسے رد کر دے۔ حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا یہ ہرگز نہیں ہونے کا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جناب باری عزوجل کا ارشاد ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں جو بھی میرے ساتھ کسی عمل میں دوسرے کو شریک کرے' میں اپنا حصہ بھی اسی دوسرے کے سپرد کر دیتا ہوں۔ اور نہایت بے پرواہی سے جز کل سب کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک دن رونے لگے' ہم نے پوچھا' حضرت آپ کیسے رو رہے ہیں فرمانے لگے ایک حدیث یاد آ گئی اور اس نے رلا دیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر شرک اور پوشیدہ شہوت کا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی؟ آپ نے فرمایا ہاں سنو وہ سورج چاند' پتھر' بت کو نہ پوجے گی بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے۔ پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ صبح روزے سے ہے اور کوئی خواہش سامنے آئی' روزہ چھوڑ دیا (ابن ماجہ' مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں تمام شریکوں سے بہتر ہوں۔ میرے ساتھ جو بھی کسی کو شریک کرے' میں اپنا حصہ بھی اسی کو دے دیتا ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عمل میں میرے ساتھ دوسرے کو ملا لے' میں اس سے بری ہوں اور اس کا وہ پورا عمل اس غیر کے لئے ہی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے' مجھے تمہاری نسبت سب سے زیادہ ڈر چھوٹے شرک کا ہے لوگوں نے پوچھا' وہ چھوٹا شرک کیا ہے؟ فرمایا ریاکاری۔ قیامت کے دن ریاکاروں کو جواب ملے گا کہ جاؤ جن کے لئے عمل کئے تھے' انہی

کے پاس جزا مانگو۔ دیکھو پاتے بھی ہو؟

ابوسعید بن ابوفضالہ انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا، جس دن کے آنے میں کوئی شک شبہ نہیں، اس دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس نے اپنے جس عمل میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو ملایا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے اس عمل کا بدلہ اس دوسرے سے مانگ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ ساجھے سے بہت ہی بے نیاز ہے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ریاکار کو عذاب بھی سب کو دکھا کر ہوگا اور نیک اعمال لوگوں کو سنانے والے کو عذاب بھی سب کو سنا کر ہوگا (مسند احمد) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے، اپنے نیک اعمال اچھالنے والے کو اللہ تعالیٰ ضرور رسوا کرے گا، اس کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر و ذلیل ہوگا۔ یہ بیان فرما کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رونے لگے (مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے، قیامت کے دن انسان کے نیک اعمال کے مہر شدہ صحیفے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ جناب باری عزوجل فرمائے گا، اسے پھینک دو، اسے قبول کرو، اسے پھینک دو۔ اس وقت فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم تو اس شخص کے اعمال نیک ہی جانتے ہیں جواب ملے گا کہ جن کو میں پھینکوا رہا ہوں، یہ وہ اعمال ہیں جن میں صرف میری ہی رضامندی مطلوب نہ تھی بلکہ ان میں ریاکاری تھی۔ آج میں تو صرف ان اعمال کو قبول کروں گا جو صرف میرے لئے ہی کئے گئے ہوں (بزار)۔

ارشاد ہے کہ جو دکھاوے سناوے کے لئے کھڑا ہوا ہو وہ جب تک نہ بیٹھے اللہ کے غصے اور غضب میں ہی رہتا ہے۔ ابویعلی کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص لوگوں کے دیکھتے ہوئے تو ٹھہر ٹھہر کر اچھی کر کے نماز پڑھے اور تنہائی میں بری طرح جلدی جلدی بے دلی سے ادا کرے، اس نے اپنے پروردگار عزوجل کی توہین کی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس آیت کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کی آخری آیت بتاتے ہیں لیکن یہ قول اشکال سے خالی نہیں کیونکہ سورہ کہف پوری کی پوری مکے شریف میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد مدینے میں برابر دس سال تک قرآن کریم اترتا رہا تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہو کہ یہ آیت آخری ہے یعنی کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی اس میں جو حکم ہے۔ وہ آخر تک بدلا نہیں گیا۔ اس کے بعد کوئی ایسی آیت نہیں اتری جو اس میں تبدیلی و تغیر کرے واللہ اعلم۔ ایک بہت ہی غریب حدیث حافظ ابوبکر بزار رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص آیت مَنْ كَانَ يَرْجُوْا الخ، کو رات کے وقت پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے اتنا بڑا نور عطا فرمائے گا جو عدن سے مکے شریف تک پہنچے۔

الحمدللہ سورہ کہف کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة مریم

(تفسیر سورۃ مریم) اسی سورت کے شروع کی آیتیں حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش کے دربار میں بادشاہ کے درباریوں کے سامنے تلاوت فرمائی تھیں۔ (مسند احمد اور سیرت محمد بن اسحاق)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى
رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ
الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّىْ خِفْتُ
الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ
مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿۵﴾ يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ
وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

بہت ہی مہربان، بہت ہی رحم والے اللہ کے نام سے شروع ○

کھیعص ○ یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی ○ جب کہ اس نے اپنے رب سے خفیہ خفیہ دعا کی تھی ○ کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بودی ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کی وجہ سے میرے سر سے سفید بالوں کے شعلے اٹھ رہے ہیں لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا ○ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت داروں کا ڈر ہے میری بیوی بھی بانجھ ہے تو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما ○ جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین ہو۔ اور میرے رب تو اسے اپنا مقبول بندہ بنا لے ○

دعا اور قبولیت: ☆☆ (آیت: ۱-۶) اس سورت کے شروع میں جو پانچ حروف ہیں، انہیں حروف مقطعہ کہا جاتا ہے۔ ان کا تفصیلی بیان ہم سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ اب حضرت زکریا نبی علیہ السلام پر جو لطف الٰہی نازل ہوا، اس کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک قرات میں زکریاء ہے۔ یہ لفظ مد سے بھی ہے اور قصر سے بھی۔ دونوں قراتیں مشہور ہیں۔ آپ بنو اسرائیل کے زبردست رسول تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے، آپ بڑھئی کا پیشہ کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ رب سے خفیہ دعا کرتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ لوگوں کے نزدیک یہ انوکھی دعا تھی، کوئی سنتا تو خیال کرتا کہ لو بڑھاپے میں اولاد کی چاہت ہوئی ہے۔ اور یہ وجہ بھی تھی کہ پوشیدہ دعا اللہ کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور آہستگی کی آواز کو پوری طرح سنتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ جو شخص اپنے والوں کی پوری نیند کے وقت اٹھے اور پوشیدگی سے اللہ کو پکارے کہ اے میرے پروردگار، اے میرے پالنہار، اے میرے رب! اللہ تعالیٰ اسی وقت جواب دیتا ہے کہ لبیک میں موجود ہوں، میں تیرے پاس ہوں۔ دعا میں کہتے ہیں کہ الٰہی میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں، میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں، میرے سر کے بالوں کی سیاہی اب تو سفیدی سے بدل گئی ہے یعنی ظاہری اور پوشیدگی کی تمام طاقتیں زائل ہو گئی ہیں، اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا، تجھ کریم سے جو مانگا، تو نے عطا فرمایا۔ مَوَالِیَ کو کسائی نے مَوَالِیَ پڑھا ہے۔ مراد اس سے عصبہ ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفان سے خِفْتُ کو خَفَّتُ پڑھنا مروی ہے یعنی میرے بعد میرے والے بہت کم ہیں۔ پہلی قرات پر مطلب یہ ہے کہ چونکہ میری اولاد نہیں اور جو میرے رشتے دار ہیں، ان سے مجھے خوف ہے کہ مبادا یہ کہیں میرے بعد کوئی برا تصرف نہ کر دیں تو تو مجھے اولاد عنایت فرما جو میرے بعد میری نبوت سنبھالے۔ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ آپ کو اپنے مال املاک کے ادھر ادھر ہو جانے کا خوف تھا۔ انبیاء علیہم السلام اس سے بہت

پاک ہیں۔ ان کا مرتبہ اس سے بہت سوا ہے کہ وہ اس لئے اولاد مانگیں کہ اگر اولاد نہ ہوئی تو میرا ورثہ دور کے رشتے داروں میں چلا جائے گا۔

دوسرے یہ ظاہر یہ بھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جو عمر بھر اپنی ہڈیاں پیل کر بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ اپنے ہاتھ کے کام سے پالتے رہے ان کے پاس ایسی کون سی بڑی رقم تھی کہ جس کے ورثے کے لئے اس قدر پس و پیش ہوتا کہ کہیں یہ دولت ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ انبیاء علیہم السلام تو یوں بھی ساری دنیا سے زیادہ مال سے بے رغبت اور دنیا کے زاہد ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ صحیحین میں کئی سندوں سے حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑیں سب صدقہ ہے۔ ترمذی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ہم جماعت انبیاء ہیں ہمارا ورثہ نہیں بٹا کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ فرمان کہ مجھے بیٹا دے جو میرا وارث ہو اس سے مطلب ورثہ نبوت ہے نہ کہ مالی ورثہ۔ اسی لئے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ یعنی نبوت کے وارث ہوئے نہ کہ مال کے۔ ورنہ مال میں اور اولاد بھی شریک ہوتی ہے۔ تخصیص نہیں ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہے اور یہ بھی معقول وجہ ہے کہ اولاد کا وارث ہونا تو عام ہے سب میں ہے تمام مذہبوں میں ہے پھر کوئی ضرورت نہ تھی کہ حضرت زکریاؑ اپنی دعا میں یہ وجہ بیان فرماتے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ وہ ورثہ کوئی خاص ورثہ تھا اور وہ نبوت کا وارث بننا تھا۔ پس ان تمام وجوہ سے ثابت ہے کہ اس سے مراد ورثہ نبوت ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے ہم جماعت انبیاء کا ورثہ نہیں بٹتا ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد ورثہ علم ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اولاد یعقوبؑ میں تھے۔ ابو صالح رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بڑوں کی طرح نبی بنے۔ حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبوت اور علم کا وارث بنے۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے میری اور آل یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وارث بنے۔ زید بن اسلم بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابو صالح کا قول یہ بھی ہے کہ میرے مال کا اور خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وارث ہو۔

عبدالرزاق میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ زکریا علیہ السلام پر رحم کرے بھلا انہیں وراثت مال سے کیا غرض تھی؟ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی مضبوط قلعے کی تمنا کرنے لگے۔ ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بھائی زکریا پر اللہ کا رحم ہو کہنے لگے الٰہی مجھے اپنے پاس سے والی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے۔ لیکن یہ سب حدیثیں مرسل ہیں جو صحیح حدیثوں کا معارضہ نہیں کر سکتیں واللہ اعلم۔ اور اے اللہ اسے اپنا پسندیدہ غلام بنا لے اور ایسا دین دار دیانتدار بنا کہ تیری محبت کے علاوہ تمام مخلوق بھی اس سے محبت کرے اس کا دین اور اخلاق ہر ایک پسندیدگی اور پیار کی نظر سے دیکھے۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ
قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ
عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ
هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾

اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا ○ زکریا کہنے لگے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ میری بیوی بانجھ اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں ○ ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر

تو یہ بالکل آسان ہے۔ تو خود جب کہ کچھ نہ تھا' میں تجھے پیدا کر چکا ہوں ○

دعا قبول ہوئی: ☆☆ (آیت:۷) حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوتی ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ آپ ایک بچے کی خوشخبری سن لیں جس کا نام یحیٰی ہے جیسے اور آیت هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ الخ' میں حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنے پاس سے بہترین اولاد عطا فرما تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔ فرشتوں نے انہیں آواز دی اور وہ اس وقت کی نماز کی جگہ میں نماز میں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے کلمے کی بشارت دیتا ہے جو سردار ہوگا اور پاکباز ہوگا اور نبی ہوگا اور پورے نیک کار اعلیٰ درجے کے بھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ یہاں فرمایا کہ ان سے پہلے اس نام کا کوئی اور انسان نہیں ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مشابہ کوئی اور نہ ہوگا یہی معنی سَمِيًّا کے آیت هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا میں ہیں۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے پہلے کسی بانجھ عورت سے ایسی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت زکریاؑ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی بیوی صاحبہ بھی شروع عمر سے بے اولاد تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہما السلام نے بھی بچے کے ہونے کی بشارت سن کر بے حد تعجب کیا تھا لیکن ان کے تعجب کی وجہ ان کا بے اولاد ہونا اور بانجھ ہونا نہ تھی۔ بلکہ بہت زیادہ بڑھاپے میں اولاد کا ہونا یہ تعجب کی وجہ تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں تو اس پورے بڑھاپے تک کوئی اولاد ہوئی ہی نہ تھی اس لئے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے اس انتہائی بڑھاپے میں تم اولاد کی خبر کیسے دے رہے ہو؟ ورنہ اس سے تیرہ سال پہلے آپ کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے تھے آپ کی بیوی صاحبہ نے بھی اس خوشخبری کو سن کر تعجب سے کہا تھا کہ کیا اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں میرے ہاں اولاد ہو گی؟ ساتھ ہی میرے میاں بھی غایت درجے کے بوڑھے ہیں۔ یہ تو سخت تر تعجب خیز چیز ہے۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا تھا کہ کیا تمہیں امر الٰہی سے تعجب ہے؟ اے ابراہیم کے گھرانے والو' تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں۔ اللہ تعریفوں اور بزرگیوں والا ہے۔

بشارت قبولیت سن کر: ☆☆ (آیت:۸-۹) حضرت زکریا علیہ السلام اپنی دعا کی قبولیت اور اپنے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت سن کر خوشی اور تعجب سے کیفیت دریافت کرنے لگے کہ بظاہر اسباب تو یہ امر مستبعد اور ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ دونوں جانب سے حالت محض ناامیدی کی ہے۔ بیوی بانجھ جس سے اب تک اولاد نہیں ہوئی' میں بوڑھا اور بے حد بوڑھا' جس کی ہڈیوں میں اب تو گودا بھی نہیں رہا' خشک ٹہنی جیسا ہو گیا ہوں' گھر والی بھی بڑھیا پھوس ہو گئی ہے' پھر ہمارے ہاں اولاد کیسے ہوگی؟ غرض رب العالمین سے کیفیت بوجہ تعجب وخوشی دریافت کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں تمام سنتوں کو جانتا ہوں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر میں پڑھتے تھے یا نہیں؟ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس لفظ کو عَتِيًّا پڑھتے تھے یا عَسِيًّا (احمد) فرشتے نے جواب دیا کہ یہ تو وعدہ ہو چکا' اسی حالت میں اسی بیوی سے تمہارے ہاں لڑکا ہوگا۔ اللہ کے ذمے یہ کام مشکل نہیں۔ اس سے زیادہ تعجب والا اور اس سے بڑی قدرت والا کام تو تم خود دیکھ چکے ہو اور وہ خود تمہارا وجود ہے جو کچھ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے بنا دیا۔ پس جو تمہاری پیدائش پر قادر تھا' وہ تمہارے ہاں اولاد دینے پر بھی قادر ہے۔ جیسے فرمان ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا یعنی یقیناً انسان پر اس کے زمانے کا ایسا وقت بھی گزرا ہے جس میں وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى
اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱

کہنے لگے میرے پروردگار میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دے' ارشاد ہوا کہ تیرے لئے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول چال نہ سکے گا ○ اب زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کیا کرو ○

تشفی قلب کے لیے ایک اور مانگ: ☆☆ (آیت:١٠-١١) حضرت زکریا علیہ السلام اپنے مزید اطمینان اور تشفی قلب کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس بات پر کوئی نشان ظاہر فرما جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے مردوں کے جی اٹھنے کے دیکھنے کی تمنا اسی لئے ظاہر فرمائی تھی تو ارشاد ہوا کہ تو گونگا نہ ہوگا بیمار نہ ہوگا لیکن تیری زبان لوگوں سے باتیں نہ کر سکے گی تین دن رات تک یہی حالت رہے گی- یہی ہوا بھی کہ تسبیح' استغفار' حمد و ثنا وغیرہ پر تو زبان چلتی تھی لیکن لوگوں سے بات نہ کر سکتے تھے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ سَوِیًّا کے معنی پے درپے کے ہیں یعنی مسلسل برابر' تین شبانہ روز تمہاری زبان دنیوی باتوں سے رکی رہے گی- پہلا قول بھی آپ ہی سے مروی ہے اور جمہور کی تفسیر بھی یہی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں اس کا بیان بھی گزر چکا ہے کہ علامت طلب کرنے پر فرمان ہوا کہ تین دن تک تم صرف اشاروں کنایوں سے لوگوں سے باتیں کر سکتے ہو- ہاں اپنے رب کی یاد بکثرت کرو اور صبح شام اس کی پاکیزگی بیان کیا کرو- پس ان تین دن رات میں آپ کسی انسان سے کوئی بات نہیں کر سکتے تھے ہاں اشاروں سے اپنا مطلب سمجھا دیا کرتے تھے لیکن یہ نہیں کہ آپ گونگے ہو گئے ہوں- اب آپ اپنے حجرے سے جہاں جا کر تنہائی میں اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا کی تھی' باہر آئے اور جو نعمت اللہ نے آپ پر انعام کی تھی اور جس تسبیح و ذکر کا آپ کو حکم ہوا تھا' وہی قوم کو بھی حکم دیا لیکن چونکہ بول نہ سکتے تھے' اس لئے انہیں اشاروں سے سمجھایا یا زمین پر لکھ کر انہیں سمجھا دیا-

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ
لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا
عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ
حَيًّا ﴿١٥﴾ ع ١٥

اے یحییٰ! میری کتاب کو قوت کے ساتھ مضبوطی سے تھام لے اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی ○ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی' وہ پرہیزگار شخص تھا ○ اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا- وہ گردن کش اور گنہگار نہ تھا ○ اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے ○

پیدائش یحییٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت:١٢-١٥) بمطابق بشارت الٰہی حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے- اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات سکھا دی جو ان میں پڑھی جاتی تھی اور جس کے احکام نیک لوگ اور انبیاء دوسروں کو بتلاتے تھے اس وقت ان کی عمر بچپن کی ہی تھی اسی لئے اپنی اس انوکھی نعمت کا بھی ذکر کیا کہ بچہ بھی دیا اور اسے آسمانی کتاب کا عالم بھی بچپن سے ہی کر دیا اور حکم دے دیا کہ حرص' اجتہاد' کوشش اور قوت کے ساتھ کتاب اللہ سیکھ لے- ساتھ ہی ہم نے اسے اسی کم عمری میں فہم و علم' قوت و عزم' دانائی اور حلم عطا فرمایا نیکیوں کی طرف بچپن سے ہی جھک گئے اور کوشش و خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت میں لگ گئے- بچے آپ سے کھیلنے کو کہتے تھے مگر یہ جواب پاتے تھے کہ ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے- حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وجود حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے

ہماری رحمت کا کرشمہ تھا جس پر بجز ہمارے اور کوئی قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ حنان کا مطلب کیا ہے لغت میں محبت' شفقت' رحمت وغیرہ کے معنی میں یہ آتا ہے۔ بہ ظاہر یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسے بچپن سے ہی حکم دیا اور اسے شفقت و محبت اور پاکیزگی عطا فرمائی۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص جہنم میں ایک ہزار سال تک یا حنان یا منان پکارتا رہے گا۔ پس ہر میل کچیل سے' ہر گناہ اور معصیت سے آپ بچے ہوئے تھے۔ صرف نیک اعمال آپ کی عمر کا خلاصہ تھا آپ گناہوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے یکسو تھے۔ ساتھ ہی ماں باپ کے فرمانبردار' اطاعت گزار اور ان کے ساتھ نیک سلوک تھے' کبھی کسی بات میں ماں باپ کی مخالفت نہیں کی' کبھی ان کے فرمان سے باہر نہیں ہوئے' کبھی ان کی روک کے بعد کسی کام کو نہیں کیا' کوئی سرکشی' کوئی نافرمانی کی خو آپ میں نہ تھی۔ ان اوصاف جمیلہ اور خصائل حمیدہ کے بدلے تینوں حالتوں میں آپ کو اللہ کی طرف سے امن وامان اور سلامتی ملی۔ یعنی پیدائش والے دن' موت والے دن اور حشر والے دن۔ یہی تینوں جگہیں گھبراہٹ کی اور انجان ہوتی ہیں۔ انسان ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی ایک نئی دنیا دیکھتا ہے جو اس کی آج تک کی دنیا سے عظیم الشان اور بالکل مختلف ہوتی ہے۔ موت والے دن اس مخلوق سے واسطہ پڑتا ہے جس سے حیات میں کبھی بھی واسطہ نہیں پڑا نہ انہیں کبھی دیکھا۔ محشر والے دن بھی علی ہذا القیاس اپنے تئیں ایک بہت بڑے مجمع میں جو بالکل نئی چیز ہے' دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ پس ان تینوں وقتوں میں اللہ کی طرف سے حضرت یحیٰی علیہ السلام کو سلامتی ملی۔

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' تمام لوگ قیامت کے دن کچھ نہ کچھ گناہ لے کر جائیں گے سوائے حضرت یحیٰی علیہ السلام کے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ آپ نے گناہ تو کیا' قصد گناہ بھی کبھی نہیں کیا۔ یہ حدیث مرفوعاً اور دو سندوں سے بھی مروی ہے لیکن وہ دونوں سندیں بھی ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت یحیٰی علیہ السلام سے فرمانے لگے آپ میرے لئے استغفار کیجئے آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام نے جواب دیا آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے تو آپ ہی اپنے اوپر سلام کہا اور آپ پر خود اللہ نے سلام کہا۔ اب ان دونوں نے ہی اللہ کی فضیلت ظاہر کی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا
شَرْقِيًّا ۙ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ
اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ
غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ بیان کر' جب کہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مکان میں آئیں ○ اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا۔ پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا ○ یہ کہنے لگیں' میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ ترس ہے ○ اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں ○

ناممکن کو ممکن بنانے پہ قادر اللہ تعالیٰ : ☆☆ (آیت:۱۶-۱۹) اوپر حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اور یہ بیان فرمایا گیا تھا کہ وہ اپنے پورے بڑھاپے تک بے اولاد رہے ان کی بیوی کو کچھ ہوا ہی نہ تھا بلکہ اولاد کی صلاحیت ہی نہ تھی اس پر اللہ نے اس عمر میں ان کے ہاں

اپنی قدرت سے اولاد عطا فرمائی' حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جو نیک کار اور وفا شعار تھے۔ اس کے بعد اس سے بھی بڑھ کر اپنی قدرت کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ وہ کنواری تھیں۔ کسی مرد کا ہاتھ تک انہیں نہ لگا تھا اور بے مرد کے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے انہیں اولاد عطا فرمائی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا فرزند انہیں دیا جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور روح اللہ اور کلمتہ اللہ تھے۔ پس چونکہ ان دو قصوں میں پوری مناسبت ہے اسی لئے یہاں بھی اور سورہ آل عمران میں بھی اور سورہ انبیا میں بھی ان دونوں کو متصل بیان فرمایا۔ تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور عظیم الشان سلطنت کا معائنہ کر لیں۔

حضرت مریم علیہا السلام عمران کی صاحبزادی تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سے تھیں۔ بنو اسرائیل میں یہ گھرانہ طیب وطاہر تھا۔ سورہ آل عمران میں آپ کی پیدائش وغیرہ کا مفصل بیان گزر چکا ہے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو بیت المقدس کی مسجد قدس کی خدمت کے لئے دنیوی کاموں سے آزاد کر دیا تھا۔ اللہ نے یہ نذر قبول فرمالی اور حضرت مریم کی نشوونما بہترین طور سے کی اور آپ اللہ کی عبادت میں' ریاضت میں اور نیکیوں میں مشغول ہوگئیں۔ آپ کی عبادت و ریاضت' زہد وتقویٰ زبان زد عام ہو گیا۔ آپ اپنے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کی پرورش وتربیت میں تھیں۔ جو اس وقت کے بنی اسرائیلی نبی تھے۔ تمام بنی اسرائیل دینی امور میں انہی کے تابع فرمان تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام پر حضرت مریم علیہا السلام کی بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں خصوصاً یہ کہ جب کبھی آپ ان کے عبادت خانے میں جاتے' نئی قسم کے بے موسم پھل وہاں موجود پاتے۔ دریافت کیا کہ مریم یہ کہاں سے آئے؟ جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے' وہ ایسا قادر ہے کہ جسے چاہے بے حساب روزیاں عطا فرمائے۔ اب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ حضرت مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کرے جو منجملہ پانچ اولوالعزم پیغمبروں کے ایک ہیں۔ آپ مسجد قدس کے مشرقی جانب گئیں یا تو بوجہ کپڑے آنے کے یا کسی اور سبب سے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب پر بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہونا اور حج کرنا فرض کیا گیا تھا لیکن چونکہ مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا بیت المقدس سے مشرق کی طرف گئی تھیں جیسے فرمان الٰہی ہے' اس وجہ سے ان لوگوں نے مشرق رخ نمازیں شروع کر دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ کو انہوں نے از خود قبلہ بنالیا۔ مروی ہے کہ جس جگہ آپ گئی تھیں' وہ جگہ یہاں سے دور اور بے آباد تھی۔ کہتے ہیں کہ وہاں آپ کا کھیت تھا' جسے پانی پلانے کے لئے آپ گئی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہیں حجرہ بنالیا تھا کہ لوگوں سے الگ تھلگ عبادت اللہ میں فراغت کے ساتھ مشغول رہیں واللہ اعلم۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش : ☆☆ جب یہ لوگوں سے دور ہوگئیں اور ان میں اور آپ میں حجاب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اپنے امین فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا وہ پوری انسانی شکل میں آپ پر ظاہر ہوئے۔ یہاں روح سے مراد یہی بزرگ فرشتے ہیں۔ جیسے آیت قرآن نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ الخ' میں ہے۔

ابی بن کعب کہتے ہیں کہ روز ازل میں جب کہ ابن آدم کی تمام روحوں سے اللہ کی الوہیت کا اقرار لیا گیا تھا' ان روحوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی تھی' اسی روح کو بصورت انسان اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اسی روح نے آپ سے باتیں کیں اور آپ کے جسم میں حلول کر گئی۔ لیکن یہ قول علاوہ غریب ہونے کے بالکل ہی منکر ہے. بہت ممکن ہے کہ یہ بنی اسرائیلی قول ہو۔ آپ نے جب اس تنہائی کے مکان میں ایک غیر شخص کو دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ کہیں یہ کوئی برا آدمی نہ ہو' اسے اللہ کا خوف دلایا کہ اگر تو پرہیز گار ہے تو خوف الٰہی کر' میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اتنا پتہ تو آپ کو ان کے بشرے سے چل گیا تھا کہ یہ کوئی بھلا انسان ہے۔ اور یہ جانتی تھیں کہ نیک شخص کو اللہ کا ڈر اور خوف کافی ہے۔ فرشتے نے آپ کا خوف وہراس' ڈر اور گھبراہٹ دور کرنے کے لئے صاف کہہ دیا کہ اور کوئی گمان نہ کرو میں تو اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ

ہوں۔ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کانپ اٹھے اور اپنی صورت پر آ گئے اور کہہ دیا کہ میں اللہ کا قاصد ہوں۔ اس لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے کہ وہ تجھے ایک پاک نفس فرزند عطا کرنا چاہتا ہے لِاَھَبَ کی دوسری قرات یَھَبَ ہے۔ ابوعمرو بن علا جو ایک مشہور و معروف قاری ہیں۔ ان کی یہی قرات ہے۔ دونوں قراتوں کی توجیہ اور مطلب بالکل صاف ہے اور دونوں میں استلزام بھی ہے۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝۲۰ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۲۱

کہنے لگیں' بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں ○ اس نے کہا' بات تو یہی ہے' لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے' ہم تو اسے لوگوں کے لئے ایک نشان بنادیں گے اور اپنی خاص رحمت' یہ تو ایک طے شدہ بات ہے ○

(آیت: ۲۰-۲۱) یہ سن کر مریم صدیقہ علیہا السلام کو اور تعجب ہوا کہ سبحان اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میرا تو نکاح ہی نہیں ہوا اور برائی کا مجھے تصور تک نہیں ہوا۔ میرے جسم پر کسی انسان کا کبھی ہاتھ ہی نہیں لگا۔ میں بدکار نہیں پھر میرے ہاں اولاد کیسی؟ ''بغیا'' سے مراد زناکار ہے۔ جیسے حدیث میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے کہ مَھْرُ الْبَغِيِّ زانیہ کی خرچی حرام ہے۔ فرشتے نے آپ کے تعجب کو یہ فرما کر دور کرنا چاہا کہ یہ سب سچ ہے لیکن اللہ اس پر قادر ہے کہ بغیر خاوند کے اور بغیر کسی اور بات کے بھی اولاد دے دے۔ وہ جو چاہے ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کو اور اس واقعہ کو اپنے بندوں کی تذکیر کا سبب بنادے گا۔ یہ قدرت الٰہی کی ایک نشانی ہوگی تا کہ لوگ جان لیں کہ وہ خالق ہر طرح کی پیدائش پر قادر ہے۔ آدم علیہ السلام کو بغیر عورت مرد کے پیدا کیا' حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا۔ باقی تمام انسانوں کو مرد و عورت سے پیدا کیا سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بغیر مرد کے صرف عورت سے ہی پیدا ہوئے۔

پس تقسیم کی یہ چار ہی صورتیں ہوسکتی تھیں جو سب پوری کر دی گئیں اور اپنی کمال قدرت اور عظیم سلطنت کی مثال قائم کر دی۔ فی الواقع نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ پروردگار۔ اور یہ بچہ اللہ کی رحمت بنے گا' رب کا پیغمبر ہوگا' اللہ کی عبادت کی دعوت اس کی مخلوق کو دے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوش خبری سناتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا جو دنیا اور آخرت میں آبرودار ہوگا اور ہوگا بھی اللہ کا مقرب وہ گہوارے میں ہی بولنے لگے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ اور صالح لوگوں میں سے ہوگا یعنی بچپن اور بڑھاپے میں اللہ کے دین کی دعوت دے گا۔

مروی ہے کہ حضرت مریم نے فرمایا کہ خلوت اور تنہائی کے موقعہ پر مجھ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولتے تھے اور مجمع میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ یہ حال اس وقت کا ہے جب کہ آپ میرے پیٹ میں تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ کام علم اللہ میں مقدر اور مقرر ہو چکا ہے۔ وہ اپنی قدرت سے یہ کام پورا کر کے ہی رہے گا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ قول بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ فرمان الٰہی آنحضرت ﷺ سے ہو۔ اور مراد اس سے روح کا پھونک دینا ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ عمران کی بیٹی مریم باعصمت بیوی تھیں۔ ہم نے اس میں روح پھونکی تھی۔ اور آیت میں ہے وہ باعصمت عورت جس میں ہم نے اپنی روح پھونک دی۔ پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو ہوکر ہی رہے گا اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ کر چکا ہے واللہ اعلم۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى
جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا
مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

پس وہ حمل سے ہوگئیں اور اسی وجہ سے یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں ○ پھر دردزہ اسے ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا' اور بیساختہ زبان سے نکل گیا کہ کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی ○

مریم علیہا السلام اور حضرت جبرئیل علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۲۲-۲۳) مروی ہے کہ جب آپ فرمان الٰہی تسلیم کر چکیں اور اس کے آگے گردن جھکا دی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماری۔ جس سے انہیں بحکم الٰہی حمل ٹھہر گیا اب تو سخت گھبرائیں اور یہ خیال کلیجہ مسوسنے لگا کہ میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ لاکھ اپنی برات پیش کروں لیکن اس انوکھی بات کو کون مانے گا؟ اسی گھبراہٹ میں آپ تھیں' کسی سے یہ واقعہ بیان نہیں کیا تھا' ہاں جب آپ اپنی خالہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے پاس گئیں تو وہ آپ سے معانقہ کر کے کہنے لگیں بچی اللہ کی قدرت سے اور تمہارے خالو کی دعا سے میں اس عمر میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ آپ نے فرمایا خالہ جان میرے ساتھ یہ واقعہ گزرا اور میں بھی اپنے تئیں اسی حالت میں پاتی ہوں چونکہ یہ گھرانہ نبی کا گھرانہ تھا۔ وہ قدرت الٰہی پر اور صداقت مریم پر ایمان لائیں۔ اب سے یہ حالت تھی کہ جب کبھی یہ دونوں پاک عورتیں ملاقات کرتیں تو خالہ صاحبہ یہ محسوس فرماتیں کہ گویا ان کا بچہ بھانجی کے بچے کے سامنے جھکتا ہے اور اس کی عزت کرتا ہے۔ ان کے مذہب میں یہ جائز بھی تھا اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اور آپ کے والد نے آپ کو سجدہ کیا تھا۔ اور اللہ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن ہماری شریعت میں یہ تعظیم اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہوگئی اور کسی دوسرے کو سجدہ کرنا حرام ہو گیا کیونکہ یہ تعظیم الٰہی کے خلاف ہے۔ اس کی جلالت کے شایان شان نہیں۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں ایک ہی وقت حمل میں تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ اکثر حضرت مریم سے فرماتی تھیں کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بچہ تیرے بچے کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ نے آپ کے ہاتھوں اپنے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بھلا چنگا کر دیا۔ جمہور کا قول تو یہ ہے کہ آپ نو مہینے تک حمل میں رہے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آٹھ ماہ تک۔ اسی لئے آٹھ ماہ کے حمل کا بچہ عموماً زندہ نہیں رہتا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حمل کے ساتھ ہی بچہ ہو گیا۔ یہ قول غریب ہے۔ ممکن ہے آپ نے آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا ہو کیونکہ حمل کا الگ ہونے کا اور دردزہ کا ذکر ان آیتوں میں ''ف'' کے ساتھ ہے' اور ''ف'' تعقیب کے لئے آتی ہے۔ لیکن تعقیب ہر چیز کی اس کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے عام انسانوں کی پیدائش کا حال آیت قرآن وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ الخ میں ہوا ہے کہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا پھر اسے بصورت نطفہ رحم میں ٹھہرایا پھر نطفے کو پھٹکی بنایا۔ پھر اس پھٹکی کو لوتھڑا بنایا۔ پھر اس لوتھڑے میں ہڈیاں پیدا کیں۔ یہاں بھی دو جگہ ''ف'' ہے اور ہے بھی تعقیب کے لئے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ان دو حالتوں میں چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی اور آیت میں ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً الخ کیا تو نے نہیں

دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے۔ پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پانی برسنے کے بہت بعد سبزہ اگتا ہے۔ حالانکہ ''ف'' یہاں بھی ہے۔ پس تعقیب ہر چیز کی اس چیز کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ مثل عادت عورتوں کے آپ نے حمل کا زمانہ پورا گزارا۔ مسجد میں ہی مسجد کے خادم ایک صاحب اور تھے جن کا نام یوسف نجار تھا۔ انہوں نے جب حضرت مریم علیہا السلام کا یہ حال دیکھا تو دل میں کچھ شک سا پیدا ہوا لیکن حضرت مریم کے زہد و اتقا' عبادت و ریاضت' اللہ ترسی اور حق بینی کو خیال کرتے ہوئے انہوں نے یہ برائی دل سے دور کرنی چاہی لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے حمل کا اظہار ہوتا گیا اب تو خاموش نہ رہ سکے۔ ایک دن باادب کہنے لگے کہ مریم میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں ناراض نہ ہونا بھلا بغیر بیج کے کسی درخت کا ہونا' بغیر دانے کے کھیت کا ہونا' بغیر باپ کے بچے کا ہونا ممکن بھی ہے؟ آپ ان کے مطلب کو سمجھ گئیں اور جواب دیا کہ یہ سب ممکن ہے سب سے پہلے جو درخت اللہ تعالیٰ نے اگایا' وہ بغیر بیج کے تھا۔ سب سے پہلے جو کھیتی اللہ نے اگائی' وہ بغیر دانے کے تھی۔ سب سے پہلے اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا' وہ بے باپ کے تھے بلکہ بے ماں کے بھی' ان کی تو سمجھ میں آ گیا اور حضرت مریم کو اور اللہ کی قدرت کو نہ جھٹلا سکے۔ اب حضرت صدیقہ نے جب دیکھا کہ قوم کے لوگ ان پر تہمت لگا رہے ہیں تو آپ ان سب کو چھوڑ چھاڑ کر دور دراز چلی گئیں۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب حمل کے حالات ظاہر ہو گئے' قوم نے پھبتیاں پھینکیں' آوازے کسنے اور باتیں بنانی شروع کر دیں اور حضرت یوسف نجار جیسے صالح شخص پر یہ تہمت اٹھائی تو آپ ان سب سے کنارہ کش ہو گئیں۔ نہ کوئی انہیں دیکھے نہ آپ کسی کو دیکھیں۔ جب دردزہ اٹھا تو آپ ایک کھجور کے درخت کی جڑ میں آ بیٹھیں۔ کہتے ہیں کہ یہ خلوت خانہ بیت المقدس کے مشرقی جانب کا حجرہ تھا۔ یہ بھی قول ہے کہ شام اور مصر کے درمیان جب آپ پہنچ چکی تھیں' اس وقت بچہ ہونے کا درد شروع ہوا۔ اور قول ہے کہ بیت المقدس سے آپ آٹھ میل چلی گئی تھیں اس بستی کا نام بیت اللحم تھا۔ پہلے معراج کے واقعہ کے بیان میں ایک حدیث گزری ہے جس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ بھی بیت اللحم تھا واللہ اعلم۔ مشہور بات بھی یہی ہے اور نصرانیوں کا تو اس پر اتفاق ہے اور اس حدیث میں بھی ہے اگر یہ صحیح ہو۔ اس وقت آپ موت کی تمنا کرنے لگیں کیونکہ دین کے فتنے کے وقت یہ تمنا بھی جائز ہے۔ جانتی تھیں کہ کوئی انہیں سچ نہ کہے گا۔ ان کے بیان کردہ واقعہ کو ہر شخص گھڑنت سمجھے گا۔ دنیا آپ کو پریشان کر دے گی اور عبادت واطمینان میں خلل پڑے گا۔ ہر شخص برائی سے یاد کرے گا اور لوگوں پر برا اثر پڑے گا۔ تو فرمانے لگیں کاش کہ میں اس حالت سے پہلے ہی اٹھا لی جاتی بلکہ کاش کہ میں پیدا ہی نہ کی جاتی۔ اس قدر شرم وحیا دامن گیر ہوئی کہ آپ نے اس تکلیف پر موت کو ترجیح دی اور تمنا کی کہ کاش کہ میں کھوئی ہوئی اور یاد سے اتری ہوئی چیز ہو جاتی کہ نہ کوئی یاد کرے نہ ڈھونڈے نہ ذکر کرے۔ حدیثوں میں موت مانگنے کی ممانعت وارد ہے۔ ہم نے ان روایتوں کو آیت تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا الخ' کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾
وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾
فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ
فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ ﴿۲۶﴾

اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو۔ تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے ○ اور اس درخت کھجور کے تنے کو اپنی

طرف ہلاؤ تو یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرا دے گا ○ اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ اگر تجھے کوئی انسان نظر پڑ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمان کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی ○

مریم علیہا السلام اور معجزات: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲٦) مِنْ تَحْتِهَا کی دوسری قرات مَنْ تَحْتَهَا بھی ہے۔ یہ خطاب کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو پہلا کلام وہی تھا جو آپ نے اپنی والدہ کی برأت و پاکدامنی میں لوگوں کے سامنے کیا تھا۔ اس وادی کے نیچے کے کنارے سے اس گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ تشفی دی تھی۔ یہ قول بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی کہی تھی۔ آواز آئی کہ غمگین نہ ہو۔ تیرے قدموں تلے تیرے رب نے صاف شفاف شیریں پانی کا چشمہ جاری کر دیا ہے یہ پانی تم پی لو۔ ایک قول یہ ہے کہ اس چشمے سے مراد خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ چنانچہ اس پانی کے ذکر کے بعد ہی کھانے کا ذکر ہے کہ کھجور کے اس درخت کو ہلاؤ اس میں سے تروتازہ کھجوریں جھڑیں گی وہ کھاؤ۔ کہتے ہیں یہ درخت سوکھا پڑا ہوا تھا اور یہ قول بھی ہے کہ پھل دار تھا۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ درخت کھجوروں سے خالی تھا لیکن آپ کے ہلاتے ہی اس میں سے قدرت الٰہی سے کھجوریں جھڑنے لگیں، کھانا پینا سب کچھ موجود ہو گیا اور اجازت بھی دے دی۔ فرمایا کھا پی اور دل کو مسرور رکھ۔

حضرت عمرو بن میمون کا فرمان ہے کہ نفاس والی عورتوں کے لئے تر کھجوروں سے اور خشک کھجوروں سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ ایک حدیث میں ہے، کھجور کے درخت کا اکرام کرو۔ یہ اسی مٹی سے پیدا ہوا ہے جس سے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اس کے سوا اور کوئی درخت نر مادہ مل کر نہیں پھلتا۔ عورتوں کو ولادت کے وقت تر کھجوریں کھلاؤ نہ ملیں تو خشک ہی سہی کوئی درخت اس سے بڑھ کر اللہ کے پاس مرتبے والا نہیں۔ اسی لئے اس کے نیچے حضرت مریم علیہ السلام کو اتارا یہ حدیث بالکل منکر ہے۔ تُسَاقِطْ کی دوسری قرات تَسَّاقَطْ اور تُسْقِطْ بھی ہے۔ مطلب تمام قراتوں کا ایک ہی ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ کسی سے بات نہ کرنا اشارے سے سمجھا دینا کہ میں آج روزے سے ہوں۔ یا تو مراد یہ ہے کہ ان کے روزے میں کلام ممنوع تھا یا یہ کہ میں نے بولنے سے ہی روزہ رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو شخص آئے۔ ایک نے تو سلام کیا دوسرے نے نہ کیا آپ نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ لوگوں نے کہا اس نے قسم کھائی ہے کہ آج یہ کسی سے بات نہ کرے گا آپ نے فرمایا اسے توڑ دے، سلام کلام شروع کر یہ تو صرف حضرت مریم علیہا السلام کے لئے ہی تھا کیونکہ اللہ کو آپ کی صداقت و کرامت ثابت کرنا منظور تھی اس لئے اسے عذر بنا دیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں تو آپ نے کہا میں کیسے نہ گھبراؤں، خاوند والی میں نہیں، کسی کی ملکیت کی لونڈی باندی میں نہیں، مجھے دنیا نہ کہے گی کہ یہ بچہ کیسے ہوا؟ میں لوگوں کے سامنے کیا جواب دے سکوں گی؟ کون سا عذر پیش کر سکوں گی؟ ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی کاش کہ میں نسیا منسیا ہو گئی ہوتی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، اماں آپ کو کسی سے بولنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ ان سب سے نبٹ لوں گا۔ آپ تو انہیں صرف یہ سمجھا دینا کہ آج سے آپ نے چپ رہنے کی نذر کر لی ہے۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾
يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ
اُمُّكِ بَغِيًّا ۖۚ ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ
كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

اب حضرت عیسیٰؑ کو لئے ہوئے وہ اپنی قوم کے پاس آئیں، سب کہنے لگے، مریم تو نے بڑی بری حرکت کی ○ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی ○ مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا، سب کہنے لگے کہ لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟ ○

تقدس مریم اور عوام: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۹) حضرت مریم علیہ السلام نے اللہ کے اس حکم کو بھی تسلیم کر لیا اور اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے لوگوں کے پاس آئیں- دیکھتے ہی ہر ایک انگشت بدنداں رہ گیا اور ہر منہ سے نکل گیا کہ مریم تو نے تو بڑا ہی برا کام کیا- نوف بکالی کہتے ہیں کہ لوگ حضرت مریم کی جستجو میں نکلے تھے لیکن اللہ کی شان کہیں انہیں کھوج ہی نہ ملا- راستے میں ایک چرواہا ملا اس سے پوچھا کہ ایسی ایسی عورت کو تو نے کہیں اس جنگل میں دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں- لیکن میں نے رات کو ایک عجیب بات یہ دیکھی ہے کہ میری یہ تمام گائیں اس وادی کی طرف سجدے میں گر گئیں- میں نے تو اس سے پہلے کبھی ایسا واقعہ دیکھا نہیں- اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس طرف ایک نور نظر آ رہا تھا- وہ اس کی نشان دہی پر جا رہے تھے جو سامنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو لئے ہوئے آتی دکھائی دے گئیں انہیں دیکھ کر آپ وہیں اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے بیٹھ گئیں- ان سب نے آپ کو گھیر لیا اور باتیں بنانے لگے- ان کا یہ کہنا کہ اے ہارون کی بہن، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں یا آپ کے گھرانے میں ہارون نامی ایک صالح شخص تھا اور اسی کی سی عبادت و ریاضت حضرت مریم صدیقہ کی تھی- اس لئے انہیں ہارون کی بہن کہا گیا- کوئی کہتا ہے ہارون نامی ایک بدکار شخص تھا، اس لئے لوگوں نے طعن کی راہ سے انہیں اس کی بہن کہا-

ان سب اقوال سے بڑھ کر غریب قول ایک یہ بھی ہے کہ آپ حضرت ہارون و موسیٰ کی وہی سگی بہن ہیں جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیٹی میں ڈال کر دریا میں چھوڑا تھا تو ان سے کہا تھا کہ تم اس طرح اس کے پیچھے پیچھے کنارے کنارے جاؤ کہ کسی کو خیال بھی نہ گزرے- یہ قول تو بالکل غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے آپ کے بعد صرف ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی نبی ہوئے ہیں- چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے، آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ قریب میں ہوں اس لئے کہ مجھ میں اور ان کے درمیان میں اور کوئی نبی نہیں گزرا- پس اگر محمد بن کعب قرظی کا یہ قول کہ آپ حضرت ہارون کی سگی بہن تھیں، ٹھیک ہو تو یہ ماننا پڑے گا کہ آپ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی پہلے تھے کیونکہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں- ملاحظہ ہو آیت اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآئِیۡلَ مِنۡ بَعۡدِ مُوۡسٰی الخ ان آیتوں میں حضرت داؤد کا واقعہ اور آپ کا جالوت کو قتل کرنا بیان ہوا ہے اور لفظ موجود ہیں کہ یہ موسیٰ کے بعد کا واقعہ ہے- انہیں جو غلطی لگی ہے، اس کی وجہ تورات کی عبارت ہے، جس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ مع بنی اسرائیل کے دریا سے پار ہو گئے اور فرعون مع اپنی قوم کے ڈوب مرا، اس وقت مریم بنت عمران نے جو موسیٰ اور ہارون کی بہن تھیں، دف پر اللہ کے شکر کے ترانے بلند کئے، آپ کے ساتھ اور عورتیں بھی تھیں- اس عبارت سے قرظی رحمتہ اللہ علیہ نے سمجھ لیا کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں حالانکہ یہ محض غلط ہے- ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام بھی مریم ہو لیکن یہ کہ یہی مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ محض ناممکن ہے- ہو سکتا ہے کہ نام دونوں کا ایک ہو، ایک نام پر دوسرے نام رکھے جاتے ہیں- بنی اسرائیل میں تو عادت تھی کہ وہ اپنے نبیوں ولیوں کے نام پر اپنے نام رکھتے تھے-

مسند احمد میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے نجران بھیجا- وہاں مجھ سے بعض نصرانیوں نے پوچھا کہ تم یٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گزرے ہیں مجھ سے تو کوئی جواب بن نہ پڑا

جب میں مدینے واپس آیا اور حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا' تم نے انہیں اسی وقت کیوں نہ جواب دے دیا کہ وہ لوگ اپنے اگلے نبیوں اور نیک لوگوں کے نام پر اپنے اور اپنی اولادوں کے نام برابر رکھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ اسے حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت کعب نے کہا تھا کہ یہ ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون نہیں اس پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انکار کیا تو آپ نے کہا کہ اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو ہمیں منظور ہے ورنہ تاریخی طور پر تو ان کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہو گئیں۔ اس تاریخ میں ہمیں قدرے تامل ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت مریم علیہ السلام کا گھرانہ اوپر سے ہی نیک صالح اور دیندار تھا اور یہ دینداری برابر گویا وراثتاً چلی آ رہی تھی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں اور بعض گھرانے اس کے خلاف بھی ہوتے ہیں کہ اوپر سے نیچے تک سب بد ہی بد۔ یہ ہارون بڑے بزرگ آدمی تھے اس وجہ سے بنی اسرائیل میں ہارون نام رکھنے کا عام طور پر عام شوق ہو گیا تھا یہاں تک مذکور ہے کہ جس دن حضرت ہارون کا جنازہ نکلا ہے تو آپ کے جنازے میں اسی ہارون نام کے چالیس ہزار آدمی تھے۔ الغرض وہ لوگ ملامت کرنے لگے کہ تم سے یہ برائی کیسے سرزد ہو گئی تم تو نیک کوکھ کی بچی ہو' ماں باپ دونوں صالح' سارا گھرانہ پاک پھر تم نے یہ کیا حرکت کی؟ قوم کی یہ کڑوی کسیلی باتیں سن کر حسب فرمان آپ نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے پوچھ لو۔ ان لوگوں کو تاؤ پر تاؤ آیا کہ دیکھو کیا ڈھٹائی کا جواب دیتی ہے گویا ہمیں پاگل بنا رہی ہے۔ بھلا گود کے بچے سے ہم کیا پوچھیں گے؟ اور وہ ہمیں کیا بتائے گا؟

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝۳۰
وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا
دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۳۲ وَالسَّلٰمُ
عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳

بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے ○ اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے۔ جہاں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ ہوں ○ اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا ○ اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا' سلام ہی سلام ہے ○

(آیت: ۳۰-۳۳) اتنے میں بن بلائے آپ بول اٹھے کہ لوگو! میں اللہ کا ایک غلام ہوں۔ سب سے پہلا کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہی ہے۔ اللہ کی تنزیہہ اور تعظیم بیان کی اور اپنی غلامی اور بندگی کا اعلان کیا' اللہ کی ذات کو اولاد سے پاک بتلایا بلکہ ثابت کر دیا کیونکہ اولاد غلام نہیں ہوتی پھر اپنی نبوت کا اظہار کیا کہ مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔ اس میں اپنی والدہ کی برأت بیان کی بلکہ دلیل بھی دے دی کہ میں تو اللہ کا پیغمبر ہوں' رب نے مجھے اپنی کتاب بھی عنایت فرما دی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب لوگ آپ کی والدہ ماجدہ سے باتیں بنا رہے تھے آپ اس وقت دودھ پی رہے تھے جسے چھوڑ کر بائیں کروٹ سے ہو کر ان کی طرف توجہ فرما کر یہ جواب دیا۔ کہتے ہیں اس قول کے وقت آپ کی انگلی اٹھی ہوئی تھی اور ہاتھ مونڈھے تک اونچا تھا۔ عکرمہ تو فرماتے ہیں مجھے کتاب دی اس کا مطلب

یہ ہے کہ دینے کا ارادہ ہو چکا ہے یہ پورا ہو کر رہے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' اسی وقت آپ کو کتاب یاد تھی' سب سیکھے ہوئے ہی پیدا ہوئے تھے۔ لیکن اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ میں جہاں بھی ہوں' لوگوں کو بھلائی سکھانے والا' انہیں نفع پہنچانے والا ہوں۔

ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملے اور دریافت کیا کہ مجھے اپنے کس عمل کے اعلان کی اجازت ہے' فرمایا بھلی بات کہنے اور بری بات کے روکنے کی اس لئے کہ یہی اصل دین ہے اور یہی انبیاء اللہ کا ورثہ ہے یہی کام ان کے سپرد ہوتا رہا۔ پس جماعتی مسئلہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس عام برکت سے مراد بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا ہے۔ جہاں بیٹھتے اٹھتے' آتے جاتے یہ شغل برابر جاری رہتا۔ کبھی اللہ کی باتیں پہنچانے سے نہ رکتے۔ فرماتے ہیں' مجھے حکم ملا ہے کہ زندگی بھر تک نماز و زکوٰۃ کا پابند رہوں۔ یہی حکم ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملا۔ ارشاد ہے وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ اس نے مجھ پر یہ دونوں کام میری زندگی کے آخری لمحے تک لکھ دیئے ہیں۔ اس سے تقدیر کا ثبوت اور منکرین تقدیر کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔ رب کی اطاعت کے اس حکم کے ساتھ ہی مجھے اپنی والدہ کی خدمت گزاری کا بھی حکم ملا ہے۔ عموماً قرآن میں یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ بیان ہوتی ہیں جیسے آیت وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا اور آیت اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ میں۔ اس نے مجھے گردن کش نہیں بنایا کہ میں اس کی عبادت سے یا والدہ کی اطاعت سے سرکشی اور تکبر کروں اور بدبخت بن جاؤں۔ کہتے ہیں جبار وشقی وہ ہے جو غصے میں آ کر خونریزی کر دے۔

فرماتے ہیں' ماں باپ کا نافرمان وہی ہوتا ہے جو بدبخت اور گردن کش ہو۔ بدخلق وہی ہوتا ہے جو اکڑنے والا اور منافق ہو۔ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے معجزوں کو دیکھ کر ایک عورت تعجب سے کہنے لگی' مبارک ہے وہ پیٹ جس میں تو نے پرورش پائی اور مبارک ہے وہ سینہ جس نے تجھے دودھ پلایا۔ آپ نے جواب دیا' مبارک ہے وہ جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی' پھر تابعداری کی اور سرکش اور بدبخت نہ بنا۔ پھر فرماتے ہیں' میری پیدائش کے' موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے دن میں مجھ پر سلامتی ہے' اس سے بھی آپ کی عبودیت اور منجملہ مخلوق کے ایک مخلوق الٰہی ہونا ثابت ہو رہا ہے کہ آپ مثل انسانوں کے عدم سے وجود میں آئے۔ پھر موت کا مزہ بھی چکھیں گے۔ پھر قیامت کے دن دوبارہ اٹھیں گے بھی۔ لیکن ہاں یہ تینوں موقعے خوب سخت اور کٹھن ہیں۔ آپ پر آسان اور سہل ہوں گے۔ نہ کوئی گھبراہٹ ہوگی نہ پریشانی بلکہ امن چین اور سراسر سلامتی ہی سلامتی۔ صَلَوٰةُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيۡهِ۔

ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۳۴﴾
مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا
يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ؕ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ
فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡ بَيۡنِهِمۡ ۚ
فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۳۷﴾

یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ ابن مریم کا' یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک شبہ میں مبتلا ہیں ○ اولاد اللہ کے لائق ہی نہیں۔ وہ تو بالکل پاک ذات ہے' وہ تو جب کسی کام کے سرانجام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ وہ اسی وقت ہو جاتا ہے ○ میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کیا کرو'

یہی سیدھی راہ ہے ○ پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے' پس کافروں کے لئے ویل ہے اس بڑے دن کے آ جانے سے ○

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں مختلف اقوال: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۷) اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں جن جن لوگوں کا اختلاف تھا' ان میں جو بات صحیح تھی' وہ اتنی ہی تھی جتنی ہم نے بیان فرما دی- قول کی دوسری قرات قول بھی ہے- ابن مسعود کی قرات میں قَالَ الْحَقَّ ہے- قول کا رفع زیادہ ظاہر ہے جیسے اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ الخ میں- یہ بیان فرما کر کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اس کے بندے' پھر اپنے نفس کی پاکیزگی بیان فرماتا ہے کہ اللہ کی شان سے گری ہوئی بات ہے کہ اس کی اولاد ہو- یہ جاہل عالم جو افواہیں اڑا رہے ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ پاک اور دور ہے' وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اسے سامان اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی' فرما دیتا ہے کہ ہو جا اسی وقت وہ کام اسی طرح ہو جاتا ہے- ادھر حکم ہوا' ادھر چیز تیار موجود- جیسے فرمان ہے اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک مثل آدم علیہ السلام کے ہے کہ اسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو جا' اسی وقت وہ ہو گیا- یہ بالکل سچ ہے اور اللہ کا فرمان تجھے اس میں کسی قسم کا شک نہ کرنا چاہئے-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے- تم سب اسی کی عبادت کرتے رہو- سیدھی راہ جسے میں اللہ کی جانب سے لے کر آیا ہوں یہی ہے- اس کی تابعداری کرنے والا ہدایت پر ہے اور اس کا خلاف کرنے والا گمراہی پر ہے- یہ فرمان بھی آپ کا ماں کی گود سے ہی تھا- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے بیان اور حکم کے خلاف بعد والوں نے لب کشائی کی اور ان کے بارے میں مختلف پارٹیوں کی شکل میں یہ لوگ بٹ گئے- چنانچہ یہود نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ ولد الزنا ہیں' اللہ کی لعنتیں ان پر ہوں کہ انہوں نے اللہ کے ایک بہترین رسول پر بدترین تہمت لگائی اور کہا کہ ان کا یہ کلام وغیرہ سب جادو کے کرشمے تھے- اسی طرح نصاریٰ بہک گئے کہنے لگے کہ یہ تو خود اللہ ہے یہ کلام اللہ کا ہی ہے- کسی نے کہا یہ اللہ کا لڑکا ہے' کسی نے کہا تین خداؤں میں سے ایک ہے' ہاں ایک جماعت نے واقعہ کے مطابق کہا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہی قول صحیح ہے- اہل اسلام کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہی ہے اور یہی تعلیم الٰہی ہے-

کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا مجمع جمع ہوا اور اپنے میں سے انہوں نے چار ہزار آدمی چھانٹے' ہر قوم نے اپنا اپنا ایک عالم پیش کیا یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد کا ہے- یہ لوگ آپس میں متنازع ہوئے ایک تو کہنے لگا' یہ خود اللہ تھا جب تک اس نے چاہا' زمین پر رہا' جسے چاہا مارا' جسے چاہا جلایا' پھر آسمان پر چلا گیا' اس گروہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں لیکن اور تینوں نے اسے جھٹلایا اور کہا تو نے جھوٹ کہا اب دو نے تیسرے سے کہا' اچھا تو کہہ تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہ اللہ کے بیٹے تھے اس جماعت کا نام نسطوریہ پڑا- دو جو رہ گئے انہوں نے کہا تو نے بھی غلط کہا ہے- پھر ان دو میں سے ایک نے کہا تم کہو' اس نے کہا میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ تین میں سے ایک ہیں ایک تو اللہ جو معبود ہے- دوسرے یہی جو معبود ہیں- تیسرے ان کی والدہ جو معبود ہیں- یہ اسرائیلیہ گروہ ہوا اور یہی نصرانیوں کے بادشاہ تھے ان پر اللہ کی لعنتیں- چوتھے نے کہا تم سب جھوٹے ہو- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول تھے اللہ ہی کا کلمہ تھے اور اس کے پاس کی بھیجی ہوئی روح- یہ لوگ مسلمان کہلائے اور یہی سچے تھے ان میں سے جس کے تابع جو تھے' وہ اسی کے قول پر ہو گئے اور آپس میں خوب اچھلے- چونکہ سچے اسلام والے ہر زمانے میں تعداد میں کم ہوتے ہیں' ان پر یہ ملعون چھا گئے' انہیں دبا لیا انہیں مارنا پیٹنا اور قتل کرنا

شروع کر دیا۔

اکثر مورخین کا بیان ہے کہ قسطنطین بادشاہ نے تین بار عیسائیوں کو جمع کیا آخری مرتبہ کے اجتماع میں ان کے دو ہزار ایک سو ستر علماء جمع ہوئے تھے لیکن یہ سب آپس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف الخیال تھے‘ سو کچھ کہتے تو ستر اور ہی کچھ کہتے‘ پچاس کچھ اور ہی کہہ رہے تھے ساٹھ کا عقیدہ کچھ اور ہی تھا‘ ہر ایک کا خیال دوسرے سے ٹکرا رہا تھا سب سے بڑی جماعت تین سو آٹھ کی تھی بادشاہ نے اس طرف کثرت دیکھ کر کثرت کا ساتھ دیا۔ مصلحت ملکی اسی میں تھی کہ اس کثیر گروہ کی طرفداری کی جائے لہذا اس کی پالیسی نے اسے اسی طرف متوجہ کر دیا۔ اور اس نے باقی کے سب لوگوں کو نکلوا دیا اور ان کے لئے امانت کبریٰ کی رسم ایجاد کی جو دراصل سب سے زیادہ بدترین خیانت ہے۔ اب مسائل شرعیہ کی کتابیں ان علماء سے لکھوائیں اور بہت سی رسومات ملکی اور ضروریات شہری کو شرعی صورت میں داخل کر لیا۔ بہت سی نئی نئی باتیں ایجاد کیں اور اصلی دین مسیحی کی صورت کو مسخ کر کے ایک مجموعہ مرتب کرایا اور اسے لوگوں میں قانونا رائج کر دیا اور اس وقت سے دین مسیحی یہی سمجھا جانے لگا۔ جب اس پر ان سب کو رضامند کر لیا تو اب چاروں طرف کلیسا‘ گرجے اور عبادت خانے بنوانے اور وہاں ان علماء کو بٹھانے اور ان کے ذریعے سے اس اپنی نو مولود مسیحیت کو پھیلانے کی کوشش میں لگ گیا۔ شام میں‘ جزیرہ میں‘ روم میں‘ تقریبا بارہ ہزار ایسے مکانات اس کے زمانے میں تعمیر کرائے گئے اس کی ماں ہیلانہ نے جس جگہ سولی گڑھی ہوئی تھی‘ وہاں ایک قبہ بنوا دیا اور اس کی باقاعدہ پرستش شروع ہو گئی۔ اور سب نے یقین کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ گئے حالانکہ ان کا یہ قول غلط ہے اللہ نے اپنے اس معزز بندے کو اپنی جانب آسمان پر چڑھا لیا ہے۔ یہ ہے عیسائی مذہب کے اختلاف کی ہلکی سی مثال۔ ایسے لوگ جو اللہ پر جھوٹ افترا باندھیں‘ اس کی اولادیں اور شریک وحصہ دار ثابت کریں گو وہ دنیا میں مہلت پالیں لیکن اس عظیم الشان دن ان کی ہلاکت انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور برباد ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو گو جلدی عذاب نہ کرے لیکن بالکل چھوڑتا بھی نہیں۔

صحیحین کی حدیث میں ہے‘ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے لیکن جب اس کی پکڑ نازل ہوتی ہے تو پھر کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہتی یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے آیت قرآن وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ تلاوت فرمائی۔ یعنی تیرے رب کی پکڑ کا طریقہ ایسا ہی ہے جب وہ کسی ظلم سے آلودہ بستی کو پکڑتا ہے۔ یقین مانو کہ اس کی پکڑ نہایت المناک اور بہت سخت ہے۔ بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ ناپسند باتوں کو سن کر صبر کرنے والا اللہ سے زیادہ کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتلاتے ہیں اور وہ انہیں روزیاں دے رہا ہے اور عافیت بھی۔ خود قرآن فرماتا ہے۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَىَّ الْمَصِيْرُ بہت سی بستیوں والے وہ ہیں جن کے ظالم ہونے کے باوجود میں نے انہیں ڈھیل دی پھر پکڑ لیا آخر لوٹنا تو میری ہی جانب ہے۔ اور آیت میں ہے کہ ظالم لوگ اپنے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھیں‘ انہیں جو مہلت ہے‘ وہ اس دن تک ہے جس دن آنکھیں اوپر کو چڑھ جائیں گی۔ یہی فرمان یہاں بھی ہے کہ ان پر اس بہت بڑے دن کی حاضری نہایت سخت دشوار ہو گی۔

صحیح حدیث میں ہے‘ جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ ایک ہے‘ وہی معبود برحق ہے‘ اس کے سوا لائق عبادت اور کوئی نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے حضرت مریم علیہ السلام کی طرف ڈالا تھا اور اس کے پاس کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے۔ اس کے خواہ کیسے ہی اعمال ہوں‘ اللہ اسے ضرور جنت میں پہنچائے گا۔

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ
فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ
الۡاَمۡرُ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ
الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع ۲۵

کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جب کہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ○ تو انہیں اس رنج وافسوس کے دن کا ڈر سنا دے۔ جب کہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت اور بے ایمانی میں ہی رہ جائیں گے ○ خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا کر لائے جائیں گے ○

قیامت کا دن دوزخیوں کے لیے یوم حسرت: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) ارشاد ہے کہ گو آج دنیا میں یہ کفار آنکھیں بند کئے ہوئے اور کانوں میں روئی ٹھونسے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کی آنکھیں خوب روشن ہو جائیں گی اور کان بھی خوب کھل جائیں گے۔ جیسے فرمان الٰہی ہے وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا الخ، کاش کہ تو دیکھتا جب یہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے شرمسار سرنگوں کھڑے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ الٰہی ہم نے دیکھا سنا الخ۔ پس اس دن نہ دیکھنا کام آئے نہ سننا نہ حسرت وافسوس کرنا نہ واویلا کرنا۔ اگر یہ لوگ اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں سے دنیا میں کام لے کر دین اللہ کو مان لیتے تو آج انہیں حسرت وافسوس نہ کرنا پڑتا اس دن آنکھیں کھولیں گے اور آج اندھے بہرے بنے پھرتے ہیں، نہ ہدایت کو طلب کرتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ بھلی باتیں سنتے ہیں نہ مانتے ہیں۔ مخلوق کو اس حسرت والے دن سے خبردار کر دیجئے جب کہ تمام کام فیصل کر دیئے جائیں گے، جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اس حسرت وندامت کے دن سے یہ آج غافل ہو رہے ہیں بلکہ ایمان ویقین بھی نہیں رکھتے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں، جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں چلے جانے کے بعد موت کو ایک بھیڑیئے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا پھر اہل جنت سے پوچھا جائے گا کہ اسے جانتے ہو؟ وہ دیکھ کر کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ دوزخیوں سے بھی یہی سوال ہوگا اور وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ اب حکم ہوگا اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور ندا کر دی جائے گی کہ اہل جنت تمہارے لئے ہمیشہ موت نہیں اور اہل جہنم تمہارے لئے بھی اب ہمیشہ کے لیے موت نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے یہی آیت وَاَنۡذِرۡهُمۡ الخ تلاوت فرمائی۔ اور آپ نے اشارہ کیا اور فرمایا، اہل دنیا غفلت دنیا میں ہیں (مسند امام احمد)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقعہ مطول بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص اپنے دوزخ اور جنت کے گھر کو دیکھ رہا ہوگا وہ دن ہی حسرت وافسوس کا ہے، جہنمی اپنے جنتی گھر کو دیکھ رہا ہوگا اور اس سے کہا جاتا ہوگا کہ اگر تم عمل کرتے تو تمہیں یہ جگہ ملتی وہ حسرت وافسوس کرنے لگیں گے ادھر جنتیوں کو ان کا جہنم کا گھر دکھا کر فرمایا جائے گا کہ اگر اللہ کا احسان تم پر نہ ہوتا تو تم یہاں ہوتے۔ اور روایت میں ہے کہ موت کو ذبح کر کے جب ہمیشہ کے لیے کی آواز لگا دی جائے گی، اس وقت جنتی تو اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر اللہ نہ بچائے تو مارے خوشی کے مر جائیں اور جہنمی اس قدر رنجیدہ ہو کر چیخیں گے کہ اگر موت ہوتی تو ہلاک ہو جائیں۔ پس اس آیت کا یہی مطلب ہے یہ وقت حسرت کا بھی ہوگا اور کام کے خاتمے کا وقت بھی یہی ہوگا۔ پس یوم الحسرت بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

چنانچہ اور آیت میں ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ الخ۔ پھر بتایا کہ خالق و مالک متصرف اللہ ہی ہے۔ سب اسی کی ملکیت ہے اور سب کو فنا ہے باقی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ ہی ہے، ملکیت اور تصرف کا سچا دعویدار بجز اس کے کوئی نہیں، تمام خلق کا وارث حاکم وہی ہے، اس کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ شاہ اسلام امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو کوفے میں خط لکھا، جس میں لکھا حمد و صلوٰۃ کے بعد، اللہ نے روز اول سے ہی ساری مخلوق پر فنا لکھ دی ہے۔ سب کو اس کی طرف پہنچنا ہے، اس نے اپنی نازل کردہ اس سچی کتاب میں جسے اپنے علم سے محفوظ کئے ہوئے ہے اور جس کی نگہبانی اپنے فرشتوں سے کرا رہا ہے، لکھ دیا ہے کہ زمین کا اور اس کے اوپر جو ہیں، ان کا وارث وہی ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۴۱ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ
يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝۴۲
يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ
اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝۴۴ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝۴۵

اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کر، بے شک وہ بڑی راستی والے پیغمبر تھے ○ جب کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ان کی پوجا کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں ○ میرے مہربان باپ، آپ دیکھئے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں تو آپ میری ہی مانئے، میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا ○ میرے ابا آپ شیطان کی پرستش سے باز آ جائیں، شیطان تو رحم و کرم والے اللہ کا بڑا ہی نافرمان ہے ○ ابا جی مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی اللہ کا عذاب نہ آ پڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں ○

بتوں کی پوجا: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۵) مشرکین مکہ جو بت پرست ہیں اور اپنے تئیں خلیل اللہ کا متبع خیال کرتے ہیں، ان کے سامنے اے نبی ﷺ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیجئے۔ اس سچے نبی نے اپنے باپ کی بھی پرواہ نہ کی اور اس کے سامنے بھی حق کو واضح کر دیا اور اسے بت پرستی سے روکا۔ صاف کہا کہ کیوں ان بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو جو نہ نفع پہنچا سکیں نہ ضرر۔ فرمایا کہ میں بے شک آپ کا بچہ ہوں لیکن الٰہی علم جو میرے پاس ہے آپ کے پاس نہیں، آپ میری اتباع کیجئے میں آپ کو راہ راست دکھاؤں گا، برائیوں سے بچا کر بھلائیوں میں پہنچا دوں گا۔ ابا جی یہ بت پرستی تو شیطان کی تابعداری ہے وہی اس کی راہ سمجھاتا ہے اور وہی اس سے خوش ہوتا ہے جیسے سورہ یٰسین میں ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ الخ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے انسانو! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور آیت میں ہے اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا الخ، یہ لوگ تو عورتوں کو پکارتے ہیں اور اللہ کو چھوڑتے ہیں دراصل یہ سرکش شیطان کے پکارنے والے ہیں۔

آپ نے فرمایا شیطان اللہ کا نافرمان ہے، مخالف ہے، اس کی فرمانبرداری سے تکبر کرنے والا ہے، اسی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے اگر تو نے بھی اس کی اطاعت کی تو وہ اپنی حالت پر بھی پہنچا دے گا۔ ابا جان آپ کے اس شرک و عصیان کی وجہ سے مجھے تو خوف ہے کہ کہیں آپ پر

اللہ کا کوئی عذاب نہ آ جائے اور آپ شیطان کے دوست اور اس کے ساتھی نہ بن جائیں اور اللہ کی مدد اور اس کا ساتھ آپ سے چھوٹ نہ جائے۔ دیکھو شیطان خود بے کس و بے بس ہے اس کی تابعداری آپ کو بری جگہ پہنچا دے گی۔ جیسے فرمان باری ہے۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ② یعنی یہ یقینی اور قسمیہ بات ہے کہ تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی ہم نے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کی بداعمالیاں انہیں مزین کر کے دکھلائیں اور وہی ان کا ساتھی بن گیا لیکن کام کچھ نہ آیا اور قیامت کے دن عذاب الیم میں پھنس گئے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾

اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے؟ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا' جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ ○ کہا اچھا تم پر سلام ہو' میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا' وہ مجھ پر حد درجے مہربان ہے ○ میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو' انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو ہی پکارتا رہوں گا' مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں محروم نہ رہوں گا ○

باپ کی ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس طرح سمجھانے پر ان کے باپ نے جو جہالت کا جواب دیا' وہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا ابراہیم تو میرے معبودوں سے بیزار ہے' ان کی عبادت سے تجھے انکار ہے' اچھا سن رکھ' اگر تو اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا اور انہیں برا کہتا رہا اور ان کی عیب جوئی اور انہیں گالیاں دینے سے نہ رکا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ مجھے تو تکلیف نہ دے' نہ مجھ سے کچھ کہہ۔ یہی بہتر ہے کہ تو سلامتی کے ساتھ مجھ سے الگ ہو جائے ورنہ میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ مجھ سے تو تو اب ہمیشہ کے لئے گیا گزرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' اچھا خوش رہو' میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی کیونکہ آپ میرے والد ہیں بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو نیک توفیق دے اور آپ کے گناہ بخشے۔ مومنوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ جاہلوں سے بھڑتے نہیں جیسے کہ قرآن میں ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا جاہلوں سے جب ان کا خطاب ہوتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ سلام اور آیت میں ہے لغو باتوں سے وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ' تمہارے اعمال تمہارے ساتھ تم پر سلام ہو۔ ہم مجھے اس سے اپنی دعا کی قبولیت کی امید ہے۔ اسی وعدے کے مطابق آپ ان کے لئے بخشش طلب کرتے رہے۔ شام کی ہجرت کے بعد بھی' جاہلوں کے درپے نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا کہ میرا رب میرے ساتھ بہت مہربان ہے' اسی کی مہربانی ہے کہ مجھے ایمان و اخلاص کی ہدایت کی۔ مسجد حرام بنانے کے بعد بھی' آپ کے ہاں اولاد ہو جانے کے بعد بھی' آپ کہتے رہے کہ الٰہی مجھے' میرے ماں باپ کو اور تمام ایمان والوں کو حساب کے قائم ہونے کے دن بخش دے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ مشرکوں کے لئے استغفار نہ کرو۔ آپ ہی کی اقتداء میں پہلے پہلے مسلمان بھی ابتداء اسلام کے زمانے میں اپنے قرابت دار مشرکوں کے لئے طلب بخشش کی دعائیں کرتے

رہے آخر آیت نازل ہوئی کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام قابل اتباع ہیں لیکن اس بات میں ان کا فعل اس قابل نہیں- اور آیت میں فرمایا مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الخ' یعنی نبی کو اور ایمانداروں کو مشرکوں کے لئے استغفار نہ کرنا چاہئے' الخ اور فرمایا کہ ابراہیم کا یہ استغفار صرف اس بناء پر تھا کہ آپ اپنے والد سے اس کا وعدہ کر چکے تھے لیکن جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بری ہو گئے- ابراہیم تو بڑے ہی اللہ دوست اور علم والے تھے- پھر فرماتے ہیں کہ میں تم سب سے اور تمہارے ان تمام معبودوں سے الگ ہوں- میں صرف اللہ واحد کا عابد ہوں' اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا' میں فقط اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنی دعاؤں میں محروم نہ رہوں گا- واقعہ بھی یہی ہے اور یہاں پر لفظ عسٰی یقین کے معنوں میں ہے اس لئے کہ آپ آنحضرت ﷺ کے بعد سید الانبیاء ہیں (علیہ السلام)-

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ
رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع ۱۰

جب ابراہیم ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انہیں اسحاق ویعقوب عطا فرمائے' اور دونوں کو نبی بنا دیا ○ اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا ○

لاتعلق ہونے کا اعلان: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۰) خلیل اللہ علیہ السلام ماں باپ کو' رشتے کنبے کو' قوم وملک کو' دین اللہ پر قربان کر چکے سب سے یک طرف ہو گئے اپنی برأت اور علیحدگی کا اعلان کر دیا تو اللہ نے ان کی نسل جاری کر دی آپ کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام ہوئے اور حضرت اسحاق کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے- جیسے فرمان ہے وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً اور آیت میں ہے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ یعنی اسحاق کے پیچھے یعقوب پس حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد تھے جیسے سورہ بقرہ کی آیت اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ الخ' میں صاف لفظ ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بچوں سے پوچھا کہ تم سب میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسی اللہ کی جس کی عبادت آپ کرتے ہیں اور آپ کے والد ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام- پس یہاں مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کی نسل جاری رکھی بیٹا دیا بیٹے کے ہاں بیٹا دیا اور دونوں نبی بنا کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں- یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی بنائے گئے تھے ان کا ذکر یہاں نہیں کیا اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کے وقت خلیل الرحمٰن علیہ السلام زندہ نہ تھے- یہ دونوں نبوتیں یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام کی نبوت آپ کی زندگی میں آپ کے سامنے تھی اس لئے اس احسان کا ذکر بیان فرمایا- رسول اللہ ﷺ سے جب سوال ہوا کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا یوسف نبی اللہ بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق نبی اللہ بن ابراہیم نبی اللہ وخلیل اللہ- اور حدیث میں ہے کریم بن کریم بن کریم بن کریم' یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام- ہم نے انہیں اپنی بہت ساری رحمتیں دیں اور ان کا ذکر خیر اور ثنا جمیل کو دنیا میں ان کے بعد بلندی کے ساتھ باقی رکھا یہاں تک کہ ہر مذہب والے ان کے گن گاتے ہیں- فَصَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُه عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا
نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾
وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر بھی کر جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا ○ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور راز گوئی کرتے ہوئے ہم نے اسے قریب کر لیا ○
اور اپنی خاص مہربانی سے اسے اس کے بھائی کو نبی بنا کر عطا فرمایا ○

خلوص موسیٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۳) اپنے خلیل علیہ السلام کا بیان فرما کر اب اپنے کلیم علیہ السلام کا بیان فرماتا ہے۔ مُخْلَصًا کی دوسری قرات مُخْلِصًا بھی ہے۔ یعنی وہ با اخلاص عبادت کرنے والے تھے۔ مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے روح اللہ ہمیں بتایئے مخلص شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا' جو محض اللہ کے لئے عمل کرے' اسے اس بات کی چاہت نہ ہو کہ لوگ میری تعریفیں کریں۔ دوسری قرات میں مُخْلَصًا ہے یعنی اللہ کے چیدہ اور برگزیدہ بندے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے فرمان باری ہے اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے' پانچ بڑے بڑے جلیل القدر الوالعزم رسولوں میں سے ایک آپ ہیں یعنی نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم وعلی سائر الانبیاء اجمعین۔ ہم نے انہیں مبارک پہاڑ طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور سرگوشی کرتے ہوئے اپنے قریب کر لیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ آگ کی تلاش میں طور کی طرف یہاں آگ دیکھ کر بڑھے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں' اس قدر قریب ہو گئے کہ قلم کی آواز سننے لگے۔ مراد اس سے تورات لکھنے کی قلم ہے۔ سدی کہتے ہیں' آسمان میں گئے اور کلام باری سے مشرف ہوئے۔ کہتے ہیں انہی باتوں میں یہ فرمان بھی ہے کہ اے موسیٰ جب کہ میں تیرے دل کو شکر گزار اور تیری زبان کو اپنا ذکر کرنے والی بنا دوں اور تجھے ایسی بیوی دوں جو نیکی کے کاموں میں تیری معاون ہو تو سمجھ لے کہ میں نے تجھ سے کوئی بھلائی اٹھا نہیں رکھی اور جسے میں یہ چیزیں نہ دوں' سمجھ لے کہ اسے کوئی بھلائی نہیں ملی۔ ان پر ایک مہربانی ہم نے یہ بھی کی کہ ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کی امداد کے لئے ان کے ساتھ کر دیا جیسے کہ آپ کی چاہت اور دعا تھی فرمایا تھا وَاَخِیْ هَارُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ الخ اور آیت میں ہے قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یَا مُوْسٰی موسیٰ تیرا سوال ہم نے پورا کر دیا۔ آپ کی دعا کے لفظ یہ بھی وارد ہیں فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ الخ' ہارون کو بھی رسول بنا الخ' کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ بہتر دعا اور اس سے بڑھ کر شفاعت کسی نے کسی کی دنیا میں نہیں کی۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ صَلٰوۃُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْهِمَا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ
رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ
عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اس کتاب میں اسماعیل کا واقعہ بھی بیان کر' وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی ○ وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا رہتا تھا اور تھا بھی
اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول ○

ابوالحجاز علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۴-۵۵) حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کا ذکر خیر بیان ہو رہا ہے آپ سارے حجاز کے باپ ہیں جو نذر اللہ کے نام کی مانتے تھے‘ جو عبادت کرنے کا ارادہ کرتے تھے‘ پوری ہی کرتے تھے۔ ہر حق ادا کرتے تھے ہر وعدے کی وفا کرتے تھے۔ ایک شخص سے وعدہ کیا کہ میں فلاں جگہ آپ کو ملوں گا‘ وہاں آپ آ جانا۔ حسب وعدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں گئے لیکن وہ شخص نہیں آیا تھا۔ آپ اس کے انتظار میں وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ایک دن رات پورا گزر گیا اب اس شخص کو یاد آیا‘ اس نے آ کر دیکھا کہ آپ وہیں انطار میں ہیں پوچھا کہ کیا آپ کل سے یہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا جب وعدہ ہو چکا تھا تو پھر میں آپ کے آئے بغیر کیسے ہٹ سکتا تھا اس نے معذرت کی کہ میں بالکل بھول گیا تھا۔ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے ہیں یہیں انتظار میں ہی آپ کو ایک سال کامل گزر چکا تھا۔ ابن شوزب کہتے ہیں‘ وہیں مکان کر لیا تھا۔ عبداللہ بن ابوالحما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے میں نے آپ سے کچھ تجارتی لین دین کیا تھا‘ میں چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ آپ یہیں ٹھہریئے۔ میں ابھی واپس آتا ہوں پھر مجھے خیال ہی نہ رہا وہ دن گزرا وہ رات گزری دوسرا دن گھر گزر گیا تیسرے دن مجھے خیال آیا تو دیکھا آپ وہیں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ کو مشقت میں ڈال دیا میں آج تین دن سے یہیں تمہارا انتظار کرتا رہا۔ (خرائطی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس وعدے کا ذکر ہے جو آپ نے بوقت ذبح کیا تھا کہ ابا جی آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ چنانچہ فی الواقع آپ نے وعدے کی وفا کی اور صبر و برداشت سے کام لیا۔ وعدے کی وفا نیک کام ہے اور وعدہ خلافی بہت بری چیز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے‘ ایمان والو! وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جن پر خود عمل نہیں کرتے اللہ کے نزدیک یہ بات نہایت ہی غضبناک کی ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ منافق کی تین نشانیاں ہیں باتوں میں جھوٹ‘ وعدہ خلافی‘ امانت میں خیانت۔ ان آفتوں سے مومن الگ تھلگ ہوتے ہیں یہی وعدے کی سچائی حضرت اسماعیل علیہ السلام میں تھی اور یہی پاک صفت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ میں بھی تھی۔ کبھی کسی سے کسی وعدے کے خلاف آپ نے نہیں کیا۔

آپ نے ایک مرتبہ ابوالعاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے مجھ سے جو بات کی‘ سچی کی اور جو وعدہ اس نے مجھ سے کیا پورا کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تخت خلافت نبویؐ پر قدم رکھتے ہی اعلان کر دیا کہ جس سے نبی کریم ﷺ نے جو وعدہ کیا ہو‘ میں اس کے پورا کرنے کے لئے تیار ہوں اور حضور علیہ السلام پر جس کا قرض ہو‘ میں اس کی ادائیگی کے لئے موجود ہوں۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تجھے تین لپیں بھر کر دوں گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب بحرین کا مال آیا تو آپ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا کر فرمایا‘ لو لپ بھر لو۔ آپ کی لپ میں پانچ سو درہم آئے حکم دیا کہ تین لپوں کے پندرہ سو درہم لے لو۔ پھر حضرت اسماعیلؑ کا رسول نبی ہونا بیان فرمایا۔ حالانکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا صرف نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے اس سے آپ کی فضیلت اپنے بھائی پر ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پسند فرمایا الخ۔

پھر آپ کی مزید تعریف بیان ہو رہی ہے کہ آپ اللہ کی اطاعت پر صابر تھے اور اپنے گھرانے کو بھی یہی حکم فرماتے رہتے تھے۔ یہی فرمان اللہ تعالیٰ کا آنحضرت ﷺ کو ہے وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا الخ‘ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم کرتا رہ اور خود بھی اس پر مضبوطی سے عامل رہ۔ اور آیت میں ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا الخ‘ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور

اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچالو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر' جہاں عذاب کرنے والے فرشتے رحم سے خالی' زورآور اور بڑے سخت ہیں۔ ناممکن ہے کہ اللہ کے حکم کا وہ خلاف کریں بلکہ جوان سے کہا گیا ہے' اسی کی تابعداری میں مشغول ہیں۔ پس مسلمانوں کو حکم الٰہی ہو رہا ہے کہ اپنے گھربار کو اللہ کی باتوں کی ہدایت کرتے رہیں' گناہوں سے روکتے رہیں یونہی بے تعلیم نہ چھوڑیں کہ وہ جہنم کا لقمہ بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اس مرد پر اللہ کا رحم ہو جو رات تہجد پڑھنے کے لئے اپنے بستر سے اٹھتا ہے پھر اپنی بیوی کو اٹھاتا ہے اور اگر وہ نہیں اٹھتی تو اس کے منہ پر پانی چھڑک کر اسے نیند سے بیدار کرتا ہے' اس عورت پر بھی اللہ کی رحمت ہو جو رات کو تہجد پڑھنے کے لئے اٹھتی ہے۔ پھر اپنے میاں کو جگاتی ہے اور وہ نہ جاگے تو اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا ڈالتی ہے (ابوداؤد' ابن ماجہ) آپ کا فرمان ہے کہ جب انسان رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے اور دونوں دو رکعت بھی نماز کی ادا کرلیں تو اللہ کے ہاں اللہ کا ذکر کرنے والے مردوں عورتوں میں دونوں کے نام لکھ لئے جاتے ہیں (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ
مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ
مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ
الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾

اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کر۔ وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا ○ ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا ○ یہی ہیں وہ انبیاء جن پر اللہ نے فضل وکرم کیا' جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں چڑھالیا تھا اور اولاد ابراہیم و یعقوب سے اور ہماری طرف سے راہ یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی' یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑگڑاتے گر پڑتے تھے ○

حضرت ادریس علیہ السلام کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۵۶-۵۷) حضرت ادریس علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے کہ آپ سچے نبی تھے' اللہ کے خاص بندے تھے۔ آپ کو ہم نے بلند مکان پر اٹھالیا۔ صحیح حدیث کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ چوتھے آسمان میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک عجیب وغریب اثر وارد کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ کل اولاد آدم کے نیک اعمال کے برابر صرف تیرے نیک اعمال میں اپنی طرف ہر روز چڑھاتا ہوں۔ اس پر آپ کو خیال آیا کہ آپ عمل میں اور سبقت کریں جب آپ کے پاس آپ کا دوست فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے ذکر کیا میرے پاس یوں وحی آئی ہے اب تم ملک الموت سے کہو کہ وہ میری موت میں تاخیر کریں تو میں نیک اعمال میں اور بڑھ جاؤں اس فرشتے نے آپ کو اپنے پروں میں بٹھا کر آسمان پر چڑھادیا جب چوتھے آسمان پر آپ پہنچے تو ملک الموت کو دیکھا فرشتے نے آپ سے حضرت ادریس علیہ السلام کی بابت سفارش کی تو ملک الموت نے فرمایا' وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا یہ ہیں میرے بازو پر بیٹھے ہوئے آپ نے فرمایا سبحان اللہ مجھے یہاں اس آسمان پر اس کی روح کے قبض کرنے کا حکم ہو رہا ہے چنانچہ اسی وقت ان کی روح قبض کرلی گئی۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ

کعب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ بیان اسرائیلیات میں سے ہے اور اس کے بعض میں نکارت ہے واللہ اعلم۔ یہی روایت اور سند سے ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بذریعہ اس فرشتے کو پچھوایا تھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے؟ اور روایت میں ہے کہ فرشتے کے اس سوال پر ملک الموت نے جواب دیا کہ میں دیکھ لوں دیکھ کر فرمایا صرف ایک آنکھ کی پلک کے برابر اب جو فرشتہ اپنے پر تلے دیکھتا ہے تو حضرت ادریس علیہ السلام کی روح پرواز ہو چکی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ درزی تھے سوئی کے ایک ایک ٹانکے پر سبحان اللہ کہتے۔ شام کو ان سے زیادہ نیک عمل آسمان پر کسی کے نہ چڑھتے مجاہد رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے۔ شام کو ان سے زیادہ نیک عمل آسمان پر کسی کے نہ چڑھتے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ تو کہتے ہیں حضرت ادریس علیہ السلام آسمانوں پر چڑھا لئے گئے۔ آپ مرے نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بے موت اٹھا لئے گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔ حسن رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں، بلند مکان سے مراد جنت ہے۔

انبیاء کی جماعت کا ذکر: ☆☆ (آیت:۵۸) فرمان الٰہی ہے کہ یہ ہے جماعت انبیاء یعنی جن کا ذکر اس سورت میں ہے یا پہلے گزرا ہے یا بعد میں آئے گا۔ یہ لوگ اللہ کے انعام یافتہ ہیں۔ پس یہاں شخصیت سے جنس کی طرف استطراد ہے۔ یہ ہیں اولاد آدم سے یعنی حضرت ادریس صلوات اللہ وسلامہ علیہ اور اولاد سے ان کی جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کرا دیئے گئے تھے، اس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ ہیں۔ اور ذریت ابراہیم علیہ السلام سے مراد حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت اسماعیل ہیں اور ذریت اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ہیں علیہم السلام۔ یہی قول ہے حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا۔ اسی لئے ان کے نسب جداگانہ بیان فرمائے گئے کہ گو اولاد آدم میں سب ہیں مگر ان میں بعض وہ بھی ہیں جو ان بزرگوں کی نسل سے نہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے کیونکہ حضرت ادریس تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے۔ میں کہتا ہوں، بہ ظاہر یہی ٹھیک ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اوپر کی نسب میں اللہ کے پیغمبر حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ ہاں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت ادریس بنی اسرائیلی نبی ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ معراج والی حدیث میں حضرت ادریس کا بھی حضور ﷺ سے یہ کہنا مروی ہے کہ مرحبا ہو نبی صالح اور بھائی صالح کو مرحبا ہو۔ تو بھائی صالح کہا نہ کہ صالح ولد جیسے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت آدم علیہما السلام نے کہا تھا۔ مروی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کے ہیں آپ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ لا الہ الا اللہ کے قائل اور معتقد بن جاؤ پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کیا اللہ عزوجل نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے اس آیت کو جنس انبیا کے لئے قرار دیا ہے۔ اس کی دلیل سورہ انعام کی وہ آیتیں ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام وغیرہ کا ذکر اور تعریف کرنے کے بعد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ② یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔ تو بھی ان کی ہدایت کی اقتدا کر۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نبیوں میں سے بعض کے واقعات ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے واقعات تم تک پہنچے ہی نہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سورہ ص میں سجدہ ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا، تمہارے نبی ﷺ کو ان کی اقتداء کا حکم کیا گیا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام

بھی مقتدا نبیوں میں سے ہیں۔ فرمان ہے کہ ان پیغمبروں کے سامنے جب کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو اس کے دلائل و براہین کو سن کر خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان مانتے ہوئے روتے گڑگڑاتے سجدے میں گر پڑتے تھے اسی لئے اس آیت پر سجدہ کرنے کا حکم علماء کا متفق علیہ مسئلہ ہے تاکہ ان پیغمبروں کی اتباع اور اقتدا ہو جائے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ مریم کی تلاوت کی اور جب اس آیت پر پہنچے تو سجدہ کیا پھر فرمایا سجدہ تو کیا لیکن وہ رونا کہاں سے لائیں؟ (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا
الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔ سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا ○ بجز ان کے جو توبہ کر لیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی ○

حدود الٰہی کے محافظ: ☆☆ (آیت: ۵۹-۶۰) نیک لوگوں کا خصوصاً انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا جو حدود الٰہی کے محافظ، نیک اعمال کے نمونے، بدیوں سے بچتے تھے۔ اب برے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے بعد کے زمانے والے ایسے ہوئے کہ وہ نمازوں تک سے بے پرواہ بن گئے اور جب نماز جیسے فریضے کی اہمیت کو بھلا بیٹھے تو ظاہر ہے کہ اور واجبات کی وہ کیا پرواہ کریں گے؟ کیونکہ نماز تو دین کی بنیاد ہے اور تمام اعمال سے افضل و بہتر ہے۔ یہ لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے دنیا کی زندگی پر اطمینان سے ریجھ گئے، انہیں قیامت کے دن سخت خسارہ ہوگا بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ نماز کے ضائع کرنے سے مراد یا تو اسے بالکل ہی چھوڑ بیٹھنا ہے۔ اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے سلف خلف کا مذہب ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے یہی ایک قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ بندے کے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ہم میں اور ان میں فرق نماز کا ہے جس نے نماز چھوڑ دی، وہ کافر ہو گیا۔ اس مسئلہ کو بسط سے بیان کرنے کا یہ مقام نہیں۔ یا نماز کے ترک سے مراد نماز کے وقتوں کی صحیح طور پر پابندی کا نہ کرنا ہے کیونکہ ترک نماز تو کفر ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کریم میں نماز کا ذکر بہت زیادہ ہے، کہیں نمازوں میں سستی کرنے والوں کے عذاب کا بیان ہے، کہیں نماز کی مداومت کا فرمان ہے، کہیں محافظت کا۔ آپ نے فرمایا، ان سے مراد وقتوں میں سستی نہ کرنا اور وقتوں کی پابندی کرنا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم تو سمجھتے تھے کہ اس سے مراد نمازوں کا چھوڑ دینا اور نہ چھوڑنا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ تو کفر ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، پانچوں نمازوں کی حفاظت کرنے والا غافلوں میں نہیں لکھا جاتا، ان کا ضائع کرنا اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے اور ان کا ضائع کرنا، ان کے وقتوں کی پابندی نہ کرنا ہے۔ خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ اس سے مراد سرے سے نماز چھوڑ دینا نہیں بلکہ نماز کے وقت کو ضائع کر دینا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ بدترین لوگ قریب بہ قیامت آئیں گے جب کہ اس امت کے صالح لوگ باقی نہ رہے ہوں گے اس وقت یہ لوگ جانوروں کی طرح کودتے پھاندتے پھریں گے۔

عطا بن ابو رباح رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخری زمانے میں ہوں گے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ

اس امت کے لوگ ہوں گے جو چوپایوں اور گدھوں کی مانند راستوں میں اچھل کود کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو آسمان میں ہے' بالکل نہ ڈریں گے اور نہ لوگوں سے شرمائیں گے۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا' یہ ناخلف لوگ ساٹھ سال کے بعد ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کر دیں گے اور شہوت رانیوں میں لگ جائیں گے اور قیامت کے دن خمیازہ بھگتیں گے۔ پھر ان کے بعد وہ نالائق لوگ آئیں گے جو قرآن کی تلاوت تو کریں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ یاد رکھو' قاری تین قسم کے ہوتے ہیں۔ مومن' منافق اور فاجر۔ راوی حدیث حضرت ولید سے جب ان کے شاگرد نے اس کی تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا' ایماندار تو اس کی تصدیق کریں گے۔ نفاق والے اس پر عقیدہ نہ رکھیں گے اور فاجر اس سے اپنی شکم پری کرے گا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اصحاب صفہ کے لئے جب کچھ خیرات بھجواتیں تو کہہ دیتیں کہ بربری مرد وعورت کو نہ دینا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ یہی وہ ناخلف ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا فرمان ہے کہ مراد اس سے مغرب کے بادشاہ ہیں جو بدترین بادشاہ ہیں۔

حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ کی قسم میں منافقوں کے وصف قرآن کریم میں پاتا ہوں۔ یہ نشے پینے والے' نمازیں چھوڑنے والے' شطرنج چوسر وغیرہ کھیلنے والے' عشاء کی نمازوں کے وقت سو جانے والے' کھانے پینے میں مبالغہ اور تکلف کر کے پیٹو بن کر کھانے والے' جماعتوں کو چھوڑنے والے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مسجدیں ان لوگوں سے خالی نظر آتی ہیں اور بیٹھکیں بارونق بنی ہوئی ہیں۔ ابواشہب عطاردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کر دے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشوں سے باز رہیں' جن کے دل خواہشوں کے پھیر میں رہتے ہیں' میں ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیتا ہوں۔ جب کوئی بندہ شہوت میں اندھا ہو جاتا ہے تو سب سے ہلکی سزا میں اسے یہ دیتا ہوں کہ اپنی اطاعت سے اسے محروم کر دیتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے' مجھے اپنی امت پر دو چیزوں کا بہت ہی خوف ہے ایک تو یہ کہ لوگ جھوٹ کے اور بناؤ کے اور شہوت کے پیچھے پڑ جائیں گے اور نمازوں کو چھوڑ بیٹھیں گے دوسرے یہ کہ منافق لوگ دنیا دکھاوے کو قرآن کے عامل بن کر سچے مومنوں سے لڑیں جھگڑیں گے۔ غَيًّا کے معنی خسران اور نقصان اور برائی کے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غَیٌّ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور نہایت سخت عذابوں والی' اس میں خون پیپ بھرا ہوا ہے۔ ابن جریر میں ہے' لقمان بن عامر فرماتے ہیں' میں حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے التماس کی کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیث مجھے سنایئے۔ آپ نے فرمایا' سنو حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر دس اوقیہ کے وزن کا کوئی پتھر جہنم کے کنارے سے جہنم میں پھینکا جائے تو وہ پچاس سال تک تو جہنم کی تہہ میں نہیں پہنچ سکتا۔ پھر وہ غی اور اثام میں پہنچے گا۔ غی اور اثام جہنم کے نیچے کے دو کنویں ہیں جہاں جہنمیوں کا لہو پیپ جمع ہوتا ہے۔ غی کا ذکر آیت فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا میں ہے اور اثام کا ذکر آیت يَلْقَ اَثَامًا میں ہے اس حدیث کو فرمان رسول سے روایت کرنا منکر ہے اور یہ حدیث سند کی رو سے بھی غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے' ہاں جو ان کاموں سے توبہ کرے یعنی نمازوں کی سستی اور خواہش نفسانی کی پیروی چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا' اس کی عاقبت سنوار دے گا' اسے جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچائے گا' توبہ اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو معاف کرا دیتی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے بے گناہ۔ یہ لوگ جو نیکیاں کریں' ان کے اجر انہیں ملیں گے کسی ایک نیکی کا ثواب کم نہ ہوگا۔ توبہ سے پہلے کے

گناہوں پر کوئی پکڑ نہ ہوگی- یہ ہے کرم اس کریم کا اور یہ ہے حلم اس حلیم کا کہ توبہ کے بعد اس گناہ کو بالکل مٹا دیتا ہے ناپید کر دیتا ہے- سورہ فرقان میں گناہوں کا ذکر فرما کر ان کی سزاؤں کا بیان کر کے پھر استثنا کیا اور فرمایا کہ اللہ غفور و رحیم ہے-

جَنّٰتِ عَدۡنِ ِۣ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّهٗ کَانَ
وَعۡدُهٗ مَاۡتِیًّا ﴿٦١﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ
فِیۡهَا بُکۡرَةً وَّعَشِیًّا ﴿٦٢﴾ تِلۡکَ الۡجَنَّةُ الَّتِیۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا
مَنۡ کَانَ تَقِیًّا ﴿٦٣﴾

ہیشگی والی جنتوں میں جن کا غائبانہ وعدہ اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے کیا' بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہی ہے ○ وہ لوگ وہاں کوئی لغویات نہ سنیں گے صرف سلام ہی سلام سنیں گے- ان کے لئے وہاں صبح شام ان کا رزق ہوگا ○ یہ ہے جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں ○

اللہ تعالیٰ کے وعدے برحق ہیں: ☆☆ (آیت:٦١-٦٣) جن جنتوں میں گناہوں سے توبہ کرنے والے داخل ہوں گے' یہ جنتیں ہمیشہ والی ہوں گی جن کا غائبانہ وعدہ ان سے ان کا رب کر چکا ہے ان جنتوں کو انہوں نے دیکھا نہیں لیکن تاہم دیکھنے سے بھی زیادہ انہیں ان پر یقین و ایمان ہے' بات بھی یہی ہے کہ اللہ کے وعدے اٹل ہوتے ہیں وہ حقائق ہیں جو سامنے آ کر ہی رہیں گے- نہ اللہ وعدہ خلافی کرے نہ وعدے کو بدلے یہ لوگ وہاں ضرور پہنچائے جائیں گے اور اسے ضرور پائیں گے- مَاۡتِیًّا کے معنی اٰتِیًا کے بھی آتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ جہاں ہم جائیں' وہ ہمارے پاس آ ہی گیا- جیسے کہتے ہیں' مجھ پر پچاس سال آئے یا میں پچاس سال کو پہنچا- مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہوتا ہے- ناممکن ہے کہ ان جنتوں میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ کلام ان کے کانوں میں پڑے- صرف مبارک سلامت کی دھوم ہوگی- چاروں طرف سے اور خصوصاً فرشتوں کی پاک زبانی یہی مبارک صدائیں کان میں گونجتی رہیں گی- جیسے سورہ واقعہ میں ہے لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِیۡمًا اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا وہاں کوئی بیہودہ اور خلاف طبع سخن نہ سنیں گے بجز سلام اور سلامتی کے- یہ استثنا منقطع ہے- صبح شام پاک' طیب' عمدہ خوش ذائقہ روزیاں بلا تکلف و تکلیف بے مشقت و زحمت چلی آئیں گی- لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ جنت میں بھی دن رات ہوں گے نہیں بلکہ ان انوار سے ان وقتوں کو جنتی پہچان لیں گے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں-

چنانچہ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے روشن اور نورانی ہوں گے- نہ وہاں انہیں تھوک آئے گا نہ ناک آئے گی نہ پیشاب پاخانہ- ان کے برتن اور فرنیچر سونے کے ہوں گے ان کا بخور خوشبودار اگر ہوگا ان کے پسینے مشک بو ہوں گے ہر ایک جنتی مرد کی دو بیویاں تو ایسی ہوں گی کہ ان کے پنڈے کی صفائی سے ان کی پنڈلیوں کی نلی کا گودا تک باہر سے نظر آئے- ان سب جنتوں میں نہ تو کسی کو کسی سے عداوت ہوگی نہ بغض سب ایک دل ہوں گے- کوئی اختلاف باہم دیگر نہ ہوگا- صبح شام اللہ کی تسبیح میں گزریں گے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' شہید لوگ اس وقت جنت کی ایک نہر کے کنارے جنت کے دروازے کے پاس سرخ رنگ قبوں میں ہیں- صبح شام روزی پہنچائے جاتے ہیں (مسند) پس صبح و شام باعتبار دنیا کے ہے- وہاں رات نہیں بلکہ ہر وقت نور کا سماں ہے پردے گر جانے اور دروازے بند ہو جانے سے اہل جنت وقت شام کو اور اسی طرح پردوں کے ہٹ جانے اور دروازوں کے کھل جانے سے صبح کے وقت کو جان لیں گے- ان دروازوں کا کھلنا بند ہونا بھی جنتیوں کے اشاروں اور حکموں پر ہو

گا - یہ دروازے بھی اس قدر صاف شفاف آئینہ نما ہیں کہ باہر کی چیزیں اندر سے نظر آئیں - چونکہ دنیا میں دن رات کی عادت تھی' اس لئے جو وقت جب چاہیں گے پائیں گے - چونکہ عرب صبح شام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے' اس لئے جنتی رزق کا وقت بھی وہی بتایا گیا ہے ورنہ جنتی جو چاہیں جب چاہیں موجود پائیں گے - چنانچہ ایک غریب منکر حدیث میں ہے کہ صبح شام کا کیا ٹھیکہ ہے رزق تو بے شمار ہر وقت موجود ہے لیکن اللہ کے دوستوں کے پاس ان اوقات میں حوریں آئیں گی جن میں ادنی درجے کی وہ ہوں گی جو صرف زعفران سے پیدا کی گئی ہیں - یہ نعمتوں والی جنتیں انہیں ملیں گی جو ظاہر باطن اللہ کے فرمانبردار تھے' جو غصہ پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے تھے' جن کی صفتیں قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کے شروع میں بیان ہوئی ہیں اور فرمایا گیا ہے کہ یہی وارث فردوس بریں ہیں جن کے لئے دوامی طور پر جنت الفردوس اللہ نے لکھ دی ہے (اللہ اے اللہ ہمیں بھی تو اپنی رحمت کاملہ سے فردوس بریں میں پہنچا' آمین)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے' ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں' تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ○ آسمانوں کا' زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' سب کا رب وہی ہے - تو اسی کی بندگی کیا کر اور اس کی عبادت پر جم جا' کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے؟ ○

جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں تاخیر کیوں؟ : ☆☆ (آیت: ۶۴-۶۵) صحیح بخاری شریف میں ہے آنحضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا' آپ جتنا آتے ہیں' اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری ہے - یہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں بہت تاخیر ہوگئی جس سے حضور ﷺ غمگین ہوئے - پھر آپ یہ آیت لے کر نازل ہوئے - روایت ہے کہ بارہ دن یا اس سے کچھ کم تک نہیں آئے تھے - جب آئے تو حضور ﷺ نے کہا' اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ مشرکین تو کچھ اور ہی اڑانے لگے تھے اس پر یہ آیت اتری - پس گویا یہ آیت سورہ والضحی کی آیت جیسی ہے - کہتے ہیں کہ چالیس دن تک ملاقات نہ ہوئی تھی جب ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا میرا شوق تو بہت ہی بے چین کئے ہوئے تھا - حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' اس سے کسی قدر زیادہ شوق خود مجھے آپ کی ملاقات کا تھا لیکن میں اللہ کے حکم کا مامور اور پابند ہوں وہاں سے جب بھیجا جاؤں تب ہی آ سکتا ہوں ورنہ نہیں' اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی - لیکن یہ روایت غریب ہے - ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے میں دیر لگائی پھر جب آئے تو حضور ﷺ نے رک جانے کی وجہ دریافت کی آپؑ نے جواب دیا کہ جب لوگ ناخن نہ کتروائیں' انگلیاں اور پوریاں صاف نہ رکھیں' مونچھیں پست نہ کرائیں' مسواک نہ کریں تو ہم کیسے آ سکتے ہیں؟ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی -

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا' مجلس درست اور ٹھیک ٹھاک کر لو آج وہ فرشتہ آ رہا ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا - ہمارے آگے پیچھے کی تمام چیزیں اسی اللہ کی ہیں یعنی دنیا اور آخرت اور اس کے درمیان کی یعنی دونوں نفخوں کے درمیان کی چیزیں بھی اسی کی تملیک کی ہیں - آنے والے امور آخرت اور گزر چکے ہوئے امور دنیا اور دنیا

آخرت کے درمیان کے امور سب اسی کے قبضے میں ہیں۔ تیرا رب بھولنے والا نہیں اس نے آپ کو اپنی یاد سے فراموش نہیں کیا نہ اس کی یہ صفت۔ جیسے فرمان وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی قسم ہے چاشت کے وقت کی اور رات کی جب وہ ڈھانپ لے نہ تو تیرا رب تجھ سے دستبردار ہے نہ ناخوش۔

ابن ابی حاتم میں ہے' آپ فرماتے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جو حرام کر دیا حرام ہے اور جس سے خاموش رہا وہ عافیت ہے تم اللہ کی عافیت کو قبول کر لو اللہ کسی چیز کا بھولنے والا نہیں پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا۔ آسمان و زمین اور ساری مخلوق کا خالق' مالک' مدبر' متصرف وہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے کسی حکم کو ٹال سکے۔ تو اسی کی عبادتیں کئے چلا جا اور اسی پر جما رہ۔ اس کے مثیل' شبیہ' ہم نام' ہم پلہ کوئی نہیں۔ وہ بابرکت ہے وہ بلندیوں والا ہے اس کے نام میں تمام خوبیاں ہیں جل جلالہ۔

وَيَقُولُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ
الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ
لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ
لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾
ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾

انسان کہہ رہا ہے جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ ○ کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ○ تیرے پروردگار کی قسم' ہم انہیں اور شیطانوں کو جمع کر کے ضرور ضرور جہنم کے اردگرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کر دیں گے ○ ہم پھر ہر ہر گروہ سے انہیں الگ نکال کھڑا کریں گے جو اللہ رحمٰن سے بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے ○ ہم انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو جہنم کے داخلے کے پورے سزاوار ہیں ○

منکرین قیامت کی سوچ: ☆☆ (آیت:۶۶) بعض منکرین قیامت' قیامت کا آنا اپنے نزدیک محال سمجھتے تھے اور موت کے بعد کا جینا ان کے خیال میں ناممکن تھا وہ قیامت کا اور اس دن کی دوسری اور نئے سرے کی زندگی کا حال سن کر سخت تعجب کرتے تھے جیسے قرآن کا فرمان ہے وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ الخ' یعنی اگر تجھے تعجب ہے تو ان کا یہ قول بھی تعجب سے خالی نہیں کہ یہ کیا' ہم جب مر کر مٹی ہو جائیں گے' پھر ہم نئی پیدائش میں پیدا کئے جائیں گے؟ سورہ یٰسین میں فرمایا' کیا انسان اسے نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ ہم سے صاف صاف جھگڑا کرنے لگا اور ہم پر ہی باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش کو بھلا کر کہنے لگا کہ ان ہڈیوں کو جو سڑ گل گئی ہیں' کون زندہ کر دے گا؟

(آیت:۶۷-۷۰) تو جواب دے کہ انہیں وہ خالق حقیقی زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا وہ ہر ایک اور ہر طرح کی پیدائش سے پورا باخبر ہے۔ یہاں بھی کافروں کے اسی اعتراض کا ذکر ہے کہ ہم مر کر' پھر زندہ ہو کر کیسے کھڑے ہو سکتے ہیں؟ جواباً فرمایا جا رہا ہے کہ کیا اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کچھ نہ تھا اور ہم نے اسے پیدا کر دیا۔ شروع پیدائش کا قائل اور دوسری پیدائش کا منکر؟ جب کچھ نہ تھا تب تو اللہ اسے کچھ کر دینے پر قادر تھا اور اب جب کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گیا' کیا اللہ قادر نہیں کہ اسے پھر سے پیدا کر دے؟ پس ابتدائے آفرینش دلیل ہے دوبارہ کی پیدائش پر۔ جس نے ابتدا کی ہے وہی اعادہ کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے ہمیشہ آسان ہوا

کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلا رہا ہے اور اسے یہ لائق نہ تھا' مجھے ابن آدم ایذا دے رہا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہیں اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے میری ابتدا کی' اعادہ نہ کرے گا حالانکہ ظاہر ہے کہ ابتدا بہ نسبت اعادہ کے مشکل ہوتی ہے اور اس کا مجھے ایذا دینا یہ ہے کہ کہتا ہے میری اولاد ہے حالانکہ میں احد ہوں' صمد ہوں' نہ میرے ماں باپ نہ اولاد' نہ میری جنس کا کوئی اور۔ مجھے اپنی ہی قسم ہے کہ میں ان سب کو جمع کروں گا اور جن جن شیطانوں کی یہ لوگ میرے سوا عبادت کرتے تھے' انہیں بھی میں جمع کروں گا' پھر انہیں جہنم کے سامنے لاؤں گا جہاں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے جیسے فرمان ہے وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ہر امت کو تو دیکھے گا کہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قیام کی حالت میں ان کا حشر ہوگا۔ جب تمام اول و آخر جمع ہو جائیں گے تو ہم ان میں سے بڑے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو الگ کر لیں گے' ان کے رئیس و امیر اور بدیوں و برائیوں کے پھیلانے والے ان کے یہ پیشوا' انہیں شرک و کفر کی تعلیم دینے والے' انہیں اللہ کے گناہوں کی طرف مائل کرنے والے علیحدہ کر لئے جائیں گے جیسے فرمان ہے حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَکُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا الخ' جب وہاں سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے اگلوں کی بابت کہیں گے کہ الٰہی انہی لوگوں نے ہمیں بہکا رکھا تھا تو انہیں دگنا عذاب کر الخ۔ پھر خبر کا خبر پر عطف ڈال کر فرماتا ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ عذابوں کا اور دائمی عذابوں کا اور جہنم کی آگ کا سزاوار کون کون ہے؟ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ فرمائے گا لِکُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ہر ایک کے لئے دوہرا عذاب ہے لیکن تم علم سے کورے ہو۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ﴿۷۱﴾
ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے' یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصل شدہ امر ہے ○ پھر ہم پرہیزگاروں کو تو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے ○

جہنم میں دخول یا ورود؟: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۲) مسند امام احمد بن حنبل کی ایک غریب حدیث میں ہے' ابو سمیہ فرماتے ہیں جس ورود کا اس آیت میں ذکر ہے' اس بارے میں ہم میں اختلاف ہوا کوئی کہتا تھا مومن اس میں داخل نہ ہوں گے' کوئی کہتا تھا داخل تو ہوں گے لیکن پھر بہ سبب اپنے تقویٰ کے نجات پا جائیں گے میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مل کر اس بات کو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' وارد تو سب ہوں گے۔ اور روایت میں ہے کہ داخل تو سب ہوں گے ہر ایک نیک بھی اور ہر ایک بد بھی لیکن مومنوں پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر تھی یہاں تک کہ اس ٹھنڈک کی شکایت خود آگ کرنے لگے گی پھر ان متقی لوگوں کا وہاں سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ خالد بن معدان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے' کہیں گے کہ اللہ نے تو فرمایا تھا کہ ہر ایک پر جہنم وارد ہونے والا ہے اور ہمارا ورود تو ہوا ہی نہیں تو ان سے فرمایا جائے گا کہ تم وہیں سے گزر کر تو آ رہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت آگ ٹھنڈی کر دی تھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار اپنی بیوی صاحبہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے جو رونے لگے آپ کی اہلیہ صاحبہ بھی رونے لگیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیسے روئیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو روتا دیکھ کر۔ آپ نے فرمایا مجھے تو آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ الخ' یاد آ گئی اور رونا آ گیا۔ مجھے کیا معلوم کہ میں نجات پاؤں گا یا نہیں؟ اس وقت آپ بیمار تھے۔ حضرت ابو میسرہ رحمتہ

اللہ علیہ جب رات کو اپنے بستر ے پر سونے کے لئے جاتے تو رونے لگتے اور زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کہ کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آخر اس رونے دھونے کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا یہی آیت ہے۔ یہ تو ثابت ہے کہ وہاں جانا ہوگا اور یہ نہیں معلوم کہ نجات بھی ہوگی یا نہیں؟ ایک بزرگ شخص نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمیں جہنم پر سے گزرنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا' ہاں یقیناً معلوم ہے۔ پھر پوچھا' کیا یہ بھی جانتے ہو کہ وہاں سے پار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے فرمایا' اس کا کوئی علم نہیں' پھر ہمارے لئے ہنسی خوشی کیسی؟ یہ سن کر جب سے لے کر موت کی گھڑی تک ان کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی - نافع بن ارزق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارے میں مخالف تھا کہ یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے تو آپ نے دلیل میں آیت قرآن اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ پیش کر کے فرمایا' دیکھو یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے یا نہیں؟ پھر آپ نے دوسری آیت تلاوت فرمائی يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ اور فرمایا بتلاؤ فرعون اپنی قوم کو جہنم میں لے جائے گا یا نہیں؟ پس اب غور کرو کہ ہم اس میں داخل تو ضرور ہوں گے اب نکلیں گے بھی یا نہیں؟ غالباً تجھے تو اللہ نہ نکالے گا اس لئے کہ تو اس کا منکر ہے یہ سن کر نافع کھسیانہ ہو کر ہنس دیا۔ یہ نافع خارجی تھا اس کی کنیت ابوراشد تھی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے آیت وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا بھی پڑھی تھی۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ پہلے بزرگ لوگوں کی ایک دعا یہ بھی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اَخْرِجْنِىْ مِنَ النَّارِ سَالِمًا وَّاَدْخِلْنِىْ الْجَنَّةَ غَانِمًا اے اللہ مجھے جہنم سے صحیح سالم نکال لے اور جنت میں ہنسی خوشی پہنچا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوداؤد طیالسی میں یہ بھی مروی ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ ظالم لوگ ہیں' اسی طرح ہم اس آیت کو پڑھتے تھے یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نیک بد سب وارد ہوں گے۔ دیکھو فرعون اور اس کی قوم کے لئے اور گنہگاروں کے لئے بھی ورود کا لفظ دخول کے معنی میں خود قرآن کریم کی دو آیتوں میں وارد ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' وارد تو سب ہوں گے' پھر گزر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پل صراط سے سب کو گزرنا ہوگا۔ یہی آگ کے پاس کھڑا ہونا ہے۔ اب بعض تو بجلی کی طرح گزر جائیں گے' بعض ہوا کی طرح' بعض پرندوں کی طرح' بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح' بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح' بعض تیز چال والے پیدل انسان کی طرح یہاں تک کہ سب سے آخر جو مسلمان اس سے پار ہوگا' یہ وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا' گرتا پڑتا نجات پائے گا' پل صراط پھسلنی چیز ہے جس پر ببول جیسے اور گوکھرو جیسے کانٹے ہیں دونوں طرف فرشتوں کی صفیں ہوں گی جن کے ہاتھوں میں جہنم کے انکس ہوں گے جن سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو جہنم میں دھکیل دیں گے الخ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا۔ پہلا گروہ تو بجلی کی طرح آن کی آن میں پار ہو جائے گا' دوسرا گروہ ہوا کی طرح جائے گا' تیسرا تیز رفتار گھوڑوں کی طرح' چوتھا تیز رفتار جانور کی طرح فرشتے ہر طرف سے دعائیں کر رہے ہوں گے کہ اے اللہ سلامت رکھ الٰہی بچا لے۔

صحیحین کی بہت سی مرفوع حدیثوں میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جہنم اپنی پیٹھ پر تمام لوگوں کو جمالے گی جب سب نیک و بد جمع ہو جائیں گے تو حکم باری ہوگا کہ اپنے والوں کو تو پکڑ لے اور جنتیوں کو چھوڑ دے اب جہنم سب برے لوگوں کا نوالہ کر جائے گی وہ برے لوگوں کو اس طرح جانتی پہچانتی ہے جس طرح تم اپنی اولاد کو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مومن صاف بچ

جائیں گے۔ سنو جہنم کے داروغوں کے قد ایک سو سال کی راہ کے ہیں ان میں سے ہر ایک کے پاس گرز ہیں ایک مارتے ہیں تو سات لاکھ آدمیوں کا چورا ہو جاتا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے رب کی ذات پاک سے امید ہے کہ بدر اور حدیبیہ کے جہاد میں جو ایمان دار شریک تھے ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا' یہ کیسے؟ قرآن تو کہتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے تو آپ نے اس کے بعد کی دوسری آیت پڑھ دی کہ متقی لوگ اس سے نجات پا جائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں رہ جائیں گے۔ صحیحین میں ہے کہ جس کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں' اسے آگ نہ چھوئے گی مگر صرف قسم پوری ہونے کے طور پر۔ اس سے مراد یہی آیت ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بخار چڑھا ہوا تھا جس کی عیادت کے لئے رسول مقبول ﷺ ہمارے ساتھ تشریف لے چلے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جناب باری عزوجل کا فرمان ہے کہ یہ بخار بھی ایک آگ ہے۔ میں اپنے مومن بندوں کو اس میں اس لئے مبتلا کرتا ہوں کہ یہ جہنم کی آگ کا بدلہ ہو جائے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی فرما کر پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو شخص سورہ قل هو الله احد دس مرتبہ پڑھ لے' اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر تو ہم بہت سے محل بنا لیں گے۔ آپ نے جواب دیا اللہ کے پاس کوئی کمی نہیں وہ بہتر سے بہتر اور بہت سے بہت دینے والا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحوں میں لکھ لیں گے' فی الواقع ان کا ساتھ بہترین ساتھیوں کا ساتھ ہے۔ اور جو شخص کسی تنخواہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی خوشی کے لئے مسلمان لشکروں کی ان کی پشت کی طرف سے حفاظت کرنے کے لئے پہرہ دے' وہ اپنی آنکھ سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے' تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے۔ اللہ کی راہ میں اس کا ذکر کرنا' خرچ کرنے سے بھی سات سو گنا زیادہ اجر رکھتا ہے اور روایت میں ہے سات ہزار گنا۔ ابوداؤد میں ہے کہ نماز' روزہ اور ذکر اللہ اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنا درجہ رکھتے ہیں۔

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس آیت سے گزرنا ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں' مسلمان تو پل صراط سے گزر جائیں گے اور مشرک جہنم میں جائیں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' اس دن بہت سے مرد عورت اس پر سے پھسل پڑیں گے۔ اس کے دونوں کنارے فرشتوں کی صف بندی ہو گی جو اللہ سے سلامتی کی دعائیں کر رہے ہوں گے۔ یہ تو اللہ کی قسم ہے جو پوری ہو کر رہے گی اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمے لازم کر چکا ہے۔ پل صراط پر جانے کے بعد پرہیزگار تو پار ہو جائیں گے۔ ہاں کافر گنہگار اپنے اپنے اعمال کے مطابق نجات پائیں گے جیسے عمل ہوں گے' اتنی دیر وہاں لگ جائے گی۔ پھر نجات یافتہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی سفارش کریں گے۔ ملائکہ شفاعت کریں گے اور انبیاء بھی۔ پھر بہت سے لوگ تو جہنم میں سے اس حالت میں نکلیں گے کہ آگ انہیں کھا چکی ہو گی مگر چہرے کی سجدہ کی جگہ بچی ہوئی ہو گی۔ پھر اپنے اپنے باقی ایمان کے حساب سے دوزخ سے نکالے جائیں گے جن کے دلوں میں بقدر دینار کے ایمان ہو گا' وہ اول نکلیں گے' پھر اس سے کم والے' پھر اس سے کم والے یہاں تک کہ رائی کے دانے کے برابر ایمان والے' پھر اس سے کم والے' پھر اس سے بھی کمی والے' پھر وہ جس نے اپنی پوری عمر میں لا الہ الا اللہ کہہ دیا ہو گو کچھ بھی نیکی نہ کی ہو۔ پھر تو جہنم میں وہی رہ جائیں گے جن پر ہمیشہ اور دوام لکھا جا چکا ہے۔ یہ تمام خلاصہ ہے ان حدیثوں کا جو صحت کے ساتھ آ چکی ہیں۔ پس پل صراط پر جانے کے بعد نیک لوگ پار ہو جائیں گے اور بد لوگ کٹ کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝۷۳ وَكَمْ
اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝۷۴

جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں' بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟ اور کس کی مجلس شاندار ہے ○ ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور نام و نمود میں ان سے بہت بڑھ چڑھ کر تھیں ○

کثرت مال فریب زندگی: ☆☆ (آیت: ۷۳-۷۴) اللہ کی صاف' صریح آیتوں سے پروردگار کے دلیل و برہان والے کلام سے کفار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا وہ ان سے منہ موڑ لیتے ہیں' دیدے پھیر لیتے ہیں اور اپنی ظاہری شان و شوکت سے انہیں مرعوب کرنا چاہتے ہیں- کہتے ہیں' بتاؤ کس کے مکانات پر تکلف ہیں اور کس کی بیٹھکیں سجی ہوئی ہیں اور آباد اور بارونق ہیں؟ پس ہم جو کہ مال و دولت و شان و شوکت' عزت و آبرو میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں' ہم اللہ کے پیارے ہیں؟ یا یہ جو کہ چھپے پھرتے ہیں' کھانے پینے کو نہیں پاتے- کہیں ارقم بن ابوارقم کے گھر میں چھپتے ہیں- کہیں اور ادھر ادھر بھاگے پھرتے ہیں- جیسے اور آیت میں ہے- کافروں نے کہا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو اسے پہلے ہم مانتے یا یہ؟ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی یہی کہا تھا کہ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ تیرے ماننے والے تو سب غریب محتاج لوگ ہیں ہم تیرے تابعدار نہیں بن سکتے - اور آیت میں ہے کہ اسی طرح انہیں دھوکہ لگ رہا ہے اور کہہ اٹھتے ہیں کہ کیا یہی وہ اللہ کے پیارے بندے ہیں جنہیں اللہ نے ہم پر فضیلت دی ہے؟ پھر ان کے اس مغالطے کا جواب دیا کہ ان سے پہلے ان سے بھی ظاہرداری میں بڑھے ہوئے اور مالداری میں آگے نکلے ہوئے لوگ تھے لیکن ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہم نے انہیں تہس نہس کر دیا- ان کی مجلسیں' ان کے مکانات' ان کی قومیں' ان کی مالداریاں ان سے سوا تھیں شان و شوکت میں' ٹیپ ٹاپ میں' تکلفات میں امارت اور شرافت میں ان سے کہیں زیادہ تھے- ان کے تکبر اور عناد کی وجہ سے ہم نے ان کا بھس اڑا دیا- غارت اور برباد کر دیا- فرعونیوں کو دیکھ لو ان کے باغات' ان کی نہریں' ان کی کھیتیاں' ان کے شاندار مکانات اور عالیشان محلات اب تک موجود ہیں اور وہ غارت کر دیئے گئے مچھلیوں کا لقمہ بن گئے- مقام سے مراد مسکن اور نعمتیں ہیں- ''ندی'' سے مراد مجلسیں اور بیٹھکیں ہیں- عرب میں بیٹھکوں اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں کو نادی اور ندی کہتے ہیں جیسے آیت وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ میں ہے یہی ان مشرکین کا قول تھا کہ ہم بہ اعتبار دنیا کے تم سے بہت بڑھے ہوئے ہیں لباس میں' مال میں' متاع میں' صورت شکل میں' ہم تم سے افضل ہیں-

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ڬ حَتّٰٓى
اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ
مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝۷۵ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا
هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ
مَّرَدًّا ۝۷۶

کہہ دے کہ جو گمراہی میں ہوتا ہے' اللہ رحمان اس کو خوب لمبا کھینچ لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں جن کا وعدہ دیئے جاتے ہیں یعنی عذاب یا قیامت کو' اس وقت ان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑے مرتبے والا ہے اور کس کا جتھا کمزور ہے ○ راہ یافتہ لوگوں کی ہدایت اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہتا ہے' باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں ○

مشرکوں سے مباہلہ: ☆☆ (آیت:۷۵) ان کافروں کو جو تمہیں ناحق پر اور اپنے تئیں حق پر سمجھ رہے ہیں اور اپنی خوش حالی اور فارغ البالی پر اطمینان کئے بیٹھے ہوئے ہیں' ان سے کہہ دیجئے کہ گمراہوں کی رسی دراز ہوتی ہے' انہیں اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے جب تک کہ قیامت نہ آ جائے یا ان کی موت نہ آ جائے۔ اس وقت انہیں پورا پتہ چل جائے گا کہ فی الواقع برا شخص کون تھا اور کس کے ساتھی کمزور تھے۔ دنیا تو ڈھلتی چڑھتی چھاؤں ہے نہ خود اس کا اعتبار نہ اس کے سامان اسباب کا۔ یہ تو اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہیں گے۔ گویا اس آیت میں مشرکوں سے مباہلہ ہے۔ جیسے یہودیوں سے سورۂ جمعہ میں مباہلہ کی آیت ہے کہ آؤ ہمارے مقابلہ میں موت کی تمنا کرو۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں مباہلے کا ذکر ہے کہ جب تم اپنے خلاف دلیلیں سن کر بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے مدعی ہو تو آؤ بال بچوں سمیت میدان میں جا کر جھوٹے پر لعنت اللہ پڑنے کی دعا کریں۔ پس نہ تو مشرکین مقابلے پر آئے نہ یہود کی ہمت پڑی نہ نصرانی مرد میدان بنے۔

گمراہوں کی گمراہی میں ترقی: ☆☆ (آیت:۷۶) جس طرح گمراہوں کی گمراہی بڑھتی رہتی ہے' اسی طرح ہدایت والوں کی ہدایت بڑھتی رہتی ہے جیسے فرمان ہے کہ جہاں کوئی سورت اترتی ہے' بعض لوگ کہنے لگتے ہیں' تم میں سے کسے اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا؟ الخ باقیات صالحات کی پوری تفسیر ان ہی لفظوں کی تشریح میں سورہ کہف میں گزر چکی ہے۔ یہاں فرماتا ہے کہ یہی پائیدار نیکیاں جزا اور ثواب کے لحاظ سے اور انجام اور بدلے کے لحاظ سے نیکوں کے لئے بہتر ہیں۔ عبدالرزاق میں ہے کہ ایک دن حضور ﷺ ایک خشک درخت تلے بیٹھے ہوئے تھے اس کی شاخ پکڑ کر ہلائی تو سوکھے پتے جھڑنے لگے آپؐ نے فرمایا' دیکھو اسی طرح انسان کے گناہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے سے جھڑ جاتے ہیں۔ اے ابو درداء ان کا ورد رکھ اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے کہ تو انہیں نہ کہہ سکے' یہی باقیات صالحات ہیں' یہی جنت کے خزانے ہیں۔ اس کو سن کر حضرت ابو درداء کا یہ حال تھا کہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے کہ واللہ میں تو ان کلمات کو پڑھتا ہی رہوں گا کبھی ان سے زبان نہ روکوں گا گو لوگ مجھے مجنوں کہنے لگیں۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث دوسری سند سے ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ
الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا
يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ
وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو مال و اولاد ضرور ہی دی جائے گی ○ کیا وہ غیب کو جھانک آیا ہے؟ یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ○ ہرگز نہیں' یہ جو بھی کہہ رہا ہے' ہم اسے ضرور لکھ لیں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے۔ یہ جن چیزوں کی کہہ رہا ہے' اسے ہم اس کے بعد لے لیں گے اور یہ بالکل اکیلا ہی ہمارے سامنے حاضر ہوگا ○

عیار مقروض اور حضرت خبابؓ: ☆☆ (آیت:۷۷-۸۰) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں لوہار تھا اور میرا

کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمے تھا میں اس سے تقاضا کرنے کو گیا تو اس نے کہا میں تو تیرا قرض اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک کہ تو حضرت محمد ﷺ کی تابعداری سے نہ نکل جائے میں نے کہا' میں تو یہ کفر اس وقت تک بھی نہیں کر سکتا کہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو- اس کافر نے کہا' بس تو پھر یہی رہی' جب میں مرنے کے بعد زندہ ہوں گا تو ضرور مجھے میرا مال اور میری اولاد بھی ملے گی' وہیں تیرا قرض بھی ادا کر دوں گا تو آ جانا- اس پر یہ آیت اتری- (بخاری و مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مکے میں اس کی تلوار بنائی تھی' اس کی اجرت میری ادھار تھی- فرماتا ہے کہ کیا اسے غیب کی خبر مل گئی؟ یا اس نے اللہ رحمٰن سے کوئی قول و قرار لے لیا؟ اور روایت میں ہے کہ اس پر میرے بہت سے درہم بطور قرض کے چڑھ گئے تھے اس لئے مجھے جو جواب دیا' میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا اس پر یہ آیتیں اتریں- اور روایت میں ہے کہ کئی ایک مسلمانوں کا قرض اس کے ذمے تھا ان کے تقاضوں پر اس نے کہا کہ کیا تمہارے دین میں یہ نہیں کہ جنت میں سونا چاندی' ریشم' پھل پھول وغیرہ ہوں گے؟ ہم نے کہا ہاں ہے تو کہا بس تو یہ چیزیں مجھے ضرور ملیں گی میں وہیں تم سب کو دے دوں گا- پس یہ آیتیں فَرْدًا تک اتریں- وَلَدًا کی دوسری قرات واؤ کے پیش سے بھی ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبر سے تو مفرد کے معنی میں ہے اور پیش سے جمع کے معنی میں ہے- قیس قبیلے کا یہی لغت ہے واللہ اعلم-

اس مغرور کو جواب ملتا ہے کہ کیا اسے غیب پر اطلاع ہے؟ اسے آخرت کے اپنے انجام کی خبر ہے جو یہ قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے؟ یا اس نے اللہ سے کوئی قول و قرار عہد و پیمان لیا ہے یا اس نے اللہ کی توحید مان لی ہے؟ کہ اس کی وجہ سے اسے دخول جنت کا یقین ہو؟ چنانچہ آیت قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا میں اللہ کی وحدانیت کے کلمے کا قائل ہو جانا ہی مراد لیا گیا ہے- پھر اس کے کلام کی تاکید کے ساتھ نفی کی جاتی ہے- اور اس کے خلاف موکد بیان ہو رہا ہے کہ اس کا یہ غرور کا کلمہ بھی ہمارے ہاں لکھا جا چکا ہے اس کا کفر بھی ہم پر روشن ہے- دار آخرت میں تو اس کے لئے عذاب ہی عذاب ہے جو ہر وقت بڑھتا رہے گا- اسے مال و اولاد وہاں بھی ملنا تو کجا' اس کے برعکس دنیا کا مال و متاع اور اولاد و کنبہ بھی اس سے چھین لیا جائے گا اور وہ تن تنہا ہمارے حضور میں پیش ہوگا- ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں وَنَرِثُه' مَاعِنْدَه ہے- اس کی جمع جتھا اور اس کے عمل ہمارے قبضے میں ہیں- یہ تو خالی ہاتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ہمارے سامنے پیش ہوگا-

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ؕ
سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ ع ٥ ١٧ ٨
اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا
تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کے لئے باعث عزت ہوں لیکن ایسا ہرگز ہونا نہیں ○ وہ تو ان کی پوجا سے منکر ہو جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں کے پاس شیطانوں کو بھیجتے ہیں جو انہیں خوب ہی اکساتے رہتے ہیں ○ تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر' ہم تو خود ہی ان کے لئے مدت شماری کر رہے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کے سوا معبود: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۴) کافروں کا خیال ہے کہ ان کے اللہ کے سوا اور معبود ان کے حامی و مددگار رہوں گے- غلط

خیال ہے بلکہ محال ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس اور بالکل برعکس ہے۔ ان کی پوری محتاجی کے دن یعنی قیامت میں یہ صاف منکر ہو جائیں گے اور اپنے عابدوں کے دشمن بن کر کھڑے ہوں گے۔ جیسے فرمایا' ان سے بڑھ کر بدراہ اور گم کردہ راہ کون ہے جو اللہ کو چھوڑ انہیں پکار رہا ہے۔ جو قیامت تک جواب نہ دے سکیں' ان کی دعا سے بالکل غافل ہوں اور روز محشر ان کے دشمن بن جائیں اور ان کی عبادت کا بالکل انکار کر جائیں۔ کَلَّا کی دوسری قرات کُلٌّ بھی ہے۔ خود یہ کفار بھی اس دن اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ کا انکار کر جائیں گے۔ یہ سب عابد و معبود جہنمی ہوں گے' ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ وہ اس پر' یہ اس پر لعنت و پھٹکار کرے گا' ہر ایک دوسرے پر ڈالے گا' ایک دوسرے کو برا کہے گا' سخت تر جھگڑے پڑیں گے' سارے تعلقات کٹ جائیں گے' ایک دوسرے کے کھلے دشمن ہو جائیں گے مدد تو کہاں مروت تک نہ ہو گی۔ معبود عابدوں کے لئے اور عابد معبودوں کے لئے بلائے بے درماں حسرت بے پایاں ہو جائیں گے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان کافروں کو ہر وقت شیاطین نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں' مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں' آرزو میں بڑھاتے رہتے ہیں' طغیان اور سرکشی میں آگے کرتے رہتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ ذکر رحمٰن سے منہ موڑنے والے شیطان کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ تو جلدی نہ کر' ان کے لئے کوئی بد دعا نہ کر' ہم نے خود عمداً انہیں ڈھیل دے رکھی ہے انہیں بڑھتا رہنے دے آخر وقت مقررہ پر دبوچ لئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے' انہیں تو کچھ یونہی سی ڈھیل ہے جس میں یہ اپنے گناہوں میں بڑھے چلے جا رہے ہیں آخر سخت عذابوں کی طرف بے بسی کے ساتھ جا پڑیں گے تم فائدہ حاصل کر لو لیکن یاد رکھو کہ تمہارا اصلی ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔ ہم ان کے سال' مہینے' دن اور وقت شمار کر رہے ہیں ان کے سانس بھی ہمارے گنے ہوئے ہیں مقررہ وقت پورا ہوتے ہی عذابوں میں پھنس جائیں گے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

جس دن ہم پرہیزگاروں کو اللہ رحمٰن کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے ○ اور گنہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے ○ کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے ان کے جنہوں نے اللہ کی طرف سے کوئی قول قرار لے لیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۷) جو لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان لائے' پیغمبروں کی تصدیق کی' اللہ کی فرمانبرداری کی' گناہوں سے بچے رہے' پروردگار کا ڈر دل میں رکھا' وہ اللہ کے ہاں بطور معزز مہمانوں کے جمع ہوں گے۔ نورانی سانڈنیوں کی سواری پر آئیں گے اور الٰہی مہمان خانے میں بہ عزت داخل کئے جائیں گے۔ ان کے برخلاف بے ترس' گنہگار' رسولوں کے دشمن دھکے کھا کھا کر اوندھے منہ گھسٹتے ہوئے پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے جبراً قہراً جہنم کے پاس جمع کئے جائیں گے۔ اب بتلاؤ کہ کون مرتبے والا اور کون اچھے ساتھیوں والا ہے؟ مومن اپنی قبر سے منہ اٹھا کر دیکھے گا کہ اس کے سامنے ایک حسین خوبصورت شخص پاکیزہ پوشاک پہنے' خوشبو سے مہکتا چمکتا دمکتا چہرہ لئے کھڑا ہے پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا آپ نے پہچانا نہیں میں تو آپ کے نیک اعمال کا مجسمہ ہوں آپ کے عمل نورانی حسین اور مہکتے ہوئے تھے' آیئے اب آپ کو میں اپنے کندھوں پر چڑھا کر بہ عزت و اکرام محشر میں لے چلوں گا کیونکہ دنیا کی زندگی میں میں آپ پر سوار رہا ہوں۔ پس مومن اللہ کے پاس سواری پر سوار جائے گا۔ ان کی سواری کے لئے نورانی اونٹ بھی مہیا ہوں گے۔ یہ سب ہنسی خوشی آبرو

عزت کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، وفد کا یہ دستور ہی نہیں کہ وہ پیدل آئے۔ یہ متقی حضرات ایسی نورانی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق کی نگاہوں میں ان سے بہتر کوئی سواری کبھی نہیں آئی ان کے پالان سونے کے ہوں گے یہ جنت کے دروازوں تک ان ہی سواریوں پر جائیں گے۔ ان کی نکیلیں زبرجد کی ہوں گی۔ ایک مرفوع روایت میں ہے لیکن حدیث بہت ہی غریب ہے۔

ابن ابی حاتم کی روایت ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے اس آیت کی تلاوت کی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ وفد تو سواری پر سوار آیا کرتا ہے آپ نے فرمایا قسم اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ پارسا لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور اسی وقت سفید رنگ نورانی پردار اونٹنیاں اپنی سواری کے لئے موجود پائیں گے، جن پر سونے کے پالان ہوں گے، جن کے پیروں سے نور بلند ہو رہا ہوگا، جو ایک ایک قدم اتنی دور رکھیں گی جہاں تک نگاہ کام کرے۔ یہ ان پر سوار ہو کر ایک جنتی درخت کے پاس پہنچیں گے جہاں سے دو نہریں جاری دیکھیں گے ایک کا پانی پئیں گے جس سے ان کے دلوں کے میل دور ہو جائیں گے دوسری میں غسل کریں گے جس سے ان کے جسم نورانی ہو جائیں گے اور بال جم جائیں گے۔ اس کے بعد نہ کبھی ان کے بال الجھیں نہ پنڈے میلے ہوں ان کے چہرے چمک اٹھیں گے اور یہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے۔ سرخ یاقوت کا حلقہ سونے کے دروازے پر ہوگا جسے یہ کھٹکھٹائیں گے نہایت سریلی آواز اس سے نکلے گی اور حوروں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے خاوند آ گئے۔ خازن جنت آئیں گے اور دروازے کھولیں گے جنتی ان کے نورانی جسموں اور شگفتہ چہروں کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا چاہیں گے لیکن وہ فوراً کہہ اٹھے گا کہ میں تو آپ کا تابع ہوں، آپ کا حکم بردار ہوں اب ان کے ساتھ یہ چلیں گے۔ ان کی حوریں تاب نہ لا سکیں گی اور خیموں سے نکل کر ان سے چمٹ جائیں گی اور کہیں گی کہ آپ ہمارے سرتاج ہیں ہمارے محبوب ہیں میں ہمیشہ آپ کی والی ہوں جو موت سے دور ہوں، میں نعمتوں والی ہوں کہ کبھی میری نعمتیں ختم نہ ہوں گی، میں خوش رہنے والی ہوں کہ کبھی نہ روٹھوں گی، میں یہیں رہنے والی ہوں کہ کبھی آپ سے دور نہ ہوؤں گی یہ اندر داخل ہوں گے دیکھیں گے کہ سو سو گز بلند بالا خانے ہیں، لولو اور موتیوں پر زرد سرخ سبز رنگ کی دیواریں سونے کی ہیں۔ ہر دیوار ایک دوسرے کی ہم شکل ہے، ہر مکان میں ستر تخت ہیں ہر تخت پر ستر حوریں ہیں ہر حور پر ستر جوڑے ہیں تاہم ان کی کمر جھلک رہی ہے ان کے جماع کی مقدار دنیا کی پوری ایک رات کے برابر ہوگی۔ صاف شفاف پانی کی، خالص دودھ کی جو جانوروں کے تھن سے نہیں نکلا، بہترین خوش ذائقہ بے ضرر شراب طہور کی جسے کسی انسان نے نہیں، نچوڑا، عمدہ خالص شہد کی جو مکھیوں کے پیٹ سے نہیں نکلا، نہریں بہہ رہی ہوں گی پھلدار درخت میووں سے لدے ہوئے جھوم رہے ہوں گے چاہے کھڑے کھڑے میوے توڑ لیں چاہے بیٹھے بیٹھے چاہے لیٹے لیٹے۔ سبز و سفید پرند اڑ رہے ہیں جس کا گوشت کھانے کو جی چاہا، وہ خود بخود حاضر ہو گیا جہاں کا گوشت کھانا چاہا کھا لیا اور پھر وہ قدرت اللہ سے زندہ چلا گیا۔ چاروں طرف سے فرشتے آ رہے ہیں اور سلام کہہ رہے ہیں اور بشارتیں سنا رہے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ یہی وہ جنت ہے جس کی تم خوشخبریاں دیئے جاتے رہے اور آج اس کے مالک بنا دیئے گئے ہو۔ یہ ہے بدلہ تمہارے نیک اعمال کا جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ ان کی حوروں میں سے اگر کسی کا ایک بال بھی زمین پر ظاہر کر دیا جائے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔ یہ حدیث تو مرفوع بیان ہوئی ہے لیکن تعجب نہیں کہ یہ موقوف ہی ہو جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

ٹھیک اس کے برعکس گنہگار لوگ اوندھے منہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے، جانوروں کی طرح دھکے دے کر جہنم کی طرف جمع کئے

جائیں گے اس وقت پیاس کے مارے ان کی حالت بری ہو رہی ہوگی۔ کوئی ان کی شفاعت کرنے والا، ان کے حق میں ایک بھلا لفظ نکالنے والا نہ ہوگا۔ مومن تو ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے لیکن یہ بدنصیب اس سے محروم ہیں۔ یہ خود کہیں گے کہ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ہمارا کوئی سفارشی نہیں، نہ سچا دوست ہے۔ ہاں جنہوں نے اللہ سے عہد لے لیا ہے، یہ استثنا منقطع ہے۔ مراد اس عہد سے اللہ کی توحید کی گواہی اور اس پر استقامت ہے یعنی صرف اللہ کی عبادت، دوسروں کی پوجا سے برات، مدد کی اس سے امید، تمام آرزوؤں کے پورا ہونے کی اسی سے آس۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ان موحدین نے اللہ کا وعدہ حاصل کر لیا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس سے میرا عہد ہے، وہ کھڑا ہو جائے۔ لوگوں نے کہا حضرت ہمیں بھی وہ بتا دیجئے آپ نے فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ فَاِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اَنَّکَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَ یُبَاعِدُنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَ اِنِّیْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اور روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے خَآئِفًا مُّسْتَجِیْرًا مُّسْتَغْفِرًا رَّاھِبًا رَاغِباً اِلَیْکَ (ابن ابی حاتم)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ
عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے ○ یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو ○ قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑوں کے ریزے ہو جائیں ○ کہ تم اللہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے ہو ○ شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے ○ آسمان و زمین میں جو بھی ہیں، سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں ○ ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے ○ یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں ○

عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۸۸-۹۵) اس مبارک سورت کے شروع میں اس بات کا ثبوت گزر چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے باپ کے بغیر اپنے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے یہاں ان لوگوں کی نادانی بیان ہو رہی ہے جو آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ جس سے ذات اللہ پاک ہے۔ ان کے قول کو بیان فرمایا پھر فرمایا، یہ بڑی بھاری بات ہے اِدًّا اور اَدًّا اور اٰدًّا تینوں لغت ہیں لیکن مشہور اِدًّا ہے۔ ان کی یہ بات اتنی بری ہے کہ آسمان کپکپا کر ٹوٹ پڑے اور زمین جھٹکے لے لے کر پھٹ جائے اس لئے کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت جانتے ہیں، ان میں رب کی توحید سمائی ہوئی ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ان بدکار بے سمجھ انسانوں نے اللہ کی ذات پر تہمت باندھی ہے، نہ اس کی جنس کا کوئی نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ اس کا کوئی شریک نہ اس جیسا کوئی۔ تمام مخلوق اس کی وحدانیت کی شاہد ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی توحید پر دلالت کرنے والا ہے۔ اللہ کے

ساتھ شرک کرنے والوں کے شرک سے ساری مخلوق کانپ اٹھتی ہے۔ قریب ہوتا ہے کہ انتظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ شرک کے ساتھ کوئی نیکی کارآمد نہیں ہوتی۔ کیا عجب کہ اس کے برعکس توحید کے ساتھ کے گناہ کل کے کل اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔

جیسے کہ حدیث میں ہے' اپنے مرنے والوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کی تلقین کرو۔ موت کے وقت جس نے اسے کہہ لیا' اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا' حضور ﷺ جس نے زندگی میں کہہ لیا' فرمایا! اس کے لئے اور زیادہ واجب ہو گئی۔ قسم اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ زمین و آسمان اور ان کی اور ان کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی تمام چیزیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دوسرے پلڑے میں رکھی جائے تو وہ ان سب سے وزن میں بڑھ جائے۔ اسی کی مزید دلیل وہ حدیث ہے جس میں توحید کے ایک چھوٹے سے پرچے کا گناہوں کے بڑے بڑے دفتروں سے وزنی ہو جانا آیا ہے واللہ اعلم۔ پس ان کا یہ مقولہ اتنا بد ہے جسے سن کر آسمان بوجہ اللہ کی عظمت کے کانپ اٹھے اور زمین بوجہ غضب کے پھٹ جائے اور پہاڑ پاش پاش ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا آج کوئی ایسا شخص بھی تجھ پر چڑھا جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو؟ وہ خوشی سے جواب دیتا ہے کہ ہاں۔ پس پہاڑ بھی باطل اور جھوٹ بات کو اور بھلی بات کو کرتے ہیں دیگر کلام نہیں کرتے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب زمین کو اور اس کے درختوں کو پیدا کیا تو ہر درخت ابن آدم کو پھل پھول اور نفع دیتا تھا مگر جب زمین پر رہنے والے لوگوں نے اللہ کے لئے اولاد کا لفظ بولا تو زمین ہل گئی اور درختوں میں کانٹے پڑ گئے۔ کعب کہتے ہیں' ملائکہ غضبناک ہوگئے اور جہنم زور شور سے بھڑک اٹھی۔ مسند احمد میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ لوگوں کی ایذا دہندہ باتوں پر اللہ سے زیادہ صابر کوئی نہیں لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں' اس کی اولادیں مقرر کرتے ہیں اور وہ انہیں عافیت دے رہا ہے' روزیاں پہنچا رہا ہے' برائیاں ان سے ٹالتا رہتا ہے۔ پس ان کی اس بات سے کہ اللہ کی اولاد ہے' زمین و آسمان اور پہاڑ تک تنگ ہیں۔ اللہ کی عظمت وشان کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں اولاد ہو۔ اس کے لڑکے لڑکیاں ہوں اس لئے کہ تمام مخلوق اس کی غلامی میں ہے اس کی جوڑ کا یا اس جیسا کوئی اور نہیں۔ زمین و آسمان میں جو ہیں' سب اس کے زیر فرمان اور حاضر باش غلام ہیں۔ وہ سب کا آقا' سب کا پالنہار' سب کی خبر لینے والا ہے۔ سب کی گنتی اس کے پاس ہے سب کو اس کے علم نے گھیر رکھا ہے سب اس کی قدرت کے احاطے میں ہیں۔ ہر مرد وعورت چھوٹے بڑے کی اسے اطلاع ہے شروع پیدائش سے ختم دنیا تک کا اسے علم ہے۔ اس کا کوئی مددگار نہیں نہ اس کا شریک وساجھی۔ ہر ایک بے یار و مددگار اس کے سامنے قیامت کے روز پیش ہونے والا ہے ساری مخلوق کے فیصلے اس کے ہاتھ میں' وہی وحدہ لاشریک لہ' سب کے حساب کتاب چکائے گا جو چاہے گا کرے گا۔ عادل ہے ظالم نہیں' کسی کی حق تلفی اس کی شان سے بعید ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا
فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾
وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ
تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع ۶ ۱۶

بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کئے ہیں' ان کے لئے اللہ رحمن محبت پیدا کر دے گا۔ ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا ہے۔ تو اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے ○ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں' کیا ان

میں سے ایک کی بھی آہٹ تو پاتا ہے یا ان کی آواز کی بھنک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے؟ ○

اللہ تعالیٰ کا امین فرشتہ : ☆☆ (آیت:۹۶-۹۸) فرمان ہے کہ جن کے دلوں میں توحید رچی ہوئی ہے اور جن کے اعمال میں سنت کا نور ہے، ضروری بات ہے کہ ہم اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی اس سے محبت رکھ۔ اللہ کا یہ امین فرشتہ بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر آسمانوں میں ندا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں انسان سے محبت رکھتا ہے اے فرشتو! تم بھی اس سے محبت رکھو چنانچہ کل آسمانوں کے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین پر اتاری جاتی ہے اور جب کسی بندے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اس سے میں ناخوش ہوں تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں پھر آسمانوں میں ندا کر دیتے ہیں کہ فلاں دشمن رب ہے تم سب اس سے بیزار رہنا چنانچہ آسمان والے اس سے بگڑ بیٹھتے ہیں۔ پھر وہی غضب اور ناراضگی زمین پر نازل ہوتی ہے۔ (بخاری مسلم وغیرہ)

مسند احمد میں ہے کہ جو بندہ اپنے مولا کی مرضی کا طالب ہو جاتا ہے اور اس کی خوشی کے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ مجھے خوش کرنا چاہتا ہے۔ سنو میں اس سے خوش ہو گیا میں نے اپنی رحمتیں اس پر نازل کرنی شروع کر دیں پس حضرت جبرئیل علیہ السلام ندا کرتے ہیں کہ فلاں پر رحمت الٰہی ہو گئی۔ پھر حاملان عرش بھی یہی منادی کرتے ہیں۔ پھر ان کے پاس والے غرض ساتوں آسمانوں میں یہ آواز گونج جاتی ہے۔ پھر زمین پر اس کی مقبولیت اترتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے ایسی ہی ایک اور حدیث بھی مسند احمد میں غرابت والی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ محبت اور شہرت کسی کی برائی یا بھلائی کے ساتھ آسمانوں سے اللہ کی جانب سے اترتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں اسی قسم کی حدیث کے بعد آنحضرت ﷺ کا اس آیت قرآنی کو پڑھنا بھی مروی ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ نیک عمل کرنے والے ایمانداروں سے اللہ خود محبت کرتا ہے اور زمین پر بھی ان کی محبت اور مقبولیت اتاری جاتی ہے۔ مومن ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ان کا ذکر خیر ہوتا ہے اور ان کی موت کے بعد بھی ان کی بہترین شہرت باقی رہتی ہے۔ مصرم بن حبان کہتے ہیں کہ جو بندہ سچے اور مخلص دل سے اللہ کی طرف جھکتا ہے، اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف جھکا دیتا ہے وہ اس سے محبت اور پیار کرنے لگتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے بندہ جو بھلائی برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروں گا کہ تمام لوگوں میں میری نیکی کی شہرت ہو جائے اب وہ عبادت الٰہی کی طرف جھک پڑا۔ جب دیکھو نماز میں مسجد میں سب سے اول آئے اور سب کے بعد جائے اسی طرح سات ماہ اسے گزر گئے لیکن اس نے جب بھی سنا یہی سنا کہ لوگ اسے ریاکار کہتے ہیں اس نے یہ حالت دیکھ کر اب اپنے جی میں عہد کر لیا کہ میں صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل کروں گا کسی عمل میں تو نہ بڑھا لیکن خلوص کے ساتھ اعمال شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ہر شخص کی زبان سے نکلنے لگا کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے اب تو وہ واقعی اللہ والا بن گیا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ابن جریر میں ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ قول درست نہیں اس لئے کہ یہ پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے ہجرت کے بعد اس سورت کی کسی آیت کا نازل ہونا ثابت نہیں اور جو اثر امام صاحب نے وارد کیا ہے وہ سنداً بھی صحیح نہیں واللہ اعلم۔ ہم نے اس قرآن کو اے نبی تیری زبان میں یعنی عربی زبان میں بالکل آسان کر کے نازل فرمایا ہے جو فصاحت و بلاغت والی بہترین زبان ہے تاکہ تو انہیں جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں، دلوں میں ایمان اور ظاہر میں نیک اعمال رکھتے ہیں، الٰہی

بشارتیں سنا دے اور جو حق سے ہٹے ہوئے' باطل پر مٹے ہوئے' استقامت سے دور' خود بینی میں مخمور' جھگڑالو' جھوٹے' اندھے' بہرے' فاسق' فاجر' ظالم' گنہگار' بدکردار ہیں انہیں ربانی پکڑ سے اور اس کے عذابوں سے متنبہ کر دے جیسے قریش کے کفار وغیرہ ۔ بہت سی امتوں کو جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا تھا' نبیوں کا انکار کیا تھا' ہم نے ہلاک کر دیا ۔ جن میں سے ایک بھی باقی نہیں بچا ۔ ایک کی آواز بھی دنیا میں نہیں رہی ۔ رکز کے لفظی معنی ہلکی اور دھیمی آواز کے ہیں ۔ الحمدللہ سورہ مریم کی تفسیر ختم ہوئی ۔ اب سورہ طٰہٰ کی تفسیر شروع ہوگی ان شاءاللہ والحمدللہ ۔

تفسیر سورة طه

(تفسیر سورۂ طٰہٰ) امام الائمہ حضرت محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب التوحید میں حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ایک ہزار سال پہلے سورہ طٰہٰ اور سورہ یٰسین کی تلاوت فرمائی جسے سن کر فرشتے کہنے لگے' وہ امت بہت ہی خوش نصیب ہے جس پر یہ کلام نازل ہوگا ۔ وہ زبانیں یقیناً مستحق مبارکباد ہیں جن سے کلام الٰہی کے یہ الفاظ ادا ہوں گے ۔ یہ روایت غریب ہے اور اس میں نکارت بھی ہے اور اس کے راوی ابراہیم بن مہاجر اور ان کے استاد پر جرح بھی ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۝١ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٣
تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝٤ اَلرَّحْمٰنُ
عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝٥ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝٦ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ
السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝٧ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝٨

بخشش اور مہربانی کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

طٰہٰ ○ ہم نے تجھ پر یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے ○ بلکہ اس کی نصیحت کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے ○ اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے ○ جو رحمٰن ہے' جو عرش پر قائم ہے ○ جس کی ملکیت آسمان وزمین کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور کرہ خاک کے نیچے کی ہر ایک چیز ہے ○ اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدگی کو اور پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے ○ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' بہترین نام اسی کے ہیں ○

علم قرآن سب سے بڑی دولت ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۸) سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں سورتوں کے اول حروف مقطعات کی تفسیر پوری طرح بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ۔ گو یہ بھی مروی ہے کہ مراد طٰہٰ سے اے شخص ہے کہتے ہیں کہ یہ نبطی کلمہ ہے ۔ کوئی کہتا ہے معرب ہے ۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز میں ایک پاؤں زمین پر ٹکاتے اور دوسرا اٹھا لیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری یعنی طٰہٰ یعنی زمین پر دونوں پاؤں ٹکا دیا کر ۔ ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تجھے مشقت وتکلیف میں ڈال دیں ۔ کہتے ہیں کہ جب قرآن پر عمل حضور ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے شروع کر دیا تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ لوگ تو اچھی خاصی مصیبت میں پڑ گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ پاک قرآن تمہیں مشقت میں ڈالنے کو نہیں اترا بلکہ یہ نیکوں کے لئے عبرت ہے' یہ الٰہی علم

ہے- جسے یہ ملا اسے بہت بڑی دولت مل گئی- چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھلائی کا ہو جاتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے-

حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرفوع صحیح حدیث لائے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے فرمانے کے لئے اپنی کرسی پر اجلاس فرمائے گا تو علماء سے فرمائے گا کہ میں نے اپنا علم اور اپنی حکمت تمہیں اسی لئے عطا فرمائی تھی کہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دوں اور کچھ پرواہ نہ کروں کہ تم نے کیا کیا ہے؟ پہلے لوگ اللہ کی عبادت کے وقت اپنے آپ کو رسیوں میں لٹکا لیا کرتے تھے- اللہ تعالیٰ نے یہ مشقت اپنے اس کلام پاک کے ذریعہ آسان کر دی اور فرما دیا کہ یہ قرآن تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا جیسے فرمان ہے' جس قدر آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا کرو' یہ قرآن شقاوت اور بدبختی کی چیز نہیں بلکہ رحمت و نور اور دلیل جنت ہے- یہ قرآن نیک لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہے' تذکرہ وعظ و ہدایت و رحمت ہے- اسے سن کر اللہ کے نیک انجام بندے حلال حرام سے واقف ہو جاتے ہیں اور اپنے دونوں جہان سنوار لیتے ہیں- یہ قرآن تیرے رب کا کلام ہے اسی کی طرف سے نازل شدہ ہے جو ہر چیز کا خالق مالک رازق قادر ہے- جس نے زمین کو نیچی اور کثیف بنایا ہے اور جس نے آسمان کو اونچا اور لطیف بنایا ہے- ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کا ہے-

حضرت عباس والی حدیث امام ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تفسیر میں وارد کی ہے- وہ رحمٰن اللہ اپنے عرش پر مستوی ہے اس کی پوری تفسیر سورہ اعراف میں گزر چکی ہے یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں- سلامتی والا طریقہ یہی ہے کہ آیات و احادیث صفات کو بطریق سلف صالحین ان کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہی مانا جائے بغیر کیفیت طلبی کے اور بغیر تحریف و تشبیہ اور تعطیل و تمثیل کے- تمام چیزیں اللہ کی ہی ملک ہیں- اسی کے قبضے اور ارادے اور چاہت تلے ہیں- وہی سب کا خالق' مالک' الہ اور رب ہے کسی کو اس کے ساتھ کسی طرح کی شرکت نہیں- ساتویں زمین کے نیچے بھی جو کچھ ہے سب اسی کا ہے- کعب کہتے ہیں اس زمین کے نیچے پانی ہے پانی کے نیچے پھر زمین ہے پھر اس کے نیچے پانی ہے اسی طرح مسلسل پھر اس کے نیچے ایک پتھر ہے اس کے نیچے ایک فرشتہ ہے اس کے نیچے ایک مچھلی ہے جس کے دونوں بازو عرش تک ہیں اس کے نیچے ہوا' خلا اور ظلمت ہے یہیں تک انسان کا علم ہے باقی اللہ جانے-

حدیث میں ہے ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے سب سے اوپر کی زمین مچھلی کی پشت پر ہے جس کے دونوں بازو آسمان سے ملے ہوئے ہیں یہ مچھلی ایک پتھر پر ہے وہ پتھر فرشتے کے ہاتھ میں ہے دوسری زمین ہواؤں کا خزانہ ہے- تیسری میں جہنم کے پتھر ہیں چوتھی میں جہنم کی گندھک ہے پانچویں میں جہنم کے سانپ ہیں چھٹی میں جہنمی بچھو ہیں ساتویں میں دوزخ ہے وہیں ابلیس جکڑا ہوا ہے ایک ہاتھ آگے ہے ایک پیچھے ہے جب اللہ چاہتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کا فرمان رسول ﷺ سے ہونا بھی غور طلب ہے- مسند ابویعلی میں ہے' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہم غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے گرمی سخت تڑاخے کی پڑ رہی تھی دو دو چار چار آدمی منتشر ہو کر چل رہے تھے' میں لشکر کے شروع میں تھا' اچانک ایک شخص آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا' تم میں سے کون محمد ہیں؟ صلی اللہ علیہ وسلم- میں اس کے ساتھ ہو گیا میرے ساتھی آگے بڑھ گئے- جب لشکر کے درمیان کا حصہ آیا تو اسی میں حضور ﷺ تھے میں نے اسے بتلایا کہ یہ ہیں حضور ﷺ سرخ رنگ کی اونٹنی پر سوار ہیں سر پر بوجہ دھوپ کے کپڑا ڈالے ہوئے ہیں وہ آپ کی سواری کے پاس گیا اور نکیل تھام کر عرض کرنے لگا کہ آپ ہی محمد ہیں؟ (ﷺ) آپ نے جواب دیا کہ ہاں' اس نے کہا' میں چند باتیں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں جنہیں زمین والوں میں سے بجز ایک دو آدمیوں کے اور کوئی نہیں جانتا- آپ نے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو

پوچھ لو- اس نے کہا بتائیے، انبیاء اللہ سوتے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے- اس نے کہا بجا ارشاد ہوا- اب یہ فرمائیے کہ کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی تو باپ کی شباہت پر ہوتا ہے کبھی ماں کی؟ آپ نے فرمایا سنو مرد کا پانی سفید اور غلیظ ہے اور عورت کا پانی پتلا ہے جو پانی غالب آ گیا اسی پر شبیہ جاتی ہے- اس نے کہا یہ بھی بجا ارشاد ہوا- اچھا یہ بھی فرمائیے، بچے کے کون سے اعضا مرد کے پانی سے بنتے ہیں اور کون سے عورت کے پانی سے؟ فرمایا مرد کے پانی سے ہڈیاں، رگ اور پٹھے اور عورت کے پانی سے گوشت خون اور بال- اس نے کہا یہ بھی صحیح جواب ملا- اچھا یہ بتلائیے کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا ایک مخلوق ہے- کہا ان کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا زمین- کہا اس کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا پانی- کہا پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا اندھیرا- کہا اس کے نیچے؟ فرمایا ہوا- کہا ہوا کے نیچے؟ فرمایا تر مٹی- کہا اس کے نیچے؟ آپؐ کے آنسو نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ مخلوق کا علم تو یہیں تک پہنچ کر ختم ہو گیا- اب خالق کو ہی اس کے آگے کا علم ہے- اے سوال کرنے والے اس کی بابت تو جس سے سوال کر رہا ہے، وہ تجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں- اس نے آپؐ کی صداقت کی گواہی دی- آپؐ نے فرمایا اسے پہچانا بھی؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے آپؐ نے فرمایا، یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے- یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے اور اس میں جو واقعہ ہے، بڑا ہی عجیب ہے اس کے راویوں میں قاسم بن عبدالرحمٰن کا تفرد ہے جنہیں امام یحییٰ بن معین رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ کسی چیز کے برابر نہیں- امام ابو حاتم رازی بھی انہیں ضعیف کہتے ہیں- امام ابن عدی فرماتے ہیں، یہ معروف شخص نہیں- اور اس حدیث میں خلط ملط کر دیا ہے- اللہ ہی جانتا ہے کہ جان بوجھ کر ایسا کیا ہے یا ایسی ہی کسی سے لی ہے- اللہ وہ ہے جو ظاہر و باطن، اونچ نیچ، چھوٹی بڑی سب کچھ جانتا ہے-

جیسے فرمان ہے کہ اعلان کر دے کہ اس قرآن کو اس نے نازل فرمایا ہے جو آسمان و زمین کے اسرار سے واقف ہے جو غفور و رحیم ہے- ابن آدم خود جو چھپائے اور جو اس پر خود پر بھی چھپا ہوا ہو اللہ کے پاس کھلا ہوا ہے- اس کے عمل کو اس کے علم سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ جانتا ہے- تمام گذشتہ موجودہ اور آئندہ مخلوق کا علم اس کے پاس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا علم- سب کی پیدائش اور مار کر جلانا بھی اس کے نزدیک ایک شخص کی پیدائش اور اس کی موت کے بعد کی دوسری بار کی زندگی کے مثل ہے- تیرے دل کے خیالات کو اور جو خیالات نہیں آتے، ان کو بھی وہ جانتا ہے- تجھے زیادہ سے زیادہ آج کے پوشیدہ اعمال کی خبر ہے اور اسے تو تم کل کیا چھپاؤ گے ان کا بھی علم ہے- ارادے ہی نہیں بلکہ وسوسے بھی اس پر ظاہر ہیں- کیے ہوئے عمل اور جو کرے گا، وہ عمل اس پر ظاہر ہیں- وہی معبود برحق ہے اعلیٰ صفتیں اور بہترین نام اسی کے ہیں- سورہ اعراف کی تفسیر کے آخر میں اسماء حسنیٰ کے متعلق حدیثیں گزر چکی ہیں-

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿٩﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا
اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى
النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾ اِنِّيْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ
نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ
لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾ اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ
الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾

تجھے موسیٰ کا قصہ بھی معلوم ہے ○ جب کہ اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے، بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس سے راستے کی اطلاع پاؤں ○ جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! ○ یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے ○ میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے۔ اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ لائق عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں۔ تو میری ہی عبادت کرتا رہ اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ ○

آگ کی تلاش: ☆☆ (۹-۱۰) یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آپ اس مدت کو پوری کر چکے تھے جو آپ کے اور آپ کے خسر صاحب کے درمیان طے ہوئی تھی اور آپ اپنے اہل وعیال کو لے کر دس سال سے زیادہ عرصے کے بعد اپنے وطن مصر کی طرف جا رہے تھے۔ سردی کی رات تھی راستہ بھول گئے تھے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان اندھیرا تھا' ابر چھایا ہوا تھا ہر چند چقماق سے آگ نکالنا چاہی لیکن اس سے بالکل آگ نہ نکلی ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دائیں جانب کے پہاڑ پر کچھ آگ دکھائی دی تو بیوی صاحبہ سے فرمایا' اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں کہ وہاں سے کچھ انگارے لے آؤں تا کہ تم سینک تاپ کر لو اور کچھ روشنی بھی ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی آدمی مل جائے جو راستہ بھی بتا دے۔ بہرصورت راستے کا پتہ یا آگ مل ہی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۴) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو اس مبارک میدان کے دائیں جانب کے درختوں کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ۔ میں تیرا رب ہوں۔ تو جوتیاں اتار دے یا تو اس لئے یہ حکم ہوا کہ آپ کی جوتیاں گدھے کے چمڑے کی ہیں یا اس لئے کہ تعظیم کرانی مقصود تھی۔ جیسے کہ کعبے جانے کے وقت لوگ جوتیاں اتار کر جاتے ہیں یا اس لئے کہ اس بابرکت جگہ پر پاؤں پڑیں اور بھی وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ طویٰ اس وادی کا نام تھا یا یہ مطلب کہ اپنے قدم اس زمین سے ملا دو یا یہ مطلب کہ یہ زمین کئی کئی بار پاک کی گئی ہے اور اس میں برکتیں بھر دی گئی ہیں اور بار بار دہرائی گئی ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى میں نے تجھے اپنا برگزیدہ کر لیا ہے دنیا میں سے تجھے منتخب کر لیا ہے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تجھے ممتاز فرما رہا ہوں اس وقت کے روئے زمین کے تمام لوگوں سے تیرا مرتبہ بڑھا رہا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا' جانتے بھی ہو کہ میں نے تجھے اور تمام لوگوں میں سے مختار اور پسندیدہ کر کے تجھے شرف ہمکلامی کیوں بخشا؟ آپ نے جواب دیا الٰہی مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں' فرمایا گیا اس لئے کہ تیری طرح اور کوئی میری طرف نہیں جھکا۔ اب تو میری وحی کو کان لگا کر دھیان دھر کر سن۔ میں ہی معبود ہوں کوئی اور نہیں' یہی پہلا فریضہ ہے تو صرف میری ہی عبادت کئے چلے جانا۔ کسی اور کی کسی قسم کی عبادت نہ کرنا' میری یاد کے لئے نمازیں قائم کرنا' میری یاد کا یہ بہترین اور افضل ترین طریقہ ہے یا یہ مطلب کہ جب میں یاد آؤں نماز پڑھو۔ جیسے حدیث میں ہے کہ تم میں سے اگر کسی کو نیند آ جائے یا غفلت ہو جائے تو جب یاد آ جائے نماز پڑھ لے کیونکہ فرمان الٰہی ہے میری یاد کے وقت نماز قائم کرو۔ صحیحین میں ہے جو شخص سوتے میں یا بھول میں نماز کا وقت گزار دے' اس کا کفارہ یہی ہے کہ یاد آتے ہی نماز پڑھ لے' اس کے سوا اور کفارہ نہیں۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝۱۵

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝۱۶

قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو ○ اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک

نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو ورنہ ہلاک ہو جائے گا ○

(آیت: ١٥-١٦) قیامت یقیناً آنے والی ہے ممکن ہے میں اس کے وقت کے صحیح علم کو ظاہر نہ کروں۔ ایک قرات میں اَخۡفِیۡھَ کے بعد مِنۡ نَّفۡسِیۡ کے لفظ بھی ہیں کیونکہ اللہ کی ذات سے کوئی چیز مخفی نہیں یعنی اس کا علم بجز اپنے کسی کو نہیں دوں گا۔ پس روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہوا جسے قیامت کے قائم ہونے کا مقررہ وقت معلوم ہو۔ یہ وہ چیز ہے کہ اگر ہو سکے تو خود میں اپنے سے بھی اسے چھپا دوں لیکن رب سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ ملائکہ سے پوشیدہ ہے انبیاء اس سے بے علم ہیں۔ جیسے فرمان ہے قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ زمین و آسمان والوں میں سے سوائے اللہ واحد کے کوئی اور غیب دان نہیں۔ اور آیت میں ہے' قیامت زمین و آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے' وہ اچانک آ جائے گی یعنی اس کا علم کسی کو نہیں۔ ایک قرات میں اَخۡفِیۡھَا ہے۔ ورقہ فرماتے ہیں' مجھے حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ نے اسی طرح پڑھایا ہے' اس کے معنی ہیں اَظۡھَرَھَا اس دن ہر عامل کو اپنے عمل کا بدلہ دیا جائے گا خواہ ذرہ برابر نیکی ہو' خواہ بدی ہو' اپنے کرتوت کا بدلہ اس دن ضرور ملنا ہے۔ پس کسی کو بھی بے ایمان لوگ بہکا نہ دیں۔ قیامت کے منکر' دنیا کے مفتوں' مولا کے نافرمان' خواہش کے غلام' کسی اللہ کے بندے کے اس پاک عقیدے میں اسے تزلزل پیدا نہ کرنے پائیں۔ اگر وہ اپنی چاہت میں کامیاب ہو گئے تو یہ غارت ہوا اور نقصان میں پڑا۔

وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِىَ عَصَاىَۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا
وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ﴿١٨﴾
قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ
خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ ۖ سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ﴿٢١﴾

اے موسیٰ تیرے اس دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ○ جواب دیا کہ یہ میری لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے کام کے ہیں ○ فرمایا اے موسیٰ! اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے ○ ڈالتے ہی وہ تو سانپ بن کر دوڑنے لگی ○ فرمایا بے خوف ہو کر پکڑ لے۔ ہم اسے اسی پہلی ہی صورت میں دوبارہ لا دیں گے ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات ملے: ☆☆ (آیت: ١٧-٢١) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک بہت بڑے اور صاف کھلے معجزے کا ذکر ہو رہا ہے جو بغیر اللہ کی قدرت کے ناممکن اور جو غیر نبی کے ہاتھ پر بھی ناممکن۔ طور پہاڑ پر دریافت ہو رہا ہے کہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گھبراہٹ دور ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سوال بطور تقریر کے ہے یعنی تیرے ہاتھ میں لکڑی ہی ہے یہ جیسی کچھ ہے' تجھے معلوم ہے' اب یہ جو ہو جائے گی' وہ دیکھ لینا۔ اس سوال کے جواب میں کلیم اللہ عرض کرتے ہیں یہ میری اپنی لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں یعنی چلنے میں مجھے یہ سہارا دیتی ہے' اس سے میں اپنی بکریوں کا چارہ درخت سے جھاڑ لیتا ہوں۔ ایسی لکڑیوں میں ذرا مڑا ہوا لوہا لگا لیا کرتے ہیں تاکہ پتے پھل آسانی سے اتر آئیں اور لکڑی ٹوٹے بھی نہیں۔ اور بھی بہت سے فوائد اس میں ہیں۔ ان فوائد کے بیان میں بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہی لکڑی رات کے وقت روشن چراغ بن جاتی تھی۔ دن کو جب آپ سو جاتے تو یہی لکڑی آپ کی بکریوں کی رکھوالی کرتی جہاں کہیں سایہ دار جگہ نہ ہوتی' آپ اسے گاڑ دیتے یہ خیمے کی طرح آپ پر سایہ کرتی وغیرہ وغیرہ۔

لیکن بظاہر یہ قول بنی اسرائیل کا افسانہ معلوم ہوتا ہے ورنہ پھر آج اسے بصورت سانپ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قدر کیوں گھبراتے؟ وہ تو اس لکڑی کے عجائبات دیکھتے چلے آتے تھے - پھر بعضوں کا قول ہے کہ دراصل یہ لکڑی حضرت آدم علیہ السلام کی تھی - کوئی کہتا ہے یہی لکڑی قیامت کے قریب دابتہ الارض کی صورت میں ظاہر ہوگی - کہتے ہیں اس کا نام ماشا تھا - اللہ ہی جانے ان اقوال میں کہاں تک جان ہے؟

لاٹھی اژدھا بن گئی: ☆☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کا لکڑی ہونا جتا کر انہیں بخوبی بیدار اور ہوشیار کر کے حکم ملا کہ اسے زمین پر ڈال دو - زمین پر پڑتے ہی وہ ایک زبردست اژدھے کی صورت میں پھنپھناتی ہوئی لگی ادھر ادھر چلنے پھرنے بلکہ دوڑنے بھاگنے لگی - ایسا خوفناک اژدھا اس سے پہلے کسی نے دیکھا ہی نہ تھا - اس کی تو یہ حالت تھی کہ ایک درخت سامنے آ گیا تو یہ اسے ہضم کر گیا - ایک پتھر کی چٹان راستے میں آ گئی تو اس کا لقمہ بنا گیا - یہ حال دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام الٹے پاؤں بھاگے - آواز دی گئی کہ موسیٰ پکڑ لے لیکن ہمت نہ پڑی پھر فرمایا موسیٰ علیہ السلام ڈر نہیں، پکڑ لے - پھر بھی جھجک باقی رہی تیسری مرتبہ فرمایا تو ہمارے امن میں ہے اب ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا - کہتے ہیں فرمان اللہ کے ساتھ ہی آپ نے لکڑی زمین پر ڈال دی پھر ادھر ادھر آپ کی نگاہ ہو گئی اب جو نظر ڈالی بجائے لکڑی کے ایک خوفناک اژدھا دکھائی دیا جو اس طرح چل پھر رہا ہے جیسے کسی کی جستجو میں ہو - گابھن اونٹنی جیسے بڑے بڑے پتھروں کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے اونچے اونچے درختوں کو ایک لقمے میں ہی پیٹ میں پہنچا رہا ہے' آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی ہیں - اس ہیبت ناک خونخوار اژدھے کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سہم گئے اور پیٹھ موڑ کر زور سے بھاگے - پھر اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی یاد آ گئی تو شرما کر ٹھہر گئے وہیں آواز آئی کہ موسیٰ لوٹ کر وہیں آ جاؤ جہاں تھے آپ لوٹے لیکن نہایت خوفزدہ تھے - تو حکم ہوا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے تھام لو کچھ بھی خوف نہ کرو ہم اسے اس کی اسی اگلی حالت میں لوٹا دیں گے - اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام صوف کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے جسے ایک کانٹے سے اٹکا رکھا تھا آپ نے اسی کمبل کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر اس ہیبت ناک اژدھے کو پکڑنا چاہا فرشتے نے کہا موسیٰ علیہ السلام اگر اللہ تعالیٰ اسے کاٹنے کا حکم دے دے تو کیا تیرا یہ کمبل بچا سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں لیکن یہ حرکت مجھ سے بہ سبب میرے ضعف کے سرزد ہو گئی میں ضعیف اور کمزور ہی پیدا کیا گیا ہوں - اب دلیری کے ساتھ کمبل ہٹا کر ہاتھ بڑھا کر اس کے سر کو تھام لیا اسی وقت وہ اژدھا پھر لکڑی بن گیا جیسے پہلے تھا - اس وقت جب کہ آپ اس گھاٹی پر چڑھ رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں یہ لکڑی تھی جس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے' اسی حال میں آپ نے پہلے دیکھا تھا اسی حالت پر اب ہاتھ میں بصورت عصا موجود تھا -

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً
اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ
اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِىْٓ اَمْرِىْ ﴿٢٦﴾
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّىْ
وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِىْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِى ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِىْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ
فِىْٓ اَمْرِىْ ﴿٣٢﴾ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾
اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾

اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہو کر نکلے گا لیکن بغیر کسی عیب اور روگ کے یہ ہے دوسرا معجزہ ○ یہ اس لئے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں ○ تو فرعون کی طرف جا۔ اس نے بڑی ڈنڈ (بغاوت) مچا رکھی ہے ○ کہنے لگا، میرے پروردگار میرا سینہ میرے لئے کھول دے ○ اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے ○ اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے ○ تا کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں ○ اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے کر دے ○ یعنی میرے بھائی ہارون کو ○ تو اس سے میری کمر کس دے ○ اور اسے میرا شریک کار کر دے ○ تا کہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں ○ اور بکثرت تیری یاد کریں ○ بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ○

معجزات کی نوعیت: ☆☆ (آیت:۲۳-۳۵) حضرت موسیٰ ؑ کو دوسرا معجزہ دیا جاتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال کر پھر اسے نکال لو تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا روشن بن کر نکلے گا۔ یہ نہیں کہ برص کی سفیدی ہو یا کوئی بیماری اور عیب ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ نے جب ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چراغ کی طرح روشن نکلا جس سے آپ کا یہ یقین کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے ہیں، اور بڑھ گیا۔ یہ دونوں معجزے یہیں اسی لئے ملے تھے کہ آپ اللہ کی ان زبردست نشانیوں کو دیکھ کر یقین کر لیں۔

فرعون کے سامنے کلمہ حق: ☆☆ پھر حکم ہوا کہ فرعون نے ہماری بغاوت پر کمر کس لی ہے، اس کے پاس جا کر اسے سمجھاؤ۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریب ہونے کا حکم دیا یہاں تک کہ آپ اس درخت کے تنے سے لگ کر کھڑے ہو گئے، دل ٹھہر گیا، خوف و خطر دور ہو گیا۔ دونوں ہاتھ اپنی لکڑی پر ٹکا کر سر جھکا کر گردن خم کر کے باادب ارشاد الٰہی سننے لگے تو فرمایا گیا کہ ملک مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف ہمارا پیغام لے کر جاؤ، یہیں سے تم بھاگ کر آئے ہو اس سے کہو کہ وہ ہماری عبادت کرے، کسی کو شریک نہ بنائے، بنو اسرائیل کے ساتھ سلوک و احسان کرے، انہیں تکلیف اور ایذا نہ دے۔ فرعون بڑا باغی ہو گیا ہے، دنیا کا مفتون بن کر آخرت کو فراموش کر بیٹھا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کو بھول گیا ہے، تو میری رسالت لے کر اس کے پاس جا میرے کان اور میری آنکھیں تیرے ساتھ ہیں میں تجھے دیکھتا بھالتا اور تیری باتیں سنتا سناتا رہوں گا۔ میری مدد تیرے پاس ہو گی میں نے اپنی طرف سے تجھے حجتیں عطا فرما دی ہیں اور تجھے قوی اور مضبوط کر دیا ہے تو اکیلا ہی میرا پورا لشکر ہے۔ اپنے ایک ضعیف بندے کی طرف تجھے بھیج رہا ہوں جو میری نعمتیں پا کر پھول گیا ہے اور میری پکڑ کو بھول گیا ہے، دنیا میں پھنس گیا اور غرور و تکبر میں دھنس گیا ہے۔ میری ربوبیت سے بیزار، میری الوہیت سے برسرپیکار ہے۔ مجھ سے آنکھیں پھیر لی ہیں دیدے بدل لئے ہیں۔ میری پکڑ سے غافل ہو گیا ہے۔ میرے عذابوں سے بے خوف ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم، اگر میں اسے ڈھیل دینا نہ چاہتا تو آسمان اس پر ٹوٹ پڑتے زمین اسے نگل جاتی دریا اسے ڈبو دیتے لیکن چونکہ وہ میرے مقابلے کا نہیں، ہر وقت میرے بس میں ہے میں اسے ڈھیل دیئے ہوئے ہوں اور اس سے بے پرواہی برت رہا ہوں۔ میں ہوں بھی ساری مخلوق سے بے پرواہ، حق تو یہ ہے کہ بے پروائی صرف میری ہی صفت ہے۔ تو میری رسالت ادا کر، اسے میری عبادت کی ہدایت کر، اسے توحید و اخلاص کی دعوت دے، میری نعمتیں یاد دلا۔ میرے عذابوں سے دھمکا، میرے غضب سے ہوشیار کر دے۔ جب میں غصہ کر بیٹھتا ہوں تو امن نہیں ملتا۔ اسے نرمی سے سمجھا تا کہ نہ ماننے کا عذر ٹوٹ جائے۔

میری بخشش کی، میرے کرم و رحم کی اسے خبر دے۔ کہہ دے کہ اب بھی اگر میری طرف جھکے گا تو میں تمام بداعمالیوں سے قطع نظر کر لوں گا۔ میری رحمت میرے غضب سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ خبردار اس کا دنیوی ٹھاٹھ دیکھ کر رعب میں نہ آ جانا اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے اس کی زبان چل نہیں سکتی اس کے ہاتھ اٹھ نہیں سکتے اس کی آنکھ پھڑک نہیں سکتی اس کا سانس چل نہیں سکتا جب تک میری اجازت نہ ہو۔ اسے سمجھا کہ میری مان لے تو میں بھی مغفرت سے پیش آؤں گا۔ چار سو سال اسے سرکشی کرتے، میرے بندوں پر ظلم ڈھاتے، میری عبادت

سے لوگوں کو روکتے گزر چکے ہیں۔ تاہم نہ میں نے اس پر بارش بند کی نہ پیداوار روکی نہ بیمار ڈالا نہ بوڑھا کیا نہ مغلوب کیا۔ اگر چاہتا ظلم کے ساتھ ہی پکڑ لیتا لیکن میرا حلم بہت بڑھا ہوا ہے۔ تو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر اس سے پوری طرح جہاد کر اور میری مدد پر بھروسہ رکھ میں اگر چاہوں تو اپنے لشکروں کو بھیج کر اس کا بھیجا نکال دوں۔ لیکن اس بے بنیاد بندے کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میری جماعت کا ایک بھی روئے زمین کی طاقتوں پر غالب آ سکتا ہے۔ مدد میرے اختیار میں ہے۔ دنیوی جاہ وجلال کی تو پرواہ نہ کرنا بلکہ آنکھ بھر کر دیکھنا بھی نہیں۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں اتنا دے دوں کہ فرعون کی دولت اس کے پاسنگ میں بھی نہ آ سکے لیکن میں اپنے بندوں کو عموماً غریب ہی رکھتا ہوں تا کہ ان کی آخرت سنوری رہے یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ میرے نزدیک قابل اکرام نہیں بلکہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ دونوں جہان کی نعمتیں آنے والے جہان میں جمع مل جائیں۔ میرے نزدیک بندے کا کوئی عمل اتنا وقعت والا نہیں جتنا زہد اور دنیا سے دوری۔ میں اپنے خاص بندوں کو سکینت اور خشوع وخضوع کا لباس پہنا دیتا ہوں ان کے چہرے سجدوں کی چمک سے روشن ہو جاتے ہیں۔ یہی سچے اولیا اللہ ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے ہر ایک کو باادب رہنا چاہیے۔ اپنی زبان اور دل کو ان کا تابع رکھنا چاہئے۔ سن لے! میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والا گویا مجھے لڑائی کا اعلان دیتا ہے۔ تو کیا مجھ سے لڑنے کا ارادہ رکھنے والا کبھی سرسبز ہو سکتا ہے؟ میں نے قہر کی نظر سے اسے دیکھا اور اس کا تہس نہس ہوا۔ میرے دشمن مجھ پر غالب نہیں آ سکتے، میرے مخالف میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ میں اپنے دوستوں کی آپ مدد کرتا ہوں، انہیں دشمنوں کا شکار نہیں ہونے دیتا۔ دنیا و آخرت میں انہیں سرخرو رکھتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا بچپن کا زمانہ فرعون کے گھر میں بلکہ اس کی گود میں گزارا تھا جوانی تک ملک مصر میں اسی کی بادشاہت میں ٹھہرے رہے تھے پھر ایک قبطی بے ارادہ آپ کے ہاتھ سے مر گیا تھا جس سے آپ یہاں سے بھاگ نکلے تھے تب سے لے کر آج تک مصر کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ فرعون ایک سخت دل، بد خلق، اکھڑ مزاج، آوارہ انسان تھا غرور اور تکبر اتنا بڑھ گیا تھا کہ کہتا تھا کہ میں اللہ کو جانتا ہی نہیں۔ اپنی رعایا سے کہتا تھا کہ تمہارا رب میں ہی ہوں۔ ملک و مال میں، دولت ومتاع میں لاؤ لشکر اور کروفر میں کوئی روئے زمین پر اس کے مقابلے کا نہ تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں: ☆☆ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسے ہدایت کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا سینہ کھول دے اور میرے کام میں آسانی پیدا کر دے۔ اگر تو آپ میرا مددگار نہ بنا تو یہ سخت بار میرے کمزور کندھے نہیں اٹھا سکتے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ چونکہ آپ کے بچپن کے زمانے میں آپ کے سامنے کھجور اور انگارے رکھے گئے تھے، آپ نے انگارہ لے کر منہ میں رکھ لیا تھا، اس لئے زبان میں لکنت ہو گئی تھی تو دعا کی کہ میرے زبان کی گرہ کھل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ادب کو دیکھئے کہ بقدر حاجت سوال کرتے ہیں یہ نہیں عرض کرتے کہ میری زبان بالکل صاف ہو جائے بلکہ دعا یہ کرتے ہیں کہ گرہ کھل جائے تا کہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔ انبیاء علیہم السلام اللہ سے صرف حاجت روائی کے مطابق ہی عرض کرتے ہیں، آگے نہیں بڑھتے۔ چنانچہ آپ کی زبان میں پھر بھی کچھ کسر رہ گئی تھی جیسے کہ فرعون نے کہا تھا کہ کیا میں بہتر ہوں یا یہ؟ جو فرد مایہ ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک گرہ کھلنے کی دعا تھی جو پوری ہوئی۔ اگر پوری کی دعا ہوتی تو وہ بھی پوری ہوتی۔ آپ نے صرف اسی قدر دعا کی تھی کہ آپ کی زبان ایسی کر دی جائے کہ لوگ آپ کی بات سمجھ لیا کریں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ڈر تھا کہ کہیں وہ الزام قتل رکھ کر قتل نہ کر دیں اس کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ زبان میں اٹکاؤ تھا اس کی بابت دعا کی کہ اتنی صاف ہو جائے کہ لوگ بات سمجھ لیں یہ دعا بھی پوری ہوئی۔ دعا کی کہ ہارون کو بھی نبی بنا دیا جائے یہ بھی پوری

ہوئی - حضرت محمد بن کعب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ان کے ایک رشتے دار آئے اور کہنے لگے' یہ تو بڑی کمی ہے کہ تم بولنے میں غلط بول جاتے ہو - آپ نے فرمایا' بھتیجے کیا میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ؟ کہا' ہاں سمجھ میں تو آ جاتی ہے' کہا بس یہی کافی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ سے یہی اور اتنی ہی دعا کی تھی - پھر اور دعا کی کہ میری خارجی اور ظاہری امداد کے لئے میرا وزیر بنا دے اور ہو بھی وہ میرے کنبے میں سے - یعنی میرے بھائی ہارون کو نبوت عطا فرما - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اسی وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی نبوت عطا فرمائی گئی - حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عمرے کے لئے جاتے ہوئے کسی اعرابی کے ہاں مقیم تھیں کہ سنا ایک شخص پوچھتا ہے کہ دنیا میں کس بھائی نے اپنے بھائی کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا ہے؟ اس سوال پر سب خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ ہمیں اس کا علم نہیں - اس نے کہا اللہ کی قسم مجھے اس کا علم ہے - صدیقہ فرماتی ہیں' میں نے اپنے دل میں کہا' دیکھو یہ شخص کتنی بے جا جسارت کرتا ہے' بغیر ان شاء اللہ کے قسم کھا رہا ہے - لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ' اس نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ اپنے بھائی کو اپنی دعا سے نبوت دلوائی - میں بھی یہ سن کر دنگ رہ گئی اور دل میں کہنے لگی' بات تو سچ کہی' فی الواقع اس سے زیادہ کوئی بھائی اپنے بھائی کو نفع نہیں پہنچا سکتا - اللہ نے سچ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پاس بڑے آبرو دار تھے - اس دعا کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ میری کمر مضبوط ہو جائے - تا کہ ہم تیری تسبیح اچھی طرح بیان کریں - ہر وقت تیری پاکیزگی بیان کرتے رہیں - اور تیری یاد بکثرت کریں - حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' بندہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والا اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ بیٹھتے اٹھتے اور لیٹتے ذکر اللہ میں مشغول رہے - تو ہمیں دیکھتا ہے' یہ تیرا رحم و کرم ہے کہ تو نے ہمیں برگزیدہ کیا' ہمیں نبوت عطا فرمائی اور ہمیں اپنے دشمن فرعون کی طرف اپنا نبی بنا کر اس کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا - تیرا شکر ہے اور تیرے ہی لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں - تیری ان نعمتوں پر ہم تیرے شکر گزار ہیں -

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّۃً
اُخْرٰٓی ۙ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی ۙ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی
التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ
عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ وَلِتُصْنَعَ
عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَنْ
یَّکْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰکَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ؕ
وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰکَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا ۬ۚ

جناب باری تعالیٰ نے فرمایا' موسیٰ تیرے سوالات پورے کر دیئے گئے ○ ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے ○ جب کہ ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جو کیا جانا تھا ○ کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے تو دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا - اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی' تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے ○ جب کہ تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو میں اسے بتا دوں جو اس کی نگہبانی کرے' اس تدبیر سے ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو' تو نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا' اس پر بھی ہم نے تجھے بچا لیا غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزما لیا ○

موسیٰ علیہ السلام کا بچپن : ☆☆(آیت:۳۶-۴۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام دعائیں قبول ہوئیں اور فرما دیا گیا کہ تمہاری درخواست منظور ہے۔ اس احسان کے ساتھ ہی اور احسان کا بھی ذکر کر دیا گیا کہ ہم نے تجھ پر ایک مرتبہ اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔ پھر اس واقعہ کو مختصر طور پر یاد دلایا کہ ہم نے تیرے بچپن کے وقت تیری ماں کی طرف وحی بھیجی جس کا ذکر اب تم سے ہو رہا ہے۔ تم اس وقت دودھ پیتے بچے تھے تمہاری والدہ کو فرعون اور فرعونیوں کا کھٹکا تھا کیونکہ اس سال وہ بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر رہا تھا۔ اس خوف کے مارے وہ ہر وقت کانپتی رہتی تھیں تو ہم نے وحی کی کہ ایک صندوق بنالو دودھ پلا کر بچے کو اس میں لٹا کر دریائے نیل میں اس صندوق کو چھوڑ دو چنانچہ وہ یہی کرتی رہیں ایک رسی اس میں باندھ رکھی تھی جس کا ایک سرا اپنے مکان سے باندھ لیتی تھیں، ایک مرتبہ باندھ رہی تھیں جو رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور صندوق کو پانی کی موجیں بہالے چلیں اب تو کلیجہ تھام کر رہ گئی اس قدر غمزدہ ہوئی کہ صبر ناممکن تھا، راز فاش کر دیتیں لیکن ہم نے دل مضبوط کر دیا صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا، آل فرعون نے اسے اٹھا لیا کہ جس غم سے وہ بچنا چاہتے تھے، جس صدمے سے وہ محفوظ رہنا چاہتے تھے، وہ ان کے سامنے آجائے۔ جس کی شمع حیات کو بجھانے کے لئے وہ بے گناہ معصوموں کا قتل عام کر رہے تھے، وہ انہی کے تیل سے انہی کے ہاں روشن ہو اور اللہ کے ارادے بے روک پورے ہو جائیں۔ ان کا دشمن انہی کے ہاتھوں پلے انہی کا کھائے ان کے ہاں تربیت پائے۔

خود فرعون اور اس کی اہلیہ محترمہ نے جب بچے کو دیکھا، رگ رگ میں محبت سما گئی لے کر پرورش کرنے لگے۔ آنکھوں کا تارا سمجھنے لگے شاہزادوں کی طرح ناز و نعمت سے پلنے لگے شاہی دربار میں رہنے لگے۔ اللہ نے اپنی محبت تجھ پر ڈال دی گو فرعون تیرا دشمن تھا لیکن رب کی بات کون بدلے؟ اللہ کے ارادے کو کون ٹالے؟ فرعون پر ہی کیا منحصر ہے، جو دیکھتا آپ کا والا و شیدا بن جاتا یہ اس لئے تھا کہ تیری پرورش میری نگاہ کے سامنے ہو شاہی خوراکیں کھا عزت و وقعت کے ساتھ رہ۔ فرعون والوں نے صندوقچہ اٹھا لیا کھولا بچے کو دیکھا پالنے کا ارادہ کیا لیکن آپ کسی دایہ کا دودھ دباتے ہی نہیں بلکہ منہ میں ہی نہیں لیتے۔ بہن جو صندوق کو دیکھتی بھالتی کنارے کنارے آ رہی تھی وہ بھی موقعہ پر پہنچ گئیں کہنے لگیں کہ آپ اگر اس کی پرورش کی تمنا کرتے ہیں اور معقول اجرت بھی دیتے ہیں تو میں ایک گھرانہ بتاؤں جو اسے محبت سے پالے اور خیر خواہانہ برتاؤ کرے۔ سب نے کہا ہم تیار ہیں آپ انہیں لئے ہوئے اپنی والدہ کے پاس پہنچیں جب بچہ ان کی گود میں ڈال دیا گیا، آپ نے جھٹ سے منہ لگا کر دودھ پینا شروع کیا جس سے فرعون کے ہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا گیا۔ تنخواہ مقرر ہو گئی اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتیں اور تنخواہ اور انعام بھی اور عزت و اکرام بھی پاتیں دنیا بھی ملے۔ دین بھی بڑھے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کام کو کرے اور نیک نیتی سے کرے، اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ پس یہ بھی ہماری کرم فرمائی ہے کہ ہم نے تجھے تیری ماں کی گود میں واپس کیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غم و رنج جاتا رہے۔ پھر تمہارے ہاتھ سے ایک فرعونی قبطی مار ڈالا گیا تو بھی ہم نے تمہیں بچا لیا فرعونیوں نے تمہارے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، راز فاش ہو چکا تھا تمہیں یہاں سے نجات دی تم بھاگ کھڑے ہوئے۔ مدین کے کنویں پر جا کر تم نے دم لیا۔ وہیں ہمارے ایک نیک بندے نے تمہیں بشارت سنائی کہ اب کوئی خوف نہیں ان ظالموں سے تم نے نجات پا لی۔ تجھے ہم نے بطور آزمائش اور بھی بہت سے فتنوں میں ڈالا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا اب تو دن ڈوبنے کو ہے واقعات زیادہ ہیں پھر سہی چنانچہ میں نے دوسری صبح پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا، سنو فرعون کے دربار میں ایک دن اس بات کا ذکر چھڑا کہ اللہ کا وعدہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے یہ تھا کہ ان کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہ ہوں گے

چنانچہ بنواسرائیل اس کے آج تک منتظر ہیں اور انہیں یقین ہے کہ مصر کی سلطنت پھر ان میں جائے گی۔ پہلے تو ان کا خیال تھا کہ یہ وعدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت تھا لیکن ان کی وفات تک جب کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا تو وہ اب عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ان میں اپنے ایک پیغمبر کو بھیجے گا جن کے ہاتھوں انہیں سلطنت بھی ملے گی اور ان کی قومی و مذہبی ترقی ہوگی۔ یہ باتیں کر کے انہوں نے مجلس مشاورت قائم کی کہ اب کیا کیا جائے جس سے آئندہ کے اس خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔ آخر اس جلسے میں قرارداد منظور ہوئی کہ پولیس کا ایک محکمہ قائم کیا جائے مدت گزر گئی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل بالکل فنا ہو جائیں گے اور جو ذلیل خدمتیں ان سے لی جاتی ہیں' جو بیگاریں ان جو شہر کا گشت لگا تا رہے اور بنی اسرائیل میں جو نرینہ اولاد ہو' اسے اسی وقت سرکار میں پیش کیا جائے اور ذبح کر دیا جائے۔ لیکن جب ایک سے وصول ہو رہی ہیں' سب موقوف ہو جائیں گی' اس لئے اب تجویز ہوا کہ ایک سال ان کے بچوں کو چھوڑ دیا جائے اور ایک سال ان کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں۔ اس طرح موجودہ بنی اسرائیلیوں کی تعداد بھی نہ بڑھے گی اور نہ اتنی کم ہو جائے گی کہ ہمیں اپنی خدمت گزاری کے لئے بھی نہ مل سکیں۔ جتنے بڈھے دو سال میں مریں گے' اتنے بچے ایک سال میں پیدا ہو جائیں گے۔ جس سال قتل موقوف تھا' اس سال تو حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال قتل عام بچوں کا جاری تھا' اس برس حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ کی اس وقت کی گھبراہٹ اور پریشانی کا کیا پوچھنا؟ بے اندازہ تھی۔ ایک فتنہ تو یہ تھا۔ چنانچہ یہ خطرہ اس وقت دفع ہو گیا جب کہ اللہ کی وحی ان کے پاس آئی کہ ڈر خوف نہ کر ہم اسے تیری طرف پھر لوٹائیں گے اور اسے اپنا رسول بنائیں گے۔ چنانچہ بحکم اللہ آپ نے اپنے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا جب صندوق نظروں سے اوجھل ہو گیا تو شیطان نے دل میں وسوسے ڈالنے شروع کئے کہ افسوس اس سے تو یہی بہتر تھا کہ میرے سامنے ہی اسے ذبح کر دیا جاتا تو میں اسے خود ہی کفناتی دفناتی تو سہی لیکن اب تو میں نے آپ اسے مچھلیوں کا شکار بنایا۔ یہ صندوق یونہی بہتا ہوا خاص فرعونی گھاٹ سے جا لگا وہاں اس وقت محل کی لونڈیاں موجود تھیں انہوں نے اس صندوق کو اٹھا لیا اور ارادہ کیا کہ کھول کر دیکھیں لیکن پھر ڈر گئیں کہ ایسا نہ ہو کہ چوری کا الزام لگے یونہی مقفل صندوق ملکہ فرعون کے پاس پہنچا دیا۔ وہ بادشاہ ملکہ کے سامنے کھولا گیا تو اس میں سے چاند جیسی صورت کا ایک چھوٹا سا معصوم بچہ نکلا جسے دیکھتے ہی فرعون کی بیوی صاحبہ کا دل محبت کے جوش سے اچھلنے لگا۔

ادھر ام موسیٰ کی حالت غیر ہو گئی سوائے اپنے اس پیارے بچے کے خیال کے دل میں اور کوئی تصور ہی نہ تھا۔ ادھر ان قصائیوں کو جو حکومت کی طرف سے بچوں کے قتل کے محکمے کے ملازم تھے' معلوم ہوا تو وہ اپنی چھریاں تیز کئے ہوئے بڑھے اور ملکہ سے تقاضا کیا کہ بچہ انہیں سونپ دیں تاکہ وہ اسے ذبح کر ڈالیں۔ یہ دوسرا فتنہ تھا آخر ملکہ نے جواب دیا کہ ٹھہرو میں خود بادشاہ سے ملتی ہوں اور اس بچے کو طلب کرتی ہوں اگر وہ مجھے دے دیں تو خیر ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ چنانچہ آپ آئیں اور بادشاہ سے کہا کہ یہ بچہ تو میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا اس خبیث نے کہا' بس تم ہی اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ میری ٹھنڈک وہ کیوں ہونے لگا؟ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تدابیر اعلیٰ اور محروم ہدایت فرعون : ☆☆ رسول اللہ ﷺ بہ حلف بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھی کہہ دیتا کہ ہاں بے شک وہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور راہ راست دکھا دیتا جیسا کہ اس کی بیوی صاحبہ مشرف بہ ہدایت ہوئی لیکن اس نے خود اس سے محروم رہنا چاہا اللہ نے بھی اسے محروم کر دیا۔ الغرض فرعون کو جوں توں راضی رضامند کر کے اس بچے کے پالنے کی اجازت لے کر آپ آئیں اب محل کی جتنی دایہ تھیں' سب کو جمع کیا' ایک ایک کی گود میں بچہ دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کا دودھ آپ پر حرام کر دیا آپ نے کسی کا دودھ منہ میں لیا ہی نہیں۔ اس سے ملکہ گھبرائیں' کہ یہ تو بہت ہی برا ہوا یہ پیارا بچہ یونہی ہلاک ہو جائے گا۔ آخر سوچ کر حکم دیا کہ انہیں باہر لے جاؤ' ادھر ادھر تلاش کرو اور اگر کسی کا دودھ یہ معصوم قبول کرے تو اسے بہ منت سونپ دو۔ باہر بازاروں میں میلہ سا لگ گیا ہر شخص

اس سعادت سے مالا مال ہونا چاہتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا- آپ کی والدہ نے اپنی بڑی صاحبزادی آپ کی بہن کو باہر بھیج رکھا تھا کہ وہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ وہ اس مجمع میں موجود تھیں اور تمام واقعات دیکھ سن رہی تھیں جب یہ لوگ عاجز آ گئے تو آپ نے فرمایا' اگر تم کہو تو میں ایک گھرانہ ایسا بتلاؤں جو اس کی نگہبانی کرے اور ہو بھی اس کا خیر خواہ- یہ کہنا تھا کہ لوگوں کو شک ہوا کہ ضرور یہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے اور اس کے گھر کو بھی پہچانتی ہے- اے ابن جبیر یہ تھا تیسرا فتنہ- لیکن اللہ نے لڑکی کو سمجھ دے دی اور اس نے جھٹ سے کہا کہ بھلا تم اتنا نہیں سمجھے کون بدنصیب ایسا ہوگا جو اس بچے کی خیر خواہی یا پرورش میں کمی کرے جو بچہ ہماری ملکہ کا پیارا ہے- کون نہ چاہے گا کہ یہ ہمارے ہاں پلے تاکہ انعام واکرام سے اس کا گھر بھر جائے- یہ سن کر سب کی سمجھ میں آ گیا اسے چھوڑ دیا اور کہا بتا تو کون سی دایہ اس کے لئے تجویز کرتی ہے؟ اس نے کہا' میں ابھی لائی' دوڑی ہوئی گئیں اور والدہ کو یہ خوش خبری سنائی' والدہ صاحبہ بہمہ شوق وامید آئیں' اپنے پیارے بچے کو گود میں لیا' اپنا دودھ منہ میں دیا بچے نے پیٹ بھر کر پیا اسی وقت شاہی محلات میں یہ خوشخبری پہنچائی گئی ملکہ کا حکم ہوا کہ فوراً اس دایہ کو اور بچے کو میرے پاس لاؤ جب ماں بیٹا پہنچے تو اپنے سامنے دودھ پلوایا اور یہ دیکھ کر کہ بچہ اچھی طرح دودھ پیتا ہے' بہت ہی خوش ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ دائی اماں مجھے اس بچے سے وہ محبت ہے جو دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں تم یہیں محل میں رہو اور اس بچے کی پرورش کرو-

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صاحبہ کے سامنے اللہ کا وعدہ تھا انہیں یقین کامل تھا اس لئے آپ ذرا رکیں اور فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اپنے گھر کو اور اپنے بچوں کو چھوڑ کر یہاں رہوں- اگر آپ چاہتی ہیں تو یہ بچہ میرے سپرد کر دیں میں اسے اپنے گھر لے جاتی ہوں ان کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہ کروں گی ملکہ صاحبہ نے مجبوراً اس بات کو بھی مان لیا اور آپ اسی دن خوشی خوشی اپنے بچے کو لئے ہوئے گھر آ گئیں- اس بچے کی وجہ سے اس محلے کے بنو اسرائیل بھی فرعونی مظالم سے رہائی پا گئے- جب کچھ زمانہ گزر گیا تو بادشاہ بیگم نے حکم بھیجا کہ کسی دن میرے بچے کو میرے پاس لاؤ' ایک دن مقرر ہو گیا تمام ارکان سلطنت اور درباریوں کو حکم ہوا کہ آج میرا بچہ میرے پاس آئے گا- تم سب قدم قدم پر اس کا استقبال کرو اور دھوم دھام سے نذریں دیتے ہوئے اسے میرے محل سرائے تک لاؤ- چنانچہ جب سواری روانہ ہوئی' وہاں سے لے کر محل سرائے سلطانی تک برابر تحفے تحائف نذریں اور ہدیئے پیش کش ہوتے رہے اور بڑے ہی عزت واکرام کے ساتھ آپ یہاں پہنچے تو خود بیگم نے بھی خوشی خوشی بہت بڑی رقم پیش کی اور بڑی خوشی منائی گئی- پھر کہنے لگی کہ میں تو اسے بادشاہ کے پاس لے جاؤں گی وہ بھی اسے انعام اکرام دیں گے' لے گئیں اور بادشاہ کی گود میں لٹا دیا- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑ کر زور سے گھسیٹی- فرعون کھٹک گیا اور اس کے درباریوں نے کہنا شروع کیا کہ کیا عجب یہی وہ لڑکا ہو آپ اسے فوراً قتل کرا دیجئے-

اے ابن جبیر یہ تھا چوتھا فتنہ- ملکہ بیتاب ہو کر بول اٹھیں' اے بادشاہ کیا ارادہ کر رہے ہو؟ آپ اسے مجھے دے چکے ہیں میں اسے اپنا بیٹا- بنا چکی ہوں- بادشاہ نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن دیکھو تو اس نے تو آتے ہی داڑھی پکڑ کر مجھے نیچا کر دیا گویا یہی میرا گرانے والا اور مجھے تاخت وتاراج کرنے والا ہے- بیگم صاحبہ نے فرمایا' بادشاہ بچوں کو ان چیزوں کی کیا تمیز؟ سنو میں ایک فیصلہ کن بات بتلاؤں اس کے سامنے دو انگارے آگ کے سرخ رکھ دو اور دو موتی آبدار چمکتے ہوئے رکھ دو پھر دیکھو یہ کیا اٹھاتا ہے اگر موتی اٹھا لے تو سمجھنا کہ اس میں عقل ہے اور اگر آگ کے انگارے تھام لے تو سمجھ لینا کہ عقل نہیں جب عقل وتمیز نہیں تو اس کی داڑھی پکڑ لینے پر اتنے لمبے خیالات کر کے اس کی جان کے دشمن بن جانا کون سی دانائی کی بات ہے؟ چنانچہ یہی کیا گیا دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھی گئیں آپ نے دہکتے ہوئے انگارے اٹھا لئے اسی وقت وہ چھین لئے کہ ایسا نہ ہو ہاتھ جل جائیں اب فرعون کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اس کا بولا ہوا رخ ٹھیک ہو گیا- حق تو یہ ہے کہ اللہ کو جو کام کرنا مقصود ہوتا ہے' اس کے قدرتی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دربار فرعون میں فرعون کے خاص محل میں فرعون کی

بیوی کی گود میں ہی پرورش ہوتی رہی- یہاں تک کہ آپ اچھی عمر کو پہنچ گئے اور بالغ ہو گئے-

اب تو فرعونیوں کے جو مظالم اسرائیلیوں پر ہو رہے تھے' ان میں بھی کمی ہو گئی تھی سب امن و امان سے تھے- ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک فرعونی اور ایک اسرائیلی کی لڑائی ہو رہی تھی اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی آپ کو سخت غصہ آیا اس لئے کہ اس وقت وہ فرعونی اس بنی اسرائیلی کو دبوچے ہوئے تھا آپ نے اسے ایک مکا مارا' اللہ کی شان مکا لگتے ہی وہ مر گیا یہ تو لوگوں کو عموماً معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلیوں کی طرف داری کرتے ہیں لیکن لوگ اس کی وجہ اب تک یہی سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے انہی میں دودھ پیا ہے' اس لئے ان کے طرفدار ہیں اصلی راز کا علم تو صرف آپ کی والدہ کو تھا اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو بھی معلوم کرا دیا ہو- اسے مردہ دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہے وہ بہکانے والا اور کھلا دشمن ہے-

پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے کہ باری تعالیٰ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو معاف فرما- پروردگار نے بھی آپ کی اس خطا سے درگزر فرما لیا وہ تو غفور و رحیم ہے ہی- چونکہ قتل کا معاملہ تھا' آپ پھر بھی خوفزدہ ہی رہے' تاک جھانک میں رہے کہ کہیں معاملہ کھل تو نہیں گیا- ادھر فرعون کے پاس شکایت ہوئی کہ ایک قبطی کو کسی بنی اسرائیلی نے مار ڈالا ہے فرعون نے حکم جاری کر دیا کہ واقعہ کی پوری تحقیق کرو قاتل کی تلاش کر کے پکڑ لاؤ اور گواہ بھی پیش کرو اور جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں اسے بھی قتل کر دو- پولیس نے ہر چند تفتیش کی لیکن قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا- اتفاق کی بات کہ دوسرے ہی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا وہی بنی اسرائیلی شخص ایک دوسرے فرعونی سے جھگڑ رہا ہے- موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی وہ دہائی دینے لگا لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام اپنے کل کے فعل سے نادم ہیں- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کا یہ بار بار کا جھگڑنا اور فریاد کرنا برا معلوم ہوا اور کہا تم تو بڑے لڑاکا ہو یہ فرما کر اس فرعونی کو پکڑنا چاہا لیکن اس اسرائیلی بزدل نے سمجھا کہ شاید آپ چونکہ مجھ پر ناراض ہیں' مجھے ہی پکڑنا چاہتے ہیں-

حالانکہ اس کا یہ صرف بزدلانہ خیال تھا آپ تو اسی فرعونی کو پکڑنا چاہتے تھے اور اسے بچانا چاہتے تھے لیکن خوف و ہراس کی حالت میں بیساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے کہ کل تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا' کیا آج مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے؟ یہ سن کر وہ فرعونی اسے چھوڑ بھاگا' دوڑا گیا اور سرکاری سپاہ کو اس واقعہ کی خبر کر دی فرعون کو بھی قصہ معلوم ہوا- اسی وقت جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر قتل کر دو- یہ لوگ شارع عام سے آپؑ کی جستجو میں چلے- ادھر ایک بنی اسرائیلی نے راستہ کاٹ کر نزدیک کے راستے سے آ کر موسیٰ علیہ السلام کو خبر کر دی- اے ابن جبیر یہ ہے پانچواں فتنہ- حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سنتے ہی مٹھیاں بند کر کے مصر سے بھاگ کھڑے ہوئے نہ کبھی پیدل چلے تھے نہ کبھی کسی مصیبت میں پھنسے تھے شہزادوں کی طرح لاڈ چاؤ میں پلے تھے نہ راستے کی خبر تھی نہ کبھی سفر کا اتفاق پڑا تھا رب پر بھروسہ کر کے یہ دعا کر کے کہ الٰہی مجھے سیدھی راہ لے چلنا' چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ مدین کی حدود میں پہنچے-

یہاں دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں وہیں دو لڑکیوں کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں پوچھا کہ تم ان کے ساتھ اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلا لیتیں؟ الگ کھڑی ہوئی انہیں کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس بھیڑ میں ہمارے بس کی بات نہیں کہ اپنے جانوروں کو پانی پلائیں' ہم تو جب یہ لوگ پانی پلا چکتے ہیں' ان کا بقیہ اپنے جانوروں کو پلا دیا کرتی ہیں آپ فوراً آگے بڑھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا- چونکہ بہت جلد پانی کھینچا' آپ بہت قوی آدمی تھے' سب سے پہلے ان کے جانوروں کو سیر کر دیا- یہ اپنی بکریاں لے کر اپنے گھر روانہ ہوئیں اور آپ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے اور اللہ سے دعا کرنے لگے کہ پروردگار میں تیری تمام تر مہربانیوں کا محتاج ہوں- یہ دونوں لڑکیاں جب اپنے والد کے پاس پہنچیں تو انہوں نے کہا' آج کیا بات ہے کہ تم وقت سے پہلے ہی

آ گئیں اور بکریاں بھی خوب آسودہ اور شکم سیر معلوم ہوتی ہیں- تو ان بچیوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا آپ نے حکم دیا کہ تم میں سے ایک ابھی چلی جائے اور انہیں میرے پاس بلا لائے' وہ آئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے والد صاحب کے پاس لے گئیں انہوں نے سرسری ملاقات کے بعد واقعہ پوچھا تو آپ نے سارا قصہ کہہ سنایا اس پر وہ فرمانے لگے' اب کوئی ڈر کی بات نہیں آپ ان ظالموں سے چھوٹ گئے- ہم لوگ فرعون کی رعایا نہیں نہ ہم پر اس کا کوئی دباؤ ہے اسی وقت ایک لڑکی نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جی انہوں نے ہمارا کام کر دیا ہے اور یہ ہیں بھی قوت والے امانت دار شخص کیا اچھا ہو کہ آپ انہیں اپنے ہاں مقرر کر لیجئے کہ یہ اجرت پر ہماری بکریاں چرا لایا کریں- باپ کو غیرت اور غصہ آ گیا اور پوچھا بیٹی تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ قوی اور امین ہیں؟ بچی نے جواب دیا کہ قوت تو اس وقت معلوم ہوئی جب انہوں نے ہماری بکریوں کے لئے پانی نکالا اتنے بڑے ڈول کو اکیلے ہی کھینچتے تھے اور بڑی پھرتی اور ہر پن سے- امانت داری یوں معلوم ہوئی کہ میری آواز سن کر انہوں نے نظر اونچی کی اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ میں عورت ہوں' پھر نیچی گردن کر کے میری باتیں سنتے رہے' واللہ آپ کا پورا پیغام پہنچانے تک انہوں نے نگاہ اونچی نہیں کی- پھر مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے رہو مجھے دور سے راستہ بتا دیا کرنا- یہ بھی دلیل ہے ان کی رب ترسی اور امانت داری کی- باپ کی غیرت وحمیت بھی رہ گئی بچی کی طرف سے بھی دل صاف ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت دل میں سما گئی-

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمانے لگے' میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک میرے ہاں کا کام کاج کرتے رہیں ہاں اگر دس سال تک کریں تو اور بھی اچھا ہے ان شاءاللہ آپ دیکھ لیں گے کہ میں بھلا آدمی ہوں- چنانچہ یہ معاملہ طے ہو گیا اور اللہ کے پیغمبر علیہ السلام نے بجائے آٹھ سال کے دس سال پورے کئے- حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' پہلے مجھے یہ معلوم نہ تھا اور ایک نصرانی عالم مجھ سے یہ پوچھ بیٹھا تھا تو میں اسے کوئی جواب نہ دے سکا' پھر جب میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور آپ نے جواب دیا تو میں نے اس سے ذکر کیا' اس نے کہا تمہارے استاد بڑے عالم ہیں- میں نے کہا' ہاں ہیں ہی- اب موسیٰ علیہ السلام اس مدت کو پوری کر کے اپنی اہلیہ صاحبہ کو لئے ہوئے یہاں سے چلے پھر وہ واقعات ہوئے جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے آگ دیکھی' گئے' اللہ سے کلام کیا' لکڑی کا اژدہا بننا' ہاتھ کا نورانی بننا' ملاحظہ کیا' نبوت پائی' فرعون کی طرف بھیجے گئے تو قتل کے واقعہ کے بدلے کا اندیشہ ظاہر فرمایا اس سے اطمینان حاصل کر کے زبان کی گرہ کشائی کی طلب کی- اس کو حاصل کر کے اپنے بھائی ہارون کی ہمدردی اور شرکت کار چاہی- یہ بھی حاصل کر کے لکڑی لئے ہوئے شاہ مصر کی طرف چلے-

ادھر حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس وحی پہنچی کہ اپنے بھائی کی موافقت کریں اور ان کا ساتھ دیں- دونوں بھائی ملے اور فرعون کے دربار میں پہنچے- اطلاع کرائی بڑی دیر میں اجازت ملی' گئے فرعون پر ظاہر کیا کہ ہم اللہ کے رسول بن کر تیرے پاس آئے ہیں اب جو سوال وجواب ہوئے وہ قرآن میں موجود ہیں- فرعون نے کہا اچھا تم چاہتے کیا ہو؟ اور واقعہ قتل یاد دلایا جس کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا جو قرآن میں موجود ہے اور کہا' ہمارا ارادہ یہ ہے کہ تو ایمان لا اور ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہائی دے- اس نے انکار کیا اور کہا کہ اگر سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ آپ نے اسی وقت اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی وہ زمین پر پڑتے ہی ایک زبردست خوفناک اژدھے کی صورت میں منہ پھاڑے کچلیاں نکالے فرعون کی طرف لپکا مارے خوف کے فرعون تخت سے کود گیا اور بھاگتا ہوا عاجزی سے فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ اسے پکڑ لو- آپ نے ہاتھ لگایا' اور اسی وقت لاٹھی اپنی اصلی حالت میں آ گئی- پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ بغیر کسی مرض کے داغ کے چمکتا ہوا نکلا جسے دیکھ کر وہ حیران ہو گیا آپ نے پھر ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ اپنی اصلی حالت میں تھا- اب فرعون نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم نے دیکھا' یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے

ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے ملک پر قابض ہو کر تمہارے طریقے مٹا دیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں آپ کی نبوت ماننے سے بھی انکار ہے اور آپ کا کوئی مطالبہ بھی ہم پورا نہیں کر سکتے بلکہ ہم اپنے جادوگروں کو تمہارے مقابلہ کے لئے بلا رہے ہیں جو تمہارے اس جادو پر غالب آ جائیں گے چنانچہ یہ لوگ اپنی کوششوں میں مشغول ہو گئے تمام ملک سے جادوگروں کو بڑی عزت سے بلوایا جب سب جمع ہو گئے تو انہوں نے پوچھا کہ اس کا جادو کس قسم کا ہے؟ فرعون والوں نے کہا، لکڑی کا سانپ بنا دیتا ہے انہوں نے کہا، اس میں کیا ہے؟ ہم لکڑیوں کی رسیوں کے وہ سانپ بنائیں گے کہ روئے زمین پر ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ لیکن ہمارے لئے انعام مقرر ہو جانا چاہئے فرعون نے ان سے قول وقرار کیا کہ انعام کیسا؟ میں تو تمہیں اپنا مقرب خاص اور درباری بنا لوں گا اور تمہیں نہال نہال کر دوں گا جو مانگو گے پاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ عید والے دن دن چڑھے فلاں میدان میں مقابلہ ہوگا۔ مروی ہے کہ ان کی یہ عید عاشورا کے دن تھی۔

اس دن تمام لوگ صبح ہی صبح اس میدان میں پہنچ گئے کہ آج چل کر دیکھیں گے کہ کون غالب آتا ہے؟ ہم تو جادوگروں کے کمال کے قائل ہیں وہی غالب آئیں گے اور ہم انہی کی مانیں گے۔ مذاق سے اس بات کو بدل کر کہتے تھے کہ چلو انہی دونوں جادوگروں کے مطیع بن جائیں گے اگر وہ غالب رہیں۔ میدان میں آ کر جادوگروں نے انبیاء اللہ سے کہا کہ لو اب بتاؤ، تم پہلے اپنا جادو ظاہر کرتے ہو یا ہم ہی شروع کریں؟ آپ نے فرمایا تم ہی ابتدا کرو تا کہ تمہارے ارمان پورے ہوں اب انہوں نے اپنی لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈالیں وہ سب سانپ اور بلائیں بن کر اللہ کے نبیوں کی طرف دوڑیں جس سے خوفزدہ ہو کر آپ پیچھے ہٹنے لگے اس وقت اللہ کی وحی آئی کہ آپ اپنی لکڑی زمین پر ڈال دیجئے آپ نے ڈال دی وہ ایک خوفناک بھیانک عظیم الشان اژدہا بن کر ان کی طرف دوڑا یہ لکڑیاں رسیاں سب گڈ مڈ ہو گئیں اور وہ ان سب کو نگل گیا۔ جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں یہ تو سچ مچ اللہ کی طرف کا نشان ہے، جادو میں یہ بات کہاں؟ چنانچہ سب نے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ کے رب پر ایمان لائے اور ان دونوں بھائیوں کی نبوت، ہمیں تسلیم ہے۔ ہم اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ فرعون اور فرعونیوں کی کمر ٹوٹ گئی، رسوا ہوئے، منہ کالے پڑ گئے، ذلت کے ساتھ خاموش ہو گئے۔ خوف کے گھونٹ پی کر چپ ہو گئے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا، ادھر فرعون کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سگے بچے کی طرح پالا تھا، بے قرار بیٹھی تھیں اور اللہ سے دعائیں مانگ رہی تھیں کہ اللہ عزوجل اپنے نبی کو غالب کرے فرعونیوں نے بھی اس حال کو دیکھا تھا لیکن انہوں نے خیال کیا کہ اپنے خاوند کی طرفداری میں ان کا یہ حال ہے یہاں سے ناکام واپس جانے پر فرعون نے بے ایمانی پر کمر باندھ لی۔ اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بہت سے نشانات ظاہر ہوئے۔ جب کبھی کوئی پکڑ آ جاتی، یہ گھبرا کر بلکہ گڑگڑا کر وعدہ کرتا کہ اچھا اس مصیبت کے ہٹ جانے پر میں بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کر دوں گا لیکن جب عذاب ہٹ جاتا پھر منکر بن کر سرکشی پر آ جاتا اور کہتا تیرا رب اس کے سوا کچھ اور بھی کر سکتا ہے؟ چنانچہ ان پر طوفان آیا۔ ٹڈیاں آئیں، جوئیں آئیں، مینڈک آئے، خون آیا، اور بھی بہت سی صاف صاف نشانیاں دیکھیں۔ جہاں آفت آئی، دوڑا وعدہ کیا، جہاں وہ ٹل گئی، مکر گیا اور اکڑ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ آپ راتوں رات انہیں لے کر روانہ ہو گئے۔

صبح فرعونیوں نے دیکھا کہ رات کو سارے بنی اسرائیل چلے گئے ہیں فرعون سے کہا، اس نے سارے ملک میں احکام بھیج کر ہر طرف سے فوجیں جمع کیں اور بہت بڑی جمعیت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ راستے میں جو دریا پڑتا تھا، اس کی طرف اللہ کی وحی پہنچی کہ تجھ پر جب میرے بندے موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی پڑے تو تو انہیں راستہ دے دینا۔ تجھ میں بارہ راستے ہو جائیں کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے الگ

الگ اپنی راہ لگ جائیں- پھر جب یہ پار ہو جائیں اور فرعونی آ جائیں تو تو مل جانا اور ان میں سے ایک کو بھی بے ڈبوئے نہ چھوڑنا- موسیٰ علیہ السلام جب دریا پر پہنچے دیکھا کہ وہ موجیں مار رہا ہے پانی چڑھا ہوا ہے شور اٹھ رہا ہے گھبرا گئے اور لکڑی مارنا بھول گئے دریا بے قرار یوں تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس کے کسی حصے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام لکڑی مار دیں اور اسے خبر نہ ہو تو عذاب اللہ میں بہ سبب اللہ کی نافرمانی کے پھنس جائے- اتنے میں فرعون کا لشکر بنی اسرائیل کے سر پر جا پہنچا یہ گھبرا گئے اور کہنے لگے لو موسیٰ ہم تو پکڑ لئے گئے اب آپ وہ کیجئے جو اللہ کا آپ کو حکم ہے یقیناً نہ تو اللہ جھوٹا ہے نہ آپ-

آپ نے فرمایا مجھ سے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تو دریا پر پہنچے گا‘ وہ تجھے بارہ راستے دے دے گا‘ تو گزر جانا- اسی وقت یاد آیا کہ لکڑی مارنے کا حکم ہوا ہے- چنانچہ لکڑی ماری ادھر فرعونی لشکر کا اول حصہ بنی اسرائیل کے آخری حصے کے پاس آ چکا تھا کہ دریا خشک ہو گیا اور اس میں راستے نمایاں ہو گئے اور آپ اپنی قوم کو لئے ہوئے اس میں بے خطر اتر گئے اور با آرام جانے لگے جب یہ نکل چکے فرعونی سپاہ ان کے تعاقب میں دریا میں اتری جب یہ سارا لشکر اس میں اتر گیا تو فرمان اللہ کے مطابق دریا رواں ہو گیا اور سب کو بہ یک وقت غرق کر دیا- بنو اسرائیل اس واقعہ کو اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے تاہم انہوں نے کہا کہ اے رسول اللہ ہمیں کیا خبر کہ فرعون بھی مرا یا نہیں؟ آپ نے دعا کی اور دریا نے فرعون کی بے جان لاش کو کنارے پر پھینک دیا- جسے دیکھ کر انہیں یقین کامل ہو گیا کہ ان کا دشمن مع اپنے لاؤ ولشکر کے تباہ ہو گیا-

فرعون سے نجات کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیاں : ☆☆ اب یہاں سے آگے چلے تو دیکھا کہ ایک قوم اپنے بتوں کی مجاور بن کر بیٹھی ہے تو کہنے لگے اے اللہ کے رسول‘ ہمارے لئے بھی کوئی معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراض ہو کر کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو الخ‘ تم نے اتنی بڑی عبرتناک نشانیاں دیکھیں- ایسے اہم واقعات سنے لیکن اب تک نہ عبرت ہے نہ غیرت- یہاں سے آگے بڑھ کر ایک منزل پر آپ نے قیام کیا اور یہاں اپنے خلیفہ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنا کر قوم سے فرمایا کہ میری واپسی تک ان کی فرمانبرداری کرتے رہنا میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں- تیس دن کا اس کا وعدہ ہے- چنانچہ قوم سے الگ ہو کر وعدے کی جگہ پہنچ کر تیس دن رات کے روزے پورے کر کے اللہ سے باتیں کرنے کا دھیان پیدا ہوا لیکن یہ سمجھ کر کہ روزوں کی وجہ سے منہ سے بھبکا نکل رہا ہو گا‘ تھوڑی سی گھانس لے کر آپ نے چبالی- اللہ تعالیٰ نے باوجود علم کے دریافت فرمایا کہ ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب دیا‘ صرف اس لئے کہ تجھ سے باتیں کرتے وقت میرا منہ خوشبودار ہو- اللہ تعالیٰ نے فرمایا‘ کیا تجھے معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک وعنبر کی خوشبو سے زیادہ اچھی لگتی ہے؟ اب تو دس روزے اور رکھ پھر مجھ سے کلام کرنا- آپ نے روزے رکھنا شروع کر دیئے- قوم پر تیس دن جب گزر گئے اور حسب وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ لوٹے تو وہ غمگین رہنے لگے-

حضرت ہارون علیہ السلام نے ان میں خطبہ کیا اور فرمایا کہ جب تم مصر سے چلے تھے تو قبطیوں کی رقمیں تم میں سے بعض پر ادھار تھیں اسی طرح ان کی امانتیں بھی تمہارے پاس رہ گئی ہیں یہ ہم انہیں واپس تو کرنے کے نہیں لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ ہماری ملکیت میں رہیں اس لئے تم ایک گہرا گڑھا کھودو اور جو اسباب برتن بھانڈا‘ زیور سونا چاندی وغیرہ ان کا تمہارے پاس ہے سب اس میں ڈالو پھر آگ لگا دو- چنانچہ یہی کیا گیا ان کے ساتھ سامری نامی ایک شخص تھا یہ گائے بچھڑے پوجنے والوں میں سے تھا بنی اسرائیل میں سے نہ تھا لیکن بوجہ پڑوسی ہونے کے اور فرعون کی قوم میں سے نہ ہونے کے یہ بھی ان کے ساتھ وہاں سے نکل آیا تھا اس نے کسی نشان سے کچھ مٹھی میں اٹھا لیا تھا- حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا‘ تو بھی اسے ڈال دے اس نے جواب دیا کہ یہ تو اس کے اثر سے ہے جو تمہیں دریا سے پار کرا لے گیا- خیر میں اسے ڈال دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اس سے وہ بن جائے جو میں چاہتا ہوں- آپ نے دعا کی اور اس

نے اپنی مٹھی میں جو تھا، اسے ڈال دیا اور کہا میں چاہتا ہوں اس کا ایک بچھڑا بن جائے ۔ قدرت اللہ سے اس گڑھے میں جو تھا، وہ ایک بچھڑے کی صورت میں ہو گیا جو اندر سے کھوکھلا تھا اس میں روح نہ تھی لیکن ہوا اس کے پیچھے کے سوراخ سے جا کر منہ سے نکلتی تھی اس سے ایک آواز پیدا ہوتی تھی ۔

بنو اسرائیل نے پوچھا، سامری یہ کیا ہے؟ اس بے ایمان نے کہا، یہی تمہارا سب کا رب ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول گئے اور دوسری جگہ رب کی تلاش میں چلے گئے ۔ اس بات نے بنی اسرائیل کے کئی فرقے کر دیئے ۔ ایک فرقے نے تو کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے تک ہم اس کی بابت کوئی بات طے نہیں کر سکتے ممکن ہے یہی اللہ ہو تو ہم اس کی بے ادبی کیوں کریں؟ اور اگر یہ رب نہیں ہے تو موسیٰ علیہ السلام کے آتے ہی حقیقت کھل جائے گی ۔ دوسری جماعت نے کہا، محض واہیات ہے یہ شیطانی حرکت ہے ہم اس لغویت پر مطلقاً ایمان نہیں رکھتے، نہ یہ ہمارا رب نہ ہمارا اس پر ایمان ۔ ایک پاجی فرقے نے دل سے اسے مان لیا اور سامری کی بات پر ایمان لائے مگر بہ ظاہر اس کی بات کو جھٹلایا ۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اسی وقت سب کو جمع کر کے فرمایا کہ لوگو! یہ اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہے تم اس جھگڑے میں کہاں پھنس گئے تمہارا رب تو رحمٰن ہے تم میری اتباع کرو اور میرا کہنا مانو ۔ انہوں نے کہا آخر اس کی کیا وجہ کہ تیس دن کا وعدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے ہیں اور آج چالیس دن ہونے کو آئے لیکن اب تک لوٹے نہیں ۔ بعض بیوقوفوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان سے ان کا رب خطا کر گیا اب یہ اس کی تلاش میں ہوں گے ۔ ادھر دس روزے اور پورے ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا ۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کے بعد آپ کی قوم کا اس وقت کیا حال ہے؟ آپ اسی وقت رنج وافسوس اور غم و غصے کے ساتھ واپس لوٹے اور یہاں آ کر قوم سے بہت کچھ کہا سنا اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنے لگے غصے کی زیادتی کی وجہ سے تختیاں بھی ہاتھ سے پھینک دیں ۔ پھر اصل حقیقت معلوم ہو جانے پر آپ نے اپنے بھائی سے معذرت کی ان کے لئے استغفار کیا اور سامری کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے کے پاؤں تلے سے میں نے ایک مٹھی اٹھالی یہ لوگ اسے نہ پہچان سکے اور میں نے جان لیا تھا میں نے وہی مٹھی اس آگ میں ڈال دی تھی میری رائے میں یہی بات آئی ۔ آپ نے فرمایا، جا اس کی سزا دنیا میں تو یہ ہے کہ تو یہی کہتا رہے کہ "ہاتھ لگانا نہیں" پھر ایک وعدے کا وقت ہے جس کا ٹلنا ناممکن ہے اور تیرے دیکھتے ہوئے ہم تیرے اس معبود کو جلا کر اس کی خاک بھی دریا میں بہا دیں گے ۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا، اس وقت بنی اسرائیل کو یقین آ گیا کہ واقعی وہ اللہ نہ تھا ۔ اب وہ بڑے نادم ہوئے اور سوائے ان مسلمانوں کے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ہم عقیدہ رہے تھے، باقی کے لوگوں نے عذر معذرت کی اور کہا کہ اے نبی اللہ، اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے، جو وہ فرمائے گا، ہم بجا لائیں گے تاکہ ہماری یہ زبردست خطا معاف ہو جائے ۔

آپ نے بنی اسرائیل کے اس گروہ میں سے ستر لوگوں کو چھانٹ کر علیحدہ کیا اور توبہ کے لئے چلے وہاں زمین پھٹ گئی اور آپ کے سب ساتھی اس میں اتار دیئے گئے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوا کہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ گریہ وزاری شروع کی اور دعا کی کہ اللہ اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی مجھے اور ان سب کو ہلاک کر دیتا ہمارے بیوقوفوں کے گناہ کے بدلے تو ہمیں ہلاک نہ کر ۔ آپ تو ان کے ظاہر کو دیکھ رہے تھے اور اللہ کی نظریں ان کے باطن پر تھیں ان میں ایسے بھی تھے جو بہ ظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے لیکن دراصل دلی عقیدہ ان کا اس بچھڑے کے رب ہونے پر تھا ان ہی منافقین کی وجہ سے سب کو تہ زمین کر دیا گیا تھا ۔ نبی اللہ کی اس آہ وزاری پر رحمت الٰہی جوش میں آئی اور جواب ملا کہ یوں تو میری رحمت سب پر چھائے ہوئے ہے لیکن میں اسے ان کے نام ہبہ کروں گا جو متقی پرہیزگار ہوں، زکوٰۃ

کے ادا کرنے والے ہوں، میری باتوں پر ایمان لائیں اور میرے اس رسول و نبی کی اتباع کریں جس کے اوصاف وہ اپنی کتابوں میں لکھے پاتے ہیں یعنی تورات وانجیل میں۔

حضرت کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے عرض کی کہ یا الٰہی میں نے اپنی قوم کے لئے توبہ طلب کی، تو نے جواب دیا کہ تو اپنی رحمت کو ان کے ساتھ کردے گا جو آگے آنے والے ہیں پھر اللہ مجھے بھی تو اپنے اسی رحمت والے نبی کی امت میں پیدا کرتا۔ رب العالمین نے فرمایا، سنو ان کی توبہ اس وقت قبول ہوگی کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں نہ باپ بیٹے کو دیکھے نہ بیٹا باپ کو چھوڑے آپس میں گتھ جائیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ بنو اسرائیل نے یہی کیا اور جو منافق لوگ تھے، انہوں نے بھی سچے دل سے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی جو بچ گئے تھے، وہ بھی بخشے گئے، جو قتل ہوئے وہ بھی بخش دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اب یہاں سے بیت المقدس کی طرف چلے، توراۃ کی تختیاں اپنے ساتھ لیں اور انہیں احکام اللہ سنائے جو ان پر بہت بھاری پڑے اور انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک پہاڑ ان کے سروں پر معلق کھڑا کر دیا گیا، وہ مثل سائبان کے سروں پر تھا اور ہر دم ڈر تھا کہ اب گرا، انہوں نے اب اقرار کیا اور تورات قبول کر لی پہاڑ ہٹ گیا۔ اس پاک زمین پر پہنچے جہاں کلیم اللہ انہیں لے جانا چاہتے تھے دیکھا کہ وہاں ایک بڑی طاقتور زبردست قوم کا قبضہ ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے نہایت نامردی سے کہا کہ یہاں تو بڑی زور آور قوم ہے، ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں یہ نکل جائیں تو ہم شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ تو یونہی نامردی اور بزدلی ظاہر کرتے رہے ادھر اللہ تعالیٰ نے ان سرکشوں میں سے دو شخصوں کو ہدایت دے دی وہ شہر سے نکل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں آ ملے اور انہیں سمجھانے لگے کہ تم ان کے جسموں اور تعداد سے مرعوب نہ ہو جاؤ یہ لوگ بہادر نہیں ان کے دل گردے کمزور ہیں تم آگے تو بڑھو ان کے شہر کے دروازے میں گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوئے یقیناً تم ان پر غالب آ جاؤ گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں شخص جنہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا اور انہیں دلیر بنایا، خود بنی اسرائیل میں سے ہی تھے واللہ اعلم۔ لیکن ان کے سمجھانے بجھانے اللہ کے حکم ہو جانے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدے نے بھی ان پر کوئی اثر نہ کیا بلکہ انہوں نے صاف کورا جواب دے دیا کہ جب تک یہ لوگ شہر میں ہیں، ہم تو یہاں سے اٹھنے کے بھی نہیں، موسیٰ علیہ السلام، تو آپ اپنے رب کو اپنے ساتھ لے کر چلا جا اور ان سے لڑ بھڑ لے، ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا آپ کے منہ سے ان بزدلوں اور ناقدروں کے حق میں بددعا نکل گئی اور آپ نے ان کا نام فاسق رکھ دیا۔ اللہ کی طرف سے بھی ان کا یہی نام مقرر ہو گیا اور انہیں اسی میدان میں قدرتی طور پر قید کر دیا گیا۔ چالیس سال انہیں یہیں گزر گئے کہیں قرار نہ تھا، اسی بیابان میں پریشانی کے ساتھ بھٹکتے پھرتے تھے، اسی میدان قید میں ان پر ابر کا سایہ کر دیا گیا اور من وسلویٰ اتار دیا گیا کپڑے نہ پھٹتے تھے نہ میلے ہوتے تھے۔ ایک چوکونہ پتھر رکھا ہوا تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکڑی ماری تو اس میں سے بارہ نہریں جاری ہو گئیں ہر طرف سے تین تین لوگ چلتے چلتے آگے بڑھ جاتے تھک کر مقام کر دیتے صبح اٹھتے تو دیکھتے کہ وہ پتھر وہیں ہے جہاں کل تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تو فرمایا کہ اس فرعونی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اگلے دن کے قتل کی خبر رسانی کی تھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ قبطی کے قتل کے وقت سوائے اس بنی اسرائیلی ایک شخص کے جو قبطی سے لڑ رہا تھا، وہاں کوئی اور نہ تھا۔

اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت گڑے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھام کر حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے اور ان سے کہا، آپ کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس شخص کا حال بیان فرمایا تھا جس نے

حضرت موسیٰ کے قتل کے راز کو کھولا تھا؟ بتاؤ وہ بنی اسرائیلی شخص تھا یا فرعونی؟ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' بنی اسرائیلی سے اس فرعونی نے سنا' پھر اس نے جا کر حکومت سے کہا اور خود اس کا شاہد بنا (سنن کبری نسائی) یہی روایت اور کتابوں میں بھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے کلام سے بہت تھوڑا سا حصہ مرفوع بیان کیا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ نے بنو اسرائیل میں سے کسی سے یہ روایت لی ہو کیونکہ ان سے روایتیں لینا مباح ہیں یا تو آپ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی یہ روایت سنی ہو گی اور ممکن ہے کسی اور سے سنی ہو واللہ اعلم۔ میں نے اپنے استاد شیخ حافظ ابوالحجاج مزی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی سنا ہے۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ
يّٰمُوْسٰى ۝٤٠ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝٤١ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ
وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝٤٢ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝٤٣ فَقُوْلَا
لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝٤٤

پھر تو کوئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا پھر تقدیر الٰہی کے مطابق اے موسیٰ تو آیا ○ اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لئے پسند فرما لیا ○ اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لئے ہوئے جا' خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا ○ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ اس نے بڑی سرکشی کی ہے ○ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ وہ سمجھ لے یا ڈر جائے ○

موسیٰ علیہ السلام فرار کے بعد: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جناب باری عزوجل فرما رہا ہے کہ تم فرعون سے بھاگ کر مدین پہنچے یہاں سسرال مل گئی اور شرط کے مطابق ان کی بکریاں برسوں تک چراتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اندازے اور اس کے مقررہ وقت پر تم اس کے پاس پہنچے۔ اس رب کی کوئی چاہت ناکام نہیں رہتی' کوئی فرمان نہیں ٹوٹتا' اس کے وعدے کے مطابق اس کے مقررہ وقت پر تمہارا اس کے پاس پہنچنا لازمی امر تھا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ تم اپنی قدر و عزت کو پہنچے یعنی رسالت و نبوت ملی۔ میں نے تمہیں اپنا برگزیدہ پیغمبر بنا لیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا' آپ نے تو لوگوں کو مشقت میں ڈال دیا انہیں جنت سے نکال دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا' آپ کو اللہ نے اپنی رسالت سے ممتاز فرمایا اور اپنے لئے پسند فرمایا اور تورات عطا فرمائی کیا اس میں آپ نے یہ نہیں پڑھا کہ میری پیدائش سے پہلے یہ سب مقدر ہو چکا تھا؟ کہا ہاں۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غلبہ پا گئے۔ میری دی ہوئی دلیل اور معجزے لے کر تو اور تیرا بھائی دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ میری یاد میں غفلت نہ کرنا' تھک کر بیٹھ نہ رہنا۔ چنانچہ فرعون کے سامنے دونوں ذکر اللہ میں لگے رہتے تا کہ اللہ کی مدد ان کا ساتھ دے' انہیں قوی اور مضبوط بنا دے اور فرعون کی شوکت ٹال دے۔

چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ میرا پورا اور سچا بندہ وہ ہے جو دشمن سے لڑائی کے وقت بھی میری یاد کرتا رہے۔ فرعون کے پاس تم میرا پیغام لے کر پہنچو اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے۔ اللہ کی نافرمانیوں پر دلیر ہو گیا ہے بہت پھول گیا ہے اور اپنے خالق مالک کو بھول گیا ہے۔ اس سے گفتگو نرم کرنا۔ دیکھو فرعون کس قدر برا ہے۔ حضرت موسیٰ کس قدر بھلے ہیں لیکن حکم یہ ہو رہا ہے کہ نرمی سے سمجھانا۔ حضرت یزید رقاشی رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے یَا مَنْ یَّتَحَبَّبُ اِلٰی مَنْ یُّعَادِیْهِ ۔ فَكَیْفَ مَنْ یَّتَوَلَّاهُ وَ یُنَادِیْهِ یعنی اے وہ اللہ جو دشمنوں

سے بھی محبت اور نرمی کرتا ہے- تیرا کیسا کچھ پاکیزہ برتاؤ ہوتا' اس کے ساتھ جو تجھ سے محبت کرتا ہو اور تجھے پکارا کرتا ہو- حضرت وہب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نرم گفتگو کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے کہنا کہ میرے غضب و غصے سے میری مغفرت و رحمت بہت بڑھی ہوئی ہے- عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں نرم بات کہنے سے اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو جائے- حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس سے کہنا کہ تیرا رب ہے' تجھے مر کر اللہ کے وعدے پر پہنچنا ہے جہاں جنت دوزخ دونوں ہیں- حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اسے میرے دروازے پر لا کھڑا کرو- الغرض تم اس سے نرمی اور آرام سے گفتگو کرنا تا کہ اس کے دل میں تمہاری باتیں بیٹھ جائیں جیسے فرمان اللہ ہے اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی اپنے رب کی راہ کی دعوت انہیں حکمت اور اچھے وعظ سے دے اور انہیں بہترین طریقے سے سمجھا بجھا دے تا کہ وہ سمجھ لے اور اپنی ضلالت و ہلاکت سے ہٹ جائے یا اپنے اللہ سے ڈرنے لگے اور اس کی اطاعت و عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے- جیسے فرمان ہے لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا یہ نصیحت اس کے لئے ہے جو عبرت حاصل کر لے یا شکر گزار بن جائے- پس عبرت حاصل کرنے سے مراد برائیوں سے اور خوف کی چیز سے ہٹ جانا اور ڈر سے مراد اطاعت کی طرف مائل ہو جانا ہے-

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس کی ہلاکت کی دعا نہ کرنا جب تک کہ اس کے تمام عذر ختم نہ ہو جائیں- زید بن عمرو بن فیل کے یا امیہ بن صلت کے شعروں میں ہے کہ اے اللہ تو وہ ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہہ کر باغی فرعون کی طرف بھیجا کہ اس سے پوچھو تو کہ کیا اس آسمان کو بے ستون کے تو نے تھام رکھا ہے؟ اور تو نے ہی اسے بنایا ہے؟ اور کیا تو نے ہی اس کے درمیان روشن سورج کو چڑھایا ہے جو اندھیرے کو اجالے سے بدل دیتا ہے ادھر صبح کے وقت وہ نکلا' ادھر دنیا سے ظلمت دور ہوئی- بھلا بتلا تو کہ مٹی میں سے دانے نکالنے والا کون ہے؟ اور اس میں بالیاں پیدا کرنے والا کون ہے؟ کیا ان تمام نشانیوں سے بھی تو اللہ کو نہیں پہچان سکتا؟

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝۴۵ قَالَ لَا
تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝۴۶ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ
فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ
رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝۴۷ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ
اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۴۸

دونوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمیں تو خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے ○ جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو- میں خود تمہارے ساتھ ہوں- سنتا دیکھتا رہوں گا ○ تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں- تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے- ان کی سزائیں موقوف کر' ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں' دراصل سلامتی اسی کے لئے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے ○ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے' اسی کے لئے عذاب ہیں ○

اللہ کے سامنے اظہار بے بسی: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۸) اللہ کے ان دونوں پیغمبروں نے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہوئے اپنی کمزوری کی شکایت رب کے سامنے کی کہ ہمیں خوف ہے کہ فرعون کہیں ہم پر کوئی ظلم نہ کرے اور بدسلوکی سے پیش نہ آئے- ہماری آواز کو دبانے کے لئے

جلدی سے ہمیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دے اور ہمارے ساتھ ناانصافی سے پیش نہ آئے۔ رب العلمین کی طرف سے ان کی تشفی کر دی گئی۔ ارشاد ہوا کہ اس کا کچھ خوف نہ کھاؤ میں خود تمہارے ساتھ ہوں تمہاری اور اس کی بات چیت سنتا رہوں گا اور تمہارا حال دیکھتا رہوں گا۔ کوئی بات مجھ پر مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے وہ بغیر میری اجازت کے سانس بھی تو نہیں لے سکتا۔ میرے قبضے سے کبھی باہر نہیں نکل سکتا۔ میری حفاظت ونصرت، تائید ومدد تمہارے ساتھ ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں دعا کی کہ مجھے وہ دعا تعلیم فرمائی جائے جو میں فرعون کے پاس جاتے ہوئے پڑھ لیا کروں تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی ھیا شراھیا جس کے معنی عربی میں اَنَا الْحَیُّ قَبْلَ کُلِّ شَئیٍ وَّالْحَیُّ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ یعنی میں ہی ہوں سب سے پہلے زندہ اور سب سے بعد بھی زندہ۔ پھر انہیں بتلایا گیا کہ یہ فرعون کو کیا کہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ گئے دروازے پر ٹھہرے، اجازت مانگی، بڑی دیر کے بعد اجازت ملی۔ محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں پیغمبر دو سال تک روزانہ صبح شام فرعون کے ہاں جاتے رہے، دربانوں سے کہتے رہے کہ ہم دونوں پیغمبروں کی آمد کی خبر بادشاہ سے کرو۔ لیکن فرعون کے ڈر کے مارے کسی نے خبر نہ کی۔ دو سال کے بعد ایک روز اس کے ایک بے تکلف دوست نے جو بادشاہ سے ہنسی، دل لگی بھی کر لیا کرتا تھا، کہا کہ آپ کے دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے اور ایک عجیب مزے کی بات کہہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آپ کے سوا اس کا کوئی اور رب ہے اور اس کے رب نے اسے آپ کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے کہا۔ کیا میرے دروازے پر وہ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حکم دیا کہ اندر بلا لو۔ چنانچہ آدمی گیا اور دونوں پیغمبر دربار میں آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، میں رب العالمین کا رسول ہوں، فرعون نے آپ کو پہچان لیا کہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام ہے۔

سدی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ آپ مصر میں اپنے ہی گھر ٹھہرے تھے۔ ماں نے اور بھائی نے پہلے تو آپ کو پہچانا نہیں گھر میں جو پکا تھا، وہ مہمان سمجھ کر ان کے پاس لا رکھا۔ اس کے بعد پہچانا۔ سلام کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس بادشاہ کو اللہ کی طرف بلاؤں اور تمہاری نسبت فرمان ہوا ہے کہ تم میری تائید کرو۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا، پھر بسم اللہ کیجئے۔ رات کو دونوں صاحب بادشاہ کے ہاں گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لکڑی سے کواڑ کھٹکھٹائے۔ فرعون آگ بگولا ہو گیا کہ اتنا بڑا دلیر آدمی کون آ گیا جو یوں بے ساختہ دربار کے آداب کے خلاف اپنی لکڑی سے مجھے ہوشیار کر رہا ہے۔ درباریوں نے کہا، حضرت کچھ نہیں، یونہی ایک مجنوں آدمی ہے۔ کہتا پھرتا ہے کہ میں رسول ہوں۔ فرعون نے حکم دیا کہ اسے میرے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام کو لئے ہوئے آپ اس کے پاس گئے۔ اور اس سے فرمایا کہ ہم اللہ کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے انہیں سزائیں نہ کر۔ ہم رب العالمین کی طرف سے اپنی رسالت کی دلیلیں اور معجزے لے کر آئے ہیں اگر تو ہماری بات مان لے تو تجھ پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہو گی۔ رسول کریم ﷺ نے بھی جو خط شاہ روم ہرقل کے نام لکھا تھا، اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد یہ مضمون تھا کہ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام ہے، جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو۔ اس کے بعد یہ کہ تم اسلام قبول کر لو تو سلامت رہو گے اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عنایت فرمائے گا۔

مسیلمہ کذاب نے صادق ومصدوق ختم المرسلین ﷺ کو ایک خط لکھا تھا جس میں تحریر تھا کہ یہ اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے خدائے رسول محمد کے نام آپ پر سلام ہو، میں نے آپ کو شریک کار کر لیا ہے شہری آپ کے لئے اور دیہاتی میرے لئے۔ یہ قریشی تو بڑے ہی

ظالم لوگ ہیں- اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اسے لکھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے- سلام ہو ان پر جو ہدایت کی تابعداری کریں- سن لے زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بناتا ہے' انجام کے لحاظ سے بھلے لوگ وہ ہیں جن کے دل خوف الٰہی سے پر ہوں- الغرض پیغمبر اللہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون سے یہی کہا کہ سلام ان پر ہے جو ہدایت کے پیرو ہوں- پھر فرماتا ہے کہ ہمیں بذریعہ وحی الٰہی یہ بات معلوم کرائی گئی ہے کہ عذاب کے لائق صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ کے کلام کو جھٹلائیں اور اللہ کی باتوں کے ماننے سے انکار کر جائیں جیسے اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی جو شخص سرکشی کرے اور دنیا کی زندگانی پر ریجھ کر اسی کو پسند کر لے' اس کا آخری ٹھکانا جہنم ہی ہے- اور آیتوں میں ہے کہ میں تمہیں شعلے مارنے والی آگ جہنم سے ڈرا رہا ہوں جس میں صرف وہ بدبخت داخل ہوں گے جو جھٹلائیں اور منہ موڑ لیں- اور آیتوں میں ہے کہ اس نے نہ تو مان کر دیا نہ نماز ادا کی بلکہ دل سے منکر رہا اور کام فرمان کے خلاف کیے-

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى (٤٩) قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (٥٠) قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى (٥١) قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۟ (٥٢)

فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ ○ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ جس نے ہر ایک کو اس کی خاص شکل عنایت فرمائی پھر راہ سجھا دی ○ اس نے کہا' یہ بتاؤ اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہونا ہے؟ ○ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے' نہ تو میرا رب غلطی کرے نہ بھولے ○

مکالمات موسیٰ علیہ السلام اور فرعون: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۲) چونکہ یہ ناہنجار یعنی فرعون مصر وجود باری تعالیٰ کا منکر تھا' پیغام رب کلیم اللہ کی زبانی سن کر وجود خالق کے انکار کے طور پر سوال کرنے لگا کہ تمہارا بھیجنے والا اور تمہارا رب کون ہے؟ میں تو اسے نہیں جانتا نہ اسے مانتا ہوں- بلکہ میری دانست میں تو تم سب کا رب میرے سوا اور کوئی نہیں- اللہ کے سچے رسول علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شخص کو اس کا جوڑا عطا فرمایا ہے- انسان کو بصورت انسان' گدھے کو اس کی صورت پر' بکری کو ایک علیحدہ صورت پر پیدا فرمایا ہے ہر ایک کو اس کی مخصوص صورت میں بنایا ہے- ہر ایک کی پیدائش نرالی شان سے درست کر دی ہے- انسانی پیدائش کا طریقہ الگ ہے' چوپائے الگ صورت میں ہیں' درندے الگ وضع میں ہیں- ہر ایک کے جوڑے کی ہیئت ترکیبی علیحدہ ہے- کھانا پینا' کھانے پینے کی چیزیں' جوڑے سب الگ الگ اور ممتاز و مخصوص ہیں- ہر ایک کا انداز مقرر کر کے پھر اس کی ترکیب اسے بتلا دی ہے- عمل' اجل' رزق مقدر اور مقرر کر کے اسی پر لگا دیا ہے' نظام کے ساتھ ساری مخلوق کا کارخانہ چل رہا ہے- کوئی اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا- خلق کا خالق' تقدیروں کا مقرر کرنے والا' اپنے ارادے پر مخلوق کی پیدائش کرنے والا ہی ہمارا رب ہے- یہ سب سن کر اس بے سمجھ نے پوچھا کہ اچھا تو پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو ہم سے پہلے تھے اور اللہ کی عبادت کے منکر تھے؟ اس سوال کو اس نے اہمیت کے ساتھ کیا- لیکن اللہ کے پیغمبر علیہ السلام نے ایسا جواب دیا کہ عاجز ہو گیا- فرمایا! ان سب کا علم میرے رب کو ہے لوح محفوظ میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں- جزا سزا کا دن مقرر ہے- نہ وہ غلط کرے کہ کوئی چھوٹا بڑا اس کی پکڑ سے چھوٹ جائے نہ وہ بھولے کہ مجرم اس کی گرفت سے رہ جائیں- اس کا علم تمام چیزوں کو اپنے میں

گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ نہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہ علم کے بعد بھول جانے کا اس کا وصف، وہ کمی علم کے نقصان سے، وہ بھول کے نقصان سے پاک ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا
سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾
كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ۲ ع ۲۰ ۱۱
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾
وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اسی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا ہے، اور اس میں تمہارے لئے راستے چلا دیئے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے، پھر برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں ○ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ، کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے ○ ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا ○

اللہ رب العزت کا تعارف: ☆☆ (آیت: ۵۳) موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سوال کے جواب میں اوصاف اللہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی اللہ نے زمین کو لوگوں کے لئے فرش بنایا ہے۔ مَهْدًا کی دوسری قرات مِهَادًا ہے۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے بطور فرش کے بنا دیا ہے کہ تم اس پر قرار کئے ہوئے ہو، اسی پر سوتے بیٹھتے رہتے سہتے ہو۔ اس نے زمین میں تمہارے چلنے پھرنے اور سفر کرنے کے لئے راہیں بنا دی ہیں تاکہ تم راستہ نہ بھولو اور منزل مقصود تک بہ آسانی پہنچ سکو۔ وہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کی وجہ سے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ کھیتیاں، باغات، میوے، قسم قسم کے ذائقے دار کہ تم خود کھا لو اور اپنے جانوروں کو چارہ بھی دو۔

(آیت: ۵۴-۵۶) تمہارا کھانا اور میوے تمہارے جانوروں کا چارا، خشک اور تر سب اسی سے اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ جن کی عقلیں صحیح سالم ہیں، ان کے لئے تو قدرت کی یہ تمام نشانیاں دلیل ہیں اللہ کی الوہیت، اس کی وحدانیت اور اس کے وجود پر۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا فرمایا ہے تمہاری ابتدا اسی سے ہے اس لئے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اسی سے ہوئی ہے اسی میں تمہیں پھر لوٹنا ہے۔ مر کر اسی میں دفن ہونا ہے۔ اسی سے پھر قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔ ہماری پکار پر ہماری تعریفیں کرتے ہوئے اٹھو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی تھوڑی دیر رہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اسی زمین پر تمہاری زندگی گزرے گی، مر کر بھی اسی میں جاؤ گے۔ پھر اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے دفن کے بعد اس کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے پہلی بار فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ دوسری لپ ڈالتے ہوئے فرمایا وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ تیسری بار فرمایا وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ الغرض فرعون کے سامنے دلیلیں آ چکیں، اس نے معجزے اور نشان دیکھ لئے لیکن سب کا انکار اور تکذیب کرتا رہا، کفر، سرکشی، ضد اور تکبر سے باز نہ آیا جیسے فرمان ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا یعنی باوجودیکہ ان کے دلوں میں یقین ہو چکا تھا لیکن تاہم از راہ ظلم و زیادتی انکار سے باز نہ آئے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾
فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا
نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ
الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ
كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾
فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾

کہنے لگا کہ اے موسیٰ! کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے؟ ○ تو ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے۔ تو تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ گاہ مقرر کر لے کہ نہ ہم اس کا خلاف کریں نہ تو' صاف میدان میں مقابلہ ہو ○ جواب دیا کہ وعدہ زینت اور جشن کے دن کا ہے۔ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں ○ پس فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے داؤ گھات جمع کئے ○ پھر آ گیا۔ موسیٰ نے ان سے کہا' تمہاری شامت آ چکی۔ اللہ پر جھوٹ افترا نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذابوں سے ملیا میٹ کر دے' یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا جس نے تہمت باندھی ○ پس یہ لوگ اپنے آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چھپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے ○

فرعون کے ساحر اور موسیٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ لکڑی کا سانپ بن جانا' ہاتھ کا روشن ہو جانا وغیرہ دیکھ کر فرعون نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور تو جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتا ہے۔ تو تو مغرور نہ ہو جا۔ ہم بھی اس جادو میں تیرا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دن اور جگہ مقرر ہو جائے اور مقابلہ ہو جائے۔ ہم بھی اس دن اس جگہ آ جائیں اور تو بھی' ایسا نہ ہو کہ کوئی نہ آئے۔ کھلے میدان میں سب کے سامنے ہار جیت کھل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' مجھے منظور ہے اور میرے خیال سے تو اس کے لئے تمہاری عید کا دن مناسب ہے۔ کیونکہ وہ فرصت کا دن ہوتا ہے سب آ جائیں گے اور دیکھ کر حق و باطل میں تمیز کر لیں گے۔ معجزے اور جادو کا فرق سب پر ظاہر ہو جائے گا۔ وقت دن چڑھے کا رکھنا چاہئے تا کہ جو کچھ میدان میں آئے' سب دیکھ سکیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ان کی زینت اور عید کا دن عاشورے کا دن تھا۔ یہ یاد رہے کہ انبیاء علیہ السلام ایسے موقعوں پر کبھی پیچھے نہیں رہتے۔ ایسا کام کرتے ہیں جس سے حق صاف واضح ہو جائے اور ہر ایک پرکھ لے۔ اسی لئے آپ نے ان کی عید کا دن مقرر کیا اور وقت دن چڑھے کا بتایا اور صاف ہموار میدان مقرر کیا کہ جہاں سے ہر ایک دیکھ سکے اور جو باتیں ہوں وہ بھی سن سکے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے مہلت چاہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکار کیا۔ اس پر وحی اتری کہ مدت مقرر کر لو۔ فرعون نے چالیس دن کی مہلت مانگی جو منظور کی گئی۔

مقابلہ اور نتیجہ: ☆☆ (۶۰-۶۲) جب کہ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ دن' وقت اور جگہ بھی ٹھہر گئی تو فرعون نے ادھر ادھر سے جادوگروں کو جمع کرنا شروع کیا۔ اس زمانے میں جادو کا بہت زور تھا اور بڑے بڑے جادوگر موجود تھے۔ فرعون نے عام طور سے حکم جاری کر دیا تھا کہ تمام ہوشیار جادوگروں کو میرے پاس بھیج دو۔ مقررہ وقت تک تمام جادوگر جمع ہو گئے۔ فرعون نے اسی میدان میں اپنا تخت نکلوایا۔ اس پر بیٹھا تمام امراء وزراء اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے رعایا سب جمع ہو گئی جادوگروں کی صفیں کی صفیں پرا باندھے تخت کے آگے کھڑی ہو گئیں۔

فرعون نے ان کی کمر ٹھونکنی شروع کی اور کہا' دیکھو آج اپنا وہ ہنر دکھاؤ کہ دنیا میں یادگار رہ جائے۔ جادوگروں نے کہا کہ اگر ہم بازی لے جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ کہا کیوں نہیں؟ میں تو تمہیں اپنا خاص درباری بنا لوں گا۔ ادھر سے کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تبلیغ شروع کی کہ دیکھو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ شامت اعمال برباد کر دے گی۔ لوگوں کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکو کہ درحقیقت کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے بہت کچھ دکھا دو۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں جو فی الواقع کسی چیز کو پیدا کر سکے۔ یاد رکھو ایسے جھوٹے بہتانی لوگ فلاح نہیں پاتے۔ یہ سن کر ان میں آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ
اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا
كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

کہنے لگے' ہیں تو یہ دونوں جادوگر ہی اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کریں ○ تو تم بھی اپنی کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھو۔ پھر صف بندی کر کے آ جاؤ' جو آج غالب آ گیا وہی بازی لے گیا ○

(آیت: ۶۳-۶۴) بعض تو سمجھ گئے اور کہنے لگے یہ کلام جادوگروں کا نہیں یہ تو سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ بعضوں نے کہا نہیں بلکہ یہ جادوگر ہیں' مقابلہ کرو۔ یہ باتیں بہت ہی احتیاط اور راز سے کی گئیں۔ اِنْ هٰذٰنِ کی دوسری قرات اِنَّ هٰذَيْنِ بھی ہے مطلب اور معنی دونوں قراتوں کا ایک ہی ہے۔ اب با آواز بلند کہنے لگے کہ یہ دونوں بھائی سیانے اور پہنچے ہوئے جادوگر ہیں۔ اس وقت تک تو تمہاری ہوا بندھی ہوئی ہے بادشاہ کا قرب نصیب ہے مال و دولت قدموں تلے لوٹ رہا ہے لیکن آج اگر یہ بازی لے گئے تو ظاہر ہے کہ ریاست ان ہی کی ہو جائے گی' تمہیں ملک سے نکال دیں گے' عوام ان کے ماتحت ہو جائیں گے' ان کا زور بند بندھ جائے گا' یہ بادشاہت چھین لیں گے اور ساتھ ہی تمہارے مذہب کو ملیا میٹ کر دیں گے۔ بادشاہت' عیش و آرام سب چیزیں تم سے چھن جائیں گی۔ شرافت' عقلمندی' ریاست سب ان کے قبضے میں آ جائے گی تم یونہی بھٹے بھونتے رہ جاؤ گے۔ تمہارے اشراف ذلیل ہو جائیں گے' امیر فقیر بن جائیں گے' ساری رونق اور بہار جاتی رہے گی۔ بنی اسرائیل جو تمہارے لونڈی غلام بنے ہوئے ہیں' یہ سب ان کے ساتھ ہو جائیں گے اور تمہاری حکومت پاش پاش ہو جائے گی۔ تم سب اتفاق کر لو۔ ان کے مقابلے میں صف بندی کر کے اپنا کوئی فن باقی نہ رکھو' جی کھول کر ہوشیاری اور دانائی سے اپنے جادو کے زور سے اسے دبا لو۔ ایک ہی دفعہ ہر استاد اپنی کاری گری دکھا دے تاکہ میدان ہمارے جادو سے پر ہو جائے دیکھو اگر وہ جیت گیا تو یہ ریاست اسی کی ہو جائے گی اور اگر ہم غالب آ گئے تو تم سن چکے ہو کہ بادشاہ ہمیں اپنا مقرب اور دربار خاص کے اراکین بنا دے گا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ
اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ
اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ
خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ

مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ
سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

کہنے لگے کہ موسیٰ یا تو تو پہلے ڈال یا ہم اول ڈالنے والے بن جائیں ○ جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں بوجہ ان کے جادو کے دوڑ بھاگ رہی ہیں ○ تو موسیٰ اپنے دل ہی دل میں ڈرنے لگے ○ ہم نے فرمایا' کچھ خوف نہ کر' یقیناً تو ہی غالب رہے گا ○ تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے' اسے ڈال دے کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نگل جائے' انہوں نے جو کچھ بنایا ہے' یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں' اور جادوگر کہیں بھی جائے' کامیاب نہیں ہوتا ○ اب تو تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر ایمان لا چکے ○

مقابلہ شروع ہوا: ☆☆ (آیت: ۶۵-۷۰) جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب بتاؤ' تم اپنا وار پہلے کرتے ہو یا ہم پہل کریں؟ اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا' تم ہی پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکال لو تا کہ دنیا دیکھ لے کہ تم نے کیا کیا؟ اور پھر اللہ نے تمہارے کئے کو کس طرح مٹا دیا؟ اسی وقت انہوں نے اپنی لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں- کچھ ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی ہیں اور میدان میں دوڑ بھاگ رہی ہیں- کہنے لگے' فرعون کے اقبال سے غالب ہم ہی رہیں گے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں خوفزدہ کر دیا اور جادو کے زبردست کرتب دکھا دیئے- یہ لوگ بہت زیادہ تھے- ان کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں سے اب سارا کا سارا میدان سانپوں سے پر ہو گیا وہ آپس میں گڈ مڈ کر کے اوپر تلے ہونے لگے- اس منظر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف زدہ کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ ان کے کرتب کے قائل ہو جائیں اور اس باطل میں پھنس جائیں- اسی وقت جناب باری نے وحی نازل فرمائی کہ اپنے داہنے ہاتھ کی لکڑی کو میدان میں ڈال دو' ہراساں نہ ہو- آپ نے حکم کی تعمیل کی- اللہ کے حکم سے یہ لکڑی ایک زبردست بے مثال اژدہا بن گئی جس کے پیر بھی تھے اور سر بھی تھا' کچلیاں اور دانت بھی تھے- اس نے سب کے دیکھتے سارے میدان کو صاف کر دیا- اس نے جادوگروں کے جتنے کرتب تھے' سب کو ہڑپ کر لیا- اب سب پر حق واضح ہو گیا' معجزے اور جادو میں تمیز ہو گئی' حق و باطل میں پہچان ہو گئی- سب نے جان لیا کہ جادوگروں کی بناوٹ میں اصلیت کچھ بھی نہ تھی- فی الواقع جادوگر کوئی چال چلیں لیکن اس میں غالب نہیں آ سکتے-

ابن ابی حاتم میں حدیث ہے' ترمذی میں بھی موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے کہ جادوگر کو جہاں پکڑو' مار ڈالو- پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا- یعنی جہاں پایا جائے' امن نہ دیا جائے- جادوگروں نے جب یہ دیکھا' انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے وہ جادو کے فن میں ماہر تھے' بیک نگاہ پہچان گئے کہ واقعی یہ اس اللہ کا کام ہے جس کے فرمان اٹل ہیں جو کچھ وہ چاہے' اس کے حکم سے ہو جاتا ہے- اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں- اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہو گیا کہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے بادشاہ کی موجودگی میں وہ اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے کہ ہم رب العالمین پر یعنی ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر ایمان لائے- سبحان اللہ صبح کے وقت کافر اور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہ اللہ کے شہید تھے- کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی یا ستر ہزار کی یا کچھ اوپر تیس ہزار کی یا انیس ہزار کی یا پندرہ ہزار کی یا بارہ ہزار کی- یہ بھی مروی ہے کہ یہ ستر تھے- صبح جادوگر' شام کو شہید- مروی ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے' اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت دکھا دی- اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں-

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ
خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ
عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ
مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

پاؤں الٹے سیدھے کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے ○ انہوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آ چکیں اور اس اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے' کر گزر' تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے' وہ اسی دینوی زندگی میں ہی ہے ○ ہم اس لالچ سے اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور جو کچھ تو نے ہم سے زبردستی کرایا ہے' وہ تو جادو ہے' اللہ ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○

نتیجہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا گواہ بنا: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۳) شان الٰہی دیکھئے' چاہئے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آ جاتا۔ جن کو اس نے مقابلے کے لئے بلوایا تھا' وہ عام مجمع میں ہارے۔ انہوں نے اپنی ہار مان لی اپنے کرتوت کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ معجزہ تسلیم کر لیا۔ خود وہ ایمان لائے جو مقابلے کے لئے بلوائے گئے تھے۔ مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انہوں نے دین حق کو قبول کر لیا۔ لیکن یہ اپنی شیطنیت میں اور بڑھ گیا اور اپنی قوت و طاقت دکھانے لگا لیکن بھلا حق والے مادی طاقتوں کو سمجھتے ہی کیا ہیں؟ پہلے تو جادوگروں کے اس مسلم گروہ سے کہنے لگا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان کیوں لائے؟ پھر ایسا بہتان باندھا جس کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تو تمہارے استاد ہیں انہی سے تم نے جادو سیکھا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہی ہو' مشورہ کر کے ہمیں تاراج کرنے کے لئے تم نے پہلے انہیں بھیجا پھر اس کے مقابلے میں خود آئے اور اپنے اندرونی سمجھوتے کے مطابق سامنے ہار گئے اور اسے جتا دیا اور پھر اس کا دین قبول کر لیا تاکہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی اس چکر میں پھنس جائے مگر تمہیں اپنی اس سازباز کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ میں الٹی سیدھی طرف سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تم کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اسی بادشاہ نے سب سے پہلے یہ سزا دی ہے۔ تم جو اپنے تئیں ہدایت پر اور مجھے اور میری قوم کو گمراہی پر سمجھتے ہو' اس کا حال بھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے؟ اس دھمکی کا ان کے دلوں پر الٹا اثر ہوا وہ اپنے ایمان میں کمال بن گئے اور نہایت بے پرواہی سے جواب دیا کہ اس ہدایت و یقین کے مقابلے میں جو ہمیں اب اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے' ہم تیرا مذہب کسی طرح قبول کرنے والے نہیں نہ تجھے ہم اپنے سچے خالق مالک کے سامنے کوئی چیز سمجھیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ قسم ہو یعنی اس اللہ کی قسم جس نے ہمیں اولاً پیدا کیا ہے' ہم ان واضح دلیلوں پر تیری گمراہی کو ترجیح دے ہی نہیں سکتے خواہ تو ہمارے ساتھ کچھ ہی کر لے۔ مستحق عبادت وہ ہے جس نے ہمیں بنایا نہ کہ تو جو خود اسی کا بنایا ہوا ہے۔ تجھے جو کرنا ہو' اس میں کمی نہ کر' تو تو ہمیں اسی

وقت تک سزائیں دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا کی حیات کی قید میں ہیں ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد ابدی راحت اور غیر فانی خوشی و مسرت نصیب ہوگی۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے اگلے قصوروں سے درگزر فرمالے گا بالخصوص یہ قصور جو ہم سے اللہ کے سچے نبی کے مقابلے پر جادوبازی کرنے کا سرزد ہوا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے لے کر انہیں جادوگروں کے سپرد کیا تھا کہ انہیں جادو کی پوری تعلیم دو۔ اب یہ لڑکے یہ مقولہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے ہم سے جبراً جادوگری کی خدمت لی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا ہمارے لئے بہ نسبت تیرے اللہ بہت بہتر ہے اور دائمی ثواب دینے والا ہے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں سے ڈر نہ تیرے انعام کی لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت واطاعت کی جائے۔ اسی کے عذاب دائمی ہیں اور سخت خطرناک ہیں' اگر اس کی نافرمانی کی جائے۔ پس فرعون نے بھی ان کے ساتھ یہ کیا۔ سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا۔ وہ جماعت جو سورج کے نکلنے کے وقت کافر تھی' وہی جماعت سورج ڈوبنے سے پہلے مومن اور شہید تھی (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)۔

إِنَّهُۥ مَن يَأْتِ رَبَّهُۥ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُۥ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا
يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾

بات یہی ہے کہ جو بھی گنہگار بن کر اللہ کے ہاں جائے گا' اس کے لئے دوزخ ہے' جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی ○

ایمان یافتہ جادوگروں پر فرعون کا عتاب : ☆☆ (آیت:۷۴) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں نے ایمان قبول فرما کر فرعون کو جو نصیحتیں کیں' انہیں میں یہ آیتیں بھی ہیں۔ اسے اللہ کے عذابوں سے ڈرا رہے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا لالچ دلا رہے ہیں کہ گنہگاروں کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں موت تو کبھی آنے ہی کی نہیں لیکن زندگی بھی بڑی ہی مشقت والی موت سے بدتر ہوگی۔ جیسے فرمان ہے لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا الخ' یعنی نہ تو موت ہی آئے گی نہ عذاب ہلکے ہوں گے' کافروں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور آیتوں میں ہے وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الخ' یعنی اللہ کی نصیحتوں سے بے فیض وہی رہے گا جو ازلی بدبخت ہو' جو آخر کار بڑی سخت آگ میں گرے گا جہاں نہ تو موت آئے نہ چین کی زندگی نصیب ہو۔ اور آیت میں ہے کہ جہنم میں جھلستے ہوئے کہیں گے کہ اے داروغہ دوزخ تم دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت ہی دے دے لیکن وہ جواب دے گا کہ نہ تم مرنے والے ہو نہ نکلنے والے۔

وَمَنْ يَأْتِهِۦ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلدَّرَجَٰتُ
ٱلْعُلَىٰ ﴿٧٥﴾ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ
وَذَٰلِكَ جَزَآؤُا مَن تَزَكَّىٰ ﴿٧٦﴾ ۲ ع ۲۲ ۱۲

اور جو بھی اس کے پاس ایمان دار ہو کر جائے گا اور اس نے اعمال بھی نیک کئے ہوں گے' اس کے لئے بلند وبالا درجے ہیں ○ ہمیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے' یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک رہے ○

(آیت:۷۵-۷۶) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اصلی جہنمی تو جہنم میں ہی پڑے رہیں گے نہ وہاں انہیں موت آئے نہ آرام کی زندگی ملے ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ جل کر

کوئلہ ہو جائیں گے جان نکل جائے گی پھر شفاعت کی اجازت کے بعد ان کا چورا نکالا جائے گا اور جنت کی نہروں کے کناروں پر بکھیر دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو تو جس طرح تم نے نہر کے کنارے کے کھیت کے دانوں کو اگتے ہوئے دیکھا ہے' اسی طرح وہ اگیں گے۔ یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا حضور ﷺ نے مثال تو ایسی دی ہے گویا آپ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ خطبے میں اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے یہ فرمایا تھا۔ اور جو اللہ سے قیامت کے دن ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جا ملا' اسے اونچے بالا خانوں والی جنت ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنت کے سو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں' سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اسی سے چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں' اس کی چھت رحمٰن کا عرش ہے۔ اللہ سے جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کیا کرو۔ (ترمذی وغیرہ)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ کہا جاتا تھا کہ جنت کے سو درجے ہیں ہر درجے کے پھر سو درجے ہیں دو درجوں میں اتنی دوری ہے جتنی آسمان و زمین میں۔ ان میں یاقوت اور موتی ہیں اور زیور بھی۔ ہر جنت میں امیر ہے جس کی فضیلت اور سرداری کے دوسرے قائل ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اعلیٰ علیین والے ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے تم لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا' پھر یہ بلند درجے تو نبیوں کے لئے ہی مخصوص ہوں گے؟ فرمایا سنو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے۔ نبیوں کو سچا جانا۔ سنن کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ انہی میں سے ہیں۔ اور کتنے ہی اچھے مرتبے والے ہیں۔ یہ جنتیں ہیشگی کی اقامت کی ہیں جہاں یہ ہمیشہ ابدالآباد رہیں گے۔ جو لوگ اپنے نفس پاک رکھیں' گناہوں سے' خباثت سے' گندگی سے' شرک و کفر سے دور رہیں' اللہ واحد کی عبادت کرتے رہیں' رسولوں کی اطاعت میں عمر گزار دیں' ان کے لئے یہی قابل رشک مقامات اور قابل صد مبارکباد انعام ہیں رَزَقَنَا اللّٰهُ اِيَّاهَا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لئے دریا میں خشک راستہ بنا لے۔ پھر نہ تجھے کسی کے آ پکڑنے کا خطرہ نہ ڈر ○ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا۔ پھر تو دریا نے ان سب کو جیسا کچھ چھپا لینا چاہئے تھا' چھپا لیا ○ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا ○

بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کا تعاقب: ☆☆ (آیت: ۷۷-۷۹) چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کو بھی فرعون نے ٹال دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دے' اس لئے جناب باری نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ راتوں رات ان کی بے خبری میں تمام بنی اسرائیل کو چپ چاپ لے کر یہاں سے چلے جائیں جیسے کہ اس کا تفصیلی بیان قرآن کریم میں اور بہت سی جگہ پر ہوا ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد آپ نے بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے ہجرت کی صبح جب فرعونی جاگے

اور سارے شہر میں ایک بنی اسرائیلی نہ دیکھا' فرعون کو اطلاع دی' وہ مارے غصے کے چکر کھا گیا اور ہر طرف منادی دوڑا دیئے کہ لشکر جمع ہو جائیں اور دانت پیس پیس کر کہنے لگا کہ اس مٹھی بھر جماعت نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے آج ان سب کو تہہ تیغ کر دوں گا۔ سورج نکلتے ہی لشکر آ موجود ہوا اسی وقت خود سارے لشکر کو لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ بنی اسرائیل دریا کے کنارے پہنچے ہی تھے جو فرعونی لشکر انہیں دکھائی دے گیا گھبرا کر اپنے نبی سے کہنے لگے' لو حضرت اب کیا ہوتا ہے سامنے دریا ہے پیچھے فرعونی ہیں۔ آپ نے جواب دیا' گھبرانے کی کوئی بات نہیں' میری مدد پر خود میرا رب ہے' وہ ابھی مجھے راہ دکھا دے گا۔ اسی وقت وحی الٰہی آئی کہ موسیٰ دریا پر اپنی لکڑی مارو' وہ ہٹ کر تمہیں راستہ دے دے گا۔

چنانچہ آپ نے یہ کہہ کر لکڑی ماری کہ اے دریا بحکم اللہ تو ہٹ جا۔ اسی وقت اس کا پانی پتھر کی طرح ادھر ادھر جم گیا اور بیچ میں راستے نمایاں ہو گئے۔ ادھر ادھر پانی مثل بڑے بڑے پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور تیز اور خشک ہواؤں کے جھونکوں نے راستوں کو بالکل سوکھی زمین کے راستوں کی طرح کر دیا۔ نہ تو فرعون کی پکڑ کا خوف رہا نہ دریا میں ڈوب جانے کا خطرہ رہا۔ فرعون اور اس کے لشکری یہ حال دیکھ رہے تھے۔ فرعون نے حکم دیا کہ انہی راستوں سے تم بھی پار ہو جاؤ۔ چیختا کودتا مع تمام لشکر کے ان ہی راہوں میں اتر پڑا ان کے اترتے ہی پانی کو بہنے کا حکم ہو گیا اور چشم زدن میں تمام فرعونی ڈبو دیئے گئے۔ دریا کی موجوں نے انہیں چھپا لیا۔ یہاں جو فرمایا کہ انہیں اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا۔ یہ اس لئے کہ یہ مشہور و معروف ہے نام لینے کی ضرورت نہیں یعنی دریا کی موجوں نے۔ اسی جیسی آیت وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى ہے یعنی قوم لوط کی بستیوں کو بھی اسی نے دے پٹکا تھا۔ پھر ان پر جو تباہی آئی' سو آئی۔ عرب کے اشعار میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ الغرض فرعون نے اپنی قوم کو بہکا دیا اور راہ راست انہیں نہ دکھائی۔ جس طرح دنیا میں انہیں اس نے آگے بڑھ کر دریا برد کیا۔ اسی طرح آگے ہو کر قیامت کے دن انہیں جہنم میں جا جھونکے گا جو بدترین جگہ ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ
جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ
غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ
لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی داہنی طرف کا وعدہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا ○ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا' اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے' وہ یقیناً تباہ ہوا ○ ہاں بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں ایمان لائیں' نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں ○

احسانات کی یاد دہانی: ☆☆ (آیت: ۸۰-۸۲) اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو بڑے بڑے احسان کئے تھے' انہیں یاد دلا رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انہیں ان کے دشمنوں سے نجات دی اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کو ان کے دیکھتے ہوئے دریا میں ڈبو دیا۔ ایک بھی ان میں سے باقی نہ بچا۔ جیسے فرمان ہے وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ یعنی ہم نے تمہارے دیکھتے ہوئے فرعونیوں

کوڈبو دیا- صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے کے یہودیوں کو عاشورے کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر کامیاب کیا تھا- آپؐ نے فرمایا' پھر تو ہمیں بہ نسبت تمہارے ان سے زیادہ قرب ہے چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کو اس دن کے روزے کا حکم دیا- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو کوہ طور کی دائیں جانب کا وعدہ دیا- آپؑ وہاں گئے اور پیچھے سے بنو اسرائیل نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی- جس کا بیان ابھی آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- اسی طرح ایک احسان ان پر یہ کیا کہ من وسلویٰ کھانے کو دیا- اس کا پورا بیان سورہ بقرہ وغیرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے- من ایک میٹھی چیز تھی جو ان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلویٰ ایک قسم کے پرند تھے جو بہ حکم الٰہی ان کے سامنے آجاتے تھے یہ بقدر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے- ہماری یہ دی ہوئی روزی کھاؤ' اس میں حد سے نہ گزر جاؤ حرام چیز یا حرام ذریعہ سے اسے نہ طلب کرو- ورنہ میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب اترے یقین مانو کہ وہ بد بخت ہو گیا- حضرت شغی بن مانع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک اونچی جگہ بنی ہوئی ہے جہاں سے کافر کو جہنم میں گرایا جاتا ہے تو زنجیروں کی جگہ تک چالیس سال میں پہنچتا ہے' یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ وہ گڑھے میں گر پڑا- ہاں جو بھی اپنے گناہوں سے میرے سامنے توبہ کرے' میں اس کی توبہ قبول فرماتا ہوں-

دیکھو بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی' ان کی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بخش دیا- غرض جس کفر و شرک' گناہ و معصیت پر کوئی ہو' پھر وہ اسے بخوف الٰہی چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے' ہاں دل میں ایمان ہو اور اعمال صالحہ بھی کرتا ہو اور ہو بھی راہ راست پر' شکی نہ ہو' سنت رسولؐ اور جماعت صحابہؓ کی روش پر ہو- اس میں ثواب جانتا ہو' یہاں پر ثم کا لفظ خبر کی خبر پر ترتیب کرنے کے لئے آیا ہے- جیسے فرمان ہے- ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا- وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ-

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ
اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ
وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ
عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿۸۶﴾

موسیٰ تجھے اپنی قوم سے غافل کر کے کون سی چیز جلدی لے آئی؟ ○ کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے ہیں اور میں نے اے رب تیری طرف جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو جا ○ فرمایا' ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے بہکا دیا ہے ○ پس موسیٰ سخت ناراض ہو کر افسوس ناکی کے ساتھ واپس لوٹا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم والو! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا اس کی مدت تمہیں لمبی معلوم ہوئی؟ بلکہ تمہارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو ○

بنی اسرائیل کا دریا پار جانا: ☆☆ (آیت:٨٣-٨٦) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا پار کر کے نکل گئے تو ایک جگہ پہنچے جہاں کے

لوگ اپنے بتوں کے مجاور بن کر بیٹھے ہوئے تھے تو بنی اسرائیل کہنے لگے' موسیٰ ہمارے لئے بھی ان کی طرح کوئی معبود مقرر کر دیجئے - آپ نے فرمایا تم بڑے جاہل لوگ ہو - یہ تو برباد شدہ لوگ ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے - پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس روزوں کا حکم دیا - پھر دس بڑھا دیئے گئے - پورے چالیس ہو گئے' دن رات روزے سے رہتے تھے - اب آپ جلدی سے طور کی طرف چلے - بنی اسرائیل پر اپنے بھائی ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کیا وہاں جب پہنچے تو جناب باری نے اس جلدی کی وجہ دریافت فرمائی - آپ نے جواب دیا کہ وہ بھی طور کے قریب ہی ہیں آ رہے ہیں میں نے جلدی کی ہے کہ تیری رضامندی حاصل کرلوں اور اس میں بڑھ جاؤں -

موسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر شرک : ☆☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے چلے آنے کے بعد تیری قوم میں نیا فتنہ برپا ہوا اور انہوں نے گئوسالہ پرستی شروع کر دی ہے - اس بچھڑے کو سامری نے بنایا اور انہیں اس کی عبادت میں لگا دیا ہے - اسرائیلی کتابوں میں ہے کہ سامری کا نام بھی ہارون تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمانے کے لئے تورات کی تختیاں لکھ لی گئی تھیں - جیسے فرمان ہے وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ الخ' ہم نے اس کے لئے تختیوں میں ہر شے کا تذکرہ اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی اور کہہ دیا کہ اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنی قوم سے بھی کہو کہ اس پر عمدگی سے عمل کریں - میں تمہیں عنقریب فاسقوں کا انجام دکھا دوں گا - حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اپنی قوم کے مشرکانہ فعل کا علم ہوا تو سخت رنج ہوا اور غم و غصے میں بھرے ہوئے وہاں سے واپس قوم کی طرف چلے کہ دیکھو ان لوگوں نے اللہ کے انعامات کے باوجود ایسے سخت احمقانہ اور مشرکانہ فعل کا ارتکاب کیا - غم واندوہ' رنج وغصہ آپ کو بہت آیا -

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ ع ۱۳ ۱۲

تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا - انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا بلکہ ہم پر جو زیورات قوم کے لاد دیئے گئے تھے' انہیں ہم نے ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیئے ○ پھر اس نے لوگوں کے لئے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا یعنی بچھڑے کا بت جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی - پھر کہنے لگے کہ یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی' لیکن موسیٰ بھول گیا ہے ○ کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے ○

(آیت: ۸۷-۸۹) واپس آتے ہی کہنے لگے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تم سے تمام نیک وعدے کئے تھے' تمہارے ساتھ بڑے بڑے سلوک و انعام کئے لیکن ذرا سے وقفے میں تم اللہ کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے بلکہ تم نے وہ حرکت کی جس سے اللہ کا غضب تم پر اتر پڑا - تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کا مطلق لحاظ نہ رکھا - اب بنی اسرائیل معذرت کرنے لگے کہ ہم نے یہ کام اپنے اختیار سے نہیں کیا' بات یہ ہے کہ جو زیور فرعونیوں کے ہمارے پاس مستعار لئے ہوئے تھے' ہم نے بہتر یہی سمجھا کہ انہیں پھینک دیں چنانچہ ہم نے سب کے سب

بطور پرہیزگاری کے پھینک دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلا کر ان سے فرمایا کہ وہ زیور سب اس میں ڈال دو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ سب زیور ایک جا ہو جائیں اور پگھل کر ڈلا بن جائے۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام آ جائیں' جیسا وہ فرمائیں' کیا جائے۔ سامری نے اس میں وہ مٹھی ڈال دی جو اس نے اللہ کے قاصد کے نشان سے بھری تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا' آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری خواہش قبول فرما لے آپ کو کیا خبر تھی' آپ نے دعا کی۔ اس نے خواہش یہ کی کہ اس کا ایک بچھڑا بن جائے جس میں سے بچھڑے کی سی آواز بھی نکلے چنانچہ وہ بن گیا اور بنی اسرائیل کے فتنے کا باعث ہو گیا۔ پس فرمان ہے کہ اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام ایک مرتبہ سامری کے پاس سے گزرے' تو وہ اس بچھڑے کو ٹھیک ٹھاک کر رہا تھا آپ نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا وہ چیز بنا رہا ہوں جو نقصان دے اور نفع نہ دے۔ آپ نے دعا کی الٰہی خود اسے ایسا ہی کر دے اور آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ سامری کی دعا سے یہ بچھڑا بنا اور آواز نکالنے لگا۔ بنی اسرائیل بہکاوے میں آ گئے اور اس کی پرستش شروع کر دی اس کی آواز پر یہ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے اور دوسری آواز پر سجدے سے سر اٹھاتے۔ یہ گروہ دوسرے مسلمانوں کو بھی بہکانے لگا کہ دراصل اللہ یہی ہے۔ موسیٰ بھول کر کہیں اور اس کی جستجو میں چل دیئے ہیں' وہ یہ کہنا بھول گئے کہ تمہارا رب یہی ہے۔ یہ لوگ مجاور بن کر اس کے اردگرد بیٹھ گئے۔ ان کے دلوں میں اس کی محبت رچ گئی۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ سامری اپنے سچے اللہ کو اور اپنے پاک دین اسلام کو بھول بیٹھا۔ ان کی بیوقوفی دیکھئے کہ یہ اتنا نہیں دیکھتے کہ وہ بچھڑا تو محض بے جان چیز ہے۔ ان کی کسی بات کا نہ تو جواب دے نہ سنے' نہ دنیا و آخرت کی کسی بات کا اسے اختیار نہ کوئی نفع نقصان اس کے ہاتھ میں۔ آواز جو نکلتی تھی' اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ پیچھے کے سوراخ میں سے ہوا گزر کر منہ کے راستے نکلتی تھی۔ اسی کی آواز آتی تھی۔ اس بچھڑے کا نام انہوں نے بہموت رکھ چھوڑا تھا۔ ان کی دوسری حماقت دیکھئے کہ چھوٹے گناہ سے بچنے کے لئے بڑا گناہ کر لیا۔ فرعونیوں کی امانتوں سے آزاد ہونے کے لئے شرک شروع کر دیا۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ کسی عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کپڑے پر اگر مچھر کا خون لگ جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا' ان عراقیوں کو دیکھو' بنت رسول اللہؐ کے لخت جگر کو تو قتل کر دیں اور مچھر کے خون کے مسئلے پوچھتے پھریں؟

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ
الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ
عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

ہارون نے اس سے پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم والو اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمان ہی ہے پس تم سب میری تابعداری کرو اور میری بات مانتے چلے جاؤ ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے ○

بنی اسرائیل اور ہارون علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں ہر چند سمجھایا بجھایا کہ دیکھو فتنے میں نہ پڑو۔ اللہ رحمٰن کے سوا اور کسی کے سامنے نہ جھکو۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے' سب کا اندازہ مقرر کرنے والا وہی ہے' وہی عرش مجید کا مالک ہے' وہی جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ تم میری تابعداری اور حکم برداری کرتے رہو۔ جو میں کہوں وہ

بجالاؤ، جس سے روکوں رک جاؤ- لیکن ان سرکشوں نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی سن کر تو خیر ہم مان لیں گے- تب تک تو ہم اس کی پرستش چھوڑتے نہیں- چنانچہ لڑنے اور مرنے مارنے کے واسطے تیار ہو گئے-

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ
اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ؕ
اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ
قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ
يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا
وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

موسیٰ کہنے لگے اے ہارون! انہیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا؟ ○ کہ تو میرے پیچھے پیچھے آ جاتا' کیا تو بھی میرے فرمان کا نافرمان بن بیٹھا؟ ○ ہارون کہنے لگے' اے میرے ماں جائے بھائی' میری داڑھی اور سر نہ پکڑ' مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ نہ فرمائیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا پاس نہ کیا ○ موسیٰ نے پوچھا کہ سامری تیرا کیا حال ہے؟ ○ اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی تو میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی- اسے اس میں ڈال دیا- میرے دل نے ہی یہ بات میرے لئے بنا دی ○

کوہ طور سے واپسی اور بنی اسرائیل کی حرکت پہ غصہ: ☆☆ (آیت: ۹۲-۹۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غصے اور پورے غم میں لوٹے تھے' تختیاں زمین پر دے ماریں اور اپنے بھائی ہارون کی طرف غصے سے بڑھ گئے اور ان کے سر کے بال تھام کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے- اس کا تفصیلی بیان سورۂ اعراف کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور وہیں وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ سننا دیکھنے کے مطابق نہیں- آپ نے اپنے بھائی اور اپنے جانشین کو ملامت کرنی شروع کی کہ اس بت پرستی کے شروع ہوتے ہی تو نے مجھے خبر کیوں نہ کی؟ کیا جو کچھ میں تجھے کہہ گیا تھا' تو بھی اس کا مخالف بن بیٹھا؟ میں تو صاف کہہ گیا تھا کہ میری قوم میں میری جانشینی کر- اصلاح کے درپے رہ اور مفسدوں کی نہ مان- حضرت ہارون نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے میرے ماں جائے بھائی' یہ صرف اس لئے (کہا) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ رحم اور محبت آئے ورنہ باپ الگ الگ نہ تھے- باپ بھی ایک ہی تھے- دونوں سگے بھائی تھے- آپ عذر پیش کرتے ہیں کہ جی میں تو میرے بھی آئی تھی کہ آپ کے پاس آ کر آپ کو اس کی خبر کروں لیکن پھر خیال آیا کہ انہیں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں- کہیں آپ مجھ پر نہ بگڑ بیٹھیں کہ انہیں تنہا کیوں چھوڑ دیا؟ اور اولاد یعقوب میں یہ جدائی کیوں ڈال دی؟ اور جو میں کہہ گیا تھا' اس کی نگہبانی کیوں نہ کی؟ بات یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام میں جہاں اطاعت کا پورا مادہ تھا' وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عزت بھی بہت کرتے تھے اور ان کا بہت ہی لحاظ رکھتے تھے-

گائے پرست سامری اور بچھڑا: ☆☆ (آیت: ۹۵-۹۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ فتنہ کیوں اٹھایا؟ یہ شخص باجرو کا رہنے والا تھا' اس کی قوم گائے پرست تھی- اس کے دل میں گائے کی محبت گھر کئے ہوئے تھی- اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا- اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا- ایک روایت میں ہے' یہ کرمانی تھا- ایک روایت میں ہے' اس کی بستی کا نام سامرا تھا- اس نے جواب دیا کہ جب فرعون کی ہلاکت کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تو میں نے ان کے گھوڑے کے ٹاپ تلے کی

تھوڑی سی مٹی اٹھالی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات یہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور موسیٰ علیہ السلام کو لے کر چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا اس نے جلدی سے ان کے گھوڑے کے سم تلے کی مٹی اٹھالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام آسمان تک لے گئے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی تحریر کی آواز سن رہے تھے لیکن جب آپ کو آپ کی قوم کی مصیبت معلوم ہوئی تو نیچے اتر آئے اور اس بچھڑے کو جلا دیا۔ لیکن اس اثر کی سند غریب ہے۔ اسی خاک کی چٹکی یا مٹھی کو اس نے بنی اسرائیل کے جمع کردہ زیوروں کے جلنے کے وقت ان میں ڈال دی۔ جو بصورت بچھڑا بن گئے اور چونکہ بیچ میں خلا تھا' وہاں سے ہوا گھستی تھی اور اس سے آواز نکلتی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے دل میں خیال گزرا تھا کہ میں اس کے گھوڑے کے ٹاپوں تلے کی مٹی اٹھالوں میں جو چاہوں گا' وہ اس مٹی کے ڈالنے سے بن جائے گا اس کی انگلیاں اسی وقت سوکھ گئی تھی۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان کے پاس فرعونیوں کے زیورات رہ گئے اور فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ اب ان کو واپس نہیں ہو سکتے تو غمزدہ ہونے لگے۔ سامری نے کہا' دیکھو اس کی وجہ سے تم پر مصیبت نازل ہوئی ہے اسے جمع کر کے آگ لگا دو جب وہ جمع ہو گئے اور آگ سے پگھل گئے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ خاک اس پر ڈال دے اور اسے بچھڑے کی شکل میں بنا لے چنانچہ یہی ہوا اور اس نے کہہ دیا کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب یہی ہے۔ یہی وہ جواب دے رہا ہے کہ میں نے اسے ڈال دیا اور میرے دل نے یہی ترکیب مجھے اچھی طرح سمجھا دی۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ
لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ
عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ
اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

کہا' اچھا جا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ ہاتھ نہ لگانا اور ایک اور بھی وعدہ تیرے ساتھ ہے جو تیرے بارے میں کبھی بھی خلاف نہ کیا جائے گا' اور اب تو اپنے اس اللہ کو بھی دیکھ لینا جس کا تو اعتکاف کئے ہوئے تھا' کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے ○ اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے ○

(آیت: ۹۷-۹۸) کلیم اللہ نے فرمایا' تو نے نہ لینے کی چیز کو ہاتھ لگایا تیری سزا دنیا میں یہی ہے کہ اب نہ تو تو کسی کو ہاتھ لگا سکے نہ کوئی اور تجھے ہاتھ لگا سکے۔ باقی سزا تیری قیامت کو ہو گی جس سے چھٹکارا محال ہے۔ ان کے بقایا اب تک یہی کہتے ہیں کہ نہ چھونا۔ اب تو اپنے معبود کا حشر بھی دیکھ لے جس کی عبادت پر اوندھا پڑا ہوا تھا کہ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے خون اور گوشت والا بچھڑا جلے۔ پھر اس کی راکھ کو تیز ہوا میں دریا میں ذرہ ذرہ کر کے اڑا دیا۔ مروی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے زیور جہاں تک اس کے بس میں تھے' لئے' ان کا بچھڑا بنایا جسے حضرت موسیٰؑ نے جلا دیا اور دریا میں اس کی خاک بہا دی جس نے بھی اس کا پانی پیا' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اس سے سارے گئو سالہ پرست معلوم ہو گئے اب انہوں نے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہو گی؟ حکم ہوا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس کا پورا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا معبود یہ نہیں' مستحق عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ باقی تمام جہان اس کا محتاج ہے اور اس کے ماتحت ہے' وہ ہر چیز کا عالم ہے۔ اس کے علم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ہر چیز کی گنتی اسے معلوم ہے' ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں' ہر پتے کا اور ہر دانے کا اسے علم ہے بلکہ اس کے

پاس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا موجود ہے۔ زمین کے تمام جانداروں کو روزیاں وہی پہنچاتا ہے سب کی جگہ اسے معلوم ہے سب کچھ کھلی اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ علم الٰہی محیط کل اور سب کو حاوی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ
مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖ (۹۹) مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وِزْرًا ۙ (۱۰۰) خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ (۱۰۱) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي
الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ښ (۱۰۲) يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ
اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (۱۰۳) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ
اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۧ (۱۰۴) ع ۱۵ ۱۴

اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کی ہو چکی ہوئی وارداتیں بیان فرما رہے ہیں یقیناً ہم تو تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں ○ اس سے جو منہ پھیر لے گا وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لادے ہوئے ہوگا ○ جس میں ہمیشہ ہی رہے گا ان کیلئے قیامت کے دن بڑا برا بوجھ ہے ○ جس دن صور پھونک دیا جائے گا اور گنہگاروں کو ہم اس دن نیلی پیلی آنکھوں کے کر کے گھیر لائیں گے آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ ہم تو صرف دس دن ہی رہے ○ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے باخبر ہم ہی ہیں جب کہ ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ والا کہہ رہا ہوگا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے ○

سب سے اعلیٰ کتاب: ☆☆ (آیت:۹۹-۱۰۱) فرمان ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اصلی رنگ میں آپ کے سامنے بیان ہوا ایسے ہی اور بھی حالات گزشتہ آپ کے سامنے ہو بہو بیان فرما رہے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو قرآن عظیم دے رکھا ہے جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا کیونکہ آپ حکمت وحمد والے ہیں۔ کسی نبی کو کوئی کتاب اس سے زیادہ کمال والی اور اس سے زیادہ جامع اور اس سے زیادہ بابرکت نہیں ملی۔ ہر طرح سب سے اعلیٰ کتاب یہی کلام اللہ شریف ہے جس میں گذشتہ کی خبریں آئندہ کے امور اور ہر کام کے طریقے مذکور ہیں۔ اسے نہ ماننے والا اس سے منہ پھیرنے والا اس کے احکام سے بھاگنے والا اس کے سوا کسی اور میں ہدایت کو تلاش کرنے والا گمراہ ہے اور جہنم کی طرف جانے والا ہے۔ قیامت کو وہ اپنا بوجھ آپ اٹھائے گا اور اس میں دب جائے گا اس کے ساتھ جو بھی کفر کرے وہ جہنمی ہے کتابی ہو یا غیر کتابی عجمی ہو یا عربی اس کا منکر جہنمی ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ میں تمہیں بھی ہوشیار کرنے والا ہوں اور جسے بھی یہ پہنچے۔ پس اس کا متبع ہدایت والا اور اس کا مخالف ضلالت وشقاوت والا۔ جو یہاں برباد ہوا وہ وہاں دوزخی بنا۔ اس عذاب سے اسے نہ تو کبھی چھٹکارا حاصل ہو نہ بچ سکے برا بوجھ ہے جو اس پر اس دن ہوگا۔

صور کیا ہے؟ ☆☆ (آیت:۱۰۲-۱۰۴) رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک قرن ہے جو پھونکا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ اس کا دائرہ بقدر آسمانوں اور زمینوں کے ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام اسے پھونکیں گے اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں کیسے آرام حاصل کروں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور کا لقمہ بنا لیا ہے پیشانی جھکا دی ہے اور انتظار میں ہے کہ کب حکم دیا جائے۔ لوگوں نے کہا پھر حضور ﷺ ہم کیا پڑھیں؟ فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا اس وقت تمام لوگوں کا حشر ہوگا مارے ڈر اور گھبراہٹ کے گنہگاروں کی آنکھیں ٹیڑھی ہو رہی ہوں گی۔ ایک دوسرے سے پوشیدہ

کہہ رہے ہوں گے کہ دنیا میں تو ہم بہت ہی کم رہے۔ زیادہ سے زیادہ شاید دس دن وہاں گزرے ہوں گے۔ ہم ان کی اس رازداری کی گفتگو کو بھی بخوبی جانتے ہیں جب کہ ان میں سے بڑا عاقل اور کامل انسان کہے گا کہ میاں دن بھی کہاں کے؟ ہم تو صرف ایک دن ہی دنیا میں رہے۔ غرض کفار کو دنیا کی زندگی ایک سپنے کی طرح معلوم ہوگی۔ اس وقت وہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ صرف ایک ساعت ہی دنیا میں تم تو ٹھہرے ہوں گے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ الخ ہم نے تمہیں عبرت حاصل کرنے کے قابل عمر بھی دی تھی۔ پھر ہوشیار کرنے والے بھی تمہارے پاس آچکے تھے۔ اور آیتوں میں ہے کہ اس سوال پر کہ تم کتنا عرصہ زمین پر گزار آئے؟ ان کا جواب ہے ایک دن بلکہ اس سے بھی کم۔ فی الواقع دنیا ہے بھی آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی۔ لیکن اگر اس بات کو پہلے سے باور کر لیتے تو اس فانی کو اس باقی پر، اس تھوڑی کو اس بہت پر پسند نہ کرتے بلکہ آخرت کا سامان اس دنیا میں کرتے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۙ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا
صَفْصَفًا ۙ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ؕ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ
الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ
اِلَّا هَمْسًا ۝

تجھ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ سو تو کہہ دے کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ○ اور زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر چھوڑے گا ○ جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اونچ نیچ ○ جس دن پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہ ہوگی' اللہ رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے کھسر پھسر کے تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا ○

پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۸) لوگوں نے پوچھا کہ قیامت کے دن یہ پہاڑ باقی رہیں گے یا نہیں؟ ان کا سوال نقل کر کے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ ہٹ جائیں گے اور مٹ جائیں گے' چلتے پھرتے نظر آئیں گے اور آخر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زمین صاف چٹیل' ہموار میدان کی صورت میں ہو جائے گی۔ قاع کے معنی ہموار صاف میدان ہے۔ صفصفا اسی کی تاکید ہے اور صفصف کے معنی بغیر روئیدگی کی زمین کے بھی ہیں لیکن پہلے معنی زیادہ اچھے ہیں اور دوسرے معنی مرادی اور لازمی ہیں۔ نہ اس میں کوئی وادی رہے گی نہ ٹیلہ نہ اونچان رہے گی نہ نیچائی۔ ان دہشت ناک امور کے ساتھ ہی ایک آواز دینے والا آواز دے گا جس کی آواز پر ساری مخلوق لگ جائے گی' دوڑتی ہوئی حسب فرمان ایک طرف چلی جا رہی ہوگی نہ ادھر ادھر ہوگی نہ ٹیڑھی بانکی چلے گی کاش کہ یہی روش دنیا میں رکھتے اور اللہ کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہتے۔ لیکن آج کی یہ روش بالکل بے سود ہے۔ اس دن تو خوب دیکھتے سنتے بن جائیں گے اور آواز کے ساتھ فرماں برداری کریں گے۔ اندھیری جگہ حشر ہوگا۔ آسمان لپیٹ لیا جائے گا' ستارے جھڑ پڑیں گے' سورج چاند مٹ جائے گا' آواز دینے والے کی آواز پر سب چل کھڑے ہوں گے۔ اس ایک میدان میں ساری مخلوق جمع ہوگی مگر اس غضب کا سناٹا ہوگا کہ آداب بارگاہ الٰہی کی وجہ سے ایک آواز نہ اٹھے گی۔ بالکل سکون و سکوت ہوگا صرف پیروں کی چاپ ہوگی اور کانا پھوسی۔ چل کر جا رہے ہوں گے تو پیروں کی چاپ تو لامحالہ ہونی ہی ہے اور با اجازت رب کبھی کبھی کسی کسی حال میں بولیں گے بھی۔ لیکن چلنا بھی با ادب اور بولنا بھی با ادب۔ جیسے ارشاد ہے يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ۔ یعنی جس دن وہ میرے سامنے حاضر ہوں گے' کسی کی مجال نہ ہوگی کہ بغیر میری اجازت کے زبان کھول لے۔ بعض نیک ہوں گے اور بعض بد ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ
خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس بات کو پسند فرمائے ○ جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے۔ مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا ○ تمام چہرے اس زندہ اور خبر گیراں اللہ کے سامنے کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہیں یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لاد لیا ○ اور جو نیک اعمال کرے اور ہو بھی ایمان دار نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہو گا نہ حق تلفی کا ○

نوعیت شفاعت اور روز قیامت: ☆☆ (آیت: ۱۰۹-۱۱۲) قیامت کے دن کسی کی مجال نہ ہو گی کہ دوسرے کے لئے شفاعت کرے ہاں جسے اللہ اجازت دے نہ آسمان کے فرشتے بے اجازت کسی کی سفارش کر سکیں نہ اور کوئی بزرگ بندہ۔ سب کو خود خوف لگا ہو گا بے اجازت کسی کی سفارش نہ ہو گی۔ فرشتے اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے بے اجازت رب کوئی لب نہ کھول سکے گا۔ خود سید الناس اکرم الناس رسول اللہ ﷺ بھی عرش تلے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اللہ کی خوب حمد و ثنا کریں گے دیر تک سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھاؤ' کہو تمہاری بات سنی جائے گی شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر حد مقرر ہو گی آپ ان کی شفاعت کر کے جنت میں لے جائیں گے پھر لوٹیں گے پھر یہی ہو گا چار مرتبہ یہی ہو گا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی سائر الانبیاء۔ اور حدیث میں ہے کہ حکم ہو گا کہ جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں ایک مثقال ایمان ہو۔ پس بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا جس کے دل میں آدھا مثقال ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں بقدر ایک ذرے کے ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں اس سے بھی کم اس سے بھی کم' اس سے بھی کم ایمان ہو' اسے بھی جہنم سے آزاد کرو' الخ۔ اس نے تمام مخلوق کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے' مخلوق اس کے علم کا احاطہ کر ہی نہیں سکتی۔

جیسے فرمان ہے' اس کے علم میں سے صرف وہی معلوم کر سکتے ہیں جو وہ چاہے۔ تمام مخلوق کے چہرے عاجزی' پستی' ذلت و نرمی کے ساتھ اس کے سامنے پست ہیں اس لئے کہ وہ موت و فوت سے پاک ہے' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہنے والا ہے' وہ نہ سوئے نہ اونگھے۔ خود اپنے آپ قائم رہنے والا اور ہر چیز کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا ہے۔ سب کی دیکھ بھال' حفاظت اور سنبھال وہی کرتا ہے وہ تمام کمالات رکھتا ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے' بغیر رب کی مرضی کے نہ پیدا ہو سکے نہ باقی رہ سکے۔ جس نے یہاں ظلم کئے ہوں گے' وہ وہاں برباد ہو گا۔ کیونکہ ہر حق دار کو اللہ تعالیٰ اس دن اس کے حق دلوائے گا یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کو سینگ والی بکری سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا' مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم' کسی ظالم کے ظلم کو میں اپنے سامنے سے گزرنے نہ دوں گا۔ صحیح حدیث میں ہے لوگو! ظلم سے بچو۔ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر آئے گا اور سب سے بڑھ کر نقصان یافتہ وہ ہے جو اللہ سے شرک کرتا ہوا مرا وہ تباہ برباد ہوا اس لئے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ ظالموں کا بدلہ بیان فرما کر متقیوں کا ثواب بیان ہو رہا ہے کہ نہ ان کی برائیاں بڑھائی جائیں نہ ان کی نیکیاں گھٹائی جائیں۔ گناہ کی زیادتی اور نیکی کی کمی سے وہ بے کھٹکے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ
لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ
الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ۡ
وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اسی طرح ہم نے تجھ پر عربی قرآن نازل فرمایا ہے اور طرح طرح سے اس میں ڈر کا بیان سنایا ہے تا کہ لوگ پرہیزگار بن جائیں یا ان کے دل میں یہ سوچ سمجھ تو پیدا کرے ○ پس اللہ تعالیٰ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ ہے' تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر' اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے' وہ پوری کی جائے۔ ہاں یہ دعا کرتا رہ کہ پروردگار میرا علم بڑھاتا رہ ○

وعدہ حق' وعید حق: ☆☆ (آیت: ۱۱۳-۱۱۴) چونکہ قیامت کا دن آنا ہی ہے اور اس دن نیک و بد اعمال کا بدلہ ملنا ہی ہے' لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے ہم نے بشارت والا اور دھمکانے والا اپنا پاک کلام عربی صاف زبان میں اتارا تا کہ ہر شخص سمجھ سکے اور اس میں گونا گوں طور پر لوگوں کو ڈرایا' طرح طرح سے ڈراوے سنائے۔ تا کہ لوگ برائیوں سے بچیں' بھلائیوں کے حاصل کرنے میں لگ جائیں یا ان کے دلوں میں غور و فکر' نصیحت و پند پیدا ہو' اطاعت کی طرف جھک جائیں' نیک کاموں کی کوشش میں لگ جائیں۔ پس پاک اور برتر ہے وہ اللہ جو حقیقی شہنشاہ ہے' دونوں جہاں کا تنہا مالک ہے' وہ خود حق ہے' اس کا وعدہ حق ہے' اس کی وعید حق ہے' اس کے رسول حق ہیں' جنت دوزخ حق ہے' اس کے سب فرمان اور اس کی طرف سے جو ہو' سراسر عدل و حق ہے' اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ آگاہ کئے بغیر کسی کو سزا دے وہ سب کے عذر کاٹ دیتا ہے کسی کے شبہ کو باقی نہیں رکھتا' حق کو کھول دیتا ہے پھر سرکشوں کو عدل کے ساتھ سزا دیتا ہے۔ جب ہماری وحی اتر رہی ہو' اس وقت تم ہمارے کلام کو پڑھنے میں جلدی نہ کرو پہلے پوری طرح سن لیا کرو۔ جیسے سورہ قیامت میں فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ الخ' یعنی جلدی کر کے بھول جانے کے خوف سے وحی اترتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ اسے نہ پڑھنے لگو اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے تلاوت کرانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس پڑھنے کے تابع ہو جائیں پھر اس کا سمجھا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔

حدیث میں ہے کہ پہلے آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جس میں آپ کو دقت ہوتی تھی جب یہ آیت اتری' آپؐ اس مشقت سے چھوٹ گئے اور اطمینان ہو گیا کہ وحی الٰہی جتنی نازل ہو گی' مجھے یاد ہو جایا کرے گی۔ ایک حرف بھی نہ بھولوں گا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہو چکا۔ یہی فرمان یہاں ہے کہ فرشتے کی قرات چپکے سے سنو۔ جب وہ پڑھ چکے' پھر تم پڑھو اور مجھ سے اپنے علم کی زیادتی کی دعا کیا کرو۔ چنانچہ آپؐ نے دعا کی اللہ نے قبول کی اور وفات تک علم میں بڑھتے ہی رہے (ﷺ)۔ حدیث میں ہے کہ وحی برابر پے در پے آتی رہی یہاں تک کہ جس دن آپ فوت ہونے کو تھے' اس دن بھی بکثرت وحی اتری۔ ابن ماجہ کی حدیث میں حضور ﷺ کی یہ دعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَ عَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَ زِدْنِیْ عِلْمًا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور آخر میں یہ الفاظ زیادہ ہیں وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ۔

ع ۶ ۱۱ ۱۶ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ؑ
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾
فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ

الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝۱۱۷ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ ۝۱۱۸

ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا ہم نے اس کا کوئی قصد نہیں پایا ○ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا اس نے صاف انکار کر دیا ○ تو ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے کہ تو مشقت میں پڑ جائے ○ یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو تو بھوکا ہو نہ ننگا ○

انسان کو انسان کیوں کہا جاتا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۱۱۵-۱۱۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے جو حکم سب سے پہلے فرمایا گیا' یہ اسے بھول گیا - مجاہد اور حسن فرماتے ہیں' اس حکم کو حضرت آدم علیہ السلام نے چھوڑ دیا -

پھر حضرت آدم علیہ السلام کی شرافت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے - سورہ بقرہ' سورہ اعراف' سورہ حجر اور سورہ کہف میں شیطان کے سجدہ نہ کرنے والے واقعہ کی پوری تفسیر بیان ہو چکی ہے اور سورہ ص میں بھی اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ - ان تمام سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا' پھر ان کی بزرگی کے اظہار کے لئے فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کے حکم کا اور ابلیس کی مخفی عداوت کے اظہار کا بیان ہوا ہے اس نے تکبر کیا اور حکم الٰہی کا انکار کر دیا - اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو سمجھا دیا گیا کہ دیکھ یہ تیرا اور تیری بیوی حضرت حوا علیہا السلام کا دشمن ہے اس کے بہکاوے میں نہ آ جانا ورنہ محروم ہو کر جنت سے نکال دیئے جاؤ گے اور سخت مشقت میں پڑ جاؤ گے - روزی کی تلاش کی محنت سر پڑ جائے گی - یہاں تو بے محنت و مشقت روزی پہنچ رہی ہے - یہاں تو ناممکن ہے کہ بھوکے رہو - ناممکن ہے کہ ننگے رہو' اس اندرونی اور بیرونی تکلیف سے بچے ہوئے ہو - پھر یہاں نہ پیاس کی گرمی اندرونی طور سے ستائے نہ دھوپ کی تیزی کی گرمی بیرونی طور پر پریشان کرے اگر شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تو یہ راحتیں چھین لی جائیں گی اور ان کے مقابل کی تکلیفیں سامنے آ جائیں گی - لیکن شیطان نے اپنے جال میں انہیں پھانس لیا اور مکاری سے انہیں اپنی باتوں میں لے لیا قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلا دیا -

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝۱۱۹ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ
يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝۱۲۰
فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ
وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝۱۲۱ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ
عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝۱۲۲

اور نہ تو تو یہاں پیاسا ہو نہ دھوپ سے تکلیف اٹھا ○ لیکن شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا' کہنے لگا کہ کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور وہ بادشاہت بتلاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو ○ چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا تو ان پر اپنے پردے کی چیزیں کھل گئیں اب بہشت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بہک گیا ○ پھر اسے اس کے رب نے نوازا اس کی طرف توجہ فرمائی اور اس کی رہنمائی کی ○

(آیت: ۱۱۹-۱۲۲) پہلے ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے فرما دیا تھا کہ جنت کے تمام میوے کھانا لیکن اس درخت کے نزدیک بھی نہ جانا - مگر شیطان نے انہیں اس قدر پھسلایا کہ آخر کار یہ اس درخت میں سے کھا بیٹھے - اس نے دھوکہ کرتے ہوئے ان سے کہا کہ جو اس درخت کو کھا لیتا ہے' وہ ہمیشہ یہیں رہتا ہے - صادق و مصدوق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے سوار سو سال تک چلا جائے گا لیکن تاہم وہ ختم نہ ہو گا - اس کا نام شجرۃ الخلد ہے (مسند احمد و ابو داؤد طیالسی) -

دونوں نے درخت میں سے کچھ کھایا ہی تھا جو لباس اتر گیا اور اعضاء ظاہر ہو گئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو گندمی رنگ کا لمبے قد وقامت والا زیادہ بالوں والا بنایا تھا۔ کھجور کے درخت جتنا قد تھا ممنوع درخت کو کھاتے ہی لباس چھن گیا۔ اپنے ستر کو دیکھتے ہی مارے شرم کے ادھر ادھر چھپنے لگے ایک درخت میں بال الجھ گئے' جلدی سے چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے آدم کیا مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کلام رحمٰن سن کر ادب سے عرض کیا کہ الٰہی مارے شرمندگی کے سر چھپانا چاہتا ہوں۔ اچھا اب یہ تو فرما دے کہ توبہ اور رجوع کے بعد بھی جنت میں پہنچ سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ہاں۔

یہی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے آدم نے اپنے رب سے چند کلمات لے لئے جس کی بنا پر اللہ نے اسے پھر سے اپنی مہربانی میں لے لیا۔ یہ روایت منقطع ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام وحضرت حوا علیہا السلام سے لباس چھن گیا تو اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' انجیر کے پتوں سے اپنا آپ چھپانے لگے۔ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے راہ راست سے ہٹ گئے۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی رہنمائی کی۔ توبہ قبول فرمائی اور اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیا۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام میں گفتگو ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے آپ نے اپنے گناہ کی وجہ سے تمام انسانوں کو جنت سے نکلوا دیا اور انہیں مشقت میں ڈال دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا' اے موسیٰ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت سے اور اپنے کلام سے ممتاز فرمایا آپ مجھے اس بات پر الزام دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے پہلے ہی مقدر اور مقرر کر لیا تھا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے اس گفتگو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا۔ اور روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا اور آپ میں آپ کی روح اس نے پھونکی تھی اور آپ کے سامنے اپنے فرشتوں کو سجدہ کرایا تھا اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے اس جواب میں یہ بھی مروی ہے کہ اللہ نے آپ کو وہ تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور سرگوشی کرتے ہوئے آپ کو قریب کر لیا۔ بتلاؤ اللہ نے تورات کب لکھی تھی؟ جواب دیا' آپ سے چالیس سال پہلے' پوچھا' کیا اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ بھول گیا' کہا ہاں۔ فرمایا پھر تم مجھے اس امر کا الزام کیوں دیتے ہو؟ جو میری تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ
مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾
وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا
وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ
كُنْتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ
تُنْسَىٰ ﴿١٢٦﴾

فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے

نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا ○ ہاں جو میری یاد سے روگردانی کرے' اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا' اے اللہ مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا ○ جواب ملے گا کہ اسی طرح ہونا چاہئے تھا۔ تو نے میری آئی ہوئی آیتوں سے غفلت برتی' آج تیری بھی مطلقاً خبر نہ لی جائے گی ○

ایک دوسرے کے دشمن: ☆☆ (آیت:۱۲۳-۱۲٦) حضرت آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام اور ابلیس لعین سے اسی وقت فرما دیا گیا کہ تم سب جنت سے نکل جاؤ۔ سورہ بقرہ میں اس کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ یعنی اولاد آدم اور اولاد ابلیس۔ تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں گی۔ میری بتائی ہوئی راہ کی پیروی کرنے والے نہ تو دنیا میں رسوا ہوں گے نہ آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ ہاں حکموں کے مخالف' میرے رسول کی راہ کے تارک' دوسری راہوں پہ چلنے والے دنیا میں بھی تنگ رہیں گے' اطمینان اور کشادہ دلی میسر نہ ہو گی اپنی گمراہی کی وجہ سے تنگیوں میں ہی رہیں گے گو بہ ظاہر کھانے پینے' پہننے اوڑھنے' رہنے سہنے کی فراخی ہو لیکن دل میں یقین و ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ شک وشبے اور تنگی اور قلت میں ہی مبتلا رہیں گے۔ بدنصیب' رحمت الٰہی سے محروم' خیر سے خالی۔ کیونکہ اللہ پر ایمان نہیں' اس کے وعدوں کا یقین نہیں' مرنے کے بعد کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں' اللہ کے ساتھ بدگمان ہیں' گئی ہوئی چیز کو آنے والی نہیں سمجھتے۔ خبیث روزیاں ہیں' گندے عمل ہیں' قبر تنگ و تاریک ہے۔ وہاں اس طرح دبوچا جائے گا کہ دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں طرف کی دائیں طرف میں گھس جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مومن کی قبر ہرا بھرا سرسبز باغیچہ ہے' ستر ہاتھ کی کشادہ ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چاند اس میں ہے خوب نور اور روشنی پھیل رہی ہے جیسے چودھویں رات کا چاند چڑھا ہوا ہو اس آیت کا شان نزول معلوم ہے کہ میرے ذکر سے منہ پھیرنے والوں کی معیشت تنگ ہے اس سے مراد کافر کی قبر میں اس پر عذاب ہے۔ اللہ کی قسم اس پر ننانوے اژدہے مقرر کئے جاتے ہیں ہر ایک کے سات سات سر ہوتے ہیں جو اسے قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل منکر ہے ایک عمدہ سند سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ یہ قیامت کے دن اندھا بنا کر اٹھایا جائے گا سوائے جہنم کے کوئی چیز اسے نظر نہ آئے گی۔ نابینا ہو گا اور میدان حشر کی طرف چلایا جائے گا اور جہنم کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ یعنی ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ' اندھے' گونگے' بہرے بنا کر حشر میں لے جائیں گے ان کا اصلی ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہ کہیں گے کہ میں تو دنیا میں آنکھوں والا' خوب دیکھتا بھالتا تھا' پھر مجھے اندھا کیوں کر دیا گیا؟ جواب ملے گا کہ یہ بدلہ ہے اللہ کی آیتوں سے منہ موڑ لینے کا اور ایسا ہو جانے کا گویا خبر ہی نہیں۔ پس آج ہم بھی تیرے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے کہ جیسے تو ہماری یاد سے اتر گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا آج ہم انہیں ٹھیک اسی طرح بھلا دیں گے جیسے انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ پس یہ برابر کا اور عمل کی طرح کا بدلہ ہے۔ قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے احکام کا عامل ہوتے ہوئے کسی شخص سے اگر اس کے الفاظ حفظ سے نکل جائیں تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ اسکے لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے جذامی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا (مسند احمد)

وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَ
لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۱۲۷ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ
مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي
النُّهٰى ۱۲۸ ع ۷ ۱۳ ١٦

ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ہر اس شخص کو جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے' بے شک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور بہت دیرپا ہے ○ کیا ان کی رہبری اس بات نے بھی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک کر دی ہیں جن کے رہنے سہنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں ○

دنیا کی سزائیں: ☆☆ (آیت:۱۲۷) جو حدود الٰہی کی پروا نہ کریں' اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں' انہیں ہم اسی طرح دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کرتے ہیں خصوصاً آخرت کا عذاب تو بہت ہی بھاری ہے اور وہاں کوئی نہ ہوگا جو بچا سکے۔ دنیا کے عذاب نہ تو سختی میں اس کے مقابلے کے ہیں نہ مدت میں وہ دائمی اور نہایت المناک ہیں۔ ملاعنہ کرنے والوں کو سمجھاتے ہوئے رسول مقبول ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی اور ناچیز ہے۔

ویرانوں سے عبرت حاصل کرو: ☆☆ (آیت:۱۲۸) جو لوگ تجھے نہیں مان رہے اور تیری شریعت کا انکار کر رہے ہیں' کیا وہ اس بات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان سے پہلے جنہوں نے یہ ڈھنگ نکالے تھے' ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا؟ آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی اور ایک سانس چلتا ہوا اور ایک زبان بولتی ہوئی باقی نہیں بچی' ان کے بلند و بالا' پختہ اور خوبصورت' کشادہ اور زینت دار محل ویران کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جہاں سے ان کی آمد و رفت رہتی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

یقیناً اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے مقرر شدہ اور وقت معین کردہ نہ ہوتا تو ابھی ہی عذاب آ چمٹتا ○ پس ان کی باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بیان کرتا رہ سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ۔ بہت ممکن ہے کہ تو راضی ہو جائے ○

(آیت:۱۲۹-۱۳۰) اگر یہ عقلمند ہوتے تو یہ سامان عبرت ان کے لئے بہت کچھ تھا۔ کیا یہ زمین میں چل پھر کر قدرت کی ان نشانیوں پر دل سے غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا کانوں سے ان کے دردناک فسانے سن کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟ کیا ان کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر بھی آنکھیں نہیں کھولتے؟ یہ آنکھوں کے ہی اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں۔ سورہ الم السجدہ میں بھی مندرجہ بالا آیت جیسی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ جب تک بندوں پر اپنی حجت ختم نہ کر دے' انہیں عذاب نہیں کرتا۔ ان کے لئے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اسی وقت ان کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ادھر گناہ کرتے' ادھر پکڑ لئے جاتے۔ تو ان کی تکذیب پر صبر کر ان کی بے ہودہ باتوں پر برداشت کر۔ تسلی رکھ یہ میرے قبضے سے باہر نہیں۔ سورج نکلنے سے پہلے سے مراد تو نماز فجر ہے اور سورج ڈوبنے سے پہلے سے مراد نماز عصر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسول مقبول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم عنقریب اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو بغیر مزاحمت اور تکلیف کے دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج غروب ہونے سے پہلی کی نماز کی پوری طرح حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا' ان دونوں وقتوں کی نماز پڑھنے والا آگ میں نہ جائے گا۔ مسند اور سنن میں ہے کہ

آپ ؐ نے فرمایا' سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو دو ہزار برس کی راہ تک اپنی ہی اپنی ملکیت دیکھے گا سب سے دور کی چیز بھی اس کے لئے ایسی ہی ہوگی جیسے سب سے نزدیک کی اور سب سے اعلیٰ منزل والے تو دن میں دو دو دفعہ دیدار الٰہی کریں گے-

پھر فرماتا ہے' رات کے وقتوں میں بھی تہجد پڑھا کر- بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب وعشاء کی نماز ہے- اور دن کے وقتوں میں بھی اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کر- تا کہ اللہ کے اجر وثواب سے تو خوش ہو جائے- جیسے فرمان ہے کہ عنقریب تیرا اللہ تجھے وہ دے گا کہ تو خوش ہو جائے- صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! وہ کہیں گے لبیک ربنا وسعدیک- اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے اللہ ہم بہت ہی خوش ہیں تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں- پھر کیا وجہ کہ ہم راضی نہ ہوں- جناب باری ارحم الراحمین فرمائے گا' لو میں تمہیں ان سب سے افضل چیز دیتا ہوں- پوچھیں گے' اے اللہ اس سے افضل چیز کیا ہے؟ فرمائے گا میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں کہ اب کسی وقت بھی میں تم سے ناخوش نہ ہوؤں گا- اور حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا' وہ اسے پورا کرنے والا ہے' کہیں گے اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے- ہمارے چہرے روشن ہیں ہماری نیکیوں کا پلہ گراں رہا ہمیں دوزخ سے ہٹا دیا گیا جنت میں داخل کر دیا گیا اب کون سی چیز باقی ہے؟ اسی وقت حجاب اٹھ جائیں گے اور دیدار الٰہی ہو گا- اللہ کی قسم اس سے بہتر اور کوئی نعمت نہ ہوگی- یہی زیادتی ہے-

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾
وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ
نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں تا کہ انہیں اس میں آزمالیں- تیرے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جما رہ' ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں' آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے ○

شکر یا تکبر؟ ☆☆ (آیت: ۱۳۱-۱۳۲) ان کفار کی دنیوی زینت اور ان کی ٹیپ ٹاپ کو تو حسرت بھری نگاہوں سے نہ دیکھ' یہ تو ذرا سی دیر کی چیزیں ہیں- یہ صرف ان کی آزمائش کے لئے انہیں یہاں ملی ہیں کہ دیکھیں شکر وتواضع کرتے ہیں یا ناشکری اور تکبر کرتے ہیں؟ حقیقتاً شکر گزاروں کی کمی ہے- ان کے مالداروں کو جو کچھ ملا ہے' اس سے تجھے تو بہت ہی بہتر نعمت ملی ہے- ہم نے تجھے سات آیتیں دی ہیں جو دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم عطا فرما رکھا ہے' پس اپنی نظریں ان کے دنیوی ساز وسامان کی طرف نہ ڈال- اسی طرح اے پیغمبر اللہ ﷺ آپ کے لئے اللہ کے پاس جو مہمانداری ہے' اس کی نہ تو کوئی انتہا ہے اور نہ اس وقت کوئی اس کے بیان کی طاقت رکھتا ہے- تجھے تیرا پروردگار اس قدر دے گا کہ تو راضی رضامند ہو جائے گا- اللہ کی دین بہتر اور باقی ہے- حضور ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلا کیا تھا اور ایک بالا خانے میں مقیم تھے حضرت عمرؓ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک کھردرے بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں- چمڑے کا ایک ٹکڑا ایک طرف رکھا تھا اور کچھ مشکیں لٹک رہی تھیں- یہ بے سروسامانی کی حالت دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے حضور ﷺ نے دریافت کیا کیوں رو دیئے؟ جواب دیا کہ حضور ﷺ قیصر وکسری کس قدر عیش وعشرت میں ہیں اور آپ باوجود ساری مخلوق میں سے اللہ کے برگزیدہ ہونے کے کس حالت میں

ہیں؟ آپؐ نے فرمایا! اے خطاب کے بیٹے' کیا اب تک تم شک میں ہی ہو؟ ان لوگوں کی اچھائیوں نے دنیا میں ہی جلدی کر لی ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ باوجود قدرت اور دسترس کے دنیا سے نہایت ہی بے رغبت تھے۔ جو ہاتھ لگتا' اسے راہ للہ دے دیتے اور اپنے لئے ایک پیسہ بھی نہ بچا رکھتے۔

ابن ابی حاتم میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے تو تم پر سب سے زیادہ خوف اس وقت کا ہے کہ دنیا تمہارے قدموں میں اپنا تمام ساز و سامان ڈال دے گی۔ اپنی برکتیں تم پر الٹ دے گی الغرض کفار کو زینت کی زندگی اور دنیا صرف ان کی آزمائش کے لئے دی جاتی ہے۔ اپنے گھرانے کے لوگوں کو نماز کی تاکید کر و تاکہ وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں' خود بھی پابندی کے ساتھ اس کی ادائیگی کرو۔ اپنے آپ کو اور اپنی اہل و عیال کو جہنم سے بچالو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارک تھی کہ رات کو جب تہجد کیلئے اٹھتے تو اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور اسی آیت کی تلاوت فرماتے۔ ہم تجھ سے رزق کے طالب نہیں۔ نماز کی پابندی کر لو اللہ ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا جو خواب و خیال میں بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے لئے چھٹکارا کر دیتا ہے اور بے شان و گمان جگہ سے روزی پہنچاتا ہے۔ تمام جنات اور انسان صرف عبادت الٰہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ رزاق اور زبردست قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرماتا ہے' ہم خود تمام مخلوق کے روزی رساں ہیں۔ ہم تمہیں طلب کی تکلیف نہیں دیتے۔ حضرت ہشام کے والد صاحب جب امیر امراء کے مکانوں پر جاتے اور ان کا ٹھاٹھ دیکھتے تو واپس اپنے مکان پر آکر اسی آیت کی تلاوت فرماتے اور کہتے میرے کنبے والو! نماز کی حفاظت کرو' نماز کی پابندی کرو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو کوئی تنگی ہوتی تو اپنے گھر کے سب لوگوں کو فرماتے' اے میرے گھر والو' نمازیں پڑھو' نمازیں قائم رکھو۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اپنی ہر گھبراہٹ اور ہر کام کے وقت نماز شروع کر دیتے۔ ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ کی قدسی حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا' میں تیرا سینہ امیری اور بے پرواہی سے پر کر دوں گا' تیری فقیری اور حاجت کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو میں تیرا دل اشغال سے بھر دوں گا اور تیری فقیری بند ہی نہ کروں گا۔ ابن ماجہ شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جس نے اپنے تمام غور و فکر اور قصد و خیال کو اکٹھا کر کے آخرت کا خیال باندھ لیا اور اسی میں مشغول ہو گیا' اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی تمام پریشانیوں سے محفوظ کر لے گا اور جس نے دنیا کی فکریں پال لیں' یہاں کے غم مول لے لئے' اللہ کو اس کی مطلقاً پرواہ نہ رہے گی خواہ کسی حیرانی میں ہلاک ہو جائے۔ اور روایت میں ہے کہ دنیا کے غموں میں ہی' اسی کی فکروں میں ہی گھلے جانے والے کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پریشانیاں ڈال دے گا اور اس کی فقیری اس کی آنکھوں کے سامنے کر دے گا اور دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی مقدر میں ہے اور جو اپنے دل کا مرکز آخرت کو بنا لے گا' اپنی نیت وہی رکھے گا' اللہ تعالیٰ اسے ہر کام کا اطمینان نصیب فرما دے گا۔ اس کے دل کو سیر اور شیر بنا دے گا اور دنیا اس کے قدموں کی ٹھوکروں میں آیا کرے گی۔ پھر فرمایا دنیا و آخرت میں نیک انجام پرہیز گار لوگ ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں۔ وہاں ہمارے سامنے ابن طالب کے باغ کی تر کھجوریں پیش کی گئی ہیں۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ دنیا میں بھی انجام کے لحاظ سے ہمارا ہی پلہ گراں رہے گا اور بلندی اور اونچائی ہم کو ہی ملے گی اور ہمارا دین پاک صاف' طیب و طاہر' کامل و مکمل ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ
مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ
قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ

ع ۸/۷ ۱۷ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝۱۳۵

کہتے ہیں کہ یہ نبی ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں لاتا؟ کیا ان کے پاس اگلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں پہنچی؟ ○ اگر ہم اس سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے - اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے ○ کہہ دے کہ ہر ایک انجام کا منتظر ہے پس تم بھی انتظار میں رہو ابھی ابھی قطعاً جان لو گے کہ راہ راست والے کون ہیں اور کون راہ یافتہ ہیں؟ ○

قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ: ☆☆ (آیت:۱۳۳-۱۳۵) کفار یہ بھی کہا کرتے تھے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ نبی اپنی سچائی کا کوئی معجزہ ہمیں نہیں دکھاتے؟ جواب ملتا ہے کہ یہ ہے قرآن کریم جو اگلی کتابوں کی خبر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی امی ﷺ پر اتارا ہے - جو نہ لکھنا جانیں نہ پڑھنا - (صلی اللہ علیہ وسلم) - دیکھ لو اس میں اگلے لوگوں کے حالات ہیں اور بالکل ان کتابوں کے مطابق جو اللہ کی طرف سے اس سے پہلے نازل شدہ ہیں - قرآن ان سب کا نگہبان ہے - چونکہ اگلی کتابیں کمی بیشی سے پاک نہیں رہیں' اس لئے قرآن اترا ہے کہ ان کی صحت وغیر صحت کو ممتاز کر دے - سورہ عنکبوت میں کافروں کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہر قسم کے معجزات کے ظاہر کرنے پر قادر ہے' میں تو صرف تنبیہ کرنے والا رسول ہوں - میرے قبضے میں کوئی معجزہ نہیں لیکن کیا انہیں یہ معجزہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے جو ان کے سامنے برابر تلاوت کی جا رہی ہے جس میں ہر یقین والے کیلئے رحمت وعبرت ہے - صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر نبی کو ایسے معجزے ملے کہ انہیں دیکھ کر لوگ ان کی نبوت پر ایمان لے آئے - لیکن مجھے جیتا جاگتا زندہ اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ دیا گیا ہے یعنی اللہ کی یہ کتاب قرآن مجید جو بذریعہ وحی مجھ پر اتری ہے - پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن تمام نبیوں کے تابعداروں سے میرے تابعدار زیادہ ہوں گے - یہ یاد رہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ بیان ہوا ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ آپ کے معجزے اور تھے ہی نہیں - علاوہ اس پاک اور معجز قرآن کے آپؐ کے ہاتھوں اس قدر معجزات سرزد ہوئے ہیں جو گنتی میں نہیں آ سکتے - لیکن ان تمام بے شمار معجزوں سے بڑھ چڑھ کر آپؐ کا سب سے اعلیٰ معجزہ یہ قرآن کریم ہے - اگر اس محترم ختم المرسلین آخری پیغمبر علیہ السلام کو بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان نہ ماننے والوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ان کا یہ عذر باقی رہ جاتا کہ اگر ہمارے سامنے کوئی پیغمبر آتا' کوئی وحی الٰہی نازل ہوتی تو ہم ضرور اس پر ایمان لاتے اور اس کی تابعداری اور فرماں برداری میں لگ جاتے اور اس ذلت ورسوائی سے بچ جاتے - اس لئے ہم نے ان کا یہ عذر بھی کاٹ دیا - رسول بھیج دیا' کتاب نازل فرما دی' انہیں ایمان نصیب نہ ہوا' عذابوں کے مستحق بن گئے اور عذر بھی دور ہو گئے - ہم خوب جانتے ہیں کہ ایک کیا ہزاروں آیتیں اور نشانات دیکھ کر بھی انہیں ایمان نہیں آنے کا - ہاں جب عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے' اس وقت ایمان لائیں گے لیکن وہ محض بے سود ہے -

جیسے فرمایا' ہم نے یہ پاک اور بہتر کتاب نازل فرما دی ہے جو بابرکت ہے' تم اسے مان لو اور اس کی فرماں برداری کرو تو تم پر رحم کیا جائے گا الخ - یہی مضمون آیت وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ الخ' میں ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول کی آمد پر ہم مومن بن جائیں گے معجزہ دیکھ کر ایمان قبول کر لیں گے لیکن ہم ان کی سرشت سے واقف ہیں یہ تمام آیتیں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے - پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ ادھر ہم ادھر تم منتظر ہیں - ابھی حال کھل جائے گا کہ راہ مستقیم پر کون ہے؟ حق کی طرف کون چل رہا ہے؟ عذابوں کو دیکھتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی - اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں مبتلا تھا - گھبراؤ نہیں - ابھی ابھی جان لو گے کہ کذاب وشریر کون تھا؟ یقیناً مسلمان راہ راست پر ہیں اور غیر مسلم اس سے ہٹے ہوئے ہیں -

سورہ طہ کی تفسیر اللہ کے فضل وکرم سے ختم ہوئی - اور اسی کے ساتھ تفسیر محمدی کا سولھواں پارہ بھی ختم ہوا' فالحمد للہ -

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۱۷

چند اہم مضامین کی فہرست

- قیامت سے غافل انسان ۲۳۲
- مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کی بشریت کے منکر تھے ۲۳۵
- قدر ناشناس لوگ ۲۳۶
- آسمان وزمین کوئی کھیل تماشہ نہیں ۲۳۷
- فرشتوں کا تذکرہ ۲۳۷
- سب تہمتوں سے بلند اللہ جل شانہ ۲۳۸
- خضر علیہ السلام مرچکے ہیں ۲۴۲
- جلد باز انسان ۲۴۳
- خود عذاب کے طالب لوگ ۲۴۴
- انبیاء کی تکذیب کافروں کا شیوہ ہے ۲۴۴
- یہودی روایتوں سے بچو ۲۴۸
- کفر سے بیزاری طبیعت میں اضمحلال پیدا کرتی ہے ۲۴۹
- آگ گلستان بن گئی ۲۵۱
- ہجرت خلیل اللہ علیہ السلام ۲۵۳
- نوح علیہ السلام کی دعا ۲۵۴
- ایک ہی مقدمہ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے مختلف فیصلے ۲۵۵
- آزمائش اور مصائب ایوب علیہ السلام ۲۵۸
- ذوالکفل نبی نہیں بزرگ تھے ۲۶۲
- یونس علیہ السلام اور ان کی امت ۲۶۳
- استغفار موجب نجات ہے ۲۶۴
- دعا اور بڑھاپے میں اولاد ۲۶۶
- تمام شریعتوں کی روح توحید ۲۶۷
- یافث کی اولاد ۲۶۸
- اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں تمام کائنات ۲۷۳
- جلد یا بدیر حق غالب ہوگا ۲۷۶
- دعوت تقویٰ ۲۷۶
- پہلی پیدائش دوسری پیدائش کی دلیل ۲۸۰
- شک کے مارے لوگ ۲۸۳
- یقین کے مالک لوگ ۲۸۴
- مخالفین نبی ﷺ ہلاک ہوں ۲۸۴
- مختلف مذاہب کا فیصلہ روز قیامت ہوگا ۲۸۵
- چاند سورج ستارے سب سجدہ ریز ۲۸۵
- جنت کے محلات وباغات ۲۸۸
- مسجد الحرام سے روکنے والے ۲۸۹
- مسجد حرام کی اولین بنیاد توحید ہے ۲۹۱
- دنیا اور آخرت کے فائدے ۲۹۲
- احکام حج ۲۹۴
- بت پرستی کی گندگی سے دور رہو ۲۹۵
- قربانی کے جانور اور حجاج ۲۹۶
- شعائر اللہ کیا ہیں؟ ۲۹۹
- قربانی پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو ۳۰۱
- حکم جہاد صادر ہوا ۳۰۳
- اطاعت الٰہی سے روکنے والوں کا حشر ۳۰۹
- کافروں کے دل سے شک وشبہ نہیں جائے گا ۳۱۲
- اللہ تعالیٰ کا بہترین رزق پانے والے لوگ ۳۱۳
- مناسک کے معنی ۳۱۶
- کمال علم رب کی شان ۳۱۷
- شیطان کی تقلید ۳۱۷
- منصب نبوت کا حقدار کون؟ ۳۱۹
- سورۂ حج کو دو سجدوں کی فضیلت حاصل ہے ۳۲۰
- امت مسلمہ کو سابقہ امتوں پر فضیلت ۳۲۰

تفسیر سورة الانبیاء

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورۂ مریم، سورۂ طہٰ اور سورۂ انبیا علیہ السلام عتاق اول سے ہیں اور یہی تلادی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝١
مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ
وَهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۝٢ لَاهِیَةً قُلُوۡبُهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَی
الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ
وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ۝٣

رحم و کرم والے اللہ کے نام سے شروع ○

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ لگا۔ پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ○ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نئی نصیحت آتی ہے، اسے وہ کھیل کود میں ہی سنتے ہیں ○ ان کے دل بالکل غافل ہوتے ہیں، ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ یہ تم ہی جیسا انسان ہے، پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھے جادو میں آ جاتے ہو؟ ○

قیامت سے غافل انسان: ☆☆ (آیت: ۱-۳) اللہ تعالیٰ عزوجل لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ پھر بھی لوگوں کی غفلت میں کمی نہیں آئی نہ وہ اس کے لئے کوئی تیاری کر رہے ہیں جو انہیں کام آئے۔ بلکہ دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایسے مشغول اور منہمک ہو رہے ہیں کہ قیامت سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ امر الٰہی آ گیا اب کیوں جلدی مچا رہے ہو؟ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ الخ، قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا الخ۔ ابونواس شاعر کا ایک شعر ٹھیک اسی معنی کا یہ ہے۔

اَلنَّاسُ فِیۡ غَفَلَاتِهِمۡ وَ رُحَی الۡمَنِیَّةِ تُطۡحَنۡ

''موت کی چکی زور زور سے چل رہی ہے اور لوگ غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔''

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک صاحب مہمان بن کر آئے۔ انہوں نے بڑے اکرام اور احترام سے انہیں اپنے ہاں اتارا اور ان کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے بھی سفارش کی۔ ایک دن یہ بزرگ مہمان ان کے پاس آئے اور کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے مجھے فلاں وادی عطا فرما دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بہترین زمین کا ایک ٹکڑا میں آپؓ کے نام کر دوں کہ آپؓ کو بھی فارغ البالی رہے اور آپؓ کے بعد آپؓ کے بال بچے بھی آسودگی سے گزر کریں۔ حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ بھائی مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے کہ ہمیں تو دنیا کڑوی معلوم ہونے لگی ہے۔ پھر آپ نے یہی اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد کفار قریش اور انہی جیسے اور کافروں کی بابت فرماتا ہے کہ یہ لوگ کلام اللہ اور وحی الٰہی

کی طرف کان ہی نہیں لگاتے - یہ تازہ اور نیا آیا ہوا ذکر دل لگا کر سنتے ہی نہیں - اس کان سنتے ہیں' اس کان اڑا دیتے ہیں - دل ہنسی کھیل میں مشغول ہیں - بخاری شریف میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تمہیں اہل کتاب کی کتابوں کی باتوں کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے تو کتاب اللہ میں بہت کچھ ردوبدل کر لیا' تحریف اور تبدیلی کر لی' کمی زیادتی کر لی اور تمہارے پاس تو اللہ کی اتاری ہوئی خالص کتاب موجود ہے جس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہونے پائی - یہ لوگ کتاب اللہ سے بے پرواہی کر رہے ہیں اپنے دلوں کو اس کے اثر سے خالی رکھنا چاہتے ہیں - بلکہ یہ ظالم اوروں کو بھی بہکاتے ہیں کہتے ہیں کہ اپنے جیسے ایک انسان کی ماتحتی تو ہم نہیں کر سکتے - تم کیسے لوگ ہو کہ دیکھتے بھالتے جادو کو مان رہے ہو؟ یہ ناممکن ہے کہ ہم جیسے آدمی کو اللہ تعالیٰ رسالت اور وحی کے ساتھ مختص کر دے' پھر تعجب ہے کہ لوگ باوجود علم کے اس کے جادو میں آ جاتے ہیں؟

قُلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴
بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ
فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ
مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

پیغمبر نے کہا' میرا پروردگار ہر اس بات کو جو آسمان و زمین میں ہے' بخوبی جانتا ہے ○ وہ بہت ہی سننے والا اور پورا دانا ہے - اتنا ہی نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے از خود اسے گھڑ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے' ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسا نشان لائے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے ○ ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجاڑیں' سب ایمان سے خالی تھیں' تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے؟ ○

(آیت: ۴-۶) ان بدکرداروں کے جواب میں جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ یہ جو بہتان باندھتے ہیں ان سے کہئے کہ جو خدا آسمان و زمین کی تمام باتیں جانتا ہے جس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں' اس نے اس پاک کلام قرآن کریم کو نازل فرمایا' اس میں اگلی پچھلی تمام خبروں کا موجود ہونا ہی دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا اتارنے والا عالم الغیب ہے - وہ تمہاری سب باتوں کا سننے والا اور تمہارے تمام حالات کا علم رکھنے والا ہے - پس تمہیں اس کا ڈر رکھنا چاہئے - پھر کفار کی ضد' ناسمجھی اور کٹ حجتی بیان فرما رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود حیران ہیں - کسی بات پر جم نہیں سکتے - کبھی کلام اللہ کو جادو کہتے ہیں تو کبھی شاعری کہتے ہیں - کبھی پراگندہ اور بے معنی باتیں کہتے ہیں اور کبھی آنحضرت ﷺ کا از خود گھڑ لیا ہوا بتاتے ہیں - خیال کرو کہ اپنے کسی قول پر بھروسہ نہ رکھنے والا' جو زبان پر چڑھے' بک دینے والا بھی مستقل مزاج کہلانے کا مستحق ہے؟ کبھی کہتے تھے' اچھا اگر یہ سچا نبی ہے تو حضرت صالح علیہ السلام کی طرح کوئی اونٹنی لے آتا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کا کوئی معجزہ دکھاتا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی معجزہ ظاہر کرتا - بے شک اللہ ان چیزوں پر قادر تو ضرور ہے لیکن اگر ظاہر ہوئیں اور پھر بھی یہ اپنے کفر سے نہ ہٹے تو عادت الٰہی کے تحت عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جائیں گے اور پیس دئے جائیں گے - عموماً اگلے لوگوں نے یہی کہا اور ایمان نصیب نہ ہوا اور غارت کر دیئے گئے - اسی طرح یہ بھی ایسے معجزے طلب کر رہے ہیں - اگر ظاہر ہوئے تو ایمان نہ لائیں گے اور تباہ ہو جائیں گے - جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ الخ' جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ گو تمام تر معجزے دیکھ لیں' ایمان قبول نہ کریں گے - ہاں عذاب الیم کے معائنہ کے بعد تو فوراً تسلیم کر لیں گے لیکن وہ محض بے سود ہے - بات بھی یہی ہے کہ

انہیں ایمان لانا ہی نہ تھا ورنہ حضور ﷺ کے بیشمار معجزات روزمرہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ بلکہ آپ کے یہ معجزے دیگر انبیاء علیہم السلام سے بہت زیادہ ظاہر اور کھلے ہوئے تھے۔ ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مجمع مسجد میں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ اتنے میں عبداللہ بن سلول منافق آیا۔ اپنی گدی بچھا کر' اپنا تکیہ لگا کر وجاہت سے بیٹھ گیا۔ تھا بھی گورا چٹا' بڑھ بڑھ کر فصاحت کے ساتھ باتیں بنانے والا کہنے لگا ابوبکر تم حضور ﷺ سے کہو کہ آپ کوئی نشان ہمیں دکھائیں جیسے کہ آپ سے پہلے کے انبیاء نشانات لائے تھے مثلاً موسیٰ علیہ السلام تختیاں لائے' داؤد علیہ السلام زبور لائے' صالح علیہ السلام اونٹنی لائے' عیسیٰ علیہ السلام انجیل لائے اور آسمانی دسترخوان۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے۔ اتنے میں حضور ﷺ گھر سے نکلے تو آپؓ نے دوسرے صحابہؓ سے فرمایا کہ حضور ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس منافق کی فریاد دربار رسالت میں پہنچاؤ۔ آپ نے ارشاد فرمایا' سنو میرے لئے کھڑے نہ ہو جایا کرو۔ صرف اللہ ہی کے لئے کھڑے ہوا کرو۔ صحابہؓ نے کہا' حضور ﷺ ہمیں اس منافق سے بڑی ایذا پہنچتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا' ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے فرمایا کہ باہر جاؤ اور لوگوں کے سامنے اپنے ان فضائل کو ظاہر کرو اور ان نعمتوں کا بیان کرو جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں۔ میں ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' مجھے حکم ہوا ہے کہ میں جنات کو بھی پیغام الٰہی پہنچا دوں۔ مجھے میرے رب نے اپنی پاک کتاب عنایت فرمائی ہے حالانکہ محض بے پڑھا ہوں۔ میرے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ میرا نام اذان میں رکھا ہے۔ میری مدد فرشتوں سے کرائی ہے۔ مجھے اپنی امداد و نصرت عطا فرمائی ہے۔ رعب میرا میرے آگے آگے کر دیا ہے۔ مجھے حوض کوثر عطا فرمایا ہے جو قیامت کے دن تمام اور حوضوں سے بڑا ہوگا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کا وعدہ دیا ہے۔ اس وقت جب کہ سب لوگ حیران و پریشان سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ مجھے اللہ نے اس پہلے گروہ میں چنا ہے جو لوگوں سے نکلے گا۔ میری شفاعت سے میری امت کے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ مجھے غلبہ اور سلطنت عطا فرمائی ہے۔ مجھے جنت نعیم کا وہ بلند و بالا اعلیٰ بالاخانہ ملے گا کہ اس سے اعلیٰ منزل کسی کی نہ ہوگی۔ میرے اوپر صرف وہ فرشتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ میرے اور میری امت کے لئے غنیمتوں کے مال حلال کئے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے وہ کسی کے لئے حلال نہ تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا
يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ
فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹

تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے' سبھی مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے۔ پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو تو ○ ہم نے انہیں ایسے جسّے نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ○ پھر ہم نے ان سے کئے ہوئے سب وعدے سچے کئے۔ انہیں اور جن جن کو ہم نے چاہا' نجات عطا فرمائی اور حد سے نکل جانے والوں کو غارت کر دیا ○

مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کی بشریت کے منکر تھے: ☆☆ (آیت: ۷-۹) چونکہ مشرکین اس کے منکر تھے کہ انسانوں میں سے کوئی انسان اللہ کا رسول ہو اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اس عقیدے کی تردید کرتا ہے۔ فرماتا ہے' تجھ سے پہلے جتنے رسول آئے' سب انسان ہی تھے ان میں ایک بھی فرشتہ نہ تھا جیسے دوسری آیت میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى یعنی تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے اور ان کی طرف وحی نازل فرمائی' سب شہروں کے رہنے والے انسان ہی تھے۔ اور آیت میں ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی کہہ دے کہ میں کوئی نیا اور انوکھا اور سب سے پہلا رسول تو ہوں ہی نہیں۔ ان کافروں سے پہلے کے کفار نے بھی نبیوں کے نہ ماننے کا یہی حیلہ اٹھایا تھا جسے قرآن نے بیان فرمایا کہ انہوں نے کہا تھا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا انسان ہمارا رہبر ہو گا؟ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اچھا تم اہل علم سے یعنی یہودیوں اور نصرانیوں سے اور دوسرے گروہ سے پوچھ لو کہ ان کے پاس انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے یا فرشتے؟ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ انسانوں کے پاس انہی جیسے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے تاکہ لوگ ان کے پاس بیٹھ اٹھ سکیں ان کی تعلیم حاصل کر سکیں اور ان کی باتیں سن سمجھ سکیں۔ کیا وہ اگلے پیغمبر سب کے سب ایسے جسم کے نہ تھے جو کھانے پینے کی حاجت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ وہ کھانے پینے کے محتاج تھے۔

جیسے فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں آمد و رفت بھی کرتے تھے یعنی وہ سب انسان تھے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور کام کاج' بیوپار' تجارت کے لئے بازاروں میں بھی آنا جانا رکھتے تھے۔ پس یہ بات ان کی پیغمبری کے منافی نہیں۔ جیسے مشرکین کا قول تھا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ الخ' یعنی یہ رسول کیسا ہے جو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ اس کے دین کی تبلیغ کرتا' اچھا یہ نہیں تو اسے کسی خزانے کا مالک کیوں نہیں کر دیا جاتا یا اسے کوئی باغ ہی دے دیا جاتا جس سے یہ بافراغت کھا پی تو لیتا۔ الخ' اسی طرح اگلے پیغمبر بھی دنیا میں نہ رہے آئے اور گئے جیسے فرمان ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے کسی انسان کو دوام نہیں بخشا۔ ان کے پاس البتہ وحی اللہ آتی رہی۔ فرشتہ اللہ کے حکم احکام پہنچا دیا کرتا تھا۔ پھر رب کا جو وعدہ ان سے تھا' وہ سچا ہو کر رہا یعنی ان کے مخالفین بوجہ اپنے ظلم کے تباہ ہو گئے۔ اور وہ نجات پا گئے ان کے تابعدار بھی کامیاب ہوئے۔ اور حد سے گزر جانے والوں کو یعنی نبیوں کے جھٹلانے والوں کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔

ع ۱۰

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰
وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا
اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲ ؕ
لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْـَٔلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴ فَمَا زَالَتْ
تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝۱۵

یقیناً ہم نے تمہاری جانب کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا پھر بھی تم عقلمندی نہیں کرتے ○ اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جو ستم گار تھیں اور ان کے بعد ہم نے اور جماعتیں پیدا کر دیں ○ جب انہوں نے ہمارے عذاب کا احساس کر لیا تو لگے اس سے بھاگنے ○ بھاگ دوڑ نہ کرو اور جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی، وہیں لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف جاؤ تا کہ تم سے سوال تو کر لیا جائے ○ کہنے لگے ہائے خرابی ہماری بے شک تھے تو ہم ستم گار ○ پھر تو ان کا یہی قول رہا یہاں تک کہ ہم نے انہیں جڑ سے کٹے ہوئے اور بجھے پڑے ہوئے کر دیا ○

قدر ناشناس لوگ : ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۵) اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس کی قدر و منزلت پر رغبت دلانے کے لئے فرماتا ہے کہ ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف اتاری ہے جس میں تمہاری بزرگی ہے، تمہارا دین، تمہاری شریعت اور تمہاری باتیں ہیں پھر تعجب ہے کہ تم اس اہم نعمت کی قدر نہیں کرتے اور اس اتنی بڑی شرافت والی کتاب سے غفلت برت رہے ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ الخ، تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے یہ نصیحت ہے اور تم اس کے بارے میں ابھی ابھی سوال کئے جاؤ گے۔

پھر فرماتا ہے ہم نے بہت سی بستیوں کے ظالموں کا چورا کر دیا ہے اور آیت میں ہے، ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی بستیاں ہلاک کر دیں۔ اور آیت میں ہے، کتنی ایک بستیاں ہیں جو پہلے بہت عروج پر اور انتہائی رونق پر تھیں لیکن پھر وہاں کے لوگوں کے ظلم کی بناء پر ہم نے ان کا چورا کر دیا، بھس اڑا دیا۔ آبادی ویرانی سے اور رونق سنسان سناٹے میں بدل گئی۔ ان کی ہلاکت کے بعد اور لوگوں کو ان کا جانشین بنا دیا ایک قوم کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری یونہی آتی رہیں۔ جب ان لوگوں نے عذابوں کو آتا دیکھ لیا، یقین ہو گیا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اللہ کے عذاب آ گئے تو اس وقت گھبرا کر راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ لگے ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنے۔ اب بھاگو دوڑو نہیں بلکہ اپنے محلات میں اور اپنے عیش و عشرت کے سامانوں میں پھر آ جاؤ تا کہ تم سے سوال جواب تو ہو جائے کہ تم نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا بھی کیا یا نہیں؟ یہ فرمان بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں ذلیل و حقیر کرنے کے ہو گا۔ اس وقت یہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے۔ صاف کہیں گے کہ بے شک ہم ظالم تھے لیکن اس وقت کا اقرار بالکل بے نفع ہے۔ پھر تو یہ اقراری ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کا ناس ہو جائے اور ان کی آواز دبا دی جائے اور یہ مسل دیئے جائیں۔ ان کا چلنا پھرنا، آنا جانا، بولنا چالنا سب یک قلم بند ہو جائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾ لَوْ اَرَدْنَآ
اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾
بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ
وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ
وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کچھ ہنسی کھیل کرنے کے لئے نہیں بنایا ○ اگر ہم یونہی کھیل تماشے کا ہی ارادہ کرتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے لیکن ہم کرنے والے ہی نہیں ○ بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں۔ سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے، تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لئے باعث خرابی ہیں ○ آسمانوں اور زمین میں جو ہے، اسی اللہ کا ہے، جو اس کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں ○ دن

رات تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور ذرا سی بھی کاہلی نہیں کرتے ○

آسمان وزمین کوئی کھیل تماشہ نہیں: ☆☆ (آیت:۱۶-۲۰) آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے عدل سے پیدا کیا ہے تا کہ بروں کو سزا اور نیکوں کو جزا دے۔ اس نے انہیں بے کار اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اور آیت میں اس مضمون کے ساتھ ہی بیان ہے کہ یہ گمان تو کفار کا ہے جن کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ دوسری آیت کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اگر ہم کھیل تماشا ہی چاہتے تو اسے بنا لیتے۔ ایک معنی یہ ہیں کہ اگر ہم عورت کرنا چاہتے۔ لھو کے معنی اہل یمن کے نزدیک بیوی کے بھی آتے ہیں۔ یعنی ہم اگر بیوی بنانا چاہتے تو حورعین میں سے جو ہمارے پاس ہے کسی کو بنا لیتے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اگر ہم اولاد چاہتے۔ لیکن یہ دونوں معنے آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ بیوی کے ساتھ ہی اولاد ہے۔ جیسے فرمان ہے لَوْ اَرَادَاللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا الخ یعنی اگر اللہ کو یہی منظور ہوتا کہ اس کی اولاد ہو تو اپنی مخلوق میں سے کسی اعلیٰ درجے کی مخلوق کو یہ منصب عطا فرماتا لیکن وہ اس بات سے پاک اور بہت دور ہے اس کی توحید اور غلبہ کے خلاف ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ پس وہ مطلق اولاد سے پاک ہے نہ عیسیٰؑ اس کا بیٹا ہے نہ عزیرؑ۔ نہ فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ ان عیسائیوں یہودیوں اور کفار مکہ کی ان لغو باتوں اور تہمت سے اللہ واحد قہار پاک ہے اور بلند ہے۔ ان کنا فاعلین میں ان کو نافیہ کہا گیا ہے یعنی ہم یہ کرنے والے ہی نہ تھے۔ بلکہ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ان نفی کے لئے ہی ہے۔

فرشتوں کا تذکرہ: ☆☆ ہم حق کو واضح کرتے ہیں اسے کھول کر بیان کرتے ہیں جس سے باطل دب جاتا ہے ٹوٹ کر چورا ہو جاتا ہے اور فوراً ہٹ جاتا ہے۔ وہ ہے بھی اسی لائق وہ ٹھہر نہیں سکتا نہ جم سکتا ہے نہ دیر تک قائم رہ سکتا ہے۔ اللہ کے لئے جو لوگ اولاد یں ٹھہرا رہے ہیں ان کے اس واہی قول کی وجہ سے ان کے لئے ویل ہے انہیں پوری خرابی ہے۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ جن فرشتوں کو تم اللہ کی لڑکیاں کہتے ہو ان کا حال سنو اور اللہ کی الوہیت کی عظمت دیکھو آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت میں ہے۔ فرشتے اس کی عبادت میں مشغول ہیں۔ ناممکن ہے کہ کسی وقت سرکشی کریں۔ نہ حضرت مسیح کو بندہ اللہ ہونے سے شرم نہ فرشتوں کو اللہ کی عبادت سے عار نہ ان میں سے کوئی تکبر کرے یا عبادت سے جی چرائے اور جو کوئی ایسا کرے تو ایک وقت آ رہا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے میدان محشر میں سب کے ساتھ ہوگا اور اپنا کیا بھرے گا۔ یہ بزرگ فرشتے اس کی عبادت سے تھکتے بھی نہیں گھبراتے بھی نہیں سستی اور کاہلی ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ دن رات اللہ کی فرماں برداری میں اس کی عبادت میں اس کی تسبیح واطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ نیت اور عمل دونوں موجود ہیں۔ اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں کرتے نہ کسی فرمان کی تعمیل سے رکتے ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے مجمع میں تھے جو فرمایا لوگو! جو میں سنتا ہوں کیا تم بھی سنتے ہو؟ سب نے جواب دیا کہ حضرت ﷺ ہم تو کچھ بھی نہیں سن رہے۔ آپؐ نے فرمایا میں آسمانوں کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور حق تو یہ ہے کہ اسے چرچرانا ہی چاہئے اس لئے کہ اس میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کسی نہ کسی فرشتے کا سر سجدے میں نہ ہو۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل فرماتے ہیں میں حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت میں چھوٹی عمر کا تھا میں نے ان سے اس آیت کا مطلب پوچھا کہ بولنا چالنا اللہ کا پیغام لے کر جانا عمل کرنا یہ بھی انہیں تسبیح سے نہیں روکتا؟ میرے اس سوال پر چونکنے ہو کر آپؒ نے فرمایا یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا بنو عبدالمطلب میں سے ہے۔ آپؒ نے میری پیشانی چوم لی اور فرمایا پیارے بچے تسبیح ان فرشتوں کے لئے ایسی ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس لینا۔ دیکھو چلتے پھرتے بولتے چالتے تمہارا سانس برابر آتا جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں کی تسبیح ہر وقت جاری رہتی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ
فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

ن لوگوں نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے' کیا وہ مردوں کو زمین سے زندہ کر دیتے ہیں؟ ○ اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور معبود بھی ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ عرش کا رب اور ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں ○ کوئی نہیں جو اس سے باز پرس کر سکے اور اس کے سوا کوئی نہیں جس سے باز پرس نہ کی جاتی ہو ○

سب تہمتوں سے بلند اللہ جل شانہ: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۳) شرک کی تردید ہو رہی ہے کہ جن جن کو تم اللہ کے سوا پوج رہے ہو' ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو مردوں کو جلا سکے۔ کسی میں یا سب میں مل کر بھی یہ قدرت نہیں' پھر انہیں اس قدرت والے کے برابر ماننا یا ان کی بھی عبادت کرنا کس قدر ناانصافی ہے؟ پھر فرماتا ہے سنو! اگر یہ مان لیا جائے کہ فی الواقع بہت سے معبود ہیں تو لازم آئے گا کہ زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جائیں جیسے فرمان ہے مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ الخ' اللہ کی اولاد نہیں' نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لئے پھرتا اور ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا' اللہ تعالیٰ ان کے بیان کردہ اوصاف سے مبرا اور منزہ ہے۔

یہاں فرمایا' اللہ تعالیٰ مالک عرش ان کے کہے ہوئے ردی اوصاف سے یعنی لڑکے لڑکیوں سے پاک ہے۔ اسی طرح شریک اور ساجھی سے' مثل اور ساتھی سے بھی بلند و بالا ہے۔ ان کی یہ سب تہمتیں ہیں جن سے اللہ کی ذات برتر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ علی الاطلاق شہنشاہ حقیقی ہے' اس پر کوئی حاکم نہیں۔ سب اس کے غلبے اور قہر تلے ہیں۔ نہ تو اس کے حکم کا کوئی تعاقب کر سکے۔ نہ اس کے فرمان کو کوئی ٹال سکے۔ اس کی کبریائی اور عظمت و جلال اور حکومت علم اور حکمت لطف اور رحمت بے پایاں ہے۔ کسی کو اس کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں۔ سب پست اور عاجز ہیں لاچار اور بے بس ہیں۔ کوئی نہیں جو چوں کرے' کوئی نہیں جو اس کے سامنے بول سکے کوئی نہیں جسے چوں چرا کا اختیار ہو جو اس سے پوچھ سکے کہ یہ کام کیوں کیا' ایسا کیوں ہوا؟ وہ چونکہ تمام خلق کا خالق ہے' سب کا مالک ہے' اسے اختیار ہے جس سے جو چاہے سوال کرے' ہر ایک کے اعمال کی وہ باز پرس کرے گا۔ جیسے فرمان ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ الخ' تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے سوال کریں گے ہر اس فعل سے جو انہوں نے کیا۔ وہی ہے کہ جو اس کی پناہ میں آ گیا' سب شر سے بچ گیا اور کوئی نہیں جو اس کے مجرم کو پناہ دے سکے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ
اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں؟ ان سے کہہ دو کہ لاؤ اپنی دلیل پیش کرو، یہ ہے میرے ساتھ والوں کی دلیل اور مجھ سے اگلوں کی دلیل، بات یہ ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے - اسی وجہ سے منہ موڑے ہوئے ہیں ○ تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا، اس کی طرف بھی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں - پس تم سب میری ہی عبادت کرو ○

حق سے غافل مشرک: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۵) ان لوگوں نے اللہ کے سوا جن جن کو معبود بنا رکھا ہے، ان کی عبادت پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ہم جس اللہ کی عبادت کر رہے ہیں، اس میں سچے ہیں - ہمارے ہاتھوں میں اعلیٰ تر دلیل کلام الٰہی موجود ہے اور اس سے پہلے کی تمام الہامی کتابیں اسی کی دلیل میں با آواز بلند شہادت دیتی ہیں جو توحید کی موافقت میں اور کافروں کی خود پرستی کے خلاف میں ہیں - جو کتاب جس پیغمبر پر اتری، اس میں یہ بیان موجود رہا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں لیکن اکثر مشرک حق سے غافل ہیں اور ربانی باتوں سے منکر ہیں - تمام رسولوں کو توحید کی ہی تلقین ہوتی رہی - فرمان ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ الخ، تجھ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں، تو آپ پوچھ لے کہ ہم نے ان کے لئے اپنے سوا اور کوئی معبود مقرر کیا تھا کہ وہ اس کی عبادت کرتے ہوں؟ اور آیت میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ہم نے ہر امت میں اپنا پیغمبر بھیجا جس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ تم سب ایک اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو - پس انبیاء کی شہادت بھی یہی ہے اور خود فطرت اللہ بھی اسی کی شاہد ہے - اور مشرکین کی کوئی دلیل نہیں - ان کی ساری حجتیں بیکار ہیں اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے -

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ
خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ
فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۹

مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، غلط ہے - اللہ پاک ہے، بلکہ وہ سب اس کے ذی عزت بندے ہیں ○ کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں ○ وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے - وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو - وہ تو خود ہیبت الٰہی سے لرزاں و ترساں ہیں ○ ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں ○

خشیت الٰہی: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۹) کفار مکہ کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں - ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کے بزرگ بندے ہیں، بڑی بڑائیوں والے ہیں اور ذی عزت ہیں - قولاً اور فعلاً ہر وقت اطاعت الٰہی میں مشغول ہیں - نہ تو کسی امر میں اس سے آگے بڑھیں نہ کسی بات میں اس کے فرمان کا خلاف کریں بلکہ جو وہ فرمائے دوڑ کر اس کی بجا آوری کرتے ہیں - اللہ کے علم میں گھرے ہوئے ہیں اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں - آگے پیچھے، دائیں بائیں کا

اسے علم ہے ذرے ذرے کا وہ دانا ہے۔ یہ پاک فرشتے بھی اتنی مجال نہیں رکھتے کہ اللہ کے کسی مجرم کی اللہ کے سامنے اس کی مرضی کے خلاف سفارش کے لئے لب ہلا سکیں۔ جیسے فرمان ہے مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش اس کے پاس لے جا سکے؟ اور آیت میں ہے وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ یعنی اس کے پاس کسی کی شفاعت اس کی اپنی اجازت کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ فرشتے اور اللہ کے مقرب بندے کل کے کل خشیت الٰہی سے ہیبت رب سے لرزاں و ترساں رہا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی الوہیت کا دعوی کرے ہم اسے جہنم واصل کر دیں، ظالموں سے ہم ضرور انتقام لے لیا کرتے ہیں۔ یہ بات بطور شرط ہے اور شرط کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کا وقوع بھی ہو۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ خاص بندگان الٰہی میں سے کوئی ایسا ناپاک دعوی کرے اور ایسی سخت سزا بھگتے۔ اسی طرح کی آیت قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ اور لَئِنْ اَشْرَکْتَ الخ ہے۔ پس نہ تو رحمٰن کی اولاد نہ نبی کریم ﷺ سے شرک ممکن۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا
فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا
سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ
عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین منہ بند ملے جلے تھے۔ پھر ہم نے انہیں کھول کر جدا جدا کیا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا، کیا یہ لوگ پھر بھی یقین نہیں کرتے ○ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے تاکہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں ○ آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی بنایا ہے، لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے ○ وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں ○

زبردست غالب: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۳) اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ اس کی قدرت پوری ہے اور اس کا غلبہ زبردست ہے۔ فرماتا ہے کہ جو کافر اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، کیا انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور سب چیز کا نگہبان بھی وہی ہے پھر اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت تم کیوں کرتے ہو؟ ابتدا میں زمین و آسمان ملے جلے ایک دوسرے سے پیوست تہ بہ تہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں الگ الگ کیا زمینوں کو نیچے، آسمانوں کو اوپر فاصلے سے اور حکمت سے قائم کیا۔ سات زمینیں پیدا کیں اور سات ہی آسمان بنائے۔ زمین اور پہلے آسمان کے درمیان جوف اور خلا رکھا۔ آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے پیداوار اگائی۔ ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی۔ کیا یہ تمام چیزیں جن میں سے ہر ایک صانع کی خود مختاری، قدرت اور وحدت پر دلالت کرتی ہے، اپنے سامنے موجود پاتے ہوئے بھی یہ لوگ اللہ کی عظمت کے قائل ہو کر شرک کو نہیں چھوڑتے؟

فَفِیْ کُلِّ شَیْئٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

یعنی ہر چیز میں اللہ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کا نشان موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ پہلے رات تھی یا دن؟ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے زمین و آسمان ملے جلے تہہ بہ تہہ تھے تو ظاہر ہے کہ ان میں اندھیرا ہوگا اور اندھیرے کا نام ہی رات ہے تو ثابت ہوا کہ رات پہلے تھی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا، تم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کرو اور جو وہ جواب دیں، مجھ سے بھی کہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، زمین و آسمان سب ایک ساتھ تھے۔ نہ بارش برستی تھی نہ پیداوار اگتی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے ذی روح مخلوق پیدا کی تو آسمان کو پھاڑ کر اس میں سے پانی برسایا اور زمین کو چیر کر اس میں پیداوار اگائی۔ جب سائل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ جواب بیان کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے، آج مجھے اور بھی یقین ہو گیا کہ قرآن کے علم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی بڑھے ہوئے ہیں۔ میرے جی میں کبھی خیال آتا تھا کہ ایسا تو نہیں ابن عباسؓ کی جرات بڑھ گئی ہو؟ لیکن آج وہ وسوسہ دل سے جاتا رہا۔ آسمان کو پھاڑ کر سات آسمان بنائے۔ زمین کے مجموعے کو چیر کر سات زمینیں بنائیں۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر میں یہ بھی ہے کہ یہ ملے ہوئے تھے یعنی پہلے ساتوں آسمان ایک ساتھ تھے اور اسی طرح ساتوں زمینیں بھی ملی ہوئی تھیں پھر جدا جدا کر دی گئیں۔ حضرت سعید رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر ہے کہ یہ دونوں پہلے ایک ہی تھے۔ پھر الگ الگ کر دیئے گئے۔ زمین و آسمان کے درمیان خلا رکھ دی گئی، پانی کو تمام جانداروں کی اصل بنا دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا، حضور ﷺ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں میرا جی خوش ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں آپ ہمیں تمام چیزوں کی اصلیت سے خبردار کر دیں۔ آپ نے فرمایا، ابو ہریرہؓ تمام چیزیں پانی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ پھر میں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا، لوگوں کو سلام کیا کرو اور کھانا کھلایا کرو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم تہجد کی نماز پڑھا کرو تا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ زمین کو جناب باری عزوجل نے پہاڑوں کی میخوں سے مضبوط کر دیا تا کہ وہ ہل جل کر لوگوں کو پریشان نہ کرے، مخلوق کو زلزلے میں نہ ڈالے۔ زمین کی تین چوتھائیاں تو پانی میں ہیں اور صرف چوتھائی حصہ سورج اور ہوا کے لئے کھلا ہوا ہے۔ تا کہ لوگ آسمان کو اور اس کے عجائبات کو بچشم خود ملاحظہ کر سکیں۔ پھر زمین میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے راہیں بنا دیں کہ لوگ با آسانی اپنے سفر طے کر سکیں اور دور دراز ملکوں میں بھی پہنچ سکیں۔

شان الٰہی دیکھئے، اس حصے اور اس ٹکڑے کے درمیان بلند پہاڑی حائل ہے۔ یہاں سے وہاں پہنچنا بظاہر سخت دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الٰہی خود اس پہاڑ میں راستہ بنا دیتی ہے کہ یہاں کے لوگ وہاں اور وہاں کے یہاں پہنچ جائیں اور اپنے کام کاج پورے کر لیں۔ آسمان کو زمین پر مثل قبے کے بنا دیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں بنایا اور ہم وسعت اور کشادگی والے ہیں۔ فرماتا ہے، قسم آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ ارشاد ہے، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے سروں پر آسمان کو کس کیفیت کا بنایا ہے اور کس طرح زینت دے رکھی ہے اور لطف یہ ہے کہ اتنے بڑے آسمان میں کوئی سوراخ تک نہیں؟ بنا کہتے ہیں، قبے اور خیمے کے کھڑا کرنے کو جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اسلام کی بنائیں پانچ ہیں جیسے پانچ ستون پر کوئی قبہ یا خیمہ کھڑا ہوا ہو۔ پھر آسمان جو مثل چھت کے ہے، یہ ہے بھی محفوظ، بلند پہرے چوکی والا کہ کہیں سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلند و بالا، اونچا اور صاف ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ یہ آسمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، رکی ہوئی موج ہے۔ یہ روایت سنداً غریب ہے۔

لیکن لوگ اللہ کی ان زبردست نشانیوں سے بھی بے پرواہ ہیں- جیسے فرمان ہے' آسمان وزمین کی بہت سی نشانیاں ہیں جو لوگوں کی نگاہوں تلے ہیں لیکن پھر بھی وہ ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں- کوئی غور وفکر نہیں کرتے کبھی نہیں سوچتے کہ کتنا پھیلا ہوا' کتنا بلند' کس قدر عظیم الشان یہ آسمان ہمارے سروں پر بغیر ستون کے اللہ تعالیٰ نے قائم کر رکھا ہے- پھر اس میں کس خوبصورتی سے ستاروں کا جڑاؤ ہو رہا ہے' ان میں بھی کوئی ٹھہرا ہوا ہے' کوئی چلتا پھرتا ہے- پھر سورج کی چال مقرر ہے- اس کی موجودگی دن ہے اس کا نہ نظر آنا رات ہے- پورے آسمان کا چکر صرف ایک دن رات میں سورج پورا کر لیتا ہے- اس کی چال کو' اس کی تیزی کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا- یوں قیاس آرائیاں اور اندازے کرنا اور بات ہے- بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ایک نے اپنی تیس سال کی مدت عبادت پوری کر لی مگر جس طرح اور عابدوں پر تیس سال کی عبادت کے بعد ابر کا سایہ ہو جایا کرتا تھا' اس پر نہ ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے یہ حال بیان کیا- اس نے کہا' بیٹے تم نے اپنی اس عبادت کے زمانے میں کوئی گناہ کر لیا ہوگا؟ اس نے کہا' اماں ایک بھی نہیں- کہا پھر تم نے کسی گناہ کا پورا قصد کیا ہوگا جواب دیا کہ ایسا بھی مطلقاً نہیں ہوا- ماں نے کہا بہت ممکن ہے کہ تم نے آسمان کی طرف نظر کی ہو اور غور وتدبر کے بغیر ہی ہٹالی ہو- عابد نے جواب دیا ایسا تو برابر ہوتا رہا فرمایا بس یہی سبب ہے- پھر اپنی قدرت کاملہ کی بعض نشانیاں بیان فرماتا ہے کہ رات اور اس کے اندھیرے کو دیکھو- دن اور اس کی روشنی پر نظر ڈالو- پھر ایک کے بعد دوسرے کا بڑھنا دیکھو- سورج چاند کو دیکھو- سورج کا نور ایک مخصوص نور ہے اور اس کا آسمان' اس کا زمانہ' اس کی حرکت' اس کی چال علیحدہ ہے- چاند کا نور الگ ہے' فلک الگ ہے' چال الگ ہے' انداز اور ہے- ہر ایک اپنے اپنے فلک میں گویا تیرتا پھرتا ہے اور حکم الٰہی کی بجا آوری میں مشغول ہے- جیسے فرمان ہے' وہی صبح کا روشن کرنے والا ہے- وہی رات کو پرسکون بنانے والا ہے- وہی سورج چاند کا انداز مقرر کرنے والا ہے- وہی ذی عزت' غلبے والا اور ذی علم علم والا ہے-

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵

تجھ سے پہلے کے کسی انسان کو بھی ہم نے دوام اور ہیشگی نہیں دی' کیا اگر تو مر گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے رہ جائیں گے؟ ○ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے- ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں' تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

خضر علیہ السلام مر چکے ہیں: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) جتنے لوگ ہوئے' سب کو ہی موت ایک روز ختم کرنے والی ہے- تمام روئے زمین کے لوگ موت سے ملنے والے ہیں- ہاں رب کی جلال واکرام والی ذات ہیشگی اور دوام والی ہے- اسی آیت سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ حضرت خضرؑ مر گئے- یہ غلط ہے کہ وہ اب تک زندہ ہوں کیونکہ وہ بھی انسان ہی تھے ولی ہوں یا نبی ہوں یا رسول ہوں' تھے تو انسان ہی- ان کفار کی یہ آرزو کتنی ناپاک ہے کہ تم مر جاؤ- تو کیا یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ایسا تو محض ناممکن ہے دنیا میں تو چل چلاؤ لگ رہا ہے- کسی کو بجز ذات باری کے دوام نہیں- کوئی آگے ہے کوئی پیچھے- پھر فرمایا موت کا ذائقہ ہر ایک کو چکھنا پڑے گا- حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ میری موت کے آرزومند ہیں تو کیا اس بارے میں میں ہی اکیلا ہوں؟ یہ وہ ذائقہ نہیں جو کسی کو چھوڑ دے- پھر فرماتا ہے' بھلائی برائی سے' سکھ دکھ سے' مٹھاس کڑواہٹ سے' کشادتی تنگی سے ہم اپنے بندوں کو آزما لیتے ہیں تاکہ شکر گزار اور ناشکرا' صابر اور ناامید

کھل جائے۔ صحت و بیماری، تونگری، فقیری، سختی، نرمی، حلال، حرام، ہدایت، گمراہی، اطاعت، معصیت یہ سب آزمائشیں ہیں، اس میں بھلے برے کھل جاتے ہیں۔ تمہارا سب کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ اس وقت جو جیسا تھا کھل جائے گا۔ بروں کو سزا، نیکوں کو جزا ملے گی۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَھٰذَا
الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶
خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا
تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷

یہ منکر تجھے جب بھی دیکھتے ہیں، مخول میں اڑانے لگتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کیا کرتا ہے؟ اور وہ خود ہی رحمٰن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں ○ انسان کی جبلت میں جلد بازی رکھی گئی ہے، میں تمہیں اپنی نشانیاں ابھی ابھی دکھاؤں گا۔ تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو ○

جلد باز انسان: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۷) ابو جہل وغیرہ کفار قریش آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی ہنسی مذاق شروع کر دیتے اور آپؐ کی شان میں بے ادبی کرنے لگتے۔ کہنے لگتے کہ لو میاں دیکھ لو یہی ہیں جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تمہارے بزرگوں کو بیوقوف بتاتے ہیں۔ ایک تو ان کی یہ سرکشی ہے۔ دوسرے یہ کہ خود ذکر رحمٰن کے منکر ہیں۔ اللہ کے منکر، رسول اللہؐ کے منکر۔ اور آیت میں ان کے اسی کفر کا بیان کر کے فرمایا گیا ہے اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا یعنی وہ تو کہتے ہم جمے رہے ورنہ اس نے تو ہمیں ہمارے پرانے معبودوں سے برگشتہ کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ خیر انہیں عذاب کے معائنہ سے معلوم ہو جائے گا کہ گمراہ کون تھا؟ انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی پیدائش کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا۔ شام کے قریب جب ان میں روح پھونکی گئی، سر، آنکھ اور زبان میں جب روح آ گئی تو کہنے لگے، الٰہی مغرب سے پہلے ہی میری پیدائش مکمل ہو جائے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، تمام دنوں میں بہتر و افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی میں داخل جنت ہوئے اسی میں وہاں سے اتارے گئے، اسی میں قیامت قائم ہوگی، اسی دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت جو بندہ نماز میں ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کرے، اللہ اسے عطا فرماتا ہے۔ آپؐ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے بتلایا کہ وہ ساعت بہت تھوڑی سی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ وہ ساعت کون سی ہے وہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔ پہلی آیت میں کافروں کی بدبختی کا ذکر کر کے اس کے بعد ہی انسانی عجلت کا ذکر اس حکمت سے ہے کہ گویا کافروں کی سرکشی سنتے ہی مسلمان کا انتقامی جذبہ بھڑک اٹھتا ہے اور وہ جلد بدلہ لینا چاہتا ہے اس لئے کہ انسانی جبلت میں ہی جلد بازی ہے۔ لیکن عادت الٰہیہ ہے کہ وہ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھانے والا ہی ہوں کہ عاصیوں پر کس طرح سختی ہوتی ہے۔ میرے نبیؐ کو مذاق میں اڑانے والوں کی کس طرح کھال ادھڑتی ہے۔ تم ابھی ہی دیکھ لو گے۔ جلدی نہ مچاؤ، دیر ہے اندھیر نہیں، مہلت ہے بھول نہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا
عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ
قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۱۲
قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ
عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ
دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو بتادو کہ یہ وعدہ کب ہے؟ ○ کاش کہ یہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے چہروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی کمروں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ ہاں ہاں وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آ جائے گی اور انہیں ہکا بکا کر دے گی۔ نہ تو یہ لوگ اسے ٹال سکیں گے اور نہ ذرا سی بھی مہلت دیئے جائیں گے ○ تجھ سے پہلے کے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا گیا۔ پس ہنسی کرنے والوں پر ہی وہ چیز الٹ پڑی جس کی ہنسی کر رہے تھے ○ پوچھ تو کہ اللہ کے سوا دن رات تمہاری حفاظت کون کرتا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے ٹال مٹول کرنے والے ہیں ○ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں جو انہیں مصیبتوں سے بچالیں، کوئی بھی خود اپنی مدد کی طاقت بھی نہیں رکھتا اور نہ کوئی ہماری طرف سے رفاقت کیا جاتا ہے ○

خود عذاب کے طالب لوگ: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) عذاب الٰہی کو قیامت کے آنے کو یہ لوگ چونکہ محال جانتے تھے، اس لئے جرأت سے کہتے تھے کہ بتلاؤ تو سہی، تمہارے یہ ڈراوے کب پورے ہوں گے۔ انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ تم اگر سمجھ دار ہوتے اور اس دن کی ہولناکیوں سے آگاہ ہوتے تو جلدی نہ مچاتے۔ اس وقت عذاب الٰہی اوپر تلے سے اوڑھنا بچھونا بنے ہوئے ہوں گے، طاقت نہ ہوگی کہ آگے پیچھے سے الٰہی عذاب ہٹا سکو، گندھک کا لباس ہوگا جس میں آگ لگی ہوئی ہوگی اور کھڑے جل رہے ہوں گے، ہر طرف سے جہنم گھیرے ہوئے ہوگی۔ کوئی نہ ہوگا جو مدد کو اٹھے۔ جہنم اچانک دبوچ لے گی۔ اس وقت ہکے بکے رہ جاؤ گے، مبہوت اور بیہوش ہو جاؤ گے۔ حیران و پریشان ہو جاؤ گے۔ کوئی حیلہ نہ ملے گا کہ اسے دفعہ کرو، اس سے بچ جاؤ اور نہ ایک ساعت کی ڈھیل اور مہلت ملے گی۔

انبیاء کی تکذیب کافروں کا شیوہ ہے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۳) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہیں جو ستایا جا رہا ہے، مذاق میں اڑایا جاتا ہے اور جھوٹا کہا جاتا ہے، اس پر پریشان نہ ہونا، کافروں کی یہ پرانی عادت ہے۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کیا جس کی وجہ سے آخرش عذابوں میں پھنس گئے۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا تجھ سے پہلے کے انبیاء بھی جھٹلائے گئے اور انہوں نے اپنے جھٹلائے جانے پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔ پھر اپنی نعمت بیان فرماتا ہے کہ وہ تم سب کی حفاظت دن رات اپنی ان آنکھوں سے کر رہا ہے جو نہ کبھی تھکیں نہ سوئیں۔ من الرحمن کا معنی رحمٰن کے بدلے یعنی رحمٰن کے سوا ہیں۔ عربی شعروں میں بھی من بدل کے معنی میں ہے۔ اسی ایک احسان پر کیا موقوف ہے۔ یہ کفار تو اللہ کے ہر ہر احسان کی ناشکری کرتے ہیں بلکہ اس کی نعمتوں کے منکر اور ان سے منہ پھیرنے

والے ہیں۔ پھر بطور انکار کے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کہ کیا ان کے معبود جو اللہ کے سوا ہیں' انہیں اپنی حفاظت میں رکھتے ہیں؟ یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ ان کا یہ گمان محض غلط ہے۔ بلکہ ان کے معبودان باطل خود اپنی مدد و حفاظت کے بھی مالک نہیں۔ بلکہ وہ ہم سے بچ بھی نہیں سکتے۔ ہماری جانب سے کوئی خبر ان کے ہاتھوں میں نہیں۔ ایک معنے اس جملے کے یہ بھی ہیں کہ نہ تو وہ کسی کو بچا سکیں نہ خود بچ سکیں۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۗ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو فائدوں پر فائدے دیئے یہاں تک کہ ان کی مدت عمر گزر گئی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں' اب کیا وہی غالب ہیں ○ کہہ دے کہ میں تمہیں اللہ کی وحی کے ساتھ آگاہ کر رہا ہوں۔ بہرے لوگ بات نہیں سنتے جب کہ انہیں آگاہ کیا جائے ○ اگر انہیں تیرے رب کے کسی عذاب کی بھانپ بھی لگ جائے تو پکار اٹھتے ہیں۔ ہائے ہماری خرابی یقیناً ہم گنہگار تھے ○ ہم درمیان میں لا رکھیں گے عدل کی ترازو کو قیامت کے دن۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا' ایک رائی کے دانے کے برابر جو عمل ہوگا' ہم اسے لا حاضر کریں گے' اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے ○

ذلت و رسوائی کے مارے لوگ: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۷) کافروں کے کینے کی اور اپنی گمراہی پر جم جانے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہیں کھانے پینے کو ملتا رہا۔ لمبی لمبی عمریں ملیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے کرتوت اللہ کو پسند ہیں۔ اس کے بعد انہیں نصیحت کرتا ہے کہ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے کافروں کی بستیوں کی بستیاں بوجہ ان کے کفر کے ملیامیٹ کر دیں۔ اس جملے کے اور بھی بہت سے معنی کئے گئے ہیں جو سورہ رعد میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ لیکن زیادہ ٹھیک معنی یہی ہیں جیسے فرمایا وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى الخ' ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں ہلاک کیں اور اپنی نشانیاں ہیر پھیر کر کے تمہیں دکھا دیں تا کہ لوگ اپنی برائیوں سے باز آ جائیں۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے ایک معنے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہم کفر پر اسلام کو غالب کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کر دیا اور کس طرح جھٹلانے والی اگلی امتوں کو اس نے ملیامیٹ کر دیا اور اپنے مومنوں کو نجات دے دی۔ کیا اب بھی یہ لوگ اپنے تئیں غالب ہی سمجھ رہے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ یہ مغلوب ہیں' ذلیل ہیں' رذیل ہیں' نقصان میں ہیں' بربادی کے ماتحت ہیں۔ میں تو اللہ کی طرف کا مبلغ ہوں' جن جن عذابوں سے تمہیں خبردار کر رہا ہوں' یہ اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ کا کہا ہوا ہے۔ ہاں جن کی آنکھیں اللہ نے اندھی کر دی ہیں' جن کے دل و دماغ بند کر دیئے ہیں' انہیں یہ اللہ کی باتیں سود مند نہیں پڑتیں۔ بہروں کو آگاہ کرنا بے کار ہے کیونکہ وہ تو سنتے ہی نہیں۔ ان گنہگاروں پر اک ادنیٰ سا بھی عذاب آ جائے تو واویلا کرنے لگتے ہیں اور اس وقت بے ساختہ اپنے قصور کا اقرار کر لیتے ہیں۔ قیامت کے دن عدل کی ترازو قائم کی جائے گی۔ یہ ترازو ایک ہی ہوگی لیکن چونکہ جو اعمال اس میں

تولے جائیں گے' وہ بہت سے ہوں گے' اس اعتبار سے لفظ جمع لائے۔ اس دن کسی پر کسی طرح کا ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حساب لینے والا خود اللہ ہے جو اکیلا ہی تمام مخلوق کے حساب کے لئے کافی ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی وہاں موجود ہو جائے گا۔

اور آیت میں فرمایا' تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا' فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ' اللہ تعالیٰ ایک رائی کے دانے برابر بھی ظلم نہیں کرتا نیکی کو بڑھاتا ہے اور اس کا اجر اپنے پاس سے بہت بڑا عنایت فرماتا ہے۔ حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وصیتوں میں اپنے بیٹے سے فرمایا تھا' بچے ایک رائی کے دانے برابر بھی جو عمل ہو خواہ وہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں' وہ اللہ اسے لائے گا' وہ بڑا ہی باریک بین اور باخبر ہے۔ صحیحین میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں' میزان میں وزن دار ہیں اور اللہ کو بہت پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میری امت کے ایک شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کے سامنے اپنے پاس بلائے گا اور اس کے گناہوں کے ایک کم ایک سو دفتر اس کے سامنے کھولے جائیں گے جہاں تک نگاہ کام کرے' وہاں تک کا ایک ایک دفتر ہوگا پھر اس سے جناب باری دریافت فرمائے گا کہ کیا تجھے اپنے کئے ہوئے ان گناہوں میں سے کسی کا انکار ہے؟ میری طرف سے جو محافظ فرشتے تیرے اعمال لکھنے پر مقرر تھے' انہوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ یہ جواب دے گا کہ الٰہی نہ انکار کی گنجائش ہے نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظلماً لکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اچھا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ یا کوئی نیکی ہے؟ وہ گھبرایا ہوا کہے گا' الٰہی کوئی نہیں۔ پروردگار عالم فرمائے گا' کیوں نہیں؟ بے شک تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا اب ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پیش کرو۔ وہ کہے گا' الٰہی یہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا کرے گا؟ جناب باری فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اب تمام کے تمام دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس پرچے کا وزن ان تمام دفتروں سے بڑھ جائے گا۔ یہ جھک جائے گا اور وہ اونچے ہو جائیں گے اور اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی روایت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن جب ترازوئیں رکھی جائیں گی پس ایک شخص کو لایا جائے گا اور ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور جو کچھ اس پر شمار کیا گیا ہے' وہ بھی رکھا جائے گا تو وہ پلڑا جھک جائے گا اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ ابھی اس نے پیٹھ پھیری ہی ہوگی جو اللہ کی طرف سے ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا اور کہے گا جلدی نہ کرو۔ ایک چیز اس کی باقی رہ گئی ہے پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہوگا وہ اس شخص کے ساتھ ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور یہ پلڑا نیکی کا جھک جائے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے بھی ہیں' میری خیانت بھی کرتے ہیں' میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں بھی انہیں مارتا پیٹتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں۔ اب فرمایئے' میرا ان کا کیا حال ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ان کی خیانت' نافرمانی' جھٹلانا وغیرہ جمع کیا جائے گا اور تیرا مارنا پیٹنا برا کہنا بھی۔ اگر تیری سزا ان کی خطاؤں کے برابر ہوئی تو تو چھوٹ گیا نہ عذاب نہ ثواب ہاں اگر تیری سزا کم رہی تو تجھے اللہ کا فضل وکرم ملے گا اور اگر تیری سزا ان کے کرتوتوں سے بڑھ گئی تو تجھ سے اس بڑھی ہوئی سزا کا انتقام لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ صحابیؓ رونے لگے اور چیخنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا' اسے کیا ہو گیا؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا؟ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ یہ سن کر اس صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ ان معاملات کو سن کر تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے ان تمام غلاموں کو آزاد کر دوں۔ آپؐ گواہ رہئے۔ یہ سب راہ اللہ میں آزاد ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِكْرًا
لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ
السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ
مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۹

یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ و پند والی کتاب عطا فرمائی تھی ○ جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت کا کھٹکا رکھنے والے ہیں ○ اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے‘ کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟ ○

کتاب النور: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۰) ہم پہلے بھی اس بات کو جتا چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر اکثر ملا جلا آتا ہے اور اسی طرح توراۃ اور قرآن کا ذکر بھی عموماً ایک ساتھ ہی ہوتا ہے- فرمان سے مراد کتاب یعنی تورات ہے جو حق و باطل‘ حرام و حلال میں فرق کرنے والی تھی- اسی سے جناب موسیٰ علیہ السلام کو مدد ملی- کل کی کل آسمانی کتابیں حق و باطل‘ ہدایت و گمراہی‘ بھلائی برائی‘ حلال حرام میں جدائی کرنے والی ہوتی ہیں- ان سے دلوں میں نورانیت‘ اعمال میں حقانیت‘ اللہ کا خوف و خشیت‘ ڈر اور رجوع اللہ کی طرف حاصل ہوتا ہے- اسی لئے فرمایا کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے یہ کتاب اللہ نصیحت و پند اور نور و روشنی ہے- پھر ان متقیوں کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اپنے اللہ سے غائبانہ ڈرتے رہتے ہیں- جیسے جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ و رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور جھکنے والا دل رکھتے ہیں- اور آیت میں ہے جو لوگ اپنے رب کا غائبانہ ڈر رکھتے ہیں‘ ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے- ان متقیوں کا دوسرا وصف یہ ہے کہ یہ قیامت کا کھٹکا رکھتے ہیں- اس کی ہولناکیوں سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں- پھر فرماتا ہے کہ اس قرآن عظیم کو بھی ہم نے ہی نازل فرمایا ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا- جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اترا ہے- افسوس کیا اس قدر وضاحت و حقانیت‘ صداقت و نورانیت والا قرآن بھی اس قابل ہے کہ تم اس سے منکر بنے رہو؟

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ
قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا
عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ
كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا
بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ
الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾

یقیناً ہم نے ابراہیم کو چھٹپنے (بچپن) میں ہی ان کی راہ یابی دے رکھی تھی اور ہم اس کے احوال سے بخوبی باخبر تھے ○ جب کہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا

کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو' ہیں ○ کیا؟ سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے ○ آپ نے فرمایا' پھر تو تم آپ اور تمہارے باپ دادا بھی سب یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ○ کہنے لگے' کیا آپ ہمارے پاس سچ مچ حق لائے ہیں؟ ○ یا یونہی کھلی بازی کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا' نہیں نہیں درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے' جس نے انہیں پیدا کیا ہے' میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں ○

یہودی روایتوں سے بچو: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۶) فرمان ہے کہ خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بچپن سے ہی ہدایت عطا فرمائی تھی- انہیں اپنی دلیلیں الہام کی تھیں اور بھلائی سمجھائی تھی- جیسے اور آیت میں ہے وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ یہ ہیں ہماری زبردست دلیلیں جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دی تھیں تاکہ وہ اپنی قوم کو قائل کر سکیں- یہ جو قصے مشہور ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دودھ پینے کے زمانے میں ہی انہیں ان کے والد نے ایک غار میں رکھا تھا جہاں سے مدتوں بعد وہ باہر نکلے اور مخلوقات الٰہی پر خصوصاً چاند تاروں وغیرہ پر نظر ڈال کر اللہ کو پہچانا' یہ سب بنی اسرائیل کے افسانے ہیں- قاعدہ یہ ہے کہ ان میں سے جو واقعہ اس کے مطابق ہو' جو حق ہمارے ہاتھوں میں ہے یعنی کتاب و سنت' وہ تو سچا ہے اور قابل قبول ہے اس لئے کہ وہ صحت کے مطابق ہے اور جو خلاف ہو' وہ مردود ہے- اور جس کی نسبت ہماری شریعت خاموش ہو' موافقت و مخالفت کچھ نہ ہو گو اس کا روایت کرنا بقول اکثر مفسرین جائز ہے لیکن نہ تو ہم اسے سچا کر سکتے ہیں نہ غلط- ہاں یہ ظاہر ہے کہ وہ واقعات ہمارے لئے کچھ سند نہیں نہ ان میں ہمارا کوئی دینی نفع ہے اگر ایسا ہوتا تو ہماری جامع و نافع' کامل و شامل شریعت اس کے بیان میں کوتاہی نہ کرتی- ہمارا اپنا مسلک تو اس تفسیر میں یہ رہا ہے کہ ہم ایسی بنی اسرائیلی روایتوں کو وارد نہیں کرتے کیونکہ اس میں سوائے وقت ضائع کرنے کے کوئی نفع نہیں ہاں نقصان کا احتمال زیادہ ہے- کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ بنی اسرائیل میں روایت کی جانچ پڑتال کا مادہ ہی نہ تھا وہ سچ جھوٹ میں تمیز کرنا جانتے ہی نہ تھے ان میں جھوٹ سرایت کر گیا تھا جیسے کہ ہمارے حفاظ ائمہ نے تشریح کی ہے-

غرض یہ ہے کہ آیت میں اس امر کا بیان ہے کہ ہم نے اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت بخشی تھی اور ہم جانتے تھے کہ وہ اس کے لائق ہے- بچپنے میں ہی آپ نے اپنی قوم کی غیر اللہ پرستی کو ناپسند فرمایا اور نہایت جرأت سے اس کا سخت انکار کیا اور قوم سے برملا کہا کہ ان بتوں کے اردگرد مجمع لگا کر کیا بیٹھے ہو؟ حضرت اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ راہ سے گزر رہے تھے جو دیکھا کہ شطرنج باز لوگ بازی کھیل رہے ہیں- آپ نے یہی تلاوت فرما کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے ہاتھ میں جلتا ہوا انگارا لے لے یہ اس شطرنج کے مہروں کے لینے سے اچھا ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس کھلی دلیل کا جواب ان کے پاس کیا تھا جو دیتے؟ کہنے لگ کہ یہ تو پرانی روش ہے' باپ دادوں سے چلی آتی ہے- آپ نے فرمایا' واہ یہ بھی کوئی دلیل ہوئی؟ ہمارا اعتراض جو تم پر ہے' وہی تمہارے اگلوں پر ہے- ایک گمراہی میں تمہارے بڑے مبتلا ہوں اور تم بھی اس میں مبتلا ہو جاؤ تو وہ بھلائی بننے سے رہی میں کہتا ہوں' تم اور تمہارے باپ دادا سبھی راہ حق سے برگشتہ ہو گئے ہو اور کھلی گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہو- اب تو ان کے کان کھڑے ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے عقل مندوں کی توہین دیکھی اپنے باپ دادوں کی نسبت نہ سننے والے کلمات سنے' اپنے معبودوں کی حقارت ہوتی ہوئی دیکھی تو گھبرا گئے اور کہنے لگے' ابراہیم کیا واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو؟ ہم نے تو ایسی بات کبھی نہیں سنی- آپ کو تبلیغ کا موقعہ ملا اور صاف اعلان کیا کہ رب تو صرف خالق آسمان و زمین ہی ہے' تمام چیزوں کا خالق و مالک وہی ہے- تمہارے یہ معبود کسی ادنیٰ سی چیز کے بھی نہ خالق ہیں نہ مالک' پھر معبود و مسجود کیسے ہو گئے؟ میری گواہی ہے کہ خالق و مالک اللہ ہی لائق عبادت ہے نہ اس کے سوا کوئی رب نہ معبود-

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۵۷
فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۸
قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۹ قَالُوْا
سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝۶۰

اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کا علاج تمہارے پیٹھ پھیر کر جا چکنے کے بعد ضرور کروں گا ○ پھر تو ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ یہ بھی اس لئے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں ○ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے ○ بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے تو سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ○

کفر سے بیزاری طبیعت میں اضمحلال پیدا کرتی ہے: ☆☆ (آیت:۵۷-۶۰) دوں گا-عید کے ایک آدھ دن پیشتر آپ کے والد نے آپ سے کہا کہ پیارے بیٹے تم ہمارے ساتھ ہماری عید میں چلو تا کہ تمہیں ہمارے)اوپر ذکر گزرا کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور جذبہ توحید میں آ کر آپ نے قسم کھالی کہ میں تمہارے ان بتوں کا ضرور کچھ نہ کچھ علاج کروں گا- اسے بھی قوم کے بعض افراد نے سنا- ان کی عید کا دن جو مقرر تھا' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم اپنی رسوم عید ادا کرنے کے لئے باہر جاؤ گے' میں تمہارے بتوں کو ٹھیک کر دوں گا- عید کے ایک آدھ دن پیشتر آپ کے والد نے آپ سے کہا کہ پیارے بیٹے تم ہمارے ساتھ ہماری عید میں چلو تا کہ تمہیں ہمارے دین کی اچھائی اور رونق معلوم ہو جائے-

چنانچہ یہ آپ کو لے چلا کچھ دور جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم گر پڑے اور فرمانے لگے' ابا میں بیمار ہو گیا- باپ آپ کو چھوڑ کر مراسم کفر بجالانے کے لئے آگے بڑھ گئے اور لوگ جو راستے سے گزرتے' آپ سے پوچھتے کیا بات ہے' راستے پر کیسے بیٹھے ہو؟ جواب دیتے کہ میں بیمار ہوں- جب عام لوگ نکل گئے اور بڈھے بڑے لوگ رہ گئے تو آپ نے فرمایا' تم سب کے چلے جانے کے بعد آج میں تمہارے معبودوں کی مرمت کر دوں گا- آپ نے جو فرمایا کہ میں بیمار ہوں تو واقعی آپ اس دن کے اگلے دن قدرے علیل بھی تھے- جب کہ وہ لوگ چلے گئے تو میدان خالی پا کر آپ نے اپنا ارادہ پورا کیا اور بڑے بت کو چھوڑ کر تمام بتوں کا چورا کر دیا- جیسے اور آیتوں میں اس کا تفصیلی بیان موجود ہے کہ اپنے ہاتھ سے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے- اس بڑے بت کے باقی رکھنے میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ اولاً ان لوگوں کے ذہن میں خیال جائے کہ شاید اس بڑے اللہ نے ان چھوٹے معبود کو غارت کر دیا ہو گا- کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہو گی کہ مجھ بڑے کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے الوہیت کے لائق کیسے ہو گئے- چنانچہ اس خیال کی پختگی ان کے ذہنوں میں قائم کرنے کے لئے آپ نے کلہاڑا بھی اس کی گردن پر رکھ دیا تھا- جیسے کہ مروی ہے- جب یہ مشرکین اپنے میلے سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے سارے معبود منہ کے بل اوندھے گرے ہوئے ہیں- اور اپنی حالت سے وہ بتا رہے ہیں کہ وہ محض بے جان' بے نفع و نقصان' ذلیل و حقیر چیز ہیں- اور گویا اپنی اس حالت سے اپنے پجاریوں کی بے وقوفی پر وہ مہر لگا رہے تھے- لیکن ان بیوقوفوں پر الٹا اثر ہوا کہنے لگے' یہ کون ظالم شخص تھا جس نے ہمارے معبودوں کی ایسی اہانت کی؟ اس وقت جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کلام سنا تھا' انہیں خیال آ گیا اور کہنے لگے' وہ نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے' اسے ہم نے اپنے ان معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو پڑھتے اور فرماتے' جو نبی آیا جوان- جو عالم بنا جوان- شان الٰہی دیکھئے جو مقصد حضرت خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ

کا تھا' وہ اب پورا ہو رہا ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾
قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ
بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا
يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

سب نے کہا' اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھیں ○ کہنے لگے' اے ابراہیم کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ○ آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔ تم اپنے معبودوں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں ○

(آیت: ۶۱-۶۳) قوم کے یہ لوگ مشورہ کرتے ہیں کہ آؤ سب کو جمع کرو اور اسے بلاؤ اور پھر اس کی سزا دو۔ حضرت خلیل اللہ یہی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا مجمع ہو اور میں اس میں ان کی غلطیاں ان پر واضح کروں اور ان میں توحید کی تبلیغ کروں اور انہیں بتلاؤں کہ یہ کیسے ظالم و جاہل ہیں کہ ان کی عبادتیں کرتے ہیں جو نفع و نقصان کے مالک نہیں بلکہ اپنی جان کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ چنانچہ مجمع ہوا۔ سب چھوٹے بڑے آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملزم کی حیثیت سے موجود ہوئے اور آپ سے سوال ہوا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ لغو حرکت تم نے کی ہے؟ اس پر آپ نے انہیں قائل معقول کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ کام تو ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے اور اس کی طرف اشارہ کیا جسے آپ نے توڑا نہ تھا۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے ہی کیوں دریافت نہیں کرتے کہ تمہارے ٹکڑے اڑانے والا کون ہے؟ اس سے مقصود خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ تھا کہ یہ لوگ خود بخود ہی سمجھ لیں کہ یہ پتھر کیا بولیں گے؟ اور جب وہ اتنے عاجز ہیں تو یہ لائق عبادت کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ چنانچہ یہ مقصد بھی آپ کا بفضل الٰہی پورا ہوا اور یہ دوسری ضرب بھی کاری لگی۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ خلیل الٰہی نے تین جھوٹ بولے ہیں۔ دو تو راہ اللہ میں ایک تو ان کا یہ فرمانا کہ ان بتوں کو ان کے بڑے نے توڑا ہے۔ دوسرا یہ فرمانا کہ میں بیمار ہوں۔ اور ایک مرتبہ حضرت سارہ کے ساتھ سفر میں تھے' اتفاق سے ایک ظالم بادشاہ کی حدود سے آپ گزر رہے تھے' آپ نے وہاں منزل کی تھی۔ کسی نے بادشاہ کو خبر کر دی کہ ایک مسافر کے ساتھ بہترین عورت ہے اور وہ اس وقت ہماری سلطنت میں ہے۔ بادشاہ نے جھٹ سپاہی بھیجا کہ وہ حضرت سارہ کو لے آئے۔ اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' میری بہن ہے اس نے کہا اسے بادشاہ کے دربار میں بھیجو' آپ حضرت سارہ کے پاس گئے اور فرمایا سنو' اس ظالم نے تمہیں طلب کیا ہے اور میں تمہیں اپنی بہن بتا چکا ہوں' اگر تم سے بھی پوچھا جائے تو یہی کہنا اس لئے کہ دین کے اعتبار سے تم میری بہن ہو' روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مسلمان نہیں۔ یہ کہہ کر آپ چلے آئے حضرت سارہ رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے چلیں آپ نماز میں کھڑے ہو گئے۔ جب حضرت سارہ کو اس ظالم نے دیکھا اور ان کی طرف لپکا' اسی وقت اللہ کے عذاب نے اسے پکڑ لیا ہاتھ پاؤں اینٹھ گئے گھبرا کر عاجزی سے کہنے لگا اے نیک عورت اللہ سے دعا کر کہ وہ مجھے چھوڑ دے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔ آپ نے دعا کی۔ اسی وقت وہ اچھا ہو گیا لیکن اچھا ہوتے ہی اس نے پھر قصد کیا اور آپ کو پکڑنا چاہا۔ وہیں پھر عذاب اللہ آ پہنچا اور یہ پہلی دفعہ سے زیادہ سخت پکڑ لیا گیا پھر عاجزی کرنے لگا۔ غرض تین دفعہ پے در پے یہی ہوا۔ تیسری دفعہ چھوٹتے ہی اس نے اپنے

قریب کے ملازم کو آواز دی اور کہا تو میرے پاس کسی انسان عورت کو نہیں لایا بلکہ شیطانہ کو لایا ہے۔ جا اسے نکال اور ہاجرہ کو اس کے ساتھ کر دے۔ اسی وقت آپ وہاں سے نکال دی گئیں اور حضرت ہاجرہ آپ کے حوالے کی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی آہٹ پاتے ہی نماز سے فراغت حاصل کی اور دریافت فرمایا کہ کہو کیا گزری؟ آپ نے فرمایا اللہ نے اس کافر کے مکر کو اسی پر لوٹا دیا اور ہاجرہ میری خدمت کے لئے آ گئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے کہ یہ ہیں تمہاری اماں اے آسمانی پانی کے لڑکو۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۶۴ ثُمَّ
نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝۶۵
قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا
يَضُرُّكُمْ ۝۶۶ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
فٰعِلِيْنَ ۝۶۸ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹ وَ
اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝۷۰

پس یہ لوگ اپنے دلوں میں قائل ہو گئے اور کہنے لگے واقعی ظالم تو تم ہی ہو ○ پھر سر ڈال کر کچھ سوچ ساچ کر باوجود قائل ہو جانے کے کہنے لگے کہ یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والے نہیں ○ خلیل اللہ نے اسی وقت فرمایا افسوس کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان ○ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟ ○ کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو ہم نے فرما دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی اور آرام کی چیز بن جا ○ گو انہوں نے ابراہیم کا برا چاہا لیکن ہم نے انہیں ہی نقصان پانے والا کر دیا ○

اپنی حماقت سے پریشان کافر: ☆☆ (آیت: ۶۴-۶۷) بیان ہو رہا ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کی باتیں سن کر انہیں خیال تو پیدا ہو گیا اپنے تئیں اپنی بیوقوفی پر ملامت کرنے لگے سخت ندامت اٹھائی اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی۔ اپنے معبودوں کے پاس کسی کو حفاظت کے لئے نہ چھوڑا اور چل دیئے۔ پھر غور و فکر کر کے بات بنائی کہ آپ جو کچھ ہم سے کہتے ہیں کہ ان سے ہم پوچھ لیں کہ تمہیں کس نے توڑا ہے تو کیا آپ کو علم نہیں کہ یہ بت بے زبان ہیں؟ عاجزی حیرت اور انتہائی لاجوابی کی حالت میں انہیں اس بات کا اقرار کرنا پڑا۔ اب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو خاصا موقعہ مل گیا اور آپ فوراً فرمانے لگے کہ بے زبان بے نفع و ضرر چیز کی عبادت کیسی؟ تم کیوں اس قدر بے سمجھ ہو رہے ہو؟ تف ہے تم پر اور تمہارے ان جھوٹے معبودوں پر۔ آہ کس قدر ظلم و جہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور اللہ واحد کو چھوڑ دیا جائے؟ یہی تھیں وہ دلیلیں جن کا ذکر پہلے ہوا تھا کہ ہم نے ابراہیم کو وہ دلیلیں سکھا دیں جن سے قوم حقیقت تک پہنچ جائے۔

آگ گلستان بن گئی: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۰) یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان دلیل سے عاجز آ جاتا ہے تو یا نیکی اسے گھسیٹ لیتی ہے یا بدی غالب آ جاتی ہے۔ یہاں ان لوگوں کو ان کی بدبختی نے گھیر لیا اور دلیل سے عاجز آ کر قائل معقول ہو کر لگے اپنے دباؤ کا مظاہرہ کرنے۔

آپس میں مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر اس کی جان لے لو تا کہ ہمارے ان معبودوں کی عزت رہے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا اور لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں یہاں تک کہ بیمار عورتیں بھی نذر مانتی تھیں تو یہی کہ اگر انہیں شفا ہو جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کو لکڑیاں لائیں گی زمین میں ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھود لکڑیوں سے اسے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی روئے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ جب آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، اس کے پاس جانا محال ہو گیا، اب گھبرائے کہ خلیل اللہ کو آگ میں ڈالیں کیسے؟ آخر ایک کردی فارسی اعرابی کے مشورے سے جس کا نام ہیزن تھا، ایک منجنیق تیار کرائی گئی کہ اس میں بٹھا کر جھولا کر پھینک دو۔ مروی ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ اندر اترتا جاتا ہے۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا، آپ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے پاس بھی جب یہ خبر پہنچی کہ تمام عرب لشکر جرار لے کر آپ کے مقابلے کے لئے آ رہے ہیں تو آپ نے بھی یہی پڑھا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے فرمایا، الٰہی تو آسمانوں میں اکیلا معبود ہے اور توحید کے ساتھ تیرا عابد زمین پر صرف میں ہی ہوں۔ مروی ہے کہ جب کافر آپ کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا، الٰہی تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، تیری ذات پاک ہے تمام حمد وثنا تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ سارے ملک کا تو اکیلا ہی مالک ہے کوئی بھی تیرا شریک وساجھی نہیں۔ حضرت شعیب جبائی فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی واللہ اعلم۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے آسمان وزمین کے درمیان ظاہر ہوئے اور فرمایا، کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے جواب دیا، تم سے تو کوئی حاجت نہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے حاجت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، بارش کا داروغہ فرشتہ کان لگائے ہوئے تیار تھا کہ کب اللہ کا حکم ہو اور میں اس آگ پر بارش برسا کر اسے ٹھنڈی کر دوں لیکن براہ راست حکم الٰہی آگ کو ہی پہنچا کہ میرے خلیل پر تو سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ فرماتے ہیں کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس دن دنیا بھر میں آگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوتیاں تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہیں لگی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، آگ کو حکم ہوا کہ وہ خلیل اللہ علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے کا ہی حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی۔ اس لئے ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ ٹھنڈک کے ساتھ ہی سلامتی بن جا۔ ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑا گڑھا بہت ہی گہرا کھودا تھا اور اسے آگ سے پر کیا تھا ہر طرف آگ کے شعلے نکل رہے تھے اس میں خلیل اللہ کو ڈال دیا لیکن آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ مذکور ہے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے آپ کے منہ پر سے پسینہ پونچھ رہے تھے بس اس کے سوا آپ کو آگ نے کوئی تکلیف نہیں دی۔

سدی فرماتے ہیں، سایہ یا فرشتہ اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ مروی ہے کہ آپ اس میں چالیس یا پچاس دن رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانے میں جو راحت وسرور حاصل تھا، ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا، کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے سب سے اچھا کلمہ جو کہا ہے، وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے زندہ صحیح سالم نکلے، اس وقت آپ کو اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھ کر آپ کے والد نے کہا، ابراہیم تیرا رب بہت ہی بزرگ اور بڑا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس دن جو جانور نکلا، وہ آپ کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا سوائے گرگٹ کے۔ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے اور اسے فاسق کہا

ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک نیزہ دیکھ کر ایک عورت نے سوال کیا کہ یہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گرگٹوں کو مارڈالنے کے لئے، حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے' اس وقت تمام جانور اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے گرگٹ کے یہ اور پھونک رہا تھا۔ پس آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کا مکر ہم نے ان پر الٹ دیا۔ کافروں نے اللہ کے نبی علیہ السلام کو نیچا کرنا چاہا اللہ نے انہیں نیچا دکھایا۔ حضرت عطیہ عوفی کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں جلائے جانے کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کافروں کا بادشاہ بھی آیا تھا۔ ادھر خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے' ادھر آگ میں سے ایک چنگاری اڑتی ہے اور اس کافر بادشاہ کے انگوٹھے پر آپڑتی ہے اور وہیں کھڑے کھڑے سب کے سامنے اس طرح اسے جلا دیتی ہے جیسے روئی جل جائے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱
وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝۷۲
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ
الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝۷۳ ۙ
وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ
تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝۷۴ ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ
فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵ ع ۲۵ ۵

ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی ○ اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب اور زیادہ دیا' اور ہر ایک کو ہم نے نیک کار کیا ○ اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوۃ کے دینے کی وحی کی' اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گذار بندے تھے ○ ہم نے لوط کو بھی حکمت و علم دیا اور اسے اسی بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے اور تھے بھی بدترین گنہگار ○ اور ہم نے لوط کو اپنی مہربانیوں میں داخل کرلیا' بے شک وہ نیک کار لوگوں میں سے تھا ○

ہجرت خلیل اللہ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۵) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے خلیل کو کافروں کی آگ سے بچا کر شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تمام میٹھا پانی شام کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' آپ کو عراق کی سرزمین سے اللہ نے نجات دی۔ اور شام کے ملک میں پہنچایا۔ شام ہی نبیوں کا ہجرت کدہ رہا۔ زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام کی کمی فلسطین میں زیادتی ہوتی ہے۔ شام ہی محشر کی سرزمین ہے۔ یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے' یہیں دجال قتل کیا جائے گا۔ بقول کعب آپ حران کی طرف گئے تھے۔ یہاں آ کر آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں کے بادشاہ کی لڑکی اپنی قوم کے دین سے بیزار ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے بلکہ ان کے اوپر طعنہ زنی کرتی ہے تو آپ نے ان سے اس قرار پر نکاح کرلیا کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے یہاں سے نکل چلے۔ انہی کا نام حضرت سارہ ہے رضی اللہ عنہا۔ یہ روایت غریب ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت سارہ

آپ کے چچا کی صاحبزادی تھیں اور آپ کے ساتھ ہی ہجرت کر کے چلی آئی تھیں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ ہجرت مکے شریف میں ختم ہوئی۔ مکے ہی کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ یہ اللہ کا پہلا گھر ہے جو برکت و ہدایت والا ہے جس میں علاوہ اور بہت سی نشانیوں کے مقام ابراہیم بھی ہے- اس میں آ جانے والا امن و سلامتی میں آ جاتا ہے- پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اسحاق دیا اور یعقوب کا عطیہ بھی کیا- یعنی لڑکا اور پوتا جیسے فرمان ہے فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ چونکہ خلیل اللہ علیہ السلام کے سوال میں ایک لڑکے ہی کی طلب تھی دعا کی تھی' کہ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور لڑکے کے ہاں بھی لڑکا دیا جو سوال سے زائد تھا اور سب کو نیکوکار بنایا- ان سب کو دنیا کا مقتدا اور پیشوا بنا دیا کہ بحکم اللہ خلق اللہ کو راہ اللہ کی دعوت دیتے رہے- ان کی طرف ہم نے نیک کاموں کی وحی فرمائی - اس عام بات پر عطف ڈال کر پھر خاص باتیں یعنی نماز اور زکوٰۃ کا بیان فرمایا اور ارشاد ہوا کہ وہ علاوہ ان نیک کاموں کے حکم کے خود بھی ان نیکیوں پر عامل تھے- پھر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے- لوط بن ہاران بن آزر علیہ السلام- آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کی تابعداری میں آپ ہی کے ساتھ ہجرت کی تھی جیسے کلام اللہ شریف میں ہے فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ الخ' حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و علم عطا فرمایا اور وحی نازل فرمائی اور نبیوں کے پاک زمرے میں داخل کیا- اور سدوم اور اس کے آس پاس کی بستیوں کی طرف آپ کو بھیجا- انہوں نے نہ مانا- مخالفت پر کمر بستگی کر لی-- جس کے باعث عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور فنا کر دیئے گئے' جن کی بربادی کے واقعات اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز میں کئی جگہ بیان ہوئے ہیں- یہاں فرمایا کہ ہم نے انہیں بدترین کام کرنے والے فاسقوں کی بستی سے نجات دے دی- اور چونکہ وہ اعلیٰ نیکوکار تھے' ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا-

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ
الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

نوح کے اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ اس نے اس سے پہلے دعا کی' ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے نجات دی ○

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان پر ہم نے اس کی مدد کی' یقیناً وہ برے لوگ تھے- پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا ○

نوح علیہ السلام کی دعا: ☆☆ (آیت: ۷۶-۷۷) نوح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم نے ستایا- تکلیفیں دیں تو آپؑ نے اللہ کو پکارا کہ باری تعالیٰ میں عاجز آ گیا ہوں' تو میری مدد فرما- زمین پر ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکائیں گے اور ان کی اولادیں بھی ایسی ہی فاجر و کافر ہوں گی- اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو اور مومنوں کو نجات دی اور آپ کی اہل کو بھی سوائے ان کے جن کے نام برباد ہونے والوں میں آ گئے تھے- آپ پر ایمان لانے والوں کی بہت ہی کم مقدار تھی- قوم کی سختی' ایذا دہی اور تکلیف سے رب عالم نے اپنے نبی کو بچا لیا- ساڑھے نو سو سال تک آپ ان میں رہے اور انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے رہے مگر سوائے چند لوگوں کے اور سب اپنے شرک و کفر سے باز نہ آئے بلکہ آپ کو سخت ایذائیں دیں اور ایک دوسرے کو اذیت دینے کے لیے بھڑکاتے رہے- ہم نے ان کی مدد فرمائی اور عزت و آبرو کے ساتھ کفار کی ایذا رسانیوں سے چھٹکارا دیا اور ان برے لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا اور نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق روئے زمین پر ایک بھی کافر نہ بچا- سب ڈبو دیئے گئے-

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ
الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا
حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ
وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ
مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب کہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں اس میں چر چگ گئی تھیں' ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے ○ اور ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا' ہاں ہر ایک کو ہم نے حکمت و علم دے رکھا تھا اور داؤد کے تابع ہم نے پہاڑ کر دیئے تھے جو تسبیح کرتے تھے اور پرند بھی۔ ہم کرنے والے ہی تھے ○ اور ہم نے اسے تمہارے لئے لباس بنانے کی کاریگری سکھائی تاکہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو' کیا اب بھی تم شکر گزار بنو گے؟ ○

ایک ہی مقدمہ میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے مختلف فیصلے : ☆☆ (آیت: ۷۸-۸۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ کھیتی انگور کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے نفشت کے معنی ہیں رات کے وقت جانوروں کے چرنے کے اور دن کے وقت چرنے کو عربی میں ھمل کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس باغ کو بکریوں نے بگاڑ دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ کے نقصان کے بدلے یہ بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ سن کر عرض کی کہ اے نبی اللہ علیہ السلام' اس کے سوا بھی فیصلے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا' وہ کیا؟ جواب دیا کہ بکریاں باغ والے کے حوالے کر دی جائیں۔ وہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور باغ بکری والے کو دے دیا جائے۔ یہ اس میں انگور کی بیلوں کی خدمت کرے یہاں تک کہ بیلیں ٹھیک ٹھاک ہو جائیں۔ انگور لگیں اور پھر اسی حالت پر آ جائیں جس پر تھے تو باغ والے کو اس کا باغ سونپ دے اور باغ والا اسے اس کی بکریاں سونپ دے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم نے اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ سن کر بکریوں والے اپنا سا منہ لے کر صرف کتوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے واپس جا رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر دریافت کیا کہ تمہارا فیصلہ کیا ہوا؟ انہوں نے خبر دی تو آپ نے فرمایا' اگر میں اس جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ نہ دیتا بلکہ کچھ اور فیصلہ کرتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے انہیں بلوایا اور پوچھا کہ بیٹے تم کیا فیصلہ کرتے؟ آپ نے وہی اوپر والا فیصلہ سنایا۔ حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ان بکریوں نے خوشے اور پتے سب کھا لئے تھے۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کے خلاف حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ ان لوگوں کی بکریاں باغ والوں کو دے دی جائیں اور یہ باغ انہیں سونپا جائے جب تک باغ اپنی اسی اصلی حالت پر آئے تب تک بکریوں کے بچے اور ان کا دودھ اور ان کا کل نفع باغ والوں کا۔ پھر ہر ایک کو ان کی چیز سونپ دی جائے۔ قاضی شریح رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھی ایک ایسا ہی جھگڑا آیا تھا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر دن کو بکریوں نے نقصان پہنچایا ہے تو کوئی معاوضہ نہیں۔ اور اگر رات کو نقصان پہنچایا ہے تو بکریوں والے ضامن ہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت برا ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اونٹنی کسی باغ میں چلی گئی اور وہاں باغ کا بڑا نقصان کیا تو

رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغ والوں پر دن کے وقت کی حفاظت ہے اور جو نقصان جانوروں سے رات کو ہو اس کا جرمانہ جانور والوں پر ہے۔ اس حدیث میں علتیں نکالی گئی ہیں اور ہم نے کتاب الاحکام میں اللہ کے فضل سے اس کی پوری تفصیل بیان کر دی ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ایاس بن معاویہ رحمتہ اللہ علیہ سے جب کہ قاضی بننے کی درخواست کی گئی تو وہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور رو دیئے۔ پوچھا گیا کہ اے ابوسعید آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا' مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا' پھر بھی غلطی کی' وہ جہنمی ہے اور جو خواہش نفس کی طرف جھک گیا' وہ بھی جہنمی ہے' ہاں جس نے اجتہاد کیا اور صحت پر پہنچ گیا' وہ جنت میں پہنچا' حضرت حسن یہ سن کر فرمانے لگے' سنو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قضا کا ذکر فرمایا ہے' ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ منصب ہوتے ہیں۔ ان کے قول سے ان لوگوں کی باتیں رد ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف تو بیان فرمائی ہے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت بیان نہیں فرمائی۔ پھر فرمانے لگے' سنو تین باتوں کا عہد اللہ تعالیٰ نے قاضیوں سے لیا ہے' ایک تو یہ کہ وہ منصفین شرع دنیوی نفع کی وجہ سے بدل نہ دیں' دوسرے یہ کہ اپنے دلی ارادوں اور خواہشوں کے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی اے داؤد ہم نے تجھے زمین کا خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کرتا رہ خواہش کے پیچھے نہ پڑ کہ راہ اللہ سے بہک جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ لوگوں سے نہ ڈرو مجھی سے ڈرتے رہا کرو۔ اور فرمان ہے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا میری آیتوں کو معمولی نفع کی خاطر بیچ نہ دیا کرو۔ میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام کی معصومیت میں اور ان کی منجانب اللہ ہر وقت تائید ہوتے رہنے میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ رہے اور لوگ تو صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب حاکم اجتہاد اور کوشش کرے' پھر صحت تک بھی پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور جب پوری کوشش کے بعد بھی غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت ایاس رحمتہ اللہ علیہ کو جو وہم تھا کہ باوجود پوری جدوجہد کے بھی خطا کر جائے تو دوزخی ہے' یہ غلط ہے واللہ اعلم۔

سنن کی اور حدیث میں ہے' قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنتی دو دوزخی جس نے حق کو معلوم کر لیا اور اسی سے فیصلہ کیا' وہ جنتی۔ اور جس نے جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا' وہ جہنمی اور جس نے حق کو جانتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ دیا' وہ بھی جہنمی۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے کے قریب ہی وہ قصہ ہے جو مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے بھیڑیا آ کر ایک بچے کو اٹھا لے گیا اب ہر ایک دوسری سے کہنے لگی کہ تیرا بچہ گیا اور جو ہے' وہ میرا بچہ ہے آخر یہ قصہ داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے بڑی عورت کو ڈگری دے دی کہ یہ بچہ تیرا ہے یہ یہاں سے نکلیں راستے میں حضرت سلیمان علیہ السلام تھے آپ نے دونوں کو بلایا اور فرمایا' چھری لاؤ۔ میں اس لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا ان دونوں کو دے دیتا ہوں اس پر بڑی تو خاموش ہو گئی لیکن چھوٹی نے ہائے واویلا شروع کر دی کہ اللہ آپ پر رحم کرے آپ ایسا نہ کیجئے یہ لڑکا اسی بڑی کا ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام معاملے کو سمجھ گئے اور لڑکا چھوٹی عورت کو دلا دیا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر باب باندھا ہے کہ حاکم کو جائز ہے کہ اپنا فیصلہ اپنے دل میں رکھ کر حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس کے خلاف کچھ کہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ابن عساکر میں ہے کہ ایک خوبصورت عورت سے ایک رئیس نے ملنا چاہا لیکن عورت نے نہ مانا اسی

طرح تین اور شخصوں نے بھی اس سے بدکاری کا ارادہ کیا لیکن وہ باز رہی۔ اس پر وہ رؤسا خار کھا گئے اور آپس میں اتفاق کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں جا کر سب نے گواہی دی کہ وہ عورت اپنے کتے سے ایسا کام کراتی ہے چاروں کے متفقہ بیان پر حکم ہو گیا کہ اسے رجم کر دیا جائے۔ اسی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ حاکم بنے اور چار لڑکے ان لوگوں کی طرح آپ کے پاس اس مقدمے کو لائے اور ایک عورت کی نسبت یہی کہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا' ان چاروں کو الگ الگ کر دو پھر ایک کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیسا تھا؟ اس نے کہا سیاہ۔ پھر دوسرے کو تنہا بلایا' اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سرخ۔ تیسرے نے کہا خاکی۔ چوتھے نے کہا سفید۔ آپ نے اسی وقت فیصلہ دیا کہ عورت پر یہ نری تہمت ہے اور ان چاروں کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھی یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ نے اسی وقت فی الفور ان چاروں امیروں کو بلایا اور اسی طرح الگ الگ ان سے اس کتے کے رنگ کی بابت سوال کیا۔ یہ گڑبڑا گئے۔ کسی نے کچھ کہا۔ کسی نے کچھ کہا۔ آپ کو ان کا جھوٹ معلوم ہو گیا اور حکم فرمایا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

پھر بیان ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو وہ نورانی گلا عطا فرمایا گیا تھا اور آپ ایسی خوش آوازی اور خلوص کے ساتھ زبور پڑھتے تھے کہ پرند بھی اپنی پرواز چھوڑ کر تھم جاتے تھے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح پہاڑ بھی۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کریم کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ ان کی میٹھی' رسیلی اور خلوص بھری آواز سن کر ٹھہر گئے اور دیر تک سنتے رہے' پھر فرمانے لگے کہ یہ تو آل داؤد کی آوازوں کی شیرینی دیئے گئے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور ﷺ میری قرات سن رہے ہیں تو میں اور اچھی طرح پڑھتا۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝۸۱ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ
مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا
لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝۸۲

ہم نے تیز و تند ہواؤں کو سلیمان کے تابع کر دیا جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھیں جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی' اور ہم ہر چیز سے باخبر اور دانا ہیں ○ اسی طرح بہت سے شیاطین ہم نے اس کے تابع کئے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی بہت کام کرتے تھے' ان کے نگہبان ہم ہی تھے ○

حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے تو کسی بہتر سے بہتر باجے کی آواز میں بھی وہ مزہ نہیں پایا جو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز میں تھا۔ پس اتنی خوش آواز کو حضور ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا ایک حصہ قرار دیا۔ اب سمجھ لیجئے کہ خود داؤد علیہ السلام کی آواز کیسی ہو گی۔ پھر اپنا ایک اور احسان بتاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانی ہم نے سکھا دی تھیں۔ آپ کے زمانے سے پہلے بغیر کنڈلوں اور بغیر حلقوں کی زرہ بنتی تھیں کنڈلوں دار اور حلقوں والی زرہیں آپ نے ہی بنائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا کہ وہ بہترین زرہ تیار کریں اور ٹھیک انداز سے ان میں حلقے

بنائیں۔ یہ زرہیں میدان جنگ میں کام آتی تھیں۔ پس یہ نعمت وہ تھی جس پر لوگوں کو اللہ کی شکر گزاری کرنی چاہیے۔ ہم نے زور آور ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا جو انہیں ان کے فرمان کے مطابق برکت والی زمین یعنی ملک شام میں پہنچا دیتی تھی۔ ہمیں ہر چیز کا علم ہے۔ آپؑ اپنے تخت پر مع اپنے لاؤ لشکر اور سامان اسباب کے بیٹھ جاتے تھے۔ پھر جہاں جانا چاہتے‘ ہوا آپ کو آپ کے فرمان کے مطابق گھڑی بھر میں وہاں پہنچا دیتی۔ تخت کے اوپر سے پرند پر کھول کر آپ پر سایہ ڈالتے جیسے فرمان ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ الخ۔ یعنی ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں پہنچنا چاہتے‘ ان کے حکم کے مطابق اسی طرف نرمی سے لے چلتی۔ صبح شام مہینہ مہینہ بھر کی راہ کو طے کر لیتی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھ ہزار کرسی لگائی جاتی آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے پھر آپ کے حکم سے سب پر پرند سایہ کرتے پھر حکم کرتے تو ہوا آپ کو لے چلتی (علیہ السلام)۔ عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں‘ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے‘ وہ مثل بڑے تودے کے جمع ہو جاتی گویا پہاڑ ہے پھر اس کے سب سے بلند مکان پر فرش افروز ہونے کا حکم دیتے پھر پردار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے فرش پر چڑھ جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کو بلندی پر لے جاتی آپ اس وقت سر نیچا کر لیتے دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے اس میں آپ کی تواضع اور اللہ کی شکر گزاری مقصود ہوتی تھی۔ کیونکہ آپ کو اپنی فروتنی کا علم تھا۔ پھر جہاں آپ حکم دیتے‘ وہیں ہوا آپ کو اتار دیتی۔ اسی طرح سرکش جنات بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے قبضے میں کر دیئے تھے جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر وغیرہ نکال لایا کرتے تھے۔ اور بھی بہت سے کام کاج کرتے تھے جیسے فرمان ہے وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ الخ‘ ہم نے سرکش جنوں کو ان کا ماتحت کر دیا تھا جو معمار تھے اور غوطہ خور اور ان کے علاوہ اور شیاطین بھی ان کے ماتحت تھے جو زنجیروں میں بندھے رہتے تھے اور ہم ہی سلیمان کے حافظ و نگہبان تھے۔ کوئی شیطان انہیں برائی نہ پہنچا سکتا تھا بلکہ سب کے سب ان کے ماتحت فرماں بردار اور تابع تھے۔ کوئی ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا۔ آپ کی حکمرانی ان پر چلتی تھی۔ جسے چاہتے قید کر لیتے۔ جسے چاہتے آزاد کر دیتے۔ اسی کو فرمایا کہ اور جنات تھے جو جکڑے رہا کرتے تھے۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جب کہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا۔ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ○ تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا‘ اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور‘ اپنی خاص مہربانی سے تاکہ سچے بندوں کے لئے سبب نصیحت ہو ○

آزمائش اور مصائب ایوب علیہ السلام : ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیفوں کا بیان ہو رہا ہے جو مالی جسمانی اور اولاد پر مشتمل تھیں ان کے بہت سے قسم قسم کے جانور تھے‘ کھیتیاں باغات وغیرہ تھے‘ اولاد‘ بیویاں‘ لونڈیاں‘ غلام‘ جائیداد اور مال و متاع سبھی کچھ اللہ کا دیا موجود تھا۔ اب جو رب کی طرف ان پر آزمائش آئی تو ایک سرے سے سب کچھ فنا ہوتا گیا یہاں تک کہ جسم میں بھی جذام پھوٹ پڑا۔ دل اور زبان کے سوا سارے جسم کا کوئی حصہ اس مرض سے محفوظ نہ رہا۔ یہاں تک کہ آس پاس والے کراہت کرنے لگے شہر کے ایک ویران کونے میں آپ کو سکونت اختیار کرنی پڑی۔ سوائے آپ کی ایک بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اور کوئی آپ کے

پاس نہ رہا اس مصیبت کے وقت سب نے کنارہ کر لیا۔ یہی ایک تھیں جو ان کی خدمت کرتی تھیں ساتھ ہی محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے کو بھی لایا کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے پھر صالح لوگوں کا پھر ان سے نیچے کے درجے والوں کا پھر ان سے کم درجے والوں کا۔ اور روایت میں ہے کہ ہر شخص کا امتحان اس کے دین کے انداز سے ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہے، امتحان بھی سخت تر ہوتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے ہی صابر تھے یہاں تک کہ صبر ایوب زبان زد عام ہے۔

یزید بن میسرہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی، اہل و عیال مر گئے، مال فنا ہو گیا، کوئی چیز ہاتھ تلے باقی نہ رہی، آپ اللہ کے ذکر میں اور بڑھ گئے، کہنے لگے، اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے، تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کئے، مال دیا، اولاد دی، اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا، اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو ان فکروں سے پاک کر دیا۔ اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا اگر میرا دشمن ابلیس تیری اس مہربانی کو جان لیتا تو وہ مجھ پر بہت ہی حسد کرتا۔ ابلیس لعین اس قول سے اور اس وقت کی اس حمد سے جل بھن کر رہ گیا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی دعا تھی کہ اللہ تو نے جب مجھے تونگر اور اولاد اور اہل و عیال والا بنا رکھا تھا، تو تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا نہ کبھی کسی پر ظلم و ستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادتوں میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو اس لئے پیدا نہیں کیا گیا تیری رضامندی کی طلب میں میں اپنی راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا۔ (ابن ابی حاتم) اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ایک بہت لمبا قصہ ہے جسے بہت سے پچھلے مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس میں غرابت ہے اور اس کے طول کی وجہ سے ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ مدتوں تک آپ ان بلاؤں میں مبتلا رہے۔

حضرت حسن اور قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سات سال اور کئی ماہ آپ بیماری میں مبتلا رہے بنو اسرائیل کے کوڑے پھینکنے کی جگہ آپ کو ڈال رکھا تھا۔ بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے پھر اللہ نے آپ پر رحم و کرم کیا، تمام بلاؤں سے نجات دی، اجر دیا اور تعریفیں کیں۔ وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ پورے تین سال آپ اس تکلیف میں رہے۔ سارا گوشت جھڑ گیا تھا۔ صرف ہڈیاں اور چمڑہ رہ گیا تھا آپ راکھ میں پڑے رہتے تھے صرف ایک آپ کی بیوی صاحبہ تھیں جو آپ کے پاس تھیں جب زیادہ زمانہ گزر گیا تو ایک روز عرض کرنے لگیں کہ اے نبی اللہ علیہ السلام آپ خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ اس مصیبت کو ہم پر سے ٹال دے۔ آپ فرمانے لگے، سنو ستر برس تک اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت و عافیت میں رکھا تو اگر ستر سال تک میں اس حالت میں رہوں اور صبر کروں تو یہ بھی بہت کم ہے اس پر بیوی صاحبہ کانپ اٹھیں آپ شہر میں جاتیں تیرا میرا کام کاج کرتیں اور جو ملتا، وہ لے آتیں اور آپ کو کھلاتیں پلاتیں۔

آپ کے دو دوست اور دلی خیر خواہ دوست تھے انہیں فلسطین میں جا کر شیطان نے خبر دی کہ تمہارا دوست سخت مصیبت میں مبتلا ہے تم جاؤ ان کی خبر گیری کرو اور اپنے ہاں کی کچھ شراب اپنے ساتھ لے جاؤ وہ پلا دینا اس سے انہیں شفا ہو جائے گی چنانچہ یہ دونوں آئے حضرت ایوب علیہ السلام کی حالت دیکھتے ہی ان کے آنسو نکل آئے بلبلا کر رونے لگے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے یاد دلایا تو آپ خوش ہوئے انہیں مرحبا کہا وہ کہنے لگے اے جناب آپ شاید کچھ چھپاتے ہوں گے اور ظاہر اس کے خلاف کرتے ہوں گے؟ آپ نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا، اللہ خوب جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا۔ میرے رب نے مجھے اس میں مبتلا کیا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ میں صبر کرتا ہوں یا بے صبری؟ وہ کہنے لگے اچھا ہم آپ کے واسطے دوا لائے ہیں آپ اسے پی لیجئے شفا ہو جائے گی یہ شراب ہے۔ ہم اپنے ہاں سے لائے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمانے لگے، تمہیں شیطان خبیث لایا ہے تم سے کلام کرنا، تمہارا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں ان کا ایک بچہ سویا ہوا تھا تو انہوں نے اس بچے کے حصے کی ٹکیا انہیں دے دی یہ لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں' آپ نے کہا یہ آج کہاں سے لائیں؟ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا - آپ نے فرمایا' ابھی ابھی واپس جاؤ ممکن ہے بچہ جاگ گیا ہو اور اسی ٹکیا کی ضد کرتا ہو اور رو رو کر سارے گھر کو پریشان کرتا ہو - آپ روٹی واپس لے کر چلیں ان کی ڈیوڑھی میں ایک بکری بندھی ہوئی تھی اس نے زور سے آپ کو ٹکر ماری آپ کی زبان سے نکل گیا' دیکھو ایوب کیسے غلط خیال والے ہیں - پھر اوپر گئیں تو دیکھا واقعی بچہ جاگا ہوا ہے اور ٹکیا کے لئے مچل رہا ہے اور گھر بھر کا ناک میں دم کر رکھا ہے یہ دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا کہ اللہ ایوب پر رحم کرے اچھے موقعہ پر پہنچی ٹکیا دے دی اور واپس لوٹیں راستے میں شیطان بہ صورت طبیب ملا اور کہنے لگا کہ تیرے خاوند سخت تکلیف میں ہیں مرض پر مدتیں گزر گئیں تم انہیں سمجھاؤ فلاں قبیلے کے بت کے نام پر ایک مکھی مار دیں شفا ہو جائے گی پھر توبہ کر لیں - جب آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو ان سے یہ کہا' آپ نے فرمایا' شیطان خبیث کا جادو تجھ پر چل گیا - میں اگر تندرست ہو گیا تو تجھے سو کوڑے لگاؤں گا - ایک دن آپ حسب معمول تلاش معاش میں نکلیں گھر گھر پھر آئیں لیکن کہیں کام نہ لگا مایوس ہو گئیں شام کو پلٹتے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خیال آیا تو آپ نے اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک امیر لڑکی کے ہاتھ فروخت کر دی اس نے آپ کو بہت کچھ کھانے پینے کا اسباب دیا جسے لے کر آپ آئیں حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا یہ آج اتنا سارا اور اتنا اچھا کھانا کیسے مل گیا؟ فرمایا میں نے ایک امیر گھر کا کام کر دیا تھا - آپ نے کھا لیا دوسرے روز بھی اتفاق سے ایسا ہی ہوا اور آپ نے اپنے بالوں کی دوسری لٹ کاٹ کر فروخت کر دی اور کھانا لے آئیں آج بھی یہی کھانا دیکھ کر آپ نے فرمایا' واللہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا جب تک تو مجھے یہ نہ بتا دے کہ یہ کیسے لائی؟ اب آپ نے اپنا دوپٹا سر سے اتار دیا دیکھا کہ سر کے بال سب کٹ چکے ہیں اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی اور اللہ سے دعا کی کہ مجھے ضرر پہنچا اور تو سب سے زیادہ رحیم ہے -

حضرت نوف کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا تھا' اس کا نام مسبوط تھا - حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی صاحبہ عموماً آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ اللہ سے دعا کرو - لیکن آپ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دن بنو اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے نکلے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے' اس شخص کو یہ تکلیف ضرور کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہے اس وقت بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ دعا نکل گئی - حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے - ایک دن وہ ملنے کے لئے آئے - لیکن جسم کی بدبو کی وجہ سے قریب نہ آ سکے - دور ہی سے کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں نہ ڈالتا - اس بات نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وہ صدمہ پہنچایا جو آج تک آپ کو کسی چیز سے نہ ہوا تھا - اس وقت کہنے لگے' الٰہی کوئی رات مجھ پر ایسی نہیں گزری کہ کوئی بھوکا شخص میرے علم میں ہو اور میں نے پیٹ بھر لیا ہو' پروردگار اگر میں اپنی اس بات میں تیرے نزدیک سچا ہوں تو میری تصدیق فرما - اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق کی گئی اور وہ دونوں سن رہے تھے - پھر فرمایا' پروردگار کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس ایک سے زائد کپڑے ہوں اور میں نے کسی ننگے کو نہ دیئے ہوں - اگر میں اس میں سچا ہوں تو تو میری تصدیق آسمان سے کر اس پر بھی آپ کی تصدیق ان کے سنتے ہوئے کی گئی - پھر یہ دعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے کہ اے اللہ میں تو اب سجدے سے سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ تو مجھ سے ان تمام مصیبتوں کو دور نہ کر دے جو مجھ پر نازل ہوئی ہیں - چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی - اور اس سے پہلے کہ آپ سر اٹھائیں' تمام تکلیفیں اور بیماریاں آپ سے دور ہو گئیں جو آپ پر اتری تھیں -

ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس تک بلاؤں میں گھرے رہے پھر ان کے دو

دوستوں کے آنے کا اور بدگمانی کرنے کا ذکر ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میری تو یہ حالت تھی کہ راستہ چلتے دو شخصوں کو جھگڑتا دیکھتا اور ان میں سے کسی کو قسم کھاتے سن لیتا تو گھر آ کر اس کی طرف سے آپ کفارہ ادا کر دیتا کہ ایسا نہ ہو کہ اس نے اللہ کا نام ناحق لیا ہو۔ آپ اپنی اس بیماری میں اس قدر رنڈھال ہو گئے تھے کہ آپ کی بیوی صاحبہ آپ کے ہاتھ تھام کر پاخانہ پیشاب کے لئے لے جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کو حاجت تھی۔ آپ نے آواز دی لیکن انہیں آنے میں دیر لگی آپ کو سخت تکلیف ہوئی اسی وقت آسمان سے ندا آئی کہ اے ایوب اپنی ایڑی زمین پر مارو اسی پانی کو پی بھی لو اور اسی سے نہا بھی لو۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل غریب ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جنت کا حلہ نازل فرما دیا جسے پہن کر آپ یکسو ہو کر بیٹھ گئے جب آپ کی بیوی آئیں اور آپ کو نہ پہچان سکیں تو آپ سے پوچھنے لگیں' اے اللہ کے بندے یہاں ایک بیمار بیکس و بے بس تھے تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا ہوئے؟ کہیں انہیں بھیڑیئے نہ کھا گئے ہوں یا کتے نہ لے گئے ہوں۔ تب آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ بیمار ایوب میں ہی ہوں۔ بیوی صاحبہ کہنے لگیں' اے شخص تو مجھ دکھیا عورت سے ہنسی کر رہا ہے اور مجھے بنا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں' مجھے اللہ نے شفا دے دی اور یہ رنگ روپ بھی۔ آپ کا مال آپ کو واپس دیا گیا آپ کی اولاد وہی آپ کو واپس ملی اور ان کے ساتھ ہی ویسی ہی اور بھی۔ وحی میں یہ خوشخبری بھی آپ کو سنا دی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ قربانی کرو اور استغفار کرو۔ تیرے اپنوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کر لی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا فرمائی' آسمان سے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں جنہیں لے کر آپ نے اپنے کپڑے میں جمع کرنی شروع کر دیا تو آواز دی گئی کہ اے ایوب کیا تو اب تک آسودہ نہیں ہوا؟ آپ نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار تیری رحمت سے آسودہ کون ہو سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے' ہم نے اسے اس کے اہل عطا فرمائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرماتے ہیں' وہی لوگ واپس کئے گئے۔ آپ کی بیوی کا نام رحمت تھا۔ یہ قول اگر آیت سے سمجھا گیا ہے تو یہ بھی دور از کار امر ہے اور اگر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو وہ تصدیق وتکذیب کے قابل چیز نہیں۔ ابن عساکر نے ان کا نام اپنی تاریخ میں ''لیا'' بتایا ہے۔ یہ منشا بن یوسف بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت لیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی' حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں جو شفیعہ کی زمین میں آپ کے ساتھ تھیں۔ مروی ہے کہ آپ سے فرمایا گیا کہ تیری اہل سب جنت میں ہے تو کہہ تو میں ان سب کو یہاں دنیا میں لا دوں اور کہو تو وہیں رہنے دوں اور دنیا میں ان کا عوض دوں۔ آپ نے دوسری بات پسند فرمائی۔ پس آخرت کا اجر اور دنیا کا بدلہ دونوں آپ کو ملا۔ یہ سب کچھ ہماری رحمت کا ظہور تھا۔ اور ہمارے سچے عابدوں کے لئے نصیحت وعبرت تھی۔ آپ اہل بلا کے پیشوا تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ مصیبتوں میں پھنسے ہوئے لوگ اپنے لئے آپ کی ذات میں عبرت دیکھیں۔ بے صبری سے ناشکری نہ کرنے لگیں اور لوگ انہیں اللہ کے برے بندے نہ سمجھیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کا پہاڑ' ثابت قدمی کا نمونہ تھے۔ اللہ کے لکھے پر' اس کے امتحان پر' انسان کو صبر و برداشت کرنی چاہئے۔ نہ جانے قدرت در پردہ اپنی کیا کیا حکمتیں دکھا رہی ہے۔

وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا ٱلْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٨٥﴾ وَأَدْخَلْنَٰهُمْ
فِى رَحْمَتِنَآ ۖ إِنَّهُم مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٨٦﴾

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل' یہ سب صابر لوگ تھے ○ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا' یہ لوگ سب نیک تھے ○

ذوالکفل نبی نہیں بزرگ تھے: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۶) حضرت اسمٰعیل، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے فرزند تھے۔ سورہ مریم میں ان کا واقعہ بیان ہو چکا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر گزر چکا ہے۔ ذوالکفل بظاہر تو نبی ہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ نبیوں کے ذکر میں ان کا نام آیا ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ نبی نہ تھے بلکہ ایک صالح شخص تھے اپنے زمانے کے بادشاہ تھے بڑے ہی عادل اور بامروت۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ اس میں توقف کرتے ہیں واللہ اعلم۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ایک نیک بزرگ تھے جنہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے عہد و پیمان کئے اور ان پر قائم رہے۔ قوم میں عدل و انصاف کیا کرتے تھے۔ مروی ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام بہت بوڑھے ہو گئے تو ارادہ کیا کہ میں اپنی زندگی میں ہی ان کو خلیفہ مقرر کر دوں اور دیکھ لوں کہ وہ کیسے عمل کرتا ہے؟ لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ تین باتیں جو شخص منظور کرے، میں اسے خلافت سونپتا ہوں۔ دن بھر روزے سے رہے، رات رات بھر قیام کرے اور کبھی بھی غصے نہ ہو۔ کوئی اور تو کھڑا نہ ہوا ایک شخص جسے لوگ بہت ہلکے درجے کا سمجھتے تھے، کھڑا ہوا اور کہنے لگا، میں اس شرط کو پوری کر دوں گا آپ نے پوچھا یعنی تو دنوں میں روزے سے رہے گا اور راتوں کو تہجد پڑھتا رہے گا اور غصہ نہ کرے گا؟ اس نے کہا ہاں۔ یسع علیہ السلام نے فرمایا، اچھا اب کل سہی۔ دوسرے روز بھی آپ نے اسی طرح مجلس میں عام سوال کیا لیکن اس شخص کے سوا کوئی اور کھڑا نہ ہوا۔ چنانچہ انہی کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ اب شیطان نے چھوٹے چھوٹے شیاطین کو اس بزرگ کے بہکانے کے لئے بھیجنا شروع کیا۔ مگر کسی کی کچھ نہ چلی۔

ابلیس خود چلا دوپہر کو قیلولے کے لئے آپ لیٹے ہی تھے جو خبیث نے کنڈیاں پیٹنی شروع کر دیں آپ نے دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہنا شروع کیا کہ میں ایک مظلوم ہوں فریادی ہوں میری قوم مجھے ستا رہی ہے۔ میرے ساتھ انہوں نے یہ کیا یہ کیا، اب جو لمبا قصہ سنانا شروع کیا تو کسی طرح ختم ہی نہیں کرتا نیند کا سارا وقت اسی میں چلا گیا اور حضرت ذوالکفل دن رات میں بس صرف اسی وقت ذرا سی دیر کے لئے سوتے تھے۔ آپ نے فرمایا، اچھا شام کو آنا۔ میں تمہارا انصاف کر دوں گا۔ اب شام کو آپ جب فیصلے کرنے لگے، ہر طرف اسے دیکھتے ہیں لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں یہاں تک کہ خود جا کر ادھر ادھر بھی تلاش کیا مگر اسے نہ پایا۔ دوسری صبح کو بھی وہ نہ آیا پھر جہاں آپ دوپہر کو دو گھڑی آرام کرنے کے ارادے سے لیٹے جو یہ خبیث آ گیا اور دروازہ ٹھونکنے لگا آپ نے کھول دیا اور فرمانے لگے میں نے تو تم سے شام کو آنے کو کہا تھا منتظر رہا لیکن تم نہ آئے۔ وہ کہنے لگا، حضرت کیا بتاؤں جب میں نے آپ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو وہ کہنے لگے، تم نہ جاؤ، ہم تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں، میں رک گیا، پھر انہوں نے اب انکار کر دیا اور بھی کچھ لمبے چوڑے واقعات بیان کرنے شروع کر دیئے اور آج کی نیند بھی کھوئی۔ اب شام کو پھر انتظار کیا لیکن نہ اسے آنا تھا نہ آیا۔

تیسرے دن آپ نے آدمی مقرر کیا کہ دیکھو کوئی دروازے پر نہ آنے پائے، مارے نیند کے میری حالت غیر ہو رہی ہے۔ آپ ابھی لیٹے ہی تھے جو وہ مردود پھر آ گیا۔ چوکیدار نے اسے روکا۔ یہ ایک طاق میں سے اندر گھس گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ آپ نے اٹھ کر پہرے دار سے کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں ہدایت کر دی تھی پھر بھی اپنے دروازے کے اندر کسی کو آنے دیا اس نے کہا، نہیں میری طرف سے کوئی نہیں آیا۔ اب جو غور سے آپ نے دیکھا تو دروازے کو بند پایا۔ اور اس شخص کو اندر موجود پایا۔ آپ پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے اس وقت شیطان نے کہا اے ولی اللہ میں تجھ سے ہارا نہ تو نے رات کا قیام ترک کیا نہ تو اس نوکر پر ایسے موقعہ پر غصے ہوا پس اللہ نے ان کا نام ذوالکفل رکھا۔ اس لئے کہ جن باتوں کی انہوں نے کفالت لی تھی، انہیں پورا کر دکھایا۔ (ابن ابی حاتم) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کچھ تفسیر کے ساتھ یہ قصہ مروی ہے اس میں ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک قاضی نے بوقت مرگ کہا تھا کہ میرے بعد میرا عہدہ کون سنبھالتا

ہے؟ اس نے کہا' میں چنانچہ ان کا نام ذوالکفل ہوا۔ اس میں ہے کہ شیطان جب ان کے آرام کے وقت آیا' پہرے والوں نے روکا' اس نے اس قدر غل مچایا کہ آپ جاگ گئے' دوسرے دن بھی یہی کیا' تیسرے دن بھی یہی کیا۔ اب آپ اس کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ میں تیرے ساتھ چل کر تیرا حق دلواتا ہوں لیکن راستے میں سے وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت اشعری نے منبر پر فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہ تھا بنواسرائیل کا ایک صالح شخص تھا جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا اس کے بعد انہوں نے اس قسم کی عبادتوں کا ذمہ اٹھایا۔ اس لئے انہیں ذوالکفل کہا گیا۔ ایک منقطع روایت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی یہ منقول ہے۔ ایک غریب حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں ہے اس میں کفل کا ایک واقعہ بیان ہے ذوالکفل نہیں کہا گیا۔ بہت ممکن ہے یہ کوئی اور صاحب ہوں واقعہ اس حدیث میں یہ ہے کہ کفل نامی ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے بچتا نہ تھا ایک مرتبہ اس نے ایک عورت کو ساٹھ دینار دے کر بدکاری کے لئے آمادہ کیا جب اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے تیار ہوا تو وہ عورت رونے اور کانپنے لگی۔ اس نے کہا' میں نے تجھ پر کوئی زبردستی تو کی نہیں' پھر رونے اور کانپنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا' میں نے ایسی کوئی نافرمانی آج تک اللہ تعالیٰ کی نہیں کی اس وقت میری محتاجی نے مجھے یہ برا دن دکھایا ہے۔ کفل نے کہا' تو ایک گناہ پر اس قدر پریشان ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نے کبھی ایسا نہیں کیا؟ اسی وقت اسے چھوڑ کر اس سے الگ ہو گیا اور کہنے لگا' جا یہ دینار میں نے تجھے بخشے۔ قسم اللہ کی آج سے میں کسی قسم کی اللہ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ شان الٰہی اسی رات اس کا انتقال ہوتا ہے۔ صبح لوگ دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر قدرتی حروف سے لکھا ہوا تھا کہ اللہ نے کفل کو بخش دیا۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ
فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ
نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

ذوالنون کو یاد کر جب کہ وہ غصے سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے تنگ نہ پکڑیں گے۔ پھر تو اندھیریوں کے اندر سے پکار اٹھے کہ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں ہو گیا ○ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی۔ ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں ○

یونس علیہ السلام اور ان کی امت : ☆☆ (آیت:۸۷-۸۸) یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورۂ صافات میں بھی ہے اور سورہ نون میں بھی ہے۔ یہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے انہیں موصل کے علاقے کی بستی نینوا کی طرف نبی بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ آپ نے اللہ کی راہ کی دعوت دی لیکن قوم ایمان نہ لائی۔ آپ وہاں سے ناراض ہو کر چل دیئے اور ان لوگوں سے کہنے لگے کہ تین دن میں تم پر عذاب الٰہی آ جائے گا۔ جب انہیں اس بات کی تحقیق ہو گئی اور انہوں نے جان لیا کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹے نہیں ہوتے تو یہ سب کے سب چھوٹے بڑے مع اپنے جانوروں اور مویشیوں کے جنگل میں نکل کھڑے ہوئے۔ بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا اور بلک بلک کر نہایت گریہ و زاری سے جناب باری تعالیٰ میں فریاد شروع کر دی ادھر ان کی آہ و بکا' ادھر جانوروں کی بھیانک صدا غرض رحمت الٰہی متوجہ ہو گئی۔ عذاب اٹھا لیا گیا جیسے فرمان ہے فَلَوْلَا كَانَتْ الخ' یعنی عذابوں کی تحقیق کے بعد کے ایمان نے کسی کو نفع نہیں دیا سوائے قوم یونس کے کہ ان کے ایمان کی وجہ سے ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لئے اور دنیا کی رسوائی سے انہیں بچا لیا اور موت تک کی مہلت دے دی۔

حضرت یونس علیہ السلام یہاں سے چل کر ایک کشتی میں سوار ہوئے آگے جا کر طوفان کے آثار نمودار ہوئے قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے' مشورہ یہ ہوا کہ کسی آدمی کو دریا میں ڈال دینا چاہئے کہ وزن کم ہو جائے قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا لیکن کسی نے آپ کو دریا میں ڈالنا پسند نہ کیا' دوبارہ قرعہ اندازی ہوئی آپ ہی کا نام نکلا' تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالا اب کی مرتبہ بھی آپ ہی کا نام نکلا چنانچہ خود قرآن میں ہے فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ اب کے حضرت یونس علیہ السلام خود کھڑے ہو گئے' کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑے۔ بحر اخضر سے بحکم الٰہی ایک مچھلی پانی کاٹتی ہوئی آئی اور آپ کو لقمہ کر گئی۔ لیکن بحکم الٰہی نہ آپ کی ہڈی ٹوٹی نہ جسم کو کچھ نقصان پہنچایا۔ آپ اس کے لئے غذا نہ تھے بلکہ اس کا پیٹ آپ کے لئے قید خانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت مچھلی کی طرف کی گئی۔ عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ آپ کا غضب وغصہ آپ کی قوم پر تھا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ آپ کو تنگ نہ پکڑے گا۔ پس یہاں نَقْدِرَ کے یہی معنی حضرت ابن عباس' مجاہد' ضحاک رحمھم اللہ وغیرہ نے کئے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اس کی تائید آیت وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عطیہ عوفی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم اس پر مقدر نہ کریں گے قَدَرَ اور قَدَّرَ دونوں لفظ ایک معنی میں بولے جاتے ہیں اس کی سند میں عربی کے شعر کے علاوہ آیت فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ ان اندھیریوں میں پھنس کر اب یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ سمندر کے تلے کا اندھیرا' پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا' پھر رات کا اندھیرا' یہ اندھیرے سب جمع تھے۔ آپ نے سمندر کی تہہ کی کنکریوں کی تسبیح سنی اور خود بھی تسبیح کرنی شروع کی۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں جا کر پہلے تو سمجھے کہ میں مر گیا پھر پیر کو ہلایا تو یقین ہوا کہ میں زندہ ہوں۔ وہیں سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے' بارالٰہی' میں نے تیرے لئے اس جگہ کو مسجد بنایا جسے اس سے پہلے کسی نے جائے سجود نہ بنایا ہو گا۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے قید کا ارادہ کیا تو مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو نگل لے لیکن اس طرح کہ نہ ہڈی ٹوٹے نہ جسم پر خراش آئے جب آپ سمندر کی تہہ میں پہنچے تو وہاں تسبیح سن کر حیران رہ گئے وحی آئی کہ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے چنانچہ آپ نے بھی تسبیح اللہ شروع کر دی۔ اسے سن کر فرشتوں نے کہا کہ بارالٰہی یہ آواز تو بہت دور کی اور بہت کمزور ہے۔ کس کی ہے؟ ہم تو نہیں پہچان سکے۔ جواب ملا کہ یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ اس نے میری نافرمانی کی میں نے اسے مچھلی کے پیٹ کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے کہا پروردگار ان کے نیک اعمال تو دن رات کے ہر وقت چڑھتے ہی رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے۔ تفسیر ابن کثیر کے ایک نسخے میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے تئیں یونس بن متی سے افضل کہے۔ اللہ کے اس بندے نے اندھیریوں میں اپنے رب کی تسبیح بیان کی ہے۔ اوپر جو روایت گزری' اس کی وہی ایک سند ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دعا کی تو یہ کلمات عرش کے اردگرد گھومنے لگے فرشتے کہنے لگے بہت دور دراز کی یہ آواز ہے لیکن کان اس سے پہلے اس سے آشنا ضرور ہیں' آواز بہت ضعیف ہے۔ جناب باری نے فرمایا' کیا تم نے پہچانا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں' فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا' وہی یونس جس کے پاک عمل قبول شدہ ہر روز تیری طرف چڑھتے تھے اور جن کی دعائیں تیرے پاس مقبول تھیں۔ الٰہی جیسے وہ آرام کے وقت نیکیاں کرتا تھا' تو اس مصیبت کے وقت اس پر رحم کر' اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو بغیر کسی تکلیف کے کنارے پر اگل دے۔

استغفار موجب نجات ہے: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور غم سے نجات دے دی۔ ان اندھیروں سے نکال دیا۔

اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ وہ مصیبتوں میں گھر کر ہمیں پکارتے ہیں اور ہم ان کی دستگیری فرما کر تمام مشکلیں آسان کر دیتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ اس دعائے یونس کو پڑھیں۔ سید الانبیاء رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مسند احمد، ترمذی وغیرہ میں ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں مسجد میں گیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تھے۔ میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا اور میرے سلام کا جواب نہ دیا میں نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آ کر شکایت کی آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا۔ ان سے واقعہ کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا، نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا نہ یہ کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا ہو۔ اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھالی پھر کچھ خیال کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے توبہ واستغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے۔ آپ نکلے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ واللہ مجھے جب وہ یاد آتی ہے میری آنکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا جو ایک اعرابی آ گیا اور آپ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا یہ وقت گزر گیا اب حضور ﷺ وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ گھر کے قریب پہنچ گئے، مجھے ڈر لگا کہ کہیں آپ اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ نہ جاؤں تو میں نے زور زور سے زمین پر پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابو اسحاق؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں۔ آپ نے فرمایا، کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضور ﷺ آپ نے اول دعا کا ذکر کیا پھر وہ اعرابی آ گیا اور آپ کو مشغول کر لیا آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ دعا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ سنو جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، جو بھی حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کے ساتھ دعا کرے، اس کی دعا ضرور قبول کی جائے گی۔ ابو سعید فرماتے ہیں، اسی آیت میں اس کے بعد ہی فرمان ہے ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، اللہ کا وہ نام جس سے وہ پکارا جائے تو قبول فرمالے اور جو مانگا جائے، وہ عطا فرمائے، وہ حضرت یونس بن متی کی دعا میں ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے کہا، یا رسول اللہ، وہ حضرت یونس کے لئے ہی خاص تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے، فرمایا ان کے لئے خاص اور تمام مسلمانوں کے لئے عام۔ جو بھی یہ دعا کرے۔ کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ اسے غم سے چھڑایا اور اسی طرح ہم مومنوں کو چھڑاتے ہیں۔ پس جو بھی اس دعا کو کرے، اس سے اللہ کا قبولیت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، کثیر بن سعید فرماتے ہیں، میں نے امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابو سعید اللہ کا وہ اسم اعظم کہ جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے، اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے، کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ برادر زادے، کیا تم نے قرآن کریم میں اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟ پھر آپ نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا بھتیجے یہی اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ
الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ
زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا
رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾

زکریا کو یاد کر جب کہ اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے تنہا نہ چھوڑ ○ تو سب سے بہتر وارث ہے۔ ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحیٰی عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لئے بھلا چنگا کر دیا' یہ بزرگ لوگ نیکیوں کی طرف دوڑا کرتے تھے اور ہمیں لالچ' طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے پوری عاجزی کرنے والے تھے ○

دعا اور بڑھاپے میں اولاد : ☆☆ (آیت:۸۹-۹۰) اللہ تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ مجھے اولاد ہو جو میرے بعد نبی بنے۔ سورہ مریم میں اور سورہ آل عمران میں یہ واقعہ تفصیل سے ہے آپ نے یہ دعا لوگوں سے چھپا کر کی تھی۔ مجھے تنہا نہ چھوڑ یعنی بے اولاد۔ دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کی ثنا کی جیسے کہ اس دعا کے لائق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی بیوی صاحبہ کو جنہیں بڑھاپے تک کوئی اولاد نہ ہوئی تھی' اولاد کے قابل بنا دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں' ان کی طول زبانی بند کر دی۔ بعض کہتے ہیں' ان کے اخلاق کی کمی پوری کر دی۔ لیکن الفاظ قرآن کے قریب پہلا معنی ہی ہے۔ یہ سب بزرگ نیکیوں کی طرف اور اللہ کی فرمانبرداری کی طرف بھاگ دوڑ کرنے والے تھے۔ اور لالچ اور ڈر سے اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے اور سچے مومن' رب کی باتیں ماننے والے' اللہ کا خوف رکھنے والے' تواضع انکساری اور عاجزی کرنے والے' اللہ کے سامنے اپنی فروتنی ظاہر کرنے والے تھے۔

مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا' لوگو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کی پوری ثنا و صفت بیان کرتے رہنے کی اور لالچ اور خوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع و خضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو اللہ عزوجل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانے کی یہی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا
وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۡ
وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ
اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا ع ۱۸
كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾

اور وہ پاک دامن بیوی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی' ہم نے آپ ان میں اپنے پاس کی روح پھونک دی اور خود انہیں اور ان کے لڑکے کو تمام جہان کے لئے نشان قدرت کر دیا ○ یہ ہے تم سب کا دین۔ ایک ہی دین اور میں تم سب کا پروردگار۔ پس تم میری ہی عبادت کرو ○ لوگوں نے آپ اپنے دین میں فرقہ

بندیاں کرلیں، سب کے سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں ○ جو بھی نیک عمل کرے اور ہو بھی وہ مومن تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں، ہم تو اس کے لکھ لینے والے ہیں ○

بلاشوہر اولاد: ☆☆ (آیت: ۹۱) حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے۔ قرآن کریم میں عموماً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے قصے کے ساتھ ہی ان کا قصہ بیان ہوتا رہا ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں پورا ربط ہے۔ حضرت زکریاؑ پورے بڑھاپے کے عالم میں، آپ کی بیوی صاحبہ جوانی سے گزری ہوئی اور پوری عمر کی بے اولاد، ان کے ہاں اولاد عطا فرمائی۔ اس قدرت کو دکھا کر پھر محض عورت کو بغیر شوہر کے اولاد عطا فرمانا، یہ اور قدرت کا کمال ظاہر کرتا ہے۔ سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں بھی یہی ترتیب ہے مراد عصمت والی عورت سے حضرت مریم ہیں جیسے فرمان ہے وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا الخ، یعنی عمران کی لڑکی مریم جو پاکدامن تھیں، انہیں اور ان کے لڑکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی بے نظیر قدرت کا نشان بنایا کہ مخلوق کو اللہ کی ہر طرح کی قدرت اور اس کے پیدائش پر وسیع اختیارات اور صرف اپنے ارادے سے چیزوں کا بنانا معلوم ہو جائے۔ عیسیٰ علیہ السلام قدرت الٰہی کی ایک علامت تھے جنات کے لئے بھی اور انسان کے لئے بھی۔

تمام شریعتوں کی روح توحید: ☆☆ (آیت: ۹۲-۹۴) فرمان ہے کہ تم سب کا دین ایک ہی ہے۔ اوامر و نواہی کے احکام تم سب میں یکساں ہیں هٰذِهٖ اسم ہے اِنَّ کا اور اُمَّتُكُمْ خبر ہے اور اُمَّةً وَّاحِدَةً حال ہے۔ یعنی یہ شریعت جو بیان ہوئی، تم سب کی متفق علیہ شریعت ہے۔ جس کا اصلی مقصود توحید الٰہی ہے جیسے آیت يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ سے فَاتَّقُوْنِ تک ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ہم انبیاء کی جماعت ایسے ہے جیسے ایک باپ کے فرزند کہ دین سب کا ایک ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اگرچہ احکامات شرع مختلف ہیں۔ جیسے فرمان قرآن ہے وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ہر ایک کی راہ اور طریقہ ہے۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا بعض اپنے نبیوں پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ قیامت کے دن سب کا لوٹنا ہماری طرف ہے، ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، نیکوں کو نیک بدلہ اور بروں کو بری سزا۔ جس کے دل میں ایمان ہو اور جس کے اعمال نیک ہوں، اس کے اعمال اکارت نہ ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا نیک کام کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے۔ ایسے اعمال کی قدردانی کرتے ہیں، ایک ذرے کے برابر ہم ظلم روا نہیں رکھتے، تمام اعمال لکھ لیتے ہیں، کوئی چیز چھوڑتے نہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا
فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾

جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس پر لازم ہے کہ وہاں کے لوگ پھر کر نہیں آنے والے ○ یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑے آئیں ○ اور سچا وعدہ قریب آ لگے۔ اس وقت کافروں کی نگاہیں اچانک اوپر کی طرف ہی پھٹی رہ جائیں، ہائے افسوس ہم تو اس حال سے غافل تھے بلکہ فی

الواقع ہم قصوروار تھے ○

یافث کی اولاد: ☆☆ (آیت: ۹۵-۹۷) ہلاک شدہ لوگوں کا دنیا کی طرف پھر پلٹنا محال ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ان کی توبہ مقبول نہیں۔ لیکن پہلا قول اولیٰ ہے۔ یاجوج ماجوج نسل آدم سے ہیں۔ بلکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے یافث کی اولاد میں سے ہیں جن کی نسل ترک ہے۔ یہ بھی انہی کا ایک گروہ ہے۔ یہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کے باہر ہی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ آپ نے دیوار بنا کر فرمایا تھا کہ یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ اللہ کے وعدے کے وقت اس کا چورا چورا ہو جائے گا۔ میرے رب کا وعدہ حق ہے الخ' یاجوج ماجوج قرب قیامت کے وقت وہاں سے نکل آئیں گے اور زمین میں فساد مچا دیں گے۔ ہر اونچی جگہ کو عربی میں حدب کہتے ہیں۔ ان کے نکلنے کے وقت ان کی یہی حالت ہوگی تو اس خبر کو اس طرح بیان کیا جیسے سننے والا اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہے اور واقع میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی خبر کس کی ہوگی؟ جو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ ہو چکی ہوئی اور ہونے والی باتوں سے آگاہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لڑکوں کو اچھلتے کودتے' کھیلتے دوڑتے' ایک دوسروں کی چٹکیاں بھرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا' اسی طرح یاجوج ماجوج آئیں گے۔ بہت سی حدیثوں میں ان کے نکلنے کا ذکر ہے۔

(۱) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ لوگوں کے پاس پہنچیں گے جیسے اللہ عزوجل کا فرمان ہے وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وہ چھا جائیں گے اور مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں میں سمٹ آئیں گے اپنے جانوروں کو بھی وہیں لے لیں گے اور اپنا پانی انہیں پلاتے رہیں گے یاجوج ماجوج جس نہر سے گزریں گے' اس کا پانی صفاچٹ کر جائیں گے یہاں تک کہ اس میں خاک اڑنے لگے گی ان کی دوسری جماعت جب وہاں پہنچے گی تو وہ کہے گی شاید اس میں کسی زمانے میں پانی ہوگا۔ جب یہ دیکھیں گے کہ اب زمین پر کوئی نہ رہا اور واقع میں سوائے ان مسلمانوں کے جو اپنے شہروں اور قلعوں میں پناہ گزیں ہوں گے' کوئی اور وہاں ہوگا بھی نہیں تو یہ کہیں گے کہ اب زمین والوں سے تو ہم فارغ ہو گئے آؤ آسمان والوں کی خبر لیں۔ چنانچہ ان میں کا ایک شریر اپنا نیزہ گھما کر آسمان کی طرف پھینکے گا قدرت الٰہی سے وہ خون آلود ہو کر ان کے پاس گرے گا یہ بھی ایک قدرتی آزمائش ہوگی اب ان کی گردنوں میں گٹھلی ہو جائے گی اور اسی وبا میں یہ سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم مر جائیں گے ایک بھی باقی نہ رہے گا سارا شور وغل ختم ہو جائے گا۔ مسلمان کہیں گے' کوئی ہے جو اپنی جان ہم مسلمانوں کے لئے ہتھیلی پر رکھ کر شہر کے باہر جائے اور ان دشمنوں کو دیکھے کہ کس حال میں ہیں؟ چنانچہ ایک صاحب اس کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اپنے تئیں قتل شدہ سمجھ کر راہ اللہ میں مسلمانوں کی خدمت کے لئے نکل کھڑے ہوں گے دیکھیں گے کہ سب کا ڈھیر لگ رہا ہے سارے ہلاک شدہ پڑے ہوئے ہیں یہ اسی وقت ندا کرے گا کہ مسلمانو خوش ہو جاؤ اللہ نے خود تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا یہ ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ اب مسلمان باہر آئیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی لائیں گے ان کے لئے چارہ بجز ان کے گوشت کے اور کچھ نہ ہوگا یہ ان کا گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔

(۲) مسند احمد میں ہے حضور ﷺ نے ایک دن صبح ہی صبح دجال کا ذکر کیا اس طرح پر کہ ہم سمجھے' شاید وہ ان درختوں کی آڑ میں ہے اور اب نکلا ہی چاہتا ہے' آپ فرمانے لگے' مجھے دجال سے زیادہ خوف تم پر اور چیز کا ہے۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا ورنہ تم میں سے ہر شخص اس سے بچے۔ میں تمہیں اللہ کی امان میں دے رہا ہوں۔ وہ جواں عمر' الجھے ہوئے بالوں والا' کانا اور ابھری ہوئی آنکھ والا ہے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں گھومے گا۔ اے بندگان رب تم ثابت قدم رہنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ کتنا ٹھہرے گا؟

آپ نے فرمایا چالیس دن، ایک دن مثل ایک برس کے، ایک دن مثل ایک مہینے کے، ایک دن مثل ایک جمعہ کے اور باقی دن معمولی دنوں جیسے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا، اس میں ہمیں یہی پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں تم اپنے اندازے سے وقت پر نماز پڑھتے رہا کرنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ اس کی رفتار کیسی ہوگی؟ فرمایا جیسے بادل کہ ہوا انہیں ادھر سے ادھر بھگائے لئے جاتی ہو۔ ایک قبیلے کے پاس جائے گا، انہیں اپنی طرف بلائے گا، وہ اس کی مان لیں گے، آسمان کو حکم دے گا کہ ان پر بارش برسائے، زمین سے کہے گا کہ ان کے لئے پیداوار اگائے، ان کے جانوران کے پاس موٹے تازے بھرے پیٹ لوٹیں گے۔ ایک قبیلے کے پاس جا کر اپنے تئیں منوانا چاہے گا وہ انکار کر دیں گے یہ وہاں سے نکلے گا تو ان کے تمام مال اس کے پیچھے لگ جائیں گے وہ بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے وہ غیر آباد جنگلوں میں جائے گا اور زمین سے کہے گا، اپنے خزانے اگل دے۔ وہ اگل دے گی اور سارے خزانے اس کے پیچھے ایسے چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے۔ یہ بھی دکھائے گا کہ ایک شخص کو تلوار سے ٹھیک دو ٹکڑے کرا دے گا اور ادھر ادھر دور دراز پھینکوا دے گا پھر اس کا نام لے کر آواز دے گا تو وہ زندہ چلتا پھرتا اس کے پاس آ جائے گا یہ اسی حال میں ہوگا جو اللہ عزوجل حضرت مسیح ابن مریم کو اتارے گا آپ دمشق کی مشرقی طرف سفید منارے کے پاس اتریں گے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے آپ اس کا پیچھا کریں گے اور مشرقی باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرف اللہ کی وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن سے لڑنے کی تم میں تاب وطاقت نہیں میرے بندوں کو طور کی طرف سمیٹ لے جا۔ پھر جناب باری یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جیسے فرمایا وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ان سے تنگ آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی جناب باری میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر گٹھلی کی بیماری بھیجے گا جو ان کی گردن میں نکلے گی سارے کے سارے اوپر تلے ایک ساتھ ہی مر جائیں گے تب عیسیٰ علیہ السلام مع مومنوں کے آئیں گے، دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں سے پٹی پڑی ہے اور ان کی بدبو سے کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ آپ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرند بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر اللہ جانے کہاں پھینک آئیں گے؟ کعب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں، مہیل میں یعنی سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں انہیں پھینک آئیں گے۔ پھر چالیس دن تک تمام زمین پر متواتر پیہم مسلسل بارش برسے گی۔ زمین دھل دھلا کر ہتھیلی کی طرح صاف ہو جائے گی۔ پھر بحکم الٰہی اپنی برکتیں اگا دے گی، اس دن ایک جماعت کی جماعت ایک انار سے سیر ہو جائے گی اور اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کر لے گی۔ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کو اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو اور ایک بکری کا دودھ ایک گھرانے کو کافی ہوگا۔ پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی بغلوں تلے سے نکل جائے گی اور ان کی روح قبض ہو جائے گی پھر روئے زمین پر بدترین شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کودتے ہوں گے انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں۔

(۳) مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ کو ایک بچھو نے کاٹ کھایا تھا تو آپ اپنی انگلی پر پٹی باندھے ہوئے خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کہتے ہو اب دشمن نہیں ہیں لیکن تم تو دشمنوں سے جہاد کرتے ہی رہو گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج آئیں۔ وہ چوڑے چہرے والے، چھوٹی آنکھوں والے، ان کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں جیسے ہوں گے۔

(۴) یہ روایت سورہ اعراف کی تفسیر کے آخر میں بیان کر دی گئی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج والی رات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے روز قیامت کا مذاکرہ شروع ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے علم سے انکار کر دیا اسی طرح

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کے واقع ہونے کے وقت کو تو بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں مجھ سے میرے اللہ نے یہ تو فرمایا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے۔ اس کے ساتھ دو ٹہنیاں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ اسے ہلاک کر دے جب کہ وہ مجھے دیکھے یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی پکار اٹھیں گے کہ اے مسلم یہ ہے میرے سایہ تلے کافر۔ آ اور اسے قتل کر۔ پس اللہ انہیں ہلاک کرے گا اور لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر اونچائی سے پھدکتے آئیں گے جو پائیں گے تباہ کر دیں گے' پانی جتنا پائیں گے' پی جائیں گے۔ لوگ پھر تنگ آ کر اپنے وطنوں میں محصور ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ شکایت کریں گے تو میں پھر اللہ سے دعا کروں گا' اللہ انہیں غارت کر دے' ساری زمین پر ان کی بدبو پھیل جائے گی پھر بارش برسے گی اور پانی کا بہاؤ ان کے سڑے ہوئے جسموں کو گھسیٹ کر دریا برد کر دے گا۔ میرے رب نے مجھ سے فرمادیا ہے کہ جب یہ سب کچھ ظہور میں آ جائے گا' پھر تو قیامت کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے پورے دنوں حمل والی عورت کا وضع حمل ہونا کہ گھر والوں کو فکر ہوتی ہے کہ صبح بچہ ہوا یا شام ہوا' دن کو ہوا یا رات کو ہوا۔ (ابن ماجہ)۔

اس کی تصدیق کلام اللہ شریف کی اس آیت میں موجود ہے۔ اس بارے میں حدیثیں بکثرت ہیں اور آثار سلف بھی بہت ہیں۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج کے نکلنے کے وقت وہ دیوار کو کھودیں گے یہاں تک کہ ان کی کدالوں کی آواز پاس والے بھی سنیں گے۔ رات ہو جائے گی۔ ان میں سے ایک کہے گا کہ اب صبح آتے ہی اسے توڑ ڈالیں گے اور نکل کھڑے ہوں گے۔ صبح یہ آئیں گے تو جیسی کل تھی ویسی ہی آج بھی پائیں گے الغرض یونہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کو ان کا نکلنا جب منظور ہوگا تو ایک شخص کی زبان سے نکلے گا کہ ہم کل ان شاء اللہ اسے توڑ دیں گے۔ اب جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے ویسی ہی پائیں گے تو کھود کر توڑ دیں گے اور باہر نکل آئیں گے۔ ان کا پہلا گروہ بحیرہ کے پاس سے نکلے گا۔ سارا پانی پی جائے گا۔ دوسرا آئے گا تو کیچڑ بھی چاٹ جائے گا۔ تیسرا آئے گا تو کہے گا شاید یہاں کسی وقت پانی ہوگا؟ لوگ ان سے بھاگ بھاگ کر ادھر ادھر چھپ جائیں گے۔ جب انہیں کوئی بھی نظر نہ پڑے گا تو یہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے وہاں سے وہ خون آلود ان کی طرف واپس آئیں گے تو یہ فخر کریں گے کہ ہم زمین والوں پر اور آسمان والوں پر غالب آ گئے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے لیے بددعا کریں گے کہ اللہ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں اور زمین پر ہمارا چلنا پھرنا بھی ضروری ہے تو ہمیں جس طریقے سے چاہے' ان سے نجات دے تو اللہ ان کو طاعون میں مبتلا کرے گا' گلٹیاں نکل آئیں گی اور سارے کے سارے مر جائیں گے پھر ایک قسم کے پرند آئیں گے جو اپنی چونچ میں انہیں لے کر سمندر میں پھینک آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ نہر حیات جاری کر دے گا جو زمین کو دھو کر پاک صاف کر دے اور زمین اپنی برکتیں نکال دے گی ایک انار ایک گھرانے کو کافی ہوگا اچانک ایک شخص آئے گا اور ندا کرے گا کہ ذوالسویقتین نکل آیا ہے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سات آٹھ سو لشکریوں کا طلایہ بھیجیں گے۔ یہ ابھی راستے میں ہی ہوں گے کہ یمنی پاک ہوا نہایت لطافت سے چلے گی۔ جو تمام مومنوں کی روح قبض کرے گی پھر تو روئے زمین پر ردی کھدی لوگ رہ جائیں گے جو چوپایوں جیسے ہوں گے ان پر قیامت قائم ہوگی اس وقت قیامت اس قدر قریب ہوگی جیسے پورے دنوں کی گھوڑی جو جننے کے قریب ہو اور گھوڑی والا اس کے آس پاس گھوم رہا ہو کہ کب بچہ ہو۔ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ یہ بیان فرما کر فرمانے لگے' اب جو شخص میرے اس قول اور اس علم کے بعد بھی کچھ کہے' اس نے تکلف کیا۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بیان کرنا بہترین واقعہ ہے کیونکہ اس کی شہادت صحیح حدیثوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں بیت اللہ شریف کا حج بھی کریں گے۔

چنانچہ مسند امام احمد میں یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے کہ آپ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد یقیناً بیت اللہ کا حج کریں گے۔ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ جب یہ ہولناکیاں، جب یہ زلزلے، جب یہ بلائیں اور آفتیں آ جائیں گی تو اس وقت قیامت بالکل قریب آ جائے گی اسے دیکھ کر کافر کہنے لگیں گے، یہ نہایت سخت دن ہے۔ ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی اور کہنے لگیں گے، ہائے ہم تو غفلت میں ہی رہے۔ ہائے ہم نے اپنا آپ بگاڑا۔ گناہوں کا اقرار اور اس پر شرمسار ہوں گے لیکن اب بے سود ہے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ
لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا
يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں جانے والے ہو ○ اگر یہ سچے معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے، سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ وہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے ○ جن کے لئے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے، وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے ○ وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے، اور اپنی من مانی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ○ وہ بڑی گھبراہٹ بھی انہیں غمگین نہ کر سکے گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے رہے ○

جہنم کی ہولناکیاں: ☆☆ (آیت: ۹۸-۱۰۳) بت پرستوں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کی آگ کی لکڑیاں بنو گے جیسے فرمان ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ حبشی زبان میں حطب کو حصب کہتے ہیں یعنی لکڑیاں۔ بلکہ ایک قرات میں بجائے حصب کے حطب ہے۔ تم سب عابد و معبود جہنمی ہو اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔ اگر یہ سچے معبود ہوتے تو کیوں آگ میں جلتے؟ یہاں تو پرستار اور پرستش کئے جانے والے سب ابدی طور پر دوزخی ہو گئے۔ وہ الٹی سانس میں چیخیں گے۔ جیسے فرمان ہے لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ وہ سیدھی الٹی سانسوں سے چیخیں گے اور چیخوں کے سوا ان کے کان میں اور کوئی آواز نہ پڑے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب صرف مشرک جہنم میں رہ جائیں گے، انہیں آگ کے صندوقوں میں قید کر دیا جائے گا جن میں آگ کے سریے ہوں گے ان میں سے ہر ایک کو یہی گمان ہو گا کہ جہنم میں اس کے سوا اور کوئی نہیں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن جریر)۔ حسنیٰ سے مراد رحمت و سعادت ہے۔ جہنمیوں کا اور ان کے عذابوں کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کا اور ان کی جزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ لوگ باایمان تھے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے سعادت ان کے استقبال کو تیار تھی جیسے فرمان ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ نیکوں کے لئے نیک اجر ہے اور زیادتی اجر بھی۔ فرمان ہے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ نیکی کا بدلہ نیک ہی ہے۔ ان کے دنیا کے اعمال نیک تھے تو آخرت میں ثواب اور نیک بدلہ ملا، عذاب سے بچے اور رحمت رب سے سرفراز ہوئے۔ یہ جہنم سے دور کر دیئے گئے کہ اس کی آہٹ تک نہیں

سنتے نہ جہنمیوں کا جلنا وہ سنتے ہیں۔ پل صراط پر دوزخیوں کو زہریلے ناگ ڈستے ہیں اور یہ وہاں ہائے ہائے کرتے ہیں۔ جنتی لوگوں کے کان بھی اس دردناک آواز سے نا آشنا رہیں گے۔ اتنا ہی نہیں کہ خوف ڈر سے یہ الگ ہو گئے بلکہ ساتھ ہی راحت و آرام بھی حاصل کر لیا۔ من مانی چیزیں موجود۔ دوامی کی راحت بھی حاضر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک رات اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا' میں اور عمر اور عثمان اور زبیر اور طلحہ اور عبدالرحمٰن انہی لوگوں میں سے ہوں یا حضرت سعد کا نام لیا رضی اللہ عنہم۔ اتنے میں نماز کی تکبیر ہوئی تو آپ چادر گھسیٹتے وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی ایسے ہی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں' بجلی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ پل صراط سے پار ہو جائیں گے اور کافر وہیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ بعض کہتے ہیں' اس سے مراد وہ بزرگان دین ہیں جو اللہ والے تھے' شرک سے بیزار تھے لیکن ان کے بعد لوگوں نے ان کی مرضی کے خلاف ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی تھی جیسے حضرت عزیرؑ' حضرت مسیحؑ' فرشتے' سورج' چاند' حضرت مریم وغیرہ۔ عبداللہ بن زبعری آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا' تیرا خیال ہے کہ اللہ نے آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اتاری ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو کیا سورج' چاند' فرشتے' عزیرؑ' عیسیٰؑ سب کے سب ہمارے بتوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ اس کے جواب میں آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ اتری اور آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى نازل ہوئی۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے' حضور ﷺ ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نضر بن حارث آیا۔ اس وقت مسجد میں اور قریشی بھی بہت سارے تھے۔ نضر بن حارث رسول اللہ ﷺ سے باتیں کر رہا تھا لیکن وہ لاجواب ہو گیا تو آپ نے آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ سے لَا يَسْمَعُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ جب آپ اس مجلس سے چلے گئے تو عبداللہ بن زبعری آیا لوگوں نے اس سے کہا' آج نضر بن حارث نے باتیں کیں لیکن بری طرح چت ہوئے اور حضرت یہ فرماتے ہوئے چلے گئے اس نے کہا اگر میں ہوتا تو انہیں جواب دیتا کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں' یہود عزیرؑ کو نصرانی مسیحؑ کو تو کیا یہ سب بھی جہنم میں جلیں گے؟ سب کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ جب حضور ﷺ سے اس کا ذکر آیا تو آپؐ نے فرمایا' جس نے اپنی عبادت کرائی' وہ عابدوں کے ساتھ جہنم میں ہے۔ یہ بزرگ اپنی عبادتیں نہیں کراتے تھے بلکہ یہ لوگ تو انہیں نہیں شیطان کو پوج رہے ہیں' اسی نے انہیں ان کی عبادت کی راہ بتائی ہے۔ آپ کے جواب کے ساتھ ہی قرآنی جواب اس کے بعد کی آیت ان الذین سبقت میں اترا تو جن نیک لوگوں کی جاہلوں نے پرستش کی تھی' وہ اس سے مستثنیٰ ہو گئے۔ چنانچہ قرآن میں ہے وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ الخ یعنی ان میں سے جو اپنی معبودیت اوروں سے منوانی چاہے' اس کا بدلہ جہنم ہے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا الخ' اتری کہ اس بات کے سنتے ہی وہ لوگ متعجب ہو گئے اور کہنے لگے' ہمارے معبود اچھے یا وہ۔ یہ تو صرف دھینگا مشتی ہے اور یہ لوگ جھگڑالو ہی ہیں وہ ہمارا انعام یافتہ بندہ تھا۔ اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا تھا۔ اگر ہم چاہیں تو تمہارے جانشین فرشتوں کو کر دیں۔ حضرت عیسیٰؑ نشان قیامت ہیں۔ ان کے ہاتھ سے جو معجزات صادر ہوئے' وہ شبہ والی چیزیں نہیں' وہ قیامت کی دلیل ہیں۔ تجھے اس میں کچھ شک نہ کرنا چاہئے۔ میری مانتا چلا جا' یہی صراط مستقیم ہے۔ ابن زبعری کی جرأت کو دیکھئے' خطاب اہل مکہ سے ہے اور ان کی تصویروں اور پتھروں کے لئے کہا گیا ہے جنہیں وہ سوائے اللہ کے پوجا کرتے تھے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ پاک نفس کے لئے جو غیر اللہ کی عبادت سے روکتے تھے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' لفظ ما جو یہاں ہے' وہ عرب میں ان کے لئے آتا ہے جو بے جان اور بے عقل ہوں۔ یہ ابن زبعری اس کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ بڑے مشہور شاعر تھے۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں کی دل کھول کر دھول اڑائی تھی لیکن مسلمان ہونے کے بعد بڑی معذرت کی۔

موت کی گھبراہٹ، نفخہ کی گھبراہٹ، لوگوں کی جہنم کے داخلے کے وقت کی گھبراہٹ، اس گھڑی کی گھبراہٹ جبکہ جہنم پر ڈھکن ڈھک دیا جائے گا، جب کہ موت کو دوزخ جنت کے درمیان ذبح کیا جائے گا، غرض کسی اندیشے کا نزول ان پر نہ ہوگا، وہ ہر غم وہراس سے دور ہوں گے، پورے مسرور ہوں گے، خوش ہوں گے اور ناخوشی سے کوسوں الگ ہوں گے- فرشتوں کے پرے کے پرے ان سے ملاقاتیں کر رہے ہوں گے اور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ اسی دن کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا، اس وقت تم قبروں سے اٹھنے کے دن کے منتظر رہو-

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۤءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ
خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۱۰۴

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے- مثل لپیٹنے کتاب کے لکھے ہوئے پر، جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی، اسی طرح دوبارہ کریں گے، یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے ہی رہیں گے ○

اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں تمام کائنات: ☆☆ (آیت:۱۰۴) یہ قیامت کے دن ہوگا جب ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے- جیسے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی تھی، جانی ہی نہیں- تمام زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے- وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں- بخاری شریف میں ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمینوں کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ساتوں آسمانوں کو اور وہاں کی کل مخلوق کو، ساتوں زمینوں کو اور اس کی کل کائنات کو اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا- وہ اس کے ہاتھ میں ایسے ہوں گے جیسے رائی کا دانہ- سجل سے مراد کتاب ہے- اور کہا گیا ہے کہ مراد یہاں ایک فرشتہ ہے- جب کسی کا استغفار چڑھتا ہے تو وہ کہتا ہے، اسے نور لکھ لو- یہ فرشتہ نامہ اعمال پر مقرر ہے- جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی کتاب کو اور کتابوں کے ساتھ لپیٹ کر اسے قیامت کے لئے رکھ دیتا ہے- کہا گیا ہے کہ یہ نام ہے اس صحابی کا جو حضور ﷺ کا کاتب وحی تھا- لیکن یہ روایت ثابت نہیں، اکثر حفاظ حدیث نے ان سب کو موضوع کہا ہے- خصوصاً ہمارے استاد حافظ کبیر ابوالحجاج مزی رحمتہ اللہ علیہ نے-

میں نے اس حدیث کو ایک الگ کتاب میں لکھا ہے- امام ابوجعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث پر بہت ہی انکار کیا ہے اور اس کی خوب تردید کی اور فرمایا ہے کہ سجل نام کا کوئی صحابی ہے ہی نہیں- حضور ﷺ کے تمام کاتبوں کے نام مشہور و معروف ہیں کسی کا نام سجل نہیں- فی الواقع امام صاحب نے صحیح اور درست فرمایا یہ بڑی وجہ ہے اس حدیث کے منکر ہونے کی- بلکہ یہ بھی یاد رہے کہ جس نے اس صحابیؓ کا ذکر کیا ہے، اس نے اسی حدیث پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے جب یہ ثابت ہی نہیں تو پھر ان کا ذکر سرتاپا غلط ٹھہرا- صحیح یہی ہے کہ سجل سے مراد صحیفہ ہے جیسے کہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور لغتاً بھی یہی بات ہے- پس فرمان ہے، جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے مثل لپیٹنے کتاب کے لکھے ہوئے کے- لام یہاں پر معنے میں علیٰ کے ہے جیسے تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ میں لام معنی میں علیٰ ہے- لغت میں اس کی اور نظیریں بھی ہیں واللہ اعلم- یہ یقیناً ہو کر رہے گا- اس دن اللہ تعالیٰ نئے سرے سے مخلوق کو پہلے کی طرح پیدا کرے گا- جو ابتدا پر قادر تھا، وہ اعادہ پر بھی اس سے زیادہ قادر ہے- یہ اللہ کا وعدہ ہے- اس کے وعدے اٹل ہوتے ہیں- وہ نہ کبھی بدلیں نہ ان میں تضاد ہو- وہ تمام چیزوں پر قادر ہے- وہ اسے پورا اور ثابت کر کے ہی رہے گا- حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے ایک وعظ میں فرمایا، تم لوگ اللہ کے سامنے جمع ہونے والے ہو- ننگے پیر، ننگے بدن، بے ختنے جیسے ہم نے پہلی بار پیدا کیا، اسی طرح دوبارہ لوٹائیں گے- یہ ہمارا وعدہ ہے جسے ہم پورا کر کے رہیں گے- الخ،

(بخاری) سب چیزیں نیست ونابود ہو جائیں گی۔ پھر بنائی جائیں گی۔

وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِي الزَّبُورِ مِنۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ أَنَّ الۡأَرۡضَ يَرِثُهَا
عِبَادِيَ الصَّٰلِحُونَ ۝ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَٰغًا لِّقَوۡمٍ عَٰبِدِينَ ۝ وَمَآ
أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَٰلَمِينَ ۝

ہم زبور میں پند ونصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہو کر ہی رہیں گے ○ عبادت گزار بندوں کے لئے تو اس میں کفایت ہے ○
ہم نے تجھے تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے ○

سچا فیصلہ: ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۷) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس طرح آخرت میں دے گا' اسی طرح دنیا میں بھی انہیں ملک ومال دیتا ہے' یہ اللہ کا حتمی وعدہ اور سچا فیصلہ ہے جیسے فرمان اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ الخ' زمین اللہ کی ہے۔ جسے چاہتا ہے' اس کا وارث بناتا ہے' انجام کار پرہیز گاروں کا حصہ ہے۔ اور فرمان ہے' ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی دنیا میں اور آخرت میں مدد فرماتے ہیں۔ اور فرمان ہے' تم میں سے ایمان داروں اور نیک لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں غالب بنائے گا جیسے کہ ان سے اگلوں کو بنایا اور ان کے لئے ان کے دین کو قوی کر دے گا جس سے وہ خوش ہے۔ اور فرمایا کہ یہ شرعیہ اور قدریہ کتابوں میں مرقوم ہے' یقیناً ہو کر ہی رہے گا۔ زبور سے مراد بقول سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ تورات' انجیل اور قرآن ہے۔ مجاہد کہتے ہیں' زبور سے مراد کتاب ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں' زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی۔ ذکر سے مراد یہاں پر تورات ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ذکر سے مراد قرآن ہے۔ سعید فرماتے ہیں وہ ہے' جو آسمانوں میں ہے یعنی اللہ کے پاس کی ام الکتاب۔ جو سب سے پہلی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ۔ یہ بھی مروی ہے کہ زبور اور وہ آسمانی کتابیں جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں اور ذکر سے مراد پہلی کتاب یعنی لوح محفوظ۔ فرماتے ہیں' توراۃ' زبور اور علم الٰہی میں پہلے ہی یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ امت محمدؐ زمین کی بادشاہ بنے گی اور نیک ہو کر جنت میں جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔ ابو درداء فرماتے ہیں' صالح لوگ ہم ہی ہیں۔ مراد اس سے باایمان لوگ ہیں۔ اس قرآن میں جو نبی آخر الزماں ﷺ پر اتارا گیا ہے' پوری نصیحت وکفایت ہے ان کے لئے جو ہمارے عبادت گزار بندے ہیں۔ جو ہماری مانتے ہیں۔ اپنی خواہش کو ہمارے نام پر قربان کر دیتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے اس نبی کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا ہے پس اس نعمت کی شکر گزاری کرنے والا دنیا وآخرت میں شادماں ہے اور ناقدری کرنے والا دونوں جہاں میں برباد وناشاد ہے۔ جیسے ارشاد ہے کہ کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہوں نے نعمت الٰہی کی ناشکری کی اور اپنی قوم کو غارت کر دیا۔ اس قرآن کی نسبت فرمایا کہ یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفا ہے' بے ایمان بہرے اندھے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقعہ پر اصحاب رسول اللہ ﷺ نے عرض کی کہ حضور ﷺ ان کافروں کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا! میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور حدیث میں ہے' آپ فرماتے ہیں میں تو صرف رحمت و ہدایت ہوں۔ اور روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ مجھے ایک قوم کی ترقی اور دوسری کے تنزل کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ ابوجہل نے کہا' اے قریشیو! محمدؐ یثرب میں چلا گیا ہے۔ اپنے طلایئے کے لشکر ادھر ادھر تمہاری جستجو میں بھیج رہا ہے۔ دیکھو ہوشیار رہنا وہ بھوکے شیر کی طرح تاک میں ہے۔ وہ خار کھائے ہوئے ہے کیونکہ تم نے اسے نکال دیا ہے۔ واللہ اس کے جادوگر بے مثال ہیں۔ میں تو اسے یا اس

کے ساتھیوں میں سے جس کسی کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان کے ساتھ شیطان نظر آتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اوس اور خزرج ہمارے دشمن ہیں۔ اس دشمن کو ان دشمنوں نے پناہ دی ہے۔ اس پر مطعم بن عدی کہنے لگے' ابوالحکم سنو! تمہارے اس بھائی سے جسے تم نے اپنے ملک سے جلاوطن کر دیا ہے' میں نے کسی کو زیادہ سچا اور زیادہ وعدے کا پورا کرنے والا نہیں پایا' اب جب کہ ایسے بھلے آدمی کے ساتھ تم یہ بدسلوکی کر چکے ہو تو اب تو اسے چھوڑو' تمہیں چاہئے اس سے بالکل الگ تھلگ رہو۔ اس پر ابوسفیان بن حارث کہنے لگا' نہیں تمہیں اس پر پوری سختی کرنی چاہئے۔ یاد رکھو اگر اس کے طرفدار تم پر غالب آ گئے تو تم کہیں کے نہ رہو گے' وہ رشتہ دیکھیں گے نہ کنبہ' میری رائے میں تو تمہیں مدینے والوں کو تنگ کر دینا چاہئے کہ یا تو وہ محمدؐ کو نکال دیں اور وہ بیک بنی دو گوش تن تنہا رہ جائے یا ان مدینے والوں کا صفایا کر دینا چاہئے۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں مدینے کے کونے کونے پر لشکر بٹھا دوں گا اور انہیں ناکوں چنے چبوا دوں گا۔ جب حضور ﷺ کو یہ باتیں پہنچیں تو آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ہی انہیں قتل و غارت کروں گا اور قید کر کے پھر احسان کر کے چھوڑوں گا' میں رحمت ہوں' میرا بھیجنے والا اللہ ہے۔ وہ مجھے اس دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ اپنے دین کو دنیا پر غالب نہ کر دے۔ میرے پانچ نام ہیں۔ محمد' احمد' ماحی یعنی میری وجہ سے اللہ کفر کو مٹا دے گا' حاشر اس لیے کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کئے جائیں گے اور عاقب۔

مسند احمد میں ہے' حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن میں تھے۔ بسا اوقات احادیث رسول کا مذاکرہ رہا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت حذیفہ حضرت سلمان کے پاس آئے تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اے حذیفہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ جسے میں نے غصے میں برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو تو سمجھ لو کہ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہی ہوں۔ تمہاری طرح مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے۔ ہاں البتہ میں چونکہ رحمت للعالمین ہوں تو میری دعا ہے کہ اللہ میرے ان الفاظ کو بھی ان لوگوں کے لئے موجب رحمت بنا دے۔ رہی یہ بات کہ کفار کے لئے آپ رحمت کیسے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن جریر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لئے تو آپ دنیا اور آخرت میں رحمت تھے اور غیر مومنوں کے لئے آپ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے' آسمان سے پتھر کے برسائے جانے سے بچ گئے۔ جیسے کہ اگلی امتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ
اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ
وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ
وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا
الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۷ ۱۹

کہہ دے کہ میری تو ساری وحی کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے' تو کیا تم بھی اس کے تسلیم کرنے والے ہو؟ ○ پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دے کہ میں نے تو تمہیں یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے' مجھے مطلقاً علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے ○ وہ قریب ہے یا دور ہے؟ البتہ اللہ تعالیٰ تو کھلی اور ظاہر

بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔ مجھے اس کا بھی علم نہیں۔ ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ ہو ○ نبی نے کہا' اے رب انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما' ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں میں جو تم بیان کیا کرتے ہو ○

جلد یا بدیر حق غالب ہوگا: ☆☆ (آیت: ۱۰۸-۱۱۲) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ مشرکوں سے فرما دیں کہ میری جانب یہی وحی کی جاتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔ تم سب بھی اسے تسلیم کر لو۔ اور اگر تم میری بات پہ یقین نہیں کرتے تو ہم تم جدا ہیں' تم ہمارے دشمن ہو ہم تمہارے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اگر یہ جھٹلائیں تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے' تم میرے اعمال سے بری ہو اور میں تمہارے کرتوتوں سے بے زار ہوں۔ اور آیت میں ہے وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ یعنی اگر تجھے کسی قوم سے خیانت و بدعہدی کا اندیشہ ہو تو عہد توڑ دینے کی انہیں فوراً خبر دے دو۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ اگر تم علیحدگی اختیار کرو تو ہمارے تمہارے تعلقات منقطع ہیں۔ یقین مانو کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے' وہ پورا ہونے والا تو ضرور ہے۔ اب خواہ ابھی ہو' خواہ دیر سے اس کا خود مجھے علم نہیں۔ ظاہر و باطن کا عالم اللہ ہی ہے۔ جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاؤ' اسے سب کا علم ہے۔ بندوں کے کل اعمال ظاہر اور پوشیدہ اس پر آشکارا ہیں۔ چھوٹا بڑا' کھلا عمل چھپا سب کچھ وہ جانتا ہے۔ ممکن ہے اس کی تاخیر بھی تمہاری آزمائش ہو اور تمہیں تمہاری زندگانی تک نفع دینا ہو۔ انبیاء علیہم السلام کو جو دعا تعلیم ہوئی تھی کہ اے اللہ ہم میں اور ہماری قوم میں تو سچا فیصلہ کر اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ حضور ﷺ کو بھی اسی قسم کی دعا کا حکم ہوا۔ حضور ﷺ جب کبھی کسی غزوے میں جاتے تو دعا کرتے کہ میرے رب تو سچا فیصلہ فرما۔ ہم اپنے مہربان رب سے ہی مدد طلب کرتے ہیں کہ وہ تمہارے جھوٹ افتراؤں کو ہم سے ٹالے۔ اس میں ہمارا مددگار وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورہ انبیاء ختم ہوئی۔

تفسیر سورہ حج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ
عَظِيْمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ
كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ
بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾

سب سے زیادہ مہربان بہت رحم والے اللہ کے نام سے ○

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہا کرو' قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے ○ جس دن تم اسے دیکھ لو گے' ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے۔ اور تو دیکھے گا کہ لوگ متوالے دکھائی دیں گے حالانکہ درحقیقت وہ متوالے نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے ○

دعوت تقویٰ: ☆☆ (آیت: ۱-۷) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقوے کا حکم فرماتا ہے۔ اور آنے والے دہشت ناک امور سے ڈرا رہا ہے خصوصاً قیامت کے زلزلے سے۔ اس سے مراد یا تو وہ زلزلہ ہے جو قیامت کے قائم ہونے کے درمیان آئے گا۔ جیسے فرمان ہے اِذَا زُلْزِلَتِ

الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا الخ، زمین خوب اچھی طرح جھنجھوڑ دی جائے گی۔ اور فرمایا وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَادَكَّةً وَّاحِدَةً الخ، یعنی زمین اور پہاڑ اٹھا کر باہم ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ اور فرمان ہے اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا الخ، یعنی جب کہ زمین بڑے زور سے ہلنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ صور کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آسمان وزمین کو پیدا کر چکا تو صور کو پیدا کیا، اسے حضرت اسرافیل کو دیا، وہ اسے منہ میں لئے ہوئے آنکھیں اوپر کو اٹھائے ہوئے عرش کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ کب حکم الٰہی ہو اور وہ صور پھونک دیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، یارسول اللہؐ صور کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا ایک پھونکنے کی چیز ہے۔ بہت بری، جس میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا پہلا نفخہ گھبراہٹ کا ہوگا، دوسرا بیہوشی کا۔

تیسرا اللہ کے سامنے کھڑا ہونے کا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم ہوگا۔ وہ پھونکیں گے جس سے کل زمین وآسمان والے گھبرا اٹھیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے۔ بغیر رکے، بغیر سانس لئے بہت دیر تک برابر اسے پھونکتے رہیں گے۔ اسی پہلے صور کا ذکر آیت وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّالَهَا مِنْ فَوَاقٍ میں ہے۔ اس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زمین کپکپانے لگے گی۔ جیسے فرمان ہے يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ الخ، جب کہ زمین لرزنے لگے گی اور یکے بعد دیگر زبردست جھٹکے لگیں گے، دل دھڑکنے لگیں گے، زمین کی وہ حالت ہو جائے گی جو کشتی کی طوفان میں اور گرداب میں ہوتی ہے یا جیسے کوئی قندیل عرش میں لٹک رہی ہو جسے ہوائیں چاروں طرف جھلا رہی ہوں۔ آہ یہی وقت ہوگا کہ دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے، شیاطین بھاگنے لگیں گے زمین کے کناروں تک پہنچ جائیں گے لیکن وہاں سے فرشتوں کی مار کھا کر لوٹ آئیں گے، لوگ ادھر ادھر حیران پریشان بھاگنے دوڑنے لگیں گے، ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگیں گے اسی لئے اس دن کا نام قرآن نے يَوْمَ التَّنَادِ رکھا۔ اسی وقت زمین ایک طرف سے دوسری طرف تک پھٹ جائے گی۔ اس وقت کی گھبراہٹ کا اندازہ نہیں ہو سکتا اب آسمان میں انقلابات ظاہر ہوں گے۔ سورج چاند بے نور ہو جائے گا۔ ستارے جھڑنے لگیں گے اور کھال ادھڑنے لگے گی۔ زندہ لوگ یہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے ہاں مردہ لوگ اس سے بے خبر ہوں گے۔ آیت قرآن فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ میں جن لوگوں کا استثنا کیا گیا ہے کہ وہ بیہوش نہ ہوں گے۔ اس سے مراد شہید لوگ ہیں۔ یہ گھبراہٹ زندوں پر ہوگی شہدا اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور روزیاں پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے شر سے نجات دے گا اور انہیں پر امن رکھے گا یہ عذاب الٰہی صرف بدترین مخلوق کو ہوگا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اس سورت کی شروع کی آیتوں میں بیان فرماتا ہے۔ یہ حدیث طبرانی، ابن جریر، ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے اور بہت مطول ہے اس حصے کو نقل کرنے سے یہاں مقصود یہ ہے کہ اس آیت میں جس زلزلے کا ذکر ہے، یہ قیامت سے پہلے ہوگا اور قیامت کی طرف اس کی اضافت بوجہ قرب اور نزدیکی کے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے اشراط الساعۃ وغیرہ واللہ اعلم۔ یا اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو قیام قیامت کے بعد میدان محشر میں ہوگا جب کہ لوگ قبروں سے نکل کر میدان میں جمع ہوں گے، امام ابن جریر اسے پسند فرماتے ہیں اس کی دلیل میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

حضور ﷺ ایک سفر میں تھے آپ کے اصحابؓ تیز تیز چل رہے تھے جو آپ نے باآواز بلند ان دونوں آیتوں کی تلاوت کی، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں آواز پڑتے ہی وہ سب اپنی سواریاں لے کر آپ کے اردگرد جمع ہو گئے کہ شاید آپ کچھ اور فرمائیں گے آپؐ نے فرمایا، جانتے ہو یہ کون سا دن ہوگا؟ یہ وہ دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائے گا کہ اے آدم جہنم کا حصہ نکال، وہ کہیں گے الٰہی کتنوں میں سے کتنے؟ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنم کے لئے اور ایک جنت کے لئے۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ کے دل دہل گئے، چپ لگ گئی۔ آپؐ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ ”غم نہ کرو، خوش ہو جاؤ، عمل کرتے رہو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے،

تمہارے ساتھ مخلوق کی وہ تعداد ہے کہ جس کے ساتھ ہو اسے بڑھا دے یعنی یاجوج ماجوج اور بنی آدم میں سے جو ہلاک ہو گئے اور ابلیس کی اولاد' اب صحابہ کی گھبراہٹ کم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا' عمل کرتے رہو اور خوشخبری سنو۔ اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے' تم تو اور لوگوں کے مقابلے پر ایسے ہی ہو جیسے اونٹ کے پہلو کا یا جانور کے ہاتھ کا داغ۔ اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ یہ آیت حالت سفر میں اتری۔ اس میں ہے کہ صحابہؓ حضور ﷺ کا وہ فرمان سن کر رونے لگے آپؐ نے فرمایا' قریب قریب رہو اور ٹھیک ٹھاک رہو۔ ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا زمانہ رہا ہے وہی اس گنتی کو پوری کر دے گا ورنہ منافقوں سے وہ گنتی پوری ہو گی۔ اس میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا' مجھے تو امید ہے کہ اہل جنت کی چوتھائی صرف تم ہی ہو گے یہ سن کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ اکبر کہا' ارشاد ہوا کہ عجب نہیں کہ تم تہائی ہو۔ اس پر انہوں نے پھر تکبیر کہی آپؐ نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ تم ہی نصفا نصف ہو گے انہوں نے پھر تکبیر کہی۔ راوی کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ پھر آپؐ نے دو تہائیاں بھی فرمائیں یا نہیں؟۔ اور روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی میں مدینے کے قریب پہنچ کر آپ نے تلاوت آیت شروع کی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جنوں اور انسانوں سے جو ہلاک ہوئے اور روایت میں ہے کہ تم تو ایک ہزار اجزا میں سے ایک جز ہی ہو۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پکارے گا' وہ جواب دیں گے لَبَّیْكَ رَبَّنَا وَ سَعْدَیْكَ پھر آواز آئے گی کہ اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ نکال۔ پوچھیں گے کہ الٰہی کتنا؟ حکم ہو گا' ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت حاملہ کے حمل گر جائیں گے' بچے بوڑھے ہو جائیں گے' لوگ حواس باختہ ہو جائیں گے۔ کسی نشے سے نہیں بلکہ اللہ کے عذابوں کی سختی کی وجہ سے۔ یہ سن کر صحابہ کے چہرے متغیر ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا' یاجوج ماجوج میں سے نو سو ننانوے اور تم میں سے ایک۔ تم تو ایسے ہو جیسے سفید رنگ بیل کے چند سیاہ بال جو اس کے پہلو میں ہوں یا مثل چند سفید بالوں کے جو سیاہ رنگ بیل کے پہلو میں ہوں۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تمام اہل جنت کی گنتی میں تمہاری گنتی چوتھے حصے کی ہو گی ہم نے اس پر تکبیر کہی پھر فرمایا آدھی تعداد میں سب اور' اور آدھی تعداد صرف تمہاری۔ اور روایت میں ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور ﷺ پھر وہ ایک خوش نصیب ہم میں سے کون ہو گا؟ جب کہ حالت یہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں' ننگے بدن' بے ختنہ حاضر کئے جاؤ گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا' حضور ﷺ مرد عورتیں ایک ساتھ؟ ایک دوسرے پر نظریں پڑیں گی؟ آپؐ نے فرمایا' عائشہؓ وہ وقت نہایت سخت اور خطرناک ہو گا (بخاری ومسلم) مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا دوست اپنے دوست کو قیامت کے دن یاد کرے گا؟ آپ نے فرمایا عائشہ تین موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ اعمال کے تول کے وقت جب تک کہ کمی زیادتی نہ معلوم ہو جائے۔ اعمال ناموں کے اڑائے جانے کے وقت جب تک دائیں بائیں ہاتھ میں نہ آ جائیں۔ اس وقت جب کہ جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جو گھیر لے گی اور سخت غیظ وغضب میں ہو گی اور کہے گی' میں تین قسم کے لوگوں پر مسلط کی گئی ہوں ایک تو وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے رہتے ہیں' دوسرے وہ جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور ہر سرکش ضدی متکبر پر' پھر تو وہ انہیں سمیٹ لے گی اور چن چن کر اپنے پیٹ میں پہنچا دے گی۔ جہنم پر پل صراط ہو گی جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہو گی۔ اس پر آنکس اور کانٹے ہوں گے۔ جسے اللہ چاہے پکڑ لے گی۔ اس پر سے گزرنے والے مثل بجلی کے ہوں گے' مثل آنکھ جھپکنے کے' مثل ہوا کے' مثل تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کے۔ فرشتے ہر طرف کھڑے دعائیں کرتے ہوں گے کہ اللہ سلامتی دے' اللہ بچا دے پس بعض تو بالکل صحیح سالم گزر جائیں گے' بعض کچھ چوٹ کھا کر بچ جائیں گے' بعض اوندھے منہ جہنم میں گریں گے۔ قیامت کے آثار میں اور اس کی ہولناکیوں میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ جن کی جگہ اور ہے۔ یہاں فرمایا قیامت کا زلزلہ نہایت خطرناک ہے' بہت سخت ہے' نہایت مہلک ہے' دل دہلانے والا اور کلیجہ اڑانے والا ہے۔ زلزلہ رعب وگھبراہٹ کے وقت دل کے ہلنے کو کہتے ہیں جیسے آیت میں ہے کہ اس میدان جنگ میں مومنوں کو بتلا کیا گیا اور سخت

جھنجھوڑ دیئے گئے۔ جب تم اسے دیکھو گے یہ ضمیر شان کی قسم سے ہے' اسی لئے اس کے بعد اس کی تفسیر ہے کہ اس سختی کی وجہ سے دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ لوگ بدحواس ہو جائیں گے۔ ایسے معلوم ہوں گے جیسے کوئی نشے میں بدمست ہو رہا ہو۔ دراصل وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کے عذابوں کی سختی نے انہیں بے ہوش کر رکھا ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ
شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ
وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴

بعض لوگ اللہ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں اور وہ بھی بے علمی کے ساتھ سرکش شیطان کی ماتحتی میں ○ جس پر قضائے الٰہی لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے' وہ اسے گمراہ کر دے گا اور آگ کے عذاب کی طرف اسے لے چلے گا ○

ازلی مردہ لوگ: ☆☆ (آیت: ٣-٤) جو لوگ موت کے بعد کی زندگی کے منکر ہیں اور اللہ کو اس پر قادر ہی نہیں مانتے اور فرمان الٰہی سے ہٹ کر' نبیوں کی تابعداری کو چھوڑ کر' سرکش انسانوں اور جنوں کی ماتحتی کرتے ہیں' ان کی جناب باری تعالیٰ تردید فرما رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ جتنے بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں' وہ حق سے منہ پھیر لیتے ہیں' باطل کی اطاعت میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہ سرداروں کی ماننے لگتے ہیں' ان کی رائے خواہش پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ ان کے پاس کوئی صحیح علم نہیں ہوتا۔ یہ جس کی مانتے ہیں' وہ تو ازلی مردود ہے' اپنی تقلید کرنے والوں کو وہ بہکاتا رہتا ہے اور آخرش انہیں عذابوں میں پھانس دیتا ہے جو جہنم کی جلانے والی آگ کے ہیں۔ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں اتری ہے۔ اس خبیث نے کہا تھا کہ ذرا بتلاؤ تو اللہ تعالیٰ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا۔ اس کے اس سوال سے آسمان لرز اٹھا اور اس کی کھوپڑی اڑ گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی نے ایسا ہی سوال کیا تھا۔ اسی وقت آسمانی کڑاکے نے اسے ہلاک کر دیا۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ
مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ
مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ
مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّ
كُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا
يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا
عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵

لوگو! تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں کوئی شک ہے تو سوچو تو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔ یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں بچپن کی حالت میں

دنیا میں لاتے ہیں- پھر تا کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو، تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لئے جاتے ہیں اور بعض نا کارہ عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیئے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے، تو دیکھتا ہے کہ زمین بنجر اور خشک ہے- پھر جب ہم اس پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے ○

پہلی پیدائش دوسری پیدائش کی دلیل : ☆☆ (آیت:۵) مخالفین اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل بیان کی جاتی ہے کہ اگر تمہیں دوسری بار کی زندگی سے انکار ہے تو ہم اس کی دلیل میں تمہاری پہلی دفعہ کی پیدائش تمہیں یاد دلاتے ہیں- تم اپنی اصلیت پر غور کر کے دیکھو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا ہے یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جن کی نسل تم سب ہو- پھر تم سب کو ذلیل پانی کے قطروں سے پیدا کیا ہے جس نے پہلے خون بستہ کی شکل اختیار کی، پھر گوشت کا ایک لوتھڑا بنا، چالیس دن تک تو نطفہ اپنی شکل میں بڑھتا ہے پھر بحکم الٰہی اس میں خون کی سرخ پھٹکی پڑتی ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ ایک گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس میں کوئی صورت وشبیہ نہیں ہوتی پھر اللہ تعالیٰ اسے صورت عنایت فرماتا ہے- سر، ہاتھ، سینہ، پیٹ، رانیں، پاؤں اور کل اعضا بنتے ہیں- کبھی اس سے پہلے ہی حمل ساقط ہو جاتا ہے کبھی اس کے بعد بچہ گر پڑتا ہے یہ تو تمہارے مشاہدے کی بات ہے اور کبھی ٹھہر جاتا ہے- جب اس لوتھڑے پر چالیس دن گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اسے ٹھیک ٹھاک اور درست کر کے اس میں روح پھونک دیتا ہے اور جیسے اللہ کی چاہت ہو، خوبصورت، بدصورت، مرد، عورت بنا دیا جاتا ہے- رزق، اجل، نیکی، بدی اسی وقت لکھ دی جاتی ہے-

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس رات تک جمع ہوتی ہے- پھر چالیس دن تک خون بستہ کی صورت رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کے لوتھڑے کی پھر فرشتے کو چار چیزیں لکھ دینے کا حکم دے کر بھیجا جاتا ہے رزق، عمل، اجل، شقی یا سعید ہونا لکھ لیا جاتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے- عبداللہ فرماتے ہیں، نطفے کے رحم میں ٹھہرتے ہی فرشتہ پوچھتا ہے کہ الٰہی یہ مخلوق ہوگا یا نہیں؟ اگر انکار ہوا تو وہ جمتا ہی نہیں- خون کی شکل میں رحم اسے خارج کر دیتا ہے اور اگر حکم ملا کہ اس کی پیدائش کی جائے گی تو فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ نیک ہوگا یا بد؟ اجل کیا ہے؟ اثر کیا ہے؟ کہاں مرے گا؟ پھر نطفے سے پوچھا جاتا ہے، تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے اللہ، پوچھا جاتا ہے رازق کون ہے؟ کہتا ہے اللہ پھر فرشتے سے کہا جاتا ہے، تو جا اور اصل کتاب میں دیکھ لے وہیں اس کا سارا حال مل جائے گا پھر وہ پیدا کیا جاتا ہے لکھی ہوئی زندگی گزارتا ہے مقدر کا رزق پاتا ہے مقررہ جگہ چلتا پھرتا ہے پھر موت آتی ہے اور دفن کیا جاتا ہے جہاں دفن ہونا مقدر ہے- پھر حضرت عامر رحمتہ اللہ علیہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- مضغہ ہونے کے بعد چوتھی پیدائش کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور ذی روح بنتا ہے-

حضرت حذیفہ بن اسید کی مرفوع روایت میں ہے کہ چالیس پینتالیس دن جب نطفے پر گزر جاتے ہیں تو فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ یہ دوزخی ہے یا جنتی؟ جو جواب دیا جاتا ہے لکھ لیتا ہے پھر پوچھتا ہے لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ جو جواب ملتا ہے لکھ لیتا ہے پھر عمل اور اثر اور رزق اور اجل لکھی جاتی ہے اور صحیفہ لپیٹ لیا جاتا ہے جس میں نہ کمی ممکن ہے نہ زیادتی- پھر بچہ ہو کر دنیا میں تولد ہوتا ہے نہ عقل ہے نہ سمجھ، کمزور ہے اور تمام اعضاء ضعیف ہیں- پھر اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہتا ہے ماں باپ کو مہربان کر دیتا ہے- دن رات انہیں اس کی فکر رہتی ہے تکلیفیں اٹھا کر پرورش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پروان چڑھاتا ہے- یہاں تک کہ عنفوان جوانی کا زمانہ آتا ہے- خوبصورت تنومند ہو جاتا ہے- بعض تو جوانی میں ہی چل بستے ہیں، بعض بوڑھے پھوس ہو جاتے ہیں- کہ پھر سے عقل وخرد کھو بیٹھتے ہیں اور بچوں کی طرح ضعیف ہو جاتے ہیں، حافظہ، فہم، فکر سب میں فتور پڑ جاتا ہے، علم کے بعد بے علم ہو جاتے ہیں- جیسے فرمان ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ الخ، اللہ نے

تمہیں کمزوری میں پیدا کیا پھر زور دیا پھر اس قوت و طاقت کے بعد ضعف اور بڑھاپا آیا' جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے پورے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔ مسند حافظ ابو یعلی موصلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بچہ جب تک بلوغت کو نہ پہنچے' اس کی نیکیاں اس کے باپ کے یا ماں باپ کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور برائی نہ اس پر ہوتی ہے نہ ان پر۔ بلوغت پر پہنچتے ہی قلم اس پر چلنے لگتا ہے اس کے ساتھ کے فرشتوں کو اس کی حفاظت کرنے اور اسے درست رکھنے کا حکم مل جاتا ہے جب وہ اسلام میں ہی چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین بلاؤں سے نجات دے دیتا ہے جنون سے' جذام سے اور برص سے' جب اسے اللہکے دین پر پچاس سال گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ جب وہ ساٹھ سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کے کاموں کی طرف اس کی طبیعت کا پورا میلان کر دیتا ہے اور اسے اپنی طرف راغب کر دیتا ہے۔ جب وہ ستر برس کا ہو جاتا ہے تو آسمانی فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب وہ اسی برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں تو لکھتا ہے لیکن برائیوں سے تجاوز فرما لیتا ہے۔ جب وہ نوے برس کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے اور اس کے گھرانے والوں کے لئے اسے سفارشی اور شفیع بنا دیتا ہے۔ وہ اللہ کے ہاں امین اللہ کا خطاب پاتا ہے اور زمین میں اللہ کے قیدیوں کی طرح رہتا ہے۔ جب بہت بڑی ناکارہ عمر کو پہنچ جاتا ہے جب کہ علم کے بعد بے علم ہو جاتا ہے تو جو کچھ وہ اپنی صحت اور ہوش کے زمانے میں نیکیاں کیا کرتا تھا سب اس کے نامۂ اعمال میں برابر لکھی جاتی ہیں اور اگر کوئی برائی اس سے ہوگئی تو وہ نہیں لکھی جاتی۔

یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں سخت نکارت ہے باوجود اس کے اسے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اپنی مسند میں لائے ہیں موقوفاً بھی اور مرفوعاً بھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے از فرمان رسول اللہ ﷺ۔ پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی دوسری سند سے مرفوعاً یہی وارد کی ہے۔ حافظ ابوبکر بن بزار رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسے بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث مرفوع میں بیان کیا ہے (اور مسلمانوں پر رب کی مہربانی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اللہ ہماری عمر میں نیکی کے ساتھ برکت دے آمین)۔ مردوں کے زندہ کر دینے کی ایک دلیل یہ بیان کر کے پھر دوسری دلیل بیان فرماتا ہے کہ چٹیل میدان' بے روئیدگی کی خشک اور سخت زمین کو ہم آسمانی پانی سے لہلہاتی اور تر و تازہ کر دیتے ہیں' طرح طرح کے پھل پھول' میوے دانے وغیرہ کے درختوں سے سرسبز ہو جاتی ہے' قسم قسم کے درخت اگ آتے ہیں اور جہاں کچھ نہ تھا' وہاں سب کچھ ہو جاتا ہے' مردہ زمین ایک دم زندگی کے کشادہ سانس لینے لگتی ہے جس جگہ ڈر لگتا تھا' وہاں اب راحت روح اور نور عین' سرور قلب موجود ہو جاتا ہے۔ قسم قسم کے طرح طرح کے میٹھے کھٹے' خوش ذائقہ' مزیدار' رنگ روپ والے پھل اور میووں سے لدے ہوئے خوبصورت چھوٹے بڑے درخت جھوم جھوم کر بہار کا لطف دکھانے لگتے ہیں۔ یہی وہ مردہ زمین ہے جو کل تک خاک اڑا رہی تھی۔ آج دل کا سرور اور آنکھوں کا نور بن کر اپنی زندگی کی جوانی کا مزہ دے رہی ہے۔ پھولوں کے چھوٹے چھوٹے پودے دماغ کو مخزن عطار بنا دیتے ہیں' دور سے نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے کتنے خوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔ فسبحان الله و بحمده۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷

یہ اس لئے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو جلاتا ہے اور وہ ہر ہر چیز قدرت رکھنے والا ہے ○ اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور

یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا ○

(آیت: ۶-۷) سچ ہے خالق و مدبر اپنی چاہت کے مطابق کرنے والا خود مختار حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی مردوں کا زندہ کرنے والا ہے اور اس کی نشانی مردہ زمین کا زندہ ہونا مخلوق کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ وہ ہر انقلاب پر، ہر قلب ماہیت پر قادر ہے، جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے، جس کام کا ارادہ کرتا ہے فرماتا ہے، ہو جا پھر ناممکن ہے کہ وہ کہتے ہی ہو نہ جائے۔ یاد رکھو قیامت قطعاً بلاشک و شبہ آنے والی ہی ہے اور قبروں کے مردوں کو وہ قدرت والا اللہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے، وہ عدم سے وجود میں لانے پر قادر تھا اور ہے اور رہے گا۔ سورہ یٰسین میں بھی بعض لوگوں کے اس اعتراض کا ذکر کر کے انہیں ان کی پہلی پیدائش یاد دلا کر قائل کیا گیا ہے ساتھ ہی سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کی قلب ماہیت کو بھی دلیل میں پیش فرمایا گیا ہے اور آیتیں بھی اس بارے میں بہت سی ہیں۔

حضرت لقیط بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابو رزین عقیلی کی کنیت سے مشہور ہیں، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہم لوگ سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھیں گے؟ اور اس کی مخلوق میں اس دیکھنے کی مثال کوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا! کیا تم سب کے سب چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے؟ ہم نے کہا ہاں، فرمایا، پھر اللہ تو بہت بڑی عظمت والا ہے۔ آپؐ نے پھر پوچھا: حضور ﷺ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی مثال دنیا میں ہے؟ جواب ملا کہ کیا ان جنگلوں سے تم نہیں گزرے جو غیر آباد ویران پڑے ہوں، خاک اڑ رہی ہو، خشک مردہ ہو رہے ہوں پھر تم دیکھتے ہو کہ وہی ٹکڑا سبزے سے اور قسم قسم کے درختوں سے ہرا بھرا زندہ نو پید ہو جاتا ہے بارونق بن جاتا ہے اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور مخلوق میں یہی دیکھی ہوئی مثال اس کا کافی نمونہ اور ثبوت ہے (ابوداؤد وغیرہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جو اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور قیامت قطعاً بے شبہ آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کرے گا وہ یقیناً جنتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى
وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ﴿۸﴾ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ
فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۧ﴿۱۰﴾ ع

بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں ○ اپنا بازو موڑنے والا بن کر اس لئے کہ راہ اللہ سے بہکا دے اسے دنیا میں بھی رسوائی ہو گی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جہنم میں جلنے کا عذاب چکھائیں گے ○ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے تھے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

گمراہ جاہل مقلد لوگ: ☆☆ (آیت: ۸-۱۰) چونکہ اوپر کی آیتوں میں گمراہ جاہل مقلدوں کا حال بیان فرمایا تھا، یہاں ان کے مرشدوں اور پیروں کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ وہ بے عقلی اور بے دلیلی سے صرف رائے، قیاس اور خواہش نفسانی سے اللہ کے بارے میں کلام کرتے رہتے ہیں۔ حق سے اعراض کرتے ہیں، تکبر سے گردن پھیر لیتے ہیں، حق کو قبول کرنے سے بے پرواہی کے ساتھ انکار کر جاتے ہیں جیسے فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزوں کو دیکھ کر بھی بے پرواہی کی اور نہ مانا۔ اور آیت میں ہے، جب ان سے اللہ کی وحی کی تابعداری کو کہا جاتا ہے اور رسول اللہ ؐ کے فرمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو تو دیکھے گا کہ اے رسول ﷺ یہ منافق تجھ سے دور چلے جایا کرتے

ہیں- سورہ منافقون میں ارشاد ہوا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اور اپنے لئے رسول اللہ ﷺ سے استغفار کرواؤ تو وہ اپنے سر گھما کر گھمنڈ میں آ کر بے نیازی سے انکار کر جاتے ہیں- حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ لوگوں سے اپنے رخسار نہ پھلا دیا کر یعنی اپنے تئیں بڑا سمجھ کر ان سے تکبر نہ کر- اور آیت میں ہے ہماری آیتیں سن کر یہ تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے- لُيُضِلَّ کا لام یا تو لام عاقبت ہے یا لام تعلیل ہے اس لئے کہ بسا اوقات اس کا مقصود دوسروں کو گمراہ کرنا نہیں ہوتا- اور ممکن ہے کہ اس سے مراد معاند اور انکار ہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ ہم نے اسے ایسا بد خلق اس لئے بنا دیا ہے کہ یہ گمراہوں کا سردار بن جائے- اس کے لئے دنیا میں بھی ذلت و خواری ہے جو اس کے تکبر کا بدلہ ہے- یہ یہاں تکبر کر کے بڑا بننا چاہتا تھا ہم اسے اور چھوٹا کر دیں گے یہاں بھی اپنی چاہت میں ناکام اور بے مراد رہے گا- اور آخرت کے دن بھی جہنم کی آگ کا لقمہ ہو گا- اسے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ یہ تیرے اعمال کا نتیجہ ہے اللہ کی ذات ظلم سے پاک ہے- جیسے فرمان ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اسے پکڑ لو اور گھسیٹ کر جہنم میں لے جاؤ اور اس کے سر پر آگ جیسے پانی کی دھار بہاؤ- لے اب اپنی عزت اور تکبر کا بدلہ لیتا جا- یہی وہ ہے جس سے عمر بھر شک و شبہ میں رہا- حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک دن میں وہ ستر ستر مرتبہ آگ میں جل کر بھرتا ہو جائے گا پھر زندہ کیا جائے گا پھر جلایا جائے گا (اعاذنا اللہ)-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۣ
اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ
خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ يَدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ
الْبَعِيْدُ ﴿١٢﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى
وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں' اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں' انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھا لیا' واقعی یہ کھلا نقصان ہے ○ اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع' یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے ○ اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے بہت ہی قریب ہے' یقیناً برے والی ہیں (دوست) اور برے ساتھی ○

شک کے مارے لوگ: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۳) حرف کے معنی شک کے' ایک طرف کے ہیں- گویا وہ دین کے ایک کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں فائدہ ہوا تو پھولے نہیں سماتے' نقصان دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے- صحیح بخاری شریف میں ہے' اعراب ہجرت کر کے مدینے پہنچتے تھے اب اگر بال بچے ہوئے' جانوروں میں برکت ہوئی تو کہتے یہ دین بڑا اچھا ہے اور اگر نہ ہوئے تو کہتے یہ دین تو نہایت برا ہے- ابن ابی حاتم میں آپ ہی سے مروی ہے کہ اعراب حضور ﷺ کے پاس آتے' اسلام قبول کرتے' واپس جا کر اگر اپنے ہاں بارش پانی پاتے' جانوروں میں' گھر بار میں برکت دیکھتے تو اطمینان سے کہتے' بڑا اچھا دین ہے اور اگر اس کے خلاف دیکھتے تو جھٹ سے بک دیتے کہ اس دین میں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں- اس پر یہ آیت اتری- بروایت عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایسے

لوگ بھی تھے جو مدینے پہنچتے ہی اگر ان کے ہاں لڑکا ہوتا یا ان کی اونٹنی بچہ دیتی تو انہیں راحت ہوئی تو خوش ہو جاتے اور اس دین کی تعریفیں کرنے لگتے اور اگر کوئی بلا مصیبت آ گئی' مدینے کی ہوا موافق نہ آئی' گھر میں لڑکی پیدا ہو گئی' صدقے کا مال میسر نہ ہوا تو شیطانی وسوسے میں آ جاتے اور صاف کہہ دیتے کہ اس دین میں تو مشکل ہی مشکل ہے۔

عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ یہ حالت منافقوں کی ہے' دنیا اگر مل گئی تو دین سے خوش ہیں' جہاں نہ ملی یا کوئی امتحان آ گیا' فوراً پلہ جھاڑ لیا کرتے ہیں' مرتد کافر ہو جاتے ہیں۔ یہ پورے بدنصیب ہیں دنیا و آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں' اس سے زیادہ اور بربادی کیا ہوتی؟ جن ٹھاکروں' بتوں اور بزرگوں سے یہ مدد مانگتے ہیں' جن سے فریاد کرتے ہیں' جن کے پاس اپنی حاجتیں لے جاتے ہیں' جن سے روزیاں مانگتے ہیں' وہ تو محض عاجز ہیں' نفع نقصان ان کے ہاتھ ہی نہیں۔ سب سے بڑی گمراہی یہی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی عبادت سے نقصان' نفع سے پیشتر ہی ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں ان سے جو نقصان پہنچے گا اس کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ یہ بت تو ان کے نہایت برے والی اور نہایت برے ساتھی ثابت ہوں گے یا یہ مطلب کہ ایسا کرنے والے خود بہت ہی بد اور بڑے ہی برے ہیں۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ اچھی ہے واللہ اعلم۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾
مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ
كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ
يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

ایمان اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ لہریں لیتی ہوئی نہروں والی جنتوں میں لے جائے گا' اللہ جو ارادہ کرے اسے کر کے ہی رہتا ہے ○ جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد دونوں جہان میں نہ کرے گا' وہ اونچائی پر ایک رسا باندھ کر اپنے حلق میں پھندا پھانس لے۔ پھر دیکھ لے کہ اس کی چالاکیوں سے کیا وہ بات ہٹ جاتی ہے جو اسے تڑپا رہی ہے؟ ○ ہم نے اسی طرح اس قرآن کو واضح آیتوں میں اتارا ہے' جسے اللہ چاہے ہدایت نصیب فرماتا ہے ○

یقین کے مالک لوگ: ☆☆ (آیت:۱۴) برے لوگوں کا بیان کر کے بھلے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے دلوں میں یقین کا نور ہے اور جن کے اعمال میں سنت کا ظہور ہے' بھلائیوں کے خواہاں برائیوں سے گریزاں ہیں۔ یہ بلند محلات میں عالی درجات میں ہوں گے کیونکہ یہ راہ یافتہ ہیں۔ ان کے علاوہ سب لوگ حواس باختہ ہیں۔ اب جو چاہے کرے' جو چاہے رکھے دھرے۔

مخالفین نبی ﷺ ہلاک ہوں: ☆☆ (آیت:۱۵-۱۶) یعنی جو یہ جان رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی مدد نہ دنیا میں کرے گا نہ آخرت میں وہ یقین مانے کہ اس کا یہ خیال محض خیال ہے۔ آپ کی مدد ہو کر ہی رہے گی چاہے ایسا شخص اپنے غصے میں ہار ہی جائے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے مکان کی چھت میں رسی باندھ کر اپنے گلے میں پھندا ڈال کر اپنے تئیں ہلاک کر دے۔ ناممکن ہے کہ وہ چیز یعنی اللہ کی مدد اس کے نبی کے لئے نہ آئے گو یہ جل جل کر مر جائیں مگر ان کی خیال آرائیاں غلط ثابت ہو کر ہی رہیں گی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی سمجھ

کے خلاف ہو کر ہی رہے گا' ربانی امداد آسمان سے نازل ہوگی۔ ہاں اگر اس کے بس میں ہو تو ایک رسی لٹکا کر آسمان پر چڑھ جائے اور اس اترتی ہوئی مدد آسمانی کو کاٹ دے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے اور اس میں انکی پوری بے بسی اور نامرادی کا ثبوت ہے کہ اللہ اپنے دین کو' اپنی کتاب کو' اپنے نبی کو ترقی دے گا ہی چونکہ یہ لوگ اسے دیکھ نہیں سکتے اس لئے انہیں چاہئے کہ یہ مرجائیں' اپنے تئیں ہلاک کر ڈالیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ' ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد کرتے ہی ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

یہاں فرمایا کہ یہ پھانسی پر لٹک کر دیکھ لے کہ شان محمدی کو کس طرح کم کر سکتا ہے؟ اپنے سینے کی آگ کو کس طرح بجھا سکتا ہے؟ اس قرآن کو ہم نے اتارا ہے جس کی آیتیں الفاظ اور معنی کے لحاظ سے بہت ہی واضح ہیں' اللہ کی طرف سے اس کے بندوں پر یہ حجت ہے۔ ہدایت وگمراہی اللہ کے ہاتھ ہے' اس کی حکمت وہی جانتا ہے۔ کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ وہ سب کا حاکم ہے' وہ رحمتوں والا' عدل والا' غلبے والا' حکمت والا' عظمت والا اور علم والا ہے۔ کوئی اس پر مختار نہیں' جو چاہے کرے' سب سے حساب لینے والا وہی ہے اور وہ بھی بہت جلد۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى
وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾ اَلَمْ تَرَ
اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ
وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۩ ﴿١٨﴾

ایمان دار اور یہودی اور صابی اور نصرانی اور مجوسی اور مشرکین ان سب کے درمیان قیامت کے دن خود اللہ تعالیٰ فیصلے کر دے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ○ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمان والے اور سب زمین والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی' ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے' جسے رب ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں' اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

مختلف مذہبوں کا فیصلہ روز قیامت ہوگا: ☆☆ (آیت:۱۷) صابئین کا بیان مع اختلاف سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ یہاں فرماتا ہے کہ ان مختلف مذہب والوں کا فیصلہ قیامت کے دن صاف ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جنت دے گا اور کفار کو جہنم واصل کرے گا۔ سب کے اقوال' افعال' ظاہر باطن اللہ پر عیاں ہیں۔

چاند' سورج' ستارے سب سجدہ ریز: ☆☆ (آیت:۱۸) مستحق عبادت صرف وہی لاشریک اللہ ہے۔ اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے خواہ بخوشی خواہ بے خوشی۔ ہر چیز کا سجدہ اپنی وضع میں ہے۔ چنانچہ قرآن نے سائے کا دائیں بائیں اللہ کے سامنے سربسجود ہونا بھی آیت اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ الخ میں بیان فرمایا ہے۔ آسمانوں کے فرشتے' زمین کے حیوان' انسان جنات' پرند'

چرند سب اس کے سامنے سربسجود ہیں اور اس کی تسبیح اور حمد کر رہے ہیں۔ سورج، چاند، ستارے بھی اس کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہیں۔ ان تینوں چیزوں کو الگ اس لئے بیان کیا گیا کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ اسی لئے فرمایا، سورج چاند کو سجدے نہ کرو، اسے سجدے کرو جو ان کا خالق ہے۔ صحیحین میں ہے رسول خدا ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے۔ آپ نے جواب دیا اللہ کو علم ہے اور اس کے نبی ﷺ کو، آپ نے فرمایا یہ عرش کے تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر اس سے اجازت طلب کرتا ہے، وقت آ رہا ہے کہ اس سے ایک دن کہہ دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔ سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں گرہن کی حدیث میں ہے کہ سورج چاند اللہ کی مخلوق ہے، وہ کسی کی موت پیدائش سے گرہن میں نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کسی پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔

ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سورج، چاند اور کل ستارے غروب ہو کر سجدے میں جاتے ہیں اور اللہ سے اجازت مانگ کر داہنی طرف سے لوٹ کر پھر اپنے مطلع میں پہنچتے ہیں۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدہ ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں جب سجدے میں گیا تو وہ درخت بھی سجدے میں گیا اور میں نے سنا کہ وہ اپنے سجدے میں یہ پڑھ رہا تھا اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَّضَعْ عَنِّیْ بِھَا وِزْرًا وَّ اجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ۔ یعنی اے اللہ اس سجدے کی وجہ سے میرے لئے اپنے پاس اجر و ثواب لکھ اور میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اسے ذخیرہ آخرت کر اور اسے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے سجدے کی آیت پڑھی، سجدہ کیا اور یہی دعا آپ نے اپنے اس سجدے میں پڑھی جسے میں سن رہا تھا (ترمذی وغیرہ)۔ تمام حیوانات بھی اسے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اپنے جانور کی پیٹھ کو اپنا منبر نہ بنالیا کرو، بہت سی سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں اور زیادہ ذکر اللہ کرنے والی ہوتی ہیں اور اکثر انسان بھی اپنی خوشی سے عبادت الٰہی بجالاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں، ہاں وہ بھی ہیں جو اس سے محروم ہیں، تکبر کرتے ہیں، سرکشی کرتے ہیں، اللہ جسے ذلیل کرے اسے عزیز کون کر سکتا ہے؟ رب فاعل خود مختار ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا یہاں ایک شخص ہے جو اللہ کے ارادوں اور اس کی مشیت کو نہیں مانتا۔ آپ نے اسے فرمایا اے شخص بتا تیری پیدائش اللہ تعالیٰ نے تیری چاہت کے مطابق کی یا اپنی؟ اس نے کہا اپنی چاہت کے مطابق۔ فرمایا یہ بھی بتا کہ جب تو چاہتا ہے مریض ہو جاتا ہے یا جب اللہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا جب وہ چاہتا ہے۔ پوچھا پھر تجھے شفا تیری چاہت سے ہوتی ہے یا اللہ کے ارادے سے؟ جواب دیا اللہ کے ارادے سے۔ فرمایا اچھا یہ بھی بتا کہ اب وہ جہاں چاہے گا تجھے لے جائے گا یا جہاں تو چاہے گا؟ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا پھر کیا بات باقی رہ گئی؟ سن اگر تو اس کے خلاف جواب دیتا تو واللہ میں تیرا سر اڑا دیتا۔

مسلم شریف میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں، جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اس نے سجدہ کر لیا۔ جنتی ہو گیا، میں نے انکار کر دیا جہنمی بن گیا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ سورہ حج کو اور تمام سورتوں پر یہ فضیلت ملی کہ اس میں دو آیتیں سجدے کی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں اور جو ان دونوں پر سجدہ نہ کرے، اسے چاہئے کہ اسے پڑھے ہی نہیں۔ (ترمذی وغیرہ)۔

امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث قوی نہیں لیکن امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول قابل غور ہے کیونکہ اس کے راوی ابن لہیعہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سماعت کی اس میں تصریح کر دی ہے اور ان پر بڑی جرح وتدلیس کی ہے جو اس سے اٹھ جاتی ہے۔ ابوداؤد میں فرمان رسالت مآب ﷺ ہے کہ سورہ حج کو قرآن کی اور سورتوں پر یہ فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سند سے تو یہ حدیث مستند نہیں لیکن اور سند سے یہ مستند بھی بیان کی گئی ہے مگر صحیح نہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیبیہ میں اس سورت کی تلاوت کی اور دو بار سجدہ کیا اور فرمایا' اسے ان دو سجدوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ (ابوبکر بن عدی) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے پورے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے' تین سورہ مفصل میں' دو سورہ حج میں۔ (ابن ماجہ وغیرہ) پس یہ سب روایتیں اس بات کو پوری طرح مضبوط کر دیتی ہیں۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ
الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ
مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ
اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ ع ۲ ۱۲

یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے والے ہیں۔ پس کافروں کیلئے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کے کاٹے جائیں گے' اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت گرم پانی کا تریڑا بہایا جائے گا ○ جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی ○ اور ان کی سزا کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں ○ یہ جب بھی وہاں سے وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے' وہیں لوٹا دئے جائیں گے جلنے کا عذاب چکھتے رہو ○

مومن وکافر کی مثال: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۲) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے مقابلے میں بدر کے دن جو دو کافر آئے تھے اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔ (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' قیامت کے دن میں سب سے پہلے اللہ کے سامنے اپنی حجت ثابت کرنے کے لئے گھٹنوں کے بل گر جاؤں گا۔ حضرت قیس فرماتے ہیں انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ بدر کے دن یہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے علی اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبیدہ اور شیبہ اور عتبہ اور ولید۔ اور قول ہے کہ مراد مسلمان اور اہل کتاب ہیں۔ اہل کتاب کہتے تھے' ہمارا نبی تمہارے نبی سے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اس لئے ہم اللہ سے بہ نسبت تمہارے زیادہ قریب ہیں' مسلمان کہتے تھے کہ ہماری کتاب تمہاری کتاب کا فیصلہ کرتی ہے اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اس لئے تم سے ہم اولیٰ ہیں۔ پس اللہ نے اسلام کو غالب کیا اور یہ آیت اتری۔

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد اس سے سچا ماننے والے اور جھٹلانے والے ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اس آیت میں مومن وکافر کی مثال ہے جو قیامت میں مختلف تھے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد جنت دوزخ کا قول ہے۔ دوزخ کی مانگ تھی کہ مجھے سزا کی چیز بنا اور جنت کی آرزو تھی کہ مجھے رحمت بنا۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ان تمام اقوال کو شامل ہے اور بدر کا واقعہ بھی اس کے ضمن میں آ سکتا ہے۔ مومن اللہ کے دین کا غلبہ چاہتے تھے اور کفار نور ایمان کے بجھانے' حق کو پست کرنے اور باطل کے ابھارنے کی

فکر میں تھے۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی اس کو مختار بتلاتے ہیں اور یہ ہے بھی بہت اچھا چنانچہ اس کے بعد ہی ہے کہ کفار کے لئے آگ کے ٹکڑے الگ الگ مقرر کر دیئے جائیں گے۔ یہ تانبے کی صورت میں ہوں گے جو بہت ہی حرارت پہنچاتا ہے۔ پھر اوپر سے گرم ابلتے ہوئے پانی کا تریڑا ڈالا جائے گا۔ جس سے آنتیں اور چربی گھل جائے گی اور کھال بھی جھلس کر جھڑ جائے گی۔ ترمذی میں ہے کہ اس گرم آگ جیسے پانی سے ان کی آنتیں وغیرہ پیٹ سے نکل کر پیروں پر گر پڑیں گی۔ پھر جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے پھر یہی ہوگا۔ عبداللہ بن سری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، فرشتہ اس ڈوبچے کو اس کے کڑوں سے تھام کر لائے گا اس کے منہ میں ڈالنا چاہے گا یہ گھبرا کر منہ پھیر لے گا۔ تو فرشتہ اس کے ماتھے پر لوہے کا ہتھوڑا مارے گا جس سے اس کا سر پھٹ جائے گا وہیں سے اس گرم آگ پانی کو ڈالے گا جو سیدھا پیٹ میں پہنچے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ان ہتھوڑوں میں سے جن سے دوزخیوں کی کٹائی ہوگی، اگر ایک زمین پر لا کر رکھ دیا جائے تو تمام انسان اور جنات مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے۔ (مسند) آپ فرماتے ہیں اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جہنمی اس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پھر جیسے تھے ویسے ہی کر دیئے جائیں گے۔ اگر غساق کا جو جہنمیوں کی غذا ہے، ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبو کے مارے ہلاک ہو جائیں (مسند احمد) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اس کے لگتے ہی ایک ایک عضو بدن جھڑ جائے گا اور ہائے وائے کا غل مچ جائے گا۔ جب کبھی وہاں سے نکل جانا چاہیں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے۔

حضرت سلمان فرماتے ہیں جہنم کی آگ سخت سیاہ بہت اندھیرے والی ہے اس کے شعلے بھی روشن نہیں نہ اس کے انگارے روشنی والے ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت زید رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے، جہنمی اس میں سانس بھی نہ لے سکیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، واللہ انہیں چھوٹنے کی تو آس ہی نہیں رہے گی، پیروں میں بوجھل بیڑیاں ہیں، ہاتھوں میں مضبوط ہتھکڑیاں ہیں۔ ہاں آگ کے شعلے انہیں اس قدر اونچا کر دیتے ہیں کہ گویا باہر نکل جائیں گے لیکن پھر فرشتوں کے ہاتھوں سے گرز کھا کر تہہ میں اتر جاتے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ اب جلنے کا مزہ چکھو۔ جیسے فرمان ہے، ان سے کہا جائے گا کہ اس آگ کا عذاب برداشت کرو جسے آج تک جھٹلاتے رہے۔ زبانی بھی اور اپنے اعمال سے بھی۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ
مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ
مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سچے موتی بھی، وہاں ان کا لباس خالص ریشم ہوگا ○ پاکیزہ بات کی رہنمائی کر دی گئی اور قابل صد تعریف راہ کی ہدایت کر دی گئی ○

جنت کے محلات وباغات: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اوپر جہنمیوں کا، ان کی سزاؤں کا، ان کے طوق وزنجیر کا، ان کے جلنے جھلنے کا، ان کے آگ کے لباس کا ذکر کر کے اب جنت کا، وہاں کی نعمتوں کا اور وہاں کے رہنے والوں کا حال بیان فرما رہا ہے۔ اللہ ہمیں اپنی سزاؤں سے بچائے اور جزاؤں سے نوازے، آمین۔ فرماتا ہے ایمان اور نیک عمل کے بدلے جنت ملے گی جہاں کے محلات اور باغات کے چاروں طرف پانی کی نہریں لہریں مار رہی ہوں گی جہاں چاہیں گے، وہیں خود بخود ان کا رخ ہو جایا کرے گا۔ سونے کے زیوروں سے سجے ہوئے ہوں

گے موتیوں میں تل رہے ہوں گے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے، مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جنت میں ایک فرشتہ ہے جس کا نام بھی مجھے معلوم ہے، وہ اپنی پیدائش سے مومنوں کے لئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت تک اسی کام میں رہے گا۔ اگر ان میں سے ایک کنگن بھی دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اسی طرح جاتی رہے جس طرح اس کے نکلنے سے چاند کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ دوزخیوں کے کپڑوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں بہشتیوں کے کپڑوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نرم چمکیلے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ جیسے سورہ دہر میں ہے کہ ان کے لباس سبز ریشمی ہوں گے، چاندی کے کنگن ہوں گے اور شراب طہور کے جام پر جام پی رہے ہوں گے۔ یہ ہے تمہاری جزا اور یہ ہے تمہاری بارآور سعی کا نتیجہ۔ صحیح حدیث میں ہے، ریشم تم نہ پہنو، جو اسے دنیا میں پہن لے گا، وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جو اس دن ریشمی لباس سے محروم رہا، وہ جنت میں نہ جائے گا۔ کیونکہ جنت والوں کا یہی لباس ہے۔ ان کو پاک بات سکھا دی گئی۔ جیسے فرمان ہے تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ایماندار بحکم الٰہی جنت میں جائیں گے جہاں ان کا تحفہ آپس میں سلام ہوگا۔ اور آیت میں ہے، ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور سلام کر کے کہیں گے تمہارے صبر کا کیا ہی اچھا انجام ہوا۔ اور جگہ فرمایا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا وہاں کوئی لغو بات اور رنج دینے والی بات نہ سنیں گے بجز سلام اور سلامتی کے۔ پس انہیں وہ مکان دے دیا گیا جہاں صرف دل لبھانے والی آوازیں اور سلام ہی سلام سنتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے، وہاں مبارک سلامت کی آوازیں ہی آئیں گی برخلاف دوزخیوں کے کہ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہیں۔ جھڑکے جاتے ہیں اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ ایسے عذاب برداشت کرو وغیرہ۔ اور انہیں وہ جگہ دی گئی کہ یہ نہال نہال ہو گئے اور بیساختہ ان کی زبانوں سے اللہ کی حمد ادا ہونے لگی۔ کیونکہ بیشمار بے نظیر رحمتیں پالیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جیسے بے قصد و بے تکلف سانس آتا جاتا رہتا ہے اسی طرح بہشتیوں کو تسبیح وحمد کا الہام ہوگا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ طیب کلام سے مراد قرآن کریم ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے، حدیث کے ورد اور اذکار ہیں اور صراط حمید سے مراد اسلامی راستہ ہے۔ یہ تفسیر بھی پہلی تفسیر کے خلاف نہیں واللہ اعلم۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ
بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ؑ ﴿۲۵﴾ ع ۳ ۱۰

جن لوگوں نے کفر کیا اور راہ اللہ سے روکنے لگے اور اس حرمت والی مسجد سے بھی جسے ہم نے تمام لوگوں کے لئے مساوی کر دیا ہے، وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے ہوں، جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ کرے، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے ○

مسجد الحرام سے روکنے والے : ☆☆ (آیت:۲۵) اللہ تعالیٰ کافروں کے اس فعل کی تردید کرتا ہے جو وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے تھے۔ وہاں انہیں احکام حج ادا کرنے سے باز رکھتے تھے باوجود اس کے اولیاء اللہ ہونے کا دعوی کرتے تھے حالانکہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر مدینے شریف کا ہے۔ جیسے سورہ بقرہ کی آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ الخ، میں ہے۔ یہاں فرمایا کہ باوجود کفر کے پھر یہ بھی فعل ہے کہ راہ اللہ سے اور مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں جو درحقیقت اس کے اہل ہیں۔ یہی ترتیب اس آیت کی ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ الخ، یعنی ان کی صفت یہ ہے کہ ان کے دل ذکر اللہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ مسجد حرام جو اللہ نے سب کے لئے یکساں طور پر باحرمت بنائی ہے۔ مقیم، مسافر کے حقوق میں کوئی کمی زیادتی

نہیں رکھی- اہل مکہ بھی مسجد حرام میں اتر سکتے ہیں اور باہر والے بھی- وہاں کی منزلوں میں، وہاں کے باشندے اور بیرونی ممالک کے لوگ سب ایک ہی حق رکھتے ہیں- اس مسئلے میں امام شافعیؒ، امام اسحاق بن راہویہ نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں اختلاف کیا- امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تو فرمانے لگے، مکے کی حویلیاں ملکیت میں لائی جاسکتی ہیں، ورثے میں بٹ سکتی ہیں اور کرائے پر بھی دی جاسکتی ہیں- دلیل یہ دی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کل آپ مکے میں اپنے ہی مکان میں اتریں گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ عقیل نے ہمارے لئے کون سی حویلی چھوڑی ہے؟

پھر فرمایا، کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کا- اور دلیل یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر وہاں جیل خانہ بنایا تھا- طاؤس اور عمرو بن دینار بھی اس مسئلے میں امام صاحب کے ہم نوا ہیں- امام اسحاق بن راہویہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ وہ ورثے میں بٹ نہیں سکتے نہ کرائے پر دیئے جاسکتے ہیں- سلف میں سے ایک جماعت یہی کہتی ہے مجاہدؒ اور عطاؒ کا یہی مسلک ہے- اس کی دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے حضرت علقمہ بن فضلہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے زمانے میں صدیقی اور فاروقی خلافت میں مکے کی حویلیاں آزاد اور بے ملکیت کہی جاتی رہیں اگر ضرورت ہوتی تو رہتے ورنہ اوروں کو بسنے کے لئے دے دیتے- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نہ تو مکے شریف کے مکانوں کا بیچنا جائز ہے نہ ان کا کرایہ لینا، حضرت عطا بھی حرم میں کرایہ لینے کو منع کرتے تھے- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکے شریف کے گھروں کے دروازے رکھنے سے روکتے تھے کیونکہ صحن میں حاجی لوگ ٹھہرا کرتے تھے- سب سے پہلے گھر کا دروازہ سہیل بن عمرو نے بنایا- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت انہیں حاضری کا حکم بھیجا انہوں نے آ کر کہا، مجھے معاف فرمایا جائے- میں سوداگر شخص ہوں میں نے ضرورتاً یہ دروازے بنائے ہیں تاکہ میرے جانور میرے بس میں رہیں- آپ نے فرمایا، پھر خیر ہم اسے تیرے لئے جائز رکھتے ہیں- اور روایت میں حکم فاروقی ان الفاظ میں مروی ہے کہ اے اہل مکہ اپنے مکانوں کے دروازے نہ رکھو تاکہ باہر کے لوگ جہاں چاہیں ٹھہریں- عطا فرماتے ہیں، شہری اور غیر وطنی ان میں برابر ہیں، جہاں چاہیں اتریں- عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں، مکے شریف کے گھروں کا کرایہ کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ بھرنے والا ہے- امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے ان دونوں کے درمیان کا مسلک پسند فرمایا یعنی ملکیت کو اور ورثے کو تو جائز بتایا ہاں کرائے کو ناجائز کہا ہے اس سے دلیلوں میں جمع ہو جاتی ہے واللہ اعلم-

بالحاد میں "با" زائد ہے جیسے تَنۢبُتُ بِالدُّھْنِ میں- اور اعشی کے شعر ضَمِنَتْ بِرِزْقِ عِیَالِنَا اَرْمَاحُنَا الخ، یعنی ہمارے گھرانے کی روزیاں ہمارے نیزوں پر موقوف ہیں الخ اور شاعروں کے اشعار میں "با" کا ایسے موقعوں پر زائد آنا مستعمل ہوا ہے لیکن اس سے بھی عمدہ بات یہ ہے کہ ہم کہیں کہ یہاں کا فعل یَھُمُّ کے معنی کا متضمن ہے اس لئے "با" کے ساتھ متعدی ہوا ہے- الحاد سے مراد کبیرہ شرمناک گناہ ہے- بِظُلْمٍ سے مراد قصداً ہے- تاویل کی رو سے نہ ہونا ہے- اور معنی شرک کے، غیر اللہ کی عبادت کے بھی کئے گئے ہیں- یہ بھی مطلب ہے کہ حرم میں اللہ کے حرام کئے ہوئے کام کو حلال سمجھ لینا جیسے گناہ، قتل، بے جا ظلم وستم وغیرہ ایسے لوگ دردناک عذابوں کے سزاوار ہیں- حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جو بھی یہاں برا کام کرے- یہ حرم شریف کی خصوصیت ہے کہ غیر وطنی لوگ جب کسی بد کام کا ارادہ بھی کرلیں تو بھی انہیں سزا ہوتی ہے چاہے عملاً اسے نہ کریں- ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور حرم میں الحاد و ظلم کا ارادہ رکھتا ہو تو بھی اللہ اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا- حضرت شعبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس نے تو اس کو مرفوع بیان کیا تھا لیکن میں اسے مرفوع نہیں کرتا- اس کی اور سند بھی ہے جو صحیح ہے اور موقوف ہونا بہ نسبت مرفوع ہونے کے زیادہ ٹھیک ہے- عموماً قول

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے واللہ اعلم - اور روایت میں ہے' کسی پر برائی کے صرف ارادے سے برائی نہیں لکھی جاتی - لیکن اگر دور دراز مثلاً عدن میں بیٹھ کر بھی یہاں کے کسی شخص کے قتل کا ارادہ کرے تو اللہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا - حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہاں یا نہیں کہنے پر یہاں قسمیں کھانا بھی الحاد میں داخل ہے - سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اپنے خادم کو یہاں گالی دینا بھی الحاد میں ہے - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے' امیر شخص کا یہاں آ کر تجارت کرنا - ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مکے میں اناج کا بیچنا - حبیب بن ابو ثابت فرماتے ہیں' گراں فروشی کے لئے اناج کو یہاں روک رکھنا -

ابن ابی حاتم میں بھی فرمان رسول ﷺ سے یہی منقول ہے - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ آیت عبداللہ بن انیس کے بارے میں اتری ہے - اسے حضور ﷺ نے ایک مہاجر اور ایک انصار کے ساتھ بھیجا تھا - ایک مرتبہ ہر ایک اپنے اپنے نسب نامے پر فخر کرنے لگا - اس نے غصے میں آ کر انصاری کو قتل کر دیا اور مکے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور دین اسلام چھوڑ بیٹھا تو مطلب یہ ہوگا کہ جو الحاد کے بعد مکہ کی پناہ لے - ان آثار سے گو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام الحاد میں سے ہیں لیکن حقیقتاً یہ ان سب سے زیادہ اہم بات ہے بلکہ اس سے بڑی چیز پر اس میں تنبیہ ہے - اسی لئے جب ہاتھی والوں نے بیت اللہ شریف کی خرابی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے جنہوں نے ان پر کنکریاں پھینک کر ان کا بھس اڑا دیا اور وہ دوسروں کے لئے باعث عبرت بنا دیئے گئے - چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک لشکر اس بیت اللہ کے غزوے کے ارادے سے آئے گا - جب وہ بیدا میں پہنچیں گے تو سب کے سب مع اول و آخر کے دھنسا دیئے جائیں گے الخ - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں' آپ یہاں الحاد کرنے سے بچیں - میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ یہاں ایک قریشی الحاد کرے گا - اس کے گناہ اگر تمام جن و انس کے گناہوں سے تولے جائیں تو بھی بڑھ جائیں - دیکھو خیال رکھو - تم وہی نہ بن جانا (مسند احمد) اور روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ نصیحت آپ نے انہیں حطیم میں بیٹھ کر کی تھی -

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ
شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾
وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ
يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

جب کہ ہم نے ابراہیم کو کعبے کے مکان کی جگہ مقرر کر دی اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف' قیام رکوع' سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھنا ○ لوگوں میں حج کی منادی کر دے - لوگ تیرے پاس پا پیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی - دور دراز کی تمام راہوں سے آ جائیں گے ○

مسجد حرام کی اولین بنیاد توحید ہے: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) یہاں مشرکین کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد اول دن سے اللہ کی توحید پر رکھی گئی ہے' تم نے اس میں شرک جاری کر دیا - اس گھر کے بانی خلیل اللہ علیہ السلام ہیں سب سے پہلے آپ نے ہی اسے بنایا - آنحضور ﷺ سے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ حضور ﷺ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا مسجد حرام' میں نے کہا پھر؟ فرمایا بیت المقدس - میں نے کہا ان دونوں کے درمیان کس قدر مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا چالیس سال کا - اللہ کا فرمان ہے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا دو آیتوں تک - اور آیت میں ہے ہم نے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو

پاک رکھنا الخ، بیت اللہ شریف کی بناء کا کل ذکر ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس لئے یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں فرمایا اسے صرف میرے نام پر بنا اور اسے پاک رکھ یعنی شرک وغیرہ سے اور اسے خاص کر دے ان کے لئے جو موحد ہیں۔ طواف وہ عبادت ہے جو ساری زمین پر بجز بیت اللہ کے میسر ہی نہیں نہ جائز ہے۔ پھر طواف کے ساتھ نماز کو ملایا۔ قیام، رکوع، سجدے کا ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ جس طرح طواف اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ نماز کا قبلہ بھی یہی ہے۔ ہاں اس حالت میں کہ انسان کو معلوم نہ ہو یا جہاد میں ہو یا سفر میں نفل نماز پڑھ رہا ہو تو بے شک قبلے کی طرف منہ نہ ہونے کی حالت میں بھی نماز ہو جائے گی واللہ اعلم۔

اور یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔ مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ! میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمے صرف پکارنا ہے آواز پہنچانا میرے ذمے ہے۔ پس آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر یا ابو قبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔ پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔ یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے پیٹ میں جو تھے انہیں بھی سنائی دی۔ ہر پتھر، درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا، با آواز بلند لبیک پکارا، بہت سے سلف سے یہ منقول ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سواریوں پر سوار بھی آئیں گے۔ اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا، تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدردانی کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میری یہ تمنا باقی رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔ اس لئے کہ فرمان الٰہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔ لیکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے باوجود کمال قدرت وقوت کے پاپیادہ حج نہیں کیا تو سواری پر حج کرنا حضور ﷺ کی پوری اقتدا ہے۔ پھر فرمایا، دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے۔ خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا بھی یہی تھی کہ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ لوگوں کے دلوں کو الٰہی تو ان کی طرف متوجہ کر دے۔ آج دیکھ لو وہ کون سا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا مشتاق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنائیں تڑپ نہ رہی ہوں۔ (اللہ ہمیں نصیب فرمائے)

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ
عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا
الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝۲۸

اپنے فائدے کے حاصل کرنے کو آ جائیں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں، پس تم آپ بھی اسے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ ○

دنیا اور آخرت کے فائدے: ☆☆ (آیت:۲۸) دنیا اور آخرت کے فوائد حاصل کرنے کے لیے آئیں۔ اللہ کی رضا کے ساتھ ہی دنیاوی مفاد، تجارت وغیرہ کا بھی فائدہ اٹھائیں۔ جیسے فرمایا لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ، موسم حج میں تجارت کرنا ممنوع نہیں۔ مقررہ دنوں سے مراد ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے، کسی دن کا عمل اللہ کے نزدیک ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں، لوگوں نے پوچھا جہاد بھی نہیں؟ فرمایا جہاد بھی نہیں بجز اس مجاہد کے عمل کے جس نے اپنا جان و مال راہ اللہ میں قربان کر دیا ہو (صحیح بخاری) میں نے اس حدیث کو اس کی تمام سندوں کے ساتھ ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت

میں ہے، کسی دن کا عمل اللہ کے نزدیک ان دنوں سے بڑا اور پیارا نہیں پس تم ان دس دنوں میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بکثرت پڑھا کرو- انہی دس دنوں کی قسم وَلَيَالٍ عَشْرٍ کی آیت میں ہے- بعض سلف کہتے ہیں وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ سے بھی مراد یہی دن ہیں- ابوداؤد میں ہے حضور ﷺ ان دنوں میں روزے سے رہا کرتے تھے- بخاری شریف میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں بازار میں آتے اور تکبیر پکارتے، بازار والے بھی آپ کے ساتھ تکبیریں پڑھنے لگتے- ان ہی دس دنوں میں عرفے کا دن ہے جس دن کے روزے کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ گذشتہ اور آئندہ دو سال کے گناہ اس سے معاف ہو جاتے ہیں- (صحیح مسلم شریف) ان ہی دس دنوں میں قربانی کا دن یعنی بقرہ عید کا دن ہے جس کا نام اسلام میں حج اکبر کا دن ہے- ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ سب دنوں سے افضل ہے- الغرض سارے سال میں ایسی فضیلت کے دن اور نہیں-

جیسے کہ حدیث شریف میں ہے، یہ دس دن رمضان شریف کے آخری دس دنوں سے بھی افضل ہیں- کیونکہ نماز روزہ صدقہ وغیرہ جو رمضان کے اس آخری عشرہ میں ہوتا ہے، وہ سب ان دنوں میں بھی ہوتا ہے مزید برآں ان میں فریضہ حج ادا ہوتا ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ رمضان شریف کے آخری دس دن افضل ہیں کیونکہ انہی میں لیلۃ القدر ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے- تیسرا قول درمیانہ ہے کہ دن تو یہ افضل اور راتیں رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کی افضل ہیں- اس قول کے مان لینے سے مختلف دلائل میں جمع ہو جاتی ہے واللہ اعلم-

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کی تفسیر میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قربانی کا دن اور اس کے بعد کے تین دن ہیں- حضرت ابن عمر اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے اور ایک روایت سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے- تیسرا قول یہ ہے کہ بقرہ عید اور اس کے بعد کے دو دن- اور ایام معدودات سے بقرہ عید اور اس کے بعد کے تین دن- اس کی اسناد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صحیح ہیں- سدی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے- اور اس کی اور اس سے پہلے کے قول کی تائید فرمان باری عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی کے وقت اللہ کا نام لینا ہے- چوتھا قول یہ ہے کہ یہ عرفے کا دن، بقرہ عید کا دن اور اس کے بعد کا ایک دن ہے- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے- حضرت اسلم زید بن سے مروی ہے کہ مراد یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق ہیں- بھیمۃ الانعام سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہیں- جیسے سورہ انعام کی آیت ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ میں مفصل موجود ہے- پھر فرمایا، اسے خود کھاؤ اور محتاجوں کو کھلاؤ- اس سے بعض لوگوں نے دلیل لی ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا واجب ہے- لیکن یہ قول غریب ہے- اکثر بزرگوں کا مذہب ہے کہ یہ رخصت ہے یا استحباب ہے- چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے جب قربانی کی تو حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ٹکڑا نکال کر پکا لیا جائے- پھر آپؐ نے وہ گوشت کھایا اور شوربا پیا- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں اسے پسند کرتا ہوں کہ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا کھالے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے-

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے- اس کے برخلاف مسلمانوں کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت دی گئی- اب جو چاہے کھائے جو چاہے نہ کھائے- حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے- اس کے برخلاف مسلمانوں کو اس گوشت کے کھانے کی اجازت دی گئی- اب جو چاہے کھائے، جو چاہے نہ کھائے- حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے- مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہاں کا

یہ حکم وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کی طرح ہے یعنی جب تم احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کھیلو- اور سورہ جمعہ میں فرمان ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ- مطلب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں حکم ہے شکار کرنے کا اور زمین میں روزی تلاش کرنے کے لئے پھیل جانے کا لیکن یہ حکم وجوبی اور فرضی نہیں' اسی طرح اپنی قربانی کے گوشت کو کھانے کا حکم بھی ضروری اور واجب نہیں- امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں- بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے دو حصے کر دیئے جائیں- ایک حصہ خود قربانی کرنے والے کا' دوسرا حصہ فقیر فقرا کا- بعض کہتے ہیں تین حصے کرنے چاہئیں- تہائی اپنا' تہائی ہدیہ دینے کے لئے اور تہائی صدقہ کرنے کے لئے- پہلے قول والے اوپر کی آیت کی سند لاتے ہیں اور دوسرے قول والے آیت وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ کو دلیل میں پیش کرتے ہیں- اس کا پورا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ- عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ سے مطلب وہ بے بس انسان ہے جو احتیاج ہونے پر بھی سوال سے بچتا ہو- مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جو دست سوال دراز نہ کرتا ہو' بیمار ہو' کم بینائی والا ہو-

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾

پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف ادا کریں ○

احکام حج: ☆☆ (آیت:۲۹) پھر وہ احرام کھول ڈالیں' سر منڈوالیں' کپڑے پہن لیں' ناخن کٹوا ڈالیں وغیرہ احکام حج پورے کر لیں- نذریں پوری کر لیں- حج کی قربانی کی اور جو ہو- پس جو شخص حج کے لئے نکلا' اس کے ذمے طواف بیت اللہ' طواف صفا و مروہ' عرفات کے میدان میں جانا' مزدلفے کی حاضری' شیطانوں کو کنکر مارنا وغیرہ سب کچھ لازم ہے' ان تمام احکام کو پورے کریں اور صحیح طور پر بجالائیں اور بیت اللہ شریف کا طواف کریں جو یوم النحر کو واجب ہے-

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حج کا آخری کام طواف ہے- حضور ﷺ نے بھی کیا- جب آپ دس ذی الحجہ کو منیٰ کی طرف واپس آئے تو سب سے پہلے شیطانوں کو سات سات کنکریاں ماریں- پھر قربانی کی پھر سر منڈوایا پھر لوٹ کر بیت اللہ آ کر طواف بیت اللہ کیا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے کہ لوگوں کو حکم کیا گیا ہے کہ ان کا آخری کام طواف بیت اللہ ہو- ہاں البتہ حائضہ عورتوں کو رعایت کر دی گئی ہے- بیت العتیق کے لفظ سے استدلال کر کے فرمایا گیا ہے کہ طواف کرنے والے کو حطیم بھی اپنے طواف کے اندر لے لینا چاہئے- اس لئے کہ وہ بھی اصل بیت اللہ شریف میں سے ہے- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بناء میں یہ داخل تھا- گو قریش نے نیا بناتے وقت اسے باہر چھوڑ دیا لیکن اس کی وجہ بھی خرچ کی کمی تھی نہ کہ اور کچھ- اس لئے حضور ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا اور فرما بھی دیا کہ حطیم بیت اللہ شریف میں داخل ہے- اور آپ نے دونوں شامی رکنوں کو ہاتھ نہیں لگایا نہ بوسہ دیا کیونکہ وہ بناء ابراہیم کے مطابق پورے نہیں- اس آیت کے اترنے کے بعد حضور ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا- پہلے اسی طرح کی عمارت تھی کہ یہ اندر تھا- اسی لئے اسے پرانا گھر کہا گیا- یہی سب سے پہلا بیت اللہ ہے اور وجہ یہ بھی ہے کہ یہ طوفان نوحؑ میں سلامت رہا- اور یہ بھی وجہ ہے کہ کوئی سرکش اس پر غالب نہیں آ سکا- یہ ان سب کی دستبرد سے آزاد ہے- جس نے بھی اس سے برا قصد کیا وہ تباہ ہوا- اللہ نے اسے سرکشوں کے تسلط سے آزاد کر لیا ہے- ترمذی میں اسی طرح کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے جو حسن غریب ہے اور ایک اور سند سے مرسلاً بھی مروی ہے-

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ
وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا
الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ
مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ
الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

یہ ہے، اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے، اس کے اپنے لئے اس کے رب کے پاس بہتری ہے، اور تمہارے لئے چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں بجز ان کے جو تمہارے سامنے بیان کئے گئے ہیں۔ پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہئے اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہئے ○ اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے، سنو اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا تو گویا آسمان سے گر پڑا۔ اب اسے یا تو پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی ○

بت پرستی کی گندگی سے دور رہو: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۱) فرماتا ہے، یہ تو تھے احکام حج اور ان پر جو جزا ملتی ہے اس کا بیان۔ اب اور سنو۔ جو شخص حرمات الٰہی کی عزت کرے یعنی گناہوں سے اور حرام کاموں سے بچے، ان کے کرنے سے اپنے تئیں روکے اور ان سے بھاگا رہے اس کے لئے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ جس طرح نیکیوں کے کرنے پر اجر ہے، اسی طرح برائیوں کے چھوڑنے پر بھی ثواب ہے۔ مکہ، حج، عمرہ بھی حرمات الٰہی ہیں۔ تمہارے لئے چوپائے سب حلال ہیں ہاں جو حرام تھے وہ تمہارے سامنے بیان ہو چکے ہیں۔ یہ جو مشرکوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام نام رکھ چھوڑے ہیں، یہ اللہ نے نہیں بتلائے۔ اللہ کو جو حرام کرنا تھا بیان فرما چکا جیسے مردار جانور بوقت ذبح، بہا ہوا خون، سور کا گوشت، اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا ہوا، گلا گھٹا ہوا وغیرہ۔ تمہیں چاہئے کہ بت پرستی کی گندگی سے دور رہو۔ ''من'' یہاں پر بیان جنس کے لئے ہے اور جھوٹی بات سے بچو۔ اس آیت میں شرک کے ساتھ جھوٹ کو ملا دیا جیسے آیت قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ الخ، یعنی میرے رب نے گندے کاموں کو حرام کر دیا خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ اور گناہ کو اور سرکشی کو اور بے علمی کے ساتھ اللہ پر باتیں بنانے کو۔ اسی میں جھوٹی گواہی بھی داخل ہے۔ صحیحین میں ہے، حضور ﷺ نے پوچھا، کیا میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے کہا، ارشاد ہو، فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، پھر تکیے سے الگ ہٹ کر فرمایا اور جھوٹ بولنا اور جھوٹی شہادت دینا، اسے بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش کہ آپ اب نہ فرماتے۔ مسند احمد میں حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں کھڑے ہو کر تین بار فرمایا، جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کر دی گئی۔ پھر آپؐ نے مندرجہ بالا فقرہ تلاوت فرمایا۔ اور روایت میں ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ نے کھڑے ہو کر یہ فرمایا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان بھی مروی ہے، اللہ کے دین کو خلوص کے ساتھ تھام لو، باطل سے ہٹ کر حق کی طرف آ جاؤ، اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والوں میں نہ بنو۔ پھر مشرک کی تباہی کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کوئی آسمان سے گر پڑے۔ پس یا تو اسے پرند ہی اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی ہلاکت کے دور دراز گڑھے میں پہنچا دے گی۔ چنانچہ کافر کی روح کو لے کر جب فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔ اور وہیں سے وہ پھینک دی جاتی ہے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ سورہ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔ سورۂ انعام میں ان مشرکوں کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے۔ یہ اس کی مثل کے ہے جسے شیطان باؤلا بنا دے الخ۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ سن لیا اور سنو اللہ کی نشانیوں کی جو عزت وحرمت کرے' اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ ہے O

قربانی کے جانور اور حجاج : ☆☆ (آیت :۳۲-۳۳) اللہ کے شعائر کی جن میں قربانی کے جانور بھی شامل ہیں' حرمت وعزت بیان ہو رہی ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنا اللہ کے فرمان کی توقیر کرنا ہے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی قربانی کے جانوروں کو فربہ اور عمدہ کرنا- ابوامامہ بن سہل کا بیان ہے کہ ہم قربانی کے جانوروں کو پال کر انہیں فربہ اور عمدہ کرتے تھے- تمام مسلمانوں کا یہی دستور تھا (بخاری شریف) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کے دو سیاہ رنگ کے جانوروں کے خون سے ایک سفید رنگ جانور کا خون اللہ کو زیادہ محبوب ہے- (مسند احمد' ابن ماجہ) پس اگرچہ اور رنگت کے جانور بھی جائز ہیں لیکن سفید رنگ کے جانور افضل ہیں- صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے چت کبرے بڑے بڑے سینگوں والے اپنی قربانی میں ذبح کئے- ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ایک مینڈھا بڑا سینگ والا چت کبرا ذبح کیا جس کے منہ پر آنکھوں کے پاس اور پیروں پر سیاہ رنگ تھا- (سنن) امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے صحیح کہتے ہیں- ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے دو مینڈھے بہت موٹے تازے' چکنے' چت کبرے' خصی ذبح کئے- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم قربانی کے لئے جانور خریدتے وقت اس کی آنکھوں کو اور کانوں کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا کریں- اور آگے سے کٹے ہوئے کان والے' پیچھے سے کٹے ہوئے کان والے' لمبائی میں چرے ہوئے کان والے یا سوراخ دار کان والے کی قربانی نہ کریں (احمد' اہل سنن) اسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں- اسی طرح حضور ﷺ نے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے- اس کی شرح میں حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب کہ آدھا یا آدھے سے زیادہ کان یا سینگ نہ ہو- بعض اہل لغت کہتے ہیں' اگر اوپر سے کسی جانور کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو تو اسے عربی میں قصما کہتے ہیں اور جب نیچے کا حصہ ٹوٹا ہوا ہو تو اسے عضب کہتے ہیں- اور حدیث میں لفظ عضب ہے- اور کان کا کچھ حصہ کٹ گیا ہو تو اسے بھی عربی میں عضب کہتے ہیں- امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ایسے جانور کی قربانی گو جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ- امام احمدؒ فرماتے ہیں' جائز ہی نہیں- (بہ ظاہر یہی قول مطابق حدیث ہے) امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر سینگ سے خون جاری ہے تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے واللہ اعلم- حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ چار قسم کے عیب دار جانور قربانی میں جائز نہیں کانا جانور جس کا بھینگا پن ظاہر ہو اور وہ بیمار جانور جس کی بیماری کھلی ہوئی ہو اور وہ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور وہ دبلا پتلا مریل جانور جو گودے بغیر کا ہو گیا ہو- (احمد و اہل سنن) اسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں- یہ عیوب وہ ہیں جن سے جانور گھٹ جاتا ہے- اس کا گوشت ناقص ہو جاتا ہے اور بکریاں چرتی چگتی رہتی ہیں اور یہ بوجہ اپنی کمزوری کے چارہ پورا نہیں پاتا- اسی لئے اسی حدیث کے مطابق امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک اس کی قربانی ناجائز ہے- ہاں بیمار جانور کے بارے میں جس کی بیماری خطرناک درجے کی نہ ہو' بہت کم ہو' امام صاحب کے دونوں قول ہیں-

ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا بالکل سینگ کٹے جانور' سینگ ٹوٹے جانور' اور کانے جانور سے اور بالکل کمزور جانور سے جو ہمیشہ ہی ریوڑ کے پیچھے رہ جاتا ہو بوجہ کمزوری کے یا بوجہ زیادہ عمر ہو جانے کے اور لنگڑے جانور سے' پس ان کل عیوب والے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے- ہاں اگر قربانی کے لئے صحیح سالم بے عیب جانور مقرر کر دینے کے بعد اتفاقاً اس میں کوئی ایسی بات آ جائے مثلاً لولا لنگڑا وغیرہ ہو جائے تو حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے' امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں- امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے قربانی کے لئے

جانور خریدا اس پر ایک بھیڑیئے نے حملہ کیا اور اس کی ران کا بوٹا توڑ لیا۔ میں نے حضور ﷺ سے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا' تم اسی جانور کی قربانی کر سکتے ہو۔ پس خریدتے وقت جانور کا فربہ ہونا' تیار ہونا' بے عیب ہونا چاہئے جیسے حضور ﷺ کا حکم ہے کہ آنکھ کان دیکھ لیا کرو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نہایت عمدہ اونٹ قربانی کے لئے نامزد کیا۔ لوگوں نے اس کی قیمت تین سو اشرفی لگائی تو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے بیچ دوں اور اس کی قیمت سے اور جانور بہت سے خرید لوں اور انہیں راہ للہ قربان کروں آپ نے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ اسی کو فی سبیل اللہ ذبح کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' قربانی کے اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ محمد بن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' عرفات میں ٹھہرنا اور مزدلفہ اور رمی جمار اور سر منڈوانا اور قربانی کے اونٹ یہ سب شعائر اللہ ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ان سب سے بڑھ کر بیت اللہ شریف ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ
الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

ع ۸

ان میں تمہارے لئے ایک مقرر وقت تک کا فائدہ ہے۔ پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے ○

(آیت: ۳۳) پھر فرماتا ہے' ان جانوروں کے بالوں میں اون میں تمہارے لئے فوائد ہیں' ان پر تم سوار ہوتے ہو' ان کی کھالیں تمہارے لئے کار آمد ہیں' یہ سب ایک مقررہ وقت تک یعنی جب تک اسے راہ للہ نامزد نہیں کیا۔ ان کا دودھ پیو' ان سے نسلیں حاصل کرو' جب قربانی کے لئے مقرر کر دیا پھر وہ اللہ کی چیز ہو گیا۔ اور بزرگ کہتے ہیں اگر ضرورت ہو تو اب بھی سواری کی اجازت ہے۔ صحیحین میں ہے کہ ایک شخص کو اپنی قربانی کا جانور ہانکتے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے فرمایا' اس پر سوار ہو جاؤ' اس نے کہا حضور ﷺ میں اسے قربانی کی نیت کا کر چکا ہوں۔ آپ نے دوسری یا تیسری بار فرمایا افسوس بیٹھ کیوں نہیں جاتا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' جب ضرورت اور حاجت ہو تو سوار ہو جایا کرو۔ ایک شخص کی قربانی کی اونٹنی نے بچہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اس کو دودھ پیٹ بھر کر پی لینے دے۔ پھر بھی اگر بچ رہے تو خیر تو اپنے کام میں لا اور قربانی والے دن اسے اور اس بچے کو دونوں کو بنام الٰہی ذبح کر دے۔ پھر فرماتا ہے' ان کی قربان گاہ بیت اللہ شریف ہے۔ جیسے فرمان ہے هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اور آیت میں وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ بیت العتیق کے معنی اس سے پہلے ابھی بیان ہو چکے ہیں فالحمد للہ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' بیت اللہ کا طواف کرنے والا احرام سے حلال ہو جاتا ہے۔ دلیل میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا
رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ
اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

ہر ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تا کہ وہ ان چوپائے جانوروں پر نام اللہ لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں' سمجھ لو کہ تم سب کا معبود

برحق صرف ایک ہی ہے۔ تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ، اے نبی عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دے ○ انہیں جب اللہ کا ذکر کیا جائے، ان کے دل تھرا جاتے ہیں۔ انہیں جو برائی پہنچے، اس پر صبر کرتے ہیں، نمازوں کی حفاظت و اقامت کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، وہ بھی دیتے رہتے ہیں ○

قربانی ہر امت پر فرض قرار دی گئی: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) فرمان ہے کہ کل امتوں میں ہر مذہب میں ہر گروہ کو ہم نے قربانی کا حکم دیا تھا۔ ان کے لئے ایک دن عید کا مقرر تھا۔ وہ بھی اللہ کے نام ذبیحہ کرتے تھے۔ سب کے سب مکے شریف میں اپنی قربانیاں بھیجتے تھے۔ تا کہ قربانی کے چوپائے جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام ذکر کریں۔ حضور علیہ السلام کے پاس بھی دو مینڈھے چت کبرے بڑے سینگوں والے لائے گئے۔ آپ نے انہیں لٹا کر ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا۔

مسند احمد میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا، تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت، پوچھا ہمیں اس میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ دریافت کیا اور ''اون'' کا کیا حکم ہے؟ فرمایا، ان کے ہر روئیں کے بدلے ایک نیکی۔ اسے امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ بھی لائے ہیں۔ تم سب کا اللہ ایک ہے گو شریعت کے بعض احکام ادل بدل ہوتے رہے لیکن توحید میں، اللہ کی یگانگت میں، کسی رسول کو، کسی نیک امت کو اختلاف نہیں ہوا۔ سب اللہ کی توحید، اسی کی عبادت کی طرف تمام جہان کو بلاتے رہے۔ سب پر اول وحی یہی نازل ہوتی رہی۔ پس تم سب اس کی طرف جھک جاؤ، اس کے ہو کر رہو، اس کے احکام کی پابندی کرو، اس کی اطاعت میں استحکام کرو۔ جو لوگ مطمئن ہیں، جو متواضع ہیں، جو تقوے والے ہیں، جو ظلم سے بیزار ہیں، مظلومی کی حالت میں بدلہ لینے کے خوگر نہیں، مرضی مولا، رضائے رب پر راضی ہیں، انہیں خوشخبریاں سنا دیں، وہ مبارک باد کے قابل ہیں۔ جو ذکر اللہ سنتے ہیں، دل نرم اور خوف الٰہی سے پر کر کے رب کی طرف جھک جاتے ہیں، کٹھن کاموں پر صبر کرتے ہیں، مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، واللہ اگر تم نے صبر و برداشت کی عادت نہ ڈالی تو تم برباد کر دیئے جاؤ گے۔ وَالْمُقِیْمِی کی قرأت اضافت کے ساتھ تو جمہور کی ہے۔ لیکن ابن سمیفع نے وِالْمُقِیْمِیْنَ پڑھا ہے اور الصَّلٰوۃ کا زبر پڑھا ہے۔ امام حسن نے پڑھا تو ہے نون کے حذف اور اضافت کے ساتھ لیکن الصَّلٰوۃ کا زبر پڑھا ہے اور فرماتے ہیں کہ نون کا حذف یہاں پر بوجہ تخفیف کے ہے کیونکہ اگر بوجہ اضافت مانا جائے تو اس کا زیر لازم ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بوجہ قرب کے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ فریضہ الٰہی کے پابند ہیں اور اللہ کا حق ادا کرنے والے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا دیتے رہتے ہیں۔ اپنے گھرانے کے لوگوں کو، فقیروں محتاجوں کو اور تمام مخلوق کو جو بھی ضرورت مند ہوں، سب کے ساتھ سلوک و احسان سے پیش آتے ہیں۔ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ منافقوں کی طرح نہیں کہ ایک کام کریں تو ایک کو چھوڑیں۔ سورہ براۃ میں بھی یہی صفتیں بیان فرمائی ہیں اور وہیں پوری تفسیر بھی بحمد اللہ ہم کر آئے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا
وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝۳۶

قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا نام اللہ پڑھ کر نحر کرو، پھر جب ان کے پہلو زمین

سے لگ جائیں تو اسے خود بھی کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارا ماتحت کر رکھا ہے کہ تم شکر گزاری کرو ○

شعائر اللہ کیا ہیں؟ ☆☆ (آیت: ۳۶) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے جانور پیدا کئے اور انہیں اپنے نام پر قربان کرنے اور اپنے گھر بطور قربانی کے پہنچانے کا حکم فرمایا اور انہیں شعائر اللہ قرار دیا اور حکم فرمایا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ الخ‘ نہ تو اللہ کی ان عظمت والے نشانات کی بے ادبی کرو نہ حرمت والے مہینوں کی گستاخی کرو۔ لہٰذا ہر اونٹ‘ گائے جو قربانی کے لئے مقرر کر دیا جائے‘ وہ بدن میں داخل ہے۔ گو بعض لوگوں نے صرف اونٹ کو ہی بدن کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اونٹ تو ہے ہی‘ گائے بھی اس میں شامل ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس طرح اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے قربان ہو سکتا ہے‘ اسی طرح گائے بھی۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ میں سات شریک ہو جائیں اور گائے میں بھی سات آدمی شرکت کر لیں۔ امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ تو فرماتے ہیں ان دونوں جانوروں میں دس دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ مسند احمد اور سنن نسائی میں ایسی حدیث بھی آئی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا‘ ان جانوروں میں تمہارا اخروی نفع ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں‘ بقرہ عید والے دن انسان کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک قربانی سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں‘ کھروں اور بالوں سمیت انسان کی نیکیوں میں پیش کیا جائے گا۔ یاد رکھو قربانی کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے۔ پس ٹھنڈے دل سے قربانیاں کرو (ابن ماجہ‘ ترمذی)۔ ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ تو قرض اٹھا کر بھی قربانی کیا کرتے تھے اور لوگوں کے دریافت کرنے پر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے‘ اس میں تمہارا بھلا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں! کسی خرچ کا فضل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہ نسبت اس خرچ کے جو بقرہ عید والے دن کی قربانی پر کیا جائے ہرگز افضل نہیں۔ (دار قطنی) پس اللہ فرماتا ہے تمہارے لئے ان جانوروں میں ثواب ہے‘ نفع ہے‘ ضرورت کے وقت دودھ پی سکتے ہو‘ سوار ہو سکتے ہو۔ پر ان کی قربانی کے وقت اپنا نام پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں‘ میں نے عید الاضحیٰ کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی‘ نماز سے فراغت پاتے ہی آپؐ کے سامنے مینڈھا لایا گیا جسے آپؐ نے بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ کر ذبح کیا پھر کہا الٰہی یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے جو قربانی نہ کر سکے‘ اس کی طرف سے ہے (احمد‘ داؤد‘ ترمذی) فرماتے ہیں عید والے دن آپ کے پاس دو مینڈھے لائے گئے‘ انہیں قبلہ رخ کر کے آپ نے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَه وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّ اُمَّتِهٖ پڑھ کر بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کر ڈالا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ دو مینڈھے موٹے تازے تیار عمدہ بڑے سینگوں والے چت کبرے خریدتے‘ جب نماز پڑھ کر خطبے سے فراغت پاتے‘ ایک جانور آپ کے پاس لایا جاتا‘ آپ وہیں عید گاہ میں ہی خود اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرتے اور فرماتے‘ اللہ تعالیٰ یہ میری ساری امت کی طرف سے ہے جو بھی توحید و سنت کا گواہ ہے پھر دوسرا جانور حاضر کیا جاتا جسے ذبح کر کے فرماتے یہ محمد ﷺ اور آل محمد کی طرف سے ہے پھر دونوں کا گوشت مسکینوں کو بھی دیتے اور آپؐ اور آپؐ کے گھر والے بھی کھاتے۔ (احمد‘ ابن ماجہ)

صَوَآفَّ کے معنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ کو تین پیروں پر کھڑا کر کے اس کا بایاں ہاتھ باندھ کر بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ

اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ پڑھ کر اسے نحر کرنے کے کئے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو قربان کرنے کے لئے بٹھایا ہے تو آپ نے فرمایا' اسے کھڑا کر دے اور اس کا پیر باندھ کر اسے نحر کر یہی سنت ہے ابوالقاسم ﷺ کی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے ہی نحر کرتے تھے (ابوداؤد) حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نحر کیا کرو۔ حجۃ الوداع کا بیان کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کئے آپؐ کے ہاتھ میں حربہ تھا جس سے آپ زخمی کر رہے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں صوافن ہے یعنی کھڑے کر کے پاؤں باندھ کر۔ صواف کے معنی خالص کے بھی کئے گئے ہیں یعنی جس طرح جاہلیت کے زمانے میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے صرف اللہ واحد کے نام پر ہی قربانیاں کرو۔ پھر جب یہ زمین پر گر پڑیں یعنی نحر ہو جائیں ٹھنڈے پڑ جائیں' تو خود کھاؤ' اوروں کو بھی کھلاؤ' نیزہ تھے' تم نہ کرو' مارتے ہی ٹکڑے کاٹنے شروع نہ کرو جب تک روح نہ نکل جائے اور ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ روحوں کے نکالنے میں جلدی نہ کرو۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ سلوک کرنا لکھ دیا ہے' دشمنوں کو میدان جنگ میں قتل کرتے وقت بھی نیک سلوک رکھو اور جانوروں کو ذبح کرتے' وقت بھی اچھی طرح سے نرمی کے ساتھ ذبح کرو' چھری تیز کر لیا کرو اور جانور کو تکلیف نہ دیا کرو۔ فرمان ہے کہ جانور میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے' اس کا کھانا حرام ہے (احمد' ابوداؤد' ترمذی)

پھر فرمایا! اسے خود کھاؤ۔ بعض سلف تو فرماتے ہیں' یہ کھانا مباح ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مستحب ہے اور لوگ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور مسکینوں کو بھی دو۔ خواہ وہ گھروں میں بیٹھنے والے ہوں خواہ در بدر سوال کرنے والے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ قانع تو وہ ہے جو صبر سے گھر میں بیٹھا رہے اور معتر وہ ہے جو ادھر ادھر آئے جائے لیکن سوال نہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع وہ ہے جو صرف سوال پر بس کرے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن اپنی عاجزی و مسکینی کا اظہار کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ قانع وہ ہے جو مسکین ہو۔ آنے جانے والا اور معتر سے مراد دوست اور ناتواں لوگ اور وہ پڑوسی جو گو مالدار ہوں لیکن تمہارے ہاں جو آئے جائے' اسے وہ دیکھتے ہوں۔ وہ بھی ہیں جو طمع رکھتے ہوں اور وہ بھی جو امیر فقیر موجود ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ قانع سے مراد تو سائل ہے کیونکہ وہ اپنا ہاتھ سوال کے لئے دراز کرتا ہے اور معتر سے مراد وہ جو ہیرے پھیرے کرے کہ کچھ مل جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنے چاہئیں تہائی اپنے کھانے کو' تہائی دوستوں کے دینے کو' تہائی صدقہ کرنے کو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو جمع کر رکھنے سے منع فرما دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ تک نہ روکا جائے اب میں اجازت دیتا ہوں کہ کھاؤ جمع کرو جس طرح چاہو۔ اور روایت میں ہے کہ کھاؤ جمع کرو اور صدقہ کرو۔ اور روایت میں ہے کھاؤ اور کھلاؤ اور راہ للہ دو۔ بعض لوگ کہتے ہیں' قربانی کرنے والا آدھا گوشت آپ کھائے اور باقی آدھا صدقہ کر دے کیونکہ قران نے فرمایا ہے' خود کھاؤ اور محتاج فقیر کو کھلاؤ اور حدیث میں بھی ہے کہ کھاؤ' جمع ذخیرہ کرو اور راہ للہ دو۔ اب جو شخص اپنی قربانی کا سارا گوشت خود ہی کھا جائے تو ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پر کچھ حرج نہیں۔ بعض کہتے ہیں' اسی پر دیسی ہی قربانی یا اس کی قیمت کی ادائیگی ہے بعض کہتے ہیں آدھی قیمت دے۔ بعض آدھا گوشت' بعض کہتے ہیں اس کے اجزا میں سے چھوٹے سے چھوٹے جز کی قیمت اس کے ذمے ہے باقی معاف ہے۔ کھال کے بارے میں مسند احمد میں حدیث ہے کہ کھاؤ اور فی اللہ دو اور اس کے چمڑوں سے فائدہ اٹھاؤ لیکن انہیں بیچو نہیں۔ بعض علماء نے بیچنے کی رخصت دی ہے۔ بعض کہتے ہیں' غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ (مسئلہ)

براء بن عازب کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلے ہمیں اس دن نماز عید ادا کرنی چاہئے پھر لوٹ کر قربانیاں کرنی چاہئیں جو ایسا کرے اس نے سنت کی ادائیگی کی۔ اور جس نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی اس نے گویا اپنے والوں کے لئے گوشت جمع کر لیا اسے قربانی سے کوئی لگاؤ نہیں (بخاری و مسلم) اسی لئے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ قربانی کا اول وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج نکل آئے اور اتنا وقت گزر جائے کہ نماز ہو لے اور دو خطبے ہو لیں۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے بعد کا اتنا وقت بھی کہ امام ذبح کر لے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ہے، امام جب تک قربانی نہ کرے، تم قربانی نہ کرو۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تو گاؤں والوں پر عید کی نماز ہی نہیں اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں ہاں شہری لوگ جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہو لے قربانی نہ کریں واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف عید والے دن ہی قربانی کرنا مشروع ہے اور قول ہے کہ شہر والوں کے لئے تو یہی ہے کیونکہ یہاں قربانیاں آسانی سے مل جاتی ہیں لیکن گاؤں والوں کے لئے عید کا دن اور اس کے بعد کے ایام تشریق۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دسویں اور گیارھویں تاریخ سب کے لئے قربانی کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید کے بعد کے دو دن اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید کا دن اور اس کے بعد کے تین دن جو ایام تشریق کے ہیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے کیونکہ حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایام تشریق سب قربانی کے ہیں (احمد، ابن حبان) کہا گیا ہے کہ قربانی کے دن ذی الحجہ کے خاتمہ تک ہیں لیکن یہ قول غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اسی وجہ سے ہم نے ان جانوروں کو تمہارا فرماں بردار اور زیر اثر کر دیا ہے کہ جب تم چاہو سواری لو، جب چاہو دودھ نکال لو، جب چاہو ذبح کر کے گوشت کھا لو۔ جیسے سورہ یٰسین میں اَلَمْ یَرَوْا سے اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ تک بیان ہوا ہے۔ یہی فرمان یہاں ہے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور ناشکری ناقدری نہ کرو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی رہنمائی کے شکریئے میں اس کی برائیاں بیان کرو، نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دے ○

قربانی پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو: ☆☆ (آیت: ۳۷) ارشاد ہوتا ہے کہ قربانیوں کے وقت اللہ کا نام بڑائی سے لیا جائے۔ اسی لئے قربانیاں مقرر ہوئی ہیں کہ خالق رازق اسے مانا جائے نہ کہ قربانیوں کے گوشت و خون سے اللہ کو کوئی نفع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے غنی اور کل بندوں سے بے نیاز ہے۔ جاہلیت کی بیوقوفیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قربانی کے جانور کا گوشت اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیتے تھے اور ان پر خون کا چھینٹا دیتے تھے۔ یہ بھی دستور تھا کہ بیت اللہ شریف پر قربانی کے خون چھڑکتے، مسلمان ہو کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کرنے کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تو تقوے کو دیکھتا ہے۔ اسی کو قبول فرماتا ہے اور اسی پر بدلہ عنایت فرماتا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ اس کی نظریں تمہارے مال پر ہیں بلکہ اس کی نگاہیں تمہارے دلوں پر اور تمہارے اعمال پر ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ خیرات، صدقہ سائل کے ہاتھ میں پڑے، اس سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، قربانی

کے جانور کے خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے، اس سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ خون کا قطرہ الگ ہوتے ہی قربانی مقبول ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔

عامر شعبیؒ سے قربانی کی کھالوں کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا اللہ کو گوشت و خون نہیں پہنچتا، اگر چاہو بیچ دو، اگر چاہو خود رکھ لو، اگر چاہو راہ للہ دے دو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضے میں دیا ہے کہ تم اللہ کے دین اور اس کی شریعت کی راہ پا کر اس کی مرضی کے کام کرو اور نامرضی کے کاموں سے رک جاؤ اور اس کی عظمت و کبریائی بیان کرو۔ جو لوگ نیک کار ہیں، حدود اللہ کے پابند ہیں، شریعت کے عامل ہیں، رسولوں کی صداقت تسلیم کرتے ہیں، وہ مستحق مبارکباد اور لائق خوشخبری ہیں۔

(مسئلہ) امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، ثوریؒ کا قول ہے کہ جس کے پاس نصاب زکوٰۃ جتنا مال ہو، اس پر قربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ وہ اپنے گھر میں مقیم ہو۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جسے وسعت ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ اس روایت میں غرابت ہے اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اسے منکر بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ برابر دس سال تک ہر سال قربانی کرتے رہے (ترمذی)

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ قربانی واجب و فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور کوئی فرضیت نہیں۔ یہ بھی روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی تمام امت کی طرف سے قربانی کی۔ پس وجوب ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوشریحہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ یہ دونوں بزرگ قربانی نہیں کرتے تھے اس ڈر سے کہ لوگ ان کی اقتدا کریں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں قربانی سنت کفایہ ہے جب کہ محلے میں سے یا گلی میں سے یا گھر میں سے کسی ایک نے کر لی باقی سب نے ایسا نہ کیا۔ اس لئے کہ مقصود صرف شعار کا ظاہر کرنا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں فرمایا، ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی ہے اور عتیرہ ہے جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ وہی جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے پورے گھر کی طرف سے ایک بکری راہ للہ ذبح کر دیا کرتے تھے اور خود بھی کھاتے، اوروں کو بھی کھلاتے۔ پھر لوگوں نے اس میں وہ کر لیا جو تم دیکھ رہے ہو۔ (ترمذی ابن ماجہ) حضرت عبداللہ بن ہشام اپنی اور اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے۔ (بخاری)

اب قربانی کے جانور کی عمر کا بیان ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نہ ذبح کرو مگر مسنہ بجز اس صورت کے کہ وہ تم پر بھاری پڑ جائے تو پھر بھیڑ کا بچہ بھی چھ ماہ کا ذبح کر سکتے ہو۔ زہری تو کہتے ہیں کہ جزعہ یعنی چھ ماہ کا کوئی جانور قربانی میں کام ہی نہیں آ سکتا اور اس کے بالمقابل اوزاعیؒ کا مذہب ہے کہ ہر جانور کا جزعہ کافی ہے لیکن یہ دونوں قول افراط و تفریط والے ہیں، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اونٹ، گائے، بکری تو وہ جائز ہے جو ثنی ہو اور بھیڑ کا چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔ اونٹ تو ثنی ہوتا ہے جب پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں لگ جائے اور گائے جب دو سال پورے کر کے تیسرے میں لگ جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین گزار کر چوتھے میں لگ گئی ہو اور بکری کا ثنی وہ ہے جو دو سال گزار چکا ہو اور جذعہ کہتے ہیں اسے جو سال بھر کا ہو گیا ہو۔ اور کہا گیا ہے جو دس ماہ کا ہو۔ ایک قول ہے جو آٹھ ماہ کا ہو۔ ایک قول ہے جو چھ ماہ کا ہو۔ اس سے کم مدت کا کوئی قول نہیں، اس سے کم عمر والے کو حمل کہتے ہیں۔ جب تک کہ اس کی پیٹھ پر بال کھڑے ہوں اور بال

لیٹ جائیں اور دونوں جانب جھک جائیں تو اسے جذع کہا جاتا ہے واللہ اعلم۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۳۸ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ ع ۵ ۱۲
وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۳۹

سن رکھو یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دے گا' کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ کو ہرگز پسند نہیں ○ جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں' انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں' بے شک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے ○

(آیت:۳۸) اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے خبر دے رہا ہے کہ جو اس کے بندے اس پر بھروسہ رکھیں' اس کی طرف جھکتے رہیں' انہیں وہ اپنی امان نصیب فرماتا ہے۔ شریروں کی برائیاں' دشمنوں کی بدیاں خود ہی ان سے دور کر دیتا ہے۔ اپنی مدد ان پر نازل فرماتا ہے' اپنی حفاظت میں انہیں رکھتا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ یعنی کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ الخ' جو اللہ پر بھروسہ رکھے' اللہ آپ اسے کافی ہے الخ' دغاباز اور ناشکرے اللہ کی محبت سے محروم ہیں۔ اپنے عہد و پیمان پورے نہ کرنے والے اللہ کی نعمتوں کے منکر اللہ کے پیار سے دور ہیں۔

حکم جہاد صادر ہوا: ☆☆ (آیت:۳۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' جب حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب مدینے سے بھی نکالے جانے لگے اور کفار مکے سے چڑھ دوڑے تب جہاد کی اجازت کی یہ آیت اتری۔ بہت سے سلف سے منقول ہے کہ جہاد کی یہ پہلی آیت ہے جو قرآن میں اتری۔ اسی سے بعض بزرگوں نے استدلال کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے مکے شریف سے ہجرت کی' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکلا کہ افسوس ان کفار نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کو وطن سے نکالا۔ یقیناً یہ تباہ ہوں گے۔ پھر یہ آیت اتری تو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان لیا کہ جنگ ہو کر رہے گی۔ اللہ اپنے مومن بندوں کی مدد پر قادر ہے۔ اگر چاہے تو بے لڑے بھڑے انہیں غالب کر دے لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے' اسی لئے حکم دیا کہ ان کفار کی گردنیں مارو الخ۔ اور آیت میں ہے فرمایا قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ الخ ان سے لڑو' اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور رسوا کرے گا اور ان پر تمہیں غالب کرے گا اور مومنوں کے حوصلے نکالنے کا موقع دے گا کہ ان کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں۔ ساتھ ہی جسے چاہے گا' توفیق توبہ دے گا۔ اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور آیت میں ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ الخ' یعنی کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تو وہ کھل کر سامنے نہیں آئے جو مجاہد ہیں' اللہ رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی سے دوستی اور یگانگت نہیں کرتے' سمجھ لو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور آیت میں ہے' کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک مجاہدین اور صابرین دوسروں سے ممتاز نہیں ہوئے۔ اور آیت میں فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ہم تمہیں یقیناً آزمائیں گے یہاں تک کہ تم میں سے غازی اور صبر کرنے والے ہمارے سامنے نمایاں ہو جائیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ پھر فرمایا اللہ ان کی امداد پر قادر ہے۔ اور یہی ہوا بھی کہ اللہ نے اپنے لشکر کو دنیا پر غالب کر دیا۔ جہاد کو شریعت نے جس وقت مشروع فرمایا' وہ وقت بھی اس کے لئے بالکل مناسب اور نہایت ٹھیک تھا۔

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا
رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ
فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝۴۰

یہ وہ ہیں جنہیں بلاوجہ ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے' اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسروں سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ویران کر دی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے' جو اللہ کی مدد کرے گا' اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے ○

(آیت: ۴۰) جب تک حضور ﷺ مکے میں رہے' مسلمان بہت ہی کمزور تھے' تعداد میں بھی دس کے مقابلے میں ایک بمشکل بیٹھتا۔ چنانچہ جب لیلتہ العقبہ میں انصاریوں نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر حضور ﷺ حکم دیں تو اس وقت منیٰ میں جتنے مشرکین جمع ہیں' ان پر شبخون ماریں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا' مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا۔

یہ یاد رہے کہ یہ بزرگ صرف اسی (۸۰) سے کچھ اوپر تھے۔ جب مشرکوں کی بغاوت بڑھ گئی' جب وہ سرکشی میں حد سے گزر گئے' حضور ﷺ کو سخت ایذائیں دیتے دیتے اب آپؐ کے قتل کرنے کے درپے ہو گئے' آپ کو جلاوطن کرنے کے منصوبے گانٹھنے لگے' اسی طرح صحابہ کرامؓ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑ دیئے۔ بیک بنی و دوگوش وطن مال اسباب' اپنوں غیروں کو چھوڑ کر جہاں جس کا موقعہ بنا' گھبرا کر چل دیا' کچھ تو حبشہ پہنچے' کچھ مدینے گئے۔ یہاں تک کہ خود آفتاب رسالتؐ کا طلوع بھی مدینے شریف میں ہوا۔ اہل مدینہ محمدیؐ جھنڈے تلے جوش وخروش سے جمع ہوئے۔ لشکری صورت مرتب ہو گئی۔ کچھ مسلمان ایک جھنڈے تلے دکھائی دینے لگے' قدم ٹکانے کی جگہ مل گئی۔ اب دشمنان دین سے جہاد کے احکام نازل ہوئے تو پس سب سے پہلے یہی آیت اتری۔ اس میں بیان فرمایا گیا کہ یہ مسلمان مظلوم ہیں۔ ان کے گھربار ان سے چھین لئے گئے ہیں' بے وجہ گھر سے بے گھر کر دیئے گئے ہیں' مکے سے نکال دیئے گئے' مدینے میں بے سروسامانی میں پہنچے' ان کا کوئی جرم بجز اس کے سوا نہ تھا کہ صرف اللہ کے پرستار تھے' رب کو ایک مانتے تھے' اپنا پروردگار صرف اللہ کو جانتے تھے۔ یہ استثنا منقطع ہے گو مشرکین کے نزدیک تو یہ امر اتنا بڑا جرم ہے جو ہرگز کسی صورت سے معافی کے قابل نہیں۔ فرمان ہے یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ الخ' تمہیں اور ہمارے رسول کو صرف اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ خندق والوں کے قصے میں فرمایا وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ یعنی دراصل ان کا کوئی قصور نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ غالب' مہربان' ذی احسان پر ایمان لائے تھے۔ مسلمان صحابہؓ خندق کھودتے ہوئے اپنے رجز میں کہہ رہے تھے۔

لَاهُمَّ لَوْ لَآ اَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِیْنَةً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّا قَیْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَآ اَرَادُوْ فِتْنَةً اَبَیْنَا

خود رسول اللہ ﷺ بھی ان کی موافقت میں تھے اور قافیہ کا آخری حرف آپ بھی ان کے ساتھ ادا کرتے اور اَبَیۡنَا کہتے ہوئے خوب بلند آواز کرتے۔ پھر فرماتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایک کا علاج دوسرے سے نہ کرتا، اگر ہر سیر پر سوا سیر نہ ہوتا تو زمین میں شر فساد مچ جاتا۔ ہر قوی ہر کمزور کو نگل جاتا۔ عیسائی عابدوں کے چھوٹے عبادت خانوں کو صوامع کہتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صابی مذہب کے لوگوں کے عبادت خانوں کا نام ہے اور بعض کہتے ہیں مجوسیوں کے آتش کدوں کو صوامع کہتے ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں یہ وہ گھر ہیں جو راستوں پر ہوتے ہیں۔ بِیَعٌ ان سے بڑے مکانات ہوتے ہیں یہ بھی نصرانیوں کے عابدوں کے عبادت خانے ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ یہودیوں کے کنیسا ہیں۔ صلوات کے بھی ایک معنی تو یہی کئے گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، مراد گرجا ہیں۔ بعض کا قول ہے، صابی لوگوں کا عبادت خانہ۔ راستوں پر جو عبادت کے گھر اہل کتاب کے ہوں، انہیں صلوات کہا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہوں انہیں مساجد۔ فِیۡهَا کی ضمیر کا مرجع مساجد ہے اس لئے کہ سب سے پہلے یہی لفظ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ سب جگہیں ہیں یعنی تارک الدنیا لوگوں کے صوامع، نصرانیوں کے بیع، یہودیوں کے صلوات اور مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں نام اللہ خوب لیا جاتا ہے۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ اس آیت میں اقل سے اکثر کی طرف کی ترقی کی صنعت رکھی گئی ہے۔ پس سب سے زیادہ آباد، سب سے بڑا عبادت گھر جہاں کے عابدوں کا قصد صحیح، نیت نیک، عمل صالح ہے، وہ مسجدیں ہیں۔ پھر فرمایا اللہ اپنے دین کے مددگاروں کا خود مددگار ہے۔ جیسے فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ الخ، یعنی اگر اے مسلمانو! تم اللہ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا، کفار پر افسوس ہے اور ان کے اعمال غارت ہیں۔ پھر اپنے دو وصف بیان فرمائے، قوی ہونا کہ ساری مخلوق کو پیدا کر دیا، عزت والا ہونا کہ سب اس کے ماتحت۔ ہر ایک اس کے سامنے ذلیل و پست، سب اس کی مدد کے محتاج۔ وہ سب سے بے نیاز، جسے وہ مدد دے وہ غالب، جس پر سے اس کی مدد ہٹ جائے وہ مغلوب۔ فرماتا ہے وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ الخ، یعنی ہم نے تو پہلے سے ہی اپنے رسولوں سے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی یقینی طور پر مدد کی جائے گی اور یہ کہ ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا۔ اور آیت میں ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ الخ، اللہ کہہ چکا ہے کہ میں اور میرا رسول غالب ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت و عزت والا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں ادا کریں اور زکوتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں، تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے ○

پابندی احکامات کی تاکید: ☆☆ (آیت:۴۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ آیت ہمارے بارے میں اتری ہے۔ ہم بے سبب خارج از وطن کئے گئے تھے۔ پھر ہمیں اللہ نے سلطنت دی۔ ہم نے نماز و روزہ کی پابندی کی، بھلے احکام دیئے اور برائی سے روکنا جاری کیا۔ پس یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں ہے۔ ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مراد اس سے اصحاب ؓ رسول ہیں۔ خلیفہ رسول حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خطبے میں اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا، اس میں صرف بادشاہوں کا بیان ہی نہیں بلکہ بادشاہ رعایا دونوں کا بیان ہے۔ بادشاہ پر تو یہ ہے کہ حقوق الٰہی تم سے برابر لے، اللہ کے حق کی کوتاہی کے بارے میں تمہیں پکڑے

اور ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور جہاں تک ممکن ہو تمہیں صراط مستقیم سمجھاتا رہے۔ تم پر اس کا یہ حق ہے کہ ظاہر و باطن، خوشی خوشی اس کی اطاعت گزاری کرو۔ عطیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی آیت کا مضمون آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ میں ہے۔ کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔ عمدہ نتیجہ پرہیزگاروں کا ہوگا۔ ہر نیکی کا بدلہ اسی کے ہاں ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد اور ثمود ○ اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور مدین والے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلا چکے ہیں، موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں تو میں نے کافروں کو یونہی سی مہلت دی۔ پھر انہیں دھر دبایا، پھر میرا عذاب کیسا ہوا؟ ○ بہت سی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر دیا اس لئے کہ وہ ظالم تھے۔ پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنویں بے کام پڑے ہیں اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں ○

کافروں کی حجت بازی بہت پرانی بیماری ہے: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۵) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ منکروں کا انکار آپ کے ساتھ کوئی نئی چیز نہیں۔ نوح علیہ السلام سے لے کر موسیٰ علیہ السلام تک کے کل انبیاء کا انکار کفار برابر کرتے چلے آئے ہیں۔ دلائل سامنے تھے، حق سامنے تھا لیکن منکروں نے مان کر نہ مانا۔ میں نے کافروں کو مہلت دی کہ یہ سوچ سمجھ لیں۔ اپنے انجام پر غور کر لیں۔ لیکن جب وہ اپنی نمک حرامی سے باز نہ آئے تو آخر کار میرے عذابوں میں گرفتار ہوئے۔ دیکھ لے کہ میری پکڑ کیسی بے پناہ ثابت ہوئی کس قدر دردناک انجام ہوا۔ سلف سے منقول ہے کہ فرعون کے ربانی دعوے اور اللہ کی پکڑ کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب پکڑتا ہے تو چھٹکارا نہیں ہوتا پھر آپؐ نے آیت وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ تلاوت کی پھر فرمایا کہ کئی ایک بستیوں والے ظالموں کو جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی، ہم نے غارت کر دیا جن کے محلات کھنڈر بنے پڑے ہیں، اوندھے گرے ہوئے ہیں، ان کی منزلیں ویران ہو گئیں، ان کی آبادیاں ویران ہو گئیں، ان کے کنویں خالی پڑے ہیں، جو کل تک آباد تھے، آج خالی ہیں، ان کے چونہ گچ محل جو دور سے سفید چمکتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، جو بلند و بالا اور پختہ تھے وہ آج ویران پڑے ہیں، وہاں الو بول رہے ہیں، ان کی مضبوطی انہیں نہ بچا سکی، ان کی خوبصورتی اور پائیداری بیکار ثابت ہوئی۔ رب کے عذاب نے تہس نہس کر دیا۔ جیسے فرمان ہے اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ یعنی گو تم چونہ گچ پکے قلعوں میں محفوظ ہو لیکن موت وہاں بھی تمہیں چھوڑنے کی نہیں۔

کیا وہ خود زمین میں چلے پھرے نہیں یا کبھی غور و فکر بھی نہیں کیا کہ کچھ عبرت حاصل ہوتی؟۔ امام ابن ابی الدنیا کتاب التفکر والاعتبار میں روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ لوہے کی نعلین پہن کر لوہے کی لکڑی لے کر زمین میں چل پھر کر آثار و عبرت کو دیکھ۔ وہ ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ تیری لوہے کی جوتیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور لوہے کی لکڑی بھی ٹوٹ

پھوٹ جائے- اسی کتاب میں بعض دانشمندوں کا قول ہے کہ وعظ کے ساتھ اپنے دل کو زندہ کر- اور غور و فکر کے ساتھ اسے نورانی کر اور زہد اور دنیا سے بچنے کے ساتھ اسے مار دے اور یقین کے ساتھ اس کو قوی کر لے اور موت کے ذکر سے اسے ذلیل کر دے اور فنا کے یقین سے اسے صبر دے' دنیا کی مصیبتیں اس کے سامنے رکھ کر اس کی آنکھیں کھول دے' زمانے کی تنگی اسے دکھا کر اسے دہشت ناک بنا دے' دنوں کے الٹ پھیر اسے سمجھا کر بیدار کر دے- گذشتہ واقعات سے اسے عبرتناک بنا- اگلوں کے قصے اسے سنا کر ہوشیار رکھ- ان کے شہروں میں اور ان کی سوانح میں اسے غور و فکر کرنے کا عادی بنا- اور دیکھ کہ گنہگاروں کے ساتھ اس کا معاملہ کیا ہوا' کس طرح وہ لوٹ پوٹ کر دیئے گئے؟

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا
أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ
تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ
وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا
تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ
ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ ع ۱۰ ۱۲

کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی؟ جو ان کے دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان واقعات کو سن لیتے بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ○ عذاب کو تجھ سے جلدی طلب کر رہے ہیں- اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالنے کا ہاں البتہ تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے ○ بہت سی ناانصافی کرنے والوں کی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی- پھر آخرش انہیں پکڑ لیا- میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○

(آیت:۴۶) پس یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ اگلوں کے واقعات سامنے رکھ کر دلوں کو سمجھدار بناؤ' ان کی ہلاکت کے سچے افسانے سن کر عبرت حاصل کرو- سن لو آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سب سے برا اندھاپن دل کا ہے گو آنکھیں صحیح سالم موجود ہوں- دل کے اندھے پن کی وجہ سے نہ تو عبرت حاصل ہوتی ہے نہ خیر و شر کی تمیز ہوتی ہے- ابو محمد بن جیارہ اندلسی نے جن کا انتقال ۵۱۷ھ میں ہوا ہے' اس مضمون کو اپنے چند اشعار میں خوب نبھایا ہے- وہ فرماتے ہیں- اے وہ شخص جو گناہوں میں لذت پا رہا ہے' کیا اپنے بڑھاپے اور اپنے نفس کی برائی سے بھی تو بے خبر ہے؟ اگر نصیحت اثر نہیں کرتی تو کیا دیکھنے سننے سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی؟ سن لے' آنکھیں اور کان اپنا کام نہ کریں تو اتنا برا نہیں جتنا برا یہ ہے کہ واقعات سے سبق نہ حاصل کیا جائے- یاد رکھ نہ تو دنیا باقی رہے گی نہ آسمان نہ سورج نہ چاند- گو جی نہ چاہے مگر دنیا سے تم کو ایک روز بادل ناخواستہ کوچ کرنا ہی پڑے گا- کیا امیر ہو' کیا غریب' کیا شہری ہو یا دیہاتی-

ذرا صبر' عذاب کا شوق پورا ہوگا: ☆☆ (آیت:۴۷-۴۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے فرما رہا ہے کہ یہ ملحد' کفار اللہ کو' اس کے رسول کو اور قیامت کے دن کو جھٹلانے والے تجھ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی کر رہے ہیں کہ جلد ان عذابوں کو کیوں نہیں برپا کر دیا جاتا جن سے ہمیں ہر وقت ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے- چنانچہ وہ اللہ سے بھی کہتے تھے کہ الٰہی اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے

سنگ باری کریا اور کسی طرح کا دردناک عذاب بھیج - کہتے تھے کہ حساب کے دن سے پہلے ہی ہمارا معاملہ صاف کردے- اللہ فرماتا ہے، یاد رکھو اللہ کا وعدہ اٹل ہے- قیامت اور عذاب آ کر ہی رہیں گے- اولیاء اللہ کی عزت اور اعداء اللہ کی ذلت یقینی اور ہو کر رہنے والی ہے- اصمعی کہتے ہیں، میں ابو عمرو بن علاء کے پاس تھا کہ عمرو بن عبید آیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عمرو کیا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، اس نے اسی وقت عذاب کی ایک آیت تلاوت کی- اس پر آپ نے فرمایا، کیا تو عجمی ہے؟ سن، عرب میں وعد کا یعنی اچھی بات سے وعدہ خلافی کو برا فعل سمجھا جاتا ہے لیکن ایعاد کا یعنی سزا کے احکام کا ردوبدل یا معافی بری نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ کرم ورحم سمجھا جاتا ہے- دیکھو شاعر کہتا ہے۔

فانی و ان اوعدته او وعدته   لمحلف ایعادی و منجز موعدی

میں کسی کو سزا کا کہوں یا اس سے انعام کا وعدہ کروں- تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ میں اپنی دھمکی کے خلاف کر جاؤں بلکہ قطعاً ہرگز سزا نہ دوں لیکن اپنا وعدہ تو ضرور پورا کر کے ہی رہوں گا- الغرض سزا کا وعدہ کر کے سزا نہ کرنا یہ وعدہ خلافی نہیں- لیکن رحمت وانعام کا وعدہ کر کے پھر روک لینا یہ بری صفت ہے، جس سے اللہ کی ذات پاک ہے- پھر فرماتا ہے کہ ایک ایک دن اللہ کے نزدیک تمہارے ہزار ہزار سال کے برابر ہے- یہ بہ اعتبار اس کے حلم اور بردباری کے ہے کیونکہ اسے علم ہے کہ وہ ہر وقت ان کی گرفت پر قادر ہے اس لئے عجلت کیا ہے؟ گو کتنی ہی مہلت مل جائے، گو کتنی ہی رسی دراز ہو جائے لیکن جب چاہے گا، سانس لینے کی بھی مہلت نہ دے گا اور پکڑ لے گا- اسی لئے اس کے بعد ہی فرمان ہوتا ہے، بہت سی بستیوں کے لوگ ظلم پر کمر کسے ہوئے تھے، میں نے بھی ان سے چشم پوشی کر رکھی تھی جب مست ہو گئے تو اچانک گرفت کر لی- سب مجبور ہیں، سب کو میرے ہی سامنے حاضر ہونا ہے، سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے- ترمذی وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی پانچ سو برس پہلے-

اور روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا آدھے دن کی مقدار کیا ہے؟ فرمایا، کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں، تو یہی آیت سنائی- یعنی اللہ کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہے- ابوداؤد کی کتاب الملاحم کے آخر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ میری امت کو آدھے دن تک تو ضرور موخر رکھے گا- حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، آدھا دن کتنے عرصے کا ہوا؟ آپ نے فرمایا پانچ سو سال کا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو پڑھ کر فرمانے لگے، یہ ان دنوں میں سے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا (ابن جریر)۔

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرد علی الجہمیہ میں اس بات کو کھلے لفظ میں بیان کیا ہے- مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ آیت مثل آیت یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ الخ، کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کام کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرتا ہے، پھر اس کی طرف چڑھ جاتا ہے- ایک ہی دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہے- امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ایک نومسلم اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ایک ہزار سال کے ہے جو تم گنتے ہو- اللہ نے دنیا کی اجل چھ دن کی کی ہے- ساتویں دن قیامت ہے اور ایک ایک دن مثل ہزار ہزار سال کے ہے پس چھ دن تو گزر گئے اور اب تم ساتویں دن میں ہو- اب تو بالکل اس حاملہ کی طرح ہے جو پورے دنوں میں ہو اور نہ جانے کب بچہ ہو جائے-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا
فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾

اعلان کر دے کہ لوگو! میں تمہیں کھلم کھلا چوکنا کرنے والا ہی ہوں ○ پس جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ہیں' ان ہی کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ○ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو پست کرنے کے درپے رہتے ہیں' وہی دوزخی ہیں ○

اطاعت الٰہی سے روکنے والوں کا حشر: ☆☆ (آیت:۴۹-۵۱) چونکہ کفار عذاب مانگا کرتے تھے اور ان کی جلدی مچاتے رہتے تھے' ان کے جواب میں اعلان کرایا جا رہا ہے کہ لوگو میں تو اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ تمہیں رب کے عذابوں سے جو تمہارے آگے ہیں' چوکنا کر دوں' تمہارا حساب میرے ذمے نہیں- عذاب اللہ کے بس میں ہے' چاہے اب لائے' چاہے دیر سے لائے- مجھے کیا معلوم کہ تم میں سے کس کی قسمت میں ہدایت ہے اور کون اللہ کی رحمت سے محروم رہنے والا ہے- چاہت اللہ کی ہی پوری ہونی ہے' حکومت اسی کے ہاتھ ہے' مختار اور کرتا دھرتا وہی ہے- کسی کو اس کے سامنے چوں وچرا کی مجال نہیں' وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے- میری حیثیت تو صرف ایک آگاہ کرنے والے کی ہے- جن کے دلوں میں یقین و ایمان ہے اور اس کی شہادت ان کے اعمال سے بھی ثابت ہے' ان کے کل گناہ معافی کے لائق ہیں اور ان کی کل نیکیاں قدر دانی کے قابل ہیں- رزق کریم سے مراد جنت ہے- جو لوگ اوروں کو بھی راہ اللہ سے' اطاعت رسول ﷺ سے روکتے ہیں' وہ جہنمی ہیں- سخت عذابوں اور تیز آگ کے ایندھن ہیں' اللہ ہمیں بچائے- اور آیت میں ہے کہ ایسے کفار کو ان کے فساد کے بدلے عذاب پر عذاب ہیں-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى
الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ
اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾

ہم نے تجھ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا' اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا' شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا' پس شیطان کی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے- پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے' اللہ تعالیٰ دانا اور باحکمت ہے ○ یہ اس لئے کہ شیطانی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں- بے شک گنہگار لوگ دور دراز کی مخالفت میں ہیں ○ اور اس لئے بھی کہ جنہیں علم عطا فرمایا گیا ہے' وہ یقین کر لیں کہ یہ تیرے رب ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے' پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل ان کی طرف جھک جائیں' یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان داروں

کو راہ راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی ہے ○

شیطان کا تصرف غلط ہے: ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۴) یہاں پر اکثر مفسرین نے غرانیق کا قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبش یہ سمجھ کر کہ مشرکین مکہ اب مسلمان ہو گئے واپس مکے آ گئے - لیکن یہ روایت ہر سند سے مرسل ہے - کسی صحیح سند سے مسند مروی نہیں واللہ اعلم - چنانچہ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ شریف میں سورہ النجم کی تلاوت فرمائی - جب یہ آیتیں آپ پڑھ رہے تھے اَفَرَءَ یْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی تو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ ڈالے کہ تلك الغرانيق العلى و ان شفاعتهم ترتجى پس مشرکین خوش ہو گئے کہ آج تو حضور ﷺ نے ہمارے معبودوں کی تعریف کی جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں کی چنانچہ ادھر حضورؐ نے سجدہ کیا' ادھر وہ سب بھی سجدے میں گر پڑے - اس پر یہ آیت اتری - اسے ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے' یہ مرسل ہے - مسند بزار میں بھی اس کے ذکر کے بعد ہے کہ صرف اسی سند سے ہی یہ متصلاً مروی ہے صرف امیہ بن خالد ہی اسے وصل کرتے ہیں - وہ مشہور ثقہ ہیں - یہ صرف طریق کلبی سے ہی مروی ہے - ابن ابی حاتم نے اسے دو سندوں سے لیا ہے لیکن دونوں مرسل ہیں - ابن جریر میں بھی مرسل ہے -

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے حضور ﷺ کو اونگھ آ گئی اور شیطان نے آپ کی زبان پر ڈالا وان شفاعتها لترتجى و انها لمع الغرانيق العلى نکلوا دیا - مشرکین نے ان لفظوں کو پکڑ لیا اور شیطان نے یہ بات پھیلا دی - اس پر یہ آیت اتری اور اسے ذلیل ہونا پڑا - ابن ابی حاتم میں ہے کہ سورۂ انجم نازل ہوئی اور مشرکین کہہ رہے تھے کہ اگر یہ شخص ہمارے معبودوں کا اچھے لفظوں میں ذکر کرے تو ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ دیں مگر اس کا تو یہ حال ہے کہ یہود و نصاریٰ اور جو لوگ اس کے دینی مخالف ہیں' ان سب سے زیادہ گالیوں اور برائی سے ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے - اس وقت حضور ﷺ پر اور آپ کے اصحابؓ پر سخت مصائب توڑے جا رہے تھے - آپ کو ان کی ہدایت کی لالچ تھی - جب سورہ نجم کی تلاوت آپؐ نے شروع کی اور وَلَهُ الْاُنْثٰی تک پڑھا تو شیطان نے بتوں کے ذکر کے وقت یہ کلمات ڈال دیئے وانهن لهن الغرانيق العلے و ان شفاعتهن لهى التى ترتجى یہ شیطان کی مقفی عبارت تھی - ہر مشرک کے دل میں یہ کلمے بیٹھ گئے اور ایک ایک کو یاد ہو گئے یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت محمد ﷺ نے سورہ نجم کے خاتمے پر سجدہ کیا تو سارے مسلمان اور مشرکین بھی سجدے میں گر پڑے' ہاں ولید بن مغیرہ چونکہ بہت ہی بوڑھا تھا' اس لئے اس نے ایک مٹھی مٹی کی بھر کر اونچی لے جا کر اس کو اپنے ماتھے سے لگا لیا - اب ہر ایک کو تعجب معلوم ہونے لگا کیونکہ حضور ﷺ کے ساتھ دونوں فریق سجدے میں شامل تھے - مسلمانوں کو تعجب تھا کہ یہ لوگ ایمان تو لائے نہیں' یقین نہیں' ہمارے ساتھ حضور ﷺ کے سجدے پر سجدہ انہوں نے کیسے کیا؟ شیطان نے جو الفاظ مشرکوں کے کانوں میں پھونکے تھے' وہ مسلمانوں نے سنے ہی نہ تھے - ادھر ان کے دل خوش ہو رہے تھے کیونکہ شیطان نے اس طرح آواز میں آواز ملائی کہ مشرکین اس میں کوئی تمیز ہی نہیں کر سکتے تھے - وہ تو سب کو اسی یقین پر پکا کر چکا تھا کہ خود حضور ﷺ نے اسی سورت کی ان دونوں آیتوں کو تلاوت فرمایا ہے - پس دراصل مشرکین کا سجدہ اپنے بتوں کو تھا - شیطان نے اس واقعہ کو اتنا پھیلا دیا کہ مہاجرین حبشہ کے کانوں میں بھی یہ بات پہنچی - عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جب سنا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ولید بن مغیرہ سجدہ نہ کر سکا تو اس نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر اس پر سر ٹکا لیا' مسلمان اب پورے امن اور اطمینان سے ہیں تو انہوں نے وہاں سے واپسی کی ٹھانی اور خوشی خوشی مکے پہنچے - ان کے پہنچنے سے پہلے شیطان کے ان

الفاظ کی قلعی کھل چکی تھی اللہ نے ان الفاظ کو ہٹا دیا تھا اور اپنا کلام محفوظ کر دیا تھا۔ یہاں مشرکین کی آتش عداوت اور بھڑک اٹھی تھی اور انہوں نے مسلمانوں پر نئے مصائب کے بادل برسانے شروع کر دیئے تھے۔ یہ روایت بھی مرسل ہے۔ بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے اپنی سیرت میں لائے ہیں۔ لیکن یہ سندیں مرسلات اور منقطعات ہیں واللہ اعلم۔

امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ سب کچھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے کلام سے اسی طرح کی روایتیں وارد کی ہیں۔ پھر خود ہی ایک سوال وارد کیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کے بچاؤ کا ذمہ دار محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی بات کیسے واقع ہوگئی۔ پھر بہت سے جواب دیئے ہیں جن میں ایک لطیف جواب یہ بھی ہے کہ شیطان نے یہ الفاظ لوگوں کے کانوں میں ڈالے اور انہیں وہم ڈالا کہ یہ الفاظ حضور ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں حقیقت میں ایسا نہ تھا یہ صرف شیطانی حرکت تھی نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز واللہ اعلم۔ اور ابھی اسی قسم کے بہت سے جواب متکلمین نے دیئے ہیں۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے بھی شفا میں اسے چھیڑا ہے اور ان کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کا اپنا فرمان اس بات کا ثبوت ہے کہ شیطان کا تصرف نبی اکرمؐ پر ناممکن ہے مگر جب کہ وہ آرزو کرتا ہے الخ، اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی گئی ہے کہ آپ اس میں پریشان خاطر نہ ہوں، اگلے نبیوں رسولوں پر بھی ایسے اتفاقات آئے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ اس کی آرزو میں جب نبی بات کرتا ہے تو شیطان اس کی بات میں بول شامل کر دیتا ہے۔ پس شیطان کے ڈالے ہوئے کو باطل کر کے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں، تَمَنّٰی کا معنی قال کے ہیں امنیتہ کے معنی قراءتہ کے ہیں۔ الا امانی کا مطلب یہ ہے کہ پڑھتے ہیں، لکھتے نہیں۔ بغوی رحمتہ اللہ علیہ اور اکثر مفسرین کہتے ہیں تمنی کے معنی تلا کے ہیں یعنی جب کتاب اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اس کی تلاوت میں کچھ ڈال دیتا ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں شاعر نے کہا ہے۔

تمنى كتاب الله اول ليلتهه   واخرها لاقى حمام المقادر

یہاں بھی لفظ تمنی پڑھنے کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں، یہ قول بہت قریب کی تاویل والا ہے۔ نسخ کے حقیقی معنی لغتاً ازالہ اور رفع کے یعنی ہٹانے اور مٹا دینے کے ہیں یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ شیطان کے القا کو باطل کر دیتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام بحکم الٰہی شیطان کی زیادتی کو مٹا دیتے ہیں اور اللہ کی آیتیں مضبوط رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کا جاننے والا ہے، کوئی مخفی بات بھی، کوئی راز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ وہ حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ یہ اس لئے کہ جن کے دلوں میں شک، شرک، کفر اور نفاق ہے، ان کے لئے یہ فتنہ بن جائے چنانچہ مشرکین نے اسے اللہ کی طرف سے مان لیا حالانکہ وہ الفاظ شیطانی تھے۔ لہٰذا مریض دل والوں سے مراد منافق ہیں اور سخت دل والوں سے مراد مشرک ہیں۔ یہ بھی قول ہے کہ مراد یہود ہیں۔ ظالم حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ وہ سیدھے راستے سے گم ہو گئے ہیں۔ اور جنہیں صحیح علم دیا گیا ہے جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر لیتے ہیں، انہیں اس بات کے بالکل حق ہونے کا اور منجانب اللہ ہونے کا صحیح یقین ہو جائے اور وہ کامل الایمان بن جائیں اور سمجھ لیں کہ بے شک یہ اللہ کا کلام ہے جبھی تو اس قدر اس کی حفاظت، صیانت اور نگہداشت ہے کہ کسی جانب سے، کسی طریق سے اس میں باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔ حکیم وحمید اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ پس ان کے دل تصدیق سے پر ہو جاتے ہیں، جھک کر رغبت سے متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کی رہبری دنیا میں حق اور ہدایت کی طرف کرتا ہے، صراط مستقیم سجھا دیتا ہے اور آخرت میں عذابوں سے بچا کر بلند درجوں میں پہنچاتا ہے اور نعمتیں نصیب فرماتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ
يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع ۷ ۹ ۱۴

کافر اس وحی اللہ میں ہمیشہ شک وشبہ ہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اچانک ان کے سروں پر قیامت آ جائے یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آ جائے جو خیر سے خالی ہے ○ اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی- وہی ان میں فیصلے فرمائے گا' ایمان اور نیک عمل والے تو نعمتوں سے بھرپور جنتوں میں ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو نہ مانا تھا' ان کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب ہی ہوں گے ○

کافروں کے دل سے شک وشبہ نہیں جائے گا: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۷) یعنی کافروں کو جو شک وشبہ اللہ کی اس وحی یعنی قرآن میں ہے' وہ ان کے دلوں سے نہیں جائے گا- شیطان یہ غلط گمان قیامت تک ان کے دلوں سے نہ نکلنے دے گا- قیامت اور اس کے عذاب ان کے پاس ناگہاں آ جائیں گے- اس وقت یہ محض بے شعور ہوں گے جو مہلت انہیں مل رہی ہے' اس سے یہ مغرور ہو گئے ہیں- جس قوم کے پاس اللہ کے عذاب آئے' اسی حالت میں آئے کہ وہ ان سے نڈر بلکہ بے پرواہو گئے تھے- اللہ کے عذابوں سے غافل وہی ہوتے ہیں جو پورے فاسق اور علانیہ مجرم ہوں یا انہیں بے خبر دن کا عذاب پہنچے جو دن ان کے لئے منحوس ثابت ہوگا- بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے اور بعض نے کہا ہے' مراد اس سے قیامت کا دن ہے- یہی قول صحیح ہے گو بدر کا دن بھی ان کے لئے عذاب الٰہی کا دن تھا- اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی- جیسے اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا مالک ہے- اور آیت میں ہے' اس دن رحمٰن کا ہی ملک ہوگا اور وہ دن کافروں پر نہایت ہی گراں گزرے گا- فیصلے خود اللہ کرے گا- جن کے دلوں میں اللہ پر ایمان' رسول کی صداقت اور ایمان کے مطابق جن کے اعمال تھے' جن کے دل اور عمل میں موافقت تھی' جن کی زبانیں دل کی مانند تھیں' وہ جنت کی نعمتوں میں مالا مال ہوں گے جو نعمتیں نہ فنا ہوں نہ گھٹیں نہ بگڑیں نہ کم ہوں- جن کے دلوں میں حقانیت سے کفر تھا' جو حق کو جھٹلاتے تھے' نبیوں کے خلاف کرتے تھے' اتباع حق سے تکبر کرتے تھے' ان کے تکبر کے بدلے انہیں ذلیل کرنے والے عذاب ہوں گے- جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ جو لوگ میری عبادتوں سے سرکشی کرتے ہیں' وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے-

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ
اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ
مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ
بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

اور جن لوگوں نے راہ اللہ میں ترک وطن کیا، پھر وہ شہید کر دیئے گئے یا اپنی موت مر گئے، اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بہترین روزیاں عطا فرمائے گا، اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○ انہیں اللہ تعالیٰ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی راضی ہو جائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ علم اور بردباری والا ہے ○ بات یہی ہے اور جس نے بدلہ لیا، اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا، پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا، بخشنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا بہترین رزق پانے والے لوگ : ☆☆ (آیت:۵۸-۶۰) یعنی جو شخص اپنا وطن، اپنے اہل و عیال، اپنے دوست احباب چھوڑ کر اللہ کی رضامندی کے لئے اس کی راہ میں ہجرت کر جائے، اس کے رسول کی اور اس کے دین کی مدد کے لئے پہنچے پھر وہ میدان جہاد میں دشمن کے ہاتھوں شہید کیا جائے یا بے لڑے بھڑے اپنی قضا کے ساتھ اپنے بستر پر اسے موت آ جائے، اسے بہت بڑا اجر اور زبردست ثواب اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جو شخص اپنے گھر اور دیس کو چھوڑ کر اللہ رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے، پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے طے ہو چکا۔ ان پر اللہ کا فضل ہوگا۔ انہیں جنت کی روزیاں ملیں گی جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہترین رازق ہے۔ انہیں پروردگار جنت میں پہنچائے گا جہاں یہ خوش خوش ہوں گے جیسے فرمان ہے کہ جو ہمارے مقربوں میں سے ہے، اس کے لئے راحت اور خوشبودار پھول اور نعمتوں بھرے باغات ہیں۔ ایسے لوگوں کو راحت و رزق اور جنت ملے گی۔ اپنی راہ کے سچے مہاجروں کو، اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو، اپنی نعمتوں کے مستحق لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ وہ بڑے حلم والا ہے، بندوں کے گناہ معاف فرماتا ہے، ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے، ان کی ہجرت کو قبول کرتا ہے، ان کے توکل کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ راہ الٰہی میں شہید ہوں، مہاجر ہوں یا نہ ہوں، وہ رب کے پاس زندگی اور روزی پاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الخ، اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ سمجھو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں جو بیان ہو چکیں۔ پس فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہے۔ اس آیت سے اور اسی بارے کی حدیثوں سے بھی۔

حضرت شرجیل بن سمط فرماتے ہیں کہ روم کے ایک قلعے کے محاصرے پر ہمیں مدت گزر چکی اتفاق سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو فرمانے لگے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، جو شخص راہ الٰہی کی تیاری میں مر جائے تو اس کا اجر اور رزق برابر اللہ کی طرف سے ہمیشہ اس پر جاری رہتا ہے اور وہ فتنے میں ڈالنے والوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر تم چاہو تو آیت و الذین ھاجروا الخ، پڑھ لو۔ حضرت ابوقبیل اور ربیعہ بن سیف مغافری کہتے ہیں، ہم رودس کے جہاد میں تھے ہمارے ساتھ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے دو جنازے ہمارے پاس سے گزرے جن میں ایک شہید تھا، دوسرا اپنی موت مرا تھا لوگ شہید کے جنازے پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا، حضرت یہ شہید ہیں اور یہ دوسرے شہادت سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا، واللہ مجھے تو دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ اس کی قبر میں سے اٹھوں خواہ اس کی میں سے۔ سنو کتاب اللہ میں ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ مرے ہوئے کی قبر پر ہی ٹھہرے رہے اور فرمایا تمہیں اور کیا چاہئے جنت، جگہ اور روزی عمدہ۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس وقت امیر تھے۔ یہ آخری آیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس چھوٹے سے لشکر کے بارے میں اتری ہے جن سے مشرکین کے ایک لشکر نے باوجود ان کے رک جانے کے حرمت کے مہینے میں لڑائی کی۔ اللہ نے مسلمانوں کی امداد فرمائی اور مخالفین کو نیچا دکھایا۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا، بخشنے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي
الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ
مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں پہنچاتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ○ یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں، وہ باطل ہی ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا اور کبریائی والا ہے ○

اس پر کوئی حاکم نہیں: ☆☆ (آیت:۶۱-۶۲) اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ خالق اور متصرف صرف وہی ہے، اپنی ساری مخلوق میں جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ فرمان ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ الخ، الٰہی تو ہی مالک الملک ہے۔ جسے چاہے ملک دے۔ جس سے چاہے لے لے۔ جسے چاہے عزت کا جھولا جھلائے، جسے چاہے در در سے بھیک منگائے، ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ ہیں، تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ دن کو رات میں، رات کو دن میں تو ہی لے جاتا ہے۔ زندے کو مردے سے، مردے کو زندے سے تو ہی نکالتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بے حساب روزیاں پہنچاتا ہے۔ پس کبھی کے دن بڑے، راتیں چھوٹی، کبھی کی راتیں بڑی دن چھوٹے جیسے گرمیوں اور جاڑوں میں ہوتا ہے۔ بندوں کی تمام باتیں اللہ سنتا ہے، ان کی تمام حرکات وسکنات دیکھتا ہے، کوئی حال اس پر پوشیدہ نہیں۔ اس کا کوئی حاکم نہیں بلکہ کوئی چوں وچرا بھی اس کے سامنے نہیں کر سکتا۔ وہی سچا معبود ہے۔ عبادتوں کے لائق اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ زبردست غلبے والا، بڑی شان والا وہی ہے۔ جو چاہتا ہے ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا ناممکن کہ وہ ہو جائے۔ ہر شخص اس کے سامنے فقیر ہر ایک اس کے آگے عاجز۔ اس کے سوا جسے لوگ پوجیں وہ باطل، کوئی نفع نقصان کسی کے ہاتھ نہیں، وہ بلندیوں والا، عظمتوں والا ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت، اس کے زیر حکم، اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی رب نہ اس سے کوئی بڑا نہ اس پر کوئی غالب۔ وہ تقدس والا، وہ عزت وجلالت والا، ظالموں کی کہی ہوئی تمام نکمی باتوں سے پاک، سب خوبیوں والا، تمام نقصانات سے دور۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ
مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ ع ۷ ۱۵
سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ
بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا باخبر ہے ○ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور یقیناً اللہ وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے بس میں کر دی ہیں اور اس کے فرمان سے

پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی' وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی پروانگی (اجازت) بغیر گر نہ پڑے' بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے ○ اسی نے تمہیں جلایا ہے۔ پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا۔ پھر وہی تمہیں زندہ کر دے گا' بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے ○

قدرت اور غلبہ الٰہی کا اظہار: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۶) اپنی عظیم الشان قدرت اور زبردست غلبے کو بیان فرما رہا ہے کہ سوکھی غیر آباد مردہ زمین پر اس کے حکم سے ہوائیں بادل لاتی ہیں' جو پانی برساتا ہے اور زمین آباد لہلہاتی ہوئی سرسبز ہو جاتی ہے گویا جی اٹھتی ہے۔ یہاں پر ''ف'' تعقیب کے لئے ہے۔ ہر چیز کی تعقیب اسی کے انداز سے ہوتی ہے۔ نطفے کا علقہ ہونا' پھر علقے کا مضغہ ہونا جہاں بیان فرمایا ہے' وہاں بھی ''ف'' آئی ہے اور ہر دو صورت میں چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ حجاز کی بعض زمینیں ایسی بھی ہیں کہ بارش کے ہوتے ہی معاً سرخ و سبز ہو جاتی ہیں فاللہ اعلم۔ زمین کے گوشوں میں اور اس کے اندر جو کچھ ہے' سب اللہ کے علم میں ہے۔ ایک ایک دانہ اس کی دانست میں ہے۔ پانی وہیں پہنچتا ہے اور وہ اگ آتا ہے۔ جیسے حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ کے قول میں ہے کہ اے بچے اگرچہ کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو چاہے کسی چٹان میں ہو یا آسمان میں یا زمین میں' اللہ اسے ضرور لائے گا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور باخبر ہے۔ ایک اور آیت میں ہے' زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ چیز کو اللہ ظاہر کر دے گا۔ ایک آیت میں ہے' ہر پتے کے جھڑنے کا' ہر دانے کا جو زمین کے اندھیروں میں ہو' ہر تر و خشک چیز کا اللہ کو علم ہے اور وہ کھلی کتاب میں ہے۔ ایک اور آیت میں ہے' کوئی ذرہ آسمان و زمین میں اللہ سے پوشیدہ نہیں' کوئی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں جو ظاہر کتاب میں نہ ہو۔ امیہ بن ابوالصلت یا زید بن عمرو بن نفیل کے قصیدے میں ہے ؎

وَقُوْلَا لَهٗ مِنْ يُّنْبِتُ الْحَبَّ فِي الثَّرٰى   فَيُصْبِحُ مِنْهُ الْبَقْلَ يَهْتَزُّ رَابِيَا
وَ يُخْرَجَ مِنْهُ حَبَّهٗ فِيْ رُؤُسِهٖ   فَفِيْ ذَاكَ اٰيَاتٌ لِّمَنْ كَانَ وَاعِيَا

''اے میرے دونوں پیغمبرو! تم اس سے کہو کہ مٹی میں سے دانے کون نکالتا ہے کہ درخت پھوٹ کر جھومنے لگتا ہے اور اس کے سرے پر بالی نکل آتی ہے۔ عقل مند کے لئے تو اس میں قدرت کی ایک چھوڑ کئی نشانیاں موجود ہیں۔''

تمام کائنات کا مالک وہی ہے۔ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ ہر ایک اس کے سامنے فقیر اور اس کی بارگاہ عالی کا محتاج ہے۔ سب انسان اس کے غلام ہیں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ کل حیوانات' جمادات' کھیتیاں' باغات اس نے تمہارے فائدے کے لئے تمہاری ماتحتی میں دے رکھے ہیں۔ آسمان و زمین کی چیزیں تمہارے لئے سرگرداں ہیں۔ اس کا احسان و فضل و کرم ہے کہ اسی کے حکم سے کشتیاں تمہیں ادھر سے ادھر لے جاتی ہیں۔ تمہارے مال و متاع ان کے ذریعے یہاں سے وہاں پہنچتے ہیں۔ پانی کو چیرتی ہوئی' موجوں کو کاٹتی ہوئی بحکم الٰہی ہواؤں کے ساتھ کشتیاں تمہارے نفع کے لئے چل رہی ہیں۔ یہاں کی ضرورت کی چیزیں وہاں سے' وہاں کی یہاں سے برابر پہنچتی رہتی ہیں۔ وہ خود آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے ورنہ ابھی وہ حکم دے تو یہ زمین پر آ رہے اور تم سب ہلاک ہو جاؤ۔

انسانوں کے گناہوں کے باوجود اللہ ان پر رافت و شفقت بندہ نوازی اور غلام پروری کر رہا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مُغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ الخ' لوگوں کے گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر صاحب مغفرت ہے۔ ہاں بیشک وہ سخت عذابوں والا بھی ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ وہی تمہیں فنا کرے گا۔ وہی پھر دوبارہ پیدا کرے گا۔ جیسے فرمایا كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ الخ' تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اسی نے تمہیں زندہ کیا پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا پھر دوبارہ زندہ کر دے گا۔ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ایک اور آیت میں ہے قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ الخ' اللہ ہی تمہیں جلاتا (زندہ کرتا) ہے' پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا' پھر تمہیں قیامت والے دن جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جمع کرے گا۔ اور جگہ فرمایا وہ کہیں گے کہ الٰہی

تو نے ہمیں دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا- پس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خدا کے ساتھ تم دوسروں کو شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ دوسروں کی عبادت اس کے ساتھ کیسے کرتے ہو؟ پیدا کرنے والا فقط وہی' روزی دینے والا صرف وہی' مالک ومختار فقط وہی- تم کچھ نہ تھے' اس نے تمہیں پیدا کر دیا- پھر تمہاری موت کے بعد پھر سے پیدا کرے گا یعنی قیامت کے دن- انسان بڑا ہی ناشکرا اور بے قدرا ہے-

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ
وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ
فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾

ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جسے وہ بجا لانے والے ہیں- پس انہیں اس امر میں تجھ سے جھگڑا نہ کرنا چاہئے- تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلاتا رہ' یقیناً تو ٹھیک ہدایت پر ہی ہے ○ پھر بھی اگر یہ لوگ تجھ سے الجھنے لگیں تو تو کہہ دینا کہ تمہارے اعمال سے اللہ بخوبی واقف ہے ○ بے شک تمہارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آپ کر دے گا ○

مناسک کے معنی: ☆☆ (آیت: ٦٧-٦٩) اصل میں عربی زبان میں منسک کا لفظی ترجمہ وہ جگہ ہے جہاں انسان جانے آنے کی عادت ڈال لے- احکام حج کی بجا آوری کو اسی لئے مَنَاسِكَ کہا جاتا ہے کہ لوگ بار بار وہاں جاتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں- منقول ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ ہر امت کے پیغمبر کے لئے ہم نے شریعت مقرر کی ہے' اس امر میں لوگ نہ لڑیں' سے مراد یہ مشرک لوگ ہیں اور اگر مراد ہر امت کے بطور قدرت کے ان کے افعال کا تقرر کرنا ہے جیسے سورہ بقرہ میں فرمان ہے کہ ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ متوجہ ہوتا ہے' یہاں بھی ہے کہ وہ اس کے بجالانے والے ہیں تو ضمیر کا اعادہ بھی خود ان پر ہی ہے یعنی یہ اللہ کی قدرت اور ارادے سے کر رہے ہیں ان کے جھگڑنے سے تو بددل نہ ہو اور حق سے نہ ہٹ- اپنے رب کی طرف بلاتا رہ اور اپنی ہدایت واستقامت پر مکمل یقین رکھ- یہی راستہ حق سے ملانے والا ہے- کامیابی سے ہمکنار کرنے والا ہے- جیسے فرمایا ہے وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ الخ' خبردار کہیں یہ لوگ تجھے اللہ کی آیتوں کے تیرے پاس پہنچ جانے پر بھی ان سے روک نہ دیں' اپنے رب کے راستے کی دعوت عام برابر دیتا رہ- اس کے بعد بھی اگر کوئی حق قبول کرنے سے جائے تو اس سے کنارہ اختیار کیجئے اور کہہ دے کہ اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے- جیسے کئی جگہ اسی مضمون کو دہرایا ہے- ایک اور جگہ ہے کہ اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو ان سے کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے' تم میرے اعمال سے بری ہو میں تمہارے کرتوت سے بیزار ہوں- پس یہاں بھی ان کے کان کھول دیئے کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے' وہ تمہاری ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت کو بھی جانتا ہے اور وہی ہم تم میں کافی شاہد ہے- قیامت کے دن ہم تم میں فیصلہ اللہ آپ کر دے گا اور اس وقت سارے اختلافات مٹ جائیں گے- جیسے فرمان ہے تو اسی کی دعوت دیتا رہ اور ہمارے حکم پر ثابت قدم رہ اور کسی کی خواہش کے پیچھے نہ لگ اور صاف اعلان کر دے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب پر میرا ایمان ہے-

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ
كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾

کیا تجھے اتنا بھی علم نہیں کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے' یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے' اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے ○

کمال علم' رب کی شان: ☆☆ (آیت:۷۰) رب کے کمال علم کا بیان ہو رہا ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کے علم کے احاطہ میں ہے' ایک ذرہ بھی اس سے باہر نہیں۔ کائنات کے وجود سے پہلے ہی کائنات کا علم اسے تھا بلکہ اس نے لوح محفوظ میں لکھوا دیا تھا۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا' مخلوق کی تقدیر لکھی۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ' اس نے دریافت کیا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا۔ اسے قلم نے قلمبند کر لیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سو سال کی راہ میں اللہ نے لوح محفوظ کو پیدا کیا اور مخلوق کی پیدائش سے پہلے جب کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تھا' قلم کو لکھنے کا حکم دیا اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا میرا علم جو مخلوق کے متعلق قیامت تک کا ہے۔ پس قلم چل پڑا اور قیامت تک کے ہونے والے امور جو علم الٰہی میں تھے' اس نے لکھ لئے۔ پس اسی کو اپنے نبی ﷺ سے اس آیت میں فرما رہا ہے کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کا میں عالم ہوں۔ پس یہ اس کا کمال علم ہے کہ چیز کے وجود سے پہلے اسے معلوم ہے بلکہ لکھ بھی لیا ہے اور وہ سب یونہی واقع میں ہونے والا ہے۔ اللہ کو بندوں کے تمام اعمال کا علم ان کے عمل سے پہلے ہے' وہ جو کچھ کرتے ہیں' اس کرنے سے پہلے اللہ جانتا تھا۔ ہر فرماں بردار اور نافرمان اس کے علم میں تھا اور اس کی کتاب میں لکھا ہوا تھا اور ہر چیز اس کے علمی احاطے کے اندر ہی اندر تھی اور یہ امر اللہ پر مشکل بھی نہ تھا۔ سب کتاب میں تھا اور رب پر بہت ہی آسان۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا
لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ
يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع ۸ ۱۶

اللہ کے سوا انہیں پوج رہے ہیں جس کی کوئی ربانی دلیل نازل نہیں ہوئی نہ وہ خود ہی اس کا کوئی علم رکھتے ہیں' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○ جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو تو کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتا ہے' وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں' کہہ دے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ ناخوشی کی خبر دوں؟ وہ آگ ہے' جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے' اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ○

شیطان کی تقلید: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۲) بلاسند' بغیر دلیل کے اللہ کے سوا دوسرے کی پوجا پاٹ' عبادت و بندگی کرنے والوں کا جہل و کفر بیان فرماتا ہے کہ شیطانی تقلید اور باپ دادا کی دیکھا دیکھی کے سوا نہ کوئی نقلی دلیل ان کے پاس ہے نہ عقلی۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَمَنْ

یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ الخ جو بھی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو بے دلیل پکارے اس سے اللہ خود باز پرس کر لے گا' ناممکن ہے کہ ایسے ظالم چھٹکارا پا جائیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ اللہ کے کسی عذاب سے انہیں بچا لے۔ ان پر خدا کے پاک کلام کی آیتیں، صحیح دلیلیں، واضح حجتیں جب پیش کی جاتی ہیں تو ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ اللہ کی توحید، رسولوں کی اتباع کو صاف طور پر بیان کیا تو انہیں سخت غصہ آیا' ان کی شکلیں بدل گئیں' تیوریوں پر بل پڑنے لگے' آستینیں چڑھنے لگیں۔ اگر بس چلے تو زبان کھینچ لیں۔ ایک لفظ حقانیت کا زمین پر نہ آنے دیں۔ اسی وقت گلا گھونٹ دیں۔ ان سچے خیرخواہوں کی' اللہ کے دین کے مبلغوں کی برائیاں کرنے لگتے ہیں۔ زبانیں ان کے خلاف چلنے لگتی ہیں اور ممکن ہو تو ہاتھ بھی ان کے خلاف اٹھنے میں نہیں رکتے۔

فرمان ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ان سے کہہ دو کہ ایک طرف تو تم جو دکھ ان اللہ کے دین کے متوالوں کو پہنچانا چاہتے ہو' اسے وزن کرو دوسری طرف اس دکھ کا وزن کر لو جو تمہیں یقیناً تمہارے کفر و انکار کی وجہ سے پہنچنے والا ہے۔ پھر دیکھو کہ بدترین چیز کون سی ہے؟ وہ آتش دوزخ اور وہاں کے طرح طرح کے عذاب یا جو تکلیف تم ان سچے موحدوں کو پہنچانا چاہتے ہو؟ گو یہ بھی تمہارے ارادے ہی ہیں۔ اب تم ہی سمجھ لو کہ جہنم کیسی بری جگہ ہے؟ کس قدر ہولناک ہے؟ کس قدر ایذا دہندہ ہے؟ اور کتنی مشکل والی جگہ ہے؟ یقیناً وہ نہایت ہی بدترین جگہ اور بہت ہی خوفناک مقام ہے جہاں راحت و آرام کا نام بھی نہیں۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَـيْــــًٔـا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝۷۳ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۷۴

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے۔ ذرا کان لگا کر سن تو لو' اللہ کے سوا جن جن کو تم پکار رہے ہو' وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے' بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے ○ انہوں نے اللہ کے مرتبے کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں' اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے ○

کم عقل پجاری: ☆☆ (آیت: ۷۳-۷۴) اللہ کے ماسوا جن کی عبادت کی جاتی ہے' ان کی کمزوری اور ان کے پجاریوں کی کم عقلی بیان ہو رہی ہے کہ اے لوگو! یہ جاہل جس جس کی بھی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں' رب کے ساتھ یہ جو شرک کرتے ہیں' ان کی ایک مثال نہایت عمدہ اور بالکل واقعہ کے مطابق بیان ہو رہی ہے۔ ذرا توجہ سے سنو کہ ان کے تمام کے تمام بت ٹھاکر وغیرہ جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں جمع ہو جائیں اور ایک مکھی بنانا چاہیں تو سارے عاجز آ جائیں گے اور ایک مکھی بھی پیدا نہ کر سکیں گے۔ مسند احمد کی حدیث قدسی میں فرمان الٰہی ہے' اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح کسی کو بنانا چاہتا ہے۔ اگر واقعہ میں کسی کو یہ قدرت حاصل ہے تو ایک ذرہ' ایک مکھی یا ایک دانہ اناج کا ہی خود بنا دے۔

بخاری و مسلم میں الفاظ یوں ہیں کہ وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی بنا دیں۔ اچھا اور بھی ان کے معبودان باطل کی کمزوری اور ناتوانی سنو کہ یہ ایک مکھی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ان کا حق' ان کی چیز ان سے چھینے چلی جا رہی ہے یہ بے بس ہیں یہ بھی تو نہیں کر سکتے کہ اس سے اپنی

چیز ہی واپس لے لیں بھلا مکھی جیسی حقیر اور کمزور مخلوق سے بھی جو اپنا حق نہ لے سکے اس سے بھی زیادہ کمزور بودا ضعیف ناتوان بے بس اور گرا پڑا کوئی اور ہو سکتا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور ظاہر لفظوں سے بھی یہی ظاہر ہے۔ دوسرا مطلب یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد اللہ کے سوا اور معبود۔ اللہ کی قدر و عظمت ہی ان کے دلوں میں نہیں رچی۔ اگر ایسا ہوتا تو اتنے بڑے توانا اللہ کے ساتھ ایسی ذلیل مخلوق کو کیوں شریک کر لیتے۔ جو مکھی اڑانے کی بھی قدرت نہیں رکھتی جیسے مشرکین قریش کے بت تھے۔ اللہ اپنی قدرت و قوت میں یکتا ہے تمام چیزیں بے نمونہ' سب سے پہلی پیدائش میں اس نے پیدا کر دی ہیں کسی ایک سے بھی مدد لیے بغیر پھر سب کو ہلاک کر کے دوبارہ اس سے بھی زیادہ آسانی سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ بڑی مضبوط پکڑ والا' ابتدا اور اعادہ کرنے والا' رزق دینے والا اور بے انداز قوت رکھنے والا ہے۔ سب کچھ اس کے سامنے پست ہے کوئی اس کے ارادے کو بدلنے والا' اس کے فرمان کو ٹالنے والا' اس کی عظمت اور سلطنت کا مقابلہ کرنے والا نہیں۔ وہ واحد و قہار ہے۔

اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿۷۵﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ارۡكَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا
رَبَّكُمۡ وَافۡعَلُوا الۡخَيۡرَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ۩ ﴿۷۷﴾

فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے' بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ○ وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے' اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں ○ اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

منصب نبوت کا حقدار کون؟ ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۶) اپنی مقرر کردہ تقدیر کے جاری کرنے اور اپنی مقرر کردہ شریعت کو اپنے رسول ﷺ تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو چاہتا ہے مقرر کر لیتا ہے۔ اسی طرح لوگوں میں سے بھی پیغمبری کی خلعت سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔ بندوں کے سب اقوال سنتا ہے' ایک ایک بندہ اور اس کے اعمال اس کی نگاہ میں ہیں۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ منصب نبوت کا مستحق کون ہے؟ جیسے فرمایا اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ رب ہی کو علم ہے کہ منصب رسالت کا صحیح طور پر اہل کون ہے؟ رسولوں کے آگے پیچھے کا اللہ کو علم ہے' کیا اس تک پہنچا' کیا اس نے پہنچایا' سب اس پر ظاہر و باہر ہے۔ جیسے فرمان ہے عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا یعنی الخ' وہ غیب کا جاننے والا ہے اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں کرتا۔ ہاں جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے' اس کے آگے پیچھے پہرے مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دئے اور اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو ان کے پاس ہے اور ہر چیز کی گنتی تک اس کے پاس شمار ہو چکی ہے۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسولوں کا نگہبان ہے جو انہیں کہا سنا جاتا ہے' اس پر خود گواہ ہے' خود ہی ان کا حافظ ہے اور ان کا مددگار بھی ہے۔ جیسے فرمان ہے يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ الخ' اے رسول ﷺ جو کچھ تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے اترا ہے پہنچا دے۔ اگر ایسا نہ کیا تو حق رسالت ادا نہ ہوگا۔ تیرا بچاؤ اللہ

کے ذمے ہے الخ-

سورۂ حج کو دو سجدوں کی فضیلت حاصل ہے: ☆☆ (آیت: ۷۷) اس دوسرے سجدے کے بارے میں دو قول ہیں- پہلے سجدے کی آیت کے موقعہ پر ہم نے وہ حدیث بیان کر دی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سورہ حج کو دو سجدوں سے فضیلت دی گئی- جو یہ سجدے نہ کرے وہ یہ پڑھے ہی نہیں'' - پس رکوع' سجدہ' عبادت اور بھلائی کا حکم کر کے فرماتا ہے-

وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ
الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا
عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ
ع ٦ ١٧ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۷۸

اور راہ اللہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا اس کا حق ہے' اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی' دین تمہارے باپ ابراہیم کا' اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے- اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم اور تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ' پس تمہیں چاہئے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوتیں ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو' وہی تمہارا ولی اور مالک ہے' پس کیا ہی اچھا مالک ہے؟ اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے؟

امت مسلمہ کو سابقہ امتوں پر فضیلت: ☆☆ (آیت: ۷۸) اپنے مال و جان اور اپنی زبان سے راہ اللہ میں جہاد کرو اور حق جہاد ادا کرو- جیسے حکم دیا ہے کہ اللہ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے' اسی نے تمہیں برگزیدہ اور پسندیدہ کر لیا ہے- اور امتوں پر تمہیں شرافت و کرامت' عزت و بزرگی عطا فرمائی- کامل رسول اور کامل شریعت سے تمہیں سربرآوردہ کیا' تمہیں آسان' سہل اور عمدہ دین دیا- وہ احکام تم پر نہ رکھے' وہ سختی تم پر نہ کی' وہ بوجھ تم پر نہ ڈالے جو تمہارے بس کے نہ ہوں جو تم پر گراں گزریں' جنہیں تم بجا نہ لا سکو- اسلام کے بعد سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ تاکید والا رکن نماز ہے اسے دیکھئے گھر میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہوں تو چار رکعتیں فرض اور پھر اگر سفر ہو تو وہ بھی دو ہی رہ جائیں اور خوف میں تو حدیث کے مطابق صرف ایک ہی رکعت' وہ بھی سواری پر ہو تو اور پیدل ہو تو رو بہ قبلہ ہو تو اور دوسری طرف توجہ ہو تو- اسی طرح یہی حکم سفر کی نفل نماز کا ہے کہ جس طرف سواری کا منہ ہو' پڑھ سکتے ہیں-

پھر نماز کا قیام بھی بوجہ بیماری کے ساقط ہو جاتا ہے- مریض بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹے لیٹے ادا کر لے- اسی طرح اور فرائض اور واجبات کو دیکھو کہ کس قدر ان میں اللہ تعالیٰ نے آسانیاں رکھی ہیں- اسی لئے آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے' میں یک طرفہ اور بالکل آسانی والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو فرمایا تھا' تو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا' آسانی کرنا سختی نہ کرنا- اور بھی اس مضمون کی بہت سی حدیثیں ہیں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ تمہارے دین میں کوئی تنگی و سختی نہیں- ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ملة کا نصب بہ نزع خفض ہے گویا اصل میں كملة ابيكم تھا اور ہو سکتا ہے کہ الزموا کو محذوف مانا جائے اور ملة کو اس کا مفعول قرار دیا جائے- اس صورت میں یہ اسی آیت کی طرح ہو جائے گا دينا قيما الخ' اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم

علیہ السلام سے بھی پہلے۔ کیونکہ ان کی دعا تھی کہ ہم دونوں باپ بیٹوں کو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو مسلمان بنا دے۔ لیکن امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول کچھ جچتا نہیں کہ پہلے سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے سے ہو، اس لئے کہ یہ تو بہت ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امت کا نام اس قرآن میں مسلم نہیں رکھا۔ تو پہلے سے کے لفظ کے معنی یہ ہیں کہ پہلی کتابوں میں اور ذکر میں اور اس پاک اور آخری کتاب میں۔ یہی قول حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے اور یہی درست ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اس امت کی بزرگی اور فضیلت کا بیان ہے۔ ان کے دین کے آسان ہونے کا ذکر ہے۔

پھر انہیں دین کی مزید رغبت دلانے کے لئے بتایا جا رہا ہے کہ یہ دین وہ ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ پھر اس امت کی بزرگی کے لئے اور انہیں مائل کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارا ذکر میری سابقہ کتابوں میں بھی ہے۔ مدتوں سے انبیاء کی آسمانی کتابوں میں تمہارے چرچے چلے آ رہے ہیں۔ سابقہ کتابوں کے پڑھنے والے تم سے خوب آگاہ ہیں۔ پس اس قرآن سے پہلے اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلم ہے اور خود اللہ کا رکھا ہوا ہے۔ نسائی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص جاہلیت کے دعوے اب بھی کرے (یعنی باپ دادوں پر، حسب ونسب پر فخر کرے، دوسرے مسلمانوں کو کمینہ اور ہلکا خیال کرے) وہ جہنم کا ایندھن ہے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ وہ روزے رکھتا ہو؟ اور نمازیں بھی پڑھتا ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہاں اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نام تمہارے رکھے ہیں، انہی ناموں سے اپنے آپ کو منسوب کرو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی پکارا کرو۔ یعنی مسلمین، مومنین اور عباداللہ۔ سورۂ بقرہ کی آیت یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا الخ، کی تفسیر میں ہم اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں۔

پھر فرماتا ہے، ہم نے تمہیں عادل، عمدہ، بہتر امت اس لئے بنایا ہے اور اس لئے تمام امتوں میں تمہاری عدالت کی شہرت کر دی ہے کہ تم قیامت کے دن اور لوگوں پر شہادت دو۔ تمام اگلی امتیں امت محمد ﷺ کی بزرگی اور فضیلت کا اقرار کریں گی کہ اس امت کو اور تمام امتوں پر سرداری حاصل ہے اس لئے ان کی گواہی ان پر معتبر مانی جائے گی۔ اس بارے میں کہ ان کے رسولوں نے پیغام الٰہی انہیں پہنچا دیا ہے، وہ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ اس امت پر شہادت دیں گے کہ آپ نے انہیں دین الٰہی پہنچا دیا اور حق رسالت ادا کر دیا۔ اس بابت جتنی حدیثیں ہیں اور اس بارے کی جتنی تفسیر ہے، وہ ہم سب کی سب سورہ بقرہ کے سترھویں رکوع کی آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا الخ، کی تفسیر میں لکھ آئے ہیں۔ اس لئے یہاں اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہیں دیکھ لی جائے۔ وہیں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کا واقعہ بھی بیان کر دیا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اتنی بڑی عظیم الشان نعمت کا شکریہ تمہیں ضرور ادا کرنا چاہئے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جو اللہ کے فرائض تم پر ہیں انہیں شوق خوشی سے بجا لاؤ۔ خصوصاً نماز اور زکوٰۃ کا پورا خیال رکھو۔ جو کچھ اللہ نے واجب کیا ہے اسے دلی محبت سے بجا لاؤ اور جو چیزیں حرام کر دی ہیں اور ان کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ پس نماز جو خالص رب کی ہے اور زکوٰۃ جس میں رب کی عبادت کے علاوہ مخلوق کے ساتھ احسان بھی ہے کہ امیر لوگ اپنے مال کا ایک حصہ فقیروں کو خوشی خوشی دیتے ہیں، ان کا کام چلتا ہے، دل خوش ہو جاتا ہے، اس میں بھی اللہ کی طرف سے بہت آسانی ہے، حصہ بھی کم ہے اور سال بھر میں ایک ہی مرتبہ۔ زکوٰۃ کے کل احکام سورہ توبہ کی آیت زکوٰۃ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ، کی تفسیر میں ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔ وہیں دیکھ لئے جائیں۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ اللہ پر پورا بھروسہ رکھو، اسی پر توکل کرو، اپنے تمام کاموں میں اس سے امداد طلب کیا کرو ہر وقت اعتماد اس پر رکھو

اسی کی تائید پر نظریں رکھو۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے، تمہارا حافظ ہے، ناصر ہے، تمہیں تمہارے دشمنوں پر کامیابی عطا فرمانے والا ہے۔ وہ جس کا ولی بن گیا، اسے کسی اور کی ولایت کی ضرورت نہیں، سب سے بہتر والی وہی ہے، سب سے بہتر مددگار وہی ہے، تمام دنیا گو دشمن ہو جائے لیکن وہ سب پر قادر ہے اور سب سے زیادہ قوی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہیب بن ورد سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم اپنے غصے کے وقت تو مجھے یاد کر لیا کر۔ میں بھی اپنے غضب کے وقت تجھے معاف فرما دیا کروں گا۔ اور جن پر میرا عذاب نازل ہو گا، میں تجھے ان میں سے بچا لوں گا۔ برباد ہونے والوں کے ساتھ تجھے برباد نہ کروں گا۔ اے ابن آدم جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو صبر و ضبط سے کام لے، مجھ پر نگاہیں رکھ، میری مدد پر بھروسہ رکھ، میری امداد پر راضی رہ، یاد رکھ میں تیری مدد کروں یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تو آپ اپنی مدد کرے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں بھلائیوں کی توفیق دے۔ اپنی امداد نصیب فرمائے۔ آمین) واللہ اعلم۔

الحمدللہ سورۂ حج کی تفسیر ختم ہوئی۔

اور اسی کے ساتھ اللہ کے فضل و کرم سے سترھویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۱۸

چند اہم مضامین کی فہرست

- دس آیتیں اور جنت کی ضمانت ۳۲۴
- مومنوں کے اوصاف ۳۲۵
- انسان کی پیدائش مرحلہ وار ۳۲۷
- آسمان کی پیدائش مرحلہ وار ۳۲۹
- آسمان سے نزول بارش ۳۳۰
- نوح علیہ السلام اور متکبر وڈیرے ۳۳۱
- عاد وثمود کا تذکرہ ۳۳۳
- دریا برد فرعون ۳۳۵
- ربوہ کے معنی ۳۳۶
- اکل حلال کی فضیلت ۳۳۶
- مومن کی تعریف ۳۳۸
- آسان شریعت ۳۳۹
- قرآن کریم سے فرار ۳۴۰
- جرائم کی سزا پانے کے باوجود نیک نہ بن سکے ۳۴۳
- اللہ تعالیٰ ہی معبود واحد ہے ۳۴۵
- وہ ہر شان میں بے مثال ہے ۳۴۷
- برائی کے بدلے اچھائی ۳۴۸
- شیطان سے بچنے کی دعائیں ۳۴۸
- بعد از مرگ ۳۴۹
- قبروں سے اٹھنے کے بعد ۳۵۰
- مکمل آگاہی کے بعد بھی محروم ہدایت ۳۵۱
- مختصر زندگی طویل گناہ ۳۵۳
- دلائل کے ساتھ مشرک کا موحد ہونا ۳۵۵
- مسئلہ رجم ۳۵۶
- زانی اور زانیہ اور اخلاقی مجرم ۳۵۸
- تہمت لگانے والے مجرم ۳۶۰
- لعان سے مراد ۳۶۱
- ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی پاکیزگی کی شہادت ۳۶۴
- اخلاق وآداب کی تعلیم ۳۷۰
- برائی کی تشہیر نہ کرو ۳۷۲
- شیطانی راہوں پر مت چلو ۳۷۳
- دولت مند افراد سے خطاب ۳۷۴
- ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے گستاخ پر اللہ کی لعنت ۳۷۵
- اعضاء کی گواہی ۳۷۵
- بھلی بات کے حق دار بھلے لوگ ہی ہیں ۳۷۶
- شرعی آداب ۳۷۷
- حرام چیزوں پر نگاہ نہ ڈالو ۳۸۱
- مومنہ عورتوں کو تاکید ۳۸۲
- نکاح اور شرم وحیا کی تعلیم ۳۸۵
- مدبر کائنات نور ہی نور ہے ۳۸۹
- عروج اسلام لازم ہے ۴۰۳
- صلوٰۃ اور حسن سلوک کی ہدایات ۳۰۶
- گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں ۳۰۷
- جہاد میں شمولیت کی شرائط ۳۰۹
- رخصت پر بھی اجازت مانگو ۴۱۲
- آپ ﷺ کو پکارنے کے آداب ۴۱۲
- ہر ایک اس کے علم میں ہے ۴۱۳
- مشرکوں کی جہالت ۴۱۵
- خود فریب مشرک ۴۱۶
- مشرکین کی حماقتیں ۴۱۷
- ابدی لذتیں اور مسرتیں ۴۲۰
- عیسیٰ علیہ السلام سے سوالات ۴۲۱

تفسیر سورۃ المومنون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ
فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع ○

یقیناً ایمان داروں نے نجات حاصل کرلی ○ جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں ○ جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں ○ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے۔ یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں ○

دس آیتیں اور جنت کی ضمانت: ☆☆ (آیت: ۱-۶) نسائی' ترمذی' مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تو ایک ایسی میٹھی میٹھی' بھینی بھینی' ہلکی ہلکی سی آواز آپ کے پاس سنی جاتی جیسے شہد کی مکھیوں کے اڑنے کی بھنبھناہٹ کی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ یہی حالت طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی اتر چکی تو آپ نے قبلے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھی کہ اے اللہ تو ہمیں زیادہ کر' کم نہ کر' ہمارا اکرام کر' اہانت نہ کر' ہمیں انعام عطا فرما' محروم نہ رکھ۔ ہمیں دوسروں کے مقابلے میں فضیلت دے۔ ہم پر دوسروں کو پسند نہ فرما۔ ہم سے خوش ہو جا اور ہمیں خوش کر دے۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَ اٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا پھر فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں' جو ان پر جم گیا' وہ جنتی ہو گیا۔ پھر آپؐ نے مندرجہ بالا دس آیتیں تلاوت فرمائیں۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں کیونکہ اس کا راوی صرف یونس بن سلیم ہے جو محدثین کے نزدیک معروف نہیں۔ نسائی میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضور ﷺ کے عادات واخلاق کی بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا' آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا پھر ان آیتوں کی یحافظون تک تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا یہی حضرت ﷺ کے اخلاق تھے۔

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی اور اس میں درخت وغیرہ اپنے ہاتھ سے لگائے تو اسے دیکھ کر فرمایا' کچھ بول۔ اس نے یہی آیتیں تلاوت کیں جو قرآن میں نازل ہوئیں۔ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی ہے۔ فرشتے اس میں جب داخل ہوئے' کہنے لگے' واہ واہ یہ تو بادشاہوں کی جگہ ہے۔ اور روایت میں ہے اس کا گارہ مشک کا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ اس میں وہ وہ چیزیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی دل میں سمائیں۔ اور روایت میں ہے کہ جنت نے جب ان آیتوں کی تلاوت کی تو جناب باری نے فرمایا' مجھے اپنی بزرگی اور جلال کی قسم' تجھ میں بخیل ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ اور حدیث میں ہے کہ اس کی ایک اینٹ سفید موتی کی ہے اور دوسری سرخ یاقوت کی اور تیسری سبز زبرجد کی' اس کا گارہ مشک کا ہے' اس کی گھاس زعفران ہے۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ اس حدیث کو بیان فرما کر حضور ﷺ نے آیت وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پڑھی۔

الغرض فرمان ہے کہ مومن مراد کو پہنچ گئے وہ سعادت پا گئے- انہوں نے نجات پالی- ان مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں خوف الٰہی رکھتے ہیں۔ خشوع اور سکون کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں- دل حاضر رکھتے ہیں- نگاہیں نیچی ہوتی ہیں- بازو جھکے ہوئے ہوتے ہیں- محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے- لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان کی نگاہیں نیچی ہوگئیں سجدے کی جگہ سے اپنی نگاہ نہیں ہٹاتے تھے- اور یہ بھی مروی ہے کہ جائے نماز سے ادھر ادھر ان کی نظر نہیں جاتی تھی اگر کسی کو اس کے سوا عادت پڑ گئی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی کرلے- ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ بھی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ایسا کیا کرتے تھے پس یہ خضوع وخشوع اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا دل فارغ ہو خلوص حاصل ہو اور نماز میں پوری دلچسپی ہو اور تمام کاموں سے زیادہ اسی میں دل لگتا ہو- چنانچہ حدیث شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے خوشبو اور عورتیں زیادہ پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (نسائی) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ پانی لاؤ نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں تو سننے والوں کو ان کی یہ بات گراں گزری- آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے- اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ-

مومنوں کے اوصاف: ☆☆ پھر اور وصف بیان ہوا کہ وہ باطل' شرک' گناہ اور ہر ایک بیہودہ اور بے فائدہ قول وعمل سے بچتے ہیں- جیسے فرمان ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا وہ لغویات سے بزرگانہ گزر جاتے ہیں وہ برائی اور بے سود کاموں سے اللہ کی روک کی وجہ سے رک جاتے ہیں- اور ان کا یہ وصف ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ادا کرتے ہیں- اکثر مفسرین یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں ایک بات یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت کے دوسرے سال میں ہوتی ہے پھر مکی آیت میں اس کا بیان کیسے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل زکوٰۃ تو مکہ میں ہی واجب ہو چکی تھی ہاں اس کی مقدار' مال کا نصاب وغیرہ یہ سب احکام مدینے میں مقرر ہوئے- دیکھئے سورہ انعام بھی مکیہ ہے اور اس میں یہی زکوٰۃ کا حکم موجود ہے وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ یعنی کھیتی کے کٹنے والے دن اس کی زکوٰۃ ادا کر دیا کرو- ہاں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ مراد زکوٰۃ سے یہاں نفس کو شرک وکفر کے میل کچیل سے پاک کرنا ہو- جیسے فرمان ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا الخ' جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا' اس نے فلاح پالی- اور جس نے اسے خراب کر لیا' وہ نامراد ہوا- یہی ایک قول آیت وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ الخ میں بھی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں دونوں زکوٰتیں ایک ساتھ مراد لی جائیں- یعنی زکوٰۃ نفس بھی اور زکوٰۃ مال بھی- فی الواقع مومن کامل وہی ہے جو اپنے نفس کو بھی پاک رکھے اور اپنے مال کی بھی زکوٰۃ دے واللہ اعلم-

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١

اس کے سوا جو اور ڈھونڈیں' وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں ○ جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کیا کرتے ہیں ○ یہی وراث ہیں ○ جو فردوس کے وارث ہوں گے' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ○

(آیت: ۷-۱۱) پھر اور وصف بیان فرمایا کہ وہ سوائے اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے دوسری عورتوں سے اپنے نفس کو دور رکھتے ہیں۔ یعنی حرام کاری سے بچتے ہیں۔ زنا' لواطت وغیرہ سے اپنے تئیں بچاتے ہیں۔ ہاں ان کی بیویاں جو اللہ نے ان پر حلال کی ہیں اور جہاد میں ملی ہوئی لونڈیاں جو ان پر حلال ہیں' ان کے ساتھ ملنے میں ان پر کوئی ملامت اور حرج نہیں۔ جو شخص ان کے سوا دوسرے طریقوں سے یا کسی دوسرے سے خواہش پوری کرے' وہ حد سے گزر جانے والا ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے غلام کو لے لیا اور اپنی سند میں یہی آیت پیش کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے صحابہ کے سامنے اس معاملے کو پیش کیا۔ صحابہؓ نے فرمایا' اس نے غلط معنی مراد لئے' اس پر فاروق اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس غلام کا سر منڈوا کر جلا وطن کر دیا اور اس عورت سے فرمایا' اس کے بعد تو ہر مسلمان پر حرام ہے لیکن یہ اثر منقطع ہے اور ساتھ ہی غریب بھی ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اسے سوہ مائدہ کی تفسیر کے شروع میں وارد کیا ہے لیکن اس کے وارد کرنے کی موزوں جگہ یہی تھی۔ اسے عام مسلمانوں پر حرام کرنے کی وجہ اس کے ارادے کے خلاف اس کے ساتھ معاملہ کرنا تھا واللہ اعلم۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے موافقین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنا خاص پانی نکال ڈالنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی ان دونوں حلال صورتوں کے علاوہ ہے اور مشت زنی کرنے والا شخص بھی حد سے آگے گزر جانے والا ہے۔ امام حسن بن عرفہ نے اپنے مشہور جز میں ایک حدیث وارد کی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ اور نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ انہیں عالموں کے ساتھ جمع کرے گا۔ اور انہیں سب سے پہلے جہنم میں جانے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل کرے گا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ توبہ کرلیں۔ توبہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ مہربانی سے رجوع فرماتا ہے۔ ایک تو ہاتھ سے نکاح کرنے والا یعنی مشت زنی کرنے والا۔ اور اغلام بازی کرنے اور کرانے والا۔ اور نشے باز' شراب کا عادی اور اپنے ماں باپ کو مارنے پیٹنے والا یہاں تک کہ وہ چیخ وپکار کرنے لگیں۔ اور اپنے پڑوسیوں کو ایذا پہنچانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت بھیجنے لگیں۔ اور اپنی پڑوسن سے بدکاری کرنے والا لیکن اس میں ایک راوی مجہول ہے واللہ اعلم۔

اور وصف ہے کہ وہ اپنی امانتیں اور اپنے وعدے پورے کرتے ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے بلکہ امانت کی ادائیگی میں سبقت کرتے ہیں۔ وعدے پورے کرتے ہیں۔ اس کے خلاف عادتیں منافقوں کی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے خلاف کرے۔ (۲) جب امانت دیا جائے خیانت کرے۔ پھر اور وصف بیان فرمایا کہ وہ نمازوں کی ان کے اوقات پر حفاظت کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ماں باپ سے سلوک کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا (بخاری ومسلم) حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' وقت' رکوع' سجدہ وغیرہ کی حفاظت مراد ہے۔ ان آیات پر دوبارہ نظر ڈالو۔ شروع میں بھی نماز کا بیان ہوا اور آخر میں بھی نماز کا بیان ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ نماز سب سے افضل ہے۔

حدیث شریف میں ہے' سیدھے سیدھے رہو اور تم ہرگز احاطہ نہ کرسکو گے۔ جان لو کہ تمہارے تمام اعمال میں بہترین عمل نماز ہے۔ دیکھو وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کرسکتا ہے۔ ان سب صفات کو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں۔ جو جنت الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ سے جب جنت مانگو' جنت الفردوس مانگو۔ وہ سب سے اعلیٰ اور اوسط جنت ہے۔ وہیں سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں اسی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

(صحیحین) فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی دو دو جگہیں ہیں۔ ایک منزل جنت میں' ایک جہنم میں' جب کوئی دوزخ میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی بنتے ہیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جنتی تو اپنی جنت کی جگہ سنوار لیتا ہے اور جہنم کی جگہ ڈھا دیتا ہے۔ اور دوزخی اس کے خلاف کرتا ہے۔ کفار جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے' انہوں نے عبادت ترک کر دی تو ان کے لئے جو انعامات تھے' وہ ان سے چھین کر سچے مومنوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ اسی لئے انہیں وارث کہا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے' کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ یہود و نصاری پر ڈال دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ اور سند سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی یا نصرانی دے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے جہنم سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے جب یہ حدیث سنی تو راوی حدیث ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دی انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر حدیث کو دہرا دیا۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا اسی جیسی آیت یہ بھی ہے۔ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ اس باغ کو جس میں انگور کی بیلیں ہوں واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝١٢ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ
نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝١٣ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا
الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ
لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝١٤
ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝١٦

یقیناً ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ○ پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا ○ پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا۔ پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہم نے ہڈیاں پیدا کر دیں۔ پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا۔ پھر ایک اور ہی پیدائش میں پیدا کر دیا' برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھی پیدائش کرنے والا ہے ○ اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو ○ پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے ○

انسان کی پیدائش مرحلہ وار: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۶) اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کی ابتدا بیان کرتا ہے کہ اصل آدم مٹی سے ہے جو کیچڑ کی اور بجنے والی مٹی کی صورت میں تھی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پانی سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے پھر انسان بنا کر زمین پر پھیلا دیا۔ مسند میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کی ایک مٹھی سے پیدا کیا جسے تمام زمین پر سے لیا تھا۔ پس اسی اعتبار سے اولاد آدم کے رنگ و روپ مختلف ہوئے۔ کوئی سرخ ہے' کوئی سفید ہے' کوئی سیاہ ہے' کوئی اور رنگ کا ہے۔ ان میں نیک ہیں اور بد بھی ہیں۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ میں ضمیر کا مرجع جنس انسان کی طرف ہے جیسے ارشاد ہے وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ اور آیت میں ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ پس انسان کے لئے ایک مدت معین تک اس کی ماں کا رحم ہی ٹھکانا ہوتا ہے جہاں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نطفے کی جو ایک اچھلنے والا پانی ہے' جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے' شکل بدل

کر سرخ رنگ کی بوٹی کی شکل میں بدل جاتا ہے' پھر اسے گوشت کے ایک ٹکڑے کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے جس میں کوئی شکل اور کوئی خط نہیں ہوتا۔ پھر ان میں ہڈیاں بنادیں سر ہاتھ' پاؤں' ہڈی' رگ' پٹھے وغیرہ بنائے۔ پیٹھ کی ہڈی بنائی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' انسان کا تمام جسم سڑ گل جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے۔ اسی سے پیدا کیا جاتا ہے اور اسی سے ترکیب دی جاتی ہے۔ پھر ان ہڈیوں کو وہ گوشت پہناتا ہے۔ تاکہ وہ پوشیدہ اور قوی رہیں۔ پھر اس میں روح پھونکتا ہے جس سے وہ ہلنے جلنے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے اور ایک جاندار انسان بن جائے۔ دیکھنے کی' سننے کی' سمجھنے کی اور حرکت و سکون کی قدرت عطا فرماتا ہے۔ وہ بابرکت اللہ سب سے اچھی پیدائش کا پیدا کرنے والا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب نطفے پر چار مہینے گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو تین تین اندھیریوں میں اس میں روح پھونکتا ہے۔ یہی معنی ہے کہ ہم پھر اسے دوسری ہی پیدائش میں پیدا کرتے ہیں یعنی دوسری قسم کی اس پیدائش سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے۔ پس ایک حالت سے دوسری اور دوسری سے تیسری کی طرف ماں کے پیٹ میں ہی ہیر پھیر ہونے کے بعد بالکل ناسمجھ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ جوان بن جاتا ہے۔ پھر ادھیڑ پن آتا ہے۔ پھر بوڑھا ہو جاتا ہے۔ پھر بالکل ہی بڈھا ہو جاتا ہے۔ الغرض روح کا پھونکا جانا اور پھر ان انقلابات کا آنا شروع ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

صادق و مصدوق آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی ہے۔ پھر چالیس دن تک وہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور بحکم تعالیٰ چار باتیں لکھ لی جاتی ہیں۔ روزی' اجل' عمل اور نیک یا بد برا یا بھلا ہونا پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ ایک شخص جنتی کا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت سے صرف ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا وہ لکھا غالب آ جاتا ہے اور خاتمہ کے وقت دوزخی کام کرنے لگتا ہے اور اسی پر مرتا ہے اور جہنم رسید ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان برے کام کرتے کرتے دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا آگے بڑھ جاتا ہے اور جنت کے اعمال پر خاتمہ ہو کر داخل فردوس بریں ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' نطفہ جب رحم میں پڑتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ناخن کی جگہ پہنچ جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد اس کی شکل جمے ہوئے خون جیسی ہو جاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے اصحاب سے باتیں بیان کر رہے تھے کہ ایک یہودی آ گیا تو کفار قریش نے اس سے کہا' یہ نبوت کے دعوے دار ہیں' اس نے کہا' اچھا' میں ان سے ایک سوال کرتا ہوں جسے نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ کی مجلس میں آ کر بیٹھ کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' مرد و عورت کے نطفے سے۔ مرد کا نطفہ غلیظ اور گاڑھا ہوتا ہے۔ اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے۔ اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔ اس نے کہا۔ آپؐ سچے ہیں اگلے نبیوں کا بھی یہی قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب نطفے کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے کہ اے اللہ یہ نیک ہو گا یا بد؟ مرد ہو گا یا عورت؟ جو جواب ملتا ہے' وہ لکھ لیتا ہے اور عمل' عمر اور نرمی گرمی سب کچھ لکھ لیتا ہے پھر دفتر لپیٹ لیا جاتا ہے۔ اس میں پھر کسی کی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی۔ بزار کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے' اے اللہ' اب نطفہ ہے' اے اللہ اب لوتھڑا ہے' اے اللہ اب گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب جناب باری اسے پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پوچھتا ہے اللہ مرد ہو یا

عورت - شقی ہو یا سعید رزق کیا ہے؟ اجل کیا ہے؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں لکھ لی جاتی ہیں -

ان سب باتوں اور اتنی کامل قدرتوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ سب سے اچھی پیدائش کرنے والا اللہ برکتوں والا ہے - حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے جب یہ آیت اتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا ہے تو بے ساختہ میری زبان سے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ نکلا اور وہی پھر اترا - زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول کریم ﷺ اوپر والی آیتیں لکھوا رہے تھے اور ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ تک لکھوا چکے تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے ساختہ کہا فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اسے سن کر اللہ کے نبی ﷺ ہنس دیئے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کیسے ہنسے - آپؐ نے فرمایا، اس آیت کے خاتمے پر بھی یہی ہے - اس حدیث کی سند کا ایک راوی جابر جعفی ہے جو بہت ہی ضعیف ہے اور یہ روایت بالکل منکر ہے - حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب وحی مدینے میں تھے نہ کہ مکے میں - حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ بھی مدینے کا واقعہ ہے اور یہ آیت مکے میں نازل ہوئی ہے پس مندرجہ بالا روایت بالکل منکر ہے واللہ اعلم - اس پہلی پیدائش کے بعد تم مرنے والے ہو پھر قیامت کے دن دوسری دفعہ پیدا کئے جاؤ گے پھر حساب کتاب ہو گا خیر و شر کا بدلہ ملے گا -

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں اور ہم مخلوقات سے غافل نہیں ہیں ○

آسمان کی پیدائش مرحلہ وار: ☆☆ (آیت:۱۷) انسان کی پیدائش کا ذکر کر کے آسمانوں کی پیدائش کا بیان ہو رہا ہے - جن کی بناوٹ انسانی بناوٹ سے بہت بڑی، بہت بھاری اور بہت بڑی صنعت والی ہے - سورہ الم سجدہ میں بھی اسی کا بیان ہے - جسے حضور ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز کی اول رکعت میں پڑھا کرتے تھے - وہاں پہلے آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر ہے پھر انسانی پیدائش کا بیان ہے - پھر قیامت کا اور سزا و جزا کا ذکر ہے وغیرہ - سات آسمانوں کے بنانے کا ذکر کیا ہے - جیسے فرمان ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ساتوں آسمان اور سب زمینیں اور ان کی سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں - کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اوپر تلے ساتوں آسمانوں کو بنایا -

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی جیسی زمینیں - اس کا حکم ان کے درمیان نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور تمام چیزوں کو اپنے وسیع علم سے گھیرے ہوئے ہے - اللہ اپنی مخلوق سے غافل نہیں - جو چیز زمین میں جائے، جو زمین سے نکلے، اللہ کے علم میں ہے - آسمان سے جو اترے اور جو آسمان کی طرف چڑھے، وہ جانتا ہے - جہاں بھی تم ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے ایک ایک عمل کو وہ دیکھ رہا ہے - آسمان کی بلند و بالا چیزیں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں پہاڑوں کی چوٹیاں، سمندروں، میدانوں، درختوں کی اسے خبر ہے - درختوں کا کوئی پتہ نہیں گرتا جو اس کے علم میں نہ ہو - کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں ایسا نہیں جاتا جسے وہ نہ جانتا ہو - کوئی تر خشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں نہ ہو -

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖۗ وَاِنَّا عَلٰى
ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ۚ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ
وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ۙ
وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ
لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا
فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ۙ
وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲۲

ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں ○ اسی پانی کے ذریعہ سے ہم تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں کہ تمہارے لئے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں۔ انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو ○ اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے، جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے ○ تمہارے لئے چوپایوں میں بھی بڑی بھاری عبرت ہے، ان کے پیٹوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں۔ اور بھی بہت سے نفع تمہارے لئے ان میں ہیں۔ ان میں سے بعض بعض کو تم کھاتے بھی ہو ○ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو ○

آسمان سے نزول بارش: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۲) اللہ تعالیٰ کی یوں تو بے شمار اور ان گنت نعمتیں ہیں۔ لیکن چند بڑی بڑی نعمتوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے کہ وہ آسمان سے بقدر حاجت وضرورت بارش برساتا ہے۔ نہ تو بہت زیادہ کہ زمین خراب ہو جائے اور پیداوار گل سڑ جائے۔ نہ بہت کم کہ پھل اناج وغیرہ پیدا ہی نہ ہو بلکہ اس انداز سے کہ کھیتی سرسبز رہے باغات ہرے بھرے رہیں۔ حوض، تالاب، نہریں، ندیاں، نالے، دریا بہہ نکلیں، نہ پینے کی کمی ہو نہ پلانے کی۔ یہاں تک کہ جس جگہ زیادہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے، زیادہ ہوتی ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہوتی ہے، کم ہوتی ہے اور جہاں کی زمین اس قابل ہی نہیں ہوتی، وہاں پانی نہیں برستا لیکن ندیوں اور نالوں کے ذریعہ وہاں قدرت برساتی پانی پہنچا کر وہاں کی زمین کو سیراب کر دیتی ہے۔ جیسے کہ مصر کے علاقے کی زمین جو دریائے نیل کی تری سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ اسی پانی کے ساتھ سرخ مٹی کھنچ کر جاتی ہے جو حبشہ کے علاقہ میں ہوتی ہے۔ وہاں کی بارش کے ساتھ وہ مٹی بہہ کر پہنچتی ہے جو زمین پر ٹھہر جاتی ہے اور زمین قابل زراعت ہو جاتی ہے ورنہ وہاں کی شور زمین کھیتی باڑی کے قابل نہیں۔ سبحان اللہ اس لطیف وخبیر، غفور ورحیم اللہ کی کیا کیا قدرتیں اور حکمتیں ہیں۔ زمین میں اللہ پانی کو ٹھہرا دیتا ہے۔ زمین میں اس کو چوس لینے اور جذب کر لینے کی قابلیت اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے تاکہ دانوں کو اور گٹھلیوں کو اندر ہی اندر وہ پانی پہنچا دے۔ پھر فرماتا ہے، ہم اس کے لے جانے اور دور کر دینے پر یعنی نہ برسانے پر بھی قادر ہیں۔ اگر چاہیں شور، سنگلاخ زمین پر پہاڑوں اور بیکار بنوں میں برسا دیں۔ اگر چاہیں پانی کو کڑوا کر دیں نہ پینے کے قابل رہے نہ پلانے کے نہ کھیت اور باغات کے مطلب کا رہے نہ نہانے دھونے کے مقصد کا۔ اگر چاہیں زمین میں وہ قوت ہی نہ رکھیں کہ وہ پانی کو جذب کر لے چوس لے بلکہ پانی اوپر ہی اوپر تیرتا پھرے یہ بھی ہمارے اختیار میں ہے کہ ایسی دور دراز جھیلوں میں پانی پہنچا دیں کہ تمہارے لئے بیکار ہو جائے۔ اور تم کوئی فائدہ اس سے نہ اٹھا سکو۔ یہ خاص اللہ کا فضل وکرم اور اس کا لطف ورحم ہے کہ وہ بادلوں سے میٹھا، عمدہ، ہلکا اور خوش ذائقہ پانی برساتا ہے۔ پھر اسے زمین میں پہنچاتا ہے اور ادھر ادھر ریل پیل کر دیتا ہے کھیتیاں الگ پکتی ہیں۔ باغات الگ تیار ہوتے ہیں۔ خود پیتے ہو۔ اپنے

جانوروں کو پلاتے ہو۔ نہاتے دھوتے ہو۔ پاکیزگی اور ستھرائی حاصل کرتے ہو فالحمد للہ۔

آسمانی بارش سے رب العالمین تمہارے لئے روزیاں اگاتا ہے لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں کہیں سرسبز باغ ہیں جو خوشنما اور خوش منظر ہونے کے علاوہ مفید اور فیض والے ہیں۔ کھجور' انگور جو اہل عرب کا دل پسند میوہ ہے اور اسی طرح ہر ملک والوں کے لئے الگ الگ' طرح طرح کے میوے اس نے پیدا کر دیئے ہیں۔ جن کے حصول کے عوض اللہ کی شکرگزاری بھی کسی کے بس کی نہیں۔ بہت میوے تمہیں اس نے دے رکھے ہیں جن کی خوبصورتی بھی تم دیکھتے ہو اور ان کے ذائقے سے بھی کھا کر فائدہ اٹھاتے ہو۔ پھر زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا' طور سینا وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات چیت کی تھی اور اس کے اردگرد کی پہاڑیاں۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو ہرا اور درختوں والا ہو ورنہ اسے جبل کہیں گے' طور نہیں کہیں گے۔ پس طور سینا میں جو درخت زیتون پیدا ہوتا ہے' اس میں سے تیل نکلتا ہے جو کھانے والوں کو سالن کا کام دیتا ہے۔ حدیث میں ہے' زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ' وہ مبارک درخت میں سے نکلتا ہے (احمد) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ایک صاحب عاشورے کی شب کو مہمان بن کر آئے تو آپؓ نے انہیں اونٹ کی سری اور زیتون کھلایا اور فرمایا' یہ اس مبارک درخت کا تیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیا ہے۔ پھر چوپایوں کا ذکر ہو رہا ہے اور ان سے جو فوائد انسان اٹھا رہے ہیں' ان نعمتوں کا اظہار ہو رہا ہے کہ ان کا دودھ وہ پیتے ہیں' ان کا گوشت کھاتے ہیں' ان کے بالوں اور اون سے لباس وغیرہ بناتے ہیں۔ ان پر سوار ہوتے ہیں۔ ان پر اپنا سامان اسباب لادتے ہیں اور دور دراز تک پہنچتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو وہاں تک پہنچنے میں جان آدھی رہ جاتی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربانی اور رحمت والا ہے۔ جیسے فرمان ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ الخ' یا وہ نہیں دیکھتے کہ خود ہم نے انہیں چوپایوں کا مالک بنا رکھا ہے کہ یہ ان کے گوشت کھائیں۔ ان پر سواریاں لیں اور طرح طرح کے نفع حاصل کریں۔ کیا اب بھی ان پر ہماری شکرگزاری واجب نہیں؟ یہ خشکی کی سواریاں ہیں۔ پھر تری کی سواریاں' کشتی جہاز وغیرہ الگ ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ
يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا
بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ
فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم تقویٰ نہیں رکھتے؟ ○ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے۔ یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے' اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا۔ ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانوں میں سنا ہی نہیں ○ یقیناً اس شخص کو جنون ہے۔ پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو ○

نوح علیہ السلام اور متکبر وڈیرے: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۵) نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر بنا کر ان کی قوم کی طرف مبعوث

فرمایا۔ آپ نے ان میں جا کر پیغام ربانی پہنچایا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہاری عبادت کا حقدار کوئی نہیں۔ تم اللہ کے سوا اس کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہوئے اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ قوم کے بڑوں نے اور سرداروں نے کہا' یہ تو تم جیسا ہی ایک انسان ہے۔ نبوت کا دعوی کر کے تم سے بڑا بننا چاہتا ہے سرداری حاصل کرنے کی فکر میں ہے۔ بھلا انسان کی طرف وحی کیسے آتی؟ اللہ کا ارادہ نبی بھیجنے کا ہوتا تو کسی آسمانی فرشتے کو بھیج دیتا۔ یہ تو ہم نے کیا ہمارے باپ دادوں نے بھی نہیں سنا کہ انسان اللہ کا رسول بن جائے۔ یہ تو کوئی دیوانہ شخص ہے کہ ایسے دعوے کرتا ہے اور ڈینگیں مارتا ہے۔ اچھا خاموش رہو۔ دیکھ لو۔ ہلاک ہو جائے گا۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ
اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ
فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ
سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ
اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَی
الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾
وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾

نوح نے دعا کی اے میرے پالنے والے' ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر ○ تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور ابل پڑے تو تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے اور اپنے اہل کو بھی مگر ان میں سے جس کی بابت ہماری بات پہلے گزر چکی ہے۔ خبردار جن لوگوں نے ظلم کیا ہے' اس کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا' وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے ○ جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر با اطمینان بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہی ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی ○ اور کہنا کہ اے میرے رب' مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔ یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم بے شک آزمائش کرنے والے ہیں ○

نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم: ☆☆ (آیت: ۲۶-۳۰) جب نوح علیہ السلام ان سے تنگ آ گئے اور مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے پروردگار' میں لاچار ہو گیا ہوں' میری مدد فرما۔ جھٹلانے والوں پر مجھے غالب کر۔ اسی وقت فرمان ربانی آیا کہ کشتی بناؤ اور خوب مضبوط چوڑی چکلی۔ اس میں ہر قسم کا ایک ایک جوڑا رکھ لو۔ حیوانات' نباتات' پھل وغیرہ وغیرہ اور اسی میں اپنے اہل کو بھی بٹھا لو مگر جس پر اللہ کی طرف سے ہلاکت سبقت کر چکی ہے۔ جو ایمان نہیں لائے۔ جیسے آپ کی قوم کے کافر اور آپ کا لڑکا اور آپ کی بیوی واللہ اعلم۔ اور جب تم عذاب آسمانی بصورت بارش اور پانی آتا دیکھ لو' پھر مجھ سے ان ظالموں کی سفارش نہ کرنا۔ پھر ان پر رحم نہ کرنا نہ ان کے ایمان کی امید رکھنا۔ بس پھر تو یہ سب غرق ہو جائیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہو گا۔ اس کا پورا قصہ سورہ ہود کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اس لئے ہم نہیں دہراتے۔ جب تو اور تیرے ساتھی مومن کشتی پر سوار ہو جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے

ہمیں ظالموں سے نجات دی۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے ہیں تا کہ تم سواری لے کر اپنے رب کی نعمت کو مانو اور سوار ہو کر کہو کہ وہ اللہ پاک ہے جس نے ان جانوروں کو ہمارا تابع بنا دیا ہے حالانکہ ہم میں خود اتنی طاقت نہ تھی۔ بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہی کہا اور فرمایا آؤ اس میں بیٹھ جاؤ' اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ پس شروع چلنے کے وقت بھی اللہ کو یاد کیا اور جب وہ ٹھہرنے لگی تب بھی اللہ کو یاد کیا اور دعا کی کہ الٰہی مجھے مبارک منزل پر اتارنا اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ اس میں یعنی مومنوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت میں انبیا کی تصدیق کی نشانیاں ہیں۔ اللہ کی الوہیت کی علامتیں ہیں۔ اس کی قدرت' اس کا علم اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ یقیناً رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش اور ان کا پورا امتحان کر لیتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۱۰
وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ
الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ۙ
وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ۙ اَيَعِدُكُمْ
اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ۙ
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ۙ

ان کے بعد ہم نے اور بھی امتیں پیدا کیں ○ پھر ان میں خود ان میں سے ہی رسول بھی بھیجے کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ○ سرداران قوم نے جواب دیا جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں خوش حال کر رکھا تھا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے۔ تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے ○ اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو ○ کیا یہ تمہیں اس بات سے دھمکاتا ہے کہ جب تم مر کر صرف خاک اور ہڈی رہ جاؤ گے تو تم پھر زندہ کئے جاؤ گے؟ نہیں نہیں ○ دور اور بہت دور ہے وہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ○

عاد و ثمود کا تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت نوح نبی علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی امتیں آئیں۔ جیسے عاد جو ان کے بعد آئی یا ثمود قوم جن پر چیخ کا عذاب آیا تھا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے' ان میں بھی اللہ کے رسول علیہ السلام آئے۔ اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی تعلیم دی۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا' مخالفت کی' اتباع سے انکار کیا' محض اس بنا پر کہ یہ انسان ہیں۔ قیامت کو بھی نہ مانا' جسمانی حشر کے منکر بن گئے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ
بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾
قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا
مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَ مَا
يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾

یہ تو صرف زندگانی دنیا ہی ہے۔ ہم مرتے جیتے رہتے ہیں یہ نہیں کہ ہم پھر بھی اٹھائے جائیں ○ یہ تو وہ شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لیا ہے۔ ہم تو اس پر یقین لانے والے نہیں ہیں ○ نبی نے دعا کی کہ پروردگار ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر ○ جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کیئے پر پچھتانے لگیں گے ○ بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق انہیں چیخ نے پکڑ لیا اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا' پس ظالموں کے لئے دوری ہو جیو ○ ان کے بعد ہم نے اور بھی بہت سی امتیں پیدا کیں ○ نہ تو کوئی امت اپنی اجل سے آگے بڑھی اور نہ پیچھے رہی ○

(آیت:۳۷-۴۱) اور کہنے لگے کہ یہ بالکل دور از قیاس ہے۔ بعثت ونشر' حشر و قیامت کوئی چیز نہیں۔ اس شخص نے یہ سب باتیں از خود گھڑ لی ہیں۔ ہم ایسی فضول باتوں کے ماننے والے نہیں۔ نبی علیہ السلام نے دعا کی اور ان پر مدد طلب کی۔ اسی وقت جواب ملا کہ تیری ناموافقت ابھی ابھی ان پر عذاب بن کر برسے گی اور یہ آٹھ آٹھ آنسو روئیں گے۔ آخر ایک زبردست چیخ اور بے پناہ چنگھاڑ کے ساتھ سب تلف کر دیئے گئے اور وہ مستحق بھی اسی کے تھے۔ تیز وتند آندھی اور پوری طاقت ور ہوا کے ساتھ ہی فرشتے کی دل دہلانے والی خوفناک آواز نے انہیں پارہ پارہ کر دیا' وہ ہلاک اور تباہ ہو گئے' بھوسہ بن کر اڑ گئے۔ صرف مکانات کے کھنڈر ان گئے گزرے ہوئے لوگوں کی نشاں دہی کے لئے رہ گئے۔ وہ کوڑے کرکٹ کی طرح ناچیز محض ہو گئے۔ ایسے ظالموں کے لئے دوری ہے۔ ان پر رب نے ظلم نہیں کیا بلکہ انہی کا کیا ہوا تھا جو ان کے سامنے آیا۔

پس اے لوگو! تمہیں بھی رسول ﷺ کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے۔

اکثریت ہمیشہ بدکاروں کی رہی: ☆☆ (آیت:۴۲-۴۳) ان کے بعد بھی بہت سی امتیں اور مخلوق آئی جو ہماری پیدا کردہ تھی۔ ان کی پیدائش سے پہلے ان کی اجل جو قدرت نے مقرر کی تھی' اسے اس نے پوری کیا۔ نہ تقدیم ہوئی نہ تاخیر۔ پھر ہم نے پے در پے لگاتار رسول بھیجے۔ ہر امت میں پیغمبر آیا۔ اس نے لوگوں کو پیغام اللہ پہنچایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو' اس کے ماسوا کسی کی پوجا نہ کرو۔ بعض راہ راست پر آ گئے اور بعض پر کلمہ عذاب راست آ گیا۔

تمام امتوں کی اکثریت نبیوں کی منکر رہی جیسے سورہ یٰسین میں فرمایا یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ افسوس ہے بندوں پر۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ
فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا
لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا
قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا
لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

پھر ہم نے لگاتار رسول بھیجے، جس امت کے پاس اس کا رسول آیا، اس نے جھٹلایا۔ پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا اور انہیں افسانہ بنا دیا، ان لوگوں کو دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○ پھر ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو اپنی آیتوں اور ظاہر غلبے کے ساتھ بھیجا ○ فرعون اور اس کے لشکروں کی طرف پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے ہی وہ سرکش لوگ ○ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں؟ حالانکہ خود ان کی قوم بھی ہماری ماتحت ہے ○ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا۔ آخر وہ بھی ہلاک شدہ لوگوں میں مل گئے ○ ہم نے تو موسیٰ کو کتاب بھی دے رکھی تھی کہ لوگ راہ راست پر آ جائیں ○

(آیت: ۴۴) ان کے پاس جو رسول آیا، انہوں نے اسے مذاق میں اڑایا۔ ہم نے یکے بعد دیگرے سب کو غارت اور فنا کر دیا وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کے بعد بھی ہم نے کئی ایک بستیاں تباہ کر دیں۔ انہیں ہم نے پرانے افسانے بنا دیا، وہ نیست و نابود ہو گئے اور قصے ان کے باقی رہ گئے۔ بے ایمانوں کے لئے رحمت سے دوری ہے۔

دریا برد فرعون : ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور قوم فرعون کے پاس پوری دلیلوں اور زبردست معجزوں کے ساتھ بھیجا۔ لیکن انہوں نے بھی سابقہ کافروں کی طرح اپنے نبیوں کی تکذیب و مخالفت کی۔ اور سابقہ کفار کی طرح یہی کہا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کی نبوت کے قائل نہیں۔ ان کے دل بھی بالکل ان جیسے ہی ہو گئے۔ بالآخر ایک ہی دن میں ایک ساتھ سب کو اللہ تعالیٰ نے دریا برد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات ملی۔ دوبارہ مومنوں کے ہاتھوں کافر ہلاک کئے گئے۔ جہاد کے احکام اترے۔ اس طرح عام عذاب سے کوئی امت فرعون اور قوم فرعون یعنی قبطیوں کے بعد ہلاک نہیں ہوئی۔ ایک اور آیت میں فرمان ہے، گذشتہ امتوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت فرمائی جو لوگوں کے لئے بصیرت و ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ
قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۠﴿۵۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ ع ۳ ۱۸
وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ
اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ہم نے ابن مریم کو اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنایا اور ان دونوں کو بلند صاف قرار والی اور جاری پانی والی جگہ میں پناہ دی ○ اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں ○ یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں۔ پس تم مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○

ربوہ کے معنی: ☆☆ (آیت: ۵۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کی ایک زبردست نشانی بنایا۔ آدمؑ کو مرد و عورت بغیر پیدا کیا۔ حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا، عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کیا۔ بقیہ تمام انسانوں کو مرد و عورت سے پیدا کیا۔ رَبْوَۃٍ کہتے ہیں، بلند زمین کو جو ہری اور پیداوار کے قابل ہو۔ وہ جگہ گھانس پانی والی، تر و تازہ اور ہری بھری تھی۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس غلام اور نبی کو اور ان کی والدہ کو جو اللہ کی بندی اور لونڈی تھیں جگہ دی تھی۔ وہ جاری پانی والی صاف ستھری ہموار زمین تھی۔ کہتے ہیں، یہ ٹکڑا مصر کا تھا یا دمشق کا یا فلسطین کا۔ رَبْوَۃٍ ریتلی زمین کو بھی کہتے ہیں چنانچہ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ تیرا انتقال ربوہ میں ہوگا۔ وہ ریتلی زمین میں فوت ہوئے۔ ان تمام اقوال میں زیادہ قریب قول وہ ہے کہ مراد اس سے نہر ہے جیسے اور آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا تیرے رب نے تیرے قدموں تلے ایک جاری نہر بہا دی ہے۔ پس یہ مقام بیت المقدس کا مقام ہے تو گویا اس آیت کی تفسیر یہ آیت ہے اور قرآن کی تفسیر اولاً قرآن سے پھر حدیث سے پھر آثار سے کرنی چاہئے۔

اکل حلال کی فضیلت: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۲) اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم فرماتا ہے کہ وہ حلال لقمہ کھائیں اور نیک اعمال بجا لایا کریں۔ پس ثابت ہوا کہ لقمہ حلال عمل صالح کا مددگار ہے۔ پس انبیاء نے سب بھلائیاں جمع کر لیں۔ قول و فعل دلالت، نصیحت سب انہوں نے سمیٹ لی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سب بندوں کی طرف سے نیک بدلے دے۔ یہاں کوئی رنگ مزہ بیان نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ حلال چیزیں کھاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے بننے کی اجرت میں سے کھاتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے، کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ لوگوں نے پوچھا، آپ سمیت؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور حدیث میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ کو سب سے زیادہ پسند روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔ ام عبداللہ بنت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ شام کے وقت بھیجا تاکہ آپ اس سے اپنا روزہ افطار کریں دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ کی تیزی تھی تو آپؐ نے قاصد کو واپس کر دیا کہ اگر تیری بکری کا ہوتا تو خیر اور بات تھی۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے یہ دودھ اپنے مال سے خرید کیا ہے۔ پھر آپؐ نے پی لیا۔ دوسرے دن مائی صاحبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ اس گرمی میں میں نے دودھ بھیجا۔ بہت دیر سے بھیجا تھا۔ آپ نے میرے قاصد کو واپس کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں مجھے یہی فرمایا گیا ہے۔ انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے، آپؐ نے فرمایا لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ صرف پاک کو ہی قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے کہ اے رسولو! پاک چیز کھاؤ اور نیک کام کرو۔ میں تمہارے اعمال کا عالم ہوں۔ یہی حکم ایمان والوں کو دیا کہ اے ایماندارو جو حلال چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، انہیں کھاؤ۔ پھر آپؐ نے ایک شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ بالوں والا،

غبار آلود چہرے والا ہوتا ہے لیکن کھانا' پینا' پہننا حرام کا ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر اے رب اے رب کہتا ہے لیکن ناممکن ہے کہ اس کی دعا قبول فرمائی جائے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔ پھر فرمایا' اے پیغمبرو! تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے ایک ہی ملت ہے یعنی اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ کی عبادت کی طرف دعوت دینا۔ اسی لئے اسی کے بعد فرمایا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ پس مجھ سے ڈرو۔ سورۂ انبیاء میں اس کی تفسیر و تشریح ہو چکی ہے اُمَّۃً وَّاحِدَۃً پر نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ
فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ
اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۙ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى
الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر انہوں نے خود ہی اپنے امر کے اپنے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لئے۔ ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے' اسی پر اترا رہا ہے ○ پس تو بھی انہیں ان کی غفلت میں ہی کچھ مدت پڑا رہنے دے ○ کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں ○ وہ ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں' نہیں نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں ○

(آیت:۵۴-۵۶) جن امتوں کی طرف حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے تھے' انہوں نے اللہ کے دین کے ٹکڑے کر دیئے اور جس گمراہی پر اڑ گئے' اسی پر نازاں و فرحاں ہو گئے اس لئے کہ اپنے نزدیک اسی کو ہدایت سمجھ بیٹھے۔ پس بطور ڈانٹ کے فرمایا' انہیں ان کے بہکنے بھٹکنے میں ہی چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ ان کی تباہی کا وقت آ جائے۔ کھانے پینے دیجئے' مست و بے خود ہونے دیجئے۔ ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کیا یہ مغرور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد انہیں دے رہے ہیں' وہ ان کی بھلائی اور نیکی کی وجہ سے ان کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں یہ تو انہیں دھوکا لگا ہے۔ یہ اس سے سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جیسے یہاں خوش حال ہیں۔ وہاں بھی بے سزا رہ جائیں گے۔ یہ محض غلط ہے۔ جو کچھ انہیں دنیا میں ہم دے رہے ہیں' وہ تو صرف ذرا سی دیر کی مہلت ہے لیکن یہ بے شعور ہیں۔ یہ لوگ اصل تک پہنچے ہی نہیں۔ جیسے فرمان ہے۔ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ الخ' تجھے ان کے مال و اولاد دھوکے میں نہ ڈالیں اللہ کا ارادہ تو یہ ہے کہ اس سے انہیں دنیا میں عذاب کرے۔ اور آیت میں ہے' یہ ڈھیل صرف اس لئے دی گئی ہے کہ وہ اپنے گناہوں میں اور بڑھ جائیں۔ اور جگہ ہے مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے۔ ہم انہیں اس طرح بتدریج پکڑیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو۔ اور آیتوں میں فرمایا ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا یعنی مجھے اور اسے چھوڑ دے جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اور بہ کثرت مال دیا ہے اور ہمہ وقت موجود فرزند دیئے ہیں اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا ہے پھر اسے ہوس ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں' ہرگز نہیں وہ ہماری باتوں کا مخالف ہے۔ اور آیت میں ہے وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں مجھ سے قربت نہیں دے سکتیں۔ مجھ سے قریب تو وہ ہے جو ایماندار اور نیک عمل ہو۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں یہی اللہ کا شکر ہے پس تم انسانوں کو مال اور اولاد سے نہ پرکھو بلکہ انسان کی کسوٹی ایمان اور نیک عمل ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اخلاق بھی تم میں اسی طرح تقسیم کئے ہیں جس طرح روزیاں تقسیم فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت رکھے اور اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت نہ رکھے۔ ہاں دین صرف اسی کو دیتا ہے جس سے

پوری محبت رکھتا ہو۔ پس جسے اللہ دین دے، سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو جائے۔ اور بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بےفکر نہ ہو جائیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایذاؤں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا دھوکے بازی، ظلم وغیرہ، سنو جو بندہ حرام مال حاصل کر لے، اس کے خرچ میں برکت نہیں ہوتی۔ اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ جو چھوڑ کر جاتا ہے، وہ اس کا جہنم کا توشہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا، ہاں برائی کو بھلائی سے رفع کرتا ہے۔ خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾
وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ
رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں ○ اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ○ اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ○ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ یہی ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں ○

مومن کی تعریف: ☆☆ (آیت: ۵۷-۶۱) فرمان ہے کہ احسان اور ایمان کے ساتھ ہی ساتھ نیک اعمال اور پھر اللہ کی ہیبت سے تھرتھرانا اور کانپتے رہنا، یہ ان کی صفت ہے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف الٰہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ منافق برائی کے ساتھ نڈر اور بےخوف ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شرعی اور فطری آیات اور نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں جیسے حضرت مریم علیہا السلام کا وصف بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کا یقین رکھتی تھیں، اللہ کی قدرت، قضا اور شرع کا انہیں کامل یقین تھا۔ اللہ کے ہر امر کو وہ محبوب رکھتے ہیں اللہ کے منع کردہ ہر کام کو وہ ناپسند رکھتے ہیں۔ ہر خبر کو وہ سچ مانتے ہیں۔ وہ موحد ہوتے ہیں۔ شرک سے بیزار رہتے ہیں، اللہ کو واحد اور بےنیاز جانتے ہیں، اسے بےاولاد اور بیوی کے بغیر مانتے ہیں، بےنظیر اور بےکفو سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اللہ کے نام پر خیراتیں کرتے ہیں لیکن خوف زدہ رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو قبول نہ ہوئی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جن سے زنا، چوری اور شراب خواری ہو جاتی ہے لیکن ان کے دل میں خوف الٰہی ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اے صدیق کی لڑکی یہ وہ نہیں بلکہ یہ وہ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقے کرتے ہیں لیکن قبول نہ ہونے سے ڈرتے ہیں، یہی ہیں جو نیکیوں میں سبقت کرتے ہیں (ترمذی) اس آیت کی دوسری قرات یَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا بھی ہے یعنی کرتے ہیں جو کرتے ہیں لیکن دل ان کے ڈرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ابو عاصم گئے آپ نے مرحبا کہا اور کہا برابر آتے کیوں نہیں ہو؟ جواب دیا اس لئے کہ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن آج میں ایک آیت کے الفاظ کی تحقیق کے لئے حاضر ہوا ہوں یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا ہیں یا یَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیا ہونا تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے؟ میں نے کہا، آخر کے الفاظ اگر ہوں تو گویا میں نے ساری دنیا پا لی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تم خوش ہو جاؤ۔ بخدا میں نے اسی طرح انہی الفاظ کو پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے۔ اس کا ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی ضعیف ہے۔ ساتوں مشہور قراتوں اور جمہور کی قرات میں وہی ہے جو موجودہ قرآن میں ہے اور معنی کی

رو سے بھی زیادہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہیں سابق قرار دیا ہے اور اگر دوسری قرأت کو لیں تو یہ سابق نہیں بلکہ۔ واللہ اعلم۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ
مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ
بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ط لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف اِنَّكُمْ مِّنَّا
لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى
اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾لا مُسْتَكْبِرِيْنَ ق صلے بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے۔ ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا ○ بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت میں ہیں اور ان کے لئے اس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں ○ جنہیں وہ کرنے والے ہیں ○ یہاں تک کہ ہم نے ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا تو وہ گریہ وزاری کرنے لگے۔ آج مت چلاؤ یقیناً تم ہمارے مقابلہ پر مدد نہ کئے جاؤ گے ○ میری آیتیں تو تمہارے سامنے پڑھی جایا کرتی تھیں۔ پھر بھی تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے بھاگتے تھے ○ اکڑتے اینٹھتے' افسانہ گوئی کرتے' اسے چھوڑ دیتے تھے ○

آسان شریعت: ☆☆ (آیت: ۶۲-۶۷) اللہ تعالیٰ نے شریعت آسان رکھی ہے۔ ایسے احکام نہیں دیئے جو انسانی طاقت سے خارج ہوں۔ پھر قیامت کے دن وہ ان کے اعمال کا حساب لے گا جو سب کے سب کتابی صورت میں لکھے ہوئے موجود ہوں گے۔ یہ نامہ اعمال صحیح صحیح طور پر ان کا ایک ایک عمل بتا دے گا۔ کسی طرح کا ظلم کسی پر نہ کیا جائے گا۔ کوئی نیکی کم نہ ہو گی ہاں اکثر مومنوں کی برائیاں معاف کر دی جائیں گی۔ لیکن مشرکوں کے دل قرآن سے بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ان کی اور بداعمالیاں بھی ہیں جیسے شرک وغیرہ جسے یہ دھڑلے سے کر رہے ہیں۔ تا کہ ان کی برائیاں انہیں جہنم سے دور نہ رہنے دیں۔ چنانچہ وہ حدیث گزر چکی جس میں فرمان ہے کہ انسان نیکی کے کام کرتے کرتے جنت سے صرف ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے جو اس پر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور بداعمالیاں شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے آسودہ حال دولت مند لوگوں پر عذاب الٰہی آ پڑتا ہے تو اب وہ فریاد کرنے لگتے ہیں۔ سورہ مزمل میں فرمان ہے کہ مجھے اور ان مالدار جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجئے انہیں کچھ مہلت اور دیجئے ہمارے پاس بیڑیاں بھی ہیں اور جہنم بھی ہے اور گلے میں اٹکنے والا کھانا ہے اور دردناک سزا ہے۔ اور آیت میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ یعنی ہم نے ان سے پہلے اور بھی بہت سی بستیوں کو تباہ کر دیا اس وقت انہوں نے واویلا شروع کیا جب کہ وہ محض بے سود تھا۔ یہاں فرماتا ہے' آج تم کیوں شور مچا رہے ہو؟ کیوں فریاد کر رہے ہو؟ کوئی بھی تمہیں آج کام نہیں آ سکتا' تم پر عذاب الٰہی آ پڑے۔ اب چیخنا چلانا سب بے سود ہے۔ کون ہے جو میرے عذابوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکے؟

پھر ان کا ایک بڑا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ میری آیتوں کے منکر تھے۔ انہیں سنتے تھے اور ٹال جاتے تھے' بلائے جاتے تھے لیکن انکار کر دیتے تھے' توحید کا انکار کرتے تھے' شرک پر عقیدہ رکھتے تھے۔ حکم تو بلند و برتر اللہ ہی کا چلتا ہے۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ دال ہے' ان کے حق سے ہٹنے اور حق کا انکار کرنے سے۔ آیت ہے کہ یہ اس وقت تکبر کرتے تھے اور حق اور اہل حق کو حقیر سمجھتے تھے۔ اس معنی کی رو سے یہ کہ ضمیر کا مرجع یا

تو حرم ہے یعنی مکہ کہ یہ اس میں بیہودہ بکواس لکھتے تھے یا قرآن ہے جسے یہ مذاق میں اڑاتے تھے۔ کبھی شاعری کہتے تھے، کبھی کہانت وغیرہ یا خود آنحضرت ﷺ ہیں کہ راتوں کو بیکار بیٹھے ہوئے اپنے گپ شپ میں حضور ﷺ کو کبھی شاعر کہتے، کبھی کاہن کہتے، کبھی جادوگر کہتے، کبھی جھوٹا کہتے، کبھی مجنوں بتلاتے۔ حالانکہ حرم اللہ کا گھر ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جنہیں اللہ نے اپنی مدد پہنچائی اور مکے پر قابض کیا۔ ان مشرکین کو وہاں سے ذلیل و پست کر کے نکالا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ بیت اللہ کی وجہ سے فخر کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ اولیاء اللہ ہیں حالانکہ یہ خیال محض وہم تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین قریش بیت اللہ پر فخر کرتے تھے۔ اپنے تئیں اس کا مہتمم اور متولی بتلاتے تھے حالانکہ نہ اسے آباد کرتے تھے نہ اس کا صحیح ادب کرتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں پر بہت کچھ لکھا ہے۔ حاصل سب کا یہی ہے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾
اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ
بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ
الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ
فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾

کیا انہوں نے اس بات میں غور و فکر ہی نہیں کیا یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آیا تھا ○ یا انہوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے منکر ہو رہے ہیں ○ یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟ بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لایا ہے ہاں ان میں کے اکثر حق سے چڑنے والے ہیں ○ اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے، حق تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں ○

قرآن کریم سے فرار: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۱) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس فعل پر اظہار کر رہا ہے جو وہ قرآن کے نہ سمجھنے اور اس میں غور و فکر نہ کرنے میں کر رہے تھے اور اس سے منہ پھیر لیتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ رب العزت نے ان پر اپنی وہ پاک اور برتر کتاب نازل فرمائی تھی جو کسی نبی پر نہیں اتاری گئی، یہ سب سے اکمل، اشرف اور افضل کتاب ہے۔ ان کے باپ دادے جاہلیت میں مرے تھے جن کے ہاتھوں میں کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ ان میں کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا۔ تو انہیں چاہئے تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی مانتے، کتاب اللہ کی قدر کرتے اور دن رات اس پر عمل کرتے جیسے کہ ان میں کے سمجھ داروں نے کیا کہ وہ مسلمان متبع رسول ہو گئے اور اپنے اعمال سے اللہ کو راضی رضامند کر دیا۔ افسوس کفار نے عقلمندی سے کام نہ لیا۔ قرآن کی متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑ کر ہلاک ہو گئے۔ کیا یہ لوگ محمد ﷺ کو جانتے نہیں؟ کیا آپ کی صداقت، امانت، دیانت انہیں معلوم نہیں؟ آپ تو انہی میں پیدا ہوئے، انہی میں پلے، انہی میں بڑے ہوئے پھر کیا وجہ ہے کہ آج اسے جھوٹا کہنے لگے جسے اس سے پہلے سچا کہتے تھے دو غلے ہو رہے تھے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش نجاشی رحمتہ اللہ علیہ سے سر دربار یہی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے جس کا نسب، جس کی صداقت، جس کی امانت ہمیں خوب معلوم تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے بوقت جنگ میدان میں یہی فرمایا تھا۔ ابوسفیان صخر بن حرب

نے شاہ روم سے یہی فرمایا تھا جب کہ سر دربار اس نے ان سے اور ان کے ساتھیوں سے پوچھا تھا- حالانکہ اس وقت تک وہ مسلمان بھی نہیں تھے لیکن انہیں آپ کی صداقت' امانت' دیانت' سچائی اور نسب کی عمدگی کا اقرار کرنا پڑا- کہتے تھے کہ اسے جنون ہے یا اس نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں- حقیقت صرف یہ ہے کہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں- یہ قرآن پر نظریں نہیں ڈالتے اور جو زبان پر آتا ہے' بک دیتے ہیں- قرآن تو وہ کلام ہے جس کی مثل اور نظیر سے ساری دنیا عاجز آ گئی- باوجود سخت مخالفت کے اور باوجود پوری کوشش اور انتہائی مقابلے کے کسی سے نہ بن پڑا کہ اس جیسا قرآن خود بنا لیتا یا سب کی مدد لے کر اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاتا- یہ تو سراسر حق ہے اور انہیں حق سے چڑ ہے پچھلا جملہ حال ہے- اور ہو سکتا ہے کہ خبر یہ مستانفہ ہو واللہ اعلم-

مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے فرمایا' مسلمان ہو جا اس نے کہا اگرچہ مجھے یہ ناگوار ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ ناگوار ہو- ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کو راستے میں ملا- آپ نے اس سے فرمایا' اسلام قبول کر اسے یہ برا محسوس ہوا- اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا- آپ نے فرمایا' دیکھو اگر تم کسی غیر آباد خطرناک غلط راستے پر چلے جا رہے ہو اور تمہیں ایک شخص ملے جس کے نام نسب سے جس کی سچائی اور امانت داری سے تم بخوبی واقف ہو' وہ تم سے کہے کہ اس راستے پر چلو جو وسیع' آسان' سیدھا اور صاف ہے' بتاؤ تم اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلو گے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور- آپ نے فرمایا بس تو یقین مانو قسم اللہ کی تم اس دنیوی سخت دشوار گزار اور خطرناک راہ سے بھی زیادہ بری راہ پر ہو اور میں تمہیں سیدھی راہ کی دعوت دیتا ہوں میری مان لو- مذکور ہے کہ ایک اور ایسے ہی شخص سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا' جب کہ اس نے دعوت اسلام کا برا منایا کہ بتا تو' اگر تیرے دو ساتھی ہوں' ایک تو سچا امانت دار دوسرا جھوٹا خیانت پیشہ' بتاؤ تو تم کس سے محبت کرو گے؟ اس نے کہا سچے امین سے فرمایا اسی طرح تم لوگ اپنے رب کے نزدیک ہو- حق سے مراد بقول سدی رحمتہ اللہ علیہ خود اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اگر انہی کی مرضی کے مطابق شریعت مقرر کرتا تو زمین و آسمان بگڑ جاتے جیسے اور آیت میں ہے کہ کافروں نے کہا' ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے شخص کے اوپر یہ قرآن کیوں نہ اترا؟ اس کے جواب میں فرمان ہے کہ کیا اللہ کی رحمت کی تقسیم ان کے ہاتھوں میں ہے؟ اور آیت میں ہے کہ اگر رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک یہ ہوتے تو یہ اپنی بخیلی کی وجہ سے دنیا کو ترسا دیتے اور آیت میں ہے کہ اگر انہیں ملک کے کسی حصہ کا مالک بنا دیا گیا ہوتا تو یہ تو کسی کو ایک کوڑی بھی نہ پرکھاتے- پس ان آیتوں میں جناب باری تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ انسانی دماغ مخلوق کے انتظام کی قابلیت میں نا اہل ہے- یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ اس کی صفتیں' اس کے فرمان' اس کے افعال' اس کی شریعت' اس کی تقدیر' اس کی تدبیر تمام مخلوق کو حاوی ہے اور تمام مخلوق کی حاجت برآری اور ان کی مصلحت کے مطابق ہے- اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ پالنہار ہے- پھر فرمایا' اس قرآن کو ان کی نصیحت کے لئے ہم لائے اور یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں-

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾
وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا
مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے؟ یاد رکھ کہ تیرے رب کی اجرت بہت ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رساں ہے ○ یقیناً تو تو انہیں راہ راست کی طرف بلا

رہا ہے ○ بیشک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ سیدھے راستے سے مڑ جانے والے ہیں ○ اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کی تکلیفیں دور کر دیں تو یہ تو اپنی سرکشی میں جم کر اور بہکنے لگیں ○

(آیت: ۷۲-۷۵) پھر ارشاد ہے کہ تو تبلیغ قرآن پر ان سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ تیری نظریں اللہ پر ہیں۔ وہی تجھے اس کا اجر دے گا۔ جیسے فرمایا، جو بدلہ میں تم سے مانگوں، وہ بھی تمہیں ہی دیا، میں تو اجر کا طالب صرف اللہ سے ہی ہوں۔ ایک آیت میں ہے حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ اعلان کر دو کہ نہ میں کوئی بدلہ چاہتا ہوں نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ اور جگہ ہے، کہہ دے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں چاہتا۔ صرف قرابت داری کی محبت کا خواہاں ہوں۔ سورہ یٰسین میں ہے کہ شہر کے دور کے کنارے سے جو شخص دوڑا ہوا آیا، اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! نبیوں کی اطاعت کرو جو تم سے کسی اجر کے خواہاں نہیں۔ یہاں فرمایا، وہی بہترین رزاق ہے۔ تو لوگوں کو صحیح راہ کی طرف بلا رہا ہے۔

مسند امام احمد میں ہے، حضور ﷺ سوئے ہوئے تھے جو دو فرشتے آئے ایک آپ کی پائنتیوں میں بیٹھا، دوسرا سر کی طرف، پہلے نے دوسرے سے کہا، ان کی اور دوسروں کی امت کی مثالیں بیان کرو اس نے کہا ان کی مثال ان مسافروں کے قافلے کی مثل ہے جو ایک بیابان چٹیل میدان میں تھے ان کے پاس نہ توشہ تھا نہ دانہ پانی، نہ آگے بڑھنے کی قوت نہ پیچھے ہٹنے کی طاقت۔ حیران تھے کہ کیا ہو گا اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بھلا آدمی ایک شریف انسان عمدہ لباس پہنے ہوئے آ رہا ہے اس نے آتے ہی ان کی گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر ان سے کہا کہ اگر تم میرا کہا مانو اور میرے پیچھے چلو تو میں تمہیں پھلوں سے لدے ہوئے باغوں اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں پر پہنچا دوں۔ سب نے اس کی بات مان لی اور اس نے انہیں فی الواقع ہرے بھرے تر و تازہ باغوں اور جاری چشموں میں پہنچا دیا۔ یہاں ان لوگوں نے بے روک ٹوک کھایا پیا اور آسودہ حالی کی وجہ سے موٹے تازے ہو گئے۔ ایک دن اس نے کہا، دیکھو میں تمہیں اس ہلاکت و افلاس سے بچا کر یہاں لایا اور اس فارغ البالی میں پہنچایا۔ اب اگر تم میری مانو تو میں تمہیں اس سے بھی اعلیٰ باغات اور اس سے طیب جگہ اور اس سے بھی زیادہ لہر دار نہروں کی طرف لے چلوں اس پر ایک جماعت تو تیار ہو گئی اور انہوں نے کہا ہم آپ کے ساتھ ہیں لیکن دوسری جماعت نے کہا، ہمیں اور زیادہ کی ضرورت نہیں۔ یہیں رہ پڑے۔

ابو یعلی موصلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ کر تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر جہنم سے روک رہا ہوں۔ لیکن تم پرنالوں اور برساتی کیڑوں کی طرح میرے ہاتھوں سے چھوٹ چھوٹ کر آگ میں گر رہے ہو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں؟ سنو میں تو حوض کوثر پر بھی تمہارا پیشوا اور میر سامان ہوں۔ وہاں تم اکا دکا اور گروہ گروہ بن کر میرے پاس آؤ گے۔ میں تمہیں تمہاری نشانیوں، علامتوں اور ناموں سے پہچان لوں گا جیسے کہ ایک نو وارد انجان آدمی اپنے اونٹوں کو دوسروں کے اونٹوں سے تمیز کر لیتا ہے۔ میرے دیکھتے ہوئے تم میں سے بعض کو بائیں طرف والے عذاب کے فرشتے پکڑ کر لے جانا چاہیں گے تو میں جناب باری تعالیٰ میں عرض کروں گا کہ الٰہی یہ میری قوم کے، میری امت کے لوگ ہیں۔ پس جواب دیا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالیں تھیں؟ یہ تو آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل لوٹتے ہی رہتے۔ میں انہیں بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن اپنی گردن پر بکری لئے ہوئے آئے گا جو بکری چیخ رہی ہو گی وہ میرا نام لے کر آوازیں دے رہا ہو گا لیکن میں اس سے صاف کہہ دوں گا کہ میں اللہ کے سامنے تجھے کچھ کام نہیں آ سکتا میں نے تو اللہ کی باتیں پہنچا دی تھیں۔ اسی طرح کوئی ہو گا جو اونٹ کو لئے ہوئے آئے گا جو بلبلا رہا ہو گا۔ ندا کرے گا کہ اے محمد ﷺ، اے محمد ﷺ! میں کہہ دوں گا کہ میں اللہ کے ہاں تیرے لئے کچھ اختیار نہیں رکھتا میں نے تو حق بات تمہیں پہنچا دی تھی۔ بعض آئیں

گے جن کی گردن پر گھوڑا سوار ہوگا جو ہنہنا رہا ہوگا وہ بھی مجھے آواز دے گا اور میں یہی جواب دوں گا۔ بعض آئیں گے اور مشکیں لادے ہوئے پکاریں گے یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ! میں کہوں گا تمہارے کسی معاملہ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں تو تم تک حق بات پہنچا چکا تھا۔ امام علی بن مدینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اسی حدیث کی سند ہے تو حسن لیکن اس کا ایک راوی حفص بن حمید مجہول ہے لیکن امام یحیٰ بن ابی معین نے اسے صالح کہا ہے اور نسائی اور ابن حبان نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔ آخرت کا یقین نہ رکھنے والے راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں جب کوئی شخص سیدھی راہ سے ہٹ گیا تو عرب کہتے ہیں نَكِبَ فُلَانٌ عَنِ الطَّرِيْقِ۔ ان کے کفر کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے سختی کو ہٹا دے' انہیں قرآن سنا اور سمجھا بھی دے تو بھی یہ اپنے کفر وعناد سے سرکشی اور تکبر سے باز نہ آئیں گے۔ جو کچھ نہیں ہوا' وہ جب ہوگا تو کس طرح ہوگا' اس کا علم اللہ کو ہے۔ اس لئے اور جگہ ارشاد فرما دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان میں بھلائی دیکھتا تو ضرور انہیں اپنے احکام سناتا اگر انہیں سناتا بھی تو وہ منہ پھیرے ہوئے اس سے گھوم جاتے یہ تو جہنم کے سامنے کھڑے ہو کر ہی یقین کریں گے اور اس وقت کہیں گے کاش کہ ہم لوٹا دیئے جاتے اور رب کی باتوں کو نہ جھٹلاتے اور یقین مند ہو جاتے۔ اس سے پہلے جو چھپا تھا' وہ اب کھل گیا بات یہ ہے کہ اگر یہ لوٹا بھی دیئے جائیں تو پھر سے منع کردہ کاموں کی طرف لوٹ آئیں گے۔ پس یہ وہ بات ہے جو ہوگی نہیں لیکن اگر ہو تو کیا ہو؟ اسے اللہ جانتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لَوْ سے جو جملہ قرآن کریم میں ہے' وہ کبھی واقع ہونے والا نہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا۔ تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی ○ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہو گئے ○ وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے' مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو ○

جرائم کی سزا پانے کے باوجود نیک نہ بن سکے: ☆☆ (آیت: ۷۶-۷۸) فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں ان کی برائیوں کی وجہ سے سختیوں اور مصیبتوں میں بھی مبتلا کیا لیکن تاہم نہ تو انہوں نے اپنا کفر چھوڑا نہ اللہ کی طرف جھکے بلکہ کفر وضلالت پر اڑے رہے۔ نہ ان کے دل نرم ہوئے نہ یہ سچے دل سے ہماری طرف متوجہ ہوئے نہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا الخ ہمارا عذاب دیکھ کر یہ ہماری طرف عاجزی سے کیوں نہ جھکے؟ بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت میں اس قحط سالی کا ذکر ہے جو قریشیوں پر حضور ﷺ کے نہ ماننے کے صلے میں آئی تھی۔ جس کی شکایت لے کر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے اور آپ کو اللہ کی قسمیں دے کر رشتے داریوں کے واسطے دلا کر کہا تھا کہ ہم تو اب لید اور خون کھانے لگے ہیں۔ (نسائی) صحیحین میں ہے کہ قریش کی شرارتوں سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ نے ان پر بددعا کی تھی کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات سال کی قحط سالی آئی تھی' ایسے ہی قحط سے الٰہی تو ان پر میری مدد فرما۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ کو قید کر دیا گیا' ایک نوعمر شخص نے کہا' میں آپ کو جی بہلانے کے لئے کچھ اشعار سناؤں؟ تو آپ نے فرمایا ''اس وقت ہم عذاب الٰہی میں ہیں اور قرآن نے ان کی شکایت کی ہے جو ایسے وقت بھی اللہ کی طرف نہ

جھکیں‘‘۔ پھر آپ نے تین روزے برابر رکھے ان سے سوال کیا گیا کہ یہ بیچ میں افطار کئے بغیر کے روزے کیسے؟ تو جواب دیا کہ ایک نئی چیز ادھر سے ہوئی یعنی قید تو ایک نئی چیز ہم نے کی یعنی زیادتی عبادت۔ یہاں تک کہ حکم الٰہی آ پہنچا اچانک وقت آ گیا اور جس عذاب کا وہم وگمان بھی نہ تھا وہ آ پڑا تو تمام خیر سے مایوس ہو گئے' آس ٹوٹ گئی اور حیرت زدہ رہ گئے۔ اللہ کی نعمتوں کو دیکھو۔ اس نے کان دیئے' آنکھیں دیں' دل دیا' عقل وفہم عطا فرمائی کہ غور وفکر کر سکو۔ اللہ کی وحدانیت کو' اس کے اختیار کو سمجھ سکو۔ لیکن جیسے جیسے نعمتیں بڑھیں' شکر کم ہوئے۔ جیسے فرمان ہے تو گو حرص کر لیکن ان میں سے اکثر بے ایمان ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ
الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾
بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا
هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾

وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے ○ یہ وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اور رات دن کے ردوبدل کا مختار بھی وہی ہے۔ کیا تم کو سمجھ بوجھ نہیں؟ ○ بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو اگلے کہتے چلے آئے ○ کہ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے' کیا پھر بھی ہم کھڑے کئے جانے والے ہیں؟ ○ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے ہی سے یہ وعدہ ہوتا چلا آیا ہے' کچھ نہیں یہ تو صرف اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں ○

(آیت:۷۹-۸۳) پھر اپنی عظیم الشان سلطنت اور قدرت کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے مخلوق کو پیدا کر کے وسیع زمین پر پھیلا دیا ہے پھر قیامت کے دن بکھرے ہوؤں کو سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرے گا۔ اب بھی اسی نے پیدا کیا ہے پھر بھی وہی جلائے گا' کوئی چھوٹا بڑا آگے پیچھے کا باقی نہ بچے گا۔ وہی بوسیدہ اور کھوکھلی ہڈیوں کا زندہ کرنے والا اور لوگوں کو مار ڈالنے والا ہے' اسی کے حکم سے دن چڑھتا ہے رات آتی ہے۔ ایک ہی نظام کے مطابق ایک کے بعد ایک آتا جاتا ہے' نہ سورج چاند سے آگے نکلے نہ رات دن پر سبقت کرے کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ اتنے بڑے نشانات دیکھ کر اپنے اللہ کو پہچان لو؟ اور اس کے غلبے اور اس کے علم کے قائل بن جاؤ۔ بات یہ ہے کہ اس زمانہ کے کافر ہوں یا گذشتہ زمانوں کے' ان کے سب کے دل یکساں ہیں۔ زبانیں بھی ایک ہی ہیں وہی بکواس جو گذشتہ لوگوں کی تھی' وہی ان کی ہے کہ مر کر مٹی ہو جانے اور صرف بوسیدہ ہڈیوں کی صورت میں باقی رہ جانے کے بعد بھی دوبارہ پیدا کئے جائیں' یہ سمجھ سے باہر ہے۔ ہم سے بھی یہی کہا گیا' ہمارے باپ دادوں کو بھی اس سے دھمکایا گیا لیکن ہم نے تو کسی کو مر کر زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمارے خیال میں تو یہ صرف بکواس ہے۔

دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا' کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے' اس وقت بھی پھر زندہ کئے جائیں گے؟ جناب باری نے فرمایا' جسے تم ان ہونی بات سمجھ رہے ہو' وہ تو ایک آواز کے ساتھ ہو جائے گی اور ساری دنیا اپنی قبروں سے نکل کر ایک میدان میں ہمارے سامنے آ جائے گی۔ سورہ یٰسین میں بھی یہ اعتراض اور جواب ہے کہ کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے نطفے سے پیدا کیا۔ پھر وہ ضدی جھگڑالو بن بیٹھا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور ہم پر اعتراض کرتے ہوئے مثالیں دینے لگا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون جلائے گا؟ اے نبی ﷺ تم انہیں جواب دو کہ انہیں نئے سرے سے وہ اللہ پیدا کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا ہے اور جو ہر چیز کی پیدائش کا عالم ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ
لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾

پوچھ تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو ○ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی' کہہ دے کہ پھر تم نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے؟ ○
دریافت کر کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ ○ بلا تامل جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے' کہہ دے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ○

اللہ تعالیٰ ہی معبود واحد ہے: ☆☆ (آیت:۸۴-۸۷) اللہ تعالیٰ جل وعلا اپنی وحدانیت' خالقیت' تصرف اور ملکیت کا ثبوت دیتا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ معبود برحق صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہئے۔ وہ واحد اور لاشریک ہے پس اپنے محترم رسول اللہ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے دریافت فرمائیں تو وہ صاف لفظوں میں اللہ کے رب ہونے کا اقرار کریں گے اور اس میں کسی کو شریک نہیں بتائیں گے۔ آپ انہی کے جواب کو لے کر انہیں قائل کریں کہ جب خالق و مالک صرف اللہ ہے' اس کے سوا کوئی نہیں' پھر معبود بھی تنہا وہی کیوں نہ ہو؟ اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے؟ واقعہ یہی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو بھی مخلوق اللہ اور مملوک الٰہی جانتے تھے لیکن انہیں مقربان الٰہی سمجھ کر اس نیت سے ان کی عبادت کرتے تھے کہ وہ ہمیں بھی مقرب بارگاہ الٰہی بنا دیں گے۔ پس حکم ہوتا ہے کہ زمین اور زمین کی تمام چیزوں کا خالق و مالک کون ہے؟ اس کی بابت ان مشرکوں سے سوال کرو۔ ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اب تم پھر ان سے کہو کہ کیا اب بھی اس اقرار کے بعد بھی تم اتنا نہیں سمجھتے کہ عبادت کے لائق بھی وہی ہے کیونکہ خالق و رزاق وہی ہے۔ پھر پوچھو کہ اس بلند و بالا آسمان کا' اس کی مخلوق کا خالق کون ہے؟ جو عرش جیسی زبردست چیز کا رب ہے۔ جو مخلوق کی چھت ہے جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ کی شان بہت بڑی ہے اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبے کی طرح بنا کر بتایا'' (ابوداؤد)

ایک اور حدیث میں ہے ''ساتوں آسمان' زمین اور ان کی کل مخلوق کرسی کے مقابلے پر ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو اور کرسی اپنی تمام چیزوں سمیت عرش کے مقابلے میں بھی ایسی ہی ہے''۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی دوری پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے۔ اور ساتویں زمین سے اس کی بلندی پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے۔ عرش کا نام عرش اس کی بلندی کی وجہ سے ہی ہے۔ کعب احبار سے مروی ہے کہ آسمان عرش کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی قندیل آسمان و زمین کے درمیان ہو۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آسمان و زمین بمقابلہ عرش الٰہی ایسے ہیں جیسے کوئی چھلا کسی چٹیل وسیع میدان میں پڑا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' عرش کی قدر و عظمت کا کوئی بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ بعض سلف کا قول ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے۔ اس آیت میں عرش عظیم کہا گیا ہے اور اس سورت کے آخر میں عرش کریم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا اور بہت حسن و خوبی والا۔ پس لمبائی' چوڑائی' وسعت' عظمت' حسن و خوبی میں وہ بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے۔ اسی لئے لوگوں نے اسے یاقوت سرخ کہا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تمہارے رب کے پاس رات دن کچھ نہیں' اس کے عرش کا نور اس کے چہرے کے نور سے ہے۔ الغرض اس سوال کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ آسمان اور عرش کا رب اللہ ہے۔ تو تم کہو کہ پھر تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کیوں کر رہے ہو؟

کتاب التفکر والاعتبار میں امام ابوبکر ابن ابی الدنیا ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عموماً اس حدیث کو بیان فرمایا کرتے تھے کہ ''جاہلیت کے زمانے میں ایک عورت پہاڑ کی چوٹی پر اپنی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ نے۔ کہا میرے والد کو کس نے پیدا کیا؟ کہا اللہ نے۔ پوچھا مجھے کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے۔ بچہ نے پوچھا اور ان آسمانوں کو؟ اس نے کہا اللہ نے۔ پوچھا اور زمین کو؟ اس نے جواب دیا اللہ نے' پوچھا اور ان پہاڑوں کو اماں کس نے بنایا ہے؟ ماں نے جواب دیا ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پوچھا اور ان ہماری بکریوں کا خالق کون ہے؟ ماں نے کہا اللہ ہی ہے۔ اس نے کہا' سبحان اللہ اللہ کی اتنی بڑی شان ہے؟ بس اس قدر عظمت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سما گئی کہ وہ تھر تھر کانپنے لگا اور پہاڑ سے گر پڑا اور جان اللہ کے سپرد کر دی۔ اس کا ایک راوی ذرا ٹھیک نہیں واللہ اعلم۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

پوچھ کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ ہے جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا۔ اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو ○ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے' کہہ دے کہ پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟ ○ حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں ○

(آیت: ۸۸-۹۰) دریافت کرو کہ تمام ملک کا مالک' ہر چیز کا مختار کون ہے؟ حضور ﷺ کی قسم عموماً ان لفظوں میں ہوتی تھی کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جب کوئی تاکیدی قسم کھاتے تو فرماتے اس کی قسم جو دلوں کا مالک اور ان کا پھیرنے والا ہے۔ پھر یہ بھی پوچھ کہ وہ کون ہے جو سب کو پناہ دے اور اس کی دی ہوئی پناہ کو کوئی توڑ نہ سکے اور اس کے مقابلے پر کوئی پناہ دے نہ سکے' کسی کی پناہ کا وہ پابند نہیں۔ یعنی اتنا بڑا سید و مالک کہ تمام خلق' ملک' حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ بتاؤ وہ کون ہے؟ عرب میں دستور تھا کہ سردار قبیلہ اگر کسی کو پناہ دے دے تو سارا قبیلہ اس کا پابند ہے لیکن قبیلے میں سے کوئی کسی کو اپنی پناہ میں لے لے تو سردار پر اس کی پابندی نہیں۔ پس یہاں اللہ کی عظمت و سلطنت بیان ہو رہی ہے کہ وہ قادر مطلق' حاکم کل ہے۔ اس کا ارادہ کوئی بدل نہیں سکتا۔ اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس سے کوئی باز پرس کر نہیں سکتا۔ اس کی چاہت کے بغیر پتہ ہل نہیں سکتا۔ وہ سب سے باز پرس کر لے لیکن کسی کی مجال نہیں کہ اس سے کوئی سوال کر سکے۔ اس کی عظمت' اس کی کبریائی' اس کا غلبہ' اس کا دباؤ' اس کی قدرت' اس کی عزت' اس کی حکمت' اس کا عدل بے پایاں اور بے مثل ہے۔ سب مخلوق اس کے سامنے عاجز' پست اور لاچار ہے۔ رب ساری مخلوق کی باز پرس کرنے والا ہے۔ اس سوال کا جواب بھی ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ وہ اقرار کریں کہ اتنا بڑا بادشاہ' ایسا خود مختار اللہ واحد ہی ہے۔ کہہ دے کہ پھر تم پر کیا ٹپکی پڑی ہے؟ ایسا کون سا جادو تم پر ہو گیا ہے کہ باوجود اس اقرار کے پھر بھی دوسروں کی پرستش کرتے ہو؟ ہم تو ان کے سامنے حق واضح کر چکے۔ توحید ربوبیت کے ساتھ ساتھ توحید الوہیت بیان کر دی۔ صحیح دلیلیں اور صاف باتیں پہنچا دیں اور ان کا غلط گو ہونا ظاہر کر دیا کہ یہ شریک بنانے میں جھوٹے ہیں اور ان کا جھوٹ خود ان کے اقرار سے ظاہر و باہر ہے۔ جیسے کہ سورت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ کے سوا دوسروں کے پکارنے کی کوئی سند نہیں۔ صرف باپ دادا کی تقلید پر ضد ہے۔ اور وہ یہی کہتے بھی تھے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا اور ہم ان کی تقلید نہیں چھوڑیں گے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ
كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۵

نہ تو اللہ نے اولاد لی ہے نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر بلند ہونا چاہتا' جو اوصاف یہ بتلاتے ہیں ان سے اللہ نرالا ہے ○ وہ غائب' حاضر کا جاننے والا ہے اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے ○

وہ ہر شان میں بے مثال ہے: ☆☆ (آیت: ۹۱-۹۲) اللہ تعالیٰ اس سے اپنی برتری بیان فرما رہا ہے کہ اس کی اولاد ہو یا اس کا شریک ہو۔ ملک میں' تصرف میں' عبادت کا مستحق ہونے میں وہ یکتا ہے۔ نہ اس کی اولاد ہے نہ اس کا شریک ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ کئی ایک معبود ہیں تو ہر ایک اپنی مخلوق کا مستقل مالک ہونا چاہئے تو موجودات میں نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ حالانکہ کائنات کا انتظام مکمل ہے' عالم علوی اور عالم سفلی' آسمان و زمین وغیرہ کمال ربط کے ساتھ اپنے اپنے مقررہ کام میں مشغول ہیں۔ دستور سے ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان سب کا خالق و مالک اللہ ایک ہی ہے نہ کہ متفرق کئی ایک۔ اور بہت سے اللہ مان لینے کی صورت میں یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک دوسرے کو پست و مغلوب کرنا اور خود غالب اور طاقتور ہونا چاہے گا اگر غالب آ گیا تو مغلوب اللہ نہ رہا۔ اگر غالب نہ آیا تو وہ خود معبود نہیں۔ پس یہ دونوں دلیلیں بتا رہی ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے۔

متکلمین کے طور پر اس دلیل کو دلیل تمانع کہتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو معبود مانے جائیں یا اس سے زیادہ پھر ایک تو ایک جسم کی حرکت کا ارادہ کر لے اور دوسرا اس کے سکون کا ارادہ کرے' اب اگر دونوں کی مراد حاصل نہ ہو تو دونوں ہی عاجز ٹھہرے اور جب عاجز ٹھہرے تو معبود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ واجب عاجز نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ دونوں کی مراد پوری ہو کیونکہ ایک کے خلاف دوسرے کی چاہت ہے۔ تو دونوں کی مراد کا حاصل ہونا محال ہے۔ اور یہ محال لازم ہوا ہے اس وجہ سے کہ دو یا دو سے زیادہ معبود فرض کئے گئے تھے۔ پس یہ تعدد میں باطل ہو گیا۔ اب رہی تیسری صورت یعنی یہ کہ ایک کی چاہت پوری ہو اور ایک کی نہ ہو تو جس کی پوری ہوئی' وہ تو غالب اور واجب رہا اور جس کی پوری نہ ہوئی' وہ مغلوب اور ممکن ہوا۔ کیونکہ واجب کی صفت یہ نہیں کہ وہ مغلوب ہو تو اس صورت میں بھی معبودوں کی کثرت تعداد باطل ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ معبود ایک ہے۔ وہ ظالم' سرکش' حد سے گزر جانے والے مشرک جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور اس کے شریک بتاتے ہیں' ان کے ان بیان کردہ اوصاف سے ذات اللہ بلند و بالا' برتر و منزہ ہے۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو مخلوق سے پوشیدہ ہے۔ اور اسے بھی جو مخلوق پر عیاں ہے۔ پس وہ ان تمام شرکا سے پاک ہے' جسے منکر اور مشرک شریک اللہ بتاتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ
رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

تو دعا کیا کر کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھائے جس کا وعدہ انہیں دیا جا رہا ہے ○ تو اے رب تو مجھے ان ظالموں کے گروہ میں نہ کرنا ○ ہم جو کچھ وعدے انہیں دے رہے ہیں، سب کو تجھے دکھا دینے پر یقیناً قادر ہیں ○ برائی کو اس طریقے سے دور کر جو سراسر بھلائی والا ہو، جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں، ہم بخوبی واقف ہیں ○ اور دعا کر کہ اے میرے پروردگار، میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں ○ اور اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں ○

برائی کے بدلے اچھائی: ☆☆ (آیت: ۹۳-۹۸) سختیوں کے اترنے کے وقت کی دعا تعلیم ہو رہی ہے کہ اگر تو ان بدکاروں پر عذاب لائے اور میں ان میں موجود ہوں تو مجھے ان عذابوں سے بچا لینا۔ مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ الٰہی جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تعلیم دینے کے بعد فرماتا ہے کہ ہم ان عذابوں کو تجھے دکھا دینے پر قادر ہیں۔ جو ان کفار پر ہماری جانب سے اترنے والے ہیں۔ پھر وہ بات سکھائی جاتی ہے جو تمام مشکلوں کی دوا اور دفع کرنے والی ہے اور وہ یہ کہ برائی کرنے والے سے بھلائی کی جائے۔ تاکہ اس کی عداوت محبت سے اور نفرت الفت سے بدل جائے۔ جیسے ایک اور آیت میں بھی ہے کہ بھلائی سے دفع کر تو جانی دشمن دلی دوست بن جائے گا۔ لیکن یہ کام انہی سے ہو سکتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔ یعنی اس حکم کی تعمیل اور اس صفت کی تحصیل صرف ان لوگوں سے ہو سکتی ہے جو لوگوں کی تکلیف کو برداشت کر لینے کے عادی ہو جائیں۔ اور گو وہ برائی کریں لیکن یہ بھلائی کرتے جائیں۔ یہ وصف انہی لوگوں کا ہے جو بڑے نصیب دار ہوں۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی جن کی قسمت میں ہو۔

شیطان سے بچنے کی دعائیں: ☆☆ انسان کی برائی سے بچنے کی بہترین ترکیب بتا کر پھر شیطان کی برائی سے بچنے کی ترکیب بتائی جاتی ہے کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں شیطان سے بچا لے۔ اس لئے کہ اس کے فن فریب سے بچنے کا ہتھیار تمہارے پاس سوائے اس کے اور نہیں۔ وہ سلوک و احسان سے بس میں نہیں آنے کے۔ استعاذہ کے بیان میں ہم لکھ آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَ نَفْثِهٖ پڑھا کرتے تھے۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے کسی کام میں حائل ہو اور وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ پس ہر ایک کام کے شروع میں اللہ کا ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے۔ کھانا پینا، جماع، ذبح وغیرہ کل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَمِنَ الْغَرَقِ وَ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِى الشَّيْطٰنَ عِنْدَ الْمَوْتِ اے اللہ میں تجھ سے بڑے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکاوے۔ مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کے مرض کو دور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہوشیار ہوتے، انہیں یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے ناسمجھ ہوتے، یاد نہ کر سکتے، ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے، امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتاتے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھے واپس لوٹا دے ○ کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر لوں- ہرگز ایسا نہیں ہونے کا‘ یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے‘ ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ○

بعد از مرگ: ☆☆ (آیت:۹۹-۱۰۰) بیان ہو رہا ہے کہ موت کے وقت کفار اور بدترین گنہگار سخت نادم ہوتے ہیں اور حسرت و افسوس کے ساتھ آرزو کرتے ہیں کہ کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تا کہ ہم نیک اعمال کر لیں- لیکن اس وقت یہ امید فضول‘ یہ آرزو لاحاصل ہے- چنانچہ سورہ منافقون میں فرمایا‘ جو ہم نے دیا ہے‘ ہماری راہ میں دیتے رہو‘ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے اس وقت وہ کہے کہ الٰہی ذرا سی مہلت دے دے تو میں صدقہ و خیرات کر لوں اور نیک بندہ بن جاؤں لیکن اجل آ چکنے کے بعد کسی کو مہلت نہیں ملتی‘ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے- اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں مثلاً یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ سے مِنْ رَّسُوْلٍ تک اور یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ سے تَعْمَلُ تک اور وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ سے مُوْقِنُوْنَ تک اور وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا سے لَكٰذِبُوْنَ تک اور وَتَرَی الظّٰلِمِیْنَ سے مِّنْ سَبِیْلٍ تک اور آیت قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اور اس کے بعد کی آیت وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا الخ وغیرہ-

ان آیتوں میں بیان ہوا ہے کہ ایسے بدکار لوگ موت کو دیکھ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے کی پیشی کے وقت جہنم کے سامنے کھڑے ہو کر دنیا میں واپس آنے کی تمنا کریں گے اور نیک اعمال کرنے کا وعدہ کریں گے- لیکن ان وقتوں میں ان کی طلب پوری نہ ہو گی- یہ تو وہ کلمہ ہے جو بہ مجبوری ایسے آڑے وقتوں میں ان کی زبان سے نکل ہی جاتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کہتے ہیں مگر کرنے کے نہیں اگر دنیا میں واپس لوٹائے بھی جائیں تو عمل صالح کر کے نہیں دینے کے- بلکہ ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے رہے تھے- یہ تو جھوٹے اور لپاڑیے ہیں- کتنا مبارک وہ شخص ہے جو اس زندگی میں نیک عمل کر لے اور کیسے بدنصیب یہ لوگ ہیں کہ آج نہ انہیں مال و اولاد کی تمنا ہے نہ دنیا اور زینت دنیا کی خواہش ہے- صرف یہ چاہتے ہیں کہ دو روز کی زندگی اور ہو جائے تو کچھ نیک اعمال کر لیں لیکن تمنا بیکار‘ آرزو بے سود‘ خواہش بے جا- یہ بھی مروی ہے کہ ان کی تمنا پر انہیں اللہ ڈانٹ دے گا اور فرما دے گا کہ یہ بھی تمہاری بات ہے- عمل اب بھی نہیں کرو گے- حضرت علا بن زیاد رحمتہ اللہ علیہ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں- آپ فرماتے ہیں‘ تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آ چکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دے دی جائے تا کہ میں نیکیاں کر لوں- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں‘ کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعت الٰہی میں بسر کرو-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں‘ جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹا دے- میں توبہ کر لوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا- جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی‘ تو ختم کر چکا پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں- گنہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہیں ہوتی ہیں- ان کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں- جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے اور ایک اتنا ہی بڑا پاؤں کی طرف ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہ پیروں کی طرف سے کاٹنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں- پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے- مِنْ وَّرَآئِهِمْ کے معنی کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان- وہ نہ تو صحیح طور پر دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے

پورے بدلے میں آ جائیں۔ بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں۔ پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالم برزخ میں بھی بڑے بھاری عذاب ہوں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ان کے آگے جہنم ہے۔ جیسے کہ اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ان کے آگے بہت سخت عذاب ہے برزخ کا۔ قبر کا یہ عذاب ان پر قیامت کے قائم ہونے تک برابر جاری رہے گا۔ جیسے حدیث میں ہے کہ وہ اس میں برابر عذاب میں رہے گا یعنی زمین میں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ
ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا' اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے نہ آپس کی پوچھ گچھ ○ جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا' وہ تو نجات والے ہو گئے ○ اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا' یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوئے ○ ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی اور وہ وہاں بد شکل بنے ہوئے ہوں گے ○

قبروں سے اٹھنے کے بعد: ☆☆ (آیت: ۱۰۱-۱۰۴) جب جی اٹھنے کا صور پھونکا جائے گا اور لوگ اپنی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے' اس دن نہ تو رشتے ناتے باقی رہیں گے نہ کوئی کسی سے پوچھے گا' نہ باپ کو اولاد پر شفقت ہوگی نہ اولاد باپ کا غم کھائے گی۔ عجب آپا دھاپی ہوگی۔ جیسے فرمان ہے کہ کوئی دوست کسی دوست سے ایک دوسرے کو دیکھنے کے باوجود کچھ نہ پوچھے گا۔ صاف دیکھے گا کہ قریبی شخص ہے' مصیبت میں ہے' گناہوں کے بوجھ سے دب رہا ہے لیکن اس کی طرف التفات تک نہ کرے گا۔ نہ کچھ پوچھے گا بلکہ آنکھ پھیر لے گا۔ جیسے خود قرآن میں ہے کہ ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے' اپنی ماں سے' اپنے باپ سے' اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے بھاگتا پھرے گا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ جس کسی کا کوئی حق کسی دوسرے کے ذمے ہو' وہ آئے اور اس سے اپنا حق لے جائے۔ تو اگرچہ کسی کا کوئی حق اپنے باپ کے ذمے یا اپنی اولاد کے ذمے یا اپنی بیوی کے ذمے ہو' وہ بھی خوش ہوتا ہوا اور دوڑتا ہوا آئے گا اور اپنے حق کے تقاضے شروع کرے گا۔① جیسے اس آیت میں ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے' وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب میرا سبب میری رشتے داری نہ ٹوٹے گی''۔ اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں''۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا ''لوگوں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میر ساماں ہوں جب تم آؤ گے ایک شخص کہے گا کہ یا رسول

اللہ ﷺ میں فلاں بن فلاں ہوں - میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے'' - مسند امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہم نے کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے ام کلثوم بنت علِی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے' واللہ مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب - یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے ان کا مہر از روئے تعظیم و بزرگی چالیس ہزار مقرر کیا تھا - ابن عساکر میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''کل رشتے ناتے اور سسرالی تعلقات بجز میرے ایسے تعلقات کے' قیامت کے دن کٹ جائیں گے'' - ایک اور حدیث میں ہے کہ ''میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جہاں میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے' وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی'' - جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے بڑھ گئی' وہ کامیاب ہو گیا - جہنم سے آزاد اور جنت میں داخل ہو گیا' اپنی مراد کو پہنچ گیا اور جس سے ڈرتا تھا' اس سے بچ گیا - اور جس کی برائیاں بھلائیوں سے بڑھ گئیں' وہ ہلاک ہوئے' نقصان میں آ گئے - حضور ﷺ فرماتے ہیں ''قیامت کے دن ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا جو ہر انسان کو لا کر ترازو کے پاس بیچوں بیچ کھڑا کرے گا - پھر نیکی بدی تولی جائے گی - اگر نیکی بڑھ گئی تو بہ آواز بلند اعلان کرے گا کہ فلاں بن فلاں نجات پا گیا - اب اس کے بعد ہلاکت اس کے پاس بھی نہیں آئے گی اور اگر بدی بڑھ گئی تو ندا کرے گا اور سب کو سنا کر کہے گا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہلاک ہوا - اب وہ بھلائی سے محروم ہو گیا'' - اس کی سند ضعیف ہے - داؤد ابن حجر راوی ضعیف و متروک ہے - ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے - دوزخ کی آگ ان کے منہ جھلس دے گی' چہروں کو جلا دے گی' کمر کو سلگا دے گی - یہ بے بس ہوں گے' آگ کو ہٹا نہ سکیں گے - حضور ﷺ فرماتے ہیں ''پہلے ہی شعلے کی لپٹ ان کا سارا گوشت پوست ہڈیوں سے الگ کر کے ان کے قدموں میں ڈال دے گی' وہ وہاں بدشکل ہوں گے' دانت نکلے ہوئے ہوں گے' ہونٹ اوپر چڑھا ہوا اور نیچے گرا ہوا ہوگا - اوپر کا ہونٹ تو تالو تک پہنچا ہوا ہوگا اور نیچے کا ہونٹ ناف تک آ جائے گا'' -

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۰۵
قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝۱۰۶ رَبَّنَآ
اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝۱۰۷

کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم انہیں جھٹلاتے تھے ○ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی واقعی ہم تھے ہی گمراہ ○ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں ○

مکمل آگاہی کے بعد بھی محروم ہدایت: ☆☆ (آیت: ۱۰۵-۱۰۷) کافروں کو ان کے کفر اور گناہوں پر اور ایمان نہ لانے پر قیامت کے دن جو ڈانٹ ڈپٹ ہوگی' اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تمہاری طرف رسول بھیجے تھے - تم پر کتابیں نازل فرمائی تھیں تمہارے شک و شبے زائل کر دیئے تھے تمہاری کوئی حجت باقی نہیں رکھی تھی - جیسے فرمان ہے کہ تاکہ لوگوں کا عذر رسولوں کے آنے کے بعد باقی نہ رہے اور فرمایا - ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے - ایک اور آیت میں ہے' جب جہنم میں کوئی جماعت جائے گی' اس سے وہاں کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آگاہ کرنے والے آئے نہ تھے؟ اس وقت یہ حرماں نصیب

لوگ اقرار کریں گے کہ بیشک تیری حجت پوری ہوگئی تھی لیکن ہم اپنی بدقسمتی اور سخت دلی کے باعث درست نہ ہوئے۔ اپنی گمراہی پر اڑ گئے اور راہ راست پر نہ چلے۔ الٰہی اب تو ہمیں پھر دنیا کی طرف بھیج دے اگر اب ایسا کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں اور مستحق سزا ہیں۔ جیسے فرمان ہے فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ہمیں اپنی تقصیروں کا اقرار ہے کیا اب کسی طرح بھی چھٹکارے کی راہ مل سکتی ہے؟ لیکن جواب دیا جائے گا کہ اب سب راہیں بند ہیں۔ دار عمل فنا ہو گیا اب دار جزا ہے۔ توحید کے وقت شرک کیا اب پچھتانے سے کیا حاصل؟

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ
عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ
ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا
صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿١١١﴾

اللہ تعالٰی فرمائے گا، پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو ○ میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ○ لیکن تم انہیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ ان کے پیچھے تم میری یاد بھلا بیٹھے اور تم ان سے مخول ہی کرتے رہے ○ میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں ○

ناکام آرزو: ☆☆ (آیت:۱۰۸-۱۱۱) کافر جب جہنم سے نکلنے کی آرزو کریں گے تو انہیں جواب ملے گا کہ اب تو تم اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو گے۔ خبردار اب یہ سوال مجھ سے نہ کرنا۔ آہ یہ کلام رحمٰن ہو گا جو جہنمیوں کو ہر خیر سے مایوس کر دے گا۔ (اللہ ہمیں بچائے۔ اے رحمتوں والے اللہ ہمیں اپنے رحم کے دامن میں چھپا لے اور اپنی ڈانٹ ڈپٹ اور غصے سے بچا لے، آمین) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جہنمی پہلے تو داروغہ جہنم کو بلائیں گے، چالیس سال تک اسے پکارتے رہیں گے لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے۔ چالیس برس کے بعد جواب ملے گا کہ تم یہیں پڑے رہو۔ ان کی پکار کی نہ تو کوئی وقعت داروغہ جہنم کے پاس ہوگی نہ اللہ جل وعلا کے پاس۔ پھر براہ راست اللہ تعالٰی سے فریاد کریں گے اور کہیں گے کہ الٰہی ہم اپنی بدبختی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ ہم اپنی گمراہی میں ڈوب گئے الٰہی اب تو ہمیں یہاں سے نجات دے۔ اگر اب بھی ہم یہی برے کام کریں تو جو چاہے سزا کرنا۔ اس کا جواب انہیں دنیا کی دگنی عمر تک نہ دیا جائے گا۔ پھر فرمایا جائے گا کہ رحمت سے دور ہو کر، ذلیل وخوار ہو کر اسی دوزخ میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ اب یہ محض مایوس ہو جائیں گے اور گدھوں کی طرح چلاتے اور شور مچاتے جلتے بھنتے رہیں گے۔

اس وقت ان کے چہرے بدل جائیں گے، صورتیں مسخ ہو جائیں گی یہاں تک کہ بعض مومن شفاعت کی اجازت لے کر آئیں گے لیکن یہاں کسی کو نہیں پہچانیں گے۔ جہنمی انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ میں فلاں ہوں لیکن یہ جواب دیں گے کہ غلط ہے ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ اب دوزخی لوگ اللہ کو پکاریں گے اور وہ جواب پائیں گے جو اوپر مذکور ہوا پھر دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور یہ وہیں سڑتے رہیں گے۔ انہیں شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا ایک زبردست گناہ پیش کیا جائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے بندوں کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کی دعاؤں پر دل لگی کرتے تھے۔ وہ مومن اپنے رب سے بخشش ورحمت طلب کرتے تھے۔ اسے ارحم الراحمین کہہ کر پکارتے تھے۔

لیکن یہ اسے ہنسی میں اڑاتے تھے اور ان کے بغض میں ذکر رب چھوڑ بیٹھتے تھے اور ان کی عبادتوں اور دعاؤں پر ہنستے تھے- جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا كَانُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَضۡحَكُوۡنَ الخ' یعنی گنہگار ایمانداروں سے ہنستے تھے اور انہیں مذاق میں اڑاتے تھے- اب ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے اپنے ایماندار' صبر گزار بندوں کو بدلہ دے دیا ہے وہ سعادت' سلامت' نجات وفلاح پا چکے ہیں اور پورے کامیاب ہو چکے ہیں-

قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا
اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا
لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا
وَّاَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ‌ۚ
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِيۡمِ ﴿۱۱۶﴾

اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں بہ اختیار برسوں کی گنتی کے کس قدر رہے؟ ○ وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم' گنتی گننے والوں سے بھی پوچھ لیجئے ○ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو ○ اے کاش تم اسے پہلے ہی سے جان لیتے؟ کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے؟ ○ اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے- وہ بڑی بلندی والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی بزرگ عرش کا مالک ہے ○

مختصر زندگی طویل گناہ : ☆☆ (آیت:۱۱۲-۱۱۶) بیان ہو رہا ہے کہ دنیا کی تھوڑی سی عمر میں یہ بدکاریوں میں مشغول ہو گئے اگر نیکوکار رہتے تو اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ ان نیکیوں کا بڑا اجر پاتے- آج ان سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس قدر رہے؟ جواب دیں گے کہ بہت ہی کم ایک دن یا اس سے بھی کم حساب دان لوگوں سے دریافت کر لیا جائے- جواب ملے گا کہ اتنی مدت ہو یا زیادہ لیکن واقع میں وہ آخرت کی مدت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے اگر تم اسی کو جانتے ہوتے تو اس فانی کو اس جاودانی پر ترجیح نہ دیتے اور برائی کر کے اس تھوڑی سی مدت میں اس قدر خدا کو ناراض نہ کر دیتے- وہ ذرا سا وقت اگر صبر وضبط سے اطاعت الٰہی میں بسر کر دیتے تو آج راج تھا- خوشی ہی خوشی تھی-

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب جنتی دوزخی اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے تو جناب باری عزوجل مومنوں سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے؟ وہ کہیں گے یہی کوئی ایک آدھ دن- اللہ فرمائے گا' پھر تو تم بہت ہی اچھے رہے کہ اتنی سی دیر کی نیکیوں کا یہ بدلہ پایا کہ میری رحمت' رضامندی اور جنت حاصل کر لی جہاں ہمیشگی ہے- پھر جہنمیوں سے یہی سوال ہوگا' وہ بھی اتنی ہی مدت بتائیں گے- تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہاری تجارت بڑی گھاٹے والی ہوئی کہ اتنی سی مدت میں تم نے میری ناراضگی' غصہ اور جہنم خرید لیا' جہاں تم ہمیشہ پڑے رہو گے- کیا تم لوگ یہ سمجھے ہوئے ہو کہ تم بیکار' بے قصد وارادہ پیدا کئے گئے ہو؟ کوئی حکمت تمہاری پیدائش میں نہیں؟ محض کھیل کے طور پر تمہیں پیدا کر دیا گیا ہے؟ کہ مثل جانوروں کے تم اچھلتے کودتے پھرو؟ ثواب عذاب کے مستحق نہ ہو؟ یہ گمان غلط ہے تم عبادت کے لئے' اللہ کے حکموں کی بجا آوری کے لئے پیدا کئے گئے ہو- کیا تم یہ خیال کر کے نشچنت ہو گئے ہو کہ تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہی نہیں؟ یہ بھی غلط خیال ہے- جیسے فرمایا اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًى کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ مہمل چھوڑ دیئے جائیں گے؟ اللہ کی ذات اس سے بلند و برتر ہے

کہ وہ کوئی عبث کام کرے‘ بیکار بنائے‘ بگاڑے وہ سچا بادشاہ اس سے پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ وہ عرش عظیم کا مالک ہے جو تمام مخلوق پر مثل چھت کے چھایا ہوا ہے- وہ بہت بھلا اور عمدہ ہے- خوش شکل اور نیک منظر ہے- جیسے فرمان ہے ”زمین میں ہم نے ہر جوڑا عمدہ پیدا کر دیا ہے“-

خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دیئے گئے- یاد رکھو وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کے لئے نازل ہوگا- وہ نقصان میں پڑا‘ اس نے خسارہ اٹھایا‘ وہ بے نصیب اور بد بخت ہو گیا‘ وہ محروم اور خالی ہاتھ رہا جو اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا اور جنت سے روک دیا گیا‘ جس کی چوڑائی مثل کل زمینوں اور آسمانوں کے ہے- کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن عذاب الٰہی سے وہ بچ جائے گا‘ جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کے لئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے گذشتہ لوگ ہلاک ہوئے جن کے قائم مقام اب تم ہو؟ اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیر الوارثین کے دربار میں حاضری دے گی-

لوگو! خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں اپنی گور کی طرف جا رہے ہو‘ تمہارے پھل پک رہے ہیں‘ تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں‘ تمہاری عمریں پوری ہو رہی ہیں- تمہاری اجل نزدیک آ گئی ہے‘ تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے‘ جہاں نہ کوئی بستر ہو گا نہ تکیہ- دوست احباب چھوٹ جائیں گے‘ حساب کتاب شروع ہو جائے گا‘ اعمال سامنے آ جائیں گے جو چھوڑ آئے‘ وہ دوسروں کا ہو جائے گا- جو آگے بھیج چکے‘ اسے سامنے پاؤ گے‘ نیکیوں کے محتاج ہو گے‘ بدیوں کی سزائیں بھگتو گے- اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو‘ اس کی باتیں سامنے آ جائیں‘ اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے گی- اس سے پہلے جواب دہی کے لئے تیار ہو جاؤ‘ اتنا کہا تھا کہ رونے کے غلبہ نے آواز بلند کر دی- منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ وزاری شروع ہو گئی-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا‘ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اَفَحَسِبْتُمْ سے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں‘ وہ اچھا ہو گیا- جب نبی ﷺ سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا- عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا تھا؟ آپ نے بتا دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا‘ تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے جلا دیا (صحت مند کر دیا)- واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی باایمان اور بایقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے- ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا اور حکم فرمایا کہ ہم صبح شام اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ پڑھتے رہیں- ہم نے برابر اس کی تلاوت دونوں وقت جاری رکھی- الحمدللہ ہم سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے- حضور ﷺ فرماتے ہیں‘ میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ‘ کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے- بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖيهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ-

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ
عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ
وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶ ۲۶

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں' پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے' بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں ○ تو دعا کرتا رہ کہ اے میرے رب تو بخش اور رحم کر اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی والا ہے ○

دلائل کے ساتھ مشرک کا موحد ہونا: ☆☆ (آیت: ۱۱۷-۱۱۸) مشرکوں کو اللہ واحد ڈرا رہا ہے اور بیان فرما رہا ہے کہ ان کے پاس ان کے شرک کی کوئی دلیل نہیں- یہ جملہ معترضہ ہے اور جواب شرط فَاِنَّمَا والے جملے کے ضمن میں ہے یعنی اس کا حساب اللہ کے ہاں ہے- کافر اس کے پاس کامیاب نہیں ہو سکتے - وہ نجات سے محروم رہ جاتے ہیں- ایک شخص سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو کس کس کو پوجتا ہے؟ اس نے کہا اللہ اور فلاں فلاں کو- آپ نے دریافت کیا کہ ان میں سے ایسا کسے جانتا ہے کہ تیری مصیبتوں میں تجھے کام آئے؟ اس نے کہا' صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کو- آپ نے فرمایا' جب کام آنے والا وہی ہے تو پھر اس کے ساتھ ان دوسروں کی عبادت کی کیا ضرورت؟ کیا تیرا خیال ہے کہ وہ اکیلا تجھے کافی نہ ہوگا؟ اس نے کہا یہ تو نہیں کہہ سکتا البتہ ارادہ یہ ہے کہ اوروں کی عبادت کر کے اس کا پورا شکر بجا لا سکوں- آپؐ نے فرمایا- سبحان اللہ! علم کے ساتھ یہ بے علمی؟ جانتے ہو اور پھر انجان بنے جاتے ہو؟ اب کوئی جواب بن نہ پڑا- چنانچہ وہ مسلمان ہو جانے کے بعد کہا کرتے تھے' مجھے حضور ﷺ نے قائل کر دیا- یہ حدیث مرسل ہے- ترمذی میں مسند ابھی مروی ہے- پھر ایک دعا تعلیم فرمائی گئی- غفر کے معنی جب وہ مطلق ہو تو گناہوں کو مٹا دینے اور انہیں لوگوں سے چھپا دینے کے آتے ہیں- اور رحمت کے معنی صحیح راہ پر قائم رکھنے اور اچھے اقوال و افعال کی توفیق دینے کے ہوتے ہیں-

الحمد للہ سورہ مومنون کی تفسیر ختم ہوئی-

تفسیر سورة النور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ
جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۗىِٕفَةٌ
مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

اللہ رحمان و رحیم کے نام سے شروع ○

یہ ہے وہ سورت جسے ہم نے نازل فرمایا ہے اور مقرر کر دی ہے اور جس میں ہم نے کھلے احکام اتارے ہیں تا کہ تم یاد رکھو ○ زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک و سو

کوڑے لگاؤ- ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہئے اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہئے ○

مسئلہ رجم: ☆☆ (آیت: ۱-۲) اس بیان سے کہ ہم نے اس سورت کو نازل فرمایا ہے اس سورت کی بزرگی اور ضرورت کو ظاہر کرنا ہے- لیکن اس سے یہ مقصود نہیں کہ اور سورتیں ضروری اور بزرگی والی نہیں- فَرَضۡنٰهَا کے معنی مجاہد وقتادہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ حلال و حرام، امر و نہی اور حدود وغیرہ کا اس میں بیان ہے- امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے ہم نے تم پر اور تمہارے بعد والوں پر مقرر کر دیا ہے- اس میں صاف صاف، کھلے کھلے، روشن احکام بیان فرمائے ہیں تا کہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو، احکام خدا کو یاد رکھو اور پھر ان پر عمل کرو- پھر زنا کاری کی شرعی سزا بیان فرمائی- زنا کار یا تو کنوارہ ہوگا یعنی کنوارا یا شادی شدہ ہوگا یعنی وہ جو حریت بلوغت اور عقل کی حالت میں نکاح شرعی کے ساتھ کسی عورت سے ملا ہو- پس کنوارا جس کا نکاح ابھی نہیں ہوا وہ اگر زنا کر بیٹھے تو اس کی حد وہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی یعنی سو کوڑے- اور جمہور علما کے نزدیک اسے ایک سال کی جلاوطنی بھی دی جائے گی- ہاں امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ یہ جلاوطنی امام کی رائے پر ہے اگر وہ چاہے دے چاہے نہ دے- جمہور کی دلیل تو بخاری مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ دو اعرابی رسول خدا ﷺ کے پاس آئے ایک نے کہا یا رسول اللہ میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا میں نے اس کے فدیے میں ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دی- پھر میں نے علما سے دریافت کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے بیٹے پر شرعی سزا سو کوڑوں کی ہے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اس کی بیوی پر رجم یعنی سنگ ساری ہے- آپ نے فرمایا سنو! میں تم میں اللہ کی کتاب کا صحیح فیصلہ کرتا ہوں- لونڈی اور بکریاں تو تجھے واپس دلوادی جائیں گی اور تیرے بچے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اے انیس تو اس کی بیوی کا بیان لے- یہ حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص تھے- اگر وہ اپنی سیاہ کاری کا اقرار کرے تو تو اسے سنگسار کر دینا- چنانچہ اس بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقرار کیا اور انہیں رجم کر دیا گیا رضی اللہ عنہا- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کنوارے پر سو کوڑوں کے ساتھ ہی سال بھر تک کی جلاوطنی بھی ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو وہ تو رجم کر دیا جائے گا- چنانچہ موطا مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی- اس کتاب اللہ میں رجم کرنے کے حکم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے تلاوت کی، یاد کیا، اس پر عمل بھی کیا- خود حضور ﷺ کے زمانے میں بھی رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا- مجھے ڈر لگتا ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے- ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کے اس فریضے کو جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا، چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں- کتاب اللہ میں رجم کا حکم مطلق حق ہے اس پر جو زنا کرے اور شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو- جب کہ اس کے زنا پر شرعی دلیل ہو یا حمل ہو یا اقرار ہو- یہ حدیث صحیحین میں اس سے ہی مطول ہے-

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ رجم یعنی سنگساری کا مسئلہ ہم قرآن میں نہیں پاتے قرآن میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے- یاد رکھو خود رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے، قرآن میں جو نہ تھا، عمر نے لکھ دیا تو میں آیت رجم کو اسی طرح لکھ دیتا، جس طرح نازل ہوئی تھی- یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے-

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں رجم کا ذکر کیا اور فرمایا رجم ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد ہے، خود حضور ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا- اگر لوگوں کے اس کہنے کا کھٹکا نہ ہوتا کہ عمر نے کتاب اللہ میں زیادتی کی جو اس میں نہ تھی تو میں کتاب اللہ کے ایک طرف آیت رجم لکھ دیتا- عمر بن خطاب، عبداللہ بن عوف اور فلاں اور فلاں کی شہادت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رجم

کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔ یاد رکھو تمہارے بعد ایسے لوگ آنے والے ہیں جو رجم کو اور شفاعت کو اور عذاب قبر کو جھٹلائیں گے اور اس بات کو بھی کہ کچھ لوگ جہنم سے اس کے بعد نکالے جائیں گے کہ وہ کوئلے ہو گئے ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رجم کے حکم کے انکار کرنے کی ہلاکت سے بچنا۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسے لائے ہیں اور اسے صحیح کہا ہے۔

ابو یعلی موصلی میں ہے کہ لوگ مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا ہم قرآن میں پڑھتے تھے کہ شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کاری کریں تو انہیں ضرور رجم کر دو۔ مروان نے کہا پھر تم نے اس آیت کو قرآن میں کیوں نہ لکھا؟ فرمایا سنو! ہم میں جب اس کا ذکر چلا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تمہاری تشفی کر دیتا ہوں۔ ایک شخص نبی اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے آپ سے ہی ذکر کیا اور رجم کا بیان کیا۔ کسی نے کہا یا رسول ﷺ اللہ آپ رجم کی آیت لکھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا اب تو میں اسے لکھ نہیں سکتا یا اسی کے مثل۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے پس ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ رجم کی آیت پہلے لکھی ہوئی تھی پھر تلاوت میں منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا واللہ اعلم۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی بیوی کے رجم کا حکم دیا جس نے اپنے ملازم سے بدکاری کرائی تھی۔ اسی طرح حضور ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ کو اور ایک غامدیہ عورت کو رجم کرایا۔ ان سب واقعات میں یہ مذکور نہیں کہ رجم کے پہلے آپ نے انہیں کوڑے بھی لگوائے ہوں۔ بلکہ ان سب صحیح اور صاف احادیث میں صرف رجم کا ذکر ہے کسی میں بھی کوڑوں کا بیان نہیں۔ اسی لئے جمہور علماء اسلام کا یہی مذہب ہے۔ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ، مالک رحمتہ اللہ علیہ، شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں پہلے اسے کوڑے مارنے چاہئیں۔ پھر رجم کرنا چاہئے تاکہ قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو جائے جیسے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ کے پاس سراجہ لائی گئی جو شادی شدہ عورت تھی اور زنا کاری میں آئی تھی تو آپ نے جمعرات کے دن تو اسے کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن سنگسار کرا دیا اور فرمایا کہ کتاب اللہ پر عمل کر کے میں نے کوڑے پٹوائے اور سنت رسول اللہ پر عمل کر کے سنگسار کرایا۔ مسند احمد، سنن اربعہ اور مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری بات لے لو، میری بات لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا۔ کنوارا کنواری کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ کرے تو رجم۔

پھر فرمایا خدا کے حکم کے ماتحت اس حد کے جاری کرنے میں تمہیں ان پر ترس اور رحم نہ کھانا چاہئے۔ دل کا رحم اور چیز ہے اور وہ تو ضرور ہو گا لیکن حد کے جاری کرنے میں امام کا سزا میں کمی کرنا اور سستی کرنا بری چیز ہے۔ جب امام یعنی سلطان کے پاس کوئی ایسا واقعہ جس میں حد ہو پہنچ جائے تو اسے چاہئے کہ حد جاری کرے اور اسے نہ چھوڑے۔ حدیث میں ہے آپس میں حدود سے درگزر کرو، جو بات مجھ تک پہنچی اور اس میں حد ہو تو وہ تو واجب اور ضروری ہو گئی۔ اور حدیث میں ہے کہ حد کا زمین میں قائم ہونا زمین والوں کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ بھی قول ہے کہ ترس کھا کر مار کو نرم نہ کر دو بلکہ درمیانہ طور پر کوڑے لگاؤ یہ بھی نہ ہو کہ ہڈی توڑ دو۔ تہمت لگانے والے کی حد کے جاری کرنے کے وقت اس کے جسم پر کپڑے ہونے چاہئیں۔ ہاں زانی پر حد کے جاری کرنے کے وقت کپڑے نہ ہوں۔ یہ قول حضرت حماد بن ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ اسے بیان فرما کر آپ نے یہی جملہ وَلَا تَأْخُذْكُمْ الخ پڑھا تو حضرت سعید بن ابی عروبہ نے پوچھا یہ حکم میں ہے۔ کہا ہاں حکم میں ہے اور کوڑوں میں یعنی حد کے قائم کرنے میں اور سخت چوٹ مارنے میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لونڈی نے جب زنا کیا تو آپ نے اس کے پیروں پر اور کمر پر کوڑے مارے تو حضرت نافع نے اسی آیت کا یہ جملہ تلاوت کیا کہ اللہ کی حد کے جاری کرنے میں تمہیں ترس نہ آنا چاہئے تو آپ نے فرمایا کیا تیرے نزدیک میں نے اس پر کوئی ترس کھایا ہے؟ سنو اللہ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا، نہ یہ فرمایا ہے کہ اس کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ میں نے اسے طاقت سے کوڑے لگائے ہیں اور پوری سزا دی ہے۔

پھر فرمایا اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہے تو تمہیں اس حکم کی بجا آوری کرنی چاہیے اور زانیوں پر حدیں قائم کرنے میں پہلوتہی نہ کرنی چاہئے- اور انہیں ضرب بھی شدید مارنی چاہئے لیکن ہڈی توڑنے والی نہیں- تاکہ وہ اپنے اس گناہ سے باز رہیں اور ان کی یہ سزا دوسروں کے لئے بھی عبرت بنے- رجم بری چیز نہیں- ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں بکری کو ذبح کرتا ہوں لیکن میرا دل دکھتا ہے- آپ نے فرمایا اس رحم پر بھی تجھے اجر ملے گا- پھر فرماتا ہے ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا مجمع ہونا چاہئے تاکہ سب کے دل میں ڈر بیٹھ جائے اور زانی کی رسوائی بھی ہو تاکہ اور لوگ اس سے رک جائیں- اسے علانیہ سزا دی جائے' مخفی طور پر مار پیٹ کر نہ چھوڑا جائے- ایک شخص اور اس سے زیادہ بھی ہو جائیں تو جماعت ہو گئی اور آیت پر عمل ہو گیا- اسی کو لے کر امام محمد کا مذہب ہے کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے- عطار رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دو ہونے چاہئیں- سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں چار ہوں- زہری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں تین یا تین سے زیادہ- امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں چار اور اس سے زیادہ کیونکہ زنا میں چار سے کم گواہ نہیں ہیں چار ہوں یا اس سے زیادہ- امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے- ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں پانچ ہوں- حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک دس- قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک جماعت ہو- تاکہ نصیحت' عبرت اور سزا ہو- نصر بن علقمہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس جماعت کی موجودگی کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ ان لوگوں کے لئے جن پر حد جاری کی جا رہی ہے دعاء مغفرت و رحمت کریں-

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ
اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے زنا کاری نہیں کر سکتا اور زنا کار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور سے بدکاری نہیں کرتی' ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا○

زانی اور زانیہ اور اخلاقی مجرم: ☆☆ (آیت: ۳) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ زانی سے زنا کاری پر رضامند وہی عورت ہوتی ہے جو بدکار ہو یا مشرکہ ہو- کہ وہ اس برے کام کو عیب ہی نہیں سمجھتی- ایسی بدکار عورت سے وہی مرد ملتا ہے جو اسی جیسا بدچلن ہو یا مشرک ہو جو اس کی حرمت کا قائل ہی نہ ہو- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ سند صحیح مروی ہے کہ یہاں نکاح سے مراد جماع ہے یعنی زانیہ عورت سے زنا کار یا مشرک مرد ہی زنا کرتا ہے- یہی قول مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' عروہ بن زبیر' ضحاک' مکحول' مقاتل بن حیان اور بہت سے بزرگ مفسرین رحمہم اللہ عنہم سے مروی ہے- مومنوں پر یہ حرام ہے یعنی زنا کاری کرنا اور زانیہ عورتوں سے نکاح کرنا یا عفیفہ اور پاک دامن عورتوں کو ایسے زانیوں کے نکاح میں دینا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بدکار عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام ہے- جیسے اور آیت میں ہے مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ یعنی مسلمانوں کو جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے ان میں یہ تینوں اوصاف ہونے چاہئیں وہ پاک دامن ہوں- وہ بدکار نہ ہوں- نہ چوری چھپے برے لوگوں سے میل ملاپ کرنے والی ہوں- یہی تینوں وصف مردوں میں بھی ہونے کا بیان کیا گیا ہے- اسی لئے امام احمد رحمتہ اللہ کا فرمان ہے کہ نیک اور پاک دامن مسلمان کا نکاح بدکار عورت سے صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے ہاں بعد از توبہ عقد نکاح درست ہے- اسی طرح بھولی بھالی پاک دامن' عفیفہ عورتوں کا نکاح زانی اور بدکار لوگوں سے منعقد ہی نہیں ہوتا- جب تک وہ سچے دل سے اپنے اس ناپاک فعل سے توبہ نہ کر لے- کیونکہ فرمان خداوندی ہے کہ یہ مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے- ایک شخص نے ام مہزول نامی ایک بدکار عورت سے نکاح کر لینے کی اجازت آنحضرت ﷺ سے طلب کی تو آپ نے یہی آیت پڑھ

سنائی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کی طلب اجازت پر یہ آیت اتری۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابو مرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لایا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکے میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانے میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کے لئے مکہ شریف گیا۔ میں ایک باغ کی دیوار کے نیچے پہنچا۔ رات کا وقت تھا' چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دے کر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چلو رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کاری حرام کر دی ہے۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے غل مچانا شروع کیا کہ اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرا کر لے جایا کرتا ہے۔ لوگ جاگ اٹھے اور آٹھ آدمی میرے پکڑنے کو میرے پیچھے دوڑے۔ میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے واللہ ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ ان کی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں۔ ادھر ادھر دیکھ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا پھر مکے کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے۔ میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا' میں نے انہیں کمر سے اتارا' ان کے بندھن کھول دیئے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کر لوں۔ آپ خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ خاموش رہے اور یہ آیت اتری۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اے مرثد زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔ امام ابوداؤد اور نسائی بھی اسے اپنی سنن کی کتاب النکاح میں لائے ہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے زانی جس پر کوڑے لگ چکے ہوں وہ اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔

مسند امام احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں (۳) اور دیوث۔ اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور راہ خدا دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے (۱) ہمیشہ کا شرابی۔ (۲) ماں باپ کا نافرمان۔ (۳) اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے جنت میں کوئی دیوث نہیں جائے گا۔ ابن ماجہ میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے پاک صاف ہو کر ملنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ پاک دامن عورتوں سے نکاح کرے جو لونڈیاں نہ ہوں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ دیوث کہتے ہیں بے غیرت شخص کو۔ نسائی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے اپنی بیوی سے بہت ہی محبت ہے لیکن اس میں یہ عادت ہے کہ کسی ہاتھ کو واپس نہیں لوٹاتی۔ آپ نے فرمایا طلاق دے دے اس نے کہا مجھے تو صبر نہیں آنے کا۔ آپ نے فرمایا پھر جا اس سے فائدہ اٹھا۔ لیکن یہ حدیث ثابت نہیں اس کا راوی عبدالکریم قوی نہیں۔ دوسرا راوی اس کا ہارون ہے جو اس سے قوی ہے مگر ان کی روایت مرسل ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ یہی روایت مسند میں مروی ہے لیکن امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ مسند کرنا خطا ہے اور صواب یہی ہے کہ یہ مرسل ہے۔ یہ حدیث کی اور کتابوں میں اور سندوں سے بھی مروی ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ تو اسے منکر کہتے ہیں- امام ابن قتیبہ رحمتہ اللہ علیہ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ جو کہا ہے کہ وہ کسی چھونے والے کے ہاتھ کو لوٹاتی نہیں اس سے مراد بے حد سخاوت ہے کہ وہ کسی سائل سے انکار ہی نہیں کرتی - لیکن اگر یہی مطلب ہوتا تو حدیث میں بجائے لَامِسٍ کے لفظ کے مُلْتَمِسٍ کا لفظ ہونا چاہئے تھا- یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی خصلت ایسی معلوم ہوتی تھی نہ یہ کہ وہ برائی کرتی تھی کیونکہ اگر یہی عیب اس میں ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ اس صحابی رضی اللہ عنہ کو اس کے رکھنے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ یہ تو دیوثی ہے- جس پر سخت وعید آئی ہے- ہاں یہ ممکن ہے کہ خاوند کو اس کی عادت ایسی لگی ہو اور اس کا اندیشہ ظاہر کیا ہو تو آپ نے مشورہ دیا کہ پھر طلاق دے دو لیکن جب اس نے کہا کہ مجھے اس سے بہت ہی محبت ہے تو آپ نے بسانے کی اجازت دے دی کیونکہ محبت تو موجود ہے- اسے ایک خطرے کے صرف وہم پر توڑ دینا ممکن ہے کوئی برائی پیدا کر دے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم- الغرض زانیہ عورتوں سے پاک دامن مسلمانوں کو نکاح منع ہے ہاں جب وہ توبہ کر لیں تو نکاح حلال ہے- چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک ایسی ہی واہی عورت سے میرا برا تعلق تھا- لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں توبہ کی توفیق دی تو میں چاہتا ہوں کہ اس سے نکاح کر لوں لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ زانی ہی زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرتے ہیں- آپ نے فرمایا نہیں اس آیت کا یہ مطلب نہیں تم اس سے اب نکاح کر سکتے ہو جاؤ اگر کوئی گناہ ہو تو میرے ذمے- حضرت یحییٰ سے جب یہ ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے اس کے بعد کی آیت وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ سے- امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں-

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو یہ فاسق لوگ ہیں ○ ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے ○

تہمت لگانے والے مجرم: ☆☆ (آیت: ۴-۵) جو لوگ کسی عورت پر یا کسی مرد پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور ثبوت نہ دے سکیں- تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے ہاں اگر شہادت پیش کر دیں تو حد سے بچ جائیں گے اور جن پر جرم ثابت ہوا ہے ان پر حد جاری کی جائے گی- اگر شہادت نہ پیش کر سکے تو اسی کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ کے لئے ہمیشہ ان کی شہادت غیر مقبول رہے گی اور وہ عادل نہیں بلکہ فاسق سمجھے جائیں گے- اس آیت میں جن لوگوں کو مخصوص اور مستثنیٰ کر دیا ہے تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ استثنا صرف فاسق ہونے سے ہے یعنی بعد از توبہ وہ فاسق نہیں رہیں گے- بعض کہتے ہیں نہ فاسق رہیں گے نہ مردود الشہادۃ بلکہ پھر ان کی شہادت بھی لی جائے گی- ہاں حد جو ہے وہ توبہ سے کسی طرح ہٹ نہیں سکتی- امام مالک احمد اور شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ توبہ سے شہادت کا مردود ہونا اور فسق ہٹ جائے گا- سید التابعین حضرت سعید بن میسب رحمتہ اللہ علیہ اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے لیکن امام ابو حنفیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف فسق دور ہو جائے گا لیکن شہادت قبول نہیں ہو سکتی- بعض اور لوگ بھی یہی کہتے ہیں- شعبی اور ضحاک کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس

بات کا اقرار کرلیا کہ اس نے بہتان باندھا تھا اور پھر توبہ بھی پوری کی تو اس کی شہادت اس کے بعد مقبول ہے واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ
اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ
لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ
شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ
اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ ع ١٠

جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز خود ان کی اپنی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچوں میں سے ہیں ○ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○ اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا خاوند جھوٹ بولنے والوں میں ہے ○ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں ہو ○ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا اور اللہ توبہ کا قبول کرنے والا باحکمت ہے ○

لعان سے مراد: ☆☆ (آیت:٦-١٠) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ رب العالمین نے ان خاوندوں کے لئے جو اپنی بیویوں کی نسبت ایسی بات کہہ دیں چھٹکارے کی صورت بیان فرمائی ہے کہ جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو لعان کرلیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ امام کے سامنے آ کر وہ اپنا بیان دے جب شہادت نہ پیش کر سکے تو حاکم اسے چار گواہوں کے قائم مقام چار قسمیں دے گا اور یہ قسم کھا کر کہے گا کہ وہ سچا ہے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے۔ پانچویں دفعہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔ اتنا کہتے ہی امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی عورت اس سے بائن ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ یہ مہر ادا کر دے گا اور اس عورت پر زنا ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ عورت بھی سامنے ملاعنہ کرے تو حد اس پر سے ہٹ جائے گی یہ بھی چار مرتبہ حلفیہ بیان دے گی کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس نکتہ کو بھی خیال میں رکھیئے کہ عورت کے لئے غضب کا لفظ کہا گیا اس لئے کہ عموماً کوئی مرد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی بیوی کو خواہ مخواہ تہمت لگائے اور اپنے تئیں بلکہ اپنے کنبے کو بھی بدنام کرے عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور اپنے صدق کی بنا پر ہی وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے پانچویں مرتبہ میں اس سے یہ کہلوایا گیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر خدا کا غضب آئے۔ پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو ایسی آسانیاں تم پر نہ ہوتیں بلکہ تم پر مشقت اترتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمایا کرتا ہے گو کیسے ہی گناہ ہوں اور گو کسی وقت بھی توبہ ہو۔ وہ حکیم ہے اپنی شرع میں، اپنے حکموں میں، اپنی ممانعت میں۔ اس آیت کے بارے میں جو روایتیں ہیں وہ بھی سن لیجئے۔ مسند احمد میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار کے سردار ہیں کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ آیت اسی طرح اتاری گئی ہے؟ آپ نے فرمایا انصار یو سنتے نہیں ہو؟ یہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟

انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ درگزر فرمایئے یہ صرف ان کی بڑھی چڑھی غیرت کا باعث ہے اور کچھ نہیں۔ ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی بیٹی دینے کی جرات نہیں کرتا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ یہ تو میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے لیکن اگر میں کسی کو اس کے پاؤں پکڑے ہوئے دیکھ لوں تو بھی میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں تک کہ میں چار گواہ لاؤں تب تک تو وہ اپنا کام پورا کر لے گا۔ اس بات کو ذرا سی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے یہ ان تین شخصوں میں سے ایک ہیں جن کی توبہ قبول ہوئی تھی اپنے کھیتوں سے رات کو گو واپس آئے اور دیکھا کہ ان کی بیوی کے پاس ایک غیر مرد ہے خود آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کیا آپ کو بہت برا معلوم ہوا اور طبیعت پر نہایت ہی شاق گزرا۔

سب انصار جمع ہو گئے اور کہنے لگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی وجہ سے ہم اس آفت میں مبتلا کئے گئے مگر اس صورت میں کہ رسول اللہ ﷺ ہلال بن امیہ کو تہمت کی حد لگائیں اور اس کی شہادت کو مردود ٹھہرائیں۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے واللہ میں سچا ہوں اور مجھے خدائے تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا چھٹکارا کر دے گا۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ میرا کلام آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرا۔ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے خدا کی قسم ہے میں سچا ہوں' اللہ خوب جانتا ہے۔ لیکن چونکہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تھے قریب تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں حد مارنے کو فرماتے اتنے میں وحی اترنا شروع ہوئی۔ صحابہ آپ کے چہرے کو دیکھ کر علامت سے پہچان گئے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب اتر چکی تو آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا اے ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! خوش ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹی نازل فرما دی۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے الحمد للہ مجھے خدائے رحیم کی ذات سے یہی امید تھی۔ پھر آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو بلوایا اور ان دونوں کے سامنے آیت ملاعنہ پڑھ کر سنائی اور فرمایا دیکھو آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت ہے۔ ہلال فرمانے لگے یا رسول اللہ میں بالکل سچا ہوں۔ اس عورت نے کہا حضور ﷺ یہ جھوٹ کہہ رہا ہے آپ نے حکم دیا کہ اچھا لعان کرو۔ تو ہلال کو کہا گیا کہ اس طرح چار قسمیں کھاؤ اور پانچویں دفعہ یوں کہو حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب چار بار کہہ چکے اور پانچویں بار کی نوبت آئی تو آپ سے کہا گیا کہ ہلال! اللہ سے ڈر جا۔ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں سے بہت ہلکی ہے' یہ پانچویں بار تیری زبان سے نکلتے ہی تجھ پر عذاب واجب ہو جائے گا۔ تو آپ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ قسم خدا کی جس طرح اللہ نے مجھے دنیا کی سزا سے میری صداقت کی وجہ سے بچایا اسی طرح آخرت کے عذاب سے بھی میری سچائی کی وجہ سے میرا رب مجھے محفوظ رکھے گا۔ پھر پانچویں دفعہ کے الفاظ بھی زبان سے ادا کر دیئے۔

اب اس عورت سے کہا گیا کہ تو چار دفعہ قسمیں کھا کہ یہ جھوٹا ہے جب وہ چاروں قسمیں کھا چکی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے پانچویں دفعہ کے اس کلمہ کے کہنے سے روکا اور جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمجھایا گیا تھا اس سے بھی فرمایا تو اسے کچھ خیال پیدا ہو گیا۔ رکی جھجکی زبان کو سنبھالا قریب تھا کہ اپنے قصور کا اقرار کر لے لیکن پھر کہنے لگی میں ہمیشہ کے لئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کرنے کی۔ پھر کہہ دیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر خدا کا غضب نازل ہو۔ پس آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں جدائی کرا دی اور حکم دے دیا کہ اسے جو اولاد ہو وہ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ نہ اسے حرام کی اولاد کہا جائے۔ جو اس بچے کو حرامی کہے یا اس عورت پر تہمت رکھے وہ حد لگایا جائے گا۔ یہ بھی فیصلہ دیا کہ اس کا کوئی نان نفقہ اس کے خاوند پر نہیں کیونکہ جدائی کر دی گئی ہے۔ نہ طلاق ہوئی ہے نہ خاوند کا انتقال ہوا ہے اور فرمایا دیکھو اگر یہ بچہ سرخ سفید رنگ موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو اسے ہلال کا سمجھنا اور اگر وہ پتلی پنڈلیوں والا سیاہی مائل رنگ کا پیدا ہو تو اس شخص کا سمجھنا جس کے ساتھ اس پر الزام قائم کیا گیا ہے۔ جب بچہ ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اس بری صفت پر تھا جو الزام کے

حقانیت کی نشانی تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ مسئلہ قسموں پر طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت کو قطعاً حد لگاتا۔ یہ صاحبزادے بڑے ہو کر مصر کے والی بنے تھے اور ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف تھی۔ (ابوداؤد)

اس حدیث کے اور بھی بہت سے شاہد ہیں۔ بخاری شریف میں بھی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی۔ اور حضور ﷺ کے سامنے جب حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تھا گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص اپنی بیوی کو برے کام پر دیکھ کر گواہ ڈھونڈھنے جائے؟ لیکن آنحضرت ﷺ یہی فرماتے رہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے سامنے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی توبہ کر کے اپنے جھوٹ سے ہٹتا ہے؟ اور روایت میں ہے کہ پانچویں دفعہ آپ نے کسی سے کہا کہ اس کا منہ بند کر دو پھر اسے نصیحت کی۔ اور فرمایا خدا کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے۔ اسی طرح اس عورت کے ساتھ کیا گیا۔

سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان کرنے والے مرد و عورت کی نسبت مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان میں جدائی کرا دی جائے؟ یہ واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کا۔ مجھ سے تو اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا تو میں اپنے مکان سے چل کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل پر آیا۔ اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ سب سے پہلے یہ بات فلاں بن فلاں نے دریافت کی تھی کہ یا رسول اللہ ﷺ کوئی شخص اپنی عورت کو کسی برے کام پر پائے تو اگر زبان سے نکالے تو بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی کی خاموشی ہے۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ پھر وہ آیا اور کہنے لگا حضور ﷺ میں نے جو سوال جناب سے کیا تھا افسوس وہی واقعہ میرے ہاں پیش آیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ آپ نے دونوں کو پاس بلا کر ایک ایک کو الگ الگ نصیحت کی۔ بہت کچھ سمجھایا لیکن ہر ایک نے اپنا سچا ہونا ظاہر کیا پھر دونوں نے آیت کے مطابق قسمیں کھائیں اور آپ نے ان میں جدائی کرا دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کا ایک مجمع شام کے وقت جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری نے کہا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پائے تو اگر وہ اسے مار ڈالے تو تم اسے مار ڈالو گے اور اگر زبان سے نکالے تو تم شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے اسی کو کوڑے لگاؤ گے اور اگر یہ اندھیر دیکھ کر خاموش ہو کر بیٹھ رہے تو یہ بڑی بے غیرتی اور بڑی بے حیائی ہے۔ واللہ اگر میں صبح تک زندہ رہا تو آنحضرت ﷺ سے اس کی بابت دریافت کروں گا۔ چنانچہ اس نے انہی لفظوں میں حضور ﷺ سے پوچھا اور دعا کی کہ یا اللہ اس کا فیصلہ نازل فرما۔ پس آیت لعان اتری اور سب سے پہلے یہی شخص اس میں مبتلا ہوا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمر نے حضرت عاصم بن عدی سے کہا کہ ذرا جا کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت تو کرو کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا کرے؟ ایسا تو نہیں کہ وہ قتل کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا؟ چنانچہ عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ اس سوال سے بہت ناراض ہوئے۔ جب عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم سے ملے تو پوچھا کہ کہو تم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا؟ اور آپ نے کیا جواب دیا؟ عاصم نے کہا تم نے مجھ سے کوئی اچھی خدمت نہیں لی افسوس میرے اس سوال پر رسول اللہ ﷺ نے عیب پکڑا اور برا مانا۔ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اچھا میں خود جا کر آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ یہاں آئے تو حکم نازل ہو چکا تھا چنانچہ لعان کے بعد عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اب اگر میں اسے اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت باندھی تھی۔ پس آپ کے حکم سے پہلے ہی اس عورت کو جدا کر دیا۔ پھر سے لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت حاملہ تھی اور ان کے خاوند نے اس سے انکار کیا کہ یہ حمل ان سے ہوا۔ اس لئے یہ بچہ اپنی ماں کی

طرف منسوب ہوتا رہا پھر مسنون طریقہ یوں جاری ہوا کہ یہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس کی وارث ہوگی- ایک مرسل اور غریب حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر تمہارے ہاں ایسی واردات ہو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے کہا گردن اڑا دیں گے' ایسے وقت چشم پوشی وہی کر سکتے ہیں جو دیوث ہوں- اس پر یہ آیتیں اتری- ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلا لعان مسلمانوں میں ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا-

اِنَّ الَّذِيْنَ جَاۗءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ
بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِۍٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ
الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪

جو لوگ یہ بہت بڑا طوفان باندھ لائے ہیں یہ بھی تم میں سے ہی ایک گروہ ہے' تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو' بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے' ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے آپ کمایا ہے' اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کا سرانجام دیا ہے اس کے لئے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے ○

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی پاکیزگی کی شہادت: ☆☆ (آیت: ۱۱) اس آیت سے لے کر دسویں آیت تک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا جس پر خدا کو بہ سبب قرابت داری رسول ﷺ غیرت آئی اور یہ آیتیں نازل فرمائیں تا کہ رسول اللہ ﷺ کی آبرو پر حرف نہ آئے- ان بہتان بازوں کی ایک پارٹی تھی- اس لعنتی کام میں سب سے پیش پیش عبداللہ بن ابی بن سلول تھا جو تمام منافقوں کا گرو گھنٹال تھا- اس بے ایمان نے ایک ایک کان میں بنا بنا کر اور مصالحہ چڑھا چڑھا کر یہ باتیں خوب گھڑ گھڑ کر پہنچائی تھیں- یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کی زبان بھی کھلنے لگی تھی اور یہ چہ میگوئیاں قریب قریب مہینے بھر تک چلتی رہیں- یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس واقعے کا پورا بیان صحیح احادیث میں موجود ہے- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ سفر میں جانے کے وقت آپ اپنی بیویوں کے نام کا قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے- چنانچہ ایک غزوے کے موقعہ پر میرا نام نکلا- میں آپ کے ساتھ چلی' یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے- میں اپنے ہودج میں بیٹھی رہتی اور جب قافلہ کہیں اترتا تو میرا ہودج اتار لیا جاتا- میں اسی میں بیٹھی رہتی جب قافلہ چلتا یونہی ہودج رکھ دیا جاتا- ہم گئے آنحضرت ﷺ غزوے سے فارغ ہوئے' واپس لوٹے' مدینے کے قریب آ گئے رات کو چلنے کی آواز لگائی گئی' میں قضاء حاجت کے لئے نکلی اور لشکر کے پڑاؤ سے دور جا کر میں نے قضاء حاجت کی- پھر واپس لوٹی' لشکر گاہ کے قریب آ کر میں نے اپنے گلے کو ٹٹولا تو ہار نہ پایا- میں واپس اس کے ڈھونڈنے کے لئے چلی اور تلاش کرتی رہی- یہاں یہ ہوا کہ لشکر نے کوچ کر دیا جو لوگ میرا ہودج اٹھاتے تھے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں حسب عادت اندر ہی ہوں- ہودج اٹھا کر اوپر رکھ دیا اور چل پڑے- یہ بھی یاد رہے کہ اس وقت تک عورتیں نہ کچھ ایسا کھاتی پیتی تھیں نہ وہ بھاری بدن کی بوجھل تھیں- تو میرے ہودج کے اٹھانے والوں کو میرے ہونے نہ ہونے کا مطلق پتہ نہ چلا- اور میں اس وقت اوائل عمر کی تو تھی ہی-

الغرض بہت دیر کے بعد مجھے میرا ہار ملا جب میں یہاں پہنچی تو کسی آدمی کا نام و نشان بھی نہ تھا نہ کوئی پکارنے والا' نہ جواب دینے والا' میں اپنے نشان کے مطابق وہیں پہنچی' جہاں ہمارا اونٹ بٹھایا گیا تھا اور وہیں انتظار میں بیٹھ گئی تا کہ آپ جب آگے چل کر میرے نہ ہونے کی

خبر پائیں گے تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہیں آئیں گے۔ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ اتفاق سے حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو لشکر کے پیچھے رہے تھے اور پچھلی رات کو چلے تھے' صبح کی روشنی میں یہاں پہنچ گئے۔ ایک سوتے ہوئے آدمی کو دیکھ کر خیال آنا ہی تھا۔ غور سے دیکھا تو چونکہ پردے کے حکم سے پہلے مجھے انہوں نے دیکھا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی پہچان گئے اور با آواز بلند ان کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نکلا۔ ان کی آواز سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ کر سنبھل بیٹھی۔ انہوں نے جھٹ اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہو گئی۔ انہوں نے اونٹ کو کھڑا کر دیا اور بھگاتے ہوئے لے چلے۔ قسم خدا کی نہ وہ مجھ سے کچھ بولے نہ میں نے ان سے کوئی کلام کیا نہ سوائے اِنَّا لِلّٰہِ کے میں نے ان کے منہ سے کوئی کلمہ سنا۔ دوپہر کے قریب ہم اپنے قافلے سے مل گئے۔ پس اتنی سی بات کا ہلاک ہونے والوں نے بتنگڑ بنا لیا۔ ان کا سب سے بڑا اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

مدینے آتے ہی میں بیمار پڑ گئی اور مہینے بھر تک بیماری میں گھر ہی میں رہی' نہ میں نے کچھ سنا' نہ کسی نے مجھ سے کہا۔ جو کچھ غل غپاڑہ لوگوں میں ہو رہا تھا میں اس سے محض بے خبر تھی۔ البتہ میرے جی میں یہ خیال بسا اوقات گزرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مہر و محبت میں کمی کی کیا وجہ ہے؟ بیماری میں عام طور پر جو شفقت حضور ﷺ کو میرے ساتھ ہوتی تھی اس بیماری میں وہ بات نہ پاتی تھی۔ مجھے رنج تو بہت تھا مگر کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ پس آنحضرت ﷺ تشریف لاتے سلام کرتے اور دریافت فرماتے طبیعت کیسی ہے؟ اور کوئی بات نہ کرتے اس سے مجھ بڑا صدمہ ہوتا مگر بہتان بازوں کی تہمت سے میں بالکل غافل تھی۔

اب سنئے اس وقت تک گھروں میں پاخانے نہیں ہوتے تھے اور عرب کی قدیم عادت کے مطابق ہم لوگ میدان میں قضاء حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔ عورتیں عموماً رات کو جایا کرتی تھیں۔ گھروں میں پاخانے بنانے سے عام طور پر نفرت تھی۔ حسب عادت میں ام مسطح بنت ابی رہم بن عبدالمطلب بن عبدالمناف کے ساتھ قضا حاجت کے لئے چلی۔ اس وقت میں بہت ہی کمزور ہو رہی تھی۔ یہ ام مسطح میرے والد صاحب رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں' ان کی والدہ صخر بن عامر کی لڑکی تھیں' ان کے لڑکے کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو حضرت ام مسطح کا پاؤں چادر کے دامن میں الجھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ مسطح غارت ہو۔ مجھے بہت برا لگا اور میں نے کہا تم نے بہت برا کلمہ بولا' توبہ کرو' تم اسے گالی دیتی ہو جس نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ اس وقت ام مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بھولی بیوی آپ کو کیا معلوم؟ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ بھی ان لوگوں میں ہے جو آپ کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی میں ان کے سر ہو گئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان باز لوگوں کی تمام کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے' رنج و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا' مارے صدمے کے میں تو اور بیمار ہو گئی۔ بیمار تو پہلے سے ہی تھی' اس خبر نے تو نڈھال کر دیا' جوں توں کر کے گھر پہنچی۔ اب صرف یہ خیال تھا کہ میں اپنے میکے جا کر اور اچھی طرح معلوم تو کر لوں کہ کیا واقعی میری نسبت ایسی افواہ پھیلائی گئی ہے؟ اور کیا کیا مشہور کیا جا رہا ہے؟ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے' سلام کیا اور دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو اپنے والد صاحب کے ہاں ہو آؤں۔ آپ نے اجازت دے دی' میں یہاں آئی' اپنی والدہ سے پوچھا کہ اماں جان لوگوں میں کیا باتیں پھیل رہی ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی یہ تو نہایت معمولی بات ہے تم اتنا اپنا دل بھاری نہ کرو کسی شخص کی اچھی بیوی جو اسے محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں وہاں ایسی باتوں کا کھڑا ہونا تو لازمی امر ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا واقعی لوگ میری نسبت ایسی افواہیں اڑا رہے ہیں؟ اب تو مجھے غم و رنج نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس وقت سے جو رونا شروع ہوا واللہ ایک دم بھر

کے لئے میرے آنسو نہیں تھے' میں سر ڈال کر روتی رہتی- کس کا کھانا پینا' کس کا سونا بیٹھنا' کہاں کی بات چیت' غم و رنج اور رونا ہے اور میں ہوں- ساری رات اسی حالت میں گزری کہ آنسو کی لڑی نہ تھمی دن کو بھی یہی حال رہا-

آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا' وحی میں دیر ہوئی' خدا کی طرف سے آپ کو کوئی بات معلوم نہ ہوئی تھی' اس لئے آپ نے ان دونوں حضرات سے مشورہ کیا کہ آپ مجھے الگ کر دیں یا کیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صاف کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی اہل پر کوئی برائی نہیں جانتے- ہمارے دل ان کی عفت' عزت اور شرافت کی گواہی دینے کے لئے حاضر ہیں- ہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خدا کی طرف سے آپ پر کوئی تنگی نہیں' عورتیں ان کے سوا بھی بہت ہیں- اگر آپ گھر کی خادمہ سے پوچھیں تو آپ کو صحیح واقعہ معلوم ہو سکتا ہے- آپ نے اسی وقت گھر کی خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ عائشہ کی کوئی بات شک وشبہ والی کبھی بھی دیکھی ہو تو بتاؤ- بریرہ نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے ان سے کوئی بات کبھی اس قسم کی نہیں دیکھی- ہاں صرف یہ بات ہے کہ کم عمری کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی گندھا ہوا آٹا یونہی رکھا رہتا ہے اور سو جاتی ہیں تو بکری آ کر کھا جاتی ہے اس کے سوا میں نے ان کا کوئی قصور کبھی نہیں دیکھا- چونکہ کوئی ثبوت اس واقعہ کا نہ ملا اس لئے اسی دن رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کون ہے؟ جو مجھے اس شخص کی ایذاؤں سے بچائے جس نے مجھے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اب تو میری گھر والیوں میں بھی ایذائیں پہنچانا شروع کر دی ہیں- واللہ میں جہاں تک جانتا ہوں مجھے اپنی گھر والیوں میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز معلوم نہیں' جس شخص کا نام یہ لوگ لے رہے ہیں میری دانست تو اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں وہ میرے ساتھ ہی گھر میں آتا تھا-

یہ سنتے ہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! میں موجود ہوں اگر وہ قبیلہ اوس کا شخص ہے تو ابھی ہم اس کی گردن تن سے الگ کرتے ہیں اور اگر وہ ہمارے خزرج بھائیوں سے ہے تو بھی آپ جو حکم دیں ہمیں اس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ ہو گا- یہ سن کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے یہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے- تھے تو یہ بڑے نیک بخت مگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وقت کی گفتگو سے انہیں اپنے قبیلے کی حمیت آ گئی اور ان کی طرف داری کرتے ہوئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگے نہ تو تو اسے قتل کرے گا نہ اس کے قتل پر تو قادر ہے اگر وہ تیرے قبیلے کا ہوتا تو تو اس کا قتل کیا جانا کبھی پسند نہ کرتا- یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے ہوتے تھے کہنے لگے اے سعد بن عبادہ تم جھوٹ کہتے ہو ہم اسے ضرور مار ڈالیں گے آپ منافق آدمی ہیں کہ منافقوں کی طرف داری کر رہے ہیں- اب ان کی طرف سے ان کا قبیلہ اور ان کی طرف سے ان کا قبیلہ ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گیا اور قریب تھا کہ اوس وخزرج کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑ پڑیں- حضور ﷺ نے منبر پر سے ہی انہیں سمجھانا اور چپ کرانا شروع کیا یہاں تک کہ دونوں طرف خاموشی ہو گئی- حضور ﷺ بھی چپکے ہو رہے یہ تو تھا وہاں کا واقعہ- میرا حال یہ تھا کہ یہ سارا دن بھی رونے میں ہی گزرا- میرے اس رونے نے میرے ماں باپ کے بھی ہوش گم کر دیئے تھے- وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ رونا میرا کلیجہ پھاڑ دے گا- دونوں حیرت زدہ مغموم بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا' اتنے میں انصار کی ایک عورت آئیں اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگیں- ہم یونہی بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے میرے پاس بیٹھ گئے- قسم خدا کی جب سے یہ بہتان بازی ہوئی تھی آج تک رسول خدا ﷺ میرے پاس کبھی نہیں بیٹھے تھے- مہینہ بھر گزر گیا تھا کہ حضور ﷺ کی یہی حالت تھی- کوئی وحی نہیں آئی تھی کہ فیصلہ ہو سکے- آپ نے بیٹھتے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر اما بعد

فرما کر فرمایا کہ اے عائشہ تیری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ اگر تو واقعی پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر فرما دے گا اور اگر فی الحقیقت تو کسی گناہ میں آلودہ ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور توبہ کر، بندہ جب گناہ کر کے اپنے گناہ کے اقرار کے ساتھ خدا کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ آپ اتنا فرما کر خاموش ہوگئے یہ سنتے ہی میرا رونا دھونا سب جاتا رہا۔ آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔

میں نے اول تو اپنے والد سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو آپ ہی جواب دیجئے لیکن انہوں نے فرمایا کہ واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور ﷺ کو کیا جواب دوں؟ اب میں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیا جواب دوں؟ آخر میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا۔ میری عمر کچھ ایسی بڑی تو نہ تھی اور نہ مجھے زیادہ قرآن حفظ تھا۔ میں نے کہا۔ آپ سب نے ایک بات سنی اسے آپ نے دل میں بٹھالیا اور گویا سچ سمجھ لیا۔ اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس سے بالکل بری ہوں اور خدا خوب جانتا ہے کہ واقع میں اس سے بالکل بری ہوں لیکن تم لوگ نہیں مانو گے۔ ہاں اگر میں کسی امر کا اقرار کرلوں حالانکہ خدا کو خوب علم ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو تم ابھی مان لو گے، میری اور تمہاری مثال تو بالکل حضرت ابو یوسف علیہ السلام کا یہ قول ہے فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ پس صبر ہی اچھا ہے جس میں شکایت کا نام ہی نہ ہو اور تم جو باتیں بناتے ہو ان میں اللہ ہی میری مدد کرے، اتنا کہہ کر میں نے کروٹ پھیر لی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ قسم بخدا مجھے یقین تھا کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ تعالیٰ میری برات اپنے رسول ﷺ کو ضرور معلوم کرا دے گا لیکن یہ تو میرے شان گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر جانتی تھی کہ میرے بارے میں کلام خدا کی آیتیں اتریں۔ ہاں مجھے زیادہ سے زیادہ یہ خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے خواب میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو میری برات دکھا دے۔ واللہ ابھی تو نہ رسول ﷺ اپنی جگہ سے ہٹے تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی گھر کے باہر نکلا تھا کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ اور چہرہ پر وہی آثار ظاہر ہوئے جو وحی کے وقت ہوتے تھے اور پیشانی سے پسینے کی پاک بوندیں ٹپکنے لگیں۔ سخت جاڑوں میں بھی وحی کے نزول کی یہی کیفیت ہوا کرتی تھی، جب وحی اتر چکی تو ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ ہنسی سے شگفتہ ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا! عائشہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہاری برات نازل فرما دی۔ اسی وقت میری والدہ نے فرمایا بچی حضور ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ میں نے جواب دیا کہ واللہ نہ تو میں آپ کے سامنے کھڑی ہوؤں گی اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی تعریف کروں گی اسی نے میری برات اور پاکیزگی نازل فرمائی ہے۔ پس اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے لے کر دس آیتوں تک نازل ہوئیں۔

ان آیتوں کے اترنے کے بعد اور میری پاک دامنی ثابت ہو چکنے کے بعد اور اس شر کے پھیلانے میں حضرت مسطح بن اثاثہ بھی شریک تھے اور انہیں میرے والد صاحب ان کی محتاجی اور ان کی قرابت داری کی وجہ سے ہمیشہ کچھ دیتے رہتے تھے۔ اب انہوں نے کہا جب اس شخص نے میری بیٹی پر تہمت باندھنے میں حصہ لیا تو اب میں اس کے ساتھ کچھ بھی سلوک نہ کروں گا۔ اس پر آیت وَلَا يَاْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ الخ، نازل ہوئی یعنی تم میں سے جو لوگ بزرگی اور وسعت والے ہیں انہیں نہ چاہئے کہ قرابت داروں مسکینوں اور خدا کی راہ کے مہاجروں سے سلوک کرنے کی قسم کھا بیٹھیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ یہ بخشش والا اور مہربانی والا خدا تمہیں بخش دے؟ اسی وقت اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم خدا کی میں تو خدا کی بخشش کا خواہاں ہوں۔ چنانچہ اسی وقت سے حضرت مسطح رحمتہ اللہ علیہ کا

وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ واللہ اب عمر بھر تک اس میں کمی یا کوتاہی نہ کروں گا۔ میرے اس واقعہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی جو آپ کی بیوی صاحبہ تھیں دریافت فرمایا تھا۔ یہی بیوی صاحبہ تھیں جو حضور کی تمام بیویوں میں میرے مقابلے کی تھیں لیکن یہ اپنی پرہیزگاری اور دین داری کی وجہ سے صاف بچ گئیں اور جواب دیا کہ حضور ﷺ میں تو سوائے بہتری کے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی۔ میں اپنے کانوں کو اور اپنی نگاہ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ گو انہیں ان کی بہن حمنہ بنت جحش نے بہت کچھ بہلاوے بھی دیئے بلکہ لڑ لڑ پڑیں لیکن انہوں نے اپنی زبان سے میری برائی کا کوئی کلمہ نہیں نکالا۔ ہاں ان کی بہن نے تو زبان کھول دی اور میرے بارے میں ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گئی۔

یہ روایت بخاری مسلم وغیرہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں ہے۔ ایک سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ جس شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ سفر حضر میں میرے ساتھ رہا' میری عدم موجودگی میں کبھی میرے گھر نہیں آیا۔ اس میں ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں جو صاحب کھڑے ہوئے انہی کے قبیلے میں ام مسطح تھیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہ پھسلیں اور انہوں نے اپنے بیٹے مسطح کو کوسا' میں نے منع کیا پھر پھسلیں' پھر کوسا' میں نے پھر روکا۔ پھر الجھیں' پھر کوسا تو میں نے انہیں ڈانٹنا شروع کیا۔ اس میں ہے کہ اسی وقت سے مجھے بخار چڑھ آیا۔ اس میں ہے کہ میری والدہ کے گھر پہنچانے کے لئے میرے ساتھ حضور ﷺ نے ایک غلام کر دیا تھا۔ میں جب وہاں پہنچی تو میرے والد اوپر کے گھر میں تھے۔ تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور والدہ نیچے کے مکان میں تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی میری والدہ نے دریافت فرمایا آج کیسے آنا ہوا؟ تو میں نے تمام بپتا کہہ سنائی لیکن میں نے دیکھا کہ انہیں یہ بات نہ کوئی انوکھی بات معلوم ہوئی نہ اتنا صدمہ اور رنج ہوا جس کی توقع مجھے تھی۔

اس میں ہے کہ میں نے والدہ سے پوچھا کیا میرے والد صاحب کو بھی اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' میں نے کہا اور رسول خدا ﷺ تک بھی یہ بات پہنچی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ اب تو مجھے پھوٹ پھوٹ کر رونا آنے لگا یہاں تک کہ میری آواز اوپر میرے والد صاحب کے کان میں بھی پہنچی وہ جلدی سے نیچے آئے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ میری والدہ نے کہا کہ انہیں اس تہمت کا علم ہو گیا ہے جو ان پر لگائی گئی ہے۔ یہ سن کر اور میری حالت دیکھ کر میرے والد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور مجھ سے کہنے لگے بیٹی میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ ابھی اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ چنانچہ میں واپس چلی گئی۔ یہاں میرے پیچھے گھر کی خادمہ سے بھی میری بابت رسول اللہ ﷺ نے اور لوگوں کی موجودگی میں دریافت فرمایا جس پر اس نے جواب دیا کہ میں عائشہ میں کوئی برائی نہیں دیکھتی بجز اس کے کہ وہ آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہیں' بے خبری سے سو جاتی ہیں۔ بسا اوقات آٹا بکریاں کھا جاتی ہیں۔ بلکہ اسے بعض لوگوں نے بہت ڈانٹا ڈپٹا بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ سچ بات جو ہو بتا دے' اس پر بہت سختی کی لیکن اس نے کہا واللہ ایک سنار خالص سونے میں جس طرح کوئی عیب کسی طرح تپا تپا کر بھی بتا نہیں سکتا۔ اسی طرح میں صدیقہ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتی۔ جب اس شخص کو یہ اطلاع پہنچی جنہیں بدنام کیا جا رہا تھا تو اس نے کہا قسم خدا کی میں نے تو آج تک کسی عورت کا بازو بھی کھولا ہی نہیں۔ بالآخر یہ خدا کی راہ میں شہید ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس عصر کی نماز کے بعد تشریف لائے تھے۔ اس وقت میری ماں اور میرے باپ میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ انصاریہ عورت جو آئی تھیں وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے مجھے نصیحت شروع کی اور مجھ سے حقیقت حال دریافت کی تو میں نے کہا ہائے کیسی بے شرمی کی بات ہے؟ اس عورت کا بھی تو خیال نہیں؟ اس میں ہے کہ میں نے بھی خدا کی حمد و ثنا کے بعد جواب دیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے اس وقت ہر چند حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تلاش

کیا لیکن واللہ وہ زبان پر نہ چڑھا اس لئے میں نے ابو یوسف کہہ دیا۔ اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے وحی کے اترنے کے بعد مجھے خوش خبری سنائی واللہ اس وقت میرا غم بھرا غصہ بہت ہی بڑھ گیا تھا۔ میں نے اپنے ماں باپ سے بھی کہا تھا کہ میں اس معاملے میں تمہاری بھی شکر گزار نہیں۔ تم سب نے ایک بات سنی لیکن نہ تم نے انکار کیا نہ تمہیں ذرا غیرت آئی۔ اس میں ہے کہ اس قصے کو زبان پر لانے والے حمنہ بنت جحش، مسطح، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ یہ سب کا سرغنہ تھا اور یہی زیادہ تر لگاتا بجھاتا تھا۔

اور حدیث میں ہے کہ میرے عذر کی یہ آیتیں اترنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو تہمت کی حد لگائی یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کو۔ ایک روایت میں ہے کہ جب مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر تہمت لگنے کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ اس کا علم آپ کے والد اور حضور ﷺ کو ہو چکا ہے تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ذرا ہوش میں آئیں تو سارا جسم تپ رہا تھا اور زور کا بخار چڑھا ہوا تھا اور کانپ رہی تھیں۔ آپ کی والدہ نے اسی وقت لحاف اوڑھا دیا۔ اور رسول خدا ﷺ آئے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا جاڑے سے بخار چڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا شاید اس خبر کو سن کر یہ حال ہو گیا ہوگا؟ جب آپ کے عذر کی آیتیں اتریں اور آپ نے انہیں سن کر فرمایا کہ یہ اللہ کے فضل سے ہے نہ کہ آپ کے فضل سے۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم رسول ﷺ خدا سے اس طرح کہتی ہو؟ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں۔

اب آیتوں کا مطلب سنئے جو لوگ جھوٹ بہتان گھڑی ہوئی بات لے آئے اور وہ ہیں بھی زیادہ، اسے تم اے آل ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ انجام کے لحاظ سے دین دنیا میں وہ تمہارے لئے بھلا ہے۔ دنیا میں تمہاری صداقت ثابت ہوگی آخرت میں بلند مراتب ملیں گے۔ حضرت عائشہ کی برات قرآن کریم میں نازل ہوگی جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اماں صاحبہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے ام المومنین آپ خوش ہو جائیے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ رہیں اور حضور ﷺ محبت سے پیش آتے رہے اور حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی برات آسمان سے نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت قرآن میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اپنی سواری پر بٹھا لائے تھے۔ حضرت زینب نے پوچھا یہ تو بتاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا۔

پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا اور جس نے اس کی ابتدا اٹھائی ہے، جو اسے ادھر ادھر پھیلاتا رہا ہے، اس کے لئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے گو کسی کسی نے کہا کہ مراد اس سے حسان ہیں لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ چونکہ یہ قول بھی ہے اس لئے ہم نے اسے بیان کر دیا ورنہ اس کے بیان میں بھی چنداں نفع نہیں کیونکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بڑے بزرگ صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی بہت سی فضیلتیں اور بزرگیاں احادیث میں موجود ہیں۔ یہی تھے جو کافر شاعروں کی ہجو کے شعروں کا اللہ کے نبی ﷺ کی طرف سے جواب دیتے تھے۔ انہی سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم کفار کی مذمت بیان کرو جبرئیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں عزت کے ساتھ بٹھایا۔ حکم دیا کہ ان کے لئے گدی بچھا دو۔ جب وہ واپس چلے گئے تو میں نے کہا کہ آپ انہیں کیوں آنے دیتی ہیں؟ ان کے آنے سے کیا فائدہ؟ خدائے تعالیٰ تو

فرماتا ہے کہ ان میں سے جو تہمت کا والی ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے تو مائی صاحبہ نے فرمایا اندھا ہونے سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا یہ نابینا ہو گئے تھے۔ تو فرمایا شاید یہی عذاب عظیم ہو۔

پھر فرمایا تمہیں نہیں خبر؟ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کافروں کے ہجو والے اشعار کا جواب دینے پر مقرر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت حضرت عائشہ کی مدح میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاک دامن، بھولی، تمام اوچھے کاموں سے، غیبت اور برائی سے پرہیز کرنے والی ہیں تو آپ نے فرمایا تم تو ایسے نہ تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں سے زیادہ اچھے اشعار نظر نہیں آتے اور میں جب کبھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ حسان جنتی ہیں۔ وہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو خطاب کر کے اپنے شعروں میں فرماتے ہیں تو نے محمد ﷺ کی ہجو کی ہے جس کا میں جواب دیتا ہوں اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے پاؤں گا۔ میرے باپ دادا اور میری عزت آبرو سب محمد ﷺ پر سے قربان ہے، میں ان سب کو فنا کر کے بھی تمہاری بدزبانیوں کے مقابلے سے ہٹ نہیں سکتا۔ تجھ جیسا شخص جو میرے نبی ﷺ کے کف پا کی ہمسری بھی نہیں کر سکتا حضور ﷺ کی ہجو کرے؟ یاد رکھو کہ تم جیسے بد حضور ﷺ جیسے نیک پر فدا ہیں۔ جب تم نے حضور ﷺ کی ہجو کی ہے تو اب میری زبان سے جو تیز دھار دار بے عیب تلوار سے بھی تیز ہے، بچ کر تم کہاں جاؤ گے؟ ام المومنین سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لغو کلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں لغو کلام تو شاعروں کی وہ بکواس ہے جو عورتوں وغیرہ کے بارے میں ہوتی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کیا قرآن میں نہیں کہ اس تہمت میں بڑا حصہ لینے والے کے لئے برا عذاب ہے؟ فرمایا ہاں لیکن کیا جو عذاب انہیں ہوا بڑا نہیں؟ آنکھیں ان کی جاتی رہیں، تلوار ان پر اٹھی، وہ تو کہئے حضرت صفوان رک گئے ورنہ عجب نہیں کہ ان کی نسبت یہ بات سن کر انہیں قتل ہی کر ڈالتے۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ
خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ
بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ
الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی؟ اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے ○ وہ اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں ○

اخلاق و آداب کی تعلیم: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) ان آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ مومنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کی شایان شان نہ تھے بلکہ انہیں چاہئے تھا کہ یہ کلام سنتے ہی اپنی شرعی ماں کے ساتھ کم از کم وہ خیال کرتے جو اپنے نفسوں کے ساتھ کرتے، جب کہ وہ اپنے تئیں بھی ایسے کام کے لائق نہ پاتے تو شان ام المومنین کو اس سے بہت اعلیٰ اور بالا جانتے۔ ایک واقعہ بھی بالکل اسی طرح کا ہوا تھا۔ حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی بیوی صاحبہ ام ایوب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے وہ بھی سنا جو حضرت عائشہ کی نسبت کہا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور یہ یقیناً جھوٹ ہے۔ ام ایوب تم ہی بتاؤ کیا تم کبھی ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا نعوذ باللہ ناممکن۔ آپ نے فرمایا پس حضرت عائشہ تو تم سے کہیں افضل اور بہتر

ہیں۔ پس جب آیتیں اتریں تو پہلے تو بہتان بازوں کا ذکر ہوا یعنی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا پھر ان آیتوں میں ذکر ہوا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی صاحبہ کی اس بات چیت کا جو اوپر مذکور ہوئی۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابی بن کعب کا تھا (رضی اللہ عنہ)۔ الغرض مومنوں کو صاف باطن رہنا چاہئے۔ اور اچھے خیال کرنے چاہئیں۔ بلکہ زبان سے بھی ایسے واقعہ کی تردید اور تکذیب کر دینی چاہئے۔ اس لئے کہ جتنا کچھ واقعہ گزرا اس میں شک شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کھلم کھلا سواری پر دن دیہاڑے بھرے بھرے لشکر میں پہنچتی ہیں۔ خود پیغمبر خدا ﷺ موجود ہیں اگر خدانخواستہ خاکم بدہن کوئی بھی ایسی بات ہوتی تو یہ اس طرح کھلے بندوں عام مجمع میں نہ آتے بلکہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر شامل ہو جاتے جو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بہتان بازوں کی زبان نے جو قصہ گھڑا وہ محض جھوٹ بہتان اور افترا ہے۔ جس سے انہوں نے اپنے ایمان اور اپنی عزت کو غارت کیا۔ پھر فرمایا کہ ان بہتان بازوں نے جو کچھ کہا اپنی سچائی پر چار گواہ واقعہ کے کیوں پیش نہیں کیے؟ اور جب کہ یہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو شرعاً خدا کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔ فاسق و فاجر ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ
بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا ○ اب کہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی ○

اللہ کا فضل نہ ہوتا تو عذاب آ جاتا: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) فرمان ہے کہ اے وہ لوگو! جنہوں نے صدیقہ کی بابت اپنی زبانوں کو بری حرکت دی اگر خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا کہ وہ دنیا میں تمہاری توبہ قبول کر لے اور آخرت میں تمہیں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف فرما دے تو جس بہتان میں تم نے اپنی زبانیں ہلائیں اس میں تمہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے دلوں میں ایمان تھا لیکن رواداری میں کچھ کہہ گئے تھے جیسے حضرت مسطح، حضرت حسان، حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم۔ لیکن جن کے دل ایمان سے خالی تھے جو اس طوفان کے اٹھانے والے تھے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ منافقین یہ لوگ اس حکم میں نہیں۔ کیونکہ نہ اس کے پاس ایمان تھا نہ عمل صالح۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس بدی پر جو وعید ہے وہ اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب توبہ نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں اس جیسی یا اس سے بڑی نیکی نہ ہو۔ جب کہ تم اس بات کو پھیلا رہے تھے اس سے سن کر اس سے کہی اور اس نے سن کر دوسرے سے کہی۔ حضرت عائشہ کی قرات میں اِذُا تَلُقَوُنَهَ ہے یعنی جب کہ تم اس جھوٹ کی اشاعت کر رہے تھے۔ پہلی قرات جمہور کی ہے۔ اور یہ قرات ان کی ہے جنہیں اس آیت کا زیادہ علم تھا اور تم وہ بات زبان سے نکالتے تھے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔ تم گو اس کلام کو ہلکا سمجھتے رہے لیکن دراصل خدا کے نزدیک وہ بڑا بھاری کلام تھا۔ کسی مسلمان عورت کی نسبت ایسی تہمت جرم عظیم ہے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ کی زوجہ مطہرہ کے اوپر ایسا کلمہ سمجھ لو کہ کتنا بڑا کبیرہ

گناہ ہوا؟ اسی لئے رب کی غیرت اپنے نبی ﷺ کی وجہ سے جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر خاتم الانبیاء سید المرسلین ﷺ کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی ثابت فرمائی۔ ہر نبی علیہ السلام کی بیوی کو اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی سے دور رکھا ہے پس کیسے ممکن تھا کہ تمام نبیوں کی بیویوں سے افضل اور ان کی سردار، تمام نبیوں سے افضل اور تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیوی اس میں آلودہ ہوں۔ حاشا وکلا۔ پس تم گو اس کلام کو بے وقعت سمجھو لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ صحیحین میں ہے کہ انسان بعض مرتبہ خدا کی ناراضگی کا کوئی کلمہ کہہ گزرتا ہے جس کی کوئی وقعت اس کے نزدیک نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم کے اتنے نیچے کے طبقے میں پہنچ جاتا ہے کہ جتنی نیچی زمین آسمان سے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ نیچا ہوتا ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ
سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ
اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں، اے اللہ تو پاک ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان اور تہمت ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو ○ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے ○ جو لوگ مسلمانوں میں برائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے ○

پہلے تحقیق کرو پھر بولو: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) پہلے تو نیک گمانی کا حکم دیا۔ یہاں دوسرا حکم دے رہا ہے۔ بھلے لوگوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بغیر تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہیے۔ برے خیالات، گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے۔ کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہئیں، گو دل میں کوئی ایسا وسوسہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہیے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر فرما لیا ہے جب تک وہ زبان سے نہ کہیں یا عمل میں نہ لائیں (بخاری و مسلم) تمہیں چاہئے تھا کہ ایسے بے ہودہ کلام کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ ہم ایسی لغو بات سے اپنی زبان نہیں بگاڑتے۔ ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے خلیل اور اس کے رسول ﷺ کی بیوی صاحبہ کی نسبت کوئی ایسی لغو بات کہیں، اللہ کی ذات پاک ہے۔ دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہو ورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ایمان سے ہی کورا ہو تو وہ تو بے ادب، گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے۔ احکام شرعیہ کو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

برائی کی تشہیر نہ کرو: ☆☆ (آیت:۱۹) یہ تیسری تنبیہ ہے کہ جو شخص کوئی ایسی بات سنے، اسے اس کا پھیلانا حرام ہے۔ جو ایسی بری خبروں کو اڑاتے پھرتے ہیں، دنیوی سزا یعنی حد بھی لگے گی اور اخروی سزا یعنی عذاب جہنم بھی ہوگا۔ اللہ عالم ہے۔ تم بے علم ہو۔ پس تمہیں اللہ کی

طرف تمام امور لوٹانے چاہئیں۔ حدیث شریف میں ہے' بندگان رب کو ایذا نہ دو' انہیں عار نہ دلاؤ۔ ان کی خفیہ باتوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب ٹٹولے گا۔ اللہ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور اسے یہاں تک رسوا کرے گا کہ اس کے گھر والے بھی اسے بری نظر سے دیکھنے لگیں گے۔

ع ۱۰ ۸ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور یہ بھی کہ اللہ بڑی شفقت رکھنے والا مہربان ہے ○ اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برائی کے کاموں کا ہی حکم کرے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے' کر دیتا ہے۔ اللہ سب سننے والا' سب جاننے والا ہے ○

شیطانی راہوں پر مت چلو: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم' لطف و رحم نہ ہوتا تو اس وقت کوئی اور ہی بات ہو جاتی مگر اس نے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمالی۔ پاک ہونے والوں کو بذریعہ حد شرعی کے پاک کر دیا۔ شیطانی طریقوں پر' شیطانی راہوں میں نہ چلو اس کی باتیں نہ مانو۔ وہ تو برائی کا' بدی کا' بدکاری کا' بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ پس تمہیں اس کی باتیں ماننے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کے عمل سے بچنا چاہئے۔ اس کے وسوسوں سے دور رہنا چاہئے۔ اللہ کی ہر نافرمانی میں قدم شیطان کی پیروی ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں نے فلاں چیز کھانے کی قسم کھالی ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ شیطان کا بہکاوا ہے' اپنی قسم کا کفارہ دے دو اور اسے کھالو۔ ایک شخص نے حضرت شعبیؒ سے کہا کہ میں نے اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ شیطانی حرکت ہے ایسا نہ کرو اس کے بدلے ایک بھیڑ ذبح کر دو۔

ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' ایک مرتبہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ وہ بگڑ کر کہنے لگیں کہ ایک دن وہ یہودیہ ہے اور ایک دن نصرانیہ ہے اور اس کے تمام غلام آزاد ہیں' اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ میں نے آ کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' یہ شیطانی حرکت ہے۔ زینب بنت ام سلمہ جو اس وقت سب سے زیادہ دینی سمجھ رکھنے والی عورت تھیں' انہوں نے بھی یہی فتویٰ دیا اور عاصم بن عمرو کی بیوی نے بھی یہی بتایا۔ پھر فرماتا ہے' اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے ایک بھی اپنے آپ کو شرک و کفر' برائی اور بدی سے نہ بچا سکتا۔ یہ رب کا احسان ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے' پھر تم پر مہربانی سے رجوع کرتا ہے اور تمہیں پاک صاف بنا دیتا ہے۔ اللہ جسے چاہے پاک کرتا ہے اور جسے چاہے ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا' ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ ہدایت یاب اور گمراہ سب اس کی نگاہ میں ہیں اور اس میں بھی اس حکیم مطلق کی بے پایاں حکمت ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ
أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾

تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں‘ انہیں اپنے قرابت داروں و مسکینوں اور مہاجروں کو راہ اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہئے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہئے‘ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ قصوروں کا معاف فرمانے والا مہربان ہے ○

دولت مند افراد سے خطاب: ☆☆ (آیت:۲۲) تم میں سے جو کشادہ روزی والے‘ صاحب مقدرت ہیں‘ صدقہ اور احسان کرنے والے ہیں‘ انہیں اس بات کی قسم نہ کھانی چاہئے کہ وہ اپنے قرابت داروں‘ مسکینوں‘ مہاجروں کو کچھ دیں گے ہی نہیں۔ اس طرح انہیں متوجہ فرما کر پھر اور نرم کرنے کے لئے فرمایا کہ ان کی طرف سے کوئی قصور بھی سرزد ہو گیا ہو تو انہیں معاف کر دینا چاہئے۔ ان سے کوئی ایذا یا برائی پہنچی ہو تو ان سے درگزر کر لینا چاہئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حلم و کرم اور لطف و رحم ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے۔

یہ آیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے جب کہ آپ نے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا سلوک کرنے سے قسم کھالی تھی کیونکہ بہتان صدیقہؓ میں یہ بھی شامل تھے۔ جیسے کہ پہلے کی آیتوں کی تفسیر میں یہ واقعہ گزر چکا تو جب حقیقت اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دی‘ ام المومنینؓ بری ہو گئیں‘ مسلمانوں کے دل روشن ہو گئے‘ مومنوں کی توبہ قبول ہو گئی‘ تہمت رکھنے والوں میں سے بعض کو حد شرعی لگ چکی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو حضرت مسطح کی طرف متوجہ فرمایا جو آپؓ کی خالہ صاحبہ کے فرزند تھے اور مسکین شخص تھے۔ حضرت صدیق ہی ان کی پرورش کرتے رہتے تھے۔ یہ مہاجر تھے لیکن اس بارے میں اتفاقیہ زبان کھل گئی تھی‘ انہیں تہمت کی حد لگائی گئی تھی۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت مشہور تھی۔ کیا اپنے‘ کیا غیر سب کے ساتھ آپ کا سلوک عام تھا۔ آیت کے یہ خصوصی الفاظ حضرت الصدیق رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑے کہ کیا تم بخشش الٰہی کے طالب نہیں ہو؟ آپ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ ہاں قسم ہے اللہ کی‘ ہماری تو عین چاہت ہے کہ اللہ ہمیں بخشے اور اسی وقت سے مسطح کو جو کچھ دیا کرتے تھے‘ جاری کر دیا۔ گویا ان آیتوں میں ہمیں تلقین ہوئی کہ جس طرح ہم چاہتے ہیں کہ ہماری تقصیریں معاف ہو جائیں‘ ہمیں چاہئے کہ دوسروں کی تقصیروں سے بھی درگزر کر لیا کریں۔ یہ بھی خیال میں رہے کہ جس طرح آپ نے پہلے یہ فرمایا تھا کہ واللہ میں اس کے ساتھ کبھی بھی سلوک نہ کروں گا۔ اب عہد کیا کہ واللہ میں اس سے کبھی بھی اس کا مقررہ روزینہ نہ روکوں گا۔ سچ ہے صدیق صدیق ہی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ
وَأَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ
اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾

جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی با ایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں‘ وہ دنیا اور آخرت میں معلون ہیں اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے ○ جب کہ ان کے

مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ○ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق وانصاف کے ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ظاہر کرنے والا ہے ○

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے گستاخ پر اللہ کی لعنت : ☆☆ (آیت:۲۳-۲۵) جب کہ عام مسلمان عورتوں پر طوفان اٹھانے والوں کی سزا یہ ہے تو انبیاء کی بیویوں پر جو مسلمانوں کی مائیں ہیں، بہتان باندھنے والوں کی سزا کیا ہوگی؟ اور خصوصاً اس بیوی پر جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا- علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ ان آیتوں کے نزول کے بعد بھی جو شخص مائی صاحبہ کو اس الزام سے یاد کرے، وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن پاک کے خلاف کیا- آپ کی اور ازواج مطہراتؓ کے بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ وہ بھی مثل صدیقہ کے ہیں- واللہ اعلم- فرماتا ہے کہ ایسے موذی بہتان پرداز دنیا اور آخرت میں لعنت الٰہی کے مستحق ہیں- جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ، یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے رسوا کرنے والے عذاب تیار ہیں- بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص ہے- ابن عباس رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں- سعید بن جبیر، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے- ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عائشہؓ سے یہ نقل کیا ہے لیکن پھر جو تفصیل وار روایت لائے ہیں، اس میں آپ پر تہمت لگنے، حضور ﷺ پر وحی آنے اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے لیکن آپ کے ساتھ اس حکم کے مخصوص ہونے کا ذکر نہیں پس سبب نزول گو خاص ہو لیکن حکم عام رہتا ہے- ممکن ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے قول کا بھی یہی مطلب ہو- واللہ اعلم-

بعض بزرگ فرماتے ہیں، کل ازواج مطہرات کا تو یہ حکم ہے لیکن اور مومنہ عورتوں کا یہ حکم نہیں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت سے تو مراد حضور ﷺ کی بیویاں ہیں کہ اہل نفاق جو اس تہمت میں تھے، سب راندہ درگاہ ہوئے، لعنتی ٹھہرے اور غضب الٰہی کے مستحق بن گئے- اس کے بعد عام مومنہ عورتوں پر بدکاری کا بہتان باندھنے والوں کے حکم میں آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا الخ، اتری- پس انہیں کوڑے لگیں گے- اگر انہوں نے توبہ کی تو توبہ تو قبول ہے لیکن گواہی ان کی ہمیشہ تک غیر معتبر رہے گی-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ سورۂ نور کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آیت تو حضور ﷺ کی بیویوں کے بارے میں اتری ہے- ان بہتان بازوں کی توبہ بھی قبول نہیں- اس آیت میں ابہام ہے- اور چار گواہ نہ لا سکنے کی آیت عام ایمان دار عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے حق میں ہے، ان کی توبہ مقبول ہے- یہ سن کر اکثر لوگوں کا ارادہ ہوا کہ آپ کی پیشانی چوم لیں- کیونکہ آپ نے نہایت ہی عمدہ تفسیر کی تھی- ابہام سے مراد یہ ہے کہ ہر پاک دامن عورت کی شان میں حرمت تہمت عام ہے اور ایسے سب لوگ ملعون ہیں- حضرت عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہر ایک بہتان باز اس حکم میں شامل ہے لیکن حضرت عائشہؓ بطور اولیٰ ہیں- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بھی عموم ہی کو پسند فرماتے ہیں، اور یہی صحیح بھی ہے اور عموم کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں، سات گناہوں سے بچو جو مہلک ہیں، پوچھا گیا وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن بھولی مومنہ پر تہمت لگانا- (بخاری ومسلم) اور حدیث میں ہے، پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والے کی سو سال کی نیکیاں غارت ہیں-

اعضاء کی گواہی : ☆☆ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں سوائے نمازیوں کے اور کوئی نہیں بھیجا جاتا تو وہ کہیں گے، آؤ ہم بھی انکار کر دیں چنانچہ اپنے شرک کا یہ انکار کر دیں گے- اسی وقت ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور ہاتھ

پاؤں گواہی دینے لگیں گے اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' کافروں کے سامنے جب ان کی بداعمالیاں پیش کی جائیں گے تو وہ انکار کر جائیں گے اور اپنی بے گناہی بیان کرنے لگیں گے تو کہا جائے گا' یہ ہیں تمہارے پڑوسی' یہ تمہارے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ یہ کہیں گے' یہ سب جھوٹے ہیں تو کہا جائے گا کہ اچھا خود تمہارے کنبے قبیلے کے لوگ موجود ہیں۔ یہ کہہ دیں گے' یہ بھی جھوٹے ہیں تو کہا جائے گا۔ اچھا تم قسمیں کھاؤ' یہ قسمیں کھالیں گے' پھر اللہ انہیں گونگا کر دے گا اور خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کی بداعمالیوں کی گواہی دیں گے۔ پھر انہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ ہنس دیئے اور فرمانے لگے۔ جانتے ہو' میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا اللہ ہی جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' بندہ قیامت کے دن اپنے رب سے جو حجت بازی کرے گا' اس پر یہ کہے گا کہ الٰہی کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا؟ اللہ فرمائے گا ہاں۔ تو یہ کہے گا بس آج جو گواہ میں سچا مانوں' اسی کی شہادت میرے بارے میں معتبر مانی جائے۔ اور وہ گواہ سوا میرے اور کوئی نہیں۔ اللہ فرمائے گا' اچھا یونہی سہی' تو ہی اپنا گواہ رہ۔ اب منہ پر مہر لگ جائے گی اور اعضاء سے سوال ہوگا تو وہ سارے عقدے کھول دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا' تم غارت ہو جاؤ' تمہیں بربادی آئے' تمہاری طرف سے ہی تو میں لڑ جھگڑ رہا تھا (مسلم)

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے' اے ابن آدم تو خود اپنی بداعمالیوں کا گواہ ہے' تیرے کل جسم کے اعضاء تیرے خلاف بولیں گے' ان کا خیال رکھ' اللہ سے پوشیدگی اور ظاہری میں ڈرتا رہ۔ اس کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہیں' اندھیرا اس کے سامنے روشنی کی مانند ہے۔ چھپا ہوا اس کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اللہ کے ساتھ نیک گمانی کی حالت میں مرو۔ اللہ ہی کے ساتھ ہماری قوتیں ہیں۔ یہاں دین سے مراد حساب ہے۔ ⑥ جمہور کی قرأت میں حق کا زبر ہے کیونکہ وہ دین کی صفت ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے حق پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ لغت ہے لفظ اللہ کی۔ ابی بن کعب کے مصحف میں يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيهِمُ اللّٰهُ الْحَقُّ دِيْنَهُمْ بعض سلف سے پڑھنا مروی ہے۔ اس وقت جان لیں گے کہ اللہ کے وعدے وعید حق ہیں۔ اس کا حساب عدل والا ہے' ظلم سے دور ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ
وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا ع ۶
غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں' اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں' ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ بکواس بہتان باز کر رہے ہیں' وہ اس سے بالکل بے لگاؤ ہیں' ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ○ اے ایمان والو اپنے گھروں سے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام کرو' یہی تمہارے لئے سراسر بہتری ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

بھلی بات کے حق دار بھلے لوگ ہی ہیں: ☆☆ (آیت: ۲۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسی بری بات برے لوگوں کے لئے ہے۔ بھلی بات کے حقدار بھلے لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی اہل نفاق نے صدیقہؓ پر جو تہمت باندھی اور ان کی شان میں جو بدالفاظی کی' اس

کے لائق وہی ہیں اس لئے کہ وہی بد ہیں اور خبیث ہیں- صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ پاک ہیں، اس لئے وہ پاک کلموں کے لائق ہیں، وہ ناپاک بہتان سے بری ہیں- یہ آیت بھی حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے- آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جو ہر طرح طیب ہیں، ناممکن ہے کہ ان کے نکاح میں اللہ کسی ایسی عورت کو دے جو خبیثہ ہو- خبیثہ عورتیں تو خبیث مردوں کے لائق ہوتی ہیں- اسی لئے فرمایا کہ یہ لوگ ان تمام تہمتوں سے پاک ہیں جو دشمنان رب باندھ رہے ہیں- انہیں ان کی بدکلامیوں سے جو رنج وایذا پہنچی، وہ بھی ان کے لئے باعث مغفرت گناہ بن جائے گی- اور یہ چونکہ حضور ﷺ کی بیوی ہیں، جنت عدن میں بھی آپؐ کے ساتھ ہی رہیں گی-

ایک مرتبہ اسیر بن جابر حضرت عبداللہ کے پاس آ کر کہنے لگے، آج تو میں نے ولید بن عقبہ سے ایک نہایت ہی عمدہ بات سنی تو حضرت عبداللہ نے فرمایا ٹھیک ہے- مومن کے دل میں پاک بات اترتی ہے اور وہ اس کے سینے میں آ جاتی ہے پھر وہ اسے زبان سے بیان کرتا ہے، وہ بات چونکہ بھلی ہوتی ہے، بھلے سننے والے اسے اپنے دل میں بٹھا لیتے ہیں اور اسی طرح بری بات برے لوگوں کے دلوں سے سینوں تک اور وہاں سے زبانوں تک آتی ہے برے لوگ اسے سنتے ہیں اور اپنے دل میں بٹھاتے ہیں- پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی- مسند احمد میں حدیث ہے کہ جو شخص بہت سی باتیں سنے، پھر ان میں جو سب سے خراب ہو، اسے بیان کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بکریوں والے سے ایک بکری مانگے، وہ اسے کہے کہ جا اس ریوڑ میں سے تجھے جو پسند ہو لے لے یہ جائے اور ریوڑ کے کتے کا کان پکڑ کر لے جائے- اور حدیث میں ہے، حکمت کا کلمہ مومن کی گم گشتہ دولت ہے، جہاں سے پائے لے لے-

شرعی آداب: ☆☆ (آیت:۲۷) شرعی ادب بیان ہو رہا ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت مانگو، جب اجازت ملے جاؤ، پہلے سلام کرو- اگر پہلی دفعہ کی اجازت طلبی پر جواب نہ ملے تو پھر اجازت مانگو- تین مرتبہ اجازت چاہو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ-

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ
وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا
بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اگر وہاں تمہیں کوئی بھی نہ ملے تو بھی پروانگی (اجازت) ملے بغیر اندر نہ جاؤ، اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ- یہی بات تمہارے لئے زیادہ ستھرائی والی ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب جانتا ہے ○ ہاں غیر آباد گھروں میں جہاں تمہارا کوئی فائدہ یا اسباب ہو جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، تم جو کچھ بھی ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اللہ سب کچھ جانتا ہے ○

(آیت:۲۸-۲۹) صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے- تین دفعہ اجازت مانگی- جب کوئی نہ بولا تو آپ واپس لوٹ گئے- تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا، دیکھو عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنا چاہتے ہیں- انہیں بلا لو لوگ گئے- دیکھا تو وہ چلے گئے ہیں- واپس کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی- دوبارہ جب حضرت ابو

موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' آپ واپس کیوں چلے گئے تھے؟ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ تین دفعہ اجازت چاہنے کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ۔ میں نے تین بار اجازت چاہی جب جواب نہ آیا تو میں اس حدیث پر عمل کر کے واپس لوٹ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اس پر کسی گواہ کو پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر انصار کے ایک مجمع میں پہنچے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اگر حضور ﷺ کا یہ حکم سنا ہو تو میرے ساتھ چل کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ دے۔ انصار نے کہا' یہ مسئلہ تو عام ہے۔ بیشک حضور ﷺ نے فرمایا ہے' ہم سب نے سنا ہے۔ ہم اپنے سب سے نو عمر لڑکے کو تیرے ساتھ کر دیتے ہیں' یہی گواہی دے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ میں نے بھی حضور ﷺ سے یہی سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت افسوس کرنے لگے کہ بازاروں کے لین دین نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت مانگی۔ فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں وعلیک السلام ورحمۃ اللہ تو کہہ دیا لیکن ایسی آواز سے کہ آپ نہ سنیں۔ چنانچہ تین بار یہی ہوا۔ حضور ﷺ سلام کرتے۔ آپ جواب دیتے لیکن اس طرح کہ حضور ﷺ سنیں نہیں۔ اس کے بعد آپ وہاں سے واپس لوٹ چلے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پیچھے لپکے ہوئے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ' آپ کی تمام آوازیں میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ میں نے ہر سلام کا جواب بھی دیا لیکن اس خیال سے کہ آپ کی دعائیں بہت ساری لوں اور زیادہ برکت حاصل کروں کہ جواب اس طرح نہ دیا کہ آپ کو سنائی دے' اب آپ چلئے۔ تشریف رکھئے چنانچہ حضور ﷺ گئے۔ انہوں نے آپ کے سامنے کشمش لا کر رکھی۔ آپؐ نے نوش فرمائیں اور فارغ ہو کر فرمانے لگے۔ تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا۔ فرشتے تم پر رحمت بھیج رہے ہیں' تمہارے ہاں روزے داروں نے روزہ کھولا۔

اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضور ﷺ نے سلام کیا اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آہستہ جواب دیا تو ان کے لڑکے حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت کیوں نہیں دیتے؟ آپؓ نے فرمایا' خاموش رہو' دیکھو حضور ﷺ دوبارہ سلام کہیں گے' ہمیں دوبارہ آپ کی دعا ملے گی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہاں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی ایک چادر پیش کی جسے آپؐ نے جسم مبارک پر لپیٹ لی پھر ہاتھ اٹھا کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا کی کہ اے اللہ' سعد بن عبادہ کی آل پر اپنے درود و رحمت نازل فرما۔ پھر حضور ﷺ نے وہیں کھانا تناول فرمایا۔ جب واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گدھے پر پالان کس لائے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے پیش کیا اور اپنے لڑکے قیس سے کہا' تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جاؤ۔ یہ ساتھ چلے مگر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا' قیس آؤ تم بھی سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا۔ حضور ﷺ مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک تمہیں ضرور کرنی ہوگی یا تو میرے ساتھ اس جانور پر سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس جانا منظور کر لیا۔

یہ یاد رہے کہ اجازت مانگنے والا گھر کے دروازے کے بالمقابل کھڑا نہ رہے بلکہ دائیں بائیں قدرے کھسک کے کھڑا رہے۔ کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی کے ہاں جاتے تو اس کے دروازے کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ ادھر یا ادھر قدرے دور ہو کر زور سے سلام کہتے۔ اس وقت تک دروازوں پر پردے بھی نہیں ہوتے تھے۔ حضور ﷺ کے مکان کے دروازے کے سامنے ہی کھڑے ہو کر ایک شخص نے اجازت مانگی تو آپ نے اسے تعلیم دی کہ نظر نہ پڑے' اسی لئے تو اجازت مقرر کی گئی ہے۔ پھر دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر

آواز دینے کے کیا معنی؟ یا تو ذرا سا ادھر ہو جاؤ یا ادھر۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر کوئی تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگے اور تو اسے کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھے کوئی گناہ نہ ہوگا۔

حضرت جابرؓ ایک مرتبہ اپنے والد مرحوم کے قرضے کی ادائیگی کے فکر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دروازہ کھٹکانے لگے تو آپؐ نے پوچھا' کون صاحب ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں''۔ آپؐ نے فرمایا ''میں میں''۔ گویا آپؐ نے اس کہنے کو ناپسند فرمایا کیونکہ ''میں'' کہنے سے یہ تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون ہے جب تک کہ نام یا مشہور کنیت نہ بتائی جائے۔ ''میں'' تو ہر شخص اپنے لئے کہہ سکتا ہے۔ پس اجازت طلبی کا اصلی مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِسْتِئْذَانُ اِسْتِنَاسُ ایک ہی بات ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی قرأت تھی اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی۔ لیکن یہ بہت غریب ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے مصحف میں حَتّٰی تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا وَ تَسْتَاْذِنُوْا ہے۔ صفوانؓ بن امیہ جب مسلمان ہو گئے' ایک مرتبہ کلدہ بن حنبل کو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ اس وقت وادی کے اونچے حصے میں تھے۔ یہ سلام کئے بغیر اور اجازت لئے بغیر ہی آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ۔ اور کہو السلام علیکم۔ کیا میں آؤں؟ اور حدیث میں ہے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص آپ کے گھر آیا اور کہنے لگا میں اندر آجاؤں؟ آپ نے اپنے غلام سے فرمایا' جاؤ اور اسے اجازت مانگنے کا طریقہ سکھاؤ کہ پہلے تو سلام کرے۔ پھر دریافت کرے۔ اس شخص نے یہ سن لیا اور اسی طرح سلام کر کے اجازت چاہی آپؐ نے اجازت دے دی اور وہ اندر گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے' آپؐ نے اپنی خادمہ سے فرمایا تھا (ترمذی) اور حدیث میں ہے' کلام سے پہلے سلام ہونا چاہئے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ترمذی میں موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آرہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لا سکے تو ایک قریشی کی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر فرمایا' السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں؟ اس نے کہا سلامتی سے آجاؤ' آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے' کبھی اس قدم پر سہارا لیتے' کبھی اس قدم پر' فرمایا یوں کہو کہ آجاؤ۔ اس نے کہا۔ آجاؤ۔ اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں۔ اجازت چاہی کہ کیا ہم آجائیں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو۔ اسے کہو کہ وہ اجازت لے۔ تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت مانگی۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی۔ پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اپنی ماں اور بہنوں کے پاس بھی جانا ہو تو ضرور اجازت لے لیا کرو۔ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک عورت نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ میں بعض دفعہ گھر میں اس حالت میں ہوتی ہوں کہ اگر میرے باپ بھی آجائیں یا میرا اپنا لڑکا بھی اس وقت آجائے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ حالت ایسی نہیں ہوتی کہ اس وقت کسی کی بھی نگاہ مجھ پر پڑے تو میں ناخوش نہ ہوؤں۔ اور گھر والوں میں سے کوئی آہی جاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ تین آیتیں ہیں کہ لوگوں نے ان پر عمل چھوڑ رکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ فرماتا ہے تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو سب سے زیادہ خوف الٰہی رکھتا ہو۔ اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ امیر ہو۔ اور ادب کی آیتیں بھی لوگ چھوڑے بیٹھے ہیں۔ حضرت عطا رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا۔ میرے گھر میں میری یتیم بہنیں ہیں جو ایک ہی گھر میں رہتی ہیں اور میں ہی انہیں پالتا ہوں۔ کیا ان کے پاس جانے کے لئے بھی مجھے اجازت کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں ضرور اجازت طلب کیا کرو۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا کہ شاید کوئی رخصت کا پہلو نکل آئے لیکن آپ نے فرمایا' کیا تم انہیں ننگا دیکھنا پسند کرو گے؟ میں نے کہا نہیں' فرمایا پھر ضرور اجازت مانگا کرو۔ میں نے پھر یہی سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا' کیا تو اللہ کا حکم مانے گا یا نہیں؟ میں نے کہا' ہاں مانوں گا۔ آپ نے فرمایا پھر بغیر اطلاع ہرگز ان کے پاس بھی نہ جاؤ۔ حضرت

طاؤس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں- محرمات ابدیہ پر ان کی عریانی کی حالت میں نظر پڑ جائے' اس سے زیادہ برائی میرے نزدیک اور کوئی نہیں- ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اپنی ماں کے پاس بھی گھر میں بغیر اطلاع کے نہ جاؤ- عطار رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ بیوی کے پاس بھی بغیر اجازت کے نہ جائے؟ فرمایا یہاں اجازت کی ضرورت نہیں- یہ قول بھی محمول ہے اس پر کہ اس سے اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں لیکن تاہم اطلاع ضرور ہونی چاہیے- ممکن ہے وہ اس وقت ایسی حالت میں ہو کہ وہ نہیں چاہتی کہ خاوند بھی اس حالت پر اسے دیکھے-

حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنگھار کر آتے- کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے تَسۡتَاۡنِسُوۡا کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ کھنگھار دینا' تھوک دینا وغیرہ- امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جانا چاہے' باہر سے ہی کھنگھار دے یا جوتیوں کی آہٹ سنا دے- ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بغیر اطلاع گھر آ جانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے- کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کا پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے- آپ ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ بستی کے پاس لوگ اتریں تاکہ مدینے میں خبر مشہور ہو جائے- شام کو اپنے گھروں میں جانا- اس لئے کہ اس اثناء میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کر لیں- اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا' سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر بلند آواز سے کہہ دینا یا کھنگھار دینا جس سے گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں آ رہا ہے- حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین بار کی اجازت اس لئے مقرر کی ہے کہ پہلی دفعہ میں تو گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں ہے- دوسری دفعہ میں وہ سنبھل جائیں اور ہوشیار ہو جائیں- تیسری مرتبہ میں اگر وہ چاہیں اجازت دیں' چاہیں منع کر دیں- جب اجازت نہ ملے' پھر دروازے پر ٹھہرا رہنا برا ہے- لوگوں کو اپنے کام اور اشغال ایسے ضروری ہوتے ہیں کہ وہ اس وقت اجازت نہیں دے سکتے- مقاتل بن حیان فرماتے ہیں' جاہلیت کے زمانے میں سلام کا دستور نہ تھا ایک دوسرے سے ملتے تھے لیکن سلام نہ کرتے تھے- کسی کے ہاں جاتے تھے تو اجازت نہیں لیتے تھے- یونہی جا دھمکے- پھر کہہ دیا کہ میں آ گیا ہوں- تو بسا اوقات یہ گھر والے پر گراں گزرتا- ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے گھر میں بھی ایسے حال میں ہوتا کہ اسے اس کا آنا بہت برا لگتا- اللہ تعالیٰ نے یہ تمام برے دستور اچھے آداب سکھا کر بدل دیئے- اسی لئے فرمایا کہ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے- اس میں مکان والے کو' آنے والے کو دونوں کو راحت ہے- یہ چیزیں تمہاری نصیحت اور خیر خواہی کی ہیں- اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو بے اجازت اندر نہ جاؤ- کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں تصرف کرنا ہے جو ناجائز ہے- مالک مکان کو حق ہے اگر وہ چاہے اجازت دے' چاہے روک دے- اگر تمہیں کہا جائے' لوٹ جاؤ تو تمہیں واپس چلے جانا چاہیے- اس میں برا ماننے کی بات نہیں بلکہ یہ تو بڑا ہی پیارا طریقہ ہے- بعض مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین افسوس کیا کرتے تھے کہ ہمیں اپنی پوری عمر میں اس آیت پر عمل کرنے کا موقعہ نہیں ملا کہ کوئی ہم سے کہتا' لوٹ جاؤ اور ہم اس آیت کے ماتحت وہاں سے واپس ہو جاتے- اجازت نہ ملنے پر دروازے پر ٹھہرے رہنا بھی منع فرما دیا- اللہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے- یہ آیت اگلی آیت سے مخصوص ہے- اس میں ان گھروں میں بلا اجازت جانے کی رخصت ہے جہاں کوئی نہ ہو اور وہاں اس کا کوئی سامان وغیرہ ہو- جیسے کہ مہمان خانہ وغیرہ- یہاں جب پہلی مرتبہ اجازت مل گئی' پھر ہر بار کی اجازت ضروری نہیں- تو گویا یہ آیت پہلی آیت سے استثنا ہے- اسی طرح کے ایسے ہی تاجروں کے گودام مسافر خانے وغیرہ ہیں- اور اول بات زیادہ ظاہر ہے- واللہ اعلم- زیدؒ کہتے ہیں مراد اس سے بیت الشعر ہے-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں' یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے' لوگ جو کچھ کریں اللہ سب سے خبردار ہے ○

حرام چیزوں پر نگاہ نہ ڈالو: ☆☆ (آیت: ۳۰) حکم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا دیکھنا میں نے حرام کر دیا ہے' ان پر نگاہیں نہ ڈالو- حرام چیزوں سے آنکھیں نیچی کر لو- اگر بالفرض اچانک نظر پڑ جائے تو بھی دوبارہ یا نظر بھر کر نہ دیکھو- صحیح مسلم میں ہے' حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اچانک نگاہ پڑ جانے کی بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' اپنی نگاہ فوراً ہٹا لو- نیچی نگاہ کرنا یا ادھر ادھر دیکھنے لگ جانا' اللہ کی حرام کردہ چیز کو نہ دیکھنا آیت کا مقصود ہے- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے فرمایا- علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر پر نظر نہ جماؤ' اچانک جو پڑ گئی وہ تو معاف ہے' قصداً معاف نہیں- حضور ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا' راستوں پر بیٹھنے سے بچو- لوگوں نے کہا' حضور ﷺ کام کاج کے لئے وہ تو ضروری ہے- آپؐ نے فرمایا' اچھا تو راستوں کا حق ادا کرتے رہو- انہوں نے کہا وہ کیا؟ فرمایا' نیچی نگاہ رکھنا' کسی کو ایذا نہ دینا' سلام کا جواب دینا' اچھی باتوں کی تعلیم کرنا' بری باتوں سے روکنا- آپؐ فرماتے ہیں' چھ چیزوں کے تم ضامن ہو جاؤ' میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں- بات کرتے ہوئے جھوٹ نہ بولو- امانت میں خیانت نہ کرو- وعدہ خلافی نہ کرو- نظر نیچی رکھو- ہاتھوں کو ظلم سے بچائے رکھو- اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو-

صحیح بخاری میں ہے' جو شخص زبان اور شرمگاہ کو اللہ کے فرمان کے ماتحت رکھے' میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں- عبیدہ کا قول ہے کہ جس چیز کا نتیجہ نافرمانی رب ہو' وہ کبیرہ گناہ ہے چونکہ نگاہ پڑنے کے بعد دل میں فساد کھڑا ہوتا ہے' اس لئے شرمگاہ کو بچانے کے لئے نظریں نیچی رکھنے کا فرمان ہوا- نظر بھی ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے- پس زنا سے بچنا بھی ضروری ہے اور نگاہ نیچی رکھنا بھی ضروری ہے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے- محرمات کو نہ دیکھنے سے دل پاک ہوتا ہے اور دین صاف ہوتا ہے- جو لوگ اپنی نگاہ حرام چیزوں پر نہیں ڈالتے' اللہ ان کی آنکھوں میں نور بھر دیتا ہے- اور ان کے دل بھی نورانی کر دیتا ہے- آپؐ فرماتے ہیں' جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جائے' پھر وہ اپنی نگاہ ہٹا لے- اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک ایسی عبادت اسے عطا فرماتا ہے جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے- اس حدیث کی سندیں تو ضعیف ہیں مگر یہ رغبت دلانے کے بارے میں ہے- اور ایسی حدیثوں میں سند کی اتنی زیادہ دیکھ بھال نہیں ہوتی- طبرانی میں ہے کہ یا تو تم اپنی نگاہیں نیچی رکھو گے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو گے اور اپنے منہ سیدھے رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں بدل دے گا- (اعاذنا اللہ من کل عذابہ) فرماتے ہیں' نظر ابلیسی تیروں میں سے ایک تیر ہے- جو شخص خوف الٰہی سے اپنی نگاہ روک رکھے' اللہ اس کے دل میں ایسا نور ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ اسے مزہ آنے لگتا ہے- لوگوں کا کوئی عمل اللہ پر پوشیدہ نہیں- وہ آنکھوں کی خیانت کو' دل کے بھیدوں کو جانتا ہے- حضور ﷺ فرماتے ہیں' ابن آدم کے ذمے اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پالے گا' آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' زبان کا زنا بولنا ہے' کانوں کا زنا سننا ہے' ہاتھوں کا زنا تھامنا ہے' پیروں کا زنا چلنا ہے' دل خواہش' تمنا اور آرزو کرتا ہے' پھر شرمگاہ تو سب کو سچا کر دیتی ہے یا سب کو جھوٹا بنا دیتی ہے- (رواہ البخاری تعلیقاً)

اکثر سلف لڑکوں کو گھورا گھاری سے بھی منع کرتے تھے- اکثر ائمہ صوفیہ نے اس بارے میں بہت کچھ سختی کی ہے- اہل علم کی جماعت نے اس کو مطلق حرام کہا ہے اور بعضوں نے اسے کبیرہ گناہ فرمایا ہے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی مگر وہ آنکھ

جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے بند رہے اور وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگتی رہے اور وہ آنکھ جو خوف الٰہی سے رو دے- گو اس میں سے آنسو صرف مکھی کے سر کے برابر ہی نکلا ہو-

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ
عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ
الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ

مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے مل جول کی عورتوں کے یا اپنے غلاموں کے یا ایسے نوکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔

مومنہ عورتوں کو تاکید: ☆☆ (آیت:۳۱) یہاں اللہ تعالیٰ مومنہ عورتوں کو چند حکم دیتا ہے تا کہ ان کے باغیرت مردوں کو تسکین ہو اور جاہلیت کی بری رسمیں نکل جائیں- مروی ہے کہ اسماء بنت مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان بنو حارثہ کے محلے میں تھا- ان کے پاس عورتیں آتی تھیں اور دستور کے مطابق اپنے پیروں کے زیور، سینے اور بال کھولے ہوئے آیا کرتی تھیں- حضرت اسماء نے کہا' یہ کیسی بری بات ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں- پس حکم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں- سوا اپنے خاوند کے کسی کو بہ نظر شہوت نہ دیکھنا چاہئے- اجنبی مردوں کی طرف تو دیکھنا ہی حرام ہے خواہ شہوت سے ہو خواہ بغیر شہوت کے- ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے- یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے- حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پردہ کر لو- انہوں نے کہا' یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں- نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے- آپؐ نے فرمایا' تم تو نابینا نہیں ہو کہ اس کو نہ دیکھو؟ ہاں بعض علماء نے بے شہوت نظر کو حرام نہیں کہا- ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ عید والے دن حبشی لوگوں نے مسجد میں ہتھیاروں کے کرتب شروع کئے اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا- آپ دیکھ رہی تھیں یہاں تک کہ جی بھر گیا اور تھک کر چلی گئیں- عورتوں کو بھی اپنی عصمت کا بچاؤ چاہئے' بدکاری سے دور رہیں' اپنا آپ کسی کو نہ دکھائیں- اجنبی غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت کی کسی چیز کو ظاہر نہ کریں ہاں جس کا چھپانا ممکن ہی نہ ہو اس کی اور بات ہے جیسے چادر اور اوپر کا کپڑا وغیرہ جن کا پوشیدہ رکھنا عورتوں کے لئے ناممکنات سے ہے- یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ' پہنچوں تک کے ہاتھ اور انگوٹھی

ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ یہی زینت کے وہ محل ہیں جن کے ظاہر کرنے سے شریعت نے ممانعت کر دی۔

جب کہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں یعنی بالیاں، ہار، پاؤں کا زیور وغیرہ۔ فرماتے ہیں زینت دو طرح کی ہے۔ ایک تو وہ جسے خاوند ہی دیکھے جیسے انگوٹھی اور کنگن اور دوسرے زینت وہ جسے غیر بھی دیکھیں جیسے اوپر کا کپڑا۔ زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر ہے، ان کے سامنے تو کنگن، دوپٹہ، بالیاں کھل جائیں تو حرج نہیں لیکن اور لوگوں کے سامنے صرف انگوٹھیاں ظاہر ہو جائیں تو پکڑ نہیں۔ اور روایت میں انگوٹھیوں کے ساتھ ہی پیر کے خلخال کا بھی ذکر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے منہ اور پہنچوں سے کی ہو۔ جیسے ابو داؤد میں ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں، کپڑے باریک پہنے ہوئے تھیں تو آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا جب عورت بلوغت کو پہنچ جائے تو سوا اس کے اور اس کے یعنی چہرے کے اور پہنچوں کے اس کا کوئی عضو دکھانا ٹھیک نہیں۔ لیکن یہ مرسل ہے۔ خالد بن دریک رحمتہ اللہ علیہ اسے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا مائی صاحبہ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کو چاہئے کہ اپنے دوپٹوں سے یا اور کپڑے سے بکل مالیں تا کہ سینہ اور گلے کا زیور چھپا رہے۔ جاہلیت میں اس کا بھی رواج نہ تھا۔ عورتیں اپنے سینوں پر کچھ نہیں ڈالتیں تھیں۔ بسا اوقات گردن اور بال، چوٹی، بالیاں وغیرہ صاف نظر آتی تھیں۔ ایک اور آیت میں ہے، اے نبی ﷺ اپنی بیویوں سے اپنی بیٹیوں سے، اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔ خمر خمار کی جمع ہے۔ خمار کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو ڈھانپ لے۔ چونکہ دوپٹہ سر کو ڈھانپ لیتا ہے، اس لئے اسے بھی خمار کہتے ہیں۔ پس عورتوں کو چاہئے کہ اپنی اوڑھنی سے یا کسی اور کپڑے سے اپنا گلا اور سینہ بھی چھپائے رکھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر رحم فرمائے جنہوں نے شروع شروع ہجرت کی تھی کہ جب یہ آیت اتری، انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے۔ بعض نے اپنے تہمد کے کنارے کاٹ کر ان سے سر ڈھک لیا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس عورتوں نے قریش عورتوں کی فضیلت بیان کرنی شروع کی تو آپؓ نے فرمایا، ان کی فضیلت کی قائل میں بھی ہوں لیکن واللہ میں نے انصار کی عورتوں سے افضل عورتیں نہیں دیکھیں۔ ان کے دلوں میں جو کتاب اللہ کی تصدیق اور اس پر کامل ایمان ہے، وہ بے شک قابل قدر ہے۔

سورہ نور کی آیت وَلْيَضْرِبْنَ بخمرهن جب نازل ہوئی اور ان کے مردوں نے گھر میں جا کر یہ آیت انہیں سنائی، اسی وقت ان عورتوں نے اس پر عمل کر لیا اور صبح کی نماز میں وہ آئیں تو سب کے سروں پر دوپٹے موجود تھے۔ گویا ڈول رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ان مردوں کا بیان فرمایا جن کے سامنے عورت ہو سکتی ہے اور بغیر بناؤ سنگھار کے ان کے سامنے شرم و حیاء کے ساتھ آ جا سکتی ہے گو ظاہری بعض زینت کی چیزوں پر بھی ان کی نظر پڑ جائے۔ سوائے خاوند کے کہ اس کے سامنے تو عورت اپنا پورا بناؤ سنگھار زیب و زینت کرے گو چچا اور ماموں بھی ذی محرم ہیں لیکن ان کا نام یہاں اس لئے نہیں لیا گیا کہ ممکن ہے وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کریں۔ اس لئے ان کے سامنے بغیر دوپٹے کے نہ آنا چاہئے۔ پھر فرمایا، تمہاری عورتیں یعنی مسلمان عورتوں کے سامنے بھی اس زینت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں۔ اہل ذمہ کی عورتوں کے سامنے اس لئے رخصت نہیں دی گئی کہ بہت ممکن ہے وہ اپنے مردوں میں ان کی خوبصورتی اور زینت کا ذکر کریں۔ گو مومن عورتوں سے بھی یہ خوف ہے مگر شریعت نے چونکہ اسے حرام قرار دیا ہے، اس لئے مسلمان عورتیں تو ایسا نہ کریں گی لیکن ذمی کافروں کی عورتوں کو اس سے کون سی چیز روک سکتی ہے؟ بخاری و مسلم میں ہے کہ کسی عورت کو جائز نہیں۔ کہ دوسری عورت سے مل کر اس کے

اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مسلمان عورتیں حمام میں جاتی ہیں ان کے ساتھ مشرکہ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ سنو! کسی مسلمان عورت کو حلال نہیں کہ وہ اپنا جسم کسی غیر مسلمہ عورت کو دکھائے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ بھی اَوْ نِسَآءِ هِنَّ کی تفسیر میں فرماتے ہیں‘ مراد اس سے مسلمان عورتیں ہیں تو ان کے سامنے وہ زینت ظاہر کرسکتی ہے جو اپنے ذی محرم رشتے داروں کے سامنے ظاہر کرسکتی ہے۔ یعنی گلا‘ بالیاں اور ہار۔ پس مسلمان عورت کو ننگے سر کسی مشرکہ عورت کے سامنے ہونا جائز نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ بیت المقدس پہنچے تو ان کی بیویوں کے لئے دایہ یہودیہ اور نصرانیہ عورتیں ہی تھیں۔ پس اگر یہ ثابت ہو جائے تو محمول ہوگا ضرورت پر یا ان عورتوں کی ذلت پر۔ پھر اس میں غیر ضروری جسم کا کھلنا بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ہاں مشرکہ عورتوں میں جو لونڈیاں باندیاں ہوں‘ وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ بعض کہتے ہیں‘ غلاموں کا بھی یہی حکم ہے۔

ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس انہیں دینے کے لیے ایک غلام لے کر آئے۔ حضرت فاطمہؓ اسے دیکھ کر اپنے آپ کو اپنے دوپٹے میں چھپانے لگیں۔ لیکن چونکہ کپڑا چھوٹا تھا‘ سر ڈھانپتی تھیں تو پیر کھل جاتے تھے اور پیر ڈھانپتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا بیٹی کیوں تکلیف کرتی ہو‘ میں تو تمہارا والد ہوں اور یہ تمہارا غلام ہے۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے‘ اس غلام کا نام عبداللہ بن مسعدہ تھا۔ یہ فرازی تھے۔ سخت سیاہ فام۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں پرورش کر کے آزاد کر دیا تھا۔ صفین کی جنگ میں یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت مخالف تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا۔ تم میں سے جس کسی کا مکاتب غلام ہو جس سے یہ شرط ہوگئی ہو کہ اتنا اتنا روپیہ دے دے تو تو آزاد‘ پھر اس کے پاس اتنی رقم بھی جمع ہوگئی ہو تو چاہئے کہ اس سے پردہ کرے۔ پھر بیان فرمایا کہ نوکر چاکر کام کاج کرنے والے ان مردوں کے سامنے جو مردانگی نہیں رکھتے‘ عورتوں کی خواہش جنہیں نہیں۔ اس مطلب کے ہی وہ نہیں‘ ان کا حکم بھی ذی محرم مردوں کا ہے یعنی ان کے سامنے بھی اپنی ایسی زینت کے اظہار میں مضائقہ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سست ہوگئے ہیں‘ عورتوں کے کام کے ہی نہیں۔ لیکن وہ مخنث اور ہیجڑے جو بدزبان اور برائی کے پھیلانے والے ہوتے ہیں‘ ان کا یہ حکم نہیں۔ جیسے کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک ایسا ہی شخص حضور ﷺ کے گھر آیا تھا۔ چونکہ اسے اسی آیت کے ماتحت آپ کی ازواج مطہرات نے سمجھا‘ اسے منع نہ کیا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت رسول اللہ ﷺ آگئے۔ اس وقت وہ حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ سے کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب طائف کو فتح کرائے گا تو میں تجھے غیلان کی لڑکی دکھاؤں گا کہ آتے ہوئے اس کے پیٹ پر چار شکنیں پڑتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے آٹھ نظر آتی ہیں۔ اسے سنتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا‘ خبردار ایسے لوگوں کو ہرگز نہ آنے دیا کرو۔ اس سے پردہ کرلو۔ چنانچہ اسے مدینے سے نکال دیا گیا۔ بیداء میں یہ رہنے لگا۔ وہاں سے جمعہ کے روز آجاتا اور لوگوں سے کھانے پینے کو کچھ لے جاتا۔ چھوٹے بچوں کے سامنے ہونے کی اجازت ہے جو اب تک عورتوں کے مخصوص اوصاف سے واقف نہ ہوں۔ عورتوں پر ان کی للچائی ہوئی نظریں نہ پڑتی ہوں۔ ہاں جب وہ اس عمر کو پہنچ جائیں کہ ان میں تمیز آجائے‘ عورتوں کی خوبیاں ان کی نگاہوں میں جچنے لگیں‘ خوبصورت بدصورت کا فرق معلوم کرلیں۔ پھر ان سے بھی پردہ ہے گو وہ پورے جوان نہ بھی ہوئے ہوں۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ؕ وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے' اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ ○

(آیت:۳۱) صحیحین میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا' لوگو عورتوں کے پاس جانے سے بچو' پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ دیور جیٹھ؟ آپ نے فرمایا وہ تو موت ہے۔ پھر فرمایا کہ عورتیں اپنے پیروں کو زمین پر زور زور سے مار کر نہ چلیں۔ جاہلیت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ زور سے پاؤں زمین پر رکھ کر چلتی تھیں تا کہ پیر کا زیور بجے۔ اسلام نے اس سے منع فرما دیا۔ پس عورت کو ہر ایک ایسی حرکت منع ہے جس سے اس کا کوئی چھپا ہوا سنگھار کھل سکے۔ پس اسے گھر سے عطر اور خوشبو لگا کر باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ہر آنکھ زانیہ ہے۔ عورت جب عطر لگا کر' پھول پہن کر' مہکتی ہوئی مردوں کی کسی مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپؓ نے اس سے پوچھا' کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا' ہاں' فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے' اس کی نماز نامقبول ہے جب تک کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کر لے۔ ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا' عورتو! تم ادھر ادھر ہو جاؤ۔ تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سن کر عورتیں دیوار سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے مومنو! میری بات پر عمل کرو' ان نیک صفتوں کو لے لو۔ جاہلیت کی بدخصلتوں سے رک جاؤ۔ پوری فلاح اور نجات اور کامیابی اسی کے لئے ہے جو اللہ کا فرماں بردار ہو۔ اس کے منع کردہ کاموں سے رک جاتا ہو۔ اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ؕ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾

تم میں سے جو مرد عورت مجرد ہوں' ان کا نکاح کر دیا کرو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی اور اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے امیر بنا دے گا' اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

نکاح اور شرم وحیا کی تعلیم : ☆☆ (آیت:۳۲-۳۴) اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام بیان فرما دیئے ہیں اولاً نکاح کا۔ علماء کی جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو' اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت' رکھتا ہو' اسے نکاح کر لینا چاہئے۔ نکاح نظر کو نیچی رکھنے والا' شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو' وہ لازمی طور پر روزے رکھے۔ یہی اس کے لئے خصی ہونا ہے (بخاری و مسلم) سنن میں ہے' آپ فرماتے ہیں' زیادہ اولاد جن سے ہونے کی امید ہو' ان بڑھنے میں تمہارے ساتھ اور امتوں میں فخر کرنے والا ہوں۔ ایک روایت میں ہے یہاں تک کہ کچے گرے ہوئے بچے کی گنتی کے ساتھ بھی۔

ایامی جمع ہے ایم کی۔ جوہریؒ کہتے ہیں اہل لغت کے نزدیک بے بیوی کا مرد اور بے خاوند کی عورت کو ''ایم'' کہتے ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ پھر مزید رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر وہ مسکین بھی ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل وکرم سے مالدار بنا دے گا خواہ وہ آزاد ہوں خواہ وہ غلام ہوں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے' تم نکاح کے بارے میں اللہ کا حکم مانو' وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' امیری کو نکاح میں طلب کرو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ کے ذمے حق ہے۔ نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے' وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو' وہ غازی جو اللہ کی راہ میں نکلا ہو۔ (ترمذی وغیرہ)

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ
تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ
فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہئے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل وکرم سے مالدار بنا دے' تمہارا غلاموں میں سے جو کوئی کچھ تمہیں دے کر آزادگی کی تحریر کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو۔ اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو اور اللہ نے جو مال تمہیں دے رکھا ہے' اس میں سے انہیں بھی دو۔ تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں' انہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو' اور جو انہیں مجبور کر دے تو اللہ اس پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے ○

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرا دیا جس کے پاس سوائے تہمد کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی۔ اس فقیری اور مفلسی کے باوجود آپ نے اس کا نکاح کرا دیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے' اپنی بیوی کو یاد کرا دے۔ یہ اسی بنا پر کہ نظریں اللہ کے فضل وکرم پر تھیں کہ وہ مالک انہیں وسعت دے گا اور اتنی روزی پہنچائے گا کہ اسے اور اس کی بیوی کو کفایت ہو۔ ایک حدیث اکثر لوگ وارد کیا کرتے ہیں کہ فقیری میں بھی نکاح کیا کرو۔ اللہ تمہیں غنی کر دے گا' میری نگاہ سے تو یہ حدیث نہیں گزری۔ نہ کسی قوی سند سے نہ ضعیف سند سے۔ اور نہ ہمیں ایسی لاپتہ روایت کی اس مضمون میں کوئی ضرورت ہے کیونکہ قرآن کی اس آیت اور ان حدیثوں میں یہ چیز موجود ہے۔ فالحمدللہ۔ پھر حکم دیا کہ جنہیں نکاح کا مقدور نہیں' وہ حرام کاری سے بچے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' اے جوان عمر کے لوگو' تم میں سے جو نکاح کی وسعت رکھتے ہوں' وہ نکاح کر لیں' یہ نگاہ کو نیچی کرنے والا' شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے اس کی طاقت نہ ہو' وہ اپنے ذمے روزوں کا رکھنا ضروری کر لے۔ یہی اس کے لئے خصی ہونا ہے۔ یہ آیت مطلق ہے اور سورہ نساء کی آیت اس سے خاص ہے یعنی یہ فرمان وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا پس لونڈیوں سے نکاح

کرنے سے صبر کرنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں اولاد پر غلامی کا حرف آتا ہے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہو، اسے چاہئے کہ اگر اس کی بیوی موجود ہو تو اس کے پاس چلا جائے ورنہ اللہ کی سلطنت میں نظریں ڈالے اور صبر کرے یہاں تک کہ سلطنت اسے غنی کر دے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۸

ہم نے تمہاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتاردی ہیں اور ان لوگوں کی کہاوتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ○

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے فرماتا ہے جو غلاموں کے مالک ہیں کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادگی کی بابت کوئی تحریر کرنی چاہیں تو وہ انکار نہ کریں۔ غلام اپنی کمائی سے وہ مال جمع کر کے اپنے آقا کو دے گا اور آزاد ہو جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں یہ حکم ضروری نہیں، فرض وواجب نہیں بلکہ بطور استحباب کے اور خیرخواہی کے ہے۔ آقا کو اختیار ہے کہ غلام جب کوئی ہنر جانتا ہو اور وہ کہے کہ مجھ سے اسی قدر روپیہ لے لو اور مجھے آزاد کر دو تو اسے اختیار ہے۔ خواہ اس قسم کا معاہدہ کرے یا نہ کرے۔ علماء کی ایک اور جماعت آیت کے ظاہری الفاظ کو لے کر کہتی ہے کہ آقا پر واجب ہے کہ جب اس کا غلام اس سے اپنی آزادگی کی بابت تحریر چاہے، وہ اس کی بات کو قبول کرلے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سیرین نے جو مالدار تھا، ان سے درخواست کی کہ مجھ سے میری آزادی کی کتابت کرلو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا، دربار فاروقی میں مقدمہ گیا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور ان کے نہ ماننے پر کوڑے لگوائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے تحریر لکھوادی۔ (بخاری)

عطار رحمتہ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا پہلا قول یہی تھا لیکن نیا قول یہ ہے کہ واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے، مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی خوشی کے حلال نہیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ واجب نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ کسی امام نے کسی آقا کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کی آزادگی کی تحریر کر دے اللہ کا یہ حکم بطور اجازت کے ہے نہ کہ بطور وجوب کے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول وجوب کا ہے۔ خیر سے مراد امانت داری، سچائی، مال اور مال کے حاصل کرنے پر قدرت وغیرہ ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، اگر تم اپنے ان غلاموں میں جو تم سے مکاتبت کرنا چاہیں، مال کے کمانے کی صلاحیت دیکھو تو ان کی اس خواہش کو پوری کرو ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالیں گے یعنی ان سے سوال کریں گے اور رقم پوری کرنا چاہیں گے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مال میں سے کچھ دو۔ یعنی جو رقم ٹھیر چکی ہے اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ چوتھائی یا تہائی یا آدھا یا کچھ حصہ۔

یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال زکوٰۃ سے ان کی مدد کرو، آقا بھی اور دوسرے مسلمان بھی اسے مال زکوٰۃ دیں تاکہ وہ مقررہ رقم پوری کر کے آزاد ہو جائے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ پر برحق ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ابوامیہ نے مکاتبہ کیا تھا جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ، اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو، اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا،

نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں اللہ کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے۔ پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر دیتے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ چوتھائی چھوڑ دو لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اپنی لونڈیوں سے زبردستی بدکاریاں نہ کراؤ۔ جاہلیت کے بدترین طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی لونڈیوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ زنا کاری کرائیں اور وہ رقم اپنے مالکوں کو دیں۔ اسلام نے آ کر اس بد رسم کو توڑا۔ منقول ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کے بارے میں اتری ہے، وہ ایسا ہی کرتا تھا تاکہ روپیہ بھی ملے، لونڈی زادوں سے شان ریاست بھی بڑھے۔ اس کی لونڈی کا نام معاذہ تھا۔ اور روایت میں ہے اس کا نام مسیکہ تھا۔ اور یہ بدکاری سے انکار کرتی تھی۔ جاہلیت میں تو یہ کام چلتا رہا یہاں تک کہ اسے ناجائز اولاد بھی ہوئی لیکن اسلام لانے کے بعد اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس منافق نے اسے زدوکوب کیا۔ پس یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ بدر کا ایک قریشی قیدی عبداللہ ابن ابی کے پاس تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کی لونڈی سے ملے، لونڈی بوجہ اپنے اسلام کے حرام کاری سے بچتی تھی۔ عبداللہ کی خواہش تھی کہ یہ اس قریشی سے ملے، اس لئے اسے مجبور کرتا تھا اور مارتا پیٹتا تھا۔ پس یہ آیت اتری۔

اور روایت میں ہے کہ یہ سردار منافقین اپنی اس لونڈی کو اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے بھیج دیا کرتا تھا۔ اسلام کے بعد اس لونڈی سے جب یہ ارادہ کیا گیا تو اس نے انکار کر دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی یہ مصیبت بیان کی۔ حضرت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار محمدیؐ میں یہ بات پہنچائی۔ آپ نے حکم دیا کہ اس لونڈی کو اس کے ہاں نہ بھیجو۔ اس نے لوگوں میں غل مچانا شروع کیا کہ دیکھو محمد ﷺ ہماری لونڈیوں کو چھین آپؐ نے حکم دیا کہ اس لونڈی کو اس کے ہاں نہ بھیجو۔ اس نے لوگوں میں غل مچانا شروع کیا کہ دیکھو محمد ﷺ ہماری لونڈی کو چھین لیتا ہے اس پر یہ آسمانی حکم اترا۔ ایک روایت میں ہے کہ مسیکہ اور معاذ دو لونڈیاں دو شخصوں کی تھیں جو ان سے بدکاری کراتے تھے۔ اسلام کے بعد مسیکہ اور اس کی ماں نے آ کر حضور ﷺ سے شکایت کی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ لونڈیاں پاک دامنی کا ارادہ کریں، اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اگر ان کا ارادہ یہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت واقعہ یہی تھا۔ اس لئے یوں فرمایا گیا۔ پس اکثریت اور غلبہ کے طور پر یہ فرمایا گیا ہے، کوئی قید اور شرط نہیں ہے۔ اس سے غرض ان کی یہ تھی کہ مال حاصل ہو اولادیں ہوں جو لونڈیاں غلام بنیں۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگانے کی اجرت، بدکاری کی اجرت، کاہن کی اجرت سے منع فرما دیا۔ ایک اور روایت میں ہے، زنا کی خرچی اور پچھنے لگانے والی کی قیمت اور کتے کی قیمت خبیث ہے۔

پھر فرماتا ہے، جو شخص ان لونڈیوں پر جبر کرے تو انہیں تو اللہ بوجہ ان کی مجبوری کے بخش دے گا اور ان کے مالکوں کو جنہوں نے ان پر دباؤ، زور، زبردستی ڈالی تھی انہیں پکڑ لے گا۔ اس صورت میں یہی گنہگار رہیں گے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں رحیم کے بعد وَاِثْمُهُنَّ عَلٰى مَنْ اَكْرَهَهُنَّ ہے۔ یعنی اس حالت میں جبر اور زبردستی کرنے والوں پر گناہ ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا سے، بھول سے اور جن کاموں پر وہ مجبور کر دیئے جائیں، ان پر زبردستی کی جائے، ان سے درگزر فرمایا ہے۔ ان احکام کو تفصیل وار بیان کرنے کے بعد فرمان ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے پاک کلام قرآن کریم کی یہ روشن و واضح آیات تمہارے سامنے بیان فرما دیں، اگلے لوگوں کے واقعات بھی تمہارے سامنے آ چکے کہ ان کی مخالفت حق کا انجام کیا اور کیسا ہوا؟ وہ ایک افسانہ بنا دیئے گئے اور آنے والوں کے لئے ایک عبرتناک واقعہ بنا دیئے گئے کہ متقی ان سے عبرت حاصل کریں اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچیں۔ حضرت علی رضی اللہ

عنہ فرماتے تھے' قرآن میں تمہارے اختلافات کے فیصلے موجود ہیں۔ تم سے پہلے زمانہ کے لوگوں کی خبریں موجود ہیں۔ بعد میں ہونے والے امور کے احوال کا بیان ہے۔ یہ مفصل ہے' بکواس نہیں۔ اسے جو بھی بے پرواہی سے چھوڑے گا' اسے اللہ برباد کر دے گا اور جو اس کے سوا دوسری کتاب میں ہدایت تلاش کرے گا' اسے اللہ گمراہ کر دے گا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ
اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا' اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو ○

مدبر کائنات نور ہی نور ہے: ☆☆ (آیت: ۳۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ ہادی ہے' آسمان والوں اور زمین والوں کا۔ وہی ان دونوں میں سورج چاند اور ستاروں کی تدبیر کرتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' نور اللہ ہدایت ہے۔ ابن جریر اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں' اس کے نور کی مثال یعنی اس کا نور رکھنے والے مومن کی مثال جس کے سینے میں ایمان و قرآن ہے' اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اولاً اپنے نور کا ذکر کیا' پھر مومن کی نورانیت کا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے کے نور کی مثال بلکہ حضرت ابی اس کو اس طرح پڑھتے تھے مَثَلُ نُوْرِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ابن عباس کا اس طرح پڑھنا بھی مروی ہے كَذٰلِكَ نُوْرُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ بعض کی قرات میں اَللّٰهُ نُوَّرَ ہے یعنی اس نے آسمان و زمین کو نورانی بنا دیا ہے۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اسی کے نور سے آسمان و زمین روشن ہیں۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ
لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ
اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو۔ وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی' خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے گو اسے مطلقاً آگ لگی ہی نہ ہو' نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے' لوگوں کے سمجھانے کو یہ مثالیں اللہ بیان فرما رہا ہے' اللہ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے ○

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ جس دن اہل طائف نے رسول اللہ ﷺ کو بہت ایذا پہنچائی تھی' آپ نے اپنی دعا میں فرمایا تھا اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَ انْ يَّحِلَّ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَنْزِلَ بِيْ سَخَطِكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اس دعا میں ہے کہ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ میں آ رہا ہوں جو اندھیروں کو روشن کر دیتا ہے اور جس پر دنیا و آخرت کی صلاحیت موقوف ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے' حضور ﷺ رات کو تہجد کے لئے اٹھتے' تب یہ فرماتے کہ الٰہی تیرے ہی لئے سب تعریف سزاوار ہے' تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے' سب کا نور ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تمہارے رب کے ہاں رات اور دن نہیں' اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے اس کے عرش کا نور ہے۔

نُوْرِہٖ کی ضمیر کا مرجع بعض کے نزدیک تو لفظ اللہ ہی ہے یعنی اللہ کی ہدایت جو مومن کے دل میں ہے' اس کی مثال یہ ہے اور بعض کے نزدیک مومن ہے جس پر سیاق کلام کی دلالت ہے یعنی مومن کے دل کے نور کی مثال مثل طاق کے ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ ایک شخص ہے جو اپنے رب کی دلیل اور ساتھ ہی شہادت لئے ہوئے ہے پس مومن کے دل کی صفائی کو بلور کے فانوس سے مشابہت دی اور پھر قرآن اور شریعت سے جو مدد اسے ملتی رہتی ہے' اس کو زیتون کے اس تیل سے تشبیہ دی جو خود صاف شفاف' چمکیلا اور روشن ہے۔ پس طاق اور طاق میں چراغ اور وہ بھی روشن چراغ۔ یہودیوں نے اعتراضاً کہا تھا کہ اللہ کا نور آسمانوں کے پار کیسے ہوتا ہے؟ تو مثال دے کر سمجھایا گیا کہ جیسے فانوس کے شیشے سے روشنی۔ پس فرمایا کہ اللہ آسمان وزمین کا نور ہے۔ مشکوٰۃ کے معنی گھر کے طاق کے ہیں۔ یہ مثال اللہ نے اپنی فرمانبرداری کی دی ہے اور اپنی اطاعت کو نور فرمایا ہے۔ پھر اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حبشہ کے لغت میں اسے طاق کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں' ایسا طاق جس میں کوئی اور سوراخ وغیرہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں اسی میں قندیل رکھی جاتی ہے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے یعنی قندیل رکھنے کی جگہ۔ چنانچہ قرآن میں بھی ہے کہ اس میں چراغ ہے۔ پس مصباح سے مراد نور ہے یعنی قرآن اور ایمان جو مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں' چراغ مراد ہے۔

پھر فرمایا یہ روشنی جس میں بہت ہی خوبصورتی ہے' یہ صاف قندیل میں ہے' یہ مومن کے دل کی مثال ہے۔ پھر وہ قندیل ایسی ہے جیسے موتی جیسا چمکیلا روشن ستارہ۔ اس کی دوسری قرات درئی اور درئی بھی ہے۔ یہ ماخوذ ہے دَرْءٌ سے جس کے معنی دفع کے ہیں۔ جب کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے' اس وقت وہ بہت روشن ہوتا ہے اور جو ستارے غیر معروف ہیں' انہیں بھی عرب دراری کہتے ہیں۔ مطلب چمکدار اور روشن ستارہ ہے جو خوب ظاہر ہو اور بڑا ہو۔ پھر اس چراغ میں تیل بھی مبارک درخت زیتون کا ہو۔ زَیْتُوْنَۃٍ کا لفظ بدل ہے' عطف بیان ہے۔ پھر وہ زیتون کا درخت بھی نہ مشرقی ہے کہ اول دن سے اس پر دھوپ آ جائے۔ اور نہ مغربی ہے کہ غروب سورج سے پہلے اس پر سے سایہ ہٹ جائے بلکہ وسط جگہ میں ہے۔ صبح سے شام تک سورج کی صاف روشنی میں رہے۔

پس اس کا تیل بھی بہت صاف' چمک دار اور معتدل ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ وہ درخت میدان میں ہے۔ کوئی درخت' پہاڑ' غار یا کوئی اور چیز اسے چھپائے ہوئے نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس درخت کا تیل بہت صاف ہوتا ہے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبح سے شام تک کھلی ہوا اور صاف دھوپ اسے پہنچتی رہتی ہے کیونکہ وہ کھلے میدان میں درمیان کی جگہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کا تیل بہت پاک صاف اور روشن چمک دار ہوتا ہے اور اسے نہ مشرقی کہہ سکتے ہیں نہ مغربی۔ ایسا درخت بہت سرسبز اور کھلا ہوتا ہے۔ پس جیسے یہ درخت آفتوں سے بچا ہوا ہوتا ہے' اسی طرح مومن فتنوں سے محفوظ ہوتا ہے۔ اگر کسی فتنے کی آزمائش میں پڑتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھتا ہے۔ پس اسے چار صفتیں قدرت دے دیتی ہے (۱) بات میں سچ (۲) حکم میں عدل (۳) بلا پر صبر (۴) نعمت پر شکر۔ پھر وہ اور تمام انسانوں میں ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی زندہ جو مردوں میں ہو۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اگر یہ درخت دنیا میں زمین پر ہوتا تو ضرور تھا کہ مشرقی ہو یا مغربی لیکن یہ تو نور خدا کی مثال ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ مثال ہے نیک مرد کی جو نہ یہودی ہے نہ نصرانی۔ ان سب اقوال میں بہترین قول پہلا قول ہے کہ وہ درمیانہ زمین میں ہے کہ صبح سے شام تک بے روک ہوا اور دھوپ پہنچتی ہے کیونکہ چاروں طرف سے کوئی آڑ نہیں تو لامحالہ ایسے درخت کا تیل بہت زیادہ صاف ہوگا اور لطیف اور چمکدار ہوگا۔

اسی لئے فرمایا کہ خود وہ تیل اتنا لطیف ہے کہ گویا بغیر جلائے روشنی دے۔ نور پر نور ہے۔ یعنی ایمان کا نور' پھر اس پر نیک اعمال کا نور۔ خود زیتون کا تیل روشن' پھر وہ جل رہا ہے اور روشنی دے رہا ہے پس اسے پانچ نور حاصل ہو جاتے ہیں' اس کا کلام نور ہے' اس کا عمل نور ہے

اس کا آنا نور ہے' اس کا جانا نور ہے اور اس کا آخری ٹھکانا نور ہے یعنی جنت۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ مثال ہے رسول اللہ ﷺ کی کہ آپ کی نبوت اس قدر ظاہر ہے کہ گو آپ زبانی نہ بھی فرمائیں تاہم لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ جیسے یہ زیتون کہ بغیر روشن کئے روشن ہے۔ تو دونوں یہاں جمع ہیں۔ ایک زیتون کا' ایک آگ کا۔ ان کے مجموعے سے روشنی حاصل ہوئی۔ اسی طرح نور قرآن اور نور ایمان جمع ہو جاتے ہیں اور مومن کا دل روشن ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے پسند فرمائے' اپنی ہدایت کی راہ لگا دیتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو ایک اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر اس دن ان پر اپنا نور ڈالا۔ جسے وہ نور پہنچا' اس نے راہ پائی اور جو محروم رہا' وہ گمراہ ہوا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق چل کر خشک ہو گیا۔ (مسند وغیرہ)

اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل کی ہدایت کی مثال نور سے دے کر پھر فرمایا کہ اللہ یہ مثالیں لوگوں کے سمجھنے کے لئے بیان فرما رہا ہے۔ اس کے علم میں بھی کوئی اس جیسا نہیں' وہ ہدایت وضلالت کے ہر مستحق کو بخوبی جانتا ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے' دلوں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو صاف اور روشن۔ ایک غلاف دار اور بندھا ہوا۔ ایک الٹا اور اوندھا۔ ایک پھرا ہوا' الٹا سیدھا۔ پہلا دل تو مومن کا دل ہے جو نورانی ہوتا ہے۔ اور دوسرا دل کافر کا دل ہے اور تیسرا دل منافق کا دل ہے کہ اس نے جانا پھر انجان ہو گیا۔ پہچان لیا پھر منکر ہو گیا۔ چوتھا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی ہے۔ ایمان کی مثال تو اس میں ترکاری کے درخت کی مانند ہے کہ اچھا پانی اسے بڑھا دیتا ہے اور اس میں نفاق کی مثال دمثل پھوڑے کے ہے کہ خون پیپ اسے ابھار دیتا ہے۔ اب ان میں سے جو غالب آ گیا' وہ اس دل پر چھا جاتا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ
لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ (٣٦)

ان گھروں میں جن کے ادب واحترام کا اور نام الٰہی وہاں لئے جانے کا حکم ربانی ہے' وہاں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ○

مومن کے دل سے مماثلت: ☆☆ (آیت:۳۶) مومن کے دل کی اور اس میں جو ہدایت وعلم ہے' اس کی مثال اوپر والی آیت میں اس روشن چراغ سے دی تھی جو شیشہ کی ہانڈی میں ہو اور صاف زیتون کے روشن تیل سے جل رہا ہو۔ اس لئے یہاں اس کی جگہ بیان فرمائی کہ ان کی موجودگی مسجدوں میں ہو جو سب سے زیادہ بہترین اور محبوب الٰہی جگہ ہیں۔ جہاں اس کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کی توحید بیان کی جاتی ہے۔ جن کی نگہبانی اور پاک صاف رکھنے کا اور بیہودہ اقوال وافعال سے بچانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اَنْ تُرْفَعَ کے معنی اس میں بیہودگی نہ کرنے کے ہیں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد اس سے یہی مسجدیں ہیں جن کی تعمیر' آبادی' ادب اور پاکیزگی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ کعب رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ زمین پر مسجدیں میرا گھر ہیں جو بھی باوضو میرے گھر پر میری ملاقات کے لئے آئے گا' میں اس کی عزت کروں گا' ہر اس شخص پر جس سے ملنے کے لئے کوئی اس کے گھر آئے' حق ہے کہ وہ اس کی تکریم کرے (تفسیر ابن ابی حاتم) مسجدوں کے بنانے اور ان کا ادب احترام کرنے' انہیں خوشبودار اور پاک صاف رکھنے کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جنہیں بحمد اللہ میں نے ایک مستقل کتاب میں لکھا ہے یہاں بھی ان میں سے تھوڑی بہت وارد کرتا ہوں' اللہ مدد کرے' اسی پر ہمارا بھروسہ اور توکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کی نیت سے مسجد بنائے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی جیسا گھر جنت میں بناتا ہے (بخاری ومسلم) فرماتے ہیں نام اللہ کے ذکر کئے جانے کے لئے جو شخص

مسجد بنائے' اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (ابن ماجہ) حضور ﷺ نے حکم دیا کہ محلوں میں مسجدیں بنائی جائیں اور پاک صاف اور خوشبودار رکھی جائیں (ترمذی وغیرہ)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے' لوگوں کے لئے مسجدیں بناؤ جہاں انہیں جگہ ملے لیکن سرخ یا زرد رنگ سے بچو تا کہ لوگ فتنے میں نہ پڑیں۔ (بخاری شریف) ایک ضعیف سند سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب تک کسی قوم نے اپنی مسجدوں کو ٹیپ ٹاپ والا' نقش و نگار اور رنگ و روغن والا نہ بنایا' ان کے اعلام برے نہیں ہوئے (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ آپ فرماتے ہیں' مجھے مسجدوں کو بلند و بالا اور پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ابن عباسؓ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ تم یقیناً مسجدوں کو مزین' منقش اور رنگ دار کرو گے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے کیا (ابوداؤد) فرماتے ہیں' قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے پر فخر و غرور نہ کرنے لگیں (ابوداؤد وغیرہ) ایک شخص مسجد میں اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا آیا اور کہنے لگا' کوئی جو مجھے میرے سرخ رنگ اونٹ کا پتہ دے۔ آپ نے بددعا کی کہ اللہ کرے تجھے نہ ملے۔ مسجدیں تو جس مطلب کے لئے بنائی گئی ہیں' اسی کام کے لئے ہیں (مسلم) حضور ﷺ نے مسجدوں میں خرید و فروخت' تجارت کرنے سے اور وہاں اشعار کے گائے جانے سے منع فرما دیا ہے (احمد وغیرہ)

فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ کرے نہ ملے۔ (ترمذی) ارشاد ہے' بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں' مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے' مسجد میں ہتھیار نہ نکالے جائیں۔ مسجد میں تیر کمان پر نہ لگایا جائے' نہ تیر پھیلائے جائیں نہ کچا گوشت لایا جائے' نہ یہاں حد ماری جائے' نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں' نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ)

فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو' دیوانوں کو' خرید فروخت کو' لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حد جاری کرنے کو اور تلواروں کے ننگی کرنے کو روکو۔ ان کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مہکادو (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ بعض علماء نے ضرورت کے بغیر مسجدوں کو گزرگاہ بنانا مکروہ کہا ہے۔ ایک اثر میں ہے کہ جو شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے گزر جائے' فرشتے اس پر تعجب کرتے ہیں۔ ہتھیاروں اور تیروں سے جو منع فرمایا' یہ اس لئے کہ مسلمان وہاں بکثرت جمع ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے لگ جائے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا حکم ہے کہ کوئی تیر یا نیزہ لے کر گزرے تو اسے چاہئے کہ اس کا پھل اپنے ہاتھ میں رکھے تا کہ کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ کچا گوشت لانا اس لئے منع ہے کہ خوف ہے اس میں سے خون نہ ٹپکے جیسے کہ حائضہ عورت کو بھی اسی وجہ سے مسجد میں آنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مسجد میں حد لگانا اور قصاص لینا اس لئے منع کیا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو' وہ شخص مسجد کو نجس کر دے۔ بازار بنانا اس لئے منع ہے کہ وہ خرید و فروخت کی جگہ ہے اور مسجد میں یہ دونوں باتیں منع ہیں۔ کیونکہ مسجدیں ذکر اللہ اور نماز کی جگہ ہیں۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا تھا جس نے مسجد کے کسی گوشے میں پیشاب کر دیا تھا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں بلکہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز کی جگہ ہے۔ پھر اس کے پیشاب پر ایک بڑا ڈول پانی کا بہانے کا حکم دیا۔ دوسری حدیث میں ہے' اپنے بچوں کو اپنی مسجدوں سے روکو اس لئے کہ کھیل کود ہی ان کا کام ہے اور مسجد میں یہ مناسب نہیں۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی بچے کو مسجد میں کھیلتا ہوا دیکھ لیتے تو اسے کوڑے سے پیٹتے اور عشا کی نماز کے بعد مسجد میں کسی کو نہ رہنے دیتے۔ دیوانوں کو بھی مسجدوں سے روکا گیا کیونکہ وہ بے عقل ہوتے ہیں اور لوگوں کے مذاق کا ذریعہ ہوتے ہیں اور مسجد اس تماشے کے لائق نہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ ان کی نجاست وغیرہ کا خوف ہے۔ بیع و شرا سے روکا گیا کیونکہ وہ ذکر اللہ سے مانع ہے۔ جھگڑوں کی مصلاحتی مجلس منعقد کرنے سے اس لئے منع کر دیا گیا کہ اس میں آوازیں بلند ہوتی ہیں ایسے الفاظ بھی نکل

جاتے ہیں جو آداب مسجد کے خلاف ہیں۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ فیصلے مسجد میں نہ کئے جائیں اسی لئے اس جملے کے بعد بلند آواز سے منع فرمایا۔ سائب بن یزید کندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا‘ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے مجھ سے فرمانے لگے‘ جاؤ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ‘ جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔ تم کون ہو؟ یا پوچھا ”کہ تم کہاں کے ہو“؟ انہوں نے کہ ”ہم طائف کے رہنے والے ہیں“۔ آپ نے فرمایا‘ اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد نبویؐ میں اونچی اونچی آوازوں سے بول رہے ہو (بخاری) ایک شخص کی اونچی آواز سن کر جناب فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا۔ ”جانتا بھی ہے کہ تو کہاں ہے“؟ (نسائی) اور مسجد کے دروازوں پر وضو کرنے اور پاکیزگی حاصل کرنے کی جگہ بنانے کا حکم دیا۔ مسجد نبوی کے قریب ہی کنویں تھے جن میں سے پانی کھینچ کر پیتے تھے اور وضو اور پاکیزگی حاصل کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن اسے خوشبو دار کرنے کا حکم ہوا کیونکہ اس دن لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابو یعلی موصلی میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کے دن مسجد نبویؐ کو مہکا دیا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے‘ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جماعت کی نماز انسان کی اکیلی نماز پر جو گھر میں یا دوکان پر پڑھی جائے‘ پچیس درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے‘ یہ اس لئے کہ جب وہ اچھی طرح وضو کر کے صرف نماز کے ارادے سے چلتا ہے تو ہر ایک قدم کے اٹھانے پر اس کا ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور جب نماز پڑھ چکتا ہے‘ پھر جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ رہے‘ فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ الٰہی اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس پر رحم کر۔ اور جب تک جماعت کے انتظار میں رہے‘ نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ دارقطنی میں ہے‘ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی۔

سنن میں ہے‘ اندھیروں میں مسجد جانے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ انہیں قیامت کے دن پورا پورا نور ملے گا۔ یہ بھی مستحب ہے کہ مسجد میں جانے والا پہلے اپنا داہنا قدم رکھے اور یہ دعا پڑھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مسجد میں آتے‘ یہ کہتے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فرمان ہے کہ جب کوئی شخص یہ پڑھتا ہے‘ شیطان کہتا ہے‘ میرے شر سے یہ تمام دن کے لئے محفوظ ہو گیا۔ مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی مسجد میں جانا چاہے‘ یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ الٰہی میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے باہر جائے‘ یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پروردگار تو میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی ﷺ پر سلام بھیجے۔ پھر اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی اللہ ﷺ پر سلام بھیج کر اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ جب آپ مسجد میں آتے تو درود پڑھ کر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو درود کے بعد اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پڑھتے۔ اس حدیث کی سند متصل نہیں۔ الغرض یہ اور ان جیسی اور بہت سی حدیثیں اس آیت کے متعلق ہیں جو مسجد اور احکام مسجد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور آیت میں ہے‘ تم ہر مسجد میں اپنا منہ سیدھا رکھو۔ اور خلوص کے ساتھ صرف اللہ کو پکارو۔ ایک اور آیت میں ہے کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کا نام ان میں لیا جائے یعنی کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے۔ صبح و شام وہاں اس اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ آصال جمع ہے اصیل کی‘ شام کے وقت کو اصیل کہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جہاں کہیں قرآن میں تسبیح کا لفظ ہے' وہاں مراد نماز ہے۔ پس یہاں مراد صبح کی اور عصر کی نماز ہے۔ پہلے پہلے یہی دو نمازیں فرض ہوئی تھیں پس وہی یاد دلائی گئیں۔ ایک قرات میں یَسبَّحُ ہے اور اس قرات پر آصال پر پورا وقف ہے اور رِجَالٌ سے پھر دوسری بات شروع ہے گویا کہ وہ مفسر ہے فاعل محذوف کے لئے۔ تو گویا کہا گیا کہ وہاں تسبیح کون کرتے ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ ایسے لوگ' اور یُسَبِّحُ کی قرات پر رِجَالٌ فاعل ہے تو وقف فاعل کے بیان کے بعد چاہئے۔ کہتے ہیں' رِجَالٌ صا شارہ ہے ان کے بہترین مقاصد اور ان کی پاک نیتوں اور اعلیٰ کاموں کی طرف' یہ اللہ کے گھروں کے آباد رکھنے والے ہیں۔ اس کی عبادت کی جگہیں ان سے زینت پاتی ہیں' توحید اور شکر گزاری کرنے والے ہیں۔ جیسے فرمان ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ الخ' یعنی مومنوں میں ایسے بھی مرد ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کئے تھے انہیں پورے کر دکھایا۔ ہاں عورتوں کے لئے تو مسجد کی نماز سے افضل گھر کی نماز ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' عورت کی نماز اپنے گھر میں بہتر ہے' اس کے حجرے کی نماز سے اور اس کے حجرے کی نماز سے اس کے اندر والے کمرے کی نماز افضل ہے۔ مسند میں ہے کہ عورتوں کی بہترین مسجد گھر کے اندر کا کونا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا' حضور ﷺ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا بہت پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا' یہ مجھے بھی معلوم ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تیری اپنے گھر کی نماز صحن کی نماز سے اور حجرے کی نماز گھر کی نماز سے اور گھر کی کوٹھڑی کی نماز حجرے کی نماز سے افضل ہے۔ اور محلے کی مسجد سے افضل گھر کی نماز ہے اور محلے کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ نے اپنے گھر کے بالکل انتہائی حصے میں ایک جگہ کو بطور مسجد کے مقرر کر لیا اور آخری گھڑی تک وہیں نماز پڑھتی رہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ہاں البتہ عورتوں کے لئے بھی مسجد میں مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ضرور ہے۔ بشرطیکہ مردوں پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں اور نہ خوشبو لگا کر نکلیں۔ صحیح حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو (بخاری و مسلم وغیرہ) ابوداؤد میں ہے کہ عورتوں کے لئے ان کے گھر افضل ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ وہ خوشبو استعمال کر کے نہ نکلیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آپ نے عورتوں سے فرمایا' جب تم میں سے کوئی مسجد آنا چاہے تو خوشبو کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ صحیحین میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں' پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور بوجہ رات کے اندھیرے کے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جو نئی نئی باتیں نکالیں ہیں' اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو پالیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔ (بخاری و مسلم)۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ
الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت ذکر اللہ سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی ○ اس ارادے سے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادتی بھی

عطا فرمائے اللہ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے ○

(آیت: ۳۷-۳۸) ایسے لوگ جنہیں خرید فروخت یاد الٰہی سے نہیں روکتی۔ جیسے ارشاد ہے ایمان والو! مال و اولاد تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کر دے۔ سورہ جمعہ میں ہے کہ جمعہ کی اذان سن کر ذکر اللہ کی طرف چل پڑو اور تجارت چھوڑ دو۔ مطلب یہ ہے کہ ان نیک لوگوں کو دنیا اور متاع دنیا، آخرت اور ذکر اللہ سے غافل نہیں کر سکتی، انہیں آخرت اور آخرت کی نعمتوں پر یقین کامل ہے اور انہیں ہمیشہ رہنے والا سمجھتے ہیں اور یہاں کی چیزوں کو فانی جانتے ہیں، اس لئے انہیں چھوڑ کر اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو، اس کی محبت کو، اس کے احکام کو مقدم کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ تجارت پیشہ حضرات کو اذان سن کر اپنے کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا، یہ لوگ انہی میں سے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سوداگری یا تجارت کروں اگرچہ اس میں مجھے ہر دن تین سو اشرفیاں ملتی ہوں لیکن میں نمازوں کے وقت یہ سب چھوڑ کر ضرور چلا جاؤں گا، میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تجارت کرنا حرام ہے بلکہ یہ ہے کہ ہم میں یہ وصف ہونا چاہئے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ سالم بن عبداللہ نماز کے لئے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ مدینہ شریف کے سوداگر اپنی اپنی دوکانوں پر کپڑے ڈھک کر نماز کے لئے گئے ہوئے ہیں اور کوئی بھی دوکان پر موجود نہیں تو یہی آیت پڑھی اور فرمایا یہ انہی میں سے ہیں جن کی تعریف جناب باری نے فرمائی ہے۔ اس بات کا سلف میں یہاں تک خیال تھا کہ ترازو اٹھائے تول رہے ہیں اور اذان کان میں پڑی تو ترازو رکھ دی اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ فرض نماز با جماعت مسجد میں ادا کرنے کا انہیں عشق تھا۔ وہ نماز کے اوقات کی، ارکان اور آداب کی حفاظت کے ساتھ نمازوں کے پابند تھے۔ یہ اس لئے کہ دلوں میں خوف الٰہی تھا، قیامت کا آنا برحق جانتے تھے، اس دن کی خوفناکی سے واقف تھے کہ سخت تر گھبراہٹ اور کامل پریشانی اور بے حد الجھن کی وجہ سے آنکھیں پتھرا جائیں گی، دل اڑ جائیں گے، کلیجے دہل جائیں گے۔ جیسے فرمان ہے کہ میرے نیک بندے میری محبت کی بنا پر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے کھلا رہے ہیں، ہمارا مقصد تم سے شکریہ طلب کرنے یا بدلہ لینے کا نہیں۔ ہمیں تو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر ہے جب کہ لوگ مارے رنج و غم کے منہ بسورے ہوئے اور تیوریاں بدلے ہوئے ہوں گے۔ پس اللہ ہی انہیں اس دن کی مصیبتوں سے نجات دے گا اور انہیں تر و تازگی، بشاشت، ہنسی خوشی اور راحت و آرام سے ملا دے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔

یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کی نیکیاں مقبول ہیں، ان کی برائیاں معاف ہیں، ان کے ایک ایک اعمال کا بہترین بدلہ مع زیادتی اور فضل الٰہی کے انہیں ضرور ملنا ہے۔ جیسے فرمان ہے، اللہ تعالیٰ بقدر ایک ذرے کے بھی ظلم نہیں کرتا۔ اور آیت میں ہے، نیکی دس گنا کر دی جاتی ہے۔ اور آیت میں ہے، جو اللہ کو اچھا قرض دے گا، اسے اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر زیادہ سے زیادہ کر کے دے گا۔ فرمان ہے یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وہ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔ یہاں فرمان ہے، وہ جسے چاہے بے حساب دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مرتبہ دودھ لایا گیا، آپ نے اپنی مجلس کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو پلانا چاہا مگر سب روزے سے تھے۔ اس لئے آپ ہی کے پاس پھر سے برتن آیا۔ آپ نے یہی آیت یَخَافُوۡنَ سے پڑھی اور پی لیا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، قیامت کے دن جب کہ اول و آخر سب جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم دے گا جو با آواز بلند ندا کرے گا، جسے تمام اہل محشر سنیں گے کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ پھر فرمائے گا، وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں لین دین اور تجارت ذکر الٰہی سے روکتا نہ تھا پس وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ بہت ہی کم ہوں گے، سب

سے پہلے انہیں حساب سے فارغ کر دیا جائے گا - آپ فرماتے ہیں' ان کی نیکیوں کا اجر یعنی جنت بھی انہیں ملے گی اور مزید فضل الٰہی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے ان کے ساتھ احسان کئے ہوں گے' وہ مستحق شفاعت ہوں گے - ان سب کی شفاعت کا منصب انہیں حاصل ہو جائے گا -

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ
الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ
فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ
لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾ ع ١١

کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدانوں میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا - ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے' اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے ○ یا مثل ان اندھیریوں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو - پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں' الغرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے در پے ہیں' جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی غالباً نہ دیکھ سکے' بات یہ ہے کہ جسے اللہ ہی نور نہ دے' اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی ○

دو قسم کے کافر: ☆☆ (آیت: ۳۹-۴۰) یہ دو مثالیں ہیں اور دو قسم کے کافروں کی ہیں - جیسے سورہ بقرہ کے شروع میں دو مثالیں دو قسم کے منافقوں کی بیان ہوئی ہیں - ایک آگ کی ایک پانی کی - اور جیسے کہ سورہ رعد میں ہدایت وعلم کی جو انسان کے دل میں جگہ پکڑ جائے - ایسی ہی دو مثالیں آگ اور پانی کی بیان ہوئی ہیں - دونوں سورتوں میں ان آیتوں کی تفسیر کامل گزر چکی ہے - فالحمد للہ - یہاں پہلی مثال تو ان کافروں کی ہے جو کفر کی طرف دوسروں کو بھی بلاتے ہیں - اور اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سخت گمراہ ہیں - ان کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی پیاسے کو جنگل میں دور سے ریت کا چمکتا ہوا تودہ دکھائی دیتا ہے اور وہ اسے پانی کا موج دریا سمجھ بیٹھتا ہے - قِيْعَةٌ جمع ہے قَاعٌ کی جیسے جار کی جمع ہے جیرہ - اور قاع واحد بھی ہوتا ہے اور جمع قیعان ہوتی ہے جیسے جار کی جمع جیران ہے - معنی اس کے چٹیل وسیع پھیلے ہوئے میدان کے ہیں - ایسے ہی میدانوں میں سراب نظر آیا کرتے ہیں - دوپہر کے وقت بالکل یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کا وسیع دریا لہریں لے رہا ہے - جنگل میں جو پیاسا ہو' پانی کی تلاش میں اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور اسے پانی سمجھ کر جان توڑ کوشش کر کے وہاں تک پہنچتا ہے لیکن حیرت وحسرت سے اپنا منہ لپیٹ لیتا ہے' دیکھتا ہے کہ وہاں پانی کا قطرہ چھوڑ نام ونشان بھی نہیں - اسی طرح یہ کفار ہیں کہ اپنے دل میں سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ اعمال کئے ہیں' بہت سی بھلائیاں جمع کر لی ہیں لیکن قیامت والے دن دیکھیں گے کہ ایک نیکی بھی ان کے پاس نہیں یا تو ان کی بدنیتی سے وہ غارت ہو چکی ہے یا شرع کے مطابق نہ ہونے سے وہ برباد ہو گئی ہے - غرض ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے ان کے کام جہنم رسید ہو چکے ہیں یہاں یہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے ہیں -

حساب کتاب کے موقعہ پر اللہ خود موجود ہے اور وہ ایک ایک عمل کا حساب لے رہا ہے اور کوئی عمل ان کا قابل ثواب نہیں نکلتا - چنانچہ صحیحین میں ہے کہ یہودیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ اللہ کے بیٹے عزیر

کی۔ کہا جائے گا کہ جھوٹے ہو۔ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں۔ اچھا بتاؤ اب کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اللہ ہم بہت پیاسے ہو رہے ہیں ہمیں پانی پلوایا جائے تو ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو وہ کیا نظر آ رہا ہے؟ تم وہاں کیوں نہیں جاتے؟ اب انہیں دور سے جہنم ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں سراب ہوتا ہے جس پر جاری پانی کا دھوکہ ہوتا ہے یہ وہاں جائیں گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یہ تو جہل مرکب والوں کی مثال تھی۔ اب جہل بسیط والوں کی مثال سنئے جو کورے مقلد تھے' اپنی گرہ کی عقل مطلق نہیں رکھتے تھے مندرجہ بالا مثال والے آئمہ کفر کی کوری تقلید کرتے تھے اور آنکھیں بند کئے ان کی آواز پر لگے ہوئے تھے کہ ان کی مثال گہرے سمندر کی تہہ کے اندھیروں جیسی ہے جسے اوپر سے تہہ بہ تہہ موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو اور پھر اوپر سے ابر ڈھانکے ہوئے ہوں۔ یعنی اندھیرے پر اندھیرا ہو۔ یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہ دیتا ہو۔ یہی حال ان سفلے جاہل کافروں کا ہے کہ نرے مقلد ہیں یہاں تک کہ جس کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' اسے بھی صحیح طور پر نہیں پہچانتے' اس کا بھی حق یا ناحق پر ہونا انہیں معلوم نہیں۔ کوئی ہے جس کی تقلید کر رہے ہیں لیکن معلوم نہیں کہ وہ انہیں کہاں لے جا رہا ہے؟ چنانچہ مثالاً کہا جاتا ہے کہ کسی جاہل سے پوچھا گیا' کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ پوچھنے والے نے پھر دریافت کیا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ پس جیسے اس سمندر پر موجیں اٹھ رہی ہیں' اسی طرح کافر کے دل پر' اس کے کانوں پر' اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ الخ' تو نے انہیں دیکھا جنہوں نے خواہش پرستی شروع کر رکھی ہے اور اللہ نے انہیں علم پر بہکا دیا ہے اور ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں ایسے لوگ پانچ اندھیروں میں ہوتے ہیں (۱) کلام (۲) عمل (۳) جانا (۴) آنا اور (۵) انجام۔ سب اندھیروں میں ہیں۔ جسے اللہ اپنے نور کی طرف ہدایت نہ کرے' وہ نورانیت سے خالی رہ جاتا ہے۔ جہالت میں مبتلا رہ کر ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ جیسے فرمایا مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ جسے اللہ گمراہ کرے' اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہوتا۔ یہ اس کے مقابل ہے جو مومنوں کی مثال کے بیان میں فرمایا تھا کہ اللہ اپنے نور کی ہدایت کرتا ہے جسے چاہے۔ اللہ تعالیٰ عظیم و کریم سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں نور پیدا کر دے اور ہمارے دائیں بائیں بھی نور عطا فرمائے اور ہمارے نور کو بڑھا دے اور اسے بہت بڑا اور زیادہ کرے آمین۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّیۡرُ
صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِیۡحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِمَا
یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۴۲﴾

کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین کی کل مخلوق اور پر پھیلائے اڑنے والے کل پرند اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں' ہر ایک کی نماز اور تسبیح اسے معلوم ہے' لوگ جو کچھ کریں' اس سے اللہ بخوبی واقف ہے ○ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے' اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ○

ہر ایک تسبیح خوان ہے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۲) کل کے کل انسان' جنات' فرشتے اور حیوان یہاں تک کہ جمادات بھی اللہ کی تسبیح کے بیان میں مشغول ہیں۔ ایک اور جگہ ہے کہ ساتوں آسمان اور سب زمینیں اور ان میں جو ہیں' سب اللہ کی پاکیزگی کے بیان میں مشغول ہیں۔ اپنے پروں سے اڑنے والے پرند بھی اپنے رب کی عبادت اور پاکیزگی کے بیان میں مشغول ہیں۔ ان سب کو جو جو تسبیح لائق تھی' اللہ نے انہیں

سکھا دی ہے، سب کو اپنی عبادت کے مختلف جداگانہ طریقے سکھا دیئے ہیں اور اللہ پر کوئی کام مخفی نہیں۔ وہ عالم کل ہے۔ حاکم، متصرف، مالک، مختار کل، معبود حقیقی، آسمان و زمین کا بادشاہ صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے حکموں کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ قیامت کے دن سب کو اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہ جو چاہے گا، اپنی مخلوقات میں حکم فرمائے گا۔ برے لوگ برا بدلہ پائیں گے۔ نیک نیکیوں کا پھل حاصل کریں گے۔ خالق مالک وہی ہے۔ دنیا اور آخرت کا حاکم حقیقی وہی ہے اور اسی کی ذات لائق حمد و ثنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۗ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے۔ پھر انہیں ملاتا ہے۔ پھر انہیں تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے، وہی آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑوں میں سے اولے برساتا ہے۔ پھر جنہیں چاہے ان کے پاس انہیں برسائے اور جن سے چاہے ان سے انہیں ہٹا دے، بادل ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا اب آنکھوں کی روشنی لے چلی ○ اللہ ہی دن اور رات کو ردوبدل کرتا رہتا ہے، آنکھوں والوں کے لئے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں ○

بادل مرحلہ وار : ☆☆ (آیت: ۴۳-۴۴) پتلے دھوئیں جیسے بادل اول اول تو قدرت الٰہی سے اٹھتے ہیں پھر مل جل کر وہ جسیم ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر جم جاتے ہیں پھر ان میں سے بارش برستی ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں، زمین کو قابل بناتی ہیں، پھر ابر کو اٹھاتی ہیں، پھر انہیں ملاتی ہیں، پھر وہ پانی سے بھر جاتے ہیں، پھر برس پڑتے ہیں۔ پھر آسمان سے اولوں کے برسانے کا ذکر ہے۔ اس جملے میں پہلا من ابتداء غایت کا ہے۔ دوسرا تبعیض کا۔ تیسرا بیان جنس کا۔ یہ اس تفسیر کی بنا پر ہے کہ آیت کے معنی یہ کئے جائیں کہ اولوں کے پہاڑ آسمان پر ہیں۔ اور جن کے نزدیک یہاں پہاڑ کا لفظ ابر کے لئے ہی بطور کنایہ ہے، ان کے نزدیک من ثانیہ بھی ابتداء غایت کے لئے ہے لیکن وہ پہلے کا بدل ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد کے جملے کا یہ مطلب ہے کہ بارش اور اولے جہاں اللہ برسانا چاہے، وہاں اس کی رحمت سے برستے ہیں اور جہاں نہ چاہے نہیں برستے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اولوں سے جن کی چاہے کھیتیاں اور باغات خراب کر دیتا ہے اور جن پر مہربانی فرمائے، انہیں بچا لیتا ہے۔ پھر بجلی کی چمک کی قوت بیان ہو رہی ہے کہ قریب ہے، وہ آنکھوں کی روشنی کھو دے۔ دن رات کا تصرف بھی اسی کے قبضے میں ہے جب چاہتا ہے دن کو چھوٹا اور رات کو بڑی کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے، رات کو چھوٹی کر کے دن کو بڑا کر دیتا ہے۔ یہ تمام نشانیاں ہیں جو قدرت قادر کو ظاہر کرتی ہیں، اللہ کی عظمت کو آشکارا کرتی ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش، رات دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى
اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾
لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا
دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے، ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں، بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ بلاشک وشبہ ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتار دی ہیں۔ اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور فرمانبردار ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے، یہ ایمان والے ہیں ہی نہیں ○ جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے جھگڑے چکا دے تو بھی ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے ○

ایک ہی پانی اور مختلف اجناس کی پیدائش: ☆☆ (آیت:۴۵) اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت اور زبردست سلطنت کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے طرح طرح کی مخلوق پیدا کر دی ہے۔ سانپ وغیرہ کو دیکھو جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ انسان اور پرند کو دیکھو ان کے دو پاؤں ہوتے ہیں جن پر چلتے ہیں۔ حیوانوں اور چوپاؤں کو دیکھو وہ چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ وہ بڑا قادر ہے، جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے، جو نہیں چاہتا، ہرگز نہیں ہو سکتا، وہ قادر کل ہے۔

(آیت:۴۶) یہ حکمت بھرے احکام، یہ روشن مثالیں اس قرآن کریم میں اللہ ہی نے بیان فرمائی ہیں۔ عقلمندوں کو ان کے سمجھنے کی توفیق دی ہے۔ رب جسے چاہے اپنی سیدھی راہ پر لگائے۔

منافق کی زبان اور، دل اور: ☆☆ (آیت:۴۷-۴۸) منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ زبان سے تو ایمان واطاعت کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے اس کے خلاف ہیں۔ عمل کچھ ہے، قول کچھ ہے۔ اس لئے کہ دراصل ایمان دار نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بادشاہ کے سامنے بلوایا جائے اور وہ نہ جائے، وہ ظالم ہے اور ناحق پر ہے۔ جب انہیں ہدایت کی طرف بلایا جاتا ہے، قرآن وحدیث کے ماننے کو کہا جاتا ہے تو یہ منہ پھیر لیتے ہیں اور تکبر کرنے لگتے ہیں جیسے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ سے صُدُوْدًا تک کی آیتوں میں بیان گزر چکا ہے۔ ہاں اگر انہیں شرعی فیصلے میں اپنا نفع نظر آتا ہو تو لمبے لمبے کلمے پڑھتے ہوئے گردن ہلاتے ہوئے ہنسی خوشی چلے آئیں گے اور جب معلوم ہو جائے کہ شرعی فیصلے ان کی طبعی خواہش کے خلاف ہیں، دنیوی مفاد کے خلاف ہیں تو حق کی طرف مڑ کر دیکھیں گے بھی نہیں۔ پس ایسے لوگ پکے کافر

ہیں- اس لئے کہ تین حال سے خالی نہیں یا تو یہ کہ ان کے دلوں میں ہی بے ایمانی گھر کرگئی ہے یا انہیں دین الٰہی کی حقانیت میں شکوک ہیں یا خوف ہے کہ کہیں اللہ اور رسولؐ ان کا حق نہ مارلیں' ان پر ظلم وستم کریں گے اور یہ تینوں صورتیں کفر کی ہیں- اللہ ان میں سے ہر ایک کو جانتا ہے' جو جیسا باطن میں ہے' اس کے پاس وہ ظاہر ہے-

دراصل یہی لوگ جابر ہیں' ظالم ہیں' اللہ اور رسول اللہ اس سے پاک ہیں- حضور ﷺ کے زمانے میں ایسے کافر جو ظاہر میں مسلمان تھے' بہت سے تھے انہیں جب اپنا مطلب قرآن وحدیث میں نکلتا نظر آتا تو خدمت نبویؐ میں اپنے جھگڑے پیش کرتے اور جب انہیں دوسروں سے مطلب براری نظر آتی تو سرکار محمد ﷺ میں آنے سے صاف انکار کر جاتے- پس یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا' جن دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہو اور وہ اسلامی حکم کے مطابق فیصلے کی طرف بلایا جائے اور وہ اس سے انکار کرے' وہ ظالم ہے اور ناحق پر ہے- یہ حدیث غریب ہے-

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ
يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾
اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ع ۱۰ ۱۲
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ
اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۵۲﴾

ہاں اگر انہی کو حق پہنچتا ہو تو مطیع وفرماں بردار ہو کر ان کی طرف چلے آتے ہیں ○ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی نہ کر دیں' بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی بڑے بے انصاف ہیں ○ ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا' یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں' خوف الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں' وہی نجات پانے والے ہیں ○

(آیت: ۴۹-۵۲) پھر سچے مومنوں کی شان بیان ہوتی ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سوا کسی تیسری چیز کو داخل دین نہیں سمجھتے- وہ تو قرآن وحدیث سنتے ہیں' اس کی دعوت کی ندا کان میں پڑتے ہی صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا- یہ کامیاب' بامراد اور نجات یافتہ لوگ ہیں- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بدری صحابی ہیں' انصاری ہیں' انصاروں کے ایک سردار ہیں' انہوں نے اپنے بھتیجے جنادہ بن امیہ سے بوقت انتقال فرمایا کہ آؤ مجھ سے سن لو کہ تمہارے ذمے کیا ہے؟ سننا اور ماننا سختی میں بھی' آسانی میں بھی' خوشی میں بھی ناخوشی میں بھی' اس وقت بھی جب کہ تیرا حق دوسرے کو دیا جا رہا ہو' اپنی زبان کو عدل اور سچائی کے ساتھ سیدھی رکھ- کام کے اہل لوگوں سے کام کو نہ چھین- ہاں اگر کسی کھلی نافرمانی کا وہ حکم دیں تو نہ ماننا- کتاب اللہ کے خلاف کوئی بھی کہے' ہرگز نہ ماننا- کتاب اللہ کی پیروی میں لگے رہنا- ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام بغیر اللہ کی اطاعت کے نہیں اور بہتری جو کچھ ہے وہ جماعت کی' اللہ کی'

اس کے رسول کی خلیفۃ المسلمین کی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسلام کا مضبوط کڑا اللہ کی وحدانیت کی گواہی، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور مسلمانوں کے بادشاہ کی اطاعت ہے۔ جو احادیث و آثار کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اللہ کی اطاعت کے بارے میں اور مسلمان بادشاہوں کی ماننے کے بارے میں مروی ہیں، وہ اس کثرت سے ہیں کہ سب یہاں کسی طرح بیان ہو ہی نہیں سکتیں۔ جو شخص اللہ اور رسول کا تابع فرمان بن جائے، جو حکم ملے بجالائے، جس چیز سے روک دیں، رک جائے، جو گناہ ہو جائے، اس سے خوف کھاتا رہے، آئندہ کے لئے اس سے بچتا رہے، ایسے لوگ تمام بھلائیوں کو سمیٹنے والے اور تمام برائیوں سے بچ جانے والے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں وہ نجات یافتہ ہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا
تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ
وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

بڑی پختگی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ آپ کا حکم ہوتے ہی یہ نکل کھڑے ہوں گے، کہہ دے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے ○ کہہ دے کہ اللہ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے اور تم پر اس کی جواب وہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے، ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو، سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے ○

مکار منافق: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۴) اہل نفاق کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ پیغمبر رب ﷺ کے پاس آ کر اپنی ایمانداری اور خیر خواہی جتاتے ہوئے قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم جہاد کے لئے تیار بیٹھے ہیں بلکہ بے قرار ہیں، آپ کے حکم کی دیر ہے، فرمان ہوتے ہی گھر بار بال بچے چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ان سے کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری اطاعت کی حقیقت تو روشن ہے۔ زبانی ڈینگیں بہت ہیں، عملی حصہ صفر ہے۔ تمہاری قسموں کی حقیقت بھی معلوم ہے، دل میں کچھ ہے۔ زبان پر کچھ ہے۔ جتنی زبان مومن ہے، اتنا ہی دل کافر ہے۔ یہ قسمیں صرف مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان قسموں کو تو یہ لوگ ڈھال بنائے ہوئے ہیں۔ تم سے ہی نہیں بلکہ کافروں کے سامنے بھی ان کی موافقت اور ان کی امداد کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن اتنے بزدل ہیں کہ ان کا ساتھ خاک بھی نہیں دے سکتے۔ اس جملے کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہیں تو معقول اور پسندیدہ اطاعت کا شیوہ چاہئے نہ کہ قسمیں کھانے اور ڈینگیں مارنے کا۔ تمہارے سامنے مسلمان موجود ہیں۔ دیکھو نہ وہ قسمیں کھاتے ہیں نہ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہیں ہاں کام کے وقت سب سے آگے نکل آتے ہیں اور فعلی حصہ بڑھ چڑھ کر لیتے ہیں۔ اللہ پر کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں، وہ اپنے بندوں کے ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔ ہر عاصی اور مطیع اس پر ظاہر ہے۔ ہر ایک کے باطن پر بھی اس کی نگاہیں ویسی ہی ہیں جیسی ظاہر پر گو تم ظاہر کچھ کرو لیکن وہ باطن پر بھی آگاہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یعنی قرآن اور حدیث کی اتباع کرو اگر تم اس سے منہ موڑ لو اسے چھوڑ دو تو تمہارے اس

گناہ کا وبال میرے نبی ﷺ پر نہیں' اس کے ذمے تو صرف پیغام الٰہی پہنچانا اور ادائے امانت کر دینا ہے۔ تم پر وہ ہے جس کے ذمے دار تم ہو یعنی قبول کرنا' عمل کرنا وغیرہ۔ ہدایت صرف اطاعت رسول میں ہے اس لئے کہ صراط مستقیم کا داعی وہی ہے' جو صراط مستقیم اس اللہ تک پہنچاتی ہے' جس کی سلطنت تمام زمین و آسمان ہے۔ رسول ﷺ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ سب کا حساب ہمارے ذمے ہے۔ جیسے فرمان ہے فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ الخ' تو صرف ناصح و واعظ ہے۔ انہیں نصیحت کر دیا کر' تو ان کا وکیل یا داروغہ نہیں۔

وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعیاؑ نبی کی طرف وحی الٰہی آئی کہ تو بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑا ہو جا۔ میں تیری زبان سے جو چاہوں گا' نکلواؤں گا چنانچہ آپ کھڑے ہوئے تو آپ کی زبان سے بہ حکم الٰہی یہ خطبہ بیان ہوا۔ اے آسمان سن' اے زمین خاموش رہ' اللہ تعالیٰ ایک شان پوری کرنا اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے' ویرانے کو بسا دے' صحراؤں کو سرسبز بنا دے' فقیروں کو غنی کر دے' چرواہوں کو سلطان بنا دے' ان پڑھوں میں سے ایک امی کو نبی بنا کر بھیجے' جو نہ بدگو ہو' نہ بد اخلاق ہو' نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والا ہو' اتنا مسکین صفت اور متواضع ہو کہ اس کے دامن کی ہوا سے چراغ بھی نہ بجھے جس کے پاس سے وہ گزرا ہو۔ اگر وہ سوکھے بانسوں پر پیر رکھ کر چلے تو بھی چرچراہٹ کسی کے کان میں نہ پہنچے۔ میں اسے بشیر و نذیر بنا کر بھیجوں گا' وہ زبان کا پاک ہوگا' اندھی آنکھیں اس کی وجہ سے روشن ہو جائیں گی' بہرے کان اس کے باعث سننے لگیں گے' غلاف والے دل اس کی برکت سے کھل جائیں گے۔ ہر ایک بھلے کام سے میں اسے سنوا دوں گا۔ ہر ایک خلق کریم سے میں اسے سرفراز فرماؤں گا۔ سکینت اس کا لباس ہوگی' نیکی اس کا وطیرہ ہوگا' تقویٰ اس کا ضمیر ہوگا۔ حکمت اس کی باتیں ہوں گی' صدق و وفا اس کی طبیعت ہوگی' عفو و درگزر کرنا اور عمدگی و بھلائی چاہنا اس کی خصلت ہوگی۔ حق اس کی شریعت ہوگا' عدل اس کی سیرت ہوگی' ہدایت اس کی امام ہوگی' اسلام اس کی ملت ہوگا' احمد اس کا نام ہوگا۔ (ﷺ) گمراہی کے بعد اس کی وجہ سے میں ہدایت پھیلا دوں گا' جہالت کے بعد علم چمک اٹھے گا' پستی کے بعد اس کی وجہ سے ترقی ہوگی۔ نادانی اس کی ذات سے دانائی میں بدل جائے گی۔ کمی زیادتی سے بدل جائے گی' فقیری کو اس کی وجہ سے میں امیری سے بدل دوں گا۔ اس کی ذات سے جدا جدا لوگوں کو میں ملا دوں گا' فرقت کے بعد الفت ہوگی' انتشار کے بعد اتحاد ہوگا' اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا۔ مختلف دل' جداگانہ خواہشیں ایک ہو جائیں گی' بیشمار بندگان رب ہلاکت سے بچ جائیں گے۔ اس کی امت کو میں تمام امتوں سے بہتر کر دوں گا جو لوگوں کے نفع کے لئے ہوگی' بھلائیوں کا حکم کرنے والی' برائیوں سے روکنے والی ہوگی۔ موحد' مومن' مخلص ہوں گے' اللہ کے جتنے رسول علیہما السلام اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں' یہ سب کو مانیں گے' کسی کے منکر نہ ہوں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں' اللہ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور ملک کا حاکم بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو حاکم بنایا تھا جو

ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا کہ میری عبادت کرتے رہیں گے- میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے' اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں' وہ یقیناً فاسق ہی ہیں ○

عروج اسلام لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۵۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرما رہا ہے کہ آپ کی امت کو زمین کا مالک بنا دے گا' لوگوں کا سردار بنا دے گا' ملک ان کی وجہ سے آباد ہوگا' بندگان رب ان سے دل شاد ہوں گے- آج یہ لوگوں سے لرزاں وترساں ہیں' کل یہ با امن واطمینان ہوں گے' حکومت ان کی ہوگی' سلطنت ان کے ہاتھوں میں ہوگی- الحمدللہ یہی ہوا بھی- مکہ' خیبر' بحرین' جزیرہ عرب اور یمن تو خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی موجودگی میں فتح ہو گیا- ہجر کے مجوسیوں نے جزیہ دے کر ماتحتی قبول کر لی' شام کے بعض حصوں کا بھی یہی حال ہوا- شاہ روم ہرقل نے تحفے تحائف روانہ کئے- مصر کے والی نے بھی خدمت اقدس میں تحفے بھیجے' اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے' عمان کے شاہوں نے بھی یہی کیا اور اس طرح اپنی اطاعت گزاری کا ثبوت دیا- حبشہ کے بادشاہ اصحمہ رحمتہ اللہ علیہ تو مسلمان ہی ہو گئے اور ان کے بعد جو والی حبشہ ہوا' اس نے بھی سرکار محمد ﷺ میں عقیدت مندی کے ساتھ تحائف روانہ کئے- پھر جب کہ اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنے محترم رسول ﷺ کو اپنی مہمانداری میں بلوا لیا' آپ کی خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنبھالی' جزیرہ عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنایا اور ساتھ ہی ایک جرار لشکر سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا کفر کے درختوں کو چھانٹ دیا اور اسلامی پودے ہر طرف لگا دیئے-

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ امراء کے ماتحت شام کے ملکوں کی طرف لشکر اسلام کے جاں بازوں کو روانہ فرمایا انہوں نے بھی یہاں محمدی جھنڈا بلند کیا اور صلیبی نشان اوندھے منہ گرائے- پھر مصر کی طرف مجاہدین کا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرداری میں روانہ فرمایا- بصریٰ دمشق' حران وغیرہ کی فتوحات کے بعد آپ بھی راہی ملک بقا ہوئے اور بہ الہام الٰہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فاروق کے زبردست زور آور ہاتھوں میں سلطنت اسلام کی باگیں دے گئے- سچ تو یہ ہے کہ آسمان تلے کسی نبی کے بعد ایسے پاک خلیفوں کا دور نہیں ہوا- آپ کی قوت طبیعت' آپ کی نیک سیرت' آپ کے عدل کا کمال' آپ کی رب ترسی کی مثال دنیا میں آپ کے بعد تلاش کرنا محض بے سود اور بالکل لاحاصل ہے- تمام ملک شام' پورا علاقہ مصر' اکثر حصہ فارس آپ کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا' سلطنت کسریٰ کے ٹکڑے اڑ گئے' خود کسریٰ کو منہ چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہ ملی' کامل ذلت واہانت کے ساتھ بھاگتا پھرا- قیصر کو فنا کر دیا- نام مٹا دیا- شام کی سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا- قسطنطنیہ میں جا کر منہ چھپایا- ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کئے ہوئے بے شمار خزانے ان بندگان رب نے اللہ کے نیک نفس اور مسکین خصلت بندوں پر خرچ کئے اور اللہ کے وہ وعدے پورے ہوئے جو اس نے حبیب اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوائے تھے- صلوات اللہ وسلامہ علیہ-

پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے اور مشرق ومغرب کی انتہا تک اللہ کا دین پھیل جاتا ہے ربانی لشکر ایک طرف' اقصی مشرق تک اور دوسری طرف انتہاء مغرب تک پہنچ کر دم لیتے ہیں- اور مجاہدین کی آب دار تلواریں اللہ کی توحید کو دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پہنچا دیتی ہیں- اندلس' قبرص' قیروان وسبتہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانے میں فتح ہوئے- کسریٰ قتل کر دیا گیا- اس کا ملک تو ایک طرف نام ونشان تک کھود کر پھینک دیا گیا اور ہزار ہا برس کے آتش کدے بجھا دیئے گئے اور ہر اونچے ٹیلے سے

صدائے اللہ اکبر آنے لگی۔ دوسری جانب مدائن، عراق، خراسان، اھواز سب فتح ہو گئے۔ ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی آخران کا بڑا بادشاہ خاقان خاک میں ملا، ذلیل وخوار ہوا اور زمین کے مشرقی اور مغربی کونوں نے اپنے خراج بارگاہ خلافت عثمانی میں پہنچوائے۔ حق تو یہ ہے کہ مجاہدین کی ان جانبازیوں میں جان ڈالنے والی چیز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت قرآن کی برکت تھی آپ کو قرآن سے کچھ ایسا شغف تھا جو بیان سے باہر ہے۔ قرآن کے جمع کرنے، اس کے حفظ کرنے، اس کی اشاعت کرنے، اس کے سنبھالنے میں جو نمایاں خدمتیں خلیفہ ثالث سے نمایاں ہوئیں، وہ یقیناً عدیم المثال ہیں۔

آپ کے زمانے کو دیکھو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اس پیش گوئی کو دیکھو کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے مشرق ومغرب دیکھ لی عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اس وقت مجھے دکھائی گئی ہے۔ ①

(مسلمانو! رب کے اس وعدے کو، پیغمبر کی اس پیش گوئی کو دیکھو پھر تاریخ کے اوراق پلٹو اور اپنی گذشتہ عظمت وشان کو دیکھو آؤ نظریں ڈالو کہ آج تک اسلام کا پرچم بحمد اللہ بلند ہے اور مسلمان ان مجاہدین کرام کی مفتوح زمینوں میں شاہانہ حیثیت سے چل پھر رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں۔ مسلمانو! حیف اور صد حیف اس پر جو قرآن وحدیث کے دائرے سے باہر نکلے، حسرت اور صد حسرت اس پر جو اپنے آبائی ذخیرے کو غیر کے حوالے کرے۔ اپنے آباؤ اجداد کے خون کے قطروں سے خریدی ہوئی چیز کو اپنی نالائقیوں اور بے دینیوں سے غیر کی بھینٹ چڑھاوے اور سکھ سے بیٹھا، لیٹا رہے۔ اللہ ہمیں کامل ایمان عطا کر، اللہ ہمیں سچا ذوق دے۔ اللہ ہمیں اسلامی سپاہ بنا، اللہ ہمیں اپنے لشکر کی توفیق دے۔ اللہ ہمیں اپنا لشکری بنالے آمین آمین)

حضور ﷺ فرماتے ہیں، لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفے ہوں گے، پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا، انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے، یہ سب کے سب قریشی ہوں گے (مسلم) آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رجم کیا گیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلیفے نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں تو بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت وسلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا تھا اور یہ بارہ خلفاء ہوں گے، سب کے سب قریشی ہوں گے، حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے، ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے کچھ ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں۔ چنانچہ چاروں خلیفے تو بالترتیب ہوئے اول ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر علی رضی اللہ عنہ ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ ہی کو ہے ہاں اتنا یقینی ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور ﷺ کے نام سے، جن کی کنیت حضور ﷺ کی کنیت سے مطابق ہو گی، تمام زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم ونا انصافی سے بھر گئی ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر کاٹ کھانے والا ملک ہو جائے گا۔ ابوالعالیہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم دس سال تک مکے میں رہے، اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دنیا کو دعوت دیتے رہے لیکن یہ زمانہ پوشیدگی کا ڈر، خوف کا اور بے اطمینانی کا تھا، جہاد کا حکم نہیں آیا تھا۔ مسلمان بے حد کمزور تھے اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا۔ مدینے پہنچے اب جہاد کا حکم ملا۔ جہاد شروع

ہوا۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ اہل اسلام بہت خائف تھے۔ خطرے سے کوئی وقت خالی نہیں جاتا تھا، صبح شام صحابہؓ ہتھیاروں سے آراستہ رہتے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اسی طرح خوف زدہ ہی رہیں گے؟ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہماری زندگی کی کوئی گھڑی بھی اطمینان سے نہیں گزرے گی؟ یا رسول ﷺ کیا ہتھیار اتار کر بھی ہمیں کبھی آسودگی کا سانس لینا میسر آئے گا؟ آپ نے پورے سکون سے فرمایا، کچھ دن اور صبر کر لو پھر تو اس قدر امن واطمینان ہو جائے گا کہ پوری مجلس میں، بھرے دربار میں، چوکڑی بھر کر آرام سے بیٹھے ہوئے رہو گے، ایک کے پاس کیا، کسی کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہ ہوگا کیونکہ کامل امن وامان پورا اطمینان ہوگا۔ اسی وقت یہ آیت اتری۔ پھر تو اللہ کے نبی جزیرہ عرب پر غالب آ گئے عرب میں بھی کوئی کافر نہ رہا۔ مسلمانوں کے دل خوف سے خالی ہو گئے اور ہتھیار ہر وقت لگائے رہنے ضروری نہ رہے۔ پھر یہی امن وراحت کا دور دورہ حضور ﷺ کے زمانے کے بعد بھی تین خلافتوں تک رہا یعنی ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے تک۔ پھر مسلمان ان جھگڑوں میں پڑ گئے جو رونما ہوئے پھر خوف زدہ رہنے لگے اور پہرے دار، چوکیدار، داروغے وغیرہ مقرر کئے اپنی حالتوں کو متغیر کیا تو متغیر ہو گئے۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی حقانیت کے بارے میں اس آیت کو پیش کیا۔ براابن عازب کہتے ہیں، جس وقت یہ آیت اتری ہے، اس وقت ہم انتہائی خوف اور اضطراب کی حالت میں تھے جیسے فرمان ہے۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ الخ، یعنی وہ وقت بھی تھا کہ تم بے حد کمزور اور تھوڑے تھے اور قدم قدم اور دم دم پر خوف زدہ رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعداد بڑھا دی، تمہیں قوت وطاقت عنایت فرمائی اور امن وامان دیا۔ پھر بیان فرمایا کہ جیسے ان سے پہلے کے لوگوں کو اس نے زمین کا مالک کر دیا تھا جیسے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ بہت ممکن ہے بلکہ بہت ہی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے اور تمہیں ان کا جانشین بنا دے۔ اور آیت میں ہے وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی ہم نے ان پر احسان کرنا چاہا جو زمین بھر میں سب سے زیادہ ضعیف اور ناتوان تھے۔

پھر فرمایا کہ ان کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے، جما دے گا۔ اور اسے قوت وطاقت دے گا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بطور وفد آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا، کیا تو نے حیرہ دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں حیرہ کو نہیں جانتا۔ ہاں نام سنا ہے، آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ میرے اس دین کو کامل طور پر پھیلائے گا یہاں تک کہ امن وامان ہو جائے گا کہ حیرہ سے ایک سانڈنی سوار عورت تنہا نکلے گی اور وہ بیت اللہ تک پہنچ کر طواف سے فارغ ہو کر واپس ہوگی، نہ خوف زدہ ہوگی نہ ہی اس کے ساتھ محافظ ہوگا۔ یقین مان کہ کسریٰ بن ھرمز شاہ ایران کے خزانے فتح ہوں گے۔ حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے پوچھا، کیا شاہ ایران کسریٰ بن ھرمز کے خزانے مسلمانوں کی فتوحات میں آئیں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہاں اسی کسریٰ بن ھرمز کے۔ سنو اس قدر مال بڑھ جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اب تم دیکھ لو کہ فی الواقع حیرہ سے عورتیں بغیر کسی کی پناہ کے آتی جاتی ہیں۔ اس پیشین گوئی کو پورا ہوتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا۔ دوسری پیشین گوئی تو میری نگاہوں کے سامنے پوری ہوئی، کسریٰ کے خزانے فتح کرنے والوں میں خود موجود تھا اور تیسری پیش گوئی بھی یقیناً پوری ہو کر رہے گی کیونکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ مسند احمد میں حضور ﷺ کا فرمان ہے، اس امت کو ترقی اور بڑھوتری کی مدد اور دین کی اشاعت کی بشارت دو، ہاں جو شخص آخرت کا عمل دنیا کے حاصل کرنے کے لئے کرے، وہ جان لے کہ آخرت میں اسے کوئی حصہ نہ ملے گا۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے- مسند میں ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا- میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی آپ نے میرے نام سے مجھے آواز دی میں نے لبیک وسعدیک کہا، پھر تھوڑی سی دیر چلنے کے بعد اسی طرح مجھے پکارا اور میں نے بھی اسی طرح جواب دیا- آپ نے فرمایا، جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، آپ نے فرمایا، بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں- پھر تھوڑی سی دیر چلنے کے بعد مجھے پکارا اور میں نے جواب دیا تو آپ نے فرمایا جانتے ہو جب بندے کا اللہ حق ادا کریں تو اللہ کے ذمے بندوں کا حق کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے، آپ نے فرمایا، یہ کہ انہیں عذاب نہ کرے (صحیحین) پھر فرمایا، اس کے بعد جو منکر ہو جائے، وہ یقیناً فاسق ہے- یعنی اس کے بعد بھی جو میری فرمانبرداری چھوڑ دے، اس نے میری حکم عدولی کی اور یہ گناہ سخت اور بہت بڑا ہے- شان الٰہی دیکھو جتنا جس زمانے میں اسلام کا زور رہا، اتنی ہی مدد اللہ کی ہوئی، صحابہ اپنے ایمان میں بڑھے ہوئے تھے، فتوحات میں بھی سب سے آگے نکل گئے، جوں جوں ایمان کمزور ہوتا گیا، دنیوی حالت، سلطنت وشوکت بھی گرتی گئی- صحیحین میں ہے، میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ برسرحق رہے گی اور وہ غالب اور نڈر رہے گی، ان کے مخالف ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، قیامت تک یہ اسی طرح رہے گی-

اور روایت میں ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے گا- ایک اور روایت میں ہے، یہاں تک کہ یہی جماعت سب سے آخر دجال سے جہاد کرے گی اور حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے تک یہ لوگ کافروں پر غالب رہیں گے- یہ سب روایتیں صحیح ہیں اور ایک ہی مطلب سب کا ہے-

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ
مَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ ع ۷ ۱۲
الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ
ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ
مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ

نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کے رسولؐ کی فرمانبرداری میں لگے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○ یہ خیال تو کبھی بھی نہ کرنا کہ منکر لوگ زمین میں ادھر ادھر بھاگ کر ہمیں ہرا دینے والے ہیں، ان کا اصلی ٹھکانہ تو جہنم ہے، جو یقیناً بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ○ ایمان والو! تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، اپنے آنے کی تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے، نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد-

صلوٰۃ اور حسن سلوک کی ہدایات: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۷) اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو صرف اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے کہ اسی کے لئے نمازیں پڑھتے رہو- اور ساتھ ہی اس کے بندوں کے ساتھ احسان وسلوک کرتے رہو- ضعیفوں، مسکینوں، فقیروں کی خبر گیری کرتے

رہو۔ مال میں سے ربانی حق یعنی زکوٰۃ نکالتے رہو۔ اور ہر امر میں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو، جس بات کا وہ حکم فرمائے، بجالاؤ، جس امر سے وہ روکیں، رک جاؤ۔ یقین جانو کہ اللہ کی رحمت کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور ضرور اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اے نبی ﷺ یہ گمان نہ کرنا کہ آپ کو جھٹلانے والے اور آپ کو نہ ماننے والے ہم پر غالب آ جائیں گے یا ادھر ادھر بھاگ کر ہمارے بے پناہ عذابوں سے بچ جائیں گے۔ ہم تو ان کا اصلی ٹھکانا جہنم میں مقرر کر چکے ہیں جو نہایت بری جگہ ہے۔ قرار گاہ کے اعتبار سے بھی اور بازگشت کے اعتبار سے بھی۔

ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۸ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ
الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹

یہ تینوں وقت تمہاری خلوت اور پردے کے ہیں، ان وقتوں کے ماسوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے جانے والے ہو، اللہ تعالیٰ یوں ہی کھول کھول کر اپنے احکام تم سے بیان فرما رہا ہے اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمت والا ہے ○ تم میں کے بچے بھی جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان سے پہلے کے بڑے لوگ اجازت مانگ لیا کرتے ہیں، انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہئے، اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے، اللہ ہی علم و حکمت والا ہے ○

گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں : ☆☆ (آیت:۵۸-۵۹) اس آیت میں قریبی رشتے داروں کو بھی حکم ہو رہا ہے کہ وہ بھی اجازت حاصل کر کے آیا کریں۔ اس سے پہلے کی اس سورت کی شروع کی آیت میں جو حکم تھا، وہ اجنبیوں کے لئے تھا۔ پس فرماتا ہے کہ تین وقتوں میں غلاموں کو بلکہ نابالغ بچوں کو بھی اجازت مانگنی چاہئے۔ صبح کی نماز سے پہلے کیونکہ وہ سونے کا وقت ہوتا ہے۔ اور دوپہر کو جب کہ انسان دو گھڑی راحت حاصل کرنے کے لئے عموماً اپنے گھر میں بالائی کپڑے اتار کر سوتا ہے اور عشا کی نماز کے بعد کیونکہ وہ بھی بال بچوں کے ساتھ سونے کا وقت ہے۔ پس تین وقتوں میں نہ جانے انسان بے فکری سے اپنے گھر میں کس حالت میں ہو؟ اس لئے گھر کے لونڈی، غلام اور چھوٹے بچے بھی بے اطلاع ان وقتوں میں چپ چاپ نہ گھس آئیں۔ ہاں ان خاص وقتوں کے علاوہ انہیں آنے کے لئے اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا آنا جانا تو ضروری ہے، بار بار کے آنے جانے والے ہیں، ہر وقت کی اجازت طلبی ان کے لئے اور نیز تمہارے لئے بڑی حرج کی چیز ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ بلی نجس نہیں وہ تو تمہارے گھروں میں تمہارے آس پاس گھومنے پھرنے والی ہے۔ حکم تو یہی ہے اور عمل اس پر بہت کم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، تین آیتوں پر عموماً لوگوں نے عمل چھوڑ رکھا ہے۔ ایک تو یہی آیت اور ایک سورہ نساء کی آیت وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اور ایک سورہ حجرات کی آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ الخ، شیطان لوگوں پر چھا گیا اور انہیں ان آیتوں پر عمل کرنے سے غافل کر دیا، گویا ان پر ایمان ہی نہیں۔ میں نے تو اپنی اس لونڈی سے بھی کہہ رکھا ہے کہ ان تینوں وقتوں میں بے اجازت ہرگز نہ آئے۔ پہلی آیت میں تو ان تین وقتوں میں لونڈی غلاموں اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت لینے کا حکم ہے دوسری آیت میں

ورثے کی تقسیم کے وقت جو قرابت دار اور یتیم مسکین آ جائیں' انہیں بنام الٰہی کچھ دے دینے اور ان سے نرمی سے بات کرنے کا حکم ہے اور تیسری آیت میں حسب نسب پر فخر نہ کرنے بلکہ قابل اکرام خوف الٰہی کے ہونے کا ذکر ہے۔

حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا' کیا یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا' ہرگز نہیں۔ اس نے کہا' پھر لوگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ فرمایا' اللہ سے توفیق طلب کرنی چاہئے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت پر عمل کے ترک کی ایک بڑی وجہ مال داری اور فراخی ہے۔ پہلے تو لوگوں کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے دروازوں پر پردے لٹکا لیتے یا کشادہ گھر کئی کئی الگ الگ کمروں والے ہوتے تو بسا اوقات لونڈی غلام بے خبری میں چلے آتے اور میاں بیوی مشغول ہوتے تو آنے والے بھی شرما جاتے اور گھر والوں پر بھی شاق گزرتا اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کشادگی دی' کمرے جداگانہ بن گئے' دروازے باقاعدہ لگ گئے' دروازوں پر پردے پڑ گئے تو محفوظ ہو گئے حکم الٰہی کی مصلحت پوری ہو گئی اس لئے اجازت کی پابندی اٹھ گئی اور لوگوں نے اس میں سستی اور غفلت شروع کر دی۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی تین وقت ایسے ہیں کہ انسان کو ذرا فرصت ہوتی ہے' گھر میں ہوتا ہے اللہ جانے کس حالت میں ہو اس لئے لونڈی غلاموں کو بھی اجازت کا پابند کر دیا کیونکہ اسی وقت میں عموماً لوگ اپنی گھر والیوں سے ملتے ہیں تا کہ نہا دھو کر با آرام گھر سے نکلیں اور نمازوں میں شامل ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے لئے کچھ کھانا پکایا لوگ بلا اجازت ان کے گھر میں جانے لگے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ' یہ تو نہایت بری بات ہے کہ غلام بے اجازت گھر میں آ جائے ممکن ہے' میاں بیوی ایک ہی کپڑے میں ہوں۔ پس یہ آیت اتری۔ اس آیت کے منسوخ نہ ہونے پر اس آیت کے خاتمے کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں کہ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں بیان کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ہاں جب بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو پھر انہیں تین وقتوں کے علاوہ اور وقتوں میں بھی اجازت لینی چاہئے۔ چھوٹے بچوں کو گھر میں اپنے ماں باپ کے پاس جانے کے لئے بھی ان تین وقتوں میں جن کا بیان اوپر گزرا اجازت مانگنی ضروری ہے لیکن بعد از بلوغت تو ہر وقت اطلاع کر کے ہی جانا چاہئے۔ جیسے کہ اور بڑے لوگ اجازت مانگ کر آتے ہیں خواہ اپنے ہوں خواہ پرائے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ
عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ
وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

بوڑھی بڑی عورتیں جنہیں نکاح کی امید وخواہش ہی نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں' لیکن تاہم اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے بہت افضل ہے' اللہ ہے سنتا جانتا ○

(آیت:۶۰) جو بڑھیا عورتیں اس عمر کو پہنچ جائیں کہ نہ اب انہیں مرد کی خواہش رہے نہ نکاح کی' توقع حیض بند ہو جائے' عمر سے اتر جائیں تو ان پر پردے کی وہ پابندیاں نہیں جو اور عورتوں پر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ سے یہ آیت مستثنیٰ ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایسی عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ برقعہ اور چادر اتار دیا کریں صرف دوپٹے میں اور

کرتے پاجامے میں رہیں۔ آپ کی قرات بھی اَنْ یَّضَعْنَ مِنْ ثِیَابِھِنَّ ہے۔ مراد اس سے دوپٹے کے اوپر کی چادر ہے۔ تو بڑھیا عورتیں جب کہ موٹا چوڑا دوپٹہ اوڑھے ہوئے ہوں' انہیں اس کے اوپر اور چادر ڈالنا ضروری نہیں۔ لیکن مقصود اس سے بھی اظہار زینت نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ سے جب اس قسم کے سوالات عورتوں نے کئے تو آپ نے فرمایا' تمہارے لئے بناؤ سنگھار بیشک حلال اور طیب ہے لیکن غیر مردوں کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے نہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ جب بالکل بڑھیا پھوس ہوگئیں تو آپ نے اپنے غلام کے ہاتھوں اپنے سر کے بالوں میں مہندی لگوائی جب ان سے اس کا سوال کیا گیا تو فرمایا' میں ان عمر رسیدہ عورتوں میں ہوں جنہیں خواہش نہیں رہی۔ آخر میں فرمایا' گو چادر کا نہ لینا ان بڑی بوڑھی عورتوں کے لئے جائز تو ہے مگر تاہم افضل یہی ہے کہ چادروں اور برقعوں میں ہی رہیں۔ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا
عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ٦١ ع ٨ ٤ ١٤

اندھے پر' لنگڑے پر' بیمار پر اور خود تم پر مطلقاً کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھالو یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے مالک تم ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھالو۔ تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ' پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے والوں کو سلام کرلیا کرو۔ دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ' یوں ہی اللہ تعالیٰ کھول کھول کر تم سے اپنے احکام بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھ لو ○

جہاد میں شمولیت کی شرائط: ☆☆ (آیت:۶۱) اس آیت میں جس حرج کے نہ ہونے کا ذکر ہے اس کی بابت حضرت عطاء وغیرہ تو فرماتے ہیں' مراد اس سے اندھے' لولے لنگڑے کا جہاد میں نہ آنا ہے۔ جیسے کہ سورہ فتح میں ہے تو یہ لوگ اگر جہاد میں شامل نہ ہوں تو ان پر بوجہ ان کے معقول شرعی عذر کے کوئی حرج نہیں۔ سورہ برأ میں ہے لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ بوڑھے بڑوں پر اور بیماروں پر اور مفلسوں پر جب کہ وہ تہہ دل سے دین الٰہی کے اور رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ ہوں' کوئی حرج نہیں بھلے؟۔ لوگوں پر کوئی سرزنش نہیں اللہ غفور ورحیم ہے۔ ان

پر بھی اسی طرح کوئی حرج نہیں جو سواری نہیں پاتے اور تیرے پاس آتے ہیں تو تیرے پاس سے بھی انہیں سواری نہیں مل سکتی۔ حضرت سعد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں' لوگ اندھوں لولہوں' لنگڑوں اور بیماروں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج جانتے تھے کہ ایسا نہ ہو' وہ کھا نہ سکیں اور ہم زیادہ کھالیں یا اچھا اچھا کھالیں تو اس آیت میں انہیں اجازت ملی کہ اس میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کراہت کر کے بھی ان کے ساتھ کھانے کو نہیں بیٹھتے تھے یہ جاہلانہ عادتیں شریعت نے اٹھا دیں۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ ایسے لوگوں کو اپنے باپ بھائی بہن وغیرہ قریبی رشتہ داروں کے ہاں پہنچا آتے تھے کہ وہ وہاں کھالیں یہ لوگ اس سے عار کرتے کہ ہمیں اوروں کے گھر لے جاتے ہیں اس پر یہ آیت اتری سدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انسان جب اپنے بہن بھائی وغیرہ کے گھر جاتا' وہ نہ ہوتے اور عورتیں کوئی کھانا انہیں پیش کرتیں تو یہ اسے نہیں کھاتے تھے کہ مرد تو ہیں نہیں نہ ان کی اجازت ہے۔ تو جناب باری تعالیٰ نے اس کے کھالینے کی رخصت عطا فرمائی۔ یہ جو فرمایا کہ خود تم پر بھی حرج نہیں یہ تو ظاہر ہی تھا۔ اس کا بیان اس لئے کیا گیا کہ اور چیز کا اس پر عطف ہو اور اس کے بعد کا بیان اس حکم میں برابر ہو۔ بیٹوں کے گھروں کا بھی یہی حکم ہے گو لفظوں میں بیان نہیں آیا لیکن ضمناً ہے بلکہ اسی آیت سے استدلال کر کے بعضوں نے کہا ہے کہ بیٹے کا مال بمنزلہ باپ کے مال کے ہے۔

مسند اور سنن میں کئی سندوں سے حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اور جن لوگوں کے نام آئے ہیں' ان سے استدلال کر کے بعض نے کہا ہے کہ قرابت داروں کا نان ونفقہ بعض کا بعض پر واجب ہے جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کا مشہور مقولہ ہے۔ جس کی کنجیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اس سے مراد غلام اور داروغے ہیں کہ وہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت و دستور کھا پی سکتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنگ میں جاتے تو ہر ایک کی چاہت یہی ہوتی کہ ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں۔ جاتے ہوئے اپنے خاص دوستوں کو اپنی کنجیاں دے جاتے اور ان سے کہہ دیتے کہ جس چیز کے کھانے کی تمہیں ضرورت ہو' ہم تمہیں رخصت دیتے ہیں لیکن تاہم یہ لوگ اپنے تئیں امین سمجھ کر اور اس خیال سے کہ مبادا ان لوگوں نے بادل ناخواستہ اجازت دی ہو' کسی کھانے پینے کی چیز کو نہ چھوتے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

پھر فرمایا کہ تمہارے دوستوں کے گھروں سے بھی کھالینے میں تم پر کوئی پکڑ نہیں جب کہ تمہیں علم ہو کہ وہ اس سے برا نہ مانیں گے اور ان پر یہ شاق نہ گزرے گا۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تو جب اپنے دوست کے ہاں جائے تو بلا اجازت اس کے کھانے کو کھالینے کی رخصت ہے۔ پھر فرمایا تم پر ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے میں اور جدا جدا ہو کر کھانے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اتری یعنی ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ تو صحابہؓ نے آپس میں کہا کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی مال ہیں تو ہمیں یہ بھی حلال نہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ کھائیں چنانچہ وہ اس سے بھی رک گئے اس پر یہ آیت اتری۔ اسی طرح تنہا خوری سے بھی کراہت کرتے تھے جب تک کوئی ساتھی نہ ہو' کھاتے نہیں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں دونوں باتوں کی اجازت دی یعنی دوسروں کے ساتھ کھانے کی اور تنہا کھانے کی۔ قبیلہ بنو کنانہ کے لوگ خصوصیت سے اس مرض میں مبتلا تھے' بھوکے ہوتے تھے لیکن جب تک ساتھ کھانے والا کوئی نہ ہو' کھاتے نہ تھے۔ سواری پر سوار ہو کر ساتھ کھانے والے کی تلاش میں نکلتے تھے پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنہا کھانے کی رخصت نازل فرما کر جاہلیت کی اس سخت رسم کو مٹا دیا۔ اس آیت میں گو تنہا کھانے کی رخصت ہے لیکن یہ یاد رہے کہ لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا افضل ہے اور زیادہ برکت بھی اسی میں ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا' یا رسول اللہ ﷺ ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی آپ نے فرمایا' شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے؟ جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''مل کر کھاؤ تنہا نہ کھاؤ برکت مل بیٹھنے میں ہے''۔ پھر تعلیم ہوئی کہ گھروں میں سلام کر کے جایا کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ جب تم گھر میں جاؤ تو اللہ کا سکھایا ہوا بابرکت بھلا سلام کہا کرو۔ میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔ ابن طاؤس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تم میں سے جو گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کہے۔ حضرت عطا رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ واجب ہے؟ فرمایا مجھے تو یاد نہیں کہ اس کے وجوب کا قائل کوئی ہو لیکن ہاں مجھے تو یہ بہت ہی پسند ہے کہ جب بھی گھر میں جاؤ' سلام کر کے جاؤ میں تو اسے کبھی نہیں چھوڑتا' ہاں یہ اور بات ہے کہ بھول جاؤں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب مسجد میں جاؤ تو کہو' اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اور جب اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے بال بچوں کو سلام کرو اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ جہاں کوئی نہ ہو تو اس طرح کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔ یہ بھی مروی ہے کہ یوں کہو بِسْمِ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ السَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ یہی حکم دیا جا رہا ہے ایسے وقتوں میں تمہارے سلام کا جواب اللہ کے فرشتے دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے نبی ﷺ نے پانچ باتوں کی وصیت کی ہے فرمایا ہے اے انس! کامل وضو کرو تمہاری عمر بڑھے گی۔ جو میرا امتی ملے' سلام کرو' نیکیاں بڑھیں گی' گھر میں سلام کر کے جایا کرو گھر کی خیریت بڑھے گی۔ ضحیٰ کی نماز پڑھتے رہو تم سے اگلے لوگ جو اللہ والے بن گئے تھے' ان کا یہی طریقہ تھا۔ اے انس! چھوٹوں پر رحم کر' بڑوں کی عزت و توقیر کر تو قیامت کے دن میرا ساتھی ہو گا۔ پھر فرماتا ہے' یہ دعائے خیر ہے جو اللہ کی طرف سے تمہیں تعلیم کی گئی ہے برکت والی اور عمدہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے تو التحیات قرآن سے ہی سیکھی ہے نماز کی التحیات یوں ہے اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلٰوتُ الطَّیِّبٰتُ لِلّٰہِ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اسے پڑھ کر نمازی کو اپنے لئے دعا کرنی چاہئے۔ پھر سلام پھیر دے۔ انہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً صحیح مسلم شریف میں اس کے سوا بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس سورت کے احکام کا ذکر کر کے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے اپنے واضح احکام' مفید فرمان کھول کھول کر اسی طرح بیان فرمایا کرتا ہے تا کہ وہ غور و فکر کریں' سوچیں سمجھیں اور عقل مندی حاصل کریں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ
عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ
لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾

با ایمان لوگ تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب کسی ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کو جمع ہونے کی ضرورت ہو نبی کے ساتھ ہوتے

ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے، جو لوگ ایسے موقع پر تجھ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت، میں یہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں، پس جب ایسے لوگ تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو تو ان میں سے جسے چاہے اجازت دے دیا کر اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا مانگا کر، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

رخصت پر بھی اجازت مانگو: ☆☆ (آیت:۶۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ایک ادب اور بھی سکھاتا ہے کہ جیسے آتے ہوئے اجازت مانگ کر آتے ہو، ایسے ہی جانے کے وقت بھی میرے نبیؐ سے اجازت مانگ کر جاؤ۔ خصوصاً ایسے وقت جب کہ مجمع ہو اور کسی ضروری امر پر مجلس ہوئی ہو مثلاً نماز جمعہ ہے یا نماز عید ہے یا جماعت ہے یا کوئی مجلس شوریٰ ہے تو ایسے موقعوں پر جب تک حضور ﷺ سے اجازت نہ لے لو، ہرگز ادھر ادھر نہ جاؤ، مومن کامل کی ایک نشانی یہ بھی ہے۔ پھر اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ جب یہ اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے اجازت چاہیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لئے طلب بخشش کی دعائیں بھی کرتے رہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے، جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہل مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے۔ آخری دفعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام صاحب نے اسے حسن فرمایا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ
يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ
يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝۶۳

تم اللہ کے نبی کے بلانے کو ایسا معمولی بلاوا نہ کر لو جیسے آپس میں ایک کا ایک کو ہوتا ہے، تم میں سے انہیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں، سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے ○

آپ ﷺ کو پکارنے کے آداب: ☆☆ (آیت:۶۳) لوگ حضور ﷺ کو جب بلاتے تو آپ کے نام یا کنیت سے معمولی طور پر جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے۔ آپ کو بھی پکار لیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی سے منع فرمایا کہ نام نہ لو بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر پکارو۔ تا کہ آپ کی بزرگی اور عزت و ادب کا پاس رہے۔ اسی کے مثل آیت لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ہے۔ اور جیسی آیت لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ہے یعنی ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ آپ کے سامنے اونچی اونچی آوازوں سے نہ بولو جیسے کہ بے تکلفی سے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، اگر ایسا کیا تو سب اعمال غارت ہو جائیں گے اور پتہ بھی نہ چلے گا۔ یہاں تک کہ فرمایا، جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں، اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم خود ان کے پاس آ جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔ پس یہ سب آداب سکھائے گئے کہ آپ سے خطاب کس طرح کریں، آپ سے بات چیت کس طرح کریں، آپ کے سامنے کس طرح بولیں چالیں بلکہ پہلے تو آپ سے سرگوشیاں کرنے کے لئے صدقہ کرنے کا بھی حکم تھا۔

ایک مطلب تو اس آیت کا یہ ہوا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کو تم اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو، آپ کی دعا تو

مقبول مستجاب ہے۔ خبردار کبھی ہمارے نبی کو تکلیف نہ دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے منہ سے کوئی کلمہ نکل جائے تو تہس نہس ہو جاؤ۔ اس سے اگلے جملے کی تفسیر میں مقاتل بن حیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھا رہنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا اور مسجد میں آ جانے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص بغیر آنحضرت ﷺ کی اجازت کے نہیں جا سکتا تھا۔ جب کسی کو کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اشارے سے آپ سے اجازت چاہتا اور آپ اجازت دے دیتے اس لئے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں نظریں بچا کر سرک جاتے تھے۔

سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جماعت میں جب یہ منافق ہوتے تو ایک دوسرے کی آڑ ہی آڑ لے کر بھاگ جاتے۔ اللہ کے پیغمبر سے اور اللہ کی کتاب سے ہٹ جاتے' صف سے نکل جاتے' مخالفت پر آمادہ ہو جاتے۔ جو لوگ امر رسولؐ' سنت رسولؐ' فرمان رسولؐ' طریقہ رسولؐ اور شرع رسول ﷺ کے خلاف کریں وہ سزایاب ہوں گے۔ انسان کو اپنے اقوال و افعال رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور احادیث سے ملانے چاہئیں' جو موافق ہوں اچھے ہیں' جو موافق نہ ہوں مردود ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' جو ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو' وہ مردود ہے۔ ظاہر یا باطن میں جو بھی شریعت محمدیہ ﷺ کے خلاف کرے' اس کے دل میں کفر و نفاق' بدعت و برائی کا بیج بو دیا جاتا ہے یا اسے سخت عذاب ہوتا ہے۔ یا تو دنیا میں ہی قتل' قید' حد وغیرہ جیسی سزائیں ملتی ہیں یا آخرت میں عذاب اخروی ملے گا۔

مسند احمد میں حدیث ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی۔ جب وہ روشن ہوئی تو پتنگوں اور پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ دھڑا دھڑ اس میں گرنے لگے۔ اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرے جاتے ہیں اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رکتے۔ یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہیں اپنی بانہوں میں لپیٹ لپیٹ کر اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو' آگ سے بچو لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ
عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٦٤ ع ۹ ۲ ۱۵

آگاہ ہو جاؤ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کا ہے' جس روش پر تم ہو' وہ اسے بخوبی جانتا ہے اور جس دن یہ سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے' اس دن ان کو ان کے کئے سے وہ خبردار کر دے گا' اللہ سب کچھ جاننے والا ہے ○

ہر ایک اس کے علم میں ہے: ☆☆ (آیت: ۶۴) مالک زمین و آسمان' عالم غیب و حاضر' بندوں کے چھپے کھلے اعمال کا جاننے والا اللہ ہی ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ میں قد تحقیق کے لئے ہے جیسے اس سے پہلے کی آیت قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ میں۔ اور جیسے قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ میں۔ اور جیسے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ میں اور جیسے قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ میں اور جیسے قَدْ نَرٰى میں۔ اور جیسے موذن کہتا ہے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ تو فرماتا ہے کہ جس حال پر تم ہو' جن اعمال و عقائد پر تم ہو' اللہ پر خوب روشن ہے۔ آسمان و زمین کا ایک ذرہ بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں۔ جو عمل تم کرو' جو حالت تمہاری ہو' اس اللہ پر عیاں ہے۔ کوئی ذرہ اس سے چھپا ہوا نہیں۔ ہر چھوٹی بڑی چیز کتاب مبین میں محفوظ ہے۔ بندوں کے تمام خیر و شر کا عالم ہے' کپڑوں میں ڈھک جاؤ۔ چھپ لک کر کچھ کرو' ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر اس پر یکساں ہے۔ سرگوشیاں اور بلند آواز کی باتیں اس کے کانوں

ئیں ہیں۔ تمام جانداروں کا روزی رساں وہی ہے۔ ہر ایک جاندار کے ہر حال کو جاننے والا وہی ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں پہلے سے ہی درج ہے۔ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں ان کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ خشکی تری کی ہر ہر چیز کو وہ جانتا ہے۔ کسی پتے کا جھڑنا اس کے علم سے باہر نہیں' زمین کے اندھیروں کے اندر کا دانہ اور کوئی تر خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ جب مخلوق اللہ کی طرف لوٹائی جائے گی' اس وقت ان کے سامنے ان کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور بدی پیش کر دی جائے گی۔ تمام اگلے پچھلے اعمال دیکھ لے گا۔ اعمال نامہ کو ڈرتا ہوا دیکھے گا اور اپنی پوری سوانح عمری اس میں پا کر حیرت زدہ ہو کر کہے گا کہ یہ کیسی کتاب ہے جس نے بڑی تو بڑی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہیں چھوڑی' جو جس نے کیا تھا' وہ وہاں موجود پائے۔ الحمد للہ سورۂ نور کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الفرقان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ
نَذِيْرَا ۙ ۝۱ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲

بڑے مہربان بہت ہی رحمت والے اللہ کے نام سے شروع ○

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لئے آگاہ کرنے والا بن جائے ○ اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی' وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی ہے۔ ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے ○

(آیت: ۱-۲) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بیان فرماتا ہے تاکہ لوگوں پر اس کی بزرگی عیاں ہو جائے کہ اس نے اس پاک کلام کو اپنے بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ سورۂ کہف کے شروع میں بھی اپنی حمد اسی انداز سے بیان کی ہے۔ یہاں اپنی ذات کا بابرکت ہونا بیان فرمایا اور یہی وصف بیان کیا۔ یہاں لفظ نَزَّلَ فرمایا جس سے بار بار بکثرت اترنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ پس پہلی کتابوں کو لفظ اَنْزَلَ سے اور اس آخری کتاب کو لفظ نَزَّلَ سے تعبیر فرماتا ہے۔ اسی لئے ہے کہ پہلی کتابیں ایک ساتھ اترتی رہیں اور قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت اترتا رہا۔ کبھی کچھ آیتیں' کبھی کچھ سورتیں' کبھی کچھ احکام۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی تھی کہ لوگوں کو اس پر عمل مشکل نہ ہو اور خوب یاد ہو جائے اور مان لینے کے لئے دل کھل جائے۔ جیسے کہ اسی سورت میں فرمایا ہے کہ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اس نبی پر ایک ساتھ کیوں نہ اترا؟ جواب دیا گیا ہے کہ اس طرح اس لئے اترا کہ اس کے ساتھ تیری دل جمعی رہے اور ہم نے ٹھہرا ٹھہرا کر نازل فرمایا۔ یہ جو بھی بات بنائیں گے' ہم اس کا صحیح اور جچا تلا جواب دیں گے جو خوب مفصل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس آیت میں اس کا نام فرقان رکھا۔ اس لئے کہ یہ حق و باطل میں' ہدایت و گمراہی میں فرق کرنے والا ہے' اس سے بھلائی برائی میں' حلال و حرام میں تمیز ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی یہ پاک صفت بیان فرما کر جس پر

قرآن اترا' ان کی ایک پاک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ خاص اس کی عبادت میں لگے رہنے والے ہیں' اس کے مخلص بندے ہیں۔ یہ وصف سب سے اعلیٰ وصف ہے اسی لئے بڑی بڑی نعمتوں کے بیان کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کا یہی وصف بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسے معراج کے موقعہ پر فرمایا۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ اور جیسے اپنی خاص عبادت نماز کے موقعہ پر فرمایا وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ اور جب بندۂ اللہ یعنی حضرت محمد ﷺ اللہ کی عبادت کرنے کھڑے ہوتے ہیں' یہی وصف قرآن کریم کے اترنے اور آپ کے پاس بزرگ فرشتے کے آنے کے اکرام کے بیان کرنے کے موقعہ پر بیان فرمایا۔

پھر ارشاد ہوا کہ اس پاک کتاب کا آپ کی طرف اترنا اس لئے ہے کہ آپ تمام جہان کے لئے آگاہ کرنے والے بن جائیں' ایسی کتاب جو سراسر حکمت و ہدایت والی ہے' جو مفصل' مبین اور محکم ہے۔ جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا' جو حکیم وحمید اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ آپ اس کی تبلیغ دنیا بھر میں کر دیں' ہر سرخ وسفید کو' ہر دور ونزدیک والے کو اللہ کے عذابوں سے ڈرا دیں' جو بھی آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے' اس کی طرف آپ کی رسالت ہے۔ جیسے کہ خود حضور علیہ السلام کا فرمان ہے' میں تمام سرخ وسفید انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور فرمان ہے' مجھے پانچ باتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ خود قرآن میں ہے قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا اے نبی اعلان کر دو کہ اے دنیا کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔ پھر فرمایا کہ مجھے رسول بنا کر بھیجے والا مجھ پر یہ پاک کتاب اتارنے والا وہ اللہ ہے جو آسمان وزمین کا تنہا مالک ہے۔ جو جس کام کو کرنا چاہے' اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کی زیر پرورش ہے۔ سب کا خالق' مالک' رازق' معبود اور رب وہی ہے۔ ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا اور تدبیر کرنے والا وہی ہے۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّهُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ
وَلَا یَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَّلَا یَمۡلِكُوۡنَ مَوۡتًا وَّلَا
حَیٰوةً وَّلَا نُشُوۡرًا ﴿۳﴾

ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کردہ شدہ ہیں یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے نہ موت وحیات کے اور دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں ○

مشرکوں کی جہالت: ☆☆ (آیت: ۳) مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ خالق' مالک' قادر' مختار' بادشاہ کو چھوڑ کر ان کی عبادتیں کرتے ہیں جو ایک مچھر کا پر بھی نہیں بنا سکتے بلکہ وہ خود اللہ کے بنائے ہوئے اور اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بھی کسی نفع نقصان کے پہنچانے کے مالک نہیں چہ جائیکہ دوسرے کا بھلا کریں یا دوسرے کا نقصان کریں۔ یا دوسری کوئی بات کر سکیں وہ اپنی موت زیست کا یا دوبارہ جی اٹھنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ پھر اپنی عبادت کرنے والوں کی ان چیزوں کے مالک وہ کیسے ہو جائیں گے؟ بات یہی ہے کہ ان تمام کاموں کا مالک اللہ ہی ہے' وہ جلاتا اور مارتا ہے' وہی اپنی تمام مخلوق کو قیامت کے دن نئے سرے سے پیدا کرے گا۔ اس پر یہ کام مشکل نہیں ایک کا پیدا کرنا اور سب کو پیدا کرنا' ایک کو موت کے بعد زندہ کرنا اور سب کو کرنا اس پر یکساں اور برابر ہے۔ ایک آنکھ جھپکانے میں اس

کا حکم پورا ہو جاتا ہے صرف ایک آواز کے ساتھ تمام مری ہوئی مخلوق زندہ ہو کر اس کے سامنے ایک چٹیل میدان میں کھڑی ہو جائے گی- اور آیت میں فرمایا ہے صرف ایک دفعہ کی ایک آواز ہوگی کہ ساری مخلوق ہمارے سامنے حاضر ہو جائے گی' وہی معبود برحق ہے اس کے سوا نہ کوئی رب ہے نہ لائق عبادت ہے' اس کا چاہا ہوتا ہے اس کے چاہے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا- وہ ماں باپ سے' لڑکی لڑکوں سے' عدیل و بدیل سے' وزیر و نظیر سے' شریک و سہیم سب سے پاک ہے- وہ احد ہے' صمد ہے' وہ لم یلد ولم یولد ہے' اس کا کفو کوئی نہیں-

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ
قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿٤﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٥﴾
قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٦﴾

کافر کہنے لگے کہ یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی ہمت افزائی کی ہے' دراصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور سرتاسر جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں ○ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھ رکھے ہیں- بس وہی صبح شام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں ○ جواب دے کہ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمان و زمین کی تمام پوشیدگیوں کو جانتا ہے' بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے ○

خودفریب مشرک : ☆☆ (آیت:۴-۶) مشرکین کی ایک جہالت اوپر کی آیتوں میں بیان ہوئی- جو ذات الٰہی کی نسبت تھی- یہاں دوسری جہالت بیان ہو رہی ہے جو ذات رسول ﷺ کی نسبت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو تو اس نے اوروں کی مدد سے خود ہی جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' یہ ان کا ظلم اور جھوٹ ہے جس کے باطل ہونے کا خود انہیں بھی علم ہے- جو کچھ کہتے ہیں' وہ خود اپنی معلومات کے بھی خلاف کہتے ہیں- کبھی ہانک لگانے لگتے ہیں کہ اگلی کتابوں کے قصے اس نے لکھوا لئے ہیں- وہی صبح شام اس کی مجلس میں پڑھے جا رہے ہیں- یہ جھوٹ بھی وہ ہے جس میں کسی کو کوئی شک نہ ہو سکے- اس لئے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ دنیا جانتی ہے کہ ہمارے نبی امی تھے- نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا- چالیس سال کی نبوت سے پہلے کی زندگی آپ نے انہی لوگوں میں گزاری تھی اور وہ اس طرح کہ اتنی مدت میں ایک واقعہ بھی آپ کی زندگی کا یا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے- ایک ایک وصف آپ کا وہ تھا جس پر زمانہ شیدا تھا' جس پر اہل مکہ رشک کرتے تھے- آپ کی عام مقبولیت اور محبوبیت' بلند اخلاقی اور خوش معاملگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ہر ایک دل میں آپ کے لئے جگہ تھی- عام زبانیں آپ کو محمد ﷺ امین کے پیارے خطاب سے پکارتی تھیں- دنیا آپ کے قدموں تلے آنکھیں بچھاتی تھی- کون سا دل تھا جو محمد ﷺ کا گھر نہ ہو- کون سی آنکھ تھی جس میں احمد ﷺ کی عزت نہ ہو؟ کون سا مجمع تھا جس میں آپ کا ذکر خیر نہ ہو؟ کون وہ شخص تھا جو آپ کی بزرگی' صداقت' امانت' نیکی اور بھلائی کا قائل نہ ہو؟

پھر جب کہ اللہ کی بلند ترین عزت سے آپ معزز کئے گئے' آسمانی وحی کے آپ امین بنائے گئے تو صرف باپ دادوں کی روش کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ بے وقوف بے پیندے لوٹے کی طرح لڑھک گئے' تھالی کے بینگن کی طرح ادھر سے ادھر ہو گئے' لگے باتیں بنانے اور عیب جوئی کرنے لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں؟ کبھی آپ کو شاعر کہتے' کبھی ساحر' کبھی مجنوں اور کبھی کذاب- حیران تھے کہ کیا کہیں

اور کس طرح اپنی جاہلانہ روش کو باقی رکھیں اور اپنے معبودان باطل کے جھنڈے اوندھے نہ ہونے دیں اور کس طرح ظلم کدۂ دنیا کو نور الٰہی سے نہ جگمگانے دیں؟ اب انہیں جواب ملتا ہے کہ قرآن کی سچی' حقائق پہ مبنی اور سچی خبریں اللہ کی دی ہوئی ہیں جو عالم الغیب ہے' جس سے ایک ذرہ پوشیدہ نہیں - اس میں ماضی کے بیان بھی سچ ہیں - جو آئندہ کی خبر اس میں ہے' وہ بھی سچ ہے - اللہ کے سامنے ہو چکی ہوئی اور ہونے والی بات یکساں ہے - وہ غیب کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح ظاہر کو - اس کے بعد اپنی شان غفاریت کو اور شان رحم و کرم کو بیان فرمایا تا کہ بدلوگ بھی اس سے مایوس نہ ہوں' کچھ بھی کیا ہو' اب بھی اس کی طرف جھک جائیں - توبہ کریں' اپنے کئے پر پچھتائیں - نادم ہوں - اور رب کی رضا چاہیں -

رحمت رحیم کے قربان جایئے کہ ایسے سرکش و دشمن' اللہ و رسول پر بہتان باز' اس قدر ایذائیں دینے والے لوگوں کو بھی اپنی عام رحمت کی دعوت دیتا ہے اور اپنے کرم کی طرف انہیں بلاتا ہے - وہ اللہ کو برا کہیں' وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہیں' وہ کلام اللہ پر باتیں بنائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کی طرف رہنمائی کرے' اپنے فضل و کرم کی طرف دعوت دے - اسلام اور ہدایت ان پر پیش کرے' اپنی بھلی باتیں ان کو بتائے اور سمجھائے - چنانچہ اور آیت میں عیسائیوں کی تثلیث پرستی کا ذکر کر کے ان کی سزا کا بیان کرتے ہوئے فرمایا اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یہ لوگ کیوں اللہ سے توبہ نہیں کرتے؟ اور کیوں اس کی طرف جھک کر اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب نہیں کرتے؟ وہ تو بڑا ہی بخشنے والا اور بہت ہی مہربان ہے - مومنوں کو ستانے اور انہیں فتنے میں ڈالنے والوں کا ذکر کر کے سورۂ بروج میں فرمایا کہ اگر ایسے لوگ بھی توبہ کر لیں' اپنے برے کاموں سے ہٹ جائیں' باز آئیں تو میں بھی ان پر سے اپنے عذاب ہٹا لوں گا اور رحمتوں سے نواز دوں گا - امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے کیسے مزے کی بات بیان فرمائی ہے - آپ فرماتے ہیں' اللہ کے رحم و کرم کو دیکھو' یہ لوگ اس کے نیک چہیتے بندوں کو ستائیں' ماریں' پیٹیں' قتل کریں اور وہ انہیں توبہ کی طرف اور اپنے رحم و کرم کی طرف بلائے فسبحانہ ما اعظم شانہ -

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۟ۙ اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸

کہنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا ○ یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا' یہ ظالم کہنے لگے کہ تم تو ایسے آدمی کے پیچھے ہو لئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ○

مشرکین کی حماقتیں: ☆☆ (آیت: ۷-۸) اس حماقت کو ملاحظہ فرمایئے کہ رسول کی رسالت کے انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ اور بازاروں میں تجارت اور لین دین کے لئے آتا جاتا کیوں ہے؟ اس کے ساتھ ہی کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ وہ اس کے دعوے کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلاتا اور عذاب الٰہی سے آگاہ کرتا - فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ الخ' اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا اس کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے

کیوں نہیں اتارے گئے - چونکہ دل ان تمام کافروں کے یکساں ہیں - حضور ﷺ کے زمانے کے کفار نے بھی کہا کہ اچھا یہ نہیں تو اسے کوئی خزانہ ہی دے دیا جاتا کہ یہ خود بہ آرام اپنی زندگی بسر کرتا اور دوسروں کو بھی دیتا یا اس کے ساتھ کوئی چلتا پھرتا باغ ہوتا کہ یہ اپنے کھانے پینے سے تو بے فکر ہو جاتا - بیشک یہ سب کچھ اللہ کے لیے آسان ہے لیکن سردست ان سب چیزوں کے نہ دینے میں بھی حکمت ہے - یہ ظالم مسلمانوں کو بھی بہکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم تو ایک ایسے شخص کے پیچھے لگ لئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے -

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
سَبِيْلًا ﴿۹﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ ع ۹ ۱۶
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ
كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾

خیال تو کر کہ یہ لوگ تیری نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے پھرتے ہیں جس سے خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آ سکتے ○ اللہ تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے تجھے بہت سے ایسے باغات عنایت فرما دے جو ان کے کہے ہوئے باغ سے بہت ہی بہتر ہوں - جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہوں اور تجھے بہت سے پختہ محل بھی دے دے ○ بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اور قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی دوزخ تیار کر رکھی ہے ○

(آیت: ۹-۱۱) دیکھو تو سہی کہ کیسی بے بنیاد باتیں بناتے ہیں، کسی ایک بات پر جم ہی نہیں سکتے، ادھر ادھر کروٹیں لے رہے ہیں - کبھی جادوگر کہہ دیا تو کبھی جادو کیا ہوا بتا دیا، کبھی شاعر کہہ دیا، کبھی جن کا سکھایا ہوا کہہ دیا، کبھی کذاب کہا - کبھی مجنون - حالانکہ یہ سب باتیں محض غلط ہیں اور ان کا غلط ہونا اس سے بھی واضح ہے کہ خود ان میں تضاد ہے - کسی ایک بات پر خود ان مشرکین کا اعتماد نہیں - گھڑتے ہیں - پھر چھوڑتے ہیں - پھر گھڑتے ہیں - پھر بدلتے ہیں - کسی ٹھیک بات پر جمتے ہی نہیں - جدھر متوجہ ہوتے ہیں، راہ بھولتے ہیں اور ٹھوکریں کھاتے ہیں - حق تو ایک ہوتا ہے - اس میں تضاد اور تعارض نہیں ہو سکتا - ناممکن ہے کہ یہ لوگ ان بھول بھلیوں سے نکل سکیں - بیشک اگر رب چاہے تو جو یہ کافر کہتے ہیں، اس سے بہتر اپنے نبی ﷺ کو دنیا میں ہی دے دے - وہ بڑی برکتوں والا ہے - پتھر سے بنے ہوئے گھر کو عرب قصر کہتے ہیں خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو - حضور ﷺ سے تو جناب باری تعالیٰ کی جانب سے فرمایا گیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو زمین کے خزانے اور یہاں کی کنجیاں آپ کو دے دی جائیں اور اس قدر دنیا کا مالک بنا کر دیا جائے کہ کسی اور کو اتنی ملی نہ ہو، ساتھ ہی آخرت کی آپ کی تمام نعمتیں جوں کی توں برقرار ہیں لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور جواب دیا کہ نہیں میرے لئے تو سب کچھ آخرت میں ہی جمع ہو-

پھر فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، یہ صرف تکبر، عناد، ضد اور ہٹ کے طور پر کہتے ہیں - یہ نہیں کہ ان کا کہا ہوا ہو جائے تو یہ مسلمان ہو جائیں گے - اس وقت پھر اور کچھ حیلہ بہانہ ٹٹول نکالیں گے - ان کے دل میں تو یہ خیال جما ہوا ہے کہ قیامت ہونے کی نہیں - اور ایسے لوگوں کے لئے ہم نے بھی عذاب الیم تیار کر رکھا ہے جو ان کی برداشت سے باہر ہے، جو بھڑکانے اور سلگانے والی، جھلس دینے والی تیز آگ کا ہے - ابھی تو جہنم ان سے سو سال کے فاصلے پر ہو گی - جب ان کی نظریں اس پر اور ان کی نگاہیں ان پر پڑیں گی، وہیں جہنم پیچ و تاب کھائے گی اور جوش و خروش سے آوازیں نکالے گی - جسے یہ بدنصیب سن لیں گے اور ان کے ہوش و حواس خطا ہو جائیں گے، ہوش جاتے رہیں گے، ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے-

إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾ وَإِذَآ أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾

جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی یہ اس کا غصے سے جھنجھلانا اور چلانا سننے لگیں گے ○ اور جب کہ یہ جہنم کی کسی تنگ وتاریک جگہ میں مشکیں کس کر پھینک دیئے جائیں گے تو وہاں اپنے لئے موت ہی موت پکاریں گے ○ آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کا پکارو ○

(آیت:۱۲-۱۴) پھر فرمایا کہ جہنم ان بدکاروں پر دانت پیس رہی ہوگی اور غصے کے مارے بل کھا رہی ہوگی اور شور مچا رہی ہوگی کہ کب ان کفار کا نوالہ بناؤں؟ اور کب ان ظالموں سے انتقام لوں؟ سورۂ تبارک میں ہے، جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو دور ہی سے اس کی خوفناک آوازیں سنیں گے اور وہ ایسی بھڑک رہی ہوگی کہ ابھی ابھی مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔ ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص میرا نام لے کر میرے ذمے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو اور جو شخص اپنے ماں باپ کے سوا دوسروں کو اپنا ماں باپ کہے اور جو غلام اپنے آقا کے سوا اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے، وہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنا لے۔ لوگوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ، کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں کیا تم نے اللہ کے کلام کی یہ آیت نہیں سنی اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ الخ، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ربیع وغیرہ کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہے تھے راستے میں لوہار کی دکان آئی، آپ وہاں ٹھہر گئے اور لوہا جو آگ میں تپایا جا رہا تھا، اسے دیکھنے لگے حضرت ربیع کا تو برا حال ہو گیا عذاب الٰہی کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا۔ قریب تھا کہ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ اس کے بعد آپ فرات کے کنارے گئے وہاں آپ نے تنور کو دیکھا کہ اس کے بیچ میں آگ شعلے مار رہی ہے۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت نکل گئی اسے سنتے ہی حضرت ربیع بے ہوش ہو کر گر پڑے، چار پائی پر ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا گیا، صبح سے لے کر دوپہر تک حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس بیٹھے رہے اور چارہ جوئی کرتے رہے لیکن حضرت ربیع کو ہوش نہ آیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جہنمی کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا، جہنم چیخے گی اور ایک ایسی جھرجھری لے گی کہ کل اہل محشر خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اور روایت میں ہے کہ بعض لوگوں کو جب دوزخ کی طرف لے چلیں گے، دوزخ سمٹ جائے گی، اللہ تعالیٰ مالک و رحمٰن اس سے پوچھے گا، یہ کیا بات ہے؟ وہ جواب دے گی کہ اے اللہ یہ تو اپنی دعاؤں میں تجھ سے جہنم سے پناہ مانگا کرتا تھا، آج بھی پناہ مانگ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو رحم آ جائے گا، حکم ہوگا، اسے چھوڑ دو۔ کچھ اور لوگوں کو لے چلیں گے، وہ کہیں گے پروردگار ہمارا گمان تو تیری نسبت یہ نہ تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تم کیا سمجھ رہے تھے؟ یہ کہیں گے یہی کہ تیری رحمت ہمیں چھپا لے گی، تیرا اکرم ہمارے شامل حال ہوگا، تیری وسیع رحمت ہمیں اپنے دامن میں لے لے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی آرزو بھی پوری کرے گا اور حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو بھی چھوڑ دو۔ کچھ اور لوگ گھسٹتے ہوئے آئیں گے انہیں دیکھتے ہی جہنم ان کی طرف شور مچاتی ہوئی بڑھے گی اور اس طرح جھرجھری لے گی کہ تمام مجمع محشر خوفزدہ ہو جائے گا۔

حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ جب جہنم مارے غصے کے تھرتھرائے گی اور شور وغل اور چیخ پکار اور جوش وخروش شروع کرے گی، اس وقت تمام مقرب فرشتے اور ذی رتبہ انبیا کانپنے لگیں گے یہاں تک کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور کہنے لگیں گے اے اللہ میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کا بچاؤ چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا۔ یہ لوگ جہنم کے ایسے تنگ وتاریک مکان میں ٹھونس دیئے جائیں گے جیسے بھالا کسی سوراخ میں۔ اور روایت میں حضور ﷺ سے اس آیت کی بابت سوال ہونا اور آپ کا یہ فرمانا مروی

ہے کہ جیسے کیل دیوار میں بمشکل گاڑی جاتی ہے' اس طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا- یہ اس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے- بال بال بندھا ہوا ہوگا- وہاں وہ موت کو' فوت کو' ہلاکت کو' حسرت کو پکارنے لگیں گے- ان سے کہا جائے گا' ایک موت کو کیوں پکارتے ہو؟ صد ہا ہزار ہا موتوں کو کیوں نہیں پکارتے؟ مسند احمد میں ہے' سب سے پہلے ابلیس کو جہنمی لباس پہنایا جائے گا یہ اسے اپنی پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا ہوا اپنی ذریت کو پیچھے لگائے ہوئے موت و ہلاکت کو پکارتا ہوا دوڑتا پھرے گا- اس کے ساتھ ہی اس کی اولاد بھی سب حسرت وافسوس' موت و غارت کو پکار رہی ہوگی- اس وقت ان سے یہ کہا جائے گا- ثبور سے مراد موت' ہلاکت' ویل' حسرت' خسارہ' بربادی وغیرہ ہے- جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا وَاِنِّیْ لَاَ ظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا فرعون! میں تو سمجھتا ہوں کہ تو مٹ کر برباد ہو کر ہی رہے گا- شاعر بھی لفظ ثبور کو ہلاکت و بربادی کے معنی میں لائے ہیں-

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

پوچھ تو کہ کیا یہ بہتر ہے یا وہ ہمیشگی والی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ ہے اور ان کے لوٹنے کی اصلی جگہ ہے ○ وہ جو چاہیں گے ان کے لئے وہاں موجود ہوگا ہمیشہ رہنے والے' یہ تو تیرے رب کے ذمے وعدہ ہے جس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے ○

ابدی لذتیں اور مسرتیں: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) اوپر بیان فرمایا' ان بدکاروں کا جو ذلت وخواری کے ساتھ اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے اور سر کے بل وہاں پھینک دیئے جائیں گے- بندھے بندھائے ہوں گے اور تنگ وتاریک جگہ ہوں گے' نہ چھوٹ سکیں نہ حرکت کر سکیں' نہ بھاگ سکیں نہ نکل سکیں- پھر فرماتا ہے' بتلاؤ یہ اچھے ہیں یا وہ جو دنیا میں گناہوں سے بچتے رہے' اللہ کا ڈر دل میں رکھتے رہے اور آج اس کے بدلے اپنے اصلی ٹھکانے پہنچ گئے یعنی جنت میں جہاں من مانی نعمتیں' ابدی لذتیں' دائمی مسرتیں ان کے لئے موجود ہیں- عمدہ کھانے' اچھے بچھونے' بہترین سواریاں' پرتکلف لباس' بہتر بہتر مکانات' بنی سنوری پاکیزہ حوریں' راحت افزا منظر' ان کے لئے مہیا ہیں' جہاں تک کسی کی نگاہیں تو کہاں خیالات بھی نہیں پہنچ سکتے - نہ ان راحتوں کے بیانات کسی کان میں پہنچے- پھر ان کے کم ہو جانے' خراب ہو جانے' ٹوٹ جانے' ختم ہو جانے کا بھی کوئی خطرہ نہیں اور نہ ہی وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں کم ہوں- لازوال' بہترین زندگی' ابدی رحمت' دوامی کی دولت انہیں مل گئی اور ان کی ہوگئی- یہ رب کا احسان وانعام ہے جو ان پر ہوا اور جس کے یہ مستحق تھے- رب کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے ذمے کر لیا ہے جو ہو کر رہنے والا ہے جس کا عدم ایفا ناممکن ہے' جس کا غلط ہونا محال ہے- اس سے اس کے وعدے کے پورا کرنے کا سوال کرو' اس سے جنت طلب کرو' اسے اس کا وعدہ یاد دلاؤ- یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس کے فرشتے اس سے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ رب العالمین مومن بندوں سے جو تیرا وعدہ ہے' اسے پورا کر اور انہیں جنت عدن میں لے جا- قیامت کے دن مومن کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار تیرے وعدے کو سامنے رکھ کر ہم عمل کرتے رہے آج تو اپنا وعدہ پورا کر- یہاں پہلے دوزخیوں کا ذکر کر کے پھر سوال کے بعد جنتیوں کا ذکر ہوا- سورۂ صافات میں جنتیوں کا ذکر کر کے پھر سوال کے بعد دوزخیوں کا ذکر ہوا کہ کیا یہی بہتر ہے یا زقوم کا درخت جسے ہم نے ظالموں کے لئے فتنہ بنا رکھا ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے' جس کے پھل ایسے بدنما ہیں جیسے سانپ کے پھن' دوزخی اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھرنا پڑے گا' پھر کھولتا ہوا گرم پانی پیپ وغیرہ سے ملا جلا پینے کو دیا جائے گا پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا- انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا اور بے تحاشا ان کے پیچھے لپکنا شروع کر دیا-

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ
اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا
سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ
مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ
وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا
تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ
عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور سوائے اللہ کے جنہیں یہ پوجتے رہے انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے؟ ○ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے۔ خود ہمیں ہی یہ زیبا نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے، بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے، یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے ○ تو انہوں نے تو تمہیں تمہاری باتوں میں جھوٹا کہا، اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے نہ مدد کرنے کی، تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے، ہم اسے سخت عذاب چکھائیں گے ○

عیسیٰ علیہ السلام سے سوالات: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۹) بیان ہو رہا ہے کہ مشرک جن جن کی عبادتیں اللہ کے سوا کرتے رہے، قیامت کے دن انہیں ان کے سامنے ان پر عذاب کے علاوہ زبانی سرزنش بھی کی جائے گی تاکہ وہ نادم ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے جن جن کی عبادت ہوئی تھیں سب موجود ہوں گے اور ان کے عابد بھی۔ سب اسی مجمع میں حاضر ہوں گے۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ان معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں سے اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا؟ یا یہ از خود ایسا کرنے لگے؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی سوال ہوگا۔ جس کا وہ جواب دیں گے کہ میں نے انہیں ہرگز اس بات کی تعلیم نہیں دی۔ یہ جیسا کہ تجھ پر خوب روشن ہے، میں نے تو انہیں وہی کہا تھا جو تو نے مجھ سے کہا تھا کہ عبادت کے لائق فقط اللہ ہی ہے۔ یہ سب معبود جو اللہ کے سوا تھے اور اللہ کے سچے بندے تھے اور شرک سے بیزار تھے، جواب دیں گے کہ کسی مخلوق کو، ہم کو یا ان کو یہ لائق ہی نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کریں، ہم نے ہرگز انہیں اس شرک کی تعلیم نہیں دی۔ خود ہی انہوں نے اپنی خوشی سے دوسروں کی پوجا شروع کر دی تھی، ہم ان سے اور ان کی عبادتوں سے بیزار ہیں۔ ہم ان کے شرک سے بری الذمہ ہیں۔ ہم تو خود تیرے عابد ہیں۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ معبودیت کے منصب پر آجاتے؟ یہ تو ہمارے لائق ہی نہ تھا، تیری ذات اس سے بہت پاک اور برتر ہے کہ کوئی تیرا شریک ہو۔

چنانچہ اور آیت میں صرف فرشتوں سے اس سوال جواب کا ہونا بھی بیان ہوا ہے۔ نَتَّخِذَ کی دوسری قرائت نُتَّخَذَ بھی ہے یعنی یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا، نہ یہ ہمارے لائق تھا کہ لوگ ہمیں پوجنے لگیں اور تیری عبادت چھوڑ دیں۔ کیونکہ ہم تو خود تیرے بندے ہیں، تیرے در کے بھکاری ہیں۔ مطلب دونوں صورتوں میں قریب قریب ایک ہی ہے۔ ان کے بہکنے کی وجہ ہماری سمجھ میں تو یہ آتی ہے کہ انہیں عمریں ملیں، بہت کھانے پینے کو ملتا رہا، بدمستی میں بڑھتے گئے یہاں تک کہ جو نصیحت رسولوں کی معرفت پہنچی تھی، اسے بھلا دیا۔ تیری عبادت سے اور سچی توحید سے ہٹ گئے۔ یہ لوگ تھے ہی بے خبر، ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے۔ تباہ و برباد ہو گئے۔ بُوْرًا سے مطلب ہلاک والے ہی ہیں۔

جیسے ابن زبعری نے اپنے شعر میں اس لفظ کو اس معنی میں باندھا ہے- اب اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سے فرمائے گا، لو اب تو تمہارے یہ معبود خود تمہیں جھٹلا رہے ہیں، تم تو انہیں اپنا سمجھ کر اس خیال سے کہ یہ تمہیں اللہ کے مقرب بنا دیں گے، ان کی پوجا پاٹ کرتے رہے، آج یہ تم سے کوسوں دور بھاگ رہے ہیں، تم سے یکسو ہو رہے ہیں اور بیزاری ظاہر کر رہے ہیں- جیسے ارشاد ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ، یعنی اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسوں کا پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی چاہت پوری نہ کر سکیں بلکہ وہ تو ان کی دعا سے محض غافل ہیں اور محشر والے دن یہ سب ان سب کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادتوں کے صاف منکر ہو جائیں گے- پس قیامت کے دن یہ مشرکین نہ تو اپنی جانوں سے عذاب اللہ ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی مدد کر سکیں گے نہ کسی کو اپنا مددگار پائیں گے- تم میں سے جو بھی اللہ واحد کے ساتھ شرک کرے، ہم اسے زبردست اور نہایت سخت عذاب کریں گے-

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ
الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ
فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰ ع ۱۱ ۱۷

ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے، ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا، کیا تم صبر کرو گے؟ تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے ○

(آیت: ۲۰) کافر جو اس بات پر اعتراض کرتے تھے کہ نبی کو کھانے پینے اور تجارت بیوپار سے کیا مطلب؟ اس کا جواب ہو رہا ہے کہ اگلے سب پیغمبر بھی انسانی ضرورتیں رکھتے تھے، کھانا پینا ان کے ساتھ بھی لگا ہوا تھا- بیوپار، تجارت اور کسب معاش وہ بھی کیا کرتے تھے- یہ چیزیں نبوت کے خلاف نہیں- ہاں اللہ تعالیٰ عزوجل اپنی عنایت خاص سے انہیں وہ پاکیزہ اوصاف، نیک خصائل، عمدہ اقوال، مختار افعال، ظاہر دلیلیں، اعلیٰ معجزے دیتا ہے کہ ہر عقل سلیم والا، ہر دانا بینا مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کی نبوت کو تسلیم کر لے اور ان کی سچائی کو مان لے- اسی آیت جیسی اور آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا الخ، ہے- یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے نبی آئے، سب شہروں میں رہنے والے انسان ہی تھے- اور آیت میں ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا الَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ الخ، ہم نے انہیں ایسے جثے نہیں بنائے تھے کہ کھانے پینے سے وہ آزاد ہوں- ہم تو تم میں سے ایک ایک کی آزمائش ایک ایک سے کر لیا کرتے ہیں تا کہ فرمانبردار اور نافرمان ظاہر ہو جائیں- صابر اور غیر صابر معلوم ہو جائیں- تیرا رب دانا، بینا ہے، خوب خوب جانتا ہے کہ مستحق نبوت کون ہے؟ جیسے فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ منصب رسالت کی اہلیت کس میں ہے؟ اسے اللہ ہی بخوبی جانتا ہے- اسی کو اس کا بھی علم ہے کہ مستحق ہدایت کون ہیں؟ اور کون نہیں؟ چونکہ اللہ کا ارادہ بندوں کا امتحان لینے کا ہے، اس لئے نبیوں کو عموماً معمولی حالت میں رکھتا ہے ورنہ اگر انہیں بکثرت دنیا دیتا تو ان کے مال کے لالچ میں بہت سے ان کے ساتھ ہو جاتے تو پھر سچے جھوٹے مل جاتے- صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیری وجہ سے اور لوگوں کو آزمانے والا ہوں- مسند میں ہے، آپ فرماتے ہیں، اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے رہتے اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نبی اور بادشاہ بننے میں اور نبی اور بندہ بننے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے بندہ اور نبی بننا پسند فرمایا- فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ-

الحمدللہ!!! تفسیر محمدی کا اٹھارہواں پارہ پورا ہوا-

تفسیر ابن کثیر

۱۹
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- تصدیق نبوت کے لیے احمقانہ شرائط ۴۲۴
- فیصلوں کا دن ۴۲۷
- شکایت نبوی ﷺ ۴۲۹
- قرآن حکیم مختلف اوقات میں کیوں اترا؟ ۴۳۰
- انبیاء سے دشمنی کا خمیازہ ۴۳۱
- انبیاء کا مذاق ۴۳۳
- اگر وہ چاہے تو رات دن میں نہ بدلے ۴۳۳
- النبی کل عالم علیہ السلام ۴۳۵
- آبائی گمراہی ۴۳۷
- اللہ تعالیٰ کی رفعت وعظمت ۴۳۹
- مومنوں کا کردار ۴۴۰
- سب سے بڑا گناہ؟ ۴۴۲
- عبادالرحمان کے اوصاف ۴۴۵
- مومنوں کے اعمال اور اللہ تعالیٰ کے انعامات ۴۴۷
- تعارف قرآن حکیم ۴۴۸
- موسیٰ علیہ اور اللہ جل شانہ کے مکالمات ۴۵۰
- فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا مباحثہ ۴۵۳
- مناظرہ کے بعد مقابلہ ۴۵۴
- جرات وہمت والے کامل ایمان لوگ ۴۵۵
- فرعونیوں کا انجام ۴۵۷
- فرعون اور اس کا لشکر غرق دریا ہو گیا ۴۵۸
- ابراہیم علیہ السلام علامت توحید پرستی ۴۵۹
- حکم سے کیا مراد ہے؟ ۴۶۱
- نیک لوگ اور جنت ۴۶۲
- بت پرستی کا آغاز ۴۶۴
- ہدایت طبقاتی عصبیت سے پاک ہے ۴۶۴
- تذکرۂ نوح علیہ السلام ۴۶۵
- ہود علیہ السلام اور ان کی قوم ۴۶۵
- موثر بیانات بھی بے اثر ۴۶۷
- صالح علیہ السلام اور قوم ثمود ۴۶۸
- صالح علیہ السلام کی باغی قوم ۴۶۹
- لوط علیہ السلام اور ان کی قوم ۴۷۱
- ہم جنس پرستی کا شکار ۴۷۱
- شعیب علیہ السلام ۴۷۲
- ڈنڈی مار قوم ۴۷۳
- مشرکین کی وہی حماقتیں ۴۷۳
- مبارک کتاب ۴۷۵
- بشارت وتصدیق یافتہ کتاب ۴۷۵
- کفر وانکار ۴۷۶
- یہ کتاب عزیز ۴۷۷
- مستحق سزا لوگوں سے الگ ہو جاؤ ۴۷۸
- شیاطین اور جادوگر ۴۸۲
- آگ لینے گئے رسالت مل گئی ۴۸۷
- حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام پر خصوصی انعامات ۴۸۹
- ہدہد کی غیر حاضری ۴۹۲
- تحقیق شروع ہو گئی ۴۹۴
- بلقیس کو خط ملا ۴۹۵
- بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت ملا ۴۹۷
- بلقیس کا تخت آنے کے بعد ۴۹۹
- صالح علیہ السلام کی ضدی قوم ۵۰۱
- اونٹنی کو مار ڈالا ۵۰۲
- ہم جنسوں سے جنسی تعلق (نتیجہ ایڈز) ۵۰۴

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ
عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ
لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا
مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

جنہیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں' انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے؟ ان لوگوں نے اپنے تئیں آپ ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کر لی ہے ○ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی اور کہیں گے کہ یہ محروم ہی محروم کئے گئے ○ انہوں نے جو جو اعمال کئے تھے' ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرف کر دیا ○ البتہ اس دن جنتیوں کا ٹھکانا بھی بہت بہتر ہوگا اور خواب گاہ بھی عمدہ ہوگی ○

تصدیق نبوت کے لئے احمقانہ شرائط: ☆☆ (آیت: ۲۱۔۲۴) کافر لوگ انکار نبوت کا ایک بہانہ یہ بھی بناتے تھے کہ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو کیوں نہ بھیجا؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ وہ ایک بہانہ یہ بھی کرتے تھے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ یعنی جب تک خود ہمیں وہ دیا جائے جو رسولوں کو دیا گیا ہے' ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح نبیوں کے پاس اللہ کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آتا ہے' ہمارے پاس بھی آئے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا مطالبہ یہ ہو کہ فرشتوں کو دیکھ لیں۔ خود فرشتے آ کر ہمیں سمجھائیں اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق کریں تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ کفار نے کہا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا یعنی تو اللہ کو لے آ' فرشتوں کو بنفس نفیس ہمارے پاس لے آ۔ اس کی پوری تفسیر سورۂ سبحان میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی ان کا یہی مطالبہ بیان ہوا ہے کہ یا تو ہمارے اوپر فرشتے اتریں یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔ یہ بات اس لئے ان کے منہ سے نکلی کہ یہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگے تھے اور ان کا غرور حد سے بڑھ گیا تھا۔ ان کی ایمان لانے کی نیت نہ تھی۔ یہاں بھی ان کا یہی مطالبہ بیان ہوا ہے کہ یا تو ہمارے اوپر فرشتے اتریں یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔ جیسے فرمان ہے وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ الخ اگر ہم ان پر فرشتوں کو بھی اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے' اس وقت کی اور بھی تمام چیزیں ہم ان کے سامنے کر دیتے جب بھی انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' فرشتوں کو یہ دیکھیں گے لیکن اس وقت ان کے لئے ان کا دیکھنا کچھ سودمند نہ ہوگا۔ اس سے مراد سکرات موت کا وقت ہے جب کہ فرشتے کافروں کے پاس آتے ہیں اور اللہ کے غضب اور جہنم کی آگ کی خبر انہیں سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث نفس' تو خبیث اور ناپاک جسم میں تھا' اب گرم ہواؤں' گرم پانی اور نامبارک سایوں کی طرف چل۔ وہ نکلنے سے کتراتی ہے اور بدن میں چھپتی پھرتی ہے' اس پر فرشتے ان کے چہروں پر اور ان کی کمروں پر ضربیں مارتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ الخ یعنی کاش کہ تو ظالموں کو ان کی سکرات کے وقت دیکھتا جب کہ فرشتے انہیں مارنے کے لئے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے اور

کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو آج تمہیں ذلت کے عذاب چکھنے پڑیں گے۔ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ سے متعلق ناحق الزامات تراشتے تھے۔ اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ مومنوں کا حال ان کے بالکل برعکس ہوگا' وہ اپنی موت کے وقت خوشخبریاں سنائے جاتے ہیں اور ابدی مسرتوں کی بشارتیں دیئے جاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ الخ جنہوں نے اللہ کو اپنا رب کہا اور مانا' پھر اس پر جمے رہے' ان کے پاس ہمارے فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو' ان جنتوں میں جانے کی خوشی مناؤ جن کا تمہیں وعدہ دیا جاتا رہا۔ ہم تمہارے والی ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی' تم جو کچھ چاہو گے' پاؤ گے اور جس چیز کی خواہش کرو گے' موجود ہو جائے گی' بخشنے والے مہربان اللہ کی طرف سے یہ تمہاری میزبانی ہوگی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں' اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی تو اللہ تعالیٰ کے رحم اور رحمت کی طرف چل جو تجھ سے ناراض نہیں۔ سورۂ ابراہیم کی آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ الخ کی تفسیر میں یہ سب حدیثیں مفصل بیان ہو چکی ہیں۔

بعض نے کہا ہے' مراد اس سے قیامت کے دن فرشتوں کا دیکھنا ہو سکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر فرشتوں کا دیکھنا مراد ہو' اس میں ایک قول کی دوسرے قول سے نفی نہیں کیونکہ دونوں موقعوں پر ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھیں گے' مومنوں کو رحمت و رضوان کی خوشخبری کے ساتھ فرشتوں کا دیدار ہوگا اور کافروں کو لعنت و پھٹکار اور عذابوں کی خبروں کے ساتھ' فرشتے اس وقت ان کافروں سے صاف کہہ دیں گے کہ اب فلاح و بہبود تم پر حرام ہے۔ حِجْرٌ کے لفظی معنی روک ہیں چنانچہ قاضی جب کسی کو اس کی مفلسی یا حماقت یا بچپن کی وجہ سے مال کے تصرف سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْقَاضِیْ عَلٰی فُلَانٍ۔ حطیم کو بھی حجر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ طواف کرنے والوں کو اپنے اندر طواف کرنے سے روک دیتا ہے بلکہ اس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے۔ عقل کو بھی عربی میں حجر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی انسانوں کو برے کاموں سے روک دیتی ہے۔ پس فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ جو خوش خبریاں مومنوں کو اس وقت ملتی ہیں' اس سے تم محروم ہو۔ یہ معنی تو اس بنا پر ہیں کہ اس جملے کو فرشتوں کا قول کہا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کافروں کا ہوگا' وہ فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ اللہ کرے تم ہم سے آڑ میں رہو' تمہیں ہمارے پاس آنا نہ ملے۔ گو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں لیکن دور کے معنی ہیں۔ بالخصوص اس وقت کہ جب اس کے خلاف وہ تفسیر جو ہم نے اوپر بیان کی اور سلف سے مروی ہے۔ البتہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول ایسا مروی ہے لیکن انہی سے صراحت کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ یہ قول فرشتوں کا ہوگا' واللہ اعلم۔ پھر قیامت کے دن' اعمال کے حساب کے وقت ان کے اعمال غارت اور اکارت ہو جائیں گے۔ یہ جنہیں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے' وہ بیکار ہو جائیں گے کیونکہ یا تو وہ خلوص والے نہ تھے یا سنت کے مطابق نہ تھے۔ اور جو عمل ان دونوں سے یا ان میں سے ایک چیز سے خالی ہو' وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ اس لئے کافروں کے نیک اعمال بھی مردود ہیں۔ ہم نے ان کے اعمال کا ملاحظہ کیا اور ان کو مثل بکھرے ہوئے ذروں کے کر دیا کہ وہ سورج کی شعاعیں جو کسی سوراخ میں سے آ رہی ہوں' ان میں نظر تو آتے ہیں لیکن کوئی انہیں پکڑنا چاہے تو ہاتھ نہیں آتے۔ جس طرح پانی جو زمین پر بہا دیا جائے وہ پھر ہاتھ نہیں آ سکتا یا غبار جو ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ یا درختوں کے پتوں کا چورا جو ہوا میں بکھر گیا ہو یا راکھ اور خاک جو اڑتی پھرتی ہو۔ اسی طرح ان کے اعمال ہیں جو محض بیکار ہو گئے۔ ان کا کوئی ثواب ان کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ اس لئے کہ یا تو ان میں خلوص نہ تھا یا شریعت کی مطابقت نہ تھی یا دونوں وصف نہ تھے۔ پس جب یہ عالم و عادل حاکم حقیقی کے سامنے پیش ہوئے تو محض نکمے ثابت ہوئے اسی لئے اسے ردی اور نہ ہاتھ لگنے والی چیز سے تشبیہ دی گئی۔ جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ الخ کافروں کے اعمال کی مثال راکھ جیسی ہے جسے تیز ہوا اڑا

دے۔ انسان کی نیکیاں بعض بدیوں سے بھی ضائع ہو جاتی ہیں جیسے صدقہ خیرات کہ وہ احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی پس ان کے اعمال میں سے آج یہ کسی عمل پر قادر نہیں اور آیت میں ان کے اعمال کی مثال اس ریت کے ٹیلے سے دی گئی جو دور سے مثل دریا کے لہریں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے، جسے دیکھ کر پیاسا آدمی پانی سمجھتا ہے لیکن پاس آتا ہے تو امید ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کی تفسیر بھی اللہ کے فضل سے گزر چکی ہے۔

پھر فرمایا کہ ان کے مقابلے میں جنتیوں کی بھی سن لو کیونکہ یہ دونوں فریق برابر کے نہیں۔ جنتی تو بلند درجوں میں، اعلیٰ بالا خانوں میں امن وامان، راحت وآرام کے ساتھ عیش وعشرت میں ہوں گے۔ مقام اچھا، منظر دل پسند، ہر راحت موجود، ہر دل خوش کن چیز سامنے، جگہ اچھی، مکان طیب، منزل مبارک، سونے بیٹھنے، رہنے سہنے کا آرام، برخلاف اس کے جہنمی دوزخ کے نیچے کے طبقوں میں جکڑ بند، اوپر نیچے دائیں بائیں آگ، حسرت، افسوس، رنج، غم، پھکنا، جلنا، بے قرار، جگر سوز، مقام بد، بری منزل، خوفناک منظر، عذاب سخت۔ نیک لوگوں کے جن کے دل میں ایمان تھا، اعمال مقبول ہوئے، اچھی جزائیں دی گئیں، بدلے ملے۔ جہنم سے بچے، جنت کے وارث و مالک بنے۔ پس یہ جو تمام بھلائیوں کو سمیٹ بیٹھے اور وہ جو ہر نیکی سے محروم رہے، کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ پس نیکوں کی سعادت بیان فرما کر بدوں کی شقاوت پر تنبیہ کر دی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی ساعت ایسی بھی ہوگی کہ جنتی اپنی حوروں کے ساتھ دن دوپہر کو آرام فرمائیں اور جہنمی شیطانوں کے ساتھ جکڑے ہوئے دوپہر کو گھبرائیں۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ آدھے دن میں بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ پس جنتیوں کے لئے دوپہر کے سونے کا وقت جنت میں ہوگا اور دوزخیوں کا جہنم میں۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کس وقت جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں۔ یہ وہ وقت ہوگا جب یہاں دنیا میں دوپہر کا وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو دو گھڑی آرام حاصل کرنے کی غرض سے لوٹتے ہیں۔ جنتیوں کا یہ قیلولہ جنت میں ہوگا۔ مچھلی کی کلیجی انہیں پیٹ بھر کر کھلائی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ دن آدھا ہوا اس سے بھی پہلے جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں قیلولہ کریں گے، پھر آپ نے یہی آیت پڑھی اور آیت ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَا اِلَی الْجَحِیْمِ بھی پڑھی۔ جنت میں جانے والے صرف ایک مرتبہ جناب باری کے سامنے پیش ہوں گے، یہی آسانی سے حساب لینا ہے۔ پھر یہ جنت میں جا کر دوپہر کا آرام کریں گے۔ جیسے فرمان اللہ ہے فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا یعنی جس شخص کو اپنا عمل نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے والوں کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا۔ اس کا قیام اور منزل بہتر ہے۔

صفوان بن محرز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو شخصوں کو لایا جائے گا۔ ایک تو وہ جو ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس سے حساب لیا جائے گا تو اس کی پوری عمر میں ایک نیکی بھی نہ نکلے گی۔ پس اسے جہنم کے داخلے کا حکم ملے گا۔ پھر دوسرا شخص آئے گا جس نے ایک کمبل میں دنیا گزاری تھی۔ جب اس سے حساب لیا جائے گا تو یہ کہے گا کہ اے اللہ میرے پاس دنیا میں تھا ہی کیا جس کا حساب لیا جائے گا؟ اللہ فرمائے گا۔ یہ سچا ہے اسے چھوڑ دو۔ اسے جنت میں جانے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد دونوں کو بلایا جائے گا تو جہنمی بادشاہ تو مثل سوختہ کوئلے کے ہو گیا ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا، کہو کس حال میں ہو، یہ کہے گا نہایت برے حال میں اور نہایت خراب جگہ میں ہوں۔ پھر جنتی کو بلایا جائے گا، اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا، کہو کیسی گزرتی ہے؟ یہ کہے گا، الحمد للہ بہت اچھی اور نہایت بہتر جگہ میں ہوں۔ اللہ فرمائے گا، جاؤ اپنی اپنی جگہ پھر چلے جاؤ۔ حضرت سعید صواف رحمتہ اللہ علیہ کا بیان

ہے کہ مومن پر تو قیامت کا دن ایسا چھوٹا ہو جائے گا جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت' وہ جنت کی کیاریوں میں پہنچا دیئے جائیں گے یہاں تک کہ اور مخلوق کے حساب ہو جائیں۔ پس جنتی بہتر ٹھکانے والے اور عمدہ جگہ والے ہوں گے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝۲۵
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٍۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
عَسِيْرًا ۝۲۶ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝۲۷ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ
فُلَانًا خَلِيْلًا ۝۲۸ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ
الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝۲۹

جس دن آسمان بادل پر پھٹ جائے گا اور فرشتے لگاتار اتریں گے ○ اس دن صحیح طور پر ملک صرف رحمان کا ہی ہوگا۔ یہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا ○ اس دن ستم گر شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا' ہائے کاش کہ میں نے رسول کی راہ لی ہوتی ○ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست بنایا ہوا نہ ہوتا ○ اس نے مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی' شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے ○

فیصلوں کا دن: ☆☆ (آیت:۲۵-۲۹) قیامت کے دن جو ہولناک امور ہوں گے' ان میں سے ایک آسمان کا پھٹ جانا اور نورانی ابر کا نمودار ہونا بھی ہے جس کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔ پھر فرشتے اتریں گے اور میدان محشر میں تمام انسان کو گھیر لیں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کے لئے تشریف لائے گا۔ جیسے فرمان ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ الخ یعنی کہ انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادلوں میں آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو سب انسانوں اور کل جنات کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا۔ تمام جانور' چوپائے' درندے' پرندے اور کل مخلوق وہاں ہوگی۔ پھر آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے اتریں گے جو تمام مخلوق کو دو طرف سے گھیر لیں گے اور وہ گنتی میں بہت زیادہ ہوں گے۔ پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے اتریں گے جو تمام مخلوق کو دو طرف سے گھیر لیں گے اور وہ گنتی میں بہت زیادہ ہوں گے' پھر تیسرا آسمان شق ہوگا' اس کے فرشتے بھی دونوں آسمانوں کے فرشتے مل کر زمین کی مخلوق سے بھی زیادہ ہوں گے۔ سب کو گھیر کر کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر اسی طرح چوتھا' پھر پانچواں' پھر چھٹا' ساتواں' پھر ہمارا رب عزوجل ابر کے سائے میں تشریف لائے گا' اس کے اردگرد بزرگ تر پاک فرشتے ہوں گے جو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی کل مخلوق سے زیادہ ہوں گے۔ ان پر سینگوں جیسے نشان ہوں گے' وہ اللہ کے عرش کے نیچے اللہ کی تسبیح وتہلیل وتقدس بیان کریں گے' ان کے تلوے سے لے کر ٹخنے تک کا فاصلہ پانچ سو سال کا راستہ ہوگا اور ٹخنے سے گھٹنے تک کا بھی اتنا ہی۔ اور گھٹنے سے ناف تک کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہوگا۔ اور ناف سے گردن تک کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہوگا اور گردن سے کان کی لو تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہوگا اور اس کے اوپر سے سر تک کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ قیامت کا نام يَوْمَ التَّلَاقِ اسی لئے ہے کہ اس میں زمین و آسمان والے ملیں گے۔ انہیں دیکھ کر پہلے تو محشر والے سمجھ لیں گے کہ ہمارا اللہ آیا۔

لیکن فرشتے سمجھا دیں گے۔ وہ آنے والا ہے ابھی تک نازل نہیں ہوا۔ پھر جب کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے آ جائیں گے' اللہ

تعالیٰ اپنے عرش پر تشریف لائے گا جسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے جن کے ٹخنے سے گھٹنے تک ستر سال کا راستہ ہے اور ران اور مونڈھے کے درمیان بھی ستر سال کا راستہ ہے، ہر فرشتہ دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ ہے، ہر ایک کی ٹھوڑی سینے سے لگی ہوئی ہے اور زبان پر سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کا وظیفہ ہے۔ ان کے سروں پر ایک پھیلی ہوئی چیز ہے جیسے سرخ شفق، اس کے اوپر عرش ہوگا۔ اس میں راوی علی بن زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں۔ اور بھی اس حدیث میں بہت سی خامیاں ہیں۔ صور کی مشہور حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور آیت میں ہے کہ اس دن ہو پڑنے والی ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ کر روئی کی طرح ہو جائے گا۔ اور اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور اس دن تیرے رب کا عرش آٹھ فرشتے لئے ہوئے ہوں گے۔ شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں، ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوگی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ اے اللہ تو پاک ہے، تو قابل ستائش وتعریف ہے۔ باوجود علم کے پھر بھی بردباری برتنا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں۔ اور چار کی تسبیح یہ ہوگی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے اللہ تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے، تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔ ابوبکر بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عرش کو اترتا دیکھ کر اہل محشر کی آنکھیں پھٹ جائیں گی، جسم کانپ اٹھیں گے، دل لرز جائیں گے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اترے گا تو درمیان میں ستر ہزار پردے ہوں گے۔ بعض نور کے، بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایک ایسی آواز نکلے گی جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ شاید ان کی یہ روایت انہی دو تھیلوں میں سے لی ہوئی ہوگی، واللہ اعلم۔

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی جیسے فرمان ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ آج ملک کس کے لئے ہے؟ صرف اللہ غالب وقہار کے لئے۔ صحیح حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور زمینوں کو اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لے گا، پھر فرمائے گا میں مالک ہوں، میں فیصلہ کرنے والا ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟ وہ دن کفار پر بڑا بھاری پڑا ہوگا۔ اسی کا بیان اور جگہ بھی ہے کہ کافروں پر وہ دن بہت گراں گزرے گا۔ ہاں مومنوں کو اس دن مطلق گھبراہٹ یا پریشانی نہ ہوگی۔ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پچاس ہزار سال کا دن تو بہت ہی دراز ہوگا۔ آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن پر تو وہ ایک وقت کی فرض نماز سے بھی ہلکا اور آسان ہوگا۔ پیغمبر علیہ السلام کے طریقے اور آپ کے لائے ہوئے کھلے حق سے ہٹ کر، رسول ﷺ کی راہ کے سوا دوسری راہوں پہ چلنے والے اس دن بڑے ہی نادم ہوں گے اور حسرت وافسوس کے ساتھ اپنے ہاتھ چبائیں گے۔ گو اس کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں ہو یا کسی اور کے بارے میں لیکن حکم کے اعتبار سے یہ ہر ایسے ظالم کو شامل ہے۔ جیسے فرمان ہے يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ پوری دو آیتوں تک۔ پس ہر ظالم قیامت کے دن پچھتائے گا، اپنے ہاتھوں کو چبائے گا اور آہ وزاری کر کے کہے گا، کاش کہ میں نے نبی کی راہ اپنائی ہوتی۔ کاش کہ میں نے فلاں کی عقیدت مندی نہ کی ہوتی جس نے مجھے راہ حق سے گم کر دیا۔ امیہ بن خلف کا اور اس کے بھائی ابی بن خلف کا بھی یہی حال ہوگا اور ان کے سوا اور بھی ایسے لوگوں کا یہی حال ہوگا۔ کہے گا کہ اس نے مجھے ذکر یعنی قرآن سے بیگانہ کر دیا حالانکہ وہ مجھ تک پہنچ چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے، وہ اسے ناحق کی طرف بلاتا ہے اور حق سے ہٹا دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ۝۳۰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ
الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝۳۱

رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار' بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا ○ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گنہگاروں کو بنا دیا ہے' تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا ہے اور مدد کرنے والا کافی ہے ○

شکایت نبوی ﷺ ☆☆ (آیت ۳۰-۳۱) قیامت والے دن اللہ کے سچے رسول آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی امت کی شکایت جناب باری تعالیٰ میں کریں گے کہ نہ یہ لوگ قرآن کی طرف مائل تھے نہ رغبت سے قبولیت کے ساتھ سنتے تھے بلکہ اوروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے تھے جیسے کہ کفار کا مقولہ خود قرآن میں ہے کہ وہ کہتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل کرو۔ یہی اس کا چھوڑ رکھنا تھا۔ نہ اس پر ایمان لاتے تھے' نہ اسے سچا جانتے تھے' نہ اس پر غور و فکر کرتے تھے' نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے' نہ اس پر عمل تھا' نہ اس کے احکام کو بجا لاتے تھے' نہ اس کے منع کردہ کاموں سے رکتے تھے بلکہ اس کے سوا اور کلاموں میں مشغول و منہمک رہتے تھے جیسے شعر اشعار' غزلیات' باجے گاجے' راگ راگنیاں' اسی طرح اور لوگوں کے کلام سے دلچسپی لیتے تھے اور ان پر عامل تھے' یہی اسے چھوڑ دینا تھا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم و منان جو ہر چیز پر قادر ہے' ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے ناپسندیدہ کاموں سے دست بردار ہو جائیں اور اس کے پسندیدہ کاموں کی طرف جھک جائیں۔ وہ ہمیں اپنے کلام کی سمجھ دے اور دن رات اس پر عمل کرنے کی ہدایت دے' جس سے وہ خوش ہو' وہ کریم و وہاب ہے۔

پھر فرمایا' جس طرح اے نبیؐ آپ کی قوم میں قرآن کو نظر انداز کر دینے والے لوگ ہیں' اسی طرح اگلی امتوں میں بھی ایسے لوگ تھے جو خود کفر کر کے دوسروں کو اپنے کفر میں شریک کار کرتے تھے اور اپنی گمراہی کے پھیلانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ جیسے فرمان ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین و انسان بنا دیئے ہیں۔

پھر فرمایا' جو رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرے' کتاب اللہ پر ایمان لائے' اللہ کی وحی پر یقین کرے' اس کا ہادی اور ناصر خود اللہ تعالیٰ ہے۔ مشرکوں کی جو خصلت اوپر بیان ہوئی' اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کو ہدایت پر نہ آنے دیں اور آپ مسلمانوں پر غالب رہیں۔ اس لئے قرآن نے فیصلہ کیا کہ یہ نامراد ہی رہیں گے۔ اللہ اپنے بندوں کو خود ہدایت کرے گا۔ اور مسلمانوں کی خود مدد کرے گا۔ یہ معاملہ اور ایسوں کا مقابلہ کچھ تجھ سے ہی نہیں' تمام اگلے نبیوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ
كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝۳۲ وَلَا يَاْتُوْنَكَ
بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝۳۳ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ
عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۳۴ ع ۱۴

کافر کہنے لگے کہ اس پر قرآن سارا کا سارا ایک ساتھ ہی کیوں نہ اتارا گیا؟ اسی طرح ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ اس سے ہم تیرا دل قوی کریں، ہم نے اسے ٹھہرا ٹھہرا کر ہی پڑھ سنایا ہے ○ یہ تیرے پاس جو کوئی مثال لائیں گے، ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہہ تجھے بتا دیں گے ○ جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں ○

قرآن حکیم مختلف اوقات میں کیوں اترا؟ ☆☆ (آیت ۳۲-۳۴) کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جیسے توریت، انجیل، زبور وغیرہ ایک ساتھ پیغمبروں پر نازل ہوتی رہیں، یہ قرآن ایک ہی دفعہ آنحضرت ﷺ پر نازل کیوں نہ ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں واقعی یہ متفرق طور پر اترا ہے، بیس برس میں نازل ہوا ہے، جیسے جیسے ضرورت پڑتی گئی، جو جو واقعات ہوتے رہے، احکام نازل ہوتے گئے تاکہ مومنوں کا دل جما رہے۔ ٹھہر ٹھہر کر احکام اترے تاکہ ایک دم عمل مشکل نہ ہو پڑے، وضاحت کے ساتھ بیان ہو جائے۔ سمجھ میں آ جائے۔ تفسیر بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہے۔ ہم ان کے کل اعتراضات کا صحیح اور سچا جواب دیں گے جو ان کے بیان سے بھی زیادہ واضح ہوگا۔ جو کمی یہ بیان کریں گے، ہم ان کی تسلی کر دیں گے۔ صبح شام، رات دن، سفر حضر میں بار بار اس نبی ﷺ کی عزت اور اپنے خاص بندوں کی ہدایت کے لئے ہمارا کلام ہمارے نبی کی پوری زندگی تک اترتا رہا۔ جس سے حضور ﷺ کی بزرگی اور فضیلت بھی ظاہر ہوتی رہی لیکن دوسرے انبیاء علیہ السلام پر ایک ہی مرتبہ سارا کلام اترا مگر اس بہترین نبی ﷺ سے اللہ تبارک وتعالیٰ بار بار خطاب کرتا رہا تاکہ اس قرآن کی عظمت بھی آشکار ہو جائے، اس لیے یہ اتنی لمبی مدت میں نازل ہوا۔ پس نبی ﷺ بھی سب نبیوں میں اعلیٰ اور قرآن بھی سب کلاموں میں بالا۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوح محفوظ سے ملاء اعلیٰ میں اترا۔ لوح محفوظ سے پورے کا پورا دنیا کے آسمان تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلتہ القدر میں دنیا کے آسمان پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال تک زمین پر اترتا رہا۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے آیت وَلَا یَاْتُوْنَكَ الخ اور آیت وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ الخ تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد کافروں کی جو درگت قیامت کے روز ہونے والی ہے، اس کا بیان فرمایا کہ بدترین حالت اور قبیح تر ذلت میں ان کا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔ یہ اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے۔ یہی برے ٹھکانے والے اور سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کافروں کا حشر منہ کے بل کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا، جس نے انہیں پیر کے بل چلایا ہے، وہ سر کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ
وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ
فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ
وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا
وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا
ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا ○ اور کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے

ہیں۔ پھر ہم نے انہیں بالکل ہی پامال کر دیا ○ قوم نوح نے بھی جب رسولوں کو جھوٹا کہا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ اور لوگوں کے لئے انہیں نشان عبرت بنا دیا۔ ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں ○ اور عادیوں اور ثمودیوں اور کنوے والوں کو اور ان کے درمیان کی بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا ○ ہم نے ہر ایک کے سامنے مثالیں بیان کیں۔ پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا ○

انبیاء سے دشمنی کا خمیازہ: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۹) اللہ تعالیٰ مشرکین کو اور آپ کے مخالفین کو اپنے عذابوں سے ڈرا رہا ہے کہ تم سے پہلے کے جن لوگوں نے میرے نبیوں کی نہ مانی' ان سے دشمنی کی' ان کی مخالفت کی' میں نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ فرعونیوں کا حال تم سن چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے نہ مانا جس کے باعث اللہ کا عذاب آ گیا اور سب ہلاک کر دیئے گئے۔ اس واسطے یہاں رسل جمع کر کے کہا گیا۔ اور یہ اس لیے بھی کہ اگر بالفرض ان کی طرف تمام رسول بھی بھیجے جاتے تو بھی یہ سب کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو نوح علیہ السلام نبی کے ساتھ کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے گئے تھے بلکہ ان کے پاس تو صرف حضرت نوح علیہ اسلام ہی آئے تھے جو ساڑھے نو سو سال تک ان میں رہے' ہر طرح انہیں سمجھایا بجھایا لیکن سوائے معدودے چند کے کوئی ایمان نہ لایا۔ اس لئے اللہ نے سب کو غرق کر دیا۔ سوائے ان کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے۔ ایک بنی آدم روئے زمین پر نہ بچا۔ لوگوں کے لئے ان کی ہلاکت باعث عبرت بنا دی گئی۔ جیسے فرمان ہے کہ پانی کی طغیانی کے وقت ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا تا کہ تم اسے اپنے لئے باعث عبرت بناؤ اور کشتی کو ہم نے تمہارے لئے اس طوفان سے نجات پانے اور لمبے لمبے سفر طے کرنے کا ذریعہ بنا دیا تا کہ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے عالمگیر طوفان سے تمہیں بچا لیا اور ایماندار اور ایمان داروں کی اولاد میں رکھا۔ عادیوں اور ثمودیوں کا قصہ تو بارہا بیان ہو چکا ہے جیسے کہ سورۂ اعراف وغیرہ میں اَصْحٰبُ الرَّسِّ کی بابت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ
يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝۴۰

یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جن پر بری طرح بارش برسائی گئی۔ کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں مر کر جی اٹھنے کا عقیدہ ہی نہیں ○

(آیت: ۴۰) عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ خلیج والے تھے جن کا ذکر سورۂ یاسین میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آذر بائی جان کے ایک کنویں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں' انہیں کنوئیں والے اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔ ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ' محمد بن کعب رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن ان بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبیؐ کو ایک غیر آباد کنویں میں' ویران میدان میں ڈال دیا اور اس کے منہ پر ایک بڑی بھاری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مر جائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا' لکڑیاں کاٹ کر لاتا' انہیں بازار میں فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنوئیں پر آتا' اس پتھر کو سرکا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبر علیہ السلام کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھا پی لیتے۔ مدتوں تک یونہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا' لکڑیاں کاٹیں' چنیں' جمع کیں' گٹھڑی باندھی' اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا' سو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس

پر نیند ڈال دی' سات سال تک وہ سوتا رہا- سات سال کے بعد آنکھ کھلی' انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا- سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے اپنی لکڑیوں کی گٹھڑی اٹھائی اور شہر کی طرف چلا- اسے یہی خیال تھا کہ ذرا سی دیر کے لئے سو گیا تھا- شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں' حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا- دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں- بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا- درحقیقت اس عرصہ میں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے' انہوں نے جا کر اپنے نبی کو کنوئیں سے نکالا- سب کے سب ایمان لائے' پھر نبیؑ فوت ہو گئے- نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اسی حبشی غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا- پھر اسی نبی علیہ السلام کے انتقال کے بعد یہ شخص اپنی نیند سے جگایا گیا- آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا- یہ روایت مرسل ہے اور اس میں غرابت و نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے- واللہ اعلم-

اس روایت کو ان اصحاب رس پر چسپاں بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہاں تو مذکور ہے کہ انہیں ہلاک کر دیا گیا- ہاں یہ ایک توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ تو ہلاک کر دیئے- پھر ان کی نسلیں ٹھیک ہو گئیں اور انہیں ایمان کی توفیق ملی- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اصحاب رس وہی ہے جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہے جنہوں نے خندقیں کھدوائی تھیں- واللہ اعلم-

پھر فرمایا کہ اور بھی ان کے درمیان بہت سی امتیں آئیں جو ہلاک کر دی گئیں- ہم نے ان سب کے سامنے اپنا کلام بیان کر دیا تھا' دلیلیں پیش کر دی تھیں' معجزے دکھائے تھے' عذر ختم کر دیئے تھے' پھر سب کو غارت اور برباد کر دیا- جیسے فرمان ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد کی بھی بہت سی بستیاں ہم نے غارت کر دیں- قرن کہتے ہیں امت کو- جیسے فرمان ہے کہ ان کے بعد ہم نے بہت سی قرن یعنی امتیں پیدا کیں- قرن کی مدت بعض کے نزدیک ایک سو بیس سال ہے- کوئی کہتا ہے سو سال' کوئی کہتا ہے اسی سال' کوئی کہتا ہے چالیس سال' اور بھی بہت سے قول ہیں- زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ایک زمانہ والے ایک قرن ہیں- جب وہ سب مر جائیں تو دوسرا قرن شروع ہوتا ہے جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے- پھر فرماتا ہے کہ سدوم نامی بستی کے پاس سے تو یہ عرب برابر گزرتے رہتے ہیں- یہیں لوطی آباد تھے- جن پر زمین الٹ دی گئی اور آسمان سے پتھر برسائے گئے اور برا مینہ ان پر برسا' جو سنگلاخ پتھروں کا تھا- یہ دن رات وہاں سے آمد و رفت رکھتے ہیں- پھر بھی عقلمندی کو کام میں نہیں لیتے- یہ بستیاں تو تمہاری گزرگاہ پر ہیں' ان کے واقعات مشہور ہیں- کیا تم انہیں نہیں دیکھتے؟ یقیناً دیکھتے ہو لیکن عبرت کی آنکھیں ہی نہیں کہ سمجھ سکو- اور غور کرو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے وہ اللہ کے عذابوں کا شکار ہو گئے- پس انہیں اڑا دیا گیا' بے نشان کر دیئے گئے- بری طرح دھجیاں بکھیر دی گئیں- اسے سوچ تو وہ جو قیامت کا قائل ہو- لیکن انہیں کیا عبرت حاصل ہو گی جو قیامت ہی کے منکر ہیں' دوبارہ زندگی کو ہی محال جانتے ہیں-

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۴۱ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۲ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝۴۳ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۴

ع ۱۰

تمہیں جب کبھی دیکھتے ہیں تو تم سے مسخراپن کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ○ وہ تو کہئے کہ ہم جمے رہے ورنہ انہوں نے تو ہمیں بہکا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ دی تھی' یہ جب عذابوں کو دیکھیں گے تو انہیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پوری طرح راہ سے بھٹکا ہوا کون تھا؟ ○ کیا تو نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے؟ کیا تو اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ ○ کیا تو اسی خیال میں ہے کہ ان میں کے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ○

انبیاء کا مذاق: ☆☆ (آیت ۴۱-۴۴) کافر لوگ اللہ کے برتر و بہتر پیغمبر حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر ہنسی مذاق اڑاتے تھے' عیب جوئی کرتے تھے اور آپؐ میں نقصان بتلاتے تھے۔ یہی حالت ہر زمانے کے کفار کی اپنے نبیوں کے ساتھ رہی۔ جیسے فرمان ہے۔ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ تجھ سے پہلے کے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ کہنے لگے' وہ تو کہئے کہ ہم جمے رہے ورنہ اس رسول نے تو ہمیں بہکانے میں کوئی کمی نہ رکھی تھی۔ اچھا انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر یہ کہاں تک تھے؟ عذاب کو دیکھتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے خواہش پرستی شروع کر رکھی ہے' نفس و شیطان جس چیز کو اچھی ظاہر کرتا ہے' یہ بھی اسے اچھی سمجھنے لگتے ہیں۔ بھلا ان کا ذمہ دار تو کیسے ٹھہر سکتا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا' اسی کے سامنے جھکنے اور سجدے کرنے لگے' اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا تو اس کے سامنے جھک گئے اور اول کو چھوڑ دیا۔ پھر فرماتا ہے' یہ تو چوپایوں سے بھی بدتر ہیں' نہ ان کے کان ہیں نہ دل ہیں۔ چوپائے تو خیر قدرتاً آزاد ہیں لیکن یہ جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے' یہ ان سے بھی زیادہ بہک گئے بلکہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے۔ اور قیام حجت کے بعد' رسولوں کے پہنچ چکنے کے بعد بھی اللہ کی طرف نہیں جھکتے' اس کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ
ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ دَلِيۡلًا ۙ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَيۡنَا قَبۡضًا
يَّسِيۡرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا وَّالنَّوۡمَ سُبَاتًا
وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سائے کو کس طرح پھیلا دیا ہے' اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا' پھر ہم نے آفتاب کو اس کا رہنما بنایا ○ پھر ہم نے اسے سہج سہج اپنی طرف کھینچ لیا ○ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پردہ بنایا اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ○

اگر وہ چاہے تو رات دن میں نہ بدلے: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلیلیں بیان ہو رہی ہیں کہ مختلف اور متضاد چیزوں کو وہ پیدا کر رہا ہے۔ سائے کو وہ بڑھاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ وقت صبح صادق سے لے کر سورج کے نکلنے تک کا ہے' اگر وہ چاہتا تو اسے ایک ہی حالت پر رکھ دیتا۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر وہ رات ہی رات رکھے تو کوئی دن نہیں کر سکتا اور اگر دن ہی دن کرے تو کوئی رات نہیں لا سکتا۔ اگر سورج نہ نکلتا تو سائے کا حال ہی معلوم نہ ہوتا۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' سائے کے پیچھے دھوپ' دھوپ کے پیچھے سایہ' یہ بھی قدرت کا انتظام ہے۔ پھر سہج سہج ہم اسے یعنی سائے کو یا سورج کو اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ ایک گھٹتا جاتا ہے تو دوسرا بڑھتا جاتا ہے اور یہ انقلاب سرعت سے عمل میں آتا ہے۔ کوئی جگہ سائے دار باقی نہیں رہتی۔ صرف گھروں کے چھپڑوں کے اور درختوں کے نیچے سایہ رہ جاتا ہے اور ان کے بھی اوپر دھوپ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہم اسے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

اسی نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا ہے کہ وہ تمہارے وجود پر چھا جاتی ہے اور اسے ڈھانپ لیتی ہے جیسے فرمان ہے قسم ہے' رات کی جب کہ ڈھانپ لے' اسی نے نیند کو سبب راحت وسکون بنایا ہے کہ اس وقت حرکت موقوف ہو جاتی ہے اور دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن چڑھ گئی تھی' وہ اس آرام سے اتر جاتی ہے۔ بدن کو اور روح کو راحت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر دن کو اٹھ کھڑے ہوتے ہو' پھیل جاتے ہو اور روزی کی تلاش میں لگ جاتے ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے رات دن مقرر کر دیا ہے کہ تم سکون و آرام بھی حاصل کر لو اور اپنی روزیاں بھی تلاش کرو۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ
مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ
لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے ولی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں ○ تا کہ اس کے ذریعہ سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور اسے ہم اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں ○ بے شک ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح سے ہیر پھیر کر لیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن پھر بھی اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں ○

بارش سے پہلے بارش کی خوش خبری: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۰) اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور قدرت کا بیان فرما رہا ہے کہ وہ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ ان ہواؤں میں رب نے بہت سے خواص رکھے ہیں۔ بعض بادلوں کو پراگندہ کر دیتی ہیں' بعض انہیں اٹھاتی ہیں' بعض انہیں لے چلتی ہیں' بعض خنک اور بھیگی ہوئی چل کر لوگوں کو باران رحمت کی طرف متوجہ کر دیتی ہیں۔ بعض اس سے پہلے زمین کو تیار کر دیتی ہیں' بعض بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں اور انہیں بوجھل کر دیتی ہیں۔ آسمان سے ہم پاک صاف پانی برساتے ہیں کہ وہ پاکیزگی کا آلہ بنے۔ یہاں طہور ایسا ہی ہے جیسا سحور اور وجور وغیرہ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ فعول معنی میں فاعل کے ہے یا یہ مبالغہ کے لئے مبنی ہے یا متعدی کے لئے۔ یہ سب اقوال لغت اور حکم کے اعتبار سے مشکل ہیں۔ پوری تفصیل کے لائق یہ مقام نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت ثابت بنانی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بارش کے زمانہ میں نکلا۔ بصرے کے راستے اس وقت بڑے گندے ہو رہے تھے' آپ نے ایسے راستہ پر نماز ادا کی۔ میں نے آپ کو توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا' اسے آسمان کے پاک پانی نے پاک کر دیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اسے پاک اتارا ہے۔ اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ بیر بضاعہ سے وضو کر لیں؟ یہ ایک کنواں ہے جس میں گندگی اور کتوں کے گوشت پھینکے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پانی پاک ہے۔ اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اسے وارد کیا ہے۔ امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ عبدالملک بن مروان کے دربار میں ایک مرتبہ پانی کا ذکر چھڑا تو خالد بن یزید نے کہا' بعض پانی آسمان کے ہوتے ہیں' بعض پانی وہ ہوتے ہیں جسے بادل سمندر سے پیتا ہے اور

اسے گرج، کڑک اور بجلی میٹھا کر دیتی ہے لیکن اس سے زمین میں پیداوار نہیں ہوتی۔ ہاں آسمانی پانی سے پیداوار اگتی ہے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آسمان کے پانی کے ہر قطرہ سے چارہ گھاس وغیرہ پیدا ہوتا ہے یا سمندر میں لولو اور موتی پیدا ہوتے ہیں یعنی فِی الْبَرِّ بُرٌّ وَّ فِی الْبَحْرِ دَرٌّ زمین میں گیہوں اور سمندر میں موتی۔ پھر فرمایا کہ اسی سے ہم غیر آباد، بنجر، خشک زمین کو زندہ کر دیتے ہیں، وہ لہلہانے لگتی ہے اور تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ الخ علاوہ مردہ زمین کے زندہ ہو جانے کے، یہ پانی حیوانوں اور انسانوں کے پینے میں آتا ہے، ان کے کھیتوں اور باغات کو پلایا جاتا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ وہ اللہ وہی ہے جو لوگوں کی کامل ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برساتا ہے اور آیت میں ہے کہ اللہ کے آثار رحمت کو دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے، ساتھ ہی میری قدرت کا ایک نظارہ یہ بھی دیکھو کہ ابر اٹھتا ہے، گرجتا ہے لیکن جہاں میں چاہتا ہوں، برستا ہے، اس میں بھی حکمت و حجت ہے۔

بارش اللہ کے حکم سے: ☆☆ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ کوئی سال کسی سال کے کم و بیش بارش کا نہیں لیکن اللہ جہاں چاہے برسائے، جہاں سے چاہے پھیرے۔ پس چاہئے تھا کہ ان نشانات کو دیکھ کر اللہ کی ان زبردست حکمتوں کو اور قدرتوں کو سامنے رکھ کر اس بات کو بھی مان لیتے کہ بیشک ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور یہ بھی جان لیتے کہ بارشیں ہمارے گناہوں کی شامت سے بند کر دی جاتی ہیں تو ہم گناہ چھوڑ دیں لیکن ان لوگوں نے ایسا نہ کیا بلکہ ہماری نعمتوں پر اور ناشکری کی۔ ایک مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے، وہ یہ ہے، آپ ان سے جو چاہیں، دریافت فرمالیں۔ اس نے کہا، یا رسول ﷺ اللہ ہمارے پاس تو اللہ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برساؤ ہم تعمیل ارشاد کر دیتے ہیں۔ بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لوگو جانتے ہو، تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول خوب جاننے والا ہے، آپ نے فرمایا، سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مومن ہو گئے اور بہت سے کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے، وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کے اثر سے پانی برسایا گیا، انہوں نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لائے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

اگر ہم چاہتے تو ہر ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے ○ پس تو کافروں کا کہنا نہ مان اور حکم الٰہی ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کر ○

النبی کل عالم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۲) اگر رب چاہتا تو ہر ہر بستی میں ایک ایک نبی بھیج دیتا لیکن اس نے تمام دنیا کی طرف صرف ایک ہی نبی بھیجا ہے اور پھر اسے حکم دے دیا ہے کہ قرآن کا وعظ سب کو سنا دے۔ جیسے فرمان ہے کہ میں اس قرآن سے تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے، ہوشیار کر دوں اور ان تمام جماعتوں میں سے جو بھی اس سے کفر کرے، اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ اور فرمان ہے کہ تو مکے والوں کو اور چاروں طرف کے لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اور آیت میں ہے کہ اے نبی، آپ کہہ دیجئے کہ اے تمام لوگو میں تم سب کی طرف رسول ﷺ بن کر آیا ہوں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے، میں سرخ و سیاہ سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے

کہ تمام انبیا اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے اور میں عام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ پھر فرمایا' کافروں کا کہنا نہ ماننا اور اس قرآن کے ساتھ ان سے بہت بڑا جہاد کرنا۔ جیسے ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ یعنی اے نبی کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کرتے رہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا رکھے ہیں۔ یہ ہے میٹھا اور مزے دار اور یہ ہے کھاری' کڑوا' اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط اوٹ کر دی ○ وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا' پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا' تیرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے ○

(آیت: ۵۳-۵۴) اسی رب نے پانی کو دو طرح کا کر دیا ہے۔ میٹھا اور کھاری۔ نہروں' چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً شیریں' صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہئے کہ اس نے میٹھے پانی کی چاروں طرف ریل پیل کر دی تاکہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے' مشرقوں اور مغربوں میں محیط سمندر کھارے پانی کے اس نے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں' ادھر ادھر بہتے نہیں لیکن موجیں مار رہے ہیں' تلاطم پیدا کر رہے ہیں' بعض میں مد و جزر ہے۔ ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے۔ پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اپنی حالت پر آ جاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا' یہ بھی چڑھنے لگا۔ چودہ تاریخ تک برابر چاند کے ساتھ چڑھتا رہا۔ پھر اترنا شروع ہوا' ان تمام سمندروں کو اسی اللہ نے پیدا کیا ہے' وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے۔ کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کر دیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے۔ اس میں جو جانور مر جاتے ہیں' ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اس کا مردہ پاک طیب ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا' اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ مالک' شافعی اور اہل سنن رحمتہ اللہ علیہم نے اسے روایت کیا ہے اور اسناد بھی صحیح ہے۔

پھر اس کی اس قدرت کو دیکھو کہ محض اپنی طاقت سے اور اپنے حکم سے ایک کو دوسرے سے جدا رکھا ہے۔ نہ کھارا میٹھے میں مل سکے نہ میٹھا کھارے میں مل سکے۔ جیسے فرمان ہے مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ الخ اس نے دونوں سمندر جاری کر دیئے ہیں کہ دونوں مل جائیں اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب قائم کر دیا ہے کہ حد سے نہ بڑھیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کے منکر ہو؟ اور آیت میں ہے' کون ہے وہ جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں جگہ جگہ دریا جاری کر دیئے اس پر پہاڑ قائم کر دیئے اور دو سمندروں کے درمیان اوٹ کر دی؟ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بات یہ ہے کہ ان مشرکین کے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ اس نے انسان کو ضعیف نطفے سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسے ٹھیک ٹھاک اور برابر بنایا ہے۔ اور اچھی پیدائش میں پیدا کر کے پھر اسے مرد یا عورت بنایا۔ پھر اس کے لئے نسب کے رشتے دار بنا دیئے۔ پھر کچھ مدت بعد سسرالی رشتے قائم کر دیئے۔ اتنے بڑے قادر اللہ کی قدرتیں تمہارے سامنے ہیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ
الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾
قُلْ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ
اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾

اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو انہیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں، کافر تو ہے ہی اپنے رب کی طرف پیٹھ کرنے والا ○ ہم نے تو تجھے خوش خبری اور ڈر سنانے والا نبی بنا کر بھیجا ہے ○ کہہ دے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کسی بدلے کو نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے ○ اس ہمیشہ زندہ اللہ پر توکل کر جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتا رہ، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے ○

آبائی گمراہی: ☆☆ (آیت:۵۵-۵۸) مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں اور بلا دلیل و حجت ان کی پوجا کرتے ہیں جو نہ نفع کے مالک نہ نقصان کے۔ صرف باپ دادوں کی دیکھا دیکھی نفسانی خواہشات سے ان کی محبت و عظمت اپنے دل میں جمائے ہوئے ہیں اور اللہ و رسول ﷺ سے دشمنی اور مخالفت رکھتے ہیں۔ شیطانی لشکر میں شامل ہو گئے ہیں اور الٰہی لشکر کے مخالف ہو گئے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ انجام کار غلبہ اللہ والوں کو ہی ہو گا۔ یہ خواہ مخواہ ان کی طرف سے سینہ سپر ہو رہے ہیں، انجام کار مومنوں کے ہی ہاتھ رہے گا۔ دنیا و آخرت میں ان کا پروردگار ان کی امداد کرے گا۔ ان کفار کو تو شیطان صرف اللہ کی مخالفت پر ابھار دیتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ سچے اللہی عداوت ان کے دل میں ڈال دیتا ہے، شرک کی محبت بٹھا دیتا ہے، یہ الٰہی احکام سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں مومنوں کو خوشخبری سنانے والا اور کفار کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اطاعت گزاروں کو جنت کی بشارت دیجئے اور نافرمانوں کو جہنم کے عذابوں سے مطلع فرما دیجئے۔ لوگوں میں عام طور پر اعلان کر دیجئے کہ میں اپنی تبلیغ کا بدلہ، اپنے وعظ کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا۔ میرا ارادہ سوائے اللہ کی رضامندی کی تلاش کے اور کچھ نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے جو راہ راست پر آنا چاہے، اس کے سامنے صحیح راستہ نمایاں کر دوں۔ اے پیغمبر ﷺ اپنے تمام کاموں میں اس اللہ پر بھروسہ رکھئے، جو ہمیشہ اور دوام والا ہے، جو موت و فوت سے پاک ہے، جو اول و آخر و ظاہر و باطن اور ہر چیز کا عالم ہے۔ جو دائم، باقی، سرمدی، ابدی، حی و قیوم ہے، جو ہر چیز کا مالک اور رب ہے، اس کو اپنا ماویٰ و ملجا ٹھہرا لے۔ اسی کی ذات ایسی ہے کہ اس پر توکل کیا جائے، ہر گھبراہٹ میں اسی کی طرف جھکا جائے۔ وہ کافی ہے، وہی ناصر ہے، وہی موید و مظفر ہے۔ جیسے فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ اے نبیؐ جو کچھ آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے، اسے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔ آپ بے فکر رہئے۔ اللہ آپؐ کو لوگوں کے برے ارادوں سے بچا لے گا۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ مدینے کی کسی گلی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرنے لگے تو آپؐ نے فرمایا، اے سلمان مجھے سجدہ نہ کر، سجدے کے لائق وہ ہے جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے۔ جس پر کبھی موت نہیں (ابن ابی حاتم) اور اس کی تسبیح و حمد بیان کرتا رہ۔ چنانچہ حضور ﷺ اس کی تعمیل میں فرمایا کرتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ مراد اس سے یہ ہے کہ عبادت اللہ ہی کی کر، توکل صرف اسی کی ذات پر کر۔ جیسے فرمان ہے، مشرق و مغرب کا رب

وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اسی کو اپنا کارساز سمجھ۔ اور جگہ ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اسی پر بھروسہ رکھ۔ اور آیت میں ہے، اعلان کر دے کہ اسی رحمان کے ہم بندے ہیں اور اسی پر ہمارا کامل بھروسہ ہے۔ اس پر بندوں کے سب اعمال ظاہر ہیں، کوئی ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ کوئی پراسرار بات بھی اس سے مخفی نہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ
لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا
وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ ع ۱۶

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کے اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن میں ہی پیدا کر دیا۔ پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا، وہ رحمٰن ہے۔ تو اس کے بارے میں کسی خبردار سے پوچھ لے ○ ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمٰن ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے دے، ان کا تو بدکنا ہی بڑھتا ہے ○

(آیت: ۵۹-۶۰) وہی تمام چیزوں کا خالق ہے، مالک وقابض ہے، وہی ہر جاندار کا روزی رساں ہے، اس نے اپنی قدرت وعظمت سے آسمان وزمین جیسی زبردست مخلوق کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا ہے، پھر عرش پر قرار پکڑا ہے۔ کاموں کی تدبیروں کا انجام اسی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور تدبیر کا مرہون ہے۔ اس کا فیصلہ اعلیٰ اور اچھا ہی ہوتا ہے۔ جو ذات الٰہ کا عالم ہو اور صفات الٰہ سے آگاہ ہو اس سے اس کی شان دریافت کر لے۔ یہ ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات کی پوری خبرداری رکھنے والے، اس کی ذات سے پورے واقف آنحضرت ﷺ ہی تھے جو دنیا اور آخرت میں تمام اولاد آدم کے علی الاطلاق سردار تھے۔ جو ایک بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے بلکہ جو فرماتے تھے، وہ فرمودہ الٰہ ہی ہوتا تھا۔ آپ نے جو جو صفتیں اللہ کی بیان کیں، سب برحق ہیں، آپ نے جو خبریں دیں، سب سچ ہیں۔ سچے امام آپ ہی ہیں، تمام جھگڑوں کا فیصلہ آپ ہی کے حکم سے کیا جا سکتا ہے، جو آپ کی بات بتلائے، وہ سچا، جو آپ کے خلاف کہے، وہ مردود خواہ کوئی بھی ہو۔ اللہ کا فرمان واجب الاذعان کھلے طور سے صادر ہو چکا ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ الخ تم اگر کسی چیز میں جھگڑو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اور فرمان ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ تم جس چیز میں بھی اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔ اور فرمان ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا الخ تیرے رب کی باتیں جو خبروں میں سچی اور حکم وممانعت میں عدل کی ہیں، پوری ہو چکیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے۔ مشرکین اللہ کے سوا اوروں کو سجدے کرتے تھے، ان سے جب رحمان کو سجدہ کرنے کو کہا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے۔ وہ اس سے منکر تھے کہ اللہ کا نام رحمان ہے۔ جیسے حدیبیہ والے سال حضور ﷺ نے صلح نامہ کے کاتب سے فرمایا، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھ۔ تو مشرکین نے کہا نہ ہم رحمان کو جانیں نہ رحیم کو، ہمارے رواج کے مطابق بسمك اللهم لکھ۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ کہہ دے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو، جس نام سے اسے چاہو پکارو، اس کے بہت سے بہترین نام ہیں، وہی اللہ ہے، وہی رحمٰن ہے۔ پس مشرکین کہتے تھے کہ کیا صرف تیرے کہنے سے ہم ایسا مان لیں؟ الغرض وہ اور نفرت میں بڑھ گئے۔ برخلاف مومنوں کے کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو رحمان ورحیم ہے، اسی کو عبادت کے لائق

سمجھتے ہیں اور اسی کے لئے سجدے کرتے ہیں۔ علماء رحمتہ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ سورہ فرقان کی اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ مشروع ہے جیسے کہ اس کی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا
وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ
اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی O اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا۔ اس شخص کی نصیحت کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو O

اللہ تعالیٰ کی رفعت وعظمت: ☆☆ (آیت: ۶۱-۶۲) اللہ تعالیٰ کی بڑائی، عظمت، قدرت، رفعت کو دیکھو کہ اس نے آسمان میں برج بنائے، اس سے مراد یا تو بڑے بڑے ستارے ہیں یا چوکیداری کے برج ہیں۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے ستاروں سے مراد بھی یہی برج ہوں۔ اور آیت میں ہے، آسمان دنیا کو ہم نے ستاروں کے ساتھ مزین بنایا۔ سراج سے مراد سورج ہے جو چمکتا رہتا ہے اور مثل چراغ کے ہے۔ جیسے فرمان ہے وَ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا اور ہم نے روشن چراغ یعنی سورج بنایا اور چاند بنایا جو منور اور روشن ہے دوسرے نور سے جو سورج کے سوا ہے۔ جیسے فرمان ہے اس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور بنایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا الخ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے سات آسمان پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔ دن رات کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اس کی قدرت کا نظام ہے۔ یہ جاتا ہے۔ وہ آتا ہے۔ اس کا جانا اس کا آنا ہے۔ جیسے فرمان ہے۔ اس نے تمہارے لئے سورج چاند پے درپے آنے جانے والے بنائے ہیں۔ اور جگہ ہے، رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور جلدی جلدی اسے طلب کرتی آتی ہے۔ نہ سورج چاند سے آگے بڑھ سکے نہ رات دن سے سبقت لے سکے۔ اسی سے اس کے بندوں کو اس کی عبادتوں کے وقت معلوم ہوتے ہیں۔ رات کا فوت شدہ عمل دن میں پورا کرلیں۔ دن کا رہ گیا ہوا عمل رات کو ادا کرلیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ضحیٰ کی نماز میں بڑی دیر لگادی۔ سوال پر فرمایا کہ رات کا میرا وظیفہ کچھ باقی رہ گیا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے پورا یا قضا کرلوں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ خِلْفَةً کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن، رات تاریک، اس میں اجالا اس میں اندھیرا، یہ نورانی اور وہ ظلماتی۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا
خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا
وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ
عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

رحمان کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے ○ اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں ○ اور جو یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے دوزخ کے عذاب پرے ہی پرے رکھ کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے ○ وہ جائے قرار اور مقام دونوں کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے ○ اور جو خرچ کے وقت بھی نہ تو اصراف کرتے ہیں نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل راہ ہوتی ہے ○

مومنوں کا کردار: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۷) اللہ کے مومن بندوں کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ زمین پر سکون، وقار کے ساتھ، تواضع، عاجزی، مسکینی اور فروتنی سے چلتے پھرتے ہیں۔ تکبر، تجبر، فساد اور ظلم وستم نہیں کرتے۔ جیسے حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے لڑکے سے فرمایا تھا کہ اکڑ کر نہ چلا کر۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تصنع اور بناوٹ سے کمر جھکا کر بیماروں کی طرح قدم قدم چلنا، یہ تو ریا کاروں کا کام ہے کہ وہ اپنے تئیں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور دنیا کی نگاہیں اپنی طرف اٹھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ آنحضرت کی عادت اس کے بالکل برعکس تھی۔ آپ کی چال ایسی تھی کہ گویا آپؐ کسی اونچائی سے اتر رہے ہیں اور گویا کہ زمین آپ کے لئے لپٹی جا رہی ہے۔ سلف صالحین نے بیماروں کی سی تکلف والی چال کو مکروہ فرمایا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو کچھ بیمار ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپؓ نے فرمایا، پھر یہ کیا چال ہے؟ خبردار جواب اس طرح چلا تو کوڑے کھائے گا۔ طاقت کے ساتھ جلدی جلدی چلا کرو۔ پس یہاں مراد تسکین اور وقار کے ساتھ شریفانہ چال چلنا ہے نہ کہ ضعیفانہ اور مریضانہ۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو دوڑ کر نہ آؤ بلکہ تسکین کے ساتھ آؤ۔ جو جماعت کے ساتھ مل جائے ادا کر لو اور جو فوت ہو جائے پوری کر لو۔③ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ مومنوں کی آنکھیں اور ان کے کان اور ان کے اعضاء جھکے ہوئے اور رکے ہوئے رہتے ہیں یہاں تک کہ گنوار اور بے وقوف لوگ انہیں بیمار سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے بلکہ خوف الٰہی سے جھکے جاتے ہیں ویسے پورے تندرست ہیں لیکن دل اللہ کے خوف سے پر ہیں۔ آخرت کا علم، دنیا طلبی سے اور یہاں کے ٹھاٹھ سے انہیں روکے ہوئے ہے۔ یہ قیامت کے دن کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا، اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ انہیں دنیا میں کھانے پینے وغیرہ کا غم لگا رہتا تھا، نہیں نہیں اللہ کی قسم دنیا کا کوئی غم ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتا تھا۔ ہاں انہیں آخرت کا کھٹکا ہر وقت لگا رہتا تھا۔ جنت کے کسی کام کو وہ بھاری نہیں سمجھتے تھے۔ ہاں جہنم کا خوف انہیں رلاتا رہتا تھا۔ جو شخص اللہ کے خوف دلانے سے بھی خوف نہ کھائے، اس کا نفس حسرتوں کا مالک ہے، جو شخص کھانے پینے کو ہی اللہ کی نعمت سمجھے، وہ کم علم ہے اور عذابوں میں پھنسا ہوا ہے۔ پھر اپنے نیک بندوں کا اور وصف بیان فرمایا کہ جب جاہل لوگ ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو یہ بھی ان کی طرح جہالت پر نہیں اتر آتے بلکہ درگزر کر لیتے ہیں۔ معاف فرما دیتے ہیں اور سوائے بھلی بات کے گندی باتوں سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جوں جوں دوسرا آپ پر تیز ہوتا آپ اتنے ہی نرم ہوتے۔ یہی وصف۔ قرآن کریم کی اس آیت میں بیان ہوا ہے وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ مومن لوگ بیہودہ باتیں سن کر منہ پھیر لیتے ہیں۔

ایک حسن سند سے مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی شخص نے دوسرے کو برا بھلا کہا لیکن اس نے پلٹ کر جواب دیا کہ تجھ پر سلام ہو- آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم دونوں کے درمیان فرشتہ موجود تھا، وہ تیری طرف سے گالیاں دینے والے کو جواب دیتا تھا- وہ جو گالی تجھے دیتا تھا، فرشتہ کہتا تھا یہ نہیں بلکہ تو، اور جب تو کہتا تھا تجھ پر سلام تو فرشتہ کہتا تھا، اس پر نہیں بلکہ تجھ پر، تو ہی سلامتی کا پورا حق دار ہے- پس فرمان ہے کہ یہ اپنی زبان کو گندی نہیں کرتے، برا کہنے والوں کو برا نہیں کہتے، سوائے بھلے کلمے کے زبان سے اور کوئی لفظ نہیں نکالتے - امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، دوسرا ان پر ظلم کرے، یہ صلح اور برداشت کرتے ہیں- اللہ کے بندوں کے ساتھ دن اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کی کڑوی کسیلی سن لیتے ہیں، رات کو جس حالت میں گزارتے ہیں، اس کا بیان اگلی آیت میں ہے-

فرماتا ہے کہ رات اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں بسر ہوتی ہے، بہت کم سوتے ہیں، صبح کو استغفار کرتے ہیں، کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، دلوں میں خوف الٰہی ہوتا ہے، امید رحمت ہوتی ہے اور راتوں کی گھڑیوں کو الٰہی کی عبادتوں میں گزارتے ہیں- دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی عذاب جہنم ہم سے دور رکھ وہ تو دائمی اور لازمی عذاب ہے- جیسے کہ شاعر نے اللہ کی شان بتائی ہے کہ اِنْ یُّعَذِّبْ یَکُنْ غَرَامًا وَ اِنْ یُّعْطِ جَزِیْلًا فَاِنَّہٗ لَا یُبَالِیْ یعنی اس کے عذاب بھی سخت اور لازمی اور ابدی، اور اس کی عطا اور انعام بھی بے حد، ان گنت اور بے حساب- جو چیز آئے اور ہٹ جائے، وہ غرام نہیں- غرام وہ ہے جو آنے کے بعد ہٹنے اور دور ہونے کا نام ہی نہ لے- یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ عذاب جہنم تاوان ہے جو کافران نعمت سے لیا جائے گا- انہوں نے اللہ کے دیئے کو اس کی راہ میں نہیں لگایا- لہذا آج اس کا تاوان یہ بھرنا پڑے گا کہ جہنم کو پر کردیں- وہ بری جگہ ہے، بدمنظر ہے، تکلیف دہ ہے، مصیبت ناک ہے-

حضرت مالک بن حارث کا بیان ہے کہ جب دوزخی کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی مدت تک وہ نیچے ہی نیچے چلا جائے گا، اس کے بعد جہنم کے ایک دروازے پر اسے روک دیا جائے گا اور کہا جائے گا، آپ بہت پیاسے ہو رہے ہو گے، لو ایک جام تو نوش کرلو- یہ کہہ کر انہیں کالے ناگ اور زہریلے بچھوؤں کے زہر کا ایک پیالہ پلایا جائے گا جس کے پیتے ہی ان کی کھالیں الگ جھڑ جائیں گی، بال الگ ہو جائیں گے، رگیں الگ جا پڑیں گی، ہڈیاں جدا جدا ہو جائیں گی- حضرت عبید بن عمیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جہنم میں گڑھے ہیں، کنویں ہیں- ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر، جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو وہ وہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں- ہونٹوں پر، سروں پر اور جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور پھکنے لگتے ہیں- سارے سر کی کھال جھلس کر گر پڑتی ہے- پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جہنمی ایک ہزار سال تک جہنم میں چلاتا رہے گا- یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ تب اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمائے گا، جاؤ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے- حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر دیکھیں گے کہ سب جہنمی برے حال، سر جھکائے آہ وزاری کررہے ہیں- جا کر جناب باری میں خبر کریں گے- اللہ تعالیٰ فرمائے گا، پھر جاؤ فلاں فلاں جگہ یہ شخص ہے- جاؤ اور اسے لے آؤ- آپ بحکم الٰہی جائیں گے اور اسے لا کر اللہ کے سامنے کھڑا کردیں گے- اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تو کیسی جگہ ہے؟ یہ جواب دے گا کہ الٰہی ٹھہرنے کی بھی بری جگہ اور سونے بیٹھنے کی بھی بدترین جگہ ہے- اللہ فرمائے گا، اچھا اب اسے اس کی جگہ واپس لے جاؤ، تو یہ گڑگڑائے گا- عرض کرے گا کہ اے میرے ارحم الراحمین اللہ جب کہ تو نے مجھے اس سے باہر نکالا تو تیری ذات ایسی نہیں کہ پھر مجھے اس میں داخل کردے، مجھے تو تجھ سے رحم و کرم کی ہی امید ہے- الٰہی بس اب مجھ پر کرم فرما- جب تو نے مجھے جہنم سے نکالا تو میں خوش ہو گیا تھا کہ اب تو اس میں نہ ڈالے گا- اس مالک ورحمٰن ورحیم اللہ کو بھی رحم آجائے گا اور فرمائے گا، اچھا میرے بندے کو چھوڑ دو-

پھر ان کا ایک اور وصف بیان ہوتا ہے کہ نہ تو وہ مسرف ہیں نہ بخیل ہیں، نہ بے جا خرچ کرتے ہیں، نہ ضروری اخراجات میں کوتاہی کرتے ہیں بلکہ درمیانہ روی سے کام لیتے ہیں، نہ ہی ایسا کرتے ہیں کہ اپنے والوں کو، اہل وعیال کو بھی تنگ رکھیں۔ نہ ایسا کرتے ہیں کہ جو ہو سب لٹا دیں۔ اسی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ فرماتا ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً الخ یعنی نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ اور نہ انہیں بالکل ہی چھوڑ دے۔ مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ اپنی گزران میں درمیانہ روی کرنا انسان کی سمجھ داری کی دلیل ہے اور حدیث میں ہے، جو افراط وتفریط سے بچتا ہے، وہ کبھی فقیر ومحتاج نہیں ہوتا۔ بزار کی حدیث میں ہے کہ امیری میں، فقیری میں، عبادت میں درمیانہ روی بڑی ہی بہتر اور احسن چیز ہے۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، راہ الٰہی میں کتنا ہی چاہو دو اس کا نام اسراف نہیں ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جہاں کہیں تو حکم الٰہی سے آگے بڑھ جائے وہی اسراف ہے۔ اور بزرگوں کا قول ہے، اللہ کی نافرمانی کا خرچ اسراف کہلاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
يَلْقَ اَثَامًا ۙ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ
فِيْهٖ مُهَانًا ۖ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ
مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے، وہ اپنے اوپر سخت وبال لاوے گا ○ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب کیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا ○ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے ○ اور جو شخص توبہ کرلے اور نیک عمل کرے، وہ تو حقیقتاً اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے ○

سب سے بڑا گناہ؟ ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۱) حضور ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، تیرا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا، اس سے کم؟ فرمایا تیرا اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ تو اسے کھلائے گا کہاں سے؟ پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا تیرا اپنے پڑوس کی کسی عورت سے بدکاری کرنا۔ پس اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ یہ حدیث بخاری ومسلم وغیرہ میں موجود ہے اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ باہر جانے لگے۔ تنہا تھے، میں بھی ساتھ ہو لیا۔ آپؐ ایک اونچی جگہ بیٹھ گئے، میں آپؐ سے نیچے بیٹھ گیا اور اس تنہائی کے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر حضور ﷺ سے وہ سوالات کئے جو اوپر مذکور ہوئے۔ حجتہ الوداع میں حضور ﷺ نے فرمایا، چار گناہوں سے بہت بچو۔ اللہ کے ساتھ کا شرک، کسی حرمت والے نفس کا قتل، زناکاری اور چوری۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، زنا کی بابت

تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، وہ حرام ہے اور قیامت تک حرام ہے آپ نے فرمایا ہاں سنو انسان کا اپنی پڑوس کی عورت سے زنا کرنا دوسری دس عورتوں کے زنا سے بھی بدتر ہے۔ پھر آپ نے پوچھا چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے یہی جواب دیا کہ وہ حرام ہے خدا و رسول اسے حرام قرار دے چکے ہیں آپ نے فرمایا سنو دس جگہ کی چوری بھی اتنی بری نہیں جیسی پڑوس کی ایک جگہ کی چوری۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ شرک کے بعد اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں کہ انسان اپنا نطفہ اس رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں۔

یہ بھی مروی ہے کہ بعض مشرکین حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا حضرت آپ کی دعوت اچھی ہے سچی ہے لیکن ہم نے تو شرک بھی کیا ہے، قتل بھی کیا ہے، زنا کاریاں بھی کی ہیں اور یہ سب کام بکثرت کئے ہیں تو فرمایئے ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت اتری اور آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا بھی نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں اس سے منع فرماتا ہے کہ تم خالق کو چھوڑ مخلوق کی عبادت کرو اور اس سے بھی منع فرماتا ہے کہ اپنے کتے کو تو پالو اور اپنے بچے کو قتل کر ڈالو۔ اور اس سے بھی منع فرماتا ہے کہ اپنی پڑوسن سے بدکاری کرو۔ اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہی وہ وادیاں ہیں جن میں زانیوں کو عذاب کیا جائے گا۔ اس کے معنی عذاب وسزا کے بھی آتے ہیں۔ حضرت لقمان حکیم رحمتہ اللہ علیہ کی نصیحتوں میں ہے کہ اے بچے، زنا کاری سے بچنا۔ اس کے شروع میں ڈر خوف ہے اور اس کا انجام ندامت و حسرت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ غی اور اثام دوزخ کے دو کنوئیں ہیں۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ اثام کے معنی بدلے کے بھی مروی ہیں اور یہی ظاہر آیت کے مشابہ بھی ہے۔ اور گویا اس کے بعد کی آیت اسی بدلے اور سزا کی تفسیر ہے کہ اسے بار بار عذاب کیا جائے گا اور سختی کی جائے گی اور ذلت کے دائمی عذابوں میں پھنس جائے گا۔ اللھم احفظنا ان کاموں کے کرنے والے کی سزا تو بیان ہو چکی مگر اس سزا سے وہ بچ جائیں گے جو دنیا ہی میں اس سے توبہ کر لیں۔ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہے جو آیت سورۂ نسا میں ہے۔ وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ وہ اس کے خلاف نہیں گو وہ مدنی آیت ہے لیکن وہ مطلق ہے تو وہ محمول کی جائے گی ان قاتلوں پر جو اپنے اس فعل سے توبہ نہ کریں اور یہ آیت ان قاتلوں کے بارے میں ہے جو توبہ کریں۔ پھر مشرکوں کی بخشش نہ ہونے کا بیان فرمایا ہے اور صحیح حدیثوں سے بھی قاتل کی توبہ کی مقبولیت ثابت ہے جیسے اس شخص کا قصہ جس نے ایک سو قتل کئے تھے۔ پھر توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہوئی وغیرہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے گناہ کے کام کئے تھے۔ اسلام میں آنے کے بعد نیکیاں کیں تو اللہ نے ان گناہ کے کاموں کے بدلے نیکیوں کی توفیق عنایت فرمائی۔ اس آیت کی تلاوت کے وقت آپ ایک عربی شعر پڑھتے تھے جس میں احوال کے تغیر کا بیان ہے جیسے گرمی سے ٹھنڈک۔ عطا بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں، یہ دنیا کا ذکر ہے کہ انسان کی بری خصلت کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے نیک عادت سے بدل دیتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ بتوں کی پرستش کے بدلے خدائے تعالیٰ کی عبادت کی توفیق انہیں ملی۔ مومنوں سے لڑنے کی بجائے کافروں سے جہاد کرنے لگے، مشرکہ عورتوں سے نکاح کی بجائے مومنہ عورتوں سے نکاح کئے۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، گناہ کے بدلے ثواب کے عمل کرنے لگے۔ شرک کے بدلے توحید و اخلاص ملا۔ بدکاری کے بدلے پاکدامنی حاصل ہوئی۔ کفر کے بدلے اسلام ملا۔ ایک معنی تو اس آیت کے یہ ہوئے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خلوص کے ساتھ ان کی جو توبہ تھی، اس سے خوش ہو کر اللہ عزوجل نے ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔ یہ اس لئے کہ توبہ کے بعد جب کبھی انہیں اپنے گذشتہ گناہ یاد آتے تھے، انہیں ندامت ہوتی تھی، یہ غمگین ہو جاتے تھے، شرمانے لگتے تھے اور استغفار کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے گناہ اطاعت سے بدل گئے گو وہ ان کے نامۂ اعمال میں گناہ کے طور پر لکھے ہوئے تھے لیکن قیامت کے دن وہ سب نیکیاں بن جائیں گی جیسے کہ احادیث و آثار میں ثابت ہے۔ حضور ﷺ

فرماتے ہیں، میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے آخر جہنم سے نکلے گا اور سب سے آخر جنت میں جائے گا۔ یہ ایک وہ شخص ہوگا جسے اللہ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اس کے بڑے بڑے گناہوں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے گناہوں کی نسبت اس سے باز پرس کرو چنانچہ اس سے سوال ہوگا کہ فلاں دن تو نے فلاں کام کیا تھا؟ فلاں دن فلاں گناہ کیا تھا؟ یہ ایک کا بھی انکار نہ کر سکے گا۔ اقرار کرے گا۔ آخر میں کہا جائے گا کہ تجھے ہم نے ہر گناہ کے بدلے نیکی دی۔ اب تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی اور کہے گا اے میرے پروردگار، میں نے اور بھی، بہت سے اعمال کئے تھے جنہیں یہاں پا نہیں رہا۔ یہ فرما کر حضور ﷺ اس قدر ہنسے کہ آپ کے مسوڑھے دیکھے جانے لگے (مسلم) آپ فرماتے ہیں کہ جب انسان سوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے، مجھے اپنا صحیفہ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں، دے، وہ دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ چونتیس دفعہ اللہ اکبر کہے اور تینتیس دفعہ الحمد للہ کہے اور تنتیس دفعہ سبحان اللہ کہے۔ یہ مل کر سو مرتبہ ہوگئے۔ (طبرانی)

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں، انسان کو قیامت کے دن نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر ہی اس کی برائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ ناامید سا ہونے لگے گا، اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، بہت سے لوگ اللہ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے، پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے۔ متقین یعنی پرہیزگاری کرنے والے۔ پھر شاکرین یعنی شکر الٰہی کرنے والے۔ پھر خائفین یعنی خوف اللہ رکھنے والے۔ پھر اصحاب یمین یعنی دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پانے والے۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں بدیاں سب کی تھیں۔ ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ ملے، اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگے کہ الٰہی ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب بدیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا، انہیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے اعمال نامے دیکھو۔ جنتیوں میں اکثر یہی لوگ ہوں گے۔ امام علی بن حسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہوگا۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انہیں نیکیوں میں بدل دے گا۔ حضرت مکحول نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف آدمی جن کی بھنویں آنکھوں پر آ گئی تھیں، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری، کوئی گناہ، کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی۔ میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ تو آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں، گناہ، بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا، اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں میں بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا، حضور ﷺ میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں سب کے سب، پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا۔ رضی اللہ عنہ (ابن ابی حاتم) حضرت ابوفروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر حضور ﷺ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سارے ہی گناہ کئے ہوں، جو جی میں آیا ہو، پورا

کیا ہو' کیا ایسے شخص کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو گئے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں' آپ نے فرمایا' اب نیکیاں کرو' برائیوں سے بچو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی نیکیوں میں بدل دے گا۔ اس نے کہا میری غداریاں اور بدکاریاں بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں' اب وہ اللہ اکبر کہتا ہوا واپس چلا گیا (طبرانی) ایک عورت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہو گئی۔ اس سے بچہ ہو گیا' میں نے اسے مار ڈالا۔ اب کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں نہ اللہ کے ہاں تیری بزرگی ہو سکتی ہے۔ تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں' وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا' تو نے اس سے بہت ہی بری بات کہی۔ کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا وَالَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ سے اِلَّا مَنۡ تَابَ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ وہ خوش ہو گئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت پیدا کر دی (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت وافسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لئے بنائی گئی تھی؟

اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے۔ تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کو وہ عورت پھر آئی۔ تب حضرت ابو ہرہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں صحیح مسئلہ بتلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کو قبول فرمایا۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی' اسے آزاد کر دیا' اس لونڈی کی ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ پھر فرماتا ہے اور اپنے عام لطف وکرم' فضل ورحم کی خبر دیتا ہے کہ جو بھی اللہ کی طرف جھکے اور اپنی سیاہ کاریوں پر نادم ہو کر توبہ کرے' اللہ اس کی سنتا ہے۔ قبول فرماتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ الخ جو برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ سے استغفار کرے' وہ اللہ کو غفور ورحیم پائے گا۔ اور جگہ ارشاد ہے اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ الخ کیا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ توبہ کا قبول فرمانے والا ہے؟ اور آیت میں ہے قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ الخ میرے ان بندوں سے جو گنہگار ہیں' کہہ دیجئے کہ وہ میری رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ یعنی توبہ کرنے والا محروم نہیں۔

وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا
كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَمۡ يَخِرُّوۡا عَلَيۡهَا
صُمًّا وَّعُمۡيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا
وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡيُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغویت پر ان کا گزر ہوتا ہے تو بزرگانہ طور پر گزر جاتے ہیں ○ اور جب انہیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے ○ اور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا ○

عبادالرحمان کے اوصاف: ☆☆ (آیت:۷۲-۷۴) عبادالرحمٰن کے اور نیک اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے

یعنی شرک نہیں کرتے، بت پرستی سے بچتے ہیں، جھوٹ نہیں بولتے، فسق وفجور نہیں کرتے، کفر سے الگ رہتے ہیں، لغو اور باطل کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، گانا نہیں سنتے، مشرکوں کی عیدیں نہیں مناتے، خیانت نہیں کرتے، بری مجلسوں میں نشست نہیں رکھتے، شرابیں نہیں پیتے۔ شراب خانوں میں نہیں جاتے، اس کی رغبت نہیں کرتے۔ حدیث میں بھی ہے کہ سچے مومن کو چاہئے، اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر دور شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ صحیحین میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ بتا دوں؟ تین دفعہ یہی فرمایا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، ہاں یا رسول ﷺ، آپ نے فرمایا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اس وقت تک آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے، سنو اور جھوٹی بات کہنا، سنو اور جھوٹی گواہی دینا، اسے بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول ﷺ اب خاموش ہو جاتے۔ زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے۔ اللہ کے ان بزرگ بندوں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل دہل جاتے ہیں، ان کے ایمان اور توکل بڑھ جاتے ہیں بخلاف کفار کے کہ ان پر کلام الٰہی کا اثر نہیں ہوتا، وہ اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں رہتے، نہ اپنا کفر چھوڑتے، نہ سرکشی وطغیانی اور جہالت وضلالت سے باز آتے ہیں۔ ایمان والوں کے ایمان، بڑھ جاتے ہیں۔ اور بیمار دل والوں کی گندگی ابھر آتی ہے۔ پس کافر اللہ کی آیتوں سے بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں۔ ان مومنوں کی حالت ان کے برعکس ہے، نہ یہ حق سے بہرے ہیں نہ حق سے اندھے ہیں۔ سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، نفع حاصل کرتے ہیں، اپنی اصلاح کرتے ہیں، ایسے بہت سے لوگ ہیں جو پڑھتے تو ہیں لیکن اندھاپن، بہراپن نہیں چھوڑتے۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ ایک شخص آتا ہے اور وہ دوسروں کو سجدے میں پاتا ہے لیکن اسے نہیں معلوم کہ کس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا ہے؟ تو کیا وہ بھی ان کے ساتھ سجدہ کر لے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی یعنی سجدہ نہ کرے اس لئے کہ اس نے نہ سجدے کی آیت پڑھی نہ سنی نہ سوچی تو مومن کو کوئی کام اندھادھند نہ کرنا چاہئے جب تک اس کے سامنے کسی چیز کی حقیقت نہ ہو، اسے شامل نہ ہونا چاہئے۔

پھر ان بزرگ بندوں کی ایک دعا بیان ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں کہ ان کی اولادیں بھی ان کی طرح رب کی فرماں بردار، عبادت گزار، موحد اور غیر مشرک ہوں تاکہ دنیا میں بھی اس نیک اولاد سے ان کا دل ٹھنڈا رہے اور آخرت میں بھی یہ انہیں اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوں۔ اس دعا سے ان کی غرض خوبصورتی اور جمال کی نہیں بلکہ نیکی اور خوش خلقی کی ہے۔ مسلمان کی سچی خوشی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو، دوست احباب کو اللہ کا فرماں بردار دیکھے۔ وہ ظالم نہ ہوں، بدکار نہ ہوں۔ سچے مسلمان ہوں۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر ایک صاحب فرمانے لگے، ان آنکھوں کو مبارک باد ہو جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت کی ہے، کاش کہ ہم بھی حضور ﷺ کو دیکھتے اور تمہاری طرح فیض صحبت حاصل کرتے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوئے تو نفیر کہتے ہیں، مجھے تعجب معلوم ہوا کہ اس بات میں تو کوئی برائی نہیں۔ پھر یہ خفا کیوں ہو رہے ہیں؟ اتنے میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس چیز کی آرزو کرتے ہیں جو قدرت نے انہیں نہیں دی، اللہ ہی کو علم ہے کہ یہ اگر اس وقت ہوتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ واللہ وہ لوگ بھی تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے جنہوں نے نہ آپ کی تصدیق کی نہ تابعداری کی اور اوندھے منہ جہنم میں گئے، تم اللہ کا یہ احسان نہیں مانتے کہ اللہ نے تمہیں اسلام میں اور مسلمان گھروں میں پیدا کیا۔ پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں اللہ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پڑی اور ان بلاؤں سے تم بچا لئے گئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئی تھیں۔ حضور ﷺ تو ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے تھے جس وقت دنیا کی اندھیر نگری اپنی انتہا پر تھی۔ اس وقت دنیا والوں کے نزدیک بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب نہ تھا۔ آپ فرقان لے کر آئے۔ حق وباطل میں تمیز کی۔ باپ بیٹے جدا ہو گئے۔ مسلمان اپنے باپ دادوں، بیٹوں، پوتوں، دوست احباب کو کفر پر دیکھتے۔ ان سے انہیں کوئی محبت پیار نہیں

ہوتا تھا بلکہ کڑھتے تھے کہ یہ جہنمی ہیں۔ اسی لئے ان کی دعائیں ہوتی تھیں کہ ہمیں ہماری اولاد اور بیویوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما کیونکہ کفار کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوتی تھیں۔ اس دعا کا آخر یہ ہے کہ ہمیں لوگوں کا رہبر بنا دے کہ ہم انہیں نیکی کی تعلیم دیں‘ لوگ بھلائی میں ہماری اقتدا کریں۔ ہماری اولاد ہماری راہ چلے تاکہ ثواب بڑھ جائے اور ان کی نیکیوں کا باعث بھی ہم بن جائیں۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جائے یا صدقہ جاریہ۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ
سَلٰمًا ۝۷۵ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝۷۶ قُلْ مَا يَعْبَؤُا
بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝۷۷ ع ۱۷

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند بالا خانے دیئے جائیں گے جہاں انہیں دعا سلام پہنچایا جائے گا ○ اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے‘ وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے ○ کہہ دے‘ اگر تمہاری دعا التجا نہ ہوتی تو میرا رب تو تمہاری مطلق پرواہ نہ کرتا‘ تم تو جھٹلا چکے۔ اب عنقریب اس کی سزا تمہیں چمٹ جانے والی ہوگی ○

مومنوں کے اعمال اور اللہ تعالیٰ کے انعامات: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۷) مومنوں کی پاک صفتیں‘ ان کے بھلے اقوال‘ عمدہ افعال بیان فرما کر ان کا بدلہ بیان ہو رہا ہے کہ انہیں جنت ملے گی۔ جو بلند تر جگہ ہے اس وجہ سے کہ یہ ان اوصاف پر جمے رہے۔ وہاں ان کی عزت ہو گی‘ اکرام ہو گا‘ ادب تعظیم ہو گی۔ احترام اور توقیر ہو گی۔ ان کے لئے سلامتی ہے۔ ان پر سلامتی ہے۔ ہر ہر دروازہ جنت سے فرشتے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور سلام کر کے کہتے ہیں کہ تمہارا انجام بہتر ہو گیا کیونکہ تم صبر کرنے والے تھے۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے‘ نہ نکلیں نہ نکالے جائیں‘ یہ نعمتیں کم ہوں‘ نہ راحتیں فنا ہوں۔ یہ سعید بخت ہیں‘ جنتوں میں ہمشیہ رہیں گے۔ ان کے رہنے سہنے‘ راحت و آرام کرنے کی جگہ بڑی سہانی‘ پاک‘ صاف‘ طیب و طاہر ہے‘ دیکھنے میں خوش منظر‘ رہنے میں آرام دہ۔ اللہ نے اپنی مخلوق کو اپنی عبادت اور تسبیح وتہلیل کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر مخلوق یہ نہ بجا لائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہایت حقیر ہے۔ ایمان کے بغیر انسان ناکارہ محض ہے۔ اگر اللہ کو کافروں کی چاہت ہوتی تو وہ انہیں بھی اپنی عبادت کی طرف جھکا دیتا لیکن اللہ کے نزدیک یہ کسی گنتی میں ہی نہیں۔ کافرو تم نے جھٹلایا۔ اب تم نہ سمجھو کہ بس معاملہ ختم ہو گیا۔ نہیں اس کا وبال تمہارے ساتھ ہی ساتھ ہے۔ دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو گے اور عذاب الٰہی تم سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی بدر کے دن کفار کی ہزیمت اور شکست تھی جیسے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے مروی ہے قیامت کے دن کی سزا ابھی باقی ہے۔

الحمدللہ کہ سورۂ فرقان کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدللہ

تفسیر سورۃ الشعرآء

مالکؒ کی روایت کردہ تفسیر میں اس کا نام سورۂ جامعہ ہے۔ حروف مقطعہ کی بحث سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں گزر چکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ
اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً
فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝٤ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝٥ فَقَدْ
كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦ اَوَلَمْ
يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝٧

معبود برحق، بخشش و کرم کرنے والے نام سے شروع

یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں ○ ان کے ایمان نہ لانے پر شاید تو اپنی جان کھودے گا ○ اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہو جائیں ○ ان کے پاس رحمان کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آئی، یہ اسی سے روگردانی کرنے والے بن گئے ○ ان لوگوں نے جھٹلایا ہے، اب ان کے پاس جلدی سے اس کی خبریں آ جائیں گی جس کے ساتھ مسخراپن کر رہے ہیں ○ کیا انہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں کہ ہم نے اس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں؟ ○

تعارف قرآن حکیم: ☆☆ (آیت: ۱-۷) پھر فرمان ہے کہ یہ آیتیں قرآن مبین کی ہیں جو بہت واضح، بالکل صاف اور حق و باطل، بھلائی برائی کے درمیان فیصلہ اور فرق کرنے والا ہے۔ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے آپ رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ تو ان کے ایمان نہ لانے پر حسرت و افسوس نہ کر۔ اور آیت میں ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ الخ کہیں ایسا تو نہیں کہ تو ان کے پیچھے اپنی جان گنوا دے۔ چونکہ ہماری یہ چاہت ہی نہیں کہ لوگوں کو ایمان پر زبردستی کریں، اگر یہ ہم چاہتے تو کوئی ایسی چیز آسمان سے اتارتے کہ یہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے مگر ہم تو ان کا اختیاری ایمان طلب کرتے ہیں۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا الخ اگر تیرا رب چاہے تو روئے زمین کے تمام لوگ مومن ہو جائیں۔ کیا تو لوگوں پر جبر کرے گا جب تک کہ وہ مومن نہ ہو جائیں۔ اور آیت میں ہے، اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ یہ اختلاف دین و مذہب بھی اس کا مقرر کیا ہوا ہے اور اس کی حکمت کو ظاہر کرنے والا ہے، اس نے رسول بھیج دیئے، کتابیں اتار دیں، اپنی دلیل و حجت قائم کر دی، انسان کو ایمان لانے نہ لانے میں مختار کر دیا۔ اب جس راہ پر وہ چاہے لگ جائے۔ جب کبھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی، بہت سے لوگوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔ باوجود تیری پوری آرزو کے اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔ سورہ یاسین میں فرمایا، بندوں پر افسوس ہے، ان کے پاس جو بھی رسول آیا، انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ اور آیت میں ہے، ہم نے پے در پے پیغمبر بھیجے لیکن جس امت کے

پاس ان کا رسول آیا اس نے اپنے رسول کو جھٹلانے میں کمی نہ کی۔ یہاں بھی اس کے بعد ہی فرمایا کہ نبی آخر الزماں کی قوم نے بھی اسے جھٹلایا ہے۔ انہیں بھی اس کا بدلہ عنقریب مل جائے گا۔ ان ظالموں کو بہت جلدی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس راہ ڈالے گئے ہیں؟ پھر اپنی شان و شوکت، قدرت و عظمت، عزت و رفعت بیان فرماتا ہے کہ جس کے پیغام اور جس کے قاصد کو تم جھوٹا کہہ رہے ہو، وہ اتنا بڑا قادر و قیوم ہے کہ اسی ایک نے ساری زمین بنائی ہے اور اس میں جاندار اور بے جان چیزیں پیدا کی ہیں۔ کھیت، پھل، باغ و بہار سب اسی کا پیدا کردہ ہے۔ شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، لوگ زمین کی پیداوار ہیں، ان میں جو جنتی ہیں، وہ کریم ہیں اور جو دوزخی ہیں، وہ کنجوس ہیں۔

> إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ وَإِنَّ
> رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾ ع ۹ ۵

بے شک اس میں یقیناً نشانی ہے، اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں ○ اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے ○

(آیت: ۸-۹) اس میں قدرت خالق کی بہت سی نشانیاں ہیں کہ اس نے پھیلی ہوئی زمین کو اور اونچے آسمان کو پیدا کر دیا۔ باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ الٹا اس کے نبیوں کو جھوٹا کہتے ہیں، اس کی کتابوں کو نہیں مانتے، اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کے منع کردہ کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ بیشک تیرا رب ہر چیز پر غالب ہے، اس کے سامنے مخلوق عاجز ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، نافرمانوں کے عذاب میں جلدی نہیں کرتا، تاخیر اور ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آ جائیں لیکن پھر بھی جب وہ راہ راست پر نہیں آتے تو انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے اور ان سے پورا انتقام لیتا ہے ہاں جو توبہ کرے اور اس کی طرف جھکے اور اس کا فرمانبردار ہو جائے، وہ اس پر اس کے ماں باپ سے بھی زیادہ رحم و کرم کرتا ہے۔

> وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ
> فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾
> وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴿١٣﴾
> وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا
> بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا
> رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٧﴾

جب کہ تیرے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تو گنہگار لوگوں کے پاس جا ○ قوم فرعون کے پاس کیا وہ پرہیز گاری نہ کریں گے؟ ○ کہنے لگے کہ میرے پروردگار مجھے تو خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلانے نہ لگیں ○ میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔ میری زبان چل نہیں رہی۔ تو تو ہارون کی طرف بھی وحی بھیج ○ اور ان کا مجھ پر میرے ایک قصور کا دعویٰ بھی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں ○ جناب باری نے فرمایا، ہرگز ایسا نہ ہوگا تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔ ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں ○ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں ○ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے ○

موسیٰ علیہ السلام اور اللہ جل شانہ کے مکالمات: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جو حکم دیا تھا' اسے بیان فرما رہا ہے کہ طور کے دائیں طرف سے آپ کو آواز دی' آپ سے سرگوشیاں کیں' آپ کو اپنا رسول ﷺ اور برگزیدہ بنایا اور آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جو ظلم پر کمر بستہ تھے۔ اور اللہ کا ڈر اور پرہیز گاری نام کو بھی ان میں نہیں رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی چند کمزوریاں جناب باری تعالیٰ کے سامنے بیان کیں جو عنایت الٰہی سے دور کر دی گئیں جیسے سورہ طٰہٰ میں آپ کے سوالات پورے کر دیئے گئے۔ یہاں آپ کے عذر یہ بیان ہوئے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ تنگ ہے' میری زبان لکنت والی ہے' ہارون کو بھی میرے ساتھ نبی بنا دیا جائے اور میں نے ان ہی میں سے ایک قبطی کو بلاقصور مار ڈالا تھا جس وجہ سے میں نے مصر چھوڑا' اب جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ مجھ سے بدلہ نہ لے لیں۔ جناب باری نے جواب دیا کہ کسی بات کا کھٹکا نہ رکھو۔ ہم تیرے بھائی کو تیرا ساتھی بنا دیتے ہیں اور تمہیں روشن دلیل دیتے ہیں۔ وہ لوگ تمہیں کوئی ایذا نہ پہنچا سکیں گے' میرا وعدہ ہے کہ تم کو غالب کروں گا۔ تم میری آیتیں لے کر جاؤ تو سہی' میری مدد تمہارے ساتھ رہے گی' میں تمہاری ان کی سب باتیں سنتا رہوں گا۔

جیسے فرمان ہے' میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' سنتا دیکھتا رہوں گا۔ میری حفاظت' میری مدد' میری نصرت وتائید تمہارے ساتھ ہے۔ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اس پر اپنی رسالت کا اظہار کرو۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ اس سے کہو کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک اللہ کا فرستادہ ہے۔ فرعون سے کہا کہ تو ہمارے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے۔ وہ اللہ کے مومن بندے ہیں' تو نے انہیں اپنے غلام بنا رکھا ہے اور ان کی حالت زبوں کر رکھی ہے' ذلت کے ساتھ ان سے اپنے کام لیتا ہے اور انہیں عذابوں میں جکڑ رکھا ہے۔ اب انہیں آزاد کر دے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ
سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ
مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ
حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

فرعون کہنے لگا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ ○ پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں ہے ○ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جب کہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا ○ پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم وعلم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا ○ مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے جسے جتا کر

اس کے بدلے تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی میں رکھنا چاہتا ہے؟ ○ فرعون نے کہا' رب العالمین کون ہے؟ ○ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا' وہ آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین رکھنے والے ہو ○ فرعون اپنے اردگرد والوں سے کہنے لگا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟ ○

(آیت: ۱۸-۲۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام کو فرعون نے نہایت حقارت سے سنا- اور آپ کو ڈانٹ کر کہنے لگا کہ کیا تو وہی نہیں کہ ہم نے تجھے اپنے ہاں پالا- مدتوں تک تیری خبر گیری کرتے رہے- اس احسان کا بدلہ تو نے یہ دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو مار ڈالا اور ہماری ناشکری کی- جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے فرمایا' یہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں جب کہ میں خود بے خبر تھا- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں بجائے مِنَ الضَّآلِّیْنَ کے مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساتھ ہی فرمایا کہ پھر وہ پہلا حال جاتا رہا' دوسرا دور آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تیری طرف بھیجا' اب اگر تو میرا کہا مانے گا تو سلامتی پائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہوگا- اس خطا کے بعد جب کہ میں تم میں سے بھاگ گیا' اس کے بعد اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا- اب پرانے قصے یاد نہ کر- میری آواز پر لبیک کہہ- سن اگر ایک مجھ پر تو نے احسان کیا ہے تو میری قوم کی قوم پر تو نے ظلم و تعدی کی ہے- ان کو بری طرح غلام بنا رکھا ہے' کیا میرے ساتھ کا سلوک اور ان کے ساتھ کی یہ سنگدلی اور بدسلوکی برابر برابر ہو جائے گی؟

(آیت: ۲۳-۲۵) چونکہ فرعون نے اپنی رعیت کو بہکا رکھا تھا اور انہیں یقین دلا دیا تھا کہ معبود اور رب صرف میں ہی ہوں' میرے سوا کوئی نہیں' اس لئے ان سب کا عقیدہ یہی تھا- جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول علیہ السلام ہوں تو اس نے کہا کہ رب العالمین ہے کیا چیز؟ مقصد یہی تھا کہ میرے سوا کوئی رب ہے ہی نہیں- تو جو کہہ رہا ہے' محض غلط ہے- چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اس نے پوچھا- فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ اس کے جواب میں کلیم اللہ نے فرمایا- جس نے ہر ایک کی پیدائش کی ہے اور جو سب کا ہادی ہے- یہاں پر یہ یاد رہے کہ بعض منطقیوں نے یہاں ٹھوکر کھائی ہے اور کہا ہے کہ فرعون کا سوال اللہ کی ماہیت سے تھا' یہ محض غلط ہے اس لئے کہ ماہیت کو تو جب پوچھتا جب کہ پہلے وجود کا قائل ہوتا- وہ تو سرے سے اللہ کے وجود کا منکر تھا- اپنے اسی عقیدے کو ظاہر کرتا تھا اور ایک ایک کو یہی عقیدہ گھونٹ گھونٹ کر پلا رہا تھا گو اس کے خلاف دلائل و براہین اس کے سامنے کھل گئے تھے-

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

حضرت موسیٰ نے فرمایا' وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے ○ فرعون کہنے لگا' لوگو تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' یہ تو یقیناً دیوانہ ہے ○ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا' وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو ○

(آیت: ۲۶-۲۸) پس اس کے اس سوال پر کہ رب العالمین کون ہے؟ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ جو سب کا خالق ہے' سب کا مالک ہے' سب پر قادر ہے' سب کا معبود ہے' یکتا ہے' اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں- عالم علوی آسمان اور اس کی مخلوق عالم سفلی زمین اور اس کی کائنات سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے- ان کے درمیان کی چیزیں ہوا' پرند وغیرہ سب اس کے سامنے ہیں اور اس کے عبادت گزار ہیں- اگر تمہارے دل یقین کی دولت سے محروم نہیں' اگر تمہاری نگاہیں روشن ہیں تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے

کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر فرعون سے چونکہ کوئی جواب نہ بن سکا' اس لئے بات کو مذاق میں ڈالنے کے لئے' لوگوں کو اپنے سکھائے بتائے ہوئے عقیدے پر جمانے کے لئے ان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا' لو اور سنو' یہ میرے سوا کسی اور کو ہی خدا مانتا ہے؟ تعجب کی بات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی اس بے التفاتی سے گھبرائے نہیں اور وجود الٰہی کے اور دلائل بیان کرنے شروع کر دیئے کہ وہ تم سب کا اور تمہارے اگلوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ آج اگر تم فرعون کو اللہ مانتے ہو تو ذرا اسے تو سوچو کہ فرعون سے پہلے جہاں' والوں کا اللہ کون تھا؟ اس کے وجود سے پہلے آسمان و زمین کا وجود تھا تو ان کا موجد کون تھا؟ بس وہی میرا رب ہے۔ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اسی کا بھیجا ہوا میں ہوں۔ فرعون دلائل کی اس بارش کی تاب نہ لا سکا۔ کوئی جواب بن نہ پڑا تو کہنے لگا اسے چھوڑو۔ یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے سوا دوسرے کو رب کیوں مانتا۔ کلیم اللہ نے پھر بھی اپنی دلیلوں کو جاری رکھا' اس کے لغو کلام سے بے تعلق ہو کر فرمانے لگے کہ سنو میرا اللہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اور وہی میرا رب ہے۔ وہ سورج چاند ستارے مشرق سے چڑھاتا ہے۔ مغرب کی طرف اتارتا ہے۔ اگر فرعون اپنے الٰہی دعوے میں سچا ہے تو ذرا ایک دن اس کا خلاف کر کے دکھا دے یعنی انہیں مغرب سے نکالے اور مشرق کو لے جائے۔ یہی بات خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے زمانے کے بادشاہ سے بوقت مناظرہ کہی تھی۔ پہلے تو اللہ کا وصف بیان کیا کہ وہ جلاتا مارتا ہے لیکن اس بے وقوف نے جب کہ اس وصف کا اللہ کے ساتھ مختص ہونے کا انکار کیا اور کہنے لگا' یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں تو آپ نے باوجود اسی دلیل میں بہت سی گنجائش ہونے کے اس سے بھی واضح دلیل اس کے سامنے رکھی کہ اچھا میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال' اب تو اس کے حواس گم ہو گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تابڑ توڑ ایسی واضح اور روشن دلیلیں سن کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر ایک میں نے نہ مانا تو کیا؟ یہ واضح دلیلیں ان سب لوگوں پر تو اثر کر جائیں گی۔ اس لئے اب اپنی قوت کو کام میں لانے کا ارادہ کر لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرانے دھمکانے لگا جیسے آگے رہا ہے۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾
قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ
مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿٣٢﴾
وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ
هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ
فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ
حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾

فرعون کہنے لگا' سن لے اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا ○ موسیٰ کہنے لگا اگر میں تیرے پاس کوئی ظاہر چیز لے آؤں؟ ○ فرعون نے کہا' اگر تو سچوں میں ہے تو اسے پیش کر ○ آپ نے اسی وقت اپنی لکڑی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا زبردست اژدہا بن گئی ○ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا ○ فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا بھئی یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے ○ یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے شہر سے ہی نکال دے۔ بتاؤ اب تم کیا حکم دیتے ہو ○ ان سب نے کہا' آپ اسے اور اس کے بھائی کو تو چھوڑ یئے اور تمام شہروں میں مجمع

کرنے والے بھیج دیجئے ○ جو آپ کے پاس تمام ذی علم جادوگروں کو لے آئیں ○

فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا مباحثہ: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۷) جب مباحثے میں فرعون ہارا' دلیل و بیان میں غالب نہ آ سکا تو قوت و طاقت کا مظاہرہ کرنے لگا اور سطوت و شوکت سے حق کو دبانے کا ارادہ کیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو جیل میں سڑا سڑا کر تیری جان لے لوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ وعظ و نصیحت تو کر ہی چکے تھے' آپ نے بھی ارادہ کیا کہ میں بھی اسے اور اس کی قوم کو دوسری طرح قائل کروں تو فرمانے لگے کیوں جی میں اگر اپنی سچائی پر کسی ایسے معجزے کا اظہار کروں کہ تمہیں بھی قائل ہونا پڑے تب؟ فرعون سوا اس کے کیا کر سکتا تھا کہ کہا اچھا' اگر سچا ہے تو پیش کر۔ آپ نے سنتے ہی اپنی لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی ہی' اسے زمین پر ڈال دیا۔ بس اس کا زمین پر گرنا تھا کہ وہ ایک اژدھے کی شکل بن گئی۔ اور اژدھا بھی بہت بڑا تیز کچلیوں والا' ہیبت ناک' ڈراؤنی اور خوفناک شکل والا' منہ پھاڑے ہوئے پھنکارتا ہوا۔ ساتھ ہی اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ فرعون کی قسمت چونکہ ایمان سے خالی تھی' ایسے واضح معجزے دیکھ کر بھی اپنی بدبختی پر اڑا رہا اور تو کچھ بن نہ پڑا' اپنے ساتھیوں اور درباریوں سے کہنے لگا' بھئی یہ تو بڑا جادوگر نکلا۔ پس اپنے والوں کو اس نے روکنا چاہا کہ کہیں وہ اسے معجزہ نہ سمجھ لیں۔ ان سے کہنے لگا کہ یہ تو جادو کے کرشمے ہیں۔ بیشک اتنا تو میں بھی مان گیا کہ یہ اپنے فن جادوگری میں استاد کامل ہے۔ پھر انہیں حضرت موسیٰؑ کی دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے ایک اور بات بنائی کہ یہ ایسے ہی شعبدے دکھا دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے گا۔ اور جب کچھ لوگ اس کے ساتھی ہو جائیں گے تو یہ علم بغاوت بلند کر دے گا۔ پھر تمہیں مغلوب کر کے اس ملک میں اپنا قبضہ کر لے گا۔ لو اس کے استیصال کی کوشش ابھی سے کرنی چاہئے۔ بتلاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟۔ قدرت اللہ کی دیکھو کہ فرعونیوں سے اللہ نے وہ بات کہلوائی جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام تبلیغ کا موقعہ ملے اور لوگوں پر حق واضح ہو جائے۔ یعنی جادوگروں کو مقابلہ کے لئے بلوانا۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ
مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾
فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا
نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾
قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا
حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر ایک مقررہ دن کے وعدے پر تمام جادوگر جمع کئے گئے ○ اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر ہو جاؤ گے؟ ○ تا کہ اگر جادوگر غالب آ جائیں تو ہم ان ہی کی پیروی کریں ○ جادوگر آ کر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ○ فرعون نے کہا' بڑی خوشی سے بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے ○ حضرت موسیٰ نے جادوگروں سے فرمایا' جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے' ڈال دو ○ انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں ڈال دیں اور کہنے لگے' عزت فرعون کی قسم' ہم یقیناً یقیناً غالب ہی رہیں گے ○

مناظرہ کے بعد مقابلہ : ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۴) مناظرہ زبانی ہو چکا۔ اب مناظرہ عملاً ہو رہا ہے۔ اس مناظرہ کا ذکر سورۂ اعراف' سورہ طٰہ اور اس سورت میں ہے۔ قبطیوں کا ارادہ اللہ کے نور کے بجھانے کا تھا اور اللہ کا ارادہ اس کی نورانیت کے پھیلانے کا تھا۔ پس اللہ کا ارادہ غالب رہا۔ ایمان وکفر کا مقابلہ جب کبھی ہوا' ایمان کفر پر غالب ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر غالب کرتا ہے' باطل کا سر پھٹ جاتا ہے اور لوگوں کے باطل ارادے ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ حق آ جاتا ہے' باطل بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ ہر اک شہر میں سپاہی بھیجے گئے۔ چاروں طرف سے بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کئے گئے جو اپنے فن میں کامل اور استاد زمانہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد بارہ یا پندرہ یا سترہ یا انیس یا کچھ اوپر تیس یا اسی ہزار کی یا اس سے کم وبیش تھی۔ صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے' ان تمام کے استاد اور سردار چار شخص تھے۔ سابورہ' عاذور' حطحط اور مصفی۔ چونکہ سارے ملک میں شور مچ چکا تھا' چاروں طرف سے لوگوں کے غول کے غول وقت مقررہ سے پہلے مصر میں جمع ہو گئے۔ چونکہ یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ رعیت اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے۔ سب کی زبان سے یہی نکلتا تھا کہ جادوگروں کے غلبہ کے بعد ہم تو ان کی راہ لگ جائیں گے۔ یہ کسی کی زبان سے نہ نکلا کہ جس طرف حق ہوگا' ہم اسی طرف ہو جائیں گے۔ اب موقعہ پر فرعون مع اپنے جاہ و حشم کے نکلا۔ تمام امراء اور رؤسا ساتھ تھے۔ لشکر' فوج' پلٹن ہمراہ تھی' جادوگروں کو اپنے دربار میں اپنے سامنے بلوایا۔ جادوگروں نے بادشاہ سے عہد لینا چاہا۔ اس لئے کہا کہ جب ہم غالب آ جائیں تو بادشاہ' ہمیں اپنے انعامات سے محروم تو نہیں رکھیں گے؟ فرعون نے جواب دیا۔ واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نہ صرف انعام بلکہ میں تو تمہیں اپنے خاص رؤسا میں شامل کرلوں گا اور تم ہمیشہ میرے پاس اور میرے ساتھ ہی رہا کرو گے۔ تم میرے مقرب بن جاؤ گے۔ میری تمام تر توجہ تمہاری ہی طرف رہے گی۔ وہ خوشی خوشی میدان کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔ بولو' تم پہلے اپنی استادی دکھاتے ہو یا ہم دکھائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ نہیں تم ہی پہلے اپنی بھڑاس نکال لو تا کہ تمہارے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جائے؟ یہ جواب پاتے ہی انہوں نے اپنی چھڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور کہنے لگے' فرعون کی عزت سے ہمارا ہی غلبہ رہے گا۔

فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ ۴۵ فَاُلْقِیَ
السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۴۶ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۴۷ رَبِّ
مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۴۸ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ
لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ
اَجْمَعِیْنَ ۴۹

اب حضرت موسیٰ نے بھی اپنی لکڑی میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے بنے بنائے کھلونوں کو نگلنا شروع کر دیا ○ یہ دیکھتے ہی جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے ○ اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے ○ یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ○ فرعون کہنے لگا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لا چکے۔ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا سردار ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔ سو تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا۔ قسم ہے میں بھی تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے طور پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ○

(آیت: ۴۵-۴۸) جیسے جاہل عوام جب کسی کام کو کرتے ہیں تو کہتے ہیں یہ فلاں کے ثواب سے۔ سورہ اعراف میں ہے جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ انہیں ہیبت میں ڈال دیا اور بڑا بھاری جادو ظاہر کیا۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں ان کے جادو سے ہلتی جلتی معلوم ہونے لگیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اسے میدان میں ڈال دیا جس نے سارے میدان میں ان کی جو کچھ نظر بندیوں کی چیزیں تھیں، سب کو ہضم کر لیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور باطل دب گیا اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو گیا۔ یہ کوئی ہلکی سی بات اور تھوڑی سی دلیل نہ تھی۔ جادوگر تو اسے دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے کہ ایک شخص اپنے استادان فن کے مقابلے میں آتا ہے اس کا حال جادوگروں کا سا نہیں۔ وہ کوئی بات نہیں کرتا۔ یقیناً ہمارا صرف نگاہوں کا فریب جادو ہے اور اس کے پاس الٰہی معجزہ ہے۔ وہ تو اسی وقت وہیں کے وہیں اللہ کے سامنے سجدے میں گر گئے اور اسی مجمع میں سب کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لا چکے۔ پھر اپنا قول اور واضح کرنے کے لئے یہ بھی ساتھ ہی کہہ دیا کہ رب العالمین سے ہماری مراد وہ رب ہے جسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اپنا رب کہتے ہیں۔ اتنا بڑا معجزہ اس قدر انقلاب فرعون نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ملعون کی قسمت میں ایمان نہ تھا۔ پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور دشمن جاں ہو گیا اور اپنی طاقت سے حق کو کچلنے لگا اور کہنے لگا کہ ہاں میں جان گیا موسیٰ تم سب کا استاد تھا۔ اسے تم نے پہلے سے بھیج دیا۔ پھر تم بظاہر مقابلہ کرنے کے لئے آئے اور باطنی مشورے کے مطابق میدان ہار گئے اور اس کی بات مان گئے۔ پس تمہارا یہ مکر کھل گیا۔

جرات و ہمت والے کامل ایمان لوگ: ☆☆ (آیت: ۴۹) سبحان اللہ کیسے کامل الایمان لوگ تھے حالانکہ ابھی ہی ایمان میں آئے تھے لیکن ان کے صبر و ثبات کا کیا کہنا۔ فرعون جیسا ظالم و جابر حاکم پاس کھڑا ڈرا دھمکا رہا ہے اور وہ نڈر اور بے خوف ہو کر اس کی منشا کے خلاف جواب دے رہے ہیں، حجاب کفر دل سے دور ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے سینہ ٹھونک کر مقابلے پر آ گئے ہیں اور مادی طاقتوں سے بالکل مرعوب نہیں ہوتے۔ ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ کا دیا ہوا معجزہ ہے، کسب کیا ہوا جادو نہیں۔ اسی وقت حق کو قبول کیا۔ فرعون آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم نے تو مجھے کوئی چیز ہی نہ سمجھا۔ مجھ سے باغی ہو گئے۔ مجھ سے پوچھا بھی نہیں اور موسیٰ کی مان لی۔ یہ کہہ کر پھر اس خیال سے کہ کہیں حاضرین مجلس پر ان کے ہار جانے بلکہ پھر مسلمان ہو جانے کا اثر نہ پڑے۔ اس نے انہیں ذلیل سمجھا۔ ایک بات بنائی اور کہنے لگا کہ ہاں تم سب اس کے شاگرد ہو اور یہ تمہارا استاد ہے۔ تم سب خورد ہو اور یہ تمہارا بزرگ ہے۔ تم سب کو اسی نے جادو سکھایا ہے۔ اس مکابرہ کو دیکھو، یہ صرف فرعون کی بے ایمانی اور دغابازی تھی ورنہ اس سے پہلے نہ جادوگروں نے حضرت کلیم اللہ کو دیکھا تھا نہ اللہ کے رسول علیہ السلام ان کی صورت سے آشنا تھے۔ پیغمبر رب تو جادو جانتے ہی نہ تھے کسی کو کیا سکھاتے؟ عقل مندی کے خلاف یہ بات کہہ کر پھر دھمکانا شروع کیا اور اپنی ظالمانہ روش پر اتر آیا، کہنے لگا میں تمہارے سب کے ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹ دوں گا اور تمہیں ٹنڈے منڈے بنا کر پھر سولی دوں گا، کسی ایک کو بھی اس سزا سے نہ چھوڑوں گا۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا
رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ع ۱۸
اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى
الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

انہوں نے کہا، کوئی حرج نہیں۔ ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ہی ○ اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں۔ ہمیں امید پڑتی ہے کہ ہمارا

رب ہماری سب خطائیں معاف فرما دے ○ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل ○ تم سب پیچھا کیا جاؤ گے ○ فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیا کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد ہے ○

(آیت: ۵۰-۵۱) سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ راجا جی اس میں حرج ہی کیا ہے؟ جو تم سے ہو سکے، کر گزرو- ہمیں مطلق پرواہ نہیں- ہمیں تو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ہمیں اسی سے صلہ لینا ہے- جتنی تکلیف تو ہمیں دے گا، اتنا اجر و ثواب ہمارا رب ہمیں عطا فرمائے گا- حق پر مصیبت سہنا بالکل معمولی بات ہے جس کا ہمیں مطلق خوف نہیں- ہماری تو اب یہی ایک آرزو ہے کہ ہمارا رب ہمارے اگلے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ کرے- جو مقابلہ تو نے ہم سے کرایا ہے، اس کا وبال ہم پر سے ہٹ جائے اور اس کے لئے ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی وسیلہ نہیں کہ ہم سب سے پہلے اللہ والے بن جائیں- ایمان میں سبقت کریں- اس جواب پر وہ اور بھی بگڑا اور ان سب کو اس نے قتل کرا دیا- رضی اللہ عنہم اجمعین-

(آیت: ۵۲-۵۴) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا بہت سارا زمانہ ان میں گزارا- اللہ کی آیتیں ان پر واضح کر دیں لیکن ان کا سر نیچا نہ ہوا، ان کا تکبر نہ ٹوٹا، ان کی بد دماغی میں کوئی فرق نہ آیا- تو اب سوا اس کے کوئی چیز باقی نہ رہی کہ ان پر عذاب الٰہی آ جائے اور یہ غارت ہوں- موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی وحی آئی کہ راتوں رات بنی اسرائیلیوں کو لے کر میرے حکم کے مطابق چل دو- بنو اسرائیل نے اس موقع پر قبطیوں سے بہت سے زیور بطور عاریت کے لئے اور چاند چڑھنے کے وقت چپ چاپ چل دیئے- مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس رات چاند گرہن تھا- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے راستے میں دریافت فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا نے قبر بتلا دی- آپ نے تابوت یوسف اپنے ساتھ اٹھا لیا- کہا گیا ہے کہ خود آپ نے ہی اسے اٹھایا تھا- حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت تھی کہ بنی اسرائیل جب یہاں سے جانے لگیں تو آپ کا تابوت اپنے ہمراہ لیتے جائیں- ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کسی اعرابی کے ہاں مہمان ہوئے- اس نے آپ کی بڑی خاطر تواضع کی- واپسی میں آپؐ نے فرمایا، کبھی ہم سے مدینے میں بھی مل لینا، کچھ دنوں بعد اعرابی آپؐ کے پاس آیا- حضور ﷺ نے فرمایا، کچھ چاہئے؟ اس نے کہا ہاں- ایک تو اونٹنی دیجئے مع ہودج کے اور ایک بکری دیجئے جو دودھ دیتی ہو- آپؐ نے فرمایا- افسوس تو نے بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال نہ کیا- صحابہ علیہ السلام نے پوچھا، وہ واقعہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جب حضرت کلیم اللہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ بھول گئے- ہزار کوشش کی لیکن راہ نہیں ملی- آپ نے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا، یہ کیا اندھیر ہے؟ تو علما بنو اسرائیل نے کہا، بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آخری وقت ہم سے عہد لیا تھا کہ جب ہم مصر سے چلیں تو آپ کے تابوت کو بھی یہاں سے اپنے ساتھ لیتے جائیں- حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تربت کہاں ہے؟ سب نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں جانتے- ہم میں سے سوائے ایک بڑھیا کے اور کوئی بھی آپ کی قبر سے واقف نہیں- آپ نے اس بڑھیا کے پاس آدمی بھیج کر اس سے کہلوایا کہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر دکھا- بڑھیا نے کہا، ہاں دکھاؤں گی لیکن پہلے اپنے حق لے لوں- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جنت میں آپ کا ساتھ مجھے میسر ہو- آپ پر اس کا یہ سوال بہت بھاری پڑا- اسی وقت وحی آئی کہ اس کی بات مان لو اور اس کی شرط منظور کر لو- اب وہ آپ کو ایک جھیل کے پاس لے گئی جس کے پانی کا رنگ بھی متغیر ہو گیا تھا- کہا کہ اس کا پانی نکال ڈالو- جب پانی نکال ڈالا اور زمین نظر آنے لگی تو کہا، اب یہاں کھودو- کھودنا شروع ہوا تو قبر ظاہر ہو گئی، اسے ساتھ رکھ لیا، اب جو چلنے لگے تو راستہ صاف نظر آنے لگا اور سیدھی راہ لگ گئے- لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ زیادہ قریب تو یہ ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہی نہیں- واللہ اعلم- یہ لوگ تو اپنے راستے لگ گئے- ادھر فرعون اور فرعونیوں کی صبح کے وقت جو آنکھ کھلتی ہے تو چوکیدار، غلام وغیرہ کوئی نہیں- سخت پیچ و تاب کھانے لگے اور

مارے غصے کے سرخ ہو گئے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل تو رات کو سب کے سب فرار ہو گئے ہیں تو اور بھی سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت اپنے لشکر جمع کرنے لگا۔ سب کو جمع کر کے ان سے کہنے لگا کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ
جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اور اس پر یہ ہمیں سخت غضب ناک کر رہے ہیں ○ اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے خطرہ رکھنے والے ○ بالآخر ہم نے انہیں باغات سے اور چشموں سے خزانوں سے ○ اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا ○ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ○

(آیت: ۵۵-۵۹) محض ذلیل، کمین اور قلیل لوگ ہیں۔ ہر وقت ان سے ہمیں کوفت ہوتی رہتی ہے، تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ اور پھر ہر وقت ہمیں ان کی طرف سے دغدغہ ہی لگا رہتا ہے یہ معنی حَاذِرُوْنَ کی قرات پر ہیں، سلف کی ایک جماعت نے اسے حَذِرُوْن بھی پڑھا ہے یعنی ہم ہتھیار بند ہیں۔ میں ارادہ کر چکا ہوں کہ اب انہیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دوں۔ ان سب کو ایک ساتھ گھیر گھار کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دوں، اللہ کی شان! یہی بات اسی پر لوٹ پڑی اور وہ معہ اپنی قوم اور لاؤ لشکر کے بیک وقت ہلاک ہوا۔ لعنة الله عليه و على من تبعه۔ جناب باری کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ اپنی طاقت اور کثرت کے گھمنڈ پر بنی اسرائیل کے تعاقب میں انہیں نیست و نابود کرنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے، اس بہانے ہم نے انہیں ان کے باغات، چشموں، نہروں، خزانوں اور بارونق مکانوں سے خارج کیا اور جہنم واصل کیا۔ وہ اپنے بلند و بالا شوکت و شان والے محلات، ہرے بھرے باغات، جاری نہریں، خزانے، سلطنت، ملک، تخت و تاج، جاہ و مال سب چھوڑ کر بنی اسرائیل کے پیچھے مصر سے نکلے۔ اور ہم نے ان کی یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کو دلوا دیں جو آج تک پست حال تھے۔ ذلیل و نادار تھے۔ چونکہ ہمارا ارادہ ہو چکا تھا کہ ہم ان کمزوروں کو ابھاریں اور ان گرے پڑے لوگوں کو برسر ترقی لائیں اور انہیں پیشوا اور وارث بنا دیں، وہ ارادہ ہم نے پورا کیا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى
اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾
فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ
فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾
وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ ع ۱۷ ۸

پس فرعونی سورج نکلتے نکلتے بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ○ جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے بس اب

تو ہم پکڑ لئے گئے ○ موسیٰ نے فرمایا' ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا- یقین مانو کہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے جو مجھے ابھی ابھی راہ دکھا دے گا ○ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لکڑی مار- اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے سارے پہاڑ کے ہو گیا ○ اور ہم نے اسی جگہ دونوں کو نزدیک لا کھڑا کر دیا ○ اور موسیٰ کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی ○ پھر اور سب دوسروں کو ڈبو دیا ○ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں ○ اور بے شک تیرا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے ○

فرعون اور اس کا لشکر غرق دریا ہو گیا: ☆☆ (آیت:۶۰-۶۸) فرعون اپنے تمام لاؤ لشکر اور تمام رعایا کو مصر اور بیرون مصر کے لوگوں کو' اپنے والوں کو اور اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر بڑے طمطراق اور ٹھاٹھ سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے چلا- بعض کہتے ہیں' ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی تھی- ان میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ گھوڑوں پر سوار تھے لیکن یہ خبر اہل کتاب کی ہے جو تامل طلب ہے- کعبؓ سے تو مروی ہے کہ آٹھ لاکھ ایسے گھوڑوں پر سوار تھے- ہمارا تو خیال ہے کہ یہ سب بنی اسرائیل کی مبالغہ آمیز روایتیں ہیں- اتنا تو قرآن سے ثابت ہے کہ فرعون اپنی کل جماعت کو لے کر چلا مگر قرآن نے ان کی تعداد بیان نہیں فرمائی نہ اس کا علم ہمیں کچھ نفع دینے والا ہے- طلوع آفتاب کے وقت ان کے پاس یہ پہنچ گیا- کافروں نے مومنوں کو اور مومنوں نے کافروں کو دیکھ لیا- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ موسیٰ اب بتاؤ' کیا کریں- پکڑ لئے گئے' آگے بحر قلزم ہے- پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر ہے' نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن- ظاہر ہے کہ نبی' غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا- حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں' تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی' میں اپنی رائے سے تمہیں لے کر نہیں نکلا بلکہ احکم الحاکمین کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں- وہ وعدہ خلاف نہیں- ان کے اگلے حصے پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے- انہی کے ساتھ حضرت یوشع بن نون تھے یا آل فرعون کا مومن شخص تھا- اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لشکر کے آخری حصہ میں تھے- گھبراہٹ کے مارے اور راہ نہ ملنے کی وجہ سے سارے بنو اسرائیل ہکا بکا ہو کر ٹھہر گئے اور اضطراب کے ساتھ جناب کلیم اللہ علیہ السلام سے دریافت فرمانے لگے کہ اسی راہ چلنے کا اللہ کا حکم تھا؟ آپ نے فرمایا' ہاں- اتنی دیر میں تو فرعون کا لشکر سر پر آ پہنچا- اسی وقت پروردگار کی وحی آئی کہ اے نبی علیہ السلام اس دریا پر اپنی لکڑی مارو- اور پھر میری قدرت کا کرشمہ دیکھو- آپ نے لکڑی ماری جس کے لگتے ہی بحکم الٰہی پانی پھٹ گیا' اس پریشانی کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا مانگی' وہ ابن ابی حاتم میں ان الفاظ سے مروی ہے- یَا مَنْ كَانَ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ اَلْمُكَوِّنُ لِكُلِّ شَیْءٍ وَ الْكَائِنُ بَعْدَ كُلِّ شَیْءٍ اِجْعَلْ لَّنَا مَخْرَجًا یہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ اللہ کی وحی آئی کہ دریا پر اپنی لکڑی مارو- حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس رات اللہ تعالیٰ نے دریا کی طرف پہلے ہی سے وحی بھیج دی تھی کہ جب میرے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئیں اور تجھے لکڑی ماریں تو تو ان کی بات سننا اور ماننا' پس سمندر میں رات بھر تلاطم رہا- اس کی موجیں ادھر ادھر سر ٹکراتی پھریں کہ نہ معلوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کب اور کدھر سے آ جائیں اور مجھے لکڑی ماردیں- ایسا نہ ہو کہ مجھے خبر نہ لگے اور میں ان کی حکم بجا آوری نہ کر سکوں- جب بالکل کنارے پہنچ گئے تو آپ کے ساتھی حضرت یوشع بن نون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''اے نبی اللہ علیہ السلام! اللہ کا آپ کو کیا حکم ہے''؟

آپ نے فرمایا ''یہی کہ میں سمندر پر اپنی لکڑی ماروں'' - انہوں نے کہا- ''پھر کیا دیر ہے''؟ چنانچہ آپ نے لکڑی مار کر فرمایا ''اللہ کے حکم سے تو پھٹ اور مجھے چلنے کا راستہ دے دے'' - اسی وقت وہ پھٹ گیا' راستے بیچ میں صاف نظر آنے لگے اور اس کے آس پاس پانی بطور پہاڑ کے کھڑا ہو گیا- اس میں بارہ راستے نکل آئے بنو اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے- پھر قدرت الٰہی سے ہر دو فریق کے درمیان جو پہاڑ حائل تھا' اس میں طاق سے بن گئے تاکہ ہر ایک دوسرے کو سلامت روی سے آتا ہوا دیکھے- پانی مثل دیواروں کے ہو گیا اور ہوا کو حکم

ہوا' اس نے درمیان سے پانی کو اور زمین کو خشک کر کے راستے صاف کر دیئے پس اس خشک راستے سے آپ مع اپنی قوم کے بے کھٹکے جانے لگے- پھر فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے دریا سے قریب کر دیا- پھر موسیٰؑ' بنو اسرائیل اور سب کو نجات مل گئی- اور باقی سب کافروں کو ہم نے ڈبو دیا- نہ ان میں سے کوئی بچا نہ ان میں سے کوئی ڈوبا- حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں- فرعون کو جب بنو اسرائیل کے بھاگ جانے کی خبر ملی تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کہا' اس کی کھال اترے اس سے پہلے میرے چھ لاکھ لشکر جمع ہو جانا چاہئے- ادھر موسیٰ علیہ السلام بھاگم بھاگ دریا کے کنارے جب پہنچ گئے تو دریا سے فرمانے لگے تو پھٹ جا- کہیں ہٹ جا اور ہمیں جگہ دے دے' اس نے کہا' یہ کیا تکبر کی باتیں کر رہے ہو؟ کیا میں اس سے پہلے بھی کبھی پھٹا ہوں؟ اور ہٹ کر کسی انسان کو جگہ دی ہے جو تجھے دوں گا؟ آپ کے ساتھ جو بزرگ شخص تھے' انہوں نے کہا'' اے نبی اللہ علیہ السلام' کیا یہی راستہ اور یہی جگہ اللہ کی بتلائی ہوئی ہے''؟ آپ نے فرمایا'' ہاں یہی'' انہوں نے کہا'' پھر نہ تو آپ جھوٹے ہیں نہ آپ سے غلط فرمایا گیا ہے'' آپ نے دوبارہ یہی کہا لیکن پھر بھی کچھ نہ ہوا- اس بزرگ شخص نے دوبارہ بھی یہی سوال جواب کیا- اسی وقت وحی اتری کہ سمندر پر اپنی لکڑی مار- اب آپ کو خیال آیا اور لکڑی ماری- لکڑی لگتے ہی سمندر نے راستہ دے دیا- بارہ راہیں ظاہر ہو گئیں- ہر فرقہ اپنے راستے کو پہچان گیا اور اپنی راہ پہ چل دیا اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے بہ اطمینان تمام چل دیئے- حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لے کر پار نکل گئے اور فرعونی ان کے تعاقب میں سمندر میں آ گئے کہ اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی جیسا تھا ویسا ہو گیا اور سب کو ڈبو دیا- جب سب سے آخری بنی اسرائیلی نکلا اور سب سے آخری قبطی سمندر میں آ گیا- اسی وقت جناب باری تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی ایک ہو گیا اور سارے کے سارے قبطی ایک ایک کر کے ڈبو دیئے گئے- اس میں بڑی عبرتناک نشانی ہے کہ کس طرح گنہگار برباد ہوتے ہیں اور نیک کردار شاد ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان جیسی دولت سے محروم ہیں- بیشک تیرا رب عزیز و رحیم ہے-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾
قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ
يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾
فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

انہیں ابراہیم کا واقعہ بھی سنا دو ○ جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ○ انہوں نے جواب دیا کہ بتوں کی' ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے رہتے ہیں ○ آپ نے فرمایا' تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ یا تمہیں نفع یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟ ○ انہوں نے کہا' یہ ہم کچھ نہیں جانتے- ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا ○ آپ نے فرمایا' کچھ خبر بھی ہے؟ جنہیں تم پوج رہے ہو ○ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا ○ وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ کے جو تمام جہان کا پالن ہار ہے ○

ابراہیم علیہ السلام علامت توحید پرستی: ☆☆ (آیت:۶۹-۷۷) تمام موحدوں کے باپ' اللہ کے بندے اور رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ افضل التحیہ والتسلیم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے- حضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ اپنی امت کو یہ واقعہ سنا دیں- تا کہ وہ اخلاص' توکل

اور اللہ واحد کی عبادت اور شرک اور مشرکین سے بیزاری میں آپ کی اقتدا کریں۔ آپ اول دن سے اللہی توحید پر قائم تھے اور آخر دن تک اسی توحید پر جمے رہے۔ اپنی قوم سے اور اپنے باپ سے فرمایا کہ یہ بت پرستی کیا کر رہے ہو؟ ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پرانے وقت سے ان بتوں کی مجاوری اور عبادت کرتے چلے آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اس غلطی کو ان پر واضح کر کے ان کی غلط روش بے نقاب کرنے کے لئے ایک بات اور بھی بیان فرمائی کہ تم جو ان سے دعائیں کرتے ہو اور دور' نزدیک سے انہیں پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟ ۔ یا جس نفع کے حاصل کرنے کے لئے تم انہیں بلاتے ہو' وہ نفع تمہیں وہ پہنچا سکتے ہیں؟ یا اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو کیا وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ۔ اس کا جواب جو قوم کی طرف سے ملا' وہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے معبود ان کاموں میں سے کسی کام کو نہیں کر سکتے۔ انہوں نے صاف کہا کہ ہم تو اپنے بڑوں کی تقلید کی وجہ سے بت پرستی پر جمے ہوئے ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان سے اور ان کے معبودان باطل سے اپنی برات اور بیزاری کا اعلان کر دیا۔ صاف فرما دیا کہ تم اور تمہارے معبودوں سے میں بیزار ہوں جن کی تم اور تمہارے باپ دادا پرستش کرتے رہے۔ ان سب سے میں بیزار ہوں۔ وہ سب میرے دشمن ہیں' میں صرف سچے رب العالمین کا پرستار ہوں' میں موحد مخلص ہوں۔ جاؤ تم سے اور تمہارے معبودوں سے جو ہو سکے' کر لو۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا' تم اور تمہارے سارے معبود مل کر اگر میرا کچھ بگاڑ سکتے ہوں تو کمی نہ کرو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا' میں تم سے اور اللہ کے سوا تمہارے خدا کے سوا باقی معبودوں سے بیزار ہوں۔ تم سب اگر مجھے کچھ نقصان پہنچا سکتے ہو تو جاؤ پہنچا لو۔ میرا بھروسہ اپنے رب کی ذات پر ہے' تمام جان دار اس کے ماتحت ہیں' وہ سیدھی راہ والا ہے۔ اسی طرح خلیل الرحمٰن علیہ صلوات الرحمٰن نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ ڈر تو تمہیں میرے رب سے رکھنا چاہئے جو سچا اللہ ہے۔ آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ' مجھ میں' تم میں عداوت ہے۔ میں اے باپ تجھ سے اور تیری قوم سے اور تیرے معبودوں سے بری ہوں' صرف اپنے رب سے میری آرزو ہے کہ وہ مجھے راہ راست دکھلائے۔ اسی کو یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو انہوں نے کلمہ بنالیا۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝۷۸ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝۷۹
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝۸۰ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝۸۱
وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝۸۲

جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے ○ وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے ○ اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے ○ اور وہ مجھے مار ڈالے گا' پھر زندہ کر دے گا ○ اور جس سے مجھے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا ○

خلیل اللہ کی تعریف : ☆☆ (آیت: ۷۸-۸۲) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اپنے رب کی صفتیں بیان فرماتے ہیں کہ میں تو ان اوصاف والے رب کا ہی عابد ہوں۔ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔ پہلا وصف یہ کہ وہ میرا خالق ہے۔ اسی نے اندازہ مقرر کیا ہے اور وہی مخلوقات کی اس کی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا وصف یہ کہ وہ ہادی حقیقی ہے' جسے چاہتا ہے' اپنی راہ مستقیم پر چلاتا ہے' جسے چاہتا ہے' اسے غلط راہ پر لگا دیتا ہے۔ تیسرا وصف میرے رب کا یہ ہے کہ وہ رزاق ہے' آسمان وزمین کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا اٹھانا' پھیلانا' ان سے بارش کا برسانا' اس سے زمین کو زندہ کرنا' پھر پیداوار کا اگانا اسی کا کام ہے۔ وہی میٹھا اور پیاس بجھانے والا

پانی ہمیں دیتا ہے اور اپنی اور مخلوق کو بھی غرض کھلانے پلانے والا وہی ہے۔ ساتھ ہی بیماری تندرستی بھی اسی کے ہاتھ ہے۔ لیکن خلیل اللہ علیہ السلام کا کمال ادب دیکھئے کہ بیماری کی نسبت تو اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گو بیماری بھی اسی کی قضاو قدر ہے اور اسی کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ یہی لطافت سورہ فاتحہ کی دعا میں بھی ہے کہ انعام وہدایت کی اسناد تو رب العالم کی طرف کی ہے اور غضب کے فاعل کو حذف کر دیا ہے اور ضلالت بندے کی طرف منسوب کر دی ہے۔ سورہ جن میں جنات کا قول بھی ملاحظہ ہو جہاں انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والی مخلوق کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ یہاں بھی بھلائی کی نسبت رب کی طرف کی گئی اور برائی کے ارادے میں یہ نسبت ظاہر نہیں کی گئی۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفاء پر بجز اس اللہ کے اور کوئی قادر نہیں۔ دوا میں تاثیر پیدا کرنا بھی اسی کے بس کی چیز ہے۔ موت وحیات پر قادر بھی وہی ہے۔ ابتدا' انتہا اسی کے ہاتھ ہے' اسی نے پہلی پیدائش کی ہے' وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ دنیا اور آخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے' کرتا ہے۔ غفور ورحیم وہی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ
صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾
وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ
سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

اے اللہ مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے ○ اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ ○ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے ○ اور میرے باپ کو بخش دے۔ یقیناً وہ گمراہوں میں تھا ○ اور جس دن کہ لوگ دوبارہ جلائے جائیں مجھے رسوا نہ کر ○ جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی ○ لیکن فائدے والا وہی ہوگا جو اللہ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے ○

حکم سے کیا مراد ہے؟ ☆☆ (آیت:۸۳-۸۹) حکم سے مراد علم' عقل' کتاب الٰہی اور نبوت ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مجھے یہ چیزیں عطا فرما کر دنیا اور آخرت میں نیک لوگوں میں شامل رکھ۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے' رسول کریم ﷺ نے بھی آخری وقت میں دعا مانگی تھی کہ الٰہی اعلیٰ رفیقوں میں ملا دے' تین بار یہی دعا کی۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کی یہ دعا بھی مروی ہے اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مُبَدِّلِيْنَ یعنی اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور مسلمانی کی حالت میں ہی موت دے اور نیکوں میں ملا دے۔ درآنحالیکہ نہ رسوائی ہو نہ تبدیلی۔ پھر اور دعا کرتے ہیں کہ میرے بعد بھی میرا ذکر خیر لوگوں میں جاری رہے۔ لوگ نیک باتوں میں میری اقتدا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا ذکر پچھلی نسلوں میں باقی رکھا۔ ہر ایک آپ پر سلام بھیجتا ہے۔ اللہ کسی نیک بندے کی نیکی اکارت نہیں کرتا۔ ایک جہان ہے جن کی زبانیں آپ کی تعریف وتوصیف سے تر ہیں۔ دنیا میں بھی اللہ نے انہیں اونچائی اور بھلائی دی۔ عموماً ہر مذہب وملت کے لوگ خلیل اللہ علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ میرا یہ ذکر جمیل جہاں دنیا میں باقی رہے' وہاں آخرت میں بھی میں جنتی بنایا جاؤں۔ اور الٰہی میرے گمراہ باپ کو بھی معاف فرما۔ لیکن اپنے کافر باپ

کے لئے یہ استغفار کرنا ایک وعدے پر تھا۔ جب آپ پر اس کا دشمن اللہ ہونا کھل گیا کہ وہ کفر پر ہی مرا تو آپ کے دل سے اس کی عزت ومحبت جاتی رہی اور استغفار کرنا بھی ترک کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام بڑے صاف دل اور بردبار تھے۔ ہمیں بھی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روش پر چلنے کا حکم ملا ہے' وہیں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس بات میں ان کی پیروی نہ کرنا۔ پھر دعا کرتے ہیں کہ مجھے قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا لینا۔ جب کہ تمام اگلی پچھلی مخلوق زندہ ہو کر ایک میدان میں کھڑی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے ملاقات ہوگی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا منہ ذلت سے اور گرد وغبار سے آلودہ ہو رہا ہے اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ جناب باری تعالیٰ میں عرض کریں گے کہ پروردگار تیرا مجھ سے قول ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرے گا۔ اللہ فرمائے گا' سن لے' جنت تو کافر پر قطعاً حرام ہے اور روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر فرمائیں گے کہ دیکھ میں تجھے نہیں کہہ رہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر' باپ جواب دے گا کہ اچھا اب نہ کروں گا۔

آپ اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس دن مجھے رسوا نہ فرمائے گا۔ اب اس سے بڑھ کر اور رسوائی کیا ہوگی کہ میرا باپ اس طرح رحمت سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خلیل علیہ السلام' میں نے تو جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ پھر فرمائے گا' ابراہیم دیکھ تیرے پیروں تلے کیا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ ایک بدصورت بجو کیچڑ پانی میں لتھڑا کھڑا ہے جس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حقیقتاً یہی ان کے والد ہوں گے جو اس صورت میں کر دیئے گئے اور اپنی مقررہ جگہ پہنچا دیئے گئے۔ اس دن انسان اگر اپنا فدیہ مال سے ادا کرنا چاہے' گو دنیا بھر کے خزانے دے دے لیکن بے سود ہے' نہ اس دن اولاد فائدہ دے گی' تمام اہل زمین کو اپنے بدلے میں دینا چاہے پھر بھی لاحاصل۔ اس دن نفع دینے والی چیز ایمان' اخلاص اور شرک اور اہل شرک سے بیزاری ہے' جس کا دل صالح ہو یعنی شرک وکفر کے میل کچیل سے صاف ہو' اللہ کو سچا جانتا ہو' قیامت کو یقینی مانتا ہو' دوبارہ کے جی اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو' اللہ کی توحید کا قائل اور عامل ہو' نفاق وغیرہ سے دل مریض نہ ہو' بلکہ ایمان واخلاص اور نیک عقیدے سے دل صحیح اور تندرست ہو' بدعتوں سے نفرت رکھتا ہو اور سنت سے اطمینان اور الفت رکھتا ہو۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾
وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ
يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾

پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل نزدیک لا دی جائے گی ○ اور گمراہ لوگوں کے لئے جہنم ظاہر کر دی جائے گی ○ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے' وہ کہاں ہیں؟ ○ جو اللہ کے سوا تھے' کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟ ○ اب تو وہ سب اور کل گمراہ لوگ جہنم میں اوپر تلے ڈال دیئے جائیں گے ○

نیک لوگ اور جنت: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۴) جن لوگوں نے نیکیاں کیں تھیں' برائیوں سے بچے تھے' جنت اس دن ان کے پاس ہی ان کے سامنے ہی زیب وزینت کے ساتھ موجود ہوگی۔ اور سرکشوں کے لئے اسی طرح جہنم ظاہر ہوگی۔ اس میں سے ایک گردن نکل کھڑی ہوگی جو گنہگاروں کی طرف غضبناک تیوروں سے نظر ڈالے گی۔ اور اس طرح شور مچائے گی کہ دل اڑ جائیں گے۔ اور مشرکوں سے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمایا جائے گا کہ تمہارے معبودان باطل جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے' کہاں ہیں۔ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں؟ یا خود اپنی ہی مدد کر

سکتے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ عابد و معبود سب دوزخ میں الٹے لٹک رہے ہیں اور جل بھن رہے ہیں۔ تابع و متبوع سب اوپر تلے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

وَجُنُوۡدُ اِبۡلِيۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوۡا وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۹۶﴾
تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۹۷﴾ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۸﴾
وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾
وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوۡنَ مِنَ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾

اور ابلیس کے تمام کے تمام لشکر بھی ○ وہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے ○ کہ قسم اللہ کی' یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے ○ جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے ○ اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا تھا ○ اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں ○ اور نہ کوئی سچا غم خوار دوست ○ اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم تو پکے سچے مومن بن جاتے ○ یہ ماجرا یقیناً ایک زبردست نشان ہے' ان میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ○ یقیناً تیرا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔

(آیت: ۹۵-۱۰۴) ساتھ ہی ابلیس کے کل لشکری بھی اول سے لے کر آخر تک۔ وہاں سفلے لوگ بڑے لوگوں سے جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زندگی بھر تمہاری مانی۔ آج تم ہمیں عذابوں سے کیوں نہیں چھڑاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم ہی بالکل گمراہ تھے' راہ سے دور ہو گئے تھے کہ تمہارے احکام ربانی احکام کے مثل سمجھ بیٹھے تھے۔ اور رب العالمین کے ساتھ ہی تمہاری بھی عبادت کرتے رہے گویا تمہیں رب کے برابر سمجھے ہوئے تھے۔ افسوس ہمیں اس غلط اور خطرناک راہ پر مجرموں نے لگائے رکھا۔ اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں رہا۔ آپس میں پوچھیں گے کہ کیا کوئی ہمارا شفیع ہے؟ جو ہماری شفاعت کرے یا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں؟ اور وہاں جا کر اب تک کے کئے ہوئے اعمال کے خلاف عمل کریں۔ جہاں ہمارا کوئی سفارشی ہمیں نظر نہیں آتا' وہاں کوئی قریبی سچا دوست بھی نہیں دکھائی دیتا کہ وہی ہماری ہمدردی و غمخواری کرے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی صالح شخص سے ہماری دوستی ہوتی تو وہ آج ضرور ہمیں نفع دیتا اور اگر کوئی ہمارا دلی محبّ ہوتا تو وہ ضرور ہماری شفاعت کے لئے آگے بڑھتا اور اگر ہمیں پھر سے دنیا میں جانا ملتا تو ہم آپ اپنے ان بد اعمال کا تدارک کر لیتے' اپنے رب کی ہی مانتے اور اسی کی عبادتیں کرتے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ بدبخت ازلی اگر دوبارہ بھی دنیا میں لائے جائیں تو وہی بداعمالیاں پھر سے شروع کر دیں۔ سورہ ص میں بھی ان جہنمیوں کے جھگڑے کا بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا یہ جھگڑا یقیناً ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ فرمایا اور جو دلیلیں انہیں دیں اور ان پر توحید کی وضاحت کی' اس میں یقیناً اللہ کی الوہیت پر اور اس کی یکتائی پر صاف برہان موجود ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان سے محروم ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تیرا پالنہار پروردگار پورے غلبے اور قوت والا ساتھ ہی بخشش و رحم والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ
وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

قوم نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔ جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں؟ ○ سنو میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں ○ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور میری ماننی چاہئے ○ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا' میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے ○ پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو ○ قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ تیری تابعداری تو سفلے لوگوں کی ہے ○ آپ نے فرمایا' مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟ ○ ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمے ہے' اگر تمہیں شعور ہو تو ○ میں ایمانداروں کو دھکے دینے والا نہیں ○ میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں ○

بت پرستی کا آغاز: ☆☆ (آیت:۱۰۵-۱۱۰) زمین پر سب سے پہلے جب بت پرستی شروع ہوئی اور لوگ شیطانی راہوں پر چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسولوں کے سلسلے کو حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا جنہوں نے آ کر لوگوں کو اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اس کی سزاؤں سے انہیں آگاہ کیا لیکن وہ اپنے ناپاک کرتوتوں سے باز نہ آئے' غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا' ان کے دشمن بن گئے اور ایذارسانی کے درپے ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جھٹلانا گویا تمام پیغمبروں سے انکار کرنا تھا۔ اس لئے آیت میں فرمایا گیا کہ قوم نوحؑ نے نبیوں کو جھٹلایا۔

حضرت نوح لیہ السلام نے پہلے تو انہیں اللہ کا خوف کرنے کی نصیحت کی کہ تم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو' اللہ کے عذاب کا تمہیں ڈر نہیں؟ اس طرح توحید کی تعلیم کے بعد اپنی رسالت کی تلقین کی اور فرمایا' میں تمہاری طرف اللہ کا رسول علیہ السلام بن کر آیا ہوں اور میں امانت دار بھی ہوں' اس کا پیغام ہو بہو جو ہے وہی تمہیں سنا رہا ہوں۔ پس تمہیں اپنے دلوں کو اللہ کے ڈر سے پر رکھنا چاہئے اور میری تمام باتوں کو بلا چون وچرا مان لینا چاہیے۔ اور سنو' میں تم سے اس تبلیغ و رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا مقصد اس سے صرف یہی ہے کہ میرا رب مجھے اس کا بدلہ اور ثواب عطا فرمائے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ میری سچائی' میری خیر خواہی تم پر خوب روشن ہے۔ ساتھ ہی میری دیانت داری اور امانت داری بھی تم پر واضح ہے۔

ہدایت طبقاتی عصبیت سے پاک ہے: ☆☆ (آیت:۱۱۱-۱۱۵) قوم نوح نے رسول اللہ کو جواب دیا کہ چند سفلے اور چھوٹے لوگوں نے تیری بات مانی ہے' ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان رذیلوں کا ساتھ دیں اور تیری مان لیں۔ اس کے جواب میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے جواب دیا' یہ میرا فرض نہیں کہ کوئی حق قبول کرنے کو آئے تو میں اس سے اس کی قوم اور پیشہ دریافت کرتا پھروں۔ اندرونی حالات پر اطلاع

رکھنا، حساب لینا اللہ کا کام ہے۔ افسوس تمہیں اتنی سمجھ بھی نہیں۔ تمہاری اس چاہت کو پوری کرنا میرے اختیار سے باہر ہے کہ میں ان مسکینوں سے اپنی محفل خالی کرالوں۔ میں تو اللہ کی طرف سے ایک آگاہ کر دینے والا ہوں، جو بھی مانے، وہ میرا اور جو نہ مانے، وہ خود ذمہ دار۔ شریف ہو یا رذیل ہو، امیر ہو یا غریب ہو، جو میری مانے، میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ
رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا
وَّنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهُ
فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِينَ ﴿۱۲۰﴾ إِنَّ فِي
ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ ع ۱۸ ۱۰
هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۲۴﴾

انہوں نے کہا کہ اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کر دیا جائے گا ○ آپ نے کہا، اے میرے پروردگار، میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ○ پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے ○ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو کھچا کھچ بھری ہوئی کشتی میں سوار کرا کر نجات دے دی ○ بعد ازاں باقی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا ○ یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے، ان میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے بھی نہیں ○ اور بے شک تیرا پروردگار البتہ وہی ہے زبردست رحم والا۔ عادیوں نے بھی رسول کو جھٹلایا ○ جب کہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ کیا تمہیں ڈر نہیں؟ ○

تذکرۂ نوح علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۱۶-۱۲۲) لمبی مدت تک جناب نوح علیہ السلام ان میں رہے، دن رات چھپے کھلے انہیں راہ الٰہی کی دعوت دیتے رہے لیکن جوں جوں آپ علیہ السلام اپنی نیکی میں بڑھتے گئے، وہ اپنی بدی میں سوا ہوتے گئے۔ بالآخر زور باندھتے باندھتے صاف کہہ دیا کہ اگر اب ہمیں اپنے دین کی دعوت دی تو ہم تجھ پر پتھراؤ کر کے تیری جان لے لیں گے۔ آپ کے ہاتھ بھی جناب باری میں اٹھ گئے، قوم کی تکذیب کی شکایت آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ اور آپ نے فتح کی دعا کی۔ فرمایا کہ الٰہی میں مغلوب اور عاجز ہوں، میری مدد کر۔ میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی بچا لے۔ پس جناب باری عزوجل نے آپ کی دعا قبول کی۔ انسانوں جانوروں اور سامان اسباب سے کھچا کھچ بھری ہوئی کشتی میں سوار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ یقیناً یہ واقعہ بھی عبرت آموز ہے لیکن تاہم اکثر لوگ بے یقین ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رب بڑے غلبے والا ہے لیکن وہ مہربان بھی بہت ہے۔

ہود علیہ السلام اور ان کی قوم: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۴) حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے عادیوں کو جو احقاف کے رہنے والے تھے اللہ کی طرف بلایا، احقاف ملک یمن میں حضرموت کے پاس ریتیلی پہاڑیوں کے قریب ہے۔ ان کا زمانہ نوح علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ سورہ اعراف میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے کہ انہیں قوم نوح کا جانشین بنایا گیا اور انہیں بہت کچھ کشادگی اور وسعت دی گئی۔ ڈیل ڈول دیا، بڑی قوت و طاقت دی۔ پورے مال، اولاد، کھیت اور باغات، پھل اور اناج دیا۔ بکثرت دولت اور زر، بہت سی نہریں اور چشمے جا بجا دیئے۔ الغرض ہر طرح کی آسائش اور آسانی مہیا کی لیکن رب کی تمام نعمتوں کی ناقدری کرنے والے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والوں

نے اپنے نبی کو جھٹلایا۔ یہ انہی میں سے تھے۔ نبی نے انہیں سمجھایا' بجھایا' ڈرایا' دھمکایا۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَا أَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۲۷﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ
رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾
وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۳۱﴾
وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ
وَبَنِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۳۴﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳۵﴾

میں تمہارا امانت دار معتبر پیغمبر ہوں ○ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○ میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ میرا ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے پاس ہی ہے ○ کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بے فائدہ بطور کھیل تماشے کے نشانات لگا رہے ہو؟ ○ اور بڑی صنعت والے مضبوط محل تعمیر کر رہے ہو گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے ○ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو ○ اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو ○ اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری امداد کی جنہیں تم جانتے ہو ○ اس نے تمہاری مدد کی مال سے اور اولاد سے ○ باغات سے اور چشموں سے ○ مجھے تو تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ○

(آیت: ۱۲۵-۱۳۵) اپنا رسول ہونا ظاہر فرمایا۔ اپنی اطاعت اور اللہ کی عبادت' وحدانیت کی دعوت دی جیسے کہ نوح علیہ السلام نے دی تھی۔ اپنا بے لاگ ہونا' طالب دنیا نہ ہونا بیان فرمایا' اپنے خلوص کا بھی ذکر کیا۔ یہ جو فخر و ریا کے طور پر اپنے مال برباد کرتے تھے اور اونچے اونچے مشہور ٹیلوں پر اپنی قوت کے اور مال کے اظہار کے لیے بلند و بالا علامتیں بناتے تھے' اس فعل عبث سے انہیں ان کے نبی حضرت ہود علیہ السلام نے روکا کیونکہ اس میں بے کار دولت کا کھونا' وقت کا برباد کرنا اور مشقت اٹھانا ہے جس سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہ مقصود ہوتا ہے نہ متصور۔ بڑے بڑے پختہ اور بلند برج اور مینار بناتے تھے جس کے بارے میں ان کے نبیؑ نے نصیحت کی کہ کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ یہیں ہمیشہ رہو گے' محبت دنیا نے تمہیں آخرت بھلا دی ہے لیکن یاد رکھو تمہاری یہ چاہت بے سود ہے۔ دنیا زائل ہونے والی ہے' تم خود فنا ہونے والے ہو۔ ایک قرأت میں كَأَنَّكُمْ خٰلِدُوْنَ ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب مسلمانوں نے غوطہ میں محلات اور باغات کی تعمیر اعلیٰ پیمانے پر ضرورت سے زیادہ شروع کر دی تو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے دمشق کے رہنے والو! سنو۔ لوگ سب جمع ہو گئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی' تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کر دیا جسے تم کھا نہیں سکتے۔ تم نے وہ مکانات بنانے شروع کر دیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے' تم نے وہ دور دراز کی آرزوئیں کرنی شروع کر دیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے' تم سے اگلے لوگوں نے بھی جمع جتھا کر کے سنبھال سنبھال کر رکھا تھا۔ بڑے اونچے اونچے' پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے۔ بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکے میں رہ گئے' ان کی پونجی برباد ہو گئی' ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔ عادیوں کو دیکھو کہ عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن آج وہ کہاں ہیں؟ ہے کوئی ایسا بے وقوف کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے بھی خریدے۔

ان کے مال ومکانات کا بیان فرما کران کی قوت وطاقت کا بیان فرمایا کہ بڑے سرکش، متکبر اور سخت لوگ تھے۔ نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے انہیں اللہ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا کہ عبادت رب کی کرو، اطاعت اس کے رسول کی کرو۔ پھر وہ نعمتیں یاد دلائیں جو اللہ نے ان پر انعام کی تھیں جنہیں وہ خود جانتے تھے۔ مثلاً چوپائے، جانور اور اولاد، باغات اور دریا۔ پھر اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر تم نے میری تکذیب کی اور میری مخالفت پر جمے رہے تو تم پر عذاب الٰہی برس پڑیں گے۔ لالچ اور ڈر دونوں دکھائے لیکن بے سود رہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾ ع ٧ ١٨ ١١

انہوں نے کہا کہ آپ وعظ کہیں یا وعظ کہنے والوں میں نہ ہوں، ہم پر یکساں ہے ○ یہ تو پرانے لوگوں کا دین ہے۔ ہم ہرگز آفت زدہ نہیں ہونے والے ○ چونکہ عادیوں نے حضرت ہود کو جھٹلا دیا، اس لئے ہم نے انہیں تباہ کر دیا ○ یقیناً اس میں نشان ہے اور ان میں کے اکثر بے ایمان تھے ○ بے شک تیرا رب وہی ہے غالب مہربان ○

موثر بیانات بھی بے اثر: ☆☆ (آیت:۱۳۶-۱۴۰) حضرت ہود علیہ السلام کے موثر بیانات نے اور آپ کی رغبت اور ڈر بھرے خطبوں نے قوم پر کوئی اثر نہیں کیا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ ہمیں وعظ سنائیں یا نہ سنائیں، نصیحت کریں یا نہ کریں، ہم تو اپنی روش کو چھوڑ نہیں سکتے۔ ہم آپ کی بات مان کر اپنے معبودوں سے دست بردار ہو جائیں، یہ یقیناً محال ہے۔ ہمارے ایمان سے آپ مایوس ہو جائیں، ہم آپ کی نہیں ماننے والے۔ فی الواقع کافروں کا یہی حال ہے کہ انہیں سمجھانا بے سود رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزماںؐ سے بھی یہی فرمایا کہ ان ازلی کفار پر آپؐ کی نصیحت مطلق اثر نہیں کرے گی، یہ نصیحت کرنے اور ہوشیار کر دینے کے بعد بھی ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے تھے، یہ تو قدرتی طور پر ایمان سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ جن پر تیرے رب کی بات صادق آنے والی ہے، انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے والا۔ خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ کی دوسری قرات خَلْقُ الْاَوَّلِيْنَ بھی ہے یعنی جو باتیں تو ہمیں کہتا ہے، یہ تو اگلوں کی کہی ہوئی ہیں جیسے قریشیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو صبح شام تمہارے سامنے پڑھی جاتی ہیں، یہ ایک بہتان ہے جسے تو نے گھڑ لیا ہے اور کچھ لوگ اپنے طرفدار کر لئے ہیں۔ مشہور قرأت کی بنا پر معنی یہ ہوئے کہ جس پر ہم ہیں، وہی ہمارے پرانے باپ دادوں کا مذہب ہے۔ ہم تو الٰہی کی راہ چلیں گے اور اسی روش پر رہیں گے، جئیں گے، پھر مر جائیں گے۔ جیسے وہ مر گئے۔ یہ محض لاف ہے کہ پھر ہم اللہ کے ہاں زندہ کئے جائیں گے۔ یہ بھی غلط ہے کہ ہمیں عذاب کیا جائے گا۔ آخرش ان کی تکذیب اور مخالفت کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ سخت تیز وتند آندھی ان پر بھیجی گئی اور یہ برباد کر دیئے گئے۔ یہی عاد اولیٰ تھے جنہیں ارم ذات العماد بھی کہا گیا ہے۔ یہ ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ عمد میں یہ رہتے تھے۔ ارم حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے کا نام ہے نہ کہ کسی شہر کا۔ گو بعض لوگوں سے یہ بھی مروی ہے لیکن اس کے قائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان سے سن سنا کر اوروں نے بھی یہی کہہ دیا۔ حقیقت میں اس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ اسی لئے قرآن نے ارم کا ذکر کرتے ہی فرمایا ہے کہ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ان جیسا اور کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔

اگر اس سے مراد شہر ارم ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ اس جیسا اور کوئی شہر بنایا نہیں گیا- قرآن کریم کی اور آیت میں ہے فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ الخ عادیوں نے زمین میں تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے بڑھ کر قوت والا کون ہے؟ کیا وہ اسے بھی بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے زیادہ قوی ہے- دراصل انہیں ہماری آیتوں سے انکار تھا- یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان پر صرف بیل کے نتھنے کے برابر ہوا چھوڑی گئی تھی جس نے ان کا' ان کے شہروں کا' ان کے مکانات کا نام ونشان مٹا دیا- جہاں سے گزر گئی' صفایا کر دیا- شائیں شائیں کرتی تمام چیزوں کا ستیاناس کرتی چلی تھی- تمام قوم کے سر الگ ہو گئے اور دھڑ الگ ہو گئے- عذاب الٰہی کو ہوا کی صورت میں آتا دیکھ کر قلعوں میں' محلات میں' محفوظ مکانات میں گھس گئے تھے' زمین میں گڑھے کھود کھود کر آدھے آدھے جسم ان میں ڈال کر محفوظ ہوئے تھے لیکن بھلا عذاب الٰہی کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ وہ ایک منٹ کے لئے بھی کسی کو مہلت اور دم لینے دیتا ہے؟ سب چٹ پٹ کر دیئے گئے اور اس واقعہ کو بعد میں آنے والوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا گیا' ان میں سے پھر بھی اکثر لوگ بے ایمان ہی رہے- اللہ کا غلبہ اور رحم دونوں مسلم تھے-

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صٰلِحٌ أَلَا
تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾
وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٤٥﴾

ثمودیوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ○ ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ ○ میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں ○ تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا کرو- میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے ○

صالح علیہ السلام اور قوم ثمود: ☆☆ (آیت: ۱۴۱-۱۴۵) اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ اپنی قوم ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے' یہ لوگ عرب تھے- حجر نامی شہر میں رہتے تھے جو وادی القری اور ملک شام کے درمیان ہے- یہ عادیوں کے بعد اور ابراہیمیوں سے پہلے تھے- شام کی طرف جاتے ہوئے آپ کا اس جگہ سے گزرنے کا بیان سورۂ اعراف کی تفسیر میں پہلے گزر چکا ہے- انہیں ان کے نبی نے اللہ کی طرف بلایا کہ یہ اللہ کی توحید کو مانیں اور حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کریں لیکن انہوں نے بھی انکار کیا اور اپنے کفر پر جمے رہے' اللہ کے پیغمبر کو جھوٹا کہا- باوجود اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت سننے کی پرہیزگاری اختیار نہ کی- باوجود رسول امین کی موجودگی کے راہ ہدایت اختیار نہ کی- حالانکہ نبی کا صاف اعلان تھا کہ میں اپنا کوئی بوجھ تم پر ڈال نہیں رہا- میں تو اس رسالت کی تبلیغ کے اجر کا صرف اللہ تعالیٰ سے خواہاں ہوں' اس کے بعد اللہ کی نعمتیں انہیں یاد دلائیں-

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هٰهُنَا آمِنِينَ ﴿١٤٦﴾ فِي جَنّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾
وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا
فٰرِهِينَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ
الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾

کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں' تم امن کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ ○ یعنی ان باغوں اور ان چشموں ○ اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے

شگوفے بوجھ کے مارے ٹوٹے پڑتے ہیں ○ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو ○ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ بے باک حد سے گزر جانے والوں کی اطاعت سے باز آ جاؤ ○ جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ○

صالح علیہ السلام کی باغی قوم: ☆☆ (آیت: ۱۴۶-۱۵۲) حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم میں وعظ فرما رہے ہیں' انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں اور اس کے عذابوں سے متنبہ فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ جو تمہیں یہ کشادہ روزیاں دے رہا ہے' جس نے تمہارے لئے باغات اور چشمے' کھیتیاں اور پھل پھول مہیا فرما دیئے ہیں' امن چین سے تمہاری زندگی کے ایام پورے کر رہا ہے' تم اس کی نافرمانیاں کر کے انہی نعمتوں میں اور اسی امن وامان میں نہیں چھوڑے جا سکتے - ان باغات اور ان دریاؤں میں' ان کھیتوں' ان کھجوروں کے باغات میں جن کے خوشے کھجوروں کی زیادتی کے مارے بوجھل ہو رہے ہیں اور جھکے پڑتے ہیں' جن میں تہ بہ تہ تر کھجوریں بھرپور لگ رہی ہیں' جو نرم خوش نما میٹھی اور خوش ذائقہ کھجوروں سے لدے ہوئے ہیں' تم اللہ کی نافرمانیاں کر کے ان کو بہ آرام ہضم نہیں کر سکتے - اللہ نے تمہیں اس وقت جن مضبوط اور پر تکلف بلند اور عمدہ گھروں میں رکھ چھوڑا ہے' اللہ کی توحید اور میری رسالت سے انکار کے بعد یہ بھی قائم نہیں رہ سکتے - افسوس تم اللہ کی نعمت کی قدر نہیں کرتے' اپنا وقت اپنا روپیہ بے جا برباد کر کے یہ نقش ونگار والے مکانات' پہاڑوں میں بہ تصنع وتکلف صرف بڑائی اور ریاکاری کے لئے اپنی عظمت اور قوت کے مظاہرے کے لئے تراش رہے ہو جس میں کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا وبال تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے - پس تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور میری اتباع کرنی چاہئے - اپنے خالق' رازق' منعم' محسن کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اور اس کی توحید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جانا چاہئے - جس کا نفع تمہیں دنیا اور آخرت میں ملے' تمہیں اس کا شکر ادا کرنا چاہئے' اس کی تسبیح وتہلیل کرنی چاہئے' صبح شام اس کی عبادت کرنی چاہئے - تمہیں اپنے ان موجودہ سرداروں کی ہرگز نہ ماننی چاہئے - یہ تو حدود اللہ سے تجاوز کر گئے ہیں - توحید' اتباع کو بھلا بیٹھے ہیں - زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں' نافرمانی' گناہ' فسق وفجور پر خود لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی طرف بلا رہے ہیں اور حق کی موافقت اور اتباع کر کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتے -

قَالُوٓا إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ ٱلْمُسَحَّرِينَ ۝۱۵۳ مَآ أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ
فَأْتِ بِـَٔايَةٍ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّـٰدِقِينَ ۝۱۵۴

وہ بولے پس بجز اس کے نہیں کہ تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جائے ○ تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے' اگر تو سچوں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ ○

نبیؐ کا اپنے آپ سے تقابل: ☆☆ (آیت: ۱۵۳-۱۵۴) ثمودیوں نے اپنے نبی کو جواب دیا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے - گو ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ تو مخلوق میں سے ہے اور اس کی دلیل میں عرب کا ایک شعر بھی پیش کیا جاتا ہے لیکن ظاہر معنی پہلے ہی ہیں - اسی کے ساتھ انہوں نے کہا' تو تو ہم جیسا ایک انسان ہے - یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم میں سے تو کسی پر وحی نہ آئے اور تجھ پر آ جائے - کچھ نہیں - یہ صرف بناوٹ ہے' ایک خود ساختہ ڈرامہ ہے' محض جھوٹ اور صاف طوفان ہے - اچھا ہم کہتے ہیں' اگر تو واقعی سچا نبی ہے تو کوئی معجزہ دکھا' اس وقت ان کے چھوٹے بڑے سب جمع تھے اور یک زبان ہو کر سب نے معجزہ طلب کیا تھا -

قَالَ هَـٰذِهِۦ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝۱۵۵
وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۱۵۶ فَعَقَرُوهَا

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع ۹ ۱۲

آپؑ نے فرمایا' یہ ہے اونٹنی۔ پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقرر دن کی باری پانی پینے کی تمہاری ○ خبردار اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمہاری گرفت کرلے گا ○ پھر بھی انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر تو پشیمان ہو گئے۔ اور عذاب نے انہیں آ دبوچا بےشک اس میں عبرت ہے' اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہ تھے ○ اور بےشک تیرا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے ○

(آیت: ۱۵۵-۱۵۹) آپ نے پوچھا کہ تم کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا' یہ سامنے جو پتھر کی بڑی ساری چٹان ہے' یہ ہمارے دیکھتے ہوئے پھٹے اور اس میں سے ایک گابھن اونٹنی اس اس رنگ کی اور ایسی ایسی نکلے۔ آپ نے فرمایا' اچھا اگر میں رب سے دعاء کروں اور وہ یہی معجزہ میرے ہاتھوں تمہیں دکھا دے' پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا؟ سب نے پختہ وعدہ کیا۔ قول وقرار کیا کہ ہم سب ایمان لائیں گے' اور آپؑ کی نبوت مان لیں گے۔ آپ بہت جلد یہ معجزہ دکھائیں۔ آپ نے اسی وقت نماز شروع کر دی۔ پھر اللہ عز وجل سے دعا کی' اسی وقت وہ پتھر پھٹا اور اسی طرح کی ایک اونٹنی ان کے دیکھتے ہوئے اس میں سے نکلی۔ کچھ لوگ تو حسب اِقرار مومن ہو گئے لیکن اکثر لوگ پھر بھی کافر کے کافر رہے۔ آپ نے فرمایا' اب سنو ایک دن یہ پانی پئے گی اور ایک دن پانی کی باری تمہاری مقرر رہے گی۔ اب تم میں سے کوئی اسے برائی نہ پہنچائے ورنہ بدترین عذاب تم پر اتر پڑے گا۔ ایک عرصے تک تو وہ رکے رہے۔ اونٹنی ان میں رہی۔ چارہ چگتی اور اپنی باری والے دن پانی پیتی۔ اس دن یہ لوگ اس کے دودھ سے ہی سیر ہو جاتے۔ لیکن ایک مدت کے بعد ان کی بدبختی نے انہیں آ گھیرا' ان میں کے ایک بڑے ملعون نے اونٹنی کے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا اور کل اہل شہر اس کے موافق ہو گئے چنانچہ اس کی کوچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا جس کے نتیجے میں انہیں سخت ندامت اور پشیمانی اٹھانی پڑی۔ عذاب اللہ نے انہیں دفعتہً آن دبوچا۔ ان کی زمینیں ہلا دی گئیں اور ایک چیخ سے سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے۔ دل اڑ گئے' کلیجے پاش پاش ہو گئے اور وہم و گمان بھی جس چیز کا نہ تھا' وہ آن پڑا' اول تا آخر سب غارت ہو گئے اور دنیا جہان کے لئے یہ خوفناک واقعہ عبرت افزا ہو گیا۔ اتنی بڑی نشانی اپنی آنکھوں دیکھ کر بھی ان میں سے اکثر لوگوں کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ غالب ہے اور وہ رحیم بھی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ ۚ
وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ ؕ
اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ ۙ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ
لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا
لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾
قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ ؕ

قوم لوط نے بھی نبیوں کو جھٹلایا ○ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم خوف الٰہی نہیں رکھتے ؟ ○ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں ○ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اللہ تعالٰی پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے ○ کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو؟ ○ اور تمہاری جن عورتوں کو اللہ تعالٰی نے تمہاری جوڑ بنایا ہے' چھوڑ دیتے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم لوگ ہو ہی حد سے گزر جانے والے ○ انہوں نے جواب دیا کہ اے لوط اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا ○ آپ نے فرمایا' میں تو تمہارے کام سے سخت ناخوش ہوں ○

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم : ☆☆ (آیت ۱۶۰-۱۶۴) اب اللہ تعالٰی اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان فرما رہا ہے۔ ان کا نام لوط بن ہاران بن آزر تھا۔ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا۔ یہ لوگ سدوم اور اس کے پاس بستے تھے۔ بالآخر یہ بھی اللہ کے عذابوں میں پکڑے گئے۔ سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی باقی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک وشوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول اللہ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ آپ نے انہیں اللہ کی معصیت چھوڑنے اور اپنی تابعداری کرنے کی ہدایت کی۔ اپنا رسول ہو کر آنا ظاہر کیا۔ انہیں اللہ کے عذابوں سے ڈرایا' اللہ کی باتیں مان لینے کو فرمایا۔ اعلان کر دیا کہ میں تمہارے پیسے ٹکے کا محتاج نہیں' میں صرف اللہ واسطے تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ تم اپنے اس خبیث فعل سے باز آؤ یعنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے حاجت روائی کرنے سے رک جاؤ لیکن انہوں نے اللہ کے رسول علیہ السلام کی نہ مانی بلکہ ایذائیں پہنچانے لگے۔

ہم جنس پرستی کا شکار : ☆☆ (آیت: ۱۶۵-۱۶۸) لوط نبی علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی خاص بدکرداری سے روکا کہ تم مردوں کے پاس شہوت سے نہ آؤ۔ ہاں اپنی حلال بیویوں سے اپنی خواہش پوری کرو جنہیں اللہ نے تمہارے لئے جوڑا بنا دیا ہے۔ رب کی مقررہ حدوں کا ادب واحترام کرو۔ اس کا جواب ان کے پاس یہی تھا کہ اے لوط علیہ السلام اگر تو باز نہ آیا تو ہم تجھے جلاوطن کر دیں گے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان پاکباز لوگوں کو تو الگ کر دو۔ یہ دیکھ کر آپ نے ان سے بیزاری اور دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں تمہارے اس برے کام سے ناراض ہوں' میں اسے پسند نہیں کرتا' میں اللہ کے سامنے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ۙ
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ۚ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ۚ وَاَمْطَرْنَا
عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ۧ ع ٩ ١٦ ١٢
كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ښ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ
اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ۚ

میرے پروردگار مجھے اور میرے گھرانے کو اس وبال سے بچا لے جو یہ کرتے ہیں ○ پس ہم نے اسے اور اس کے متعلقین کو سب کو بچا لیا ○ بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گئی ○ پھر ہم نے باقی کے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا' پس بہت ہی برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے

ہوئے لوگوں پر برسا ○ یہ ماجرا بھی سراسر عبرت ہے' ان میں کے بھی اکثر مسلمان نہ تھے ○ بے شک تیرا پروردگار وہی ہے غلبے والا مہربانی والا ○ ایکہ والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ○ جب کہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تمہیں ڈر خوف نہیں؟ ○

(آیت: ۱۶۹-۱۷۵) پھر اللہ سے ان کے لئے بددعا کی اور اپنی اور اپنے گھرانے کی نجات طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو نجات دی مگر آپ کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور انہی کے ساتھ تباہ ہوئی۔ جیسے کہ سورۂ اعراف' سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بالتفصیل بیان گزر چکا ہے۔ آپ اپنے والوں کو لے کر اللہ کے فرمان کے مطابق اس بستی سے چل کھڑے ہوئے۔ حکم تھا کہ آپ کے نکلتے ہی ان پر عذاب آئے گا۔ اس وقت پلٹ کر ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں۔ پھر ان سب پر عذاب برسا اور سب برباد کر دیئے گئے۔ ان پر آسمان سے سنگ باری ہوئی۔ اور ان کا انجام بد ہوا۔ یہ بھی عبرتناک واقعہ ہے۔ ان میں سے بھی اکثر بے ایمان تھے۔ رب کے غلبے میں' اس کے رحم میں کوئی شک نہیں۔

شعیب علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۷۶-۱۸۰) یہ لوگ مدین کے رہنے والے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی ان ہی میں سے تھے' آپ کو ان کا بھائی صرف اس لئے نہیں کہا گیا کہ اس آیت میں ان لوگوں کی نسبت ایکہ کی طرف کی ہے جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ ایکہ ایک درخت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے اور نبیوں کو ان کی امتوں کا بھائی فرمایا گیا' انہیں ان کا بھائی نہیں کہا گیا ورنہ یہ لوگ بھی انہی کی قوم میں سے تھے۔ بعض لوگ جن کے ذہن کی رسائی اس نکتے تک نہیں ہوئی' وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی قوم میں سے نہ تھے اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں فرمایا گیا۔ یہ اور ہی قوم تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور ان لوگوں کی طرف بھی۔ بعض کہتے ہیں' ایک تیسری امت کی طرف بھی آپ کی بعثت ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ نہیں بھیجا سوائے حضرت شعیب علیہ السلام کے کہ ایک مرتبہ انہیں مدین والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ سے انہیں ایک چنگھاڑ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ اور دوبارہ انہیں ایکہ والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر سائے والے دن کا عذاب آیا اور وہ برباد ہوئے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی اسحاق بن بشر کاہلی ہے جو ضعیف ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اصحاب رس اور اصحاب ایکہ قوم شعیب ہے۔ اور ایک بزرگ فرماتے ہیں' اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین ایک ہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن عساکر میں ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو قومیں ہیں۔ ان دونوں امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا تھا لیکن یہ حدیث غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف ہی ہو۔ صحیح امر یہی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی امت ہیں۔ دونوں جگہ ان کے وصف الگ الگ بیان ہوئے ہیں مگر وہ ایک ہی ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ دونوں قصوں میں حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ ایک ہی ہے۔ دونوں کو ناپ تول صحیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا
أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾
وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾

میں تمہاری طرف امانت دار اور رسول ہوں ○ تو تم اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو ○ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا' میرا اجر تمام جہان کے پالنے والے کے پاس ہے ○ ناپ پورا بھرا کرو' کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو ○ اور سیدھی صحیح ترازو سے تولا کرو ○ لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو ب باکی کے ساتھ زمین پر فساد مچاتے نہ پھرو ○ اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے ○

ڈنڈی مار قوم : ☆☆ (آیت:۱۸۱-۱۸۴) حضرتِ شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو ناپ تول درست کرنے کی ہدایت کر رہے ہیں۔ ڈنڈی مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا پیمانہ بھر کر دو' اس کے حق سے کم نہ کرو۔ اسی طرح دوسرے سے جب لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ کیا کہ لینے کے وقت پورا لو اور دینے کے وقت کم دو؟ لین دین دونوں صاف اور پورا رکھو۔ ترازو اچھی رکھو جس میں تول صحیح آئے۔ بٹے بھی پورے رکھو۔ تول میں عدل کرو' ڈنڈی نہ مارو' کم نہ تو لو۔ کسی کو اس کی چیز کم نہ دو۔ کسی کی راہ نہ مارو۔ چوری چکاری لوٹ مار' غارتگری' رہزنی سے بچو۔ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر' خوف زدہ کر کے ان سے مال نہ لوٹو۔ اس اللہ کے عذابوں کا خوف رکھو جس نے تمہیں اور سب اگلوں کو پیدا کیا ہے۔ جو تمہارا اور تمہارے بڑوں کا رب ہے یہی لفظ آیت وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا میں بھی اسی معنی میں ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ﴿١٨٥﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ﴿١٨٦﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا
مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۭ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ ع ١٦ ١٤

کہنے لگے تو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے ○ اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں ○ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے ○ کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو ○ چونکہ انہوں نے اسے جھلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا ○ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے ○ اور یقیناً تیرا پروردگار البتہ وہی ہے غلبے والا مہربانی والا ○

مشرکین کی وہی حماقتیں : ☆☆ (آیت:۱۸۵-۱۹۱) ثمودیوں نے جو جواب اپنے نبی کو دیا تھا' وہی جواب ان لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو دیا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ تو ہم جیسا ہی انسان ہے اور ہمیں تو یقین ہے کہ تو جھوٹا آدمی ہے۔ اللہ نے تجھے نہیں بھیجا۔ اچھا تو اگر اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے۔ آسمانی عذاب ہم پر لے آ۔ جیسے قریشیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہم تو تجھ پر ایمان لانے کے نہیں جب تک کہ تو عرب کی اس ریتیلی زمین میں دریا نہ بہا دے' یہاں تک کہا کہ یا تو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے جیسے کہ تیرا خیال ہے یا تو اللہ تعالیٰ کو یا فرشتوں کو کھلم کھلا لے آئے۔ اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا الٰہی اگر یہ تیرے پاس سے ہے اور حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے۔ اسی طرح ان جاہل کافروں نے کہا کہ تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا

دے۔ رسول علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ کو تمہارے اعمال بخوبی معلوم ہیں۔ جس لائق تم ہو وہ خود کر دے گا۔ اگر تم اس کے نزدیک آسمانی عذاب کے قابل ہو تو بلا تاخیر تم پر آسمانی عذاب آ جائے گا، اللہ ظالم نہیں کہ بے گناہوں کو سزا دے۔

بالاخر جس قسم کا عذاب یہ مانگ رہے تھے، اسی قسم کا عذاب ان پر آیا۔ انہیں سخت گرمی محسوس ہوئی، سات دن تک گویا زمین ابلتی رہی۔ کسی جگہ کسی سایے میں ٹھنڈک یا راحت میسر نہ ہوئی، تڑپ اٹھے، بیقرار ہو گئے، سات دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف چلا آ رہا ہے، وہ آ کر ان کے سروں پر چھا گیا، یہ سب گرمی اور حرارت سے زچ ہو گئے تھے۔ اس کے نیچے جا بیٹھے۔ جب سارے کے سارے اس کے سائے میں پہنچ گئے، وہیں بادل میں سے آگ برسنے لگی۔ ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور اس زور کی ایک آواز آئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے، جان نکل گئی اور سارے کے سارے بہ یک آن تباہ و ویران ہو گئے۔ اس دن کے سائبان والے سخت عذاب نے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ سورۂ اعراف میں تو فرمایا گیا ہے کہ ایک زلزلے کے ساتھ ہی یہ سب ہلاک ہو گئے۔ سورۂ ہود میں بیان ہوا ہے کہ ان کی تباہی کا باعث ایک خطرناک دل شکن چیخ تھی اور یہاں بیان ہوا کہ انہیں سائبان کے دن کے عذاب نے قابو کر لیا تو تینوں مقامات پر تینوں عذابوں کا ایک ایک کر کے ذکر اس مقام کی عبارت کی مناسبت کی وجہ سے ہوا ہے۔ سورۂ اعراف میں ان کی اس خباثت کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکایا تھا کہ اگر تم ہمارے دین میں نہ آئے تو ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو شہر بدر کر دیں گے۔ چونکہ وہاں نبی کے دل کو ہلانے کا ذکر تھا، اس لئے عذاب بھی ان کے جسموں کو مع دلوں کے ہلا دینے والے یعنی زلزلے اور جھٹکے کا ذکر ہوا۔ سورۂ ہود میں ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کو بطور مذاق کے کہا تھا کہ آپ تو بڑے بردبار اور بھلے آدمی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ بڑے بکی بکواسی اور برے آدمی ہیں تو وہاں عذاب میں چیخ اور چنگھاڑ کا بیان ہوا۔ یہاں چونکہ ان کی آرزو آسمان کے ٹکڑے کے گرنے کی تھی تو عذاب کا ذکر بھی سائبان نما ابر کے ٹکڑے سے ہوا۔ فسبحانہ ما اعظم شانہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سات دن تک وہ گرمی پڑی کہ الامان والحفیظ، کہیں ٹھنڈک کا نام نہیں تھا، تلملا اٹھے۔ اس کے بعد ایک ابر اٹھا اور اُمڈا۔ اس کے سائے میں ایک شخص پہنچا اور وہاں راحت اور ٹھنڈک پا کر اس نے دوسروں کو بلایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو ابر پھٹا اور اس میں سے آگ برسی۔ یہ بھی مروی ہے کہ ابر جو بطور سائباں کے تھا، ان کے جمع ہوتے ہی ہٹ گیا اور سورج سے ان پر آگ برسی۔ جس نے ان سب کا بھرتا بنا دیا۔ محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اہل مدین پر تینوں عذاب آئے، شہروں میں زلزلہ آیا جس سے خائف ہو کر حدود شہر سے باہر آ گئے۔ باہر جمع ہوتے ہی گھبراہٹ، پریشانی اور بے کلی شروع ہو گئی تو وہاں سے بھگدڑ مچی لیکن شہر میں جانے سے ڈرے۔ وہیں دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا ایک جگہ ہے، ایک اس کے نیچے گیا اور اس کی ٹھنڈک محسوس کر کے سب کو آواز دی کہ یہاں آ جاؤ، یہاں جیسی ٹھنڈک اور تسکین تو کبھی دیکھی ہی نہیں۔ یہ سنتے ہی سب اس کے نیچے جمع ہو گئے کہ اچانک ایک چیخ کی آواز آئی جس سے کلیجے پھٹ گئے اور سب کے سب مر گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سخت گرج، کڑک اور گرمی شروع ہوئی جس سے سانس گھٹنے لگے اور بے چینی حد کو پہنچ گئی۔ گھبرا کر شہر چھوڑ کر میدان میں جمع ہو گئے۔ یہاں بادل آیا جس کے نیچے ٹھنڈک اور راحت حاصل کرنے کے لئے سب جمع ہوئے۔ وہیں آگ برسی اور سب جل بھن گئے۔ یہ تھا سائبان والے بڑے بھاری دن کا عذاب جس نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ یقیناً یہ واقعہ سراسر عبرت اور قدرت الٰہی کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ان میں سے اکثر بے ایمان تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بد بندوں سے انتقام لینے میں غالب ہے، کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے نیک بندوں پر مہربان ہے۔ انہیں بچا لیا کرتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾
عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾

بے شک وشبہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے ○ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے ○ تیرے دل پر اترا ہے تا کہ تو آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائے ○ صاف عربی زبان میں ہے ○

مبارک کتاب: ☆☆ (آیت:۱۹۲-۱۹۵) سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کا ذکر آیا تھا- وہی ذکر پھر تفصیلاً بیان ہو رہا ہے کہ یہ مبارک کتاب قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی ہے- روح الامین سے مراد حضرت جبرئیلؑ ہیں جن کے واسطے سے یہ وحی سرور رسل علیہ السلام پر اتری ہے- جیسے فرمان ہے- قل من كان عدوا لجبريل یعنی اس قرآن کو بحکم الٰہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیرے دل پر نازل فرمایا ہے' یہ قرآن اگلی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے- یہ فرشتہ ہمارے ہاں ایسا مکرم ہے کہ اس کا دشمن ہمارا دشمن ہے- حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جس سے روح الامین بولے' اسے زمین نہیں کھاتی- اس بزرگ با مرتبہ فرشتے نے جو فرشتوں کا سردار ہے' تیرے دل پر اس پاک اور بہتر کلام الٰہی کو نازل فرمایا ہے جو ہر طرح کے میل کچیل سے' کمی زیادتی سے' نقصان اور کجی سے پاک ہے- تا کہ تو اللہ کے مخالفین کو' گنہگاروں کو اللہ کی سزا سے بچاؤ کرنے کی رہبری کر سکے- اور تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی مغفرت و رضوان کی خوشخبری پہنچا سکے- یہ کھلی فصیح عربی زبان میں ہے- تا کہ ہر شخص سمجھ سکے' پڑھ سکے- کسی کا عذر باقی نہ رہے اور ہر ایک پر قرآن کریم اللہ کی حجت بن جائے- ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے نہایت فصاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے جسے سن کر صحابہؓ کہہ اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو کمال درجے کی فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں- آپؐ نے فرمایا' بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی- قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے- فرمان ہے بلسان عربی مبین- امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' وحی عربی میں اتری ہے- یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا- قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی- ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی (ابن ابی حاتم)

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً
اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى
بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾

اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا مذکور ہے ○ کیا انہیں یہ نشان کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو تو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں ○ اگر ہم اسے کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے ○ اور وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اسے باور کرنے والے نہ ہوتے ○

بشارت وتصدیق یافتہ کتاب: ☆☆ (آیت:۱۹۶-۱۹۹) فرماتا ہے کہ اللہ کی اگلی کتابوں میں بھی [illegible] اور آخری اللہ کے کلام کی پیشین گوئی اور اس کی تصدیق وصفت موجود ہے- اگلے نبیوں نے بھی اس کی بشارت دی ہے- یہاں تک کہ ان تمام نبیوں کے آخری نبی جن کے بعد حضور علیہ السلام تک اور کوئی نبی نہ تھا- یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جمع کر کے جو خطبہ دیتے ہیں' اس میں فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو اگلی کتابوں کو سچا بتانے کے ساتھ ہی آنے والے رسول حضرت محمد ﷺ کی

بشارت تمہیں سناتا ہوں۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے' یہاں زبر کا لفظ کتابوں کے معنی میں ہے۔ جیسے فرمان ہے۔ وَكُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ جو کچھ یہ کر رہے ہیں' سب کتابوں میں تحریر ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ سمجھیں اور ضد اور تعصب نہ کریں تو قرآن کی حقانیت پر یہی دلیل کیا کم ہے کہ خود بنی اسرائیل کے علماء اسے مانتے ہیں۔ ان میں سے جو حق گو اور بے تعصب ہیں وہ توراۃ کی ان آیتوں کا لوگوں پر کھلے عام ذکر کر رہے ہیں جن میں حضور ﷺ کی بعثت' قرآن کا ذکر اور آپ کی حقانیت کی خبر ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے حق گو حضرات نے دنیا کے سامنے توراۃ و انجیل کی وہ آیتیں رکھ دیں جو حضور ﷺ کی شان والا شان کو ظاہر کرنے والی تھیں۔

اس کے بعد کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس فصیح و بلیغ' جامع و بالغ' حق کلام کو ہم کسی عجمی پر نازل فرماتے' پھر بھی کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ہمارا کلام ہے۔ مگر مشرکین قریش اپنے کفر اور اپنی سرکشی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اس وقت بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر آسمان کا دروازہ بھی ان کے لئے کھول دیا جاتا اور یہ خود چڑھ جاتے' تب بھی یہی کہتے' ہمیں نشہ پلا دیا گیا ہے۔ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور آیت میں ہے' اگر ان کے پاس فرشتے آ جاتے اور مردے بول اٹھتے' تب بھی انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا۔ ان پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا' عذاب ان کا مقدر ہو چکا اور ہدایت کی راہ مسدود کر دی گئی۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا
یَشْعُرُوْنَ ۝ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ۝
اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝
مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ
اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝

اسی طرح ہم نے گنہگاروں کے دلوں میں اس انکار کو لا رکھا ہے ○ وہ جب تک دردناک عذابوں کا ملاحظہ نہ کر لیں' ایمان نہ لائیں گے ○ پس وہ عذاب تو ان کے پاس ناگہاں آ جائے گا' انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا ○ اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ ○ کیا یہ ہمارے عذابوں کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ○ اچھا یہ بھی بتلا دو کہ اگر ہم نے انہیں کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا ○ پھر انہیں وہ عذاب آ لگا جس سے یہ دھمکائے جاتے تھے ○ تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے' اس میں سے کچھ بھی انہیں فائدہ نہ پہنچا سکے گا ○ ہم نے جس بستی کو ہلاک کیا ہے' اسی حال میں کہ اس کے ڈرانے والے تھے ○ نصیحت کرنے کے لئے ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں ○

کفر و انکار: ☆☆ (آیت: ۲۰۰-۲۰۹) تکذیب و کفر' انکار و عدم تسلیم کو ان مجرموں کے دل میں بٹھا دیا ہے۔ یہ جب تک عذاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' ایمان نہیں لائیں گے۔ اس وقت اگر ایمان لائے بھی تو محض بے سود ہوگا' ان پر لعنت برس چکی ہوگی۔ برائی مل چکی ہوگی۔ نہ پچھتانا کام آئے نہ معذرت نفع دے۔ عذاب الٰہی آئیں گے اور اچانک ان کی بے خبری میں ہی آ جائیں گے۔ اس وقت ان کی تمنائیں اگر ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک بن جائیں' بے سود ہوں گی۔ ایک انہی پر کیا موقوف ہے' ہر ظالم' فاجر' فاسق' کافر' بدکار عذاب کو

دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے۔ نادم ہوتا ہے' توبہ تلا کرتا ہے مگر سب لاحاصل۔

فرعون ہی کو دیکھئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے بددعا کی جو قبول ہوئی' عذاب کو دیکھ کر ڈوبتے ہوئے کہنے لگا کہ اب میں مسلمان ہوتا ہوں لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بے سود ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے کہ ہمارا عذاب دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا۔ پھر ان کی ایک اور بدبختی بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے کہتے تھے' اگر سچے ہو تو عذاب الٰہی لاؤ۔ اگرچہ ہم انہیں مہلت دیں اور کچھ دنوں تک' کچھ مدت تک انہیں عذاب سے بچائے رکھیں۔ پھر ان کے پاس ہمارا مقررہ عذاب آ جائے۔ ان کا حال' ان کی نعمتیں' ان کی جاہ و حشمت' غرض کوئی چیز انہیں ذرا سا بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس وقت تو یہی معلوم ہوگا کہ شاید ایک صبح یا ایک شام ہی دنیا میں رہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے یَوَدُّ اَحَدُهُمْ الخ ان میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ وہ ہزار ہزار سال جئے لیکن اتنی عمر بھی اللہ کے عذاب ہٹا نہیں سکتی۔ یہی یہاں بھی فرمایا ہے کہ اسباب ان کے کچھ کام نہ آئیں گے' الٹا عذاب میں مبتلا ہوتے وقت ان کی تمام طاقتیں اور اسباب یونہی رکھے کے رکھے رہ جائیں گے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ کافر کو قیامت کے دن لایا جائے گا' پھر آگ میں ایک غوطہ دلوا کر پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی راحت بھی اٹھائی ہے تو کہے گا اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی راحت نہیں دیکھی اور ایک اس شخص کو لایا جائے گا جس نے پوری عمر واقعی کوئی راحت چکھی ہی نہ ہو۔ اسے جنت کی ہوا کھلا کر لایا جائے گا اور سوال ہوگا کہ کیا تو نے عمر بھر کبھی کوئی برائی دیکھی ہے؟ تو وہ کہے گا ''اے اللہ تیری ذات پاک کی قسم میں نے کبھی کوئی زحمت نہیں اٹھائی''۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عموماً یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ جب تو اپنی مراد کو پہنچ گیا تو گویا تو نے کبھی کسی تکلیف کا نام بھی نہیں سنا۔

اللہ عزوجل اس کے بعد اپنے عدل کی خبر دیتا ہے کہ کبھی اس نے حجت ختم ہونے سے پہلے کسی امت کو ختم نہیں کیا۔ رسولوں کو بھیجتا ہے' کتابیں اتارتا ہے' خبریں دیتا ہے' ہوشیار کرتا ہے۔ پھر نہ ماننے والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پس فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انبیاء کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم نے کسی امت پر عذاب بھیج دیئے ہوں۔ ڈرانے والے بھیج کر' نصیحت کر کے' عذر ہٹا کر پھر نہ ماننے پر عذاب ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا' تیرا رب کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی بستیوں کی صدر بستی میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ؕ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ؕ ﴿۲۱۲﴾

اس قرآن کو شیطان نہیں لائے ○ نہ وہ اس کے قابل ہیں نہ انہیں اس کی طاقت ہے ○ بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں ○

یہ کتاب عزیز: ☆☆ (آیت: ۲۱۰-۲۱۲) یہ کتاب عزیز جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا' جو حکیم و حمید اللہ کی طرف سے اتری ہے' جس کو روح الامین جو قوت و طاقت والے ہیں' لے کر آئے ہیں' اسے شیاطین نہیں لائے۔ پھر ان کے نہ لانے پر تین وجوہات بیان کی گئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس کے لائق ہی نہیں۔ ان کا کام مخلوق کو بہکانا ہے نہ کہ راہ راست پر لانا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو اس کتاب کی شان ہے' ان کے سراسر خلاف ہے۔ یہ نور ہے' یہ ہدایت ہے' یہ برہان ہے۔ اور شیاطین ان تینوں چیزوں سے چڑتے ہیں' وہ ظلمت کے دلدار اور ضلالت کے ہیرو ہیں۔ وہ جہالت کے شیدا ہیں۔ پس اس کتاب میں اور ان میں تو تباین اور اختلاف ہے۔ کہاں وہ کہاں یہ؟ دوسری وجہ یہ کہ وہ جہاں اس کے اہل نہیں' وہاں ان میں اس کو اٹھانے اور لانے کی طاقت بھی نہیں۔ یہ تو وہ ذی عزت اور

مرتبے والا کلام ہے کہ اگر کسی بڑے سے بڑے پہاڑ پر بھی اترے تو اسے چکنا چور کر دے۔

پھر تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ تو اس کے نزول کے وقت ہٹا دیئے گئے تھے۔ انہیں تو سننا بھی نہیں ملا۔ تمام آسمان پر سخت پہرہ چوکی تھی' یہ سننے کے لئے چڑھتے تھے تو ان پر آگ برسائی جاتی تھی۔ اس کا ایک حرف سن لینا بھی ان کی طاقت سے باہر تھا۔ تاکہ اللہ کا کلام محفوظ طریقے پر ان کے نبی ﷺ کو پہنچے اور آپ کی وساطت سے مخلوق الٰہی کو پہنچے۔ جیسے سورۂ جن میں خود جنات کا مقولہ بیان ہوا ہے کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرے چوکی سے بھرپور پایا اور جگہ جگہ شعلے متعین پائے' پہلے تو ہم بیٹھ کر اکا دکا بات اڑا لایا کرتے تھے لیکن اب تو کان لگاتے ہی شعلہ لپکتا ہے اور جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ
عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ
تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار کہ تو بھی سزا کے قابل بن جائے ○ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا دے ○ ان کے ساتھ فروتنی سے پیش آ جو بھی ایمان لانے والا ہو کر تیری تابعداری کرے ○ اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو تو اعلان کر دے کہ میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو ○ اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ ○ جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جب کہ تو کھڑا ہوتا ہے ○ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی ○ وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب جاننے والا ہے ○

مستحق سزا لوگوں سے الگ ہو جاؤ: ☆☆ (آیت: ۲۱۳-۲۲۰) خود اپنے نبی ﷺ سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف میری ہی عبادت کر۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر' جو بھی ایسا کرے گا' وہ ضرور مستحق سزا ہے۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہوشیار کر دے کہ بجز ایمان کے کوئی چیز نجات دہندہ نہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ موحد' متبع سنت لوگوں سے فروتنی کے ساتھ ملتا جلتا رہ۔ اور جو بھی میرے حکم نہ مانے' خواہ کوئی ہو' تو اس سے بے تعلق ہو جا۔ اور اپنی بیزاری کا اظہار کر دے۔ یہ خاص طور کی' خاص لوگوں کی تنبیہ عام لوگوں کی تنبیہ کے منافی نہیں کیونکہ یہ اس کا جز ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے' تو اس قوم کو ڈرا دے جن کے بڑے بھی ڈرائے نہیں گئے اور جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور آیت میں ہے۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ تو مکے والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو سب کو ڈرائے۔ اور آیت میں ہے' تو اس قرآن سے انہیں ہوشیار کر دے جو اپنے رب کے پاس جمع ہونے سے خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ دیگر آیت میں ارشاد فرمایا کہ تو اس قرآن سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنا دے اور سرکشوں کو ڈرا دے۔ اور آیت میں فرمایا۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ تاکہ میں اسی قرآن کے ساتھ تمہیں اور جسے بھی یہ پہنچے ڈرا دوں۔ اور فرمان ہے' اس کے ساتھ ان تمام فرقوں میں سے جو بھی کفر کرے' اس کی سزا جہنم ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے' اس کی قسم' جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس امت میں سے جس کے کان میں میری رسالت کی بات پڑ جائے خواہ یہودی ہو یا نصرانی' پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو ضرور وہ جہنم میں جائے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ انہیں سن لیجئے۔

(۱) مسند احمد میں ہے' جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری تو آنحضرت ﷺ صفا پہاڑ پر چڑھ گئے- اور یا صباحاہ کر کے آواز دی- لوگ جمع ہو گئے' جو نہیں آ سکتے تھے' انہوں نے اپنے آدمی بھیج دیئے- اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا' اے اولاد عبدالمطلب! اے اولاد فہر! بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر تمہارے دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہے اور گھات میں ہے' موقعہ پاتے ہی تم سب کو قتل کر ڈالے گا تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بیک زبان کہا کہ ہاں ہم آپ کو سچا ہی سمجھیں گے- اب آپؐ نے فرمایا' سن لو' میں تمہیں آنے والے سخت عذابوں سے ڈرانے والا ہوں- اس پر ابولہب ملعون نے کہا' تو ہلاک ہو جائے- یہی سنانے کے لیئے تو نے ہمیں بلایا تھا- اس کے جواب میں سورۂ تبت یدا اتری (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۲) مسند احمد میں ہے' اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبی ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے' اے فاطمہ بنت محمد ﷺ' اے صفیہ بنت عبدالمطلب سنو' میں تمہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہیں آ سکتا- ہاں میرے پاس جو مال ہو' جتنا تم چاہو میں دینے کے لئے تیار ہوں (مسلم)

(۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت کے اترتے ہی حضور ﷺ نے قریشیوں کو بلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا' اے قریشیو! اپنی جانیں جہنم سے بچالو- اے کعب کے خاندان والو! اپنی جانیں آگ سے بچالو- اے ہاشم کی اولاد کے لوگو! اپنے آپ کو اللہ کے عذابوں سے چھڑوالو- اے عبدالمطلب کے لڑکو! اللہ کے عذابوں سے بچنے کی کوشش کرو- اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمدؐ! اپنی جان کو دوزخ سے بچالے' قسم اللہ کی' میں اللہ کے ہاں کی کسی چیز کا مالک نہیں- بے شک تمہاری قرابت داری ہے جس کے دنیوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں- (مسلم وغیرہ) بخاری و مسلم میں بھی قدرے الفاظ کی تبدیلی سے یہ حدیث مروی ہے- اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی فرمایا کہ میرے مال میں سے جو چاہو' مجھ سے طلب کر لو- ابو یعلی میں ہے کہ آپ نے فرمایا' اے قصی' اے ہاشم' اے عبدمناف کی اولاد! یاد رکھو میں ڈرانے والا ہوں اور موت بدلہ دینے والی ہے' اس کا چھاپہ پڑنے ہی والا ہے اور قیامت وعدہ گاہ ہے۔

(۴) مسند احمد میں ہے' حضور ﷺ پر یہ آیت اتری تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے' وہاں پہنچ کر آپؐ نے فرمایا' اے بنی عبدمناف! میں تو صاف چوکنا کر دینے والا ہوں' میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے عزیزوں کو ہشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں' دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبردار ہو جائیں (مسلم' نسائی وغیرہ)

(۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا' یہ تیس شخص تھے' جب یہ کھا پی چکے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے- اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے- وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میری اہل میں میرا خلیفہ ہو گا- تو ایک شخص نے کہا' آپ تو ایک سمندر ہیں- آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ تین دفعہ آپؐ نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کے لئے تیار ہوں (مسند احمد) ایک اور سند سے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا- یہ ایک جماعت کی جماعت تھی اور بڑے کھاؤ تھے- ایک ایک شخص ایک ایک بکری کا بچہ کھا جاتا تھا اور ایک بڑا بدھنا دودھ کا پی جاتا تھا- آپ نے ان سب کے کھانے کے لئے صرف تین پاؤ کے قریب کھانا پکوایا لیکن اللہ نے اسی میں اتنی برکت دی کہ سب پیٹ بھر کر کھا چکے اور خوب آسودہ ہو کر پی چکے لیکن نہ تو کھانے میں کمی نظر آتی تھی نہ پینے

کی چیز گھٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا' اے اولاد عبدالمطلب! میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس وقت تم ایک معجزہ بھی میرا دیکھ چکے ہو۔ اب تم میں سے کون تیار ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہو گا لیکن ایک شخص بھی مجمع سے کھڑا نہ ہوا۔ سوا میرے اور میں اس وقت عمر کے لحاظ سے ان سب سے چھوٹا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم بیٹھ جاؤ۔ تین مرتبہ آپؐ نے یہی فرمایا اور تینوں مرتبہ بجز میرے اور کوئی کھڑا نہ ہوا۔ تیسری مرتبہ آپؐ نے میری بیعت لی۔

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے فرمایا' اگر میں اپنی قوم کے سامنے ابھی ہی اسے پیش کروں گا تو وہ نہ مانیں گے اور ایسا جواب دیں گے جو مجھ پر گراں گزرے۔ پس آپؐ خاموش ہو گئے' اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمانے لگے۔ حضرت ﷺ اگر آپ نے تعمیل ارشاد میں تاخیر کی تو ڈر ہے کہ آپ کو سزا ہوگی' اسی وقت آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا' مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا دوں' میں نے یہ خیال کر کے کہ اگر پہلے ہی سے ان سے کہا گیا تو یہ مجھے ایسا جواب دیں گے جس سے مجھے ایذا پہنچے' میں خاموش رہا لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تجھے عذاب ہوگا۔ تو اب اے علیؓ' تم ایک بکری ذبح کر کے گوشت پکا لو۔ اور کوئی تین سیر اناج بھی تیار کر لو اور ایک بدھنا دودھ کا بھی بھر لو۔ اور اولاد عبدالمطلب کو بھی جمع کر لو۔ میں نے ایسا ہی کیا اور سب کو دعوت دے دی۔ چالیس آدمی جمع ہوئے یا ایک آدھ کم یا ایک یا ایک آدھ زیادہ' ان میں آپ کے چچا بھی تھے۔ ابو طالب' حمزہ' عباس اور ابولہب کافر خبیث۔ میں نے سالن پیش کیا تو آپؐ نے اس میں سے ایک بوٹی لے کر کچھ کھائی۔ پھر اسے ہنڈیا میں ڈال دیا اور فرمایا' لو اللہ کا نام اور کھانا شروع کرو۔ سب نے کھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پیٹ بھر گئے لیکن اللہ کی قسم گوشت اتنا ہی تھا جتنا رکھتے وقت رکھا تھا' صرف ان کی انگلیوں کے نشانات تو تھے مگر گوشت کچھ بھی نہ گھٹا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا گوشت تو کھا لیتا تھا۔ پھر مجھ سے فرمایا' اے علی انہیں پلاؤ۔ میں وہ بدھنا لایا۔ سب نے باری باری شکم سیر ہو کر پیا اور خوب آسودہ ہو گئے لیکن دودھ بالکل کم نہیں ہوا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا دودھ پی لیا کرتا تھا۔ اب حضورؐ نے کچھ فرمانا چاہا لیکن ابولہب جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا لو صاحب اب معلوم ہوا کہ یہ تمام جادوگری محض اس لئے تھی۔ چنانچہ مجمع اسی وقت اکھڑ گیا اور ہر ایک اپنی راہ لگ گیا اور حضورؐ کو نصیحت و تبلیغ کا موقعہ نہ ملا۔ دوسرے روز آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا' آج پھر اسی طرح ان سب کی دعوت کرو کیونکہ کل اس نے مجھے کچھ کہنے کا وقت ہی نہیں دیا۔ میں نے پھر اسی طرح کا انتظام کیا۔ سب کو دعوت دی۔ آئے۔ کھایا پیا پھر کل کی طرح آج بھی ابولہب نے کھڑے ہو کر وہی بات کہی اور اسی طرح سب تتر بتر ہو گئے۔ تیسرے دن پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ سے یہی فرمایا۔ آج جب سب کھا پی چکے تو حضورؐ نے جلدی سے اپنی گفتگو شروع کر دی اور فرمایا' اے بنو عبدالمطلب! واللہ کوئی نوجوان شخص اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر بھلائی نہیں لایا جو میں تمہارے پاس لایا ہوں' میں دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا' اب بتاؤ تم میں سے کون میرے ساتھ اتفاق کرتا ہے اور کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ پہلے میں تمہیں اس کی راہ کی دعوت دوں' جو آج میری مان لے گا' وہ میرا بھائی ہوگا اور یہ درجے ملیں گے۔ لوگ سب خاموش ہو گئے لیکن حضرت علیؓ جو اس وقت اس مجمع میں سب سے کم عمر تھے اور دکھتی آنکھوں والے اور موٹے پیٹ والے اور بھری پنڈلیوں والے تھے' بول اٹھے' یا رسول اللہ اس امر میں آپ کی وزارت میں قبول کرتا ہوں۔ آپ نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے اور ایسی ایسی فضیلتوں والا ہے۔ تم اس کی سنو اور مانو۔ یہ سن کر وہ سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے۔ لے اب تو اپنے بچے کی سن اور مان۔ لیکن اس کا راوی عبدالغفار بن قاسم بن ابی مریم متروک ہے' کذاب ہے اور ہے بھی شیعہ۔ ابن مدینی وغیرہ فرماتے ہیں' یہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا' دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس کو ضعیف

لکھا ہے- اور روایت میں ہے کہ اس دعوت میں صرف بکری کے ایک پاؤں کا گوشت پکا تھا- اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ خطبہ دینے لگے تو انہوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ آج جیسا جادو تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا- اس پر سب خاموش ہو گئے- اس میں آپ کا خطبہ یہ ہے کہ کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمہ لے اور میری اہل میں میرا خلیفہ بنے- اس پر آپ خاموش ہو گئے- اور عباس بھی چپ تھے- صرف اپنے مال کے بخل کی وجہ سے- میں عباس کو خاموش دیکھ کر خاموش ہو رہا- آپؐ نے دوبارہ یہی فرمایا' دوبارہ بھی سب طرف خاموشی تھی- اب تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بول پڑا- میں اس وقت ان سب سے گری پڑی حالت والا' چندھی آنکھوں والا' بڑے پیٹ والا اور بوجھل پنڈلیوں والا تھا- ان روایتوں میں جو حضورؐ کا فرمان ہے کہ کون میرا قرض اپنے ذمے لیتا ہے اور میری اہل کی میرے بعد حفاظت اپنے ذمے لیتا ہے؟ اس سے مطلب آپؐ کا یہ تھا کہ میں جب اس تبلیغ دین کو پھیلاؤں گا اور لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلاؤں گا تو سب کے سب میرے دشمن ہو جائیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے- یہی کھٹکا آپ کو لگا رہا یہاں تک کہ یہ آیت اتری وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کی ایذا رسانی سے بچا لے گا- اس وقت آپؐ بے خطر ہو گئے- اس سے پہلے آپؐ اپنی پہرہ چوکی بٹھاتے تھے لیکن اس آیت کے اترنے کے بعد وہ بھی ہٹا دی- اس وقت فی الواقع تمام بنو ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ایمان والا اور تصدیق و یقین والا کوئی نہ تھا-

اسی لئے آپؓ نے ہی حضورؐ کے ساتھ کا اقرار کیا- اس کے بعد حضورؐ نے کوہ صفا پر عام دعوت دی اور اور لوگوں کو توحید خالص کی طرف بلایا اور اپنی نبوت کا اعلان کیا- ابن عساکر میں ہے' ایک مرتبہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے' فتوے دے رہے تھے' مجلس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی- ہر ایک کی نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں اور شوق سے سن رہے تھے لیکن آپ کے لڑکے اور گھر کے آدمی آپس میں نہایت بے پرواہی سے اپنی باتوں میں مشغول تھے- کسی نے ابو درداءؓ کو اس طرف توجہ دلائی کہ اور سب لوگ تو دل سے آپ کی علمی باتوں میں دلچسپی لے رہے ہیں اور آپؓ کے اہل بیت اس سے بالکل بے پرواہ ہیں- وہ اپنی باتوں میں نہایت بے پرواہی سے مشغول ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا' میں نے رسولؐ اللہ ﷺ سے سنا ہے' دنیا سے بالکل کنارہ کشی کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور ان پر سب سے زیادہ سخت اور بھاری ان کے قرابت دار ہوئے ہیں- اسی بارے میں آیت وَاَنْذِرْ سے تَعْلَمُوْنَ تک ہے-

پھر فرماتا ہے' اپنے تمام امور میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھو' وہی تمہارا حافظ و ناصر ہے' وہی تمہاری تائید کرنے والا اور تمہارے کلمے کو بلند کرنے والا ہے- اس کی نگاہیں ہر وقت تم پر ہیں- جیسے فرمان ہے وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا اپنے رب کے حکموں پر صبر کر- تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے- یہ بھی مطلب ہے کہ جب تو نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے- ہم تمہارے رکوع وسجود دیکھتے ہیں- کھڑے ہو یا بیٹھے ہو یا کسی حالت میں ہو' ہماری نظروں میں ہو- یعنی تنہائی میں تو نماز پڑھے تو ہم دیکھتے ہیں اور جماعت سے پڑھے تو تو ہماری نگاہ کے سامنے ہوتا ہے- یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ حالت نماز میں آپ کو جس طرح آپ کے سامنے کی چیزیں دکھاتا تھا' آپ کے پیچھے کے مقتدی بھی آپ کی نگاہ میں رہتے تھے- چنانچہ صحیح حدیث میں ہے' حضورؐ فرمایا کرتے تھے' صفیں درست کر لیا کرو' میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا رہتا ہوں- ابن عباسؓ یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک نبی کی پیٹھ سے دوسرے نبی کی پیٹھ کی طرف منتقل ہونا برابر دیکھتے رہے ہیں یہاں تک کہ آپ بحیثیت نبی دنیا میں آئے- وہ اللہ اپنے بندوں کی باتیں خوب سنتا ہے' ان کی حرکات و سکنات کو خوب جانتا ہے- جیسے فرمایا وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ الخ تو جس حالت میں ہو' تم جتنا قرآن پڑھو' تم جو عمل کرو' اس پر ہم شاہد ہیں-

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ
اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَآءُ
يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾
وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾ ع ١١ ٣٦ ١٥

کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں ○ وہ ہر ایک جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں ○ اچٹتی ہوئی' سنی سنائی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں کے اکثر جھوٹے ہیں ○ شاعروں کی پیروی وہی کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک جنگل میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں ○ اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ○ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا' جنہوں نے ظلم کیا ہے' وہ ابھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں ○

شیاطین اور جادوگر: ☆☆ (آیت:۲۲۱-۲۲۷) مشرکین کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا یہ قرآن برحق نہیں' اس نے اس کو خود گھڑ لیا ہے یا اس کے پاس جنوں کا کوئی سردار آتا ہے جو اسے یہ سکھا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس اعتراض سے پاک کیا اور ثابت کیا کہ آپ جس قرآن کو لائے ہیں' وہ اللہ کا کلام ہے' اسی کا اتارا ہوا ہے۔ بزرگ امین طاقتور فرشتہ اسے لایا ہے۔ یہ کسی شیطان یا جن کی طرف سے نہیں' شیاطین تو تعلیم قرآن سے چڑتے ہیں' اس کی تعلیمات ان کے یکسر خلاف ہیں۔ انہیں کیا پڑی کہ ایسا پاکیزہ اور راہ راست پر لگانے والا قرآن وہ لائیں اور لوگوں کو نیک راہ بتائیں۔ وہ تو اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں جو پیٹ بھر کر جھوٹ بولنے والے ہوں۔ بدکردار اور گنہگار ہوں۔ ایسے کاہنوں اور بدکاروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات اور شیاطین پہنچتے ہیں کیونکہ وہ بھی جھوٹے اور بداعمال ہیں۔ اچٹتی ہوئی کوئی ایک آدھ بات سنی سنائی پہنچاتے ہیں اور وہ ایک جو آسمان سے چھپے چھپائے سن لی تھی' سو جھوٹ اس میں ملا کر کاہنوں کے کان میں ڈال دی۔ انہوں نے اپنی طرف سے پھر بہت سی باتیں شامل کر کے لوگوں میں ڈینگیں مار دیں۔ اب ایک آدھ سچی بات تو سچی نکلی لیکن لوگوں نے ان کی اور سو جھوٹی باتیں بھی سچی مان لیں اور تباہ ہوئے۔ بخاری شریف میں ہے کہ لوگوں نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا' وہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ لوگوں نے کہا' حضور کبھی کبھی تو ان کی کوئی بات کھری بھی نکل آتی ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات آسمان سے اڑا لاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ کر جاتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ آسمان پر کرتا ہے تو فرشتے باادب اپنے پر جھکا دیتے ہیں۔ ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بجائی جاتی ہو۔ جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ رب کا کیا حکم صادر ہوا؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ حق نے یہ فرمایا اور وہ عالیشان اور بہت بڑی کبریائی والا ہے۔ کبھی کبھی امر الٰہی سے چوری چھپے سننے والے کسی جن کے کان میں بھنک پڑ جاتی ہے جو اس طرح ایک پر ایک ہو کر وہاں تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ راوی حدیث حضرت سفیان نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر اس پر دوسرا ہاتھ اس طرح دکھ کر انہیں ہلا

کر بتایا کہ اس طرح اب اوپر والا نیچے والے کو اور وہ اپنے سے نیچے والے کو وہ بات بتلا دیتا ہے یہاں تک کہ جادوگر اور کاہن کو وہ پہنچا دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات پہنچاتے‘ اس سے پہلے شعلہ پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس سے پہلے ہی وہ پہنچا دیتے ہیں۔ اس میں کاہن و جادوگر اپنے سو جھوٹ ملا کر مشہور کرتا ہے۔ چونکہ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے۔ لوگ سب باتوں کو ہی سچا سمجھنے لگتے ہیں۔ ان تمام احادیث کا بیان آیت حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ فرشتے آسمانی امر کی بات چیت بادلوں پر کرتے ہیں جسے شیطان سن کر کاہنوں کو پہنچاتے ہیں اور وہ ایک سچ میں سو جھوٹ ملا لیتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے‘ کافر شاعروں کی تابعداری گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ عرب کے شاعروں کا دستور تھا‘ کسی کی مذمت اور ہجو میں کچھ کہہ ڈالتے تھے‘ لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی تھی اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عرج میں جا رہے تھے‘ راستہ میں ایک شاعر شعر خوانی کرتا ہوا ملا۔ آپ نے فرمایا‘ اس شیطان کو پکڑ لو یا فرمایا روک لو۔ تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے اپنا پیٹ بھر لے۔ انہیں ہر جنگل کی ٹھوکریں کھاتے کسی نے نہیں دیکھا؟ ہر لغو میں یہ گھس جاتے ہیں۔ کلام کے ہر فن میں بولتے ہیں۔ کبھی کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں‘ کبھی کسی کی مذمت میں آسمان زمین سر پر اٹھاتے ہیں۔ جھوٹی تعریفیں‘ خوشامدانہ باتیں‘ جھوٹی برائیاں‘ گھڑی ہوئی بدیاں ان کے حصے میں آئی ہیں۔ یہ زبان کے بھانڈ ہوتے ہیں لیکن کام کے کاہل۔ ایک انصاری اور ایک دوسری قوم کے شخص نے ہجو کا مقابلہ کیا جس میں دونوں کی قوم کے بڑے بڑے لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ پس اس آیت میں یہی ہے کہ ان کا ساتھ دینے والے گمراہ لوگ ہیں۔ وہ وہ باتیں بکا کرتے ہیں جنہیں کسی نے کبھی کیا نہ ہو۔ اسی لئے علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اگر کسی شاعر نے اپنے شعر میں کسی ایسے گناہ کا اقرار کیا ہو جس پر حد شرع واجب ہوتی ہو تو آیا وہ حد اس پر جاری کی جائے گی یا نہیں؟ دونوں طرف علماء گئے ہیں۔ واقعی وہ فخر و غرور کے ساتھ ایسی باتیں بک دیتے ہیں کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا حالانکہ نہ کچھ کیا ہو اور نہ ہی کر سکتے ہوں۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت نعمان بن عدی بن فضلہ کو بصرے کے شہر یسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ شاعر تھے‘ ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ کیا حسینوں کو یہ اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب یسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں میں دور شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص و سرود مہیا ہیں‘ ہاں اگر میرے کسی دوست سے ہو سکے تو اس سے بڑے اور بھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن ان سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ اللہ کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ وہ برا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار سچ مچ حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچے۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا۔ اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بِسْمِ اللّٰهِ کے بعد حم کی تین آیتیں اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سنے‘ مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمان دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کی‘ امیر المومنین واللہ نہ میں نے کبھی شراب پی‘ نہ ناچ رنگ اور گانا بجانا دیکھا‘ سنا۔ یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی۔ آپؓ نے فرمایا‘ یہی میرا خیال ہے لیکن میری تو ہمت نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شعروں میں کسی جرم کے اعلان پر اگرچہ وہ قابل حد ہو تو حد نہیں لگائی جائے گی اس لئے کہ وہ جو کہتے ہیں سو کرتے نہیں‘ ہاں وہ قابل ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو لہو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بدتر ہے۔ مطلب یہ کہ رسول کریم ﷺ نہ تو شاعر ہیں' نہ ساحر ہیں' نہ کاہن ہیں' نہ مفتری ہیں۔ آپ کا ظاہر ہر حال میں آپ کی ان عیوب سے برأت کا بہت بڑا عادل گواہ ہے۔ جیسے فرمان ہے' تو ہم نے انہیں شعر گوئی سکھائی ہے نہ اس کے لائق ہے۔ یہ تو صرف نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے۔ اور آیت میں ہے کہ یہ رسول کریم کا قول ہے۔ کسی شاعر کا نہیں۔ تم میں ایمان کی کمی ہے۔ یہ کسی کاہن کا قول نہیں۔ تم میں نصیحت ماننے کا مادہ کم ہے۔ یہ تو رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس سورت میں بھی یہی فرمایا گیا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے اتری ہے۔ روح الامین نے تیرے دل پر نازل فرمائی ہے۔ عربی زبان میں ہے۔ اس لئے کہ تو لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اسے شیاطین لے کر نہیں آئے' نہ یہ ان کے لائق ہے' نہ ان کے بس کی بات ہے' وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ کر دیئے گئے ہیں۔ جو جھوٹے' مفتری اور بدکردار ہوتے ہیں' ان کے پاس شیاطین آتے ہیں جو اچٹتی ہوئی باتیں سن سنا کر ان کے کانوں میں آ کر ڈال جاتے ہیں۔ محض جھوٹ بولنے والے یہ خود ہوتے ہیں۔ شاعروں کی پشت پناہی اوباشوں کا کام ہے وہ تو ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں زبانی باتیں بناتے ہیں' عمل سے کورے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جو فرمان ہے' اس کا شان نزول یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت جس میں شاعروں کی مذمت ہے' جب اتری تو دربار رسولؐ کے شعرا حضرت حسان بن ثابت' حضرت عبداللہ بن رواحہ' حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روتے ہوئے دربار نبی ﷺ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ شاعروں کی تو یہ گت بنی اور ہم بھی شاعر ہیں۔ اسی وقت آپ نے یہ دوسری آیت تلاوت فرمائی کہ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے تم ہو' ذکر اللہ کا بکثرت کرنے والے تم ہو' مظلوم ہو کر بدلہ لینے والے تم ہو' پس تم ان سے مستثنیٰ ہو (ابن ابی حاتم وغیرہ)۔

ایک روایت میں حضرت کعبؓ کا نام ایک روایت میں صرف حضرت عبداللہ کی اس شکایت پر کہ یا رسول اللہؐ شاعر تو میں بھی ہوں' اس دوسری آیت کا نازل ہونا مروی ہے لیکن ہے یہ قابل نظر۔ اس لئے کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ شعراء انصار جتنے بھی تھے' وہ سب مدینے میں تھے' پھر ان کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا یقیناً محل غور ہو گا اور جو حدیثیں بیان ہوئیں' وہ مرسل ہیں۔ اس وجہ سے اعتماد نہیں بلکہ اگر کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی اشعار کہے ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے' توبہ کر لے اور اس کے مقابلے میں ذکر اللہ بکثرت کرے' وہ بیشک اس برائی سے الگ ہے۔ حسنات سیات کو دور کر دیتی ہیں جب کہ اس نے مسلمانوں کو اور دین حق کو برا کہا تھا' وہ برا تھا لیکن جب اس نے ان کی مدح کی' وہ برائی اچھائی سے بدل گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن زبعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام سے پہلے حضورؐ کی ہجو بیان کی تھی لیکن اسلام کے بعد بڑی مدح بیان کی اور اپنے اشعار میں اس ہجو کا عذر بھی بیان کرتے ہوئے کہا۔ میں اس وقت شیطانی پنجہ میں پھنسا ہوا تھا۔ اسی طرح ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب باوجود آپؐ کا چچا زاد بھائی ہونے کے آپؐ کا جانی دشمن تھا اور بہت ہی ہجو کیا کرتا تھا۔ جب مسلمان ہو گئے تو ایسے مسلمان ہوئے کہ دنیا بھر میں حضورؐ سے زیادہ محبوب انہیں کوئی نہ تھا۔ اکثر آپؐ کی مدح کیا کرتے تھے اور بہت ہی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوسفیان صخر بن حرب جب مسلمان ہوا تو حضورؐ سے کہنے لگا' مجھے تین چیزیں عطا فرمائیے۔ ایک تو یہ کہ میرے لڑکے معاویہؓ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ دوسرے مجھے کافروں سے جہاد کے لئے بھیجئے اور میرے ساتھ کوئی لشکر دیجئے تاکہ جس طرح کفر میں مسلمانوں سے لڑا کرتا تھا' اب اسلام میں کافروں کی خبر لوں۔ آپؐ نے دونوں باتیں قبول فرما لیں۔ ایک تیسری درخواست بھی کی جو قبول کی گئی۔ پس ایسے لوگ اس آیت کے حکم سے اس دوسری آیت سے الگ کر لئے گئے۔ ذکر اللہ خواہ وہ

اپنے شعروں میں بکثرت کریں خواہ اور طرح اپنے کلام میں، یقیناً وہ اگلے گناہوں کا بدلہ اور کفارہ ہے۔ اپنی مظلومی کا بدلہ لیتے ہیں۔ یعنی کافروں کی ہجو کا جواب دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے فرمایا تھا، ان کفار کی ہجو کرو۔ جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت کعب بن مالک شاعر نے جب شعراء کی برائی قرآن میں سنی تو حضورؐ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا، تم ان میں نہیں ہو، مومن تو جس طرح اپنی جان سے جہاد کرتا ہے، اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے۔ واللہ تم لوگوں کے اشعار تو انہیں مجاہدین کے تیروں کی طرح چھید ڈالتے ہیں۔ پھر فرمایا، ظالموں کو اپنا انجام ابھی معلوم ہو جائے گا۔ انہیں عذر معذرت بھی کچھ کام نہ آئے گی۔ حضورؐ فرماتے ہیں، ظالم سے بچو۔ اس سے میدان قیامت میں اندھیروں میں رہ جاؤ گے۔ آیت عام ہے خواہ شاعر ہوں خواہ شاعر نہ ہوں سب شامل ہیں۔ حضرت حسنؓ نے ایک نصرانی کے جنازے کو جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔ آپ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ روم میں جب حضرت فضالہ بن عبید تشریف لے گئے، اس وقت ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا، اس سے مراد بیت اللہ کی بربادی کرنے والے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ مراد مشرک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ سب پر مشتمل ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت اپنی وصیت صرف دو سطروں میں لکھی۔ جو یہ تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ ہے وصیت ابوبکر بن ابی قحافہ کی۔ اس وقت کی جب کہ وہ دنیا چھوڑ رہے تھے۔ جس وقت کافر بھی مومن ہو جاتا ہے، فاجر بھی توبہ کر لیتا ہے۔ تب کاذب کو بھی سچا سمجھا جاتا ہے۔ میں تم پر اپنا خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بنا کر جا رہا ہوں۔ اگر وہ عدل کرے تو بہت اچھا اور میرا اپنا گمان بھی ان کے ساتھ یہی ہے اور اگر وہ ظلم کرے اور کوئی تبدیلی کر دے تو میں غیب نہیں جانتا۔ ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس لوٹنے کی جگہ وہ لوٹتے ہیں۔ سورۂ شعراء کی تفسیر بحمد اللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة النمل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

طٰسٓ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيۡنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى
وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ
بِالۡاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فَهُمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيۡنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ
الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ عَلِيۡمٍ ﴿۶﴾

مہربانی اور کرم والے معبود کے نام سے

یہ آیتیں ہیں قرآن کی یعنی واضح اور روشن کتاب کی ○ ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لئے ○ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے' ہم نے انہیں ان کے کرتوت زینت دار کر دکھائے ہیں- پس وہ بھٹکے پھرتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں جن کے لئے بری مار ہے اور آخرت میں بھی وہ سخت نقصان یافتہ ہیں ○ بے شک تجھے اللہ حکیم وعلیم کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے ○

تفسیر سورۃ النمل: ☆☆ (آیت:۱-۶) حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں' ان پر پوری طرح بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں کر چکے ہیں- یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں- قرآن کریم جو کھلی ہوئی واضح' روشن اور ظاہر کتاب ہے' یہ اس کی آیتیں ہیں جو مومنوں کے لئے ہدایت و بشارت ہیں- کیونکہ وہی اس پر ایمان لاتے ہیں' اس کی اتباع کرتے ہیں' اسے سچا جانتے ہیں' اس میں جو حکم احکام ہیں' ان پر عمل کرتے ہیں- یہی وہ لوگ ہیں جو نمازیں صحیح طور پر پڑھتے ہیں' فرضوں میں کمی نہیں کرتے' اسی طرح فرض زکوٰۃ بھی' دار آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں' موت کے بعد کی زندگی اور جزا سزا کو بھی مانتے ہیں- جنت و دوزخ کو حق جانتے ہیں- چنانچہ اور آیت میں بھی ہے کہ ایمانداروں کے لئے تو یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمانوں کے کان تو بہرے ہیں' ان میں روئی دیئے ہوئے ہیں-

اس سے خوشخبری پرہیزگاروں کو ہے اور بدکرداروں کو اس میں ڈراوا ہے- یہاں بھی فرماتا ہے کہ جو اسے جھٹلائیں اور قیامت کے آنے کو نہ مانیں' ہم بھی انہیں چھوڑ دیتے ہیں- ان کی برائیاں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں- اسی میں وہ بڑھتے اور پھولتے پھلتے رہتے ہیں اور اپنی سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں- ان کی نگاہیں اور دل الٹ جاتے ہیں- انہیں دنیا اور آخرت میں بدترین سزائیں ہوں گی اور قیامت کے دن تمام اہل محشر میں سب سے زیادہ خسارے میں یہی رہیں گے- بے شک آپ اے ہمارے نبیؐ ہم سے ہی قرآن لے رہے ہیں- ہم حکیم ہیں' امر ونہی کی حکمت کو بخوبی جانتے ہیں- علیم ہیں- چھوٹے بڑے تمام کاموں سے بخوبی خبردار ہیں- پس قرآن کی تمام خبریں بالکل صدق وصداقت والی ہیں- اور اس کے حکم احکام سب کے سب سراسر عدل اور انصاف والے ہیں- جیسے فرمان ہے وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا-

إِذْ قَالَ مُوسٰى لِأَهْلِهٖٓ إِنِّيٓ آنَسْتُ نَارًا ۖ سَاٰتِيكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ
أَوْ اٰتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝٧ فَلَمَّا
جَآءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۖ وَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝٨ يٰمُوسٰىٓ إِنَّهٗٓ أَنَا اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٩
وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ
يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوسٰى لَا تَخَفْ ۗ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ۝١٠

یاد ہوگا جب کہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا' میں نے آگ دیکھی ہے' میں وہاں سے یا تو کوئی خبر لے کر آیا یا آگ کا سلگتا ہوا انگارا لے کر ابھی تمہارے پاس آ جاؤں گا تا کہ تم سینک تاپ کر لو ○ جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس نور میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس ہے- تمام پاکی اس معبود برحق کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ موسیٰ سن! بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں غالب باحکمت ○ تو اپنی لکڑی ڈال دے' موسیٰ نے جب اسے ہلتی جلتی دیکھا اس طرح کہ گویا وہ بہت بڑا سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا' اے موسیٰ خوف نہ کھا- میرے

حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ○

آ گ لینے گئے' رسالت مل گئی: ☆☆ (آیت: ۷-۱۴) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ اللہ نے انہیں کس طرح بزرگ بنایا اور ان سے کلام کیا اور انہیں زبردست معجزے عطا فرمائے اور فرعون اور فرعونیوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا لیکن ان کفار نے آپ کا انکار کیا' اپنے کفر وتکبر سے نہ ہٹے' آپ کی اتباع اور پیروی نہ کی- فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی اہل کو لے کر چلے اور راستہ بھول گئے' رات آ گئی اور وہ بھی سخت اندھیرے والی- تو آپ نے دیکھا کہ ایک جانب سے آگ کا شعلہ سا دکھائی دیتا ہے- اپنی اہل سے فرمایا کہ تم تو یہیں ٹھہرو- میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں- کیا عجب کہ وہاں جو ہو' اس سے راستہ معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے کچھ آگ لے آؤں کہ تم اس سے ذرا سینک تاپ کر لو- ایسا ہی ہوا بھی کہ آپ وہاں سے ایک بڑی خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا- فرماتا ہے کہ جب وہاں پہنچے' اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئے- دیکھتے ہیں کہ ایک سرسبز درخت ہے- اس پر آگ لپٹ رہی ہے' شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے- اونچی نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے- فی الواقع وہ آگ نہ تھی بلکہ نور تھا- اور نور بھی رَبُّ الْعَالَمِیْنَ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کا- حضرت موسیٰ متعجب تھے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یکا یک ایک آواز آتی ہے کہ اس نور میں جو ہے' وہ پاکی والا اور بزرگی والا ہے اور اس کے پاس جو فرشتے ہیں وہ بھی مقدس ہیں- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ سوتا نہیں اور نہ اسے سونا لائق ہے' وہ ترازو کو پست کرتا ہے اور اونچی کرتا ہے- رات کے کام اس کی طرف دن سے پہلے اور دن کے کام رات سے پہلے چڑھ جاتے ہیں- اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے- اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا دیں جس پر اس کی نگاہ پہنچ رہی ہے یعنی کل کائنات کو-

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوٓءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾
وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ ۖ
فِي تِسْعِ ءَايَٰتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِۦٓ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ﴿١٢﴾
فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ ءَايَٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا۟ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾
وَجَحَدُوا۟ بِهَا وَٱسْتَيْقَنَتْهَآ أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَٱنظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾ ع ١٤ ١٦

لیکن جو لوگ ظلم کریں' پھر اس کے عوض نیکی کریں' اس برائی کے پیچھے' تو بھی میں بخشنے والا مہربان ہوں ○ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال- وہ سفید چمکیلا ہو کر نکلے گا بغیر کسی عیب کے' تو تو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے طرف جا' یقیناً وہ بدکاروں کا گروہ ہے ○ جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے' یہ تو صریح جادو ہے ○ انہوں نے ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ستم گاری اور تکبر کی بنا پر' پس دیکھ لے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا ○

ابوعبیدہ رحمتہ اللہ علیہ راوی حدیث نے یہ حدیث بیان فرما کر یہی آیت تلاوت کی- یہ الفاظ ابن ابی حاتم کے ہیں اور اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے- پاک ہے وہ اللہ جو تمام جہان کا پالنہار ہے- جو چاہتا ہے' کرتا ہے' مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں- اس کی

مصنوعات میں سے کوئی چیز کسی کے احاطے میں نہیں- وہ بلند و بالا ہے- ساری مخلوق سے الگ ہے’ زمین و آسمان اسے گھیر نہیں سکتے’ وہ احد و صمد ہے’ وہ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے- پھر خبر دی کہ خود اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرما رہا ہے- وہی اس وقت سرگوشیاں کر رہا ہے جو سب پر غالب ہے’ سب اس کے ماتحت اور زیر حکم ہیں- وہ اپنے اقوال و افعال میں حکمت والا ہے- اس کے بعد جناب باری عز و جل نے حکم دیا کہ اے موسیٰ اپنی لکڑی کو زمین پر ڈال دو تا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو کہ اللہ تعالیٰ فاعل و مختار ہے- وہ ہر چیز پر قادر ہے- موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد سنتے ہی لکڑی کو زمین پر گرایا- اسی وقت وہ ایک پھن اٹھائے پھنکارتا ہوا سانپ بن گئی اور بہت بڑے جسم کا سانپ’ بڑی ڈراؤنی صورت’ اس موٹاپے پر تیز تیز چلنے والا- ایسا جیتا جاگتا’ چلتا پھرتا زبردست اژدہا دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو گئے- جان کا لفظ قرآن کریم میں ہے- یہ ایک قسم کے سانپ ہیں جو بہت تیزی سے حرکت کرنے والے اور کنڈلی لگانے والے ہوتے ہیں-

ایک حدیث میں ہے’ رسول کریم ﷺ نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے- الغرض جناب موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر ڈرے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر’ پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے’ ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا- اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ ڈرو نہیں- میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں- اس کے بعد استثناء منقطع ہے- اس آیت میں انسان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے کہ جس نے بھی کوئی برائی کا کام کیا ہو’ پھر وہ اس پر نادم ہو جائے’ اس کام کو چھوڑ دے’ توبہ کر لے’ اللہ کی طرف جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے- جیسے اور آیت میں ہے وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ الخ جو بھی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور راہ راست پر چلے’ میں اس کے گناہوں کا بخشنے والا ہوں- اور فرمان ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً ا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ جو شخص کسی برائی کا مرتکب ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھے’ پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا-

اس مضمون کی آیتیں کلام الٰہی میں اور بھی بہت ساری ہیں- لکڑی کے سانپ بن جانے کے معجزے کے ساتھ ہی کلیم اللہ کو اور معجزہ دیا جاتا ہے کہ آپ جب بھی اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالیں گے تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہو کر نکلے گا- یہ دو معجزے ان نو معجزوں میں سے ہیں جن سے میں تیری وقتاً فوقتاً تائید کرتا رہوں گا تا کہ فاسق فرعون اور اس کی فاسق قوم کے دلوں میں تیری نبوت کا ثبوت جگہ پکڑ جائے- یہ نو معجزے وہ تھے جن کا ذکر آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیَاتٍ بَیِّنَاتٍ الخ میں ہے جس کی پوری تفسیر بھی اسی آیت کے تحت گزر چکی ہے- جب یہ واضح’ ظاہر صاف اور کھلے معجزے فرعونیوں کو دکھائے گئے تو وہ اپنی ضد میں آ کر کہنے لگے’ یہ تو جادو ہے’ لو ہم اپنے جادوگروں کو بلا لیتے ہیں- مقابلہ کر لو- اس مقابلہ میں اللہ نے حق کو غالب کیا اور یہ سب لوگ زیر ہو گئے مگر پھر بھی نہ مانے- گو دلوں میں اس کی حقانیت جم چکی تھی- لیکن ظاہر مقابلہ سے نہ ہٹے- صرف ظلم اور تکبر کی بناء پر حق کو جھٹلاتے رہے- اب تو دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کس قدر حیرت ناک اور کیسا کچھ عبرت ناک ہوا؟ ایک ہی مرتبہ ایک ہی ساتھ سارے کے سارے دریا برد کر دیئے گئے- پس اس نبی آخر الزمان کے جھٹلانے والو! تم اس نبی کو جھٹلا کر مطمئن نہ بیٹھو- کیونکہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اشرف و افضل ہیں- ان کی دلیلیں اور معجزے بھی ان کی دلیلوں اور معجزوں سے بڑے ہیں- خود آپ کا وجود’ آپؐ کے عادات و اخلاق اور اگلی کتابوں کی اور اگلے نبیوں کی آپ کی نسبت بشارتیں اور ان سے اللہ کا عہد و پیمان یہ سب چیزیں آپ میں ہیں- پس تمہیں نہ مان کر نڈر اور بے خوف نہ رہنا چاہئے-

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ
وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ
مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

ہم نے یقیناً داؤد اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا۔ دونوں نے کہا' تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○ داؤد کے وارث سلیمان ہوئے اور کہنے لگے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم سب کچھ دیئے گئے ہیں' بے شک یہ بالکل کھلا ہوا فضل الٰہی ہے ○ سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور پرندے جمع کئے گئے۔ ہر ہر قسم الگ الگ کھڑی کر دی گئی ○

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر خصوصی انعامات: ☆☆ (آیت:۱۵-۱۷) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی خبر دے رہا ہے جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام پر فرمائی تھیں کہ کس طرح دونوں جہان کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی اپنے شکریئے کی بھی توفیق دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی تعریفیں بیان کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے' دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی' اس سے افضل نعمت اور کیا ہوگی۔ حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے' اس سے مراد مال کی وارثت نہیں بلکہ ملک و نبوت کی وراثت ہے۔ اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں۔ انبیاء کے مال کی میراث نہیں بٹتی۔ چنانچہ سید الانبیاء علیہ السلام کا ارشاد ہے' ہم جماعت انبیاء ہیں' ہمارے ورثے نہیں بٹا کرتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں۔ صدقہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی نعمتیں یاد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں' یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان' جن' پرند سب تابع فرمان ہیں' پرندوں کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں' یہ خاص اللہ کا فضل و کرم ہے جو کسی انسان پر نہیں ہوا۔ بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ اس وقت پرند بھی انسانی زبان بولتے تھے۔ یہ محض ان کی بے علمی ہے۔ بھلا سمجھو تو سہی۔ اگر واقعی یہی بات ہوتی تو پھر اس میں حضرت سلیمانؑ کی خصوصیت ہی کیا تھی جسے آپ اس فخر سے بیان فرماتے کہ ہمیں پرندوں کی زبان سکھا دی گئی۔ پھر تو ہر شخص پرند کی بولی سمجھتا اور حضرت سلیمانؑ کی خصوصیت جاتی رہتی۔ یہ محض غلط ہے۔ پرند اور حیوانات ہمیشہ سے ایسے ہی رہے۔ ان کی بولیاں بھی ایسی ہی رہیں۔ یہ خاص اللہ کا فضل تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہر چرند پرند کی زبان سمجھ لیتے تھے۔ ساتھ ہی یہ نعمت بھی حاصل ہوئی تھی کہ ایک بادشاہت میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے' سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے مہیا کر دی تھیں۔ یہ تھا اللہ کا کھلا احسان آپ پر۔

مسند امام احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت والے تھے۔ جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر جاتے۔ پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک

بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں- حیران ہو گئیں اور دوسروں کو دکھایا- آپس میں سب کہنے لگیں' یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں' یہ داخل کیسے ہوئے؟ اس نے جواب دیا' وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے- وہ جو کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پرواہ نہ کرے- حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے اور فرمانے لگے' مرحبا ہو مرحبا ہو- آپ ملک الموت ہیں- اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی- سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں- انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا- پھر حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے سب پروں کو سمیٹ لو- حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا' یا رسول اللہ پرندوں نے پھر پر کیسے سمیٹے؟ آپؐ نے اپنا ہاتھ سمیٹ کر بتلایا کہ اس طرح- اس پر اس دن سرخ رنگ گدھ غالب آ گئے- حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جمع ہوا جس میں انسان' جن پرند سب تھے- آپ سے قریب انسان تھے- پھر جن تھے- پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے- گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے- سب اپنے اپنے مرتبے پر قائم تھے- جس کی جو جگہ مقرر تھی' وہیں وہ رہتا-

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰى وَادِ النَّمۡلِ ۙ قَالَتۡ نَمۡلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا
مَسٰكِنَكُمۡ ۚ لَا يَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمٰنُ وَجُنُوۡدُهٗ ۙ وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝۱۸
فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ
نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا
تَرۡضٰٮهُ وَاَدۡخِلۡنِىۡ بِرَحۡمَتِكَ فِىۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۱۹

جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا' اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ' ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے ○ اس کی اس بات سے حضرت سلیمانؑ مسکرا کر ہنس دیئے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار' مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے- مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے ○

(آیت: ۱۸-۱۹) جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام چلے' ایک جنگل پر گذر ہوا جہاں چیونٹیوں کا لشکر تھا- لشکر سلیمان کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ جاؤ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ- کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر سلیمان چلتا ہوا تمہیں روند ڈالے اور انہیں علم بھی نہ ہو- حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' اس چیونٹی کا نام حرمس تھا یہ بنو شعبان کے قبیلے سے تھی- تھی بھی لنگڑی بقدر بھیڑیئے کے اسے خوف ہوا کہ یہ سب روندی جائیں گی اور پس جائیں گی- یہ سن کر حضرت سلیمانؑ کو تبسم بلکہ ہنسی آ گئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا الہام کر جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں مثلاً پرندوں اور حیوانوں کی زبان سکھا دینا وغیرہ- نیز جو نعمتیں تو نے میرے والدین پر انعام کی ہیں کہ وہ مسلمان مومن ہوئے وغیرہ- اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے جن سے تو خوش ہو اور جب میری موت آ جائے تو مجھے اپنے نیک بندوں اور بلند رفقاء میں ملا دے جو تیرے دوست ہیں- مفسرین کا قول ہے کہ یہ وادی شام میں تھی- بعض اور جگہ بتاتے ہیں- یہ چیونٹی مثل مکھیوں کے پردار تھی- اور بھی اقوال ہیں- نوف بکالی کہتے ہیں' یہ بھیڑیئے کے برابر تھی- ممکن ہے اصل میں لفظ ذباب ہو یعنی مکھی کے برابر اور کاتب کی غلطی سے وہ ذیاب لکھ دیا گیا ہو یعنی بھیڑیا- حضرت سلیمانؑ چونکہ جانوروں کی

بولیاں سمجھتے تھے' اس کی بات کو بھی سمجھ گئے اور بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم بھی تیری مخلوق ہیں' پانی برسنے کی محتاجی ہمیں بھی ہے۔ اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی۔ یہ دعا اس چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کیا' لوٹ چلو۔ کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے گئے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' نبیوں میں سے کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا۔ انہوں نے چیونٹیوں کے سوراخ میں آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبر محض ایک چونٹی کے کاٹنے پر تو نے ایک گروہ کے گروہ کو جو ہمارا تسبیح خواں تھا' ہلاک کر دیا۔ تجھے بدلہ لینا تھا تو اسی سے لیتا۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ
مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَأُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهٗٓ
أَوْ لَيَأْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

آپ نے پرندوں کی دیکھ بھال کی اور فرمانے لگے' یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ ○ میں اسے سخت تر سزا دوں گا' یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی معقول وجہ بیان کرے ○

ہدہد: ☆☆ (آیت ۲۰-۲۱) ہدہد فوج سلیمان میں مہندس کا کام کرتا تھا۔ وہ بتلاتا تھا کہ پانی کہاں ہے؟ زمین کے اندر کا پانی اسے اس طرح نظر آتا تھا جیسے کہ زمین کے اوپر کی چیز لوگوں کو نظر آتی ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام جنگل میں ہوتے' اس سے دریافت فرماتے کہ پانی کہاں ہے؟ یہ بتا دیتا کہ فلاں جگہ ہے' اتنا نیچا ہے' اتنا اونچا ہے وغیرہ۔ حضرت سلیمانؑ اسی وقت جنات کو حکم دیتے اور کنواں کھود لیا جاتا۔ حضرت سلیمانؑ چاہتے تھے کہ ہدہد کو پانی کی تلاش کا حکم دیں۔ اتفاق سے وہ موجود نہ تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا' آج ہدہد نظر نہیں آتا' کیا پرندوں میں کہیں وہ چھپ گیا جو مجھے نظر نہ آیا؟ یا واقع میں وہ حاضر ہی نہیں؟۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر سن کر نافع بن ارزق خارجی نے اعتراض کیا تھا۔ یہ بکواسی ہر وقت حضرت عبداللہؓ کی باتوں پر بے جا اعتراضات کیا کرتا تھا۔ کہنے لگا۔ بس آج تو تم ہار گئے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا یہ کیوں؟ اس نے کہا' آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ ہدہد زمین تلے کا پانی دیکھ لیتا تھا' یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھک کر دانہ ڈال کر ہدہد کو شکار کر لیتا ہے' اگر وہ زمین کے اندر کا پانی دیکھتا ہے تو زمین کا اوپر کا جال اسے کیوں نہیں نظر آتا۔ آپ نے فرمایا' اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو یہ سمجھ جائے گا کہ ابن عباسؓ لاجواب ہو گیا تو مجھے جواب کی ضرورت نہ تھی' سن جس وقت قضا آ جاتی ہے' آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے۔ نافع لاجواب ہو گیا اور کہنے لگا واللہ اب آپ پر اعتراض نہ کروں گا۔ حضرت عبداللہ برزی ایک ولی اللہ شخص تھے۔ پیر جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر تھی۔ ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے' مہینوں گذر گئے' نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے' آخر تنگ آ کر فرمایا' لو سن لو۔ میرے پاس لولو خراسانی برزہ میں (جو دمشق کے پاس ایک شہر ہے) آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں' میں انہیں وہاں لے گیا۔ انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں۔ بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہو گئی لیکن بے پرواہی سے بیٹھے رہے۔ کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک

سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھیں- یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے' ہماری سال بھر کی محنت ٹھکانے لگی- انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی' میں نے ان سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو- انہوں نے انکار کر دیا- میں نے ان سے منت سماجت کی- بہ مشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی- اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں' ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا- انہوں نے مجھ سے کہا' اچھا اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلئے- میں نے منظور کر لیا- وہ باتیں کرتے ہوتے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے- جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور اسے پھینک دیا- اور مجھے یونہی بندھا ہوا چھوڑ کر دونوں کہیں چل دیئے- اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا- قید و بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا- آیا یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا- (ابن عساکر)

حضرت سلیمان کے اس ہدہد کا نام عنبر تھا- آپ فرماتے ہیں' اگر فی الواقع وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا' اس کے پر نچوا دوں گا اور اس کو پھینک دوں گا کہ کیڑے مکوڑے کھا جائیں یا میں اسے حلال کر دوں گا- یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی مقبول وجہ پیش کر دے- اتنے میں ہدہد آ گیا- جانوروں نے اسے خبر دی کہ آج تیری خیر نہیں- بادشاہ سلامت عہد کر چکے ہیں کہ وہ تجھے مار ڈالیں گے- اس نے کہا یہ بیان کرو کہ آپ کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے بیان کئے تو خوش ہو کر کہنے لگا' پھر تو میں بچ جاؤں گا- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' اس کے بچاؤ کی وجہ اس کا اپنی ماں کے ساتھ سلوک تھا-

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ
مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آ کر اس نے کہا' میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہ تھی- میں سبا کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں ○ میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے ○

ہدہد کی غیر حاضری : ☆☆ (آیت:۲۲-۲۳) ہدہد کی غیر حاضری کو تھوڑی سی دیر گذری تھی جو وہ آ گیا- اس نے کہا کہ اے نبی اللہ' جس بات کی آپ کو خبر بھی نہیں' میں اس کی ایک نئی خبر لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں- میں سبا سے آ رہا ہوں اور پختہ یقینی خبر لایا ہوں- ان کے سبا حمیر تھے اور یہ یمن کے بادشاہ تھے- ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے- اس کا نام بلقیس بنت شرجیل تھا- یہ سب کی ملکہ تھی- قتادہ کہتے ہیں- اس کی ماں جنیہ عورت تھی- اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا-

اور روایت میں ہے' اس کی ماں کا نام رفاعہ تھا- ابن جریج کہتے ہیں'' اس کے باپ کا نام ذی سرخ تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا- لاکھوں کا اس کا لشکر تھا''- اس کی بادشاہی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے- اس کے مشیر و وزیر تین سو بارہ شخص ہیں' ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے- اس کی زمین کا نام مارب ہے- یہ صنعاء سے تین میل کے فاصلہ پر ہے- یہی قول قرین قیاس ہے- اس کا

اکثر حصہ مملکت یمن میں ہے۔ واللہ اعلم۔

ہر قسم کا دنیوی ضروری اسباب اسے مہیا ہے۔ اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے' یہ اسی ہاتھ اونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمربستہ رہتی تھیں۔ اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھے' بہت بڑا محل تھا۔ بلند و بالا' کشادہ اور فراخ' پختہ' مضبوط اور صاف جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ
لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا۔ شیطان نے ان کے کام انہیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے۔ پس وہ ہدایت پر نہیں آتے ○ کہ اسی اللہ کے لئے سجدے کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو' وہ سب کچھ جانتا ہے ○ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے ○

(آیت: ۲۴-۲۶) اس محل کو اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح شام اسے سجدہ کر لیتے۔ راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے۔ اللہ کا عابد ان میں ایک بھی نہ تھا۔ شیطان نے برائیاں انہیں اچھی کر دکھائی تھیں اور ان پر حق کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ وہ راہ راست پر آتے ہی نہ تھے۔ راہ راست یہ ہے کہ سورج چاند اور ستاروں کی بجائے صرف اللہ ہی کی ذات کو سجدے کے لائق مانا جائے۔

جیسے فرمان قرآن ہے کہ "رات دن سورج چاند سب قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تمہیں سورج کو چاند کو سجدہ نہ کرنا چاہئے۔ سجدہ صرف اسی اللہ کو کرنا چاہئے جو ان سب کا خالق ہے" اَلَّا يَسْجُدُوْا کی ایک قرائت اَلَا يَا اسْجُدُوْا بھی ہے۔ یا کے بعد کا منادیٰ محذوف ہے یعنی اے میری قوم خبردار' سجدہ اللہ ہی کے لئے کرنا جو آسمان کی زمین کی ہر ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہے۔ خَبْءَ کی تفسیر پانی اور بارش اور پیداوار سے بھی کی گئی ہے۔ کیا عجب کہ ہدہد کی جس میں یہی صفت تھی' یہی مراد ہو۔ اور تمہارے ہر مخفی اور ظاہر کام کو بھی وہ جانتا ہے۔ کھلی چھپی بات اس پر یکساں ہے۔ وہی تنہا معبود برحق ہے' وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ جس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ چونکہ ہدہد خیر کی طرف بلانے والا' ایک اللہ کی عبادت کا حکم دینے والا' اس کے سوا غیر کے سجدے سے روکنے والا تھا' اسی لئے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔ مسند احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے چار جانوروں کا قتل منع فرمایا۔ چیونٹی' شہد کی مکھی' ہدہد اور صرد یعنی لٹورا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾
اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ
مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ
كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۷ ۱۷

سلیمان نے کہا' اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے ○ میرے اس خط کو لے جا کر انہیں دے دے۔ پھر ان کے پاس سے ہٹ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں ○ وہ کہنے لگی' اے سردارو میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے ○ جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے ○ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ ○

تحقیق شروع ہوگئی: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۱) ہدہد کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمانؑ نے اس کی تحقیق شروع کر دی کہ اگر یہ سچا ہے تو قابل معافی ہے اور اگر جھوٹا ہے تو قابل سزا ہے۔ اسی سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو جو وہاں کی فرمانروا ہے' دے آ۔ اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندھوا کر ہدہد اڑا۔ وہاں پہنچ کر بلقیس کے محل میں گیا۔ وہ اس وقت خلوت خانہ میں تھی۔ اس نے ایک طاق میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ اسے سخت تعجب معلوم ہوا' حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف ودہشت بھی ہوئی۔ خط کو اٹھا کر مہر توڑ کر خط کھول کر پڑھا۔ اس کے مضمون سے واقف ہو کر اپنے امراء' وزراء' سردار اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک باوقعت خط میرے سامنے ڈالا گیا ہے۔ اس خط کا باوقعت ہونا اس پر اس سے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے' وہ ہوشیاری اور احتیاط سے پہنچاتا ہے۔ سامنے باادب رکھ کر ایک طرف ہو جاتا ہے تو جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی باعزت شخص کا بھیجا ہوا ہے۔ پھر خط کا مضمون سب کو پڑھ سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمانؑ کا ہے اور اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا ہوا ہے۔ ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان بننے کی دعوت ہے۔ اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں ان کے مقابلے کی تاب وطاقت نہیں۔ پھر خط کی بلاغت' اختصار اور وضاحت نے سب کو حیران کر دیا کہ یہ مختصر سی عبارت بہت سی باتوں سے سوا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ علماء کرام کا مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔

ایک غریب اور ضعیف حدیث ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپؐ نے فرمایا' میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری' میں نے کہا' حضورؐ وہ کون سی آیت ہے؟ آپؐ نے فرمایا' مسجد سے جانے سے پہلے ہی میں تجھے بتا دوں گا۔ اب آپ نکلنے لگے۔ ایک پاؤں مسجد سے باہر رکھ بھی دیا۔ میرے جی میں آیا' شاید آپ بھول گئے۔ اتنے میں آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب تک یہ آیت نہیں اتری تھی' حضور ﷺ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کیا۔ خط کا مضمون صرف اسی قدر تھا کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو' مجھے مجبور نہ کرو' میری بات مان لو' تکبر سے کام نہ لو' موحد' مخلص' مطیع بن کر میرے پاس چلی آؤ۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا
حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ
وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ
اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ
وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢ بِمَ
يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۵

اس نے کہا کہ اے میرے سردارو' تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو- میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو' نہیں کیا کرتی ○ ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں' آگے آپ کو اختیار ہے- آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں ○ اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں' فی الواقع وہ اسی طرح کرتے تھے ○ میں انہیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں- پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں ○

بلقیس کو خط ملا: ☆☆ (آیت:۳۲-۳۵) بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ تم جانتے ہو' جب تک تم سے میں مشورہ نہ کر لوں' تم موجود نہ ہو تو میں چونکہ کسی امر کا فیصلہ تنہا نہیں کر لیتی' اس بارے میں بھی تم سے مشورہ طلب کرتی ہوں- بتاؤ کیا رائے ہے؟ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت بہت کچھ ہے اور ہماری طاقت مسلم ہے- اس طرف سے تو اطمینان ہے- آگے جو آپ کا حکم ہو- ہم تابعداری کے لئے موجود ہیں- اس میں ایک حد تک سرداران لشکر نے لڑائی کی طرف اور مقابلے کی طرف رغبت دی تھی لیکن بلقیس چونکہ سمجھ دار عاقبت اندیش تھی اور ہدہد کے ہاتھوں خط کے ملنے کا ایک کھلا معجزہ دیکھ چکی تھی' یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی طاقت کے مقابلے میں میرا لاؤ لشکر کوئی حقیقت نہیں رکھتا- اگر لڑائی کی نوبت آئی تو علاوہ ملک کی بربادی کے میں بھی سلامت نہ رہ سکوں گی- اس لئے اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے کہا' بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں' اجاڑ دیتے ہیں-

جناب باری نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کہ فی الواقع یہ صحیح ہے- وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے- اس کے بعد اس نے جو ترکیب سوچی تھی کہ ایک چال چلے اور حضرت سلیمانؑ سے موافقت کر لے' صلح کر لے- وہ اس نے ان کے سامنے پیش کی- کہا کہ اس وقت تو میں ایک گراں بہا تحفہ انہیں بھیجتی ہوں- دیکھتی ہوں اس کے بعد وہ میرے قاصدوں سے کیا فرماتے ہیں؟ بہت ممکن ہے کہ وہ اسے قبول فرمالیں اور ہم آئندہ بھی انہیں یہ رقم بطور جزیئے کے بھیجتے رہیں اور انہیں ہم پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہ پڑے- اسلام کی قبولیت میں اسی طرح اس نے ہدیئے بھیجنے میں نہایت دانائی سے کام لیا- وہ جانتی تھی کہ پیسہ روپیہ وہ چیز ہے کہ فولاد کو بھی نرم کر دیتا ہے- نیز اسے یہ بھی آزمانا تھا کہ دیکھیں وہ ہمارے اس مال کو قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبول کر لیا تو سمجھ لو کہ وہ ایک بادشاہ ہیں- پھر ان سے مقابلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر واپس کر دیا تو ان کی نبوت میں شک نہیں- پھر مقابلہ سراسر بے سود بلکہ مضر ہے-

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ

مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ

بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

جب قاصد حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو آپؑ نے فرمایا، کیا تم مال سے مجھے تھپک دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے، پس تم ہی اپنے اس تحفے سے خوش رہو ○ جا ان کی طرف واپس لوٹ جا۔ ہم ان کے مقابلہ پر وہ لشکر لائیں گے جن کے سامنے پڑنے کی ان میں طاقت نہیں اور انہیں ہم ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ○

(آیت:۳۶-۳۷) بلقیس نے بہت ہی گراں قدر تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ سونا، موتی، جواہر وغیرہ سونے کی کثیر مقدار اینٹیں، سونے کے برتن وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، کچھ بچے عورتوں کے لباس میں اور کچھ عورتیں لڑکوں کے لباس میں بھیجیں اور کہا کہ اگر انہیں وہ پہچان لے تو اسے نبی مان لینا چاہئے۔ جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچے تو آپؑ نے سب کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ لڑکیوں نے تو برتن سے پانی بہا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور لڑکوں نے برتن میں ہی ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔ اس سے آپ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ پہچان کر الگ الگ کر دیا کہ یہ لڑکیاں ہیں اور یہ لڑکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس طرح پہچانا کہ لڑکیوں نے تو پہلے اپنے ہاتھ کے اندرونی حصہ کو دھویا اور لڑکوں نے ان کے برخلاف بیرونی حصے کو پہلے دھویا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اس کے برخلاف ہاتھ کی انگلیوں سے شروع کر کے کہنی تک لے گئے۔ ان میں سے کسی میں نفی کا امکان نہیں، واللہ اعلم۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بلقیس نے ایک برتن بھیجا تھا کہ اسے ایسے پانی سے پر کر دو جو نہ زمین کا ہو نہ آسمان کا تو آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینوں سے وہ برتن بھر دیا۔ اس نے کچھ خرمہرے اور ایک لڑی بھیجی تھی۔ آپ نے انہیں لڑی میں پرو دیا۔ یہ سب اقوال عموماً بنی اسرائیل کی روایتوں سے لئے جاتے ہیں۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ ان میں سے واقع میں کون سا ہوا یا کچھ بھی نہیں ہوا؟ البتہ بظاہر تو الفاظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رانی کے تحفے کی طرف مطلقاً التفات ہی نہیں کیا۔ اور اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا تم مجھے مالی رشوت دے کر شرک پر باقی رہنا چاہتے ہو؟ یہ محض ناممکن ہے۔ مجھے رب نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ ملک، مال، لاؤ لشکر سب میرے پاس موجود ہے۔ تم سے ہر طرح بہتر حالت میں میں ہوں۔ فالحمدللہ۔ تم ہی اپنے اس ہدیئے سے خوش رہو۔ یہ کام تم ہی کو سونپا کہ مال سے راضی ہو جاؤ اور تحفہ تمہیں جھکا دے۔ یہاں تو دو ہی چیزیں ہیں یا شرک چھوڑ دو یا تلوار روکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے، اس سے پہلے کہ اس کے قاصد پہنچیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا اور انہوں نے سونے چاندی کے ایک ہزار محل تیار کر دیئے۔ جس وقت قاصد پائے تخت میں پہنچے، ان محلات کو دیکھ کر ہوش جاتے رہے اور کہنے لگے، یہ بادشاہ تو ہمارے اس تحفے کو اپنی حقارت سمجھے گا۔ یہاں تو سونا مٹی کی وقعت بھی نہیں رکھتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہوں کو یہ جائز ہے کہ بیرونی لوگوں کے لئے کچھ تکلفات کرے اور قاصدوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیئے انہیں کو واپس کرو اور ان سے کہہ دو، مقابلے کی تیاری کر لیں، یاد رکھو، میں وہ لشکر لے کر چڑھائی کروں گا کہ وہ سامنے آ ہی نہیں سکتے، انہیں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ ہم انہیں ان کی سلطنت سے بیک بینی و دوگوش ذلت و حقارت کے ساتھ نکال دیں گے، ان کے تخت و تاج کو روند دیں گے۔ جب قاصد اس تحفے کو واپس لے کر پہنچے اور شاہی پیغام بھی سنا دیا، بلقیس کو آپؑ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور خود بھی اور تمام لشکر اور رعایا مسلمان ہو گئے اور اپنے لشکروں سمیت وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے، جب آپؑ نے اس کا یہ قصد

معلوم کیا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ
اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ
عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ
اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ
رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا
يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

آپؑ نے فرمایا' اے سردارو تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہو کر میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا دے؟ ○ ایک سرکش جن کہنے لگا' آپ اپنی اس مجلس سے اٹھیں۔ اس سے پہلے ہی پہلے میں اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں' یقین مانئے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانتدار ○ جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں۔ اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں' جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے تا کہ مجھے وہ آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ شکر گزار اپنے ہی نفع کے لئے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پرواہ اور بزرگ ہے' غنی و کریم ہے ○

بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت ملا: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) جب قاصد پہنچتا ہے اور بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت پہنچتا ہے تو وہ سمجھ لیتی ہے اور کہتی ہے' واللہ یہ سچے پیغمبر ہیں اور پیغمبر کا مقابلہ کر کے کوئی پنپ نہیں سکتا۔ اسی وقت دوبارہ قاصد بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تا کہ خود آپ سے مل کر دینی معلومات حاصل کروں اور آپ سے اپنی تشفی کر لوں۔ یہ کہلوا کر یہاں اپنا نائب ایک کو بنایا۔ سلطنت کے انتظامات اس کے سپرد کئے۔ اپنا لاجواب بیش قیمت جڑاؤ تخت جو سونے کا تھا' سات محلوں میں مقفل کیا اور اپنے نائب کو اس کی حفاظت کی خاص تاکید کی اور بارہ سردار جن میں سے ہر ایک کے تحت ہزاروں آدمی تھے' اپنے ساتھ لئے اور ملک سلیمان کی طرف چل دی۔ جنات قدم قدم' دم دم کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہتے تھے' جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب پہنچ چکی ہے تو آپ نے اپنے دربار میں جس میں جن وانس سب موجود تھے' فرمایا کوئی ہے جو اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں پہنچا دے؟ کیونکہ جب وہ یہاں آ جائیں گی اور اسلام میں داخل ہو جائیں گی' پھر اس کا مال ہم پر حرام ہو جائے گا۔ یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن جس کا نام کوزن تھا اور جو مثل ایک بڑے پہاڑ کے تھا' بول پڑا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو آپ دربار برخواست کریں' اس سے پہلے میں لا دیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے فیصلے کرنے اور جھگڑے چکانے اور انصاف دینے' صبح سے دوپہر تک دربار عام میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس نے کہا' میں اس تخت کے اٹھا لانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔ اس میں کوئی چیز نہیں چراؤں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا' میں چاہتا ہوں اس سے بھی پہلے میرے پاس وہ پہنچ جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اللہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی اس تخت کے منگوانے سے غرض یہ تھی کہ اپنے ایک زبردست معجزے کا اور پوری طاقت کا ثبوت بلقیس کو دکھائیں کہ اس کا تخت جسے اس نے سات مقفل مکانوں میں رکھا تھا' وہ

اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے (وہ غرض نہ تھی جو اوپر روایت قتادہ بیان ہوئی) حضرت سلیمان کے اس جلدی کے تقاضے کو سن کر جس کے پاس کتابی علم تھا' وہ بولا - ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آصف تھے جو حضرت سلیمانؑ کے کاتب تھے - ان کے باپ کا نام برخیا تھا' یہ ولی اللہ تھے - اسم اعظم جانتے تھے - پکے مسلمان تھے - بنو اسرائیل میں سے تھے - مجاہد کہتے ہیں - ان کا نام اسطوم تھا - بلیخ بھی مروی ہے' ان کا لقب ذوالنور تھا -

عبداللہ بن لھیعہ کا قول ہے' یہ خضر تھے لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے - انہوں نے کہا کہ آپ اپنی نگاہ دوڑائیے - جہاں تک پہنچے - نظر کیجئے - ابھی آپ دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ میں اسے لا دوں گا - پس حضرت سلیمانؑ نے یمن کی طرف جہاں اس کا تخت تھا' نظر کی - ادھر یہ کھڑے ہو کر وضو کر کے دعا میں مشغول ہوئے اور کہا یَاذُوالْجَلَالِ وَالْاِ کْرَام یا فرمایا یَااِلٰھَنَا وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰھًا وَّاحِدًا اَلَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اِئْتِنِی بِعَرْشِھَا اسی وقت تخت بلقیس سامنے آ گیا - اتنی ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں وہ تخت پہنچ گیا اور لشکر سلیمان کے دیکھتے ہوئے زمین میں سے نکل آیا - جب سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے موجود دیکھ لیا تو فرمایا' یہ صرف میرے رب کا فضل ہے کہ وہ مجھے آزما لے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ جو شکر کرے' وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرے' وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے - اللہ تعالیٰ بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے اور خود بندوں سے بھی اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں - جیسے فرمان ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ الخ جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے اور جو برائی کرتا ہے' وہ اپنے لئے - اور جگہ ہے' جو نیکی کرتے ہیں' وہ اپنے لئے ہی اچھائی جمع کرتے ہیں - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا' تم اور روئے زمین کے سب انسان بھی اگر اللہ سے کفر کرنے لگو تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے - وہ غنی ہے اور حمید ہے - صحیح مسلم شریف میں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے انسان' جنات بہتر سے بہتر اور نیک بخت سے نیک بخت ہو جائیں تو میرا ملک بڑھ نہیں جائے گا اور اگر سب کے سب بد بخت اور برے بن جائیں تو میرا ملک گھٹ نہیں جائے گا' یہ تو صرف تمہارے اعمال ہیں جو جمع ہوں گے اور تم کو ہی ملیں گے - جو بھلائی پائے تو اللہ کا شکر کرے اور جو برائی پائے تو صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے -

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ
لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ
هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا
مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ
كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً
وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ
رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۱۲ ۱۸

حکم دیا کہ اس کے اس تخت میں کچھ پھیر بدل کر دو تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پا لیتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے ○ پھر جب وہ آ گئی تو اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا ایسا ہی تیرا بھی تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی ہے' ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے ○ اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی' یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی ○ اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو' جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ حوض ہے' اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں - فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے - کہنے لگی میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرماں بردار بنتی ہوں ○

بلقیس کا تخت آنے کے بعد: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۴) اس تخت کے آ جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں قدرے تغیر و تبدل کر ڈالو - پس کچھ ہیرے جواہر بدل دیئے گئے - رنگ و روغن میں بھی تبدیلی کر دی گئی - نیچے اوپر سے بھی کچھ بدل دیا گیا - کچھ کمی زیادتی بھی کر دی گئی تا کہ بلقیس کی آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں پہچان سکتی؟ جب وہ پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت یہ ہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہو بہو اسی جیسا ہے - اس جواب سے اس کی دور بینی' عقلمندی' زیرکی' دانائی ظاہر ہے کہ دونوں پہلو سامنے رکھے - دیکھا کہ تخت بالکل میرے تخت جیسا ہے مگر بہ ظاہر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے تو اس نے بیچ کی بات کہی - حضرت سلیمان نے فرمایا' اس سے پہلے ہی ہمیں علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے - بلقیس کو اللہ کے سوا اوروں کی عبادت نے اور اس کے کفر نے توحید الٰہی سے روک دیا تھا - اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا - اس سے پہلے کافروں میں سے تھی - لیکن پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ ملکہ نے قبول اسلام کا اعلان محل میں داخل ہونے کے بعد کیا ہے - جیسے عنقریب بیان ہو گا - حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ہاتھوں ایک محل بنوایا تھا جو صرف شیشے اور کانچ کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے لبالب حوض تھا' شیشہ بہت ہی صاف شفاف تھا - آنے والا شیشے کا امتیاز نہیں کر سکتا تھا بلکہ اسے یہی معلوم ہوتا تھا کہ پانی ہی پانی ہے - حالانکہ اس کے اوپر شیشے کا فرش تھا - بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس صنعت سے غرض سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ آپ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیاں بہت خراب ہیں اور اس کے ٹخنے چوپایوں کے کھروں جیسے ہیں' اس کی تحقیق کے لئے آپ نے ایسا کیا تھا - جب یہاں آنے لگی تو پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اٹھائے' آپ نے دیکھ لیا کہ جو بات مجھے پہنچائی گئی ہے' غلط ہے - اس کی پنڈلیاں اور پیر بالکل انسانوں جیسے ہی ہیں - کوئی نئی بات یا بدصورتی نہیں - ہاں چونکہ بے نکاحی تھی' پنڈلیوں پر بال بڑے بڑے تھے - آپ نے استرے سے منڈوا ڈالنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے کہا' اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی - آپ نے جنوں سے کہا' کوئی اور چیز بناؤ جن سے یہ بال جاتے رہیں - پس انہوں نے ہڑتال پیش کی - یہ دوا سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تلاش کی گئی - محل میں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ملک سے' اپنے دربار سے' اپنی رونق سے' اپنے سامان سے' اپنے لطف و عیش سے' خود اپنے سے بڑی ہستی دیکھ لے اور اپنا جاہ و حشم نظروں سے گر جائے جس کے ساتھ ہی تکبر و تجبر کا خاتمہ بھی یقینی تھا - یہ جب اندر آنے لگی اور حوض کی حد پر پہنچی تو اسے لہلہاتا ہوا دریا سمجھ کر پائنچے اٹھائے - اسی وقت کہا گیا کہ آپ کو غلطی لگی - یہ تو شیشہ منڈھا ہوا ہے - آپ اسی کے اوپر سے بغیر قدم تر کئے آ سکتی ہیں -

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہی اس کے کان میں آپ نے صدائے توحید ڈالی اور سورج پرستی کی مذمت سنائی - اس محل کو دیکھتے ہی' اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہی' دربار کے ٹھاٹھ دیکھتے ہی اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ میرا ملک تو اس کے پاسنگ میں بھی نہیں - نیچے پانی ہے اور اوپر شیشہ ہے - بیچ میں تخت سلیمانی ہے - اوپر سے پرندوں کا سایہ ہے - جن و انس سب حاضر ہیں اور تابع فرمان - جب اسے توحید کی دعوت دی گئی تو بے دینوں کی طرح اس نے بھی زندیقانہ جواب دیا جس سے اللہ کی جناب میں گستاخی لازم آتی تھی - اسے سنتے ہی سلیمان

علیہ السلام اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور آپ کو دیکھ کر آپ کا سارا لشکر بھی - اب تو وہ بہت ہی نادم ہوئی - ادھر سے حضرت نے ڈانٹا کہ کیا کہہ دیا؟ اس نے کہا' مجھ سے غلطی ہوئی - اور اسی وقت رب کی طرف جھک گئی اور کہنے لگی اے اللہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی - چنانچہ سچے دل سے مسلمان ہو گئی -

ابن ابی شیبہ میں یہاں پر ایک غریب اثر ابن عباسؓ سے وارد کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر متمکن ہوتے تو اس کے پاس کی کرسیوں پر انسان بیٹھتے اور اس کے پاس والی کرسیوں پر جن بیٹھتے' پھر ان کے بعد شیاطین بیٹھتے' پھر ہوا اس تخت کو لے اڑتی اور معلق تھما دیتی - پھر پرندے آ کر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے' پھر آپ ہوا کو حکم دیتے اور وہ پرواز کر کے صبح صبح مہینے بھر کے فاصلے پر پہنچا دیتی - اسی طرح شام کو مہینے بھر کی دوری طے ہوتی - ایک مرتبہ اسی طرح آپ جا رہے تھے - پرندوں کی دیکھ بھال جو کی تو ہدہد کو غائب پایا - بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا' کیا وہ جمگھٹے میں مجھے نظر نہیں پڑتا یا سچ مچ غیر حاضر ہے؟ اگر واقعی وہ غیر حاضر ہے تو اسے سخت سزا دوں گا بلکہ ذبح کر دوں گا - ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کر دے - ایسے موقعہ پر پرندوں کے پر نچوا کر آپ زمین پر ڈلوا دیتے تھے' کیڑے مکوڑے کھا جاتے تھے - اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں خود حاضر ہوتا ہے - اپنا سبا جانا اور وہاں کی خبر لانا بیان کرتا ہے - اپنی معلومات کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے - حضرت سلیمانؑ اس کی صداقت کی آزمائش کے لئے اسے ملکہ سبا کے نام ایک چٹھی دے کر دوبارہ بھیجتے ہیں' جس میں ملکہ کو ہدایت ہوتی ہے کہ میری نافرمانی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ - اس خط کو دیکھتے ہی ملکہ کے دل میں اس خط کی اور اس کے لکھنے والے کی عزت سما جاتی ہے - وہ اپنے درباریوں سے مشورہ کرتی ہے - وہ اپنی قوت' طاقت' فوج' ٹھاٹھ بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تیار ہیں' صرف اشارے کی دیر ہے لیکن یہ برے وقت کو اور اپنی شکست کے انجام کو خیال کر کے اس ارادے سے باز رہتی ہے اور دوستی کا سلسلہ اس طرح شروع کرتی ہے کہ تحفے اور ہدیے حضرت سلیمانؑ کے پاس بھیجتی ہے - جسے سلیمان علیہ السلام واپس کر دیتے ہیں اور چڑھائی کی دھمکی دیتے ہیں - اب یہ اپنے ہاں سے چلتی ہے - جب قریب پہنچ جاتی ہے اور اس کے لشکر کی گرد کو سلیمان علیہ السلام دیکھ لیتے ہیں' تب فرماتے ہیں کہ اس کا تخت اٹھوا لاؤ - ایک جن کہتا ہے کہ بہتر میں ابھی لاتا ہوں - آپ یہاں سے اٹھیں - اس سے پہلے ہی پہلے اسے دیکھ لیجئے - آپ نے فرمایا' کیا اس سے بھی جلد ممکن ہے؟ اس پر یہ تو خاموش ہو گیا لیکن اللہ کے علم والے نے کہا' ابھی ایک آنکھ جھپکتے ہی - اتنے میں تو دیکھا کہ جس کرسی پر پاؤں رکھ کر حضرت سلیمانؑ تخت شاہی پر چڑھتے تھے' اسی کے نیچے سے بلقیس کا تخت نمایاں ہوا - آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا' لوگوں کو نصیحت کی اور اس میں کچھ تبدیلیاں کرنے کا حکم دیا - اس کے آتے ہی اس سے اس تخت کی بابت پوچھا تو اس نے کہا گویا وہی ہے - اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو چیزیں طلب کیں - ایک تو ایسا پانی جو نہ زمین سے نکلا ہو نہ آسمان سے برسا ہو - آپ کی عادت تھی کہ جب کچھ پوچھنے کی ضرورت پڑتی' اول انسانوں سے دریافت فرماتے پھر جنوں سے - پھر شیطانوں سے - اس سوال کے پورا ہونے کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا' اللہ تعالیٰ کا رنگ کیسا ہے؟ اسے سن کر آپ اچھل پڑے اور اسی وقت سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ اس نے ایسا سوال کیا کہ میں تو اسے تجھ سے دریافت ہی نہیں کر سکتا -

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ بے فکر ہو جاؤ - میں نے کفایت کر دی - آپ سجدے سے اٹھے اور فرمایا تو نے کیا پوچھا تھا - اس نے کہا - پانی کے بارے میں میرا سوال تھا جو آپ نے پورا کیا اور تو میں نے کچھ نہیں پوچھا - یہ خود اور اس کے سارے لشکری اس دوسرے سوال کو ہی بھول گئے - آپ نے لشکریوں سے بھی پوچھا کہ اس نے دوسرا سوال کیا کیا تھا؟ تو سب نے یہی جواب دیا کہ بجز پانی کے اس نے اور کوئی سوال نہیں کیا - شیطانوں کے دل میں خیال آیا کہ اگر سلیمان نے اسے پسند کر لیا اور اسے اپنے نکاح میں لے لیا اور اولاد بھی ہو گئی تو یہ

ہم سے ہمیشہ کے لئے گئے۔ اس لئے انہوں نے حوض بنایا۔ پانی سے پر کیا۔ اور اوپر سے بلور کا فرش بنا دیا اس صفت سے کہ دیکھنے والے کو وہ معلوم ہی نہ دے۔ وہ تو پانی ہی سمجھے جب بلقیس دربار میں آئی اور وہاں سے گذرنا چاہا تو پانی جان کر اپنے پائنچے اٹھا لئے' حضرت سلیمان نے پنڈلیوں کے بال دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اسے زائل کرنے کی کوشش کرو تو کہا گیا کہ استرے سے منڈ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا نشان مجھے ناپسند ہے۔ کوئی اور ترکیب بتاؤ۔ پس شیاطین نے طلا بنایا جس کے لگاتے ہی بال اڑ گئے۔ پس اول اول بال صفا طلا حضرت سلیمانؑ کے حکم سے ہی تیار ہوا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس قصے کو نقل کر کے لکھا ہے' یہ کتنا اچھا قصہ ہے لیکن میں کہتا ہوں' بالکل منکر اور سخت غریب ہے۔ یہ عطا بن سائب کا وہم ہے جو اس نے ابن عباسؓ کے نام سے بیان کر دیا ہے۔ اور زیادہ قرین قیاس امر یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے دفاتر سے لیا گیا ہے جو مسلمانوں میں کعب اور وہب نے رائج کر دیا تھا۔ اللہ ان سے درگذر فرمائے۔ پس ان قصوں کا کوئی اعتماد نہیں۔ بنو اسرائیل تو جدت پسند اور جدت طراز تھے۔ بدل لینا' گھڑ لینا' کمی زیادتی کر لینا ان کی عادت میں داخل تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اس نے ان کا محتاج نہیں رکھا۔ ہمیں وہ کتاب دی اور اپنے نبی کی زبانی وہ باتیں پہنچائیں جو نفع میں' وضاحت میں' بیان میں' ان کی باتوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہیں' ساتھ ہی بہت مفید اور نہایت احتیاط والی۔ فالحمدللہ۔

صرح کہتے ہیں محل کو۔ اور بلند اونچی عمارت کو۔ چنانچہ فرعون ملعون نے بھی اپنے وزیر ہامان سے یہی کہا تھا یٰھَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا یمن کے ایک خاص ممتاز اور بلند محل کا نام بھی صرح تھا۔ اس سے مراد ہر وہ بناء ہے جو محکم' مضبوط' استوار اور قوی ہو۔ یہ بنا بلور اور صاف شفاف شیشے سے بنائی گئی تھی۔ دومتہ الجندل میں ایک قلعہ ہے۔ اس کا نام بھی مارد ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ جب اس ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی یہ رفعت' یہ عظمت' یہ شوکت' یہ سلطنت دیکھی اور اس میں غور و فکر کے ساتھ ہی حضرت سلیمان کی سیرت' ان کی نیکی اور ان کی دعوت سنی تو یقین آ گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اسی وقت مسلمان ہو گئی' اپنے اگلے شرک و کفر سے توبہ کر لی اور دین سلیمان کی مطیع بن گئی۔ اللہ کی عبادت کرنے لگی' جو خالق' مالک' متصرف اور مختار کل ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

یقیناً ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو۔ پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ○ آپ نے فرمایا' اے میری قوم کے لوگو' تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے ہو' تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○ وہ کہنے لگے۔ ہم تو تیری اور تیری ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہاری بدشگونی اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم تو فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو ○

صالح علیہ السلام کی ضدی قوم: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) حضرت صالح جب اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں توحید کی دعوت دی تو ان میں دو فریق بن گئے۔ ایک جماعت مومنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گتھ گئے جیسے

اور جگہ ہے کہ متکبروں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح کو رسول اللہ مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلم کھلا ایمان لا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا' بس تو ہم ایسے ہی کھلم کھلا کافر ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بجائے رحمت طلب کرنے کے اور عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تا کہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے یہ ماننے والے۔ یہی فرعونیوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائیاں ہمیں ملتی ہیں' ان کے لائق تو ہم ہیں لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں' وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں۔

اور آیت میں ہے وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ الخ یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی مل جاتی ہے تو کہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری جانب سے ہے' تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ کی قضا و قدر سے ہے۔ سورۂ یٰسین میں بھی کفار کا اپنے نبیوں کو یہی کہنا موجود ہے قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ہم تو آپ سے بدشگونی لیتے ہیں۔ اگر تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تو تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت تکلیف دیں گے۔ نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں ہے کہ حضرت صالحؑ نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے یعنی وہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو۔ تمہیں آزمایا جا رہا ہے' اطاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے' اس کے بعد پکڑے جاؤ گے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا
يُصْلِحُوْنَ ۝۴۸ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ
لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۴۹ وَمَكَرُوْا
مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۰ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۵۱ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ
خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵۲
وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۵۳

اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ○ انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کی اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں ○ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے ○ اب دیکھ لے کہ ان کے مکر کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا ○ یہ ہیں ان کے مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں' جو لوگ علم رکھتے ہیں' ان کے لئے اس میں بڑا نشان ہے ○ ہم نے ان میں جو ایمان لائے تھے اور پرہیزگاری کرتے تھے' بال بال بچا لیا ○

اونٹنی کو مار ڈالا: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۳) ثمود کے شہر میں نو فسادی شخص تھے جن کی طبیعت میں اصلاح تھی ہی نہیں۔ یہی ان کے

رؤسا اور سردار تھے، انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا گیا تھا- ان کے نام یہ ہیں- رعی، رعم، ھرم، ھریم، داب، صواب، مطع، قدار بن سالف- یہی آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں- جس کا بیان آیت فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ اور آیت اِذِا نْبَعَثَ اَشْقٰهَا میں ہے- یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے- سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے، جس میں ہے کہ بلا ضرورت سکے کو جو مسلمان میں رائج ہو، کاٹنا حضورﷺ نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے- اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو- اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے- لیکن یہ لوگ حضرت صالحؑ تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الٰہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا- اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے، سارے ہی ایک ساتھ مر گئے- ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا- اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے- مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو- اس ارادے سے چلے- راہ میں ہی تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے- ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی، انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے- دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں، بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں- انہوں نے حضرت صالحؑ پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگی، دیکھو اس نے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب الٰہی تم پر آئے گا- تم یہ تین دن گذر نے دو- اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کے کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے-

فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک تو مزے اڑا لو، پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا- یہ لوگ حضرت صالحؑ کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے، یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے، آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں- جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی، اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے- انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے، اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو- جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے- اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے- چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح ٹھہر گئی کہ منہ بالکل بند ہو گیا- سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا- وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے، نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں-

حضرت صالح اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوا دیں- انھوں نے مکر کیا- ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا- اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا- انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے- یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنسان پڑی ہیں، ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے، ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے- ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں- ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچا لیا-

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۴﴾
اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ
تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡۤا
اٰلَ لُوۡطٍ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ ﴿۵۶﴾

لوط کا ذکر کر جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا باوجود دیکھنے بھالنے کے پھر بھی تم بدکاری کر رہے ہو؟ ○ یہ کیا بات ہے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو؟ حق یہ ہے کہ تم بڑی ہی نادانی کر رہے ہو ○ قوم کا جواب بجز اس کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے شہر بدر کر دو۔ یہ تو بڑی پاکبازی کر رہے ہیں ○

ہم جنسوں سے جنسی تعلق: ☆☆ (آیت: ۵۴-۵۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی امت یعنی اپنی قوم کو اس کے اس نالائق فعل پر جس کا فاعل ان سے پہلے کوئی نہ ہوا تھا یعنی اغلام بازی پر ڈرایا۔ تمام قوم کی یہ حالت تھی کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے شہوت رانی کر لیا کرتی تھیں۔ ساتھ ہی اتنے بے حیا ہو گئے تھے کہ اس پاجی فعل کو پوشیدہ کرنا بھی کچھ اتنا ضروری نہیں جانتے تھے۔ اپنے مجمعوں میں واہی فعل کرتے تھے۔ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اپنی اس جہالت سے باز آؤ۔ تم تو ایسے گئے گذرے اور اتنے نادان ہوئے کہ شرعی پاکیزگی کے ساتھ ہی تم سے طبعی طہارت بھی جاتی رہی۔ جیسے دوسری آیت میں ہے اَتَاۡتُوۡنَ الذُّكۡرَانَ مِنَ الۡعٰلَمِيۡنَ الخ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور عورتوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑے بنائے ہیں، چھوڑتے ہو؟ بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جب لوط اور لوط والے تمہارے اس فعل سے بیزار ہیں اور نہ وہ تمہاری مانتے ہیں، نہ تم ان کی۔ تو پھر ہمیشہ کی اس بحث تکرار کو ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ لوط علیہ السلام کے گھرانے کو دیس نکالا دے کر ان کے روزمرہ کے کچوکوں سے نجات حاصل کر لو۔

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنٰهَا مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۵۷﴾
وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ
الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيۡرٌ ع ۱۴ ۱۹
اَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۹﴾

پس ہم نے اسے اور اس کی اہل کو بجز اس کی بیوی کے سب کو بچا لیا۔ اس کا اندازہ تو باقی رہ جانے والوں میں ہم لگا ہی چکے تھے ○ اور ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسا دی۔ پس ان دھمکائے ہوئے لوگوں پر بری بارش ہوئی ○ تو کہدے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں ○

(آیت: ۵۷-۵۸) جب کافروں نے پختہ ارادہ کر لیا اور اس پر جم گئے اور اجماع ہو گیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور اپنے پاک بندے حضرت لوطؑ کو اور ان کی اہل کو ان سے اور جو عذاب ان پر آئے، ان سے بچا لیا۔ ہاں آپ کی بیوی جو قوم کے ساتھ ہی تھی، وہ پہلے

سے ہی ان ہلاک ہونے والوں میں لکھی جا چکی تھی، وہ یہاں باقی رہ گئی اور عذاب کے ساتھ تباہ ہوئی کیونکہ یہ انہیں ان کے دین اور ان کے طریقوں میں مدد دیتی تھی۔ ان کی بداعمالیوں کو پسند کرتی تھی۔ اسی نے حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر قوم کو دی تھی۔ لیکن یہ خیال رہے کہ معاذ اللہ ان کی اس فحش کاری میں یہ شریک نہ تھی۔ اللہ کے نبی علیہ السلام کی بزرگی کے خلاف ہے کہ ان کی بیوی بدکار ہو۔ اس قوم پر آسمان سے پتھر برسائے گئے جن پر ان کے نام کندہ تھے، ہر ایک پر اسی کے نام کا پتھر آیا اور ایک بھی ان میں سے بچ نہ سکا۔ ظالموں سے اللہ کی سزا دور نہیں۔ ان پر حجت ربانی قائم ہو چکی تھی، انہیں ڈرایا اور دھمکایا جا چکا تھا، تبلیغ رسالت کافی طور پر ہو چکی تھی لیکن انہوں نے مخالفت میں، جھٹلانے میں اور اپنی بے ایمانی پر اڑنے میں کمی نہیں کی۔ نبی اللہ علیہ السلام کو تکلیفیں پہنچائیں بلکہ انہیں نکال دینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اس بدترین بارش نے یعنی سنگ باری نے انہیں فنا کر دیا۔

(آیت:۵۹) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ کہیں کہ ساری تعریفوں کے لائق فقط اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اسی نے اپنے بندوں کو اپنی بے شمار نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ اس کی صفتیں عالی ہیں۔ اس کے نام بلند اور پاک ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجیں جیسے انبیاء اور رسول۔ حمد وصلوۃ کا ساتھ ہی ذکر آیت سُبْحٰنَ رَبِّكَ الخ میں بھی ہے۔ برگزیدہ بندوں سے مراد اصحاب رسولؐ ہیں اور خود انبیاء علیہم السلام بطور اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ان کے تابعداروں کے بچا لینے اور مخالفین کے غارت کر دینے کی نعمت بیان فرما کر اپنی تعریفیں کرنے اور اپنے نیک بندوں پر سلام بھیجنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بطور سوال کے مشرکوں کے اس فعل پر انکار کیا کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پاک اور بری ہے۔

الحمدللہ! اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے پارہ انیس بھی تکمیل کو پہنچا۔

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر
۲۰

چند اہم مضامین کی فہرست

- کائنات کے مظاہر اللہ تعالیٰ کی صداقت ۵۰۹
- ستاروں کے فوائد ۵۱۲
- قدرت کاملہ کا ثبوت ۵۱۳
- اللہ کے سوا کوئی غیب داں نہیں ۵۱۳
- حیات ثانی کے منکر ۵۱۵
- قیامت کے منکر ۵۱۶
- حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ۵۱۶
- دابتہ الارض ۵۱۷
- باز پرس کے لمحات ۵۱۹
- جب صور پھونکا جائے گا ۵۲۰
- اللہ تعالیٰ کا حکم اعلان ۵۲۲
- بچوں کا قتل اور بنی اسرائیل ۵۲۴
- جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ ۵۲۶
- گھونسے سے موت ۵۲۸
- جسے بچایا اسی نے راز کھولا ۵۲۹
- گمنام ہمدرد ۵۳۰
- موسیٰ علیہ السلام کا فرار ۵۳۰
- حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب علیہما السلام کا معاہدہ ۵۳۱
- دس سال حق مہر ۵۳۴
- یاد ماضی ۵۳۶
- فرعونی قوم کا رویہ ۵۳۸
- دلیل نبوت ۵۴۰
- اہل کتاب علماء ۵۴۴
- ہدایت صرف اللہ کے ذمہ ہے ۵۴۶
- اہل مکہ کو تنبیہہ ۵۴۷
- دنیا اور آخرت کا تقابلی جائزہ ۵۴۸
- کہاں ہیں تمہارے بت ۵۴۹
- صفات الٰہی ۵۵۱
- افترا بندی چھوڑ دو ۵۵۳
- قارون ۵۵۳
- اپنی عقل و دانش پہ مغرور قارون ۵۵۴
- سامان تعیش کی فراوانی ۵۵۵
- ایک بالشت کا آدمی؟ ۵۵۶
- جنت اور آخرت ۵۵۷
- جو کرو گے سو بھرو گے ۵۵۸
- امتحان اور مومن ۵۶۰
- نیکیوں کی کوشش ۵۶۱
- انسان کا وجود ۵۶۲
- مرتد ہونے والے ۵۶۳
- گناہ کسی کا اور سزا دوسرے کو ۵۶۳
- نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی ۵۶۳
- ریاکاری سے بچو ۵۶۶
- تمام نشانیاں ۵۶۷
- عقلی اور نقلی دلائل ۵۶۸
- حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہؓ ۵۶۹
- سب سے خراب عادت ۵۷۱
- فرشتوں کی آمد ۵۷۱
- فساد نہ کرو ۵۷۳
- احقاف کے لوگ ۵۷۳
- مکڑی کا جالا ۵۷۳
- مقصد کائنات ۵۷۵

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ
تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

بھلا بتلاؤ تو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیئے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے' کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ اللہ کی برابری کا (جیسا) اوروں کو ٹھہراتے ہیں ○

اللہ کا ہمسر کوئی نہیں: ☆☆ (آیت:۶۰) بیان کیا جا رہا ہے کل کائنات کا رچانے والا' سب کا پیدا کرنے والا' سب کو روزیاں دینے والا' سب کی حفاظتیں کرنے والا' تمام جہان کی تدبیر کرنے والا' صرف اللہ تعالیٰ ہے- ان بلند آسمانوں کو' ان چمکتے ستاروں کو' اسی نے پیدا کیا- اس بھاری بوجھل زمین کو' ان بلند چوٹیوں والے پہاڑوں کو' ان پھیلے ہوئے میدانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے- کھیتیاں' باغات' پھل' پھول' دریا' سمندر' حیوانات' جنات' انسان' خشکی اور تری کے عام جاندار' اسی ایک کے بنائے ہوئے ہیں- آسمانوں سے پانی اتارنے والا ایک وہی ہے' اسے اپنی مخلوق کی روزی کا ذریعہ اسی نے بنایا ہے- باغات کھیت سب وہی اگاتا ہے جو خوش منظر ہونے کے علاوہ بے حد مفید ہوتے ہیں- خوش ذائقہ ہونے کے علاوہ زندگی کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں- تم میں سے' تمہارے معبودان باطل میں سے کوئی بھی نہ کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے' نہ کسی درخت کے اگانے کی- بس وہی خالق و رازق ہے' اللہ کی خالقیت اور اس کی روزی پہنچانے کی صفت کو مشرکین بھی مانتے تھے- جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ الخ یعنی اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے- الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالق کل صرف اللہ ہی ہے لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں-

باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے- اور اس بات کا فیصلہ تو آسانی سے ہر عقلمند کر سکتا ہے کہ عبادت کے لائق وہی ہے جو خالق' مالک اور رازق ہے- اسی لئے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے میں' مخلوق کی روزی مہیا کرنے میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اوروں کی بھی کرتے تھے' اس لئے اور آیت میں فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ الخ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں- پھر تم خالق و مخلوق کو کیسے ایک کر رہے ہو؟ یہ یاد رہے کہ ان آیات میں اَمَّنْ جہاں جہاں ہے' وہاں یہی معنی ہیں کہ ایک تو وہ جو ان تمام کاموں کو کر سکے اور ان پر قادر ہو' دوسرا وہ جس نے ان میں سے نہ تو کسی کام کو کیا ہو اور نہ کر سکتا ہو- کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ گو دوسری شق کو لفظوں میں بیان نہیں کیا لیکن طرز کلام اسے صاف کر دیتا ہے- اور آیت میں صاف صاف یہ بھی ہے کہ ءَ اللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک کرتے ہیں؟ آیت کے خاتمے پر فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں- آیت اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ الخ بھی اسی جیسی آیت ہے یعنی ایک وہ شخص جو اپنے دل میں آخرت کا ڈر رکھ کر' اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو کر' راتوں کو نماز میں گزارتا ہو- یعنی وہ اس جیسا نہیں ہو سکتا جس کے اعمال ایسے نہ ہوں- ایک اور جگہ ہے عالم اور بے علم برابر نہیں- عقلمند ہی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں- ایک وہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کھلا ہوا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور ہدایت لئے ہو اور وہ اس جیسا نہیں جس کے دل میں اسلام کی طرف سے کراہت ہو اور سخت دل ہو- اللہ نے خود اپنی ذات کی نسبت فرمایا

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ الخ یعنی وہ جو مخلوق کی تمام حرکات و سکنات سے واقف ہو' تمام غیب کی باتوں کو جانتا ہو' اس کی مانند ہے جو کچھ بھی نہ جانتا ہو؟ بلکہ جس کی آنکھیں اور کان نہ ہوں جیسے تمہارے یہ بت ہیں۔ فرمان ہے وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الخ یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ ان سے کہہ ذرا ان کے نام تو مجھے بتاؤ۔ پس ان سب آیتوں کا بھی مطلب یہی ہے کہ اللہ نے اپنی صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر خبر دی ہے کہ یہ صفات کسی میں نہیں۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا
رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ۭ

کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی' کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں ○

کائنات کے مظاہر اللہ تعالیٰ کی صداقت: ☆☆ (آیت:۶۱) زمین کو اللہ تعالیٰ نے ٹھہری ہوئی اور ساکن بنایا تاکہ دنیا با آرام اپنی زندگی بسر کر سکے اور اس پھیلے ہوئے فرش پر راحت پا سکے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا الخ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہری ہوئی اور ساکن بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے زمین پر پانی کے دریا بہا دیئے جو ادھر ادھر بہتے رہتے ہیں اور ملک ملک پہنچ کر زمین کو سیراب کرتے ہیں تاکہ زمین سے کھیت باغ وغیرہ اگیں۔ اس نے زمین کی مضبوطی کے لئے اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ تمہیں متزلزل نہ کر سکے' ٹھہری رہے۔

اس کی قدرت دیکھو کہ ایک کھاری سمندر ہے اور دوسرا میٹھا ہے۔ دونوں بہہ رہے ہیں' بیچ میں کوئی روک' آڑ' پردہ حجاب نہیں لیکن قدرت نے ایک کو ایک سے الگ کر رکھا ہے۔ نہ کڑوا میٹھے میں مل سکے نہ میٹھا کڑوے میں۔ کھاری اپنے فوائد پہنچا تا رہے' میٹھا اپنے فائدے دیتا رہے۔ اس کا نتھرا ہوا' خوش ذائقہ' مسرور کن' خوش ہضم پانی لوگ پئیں' اپنے جانوروں کو پلائیں' کھیتیاں باڑیاں باغات وغیرہ میں یہ پانی پہنچائیں' نہائیں دھوئیں وغیرہ۔ کھاری پانی اپنے فوائد سے لوگوں کو سودمند کرے' یہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے تاکہ ہوا خراب نہ ہو اور اس آیت میں بھی ان دونوں کا بیان موجود ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ الخ یعنی ان دونوں سمندروں کا جاری کرنے والا اللہ ہی ہے اور اسی نے ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کر رکھی ہے۔ یہاں یہ قدرتیں اپنی جتا کر پھر سوال کرتا ہے کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے یہ کام کئے ہوں یا کر سکتا ہو' تاکہ وہ بھی لائق عبادت سمجھا جائے۔ اکثر لوگ محض بے علمی سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ عبادتوں کے لائق صرف وہی ایک ہے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ
خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ۭ

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے' کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کے نائب بناتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو ○

بے کسوں کا سہارا: ☆☆ (آیت:۶۲) سختیوں اور مصیبتوں کے وقت پکارے جانے کے قابل اسی کی ذات ہے- بے کس بے بس لوگوں کا سہارا وہی ہے- گرے پڑے' بھولے بھٹکے' مصیبت زدہ اسی کو پکارتے ہیں- اسی کی طرف لو لگاتے ہیں- جیسے فرمایا کہ تمہیں جب سمندر کے طوفان زندگی سے مایوس کر دیتے ہیں تو تم اسی کو پکارتے ہو' اسی کی طرف گریہ وزاری کرتے ہو اور سب کو بھول جاتے ہو- اسی کی ذات ایسی ہے کہ ایک بے قرار وہاں پناہ لے سکتا ہے' مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبت اس کے سوا کوئی بھی دور نہیں کر سکتا- ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضورؐ! آپ کس چیز کی طرف' ہمیں بلا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا' اللہ کی طرف' جو اکیلا ہے' جس کا کوئی شریک نہیں' جو اس وقت تیرے کام آتا ہے جب تو کسی بھنور میں پھنسا ہوا ہو- وہی ہے کہ جب تو جنگلوں میں راہ بھول کر اسے پکارے تو وہ تیری رہنمائی کر دے' تیرا کوئی کھو گیا ہو اور تو اس سے التجا کرے تو وہ اسے تجھ کو ملا دے- قحط سالی ہو گئی ہو اور تو اس سے دعائیں کرے تو وہ موسلا دھار مینہ تجھ پر برسا دے- اس شخص نے کہا' یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے- آپؐ نے فرمایا' کسی کو برا نہ کہہ- نیکی کے کسی کام کو ہلکا اور بے وقعت نہ سمجھ خواہ اپنے مسلمان بھائی سے بہ کشادہ پیشانی ملنا ہی ہو- گو اپنے ڈول سے کسی پیاسے کو ایک گھونٹ پانی کا دینا ہی ہو اور اپنے تہمد کو آدھی پنڈلی تک رکھ- لمبائی میں زیادہ سے زیادہ ٹخنے تک- اس سے نیچے لٹکانے سے بچتا رہ- اس لئے کہ یہ فخر و غرور ہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے- (مسند احمد)

ایک روایت میں ان کا نام جابر بن سلیم ہے- اس میں ہے کہ جب میں حضورؐ کے پاس آیا' آپ ایک چادر سے گوٹ لگائے بیٹھے تھے جس کے پھندنے آپ کے قدموں پر گر رہے تھے' میں نے آ کر پوچھا کہ تم میں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کون ہیں؟ آپ نے اپنے ہاتھ سے خود اپنی طرف اشارہ کیا- میں نے کہا یا رسول اللہ! میں ایک گاؤں کا رہنے والا آدمی ہوں' ادب تمیز کچھ نہیں جانتا' مجھے کچھ احکام اسلام کی تعلیم دیجئے- آپؐ نے فرمایا کہ کسی چھوٹی سی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھ' خواہ اپنے مسلمان بھائی سے خوش خلقی کے ساتھ ملاقات ہی ہو- اور اپنے ڈول میں سے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ذرا سا پانی ڈال دینا ہی ہو- اگر کوئی تیری کسی شرمناک بات کو جانتا ہو اور وہ تجھے شرمندہ کرے تو تو اسے اس کی کسی ایسی ہی بات کی عار نہ دلا تا کہ اجر تجھے ملے اور وہ گنہگار بن جائے- ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے سے پرہیز کر کیونکہ یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں اور کسی کو بھی ہرگز گالی نہ دینا- فرماتے ہیں' یہ سننے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کبھی کسی انسان کو بلکہ کسی جانور کو بھی گالی نہیں دی- حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ سے کسی بیمار نے کہا' میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے- آپ نے فرمایا' تم خود اپنے لئے دعا کرو' بے قراری کے وقت کی دعا کو اللہ قبول فرماتا ہے-

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں' میں نے اگلی آسمانی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے میری عزت کی قسم! جو شخص مجھ پر اعتماد کرے اور مجھے تھام لے تو میں اسے اس کے مخالفین سے بچا لوں گا اور ضرور بچا لوں گا چاہے آسمان و زمین و کل مخلوق اس کی مخالفت اور ایذا ہی پر تلے ہوں- اور جو مجھ پر اعتماد نہ کرے' میری پناہ میں نہ آئے تو میں اسے امن و امان سے چلتا پھرتا ہونے کے باوجود اگر چاہوں گا تو زمین میں دھنسا دوں گا- اور اس کی کوئی مدد نہ کروں گا- ایک بہت ہی عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے-

ایک صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زیدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گذر بسر تھی- ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر مجھ سے کرایہ پر لیا- میں نے اسے سوار کیا اور چلا' ایک جگہ جہاں دو راستے تھے جب وہاں پہنچے تو اس نے کہا' اس راہ پر چلو- میں نے کہا' میں اس سے واقف نہیں ہوں' سیدھی راہ یہی ہے- اس نے کہا نہیں' میں پوری طرح واقف ہوں' یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے- میں اس کے کہنے پر اسی راہ پر چلا- تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق و دق بیابان میں ہم پہنچ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا- نہایت خطرناک جنگل ہے' ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں- میں سہم گیا- وہ مجھ سے کہنے لگا' ذرا لگام تھام لو- مجھے یہاں اترنا ہے'

میں نے لگام تھام لی - وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے' کپڑے ٹھیک کر کے' چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا - میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا - میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا - میں نے کہا' اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے' تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے - اس نے کہا' یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا - میں نے اسے اللہ کا خوف دلایا' آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا - اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے بہ منت التجا کی کہ تم مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو - اس نے کہا' اچھا جلدی پڑھ لے - میں نے نماز شروع کی لیکن اللہ کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا - یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا' اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ یعنی اللہ ہی ہے جو بے قراری کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے بسی' بے کسی کو' سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھڑ سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ گھونپ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا - وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا - سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور بہ التجا کہنے لگا' اللہ کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا' میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں' بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے - میں نے اللہ کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لوٹا - رحمہ اللہ -

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست اٹھائی اور واپس لوٹے - ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک تھے' ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا' راستے میں اڑ گیا - اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی لیکن جانور نے قدم ہی نہ اٹھایا - آخر عاجز آ کر اس نے کہا' کیا بات ہے تو اڑ گیا - ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا - گھوڑے کو اللہ نے زبان دی' اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے' وہ اس میں سے چرا لیتا تھا' مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا - اللہ کے اس نیک بندے نے کہا' اب سے تجھے میں ہمیشہ اپنی گود میں ہی کھلایا کروں گا - جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا - حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو اپنی گود میں ہی کھلایا کرتے تھے - لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی - انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے ان کے پاس دور دور سے آنے لگے - شاہ روم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بلا لے - بہت کوششیں کی لیکن بے سود رہیں -

آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے بہانے سے انہیں بادشاہ تک پہنچا دے - یہ شخص پہلے مسلمان تھا - پھر مرتد ہو گیا تھا - یہ بادشاہ کے پاس سے یہاں آیا اور ان سے ملا - اپنا اسلام ظاہر کیا - توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہو گیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے اس سے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ لے کر پھرنے لگے - اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہر دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو - میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کر لوں گا - یہاں سے انہیں فریب دے کر لے چلا اور اس جگہ پہنچایا - دفعتاً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا - ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا' اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور دعا

کی کہ اے اللہ! اس شخص نے تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا ہے۔ تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچا لے۔ وہیں جنگل سے دو درندے دھاڑتے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ اللہ کا بندہ امن وامان سے وہاں سے صحیح وسالم واپس تشریف لے آیا' رحمہ اللہ۔

اپنی اس شان رحمت کو بیان فرما کر پھر جناب باری کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ وہی تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے۔ ایک ایک کے پیچھے آ رہا ہے اور مسلسل سلسلہ چلا جا رہا ہے۔ جیسے فرمان اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ الخ اگر وہ چاہے تو تم سب کو تو یہاں سے فناہ کر دے اور کسی اور ہی کو تمہارا جانشین بنا دے جیسے کہ خود تمہیں دوسروں کا خلیفہ بنا دیا ہے۔ اور آیت میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ الخ اس اللہ نے تمہیں زمینوں کا جانشین بنایا ہے اور تم میں سے ایک کو ایک پر درجوں میں بڑھا دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی جو خلیفہ کہا گیا ہے' وہ اسی اعتبار سے کہ ان کی اولاد ایک دوسرے کی جانشین ہوگی۔ جیسے کہ آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ کی تفسیر میں تفصیل وار بیان گذر چکا ہے۔ اس آیت کے اس جملے سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک کے بعد ایک' ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ' ایک قوم کے بعد دوسری قوم۔ پس یہ اللہ کی قدرت ہے۔ اس نے یہ کیا کہ ایک مرے' ایک پیدا ہو۔

حضرت آدم کو پیدا کیا۔ ان سے ان کی نسل پھیلائی اور دنیا میں ایک ایسا طریقہ رکھا کہ دنیا والوں کی روزیاں اور ان کی زندگیاں تنگ نہ ہوں ورنہ سارے انسان ایک ساتھ شاید زمین میں بہت تنگی سے گزارہ کرتے اور ایک سے ایک کو نقصانات پہنچتے۔ پس موجودہ نظام الٰہی اس کی حکمت کا ثبوت ہے۔ سب کی پیدائش کا' موت کا' آنے جانے کا وقت اس کے نزدیک مقرر ہے۔ ایک ایک اس کے علم میں ہے' اس کی نگاہ سے کوئی اوجھل نہیں۔ وہ ایک دن ایسا بھی لانے والا ہے کہ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے اور ان کے فیصلے کرے' نیکی بدی کا بدلہ دے۔ ان اپنی قدرتوں کو بیان فرما کر فرماتا ہے' کوئی ہے جو ان کاموں کو کر سکتا ہو؟ اور جب نہیں کر سکتا تو عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسی صاف دلیلیں بھی بہت کم سوچی جاتی ہیں اور ان سے بھی نصیحت بہت کم لوگ حاصل کرتے ہیں۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ
بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾
اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ﴿۶۴﴾

کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ جنہیں یہ شریک کرتے ہیں۔ ان سب سے اللہ تعالیٰ بلند وبالاتر ہے ○ کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے' پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ کہہ دے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ ○

ستاروں کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۶۳-۶۴) آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں کہ خشکی اور تری میں جو راہ بھول جائے وہ انہیں دیکھ کر راہ راست اختیار کر لے۔ جیسے فرمایا کہ ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں' سمندروں میں اور خشکی میں انہیں دیکھ کر اپنا راستہ ٹھیک

کر لیتے ہیں، بادل پانی بھرے برسیں، اس سے پہلے ٹھنڈی اور بھینی ہوائیں وہ چلاتا ہے- جس سے لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اب رب کی رحمت برسے گی- اللہ کے سوا ان کاموں کا کرنے والا کوئی نہیں نہ کوئی ان پر قادر ہے- تمام شریکوں سے وہ الگ ہے، پاک ہے، سب سے بلند ہے-

قدرت کاملہ کا ثبوت: ☆☆ فرمان ہے کہ اللہ وہ ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے مخلوقات کو بے نمونہ پیدا کر رہا ہے- پھر انہیں فناہ کر کے دوبارہ پیدا کرے گا- جب تم اسے پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر مان رہے ہو تو دوبارہ کی پیدائش جو اس کے لئے بہت آسان ہے، اس پر قادر کیوں نہیں مانتے؟ آسمان سے بارش برسانا، زمین سے اناج اگانا اور تمہاری روزی کا سامان آسمان اور زمین سے پیدا کرنا اسی کا کام ہے جیسے سورۂ طارق میں فرمایا، پانی والے آسمان کی اور پھوٹنے والی زمین کی قسم-

اور آیت میں ہے يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ الخ یعنی اللہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں سما جائے اور جو اس سے باہر اگ آئے- اور جو آسمان سے اترے اور جو اس پر چڑھے- پس آسمان سے مینہ برسانے والا، اسے زمین میں ادھر ادھر تک پہنچانے والا اور اس کی وجہ سے طرح طرح کے پھل، پھول، اناج، گھاس، پات، اگانے والا وہی ہے جو تمہاری اور تمہارے جانوروں کی روزیاں ہیں- یقیناً یہ تمام قسم کی چیزیں ایک صاحب عقل کے لئے اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں- اپنی ان قدرتوں کو اور اپنے ان گراں بہا احسانوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ اللہ کے ساتھ ان کاموں کا کرنے والا کوئی اور بھی ہے جس کی عبادت کی جائے؟ اگر تم اللہ کے سوا دوسروں کو معبود ماننے کے دعوے کو دلیل سے ثابت کر سکتے ہو تو وہ دلیل پیش کرو؟ لیکن چونکہ وہ محض بے دلیل ہیں، اس لیے دوسری آیت میں فرمادیا کہ اللہ کے ساتھ جو دوسرے کو بھی پوجے جس کی دلیل بھی اس کے پاس نہ ہو، وہ یقیناً کافر ہے اور نجات سے محروم ہے-

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۸

کہہ دے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے کوئی بھی سوائے اللہ کے غیب کو نہیں جانتا اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھا کھڑے کئے جائیں گے؟ ○ بلکہ آخرت بارے میں ان کے علم ختم ہو چکے ہیں بلکہ یہ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے ہیں ○

اللہ کے سوا کوئی غیب داں نہیں: ☆☆ (آیت: ۶۵-۶۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کو معلوم کرا دیں کہ ساری مخلوق آسمان کی ہو یا زمین کی، غیب کے علم سے خالی ہے- بجز اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے کوئی اور غیب کا جاننے والا نہیں- یہاں استثناء منقطع ہے یعنی سوائے اللہ کے کوئی انسان، جن، فرشتہ غیب داں نہیں- جیسے فرمان ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ یعنی غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- اور فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی مادہ کے پیٹ کے بچے سے واقف ہے- کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا نہ کسی کو یہ خبر کہ وہ کہاں مرے گا؟ علیم وخبیر صرف اللہ ہی ہے- اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں- مخلوق تو یہ بھی نہیں جانتی کہ قیامت کب آئے گی- آسمان اور زمینوں کے رہنے والوں میں سے ایک بھی واقف نہیں کہ قیامت کا وقت کون سا ہے؟ جیسے فرمان ہے ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ سب پر یہ علم مشکل ہے اور بوجھل ہے- وہ تو اچانک آ جائے گی-

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ جو کہے کہ حضورؐ کل کی بات جانتے تھے' اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔ آسمان کی زینت' بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مار۔ کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور خود ساختہ تکلیف اور اپنی عاقبت کے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے' یوں ہوگا' فلاں ستارے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے' فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا' وہ ایسا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ہر ستارے کے وقت کوئی کالا' گورا' ٹھگنا' لمبا' خوبصورت' بدشکل' پیدا ہوتا ہی رہتا ہے۔ نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پرندے سے غیب حاصل ہو سکے' نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سنو' اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اٹھنے کا وقت بھی نہیں معلوم ہے (ابن ابی حاتم) سبحان اللہ حضرت قتادہؒ کا یہ قول کتنا صحیح' کس قدر مفید اور معلومات سے پر ہے۔

پھر فرماتا ہے' بات یہ ہے کہ ان کے علوم آخرت کے وقت کے جاننے سے قاصر ہیں۔ عاجز ہو گئے ہیں۔ ایک قرأت میں بَلِ ادّٰرَكَ ہے یعنی سب کے علم آخرت کا صحیح وقت نہ جاننے میں برابر ہیں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ میرا اور تیرا دونوں کا علم اس کے جواب سے عاجز ہے۔ پس یہاں بھی فرمایا کہ آخرت سے ان کے علم غائب ہیں۔ چونکہ کفار اپنے رب سے جاہل ہیں اس لیے یہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ وہاں تک ان کے علم پہنچتے ہی نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آخرت میں ان کو علم حاصل ہوگا لیکن بے سود ہے۔ جیسے اور جگہ ہے' جس دن یہ ہمارے پاس پہنچیں گے' بڑے ہی دانا و بینا ہو جائیں گے۔ لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ بلکہ یہ تو شک ہی میں ہیں' اس سے مراد کافر ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا الخ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے صف بستہ پیش کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' ہم نے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' اب ہم تمہیں دوبارہ لے آئے ہیں لیکن تم تو یہی سمجھتے رہے کہ قیامت کوئی چیز ہی نہیں۔ مراد یہ ہے کہ تم میں سے کافر یہ سمجھتے رہے۔ پس مندرجہ بالا آیت میں بھی گو ضمیر جنس کی طرف لوٹتی ہے لیکن مراد کفار ہی ہیں اسی لیے آخر میں فرمایا کہ یہ تو اس سے اندھاپے میں ہیں' نابینا ہو رہے ہیں' آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝٦٧
لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٦٨ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝٦٩ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ
مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝٧٠

کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی۔ کیا ہم پھر نکالے جائیں گے؟ ○ ہم اور ہمارے باپ دادوں کو بہت پہلے سے یہ وعدے

دیئے جاتے رہے- کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں ○ کہہ دے کہ زمین میں چل پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ گنہگاروں کا کیسا انجام ہوا؟ ○ تو ان کے بارے میں غم نہ کر اور ان کے داؤ گھات سے تنگ دل نہ ہو ○

حیات ثانی کے منکر: ☆☆ (آیت:۶۷-۷۰) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ منکرین قیامت کی سمجھ میں اب تک بھی نہیں آیا کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد' مٹی اور راکھ ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے پیدا کئے جائیں گے؟ وہ اس پر سخت متعجب ہیں- کہتے ہیں کہ مدتوں سے اگلے زمانوں سے یہ سنتے تو چلے آتے ہیں لیکن ہم نے تو کسی کو مرنے کے بعد جیتا ہوا دیکھا نہیں- سنی سنائی باتیں ہیں' انہوں نے اپنے اگلوں سے' انہوں نے اپنے سے پہلے والوں سے سنیں- ہم تک پہنچیں لیکن سب عقل سے دور ہیں-

اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو جواب بتاتا ہے کہ ان سے کہو' ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ رسولوں کو جھوٹا جاننے والوں اور قیامت کو نہ ماننے والوں کا کیسا دردناک' حسرت ناک انجام ہوا؟ ہلاک اور تباہ ہو گئے اور نبیوں اور ایمان والوں کو اللہ نے بچا لیا- یہ نبیوں کی سچائی کی دلیل ہے- پھر اپنے نبیؐ کو تسلی دی کہ یہ تجھے اور میرے کلام کو جھٹلاتے ہیں لیکن تو ان پر افسوس اور رنج نہ کر- ان کے پیچھے اپنی جان کو روگ نہ لگا- یہ تیرے ساتھ جوروباہ بازیاں کر رہے ہیں اور جو چالیں چل رہے ہیں' ہمیں خوب علم ہے- تو بے فکر رہ- تجھے اور تیرے دین کو ہم اوج دینے والے ہیں- دنیا جہان پر تجھے ہم بلندی دیں گے-

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۷۱ قُلْ
عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۷۲
وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَشْكُرُوْنَ ۝۷۳ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ۝۷۴ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۵

کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے- اگر سچے ہو تو بتلا دو ○ جواب دے کہ شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی مچا رہے ہو' تم سے بہت ہی قریب ہو گئی ہوں ○ یقیناً تیرا پروردگار تمام لوگوں پر بڑے ہی فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ○ بے شک تیرا رب ان سب چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے دل چھپا رہے ہیں اور جنہیں ظاہر کر رہے ہیں ○ آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو ○

قیامت کے منکر: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۵) مشرک چونکہ قیامت کے آنے کے قائل تھے ہی نہیں' جرأت سے اسے جلدی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ کب آئے گی- جناب باری کی طرف سے بواسطہ رسول ﷺ جواب مل رہا ہے کہ ممکن ہے وہ بالکل ہی قریب آ گئی ہو- جیسے اور آیت میں ہے عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا اور جگہ ہے' یہ عذابوں کو جلدی طلب کر رہے ہیں اور جہنم تو کافروں کو گھیرے ہوئے ہے- لکم کا لام ردف کے' عجل کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے- جیسے کہ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے- پھر فرمایا کہ اللہ کے تو انسانوں پر بہت ہی فضل و کرم ہیں' اس کی بے شمار نعمتیں ان کے پاس ہیں تاہم ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں- جس طرح تمام ظاہر

امور اس پر آشکار ہیں، اسی طرح تمام باطنی امور بھی اس پر ظاہر ہیں۔ جیسے فرمایا سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ الخ اور آیت میں ہے یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى اور آیت میں ہے اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ الخ مطلب یہی ہے کہ ہر ظاہر و باطن کا وہ عالم ہے۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ ہر غائب و حاضر کا اسے علم ہے۔ وہ علام الغیوب ہے۔ آسمان و زمین کی تمام چیزیں خواہ تم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، اللہ کے ہاں کھلی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کا اللہ عالم ہے۔ سب کچھ کتاب میں موجود ہے۔ اللہ پر یہ سب کچھ آسان ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ
هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ
رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى
وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ
بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان اکثر چیزوں کا فیصلہ کر رہا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں ○ اور یہ قرآن ایمان والوں کے لئے یقیناً ہدایت و رحمت ہے ○ تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے سب فیصلے کر دے گا، وہ بڑا ہی غالب اور دانا ہے ○ پس تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھ یقیناً تو سچے اور کھلے دین پر ہے ○ بے شک تو نہ مردوں کو سنا سکتا ہے اور نہ ان بہروں کو اپنی پکار سنا سکتا ہے جب کہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے ہوں ○ اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے رہنمائی کر سکتا ہے، تو صرف انہیں سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر وہ فرمانبرداری کرنے والے ہو جاتے ہیں ○

حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا: ☆☆ (آیت: ۷۶-۸۱) قرآن پاک کی ہدایت بیان ہو رہی ہے کہ اس میں جہاں رحمت ہے، وہاں فرقان بھی ہے اور بنی اسرائیل یعنی حاملان تورات و انجیل کے اختلافات کا فیصلہ بھی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہودیوں نے منہ پھٹ بات اور نری تہمت رکھ دی تھی اور عیسائیوں نے انہیں ان کی حد سے آگے بڑھا دیا تھا۔ قرآن نے فیصلہ کیا اور افراط و تفریط کو چھوڑ کر حق بات بتا دی کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؑ ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی والدہ نہایت پاکدامن ہیں۔ صحیح اور بالکل بے شک وشبہ بات یہی ہے۔ اور یہ قرآن مومنوں کے دل کی ہدایت ہے۔ اور ان کے لیے سراسر رحمت ہے۔ قیامت کے دن اللہ ان کے فیصلے کرے گا جو بدلہ لینے میں غالب ہے اور بندہ کے اقوال و افعال کا عالم ہے۔ تجھے اسی پر کامل بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ان پر تیرے رب کی بات صادق آ چکی ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ گو تو انہیں تمام معجزے دکھا دے۔ تو مردوں کو نفع دینے والی سماعت نہیں دے سکتا۔

اسی طرح یہ کفار ہیں کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں، ان کے کانوں میں بوجھ ہیں۔ یہ بھی قبولیت کا سننا نہیں سنیں گے۔ اور نہ تو بہروں

کو اپنی آواز سنا سکتا ہے جب کہ وہ پیٹھ موڑے منہ پھیرے جا رہے ہوں۔ اور تو اندھوں کو ان کی گمراہی میں رہنمائی بھی نہیں کر سکتا۔ تو صرف انہیں کو سنا سکتا ہے یعنی قبول صرف وہی کریں گے جو کان لگا کر سنیں اور دل لگا کر سمجھیں، ساتھ ہی ایمان و اسلام بھی ان میں ہو۔ رسولؐ کے ماننے والے ہوں، دین اللہ کے قائل و حامل ہوں۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ
تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱٦

جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا تو ہم زمین سے ان کے لئے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہوگا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے ○

دابتہ الارض: ☆☆ (آیت:۸۲) جس جانور کا یہاں ذکر ہے، یہ لوگوں کے بالکل بگڑ جانے اور دین حق کو چھوڑ بیٹھنے کے وقت آخر زمانے میں ظاہر ہوگا۔ جب کہ لوگوں نے دین حق کو بدل دیا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں، یہ مکہ شریف سے نکلے گا، بعض کہتے ہیں اور کسی جگہ سے جس کی تفصیل ابھی آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ وہ بولے گا، باتیں کرے گا اور کہے گا کہ لوگ اللہ کی آیتوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔ ابن جریرؒ اسی کو مختار کہتے ہیں لیکن اس قول میں نظر ہے، واللہ اعلم۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ وہ انہیں زخمی کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ یہ اور یہ دونوں کرے گا۔ یہ قول بہت اچھا ہے اور دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، واللہ اعلم۔

وہ احادیث و آثار جو دابتہ الارض کے بارے میں مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں واللہ المستعان۔

صحابہ کرامؓ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عرفات سے آئے۔ ہمیں ذکر میں مشغول دیکھ کر فرمانے لگے کہ قیامت قائم نہ ہوگی کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، دھواں، دابتہ الارض، یاجوج ماجوج کا نکلنا، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ظہور اور دجال کا نکلنا اور مغرب، مشرق اور جزیرہ عرب میں تین خسف ہونا اور ایک آگ کا عدن سے نکلنا جو لوگوں کا حشر کرے گی۔ انہی کے ساتھ رات گزارے گی اور انہی کے ساتھ دوپہر کا سونا سوئے گی۔ (مسلم وغیرہ)

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ دابتہ الارض تین مرتبہ نکلے گا، دور دراز کے جنگل سے ظاہر ہوگا اور اس کا ذکر شہر یعنی مکہ تک نہ پہنچے گا۔ پھر ایک لمبے زمانے کے بعد دوبارہ ظاہر ہوگا اور لوگوں کی زبانوں پر اس کا قصہ چڑھ جائے گا اور اس کا ذکر شہر یعنی مکہ تک نہ پہنچے گا پھر ایک لمبے زمانے کے بعد دوبارہ ظاہر ہوگا اور لوگوں کی زبانوں پر اس کا قصہ چڑھ جائے گا یہاں تک کہ مکہ میں بھی اس کی شہرت پہنچے گی۔ پھر جب لوگ اللہ کی سب سے زیادہ حرمت و عظمت والی مسجد حرام میں ہوں گے، اسی وقت اچانک دفعتاً دابتہ الارض انہیں وہیں دکھائی دے گا کہ رکن و مقام کے درمیان اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہوگا۔ لوگ اسے دیکھ کر ادھر ادھر ہونے لگیں گے۔ یہ مومنوں کی جماعت کے پاس جائے گا اور ان کے منہ کو مثل روشن ستارے کے منور کر دے گا۔ اس سے بھاگ کر نہ کوئی بچ سکتا ہے نہ چھپ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نماز شروع کر کے اس سے پناہ چاہے گا، یہ اس کے پیچھے سے آ کر کہے گا کہ اب نماز کو کھڑا ہوا ہے؟ پھر اس کی پیشانی پر نشان کر دے گا اور چلا جائے گا۔ اس کے ان نشانات کے بعد کافر، مومن کا صاف طور پر امتیاز ہو جائے گا یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا کہ اے کافر! میرا حق ادا کر۔ اور کافر مومن سے کہے گا اے مومن! میرا حق دے۔ یہ روایت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زمانے میں ہوگا جب کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دابتہ الارض کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا' اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' آپؐ نے فرمایا' چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کر لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دھویں کا آنا' دجال کا آنا' دابتہ الارض کا آنا' تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے' آپؐ فرماتے ہیں' دابتہ الارض کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے' مروی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔ ابن ماجہ میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ لے کر مکہ کے پاس کے ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے ارد گرد ریت ہے۔ فرمانے لگے یہیں سے دابتہ الارض نکلے گا۔ ابن بریدہؓ کہتے ہیں' اس کے کئی سال بعد میں حج کے لیے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس کے چار پیر ہوں گے' صفا کی کھڈ میں سے نکلے گا۔ اس قدر تیزی سے خروج کرے گا کہ جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو لیکن تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب اس کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا۔ میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چٹان دکھا دیتا۔ یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس شور سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی۔ پھر شام کی طرف جائے گا' وہاں بھی چیخ لگا کر پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا' یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا' پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ مزدلفہ کی رات کو نکلے گا۔ حضرت عزیرؑ کے ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا۔ اس کے کلام کو سب سنیں گے' حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے' میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا' دوست دشمن بن جائیں گے' حکمت جل جائے گی' علم اٹھ جائے گا' نیچے کی زمین باتیں کرے گی۔ انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں' ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہو۔ اس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لیے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح ہوگا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں' اس کے بال ہوں گے' کھر ہوں گے' داڑھی ہوگی' دم نہ ہوگی۔ تین دن میں بمشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابوزبیرؒ کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا' آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی۔ کان ہاتھی جیسے ہوں گے' سینگ کی جگہ اونٹ کی طرح ہوگی' شتر مرغ جیسی گردن ہوگی' شیر جیسا سینہ ہوگا' چیتے جیسا سینہ ہوگا' بلی جیسی کمر ہوگی' مینڈھے جیسی دم ہوگی' اونٹ جیسے پاؤں ہوں گے۔ ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ساتھ ہوگی' ہر مومن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشانی کر دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشانی لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت' کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مومن اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابتہ الارض ایک

ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنائے گا۔ یہی معنی ومطلب اس آیت کا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ۝۸۳ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا
بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸۴ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ
بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝۸۵ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا
الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۸۶

جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے گھیر گھار کر لائیں گے ○ پھر وہ سب کے سب الگ کر دیئے جائیں گے۔ جب سب کے سب آ پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری آیتوں کو باوجودیکہ تمہیں ان کا پورا علم نہ تھا' کیوں جھٹلایا اور یہ بھی بتلاؤ کہ تم کیا کچھ کرتے رہے؟ ○ بہ سبب اس کے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا' ان پر بات جم جائے گی اور وہ کچھ بول نہ سکیں گے ○ کیا وہ دیکھ نہیں رہے کہ ہم نے رات کو اس لئے بنایا ہے کہ وہ اس میں آرام حاصل کریں اور دن کو ہم نے دکھلا دینے والا بنایا ہے' یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان ویقین رکھتے ہیں ○

باز پرس کے لمحات: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۶) اللہ کی باتوں کو نہ ماننے والوں کا اللہ کے سامنے حشر ہوگا اور وہاں انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہوگی تا کہ ان کی ذلت وحقارت ہو۔ ہر قوم میں سے ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ الگ الگ پیش ہوں گے جیسے فرمان ہے اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ظالموں کو اور ان کے جوڑوں کو جمع کرو۔ اور جیسے فرمان ہے وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ جب کہ نفسوں کی جوڑیاں ملائی جائیں گی۔ یہ سب ایک دوسرے کو دھکے دیں گے۔ اول والے آخر والوں کو رد کریں گے۔ پھر سب کے سب جانوروں کی طرح ہنکا کر اللہ کے سامنے لائے جائیں گے۔ ان کے حاضر ہوتے ہی وہ منتقم حقیقی نہایت غصہ سے ان سے باز پرس کرے گا۔ یہ نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔ جیسے فرمایا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى یعنی نہ انہوں نے سچائی کی تھی' نہ نمازیں پڑھی تھیں بلکہ جھٹلایا تھا اور منہ موڑا تھا۔ پس ان پر حجت ثابت ہو جائے گی اور کوئی عذر نہ کر سکیں گے۔ جیسے فرمان ہے هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ یہ وہ دن ہے کہ بول نہ سکیں گے اور نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے اور نہ غیر معقول معذرت کی اجازت پائیں گے۔ پس ان کے ذمہ بات ثابت ہو جائے گی۔ ششدر وحیران رہ جائیں گے۔ اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ دنیا میں ظالم تھے۔ اب جس کے سامنے کھڑے ہوں گے' وہ عالم الغیب ہے۔ کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔

پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے اور اپنی بلندی شان بتاتا ہے اور اپنی عظیم الشان سلطنت دکھاتا ہے جو کھلی دلیل ہے' اس کی اطاعت کی فرضیت پر اور اس کے حکموں کے بجالانے اور ان کے منع کردہ کاموں سے رکے رہنے کی ضرورت پر۔ اور اس کے نبیوں کو سچا ماننے کی اصلیت پر۔ کہ اس نے رات کو پرسکون بنایا تا کہ تم اس میں آرام حاصل کر لو اور دن بھر کی تھکان دور کر لو اور دن کو روشن بنایا تا کہ تم اپنی معاش کی تلاش کر لو' سفر تجارت کاروبار با آسانی کر سکو۔ یہ تمام چیزیں ایک مومن کے لیے تو کافی سے زیادہ دلیل ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى
الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ
اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ
جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ
اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

جس دن صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا اٹھیں گے مگر جسے اللہ چاہے' اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے ○ تو پہاڑوں کو اپنی جگہ جمے ہوئے خیال کر رہا ہے لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے۔ یہ ہے صنعت اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے' جو کچھ تم کرتے ہو' اس سے وہ باخبر ہے ○ جو شخص نیک عمل لائے گا' اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا' اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے ○ اور جو برائی لے کر آئیں گے' وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے' صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے جو کچھ کرتے رہے ○

جب صور پھونکا جائے گا: ☆☆ (آیت: ۸۷-۹۰) اللہ تعالیٰ قیامت کی گھبراہٹ اور بے چینی کو بیان فرما رہا ہے۔ صور میں حضرت اسرافیل علیہ السلام بحکم الٰہی پھونک ماریں گے۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ ہوں گے۔ دیر تک نفخ پھونکتے رہیں گے جس سے سب پریشان حال ہو جائیں گے سوائے شہیدوں کے جو اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی؟ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے' سنو! اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی اہم باتیں دیکھو گے۔ بیت اللہ خراب ہو جائے گا اور یہ ہو گا وہ ہو گا وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دجال میری امت میں چالیس ٹھہرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائے گا۔ وہ صورت شکل میں بالکل حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ہوں گے۔ آپ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض و عداوت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مومن فوت ہو جائے گا۔ ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہو گا' اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہو گیا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فناہ کر دے گی۔ اب زمین پر صرف بد لوگ رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور چوپائیوں جیسے بے عقل ہوں گے۔ ان میں بھلائی برائی کی تمیز اٹھ جائے گی۔ ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا' تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے۔ اللہ انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش و خرم رکھے گا۔ یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا۔ جس کے کان میں آواز پڑی' وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگا۔ سب

سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا۔ سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا اور سب لوگ بے ہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ مثل شبنم کے بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اٹھنے لگیں گے۔ پھر دوبارہ نفخہ پھونکا جائے گا جس سے سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہیں آواز لگے گی کہ لوگو! اپنے رب کے پاس چلو۔ وہاں ٹھہرو۔ تم سے سوال و جواب ہوگا۔ پھر فرمایا جائے گا کہ آگ کا حصہ نکالو۔ پوچھا جائے گا کہ کتنوں میں سے کتنے؟ تو فرمایا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسوننانوے۔ یہ ہوگا وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے۔ یہ ہوگا وہ دن جب پنڈلی (تجلی رب) کی زیارت کرائی جائے گی۔ پہلا نفخ تو گھبراہٹ کا نفخ ہوگا' دوسرا بے ہوشی اور موت کا' تیسرا دوبارہ جی کر رب العالمین کے دربار میں پیش ہونے کا۔ اَتَوْہُ کی قراءت الف کی مد کے ساتھ بھی مروی ہے۔ ہر ایک ذلیل و خوار ہو کر' پست ولاچار ہو کر' بے بس اور مجبور ہو کر ماتحت اور محکوم ہو کر اللہ کے سامنے حاضر ہوگا۔ ایک سے بھی بن نہ پڑے گی کہ اس کی حکم عدولی کرے۔ جیسے فرمان ہے یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی فرمانبرداری کرو گے۔ اور آیت میں ہے کہ پھر جب وہ تمہیں زمین میں سے بلائے گا تو تم سب نکل کھڑے ہو گے۔

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اٹھ رہے ہوں گے' صور پھونک دیا جائے گا' روحیں اڑنے لگیں گی' مومنوں کی روحیں نورانی ہوں گی' کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہوں گی۔ رب العالمین خالق کل فرما دے گا کہ میرے جلال کی' میری عزت کی قسم ہے' ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ و پے میں سرایت کرتا ہے' اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جیسے فرمایا کہ اس دن قبروں سے اس طرح جلدی نکلیں گے جس طرح اپنی عبادت گاہ کی طرف دوڑے بھاگے جاتے تھے۔ یہ بلند پہاڑ جنہیں تم گڑا ہوا اور جما ہوا دیکھ رہے ہو' یہ اس دن اڑتے بادلوں کی طرح ادھر ادھر پھیلے ہوئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ریزہ ریزہ ہو کر یہ چلنے پھرنے لگیں گے اور آخر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام و نشان ہو جائیں گے' زمین صاف ہتھیلی جیسی بغیر کسی اونچ نیچ کے ہو جائے گی۔ یہ ہے صفت اس صناع کی جس کی ہر صنعت حکمت والی' مضبوط' پختہ اور اعلیٰ ہے۔ جس کی اعلیٰ تر قدرت انسانی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ بندوں کے تمام اعمال خیر و شر سے واقف ہے' ہر ایک فعل کی سزا' جزا وہ ضرور دے گا۔ اس اختصار کے بعد تفصیل بیان فرمائی کہ نیکی' اخلاص' توحید لے کر جو آئے گا' وہ ایک کے بدلے دس پائے گا۔ اور اس دن کی گھبراہٹ سے نڈر رہے گا اور لوگ گھبراہٹ میں' عذاب میں ہوں گے۔ یہ امن میں ثواب میں ہوگا۔ بلند و بالا بالاخانوں میں راحت و اطمینان سے ہوگا۔ اور جس کی برائیاں ہی برائیاں ہوں یا جس کی برائیاں بھلائیوں سے زیادہ ہوں' اسے ان کا بدلہ ملے گا۔ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی۔ اکثر مفسرین سے مروی ہے کہ برائی سے مراد شرک ہے۔

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا
وَلَهٗ كُلُّ شَىْءٍ وَّأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾
وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ
ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ
اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۷ ۱۱

مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے۔ جس کی ملکیت ہر چیز پر ہے اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہو جاؤں ○ اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں۔ جو راہ راست پر آ جائے وہ اپنے نفع کے لئے راہ راست پر آئے گا' اور جو بہک جائے تو تو کہہ دے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں ○ کہہ دے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں' وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم خود پہچان لو گے' جو کچھ تم کرتے ہو اس سے تیرا رب غافل نہیں ○

اللہ تعالیٰ کا حکم اعلان: ☆☆ (آیت: ۹۱-۹۳) اللہ تعالیٰ اپنے نبی محترم ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ میں اس شہر مکہ کے رب کی عبادت کا اور اس کی فرمانبرداری کا مامور ہوں۔ جیسے ارشاد ہے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو ہوا کرے میں تو جن کی تم عبادت کر رہے ہو' ان کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا۔ میں اسی اللہ کا عابد ہوں جو تمہاری موت زندگی کا مالک ہے۔ یہاں مکہ شریف کی طرف ربوبیت کی اضافت صرف بزرگی اور شرافت کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے فرمایا فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الخ انہیں چاہئے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں اوروں کی بھوک کے وقت آسودہ اور اوروں کے خوف کے وقت بے خوف کر رکھا ہے۔ یہاں فرمایا کہ اس شہر کو حرمت و عزت والا اس نے بنایا ہے۔ جیسے بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا کہ یہ شہر اسی وقت سے باحرمت ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ کی حرمت دینے سے حرمت والا ہی رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔ نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں' نہ اس کا شکار خوف زدہ کیا جائے' نہ اس میں گری پڑی چیز کسی کی اٹھائی جائے ہاں جو پہچان کر مالک کو پہنچانا چاہے' اس کے لئے جائز ہے۔ اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔ یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے جیسے کہ احکام کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے' وللہ الحمد۔

پھر اس خاص چیز کی ملکیت ثابت کر کے اپنی عام ملکیت کا ذکر فرماتا ہے کہ ہر چیز کا رب اور مالک وہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی مالک نہ معبود۔ اور مجھے یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں موحد' مخلص' مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہوں۔ اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کا کلام پڑھ کر سناؤں۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم یہ آیتیں اور یہ حکمت والا ذکر تیرے سامنے تلاوت کرتے ہیں۔ اور آیت میں ہے' ہم تجھے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ سناتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کا مبلغ ہوں' میں تمہیں جگا رہا ہوں' تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ اگر میری مان کر راہ راست پر آ ؤ گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے اور اگر میری نہ مانی تو میں تو اپنے تبلیغ کے فرض کو ادا کر کے سبکدوش ہو گیا ہوں۔ اگلے رسولوں نے بھی یہی کیا تھا۔ اللہ کا کلام پہنچا کر اپنا دامن پاک کر لیا۔ جیسے فرمان ہے' تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے' حساب ہمارے ذمہ ہے۔ اور فرمایا' تو صرف ڈرا دینے والا ہے اور ہر چیز پر وکیل اللہ ہی ہے۔ اللہ کے لئے تعریف ہے جو بندوں کی بے خبری میں انہیں عذاب نہیں کرتا بلکہ پہلے اپنا پیغام پہنچاتا ہے' اپنی حجت تمام کرتا ہے' بھلا برا سمجھا دیتا ہے۔ ہم تمہیں ایسی آیتیں دکھائیں گے کہ تم خود قائل ہو جاؤ۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا الخ یعنی ہم انہیں خود ان کے نفسوں میں اور ان کے اردگرد ایسی نشانیاں دکھائیں گے کہ جن سے ان پر حق ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوت سے غافل نہیں بلکہ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے' دیکھو لوگو! اللہ کو کسی چیز سے' اپنے کسی عمل سے غافل نہ جاننا۔ وہ ایک ایک مچھر سے' ایک ایک پتنگے سے اور ایک ایک ذرے سے باخبر ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ اگر وہ غافل ہوتا تو انسان کے قدموں کے نشان سے جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے' غفلت کر جاتا لیکن وہ ان نشانات کا بھی حافظ اور عالم ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہا کرتے تھے جو یا تو آپ کے ہیں یا کسی اور کے۔

اذا ما خلوت الدهر يوما فلا تقل خلوت ولكن قل علی رقيب

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی میں ہو تو اپنے آپ کو تنہا اور اکیلا نہ سمجھنا بلکہ اپنے اللہ کو وہاں حاضر ناظر جاننا۔ وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں، نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اس کے علم سے باہر ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے سورۂ نمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة القصص

(تفسیر سورۂ القصص) مسند احمد میں حضرت معدی کربؒ سے مروی ہے کہ ہم حضرت عبداللہؓ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہمیں سورۂ طسم سو آیتوں والی پڑھ کر سنائیں تو آپ نے فرمایا، مجھے تو یاد نہیں، تم حضرت خباب بن ارتؓ سے جا کر سنو جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے۔ چنانچہ ہم آپ کے پاس گئے اور آپ نے ہمیں یہ مبارک سورت پڑھ کر سنائی، رضی اللہ عنہ وارضاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى
وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى
الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ
اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٤ وَ
نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ
اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝٥ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ
وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَحْذَرُوْنَ ۝٦

اللہ کے نام سے شروع جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی ○ ہم تیرے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ بیان فرماتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ○ یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان کے ایک فرقے کو کمزور کر رکھا تھا۔ ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، بے شک وشبہ وہ تھا ہی مفسدوں میں سے ○ پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا۔ ہم نے انہیں ان کے وارث بنانے کا ارادہ کر لیا ○ اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت واختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور لشکروں کو وہ دکھا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے ○

(آیت: ۱-۳) حروف مقطعہ کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ یہ آیتیں ہیں واضح جلی روشن صاف اور کھلے قرآن کی۔ تمام کاموں کی اصلیت سب گذشتہ اور آئندہ کی خبریں اس میں ہیں اور سب سچی اور کھلی۔ ہم تیرے سامنے موسیٰ اور فرعون کا سچا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے، ہم تیرے سامنے بہترین واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس طرح کہ گویا تو اس کے ہونے کے وقت وہیں موجود تھا۔ فرعون ایک

متکبر' سرکش اور بد دماغ انسان تھا۔ اس نے لوگوں پر بری طرح قبضہ جما رکھا تھا اور انہیں آپس میں لڑوا لڑوا کر ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈلوا کر انہیں کمزور کر کے خود ان پر جبر و تعدی کے ساتھ سلطنت کر رہا تھا۔ خصوصاً بنی اسرائیل کو تو اس ظالم نے نیست و نابود کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا حالانکہ مذہبی اعتبار سے اس وقت یہ سب میں اچھے تھے۔ اس نے انہیں بری طرح ذلیل کر رکھا تھا' تمام کمینے کام ان سے لیا کرتا تھا اور دن رات یہ بے چارے بیگار میں گھسیٹے جاتے تھے۔ اس پر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ یہ ان کی نرینہ اولاد کو قتل کر ڈالتا تھا تاکہ یہ افرادی قوت سے محروم رہیں' قوت والے نہ ہو جائیں اور اس لئے بھی کہ یہ ذلیل و خوار رہیں اور اس لئے بھی کہ اسے ڈر تھا کہ ان میں سے ایک بچے کے ہاتھوں میری سلطنت تباہ ہونے والی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی بیوی صاحبہ حضرت سارہؑ کے جا رہے تھے اور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو لونڈی بنانے کے لئے آپ سے چھین لیا تھا جنہیں اللہ نے اس کافر سے محفوظ رکھا اور اسے آپ پر دست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی تو اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے بطور پیش گوئی فرمایا تھا کہ تیری اولاد میں سے ایک کی اولاد کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اس قوم سے جاتا رہے گا اور ان کا بادشاہ اس کے سامنے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ چونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت چلی آ رہی تھی اور ان کے درس میں ذکر ہوتا رہتا تھا جسے قبطی بھی سنتے تھے جو فرعون کی قوم کے تھے' انہوں نے دربار میں مخبری کی۔ جب سے فرعون نے یہ ظالمانہ اور سفاکانہ قانون بنا دیا کہ بنو اسرائیل کے بچے قتل کر دیئے جائیں اور ان کی بچیاں چھوڑ دی جائیں۔ لیکن رب کو جو منظور ہوتا ہے' وہ اپنے وقت پر ہو کر ہی رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ رہ گئے اور اللہ نے آپ کے ہاتھوں اس عادی سرکش کو ذلیل و خوار کیا' فالحمدللہ۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ
فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا
وَّحَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ﴿۸﴾
وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۗ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ
عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر' خوف یا رنج غم نہ کرنا۔ ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں ○ آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھا لیا کہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہو اور ان کے رنج کا باعث بنے' کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار ○ فرعون کی بیوی نے کہا' یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو' بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنا لیں۔ یہ لوگ کچھ شعور ہی نہ رکھتے تھے ○

بچوں کا قتل اور بنی اسرائیل: ☆☆ (آیت: ۷-۹) مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچے قتل ہو چکے تو قبطیوں کو اندیشہ ہوا کہ

اگر بنواسرائیل ختم ہو گئے تو جتنے ذلیل کام اور بے ہودہ خدمتیں حکومت ان سے لے رہی ہے' کہیں ہم سے نہ لینے لگیں- تو دربار میں میٹنگ ہوئی اور یہ رائے قرار پائی کہ ایک سال مار ڈالے جائیں اور دوسرے سال قتل نہ کئے جائیں- حضرت ہارون اس سال تولد ہوئے جس سال بچوں کو قتل نہ کیا جانا تھا لیکن حضرت موسیٰؑ اس سال پیدا ہوتے ہیں جس سال بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر تہہ تیغ ہو رہے تھے- عورتیں گشت کرتی رہتی تھیں اور حاملہ عورتوں کا خیال رکھتی تھیں- ان کے نام لکھ لئے جاتے تھے- وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتی تھیں- اگر لڑکی ہوئی ہے تو واپس چلی جاتی تھیں اور اگر لڑکا ہوتا تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھیں- یہ لوگ تیز چھرے لئے ہوئے اسی وقت آ جاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے ان کے بچوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب آپ کا حمل ٹھہرا تو عام حمل کی طرح وہ ظاہر نہ ہوا اور جو عورتیں اس تحقیق پر مامور تھیں اور جتنی دایائیں آتی تھیں کسی کو حمل کا پتہ ہی نہ چلا- یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تولد بھی ہو گئے- آپ کی والدہ کو اب سخت دہشت ہونے لگی اور ہر وقت خوفزدہ رہنے لگیں اور اپنے بچے سے محبت بھی اتنی تھی کہ کسی ماں کو اپنے بچے سے اتنی نہ ہوئی ہو گی- ایک ماں پر ہی کیا موقوف ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ایسا ہی بنایا تھا کہ جس کی نظر ان پر پڑ جاتی تھی' اس کے دل میں ان کی محبت بیٹھ جاتی تھی- جیسے جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ میں نے اپنی خصوصی محبت سے تمہیں نوازا- پس جب کہ والدہ موسیٰ ہر وقت کبیدہ خاطر' خوفزدہ اور رنجیدہ رہنے لگیں تو اللہ نے ان کے دل میں خیال ڈالا کہ اسے دودھ پلاتی رہے اور خوف کے موقعہ پر انہیں دریائے نیل میں بہا دے جس کے کنارے پر ہی آپ کا مکان تھا چنانچہ یہی کیا کہ ایک پیٹی کی وضع کا صندوق بنا لیا اس میں حضرت موسیٰ کو رکھ دیا- دودھ پلا دیا کرتیں اور اس میں سلا دیتیں- جہاں کوئی ایسا ڈراؤنا موقعہ آیا کہ اس صندوق کو دریا میں بہا دیتیں اور ایک ڈوری سے اسے باندھ رکھا تھا- خوف کے ٹل جانے کے بعد اسے کھینچ لیتیں-

ایک مرتبہ ایک ایسا شخص گھر میں آنے لگا جس سے آپ کی والدہ صاحبہ کو بہت دہشت ہوئی' دوڑ کر بچے کو صندوق میں لٹا کر دریا میں بہا دیا اور جلدی اور گھبراہٹ میں ڈوری باندھنی بھول گئیں- صندوق پانی کی موجوں کے ساتھ زور سے بہنے لگا اور فرعون کے محل کے پاس سے گزرا تو لونڈیوں نے اسے اٹھا لیا اور فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں- راستے میں انہوں نے اسے ڈر کے مارے کھولا نہ تھا کہ ایسا نہ ہو کوئی تہمت ان پر لگ جائے جب فرعون کی بیوی کے پاس اسے کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں ایک نہایت خوبصورت نورانی چہرے والا صحیح سالم بچہ لیٹا ہوا ہے جسے دیکھتے ہی ان کا دل مہر و محبت سے بھر گیا اور اس بچہ کی پیاری شکل دل میں گھر کر گئی- اس میں بھی رب کی مصلحت تھی کہ فرعون کی بیوی کو راہ راست دکھائے اور فرعون کے سامنے اس کا ڈر لائے اور اسے اور اس کے غرور کو ڈھائے' تو فرماتا ہے کہ آل فرعون نے اس صندوقچہ کو اٹھا لیا اور انجام کار وہ ان کی دشمنی اور ان کے رنج و ملال کا باعث ہوا- محمد بن اسحاق وغیرہ فرماتے ہیں لِيَكُوْنَ کا لام' لام عاقبت ہے- لام تعلیل نہیں- اس لئے کہ ان کا ارادہ یہ نہ تھا بظاہر یہ ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے لیکن معنی کو دیکھتے ہوئے لام کو لام تعلیل سمجھنے میں بھی کوئی حرج نظر نہیں آتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس صندوقچے کا اٹھانے والا اس لئے ہی بنایا تھا کہ اللہ اسے ان کے لئے دشمن بنا دے اور ان کے رنج و غم کا باعث بنائے بلکہ اس میں ایک لطف یہ بھی ہے کہ جس سے وہ بچنا چاہتے تھے' وہ ان کے سر چڑھ گیا- اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا گیا کہ فرعون' ہامان اور ان کے ساتھی خطاکار تھے- روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے قدریہ کو جو لوگ کہ تقدیر کے منکر ہیں' ایک خط میں لکھا کہ موسیٰ کے سابق علم میں فرعون کے دشمن اور اس کے لئے باعث رنج و غم تھے جیسے قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے لیکن تم کہتے ہو کہ اگر فرعون چاہتا تو موسیٰ اس کے مددگار اور دوست ہوتے-

پھر فرماتا ہے کہ اس بچے کو دیکھتے ہی فرعون بد کا کہ ایسا نہ ہو کسی اسرائیلی عورت نے اسے پھینک دیا ہو اور کہیں یہ وہی نہ ہو جس کے قتل کرنے کے لئے میں ہزاروں بچوں کو فنا کر چکا ہوں۔ یہ سوچ کر اس نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی سفارش کی۔ فرعون کو اس کے ارادے سے روکا اور کہا اسے قتل نہ کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو مگر فرعون نے جواب دیا کہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو لیکن مجھے تو آنکھوں کی ٹھنڈک کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی شان دیکھئے۔ یہی ہوا حضرت آسیہؓ کو اللہ نے اپنا دین نصیب فرمایا اور حضرت موسیٰ کی وجہ سے انہوں نے ہدایت پائی اور اس متکبر کو اللہ نے اپنے نبی کے ہاتھوں ہلاک کیا۔ نسائی وغیرہ کے حوالے سے سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں حدیث فتون میں یہ قصہ پورا بیان ہو چکا ہے۔

حضرت آسیہؓ فرماتی ہیں' شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے۔ ان کی امید اللہ نے پوری کی۔ دنیا میں حضرت موسیٰ ان کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور آخرت میں جنت میں جانے کا۔ اور کہتی ہیں' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسے اپنا بچہ بنا لیں۔ انہیں کوئی اولاد نہ تھی تو چاہا کہ حضرت موسیٰ کو متبنیٰ بنا لیں۔ ان میں سے کسی کو شعور نہ تھا کہ قدرت کس طرح پوشیدہ پوشیدہ اپنا ارادہ پورا کر رہی ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ
لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰
وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ
اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲
فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ
اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا' قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو ڈھارس نہ دیتے۔ یہ اس لئے کہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے ○ موسیٰ کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔ تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا ○ ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ یہ کہنے لگیں کہ کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس بچہ کو تمہارے لئے پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ ○ پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزردہ خاطر نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۳) موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوقچہ میں ڈال کر فرعونیوں کے خوف کی وجہ سے دریا میں بہا دیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا' صبر و سکون جاتا رہا' دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کر دی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کر دیتیں۔ لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن اللہ نے ان کا دل ٹھہرا دیا'

ڈھارس اور تسکین دے دی اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تیرا بچہ تجھے ضرور مل جائے گا - والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھ دار تھیں، فرما دیا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ - یہ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا - تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ ان کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ ساتھ جا رہی ہیں - فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں سے اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا - پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے - وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایہ تھیں، سب کو بچہ دیا گیا - ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم الٰہی حضرت موسیٰ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا - آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھ باہر بھیجا کہ باہر کسی دایہ کو تلاش کرو اور جس کا دودھ یہ پئے، اسے لے آؤ - چونکہ رب العالمین کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ پئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں - لونڈیاں جب آپ کو لے کر باہر نکلیں تو آپ کی بہن صاحبہ نے پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ انہیں خود کوئی پتہ چل سکا - آپ کی والدہ گو پہلے تو بہت پریشان تھیں لیکن اس کے بعد اللہ نے انہیں صبر و سکون دے دیا تھا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں - بہن نے انہیں کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا، یہ بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا، ہم اس کے لئے کسی اور دایہ کی تلاش میں ہیں - یہ سن کر ہمشیرہ کلیمؑ اللہ نے فرمایا، اگر تم کہو تو میں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے - وہ اسے پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں - یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت سے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے - اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا، سبحان اللہ - کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو - انعام و اکرام کی خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا، یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے، اسے چھوڑ دیا اور کہا، اچھا چل اس کا مکان دکھا - یہ انہیں لے کر اپنے گھر آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، انہیں دیجئے - سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ ان کا دودھ پینے لگا - فوراً یہ خبر حضرت آسیہؓ کو دی گئی - اسے سن کر آپ بہت خوش ہوئیں - انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں - فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا، وہ ان سے بہت خوش ہوئیں - کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا - آخر کار ایک روز حضرت آسیہؓ نے فرمایا، میری خوشی ہے کہ تم محل میں ہی آ جاؤ - یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو - ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا میں بال بچوں والی ہوں، میرے میاں بھی ہیں، میں انہیں اپنے گھر دودھ پلا دیا کروں گی - پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کروں گی - یہی طے ہوا اور اسی پر فرعون کی بیوی بھی رضامند ہو گئیں - ام موسیٰ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے، دولت و عزت میں بدل گئی - روزانہ انعام و اکرام پاتیں - کھانا، کپڑا، شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں - ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک دن رات کے بعد اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا - حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنا کام دھندا کرے اور اس میں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے، اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے - اللہ کی ذات پاک ہے - اسی کے ہاتھ میں تمام کام ہیں، اسی کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے، ہرگز نہیں ہوتا - یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرے - اس کی فرماں برداری کرنے والے کا دستگیر وہی ہے - وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کی تنگی کو

فراخی سے بدلتا ہے- اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے- فسبحانہ مااعظم شانہ-

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے- اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے' اب آپ کی والدہ اطمینان سے آپ کی پرورش میں مشغول ہوگئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہئے- ہاں رب کی حکمتیں بے علموں کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں- وہ اللہ کے احکام کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے- ظاہری نفع نقصان کے پابند رہتے ہیں- اور دنیا پر ریجھے ہوئے ہوتے ہیں- انہیں یہ نہیں سوجھتا کہ ممکن ہے جسے وہ برا سمجھ رہے ہیں' اچھا ہو اور بہت ممکن ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں' وہ برا ہو یعنی ایک کام برا جانتے ہوں مگر کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھے ہیں-

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴ وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا
فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا
مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ
عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ
نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶
قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۷

جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے' ہم نے انہیں حکمت وعلم عطا فرمایا' نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ○ موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جب کہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے- یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا- یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے' اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا' اس سے فریاد کی جس پر موسیٰ نے اس کے مکا مارا جس سے وہ مر گیا- موسیٰ کہنے لگے' یہ تو شیطانی کام ہے' یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور سے بہکانے والا ہے ○ پھر دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے- اللہ نے اسے بخش دیا وہ بخشش اور مہربانی کرنے والا ہے ہی ○ کہنے لگا اے اللہ جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا' میں بھی اب ہرگز کسی گنہگار کا مددگار نہ بنوں گا ○

گھونسے سے موت: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لڑکپن کا ذکر کر کے اب ان کی جوانی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ نے انہیں حکمت وعلم عطا فرمایا یعنی نبوت دی- نیک لوگ ایسا ہی بدلہ پاتے ہیں- پھر اس واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر چھوڑنے کا باعث بنا اور جس کے بعد اللہ کی رحمت نے ان کا رخ کیا- یہ مصر چھوڑ کر مدین کی طرف چل دیئے- آپ ایک مرتبہ شہر میں آتے ہیں یا تو مغرب کے بعد یا ظہر کے وقت کہ لوگ کھانے پینے میں یا سونے میں مشغول ہیں- راستوں پہ آمد و رفت نہیں تھی تو دیکھتے ہیں کہ دو شخص

لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی ہے' دوسرا قبطی ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ سے قبطی کی شکایت کی اور اس کا زور وظلم بیان کیا جس پر آپ کو غصہ آ گیا اور ایک گھونسہ اسے کھینچ مارا جس سے وہ اسی وقت مر گیا۔ موسیٰؑ گھبرا گئے اور کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے اور شیطان دشمن اور گمراہ ہے اور اس کا دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہونا بھی ظاہر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے لگے اور استغفار کرنے لگے۔ اللہ نے بھی بخش دیا' وہ بخشنے والا مہربان ہی ہے۔ اب کہنے لگے اے اللہ تو نے جو جاہ وعزت' بزرگی اور نعمت مجھے عطا فرمائی ہے' میں اسے سامنے رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی نافرمان کی کسی امر میں موافقت اور امداد نہیں کروں گا۔

فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَہٗ
بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُہٗ ؕ قَالَ لَہٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾
فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ ہُوَ عَدُوٌّ لَّہُمَا ۙ قَالَ
یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ کَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ
تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا تُرِیۡدُ اَنۡ تَکُوۡنَ
مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَۃِ یَسۡعٰی ۫ قَالَ
یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِکَ لِیَقۡتُلُوۡکَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَکَ مِنَ
النّٰصِحِیۡنَ ﴿۲۰﴾

صبح ہی صبح ڈرتے دبتے خبریں لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی' ان سے فریاد کر رہا ہے' موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تو تو صریح بے راہ ہے ○ پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا تو وہ فریادی کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے' مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک بھر میں ظالم وسرکش ہونا ہی چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ ملاپ کرنے والوں میں سے ہووے ○ شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو بہت جلد چلا جا مجھے اپنا سچا خیر خواہ مان ○

جسے بچایا اسی نے راز کھولا: ☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) موسیٰ علیہ السلام کے گھونسے سے قبطی مر گیا تھا' اس لئے آپ کی طبیعت پر گھبراہٹ تھی۔ شہر میں ڈرتے دبکتے آئے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ کہیں راز کھل تو نہیں گیا؟ دیکھتے ہیں کہ کل والا اسرائیلی آج ایک اور قبطی سے لڑ رہا ہے۔ آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح آج بھی اس نے فریاد کی اور دہائی دینے لگا۔ آپ نے فرمایا' تم بڑے فتنہ آدمی ہو۔ یہ سنتے ہی وہ گھبرا گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ظالم قبطی کو روکنے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو یہ شخص اپنے کمینہ پن اور بزدلی سے سمجھ بیٹھا کہ آپ نے مجھے برا کہا ہے اور مجھے پکڑنا چاہتے ہیں۔ اپنی جان بچانے کے لئے شور مچانا شروع کر دیا کہ موسیٰ کیا جیسے تو نے کل ایک شخص کا خون کیا' آج میری جان بھی لینی چاہتا ہے؟ کل کا واقعہ صرف اسی کی موجودگی میں ہوا تھا اس لئے اب تک کسی کو پتہ نہ چلا تھا لیکن آج اس کی زبان سے اس قبطی کو پتہ چلا کہ یہ کام موسیٰ کا ہے۔ اس بزدل ڈرپوک نے یہ بھی ساتھ ہی کہا کہ تو زمین پر سرکش بن کر رہنا چاہتا ہے اور تیری طبیعت میں ہی صلح پسندی نہیں۔ قبطی یہ سن کر بھاگا دوڑا دربار فرعونی میں پہنچا اور وہاں مخبری کی۔ فرعون کی بددلی کی اب کوئی حد

نہ رہی اور فوراً سپاہی دوڑائے کہ موسیٰ کو لا کر پیش کریں۔

گمنام ہمدرد : ☆☆ (آیت: ۲۰) اس آنے والے کو رجل کہا گیا۔ عربی میں رجل کہتے ہیں قدموں کو۔ اس نے جب دیکھا کہ سپاہ حضرت موسیٰ کے تعاقب میں جا رہی ہے تو یہ اپنے پاؤں میں تیزی سے دوڑا اور ایک قریب کے راستے سے نکل کر جھٹ سے آپ کو اطلاع دے دی کہ یہاں کے امیر امراء آپ کے قتل کے ارادے کر چکے ہیں' آپ شہر چھوڑ دیجئے۔ میں آپ کا بہی خواہ ہوں' میری مان لیجئے۔

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ
الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىۡۤ
اَنۡ يَّهۡدِيَنِىۡ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ
اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ ۖ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ
تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ
الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ
فَقَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَىَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ﴿۲۴﴾

ع ٨

پھر موسیٰؑ وہاں سے خوف زدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے کہنے لگے اے پروردگار مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا لے ○ اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے' مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے ○ مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتوں کو الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دیکھا' پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ وہ بولیں جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں' ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں ○ آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے اے پروردگار' تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے' میں اس کا محتاج ہوں ○

موسیٰ علیہ السلام کا فرار: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۴) فرعون اور فرعونیوں کے ارادے جب اس شخص کی زبانی آپ کو معلوم ہو گئے تو آپ وہاں سے تن تنہا چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے۔ چونکہ اس سے پہلے کی زندگی کے ایام آپ کے شہزادوں کی طرح گزرے تھے' سفر بہت کڑا معلوم ہوا لیکن خوف و ہراس کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے سیدھے چلے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے جا رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے ان ظالموں سے یعنی فرعون اور فرعونیوں سے نجات دے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہبری کے واسطے ایک فرشتہ بھیجا تھا جو گھوڑے پر آپ کے پاس آیا اور آپ کو راستہ دکھا گیا' واللہ اعلم۔ تھوڑی دیر میں آپ جنگلوں اور بیابانوں سے نکل کر مدین کے راستے پر پہنچ گئے تو خوش ہوئے اور فرمانے لگے' مجھے ذات باری سے امید ہے کہ وہ راہ راست پر ہی لے جائے گا۔ اللہ نے آپ کی یہ امید بھی پوری کی۔ اور آخرت کی سیدھی راہ نہ صرف بتائی بلکہ اوروں کو بھی سیدھی راہ بتانے والا بنایا۔ مدین کے پاس کنویں پر آئے تو دیکھا کہ چرواہے پانی کھینچ کھینچ کر اپنے جانوروں کو پلا رہے ہیں۔ وہیں آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو ان جانوروں کے ساتھ پانی پینے سے روک رہی ہیں تو آپ کو ان بکریوں پر اور ان عورتوں کی اس حالت پر کہ یہ بے چاریاں پانی نکال کر پلا نہیں سکتیں اور ان چرواہوں میں سے کوئی اس کا روادار نہیں کہ اپنے کھینچے ہوئے پانی میں سے ان کی بکریوں کو بھی پلا دے تو آپ کو رحم آیا ان سے دریافت فرمایا کہ تم اپنے جانوروں کو اس پانی سے

کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پانی نکال نہیں سکتیں۔ جب یہ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گی۔ ہمارے والد صاحب ہیں لیکن وہ بہت ہی بوڑھے ہیں۔

بکریوں کو پانی پلایا: ☆☆ آپ نے خود ہی ان جانوروں کو پانی کھینچ کر پلا دیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا۔ جس چٹان کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے' آپ نے تن تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا جس میں اللہ نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں شکم سیر ہو گئیں۔ اب آپ تھکے ہارے' بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے' پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے' کھانے کو کچھ پاس تھا نہیں' درختوں کے پتے اور گھاس پھونس کھاتے رہے تھے۔ پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی اس وقت آپ ترسے ہوئے تھے حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ اللہ کے نزدیک آپ تھے' صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دوراتوں کا سفر کر کے میں مدین گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا جس کے نیچے اللہ کے کلیم نے سہارا لیا تھا۔ لوگوں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔ میرا جانور بھوکا تھا۔ اس نے اس میں منہ ڈالا۔ پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا لیکن آخر اس نے نکال ڈالے۔ میں نے کلیمؑ اللہ کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس درخت کو دیکھنے کو گئے تھے جس سے اللہ نے آپ سے باتیں کی تھیں جیسے کہ آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔ سدی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں' یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں۔ عطاء رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس عورت نے بھی آپ کی دعا سنی۔

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ ۡ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ
لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ
قَالَ لَا تَخَفۡ ۫ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا
يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۡ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ﴿۲۶﴾

اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے' اس کی اجرت دیں' جب حضرت موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے' اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پالی ○ ان دونوں میں سے ایک نے کہا' ابا جی آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں' ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو ○

حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب علیہما السلام کا معاہدہ: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۶) ان دونوں بچیوں کی بکریوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پلا دیا تو یہ اپنی بکریاں لے کر واپس اپنے گھر گئیں۔ باپ نے دیکھا کہ آج وقت سے پہلے یہ آ گئی ہیں تو دریافت فرمایا کہ آج کیا بات ہے؟ انہوں نے سچا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے اسی وقت ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جاؤ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ وہ حضرت موسیٰ کے پاس آئیں اور جس طرح گھر گھر ہست پاک دامن عفیفہ عورتوں کا دستور ہوتا ہے' شرم وحیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی

پردے کے ساتھ چل رہی تھیں، منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے تھیں پھر اس دانائی اور صداقت کو دیکھئے کہ صرف یہی نہ کہا کہ میرے ابا آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی باتوں کی گنجائش تھی، صاف کہہ دیا کہ میرے والد آپ کو آپ کی مزدوری دینے کے لئے اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے بلا رہے ہیں جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ کیا ہے- کلیم اللہ کو جو بھوکے پیاسے، تن تنہا مسافر اور بے خرچ تھے، یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا، یہاں آئے- انہیں ایک بزرگ سمجھ کر ان کے سوال پر سارا واقعہ بلاکم وکاست کہہ سنایا- انہوں نے دلجوئی کی اور فرمایا اب کیا خوف ہے؟ ان ظالموں کے ہاتھ سے آپ نکل آئے- یہاں ان کی حکومت نہیں- بعض مفسرین کہتے ہیں، یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جو مدین والوں کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے ہوئے تھے- یہ مشہور قول ہے-

امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اور بہت سے علماء یہ فرماتے ہیں- طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر رسول کریم علیہ افضل الصلواۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، شعیب کی قوم کو اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرال والوں کو مرحبا ہو کہ تمہیں ہدایت کی گئی- بعض کہتے ہیں حضرت شعیب کے بھتیجے تھے، کوئی کہتا ہے کہ قوم شعیب کے ایک مومن مرد تھے- بعض کا قول ہے کہ شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے- ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں- اور یہ بھی بہت ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا زمانہ ہے- تقریباً چار سو سال کا- جیسے اکثر مورخین کا قول ہے- ہاں بعض لوگوں نے اس مشکل کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت شعیبؑ کی بڑی لمبی عمر ہوئی تھی- ان کا مقصد غالباً اس اعتراض سے بچنا ہے- واللہ اعلم-

قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ
ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ
اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷
قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ
عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸

اس بزرگ نے کہا، میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس مہر پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں- ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے بطور احسان کے ہے، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں، اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے ○ موسیٰ نے کہا، خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہو گئی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو، ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس پر اللہ گواہ اور کارساز ہے ○

ایک اور بات بھی خیال میں رہے کہ اگر یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہوتے تو چاہیئے تھا کہ قرآن میں اس موقع پر ان کا نام صاف لے دیا جاتا- ہاں البتہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے- لیکن ان احادیث کی سندیں صحیح نہیں جیسے کہ ہم عنقریب وارد کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ- بنی اسرائیل کی کتابوں میں ان کا نام ثیرون بتایا گیا ہے- واللہ اعلم- حضرت ابن مسعودؓ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ بات اس وقت ثابت ہوتی جب کہ اس بارے میں کوئی خبر مروی ہوتی اور ایسا ہے نہیں- ان کی دونوں

صاحبزادیوں میں سے ایک نے باپ کو توجہ دلائی۔ یہ توجہ دلانے والی وہی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بلانے کے لئے گئی تھی۔ کہا کہ انہیں آپ ہماری بکریوں کی چرائی پر رکھ لیجئے کیونکہ وہ کام کرنے والا اچھا ہوتا ہے جو قوی ہو اور امانتدار ہو۔ باپ نے پوچھا، بیٹی تم نے کیسے جان لیا کہ ان میں یہ دونوں وصف ہیں۔ بچی نے جواب دیا کہ دس قوی آدمی مل کر جس پتھر کو اس کنویں سے ہٹا سکتے تھے، انہوں نے تنہا اسے ہٹا دیا۔ اس سے ان کی قوت کا اندازہ بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ ان کی امانت داری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں لے کر آپ کے پاس آنے لگی تو اس لئے کہ راستے سے ناواقف تھے، میں آگے ہو لی۔ انہوں نے کہا، نہیں تم میرے پیچھے رہو اور جہاں راستہ بدلنا ہو، اس طرف کنکر پھینک دینا، میں سمجھ لوں گا مجھے اس راستے چلنا چاہئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تین شخصوں کی سی زیرکی، معاملہ فہمی، دانائی اور دور بینی کسی اور میں نہیں پائی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی دانائی جب کہ انہوں نے اپنے بعد خلافت کے لئے جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب کیا۔ حضرت یوسفؑ کے خریدنے والے مصری جنہوں نے بہ یک نظر حضرت یوسف کو پہچان لیا اور جا کر اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ انہیں اچھی طرح رکھو۔ اور اس بزرگ کی صاحبزادی جنہوں نے حضرت موسیٰ کی نسبت اپنے باپ سے سفارش کی کہ انہیں اپنے کام پر رکھ لیجئے۔ یہ سنتے ہی اس بچی کے باپ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس مہر پر اپنی ان دو بچیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں کہ آپ آٹھ سال تک ہماری بکریاں چرائیں۔ ان دونوں کا نام صفورا اور اولیا تھا یا صفورا اور شرفا یا صفورا اولیا۔ اصحاب ابی حنیفہؒ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح کی بیع کرے کہ ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور خریدار منظور کر لے تو یہ بیع ثابت اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

اس بزرگ نے کہا، آٹھ سال تو ضروری ہیں، اس کے بعد کے دو سال کا آپ کو اختیار ہے۔ اگر آپ اپنی خوشی سے دو سال تک اور بھی میرا کام کریں تو اچھا ہے ورنہ آپ پر لازمی نہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ میں بدآدمی نہیں۔ آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔ امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کہے میں فلاح چیز کو نقد دس پر اور ادھار بیس پر بیچتا ہوں تو یہ بیع صحیح ہے اور خریدار کو اختیار ہے کہ دس پر نقد لے، بیس پر ادھار لے۔ وہ اس حدیث کا بھی یہی مطلب لے رہے ہیں، جس میں ہے جو شخص دو بیع ایک بیع میں کرے، اس کے لئے کمی والی بیع ہے یا سود۔ لیکن ہے یہ مذہب غور طلب جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ واللہ اعلم۔ اصحاب امام احمد رحمتہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ کھانے پینے اور کپڑے پر کسی کو مزدوری اور کام کاج پر لگا لینا درست ہے۔ اس کی دلیل میں ابن ماجہ کی ایک حدیث بھی ہے جو اس باب میں ہے کہ مزدور مقرر کرنا اس مزدوری پر کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا کرے گا۔ اس میں حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طس کی تلاوت کی جب حضرت موسیٰ کے ذکر تک پہنچے تو فرمانے لگے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیٹ کے بھرنے اور اپنی شرم گاہ کو بچانے کے آٹھ سال یا دس سال کے لئے اپنے آپ کو ملازم کر لیا۔ اس حدیث کا ایک راوی مسلمہ بن علی خشنی ہے جو ضعیف ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن وہ سند بھی نظر سے خالی نہیں۔ کلیم اللہ نے بزرگ کی اس شرط کو قبول کر لیا اور فرمایا، ہم تم میں یہ طے شدہ فیصلہ ہے۔ مجھے اختیار ہو گا کہ خواہ دس سال پورے کروں یا آٹھ سال کے بعد چھوڑ دوں، آٹھ سال کے بعد آپ کا کوئی حق مزدوری مجھ پر لازم نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے اس معاملہ پر گواہ کرتے ہیں۔ اسی کی کارسازی کافی ہے۔ تو گو دس سال پورا کرنا مباح ہے لیکن وہ فاضل چیز ہے۔ ضروری نہیں، ضروری آٹھ سال ہیں جیسے منیٰ کے آخری دو دن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے اور جیسے کہ حدیث میں ہے، حضورؐ نے حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا، جو بکثرت روزے رکھا کرتے تھے کہ اگر تم سفر میں روزہ رکھو تو تمہیں اختیار ہے اور نہ رکھو تو تمہیں اختیار ہے باوجودیکہ دوسری دلیل سے رکھنا افضل ہے۔

چنانچہ اس کی دلیل بھی آ چکی ہے کہ حضرت موسیٰ نے دس سال ہی پورے کئے- بخاری شریف میں ہے، سعید بن جبیر سے یہودیوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ نے آٹھ سال پورے کئے یا دس سال؟ تو آپ نے فرمایا، مجھے خبر نہیں- پھر میں عرب کے بہت بڑے عالم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا، ان دونوں میں جو زیادہ اور پاک مدت تھی، وہی آپ نے پوری کی یعنی دس سال- اللہ تعالیٰ کے نبی جو کہتے ہیں، پورا کرتے ہیں- حدیث فتون میں ہے کہ سائل نصرانی تھا لیکن بخاری میں جو ہے وہی اولیٰ ہے- واللہ اعلم- ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی تو جواب ملا کہ ان دونوں میں سے جو کامل اور مکمل مدت تھی- ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ سے کسی نے یہ پوچھا، آپ نے جبرئیل سے پوچھا، جبرئیل نے اور فرشتے سے، یہاں تک کہ فرشتے نے اللہ سے- اللہ نے جواب دیا کہ دونوں میں ہی پاک اور پوری مدت یعنی دس سال- ایک حدیث میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضورؐ نے دس سال کی مدت کا پورا کرنا بتایا کہ یہ بھی فرمایا اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ کون سی لڑکی سے حضرت موسیٰ نے نکاح کیا تھا تو جواب دینا کہ دونوں میں جو چھوٹی تھیں- اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے مدت دراز کو پورا کرنا بتایا- پھر فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصتی لے کر جانے لگے تو اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے کچھ بکریاں لے لو جن سے ہمارا گزارہ ہو جائے- آپ نے اپنے والد سے سوال کیا جس پر انہوں نے وعدہ کیا کہ اس میں سے جتنی چت کبری بکریاں ہوں گی، سب تمہاری ہیں- حضرت موسیٰ نے بکریوں کے پیٹ پر اپنی لکڑی پھیری تو ہر ایک کو وہ دو تین تین بچے ہوئے اور سب کے سب چت کبرے جن کی نسل اب تک تلاش کرنے سے مل سکتی ہے-

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت شعیب کی سب بکریاں کالے رنگ کی خوب صورت تھیں- جتنے بچے ان کے اس سال ہوئے سب کے سب بے عیب تھے اور بڑے بڑے بھرے ہوئے تھنوں والے اور زیادہ دودھ دینے والے- ان تمام روایتوں کا مدار عبداللہ بن لہیعہ پر ہے جو حافظہ کے اچھے نہیں اور ڈر ہے کہ یہ روایتیں مرفوع نہ ہوں- چنانچہ اور سند سے یہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے- اور اس میں یہ بھی ہے کہ سب بکریوں کے بچے اس سال ابلق ہوئے سوائے ایک بکری کے- جن سب کو آپ لے گئے- علیہ السلام

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ
الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ
مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

جب حضرت موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی- اپنی بیوی سے کہنے لگے، ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے- بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تا کہ تم سینک لو ○

دس سال حق مہر: ☆☆ (آیت:۲۹) پہلے یہ بیان گزر چکا کہ حضرت موسیٰ نے دس سال پورے کئے تھے- قرآن کے اس لفظ الاجل سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے- واللہ اعلم- بلکہ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کا تو قول ہے کہ دس سال یہ، اور دس سال اور بھی گزرے- اس قول میں صرف یہ تنہا ہیں- واللہ اعلم- اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال اور شوق پیدا ہوا کہ چپ چاپ وطن میں جاؤں اور اپنے گھر والوں سے مل آؤں چنانچہ آپ اپنی بیوی صاحبہ کو اور اپنی بکریوں کو لے کر وہاں سے چلے- رات کو بارش ہونے لگی اور سرد ہوائیں چلنے لگیں اور سخت اندھیرا ہو گیا- آپ ہر چند چراغ جلاتے تھے مگر روشنی نہیں ہوتی تھی- سخت متعجب اور حیران تھے- اتنے میں دیکھتے ہیں کہ کچھ دور آگ روشن ہے تو

اپنی اہلیہ صاحبہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو وہاں کچھ روشنی دکھائی دیتی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں۔ اگر کوئی وہاں ہوا تو اس سے راستہ بھی دریافت کرلوں گا اس لئے کہ ہم راہ بھولے ہوئے ہیں۔ یا میں وہاں سے کچھ آگ لے آؤں گا جس سے تم تاپ لو اور جاڑے کا علاج ہو جائے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ
مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ
اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا
وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾
اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫
وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیئے گئے کہ اے موسیٰ یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار ○ اور یہ بھی آواز آئی کہ اپنی لکڑی ڈال دے' پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھن پھنا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا' ہم نے کہا اے موسیٰ آگے آ' ڈر مت یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے ○ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال' وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا بالکل سفید۔ اور خوف سے بچنے کے لئے اپنے بازو اپنی طرف ملا لے۔ پس یہ دونوں معجزے تیرے لئے تیرے رب کی طرف سے ہیں' فرعون اور اس کی جماعت کی طرف۔ یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں ○

(آیت: ۳۰-۳۲) جب آپ وہاں پہنچے تو اس وادی کے دائیں جانب کے مغربی پہاڑ سے آواز سنائی دی۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ آگ کے قصد سے قبلہ کی طرف چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کے دائیں طرف تھا اور ایک سرسبز ہرے بھرے درخت میں آگ نظر آ رہی تھی جو پہاڑ کے دامن میں میدان کے متصل تھی۔ یہ وہاں جا کر اس حالت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ ہرے اور سبز درخت میں سے آگ کے شعلے نکلتے دکھائی دیتے ہیں لیکن آگ کسی چیز میں جلتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی' اسی وقت اللہ کی طرف سے آواز آئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے اس درخت کو جس میں سے حضرت موسیٰؑ کو آواز آئی تھی' دیکھا ہے۔ وہ سرسبز و شاداب' ہرا بھرا درخت ہے جو چمک رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں' یہ علیق کا درخت تھا' بعض کہتے ہیں عوسج کا درخت تھا اور آپ کی لکڑی بھی اسی درخت کی تھی۔ کلیم اللہ نے سنا کہ آواز آ رہی ہے کہ اے موسیٰ میں ہوں رب العالمین جو اس وقت تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں نہ میرے سوا کوئی رب ہے۔ میں اس سے پاک ہوں کہ کوئی مجھ جیسا ہو۔ مخلوق میں سے کوئی بھی میرا کوئی شریک' ساجھی' ساتھی نہیں۔ میں ہر طرح پاک اور نقصان سے دور ہوں۔ اسی ضمن میں فرمان ہوا کہ اپنی لکڑی زمین پر گرا دو اور میری قدرت اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اور آیت میں ہے کہ پہلے دریافت فرمایا گیا' اے موسیٰؑ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میری لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور دوسرے بھی میرے بہت سے کام اس سے نکلتے ہیں۔ اب مطلع فرما کر لکڑی کو لکڑی کا احساس دلا کر

کر پھر زمین پر انہی کے ہاتھوں پھنکوائی - وہ زمین پر گرتے ہی ایک پھن اٹھائے پھنکارتا ہوا اژدہا بن کر ادھر ادھر فراٹے بھرنے لگی - یہ اس بات کی دلیل تھی کہ بولنے والا واقعی اللہ ہی ہے جو قادر مطلق ہے - وہ جس چیز کو جو فرما دے ٹل نہیں سکتا - سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں اس کا بیان بھی پورا گزر چکا ہے -

اس خوفناک سانپ کو جو باوجود بہت بڑا اور بہت موٹا ہونے کے تیر کی طرح ادھر ادھر جا آ رہا تھا' منہ کھولتا تھا تو معلوم ہوتا تھا ابھی نگل جائے گا - جہاں سے گزرتا تھا' پتھر ٹوٹ جاتے تھے - اسے دیکھ کر حضرت موسیٰ سہم گئے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے - الٹے پیروں بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا - وہیں اللہ کی طرف سے آواز آئی کہ موسیٰ ادھر آ' ڈر نہیں - تو میرے امن میں ہے - اب حضرت موسیٰ کا دل ٹھہر گیا - اطمینان سے بے خوف ہو کر وہیں اپنی جگہ آ کر باادب کھڑے ہو گئے - یہ معجزہ عطا فرما کر پھر دوسرا معجزہ یہ دیا کہ حضرت موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکنے لگتا اور بہت بھلا معلوم ہوتا' یہ نہیں کہ کوڑھ کے داغ کی طرح سفید ہو جائے - یہ بھی بحکم الٰہی آپ نے وہیں کیا اور اپنے ہاتھ کو مثل چاند کے منور دیکھ لیا -

پھر حکم دیا کہ تمہیں اس سانپ سے یا کسی گھبراہٹ' ڈر' خوف' رعب سے دہشت معلوم ہو تو اپنے بازو اپنے بدن سے ملا لو - ڈر خوف جاتا رہے گا اور یہ بھی ہے کہ جو شخص ڈر اور دہشت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے دل پر اللہ کے اس فرمان کے ماتحت رکھ لے تو ان شاء اللہ اس کا ڈر خوف جاتا رہے گا - حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ کے دل پر فرعون کا بہت خوف تھا - پھر آپ جب اسے دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے - اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَدْرَابُكَ فِيْ نَحْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ اے اللہ میں تجھے اس کے مقابلہ میں کرتا ہوں اور اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں - اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رعب و خوف ہٹا لیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا - پھر تو اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا - یہ دونوں معجزے یعنی عصائے موسیٰ اور ید بیضا دے کر اللہ نے فرمایا کہ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے کر جاؤ اور بطور دلیل یہ معجزے پیش کرو اور ان فاسقوں کو اللہ کی راہ دکھاؤ -

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾
وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً
يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ
عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ
بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

موسیٰ نے کہا' پروردگار میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا' اب مجھے دہشت ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں ○ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے - تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج کہ وہ سچا مانے - مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے - فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے' بہ سبب ہماری نشانیوں کے' تم دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے ○

یاد ماضی: ☆☆ (آیت:۳۳) یہ گزر چکا کہ حضرت موسیٰ فرعون سے خوف کھا کر اس کے شہر سے بھاگ نکلے تھے - جب اللہ تعالیٰ نے وہیں

اسی کے پاس نبی بن کر جانے کو فرمایا تو آپ کو وہ سب یاد آ گئی اور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ ان کے ایک آدمی کی جان میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی تو ایسا نہ ہو کہ وہ بدلے کا نام رکھ کر میرے قتل کے درپے ہو جائیں۔

حضرت موسیٰؑ نے بچپن کے زمانے میں جب کہ آپ کے سامنے بطور تجربہ کے ایک آگ کا انگارہ اور ایک کھجور یا ایک موتی رکھا تھا تو آپ نے انگارہ پکڑ لیا تھا اور منہ میں ڈال لیا تھا۔ اس واسطے آپ کی زبان میں کچھ کسر رہ گئی تھی اور اسی لئے آپؑ نے اپنی زبان کی بابت اللہ سے دعا مانگی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اس سے میرا بازو مضبوط کر' اور اسے میرے کام میں شریک کر' تاکہ نبوت و رسالت کا فریضہ ادا ہو' اور تیرے بندوں کو تیری کبریائی کی دعوت دے سکیں۔ یہاں بھی آپ کی یہی دعا منقول ہے کہ آپ نے فرمایا' میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ ہی اپنا رسول بنا کر بھیج۔ وہ میرا معین و وزیر ہو جائے۔ وہ میری باتوں کو باور کرے تاکہ میرا بازو مضبوط رہے دل بڑھا ہوا رہے اور یہ بھی بات ہے کہ دو آوازیں بہ نسبت ایک آواز کے زیادہ مضبوط اور با اثر ہوتی ہیں۔ میں اکیلا رہا تو ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں اور ہارون ساتھ ہوا تو میری باتیں بھی لوگوں کو سمجھا دیا کرے گا۔ جناب باری ارحم الرحمین نے جواب دیا کہ تیری مانگ منظور ہے۔ ہم تیرے بھائی سے تجھ کو سہارا دیں گے اور اسے بھی تیرے ساتھ نبی بنا دیں گے۔

جیسے اور آیت میں ہے قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى موسیٰ تیرا سوال پورا کر دیا گیا۔ اور آیت میں ہے' ہم نے اپنی رحمت سے اسے' اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ اسی لیے بعض اسلاف کا فرمان ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر وہ احسان نہیں کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام پر کیا کہ اللہ سے دعا کر کے انہیں نبی بنوا دیا۔ یہ موسیٰ علیہ اسلام کی بڑی بزرگی کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی دعا بھی رد نہ کی۔ واقعی آپ اللہ کے نزدیک بڑے ہی مرتبے والے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم تم دونوں کو زبردست دلیلیں اور کامل حجتیں دیں گے' فرعونی تمہیں کوئی ایذا نہیں دے سکتے۔ کیونکہ تم میرا پیغام میرے بندوں کے نام پہنچانے والے ہو۔ ایسوں کو میں خود دشمنوں سے سنبھالتا ہوں۔ ان کا مددگار اور موید میں خود بن جاتا ہوں۔ انجام کار تم اور تمہارے ماننے والے ہی غالب آئیں گے۔ جیسے فرمان ہے' اللہ لکھ چکا ہے۔ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ قوت والا' عزت والا ہے اور آیت میں ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں۔ ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے دیئے ہوئے غلبہ کی وجہ سے فرعونی تمہیں تکلیف نہ پہنچا سکیں گے اور ہماری دی ہوئی نشانیوں کی وجہ سے غلبہ صرف تمہیں ہی حاصل ہوگا۔ لیکن پہلے جو مطلب بیان ہوا' اس سے بھی یہی ثابت ہے تو اس کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى
وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ
بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ
الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

جب ان کے پاس موسیٰ ہمارے دیئے ہوئے کھلے معجزے لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے' یہ تو صرف گھڑا گھڑایا جادو ہے' ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانوں میں کبھی یہ نہیں سنا ○ حضرت موسیٰ کہنے لگے' میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس کی ہدایت لے کر آتا ہے اور جس کے لئے آخرت کا اچھا انجام ہوتا ہے' یقیناً

بے انصافوں کا بھلا نہ ہوگا ○

فرعونی قوم کا رویہ: ☆☆ (آیت ۳۶-۳۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام خلعت نبوت سے اور کلام الٰہی سے ممتاز ہو کر بحکم الٰہی مصر میں پہنچے اور فرعون اور فرعونیوں کی اللہ کی وحدت اور اپنی رسالت کی تلقین کے ساتھ ہی جو معجزے اللہ نے دیئے تھے انہیں دکھایا۔ سب کو مع فرعون کے یقین کامل ہو گیا کہ بیشک حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن مدتوں کا غرور اور پرانا کفر سر اٹھائے بغیر نہ رہا اور زبانیں دل کے خلاف کر کے کہنے لگے' یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے۔

اب فرعونی اپنے دبدبے اور قوت وطاقت سے حق کے مقابلہ پر جم گئے اور اللہ کے نبیوں کا سامنا کرنے پر تل گئے اور کہنے لگے کبھی ہم نے تو نہیں سنا کہ اللہ ایک ہے اور ہم تو کیا ہمارے اگلے باپ دادوں کے کان بھی آشنا نہیں تھے۔ ہم سب کے سب مع اپنے بڑوں چھوٹوں کے بہت سے معبودوں کو پوجتے رہے۔ یہ نئی باتیں لے کر کہاں سے آ گیا۔ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ صلوات اللہ نے جواب دیا کہ مجھے اور تم کو اللہ خوب جانتا ہے' وہی ہم تم میں فیصلے کرے گا کہ ہم میں سے ہدایت پر کون ہے؟ اور کون نیک انجام ہے؟ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ وہ فیصلہ کر دے گا اور تم عنقریب دیکھ لو گے کہ اللہ کی تائید کس کا ساتھ دیتی ہے؟ ظالم یعنی مشرک کبھی خوش انجام اور شاد کام نہیں ہوئے۔ وہ نجات سے محروم ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ
فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ
اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ
وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾
فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۴

فرعون کہنے لگا' اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہامان تو میرے لئے مٹی کو آگ سے پکوا پھر میرے لئے ایک محل تعمیر کر تو میں موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں اسے میں تو جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں ○ اس نے اور اس کے لشکروں نے ناواجبی طریقے پر ملک میں تکبر کیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے ○ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا' اب دیکھ لے کہ ان گنہگاروں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ اور ہم نے انہیں ایسے امام بنا دیئے کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں' اور روز قیامت مطلق مدد نہ کئے جائیں ○ ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگا دی' اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○

فرعونیوں کا انجام: ☆☆ (۳۸-۴۲) فرعون کی سرکشی اور اس کے الہامی دعوے کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو بے عقل بنا کر ان

سے دعویٰ منوالیا۔ اس نے ان کمینوں کو جمع کر کے ہانک لگائی کہ تمہارا رب میں ہی ہوں۔ سب سے اعلیٰ اور بلند تر ہستی میری ہی ہے' اسی بنا پر اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذابوں میں پکڑ لیا اور دوسروں کے لیے اسے نشان عبرت بنایا۔ ان کمینوں نے اسے اللہ مان کر اس کا دماغ یہاں تک بڑھا دیا کہ اس نے کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ڈانٹ کر کہا کہ سن رکھ' اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا تو میں تجھے قید میں ڈلوا دوں گا۔ انہی سفلے لوگوں میں بیٹھ کر' اپنا دعویٰ انہیں منوا کر اپنے ہی جیسے اپنے خبیث وزیر ہامان سے کہتا ہے کہ تو ایک مینار بنا اور اس میں اینٹیں پکوا اور میرے لیے ایک بلند و بالا مینار بنا کہ میں جا کر جھانک لوں کہ واقع میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی اللہ ہے بھی یا نہیں۔ گو مجھے اس کے دروغ گو ہونے کا علم تو ہے مگر میں اس کا جھوٹ تم سب پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اسی کا بیان آیت یٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا① میں بھی ہے۔

چنانچہ ایک بلند مینار بنایا گیا کہ اس سے اونچا دنیا میں دیکھا نہیں گیا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو نہ صرف دعویٰ رسالت میں ہی جھوٹا جانتا تھا بلکہ یہ تو واحد باری تعالیٰ کا قائل ہی نہ تھا۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس نے کہا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین ہے کیا؟ اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو اللہ جانا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔ اس آیت میں بھی ہے کہ اس نے اپنے درباریوں سے کہا' میرے' علم میں تو بجز (سوائے) میرے تمہارا اللہ کوئی اور نہیں۔ جب اس کی اور اس کی قوم کی طغیانی اور سرکشی حد سے گزر گئی' اللہ کے ملک میں ان کے فساد کی کوئی انتہا نہ رہی' ان کے عقیدے کھوٹے پیسے جیسے ہو گئے' قیامت کے حساب کتاب کے بالکل منکر بن بیٹھے تو بالآخر اللہ کا عذاب ان پر پڑا اور رب نے انہیں تاک لیا اور بیج تک مٹا دیا۔ سب کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا اور ایک ہی دن ایک ہی وقت ایک ساتھ دریا برد کر دیا۔ لوگو سوچ لو کہ ظالموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوتا ہے؟ ہم نے انہیں دوزخیوں کا امام بنا دیا ہے کہ یہ لوگوں کو ان کاموں کی طرف بلاتے ہیں جن سے وہ اللہ کے عذابوں میں جلیں۔ جو بھی ان کی روش پر چلا' اسے وہ جہنم میں لے گئے' جس نے بھی رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کو نہ مانا' وہ ان کی راہ پر ہے۔ قیامت کے دن بھی ان کی کچھ نہ چلے گی۔ کہیں سے انہیں کوئی امداد نہ پہنچے گی۔ دونوں جہان میں یہ نقصان اور گھاٹے میں رہیں گے۔ جیسے فرمان ہے اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ہم نے انہیں تہ و بالا کر دیا اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوا۔ دنیا میں بھی یہ ملعون ہوئے۔ اللہ کی' اس کے فرشتوں کی' اس کے نبیوں کی اور تمام نیک بندوں کی ان پر لعنت ہے۔ جو بھی بھلا آدمی ان کا نام سنے گا' ان پر پھٹکار بھیجے گا۔ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی قباحت والے ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہاں بھی پھٹکار وہاں بھی لعنت۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ
الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان اگلے زمانے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب عنایت فرمائی جو لوگوں کے لئے دلیل اور ہدایت و رحمت ہو کر آئی تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○

موسیٰؑ کو تورات کا انعام: ☆☆ (آیت: ۴۳) اس آیت میں ایک لطیف بات یہ ہے کہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد والی امتیں اس طرح عذاب آسمانی سے ہلاک نہیں ہوئیں بلکہ جس امت نے سرکشی کی' اس کی سرکشی کا بدلہ اسی زمانے کے نیک لوگوں کے ہاتھوں اللہ نے

اسے دلوایا- مومنین مشرکین سے جہاد کرتے رہے-

جیسے فرمان باری ہے وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ الخ یعنی فرعون اور جو امتیں اس سے پہلے ہوئیں اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے یعنی قوم لوط' یہ سب لوگ بڑے بڑے قصوروں کے مرتکب ہوئے اور اپنے اپنے زمانے کے رسولوں کی نافرمانیوں پر کمر کس لی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بھی بڑی سخت پکڑ سے پکڑ لیا- اس گروہ کی ہلاکت کے بعد بھی اللہ کے انعام حضرت موسیٰ کلیم علیہ من ربہ افضل الصلوۃ والتسلیم پر نازل ہوتے رہے جن میں سے ایک بہت بڑے انعام کا ذکر یہاں ہے کہ انہیں تورات ملی- اس تورات کے نازل ہونے کے بعد کسی قوم کو آسمان کے یا زمین کے عام عذاب سے ہلاک نہیں کیا گیا سوائے اس بستی کے چند مجرموں کے جنہوں نے اللہ کی حرمت کے خلاف ہفتے کے دن شکار کھیلا تھا اور اللہ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا- یہ واقعہ بیشک حضرت موسیٰ کے بعد کا ہے- جیسے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد ہی آپ نے اپنے قول کی شہادت میں یہی آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا کی تلاوت فرمائی- ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی قوم کو عذاب آسمانی یا زمینی سے ہلاک نہیں کیا- ایسے عذاب جتنے آئے' آپ سے پہلے ہی پہلے آئے- پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی- پھر تورات کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ کتاب لوگوں کو اندھاپے سے' گمراہی سے نکالنے والی تھی اور حق کی ہدایت کرنے والی تھی اور رب کی رحمت تھی' نیک اعمال کی ہادی تھی- تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور نصیحت بھی- اور راہ رست پر آجائیں-

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا
كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ
وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا
كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ
مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

طور کی مغربی جانب کہ ہم نے موسیٰ کو حکم احکام کی وحی پہنچائی تھی نہ تو تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا ○ لیکن ہم نے بہت سے زمانے پیدا کئے جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں' اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے رہے ○ اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے اس لئے کہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا' کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○

دلیل نبوت: ☆☆ (آیت ۴۴-۴۶) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی دلیل دیتا ہے کہ ایک وہ شخص جو محض امی ہو' جس نے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو' جو اگلی کتابوں سے محض ناآشنا ہو' جس کی قوم کی قوم علمی مشاغل سے اور گذشتہ تاریخ سے بالکل بے خبر ہو' وہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ' کامل فصاحت وبلاغت کے ساتھ بالکل سچے' ٹھیک اور صحیح گذشتہ واقعات کو اس طرح بیان کرے جیسے کہ اس کے اپنے چشم دید ہوں اور جیسے کہ وہ خود ان کے ہونے کے وقت وہیں موجود ہو' کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے تلقین کیا جاتا

ہے اور اللہ تعالیٰ خود اپنی وحی کے ذریعہ سے انہیں وہ تمام باتیں بتاتا ہے- حضرت مریم صدیقہؓ کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے بھی قرآن نے اس چیز کو پیش کیا ہے اور فرمایا ہے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ الخ جب کہ وہ حضرت مریم کے پالنے کے لئے قلمیں ڈال کر فیصلے کر رہے تھے- اس وقت تو ان کے پاس موجود نہ تھا اور نہ تو اس وقت تھا جب کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے پس باوجود عدم موجودگی اور بے خبری کے آپ کا اس طرح اس واقعہ کو بیان کرنا کہ گویا اس وقت آپ وہیں موجود تھے اور آپ کے سامنے ہی تمام واقعات گزر رہے تھے' آپ کی نبوت کی کھری دلیل ہے اور صاف نشانی ہے اس امر پر کہ آپ وحی الٰہی سے یہ کہہ رہے ہیں- اسی طرح نوح نبی کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ الخ یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم بذریعہ وحی کے تم تک پہنچا رہے ہیں' تو اور تیری ساری قوم اس وحی سے پہلے ان واقعات سے محض بے خبر تھی- اب صبر کے ساتھ دیکھتا رہ اور یقین مان کہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے ہی نیک انجام ہوتے ہیں- سورۂ یوسف کے آخر میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم بذریعہ وحی کے تیرے پاس بھیج رہے ہیں- تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب کہ برادران یوسفؑ نے اپنا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اپنی تدبیروں میں لگ گئے تھے- سورۂ طٰہٰ میں عام طور پر فرمایا كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کی خبریں بیان فرماتے ہیں- پس یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش' ان کی نبوت کی ابتداء وغیرہ اول سے آخر تک بیان فرما کر فرمایا کہ تم اے محمد ﷺ مغربی پہاڑ کی جانب جہاں کے مشرقی درخت میں سے جو وادی کے کنارے تھے' اللہ نے اپنے کلیم سے باتیں کیں' موجود نہ تھے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے آپ کو یہ سب معلومات کرائیں تاکہ یہ آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہو جائے ان زمانوں پر جو مدتوں سے چلے آ رہے ہیں اور اللہ کی باتوں کو وہ بھول بھال چکے ہیں- اگلے نبیوں کی وحی ان کے ہاتھوں سے گم ہو چکی ہے اور نہ تو مدین میں رہتا تھا کہ وہاں کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کے حالات بیان کرتا جو ان میں اور ان کی قوم میں واقع ہوئے تھے- بلکہ ہم نے بذریعہ وحی کے تجھے یہ سب خبریں پہنچائیں اور تمام جہان کی طرف تجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا- اور نہ تو طور کے پاس تھا جب کہ ہم نے آواز دی- نسائی شریف میں ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز دی گئی کہ اے امت محمدؐ تم اس سے پہلے کہ مجھ سے مانگو' میں نے تمہیں دے دیا اور اس سے پہلے کہ تم مجھ سے دعا کرو' میں قبول کر چکا- مقاتل رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیری امت کو جو ابھی باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی' آواز دی کہ جب تو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ تیری اتباع کریں- قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی' یہی زیادہ مشابہ اور مطابق ہے کیونکہ اوپر بھی یہی ذکر ہے- اوپر عام طور پر بیان تھا- یہاں خاص طور سے ذکر کیا- جیسے اور آیت میں ہے وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى جب کہ تیرے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دی- اور آیت میں ہے کہ وادی مقدس میں اللہ نے اپنے کلیم کو پکارا- اور آیت میں ہے کہ طور ایمن کی طرف سے ہم نے اسے پکارا اور سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے اپنا قرب عطا فرمایا-

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا
لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انہیں ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کو تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے ○

(آیت: ۴۷) پھر فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک واقعہ بھی نہ تیری حاضری کا ہے نہ تیرا چشم دید ہے بلکہ یہ اللہ کی وحی ہے جو وہ

اپنی رحمت سے تجھ پر نازل فرما رہا ہے اور یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ تجھے اپنے بندوں کی طرف اپنا نبی بنا کر بھیجا کہ تو ان لوگوں کو آگاہ اور ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہدایت پائیں۔ اور اس لیے بھی کہ ان کی کوئی دلیل باقی نہ رہ جائے اور کوئی عذر ان کے ہاتھ میں نہ رہے' یہ اپنے کفر کی وجہ سے عذابوں کو آتا دیکھ کر یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا ہی نہ تھا جو انہیں راہ راست کی تعلیم دیتا۔ اور جیسے کہ اور جگہ اپنی مبارک کتاب قرآن کریم کے نزول کو بیان فرما کر فرمایا کہ یہ اس لیے ہے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کی دونوں جماعتوں پر اتری تھی لیکن ہم تو اس کی درس و تدریس سے بالکل غافل تھے۔ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو یقیناً ہم ان سے زیادہ راہ راست پر آ جاتے' اب بتاؤ کہ خود تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی دلیل اور ہدایت و رحمت آ چکی۔ اور آیت میں ہے' رسول ہیں خوشخبریاں دینے والے' ڈرانے والے تا کہ ان رسولوں کے بعد کسی کی کوئی حجت اللہ پر باقی نہ رہ جائے۔ اور آیت میں فرمایا یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ الخ اے اہل کتاب اس زمانہ میں جو رسولوں کی عدم موجودگی کا چلا آ رہا تھا' ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں پہنچا۔ لو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آ پہنچا۔ اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ غرض رسول آ چکے اور تمہارا یہ عذر کٹ گیا کہ اگر رسول آتے تو ہم اس کی مانتے اور مومن ہو جاتے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ
مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ
تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝۴۸ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے' وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے دیئے گئے تھے موسیٰ' اچھا تو کیا موسیٰ کو جو کچھ دیا گیا تھا' اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا' صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں ○ کہہ دے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو۔ میں اسی کی پیروی کروں گا ○

ہدایت کے لئے معجزات ضروری نہیں: ☆☆ (آیت: ۴۸-۴۹) پہلے بیان ہوا کہ اگر نبیوں کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان پر عذاب بھیج دیتے تو ان کی یہ بات رہ جاتی کہ اگر رسول ہمارے پاس آتے تو ہم ضرور ان کی مانتے اس لیے ہم نے رسول بھیجے۔ بالخصوص رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کو آخر الزمان رسول بنا کر بھیجا۔ جب حضورؐ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے آنکھیں پھیر لیں' منہ موڑ لیا اور تکبر و عناد کے ساتھ ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ کہنے لگے کہ جیسے حضرت موسیٰ کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے جیسے لکڑی اور ہاتھ' طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک' خون اور اناج کی' پھلوں کی کمی وغیرہ جن سے دشمنان الٰہی تنگ آ گئے اور دریا کو چیرنا اور ابر کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ کا اتارنا وغیرہ جو زبردست اور بڑے بڑے معجزے تھے' انہیں کیوں نہیں دیئے گئے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ لوگ جس واقعہ کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور جس جیسے معجزے طلب کر رہے ہیں یہ خود انہی معجزوں کو کلیم اللہ کے ہاتھوں ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی کون سا ایمان لائے تھے جو ان کے ایمان کی کوئی تمنا کرے؟ انہوں نے تو ان تمام معجزوں کو دیکھ کر صاف کہا تھا کہ یہ دونوں بھائی ہمیں اپنے بڑوں کی تابعداری سے ہٹانا چاہتے ہیں

اور اپنی بڑائی ہم سے منوانا چاہتے ہیں، ہم تو ہرگز انہیں نہیں مانیں گے۔ دونوں نبیوں کو جھٹلاتے رہے۔ آخرانجام ہلاک کر دیئے گئے۔

تو فرمایا کہ ان کے بڑے جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھے انہوں نے خود موسیٰ کے ساتھ کفر کیا تھا اور ان معجزوں کو دیکھ کر صاف کہہ دیا تھا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔ آپس میں متفق ہو کر ہمیں زیر کرنے اور خود بڑا بننے کے لیے آئے ہیں، ہم تو ان دونوں میں سے کسی کی بھی نہیں مانیں گے۔ یہاں گو ذکر صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے لیکن چونکہ حضرت ہارون ان کے ساتھ ایسے گھل مل گئے تھے کہ گویا دونوں ایک تھے تو ایک کے ذکر کو ہی دوسرے کے ذکر کے لیے کافی سمجھا، جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ جب میں کسی جگہ کا ارادہ کرتا ہوں تو میں نہ جانتا کہ وہاں مجھے نفع ملے گا یا میرا نقصان ہوگا؟ تو یہاں بھی شاعر نے خیر کا لفظ تو کہا ہے مگر شر کا لفظ بیان نہیں کیا کیونکہ خیر و شر دونوں کی ملازمت، مقاربت اور مصاحبت ہے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہودیوں نے قریش سے کہا کہ تم یہ اعتراض حضورؐ سے کرو۔ انہوں نے کیا اور جواب پا کر خاموش ہو رہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں جادوگروں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ ہیں لیکن اس تیسرے قول میں تو بہت ہی بعد ہے اور دوسرے قول سے بھی پہلا قول مضبوط اور عمدہ ہے اور بہت قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ مطلب سَاحِرَانِ کی قراءت پر ہے اور جن کی قراءت سِحْرَانِ ہے، وہ کہتے ہیں مراد تورات اور قرآن ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ
مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ ع۸ ۸
يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱

پھر اگر یہ تیری نہ مانیں تو تو یقین کر لے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں، اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی راہنمائی کے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ ہم برابر پے در پے لوگوں کے لئے اپنا کلام لاتے رہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

کوئی کہتا ہے مراد تورات و انجیل ہے۔ کسی کا قول ہے کہ انجیل اور قرآن مراد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ لیکن اس قراءت پر بھی ظاہر تورات وقرآن کے معنی ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی فرمان الٰہی ہے کہ تم ہی ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی کوئی کتاب اللہ کے ہاں سے لاؤ جس کی میں تابعداری کروں۔ تورات وقرآن کو اکثر ایک ہی جگہ قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِىْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ پس یہاں تورات کے نور و ہدایت ہونے کا ذکر فرما کر پھر فرمایا وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ اور اس کتاب کو بھی ہم نے ہی بابرکت بنا کر اتارا ہے۔ اور سورت کے آخر میں فرمایا ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اور فرمان ہے، اسی ہماری اتاری ہوئی مبارک کتاب کی تم پیروی کرو۔ اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ جنات کا قول قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا، ہم نے وہ کتاب سنی جو موسیٰؑ کے بعد اتاری گئی ہے جو اپنے سے پہلے کی اور الہامی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ورقہ بن نوفل کا مقولہ حدیث کی کتابوں میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا، یہ وہی اللہ کے راز داں بھیدی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ جس شخص نے غائر نظر سے علم دین کا مطالعہ کیا ہے، اس پر یہ بات

بالکل ظاہر ہے کہ آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت وشرافت والی' عزت وکرامت والی کتاب تو یہی قرآن مجید فرقان حمید ہے جو اللہ تعالیٰ حمید ومجید نے اپنے رؤف ورحیم نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل فرمائی۔

اس کے بعد تورات شریف کا درجہ ہے جس میں ہدایت ونور تھا جس کے مطابق انبیاء اور ان کے ماتحت حکم احکام جاری کرتے رہے۔ انجیل تو صرف توراۃ کو تمام کرنے والی اور بعض حرام کو حلال کرنے والی تھی اس لیے یہاں فرمایا کہ جو آپ کہتے ہیں' وہ بھی اگر یہ نہ کریں اور نہ آپ کی تابعداری میں آئیں تو جان لے کہ دراصل انہیں دلیل وبرہان کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ یہ صرف جھگڑالو ہیں اور خواہش پرست ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خواہش کے پابند لوگوں سے جو اللہ کی ہدایت سے خالی ہوں' بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اس میں انہماک کر کے جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں' وہ آخر تک راہ راست سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہم نے ان کے لیے تفصیلی قول بیان کر دیا' واضح کر دیا' صاف کر دیا' اگلی پچھلی باتیں بیان کر دیں' قریشیوں کے سامنے سب کچھ ظاہر کر دیا۔ بعض مراد اس سے رفاعہ لیتے ہیں اور ان کے ساتھ کے اور نو آدمی۔ یہ رفاعہ حضرت صفیہ بنت حی کے ماموں ہیں جنہوں نے تمیمہ بنت وہب کو طلاق دی تھی جن کا دوسرا نکاح عبدالرحمٰن بن زبیر ؓ سے ہوا تھا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۲
وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا
مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝۵۳ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ
بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۵۴
وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝۵۵

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عنایت فرمائی' وہ تو اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں ○ جب اس کی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے اور حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں ○ یہ اپنے کئے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا دوہرا اجر دیئے جائیں گے۔ یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں اور ہم نے جو انہیں دے رکھا ہے' یہ بھی دیتے رہتے ہیں ○ اور جب بے ہودہ بات کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے' تم پر سلام ہو' ہم جاہلوں کی ہم نشینی کے طالب نہیں ○

اہل کتاب علماء: ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۵) اہل کتاب کے علماء جو درحقیقت اللہ کے دوست تھے' ان کے پاکیزہ اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ قرآن کو مانتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے' جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ سمجھ بوجھ کر پڑھتے ہیں' ان کا تو اس قرآن پر ایمان ہے۔ اور آیت میں ہے' بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ کو مان کر تمہاری طرف نازل شدہ کتاب' اپنی طرف اتری ہوئی کتاب کو بھی مانتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ہے' پہلے کے اہل کتاب ایسے بھی ہیں کہ ہمارے اس قرآن کی آیتیں سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا اور آیت میں ہے وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى الخ یعنی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں سے قریب تر انہیں پاؤ گے جو اپنے تئیں نصاری کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں علماء اور مشائخ ہیں اور یہ لوگ کبر وغرور سے خالی ہیں اور قرآن کو سن کر رو دیتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمارا ایمان

ہے اے اللہ، ہمیں بھی اپنے دین کا ماننے والا لکھ لے- حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جن کے حق میں یہ فرمایا گیا ہے، یہ ستر بزرگ علماء تھے جو حضور ﷺ کی خدمت میں نجاشی شاہ حبشہ کے بھیجے ہوئے آئے تھے- حضورؐ نے انہیں سورۂ یاسین سنائی جسے سن کر یہ رونے لگے اور مسلمان ہو گئے- انہی کے بارے میں یہ آیتیں اتریں کہ یہ انہیں سنتے ہی اپنے موحد و مخلص ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور قبول کر کے مومن مسلم بن جاتے ہیں- ان کی ان صفتوں پر اللہ تعالیٰ بھی انہیں دوہرا اجر دیتا ہے- ایک پہلی کتاب کو ماننے کا، دوسرا اس قرآن کو تسلیم کرنے و تعمیل کا- یہ اتباع حق پر ثابت قدمی کرتے ہیں جو دراصل ایک مشکل اور اہم کام ہے- حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے- اہل کتاب جو اپنے نبی کو مان کر پھر مجھ پر بھی ایمان لائے- غلام مملوک جو اپنے مجازی آقا کی فرمانبرداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی بھی کرتا رہے- اور وہ شخص جس کے پاس کوئی لونڈی ہو جسے وہ ادب و علم سکھائے، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے-

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کے ساتھ ہی اور بالکل پاس ہی تھا- آپ نے بہت بہترین باتیں ارشاد فرمائیں جن میں یہ بھی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو مسلمان ہو جائے، اسے دوہرا اجر ہے اور اس کے عام مسلمانوں کے برابر حقوق ہیں- پھر ان کے نیک اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ یہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں در گزر کر دیتے ہیں اور نیک سلوک ہی کرتے ہیں اور اپنی حلال روزیاں اللہ کے نام خرچ کرتے ہیں- اپنے بال بچوں کا پیٹ بھی پالتے ہیں- زکوٰۃ، صدقات و خیرات میں بھی بخیلی نہیں کرتے- لغویات سے بچے ہوئے رہتے ہیں- ایسے لوگوں سے دوستیاں نہیں کرتے، ایسی مجلسوں سے دور رہتے ہیں بلکہ اگر کبھی اچانک گزر ہو بھی جائے تو بزرگانہ طور پر ہٹ جاتے ہیں، ایسوں سے میل جول الفت محبت نہیں کرتے، صاف کہہ دیتے ہیں کہ تمہاری کرنی تمہارے ساتھ، ہمارے اعمال ہمارے ساتھ- یعنی جاہلوں کی سخت کلامی بھی برداشت کر لیتے ہیں- انہیں ایسا جواب نہیں دیتے کہ وہ اور بھڑکیں بلکہ چشم پوشی کر لیتے ہیں اور کترا کر نکل جاتے ہیں- چونکہ خود پاک نفس ہیں اس لیے پاکیزہ کلام ہی منہ سے نکالتے ہیں- کہہ دیتے ہیں کہ تم پر سلام ہو، ہم نہ جاہلانہ روش پر چلیں نہ جہالت کی چال پسند کریں-

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے پاس حبشہ سے تقریباً بیس نصرانی آئے- آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے- یہیں یہ بھی بیٹھ گئے اور بات چیت شروع کی- اس وقت قریشی اپنی اپنی بیٹھکوں میں کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے- ان عیسائی علماء نے جب سوالات کر لیے اور جوابات سے ان کی تشفی ہو گئی تو آپؐ نے دین اسلام ان کے سامنے پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت کر کے انہیں سنائی- چونکہ یہ لوگ لکھے پڑھے، سنجیدہ اور روشن دماغ تھے، قرآن نے ان کے دلوں میں اثر کیا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے- انہوں نے فوراً دین اسلام قبول کر لیا، اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے- کیونکہ حضورؐ کی جو صفتیں انہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں، سب آپ میں موجود پائیں، جب یہ لوگ آپ کے پاس سے جانے لگے تو ابوجہل بن ہشام ملعون اپنے آدمیوں کو لیے ہوئے انہیں راستے میں ملا اور تمام قریشیوں نے مل کر انہیں طعنے دینے شروع کیے اور برا کہنے لگے کہ تم سے بدترین وفد کسی قوم کا ہم نے نہیں دیکھا- تمہاری قوم نے تمہیں اس شخص کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا- یہاں تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور اس کا ایسا رنگ تم پر چڑھا کہ ذرا سی دیر میں اپنے دین کو ترک کر کے دین بدل دیا اور اسی کا کلمہ پڑھنے لگے، تم سے زیادہ احمق ہم نے تو کسی کو نہیں پایا وغیرہ- انہوں نے ٹھنڈے دل سے یہ سن لیا اور جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جاہلانہ باتیں کرنا پسند نہیں کرتے- ہمارا دین ہمارے ساتھ، تمہارا مذہب تمہارے ساتھ- ہم نے جس بات میں اپنی بھلائی دیکھی، اسے قبول کر لیا- یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وفد نجران کے نصرانیوں کا تھا، واللہ اعلم- یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیتیں انہی کے بارے میں اتری ہیں- حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان آیتوں کا شان نزول پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، میں تو اپنے علماء

سے یہی سنتا چلا آیا ہوں کہ یہ آیتیں نجاشی اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہیں۔ اور سورۂ مائدہ کی آیتیں ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا سے مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ تک کی آیتیں بھی انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ
اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُـتَخَطَّفۡ
مِنۡ اَرۡضِنَا ؕ اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى اِلَيۡهِ
ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے ○ کہنے لگے اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لئے جائیں، کیا ہم نے انہیں امن وامان اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے بطور رزق کے ہیں لیکن ان میں کے اکثر کچھ نہیں جانتے ○

ہدایت صرف اللہ کے ذمہ ہے: ☆☆ (آیت: ۵۶-۵۷) اے نبیؐ کسی کا ہدایت قبول کرنا تمہارے قبضے کی چیز نہیں۔ آپ پر تو صرف پیغام الٰہی کے پہنچا دینے کا فریضہ ہے۔ ہدایت کا مالک اللہ ہے۔ وہ اپنی حکمت کے ساتھ جسے چاہے قبول ہدایت کی توفیق بخشتا ہے۔ جیسے فرمان ہے لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ تیرے ذمہ ان کی ہدایت نہیں وہ چاہے تو ہدایت بخشے۔ اور آیت میں ہے وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ گو تو ہر چند طمع کرے لیکن ان میں سے اکثر ایماندار نہیں ہوتے کہ یہ اللہ کے ہی علم میں ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے؟ اور مستحق ضلالت کون ہے؟ بخاری و مسلم میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں اتری ہے جو آپ کا بہت طرفدار تھا اور ہر موقعہ پر آپ کی مدد کرتا رہتا تھا اور آپ کا ساتھ دیتا تھا۔ اور دل سے محبت کرتا تھا لیکن یہ محبت بوجہ رشتہ داری کے طبعی تھی۔ شرعانہ تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت محمدؐ نے اسے اسلام میں آنے کی دعوت دی اور ایمان لانے کی رغبت دلائی لیکن تقدیر کا لکھا اور اللہ کا چاہا غالب آیا' یہ ہاتھوں میں سے پھسل گیا اور اپنے کفر پر اڑا رہا۔ حضورؐ اس کے انتقال کے وقت اس کے پاس آئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے' ابو طالب کیا تو اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جائے گا؟ اب حضورؐ سمجھاتے اور دونوں اسے روکتے یہاں تک کہ آخر کلمہ اس کی زبان سے یہی نکلا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتا اور میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' بہتر' میں تیرے لیے رب سے استغفار کرتا رہوں گا' یہ اور بات ہے کہ میں روک دیا جاؤں' اللہ مجھے منع فرما دے۔ لیکن اسی وقت آیت اتری کہ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى یعنی نبیؐ کو اور مومن کو ہرگز یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں گو وہ ان کے نزدیکی قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں' اور اسی ابو طالب کے بارے میں آیت اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ بھی نازل ہوئی (صحیح مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ابو طالب کے مرض الموت میں حضورؐ نے اس سے کہا کہ چچا لا الہ الا اللہ کہہ لو۔ میں اس کی گواہی قیامت کے دن دے دوں گا تو اس نے کہا' اگر مجھے اپنے خاندان قریش کے اس طعنے کا خوف نہ ہو کہ اس نے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے یہ کہہ لیا تو میں اسے کہہ کر تیری آنکھوں کو ٹھنڈی کر دیتا مگر پھر بھی اسے صرف تیری خوشی کے لیے کہتا۔ اس پر

یہ آیت اتری- دوسری روایت میں ہے کہ آخرش اس نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ میرے بھتیجے میں تو اپنے بڑوں کی روش پر ہوں- اور اسی بات پر اس کو موت ہوئی کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہے- قیصر کا قاصد جب رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قیصر کا خط خدمت نبویؐ میں پیش کیا تو آپؐ نے اسے اپنی گود میں رکھ کر اس سے فرمایا' تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے کہا' تیرج قبیلے کا میں آدمی ہوں- آپؐ نے فرمایا' تیرا قصد ہے کہ تو اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر آ جائے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جس قوم کا قاصد ہوں جب تک ان کے پیغام کا جواب انہیں نہ پہنچا دوں' ان کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا- تو آپؐ نے مسکرا کر اپنے صحابہؓ کی طرف دیکھ کر یہی آیت پڑھی- مشرکین اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ہم آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو مان لیں تو ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اس دین کے مخالف جو ہمارے چاروں طرف ہیں اور تعداد میں' مال میں ہم سے بہت زیادہ ہیں' وہ ہمارے دشمن جان بن جائیں گے اور ہمیں تکلیف پہنچائیں گے اور ہمیں برباد کر دیں گے- اللہ فرماتا ہے کہ یہ حیلہ بھی ان کا غلط ہے- اللہ نے انہیں حرم محترم میں رکھا ہے جہاں شروع دنیا سے اب تک امن و امان رہا ہے' تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حالت کفر میں تو یہ یہاں امن سے رہیں اور جب اللہ کے سچے دین کو قبول کریں تو امن اٹھ جائے؟ یہی تو وہ شہر ہے کہ طائف وغیرہ مختلف مقامات سے پھل فروٹ' سامان اسباب' مال تجارت وغیرہ کی آمد و رفت یہاں بکثرت رہتی ہے- تمام چیزیں یہاں کھنچی چلی جاتی ہیں اور ہم انہیں بیٹھے بٹھائے روزیاں پہنچا رہے ہیں لیکن ان کی اکثریت بے علم ہے- اسی لیے ایسے رکیک حیلے اور بے جا عذر پیش کرتے ہیں- مروی ہے کہ یہ کہنے والا حارث بن عامر بن نوفل تھا-

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ
مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ
الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ
اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا
وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش عشرت میں اترانے لگی تھیں' یہ ہیں ان کی رہائش کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ لے لینے والے ○ تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے' ہم تو بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم و ستم پر کمر کس لیں ○

تنبیہ : ☆☆ (آیت: ۵۸-۵۹) اہل مکہ کو ہوشیار کیا جاتا ہے کہ جو اللہ کی بہت سی نعمتیں حاصل کر کے اترا رہے تھے اور سرکشی اور بڑائی کرتے تھے اور اللہ سے کفر کرتے تھے' نبی کا انکار کرتے تھے- اللہ کی روزیاں کھاتے اور اس کی نمک حرامی کرتے تھے' انہیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح تباہ و برباد کیا کہ آج کوئی ان کا نام لیوا نہیں رہا- جیسے اور آیت میں ہے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الخ یہاں فرماتا ہے کہ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں اب تک اجڑی پڑی ہیں- کچھ یونہی سی آبادی اگرچہ ہو گئی ہو لیکن دیکھو ان کے کھنڈرات سے آج تک وحشت برس رہی ہے- ہم ہی ان کے مالک رہ گئے ہیں- حضرت کعب (تابعی) رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ الو سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تو کھیتی اناج کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے کہا اس لیے کہ اسی کے باعث حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے- پوچھا' پانی کیوں

نہیں پیتا؟ کہا اس لیے کہ قوم نوح اسی میں ڈبودی گئی۔ پوچھا' ویرانے میں کیوں رہتا ہے؟ کہا اس لیے کہ وہ اللہ کی میراث ہے۔ پھر حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل وانصاف کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ کسی کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا' پہلے ان پر اپنی حجت ختم کرتا ہے' ان کا عذر دور کرتا ہے' رسولوں کو بھیج کر اپنا کلام ان تک پہنچاتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت عام تھی۔ آپؐ ام القریٰ میں مبعوث ہوئے تھے اور تمام عرب وعجم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جیسے فرمان ہے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا تا کہ تو مکہ والوں کو اور دوسرے شہر والوں کو ڈرا دے۔ اور فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کہہ دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (ﷺ) اور آیت میں ہے لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ تا کہ اس قرآن سے میں تمہیں بھی ڈرادوں اور ہر اس شخص کو جس تک یہ قرآن پہنچے۔

اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ اس قرآن کے ساتھ دنیا والوں میں سے جو بھی کفر کرے' اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ اور جگہ اللہ کا فرمان ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا الخ یعنی تمام بستیوں کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب کرنے والے ہیں۔ پس خبر دی کہ قیامت سے پہلے وہ سب بستیوں کو برباد کر دے گا۔ اور آیت میں ہے کہ ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے۔ پس حضورؐ کی بعثت کو عام کر دیا اور تمام جہان کے لیے کر دیا اور مکے میں جو کہ تمام دنیا کا مرکز ہے' آپؐ کو مبعوث فرما کر ساری دنیا پر اپنی حجت ختم کر دی۔ بخاری ومسلم میں حضورؐ کا ارشاد مروی ہے کہ میں تمام سیاہ سفید کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لیے نبوت ورسالت کو آپؐ پر ختم کر دیا۔ آپؐ کے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ کہا گیا ہے کہ مراد اُمُّ الْقُرٰى سے اصل اور بڑا قریہ ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ
خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰ ع ۶ ۱۰

تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے' وہ صرف زندگی دنیا کا سامان اور اسی کی رونق ہے' ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت بہتر اور دیرپا ہے' کیا تم نہیں سمجھتے ○

دنیا اور آخرت کا تقابلی جائزہ: ☆☆ (آیت: ۶۰) اللہ تعالیٰ دنیا کی حقارت' اس کی رونق کی قلت وذلت' اس کی ناپائیداری' بے ثباتی اور برائی بیان فرما رہا ہے اور اس کے مقابلے میں آخرت کی نعمتوں کی پائیداری' دوام' عظمت اور قیام کا ذکر فرما رہے ہیں' جیسے ارشاد ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ تمہارے پاس جو کچھ ہے' فنا ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس کی تمام چیزیں بقا والی ہیں۔ اللہ کے پاس جو ہے' وہ نیک لوگوں کے لیے بہت ہی بہتر اور عمدہ ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن افسوس کہ لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور آخرت سے غافل ہو رہے ہیں جو بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے۔ پھر دیکھ لے کہ اس کی انگلی پر جو پانی چڑھا ہوا ہے' وہ سمندر کے مقابلہ میں کتنا کچھ ہے۔ افسوس کہ اس پر بھی اکثر لوگ اپنی کم علمی اور بے علمی کے باعث دنیا کے متوالے ہو رہے ہیں۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۶۱

کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے' مثل اس شخص کے ہو سکتا ہے جسے ہم نے زندگانی دنیا کی کچھ یونہی سی منفعت دے دی- پھر بالاخر وہ پکڑا باندھا حاضر کیا جائے گا ○

(آیت:٦١) خیال کر لو' کیا ایک تو وہ جو اللہ پر' اللہ کے نبی پر ایمان ویقین رکھتا ہو اور ایک وہ جو ایمان نہ لایا ہو' نتیجے کے اعتبار سے برابر ہو سکتے ہیں؟ ایمان والے کے ساتھ تو اللہ کا' جنت کا اور اپنی بے شمار ان مٹ غیر فانی نعمتوں کا وعدہ ہے اور کافر کے ساتھ وہاں کے عذابوں کا ڈراوا ہے گو دنیا میں کچھ روز عیش ہی منا لے- مروی ہے کہ یہ آیت حضور ﷺ اور ابوجہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہے- ایک قول یہ بھی ہے کہ حمزہؓ علیؓ اور ابوجہل کے بارے میں یہ آیت اتری ہے- ظاہر یہ ہے کہ آیت عام ہے جیسے فرمان ہے کہ جنتی مومن اپنے جنت کے درجوں سے جھانک کر جہنمی کافر کو جہنم کے جیل خانہ میں دیکھ کر کہے گا کہ لَوْ لَا نِعۡمَةُ رَبِّیۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِیۡنَ اگر مجھ پر میرے رب کا انعام نہ ہوتا تو میں بھی ان عذابوں میں پھنس جاتا- اور آیت میں ہے وَلَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّةُ اِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ جنات کو یقین ہے کہ وہ حاضر کیے جانے والوں میں سے ہیں-

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿٦٢﴾
قَالَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا ۚ
اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ ۖ مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿٦٣﴾

جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنہیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں؟ ○ جن پر بات آ چکی' وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار' یہی وہ ہیں جنہیں ہم نے بہکا رکھا تھا' ہم نے انہیں اسی طرح بہکایا جس طرح ہم بہکے تھے' ہم تیری سرکار میں اپنی دستبرداری کرتے ہیں' یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○

کہاں ہیں تمہارے بت: ☆☆ (آیت:٦٢-٦٣) مشرکوں کو قیامت کے دن پکار کر سامنے کھڑا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں جنہیں تم میرے سوا پوجتے رہے' جن بتوں اور پتھروں کو مانتے رہے ہو' وہ کہاں ہیں؟ انہیں پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں یا وہ خود اپنی کوئی مدد کر سکتے ہیں؟ یہ صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہوگا- جیسے فرمان ہے وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ الخ یعنی ہم تمہیں ویسے ہی تنہا تنہا اور ایک ایک کر کے لائیں گے جیسے ہم نے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا دلایا تھا' وہ سب تم اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے- ہم تو آج تمہارے ساتھ کسی سفارشی کو بھی نہیں دیکھتے جنہیں تم شریک الٰہی ٹھہرائے ہوئے تھے- تم میں ان میں کوئی لگاؤ نہیں رہا اور تمہارے گمان کردہ شریک سب آج تم سے کھوئے ہوئے ہیں جن پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی' یعنی شیاطین اور سرکش لوگ اور کفر کے بانی اور شرک کی طرف لوگوں کو بلانے والے' یہ سب بڑے بڑے لوگ اس دن کہیں گے کہ اے اللہ ہم نے انہیں گمراہ کیا اور انہوں نے ہماری کفریہ باتیں سنیں اور مانیں' جیسے ہم بہکے ہوئے تھے' انہیں بھی ہم نے بہکایا- ہم ان کی عبادت سے تیرے سامنے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں-

جیسے اور آیت میں ہے وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً الخ انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے تا کہ وہ ان کے لیے باعث عزت بنیں لیکن ایسا نہیں ہونے کا' یہ تو ان کی عبادت سے بھی انکار کر جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے اور آیت میں

ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے جو قیامت کی گھڑی تک انہیں جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کی پکار سے بھی غافل ہوں اور قیامت کے دن لوگوں کے حشر کے موقعہ پر ان کے دشمن بن جائیں اور اس بات سے صاف انکار کر دیں کہ انہوں نے ان کی عبادت کی تھی۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے جن بتوں کی پوجا پاٹ شروع کر رکھی ہے' ان سے صرف دنیا کی ہی دوستی ہے۔ قیامت کے دن تو تم سب ایک دوسرے کے منکر ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور آیت میں ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا الخ یعنی جو تابعداری کرنے والے تھے اور وہ ان کی پر جوش تابعداری کرتے رہے مگر یہ ان سے بری اور بیزار ہو جائیں گے یعنی عذابوں کو سامنے دیکھتے ہوئے سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا
الْعَذَابَ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ
اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ
لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى
اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾

کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ' وہ بلائیں گے لیکن انہیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور یہ سب عذاب دیکھ لیں گے۔ کاش یہ لوگ ہدایت پا لیتے ○ اس دن انہیں بلا کر پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ ○ پھر تو ان پر اس دن تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی اور ایک دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے ○ ہاں جو شخص توبہ کر لے' ایمان لے آئے اور نیک کام کرے' یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہو جائے گا ○

(آیت: ۶۴-۶۷) ان سے فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں پوجتے رہے ہو' آج انہیں کیوں نہیں پکارتے؟ اب یہ پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ آگ کے عذاب میں جائیں گے۔ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہم راہ یافتہ ہوتے؟ جیسے ارشاد ہے کہ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ الخ جس دن فرمائے گا کہ میرے ان شریکوں کو آواز دو جنہیں تم بہت کچھ سمجھ رہے تھے' یہ پکاریں گے لیکن وہ جواب تک نہ دیں گے اور ہم ان کے اور ان کے درمیان آڑ کر دیں گے۔ مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے' پھر باور کرائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اسی قیامت والے دن ان سے سب کو سنا کر ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ تم نے میرے انبیاء کو کیا جواب دیا؟ اور کہاں تک ان کا ساتھ دیا؟ پہلے توحید کے متعلق باز پرس تھی۔ اب رسالت کے متعلق سوال جواب ہو رہے ہیں۔ اسی طرح قبر میں بھی سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ مومن جواب دیتا ہے کہ میرا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میرے رسول حضرت محمدؐ ہیں جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے (سلام علیہ) ہاں کافر سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا' وہ گھبراہٹ اور پریشانی سے کہتا ہے' مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔ اندھا بہرا ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا جو شخص یہاں اندھا ہے' وہ وہاں بھی اندھا اور راہ بھولا رہے گا۔ تمام دلیلیں ان کی نگاہوں سے ہٹ جائیں گی' رشتے ناتے' حسب نسب کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ نسب ناموں کا کوئی سوال نہ ہوگا۔ ہاں

دنیا میں توبہ کرنے والے ایمان اور نیکی کے ساتھ زندگی گزارنے والے تو بے شک فلاح اور نجات حاصل کر لیں گے یہاں عسیٰ یقین کے معنی میں ہے یعنی مومن ضرور کامیاب ہوں گے۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٦٨ وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝٦٩ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى
وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٧٠

تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن کر مختار کر لیتا ہے ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں اللہ ہی کے لئے پاکی ہے۔ وہ بلند تر ہے ہر اس چیز سے کہ لوگ شریک کرتے ہیں ○ ان کے سینے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں تیرا رب سب کچھ جانتا ہے۔ وہی اللہ ہے ○ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اسی کے لئے فرماں روائی ہے اور اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے ○

صفات الٰہی: ☆☆ (آیت: ٦٨-٧٠) ساری مخلوق کا خالق تمام اختیارات والا اللہ ہی ہے۔ نہ اس میں کوئی اس سے جھگڑنے والا نہ اس کا شریک وساتھی۔ جو چاہے پیدا کرے جسے چاہے اپنا خاص بندہ بنا لے۔ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا ہو ہی نہیں سکتا۔ تمام امور سب خیر وشر اسی کے ہاتھ ہے۔ سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ یہی لفظ اسی معنی میں آیت مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ میں ہے دونوں جگہ ما نافیہ ہے۔ گو ابن جریرؒ نے یہ کہا ہے کہ ما معنی میں الذی کے ہے یعنی اللہ پسند کرتا ہے اسے جس میں بھلائی ہو اور اسی معنی کو لے کر معتزلیوں نے مراعات صالحین پر استدلال کیا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہاں ما نفی کے معنی میں ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے۔ یہ آیت اسی بیان میں ہے کہ مخلوق کی پیدائش میں تقدیر کے مقرر کرنے میں اختیار رکھنے میں اللہ ہی اکیلا ہے اور نظیر سے پاک ہے۔ اسی لئے آیت کے خاتمہ پر فرمایا کہ جب بتوں وغیرہ کو وہ شریک الٰہی ٹھہرا رہے ہیں جو نہ کسی چیز کو بنا سکیں نہ کسی طرح کا اختیار رکھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سب سے پاک اور بہت دور ہے۔ پھر فرمایا سینوں اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی اللہ جانتا ہے اور وہ سب بھی اس پر اسی طرح ظاہر ہیں جس طرح کھلم کھلا اور ظاہر باتیں۔ پوشیدہ بات کہو یا اعلان سے کہو وہ سب کا عالم ہے رات میں اور دن میں جو ہو رہا ہے اس پر پوشیدہ نہیں۔ الوہیت میں بھی وہ یکتا ہے اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی طرف مخلوق اپنی حاجتیں لے جائے۔ جس سے مخلوق عاجزی کرے جو مخلوق کا ملجا و ماویٰ ہو جو عبادت کے لائق ہو۔ خالق و مختار رب مالک وہی ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے سب لائق تعریف ہے۔ اس کا عدل و حکمت اسی کے ساتھ ہے۔ اس کے احکام کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اس کے ارادوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ غلبہ حکمت رحمت اسی کی ذات پاک میں ہے۔ تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہ سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس پر تمہارے کاموں میں سے کوئی کام چھپا ہوا نہیں۔ نیکوں کو جزا بدوں کو سزا وہ اس روز دے گا اور اپنی مخلوق میں فیصلے فرمائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝٧١ قُلْ

أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ
الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ
أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ
لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

کہہ دے کہ دیکھو تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات ہی رات قیامت تک برابر کر دے تو سوائے اللہ کے کون معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لا دے' کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ○ پوچھ کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لا دے جس میں تم آرام حاصل کرو۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ ○ اسی نے تو تمہارے لئے اپنے فضل وکرم سے دن رات مقرر کر دیئے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو۔ یہ اس لئے کہ تم شکریہ ادا کرو ○

سنی ان سنی نہ کرو: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۳) اللہ کا احسان دیکھو کہ بغیر تمہاری کوشش اور تدبیر کے دن اور رات برابر آگے پیچھے آ رہے ہیں۔ اگر رات ہی رات رہے تو تم عاجز آ جاؤ' تمہارے کام رک جائیں' تم پر زندگی وبال ہو جائے' تم تھک جاؤ' اکتا جاؤ' کسی کو نہ پاؤ جو تمہارے لئے دن نکال سکے کہ تم اس کی روشنی میں چلو پھرو' دیکھو بھالو' اپنے کام کاج کر لو۔ افسوس تم سن سنا کر بھی بے سنا کر دیتے ہو۔ اسی طرح اگر وہ تم پر دن ہی دن کو روک دے' رات آئے ہی نہیں تو بھی تمہاری زندگی تلخ ہو جائے۔ بدن کا انتظام الٹ پلٹ ہو جائے' تھک جاؤ' تنگ ہو جاؤ۔ کوئی نہیں جسے قدرت ہو کہ وہ رات لا سکے جس میں تم راحت و آرام حاصل کر سکو لیکن تم آنکھیں رکھتے ہوئے اللہ کی ان نشانیوں اور مہربانیوں کو دیکھتے ہی نہیں ہو۔ یہ بھی اسی کا احسان ہے کہ اس نے دن رات دونوں پیدا کر دیئے ہیں کہ رات کو تمہیں سکون و آرام حاصل ہو اور دن کو تم کام کاج' تجارت' زراعت' سفر' شغل کر سکو۔ تمہیں چاہئے کہ تم اس مالک حقیقی' اس قادر مطلق کا شکر ادا کرو' رات کو اس کی عبادتیں کرو۔ رات کے قصور کی تلافی دن میں اور دن کے قصوروں کی تلافی رات میں کر لیا کرو۔ یہ مختلف چیزیں قدرت کے نمونے ہیں اور اس لئے ہیں کہ تم نصیحت و عبرت سیکھو اور رب کا شکر کرو۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾
وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا
أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾ إِنَّ ۷ ع ۱۵ ۱۰
قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ
الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ
إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾

جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے' وہ کہاں ہیں؟ ○ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے اور فرما دیں گے' اپنی دلیلیں پیش کرو' اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ کی طرف ہے اور جو کچھ افترا وہ جوڑتے تھے' سب ان کے پاس سے کھو جائے گا ○ قارون تھا تو قوم

موسیٰ سے لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا۔ ہم نے اسے اس قدر خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے۔ ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت' اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ○

افترا بندی چھوڑ دو: ☆☆ (آیت:۷۴-۷۵) مشرکوں کو دوسری دفعہ ڈانٹ کھلائی جائے گی اور فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے' وہ آج کہاں ہیں؟ ہر امت میں سے ایک گواہ یعنی اس امت کا پیغمبر ممتاز کر لیا جائے گا۔ مشرکوں سے کہا جائے گا' اپنے شرک کی کوئی دلیل پیش کرو۔ اس وقت یہ یقین کر لیں گے کہ فی الواقع عبادتوں کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ کوئی جواب نہ دے سکے گا' حیران رہ جائیں گے اور تمام افترا بھول جائیں گے۔

قارون: ☆☆ (آیت:۷۶) مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہیث اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن قاہیث ۔ ابن اسحاق کی تحقیق ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتاتے ہیں۔ یہ بہت خوش آواز تھا' تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا۔ اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ لیکن جس طرح سامری نے منافق پنا کیا تھا' یہ اللہ کا دشمن بھی منافق ہو گیا تھا۔ چونکہ بہت مال دار تھا' اس لئے بھول گیا تھا اور اللہ کو بھول بیٹھا تھا۔ قوم میں عام طور پر جس لباس کا دستور تھا' اس نے اس سے بالشت بھر نیچا لباس بنوایا تھا جس سے اس کا غرور اور اس کی دولت ظاہر ہو۔ اس کے پاس اس قدر مال تھا کہ اس خزانے کی کنجیاں اٹھانے پر قوی مردوں کی ایک جماعت مقرر تھی۔ اس کے بہت سے خزانے تھے۔ ہر خزانے کی کنجی الگ تھی جو بالشت بھر کی تھی۔ جب یہ کنجیاں اس کی سواری کے ساتھ خچروں پر لادی جاتیں تو اس کے لئے ساٹھ پنچ کلیاں خچر مقرر ہوتے واللہ اعلم۔

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ
مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي
الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى
عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ
مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا
يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے' اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے' تو بھی سلوک کرتا رہ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ رہا کر' یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے ○ قارون کہنے لگا کہ یہ سب کچھ مجھے میری اپنی عقل و سمجھ کی بناء پر ہی دیا گیا ہے' کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے' گنہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی ○

(آیت:۷۷) قوم کے بزرگ اور نیک لوگوں اور عالموں نے جب اس کی سرکشی اور تکبر حد سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے نصیحت کی کہ اتنا اکڑ نہیں' اس قدر غرور نہ کر' اللہ کا ناشکرا نہ بن' ورنہ اللہ کی محبت سے دور ہو جاؤ گے۔ قوم کے واعظوں نے کہا کہ یہ جو اللہ کی نعمتیں

تیرے پاس ہیں' انہیں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کر' تا کہ آخرت میں بھی تیرا حصہ ہو جائے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ دنیا میں کچھ عیش وعشرت کر ہی نہیں۔ نہیں' اچھا کھا' اچھا پی' پہن' اوڑھ' جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا' نکاح سے راحت اٹھا' حلال چیزیں برت' لیکن جہاں اپنا خیال رکھ وہاں مسکینوں کا بھی خیال رکھ' جہاں اپنے نفس کو نہ بھول' وہاں اللہ کے حق بھی فراموش نہ کر۔ تیرے نفس کا بھی حق ہے' تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے' تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے' مسکین غریب کا بھی تیرے مال میں ساجھا ہے۔ ہر حق دار کا حق ادا کر اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا' تو اوروں کے ساتھ سلوک واحسان کر' اپنے اس مفسدانہ رویہ کو بدل ڈال' اللہ کی مخلوق کی ایذارسانی سے باز آ جا۔ اللہ فسادیوں سے محبت نہیں رکھتا۔

اپنی عقل ودانش پہ مغرور قارون: ☆☆ (آیت:۷۸) قوم کے علماء کی نصیحتوں کو سن کر قارون نے جو جواب دیا' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے کہا آپ اپنی نصیحتوں کو رہنے دیجئے' میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ نے مجھے جو دے رکھا ہے' اسی کا مستحق میں تھا' میں ایک عقلمند' زیرک' دانا شخص ہوں' میں اسی قابل ہوں اور اسے اللہ بھی جانتا ہے' اسی لئے اس نے مجھے یہ دولت دی ہے۔ بعض انسانوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے جیسے انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب تو بڑی عاجزی سے ہمیں پکارتا ہے اور جب انسان کو کوئی نعمت وراحت اسے ہم دے دیتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ یعنی اللہ جانتا تھا کہ میں اس کا مستحق ہوں' اس لئے اس نے مجھے یہ دیا ہے اور آیت میں ہے کہ اگر ہم اسے کوئی رحمت چکھائیں' اس کے بعد جب اسے مصیبت پہنچتی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ هٰذَا لِیْ اس کا حقدار تو میں تھا ہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے' قارون علم کیمیا جانتا تھا لیکن یہ قول بالکل ضعیف ہے۔ بلکہ کیمیا کا علم فی الواقع ہے ہی نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے عین کو بدل دینا' یہ اللہ ہی کی بات ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں۔ فرمان الٰہی ہے کہ اگر تمام مخلوق بھی جمع ہو جائے تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو کوشش کرتا ہے کہ میری طرح پیدائش کرے۔ اگر وہ سچا ہے تو ایک ذرہ' ایک جو ہی بنا دے۔ یہ حدیث ان کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہر صورت کی نقل کرتے ہیں۔ ان کے لئے تو یہ فرمایا۔ پھر دعویٰ کرے کہ وہ کیمیا جانتا ہے اور ایک چیز کی کایا پلٹ کر سکتا ہے' ایک ذات سے دوسری ذات بنا دیتا ہے' مثلاً لوہے کو سونا وغیرہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور بالکل محال ہے اور جہالت وضلالت ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ رنگ وغیرہ بدل کر دھوکے بازی کرے۔ لیکن حقیقتاً یہ ناممکن ہے۔ یہ کیمیاگر جو محض جھوٹے' جاہل' فاسق اور مفتری ہیں' یہ محض دعوے کر کے مخلوق کو دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء کرام کے ہاتھوں جو کرامتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں' ان کا ہمیں انکار نہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی ان کے بس کا نہیں ہوتا' نہ ان کے قبضے کا ہوتا ہے' نہ وہ کوئی کاری گری' صنعت یا علم ہے۔ وہ محض اللہ کے فرمان کا نتیجہ ہے جو اللہ اپنے فرمانبردار' نیک کاربندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصریؒ سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجت مندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے۔ آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا ڈلا بن گیا۔ معجزے اور کرامات' احادیث اور آثار میں اور بھی بہت سے مروی ہیں۔ جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولت مند ہو گیا۔ قارون کے اس جواب کے رد میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں جس پر مہربان ہوتا ہوں' اسے دولت مند کر دیتا ہوں' نہیں اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت اور آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کر دیا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ مالداری میری محبت کی نشانی ہے' محض

غلط ہے- جو میرا شکر ادا نہ کرے، کفر پر جما رہے، اس کا انجام بد ہوتا ہے- گناہ گاروں کے کثرت گناہ کی وجہ سے، پھر ان سے ان کے گناہوں کا سوال بھی عبث ہوتا- اس کا خیال تھا کہ مجھ میں خیریت ہے اس لئے اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا ہے- وہ جانتا ہے کہ میں اس مال داری کا اہل ہوں، اگر اللہ مجھ سے خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا-

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝٧٩
وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝٨٠

قدرت کی قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا، تو زندگانی دنیا کے متوالے کہنے لگے، کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے ○ ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی، جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابق سنت عمل کریں، یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر و سہار والے ہوں ○

سامان تعیش کی فراوانی: ☆☆ (آیت:۷۹-۸۰) قارون ایک دن نہایت قیمتی پوشاک پہن کر، زرق برق عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو آگے پیچھے بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے لے کر بڑے ٹھاٹھ سے اتراتا اور اکڑتا ہوا نکلا، اس کا یہ ٹھاٹھ اور یہ زینت و تجمل دیکھ کر دنیا داروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کاش کہ ہمارے پاس بھی اس جتنا مال ہوتا- یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑی قسمت والا ہے- علماء کرام نے ان کی یہ بات سن کر انہیں اس خیال سے روکنا چاہا اور انہیں سمجھانے لگے کہ دیکھو اللہ نے جو کچھ اپنے مومن اور نیک بندوں کے لئے اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے، وہ اس سے کروڑھا درجہ بارونق، دیرپا اور عمدہ ہے- تمہیں ان درجات کو حاصل کرنے کے لئے اس دوروزہ زندگی کو صبر و برداشت سے گزارنا چاہئے- جنت صابروں کا حصہ ہے- یہ مطلب بھی ہے کہ ایسے پاک کلمے صبر کرنے والوں کی زبان ہی سے نکلتے ہیں جو دنیا کی محبت سے دور اور دار آخرت کی محبت میں چور ہوتے ہیں- اس صورت میں ممکن ہے کہ یہ کلام ان واعظوں کا نہ ہو بلکہ ان کے کلام کی اور ان کی تعریف میں یہ جملہ اللہ کی طرف سے خبر ہو-

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝٨١ وَاَصْبَحَ
الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ
عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٢ ع ٧ ١١

آخرش ہم نے اسے اس کی محل سرا سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لئے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا ○ اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزومندیاں کر رہے تھے، وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے

چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ملتی ○

ایک بالشت کا آدمی؟ ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) اور قارون کی سرکشی بے ایمانی کا ذکر ہو چکا، یہاں اس کے انجام کا بیان ہو رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، حضورؐ نے فرمایا، ایک شخص اپنا تہمد لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں نوفل بن مساحق کہتے ہیں، نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا، بڑا لمبا چوڑا، بھرپور جوانی کے نشہ میں چور، گٹھے ہوئے بدن والا، بانکا ترچھا، اچھے رنگ والا، خوبصورت، شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا، کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا، آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تو ہی کیا، خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا، یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا۔ آخر کار اس کا کوئی قریبی رشتہ دار آستین میں ڈال کر لے گیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک سبب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال متاع دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین اس وقت جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ کہہ رہے ہوں، وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہی ہے نا جس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس عورت نے یہی کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت باندھ لی اور دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے، تجھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کئے، تو جو سچا واقعہ ہے، اسے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدے میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اسے اور اس کے محل کو نگل لے۔ زمین نے یہی کیا۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی، سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا، اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے۔ بنو اسرائیل کا مجمع تھا۔ یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا، آج اس طرح کیسے نکلے ہو؟ اس نے کہا، بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے۔ اور ایک فضیلت مجھے دے رکھی ہے۔ اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ و حشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت میں شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اسے لے کر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، لے اب پہلے میں دعا کروں یا تو کرتا ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں میں کروں گا۔ اب اس نے دعا مانگنی شروع کی، ختم کر لی لیکن قبول نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اب میں دعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا، ہاں کیجئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم کر کہ جو میں کہوں، مان لے۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر زمین سے فرمایا، اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے، وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے آپ نے فرمایا اور پکڑ لے۔ یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ۔ یہ مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے۔ پھر فرمایا، ان کے خزانے اور ان کے مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت ان کے کل خزانے اور تمام مال آ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت

اپنے اندر کر لے' اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہی ہو گئی۔

مروی ہے کہ ساتویں زمین تک یہ لوگ بقدر قد انسان نیچے کی طرف دھنستے جا رہے ہیں' قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔ یہاں پر اور بھی بنی اسرائیلی روایتیں بہت سی ہیں لیکن ہم نے ان کا بیان چھوڑ دیا ہے۔ نہ تو مال انہیں کام آیا' نہ جاہ وحشمت' نہ دولت وتمکنت' نہ کوئی ان کی مدد کے لیے اٹھا' نہ یہ خود اپنا کوئی بچاؤ کر سکے۔ تباہ ہو گئے' بے نشان ہو گئے' مٹ گئے اور مٹا دیئے گئے (اعاذنا اللہ) اس وقت تو ان لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئی جو قارون کے مال کو اور اس کی عزت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور اسے نصیب دار سمجھ کر لمبے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کرتے تھے کہ کاش کہ ہم ایسا دولت مند ہوتے۔ وہ کہنے لگے' اب دیکھ لیا کہ واقعی سچ ہے' دولت مند ہونا کچھ اللہ کی رضا مندی کا سبب نہیں' یہ اللہ کی حکمت ہے جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے کم دے۔ جس پر چاہے وسعت کرے جس میں چاہے تنگی کرے۔ اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کی ہے جس طرح روزی کی۔ مال تو اللہ کی طرف سے اس کے دوستوں کو بھی ملتا ہے اور اس کے دشمنوں کو بھی۔ البتہ ایمان اللہ کی طرف سے اسی کو ملتا ہے جسے اللہ چاہتا ہو۔ قارون کے اس دھنسائے جانے کو دیکھ کر وہ جو اس جیسا بننے کی امیدیں کر رہے تھے' کہنے لگے کہ اگر اللہ کا لطف واحسان ہم پر نہ ہوتا تو ہماری اس تمنا کے بدلے جو ہمارے دل میں تھی کہ کاش کہ ہم بھی ایسے ہی ہوتے' آج اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ساتھ دھنسا دیتا۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ کے ہاں فلاح کے لائق نہیں ہوتے۔ نہ انہیں دنیا میں کامیابی ملے نہ آخرت میں ہی وہ چھٹکارا پائیں۔ نحوی کہتے ہیں وَیۡكَاَنَّ کے معنی وَیۡلَكَ اِعۡلَمۡ اَنَّ ہیں لیکن مخفف کر کے وَیۡكَ رہ گیا اور ان کے فتح نے اِعۡلَمۡ کے محذوف ہونے پر دلالت کر دی۔ لیکن اس قول کو امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے ضعیف بتایا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں یہ ضعیف کہنا ٹھیک نہیں۔ قرآن کریم میں اس کتابت کا ایک ساتھ ہونا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ کتابت کا طریقہ تو اختراعی امر ہے' جو رواج پا گیا' وہی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے معنی اس کے اَلَمۡ تَرَاَنَّ کے لئے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسی طرح دو لفظ ہیں وَیۡ اور کَاَنَّ۔ حرف وَیۡ تعجب کے لیے ہے یا تنبیہہ کے لیے اور کان معنی میں اَظُنُّ کے ہے۔ ان تمام اقوال میں قوی قول یہ ہے کہ یہ معنی میں اَلَمۡ تَرَ کے ہے یعنی کیا نہ دیکھا تو نے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا قول ہے اور یہی معنی عربی شعر میں بھی مراد لئے گئے ہیں۔

تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ۝۸۳ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجۡزَی الَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝۸۴

آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے ○ جو شخص نیکی لائے گا' اسے اس سے بہت بہتر ملے گا' اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے بداعمال کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے ○

جنت اور آخرت: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۴) فرماتا ہے کہ جنت اور آخرت کی نعمت صرف انہی کو ملے گی جن کے دل خوف الٰہی سے

بھرے ہوئے ہوں اور دنیا کی زندگی تواضع، فروتنی، عاجزی اور اخلاق کے ساتھ گزار دیں- کسی پر اپنے آپ کو اونچا اور بڑا نہ سمجھیں، ادھر ادھر فساد نہ پھیلائیں، سرکشی اور برائی نہ کریں، کسی کا مال ناحق نہ ماریں، اللہ کی زمین پر اللہ کی نافرمانیاں نہ کریں- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہو تو وہ بھی اسی آیت میں داخل ہے- اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر و غرور کرے- اور اگر صرف بطور زیبائش کے چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں- جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! میری تو یہ خوشی رہتی ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو، میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں نہیں، یہ تو خوبصورتی ہے- اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے- پھر فرمایا، جو ہمارے پاس نیکی لائے گا، وہ بہت سی نیکیوں کا ثواب پائے گا- یہ مقام فضل ہے اور برائی کا بدلہ صرف اسی کے مطابق سزا ہے، یہ مقام عدل ہے- اور آیت میں ہے وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ الخ جو برائی لے کر آئے گا، وہ اوندھے منہ آگ میں جائے گا- تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے-

إِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّىْٓ
اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵ وَمَا كُنْتَ
تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶

جس اللہ نے تجھ پر قرآن نازل فرمایا ہے، وہ تجھے دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے، کہہ دے کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہے ○ تجھے تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ تیری طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی لیکن تیرے رب کی مہربانی سے یہ اترا- اب تجھے ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہیے ○

جو کرو گے سو بھرو گے: ☆☆ (آیت: ۸۵-۸۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم فرماتا ہے کہ رسالت کی تبلیغ کرتے رہیں، لوگوں کو کلام اللہ سناتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کی طرف واپس لے جانے والا ہے اور وہاں نبوت کی بت پرسش ہوگی- جیسے فرمان ہے- فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی امتوں سے اور رسولوں سے سب سے ہم دریافت فرمائیں گے اور آیت میں ہے رسولوں کو جمع کر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور آیت میں ہے، نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا- معاد سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے، موت بھی ہو سکتی ہے- دوبارہ کی زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ دوبارہ پیدا ہوں اور داخل جنت ہوں- صحیح بخاری میں ہے، اس سے مراد مکہ ہے- مجاھد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے جو آپ کی جائے پیدائش تھی-

ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب حضورؐ مکہ سے نکلے، ابھی جحفہ ہی میں تھے جو آپ کے دل میں مکے کا شوق پیدا ہوا- پس یہ آیت اتری اور آپ سے وعدہ ہوا کہ آپ واپس مکے پہنچائے جائیں گے- اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو حالانکہ پوری سورت مکی ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے- شاید اس کہنے والے کی غرض اس سے بھی قیامت ہے اس لیے کہ بیت المقدس ہی محشر کی زمین ہے- ان تمام اقوال میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کبھی تو آپ کے مکے کی طرف لوٹنے سے اس کی تفسیر کی ہے جو فتح مکہ سے پوری ہوئی- اور یہ حضورؐ کی عمر کے پورا ہونے کی ایک زبردست علامت تھی- جیسے کہ آپ نے سورۂ اِذَا جَآءَ کی تفسیر میں فرمایا ہے جس کی عمرؓ نے بھی موافقت کی تھی- اور فرمایا تھا کہ تو جو جانتا ہے، وہی میں بھی جانتا ہوں- یہی وجہ ہے کہ انہی سے اس

آیت کی تفسیر میں جہاں مکہ مروی ہے وہاں حضورؐ کا انتقال بھی مروی ہے اور کبھی قیامت سے تفسیر کی کیونکہ موت کے بعد قیامت ہے اور کبھی جنت سے تفسیر کی جو آپؐ کا ٹھکانا ہے اور آپؐ کی تبلیغ رسالت کا بدل ہے کہ آپؐ نے جن وانس کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور آپ تمام مخلوق سے زیادہ کامل' زیادہ فصیح اور زیادہ افضل تھے۔

پھر فرمایا کہ اپنے مخالفین سے اور جھٹلانے والوں سے کہہ دو کہ ہم میں سے ہدایت والوں کو اور گمراہی والوں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ کس کا انجام بہتر ہوتا ہے؟ اور دنیا اور آخرت میں بہتری اور بھلائی کس کے حصے میں آتی ہے؟ پھر اپنی ایک اور زبردست نعمت بیان فرماتا ہے کہ وحی کے اترنے سے پہلے آپ کو کبھی یہ خیال بھی نہ گذرتا تھا کہ آپ پر کتاب اللہ نازل ہوگی۔ یہ تو تجھ پر اور تمام مخلوق پر رب کی رحمت ہوئی کہ اس نے تجھ پر اپنی پاک اور افضل کتاب نازل فرمائی۔ اب تمہیں ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہئے بلکہ ان سے الگ رہنا چاہئے۔ ان سے بیزاری ظاہر کر دینی چاہیے اور ان سے مخالفت کا اعلان کر دینا چاہیے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى
رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ
اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ
لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ۹ ع ۶ ۲۲

خیال رکھ کہ یہ کفار تجھے اللہ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں۔ اس کے بعد کہ یہ تیری جانب اتاری گئیں تو اپنے رب کی طرف بلاتا رہ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا' بجز اللہ کے کوئی اور معبود نہیں۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اسی کا منہ' اسی کیلئے فرمانروائی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

(آیت: ۸۷-۸۸) پھر فرمایا کہ اللہ کی اتری ہوئی آیتوں سے یہ لوگ کہیں تجھے روک نہ دیں یعنی جو تیرے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو تیری تابعداری سے روکتے ہیں تو اس سے اثر پذیر نہ ہونا' اپنے کام پر لگے رہنا' اللہ تیرے کلمے کو بلند کرنے والا ہے' تیرے دین کی تائید کرنے والا ہے' تیری رسالت کو غالب کرنے والا ہے۔ تمام دینوں پر تیرے دین کو اونچا کرنے والا ہے۔ تو اپنے رب کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتا رہ جو اکیلا اور لاشریک ہے۔ تجھے نہیں چاہیے کہ مشرکوں کو ساتھ دے۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکار۔ عبادت کے لائق وہی ہے۔ الوہیت کے قابل اسی کی عظیم الشان ذات ہے' وہی دائم اور باقی ہے۔ حی وقیوم ہے۔ تمام مخلوق مر جائے گی اور وہ موت سے دور ہے۔ جیسے فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ جو بھی یہاں پر ہے' فانی ہے۔ تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہ جائے گا جو جلالت وکرامت والا ہے۔ وجہ سے مراد ذات ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے زیادہ سچا کلمہ لبید شاعر کا ہے جو اس نے کہا ہے اَلَّا كُلُّ شَيْئٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ یاد رکھو کہ اللہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ مجاہدؒ وثوری رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہر چیز باطل ہے مگر وہ کام جو اللہ کی رضاجوئی کے لیے کئے جائیں' ان کا ثواب رہ جاتا ہے۔ شاعروں کے شعروں میں بھی وجہ کا لفظ اس مطلب کے لیے استعمال کیا گیا۔ ملاحظہ ہو

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ذَنْبًا لَسْتُ مُحْصِيَهٗ رَبَّ الْعِبَادِ اِلَيْهِ الْوَجْهُ وَالْعَمَلُ

میں اللہ سے جو تمام بندوں کا رب ہے جس کی طرف توجہ اور قصد ہے اور جس کے لیے عمل ہیں' اپنے ان تمام گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں

جنہیں میں شمار بھی نہیں کر سکتا۔ یہ قول پہلے قول کے خلاف نہیں۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ انسان کے تمام اعمال اکارت ہیں صرف ان ہی نیکیوں کے بدلے کا مستحق ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کی ہوں۔

اور پہلے قول کا مطلب بھی بالکل صحیح ہے کہ سب جاندار فانی اور زائل ہیں۔ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہے جو فنا اور زوال سے بالاتر ہے۔ وہی اول وآخر ہے۔ ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد رہے گا۔ مروی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تو جنگل میں کسی کھنڈر کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور دردناک آواز سے کہتے کہ اس کے بانی کہاں ہیں؟ پھر خود جواب میں یہی آیت پڑھتے۔ حکم وملک اور ملکیت صرف اسی کی ہے' مالک ومتصرف وہی ہے۔ اس کے حکم احکام کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ روز جزا سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ سب کو ان کی نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ دے گا۔ نیک کو نیک بدلہ اور برے کو بری سزا۔ الحمدللہ سورۂ قصص کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة العنکبوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

اس اللہ کے نام سے شروع جس سے بڑا نہ کوئی مہربان نہ رحم والا

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں' ہم انہیں بغیر آزمائے ہی چھوڑ دیں گے؟ ○ ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں ○ کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں' انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے' یہ لوگ کیسی بری تجویزیں کر رہے ہیں ○

(آیت: ۱-۴) حروف مقطعہ کی بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں گزر چکی ہے۔

امتحان اور مومن: ☆☆ پھر فرماتا ہے' یہ ناممکن ہے کہ مومنوں کو بھی امتحان سے چھوڑ دیا جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے۔ پھر صالح نیک لوگوں کا' پھر ان سے کم درجے والے' پھر ان سے کم درجے والے۔ انسان کا امتحان اس کے دین کے اندازے پر ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو مصیبتیں بھی سخت نازل ہوتی ہیں۔ اسی مضمون کا بیان اس آیت میں بھی ہے ام حَسِبْتُمْ اَنْ تدخلوا الجنة وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے مجاہد کون ہے؟ اور صابر کون ہے؟ اسی طرح سورۂ برات اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے کہ کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم جنت میں یونہی چلے جاؤ گے؟ اور اگلے لوگوں جیسے سخت امتحان کے موقعے تم پر نہ آئیں

گے۔ جیسے کہ انہیں بھوک' دکھ' درد وغیرہ پہنچے۔ یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ کے ایماندار بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کہاں ہے؟ یقین مانو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔ یہاں بھی فرمایا' ان سے اگلے مسلمانوں کی بھی جانچ پڑتال کی گئی' انہیں بھی سرد و گرم چکھایا گیا تا کہ جو اپنے دعوے میں سچے ہیں اور جو صرف زبانی دعوے کرتے ہیں ان میں تمیز ہو جائے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ اسے جانتا تھا۔ وہ ہر ہو چکی بات کو اور ہونے والی بات کو برابر جانتا ہے۔ اس پر اہل سنت والجماعت کے تمام اماموں کا اجماع ہے۔ پس یہاں علم روایت یعنی دیکھنے کے معنی میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ لِنَعۡلَمَ کے معنی لنری کرتے ہیں کیونکہ دیکھنے کا تعلق موجود چیزوں سے ہوتا ہے اور علم اس سے عام ہے۔ پھر فرمایا ہے' جو ایمان نہیں لائے' وہ بھی یہ گمان نہ کریں کہ امتحان سے بچ جائیں گے۔ بڑے بڑے عذاب اور سخت سزائیں ان کی تاک میں ہیں۔ یہ ہاتھ سے نکل نہیں سکتے' ہم سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ ان کے یہ گمان نہایت برے ہیں جن کا برا نتیجہ یہ عنقریب دیکھ لیں گے۔

مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ وَمَنۡ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۶ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۷

جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو' پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے' وہ سب کو سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے ○ ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش کرتا ہے' ویسے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے ○ اور جن لوگوں نے یقین کیا اور مطابق سنت کام کئے ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انہیں ان کے نیک اعمال کے بہترین بدلے دیں گے ○

نیکیوں کی کوشش : ☆☆ (آیت: ۵-۷) جنہیں آخرت کے بدلوں کی امید ہے اور اسے سامنے رکھ کر وہ نیکیاں کرتے ہیں' ان کی امیدیں پوری ہوں گی اور انہیں نہ ختم ہونے والے ثواب ملیں گے۔ اللہ دعاؤں کا سننے والا اور کل کائنات کا جاننے والا ہے۔ اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت ٹلتا نہیں۔ پھر فرماتا ہے' ہر نیک عمل کرنے والا اپنا ہی نفع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے بے پرواہ ہے۔ اگر سارے انسان متقی بن جائیں تو اللہ کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں۔ انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا رہے' یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں اللہ کے کسی کام نہیں آتیں لیکن بہر حال اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ ان کی وجہ سے تمہاری برائیاں معاف فرما دیتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے۔ ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے' نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے۔ ایمانداروں کی سنت کے مطابق نیکیاں قبول فرماتا ہے' ان کے گناہوں سے درگزر کر لیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حُسۡنًا ؕ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ لِتُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا ؕ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ

فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۸ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِى الصّٰلِحِيۡنَ ۝۹

ہم نے ہرانسان کواپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرلے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا، تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ پھر میں ہراس چیز سے جوتم کرتے تھے، تمہیں خبردوں گا ○ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے انہیں میں اپنے نیک بندوں میں شمار کرلوں گا ○

انسان کا وجود: ☆☆ (آیت:۸-۹) پہلے اپنی توحید پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہنے کا حکم فرما کر اب ماں باپ کے سلوک واحسان کا حکم دیتا ہے کیونکہ انہی سے انسان کا وجود ہوتا ہے۔ باپ خرچ کرتا ہے اور پرورش کرتا ہے، ماں محبت رکھتی ہے اور پالتی ہے۔ دوسری آیت میں فرمان ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا الخ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کی پوری اطاعت کرو۔ ان دونوں کا یا ان میں سے ایک کا بڑھاپے کا زمانہ آ جائے تو انہیں اف بھی نہ کہنا، ڈانٹ ڈپٹ تو کہاں کی؟ بلکہ ان کے ساتھ ادب سے کلام کرنا اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھکے رہنا اور اللہ سے ان کے لیے دعا کرنا کہ اے اللہ ان پر ایسا ہی رحم کر جیسے یہ بچپن میں مجھ پر کیا کرتے تھے۔ لیکن ہاں یہ خیال رہے کہ اگر یہ شرک کی طرف بلائیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ سمجھ لو کہ ایک دن تمہیں میرے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اس وقت میں اپنی پرستش کا اور میرے فرمان کے تحت ماں باپ کی اطاعت کرنے کا بدلہ دوں گا۔ اور نیک لوگوں کے ساتھ حشر کروں گا۔ اگر تم نے اپنے ماں باپ کی وہ باتیں نہیں مانیں جو میرے احکام کے خلاف نہیں تو وہ خواہ کیسے ہی ہوں، میں تمہیں ان سے الگ کرلوں گا۔ کیونکہ قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جسے وہ دنیا میں چاہتا تھا۔ اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ایمان والوں اور نیک عمل والوں کو میں اپنے صالح بندوں میں ملا دوں گا۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، میرے بارے میں چار آیتیں اتریں جن میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔ یہ اس لیے اتری کہ میری ماں نے مجھ سے کہا کہ اے سعد! کیا اللہ کا حکم میرے ساتھ نیکی کرنے کا نہیں؟ اگر تو نے آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکار نہ کیا تو واللہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی چنانچہ اس نے یہی کیا۔ یہاں تک کہ لوگ زبردستی اس کا منہ کھول کر غذا حلق میں پہنچا دیتے تھے۔ پس یہ آیت اتری۔ (ترمذی وغیرہ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ
النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّا
كُنَّا مَعَكُمۡ ؕ اَوَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِىۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰ وَ
لَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ ۝۱۱ وَقَالَ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِيۡلَنَا وَلۡنَحۡمِلۡ خَطٰيٰكُمۡ ؕ
وَمَا هُمۡ بِحٰمِلِيۡنَ مِنۡ خَطٰيٰهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝۱۲

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل ان پر پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے عذاب کی طرح منا

لیتے ہیں' ہاں اگر اللہ کی مدد آ جائے تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہی ہیں' کیا دنیا جہان کے دلوں میں جو کچھ ہے' اس سے اللہ دانا نہیں؟ ○ جو لوگ ایمان لائے ہیں' اللہ انہیں بھی جان کر رہے گا اور منافقوں کو بھی جان کر ہی رہے گا ○ کافروں نے ایمانداروں سے کہا کہ تم ہماری راہ کی تابعداری کرو- تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے- حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے' یہ تو محض جھوٹے ہیں ○

مرتد ہونے والے: ☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو زبانی ایمان کا دعویٰ کر لیتے ہیں لیکن جہاں مخالفین کی طرف سے کوئی دکھ پہنچا' یہ اسے اللہ کا عذاب سمجھ کر مرتد ہو جاتے ہیں- یہی معنی حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے کئے ہیں- جیسے اور آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرۡفٍ الخ یعنی بعض لوگ ایک کنارے کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں- اگر راحت ملی تو مطمئن ہو گئے اور اگر مصیبت پہنچی تو منہ پھیر لیا- یہی بیان ہو رہا ہے کہ اگر حضورؐ کو کوئی غنیمت ملی' کوئی فتح ملی تو اپنا دیندار ہونا ظاہر کرنے لگتے ہیں- جیسے اور آیت میں ہے اَلَّذِیۡنَ یَتَرَبَّصُوۡنَ بِکُمۡ الخ وہ تمہیں دیکھتے رہتے ہیں' اگر فتح و نصرت ہوئی تو ہانک لگانے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں؟ اور اگر کافروں کی بن آئی تو ان سے اپنی ساز جتانے لگتے ہیں کہ دیکھو ہم نے تمہارا ساتھ دیا اور تمہیں بچا لیا- اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے' کیا انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ اللہ عالم الغیب ہے؟ وہ جہاں زبانی بات جانتا ہے' وہاں قلبی بات بھی اسے معلوم ہے- اللہ تعالیٰ بھلائیاں برائیاں پہنچا کر نیک و بد کو' مومن و منافق کو الگ الگ کر دے گا- نفس کے پرستار' نفع کے خواہاں یکسو ہو جائیں گے اور نفع نقصان میں ایمان کو نہ چھوڑنے والے ظاہر ہو جائیں گے- جیسے فرمایا وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ الخ ہم تمہیں آزماتے رہا کریں گے یہاں تک کہ تم میں سے مجاہدین کو اور صابرین کو ہم دنیا کے سامنے ظاہر کر دیں اور تمہاری خبریں دیکھ بھال لیں- احد کے امتحان کا ذکر کر کے فرمایا کہ اللہ مومنوں کو جس حالت پر وہ تھے' رکھنے والا نہ تھا جب تک کہ خبیث و طیب کی تمیز نہ کرے-

گناہ کسی کا اور سزا دوسرے کو: ☆☆ (آیت:۱۲) کفار قریش مسلمانوں کو بہکانے کے لیے ان سے یہ بھی کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر عمل کرو- اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہم پر- حالانکہ یہ اصولاً غلط ہے کہ کسی کا بوجھ کوئی اٹھائے- یہ بالکل دروغ گو ہیں- کوئی اپنے قرابتداروں کے گناہ بھی اپنے اوپر نہیں لے سکتا- دوست دوست کو اس دن نہ پوچھے گا-

وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ع ۱۳ ۱۴

البتہ یہ اپنے بوجھ ڈھوئیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ہی اور بوجھ بھی- اور جو کچھ افترا پردازیاں کر رہے ہیں' ان سب کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی ○

(آیت:۱۳) ہاں یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے' ان کے بوجھ بھی ان پر لادے جائیں گے مگر وہ گمراہ شدہ لوگ ہلکے نہ ہوں گے- ان کا بوجھ ان پر ہے- جیسے فرمان ہے لِیَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ الخ یعنی یہ اپنے کامل بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں بہکایا تھا' ان کے بہکانے کا گناہ بھی ان پر ہوگا- صحیح حدیث میں ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے' قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ہوگا' اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان کے ثوابوں میں سے گھٹ کر نہیں- اسی طرح جس نے برائی پھیلائی' اس پر جو بھی عمل پیرا ہوں' ان سب کو جتنا گناہ ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا لیکن ان گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہو گی- اور حدیث میں ہے کہ زمین پر جتنی خونریزیاں ہوتی ہیں' حضرت آدمؑ کا وہ لڑکا جس نے اپنے بھائی کو ناحق قتل کر دیا تھا' اس پر اس خون کا

وبال پڑتا ہے' اس لیے کہ قتل بے جا اسی سے شروع ہوا- اس بہتان' جھوٹ' افترا کی ان سے بروز قیامت باز پرس ہوگی-

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' حضورؐ نے اللہ کی تمام رسالت پہنچادی' آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت والے دن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا' مجھے اپنی عزت کی اور اپنے جلال کی قسم' آج ایک ظالم کو بھی میں نہ چھوڑوں گا- پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ فلاں فلاں کہاں ہے؟ وہ آئے گا اور پہاڑ نیکیوں کے اس کے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ اہل محشر کی نگاہیں اس کی طرف اٹھنے لگیں گی- وہ اللہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے گا- پھر منادی ندا کرے گا کہ اس طرف سے کسی کا کوئی حق ہو' اس نے کسی پر ظلم کیا ہو' وہ آ جائے اور اپنا بدلہ لے لے- اب تو ادھر ادھر سے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اسے گھیر کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میرے ان بندوں کو ان کے حق دلواؤ- فرشتے کہیں گے' اے اللہ کیسے دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اس کی نیکیاں لو اور انہیں دو- چنانچہ یوں ہی کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نیکی باقی نہیں رہے گی اور ابھی تک بعض مظلوم اور حقدار باقی رہ جائیں گے- اللہ تعالیٰ فرمائے گا' انہیں بھی بدلہ دو' فرشتے کہیں گے اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی نہیں رہی- اللہ تعالیٰ حکم دے گا' ان کے گناہ اس پر لادو- پھر حضورؐ نے گھبرا کر اس آیت کی تلاوت فرمائی وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا الخ ابن ابی حاتم میں ہے' حضورؐ نے فرمایا اے معاذ! (رضی اللہ عنہ) قیامت کے دن مومن کی تمام کوششوں سے سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے سرمے اور اس کے مٹی کے گوندھنے سے بھی- دیکھ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی اور تیری نیکیاں لے جائے-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ
عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ
السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا- وہ ان میں ساڑھے نوسو سال تک رہے' پھر تو انہیں طوفان نے دھر پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم- پھر ہم نے اسے اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان کے لئے عبرت کا نشان بنادیا ○

نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے- آپ کو خبر دی جاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اتنی لمبی مدت تک اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے رہے- دن رات' پوشیدہ اور ظاہر' ہر طرح آپ نے انہیں اللہ کے دین کی دعوت دی- لیکن وہ اپنی سرکشی اور گمراہی میں ہی بڑھتے گئے- بہت ہی کم لوگ آپ پر ایمان لائے- آخر کار اللہ کا غضب ان پر بصورت طوفان آیا اور انہیں تہس نہس کر دیا تو اے پیغمبر آخر الزماں' آپ اپنی قوم کی اس تکذیب کو نیا خیال نہ کریں- آپ اپنے دل کو رنجیدہ نہ کریں- ہدایت و ضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے- جن لوگوں کا جہنم میں جانا طے ہو چکا ہے' انہیں تو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا- تمام نشانیاں گو دیکھ لیں لیکن انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا- بالاخر جیسے نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور قوم ڈوب گئی' اسی طرح آخر میں غلبہ آپ کا ہے اور آپ کے مخالفین پست ہوں گے- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نوح نبی علیہ السلام کو نبوت ملی اور نبوت کے بعد ساڑھے نوسو سال تک آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی- طوفان کی عالمگیر ہلاکت کے بعد بھی حضرت نوح علیہ السلام ساٹھ سال تک زندہ رہے یہاں تک کہ بنو آدم کی نسل پھیل گئی اور دنیا میں یہ بہ کثرت نظر آنے لگے-

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کل ساڑھے نوسو سال کی تھی۔ تین سو سال تو آپ کے بے دعوت ان میں گذرے۔ تین سو سال تک اللہ کی طرف اپنی قوم کو بلاتے رہے اور ساڑھے تین سو سال بعد طوفان کے زندہ رہے لیکن یہ قول غریب ہے اور آیت کے ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت کی طرف بلاتے رہے۔ عون بن ابی شداد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آپ کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی' اس وقت اللہ کی وحی آپ کو آئی' اس کے بعد ساڑھے نوسو برس تک آپ لوگوں کو کلام اللہ پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد پھر ساڑھے تین سو سال کی اور عمر پائی۔ لیکن یہ بھی غریب قول ہے۔ زیادہ ٹھیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نظر آتا ہے واللہ اعلم۔ ابن عمرؓ نے مجاہدؒ سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں کتنی مدت تک رہے؟ انہوں نے کہا ساڑھے نوسو سال۔ آپ نے فرمایا' اس کے بعد سے لوگوں کے اخلاق' ان کی عمریں اور عقلیں آج تک گھٹتی ہی چلی آئیں۔ جب قوم نوحؑ پر اللہ کا غضب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی کو اور ایمان والوں کو جو آپ کے ساتھ آپ کے حکم سے طوفان سے پہلے کشتی میں سوار ہو چکے تھے' بچالیا۔ سورۂ ہود میں اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے اس لیے یہاں دوبارہ وارد نہیں کرتے۔ ہم نے اس کشتی کو دنیا کے لیے نشان عبرت بنا دیا تو خود اس کشتی کو جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اول اسلام تک وہ جودی پہاڑ پر تھی۔ یا یہ کہ اس کشتی کو دیکھ کر پھر پانی کے سفر کے لیے جو کشتیاں لوگوں نے بنائیں' ان کو انہیں دیکھ کر اللہ کا وہ بچانا یاد آجاتا ہے۔ جیسے فرمان وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ الخ ہماری قدرت کی ایک نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں بٹھا لیا۔ اور ہم نے ان کے لیے اور بھی اسی جیسی سواریاں بنا دیں۔ سورۂ الحاقہ میں فرمایا' جب پانی کا طوفان آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا اور اس واقعہ کو تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیا تاکہ جن کانوں کو اللہ نے یاد رکھنے کی طاقت دی ہے' وہ یاد رکھ لیں۔ یہاں شخص سے جنس کی طرف چڑھاؤ کیا ہے۔ جیسے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا والی آیت میں ہے کہ آسمان دنیا کے ستاروں کا باعث زینت آسمان ہونا بیان فرما کر ان کی وضاحت میں شہاب کا شیطانوں کے لیے رجم ہونا بیان فرمایا ہے۔

اور آیت میں انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ذکر کر کے فرمایا' پھر ہم نے اسے نطفے کی شکل میں قرار گاہ میں کر دیا۔ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں ھا کی ضمیر کا مرجع عقوبت اور سزا کو کیا جائے' واللہ اعلم۔ (یہاں یہ خیال رہے کہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں شروع تفسیر میں کچھ عبارت زیادہ ہے جو بعض نسخوں میں نہیں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سال تک کا آزمایا جانا بیان کیا اور ان کی قوم کو ان کی اطاعت کے ساتھ آزمانا بتلایا کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ نے انہیں غرق کر دیا۔ پھر اس کے بعد جلا دیا۔ پھر قوم ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا کہ انہوں نے بھی طاعت و متابعت نہ کی۔ پھر لوط علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا اور ان کی قوم کا حشر بیان فرمایا۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعات سامنے رکھے۔ پھر عادیوں' ثمودیوں' قارونیوں' فرعونیوں' ہامانیوں وغیرہ کا ذکر کیا۔ اللہ پر ایمان نہ لانے اور اس کی توحید کو نہ ماننے کی وجہ سے انہیں بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ پھر اپنے پیغمبر اعظم المرسلین ﷺ کو مشرکین اور منافقین سے تکالیف سہنے کا ذکر کیا اور آپ کو حکم فرمایا کہ اہل کتاب سے بہترین طریق پر مناظرہ کریں۔)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ
وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۷ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ
اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۸

ابراہیم نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اگر تم میں دانائی ہے تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے ○ تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو، سنو جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہئے کہ تم اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرتے رہو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ○ اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے، رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہی ہے ○

ریاکاری سے بچو: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) امام الموحدین ابوالمرسلین خلیل اللہ علیہ الصلوات اللہ کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید الٰہی کی دعوت دی، ریاکاری سے بچنے اور دل میں پرہیزگاری قائم کرنے کا حکم دیا، اس کی نعمتوں پر شکر گزاری کرنے کو فرمایا- اور اس کا نفع بھی بتایا کہ دنیا و آخرت کی برائیاں اس سے دور ہو جائیں گی اور دونوں جہان کی نعمتیں اس سے مل جائیں گی- ساتھ ہی انہیں بتایا کہ جن بتوں کی تم پرستش کر رہے ہو، یہ تو بے ضرر اور بے نفع ہیں- تم نے خود ہی ان کے نام اور ان کے اجسام تراش لئے ہیں- وہ تو تمہاری طرح مخلوق ہیں بلکہ تم سے بھی کمزور ہیں- یہ تمہاری روزیوں کے بھی مختار نہیں- اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو- اسی حصہ کے ساتھ آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بھی ہے کہ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں- یہی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی دعا میں ہے رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اے اللہ میرے لیے اپنے پاس ہی جنت میں مکان بنا- چونکہ اس کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا، اس لیے تم اسی سے روزیاں طلب کرو اور جب اس کی روزیاں کھاؤ تو اس کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا اس لیے تم اسی سے روزیاں طلب کرو اور جب اس کی روزیاں کھاؤ تو اس کے سوا دوسرے کی عبادت بھی نہ کرو- اس کی نعمتوں کا شکر بھی بجا لاؤ- تم میں سے ہر ایک اسی کی طرف لوٹنے والا ہے- وہ ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا- دیکھو مجھے جھوٹا کہہ کر خوش نہ ہو- نظریں ڈالو- تم سے پہلے جنہوں نے نبیوں کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا تھا، ان کی کیسی درگت ہوئی؟ یاد رکھو نبیوں کا کام صرف پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے- ہدایت، عدم ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے- اپنے آپ کو سعادت مندوں میں بناؤ، بدبختوں میں شامل نہ کرو- حضرت قتادہؒ تو فرماتے ہیں، اس میں آنحضرت ﷺ کی مزید تشفی کی گئی ہے، اس مطلب کا تقاضا تو یہ ہے کہ پہلا کام ختم ہوا- اور یہاں سے لے کر فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ تک یہ سب عبارت بطور جملہ معترضہ کے ہے- ابن جریرؒ نے تو کھلے لفظوں میں یہی کہا ہے- لیکن الفاظ قرآن سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کلام حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کا ہے- آپ قیامت کے قائم ہونے کی دلیلیں پیش کر رہے ہیں کیونکہ اس تمام کلام کے بعد آپ کی قوم کا جواب ذکر ہوا ہے-

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۹ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ
الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیاانہوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتدا کی کیفیت اللہ نے کیا کی۔ پھر بھی اللہ اس کا اعادہ کرے گا یہ تو اللہ پر بہت ہی آسان ہے ○ کہہ دے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ کس طرح اللہ نے ابتداء پیدائش کی پھر اللہ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○ جسے چاہے عذاب کرے، جس پر چاہے رحم کرے، سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

تمام نشانیاں: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۱) دیکھتے ہیں کہ وہ کچھ نہ تھے، پھر اللہ نے پیدا کر دیا لیکن تاہم مر کر جینے کے قائل نہیں حالانکہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ جو ابتدأء پیدا کر سکتا ہے اس پر دوبارہ پیدا کرنا بہت ہی آسان ہے۔ پھر انہیں ہدایت کرتے ہیں کہ زمین اور نشانیوں پر غور کرو۔ آسمانوں کو، ستاروں کو، زمینوں کو، پہاڑوں کو، درختوں کو، جنگلوں کو، نہروں کو، دریاؤں کو، سمندروں کو، پھلوں کو، کھیتوں کو دیکھو تو سہی کہ یہ سب کچھ نہ تھا۔ پھر اللہ نے سب کچھ کر دیا۔ کیا یہ تمام نشانیاں اللہ کی قدرت کو تم پر ظاہر نہیں کرتیں؟ تم نہیں دیکھتے کہ اتنا بڑا صانع و قدیر اللہ کیا کچھ نہیں کر سکتا؟ وہ تو صرف ''ہو جا'' کے کہنے سے تمام کو رچا دیتا ہے۔ وہ خود مختار ہے۔ اسے اسباب اور سامان کی ضرورت نہیں۔ اسی مضمون کو اور جگہ فرمایا کہ وہی نئی پیدائش میں پیدا کرتا ہے۔ وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت آسان ہے۔ پھر فرمایا، زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے ابتدائی پیدائش کس طرح کی تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کے دن کی دوسری پیدائش کی کیا کیفیت ہوگی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسے فرمایا، ہم انہیں دنیا کے ہر حصے میں اور خود ان کی اپنی جانوں میں اپنی نشانیاں اس قدر دکھائیں گے کہ ان پر حق ظاہر ہو جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ الخ کیا وہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے یا وہی اپنے خالق ہیں؟ یا وہ آسمان و زمین کے خالق ہیں؟ کچھ نہیں بے یقین لوگ ہیں۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ جسے چاہے عذاب کرے، جس پر چاہے رحم کرے، وہ حاکم ہے، قبضے والا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو ارادہ کرتا ہے، جاری کر دیتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا، کوئی اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتا، کوئی اس سے چوں چرا نہیں کر سکتا، کوئی اسے سوال کر ہی نہیں سکتا اور وہ سب پر غالب ہے۔ جس سے چاہے پوچھ بیٹھے، سب اس کے قبضے میں اس کی ماتحتی میں ہیں۔ خلق کا خالق، امر کا مالک وہی ہے۔ اس نے جو کچھ کیا سراسر عدل ہے اس لیے کہ وہی مالک ہے، وہ ظلم سے پاک ہے۔

حدیث شریف میں ہے، اگر اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں والوں اور زمین والوں کو عذاب کرے، تب بھی وہ ظالم نہیں۔ عذاب و رحم سب اس کی چیزیں ہیں۔ سب کے سب قیامت کے دن اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اسی کے سامنے حاضر ہو کر پیش ہوں گے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۲ ع ۹ ۱۴

وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

تم نہ تو زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں' نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی والی ہے نہ مددگار ○ جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے ہیں' وہ میری رحمت سے ناامید ہو جائیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے آپ کے سامنے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے کہ اسے مار ڈالو یا اسے جلا دو' آخرش اللہ نے انہیں آگ سے بچالیا اس میں ایماندار لوگوں کے لئے تو بہت سی نشانیاں ہیں ○

(آیت: ۲۲-۲۳) زمین والوں میں سے اور آسمان والوں میں سے کوئی اسے ہرا نہیں سکتا- بلکہ سب پر وہی غالب ہے- ہر ایک اس سے کانپ رہا ہے- سب اس کے در کے فقیر ہیں اور وہ سب سے غنی ہے- تمہارا کوئی ولی اور مددگار اس کے سوا نہیں- اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے والے' اس کی ملاقات کو نہ ماننے والے' اللہ کی رحمت سے محروم ہیں اور ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک الم افزا عذاب ہیں-

عقلی اور نقلی دلائل: ☆☆ (آیت: ۲۴) حضرت ابراہیمؑ کا یہ عقلی اور نقلی دلائل کا وعظ بھی ان لوگوں کے دلوں پر اثر نہ کر سکا اور انہوں نے یہاں بھی اپنی اسی شقاوت کا مظاہرہ کیا- جواب تو ان دلیلوں کا دے نہیں سکتے تھے لہٰذا اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے اور اپنی طاقت سے سچ کو روکنے لگے- کہنے لگے' ایک گڑھا کھودو' اس میں آگ بھڑکاؤ اور اس آگ میں اسے ڈال دو کہ جل جائے- لیکن اللہ نے ان کے اس مکر کو انہی پر لوٹا دیا- مدتوں تک لکڑیاں جمع کرتے رہے اور ایک گڑھا کھود کر اس کے اردگرد احاطے کی دیواریں کھڑی کر کے لکڑیوں میں آگ دی- جب اس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے اور اتنی زور کی آگ روشن ہوئی کہ زمین پر کہیں اتنی آگ نہیں دیکھی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر باندھ کر منجنیق میں ڈال کر جھلا کر اس آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ نے اسے اپنے خلیل علیہ السلام پر باغ و بہار بنا دیا- آپ کئی دن کے بعد صحیح سلامت اس میں سے نکل آئے- یہ اور اس جیسی اور قربانیاں تھیں جن کے باعث آپ کو امامت کا منصب عطا ہوا- اپنا نفس آپ نے رحمان کے لئے' اپنا جسم آپ نے میزان کے لیے' اپنی اولاد آپ نے قربانی کے لیے' اپنا مال آپ نے فیضان کے لیے کر دیا- یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کل ادیان والے آپ سے محبت رکھتے ہیں- اللہ نے آگ کو آپ کے لیے باغ بنا دیا- اس واقعہ میں ایمانداروں کے لیے قدرت الٰہی کی بہت سی نشانیاں ہیں-

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ
وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ۙ ﴿۱۵﴾

حضرت ابراہیم نے کہا کہ تم نے جن بتوں کی پرستش اللہ کے سوا کی ہے' انہیں تو تم نے اپنی آپس کی دنیوی دوستی کی بنا پر ٹھہرا لیا ہے- تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تمہارا سب کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا ○

(آیت: ۲۵) آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ جن بتوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے' یہ تمہارا ایکا اور اتفاق دنیا تک ہی ہے- مودۃ زبر کے ساتھ مفعول لہ ہے- ایک قراءت میں پیش کے ساتھ بھی ہے یعنی تمہاری یہ بت پرستی تماری لیے گو دنیا کی محبت حاصل کرا دے لیکن قیامت کے دن معاملہ برعکس ہو جائے گا- مودت کی جگہ نفرت اور اتفاق کے بدلے اختلاف ہو جائے گا- ایک دوسرے سے جھگڑو گے' ایک دوسرے پر الزام رکھو گے' ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجو گے- ہر گروہ دوسرے گروپ پر پھٹکار برسائے گا- سب دوست دشمن بن جائیں گے-

ہاں پرہیزگار' نیک کار آج بھی ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست رہیں گے۔ کفار سب کے سب میدان قیامت کی ٹھوکریں کھا کھا کر بالآخر جہنم میں جائیں گے۔ کوئی اتنا بھی نہ ہوگا کہ ان کی کسی طرح کی مدد کر سکے۔ حدیث میں ہے' تمام اگلے پچھلوں کو اللہ تعالیٰ ایک میدان میں جمع کرے گا۔ کون جان سکتا ہے کہ دونوں سمت میں سے کس طرف؟ حضرت ام ہانیؓ نے جو حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ہیں' جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی زیادہ علم والا ہے۔ پھر ایک منادی عرش تلے سے آواز دے گا کہ اے موحدو! تب تو حید والے اپنا سر اٹھائیں گے' پھر یہی آواز لگائے گا' پھر سہ بارہ یہی پکارے گا اور کہے گا' اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام لغزشوں سے درگزر فرما لیا۔ اب لوگ کھڑے ہوں گے اور آپس کی ناچاقیوں اور لین دین کا مطالبہ کرنے لگیں گے تو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف سے آواز دی جائے گی کہ اے اہل توحید تم تو آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دو۔ تمہیں اللہ بدل دے گا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝۲۶ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ
النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷

حضرت ابراہیمؑ پر حضرت لوطؑ ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے ○ ہم نے ابراہیم کو اسحاق و یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں کر دی اور ہم نے دنیا میں بھی اسے ثواب دیا اور آخرت میں تو وہ صالح لوگوں میں سے ہے ○

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہؓ: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) کہا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ لوط بن ہارون بن آزر۔ آپ کی ساری قوم میں سے ایک تو حضرت لوط ایمان لائے تھے اور ایک حضرت سارہ جو آپ کی بیوی تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کی بیوی صاحبہ کو اس ظالم بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کے ذریعہ اپنے پاس بلوایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ دیکھو میں نے اپنا رشتہ تم سے بھائی بہن کا بنایا ہے۔ تم بھی یہی کہنا کیونکہ اس وقت دنیا پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے تو ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ کوئی میاں بیوی ہمارے سوا ایماندار نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان تو لائے تھے مگر اسی وقت ہجرت کر کے شام چلے گئے تھے۔ پھر اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیج دیئے گئے تھے جیسا کہ بیان گذرا اور آئے گا۔ ہجرت کا ارادہ یا تو حضرت لوط علیہ السلام نے ظاہر فرمایا کیونکہ ضمیر کا مرجع اقرب تو یہی ہیں۔ یا حضرت ابراہیمؑ نے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ تو گویا حضرت لوط علیہ السلام کے ایمان لانے کے بعد آپ نے اپنی قوم سے دست برداری کر لی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ اور کسی جگہ جاؤں' شاید وہاں والے اللہ والے بن جائیں۔ عزت اللہ کی' اس کے رسولؐ کی اور مومنوں کی ہے۔ حکمت والے اقوال' افعال' تقدیر' شریعت اللہ کی ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں' آپ کوفے سے ہجرت کر کے شام کے ملک کی طرف گئے۔ حدیث میں ہے کہ ہجرت کے بعد کی ہجرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ کی طرف ہوگی۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین تھوک دے گی اور اللہ ان سے نفرت کرے گا۔ انہیں آگ سوروں اور بندروں کے ساتھ ہنکاتی پھرے گی۔ راتوں' دنوں کو انہی کے ساتھ رہے گی۔ اور ان کی جھڑن کھاتی

رہے گی اور روایت میں ہے، جو ان میں سے پیچھے رہ جائے گا اسے یہ آگ کھا جائے گی اور مشرق کی طرف سے کچھ لوگ میری امت میں سے ایسے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے ایک خاتمے کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوگا۔ یہاں تک کہ آپ نے بیس سے بھی زیادہ بار اسے دہرایا۔ یہاں تک کہ انہی کے آخری گروہ میں سے دجال نکلے گا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تو ہم پر وہ تھا کہ ہم ایک مسلمان بھائی کے لیے درہم دینار کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی دولت اپنے بھائی کی ہی سمجھتے تھے۔ وہ زمانہ آیا کہ دولت ہمیں اپنے مسلم بھائی سے زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ اگر تم بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ گے اور اللہ کی راہ کا جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے پٹے ڈال دے گا جو اس وقت تک تم سے الگ نہ ہوں گے جب تک کہ تم پھر سے وہیں نہ آ جاؤ جہاں تھے اور تم توبہ نہ کر لو۔ پھر وہی حدیث بیان کی جو اوپر گزری اور فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور بدعملیاں کریں گے۔ قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے علم کو دیکھ کر تم اپنے علموں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ پس جب یہ لوگ ظاہر ہوں تو انہیں قتل کر دینا، پھر نکلیں، پھر مار ڈالنا، پھر ظاہر ہوں، پھر قتل کر دینا۔ وہ بھی خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل کیا جائے۔ جب ان کے گروہ نکلیں گے، اللہ انہیں برباد کر دے گا، پھر نکلیں گے پھر برباد ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضورؐ نے کوئی بیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار یہی فرمایا۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام نامی بیٹا دیا اور اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام نامی۔ جیسے فرمان ہے کہ جب خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا تو اللہ نے آپ کو اسحاق و یعقوب دیا اور ہر ایک کو نبی بنایا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ پوتا بھی آپ کی موجودگی میں ہو جائے گا۔ اسحاق کی اور اسحاق علیہ السلام کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔ اور فرمایا کہ قوم کو چھوڑنے کے بدلے اللہ تمہارے گھر کی بستی یہ دے گا۔ جس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند تھے۔ یہی سنت سے بھی ثابت ہے۔ قرآن کی اور آیت میں ہے، کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو وہ اپنے لڑکوں سے کہنے لگے، تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا، آپ کے اور آپ کے والد ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کے والد کی جو یکتا اور واحد لاشریک ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم ہیں۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے کہ اسحاق و یعقوب حضرت ابراہیمؑ کے فرزند تھے، اس سے مراد فرزند کے فرزند کو فرزند کہہ دینا ہے۔ یہ نہیں کہ صلبی فرزند دونوں تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو کہاں ادنیٰ آدمی بھی ایسی ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔

ہم نے انہی کی اولاد میں کتاب و نبوۃ رکھ دی۔ خلیل کا خطاب انہیں کو ملا، انہیں کہا گیا، پھر ان کے بعد انہی کی نسل میں نبوت و حکمت رہی۔ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ تک تو یہ سلسلہ یوں ہی چلا۔ بنو اسرائیل کے اس آخری پیغمبر نے اپنی امت کو صاف کہہ دیا کہ میں تمہیں نبی عربی قریشی ہاشمی خاتم الرسل سید اولاد آدم بشارت دیتا ہوں جنہیں اللہ نے چن لیا ہے۔ آپ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے آپ کے سوا اور نبی نہیں ہوا۔ علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔ ہم نے انہیں دنیا کے ثواب بھی دیئے اور آخرت کی نیکیاں بھی عطا فرمائیں۔ دنیا میں رزق وسیع، جگہ پاک، بیوی نیک، سیرت جمیل اور ذکر حسن دیا، ساری دنیا کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی۔ باوجودیکہ اپنی اطاعت کی توفیق روز بروز اور زیادہ دی۔ کامل

اطاعت گزاری کی توفیق کے ساتھ دنیا کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیں۔ اور آخرت میں بھی صالحین میں رکھا۔ جیسے فرمان ہے' ابراہیم مکمل فرماں بردار تھا' موحد تھا مشرکوں میں نہ تھا' آخرت میں بھلے لوگوں کا ساتھی ہوا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬
وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ
انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ ع ۸ ۱۵
بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا
كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ۚۖ

حضرت لوط کا بھی ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا ○ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور راستے بند کرتے ہو؟ اور اپنی تمام مجلسوں میں بے حیائیوں کے کام کرتے ہو؟ اس کے جواب میں آپ کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہ کہا کہ بس جا' اگر سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ ○ حضرت لوطؑ نے دعا کی کہ پروردگار اس مفسد قوم پر تو میری مدد فرما ○ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے' کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں' یقیناً یہاں کے رہنے والے گنہگار ہیں ○

سب سے خراب عادت: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) لوطیوں کی مشہور بدکرداری سے حضرت لوط انہیں روکتے ہیں کہ تم جیسی خباثت تم سے پہلے تو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ کفر' تکذیب رسول' اللہ کے حکم کی مخالفت تو خیر اور بھی کرتے رہے مگر مردوں سے حاجت روائی تو کسی نے بھی نہیں کی۔ دوسری بدخصلت ان میں یہ تھی کہ راستے روکتے تھے' ڈاکے ڈالتے تھے' قتل وفساد کرتے تھے' مال لوٹ لیتے تھے' مجلسوں میں علی الاعلان بری باتیں اور لغو حرکتیں کرتے تھے۔ کوئی کسی کو نہیں روکتا تھا یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ وہ لواطت بھی علی الاعلان کرتے تھے۔ گویا سوسائٹی کا ایک مشغلہ یہ بھی تھا۔ ہوائیں نکال کر ہنستے تھے مینڈھے لڑواتے اور بدترین برائیاں کرتے تھے اور علی الاعلان مزے لے لے کر گناہ کرتے تھے۔ حدیث میں ہے' راہ چلتوں پر آوازہ کشی کرتے تھے اور کنکر پتھر پھینکتے رہتے تھے۔ سیٹیاں بجاتے تھے' کبوتر بازی کرتے تھے' ننگے ہو جاتے تھے۔ کفر' عناد' سرکشی' ضد اور ہٹ دھرمی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ نبی کے سمجھانے پر کہنے لگے' جا جا' بس نصیحت چھوڑ' جن عذابوں سے ڈرا رہا ہے' انہیں لے تو آ۔ ہم بھی تیری سچائی دیکھیں۔ عاجز آ کر حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے کہ اے اللہ! ان مفسدوں پر مجھے غلبہ دے' میری مدد کر۔

فرشتوں کی آمد: ☆☆ (آیت: ۳۱) حضرت لوط علیہ السلام کی جب نہ مانی گئی بلکہ سنی بھی نہ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جس پر فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے بشکل انسان پہلے بطور مہمان کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے۔ آپ نے ضیافت کا سامان تیار کیا اور ان کے سامنے لا رکھا۔ جب دیکھا کہ انہیں اس کی رغبت نہیں تو دل ہی دل میں خوف زدہ ہو گئے تو فرشتوں نے ان کی دلجوئی شروع کی

اور خبر دی کہ ایک نیک بچہ ان کے ہاں پیدا ہوگا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جو وہاں موجود تھیں یہ سن کر تعجب کرنے لگیں جیسے کہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں مفصل تفسیر گذر چکی ہے۔ اب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کیا۔ جسے سن کر خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو خیال آیا کہ اگر وہ کچھ اور ڈھیل دیئے جائیں تو کیا عجب کہ راہ راست پر آ جائیں۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ
اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا
لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا
تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾
اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

حضرت ابراہیم کہنے لگے کہ اس میں تو لوط ہیں۔ فرشتوں نے کہا' یہاں جو ہیں' ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں' لوط کو اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچا لیں گے البتہ وہ عورت پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ○ پھر جب ہمارے قاصد لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے۔ قاصدوں نے کہا۔ آپ خوف نہ کھایئے نہ آزردہ ہو جایئے۔ ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچالیں گے مگر آپ کی بیوی کہ وہ عذاب کے لئے باقی رہ جانے والوں میں سے ہوگی ○ ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں ○ البتہ ہم نے اس بستی کو صریح عبرت کی نشانی بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ○

(آیت: ۳۲-۳۵) اس لئے فرمانے لگے کہ وہاں تو لوط نبی علیہ السلام ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا' ہم ان سے غافل نہیں ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ انہیں اور ان کے خاندان کو بچالیں۔ ہاں ان کی بیوی تو بے شک ہلاک ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے کفر میں ان کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ یہاں سے رخصت ہو کر خوبصورت قریب البلوغ بچوں کی صورتوں میں یہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی لوط نبی علیہ السلام شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر انہیں اپنے پاس ٹھہراتے ہیں تو ان کی خبر پاتے ہی کفار بھڑ بھڑا کر آ جائیں گے اور مجھے بھی تنگ کریں گے اور انہیں بھی پریشان کریں گے۔ اگر نہیں ٹھہراتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔ قوم کی خصلت سے واقف تھے اس لئے ناخوش اور سنجیدہ ہو گئے۔ لیکن فرشتوں نے ان کی یہ گھبراہٹ دور کر دی کہ آپ گھبرایئے نہیں۔ رنجیدہ نہ ہوں' ہم تو اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان سوائے آپ کی اہلیہ کے بچ جائے گا۔ باقی ان سب پر آسمانی عذاب آئے گا اور انہیں ان کی بدکاری کا نتیجہ دکھا دیا جائے گا۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھایا اور آسمان تک لے گئے اور وہاں سے الٹ دیں۔ پھر ان پر ان کے نام کے نشاندار پتھر برسائے گئے اور جس عذاب الٰہی کو وہ دور سمجھ رہے تھے' وہ قریب ہی نکل آیا۔ ان کی بستیوں کی جگہ ایک کڑوے گندے اور بدبودار پانی کی جھیل رہ گئی۔ جو لوگوں کے لئے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اور عقلمند لوگ اس ظاہری نشان کو دیکھ کر ان کی بری طرح کی ہلاکت کو یاد کر کے اللہ کی نافرمانیوں پر دلیری نہ کریں۔ عرب کے سفر میں رات دن یہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا
الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ
وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۙ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ
وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ
وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۚۖ﴿۳۹﴾

مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا' اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ قیامت کے دن کی توقع رکھو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ○ پھر بھی انہوں نے انہیں جھٹلایا۔ آخرش انہیں زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے مردہ ہو کر رہ گئے ○ ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو بھی غارت کیا جن کے بعض مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں۔ شیطان نے انہیں ان کی بداعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انہیں راہ سے روک دیا تھا باوجودیکہ یہ آنکھوں والے اور ہوشیار تھے ○ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی' ان کے پاس حضرت موسیٰ کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے ○

فساد نہ کرو: ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین میں اپنی قوم کو وعظ کیا۔ انہیں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیا۔ انہیں اللہ کے عذابوں سے اور اس کی سزاؤں سے ڈرایا۔ انہیں قیامت کے ہونے کا یقین دلا کر فرمایا کہ اس دن کے لئے کچھ تیاریاں کر لو' اس دن کا خیال رکھو' لوگوں پر ظلم و زیادتی نہ کرو' اللہ کی زمین میں فساد نہ کرو' برائیوں سے الگ رہو۔ ان میں ایک عیب یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے' لوگوں کے حق مارتے تھے' ڈاکے ڈالتے تھے' راستے بند کر دیتے تھے' ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کی نصیحتوں پر کان تک نہ دھرا بلکہ انہیں جھوٹا کہا۔ اس بنا پر ان پر عذاب الٰہی برس پڑا' سخت بھونچال آیا اور ساتھ ہی اتنی تیز و تند آواز آئی کہ دل اڑ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں اور گھڑی کی گھڑی میں سب کا سب ڈھیر ہو گیا۔ ان کا پورا قصہ سورۂ اعراف' سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں گزر چکا ہے۔

احقاف کے لوگ : ☆☆ (آیت:۳۸-۳۹) عادی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھے۔ احقاف میں رہتے تھے جو یمن کے شہروں میں حضر موت کے قریب ہے۔ ثمودی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے' یہ حجر میں بستے تھے جو وادی القریٰ کے قریب ہے۔ عرب کے راستے میں ان کی بستی آتی تھی جسے یہ بخوبی جانتے تھے۔ قارون ایک دولت مند شخص تھا جس کے بھرپور خزانوں کی کنجیاں ایک جماعت کی جماعت اٹھاتی تھی۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر اعظم تھا۔ اسی کے زمانے میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نبی ہو کر اس طرح گئے تھے۔ یہ دونوں قبطی کافر تھے' جب ان کی سرکشی حد سے گذر گئی' اللہ کی توحید کے منکر ہو گئے' رسولوں کو ایذائیں دیں اور ان کی نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا۔ عادیوں پر ہوائیں بھیجیں۔ انہیں اپنی قوت و طاقت کا بڑا گھمنڈ تھا' کسی کو اپنے مقابلے کا نہ جانتے تھے۔ ان پر ہوا بھیجی جو بڑی تیز و تند تھی جو ان پر زمین کے پتھر اڑا اڑا کر برسانے لگی۔ بالآخر زور پکڑتے پکڑتے یہاں تک

بڑھ گئی کہ انہیں اچک لے جاتی اور آسمان کے قریب لے جا کر پھر گرا دیتی- سر کے بل گرتے اور سر الگ ہو جاتا اور ایسے ہو جاتے جیسے کھجور کے درخت' جس کے تنے الگ ہوں اور شاخیں جدا ہوں- ثمودیوں پر حجت الٰہی پوری ہوئی' دلائل دے دیئے گئے- ان کی طلب کے موافق پتھر میں سے ان کے دیکھتے ہوئے اونٹنی نکلی لیکن تاہم انہیں ایمان نصیب نہ ہوا بلکہ طغیانی میں بڑھتے رہے- اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو دھمکانے اور ڈرانے لگے اور ایمانداروں سے بھی کہنے لگے کہ ہمارے شہر چھوڑ دو ورنہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے- انہیں ایک چیخ سے پارہ پارہ کر دیا- دل دہل گئے' کلیجے اڑ گئے اور سب کی روحیں نکل گئیں- قارون نے سرکشی اور تکبر کیا- طغیانی اور بڑائی کی' رب الاعلیٰ کی نافرمانی کی' زمین میں فساد مچا دیا- اکڑ اکڑ کر چلنے لگا' اپنے ڈنڈ بل دیکھنے لگا' اترانے لگا اور پھولنے لگا-

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ
مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ
مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ كَمَثَلِ
الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ
الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا' ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا' اور ان میں سے بعض کو زوردار سخت آواز نے دبوچ لیا' اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا' اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا' اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے ○ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں' ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے' حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے' کاش کہ وہ جان لیتے ○

(آیت: ۴۰) پس اللہ نے اسے مع اس کے محلات کے زمین دوز کر دیا جو آج تک دھنستا چلا جا رہا ہے- فرعون' ہامان اور ان کے لشکروں کو صبح ہی صبح ایک ساتھ ایک ہی ساعت میں دریا برد کر دیا- ان میں سے ایک بھی نہ بچا جو ان کا نام تو کبھی لیتا- اللہ نے یہ جو کچھ کیا' کچھ ان پر ظلم نہ تھا بلکہ ان کے ظلم کا بدلہ تھا- ان کے کرتوت کا پھل تھا' ان کی کرنی کی بھرنی تھی- کسی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جن پر پتھروں کا مینہ برسانے کا ذکر ہے' ان سے مراد لوطی ہیں اور غرق کی جانے والی قوم قوم نوح ہے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مروی تو ہے لیکن سند میں انقطاع ہے- ان دونوں قوموں کی حالت کا ذکر اسی سورت میں بہ تفصیل بیان ہو چکا ہے- پھر بہت سے فاصلے کے بعد یہ بیان ہوا ہے- قتادہ رحمتہ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ پتھروں کا مینہ جن پر برسایا گیا' ان سے مراد لوطی ہیں اور جنہیں چیخ سے ہلاک کیا گیا' ان سے مراد قوم شعیب ہے لیکن یہ قول بھی ان آیتوں سے دور دراز ہے' واللہ اعلم-

مکڑی کا جالا: ☆☆ (آیت: ۴۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سوا اوروں کی پرستش اور پوجا پاٹ کرتے ہیں' ان کی کمزوری اور بے علمی کا بیان ہو رہا ہے- یہ ان سے مدد' روزی اور سختی میں کام آنے کے امیدوار رہتے ہیں- ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی مکڑی کے جالے میں بارش اور دھوپ اور سردی سے پناہ چاہے- اگر ان میں علم ہوتا تو یہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے امیدیں وابستہ نہ کرتے- پس ان کا

حال ایمانداروں کے حال کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ایک مضبوط کڑے کو تھامے ہوئے ہیں اور یہ مکڑی کے جالے میں اپنا سر چھپائے ہوئے ہیں۔ اس کا دل اللہ کی طرف، اس کا جسم اعمال صالحہ کی طرف مشغول ہے اور اس کا دل مخلوق کی طرف اور جسم اس کی پرستش کی طرف جھکا ہوا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۱۴ ۱۶

اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں وہ اس کے سوا پکار رہے ہیں، وہ زبردست اور ذی حکمت ہے ○ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان فرما رہے ہیں، انہیں صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو مصلحت اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، ایمان والوں کے لئے تو اس میں بڑی بھاری دلیل ہے ○

(آیت: ۴۲-۴۳) پھر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو ڈرا رہا ہے کہ وہ ان سے، ان کے شرک سے اور ان کے جھوٹے معبودوں سے خوب آگاہ ہے۔ انہیں ان کی شرارت کا ایسا مزہ چکھائے گا کہ یہ یاد کریں۔ انہیں ڈھیل دینے میں بھی اس کی مصلحت وحکمت ہے۔ نہ یہ کہ وہ علیم اللہ ان سے بے خبر ہو۔ ہم نے تو مثالوں سے بھی مسائل سمجھا دیئے۔ لیکن اس کے سوچنے سمجھنے کا مادہ، ان میں غور فکر کرنے کی توفیق صرف باعمل علماء کو ہوتی ہے جو اپنے علم میں پورے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کی بیان کردہ مثالوں کو سمجھ لینا سچے علم کی دلیل ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ایک ہزار مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی سمجھی ہیں (مسند احمد) اس سے آپ کی فضیلت اور آپ کی علمیت ظاہر ہے۔ حضر عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کے تفصیلی معنوں کا مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دکھتا ہے۔ مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں اللہ کے نزدیک میری گنتی جاہلوں میں تو نہیں ہوگئی کیونکہ فرمان الٰہی یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن سوائے عالموں کے انہیں دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔

مقصد کائنات: ☆☆ (آیت: ۴۴) اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت کا بیان ہو رہا ہے کہ وہی آسمانوں کا اور زمینوں کا خالق ہے۔ اس نے انہیں کھیل تماشے کے طور پر یا لغو بیکار نہیں بنایا بلکہ اس لئے کہ یہاں لوگوں کو بسائے۔

پھر ان کی نیکیاں بدیاں دیکھے۔ اور قیامت کے دن ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا سزا دے۔ بروں کو ان کی بداعمالیوں پر سزا اور نیکوں کو ان کی نیکیوں پر بہترین بدلہ۔

تفسیر ابن کثیر

۲۱
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- اخلاص خوف اور اللہ کا ذکر ۵۷۸
- غیر مسلموں کو دلائل سے قائل کرو ۵۷۹
- حق تلاوت ۵۸۰
- محاسن کلام کا بے مثال جمال قرآن حکیم ۵۸۳
- موت کے بعد کفار کو عذاب اور مومنوں کو جنت ۵۸۴
- مہاجرین کے لیے انعامات الٰہی ۵۸۵
- توحید ربوبیت توحید الوہیت ۵۸۷
- جب عکرمہ طوفان میں گھر گئے ۵۸۸
- معرکہ روم وفارس کا انجام ۵۹۰
- کائنات کا ہر ذرہ دعوت فکر دیتا ہے ۵۹۶
- اعمال کے مطابق فیصلے ۵۹۷
- خالق کل مقتدر کل ہے ۵۹۸
- یہ رنگ یہ زبانیں اور وسیع تر کائنات ۶۰۰
- قیام ارض وسما ۶۰۱
- بچہ اور ماں باپ ۶۰۳
- انسان کی مختلف حالتیں ۶۰۶
- صلہ رحمی کی تاکید ۶۰۷
- زمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مضمر ہے ۶۰۸
- اللہ کے دین میں مستحکم ہو جاؤ ۶۰۹
- مسلمان بھائی کی اعانت پر جہنم سے نجات کا وعدہ ۶۰۹
- مسئلہ سماع موتی ۶۱۱
- پیدائش انسان کی مرحلہ وار روداد ۶۱۲
- واپسی ناممکن ہوگی ۶۱۳
- نماز مقتدی اور امام کا تعلق ۶۱۳
- لہو ولعب موسیقی اور لغو باتیں ۶۱۵
- اللہ تعالیٰ کے وعدے ٹلتے نہیں ۶۱۶
- حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟ ۶۱۷
- حضرت لقمان کی اپنے بیٹوں کو نصیحت ووصیت ۶۱۹
- قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا ۶۲۱
- انعام واکرام کی بارش ۶۲۷
- حاکم اعلیٰ وہ اللہ ہے ۶۲۸
- اس کے سامنے ہر چیز حقیر وپست ہے ۶۳۰
- طوفان میں کون یاد آتا ہے ۶۳۱
- اللہ تعالیٰ کے روبرو کیا ہوگا ۶۳۱
- غیب کی پانچ باتیں ۶۳۲
- ہر ایک کی تکمیل اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے ۶۳۴
- بہترین خالق بہترین مصور ومدور ۶۳۵
- انسان اور فرشتوں کا ساتھ ۶۳۷
- ایمان دار وہی ہے جس کے اعمال تابع قرآن ہوں! ۶۳۸
- نیک وبد دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے ۶۴۱
- شب معراج اور نبی اکرم ﷺ ۶۴۲
- دریائے نیل کے نام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خط ۶۴۲
- نافرمان اپنی بربادی کو آپ بلاوا دیتا ہے ۶۴۵
- تکمیل ایمان کی ضروری شرط ۶۴۹
- میثاق انبیاء ۶۵۱
- غزوۂ خندق اور مسلمانوں کی خستہ حالی ۶۵۲
- منافقوں کا فرار ۶۵۶
- جہاد سے منہ موڑنے والے ایمان سے خالی لوگ ۶۵۸
- ٹھوس دلائل اتباع رسول ﷺ کو لازم قرار دیتے ہیں ۶۵۹
- اللہ عز وجل کفار سے خود نپٹے ۶۶۲
- کفار نے عین موقع پر دھوکہ دیا ۶۶۳
- امہات المومنین سب سے معزز قرار دے دی گئیں ۶۶۸

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵

جو کتاب تیری طرف وحی کی گئی ہے' اسے پڑھتا رہ اور نماز کا پابند رہ' یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے' بے شک ذکر اللہ بہت بڑی چیز ہے' تم جو کچھ کر رہے ہو' اس سے اللہ خبردار ہے ○

اخلاص خوف اور اللہ کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۴۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اور ایمان داروں کو حکم دے رہا ہے کہ ''وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں اور اسے اوروں کو بھی سنائیں اور نمازوں کی نگہبانی کریں اور پابندی سے پڑھتے رہا کریں۔ نماز انسان کو ناشائستہ کاموں اور نالائق حرکتوں سے باز رکھتی ہے''۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جس نمازی کی نماز نے اسے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے باز نہ رکھا' وہ اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے''۔ ''ابن ابی حاتم میں ہے کہ ''جب رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا' جسے اس کی نماز بے جا اور فحش کاموں سے نہ روکے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوئی''۔ اور روایت میں ہے کہ ''جو نمازی بھلے کاموں میں مشغول اور برے کاموں سے بچنے والا نہ ہو' سمجھ لو کہ اس کی نماز اسے اللہ سے اور دور کرتی جا رہی ہے''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو نماز کی بات نہ مانے' اس کی نماز نہیں''۔ نماز بے حیائی سے اور بدفعلیوں سے روکتی ہے' اس کی اطاعت یہ ہے کہ ان بے ہودہ کاموں سے نمازی رک جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے جب ان کی قوم نے کہا کہ اے شعیبؑ کیا تمہیں تمہاری نماز حکم کرتی ہے؟ تو حضرت سفیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ''ہاں اللہ کی قسم نماز حکم بھی کرتی ہے اور منع بھی کرتی ہے''۔ حضرت عبداللہؓ سے کسی نے کہا' فلاں شخص بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے' آپ نے فرمایا ''نماز اسے نفع دیتی ہے جو اس کا کہا مانے''۔ میری تحقیق میں اوپر جو مرفوع روایت بیان ہوئی۔ اس کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے کہا' حضورؐ فلاں شخص نماز پڑھتا ہے لیکن چوری نہیں چھوڑتا۔ آپؐ نے فرمایا' عنقریب اس کی نماز اس کی یہ برائی چھڑا دے گی۔ چونکہ نماز ذکر اللہ کا نام ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا' اللہ کی یاد بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں سے اور تمہارے کل کاموں سے باخبر ہے۔ حضرت ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''نماز میں تین چیزیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نماز نماز نہیں۔ اخلاص وخلوص' خوف الٰہی اور ذکر الٰہی۔ اخلاص سے تو انسان نیک ہو جاتا ہے اور خوف الٰہی سے انسان گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے اور ذکر الٰہی یعنی قرآن اسے بھلائی برائی بتا دیتا ہے' وہ حکم بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے''۔ ابن عون انصاریؒ فرماتے ہیں ''جب تو نماز میں ہو تو نیکی میں ہے اور نماز تجھے فحش اور منکر سے بچائے ہوئے ہے اور اس میں جو کچھ تو ذکر اللہ کر رہا ہے' وہ تیرے لئے بڑے ہی فائدے کی چیز ہے''۔ حمادؒ کا قول ہے کہ ''کم سے کم حالت نماز میں تو تو برائیوں سے بچا رہے گا''۔ ایک راوی سے ابن عباسؓ کا یہ قول مروی ہے کہ ''جو بندہ یاد الٰہی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے''۔ اس نے کہا' ہمارے ہاں جو صاحب ہیں' وہ تو کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب تم اللہ کا ذکر کرو گے تو وہ تمہاری یاد کرے گا اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم میری یاد کرو' میں تمہاری یاد

کروں گا۔ اسے سن کر آپ نے فرمایا' اس نے سچ کہا یعنی دونوں مطلب درست ہیں۔ یہ بھی اور وہ بھی' اور خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن ربیعہؒ سے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دریافت فرمایا کہ اس جملے کا مطلب جانتے ہو؟ انہوں نے کہا' ہاں اس سے مراد نماز میں سبحان اللہ' الحمدللہ' اللہ اکبر وغیرہ کہنا ہے۔ آپ نے فرمایا' تو نے عجیب بات کہی۔ یہ یوں نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حکم کے اور منع کے وقت اللہ کا تمہیں یاد کرنا' تمہارے ذکر اللہ سے بہت بڑا اور بہت اہم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت ابو درداءؓ' حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور اسی کو امام ابن جریرؒ پسند فرماتے ہیں۔

وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيۡنَ
ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ
وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾

اہل کتاب کے ساتھ بہت مہذب طریقے سے مناظرے کرو مگر ان کے ساتھ جو ان میں سے بے انصاف ہیں اور صاف اعلان کر دیا کرو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل ہوئی ہے۔ ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں ○

غیر مسلموں کو دلائل سے قائل کرو: ☆☆ (آیت:۴۶) حضرت قتادہؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کے حکم کی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ اب تو یہی ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں یا لڑائی لڑیں۔ لیکن اور بزرگ مفسرین کا قول ہے کہ یہ حکم باقی ہے۔ جو یہودی یا نصرانی دینی امور کو سمجھنا چاہے' اسے مہذب طریقے سے سلجھے ہوئے پیرائے سے سمجھا دینا چاہیے۔ کیا عجب کہ وہ راہ راست اختیار کرے۔ جیسے اور آیت میں عام حکم موجود ہے اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ الخ اپنے رب کی راہ کی دعوت' حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو دو۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو جب فرعون کی طرف بھیجا جاتا ہے تو فرمان ہوتا ہے کہ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى یعنی اس سے نرمی سے گفتگو کرنا۔ کیا عجب کہ وہ نصیحت قبول کر لے اور اس کا دل پگھل جائے۔ یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے اور حضرت ابن زید سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں ان میں سے جو ظلم پر اڑ جائیں اور ضد اور تعصب برتیں' حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیں' پھر مناظرے' مباحثے بے سود ہیں۔ پھر تو جدال و قتال کا حکم ہے۔ جیسے جناب باری عز اسمہ کا ارشاد ہے لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ الخ ہم نے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب و میزان نازل فرمائی تا کہ لوگوں میں عدل و انصاف کا قیام ہو سکے اور ہم نے لوہا بھی نازل فرمایا ہے جس میں سخت لڑائی ہے۔

پس حکم الٰہی یہ ہے کہ بھلائی سے اور نرمی سے جو نہ مانے' اس پر پھر سختی کی جائے۔ جو لڑے' اسی سے لڑا جائے' ہاں یہ اور بات ہے کہ ماتحتی میں رہ کر جزیہ ادا کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کے کھرے کھوٹے ہونے کا تمہیں یقینی علم نہ ہو تو اس کی تکذیب کی طرف قدم نہ بڑھاؤ اور نہ بے تامل تصدیق کر دیا کرو۔ ممکن ہے کسی امر حق کو تم جھٹلا دو اور ممکن ہے کسی باطل کی تم تصدیق کر بیٹھو۔ پس شرطیہ تصدیق کرو یعنی کہہ دو کہ ہمارا اللہ کی ہر بات پر ایمان ہے۔ اگر تمہاری پیش کردہ چیز اللہ کی نازل کردہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور اگر تم نے تبدیل و تحریف کر دی ہے تو ہم اسے نہیں مانتے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور ہمارے سامنے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا' نہ تم انہیں سچا کہو نہ جھوٹا بلکہ تم اٰمَنَّا بِالَّذِىۡۤ سے آخر آیت تک پڑھ دیا کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا اور کہنے لگا کیا یہ جنازے بولتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' اللہ ہی کو علم ہے۔ اس نے کہا' میں جانتا ہوں۔ یہ یقیناً بولتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ یہ اہل کتاب جب تم سے کوئی بات بیان کریں تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ جھٹلاؤ بلکہ کہہ دو کہ ہمارا اللہ پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے۔ یہ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو' تم کسی جھوٹ کو سچا کہہ دو یا کسی سچ کو جھوٹ بتا دو۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اہل کتاب کی اکثر و بیشتر باتیں تو غلط اور جھوٹ ہی ہوتی ہیں۔ عموماً بہتان وافتراء ہوتا ہے۔ ان میں تحریف وتبدل' تغیر وتاویل رواج پا چکی ہے اور صداقت ایسی رہ گئی ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے کہ بالفرض سچ بھی ہو تو ہمیں کیا فائدہ؟ ہمارے پاس تو اللہ کی تازہ اور کامل کتاب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' اہل کتاب سے تم کچھ بھی نہ پوچھو۔ وہ خود جبکہ گمراہ ہیں تو تمہاری تصحیح کیا کریں گے؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ان کی کسی سچی بات کو تم جھوٹا کہہ دو۔ یا ان کی کسی جھوٹی بات کو تم سچ کہہ دو۔ یاد رکھو' ہر اہل کتاب کے دل میں اپنے دین کا ایک تعصب ہے۔ جیسے مال کی خواہش ہے (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تم اہل کتاب سے سوالات کیوں کرتے ہو؟ تم پر تو اللہ کی طرف سے ابھی ابھی کتاب نازل ہوئی ہے جو بالکل خالص ہے جس میں باطل نہ ملا جلا' نہ مل جل سکے۔ تم سے تو خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اہل کتاب نے اللہ کے دین کو بدل ڈالا۔ اللہ کی کتاب میں تغیر کر دیا اور اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو اللہ کی کتاب کہنے لگے اور دنیوی نفع حاصل کرنے لگے۔ کیوں بھلا تمہارے پاس جو علم اللہ ہے' کیا وہ تمہیں کافی نہیں کہ تم ان سے دریافت کرو۔ دیکھو تو کس قدر ستم ہے کہ ان میں سے تو ایک بھی تم سے کبھی کچھ نہ پوچھے اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو؟ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے میں قریش کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ دیکھو' ان تمام اہل کتاب میں اور ان کی باتیں بیان کرنے والوں میں سب سے اچھے اور سچے حضرت کعب احبارؒ ہیں لیکن باوجود اس کے بھی ان کی باتوں میں بھی ہم کبھی کبھی جھوٹ پاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عمداً جھوٹ بولتے ہیں بلکہ جن کتابوں پر انہیں اعتماد ہے' وہ خود گیلی سوکھی سب جمع کر لیتے ہیں۔ ان میں خود سچ جھوٹ' صحیح غلط بھرا پڑا ہے' ان میں مضبوط' ذی علم حافظوں کی جماعت تھی ہی نہیں۔ یہ تو اسی امت مرحومہ پر اللہ کا فضل ہے کہ اس میں بہترین دل ودماغ والے اور اعلیٰ فہم وذکا والے اور عمدہ حفظ واتقان والے لوگ اللہ نے پیدا کر دیئے ہیں لیکن پھر بھی آپ دیکھئے کہ کس قدر موضوعات کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے اور کس طرح لوگوں نے باتیں گھڑ لی ہیں۔ گو محدثین نے اس باطل کو حق سے بالکل جدا کر دیا' فالحمد للہ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٧﴾

ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے' پس جنہیں ہم نے کتاب دی ہے' وہ اس پر ایمان لاتے ہیں' اور ان میں سے بھی بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں' ہماری آیتوں کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں ○

حق تلاوت : ☆☆ (آیت:۴۷) فرمان ہے کہ جیسے ہم نے اگلے انبیاء پر اپنی کتابیں نازل فرمائی تھیں' اسی طرح یہ کتاب یعنی قرآن شریف ہم نے اے ہمارے آخری رسولؐ تم پر نازل فرمایا ہے۔ پس اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ہماری کتاب کی قدر کی اور اس کی تلاوت کا حق ادا کیا' وہ جہاں اپنی کتابوں پر ایمان لائے' اس پاک کتاب کو بھی مانتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ۔ اور ان لوگوں یعنی قریش وغیرہ میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ہاں جو لوگ باطل سے حق کو چھپانے والے اور سورج کی روشنی سے آنکھیں بند کرنے والے ہیں، وہ تو اس کے بھی منکر ہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹

اس سے پہلے تو تو کوئی کتاب پڑھتا نہ تھا اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا کہ یہ باطل پرست لوگ شک شبہ میں پڑتے ○ بلکہ یہ قرآن تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ ہماری آیتوں کا منکر بجز ستم گروں کے اور کوئی نہیں ○

(آیت: ۴۸-۴۹) پھر فرماتا ہے اے نبیؐ تم ان میں مدت العمر تک رہ چکے ہو، اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ان میں گزار چکے ہو، انہیں خوب معلوم ہے کہ آپ پڑھے لکھے نہیں۔ ساری قوم اور سارا ملک بخوبی علم رکھتا ہے کہ آپ محض امی ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا۔ پھر آج جو آپ ایک انوکھی، فصیح و بلیغ اور پر از حکمت کتاب پڑھتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ آپ اس حالت میں کہ ایک حرف پڑھے ہوئے نہیں، خود تصنیف و تالیف کر نہیں سکتے۔ حضورؐ کی یہی صفت اگلی کتابوں میں تھی جیسے قرآن ناقل ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ الخ یعنی جو لوگ پیروی کرتے ہیں، اس رسول نبی امی کی جس کی صفات وہ اپنی کتاب توراۃ و انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں جو انہیں نیکیوں کا حکم کرتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اللہ کے معصوم نبیؐ ہمیشہ لکھنے سے دور ہی رکھے گئے۔ ایک سطر کیا معنی، ایک حرف بھی لکھنا آپ کو نہ آتا تھا۔ آپ نے کاتب مقرر کر لئے تھے جو وحی اللہ کو لکھ لیتے تھے اور ضرورت کے وقت شاہان دنیا سے خط و کتابت بھی وہی کرتے تھے۔ پچھلے فقہاء میں سے قاضی ابوالولید باجی وغیرہ نے کہا کہ حدیبیہ والے دن خود رسول کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یہ جملہ صلح نامے میں لکھا تھا کہ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہؐ نے فیصلہ کیا۔ لیکن یہ قول درست نہیں۔ یہ وہم قاضی صاحب کو بخاری شریف کی اس روایت سے ہوا ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ثُمَّ اَخَذَ فَكَتَبَ یعنی پھر حضورؐ نے آپ لے کر لکھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا۔ جیسے دوسری روایت میں صاف موجود ہے کہ ثُمَّ اَمَرَ فَكُتِبَ یعنی آپ نے پھر حکم دیا اور لکھا گیا۔ مشرق و مغرب کے تمام علماء کا یہی مذہب ہے بلکہ باجی وغیرہ پر انہوں نے اس قول کا بہت سخت رد کیا ہے اور اس سے بیزاری ظاہر کی ہے اور اس قول کی تردید اپنے اشعار اور خطبوں میں بھی کی ہے۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ قاضی صاحب وغیرہ کا یہ خیال ہرگز نہیں کہ آپ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کا یہ جملہ صلح نامے پر لکھ لینا آپ کا ایک معجزہ تھا۔ جیسے کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ ک ف ر لکھا ہوا ہوگا۔ جسے ہر مومن پڑھ لے گا یعنی اگرچہ ان پڑھ ہو تب بھی اسے پڑھ لے گا۔ یہ مومن کی ایک کرامت ہوگی اسی طرح یہ فقرہ لکھ لینا اللہ کے نبیؐ کا ایک معجزہ تھا، یہ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ لکھنا جانتے تھے یا آپ نے سیکھا تھا۔ بعض لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں ہے کہ آنحضورؐ کا انتقال نہ ہوا جب تک کہ آپ نے لکھنا نہ سیکھ لیا یہ روایت بالکل ضعیف ہے بلکہ محض بے اصل ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھئے کس قدر تاکید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پڑھا ہوا ہونے کا انکار کرتی اور کتنی سختی کے ساتھ

پرزور الفاظ میں اس کا بھی انکار کرتی ہے کہ آپ لکھنا جانتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے یہ باعتبار غالب کے کہہ دیا ہے ورنہ لکھا تو دائیں ہاتھ سے ہی جاتا ہے اسی کی طرح وَلَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ میں ہے کیونکہ ہر پرندہ اپنے پروں سے ہی اڑتا ہے۔ پس حضورؐ کا ان پڑھ ہونا بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو یہ باطل پرست آپ کی نسبت شک کرنے کی گنجائش پاتے کہ سابقہ انبیاء کی کتابوں سے پڑھ لکھ کر نقل کر لیتا ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود ایسا نہ ہونے کے پھر بھی یہ لوگ ہمارے رسولؐ پر یہ الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیاں ہیں، جنہیں اس نے لکھ لیا ہے۔ وہی اس کے سامنے صبح شام پڑھی جاتی ہیں۔ باوجودیکہ خود جانتے ہیں کہ ہمارے رسولؐ پڑھے لکھے نہیں۔ ان کے اس قول کے جواب میں جناب باری عزاسمہ نے فرمایا انہیں جواب دو کہ اسے اس اللہ نے نازل فرمایا ہے جو زمین و آسمان کی پوشیدگیوں کو جانتا ہے۔ یہاں فرمایا بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں۔ خود آیات واضح، صاف اور سلجھے ہوئے الفاظ میں۔ پھر علماء پر ان کا سمجھنا، یاد کرنا، پہنچانا سب آسان ہے جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ یعنی ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے بالکل آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ہر نبی کو ایسی چیز دی گئی جس کے باعث لوگ ان پر ایمان لائے۔ مجھے ایسی چیز وحی اللہ دی گئی ہے جو اللہ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ تو مجھے ذات الٰہی سے امید ہے کہ تمام نبیوں کے تابعداروں سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں فرمان باری ہے کہ اے نبیؐ میں تمہیں آزماؤں گا اور تمہاری وجہ سے لوگوں کی بھی آزمائش کرلوں گا۔ میں تم پر ایسی کتاب نازل فرماؤں گا جسے پانی دھو نہ سکے۔ تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ گو اس کے حروف پانی سے دھوئے جائیں لیکن وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے، اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلائے گی۔ اس لئے کہ وہ سینوں میں محفوظ ہے۔ زبانوں پر آسان ہے۔ دلوں میں موجود ہے اور اپنے لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ کتابوں میں اس امت کی ایک صفت یہ بھی مروی ہے کہ اَنَاجِيْلُهُمْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔

امام ابن جریرؒ اسے پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں بلکہ اس کا علم کہ تو اس کتاب سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتا تھا۔ یہ آیات بینات اہل کتاب کے ذی علم لوگوں کے سینوں میں موجود ہیں۔ قتادہؒ اور ابن جریجؒ سے بھی یہی منقول ہے اور پہلا قول حسن بصریؒ کا ہے اور یہی بہ روایت عوفیؒ ابن عباسؓ سے منقول ہے اور یہ ضحاکؒ نے کہا ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ ہماری آیتوں کا جھٹلانا، قبول نہ کرنا، یہ حد سے گزر جانے والوں اور ضدی لوگوں کا ہی کام ہے جو حق ناحق کو سمجھتے ہیں اور نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے اگرچہ ان کے پاس سب نشانیاں آجائیں۔ یہاں تک کہ وہ المناک عذاب کا مشاہدہ کرلیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ
اَنَّآ اَنْزَلْنَآ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً
وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ ع۷

وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٢﴾

کہتے ہیں اس پر کچھ نشانات اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے، تو کہہ دے کہ نشانات تو سب اللہ کے پاس ہیں، میری حیثیت تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والے کی ہے ○ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل فرما دی جو ان پر پڑھی جا رہی ہے اس میں رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں ○ کہہ دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے، وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا عالم ہے- جو لوگ باطل کے ماننے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہیں، وہ زبردست نقصان اور گھاٹے میں ہیں ○

محاسن کلام کا بے مثال جمال قرآن حکیم: ☆☆ (آیت: ۵۰-۵۲) کافروں کی ضد، تکبر اور ہٹ دھرمی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسولؐ سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی کہ حضرت صالحؑ سے ان کی قوم نے مانگی تھی- پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے، انہیں جواب دیجئے کہ آیتیں، معجزے اور نشانات دکھانا میرے بس کی بات نہیں، یہ اللہ کے ہاتھ ہے- اگر اس نے تمہاری نیک نیتیں معلوم کر لیں تو وہ معجزہ دکھائے گا اور اگر تم اپنی ضد اور انکار سے بڑھ بڑھ کر باتیں ہی بنا رہے ہو تو وہ اللہ تم سے دبا ہوا نہیں کہ اس کی چاہت تمہاری چاہت کے تابع ہو جائے- تم جو مانگو وہ کر ہی دکھائے- جیسے ایک اور آیت میں ہے کہ آیتیں بھیجنے سے ہمیں کوئی مانع نہیں سوائے اس کے کہ گذشتہ لوگ بھی برابر انکار ہی کرتے رہے- قوم ثمود کو دیکھو، ہماری نشانی اونٹنی جوان کے پاس آئی، انہوں نے اس پر ظلم ڈھایا- کہہ دو کہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں، پیغامبر ہوں، قاصد ہوں، میرا کام تمہارے کانوں تک آواز الٰہی کو پہنچا دینا ہے، میں نے تو تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا، نیک بد سمجھا دیا، اب تم جانو تمہارا کام جانے- ہدایت و ضلالت اللہ کی طرف سے ہے- وہ اگر کسی کو گمراہ کر دے تو اس کی رہبری کوئی نہیں کر سکتا- چنانچہ ایک اور جگہ ہے، تجھ پر ان کی ہدایت کا ذمہ نہیں- یہ اللہ کا کام ہے اور اس کی چاہت پر موقوف ہے- بھلا اس فضول گوئی کو تو دیکھو کہ کتاب عزیز ان کے پاس آ چکی جس کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک نہیں سکتا اور انہیں اب تک نشان کی طلب ہے- حالانکہ یہ تو تمام معجزات سے بڑھ کر معجزہ ہے- تمام دنیا کے فصیح و بلیغ اس کے معارضہ سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے- پورے قرآن کا تو معارضہ کیا کرتے، دس سورتوں کا بلکہ ایک سورت کا معارضہ بھی چیلنج کے باوجود نہ کر سکے- تو کیا اتنا بڑا اور اتنا بھاری معجزہ انہیں کافی نہیں اور معجزہ طلب کرنے بیٹھے ہیں- یہ تو وہ پاک کتاب ہے جس میں گذشتہ باتوں کی خبر ہے اور ہونے والی باتوں کی پیش گوئی ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور یہ اس کی زبان سے پڑھی جاتی ہے جو محض امی ہے- جس نے کسی سے الف با بھی نہیں پڑھا، جو ایک حرف لکھنا نہیں جانتا بلکہ اہل علم کی صحبت میں بھی کبھی نہیں بیٹھا- اور وہ کتاب پڑھتا ہے جس سے گزشتہ کتابوں کی بھی صحت و عدم صحت معلوم ہوتی ہے- جس کے الفاظ میں حلاوت، جس کی نظم میں ملاحت، جس کے انداز میں فصاحت، جس کے بیان میں بلاغت، جس کا طرز دلربا، جس کا سیاق دلچسپ، جس میں دنیا بھر کی خوبیاں موجود- خود بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کی تصدیق پر مجبور- اگلی کتابیں جس پر شاہد- بھلے لوگ جس کے مداح اور قائل و عامل- اس اتنے بڑے معجزے کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کی طلب محض بدنیتی اور گریز ہے- پھر فرماتا ہے، اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت و نصیحت ہے- یہ قرآن حق کو ظاہر کرنے والا، باطل کو برباد کرنے والا ہے- گزشتہ لوگوں کے واقعات تمہارے سامنے رکھ کر تمہیں نصیحت و عبرت کا موقعہ دیتا ہے، گنہگاروں کا انجام دکھا کر تمہیں گناہوں سے روکتا ہے- کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور اس کی گواہی کافی ہے- وہ تمہاری تکذیب و سرکشی کو اور میری سچائی و خیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے- اگر میں اس پر جھوٹ باندھتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لے لیتا- وہ ایسے لوگوں کو بغیر انتقام نہیں

چھوڑتا۔ جیسے خود اس کا فرمان ہے کہ اگر یہ رسول مجھ پر ایک بات بھی گھڑ لیتا تو میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ جان کاٹ دیتا اور کوئی نہ ہوتا جو اسے میرے ہاتھ سے چھڑا سکے۔ چونکہ اس پر میری سچائی روشن ہے اور میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں اور اس کا نام لے کر اس کی کہی ہوئی تم سے کہتا ہوں' اس لئے وہ میری تائید کرتا ہے اور مجھے روز بروز غلبہ دیتا ہے اور مجھ سے معجزات پر معجزات ظاہر کراتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے غیب کا جاننے والا ہے' اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ باطل کو ماننے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے ہی نقصان یافتہ اور ذلیل ہیں' قیامت کے دن انہیں ان کی بداعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جو سرکشیاں دنیا میں کی ہیں' سب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ بھلا اللہ کو نہ ماننا اور بتوں کو ماننا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا؟ وہ علیم و حکیم اللہ اس کا بدلہ دیئے بغیر ہرگز نہ رہے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ
وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ
وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

یہ لوگ تجھ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں' اگر میری طرف سے مقرر کیا ہوا وقت نہ ہوتا تو ابھی ان کے پاس عذاب آ پہنچتے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آ پہنچیں گے ○ یہ عذابوں کی جلدی مچا رہے ہیں' تسلی رکھیں جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے ○ اس دن ان کے اوپر تلے سے انہیں عذاب ڈھانپ رہے ہوں گے اور ہم کہہ رہے ہوں گے کہ اب اپنے بداعمال کا مزہ چکھو ○

موت کے بعد کفار کو عذاب اور مومنوں کو جنت: ☆☆ (آیت: ۵۳-۵۵) مشرکوں کا اپنی جہالت سے عذاب الٰہی طلب کرنا بیان ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کے نبی سے بھی یہی کہتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعائیں کرتے تھے کہ جناب باری اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں اور کوئی دردناک عذاب کر۔ یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ رب العالمین یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ ان کفار کو قیامت کے دن عذاب ہوں گے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ان کے مانگتے ہی عذاب کے مہیب بادل ان پر برس پڑتے۔ اب بھی یہ یقین مانیں کہ یہ عذاب آئیں گے اور ضرور آئیں گے بلکہ ان کی بے خبری میں اچانک اور یک بیک آ پڑیں گے۔ یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور جہنم بھی انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ یعنی یقیناً انہیں عذاب ہوگا۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخفر ہے۔ ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں بے نور کر کے ڈال دیئے جائیں گے اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے۔ راوی حدیث حضرت یعلی سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا یعنی وہ آگ جسے قناتیں گھیرے ہوئے ہیں تو فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں یعلی کی جان ہے کہ میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا جب تک کہ اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤں اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے گا یہاں کہ میں اللہ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ اس دن انہیں نیچے سے آگ ڈھانک لے گی۔ جیسے اور آیت میں ہے لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ان کے لئے جہنم ہی اوڑھنا بچھونا ہے۔ اور آیت میں ہے لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ یعنی ان کے اوپر نیچے آگ ہی کا فرش و سائبان ہوگا۔ اور مقام پر ارشاد ہے لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا

عَنْ ظُهُوْرِهِمْ الخ یعنی کاش کہ کافر اس وقت کو جان لیں جبکہ نہ یہ اپنے آگے سے آگ کو ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے۔ ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ ہر طرف سے ان کفار کو آگ کھا رہی ہو گی۔ آگے سے' پیچھے سے' اوپر سے' نیچے سے' دائیں سے بائیں سے۔ اس پر اللہ عالم کی ڈانٹ ڈپٹ اور مصیبت ہو گی' ادھر ہر وقت کہا جائے گا' لو اب عذاب کے مزے چکھو' پس ایک تو وہ ظاہری جسمانی عذاب' دوسرا یہ باطنی روحانی عذاب۔ اسی کا ذکر آیت یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ الخ اور آیت یَوْمَ یُدَعُّوْنَ الخ میں ہے یعنی جبکہ جہنم میں اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ جس دن انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا' یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ اب بتاؤ! یہ جادو ہے تم اندھے ہو؟ جاؤ اب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب تمہارا صبر کرنا یا نہ کرنا یکساں ہے۔ تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ ضرور بھگتنا ہے۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾
كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۵۸﴾

اے میرے ایماندار بندو! میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرتے رہو ○ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے' انہیں ہم قطعاً جنت کے ان بلند بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ○

مہاجرین کے لئے انعامات الٰہی: ☆☆ (آیت:۵۶-۵۸) اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت میں ایمان والوں کو ہجرت کا حکم دیتا ہے کہ جہاں وہ دین کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں' وہاں سے اس جگہ چلے جائیں جہاں ان کے دین میں انہیں آزادی رہے۔ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے جہاں وہ فرمان الٰہی کے ماتحت اللہ کی عبادت وتوحید بجا لا سکیں وہاں چلے جائیں۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تمام شہر اللہ کے شہر ہیں اور کل بندے اللہ کے غلام ہیں۔ جہاں تو بھلائی پا سکتا ہو' وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ پر جب مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو گئی تو وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تاکہ امن وامان کے ساتھ اللہ کے دین پر قیام کر سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی پوری تائید ونصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے سہے۔ پھر اس کے بعد باجازت الٰہی دوسرے صحابہؓ نے اور خود آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بعد ازاں فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک مرنے والا اور میرے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ تم خواہ کہیں ہو' موت کے پنجے سے نجات نہیں پا سکتے پس تمہیں زندگی بھر اللہ کی اطاعت میں اور اس کے راضی کرنے میں رہنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اللہ کے ہاں جا کر عذاب میں نہ پھنسو۔ ایمان دار نیک اعمال لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت عدن کی بلند وبالا منزلوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ کہیں صاف شفاف پانی کی' کہیں شراب طہور کی' کہیں شہد کی' کہیں دودھ کی۔ یہ چشمے خود بخود جہاں جنتی چاہیں' بہنے لگیں گے۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ ہٹائے جائیں گے نہ وہ نعمتیں ختم ہوں گی نہ ان میں گھاٹا آئے گا۔ مومنوں کے نیک اعمال پر جنتی بالا خانے انہیں مبارک ہوں۔ جنہوں نے اپنے سچے دین پر صبر کیا اور اللہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے دشمنوں کو ترک کیا' اپنے اقربا اور اپنے گھر والوں کو راہ اللہ میں چھوڑا' اس کی نعمتوں اور اس کے انعامات کی امید پر دنیا کے عیش وعشرت پر

لات ماردی۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بنائے ہیں جو کھانا کھلائیں خوش کلام نرم گو ہوں۔ روزے نماز کے پابند ہوں اور راتوں کو جبکہ لوگ سوتے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے ہوں اور اپنے کل احوال میں دینی ہوں یا دنیوی اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہوں۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۵۹ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۰

جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ وہ بڑا ہی سننے جاننے والا ہے ○

(آیت:۵۹-۶۰) پھر فرمایا کہ رزق کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ کا تقسیم کیا ہوا رزق عام ہے اور ہر جگہ جو جہاں ہو اسے وہ وہیں پہنچ جاتا ہے۔ مہاجرین کے رزق میں ہجرت کے بعد اللہ نے وہ برکتیں دیں کہ یہ دنیا کے کناروں کے مالک ہو گئے اور بادشاہ بن گئے۔ فرمایا کہ بہت سے جانور ہیں جو اپنے رزق کے جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ کے ذمے ان کی روزیاں ہیں۔ پروردگار انہیں ان کے رزق پہنچا دیتا ہے۔ تمہارا رازق بھی وہی ہے۔ وہ کسی مخلوق کو کسی حالت میں کسی وقت نہیں بھولتا۔ چیونٹیوں کو ان کے سوراخوں میں پرندوں کو آسمان و زمین کے خلا میں مچھلیوں کو پانی میں وہی رزق پہنچاتا ہے۔ جیسے فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ الخ یعنی کوئی جانور روئے زمین پر ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو وہی ان کے ٹھہرنے اور رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے۔ یہ سب اس کی روشن کتاب میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلا آپ مدینے کے باغات میں سے ایک باغ میں گئے اور گری پڑی ردی کھجوریں کھول کھول کر صاف کر کے کھانے لگے۔ مجھ سے بھی کھانے کو فرمایا۔ میں نے کہا حضورؐ مجھ سے تو یہ ردی کھجوریں نہیں کھائی جائیں گی۔ آپؐ نے فرمایا لیکن مجھے تو یہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ چوتھے دن کی صبح ہے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا اور نہ کھانے کی وجہ یہ ہے کہ ملا ہی نہیں۔ سنو اگر میں چاہتا تو اللہ سے دعا کرتا اور اللہ تعالیٰ مجھے قیصر و کسریٰ کا ملک دے دیتا۔ اے ابن عمر تیرا کیا حال ہو گا جبکہ تو ایسے لوگوں میں ہو گا جو سال سال بھر کے غلے وغیرہ جمع کر لیا کریں گے اور ان کا یقین اور توکل بالکل بودا ہو جائے گا۔ ہم ابھی تو وہیں اسی حالت میں تھے جو آیت وَكَاَيِّنْ الخ نازل ہوئی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے دنیا کے خزانے جمع کرنے کا اور خواہشوں کے پیچھے لگ جانے کا حکم نہیں کیا۔ جو شخص دنیا کے خزانے جمع کرے اور اس سے باقی والی زندگی چاہے وہ سمجھ لے کہ باقی رہنے والی حیات تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ دیکھو میں تو نہ دینار و درہم جمع کروں نہ کل کے لئے آج روزی کا ذخیرہ جمع کر رکھوں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی ابوالعطوف جزری ضعیف ہے۔ یہ مشہور ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پر و بال سفید ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کوا ان سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ کھلاتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں جبکہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس بھی نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھر ان کے پاس بھیج دیتا ہے۔ وہی ان کی غذا بن جاتے ہیں۔ عرب کے شعراء نے اسے نظم بھی کیا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ سفر کرو تا کہ صحت اور روزی پاؤ۔ اور حدیث میں ہے "سفر کرو تا کہ صحت و غنیمت ملے" اور حدیث میں ہے "سفر کرو نفع اٹھاؤ گے روزے رکھو تندرست رہو گے جہاد کرو غنیمت ملے گی"۔ ایک اور روایت میں ہے جد والوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو۔

پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کی حرکات وسکنات کو جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ' پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں ○ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے ○

توحید ربوبیت' توحید الوہیت: ☆☆ (آیت:۶۱-۶۳) اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے کہ معبود برحق صرف وہی ہے۔ خود مشرکین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا' سورج چاند کو مسخر کرنے والا' دن رات کو پے در پے لانے والا' خالق' رازق' موت وحیات پر قادر صرف اللہ ہی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غنا کے لائق کون ہے اور فقر کے لائق کون ہے؟ اپنے بندوں کی مصلحتیں اس کو پوری طرح معلوم ہیں۔ پس جبکہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے' سب پر قابض صرف وہی ہے' پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ اور اس کے سوا دوسروں پر توکل کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ ملک کا مالک وہ تنہا ہے تو عبادتوں کے لائق بھی وہ اکیلا ہے۔ توحید ربوبیت کو مان کر پھر توحید الوہیت سے انحراف عجیب چیز ہے۔ قرآن کریم میں توحید ربوبیت کے ساتھ ہی توحید الوہیت کا ذکر بکثرت ہے اس لئے کہ توحید ربوبیت کے قائل مشرکین مکہ تو تھے ہی' انہیں قائل معقول کر کے پھر توحید الوہیت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ مشرکین حج وعمرے میں لبیک پکارتے ہوئے بھی اللہ کے لاشریک ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ کہتے تھے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُه وَمَا مَلَكَ یعنی یا اللہ ہم حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک کہ جن کا مالک اور جن کے ملک کا مالک بھی تو ہی ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا
بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ ع ۱۲
الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ
الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ
اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ
يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دینے والا کون ہے؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ' اقرار کر کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے' ہاں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے' البتہ سچی زندگی تو آخرت کا گھر ہے اگر یہ جانتے ہوں ○ یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تب تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے' پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں ○ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے مکرتے ہیں' اور برتتے رہیں۔ ابھی ابھی پتہ چل جائے گا ○

جب عکرمہ طوفان میں گھر گئے: ☆☆ (آیت: ۶۴-۶۶) دنیا کی حقارت وذلت' اس کے زوال وفنا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اسے کوئی دوام نہیں' اس کا کوئی ثبات نہیں۔ یہ تو صرف لہو ولعب ہے۔ البتہ دار آخرت کی زندگی دوام وبقا کی زندگی ہے' وہ زوال وفنا سے' قلت وذلت سے دور ہے۔ اگر انہیں علم ہوتا تو اس بقا والی چیز پر اس فانی چیز کو ترجیح نہ دیتے۔ پھر فرمایا کہ مشرکین بے کسی اور بے بسی کے وقت تو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کو ہی پکارنے لگتے ہیں۔ پھر مصیبت کے ہٹ جانے اور مشکل کے ٹل جانے کے بعد اس کے ساتھ دوسروں کا نام کیوں لیتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ الخ یعنی جب سمندر میں مشکل میں پھنستے ہیں' اس وقت اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہیں اور جب وہاں سے نجات پا کر خشکی میں آ جاتے ہیں تو فوراً ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ گیا۔ اتفاقاً سخت طوفان آیا اور کشتی ادھر ادھر ہونے لگی۔ جتنے مشرکین کشتی میں تھے' سب کہنے لگے' یہ موقعہ صرف اللہ کو پکارنے کا ہے۔ اٹھو اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو۔ اس وقت نجات اسی کے ہاتھ ہے۔ یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا' سنو اللہ کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے سوائے اللہ کے کوئی اور نجات نہیں دے سکتا تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا بھی وہی ہے۔ اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا اور آپ کا کلمہ پڑھ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول' میری خطاؤں سے درگذر فرما لیں گے اور مجھ پر رحم وکرم فرمائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ لِيَكْفُرُوْا اور لِيَتَمَتَّعُوْا میں لام جو ہے' اسے لام عاقبت کہتے ہیں اس لئے کہ ان کا قصد دراصل یہ نہیں ہوتا اور فی الواقع ان کی طرف نظریں ڈالنے سے بات بھی یہی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے تو یہ لام تعلیل ہے۔ اس کی پوری تقریر ہم آیت لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں کر چکے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ
حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝۶۷
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ
لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۶۹ ٧ ع ٢ ٣

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو با امن بنا دیا ہے حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں' کیا یہ باطل پر تو یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں پر احسان نہیں مانتے؟ ○ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرے اور جب حق اس کے پاس آ جائے' وہ اسے ناحق بتلائے' کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ

ہوگا۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا ساتھی ہے ○

احسان کے بدلے احسان؟ ☆☆ (آیت: ۶۷-۶۹) اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے اپنے حرم میں انہیں جگہ دی۔ جو شخص اس میں آ جائے، امن میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے آس پاس جدال وقتال لوٹ مار ہوتی رہتی ہے اور یہاں والے امن وامان سے اپنے دن گزارتے ہیں۔ جیسے سورۂ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ الخ میں بیان فرمایا، تو کیا اس اتنی بڑی نعمت کا شکر یہ یہی ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کریں؟ بجائے ایمان لانے کے شرک کریں اور خود تباہ ہو کر دوسروں کو بھی اسی ہلاکت والی راہ لے چلیں۔ انہیں تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ واحد کی عبادت میں سب سے بڑھے ہوئے رہیں۔ نبی آخر الزماںؐ کے پورے اور سچے طرفدار رہیں۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس اللہ کے ساتھ شرک وکفر کرنا اور نبیؐ کو جھٹلانا اور ایذا پہنچانا شروع کر رکھا ہے۔ اپنی سرکشی میں یہاں تک بڑھ گئے کہ اللہ کے پیغمبرؐ کو مکے سے نکال دیا۔

بالآخر اللہ کی نعمتیں ان سے چھننی شروع ہو گئیں۔ بدر کے دن ان کے بڑے بری طرح قتل ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھوں مکہ کو فتح کیا اور انہیں ذلیل وپست کیا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وحی آتی نہ ہو اور کہہ دے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ کی سچی وحی اور حق کو جھٹلائے اور باوجود حق پہنچنے کے تکذیب پر کمر بستہ رہے۔ ایسے مفتری اور مکذب لوگ کافر ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ راہ اللہ میں مشقت کرنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ، آپ کے اصحابؓ اور آپ کے تابع فرمان لوگ ہیں جو قیامت تک ہوں گے۔

فرماتا ہے کہ ہم ان کوشش اور جستجو کرنے والوں کی رہنمائی کریں گے، دنیا اور دین میں ان کی رہبری کرتے رہیں گے۔ حضرت ابو احمد عباس ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مراد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں، اللہ انہیں ان امور میں بھی ہدایت دیتا ہے جو ان کے علم میں نہیں ہوتے۔ ابو سلیمان دارانیؒ سے جب یہ ذکر کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں کوئی بات پیدا ہو، گو وہ بھلی بات ہوتا ہم اسے اس پر عمل نہ کرنا چاہیے جب تک قرآن حدیث سے وہ ثابت نہ ہو، جب ثابت ہو عمل کرے۔ اور اللہ کی حمد کرے کہ جو اس کے جی میں آیا تھا، وہی قرآن حدیث میں بھی نکلا۔ اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرماتے ہیں، احسان اس کا نام ہے کہ جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرے، تو اس کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ احسان کرنے والے سے احسان کرنے کا نام احسان نہیں، واللہ اعلم۔

تفسیر سورة الروم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ
غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ
قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾

رحم وکرم کرنے والے سچے معبود کے نام سے شروع

رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے ○ چند سال میں ہی، اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی

اختیار اللہ ہی کا ہے' اس روز مسلمان شادمان ہوں گے ○

معرکہ روم وفارس کا انجام: ☆☆ (آیت: ۱-۴) یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آ کر قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا- مدتوں محاصرہ رہا- آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہو گئی- مفصل بیان آگے آ رہا ہے- مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں- اس لئے کہ جیسے یہ بت پرست تھے' ایسے ہی اہل فارس بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لئے کہ کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا' رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے- صدیق اکبرؓ نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا' آؤ کچھ شرط بدلو اور مدت مقرر کر لو' اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینار دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے- پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی- وہ مدت پوری ہو گئی اور رومی غالب نہ آئے- تو حضرت ابوبکرؓ نے خدمت نبویؐ میں یہ خبر پہنچائی- آپؐ نے فرمایا' تم نے دس سال کی مدت کیوں نہ مقرر کی- سعید بن جبیر کہتے ہیں' قرآن میں مدت کے لئے لفظ بِضَع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے- چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے- اسی کا بیان اس آیت میں ہے- امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے- حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں' بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے-

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعْدَ
اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ
وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

اللہ کی مدد سے' وہ جس کو چاہتا ہے مدد کرتا ہے' اصل غالب اور مہربان وہی ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو ہی جانتے ہیں' اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں ○

حضرت عبداللہؓ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں' دخان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا- اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی شرط سات سال کی تھی- حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم- فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو- چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئیں اور مسلمان خوشیاں منانے لگے- اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے- اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیقؓ سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا جانتے ہو؟ آپؓ نے فرمایا' ہاں- اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے- حضورؐ کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیقؓ سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے- آپ نے فرمایا' پھر جاؤ اور مدت دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے- آپ گئے- مشرکین نے دوبارہ یہی مدت بڑھا کر شرط منظور کر لی- ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے- اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال

لی۔ حضرت صدیقؓ نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرتؐ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط بدنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے (ترمذی)۔

ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام سعید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں یہ وارد کیا ہے کہ عکرمہؒ فرماتے ہیں' فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ دو کہ کسے سردار بناؤں؟ اس نے کہا' سنو میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے۔ تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا۔ رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے۔ ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ ان کے باغات برباد کر دیئے۔ اس سرسبز وشاداب ملک کو ویران وغارت کر دیا۔ اور اذرعات اور صرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں' ایک زبردست معرکہ ہوا۔ اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں۔ ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے' اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ۔ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔ اس بات کا یقین کر لو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے ابوفصیل' تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا' اے دشمن اللہ تو جھوٹا ہے۔ اس نے کہا' اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط بدتا ہوں۔ اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا ورنہ تم مجھے دینا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ شرط قبول کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے کہا کہ میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا۔ بِضْعٌ کا لفظ قرآن میں ہے اور وہ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھا دو۔ حضرت ابوبکرؓ چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا' شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا' سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں۔ آؤ مدت بھی بڑھا لو اور شرط کا مال بھی زیادہ کر لو۔ چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہر گئی۔ اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے۔ رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارسی غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا' میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔

یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دے۔ شہر براز نے جواب لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔ فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے۔ بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ بہتر اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے ایک بہتر موجود ہیں۔ تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو۔ شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا۔ اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اسی مضمون کا

ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر براز کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط اور دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے۔ میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ چنانچہ وہ تخت سے اتر گیا اور فرخان کو قبضہ دے دیا۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ شہر براز نے کہا، بادشاہ جلدی نہ کر۔ مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔ اس نے اسے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں سے وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے، وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا، دیکھ اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی۔ تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے۔ ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے۔ اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔ بلکہ میں آپ ہی آمنے سامنے اس کو پیش کر دوں گا۔ پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آ جائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہوں گے۔

قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا کہ اگر کوئی ترکیب ہو یا کوئی مکر ہو تو کھل جائے۔ جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں ہے اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔ چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی، وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ریشمی قبہ تھا۔ اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے۔ پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دیئے گئے۔ دونوں وہاں بے ہتھیار تھے۔ صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا، اے شاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے۔ مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کر دینے کا فرمان بھیجا۔ میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئیں جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی چھری سے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی۔ اصحاب رسولؐ اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔

اب آیت کے الفاظ کے متعلق سنئے۔ حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں، ان کی بحث تو ہم کر ہی چکے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر کا شروع دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ بنو اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں۔ یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے۔ یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں، یہ ستارہ

پرست تھے- ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے- انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے- یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے- دمشق کی بناء انہی کے ہاتھوں پڑی ہے- وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے- ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا' اسے قیصر کہا جاتا تھا- سب سے پہلے رومیوں کے بادشاہ قسطنطین بن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا- اس کی ماں کا نام مریم تھا- ہیلانیہ غندقانیہ تھی' حران کی رہنے والی- پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی- پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا- یہ بڑا فلسفی عقلمند اور مکار آدمی تھا-

یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا- اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے- ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے- عبداللہ بن اویوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے- تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی- اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے- جو درحقیقت خیانت صغیرہ ہے- یہیں فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئیں- ان میں حلال وحرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا' ان میں لکھا- جس قدر جی میں آئی' کمی یا زیادتی اصل دین مسیح میں کی- اور اصل مذہب محرف ومبدل ہو گیا- مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے- بجائے ہفتہ کے اتوار کے دن کو بڑا دن بنایا- صلیب کی پرستش شروع ہو گئی- خنزیر کو حلال کر لیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب' عید قدرس' عید غطاس وغیرہ وغیرہ- پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے- ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا- پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے- رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی- کلیسا اور گرجے بہت سارے بنا لئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بناء رکھی گئی اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا- اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیئے- تین محرابوں سے بیت لحم بنا- اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا- ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے- ان کے بعد یعقوبیہ پھر نسطوریہ- یہ سب نسطور کے مقلد تھے- پھر ان کے بہت سے گروہ تھے- جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے- ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی- ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا- یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا- یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا' بہت بڑا عالم تھا' دانائی' زیرکی' دور اندیشی اور دور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا- اس نے سلطنت بہت وسیع کر لی اور مملکت دور دراز تک پھیلا دی- اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا- اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی- یہ مجوسی لوگ تھے- آگ کو پوجتے تھے- مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا۔

لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر گیا- قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا- نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا- لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کر سکا- ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس شہر کا نصف حصہ سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی سے ملا ہوا تھا- تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی- آخر میں قیصر ایک چال چلا- اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں' مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں' مجھ سے صلح کر لیجئے- کسریٰ اس پر خوش ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہیں تو جمع ہونا ناممکن تھا- قیصر نے اسے بھی قبول کر لیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلا لیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتی- قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت ملنی چاہیے کہ میں اپنے ملک شام میں چل پھر کر یہ دولت جمع کر لوں اور آپ کو سونپ دوں- اس نے یہ درخواست منظور کر لی- اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے

ساتھ جا رہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ واپس نہ لوٹیں تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری، احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کر دیا۔ جو سامنے آیا، تلوار کے کام آیا، یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی۔ وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا، انہیں بھی قتل کر دیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا۔ ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی درباردار عورتیں وغیرہ بھی پکڑ لی گئیں۔ اس کے لشکر کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام آپ نے مانگے تھے، وہ حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا، کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔

قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کٹی چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا، اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا۔ ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا، نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن، نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا۔ رومی غالب آ گئے۔ فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے۔ اذرعات اور بصریٰ کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا۔ یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔ واللہ علم۔ پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے۔ اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس سال تک رکھنے چاہئیں تھے کیونکہ بِضْع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد قَبْلُ اور بَعْدُ پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ ہے۔ یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جبکہ روم فارس پر غالب آ جائے گا، مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔ ابن عباسؓ، سدیؒ، ثوریؒ اور ابو سعیدؒ یہی فرماتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا۔ عکرمہؒ، زہری اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پاپیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا اور اس کے پاس

رسول کریم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا - ہرقل نے نامہ نبیؐ پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلوایا - ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے - اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے - ابوسفیان نے کہا' میں ہوں - بادشاہ نے انہیں آگے بٹھا لیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا' اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا - ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو یہ لوگ اسے ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا - اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے - مثلاً حضورؐ کے حسب نسب کی نسبت' آپ کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ - انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی' وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں - اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے - نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضورؐ اور قریش کے درمیان یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہو گی - یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے - اس لئے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی - واللہ اعلم -

لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا' یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی' ویرانی غیر آبادی و تنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی' اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوش حالی اور آبادی پر رکھی - اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا - واللہ اعلم - یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں - ہاں مسلمان رومیوں کے غلبے سے خوش ہوئے - اس لئے گو وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے تو اہل کتاب - اور ان کے مقابل مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا - تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں - خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں -

قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں - پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے' تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کر لے - پس یہاں بھی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہوں گے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا' وہ جس کی چاہتا ہے' مدد کرتا ہے' وہ بڑا غالب اور بہت بڑا مہربان ہے - حضرت زبیر کلائیؒ فرماتے ہیں' میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا' پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا' پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا خود اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھ لیا - آخر آیت میں فرمایا' اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگذر فرمانے والا ہے - جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آ جائیں گے' یہ اللہ کی خبر ہے' رب کا وعدہ ہے' پروردگار کا فیصلہ ہے - ناممکن ہے کہ غلط نکلے' ٹل جائے یا خلاف ہو جائے - جو حق کے قریب ہوا اسے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتا ہے - ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم جان نہیں سکتے - اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں' اس کی گتھیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں' اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں - اس کے برے' بھلے' نفع نقصان کو پہچان لیتے ہیں - بیک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں' دنیا کمانے کا' پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن امور

دین میں، اخروی کاموں میں محض جاہل، غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے، نہ غور و فکر کی عادت۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چٹکی میں لیتے ہی وزن بتا دیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا
مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ ۝۸ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ
كَانُوٓا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَآ أَكْثَرَ مِمَّا
عَمَرُوهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۖ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۹

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان میں جو کچھ ہے، سب کو بہترین قرینے سے مقرر وقت تک کے لئے ہی پیدا کیا ہے، ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں ○ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ وہ ان سے بہت زیادہ توانا اور طاقتور تھے انہوں نے بھی زمین بوئی جوتی تھی اور ان سے زیادہ آبادکی تھی۔ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر آئے تھے، یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا بلکہ دراصل وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○

کائنات کا ہر ذرہ دعوت فکر دیتا ہے: ☆☆ (آیت: ۸-۹) چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق جل وعلا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید اور ربوبیت پر دلالت کرنے والا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ موجودات میں غور و فکر کیا کرو اور قدرت اللہ کی ان نشانیوں سے اس مالک کو پہچانو اور اس کی قدر و تعظیم کرو۔ کبھی عالم علوی کو دیکھو، کبھی عالم سفلی پر نظر ڈالو، کبھی اور مخلوقات کی پیدائش کو سوچو اور سمجھو کہ یہ چیزیں عبث اور بیکار پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ رب نے انہیں کارآمد اور نشان قدرت بنایا ہے۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے یعنی قیامت کا دن۔ جسے اکثر لوگ مانتے ہی نہیں۔ اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ دیکھ لو، ان کے مخالفین کا کس قدر عبرت ناک انجام ہوا؟ اور ان کے ماننے والوں کو کس طرح دونوں جہان کی عزت ملی؟ تم چل پھر کر اگلے واقعات معلوم کرو کہ گذشتہ امتیں جو تم سے زیادہ زور آور تھیں، تم سے زیادہ مال و زر والی تھیں، تم سے زیادہ کنبے قبیلے اور بیٹے پوتے والی تھیں، تم تو ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔ وہ تم سے زیادہ عمر والے تھے۔ تم سے زیادہ آبادیاں انہوں نے کیں، تم سے زیادہ کھیتیاں اور باغات ان کے تھے، اس کے باوجود جب ان کے پاس اس زمانے کے رسول آئے، انہوں نے دلیلیں اور معجزے دکھائے اور پھر بھی اس زمانے کے ان بدنصیبوں نے ان کی نہ مانی اور اپنے خیالات میں مستغرق رہے اور سیاہ کاریوں میں مشغول رہے تو بالآخر عذاب الٰہی ان پر برس پڑے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو انہیں بچا سکے یا کسی عذاب کو ان پرے ہٹا سکے۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ ع ١٠
يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝١١ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ
الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٢ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا
وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝١٣ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ
يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝١٤ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ
رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝١٥ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝١٦

پھر آخرش برا کرنے والوں کا برا ہی ہوا اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور انکی ہنسی اڑاتے تھے ○ اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا ○ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ جس دن قیامت قائم ہوگی، گنہگاروں کی تو امیدیں ٹوٹ جائیں گی ○ اس دن جماعتیں الگ الگ ہو جائیں گی ○ جو ایمان لا کر نیک اعمال کرتے رہے، وہ تو جنت میں خوش وخرم کر دیئے جائیں گے ○ اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا، وہ سب عذاب میں پکڑ وا دیئے جائیں گے ○

(آیت: ۱۰) یہ عذاب تو ان کے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا۔ یہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، رب کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو، ان کی نگاہوں کو پھیر دیا اور انہیں ان کی سرکشی میں ہی حیران چھوڑ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے، ان کی کجی کی وجہ سے اللہ نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے۔ اور اس آیت میں ہے کہ اگر اب بھی منہ موڑیں تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکڑ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ اس بنا پر اَلسُّوْٓاٰی منصوب ہوگا اَسَآءُ کا مفعول ہو کر۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ سوای یہاں پر اس طرح واقع ہے کہ برائی ان کا انجام ہوئی۔ اس لئے کہ وہ آیات الٰہی کے جھٹلانے والے اور ان کا مذاق اڑانے والے تھے۔ تو اس معنی کی رو سے یہ لفظ منصوب ہوگا کَانَ کی خبر ہو کر۔ امام ابن جریرؒ نے یہی توجیہ بیان کی ہے اور ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے نقل بھی کی ہے۔ ضحاکؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ اس کے بعد وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ہے۔

اعمال کے مطابق فیصلے: ☆☆ (آیت ۱۱-۱۶) فرمان باری ہے کہ سب سے پہلے مخلوقات کو اسی اللہ نے بنایا اور جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے پر اس وقت قادر تھا، اب فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی وہ اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ تم سب قیامت کے دن اسی کے سامنے حاضر کئے جانے والے ہو۔ وہاں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ قیامت کے دن گنہگار ناامید، رسوا اور خاموش ہو جائیں گے۔ اللہ کے سوا جن جن کی دنیا میں عبادت کرتے رہے، ان میں سے ایک بھی ان کی سفارش کے لئے کھڑا نہ ہوگا۔ اور یہ ان کے پوری طرح محتاج ہوں گے لیکن وہ ان سے بالکل آنکھیں پھیر لیں گے اور خود ان کے معبودان باطل بھی ان سے کنارہ کش ہو جائیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ ہم میں ان میں کوئی دوستی نہیں۔ قیامت قائم ہوتے ہی اس طرح الگ الگ ہو جائیں گے جس کے بعد ملاپ ہے ہی نہیں۔ نیک

لوگ تو علیین میں پہنچا دیئے جائیں گے اور برے لوگ سجین میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ وہ سب سے اعلیٰ بلندی پر ہوں گے۔ یہ سب سے زیادہ پستی میں ہوں گے۔ پھر اس آیت کی تفصیل ہوتی ہے کہ نیک نفس تو جنتوں میں ہنسی خوشی سے ہوں گے اور کفار جہنم میں جل بھن رہے ہوں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

پس اللہ کی تسبیح پڑھا کرو جبکہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ تمام تعریفوں کے لائق آسمان و زمین میں صرف وہی ہے ○ تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی اس کی پاکیزگی بیان کرو ○ وہی زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے ○

خالق کل مقتدر کل ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۹) اس رب تعالیٰ کا کمال قدرت اور عظمت سلطنت پر دلالت اس کی تسبیح اور اس کی حمد سے ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہبری کرتا ہے اور اپنا پاک ہونا اور قابل حمد ہونا بھی بیان فرما رہا ہے۔ شام کے وقت جبکہ رات اپنے اندھیروں کو لے کر آتی ہے اور صبح کے وقت جبکہ دن اپنی روشنیوں کو لے کر آتا ہے' اتنا بیان فرما کر اس کے بعد کا جملہ بیان فرمانے سے پہلے ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ زمین و آسمان میں قابل حمد و ثنا وہی ہے' ان کی پیدائش خود اس کی بزرگی پر دلیل ہے۔ پھر صبح شام کے وقتوں کی تسبیح کا بیان جو پہلے گذرا تھا' اس کے ساتھ عشاء اور ظہر کا وقت ملا لیا۔ جو پورے اندھیرے اور کامل اجالے کا وقت ہوتا ہے۔ بیشک تمام تر پاکیزگی اسی کو سزاوار ہے جو رات کے اندھیروں کو اور دن کے اجالوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ صبح کا ظاہر کرنے والا' رات کو سکون والی بنانے والا وہی ہے۔ اس جیسی آیتیں اور بھی بہت سی ہیں وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى وغیرہ۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا' میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سے تُظْهِرُوْنَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں۔ طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح شام یہ پڑھ لیں' اس نے دن رات میں جو چیز چھوٹ گئی' اسے پا لیا۔ پھر بیان فرمایا کہ موت و زیست کا خالق' مردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مردوں کو نکالنے والا وہی ہے۔ ہر شے پر اور اس کی ضد پر وہ قادر ہے۔ دانے سے درخت' درخت سے دانے' مرغی سے انڈے' انڈے سے مرغ' نطفے سے انسان' انسان سے نطفہ' مومن سے کافر' کافر سے مومن' غرض ہر چیز اور اس کے مقابلہ کی چیز پر اسے قدرت حاصل ہے۔ خشک زمین کو وہی تر کر دیتا ہے۔ بنجر زمین سے وہی زراعت پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے سورۂ یاسین میں فرمایا کہ خشک زمین کا تر و تازہ ہو کر طرح طرح کے اناج و پھل پیدا کرنا بھی میری قدرت کا ایک کامل نشان ہے۔ ایک اور آیت میں ہے ''تمہارے دیکھتے ہوئے اس زمین کو جس میں سے دھواں اٹھتا ہو' دو بوند سے تر کر کے میں لہلہا دیتا ہوں اور ہر قسم کی پیداوار سے اسے سرسبز کر دیتا ہوں۔ اور بھی بہت سی آیتوں میں اس مضمون کو کہیں مفصل' کہیں مجمل بیان فرمایا۔ یہاں فرمایا' اسی طرح تم سب بھی مرنے کے بعد قبروں میں سے زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ
تَنۡتَشِرُوۡنَ ۝۲۰ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ
اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ
فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝۲۱

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تمہاری مٹی سے پیدائش ہے کہ پھر انسان بن کر چلتے پھرتے ہو ○ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت نشانیاں ہیں ○

بتدریج نظام حیات: ☆☆ (آیت:۲۰-۲۱) فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بیشمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ تم سب کو اس نے بے وقعت پانی کے قطرے سے پیدا کیا۔ پھر تمہاری بہت اچھی صورتیں بنائیں' نطفے سے خون بستہ کی شکل میں' پھر گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں ڈھال کر' پھر ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر روح پھونکی' آنکھ' کان' ناک پیدا کئے' ماں کے پیٹ سے سلامتی سے نکالا' پھر کمزوری کو قوت سے بدلا' دن بدن طاقتور اور مضبوط قد آور اور زور آور کیا' عمر دی' حرکت و سکون کی طاقت دی' اسباب اور آلات دیئے اور مخلوق کا سردار بنایا اور ادھر سے ادھر پہنچنے کے ذرائع دیئے۔ سمندروں کی' زمین کی مختلف سواریاں عطا فرمائیں۔ عقل' علم' سوچ' سمجھ' تدبر' غور کے لئے دل و دماغ عطا فرمائے۔ دنیاوی کام سمجھائے' رزق' عزت حاصل کرنے کے طریقے کھول دیئے۔ ساتھ ہی آخرت کو سنوارنے کا علم اور دنیاوی علم بھی سکھایا۔ پاک ہے وہ اللہ جو ہر چیز کا صحیح اندازہ کرتا ہے' ہر ایک کو ایک مرتبے پر رکھتا ہے۔ شکل و صورت میں' بول چال میں' امیری فقیری میں' عقل و ہنر میں' بھلائی برائی میں' سعادت و شقاوت میں ہر ایک کو جداگانہ کر دیا۔ تاکہ ہر شخص رب کی بہت سی نشانیاں اپنے میں اور دوسرے میں دیکھ لے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی مٹی کی لے کر اس سے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ پس زمین کے مختلف حصوں کی طرح اولاد آدم کی مختلف رنگتیں ہوئیں۔ کوئی سفید' کوئی سرخ' کوئی سیاہ' کوئی خبیث' کوئی طیب' کوئی خوش خلق' کوئی بد خلق وغیرہ۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی قدرت یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ وہ تمہاری بیویاں بنتی ہیں اور تم ان کے خاوند ہوتے ہو' یہ اس لئے کہ تمہیں ان سے سکون و راحت' آرام و آسائش حاصل ہو۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے' اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تاکہ وہ اس کی طرف راحت حاصل کرے۔ حضرت حواؑ' حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے جو سب سے زیادہ چھوٹی ہے' پیدا ہوئی ہیں۔ پس اگر انسان کا جوڑا انسان سے نہ ملتا اور کسی اور جنس سے ان کا جوڑا بندھتا تو موجودہ الفت و رحمت ان میں نہ ہو سکتی۔ یہ پیار' اخلاص یک جنسی کی وجہ سے ہے۔ ان میں آپس میں محبت' مودت' رحمت' الفت' پیار' اخلاص' رحم اور مہربانی ڈال دی۔ پس مرد یا تو محبت کی وجہ سے عورت کی خبرگیری کرتا ہے یا غم کھا کر اس کا خیال رکھتا ہے اس لئے کہ اس سے اولاد ہو چکی ہے' اس کی پرورش ان دونوں کے میل ملاپ پر موقوف ہے الغرض بہت سی وجوہات رب العالمین نے رکھ دی ہیں جن کے باعث انسان با آرام اپنے جوڑے کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہ بھی رب کی مہربانی اور اس کی قدرت کاملہ کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ادنیٰ غور سے انسان کا ذہن اس تک پہنچ جاتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ
وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٢٣﴾

اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے ○ دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔ اور بھی اس کی قدرت کی نشانی تمہاری راتوں کی اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل یعنی روزی کو تمہارا تلاش کرنا بھی ہے، جو لوگ کان لگا کر سننے کے عادی ہیں، ان کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ○

یہ رنگ یہ زبانیں اور وسیع تر کائنات: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۳) رب العالمین اپنی زبردست قدرت کی ایک نشانی اور بیان فرماتا ہے کہ اس قدر بلند، کشادہ، آسمان کی پیدائش، اس میں ستاروں کا جڑاؤ، ان کی چمک دمک، ان میں سے بعض کا چلتا پھرتا ہونا، بعض کا ایک جا ثابت رہنا، زمین کو ایک ٹھوس شکل میں بنانا، اسے کثیف پیدا کرنا، اس میں پہاڑ، میدان، جنگل، دریا، سمندر، ٹیلے، پتھر، درخت وغیرہ جما دینا۔ خود تمہاری زبانوں میں، رنگتوں میں اختلاف رکھنا، عرب کی زبان، تاتاریوں، کردوں، رومیوں، فرنگیوں، تکرونیوں، بربر، حبشیوں، ہندیوں، ایرانیوں، حقالبہ، آرمینیوں، جزریوں اور اللہ جانے کتنی کتنی زبانیں زمین پر بنو آدم میں بولی جاتی ہیں۔ انسانی زبانوں کے اختلاف کے ساتھ ہی ان کی رنگتوں کا اختلاف بھی شان الٰہی کا مظہر ہے۔ خیال تو فرمایئے کہ لاکھوں آدمی جمع ہو جائیں، ایک کنبے قبیلے کے، ایک ملک، ایک زبان کے ہوں لیکن ناممکن ہے کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اختلاف نہ ہو۔ حالانکہ اعضائے بدن کے اعتبار سے کلی موافقت ہے۔ سب کی دو آنکھیں، دو پلکیں، ایک ناک، دو دو کان، ایک پیشانی، ایک منہ، دو ہونٹ، دو رخسار وغیرہ لیکن تاہم ایک سے ایک علیحدہ ہے۔ کوئی نہ کوئی عادت، خصلت، کلام، بات چیت، طرز ادا ایسی ضرور ہو گی کہ جس میں ایک دوسرے کا امتیاز ہو جائے گو وہ بعض مرتبہ پوشیدہ سی اور ہلکی سی چیز ہی ہو۔ گو خوبصورتی اور بدصورتی میں کئی ایک یکساں نظر آئیں لیکن جب غور کیا جائے تو ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنے والا کوئی نہ کوئی وصف ضرور نظر آ جائے گا۔ ہر جاننے والا اتنی بڑی طاقتوں اور قوتوں کے مالک کو پہچان سکتا ہے اور اس صنعت سے صانع کو جان سکتا ہے۔ نیند بھی قدرت کی ایک نشانی ہے جس سے تھکان دور ہو جاتی ہے، راحت وسکون حاصل ہوتا ہے اس کے لئے قدرت نے رات بنا دی۔ کام کاج کے لئے، دنیا حاصل کرنے کے لئے، کمائی دھندے کے لئے، تلاش معاش کے لئے اس اللہ نے دن کو پیدا کر دیا جو رات کے بالکل خلاف ہے۔ یقیناً سننے سمجھنے والوں کے لئے یہ چیزیں نشان قدرت ہیں۔ طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اچاٹ ہو جایا کرتی تھی تو میں نے آنحضرت ﷺ سے اس امر کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَ هَدَاتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَنِم عَيْنِي وَ اَهْدِئْ لَيْلِيْ ۔ میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضل اللہ دور ہو گئی۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ
وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ

اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٢٣﴾

اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کے لئے تجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اس میں بھی عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا، صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے ○

قیام ارض وسما: ☆☆ (آیت: ۲۴-۲۵) اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جارہی ہے کہ آسمانوں پر اس کے حکم سے بجلی کوندتی ہے جسے دیکھ کر کبھی تمہیں دہشت لگنے لگتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کڑک کسی کو ہلاک کر دے، کہیں بجلی گرے وغیرہ اور کبھی تمہیں امید بندھتی ہے کہ اچھا ہوا اب بارش برسے گی۔ پانی کی ریل پیل ہوگی۔ ترسالی ہو جائے گی وغیرہ۔ وہی ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اس زمین کو جو خشک پڑی ہوئی تھی جس پر نام نشان کو کوئی ہریاول نہ تھی، مثل مردے کے بے کار تھی، اس بارش سے وہ زندہ کر دیتا ہے، لہلہانے لگتی ہے، ہری بھری ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگا دیتی ہے۔ عقل مندوں کے لئے عظمت الٰہی کی یہ ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ اس نشان کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ اس زمین کو زندہ کرنے والا اللہ ہماری موت کے بعد ہمیں بھی از سرنو زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زمین وآسمان اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ وہ آسمان کو زمین پر گرنے نہیں دیتا اور آسمان وزمین کو تھامے ہوئے ہے اور انہیں زوال سے بچائے ہوئے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے، اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین وآسمان ٹھہرے ہوئے ہیں، پھر قیامت کے دن وہ زمین وآسمان کو بدل دے گا، مردے اپنی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ خود اللہ انہیں آواز دے گا اور یہ صرف ایک آواز پر زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو اس کی حمد کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم رہے۔ اور آیت میں ہے فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ صرف ایک ہی آواز سے ساری مخلوق میدان محشر میں جمع ہو جائے گی۔ اور آیت میں ہے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَاهُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ یعنی وہ تو صرف ایک آواز ہوگی جسے سنتے ہی سب کے سب ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ ع ٨

زمین وآسمان کی ہر ہر چیز اسی کی ملکیت ہے، اور ہر ایک اس کے فرمان کے ماتحت ہے ○ وہی ہے جس نے شروع شروع میں مخلوق کو پیدا کیا۔ وہی پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں بھی، اور وہی ذی عزت، غلبے والا باحکمت، حکمت والا ہے ○

جس کا کوئی ہمسر نہیں: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) فرماتا ہے کہ تمام آسمانوں اور ساری زمینوں کی مخلوق اللہ کی ہی ہے، سب اس کے

لونڈی غلام ہیں، سب اسی کی ملکیت ہیں۔ ہر ایک اس کے سامنے عاجز ولاچار، مجبور و بےبس ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "قرآن کریم میں جہاں کہیں قنوت کا ذکر ہے، وہاں مراد اطاعت وفرمانبرداری ہے"۔ ابتدائی پیدائش بھی اسی نے کی اور وہی اعادہ بھی کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے عادتاً آسان اور ہلکا ہوتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ "جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اور اسے یہ چاہئے نہیں تھا۔ وہ مجھے برا کہتا ہے اور یہ بھی اسے لائق نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اس نے مجھے اولاً پیدا کیا، اس طرح دوبارہ پیدا کر نہیں سکتا۔ حالانکہ دوسری مرتبہ کی پیدائش پہلی دفعہ کی پیدائش سے بالکل ہی آسان ہوا کرتی ہے۔ اس کا مجھے برا کہنا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں احد اور صمد ہوں"۔ جس کی نہ اولاد نہ ماں باپ اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔ الغرض دونوں پیدائشیں اس مالک کی قدرت کی مظہر ہیں، نہ اس پر کوئی کام بھاری نہ بوجھل۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ھُوَ کی ضمیر کا مرجع خَلْقٌ ہو۔ مثل سے مراد یہاں اس کی توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے نہ کہ مثال، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مثال سے پاک ہے۔ فرمان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اس کی مثال کوئی اور نہیں۔ بعض اہل ذوق نے کہا ہے کہ جب صاف شفاف پانی کا ستھرا پاک صاف حوض ٹھہرا ہوا ہو اور باد صبا کے تھپیڑے اسے ہلاتے جلاتے نہ ہوں، اس وقت اس میں آسمان صاف نظر آتا ہے۔ سورج اور چاند ستارے بالکل دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح بزرگوں کے دل ہیں جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ غالب ہے جس پر کسی کا بس نہیں، نہ اس کے سامنے کسی کی کچھ چل سکے۔ ہر چیز اس کی ماتحتی میں اور اس کے سامنے پست ولاچار، عاجز و بےبس ہے۔ اس کی قدرت، سطوت، سلطنت ہر چیز پر محیط ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اپنے اقوال، افعال، شریعت، تقدیر، غرض ہر ہر امر میں۔ حضرت محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں مثل اعلیٰ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ
فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۸ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ۝۲۹

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان فرمائی۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے، کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟ اور تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا، ہم عقل رکھنے والوں کے لئے اسی طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں ○ اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بےعلم کی خواہش پرستی کر رہے ہیں، اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ راہ سے ہٹا دے؟ ان کا ایک بھی مددگار نہیں ○

اپنے دلوں میں جھانکو! ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو اللہ کا شریک جانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے غلام اور اس کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ وہ حج وعمرے کے موقعہ پر لبیک پکارتے ہوئے کہتے تھے کہ لبّيك لا شريك لك اِلَّا شريكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ یعنی ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ کہ وہ خود اور جس چیز کا وہ مالک ہے

سب تیری ملکیت میں ہے۔ یعنی ہمارے شریکوں کا اور ان کی ملکیت کا تو ہی اصلی مالک ہے۔ پس یہاں انہیں ایک ایسی مثال سے سمجھایا جا رہا ہے جو خود یہ اپنے نفس میں ہی پائیں۔ اور بہت اچھی طرح غور و خوض کر سکیں۔ فرماتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی بھی اس امر پر رضامند ہوگا کہ اس کے کل مال وغیرہ میں اس کے غلام اس کے برابر شریک ہوں اور ہر وقت اسے یہ دھڑکا رہتا ہو کہ کہیں وہ تقسیم کر کے میری جائیداد اور ملکیت آدھوں آدھ بانٹ نہ لے جائیں۔

پس جس طرح تم یہ بات اپنے لئے پسند نہیں کرتے' اللہ کے لئے بھی یہ نہ چاہو' جس طرح غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتا' اسی طرح اللہ کا کوئی بندہ اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ عجب ناانصافی ہے کہ اپنے لئے جس بات سے چڑھیں اور نفرت کریں' اللہ کے لئے وہی بات ثابت کرنے بیٹھ جائیں۔ خود بیٹیوں سے جلتے تھے' اتنا سنتے ہی کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے' منہ کالے پڑ جاتے تھے اور اللہ کے مقرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے۔ اسی طرح خود اس بات کے کبھی روادار نہیں ہوئے کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک وسہیم سمجھیں لیکن اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں۔ کس قدر انصاف کا خون ہے؟ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مشرک جو لبیک پکارتے تھے اور اس میں اللہ کے لاشریک ہونے کا اقرار کر کے پھر اس کی غلامی تلے دوسروں کو مان کر پھر انہیں اس کا شریک ٹھہراتے تھے' اس پر یہ آیت اتری۔ اور اس میں بیان ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک ٹھہرانے سے عار رکھتے ہو تو اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک کیوں ٹھہرا رہے ہو۔ یہ صاف بات بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اسی طرح تفصیل وار دلائل غافلوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اور بتلاتا ہے کہ مشرکین کے شرک کی کوئی سند عقلی نقلی کوئی دلیل نہیں۔ صرف کرشمہ جہالت اور پیروی خواہش ہے۔ جبکہ یہ راہ راست سے ہٹ گئے تو پھر انہیں اللہ کے سوا اور کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ یہ گو دوسروں کو اپنا کارساز اور مددگار مانتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ دشمنان الٰہی کا دوست کوئی نہیں۔ کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف لب ہلا سکے۔ کون ہے جو اس پر مہربانی کرے۔ جس پر اللہ نامہربان ہو؟ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جسے وہ نہ چاہے ہو نہیں سکتا۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ
وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ ﴿۳۰﴾ مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ
وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ ﴿۳۱﴾
مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا
لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۳۲﴾

پس تو یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دے' اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں یہی راست دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○ اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈراتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں نہ مل جاؤ ○ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے' ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے' نازاں ہے ○

بچہ اور ماں باپ: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) ملت ابراہیم حنیفؑ پر جم جاؤ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے اور جسے

اے نبی آپ کے ہاتھ پر اللہ نے کمال کو پہنچایا ہے- رب کی فطرت سلیمہ پر وہی قائم ہے جو اس دین اسلام کا پابند ہے- اسی پر یعنی توحید پر رب نے تمام انسانوں کو بنایا ہے- روز اول میں اسی کا سب سے اقرار کر لیا گیا تھا کہ کیا میں سب کا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے اقرار کیا کہ بیشک تو ہی ہمارا رب ہے- وہ حدیثیں عنقریب ان شاءاللہ بیان ہوں گی جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ مخلوق کو اپنے سچے دین پر پیدا کیا ہے گو اس کے بعد لوگ یہودیت، نصرانیت وغیرہ پر چلے گئے- لوگو اللہ کی اس فطرت کو نہ بدلو- لوگوں کو اس راہ راست سے نہ ہٹاؤ- تو یہ خبر معنی میں امر کے ہوگی جیسے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا میں یہ معنی نہایت عمدہ اور صحیح ہیں- دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو فطرت سلیمہ پر یعنی دین اسلام پر پیدا کیا- رب کے اس دین میں کوئی تبدل و تغیر نہیں- امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے یہی معنی کئے ہیں کہ یہاں خلق اللہ سے مراد دین اور فطرت اسلام ہے-

بخاری شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان رسولؐ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں- جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ ہوتا ہے جس کے کان لوگ کتر دیتے ہیں- پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ- مسند احمد میں ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا- آپ کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا- وہاں ہم بفضل اللہ غالب آ گئے- اس دن لوگوں نے بہت سے کفار کو قتل کیا یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کو بھی قتل کر ڈالا- حضورؐ کو پتہ چلا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے، یہ کیا بات ہے، لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں- آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے- کسی نے کہا- یا رسول اللہؐ آخر وہ بھی مشرکین کی ہی اولاد تھی- آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں- یاد رکھو تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کے بچے ہیں- خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا، نابالغوں کے قتل سے رک جانا- ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے- پھر اس کے ماں باپ اسے یہود، نصرانی بنا لیتے ہیں-

جابر بن عبداللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے زبان آ جائے- اب یا تو شاکر بنتا ہے یا کافر- مسند میں بروایت حضرت ابن عباسؓ مروی ہے کہ حضور علیہ السلام سے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہ خوب جانتا تھا کہ وہ کیا اعمال کرنے والے ہیں- آپ سے مروی ہے کہ ایک زمانے میں میں کہتا تھا، مسلمانوں کی اولاد مسلمانوں کے ساتھ ہے اور مشرکوں کی مشرکوں کے ساتھ ہے یہاں تک کہ فلاں شخص نے فلاں سے روایت کر کے مجھے سنایا کہ جب آنحضرت ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، اللہ خوب عالم ہے اس چیز سے جو وہ کرتے- اس حدیث کو سن کر میں نے اپنا فتویٰ چھوڑ دیا- حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا کہ مجھے جناب باری عزوجل نے حکم دیا کہ جو اس نے مجھے آج سکھایا ہے اور اس سے تم جاہل ہو وہ میں تمہیں سکھا دوں- فرمایا ہے کہ جو میں نے اپنے بندوں کو دیا ہے، میں نے ان کے لئے حلال کیا ہے- میں نے اپنے سب بندوں کو یک طرفہ خالص دین والا بنایا ہے، ان کے پاس شیطان پہنچتا ہے اور انہیں دین سے گمراہ کرتا ہے اور حلال کو ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں میرے ساتھ شریک کرنے کو کہتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں-

اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف نگاہ ڈالی اور عرب و عجم سب کو ناپسند فرمایا سوائے چند اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے- وہ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے صرف آزمائش کے لئے بھیجا ہے- تیری اپنی بھی آزمائش ہوگی اور تیری وجہ سے اور سب کی بھی- میں تجھ پر وہ کتاب اتاروں گا جسے پانی دھو نہ سکے- تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا- پھر مجھ سے جناب باری نے ارشاد فرمایا کہ میں قریش کو ہوشیار کر دوں- میں نے

اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں وہ میرا سر کچل کر روٹی جیسا نہ بنا دیں؟ تو فرمایا' سن جیسے یہ تجھے نکالیں گے' میں انہیں نکالوں گا' تو ان سے جہاد کر' میں تیرا ساتھ دوں گا' تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو لشکر بھیج' میں اس سے پانچ حصے زیادہ لشکر بھیجوں گا' فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں پر چڑھائی کر دے۔ اہل جنت تین قسم کے ہیں' عادل بادشاہ' توفیق خیر والا سخی' نرم دل' ہر مسلمان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے والا' پاک دامن' سوال اور حرام سے بچنے والا عیالدار آدمی۔ اہل جہنم پانچ قسم کے لوگ ہیں' وہ بے وقعت' کمینے لوگ جو بے زر اور بے گھر ہیں' جو تمہارے دامنوں میں لپٹے رہتے ہیں۔ وہ خائن جو حقیر چیزوں میں بھی خیانت کئے بغیر نہیں رہتا۔ وہ لوگ جو ہر وقت لوگوں کو ان کی جان و مال اور اہل و عیال میں دھوکے دیتے رہتے ہیں۔ صبح شام چالبازیوں اور مکر و فریب میں لگے رہتے ہیں۔ پھر آپ نے بخیل یا کذاب کا ذکر کیا اور فرمایا پانچویں قسم کے لوگ بدزبان بدگو ہیں (مسلم وغیرہ)

یہی فطرت سلیمہ' یہی شریعت کو مضبوطی سے تھامے رہنا ہی سچا اور سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں اور اپنی اسی جہالت کی وجہ سے اللہ کے ایسے پاک دین سے دور بلکہ محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے' گو تیری حرص ہو لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔ ایک اور آیت میں ہے' اگر تو اکثریت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے راہ اللہ سے بہکا دیں گے۔ تم سب اللہ کی طرف راغب رہو' اسی کی جانب جھکے رہو' اسی کا ڈر خوف رکھو' اسی کا لحاظ رکھو۔ نمازوں کی پابندی کرو جو سب سے بڑی عبادت اور اطاعت ہے۔ تم مشرک نہ بنو بلکہ موحد خالص بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی اور سے کوئی مراد وابستہ نہ رکھو۔ حضرت معاذؓ سے حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا' یہ تین چیزیں ہیں اور یہی نجات کی جڑیں ہیں' اول اخلاص جو فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے' دوسرے نماز جو دراصل دین ہے' تیسرے اطاعت جو عصمت اور بچاؤ ہے''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' آپ نے سچ کہا۔ تمہیں مشرکوں میں نہ ملنا چاہیے' تمہیں ان کا ساتھ نہ دینا چاہیے' اور نہ ان جیسا فعل کرنا چاہیے جنہوں نے دین الٰہی کو بدل دیا' بعض باتوں کو مان لیا بعض سے انکار کر گئے فَرَّقُوْا کی دوسری قراءت فَارَقُوْا ہے یعنی انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ جیسے یہود' نصاریٰ' مجوس' بت پرست اور دوسرے باطل مذاہب والے۔ جیسے ارشاد ہے' جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کی اور گروہ بندی کر لی تو ان میں شامل ہی نہیں' ان کا انجام سپرد الٰہی ہے' تم سے پہلے والی قومیں گروہ در گروہ ہو گئیں اور سب کی سب باطل پر جم گئیں اور ہر فرقہ یہی دعویٰ کرتا رہا کہ وہ سچا ہے اور دراصل حقانیت ان سب سے گم ہو گئی تھی۔ اس امت میں بھی تفرقہ پڑا لیکن ان میں ایک حق پر ہے۔ ہاں باقی سب گمراہی پر ہیں۔ یہ حق والی جماعت اہل سنت و الجماعت ہے جو کتاب اللہ کو اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوط تھامنے والی ہے جس پر سابقہ زمانے کے صحابہؓ' تابعینؒ اور ائمہ مسلمینؒ تھے۔ گذشتہ زمانے میں بھی اور اب بھی۔ جیسے مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ان سب میں نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا مَنْ کَانَ عَلٰی مَآ اَنَا عَلَیْهِ الْیَوْمَ وَ اَصْحَابِیْ یعنی وہ لوگ جو اس پر ہوں جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں (برادران غور فرمائیے کہ وہ چیز جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے زمانے میں تھے' وہ وحی اللہ یعنی قرآن و حدیث ہی تھی یا کسی امام کی تقلید؟)

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ
اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ۝۳۳
لِیَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ اَمْ اَنْزَلْنَا

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ
اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا
قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے ○ تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہے' اچھا تم فائدہ اٹھا لو ابھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا ○ یا کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرے جسے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں ○ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں' اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض نا امید ہو جاتے ہیں ○ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے کشادہ روزی دیتا ہے اور تنگ بھی۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں' نشانیاں ہیں ○

انسان کی مختلف حالتیں: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۷) اللہ تعالیٰ لوگوں کی حالت بیان فرما رہا ہے کہ دکھ درد' مصیبت و تکلیف کے وقت تو وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کو بڑی عاجزی' زاری نہایت توجہ اور پوری دلسوزی کے ساتھ پکارتے ہیں اور جب اس کی نعمتیں ان پر برسنے لگتی ہیں تو یہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ لِيَكْفُرُوْا میں لام بعض تو کہتے ہیں لام عاقبت ہے اور بعض کہتے ہیں لام تعلیل ہے۔ لیکن اس کا لام تعلیل ہونا اس وجہ سے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کے لئے یہ مقرر کیا۔ پھر انہیں دھمکایا کہ تم ابھی معلوم کر لو گے۔ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ کوتوال یا سپاہی اگر کسی کو ذرا ئے دھمکائے تو وہ کانپ اٹھتا ہے۔ تعجب ہے کہ اس کے دھمکانے سے ہم دہشت میں آئیں' جس کے قبضے میں ہر چیز ہے اور جس کا صرف یہ کہہ دینا ہر امر کے لئے کافی ہے کہ ہو جا' اس سے نہ ڈریں۔ پھر مشرکین کا محض بے دلیل ہونا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے ان کے شرک کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

پھر انسان کی ایک بیہودہ خصلت بطور انکار بیان ہو رہی ہے کہ سوائے چند ہستیوں کے عموماً حالت یہ ہے کہ راحتوں کے وقت پھول جاتے ہیں اور سختیوں کے وقت مایوس ہو جاتے ہیں۔ گویا اب کوئی بہتری ملے گی نہیں۔ ہاں مومن سختیوں میں صبر اور نرمیوں میں نیکیاں کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے' مومن پر تعجب ہے۔ اس کے لئے اللہ کی ہر قضا بہتر ہی ہوتی ہے۔ راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی متصرف اور مالک ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جہان کا نظام چلا رہا ہے' کسی کو کم دیتا ہے' کسی کو زیادہ دیتا ہے۔ کوئی تنگی ترشی میں ہے' کوئی وسعت اور فراخی میں۔ اس میں مومنوں کے لئے نشان ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ
مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ
اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ
ذٰلِكُمْ مِّنْ شَىْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۱۲

قرابت دار کو‘ مسکین کو‘ مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دے- یہ ان کے لئے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں- ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ تم جو بیاج (سود) پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے‘ وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا‘ اور جو کچھ صدقہ زکوۃ تم اللہ کے چہرہ کی طلب کے لئے دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا دو چند کرنے والے ○ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا- پھر روزی دی‘ پھر مار ڈالے گا- پھر زندہ کر دے گا‘ بتاؤ تمہارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو؟ اللہ کے لئے پاکی اور برتری ہے ہر اک اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں ○

صلہ رحمی کی تاکید: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) قرابتداروں کے ساتھ نیکی‘ سلوک اور صلہ رحمی کرنے کا حکم ہو رہا ہے- مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو یا کچھ ہو لیکن بقدر کفایت نہ ہو- اس کے ساتھ بھی سلوک و احسان کرنے کا حکم ہو رہا ہے- مسافر جس کا خرچ کم پڑ گیا ہو اور سفر خرچ پاس نہ رہا ہو- اس کے ساتھ بھی بھلائی کرنے کا ارشاد ہوتا ہے- یہ ان کے لئے بہتر ہے جو چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن دیدار الٰہی کریں- حقیقت میں انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں- دنیا اور آخرت میں نجات ایسے ہی لوگوں کو ملے گی- اس دوسری آیت کی ایک تفسیر تو ابن عباسؓ مجاہدؒ ضحاکؒ قتادہؒ عکرمہؒ محمد بن کعبؒ اور شعبیؒ سے یہ مروی ہے کہ جو شخص کوئی عطیہ اس ارادے سے دے کہ لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو گو اس ارادے سے ہدیہ دینا ہے تو مباح لیکن ثواب سے خالی ہے- اللہ کے ہاں اس کا بدلہ کچھ نہیں- مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس سے بھی روک دیا- اس معنی میں یہ حکم آپ کے لئے مخصوص ہوگا-

اسی کی مشابہ آیت وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ہے یعنی زیادتی‘ معاوضہ کی نیت سے کسی کے ساتھ احسان نہ کیا کرو- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سود یعنی نفع کی دو صورتیں ہیں- ایک تو بیوپار تجارت میں سود‘ یہ تو حرام محض ہے- دوسرا سود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں- وہ کسی کو اس ارادہ سے ہدیہ تحفہ دینا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے- پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اللہ کے پاس ثواب تو زکوۃ کے ادا کرنے کا ہے- زکوۃ دینے والوں کو بہت برکتیں ہوتیں ہیں- صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقے میں دے لیکن حلال طور سے حاصل کی ہوئی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے- یہاں تک کہ وہی ایک کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے- اللہ ہی خالق و رازق ہے- انسان اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا‘ بے علم‘ بے کان‘ بے آنکھ‘ بے طاقت نکلتا ہے- پھر اللہ تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے- مال‘ ملکیت‘ کمائی‘ تجارت غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے-

دو صحابیوںؓ کا بیان ہے کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے- اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے- ہم نے بھی آپ کا ہاتھ بٹایا- آپؐ نے فرمایا‘ دیکھو سر ملنے لگے تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا- انسان ننگا بھوکا دنیا میں آتا ہے‘ ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا- پھر رب ہی اسے روزیاں دیتا ہے- اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا- پھر قیامت کے دن زندہ کرے گا- اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو‘ ان میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں رکھتا- ان کاموں میں سے ایک بھی کوئی نہیں کر سکتا- اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تنہا خالق‘ رازق اور موت زندگی کا مالک ہے- وہی قیامت کے دن تمام مخلوق کو جلا دے گا- اس کی مقدس‘

منزہ، معظم اور عزت وجلال والی ذات اس سے پاک ہے۔ کوئی اس کا شریک ہو یا اس جیسا ہو یا اس کے برابر ہو یا اس کی اولاد ہو یا ماں باپ ہوں۔ وہ احد ہے، صمد ہے، فرد ہے، ماں باپ اولاد سے پاک ہے، اس کا کفو کوئی نہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ
لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ
سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث مصیبتیں آن پڑیں اس لئے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ باز آ جائیں ○ زمین پر چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ اگلوں کا انجام کیا ہوا؟ جن میں اکثر لوگ مشرک تھے ○

زمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مضمر ہے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۲) ممکن ہے بر یعنی خشکی سے مراد میدان اور جنگل ہوں اور بحر یعنی تری سے مراد شہر اور دیہات ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بر کہتے ہیں خشکی کو اور بحر کہتے ہیں تری کو۔ خشکی کے فساد سے مراد بارش کا نہ ہونا، پیداوار کا نہ ہونا، قحط سالیوں کا آنا ہے۔ تری کے فساد سے مراد بارش کا رک جانا جس سے پانی کے جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔ انسان کا قتل اور کشتیوں کا جبراً چھین جھپٹ لینا، یہ خشکی تری کا فساد ہے۔ بحر سے مراد جزیرے اور بر سے مراد شہر اور بستیاں ہیں۔ لیکن اول قول زیادہ ظاہر ہے اور اسی کی تائید محمد بن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضورؐ نے ایلہ کے بادشاہ سے صلح کی اور اس کا بحر یعنی شہر اسی کے نام کر دیا۔ پھلوں کا، اناج کا نقصان دراصل انسان کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ کے نافرمان زمین کے بگاڑنے والے ہیں۔ آسمان وزمین کی اصلاح اللہ کی عبادت واطاعت سے ہے۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے حق میں چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ اس لئے کہ حد قائم ہونے سے مجرم گناہوں سے باز رہیں گے اور جب گناہ نہ ہوں گے تو آسمانی اور زمینی برکتیں لوگوں کو حاصل ہوں گی۔ چنانچہ آخر زمانے میں جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور اس پاک شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے مثلاً خنزیر کا قتل، صلیب کی شکست، جزیئے کا ترک، یعنی اسلام کی قبولیت یا جنگ، پھر جب آپ کے زمانے میں دجال اور اس کے مرید ہلاک ہو جائیں گے، یاجوج ماجوج تباہ ہو جائیں گے تو زمین سے کہا جائے گا کہ اپنی برکتیں لوٹا دے۔ اس دن ایک انار لوگوں کی ایک بڑی جماعت کو کافی ہوگا۔ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے یہ سب لوگ سایہ حاصل کر لیں۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے کو کفایت کرے گا۔ یہ ساری برکتیں صرف رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے جاری کرنے کی وجہ سے ہوں گی جیسے جیسے عدل وانصاف مطابق شرع شریف بڑھے گا، ویسے ویسے خیر وبرکت بڑھتی چلی جائے گی۔ اس کے برخلاف فاجر شخص کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر بندے، شہر درخت اور جانور سب راحت پا لیتے ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ زیاد کے زمانے میں ایک تھیلی پائی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گیہوں کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں اگتے تھے جس میں عدل وانصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔ زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ مراد فساد سے شرک ہے لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ مال اور پیداوار کی اور پھر اناج کی کمی بطور آزمائش کے اور بطور ان کے بعض اعمال کے بدلے کے ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ہم نے انہیں بھلائیوں، برائیوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ

لوٹ جائیں۔ تم زمین میں چل پھر کر آپ ہی دیکھ لو کہ تم سے پہلے جو مشرک تھے ان کے نتیجے کیا ہوئے؟ رسولوں کی نہ ماننے اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا کیا وبال ان پر آیا؟ یہ دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ
لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ
وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

پس تو اپنا رخ اس سچے اور سیدھے دین کی طرف ہی رکھ اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس کی بازگشت اللہ کی طرف سے ہے ہی نہیں۔ اس دن سب متفرق ہو جائیں گے ○ کفر کرنے والوں پر ان کا کفر ہوگا' اور نیک عمل کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں ○ تا کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے' وہ کافروں کو دوست رکھتا ہی نہیں ○

اللہ کے دین میں مستحکم ہو جاؤ: ☆☆ (آیت:۴۳-۴۵) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دین پر جم جانے کی اور چستی سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے' مضبوط دین کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آ جائے۔ جب اس کے آنے کا اللہ کا حکم ہو چکے گا' پھر اس حکم کو یا اس آنے والی ساعت کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اس دن نیک بد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ ایک جماعت جنت میں' ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ کافر اپنے کفر کے بوجھ تلے دب رہے ہوں گے۔ لوگ اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کے بہترین آرام دہ ذخیرے پر خوش و خرم ہوں گے۔ رب انہیں ان کی نیکیوں کا اجر بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر کئی کئی گنا کر کے دے رہا ہوگا۔ ایک ایک نیکی دس دس بلکہ سات سات سو بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کر کے انہیں ملے گی۔ کفار اللہ کے دوست نہیں لیکن تاہم ان پر بھی ظلم نہ ہوگا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ
مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا
اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اس کی نشانیوں میں سے خوش خبریاں دینے والی ہواؤں کا چلانا بھی ہے اس لئے کہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور اس لئے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم شکر گذاری کرو ○ ہم نے تجھ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ وہ ان کے پاس دلیلیں لائے۔ پھر ہم نے گنہگاروں سے انتقام لیا' ہم پر مومنوں کی مدد لازم ہے ○

مسلمان بھائی کی اعانت پر جہنم سے نجات کا وعدہ: ☆☆ (آیت:۴۶-۴۷) بارش کے آنے سے پہلے بھینی بھینی ہواؤں کا چلنا اور لوگوں کو بارش کی امید دلانا' اس کے بعد مینہ برسانا تا کہ بستیاں آباد رہیں اور جاندار زندہ رہیں' سمندروں اور دریاؤں میں جہاز اور کشتیاں

چلیں۔ کیونکہ کشتیوں کا چلنا بھی ہوا پر موقوف ہے۔ اب تم اپنی تجارت اور کمائی دھندے کے لئے ادھر سے ادھر سے ادھر جا آ سکو۔ پس تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ان بیشماران گنت نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ پھر اپنے نبی کو تسکین اور تسلی دینے کے لئے فرماتا ہے کہ اگر آپ کو لوگ جھٹلاتے ہیں تو آپ اسے کوئی انوکھی بات نہ سمجھیں۔ آپ سے پہلے کے رسولوں کو بھی ان کی امتوں نے ایسے ہی ٹیڑھے ترچھے فقرے سنائے ہیں۔ وہ بھی صاف، روشن اور واضح دلیلیں، معجزے اور احکام لائے تھے بالآخر جھٹلانے والے عذاب کے شکنجے میں کس دیئے گئے اور مومنوں کو اس وقت ہر قسم کی برائی سے نجات ملی۔ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نفس کریم پر یہ بات لازم کر لی ہے کہ وہ اپنے باایمان بندوں کو مدد دے گا۔ جیسے فرمان ہے کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی آبرو بچالے، اللہ پر حق ہے کہ وہ اس سے جہنم کی آگ کو ہٹالے۔ پھر آپ نے پڑھا وَکَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ
کَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ
فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾
فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾
وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ
یَکْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اللہ تعالیٰ ہوائیں چلاتا ہے۔ وہ ابر کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تیرے دیکھتے ہوئے اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں، اور جنہیں اللہ چاہتا ہے، ان اپنے بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہو جاتے ہیں ○ یقین مانا کہ بارش ان پر برسے، اس سے پہلے پہلے تو ناامید ہو رہے تھے ○ پس تو رحمت الٰہی کے آثار دیکھ کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور اگر ہم بادتند چلا دیں اور یہ لوگ انہیں کھیتیوں کو مرجھائی ہوئی زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ○

ناامیدی کے اندھیروں میں امید کے اجالے، رحمت وزحمت کی ہوائیں: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں یا تو سمندر پر سے یا جس طرح اور جہاں سے اللہ کا حکم ہو۔ پھر رب العالمین ابر کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے۔ اسے بڑھا دیتا ہے۔ تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بالشت دو بالشت کا ابر اٹھا۔ پھر جو وہ پھیلا تو آسمان کے کنارے ڈھانپ لئے اور کبھی یہ بھی دیکھا ہوگا کہ سمندروں سے پانی کے بھرے ابر اٹھتے ہیں۔ اسی مضمون کو آیت وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ الخ میں

بیان فرمایا ہے- پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے- وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں- زمین کے قریب ہو جاتے ہیں- پھر بارش ان بادلوں کے درمیان سے برسنے لگتی ہے' جہاں برسی' وہیں کے لوگوں کی باچھیں کھل گئیں- پھر فرماتا ہے یہی لوگ بارش سے ناامید ہو چکے تھے اور پوری ناامیدی کے وقت بلکہ ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برسیں اور جل تھل ہو گئے- دو دفعہ مِنْ قَبْلِ کا لفظ لانا تاکید کے لئے ہے- ہ کی ضمیر کا مرجع اِنْزَال ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تاسیسی دلالت ہو- یعنی بارش ہونے سے پہلے یہ اس کے محتاج تھے اور وہ حاجت پوری ہو' اس سے پہلے وقت کے ختم ہو جانے کے قریب بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ مایوس ہو چکے تھے-

پھر اس ناامیدی کے بعد دفعتاً ابر اٹھتا ہے اور برس جاتا ہے اور ریل پیل کر دیتا ہے اور ان کی خشک زمین تر ہو جاتی ہے' قحط سالی تر سالی سے بدل جاتی ہے- یا تو زمین صاف چٹیل میدان تھی یا ہر طرف ہریاول دکھائی دینے لگتی ہے- دیکھ لو کہ پروردگار عالم بارش سے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے؟ یاد رکھو جس رب کی یہ قدرت تم دیکھ رہے ہو' وہ ایک دن مردوں کو ان کی قبروں سے بھی نکالنے والا ہے حالانکہ ان کے جسم گل سڑ گئے ہوں گے- سمجھ لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے- پھر فرماتا ہے' اگر ہم باد تند چلا دیں' اگر آندھیاں آ جائیں اور ان کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں پژمردہ ہو جائیں تو وہ پھر سے کفر کرنے لگ جاتے ہیں- چنانچہ سورۂ واقعہ میں بھی یہی بیان ہوا ہے- اَفَرَئَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ سے مَحْرُوْمُوْنَ تک حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں' چار رحمت کی' چار زحمت کی- ناشرات' مبشرات' مرسلات اور زاریات تو رحمت کی ہیں اور عقیم' صرصر' عاصف اور قاصف عذاب کی- ان میں پہلی دو خشکیوں کی ہیں اور آخری دو تری کی-

حضور ﷺ فرماتے ہیں' ہوائیں دوسری سے مسخر ہیں یعنی دوسری زمین سے- جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کا ارادہ کیا تو ہواؤں کے داروغہ کو یہ حکم دیا' اس نے دریافت کیا کہ جناب باری کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا سوراخ کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے؟ تو فرمان اللہ ہوا کہ نہیں نہیں- اگر ایسا ہوا تو کل زمین اور زمین کی پوری چیزیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی- اتنا نہیں بلکہ اتنا روزن کرو جتنا انگوٹھی میں نگینہ ہوتا ہے- اب صرف اتنے سے سوراخ سے وہ ہوا چلی جو جہاں پہنچی وہاں بھس اڑا دیا- جس چیز پر سے گزری' اسے بے نشان کر دیا- یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا منکر ہے- زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ خود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے-

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا
مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ
اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۵ ۱۳ ۸

بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا- اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتا ہے جبکہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہیں اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے' تو تو صرف ان ہی لوگوں کو سناتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہیں بھی وہ اطاعت گذار ○

مسئلہ سماع موتی: ☆☆ (آیت: ۵۲-۵۳) باری تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ جس طرح یہ تیری قدرت سے خارج ہے کہ مردوں کو جو قبروں میں ہوں' تو اپنی آواز سنا سکے اور جس طرح یہ ناممکن ہے کہ بہرے شخص کو جبکہ وہ پیٹھ پھیرے منہ موڑے جا رہا ہو' تو اپنی بات سنا سکے- اسی طرح سے جو حق سے اندھے ہیں' تو ان کی رہبری ہدایت کی طرف نہیں کر سکتا- ہاں اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے- جب وہ چاہے مردوں کو زندوں کی آواز بھی سنا سکتا ہے- ہدایت وضلالت اس کی طرف سے ہے- تو صرف انہیں سنا سکتا ہے جو باایمان ہوں اور اللہ کے سامنے جھکنے والے اس کے

فرمانبردار ہوں۔ یہ لوگ حق کو سنتے ہیں اور مانتے بھی ہیں۔ یہ تو حالت مسلمان کی ہوئی اور اس سے پہلے جو حالت بیان ہوئی' وہ کافر کی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ الخ تیری پکار وہی قبول کریں گے جو کان دھر کر سنیں گے۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پھر سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان مشرکین سے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے تھے اور بدر کی کھائیوں میں ان کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں' ان کی موت کے تین دن بعد ان سے خطاب کر کے انہیں ڈانٹا اور غیرت دلائی۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ان سے خطاب کرتے ہیں جو مر کر مردہ ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم بھی میری اس بات کو جو میں انہیں کہہ رہا ہوں' اتنا نہیں سنتے' جتنا یہ سن رہے ہیں۔ ہاں وہ جواب نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی سن کر فرمایا کہ آپ نے یوں فرمایا ہے کہ وہ اب بخوبی جانتے ہیں کہ جو میں ان سے کہتا تھا' وہ حق ہے۔ پھر آپ نے مردوں کے نہ سن سکنے پر اسی آیت سے استدلال کیا کہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی یہ بات انہوں نے سن لی تاکہ انہیں پوری ندامت اور کافی شرم ساری ہو۔ لیکن علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ ابن عبدالبر نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً ایک روایت صحت کر کے وارد کی ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے یہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کرتا ہے تو اللہ اس کی روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جواب دے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ
قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ
مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝۵۴

اللہ وہ ہے کہ جس نے کمزوری کی حالت میں پیدا کیا۔ پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی۔ پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا' جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے ○

پیدائش انسان کی مرحلہ وار روداد: ☆☆ (آیت: ۵۴) انسان کی ترقی وتنزل' اس کی اصل تو مٹی سے ہے۔ پھر نطفے سے' پھر خون بستہ سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے' پھر اسے ہڈیاں پہنائی جاتی ہیں' پھر ہڈیوں پر گوشت پوست پہنایا جاتا ہے' پھر روح پھونکی جاتی ہے' پھر ماں کے پیٹ سے ضعیف ونحیف ہو کر نکلتا ہے۔ پھر تھوڑا تھوڑا بڑھتا جاتا ہے۔ اور مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ پھر بچپن کے زمانے کی بہاریں دیکھتا ہے۔ پھر جوانی کے قریب پہنچتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے۔ آخر نشو ونما موقوف ہو جاتی ہے۔ اب قویٰ پھر مضمحل ہونے شروع ہوتے ہیں۔ طاقتیں گھٹنے لگتی ہیں۔ ادھیڑ عمر کو پہنچتا ہے۔ پھر بڈھا ہوتا ہے۔ پھر بڈھا پھوس ہو جاتا ہے۔ طاقت کے بعد یہ کمزوری بھی قابل عبرت ہوتی ہے۔ کہ ہمت پست ہے۔ دیکھنا' سننا' چلنا پھرنا' اٹھنا' اچکنا' پکڑنا غرض ہر طاقت گھٹ جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ بالکل جواب دے جاتی ہے اور ساری صفتیں متغیر ہو جاتی ہیں۔ بدن پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ رخسار پچک جاتے ہیں' دانت ٹوٹ جاتے ہیں' بال سفید ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے قوت کے بعد کی ضعیفی اور بڑھاپا۔ وہ جو چاہتا ہے' کرتا ہے۔ بنانا بگاڑنا اس کی قدرت کے ادنیٰ کرشمے ہیں۔ ساری مخلوق اس کی غلام' وہ سب کا مالک' وہ عالم وقادر' نہ اس کا سا کسی کا علم نہ اس جیسی کسی کی قدرت۔ حضرت عطیہ عوفی کہتے ہیں' میں نے اس آیت کو ضُعْفًا تک حضرت ابن عمرؓ کے سامنے پڑھا تو آپ نے بھی اسے تلاوت کی اور فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس

آیت کو اتنا ہی پڑھا تھا جو آپ پڑھنے لگے جس طرح میں نے تمہاری قراءت پر قراءت شروع کر دی - (ابوداؤد' ترمذی' مسند احمد)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ
كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ
فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا
يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

جس وقت قیامت برپا ہو جائے گی' گنہگار لوگ قسمیں کھانے لگیں گے کہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے - اسی طرح یہ بہکے ہوئے ہی رہے ○ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے' وہ جواب دیں گے کہ تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے' یوم قیامت تک ٹھہرے رہے - آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں مانتے تھے ○ آج ظالموں کو ان کی عذر معذرت کچھ کام نہ آئے گی اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی ○

واپسی ناممکن ہوگی: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفار دنیا اور آخرت کے کاموں سے بالکل جاہل ہیں - دنیا میں ان کی جہالت تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے رہے اور آخرت میں یہ جہالت کریں گے کہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں صرف ایک ساعت ہی رہے - اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں ہم پر کوئی حجت قائم نہیں ہوئی - ہمیں معذور سمجھا جائے - اسی لئے فرمایا کہ یہ جیسے یہاں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں' دنیا میں یہ بہکے ہوئے ہی رہے - فرماتا ہے کہ علماء کرام جس طرح ان کے اس کہنے پر دنیا میں انہیں دلائل دے کر قائل معقول کرتے رہے' آخرت میں بھی ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹی قسمیں کھا رہے ہو - تم کتاب اللہ یعنی کتاب الاعمال میں اپنی پیدائش سے لے کر جی اٹھنے تک ٹھہرے رہے لیکن تم بے علم اور نرے جاہل لوگ ہو - پس قیامت کے دن ظالموں کو اپنے کرتوت سے معذرت کرنا محض بے سود رہے گا اور وہ دنیا کی طرف لوٹائے نہ جائیں گے - جیسے فرمان ہے وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں تو لوٹ نہیں سکتے -

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ
جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۷ ۹

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں' تو ان کے پاس کوئی بھی نشان لا' یہ کافر یہی کہیں گے کہ تم بیہودہ گو جھوٹے ہو ○ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے' یوں ہی مہر کر دیتا ہے ○ تو صبر کر - یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' تجھے وہ لوگ خفیف نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے ○

نماز میں مقتدی اور امام کا تعلق: ☆☆ (آیت: ۵۸-۶۰) حق کو ہم نے اس پاک کلام میں پوری طرح واضح کر دیا ہے اور مثالیں دے

دے کر سمجھا دیا ہے کہ لوگوں پر حق کھل جائے اور اس کی تابعداری میں لگ جائیں - ان کے پاس تو کوئی بھی معجزہ آ جائے' کیسا ہی نشان حق دیکھ لیں لیکن یہ تو جھٹ سے بلاغور علی الفور کہہ دیں گے کہ یہ جادو ہے' باطل ہے' جھوٹ ہے - دیکھئے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے - خود قرآن کریم کی آیت اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ الخ میں ہے کہ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کا معائنہ کر لیں - پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ بے علم لوگوں کے دلوں پر اسی طرح اللہ کی مہر لگ جاتی ہے - اے نبی ﷺ آپ صبر کیجئے - ان کی مخالفت اور دشمنی پر درگزر کئے چلے جایئے - اللہ کا وعدہ سچا ہے - وہ ضرور تمہیں ایک دن ان پر غالب کرے گا اور تمہاری امداد فرمائے گا اور دنیا اور آخرت میں تجھے اور تیرے تابعداروں کو مخالفین پر غلبہ دے گا - تمہیں چاہیے کہ اپنے کام پر لگے رہو' حق پر جم جاؤ' اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو' اسی میں ساری ہدایت ہے - باقی سب باطل کے ڈھیر ہیں - حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں تھے کہ ایک خارجی نے آپ کا نام لے کر زور سے اس آیت کی تلاوت کی - وَلَقَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ لَٮِٕنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ آپ نے خاموشی سے اس آیت کو سنا' سمجھا اور نماز ہی میں اس کے جواب میں آیت فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسۡتَخِفَّنَّكَ الَّذِيۡنَ لَا يُوۡقِنُوۡنَ تلاوت فرمائی (ابن جریر' ابن ابی حاتم) (وہ حدیث جس سے اس مبارک سورت کی فضیلت اور اس کی قراءت کا صبح کی نماز میں مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے)

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضور ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اسی سورت کی قراءت کی - اثنا قراءت میں آپ کو وہم سا ہو گیا' فارغ ہو کر فرمانے لگے' تم میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن باقاعدہ ٹھیک ٹھاک وضو نہیں کرتے - تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو' اسے اچھی طرح وضو کرنا چاہیے - (مسند احمد) اس کی اسناد حسن ہے' متن بھی حسن ہے' اور اس میں ایک عجیب بھید ہے اور بہت بڑی خبر ہے اور وہ یہ کہ آپ کے مقتدیوں کے وضو بالکل درست نہ ہونے کا اثر آپ پر بھی پڑا - پس ثابت ہوا کہ مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے ساتھ معلق ہے -

تفسیر سورة لقمان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓمّٓ ۝١ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ۝٢ هُدًى وَّرَحۡمَةً
لِّلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝٣ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ
بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ۝٤ اُولٰۤٮِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰۤٮِٕكَ
هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝٥ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ
لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ
اُولٰۤٮِٕكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝٦

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ○ جو نیک کاروں کے لئے رہبر اور سراسر رحمت ہے ○ جو لوگ نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں ○ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو راہ الٰہی سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں ○

ہدایت یافتہ کتاب: ☆☆ (آیت:۱-۵) سورۂ بقرہ کی تفسیر کے اول میں ہی حروف مقطعات کے معنی اور مطلب کی توضیح کردی گئی ہے- یہ قرآن ہدایت، شفا اور رحمت ہے ان نیک کاروں کے لئے جو شریعت کے پورے پابند ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں- ارکان، اوقات وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ہی نوافل سنت وغیرہ بھی نہیں چھوڑتے -فرض زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، صلہ رحمی، سلوک واحسان، سخاوت اور داد و دہش کرتے رہتے ہیں- آخرت کی جزاء کا انہیں کامل یقین ہے- اس لئے اللہ کی طرف پوری رغبت کرتے ہیں، ثواب کے کام کرتے ہیں اور رب کے اجر پر نظریں رکھتے ہیں- نہ ریاکاری کرتے ہیں نہ لوگوں سے داد چاہتے ہیں- ان اوصاف والے راہ یافتہ ہیں- راہ اللہ پر لگا دیئے گئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دین و دنیا میں فلاح، نجات اور کامیابی حاصل کریں گے-

لہو ولعب، موسیقی اور لغو باتیں: ☆☆ (آیت:۶) اوپر بیان ہوا تھا نیک بختوں کا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے تھے اور اسے سن کر نفع اٹھاتے تھے- تو یہاں بیان ہو رہا ہے ان بدبختوں کا جو کلام الٰہی کو سن کر نفع حاصل کرنے سے باز رہتے ہیں اور بجائے اس کے گانے بجانے، باجے گاجے، ڈھول تاشے سنتے ہیں- چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، قسم اللہ کی اس سے مراد گانا اور راگ ہے- ایک اور جگہ ہے کہ آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین دفعہ قسم کھا کر فرمایا کہ اس سے مقصد گانا اور راگ اور راگنیاں ہیں- یہی قول حضرت ابن عباسؓ جابرؒ عکرمہؒ سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، مکحولؒ، عمرو بن شعیبؒ، علی بن بزیمہ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے- امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت گانے بجانے، باجوں گاجوں کے بارے میں اتری ہے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہی نہیں جو اس لہو ولعب میں پیسے خرچے، یہاں مراد خرید سے اسے محبوب رکھنا اور پسند کرنا ہے- انسان کو یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ باطل کی بات کو حق بات پر پسند کر لے- اور نقصان کی چیز کو نفع کی بات پر مقدم کر لے- ایک قول یہ بھی ہے کہ لغو بات خریدنے سے مراد گانے والی لونڈیوں کی خریداری ہے چنانچہ ابن ابی حاتم وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ گانے والیوں کی خرید وفروخت حلال نہیں اور ان کی قیمت کا کھانا حرام ہے، انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے- امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے غریب کہا ہے اور اسکے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف کہا ہے- میں کہتا ہوں، خود علی ان کے استاد اور انکے تمام شاگرد ضعیف ہیں- واللہ اعلم-

ضحاکؒ کا قول ہے کہ مراد اس سے شرک ہے- امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو اللہ سے اور اتباع شرع سے روکے، وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے- اس سے غرض اس کی اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت ہوتی ہے- ایک قراءت میں لیضل ہے تو لام لام عاقبت ہوگا یا لام عیل ہوگا- یعنی امر تقدیری ان کی اس کارگزاری سے ہوکر رہے گا- ایسے لوگ اللہ کی راہ کو ہنسی بنا لیتے ہیں- آیات الٰہی کو بھی مذاق میں اڑاتے ہیں- اب ان کا انجام بھی سن لو کہ جس طرح انہوں نے اللہ کی راہ کی، کتاب اللہ کی اہانت کی، قیامت کے دن ان کی اہانت ہوگی اور خطرناک عذاب میں ذلیل ورسوا ہوں گے-

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا
كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ
اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ٹینٹ ہیں۔ تو اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دے ○ بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی مطابق سنت کئے' ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ کا سچا وعدہ ہے' وہ بہت بڑی عزت والا اور کامل حکمت والا ہے ○

(آیت: ۷) پھر بیان ہو رہا ہے کہ یہ بدنصیب جو کھیل تماشوں' باجوں گاجوں پر' راگ راگنیوں پر ریجھا ہوا ہے' یہ قرآن کی آیتوں سے بھاگتا ہے' کان ان سے بہرے کر لیتا ہے' یہ اسے اچھی نہیں معلوم ہوتیں' سن بھی لیتا ہے تو بے سنی کر دیتا ہے۔ لیکن ان کا سننا اسے ناگوار گزرتا ہے۔ کوئی مزہ نہیں آتا۔ وہ اسے فضول کام قرار دیتا ہے چونکہ اس کی کوئی اہمیت اور عزت اس کے دل میں نہیں' اس لئے وہ ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا' وہ تو ان سے محض بے پرواہ ہے۔ یہ یہاں اللہ کی آیتوں سے اکتاتا ہے تو قیامت کے دن عذاب بھی وہ ہوں گے کہ اکتا اکتا اٹھے۔ یہاں آیات قرآنی سن کر اسے دکھ ہوتا ہے۔ وہاں دکھ دینے والے عذاب اسے بھگتنے پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے ٹلتے نہیں: ☆☆ (آیت: ۸-۹) نیک لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لائے' رسول کو مانتے رہے' شریعت کی ماتحتی میں نیک کام کرتے رہے' ان کے لئے جنتیں ہیں' جن میں طرح طرح کی نعمتیں' لذیذ غذائیں' بہترین پوشاکیں' عمدہ عمدہ سواریاں' پاکیزہ نورانی چہروں والی بیویاں ہیں۔ وہاں انہیں اور ان کی نعمتوں کو دوام ہے' کبھی زوال نہیں۔ نہ تو یہ مریں نہ ان کی نعمتیں فنا ہوں' نہ کم ہوں نہ خراب ہوں۔ یہ حتماً اور یقیناً ہونے والا ہے کیونکہ اللہ فرما چکا ہے اور رب کی باتیں بدلتی نہیں' اس کے وعدے ٹلتے نہیں۔ وہ کریم ہے' منان ہے' محسن ہے' منعم ہے' جو چاہے کر سکتا ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے' عزیز ہے' سب کچھ اس کے قبضے میں ہے' حکیم ہے۔ کوئی کام' کوئی بات' کوئی فیصلہ خالی از حکمت نہیں۔ اس نے قرآن کریم کو مومنوں کے لئے ہادی اور شافی بنایا ہے۔ ہاں بے ایمانوں کے کانوں میں بوجھ ہیں اور آنکھوں میں اندھیرا ہے۔ اور آیت ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی جو قرآن ہم نے نازل فرمایا ہے وہ مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم تو نقصان میں ہی بڑھتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ
اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَا
ذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱ ع ۱۱

اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون پیدا کیا ہے تم انہیں دیکھ رہے ہو اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ تمہیں جنبش نہ دے سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین

میں پھیلا دیئے' اور ہم نے آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگا دیئے ○ یہ ہے مخلوق اللہ اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ' کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ○

پہاڑوں کی میخیں : ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ سبحان وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق کا خالق صرف وہی ہے۔ آسمان کو اس نے بے ستون اونچا رکھا ہے۔ واقع ہی میں کوئی ستون ہے نہیں۔ گو مجاہدؒ کا یہ قول بھی ہے کہ ستون ہمیں نظر نہیں آتے۔ اس مسئلہ کا پورا فیصلہ میں سورۂ رعد کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس نے اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ تمہیں زلزلے اور جنبش سے بچالے۔ اس قدر قسم قسم کے' بھانت بھانت کے جاندار اس خالق حقیقی نے پیدا کئے کہ آج تک ان کا کوئی حصر نہیں کر سکا۔ اپنا خالق اور اخلق ہونا بیان فرما کر اب رازق اور رزاق ہونا بیان فرما رہا ہے کہ آسمان سے بارش اتار کر زمین میں سے طرح طرح کی پیداوار اگا دی' جو دیکھنے میں خوش منظر' کھانے میں بے ضرر' نفع میں بہت بہتر۔ شعبیؒ کا قول ہے کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے' جنتی کریم ہیں اور دوزخی لئیم ہیں۔ اللہ کی یہ ساری مخلوق تو تمہارے سامنے ہے۔ اب جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو' ذرا بتاؤ تو ان کی مخلوق کہاں ہے؟ جب نہیں تو وہ خالق نہیں اور جب خالق نہیں تو معبود نہیں' پھر ان کی عبادت نرا ظلم اور سخت ناانصافی ہے۔ فی الواقع اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں سے زیادہ اندھا' بہرا' بے عقل' بے علم' بے سمجھ' بے وقوف اور کون ہوگا؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر' ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے۔ جو بھی ناشکری کرے' وہ جان لے کہ اللہ تو بے نیاز اور تعریفوں والا ہے ○

حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟ ☆☆ (آیت: ۱۲) اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ پرہیز گار ولی اور اللہ کے پیارے بزرگ بندے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حبشی تھے اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' حضرت لقمان پستہ قد' اونچی ناک والے' موٹے ہونٹ والے نوبی تھے۔ سعید بن میبب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا' اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے تئیں حقیر نہ سمجھ' تین شخص جو تمام لوگوں سے اچھے تھے' تینوں سیاہ رنگ تھے۔ حضرت بلالؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت پناہ کے غلام تھے' حضرت مہجع جو جناب فاروق اعظمؓ کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے۔

حضرت خالد ربعیؒ کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے' ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کر اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم کیا اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں' وہ لا دو۔ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے۔ مالک نے پوچھا' اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تو یہی دو لایا اور بدترین مانگے تو تو نے یہی لا دیئے۔ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا' جب یہ اچھے

رہیں تو ان سے بہترین جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے۔ موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔ اور بزرگ سے یہ بھی مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ ایک اور قول ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا، کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اس نے کہا، پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا سچ بولنے اور بے کار کلام نہ کرنے سے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ کا فضل اور امانت کی ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کا چھوڑ دینا۔ الغرض ایسے ہی آثار صاف ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ بعض روایتیں اور بھی ہیں جن میں گو صراحت نہیں کہ آپ نبی نہ تھے لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ نبی نہ تھے کیونکہ غلامی نبوت کے خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام عالی نسب اور عالی خاندان ہوا کرتے تھے۔

اسی لئے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہؒ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے لیکن یہ بھی جب کہ سند صحیح ثابت ہو جائے لیکن اس کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا، کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہوں۔ اس نے کہا، کیا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہوں۔ کہا، کیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا، ظاہر ہے، میں سیاہ رنگ ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، یہی کہ پھر وہ کیا ہے کہ تیری مجلس پر رہتی ہے۔ لوگ تیرے دروازے پر آتے رہتے ہیں اور تیری باتیں شوق سے سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، سنو بھائی، جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کر لو تو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کر لو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میں نے بزرگی پائی ہے۔

ابو داؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے قبیلے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خلق، خاموش، غور و فکر کرنے والے گہری نظر والے، دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے، نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے، لغو کاموں سے دور رہتے تھے، ہنستے نہ تھے، جو کلام کرتے تھے، حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، جس وقت ان کی اولاد فوت ہوئی، یہ بالکل نہیں روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہؒ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی۔ راتوں رات ان پر حکمت برسا دی گئی اور رگ و پے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی باتیں اور ان کی عادتیں سب حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی۔ ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو، میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں۔ اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ اس روایت کے ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جن میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، مراد حکمت سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نہ نبی تھے نہ ان پر وحی آئی تھی۔ پس سمجھ، علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجا لانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں نے تجھے جو علم و عقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا

فرمائی ہے' اس پر تو میری شکر گزاری کر ۔ شکر گزار کچھ مجھ پر احسان نہیں کرتا ۔ وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے ۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ نیکی والے اپنے لئے بھی بھلا توشہ تیار کرتے ہیں ۔ یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اس کی ناشکری ضرر نہیں پہنچا سکتی' وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے ۔ سب اس کے محتاج ہیں' وہ سب سے بے نیاز ہے' ساری زمین والے بھی اگر کافی ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' وہ سب سے غنی ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے ۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا
وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾

جبکہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا ۔ بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے ○ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھٹائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کر' میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○ اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا ۔ ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو' تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے ۔ تم جو کچھ کرتے ہو' اس سے پھر میں تمہیں خبردار کروں گا ○

حضرت لقمان کی اپنے بیٹوں کو نصیحت ووصیت : ☆☆ (آیت:۱۳-۱۵) حضرت لقمانؒ نے اپنے صاحبزادے کو جو نصیحت ووصیت کی تھی' اس کا بیان ہو رہا ہے ۔ یہ لقمان بن عنقاء بن سدون تھے ۔ ان کے بیٹے کا نام سہیلی کے بیان کی رو سے ثاران ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اچھائی سے کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ انہیں حکمت وعنایت فرمائی گئی تھی ۔ انہوں نے جو بہترین وعظ اپنے لڑکے کو سنایا تھا اور انہیں مفید' ضروری اور عمدہ نصیحتیں کی تھیں' ان کا ذکر ہو رہا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اولاد سے زیادہ پیاری چیز انسان کو اور کوئی نہیں ہوتی اور انسان اپنی بہترین اور انمول چیز اپنی اولاد کو دینا چاہتا ہے ۔ تو سب سے پہلے یہ نصیحت کی کہ صرف اللہ کی عبادت کرنا ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ۔ یاد رکھو اس سے بڑی بے حیائی' اس سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں ۔ حضرت عبداللہؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب آیت اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اتری تو اصحاب رسول اللہ ﷺ پر بڑی مشکل آ پڑی اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا' یا رسول اللہؐ ہم میں سے وہ کون ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو؟ اور آیت میں ہے کہ ایمان کو جنہوں نے ظلم سے نہیں ملایا' وہی با امن اور راہ راست والے ہیں ۔ تو آپ نے فرمایا' ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہیں بلکہ ظلم سے مراد وہ ظلم ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ۔ یہ بڑا بھاری ظلم ہے ۔

اس پہلی وصیت کے بعد حضرت لقمانؒ دوسری وصیت کرتے ہیں اور وہ بھی دوزخ اور تاکید کے لحاظ سے- واقعہ ایسی ہی ہے کہ اس پہلی وصیت سے ملائی جائے- یعنی ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرنا جیسے فرمان جناب باری ہے وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا الخ یعنی تیرا رب یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک و احسان کرتے رہو- عموماً قرآن کریم میں ان دونوں چیزوں کا بیان ایک ساتھ ہے- یہاں بھی اسی طرح ہے وھن کے معنی مشقت' تکلیف' ضعف وغیرہ کے ہیں- ایک تکلیف تو حمل کی ہوتی ہے جسے ماں برداشت کرتی ہے- حالت حمل کے دکھ درد کی حالت سب کو معلوم ہے' پھر دو سال تک اسے دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہے- چنانچہ اور آیت میں ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ الخ یعنی جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہیں' ان کے لئے آخری انتہائی سبب یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں- چونکہ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے وَحَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی مدت حمل اور دودھ چھٹائی کل تیس ماہ ہے- اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے اماموں نے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے- ماں کی اس تکلیف کو اولاد کے سامنے اس لئے ظاہر کیا جاتا ہے کہ اولاد اپنی ماں کی ان مہربانیوں کو یاد کر کے شکر گزاری' اطاعت اور احسان کرے- جیسے اور آیت میں فرمان عالیشان ہے وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ہم سے دعا کرو اور کہو کہ میرے سچے پروردگار میرے ماں باپ پر اس طرح رحم و کرم فرما جس طرح میرے بچپن میں وہ مجھ پر رحم و کرم کیا کرتے تھے- یہاں فرمایا تا کہ تو میرا اور اپنے ماں باپ کا احسان مند ہو- سن لے' آخری لوٹنا تو میری ہی طرف ہے' اگر میری اس بات کو مان لیا تو پھر بہترین جزا دوں گا-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنا کر بھیجا' آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا' میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا آیا ہوں- یہ پیغام لے کر کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' میری باتیں مانتے رہو' میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا- سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے- پھر یا تو جنت مکان بنے گی یا جہنم ٹھکانا ہو گا- پھر وہاں سے نہ اخراج ہو گا نہ موت آئے گی-

پھر فرماتا ہے' اگر تمہارے ماں باپ تمہیں اسلام کے سوا اور دین قبول کرنے کو کہیں' گو وہ تمام تر طاقت خرچ کر ڈالیں خبردار تم ان کی مان کر میرے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا- لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ تم ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنا چھوڑ دو- نہیں- دنیوی حقوق جو تمہارے ذمہ ان کے ہیں ادا کرتے رہو- ایسی باتیں ان کی نہ مانو بلکہ ان کی تابعداری کرو جو میری طرف رجوع ہو چکے ہیں' سن لو تم سب لوٹ کر ایک دن میرے سامنے آنے والے ہو' اس دن میں تمہیں تمہارے تمام تر اعمال کی خبر دوں گا- طبرانیؒ کی کتاب العشرہ میں ہے' حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے- میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گذار تھا- جب مجھے اللہ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں' بچے یہ نیا دین تو کہاں سے نکال لایا- سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ- ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی- میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور ہر طرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے- میں بہت ہی دل تنگ ہوا- اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا' خوشامدیں کیں' سمجھایا کہ اللہ کے لئے اپنی ضد سے باز آ جاؤ- یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں- اسی ضد میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تو میں اس کے

پاس گیا اور میں نے کہا' میری اچھی اماں جان سنو' تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں بھی ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہو گئیں اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ
فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا
تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ
وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۸ ۱۱

پیارے بیٹے اگر چہ کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو' پھر وہ بھی خواہ کسی پتھر کے تلے ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو' اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے ○ اے میرے بیٹے' تو نماز قائم رکھنا' اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا' برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تجھ پر آ جائے' صبر کرنا' یقین مان کہ یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ○ لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اترا اکڑ اکڑ کر نہ چل' کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ○ اپنی رفتار میں میانہ روی کر اور اپنی آواز پست کر' یقیناً بد سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے ○

قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۹) حضرت لقمانؒ کی یہ اور وصیتیں ہیں اور چونکہ یہ سب حکمتوں سے پر ہیں' قرآن انہیں بیان فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ برائی' خطا' ظلم چاہے رائی کے دانے برابر بھی ہو' پھر وہ خواہ کتنا ہی پوشیدہ اور ڈھکا چھپا کیوں نہ ہو' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے پیش کرے گا۔ میزان میں سب کو رکھا جائے گا اور بدلہ دیا جائے گا' نیک کام پر جزا' بد پر سزا جیسے فرمان ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ یعنی قیامت کے دن عدل کی ترازو رکھ کر ہر ایک کو بدلہ دیں گے۔ کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور آیت میں ہے ذرے برابر نیکی اور ذرے برابر برائی ہر ایک دیکھ لے گا خواہ وہ نیکی یا بدی کسی مکان میں' محل میں' قلعہ میں' پتھر کے سوراخ میں' آسمان کے کونوں میں' زمین کی تہہ میں ہو۔ کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ وہ اسے لا کر پیش کرے گا وہ بڑے باریک علم والا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے۔ اندھیری رات میں چیونٹی جو چل رہی ہو' اس کے پاؤں کی آہٹ کا بھی وہ علم رکھتا ہے۔ بعض نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ اِنَّهَا میں ضمیر شان کی اور قصہ کی ہے اور اس بنا پر انہوں نے مِثْقَالُ کی لام کا پیش پڑھنا بھی جائز رکھا ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ اچھی ہے۔ بعض کہتے ہیں صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتویں آسمان اور زمین کے نیچے ہے۔ اس کی بعض سندیں بھی سدی نے ذکر کی ہیں اگر صحیح ثابت ہو جائیں۔ بعض صحابہؓ وغیرہ سے یہ مروی تو ہے۔ واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بھی بنی اسرائیل سے منقول ہو لیکن ان کی کتابوں کی کسی بات کو ہم نہ سچی مان سکیں نہ جھٹلا سکیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقدر رائی کے دانہ کے کوئی عمل حقیر ہو اور ایسا پوشیدہ ہو کہ کسی پتھر کے اندر ہو۔ جیسے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے

کسی بے سوراخ کے پتھر کے اندر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی ہو نہ سوراخ ہو، تاہم اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے گا خواہ کچھ ہی عمل ہو، نیک ہو یا بد۔

پھر فرماتے ہیں، بیٹے نماز کا خیال رکھنا۔ اس کے فرائض، اس کے واجبات، ارکان، اوقات وغیرہ کی پوری حفاظت کرنا۔ اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کے ساتھ اللہ کی باتوں کی تبلیغ اپنوں پرایوں میں کرتے رہنا، بھلی باتیں کرنے اور بری باتوں سے بچنے کے لئے ہر ایک سے کہنا۔ اور چونکہ نیکی کا حکم یعنی بدی سے روکنا جو عموماً لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ اور حق گو شخص سے لوگ دشمنی رکھتے ہیں۔ اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ لوگوں سے جو ایذا اور مصیبت پہنچے، اس پر صبر کرنا، درحقیقت اللہ کی راہ میں ننگی شمشیر رہنا اور حق پر مصیبتیں جھیلتے ہوئے پست ہمت نہ ہونا، یہ بڑا ابھاری اور جوانمردی کا کام ہے۔ پھر فرماتے ہیں، اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑ، انہیں حقیر سمجھ کر یا اپنے تئیں بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکبر نہ کر۔ بلکہ نرمی برت، خوش خلقی سے پیش آ۔ خندہ پیشانی سے بات کر۔ حدیث شریف میں ہے، کسی مسلمان بھائی سے تو کشادہ پیشانی سے ہنس مکھ ہو کر مل لے، یہ بھی تیری بڑی نیکی ہے۔ تہمد اور پاجامے کو ٹخنے سے نیچا نہ کر، یہ کبر وغرور ہے اور تکبر اور غرور اللہ کو ناپسند ہے۔ حضرت لقمانؒ بھی اپنے بچے کو تکبر نہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو، اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھ کر تو ان سے منہ موڑ لے اور مسکینوں سے بات کرنے میں بھی شرمائے۔ منہ موڑے ہوئے باتیں کرنا بھی غرور میں داخل ہے۔ باچھیں پھاڑ کر، لہجہ بدل کر، حاکمانہ انداز کے ساتھ گھمنڈ بھرے الفاظ سے بات چیت بھی ممنوع ہے۔

صَعَر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن میں ظاہر ہوتی ہے یا سر میں اور اس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ پس متکبر شخص کو اسی ٹیڑھے منہ والے شخص سے ملا دیا گیا ہے۔ عرب عموماً تکبر کے موقعہ پر صعر کا استعمال کرتے ہیں اور یہ استعمال ان کے شعروں میں بھی موجود ہے۔ زمین پر تن کر، اکڑ کر، اترا کر غرور وتکبر سے نہ چلو۔ یہ چال اللہ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند رکھتا ہے جو خود بیں، متکبر، سرکش اور فخر وغرور کرنے والے ہوں۔ اور آیت میں ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا الخ یعنی اکڑ کر زمین پر نہ چلو۔ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ اس آیت کی تفسیر بھی اس کی جگہ گزر چکی ہے۔ حضورؐ کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر آ گیا تو آپ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی۔ اور فرمایا کہ ایسے خود پسند مغرور لوگوں سے اللہ غصے ہوتا ہے۔ اس پر ایک صحابیؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میں جب کپڑے دھوتا ہوں اور خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں ان سے خوش ہوتا ہوں۔ اسی طرح جوتے میں اچھا تسمہ بھلا لگتا ہے۔ کوڑے کا خوبصورت غلاف بھلا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ تکبر نہیں ہے، تکبر اس کا نام ہے کہ تو حق کو حقیر سمجھے اور لوگوں کو ذلیل خیال کرے۔ یہ روایت اور طریق سے بہت لمبی مروی ہے اور اس میں حضرت ثابت کے انتقال اور ان کی وصیت کا ذکر بھی ہے۔

اور میانہ روی کی چال چلا کر، نہ بہت آہستہ خراماں خراماں نہ بہت جلدی لمبے ڈگ بھر بھر کے۔ کلام میں مبالغہ نہ کر، بے فائدہ چیخ چلا نہیں۔ بدترین آواز گدھے کی ہے جو پوری طاقت لگا کر بے سود چلاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ بھی اللہ کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ بری مثال دے کر سمجھا دیا کہ بلاوجہ چیخنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، بری مثالوں کے لائق ہم نہیں۔ اپنی دے دی ہوئی چیز کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ نسائی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اور جب گدھے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔ اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے رات کو۔ واللہ اعلم۔

یہ وصیتیں حضرت لقمان حکیم کی نہایت ہی نفع بخش ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی لئے بیان فرمائی ہیں۔ آپ سے اور بھی بہت حکیمانہ قول

اور وعظ ونصیحت کے کلمات مروی ہیں۔ بطور نمونہ کے اور دستور کے ہم بھی تھوڑے سے بیان کرتے ہیں۔ مسند میں بزبان رسول اللہ ﷺ حضرت لقمان حکیم کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کو جب کوئی چیز سونپ دی جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور حدیث میں آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تقنع سے بچ ۔ یہ رات کے وقت ڈراؤنی چیز ہے اور دن کو مذمت وبرائی والی چیز ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو، پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو۔ پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے پہلے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو۔ اور اگر وہ گپ شپ کریں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لئے جب بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی تو آپ نے فرمایا، بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، حبشیوں کو دوست رکھا، کہ ان میں سے تین شخص اہل جنت کے سردار ہیں لقمان حکیمؒ نجاشیؒ اور بلال موذنؓ۔

تواضع اور فروتنی کا بیان: ☆☆ حضرت لقمانؒ نے اپنے بچے کو اس کی وصیت کی تھی اور ابن ابی الدنیا نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ہم اس میں سے اہم باتیں یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، بہت سے پراگندہ بالوں والے، میلے کچیلے کپڑوں والے جو کسی بڑے گھر تک نہیں پہنچ سکتے، اللہ کے ہاں اتنے بڑے مرتبہ والے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم لگا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی پوری فرمادے۔ اور حدیث میں ہے، براء بن مالک ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ کو قبر رسول کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا تو جواب ملا کہ صاحب قبر ﷺ سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا، فرماتے تھے، تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں، جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں، جو کسی گنتی میں نہیں آتے۔ اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں، اگر آجائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں، یہ میلے کچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گنے جاتے ہیں، اللہ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ پوری کر دے۔ گو انہیں اللہ نے دنیا نہیں دی لیکن اگر ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں، میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آکر وہ لوگ ایک دینار ایک درہم بلکہ ایک فلوس بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن اللہ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دے دے، ہاں دنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں۔ اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو اللہ پوری کرتا ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں، جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں جو پراگندہ اور بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں، غبار آلود اور گرد سے اٹے ہوئے۔ وہ امیروں کے گھر جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی۔ اگر کسی بڑے گھرانے میں نکاح کی مانگ کر ڈالیں تو وہاں کی بیٹی نہیں ملتی۔ ان مسکینوں سے انصاف کے برتاؤ نہیں برتے جاتے۔ ان کی حاجتیں اور ان کی امنگیں اور مرادیں پوری ہونے سے پہلے ہی خود ہی فوت ہو جاتی ہیں اور آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں۔ انہیں قیامت کے دن اس قدر نور ملے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تو تمام دنیا کے لئے کافی ہو جائے۔ حضرت عبداللہؒ بن مبارک کے شعروں میں ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر وذلیل سمجھے جاتے ہیں، کل قیامت کے دن تخت و

تاراج والے، ملک ومنال والے، عزت وجلال والے بنے ہوئے ہوں گے۔ باغات میں، نہروں میں، نعمتوں میں، راحتوں میں مشغول ہوں گے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری کا ارشاد ہے، سب سے زیادہ میرا پسندیدہ ولی وہ ہے جو مومن ہو، کم مال والا، کم عال وعیال والا، غازی، عبادت واطاعت گزار، پوشیدہ وعلانیہ مطیع ہو۔ لوگوں میں اس کی عزت اور اس کا وقار نہ ہو۔ اس کی جانب انگلیاں نہ اٹھتی ہوں اور وہ اس پر صابر ہو۔ پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ جھاڑ کر فرمایا، اس کی موت جلدی آ جاتی ہے، اس کی میراث بہت کم ہوتی ہے، اس کی رونے والیاں تھوڑی ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں، اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء ہیں جو اپنے دین کو لئے پھرتے ہیں جہاں دین کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، یہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جمع ہوں گے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا، کیا میں نے تجھ پر انعام واکرام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تجھے دیا نہیں؟ کیا میں نے تیرا جسم نہیں ڈھانپا؟ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں دیا؟ کیا وہ نہیں دیا؟ کیا لوگوں میں تجھے عزت نہیں دی تھی؟ وغیرہ۔ تو جہاں تک ہو سکے، ان سوالوں کے جواب دینے کا موقعہ کم ملے، اچھا ہے۔ لوگوں کی تعریفوں سے کیا فائدہ اور مذمت کریں تو کیا نقصان ہوگا۔ ہمارے نزدیک تو وہ شخص زیادہ اچھا ہے جسے لوگ برا کہتے ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہو۔ ابن محیریزؒ تو دعا کرتے تھے کہ اللہ میری شہرت نہ ہو۔ خلیل ابن احمدؒ اپنی دعا میں کہتے تھے، اللہ مجھے اپنی نگاہوں میں تو بلندی عطا فرما اور خود میری نظر میں مجھے بہت حقیر کر دے اور لوگوں کی نگاہوں مجھے درمیانہ درجہ کا رکھ، پھر شہرت کا باب باندھ کر امام صاحب اس حدیث کو لائے ہیں۔ انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ لوگ اس کی دینداری یا دنیاداری کی شہرت دینے لگیں اور اس کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں، اشارے ہونے لگیں۔ پس اسی میں آ کر بہت سے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں مگر جنہیں اللہ تعالیٰ بچا لے۔ سنو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ حضرت حسنؒ سے بھی یہی روایت مرسلاً مروی ہے۔ جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی نے کہا، آپ کی طرف بھی تو انگلیاں اٹھتی ہیں۔ آپ نے فرمایا سمجھے نہیں۔ مراد انگلیاں اٹھنے سے دینی بدعت یا دنیوی فسق وفجور ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ شہرت حاصل کرنا نہ چاہو۔ اپنے تئیں اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں تذکرے ہونے لگیں، علم حاصل کرو لیکن چھپاؤ، چپ رہو تاکہ سلامت رہو، نیکوں کو خوش رکھو، بدکاروں سے تصرف رکھو۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شہرت کا چاہنے والا اللہ کا ولی نہیں ہوتا۔ حضرت ایوبؒ کا فرمان ہے، جسے اللہ دوست بنا لیتا ہے، وہ تو لوگوں سے اپنا درجہ چھپاتا پھرتا ہے۔

محمد بن علاءؒ فرماتے ہیں، اللہ کے دوست لوگ اپنے تئیں ظاہر نہیں کیا کرتے۔ سماک بن سلمہؒ کا قول ہے، عام لوگوں کے میل جول سے اور احباب کی زیادتی سے پرہیز کرو۔ حضرت ابان بن عثمانؒ فرماتے ہیں، اگر اپنے دین کو سالم رکھنا چاہتے ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو۔ حضرت ابوالعالیہؒ کا قاعدہ تھا جب دیکھتے کہ ان کی مجلس میں تین سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں چھوڑ کر خود چل دیتے۔ حضرت طلحہ نے جب اپنے ساتھ بھیڑ دیکھی تو فرمانے لگے، طمع کی مکھیاں اور آگ کے پروانے جمع ہو گئے۔ حضرت حنظلہ کو لوگ گھیرے کھڑے تھے تو حضرت عمرؓ نے کوڑا تانا اور فرمایا اس میں تابع کی ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ جب لوگ چلنے لگے تو آپ نے فرمایا، اگر میرا باطن تم پر ظاہر ہو جائے تو تم میں دو بھی شاید میرے پیچھے چلنا پسند نہ کریں۔ حماد بن زیدؒ کہتے ہیں، جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گزرتے اور ہمارے ساتھ ایوبؒ ہوتے تو سلام کرتے اور وہ سختی سے جواب دیتے۔ پس یہ ایک نعمت تھی۔ آپ لمبی قمیض پہنتے۔ اس پر لوگوں نے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ لمبی قمیض اگلے زمانہ میں شہرت کی چیز تھی۔ لیکن یہ شہرت اس کے اونچا کرنے میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے

اپنی ٹوپیاں مسنون رنگ کی رنگوائیں - کچھ دنوں پہن کر اتار دیں اور فرمایا، میں نے دیکھا، عام لوگ انہیں نہیں پہنتے - حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ نہ تو ایسا لباس پہنو کہ لوگوں کی انگلیاں اٹھیں نہ اتنا گھٹیا پہنو کہ لوگ حقارت سے دیکھیں-

ثوریؒ فرماتے ہیں، عام سلف کا یہی معمول تھا کہ نہ بہت بڑھیا کپڑا پہنتے تھے نہ بالکل گھٹیا - ابو قلابہؒ کے پاس ایک شخص بہت ہی بہترین اور شہرت کا لباس پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا، اس آواز دینے والے گدھے سے بچو - حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دلوں میں تو تکبر بھر رکھا ہے اور ظاہری لباس میں تواضع کر رکھی ہے - گویا چادر ایک بھاری ہتھوڑا ہے - حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا، میرے سامنے تو درویشوں کی پوشاک میں آئے ہو حالانکہ تمہارے دل بھیڑیوں جیسے ہیں - سنو لباس چاہے بادشاہوں جیسا پہنو مگر دل خوف الٰہی سے نرم رکھو-

اچھے اخلاق کا بیان: ☆☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بہتر اخلاق والے تھے - آپ سے سوال ہوا کہ کون سا مومن بہتر ہے - فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا - آپ کا فرمان ہے کہ باوجود کم اعمال کے صرف اچھے اخلاق کی وجہ سے انسان بڑے بڑے درجے اور جنت کی اعلیٰ منزل حاصل کر لیتا ہے اور باوجود بہت ساری نیکیوں کے صرف اخلاق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے نیچے کے طبقے میں چلا جاتا ہے - فرماتے ہیں، اچھے اخلاق ہی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے - فرماتے ہیں، انسان اپنی خوش اخلاقی کے باعث راتوں کو قیام کرنے والے اور دنوں کو روزے رکھنے والوں کے درجوں کو پا لیتا ہے - حضورؐ سے سوال ہوا کہ دخول جنت کا موجب عام طور سے کیا ہے؟ فرمایا، اللہ کا ڈر اور اخلاق کی اچھائی - پوچھا گیا، عام طور سے جہنم میں کون سی چیز لے جاتی ہے؟ فرمایا دو سوراخ دار چیزیں یعنی منہ اور شرمگاہ - ایک مرتبہ چند اعراب کے اس سوال پر کہ انسان کو سب سے بہتر عطیہ کیا ملا ہے؟ فرمایا حسن خلق - فرماتے ہیں، نیکی کی ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی چیز اور کوئی نہیں - فرماتے ہیں، تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو - فرماتے ہیں، جس طرح مجاہد کو جو راہ اللہ میں جہاد کرتا ہے صبح و شام اجر ملتا ہے، اسی طرح اچھے اخلاق پر بھی اللہ ثواب عطا فرماتا ہے - ارشاد ہے، تم میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو - میرے نزدیک سب سے زیادہ بغض و نفرت کے قابل اور مجھ سے سب سے دور جنت میں وہ ہوگا جو بد خلق، بدگو، بدکلام، بدزبان ہوگا - فرماتے ہیں، کامل ایماندار اچھے اخلاق والے ہیں جو ہر ایک سے سلوک و محبت سے ملیں جلیں - ارشاد ہے، جس کی پیدائش اور اخلاق اچھے ہیں، اسے اللہ تعالیٰ جہنم کا لقمہ نہیں بنائے گا - ارشاد ہے، دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں - بخل اور بد اخلاقی - فرماتے ہیں، بدخلقی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں - اس لئے کہ بد اخلاقی سے ایک سے ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے-

حضورؐ کا ارشاد ہے - اللہ کے نزدیک بد اخلاقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں - اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں - بد اخلاقیاں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں - جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے - حضورؐ فرماتے ہیں، غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے البتہ خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور جاں نثار ہو سکتے ہیں - امام محمد بن سیرینؒ کا قول ہے کہ اچھا خلق دین کی مدد ہے-

تکبر کی مذمت کا بیان: ☆☆ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، وہ جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو - اور وہ جہنمی نہیں جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو - فرماتے ہیں جس دل میں ایک ذرے کے برابر تکبر ہے، وہ اوندھے منہ جہنم میں جائے گا - ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے - پھر سرکشوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے - امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے-

آپ کے دربار میں اس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے- آپ کو آسمان تک پہنچایا گیا یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی- اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ کے قدم بھیگ گئے- پھر ہاتف غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اونچا گیا تھا' اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا- حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں انسان کی ابتدائی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے- اس طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے کراہت کرنے لگے- امام شعبیؒ کا قول ہے' جس نے دو شخصوں کو قتل کر دیا' وہ بڑا ہی سرکش اور جبار ہے- پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے؟ جیسے کہ تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے- تیرا ارادہ تو دنیا میں سرکش اور جبار بن کر رہنے کا معلوم ہوتا ہے-

حضرت حسنؒ کا مقولہ ہے' وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے' وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے- ضحاک بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے- امام محمد بن حسین بن علیؒ فرماتے ہیں' جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے' اتنی ہی عقل اس کی کم ہو جاتی ہے- یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا- بنی امیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاؤسؒ نے ان کے پہلو میں ایک ٹھونگا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاؤسؒ نے ان کے پہلو میں ایک ٹھونگا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے؟ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمائیے' ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے-

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف رحمت سے نہ دیکھے گا- فرماتے ہیں' اس کی طرف اللہ قیامت کے دن نظر نہ ڈالے گا جو اپنا تہہ بند لٹکائے- ایک شخص دو عمدہ چادریں اوڑھے دل میں غرور لئے اکڑتا ہوا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا' قیامت تک وہ دھنستا ہوا چلا جائے گا-

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ
وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ
فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ﴿٢٠﴾ وَاِذَا قِيۡلَ
لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَـتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ
اَوَلَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿٢١﴾

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں- بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو

تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے' بھلا اگر چہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو ○

انعام واکرام کی بارش: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمتوں کا اظہار فرما رہا ہے کہ دیکھو آسمان کے ستارے تمہارے لئے کام میں مشغول ہیں' چمک چمک کر تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں- بادل' بارش' اولے' خنکی سب تمہارے نفع کی چیزیں ہیں' خود آسمان تمہارے لئے محفوظ اور مضبوط چھت ہے- زمین کی نہریں' چشمے' دریا' سمندر' درخت' کھیتی' پھل یہ سب نعمتیں بھی اسی نے دے رکھی ہیں- پھر ان ظاہری بیشمار نعمتوں کے علاوہ باطنی بیشمار نعمتیں بھی اس نے تمہیں دے رکھی ہیں- مثلاً رسولوں کا بھیجنا' کتابوں کا نازل فرمانا' شک وشبہ وغیرہ دلوں سے دور کرنا وغیرہ-

اتنی بڑی اور اتنی ساری نعمتیں جس نے دے رکھی ہیں' حق یہ تھا کہ اس کی ذات پر سب کے سب ایمان لاتے لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ اب تک اللہ کے بارے میں یعنی اس کی توحید اور اس کے رسولوں کی رسالت کے بارے میں ہی الجھ رہے ہیں اور محض جہالت سے' ضلالت سے بغیر کسی سند اور دلیل کے اڑے ہوئے ہیں- جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو تو بڑی بے حیائی سے جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے اگلوں کی تقلید کریں گے گو ان کے باپ دادے محض بے عقل اور بے راہ شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے اور اس نے انہیں دوزخ کی راہ پر ڈال دیا تھا- یہ تھے ان کے سلف اور یہ ہیں ان کے خلف-

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

جو شخص اپنے منہ کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے اور ہو بھی وہ نیک کار یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا- تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے ○ کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں- آخر ان سب کا لوٹنا تو ہماری ہی جانب ہے- اس وقت ان کے کئے کو تک سے اللہ انہیں خبردار کر دے گا- وہ تو دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے ○ ہم انہیں گو کچھ یونہی سا فائدہ دے دیں لیکن بالآخر ہم انہیں نہایت بیچارگی کی حالت میں سخت عذابوں کی طرف ہنکا لے جائیں گے ○

مضبوط دستاویز: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) فرماتا ہے کہ جو اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے' جو اللہ کا سچا فرمانبردار بن جائے' جو شریعت کا تابعدار ہو جائے' اللہ کے حکموں پر عمل کرے اللہ کے منع کردہ کاموں سے باز آ جائے' اس نے مضبوط دستاویز حاصل کر لی گویا اللہ کا وعدہ لے لیا کہ عذابوں میں وہ نجات یافتہ ہے- کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ ہے- اے پیارے پیغمبر کافروں کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں- اللہ کی تحریر یونہی جاری ہو چکی ہے- سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے- اس وقت اعمال کے بدلے ملیں گے' اس اللہ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں- دنیا میں مزے کر لیں- پھر تو ان عذابوں کو بے بسی سے برداشت کرنا پڑے گا جو بہت سخت اور نہایت گھبراہٹ والے ہیں- جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے فلاح سے محروم رہ جاتے ہیں- دنیا کا فائدہ تو خیر الگ چیز ہے لیکن ہمارے ہاں (موت کے بعد) آنے کے بعد تو اپنے کفر کی سخت سزا بھگتنی پڑے گی-

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ
اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِى
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے تو یہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ، تو کہہ دے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں ○ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑا غنی، بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے ○

حاکم اعلیٰ وہ اللہ ہے: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ مشرک اس بات کو مانتے ہوئے کہ سب کا خالق اکیلا اللہ ہی ہے، پھر بھی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ ان کی نسبت خود جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے ماتحت ہیں۔ ان سے اگر پوچھا جائے کہ خالق کون ہے تو ان کا جواب بالکل سچا ہوتا ہے کہ اللہ! تو کہہ کہ اللہ کا شکر ہے۔ اتنا تو تمہیں اقرار ہے۔ بات یہ ہے کہ اکثر مشرک بے علم ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی، چھپی کھلی چیز اللہ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، وہی سزاوار حمد ہے، وہی خوبیوں والا ہے۔ پیدا کرنے میں بھی، احکام مقرر کرنے میں بھی وہ قابل تعریف ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ
وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸

روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ غالب اور باحکمت ہے ○ تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی (ایک نفس) کا بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے ○

حمد و ثنا کا حق ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) اللہ رب العالمین اپنی عزت، کبریائی، بڑائی، بزرگی، جلالت اور شان بیان فرما رہا ہے۔ اپنی پاک صفتیں، اپنے بلند ترین نام اور اپنے بیشمار کلمات کا ذکر فرما رہا ہے جنہیں نہ کوئی گن سکے نہ شمار کر سکے نہ ان پر کسی کا احاطہ ہو، نہ ان کی حقیقت کو کوئی پا سکے۔ سید البشر خاتم الانبیاء ﷺ فرمایا کرتے تھے لَا اُحْصِىْ ثَنَآءً عَلَيْكَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اے اللہ میں تیری تعریفوں کا اتنا شمار بھی نہیں کر سکتا جتنی ثنا تو نے اپنی آپ فرمائی ہے۔ پس یہاں جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام تر درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر کے پانی سیاہی بن جائیں اور ان کے ساتھ ہی سات سمندر اور بھی ملائے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و صفات، جلالت و بزرگی کے کلمات لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ تمام قلم گھس جائیں، ختم ہو جائیں، سب سیاہیاں پوری ہو جائیں، ختم ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ سات سے زیادہ سمندر ہوں تو پھر اللہ کے پورے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں۔ نہیں یہ گنتی تو زیادتی دکھانے کے لئے ہے اور

یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں اور وہ عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ البتہ بنو اسرائیل کی ان سات سمندروں کی بابت ایسی روایتیں ہیں لیکن نہ تو انہیں سچ کہا جا سکتا ہے اور نہ جھٹلایا جا سکتا ہے۔ ہاں جو تفسیر ہم نے کی ہے اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا الخ یعنی اگر سمندر سیاہی بن جائے اور رب کے کلمات کا لکھنا شروع ہو تو کلمات الٰہی کے ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد میں لائیں۔ پس یہاں بھی مراد صرف اسی جیسا ایک ہی سمندر لانا نہیں بلکہ ویسا ایک پھر ایک اور بھی ویسا ہی پھر ویسا ہی پھر ویسا ہی الغرض خواہ کتنے ہی آ جائیں لیکن اللہ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کرے کہ میرا یہ امر اور یہ امر تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں اور تمام سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں۔ مشرکین کہتے تھے کہ یہ کلام اب ختم ہو جائے گا جس کی تردید اس آیت میں ہو رہی ہے کہ نہ رب کے عجائبات ختم ہوں' نہ اس کی حکمت کی انتہا' نہ اس کی صفت اور اس کے علم کا آخر۔ تمام بندوں کے علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ کی باتیں فنا نہیں ہوتیں نہ اسے کوئی ادراک کر سکتا ہے۔ ہم جو کچھ اس کی تعریفیں کریں' وہ ان سے سوا ہے۔ یہود کے علماء نے مدینے میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ یہ جو آپ قرآن میں پڑھتے ہیں وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے۔ ہم یا آپ کی قوم؟ آپ نے فرمایا' ہاں سب۔ انہوں نے کہا' پھر آپ کلام اللہ شریف کی اس آیت کو کیا کریں گے جہاں فرمان ہے کہ توراۃ میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ نے فرمایا سنو' وہ اور تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے' وہ سب اللہ کے کلمات کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ تمہیں جتنا کفایت ہو' اتنا اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مدنی ہونی چاہیے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے' تمام اشیاء اس کے سامنے پست و عاجز ہیں' کوئی اس کے ارادہ کے خلاف نہیں جا سکتا' اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا' اس کی منشا کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہ اپنے افعال' اقوال' شریعت' حکمت اور تمام صفتوں میں سب سے اعلیٰ غالب و قہار ہے۔ پھر فرماتا ہے' تمام لوگوں کا پیدا کرنا اور انہیں مار ڈالنے کے بعد زندہ کر دینا مجھ پر ایسا ہی آسان ہے جیسے کسی ایک شخص کو مارنا اور پیدا کرنا۔ اس کا تو کسی بات کا حکم فرما دینا کافی ہے۔ ایک آنکھ جھپکانے جتنی دیر بھی نہیں لگتی۔ نہ دوبارہ کہنا پڑے نہ اسباب اور مادے کی ضرورت۔ ایک فرمان میں قیامت قائم ہو جائے گی' ایک ہی آواز کے ساتھ سب جی اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کا سننے والا ہے' سب کے کاموں کا جاننے والا ہے۔ ایک شخص کی باتیں اور اس کے کام جیسے اس پر مخفی نہیں' اسی طرح تمام جہان کے معاملات اس سے پوشیدہ نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ
فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى
اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

ع ۳ ۱۱ ۱۲

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے۔ سورج چاند کو اسی نے فرمانبردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے۔ اللہ

تعالیٰ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ○ یہ سب انتظامات اس وجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں، سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلندیوں والا اور بڑی شان والا ہے ○

اس کے سامنے ہر چیز حقیر و پست ہے: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۰) رات کو کچھ گھٹا کر دن کو کچھ بڑھانے والا اور دن کو کچھ گھٹا کر رات کو کچھ بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جاڑوں کے دن چھوٹے اور راتیں بڑی، گرمیوں کے دن بڑے اور راتیں چھوٹی اسی کی قدرت کا ظہور ہے۔ سورج چاند اسی کے تحت فرمان ہیں۔ جو جگہ مقرر ہے، وہیں چلتے ہیں، قیامت تک برابر اسی چال چلتے رہیں گے، اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔

بخاری و مسلم میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو، یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ جا کر اللہ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب سے اجازت چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے، وہیں کو لوٹ جا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے۔ دن کو اپنے اوران میں جاری رہتا ہے۔ غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ جیسے فرمان ہے، کیا تو نہیں جانتا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ سب کا خالق، سب کا عالم اللہ ہی ہے۔ جیسے ارشاد ہے، اللہ نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کے مثل زمینیں بنائیں۔ یہ نشانیاں پروردگار عالم اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ تم ان سے اللہ کے حق وجود پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا سب کو باطل مانو۔ وہ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ سب کے سب اس کے محتاج اور اس کے در کے فقیر ہیں۔ سب اس کی مخلوق اور اس کے غلام ہیں۔ کسی کو ایک ذرے کے حرکت میں لانے کی قدرت نہیں۔ گو ساری مخلوق مل کر ارادہ کر لے کہ ایک مکھی پیدا کریں، سب عاجز آ جائیں گے اور ہرگز اتنی قدرت بھی نہ پائیں گے۔ وہ سب سے بلند ہے جس پر کوئی چیز نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے جس کے سامنے کسی کو کوئی بڑائی نہیں۔ ہر چیز اس کے سامنے حقیر اور پست ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ
مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا
غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ
فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا
كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

کیا تو اس پر غور نہیں کرتا کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں اس لئے کہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے۔ یقیناً اس میں ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ پھر جب باری تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ تو ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں۔ ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں ○

طوفانوں میں کون یاد آتا ہے: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۲) اللہ کے حکم سے سمندروں میں جہاز رانی ہو رہی ہے- اگر وہ پانی میں کشتی کو تھامنے کی اور کشتی میں پانی کو کاٹنے کی قوت نہ رکھتا تو پانی میں کشتیاں کیسے چلتیں؟ وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا رہا ہے- مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرنے والے ان سے بہت کچھ عبرتیں حاصل کر سکتے ہیں- جب ان کفار کو سمندروں میں موجیں گھیر لیتی ہیں اور ان کی کشتی ڈگمگانے لگتی ہے اور موجیں پہاڑوں کی طرح ادھر سے ادھر' ادھر سے ادھر کشتیوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگتی ہیں تو اپنا شرک و کفر سب بھول جاتے ہیں اور گریہ وزاری سے ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں- جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ الخ دریا میں جب تمہیں ضرر پہنچتا ہے تو بجز اللہ کے سب کو کھو بیٹھتے ہو- اور آیت میں ہے فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ ان کی اس وقت کی لجاجت پر اگر ہمیں رحم آ گیا ہو اور جب انہیں سمندر سے پار کر دیا تو تھوڑے سے کافر ہو جاتے ہیں- مجاہد نے یہی تفسیر کی ہے جیسے فرمان ہے اِذَاهُمْ يُشْرِكُوْنَ لفظی معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بعض متوسط درجے کے ہوتے ہیں- ابن زید یہی کہتے ہیں جیسے فرمان ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ الخ ان میں سے بعض ظالم ہیں' بعض میانہ رو ہیں- اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ جس نے ایسی حالت دیکھی ہو' جو اس مصیبت سے نکلا ہو' اسے تو چاہیے کہ نیکیوں میں پوری طرح کوشش کرے لیکن تاہم یہ بیچ میں ہی رہ جاتے ہیں اور کچھ تو پھر کفر پر چلے جاتے ہیں- ختار کہتے ہیں غدار کو جو عہد شکن ہو- ختر کے معنی پوری عہد شکنی کے ہیں- کفور کہتے ہیں منکر جو نعمتوں سے نٹ جائے' منکر ہو جائے' شکر تو ایک طرف بھول جائے اور ذکر بھی نہ کرے-

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ
وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

لوگو اپنے رب کا لحاظ رکھو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہوگا- یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے' دیکھو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں دھوکے میں ڈال دے ○

اللہ تعالیٰ کے روبرو کیا ہوگا: ☆☆ (آیت:۳۳) اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے اور اپنے تقوے کا حکم فرما رہا ہے- ارشاد ہے' اس دن باپ اپنے بچے کے یا بچہ اپنے باپ کو کچھ کام نہ آئے گا- ایک دوسرے کا فدیہ نہ ہو سکے گا- تم دنیا پر اعتماد کرنے والو آخرت کو فراموش نہ کر جاؤ' شیطان کے فریب میں نہ آ جاؤ' وہ تو صرف پردہ کی آڑ میں شکار کھیلنا جانتا ہے- ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت عزیر علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا' نیند اچاٹ ہو گئی تو اپنے رب کی طرف جھک پڑے- فرماتے ہیں' میں نے نہایت تضرع وزاری کی' خوب رویا گڑگڑایا' نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' دعائیں مانگیں- ایک مرتبہ رو رو کر تضرع کر رہا تھا جو میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا- میں نے اس سے پوچھا' کیا نیک لوگ بروں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟

اس نے فرمایا' قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے- اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا- کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا' کسی کو دوسرے کے بدلے نہ پکڑا جائے گا' نہ باپ بیٹے کے بدلے' نہ بیٹا باپ کے بدلے' نہ بھائی بھائی کے بدلے' نہ غلام آقا کے

بدلے نہ کوئی کسی کا غم و رنج کرے گا، نہ کسی کی طرف سے کسی کو خیال ہو گا، نہ کسی پر رحم کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہو گی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف پکڑا جائے گا۔ ہر شخص نفسا نفسی میں ہو گا۔ ہر ایک اپنی فکر میں ہو گا۔ ہر ایک کو اپنا رونا پڑا ہو گا، ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو گا۔ کسی اور کا نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ
مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَ
مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ؀۳۴ ع ۴ ۱۲

سمجھ رکھو کہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے، اسے جانتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا؟ یاد رکھو اللہ پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے ○

غیب کی پانچ باتیں: ☆☆ (آیت:۳۴) یہ غیب کی وہ کنجیاں ہیں جن کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں۔ مگر اس کے بعد کہ اللہ اسے علم عطا فرمائے۔ قیامت کے آنے کا صحیح وقت نہ کوئی نبی مرسل جانے نہ کوئی مقرب فرشتہ، اس کا وقت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اسی طرح بارش کب، کہاں اور کتنی برسے گی، اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ ہاں جب ان فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہیں، تب وہ جانتے ہیں اور جسے اللہ معلوم کرائے۔ اسی طرح حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اسے بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جب جناب باری کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اسی کام پر مقرر ہیں، تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ نر ہو گا یا مادہ، لڑکا ہو گا یا لڑکی، نیک ہو گا یا بد؟ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کہاں مرے گا؟ اور آیت میں ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں جنہیں بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور حدیث میں ہے کہ غیب کی کنجیاں یہاں پانچ چیزیں ہیں جن کا بیان آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ الخ، میں ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پانچ باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بخاری کی حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ یہ پانچ غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مسند احمد میں حضورؐ کا فرمان ہے، مجھے ہر چیز کی کنجیاں دی گئی ہیں سوائے پانچ کے۔ پھر یہی آیت آپ نے پڑھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، حضورؐ ہماری مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے۔ پوچھنے لگے یا رسول اللہؐ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ کو، فرشتوں کو، کتاب کو، رسولوں کو، آخرت کو، مرنے کے بعد جی اٹھنے کو مان لینا۔ اس نے پوچھا، اسلام کیا ہے؟ فرمایا ایک اللہ کی عبادت کرنا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، نمازیں پڑھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا۔ اس نے دریافت کیا، احسان کیا ہے؟ فرمایا تیرا اس طرح اللہ کی عبادت کرنا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا، حضورؐ قیامت کب ہے؟ فرمایا، اس کا علم نہ مجھے نہ تجھے، ہاں میں اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے میاں کو جنے اور جب ننگے پیروں اور ننگے بدنوں والے لوگوں کے سردار بن جائیں۔ علم قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اسے لوٹا لاؤ۔ لوگ دوڑ پڑے لیکن وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جبرئیلؑ تھے۔ لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے (بخاری) ہم نے اس حدیث کا مطلب شرح صحیح بخاری میں خوب بیان کر دیا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اپنی ہتھیلیاں حضورؐ کے گھٹنوں پر رکھ کر یہ سوالات کئے تھے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنا چہرہ اللہ کی طرف متوجہ کر دے

اور اللہ کے واحد و لاشریک ہونے کی گواہی دے اور محمدؐ کے عبد و رسول ہونے کی۔ جب تو یہ کر لے تو تو مسلمان ہو گیا۔ پوچھا' اچھا ایمان کس کا نام ہے؟ فرمایا' اللہ پر' آخرت کے دن پر' فرشتوں پر' کتاب پر نبیوں پر عقیدہ رکھنا۔ موت اور موت کے بعد کی زندگی کو ماننا' جنت دوزخ' حساب' میزان اور تقدیر کی بھلائی برائی پر ایمان رکھنا۔ پوچھا جب میں ایسا کر لوں تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر احسان کا پوچھا اور جواب پایا جو اوپر مذکور ہوا۔ پھر قیامت کا پوچھا۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! یہ ان پانچ چیزوں میں ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر نشانیوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ لوگ لمبی چوڑی عمارتیں بنانے لگیں گے۔

ایک صحیح سند کے ساتھ مسند احمد میں مروی ہے کہ بنو عامر قبیلے کا ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا' کہنے لگا' میں آ ؤں؟ آپؐ نے اپنے خادم کو بھیجا کہ جا کر انہیں ادب سکھاؤ۔ یہ اجازت مانگنا نہیں جانتے۔ ان سے کہو کہ پہلے سلام کرو۔ پھر دریافت کرو کہ میں آ سکتا ہوں؟ انہوں نے سن لیا اور اسی طرح سلام کیا اور اجازت چاہی' یہ گئے اور جا کر کہا کہ آپ ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا بھلائی ہی بھلائی۔ سنو تم ایک اللہ کی عبادت کرو' لات و عزیٰ کو چھوڑ دو' دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کرو' سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھو' اپنے مالداروں سے زکوتیں وصول کر کے اپنے فقیروں پر تقسیم کرو۔ انہوں نے دریافت کیا' یا رسول اللہؐ کیا علم میں سے کچھ ایسا بھی باقی ہے جسے آپ نہ جانتے ہوں۔ آپ نے فرمایا' ہاں ایسا علم بھی ہے جسے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں' گاؤں کے رہنے والے ایک شخص نے آ کر حضورؐ سے دریافت کیا تھا کہ میری عورت حمل سے ہے' بتلائیے کیا بچہ ہو گا؟ ہمارے شہر میں قحط ہے' فرمایئے بارش کب ہو گی؟ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میں کب پیدا ہوا۔ اب یہ آپ معلوم کرا دیجئے کہ کب مروں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ مجھے ان چیزوں کا مطلق علم نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہی غیب کی کنجیاں ہیں جن کی نسبت فرمان باری ہے کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں' جو تم سے کہے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے تو سمجھ لینا کہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا؟ قتادہؒ کا قول ہے کہ بہت سی چیزیں ہیں جن کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا نہ نبیؐ کو نہ فرشتہ کو۔ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کس سال' کس مہینے' کس دن یا کس رات میں وہ آئے گی۔ اسی طرح بارش کا علم بھی اس کے سوا کسی کو نہیں کہ کب آئے؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ کے پیٹ میں بچہ نر ہو گا یا مادہ' سرخ ہو گا یا سیاہ؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ نیکی کرے گا یا بدی؟ مرے گا یا جئے گا۔ بہت ممکن ہے' کل موت یا آفت آ جائے۔ نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ کس زمین میں وہ دبایا جائے گا یا سمندر میں بہایا جائے گا یا جنگل میں مرے گا یا نرم یا سخت زمین میں جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے' جب کسی کی موت دوسری زمین میں ہوتی ہے تو اس کا وہیں کا کوئی کام نکل آتا ہے اور وہیں موت آ جاتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ فرما کر رسول کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ اعشیٰ ہمدان کے شعر ہیں جن میں اس مضمون کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن زمین اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ یہ ہیں تیری امانتیں جو تو نے مجھے سونپ رکھی تھیں۔ طبرانی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

سورۂ لقمان کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل۔

تفسیر سورۃ السجدہ

(تفسیر سورہ سجدہ) حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الجمعہ میں حدیث وارد کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کی صبح کی نماز میں الم السجدۃ الخ' اور هل اتى على الانسان الخ' پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ ہمیشہ سونے سے پہلے سورۂ

الٓمٓ سجدہ اور سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ لیا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾ اَللّٰهُ
الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا
شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤﴾

بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے ○ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ تو انہیں ڈرا دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا' ہوسکتا ہے کہ وہ راہ راست پر آ جائیں ○ اللہ وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ○

(آیت: ۱-۳) سورتوں کے شروع میں جو مقطعات حروف ہیں' ان کی پوری بحث ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب قرآن حکیم بے شک وشبہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ مشرکین کا یہ قول غلط ہے کہ حضورؐ نے خود اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں یہ تو یقیناً اللہ کی طرف سے ہے' اس لئے اترا ہے کہ حضورؐ اس قوم کو ڈراوے کے ساتھ آگاہ کر دیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی اور پیغمبر نہیں آیا۔ تاکہ وہ حق کی اتباع کر کے نجات حاصل کر لیں۔

ہر ایک کی نکیل اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے: ☆☆ (آیت: ۴) تمام چیزوں کا خالق اللہ ہے۔ اس نے چھ دن میں زمین وآسمان بنائے۔ پھر عرش پر قرار پکڑا۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ مالک وخالق وہی ہے۔ ہر چیز کی نکیل اسی کے ہاتھ ہے۔ تدبیریں سب کاموں کی وہی کرتا ہے' ہر چیز پر غلبہ اسی کا ہے۔ اس کے سوا مخلوق کا نہ کوئی والی نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی۔ اے وہ لوگو جو اس کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہو' دوسروں پر بھروسہ کرتے ہو' کیا تم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی قدرتوں والا کیوں کسی کو اپنا شریک کار بنانے لگا؟ وہ برابری سے' وزیر ومشیر سے' شریک وسہیم سے' پاک' منزہ اور مبرا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے علاوہ کوئی پالنہار ہے۔ نسائی میں ہے' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں' میرا ہاتھ تھام کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں پیدا کر کے ساتویں دن عرش پر قیام کیا۔ مٹی ہفتے کے دن بنی۔ پہاڑ اتوار کے دن' درخت سوموار کے دن' برائیاں منگل کے دن' نور بدھ کے دن' جانور جمعرات کے دن' آدمؑ جمعہ کے دن عصر کے بعد' دن کی آخری گھڑی میں اسے تمام روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا جس میں سفید وسیاہ' اچھی بری ہر طرح کی تھی' اسی باعث اولاد آدم بھی بھلی بری ہوئی۔ امام بخاریؒ اسے معلل بتلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں اور سند سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اسے کعب احبار سے بیان کیا ہے اور حضرات محدثینؒ نے بھی اسے معلول بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ
يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝٥ ذٰلِكَ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٦ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ
شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝٧ ثُمَّ جَعَلَ
نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٨ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ
مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ۝٩

وہ آسمان سے زمین کی طرف کاموں کی تدبیر اتارتا ہے۔ پھر ایک ہی دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ○ یہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا زبردست غالب بہت ہی مہربان۔ جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی ○ پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے خلاصے سے پیدا کی ○ جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔ اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی تھوڑا احسان مانتے ہو ○

(آیت: ۵-۶) اس کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور انہی کے مثل زمینیں، اس کا حکم ان سب کے درمیان اترتا ہے۔ اعمال اپنے دیوان کی طرف اٹھائے اور چڑھائے جاتے ہیں جو آسمان دنیا کے اوپر ہے۔ زمین سے آسمان اول پانچ سو سال کے فاصلہ پر ہے اور اتنا ہی اس کا گھیراؤ ہے۔ اتنا اترنا چڑھنا اللہ کی قدرت سے فرشتہ ایک آنکھ جھپکنے میں کر لیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہے۔ ان امور کا مدبر اللہ ہے، وہ اپنے بندوں کے اعمال سے باخبر ہے۔ سب چھوٹے بڑے عمل اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ وہ غالب ہے جس نے ہر چیز کو اپنے ماتحت کر رکھا ہے، کل بندے اور کل گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، وہ اپنے مومن بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ عزیز ہے اپنی رحمت میں اور رحیم ہے اپنی عزت میں۔

بہترین خالق، بہترین مصور و مدور: ☆☆ (آیت: ۷-۹) فرماتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز قرینے سے، بہترین طور سے، بہترین ترکیب پر خوبصورت بنائی ہے۔ ہر چیز کی پیدائش کتنی عمدہ، کیسی مستحکم اور مضبوط ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش کے ساتھ ہی خود انسان کی پیدائش پر غور کرو۔ اس کا شروع دیکھو کہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ پر ان کی نسل نطفے سے جاری رکھی جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے۔ پھر اسے یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد ٹھیک ٹھاک اور درست کیا اور اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی۔ تمہیں کان، آنکھ، سمجھ عطا فرمائی۔ افسوس کہ پھر بھی تم شکر گزاری میں کثرت نہیں کرتے۔ نیک انجام اور خوش نصیب وہ شخص ہے جو اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو اسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ جَلَّ شَانُهٗ وَ عَزَّ اسْمُهٗ۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ بَلْ هُمْ
بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ
الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

کہنے لگے کیا جب ہم زمین میں کھو جائیں گے' کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آ جائیں گے؟ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین ہی نہیں ○
کہہ دے کہ تمہیں موت کا وہ فرشتہ موت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پھر تم سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

انسان اور فرشتوں کا ساتھ: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں۔ اور اسے وہ محال جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے ریزے ریزے جدا ہو جائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے' پھر بھی کیا ہم نئے سرے سے بنائے جا سکتے ہیں؟۔ افسوس یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور اپنی محدود قدرت پر اللہ کی نامعلوم قدرت کا اندازہ کرتے ہیں۔ مانتے ہیں' جانتے ہیں کہ اللہ نے اول بار پیدا کیا ہے' تعجب ہے' پھر دوبارہ پیدا کرنے پر اسے قدرت کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ اس کا تو صرف فرمان چلتا ہے۔ جہاں کہا' یوں ہو جا' وہیں ہو گیا۔ اسی لئے فرما دیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ ملک الموت جو تمہاری روح کے قبض کرنے پر مقرر ہیں' تمہیں فوت کر دیں گے۔ اس آیت سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک فرشتہ کا لقب ہے۔ حضرت برا کی وہ حدیث جس کا بیان سورۂ ابراہیم میں گذر چکا ہے' اس سے بھی پہلی بات یہی سمجھ میں آتی ہے اور بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بھی آیا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ہاں ان کے ساتھی اور ان کے ساتھ کام کرنے والے اور فرشتے بھی ہیں جو جسم سے روح کو نکالتے ہیں اور نرخرے تک پہنچ جانے کے بعد ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لئے زمین سمیٹ دی گئی ہے اور ایسی ہے جیسے ہمارے سامنے کوئی طشتری رکھی ہوئی ہو کہ جو چاہا' اٹھا لیا۔ ایک مرسل حدیث بھی اس مضمون کی ہے۔ ابن عباسؓ کا مقولہ بھی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ملک الموت میرے صحابیؓ کے ساتھ آسانی کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے نبی اللہ' تسکین خاطر رکھئے اور دل خوش کیجئے' واللہ میں خود باایمان اور نہایت ہی نرمی کرنے والا ہوں۔ سنو! یا رسول اللہ قسم ہے اللہ کی' دنیا تمام کے ہر کچے پکے گھر میں خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں' ہر دن میں میرے پانچ پھیرے ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جتنا وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے۔ یا رسول اللہ یقین مانئے' اللہ کی قسم میں تو ایک مچھر کی جان قبض کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ کا حکم نہ ہو۔ حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کا دن میں پانچ وقت ایک ایک شخص کو ڈھونڈ بھال کرنا یہی ہے کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں۔ اگر وہ نمازوں کی حفاظت کرنے والا ہے تو فرشتے اس کے قریب رہتے ہیں اور شیطان اس سے دور رہتا ہے اور اس کے آخری وقت فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' ہر دن ہر گھر پر ملک الموت دو دفعہ آتے ہیں۔ کعب احبار اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دروازے پر ٹھہر کر دن بھر میں سات مرتبہ نظر مارتے ہیں کہ اس میں کوئی وہ تو نہیں جس کی روح نکالنے کا حکم ہو چکا ہو۔ پھر قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے' قبروں سے نکل کر میدان محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا
كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے' کہیں گے کہ یا اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب تو ہمیں واپس لوٹا دے تو نیک اعمال کریں گے ہم یقین والے ہیں ○ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرما دیتے لیکن میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا ○ اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو' ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا۔ اپنے کئے ہوئے اعمال کی شامت سے ابدی عذاب کا لطف اٹھاؤ ○

ناعاقبت اندیشو اب خمیازہ بھگتو: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ گنہگار اپنا دوبارہ جینا خود اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ نادم ہو کر گردنیں جھکائے' سر ڈالے اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے' اس وقت کہیں گے کہ اے اللہ ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں' کان کھل گئے۔ اب ہم تیرے احکام کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہیں۔ اس دن خوب سوچ سمجھ والے دانا بینا ہو جائیں گے۔ سب اندھا پن و بہرا پن جاتا رہے گا' خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگیں گے اور جہنم میں جاتے ہوئے کہیں گے کہ اگر کانوں اور آنکھوں سے دنیا میں کام لیتے تو آج جہنمی نہ بنتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم نیک اعمال کر آئیں۔ ہمیں اب یقین ہو گیا کہ تیری ملاقات سچ ہے' تیرا کلام حق ہے۔ لیکن اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ اگر دوبارہ بھی بھیجے جائیں تو یہی حرکت کریں گے' پھر سے اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے' دوبارہ نبیوں کو ستائیں گے۔ جیسے کہ خود قرآن کریم کی آیت وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ میں ہے۔ اسی لئے یہاں فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے۔ جیسے فرمان ہے' اگر تیرا رب چاہتا تو زمین کا ایک ایک رہنے والا مومن بن جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ انسان اور جنات سے جہنم پر ہونا ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کے پورے پورے کلمات کا یہ اٹل امر ہے۔ ہم اس کے تمام عذابوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ دوزخیوں سے بطور سرزنش کے کہا جائے گا کہ اس دن کی ملاقات کی فراموشی کا مزہ چکھو۔ اور اس کے جھٹلانے کا خمیازہ بھگتو۔ اسے محال سمجھ کر تم نے وہ معاملہ کیا کہ جو ہر ایک بھولنے والا کیا کرتا ہے۔ اب ہم بھی تمہارے ساتھ یہی لوک کریں گے۔ اللہ کی ذات حقیقی نسیان اور بھول سے پاک ہے۔ یہ تو صرف بدلے کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اور روایت میں بھی ہے اَلْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا آج ہم تمہیں بھول جاتے ہیں جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھولے بیٹھے تھے۔ اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اب دائمی عذاب کا مزہ اٹھاؤ۔ جیسے اور آیت میں ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا وہاں ٹھنڈک اور پانی نہ رہے گا۔ سوائے گرم پانی اور لہو پیپ کے اور کچھ نہ ہو گا۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا
وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ
الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾
فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جنہیں جب کبھی ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تکبر سے الگ تھلگ رہتے ہیں ○ ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں' اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے' وہ خرچ کرتے رہتے ہیں ○ کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے۔ جو کچھ وہ کرتے تھے' یہ اس کا بدلہ ہے ○

ایمان دار وہی ہے جس کے اعمال تابع قرآن ہوں: ☆☆ (آیت:۱۵-۱۷) سچے ایمانداروں کی نشانی یہ ہے کہ وہ دل کے کانوں سے ہماری آیتوں کو سنتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ زبانی حق مانتے ہیں اور دل سے بھی برحق جانتے ہیں۔ سجدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں۔ اور اتباع حق سے جی نہیں چراتے۔ نہ اکڑتے ضد کرتے ہیں۔ یہ بد عادت کافروں کی ہے جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ یعنی میری عبادت سے تکبر کرنے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ ان سچے ایمانداروں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو نیند چھوڑ کر اپنے بستروں سے الگ ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں' تہجد پڑھتے ہیں۔ مغرب عشاء کے درمیان کی نماز بھی بعض نے مراد لی ہے۔ کوئی کہتا ہے' مراد اس سے عشا کی نماز کا انتظار ہے۔ اور قول ہے کہ عشاء کی اور صبح کی نماز باجماعت اس سے مراد ہے۔ وہ اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔ اس کے عذابوں سے نجات پانے کے لئے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے۔ ساتھ ہی صدقہ وخیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق راہ اللہ میں دیتے رہتے ہیں۔ وہ نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا تعلق الٰہی کی ذات سے ہے اور وہ نیکیاں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ ان بہترین نیکیوں میں سب سے بڑھے ہوئے وہ ہیں جو درجات میں بھی سب سے آگے ہیں۔ یعنی سید اولاد آدم' فخر دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں میں ہے ۔

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْ كِتَابَهٗ اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعٌ
يَبِيْتُ يُجَافِيْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ اِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِيْنَ الْمَضَاجِعُ

یعنی ہم میں اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو صبح ہوتے ہی اللہ کی پاک کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ راتوں کو جبکہ مشرکین گہری نیند میں سوتے ہیں' حضورؐ کی کروٹ آپ کے بستر سے الگ ہوتی ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن دفعتاً اپنے رب کی نعمتیں اور اس کی سزائیں یاد کر کے اٹھ بیٹھتا ہے۔ اپنے نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے۔ کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پانسہ

کمزور پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں اللہ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب کی رضامندی ہے، میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فخر سے اپنے فرشتوں کو اسے دکھاتا ہے اور ان کے سامنے اس کے اس عمل کی تعریف کرتا ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ صبح کے وقت میں آپ کے قریب ہی چل رہا تھا۔ میں نے پوچھا، اے اللہ کے پیغمبرؐ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور جہنم سے الگ کر دے۔ آپؐ نے فرمایا، تو نے سوال تو بڑے کام کا کیا لیکن اللہ جس پر آسان کر دے، اس پر بہت سہل ہے۔ سن تو اللہ کی عبادت کرتا رہ، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، نمازوں کی پابندی کر، رمضان کے روزے رکھ، بیت اللہ کا حج، زکوٰۃ ادا کرتا رہ۔ آ، اب میں تجھے بھلائیوں کے دروازے بتلاؤں۔ روزہ ڈھال ہے اور انسان کی آدھی رات کی نماز، صدقہ گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے۔

پھر آپؐ نے آیت تَتَجَافٰی کی یَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا، آ اب میں تجھے اس امر کے سر، اس کے ستون اور اس کی کوہان کی بلندی بتاؤں۔ اس تمام کام کا سر تو اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے، اس کے کوہان کی بلندی اللہ کی راہ کا جہاد ہے۔ پھر فرمایا، اب میں تجھے تمام کاموں کے سردار کی خبر دوں؟ پھر اپنی زبان پکڑ کر فرمایا، اسے روک رکھ، میں نے کہا، کیا ہم اپنی بات چیت پر بھی پکڑے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا، اے معاذ افسوس تجھے یہ معلوم ہی نہیں کہ انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈلوانے والی چیز تو اس کی زبان کے کنارے ہی ہیں۔ یہی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے۔ ایک میں یہ بھی ہے کہ اس آیت تَتَجَافٰی کو پڑھ کر حضورؐ نے فرمایا، اس سے مراد بندے کا رات کی نماز پڑھنا ہے۔ اور روایت میں حضورؐ کا یہ فرمان مروی ہے کہ انسان کا آدھی رات کو قیام کرنا۔

پھر حضورؐ کا اسی آیت کو تلاوت کرنا مروی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جبکہ اول و آخر سب لوگ میدان محشر میں جمع ہوں گے تو ایک منادی فرشتہ آواز بلند کرے گا جسے تمام مخلوق سنے گی، وہ کہے گا کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ ذی عزت اللہ کے نزدیک کون ہے؟ پھر لوٹ کر آواز لگائے گا کہ تہجد گزار لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور اس آیت کی تلاوت فرمائے گا تو یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور گنتی میں بہت کم ہوں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب یہ آیت اتری، ہم لوگ مجلس میں بیٹھے تھے اور بعض صحابہؓ مغرب بعد سے لے کر عشاء تک نماز میں مشغول رہتے تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حدیث کی یہی ایک سند ہے۔

پھر فرماتا ہے، ان کے لئے جنت میں کیا کیا نعمتیں اور لذتیں پوشیدہ پوشیدہ بنا کر رکھی ہیں۔ اس کا کسی کو علم نہیں۔ چونکہ یہ لوگ بھی پوشیدہ طور پر عبادت کرتے تھے، اسی طرح ہم نے بھی پوشیدہ طور پر ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے دل کا سکھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی دل میں اس کا خیال آیا ہو۔ بخاری کی حدیث قدسی میں ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ رحمتیں اور نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ کے دیکھنے میں آئیں نہ کسی کان کے سننے میں، نہ کسی کے دل کے سوچنے میں آئی ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ راوی حدیث نے کہا، قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ الخ اس روایت میں قُرَّةِ کی بجائے قُرَّاتِ پڑھنا بھی مروی ہے۔ اور روایت میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت کی نعمتیں جسے ملیں، وہ کبھی بھی واپس نہیں ہوں گی۔ ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے، ان کی جوانی ڈھلے گی نہیں، ان کے لئے جنت میں وہ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے دل پر ان کا وہم وگمان آیا (مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے آخر میں یہی فرمایا اور پھر یہ آیت تَتَجَافٰی سے یَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ حدیث قدسی میں ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں نہ کانوں

نے سنی ہیں بلکہ اندازہ میں بھی نہیں آ سکتیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین عز وجل سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ' ادنیٰ جنتی کا درجہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ ادنیٰ جنتی وہ شخص ہے جو کل جنتیوں کے جنت میں چلے جانے کے بعد آئے گا۔ اس سے کہا جائے گا' جنت میں داخل ہو جاؤ' وہ کہے گا' اے اللہ کہاں جاؤں۔ ہر ایک نے اپنی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اپنی چیزیں سنبھال لی ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر خوش ہے کہ تیرے لئے اتنا ہو جتنا دنیا کے کسی بہت بڑے بادشاہ کے پاس تھا۔ وہ کہے گا' پروردگار میں اس پر خوش ہوں۔ اللہ فرمائے گا' تیرے لئے اتنا ہے اور اتنا ہی اور' اتنا ہی اور' اور اتنا ہی اور' اتنا ہی اور پانچ گنا۔ یہ کہے گا بس بس اے رب میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' یہ سب ہم نے تجھے دیا اور اس کا دس گنا اور بھی دیا اور بھی جس چیز کو تیرا دل چاہے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ یہ کہے گا' میرے پروردگار میری تو باچھیں کھل گئیں' جی خوش ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا' پھر اللہ اعلیٰ درجہ کے جنتی کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا' یہ وہ لوگ ہیں جن کی خاطر و مدارات کی کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور اس پر اپنی مہر لگا دی ہے۔ پھر نہ تو وہ کسی کے دیکھنے میں آئی نہ کسی کے سننے میں نہ کسی کے خیال میں۔ اس کا مصداق اللہ کی کتاب کی آیت فَلَا تَعْلَمُ الخ' ہے۔

حضرت عباس بن عبدالواحدؒ فرماتے ہیں' مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حور کے ساتھ محبت پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا۔ کسی دوسری چیز کی طرف اس کا التفات ہی نہیں ہو گا۔ پھر جو دوسری طرف التفات ہو گا تو دیکھے گا کہ پہلی سے بہت زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل کی ایک اور حور ہے۔ وہ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہو کر کہے گی کہ اب میری مراد بھی پوری ہو گی۔ یہ کہے گا تو کون ہے؟ وہ جواب دے گی' میں اللہ کی مزید نعمتوں میں سے ہوں۔ اب یہ سراپا اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ پھر ستر سال کے بعد دوسری طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھی ایک اور حور ہے' وہ کہے گی' اب وقت آ گیا کہ آپ میں میرا حصہ بھی ہو' یہ پوچھے گا' تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی' میں ان میں سے ہوں جن کی نسبت جناب باری نے فرمایا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دن کے اندازے سے ہر دن میں تین تین بار جنت عدن کے اللہ کے تحفے لے کر جائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ وہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ اللہ تم سے خوش ہے۔ حضرت ابوالیمان فزاری یا کسی اور سے مروی ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ پہلا درجہ چاندی کا ہے۔ اس کی زمین بھی چاندی کی' اس کے محلات بھی چاندی کے' اس کی مٹی مشک کی ہے۔ دوسرا درجہ سونے کا ہے۔ زمین بھی سونے کی' مکانات بھی سونے کے' برتن بھی سونے کے' مٹی مشک کی ہے۔ تیسری موتی کی۔ زمین بھی موتی کی' گھر بھی موتی کے' برتن بھی موتی کے اور مٹی مشک کی۔ اور باقی ستانوے تو وہ ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی انسان کے دل میں گزرے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

ابن جریر میں ہے' آنحضرت ﷺ حضرت روح الامینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انسان کی نیکیاں بدیاں لائی جائیں گی۔ بعض بعض سے کم کی جائیں گی' پھر اگر ایک نیکی بھی باقی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا دے گا اور جنت میں کشادگی عطا فرمائے گا۔ راوی نے یزداد سے پوچھا کہ نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ الخ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے اچھے اعمال ہم نے قبول فرما لئے اور ان کی برائیوں سے ہم نے درگزر فرما لیا۔ راوی نے کہا' پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ الخ' فرمایا بندہ جب کوئی نیکی لوگوں سے چھپا کر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کے آرام کی چیزیں جو اس کے لئے پوشیدہ رکھ چھوڑی تھیں' عطا فرمائے گا۔

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى نُزُلًا ۢ بِمَا كَانُوۡا
يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا
اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا وَقِيۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ
النَّارِ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۰﴾

کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟ برابر نہیں ہو سکتے ○ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کئے' ان کے لئے ہمیشگی والی جنتیں ہیں مہمان داری ہے ان کے ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے ○ لیکن جن لوگوں نے حکم عدولی کی' ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' جب کبھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے' اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہد یا جائے گا کہ اپنے جھٹلانے کے بدلے آگ کا عذاب چکھو ○

نیک و بد دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۰) اللہ تعالیٰ کے عدل و کرم کا بیان ان آیتوں میں ہے کہ اس کے نزدیک نیک کار اور بدکار برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ یعنی کیا ان لوگوں نے جو برائیاں کر رہے ہیں' یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ایمان اور نیک عمل والوں کی مانند کر دیں گے؟ ان کی موت زیست برابر ہے۔ یہ کیسے برے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اور آیت میں ہے اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالۡمُفۡسِدِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ الخ یعنی ایماندار نیک عمل لوگوں کو کیا ہم زمین کے فسادیوں کے ہم پلہ کر دیں؟ پرہیزگاروں کو گنہگاروں کے برابر کر دیں؟ اور آیت میں ہے لَا يَسۡتَوِىۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہاں بھی فرمایا کہ مومن اور فاسق قیامت کے دن ایک مرتبہ کے نہیں ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر ان دونوں قسموں کا تفصیلی بیان فرمایا کہ جس نے اپنے دل سے کلام اللہ کی تصدیق کی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا تو انہیں وہ جنتیں ملیں گی جن میں مکانات ہیں۔ بلند بالا خانے ہیں اور رہائش و آرام کے تمام سامان ہیں۔ یہ ان کی نیک اعمالی کے بدلے میں مہمانداری ہوگی اور جن لوگوں نے اطاعت چھوڑ دی ان کی جگہ جہنم میں ہوگی جس میں سے وہ نکل نہ سکیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا یعنی جب کبھی وہاں کے غم سے چھٹکارا چاہیں گے' دوبارہ وہیں جھونک دیئے جائیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں' واللہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے' آگ کے شعلے انہیں اوپر نیچے لے جا رہے ہوں گے' فرشتے انہیں سزائیں کر رہے ہوں گے اور جھڑک کر فرماتے ہوں گے کہ اس جہنم کے عذاب کا لطف اٹھاؤ جسے تم جھوٹا جانتے تھے۔

وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰى دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ
لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ
اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع ۱۱ ۱۵

بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے اس کے سوا بھی چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں ○ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا- پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا یقین مانو کہ ہم بھی گنہگاروں سے انتقام لینے والے ہیں ○

(آیت: ۲۱-۲۲) عذاب ادنیٰ سے مراد دنیوی مصیبتیں، آفتیں، دکھ درد اور بیماریاں ہیں- یہ اس لئے ہوتی ہیں کہ انسان ہوشیار ہو جائے اور اللہ کی طرف جھک جائے اور بڑے عذابوں سے نجات حاصل کرے- ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد گناہوں کی وہ مقرر کردہ سزائیں ہیں جو دنیا میں دی جاتی ہیں جنہیں شرعی اصطلاح میں حدود کہتے ہیں- اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے- نسائی میں ہے کہ اس سے مراد قحط سالیاں ہیں- حضرت ابی فرماتے ہیں، چاند کا شق ہو جانا، دھویں کا آنا اور پکڑ اور برباد کن عذاب اور بدر والے دن ان کفار کا قید ہونا اور قتل کیا جانا ہے- کیونکہ بدر کی اس شکست نے مکے کے گھر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا تھا- ان عذابوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے-

پھر فرماتا ہے، جو اللہ کی آیتیں سن کر اس کی وضاحت کو پا کر ان سے منہ موڑ لے بلکہ ان کا انکار کر جائے، اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، اللہ کے ذکر سے اعراض نہ کرو، ایسا کونے والے بے عزت، بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں- یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے- جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، تین کام جس نے کئے، وہ مجرم ہو گیا- جس نے بے وجہ کوئی جھنڈا باندھا، جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی، جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا، یہ مجرم لوگ ہیں اور اللہ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پرس کریں گے اور ان سے پورا بدلہ لیں گے- (ابن ابی حاتم)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ
وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ
بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ڜ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

بے شک ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی، تجھے ہرگز اس کی ملاقات میں شک نہ کرنا چاہئے اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا ○ اور ہم نے ان میں سے چونکہ ان لوگوں نے صبر کیا تھا، ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور تھے بھی وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ○ تیرا رب ان سب کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کر دے گا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ○

شب معراج اور نبی اکرم ﷺ: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۵) فرماتا ہے، ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی- تو اس کی ملاقات کے بارے میں شک وشبہ میں نہ رہ- قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی معراج والی رات میں- حدیث میں ہے، میں نے معراج والی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں رنگ کے، لانبے قد کے، گھونگریالے بالوں والے تھے- ایسے جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں- اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا- وہ درمیانہ قد کے سرخ وسفید تھے، سیدھے بال تھے- میں نے اسی رات حضرت مالک کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا- یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں- پس تو اس ملاقات میں شک وشبہ نہ کر- آپ نے یقیناً حضرت موسیٰؑ کو دیکھا اور ان سے ملے جس رات آپ کو معراج کرائی گئی- حضرت موسیٰؑ کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنا دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نے اسرائیلیوں کو ہدایت دی- جیسے سورۂ بنی اسرائیل میں ہے وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ الخ یعنی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنو اسرائیل کے لئے ہادی بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اس کی نافرمانیوں کے ترک اس کی باتوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع و صبر میں جمے رہے ہم نے ان میں سے بعض کو ہدایت کے پیشوا بنا دیا جو اللہ کے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں بھلائی کی طرف بلاتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں۔ لیکن جب ان کی حالت بدل گئی انہوں نے کلام اللہ میں تبدیلی تحریف تاویل شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ منصب چھین لیا ان کے دل سخت کر دیئے عمل صالح اور اعتقاد صحیح ان سے دور ہو گیا۔ پہلے تو یہ دنیا سے بچے ہوئے تھے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں یہ لوگ پہلے ایسے ہی تھے لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی پیشوا ہو جس کی یہ اقتدا کر کے دنیا سے بچا ہوا رہے۔ آپ فرماتے ہیں دین کے لئے علم ضروری ہے جیسے جسم کے لئے غذا ضروری ہے۔ حضرت سفیانؒ سے حضرت علیؓ کے اس قول کے بارے میں سوال ہوا کہ صبر کا درجہ ایمان میں کیسا ہے؟ فرمایا ایسا ہے جیسا سر کا جسم میں۔ کیا تو نے اللہ کے اس فرمان کو نہیں سنا؟ ہم نے ان کے صبر کی وجہ سے ان کو ایسا پیشوا بنا دیا کہ وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لے لیا اللہ نے بھی انہیں پیشوا بنا دیا۔ چنانچہ فرمان ہے ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب و حکمت اور نبوت دی اور پاکیزہ روزیاں عنایت فرمائیں اور جہان والوں پر فضیلت دی۔ یہاں بھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ جن عقائد و اعمال میں ان کا اختلاف ہے ان کا فیصلہ قیامت کے دن خود اللہ کرے گا۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ
فِي مَسَاكِنِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ
يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا
تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾

کیا اس بات نے بھی انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں اس میں تو بڑی بڑی عبرتیں ہیں کیا پھر بھی یہ نہیں سنتے؟ ○ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بنجر غیر آباد زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں۔ پھر اس کی وجہ سے ہم کھیتیاں نکالتے ہیں جسے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں کیا یہ پھر بھی نہیں دیکھتے؟ ○

دریائے نیل کے نام عمر رضی اللہ عنہ کا خط: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) کیا یہ اس بات کے ملاحظہ کے بعد بھی راہ راست پر نہیں چلتے کہ ان سے پہلے کے گمراہوں کو ہم نے تہ و بالا کر دیا ہے۔ آج ان کے نشان مٹ گئے۔ انہوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا اللہ کی باتوں سے بے پرواہی کی۔ اب یہ جھٹلانے والے بھی ان ہی کے مکانوں میں رہتے سہتے ہیں۔ ان کی ویرانی ان کے اگلے مالکوں کی ہلاکت ان کے سامنے ہے۔ لیکن تاہم یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ غیر آباد کھنڈر یہ اجڑے ہوئے محلات تو تمہاری آنکھوں کو اور تمہارے کانوں کو کھولنے کے لئے اپنے اندر بہت سی نشانیاں رکھتے ہیں۔

دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم کو احسان و انعام کو بیان فرما رہا ہے کہ آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پہاڑوں سے اونچی جگہوں سے سمٹ کر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ ادھر ادھر پھیل جاتا ہے۔ بنجر غیر آباد زمین میں اس سے ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ خشکی تری سے

موت زیست سے بدل جاتی ہے۔ گو مفسرین کا قول یہ بھی ہے کہ جُرزُ مصر کی زمین ہے لیکن یہ ٹھیک ہے۔ ہاں مصر میں بھی ایسی زمین ہو تو ہو' آیت میں مراد تمام وہ حصے ہیں جو سوکھ گئے ہوں' جو پانی کے محتاج ہوں' سخت ہو گئے ہوں' زمین یبوست (خشکی) کے مارے پھٹنے لگی ہو۔ بیشک مصر کی زمین بھی ایسی ہے۔ دریائے نیل سے وہ سیراب کی جاتی ہے۔ حبش کی بارشوں کا پانی اپنے ساتھ سرخ رنگ کی مٹی کو بھی گھسیٹتا جاتا ہے اور مصر کی زمین جو شور اور ریتلی ہے' وہ اس پانی اور اس مٹی سے کھیتی کے قابل بن جاتی ہے اور ہر سال ہر فصل کا غلہ' تازہ پانی سے انہیں میسر آتا ہے جو ادھر ادھر کا ہوتا ہے۔ اس حکیم و کریم' منان و رحیم کی یہ سب مہربانیاں ہیں۔ اسی کی ذات قابل تعریف ہے۔

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوائی کے مہینے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے' ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں کسی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارہویں تاریخ کو ایک باکرہ لڑکی کو جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو' اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر' بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اس کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں۔ سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر نے جواب دیا کہ یہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے لیکن دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا۔ مہینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک رہا۔ لوگ تنگ آ کر ارادہ کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں' یہاں کی بود و باش ترک کر دیں' اب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا' اچھا کیا' اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں۔ تم اسے لے کر نیل کے دریا میں ڈال دو۔ حضرت عمر بن عاصؓ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ خط ہے اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تب تو خیر نہ چل' اگر اللہ تعالیٰ واحد و قہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔ یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے' گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی' وہ بچ گئی اور مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا۔ (کتاب السنہ للحافظ ابو القاسم اللالکائی)۔

اسی آیت کے مضمون کی آیت یہ بھی ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ الخ یعنی انسان اپنی غذا کو دیکھے کہ ہم نے بارش اتاری اور زمین پھاڑ کر اناج اور پھل پیدا کئے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا' کیا یہ لوگ اسے نہیں دیکھتے؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جرز وہ زمین ہے جس پر بارش ناکافی برستی ہے' پھر نالوں اور نہروں کے پانی سے وہ سیراب ہوتی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ زمین یمن میں ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں' ایسی بستیاں یمن اور شام میں ہیں۔ ابن زیدؒ وغیرہ کا قول ہے' یہ وہ زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو اور غبار آلود ہو۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ الخ ان کے لئے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۸) قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (۲۹) فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ (۳۰)

اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ۔ جواب دے کہ فیصلے والے دن ایمان لانا بے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○ اب تو ان کا خیال بھی چھوڑ دے اور منتظر رہ۔ یہ بھی منتظر ہیں ○

نافرمان اپنی بربادی کو آپ بلاوا دیتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) کافر اعتراضاً کہا کرتے تھے کہ اے نبی تم جو ہمیں کہا کرتے ہو اور اپنے ساتھیوں کو بھی مطمئن کر دیا ہے کہ تم ہم پر فتح پاؤ گے اور ہم سے بدلے لو گے، وہ وقت کب آئے گا؟ ہم تو مدتوں سے تمہیں مغلوب، زیر اور بے وقعت دیکھ رہے ہیں۔ چھپ رہے ہو، ڈر رہے ہو، اگر سچے ہو تو اپنے غلبے کا اور اپنی فتح کا وقت تو بتاؤ۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب عذاب الٰہی آ جائے گا اور جب اس کا غصہ اور غضب اتر پڑتا ہے، خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں، اس وقت کا نہ تو ایمان نفع دیتا ہے نہ مہلت ملتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الخ یعنی جب ان کے پاس اللہ کے پیغمبر دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر نازاں ہونے لگے، پوری دو آیتوں تک۔ اس سے فتح مکہ مراد نہیں۔ فتح مکہ والے دن تو رسول اللہ ﷺ نے کافروں کا اسلام لانا قبول فرمایا تھا اور تقریباً دو ہزار آدمی اس دن مسلمان ہوئے تھے۔

اگر اس آیت میں یہی فتح مکہ مراد ہوتی تو چاہیے تھا کہ اللہ کے پیغمبر علیہ السلام ان کا اسلام قبول نہ فرماتے۔ جیسے اس آیت میں ہے کہ اس دن کافروں کا اسلام لانا نامقبول ہوگا۔ بلکہ یہاں مراد فتح سے فیصلہ ہے۔ جیسے قرآن میں ہے فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا ہمارے درمیان تو فتح کر یعنی فیصلہ کر۔ اور جیسے اور مقام پر ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کرے گا۔ پھر ہمارے آپس کے فیصلے فرمائے گا۔ اور آیت میں ہے وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ یہ فیصلہ چاہتے ہیں، سرکش ضدی تباہ ہوئے۔ اور جگہ ہے وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہتے تھے۔ اور آیت میں فرمان باری ہے اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ اگر تم فیصلے کے آرزومند ہو تو لو فتح آ گئی۔

پھر فرماتا ہے، آپ ان مشرکین سے بے پرواہ ہو جایئے، جو رب نے اتارا ہے، اسے پہنچاتے رہیے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنے رب کی وحی کی اتباع کرو، اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر فرمایا، تم اپنے رب کے وعدوں کو سچا مان لو، اس کی باتیں اٹل ہیں، اس کے فرمان سچے ہیں، وہ عنقریب تجھے تیرے مخالفین پر غالب کرے گا، وہ وعدہ خلافی سے پاک ہے، یہ بھی منتظر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آپ پر کوئی آفت آئے لیکن ان کی یہ چاہتیں بے سود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے والوں کو بھولتا نہیں، نہ انہیں چھوڑتا ہے، بھلا جو رب کے احکام پر جمے رہیں، اللہ کی باتیں دوسروں کو پہنچائیں، وہ تائید ایزدی سے کیسے محروم کر دیئے جائیں؟ یہ جو کچھ تم پر دیکھنا چاہتے ہیں، وہ ان پر اترے گا، بدبختی (نکبت) و ادبار میں ہائے وائے واویلا میں گرفتار کئے جائیں گے۔ رب کے عذابوں کا شکار ہوں گے۔ کہہ دو کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

اللہ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے سورۂ سجدہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ

تفسیر سورۃ الاحزاب

حضرت زرؓ سے ابی بن کعبؓ نے پوچھا کہ سورۂ احزاب کی کتنی آیتیں شمار ہوتی ہیں؟ آپ نے فرمایا' تہتر- حضرت ابیؓ نے فرمایا' نہیں نہیں' میں نے تو دیکھا ہے کہ یہ سورت سورۂ بقرہ کے قریب تھی- اسی میں یہ آیت بھی پڑھی جاتی تھی اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنی جب بڑی عمر کا مرد اور بڑی عمر کی عورت بدکاری کریں تو انہیں ضرور سنگسار کر دو- یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے- اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے- (مسند احمد) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی کچھ آیتیں اللہ کے حکم سے ہٹا لی گئیں- واللہ اعلم-

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۲ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ۝۳

بہت ہی رحم وکرم والے سچے معبود کے نام سے شروع

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آ جانا' اللہ تعالیٰ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے ○ جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' اس کی تابعداری کرتا رہ' یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے ○ تو اللہ ہی پر توکل رکھ' وہ کارسازی کے لئے کافی ہے ○

اللہ پر توکل رکھو: ☆☆ (آیت:۱-۳) تنبیہ کی ایک موثر صورت یہ بھی ہے کہ بڑے کو کہا جائے تا کہ چھوٹا چوکنا ہو جائے- جب اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ اوروں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہے- تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ثواب کے طلب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی جائے- اور فرمان باری کے مطابق اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کی نافرمانیاں ترک کی جائیں- کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننا' نہ ان کے مشوروں پر کاربند ہونا' نہ ان کی باتیں قبولیت کے ارادے سے سننا- علم وحکمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے-

چونکہ وہ اپنے وسیع علم سے ہر کام کا نتیجہ جانتا ہے اور اپنی بے پایاں حکمت سے اس کی کوئی بات' کوئی فعل غیر حکیمانہ نہیں ہوتا تو تو اسی کی اطاعت کرتا رہ تا کہ بدانجام سے اور بگاڑ سے بچا رہے- جو قرآن وسنت تیری طرف وحی ہو رہا ہے' اس کی پیروی کر' اللہ پر کسی کا کوئی فعل مخفی نہیں- اپنے تمام امور واحوال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھ- اس پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ کافی ہے- کیونکہ تمام کارسازی پر وہ قادر ہے' اس کی طرف جھکنے والا کامیاب ہی کامیاب ہے-

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ
الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ
قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۴
اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ
اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے' اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچ مچ کی مائیں نہیں بنایا' اور نہ تمہارے لے پالک لڑکوں کو تمہارے واقعی بیٹے بنایا ہے' یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں' اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا اور وہی سیدھی راہ سجھاتا ہے ○ لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ۔ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے' پھر اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے بھول چوک سے جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم قصد اور ارادہ دل سے کرو' اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنہار مہربان ہے ○

سچ بدل نہیں سکتا' لے پالک بیٹا نہیں بن سکتا: ☆☆ (آیت:۴-۵) مقصود کو بیان کرنے سے پہلے بطور مقدمے اور ثبوت کے مثالاً ایک وہ بات بیان فرمائی ہے جسے سب محسوس کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے ذہن ہٹا کر اپنے مقصود کی طرف لے گئے۔ بیان فرمایا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی انسان کے دل دو نہیں ہوتے۔ اسی طرح تم سمجھ لو کہ اپنی جس بیوی کو تم ماں کہہ دو تو وہ واقعی ماں نہیں ہو جاتی۔ ٹھیک اسی طرح دوسرے کی اولاد کو اپنا بیٹا بنا لینے سے وہ سچ مچ بیٹا ہی نہیں ہو جاتا۔ اپنی بیوی سے اگر کسی نے بحالت غضب وغصہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ' تو اس کہنے سے وہ سچ مچ ماں نہیں بن جاتی۔ جیسے فرمایا مَّاهُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ الخ یعنی ایسا کہہ دینے سے وہ مائیں نہیں بن جاتیں' مائیں تو وہ ہیں جن کے بطن سے یہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان دونوں باتوں کے بیان کے بعد اصل مقصود کو بیان فرمایا کہ تمہارے لے پالک لڑکے بھی درحقیقت تمہاری اولاد نہیں۔ یہ آیت حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے جو حضورؐ کے آزاد کردہ تھے۔ انہیں حضورؐ نے نبوت سے پہلے اپنا متبنّیٰ بنا رکھا تھا۔ انہیں زید بن محمدؐ کہا جاتا تھا۔

اس آیت سے اس نسبت اور اس الحاق کا توڑ دینا منظور ہے جیسے کہ اسی سورت کے اثنا میں ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الخ تم میں سے کسی مرد کے باپ محمد (ﷺ) نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ یہاں فرمایا' یہ تو صرف تمہاری ایک زبانی بات ہے جو تم کسی کے لڑکے کو کسی کا لڑکا کہو' اس سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ واقع میں اس کا باپ وہ ہے جس کی پیٹھ سے یہ نکلا۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک لڑکے کے دو باپ ہوں جیسے یہ ناممکن ہے کہ ایک سینے میں دو دل ہوں۔ اللہ تعالیٰ حق فرمانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک قریشی کے بارے میں اتری ہے جس نے مشہور کر رکھا تھا کہ اس کے دو دل ہیں اور دونوں عقل و فہم سے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کر دی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نماز میں تھے۔ آپ کو کچھ خطرہ گزرا' اس پر جو منافق نماز میں شامل تھے' وہ کہنے لگے دیکھو اس کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ۔ ایک ان کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ

نے کسی شخص کے سینے میں دو دو دل نہیں بنائے۔ زہریؒ فرماتے ہیں، یہ تو صرف بطور مثال کے فرمایا گیا ہے یعنی جس طرح کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ اسی طرح کسی بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ اسی کے مطابق ہم نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہلے تو رخصت تھی کہ لے پالک لڑکے کو پالنے والے کی طرف نسبت کر کے، اس کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے لیکن اب اسلام نے اس کو منسوخ کر دیا ہے اور فرما دیا کہ ان کے جو اپنے حقیقی باپ ہیں، ان ہی کی طرف منسوب کر کے انہیں پکارو۔ عدل، نیکی، انصاف اور سچائی یہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اس آیت کے اترنے سے پہلے ہم حضرت زید کو زیدؓ بن محمدؐ کہا کرتے تھے لیکن اس کے نازل ہونے کے بعد ہم نے یہ کہنا چھوڑ دیا۔ بلکہ پہلے تو ایسے لے پالک کے وہ تمام حقوق ہوتے تھے جو سگی اور صلبی اولاد کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے اترنے کے بعد حضرت سہلہ بنت سہیلؓ حاضر خدمت نبویؐ ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہؐ ہم نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اب قرآن نے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا۔ میں اس سے اب تک پردہ نہیں کرتی، وہ آتے جاتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میرے خاوند حضرت حذیفہ ان کے اس طرح آنے سے کچھ بیزار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، پھر کیا ہے، جاؤ سالم کو اپنا دودھ پلا دو۔ اس پر حرام ہو جاؤ گی۔

الغرض یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب صاف لفظوں میں ایسے لڑکوں کی بیویوں کی بھی حلت انہیں لڑکا بنانے والوں کے لئے بیان فرما دی۔ اور جب حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی صاحبہ حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دے دی تو آپ نے خود اپنا نکاح ان سے کر لیا اور مسلمان اس اک مشکل سے بھی چھوٹ گئے۔ فالحمدللہ۔ اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں حرام عورتوں کا ذکر کیا وہاں فرمایا وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی تمہاری اپنی صلب سے جو لڑکے ہوں، ان کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ ہاں رضاعی لڑکا نسبی اور صلبی لڑکے کے حکم میں ہے۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ پیار سے کسی کو بیٹا کہہ دینا یہ اور چیز ہے۔ یہ ممنوع نہیں۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ہم سب خاندان عبدالمطلب کے چھوٹے بچوں کو مزدلفہ سے رسول اللہ ﷺ نے رات کو ہی جمرات کی طرف رخصت کر دیا اور ہماری رانیں تھپکتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا، میرے بیٹو، سورج نکلنے سے پہلے جمرات پر کنکریاں نہ مارنا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰ ہجری ماہ ذی الحجہ کا ہے اور اس کی دلالت ظاہر ہے۔ حضرت زید بن حارثہؓ جن کے بارے میں یہ حکم اترا، یہ سنہ ۸ ہجری میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ صحیح مسلم شریف میں مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا بیٹا کہہ کر بلایا۔

اسے بیان فرما کر کہ لے پالک لڑکوں کو ان کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو، پالنے والوں کی طرف نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور اسلامی دوست ہیں۔ حضورؐ جب عمرۃ القضا والے سال مکہ شریف سے واپس لوٹے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہتی ہوئی آپ کے پیچھے دوڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لے کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا اور فرمایا، یہ تمہاری چچا زاد بہن ہیں۔ انہیں اچھی طرح رکھو۔ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ فرمانے لگے، اس بچی کے حقدار ہم ہیں، ہم انہیں پالیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے، نہیں یہ میرے ہاں رہیں گی۔ حضرت علیؓ نے تو یہ دلیل دی کہ میرے چچا کی لڑکی ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے، میرے چچا کی لڑکی ہیں اور ان کی چچی میرے گھر میں ہیں یعنی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ آخر حضور ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ صاحبزادی تو اپنی خالہ کے پاس رہیں کیونکہ خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔ حضرت علیؓ سے فرمایا، تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا‘ تو صورت سیرت میں میرے مشابہ ہے‘ حضرت زیدؓ سے فرمایا‘ تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے- اس حدیث میں بہت سے احکام ہیں- سب سے بہتر تو یہ ہے کہ حضورؐ نے حکم حق سنا کر اور دعویداروں کو بھی ناراض نہیں ہونے دیا اور آپ نے اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا‘ تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو- حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا‘ اسی آیت کے ماتحت میں تمہارا بھائی ہوں- ابی فرماتے ہیں‘ واللہ اگر یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کے والد کوئی ایسے ویسے ہی تھے تو بھی یہ ان کی طرف منسوب ہوتے- حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف سے دوسرے کی طرف کرے‘ اس نے کفر کیا- اس سے سخت وعید پائی جاتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ صحیح نسب سے اپنے آپ کو ہٹانا بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے-

پھر فرماتا ہے‘ جب تم نے اپنے طور پر جتنی طاقت تم میں ہے‘ تحقیق کر کے کسی کو کسی کی طرف نسبت کیا اور فی الحقیقت وہ نسبت غلط ہے تو اس خطا پر تمہاری پکڑ نہیں- چنانچہ خود پروردگار نے ہمیں ایسی دعا تعلیم دی کہ ہم اس کی جناب میں کہیں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا اے اللہ ہماری بھول چوک اور غلطی پر ہمیں نہ پکڑ- صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی جناب باری عز اسمہ نے فرمایا میں نے یہ دعا قبول فرمائی- صحیح بخاری شریف میں ہے‘ جب حاکم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے‘ اپنے اجتہاد میں صحت کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے- اور حدیث میں ہے‘ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو ان کی خطائیں‘ بھول چوک اور جو کام ان سے زبردستی کرائے جائیں‘ ان سے درگزر فرما لیا ہے- یہاں بھی یہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہاں جو کام تم قصد قلب سے عمداً کرو‘ وہ بیشک قابل گرفت ہیں- قسموں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے- اوپر جو حدیث بیان ہوئی کہ نسب بدلنے والا کفر کا مرتکب ہے‘ وہاں بھی یہ لفظ ہیں کہ باوجود جاننے کے- آیت قرآن جو اب تلاوتاً منسوخ ہے‘ اس میں تھا فَاِنَّ کُفْرًا بِکُمْ اَنْ تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَآءِکُمْ یعنی تمہارا اپنے باپ کی طرف سے نسبت ہٹانا کفر ہے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا‘ آپ کے ساتھ کتاب نازل فرمائی‘ اس میں رجم کی بھی آیت تھی- حضورؐ نے خود بھی رجم کیا (یعنی شادی شدہ زانیوں کو سنگسار کیا) اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا- ہم نے قرآن میں یہ آیت بھی پڑھی ہے کہ اپنے باپوں سے اپنا سلسلہ نسب نہ ہٹاؤ- یہ کفر ہے- حضورؐ کا ارشاد ہے‘ مجھے تم میری تعریفوں میں اس طرح بڑھا چڑھا نہ دینا جیسے عیسیٰ بن مریمؑ کے ساتھ ہوا- میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں- تو تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول اللہ کہنا- ایک روایت میں صرف ابن مریم ہے- اور حدیث میں ہے‘ تین خصلتیں لوگوں میں ہیں جو کفر ہیں- نسب میں طعنہ زنی‘ میت پر نوحہ‘ ستاروں سے باران طلبی-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں- اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں- اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں- ہاں تمہیں اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اجازت ہے‘ یہ حکم کتاب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ○

تکمیل ایمان کی ضروری شرط: ☆☆ (آیت:۶) چونکہ رب العزت وحدہ لاشریک لہ کو علم ہے کہ حضورؐ اپنی امت پر خود ان کی اپنی جان

سے بھی زیادہ مہربان ہیں- اس لئے آپ کو ان کی اپنی جان سے بھی ان کا زیادہ اختیار دیا- یہ خود اپنے لئے کوئی تجویز نہ کریں بلکہ ہر حکم رسولؐ کو بدل و جان قبول کرتے جائیں جیسے فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ تیرے رب کی قسم یہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں اور تیرے تمام تر احکام اور فیصلوں کو بدل و جان بکشادہ پیشانی قبول نہ کر لیں- صحیح حدیث شریف میں ہے' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی باایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس سے' اس کے مال سے' اس کی اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں- ایک اور صحیح حدیث میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا' یا رسول اللہؐ آپ مجھے تمام جہان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن ہاں خود میرے اپنے نفس سے- آپ نے فرمایا' نہیں نہیں عمرؓ جب تک کہ میں تجھے خود تیرے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں- یہ سن کر جناب فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے' قسم اللہ کی' یا رسول اللہؐ آپ اب مجھے ہر چیز سے یہاں تک کہ میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں' آپ نے فرمایا' اب ٹھیک ہے- بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' تمام مومنوں کا زیادہ حقدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ میں ہوں- اگر تم چاہو تو پڑھ لو اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ سنو جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے' اس کا مال تو اس کے وارثوں کا حصہ ہے اور اگر کوئی مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو یا اس کے چھوٹے چھوٹے بال بچے ہوں تو اس قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور ان بچوں کی پرورش میرے ذمے ہے-

پھر فرماتا ہے' حضورؐ کی ازواج مطہرات حرمت اور احترام میں' عزت اور اکرام میں بزرگی اور عظام میں تمام مسلمانوں میں ایسی ہیں جیسے خود اِن کی اپنی مائیں- ہاں ماں کے اور احکام مثلاً خلوت یا ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت یہاں ثابت نہیں- گو بعض علماء نے ان کی بیٹیوں کو بھی مسلمانوں کی بہنیں لکھا ہے جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے مختصر میں نصاً فرمایا ہے لیکن یہ عبارت کا اطلاق ہے نہ کہ حکم کا اثبات- حضرت معاویہؓ وغیرہ کو جو کسی نہ کسی ام المومنین کے بھائی تھے' انہیں ماموں کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے- امام شافعیؒ نے تو کہا ہے کہ کہہ سکتے ہیں- رہی یہ بات کہ حضور کو ابوالمومنین بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ ابوالمومنین کہنے میں مسلمان عورتیں بھی آ جائیں گی- جمع مذکر سالم میں باعتبار تغلیب کے مونث بھی شامل ہے- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ نہیں کہہ سکتے- امام شافعیؒ کے دو قولوں میں بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے- ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قراءت میں اُمَّهَاتُهُمْ کے بعد یہ لفظ ہیں وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ یعنی آپ ان کے والد ہیں- مذہب شافعیؒ میں بھی ایک قول یہی ہے اور کچھ تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا' میں تمہارے لئے قائم مقام باپ کے ہوں- میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں- سنو تم میں سے جب کوئی پاخانے میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے' نہ اپنے داہنے ہاتھ سے ڈھیلے لے' نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے- آپ تین ڈھیلے لینے کا حکم دیتے تھے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت فرماتے تھے (نسائی وغیرہ)

دوسرا قول یہ ہے کہ حضورؐ کو باپ نہ کہا جائے- کیونکہ قرآن کریم میں ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ حضورؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں- پھر فرماتا ہے کہ بہ نسبت عام مومنوں' مہاجرین اور انصار کے ورثے کے زیادہ مستحق قرابتدار ہیں- اس سے پہلے رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ کرایا تھا' اسی کے اعتبار سے یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور قسمیں کھا کر ایک دوسروں کے جو حلیف بنے ہوئے تھے' وہ بھی آپس میں ورثہ بانٹ لیا کرتے تھے- اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا- پہلے اگر انصاری مر گیا تو اس کے وارث اس کی قرابت کے لوگ نہیں ہوتے تھے بلکہ مہاجر ہوتے تھے جن کے درمیان اللہ کے نبی ﷺ نے بھائی چارہ کرا دیا تھا- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص ہم انصار و مہاجرین کے بارے میں اترا ہے- ہم جب مکہ

چھوڑ کر مدینے آئے تو ہمارے پاس مال کچھ نہ تھا۔ یہاں آ کر ہم نے انصاریوں سے بھائی چارہ کیا' یہ بہترین بھائی ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے مال کے وارث بھی ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بھائی چارہ حضرت خارجہ بن زیدؓ کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ کا فلاں کے ساتھ۔ حضرت عثمانؓ کا ایک زرقی شخص کے ساتھ۔ خود میرا حضرت کعب بن مالکؓ کے ساتھ۔ یہ زخمی ہوئے اور زخم بھی کاری تھے۔ اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میں بھی ان کا وارث بنتا۔ پھر یہ آیت اتری اور میراث کا عام حکم ہمارے لئے بھی ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے' ورثہ تو ان کا نہیں لیکن ویسے اگر تم اپنے ان مخلص احباب کے ساتھ سلوک کرنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ وصیت کے طور پر کچھ دے دلا سکتے ہو۔ پھر فرماتا ہے' اللہ کا یہ حکم پہلے ہی سے اس کتاب میں لکھا ہوا تھا جس میں کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی۔ بیچ میں جو بھائی چارے پر ورثہ بٹتا تھا' یہ صرف ایک خاص مصلحت کی بنا پر خاص وقت تک کے لئے تھا' اب یہ ہٹا دیا گیا اور اصلی حکم دے دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾
لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ﴿۸﴾ ع ۱۷

جبکہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا بالخصوص تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عہد بھی ہم نے ان سے پکا اور پختہ لیا ○ تا کہ آخر کار اللہ سچوں سے ان کی سچائی دریافت فرمائے' نہ ماننے والوں کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں ○

میثاق انبیاء: ☆☆ (آیت: ۷-۸) فرمان ہے کہ ان پانچوں اولوالعزم پیغمبروں سے اور عام نبیوں سے سب سے ہم نے عہد و وعدہ لیا کہ وہ میرے دین کی تبلیغ کریں گے۔ اس پر قائم رہیں گے۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد امداد اور تائید کریں گے اور اتفاق و اتحاد رکھیں گے۔ اسی عہد کا ذکر اس آیت میں ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے قول قرار لیا کہ جو کچھ کتاب و حکمت دے کر میں تمہیں بھیجوں' پھر تمہارے ساتھ کی چیز کی تصدیق کرنے والا رسول آ جائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی امداد کرنا۔ بولو تمہیں اس کا اقرار ہے؟ اور میرے سامنے اس کا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں' ہمیں اقرار ہے۔ جناب باری نے فرمایا' بس اب گواہ رہنا اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ یہاں عام نبیوں کا ذکر کر کے پھر خاص جلیل القدر پیغمبروں کا نام بھی لے دیا۔ اسی طرح ان کے نام اس آیت میں بھی ہیں شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا الخ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جو زمین پر اللہ کے پہلے پیغمبر تھے۔ حضرت محمد ﷺ کا ذکر ہے جو سب سے آخری پیغمبر تھے۔ اور ابراہیمؑ' موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا ذکر ہے جو درمیانی پیغمبر تھے۔ ایک لطافت اس میں یہ ہے کہ پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ کے بعد کے پیغمبر حضرت نوح کا ذکر کیا اور آخری پیغمبر محمدؐ سے پہلے کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا اور درمیانی پیغمبروں میں سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا۔ یہاں تو ترتیب یہ رکھی کہ فاتح اور خاتم کا ذکر کر کے بیچ کے نبیوں کا بیان کیا اور اس آیت میں سب سے پہلے خاتم الانبیاءؐ کا نام لیا۔ اس لئے کہ سب سے اشرف و افضل آپ ہی ہیں۔ پھر یکے بعد دیگرے جس طرح آئے ہیں' اسی طرح ترتیب وار بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام نبیوں پر اپنا درود و سلام نازل فرمائے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آخر ہوں۔ پس مجھ سے ابتدا کی ہے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن اس کے ایک راوی سعید بن بشیر ضعیف ہیں۔ اور سند سے

یہ مرسل مروی ہے اور یہی زیادہ مشابہت رکھتی ہے اور بعض نے اسے موقوف روایت کیا ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ پانچ پیغمبر ہیں۔ نوحؑ' ابراہیمؑ' موسیٰؑ' عیسیٰؑ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور ان میں بھی سب سے بہتر محمد ﷺ ہیں۔ اس کا ایک راوی حمزہ ضعیف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں جس عہد و میثاق کا ذکر ہے' یہ وہ ہے جو روز ازل میں حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے تمام انسانوں کو نکال کر لیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کو بلند کیا گیا۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا۔ ان میں مالدار' مفلس خوبصورت اور ہر طرح کے لوگ دیکھے تو کہا کہ اللہ کیا اچھا ہوتا کہ تو نے ان سب کو برابر ہی رکھا ہوتا' اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ ان میں جو انبیاء کرام علیہم السلام تھے' انہیں بھی آپ نے دیکھا۔ وہ روشنی کی مانند نمایاں تھے' ان پر نور برس رہا تھا' ان سے نبوت و رسالت کا ایک اور خاص عہد لیا گیا تھا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ صادقوں سے ان کے صدق کا سوال ہو یعنی ان سے جو احادیث رسولؐ پہنچانے والے تھے۔ ان کی امتوں میں سے جو بھی ان کو نہ مانے' اسے سخت عذاب ہوگا۔ اے اللہ تو گواہ رہ' ہماری گواہی ہے' ہم دل سے مانتے ہیں کہ بیشک تیرے رسولوں نے تیرا پیغام تیرے بندوں کو بلا کم و کاست پہنچا دیا۔ انہوں نے پوری خیر خواہی کی اور حق کو صاف طور پر نمایاں طریقے سے واضح کر دیا جس میں کوئی پوشیدگی' کوئی شبہ' کسی طرح کا شک نہ رہا' گو بدنصیب' ضدی' جھگڑالو لوگوں نے انہیں نہ مانا۔ ہمارا ایمان ہے کہ رسولوں کی تمام باتیں سچ اور حق ہیں اور جس نے ان کی راہ نہ پکڑی' وہ گمراہ اور باطل پر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرًا ۝۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ
زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ
الظُّنُوْنَا ۝۱۰

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا' اسے یاد کرو جبکہ تمہارے مقابلے کو فوجیں کی فوجیں آئیں۔ پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں' جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے ○ جبکہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے آ گئے اور جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت مختلف گمان کرنے لگے ○

غزوۂ خندق اور مسلمانوں کی خستہ حالی: ☆☆ (آیت:۹-۱۰) جنگ خندق میں جو سنہ ۵ ہجری ماہ شوال میں ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جو اپنا فضل و احسان کیا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے' جبکہ مشرکین نے پوری طاقت سے اور پورے اتحاد سے مسلمانوں کو مٹا دینے کے ارادے سے زبردست لشکر لے کر حملہ کیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں' جنگ خندق سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی کا قصہ یہ ہے کہ بنو نضیر کے یہودی سرداروں نے جن میں سلام بن ابوحقیق' سلام بن مشکم' کنانہ بن ربیع وغیرہ تھے' مکے میں آ کر قریشیوں کو جو اول ہی سے تیار تھے' حضورؐ سے لڑائی کرنے پر آمادہ کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ ہم اپنے زیر اثر لوگوں کے ساتھ آپ کی جماعت میں شامل ہیں۔ انہیں آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے۔ ان سے بھی ساز باز کر کے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ قریشیوں نے بھی ادھر ادھر پھر کر تمام عرب میں آگ لگا کر'

سب گرے پڑے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا- ان سب کا سردار ابوسفیان صخر بن حرب بنا اور غطفان کا سردار عینیہ بن حصن بن بدر مقرر ہوا- ان لوگوں نے کوشش کر کے دس ہزار کا لشکر اکٹھا کر لیا اور مدینے کی طرف چڑھ دوڑے- حضورؐ کو جب اس لشکر کشی کی خبریں پہنچیں تو آپؐ نے یہ مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینے شریف کی مشرقی سمت میں خندق یعنی کھائی کھدوائی- اس خندق کے کھودنے میں تمام صحابہ مہاجرین وانصار شامل تھے اور خود آپ بھی بہ نفس نفیس اس کے کھودنے اور مٹی ڈھونے میں بھی حصہ لیتے تھے- مشرکین کا لشکر بلا مزاحمت مدینے شریف تک پہنچ گیا اور مدینے کے مشرقی حصے میں احد پہاڑ کے متصل اپنا پڑاؤ جمایا-

یہ تھا مدینے کا نیچا حصہ' اوپر کے حصے میں انہوں نے اپنی ایک بڑی بھاری جمعیت بھیج دی- جس نے اعالی مدینہ میں لشکر کا پڑاؤ ڈالا اور نیچے اوپر سے مسلمانوں کو محصور کر لیا- حضور ﷺ اپنے ساتھ کے صحابہؓ کو جو تین ہزار سے نیچے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ صرف سات سو تھے' لے کر ان کے مقابلہ پر آئے- سلع پہاڑی کو آپؐ نے اپنی پشت پر کیا اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر فوج کو ترتیب دیا- خندق جو آپؐ نے کھودی اور کھدوائی تھی' اس میں پانی وغیرہ نہ تھا- وہ صرف ایک گڑھا تھا جو مشرکین کے ریلے کو بے روک آنے نہیں دیتا تھا- آپؐ نے بچوں اور عورتوں کو مدینے کے ایک محلے میں کر دیا تھا- یہودیوں کی ایک جماعت بنو قریظہ مدینے میں تھی' مشرقی جانب ان کا محلہ تھا- نبی ﷺ سے ان کا معاہدہ صلح مضبوط تھا- ان کا بھی بڑا گروہ تھا- تقریباً آٹھ سو جنگجو لڑنے کے قابل مردان میں موجود تھے' مشرکین اور یہود نے ان کے پاس حی بن اخطب نضری کو بھیجا- اس نے انہیں بھی شیشے میں اتار کر سبز باغ دکھلا کر اپنی طرف کر لیا اور انہوں نے بھی ٹھیک موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی- اور علانیہ طور پر صلح توڑ دی- باہر سے دس ہزار کا وہ لشکر جو گھیرا ڈالے پڑا ہے' اندر سے ان یہودیوں کی بغاوت جو بغلی پھوڑے کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے- مسلمان بتیس دانتوں میں زبان یا آٹے میں نمک کی طرح ہو گئے- یہ کل سات سو آدمی کر ہی کیا سکتے تھے- یہ وقت تھا جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ آنکھیں پتھرا گئیں' دل الٹ گئے' طرح طرح کے خیالات آنے لگے- جھنجھوڑ دیئے گئے اور سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے- مہینہ بھر تک محاصرہ کی یہی تلخ صورت قائم رہی- گو مشرکین کی یہ جرات تو نہیں ہوئی کہ خندق سے پار ہو کر دستی لڑائی لڑتے لیکن ہاں گھیرا ڈالے پڑے رہے اور مسلمانوں کو تنگ کر دیا- البتہ عمرو بن عبدود عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان اور فن سپہ سالاری میں یکتا تھا' ساتھ ہی بہادر' جی دار اور قوی تھا' ایک مرتبہ ہمت کر کے اپنے ساتھ چند جاں باز پہلوانوں کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو گزار لایا- یہ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلے پر جاؤ- آپؓ گئے- تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر حضرت علیؓ نے کفر کے اس دیو کو تہہ تیغ کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ فتح ہماری ہے- پھر پروردگار نے وہ تند و تیز آندھی بھیجی کہ مشرکین کے تمام خیمے اکھڑ گئے' کوئی چیز قرینے سے نہ رہی' آگ کا جلانا مشکل ہو گیا- کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی-

بالآخر تنگ آ کر نامرادی سے واپس ہوئے- جس کا بیان اس آیت میں ہے- جس ہوا کا اس آیت میں ذکر ہے' بقول مجاہدؒ یہ صبا ہے اور اس کی تائید حضورؐ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ میں صبا ہوا سے مدد دیا گیا ہوں اور قوم عاد کے لوگ اور سرد و تیز ہواؤں سے ہلاک کئے گئے تھے- عکرمہؒ فرماتے ہیں' جنوبی ہوا نے شمالی ہوا سے اس جنگ احزاب میں کہا کہ چل' ہم تم جا کر رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں تو شمالی ہوا نے کہا کہ گرمی رات کو نہیں چلا کرتی- پھر ان پر صبا ہوا بھیجی گئی- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں- مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں- میں نے حضورؐ سے اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابیؓ تمہیں ملیں' انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے

آئیں - اب میں چلا' ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں - مجھے جو مسلمان ملا میں نے اسے حضورؐ کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے سنا' الٹے پاؤں فوراً حضورؐ کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا - ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے نیچے پھینک دیا - اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے - یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے' اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے' نجات کی صورت تلاش کرو - بچاؤ کا انتظام کرو - یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا - حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نوجوان شخص نے جو کوفے کے رہنے والے تھے' کہا کہ اے ابوعبداللہ' تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اللہ کے رسولؐ کو دیکھا اور آپؐ کی مجلس میں بیٹھے - بتاؤ تو تم کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا' واللہ ہم جان نثاریاں کرتے تھے - نوجوان فرمانے لگے - سنئے چچا اگر ہم حضورؐ کے زمانے کو پاتے تو واللہ آپ کو قدم بھی زمین پر نہ رکھنے دیتے' اپنی گردنوں پر اٹھا کر لے جاتے - آپؓ نے فرمایا' بھتیجے لو ایک واقعہ سنو' جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ بڑی رات تک نماز پڑھتے رہے - فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے؟ اللہ کے نبیؐ اس سے شرط کرتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوگا - کوئی کھڑا نہ ہوا کیونکہ خوف کی' بھوک کی اور سردی کی انتہا تھی - پھر آپؐ دیر تک نماز پڑھتے رہے -

پھر فرمایا' ہے کوئی جو جا کر یہ خبر لا دے کہ مخالفین نے کیا کیا؟ اللہ کے رسولؐ اسے مطمئن کرتے ہیں کہ وہ ضرور واپس آئے گا اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں میرا رفیق کرے - اب تک بھی کوئی کھڑا نہ ہوا اور کھڑا ہوتا کیسے؟ بھوک کے مارے پیٹ کمر سے لگ رہا تھا' سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہا تھا' خوف کے مارے پتے پانی ہو رہے تھے - بالآخر میرا نام لے کر سرور رسولؐ نے آواز دی' اب تو کھڑے ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا - فرمانے لگے' حذیفہ تو جا اور دیکھ کہ وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں' دیکھ جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے' کوئی نیا کام نہ کرنا' میں نے بہت خوب کہہ کر اپنی راہ لی اور جرأت کے ساتھ مشرکوں میں گھس گیا - وہاں جا کر عجیب حال دیکھا کہ دکھائی نہ دینے والے اللہ کے لشکر اپنا کام پھرتی سے کر رہے ہیں - چولہوں پر سے دیگیں ہوا نے الٹ دی ہیں' خیموں کی چوبیں اکھڑ گئی ہیں' آگ جلا نہیں سکتے - کوئی چیز اپنی ٹھکانے نہیں رہی - اسی وقت ابوسفیان کھڑا ہوا اور با آواز بلند منادی کی کہ اے قریشیو' اپنے اپنے ساتھی سے ہوشیار ہو جاؤ - اپنے ساتھ کو دیکھ بھال لو' ایسا نہ ہو کوئی غیر کھڑا ہو - میں نے یہ سنتے ہی میرے پاس جو ایک قریشی جوان تھا' اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا' میں فلاں بن فلاں ہوں - میں نے کہا' اب ہوشیار رہنا -

پھر ابوسفیان نے کہا' قریشیو اللہ گواہ ہے' ہم اس وقت کسی ٹھہرنے کی جگہ پر نہیں ہیں - ہمارے مویشی' ہمارے اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں - بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی' اس نے ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی' پھر اس ہوا نے تو ہمیں پریشان کر رکھا ہے' ہم پکا کھا نہیں سکتے' آگ تک جلا نہیں سکتے' خیمے ڈیرے ٹھہر نہیں سکتے - میں تو تنگ آ گیا ہوں اور میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ واپس ہو جاؤں - پس میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ واپس چلو - اتنا کہتے ہی اپنے اونٹ پر جو زانو بندھا ہوا بیٹھا تھا' چڑھ گیا اور اسے مارا - وہ تین پاؤں سے ہی کھڑا ہو گیا پھر اس کا پاؤں کھولا - اس وقت ایسا اچھا موقعہ تھا کہ اگر میں چاہتا' ایک تیر میں ہی ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا - اس لئے میں نے اپنے دل کو روک لیا - اب میں واپس لوٹا اور اپنے لشکر میں آ گیا - جب میں پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ ایک چادر کو لپیٹے ہوئے جو آپ کی کسی بیوی صاحبہ کی تھی' نماز میں مشغول ہیں - آپؐ نے مجھے دیکھ کر اپنے دونوں پیروں کے درمیان بٹھا لیا اور چادر مجھے بھی اڑھا دی - پھر رکوع وسجدہ کیا اور میں وہیں وہی چادر اوڑھے بیٹھا رہا - جب آپؐ فارغ ہوئے تو میں نے

سارا واقعہ بیان کیا۔ قریشیوں کے واپس لوٹ جانے کی خبر جب قبیلہ غطفان کو پہنچی تو انہوں نے بھی سامان باندھا اور واپس لوٹ گئے۔

اور روایت میں ہے' حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' جب میں چلا تو باوجود کڑاکے کی سخت سردی کے' قسم اللہ کی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کسی گرم حمام میں ہوں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں لشکر کفار میں پہنچا ہوں' اس وقت ابوسفیان آگ سلگائے ہوئے تاپ رہا تھا۔ میں نے اُسے دیکھ کر پہچان کر اپنا تیر کمان میں چڑھا لیا اور چاہتا ہی تھا کہ چلا دوں اور وہ بالکل زد میں تھا' ناممکن تھا کہ میرا نشانہ خالی جائے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ چوکنے ہو کر بھڑک جائیں تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں واپس آیا' اس وقت بھی مجھے کوئی سردی محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں۔ ہاں جب حضورؐ کے پاس پہنچ گیا' بڑے زور کی سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا تو حضورؐ نے اپنی چادر مجھ کو اوڑھا دی۔ میں جو اوڑھ کر لیٹا تو مجھے نیند آ گئی اور صبح تک پڑا سوتا رہا' صبح خود حضورؐ نے مجھے یہ کہہ کر جگایا کہ اے سونے والے بیدار ہو جا۔ اور روایت میں ہے کہ جب اس تابعی نے کہا کہ کاش کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے اور آپ کے زمانے کو پاتے تو حذیفہؓ نے کہا کاش کہ تم جیسا ایمان ہمیں نصیب ہوتا کہ باوجود نہ دیکھنے کے پورا اور پختہ عقیدہ رکھتے ہو۔ برادر زادے' جو تمنا تم کرتے ہو' یہ تمنا ہی ہے' نہ جانے تم ہوتے تو کیا کرتے؟ ہم پر تو ایسے کٹھن وقت آئے ہیں' یہ کہہ کر پھر آپ نے مندرجہ بالا خندق کی رات کا واقعہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہوا جھکڑی اور آندھی کے ساتھ بارش بھی تھی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضورؐ کے ساتھ کے واقعات کو بیان فرما رہے تھے جو اہل مجلس نے کہا اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو یوں اور یوں کرتے۔ اس پر آپ نے یہ بیان فرما دیا کہ باہر سے تو دس ہزار کا لشکر گھیرے ہوئے ہے' اندر سے بنو قریظہ کے آٹھ سو یہودی بگڑے ہوئے ہیں' بال بچے اور عورتیں مدینے میں ہیں' خطرہ لگا ہوا ہے اگر بنو قریظہ نے اس طرف کا رخ کیا تو ایک ساعت میں ہی عورتوں بچوں کا فیصلہ کر دیں گے۔ واللہ اس رات جیسی خوف و ہراس کی حالت کبھی ہم پر نہیں گزری۔ پھر وہ ہوائیں چلتی ہیں' آندھیاں اٹھتی ہیں' اندھیرا چھا جاتا ہے' کڑک گرج اور بجلی ہوتی ہے کہ العظمۃ للہ۔ ساتھی کو دیکھنا تو کہاں اپنی انگلیاں بھی نظر نہ آتی تھیں۔ جو منافق ہمارے ساتھ تھے' وہ ایک ایک ہو کر یہ بہانہ بنا کر کہ ہمارے بال بچے اور عورتیں وہاں ہیں اور گھر کا نگہبان کوئی نہیں۔ حضورؐ سے آ آ کر اجازت چاہنے لگے اور آپؐ نے بھی کسی ایک کو نہ روکا۔ جس نے کہا کہ میں جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا' شوق سے جاؤ۔ وہ ایک ایک ہو کر سرکنے لگے اور ہم صرف تین سو کے قریب رہ گئے۔ حضور ﷺ اب تشریف لائے ایک ایک کو دیکھا۔ میری عجیب حالت تھی۔ نہ میرے پاس دشمن سے بچنے کے لئے کوئی آلہ تھا نہ سردی سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی کپڑا تھا۔ صرف میری بیوی کی ایک چھوٹی سی چادر تھی جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ جب حضورؐ میرے پاس پہنچے' اس وقت میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے ہوئے دبک کر بیٹھا ہوا کپکپا رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا' یہ کون ہیں؟ میں نے کہا حذیفہ۔ فرمایا حذیفہ سن! واللہ مجھ پر تو زمین تنگ آ گئی کہ کہیں حضورؐ مجھے کھڑا نہ کریں۔ میری تو درگت ہو رہی ہے لیکن کرتا کیا' حضورؐ کا فرمان تھا۔ میں نے کہا۔ حضورؐ سن رہا ہوں ارشاد؟ آپ نے فرمایا دشمنوں میں ایک نئی بات ہونے والی ہے۔ جاؤ ان کی خبر لاؤ۔

واللہ اس وقت مجھ سے زیادہ نہ تو کسی کو خوف تھا نہ گھبراہٹ تھی نہ سردی تھی لیکن حضورؐ کا حکم سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا تو میں نے سنا کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ اس کے آگے سے' پیچھے سے' دائیں سے' بائیں سے' اوپر سے' نیچے سے اس کی حفاظت کر۔ حضورؐ کی اس دعا کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کسی قسم کا خوف' ڈر دہشت میرے دل میں تھی ہی نہیں۔ پھر حضورؐ نے مجھے آواز دے کر فرمایا' دیکھو حذیفہ وہاں جا کر میرے پاس واپس آنے تک کوئی نئی بات نہ کرنا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میں ابوسفیان کو اس سے پہلے پہچانتا نہ تھا۔ میں گیا تو وہاں یہی آوازیں لگ رہی تھیں کہ چلو کوچ کرو' واپس چلو۔ ایک عجیب بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ وہ خطرناک ہوا جو دیگیں

الٹ دیتی تھی' وہ صرف ان کے لشکر کے احاطہ تک ہی تھی۔ واللہ اس سے ایک بالشت بھر باہر نہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ اڑ اڑ کران پر گرتے تھے۔ جب میں واپس چلا ہوں تو میں نے دیکھا کہ تقریباً بیس سوار ہیں جو عمامے باندھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کو خبر کردو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفایت کردی اور آپؐ کے دشمنوں کو مات دی۔ اس میں یہ بھی بیان ہے کہ حضورؐ کی عادت میں داخل تھا کہ جب کبھی کوئی گھبراہٹ اور دقت کا وقت ہوتا تو آپؐ نماز شروع کر دیتے۔ جب میں نے حضورؐ کو خبر پہنچائی' اسی وقت یہ آیت اتری۔ پس آیت میں نیچے کی طرف سے آنے والوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ شدت خوف اور سخت گھبراہٹ سے آنکھیں الٹ گئی تھیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے اور طرح طرح کے گمان ہو رہے تھے یہاں تک کہ بعض منافقوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کی لڑائی میں کافر غالب آ جائیں گے۔ عام منافقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ معتب بن قشیر کہنے لگا کہ آنحضرتؐ تو ہمیں کہہ رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ پاخانے کو جانا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔ یہ مختلف گمان مختلف لوگوں کے تھے۔ مسلمان تو یقین کرتے تھے کہ غلبہ ہمارا ہی ہے جیسا کہ فرمان ہے وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ لیکن منافقین کہتے تھے کہ اب کی مرتبہ سارے مسلمان مع آنحضرتؐ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عین اس گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ اس وقت ہمیں اس سے بچاؤ کی کوئی دعا تلقین کریں۔ آپؐ نے فرمایا' یہ دعا مانگو اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا اللہ ہماری پردہ پوشی کر' اللہ ہمارے خوف ڈر کو امن و امان سے بدل دے۔ ادھر مسلمانوں کی یہ دعائیں بلند ہوئیں' ادھر اللہ کا لشکر ہواؤں کی شکل میں آیا اور کافروں کا تیا پانچا کر دیا' فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ
اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ
لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا
عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

یہیں مومنوں کا امتحان کر لیا گیا اور پوری طرح وہ جھنجھوڑ دیئے گئے ○ اس وقت منافق اور کمزور دل والے کہنے لگے' اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے محض دھوکے فریب کے ہی وعدے کئے تھے ○ ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینے والو' تمہارے ٹھہرنے کا یہ موقعہ نہیں۔ چلو لوٹ چلو' ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر خالی اور غیر محفوظ ہیں' دراصل وہ کھلے ہوئے اور غیر محفوظ نہ تھے لیکن ان کا تو پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا ہو چکا تھا ○

منافقوں کا فرار: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۳) اس گھبراہٹ اور پریشانی کا حال بیان ہو رہا ہے جو جنگ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی تھی کہ باہر سے دشمن اپنی پوری قوت اور کافی لشکر سے گھیرا ڈالے کھڑا ہے۔ اندرون شہر میں بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے' یہودیوں نے دفعتاً صلح توڑ کر بے چینی پیدا کر دی ہے۔ مسلمان کھانے پینے تک سے تنگ ہو گئے ہیں۔ منافق کھلم کھلا الگ ہو گئے ہیں۔ ضعیف دل لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ بس اللہ کے اور رسولؐ کے وعدے دیکھ لئے۔ کچھ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے کان میں صور

پھونک رہے ہیں کہ میاں پاگل ہوئے ہو؟ دیکھ نہیں رہے۔ دو گھڑی میں نقشہ پلٹنے والا ہے۔ بھاگ چلو۔ لوٹو لوٹو۔ واپس چلو۔ یثرب سے مراد مدینہ ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے۔ جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے۔ پہلے تو میرا خیال ہوا تھا کہ یہ ہجر ہے لیکن نہیں وہ جگہ یثرب ہے۔

اور روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ ہے۔ البتہ یہ خیال ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے جو مدینے کو یثرب کہے' وہ استغفار کر لے۔ مدینہ تو طابہ ہے۔ وہ طابہ ہے۔ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ کہا گیا ہے کہ عمالیق میں سے جو شخص یہاں آ کر ٹھہرا تھا چونکہ اس کا نام یثرب بن عبید بن مہلا ییل بن عوص بن عملاق بن لاد بن آدم بن سام بن نوح تھا' اس لئے اس شہر کو بھی اسی کے نام سے مشہور کیا گیا۔ یہ بھی قول ہے کہ تورات شریف میں اس کے گیارہ نام آئے ہیں۔ مدینہ' طابہ' طیبہ' جلیلہ' جابرہ' محبہ' محبوبہ' قاصمہ' مجبورہ' عدراؤ' مرحومہ۔ کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ عبارت پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا' اے طیبہ اور اے طابہ اور اے مسکینہ' خزانوں میں مبتلا نہ ہو۔ تمام بستیوں پر تیرا درجہ بلند ہوگا۔ کچھ لوگ تو اس موقعہ خندق پر کہنے لگے' یہاں حضورؐ کے پاس ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔ بنو حارثہ کہنے لگے' یا رسول اللہؐ ہمارے گھروں میں چوری ہونے کا خطرہ ہے۔ وہ خالی ہیں۔ ہمیں واپس جانے کی اجازت ملنی چاہیے۔ اوس بن قیظی نے بھی یہی کہا تھا کہ ہمارے گھروں میں دشمن کے گھس جانے کا اندیشہ ہے۔ ہمیں جانے کی اجازت دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات بتلا دی کہ یہ تو ڈھونگ رچایا ہے' حقیقت میں عذر کچھ بھی نہیں' نامردی سے بھگوڑا پن دکھاتے ہیں۔ لڑائی سے جی چرا کر سرکنا چاہتے ہیں۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا
تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ
الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ
إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا
قَلِيلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ
بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن
دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾

اگر مدینے کے چوطرف سے ان پر لشکر داخل کئے جائیں' پھر ان سے فتنہ طلب کیا جائے تو یہ ضرور برپا کر دیں گے اور کچھ ڈھیل بھی کریں گے تو یونہی سی ○ اس سے پہلے تو انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ضرور رہے ○ کہہ دے کہ گو تم موت سے یا خوف قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ مند کئے جاؤ گے ○ پوچھ تو کہ اگر اللہ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے یا تم سے روک سکے؟ اپنے لئے بجز اللہ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار ○

جہاد سے پیٹھ پھیرنے والوں سے باز پرس ہوگی : ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۷) جو لوگ یہ عذر کر کے جہاد سے بھاگ رہے تھے کہ

مارے گھرا کیلے پڑے ہیں جن کا بیان اوپر گزرا‘ ان کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ اگر ان پر دشمن مدینے کے چوطرف سے اور ہر ہر رخ سے آ جائے پھر ان سے کفر میں داخل ہونے کا سوال کیا جائے‘ تو یہ بے تامل کفر کو قبول کر لیں گے۔ لیکن تھوڑے خوف اور خیالی دہشت کی بنا پر ایمان سے دست برداری کر رہے ہیں۔ یہ ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

پھر فرماتا ہے‘ یہی تو ہیں جو اس سے پہلے لمبی لمبی ڈینگیں مارتے تھے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے‘ ہم میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے والے نہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ جو وعدے انہوں نے اللہ سے کئے تھے‘ اللہ تعالیٰ ان کی باز پرس کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ موت و فوت سے بھاگنا‘ لڑائی سے منہ چھپانا‘ میدان میں پیٹھ دکھانا جان نہیں بچا سکتا بلکہ بہت ممکن ہے کہ اللہ کی اچانک پکڑ کے جلد آ جانے کا باعث ہو جائے اور دنیا کا تھوڑا سا نفع بھی حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ دنیا تو آخرت جیسی چیز کے مقابلے پر کل کی کل حقیر اور محض ناچیز ہے۔ پھر فرمایا کہ بجز اللہ کے کوئی نہ دے سکے نہ دلا سکے نہ مددگاری کر سکے نہ حمایت پر آ سکے۔ اللہ اپنے ارادوں کو پورا کر کے ہی رہتا ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ
اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَاِذَا
جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ
يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ
بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ
اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

اللہ تعالیٰ تم میں سے انہیں بخوبی جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ‘ اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں آ جاتے ہیں ○ تمہاری مدد میں پورے بخیل ہیں‘ پھر جب ڈر دہشت کا موقعہ آ جائے تو تو انہیں دیکھے گا کہ تیری طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو‘ پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں‘ مال کے بڑے ہی حریص ہیں۔ یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال نابود کر دیئے ہیں‘ اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے ○

جہاد سے منہ موڑنے والے ایمان سے خالی لوگ : ☆☆ (آیت:۱۸-۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے محیط علم سے انہیں خوب جانتا ہے جو دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں۔ اپنے ہم صحبتوں سے‘ یار دوستوں سے‘ کنبے قبیلے والوں سے کہتے ہیں کہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ رہو‘ اپنے گھروں کو‘ اپنے آرام کو‘ اپنی زمین کو‘ اپنے بیوی بچوں کو نہ چھوڑو۔ خود بھی جہاد میں آتے نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کسی وقت منہ دکھا جائیں اور نام لکھا جائیں۔ یہ بڑے بخیل ہیں‘ نہ ان سے تمہیں کوئی مدد پہنچے‘ نہ ان کے دل میں تمہاری ہمدردی‘ نہ مال غنیمت میں تمہارے حصے پر یہ خوش۔ خوف کے وقت تو ان نامردوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔ آنکھیں چھاچھ پانی ہو جاتی ہیں‘ مایوسانہ نگاہوں سے تکنے لگتے ہیں۔ لیکن خوف دور ہوا کہ انہوں نے لمبی لمبی زبانیں نکال ڈالیں اور بڑھے چڑھے دعوے کرنے لگے اور شجاعت و مردمی کا دم بھرنے لگے۔ اور مال غنیمت پر بے طرح گرنے لگے۔ ہمیں دو ہمیں دو‘ کا غل مچا دیتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ ہم نے جنگی خدمات انجام دی ہیں‘ ہمارا حصہ ہے اور جنگ کے وقت صورتیں بھی نہیں دکھاتے‘ بھاگتوں کے آگے اور لڑتوں کے پیچھے رہا کرتے ہیں۔ دونوں عیب

جس میں جمع ہوں' اس جیسا بے خیر انسان اور کون ہوگا؟ امن کے وقت عیاری' بدخلقی' بدزبانی اور لڑائی کے وقت نامردی' روباہ بازی اور زنانہ پن۔ لڑائی کے وقت حائضہ عورتوں کی طرح الگ اور یکسو اور مال لینے کے وقت گدھوں کی طرح ڈھینچو ڈھینچو۔ اللہ فرماتا ہے' بات یہ ہے کہ ان کے دل شروع سے ہی ایمان سے خالی ہیں۔ اس لئے ان کے اعمال بھی اکارت ہیں۔ اللہ پر یہ آسان ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ
بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا
قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲۰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ ع ۱۲/۱۸
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا ۝۲۱ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝۲۲

سمجھتے ہیں کہ اب تک لشکر چلے نہیں گئے اور اگر فوجیں آ جائیں تو تمنائیں کرتے ہیں کہ کاش کہ وہ جنگلوں میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے کہ تمہاری خبریں دریافت کیا کرتے۔ اگر وہ تم میں موجود ہوں تو بھی کیا؟ یونہی چھدا اتارنے کو ذرا سی لڑائی کرلیں ○ یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور قیامت کے آخری دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے ○ ایمانداروں نے جب کفار کے لشکر کو دیکھا' بیساختہ کہہ اٹھے کہ انہی کا وعدہ ہمیں اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ سچے ہیں۔ یہ تو اپنے ایمان میں اور شیوہ فرمانبرداری میں اور بھی بڑھ گئے ○

(آیت: ۲۰) ان کی بزدلی اور ڈرپوکی کا یہ عالم ہے کہ اب تک انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں ہوا کہ لشکر کفار لوٹ گیا اور خطرہ ہے کہ وہ پھر کہیں آ نہ پڑے۔ مشرکین کے لشکروں کو دیکھتے ہی چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں' کاش کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ اس شہر میں ہی نہ ہوتے بلکہ گنواروں کے ساتھ کسی اجاڑ گاؤں یا کسی دور دراز کے جنگل میں ہوتے' کسی آتے جاتے سے پوچھ لیتے کہ کہو بھئی لڑائی کا کیا حشر ہوا؟ اللہ فرماتا ہے' یہ اگر تمہارے ساتھ بھی ہوں تو بیکار ہیں۔ ان کے دل مردہ ہیں' نامردی کے گھن نے انہیں کھوکھلا کر رکھا ہے۔ یہ کیا لڑیں گے اور کون سی بہادری دکھائیں گے؟

ٹھوس دلائل اتباع رسولؐ کو لازم قرار دیتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۲) یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال' افعال' احوال' اقتدا' پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر و تحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال حضورؐ نے قائم کی مثلاً راہ الہ کی تیاری' شوق جہاد اور سختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امید اس وقت آپ نے دکھائی' یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو اعظم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر اللہ کے حبیب' احمد مجتبیٰ' محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے لئے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کریں۔ اسی لئے قرآن کریم ان لوگوں کو جو اس وقت سٹپٹا رہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتے تھے' فرماتا ہے کہ تم نے میری نبیؐ کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول تو تم میں موجود تھے' ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا' تمہیں صبر و استقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ ثابت قدمی' استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ پر' قیامت پر

ایمان رکھتے ہو' پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول ؐ کو اپنے لئے نمونہ اور نظیر نہ قائم کرتے؟

پھر اللہ کی فوج کے سچے مومنوں اور حضور ؐ کے سچے ساتھیوں کے ایمان کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے جب ٹڈی دل لشکر کفار کو دیکھا تو پہلی نگاہ میں ہی بول اٹھے کہ انہی پر فتح پانے کی ہمیں خوشخبری دی گئی ہے۔ ان ہی کی شکست کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور وعدہ بھی کس کا' اللہ کا اور رسول اللہ کا۔ اور یہ ناممکن محض ہے کہ اللہ اور رسول ؐ کا وعدہ غلط ہو۔ یقیناً ہمارا سر اور اس جنگ کی فتح کا سہرا ہو گا۔ ان کے اس کامل یقین اور سچے ایمان کو رب نے بھی دیکھ لیا اور دنیا و آخرت میں انجام کی بہتری انہیں عطا فرمائی۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ کے جس وعدہ کی طرف اس میں اشارہ ہے' وہ آیت یہ ہو جو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بغیر اس کے کہ تمہاری آزمائش ہو' تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ تم سے اگلے لوگوں کی آزمائش بھی ہوئی' انہیں بھی دکھ درد' لڑائی بھڑائی میں مبتلا کیا گیا یہاں تک کہ انہیں ہلایا گیا کہ ایماندار اور خود رسول ؐ کی زبان سے نکل گیا کہ اللہ کی مدد کو دیر کیوں لگ گئی؟ یاد رکھو رب کی مدد بہت ہی قریب ہے' یعنی یہ تو صرف امتحان ہے' ادھر تم نے ثابت قدمی دکھائی' ادھر رب کی مدد آئی۔ اللہ اور اس کا رسول ؐ سچا ہے۔ فرماتا ہے کہ ان اصحاب پر رسول ؐ کا ایمان اپنے مخالفین کی اس قدر زبردست جمعیت دیکھ کر اور بڑھ گیا۔ یہ اپنے ایمان میں' اپنی تسلیم میں اور بڑھ گئے۔ یقین کامل ہو گیا' فرمانبرداری اور بڑھ گئی۔ اس آیت میں دلیل ہے ایمان کی زیادتی ہونے پر بہ نسبت اوروں کے ان کے ایمان کے قوی ہونے پر۔ جمہور ائمہ کرام کا بھی یہی فرمان ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ ہم نے بھی اس کی تقریر شرح بخاری کے شروع میں کر دی ہے' واللہ الحمد والمنہ۔ پس فرماتا ہے کہ اس کی تنگی ترشی نے' اس سختی اور تنگ حالی نے' اس حال اور اس نقشہ نے ان کا جو ایمان اللہ پر تھا' اسے اور بڑھا دیا اور جو تسلیم کی خو ان میں تھی کہ اللہ و رسول ؐ کی باتیں مانا کرتے تھے اور ان پر عامل تھے' اس اطاعت میں اور بڑھ گئے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا
تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

مومنوں میں وہ جوانمرد ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ سے کئے تھے' انہیں سچا کر دکھایا' بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے منافقوں کو سزا دے یا ان پر بھی مہربانی فرمائے' اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور بہت ہی مہربانی کرنے والا ہے ○

اس دن مومنوں اور کفار میں فرق واضح ہو گیا: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) منافقوں کا ذکر اوپر گزر چکا کہ وقت سے پہلے تو جاں نثاری کے لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے لیکن وقت آنے پر پورے بزدل اور نامرد ثابت ہوئے' سارے دعوے اور وعدے دھرے کے دھرے رہ گئے اور بجائے ثابت قدمی کے پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے وعدے پورے کر دکھائے۔ بعض نے تو جام شہادت نوش فرما لیا اور بعض اس کے انتظار میں بے چین ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے قرآن لکھنا شروع کیا تو ایک آیت مجھے نہیں ملتی تھی حالانکہ سورۂ احزاب میں وہ آیت میں نے خود رسول

اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھی - آخر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ آیت ملی' یہ وہ صحابیؓ ہیں جن کی اکیلے کی گواہی کو رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے دو گواہوں کے برابر کر دیا تھا - وہ آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ الخ ہے -

یہ آیت حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے - واقعہ یہ ہے کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے جس کا انہیں سخت افسوس تھا کہ سب سے پہلی جنگ میں جس میں خود رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے' میں شامل نہ ہو سکا - اب جو جہاد کا موقعہ آئے گا' میں اللہ تعالیٰ کو اپنی سچائی دکھا دوں گا اور یہ بھی کہ میں کیا کرتا ہوں؟ اس سے زیادہ کہتے ہوئے خوف کھایا - اب جنگ احد کا موقعہ جب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے حضرت سعد بن معاذؓ واپس آ رہے ہیں - انہیں دیکھ کر تعجب سے فرمایا کہ ابو عمرو کہاں جا رہے ہو؟ واللہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبوئیں آ رہی ہیں - یہ کہتے ہی آپ آگے بڑھے اور مشرکوں میں خوب تلوار چلائی - چونکہ مسلمان لوٹ گئے تھے' یہ تنہا تھے' ان کے بے پناہ حملوں نے کفار کے دانت کھٹے کر دیئے اور کفار لڑتے لڑتے ان کی طرف بڑھے اور چاروں طرف سے گھیر لیا اور شہید کر دیا - آپ کو اسی (۸۰) سے اوپر اوپر زخم آئے تھے - کوئی نیزے کا' کوئی تلوار کا' کوئی تیر کا - شہادت کے بعد کوئی آپ کو پہچان نہ سکا یہاں تک کہ آپ کی ہمشیرہ نے آپ کو پہچانا اور وہ بھی ہاتھوں کی انگلیوں کی پوریں دیکھ کر - انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی - اور یہی ایسے تھے جنہوں نے جو کہا تھا' کر دکھایا - رضی اللہ عنہم اجمعین - اور روایت میں ہے کہ جب مسلمان بھاگے تو آپؐ نے فرمایا' اے اللہ' انہوں نے جو کیا' میں اس سے اپنی معذوری ظاہر کرتا ہوں - اور مشرکوں نے جو کیا' اس سے میں بیزار ہوں - اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے ان سے فرمایا' میں آپ کے ساتھ ہوں - ساتھ چلے بھی لیکن فرماتے ہیں' جو وہ کر رہے تھے وہ میری طاقت سے باہر تھا - حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ابن ابی حاتم میں ہے کہ جنگ احد سے جب رسول اللہ ﷺ واپس مدینے آئے تو منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی - جو جو شہید ہو گئے تھے' ان کے درجوں کی خبر دی - پھر اسی آیت کی تلاوت کی - ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہؐ جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے' وہ کون ہیں؟ اس وقت میں سامنے آ رہا تھا اور حضرمی سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے - آپ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا' اے پوچھنے والے یہ بھی ان ہی میں سے ہیں - ان کے صاحبزادے حضرت موسیٰ بن طلحہ' حضرت معاویہؓ کے دربار میں گئے - جب وہاں سے واپس آنے لگے' دروازے سے باہر نکلے ہی تھے جو جناب معاویہؓ نے واپس بلایا اور فرمایا' آؤ مجھ سے ایک حدیث سنتے جاؤ - میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تمہارے والد طلحہؓ ان میں سے ہیں جن کا بیان اس آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنا عہد اور نذر پوری کر دی -

رب العالمین ان کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ بعض اس دن کے منتظر ہیں کہ پھر لڑائی ہو اور وہ اپنی کارگزاری اللہ کو دکھائیں اور جام شہادت نوش فرمائیں - پس بعض نے تو سچائی اور وفاداری ثابت کر دی اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں - انہوں نے نہ عہد بدلا نہ نذر کو پوری نہ کرنے کا کبھی انہیں خیال گزرا بلکہ وہ اپنے وعدے پر قائم ہیں - وہ منافقوں کی طرح وقت پر بہانے بنانے والے نہیں - یہ خوف اور زلزلہ محض اس واسطے تھا کہ خبیث و طیب کی تمیز ہو جائے اور برے بھلے کا حال ہر ایک پر کھل جائے - کیونکہ اللہ تو عالم الغیب ہے - اس کے نزدیک تو ظاہر و باطن برابر ہے' جو نہیں ہوا' اسے بھی وہ تو اسی طرح جانتا ہے جس طرح اسے جو ہو چکا - لیکن اس کی عادت ہے کہ جب تک مخلوق عمل نہ کر لے' انہیں صرف اپنے علم کی بنا پر جزا سزا نہیں دیتا - جیسے اس کا فرمان ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ الخ ہم تمہیں خوب پرکھ کر مجاہدین صابرین کو تم میں سے ممتاز کر دیں گے - پس وجود سے پہلے کا علم' پھر وجود کے بعد کا علم دونوں اللہ کو ہیں اور اس کے بعد جزا سزا - جیسے فرمایا مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ الخ یعنی اللہ تعالیٰ جس

حال پر تم ہو اسی پر مومنوں کو چھوڑ دے' ایسا نہیں جب تک کہ وہ بھلے برے کی تمیز نہ کر لے' نہ اللہ ایسا ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے- پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور عہد شکن منافقوں کو سزا دے- یا انہیں توفیق توبہ دے کہ یہ اپنی روش بدل دیں اور سچے دل سے اللہ کی طرف جھک جائیں تو اللہ بھی ان پر مہربان ہو جائے اور ان کی خطائیں معاف فرما دے- اس لئے کہ وہ اپنی مخلوق کی خطائیں معاف فرمانے والا اور ان پر مہربانیاں کرنے والا ہے- اس کی رافت و رحمت' غضب و غصے سے بڑھی ہوئی ہے-

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ؀۲۵

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی نامراد لوٹا دیا کہ ان کی کوئی مراد پوری نہ ہوئی اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا- اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے ○

اللہ عزوجل کفار سے خود نپٹے: ☆☆ (آیت:۲۵) اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے طوفان باد و باراں بھیج کر اور اپنے نہ نظر آنے والے لشکر اتار کر کافروں کی کمر توڑ دی اور انہیں سخت مایوسی اور نامرادی کے ساتھ محاصرہ ہٹانا پڑا- بلکہ اگر رحمتہ للعالمین ؐ کی امت میں یہ نہ ہوتے تو یہ ہوائیں ان کے ساتھ وہی کرتیں جو عادیوں کے ساتھ اس بے برکت ہوا نے کیا تھا- چونکہ رب العالمین کا فرمان ہے کہ تو جب تک ان میں ہے' اللہ انہیں عام عذاب نہیں کرے گا- لہٰذا انہیں صرف ان کی شرارت کا مزہ چکھا دیا- ان کے مجمع کو منتشر کر کے ان پر سے اپنا عذاب ہٹا لیا- چونکہ ان کا یہ اجتماع محض ہوائے نفسانی تھا' اس لئے ہوا نے ہی انہیں پراگندہ کر دیا- جو سوچ سمجھ کر آئے تھے' سب خاک میں مل گیا' کہاں کی فتح؟ کہاں کی غنیمت؟ جان کے لال پڑ گئے- اور ہاتھ ملتے' دانت پیستے پیچ و تاب کھاتے' ذلت و رسوائی کے ساتھ نامرادی اور ناکامیابی سے واپس ہوئے- دنیا کا خسارہ الگ ہوا- آخرت کا وبال الگ ہے- کیونکہ جو شخص کسی کام کا قصد کرے اور اپنے قصد کو عملی صورت بھی دے دے' پھر وہ اس میں کامیاب نہ ہو' گنہگار تو ہو ہی گیا- پس رسول اللہ ﷺ کے قتل اور آپ کے دین کو فنا کرنے کی آرزو' پھر اہتمام' پھر اقدام سب کچھ انہوں نے کر لیا- لیکن قدرت نے دونوں جہان کا بوجھ ان پر لاد کر انہیں جلے دل سے واپس کیا' اللہ تعالیٰ نے خود ہی مومنوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا- نہ مسلمان ان سے لڑے نہ انہیں ہٹایا بلکہ مسلمان اپنی جگہ رہے اور وہ بھاگتے رہے- اللہ نے اپنے لشکر کی لاج رکھ لی اور اپنے بندے کی مدد کی اور خود ہی کافی ہو گیا- اسی لئے حضور ؐ فرمایا کرتے تھے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا' اپنے بندے کی مدد کی' اپنے لشکر کی عزت کی- تمام دشمنوں سے آپ ہی نمٹ لیا اور سب کو شکست دے دی- اس کے بعد اور کوئی بھی نہیں (بخاری مسلم) حضور ؐ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر جناب باری تعالیٰ سے جو دعا کی تھی' وہ بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ وَ زَلْزِلْهُمْ اے اللہ' اے کتاب کے اتارنے والے' جلد حساب لے لینے والے ان لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا ڈال- اس فرمان وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ یعنی اللہ نے مومنوں کی کفایت جنگ سے کر دی- اس میں ایک نہایت لطیف بات یہ ہے کہ نہ صرف اس جنگ سے ہی مسلمان چھوٹ گئے بلکہ آئندہ ہمیشہ ہی صحابہ ؓ اس سے بچ گئے کہ مشرکین ان پر چڑھ دوڑیں- چنانچہ آپ تاریخ دیکھ لیں' جنگ خندق کے بعد کافروں کی ہمت ہی نہیں پڑی کہ وہ مدینے پر یا حضور ؐ پر کسی جگہ خود چڑھائی کرتے- ان کے منحوس قدموں سے اللہ نے اپنے نبی ؐ کے مسکن و آرام گاہ کو محفوظ کر لیا- فالحمد للہ-

بلکہ برخلاف اس کے مسلمان ان پر چڑھ چڑھ گئے یہاں تک کہ عرب کی سرزمین سے اللہ نے شرک و کفر ختم کر دیا- جب اس جنگ

سے کافر لوٹے' اسی وقت رسول اکرم ﷺ نے بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا کہ اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان سے جنگ کرو گے چنانچہ یہی ہوا- یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا- اللہ کی قوت کا مقابلہ بندے کے بس کا نہیں- اللہ کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا- اسی نے اپنی مدد و قوت سے ان بپھرے ہوئے اور بکھرے ہوئے لشکروں کو پسپا کیا- انہیں برائے نام بھی کوئی نفع نہ پہنچا- اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غالب کیا' اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے عبد و رسول ؐ کی مدد فرمائی- فالحمد للہ-

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ
وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ
فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ
تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾ ع ۳ ۱۹

جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی تھی' انہیں بھی اللہ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں بھی رعب بھر دیا کہ تم ان کی ایک جماعت کو تو قتل کر رہے ہو اور ایک جماعت کو قیدی بنا رہے ہو ○ اس نے تمہیں ان کی زمینوں کا' ان کے گھر بار کا' ان کے مال کا وارث کر دیا اور اس زمین کا بھی جس پر تمہارے قدم ہی نہیں گئے' اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکنے پر قادر ہے ○

کفار نے عین موقع پر دھوکہ دیا: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۷) اتنا ہم پہلے لکھ چکے ہیں جب مشرکین و یہود کے لشکر مدینے پر آئے اور انہوں نے گھیرا ڈالا تو بنو قریظہ کے یہودی جو مدینے میں تھے اور جن سے حضور ؐ کا عہد و پیمان ہو چکا تھا' انہوں نے بھی عین موقعہ پر بیوفائی کی اور عہد توڑ کر آنکھیں دکھانے لگے- ان کا سردار کعب بن اسد باتوں میں آ گیا اور حی بن اخطب خبیث نے اسے بدعہدی پر آمادہ کر دیا- پہلے تو یہ نہ مانا اور اپنے عہد پر قائم رہا' حی نے کہا کہ دیکھ تو سہی' میں تو تجھے عزت کا تاج پہنانے آیا ہوں- قریش اور ان کے ساتھی' غطفان اور ان کے ساتھی اور ہم سب ایک ساتھ ہیں- ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ایک ایک مسلمان کا قیمہ نہ کر لیں' یہاں سے نہیں ہٹنے کے' کعب چونکہ جہاندیدہ شخص تھا' اس نے جواب دیا کہ محض غلط ہے- یہ تمہارے بس کے نہیں' تو ہمیں ذلت کا طوق پہنانے آیا ہے- تو بڑا منحوس شخص ہے- میرے سامنے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی مکاری کا شکار نہ بنا لیکن حی پھر بھی نہ ٹلا اور اسے سمجھاتا بجھاتا رہا- آخر میں کہا' سن اگر بالفرض قریش اور غطفان بھاگ بھی جائیں تو میں مع اپنی جماعت کے تیری گڑھی میں آ جاؤں گا اور جو کچھ تیرا اور تیری قوم کا حال ہو گا' وہی میرا اور میری قوم کا حال ہو گا- بالآخر کعب پر حی کا جادو چل گیا اور بنو قریظہ نے صلح توڑ دی جس سے حضور ؐ کو اور صحابہ ؓ کو سخت صدمہ ہوا اور بہت ہی بھاری پڑا- پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی مدد کی اور حضور ؐ مع اصحاب کے مظفر و منصور مدینے شریف کو واپس آئے' صحابہ ؓ نے ہتھیار کھول دیئے اور حضور بھی ہتھیار اتار کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں گرد و غبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کرنے کو بیٹھے ہی تھے جو حضرت جبرئیل ؑ ظاہر ہوئے- آپ کے سر پر ریشمی عمامہ تھا' خچر پر سوار تھے جس پر ریشمی گدی تھی' فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ ؐ کیا آپ نے کمر کھول لی؟ آپ نے فرمایا' ہاں-

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا لیکن فرشتوں نے اب تک اپنے ہتھیار الگ نہیں کئے- میں کافروں کے تعاقب سے ابھی ابھی آ رہا ہوں- سنئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلئے اور ان کی پوری گوشمالی کیجئے- مجھے بھی اللہ کا حکم مل چکا ہے کہ میں انہیں تھرا دوں-

حضورؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، تیار ہو کر صحابہؓ کو کوچ کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی پڑھے۔ ظہر کے بعد یہ حکم ملا تھا۔ بنو قریظہ کا قلعہ یہاں سے کئی میل پر تھا۔ نماز کا وقت صحابہؓ کو راستہ ہی میں آ گیا تو بعض نے تو نماز ادا کر لی اور فرمایا حضورؐ کے اس فرمان کا مطلب یہی تھا کہ ہم بہت تیز چال چلیں۔ اور بعض نے کہا، ہم تو وہاں پہنچے بغیر نماز نہیں پڑھیں گے۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ آپ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں لشکر کا جھنڈا دیا اور آپ بھی صحابہؓ کے پیچھے ہی پیچھے بنو قریظہ کی طرف چلے اور جا کر ان کے قلعہ کو گھیر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس روز تک رہا۔ جب یہودیوں کا ناک میں دم آ گیا اور تنگ حال ہو گئے تو انہوں نے اپنا حکم حضرت سعد بن معاذؓ کو بنایا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ بنو قریظہ میں اور قبیلہ اوس میں زمانہ جاہلیت میں اتفاق و یگانگت تھی، ایک دوسرے کے حلیف تھے اس لئے ان یہودیوں کو یہ خیال رہا کہ حضرت سعد ہمارا لحاظ اور پاس کریں گے جیسے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے بنو قینقاع کو چھڑوایا تھا۔

ادھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ خندق میں انہیں اکحل کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے خون جاری تھا۔ حضور ﷺ نے زخم پر داغ لگوایا تھا اور مسجد کے خیمے میں ہی انہیں رکھا تھا کہ پاس ہی پاس عیادت اور بیمار پرسی کر لیا کریں۔ حضرت سعدؓ نے جو دعائیں کیں، ان میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے پروردگار اگر اب میں کوئی ایسی لڑائی باقی ہے جس میں کفار قریش تیرے نبیؐ پر چڑھ آئیں تو تو مجھے زندہ رکھ کہ میں اس میں شرکت کر سکوں اور اگر تو نے کوئی ایک لڑائی بھی ایسی باقی نہیں رکھی تو خیر میرا زخم خون بہاتا رہے لیکن اے میرے رب جب تک میں بنو قریظہ قبیلے کی سرکشی کی سزا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لوں تو میری موت کو موخر فرمانا۔ حضرت سعدؓ جیسے مستجاب الدعوات کی دعا کی قبولیت کی شان دیکھئے کہ آپ یہ دعا کرتے ہیں، ادھر یہودان بنو قریظہ آپ کے فیصلے پر اظہار رضامندی کر کے قلعے کو مسلمانوں کے سپرد کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ آدمی بھیج کر آپ کو مدینہ سے بلواتے ہیں کہ آپ آ کر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا دیں۔ یہ گدھے پر سوار کرائے گئے اور سارا قبیلہ ان سے لپٹ گیا کہ دیکھئے حضرت خیال رکھئے گا، بنو قریظہ آپ کے آدمی ہیں۔ انہوں نے آپ پر بھروسہ کیا ہے، وہ آپ کے حلیف ہیں، آپ کی قوم کے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ آپ ان پر رحم فرمائیے گا، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیے گا۔ دیکھئے اس وقت ان کا کوئی نہیں، وہ آپ کے بس میں ہیں وغیرہ لیکن حضرت سعدؓ محض خاموش تھے۔ کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ان لوگوں نے مجبور کیا کہ جواب دیں۔ پیچھا ہی نہ چھوڑا۔ آخر آپ نے فرمایا، وقت آ گیا ہے کہ سعدؓ اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں، یہ سنتے ہی ان لوگوں کے تو دل ڈوب گئے اور سمجھ لیا کہ بنو قریظہ کی خیر نہیں۔

جب حضرت سعدؓ کی سواری اس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں جناب رسول اللہ ﷺ تھے تو آپ نے فرمایا، لوگو اپنے سردار کے استقبال کے لئے اٹھو چنانچہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو عزت و اکرام وقعت و احترام سے سواری سے اتارا۔ یہ اس لئے تھا کہ اس وقت آپ حکم کی حیثیت میں تھے، ان کے فیصلے پورے ناطق و نافذ سمجھے جائیں۔ آپ کے بیٹھتے ہی حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے فیصلے پر رضامند ہو کر قلعے سے نکل آئے ہیں۔ اب آپ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم کیجئے۔ آپ نے کہا، کیا جو میں ان پر حکم کروں، وہ پورا ہو گا؟ حضورؐ نے فرمایا، ہاں کیوں نہیں۔ کہا اور اس خیمے والوں پر بھی اس کی تعمیل ضروری ہو گی؟ آپ نے فرمایا یقیناً۔ پوچھا اور اس طرف والوں پر بھی؟ اور اشارہ اس طرف کیا جس طرف خود رسول اکرم ﷺ تھے۔ لیکن آپ کی طرف نہیں دیکھا آپ کی بزرگی اور عزت و عظمت کی وجہ سے حضورؐ نے جواب دیا، ہاں اس طرف والوں پر بھی۔ آپ نے فرمایا، اب میرا فیصلہ سنئے۔ میں کہتا ہوں، بنو قریظہ میں جتنے لوگ لڑنے والے ہیں، انہیں قتل کر دیا جائے، ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے، ان کے مال قبضے میں لائے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے سعدؓ تم نے ان کے

بارے میں وہی حکم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر حکم کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، تم نے سچے مالک اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا، وہی سنایا ہے۔

پھر حضورؐ کے حکم سے خندقیں کھائی کھدوا کر انہیں بندھا ہوا بلوا کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ گنتی میں سات آٹھ سو تھے۔ ان کی عورتیں، نابالغ بچے اور مال لے لئے گئے۔ ہم نے یہ کل واقعات اپنی کتاب السیر میں تفصیل سے لکھ دیئے ہیں۔ والحمد للہ۔

پس فرماتا ہے کہ جن اہل کتاب یعنی یہودیوں نے کافروں کے لشکروں کی ہمت افزائی کی تھی اور ان کا ساتھ دیا تھا، ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرا دیئے۔ اس قوم قریظہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوئی تھی، اگلے زمانے میں آ کر حجاز میں اس طمع میں بسے تھے کہ نبی آخر الزماں کی پیش گوئی ہماری کتابوں میں ہے۔ وہ چونکہ یہیں ہونے والے ہیں تو ہم سب سے پہلے آپ کی اتباع کی سعادت سے مسعود ہوں گے۔ لیکن ان ناخلفوں نے جب اللہ کے وہ نبی آئے، ان کی تکذیب کی، جس کی وجہ سے اللہ کی لعنت ان پر نازل ہوئی۔ ''صیاصی'' سے مراد قلعے ہیں۔ اسی معنی کے لحاظ سے سینگوں کو بھی صیاصی کہتے ہیں، اس لئے کہ جانور کے سارے جسم کے اوپر اور سب سے بلند یہی ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا، انہوں نے ہی مشرکین کو بھڑکا کر رسول اللہ ﷺ پر چڑھائی کرائی تھی۔ عالم جاہل برابر نہیں ہوتے۔ یہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جڑوں سے اکھیڑ دینا چاہا تھا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا، پانسہ پلٹ گیا، قوت کمزوری سے اور مراد نامرادی سے بدل گئی۔ نقشہ بگڑ گیا۔ حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بے دست و پا رہ گئے۔ عزت کی خواہش نے ذلت دکھائی۔ مسلمانوں کے برباد کرنے اور پیس ڈالنے کی خواہش نے اپنے تئیں پسوا دیا اور ابھی آخرت کی محرومی باقی ہے۔ کچھ قتل کر دیئے گئے، باقی قید کر لئے گئے۔ عطیہ قرظی کا بیان ہے کہ میں جب حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو میرے بارے میں حضورؐ کو کچھ تردد ہوا۔ فرمایا، اسے الگ لے جاؤ۔ دیکھو اگر اس کے ناف کے نیچے بال ہوں تو قتل کر دو۔ ورنہ قیدیوں میں بٹھا دو، دیکھا تو میں بچہ ہی تھا۔ زندہ چھوڑ دیا گیا۔ ان کی زمین، گھر، ان کے مال کے مالک مسلمان بن گئے بلکہ اس زمین کے بھی جو اب تک پڑی تھی اور جہاں مسلمانوں کے نشان قدم بھی نہ پڑے تھے یعنی خیبر کی زمین یا مکہ شریف کی زمین۔ یا فارس یا روم کی زمین اور ممکن ہے کہ یہ کل خطے مراد ہوں، اللہ بڑی قدرتوں والا ہے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ خندق والے دن میں لشکر کا کچھ حال معلوم کرنے نکلی۔ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے بہت تیز آنے کی آہٹ اور اس کے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ میں راستے سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کی طرف جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حارث بن اوس تھے جن کے ہاتھ میں ان کی ڈھال تھی۔ حضرت سعدؓ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے لیکن بڑے لانبے چوڑے تھے، زرہ پورے بدن پر نہیں آئی تھی، ہاتھ کھلے تھے۔ اشعار رجز پڑھتے ہوئے جھومتے جھامتے چلے جا رہے تھے۔ میں یہاں سے اور آگے بڑھی اور ایک باغیچے میں چلی گئی۔ وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے اور ایک اور صاحب جو خود اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھ لیا۔ پس پھر کیا تھا؟ بڑے ہی بگڑے اور مجھ سے فرمانے لگے، یہ دلیری؟ تم نہیں جانتیں، لڑائی ہو رہی ہے؟ اللہ جانے کیا نتیجہ ہو؟ تم کیسے یہاں چلی آئیں وغیرہ وغیرہ۔ جو صاحب مغفر سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے، انہوں نے عمر فاروقؓ کی یہ باتیں سن کر اپنے سر سے لوہے کا ٹوپ اتارا، دیکھا۔ اب میں پہچان گئی کہ وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خاموش کیا کہ کیا ملامت شروع کر رکھی ہے۔ نتیجے کا کیا ڈر ہے؟ کیوں تمہیں اتنی گھبراہٹ ہے؟ کوئی بھاگ کے جائے گا کہاں؟ سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت سعدؓ کو ایک قریشی نے تاک کر تیر لگایا اور کہا، لے میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعدؓ کی رگ اکحل پر وہ تیر پڑا اور پیوست ہو گیا۔ خون کے فوارے چھوٹ گئے۔ اسی وقت آپ نے دعا کی

کہ اے اللہ مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنوقریظہ کی تباہی اپنی آنکھوں نہ دیکھ لوں ۔ اللہ کی شان سے اسی وقت خون تھم گیا ۔ مشرکین کو ہواؤں نے بھگا دیا اور اللہ نے مومنوں کی کفایت کر دی ۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی تو بھاگ کر تہامہ میں چلے گئے، عینیہ بن بدر اور اس کے ساتھی نجد میں چلے گئے ۔ بنوقریظہ اپنے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے ۔ میدان خالی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مدینے میں واپس تشریف لے آئے ۔

حضرت سعدؓ کے لئے مسجد میں ہی چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا گیا ۔ اسی وقت حضرت جبرئیلؑ آئے، آپ کا چہرہ گرد آلود تھا ۔ فرمانے لگے ۔ آپؐ نے ہتھیار کھول دیئے؟ حالانکہ فرشتے اب تک ہتھیار بند ہیں ۔ اٹھئے بنوقریظہ سے بھی فیصلہ کر لیجئے ۔ ان پر چڑھائی کیجئے ۔ حضورؐ نے فوراً ہتھیار لگا لئے اور صحابہؓ میں بھی کوچ کی منادی کرادی ۔ بنوتمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل ہی تھے ۔ راہ میں آپؐ نے ان سے پوچھا، کیوں بھئی کسی کو جاتے ہوئے دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ابھی ابھی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ گئے ہیں ۔ حالانکہ تھے تو وہ حضرت جبرئیلؑ لیکن آپ کی داڑھی چہرہ وغیرہ بالکل حضرت دحیہ کلبیؓ سے ملتا جلتا تھا ۔ اب آپ نے جا کر بنوقریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ۔ پچیس روز تک یہ محاصرہ رہا ۔ جب وہ گھبرائے اور تنگ آ گئے تو ان سے کہا گیا کہ قلعہ ہمیں سونپ دو اور تم اپنے آپ کو بھی ہمارے حوالے کر دو ۔ رسول اللہ ﷺ تمہارے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں گے ۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رسے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ صورت میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا ہے ۔ انہوں نے یہ معلوم کر کے اسے تو نامنظور کر دیا اور کہنے لگے، ہم قلعہ خالی کر دیتے ہیں، آپ کی فوج کو قبضہ دے دیتے ہیں ۔ ہمارے بارے کا فیصلہ ہم حضرت سعد بن معاذؓ کو دیتے ہیں ۔ آپؐ نے اسے بھی منظور فرما لیا ۔ حضرت سعدؓ کو بلوایا ۔ آپ تشریف لے آئے، گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کے درخت کی چھال کی گدی تھی ۔ آپ اس پر بمشکل سوار کرا دیئے گئے تھے، آپ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور سمجھا رہی تھی کہ دیکھو بنوقریظہ ہمارے حلیف ہیں، ہمارے دوست ہیں ۔ ہماری موت و زیست کے شریک ہیں اور ان کے تعلقات جو ہم سے ہیں، وہ آپ پر پوشیدہ نہیں ۔ آپ خاموشی سے سب کی باتیں سنتے جاتے تھے ۔ جب ان کے محلہ میں پہنچے تو ان کی طرف نظر ڈالی اور کہا، وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی مطلقاً پرواہ نہ کروں ۔

جب حضورؐ کے خیمے کے پاس ان کی سواری پہنچی تو حضورؐ نے فرمایا، اپنے سید کی طرف اٹھو اور انہیں اتارو ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہمارا سید تو اللہ ہی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا، اتارو ۔ لوگوں نے مل جل کر انہیں سواری سے اتارا ۔ حضورؐ نے فرمایا سعدؓ ان کے بارے میں جو حکم کرنا چاہو کر دو ۔ آپ نے فرمایا، ان کے بڑے قتل کر دیئے جائیں، ان کے چھوٹے غلام بنائے جائیں، ان کا مال تقسیم کر لیا جائے ۔ آپ نے فرمایا ۔ سعدؓ تم نے اس حکم میں اللہ، رسولؐ کی پوری موافقت کی ۔ پھر حضرت سعدؓ نے دعا مانگی کہ اے اللہ اگر تیرے نبیؐ پر قریش کی کوئی اور چڑھائی بھی باقی ہو تو مجھے اس کی شمولیت کے لئے زندہ رکھ ورنہ اپنی طرف بلا لے ۔ اسی وقت زخم سے خون بہنے لگا حالانکہ وہ پورا بھر چکا تھا یونہی سا باقی تھا چنانچہ انہیں پھر واپس اسی خیمے میں پہنچا دیا گیا اور آپ وہیں شہید ہو گئے ۔ رضی اللہ عنہ ۔ خود حضورؐ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ وغیرہ بھی آئے، سب رو رہے تھے اور ابوبکرؓ کی آواز اور عمرؓ کی آواز میں پہچان بھی ہو رہی تھی ۔ میں اس وقت اپنے حجرے میں تھی ۔ فی الواقع اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے جیسے اللہ نے فرمایا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ آپس میں ایک دوسرے کی پوری محبت اور ایک دوسرے سے الفت رکھنے والے تھے ۔ حضرت علقمہؒ نے پوچھا، ام المومنینؓ یہ تو فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح رویا کرتے تھے؟ فرمایا آپ کی آنکھیں کسی پر آنسو نہیں بہاتی تھیں، ہاں غم و رنج کے موقعہ پر آپ داڑھی مبارک اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے ۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تمہاری مراد زندگانی دنیا اور زینت دنیا ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں ○ اور اگر تمہاری مراد اللہ اور رسول اللہ اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں ○

امہات المومنین سے پرسش! دین یا دنیا؟ ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک کی قبولیت کا اختیار دیں۔ اگر تم دنیا پر اور اس کی رونق پر مائل ہوئی ہو تو آؤ میں تمہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیتا ہوں اور اگر تم تنگی ترشی پر یہاں صبر کر کے اللہ کی خوشی، رسولؐ کی رضامندی چاہتی ہو اور آخرت کی رونق پسند ہے تو صبر و سہار سے میرے ساتھ زندگی گزارو۔ اللہ تمہیں وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ اللہ آپ کی تمام بیویوں سے جو ہماری مائیں ہیں، خوش رہے۔ سب نے اللہ کو اس کے رسولؐ کو اور دار آخرت کو ہی پسند فرمایا جس پر رب راضی ہوا اور پھر آخرت کے ساتھ ہی دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرمائیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبیؐ میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں۔ تم جواب میں جلدی نہ کرنا، اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ جانتے ہی تھے کہ ناممکن ہے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کرنے کا مشورہ دیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ اس میں ماں باپ سے مشورہ کرنے کی کون سی بات ہے۔ مجھے اللہ پسند ہے، اس کے رسولؐ پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے۔ آپ کی اور تمام بیویوں نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ تین دفعہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ دیکھو بغیر اپنے ماں باپ سے مشورہ کئے کوئی فیصلہ نہ کر لینا۔ پھر جب حضورؐ نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے۔ پھر آپ دوسری ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے۔ ان سے پہلے ہی فرما دیتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو یہ جواب دیا ہے۔ وہ کہتی تھیں، یہی جواب ہمارا بھی ہے۔ فرماتی ہیں کہ اس اختیار کے بعد جب ہم نے آپ کو اختیار کیا تو یہ اختیار طلاق میں شمار نہیں ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اندر تشریف فرما تھے، اجازت ملی نہیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے۔ اجازت چاہی لیکن انہیں بھی اجازت نہ ملی۔ تھوڑی دیر میں دونوں کو یاد فرمایا گیا۔ گئے دیکھا کہ آپ کی ازواج مطہرات آپ کے پاس بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، دیکھو میں اللہ کے پیغمبر کو ہنسا دیتا ہوں۔

پھر کہنے لگے یا رسول اللہؐ کاش کہ آپ دیکھتے میری بیوی نے آج مجھ سے روپیہ پیسہ مانگا، میرے پاس تھا نہیں، جب زیادہ ضد کرنے لگیں تو میں نے اٹھ کر گردن ناپی۔ یہ سنتے ہی حضورؐ ہنس پڑے اور فرمانے لگے یہاں بھی یہی قصہ ہے، دیکھو یہ سب بیٹھی ہوئی مجھ سے مال طلب کر رہی ہیں؟ ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ کی طرف لپکے اور عمرؓ حضرت حفصہؓ کی طرف اور فرمانے لگے، افسوس تم رسول اللہؐ سے وہ مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں۔ وہ تو کہئے خیر گزری جو رسول اللہؐ نے انہیں روک لیا ورنہ عجب نہیں دونوں بزرگ اپنی اپنی صاحبزادیوں کو مارتے۔ اب تو

سب بیویاں کہنے لگیں کہ اچھا قصور ہوا' اب سے ہم حضورؐ کو ہرگز اس طرح تنگ نہ کریں گی۔ اب یہ آیتیں اتریں اور دنیا اور آخرت کی پسندیدگی میں اختیار دیا گیا۔ سب سے پہلے آپ حضرت صدیقہؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے آخرت کو پسند کیا جیسے کہ تفصیل وار بیان گزر چکا۔ ساتھ ہی درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ آپ اپنی کسی بیوی سے یہ نہ فرمایئے گا کہ میں نے آپؐ کو اختیار کیا۔

آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے چھپانے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں سکھانے والا آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھ سے تو جو دریافت کرے گی' میں صاف صاف بتا دوں گا۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا تھا بلکہ دنیا یا آخرت کی ترجیح کا اختیار دیا تھا لیکن اس کی سند میں بھی انقطاع ہے اور یہ آیت کے ظاہری لفظوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آیت کے آخر میں صاف موجود ہے کہ آؤ میں تمہارے حقوق ادا کر دوں اور تمہیں رہائی دے دوں۔ اس میں علماء کرامؒ کا گو اختلاف ہے کہ اگر آپ طلاق دے دیں تو پھر کسی کو ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے تا کہ اس طلاق سے وہ نتیجہ ملے یعنی دنیا طلبی اور دنیا کی زینت و رونق۔ وہ انہیں حاصل ہو سکے۔ واللہ اعلم۔ جب یہ آیت اتری اور جب اس کا حکم حضورؐ نے ازواج مطہرات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو سنایا' اس وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔ پانچ تو قریش سے تعلق رکھتی تھیں عائشہ' حفصہ' سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور صفیہ بنت حی قبیلہ نضر سے تھیں' میمونہ بنت حارث ہلالیہ تھیں' زینب بنت جحش اسدیہ تھیں اور جویریہ بنت حارث جو مصطلقیہ تھیں۔ رضی اللہ عنہن وارضاہن اجمعین۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کوئی کھلی بداخلاقی کرے گی' اسے دوہرا دوہرا عذاب کیا جائے گا۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل سی بات ہے ○

امہات المومنین سب سے معزز قرار دے دی گئیں: ☆☆ (آیت: ۳۰) حضورؐ کی بیویوں نے یعنی مومنوں کی ماؤں نے جب اللہ کو' اس کے رسولؐ کو اور آخرت کے پہلے گھر کو پسند کر لیا اور حضور ﷺ کے گھر میں وہ ہمیشہ کے لئے مقرر ہو چکیں تو اب جناب باری عزاسمہ اس آیت میں انہیں وعظ فرما رہا ہے اور بتلا دیا کہ تمہارا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم نے نبیؐ کی فرمانبرداری سے سرتابی کی اور اگر بالفرض تم سے کوئی بدخلقی سرزد ہوئی تو تمہیں دنیا اور آخرت میں عتاب ہو گا۔ چونکہ تمہارے بڑے رتبے ہیں' تمہیں گناہوں سے بالکل دور رہنا چاہیے۔ ورنہ رتبے کے مطابق مشکل بھی بڑھ جائے گی۔ اللہ پر سب باتیں سہل اور آسان ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے فرمان ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ الخ اے نبیؐ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ نبیوں کا ذکر کر کے فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اگر یہ شرک کریں تو ان کی نیکیاں بیکار ہو جائیں۔ اور آیت میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ اگر رحمان کے اولاد ہو تو میں تو سب سے پہلے عابد ہوں۔ اور آیت میں ارشاد ہو رہا ہے لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ الخ یعنی اگر اللہ کو اولاد منظور ہوتی تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا پسند فرما لیتا۔ وہ پاک ہے۔ وہ یکتا اور ایک ہے۔ وہ غالب اور سب پر حکمران ہے۔ پس ان پانچوں آیتوں میں شرط کے ساتھ بیان ہے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ نہ نبیوں سے شرک ہونا ممکن نہ سردار رسولاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ ممکن۔ نہ اللہ کی اولاد۔ اسی طرح امہات المومنین کی نسبت بھی جو فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی کھلی لغو حرکت کرے تو اسے دگنی سزا ہو گی' اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ واقعی ان میں سے کسی نے کوئی ایسی نافرمانی اور بدخلقی کی ہو۔ نعوذ باللہ۔

تفسیر ابن کثیر

۲۲
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- ارشادات الٰہی کی روشنی میں اسوۂ امہات المومنین ۶۷۰
- اسلام اور ایمان میں فرق اور ذکر الٰہی ۶۷۵
- حضور ﷺ کے پیغام کو رد کرنا گناہ عظیم ہے ۶۷۷
- عظمت زید بن حارثہؓ ۶۷۹
- بہترین دعا ۶۸۴
- تورات میں نبی اکرم ﷺ کی صفات ۶۸۶
- نکاح کی حقیقت ۶۸۷
- حق مہر اور بصورت علیحدگی کے احکامات ۶۸۹
- روایات واحکامات ۶۹۱
- ازواج مطہرات کا عہد وفا ۶۹۲
- احکامات پردہ ۶۹۴
- پردہ کی تفصیلات ۶۹۷
- صلوٰۃ وسلام کی فضیلت ۶۹۸
- ملعون ومعذب لوگ ۷۰۶
- تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر وافضل کون؟ ۷۰۷
- قیامت قریب تر سمجھو ۷۰۸
- موسیٰ علیہ السلام کا مزاج ۷۰۹
- تقویٰ کی ہدایت ۷۱۱
- فرائض، حدود وامانت ہیں ۷۱۱
- اوصاف الٰہی ۷۱۴
- قیامت آ کر رہے گی ۷۱۵
- حضرت داود پر انعامات الٰہی ۷۱۷
- اللہ کی نعمتیں اور سلیمان علیہ السلام ۷۱۹
- حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ۷۲۰
- قوم سبا کا تفصیلی تذکرہ ۷۲۲
- ابلیس اور اس کا عزم ۷۲۷
- وحدہ لاشریک ۷۲۷
- اللہ عزوجل کی صفات ۷۲۹
- تمام اقوام کے لیے نبوت ۷۳۰
- کافروں کی سرکشی ۷۳۲
- نبی اکرم ﷺ کے لیے تسلیاں ۷۳۳
- مشرکین سے سوال ۷۳۶
- کافر عذاب الٰہی کے مستحق کیوں ٹھرے؟ ۷۳۶
- ضد اور ہٹ دھرمی کفار کا شیوہ ۷۳۷
- مشرکین کو دعوت اصلاح ۷۳۸
- عذاب قیامت اور کافر ۷۳۹
- مایوسی کی ممانعت ۷۴۳
- موت کے بعد زندگی ۷۴۵
- قدرت الٰہی ۷۴۸
- اللہ قادر مطلق ۷۴۹
- رب کی قدرتیں ۷۵۱
- کتاب اللہ کی تلاوت کے فضائل ۷۵۳
- عظمت قرآن کریم اور ملت بیضا ۷۵۴
- برے لوگوں کا روح فرسا حال ۷۵۷
- وسیع العلم اللہ تعالیٰ کا فرمان ۷۵۹
- قسمیں کھا کر مکر کرنے والے ظالم ۷۶۱
- عبرت ناک مناظر سے سبق لو ۷۶۲
- صراط مستقیم کی وضاحت ۷۶۳
- شب ہجرت اور کفار کے سر خاک ۷۶۴
- ایک قصہ پارینہ ۷۶۷
- انبیاء ورسل سے کافروں کا رویہ ۷۶۸
- مبلغ حق شہید کر دیا ۷۶۹

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا
مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ
كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ
فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی فرمانبرداری کرے گی، ہم اسے دوہرا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے ○ اے نبی کی بیویو اگر تم پرہیزگاری کرو تو تم مثل معمولی عورتوں کے نہیں ہو، تم نرم لہجے سے بات نہ کیا کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے، وہ کوئی خیال کرنے لگے- ہاں قاعدے کے مطابق کلام کیا کرو ○

(آیت:۳۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل وفضل کا بیان فرما رہا ہے اور حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تمہاری اطاعت گزاری اور نیک کاری پر تمہیں دگنا اجر ہے- اور تمہارے لئے جنت میں باعزت روزی ہے- کیونکہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ آپ کی منزل میں ہوں گی- اور حضور ؐ کی منزل اعلیٰ علیین میں ہے جو تمام لوگوں سے بالاتر ہے- اسی کا نام وسیلہ ہے- یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور سب سے اونچی منزل ہے جس کی چھت عرش الٰہی ہے-

ارشادات الٰہی کی روشنی میں اسوۂ امہات المومنین: ☆☆ (آیت:۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی بیویوں کو آداب سکھاتا ہے اور چونکہ تمام عورتیں انہی کے ماتحت ہیں، اس لئے یہ احکام سب مسلمان عورتوں کے لئے ہیں- پس فرمایا کہ تم میں سے جو پرہیزگاری کریں، وہ بہت بڑی فضیلت اور مرتبے والی ہیں- مردوں سے جب تمہیں کوئی بات کرنی پڑے تو آواز بنا کر بات نہ کرو کہ جن کے دلوں میں روگ ہے، انہیں طمع پیدا ہو- بلکہ بات اچھی اور مطابق دستور کرو- پس عورتوں کو غیر مردوں سے نزاکت کے ساتھ خوش آوازی سے باتیں کرنی منع ہیں- گھل مل کر وہ صرف اپنے خاوندوں سے ہی کلام کر سکتی ہیں- پھر فرمایا، بغیر کسی ضروری کام کے گھر سے باہر نہ نکلو- مسجد میں نماز کے لئے آنا بھی شرعی ضرورت ہے جیسے کہ حدیث میں ہے اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو- لیکن انہیں چاہیے کہ سادگی سے جس طرح گھروں میں رہتی ہیں اسی طرح آئیں- ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں- بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے- اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں- آپ ؐ نے فرمایا، تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے، وہ جہاد کی فضیلت پا لے گی-

ترمذی وغیرہ میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے- یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے- یہ سب سے زیادہ اللہ سے قریب اس وقت ہوتی ہے جبکہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو- ابوداؤد وغیرہ میں ہے، عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھڑی کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے- جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں- اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے- ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے- دوپٹہ گلے میں ڈال لیا لیکن اسے لپیٹا نہیں جس سے گردن اور کانوں کے زیور دوسروں کو نظر آئیں- یہ جاہلیت کا بناؤ سنگھار تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے-

ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضرت نوح ؑ اور حضرت ادریس ؑ کی دو نسلیں آباد تھیں- ایک تو پہاڑ پر، دوسرے نرم زمین پر- پہاڑیوں

کے مرد خوش شکل تھے' عورتیں سیاہ فام تھیں اور زمین والوں کی عورتیں خوبصورت تھیں اور مردوں کے رنگ سانولے تھے۔ ابلیس انسانی صورت اختیار کر کے انہیں بہکانے کے لئے نرم زمین والوں کے پاس آیا اور ایک شخص کا غلام بن کر رہنے لگا۔ پھر اس نے بانسری کی وضع کی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا۔ اس کی آواز پر لوگ لٹو ہو گئے اور پھر بھیڑ لگنے لگی۔ اور ایک دن میلے کا مقرر ہو گیا جس میں ہزار ہا مرد و عورت جمع ہونے لگے۔ اتفاقاً ایک دن ایک پہاڑی آدمی بھی آ گیا اور ان کی عورتوں کو دیکھ کر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں میں اس کے حسن کا چرچا کرنے لگا۔ اب وہ لوگ بکثرت آنے لگے اور آہستہ آہستہ ان عورتوں مردوں میں اختلاط بڑھ گیا اور بدکاری اور زناکاری کا عام رواج ہو گیا۔ یہی جاہلیت کا بناؤ ہے جس سے یہ آیت روک رہی ہے۔ ان کاموں سے روکنے کے بعد اب کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ اس کی پابندی کرو اور بہت اچھی طرح سے اسے ادا کرتی رہو۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى
وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ
اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۳۳
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۳۴ ع٤ ٧

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کیا کرو' نماز ادا کرتی رہو' زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت گذاری کرو' اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو تم سے وہ ہر قسم کی لغویات کو دور کر دے اور تمہیں خوب صاف کر دے ○ تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو حدیثیں پڑھی جاتی ہیں یاد رکھو' یقیناً اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا خبردار ہے ○

اسی طرح مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔ یعنی زکوٰۃ نکالتی رہو۔ ان خاص احکام کی بجا آوری کا حکم دے کر پھر عام طور پر اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا' اس اہل بیت سے ہر قسم کے میل کچیل کے دور کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے۔ وہ تمہیں بالکل پاک صاف کر دے گا۔ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت انہی کے بارے میں اتری ہے۔ آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں وہ بھی اور اس کے سوا بھی۔ اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں ہی کے بارے میں خاصتاً نازل ہوئی ہے۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں حضرت عکرمہؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے۔ یہ آیت حضورؐ کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس قول سے اگر یہ مطلب ہے کہ شان نزول یہی ہے اور نہیں' تو یہ تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اہل بیت میں اور کوئی ان کے سوا داخل ہی نہیں تو اس میں نظر ہے۔ اس لئے کہ احادیث سے اہل بیت میں ازواج مطہرات کے سوا اوروں کا داخل ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لئے جب نکلتے تو حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر پہنچ کر فرماتے' اے اہل بیت نماز کا وقت آ گیا ہے۔ پھر اسی آیت تطہیر کی تلاوت کرتے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ ابن جریر کی

ایک اسی حدیث میں سات مہینے کا بیان ہے۔ اس میں ایک راوی ابوداؤد اعمی نفیع بن حارث کذاب ہے۔ یہ روایت ٹھیک نہیں۔

مسند میں ہے' شداد بن عمار کہتے ہیں' میں ایک دن حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت علیؓ کا ذکر ہو رہا تھا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ میں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ جب وہ لوگ گئے تو مجھ سے حضرت واثلہؓ نے فرمایا' تو نے بھی حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے؟ میں نے کہا' ہاں میں نے بھی سب کی زبان میں زبان ملائی۔ تو فرمایا' سن میں نے جو دیکھا ہے' تجھے سناتا ہوں۔ میں ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ آپ حضورؐ کی مجلس میں گئے ہوئے ہیں۔ میں ان کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی ہیں۔ دونوں بچے آپ کی انگلی تھامے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو تو اپنے سامنے بٹھا لیا اور دونوں نواسوں کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا اور ایک کپڑے سے ڈھک لیا۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا' اے اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت اور میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔

دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں' میں نے یہ دیکھ کر کہا' یا رسول اللہؐ میں بھی آپ کی اہل بیت میں سے ہوں' آپؐ نے فرمایا' تو بھی میرے اہل میں سے ہے۔ حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں' حضور ﷺ کا یہ فرمان میرے لئے بہت ہی بڑی امید کا ہے۔ اور روایت میں ہے' حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں' میں حضورؐ کے پاس تھا جو حضرت علیؓ' حضرت فاطمہؓ' حضرت حسنؓ' حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین آئے۔ آپ نے اپنی چادر ان پر ڈال کر فرمایا' اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ یا اللہ ان سے ناپاکی کو دور فرما اور انہیں پاک کر دے۔ میں نے کہا میں بھی؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں تو بھی۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ میرا مضبوط عمل یہی ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' حضورؐ میرے گھر میں تھے جو حضرت فاطمہؓ خریرے کی ایک پتیلی بھری ہوئی لائیں۔ آپؐ نے فرمایا' اپنے میاں کو اور اپنے دونوں بچوں کو بھی بلا لو۔ چنانچہ وہ بھی آ گئے اور کھانا شروع ہوا۔ آپؐ اپنے بستر پر تھے۔ خیبر کی ایک چادر آپؐ کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ میں حجرے میں نماز ادا کر رہی تھی جو یہ آیت اتری۔ پس حضورؐ نے چادر انہیں اڑھا دی اور چادر میں سے ایک ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف اٹھا کر یہ دعا کی کہ الٰہی یہ میرے اہل بیت اور حمایتی ہیں۔ تو ان سے ناپاکی دور کر اور انہیں طاہر کر۔ میں نے اپنا سر گھر میں سے نکال کر کہا' یا رسول اللہؐ میں بھی آپ سب کے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' یقیناً تو بہتری کی طرف ہے فی الواقع تو خیر کی طرف ہے۔

اس روایت کے راویوں میں عطا کے استاد کا نام نہیں جو معلوم ہو سکے کہ وہ کیسے راوی ہیں۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔ دوسری سند سے انہی حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کا ذکر آیا تو آپؐ نے فرمایا' آیت تطہیر تو میرے گھر میں اتری ہے۔ آپؐ میرے ہاں آئے اور فرمایا کسی اور کو آنے کی اجازت نہ دینا۔ تھوڑی دیر میں حضرت فاطمہؓ آئیں۔ اب بھلا میں بیٹی کو باپ سے کیسے روکتی؟ پھر حضرت حسنؓ آئے' نواسے کو نانا سے کون روکے؟ پھر حضرت حسینؓ آئے۔ میں نے انہیں بھی نہ روکا۔ پھر حضرت علیؓ آئے' میں انہیں بھی نہ روک سکی۔ جب یہ سب جمع ہو گئے تو جو چادر حضرتؐ اوڑھے ہوئے تھے' اسی میں اب سب کو لے لیا' اور کہا الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں' ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک کر دے۔ پس یہ آیت اس وقت اتری جبکہ یہ چادر میں جمع ہو چکے تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہؐ میں بھی؟ لیکن اللہ جانتا ہے آپؐ اس پر خوش نہ ہوئے اور فرمایا' تو خیر کی طرف ہے۔ مسند کی اور روایت میں ہے کہ میرے گھر میں حضرتؐ تھے جو خادم نے آ کر خبر کی کہ فاطمہؓ اور علیؓ آ گئے ہیں تو آپ نے مجھ سے فرمایا' ایک طرف ہو جاؤ۔ میرے اہل بیت آ گئے ہیں۔ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئی جو دونوں ننھے بچے اور یہ دونوں صاحب تشریف لائے۔ آپ نے دونوں بچوں کو گودی میں لے لیا۔ پیار کیا اور ایک ہاتھ

حضرت علیؓ کی گردن میں دوسرا حضرت فاطمہؓ کی گردن میں ڈال کر ان دونوں کو بھی پیار کیا اور ایک سیاہ چادر سب پر ڈال کر فرمایا، یا اللہ تیری طرف نہ کہ آگ کی طرف میں اور میری اہل بیت۔ میں نے کہا، میں بھی؟ فرمایا، ہاں تو بھی۔

اور روایت میں ہے کہ میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی اور میں نے کہا، یا رسول اللہؐ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپؐ نے فرمایا، تو بھلائی کی طرف ہے اور نبیؐ کی بیویوں میں سے ہے۔ اور روایت میں ہے، میں نے کہا، مجھے بھی ان کے ساتھ شامل کر لیجئے تو فرمایا، تو میری اہل ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ایک دن صبح ہی صبح نکلے اور ان چاروں کو اپنی چادر تلے لے کر یہ آیت پڑھی (مسلم وغیرہ) حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ کسی نے حضرت علیؓ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے۔ ان کے گھر میں آپ کی صاحبزادی تھیں جو سب سے زیادہ آپ کی محبوب تھیں۔ پھر چادر کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا، میں نے قریب جا کر کہا، یا رسول اللہؐ میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں، آپؐ نے فرمایا، دور رہو۔ تم یقیناً خیر پر ہو (ابن ابی حاتم) حضرت سعیدؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میرے اور ان چاروں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ اور سند سے یہ ابوسعیدؓ کا اپنا قول ہونا مروی ہے، واللہ اعلم۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، جب حضورؐ پر وحی اتری تو آپؐ نے ان چاروں کو اپنے کپڑے تلے لے کر فرمایا، یا رب یہ میرے اہل ہیں اور میرے اہل بیت ہیں (ابن جریر)

صحیح مسلم شریف میں ہے، حضرت یزید بن حبانؒ فرماتے ہیں، میں اور حصین بن سیرہ اور عمر بن مسلمہ مل کر حضرت زید بن ارقمؓ کے پاس گئے۔ حصین کہنے لگے، اے زیدؓ آپ کو تو بہت سی بھلائیاں مل گئیں۔ آپؓ نے حضورؐ کی زیارت کی، آپؐ کی حدیثیں سنیں، آپؐ کے ساتھ جہاد کئے، آپ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ غرض آپ نے بہت خیر و برکت پالی۔ اچھا ہمیں کوئی حدیث تو سناؤ۔ آپ نے فرمایا۔ بھتیجے اب میری عمر بڑی ہو گئی۔ حضورؐ کا زمانہ دور کا ہو گیا۔ بعض باتیں ذہن سے جاتی رہیں۔ اب تو ایسا کرو، جو باتیں میں از خود بیان کروں، انہیں تو قبول کر لو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو۔ سنو مکے اور مدینے کے درمیان کی ایک پانی کی جگہ پر جسے خم کہا جاتا ہے، حضورؐ نے کھڑے ہو کر ہمیں ایک خطبہ سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور وعظ و پند کے بعد فرمایا، میں ایک انسان ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کی مان لوں، میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ پہلی تو کتاب اللہ جس پر ہدایت و نور ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ پھر تو آپؐ نے کتاب اللہ کی بڑی رغبت دلائی اور اس کی طرف ہمیں خوب متوجہ فرمایا۔ پھر فرمایا، اور میری اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی کلمہ فرمایا۔ تو حصینؒ نے حضرت زید سے پوچھا، آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت نہیں ہیں؟ فرمایا آپ کی بیویاں تو آپ کی اہل بیت ہیں ہی۔ لیکن آپ کی اہل بیت وہ ہیں جن پر آپؐ کے بعد صدقہ کھانا حرام ہے، پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس رضی اللہ عنہم۔ پوچھا کیا ان سب پر آپؐ کے بعد صدقہ حرام ہے؟ کہا ہاں! دوسری سند سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے پوچھا، کیا آپ کی بیویاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں؟ کہا نہیں قسم ہے اللہ کی، بیوی کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنے خاوند کے پاس گو عرصہ دراز سے ہو لیکن پھر اگر وہ طلاق دے دے تو اپنے میکے میں اور اپنی قوم میں چلی جاتی ہے۔ آپ کے اہل بیت آپ کی اصل اور عصبہ ہیں جن پر آپؐ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

اس روایت میں یہی ہے لیکن پہلی روایت ہی اولیٰ ہے اور اسی کو لینا ٹھیک ہے اور اس دوسری میں جو ہے، اس سے مراد صرف حدیث میں جن اہل بیت کا ذکر ہے وہ ہے، کیونکہ وہاں وہ آل مراد ہے جن پر صدقہ خوری حرام ہے یا یہ کہ مراد صرف بیویاں ہی نہیں بلکہ وہ مع آپ کی اور آل کے ہیں۔ یہی بات زیادہ راجح ہے اور اس سے اس روایت اور اس سے پہلے کی روایت میں جمع بھی ہو جاتی ہے۔ اور قرآن اور پہلی

احادیث میں جمع بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں کہ ان احادیث کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے۔ کیونکہ ان کی بعض اسنادوں میں نظر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ جس شخص کو نور معرفت حاصل ہوا اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو، وہ یقیناً بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضورؐ کی بیویاں بلا شک وشبہ داخل ہیں اس لئے کہ اوپر سے کلام ہی ان کے ساتھ اور انہی کے بارے میں چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ہی فرمایا کہ اللہ کی آیتیں اور رسولؐ کی باتیں جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے انہیں یاد رکھو اور ان پر عمل کرو۔

پس اللہ کی آیات اور حکمت سے مراد بقول حضرت قتادہؒ وغیرہ کتاب وسنت ہے۔ پس یہ خاص خصوصیت ہے جو ان کے سوا کسی اور کو نہیں ملی کہ ان کے گھروں میں اللہ کی وحی اور رحمت الٰہی نازل ہوا کرتی ہے اور ان میں بھی یہ شرف حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بطور اولیٰ اور سب سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ حدیث شریف میں صاف وارد ہے کہ کسی عورت کے بسترے پر حضورؐ کی طرف وحی نہیں آتی بجز آپؓ کے بسترے کے۔ یہ اس لئے بھی کہ حضور ﷺ نے آپؓ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔ ان کا بستر بجز رسول اللہؐ کے اور کسی کے لئے نہ تھا۔ پس اس زیادتی درجہ اور بلندی مرتبہ کی وہ صحیح طور پر مستحق تھیں۔ ہاں جبکہ آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت ہوئیں تو آپ کے قریبی رشتے دار بطور اولیٰ آپ کی اہل بیت ہیں۔ جیسے حدیث میں گزر چکا کہ میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔ اس کی مثال میں یہ آیت ٹھیک طور پر پیش ہو سکتی ہے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ الخ کہ یہ اتری تو ہے مسجد قبا کے بارے میں جیسے کہ صاف صاف احادیث میں موجود ہے۔ لیکن صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضورؐ سے سوال ہوا کہ اس مسجد سے کون سی مسجد مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا، وہ میری ہی مسجد ہے یعنی مسجد نبویؐ۔ پس جو صفت مسجد قبا میں تھی، وہی صفت چونکہ مسجد نبویؐ میں بھی ہے، اس لئے اس مسجد کو بھی اسی نام سے اس آیت کے تحت داخل کر دیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر بھونک دیا جو آپؓ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے۔ جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا، اے عراقیو! ہمارے بارے میں اللہ کا خوف کیا کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ الخ، اتری ہے۔ اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شامی سے فرمایا تھا، کیا تو نے سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا، ہاں، کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا، ہاں! اللہ تعالیٰ بڑے لطف و کرم والا، بڑے علم اور پوری خبر والا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم اس کے لطف کے اہل ہو۔ اس لئے اس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائیں اور یہ فضیلتیں تمہیں دیں۔

پس آیت کے معنی مطابق تفسیر ابن جریر یہ ہوئے کہ اے نبی کی بیویو! اللہ کی جو نعمت تم پر ہے، اسے تم یاد کرو کہ اس نے تمہیں ان گھروں میں کیا جہاں اللہ کی آیات اور حکمت پڑھی جاتی ہیں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر کرنا چاہیے اور اس کی حمد پڑھنی چاہیے کہ تم پر اللہ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے تمہیں ان گھروں میں آباد کیا۔ حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے۔ اللہ انجام تک سے خبردار ہے۔ اس نے اپنے پورے اور صحیح علم سے جانچ کر تمہیں اپنے نبی ﷺ کی بیویاں بننے کے لئے منتخب کر لیا۔ پس دراصل یہ بھی اللہ کا تم پر احسان ہے جو لطیف و خبیر ہے ہر چیز کے جز و کل سے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ
وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں' فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں' راست باز مرد اور راست باز عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں' روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں' اپنے نفس کی نگہبانی کرنے والے مرد اور نگہبانی کرنے والیاں' بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر اللہ کرنے والیاں' ان سب کے لئے اللہ نے وسیع مغفرت اور بہت بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے ○

اسلام اور ایمان میں فرق اور ذکر الٰہی : ☆☆ (آیت:۳۵) ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کا ذکر تو قرآن میں آتا رہتا ہے لیکن عورتوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی اپنے سر کے بال سلجھا رہی تھی جو میں نے حضورؐ کی آواز منبر پر سنی۔ میں نے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آ کر آپؐ کی باتیں سننے لگی تو آپؐ اس وقت یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ نسائی وغیرہ۔ اور بہت سی روایتیں آپؐ سے مختصراً مروی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ چند عورتوں نے حضورؐ سے یہ کہا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ عورتوں نے ازواج مطہرات سے یہ کہا تھا۔ اسلام و ایمان کو الگ الگ بیان کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان اسلام کا غیر ہے اور ایمانِ اسلام سے مخصوص و ممتاز ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا الخ والی آیت اور بخاری و مسلم کی حدیث کہ زانی زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا' پھر اس پر اجماع کہ زنا سے کفر لازم نہیں آتا۔ یہ اس پر دلیل ہے اور ہم شرح بخاری کی ابتدا میں اسے ثابت کر چکے ہیں۔ (یہ یاد رہے کہ ان میں فرق اس وقت ہے جب اسلام حقیقی نہ ہو جیسے کہ امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کتاب الایمان میں بدلائل کثیرہ ثابت کیا ہے' واللہ اعلم' مترجم)

قنوت سے مراد سکون کے ساتھ کی اطاعت گزاری ہے جیسے اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ الخ میں ہے۔ اور فرمان ہے وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ یعنی آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے۔ اور فرماتا ہے یٰمَرْيَمُ اقْنُتِیْ الخ اور فرماتا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ یعنی اللہ کے سامنے باادب فرماں برداری کی صورت میں کھڑے ہوا کرو۔ پس اسلام کے اوپر کا مرتبہ ایمان ہے اور ان کے اجتماع سے انسان میں فرماں برداری اور اطاعت گزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ باتوں کی سچائی اللہ کو بہت ہی محبوب ہے اور یہ عادت ہر طرح محمود ہے۔ صحابہؓ کبار میں تو وہ بزرگ بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا' سچائی ایمان کی نشانی ہے اور جھوٹ نفاق کی علامت ہے۔ سچا نجات پاتا ہے۔ سچ ہی بولا کرو۔ سچائی نیکی کی طرف رہبری کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف۔ جھوٹ سے بچو' جھوٹ بدکاری کی طرف رہبری کرتا ہے اور فسق و فجور انسان کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان سچ بولتے بولتے اور سچائی کا قصد کرتے کرتے اللہ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ بولتے ہوئے اور جھوٹ کا قصد کرتے ہوئے اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔ اور

بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

صبر ثابت قدمی کا نتیجہ ہے۔ مصیبتوں پر صبر ہوتا ہے۔ اس علم پر کہ تقدیر کا لکھا ٹلتا نہیں۔ سب سے زیادہ سخت صبر صدمے کے ابتدائی وقت پر ہے اور اسی کا اجر زیادہ ہے۔ پھر تو جوں جوں زمانہ گزرتا ہے، خواہ مخواہ ہی صبر آ جاتا ہے۔ خشوع سے مراد تسکین، دلجمعی، تواضع، فروتنی اور عاجزی ہے۔ یہ انسان میں اس وقت آتی ہے جبکہ دل میں اللہ کا خوف اور رب کو ہر وقت حاضر ناظر جانتا ہو اور اس طرح اللہ کی عبادت کرتا ہو جیسے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم اس درجے پر وہ ضرور ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

صدقے سے مراد محتاج ضعیفوں کو جن کی کوئی کمائی نہ ہو، نہ جن کا کوئی کمانے والا ہو، انہیں اپنا فالتو مال دینا اس نیت سے کہ اللہ کی اطاعت ہو اور اس کی مخلوق کا کام بنے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے، سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں ایک وہ بھی ہے جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس طرح پوشیدہ طور پر کہ داہنے ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہیں لگتی۔ اور حدیث میں ہے، صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ روزے کی بابت حدیث میں ہے کہ یہ بدن کی زکوٰۃ ہے یعنی اسے پاک صاف کر دیتا ہے اور طبی طور پر بھی ردی اخلاط کو مٹا دیتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں، رمضان کے روزے رکھ کر جس نے ہر مہینے میں تین روزے رکھ لئے، وہ وَ الصَّآئِمِیۡنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ الخ میں داخل ہو گیا۔ روزہ شہوت کو بھی جھکا دینے والا ہے۔ حدیث میں ہے، اے نوجوانو، تم میں سے جسے طاقت ہو، وہ تو اپنا نکاح کرلے تاکہ اس سے نگاہیں نیچی رہیں اور پاک دامنی حاصل ہو جائے اور جسے اپنے نکاح کی طاقت نہ ہو، وہ روزے رکھے، یہی اس کے لئے گویا خصی ہونا ہے۔ اسی لئے روزوں کے ذکر کے بعد ہی بدکاری سے بچنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایسے مسلمان مرد و عورت حرام سے اور گناہ کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں اپنی اس خاص قوت کو جائز جگہ صرف کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ اپنے بدن کو روکے رہتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے اور لونڈیوں سے ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں اس کے سوا جو اور کچھ طلب کرے، وہ حد سے گزر جانے والا ہے۔

ذکر اللہ کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ جب میاں اپنی بیوی کو رات کے وقت جگا کر دو رکعت نماز دونوں پڑھ لیں تو وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں میں لکھ لئے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو ابوداؤد وغیرہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ سب سے بڑے درجے والا بندہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا، کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا۔ میں نے کہا یا رسول اللہؐ اللہ کی راہ کے مجاہد سے بھی؟ آپؐ نے فرمایا، اگرچہ وہ کافروں پر تلوار چلائے یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والا اس سے افضل ہی رہے گا۔ (مسند احمد) مسند ہی میں ہے کہ حضورؐ مکے کے راستے میں جا رہے تھے جمدان پر پہنچ کر فرمایا، یہ جمدان ہے۔ مفرد بن کر چلو۔ آگے بڑھنے والوں نے پوچھا، مفرد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے پھر فرمایا، اے اللہ حج و عمرے میں اپنا سر منڈوانے والوں پر رحم فرما! لوگوں نے کہا، بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا یا اللہ سر منڈوانے والوں کو بخش۔ لوگوں نے پھر کتروانے والوں کے لئے درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا کتروانے والے بھی۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذابوں سے نجات دینے والا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے بڑا نہیں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا، میں تمہیں سب سے بہتر، سب سے پاک اور سب سے بلند درجے کا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے حق میں سونا چاندی اللہ کی راہ میں لٹانے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی افضل ہو جو تم کل دشمن سے ملو گے اور ان کی گردنیں مارو گے اور وہ تمہاری گردنیں ماریں گے۔ لوگوں نے کہا، حضورؐ ضرور بتلایئے،

فرمایا' اللہ عز و جل کا ذکر۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا مجاہد افضل ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا' سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والا۔ اس نے پھر روزے دار کی نسبت پوچھا' یہی جواب ملا' پھر نماز' زکوٰۃ' حج' صدقہ سب کی بابت پوچھا اور حضور ؐ نے سب کا یہی جواب دیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا' پھر اللہ کا ذکر کرنے والے تو بہت ہی بڑھ گئے۔ حضور ؐ نے فرمایا' ہاں۔ کثرت ذکر اللہ کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اسی سورت کی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ الخ کی تفسیر میں ہم ان احادیث کو بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمایا یہ نیک صفتیں جن میں ہوں' ہم نے ان کے لئے مغفرت تیار کر رکھی ہے اور اجر عظیم یعنی جنت۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا
اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝٣٦

کسی مسلمان مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا' یاد رکھو اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے' وہ صریح گمراہی میں پڑے گا ○

حضور ﷺ کے پیغام کو رد کرنا گناہ عظیم ہے: ☆☆ (آیت:٣٦) رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کا پیغام لے کر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا" میں اس سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپ ؐ نے فرمایا! ایسا نہ کہو اور ان سے نکاح کر لو۔ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ اچھا پھر کچھ مہلت دیجئے۔ میں سوچ لوں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اتری۔ اسے سن کر حضرت زینبؓ نے فرمایا' یارسول اللہ! کیا آپ اس نکاح سے رضامند ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا' ہاں۔ تو حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ بس پھر مجھے کوئی انکار نہیں' میں اللہ کے رسول ؐ کی نافرمانی نہیں کروں گی۔ میں نے اپنا نفس ان کے نکاح میں دے دیا۔ اور روایت میں ہے کہ وجہ انکار یہ تھی کہ نسب کے اعتبار سے یہ بہ نسبت حضرت زیدؓ کے زیادہ شریف تھیں۔ حضرت زیدؓ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عقبہ بن ابو معیط کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد سب سے پہلی مہاجر عورت یہی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور ؐ میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرتی ہوں۔ آپ ؐ نے فرمایا' مجھے قبول ہے۔ پھر حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرا دیا۔ غالباً یہ نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہ کی علیحدگی کے بعد ہوا ہوگا۔ اس سے حضرت ام کلثوم ناراض ہوئیں اور ان کے بھائی بھی بگڑ بیٹھے کہ ہمارا اپنا ارادہ خود حضور ؐ سے نکاح کا تھا نہ کہ آپ کے غلام سے نکاح کرنے کا' اس پر یہ آیت اتری بلکہ اس سے بھی زیادہ معاملہ صاف کر دیا گیا۔ اور فرما دیا گیا کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی ؐ مومنوں کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ ہیں۔ پس آیت مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ خاص ہے اور اس سے بھی جامع آیت یہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبیبؓ سے کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے۔ میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کر لوں۔ جا کر ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا' یہ نہیں ہو سکتا' ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے آدمیوں کے پیغام کو رد کر دیا اور اب جلیبیب سے نکاح کر دیں۔ انصاریؓ اپنی بیوی کا یہ جواب سن کر حضور ؐ کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی' بول پڑی کہ تم رسول اللہ ﷺ کی

بات رد کرتے ہو؟ جب حضورؐ اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بیچ میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضورؐ کے پیغام اور خواہش کو رد کرنا ہے' یہ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ انصاری رضی اللہ عنہ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں' میں تو اس سے رضامند ہوں۔ کہا پھر آپؐ کو اختیار ہے۔ آپ نکاح کر دیجئے' چنانچہ نکاح ہو گیا۔ ایک مرتبہ اہل اسلام مدینہ والے دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے' لڑائی ہوئی جس میں حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے بھی بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود دیکھا' ان کا گھر بڑا آسودہ حال تھا۔ تمام مدینے میں ان سے زیادہ خرچیلا کوئی نہ تھا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابو بردہ اسلمیؓ کا بیان ہے کہ حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ کی طبیعت خوش مذاق تھی اس لئے میں نے اپنے گھر میں کہہ دیا تھا کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں۔ انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم کر لیں کہ حضورؐ ان کی بابت کچھ نہیں فرماتے۔ پھر وہ واقعہ بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیبیبؓ نے سات کافروں کو اس غزوے میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے یک مشت ہو کر آپ کو شہید کر دیا۔ حضورؐ ان کی تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے پاس آئے تو فرمایا' سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں۔ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا' پھر قبر کھدوا کر اپنے ہاتھوں پر انہیں اٹھا کر قبر میں اتارا۔ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا اور کوئی چارپائی وغیرہ نہ تھی۔ یہ بھی مذکور نہیں کہ انہیں غسل دیا گیا ہو۔ اس نیک بخت انصاریہ عورتؓ کے لئے جنہوں نے حضور ﷺ کی بات کی عزت رکھ کر اپنے ماں باپ کو سمجھایا تھا کہ انکار نہ کرو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دعا کی تھی کہ اللہ اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اسے زندگی کے پورے لطف عطا فرما۔ تمام انصار میں ان سے زیادہ خرچ کرنے والی کوئی عورت نہ تھی۔ انہوں نے جب پردے کے پیچھے سے اپنے والدین سے کہا تھا کہ حضورؐ کی بات رد نہ کرو' اس وقت یہ آیت مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ الخ نازل ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے حضرت طاؤسؒ نے پوچھا کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھ سکتے ہیں؟ آپ نے منع فرمایا اور اسی آیت کی تلاوت کی۔ پس یہ آیت گو شان نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے ہوتے ہوئے نہ تو کوئی مخالفت کر سکتا ہے نہ اسے ماننے نہ ماننے کا اختیار کسی کو باقی رہتا ہے۔ نہ رائے اور قیاس کرنے کا حق' نہ کسی اور بات کا۔ جیسے فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ یعنی قسم ہے تیرے رب کی لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپس کے تمام اختلافات میں تجھے حاکم نہ مان لیں۔ پھر تیرے فرمان سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی نہ رکھیں بلکہ کھلے دل سے تسلیم کر لیں۔ صحیح حدیث میں ہے' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو گا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کی تابعدار نہ بن جائے جسے میں لایا ہوں۔ اسی لئے یہاں بھی اس کی نافرمانی کی برائی بیان فرما دی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرنے والا کھلم کھلا گمراہ ہے۔ جیسے فرمان ہے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ یعنی جو لوگ ارشاد نبی کا خلاف کرتے ہیں' انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو ان پر کوئی فتنہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب ہو۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ
زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ
مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ
اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷

جبکہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو آباد رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار تھا کہ اس سے ڈرے، پس جبکہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی، ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دی تا کہ مسلمانوں پر اپنے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جبکہ وہ اپنا جی ان سے بھر لیں، اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا ○

عظمت زید بن حارثہؓ: ☆☆ (آیت: ۳۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کے نبی ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سمجھایا۔ ان پر اللہ کا انعام تھا کہ اسلام اور متابعت رسولؐ کی توفیق دی اور حضورؐ کا بھی ان پر احسان تھا کہ انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ یہ بڑی شان والے تھے اور حضور ﷺ کو بہت ہی پیارے تھے یہاں تک کہ انہیں سب مسلمان حب الرسول کہتے تھے۔ ان کے صاحبزادے اسامہؓ کو بھی حب بن حب کہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ جس لشکر میں انہیں حضورؐ بھیجتے تھے، اس لشکر کا سردار انہی کو بناتے تھے۔ اگر یہ زندہ رہتے تو رسول اللہؐ کے خلیفہ بن جاتے (احمد) بزار میں ہے، حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں، میں مسجد میں تھا۔ میرے پاس حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آئے اور مجھ سے کہا، جاؤ حضورؐ سے ہمارے لئے اجازت طلب کرو۔ میں نے آپ کو خبر کی۔ آپؐ نے فرمایا، جانتے ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ میں نے کہا نہیں! آپؐ نے فرمایا لیکن میں جانتا ہوں، جاؤ بلا لو۔ یہ آئے اور کہا یا رسول اللہؐ ذرا بتایئے تو آپ کو اپنی اہل میں سے سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا، میری بیٹی فاطمہ۔ انہوں نے کہا، ہم حضرت فاطمہؓ کے بارے میں نہیں پوچھتے۔ آپؐ نے فرمایا، پھر اسامہ بن زید بن حارثہ جن پر اللہ نے انعام کیا اور میں نے بھی۔ حضور ﷺ نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی زینب بنت جحشؓ اسدیہ سے کرا دیا تھا۔ دس دینار اور سات درہم مہر دیا تھا، ایک دوپٹہ، ایک چادر، ایک کرتا، پچاس مد اناج اور دس مد کھجوریں دی تھیں۔ ایک سال یا کچھ اوپر تک تو یہ گھر بسا لیکن پھر ناچاقی شروع ہو گئی۔ حضرت زیدؓ نے حضور ﷺ کے پاس آ کر شکایت شروع کی تو آپ انہیں سمجھانے لگے کہ گھر نہ توڑو۔ اللہ سے ڈرو۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس جگہ بہت سے غیر صحیح آثار نقل کئے ہیں جن کا نقل کرنا بھی ہم نامناسب جان کر ترک کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک بھی ثابت اور صحیح نہیں۔ مسند احمد میں بھی ایک روایت حضرت انسؓ سے ہے لیکن اس میں بھی بڑی غرابت ہے اس لئے ہم نے اسے بھی وارد نہیں کیا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں اتری ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اپنے نبی ﷺ کو خبر دے دی تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ یہی بات تھی جسے آپؐ نے ظاہر نہ فرمایا اور حضرت زیدؓ کو سمجھایا کہ وہ اپنی بیوی کو الگ نہ کریں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، حضورؐ اگر اللہ کی وحی کتاب اللہ میں سے ایک آیت بھی چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے۔

وطر کے معنی حاجت کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب زید ان سے سیر ہو گئے اور باوجود سمجھانے بجھانے کے بھی میل ملاپ قائم نہ رہ سکا بلکہ طلاق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کو اپنے نبی کے نکاح میں دے دیا۔ اس لئے ولی کے ایجاب وقبول سے مہر اور گواہوں کی ضرورت نہ رہی۔ مسند احمد میں ہے، حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہا، تم جاؤ اور انہیں مجھ سے نکاح کرنے کا پیغام پہنچاؤ۔ حضرت زیدؓ گئے۔ اس وقت آپ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زیدؓ پر ان کی عظمت اس قدر چھائی کہ سامنے پڑ کر بات نہ کر سکے۔ منہ پھیر کر بیٹھ گئے اور ذکر کیا۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا، ٹھہرو! میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لوں۔ یہ تو کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے ان کا نکاح تجھ سے کر دیا۔ چنانچہ اسی وقت حضور ﷺ بے اطلاع چلے آئے۔ پھر ولیمے کی دعوت میں آپؐ نے ہم سب کو گوشت روٹی کھلائی۔ لوگ کھا پی کر چلے گئے مگر چند آدمی وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آپؐ باہر نکل کر اپنی بیویوں کے حجرے کے پاس گئے۔ آپؐ انہیں سلام علیک کرتے تھے اور وہ آپؐ سے دریافت کرتی تھیں کہ فرمایئے بیوی صاحبہؓ سے خوش تو ہیں؟ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے حضورؐ کو خبر دی یا آپ خبر دیئے گئے کہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ اس کے بعد آپؐ اس گھر کی طرف تشریف لے گئے۔ میں بھی آپؐ کے ہمراہ تھا۔ میں نے آپؐ کے ساتھ ہی جانے کا ارادہ کیا لیکن آپؐ نے پردہ گرا دیا اور میرے اور آپ کے درمیان حجاب ہو گیا اور پردے کی آیتیں اتریں اور صحابہؓ کو نصیحت کی گئی اور فرما دیا گیا کہ نبیؐ کے گھروں میں بے اجازت نہ جاؤ۔

مسلم وغیرہ صحیح بخاری شریف میں ہے، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری ازواج مطہرات سے فخراً کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے ولی وارثوں نے کئے اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کرا دیا۔ سورۂ نور کی تفسیر میں ہم یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ حضرت زینبؓ نے کہا، میرا نکاح آسمان سے اترا اور ان کے مقابلے پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میری برأت کی آیتیں آسمان سے اتریں۔ جس کا حضرت زینبؓ نے اقرار کیا۔

ابن جریر میں ہے، حضرت زینبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک مرتبہ کہا، مجھ میں اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیتیں رکھی ہیں جو آپؐ کی اور بیویوں میں نہیں۔ ایک تو یہ کہ میرا اور آپ کا دادا ایک ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے مجھے آپ کے نکاح میں دیا۔ تیسرے یہ کہ ہمارے درمیان سفیر حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ پھر فرماتا ہے، ہم نے ان سے نکاح کرنا تیرے لئے جائز کر دیا تاکہ مسلمانوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں جب انہیں طلاق دے دی جائے، کوئی حرج نہ رہے۔ یعنی وہ اگر چاہیں ان سے نکاح کر سکیں۔ حضورؐ نے نبوت سے پہلے حضرت زید کو اپنا متبنیٰ بنا رکھا تھا۔ عام طور پر انہیں زید بن محمدؐ کہا جاتا تھا۔ قرآن نے اس نسبت سے بھی ممانعت کر دی اور حکم دیا کہ انہیں اپنے حقیقی باپ کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو۔

پھر حضرت زیدؓ نے جب حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو اللہ پاک نے انہیں اپنے نبیؐ کے نکاح میں دے کر یہ بات بھی ہٹا دی۔ جس آیت میں حرام عورتوں کا ذکر کیا ہے، وہاں بھی یہی فرمایا کہ تمہارے اپنے صلبی لڑکوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ تاکہ لے پالک لڑکوں کی لڑکیاں اس حکم سے خارج رہیں۔ کیونکہ ایسے لڑکے عرب میں بہت تھے۔ یہ امر اللہ کے نزدیک مقرر ہو چکا تھا۔ اس کا ہونا حتمی، یقینی اور ضروری تھا اور حضرت زینبؓ کو یہ شرف ملنا پہلے ہی سے لکھا جا چکا تھا کہ وہ ازواج مطہرات امہات المومنین میں داخل ہوں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾

جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے حلال کی ہیں، ان میں نبیؐ پر کوئی حرج نہیں ۔ یہی دستور الٰہی ان میں بھی رہا جو پہلے ہوئے اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کئے ہوئے ہیں ○

لے پالک کی بیوی سے متعلق حکم: ☆☆ (آیت:۳۸) فرماتا ہے کہ جب اللہ کے نزدیک اپنے لے پالک متبنیٰ کی بیوی سے اس کی طلاق کے بعد نکاح کرنا حلال ہے، پھر اس میں نبیؐ پر کیا حرج ہے؟ اگلے نبیوں پر جو جو حکم الٰہی نازل ہوتے تھے، ان پر عمل کرنے میں ان پر کوئی حرج نہ تھا ۔ اس سے منافقوں کے اس قول کا رد کرنا ہے کہ دیکھو اپنے آزاد کردہ غلام اور لے پالک لڑکے کی بیوی سے نکاح کر لیا ۔ اس اللہ کے مقدر کردہ امور ہو کر ہی رہتے ہیں ۔ وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے ۔ جو نہیں چاہتا، نہیں ہوتا ۔

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ ع ۶

جو اللہ کے احکام پہنچاتے رہے اور اس سے خوف کھاتے رہے اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرے، کافی ہے اللہ کفایت کرنے والا ○ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (ﷺ) نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں، اللہ ہر چیز کا بخوبی جاننے والا ہے ○

امی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم: ☆☆ (آیت:۳۹-۴۰) ان کی تعریف ہو رہی ہے جو اللہ کی مخلوق کو اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور امانت الٰہی کی ادائیگی کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہیں کرتے، کسی کی سطوت و شان سے مرعوب ہو کر پیغام الٰہی کے پہنچانے میں خوف نہیں کھاتے ۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد کافی ہے ۔ اس منصب کی ادائیگی میں سب کے پیشوا بلکہ ہر اک امر میں سب کے سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ۔ خیال فرمائیے کہ مشرق و مغرب کے ہر اک بنی آدم کو حضورؐ نے اللہ کے دین کی تبلیغ کی ۔ اور جب تک اللہ کا دین چار دانگ عالم میں پھیل نہ گیا، آپؐ مسلسل مشقت کے ساتھ اللہ کے دین کی اشاعت میں مصروف رہے ۔ آپؐ سے پہلے کے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم ہی کی طرف آتے رہے لیکن حضور ﷺ ساری دنیا کی طرف اللہ کے رسول بن کر آئے تھے ۔ قرآن میں فرمان الٰہی ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں ۔ سلام علیہ ۔ پھر آپؐ کے بعد منصب تبلیغ آپؐ کی امت کو ملا ۔ ان میں سب کے سردار آپؐ کے صحابہ ہیں، رضوان اللہ علیہم ۔ جو کچھ انہوں نے حضورؐ سے سیکھا تھا، سب کچھ بعد والوں کو سکھا دیا ۔ تمام اقوال و افعال، جو احوال دن اور رات کے، سفر و حضر کے، ظاہر و پوشیدہ دنیا کے سامنے رکھ دیئے ۔ اللہ ان پر اپنی رضامندی نازل فرمائے ۔ پھر ان کے بعد والے ان کے وارث ہوئے اور اسی طرح ہر بعد والے اپنے سے پہلے والوں کے وارث بنے اور اللہ کا دین ان سے

پھیلتا رہا۔ اور قرآن وحدیث لوگوں تک پہنچتے رہے۔ ہدایت والے ان کی اقتدا سے منور ہوتے رہے اور توفیق خیر والے ان کے مسلک پر چلتے رہے۔ اللہ کریم سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ان میں سے کر دے۔

مسند احمد میں ہے' تم میں سے کوئی اپنا آپ ذلیل نہ کرے۔ لوگوں نے کہا' حضورؐ یہ کیسے! فرمایا خلاف شرع کام دیکھ کر لوگوں کے خوف کے مارے خاموش ہو رہے' قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ تو کیوں خاموش رہا؟ یہ کہے گا کہ لوگوں کے ڈر سے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' سب سے زیادہ خوف رکھنے کے قابل تو میری ذات تھی پھر اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ کسی کو حضورؐ کا صاحبزادہ کہا جائے۔ لوگ جو زید بن محمد کہتے تھے جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضورؐ زید کے والد نہیں۔ یہی ہوا بھی کہ حضورؐ کی کوئی نرینہ اولاد بلوغت کو پہنچی ہی نہیں۔ قاسم' طیب اور طاہر تین بچے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے' حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ایک بچہ ہوا جس کا نام حضرت ابراہیمؑ تھا لیکن یہ بھی دودھ پلانے کے زمانے میں ہی انتقال کر گئے۔ آپ کی لڑکیاں حضرت خدیجہؓ سے چار تھیں۔ زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے تین تو آپؐ کی زندگی میں ہی رحلت فرما گئیں۔ صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپؐ کے چھ ماہ بعد ہوا۔ پھر فرماتا ہے بلکہ آپ اللہ کے رسولؐ اور خاتم الانبیاءؑ ہیں جیسے فرمایا' اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھتا ہے۔ یہ آیت نص ہے اس امر پر کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب نبی ہی نہیں تو رسول کہاں؟ کوئی نبی' رسول آپ کے بعد نہیں آئے گا۔ رسالت تو نبوت سے بھی خاص چیز ہے۔ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ متواتر احادیث سے بھی حضورؐ کا ختم الانبیاء ہونا ثابت ہے۔ بہت سے صحابہؓ سے یہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ مسند احمد میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں کچھ نہ رکھا' لوگ اسے چاروں طرف سے دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے' کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ پر کر لی جاتی۔ پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔ امام ترمذیؒ بھی اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔

مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' رسالت اور نبوت ختم ہو گئی' میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات گراں گزری تو آپؐ نے فرمایا لیکن خوش خبریاں دینے والے۔ صحابہؓ نے پوچھا خوشخبریاں دینے والے کیا ہیں۔ فرمایا' مسلمانوں کے خواب جو نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہیں۔ یہ حدیث بھی ترمذی شریف میں ہے اور امام ترمذیؒ اسے صحیح غریب کہتے ہیں۔ محل کی مثال والی حدیث ابوداؤد طیالسی میں بھی ہے۔ اس کے آخر میں یہ ہے کہ میں اس اینٹ کی جگہ ہوں' مجھ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ختم کئے گئے۔ اسے بخاری ومسلم اور ترمذی بھی لائے ہیں۔ مسند کی اس حدیث کی ایک سند میں ہے کہ میں آیا اور میں نے اس خالی اینٹ کی جگہ پر کر دی۔ مسند میں ہے' میرے بعد نبوت نہیں مگر خوشخبری والے۔ پوچھا گیا' یا رسول اللہؐ وہ کیا ہیں؟ فرمایا' اچھے خواب یا فرمایا نیک خواب۔ عبدالرزاق وغیرہ میں محل کی اینٹ کی مثال والی حدیث میں ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر محل والے سے کہتے ہیں کہ تو نے اس اینٹ کی جگہ کیوں چھوڑ دی؟ پس میں وہ اینٹ ہوں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' مجھے تمام انبیاء پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں' مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں۔ صرف رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔ میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو بنائی گئی' میں ساری مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میرے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں محل کی مثال والی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ میں آیا اور میں نے اس اینٹ کی جگہ پوری کر دی۔

مسند میں ہے' میں اللہ کے نزدیک نبیوں کا علم کرنے والا تھا اس وقت جبکہ آدمؑ پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور حدیث میں ہے' میرے کئی نام ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں۔ تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری و مسلم) حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں' ایک روز حضورؐ ہمارے پاس آئے گویا کہ آپ رخصت کر رہے ہیں اور تین مرتبہ فرمایا' میں امی نبی ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں فاتح کلمات دیا گیا ہوں جو نہایت جامع اور پورے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جہنم کے داروغے کتنے ہیں اور عرش کے اٹھانے والے کتنے ہیں۔ میرا اپنی امت سے تعارف کرایا گیا ہے۔ جب تک میں تم میں ہوں' میری سنتے رہو اور مانتے چلے جاؤ۔ جب میں رخصت ہو جاؤں تو کتاب اللہ کو مضبوط تھام لو اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔ (مسند امام احمدؒ)

اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت پر اس کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے رحم و کرم سے ایسے عظیم رسول ﷺ کو ہماری طرف بھیجا اور انہیں ختم المرسلین اور خاتم الانبیاء بنایا اور یکسوئی والا' آسان' سچا اور سہل دین آپؐ کے ہاتھوں کمال کو پہنچایا۔ رب العالمین نے اپنی کتاب میں اور رحمتہ للعالمین نے اپنی متواتر احادیث میں یہ خبر دے دی کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ پس جو شخص بھی آپؐ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے' وہ جھوٹا' مفتری' دجال' گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ گو وہ شعبدے دکھائے اور جادوگری کرے اور بڑے کمالات اور عقل کو حیران کر دینے والی چیزیں پیش کرے اور طرح طرح کی بیرنگیاں دکھائے لیکن عقلمند جانتے ہیں کہ یہ سب فریب' دھوکہ اور مکاری ہے۔ یمن کے مدعی نبوت عنسی کو اور یمامہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو دیکھ لو کہ دنیا نے انہیں جیسے یہ تھے سمجھ لیا اور ان کی اصلیت سب پر ظاہر ہوگئی۔ یہی حال ہوگا ہر اس شخص کا جو قیامت تک اس دعوے سے مخلوق کے سامنے آئے گا کہ اس کا جھوٹ اور اس کی گمراہی سب پر کھل جائے گی۔ یہاں تک کہ سب سے آخری دجال مسیح دجال آئے گا۔ اس کی علامتوں سے بھی ہر عالم اور ہر مومن اس کا کذاب ہونا جان لے گا۔ پس یہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے کہ ایسے جھوٹے دعوے داروں کو یہ نصیب ہی نہیں ہوتا کہ وہ نیکی کے احکام دیں اور برائی سے روکیں۔ ہاں جن احکام میں ان کا اپنا کوئی مقصد ہوتا ہے' ان پر بہت زور دیتے ہیں۔ ان کے اقوال' افعال افترا اور فجور والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان باری ہے هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ الخ یعنی کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن کے پاس آتے ہیں؟ ہر ایک بہتان باز گنہگار کے پاس۔ سچے نبیوں کا حال اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہ نہایت نیکی والے' بہت سچے' ہدایت والے' استقامت والے' قول و فعل کے اچھے' نیکیوں کا حکم دینے والے' برائیوں سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اللہ کی طرف سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ معجزوں سے اور خارق عادت چیزوں سے ان کی سچائی اور زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس قدر ظاہر' واضح اور صاف دلیلیں ان کی نبوت پر ہوتی ہیں کہ ہر قلب سلیم ان کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام سچے نبیوں پر قیامت تک درود و سلام نازل فرماتا رہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرتے رہا کرو ○ اور صبح شام اس کی پاکیزگی بیان کرو ○ وہ تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے۔ اس کے فرشتے تمہارے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ وہ تمہیں اندھیریوں سے اجالے کی طرف لے جا رہا ہے' اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بہت ہی مہربان ہے ○ جس دن یہ اللہ سے ملاقات کریں گے' ان کا تحفہ سلام ہوگا' ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ○

بہترین دعا: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۴) بہت سی نعمتوں کے انعام کرنے والے اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ہمیں اس کا بکثرت ذکر کرنا چاہیے اور اس پر بھی ہمیں نعمتو ددوں اور بڑے اجر و ثواب کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا میں تمہیں بہتر عمل اور بہت ہی زیادہ پاکیزہ کام اور سب سے بڑے درجے کی نیکی اور سونے چاندی کو راہ اللہ خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد سے بھی افضل کام نہ بتاؤں؟ لوگوں نے پوچھا' حضورؐ وہ کیا ہے؟ فرمایا' اللہ عزوجل کا ذکر۔ (ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ) یہ حدیث پہلے وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهِ کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا سنی ہے جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَتَبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ یعنی اے اللہ تو مجھے اپنا بہت بڑا شکر گزار' فرماں بردار' بکثرت ذکر کرنے والا اور تیرے احکام کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔ (ترمذی وغیرہ) دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایکؓ نے پوچھا' سب سے اچھا شخص کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جو لمبی عمر پائے اور نیک اعمال کرے۔ دوسرے نے پوچھا حضورؐ احکام اسلام تو بہت سارے ہیں' مجھے کوئی چوٹی کا حکم بتا دیجئے کہ اس سے چمٹ جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا' ذکر اللہ میں ہر وقت اپنی زبان کو تر رکھ (ترمذی) فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہو یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسند احمد) فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو یہاں تک کہ منافق تمہیں ریاکار کہنے لگیں۔ (طبرانی) فرماتے ہیں' جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں' وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت و افسوس کا باعث بنے گی۔ (مسند)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر فرض کام کی کوئی حد ہے۔ پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں نہ وہ کسی وقت ٹلتا ہے۔ ہاں کوئی دیوانہ ہو تو اور بات ہے۔ کھڑے' بیٹھے' لیٹے' رات کو' دن کو' خشکی میں' تری میں' سفر میں' حضر میں' غنا میں' فقر میں' صحت میں' بیماری میں' پوشیدگی میں' ظاہر میں غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہیے۔ صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیے۔ تم جب یہ کرو گے تو اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لئے ہر وقت دعا گو رہیں گے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار ہیں۔ اس آیت میں بھی بکثرت ذکر اللہ کرنے کی ہدایت ہو رہی ہے۔ بزرگوں نے ذکر اللہ اور وظائف کی بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے امام نسائیؒ' امام معمریؒ وغیرہ۔ ان سب میں بہترین کتاب اس موضوع پر حضرت امام نووی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔ صبح شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو۔ جیسے فرمایا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ الخ اللہ کے لئے پاکی ہے جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ اسی کے لئے حمد ہے آسمان میں اور زمین میں اور بعد از زوال اور ظہر کے وقت۔

پھر اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لئے فرماتا ہے' وہ خود تم پر رحمت بھیج رہا ہے یعنی جب وہ تمہاری یاد رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ تم اس کے ذکر سے غفلت کرو؟ جیسے فرمایا كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ الخ جس طرح ہم نے تم میں خود تمہی

میں سے رسول بھیجا جو تم پر ہماری کتاب پڑھتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جسے تم جانتے ہی نہ تھے۔ پس تم میرا ذکر کرو، میں تمہاری یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے، میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔

صلوٰۃ جب اللہ کی طرف مضاف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی اپنے فرشتوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اور قول میں ہے، مراد اس سے رحمت ہے۔ اور دونوں قولوں کا انجام ایک ہی ہے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ ان کی دعا اور استغفار ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ الخ عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس والے اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومن بندوں کے لئے استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو رحمت و علم سے گھیر لیا ہے۔ اے اللہ تو انہیں بخش جو توبہ کرتے ہیں اور تیری راہ پر چلتے ہیں۔ انہیں عذاب جہنم سے بھی نجات دے۔ انہیں ان جنتوں میں لے جا جن کا تو ان سے وعدہ کر چکا ہے اور انہیں بھی ان کے ساتھ پہنچا دے جو ان کے باپ دادوں، بیویوں اور اولادوں میں سے نیک ہوں، انہیں برائیوں سے بچا لے۔ وہ اللہ اپنی رحمت کو تم پر نازل فرما کر اپنے فرشتوں کی دعا کو تمہارے حق میں قبول فرما کر تمہیں جہالت و ضلالت کی اندھیریوں سے نکال کر ہدایت و یقین کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں مومنوں پر رحیم و کریم ہے۔ دنیا میں حق کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے اور روزیاں عطا فرماتا ہے اور آخرت میں گھبراہٹ اور ڈر خوف سے بچا لے گا۔ فرشتے آ آ کر انہیں بشارت دیں گے کہ تم جہنم سے آزاد ہو اور جنتی ہو۔ کیونکہ ان فرشتوں کے دل مومنوں کی محبت و الفت سے پر ہیں۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ راستے سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا بچہ رستے میں تھا۔ اس کی ماں نے ایک جماعت کو آتے ہوئے دیکھا تو میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی اور بچے کو گود میں لے کر ایک طرف ہٹ گئی۔ ماں کی اس محبت کو دیکھ کر صحابہؓ نے کہا، یا رسول اللہؐ خیال تو فرمائیے، کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ حضورؐ ان کے مطلب کو سمجھ کر فرمانے لگے، قسم اللہ! اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ (مسند احمد)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا کہ اس نے اپنے بچے کو دیکھتے ہی اٹھا لیا اور اپنے کلیجے سے لگا کر دودھ پلانے لگی۔ آپؐ نے فرمایا، بتاؤ تو اگر اس کے اختیار میں ہو تو کیا یہ اپنی خوشی سے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہ نے کہا ہرگز نہیں، آپؐ نے فرمایا، قسم ہے اللہ کی، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے اللہ کی طرف سے ان کا ثمرہ جس دن یہ اس سے ملیں گے، سلام ہوگا۔ جیسے فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ قتادہؒ فرماتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرے گا۔ اس کی تائید بھی آیت دَعْوٰاھُمْ فِیْھَا الخ سے ہوتی ہے۔ اللہ نے ان کے لئے اجر کریم یعنی جنت مع اس کی تمام نعمتوں کے تیار کر رکھی ہے جن میں سے ہر نعمت کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، عورتیں، لذتیں، منظر وغیرہ ایسی ہیں کہ آج تو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتیں، چہ جائیکہ دیکھنے میں یا سننے میں آئیں۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿٤٥﴾ وَّ
دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ
بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ
وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

وَكِيلًا ۝۴۸

اے نبی یقیناً ہم نے ہی تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ گواہیاں دینے والا‘ خوشخبریاں سنانے والا‘ آگاہ کرنے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ ○ تو مومنوں کو خوشخبری سنا دے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے ○ کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مان اور جو ایذا ان کی طرف سے پہنچے اس کا خیال بھی نہ کر اللہ پر بھروسہ کئے رہ۔ کافی ہے اللہ کام بنانے والا ○

تورات میں نبی اکرم ﷺ کی صفات: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۸) عطا بن یسارؒ فرماتے ہیں‘ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ کی صفتیں تورات میں کیا ہیں؟ فرمایا جو صفتیں آپ کی قرآن میں ہیں‘ انہی میں سے بعض اوصاف آپ کے تورات میں بھی ہیں۔ تورات میں ہے‘ اے نبی ہم نے تجھے گواہ اور خوشی سنانے والا‘ ڈرانے والا‘ امتیوں کو بچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسولؐ ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ تو بدگو اور فحش کلام نہیں ہے‘ نہ بازاروں میں شور مچانے والا۔ وہ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتا بلکہ درگذر کرتا ہے اور معاف فرماتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ قبض نہیں کرے گا جب تک لوگوں کے ٹیڑھا کر دیئے ہوئے دین کو اس کی ذات سے بالکل سیدھا نہ کر دے اور وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قائل نہ ہو جائیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سننے والے بن جائیں اور پردوں والے دلوں کے زنگ چھوٹ جائیں۔ (بخاری)

ابن ابی حاتم میں ہے‘ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں‘ بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ‘ میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہلواؤں گا۔ میں امیوں میں سے ایک امی کو بھیجنے والا ہوں جو نہ بدخلق ہے نہ بدگو۔ نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا۔ اس قدر سکون وامن کا حامل ہے کہ اگر چراغ کے پاس سے بھی گزر جائے تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں پر بھی چلے تو پیر کی چاپ نہ معلوم ہو۔ میں اسے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا جو حق گو ہوگا اور میں اس کی وجہ سے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا اور بہرے کانوں کو سننے والا کر دوں گا اور زنگ آلود دلوں کو صاف کر دوں گا۔ ہر بھلائی کی طرف اس کی رہبری کروں گا۔ ہر نیک خصلت اس میں موجود رکھوں گا۔ دل جمعی اس کا لباس ہوگی۔ نیکی اس کا وطیرہ ہوگا۔ تقویٰ اس کی ضمیر ہوگی۔ حکمت اس کی گویائی ہوگی۔ صدق ووفا اس کی عادت ہوگی۔ عفو ودرگزر اس کا خلق ہوگا۔ حق اس کی شریعت ہوگی۔ عدل اس کی سیرت ہوگی۔ ہدایت اس کی امام ہوگی۔ اسلام اس کا دین ہوگا۔ احمد اس کا نام ہوگا۔ گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا۔ جاہلوں کو اس کی بدولت علماء بنا دوں گا۔ تنزل والوں کو ترقی پر پہنچا دوں گا۔ انجانوں کو مشہور ومعروف کر دوں گا۔ قلت کو اس کی وجہ سے کثرت سے‘ فقیری کو امیری سے‘ فرقت کو الفت سے‘ اختلاف کو اتفاق سے بدل دوں گا۔ مختلف اور متضاد دلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا۔ جداگانہ خواہشوں کو یکسو کر دوں گا۔ دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچا لوں گا۔ تمام امتوں سے اس کی امت کو اعلیٰ اور افضل بنا دوں گا۔ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ وہ موحد ہوں گے‘ مومن ہوں گے‘ اخلاص والے ہوں گے‘ رسولوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے‘ سب کو سچ ماننے والے ہوں گے۔ وہ اپنی مسجدوں‘ مجلسوں اور بستروں پر چلتے پھرتے‘ بیٹھتے اٹھتے میری تسبیح‘ حمد وثنا‘ بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہیں گے۔ کھڑے اور بیٹھے نمازیں ادا کرتے رہیں گے۔ دشمنان الٰہی سے صفیں باندھ کر حملے کر کے جہاد کریں گے۔ ان میں سے ہزار ہا لوگ میری رضامندی کی جستجو میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے۔ منہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے۔ تہمد آدھی پنڈلی تک باندھیں گے۔ میری راہ میں قربانیاں دیں گے۔ میری کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ راتوں کو عابد اور

دنوں کو مجاہد ہوں گے۔ میں اس نبی کی اہل بیت اور اولاد میں سبقت کرنے والے صدیق، شہید اور صالح لوگ پیدا کر دوں گا۔

اس کی امت اس کے بعد دنیا کو حق کی ہدایت کرے گی اور حق کے ساتھ عدل و انصاف کرے گی۔ ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت والا کروں گا اور ان کو بلانے والوں کی مدد کروں گا۔ ان کے مخالفین اور ان کے باغی اور ان کے بدخواہوں پر میں برے دن لاؤں گا۔ میں انہیں ان کے نبیؐ کے وارث کر دوں گا جو اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے۔ نیکیوں کی باتیں بتائیں گے، برائیوں سے روکیں گے، نماز ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، وعدے پورے کریں گے، اس خیر کو میں ان کے ہاتھوں پوری کروں گا جو ان سے شروع ہوئی تھی۔ یہ ہے میرا فضل جسے چاہوں دوں اور میں بہت بڑے فضل و کرم کا مالک ہوں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے جو یہ آیت اتری تو آپؐ نے انہیں فرمایا، جاؤ خوشخبریاں سنانا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، دیکھو مجھ پر یہ آیت اتری ہے۔ طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، مجھ پر یہ اترا ہے کہ اے نبی ہم نے تجھے تیری امت پر گواہ بنا کر جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اس کی توحید کی شہادت کی طرف لوگوں کو بلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے۔ پس آپؐ اللہ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں، گواہ ہیں اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے اور آیت میں ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسولؐ گواہ ہیں۔ آپ مومنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں اور چونکہ اللہ کا حکم ہے، اس کی بجا آوری کے ماتحت آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ ہاں کوئی ضدی اڑ جائے تو اور بات ہے، اے نبی! کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو۔ یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں، انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور اللہ پر بھروسہ کر، وہ کافی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ
فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو، تمہیں کچھ نہ کچھ انہیں دے دینا چاہئے اور بھلے طریق پر انہیں رخصت کر دینا چاہئے ○

نکاح کی حقیقت: ☆☆ (آیت: ۴۹) اس آیت میں بہت سے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی آیت اور نہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ لفظ نکاح حقیقت میں صرف ایجاب و قبول کے لئے ہے؟ یا صرف جماع کے لئے ہے؟ یا ان دونوں کے مجموعے کے لئے؟ قرآن کریم میں اس کا اطلاق عقد و وطی دونوں پر ہی ہوا ہے۔ لیکن اس آیت میں صرف عقد پر ہی اطلاق ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دخول سے پہلے بھی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ مومنات کا ذکر یہاں پر بوجہ غلبہ کے ہے ورنہ حکم کتابیہ عورت کا بھی یہی ہے۔ سلف کی ایک بڑی جماعت نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو گیا ہو۔ اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے پس معلوم ہوا

کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے نہ وہ واقع ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بہت بڑی جماعت سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ مالکؒ اور ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔ تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی۔ پھر مالکؒ اور ابوحنیفہؒ میں اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو امام ابوحنیفہؒ تو کہتے ہیں جس سے وہ نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی کیونکہ کسی خاص عورت کو مقرر کر کے اس نے یہ نہیں کہا۔ جمہور جو اس کے خلاف ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا اس عورت میں طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے۔ پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ مسند احمد ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ابن آدم جس کا مالک نہ ہو اس میں طلاق نہیں۔ اور حدیث میں ہے جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو وہ کسی شمار میں نہیں۔ (ابن ماجہ)

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم عورتوں کو نکاح کے بعد ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر کوئی عدت نہیں بلکہ وہ جس سے چاہیں اسی وقت نکاح کر سکتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی حالت میں ان کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو یہ حکم نہیں اسے چار ماہ دس دن کی عدت گزارنی پڑے گی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ پس نکاح کے بعد ہی میاں نے بیوی کو اس سے پہلے ہی اگر طلاق دے دی ہے تو اگر مہر مقرر ہو چکا ہے تو اس کا آدھا دینا پڑے گا۔ ورنہ تھوڑا بہت دے دینا کافی ہے۔ اور آیت میں ہے وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَافَرَضۡتُمۡ یعنی اگر مہر مقرر ہو چکا ہے اور ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو آدھے مہر کی وہ مستحق ہے۔

اور آیت میں ارشاد ہے لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَالَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ الخ یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو یہ کچھ گناہ کی بات نہیں۔ اگر ان کا مہر مقرر نہ ہوا ہو تو تم انہیں کچھ نہ کچھ دے دو۔ اپنی اپنی طاقت کے مطابق امیر و غریب دستور کے مطابق ان سے سلوک کر دے بھلے لوگوں پر یہ ضروری ہے۔ چنانچہ ایسا ایک واقعہ خود حضور ﷺ کے ساتھ بھی گزرا کہ آپ نے امیمہ بنت شرجیل سے نکاح کیا۔ یہ رخصت ہو کر آئیں۔ آپ گئے۔ ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے اسے پسند نہ کیا۔ آپ نے حضرت ابو اسیدؓ کو حکم دیا کہ ان کا سامان تیار کر دیں اور دو کپڑے ارزقیہ کے انہیں دے دیں۔ پس سراح جمیل یعنی اچھائی سے رخصت کر دینا یہی ہے کہ اس صورت میں اگر مہر مقرر ہے تو آدھا دے دے۔ اور اگر مقرر نہیں تو اپنی طاقت کے مطابق اس کے ساتھ کچھ سلوک کر دے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا لَكَ اَزۡوَاجَكَ الّٰتِىۡۤ اٰتَيۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ
وَمَا مَلَكَتۡ يَمِيۡنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ
وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِىۡ هَاجَرۡنَ
مَعَكَ وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِىِّ اِنۡ اَرَادَ
النَّبِىُّ اَنۡ يَّسۡتَنۡكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝٥٠

اے نبی ہم نے تیرے لئے تیری وہ بیویاں حلال کردی ہیں جنہیں تو ان کے مہر دے چکا ہے اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں اور تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ باایمان عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کردے- یہ اس صورت میں کہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے- یہ خاص طور پر صرف تیرے لئے ہی ہے- دوسرے مومنوں کے لئے نہیں- ہم اسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں احکام مقرر کر رکھے ہیں یہ اس لئے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو' اللہ تعالیٰ بہت بخشش اور بڑے رحم والا ہے ○

حق مہر اور بصورت علیحدگی کے احکامات: ☆☆ (آیت: ۵۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپؐ نے اپنی جن بیویوں کو مہر ادا کیا ہے' وہ سب آپؐ پر حلال ہیں- آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں- ہاں ام المومنین حضرت حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا مہر حضرت نجاشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاس سے چار سو دینار دیا تھا اور اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر صرف ان کی آزادی تھی- خیبر کے قیدیوں میں آپ بھی تھیں- پھر آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا اور اسی آزادی کو مہر قرار دیا اور نکاح کر لیا اور حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ نے جتنی رقم پر مکاتبہ کیا تھا' وہ پوری رقم آپ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کو ادا کر کے ان سے عقد باندھا تھا- اللہ تعالیٰ آپؐ کی تمام ازواج مطہرات پر اپنی رضامندی نازل فرمائے- اسی طرح جو لونڈیاں غنیمت میں آپؐ کے قبضے میں آئیں' وہ بھی آپؐ پر حلال ہیں- صفیہؓ اور جویریہؓ کے مالک آپ ہو گئے تھے- پھر آپؐ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا- ریحانہ بنت شمعون' نصریہؓ اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی ملکیت میں آئی تھیں- حضرت ماریہؓ سے آپ کو فرزند بھی ہوا- جن کا نام حضرت ابراہیم تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ- چونکہ نکاح کے بارے میں نصرانیوں نے افراط اور یہودیوں نے تفریط سے کام لیا تھا' اس لئے اس عدل و انصاف والی سہل اور صاف شریعت نے درمیانہ راہ حق کو ظاہر کر دیا- نصرانی تو سات پشتوں تک جس عورت مرد کا نسب نہ ملتا ہو' ان کا نکاح جائز جانتے تھے اور یہودی بہن اور بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح کر لیتے تھے- پس اسلام نے بھانجی بھتیجی سے نکاح کرنے کو روکا- اور چچا کی لڑکی' پھوپھی کی لڑکی' ماموں کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی سے نکاح کو مباح قرار دیا- اس آیت کے الفاظ کی خوبی پر نظر ڈالئے کہ عم اور خال چچا اور ماموں کے لفظ کو تو واحد لائے اور عمات اور خلات یعنی پھوپھی اور خالہ کے لفظ کو جمع لائے- جس میں مردوں کی ایک قسم کی فضیلت عورتوں پر ثابت ہو رہی ہے- جیسے يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ- اور جیسے وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ یہاں بھی چونکہ ظلمات اور نور یعنی اندھیرے اور اجالے کا ذکر تھا اور اجالے کو اندھیرے پر فضیلت ہے' اس لئے وہ لفظ ظلمات جمع لائے- اور لفظ نور مفرد لائے- اس کی اور بھی بہت سی نظیریں دی جا سکتی ہیں-

پھر فرمایا جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے' حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میرے پاس حضور ﷺ کا مانگا آیا تو میں نے اپنی معذوری ظاہر کی جسے آپؐ نے تسلیم کر لیا اور یہ آیت اتری- میں ہجرت کرنے والیوں میں نہ تھی بلکہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والیوں میں تھی- مفسرین نے بھی یہی کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جنہوں نے مدینے کی طرف آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو- قتادہؒ سے ایک روایت

میں اس سے مراد اسلام لانا بھی مروی ہے- ابن مسعود کی قراءت میں وَالّٰتِیۡ هَاجَرۡنَ مَعَكَ- پھر فرمایا، اور وہ مومنہ عورت جو اپنا نفس اپنے نبیؐ کے لئے ہبہ کر دے اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو بے مہر دیئے اسے نکاح میں لا سکتے ہیں- پس یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ ہے جیسے آیت وَلَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ کَانَ اللّٰهُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ میں- یعنی حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں، اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں اور اگر اللہ تمہیں اس نصیحت سے مفید کرنا نہ چاہے تو میری نصیحت تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتی-

اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان میں یٰقَوۡمِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَیۡهِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ یعنی اے میری قوم، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اگر تم مسلمان ہو گئے ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے- پس جیسے ان دونوں آیتوں میں دو دو شرائط ہیں، اسی طرح اس آیت میں بھی دو شرائط ہیں- ایک تو اس کا اپنا نفس ہبہ کرنا، دوسرے آپؐ کا بھی اسے اپنے نکاح میں لانے کا ارادہ کرنا- مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا، میں اپنا نفس آپؐ کے لئے ہبہ کرتی ہوں- پھر وہ دیر تک کھڑی رہیں تو ایک صحابیؓ نے کھڑے ہو کر کہا، یا رسول اللہ اگر آپؐ ان سے نکاح کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو میرے نکاح میں دے دیجئے- آپؐ نے فرمایا، تمہارے پاس کچھ ہے بھی جو انہیں مہر میں دیں؟ جواب دیا کہ اس تہمد کے سوا اور کچھ نہیں- آپؐ نے فرمایا، یہ اگر تم انہیں دے دو گے تو خود بغیر تہمد کے رہ جاؤ گے، کچھ اور تلاش کرو- اس نے کہا، میں اور کچھ نہیں پاتا- آپؐ نے فرمایا، تلاش تو کرو گو لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے- انہوں نے ہر چند دیکھ بھال کی لیکن کچھ بھی نہ پایا- آپؐ نے فرمایا، قرآن کی کچھ سورتیں بھی تمہیں یاد ہیں؟ اس نے کہا، ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں- آپؐ نے فرمایا، بس تو انہی سورتوں پر میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دیا- یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے- حضرت انسؓ جب یہ واقعہ بیان کرنے لگے تو ان کی صاحبزادی بھی سن رہی تھیں- کہنے لگیں، اس عورت میں بہت ہی کم حیا تھی- تو آپؐ نے فرمایا، تم سے وہ بہتر نہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت کی رغبت کر رہی تھیں اور آپؐ پر اپنا نفس پیش کر رہی تھیں (بخاری)

مسند احمد میں ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئیں اور اپنی بیٹی کی بہت تعریفیں کر کے کہنے لگیں کہ حضورؐ میری مراد یہ ہے کہ آپؐ اس سے نکاح کر لیں- آپؐ نے قبول فرما لیا- وہ پھر بھی تعریف کرتی رہیں یہاں تک کہ کہا، حضورؐ نہ وہ کبھی بیمار پڑیں نہ سر میں درد ہوا ہے- یہ سن کر آپؐ نے فرمایا- پھر مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں- حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی بیوی صاحبہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں- اور روایت میں ہے یہ قبیلہ بنو سلیم میں سے تھیں- اور روایت میں ہے، یہ بڑی نیک بخت عورت تھیں- ممکن ہے ام سلیم ہی حضرت خولہ ہوں رضی اللہ عنہا- اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دوسری کوئی عورت ہوں- ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چھ تو قریشی تھیں- خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن- اور تین بنو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر میں سے تھیں- حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا- یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی کنیت ام المساکین تھی اور ایک عورت بنو ابی بکر بن کلاب سے- یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور بنو جون میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی- اور ایک عورت اسدیہ جن کا نام زینب بنت جحش ہے رضی اللہ عنہا- دو کنیزیں تھیں- صفیہ بنت حی بن اخطبؓ اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مصطلق خزاعیہ- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت حضرت میمونہ بنت حارثؓ تھیں- لیکن اس میں انقطاع ہے اور یہ روایت مرسل ہے- یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینب جن کی کنیت ام المساکین تھی، یہ زینب بنت خزیمہ تھیں، قبیلہ انصار میں سے تھیں اور حضور ﷺ کی حیات میں ہی انتقال

کر گئیں - رضی اللہ تعالیٰ عنہا - واللہ اعلم - مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے اپنے نفس کا اختیار آپ کو دیا تھا - چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں ان عورتوں پر غیرت کیا کرتی تھی جو اپنا نفس حضور کو ہبہ کر دیتی تھیں اور تو ان میں سے جسے چاہے اس سے نہ کر اور جسے چاہے اپنے پاس جگہ دے اور جن سے تو نے یکسوئی کر لی ہے' انہیں بھی اگر تم لے آؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں - تو میں نے کہا' بس اب تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر خوب وسعت و کشادگی کر دی -

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوئی ایسی عورت حضور ﷺ کے پاس نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہو - حضرت یونس بن بکیرؒ فرماتے ہیں' گو آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے' آپ اسے اپنے گھر میں رکھ لیں لیکن آپؐ نے ایسا کیا نہیں - کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا - یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں - ہاں مہر ادا کر دے تو بیشک جائز ہے - چنانچہ حضرت بروع بنت واشقؓ کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا' جب ان کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل انہیں مہر دیا جائے - جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے' اسی طرح صرف دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے - ہاں حضورؐ اس حکم سے مستثنیٰ تھے - ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو - اس لئے کہ آپ کو بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا جیسے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصے میں ہے -

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دے - ہاں صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ تھا - دوسرے مومنوں پر جو ہم نے مقرر کر دیا ہے' اسے ہم خوب جانتے ہیں یعنی وہ چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ رکھ نہیں سکتے - ہاں ان کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں - اسی طرح ولی کی' مہر کی' گواہوں کی بھی شرط ہے - پس امت کا تو یہ حکم ہے اور آپ پر اس کی پابندیاں نہیں - تاکہ آپؐ پر کوئی حرج نہ ہو - اللہ بڑا غفور و رحیم ہے -

تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ
ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ
تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَلِــيْمًا ۝۵۱

ان میں سے جسے تو چاہے موقوف رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے - اور اگر تو ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لے جنہیں تو نے موقوف کر رکھا تھا تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں - اس میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ ان عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تو انہیں دے دے اس پر سب کی سب راضی رہیں - تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے' اسے اللہ خوب جانتا ہے' اللہ علم اور حلم والا ہے ○

روایات و احکامات: ☆☆ (آیت:۵۱) بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں ان عورتوں پر عار رکھا کرتی تھی جو اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کریں اور کہتی تھیں کہ عورتیں بغیر مہر کے آپ کو حضورؐ کے حوالے کرنے میں شرماتی نہیں ہیں؟ یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو میں نے کہا کہ آپ کا رب آپؐ کے لئے کشادگی کرتا ہے - پس معلوم ہوا کہ آیت سے مراد یہی عورتیں ہیں - ان کے بارے میں اللہ کے نبی کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں قبول کریں اور جسے چاہیں قبول نہ فرمائیں - پھر اس کے بعد یہ بھی آپ کے اختیار میں ہے کہ جنہیں

قبول نہ فرمایا ہو' انہیں جب چاہیں نواز دیں- عامر شعبیؒ سے مروی ہے کہ جنہیں موخر کر رکھا تھا' ان میں حضرت ام شریکؓ تھیں- ایک مطلب اس جملے کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ کی بیویوں کے بارے میں آپ کو اختیار تھا کہ اگر چاہیں تقسیم کریں' چاہیں نہ کریں- جسے چاہیں مقدم کریں' جسے چاہیں موخر کریں- اسی طرح خاص بات چیت میں بھی- لیکن یہ یاد رہے کہ حضورؐ اپنی پوری عمر برابر اپنی ازواج مطہرات میں عدل کے ساتھ برابری کی تقسیم کرتے رہے- بعض فقہاء شافعیہ کا قول ہے کہ حضورؐ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نازل ہو چکنے کے بعد بھی اللہ کے نبیؐ ہم سے اجازت لیا کرتے تھے- مجھ سے تو جب دریافت فرماتے' میں کہتی' اگر میرے بس میں ہو تو میں کسی اور کے پاس آپؐ کو ہرگز نہ جانے دوں- پس صحیح بات جو بہت اچھی ہے اور جس سے ان اقوال میں مطابقت بھی ہو جاتی ہے' وہ یہ ہے کہ آیت عام ہے- اپنے نفس سونپنے والیوں اور آپؐ کی بیویوں کو سب کو شامل ہے- ہبہ کرنے والیوں کے بارے میں نکاح کرنے نہ کرنے کا اور نکاح والیوں میں تقسیم کرنے کا آپ کو اختیار تھا- پھر فرماتا ہے کہ یہی حکم بالکل مناسب ہے اور ازواج رسولؐ کے لئے سہولت والا ہے- جب وہ جان لیں گی کہ آپؐ باریوں کے مکلّف نہیں ہیں' پھر بھی مساوات قائم رکھتے ہیں تو انہیں بہت خوشی ہوگی- اور ممنون و مشکور ہوں گی اور آپؐ کے انصاف و عدل کی داد دیں گی- اللہ دلوں کی حالتوں سے واقف ہے- وہ جانتا ہے کہ کسے کس کی طرف زیادہ رغبت ہے-

مسند میں ہے کہ حضورؐ اپنے طور پر صحیح تقسیم اور پورے عدل کے بعد اللہ سے عرض کیا کرتے تھے کہ الہ العالمین جہاں تک میرے بس میں تھا' میں نے انصاف کر دیا- اب جو میرے بس میں نہیں' اس پر تو مجھے ملامت نہ کرنا- یعنی دل کے رجوع کرنے کا اختیار مجھے نہیں- اللہ سینوں کی باتوں کا عالم ہے- لیکن حلم و کرم والا ہے- چشم پوشی کرتا ہے- معاف فرماتا ہے-

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ
اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع ۱۲

ان عورتوں کے علاوہ اور عورتیں تجھ پر حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں چھوڑ کر اور عورتوں سے نکاح کرے اگر چہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو مگر جو تیری مملوکہ ہوں' اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگہبان ہے ○

ازواج مطہرات کا عہد وفا: ☆☆ (آیت: ۵۲) پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو حضورؐ کی زوجیت میں رہیں اور اگر چاہیں تو آپؐ سے علیحدہ ہو جائیں- لیکن امہات المومنینؓ نے دامن رسول کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا- اس پر انہیں اللہ کی طرف سے دنیوی بدلہ ایک یہ بھی ملا کہ حضورؐ کو اس آیت میں حکم ہوا کہ اب اس کے سوا کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتے نہ آپ ان میں سے کسی کو چھوڑ کر اس کے بدلے دوسری لا سکتے ہیں گو وہ کتنی ہی خوش شکل کیوں نہ ہو؟ ہاں لونڈیوں اور کنیزوں کی اور بات ہے- اس کے بعد پھر رب العالمین نے یہ تنگی آپؐ پر سے اٹھا لی اور نکاح کی اجازت دے دی لیکن خود حضور ﷺ نے پھر سے کوئی اور نکاح کیا ہی نہیں- اس حرج کے اٹھانے میں اور پھر عمل کے نہ ہونے میں بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضورؐ کا یہ احسان اپنی بیویوں پر رہے- چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ کے انتقال سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے اور عورتیں بھی حلال کر دی تھیں (ترمذی' نسائی وغیرہ) حضرت ام سلمہؓ سے بھی مروی ہے- حلال کرنے والی آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ الخ' ہے جو اس آیت سے پہلے گزر چکی

ہے۔ بیان میں وہ پہلے ہے اور اترنے میں وہ پیچھے ہے۔ سورۂ بقرہ میں بھی اسی طرح عدت وفات کی پچھلی آیت منسوخ ہے اور پہلی آیت اس کی ناسخ ہے۔ واللہ اعلم۔

اس آیت کے ایک اور معنی بھی بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔ وہ کہتے ہیں، مطلب اس سے یہ ہے کہ جن عورتوں کا ذکر اس سے پہلے ہے، ان کے سوا اور حلال نہیں جن میں یہ صفتیں ہوں، وہ ان کے علاوہ بھی حلال ہیں۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ سے سوال ہوا کہ کیا حضورؐ کی جو بیویاں تھیں، اگر وہ آپؐ کی موجودگی میں انتقال کر جائیں تو آپؐ اور عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا، یہ کیوں؟ تو سائل نے لَا یَحِلُّ والی آیت پڑھی۔ یہ سن کر حضرت ابیؓ نے فرمایا، اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ عورتوں کی جو قسمیں اس سے پہلے بیان ہوئی ہیں یعنی نکاحتا بیویاں، لونڈیاں، چچا کی، پھوپھیوں کی، ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں، ہبہ کرنے والی عورتیں۔ ان کے سوا جو اور قسم کی ہوں جن میں یہ اوصاف نہ ہوں، وہ آپ پر حلال نہیں ہیں۔ (ابن جریر) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سوائے ان مہاجرات مومنات کے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی آپؐ کو ممانعت کر دی گئی۔ غیر مسلم عورتوں سے نکاح حرام کر دیا گیا۔ قرآن میں ہے وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ الخ یعنی ایمان کے بعد کفر کرنے والے کے اعمال غارت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا الخ میں عورتوں کی جن قسموں کا ذکر کیا، وہ تو حلال ہیں۔ ان کے ماسوا اور حرام ہیں۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں، ان کے سوا ہر قسم کی عورتیں خواہ وہ مسلمان ہوں خواہ یہودیہ ہوں خواہ نصرانیہ سب حرام ہیں۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ اعرابیہ اور انجان عورتوں سے نکاح سے روک دیئے گئے۔ لیکن جو عورتیں حلال تھیں، ان میں سے اگر چاہیں سینکڑوں کر لیں، حلال ہیں۔ الغرض آیت عام ہے ان عورتوں کو جو آپؐ کے گھر میں تھیں اور ان عورتوں کو جن کی اقسام بیان ہوئیں، سب کو شامل ہے اور جن لوگوں سے اس کے خلاف مروی ہے، ان سے اس کے مطابق بھی مروی ہے۔ لہٰذا کوئی منفی نہیں۔ ہاں اس پر ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی۔ پھر ان سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت سودہؓ کے فراق کا بھی ارادہ کیا تھا جس پر انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا۔ اس کا جواب امام ابن جریرؒ نے یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ بات یہی ہے لیکن ہم کہتے ہیں، اس جواب کی بھی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ آیت میں ان کے سوا دوسریوں سے نکاح کرنے اور انہیں نکال کر اوروں کو لانے کی ممانعت ہے نہ کہ طلاق دینے کی۔ واللہ اعلم۔ سودہؓ والے واقعہ میں آیت وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ الخ اتری ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والا واقعہ ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے۔

ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس ایک دن آئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ پوچھا کہ شاید تمہیں حضورؐ نے طلاق دے دی۔ سنو اگر رجوع ہو گیا اور پھر یہی موقعہ پیش آیا تو قسم اللہ کی میں مرتے دم تک تم سے کلام نہ کروں گا۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ کرنے سے اور کسی کو نکال کر اس کے بدلے دوسری کو لانے سے منع کیا ہے مگر لونڈیاں حلال رکھی گئی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک خبیث رواج یہ بھی تھا کہ لوگ آپس میں بیویوں کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ یہ اپنی اسے دے دیتا تھا اور وہ اپنی اسے دے دیتا تھا۔ اسلام نے اس گندے طریقے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ عیینہ بن حصن فزاری حضورﷺ کے پاس آئے اور اپنی جاہلیت کی عادت کے مطابق بغیر اجازت لئے چلے آئے۔ اس وقت آپؐ کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔

آپؐ نے فرمایا، تم بے اجازت کیوں چلے آئے؟ اس نے کہا واہ! میں نے تو آج تک قبیلہ مضر کے خاندان کے کسی شخص سے

اجازت مانگی ہی نہیں۔ پھر کہنے لگا' یہ آپؐ کے پاس کون سی عورت بیٹھی ہوئی تھیں؟ آپ نے فرمایا' یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں۔ تو کہنے لگا' حضورؐ انہیں چھوڑ دیں۔ میں ان کے بدلے اپنی بیوی آپ کو دیتا ہوں جو خوبصورتی میں بے مثل ہے۔ آپؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنا حرام کر دیا ہے۔ جب وہ چلے گئے تو مائی صاحبہؓ نے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہؐ یہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا' ایک احمق سردار تھا۔ تم نے ان کی باتیں سنیں؟ اس پر بھی یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ اس روایت کا ایک راوی اسحاق بن عبداللہ بالکل گرے ہوئے درجے کا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنۡ
يُّؤۡذَنَ لَـكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰٮهُ ۙ وَلٰـكِنۡ اِذَا
دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ ؕ
اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ وَاللّٰهُ لَا
يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَـقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔـلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ
حِجَابٍ ؕ ذٰ لِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَـكُمۡ
اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنۡ تَـنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ
اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰ لِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ﴿۵۳﴾ اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـئًا
اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۵۴﴾

مسلمانو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے' تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو۔ کھانے کے لئے بھی اجازت کے بعد جاؤ۔ یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے اور کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہے بلکہ جب بلایا جائے' جاؤ اور جب کھا چکو' نکل کھڑے ہو جایا کرو' پھر وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو' نبی کو تمہاری یہ حرکت ناگوار گذرتی ہے لیکن وہ لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا' جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے' نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ تمہیں یہ حلال ہے کہ آپؐ کے بعد کسی وقت بھی آپؐ کی بیویوں سے نکاح کرو' یاد رکھو اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو اللہ تو ہر ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے ○.

احکامات پردہ: ☆☆ (آیت:۵۳-۵۴) اس آیت میں پردے کا حکم ہے اور شرعی آداب و احکام کا بیان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق جو آیتیں اتری ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں آپؓ سے مروی ہے کہ تین باتیں میں نے کہیں جن کے مطابق ہی رب العالمین کے احکام نازل ہوئے۔ میں نے کہا' یارسول اللہ! اگر آپ مقام ابراہیم کو قبلہ بنائیں تو بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم اترا کہ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى میں نے کہا' یارسول اللہؐ مجھے تو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ گھر میں ہر کہ ومہ یعنی چھوٹا بڑا آ جائے۔ آپؐ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دیں تو اچھا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردے کا حکم نازل ہوا۔ جب حضور ﷺ کی ازواج مطہرات غیرت کی وجہ سے کچھ کہنے سننے لگیں تو میں نے کہا' کسی غرور میں نہ رہنا' اگر حضورؐ تمہیں چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دلوائے گا۔ چنانچہ یہی آیت قرآن میں نازل ہوئی۔ صحیح مسلم میں ایک چوتھی موافقت بھی مذکور ہے' وہ بدر کے قیدیوں کا فیصلہ ہے۔ اور

روایت میں ہے، سنہ ۵ ھ ماہ ذی قعدہ میں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے۔ جو نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کرایا تھا، اسی صبح کو پردے کی آیت نازل ہوئی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں، یہ واقعہ سن تین ہجری کا ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں حضور ﷺ نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو لوگوں کی دعوت کی وہ کھا پی کر باتوں میں بیٹھے رہے۔ آپؐ نے اٹھنے کی تیاری بھی کی۔ پھر بھی وہ نہ اٹھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ کھڑے ہو گئے۔ آپؐ کے ساتھ ہی کچھ لوگ تو اٹھ کر چل دیئے لیکن پھر بھی تین شخص وہیں بیٹھے رہ گئے اور باتیں کرتے رہے۔ حضورؐ پلٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ ابھی تک باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ آپؐ پھر لوٹ گئے۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت انسؓ نے حضورؐ کو خبر دی۔ اب آپؐ آئے۔ گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں، میں نے بھی جانا چاہا تو آپؐ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ کر لیا اور یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس موقعہ پر گوشت روٹی کھلائی تھی اور حضرت انسؓ کو بھیجا تھا کہ لوگوں کو بلا لائیں۔ لوگ آتے تھے۔ کھاتے تھے اور واپس جاتے تھے۔ جب ایک بھی ایسا نہ بچا کہ جسے حضرت انسؓ بلاتے تو آپ کو خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اب دسترخوان بڑھا دو۔ لوگ سب چلے گئے مگر تین شخص باتوں میں لگے رہے۔ حضورؐ یہاں سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ انہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام، واللہ فرمایئے، حضورؐ بیوی صاحبہؓ سے خوش تو ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ تمہیں برکت دے۔ اسی طرح آپؐ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے اور سب جگہ یہی باتیں ہوئیں۔ اب لوٹ کر جو آئے تو دیکھا کہ وہ تینوں صاحب اب تک گئے نہیں۔ چونکہ آپؐ میں شرم وحیا، لحاظ ومروت بے حد تھا اس لئے آپؐ کچھ فرما نہ سکے اور پھر سے حضرت عائشہؓ کے حجرے کی طرف چلے۔ اب نہ جانے میں نے خبر دی یا آپؐ کو خود خبردار کر دیا گیا کہ وہ تینوں بھی چلے گئے ہیں تو آپؐ پھر آئے اور چوکھٹ میں ایک قدم رکھتے ہی آپؐ نے پردہ ڈال دیا اور پردے کی آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں بجائے تین شخصوں کے دو کا ذکر ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ کے کسی نئے نکاح پر حضرت ام سلیمؓ نے مالیدہ بنا کر ایک برتن میں رکھ کر حضرت انسؓ سے کہا، اسے اللہ کے رسولؐ کو پہنچاؤ اور کہہ دینا کہ یہ تھوڑا سا تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمایئے اور میرا سلام بھی کہہ دینا۔ اس وقت لوگ تھے بھی تنگی میں۔ میں نے جا کر حضور ﷺ کو سلام کیا۔ ام المومنینؓ کا سلام پہنچایا اور پیغام بھی۔ آپؐ نے اسے دیکھا اور فرمایا، اچھا اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا۔ جاؤ فلاں اور فلاں کو بلا لاؤ۔ بہت سے لوگوں کے نام لئے اور پھر فرمایا، ان کے علاوہ جو مسلمان مل جائے، میں نے یہی کیا۔ جو ملا، اسے حضورؐ کے ہاں کھانے کے لئے بھیجتا رہا۔ واپس لوٹا تو دیکھا کہ گھر اور انگنائی اور بیٹھک سب لوگوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اب مجھ سے آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ وہ پیالہ اٹھا لاؤ۔ میں لایا تو آپؐ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر دعا کی اور جو اللہ نے چاہا، آپ نے زبان سے کہا۔ پھر فرمایا۔ چلو دس دس آدمی حلقہ کر کے بیٹھ جاؤ اور ہر ایک بسم اللہ کہہ کر اپنے اپنے آگے سے کھانا شروع کرو۔ اسی طرح کھانا شروع ہوا اور سب کے سب کھا چکے تو آپؐ نے فرمایا، پیالہ اٹھا لو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، میں نے پیالہ اٹھا کر دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت رکھا، اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب؟ چند لوگ آپ کے گھر بھی ٹھہر گئے، ان میں باتیں ہو رہی تھیں اور ام المومنینؓ دیوار کی طرف منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں، ان کا اتنی دیر تک نہ ہٹنا حضورؐ پر شاق گزر رہا تھا لیکن شرم ولحاظ کی وجہ سے کچھ فرماتے نہ تھے اگر انہیں اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے لیکن وہ بے فکری سے بیٹھے ہی رہے۔ آپؐ گھر سے نکل کر دوسری ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس چلے گئے۔ پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے

ہیں- اب تو یہ بھی سمجھ گئے- بڑے نادم ہوئے اور جلدی سے نکل لئے- آپؐ اندر بڑھے اور پردہ لٹکا دیا- میں بھی حجرے میں ہی تھا جو یہ آیت اتری اور آپؐ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر آئے- سب سے پہلے اس آیت کو عورتوں نے سنا اور میں تو سب سے اول ان کا سننے والا ہوں- پہلے حضرت زینبؓ کے پاس آپ کا مانگا لے جانے کی روایت آیت فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ الخ کی تفسیر میں گزر چکی ہے- اس کے آخر میں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر لوگوں کو نصیحت کی گئی اور ہاشم کی اس حدیث میں اس آیت کا بیان بھی ہے-

ابن جریر میں ہے کہ رات کے وقت ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لئے جنگل کو جایا کرتی تھیں- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ پسند نہ تھا- آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں اس طرح نہ جانے دیجئے- حضورؐ اس پر توجہ نہیں فرماتے تھے- ایک مرتبہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نکلیں تو چونکہ فاروق اعظمؓ کی منشا یہ تھی کہ کسی طرح ازواج مطہرات کا یہ نکلنا بند ہو' اس لئے انہیں ان کے قد و قامت کی وجہ سے پہچان کر بہ آواز بلند کہا کہ ہم نے تمہیں اے سودہؓ پہچان لیا- اس کے بعد پردے کی آیتیں اتریں- اس روایت میں یونہی ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے- چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حجاب کے حکم کے بعد حضرت سودہؓ نکلیں- اس میں یہ بھی ہے کہ یہ اسی وقت واپس آ گئیں- آنحضرتؐ شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے- ایک ہڈی ہاتھ میں تھی- آ کر واقعہ بیان کیا- اسی وقت وحی نازل ہوئی جب ختم ہوئی' اس وقت بھی وہ ہڈی ہاتھ میں ہی تھی- اسے چھوڑی ہی نہ تھی- آپؐ نے فرمایا- اللہ تعالیٰ تمہاری ضرورتوں کی بناء پر باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے- آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عادت سے روکتا ہے جو جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں ان میں تھی کہ بے اجازت دوسرے کے گھر میں چلے جانا- پس اللہ تعالیٰ اس امت کا اکرام کرتے ہوئے اسے یہ ادب سکھاتا ہے- چنانچہ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون ہے کہ خبردار عورتوں کے پاس نہ جاؤ (یعنی خلوت میں)- پھر اللہ نے انہیں مستثنٰی کر لیا جنہیں اجازت دے دی جائے- تو فرمایا مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے- کھانے کے لئے ایسے وقت پر نہ جاؤ کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو- مجاہد اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ کھانے کے پکنے اور اس کے تیار ہونے کے وقت ہی نہ پہنچو- جب سمجھا کہ کھانا تیار ہو گا' جا گھسے- یہ خصلت اللہ کو پسند نہیں- یہ دلیل ہے طفیلی بننے کی حرمت پر- امام خطیب بغدادیؒ نے اس کی مذمت میں پوری ایک کتاب لکھی ہے-

پھر فرمایا جب بلایا جاؤ تو جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل جاؤ- صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اسے دعوت قبول کرنی چاہیے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور- اور حدیث میں ہے' اگر مجھے فقط ایک کھر کی دعوت دی جائے تو بھی میں اسے قبول کروں گا- دستور دعوت یہ بھی بیان فرمایا کہ جب کھا چکو تو اب میزبان کے ہاں چوکڑی مار کر نہ بیٹھ جاؤ- بلکہ وہاں سے چلے جاؤ- باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو- جیسے ان تین شخصوں نے کیا تھا جس سے حضورؐ کو تکلیف ہوئی لیکن شرمندگی اور لحاظ سے آپؐ کچھ نہ بولے- اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ تمہارا بے اجازت آنحضرت ﷺ کے گھروں میں چلے جانا آپؐ پر شاق گزرتا ہے لیکن آپؐ بوجہ شرم و حیا کے تم سے کہہ نہیں سکتے- اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف فرما رہا ہے کہ اب سے ایسا نہ کرنا- وہ حق حکم سے حیا نہیں کرتا- تمہیں جس طرح بے اجازت آپؐ کی بیویوں کے پاس جانا منع ہے' اسی طرح ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے- اگر تمہیں ان سے کوئی ضروری چیز لینی دینی بھی ہو تو پس پردہ لین دین ہو- ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ مالیدہ کھا رہے تھے- حضرت عمرؓ کو بھی بلا لیا- آپ بھی کھانے بیٹھ گئے- حضرت صدیقہؓ پہلے ہی سے کھانے میں شریک تھیں- حضرت عمر ازواج مطہرات کے پردے کی تمنا میں تھے- کھاتے ہوئے انگلیوں سے انگلیاں لگ گئیں تو بے ساختہ فرمانے لگے' کاش کہ میری مان لی جاتی اور پردہ کرایا جاتا تو کسی کی نگاہ بھی نہ پڑتی- اس وقت پردے کا حکم اترا-

پھر پردے کی تعریف فرما رہا ہے کہ مردوں عورتوں کے دلوں کی پاکیزگی کا یہ ذریعہ ہے- کسی شخص نے آپؐ کی کسی بیوی سے آپؐ کے بعد نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہوگا- اس آیت میں یہ حرام قرار دیا گیا- چونکہ حضورؐ کی بیویاں زندگی میں اور جنت میں بھی آپ کی بیویاں ہیں اور جملہ مسلمانوں کی وہ مائیں ہیں اس لئے مسلمانوں پر ان سے نکاح کرنا محض حرام ہے- یہ حکم ان بیویوں کے لئے جو آپؐ کے گھر میں آپ کے انتقال کے وقت تھیں، سب کے نزدیک اجماعاً ہے لیکن جس بیوی کو آپؐ نے اپنی زندگی میں طلاق دے دی اور اس سے میل ہو چکا ہو تو اس سے کوئی اور نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو مذہب ہیں- اور جس سے دخول نہ کیا ہو اور طلاق دے دی ہو اس سے دوسرے لوگ نکاح کر سکتے ہیں- قیلہ بنت اشعث بن قیس حضورؐ کی ملکیت میں آ گئی تھی- آپؐ کے انتقال کے بعد اس نے عکرمہ بن ابوجہل سے نکاح کر لیا-

حضرت ابوبکرؓ پر یہ گراں گزرا لیکن حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول یہ حضورؐ کی بیوی نہ تھی نہ اسے حضورؐ نے اختیار دیا نہ اسے پردہ کا حکم دیا اور اس کی قوم کے ارتداد کے ساتھ ہیں- اس کے ارتداد کی وجہ سے اللہ نے اسے حضورؐ سے بری کر دیا- یہ سن کر حضرت صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا- پس ان دونوں باتوں کی برائی بیان فرماتا ہے کہ رسولؐ کو ایذا دینا ان کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح کر لینا، یہ دونوں گناہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں، تمہاری پوشیدگیاں اور علانیہ باتیں سب اللہ پر ظاہر ہیں، اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں- آنکھوں کی خیانت کو، سینے میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے ارادوں کو وہ جانتا ہے-

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَاۗءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝٥٥ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝٥٦

عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور عورتوں اور ملکیت کے ماتحتوں کے سامنے ہوں، عورتو! اللہ سے ڈرتی رہو، اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر شاہد ہے ○ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم ان پر درود بھیجو اور اچھی طرح سلام بھی بھیجتے رہا کرو ○

پردہ کی تفصیلات : ☆☆ (آیت: ۵۵) چونکہ اوپر کی آیتوں میں اجنبیوں سے پردے کا حکم ہوا تھا، اس لئے جن قریبی رشتہ داروں سے پردہ نہ تھا، ان کا بیان اس آیت میں کر دیا- سورۂ نور میں بھی اسی طرح فرمایا کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں، باپوں، سسروں، لڑکوں، خاوند کے لڑکوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں اور ملکیت جن کی ان کے ہاتھوں میں ہو- ان کے سامنے یا کام کاج کرنے والے غیر خواہشمند مردوں یا کم سن بچوں کے سامنے- اس کی پوری تفسیر اس آیت کے تحت میں گزر چکی ہے- چچا اور ماموں کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا گیا کہ ممکن ہے وہ اپنے لڑکوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کریں- حضرت شعبی اور حضرت عکرمہ تو ان دونوں کے سامنے عورت کا دوپٹہ اتارنا مکروہ جانتے تھے- نسائھن سے مراد مومن عورتیں ہیں- ماتحت سے مراد لونڈی غلام ہیں- جیسے کہ پہلے ان کا بیان گزر چکا ہے- اور حدیث بھی ہم وہیں وارد کر چکے ہیں- سعید بن میتبؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد صرف لونڈیاں ہی ہیں- اللہ تعالیٰ سے

: رتی رہو- اللہ ہر چیز پر شاہد ہے- چھپا کھلا سب اسے معلوم ہے- اس موجود اور حاضر کا خوف رکھو اور اس کا لحاظ کرتی رہو-

صلوٰۃ وسلام کی فضیلت : ☆☆ (آیت:۵۶) صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو العالیہؒ سے مروی ہے کہ اللہ کا اپنے نبیؐ پر درود بھیجنا' اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثنا وصفت کا بیان کرنا ہے اور فرشتوں کا درود آپؐ کے لئے دعا کرنا ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی برکت کی دعا- اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اللہ کا درود رحمت ہے- فرشتوں کا درود استغفار ہے- عطاؒ فرماتے ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ کی صلوٰۃ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ ہے- مقصود اس آیت شریفہ سے یہ ہے کہ حضور ﷺ کی قدر ومنزلت' عزت ومرتبت لوگوں کی نگاہوں میں بچ جائے- وہ جان لیں کہ خود اللہ تعالیٰ آپؐ کا ثناخواں ہے اور اس کے فرشتے آپؐ پر درود بھیجتے رہتے ہیں- ملاءِ اعلیٰ کی یہ خبر دے کر اب زمین والوں کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی آپؐ پر درود وسلام بھیجا کرو تا کہ عالم علوی اور عالم سفلی کے لوگوں کا اس پر اجتماع ہو جائے- حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پوچھا تھا کہ کیا اللہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دو کہ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں پر رحمت بھیجتا رہتا ہے- اسی کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے- دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہی رحمت اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر بھی نازل فرماتا ہے- ارشاد ہے- هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ الخ یعنی اے ایمان والو' تم اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرتے رہا کرو- اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو- وہ خود تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی- اور آیت میں ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الخ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے- جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّالِلّٰهِ الخ' پڑھتے ہیں- ان پر ان کے رب کی طرف سے درود نازل ہوتے ہیں- حدیث شریف میں ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کے داہنی طرف والوں پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں- دوسری حدیث میں حضورؐ کی ایک شخص کے لئے یہ دعا مروی ہے کہ اے اللہ آل ابی اوفی پر اپنی رحمت نازل فرما- حضرت جابرؓ کی بیوی صاحبہ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے اور میرے خاوند کے لئے صلوٰۃ بھیجئے تو آپؐ نے فرمایا' اللہ تجھ پر اور تیرے خاوند پر درود نازل فرمائے- درود شریف کے بیان کی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں سے تھوڑی ہم یہاں وارد کرتے ہیں- وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ بخاری شریف میں ہے' آپؐ سے کہا گیا' یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کو سلام کرنا تو جانتے ہیں' صلوٰۃ کا طریقہ کیا ہے؟ آپؐ نے اَلتَّحِیَّاتُ کے بعد کے دونوں درود بتلائے لیکن دونوں میں وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ کا لفظ نہیں ہے- ایک اور روایت میں عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ کا لفظ نہیں- اور روایت میں پہلا درود تو پورے لفظوں کے ساتھ ہے اور دوسرا کچھ تغیر کے ساتھ- عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ آخر میں وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ بھی کہتے تھے۔ (ترمذی)

جس سلام کا یہاں ذکر ہے' وہ التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه ہے- یہ التحیات آپ مثل قرآن کی سورت کے سکھایا کرتے تھے- ایک روایت میں ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ بھی ہے اور پچھلے درود میں قدرے تغیر ہے- ایک روایت میں درود کے الفاظ یہ ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِه وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ بعض روایتوں میں عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ کے بعد فِی الْعَالَمِیْنَ کا لفظ بھی ہے- ایک روایت میں سوال میں یہ لفظ بھی ہیں کہ درود نماز میں ہم کس طرح پڑھیں- امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ نماز کے آخری تشہد میں اگر کسی نے درود نہیں پڑھا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی- درود کا پڑھنا اس جگہ واجب ہے- بعض متاخرین نے اس مسئلہ میں امام صاحب کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صرف انہی کا قول اور اس کے خلاف اجماع ہے حالانکہ یہ غلط ہے- صحابہؓ کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے مثلاً حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو مسعود بدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ- تابعین میں بھی اس مذہب

کے لوگ گزرے ہیں جیسے شعبی، ابوجعفر باقر، مقاتل بن حیان وغیرہ اور شافعیہ کا تو سب کا یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ کا بھی آخری قول یہی ہے۔ جیسے کہ ابوزرعہ دمشقی کا بیان ہے، اسحٰق بن راہویہؒ، امام محمد بن ابراہیم فقیہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ بلکہ بعض حنبلی ائمہ نے یہی کہا ہے کہ کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں کہنا واجب ہے جیسے کہ صحابہؓ کے سوال پر آپؐ نے تعلیم دی اور ہمارے بعض ساتھیوں نے تو آپؐ کی آل پر درود بھیجنا بھی واجب کہا ہے۔ الغرض درود کا نماز میں واجب ہونے کا قول بہت ظاہر ہے اور حدیث میں اس کی دلیل بھی موجود ہے اور سلف وخلف میں امام شافعیؒ کے علاوہ اور ائمہ بھی اس کے قائل رہے ہیں۔ پس یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ امام صاحب ہی کا یہ قول ہے اور یہ خلاف اجماع ہے۔ اس کی تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ سن رہے تھے۔ ایک شخص نے بغیر اللہ کی حمد وثنا کئے اور بغیر حضورؐ پر درود پڑھے اپنی نماز میں دعا کی تو آپؐ نے فرمایا، اس نے بہت جلدی کی، پھر اسے بلا کر فرمایا 'یا کسی اور کو فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی تعریفیں بیان کرے، پھر درود پڑھے، پھر جو چاہے دعا مانگے۔ ابن ماجہ میں ہے 'جس کا وضو نہیں، اس کی نماز نہیں۔ جو وضو میں بِسۡمِ اللّٰہِ نہ کہے، اس کا وضو نہیں۔ جو نبی پر درود نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں۔ جو انصار سے محبت نہ رکھے، اس کی نماز نہیں۔ لیکن اس کی سند میں عبدالمہیمن نامی راوی متروک ہے۔

طبرانی میں یہ روایت ان کے بھائی سے مروی ہے لیکن اس میں بھی نظر ہے اور معروف روایت پہلی ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ مسند میں ہے کہ ہم نے کہا، حضور ﷺ ہم آپ پر سلام کہنا تو جانتے ہیں، درود سکھا دیجئے تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ صَلَوَاتِکَ وَرَحۡمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلۡتَھَا عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَاٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ۔ اس کا ایک راوی ابوداؤد اعمیٰ جس کا نام نفیع بن حارث ہے، وہ متروک ہے۔ حضرت علیؓ سے لوگوں کو اس دعا کا سکھانا بھی مروی ہے۔

اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الۡمَدۡحُوَّاتِ وَبَارِیَ الۡمُسۡمُوکَاتِ وَجَبَّارَ الۡقُلُوۡبِ عَلٰی فِطۡرَتِھَا شَقِیِّھَا وَسَعِیۡدِھَا اجۡعَلۡ شَرَآئِفَ صَلَوٰتِکَ وَنَوَاحِیَ بَرَکَاتِکَ وَفَضَائِلَ اٰلَائِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبۡدِکَ وَرَسُوۡلِکَ الۡفَاتِحِ لِمَا اُغۡلِقَ وَالۡخَاتِمِ لِمَا سُبِقَ وَالۡمُعۡلِنِ الۡحَقَّ بِالۡحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَیۡشَاتِ الۡاَبَاطِیۡلِ کَمَا حُمِلَ فَاضۡطَلَعَ بِاَمۡرِکَ بِطَاعَتِکَ مُسۡتَوۡفِزًا فِیۡ مَرۡضَاتِکَ غَیۡرَ نِکۡلٍ فِیۡ قَدَمٍ وَّلَا وَھۡنٍ فِیۡ عَزۡمٍ وَاعِیًا لِّوَحۡیِکَ حَافِظًا لِّعَھۡدِکَ مَاضِیًا عَلٰی نِفَاذِ اَمۡرِکَ حَتّٰی اَوۡرٰی قَبَسًا لِّقَابِسِ اٰلَآءُ اللّٰہِ تَصِلُ بِاَھۡلِہٖ اَسۡبَابُہٗ بِہٖ ھُدِیَتِ الۡقُلُوۡبُ بَعۡدَ خَوۡضَاتِ الۡفِتَنِ وَالۡاِثۡمِ وَاَبۡھَجَ مُوۡضِحَاتِ الۡاَعۡلَامِ وَنَآئِرَاتِ الۡاَحۡکَامِ وَمُنِیۡرَاتِ الۡاِسۡلَامِ فَھُوَ اَمِیۡنُکَ الۡمَاۡمُوۡنُ خَازِنُ عِلۡمِکَ الۡمَخۡزُوۡنِ وَشَھِیۡدُکَ یَوۡمَ الدِّیۡنِ وَبَعِیۡثُکَ نِعۡمَۃً وَّرَسُوۡلُکَ بِالۡحَقِّ رَحۡمَۃً اَللّٰھُمَّ افۡسَحۡ لَہٗ فِیۡ عَدۡنِکَ وَاجۡزِہٖ مُضَاعَفَاتِ الۡخَیۡرِ مِنۡ فَضۡلِکَ لَہٗ مُھَنَّاتٍ غَیۡرَ مُکَدَّرَاتٍ مِّنۡ فَوۡزِ ثَوَابِکَ الۡمَعۡلُوۡلِ وَجَزِیۡلِ عَطَائِکَ الۡمَحۡلُوۡلِ اَللّٰھُمَّ اَعۡلِ عَلٰی بِنَاءِ النَّاسِ بِنَآءَہٗ وَاَکۡرِمۡ مَّثۡوَاہُ لَدَیۡکَ وَنُزُلَہٗ وَاَتۡمِمۡ لَہٗ نُوۡرَہٗ وَاجۡزِہٖ مِنِ ابۡتِعَاثِکَ لَہٗ مَقۡبُوۡلَ الشَّھَادَۃِ مَرۡضِیَّ الۡمَقَالَۃِ ذَا مَنۡطِقٍ عَدۡلٍ وَّخُطَّۃٍ فَصۡلٍ وَّحُجَّۃٍ وَبُرۡھَانٍ عَظِیۡمٍ۔

مگر اس کی سند ٹھیک نہیں اس کا راوی سلامہ کندی نہ تو معروف ہے نہ اس کی ملاقات حضرت علی سے ثابت ہیں۔ ابن ماجہ میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، جب تم حضور ﷺ پر درود بھیجو تو بہت اچھا درود پڑھا کرو۔ بہت ممکن ہے کہ تمہارا یہ درود حضورؐ پر پیش کیا جائے۔ لوگوں نے کہا، پھر آپ ہی ہمیں کوئی ایسا درود سکھایئے آپؓ نے فرمایا بہتر ہے یہ پڑھو اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ صَلٰوتِکَ وَرَحۡمَتَکَ وَبَرَکٰتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاِمَامِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَخَاتِمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٍ عَبۡدِکَ وَرَسُوۡلِکَ اِمَامِ الۡخَیۡرِ وَقَائِدِ الۡخَیۡرِ

وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اس کے بعد التحیات کے بعد کے دونوں درود ہیں- یہ روایت بھی موقوف ہے- ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت یونس بن خباب نے اپنے فارس کے ایک خطبے میں اس آیت کی تلاوت کی- پھر لوگوں کے درود کے طریقے کے سوال کو بیان فرما کر حضور ﷺ کے جواب میں وَارْحَمْ مُحَمَّدً وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ کو بھی بیان فرمایا ہے- اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے رحم کی دعا بھی ہے- جمہور کا یہی مذہب ہے- اس کی مزید تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ ایک اعرابی نے اپنی دعا میں کہا تھا' اے اللہ مجھ پر اور محمدؐ پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر- تو آپؐ نے اسے فرمایا' تو نے بہت ہی زیادہ کشادہ چیز کو تنگ کر دیا- قاضی عیاضؒ نے جمہور مالکیہ سے اس کا عدم جواز نقل کیا ہے- ابو محمد بن ابو زید بھی اس کے جواز کی طرف گئے ہیں- حضورؐ کا فرمان ہے کہ جب تک کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے تب تک فرشتے بھی اس کے لئے دعائے رحم کرتے رہتے ہیں- اب تمہیں اختیار ہے کہ کمی کرو یا زیادتی کرو- (ابن ماجہ) فرماتے ہیں سب سے قریب روز قیامت مجھ سے وہ ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرتا تھا- (ترمذی)

فرمان ہے' مجھ پر جو ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں بھیجتا ہے- اس پر ایک شخص نے کہا' پھر میں اپنی دعا کا آدھا وقت درود میں ہی خرچ کروں گا- فرمایا جیسی تیری مرضی- اس نے کہا' پھر میں دو تہائیاں کرلوں؟ آپؐ نے فرمایا' اگر چاہے- اس نے کہا پھر تو میں اپنا سارا وقت اس کے لئے ہی کر دیتا ہوں آپؐ نے فرمایا' اس وقت اللہ تعالیٰ تجھے دین و دنیا کے غم سے نجات دے دے گا اور تیرے گناہ معاف فرما دے گا- (ترمذی) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آدھی رات کو حضورؐ باہر نکلتے اور فرماتے ہیں' ہلا دینے والی آ رہی ہے اور اس کے پیچھے ہی پیچھے لگنے والی بھی ہے- حضرت ابیؓ نے ایک مرتبہ کہا' حضورؐ میں رات کو کچھ نماز پڑھا کرتا ہوں- تو اس کا تہائی حصہ آپؐ پر درود پڑھتا رہوں؟ آپؐ نے فرمایا' آدھا حصہ- انہوں نے کہا' آدھا کرلوں؟ فرمایا دو تہائی' کہا اچھا میں پورا وقت اسی میں گزار دوں گا- آپؐ نے فرمایا' تب تو اللہ تیرے تمام گناہ معاف فرما دے گا- اسی روایت کی ایک اور سند میں ہے' دو تہائی رات گزرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا' لوگو اللہ کی یاد کرو- لوگو ذکر الٰہی کرو- دیکھو کپکپا دینے والی آ رہی ہے اور اس کے پیچھے ہی پیچھے لگنے والی آ رہی ہے- موت اپنے ساتھ کی کل مصیبتوں اور آفتوں کو لئے ہوئے چلی آ رہی ہے- حضرت ابیؓ نے کہا' یا رسول اللہؐ میں آپ پر بکثرت درود پڑھتا ہوں- پس کتنا وقت اس میں گزاروں؟ آپؐ نے فرمایا' جتنا تو چاہے- کہا چوتھائی؟ فرمایا جتنا چاہو اور زیادہ کرو تو اور اچھا ہے- کہا آدھا؟ تو یہی جواب دیا- پوچھا دو تہائی تو یہی جواب ملا- کہا تو بس میں سارا ہی وقت اس میں گزاروں گا- فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تجھے تیرے تمام ہم و غم سے بچا لے گا- اور تیرے گناہ معاف فرما دے گا- (ترمذی)

ایک شخص نے آپ سے کہا حضورؐ' اگر میں اپنی تمام تر صلوٰۃ آپ ہی پر کردوں تو؟ آپؐ نے فرمایا' دنیا اور آخرت کے تمام مقاصد پورے ہو جائیں گے- (مسند احمد) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں' آپؐ ایک مرتبہ گھر سے نکلے- میں ساتھ ہو لیا' آپ کھجوروں کے ایک باغ میں گئے' وہاں جا کر سجدے میں گر گئے اور اتنا لمبا سجدہ کیا' اس قدر دیر لگائی کہ مجھے تو یہ کھٹکا گزرا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو- قریب جا کر غور سے دیکھنے لگا' اتنے میں آپؐ نے سر اٹھایا' مجھ سے پوچھا' کیا بات ہے؟ تو میں نے اپنی حالت ظاہر کی- فرمایا بات یہ تھی کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمایا' تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے' جو تجھ پر درود بھیجے گا' میں بھی اس پر درود بھیجوں گا اور جو تجھ پر سلام بھیجے گا' میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا- (مسند احمد بن حنبلؒ)

اور روایت میں ہے کہ یہ سجدہ اس امر پر اللہ کے شکریئے کا تھا- ایک مرتبہ حضور ﷺ اپنے کسی کام کے لئے نکلے- کوئی نہ تھا جو آپؐ

کے ساتھ جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے پیچھے پیچھے گئے۔ دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں' دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ کر فرمایا' تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ مجھے سجدے میں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ سنو' میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور فرمایا آپ کی امت میں سے جو ایک مرتبہ آپ پر درود بھیجے گا' اللہ اس پر دس رحمتیں اتارے گا۔ اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔ (طبرانی)

ایک مرتبہ آپ اپنے صحابہؓ کے پاس آئے۔ چہرے سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ صحابہؓ نے سبب دریافت کیا' فرمایا' ایک فرشتے نے آ کر مجھے یہ بشارت دی کہ میرا امتی جب مجھ پر درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر اتریں گی۔ اسی طرح ایک سلام کے بدلے دس سلام۔ (نسائی) اور روایت میں ہے کہ ایک درود کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی' دس گناہ معاف ہوں گے' دس درجے بڑھیں گے اور اسی کے مثل اس پر لوٹایا جائے گا۔ (مسند) جو شخص مجھ پر ایک درود بھیجے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ (مسلم وغیرہ) فرماتے ہیں' مجھ پر درود بھیجا کرو۔ وہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے وسیلہ طلب کیا کرو۔ وہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جو ایک شخص کو ہی ملے گا۔ کیا عجب کہ وہ میں ہی ہوں۔ (احمد) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے کہ حضور ﷺ پر جو درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس پر ستر درود بھیجتے ہیں۔ اب جو چاہے کم کرے اور جو چاہے اس میں زیادتی کرے۔ سنو ایک مرتبہ حضور ﷺ ہمارے پاس آئے۔ ایسے کہ گویا کوئی کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ تین بار فرمایا کہ میں امی نبی محمدؐ ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھے نہایت کھلا' بہت جامع اور ختم کر دینے والا کلام دیا گیا ہے۔ مجھے جہنم کے داروغوں کی' عرش کے اٹھانے والوں کی گنتی بتا دی گئی ہے۔ مجھ پر خاص عنایت کی گئی ہے اور مجھے اور میری امت کو عافیت عطا فرمائی گئی ہے۔ جب تک میں تم میں موجود ہوں' سنتے اور مانتے رہو۔ جب مجھے میرا رب لے جائے تو تم کتاب اللہ کو مضبوط تھامے رہنا۔ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا۔ (مسند احمد) فرماتے ہیں' جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے' اسے چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے۔ ایک مرتبہ کے درود بھیجنے سے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ (ابوداؤد طیالسی) ایک درود دس رحمتیں دلواتا ہے اور دس گناہ معاف کراتا ہے۔ (مسند) بخیل ہے وہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ (ترمذی) اور روایت میں ہے' ایسا شخص سب سے بڑا بخیل ہے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے' انسان کو یہ بخل کافی ہے کہ میرا نام سن کر درود نہ پڑھے۔ فرماتے ہیں' وہ شخص برباد ہوا جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔ وہ برباد ہوا جس کی زندگی میں رمضان آیا اور نکل جانے تک اس کے گناہ معاف نہ ہوئے۔ یہ بھی برباد ہوا جس نے اپنے ماں باپ کے بڑھاپے کے زمانے کو پالیا' پھر بھی انہوں نے اسے جنت میں نہ پہنچایا۔ (ترمذی)

یہ حدیثیں دلیل ہیں اس امر پر کہ حضور ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ جیسے طحاوی حلیمی وغیرہ۔ ابن ماجہ میں ہے' جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا' اس نے جنت کی راہ سے خطا کی۔ یہ حدیث دوسری سند سے مرسل راوی ہے۔ لیکن پہلی احادیث سے اس کی پوری تقویت ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں' مجلس میں ایک دفعہ تو واجب ہے پھر مستحب ہے۔ چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے' جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کے ذکر اور درود کے بغیر اٹھ کھڑے ہوں' وہ مجلس قیامت کے دن ان پر وبال ہو جائے گی۔ اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب کرے چاہے معاف کر دے اور روایت میں ذکر اللہ کا ذکر نہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ گو وہ جنت میں جائیں لیکن محرومی ثواب کے باعث انہیں سخت افسوس رہے گا۔ بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپؐ پر درود واجب ہے۔ پھر مستحب ہے تاکہ آیت کی تعمیل ہو جائے۔ قاضی عیاضؒ نے حضورؐ پر درود بھیجنے کے وجوب کو بیان فرما کر اسی قول کی تائید کی ہے۔ لیکن طبریؒ فرماتے ہیں کہ آیت سے تو استحباب ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان کا مطلب بھی یہی ہو کہ ایک مرتبہ واجب پھر مستحب

جیسے آپ کی نبوت کی گواہی۔ لیکن میں کہتا ہوں' بہت سے ایسے اوقات ہیں جن میں حضور ﷺ پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم ملا ہے لیکن بعض وقت واجب ہے۔ اور بعض جگہ واجب نہیں۔ چنانچہ (۱) اذان سن کر۔ دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے۔ جب تم اذان سنو تو جو موذن کہہ رہا ہو' تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ ایک کے بدلے دس درود اللہ تم پر بھیجے گا۔ پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں' سنو جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرتا ہے' اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ پہلے درود کے زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان گزر چکا ہے۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقْتَرَبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی۔ (مسند) ابن عباسؓ سے دعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدِ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

(۲) مسجد میں جانے اور مسجد سے نکلنے کے وقت۔ چنانچہ مسند میں ہے۔ حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں' جب آنحضرت ﷺ مسجد میں جاتے تو درود و سلام پڑھ کر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو درود و سلام کے بعد اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پڑھتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے' جب مسجدوں میں جاؤ تو نبی ﷺ پر درود پڑھا کرو۔

(۳) نماز کے آخری قعدہ میں التحیات کا درود۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی۔ ہاں اول تشہد میں اسے کسی نے واجب نہیں کہا۔ البتہ مستحب ہونے کا ایک قول شافعیؒ کا ہے۔ گو دوسرا قول اس کے خلاف بھی انہی سے مروی ہے۔

(۴) جنازے کی نماز میں آپؐ پر درود پڑھنا۔ چنانچہ سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ دوسری میں درود پڑھے۔ تیسری میں میت کے لئے دعا کرے چوتھی میں اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ الخ' پڑھے۔ ایک صحابیؓ کا قول ہے کہ مسنون نماز جنازہ یوں ہے کہ امام تکبیر کہہ کر آہستہ سے سورۂ الحمد پڑھے۔ پھر حضورؐ پر درود بھیجے اور جنازے کے لئے مخلصانہ دعا کرے۔ اور تکبیروں میں کچھ نہ پڑھے۔ پھر آہستہ سلام پھیر دے۔ (نسائی)

(۵) عید کی نماز میں۔ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت حذیفہؓ کے پاس آ کر ولید بن عقبہ کہتا ہے' عید کا دن ہے۔ بتلاؤ تکبیروں کی کیا کیفیت ہے؟ عبداللہؓ نے فرمایا' تکبیر تحریمہ کہہ کر اللہ کی حمد کر۔ اپنے نبیؐ پر درود بھیج۔ دعا مانگ۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر قراءت کر۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر کھڑا ہو کر پڑھ اور اپنے رب کی حمد بیان کر اور حضورؐ پر صلوٰۃ پڑھ اور دعا کر اور تکبیر کہہ اور اسی طرح کر۔ پھر رکوع میں جا۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ نے بھی اس کی تصدیق کی۔

(۶) دعا کے خاتمے پر۔ ترمذی میں حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ دعا آسمان و زمین میں معلق رہتی ہے یہاں تک کہ تو درود پڑھے تب چڑھتی ہے۔ ایک روایت مرفوع بھی اسی طرح کی آئی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دعا کے اول میں' درمیان میں اور آخر میں درود پڑھ لیا کرو۔ ایک غریب اور ضعیف حدیث میں ہے کہ مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ کرلو کہ جب وہ اپنی تمام ضروری چیزیں لے لیتا ہے تو پانی کا کٹورہ بھی بھر لیتا ہے۔ اگر وضو کی ضرورت پڑی تو وضو کر لیا' پیاس لگی تو پانی لیا ورنہ پانی بہا دیا۔ دعا کی ابتداء میں دعا کے درمیان میں اور دعا کے آخر میں مجھ پر درود پڑھا کرو۔ خصوصاً دعائے قنوت میں درود کی زیادہ تاکید ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں' مجھے حضورؐ نے کچھ کلمات سکھائے

جنہیں میں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّه لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَالَا یَعِزَّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ (اہل السنن) نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ۔

(۷) جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں۔ مسند احمد میں ہے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے۔ اسی میں قبض کئے گئے۔ اسی میں نفخہ ہے اسی میں بیہوشی ہے۔ پس تم اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا آپ تو زمین میں دفنا دیئے گئے ہوں گے۔ پھر ہمارے درود آپؐ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے جمعہ کے دن بکثرت درود پڑھو اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا۔ موت کے بعد بھی؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے۔ نبی اللہ زندہ ہیں۔ روزی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس میں انقطاع ہے۔ عبادہ بن نسی نے حضرت ابوالدرداءؓ کو پایا نہیں۔ واللہ اعلم۔ بیہقی میں بھی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بکثرت درود بھیجو۔ لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا جسم زمین نہیں کھاتی جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرسل حدیث میں بھی جمعہ کے دن اور رات میں درود کی کثرت کا حکم ہے۔

(۸) اسی طرح خطیب پر بھی دونوں خطبوں میں درود واجب ہے۔ اس کے بغیر صحیح نہ ہوں گے اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور اس میں ذکر اللہ واجب ہے۔ پس ذکر رسول بھی واجب ہوگا۔ جیسے اذان و نماز۔ شافعی اور احمد کا یہی مذہب ہے۔ (۹) آپؐ کی قبر شریف کی زیارت کے وقت۔ ابوداؤد میں ہے جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ ابوداؤد میں ہے اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ میری قبر پر عرس میلہ نہ لگاؤ۔ ہاں مجھ پر درود پڑھو گو تم کہیں بھی ہو لیکن تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق اپنی کتاب فضل الصلوٰۃ میں ایک روایت لائے ہیں کہ ایک شخص ہر صبح روضہ رسولؐ پر آتا تھا اور درود و سلام پڑھتا تھا۔ ایک دن اس سے حضرت علی بن حسین بن علی نے کہا تم روز ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حضورؐ پر سلام کرنا مجھے بہت مرغوب ہے۔ آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں ایک حدیث سناؤں میں نے اپنے باپ سے انہوں نے میرے دادا سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ۔ جہاں کہیں تم ہو۔ وہیں سے مجھ پر درود و سلام بھیجو۔ وہ مجھے پہنچ جاتے ہیں''۔ اس کی اسناد میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام مذکور نہیں۔ اور سند سے یہ روایت مرسل مروی ہے۔ حسن بن حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپؐ کی قبر کے پاس کچھ لوگوں کو دیکھ کر انہیں یہ حدیث سنائی کہ آپؐ کی قبر پر میلہ لگانے سے آپؐ نے روک دیا ہے۔ ممکن ہے ان کی کسی بے ادبی کی وجہ سے یہ حدیث آپ کو سنانے کی ضرورت پڑی ہو مثلاً وہ بلند آواز سے بول رہے ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حضورؐ کے روضہ پر پے در پے آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تو اور جو شخص اندلس میں ہے جہاں کہیں تم ہو وہیں سے سلام بھیجو۔ تمہارے سلام مجھے پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

طبرانی میں ہے حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ خاص راز ہے اگر تم مجھ سے نہ پوچھتے تو میں بھی نہ بتاتا۔ سنو میرے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جب میرا ذکر کسی مسلمان کے سامنے کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں اللہ تجھے بخشے اور خود اللہ اور اس کے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔ مسند احمد میں ہے اللہ تعالیٰ

کے فرشتے ہیں جو زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ میری امت کے سلام مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو میری قبر کے پاس سے مجھ پر سلام پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں اور جو دور سے سلام بھیجتا ہے اسے میں پہنچایا جاتا ہوں۔ یہ حدیث سنداً صحیح نہیں۔ محمد بن مروان سدی صغیر متروک ہے۔

(۱۰) ہمارے ساتھیوں کا قول ہے کہ احرام والا جب لبیک پکارے تو اسے بھی درود پڑھنا چاہیے۔ دارقطنی وغیرہ میں قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق کا فرمان مروی ہے کہ لوگوں کو اس بات کا حکم کیا جاتا تھا۔ صحیح سند سے حضرت فاروق اعظمؓ کا قول مروی ہے کہ جب تم مکہ پہنچو تو سات مرتبہ طواف کرو مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرو۔ پھر صفا پر چڑھو اتنا کہ وہاں سے بیت اللہ نظر آئے۔ وہاں کھڑے رہ کر سات تکبیریں کہو اور ان کے درمیان اللہ کی حمد وثنا بیان کرو اور درود پڑھو۔ اور اپنے لئے دعا کرو۔ پھر مروہ پر بھی اسی طرح کرو۔

(۱۱) ہمارے ساتھیوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ذبح کے وقت بھی اللہ کے نام کے ساتھ درود پڑھنا چاہیے۔ آیت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ سے انہوں نے تائید چاہی ہے کیونکہ اس کی تفسیر میں ہے کہ جہاں اللہ کا ذکر کیا جائے، وہیں آپؐ کا نام بھی لیا جائے گا۔ جمہور اس کے مخالف ہیں، وہ کہتے ہیں یہاں صرف ذکر اللہ کافی ہے۔ جیسے کھانے کے وقت اور جماع کے وقت وغیرہ وغیرہ۔ کہ ان اوقات میں درود کا پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہوا۔ ایک حدیث میں ہے، اگر اس کی اسناد صحیح ثابت ہو جائے تو صحیح ابن خزیمہ میں ہے جب تم میں سے کسی کے کان میں سرسراہٹ ہو تو مجھے ذکر کر کے درود پڑھے اور کہے کہ جس نے مجھے بھلائی سے یاد کیا، اسے اللہ بھی یاد کرے۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کے ثبوت میں نظر ہے۔

مسئلہ: ☆☆ اہل کتابت اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ کاتب جب کبھی حضورؐ کا نام لکھے صلی اللہ علیہ وسلم لکھے۔ ایک حدیث میں ہے، جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے، اس کے درود کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ کتاب رہے۔ لیکن کئی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ بلکہ امام ذہبیؒ کے استاد تو اسے موضوع کہتے ہیں۔ یہ حدیث بہت سے طریق سے مروی ہے لیکن ایک سند بھی صحیح نہیں۔ امام خطیب بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب آداب الراوی والسامع میں لکھتے ہیں، میں نے امام احمدؒ کی دستی لکھی ہوئی کتاب میں بہت جگہ رسول اللہ ﷺ کا نام دیکھا جہاں درود لکھا ہوا نہ تھا۔ آپ زبانی درود پڑھ لیا کرتے تھے۔ فصل ☆☆ نبیوں کے سوا غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنا اگر تبعاً ہو تو بے شک جائز ہے۔ جیسے حدیث میں ہے اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ ہاں صرف غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنے میں اختلاف ہے۔ بعض تو اسے جائز بتاتے ہیں اور دلیل میں آیت هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ الخ اور اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ اور وَصَلِّ عَلَيْهِمْ پیش کرتے ہیں اور یہ حدیث بھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپؐ فرماتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں ''جب میرے والد آپؐ کے پاس اپنا صدقے کا مال لائے تو آپؐ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى'' بخاری ومسلم۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا، یا رسول اللہ مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوت بھیجئے تو آپؐ نے فرمایا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء کے سوا اوروں پر خاصتاً صلوٰۃ بھیجنا ممنوع ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس قدر بکثرت ہو گیا ہے کہ سنتے ہی ذہن میں یہی خیال آتا ہے کہ یہ نام کسی نبی کا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ غیر نبی کے لئے یہ الفاظ نہ کہے جائیں۔ مثلاً ابوبکر صلی اللہ علیہ یا علی صلی اللہ علیہ نہ کہا جائے گو معنی اس میں کوئی قباحت نہیں جیسے محمد عزوجل نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ ذی عزت اور ذی مرتبہ آپ بھی ہیں اس لئے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مشہور ہو

چکے ہیں۔ اور کتاب وسنت میں صلوٰۃ کا جو استعمال غیر انبیاء کے لئے ہوا ہے وہ بطور دعا کے ہے اسی وجہ سے آل ابی اوفی کو اس کے بعد کسی نے ان الفاظ سے یاد نہیں کیا نہ حضرت جابر اور ان کی بیوی کو۔ یہی مسلک ہمیں بھی اچھا لگتا ہے واللہ اعلم۔

بعض ایک اور وجہ بھی بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہ غیر انبیاء کے لئے یہ الفاظ صلوٰۃ استعمال کرنا بددینوں کا شیوہ ہو گیا ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کے حق میں یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ پس ان کی اقتدا ہمیں نہ کرنی چاہیے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مخالفت کس درجے کی ہے۔ حرمت کے طور پر یا کراہیت کے طور پر یا خلاف اولیٰ۔ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لئے کہ بدعتیوں کا طریقہ ہے جس پر ہمیں کاربند ہونا ٹھیک نہیں۔ اور مکروہ وہی ہوتا ہے جس میں نہی مقصود ہو۔ زیادہ تر اعتبار اس میں اسی پر ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ سلف میں نبیوں پر ہی بولا جاتا رہا جیسے کہ عزوجل کا لفظ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بولا جاتا رہا۔ اب رہا سلام سو اس کے بارے میں شیخ ابو محمد جوینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی صلوٰۃ کے معنی میں ہے۔ پس غائب پر اس کا استعمال نہ کیا جائے اور جو نبی نہ ہو اس کے لئے خاصتاً اسے بھی نہ بولا جائے۔ پس علی علیه السلام نہ کہا جائے۔ زندوں اور مردوں کا یہی حکم ہے۔ ہاں جو سامنے موجود ہو اس سے خطاب کر کے سلام علیك یا سلام علیکم یا السلام علیك یا علیکم کہنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عموماً مصنفین کے قلم سے علی علیہ السلام نکلتا ہے۔ یا علی کرم اللہ وجہہ نکلتا ہے گو معنی اس میں کوئی حرج نہ ہو لیکن اس سے اور صحابہؓ کی جناب میں ایک طرح کی سوء ادبی پائی جاتی ہے۔ ہمیں سب صحابہؓ کے ساتھ حسن عقیدت رکھنی چاہیے۔ یہ الفاظ تعظیم وتکریم کے ہیں اس لئے حضرت علیؓ سے زیادہ مستحق ان کے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ نہ بھیجنی چاہیے۔ ہاں مسلمان مردوں عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض مولوی واعظ اپنے خلیفوں اور امیروں کے لئے صلوٰۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لئے تھے۔ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو انہیں کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لئے کہیں اور عام مسلمانوں کے لئے اس کے سوا جو چاہیں دعا کریں۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر قبر رسول اللہ ﷺ کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر سمیٹ کر حضورؐ کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور ستر ہزار رات کو آتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپؐ کی قبر مبارک شق ہوگی تو آپؐ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (فرع) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر صلوٰۃ وسلام ایک ساتھ بھیجنے چاہیں۔ صرف صلی اللہ علیہ وسلم یا صرف علیہ السلام نہ کہے۔ اس آیت میں بھی دونوں ہی کا حکم ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے صلی اللّٰه علیه و سلم تسلیما۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ
الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا
وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ ع ٧ ٦

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے نہایت ذلیل عذاب تیار ہیں۔ جو لوگ مومن مردوں اور

مومن عورتوں کو ایذا دیں' بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو وہ بڑے ہی بہتان باز اور کھلم کھلا گنہگار ہیں ○

ملعون ومعذب لوگ: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) جو لوگ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اس کے روکے ہوئے کاموں سے نہ رک کر اس کی نافرمانیوں پر جم کر اسے ناراض کر رہے ہیں اور اس کے رسولؐ کے ذمے طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں' وہ ملعون اور معذب ہیں۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد تصویریں بنانے والے ہیں۔ بخاری ومسلم میں فرمان رسولؐ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے' وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور زمانہ میں ہوں۔ میں ہی دن رات کا تغیر وتبدل کر رہا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت والے کہا کرتے تھے' ہائے زمانے کی ہلاکی' اس نے ہمارے ساتھ یہ کیا اور یوں کیا۔ پس اللہ کے افعال کو زمانے کی طرف منسوب کر کے پھر زمانے کو برا کہتے تھے تو گویا افعال کے فاعل یعنی خود اللہ کو برا کہتے تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے جب حضورؐ نے نکاح کیا تو اس پر بھی بعض لوگوں نے باتیں بنانا شروع کی تھیں۔ بقول ابن عباسؓ یہ آیت اس بارے میں اتری۔ آیت عام ہے۔ کسی طرح بھی اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دے' وہ اس آیت کے ماتحت ملعون اور معذب ہے۔ اس لئے کہ رسولؐ اللہ کو ایذا دینی گویا اللہ کو ایذا دینی ہے۔ جس طرح آپؐ کی اطاعت عین اطاعت الٰہی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ دیکھو اللہ کو بیچ میں رکھ کر تم سے کہتا ہوں کہ میرے اصحابؓ کو میرے بعد نشانہ نہ بنا لینا۔ میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت رکھنا۔ ان سے بغض و بیر رکھنے والا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے۔ انہیں جس نے ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی' یقین مانو کہ اللہ اس کی بھوسی اڑا دے گا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ جو لوگ ایمانداروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں جن سے وہ بری ہیں' وہ بڑے بہتان باز ہیں اور زبردست گنہگار ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار داخل ہیں۔

پھر رافضی شیعہ جو صحابہؓ پر عیب گیری کرتے ہیں اور اللہ نے جن کی تعریفیں کی ہیں' یہ انہیں برا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ انصار ومہاجرین سے خوش ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی مدح وستائش موجود ہے۔ لیکن یہ بے خبر کند ذہن انہیں برا کہتے ہیں' ان کی مذمت کرتے ہیں۔ اور ان میں وہ باتیں بتاتے ہیں جن سے وہ بالکل الگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے دل اوندھے ہو گئے ہیں اس لئے ان کی زبانیں بھی الٹی چلتی ہیں۔ قابل مدح لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور مذمت والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔ حضورؐ سے سوال ہوتا ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟ آپؐ فرماتے ہیں' تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے اگر وہ سنے تو اسے برا معلوم ہو۔ آپؐ سے سوال ہوا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تب؟ آپؐ نے فرمایا' جبھی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔ (ترمذی) ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی سود خوری کیا ہے؟ انہوں نے کہا' اللہ جانے اور اللہ کا رسولؐ۔ آپؐ نے فرمایا' سب سے بڑا سود اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ
يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ
فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹

اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو

جایا کرے گی۔ پھر نہ ستائی جائیں گی' اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر وافضل کون؟ ☆☆ (آیت:۵۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ تسلیما کو فرماتا ہے کہ آپ مومن عورتوں سے فرمادیں بالخصوص اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں سے کیونکہ وہ تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر وافضل ہیں کہ وہ اپنی چادریں قدرے لٹکالیا کریں تاکہ جاہلیت کی عورتوں سے ممتاز ہو جائیں۔ اسی طرح لونڈیوں سے بھی آزاد عورتوں کی پہچان ہو جائے۔ جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو عورتیں اپنی دوپٹیا کے اوپر ڈالتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ اپنے کسی کام کاج کے لئے باہر نکلیں تو جو چادر وہ اوڑھتی ہیں' اسے سر پر سے جھکا کر منہ ڈھک لیا کریں' صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کے سوال پر حضرت عبیدہ سلمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ اور سر ڈھانک کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر بتادیا کہ یہ مطلب اس آیت کا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنی چادر سے اپنا گلا تک ڈھانپ لے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں' اس آیت کے اترنے کے بعد انصارؓ کی عورتیں جب نکلتی تھیں تو اس طرح لکی چھپی چلتی تھیں گویا ان کے سروں پر پرند ہیں۔ سیاہ چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کرتی تھیں۔ حضرت زہریؒ سے سوال ہوا کہ کیا لونڈیاں بھی چادر اوڑھیں؟ خواہ خاوندوں والیاں ہوں یا بے خاوند کی ہوں؟ فرمایا' دوپٹیا تو ضرور اوڑھیں اگر وہ خاوندوں والیاں ہوں اور چادر نہ اوڑھیں تاکہ ان میں اور آزاد عورتوں میں فرق رہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ ذمی کافروں کی عورتوں کی زینت کا دیکھنا صرف خوف زنا کی وجہ سے ممنوع ہے نہ کہ ان کی حرمت وعزت کی وجہ سے۔ کیونکہ آیت میں مومنوں کی عورتوں کا ذکر ہے۔ چادر کا لٹکانا چونکہ علامت ہے آزاد پاک دامن عورتوں کی' اس لئے یہ چادر کے لٹکانے سے پہچان لی جائیں گی کہ یہ نہ واہی عورتیں ہیں نہ لونڈیاں ہیں۔ سدیؒ کا قول ہے کہ فاسق لوگ اندھیری راتوں میں راستے سے گزرنے والی عورتوں پر آوازے کستے تھے اس لئے یہ نشان ہو گیا کہ گھر گرہست عورتوں اور لونڈیوں باندیوں وغیرہ میں تمیز ہو جائے اور ان پاک دامن عورتوں پر کوئی لب نہ ہلا سکے۔ پھر فرمایا کہ جاہلیت کے زمانے میں جو بے پردگی کی رسم تھی' جب تم اللہ کے اس حکم کے عامل بن جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمام اگلی خطاؤں سے درگزر فرمالے گا اور تم پر مہر و کرم کرے گا۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ
فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا
تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾

اگر اب بھی یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینے کے وہ لوگ جو غلط افواہیں اڑانے والے ہیں باز نہ آئے تو ہم تجھے ان کی تباہی پر مسلط کر دیں گے۔ پھر تو وہ چند دن ہی تیرے ساتھ اس شہر میں رہ سکیں گے ○ ان پر پھٹکار برسائی گئی' جہاں بھی مل جائیں پکڑ دکڑ اور خوب مار پیٹ کی جائے ○ ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا' تو اللہ کے دستور میں کبھی ردوبدل نہ پائے گا ○

(آیت: ٦٠-٦٢) پھر فرماتا ہے کہ اگر منافق لوگ اور بدکار لوگ اور جھوٹی افواہیں دشمنوں کی چڑھائی وغیرہ کی اڑانے والے اب بھی باز نہ آئے اور حق کے طرفدار نہ ہوئے تو ہم اے نبیؐ تجھے ان پر غالب اور مسلط کر دیں گے۔ پھر تو وہ مدینے میں ٹھہر ہی نہیں سکیں گے۔ بہت جلد تباہ کر دیئے جائیں گے اور جو کچھ دن ان کے مدینے کی اقامت کے گزریں گے، وہ بھی لعنت و پھٹکار میں، ذلت اور مار میں گزریں گے۔ ہر طرف سے دھتکارے جائیں گے، راندۂ درگاہ ہو جائیں گے، جہاں جائیں گے گرفتار کیۓ جائیں گے اور بری طرح قتل کیۓ جائیں گے۔ ایسے کفار و منافقین پر جبکہ وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئیں، مسلمانوں کو غلبہ دینا ہماری قدیمی سنت ہے جس میں نہ کبھی تغیر و تبدل ہوا نہ اب ہو۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝٦٣ اِنَّ اللّٰهَ
لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝٦٤ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ
لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝٦٥ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝٦٦
وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا
السَّبِيْلَا ۝٦٧ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ
لَعْنًا كَبِيْرًا ۝٦٨ ع ١٠

لوگ تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تو کہہ دے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ تجھے کیا خبر۔ بہت ممکن ہے کہ قیامت بالکل ہی قریب ہو ○ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے ○ اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیۓ جائیں گے۔ حسرت و افسوس سے کہیں گے کہ کاش کہ ہم اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ○ اور کہیں گے، اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بزرگوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا ○ پروردگار تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما ○

قیامت قریب تر سمجھو: ☆☆ (آیت: ٦٣-٦٨) لوگ یہ سمجھ کر کہ قیامت کب آئے گی، اس کا علم حضور ﷺ کو ہے، آپؐ سے سوال کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنے نبیؐ کی زبانی معلوم کرا دیا کہ اس کا مطلق مجھے علم نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ سورۂ اعراف میں بھی یہ بیان ہے اور اس سورت میں بھی۔ پہلی سورت مکے میں اتری تھی۔ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔۔ جس سے ظاہر کرا دیا گیا کہ ابتدا سے انتہا تک قیامت کے صحیح وقت کی تعیین آپ کو معلوم نہ تھی۔ ہاں اتنا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو معلوم کرا دیا تھا کہ قیامت کا وقت ہے قریب۔ جیسے اور آیت میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور آیت میں ہے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ اور اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ ان پر اپنی ابدی لعنت فرمائی ہے۔

دار آخرت میں ان کے لئے آگ جہنم تیار ہے جو بڑی بھڑکنے والی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کبھی نکل سکیں نہ چھوٹ

سکیں اور وہاں نہ کوئی اپنا فریادرس پائیں گے نہ کوئی دوست و مددگار جو انہیں چھڑا لے یا بچا سکے' یہ جہنم میں منہ کے بل ڈالے جائیں گے- اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم اللہ و رسولؐ کے تابعدار ہوتے - میدان قیامت میں بھی ان کی یہی تمنائیں رہیں گی- ہاتھ کو چباتے ہوئے کہیں گے کہ کاش ہم قرآن و حدیث کے عامل ہوتے - کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا- اس نے تو مجھے قرآن و حدیث سے بہکا دیا- فی الواقع شیطان انسان کو ذلیل کرنے والا ہے- اور آیت میں ہے رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ عنقریب کفار آرزو کریں گے کہ کاش کہ وہ مسلمان ہوتے' اس وقت کہیں گے کہ اللہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے علماء کی پیروی کی- امراء اور مشائخین کے پیچھے لگے رہے- رسولوں کا خلاف کیا اور یہ سمجھا کہ ہمارے بڑے راہ راست پر ہیں- ان کے پاس حق ہے- آج ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ کچھ نہ تھے- انہوں نے تو ہمیں بہکا دیا' پروردگار تو انہیں دوہرا عذاب کر- ایک تو ان کے اپنے کفر کا' ایک ہمیں برباد کرنے کا- اور ان پر بدترین لعنت نازل کر- ایک قراءت میں كَبِيْرًا کے بدلے كَثِيْرًا ہے- مطلب دونوں کا یکساں ہے-

بخاری و مسلم میں ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کسی ایسی دعا کی درخواست کی جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپؐ نے یہ دعا تعلیم فرمائی اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّاِنَّهٗ وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یعنی اے اللہ میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں- میں مانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کر سکتا- پس تو اپنی خصوصی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر- تو بڑا ہی بخشش کرنے والا اور مہربان ہے- اس حدیث میں بھی ظُلْمًا كَثِيْرًا اور كَبِيْرًا دونوں ہی مروی ہیں- بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دعا میں كَثِيْرًا كَبِيْرًا دونوں لفظ ملا لے- لیکن یہ ٹھیک نہیں- بلکہ ٹھیک یہ ہے کہ کبھی کثیرا کہے کبھی کبیرا دونوں لفظوں میں سے جسے چاہے پڑھ سکتا ہے- لیکن دونوں کو جمع نہیں کر سکتا' واللہ اعلم- حضرت علیؓ کا ایک ساتھی آپ کے مخالفین سے کہہ رہا تھا کہ تم اللہ کے ہاں جا کر یہ کہو گے کہ ربنا انا اطعنا الخ-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝۶۹

ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰؑ کو تکلیف دی- جو داغ وہ لگاتے تھے' اللہ نے انہیں اس سے بری کر دیا- وہ اللہ کے نزدیک ذی عزت تھے ○

موسیٰ علیہ السلام کا مزاج: ☆☆ (آیت:۶۹) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ بہت ہی شرمیلے اور بڑے لحاظ دار تھے- یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا- کتاب التفسیر میں تو امام صاحبؒ اس حدیث کو اتنی ہی مختصر لائے ہیں- لیکن احادیث انبیاء کے بیان میں اسے مطول لائے ہیں- اس میں یہ بھی ہے کہ وہ بوجہ سخت حیا و شرم کے اپنا بدن کسی کے سامنے ننگا نہیں کرتے تھے- بنو اسرائیل آپؑ کی ایذا کے درپے ہو گئے اور یہ اڑا دیا کہ چونکہ ان کے جسم پر برص کے داغ ہیں یا ان کے بیضے بڑھ گئے ہیں یا کوئی اور آفت ہے' اس وجہ سے یہ اس قدر پردے داری کرتے ہیں- اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ یہ بدگمانی آپ سے دور کر دے- ایک دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہائی میں ننگے نہا رہے تھے' ایک پتھر پر آپ نے کپڑے رکھ دیئے تھے' جب غسل سے فارغ ہو کر آئے' کپڑے لینے چاہے تو پتھر آگے کو سرک گیا- آپ اپنی لکڑی لئے اس کے پیچھے گئے' وہ دوڑنے لگا- آپ بھی اے پتھر میرے کپڑے میرے کپڑے کرتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے- بنی اسرائیل کی جماعت ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی- جب آپ وہاں تک پہنچ گئے تو اللہ کے حکم سے پتھر ٹھہر گیا- آپ نے اپنے کپڑے پہن لئے- بنو اسرائیل نے آپ کے تمام جسم کو دیکھ لیا اور جو فضول باتیں ان کے کانوں میں پڑی تھیں' ان سے اللہ نے اپنے نبی کو

بری کر دیا۔ غصے میں حضرت موسیٰؑ نے تین یا چار پانچ لکڑیاں پتھر پر ماری تھیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' واللہ لکڑیوں کے نشان اس پتھر پر پڑ گئے۔ اسی برات وغیرہ کا ذکر اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث مسلم میں نہیں۔ یہ روایت بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں ہے۔ بعض روایتیں موقوف بھی ہیں۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پہاڑ پر گئے تھے جہاں حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰ کی طرف بدگمانی کی اور آپ کو ستانا شروع کیا۔ پروردگار عالم نے فرشتوں کو حکم دیا اور وہ اسے اٹھا لائے اور بنو اسرائیل کی مجلس کے پاس سے گزرے۔ اللہ نے اسے زبان دی اور قدرتی موت کا اظہار کیا۔ ان کی قبر کا صحیح نشان نامعلوم ہے۔ صرف اس ٹیلے کا لوگوں کو علم ہے اور وہی ان کی قبر کی جگہ جانتا ہے لیکن بے زبان ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ ایذا یہی ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ ایذا ہو جس کا بیان پہلے گذرا۔ لیکن میں کہتا ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اور یہ دونوں ہوں بلکہ ان کے سوا اور بھی ایذائیں ہوں۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ تقسیم کیا' اس پر ایک شخص نے کہا' اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' میں نے جب یہ سنا تو میں نے کہا' اے اللہ کے دشمن' میں تیری اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ضرور پہنچاؤں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر حضورؐ کو خبر کر دی۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر فرمایا' اللہ کی رحمت ہو حضرت موسیٰؑ پر۔ وہ اس سے بہت زیادہ ایذا دیئے گئے لیکن صبر کیا۔ (بخاری' مسلم)

اور روایت میں ہے' حضورؐ کا عام ارشاد تھا کہ کوئی بھی میرے پاس کسی کی طرف سے کوئی بات نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تم میں آ کر بیٹھوں تو میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی بات چبھتی ہوئی نہ ہو۔ ایک مرتبہ کچھ مال آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے اسے لوگوں میں تقسیم کیا۔ دو شخص اس کے بعد آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ واللہ اس تقسیم سے نہ تو حضورؐ نے اللہ کی خوشی کا ارادہ کیا نہ آخرت کے گھر کا۔ میں ٹھہر گیا اور دونوں کی باتیں سنیں۔ پھر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپؐ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کسی کی کوئی بات میرے سامنے نہ لایا کرو۔ ابھی کا واقعہ ہے کہ میں جا رہا تھا جو فلاں اور فلاں سے میں نے یہ باتیں سنیں۔ اسے سن کر حضورؐ کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور آپؐ پر یہ بات بہت ہی گراں گزری۔ پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا' عبداللہ جانے دو۔ دیکھو موسیٰ اس سے بھی زیادہ ستائے گئے لیکن انہوں نے صبر کیا قرآن فرماتا ہے موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک بڑے مرتبے والے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ جو دعا کرتے تھے' قبول ہوتی تھی۔ ہاں اللہ کا دیدار نہ ہوا۔ اس لئے کہ یہ طاقت انسانی سے خارج تھا۔ سب سے بڑھ کر ان کی وجاہت کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت مانگی۔ اللہ نے وہ بھی عطا فرمائی۔ فرماتا ہے وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ
لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ

مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝۷۲ لِّيُعَذِّبَ
اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ
اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۳ ع ۵

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی باتیں کیا کرو ○ تا کہ اللہ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے، جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے اس نے بڑی مراد پالی ○ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا وہ بڑا ہی ظالم و جاہل ہے ○ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں کو اور مشرک مردوں عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں عورتوں کی توبہ قبول فرمائے۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے ○

تقویٰ کی ہدایت : ☆☆ (آیت: ۷۰-۷۱) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے تقویٰ کی ہدایت کرتا ہے۔ ان سے فرماتا ہے کہ اس طرح وہ اس کی عبادت کریں کہ گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور بات بالکل صاف، سیدھی، سچی، اچھی بولا کریں، جب وہ دل میں تقویٰ، زبان میں سچائی اختیار کر لیں گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں اعمال صالحہ کی توفیق دے گا۔ اور ان کے تمام اگلے گناہ معاف فرما دے گا بلکہ آئندہ کے لئے بھی انہیں استغفار کی توفیق دے گا تا کہ گناہ باقی نہ رہیں۔ اللہ، رسولؐ کے فرماں بردار سچے کامیاب ہیں۔ جہنم سے دور اور جنت سے سرفراز ہیں۔ ایک دن ظہر کی نماز کے بعد مردوں کی طرف متوجہ ہو کر حضورؐ نے فرمایا، مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور سیدھی بات بولنے کا حکم دوں۔ پھر عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر بھی یہی فرمایا (ابن ابی حاتم)۔ ابن ابی الدنیا کی کتاب التقویٰ میں ہے، حضورؐ ہمیشہ منبر پر ہر خطبے میں یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس کی سند غریب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جسے یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کی عزت کریں، اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں، قول سدید لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت خبابؓ فرماتے ہیں، سچی بات قول سدید ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں، ہر سیدھی بات قول سدید میں داخل ہے۔

فرائض، حدود امانت ہیں : ☆☆ (آیت: ۷۲-۷۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امانت سے مراد یہاں اطاعت ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا لیکن وہ بار امانت نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عزاسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کیا کہ یہ سب تو انکار کر رہے ہیں۔ تم کہو۔ آپ نے پوچھا، اللہ اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا، اگر بجا لاؤ گے، ثواب پاؤ گے اور برائی کی سزا پاؤ گے۔ آپؑ نے فرمایا، میں تیار ہوں۔ آپؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں، دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا۔ تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھا۔ بلکہ اس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے اللہ کے خوف سے تھرا اٹھے کہ کہیں پوری ادائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں۔ لیکن انسان جو کہ بھولا تھا، اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اٹھا لیا۔ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔ حضرت ابی کا بیان ہے کہ عورت کی پاک دامنی بھی اللہ کی امانت ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے، دین فرائض، حدود سب اللہ کی امانت ہیں۔ جنابت کا غسل بھی بقول بعض امانت ہے۔ زید بن اسلامؒ فرماتے ہیں، تین چیزیں اللہ کی امانت ہیں، غسل جنابت، روزہ اور نماز۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں سب کی سب امانت میں داخل ہیں۔ تمام احکام بجا لانے، تمام ممنوعات

سے پرہیز کرنے کا انسان مکلف ہے۔ جو بجا لائے گا، ثواب پائے گا جہاں گناہ کرے گا، سزا پائے گا۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں، خیال کرو، آسمان باوجود اس پختگی، زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے اللہ کی امانت برداشت نہ کر سکا جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ بجا آوری اگر نہ ہوئی تو عذاب ہو گا۔ زمین صلاحیت کے باوجود اور سختی کی لمبائی اور چوڑائی کے ڈر گئی اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے لگی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے۔ اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔ مقاتل فرماتے ہیں، پہلے آسمانوں نے جواب دیا اور کہا، یوں تو ہم مطیع ہیں لیکن ہاں ہمارے بس کی یہ بات نہیں کیونکہ عدم بجا آوری کی صورت میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ پھر زمین سے کہا گیا کہ اگر پوری اتری تو فضل و کرم سے نواز دوں گا۔ لیکن اس نے کہا، یوں تو ہر طرح تابعفرمان ہوں، جو فرمایا جائے، عمل کروں لیکن میری وسعت سے تو یہ باہر ہے۔ پھر پہاڑوں سے کہا گیا، انہوں نے بھی جواب دیا کہ نافرمانی تو ہم کرنے کے نہیں۔ امانت ڈال دی جائے تو اٹھا لیں گے لیکن یہ بس کی بات نہیں۔ ہمیں معاف فرمایا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا۔ انہوں نے کہا، اللہ اگر پورا اتروں تو کیا ملے گا؟ فرمایا بڑی بزرگی ہو گی، جنت ملے گی، رحم و کرم ہو گا اور اگر اطاعت نہ کی، نافرمانی کی تو پھر سخت سزا ہو گی اور آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ انہوں نے کہا، اللہ منظور ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں، آسمان نے کہا، میں نے ستاروں کو جگہ دی۔ فرشتوں کو اٹھا لیا لیکن یہ نہیں اٹھا سکوں گا۔ یہ تو فرائض کا بوجھ ہے جس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ زمین نے کہا، مجھ میں تو نے درخت بوئے۔ دریا جاری کئے۔ لوگوں کو بسایا۔ لیکن یہ امانت تو میرے بس کی نہیں۔ میں فرض کی پابند ہو کر ثواب کی امید پر عذاب کے احتمال کو نہیں اٹھا سکتی۔ پہاڑوں نے بھی یہی کہا لیکن انسان نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ تین دن تک وہ گریہ وزاری کرتے رہے اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے رہے لیکن انسان نے اسے اپنے ذمے لے لیا۔ اللہ نے اسے فرمایا، اب سن، اگر تو نیک نیت رہا تو میری اعانت ہمیشہ تیرے شامل حال رہے گی۔ تیری آنکھوں پر میں دو پلکیں کر دیتا ہوں کہ میری ناراضگی کی چیزوں سے تو انہیں بند کر لے۔ میں تیری زبان پر دو ہونٹ بنا دیتا ہوں کہ جب وہ مرضی کے خلاف بولنا چاہے تو تو اسے بند کر لے۔ تیری شرمگاہ کی حفاظت کے لئے میں لباس اتارتا ہوں۔ کہ میری مرضی کے خلاف تو اسے نہ کھولے۔ زمین و آسمان نے ثواب و عذاب سے انکار کر دیا اور فرماں برداری میں مسخر رہے لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔ ایک بالکل غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ امانت اور وفا انسانوں پر نبیوں کی معرفت نازل ہوئیں۔ اللہ کا کلام ان کی زبانوں میں اترا۔ نبیوں کی سنتوں سے انہوں نے ہر بھلائی برائی معلوم کر لی۔ ہر شخص نیکی بدی کو جان گیا۔ یاد رکھو! سب سے پہلے لوگوں میں امانت داری تھی پھر وفا اور عہد کی نگہبانی اور ذمہ داری کو پورا کرنا تھا۔ امانت داری کے دھندلے سے نشان لوگوں کے دلوں پر رہ گئے۔ کتابیں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ عالم عمل کرتے ہیں۔ جاہل جانتے ہیں لیکن انجان بن رہے ہیں۔ اب یہ امانت و وفا مجھ تک اور میری امت تک پہنچی۔ یاد رکھو اللہ اسی کو ہلاک کرتا ہے جو اپنے آپ کو ہلاک کر لے۔ اسے چھوڑ کر غفلت میں پڑ جائے۔ لوگو! ہوشیار رہو۔ اپنے آپ پر نظر رکھو۔ شیطانی وسوسوں سے بچو۔ اللہ تمہیں آزما رہا ہے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟

حضور ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص ایمان کے ساتھ ان چیزوں کو لائے گا، جنت میں جائے گا۔ پانچوں وقتوں کی نماز کی حفاظت کرتا ہو۔ وضو، رکوع، سجدہ اور وقت سمیت زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ دل کی خوشی کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم نکالتا ہو۔ سنو واللہ! یہ بغیر ایمان کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اور امانت کو ادا کرے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ امانت کی ادائیگی سے کیا مراد ہے؟

فرمایا جنابت کا فرضی غسل ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اپنے دین میں سے کسی چیز کی اس کے سوا امانت نہیں دی ۔ تفسیر ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کی راہ کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے مگر امانت کی خیانت کو نہیں مٹاتا ۔ ان خائنوں سے قیامت کے دن کہا جائے گا جاؤ ان کی امانتیں ادا کرو یہ جواب دیں گے اللہ کہاں سے ادا کریں؟ دنیا تو جاتی رہی تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوگا پھر حکم ہوگا کہ انہیں ان کی ماں ہاویہ میں لے جاؤ ۔ فرشتے دھکے دیتے ہوئے گرا دیں گے ۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہنچ جائیں گے تو انہیں اسی امانت کی ہم شکل جہنم کی آگ کی چیز نظر پڑے گی ۔ یہ اسے لے کر اوپر کو چڑھیں گے ۔ جب کنارے تک پہنچیں گے تو وہاں پاؤں پھسل جائے گا ۔ پھر گر پڑیں گے اور جہنم کے نیچے تک گرتے چلے جائیں گے ۔ پھر لائیں گے پھر گریں گے ہمیشہ اسی عذاب میں رہیں گے ۔ امانت وضو میں بھی ہے ۔ نماز میں بھی ہے ۔ امانت بات چیت میں بھی ہے اور ان سب سے زیادہ امانت ان چیزوں میں ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائیں ۔

حضرت براءؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن مسعودؓ یہ کیا حدیث بیان فرما رہے ہیں؟ تو آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے دو حدیثیں سنی ہیں ۔ ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا مجھے انتظار ہے ۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے فرمایا امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی پھر قرآن اترا ۔ حدیثیں بیان ہوئیں ۔ پھر آپؐ نے امانت کے اٹھ جانے کی بابت فرمایا انسان سوئے گا جا اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور ایسا نشان رہ جائے گا جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لڑھک کر آ گیا ہو اور پھپھولا پڑ گیا ہو کہ ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اندر کچھ بھی نہیں ۔ پھر آپؐ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لڑھکا کر دکھا دیا کہ اس طرح لوگ لین دین خرید و فروخت کیا کریں گے ۔ لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا ۔ یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلے میں کوئی امانت دار ہے اور یہاں تک کہ کہا جائے گا یہ شخص کیسا عقلمند کس قدر زیرک دانا اور فراست والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہ ہوگا ۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں دیکھو اس سے پہلے تو میں ہر ایک سے ادھار سدھار کر لیا کرتا تھا کیونکہ اگر مسلمان ہے تو وہ خود میرا حق مجھے دے جائے گا اور اگر یہودی یا نصرانی ہے تو حکومت اسلام مجھے اس سے دلوا دے گی ۔ لیکن اب تو صرف فلاں فلاں کو ہی ادھار دیتا ہوں ۔ باقی بند کر دیا ۔ (مسلم وغیرہ)

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ چار باتیں تجھ میں ہوں پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں ۔ امانت کی حفاظت بات چیت کی صداقت حسن اخلاق اور وجہ حلال کی روزی ۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب الزہد میں ہے کہ جبلہ بن سحیم حضرت زیاد کے ساتھ تھے ۔ اتفاق سے ان کے منہ سے باتوں ہی باتوں میں نکل گیا قسم ہے امانت کی ۔ اس پر حضرت زیاد رونے لگے اور بہت روئے ۔ میں ڈر گیا کہ مجھ سے کوئی سخت گناہ سرزد ہوا ۔ میں نے کہا کیا وہ اسے مکروہ جانتے تھے فرمایا ہاں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بہت مکروہ جانتے تھے اور اسے منع فرماتے تھے ۔ ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں جو امانت کی قسم کھائے امانتداری جو حضرت آدم علیہ السلام نے کی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ منافق مرد و عورت اور مشرک مرد و عورت یعنی وہ جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر تھے اور وہ جو اندر باہر یکساں کافر تھے انہیں تو سخت سزا ملے اور مومن مرد و عورت پر اللہ کی رحمت نازل ہو ۔ جو اللہ کو اس کے فرشتوں کو اسکے رسولوں کو مانتے تھے اور اللہ کے سچے فرمانبردار رہے ۔ اللہ غفور و رحیم ہے ۔

الحمدللہ سورۂ احزاب کی تفسیر ختم ہوئی ۔

تفسیر سورۃ سبا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ۝١ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ۝٢

سچے معبود مہربان کرم فرما کے نام سے شروع

تمام تر تعریفیں اس معبود برحق کے لئے سزاوار ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آخرت میں بھی قابل تعریف وہی ہے' وہ بڑی حکمتوں والا اور پورا خبردار ہے ○ جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے' جو آسمان سے اترے اور جو چڑھ کر اس میں جائے' وہ سب سے باخبر ہے۔ اور وہ بڑا مہربان نہایت بخشش والا ہے ○

اوصاف الٰہی: ☆☆ (آیت:۱-۲) چونکہ دنیا اور آخرت کی سب نعمتیں رحمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں' ساری حکومتوں کا حاکم وہی ایک ہے۔ اس لئے ہر قسم کی تعریف وثنا کا مستحق بھی وہی ہے۔ وہی معبود ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے لئے دنیا اور آخرت کی حمد وثنا سزاوار ہے۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف سب کے سب لوٹائے جاتے ہیں۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے' سب اس کے ماتحت ہے۔ جتنے بھی ہیں' سب اس کے غلام ہیں۔ اس کے قبضے میں ہیں سب پر' تصرف اسی کا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَالۡاُوۡلٰی آخرت میں اسی کی تعریفیں ہوں گی۔ وہ اپنے اقوال' افعال' تقدیر شریعت سب میں حکومت والا ہے۔ اور ایسا خبردار ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں' جس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں' جو اپنے احکام میں حکیم' جو اپنی مخلوق سے باخبر' جتنے قطرے بارش کے زمین میں جاتے ہیں' جتنے دانے اس میں بوئے جاتے ہیں' اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو زمین سے نکلتا ہے' اگتا ہے' اسے بھی وہ جانتا ہے۔ اس کے محیط' وسیع اور بے پایاں علم سے کوئی چیز دور نہیں۔ ہر چیز کی گنتی' کیفیت اور صفت اسے معلوم ہے۔ آسمان سے جو بارش برستی ہے' اس کے قطروں کی گنتی بھی اس کے علم میں محفوظ ہے۔ جو رزق وہاں سے اترتا ہے' اس کے علم سے' نیک اعمال وغیرہ جو آسمان پر چڑھتے ہیں' وہ بھی اس کے علم میں ہیں۔ وہ اپنے بندوں پر خود ان سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اسی وجہ سے ان کے گناہوں پر اطلاع رکھتے ہوئے انہیں جلدی سے سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے کہ وہ توبہ کر لیں۔ برائیاں چھوڑ دیں۔ رب کی طرف رجوع کریں۔ پھر غفور ہے۔ ادھر بندہ جھکا رویا پیٹا' ادھر اس نے بخش دیا یا۔ معاف فرما دیا درگزر کر لیا۔ توبہ کرنے والا دھتکارا نہیں جاتا۔ توکل کرنے والا نقصان نہیں اٹھاتا۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ عَنۡہُ مِثۡقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ

وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾
وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾

کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت قائم ہونے ہی کی نہیں' تو کہہ دے کہ مجھے میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی' اللہ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز واضح کتاب میں موجود ہے ○ تاکہ وہ ایمان والوں اور نیک کاروں کو بھلا بدلہ عطا فرمائے' یہی لوگ ہیں جن کے لئے باکرامت روزی ہے ○ ہماری آیتوں کے مقابلے میں جنہوں نے کوشش کی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے المناک سزاؤں کا عذاب ہے ○

قیامت آ کر رہے گی: ☆☆ (آیت:۳-۵) پورے قرآن میں تین آیتیں ہیں جہاں قیامت کے آنے پر قسم کھا کر بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک تو سورۂ یونس میں وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا قیامت کا آنا حق ہی ہے؟ تو کہہ دے کہ ہاں ہاں' میرے رب کی قسم وہ یقیناً حق ہی ہے اور تم اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتے۔ دوسری آیت یہی۔ تیسری آیت سورۂ تغابن میں زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ یعنی کفار کا خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن اٹھائے نہ جائیں گے۔ تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

پھر اپنے اعمال کی خبر دیئے جاؤ گے اور یہ تو اللہ پر بالکل ہی آسان ہے۔ پس یہاں بھی کافروں کے انکار قیامت کا ذکر کر کے اپنے نبی کو ان کے بارے قسمیہ بتا کر پھر اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اللہ جو عالم الغیب ہے' جس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں' سب اس کے علم میں ہے۔ گو ہڈیاں سڑ گل جائیں' ان کے ریزے متفرق ہو جائیں لیکن وہ کہاں ہیں؟ کتنے ہیں؟ سب وہ جانتا ہے۔ وہ ان سب کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ جیسے کہ پہلے انہیں پیدا کیا۔ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور تمام چیزیں اس کے پاس اس کی کتاب میں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ پھر قیامت کے آنے کی حکمت بیان فرمائی کہ ایمان والوں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے۔ وہ مغفرت اور رزق کریم سے نوازے جائیں' اور جنہوں نے اللہ کی باتوں سے ضد کی' رسولوں کی نہ مانی' انہیں بدترین اور سخت سزائیں ہوں۔ نیک کار مومن جزا اور بدکار کافر سزا پائیں گے۔ جیسے فرمایا جہنمی اور جنتی برابر نہیں۔ جنتی کامیاب اور مقصد پانے والے ہیں۔ اور آیت میں ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ یعنی مومن اور مفسد' متقی اور فاجر برابر نہیں۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ
كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝۸

جنہیں علم ہے، وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ سراسر حق ہے اور اللہ غالب خوبیوں والے کی راہ کی رہبری کرتا ہے ○ کافروں نے کہا آؤ، ہم تمہیں ایک ایسا شخص بتلائیں جو تمہیں یہ خبر پہنچا رہا ہے کہ جب تم بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم پھر سے ایک نئی پیدائش میں آؤ گے ○ ہم نہیں کہہ سکتے کہ خود اس نے ہی اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے دیوانگی ہے، حقیقت یہ کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں ○

(آیت:۶) پھر قیامت کی ایک اور حکمت بیان فرمائی کہ ایماندار بھی قیامت کے دن جب نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل کر لیں گے اور اس وقت کہہ اٹھیں گے کہ ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے اور اس وقت کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا وعدہ رحمان نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ اللہ نے تو لکھ دیا تھا کہ تم قیامت تک رہو گے تو اب قیامت کا دن آ چکا۔ وہ اللہ عزیز ہے یعنی بلند جناب والا بڑی سرکار والا ہے۔ بہت عزت والا ہے۔ پورے غلبے والا ہے۔ نہ اس پر کسی کا بس نہ کسی کا زور۔ ہر چیز اس کے سامنے پست اور عاجز۔ وہ قابل تعریف ہے اپنے اقوال وافعال، شرع وفعل میں۔ ان تمام میں اس کی ساری مخلوق اس کی ثناخواں ہے۔ جَلَّ وَعَلَا۔

کافروں کی جہالت: ☆☆ (آیت:۷-۸) کافر اور ملحد جو قیامت کے آنے کو محال جانتے تھے اور اس پر اللہ کے نبی کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے کفریہ کلمات کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ آپس میں کہتے تھے ''لو اور سنو ہم میں ایک صاحب ہیں جو فرماتے ہیں کہ جب مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور چورا چورا اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، اس کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے، اس شخص کی نسبت دو ہی خیال ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ ہوش وحواس کی درستی میں وہ عمداً اللہ کے ذمے ایک جھوٹ بول رہا ہے اور جو اس نے نہیں فرمایا، وہ اس کی طرف نسبت کر کے یہ کہہ رہا ہے اور اگر یہ نہیں تو اس کا دماغ خراب ہے، مجنون ہے، بے سوچے سمجھے جو جی میں آئے کہہ دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں۔ آنحضرت ﷺ سچے ہیں، نیک ہیں، راہ یافتہ ہیں، دانا ہیں، باطنی اور ظاہری بصیرت والے ہیں۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ منکر لوگ جہالت اور نادانی سے کام لے رہے ہیں اور غور وفکر سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے حق بات اور سیدھی راہ ان سے چھوٹ جاتی ہے اور وہ بہت دور نکل جاتے ہیں۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ
كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ
مُّنِيْبٍ ۝۹ ع ۹

کیا وہ اپنے آگے پیچھے آسمان وزمین کو دیکھ نہیں رہے، اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں، یقیناً اس میں پوری دلیل ہے ہر اس بندے کے لئے جو دل سے متوجہ ہو ○

(آیت:۹) کیا اس کی قدرت میں تم کوئی کمی دیکھ رہے ہو- جس نے محیط آسمان اور بسیط زمین پیدا کر دی- جہاں جاؤ نہ آسمان کا سایہ ختم ہو نہ زمین کا فرش- جیسے فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰھَا بِاَیۡدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰھَا فَنِعۡمَ الۡمٰھِدُوۡنَ ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں- زمین کو ہم نے ہی بچھایا اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں-

یہاں بھی فرمایا کہ آگے دیکھو پیچھے دیکھو اسی طرح دائیں نظر ڈالو بائیں طرف التفات کرو تو وسیع آسمان اور بسیط زمین ہی نظر آئے گی- اتنی بڑی مخلوق کا خالق اتنی زبردست قدرتوں پر قادر کیا تم جیسی چھوٹی سی مخلوق کو فنا کر کے پھر پیدا کرنے پر قدرت کھو بیٹھے؟ وہ تو قادر ہے کہ اگر چاہے تمہیں زمین میں دھنسا دے- یا آسمان تم پر توڑ دے- یقیناً تمہارے ظلم اور گناہ اسی قابل ہیں- لیکن اللہ کا حلم اور عفو ہے کہ وہ تمہیں مہلت دیئے ہوئے ہے- جس میں عقل ہے جس میں دور بینی کا مادہ ہو جس میں غور و فکر کی عادت ہو جس کی اللہ کی طرف جھکنے والی طبیعت ہو جس کے سینے میں دل دل میں حکمت اور حکمت میں نور ہو وہ تو ان زبردست نشانات کو دیکھنے کے بعد اس قادر و خالق اللہ کی اس قدرت میں شک کر ہی نہیں سکتا کہ مرنے کے بعد پھر جینا ہے- آسمانوں جیسے شامیانے اور زمینوں جیسے فرش جس نے پیدا کر دیئے اس پر انسان کی پیدائش کیا مشکل ہے؟ جس نے ہڈیوں گوشت کھال کو ابتداً پیدا کیا- اسے ان کے سڑ گل جانے اور ریزہ ریزہ ہو کر جھڑ جانے کے بعد اکٹھا کر کے اٹھا بٹھانا کیا بھاری ہے؟ اسی کو اور آیت میں فرمایا اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ الخ یعنی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا کیا وہ ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے اور آیت میں ہے لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ یعنی انسانوں کی پیدائش سے بہت زیادہ مشکل آسمان و زمین کی پیدائش ہے- لیکن اکثر لوگ بے علمی برتتے ہیں-

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَالطَّیۡرَ ۚ
وَاَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ
وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا اے پہاڑو اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کر دیا ○ کہ تو پوری پوری زرہیں بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ- تم سب نیک کام کیا کرو یقین مانو کہ میں تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہوں ○

حضرت داؤدؑ پر انعامات الٰہی :

☆☆ (آیت:۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام پر دنیوی اور اخروی رحمت نازل فرمائی - نبوت بھی دی - بادشاہت بھی دی - لاؤ لشکر بھی دیئے - طاقت و قوت بھی دی - پھر ایک پاکیزہ معجزہ یہ عطا فرمایا کہ ادھر نغمہ داؤدی ہوا میں گونجا ادھر پہاڑوں اور پرندوں کو بھی وجد آ گیا - پہاڑوں نے آواز میں آواز ملا کر اللہ کی حمد و ثنا شروع کی - پرندوں نے پر ہلانے چھوڑ دیئے اور اپنی قسم قسم کی پیاری پیاری بولیوں میں رب کی وحدانیت کے گیت گانے لگے-

صحیح حدیث میں ہے کہ رات کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر اللہ کے رسول ﷺ ٹھہر گئے- دیر تک سنتے رہے- پھر فرمانے لگے انہیں نغمہ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے- ابو عثمان نہدیؒ کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابوموسیٰؓ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی- اَوِّبِیۡ کے معنی حبشی زبان میں یہ ہیں کہ تسبیح بیان کرو- لیکن ہمارے نزدیک اس میں مزید غور کی ضرورت ہے- لغت عرب میں یہ لفظ ترجیع کے معنی میں موجود ہے- پس پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ حضرت

داؤدؑ کی آواز کے ساتھ اپنی آواز بھی ملا لیا کریں۔ تاویب کے ایک معنی دن کو چلنے کے بھی آتے ہیں۔ جیسے سَرِی کے معنی رات کو چلنے کے ہیں۔ لیکن یہ معنی بھی یہاں کچھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتے۔ یہاں تو یہی مطلب ہے کہ داؤدؑ کی تسبیح کی آواز میں تم بھی آواز ملا کر خوش آوازی سے رب کی حمد بیان کرو۔ اور فضل ان پر یہ ہوا کہ ان کے لئے لوہا نرم کر دیا گیا۔ نہ انہیں لوہے کو بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت نہ ہتھوڑے مارنے کی حاجت۔ ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا جیسے دھاگے اب اس لوہے سے بفرمان الٰہی آپ زرہیں بناتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے زرہ آپؑ ہی نے ایجاد کی ہے۔ ہر روز صرف ایک زرہ بناتے۔ اس کی قیمت چھ ہزار لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کر دیتے۔ زرہ بنانے کی ترکیب خود اللہ کی سکھائی ہوئی تھی کہ کڑیاں ٹھیک ٹھیک رکھیں۔ حلقے چھوٹے نہ ہوں کہ ٹھیک نہ بیٹھیں۔ بہت بڑے نہ ہوں کہ ڈھیلا پن رہ جائے بلکہ ناپ تول اور صحیح انداز سے حلقے اور کڑیاں ہوں۔ ابن عساکر میں ہے' حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ لیکن ہر شخص کو تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے۔ کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو انسانی صورت میں نازل فرمایا۔ حضرت داؤدؑ کی ان سے بھی ملاقات ہوئی تو جیسے اوروں سے پوچھتے تھے' ان سے بھی سوال کیا' انہوں نے کہا داؤد ہے تو اچھا آدمی۔ مگر ایک کمی اس میں نہ ہوتی تو کامل بن جاتا۔ آپ نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا وہ اپنا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہیں۔ خود بھی اسی میں سے لیتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اسی میں سے کھلاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے۔ اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ اللہ مجھے کوئی کام کاج ایسا سکھا دے جس سے میرا پیٹ بھر جایا کرے۔ کوئی صنعت اور کاریگری مجھے بتا دے' جس سے میں اتنا حاصل کر لیا کروں کہ وہ مجھے اور میرے بال بچوں کو کافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہیں بنانا سکھائیں اور پھر اپنی رحمت سے لوہے کو ان کے لئے بالکل نرم کر دیا۔ سب سے پہلے زرہیں آپؑ نے ہی بنائی ہیں۔ ایک زرہ بنا کر فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصے کر لیتے۔ ایک اپنے کھانے پینے وغیرہ کے لئے۔ ایک صدقے کے لئے۔ ایک چھوڑنے کے لئے تاکہ دوسری زرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں۔ حضرت داؤدؑ کو جو نغمہ دیا گیا تھا' وہ تو محض بے نظیر تھا' اللہ کی کتاب زبور پڑھنے کو بیٹھتے۔ آواز نکلتے ہی چرند پرند صبر وسکون کے ساتھ محویت کے عالم میں آپ کی آواز سے متاثر ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ سارے باجے شیاطین نے نغمہ داؤدی سے نکالے ہیں۔ آپ کی بے مثل خوش آوازی کی یہ چڑاؤنی جیسی نقلیں ہیں۔ اپنی ان نعمتوں کو بیان فرما کر حکم دیتا ہے کہ اب تمہیں بھی چاہیے کہ نیک اعمال کرتے رہو۔ میرے فرمان کے خلاف نہ کرو۔ یہ بہت بری بات ہے کہ جس کے اتنے بڑے اور بے پایاں احسان ہوں' اس کی فرمانبرداری ترک کر دی جائے۔ میں تمہارے اعمال کا نگران ہوں۔ تمہارا کوئی عمل چھوٹا بڑا' نیک بد مجھ سے پوشیدہ نہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ
وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ
يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ
مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ

وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ
دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں ان کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○ جو کچھ سلیمانؑ چاہتے‘ وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔ اے آل داؤد اس کے شکریہ میں نیک اعمال کرو۔ میرے بندوں میں سے شکرگذار بندے کم ہو ہوتے ہیں ○

اللہ کی نعمتیں اور سلیمان علیہ السلام: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۳) حضرت داؤد علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں‘ ان کا بیان کر کے پھر آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں‘ ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کے لئے ہوا کو تابع فرمان بنا دیا۔ مہینے بھر کی راہ صبح ہی صبح ہو جاتی اور اتنی ہی مسافت کا سفر شام کو ہو جاتا۔ مثلاً دمشق سے تخت مع فوج و اسباب کے اڑایا اور تھوڑی دیر میں اصطخر پہنچا دیا جو تیز سوار کے لئے بھی مہینے بھر کا سفر تھا۔ اسی طرح شام کو وہاں سے تخت اڑا اور شام ہی کو کابل پہنچ گیا۔ تانبے کو بطور پانی کے کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے چشمے بہا دیئے تھے کہ جس کام میں جس طرح جس وقت لانا چاہیں تو بلا دقت لے لیا کریں۔ یہ تانبا انہی کے وقت سے کام میں آ رہا ہے۔ سدی کا قول ہے کہ تین دن تک یہ بہتا رہا۔ جنات کو ان کی ماتحتی میں کر دیا۔ جو وہ چاہتے‘ اپنے سامنے ان سے کام لیتے۔ ان میں سے جو جن احکام سلیمانؑ کی تعلیم سے جی چراتا‘ فوراً آگ سے جلا دیا جاتا۔ ابن ابی حاتم میں ہے‘ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں‘ جنات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو پردار ہے۔ دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں وغیرہ۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ابن نعم سے روایت ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کے لئے تو عذاب و ثواب ہے‘ ایک آسمان و زمین میں اڑتے رہتے ہیں۔ ایک سانپ کتے ہیں۔ انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوائے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اور ایک قسم مثل چوپایوں کے ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اور تیسری قسم انسانی صورتوں میں شیطانی دل رکھنے والے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں‘ جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں اور انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ عذاب و ثواب میں دونوں شریک ہیں۔ دونوں کے ایماندار ولی اللہ ہیں اور دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں‘ مَحَارِیْب کہتے ہیں بہترین عمارتوں کو‘ گھر کے بہترین حصے کو‘ مجلس کی صدارت کی جگہ کو۔ بقول مجاہدؒ ان عمارتوں کو جو محلات سے کم درجے کی ہوں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں مسجدوں کو۔ قتادہؒ کہتے ہیں‘ بڑے بڑے محل اور مسجدوں کو۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں گھروں کو۔ تَمَاثِیْل تصویروں کو کہتے ہیں‘ یہ تانبے کی تھیں۔ بقول قتادہؒ وہ مٹی اور شیشے کی تھیں۔ جَوَاب جمع ہے جَابِیَۃٌ کی۔ جابیہ اس حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی آتا رہتا ہے۔ یہ مثل تالاب کے تھیں۔ بہت بڑے بڑے لگن تھے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت بڑی فوج کے لئے بہت سا کھانا بیک وقت تیار ہو سکے اور ان کے سامنے لایا جا سکے۔ اور جمی ہوئی دیگیں جو بوجہ اپنی بڑائی کے اور بھاری پن کے ادھر سے ادھر نہیں کی جا سکتی تھیں۔ ان سے اللہ نے فرما دیا تھا کہ دین و دنیا کی جو نعمتیں میں نے تمہیں دے رکھی ہیں‘ ان پر میرا شکر کرو۔ شکر مصدر ہے بغیر فعل کے یا مفعول لہ ہے اور دونوں تقدیروں پر اس میں دلالت ہے کہ شکر جس طرح قول اور ارادہ سے ہوتا ہے‘ فعل سے بھی ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

اَفَادَتْکُمُ النَّعْمَاء مِنِّی ثَلَاثَۃً   یَدِیْ وَ لِسَانِیْ الضَّمِیْرُ الْمُحْجَبَا

اس میں بھی شاعر نعمتوں کا شکر تینوں طرح مانتا ہے۔ فعل سے زبان سے اور دل سے۔ حضرت عبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ نماز بھی شکر ہے اور روزہ بھی شکر ہے اور بھلا عمل جسے تو اللہ کے لئے کرے شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں' شکر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور نیک عمل ہے۔ آل داؤد دونوں طرح کا شکر ادا کرتے تھے قولاً بھی اور فعلاً بھی۔ ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں'' حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی اہل وعیال' اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی پابندی کے ساتھ نفل نماز تقسیم کی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نماز میں مشغول نظر آتا۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی۔ آپ آدھی رات سوتے۔ تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سو رہتے۔ اسی طرح سب روزوں سے زیادہ محبوب روزے بھی اللہ تعالیٰ کو آپ ہی کے تھے۔ آپ ایک دن روزے سے رہتے اور ایک دن بے روزہ۔ ایک خوبی آپ میں یہ تھی کہ دشمن سے جہاد کے وقت منہ نہ پھیرتے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا کہ پیارے بچے رات کو بہت نہ سویا کرو۔ رات کی زیادہ نیند انسان کو قیامت کے دن فقیر بنا دیتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اسی کتاب میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الہ العالمین تیرا شکر کیسے ادا ہو گا؟ شکر گزاری خود تیری ایک نعمت ہے جواب ملا داؤد اب تو نے میری شکر گزاری ادا کر لی جبکہ تو نے اسے جان لیا کہ کل نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں۔ پھر ایک واقعے کی خبر دی جاتی ہے کہ بندوں میں سے شکر گزار بندے بہت ہی کم ہیں۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ
الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ
لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی موت کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کی لکڑی کو کھا رہا تھا' پس جب سلیمانؑ گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب داں ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں مبتلا نہ رہتے ○

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات: ☆☆ (آیت:۱۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کی کیفیت بیان ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ جو جنات ان کے فرمان کے تحت کام کاج میں مصروف تھے' ان پر ان کی موت کیسے نامعلوم رہی۔ وہ انتقال کے بعد بھی لکڑی کے ٹیکے پر کھڑے ہی رہے اور یہ انہیں زندہ سمجھتے ہوئے سر جھکائے اپنے سخت سخت کاموں میں مشغول رہے۔

مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں' تقریباً سال بھر اسی طرح گزر گیا۔ جس لکڑی کے سہارے آپ کھڑے تھے جب اسے دیمک چاٹ گئی اور وہ کھوکھلی ہوگئی تو آپ گر پڑے۔ اب جنات اور انسانوں کو آپ کی موت کا پتہ چلا۔ تب تو نہ صرف انسانوں کو بلکہ خود جنات کو بھی یقین ہوگیا کہ ان میں سے کوئی بھی غیب داں نہیں۔ ایک مرفوع' منکر اور غریب حدیث میں ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو ایک درخت اپنے سامنے دیکھتے۔ اس سے پوچھتے کہ تو کیسا درخت ہے۔ تیرا کیا نام ہے۔ وہ بتا دیتا۔ آپ اسے اسی استعمال میں لاتے۔ ایک مرتبہ جب نماز کو کھڑے ہوئے اور اسی طرح ایک درخت دیکھا تو پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا ضروب۔ پوچھا تو کس لئے ہے؟ کہا اس گھر کو اجاڑنے کے لئے۔ تب آپ نے دعا مانگی کہ

اللہ میری موت کی خبر جنات پر ظاہر نہ ہونے دے تا کہ انسان کو یقین ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے ۔ اب آپ ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور جنات کو مشکل مشکل کام سونپ دیئے ۔ آپ کا انتقال ہو گیا لیکن لکڑی کے سہارے آپ ویسے ہی کھڑے رہے ۔ جنات دیکھتے رہے اور سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں ۔ اپنے اپنے کام میں مشغول رہے ۔ ایک سال کامل ہو گیا ۔ چونکہ دیمک آپ کی لکڑی کو چاٹ رہی تھی ۔ سال بھر گزرنے پر وہ اسے کھا گئی اور اب حضرت سلیمانؑ گر پڑے اور انسانوں نے جان لیا کہ جنات غیب نہیں جانتے ورنہ سال بھر تک اس مصیبت میں نہ رہتے ۔ لیکن اس کے ایک راوی عطا بن مسلم خراسانی کی بعض احادیث میں نکارت ہوتی ہے ۔

بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عادت تھی، آپ سال سال، دو دو سال یا کم و بیش مدت کے لئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے ۔ آخری مرتبہ انتقال کے وقت بھی آپ مسجد بیت المقدس میں تھے ۔ ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا ۔ آپ اس سے نام پوچھتے ۔ فائدہ پوچھتے ۔ وہ بتاتا ۔ آپ اسی کام میں اسے لاتے ۔ بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا جس نے اپنا نام ضروبہ بتایا ۔ کہا تو کس مطلب کا ہے ۔ کہا اس مسجد کے اجاڑنے کے لئے ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے ۔ فرمانے لگے ۔ میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران ہوگی نہیں البتہ تو میری موت اور اس شہر کی ویرانی کے لئے ہے ۔ چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا ۔ مسجد کی بیچ کی جگہ میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی ۔ وہیں انتقال ہو گیا لیکن کسی کو اس کا علم نہ ہوا ۔ شیاطین سب کے سب اپنی اپنی نوکری بجالاتے رہے کہ ایسا نہ ہو، ہم ڈھیل کریں اور اللہ کے رسولؑ آ جائیں تو ہمیں سزا دیں ۔ یہ محراب کے آگے پیچھے آئے، ان میں جو ایک بہت بڑا پاجی شیطان تھا، اس نے کہا دیکھو جی، اس میں آگے اور پیچھے سوراخ ہیں، اگر میں یہاں سے جا کر وہاں سے نکل آؤں تو میری طاقت مانو گے یا نہیں؟

چنانچہ وہ گیا اور نکل آیا لیکن اسے حضرت سلیمانؑ کی آواز نہ آئی ۔ دیکھ تو سکتے نہ تھے کیونکہ حضرت سلیمانؑ کی طرف نگاہ بھر کر دیکھتے ہی وہ مر جاتے تھے لیکن اس کے دل میں کچھ خیال سا گزرا ۔ اس نے پھر اور جرأت کی اور مسجد میں چلا گیا، دیکھا کہ وہاں جانے کے بعد وہ نہ جلا تو اس کی ہمت اور بڑھ گئی اور اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو دیکھا کہ وہ گرے پڑے ہیں اور انتقال فرما چکے ہیں ۔ اب آ کر سب کو خبر کی ۔ لوگ آئے ۔ محراب کو کھولا تو واقعی اللہ کے رسولؑ کو زندہ نہ پایا ۔ آپ کو مسجد سے نکال لائے ۔ مدت انتقال کا علم حاصل کرنے کے لئے انہوں نے لکڑی کو دیمک کے سامنے ڈال دیا ۔ ایک دن رات تک جس قدر دیمک نے اسے کھایا اسے دیکھ کر اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو پورا سال گزر چکا ۔ تمام لوگوں کو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ جنات جو بنتے تھے کہ ہم غیب کی خبریں جانتے ہیں، یہ محض ان کی دھونس تھی ورنہ سال بھر تک کیوں مصیبت جھیلتے رہتے ۔ اس وقت سے جنات گھن کے کیڑے کو مٹی اور پانی لا دیا کرتے ہیں گویا اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ کہا یہ بھی تھا کہ اگر تو کچھ کھاتا پیتا ہوتا تو بہتر سے بہتر غذا ہم تجھے پہنچاتے ۔ لیکن یہ سب بنی اسرائیل کے علماء کی روایتیں ہیں ۔ ان میں جو مطابق حق ہوں قبول ۔ خلاف حق ہوں، مردود دونوں سے الگ ہوں، وہ نہ تصدیق کے قابل نہ تکذیب کے ۔ واللہ اعلم بالغیب ۔

حضرت زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہہ رکھا تھا کہ میری موت کا وقت مجھے کچھ پہلے بتا دینا ۔ حضرت ملک الموت نے یہی کیا تو آپؑ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کی ۔ یہ موت کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا ۔ حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر کے گئے ۔ پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے ۔ جنات ادھر ادھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے

مشغول رہے لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا' جب وہ آدھی کھا چکا تو اب لکڑی بوجھ نہ اٹھا سکی اور آپ گر پڑے- جنات کو آپؑ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے- اور بھی بہت سے اقوال سلف سے یہ مروی ہے-

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ
وَّشِمَالٍ ۬ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ
طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ
وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ
مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ
نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

قوم سبا کے لئے اپنی بستیوں میں قدرت الٰہی کی نشانی تھی' ان کے دائیں بائیں دو باغ تھے کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر یہ ادا کرو' عمدہ شہر اور بخشنے والا رب ○ لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور کی رو کا پانی کا نالا بھیج دیا اور ہم نے ان کے ہرے بھرے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جو بدمزہ میووں والے اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں والے تھے ○ ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بدلہ انہیں دیا' ہم ایسی سخت سزا بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیتے ہیں ○

قوم سبا کا تفصیلی تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۷) قوم سبا یمن میں رہتی تھی- تبع بھی ان میں سے ہی تھے- بلقیس بھی انہی میں سے تھیں- یہ بڑی نعمتوں اور راحتوں میں تھے- چین آرام سے زندگی گزار رہے تھے- اللہ کے رسول ان کے پاس آئے- انہیں شکر کرنے کی تلقین کی- رب کی وحدانیت کی طرف بلایا- اس عبادت کا طریقہ سمجھایا- کچھ زمانے تک وہ یونہی رہے لیکن پھر جبکہ انہوں نے سرتابی اور روگردانی کی' احکام الٰہی بے پرواہی سے ٹال دیئے تو ان پر زور کا سیلاب آیا اور تمام ملک' باغات اور کھیتیاں وغیرہ تاخت و تاراج ہو گئیں- جس کی تفصیل یہ ہے- رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپؐ نے فرمایا' یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے تھے اور چار شام میں- مذحج' کندہ' ازد' اشعری' اغار' حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں- لخم' جذام' عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شامی ہیں-

فردہ بن مسیکؓ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا' ہاں- جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا' دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا- نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا- میں نے کہا' حضورؐ یہ سبا کس کا نام ہے؟ تو آپ کا جواب تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا- اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ انمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں- ایک اور مطول روایت میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت فردہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ جاہلیت کے زمانے میں قوم سبا کی عزت تھی- مجھے اب ان کے ارتداد کا خوف ہے- اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے جہاد کروں- آپ نے فرمایا' ان کے بارے میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا- پس یہ آیت اتری- لیکن اس میں غرابت ہے- اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے' حالانکہ سورت مکیہ ہے-

محمد بن اسحاق سبا کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ عبد شمس بن العرب بن قحطان۔ اسے سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے سب سے پہلے عرب میں دشمن کے قید کرنے کا رواج ڈالا۔ اس وجہ سے اسے رائش بھی کہتے ہیں۔ مال کو ریش اور ریاش بھی عربی میں کہتے ہیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپؐ کی پیشین گوئی کی تھی کہ ملک کا مالک ہمارے بعد ایک نبی ہوگا جو حرم کی عزت کرے گا۔ اس کے بعد اس کے خلیفہ ہوں گے، جن کے سامنے دنیا کے بادشاہ سرنگوں ہو جائیں گے۔ پھر ہم میں بھی بادشاہت آئے گی۔ اور بنو قحطان کے ایک نبی بھی ہوں گے۔ اس نبی کا نام احمد ہوگا (ﷺ) کاش کہ میں بھی ان کی نبوت کے زمانے کو پا لیتا تو ہر طرح کی خدمت کو غنیمت سمجھتا۔ لوگو جب بھی اللہ کے وہ رسولؐ ظاہر ہوں تو تم پر فرض ہے کہ ان کا ساتھ دو اور ان کے مددگار بن جاؤ اور جو بھی آپ سے ملے، اس پر میری جانب سے فرض ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دے۔ (اکیل ہمدانی) قحطان کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ارم بن سام بن نوح کی نسل میں سے ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ عابر یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔ تیسرا یہ کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہے۔ اس سب کو تفصیل کے ساتھ حافظ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الا بناہ میں ذکر کیا ہے۔ بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ سبا عرب میں سے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کی نسل سے عرب ہوئے، ان کا نسل ابراہیمی میں سے ہونا مشہور نہیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضورؐ ان کے پاس سے نکلے تو آپ نے فرمایا، اے اولاد اسماعیل، تیر اندازی کئے جاؤ۔ تمہارے والد بھی پورے تیر انداز تھے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسب خلیل الرحمٰن علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے، سبا کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہوگیا۔ ایک جماعت یہاں آ کر بسی تھی، دوسری شام چلی گئی۔ انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اسی نام کی پانی والی ایک جگہ پر یہ ٹھہرے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنوے کا نام غسان تھا۔ یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی دس اولادیں تھیں، اس سے مراد صلبی اولادیں نہیں کیونکہ بعض بعض دو دو تین تین نسلوں بعد کے بھی ہیں۔ جیسے کہ کتب انساب میں موجود ہے جو شام اور یمن میں جا کر آباد ہوئے۔ یہ بھی سیلاب کے آنے کے بعد کا ذکر ہے۔ بعض وہیں رہے۔ بعض ادھر ادھر چلے گئے۔

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے۔ جہاں سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے اسی طرح نالے اور دریا بھی ادھر ادھر سے آتے تھے۔ ان کے قدیمی بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوا دیا تھا جس دیوار کی وجہ سے پانی ادھر ادھر ہو گیا تھا اور بصورت دریا جاری رہا کرتا تھا جس کے دونوں جانب باغات اور کھیتیاں لگا دی تھیں۔ پانی کی کثرت اور زمین کی عمدگی کی وجہ سے یہ خطہ بہت ہی زرخیز اور ہرا بھرا رہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت قتادہؒ کا بیان ہے کہ کوئی عورت اپنے سر پر جھلی رکھ کر چلتی تھی۔ کچھ دور جانے تک پھلوں سے وہ جھلی بالکل بھر جاتی تھی۔ درختوں سے پھل خود بخود جو جھڑتے تھے، وہ اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی تھی۔ یہ دیوار مارب میں تھی۔ صنعاء سے تین مراحل پر تھی اور سد مارب کے نام سے مشہور تھی۔ آب و ہوا کی عمدگی، صحت، مزاج اور اعتدال عنایت الہیہ سے اس طرح تھا کہ ان کے ہاں مکھی، مچھر اور زہریلے جانور بھی نہیں ہوتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ وہ لوگ اللہ کی توحید کو مانیں اور دل و جان سے اس کی خلوص کے ساتھ عبادت کریں۔ یہ تھی وہ نشانی قدرت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان آبادستی اور بستی کے دونوں طرف ہرے بھرے پھل دار باغات اور سرسبز کھیتیاں۔

اوران سے جناب باری نے فرمادیا تھا کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزیاں کھاؤ پیو اور اس کے شکر میں لگے رہو لیکن انہوں نے اللہ کی توحید کو اور اس کی نعمتوں کے شکر کو بھلا دیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔ جیسے کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ جِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَّقِيْنٍ الخ یعنی میں تمہارے پاس سبا کی ایک پختہ خبر لایا ہوں۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے جس کے پاس تمام چیزیں موجود ہیں۔ عظیم الشان تخت سلطنت پر وہ متمکن ہے۔ رانی اور رعایا سب سورج پرست ہیں۔ شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ بے راہ ہو رہے ہیں۔

مروی ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبران کے پاس آئے تھے۔ بالآخر شامت اعمال رنگ لائی۔ جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی' وہ چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کر دی اور بارش کے زمانے میں وہ ٹوٹ گئی۔ پانی کی ریل پیل ہو گئی۔ ان دریاؤں کے' چشموں کے' بارش کے نالوں کے' سب پانی آ گئے۔ ان کی بستیاں' ان کے محلات' ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ و برباد ہو گئیں۔ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت جمتا ہی نہ تھا۔ پیلو' جھاؤ' کیکر' ببول اور ایسے ہی بے میوہ بدمزہ بے کار درخت اگتے تھے۔ ہاں البتہ کچھ بیریوں کے درخت اگ آئے تھے جو نسبتاً اور درختوں سے کارآمد تھے۔ لیکن وہ بھی بہت زیادہ خاردار اور بہت کم پھل دار تھے۔ یہ تھا ان کے کفر و شرک کی سرکشی اور تکبر کا بدلہ کہ نعمتیں کھو بیٹھے اور زحمتوں میں مبتلا ہو گئے۔ کافروں کو یہی اور اسی جیسی ہی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ حضرت ابو خیرہؒ فرماتے ہیں' گناہوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آ جائے۔ روزگار میں تنگی واقع ہو۔ لذتوں میں سختی آ جائے یعنی جہاں کسی راحت کا منہ دیکھا فوراً کوئی زحمت آ پڑی اور مزہ مٹی ہو گیا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿١٨﴾

ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور رکھی تھیں جو برسر راہ ظاہر تھیں اور ان میں چلنے کی منزلیں ہم نے مقرر کر دی تھیں' ان میں راتوں اور دنوں کو بہ امن و امان چلتے پھرتے رہو ○

قوم سبا پر اللہ کی نعمتیں: ☆☆ (آیت:۱۸) ان پر جو نعمتیں تھیں' ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قریب قریب آبادیاں تھیں۔ کسی مسافر کو اپنے سفر میں توشہ یا پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ہر منزل پر پختہ مزے دار تازے میوے' خوشگوار میٹھا پانی موجود۔ ہر رات کو کسی بستی میں گزار لیں اور راحت و آرام امن و امان سے جائیں آئیں۔ کہتے ہیں کہ یہ بستیاں صنعا کے قرب و جوار میں تھیں' باعد کی دوسری قراءت بعدہ۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿١٩﴾

لیکن انہوں نے پھر درخواست کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفر دور دراز کے کر دے چونکہ خود انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا برا کیا' اس لئے ہم نے انہیں گذشتہ فسانوں کی صورت میں کر دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے' ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لئے اس ماجرے میں بہت سی عبرتیں ہیں ○

(آیت:۱۹) اس راحت و آرام سے وہ پھول گئے اور جس طرح بنو اسرائیل نے من سلویٰ کے بدلے لہسن پیاز وغیرہ طلب کیا تھا'

انہوں نے بھی دور دراز کے سفر طے کرنے کی چاہت کی- تاکہ درمیان میں جنگل بھی آئیں- غیر آباد جگہیں بھی آئیں- کھانے پینے کا لطف بھی آئے- قوم موسیٰ کی اس طلب نے ان پر ذلت و مسکنت ڈالی- اسی طرح انہیں بھی فراخی روزی کے بعد ہلاکت ملی- بھوک اور خوف میں پڑے- اطمینان اور امن غارت ہوا- انہوں نے کفر کر کے خود اپنا بگاڑا- اب ان کی کہانیاں رہ گئیں- لوگوں میں ان کے افسانے رہ گئے- تتر بتر ہو گئے- یہاں تک کہ جو قوم تین تیرہ ہو جائے تو عرب میں انہیں سبائیوں کی مثل سناتے ہیں- عکرمہؒ ان کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے- اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں- تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائیداد بہت ساری تھی- اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور ان حویلیوں اور مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہیے-

آخر ایک بات اس کی سمجھ میں آ گئی- اس کے سسرال کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی جری ہونے کے علاوہ مالدار تھا- اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا' سنو کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے- میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا- میں تجھے برا بھلا کہوں گا- تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا- میں اٹھ کر تجھے تھپڑ ماروں گا- تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا- اس نے کہا ابا جی مجھ سے یہ کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا' تم نہیں سمجھتے- ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تمہیں میرا حکم مان لینا چاہیے- اس نے اقرار کیا- دوسرے دن جبکہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے' اس نے اپنے اس لڑکے سے کسی کام کو کہا- اس نے صاف انکار کر دیا- اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں- یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا- لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا- یہ اور غضبناک ہوا اور کہنے لگا چھری لاؤ- میں تو اسے ذبح کروں گا- تمام لوگ گھبرا گئے- ہر چند سمجھایا لیکن یہ یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا- لوگ دوڑے بھاگے گئے اور لڑکے کے ننھیال والوں کو خبر کی- وہ سب آ گئے- اول تو منت سماجت کی' منوانا چاہا لیکن یہ کب مانتا تھا- انہوں نے کہا' آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے- اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہے' سزا دیجئے لیکن اس نے کہا' میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ اپنے ہاتھ سے ذبح کروں گا- انہوں نے کہا' ایسا آپ نہیں کر سکتے اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے-

اس نے کہا' اچھا- جب یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں ایسے شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں- مجھ سے میرے مکانات' جائیدادیں اور زمینیں خرید لو- میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں- چنانچہ اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی- جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو خبر کر دی' سنو عذاب الٰہی آ رہا ہے- زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے- اب تم میں سے جو محنت کر کے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزومند ہو' وہ تو عمان چلا جائے اور جو کھانے پینے کا شوقین ہو' وہ بصرے چلا جائے- اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو' وہ مدینے چلا جائے- قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا- جسے جو جگہ اور جو چیز پسند آئی' وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا- بعض عمان کی طرف' بعض بصرے کی طرف- بعض مدینے کی طرف- اس طرح تین قبیلے چلے تھے- اوس اور خزرج اور بنو عثمان- جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنو عثمان نے کہا' ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے- اب ہم آگے نہیں جائیں گے- چنانچہ یہ یہیں بس گئے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا- کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے- اوس و خزرج برابر مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا-

یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے- جس کاہن کا اس میں ذکر ہے' اس کا نام عمرو بن عامر ہے- یہ یمن کا ایک سردار تھا اور سبا کے بڑے لوگوں میں سے تھا اور ان کا کاہن تھا- سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ سب سے پہلے یہی یمن سے نکلا تھا اس لئے کہ سد مارب کو کھوکھلا کرتے

ہوئے اس نے چوہوں کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ اب یمن کی خیر نہیں۔ یہ دیوار گری اور سیلاب سب تہ و بالا کر دے گا تو اس نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے کو وہ مکر سکھایا جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اس وقت اس نے غصے میں کہا کہ میں ایسے شہر میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ میں اپنی جائیدادیں اور زمینیں اسی وقت بیچتا ہوں۔ لوگوں نے کہا۔ عمرو کے اس غصے کو غنیمت جانو چنانچہ سستا مہنگا سب کچھ بیچ ڈالا۔ اور فارغ ہو کر چل پڑا۔ قبیلہ اسد بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں عکہ ان سے لڑے۔ برابر برابر کی لڑائی رہی۔ جس کا ذکر عباس بن مرداس اسلمیؓ کے شعروں میں بھی ہے۔ پھر یہ یہاں سے چل کر مختلف شہروں میں پہنچ گئے۔ آل جفتہ بن عمرو بن عامر شام میں گئے۔ اوس و خزرج مدینے میں' خزاعہ مر میں' ازمراۃ سراۃ میں۔ ازدعمان عمان میں۔ یہاں سیلاب آیا جس نے مارب کے بند کو توڑ دیا۔ سدی نے اس قصے میں بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے مقابلے کے لئے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ بھتیجے کو کہا تھا۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ اس کی عورت جس کا نام طریفہ تھا' اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے سب کو بتائی تھی اور روایت میں ہے کہ عمان میں غسانی اور ازدبھی ہلاک کر دیئے گئے۔ میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ریل پیل پھلوں اور کھیتوں کی بے شمار روزی کے باوجود سیل عرم سے یہ حالت ہوگئی کہ ایک ایک لقمے کو اور ایک ایک بوند پانی کو ترس گئے۔ یہ پکڑ اور عذاب' یہ تنگی اور سزا جو انہیں پہنچی' اس سے ہر صابر و شاکر عبرت حاصل کر سکتا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں کس طرح انسان کو گھیر لیتی ہیں۔ عافیت کو ہٹا کر آفت کو لے آتی ہیں۔ مصیبتوں پر صبر' نعمتوں پر شکر کرنے والے اس میں دلائل قدرت پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے تعجب ناک فیصلہ کیا ہے۔ اگر اسے راحت ملے اور یہ شکر کرے تو اجر پائے اور اگر اسے مصیبت پہنچے اور صبر کرے تو اجر پائے۔ غرض مومن کو ہر حالت پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس کا ہر کام نیک ہے۔ یہاں تک کہ محبت کے ساتھ جو لقمہ اٹھا کر یہ اپنی بیوی کے منہ میں دے' اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے (مسند احمد)

بخاری و مسلم میں ہے' آپؐ فرماتے ہیں تعجب ہے کہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی کافی ہے۔ اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے۔ یہ نعمت تو صرف مومن کو ہی حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت بہتری اور بھلائی والی ہے۔ حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں' صبر و شکر کرنے والا بندہ کتنا ہی اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۲۰ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطٰنٍ إِلَّا
لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ
وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝۲۱ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم ع ۱۲ ۸
مِّن دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي
الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَّمَا لَهُ مِنْهُم مِّن
ظَهِيرٍ ۝۲۲

شیطان نے ان کے بارے میں سوچ رکھا تھا' اسے سچا کر دکھایا۔ یہ لوگ سب کے سب اس کے تابعدار بن گئے سوائے مومنوں کی جماعت کے ○ شیطان کا ان پر

کوئی زور اور دباؤ نہ تھا مگر تا کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' ان لوگوں میں ممتاز طور پر ظاہر کر دیں جو اس سے شک میں ہیں- تیرا رب ہر ہر چیز پر نگہبان ہے ○ کہہ دے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے' سب کو پکار لو' نہ تو ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے ○

ابلیس اور اس کا عزم: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) سبا کے قصے کے بیان کے بعد شیطان کے اور مریدوں کا عام طور پر ذکر فرماتا ہے کہ وہ ہدایت کے بدلے ضلالت' بھلائی کے بدلے برائی لے لیتے ہیں- ابلیس نے راندۂ درگاہ ہو کر جو کہا تھا کہ میں ان کی اولاد کو ہر طرح برباد کرنے کی کوشش کروں گا اور تھوڑی سی جماعت کے سوا باقی سب لوگوں کو تیری سیدھی راہ سے بھٹکا دوں گا' اس نے یہ کر دکھایا اور اولاد آدم کو اپنے پنجے میں پھانس لیا- جب حضرت آدمؑ وحوا اپنی خطا کی وجہ سے جنت سے اتار دیئے گئے اور ابلیس لعین بھی ان کے ساتھ اترا' اس وقت وہ بہت خوش تھا اور جی میں اترا رہا تھا کہ جب انہیں میں نے بہکا لیا تو ان کی اولاد کو تباہ کر دینا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے- اس خبیث کا قول تھا کہ میں ابن آدم کو سبز باغ دکھاتا رہوں گا- غفلت میں رکھوں گا- طرح طرح سے دھوکے دوں گا اور اپنے جال میں پھنسائے رکھوں گا- جس کے جواب میں جناب باری جل جلالہ نے فرمایا تھا' مجھے بھی اپنی عزت کی قسم موت کے غرغرے سے پہلے جب کبھی وہ توبہ کرے گا' میں فوراً قبول کر لوں گا- وہ مجھے جب پکارے گا' میں اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا- مجھ سے جب کبھی جو کچھ مانگے گا' میں اسے دوں گا- مجھ سے جب وہ بخشش طلب کرے گا' میں اسے بخش دوں گا- (ابن ابی حاتم)

اس کا کوئی غلبہ' حجت' زبردستی' مار پیٹ انسان پر نہ تھی- صرف دھوکہ' فریب اور مکر بازی تھی جس میں یہ سب پھنس گئے- اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ مومن و کافر ظاہر ہو جائیں- حجت اللہ ختم ہو جائے- آخرت کو ماننے والے شیطان کی نہیں مانیں گے- اس کے منکر رحمان کی اتباع نہیں کریں گے- اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے- مومنوں کی جماعت اس کی حفاظت کا سہارا لیتی ہے اس لئے ابلیس ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا- اور کافروں کی جماعت خود اللہ کو چھوڑ دیتی ہے اس لئے ان پر سے اللہ کی نگہبانی ہٹ جاتی ہے اور وہ شیطان کے ہر فریب کا شکار بن جاتے ہیں-

وحدہ لاشریک: ☆☆ (آیت: ۲۲) بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اکیلا ہے' واحد ہے' احد ہے' فرد ہے' صمد ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ بے نظیر' لاشریک اور بے مثیل ہے- اس کا کوئی شریک نہیں- ساتھی نہیں' مشیر نہیں' وزیر نہیں' مددگار و پشتی بان نہیں- پھر ضد کرنے والا اور خلاف کہنے والا کہاں؟ جن جن کو پکارا کرتے ہو' پکار کر دیکھ لو' معلوم ہو جائے گا کہ ایک ذرے کے بھی مختار نہیں- محض بے بس اور بالکل محتاج و عاجز ہیں' نہ زمینوں میں ان کی کچھ چلے نہ آسمانوں میں- جیسے اور آیت میں ہے وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ کہ وہ ایک کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں- اور یہی نہیں کہ انہیں خود اختیار حکومت نہ ہو نہ سہی' شرکت کے طور پر ہی ہو' نہیں' شرکت کے طور پر بھی نہیں- نہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے کسی کام میں مدد لیتا ہے- بلکہ یہ سب کے سب فقیر محتاج ہیں- اس کے در کے غلام اور اس کے بندے ہیں-

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا
فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ (۲۳)

درخواست شفاعت بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز اس کے جن کے لئے اجازت ہو جائے- یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی تو پوچھتے ہیں' تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا' اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے ○

(آیت:۲۳) اس کی عظمت و کبریائی' عزت و بڑائی ایسی ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش کے لئے بھی لب ہلا سکے- جیسے فرمان ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کون ہے؟ جو اس کے سامنے کسی کی شفاعت بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے- اور آیت میں ہے کَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یعنی آسمانوں کے کل فرشتے بھی اس کے سامنے کسی کی سفارش کے لئے لب ہلا نہیں سکتے مگر جس کے لئے اللہ اپنی رضامندی سے اجازت دے دے- ایک اور جگہ فرمان ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی الخ وہ لوگ صرف ان کی شفاعت کر سکتے ہیں جن کے لئے اللہ کی رضامندی ہو- وہ تو خود ہی اس کے خوف سے تھرا رہے ہیں- تمام اولاد آدم کے سردار' سب سے بڑے شفیع اور سفارشی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب قیامت کے دن مقام محمود میں شفاعت کے لئے تشریف لے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئے اور مخلوق کے فیصلے کرے' اس وقت کی نسبت آپ فرماتے ہیں' میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا- اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک سجدے میں پڑا رہوں گا- اس سجدے میں اس قدر اپنے رب کی تعریفیں بیان کروں گا کہ اس وقت تو وہ الفاظ بھی مجھے معلوم نہیں- پھر مجھ سے کہا جائے گا' اے محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھایئے- آپؐ بات کیجئے- آپؐ کی بات سنی جائے گی- آپؐ مانگئے' آپ کو دیا جائے گا- آپؐ شفاعت کیجئے' قبول کی جائے گی-

رب کی عظمت کا ایک اور مقام بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی وحی میں کلام کرتا ہے اور آسمانوں کے مقرب فرشتے اسے سنتے ہیں تو ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور غشی والے کی طرح ہو جاتے ہیں جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ ہٹ جاتی ہے- فزع کی دوسری قراءت فرغ بھی آئی ہے- مطلب دونوں کا ایک ہے- تو اب آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ اس وقت رب کا کیا حکم نازل ہوا؟ پس اہل عرش اپنے پاس والوں کو' وہ اپنے پاس والوں کو یونہی درجہ بدرجہ حکم پہنچا دیتے ہیں- بلاکم وکاست ٹھیک اسی طرح پہنچا دیتے ہیں- ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب سکرات کا وقت آتا ہے' اس وقت مشرک یہ کہتے ہیں اور اسی طرح قیامت کے دن بھی جب اپنی غفلت سے چونکیں گے اور ہوش و حواس قائم ہو جائیں گے' اس وقت یہ کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب ملے گا کہ حق فرمایا' حق فرمایا اور جس چیز سے دنیا میں بےفکر تھے' آج ان کے سامنے پیش کر دی جائے گی- تو دلوں سے گھبراہٹ دور کئے جانے کے یہ معنی ہوئے کہ جب آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا' اس وقت سب شک و تکذیب الگ ہو جائیں گے- شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے- اس وقت رب کے وعدوں کی حقانیت تسلیم کریں گے اور اس کی بلندی اور بڑائی کے قائل ہوں گے- پس نہ تو موت کے وقت کا اقرار نفع دے نہ قیامت کے میدان کا اقرار فائدہ پہنچائے- لیکن امام ابن جریر کے نزدیک پہلی تفسیر ہی راجح ہے یعنی مراد اس سے فرشتے ہیں- اور یہی ٹھیک بھی ہے اور اس کی تائید احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے-

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ آسمان میں کرتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر جھکا لیتے ہیں اور رب کا کلام ایسا واقع ہوتا ہے جیسے اس زنجیر کی آواز جو پتھر پر بجائی جاتی ہو- جب ہیبت کم ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے اس وقت کیا فرمایا؟ جواب ملتا ہے کہ جو فرمایا حق ہے اور وہ علی کبیر ہے- بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کی غرض سے گئے ہوئے ہیں اور جو تہہ بہ تہہ ایک دوسروں کے اوپر ہیں' وہ کوئی کلمہ سن لیتے ہیں- اوپر والا نیچے والے' کو وہ اپنے سے نیچے والے کو سنا دیتا ہے اور وہ کاہنوں کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں- ان کے پیچھے فوراً ان کے جلانے کو آگ کا شعلہ لپکتا ہے لیکن کبھی کبھی تو وہ اس کے آنے سے پہلے ہی ایک دوسرے کو پہنچا دیتا ہے اور کبھی پہنچانے سے پہلے ہی جلا دیا جاتا ہے- کاہن اس ایک کلمے کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلاتا ہے- جو ایک بات سچی نکلتی ہے- لوگ اس کے مرید بن جاتے ہیں کہ دیکھو یہ بات اس کے کہنے کے مطابق ہی ہوئی-

مسند میں ہے' حضور ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور زبردست روشنی ہوگئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے ٹوٹنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا' ہم اس موقعہ پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ زہریؒ سے سوال ہوا کہ کیا جاہلیت کے زمانے میں بھی ستارے جھڑتے تھے؟ کہا ہاں لیکن کم۔ آپؐ کی بعثت کے زمانے سے ان میں بہت زیادتی ہوگئی۔ حضورؐ نے فرمایا' سنو انہیں کسی کی موت وحیات سے کوئی واسطہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارا رب تبارک وتعالیٰ کسی امر کا آسمانوں میں فیصلہ کرتا ہے تو حاملان عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پھر ساتویں آسمان والے پھر چھٹے آسمان والے یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک پہنچتی ہے۔ پھر عرش کے آس پاس کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتاتے ہیں۔ پھر ہر نیچے والا اوپر والے سے دریافت کرتا ہے اور وہ اسے بتاتا ہے یہاں تک کہ آسمان اول والوں کو خبر پہنچتی ہے۔ کبھی اچک لے جانے والے جنات اسے سن لیتے ہیں تو ان پر ستارے جھڑتے ہیں تاہم جو بات اللہ کو پہنچانی منظور ہوتی ہے' اسے وہ لے اڑتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت کچھ باطل اور جھوٹ ملا کر لوگوں میں شہرت دیتے ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے' اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی امر کی وحی کرتا ہے تو آسمان مارے خوف کے کپکپا اٹھتے ہیں اور فرشتے ہیبت زدہ ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور اللہ کا فرمان سنتے ہیں۔ پھر ان کی زبانی اور فرشتے سنتے ہیں اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ اللہ نے حق فرمایا۔ وہ بلندی اور بڑائی والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا امین فرشتہ جس کی طرف ہو' اسے پہنچا دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے مروی ہے کہ یہ اس وحی کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے نہ ہونے کے زمانے میں بندرہ کر پھر ابتداً ختم المرسلین ﷺ پر نازل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ابتدائی وحی کے بھی اس آیت کے تحت میں داخل ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن آیت اس کو اور سب کو شامل ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ
وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ
لَّا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔـلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ
يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ
الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ
هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

پوچھ تو کہ تمہیں آسمانوں اور زمین میں سے روزی کون پہنچاتا ہے' خود جواب دے کہ اللہ۔ سنو' ہم یا تم یقیناً یا تو ہدایت پر یا کھلی گمراہی میں ہیں ○ کہہ کہ ہمارے کئے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمہارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی ○ انہیں خبر دے دے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا۔ وہ فیصلے چکانے والا ہے اور دانا ○ کہہ کہ اچھا مجھے بھی تو ذرا انہیں دکھا دو جنہیں تم شریک الٰہی ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہی اللہ ہے غالب باحکمت ○

اللہ عزوجل کی صفات: ☆☆ (آیت ۲۴-۲۷) اللہ تعالیٰ اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ صرف وہی خالق ورازق ہے اور صرف وہی

الوہیت والا ہے- جیسے ان لوگوں کو اس کا اقرار ہے کہ آسمان سے بارشیں برسانے والا اور زمینوں سے اناج اگانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، ایسے ہی انہیں یہ بھی مان لینا چاہیے کہ عبادت کے لائق بھی فقط وہی ہے- پھر فرماتا ہے کہ جب ہم تم میں اتنا بڑا اختلاف ہے تو لامحالہ ایک ہدایت پر اور دوسرا ضلالت پر ہے- یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں فریق ہدایت پر ہوں یا دونوں ضلالت پر ہوں- ہم موحد ہیں اور توحید کے دلائل کھلم کھلا اور واضح ہم بیان کر چکے ہیں اور تم شرک پر ہو جس کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں- پس یقیناً ہم ہدایت پر اور یقیناً تم ضلالت پر ہو- اصحاب رسولؐ نے مشرکوں سے یہی کہا تھا کہ ہم فریقین میں سے ایک ضرور سچا ہے- کیونکہ اس قدر تضاد و تباین کے بعد دونوں کا سچا ہونا تو عقلاً محال ہے- اس آیت کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ ہم ہی ہدایت پر اور تم ضلالت پر ہو، ہمارا تمہارا بالکل کوئی تعلق نہیں- ہم تم سے اور تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہیں- ہاں جس راہ ہم چل رہے ہیں، اسی راہ پر تم بھی آ جاؤ تو بیشک تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں ورنہ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں- اور ایک آیت میں بھی ہے کہ اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے، تم میرے اعمال سے چڑتے ہو اور میں تمہارے کرتوت سے بیزار ہوں-

سورۂ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ الخ میں بھی اسی بے تعلقی اور برات کا ذکر ہے، رب العالمین تمام عالم کو میدان قیامت میں اکٹھا کر کے سچے فیصلے کر دے گا- نیکوں کو ان کی جزا اور بدوں کو ان کی سزا دے گا- اس دن تمہیں ہماری حقانیت و صداقت معلوم ہو جائے گی- جیسے ارشاد ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ الخ قیامت کے دن سب جدا جدا ہو جائیں گے- ایماندار جنت کے پاک باغوں میں خوش وقت و فرحاں ہوں گے اور ہماری آیتوں اور آخرت کے دن کو جھٹلانے والے، کفر کرنے والے، دوزخ کے گڑھوں میں حیران و پریشان ہوں گے- وہ حاکم و عادل ہے، حقیقت حال کا پورا عالم ہے، تم اپنے ان معبودوں کو ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ- لیکن کہاں سے ثبوت دے سکو گے- جبکہ میرا رب لانظیر، بے شریک اور عدیم المثیل ہے، وہ اکیلا ہے، وہ ذی عزت ہے جس نے سب کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے اور ہر ایک پر غالب آ گیا ہے- حکیم ہے اپنے اقوال و افعال میں- اسی طرح شریعت اور تقدیر میں بھی- برکتوں والا، بلندیوں والا، پاک و منزہ اور مشرکوں کی تمام تہمتوں سے الگ ہے-

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۹ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ
عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۳۰ ع ۹

ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے خوشخبریاں سنانے والا اور دھمکا دینے والا بنا کر بھیجا ہے- ہاں یہ صحیح ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے ○ پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ سچے ہو تو بتا دو ○ جواب دے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے، جس سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو ○

تمام اقوام کے لئے نبوت: ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھے تمام کائنات کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے- جیسے اور جگہ ہے قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا یعنی اعلان کر دو کہ اے لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں- اور آیت میں ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

نَذِيْرًا بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان کو ہوشیار کر دے۔ یہاں بھی فرمایا کہ ''اطاعت گزاروں کو بشارت جنت دے اور نافرمانوں کو خبر جہنم۔ لیکن اکثر لوگ اپنی جہالت سے نبی کی نبوت کو نہیں مانتے''۔ جیسے فرمایا وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ گو تو ہر چند چاہے تاہم اکثر لوگ بے ایمان رہیں گے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا ''اگر بڑی جماعت کی بات مانے گا تو وہ خود تجھے راہ راست سے ہٹا دیں گے۔ پس حضورؐ کی رسالت عام لوگوں کی طرف تھی۔ عرب و عجم سب کی طرف سے اللہ کو زیادہ پیارا وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا تابع فرمان ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو آسمان والوں پر اور نبیوں پر غرض سب پر فضیلت دی ہے۔ لوگوں نے اس کی دلیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا' دیکھو قرآن فرماتا ہے کہ ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اس میں کھلم کھلا تبلیغ کر دے اور آنحضرتؐ کی نسبت فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے عام لوگوں کی طرف اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا۔ بخاری و مسلم میں فرمان رسالتمابؐ ہے کہ مجھے پانچ صفتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبیؑ کو نہیں دی گئیں۔ مہینہ بھر کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی ہے۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے۔ میری امت میں سے جس کسی کو جس جگہ نماز کا وقت آ جائے' وہ اسی جگہ نماز پڑھ لے۔ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے غنیمت کا مال حلال نہیں کیا گیا تھا۔ میرے لئے غنیمت حلال کر دی گئی۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ ہر نبیؑ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔ اور حدیث میں ہے' سیاہ و سرخ سب کی طرف میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یعنی جن و انس عرب و عجم کی طرف۔ پھر کافروں کا قیامت کو محال ماننا بیان ہو رہا ہے کہ پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی؟ جیسے اور جگہ ہے' بے ایمان تو اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور باایمان اس سے کپکپا رہے ہیں اور اسے حق جانتے ہیں۔ جواب دیتا ہے کہ تمہارے لئے وعدے کا دن مقرر ہو چکا ہے جس میں تقدیم و تاخیر' کمی و زیادتی ناممکن ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ اور فرمایا وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ الخ یعنی وہ مقررہ وقت پیچھے ہٹنے کا نہیں۔ تمہیں اس وقت مقررہ تک ڈھیل ہے۔ جب وہ دن آ گیا' پھر تو کوئی لب بھی نہ ہلا سکے گا۔ اس دن بعض نیک بخت ہوں گے اور بعض بد بخت۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ
يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۲۱ قَالَ الَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى
بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۲۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ
اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا

رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ
هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۳۳

کافروں نے کہا کہ ہم نہ تو اس قرآن کو مانیں نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو- اے دیکھنے والے کاش کہ تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جبکہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے- ادنی درجے کے لوگ بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے' اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مسلمان ہوتے ○ یہ بڑے ان چھوٹوں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آ چکنے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ نہیں بلکہ تم خود ہی گنہگار تھے ○ اس کے جواب میں یہ ادنی لوگ ان متکبروں سے کہیں گے نہیں نہیں بلکہ تمہارا دن رات مکر وفریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے شریک مقرر کرنے کا حکم دینا باعث ہوا ہماری بے ایمانی کا- عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل ہی دل میں پشیمان ہو رہے ہوں گے- کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے- انہیں صرف ان کے کئے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ○

کافروں کی سرکشی: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۳) کافروں کی سرکشی اور باطل کی ضد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گو قرآن کی حقانیت کی ہزارہا دلیلیں دیکھ لیں لیکن نہیں مانیں گے- بلکہ اس سے اگلی کتاب پر بھی ایمان نہیں لائیں گے- انہیں اپنے اس قول کا مزہ اس وقت آئے گا جب اللہ کے سامنے جہنم کے کنارے کھڑے کھڑے چھوٹے بڑوں کو' بڑے چھوٹوں کو الزام دیں گے- ہر ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرائے گا- تابعدار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوئے ہوتے' ان کے بزرگ انہیں جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں روکا تھا؟ ہم نے ایک بات کہی- تم جانتے تھے کہ یہ سب بے دلیل ہے- دوسری جانب سے دلیلوں کی برستی ہوئی بارش تمہاری آنکھوں کے سامنے تھی- پھر تم نے اس کی پیروی چھوڑ کر ہماری کیوں مان لی؟ یہ تو تمہاری اپنی بے عقلی تھی' تم خود شہوت پرست تھے' تمہارے اپنے دل اللہ کی باتوں سے بھاگتے تھے' رسولوں کی تابعداری خود تمہاری طبیعتوں پر شاق گزرتی تھی- سارا قصور تمہارا اپنا ہی ہے- ہمیں کیا الزام دے رہے ہو؟

اپنے بزرگوں کی مان لینے والے یہ بے دلیل انہیں پھر جواب دیں گے کہ تمہاری دن رات کی دھوکے بازیاں' جعل سازیاں' فریب کاریاں' ہمیں اطمینان دلاتیں کہ ہمارے افعال اور عقائد ٹھیک ہیں- ہم سے بار بار شرک وکفر کے نہ چھوڑنے' پرانے دین کے نہ بدلنے' باپ دادوں کی روش پر قائم رہنے کو کہنا' ہماری کمر تھپکنا' ہمارے ایمان سے رک جانے کا یہی سبب ہوا- تم ہی آ آ کر ہمیں عقلی ڈھکوسلے سنا کر اسلام سے روگرداں کرتے تھے- دونوں الزام بھی دیں گے- برأت بھی کریں گے- لیکن دل میں اپنے کئے پر پچھتا رہے ہوں گے- ان سب کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر طوق وزنجیر سے جکڑ دیا جائے گا- اب ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا- گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی- ہر ایک کو پورا پورا عذاب ہو گا- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک ہی شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں پر آ پڑے گا- (ابن ابی حاتم)

حسن بن یحییٰ خشنیؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے' ہر غار' ہر زنجیر' ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے- جب حضرت سلیمان دارائیؒ کے سامنے یہ بیان ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمانے لگے' ہائے ہائے پھر کیا حال ہو گا اس کا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو جائیں- پیروں میں بیڑیاں ہوں' ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں' گردن میں طوق ہوں- پھر جہنم کے غار میں دھکیل دیا جائے- اللہ تو بچانا- پروردگار تو ہمیں سلامت رکھنا- اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ
اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا
وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ ع ۶ ۱۰
اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي
الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا' وہاں کے سرکشوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کافر ہیں ○ کہنے لگے۔ ہم مال واولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم عذاب کئے جائیں ○ کہدے کہ میرا رب جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے پاس مرتبوں سے قریب کر دیں۔ ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے اور وہ نڈر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں براجمان رہے ہوں گے ○

نبی اکرمؐ کے لئے تسلیاں: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۷) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور اگلے پیغمبروں کی سی سیرت رکھنے کو فرماتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جس بستی میں جو رسول گیا' اس کا مقابلہ ہوا۔ بڑے لوگوں نے کفر کیا' ہاں غربا نے تابعداری کی جیسے کہ قوم نوح نے اپنے نبیؑ سے کہا تھا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ الخ ہم تجھ پر کیسے ایمان لائیں۔ تیرے ماننے والے تو سب نیچے درجے کے لوگ ہیں۔ یہی مضمون دوسری آیت وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ الخ میں ہے۔ قوم صالحؑ کے متکبر لوگ ضعیفوں سے کہتے ہیں اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ الخ کیا تمہیں حضرت صالحؑ کے نبی ہونے کا یقین ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں ہم تو مومن ہیں۔ تو متکبرین نے صاف کہا کہ ہم نہیں مانتے۔ اور آیت میں ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا الخ یعنی اسی طرح ہم نے ایک کو دوسرے سے فتنے میں ڈالا تا کہ وہ کہیں کیا' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم سب میں سے احسان کیا۔ کیا اللہ شکر گزاروں کو جاننے والا نہیں؟

اور فرمایا' ہر بستی میں وہاں کے بڑے لوگ مجرم اور مکار ہوتے ہیں اور فرمان ہے وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا الخ جب کسی بستی کی ہلاکت کا ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس کے سرکش لوگوں کو کچھ احکام دیتے ہیں۔ وہ نہیں مانتے' پھر ہم انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ہم نے جس بستی میں کوئی نبی اور رسول بھیجا' وہاں کے جاہ و حشمت' شان و شوکت والے رئیسوں' امیروں' سرداروں اور بڑے لوگوں نے جھٹ اپنے کفر کا اعلان کر دیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے' ابو رزینؒ فرماتے ہیں کہ دو شخص آپس میں شریک تھے۔ ایک تو سمندر پار چلا گیا' ایک وہیں۔ رہا جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اس نے اپنے ساتھی سے لکھ کر دریافت کیا کہ حضورؐ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب میں لکھا کہ گرے پڑے لوگوں نے اس کی بات مانی ہے۔ شریف قریشیوں نے اس کی اطاعت نہیں کی۔ اس خط کو پڑھ کر وہ اپنی تجارت چھوڑ چھاڑ کر سفر کر کے اپنے شریک کے پاس پہنچا۔ یہ پڑھا لکھا آدمی تھا' کتابوں کا علم اسے حاصل تھا۔ اس سے پوچھا کہ بتاؤ حضورؐ کہاں ہیں؟ معلوم کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟

آپ نے اسلام کے ارکان اس کے سامنے بیان فرمائے۔ وہ اسے سنتے ہی ایمان لے آیا۔ آپؐ نے فرمایا، تمہیں اس کی تصدیق کیونکر ہوگئی؟ اس نے کہا، اس بات سے کہ تمام انبیاء کے ابتدائی ماننے والے ہمیشہ ضعیف مسکین لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور حضورؐ نے آدمی بھیج کر ان سے کہلوایا کہ تمہاری بات کی سچائی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ اسی طرح ہرقل نے کہا تھا جب کہ اس نے ابو سفیان سے ان کی جاہلیت کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی نسبت دریافت کیا تھا کہ کیا شریف لوگوں نے ان کی تابعداری کی ہے یا ضعیفوں نے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ضعیفوں نے۔ اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ ہر رسول کی اولاً تابعداری کرنے والے یہی ضعیف لوگ ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا، یہ خوش حال لوگ مال و اولاد کی کثرت پر ہی فخر کرتے ہیں اور اسے اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ وہ کے پسندیدہ اللہ ہیں۔ اگر اللہ کی خاص عنایت و مہربانی ان پر نہ ہوتی تو انہیں یہ نعمتیں نہ دیتا۔ اور جب یہاں رب مہربان ہے تو آخرت میں بھی وہ مہربان ہی رہے گا۔ قرآن نے ہر جگہ اس کو رد کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ الخ کیا ان کا خیال ہے کہ مال و اولاد کی اکثریت ان کے لئے بہتر ہے؟ نہیں بلکہ برائی ہے لیکن یہ بے شعور ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ الخ ان کی مال و اولاد تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔ اس سے انہیں دنیا میں بھی سزا ہوگی اور مرتے دم تک یہ کفر پر ہی رہیں گے۔ اور آیات میں ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا الخ یعنی مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دے جسے بہت سے فرزند دے رکھے ہیں اور ہر طرح کا عیش اس کے لئے مہیا کر دیا ہے۔ تاہم اسے طمع ہے کہ میں اور زیادہ دوں۔ ایسا نہیں۔ یہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ زمانہ جانتا ہے کہ اسے میں دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھاؤں گا۔ اس شخص کا واقعہ بھی مذکور ہوا ہے جس کے دو باغ تھے، مال والا، پھلوں والا، اولاد والا تھا۔ لیکن کسی چیز نے کوئی فائدہ نہ دیا عذاب الٰہی سے سب چیزیں دنیا میں ہی تباہ اور خاک سیاہ ہوگئیں۔ اللہ جس کی روزی کشادہ کرنا چاہے، کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی روزی تنگ کرنا چاہے، تنگ کر دیتا ہے۔ دنیا میں تو وہ اپنے دوستوں دشمنوں سب کو دیتا ہے۔ غنی یا فقیر ہونا اس کی رضامندی اور ناراضگی کی دلیل نہیں۔ بلکہ اس میں اور ہی حکمتیں ہوتی ہیں جنہیں اکثر لوگ جان نہیں سکتے، مال و اولاد کو ہماری عنایت کی دلیل بنانا غلطی ہے۔ یہ کوئی ہمارے پاس مرتبہ بڑھانے والی چیز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ (مسلم) ہاں اس کے پاس درجات دلانے والی چیز ایمان اور نیک اعمال ہیں۔ ان کی نیکیوں کے بدلے انہیں بہت بڑھا چڑھا کر دیئے جائیں گے۔ ایک ایک نیکی دس دس گنا بلکہ سات سات سو گنا کر کے دی جائے گی۔ جنت کی بلند ترین منزلوں میں ہر ڈر خوف سے، غم سے پرامن ہوں گے۔ کوئی دکھ درد نہ ہوگا۔ ایذا اور صدمہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ ایک اعرابی نے کہا، یہ بالا خانے کس کے لئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، جو نرم کلامی کرے، کھانا کھلائے، بکثرت روزے رکھے اور لوگوں کی نیند کے وقت تہجد پڑھے۔ (ابن ابی حاتم) جو لوگ اللہ کی راہ سے اوروں کو روکتے ہیں، رسولوں کی تابعداری سے لوگوں کو باز رکھتے ہیں، اللہ کی آیتوں کی تصدیق نہیں کرنے دیتے، وہ جہنم کی سزا میں حاضر کئے جائیں گے اور برابدلہ پائیں گے۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ
مُحْضَرُوْنَ ۝۳۸ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ
وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝۳۹

جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں، یہی ہیں جو عذاب میں حاضر کئے جائیں گے ○ اعلان کر دے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، اللہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○

(آیت: ۳۸-۳۹) پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے مطابق جسے چاہے بہت ساری دنیا دیتا ہے اور جسے چاہے بہت کم دیتا ہے۔ کوئی سکھ چین میں ہے۔ کوئی دکھ درد میں مبتلا ہے۔ رب کی حکمتوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اس کی مصلحتیں وہی خوب جانتا ہے۔ جیسے فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا تو دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور البتہ آخرت درجوں اور فضیلتوں میں بہت بڑی ہے۔ یعنی جس طرح فقر و غنا کے ساتھ درجوں کی اونچ نیچ یہاں ہے، اسی طرح آخرت میں بھی اعمال کے مطابق درجات و درکات ہوں گے۔ نیک لوگ تو جنتوں کے بلند و بالا خانوں میں اور بد لوگ جہنم کے نیچے کے طبقے کے جیل خانوں میں۔ دنیا میں سب سے بہتر شخص رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ ہے جو سچا مسلمان ہو اور بقدر کفایت روزی پاتا ہو اور اللہ کی طرف سے قناعت بھی دیا گیا ہو۔ (مسلم)

اللہ کے حکم یا اس کی اباحت کے ماتحت تم جو کچھ خرچ کرو گے، اس کا بدلہ وہ تمہیں دونوں جہان میں دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ہر صبح ایک فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اللہ بخیل کے مال کو تلف اور برباد کر۔ دوسرا دعا کرتا ہے، اللہ خرچ کرنے والے کو نیک بدلہ دے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا، بلال خرچ کر اور عرش والے کی طرف سے تنگی کا خیال بھی نہ کر۔ ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تمہارے اس زمانے کے بعد ایسا زمانہ آ رہا ہے جو کاٹ کھانے والا ہو گا۔ مال ہو گا لیکن مالدار نے گویا اپنے مال پر دانت گاڑے ہوئے ہوں گے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ پھر حضورؐ نے اس آیت میں وَمَآ اَنْفَقْتُمْ الخ کی تلاوت فرمائی اور حدیث میں ہے، بدترین لوگ وہ ہیں جو بے بس اور مضطر لوگوں کی چیزیں کم داموں خریدتے پھریں۔ یاد رکھو ایسی بیع حرام ہے، مضطر کی بیع حرام ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو دوسرے کے ساتھ سلوک اور بھلائی کر ورنہ اس کی ہلاکت کو تو نہ بڑھا۔ (ابو یعلی موصلی) یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ضعیف بھی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، کہیں اس آیت کا غلط مطلب نہ لے لینا۔ اپنے مال کو خرچ کرنے میں میانہ روی کرنا۔ روزیاں بٹ چکی ہیں، رزق مقسوم ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا
يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ
لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤١﴾

ان سب کو اللہ تعالیٰ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ ○ وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے۔ ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ۔ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر کو انہی پر ایمان تھا ○ پس آج تم میں سے کوئی بھی کسی کے لئے بھی کسی قسم کے نفع نقصان کا مالک

نہ ہوگا۔ ہم ظالموں سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے رہے ○

مشرکین سے سوال: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۲) مشرکین کو شرمندہ لاجواب اور بے عذر کرنے کے لئے ان کے سامنے فرشتوں سے سوال ہوگا۔ جن کو مصنوعی شکلیں بنا کر یہ مشرک دنیا میں پوجتے رہے کہ وہ انہیں اللہ سے ملا دیں۔ سوال ہوگا کہ کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا؟ جیسے سورۂ فرقان میں ہے اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ یعنی کیا تم نے انہیں گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی بہکے ہوئے تھے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا تم لوگوں سے کہہ آئے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری اور میری ماں کی عبادت کرنا؟ آپ جواب دیں گے کہ اللہ تیری ذات پاک ہے۔ جو کہنا مجھے سزاوار نہ تھا' اسے میں کیسے کہہ دیتا؟ اسی طرح فرشتے بھی اپنی برأت ظاہر کریں گے اور کہیں گے' تو اس سے بہت بلند اور پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو۔ ہم تو خود تیرے بندے تھے۔ ہم ان سے بیزار رہے اور اب بھی ان سے الگ ہیں۔ یہ شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ شیطانوں نے ہی ان کے لئے بتوں کی پوجا کو مزین کر رکھا تھا اور انہیں گمراہ کر دیا تھا۔ ان میں سے اکثر کا شیطان پر ہی اعتقاد تھا۔ جیسے فرمان باری ہے اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا لَّعَنَهُ اللّٰهُ یعنی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں جس پر اللہ کی پھٹکار ہے' پس جن جن سے تم مشرکو! لو لگائے ہوئے تھے' ان میں سے ایک بھی آج تمہیں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اس شدت وکرب کے وقت یہ سارے جھوٹے معبود تم سے یک سو ہو جائیں گے کیونکہ انہیں کسی کے کسی طرح کے نفع وضرر کا اختیار تھا ہی نہیں۔ آج ہم خود مشرکوں سے فرما دیں گے کہ لو جس عذاب جہنم کو جھٹلا رہے تھے' آج اس کا مزہ چکھو۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ
اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ
مُّفْتَرًی وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَاۤ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ
اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ فَكَیْفَ كَانَ
نَكِیْرِ ﴿۴۵﴾ ع ۹

جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو تمہیں تمہارے باپ دادوں کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو تراشا ہوا بہتان ہے ○ حق ان کے پاس آ چکا لیکن پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ان مکے والوں کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا آیا ہے ○ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کو جھوٹا جانا تھا۔ انہیں ہم نے جو دے رکھا تھا' یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔ انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا پھر دیکھ کہ میرے عذابوں کی کیا کیفیت ہوئی ○

کافر عذاب الٰہی کے مستحق کیوں ٹھہرے؟ ☆☆ (آیت: ۴۳-۴۵) کافروں کی وہ شرارت بیان ہو رہی ہے جس کے باعث وہ

اللہ کے عذابوں کے مستحق ہوئے ہیں کہ اللہ کا کلام تازہ بتازہ اس کے افضل رسولؐ کی زبان سے سنتے ہیں' قبول کرنا' ماننا اس کے مطابق عمل کرنا تو ایک طرف' کہتے ہیں کہ دیکھو یہ شخص تمہیں تمہارے پرانے' اچھے اور سچے دین سے روک رہا ہے اور اپنے باطل خیالات کی طرف تمہیں بلا رہا ہے۔ یہ قرآن تو اس کا خود تراشیدہ ہے۔ آپ ہی گھڑ لیتا ہے اور یہ تو جادو ہے اور اس کا جادو ہونا کچھ ڈھکا چھپا نہیں' بالکل ظاہر ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان عربوں کی طرف نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب بھیجی گئی ہے نہ آپ سے پہلے ان میں کوئی رسول آیا ہے۔ اس لئے انہیں مدتوں سے تمنا تھی کہ اگر اللہ کا رسول ہم میں آتا' اگر کتاب اللہ ہم میں اترتی تو ہم سب سے زیادہ مطیع اور پابند ہو جاتے۔ لیکن جب اللہ نے ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی تو جھٹلانے اور انکار کرنے لگے' ان سے اگلی امتوں کے نتیجے ان کے سامنے ہیں۔ وہ قوت و طاقت' مال و متاع' اسباب دنیوی ان لوگوں سے بہت زیادہ رکھتے تھے۔ یہ تو ابھی ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے لیکن میرے عذاب کے بعد نہ مال کام آئے' نہ اولاد اور کنبے قبیلے کام آئے۔ نہ قوت و طاقت نے کوئی فائدہ دیا۔ برباد کر دیئے گئے۔ جیسے فرمایا وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ یعنی ہم نے انہیں قوت و طاقت دے رکھی تھی۔ آنکھیں اور کان بھی رکھتے تھے' دل بھی تھے لیکن میری آیتوں کے انکار پر جب عذاب آیا' اس وقت کسی چیز نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ اور جس کے ساتھ مذاق اڑاتے تھے' اس نے انہیں گھیر لیا۔ کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام نہیں دیکھتے جو ان سے تعداد میں زیادہ طاقت میں بڑھے ہوئے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے جھٹلانے کے باعث پیس دیئے گئے' جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے۔ تم غور کر لو! دیکھ لو کہ میں نے کس طرح اپنے رسولوں کی نصرت کی اور کس طرح جھٹلانے والوں پر اپنا عذاب اتارا؟

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى
وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ
اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

کہدے کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خلوص کے ساتھ ضد چھوڑ کر دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی' تمہارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں۔ وہ تو تمہیں ایک بڑی سخت آفت کے آنے سے پہلے ہوشیار کرنے والا ہے ○

ضد اور ہٹ دھرمی کفار کا شیوہ: ☆☆ (آیت:۴۶) حکم ہوتا ہے کہ یہ کافر جو تجھے مجنون بتا رہے ہیں' ان سے کہہ کہ ایک کام تو کرو خلوص کے ساتھ' تعصب اور ضد کو چھوڑ کر ذرا سی دیر سوچو تو۔ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرو کہ کیا محمدؐ مجنون ہے؟ اور ایمانداری سے ایک دوسرے کو جواب دے۔ ہر شخص تنہا تنہا بھی غور کرے اور دوسروں سے بھی پوچھے لیکن یہ شرط ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو دماغ سے نکال کر تعصب اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر غور کرے۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا' تمہارے دل سے آواز اٹھے گی کہ حقیقت میں حضورؐ کو جنون نہیں۔ بلکہ وہ تم سب کے خیر خواہ ہیں' دردمند ہیں۔ ایک آنے والے خطرے سے جس سے تم بے خبر ہو' وہ تمہیں آگاہ کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے تنہا اور جماعت سے نماز پڑھنے کا مطلب سمجھا ہے اور اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں لیکن وہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' میں تین چیزیں دیا گیا ہوں' جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔ یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لئے وہ حلال نہیں ہوا۔ وہ مال غنیمت کو جمع کر کے جلا دیتے تھے اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں اور ہر نبی اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی چیز بنا دی گئی ہے تاکہ

میں اس کی مٹی سے تیمّم کرلوں اور جہاں بھی ہوں اور نماز کا وقت آ جائے' نماز ادا کرلوں- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اللہ کے سامنے باادب کھڑے ہو جایا کرو دو دو اور ایک ایک- اور ایک مہینہ کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی ہے- یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں آیت کا ذکر اور اسے جماعت سے یا الگ نماز پڑھ لینے کے معنی میں لے لینا یہ راوی کا اپنا قول ہو اور اس طرح بیان کر دیا گیا ہو کہ بظاہر وہ الفاظ حدیث کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ حضورؐ کی خصوصیات کی حدیثیں بسند صحیح بہت سی مروی ہیں اور کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں- واللہ اعلم-

آپ لوگوں کو اس عذاب سے ڈرانے والے ہیں جو ان کے آگے ہے اور جس سے یہ بالکل بے خبر بے فکری سے بیٹھے ہوئے ہیں- صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور عرب کے دستور کے مطابق یَا صَبَاحَاہ کہہ کر بلند آواز کی جو علامت تھی کہ کوئی شخص کسی اہم بات کے لئے بلا رہا ہے- عادت کے مطابق اسے سنتے ہی لوگ جمع ہو گئے- آپؐ نے فرمایا' اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن تمہاری طرف چڑھائی کر کے چلا آ رہا ہے اور عجب نہیں کہ صبح شام ہی تم پر حملہ کر دے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا کہ ہاں بیشک- ہم آپ کو سچا جانیں گے- آپؐ نے فرمایا' سنو میں تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے آگے ہے- یہ سن کر ابو لہب ملعون نے کہا' تیرے ہاتھ ٹوٹیں' کیا اسی کے لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا؟ اس پر سورۂ تَبَّتْ یَدَآ الخ اتری- یہ حدیثیں وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں- مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکلے اور ہمارے پاس آ کر تین مرتبہ آواز دی- فرمایا لوگو! میری اور اپنی مثال جانتے ہو؟ انہوں نے کہا' اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو پورا علم ہے- آپؐ نے فرمایا' میری اور تمہاری مثال اس قوم جیسی ہے جن پر دشمن حملہ کرنے والا تھا- انہوں نے اپنا آدمی بھیجا کہ جا کر دیکھے اور دشمن کی نقل و حرکت سے انہیں مطلع کرے- اس نے جب دیکھا کہ دشمن ان کی طرف چلا آ رہا ہے اور قریب پہنچ چکا ہے تو وہ لپکتا ہوا قوم کی طرف بڑھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اطلاع پہنچانے سے پہلے ہی دشمن حملہ نہ کر دے- اس لئے اس نے راستے میں سے ہی اپنا کپڑا ہلانا شروع کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ دشمن آ پہنچا' ہوشیار ہو جاؤ- دشمن آ پہنچا' تین مرتبہ یہی کہا- ایک اور حدیث میں ہے' میں اور قیامت ایک ساتھ ہی بھیجے گئے- قریب تھا کہ قیامت مجھ سے پہلے ہی آ جاتی-

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا
عَلَی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ
بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ
وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ
وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

کہدے کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں' وہ تمہیں ہی دیا میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے- وہ ہر چیز پر حاضر اور مطلع ہے ○ کہدے کہ میرا رب حق (سچی وحی) نازل فرماتا ہے- وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے ○ کہدے کہ حق آ چکا- باطل نہ تو پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھر سکے گا ○ کہدے کہ اگر میں بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا وبال مجھ ہی پر ہے اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو بہ سبب اس وحی کے جو میرے پروردگار نے مجھے کی ہے- وہ بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے ○

مشرکین کو دعوت اصلاح: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۰) حکم ہو رہا ہے کہ مشرکوں سے فرما دیجئے کہ میں جو تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں' تمہیں احکام دینی پہنچا تا رہا ہوں' وعظ و نصیحت کرتا ہوں' اس پر میں تم سے کسی بدلے کا طالب نہیں ہوں- بدلہ تو اللہ ہی دے گا جو تمام چیزوں کی حقیقت سے مطلع ہے- میری تمہاری حالت اس پر خوب روشن ہے- پھر جو فرمایا اسی طرح کی آیت یُلْقِی الرُّوْحَ الخ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمان

سے حضرت جبرئیلؑ کو جس پر چاہتا ہے' اپنی وحی کے ساتھ بھیجتا ہے۔ وہ حق کے ساتھ فرشتہ اتارتا ہے۔ وہ علام الغیوب ہے۔ اس پر آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ اللہ کی طرف سے حق اور مبارک شریعت آ چکی۔ باطل پراگندہ اور بودا ہو کر برباد ہو گیا۔ جیسے فرمان ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ہم باطل پر حق کو نازل فرما کر باطل کے ٹکڑے اڑا دیتے ہیں اور وہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ فتح مکہ والے دن جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے بتوں کو اپنی کمان کی لکڑی سے گراتے جاتے تھے اور زبان سے فرماتے جاتے تھے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا حق آ گیا' باطل مٹ گیا۔ وہ تھا ہی مٹنے والا۔ (بخاری۔ مسلم) باطل کا اور ناحق کا دباؤ سب ختم ہو گیا۔ بعض مفسرین سے مروی ہے کہ مراد یہاں باطل سے ابلیس ہے یعنی نہ اس نے کسی کو پہلے پیدا کیا نہ آئندہ کر سکے' نہ مردے کو زندہ کر سکے' نہ اسے کوئی اور ایسی قدرت حاصل ہے۔ بات تو یہ بھی سچی ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ خیر سب کی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی وحی میں ہے۔ وہی سراسر حق ہے اور ہدایت و بیان و رشد ہے۔ گمراہ ہونے والے آپ ہی بگڑ رہے ہیں اور اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب کہ مفوضہ کا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا' اسے میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں۔ اگر صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے' اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے بری ہے۔ وہ اللہ اپنے بندوں کی باتوں کا سننے والا ہے' اور قریب ہے۔ پکارنے والے کی ہر پکار کو ہر وقت سنتا اور قبول فرماتا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے اصحابؓ سے فرمایا' تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے۔ جسے تم پکار رہے ہو' وہ سمیع و قریب و مجیب ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۙ (۵۱)
وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۚ (۵۲) وَّقَدْ
كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (۵۳)
وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ
قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ (۵۴) ع ۹ ۱۲

تجھے سخت تعجب ہو اگر تو دیکھے کہ جب یہ کفار گھبرا رہے ہوں گے لیکن بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہو گی اور قریب ہی کی جگہ سے گرفتار کر لئے جائیں گے ○ اس وقت کہیں گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے کیسے ہاتھ پہنچ سکتا ہے؟ ○ اس سے پہلے تو انہوں نے اس سے کفر کیا تھا اور دور دراز سے بن دیکھے ہی پھینکتے رہے ○ ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا جیسے کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا۔ یہ تھے ہی شک و تردد میں ○

عذاب قیامت اور کافر: ☆☆ (آیت:۵۱-۵۴) اللہ تبارک و تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے نبی کاش کہ آپ ان کافروں کی قیامت کے دن کی گھبراہٹ دیکھتے کہ ہر چند عذاب سے چھٹکارا چاہیں گے لیکن بچاؤ کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔ نہ بھاگ کر' نہ چھپ کر' نہ کسی کی حمایت سے' نہ کسی کی پناہ سے۔ بلکہ فوراً ہی قریب سے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔ ادھر قبروں سے نکلے' ادھر پھانس لئے گئے۔ ادھر کھڑے ہوئے' ادھر گرفتار کر لئے گئے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ قتل و اسیر ہوئے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ مراد قیامت کے دن کے عذاب ہیں۔ بعض کہتے ہیں' بنو عباس کی خلافت کے زمانے میں مکے مدینے کے درمیان ان لشکروں کا زمین میں دھنسایا جانا مراد ہے۔ ابن جریرؒ نے اسے بیان کر کے اس کی دلیل میں ایک حدیث وارد کی ہے جو بالکل ہی موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔ لیکن تعجب سا تعجب ہے کہ امام صاحب نے اس

کا موضوع ہونا بیان نہیں کیا۔ قیامت کے دن کہیں گے کہ ہم ایمان قبول کرتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ الخ کاش کہ تو دیکھتا جبکہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں کھڑے ہوں گے اور شرمندگی سے کہہ رہے ہوں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ سن لیا، ہمیں یقین آ گیا۔ اب تو ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم دل سے مانیں گے۔ لیکن کوئی شخص جس طرح بہت دور کی چیز کو لینے کے لئے دور سے ہی ہاتھ بڑھائے اور اس کے ہاتھ نہیں آ سکتی، اسی طرح یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ آخرت میں وہ کام کرتے ہیں جو دنیا میں کرنا چاہیے تھا۔ تو آخرت میں ایمان لانا بے سود ہے۔ اب نہ دنیا میں لوٹائے جائیں نہ اس وقت کی گریہ وزاری، توبہ وفریاد، ایمان واسلام کچھ کام آئے گا۔ اس سے پہلے دنیا میں تو منکر رہے۔ نہ اللہ کو مانا نہ رسول پر ایمان لائے نہ قیامت کے قائل ہوئے یونہی جیسے کوئی بن دیکھے اندازے سے ہی نشانے پر تیر بازی کر رہا ہو، اسی طرح اللہ کی باتوں کو اپنے گمان سے ہی رد کرتے رہے۔ نبی کو کبھی کاہن کہہ دیا، کبھی شاعر بتا دیا۔ کبھی جادوگر کہا اور کبھی مجنون۔ صرف اٹکل پچو کے ساتھ قیامت کو جھٹلاتے رہے اور بے دلیل اوروں کی عبادت کرتے رہے، جنت دوزخ کا مذاق اڑاتے رہے، اب ایمان اور ان میں حجاب آ گیا۔ توبہ میں اور ان میں پردہ پڑ گیا۔ دنیا ان سے چھوٹ گئی۔ یہ دنیا سے الگ ہو گئے۔ ابن ابی حاتم میں یہاں پر ایک عجیب وغریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم پورا ہی نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک فاتح شخص تھا جس کے پاس مال بہت تھا۔ جب وہ مر گیا اور اس کا لڑکا اس کا وارث ہوا تو بری طرح نافرمانیوں میں مال لٹانے لگا۔ اس کے چچاؤں نے اسے ملامت کی اور سمجھایا۔ اس نے غصے میں آ کر سب چیزیں بیچ کر روپیہ لے کر عین شجاجہ کے پاس آ کر ایک محل تعمیر کرا کر یہاں رہنے لگا۔ ایک روز زور کی آندھی اٹھی جس میں ایک بہت خوبصورت خوشبودار عورت اس کے پاس آ گری۔ اس نے اس سے پوچھا، تم کون ہو؟ اس نے کہا، بنی اسرائیلی شخص ہوں۔ کہا، یہ محل اور مال آپ کا ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ پوچھا آپ کی بیوی بھی ہے؟ کہا نہیں۔ کہا، پھر تم اپنی زندگی کا لطف کیا اٹھاتے ہو؟ اب اس نے پوچھا کہ کیا تمہارا خاوند ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ کہا، پھر مجھے قبول کرو، اس نے جواب دیا، میں یہاں سے میل بھر دور رہتی ہوں۔ کل تم یہاں سے اپنے ساتھ دن بھر کا کھانا پینا لے کر چلو اور میرے ہاں آؤ۔ راستے میں کچھ عجائبات دیکھو تو گھبرانا نہیں۔ اس نے قبول کیا اور دوسرے دن توشہ لے کر چلا۔ میل بھر دور جا کر ایک نہایت عالی شان محل دیکھا۔ دستک دینے سے ایک خوبصورت نوجوان شخص آیا، پوچھا آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ میں بنی اسرائیلی ہوں۔ کہا کیسے آئے ہیں؟ کہا، اس مکان کی مالکہ نے بلوایا ہے۔ پوچھا راستے میں کچھ ہولناک چیزیں بھی دیکھیں جواب دیا۔ ہاں اور اگر مجھے یہ کہا ہوا نہ ہوتا کہ گھبرانا مت تو میں ہول ودہشت سے ہلاک ہو گیا ہوتا۔ میں چلا ایک چوڑے راستے پر۔ پہنچا تو دیکھا کہ ایک کتیا منہ پھاڑے بیٹھی ہوئی ہے۔ میں گھبرا کر دوڑا تو دیکھا کہ مجھ سے آگے آگے وہ ہے اور اس کے پلے (بچے) اس کے پیٹ میں ہیں اور بھونک رہے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا، تو اسے نہیں پائے گا۔ یہ تو آخر زمانے میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک نوجوان بوڑھے بڑوں کی مجلس میں بیٹھے گا اور ان سے اپنے راز کی پوشیدہ باتیں کرے گا۔ میں اور آگے بڑھا تو دیکھا، ایک سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے پر ہیں۔ ایک بچہ ہے جو دودھ پی رہا ہے۔ جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اور کچھ باقی نہیں رہا تو وہ منہ کھول دیتا ہے۔ گویا اور مانگ رہا ہے۔ اس نوجوان دربان نے کہا، تو اسے بھی نہیں پائے گا۔ یہ مثال تجھے بتائی گئی ہے ان بادشاہوں کی جو آخر زمانے میں آئیں گے۔ لوگوں سے سونا چاندی گھسیٹیں گے یہاں تک کہ سمجھ لیں گے کہ اب کسی کے پاس کچھ نہیں بچا تو بھی وہ ظلم وزیادتی کر کے منہ پھیلائے رہیں گے۔ اس نے کہا، میں اور آگے بڑھا تو میں نے ایک درخت نہایت تر و تازہ، خوش رنگ اور خوش وضع دیکھا۔ میں نے اس کی ایک ٹہنی توڑنی چاہی تو دوسرے درخت سے آواز آئی کہ اے بندہ الٰہی! میری ڈالی توڑ جا۔ پھر تو ہر ایک درخت سے یہی آواز آنے لگی۔ دربان نے

کہا۔ تو اسے بھی نہیں پائے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی یہاں تک کہ جب ایک مرد کی طرف سے کسی عورت کو پیغام جائے گا تو دس بیس عورتیں اسے اپنی طرف بلانے لگیں گی۔ اس نے کہا' میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک دریا کے کنارے ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے۔ پھر اپنی مشک میں ڈالتا ہے لیکن اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا۔ دربان نے کہا' تو اسے بھی نہیں پائے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں ایسے علماء اور واعظ ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے۔ بھلی باتیں بتائیں گے لیکن خود عامل نہیں ہوں گے بلکہ خود گناہوں میں مبتلا رہیں گے۔ پھر جو میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بکری ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں۔ بعض نے دم تھام رکھی ہے۔ بعض نے سینگ پکڑ رکھے ہیں' بعض اس پر سوار ہیں اور بعض اس کا دودھ دوہ رہے ہیں۔ اس نے کہا' یہ مثال ہے دنیا کی جو اس کے پیر تھامے ہوئے ہیں۔ یہ تو وہ ہیں جو دنیا سے گر گئے۔ جنہیں یہ نہ ملی۔ جس نے سینگ تھام رکھے ہیں' یہ وہ ہے جو اپنا گزارہ کر لیتا ہے لیکن تنگی ترشی سے۔ دم پکڑنے والے وہ ہیں جن سے دنیا بھاگ چکی ہے۔ سوار وہ ہیں جو از خود تارک دنیا ہو گئے ہیں۔ ہاں دنیا سے صحیح فائدہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہیں تم نے اس بکری کا دودھ نکالتے ہوئے دیکھا۔ انہیں خوشی ہو۔ یہ مستحق مبارک باد ہیں۔ اس نے کہا' میں اور آگے چلا تو دیکھا کہ ایک شخص ایک کنوے میں سے پانی کھینچ رہا ہے اور ایک حوض میں ڈال رہا ہے۔ جس حوض میں سے پانی پھر کنویں میں چلا جاتا ہے۔ اس نے کہا' یہ وہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتے۔ اس نے کہا' پھر میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص نے دانے زمین میں بوئے' اسی وقت کھیتی تیار ہو گئی اور بہت اچھے نفیس گیہوں نکل آئے۔ کہا' یہ وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اس نے کہا' میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا پڑا ہے۔ مجھ سے کہنے لگا' بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دو' واللہ جب سے پیدا ہوا ہوں' بیٹھا ہی نہیں۔ میرے ہاتھ پکڑتے ہی وہ کھڑا ہو کر تیز دوڑا یہاں تک کہ میری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔ اس دربان نے کہا' یہ تیری عمر تھی جو جا چکی اور ختم ہو گئی۔ میں ملک الموت ہوں اور جس عورت سے تو ملنے آیا ہے' اس کی صورت میں بھی میں ہی تھا' اللہ کے حکم سے تیرے پاس آیا تھا کہ تیری روح اس جگہ قبض کروں۔ پھر تجھے جہنم رسید کروں۔

اس کے بارے میں یہ آیت وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ الخ' نازل ہوئی۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کی صحت میں بھی نظر ہے۔ آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ کافروں کی جب موت آتی ہے' ان کی روح حیات دنیا کی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے لیکن موت مہلت نہیں دیتی اور ان کی خواہش اور ان کے درمیان وہ حائل ہو جاتا ہے۔ جیسے اس مغرور و مفتون شخص کا حال ہوا کہ گیا تو عورت ڈھونڈھنے کو اور ملاقات ہوئی ملک الموت سے۔ امید پوری ہونے سے پہلے روح پرواز کر گئی۔ پھر فرماتا ہے' ان سے پہلے کی امتوں کے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ وہ بھی موت کے وقت زندگی اور ایمان کی آرزو کرتے رہے۔ جو محض بے سود تھی۔ جیسے فرمان عالی شان ہے فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا الخ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے' ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس جس کو ہم شریک الٰہی بتاتے تھے' ان سب سے ہم انکار کرتے ہیں لیکن اس وقت ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ ان سے پہلوں میں بھی یہی طریقہ الٰہی جاری رہا' کفار نفع سے محروم ہی ہیں۔ یہاں فرمایا کہ دنیا میں تو زندگی بھر شک شبہ میں اور تردد میں ہی رہے۔ اسی وجہ سے عذاب کے دیکھنے کے بعد کا ایمان بے کار رہا۔ حضرت قتادہؒ کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شبہات اور شکوک سے بچو۔ اس پر جس کی موت آئی' وہ قیامت کے دن بھی اسی پر اٹھایا جائے گا اور جو یقین پر مرا ہے' اسے یقین پر ہی اٹھایا جائے گا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے سورۂ سبا کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ فاطر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ
رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا
يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

ساتھ نام اللہ بخشش ومہربانی والے کے

اس معبود برحق کے لئے تمام تر تعریفیں سزاوار ہیں جو ابتدأ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغام پہنچانے والا بنانے والا ہے۔ مخلوق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے ○

(آیت:۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' فَاطِر کے بالکل ٹھیک معنی میں نے سب سے پہلے ایک اعرابی کی زبان سے سن کر معلوم کئے۔ وہ اپنے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا۔ ایک کنوے کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا اَنَا فَطَرْتُھَا یعنی پہلے پہل میں نے ہی اسے بنایا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ابتدأ بے نمونہ صرف اپنی قدرت کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ ضحاکؒ سے مروی ہے کہ فاطر کے معنی خالق کے ہیں۔ اپنے اور اپنے نبیوں کے درمیان قاصد اس نے اپنے فرشتوں کو بنایا ہے۔ جو پروالے ہیں' اڑتے ہیں تاکہ جلدی سے اللہ کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچادیں۔ ان میں سے بعض دو پروں والے ہیں۔ بعض کے تین تین ہیں۔ بعض کے چار چار پر ہیں۔ بعض ان سے بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان مشرق ومغرب جتنا فاصلہ تھا۔ یہاں بھی فرماتا ہے' رب جو چاہے اپنی مخلوق میں زیادتی کرے۔ جس سے چاہتا ہے' اس سے بھی زیادہ پر کر دیتا ہے۔ اور کائنات میں جو چاہے رچاتا ہے۔ اس سے مراد اچھی آواز بھی لی گئی ہے۔ چنانچہ ایک شاذ قراءت فِي الْحَلْقِ ''ح'' کے ساتھ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا
يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ
اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

اللہ تعالیٰ اپنی جس رحمت کو لوگوں کے لئے کھول دے' اسے بند کرنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ روک لے' اسے اس کے سوا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ وہ غالب اور باحکمت ہے ○ لوگو تم پر جو انعام اللہ نے کئے ہیں' انہیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہنچائے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں الٹے جاتے ہو ○

اللہ ہر چیز پر غالب ہے: ☆☆ (آیت:۲) اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا سب کچھ ہو کر رہتا ہے- بغیر اس کی چاہت کے کچھ بھی نہیں ہوتا- جو وہ دے' اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ روک لے' اسے کوئی دینے والا نہیں- نماز فرض کے سلام کے بعد اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه' لَا شَرِيْكَ لَه' لَه' الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِىَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ- اور حضورؐ فضول گوئی اور کثرت سوال اور مال کی بربادی سے منع فرماتے تھے اور آپ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور ماؤں کی نافرمانیوں کرنے اور خود لینے اور دوسروں کو نہ دینے سے بھی روکتے تھے- (بخاری-مسلم وغیرہ)

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہہ کر یہ فرماتے اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَىْءٍ بَعْدُ. اَللّٰهُمَّ اَهْلُ الثَّنَآءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِىَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اسی آیت جیسی آیت وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ الخ ہے اور بھی اس کی نظیر کی آیتیں بہت سی ہیں- حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بارش برستی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے' ہم پر فتح کے تارے سے بارش برسائی گئی- پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے- (ابن ابی حاتم)

(آیت:۳) اس بات کی دلیل یہاں ہو رہی ہے کہ عبادتوں کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے کیونکہ خالق و رازق صرف وہی ہے- پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا فاش غلطی ہے- دراصل اس کے سوا لائق عبادت اور کوئی نہیں- پھر تم اس واضح دلیل اور ظاہر برہان کے بعد کیسے بہک رہے ہو؟ اور دوسروں کی عبادت کی طرف جھکے جاتے ہو؟ واللہ اعلم-

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ
الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ۝۶

اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں- تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں- لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے- تمہیں زندگانی دنیا دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں غفلت میں ڈالے ○ یاد رکھو' شیطان تمہارا دشمن ہے- تم اسے دشمن ہی جانو- وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لئے ہی بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں ○

مایوسی کی ممانعت: ☆☆ (آیت:۴-۶) اے نبی ﷺ اگر آپؐ کے زمانے کے کفار آپؐ کی مخالفت کریں اور آپؐ کی بتائی ہوئی توحید اور خود آپؐ کی سچی رسالت کو جھٹلائیں تو آپؐ شکستہ دل نہ ہو جایا کریں- اگلے نبیوں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا- سب کاموں کا مرجع اللہ کی طرف ہے- وہ سب کو ان کے تمام کاموں کے بدلے دے گا اور سزا جزا سب کچھ ہو گی' لوگو قیامت کا دن حق ہے- وہ یقیناً آنے والا ہے- وہ وعدہ اٹل ہے- وہاں کی نعمتوں کے بدلے یہاں کے فانی عیش پر الجھ نہ جاؤ- دنیا کی ظاہری عیش کہیں تمہیں وہاں کی حقیقی خوشی سے محروم نہ کر

دے۔ اسی طرح شیطان مکار سے بھی ہوشیار رہنا۔ اس کے چلتے پھرتے جادو میں نہ پھنس جانا۔ اس کی جھوٹی اور چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اللہ رسول کے حق کلام کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ سورۂ لقمان کے آخر میں بھی یہی فرمایا ہے۔ پس غرور یعنی دھوکے باز یہاں شیطان کو کہا گیا ہے۔ جب مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان قیامت کے دن دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا۔ جس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور ظاہری حصے میں عذاب ہوگا اس وقت منافقین مومنین سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہ تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ساتھی تو تھے لیکن تم نے تو اپنے تئیں فتنے میں ڈال دیا تھا اور سوچتے ہی رہے۔ شک شبہ دور ہی نہ کیا۔ خواہشوں کو پورا کرنے میں ڈوبے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور دھوکے باز شیطان نے تمہیں بہلاوے میں ہی رکھا۔ اس آیت میں بھی شیطان کو غرور کہا گیا ہے' پھر شیطانی دشمنی کو بیان کیا کہ وہ تو تمہیں مطلع کر کے تمہاری دشمنی اور بربادی کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے۔ پھر تم کیوں اس کی باتوں میں آ جاتے ہو؟ اور اس کے دھوکے میں پھنس جاتے ہو؟ اس کی اور اس کی فوج کی تو عین تمنا ہے کہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے۔ اللہ تعالیٰ قوی و عزیز سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں شیطان کا دشمن ہی رکھے اور اس کے مکر سے ہمیں محفوظ رکھے اور اپنی کتاب اور اپنے نبیؐ کی سنتوں کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے۔ جس طرح اس آیت میں شیطان کی دشمنی کا بیان کیا گیا ہے' اسی طرح سورۂ کہف کی آیت وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ میں بھی اس کی دشمنی کا ذکر ہے۔

(آیت: ۷-۸) اوپر بیان گزرا تھا کہ شیطان کے تابعداروں کی جگہ جہنم ہے۔ اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ کفار کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس لئے کہ یہ شیطان کے تابع اور رحمان کے نافرمان ہیں۔ مومنوں سے جو گناہ بھی ہو جائیں' بہت ممکن ہے کہ اللہ انہیں معاف فرما دے اور جو نیکیاں ان کی ہیں' ان پر انہیں بڑا بھاری اجر و ثواب ملے گا' کافر اور بدکار لوگ اپنی بداعمالیوں کو نیکیاں سمجھ بیٹھے ہیں تو ایسے گمراہ لوگوں پر تیرا کیا بس ہے؟ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ ہے۔ پس تجھے ان پر غمگین نہ ہونا چاہیے۔ مقدرات الٰہی جاری ہو چکے ہیں۔ مصلحت مالک الملوک کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہدایت و ضلالت میں بھی اس کی حکمت ہے۔ کوئی کام اس سچے حکیم کا حکمت سے خالی نہیں۔ لوگوں کے تمام افعال اس پر واضح ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ پس جس پر وہ نور پڑ گیا' وہ دنیا میں آ کر سیدھی راہ چلا اور جسے اس دن وہ نور نہ ملا' وہ دنیا میں آ کر بھی ہدایت سے بہرہ ور نہ ہو سکا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے علم کے مطابق قلم چل کر خشک ہو گیا۔ (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے کہ ہمارے پاس حضورؐ آئے اور فرمایا' اللہ کے لئے ہر تعریف ہے جو گمراہی سے ہدایت پر لاتا ہے اور جس پر چاہتا ہے' گمراہی خلط ملط کر دیتا ہے۔ یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۬ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ ۱ع ۷ ۱۳
فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ
فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا
یَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ
اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹

جو لوگ کافر ہوئے' ان کے لئے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے' ان کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے ○ کیا پس وہ شخص جس کے لئے اس کے برے اعمال زینت دیئے گئے ہیں اور وہ انہیں اچھے اعمال سمجھ رہا ہے' یقین مانو کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے پس تجھے ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہئے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں' اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے ○ اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا بھی ہے ○

موت کے بعد زندگی: ☆☆ (آیت:۹) قرآن کریم میں موت کے بعد کی زندگی پر عموماً خشک زمین کے ہرا ہونے سے استدلال کیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ حج وغیرہ میں ہے۔ بندوں کے لئے اس میں پوری عبرت اور مردوں کے زندہ ہونے کی پوری دلیل اس میں موجود ہے کہ زمین بالکل سوکھی پڑی ہے' کوئی تروتازگی اس میں نظر نہیں آتی لیکن بادل اٹھتے ہیں' پانی برستا ہے کہ اس کی خشکی تازگی سے اور اس کی موت زندگی سے بدل جاتی ہے۔ یا تو ایک تنکا نظر نہ آتا تھا یا کوسوں تک ہریاول ہی ہریاول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بنو آدم کے اجزاء قبروں میں بکھرے پڑے ہوں گے۔ ایک سے ایک الگ ہوگا۔ لیکن عرش کے نیچے سے پانی برستے ہی تمام جسم قبروں میں سے اگنے لگیں گے۔ جیسے زمین سے دانے اگ آتے ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے' ابن آدم تمام کا تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں سڑتی۔ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے ترکیب دیا جائے گا۔ یہاں بھی نشان بتا کر فرمایا کہ اسی طرح موت کے بعد کی زیست ہے۔ سورۂ حج کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضورؐ اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اور اس کی مخلوق میں اس بات کی کیا دلیل ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اے ابورزین' کیا تم اپنی بستی کے آس پاس کی زمین کے پاس سے اس حالت میں نہیں گزرے کہ وہ خشک بنجر پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر دوبارہ تم گزرتے ہو تو دیکھتے ہو کہ وہ سبزہ زار بنی ہوئی ہے اور تازگی کے ساتھ لہرا رہی ہے۔ حضرت ابورزین نے جواب دیا ہاں حضورؐ یہ تو اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا' بس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ
الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ
السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا
تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ
مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ
يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ ہی کی ساری عزت ہے۔ تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل بھی جسے وہ بلند کرتا ہے۔ جو لوگ برائیوں کے داؤ گھات میں لگے رہتے ہیں' ان کے لئے سخت تر عذاب ہے اور ان کا یہ مکر برباد ہو جائے گا ○ لوگو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے' پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے' پھر تمہیں مرد عورت بنا دیا ہے۔ عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم سے ہی ہے اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے' وہ سب کتاب میں لکھا

ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر یہ سب بالکل آسان ہے ○

عزت اللہ کے پاس ہے: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) جو شخص دنیا اور آخرت میں باعزت رہنا چاہتا ہو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرنی چاہیے۔ وہی اس مقصد کا پورا کرنے والا ہے دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔ ساری عزتیں اسی کی ملکیت میں ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہماری عزت ہو وہ عزت کے حصول سے مایوس ہو جائیں کیونکہ عزتیں تو اللہ کے قبضے میں ہیں۔ اور جگہ فرمان عالی شان ہے، تجھے ان کی باتیں غم ناک نہ کریں، تمام تر عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اور آیت میں اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے لیکن منافق بے علم ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، بتوں کی پرستش میں عزت نہیں۔ عزت والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس بقول قتادہؒ آیت کا یہ مطلب ہے کہ طالب عزت کو احکام الٰہی کی تعمیل میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو یہ جاننا چاہتا ہو کہ کس کے لئے عزت ہے وہ جان لے کہ ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ذکر، تلاوت، دعا وغیرہ پاک کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جتنی حدیثیں تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں، سب کی تصدیق کتاب اللہ سے پیش کر سکتے ہیں۔ سنو! مسلمان بندہ جب سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلِلّٰهِ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ پڑھتا ہے تو ان کلمات کو فرشتہ اپنے پر تلے لے کر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے گزرتا ہے، وہ مجمع ان کلمات کے کہنے والے کے لئے استغفار کرتا ہے یہاں تک کہ رب العالمین عزوجل کے سامنے یہ کلمات پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ کی تلاوت کی۔ (ابن جریر)

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں، سُبْحَانَ اللّٰهِ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللّٰهُ اَكْبَرُ عرش کے اردگرد آہستہ آہستہ آواز نکالتے رہتے ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ اپنے کہنے والا کا ذکر اللہ کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو لوگ اللہ کا جلال اس کی تسبیح، اس کی حمد، اس کی بڑائی، اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں، ان کے لئے ان کے یہ کلمات عرش کے آس پاس اللہ کے سامنے ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ پاک کلموں سے مراد ذکر الٰہی ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔ پس جو شخص ذکر الٰہی اور ادائے فریضہ کرے، اس کا عمل اس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھاتا ہے اور جو ذکر کرے لیکن فریضہ ادا نہ کرے، اس کا کلام اس کے عمل پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب کو عمل صالح لے جاتا ہے۔ اور بزرگوں سے بھی یہی منقول ہے بلکہ ایاس بن معاویہ قاضیؒ فرماتے ہیں، قول بغیر عمل کے مردود ہے۔ برائیوں کے گھات میں لگنے والے وہ لوگ ہیں جو مکاری اور ریاکاری سے اعمال کرتے ہیں۔ لوگوں پر گو یہ ظاہر ہو کہ وہ اللہ کی فرماں برداری کرتے ہیں لیکن دراصل اللہ کے نزدیک وہ سب سے زیادہ برے ہیں۔ جو نیکیاں صرف دکھاوے کی کرتے ہیں۔ یہ ذکر اللہ بہت ہی کم کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد مشرک ہیں۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ مشرک اس میں بطریق اولیٰ داخل ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر فاسد و باطل ہے۔ ان کا جھوٹ آج نہیں تو کل کھل جائے گا۔ عقل مند ان کے مکر سے واقف ہو جائیں گے۔ جو شخص جو کچھ کرے، اس کا اثر اس کے چہرے پر ہی ظاہر ہو جاتا ہے اس کی زبان اسی رنگ سے رنگ دی جاتی ہے۔ جیسا باطن ہوتا ہے،

اسی کا عکس ظاہر پر بھی پڑتا ہے۔ ریا کار کی بے ایمانی لمبی مدت تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہاں کوئی بے وقوف اس کے دام میں پھنس جائے تو اور بات ہے۔ مومن پورے عقل منداور کامل دانا ہوتے ہیں۔ وہ ان دھو کے بازوں سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس عالم الغیب اللہ پر تو کوئی بات بھی چھپ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کی نسل کو ایک ذلیل پانی سے جاری رکھا۔ پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا یعنی مرد وعورت۔ یہ بھی اس کا لطف وکرم اور انعام واحسان ہے کہ مردوں کے لئے بیویاں بنائیں جوان کے سکون وراحت کا سبب ہیں۔ ہر حاملہ کے حمل کی اور ہر بچے کے تولد ہونے کی اسے خبر ہے بلکہ ہر پتے کے جھڑنے اور اندھیرے میں پڑے ہوئے دانے اور ہر تر وخشک چیز کا اسے علم ہے بلکہ اس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا ہے۔ اسی آیت جیسی اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى الخ ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم الغیب کو یہ بھی علم ہے کہ کس نطفے کو لمبی عمر ملنے والی ہے۔ یہ بھی اس کے پاس لکھا ہوا ہے وَمَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ میں ہ کی ضمیر کا مرجع جنس ہے۔ عین ہی نہیں اس لئے کہ طول عمر کتاب میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی عمر سے کمی نہیں ہوتی۔ جنس کی طرف بھی ضمیر لوٹتی ہے۔

جیسے عرب میں کہا جاتا ہے عِنْدِیْ ثَوْبٌ وَ نِصْفُهٗ یعنی میرے پاس ایک کپڑا ہے اور دوسرے کپڑے کا آدھا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس شخص کے لئے اللہ نے طویل عمر مقدر کی ہے وہ اسے پوری کر کے ہی رہے گا لیکن وہ لمبی عمر میری کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ وہیں تک پہنچے گی اور جس کے لئے میں نے کم عمر مقرر کی ہے اس کی حیات اسی عمر تک پہنچے گی۔ یہ سب کچھ اللہ کی پہلی کتاب میں لکھی ہوئی موجود ہے اور رب پر یہ سب کچھ آسان ہے۔ عمر کے ناقص ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو نطفہ تمام ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ بعض انسان سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ ساٹھ سال سے کم عمر میں مرنے والا بھی ناقص عمر والا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماں کے پیٹ میں عمر کی لمبائی یا کمی لکھ لی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی یکساں عمر نہیں ہوتی۔ کوئی لمبی عمر والا کوئی کم عمر والا۔ یہ سب اللہ کے ہاں لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق ظہور میں آ رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اجل لکھی گئی ہے اور اس میں سے جو گزر رہی ہے سب علم الٰہی میں ہے اور اس کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو یہ چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کسی کی اجل آ جانے کے بعد اسے مہلت نہیں ملتی۔ زیادتی عمر سے مراد نیک اولاد کا ہونا ہے جس کی دعائیں اسے اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر میں پہنچتی رہتی ہیں۔ یہی زیادتی عمر ہے۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔ اس کا علم اس کے پاس ہے۔ اس کا علم تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ اس پر کچھ مخفی نہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا
مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ
حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲

اور برابر نہیں دو دریا۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے۔ پینے میں رچتا پچتا اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا۔ تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے والی ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور کیا عجب کہ تم اس کا شکر

بھی کرو ○

قدرت الٰہی: ☆☆ (آیت: ۱۲) مختلف قسم کی چیزوں کی پیدائش کو بیان فرما کر اپنی زبردست قدرت کو ثابت کر رہا ہے۔ دو قسم کے دریا پیدا کر دیئے۔ ایک کا تو صاف ستھرا میٹھا اور عمدہ پانی جو آبادیوں میں جنگلوں میں برابر بہہ رہا ہے اور دوسرا ساکن دریا جس کا پانی کھاری اور کڑوا ہے جس میں بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز چل رہے ہیں اور دونوں قسم کے دریا میں سے قسم قسم کی مچھلیاں تم نکالتے ہو اور تر و تازہ گوشت کھاتے رہتے ہیں پھر ان میں سے زیور نکالتے ہو یعنی لولو اور مرجان۔ یہ کشتیاں برابر پانی کو کاٹتی رہتی ہیں۔ ہواؤں کا مقابلہ کر کے چلتی رہتی ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کر لو۔ تجارتی سفر ان پر طے کرو۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکو تا کہ تم اپنے رب کا شکر کرو کہ اس نے یہ سب چیزیں تمہاری تابع فرمان بنا دیں۔ تم سمندر سے، دریاؤں سے، کشتیوں سے نفع حاصل کرتے ہو، جہاں جانا چاہو، پہنچ جاتے ہو۔ اس قدرت والے اللہ نے زمین و آسمان کی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ یہ صرف اس کا ہی فضل و کرم ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ
وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ اِنْ
تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝۱۴ ع ۲ ۷ ۱۴

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک معیاد معین پر چل رہا ہے یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا۔ اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ○ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ تجھے کوئی بھی حق تعالیٰ خبردار جیسی خبریں نہ دے گا ○

(آیت: ۱۳-۱۴) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو اندھیرے والی اور دن کو روشنی والا بنایا ہے۔ کبھی کی راتیں بڑی کبھی کے دن بڑے۔ کبھی دونوں یکساں۔ کبھی جاڑے ہیں، کبھی گرمیاں ہیں۔ اسی نے سورج اور چاند کو تھمے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں کو مطیع کر رکھا ہے۔ مقدار معین پر اللہ کی طرف سے مقرر شدہ چال پر چلتے رہتے ہیں۔ پوری قدرتوں والے اور کامل علم والے اللہ نے یہ نظام قائم کر رکھا ہے جو برابر چل رہا ہے۔ اور وقت مقررہ یعنی قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ جس اللہ نے یہ سب کیا ہے، وہی دراصل لائق عبادت ہے اور وہی سب کا پالنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ جن بتوں کو اور اللہ کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں خواہ وہ فرشتے ہی کیوں نہ ہوں اور اللہ کے پاس بڑے درجے رکھنے والے ہی کیوں نہ ہوں لیکن سب کے سب اس کے سامنے محض مجبور اور بالکل بے بس ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر کے باریک چھلکے جیسی چیز کا بھی انہیں اختیار نہیں۔ آسمان و زمین کی حقیر سے حقیر چیز کے بھی وہ مالک نہیں، جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری آواز سنتے ہی نہیں۔ تمہارے یہ بت وغیرہ بے جان چیزیں کان والی نہیں جو سن سکیں۔ بے جان چیزیں بھی کہیں کسی کی سن سکتی ہیں۔ اور بالفرض تمہاری پکار سن بھی لیں تو چونکہ ان کے قبضے میں کوئی چیز نہیں، اس لئے وہ تمہاری حاجت برآری کر نہیں سکتے۔ قیامت کے دن تمہارے اس شرک سے وہ انکاری ہو جائیں گے۔ تم سے بیزار نظر آئیں گے۔

جیسے فرمایا وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ یعنی اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک ان کی پکار کو نہ قبول کر سکیں بلکہ ان کی دعا سے وہ محض بے خبر اور غافل ہیں اور میدان محشر میں وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادتوں سے منکر ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا الخ یعنی اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں تا کہ وہ ان کے لئے باعث عزت بنیں لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا بلکہ وہ ان کی عبادتوں سے بھی منکر ہو جائیں گے اور ان کے مخالف اور دشمن بن جائیں گے۔ بھلا بتاؤ تو اللہ جیسی سچی خبریں اور کون دے سکتا ہے؟ جو اس نے فرمایا' وہ یقیناً ہو کر ہی رہے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ پورا خبردار ہے۔ اس جیسی خبر کوئی اور نہیں دے سکتا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ
الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ
مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا
تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى
فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج اور فقیر ہو اور اللہ تعالیٰ غنی اور تعریفوں والا ہے ○ اگر وہ چاہے تو تم سب کو برباد کر دے اور نئی مخلوق لا دے ○ اللہ پر یہ کام کوئی مشکل نہیں ○ کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو قرابت دار ہی ہو۔ تو صرف انہی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ جو بھی پاک ہو جائے' وہ اپنے ہی نفع کے لئے پاک ہوگا۔ لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے ○

اللہ قادر مطلق: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۸) اللہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں۔ وہ بے پرواہ ہے اور سب اس کے حاجت مند ہیں۔ اس کے سامنے ہر کوئی ذلیل ہے اور وہ عزیز ہے۔ کسی قسم کی حرکت و سکون پر کوئی قادر نہیں۔ سانس تک لینا کسی کے بس میں نہیں۔ مخلوق بالکل ہی بے بس ہے۔ غنی' بے پرواہ اور بے نیاز صرف اللہ ہی ہے۔ تمام باتوں پر قادر وہی ہے۔ وہ جو کرتا ہے' اس میں قابل تعریف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت و تعریف سے خالی نہیں۔ اپنے قول میں' اپنے فعل میں' اپنی شرع میں' تقدیروں کے مقرر کرنے میں غرض ہر طرح سے وہ بزرگ اور لائق حمد و ثنا ہے۔ لوگو اللہ کی قدرت ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو غارت و برباد کر دے اور تمہارے عوض دوسرے لوگوں کو لائے' رب پر یہ کام کچھ مشکل نہیں' قیامت کے دن کوئی دوسرے کے گناہ اپنے اوپر نہ لے گا۔ اگر کوئی گنہگار اپنے بعض یا سب گناہ دوسرے پر لادنا چاہے تو یہ چاہت بھی اس کی پوری نہ ہوگی۔

کوئی نہ ملے گا کہ اس کا بوجھ بٹائے۔ عزیز و اقارب بھی منہ موڑ لیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے گو ماں باپ اور اولاد ہو۔ ہر شخص اپنے حال میں مشغول ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں' پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا' اللہ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا؟ کافر مومن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کئے تھے'

وہ یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مومن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جہنم سے چھٹکارا محال ہے۔ باپ اپنے بیٹے کو اپنے احسان جتائے گا اور کہے گا کہ رائی کے ایک دانے برابر مجھے آج اپنی نیکیوں میں سے دے دے۔ وہ کہے گا' ابا آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرما رہے ہیں لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے' وہی مجھے بھی ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ پھر بیوی کے پاس جائے گا' اس سے کہے گا' میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کئے ہیں؟ وہ کہے گی' بہت ہی اچھے۔ یہ کہے گا' آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مجھے ایک نیکی دے دے تا کہ عذابوں سے چھوٹ جاؤں۔ جواب ملے گا کہ سوال تو بہت ہلکا ہے لیکن جس خوف میں تم ہو' وہی ڈر مجھے بھی لگا ہوا ہے۔ میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم کی اور آیت میں ہے لَا يَجْزِىُ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا یعنی آج نہ باپ بیٹے کے کام آئے نہ بیٹا باپ کے کام آئے۔ اور فرمان ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ الخ' آج انسان اپنے بھائی سے' ماں سے' باپ سے' بیوی سے اور اولاد سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص اپنے حال میں مست و بے خود ہو گا۔ ہر ایک دوسرے سے غافل ہو گا' تیرے وعظ و نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عقل مند اور صاحب فراست ہوں۔ جو اپنے رب سے قدم قدم پر خوف کرنے والے اور اطاعت الٰہی کرتے ہوئے' نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔ نیک اعمال خود تم ہی کو نفع دیں گے۔ جو پاکیزگیاں تم کرو' ان کا نفع تم ہی کو پہنچے گا۔ آخر اللہ کے پاس جانا ہے' اس کے سامنے پیش ہونا ہے' حساب کتاب اس کے سامنے ہونا ہے' اعمال کا بدلہ وہ خود دینے والا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي
الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرے اور نہ اجالا ○ اور نہ سایہ اور نہ لو (دھوپ) ○ اور نہیں برابر ہوتے زندے اور نہ مردے۔ اللہ جسے چاہے سنا دے۔ تو نہیں نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں ○

ایک موازنہ: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۲) ارشاد ہوتا ہے کہ مومن و کافر برابر نہیں۔ جس طرح اندھا اور دیکھتا' اندھیرا اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ جس طرح ان چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے' اسی طرح ایمان دار اور بے ایمان میں بھی بے انتہا فرق ہے۔ مومن آنکھوں والے اجالے' سائے اور زندہ کی مانند ہے۔ برخلاف اس کے کافر اندھے' اندھیرے اور بھرپور لو والی گرمی کی مانند ہے۔ جیسے فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ الخ یعنی جو مردہ تھا' پھر اسے ہم نے زندہ کر دیا اور اسے نور دیا جسے لئے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ ایسا شخص اور وہ شخص جو اندھیروں میں گھرا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہیں سکتا' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور آیت میں ہے مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ الخ' یعنی ان دونوں جماعتوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے اور سننے والوں کی سی ہے۔ مومن تو آنکھوں اور کانوں والا' اجالے اور نور والا ہے۔ پھر راہ مستقیم پر ہے جو صحیح طور پر سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچے گا۔ اور اس کے برعکس کافر اندھا بہرا اور اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہ سکے گا اور ٹھیک جہنم میں پہنچے گا۔ جو تند و تیز حرارت اور گرمی والی آگ کا مخزن ہے۔ اللہ جسے چاہے سنا دے یعنی اس طرح سننے کی توفیق دے کہ دل سن کر قبول بھی کرتا جائے۔ تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ
مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ
وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ
نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ع ۳ ۱۲ ۱۵
ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

تو تو صرف ڈر کی خبر پہنچا دینے والا ہے ○ یقیناً ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ کوئی امت ایسی نہیں جس میں ڈر سنانے والا نہ گذرا ہو- اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو ان سے پہلوں نے بھی جھٹلایا ہے جن کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں اور نامہ الٰہی اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ○ بالآخر میں نے منکروں کی گرفت کر لی- سو دیکھ لو کہ میرا انکار کیسا کچھ ہوا ○ کیا تو نہیں دیکھتا، اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے- پھر ہم اس کے ذریعے سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کرتے ہیں اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید و سرخ اور رنگ بہ رنگ اور سخت سیاہ ○

(آیت:۲۳-۲۶) یعنی جس طرح کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنا دیا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے، اسی طرح کفار ہیں کہ ہدایت ودعوت ان کے لئے بے کار ہے- اسی طرح ان مشرکوں پر ان کی بدبختی چھا گئی ہے اور ان کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی- تو انہیں کسی طرح ہدایت پر نہیں لا سکتا- تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے- تیرے ذمے صرف تبلیغ ہے، ہدایت وضلالت من جانب اللہ ہے- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر امت میں رسولؑ آتا رہا- تا کہ ان کا عذر باقی نہ رہ جائے-

جیسے اور آیت میں ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا الخ وغیرہ، ان کا تجھے جھوٹا کہنا کوئی نئی بات نہیں- ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا ہے- جو بڑے بڑے معجزات، کھلی کھلی دلیلیں، صاف صاف آیتیں لے کر آئے تھے- اور نورانی صحیفے ان کے ہاتھوں میں تھے، آخر ان کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے انہیں عذاب وسزا میں گرفتار کر لیا- دیکھ لے کہ پھر میرے انکار کا نتیجہ کیا ہوا؟ کس طرح تباہ و برباد ہوئے؟ واللہ اعلم-

رب کی قدرتیں: ☆☆ (آیت:۲۷) رب کی قدرتوں کے کمالات دیکھو کہ ایک ہی قسم کی چیزوں میں گوناگوں نمونے نظر آتے ہیں- ایک پانی آسمان سے اترتا ہے اور اسی سے مختلف قسم کے رنگ برنگے پھل پیدا ہو جاتے ہیں- سرخ، سبز، سفید وغیرہ- اسی طرح ہر ایک کی خوشبو الگ الگ، ہر ایک کا ذائقہ جداگانہ- جیسے اور آیت میں فرمایا وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ الخ یعنی کہیں انگور ہے، کہیں کھجور ہے، کہیں کھیتی ہے وغیرہ- اسی طرح پہاڑوں کی پیدائش بھی قسم قسم کی ہے- کوئی سفید ہے- کوئی سرخ ہے- کوئی کالا ہے- کسی میں راستے اور گھاٹیاں ہیں- کوئی لمبا ہے- کوئی ناہموار ہے-

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ
اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

ٹھیک اسی طرح خود انسانوں میں اور جانوروں میں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ یاد رکھو اللہ سے صرف اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو ذی علم ہیں۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ غالب اور بخشنے والا ہے ○

(آیت: ۲۸) ان بے جان چیزوں کے بعد جاندار چیزوں پر نظر ڈالو۔ انسانوں کو، جانوروں کو، چوپایوں کو دیکھو۔ ان میں بھی قدرت کی وضع وضع کی گلکاریاں پاؤ گے۔ بربر، حبشی، طماطم بالکل سیاہ فام ہوتے ہیں۔ صقالیہ رومی بالکل سفید رنگ، عرب درمیانہ، ہندی ان کے قریب قریب۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ تمہاری بول چال کا اختلاف، تمہاری رنگتوں کا اختلاف بھی ایک عالم کے لئے تو قدرت کی کامل نشانی ہے۔ اسی طرح چوپائے اور دیگر حیوانات کے رنگ روپ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بلکہ ایک ہی قسم کے جانوروں میں ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں۔ بلکہ ایک ہی جانور کے جسم پر کئی کئی قسم کے رنگ ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ سب سے اچھا خالق اللہ کیسی کیسی برکتوں والا ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ایسا رنگ رنگتا ہے جو کبھی ہلکا نہ پڑے۔ سرخ، زرد اور سفید۔ یہ حدیث مرسل اور موقوف بھی مروی ہے۔

اس کے بعد ہی فرمایا کہ جتنا کچھ خوف الٰہی کرنا چاہیے اتنا خوف تو اس سے صرف علماء ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ جاننے بوجھنے والے ہوتے ہیں۔ حقیقتاً جو شخص جس قدر اللہ کی ذات سے متعلق معلومات زیادہ رکھے گا، اسی قدر اس عظیم وقدیر واللہ کی عظمت وہیبت اس کے دل میں بڑھے گی اور اسی قدر اس کی خشیت اس کے دل میں زیادہ ہوگی۔ جو جانے گا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قدم قدم پر اس سے ڈرتا رہے گا۔ اللہ کے ساتھ سچا علم اسے حاصل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتائے کاموں کو حرام جانے۔ اس کے فرمان پر یقین کرے۔ اس کی نصیحت کی نگہبانی کرے۔ اس کی ملاقات کو برحق جانے۔ اپنے اعمال کے حساب کو سچ سمجھے۔ خشیت ایک قوت ہوتی ہے جو بندے کے اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ عالم کہتے ہی اسے ہیں جو درپردہ بھی اللہ سے ڈرتا رہے، اور اللہ کی رضا اور پسند کو چاہے، رغبت کرے اور اس کی ناراضگی کے کاموں سے نفرت رکھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، باتوں کی زیادتی کا نام علم نہیں۔ علم نام ہے بکثرت اللہ سے ڈرنے کا۔ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے کہ کثرت روایات کا نام علم نہیں۔ علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت احمد بن صالح مصریؒ فرماتے ہیں، علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ علم اس کا جس کی تابعداری اللہ کی طرف سے فرض ہے یعنی کتاب وسنت اور جو صحابہؓ اور ائمہ سے پہنچا ہو، وہ روایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ نور جو بندے کے آگے آگے ہوتا ہے، وہ علم کو اور اس کے مطلب کو سمجھ لیتا ہے۔ مروی ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں۔ عالم باللہ، عالم بامر اللہ۔ اور عالم باللہ وبامر اللہ۔ عالم باللہ، عالم بامر اللہ نہیں اور عالم بامر اللہ عالم باللہ نہیں۔ ہاں عالم باللہ وبامر اللہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور حدود وفرائض کو جانتا ہو۔ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو لیکن حدود وفرائض کو نہ جانتا ہو۔ عالم بامر اللہ وہ ہے جو حدود فرائض کو تو جانتا ہو لیکن اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ
اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾
وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے' اسے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہتے ہیں' وہ اس تجارت کے خواہاں ہیں جو کبھی مندی نہیں ہوتی ○ تاکہ انہیں ان کے پورے اجر دے بلکہ اپنے فضل سے اور زیادتی عطا فرمائے ○ اللہ بڑا ہی بخشنہار اور بڑا ہی قدردان ہے- جو کتاب ہم نے بذریعہ وحی کے تیری طرف نازل فرمائی ہے' وہ سراسر حق ہے اور اگلی کتابوں کی بھی تصدیق کرنے والی ہے- بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پورا خبردار اور انہیں بخوبی دیکھنے والا ہے ○

کتاب اللہ کی تلاوت کے فضائل: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۰) مومن بندوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول رہا کرتے ہیں- ایمان کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں- عمل بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے- نماز کے پابند' زکوٰۃ خیرات کے عادی' ظاہر و باطن اللہ کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنے والے ہوتے ہیں- اور وہ اپنے اعمال کے ثواب کے امیدوار اللہ سے ہوتے ہیں جس کا ملنا یقینی ہے- جیسے کہ اس تفسیر کے شروع میں فضائل قرآن کے ذکر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ کلام اللہ شریف اپنے ساتھی سے کہے گا کہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور تو تو سب کی سب تجارتوں کے پیچھے ہے' انہیں ان کے پورے ثواب ملیں گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ملیں گے جس کا خیال بھی نہیں- اللہ گناہوں کا بخشنے والا اور چھوٹے اور تھوڑے عمل کا بھی قدردان ہے- حضرت مطرف رحمہ اللہ تو اس آیت کو قاریوں کی آیت کہتے تھے- مسند کی ایک حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو اس پر بھلائیوں کی ثنا کرتا ہے جو اس نے کی نہ ہوں اور جب کسی سے ناراض ہوتا ہے تو اسی طرح برائیوں کی- لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے-

فضائل قرآن: ☆☆ (آیت:۳۱) قرآن اللہ کا حق کلام ہے اور جس طرح اگلی کتابیں اس کی خبر دیتی رہتی ہیں' یہ بھی ان اگلی سچی کتابوں کی سچائی ثابت کر رہا ہے- رب خبیر و بصیر ہے- ہر مستحق فضیلت کو بخوبی جانتا ہے- انبیاء کو اور انسانوں پر اس نے اپنے وسیع علم سے فضیلت دی ہے- پھر انبیاء میں بھی آپس میں مرتبے مقرر کر دیئے ہیں اور علی الاطلاق حضور محمد ﷺ کا درجہ سب سے بڑا کر دیا ہے- اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء پر درود و سلام بھیجے-

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ
لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

پھر اس کتاب کے وارث ہم نے اپنے پسندیدہ بندوں کو بنا دیا- پس بعض تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے درمیانہ درجے کے

ہیں اور بعض وہ ہیں جو بتوفیق الٰہی نیکیوں میں سبقت کرتے چلے جاتے ہیں۔ بہت بڑا فضل بھی یہی ہے ○

عظمت قرآن کریم اور ملت بیضا: ☆☆ (آیت:۳۲) جس کتاب کا اوپر ذکر ہوا تھا، اس بزرگ کتاب یعنی قرآن کریم کو ہم نے اپنے چیدہ بندوں کے ہاتھوں میں دیا ہے یعنی اس امت کے ہاتھوں۔ پھر حرمت والے کام بھی اس سے سرزد ہو گئے۔ بعض درمیانہ درجے کے رہے جنہوں نے محرمات سے تو اجتناب کیا، واجبات بجالاتے رہے لیکن کبھی کبھی کوئی مستحب کام ان سے چھوٹ بھی گیا اور کبھی کوئی ہلکی پھلکی نافرمانی بھی سرزد ہو گئی۔ بعض درجوں میں بہت ہی آگے نکل گئے۔ واجبات چھوڑ، مستجاب کو بھی انہوں نے نہ چھوڑا اور محرمات چھوڑ، مکروہات سے بھی یکسر الگ رہے۔ بلکہ بعض مرتبہ مباح چیزوں کو بھی ڈر کر چھوڑ دیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پسندیدہ بندوں سے مراد امت محمدؐ ہے جو اللہ کی ہر کتاب کی وارث بنائی گئی ہے۔ ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، انہیں بخشا جائے اور ان میں جو درمیانہ لوگ ہیں، ان سے آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ان میں جو نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں، انہیں بے حساب جنت میں پہنچایا جائے گا۔ طبرانی میں ہے، حضورؐ نے فرمایا، میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، سابق لوگ تو بغیر حساب کتاب کے داخل جنت ہوں گے۔ اور میانہ رو رحمت رب سے داخل جنت ہوں گے اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف محمد ﷺ کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ الغرض اس امت کے ہلکے پھلکے گنہگار بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہیں۔ فالحمد للہ۔

گو اکثر سلف کا قول یہی ہے لیکن بعض سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لوگ نہ تو اس امت میں داخل ہیں نہ چیدہ اور پسندیدہ ہیں نہ وارثین کتاب ہیں۔ بلکہ مراد اس سے کافر، منافق اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں۔ پس یہ تین قسمیں وہی ہیں جن کا بیان سورۂ واقعہ کے اول و آخر میں ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ اسی امت میں ہیں۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ یہ تینوں گویا ایک ہیں اور تینوں ہی جنتی ہیں۔ (مسند احمد)

یہ حدیث غریب ہے اور اس کے راویوں میں ایک راوی ہیں جن کا نام مذکور نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس امت میں ہونے کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے کہ وہ جنتی ہیں، گویا ایک ہی ہیں۔ ہاں مرتبوں میں فرق ہونا لازمی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا، سابقین تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور درمیانہ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے طول محشر میں روکے جائیں گے۔ پھر اللہ کی رحمت سے تلافی ہو جائے گی اور یہ کہیں گے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔ ہمارا رب بڑا ہی غفور و شکور ہے جس نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے رہائش کی ایسی جگہ عطا فرمائی جہاں ہمیں کوئی درد دکھ نہیں۔ (مسند احمد)

ابن ابی حاتم کی اس روایت میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے۔ ابن جریرؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابو ثابتؓ مسجد میں آتے ہیں اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ! میری وحشت کا انیس میرے لئے مہیا کر دے اور میری غربت پر رحم کر اور مجھے کوئی اچھا رفیق عطا فرما۔ یہ سن کر صحابی ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں، میں تیرا ساتھی ہوں، سن میں آج تجھے وہ حدیث رسولؐ سناتا ہوں جسے میں نے آج تک کسی کو نہیں سنائی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا

سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ تو جنت میں بے حساب جائیں گے اور مُقْتَصِدٌ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کو اس مکان میں غم و رنج پہنچے گا جس سے نجات پا کر وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔

تیسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی امت میں سے ہیں۔ چوتھی حدیث: میری امت کے تین حصے ہیں۔ ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جانے والا۔ دوسرا آسانی سے حساب لیا جانے والا اور پھر بہشت نشیں ہونے والا۔ تیسری وہ جماعت ہوگی جس سے تفتیش و تلاش ہوگی لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے کہ ہم نے انہیں لا اله الا الله وحده کہتے ہوئے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ سچ ہے۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اچھا، انہیں میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا۔ جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں دوزخیوں پر لاد دو۔ اسی کا ذکر آیت وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ مَّعَ اَثْقَالِهِمْ میں ہے یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے۔ اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا ہے، ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ پس ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، وہ باز پرس کئے جائیں گے۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس امت کی قیامت کے دن تین جماعتیں ہوں گی۔ ایک بے حساب جنت میں جانے والی، ایک آسانی سے حساب لئے جانے والی، ایک گنہگار جن کی نسبت اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے کہیں گے، اللہ ان کے پاس بڑے بڑے گناہ ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا، انہیں میری وسیع رحمت میں داخل کر دو۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ابن جریر)

دوسرا اثر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتی ہیں بیٹا یہ سب جنتی لوگ ہیں۔ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ تو وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے جنہیں خود آپؐ نے جنت کی بشارت دی۔ مُقْتَصِدٌ وہ ہیں جنہوں نے آپؐ کے نقش قدم کی پیروی کی یہاں تک کہ ان سے مل گئے۔ اور ظَلِمٌ لِّنَفْسِهٖ مجھ تجھ جیسے ہیں (ابوداؤد طیالسی) خیال فرمایئے کہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باوجودیکہ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ میں سے بلکہ ان میں سے بھی بہترین درجے والوں میں سے ہیں لیکن کس طرح اپنے تئیں متواضع بناتی ہیں حالانکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کو وہی فضیلت ہے جو فضیلت ثرید کو ہر قسم کے طعام پر ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ تو ہمارے بدوی لوگ ہیں اور مُقْتَصِدٌ ہماری شہری لوگ ہیں اور سابق ہمارے مجاہد ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت کعب احبار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے لوگ اسی امت میں سے ہیں اور سب جنتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسم کے لوگوں کے ذکر کے بعد جنت کا ذکر کر کے پھر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ پس یہ لوگ دوزخی ہیں۔ (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، کعب کے اللہ کی قسم یہ سب ایک ہی زمرے میں ہیں۔ ہاں اعمال کے مطابق ان کے درجات کم و بیش ہیں۔ ابواسحاق سبیعی بھی اس آیت میں فرماتے ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ناجی ہیں۔ محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں، یہ امت مرحومہ ہے۔ ان کے گنہگاروں کو بخش دیا جائے گا اور ان کے مُقْتَصِدٌ اللہ کے پاس جنت میں ہوں گے اور ان کے سابق بلند درجوں میں ہوں گے۔ محمد بن علی باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں جن لوگوں کو ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کہا گیا ہے،

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گناہ بھی کئے تھے اور نیکیاں بھی۔ ان احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر یہ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں عموم ہے اور اس امت کی ان تینوں قسموں کو یہ شامل ہے۔ پس علماء کرام اس نعمت کے ساتھ سب سے زیادہ رشک کے قابل ہیں اور اس رحمت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابو درداءؓ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں' اس حدیث کے سننے کے لئے آیا ہوں جو آپ بیان کرتے ہیں۔ پوچھا' کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا' نہیں۔ پوچھا' پھر کوئی اور مطلب بھی ہوگا؟ فرمایا کوئی مقصد نہیں۔ پوچھا پھر کیا صرف حدیث کی طلب کے لئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ فرمایا سنو' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے کو قطع کرے اللہ اسے جنت کے راستوں میں چلائے گا۔ اللہ کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کے لئے پر بچھا دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے بہت ہی خوش ہیں اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں۔ عالم کے لئے آسمان و زمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی۔ عابد و عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت ستاروں پر۔ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ ان کا ورثہ علم دین ہے۔ جس نے اسے لیا' اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔ (ابو داؤد' ترمذی وغیرہ) اس حدیث کے تمام طریق اور الفاظ اور شرح میں نے صحیح بخاری کتاب العلم کی شرح میں مفصلاً بیان کر دی ہے فالحمد للہ۔ سورۂ طٰہٰ کے شروع میں وہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علما سے فرمائے گا' میں نے اپنا علم و حکمت تمہیں اس لئے ہی دیا تھا کہ تمہیں بخش دوں گو تم کیسے ہی ہو۔ مجھے اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ
اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ
اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ
وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

ان ہیشگی والی جنتوں میں داخل ہوں گے جہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی اور جہاں ان کا لباس خالص ریشم ہوگا ○ کہیں گے کہ ساری تعریفیں اس معبود برحق کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم سے غم واندوہ دور کر دیا۔ یقیناً ہمارا رب بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی قدر شناس ہے ○ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہیشگی والے گھر میں اتارا جہاں نہ تو ہمیں کوئی رنج پہنچے نہ وہاں ہمیں کوئی تکلیف وتکان ہو ○

اللہ کی کتاب کے وارث لوگ : ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۵) فرماتا ہے جن برگزیدہ لوگوں کو ہم نے اللہ کی کتاب کا وارث بنایا ہے' انہیں قیامت کے دن ہمیشہ والی ابدی نعمتوں والی جنتوں میں لے جائیں گے۔ جہاں انہیں سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے' مومن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ ان کا لباس وہاں پر خاص ریشمی ہوگا۔ جس سے دنیا میں وہ ممانعت کر دیئے گئے تھے۔ حدیث میں ہے' جو شخص یہاں دنیا میں حریر و ریشم پہنے گا' وہ اسے آخرت میں نہیں پہنایا جائے گا۔

اور حدیث میں ہے' یہ ریشم کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور تم مومنوں کے لئے آخرت میں ہے اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے

اہل جنت کے زیوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا' انہیں سونے چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے جو موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہوں گے۔ ان پر موتی اور یاقوت کے تاج ہوں گے جو بالکل شاہانہ ہوں گے۔ وہ نوجوان ہوں گے بغیر بالوں کے شرمیلی آنکھوں والے' وہ جناب باری عز و جل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ کا احسان ہے جس نے ہم سے خوف ڈر زائل کر دیا اور دنیا اور آخرت کی پریشانیوں اور پشیمانیوں سے ہمیں نجات دے دی۔ حدیث شریف میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر قبروں میں' میدان محشر میں' کوئی دہشت و وحشت نہیں۔ میں تو گویا انہیں اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں پر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں' اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔ (ابن ابی حاتم)

طبرانی میں ہے' موت کے وقت بھی انہیں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے' ان کی بڑی بڑی اور بہت سی خطائیں معاف کر دی گئیں اور چھوٹی چھوٹی اور کم مقدار نیکیاں قدردانی کے ساتھ قبول فرمائی گئیں' یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے یہ پاکیزہ بلند ترین مقامات عطا فرمائے۔ ہمارے اعمال تو اس قابل تھے ہی نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے' تم میں سے کسی کو اس کے اعمال جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا ہاں مجھے بھی اسی صورت اللہ کی رحمت ساتھ دے گی۔ وہ کہیں گے' یہاں تو ہمیں نہ کسی طرح کی شفقت و محنت ہے نہ تھکان اور کلفت ہے۔ روح الگ خوش ہے۔ جسم الگ راضی ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو دنیا میں اللہ کی راہ کی تکلیفیں انہیں اٹھانی پڑی تھیں۔ آج راحت ہی راحت ہے۔ ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ پسند اور دل پسند کھاتے پیتے رہو اس کے بدلے جو دنیا میں تم نے میری فرماں برداریاں کیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ
فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ
كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ
صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ
فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ ع ۱۱

اور جن لوگوں نے کفر کیا' انہی کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کا کام تمام کیا جائے کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے کسی طرح کا اس کا کوئی عذاب ہلکا کیا جائے۔ ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ وہ اس میں چلاتے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں نکال دے تو ہم اچھے عمل کریں گے برخلاف ان کے جو ہم کرتے رہے' کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دے رکھی تھی کہ نصیحت حاصل کرنے والے اس میں نصیحت حاصل کر لیں اور تمہارے پاس ڈر سنانے والے بھی آئے تھے۔ اب مزہ چکھو۔ گنہگاروں کا کوئی بھی مددگار نہیں ○

برے لوگوں کا روح فرسا حال: ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) نیک لوگوں کا حال بیان فرما کر اب برے لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ دوزخ کی آگ میں جلتے جھلستے رہیں گے۔ انہیں وہاں موت بھی نہیں آئے گی جو مر جائیں۔ جیسے اور آیت میں لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى نہ وہاں انہیں موت آئے گی نہ کوئی اچھی زندگی ہوگی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جو ابدی جہنمی ہیں' انہیں

وہاں موت نہیں آئے گی اور نہ اچھائی کی زندگی ملے گی۔ وہ تو کہیں گے کہ اے داروغۂ جہنم تم ہی اللہ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں موت دے دے لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے۔ پس وہ موت کو اپنے لئے رحمت سمجھیں گے لیکن وہ آئے گی ہی نہیں۔ نہ مریں نہ عذابوں میں کمی دیکھیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ لَا یُفَتَّرِ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ یعنی کفار دائماً عذاب جہنم میں رہیں گے جو عذاب کبھی بھی نہ ہٹیں گے نہ کم ہوں گے۔ یہ تمام بھلائی سے محض مایوس ہوں گے۔ اور جگہ فرمان ہے كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيْرًا آگ جہنم ہمیشہ تیز ہی ہوتی رہے گی۔ فرماتا ہے فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا لو اب مزے چکھو عذاب ہی عذاب تمہارے لئے بڑھتے رہیں گے۔ کافروں کا یہی بدلہ ہے وہ چیخ و پکار کریں گے ہائے وائے کریں گے۔ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے۔ اقرار کریں گے کہ ہم گناہ نہیں کریں گے۔ نیکیاں کریں گے۔ لیکن رب العالمین خوب جانتا ہے کہ اگر یہ واپس بھی جائیں گے تو وہی سرکشی کریں گے اسی لئے ان کا یہ ارمان پورا نہ ہوگا۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ انہیں ان کے اس سوال پر جواب ملے گا کہ تم تو وہی ہو کہ جب اللہ کی وحدانیت کا بیان ہوتا تھا تو تم کفر کرنے لگتے تھے۔ وہاں اس کے ساتھ شرک کرنے میں تمہیں مزہ آتا تھا۔ پس اب بھی اگر تمہیں لوٹا دیا گیا تو وہی کرو گے جس سے ممانعت کئے جاتے ہو۔ پس فرمایا' انہیں کہا جائے گا کہ دنیا میں تو تم بہت جئے' تم اس لمبی مدت میں بہت کچھ کر سکتے تھے۔ مثلاً ستر سال جئے۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ لمبی عمر میں بھی اللہ کی طرف سے حجت پوری کرنا ہے۔ اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے کہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ہی انسان برائیوں میں بڑھتا چلا جائے۔ دیکھو تو یہ آیت جب اترتی ہے' اس وقت بعض لوگ صرف اٹھارہ سال کی عمر کے ہی تھے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں' مراد بیس سال کی عمر ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں' چالیس سال۔ مسروقؒ فرماتے ہیں' چالیس سال کی عمر میں انسان کو ہوشیار ہو جانا چاہیے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس عمر تک پہنچنا اللہ کی طرف سے عذر بندی ہو جاتا ہے۔ آپ ہی سے ساٹھ سال بھی مروی ہیں۔ اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ جیسے ایک حدیث میں بھی ہے گو امام ابن جریرؒ اس کی سند میں کلام کرتے ہیں لیکن وہ کلام ٹھیک نہیں۔ حضرت علیؓ سے بھی ساٹھ سال ہی مروی ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' قیامت کے دن ایک منادی یہ بھی ہوگی کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جانے والے کہاں ہیں؟ لیکن اس کی سند ٹھیک نہیں۔ مسند میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ ستر برس کی عمر کو پہنچا دیا' اس کا کوئی عذر پھر اللہ کے ہاں نہیں چلنے والا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے' اس شخص کا عذر اللہ نے کاٹ دیا جسے ساٹھ سال تک دنیا میں رکھا۔ اس حدیث کی اور سندیں بھی ہیں لیکن اگر نہ بھی ہوتیں تو بھی صرف حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا اسے اپنی صحیح میں وارد کرنا ہی اس کی صحت کا کافی ثبوت تھا۔ ابن جریر کا یہ کہنا کہ اس کی سند کی جانچ کی ضرورت ہے' امام بخاریؒ کے صحیح کہنے کے مقابلے میں ایک جو کی بھی قیمت نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم۔ بعض لوگ کہتے ہیں اطباء کے نزدیک طبعی عمر ایک سو بیس برس کی ہے۔ ساٹھ سال تک تو انسان بڑھوتری میں رہتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس آیت میں بھی اسی عمر کو مراد لینا اچھا ہے اور یہی اس امت کی غالب عمر ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے' میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں اور اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں۔ (ترمذی وغیرہ) امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ تو اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں' اس کی اور کوئی سند نہیں لیکن تعجب ہے کہ امام صعب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کیسے فرما دیا؟ اس کی ایک دوسری سند ابن ابی الدنیا میں موجود ہے۔ خود ترمذی میں بھی یہی حدیث دوسری سند سے کتاب الزہد میں مروی ہے۔ ایک اور ضعیف حدیث میں ہے' میری امت میں ستر سال کی عمر والے بھی کم ہوں گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ سے آپ کی امت کی عمر کی

بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا' پچاس سے ساٹھ سال تک کی عمر ہے- پوچھا گیا ستر سال کی عمر والے؟ فرمایا بہت کم- اللہ ان پر اور اسی سال والوں پر اپنا رحم فرمائے- (بزار) اس حدیث کا ایک راوی عثمان بن مطر قوی نہیں- صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی عمر تریسٹھ سال کی تھی- ایک قول ہے کہ ساٹھ سال کی تھی- یہ بھی کہا گیا ہے کہ پینسٹھ برس کی تھی- واللہ اعلم- (تطبیق یہ ہے کہ ساٹھ سال کہنے والے راوی دہائیوں کو لگاتے ہیں اکائیوں کو چھوڑ دیتے ہیں- پینسٹھ سال والے سال تولد اور سال وفات کو بھی گنتے ہیں اور تریسٹھ والے ان دونوں کو نہیں لگاتے- پس کوئی اختلاف نہیں- فالحمد للہ- مترجم) اور تمہارے پاس ڈرانے والے آ گئے یعنی سفید بال- یا خود رسول اللہ ﷺ- زیادہ صحیح قول دوسرا ہی ہے جیسے فرمان ہے هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى یہ پیغمبر نذیر ہیں- پس عمر دے کر رسول بھیج کر اپنی حجت پوری کر دی- چنانچہ قیامت کے دن بھی جب دوزخی تمنائے موت کریں گے تو یہی جواب ملے گا کہ تمہارے پاس حق آ چکا تھا یعنی رسولوں کی زبانی ہم پیغام حق تمہیں پہنچا چکے تھے لیکن تم نہ مانے- اور آیت میں ہے مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں' عذاب نہیں کرتے-

سورۂ تبارک میں فرمان ہے' جب جہنمی جہنم میں ڈالے جائیں گے' وہاں کے داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں آئے تھے لیکن ہم نے انہیں نہ مانا' انہیں جھوٹا جانا اور کہہ دیا کہ اللہ نے تو کوئی کتاب وغیرہ نازل نہیں فرمائی- تم یونہی بک رہے ہو' پس آج قیامت کے دن ان سے کہہ دیا جائے گا کہ نبیوں کی مخالفت کا مزہ چکھو- مدت العمر انہیں جھٹلاتے رہے- اب آج اپنے اعمال کے بدلے اٹھاؤ اور سن لو کوئی نہ کھڑا ہو گا جو تمہارے کام آ سکے- تمہاری کچھ مدد کر سکے اور عذابوں سے بچا سکے یا چھڑا سکے-

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ۝۳۸ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ
كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹

یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا جاننے والا ہے- یقیناً وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے بھی خبردار ہے ○ اسی نے تمہیں زمین میں جانشین کیا ہے- کفر کرنے والے ہی پر اس کا کفر پڑے گا- کافروں کا کفر انہیں ان کے رب کے ہاں بیزاری اور ناخوشی میں ہی بڑھاتا ہے اور کافروں کا کفر کافروں کے حق میں سوائے نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں کرتا ○

وسیع العلم اللہ تعالیٰ کا فرمان: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) اللہ تعالیٰ اپنے وسیع اور بے پایاں علم کا بیان فرما رہا ہے کہ وہ آسمان زمین کی ہر چیز کا عالم ہے- دلوں کے بھید' سینوں کی باتیں اس پر عیاں ہیں- ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ وہ دے گا' اس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے- کافروں کے کفر کا وبال خود ان پر ہے- وہ جیسے جیسے اپنے کفر میں بڑھتے ہیں' ویسے ہی اللہ کی ناراضگی ان پر بڑھتی ہے اور ان کا نقصان اور زیادہ ہوتا جاتا ہے- برخلاف مومن کے کہ اس کی عمر جس قدر بڑھتی ہے' نیکیاں بڑھتی ہیں اور درجے پاتا ہے اور اللہ کے ہاں مقبول ہوتا جاتا ہے-

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَا
ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

پوچھ تو کہ بھلا اپنے ان شریکوں کو ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو۔ مجھے دکھاؤ تو کہ انہوں نے زمین کا کونسا ٹکڑا پیدا کر دیا ہے؟ یا آسمان کے کس حصے میں ان کا ساجھا ہے؟ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ وہ اس کی سند رکھتے ہوں؟ کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم تو ایک دوسروں کو صرف دھوکے بازی کے وعدے دے رہے ہیں ○ یقینی بات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ ہی تھامے ہوئے ہے کہ وہ ادھر ادھر نہ ہو جائیں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اگر وہ لغزش کھا جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی تھام بھی نہیں سکتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی تحمل والا اور بہت ہی بخشنے والا ہے ○

مدلل پیغام: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مشرکوں سے فرمایئے کہ اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارا کرتے ہو تم مجھے بھی تو ذرا دکھاؤ کہ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ یا یہی ثابت کر دو کہ آسمانوں میں ان کا کونسا حصہ ہے؟ جب کہ نہ وہ خالق نہ ساجھی۔ پھر تم مجھے چھوڑ کر انہیں کیوں پکارو؟ وہ تو ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ اچھا یہ بھی نہیں تو کم از کم اپنے کفر و شرک کی کوئی کتابی دلیل ہی پیش کر دو۔ لیکن تم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اپنی نفسانی خواہشوں اور اپنی رائے کے پیچھے لگ گئے ہو۔ دلیل کچھ بھی نہیں۔ باطل، جھوٹ اور دھوکے بازی میں مبتلا ہو۔ ایک دوسرے کو فریب دے رہے ہو، اپنے ان جھوٹے معبودوں کی کمزوری اپنے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی جو سچا معبود ہے، قدرت و طاقت دیکھو کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ ہر ایک اپنی جگہ رکا ہوا اور تھما ہوا ہے۔ ادھر ادھر جنبش بھی تو نہیں کر سکتا۔ آسمان کو زمین پر گر پڑنے سے اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے۔ یہ دونوں اس کے فرمان سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے، روک سکے، نظام پر قائم رکھ سکے۔ اس حلیم و غفور اللہ کو دیکھو کہ مخلوق و مملوک، نافرمانی و سرکشی، کفر و شرک دیکھتے ہوئے بھی بردباری اور بخشش سے کام لے رہا ہے، ڈھیل اور مہلت دیئے ہوئے ہے۔ گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب بلکہ منکر حدیث ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ منبر پر بیان فرمایا کہ آپ علیہ السلام کے دل میں خیال گزرا کہ اللہ تعالیٰ کبھی سوتا بھی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیج دیا جس نے انہیں تین دن تک سونے نہ دیا۔ پھر ان کے ایک ایک ہاتھ میں ایک ایک بوتل دے دی اور حکم دیا کہ ان کی حفاظت کرو۔ یہ گریں نہیں۔ ٹوٹیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں ہاتھوں میں لے کر حفاظت کرنے لگے لیکن نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ اونگھ آنے لگی۔ کچھ جھولے تو ایسے آئے کہ آپ ہوشیار ہو گئے اور بوتل گرنے نہ دی لیکن آخر نیند غالب آ گئی اور بوتلیں ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئیں اور چورا چور ہو گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ سونے والا دو بوتلیں بھی تھام نہیں سکتا۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ سوتا تو زمین و آسمان کی حفاظت اس سے کیسے ہوتی؟ لیکن بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضورؐ کا فرمان نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی گھڑنت ہے۔

بھلا حضرت موسیٰؑ جیسا جلیل القدر پیغمبر یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سو جاتا ہے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں فرما چکا ہے کہ اسے نہ تو اونگھ آئے نہ نیند۔ زمین و آسمان کی کل چیزوں کا مالک صرف وہی ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو سوتا ہے نہ سونا اس کی شایان شان ہے۔ وہ ترازو کو اونچا نیچا کرتا رہتا ہے۔ دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے۔ یا آگ ہے۔ اگر اسے کھول دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے' سب مخلوق کو جلا دیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ آپؓ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا شام سے۔ پوچھا' وہاں کس سے ملے؟ کہا کعبؓ سے۔ پوچھا کعبؓ نے کیا بات بیان کی؟ کہا یہ کہ آسمان ایک فرشتے کے کندھے تک گھوم رہے ہیں۔ پوچھے تم نے اسے سچ جانا یا جھٹلا دیا؟ جواب دیا' کچھ بھی نہیں۔ فرمایا پھر تو تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ سنو حضرت کعبؓ نے غلط کہا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

دوسری سند میں آنے والے کا نام ہے کہ وہ حضرت جندب بجلیؓ تھے۔ حضرت امام مالکؒ بھی اس کی تردید کرتے تھے کہ آسمان گردش میں ہیں اور اسی آیت سے دلیل لیتے تھے اور اس حدیث سے بھی جس میں ہے' مغرب میں ایک دروازہ ہے جو توبہ کا دروازہ ہے۔ وہ بند نہ ہو گا جب تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہو۔ حدیث بالکل صحیح ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى
مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ﴿٤٢﴾
اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ
اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾

پہلے تو یہ لوگ تاکیدی قسمیں کھا رہے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرسنانے والا آ جاتا تو یہ ہر ایک امت سے زیادہ راہ یافتہ ہوتے۔ پھر جب ان کے پاس ڈرسنانے والا پیغمبر آ گیا تو یہ تو اور بھی بیزاری اور بدکنے میں بڑھ گئے ○ دنیا میں اپنے تئیں بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور برے مکر کی وجہ سے۔ اور برے مکر کا داؤ مکاروں پر۔ ہی الٹا پڑا کرتا ہے۔ اب انہیں تو صرف اگلوں کے دستور کا ہی انتظار ہے۔ تو تو ہرگز اللہ کے دستور کا تبدل و تغیر نہ پائے گا اور نہ کبھی دستور الٰہی کو منتقل ہوتا دیکھے گا ○

قسمیں کھا کر مکر کرنے والے ظالم: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۳) قریش نے اور عرب نے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی سخت قسمیں کھا رکھی تھیں' کہا گر اللہ کا کوئی رسولؐ ہم میں آئے تو ہم تمام دنیا سے زیادہ اس کی تابعداری کریں گے۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ الخ یعنی اس لئے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے کی جماعتوں پر تو البتہ کتابیں اتریں۔ لیکن ہم تو ان سے بے خبر ہی رہے۔ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے بہت زیادہ راہ یافتہ ہو جاتے۔ تو لو اب تو خود تمہارے پاس تمہارے رب کی بھیجی ہوئی دلیل آ پہنچی۔ ہدایت و رحمت خود تمہارے ہاتھوں میں دی جا چکی۔ اب بتاؤ کہ رب کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں اور ان سے منہ موڑنے والوں سے زیادہ ظالم کون ہے؟ اور آیتوں میں ہے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے اپنے پاس اگلے لوگوں کے عبرتناک واقعات ہوتے تو ہم تو اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اس کے ان کے پاس آ چکنے کے بعد کفر کیا۔ اب انہیں عنقریب اس کا انجام معلوم ہو

جائے گا۔ ان کے پاس اللہ کے آخری پیغمبرؐ اور رب کی آخری اور افضل ترین کتاب آ چکی لیکن یہ کفر میں اور بڑھ گئے' انہوں نے اللہ کی باتیں ماننے سے تکبر کیا۔ خود نہ مان کر پھر اپنی مکاریوں سے اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا۔ لیکن انہیں باور کر لینا چاہیے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑے گا۔ یہ اللہ کا نہیں البتہ اپنا بگاڑ رہے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں' مکاریوں سے پرہیز کرو۔ مکر کا بوجھ مکار پر ہی پڑتا ہے اور اس کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی۔ حضرت محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں' تین کاموں کا کرنے والا نجات نہیں پا سکتا۔ ان کاموں کا وبال ان پر یقیناً آئے گا۔ مکر' بغاوت اور وعدوں کو توڑ دینا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ انہیں صرف اسی کا انتظار ہے جو ان جیسے ان پہلے گزرنے والوں کا حال ہوا کہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور فرمان رسولؐ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے دائمی عذاب ان پر آ گئے۔ پس یہ تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہی ہے۔ اور تو غور کر۔ رب کی عادت بدلتی نہیں نہ پلٹتی ہے۔ جس قوم پر عذاب کا ارادہ الٰہی ہو چکا' پھر اس ارادے کے بدلنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ ان پر سے عذاب ہٹیں نہ وہ ان سے بچیں۔ نہ کوئی انہیں گھما سکے۔ واللہ اعلم۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ
مِن شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾
وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا
مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ
أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾ ع ۸ ۱۷

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے جو لوگ ان سے بہت زیادہ قوی اور زور آور تھے' ان کا کیا کچھ انجام ہوا؟ یاد رکھو' آسمان و زمین میں کوئی چیز اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتی۔ وہی تو پورے علم والا اور کامل قدرت والا ہے ○ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوت پر ابھی ہی سزائیں دینے لگتا تو پشت زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا باقی نہ بچتا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں معیاد مقررہ تک ڈھیل دے رہا ہے۔ پس جب ان کا وہ وقت مقررہ آ جائے گا تو اللہ کے سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں ○

عبرت ناک مناظر سے سبق لو: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۵) حکم ہوتا ہے کہ ان منکروں سے فرما دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں تو سہی کہ ان جیسے ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔ ان کی نعمتیں چھن گئیں' ان کے محلات اجاڑ دیئے گئے' ان کی طاقت تنہا ہو گئی' ان کے مال تباہ کر دیئے گئے' ان کی اولادیں ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ کے عذاب ان پر سے کسی طرح نہ ٹلے۔ آئی ہوئی مصیبت کو وہ نہ ہٹا سکے' نوچ لئے گئے' تباہ و برباد کر دیئے گئے' کچھ کام نہ آیا' کوئی فائدہ کسی سے نہ پہنچا۔ اللہ کو کوئی ہرا نہیں سکتا' اسے کوئی امر عاجز نہیں کر سکتا' اس کا کوئی ارادہ کامیابی سے جدا نہیں' اس کا کوئی حکم کسی سے ٹل نہیں سکتا۔ وہ تمام کائنات کا عالم ہے' وہ تمام کاموں پر قادر ہے۔ اگر وہ اپنے بندوں کے تمام گناہوں پر پکڑ کرتا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے ہلاک ہو جاتے۔ جانور اور رزق تک برباد ہو جاتے۔ جانوروں کو ان کے گھونسلوں اور بھٹوں میں بھی عذاب پہنچ جاتا۔ زمین پر کوئی جانور باقی نہ بچتا۔ لیکن اب ڈھیل دیئے ہوئے ہے۔ عذابوں کو موخر کئے ہوئے ہے۔ وقت آ رہا ہے کہ قیامت قائم ہو جائے اور حساب کتاب شروع ہو جائے۔ طاعت کا بدلہ اور ثواب ملے۔ نافرمانی کا عذاب اور اس پر سزا ہو۔ اجل آنے کے بعد پھر تاخیر نہیں ملنے والی۔ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ بخوبی دیکھنے والا ہے۔

تفسیر سورۃ یٰسین

تفسیر سورۃ یٰسین: ترمذی شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورۂ یاسین ہے۔ سورۂ یاسین کے پڑھنے والے کو دس قرآن ختم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی مجہول ہے۔ اس باب میں اور روایتیں بھی ہیں لیکن سنداً وہ بھی کچھ ایسی بہت اچھی نہیں۔ اور حدیث میں ہے' جو شخص رات کو سورۂ یاسین پڑھے' اسے بخش دیا جاتا ہے' اور جو سورۂ دخان پڑھے' اسے بھی بخش دیا جاتا ہے' اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے' سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی ہے۔ اس کی ایک آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے اترتے ہیں۔ اس کی ایک آیت یعنی آیۃ الکرسی عرش کے نیچے سے لائی گئی ہے اور اس کے ساتھ ملائی گئی ہے۔ سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے۔ اسے جو شخص نیک نیتی سے اللہ کی رضا جوئی کے لئے پڑھے' اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اسے ان لوگوں کے سامنے پڑھ جو سکرات کی حالت میں ہوں۔ بعض علماء کرام رحمتہ اللہ علیہم کا قول ہے کہ جس سخت کام کے وقت سورۂ یاسین پڑھی جاتی ہے' اللہ اسے آسان کر دیتا ہے۔ مرنے والے کے سامنے جب اس کی تلاوت ہوتی ہے تو رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔ اور روح آسانی سے نکلتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے وقت سورۂ یاسین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تخفیف کر دیتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے۔ بزار میں فرمان رسولؐ ہے کہ میری چاہت ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يٰسٓ ۝۱ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۝۲ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۳ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝۴ تَنۡزِيۡلَ الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ۝۵ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ
اُنۡذِرَ اٰبَآؤُهُمۡ فَهُمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝۶ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰٓى اَكۡثَرِهِمۡ
فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۷

رحمٰن ورحیم اللہ کے نام سے شروع

اس باحکمت قرآن کی قسم ○ تو بھی منجملہ پیغمبروں کے ہے ○ سیدھی راہ پر ہے ○ اتارا ہوا ہے اللہ غالب مہربان کا ○ اس لئے کہ تو اس قوم کو ہوشیار کر دے جن کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے تو وہ بالکل بے خبر ہیں ○ ان میں سے اکثر لوگوں پر وعدہ عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ سو وہ تو ایمان لائیں گے ہی نہیں ○

صراط مستقیم کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۲-۷) حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں جیسے یہاں یاسین ہے' ان کا پورا بیان ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں لہٰذا اب یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یٰسین سے مراد اے انسان ہے۔ بعض کہتے ہیں' حبشی زبان میں اے انسان کے معنی میں یہ لفظ ہے۔ کوئی کہتا ہے' یہ اللہ کا نام ہے۔ پھر فرماتا ہے' قسم ہے محکم اور مضبوط قرآن کی جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا' بالیقین اے محمد ﷺ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں' سچے اچھے' مضبوط اور عمدہ سیدھے اور صاف دین پر آپ ہیں' یہ راہ اللہ رحمٰن ورحیم صراط مستقیم کی ہے' اسی کا اتارا ہوا یہ دین ہے جو عزت والا اور مومنوں پر خاص مہربانی کرنے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ الخ تو یقیناً راہ راست کی رہبری کرتا ہے' جو اس اللہ کی سیدھی راہ ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے اور جس کی طرف تمام امور کا انجام ہے تاکہ تو عربوں کو ڈرا دے جن کے بزرگ بھی آگاہی سے محروم

تھے- جو محض غافل ہیں- ان کا تنہا ذکر کرنا اس لئے نہیں کہ دوسرے اس تنبیہہ سے الگ ہیں- جیسے کہ بعض افراد کے ذکر سے عام کی نفی نہیں ہوتی- حضورؐ کی بعثت عام تھی- ساری دنیا کی طرف تھی- اس کے دلائل وضاحت و تفصیل سے آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں' اکثر لوگوں پر اللہ کے عذابوں کا قول ثابت ہو چکا ہے- انہیں تو ایمان نصیب نہیں ہونے کا- وہ تو تجھے جھٹلاتے ہی رہیں گے-

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ
فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا
وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹ وَسَوَآءٌ
عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا
تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ
بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝۱۱ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا
وَاٰثَارَهُمْ ۟ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۲ ع ۱۲ ۱۸

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں جس سے ان کے سر بھی اونچے ہو گئے ہیں ○ اور ہم نے ان کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اوپر سے بھی انہیں ڈھانپ دیا ہے- پس یہ دیکھ بھی نہیں سکتے ○ تو انہیں ہوشیار کرے یا نہ کرے' دونوں ہی برابر ہے یہ ایمان قبول نہیں کریں گے ○ تو تو اسی کو ڈر سنا سکتا ہے جو نصیحت قبول کرے اور رب رحمٰن سے غائبانہ ڈرتا رہے تو اسے معافی کی اور بہترین ثواب کی خوشخبری سنا دے ○ ہم ہیں جو مردوں کو جلاتے ہیں اور جو کچھ لوگوں نے آگے بھیجا ہے' اسے اور ان کے نشانات قدم کو لکھتے جاتے ہیں اور ہر چیز کا ہم نے لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے ○

شب ہجرت اور کفار کے سر خاک: ☆☆ (آیت: ۸-۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بدنصیبوں کا ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ محال ہے- یہ تو ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے ہاتھ گردن پر باندھ دیئے جائیں اور ان کا سر اونچا جا رہا ہو- گردن کے ذکر کے بعد ہاتھ کا ذکر چھوڑ دیا لیکن مراد یہی ہے کہ گردن سے ملا کر ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں اور سر اونچے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ بولنے میں ایک چیز کا ذکر کر کے دوسری چیز کو جو اسی سے سمجھ لی جاتی ہے' اس کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں- عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہی بات موجود ہے- غل کہتے ہی دونوں ہاتھوں کو گردن تک پہنچا کر گردن کے ساتھ جکڑ بند کر دینے کو- اسی لئے گردن کا ذکر کیا اور ہاتھوں کا ذکر چھوڑ دیا- مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیئے ہیں- اس لئے وہ کسی کار خیر کی طرف ہاتھ بڑھا نہیں سکتے - ان کے سر اونچے ہیں- ان کے ہاتھ ان کے منہ پر ہیں- وہ ہر بھلائی کرنے سے قاصر ہیں' گردنوں کے اس طوق کے ساتھ ہی ان کے آگے دیوار ہے جو حق تسلیم کرنے میں مانع ہے- پیچھے بھی دیوار ہے یعنی حق کو ماننے میں رکاوٹ ہے یعنی حق سے روک ہے- اس وجہ سے تردد میں پڑے ہوئے ہیں- حق کے پاس آ نہیں سکتے - گمراہیوں میں گھرے ہوئے ہیں- آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں- حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے - نہ حق کی طرف راہ پائیں- نہ حق سے فائدہ اٹھائیں- ابن عباسؓ کی قراءت میں فَاَعْشَيْنٰهُمْ عین سے ہے- یہ ایک قسم کی آنکھ کی بیماری ہے جو انسان کو

نابینا کر دیتی ہے۔

پس اسلام و ایمان کے اور ان کے درمیان چوطرفہ رکاوٹ ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جن پر تیرے رب کا کلمہ حق ہو چکا ہے' وہ تو ایمان لانے کے ہی نہیں اگر چہ انہیں سب آیتیں بتا دے یہاں تک کہ وہ دردناک عذابوں کو خود دیکھ لیں۔ جسے اللہ روک دے' وہ کہاں سے روک ہٹا سکے۔ ایک مرتبہ ابوجہل ملعون نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو دیکھ لوں گا تو یوں کروں گا اور یوں کروں گا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ لوگ اسے کہتے تھے' یہ ہیں محمد (ﷺ) لیکن اسے آپ دکھائی نہیں دیتے تھے اور پوچھتا تھا' کہاں ہیں؟ کہاں ہیں؟ ایک مرتبہ اسی ملعون نے ایک مجمع میں کہا تھا کہ یہ دیکھو' کہتا کہ اگر تم اس کی تابعداری کرو گے تو تم بادشاہ بن جاؤ گے اور مرنے کے بعد خلد نشین ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم اس کا خلاف کرو گے تو یہاں ذلت کی موت مارے جاؤ گے اور وہاں عذابوں میں گرفتار ہو گے۔ آج آنے تو دو۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی مٹھی میں خاک تھی۔

آپؐ ابتدا سورۂ یٰسین سے لَا یُبْصِرُوْنَ تک پڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔ اللہ نے ان سب کو اندھا کر دیا اور آپؐ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ ان بدبختوں کا گروہ کا گروہ آپؐ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس کے بعد ایک صاحب گھر سے نکلے۔ ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے گھیرا ڈالے کھڑے ہو۔ انہوں نے کہا محمدؐ کے انتظار میں ہیں۔ آج اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا۔ واہ واہ۔ وہ تو گئے بھی اور تم سب کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ہیں۔ یقین نہ ہو تو اپنے سر جھاڑو۔ اب جو سر جھاڑے تو واقعی خاک نکلی۔ حضورؐ کے سامنے جب ابوجہل کی یہ بات دوہرائی گئی تو آپؐ نے فرمایا' اس نے ٹھیک کہا' فی الواقع میری تابعداری ان کے لئے دونوں جہاں کی عزت کا باعث ہے اور میری نافرمانی ان کے لئے ذلت کا موجب ہے اور یہی ہو گا' ان پر مہر اللہ لگ چکی ہے۔ یہ نیک بات کا اثر نہیں لیتے۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس مضمون کی ایک آیت گزر چکی ہے۔ اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ الخ یعنی جن پر کلمہ عذاب ثابت ہو گیا ہے' انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا گو تو انہیں تمام نشانیاں دکھا دے۔ یہاں تک کہ وہ خود اللہ کے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں' ہاں تیری نصیحت ان پر اثر کر سکتی ہے جو بھلی بات کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ قرآن کو ماننے والے ہیں۔ دین دیکھنے والے اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور ایسی جگہ بھی اللہ کا خوف رکھتے ہیں جہاں کوئی اور دیکھنے والا نہ ہو۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ ہمارے حال پر مطلع ہے اور ہمارے افعال کو دیکھ رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو تو گناہوں کی معافی کی اور اجر عظیم و جمیل کی خوشخبری پہنچا دے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جو لوگ پوشیدگی میں بھی اللہ کا خوف رکھتے ہیں' ان کے لئے مغفرت اور ثواب کبیر ہے' ہم ہی ہیں جو مردوں کو زندگی دیتے ہیں۔ ہم قیامت کے دن انہیں نئی زندگی میں پیدا کرنے پر قادر ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ مردہ دلوں کے زندہ کرنے پر بھی اس اللہ کو قدرت ہے۔ وہ گمراہوں کو بھی راہ راست پر ڈال دیتا ہے۔ جیسے اور مقام پر مردہ دلوں کا ذکر کر کے قرآن حکیم نے فرمایا اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ الخ جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تمہاری سمجھ بوجھ کے لئے بہت کچھ بیان فرما دیا اور ہم ان کے پہلے بھیجے ہوئے اعمال لکھ لیتے ہیں اور ان کے آثار بھی۔ یعنی جو یہ اپنے بعد باقی چھوڑ آئے۔ اگر خیر باقی چھوڑ آئے ہیں تو جزا اور سزا نہ پائیں گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے' جو شخص اسلام میں نیک طریقہ جاری کرے' اسے اس کا اور اسے جو کریں' اس سب کا بدلہ ملتا ہے۔ لیکن ان کے بدلے کم ہو کر نہیں اور جو شخص کسی برے طریقے کو جاری کرے' اس کا بوجھ اس پر ہے اور اس کا بھی جو اس پر اس کے بعد کاربند ہوں۔ لیکن ان کا بوجھ گھٹا کر نہیں۔ (مسلم)

ایک لمبی حدیث میں اس کے ساتھ ہی قبیلہ مضر کے چادر پوش لوگوں کا واقعہ بھی ہے اور آخر میں وَنَكْتُبُ مَاقَدَّمُوْا پڑھنے کا ذکر

بھی ہے- صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے' جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام عمل کٹ جاتے ہیں مگر تین عمل- علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے اور وہ صدقہ جاریہ جو اس کے بعد بھی باقی رہے- مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ گمراہ لوگ جو اپنی گمراہی باقی چھوڑ جائیں- سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ ہر وہ نیکی بدی جسے اس نے جاری کیا اور اپنے بعد چھوڑ گیا- بغوی بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں- اس جملے کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ مراد آثار سے نشان قدم ہیں جو اطاعت یا معصیت کی طرف اٹھیں-

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اے ابن آدمؑ اگر اللہ تعالیٰ تیرے کسی فعل سے غافل ہوتا تو تیرے نشان قدم سے غافل ہوتا جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے- لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے اور تیرے کسی عمل سے غافل نہیں- تیرے جتنے قدم اس کی اطاعت میں اٹھتے ہیں اور جتنے قدم تو اس کی معصیت میں اٹھاتا ہے' سب اس کے ہاں لکھے ہوئے ہیں- تم میں سے جس سے ہو سکے' وہ اللہ کی فرماں برداری کے قدم بڑھا لے- اسی معنی کی بہت سی حدیثیں بھی ہیں- ''پہلی حدیث'' مسند احمد میں ہے- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' مسجد نبویؐ کے آس پاس کچھ مکانات خالی ہوئے تو قبیلہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے محلے سے اٹھ کر یہیں قرب مسجد کے مکانات میں آ بسیں- جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا' مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے؟ کیا ٹھیک ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں' آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا' اے بنو سلمہ اپنے مکانات میں ہی رہو تمہارے قدم اللہ کے ہاں لکھے جاتے ہیں-

''دوسری حدیث'' ابن ابی حاتم کی اسی روایت میں ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس قبیلے نے اپنا ارادہ بدل دیا- بزار کی اسی روایت میں ہے کہ بنو سلمہ نے مسجد سے اپنے گھر دور ہونے کی شکایت حضورؐ سے کی- اس پر یہ آیت اتری اور پھر وہ وہیں رہتے رہے- لیکن اس میں غرابت ہے کیونکہ اس میں اس آیت کا اس بارے میں نازل ہونا بیان ہوا ہے اور یہ پوری سورت مکی ہے- فاللہ اعلم-

''تیسری حدیث'' ابن جریر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جن بعض انصار کے گھر مسجد سے دور تھے' انہوں نے مسجد کے قریب کے گھروں میں آنا چاہا- اس پر یہ آیت اتری تو انہوں نے کہا' اب ہم ان گھروں کو نہیں چھوڑیں گے- یہ حدیث موقوف ہے- ''چوتھی حدیث'' مسند احمد میں ہے کہ ایک مدنی صحابیؓ کا مدینہ شریف میں انتقال ہوا تو آپؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھا کر فرمایا' کاش کہ یہ اپنے وطن کے سوا کسی اور جگہ فوت ہوتا- کسی نے کہا- یہ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ جب کوئی مسلمان غیر وطن میں فوت ہوتا ہے تو اس کے وطن سے لے کر وہاں تک کی زمین تک کا ناپ کر کے اسے جنت میں جگہ ملتی ہے-

ابن جریر میں حضرت ثابتؒ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز کے لئے مسجد کی طرف چلا- میں جلدی جلدی بڑے قدموں سے چلنے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ آہستہ آہستہ ہلکے ہلکے قدموں سے لے جانے لگے- جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا' میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ مسجد کو جا رہا تھا اور تیز قدم چل رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا' اے انسؓ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ نشانات قدم لکھے جاتے ہیں؟ اس قول سے پہلے قول کی مزید تائید ہوتی ہے کیونکہ جب نشان قدم تک لکھے جاتے ہیں تو پھیلائی ہوئی بھلائی کیوں نہ لکھی جاتی ہوگی؟ واللہ اعلم- پھر فرمایا کل کائنات جمیع موجودات مضبوط کتاب لوح محفوظ میں درج ہے جو ام الکتاب ہے- یہی تفسیر بزرگوں سے آیت یَوْمَ نَدْعُوْا کی تفسیر میں بھی مروی ہے کہ ان کا نامہ اعمال جس میں خیر و شر درج ہے جیسے آیت وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ الخ اور آیت وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيْٓئَ بِالنَّبِيّٖنَ الخ میں ہے-

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۳
اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا
اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝۱۴ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ
وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝۱۵
قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝۱۶ وَمَا عَلَيْنَآ
اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۷

ان کے سامنے ایک بستی والوں کا حال بیان کیجئے جبکہ وہاں رسول آئے ○ ہم نے پہلے تو ان کے پاس دو رسول بھیجے۔ ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا تو ہم نے ان کی تائید ایک تیسرے رسول سے کی تینوں نے کہا کہ یقیناً ہم تمہاری جانب اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں ○ بستی والوں نے جواب دیا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو۔ فی الواقع اللہ رحمان نے تو کچھ بھی نہیں اتارا۔ تم قطعاً جھوٹ بول رہے ہو ○ رسولوں نے کہا' ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف اس کے رسول ہی ہیں ○ اور ہمارے ذمے تو صرف کھلا کھلا پیغام پہنچا دینا ہی ہے ○

ایک قصہ پارینہ: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۷) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے ساتھ ان سابقہ لوگوں کا قصہ بیان فرمایئے جنہوں نے ان سے پہلے اپنے رسولوں کو ان کی طرح جھٹلایا تھا۔ یہ واقعہ شہر انطاکیہ کا ہے۔ وہاں کے بادشاہ کا نام انطیخش تھا۔ اس کے باپ اور دادا کا نام بھی یہی تھا۔ یہ سب راجہ پرجابت پرست تھے۔ ان کے پاس اللہ کے تین رسول آئے۔ صادق' صدوق اور شلوم۔ اللہ کے درود و سلام ان پر نازل ہوں۔ لیکن ان بدنصیبوں نے سب کو جھٹلایا۔ عنقریب یہ بیان بھی آ رہا ہے کہ بعض بزرگوں نے اسے نہیں مانا کہ یہ واقعہ انطاکیہ کا ہو' پہلے تو اس کے پاس دو رسول آئے انہوں نے انہیں نہ مانا۔ ان دو کی تائید میں پھر تیسرے نبی آئے' پہلے دو رسولوں کا نام شمعونؑ اور یوحنا تھا اور تیسرے رسول کا نام بولصؑ تھا۔ ان سب نے کہا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' اس نے ہماری معرفت تمہیں حکم بھیجا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ حضرت قتادہ بن دعامہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں بزرگ جناب مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے تھے' بستی کے ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو۔ پھر کیا وجہ کہ تمہاری طرف اللہ کی وحی آئے اور ہماری طرف نہ آئے؟ ہاں اگر تم رسول ہوتے تو چاہئے تھا کہ تم فرشتے ہوتے۔ اکثر کفار نے یہی شبہ اپنے اپنے زمانے کے پیغمبروں کے سامنے پیش کیا تھا۔ جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ذٰلِكَ بِاَنَّه كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الخ یعنی لوگوں کے پاس رسول آئے اور انہوں نے جواب دیا کہ کیا انسان ہمارے ہادی بن کر آ گئے؟ اور آیت میں ہے قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا الخ یعنی تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو۔ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ ہمیں اپنے باپ دادوں کے معبودوں سے روک دو۔ جاؤ کوئی کھلا' غلبہ لے کر آؤ۔

اور جگہ قرآن پاک میں ہے وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ یعنی کافروں نے کہا کہ اگر تم نے اپنے جیسے انسانوں کی تابعداری کی تو یقیناً تم بڑے ہی گھاٹے میں پڑ گئے۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ آیت وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا الخ میں اس کا بیان ہے۔ یہی ان لوگوں نے بھی ان تینوں نبیوں سے کہا کہ تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو اور حقیقت میں اللہ نے تو کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم یونہی غلط سلط کہہ رہے ہو' پیغمبروں نے جواب دیا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ ہم اس کے سچے رسول ہیں۔ اگر ہم جھوٹے ہوتے

تو اللہ پر جھوٹ باندھنے کی سزا ہمیں اللہ تعالیٰ دے دیتا لیکن تم دیکھو گے کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور ہمیں عزت عطا فرمائے گا۔ اس وقت تمہیں خود روشن ہو جائے گا کہ کون شخص بہ اعتبار انجام کے اچھا رہا؟ جیسے اور جگہ ارشاد ہے قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا الخ میرے تمہارے درمیان اللہ کی شہادت کافی ہے۔ وہ تو آسمان وزمین کے غیب جانتا ہے' باطل پر ایمان رکھنے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہی نقصان یافتہ ہیں' سنو ہمارے ذمے تو صرف تبلیغ ہے۔ مانو گے' تمہارا بھلا ہے۔ نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے۔ ہمارا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ کل اپنے کئے کا خمیازہ بھگتو گے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ
وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۸

وہ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم اب بھی باز نہ آئے تو یقین مانو کہ ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے سنگین سزا دی جائے گی ○

انبیاء ورسل سے کافروں کا رویہ: ☆☆ (آیت:۱۸) ان کافروں نے ان رسولوں سے کہا کہ تمہارے آنے سے ہمیں کوئی برکت و خیریت تو ملی نہیں۔ بلکہ اور برائی اور بدی پہنچی۔ تم ہو ہی بدشگون اور تم جہاں جاؤ گے' بلائیں برسیں گی۔ سنو' اگر تم اپنے اس طریقے سے باز نہ آئے اور یہی کہتے رہے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت المناک سزائیں دیں گے۔

قَالُوْا طَاۗىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُوْنَ ۝۱۹ وَجَاۗءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ
يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۰ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔــلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ
مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۱

رسولوں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی ہے کیا یہی نحوست ہے کہ تمہیں سمجھایا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ کسی حد پر قائم ہی نہیں ہو ○ اسی بستی کے دور دراز مقام سے ایک شخص دوڑتا بھاگتا آیا' کہنے لگا کہ اے میری قوم ان رسولوں کی پیروی کرو ○ ان کی راہ چلو۔ یہ تو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے۔ پھر ہیں بھی راہ راست پر ○

رسولوں کا جواب: ☆☆ (آیت:۱۹) رسولوں نے جواب دیا کہ تم خود بدفطرت ہو۔ تمہارے اعمال ہی برے ہیں اور اسی وجہ سے تم پر مصیبتیں آنے والی ہیں۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہی بات فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے مومنوں سے کہی تھی۔ جب انہیں کوئی راحت ملتی تو کہتے' ہم تو اس کے مستحق ہی تھے اور اگر کوئی رنج پہنچتا تو حضرت موسیٰؑ اور مومنوں کی بدشگونی پر اسے محمول کرتے۔ جس کے جواب میں جناب باری نے فرمایا اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی ان کی مصیبتوں کی وجہ ان کے بداعمال ہیں جن کا وبال ہماری جناب سے انہیں پہنچ رہا ہے۔ قوم صالحؑ نے بھی اپنے نبی سے یہی کہا تھا اور یہی جواب پایا تھا۔ خود جناب پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی یہی کہا گیا ہے جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یعنی اگر ان کافروں کو کوئی نفع ہوتا ہے تو کہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں' یہ تیری طرف

سے ہے، تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان سے یہ بات بھی نہیں سمجھی جاتی؟ پھر فرماتا ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ ہم نے تمہیں نصیحت کی، تمہاری خیر خواہی کی، تمہیں بھلی راہ سمجھائی، تمہیں اللہ کی توحید کی طرف رہ نمائی کی، تمہیں اخلاص و عبادت کے طریقے سکھائے۔ تم ہمیں منحوس سمجھنے لگے اور ہمیں اس طرح ڈرانے دھمکانے لگے اور خوفزدہ کرنے لگے اور مقابلہ پر اتر آئے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم فضول خرچ لوگ ہو۔ حدود الہیہ سے تجاوز کر جاتے ہو۔ ہمیں دیکھو کہ ہم تمہاری بھلائی چاہیں۔ تمہیں دیکھو کہ تم ہم سے برائی سمجھو۔ بتاؤ تو بھلا یہ کوئی انصاف کی بات ہے؟ افسوس تم انصاف کے دائرے سے نکل گئے۔

مبلغ حق شہید کر دیا: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) مروی ہے کہ اس بستی کے لوگ یہاں تک سرکش ہو گئے کہ انہوں نے پوشیدہ طور پر نبیوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ایک مسلمان شخص جو اس بستی کے آخری حصے میں رہتا تھا، جس کا نام حبیب تھا اور رسے کا کام کرتا تھا، تھا بھی بیمار، جذام کی بیماری تھی، بہت سخی آدمی تھا۔ جو کماتا تھا اس کا آدھا حصہ راہ اللہ خیرات کر دیا کرتا تھا۔ دل کا نرم اور فطرت کا اچھا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ ایک غار میں بیٹھ کر اللہ عزوجل کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے جب اپنی قوم کے اس بدارادے کو کسی طرح معلوم کر لیا تو اس سے صبر نہ ہو سکا۔ دوڑتا بھاگتا آیا۔ بعض کہتے ہیں، یہ بڑھئی تھے۔ ایک قول ہے کہ یہ دھوبی تھے۔ عمر بن حکمؒ فرماتے ہیں، جوتی گانٹھنے والے تھے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ انہوں نے آ کر اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا۔ کہ تم ان رسولوں کی تابعداری کرو، ان کا کہا مانو۔

ان کی راہ چلو، دیکھو تو یہ اپنا کوئی فائدہ نہیں کر رہے۔ یہ تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ اپنی خیر خواہی کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کر رہے۔ درد دل سے تمہیں اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور سیدھے اور سچے راستے کی رہ نمائی کر رہے ہیں۔ خود بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ تمہیں ضرور ان کی دعوت پر لبیک کہنا چاہیے اور ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ۔

کتٰبٌ انزلنٰہ الیک لتخرج النّاس من الظلمٰت الی النور

”یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف نکال لائیں“

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد چہارم

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۲۳

چند اہم مضامین کی فہرست

- راہ حق کا شہید ۵
- ظالموں کے لیے عذاب الٰہی ۶
- منکرین کی ندامت ۸
- وجود باری تعالیٰ کی ایک نشانی ۹
- گردش شمس وقمر ۱۰
- سمندر کی تسخیر ۱۲
- کفار کا تکبر ۱۳
- قیامت کے بعد کوئی مہلت نہ ملے گی ۱۴
- جنت کے مناظر ۱۵
- نیک وبد علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائیں گے ۱۷
- اعضاء کی گواہی ۱۷
- شاعری پیغمبرانہ شان کے منافی ۱۹
- چوپائیوں کے فوائد ۲۲
- نفع ونقصان کا اختیار کس کے پاس ہے؟ ۲۲
- موت کے بعد زندگی ۲۳
- اللہ ہر چیز پر قادر ۲۴
- فرشتوں کا تذکرہ ۲۶
- شیاطین اور کاہن ۲۷
- دوزخیوں کا اپنے بزرگوں سے شکوہ ۳۰
- متقیوں کے لیے نجات اور انعامات ۳۲
- زقوم اور طوبی ۳۶
- سابقہ امتیں ۳۸
- نیک لوگوں کے نام زندہ رہتے ہیں ۳۸
- اب بھی سنبھل جاؤ ۳۹
- بتکدہ آذر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ۴۰
- ذبیح اللہ کی بحث اور یہودی روایات ۴۱
- حضرت موسیٰ پر انعامات الٰہی ۴۷
- حضرت الیاس علیہ السلام ۴۸
- قوم لوط علیہ السلام ایک عبرت کا مقام ۴۹
- واقعہ حضرت یونس علیہ السلام ۴۹
- مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے لیے دوہرا معیار ۵۲
- فرشتوں کے اوصاف ۵۳
- عذاب الٰہی آ کر رہے گا ۵۴
- اللہ تعالیٰ مشرکین کے بہتانات سے مبرا ہے ۵۵
- مشرکین کا نبی اکرمؐ پر تعجب ۵۷
- حضرت داؤد علیہ السلام کی فراست ۶۰
- صاحب اختیار لوگوں کے لیے انصاف کا حکم ۶۳
- حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ۶۵
- سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ ۶۶
- حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کا صبر ۷۲
- صالحین کے لیے اجر ۷۵
- اہل نار کے احوال ۷۵
- نبی علیہ السلام کا خواب ۷۷
- تخلیق آدم اور ابلیس کی سرکشی ۷۸
- باطل عقائد کی تردید ۸۰
- تخلیق کائنات اور عقیدۂ توحید ۸۲
- مشرک اور موحد برابر نہیں ۸۴
- ہر حال میں اللہ کی اطاعت لازمی ہے ۸۵
- نیک اعمال کے حامل لوگوں کے لیے محلات ۸۶
- زندگی کی بہترین مثال ۸۸
- قرآن حکیم کی تاثیر ۸۸
- فیصلے روز قیامت کو ہوں گے ۹۰

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۲ ءَاَتَّخِذُ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝۲۳ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۴
اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝۲۵

مجھے کیا ہو گیا ہے جو میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر رب رحمان مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں ○ پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں ○ میری سنو میں تو سچے دل سے تم سب کے رب پر ایمان لا چکا ○

راہ حق کا شہید: ☆☆ (آیت:۲۲-۲۵) وہ نیک بخت شخص جو اللہ کے رسولوں کی تکذیب وتردید اور توہین ہوتی دیکھ کر دوڑا ہوا آیا تھا اور جس نے اپنی قوم کو نبیوں کی تابعداری کی رغبت دلائی تھی' وہ اب اپنے عمل اور عقیدے کو ان کے سامنے پیش کر رہا ہے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کر کے ایمان کی دعوت دے رہا ہے' کہتا ہے کہ میں تو صرف اپنے خالق و مالک اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ کی ہی عبادت کرتا ہوں- جبکہ صرف اسی نے مجھے پیدا کیا ہے تو میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں؟ پھر یہ نہیں کہ اب ہم اس کی قدرت سے نکل گئے ہیں؟ اس سے اب ہمارا کوئی تعلق نہ رہا ہو؟ نہیں بلکہ سب کے سب لوٹ کر پھر اس کے سامنے جمع ہونے والے ہیں- اس وقت وہ ہر بھلائی برائی کا بدلہ دے گا- یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ میں اس خالق وقادر کو چھوڑ کر اوروں کو پوجوں جو نہ تو یہ طاقت رکھیں کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی مصیبت کو مجھ پر سے ٹال دیں' نہ یہ کہ ان کے کہنے سننے کی وجہ سے مجھے کوئی برائی پہنچے' اللہ اگر مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اسے دفع نہیں کر سکتے' روک نہیں سکتے' نہ مجھے اس سے بچا سکتے ہیں- اگر میں ایسے کمزوروں کی عبادت کرنے لگوں تو مجھ سے بڑھ کر گمراہ اور بہکا ہوا اور کون ہو گا؟ پھر تو نہ صرف مجھے بلکہ دنیا کے ہر بھلے انسان کو میری گمراہی کھل جائے گی- میری قوم کے لوگو! اپنے جس حقیقی معبود اور پروردگار سے تم منکر ہوئے ہو' سنو میں تو اس کی ذات پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ بھی معنی اس آیت کے ہو سکتے ہیں کہ اس اللہ کے بندے مرد صالح نے اب اپنی قوم سے روگردانی کر کے اللہ کے ان رسولوں سے یہ کہا ہو کہ اللہ کے پیغمبرو! تم میرے ایمان کے گواہ رہنا! میں اس اللہ کی ذات پر ایمان لایا جس نے تمہیں برحق رسول بنا کر بھیجا ہے' پس گویا یہ اپنے ایمان پر' اللہ کے رسولوں کو گواہ بنا رہا ہے- یہ قول بہ نسبت اگلے قول کے بھی زیادہ واضح ہے- واللہ اعلم- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اتنا ہی کہنے پائے تھے جو تمام کفار پل پڑے اور زدوکوب کرنے لگے- کون تھا جو انہیں بچاتا؟ پتھر مارتے مارتے انہیں اسی وقت فی الفور شہید کر دیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ) یہ اللہ کے بندے' یہ سچے ولی اللہ پتھر کھا رہے تھے لیکن زبان سے یہی کہے جا رہے تھے کہ اللہ میری قوم کو ہدایت کر' یہ جانتے نہیں-

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶
بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝۲۷ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝۲۸
اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝۲۹

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا - جا کہنے لگا' کاش کہ میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ O مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے ذی عزت لوگوں میں سے کر دیاO اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں O وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بجھ بجھا گئے O

ظالموں کے لئے عذاب الٰہی: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۹) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کفار نے اس مومن کامل کو بے طرح مارا پیٹا' اسے گرا کر اس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اسے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آنتیں اس کے پیچھے کے راستے سے باہر نکل آئیں - اسی وقت اللہ کی طرف سے اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی - اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے رنج وغم سے آزاد کر دیا اور امن چین کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا' ان کی شہادت سے اللہ خوش ہوا' جنت ان کے لئے کھول دی گئی اور داخلہ کی اجازت مل گئی' اپنے ثواب واجر' عزت واکرام کو دیکھ کر پھر اس کی زبان سے نکل گیا' کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور میرا بڑا ہی اکرام کیا - فی الواقع مومن سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں' وہ دھوکے باز اور بد خواہ نہیں ہوتے - دیکھئے اس اللہ والے شخص نے زندگی میں بھی قوم کی خیر خواہی کی اور بعد مرگ بھی ان کا خیر خواہ رہا - یہ بھی مطلب ہے کہ وہ کہتا ہے' کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس سبب سے میرے رب نے بخشا اور کیوں میری عزت کی تو لامحالہ وہ بھی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی' اللہ پر ایمان لاتی اور رسولوں کی پیروی کرتی' اللہ ان پر رحمت کرے اور ان سے خوش رہے - دیکھو تو قوم کی ہدایت کے کس قدر خواہش مند تھے -

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ حضورؐ اگر اجازت دیں تو میں اپنی قوم میں تبلیغ دین کے لئے جاؤں اور انہیں دعوت اسلام دوں؟ آپؐ نے فرمایا' ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دیں؟ جواب دیا کہ حضورؐ اس کا تو خیال تک نہیں - انہیں مجھ سے اس قدر الفت وعقیدت ہے کہ میں سویا ہوا ہوں تو وہ مجھے جگائیں گے بھی نہیں' آپؐ نے فرمایا' اچھا پھر جائیے' یہ چلے' جب لات وعزیٰ کے بتوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کہنے لگے' اب تمہاری شامت آ گئی - قبیلہ ثقیف بگڑ بیٹھا - انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم ان بتوں کو ترک کرو - یہ لات وعزیٰ دراصل کوئی چیز نہیں' اسلام قبول کرو تو سلامتی حاصل ہو گی - اے میرے بھائی بندو! یقین مانو کہ یہ بت کچھ حقیقت نہیں رکھتے' ساری بھلائی اسلام میں ہے وغیرہ - ابھی تو تین ہی مرتبہ صرف اس کلمہ کو دوہرایا تھا جو ایک بدنصیب تن جلے نے دور سے ایک ہی تیر چلایا جو رگ اکحل پر لگا اور اسی وقت شہید ہو گئے' حضور علیہ السلام کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا' یہ ایسا ہی تھا جیسے سورۂ یٰسین والا جس نے کہا تھا' کاش کہ میری قوم میری مغفرت وعزت کو جان لیتی -

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کے پاس جب حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھے جنہیں یمامہ میں مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کر دیا تھا تو آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم یہ حبیب بھی اسی حبیب کی طرح تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے' ان سے اس کذاب نے حضورؐ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' بیشک وہ اللہ کے رسولؐ ہیں - اس نے کہا - میری نسبت بھی تو گواہی دیتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں؟ تو حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں نہیں سنتا - اس نے کہا محمد (ﷺ) کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں ان کی سچی رسالت کو مانتا ہوں' اس نے پھر پوچھا' میری رسالت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں نہیں سنتا - اس ملعون نے کہا' ان کی نسبت تو سن لیتا ہے اور میری نسبت بہرا بن جاتا ہے - ایک مرتبہ پوچھتا اور ان کے اس جواب پر ایک عضو بدن کٹوا دیتا' پھر پوچھتا' پھر یہی جواب پاتا - پھر ایک عضو بدن کٹواتا' اسی طرح جسم کا ایک ایک جوڑ کٹوا دیا اور وہ اپنے سچے اسلام پر آخری دم

تک قائم رہے اور جو جواب پہلے تھا' وہی آخر تک رہا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ وَ اَرْضَاهُ۔

اس کے بعد ان لوگوں پر جو غضب الٰہی نازل ہوا اور جس عذاب سے وہ غارت کر دیئے گئے' اس کا ذکر ہو رہا ہے' چونکہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا' اللہ کے ولی کو قتل کیا' اس لئے ان پر عذاب اترا اور ہلاک کر دیئے گئے لیکن انہیں برباد کرنے کے لئے اللہ نے تو کوئی لشکر آسمان سے بھیجا نہ کوئی خاص اہتمام کرنا پڑا نہ کسی بڑے سے بڑے کام کے لئے اس کی ضرورت' اس کا تو صرف حکم کر دینا کافی ہے' نہ انہیں اس کے بعد کوئی تنبیہہ کی گئی نہ ان پر فرشتے اتارے گئے بلکہ بلامہلت عذاب میں پکڑ لئے گئے اور بغیر اس کے کہ کوئی نام لینے والا' پانی دینے والا ہو' اول سے آخر تک ایک ایک کر کے سب کے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے شہر انطاکیہ کے دروازے کی چوکھٹ تھام کر اس زور سے ایک آواز لگائی کہ کلیجے پاش پاش ہو گئے' دل اڑ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں۔

حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کے پاس جو تینوں رسول آئے تھے' یہ حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے قاصد تھے لیکن اس میں قدرے کلام ہے' اولاً تو یہ کہ قصے کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستقل رسولؑ تھے۔ فرمان ہے اِذْ اَرْسَلْنَا الخ' جبکہ ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے۔ جب انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کی مدد کے لئے تیسرا رسول بھیجا۔ پھر اللہ کے یہ رسول اہل انطاکیہ سے کہتے ہیں اِنَّا اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ الخ' یعنی ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔ پس اگر یہ تینوں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے ہوتے تو انہیں یہ کہنا مناسب نہ تھا بلکہ وہ کوئی ایسا جملہ کہتے جس سے معلوم ہو جاتا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے قاصد ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ کفار انطاکیہ ان کے جواب میں کہتے ہیں اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو' دیکھو یہ کلمہ کفار ہمیشہ رسولوں کو ہی کہتے رہے۔ اگر وہ حواریوں میں سے ہوتے تو ان کا مستقل دعویٰ رسالت کا تھا ہی نہیں۔ پھر انہیں یہ لوگ یہ الزام ہی کیوں دیتے؟ ثانیاً اہل انطاکیہ کی طرف حضرت مسیحؑ کے قاصد گئے تھے اور اس وقت اس بستی کے لوگ ان پر ایمان لائے تھے بلکہ یہی وہ بستی ہے جو ساری کی ساری جناب مسیحؑ پر ایمان لائی۔ اسی لئے نصرانیوں کے وہ چار شہر جو مقدس سمجھے جاتے ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے۔ بیت المقدس کی بزرگی کے وہ قائل اس لئے ہیں کہ وہ حضرت مسیحؑ کا شہر ہے اور انطاکیہ کو حرمت والا شہر اس لئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہیں کے لوگ حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے اور اسکندریہ کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مذہبی عہدے داروں کے تقرر پر اجماع کیا اور رومیہ کی حرمت کے قائل اس وجہ سے ہیں کہ شاہ قسطنطین کا شہر یہی ہے اور اسی بادشاہ نے ان کے دین کی امداد کی تھی اور یہیں ان کے تبرکات کو رومیہ سے یہاں لا رکھا۔ سعد بن بطریق وغیرہ نصرانی مورخین کی تاریخ کی کتابوں میں یہ سب واقعات مذکور ہیں۔ مسلمان مؤرخین نے بھی یہی لکھا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انطاکیہ والوں نے حضرت عیسیٰؑ کے قاصدوں کی تو مان لی تھی۔ اور یہاں بیان ہے کہ انہوں نے نہ مانی اور ان پر عذاب الٰہی آیا اور تہس نہس کر دیئے گئے تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اور ہے۔ یہ رسول مستقل رسالت پر مامور تھے۔ انہوں نے نہ مانا جس پر انہیں سزا ہوئی اور وہ بے نشان کر دیئے گئے اور چراغ سحری کی طرح بجھا دیئے گئے۔ واللہ اعلم۔

ثالثاً انطاکیہ والوں کا قصہ جو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے ساتھ وقوع میں آیا' وہ قطعاً تورات کے اترنے کے بعد کا ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ توراۃ کے نازل ہو چکنے کے بعد کسی بستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آسمانی عذاب سے بالکل برباد نہیں کیا بلکہ مومنوں کو کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دے کر کفار کو نیچا دکھایا ہے جیسا کہ آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَکْنَا الخ کی تفسیر میں ہے اور اس بستی کی آسمانی ہلاکت پر آیات قرآنی شاہد عدل موجود ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ

واقعہ انطاکیہ کا نہیں جیسے کہ بعض سلف کے اقوال بھی اسے مستثنیٰ کر کے بتاتے ہیں کہ اس سے مراد مشہور شہر انطاکیہ نہیں' ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی شہر اور بھی ہو اور یہ واقعہ وہاں کا ہو۔ اس لئے کہ جو انطاکیہ مشہور ہے' اس کا عذاب الٰہی سے نیست و نابود ہونا مشہور نہیں ہوا۔ نہ تو نصرانیت کے زمانہ میں اور نہ اس سے پہلے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم' یہ بھی یاد رہے کہ طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ دنیا میں تین ہی شخص سبقت کرنے میں سب سے آگے نکل گئے ہیں' حضرت موسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے تو حضرت یوشع بن نونؑ تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے وہ شخص تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے اور محمد ﷺ کی خدمت میں آگے بڑھنے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' یہ حدیث بالکل منکر ہے۔ صرف حسین اشعر اسے روایت کرتا ہے اور وہ شیعہ ہے اور متروک ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالصواب۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۰ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۳۲ ع ۲۰

بندوں پر افسوس! کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے نہ اڑائی ہو ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہم نے غارت کر دی ہیں جو ان کی طرف واپس نہیں لوٹتے ○ اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کی جائے گی ○

منکرین کی ندامت : ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) بندوں پر حسرت و افسوس ہے۔ بندے کل اپنے اوپر کیسے نادم ہوں گے۔ بار بار کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے تو خود اپنا برا کیا۔ بعض قراتوں میں يٰحَسْرَةَ الْعِبَادِ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بھی ہے مطلب یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن عذابوں کو دیکھ کر ہاتھ ملیں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور کیوں اللہ کے فرمان کے خلاف کیا؟

دنیا میں تو ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی جو رسول آیا' انہوں نے بلا تامل جھٹلایا اور دل کھول کر ان کی بے ادبی اور توہین کی۔ وہ اگر یہاں تامل کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے پیغمبروں کی نہ مانی تھی' وہ غارت و برباد کر دیئے گئے' ان کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ ایک بھی تو ان میں سے نہ بچ سکا' نہ اس دار آخرت سے کوئی واپس پلٹا۔ اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو دہریہ تھے۔ جن کا خیال تھا کہ یونہی دنیا میں مرتے جیتے چلے جائیں گے' لوٹ لوٹ کر اس دنیا میں آئیں گے۔ تمام گزرے ہوئے موجود اور آنے والے لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے حاضر کئے جائیں گے اور وہاں ہر ایک بھلائی برائی کا بدلہ پائیں گے۔

جیسے اور آیت میں فرمایا وَاِنْ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ یعنی ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ تیرا رب عطا فرمائے گا' ایک قراءت میں لَمَا ہے تو ان اثبات کے لئے ہوگا اور لَمَّا پڑھنے کے وقت ان نافیہ ہوگا اور لَمَّا معنی میں اِلَّا کے ہوگا' تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ نہیں ہیں سب مگر یہ کہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر شدہ ہیں۔ دوسری قراءت کی صورت میں بھی مطلب یہی رہے گا۔ واللہ سبحان وتعالیٰ اعلم۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا
فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا
عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ
كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

ان کے لئے ایک نشانی خشک مردہ زمین ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں اور جس سے اناج نکالتے ہیں جس میں سے وہ کھاتے ہیں ○ اور ہم اس میں کھجوروں کے اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں جن میں ہم چشمے بھی جاری کر دیتے ہیں ○ تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے نہیں بنایا' پھر کیوں شکر گذاری نہیں کرتے؟ ○ وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں خواہ خود ان کے نفوس ہوں' خواہ وہ چیزیں ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں ○

وجود باری تعالیٰ کی ایک نشانی: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۶) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے وجود پر' میری زبردست قدرت پر اور مردوں کو زندگی دینے پر ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مردہ زمین جو بنجر خشک پڑی ہوئی ہوتی ہے' جس میں کوئی روئیدگی' تازگی' ہریاول' گھاس وغیرہ نہیں ہوتی' میں اس پر آسمان سے پانی برساتا ہوں' وہ مردہ زمین جی اٹھتی ہے' لہلہانے لگتی ہے' ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اگ جاتا ہے' اور قسم قسم کے پھل پھول وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں۔ تو فرماتا ہے کہ ہم اس مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے قسم قسم کے اناج پیدا کرتے ہیں' بعض کو تم کھاتے ہو' بعض تمہارے جانور کھاتے ہیں۔ ہم اس میں کھجوروں کے' انگوروں کے باغات وغیرہ تیار کر دیتے ہیں۔ نہریں جاری کر دیتے ہیں جو باغوں اور کھیتوں کو سیراب' سرسبز و شاداب کرتی رہتی ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ ان درختوں کے میوے دنیا کھائے' کھیتیوں سے باغات سے نفع حاصل کرے' حاجتیں پوری کرے' یہ سب اللہ کی رحمت اور اس کی قدرت سے پیدا ہو رہے ہیں' کسی کے بس اور اختیار میں نہیں' تمہارے ہاتھوں کی پیدا کردہ یا حاصل کردہ چیزیں نہیں۔ نہ تم میں انہیں اگانے کی طاقت نہ تم میں انہیں بچانے کی قدرت' نہ انہیں پکانے کا تمہیں اختیار۔ صرف اللہ کے یہ کام ہیں اور اسی کی یہ مہربانی ہے اور اس کے احسان کے ساتھ ہی ساتھ یہ اس کی قدرت کے نمونے ہیں' پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو شکر گزاری نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا ان گنت نعمتیں اپنے پاس ہوتے ہوئے اس کا احسان نہیں مانتے؟۔

ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ باغات کے پھل جو کھاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کا بویا ہوا یہ پاتے ہیں' چنانچہ ابن مسعود کی قرأت میں وَمِمَّا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ہے۔ پاک اور برتر اور تمام نقصانات سے بری وہ اللہ ہے جس نے زمین کی پیداوار کو اور خود تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور مختلف قسم کی مخلوق کے جوڑے بنائے ہیں جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾
وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ

يَنۢبَغِىْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اوران کے لئے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو الگ کر دیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○ اور سورج کے لئے جو مقررہ راہ ہے' وہ اسی پر چلتا رہتا ہے' یہ ہے اندازہ غالب باعلم اللہ کا ○ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ ہر پھر کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے ○ نہ تو آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے۔ سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں ○

گردش شمس وقمر: ☆☆ (آیت: ۳۷-۴۰) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اور نشانی بیان ہو رہی ہے اور وہ دن رات ہیں جو اجالے اور اندھیرے والے ہیں اور برابر ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں جیسے فرمایا یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا رات سے دن کو چھپاتا ہے اور رات دن کو جلدی جلدی ڈھونڈتی آتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا' رات میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں' دن تو ختم ہوا اور رات آ گئی اور ہر طرف سے اندھیرا چھا گیا۔ حدیث میں ہے' جب ادھر سے رات آ جائے اور دن ادھر سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزے دار افطار کر لے۔ ظاہر آیت تو یہی ہے لیکن حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب مثل آیت یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ یُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

حضرت امام ابن جریرؒ اس قول کو ضعیف بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اس آیت میں جو لفظ ایلاج ہے' اس کے معنی ایک کی کمی کر کے دوسری میں زیادتی کرنے کے ہیں' اور یہ مراد اس آیت میں نہیں' امام صاحب کا یہ قول حق ہے۔ مُسْتَقَرَ سے مراد یا تو مستقر مکانی یعنی جائے قرار ہے اور وہ عرش تلے کی وہ سمت ہے پس ایک سورج ہی نہیں بلکہ کل مخلوق عرش کے نیچے ہی ہے اس لئے کہ عرش ساری مخلوق کے اوپر ہے اور سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ کُرَّہ نہیں ہے جیسے کہ ہیئت داں کہتے ہیں۔ بلکہ وہ مثل قبے کے ہے جس کے پائے ہیں اور جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ انسانوں کے سروں کے اوپر اوپر والے عالم میں ہے' پس جبکہ سورج فلکی قبے میں ٹھیک ظہر کے وقت ہوتا ہے' اس وقت وہ عرش سے بہت قریب ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گھوم کر چوتھے فلک میں اسی مقام کے بالمقابل آ جاتا ہے' یہ آدھی رات کا وقت ہوتا ہے جبکہ وہ عرش سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ پس وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے جیسے کہ احادیث میں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں سورج کے غروب ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں تھا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا' جانتے ہو یہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتا ہے' آپؐ نے فرمایا' وہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَالشَّمْسُ الخ' تلاوت کی۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ سے حضرت ابوذرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' اس کی قرارگاہ عرش کے نیچے ہے۔ مسند احمد میں اس سے پہلے کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے۔ گویا اس سے کہا جاتا ہے کہ جہاں سے آیا تھا' وہیں لوٹ جا تو وہ اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے نکلتا ہے اور یہی اس کا مستقر ہے' پھر آپ نے اس آیت کے ابتدائی فقرے کو پڑھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن قبول نہ کیا جائے اور اجازت مانگے لیکن اجازت نہ دی جائے بلکہ کہا جائے' جہاں سے آیا ہے' وہیں لوٹ جا۔ پس وہ مغرب سے ہی طلوع کرے یہی معنی ہیں اس آیت کے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہوتا ہے۔ اسے انسانوں کے گناہ لوٹا دیتے ہیں۔ وہ غروب ہو کر سجدے میں پڑتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے' ایک دن یہ غروب ہو کر بہ عاجزی

سجدہ کرے گا اور اجازت مانگے گا لیکن اجازت نہ دی جائے گی۔ وہ کہے گا کہ راہ دور ہے اور اجازت ملی نہیں تو پہنچ نہیں سکوں گا۔ پھر کچھ دیر روک رکھنے کے بعد اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے غروب ہوا تھا، وہیں سے طلوع ہو جا۔ یہی قیامت کا دن ہوگا جس دن ایمان لانا محض بے سود ہوگا اور نیکیاں کرنی بھی ان کے لئے جو اس سے پہلے ایمان دار اور نیکوکار نہ تھے، بیکار ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستقر سے مراد اس کے چلنے کی انتہا ہے۔ پوری بلندی جو گرمیوں میں ہوتی ہے اور پوری پستی جو جاڑوں میں ہوتی ہے۔ پس یہ ایک قول ہوا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت کے اس لفظ مستقر سے مراد اس کی چال کا خاتمہ ہے۔ قیامت کے دن اس کی حرکت باطل ہو جائے گی۔ یہ بے نور ہو جائے گا اور یہ عالم کل کا کل ختم ہو جائے گا۔ یہ مستقر زمانی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، وہ اپنے مستقر پر چلتا ہے یعنی اپنے وقت اور اپنی میعاد پر جس سے تجاوز کر نہیں سکتا۔ جو اس کے راستے جاڑوں کے اور گرمیوں کے مقرر ہیں، انہی راستوں سے آتا جاتا ہے، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قراءت لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا ہے یعنی اس کے لئے سکون و قرار نہیں بلکہ دن رات بحکم الٰہی چلتا رہتا ہے، نہ رکے نہ تھکے جیسے فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ یعنی اس نے تمہارے لئے سورج چاند کو مسخر کیا ہے جو نہ تھکیں نہ ٹھہریں۔ قیامت تک چلتے پھرتے ہی رہیں گے۔ یہ اندازہ اس اللہ کا ہے جو غالب ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا، جس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ علیم ہے، ہر حرکت و سکون کو جانتا ہے، اس نے اپنی حکمت کاملہ سے اس کی چال مقرر کی ہے جس میں نہ اختلاف واقع ہو سکے نہ اس کے برعکس ہو سکے۔ جیسے فرمایا فَالِقُ الْاِصْبَاحِ الخ صبح کا نکالنے والا جس نے رات کو راحت کا وقت بنایا اور سورج چاند کو حساب سے مقرر کیا، یہ ہے اندازہ غالب ذی علم والے کا۔ حم سجدہ کی آیت کو بھی اسی طرح ختم کیا۔

پھر فرماتا ہے، چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ وہ ایک جداگانہ چال چلتا ہے جس سے مہینے معلوم ہو جائیں جیسے سورج کی چال سے رات دن معلوم ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواب دے کہ وقتوں اور حج کے موسم کو بتانے کے لئے۔ اور آیت میں فرمایا، اس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور دیا ہے اور اس کی منزلیں ٹھہرا دی ہیں تاکہ تم سالوں کو اور حساب کو معلوم کر لو۔ ایک آیت میں ہے، ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا ہے، رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن کیا ہے تاکہ تم اس میں اپنے رب کی نازل کردہ روزی کو تلاش کر سکو اور برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ پس سورج کی چمک دمک اس کے ساتھ مخصوص ہے اور چاند کی روشنی اسی میں ہے۔ اس کی اور اس کی چال بھی مختلف ہے۔ سورج ہر دن طلوع و غروب ہوتا ہے۔ اسی روشنی کے ساتھ ہوتا ہے، ہاں اس کے طلوع و غروب کی جگہیں جاڑے میں اور گرمی میں الگ الگ ہوتی ہیں، اسی سبب سے دن رات کی طولانی میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ سورج دن کا ستارہ ہے، اور چاند رات کا ستارہ ہے۔ اس کی منزلیں مقرر ہیں۔

مہینے کی پہلی رات طلوع ہوتا ہے۔ بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ روشنی کم ہوتی ہے، دوسری شب روشنی اس سے بڑھ جاتی ہے اور منزل بھی ترقی کرتی جاتی ہے، پھر جوں جوں بلند ہوتا جاتا ہے، روشنی بڑھتی جاتی ہے، گو اس کی نورانیت سورج سے لی ہوئی ہوتی ہے۔ آخر چودھویں رات کو چاند کامل ہو جاتا ہے اور اس کی چاندنی بھی کمال کی ہو جاتی ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ بتدریج گھٹتا ہوا مثل کھجور کے خوشے کی ٹہنی کے ہو جاتا ہے جس پر تر کھجوریں لٹکتی ہوں اور وہ خشک ہو کر بل کھا گئی ہو۔ پھر اسے نئے سرے سے اللہ تعالیٰ دوسرے مہینے کی ابتدا میں ظاہر کرتا ہے، عرب میں چاند کی روشنی کے اعتبار سے مہینے کی راتوں کے نام رکھ لئے گئے ہیں، مثلاً پہلی تین راتوں کا نام غرر ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام نفل ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام تسع ہے، اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے، اس کے

بعد کی تین راتوں کا نام عشر ہے' اس لئے کہ اس کا شروع دسویں سے ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام بیض ہے' اس لئے کہ ان راتوں میں چاندنی کی روشنی آخر تک رہا کرتی ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام ان کے ہاں ورع ہے' یہ لفظ ورعاء کی جمع ہے' ان کا یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ سولھویں کو چاند ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے تو تھوڑی دیر تک اندھیرا یعنی سیاہی رہتی ہے اور عرب میں اس بکری کو جس کا سر سیاہ ہو' شاۃ ورعاء کہتے ہیں۔ اس کے بعد کی تین راتوں کو ظلم کہتے ہیں' پھر تین کو ضاوس پھر تین کو دراری' پھر تین کو محاق اس لئے کہ اس میں چاند ختم ہو جاتا ہے اور مہینہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان میں سے تسع اور عشر کو قبول نہیں کرتے' ملاحظہ ہو کتاب غریب المصنف۔ سورج چاند کی حدیں اس نے مقرر کی ہیں۔ ناممکن ہے کہ کوئی اپنی حد سے ادھر ادھر ہو جائے یا آگے پیچھے ہو جائے۔ اس کی باری کے وقت وہ گم ہے۔ اس کی باری کے وقت یہ خاموش ہے۔

حسن کہتے ہیں یہ چاندرات کو ہے۔ ابن مبارک کا قول ہے' ہوا کے پر ہیں اور چاند پانی کے غلاف تلے جگہ کرتا ہے' ابوصالح فرماتے ہیں' اس کی روشنی اس کی روشنی کو پکڑ نہیں سکتی۔ عکرمہ فرماتے ہیں' رات کو سورج طلوع نہیں ہو سکتا نہ رات دن سے سبقت کر سکتی ہے۔ یعنی رات کے بعد ہی رات نہیں آ سکتی بلکہ درمیان میں دن آ جائے گا' پس سورج کی سلطنت دن کو ہے اور چاند کی بادشاہت رات کو ہے' رات ادھر سے جاتی ہے' ادھر سے دن آتا ہے' ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں لیکن نہ تصادم کا ڈر ہے نہ بےنظمی کا خطرہ ہے' نہ یہ کہ دن ہی دن چلا جائے۔ رات نہ آئے نہ اس کے خلاف' ایک جاتا ہے' دوسرا آتا ہے' ہر ایک اپنے اپنے وقت پر غائب و حاضر ہوتا رہتا ہے' سب کے سب یعنی سورج چاند دن رات فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور گھومتے پھرتے ہیں۔ زید بن عاصمؒ کا قول ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان فلک میں یہ سب آ جا رہے ہیں لیکن یہ بہت غریب بلکہ منکر قول ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں' فلک مثل چرخے کے تکلے کے ہے۔ بعض کہتے ہیں مثل چکی کے لوہے کے پاٹ کے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾
وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ
فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا
اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾

ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ○ اور ان کے لئے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے ○ پھر نہ تو کوئی ان کا مددگار ہوتا نہ وہ رہا کئے جاتے ○ لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت تک کے لئے انہیں فائدہ دے رہے ہیں ○

سمندر کی تسخیر: ☆☆ (آیت ۴۱-۴۴) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قدرت کی ایک نشانی بتا رہا ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے جس میں کشتیاں برابر آمد و رفت کر رہی ہیں۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر وہ خود اور ان کے ساتھ ایماندار بندے نجات پا گئے تھے۔ باقی روئے زمین پر ایک انسان بھی نہ بچا تھا۔ ہم نے اس زمانے والے لوگوں کے آباؤ اجداد کو کشتی میں بٹھا لیا تھا جو بالکل بھرپور تھی۔ کیونکہ اس میں ضرورت کا کل اسباب بھی تھا اور ساتھ ہی حیوانات بھی تھے جو اللہ کے حکم سے اس میں بٹھا لئے گئے تھے۔ ہر قسم کے جانور کا ایک ایک جوڑا تھا' بڑا باوقار' مضبوط اور بوجھل وہ جہاز تھا' یہ صفت بھی صحیح طور پر حضرت نوحؑ کی

کشتی پر صادق آتی ہے۔

اسی طرح کی خشکی کی سواریاں بھی اللہ نے ان کے لئے پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً اونٹ جو خشکی میں وہی کام دیتا ہے جو تری میں کشتی کام دیتی ہے۔ اسی طرح دیگر چوپائے جانور ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کشتی نوحؑ نمونہ بنی اور پھر اس نمونے پر اور کشتیاں اور جہاز بنتے چلے گئے۔ اس مطلب کی تائید آیت *لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً* الخ سے بھی ہوتی ہے یعنی جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے انہیں کشتی میں سوار کر لیا تا کہ اسے تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔ ہمارے اس احسان کو فراموش نہ کرو کہ سمندر سے ہم نے تمہیں پار کر دیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسی میں تمہیں ڈبو دیتے، کشتی کی کشتی بیٹھ جاتی، کوئی نہ ہوتا جو اس وقت تمہاری فریاد رسی کرے نہ کوئی ایسا تمہیں ملتا جو تمہیں بچا سکے۔ لیکن یہ صرف ہماری رحمت ہے کہ خشکی اور تری کے لمبے چوڑے سفر تم بہ آرام و راحت طے کر رہے ہو اور ہم تمہیں اپنے ٹھہرائے ہوئے وقت تک ہر طرح سلامت رکھتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ
اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَ
يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا
يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۱۸

ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے گناہوں سے بچو تا کہ تم پر رحم کر دیا جائے ○ ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ برتتے ہوں ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ دو تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں، جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا۔ تم تو ہو ہی کھلی غلطی میں ○ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب آئے گا؟ سچے ہو تو بتلاؤ ○ انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آ پکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے ○ اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے والوں کی طرف لوٹ سکیں گے ○

کفار کا تکبر: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) کافروں کی سرکشی، نادانی اور عناد و تکبر بیان ہو رہا ہے کہ جب ان سے گناہوں سے بچنے کو کہا جاتا ہے کہ جو کر چکے ان پر نادم ہو جاؤ، ان سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے ان سے احتیاط کرو، اس سے اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہیں اپنے عذابوں سے بچا لے گا۔ تو وہ اس پر کاربند ہونا تو ایک طرف، اور منہ پھلا لیتے ہیں، قرآن نے اس جملے کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ آگے جو آیت ہے، وہ اس پر صاف طور سے دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہے کہ یہی ایک بات کیا؟ ان کی تو عادت ہو گئی ہے کہ اللہ کی ہر بات سے منہ پھیر لیں۔ نہ اس کی توحید کو مانتے ہیں نہ رسولوں کو سچا جانتے ہیں، نہ ان میں غور و خوض کی عادت، نہ ان میں قبولیت کا مادہ نہ نفع کو حاصل کرنے کا ملکہ۔ ان کو جب

کبھی اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کو کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس میں فقراء، مساکین اور محتاجوں کا حصہ بھی ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ کا ارادہ ہوتا تو ان غریبوں کو خود ہی دیتا' جب اللہ ہی کا ارادہ انہیں دینے کا نہیں تو ہم اللہ کے ارادے کے خلاف کیوں کریں؟ تم جو ہمیں خیرات کی نصیحت کر رہے ہو اس میں بالکل غلطی پر ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ پچھلا جملہ کفار کی تردید میں اللہ کی طرف سے ہو۔ یعنی اللہ ان کفار سے فرما رہا ہے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو لیکن ان سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کفار کے جواب کا حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

قیامت کے بعد کوئی مہلت نہ ملے گی: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۰) کافر چونکہ قیامت کے آنے کے قائل نہ تھے' اس لئے وہ نبیوں سے اور مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ پھر قیامت کو لاتے کیوں نہیں؟ اچھا یہ تو بتاؤ کہ کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اس کے آنے کے لئے ہمیں کچھ سامان نہیں کرنے پڑیں گے' صرف ایک مرتبہ صور پھونک دیا جائے گا۔

دنیا کے لوگ روزمرہ کی طرح اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے' جب اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دے گا وہیں لوگ ادھر ادھر گرنے شروع ہو جائیں گے۔ اس آسمانی تیز و تند آواز سے سب کے سب محشر میں اللہ کے سامنے جمع کر دیئے جائیں گے۔ اس چیخ کے بعد کسی کو اتنی بھی مہلت نہیں ملنی کہ کسی سے کچھ کہہ سن سکے' کوئی وصیت اور نصیحت کر سکے اور نہ ہی انہیں اپنے گھروں کو واپس جانے کی طاقت رہے گی۔ اس آیت کے متعلق بہت سے آثار و احادیث ہیں جنہیں ہم دوسری جگہ وارد کر چکے ہیں۔ اس پہلے نفخہ کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا جس سے سب کے سب مر جائیں گے' کل جہان فنا ہو جائے گا' بجز اس ہمیشگی والے اللہ عزوجل کے جسے فنا نہیں۔ اس کے بعد پھر جی اٹھنے کا نفخہ ہوگا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ
يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا
مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا
صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ
لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

صور کے پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف تیز تیز چلنے لگیں گے ○ کہیں گے ہائے ہائے' ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ یہی ہے جس کا وعدہ رب رحمان نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا ○ یہ نہیں ہے مگر ایک تند آواز کہ یکایک سارے کے سارے جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے ○ پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر صرف انہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ○

قیامت کے دوسرے نفخہ پر لوگوں کا حال: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۴) ان آیتوں میں دوسرے نفخہ کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مردے جی اٹھیں گے۔ يَنْسِلُوْنَ کا مصدر نَسْلَان سے ہے اور اس کے معنی تیز چلنے کے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا الخ جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس تیزی سے چلیں گے کہ گویا وہ کسی نشان منزل کی طرف لپکے جا رہے ہیں۔ چونکہ دنیا میں انہیں قبروں سے جی اٹھنے کا ہمیشہ انکار رہا تھا اس لئے آج یہ حالت دیکھ کر کہیں گے کہ ہائے افسوس' ہمارے سونے کی جگہ سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ اس سے قبر کے عذاب کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ جس ہول و شدت کو' جس تکلیف اور مصیبت کو یہ اب

دیکھیں گے' اس کی بہ نسبت تو قبر کے عذاب بے حد خفیف ہی تھے گویا کہ وہ وہاں آرام میں تھے- بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے ذرا سی دیر کے لئے فی الواقع انہیں نیند آ جائے گی' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں پہلے نفخہ اور اس دوسرے نفخہ کے درمیان یہ سو جائیں گے' اس لئے اب اٹھ کر یوں کہیں گے اس کا جواب ایماندار لوگ دیں گے کہ اسی کا وعدہ اللہ کا تھا اور یہی اللہ کے سچے رسولؑ فرمایا کرتے تھے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جواب فرشتے دیں گے- بہرحال دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ مومن بھی کہیں اور فرشتے بھی کہیں- واللہ اعلم- عبدالرحمٰن بن زیدؒ کہتے ہیں' یہ کل قول کافروں کا ہی ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جسے ہم نے پہلے نقل کیا جیسے کہ سورۂ صافات میں ہے کہ یہ کہیں گے ہائے افسوس' ہم پر یہ جزا کا دن ہے- یہی فیصلے کا دن ہے جسے ہم جھٹلاتے تھے- اور آیت میں ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ جس دن قیامت برپا ہوگی' گنہگار قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ صرف ایک ساعت ہی رہے ہیں' اسی طرح وہ ہمیشہ حق سے پھرے رہے' اس وقت باایمان اور علماء فرمائیں گے' تم اللہ کے لکھے ہوئے کے مطابق قیامت کے دن تک رہے- یہی قیامت کا دن ہے لیکن تم محض بے علم ہو- تم تو اسے ان ہونی مانتے تھے حالانکہ وہ ہم پر بالکل سہل ہے- ایک آواز کی دیر ہے کہ ساری مخلوق ہمارے سامنے موجود ہو جائے گی' جیسے اور آیت مین ہے کہ ایک ڈانٹ کے ساتھ ہی سب میدان میں مجتمع موجود ہوں گے- اور آیت میں فرمایا' امر قیامت تو مثل آنکھ جھپکانے کے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے' اور جیسے فرمایا يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ جس دن وہ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم مدت رہے- الغرض حکم کے ساتھ ہی سب حاضر سامنے موجود- اس دن کسی کا کوئی عمل مارا نہ جائے گا' ہر ایک کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا-

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝۵۵ هُمْ
وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝۵۶ لَهُمْ فِيْهَا
فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝۵۷ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸

جنتی لوگ آج کے دن اپنے دلچسپ مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں ○ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے ○ ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں گے ○ مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا ○

جنت کے مناظر: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۸) جنتی لوگ میدان قیامت سے فارغ ہو کر جنتوں میں بہ صد اکرام و بہ ہزار تعظیم پہنچائے جائیں گے اور وہاں کی گوناں گوں نعمتوں اور راحتوں میں اس طرح مشغول ہوں گے کہ کسی دوسری جانب نہ التفات ہوگا نہ کسی اور طرف کا خیال' یہ جہنم سے' جہنم والوں سے بے فکر ہوں گے- اپنی لذتوں اور مزے والوں میں منہمک ہوں گے- اس قدر مسرور ہوں گے کہ ہر ایک چیز سے بے خبر ہو جائیں گے- نہایت ہشاش بشاش ہوں گے' کنواری حوریں انہیں ملی ہوئی ہوں گی' جن سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہوں گے' طرح طرح کی راگ راگنیاں اور خوش کن آوازیں دلفریبی سے ان کے دلوں کو لبھا رہی ہوں گی- ان کے ساتھ ہی اس لطف و سرور میں ان کی بیویاں اور ان کی حوریں بھی شامل ہوں گی- جنتی میوے دار درختوں کے ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں بہ آرام تختوں پر تکیوں سے لگے بے غمی اور بے فکری کے ساتھ اللہ کی مہمانداری سے مزے اٹھا رہے ہوں گے- ہر قسم کے میوے بکثرت ان کے پاس موجود ہوں گے- اور بھی جس چیز کو جی چاہے' جو خواہش ہو' پوری ہو جائے گی- سنن ابن ماجہ کی کتاب الزہد میں اور ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا تم میں سے

کوئی اس جنت میں جانے کا خواہش مند اور اس کے لئے تیاریاں کرنے والا اور مستعدی ظاہر کرنے والا ہے جس میں کوئی خوف وخطر نہیں' رب کعبہ کی قسم وہ سراسر نور ہی نور ہے۔ اس کی تازگیاں بے حد ہیں۔ اس کا سبزہ لہلہا رہا ہے' اس کے بالا خانے مضبوط' بلند اور پختہ ہیں' اس کی نہریں بھری ہوئی اور بہہ رہی ہیں۔ اس کے پھل ذائقے دار' پکے ہوئے اور بکثرت ہیں۔ اس میں خوبصورت نوجوان حوریں ہیں اور ان کے لباس ریشمی اور بیش قیمت ہیں' اس کی نعمتیں ابدی اور لازوال ہیں' وہ سلامتی کا گھر ہے' وہ سبز اور تازے پھلوں کا باغ ہے' اس کی نعمتیں بہ کثرت اور عمدہ ہیں اور اس کے محلات بلند و بالا اور مزین ہیں۔ یہ سن کر جتنے صحابہؓ تھے' سب نے کہا حضورؐ ہم اس کے لئے تیاری کرنے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں' آپؐ نے فرمایا ان شاء اللہ کہو چنانچہ انہوں نے کہا ان شاء اللہ۔ اللہ کی طرف سے ان پر سلام ہی سلام ہے۔ خود اللہ کا اہل جنت کے لئے سلام ہے' جیسے فرمایا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ الخ ان کا تحفہ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے' سلام ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنتی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اوپر کی جانب سے ایک نور چمکے گا' یہ اپنا سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور رب فرمائے گا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْجَنَّةِ یہی معنی ہیں اس آیت سَلَامٌ قَوْلًا الخ' کے۔ جنتی صاف طور سے اللہ کو دیکھیں گے اور اللہ انہیں دیکھے گا۔ کسی نعمت کی طرف اس وقت وہ آنکھ بھی نہ اٹھائیں گے یہاں تک کہ حجاب حائل ہو جائے گا اور نور و برکت ان کے پاس باقی رہ جائے گی' یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن سند کمزور ہے۔ ابن ماجہ میں بھی کتاب السنہ میں یہ روایت موجود ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ جب دوزخیوں اور جنتیوں سے فارغ ہوگا تو ابر کے سایہ میں متوجہ ہوگا' فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے' جنتیوں کو سلام کرے گا اور جنتی جواب دیں گے۔

قرظیؒ فرماتے ہیں یہ اللہ کے فرمان سَلَامٌ قَوْلًا میں موجود ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا' مجھ سے مانگو جو چاہو' یہ کہیں گے پروردگار سب کچھ تو موجود ہے' کیا مانگیں؟ اللہ فرمائے گا' ہاں ٹھیک ہے۔ پھر بھی جو جی میں آئے' طلب کرو' یہ کہیں گے بس تیری رضامندی مطلوب ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ تو میں تمہیں دے چکا اور اسی کی بنا پر تم میرے اس مہمان خانے میں آئے اور میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا' جنتی کہیں گے' پھر اللہ ہم تجھ سے کیا مانگیں؟ تو نے تو ہمیں اتنا دے رکھا ہے کہ اگر تو حکم دے تو ہم میں سے ایک شخص کل انسانوں اور جنوں کی دعوت کر سکتا ہے اور انہیں پیٹ بھر کر کھلا پلا اور پہنا اوڑھا سکتا ہے۔ بلکہ ان کی سب ضروریات پوری کر سکتا ہے اور پھر بھی اس کی ملکیت میں کوئی کمی نہیں آ سکتی۔ اللہ فرمائے گا' ابھی میرے پاس اور زیادتی ہے۔ چنانچہ فرشتے ان کے پاس اللہ کی طرف سے نئے نئے تحفے لائیں گے۔ امام ابن جریرؒ اس روایت کو بہت سی سندوں سے لائے ہیں لیکن یہ روایت غریب ہے' واللہ اعلم۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ
اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ
اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا
كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اے گنہگارو! آج تم یکسوہٹ جاؤ۔ الگ ہو جاؤ ○ اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے یہ قول وقرار نہیں کیا تھا کہ تم شیطان کی تابعداری نہ کرنا' وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اور میری ہی عبادت کرتے رہنا' سیدھی راہ یہی ہے ○ شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا' کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ○

نیک و بد علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائیں گے: ☆☆ (آیت:۵۹-۶۲) فرماتا ہے کہ نیک کاروں سے بدکاروں کو چھانٹ دیا جائے گا' کافروں سے کہہ دیا جائے گا کہ مومنوں سے دور ہو جاؤ' پھر ہم ان میں امتیاز کر دیں گے۔ انہیں الگ الگ کر دیں گے۔ اسی طرح سورۂ یونس میں ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ جس روز قیامت قائم ہوگی' اس روز سب کے سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے دو گروہ بن جائیں گے۔ سورۂ والصافات میں فرمان ہے اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ الخ یعنی ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے' جمع کرو اور انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جنتیوں پر جو طرح طرح کی نوازشیں ہو رہی ہوں گی' اسی طرح جہنمیوں پر طرح طرح کی سختیاں ہو رہی ہوں گی' انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا' وہ تمہارا دشمن ہے؟

لیکن اس پر بھی تم نے مجھ رحمان کی نافرمانی کی اور اس شیطان کی فرمانبرداری کی۔ خالق' مالک' رازق میں اور فرمانبرداری کی جائے میرے راندۂ درگاہ کی؟ میں تو کہہ چکا تھا کہ ایک میری ہی ماننا' صرف مجھ ہی کو پوجنا' مجھ تک پہنچنے کا سیدھا قریب کا اور سچا راستہ یہی ہے لیکن تم الٹے چلے' یہاں بھی الٹے ہی جاؤ' ان نیک بختوں کی اور تمہاری راہ الگ الگ ہے۔ یہ جنتی ہیں۔ تم جہنمی ہو۔ جِبِلًّا سے مراد خلق کثیر بہت ساری مخلوق ہے' لغت میں جُبُلً بھی کہا جاتا ہے اور جبل بھی کہا جاتا ہے' شیطان نے تم میں سے بکثرت لوگوں کو بہکا دیا اور صحیح راہ سے ہٹا دیا' تم میں اتنی بھی عقل نہ تھی کہ تم اس کا فیصلہ کر سکتے کہ رحمان کی مانیں یا شیطان کی؟ اللہ کو پوجیں یا مخلوق کو؟ ابن جریر میں ہے' قیامت کے دن اللہ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہوگا اور بالکل ظاہر ہوگی۔ وہ بھی کہے گی کہ اے انسانو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے' اور میری عبادت کرنا۔ یہ سیدھی راہ ہے۔ اس نے تم میں سے اکثروں کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ۔ اس وقت نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے' ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا' ہر ایک کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج ہی بدلے دیئے جاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ
اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ
لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا
وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع ١٧

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا ○ اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لئے آج اس میں داخل ہو جاؤ ○ ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے' ان کاموں کی جنہیں وہ کرتے تھے ○ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے۔ پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی دیتا؟ ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی ان کی صورتیں مسخ کر دیتے۔ پھر نہ وہ چل پھر سکتے نہ لوٹ سکتے ○

اعضاء کی گواہی: ☆☆ (آیت:۶۳-۶۷) جہنم بھڑکتی ہوئی اور شعلے مارتی ہوئی' چیختی ہوئی اور چلاتی ہوئی سامنے ہوگی اور کفار سے کہا

جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے، جس کا ذکر میرے رسول کیا کرتے تھے، جس سے وہ ڈرایا کرتے تھے اور تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ لو اب اپنے اس کفر کا مزہ چکھو۔ **اٹھو اس** میں کود پڑو چنانچہ اور آیت میں ہے یَوْمَ یُدَعُّوْنَ الخ جس دن یہ جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے اور کہا جائے گا، یہی وہ دوزخ ہے، جس کا انکار کرتے رہے ہو۔ بتاؤ تو یہ جادو ہے؟ یا تم اندھے ہو گئے ہو؟ قیامت والے دن جب یہ کفار اور منافقین اپنے گناہوں کا انکار کریں گے اور اس پر قسمیں کھالیں گے تو اللہ ان کی زبانوں کو بند کر دے گا اور ان کے بدن کے اعضاء سچی سچی گواہی دینا شروع کر دیں گے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، ہم حضورؐ کے پاس تھے کہ آپؐ یکایک ہنسے اور اس قدر ہنسے کہ مسوڑھے کھل گئے۔ پھر ہم سے دریافت کرنے لگے کہ جانتے ہو، میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا، بندہ جو اپنے رب سے قیامت کے دن جھگڑا کرے گا اس پر۔ کہے گا کہ باری تعالیٰ کیا تو نے مجھے ظلم سے بچایا نہ تھا؟ اللہ فرمائے گا، ہاں، تو یہ کہے گا، بس پھر میں کسی گواہ کی گواہی اپنے خلاف منظور نہیں کروں گا۔ بس میرا اپنا بدن تو میرا ہے۔ باقی سب میرے دشمن ہیں۔ اللہ فرمائے گا، اچھا یونہی سہی۔ تو ہی اپنا گواہ سہی اور میرے بزرگ فرشتے گواہ سہی۔ چنانچہ اسی وقت زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضائے بدن سے فرمایا جائے گا، بولو تم خود گواہی دو کہ تم سے اس نے کیا کیا کام لئے؟ وہ صاف کھول کھول کر سچ سچ ایک ایک بات بتا دیں گے۔ پھر اس کی زبان کھول دی جائے گی تو یہ اپنے بدن کے جوڑوں سے کہے گی، تمہارا ستیاناس جائے، تم ہی میرے دشمن بن بیٹھے، میں تو تمہارے ہی بچاؤ کی کوشش کر رہی تھی اور تمہارے ہی فائدے کے لئے حجت بازی کر رہی تھی (نسائی وغیرہ)

نسائی کی ایک اور حدیث میں ہے، تمہیں اللہ کے سامنے بلایا جائے گا جبکہ زبان بند ہوگی۔ سب سے پہلے رانوں اور ہتھیلیوں سے سوال ہوگا۔ قیامت کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ پھر تیسرے موقعہ پر اس سے کہا جائے گا کہ تو کیا ہے؟ یہ کہے گا، تیرا بندہ ہوں۔ تجھ پر، تیرے نبیؐ پر، تیری کتاب پر ایمان لایا تھا۔ روزے، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا پابند تھا۔ اور بھی بہت سی اپنی نیکیاں بیان کر جائے گا۔ اس وقت اس سے کہا جائے گا، اچھا ٹھہر جا۔ ہم گواہ لاتے ہیں۔ یہ سوچتا ہی ہوگا کہ گواہی میں کون پیش کیا جائے گا؟ یکایک اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ تو گواہی دے، اب ران اور ہڈیاں اور گوشت بول پڑے گا اور اس منافق کے سارے نفاق کو اور تمام پوشیدہ اعمال کو کھول کر رکھ دے گا۔ یہ سب اس لئے ہوگا کہ پھر اس کی حجت باقی نہ رہے اور اس کا عذر ٹوٹ جائے۔ چونکہ رب اس پر ناراض تھا، اس لئے اس سختی سے باز پرس ہوئی۔

ایک حدیث میں ہے، منہ پر مہر لگنے کے بعد سب سے پہلے انسان کی بائیں ران بولے گی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومن کو بلا کر اس کے گناہ اس کے سامنے پیش کر کے فرمائے گا، کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ کہے گا، ہاں اللہ سب درست ہے۔ بیشک مجھ سے یہ خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ اللہ فرمائے گا، اچھا ہم نے سب بخش دیں لیکن یہ گفتگو اس طرح ہوگی کہ کسی ایک کو بھی اس کا مطلق علم نہ ہوگا۔ اس کا ایک گناہ بھی مخلوق میں سے کسی پر ظاہر نہ ہوگا۔ اب اس کی نیکیاں لائی جائیں گی اور انہیں کھول کھول کر ساری مخلوق کے سامنے جتا جتا کر رکھی جائیں گی۔

(اے ستار العیوب، اے غفار الذنوب تو ہم گنہگاروں کی پردہ پوشی کر اور ہم مجرموں سے درگزر فرما۔ اللہ اس دن ہمیں رسوا اور ذلیل نہ کر، اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لے۔ اے ذرہ نواز اللہ عزوجل! اپنی بے پایاں بخشش کی موسلا دھار بارش کا ایک قطرہ ادھر بھی برسا دے

اور ہمارے تمام گناہوں کو دھو ڈال، پروردگار ایک نظر رحمت ادھر بھی، مالک الملک ہم بھی تیری چشم رحمت کے منتظر ہیں، اے غفور و رحیم اللہ کیا تیرے در سے بھی کوئی سوالی خالی جھولی لے کر نا امید ہو کر آج تک لوٹا ہے؟ رحم کر، رحم کر رحم کر۔ اے مالک و خالق رحم کر، اپنے انتقام سے بچا، اپنے غصے سے نجات دے، اپنی رحمتوں سے نواز دے، اپنے عذابوں سے چھٹکارا دے، اپنی جنت میں پہنچا دے، اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ آمین آمین آمین) اور کافر و منافق کو بلایا جائے گا، اس کے بداعمال اس کے سامنے رکھے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا، کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ صاف انکار کر جائے گا اور کڑکڑاتی ہوئی قسمیں کھانے لگے گا کہ اللہ تعالیٰ تیرے ان فرشتوں نے جھوٹی تحریر لکھی ہے۔ میں نے ہرگز یہ گناہ نہیں کئے، فرشتہ کہے گا، ہائیں ہائیں کیا کہہ رہے ہو؟ کیا فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں کام نہیں کیا؟ یہ کہے گا، اللہ تیری عزت کی قسم، محض جھوٹ ہے، میں نے ہرگز نہیں کیا؟ اب اللہ تعالیٰ اس کی زبان بندی کر دے گا، غالباً سب سے پہلے اس کی دائیں ران اس کے خلاف شہادت دے گی، یہی مضمون اس آیت میں بیان ہو رہا ہے۔

پھر فرماتا ہے، اگر ہم چاہتے تو انہیں گمراہ کر دیتے اور پھر یہ کبھی ہدایت نہ حاصل کر سکتے۔ اگر ہم چاہتے، ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے تو یہ یونہی بھٹکتے پھرتے۔ ادھر ادھر راستے ٹٹولتے۔ حق کو نہ دیکھ سکتے، نہ صحیح راستے پر پہنچ سکتے اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کے مکانوں میں ہی مسخ کر دیتے، ان کی صورتیں بدل دیتے، انہیں ہلاک کر دیتے، انہیں پتھر کے بنا دیتے، ان کی ٹانگیں توڑ دیتے۔ پھر تو نہ وہ چل سکتے یعنی آگے کو نہ وہ لوٹ سکتے یعنی پیچھے کو بلکہ بت کی طرح ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے، آگے پیچھے نہ ہو سکتے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾
وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ
عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾

جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں، اسے پیدائشی حالت کی طرف پھر لوٹا دیتے ہیں، کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے؟ ○ نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق، وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے ○ تا کہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے ○

شاعری پیغمبرانہ شان کے منافی: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۰) انسان کی جوانی جوں جوں ڈھلتی جاتی ہے، پیری، ضعیفی، کمزوری اور ناتوانی آتی جاتی ہے، جیسے سورۂ روم کی آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ الخ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا۔ پھر ناتوانی کے بعد طاقت عطا فرمائی۔ پھر طاقت و قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا کر دیا، وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور وہ خوب جاننے والا پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور آیت میں ہے، تم میں سے بعض بہت بڑی عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تا کہ علم کے بعد وہ بے علم ہو جائیں۔ پس مطلب آیت سے یہ ہے کہ دنیا زوال اور انتقال کی جگہ ہے۔ یہ پائیدار اور قرار گاہ نہیں، پھر بھی کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے کہ اپنے بچپن، پھر جوانی، پھر بڑھاپے پر غور کریں اور اس سے نتیجہ نکال لیں کہ اس دنیا کے بعد آخرت آنے والی ہے اور اس زندگی کے بعد دوبارہ پیدا ہونا ہے۔

پھر فرمایا، نہ تو میں نے اپنے پیغمبرؐ کو شاعری سکھائی نہ شاعری اس کے شایان شان، نہ اسے شعر گوئی سے محبت نہ شعر اشعار کی طرف

اس کی طبیعت کا میلان- اسی کا ثبوت آپؐ کی زندگی میں نمایاں طور پر ملتا ہے کہ کسی کا شعر پڑھتے تھے تو صحیح طور پر ادا نہیں ہوتا تھا یا پورا یاد نہیں نکلتا تھا- حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں' اولاد عبدالمطلب کا ہر مرد و عورت شعر کہنا جانتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ اس سے کوسوں دور تھے (ابن عساکر) ایک بار اللہ کے پیغمبرؐ نے یہ بیت پڑھا کَفٰی بِالْاِسْلَامِ وَالشَّیْبِ لِلْمَرْءِ نَاهِیًا اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا' حضورؐ وہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے کَفٰی الشَّیْبُ وَالْاِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاهِیًا پھر حضرت ابوبکرؓ نے ہی یا حضرت عمرؓ نے فرمایا' سچ مچ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں- اللہ نے سچ فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ (ابن ابی حاتم) دلائل بیہقی میں ہے کہ آپؐ نے ایک مرتبہ عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے بھی تو یہ شعر کہا ہے؟ اَتَجْعَلُ نَهْبِیْ وَنَهْبُ الْعُبَیْدِ بَیْنَ الْاَقْرَعِ وَعُیَیْنَةَ انہوں نے کہا' حضورؐ دراصل یوں ہے بَیْنَ عُیَیْنَةَ وَالْاَقْرَعِ' آپؐ نے فرمایا' چلو سب برابر ہے- مطلب تو فوت نہیں ہوتا؟ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ- سہیلی نے روض الانف میں اس تقدیم و تاخیر کی ایک عجیب توجیہ کی ہے- وہ کہتے ہیں حضورؐ نے اقرع کو پہلے اور عیینہ کو بعد میں اس لئے ذکر کیا کہ عیینہ خلافت صدیقی میں مرتد ہو گیا تھا بخلاف اقرع کے کہ وہ ثابت قدم رہا تھا- واللہ اعلم-

مغازی اموی میں ہے کہ بدر کے مقتول کافروں کے درمیان گشت لگاتے ہوئے حضورؐ کی زبان سے نکلا نُفَلِّقُ هَامًا (آگے کچھ نہ فرما سکے) اس پر جناب ابوبکرؓ نے پورا شعر پڑھ دیا۔

مِنْ رِّجَالٍ اَعِزَّةٍ عَلَیْنَا وَهُمْ کَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

یہ کسی عرب شاعر کا شعر ہے جو حماسہ میں موجود ہے- مسند احمد میں ہے' کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ طرفہ کا یہ شعر بہت پڑھتے تھے- وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے سَتُبْدِلَكَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاهِلًا یعنی زمانہ تجھ پر وہ امور ظاہر کر دے گا جن سے تو بے خبر ہے اور تیرے پاس ایسا شخص خبریں لائے گا جسے تو نے توشہ نہیں دیا- حضرت عائشہؓ سے سوال ہوا کہ کیا حضورؐ شعر پڑھتے تھے' آپؓ نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ بغض آپؐ کو شعروں سے تھا' ہاں کبھی کبھی بنو قیس والے کا کوئی شعر پڑھتے لیکن اس میں بھی غلطی کرتے- تقدیم و تاخیر کر دیا کرتے- حضرت ابوبکرؓ فرماتے' حضورؐ یوں نہیں ہے تو آپؐ فرماتے' نہ شاعر ہوں نہ شعر گوئی میرے شایان شان (ابن ابی حاتم)

دوسری روایت میں شعر اور آگے پیچھے کا ذکر بھی ہے یعنی وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَالَمْ تُزَوِّدِ کو آپ نے مَنْ لَّمْ تُزَوِّدْ بِالْاَخْبَارِ پڑھا تھا- بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ پورا شعر کبھی آپؐ نے نہیں پڑھا- زیادہ سے زیادہ ایک مصرعہ پڑھ لیتے تھے- صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھے- سو یاد رہے کہ آپؐ کا یہ پڑھنا صحابہؓ کے ساتھ تھا- وہ اشعار یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَآ اَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّا قَیْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

حضورؐ لفظ ابینا کو کھینچ کر پڑھتے اور سارے ہی بلند آواز سے پڑھتے ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے' کوئی غم نہیں- اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے نہ صدقے دیتے اور نہ نمازیں پڑھتے- اب تو ہم پر تسکین نازل فرما- جب دشمنوں سے لڑائی چھڑ جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما' یہی لوگ ہم پر سرکشی کرتے ہیں- ہاں جب کبھی فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں- اسی طرح ثابت ہے کہ حنین والے دن آپؐ نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرح بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ   اَنَا ابُنُ عَبۡدِالۡمُطَّلِبُ

اس کی بابت یہ یاد رہے کہ اتفاقیہ ایک کلام آپ کی زبان سے نکل گیا جو وزن شعر پر اترا- نہ کہ قصداً آپ نے شعر کہا- حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں، ہم حضورؐ کے ساتھ ایک غار میں تھے- آپؐ کی انگلی زخمی ہوگئی تھی تو آپؐ نے فرمایا۔

هَلۡ اَنۡتِ اِلَّا اِصۡبَعٌ دَمِیۡتِ   وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ مَالَقِیۡتِ

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے- اور تو راہ اللہ میں خون آلود ہوئی ہے- یہ بھی اتفاقیہ ہے- قصداً نہیں- اسی طرح ایک حدیث الا الممّ کی تفسیر میں آئے گی کہ آپؐ نے فرمایا۔

اِنۡ تَغۡفِرِ اللّٰهُمَّ تَغۡفِرۡ جَمًّا   وَاَیُّ عَبۡدٍلَّكَ مَا اَلَمَّا

یعنی اے اللہ تو جب بخشے تو ہمارے سبھی کے سب گناہ بخش دے، ورنہ یوں تو تیرا کوئی بندہ نہیں جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بھی پاک ہو- پس یہ سب کے سب اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ اللہ کی تعلیم آپ کو شعر گوئی کی نہ تھی- بلکہ رب العالمین نے تو آپؐ کو قرآن عظیم کی تعلیم دی تھی جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا- قرآن حکیم کی یہ پاک نظم شاعری سے منزلوں دور تھی- اسی طرح کہانت سے اور گھڑ لینے سے اور جادو کے کلمات سے جیسے کہ کفار کے مختلف گروہ مختلف بولیاں بولتے تھے، آپؐ کی تو طبیعت ان لسانی صنعتوں سے معصوم تھی- ﷺ- ابوداؤد میں ہے، حضورؐ نے فرمایا، میرے نزدیک یہ تینوں باتیں برابر ہیں، تریاق کا پینا، گنڈے کا لٹکانا اور شعر بنانا- صدیقہؓ فرماتی ہیں، شعر گوئی سے آپؐ کو طبعاً نفرت تھی- دعا میں آپ کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اس کے سوا چھوڑ دیتے تھے (احمد)

ابوداؤد میں ہے، کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس کے لئے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے (ابوداؤد) مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے، جس نے عشاء کی نماز کے بعد کسی شعر کا ایک مصرع بھی باندھا، اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے- یہ یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں، مشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں- حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہؓ نے کفار کی ہجو میں اشعار کہے ہیں- رضی اللہ عنہم اجمعین- بعض اشعار نصیحت، ادب اور حکمتوں کے ہوتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانے کے شعراء کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں- چنانچہ امیہ بن صلت کے اشعار کی بابت فرمان رسولؐ ہے کہ اس کے شعر تو ایمان لا چکے ہیں لیکن اس کا دل کافر ہی رہا- ایک صحابیؓ نے آپ کو امیہ کے ایک سو بیت سنائے- ہر بیت کے بعد آپؐ فرماتے تھے اور کہو- ابوداؤد میں، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بعض بیان مثل جادو کے ہیں اور بعض شعر سراسر حکمت والے ہیں-

پس فرمان ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں سکھایا ہے، وہ سراسر ذکر و نصیحت اور واضح، صاف اور روشن قرآن ہے، جو شخص ذرا سا بھی غور کرے اس پر یہ کھل جاتا ہے- تاکہ روئے زمین پر جتنے لوگ موجود ہیں، یہ ان سب کو آگاہ کر دے اور ڈرا دے جیسے فرمایا لِاُنۡذِرَکُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈرادوں اور جسے بھی یہ پہنچ جائے- اور آیت میں ہے وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِهٖ مِنَا لۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُہٗ یعنی جماعتوں میں سے جو بھی اسے نہ مانے، وہ سزاوار دوزخ ہے- ہاں اس قرآن سے اور نبیؐ کے فرمان سے اثر وہی لیتا ہے جو زندہ دل اور اندرونی نور والا ہو- عقل و بصیرت رکھتا ہو اور عذاب کا قول تو کافروں پر ثابت ہے ہی- پس قرآن مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں پر اتمام حجت ہے-

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا
فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ
وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے جانور بھی پیدا کر دیئے ہیں جن کے یہ مالک ہوگئے ہیں۔ اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنا دیا ہے جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں ○ انہیں ان سے اور بھی بہت سے فوائد ہیں خصوصاً (دودھ کا) پینا' کیا پھر بھی یہ شکر گذاری نہیں کریں گے؟ ○

چوپائیوں کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) اللہ تعالیٰ اپنے انعام واحسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے خود ہی یہ چوپائے پیدا کئے اور انسان کی ملکیت میں دے دیئے' ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی نکیل تھام لے۔ اونٹ جیسا قوی اور بڑا جانور اس کے ساتھ ساتھ ہی سو اونٹوں کی ایک قطار ہو' ایک بچے کے ہانکنے سے سیدھی چلتی رہتی ہے۔

اس ماتحتی کے علاوہ بعض لمبے لمبے مشقت والے سفر باآسانی جلدی جلدی طے ہوتے ہیں۔ خود سوار ہوتے ہیں۔ اسباب لادتے ہیں۔ بوجھ ڈھونے کے کام آتے ہیں اور بعض کے گوشت کھائے جاتے ہیں' پھر صوف اور ان کے بالوں کھالوں وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دودھ پیتے ہیں' بطور علاج پیشاب کام میں آتے ہیں' اور بھی طرح طرح کے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں' کیا پھر ان کو نہ چاہیے کہ ان نعمتوں کے منعم حقیقی' ان احسانوں کے محسن' ان چیزوں کے خالق' ان کے حقیقی مالک کا شکر بجالائیں؟ صرف اسی کی عبادت کریں؟ اس کی توحید کو مانیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ
نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُونَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ
إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۶﴾ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا
خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا
مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ
رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾

اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں اس خیال سے کہ ان کی مدد کی جائے ○ یقیناً ان میں ان کی مدد کی طاقت ہی نہیں لیکن پھر بھی مشرکین ان کے لئے حاضر باش لشکری ہیں ○ پس تجھے ان کی بات غمناک نہ کرے' ہم ان کی پوشیدہ اور اعلانیہ سب باتوں کو بخوبی جانتے ہیں ○ کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر بھی یہ تو صریح جھگڑالو بن بیٹھا اور ہمیں کو باتیں مارنے لگا اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا' ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ ○

نفع ونقصان کا اختیار کس کے پاس ہے؟ ☆☆ (آیت: ۷۴-۷۶) مشرکین کے اس باطل عقیدے کی تردید ہو رہی ہے جو وہ سمجھتے

تھے کہ جن جن کی سوائے اللہ تعالیٰ کے یہ عبادت کرتے ہیں' وہ ان کی امداد و نصرت کریں گے' ان کی روزیوں میں برکت دیں گے اور اللہ سے ملا دیں گے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان کی مدد کرنے سے عاجز ہیں اور ان کی مدد تو کجا' وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے بلکہ یہ بت تو اپنے دشمن کے نقصان سے بھی اپنے تئیں بچا نہیں سکتے -کوئی آئے اور انہیں توڑ مروڑ کر بھی چلا جائے تو یہ اس کا کچھ نہیں کر سکتے بلکہ بول چال پر بھی قادر نہیں' سمجھ بوجھ نہیں- یہ بت قیامت کے دن جمع شدہ حساب کے وقت اپنے عابدوں کے سامنے لاچاری اور بے کسی کے ساتھ موجود ہوں گے تاکہ مشرکین کی پوری ذلت وخواری ہو اور ان پر حجت تمام ہو- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ بت تو ان کی کسی طرح کی امداد نہیں کر سکتے' لیکن پھر بھی یہ بے سمجھ مشرکین ان کے سامنے اس طرح موجود رہتے ہیں جیسے کوئی حاضر باش لشکر ہو' وہ نہ انہیں کوئی نفع پہنچا سکیں نہ کسی نقصان کو دفع کر سکیں لیکن یہ ہیں کہ ان کے نام پر مرے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے خلاف آواز سننا نہیں چاہتے' غصے سے بے قابو ہو جاتے ہیں- اے نبیؐ ان کی کفر کی باتوں سے آپ غمناک نہ ہوں- ہم پر ان کا ظاہر و باطن روشن ہے- وقت آ رہا ہے' گن چن کر ہم انہیں سزائیں دیں گے-

موت کے بعد زندگی: ☆☆ (آیت:۷۷-۷۸) ابی بن خلف ملعون ایک مرتبہ اپنے ہاتھ میں ایک بوسیدہ کھوکھلی سڑی گلی ہڈی لے کر آیا اور اسے اپنی چٹکی میں ملتے ہوئے جبکہ اس کے ریزے ہوا میں اڑ رہے تھے' حضورؐ سے کہنے لگا' آپ کہتے ہیں کہ ان ہڈیوں کو اللہ زندہ کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہاں اللہ تجھے ہلاک کر دے گا' پھر زندہ کر دے گا' پھر تیرا حشر جہنم کی طرف ہوگا- اس پر اس سورت کی یہ آخری آیتیں نازل ہوئیں- اور روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا عاص بن وائل تھا اور اس آیت سے لے کر ختم سورت تک کی آیتیں نازل ہوئیں- اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ عبداللہ بن ابی سے ہوا تھا- لیکن یہ ذرا غور طلب ہے اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ بن ابی تو مدینہ میں تھا- بہرصورت خواہ ابی کے سوال پر یہ آیتیں اتری ہوں یا عاص کے سوال پر' ہیں عام- لفظ انسان پر جو الف لام ہے' وہ جنس کا ہے- جو بھی دوسری زندگی کا منکر ہو' اسے یہی جواب ہے- مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے شروع پیدائش پر غور کریں- جس نے ایک حقیر و ذلیل قطرے سے انسان کو پیدا کر دیا حالانکہ اس سے پہلے وہ کچھ نہ تھا- پھر اس کی قدرت پر حرف رکھنے کے کیا معنی؟ اس مضمون کو بہت سی آیتوں میں بیان فرمایا ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ اور جیسے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ الخ وغیرہ- مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا- پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم' کیا تو مجھے بھی عاجز کر سکتا ہے؟ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا- پھر جب ٹھیک ٹھاک درست اور چست کر دیا اور تو ذرا کس بل والا ہو گیا تو تو نے مال جمع کرنا اور مسکینوں کو دینے سے روکنا شروع کر دیا' ہاں جب دم نرخرے میں اٹکا تو کہنے لگا' اب میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں' بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ الغرض نطفے سے پیدا کیا ہوا انسان حجت بازیاں کرنے لگا اور اپنا دوبارہ جی اٹھنا محال جاننے لگا- اس اللہ کی قدرت سے نظریں ہٹا لیں جس نے آسمان و زمین کو اور تمام مخلوق کو پیدا کر دیا- یہ اگر غور کرتا تو اس عظیم الشان مخلوق کی پیدائش کے علاوہ خود اپنی پیدائش کو بھی دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کا ایک نشان عظیم پاتا- لیکن اس نے تو عقل کی آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی-

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ﴿٧٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿٨٠﴾

تو جواب دے کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے ○ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم آگ سلگاتے ہو ○

(آیت: ۷۹-۸۰) اس کے جواب میں کہہ دو کہ اول مرتبہ ان ہڈیوں کو جواب گلی سڑی ہیں جس نے پیدا کیا ہے وہی دوبارہ انہیں پیدا کرے گا۔ جہاں جہاں بھی یہ ہڈیاں ہوں وہ خوب جانتا ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ سے عقبہ بن عمرو نے کہا آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنایئے تو آپؓ نے فرمایا' حضورؐ نے فرمایا کہ ایک شخص پر جب موت کی حالت طاری ہوئی تو اس نے اپنے وارثوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا کر خاک کر دینا۔ پھر اسے سمندر میں بہا دینا' چنانچہ انہوں نے یہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کو جمع کر کے جب اسے دوبارہ زندہ کیا تو اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے ڈر سے' اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' حضورؐ نے راہ چلتے چلتے یہ حدیث بیان فرمائی جسے میں نے خود آپؐ کی زبان سے اپنے کانوں سے سنی۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی بہت سے الفاظ سے مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا تھا' میری راکھ کو ہوا کے رخ اڑا دینا۔ کچھ تو ہوا میں' کچھ دریا میں بہا دینا۔ سمندر نے بحکم الٰہی جو راکھ اس میں تھی' اسے جمع کر دیا' اسی طرح ہوا نے بھی۔ پھر اللہ کے فرمان سے وہ کھڑا کر دیا گیا۔ پھر اپنی قدرت کے مشاہدے کے لئے اور بات کی دلیل قائم کرنے کے لئے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے' وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے' ہیئت کو وہ منقلب کر سکتا ہے' فرمایا کہ تم غور کرو کہ پانی میں درخت اگائے' سرسبز' شاداب ہرے بھرے پھل والے ہوئے' پھر وہ سوکھ گئے اور ان لکڑیوں سے میں نے آگ نکالی' کہاں وہ تری اور ٹھنڈک' کہاں یہ خشکی اور گرمی؟ پس مجھے کوئی چیز کرنی بھاری نہیں' تر کو خشک کرنا' خشک کو تر کرنا' زندہ کو مردہ کرنا' مردے کو زندگی دینا سب میرے بس کی بات ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو حجاز میں ہوتے ہیں۔ ان کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے چقماق کی طرح آگ نکلتی ہے۔ چنانچہ عرب میں ایک مشہور مثل ہے کہ لِكُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ حکماء کا قول ہے کہ سوائے انگور کے درخت کے ہر درخت میں آگ ہے۔

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۱ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ
شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۸۲ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ
مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۳ ع ۱۶

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا' بینا ہے ○ وہ جب کبھی جس کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے' اسے اتنا فرما دینا کافی ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے ○ پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ ہر چیز پر قادر: ☆☆ (آیت: ۸۱-۸۳) اللہ تعالیٰ اپنی زبردست قدرت بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمانوں کو اور ان کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔ زمین کو اور اس کے اندر کی سب چیزوں کو بھی اسی نے بنایا۔ پھر اتنی بڑی قدرتوں والا انسانوں جیسی چھوٹی مخلوق کو پیدا

کرنے سے عاجز آ جائے' یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے' جیسے فرمایا لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی اور اہم ہے' یہاں بھی فرمایا کہ وہ اللہ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کر دیا' وہ کیا انسانوں جیسی کمزور مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آ جائے گا؟ اور جب وہ قادر ہے تو یقیناً انہیں مار ڈالنے کے بعد پھر وہ انہیں جلا دے گا- جس نے ابتداً پیدا کیا ہے' اس پر اعادہ بہت آسان ہے- جیسے اور آیت میں ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو بنا دیا اور ان کی پیدائش سے عاجز نہ آیا نہ تھکا' کیا وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے بلکہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے- وہی پیدا کرنے والا اور بنانے والا' ایجاد کرنے والا اور خالق ہے- ساتھ ہی دانا' بینا اور رتی رتی سے واقف ہے- وہ تو جو کرنا چاہتا ہے' اس کا صرف حکم دے دینا کافی ہوتا ہے- مسند کی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے' اے میرے بندو' تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں معاف کر دوں گا- تم مجھ سے معافی طلب کرو' میرا وعدہ ہے کہ معاف کر دوں گا- تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کر دوں- میں جواد ہوں' میں ماجد ہوں' میں واجد ہوں- جو چاہتا ہوں' کرتا ہوں- میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام ہے- میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں' کہہ دیتا ہوں کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے- ہر برائی سے اس حی و قیوم اللہ کی ذات پاک ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے' جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں- وہ سب کا خالق ہے' وہی اصلی حاکم ہے' اسی کی طرف قیامت کے دن سب لوٹائے جائیں گے اور وہی عادل و منعم اللہ انہیں سزا جزا دے گا اور جگہ فرمان ہے' پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے- اور آیت میں ہے' کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ اور فرمان ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ پس ملک و ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسے رحمت و رحموت اور رہبت و رہبوت اور جبر و جبروت- بعض نے کہا ہے کہ ملک سے مراد جسموں کا عالم اور ملکوت سے مراد روحوں کا عالم ہے- لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے- حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک رات میں تہجد کی نماز میں اللہ کے رسول ﷺ کی اقتدا میں کھڑا ہو گیا- آپؐ نے سات لمبی سورتیں (یعنی پونے دس پارے) سات رکعت میں پڑھیں سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہہ کر رکوع سے سر اٹھا کر آپؐ یہ پڑھتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِیَآءِ وَالْعَظْمَةِ پھر آپؐ کا رکوع قیام کے مناسب ہی لمبا تھا اور سجدہ بھی مثل رکوع کے تھا- میری تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ ٹانگیں ٹوٹنے لگیں (ابوداؤد وغیرہ) انہی حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو آپ نے رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپؐ نے یہ دعا پڑھ کر پھر قراءت شروع کی اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِیَآءِ وَالْعَظْمَتِه پھر پوری سورۂ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا اور رکوع میں بھی قریب قریب اتنی ہی دیر ٹھہرے رہے اور سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے- پھر اپنا سر رکوع سے اٹھایا اور تقریباً اتنی ہی دیر کھڑے رہے اور لربی الحمد پڑھتے رہے- پھر سجدے میں گئے' وہ بھی تقریباً قیام کے برابر تھا اور سجدے میں حضور ﷺ سبحان ربی الاعلی پڑھتے رہے- پھر سجدے سے سر اٹھایا' آپؐ کی عادت مبارک تھی کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی اتنی دیر بیٹھے رہتے تھے جتنی دیر سجدوں میں لگاتے تھے اور رب اغفرلی رب اغفرلی پڑھتے رہے- چار رکعت آپؐ نے ادا کیں' سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی تلاوت کی-

حضرت شعبہؒ کو شک ہے کہ سورۂ مائدہ کہا یا سورۂ انعام؟ نسائی وغیرہ میں ہے' حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضرتؐ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی- آپؐ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی' ہر اس آیت پر جس میں رحمت کا ذکر ہوتا' آپؐ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے' اور ہر اس آیت پر جس میں عذاب کا ذکر ہوتا' آپؐ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب

کرتے ۔ پھر آپ نے رکوع کیا ۔ وہ بھی قیام سے کچھ کم نہ تھا اور رکوع میں یہ فرماتے تھے سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ پھر آپ نے سجدہ کیا' وہ بھی قیام کے قریب قریب تھا اور سجدے میں بھی یہی پڑھتے رہے ۔ پھر دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی ۔ پھر اسی طرح ایک ایک سورت ایک ایک رکعت میں پڑھتے رہے ۔

الحمدللہ اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور لطف ورحم سے سورۂ یاسین کی تفسیر ختم ہوئی ۔

تفسیر سورة الصٰفّٰت

(تفسیر سورہ صافات) نسائی شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ہلکی نماز پڑھنے کا حکم فرماتے تھے اور آپ ہمیں سورۂ والصافات سے نماز پڑھاتے تھے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵

بخشش اور مہربانیوں والے اللہ کے نام سے شروع

قسم ہے صف باندھنے والے فرشتوں کی ○ پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی ○ پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی ○ یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے ○ آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے ○

فرشتوں کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۱-۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' ان تینوں قسموں سے مراد فرشتے ہیں ۔ اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے ۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' فرشتوں کی صفیں آسمانوں پر ہیں ۔ مسلم میں حضورؐ فرماتے ہیں' ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں ۔ ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے اور پانی کے نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لئے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے ۔ مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے ہم سے فرمایا' تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں ۔ ہم نے کہا وہ کس طرح ؟ آپؐ نے فرمایا' اگلی صفوں کو وہ پورا کرتے جاتے ہیں اور صفیں بالکل ملالیا کرتے ہیں ۔ ڈانٹنے والوں سے مراد سدیؒ وغیرہ کے نزدیک ابر اور بادل کو ڈانٹ کر احکام دے کر ادھر سے ادھر لے جانے والے فرشتے ہیں ۔

ربیع بن انسؒ وغیرہ فرماتے ہیں' قرآن جس چیز سے روکتا ہے' وہ اسی سے بندش کرتے ہیں ۔ ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والے فرشتے وہ ہیں جو اللہ کا پیغام بندوں کے پاس لاتے ہیں جیسے فرمان ہے فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا یعنی وحی اتارنے والے فرشتوں کی قسم جو عذر کو ٹالنے یا آگاہ کرنے کے لئے ہوتی ہے ۔ ان قسموں کے بعد جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی ہیں' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ تم سب کا معبود برحق ایک اللہ تعالٰی ہی ہے ۔ وہی آسمان وزمین کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ومتصرف ہے ۔ اسی نے آسمان میں ستارے اور چاند سورج کو مسخر کر رکھا ہے' جو مشرق سے ظاہر ہوتے ہیں' مغرب میں غروب ہوتے ہیں ۔ مشرقوں کا ذکر کر کے مغربوں کا ذکر اس

کی دلالت موجود ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا- دوسری آیت میں ذکر کر بھی دیا ہے فرمان ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ یعنی جاڑے گرمیوں کی طلوع وغروب کی جگہ کا رب وہی ہے-

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ
كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى
وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ
وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے بارونق بنا دیا ہے ○ اور ہم نے ہی اس کی نگہبانی کی ہے ہر شریر شیطان سے ○ عالم بالا کے فرشتوں کی باتوں کو سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے بلکہ چوطرف سے ان پر شعلہ باری کی جاتی ہے ان کے ہنکانے کے لئے ○ اور ان کے لئے دائمی عذاب ہیں ○ ہاں جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو فوراً ہی اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے ○

شیاطین اور کاہن: ☆☆ (آیت:۶-۱۰) آسمان دنیا کو دیکھنے والے کی نگاہوں میں جو زینت دی گئی ہے' اس کا بیان فرمایا- یہ اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بدلیت کے ساتھ بھی- معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں- اس کے ستاروں کی' اس کے سورج کی روشنی زمین کو جگمگا دیتی ہے' جیسے اور آیت میں ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا الخ ہم نے آسمان دنیا کو زینت دی ستاروں کے ساتھ- اور انہیں شیطانوں کے لئے شیطانوں کے رجم کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے آگ سے جلا دینے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں-

اور آیت میں ہے' ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کی آنکھوں میں کھب جانے والی چیز بنائی- اور ہر شیطان رجیم سے اسے محفوظ رکھا- جو کوئی کسی بات کو لے اڑنا چاہتا ہے' وہیں ایک تیز شعلہ اس کی طرف اترتا ہے- اور ہم نے آسمانوں کی حفاظت کی ہر سرکش شریر شیطان سے' اس کا بس نہیں کہ فرشتوں کی باتیں سنے' وہ جب یہ کرتا ہے تو ایک شعلہ لپکتا ہے اور اسے جلا جاتا ہے- یہ آسمانوں تک پہنچ ہی نہیں سکتے - اللہ کی شریعت تقدیر کے امور کی کسی گفتگو کو وہ سن ہی نہیں سکتے - اس بارے کی حدیثیں ہم نے آیت حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ الخ کی تفسیر میں بیان کر دی ہیں' جدھر سے بھی یہ آسمان پر چڑھنا چاہتے ہیں' وہیں سے ان پر آتش باری کی جاتی ہے- انہیں ہنکانے' پست و ذلیل کرنے' روکنے اور نہ آنے دینے کے لئے یہ سزا بیان کی ہے اور آخرت کے دائمی عذاب ابھی باقی ہیں جو بڑے المناک' دردناک اور ہیشگی والے ہوں گے- ہاں کبھی کسی جن نے کوئی کلمہ کسی فرشتے کی زبان سے سن لیا اور اسے اس نے اپنے نیچے والے سے کہہ دیا اور اس نے اپنے نیچے والے سے' وہیں اس کے پیچھے ایک شعلہ لپکتا ہے' کبھی تو وہ دوسرے کو پہنچائے' اس سے پہلے ہی شعلہ اسے جلا ڈالتا ہے' کبھی وہ دوسرے کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے- یہی وہ باتیں ہیں جو کاہنوں کے کانوں تک شیاطین کے ذریعہ پہنچ جاتی ہیں-

ثاقب سے مراد سخت' تیز' بہت زیادہ روشنی والا ہے- حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شیاطین پہلے جا کر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے- اس وقت ان پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے- یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آ کر ایک ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے' جب حضورؐ کو نبوت ملی' پھر شیطانوں کا آسمان پر جانا موقوف ہوا' اب یہ جاتے ہیں تو ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں اور انہیں جلا دیا جاتا ہے' انہوں نے اس نو پیدا امر کی خبر جب ابلیس ملعون کو دی تو اس نے کہا کہ کسی اہم نئے کام کی وجہ

سے اس قدر احتیاط و حفاظت کی گئی ہے چنانچہ خبر رسانوں کی جماعتیں اس نے روئے زمین پھیلا دیں، جو جماعت حجاز کی طرف گئی تھی، اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز ادا کر رہے ہیں۔ اس نے جا کر ابلیس کو یہ خبر دی۔ اس نے کہا، بس یہی وجہ ہے تمہارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا۔ اس کی پوری تحقیق اللہ نے چاہا تو آیت وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ الخ کی تفسیر میں آئے گی۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ
طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝۱۱ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا
يَذْكُرُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝۱۴ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۱۶ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝۱۷ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ
دَاخِرُوْنَ ۝۱۸ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۱۹

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے انسانوں کو تو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے ○ بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخرا پن کر رہے ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے، یہ نہیں مانتے ○ اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں ○ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلا جادو ہی ہے ○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے، پھر کیا سچ مچ ہم زندہ کئے جائیں گے؟ ○ یا ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی؟ ○ تو جواب دے کہ ہاں ہاں اور تم ذلیل ہوؤ گے ○ وہ تو صرف ایک زور کا نعرہ ہے کہ یکا یک یہ دیکھنے لگیں گے ○

اللہ کے لئے دوبارہ پیدا کرنا دشوار نہیں: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ ان منکرین قیامت سے پوچھو کہ تمہارا پیدا کرنا ہم پر مشکل ہے یا آسمان و زمین، فرشتے جن وغیرہ کا۔ ابن مسعودؓ کی قراءت اَمْ مَّنْ عَدَدْنَا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا اقرار تو انہیں بھی ہے۔ پھر مر کر جینے کا انکار کیوں کر رہے ہیں؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بڑی اور بہت بھاری پیدائش آسمان و زمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے علمی برتتے ہیں۔ پھر انسان کی پیدائشی کمزوری بیان فرماتا ہے کہ یہ چکنی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے جس میں لیس تھا جو ہاتھوں کو چپکتی تھی۔ تو چونکہ حقیقت کو پہنچ گیا ہے، ان کے انکار پر تعجب کر رہا ہے کیونکہ اللہ کی قدرتیں تیرے سامنے ہیں اور اس کے فرمان بھی۔ لیکن یہ تو اسے سن کر ہنسی اڑاتے ہیں اور جب کبھی کوئی واضح دلیل سامنے آ جاتی ہے تو مسخرا پن کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے۔ ہم کسی طرح اسے نہیں مانتے کہ مر کر مٹی ہو کر پھر جی اٹھیں بلکہ ہمارے باپ دادا بھی دوسری زندگی میں آ جائیں، ہم تو اس کے قائل نہیں۔ اے نبیؐ تم ان سے کہہ دو کہ ہاں تم یقیناً دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے۔ تم ہو کیا چیز، اللہ کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہو، اس کی وہ ذات ہے کہ کسی کی اس کے سامنے کوئی ہستی نہیں۔ فرماتا ہے کُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ہر شخص اس کے سامنے عاجزی اور لاچاری سے حاضر ہونے والا ہے۔ ایک آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ میری عبادت سے سرکشی کرنے والے ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جسے تم مشکل سمجھتے ہو، وہ مجھ پر تو بالکل ہی آسان ہے۔ صرف ایک آواز لگتے ہی ہر ایک زمین سے نکل کر دہشت ناکی کے ساتھ اہوال و احوال قیامت کو دیکھنے لگے گا۔ واللہ اعلم۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِىْ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا ع ٢١ ٥
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا
تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾

اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزا سزا کا دن ہے ○ یہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے ○ ظالموں کو اور ان کے ہمراہیوں کو اور جن جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ○ ان سب کو جمع کر کے انہیں دوزخ کی راہ دکھا دو ○ اور انہیں ٹھہرا لو اس لئے کہ ان سے ضروری سوال کئے جانے والے ہیں ○ کیا وجہ ہے کہ اس وقت ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ○ بلکہ وہ سب کے سب آج فرمانبردار بن گئے ○

قیامت کے دن کفار کا پچھتانا: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۶) قیامت والے دن کفار کا اپنے تئیں ملامت کرنا اور پچھتانا اور افسوس و حسرت کرنا بیان ہو رہا ہے کہ وہ نادم ہو کر قیامت کے دہشت خیز اور وحشت انگیز امور کو دیکھ کر کہیں گے ہائے ہائے! یہی تو روز جزا ہے۔ تو مومن اور فرشتے بطور ڈانٹ ڈپٹ اور ندامت بڑھانے کے ان سے کہیں گے' ہاں یہی تو وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم سچا نہیں مانتے تھے۔ اس دن اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ظالموں کو' ان کے جوڑوں کو' ان کے بھائی بندوں کو اور ان جیسوں کو ایک جگہ جمع کرو۔ مثلاً زانی زانیوں کے ساتھ' سود خوار سود خواروں کے ساتھ' شرابی شرابیوں کے ساتھ وغیرہ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ظالموں کو اور ان کی عورتوں کو' لیکن یہ غریب ہے۔ ٹھیک مطلب یہی ہے کہ انہی جیسوں کو' اور ان کے ساتھ ہی جن بتوں کو اور جن جن کو شریک الٰہی مقرر کئے ہوئے تھے' سب کو جمع کرو۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جیسے فرمان ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ الخ یعنی انہیں ان کے منہ کے بل اندھے بہرے گونگے کر کے ہم جمع کریں گے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جس کی آگ جب کبھی ہلکی ہو جائے' ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔ انہیں جہنم کے پاس کچھ دیر ٹھہرا دو تا کہ ہم ان سے پوچھ گچھ کر لیں۔

ان سے حساب لے لیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' جو شخص کسی کو کسی چیز کی طرف بلائے' وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ نہ بیوفائی ہوگی نہ جدائی ہوگی گو ایک کو ہی بلایا ہو' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت عثمان بن زائدہؒ فرماتے ہیں' سب سے پہلے انسان سے اس کے ساتھیوں کی بابت سوال کیا جائے گا۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ آج ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ تم تو دنیا میں کہتے پھرتے تھے کہ ہم سب ایک ساتھ ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ تو کہاں؟ بلکہ آج تو یہ ہتھیار ڈال چکے' اللہ کے فرمانبردار بن گئے۔ نہ اللہ کے کسی فرمان کا خلاف کریں نہ کر سکیں' نہ اس سے بچ سکیں نہ وہاں سے بھاگ سکیں۔ واللہ اعلم۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ
لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ

عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ إِنَّا لَذَآئِقُونَ ﴿۳۱﴾ فَأَغْوَيْنَٰكُمْ إِنَّا كُنَّا غَٰوِينَ ﴿۳۲﴾
فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى ٱلْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۳﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ
بِٱلْمُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهُمْ كَانُوٓا۟ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ
يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا۟ ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍۭ ﴿۳۶﴾ بَلْ
جَآءَ بِٱلْحَقِّ وَصَدَّقَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿۳۷﴾

وہ ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے ○ کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے ○ وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے ○ کچھ ہماری زور زوری تو تم پر تھی ہی نہیں، بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے ○ اب تو ہم سب پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم عذاب چکھنے والے ہیں ○ ہم نے تمہیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے ○ اب آج کے دن تو یہ سب کے سب عذاب میں شریک ہیں۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے ○ اور کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دینے والے ہیں؟ ○ نہیں نہیں بلکہ نبیؐ تو برحق سچا دین لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں ○

دوزخیوں کا اپنے بزرگوں سے شکوہ : ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۷) کافر لوگ جس طرح جہنم کے طبقوں میں جلتے ہوئے آپس میں جھگڑے کریں گے اسی طرح قیامت کے میدان میں وہ ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے۔ کمزور لوگ زور آوروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع فرمان تھے۔ کیا آج ہمیں تم تھوڑے بہت عذابوں سے بچا لو گے؟ وہ کہیں گے کہ ہم تو خود تمہارے ساتھ ہی اسی جہنم میں جل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے فرما چکا۔ جیسے اور جگہ ان کی یہ بات چیت اس طرح منقول ہے کہ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار بن جاتے۔ وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا؟ نہیں بلکہ تم تو خود ہی بدکار تھے۔ یہ کہیں گے بلکہ دن رات کا مکر جبکہ تم ہمیں حکم کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک مقرر کریں۔ عذاب کو دیکھتے ہی یہ سب کے سب بے طرح نادم و پشیمان ہوں گے لیکن اپنی ندامت کو چھپائیں گے۔ ان تمام کفار کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے۔ ہاں یہ یقینی بات ہے کہ ہر ایک کو صرف اس کی کرنی بھرنی پڑے گی۔ پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہماری دائیں جانب سے آتے تھے یعنی چونکہ ہم کمزور کم حیثیت تھے اور تمہیں ہم پر ترجیح تھی اس لئے تم ہمیں دبا دبو کر حق سے ناحق کی طرف پھیر دیتے تھے یہ کافروں کا مقولہ ہوگا جو وہ شیطانوں سے کہیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان یہ بات جنات سے کہیں گے کہ تم ہمیں بھلائی سے روک کر برائی پر آمادہ کرتے تھے گناہ کو مزین اور شیریں دکھاتے تھے اور نیکی کو بری اور مشکل جتاتے تھے حق سے روکتے تھے۔ باطل پر جما دیتے تھے۔ جب بھی نیکی کا خیال ہمارے دل میں آتا تھا تم کسی نہ کسی فریب سے اس سے روک دیتے تھے۔ اسلام ایمان خیر و خوبی نیکی اور سعادت مندی سے تم نے ہمیں محروم کر دیا۔ توحید سے دور ڈال دیا۔ ہم تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھتے رہے راز دار بنائے رہے تمہاری باتیں مانتے رہے تمہیں بھلا آدمی سمجھتے رہے۔ اس کے جواب میں جنات اور انسان جتنے بھی سردار ذی عزت اور بڑے لوگ تھے ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔ تم تو خود ہی ایسے ہی تھے۔ تمہارے دل ایمان سے بھاگتے تھے اور کفر کی طرف دوڑ کر جاتے تھے۔ ہم نے تمہیں جس چیز کی طرف بلایا وہ کوئی حق بات نہ تھی نہ اس کی بھلائی پر کوئی دلیل تھی لیکن چونکہ تم طبعاً برائی کی طرف مائل تھے خود تمہارے دلوں میں سرکشی اور برائی تھی اس لئے تم نے ہمارا کہا مان لیا۔ اب تو ہم سب پر اللہ کا

قول ثابت ہو گیا کہ ہم یقیناً عذابوں کا مزہ چکھنے والے ہیں۔ یہ بڑے لوگ چھوٹوں سے، یہ متبوع لوگ اپنے تابعداروں سے کہیں گے کہ ہم تو خود ہی بہکے ہوتے تھے۔ ہم نے تمہیں بھی اپنی ضلالت کی طرف بلایا۔ تم دوڑے ہوئے آ گئے۔ بتاؤ تم نے ہماری بات مان لی؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، پس آج کے دن سب لوگ جہنم کے عذابوں میں شریک ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔ مجرموں کے ساتھ ہم اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ یہ مومنوں کی طرح اللہ کی توحید کے قائل نہ تھے بلکہ توحید کی آواز سے تکبر و نفرت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ لیں۔ جو اسے کہہ لے، اس نے اپنا مال اور اپنی جان بچا لی مگر اسلامی فرمان سے۔ اور اس کا باطنی حساب اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ کی کتاب میں بھی یہی مضمون ہے۔ اور ایک متکبر قوم کا ذکر ہے کہ وہ اس کلمہ سے روگردانی کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ابو العلاءؒ سے مروی ہے کہ یہودیوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے سوال ہو گا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اللہ کی اور عزیر کی۔ ان سے کہا جائے گا، اچھا بائیں طرف آؤ۔ پھر نصرانیوں سے یہی سوال ہو گا۔ وہ کہیں گے اللہ کی اور مسیح کی۔ تو ان سے بھی یہی کہا جائے گا۔ پھر مشرکین کو لایا جائے گا اور ان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جائے گا تو وہ تکبر کریں گے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہو گا۔ پھر حکم ہو گا، انہیں بھی بائیں طرف لے چلو۔ فرشتے انہیں پرندوں سے بھی جلدی پہنچا دیں گے۔ پھر مسلمانوں کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے؟ یہ کہیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی۔ تو ان سے کہا جائے گا، کیا تم اسے دیکھ کر پہچان سکتے ہو؟ یہ کہیں گے ہاں۔ پوچھا جائے گا تم کیسے پہچان لو گے؟ حالانکہ تم نے کبھی اسے دیکھا نہیں۔ یہ جواب دیں گے ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کے برابر کا کوئی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے تئیں انہیں پہنچوائے گا اور ان کو نجات دے گا۔ یہ کلمہ توحید اور رد شرک سن کر جواب دیتے تھے کہ کیا اس شاعر و مجنون کے کہنے سے ہم اپنے معبودوں سے دست بردار ہو جائیں گے؟ ماننا تو ایک طرف الٹے رسول اللہ کو شاعر اور دیوانہ بتاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب کرتا ہے اور ان کے رد میں فرماتا ہے کہ یہ تو بالکل سچے ہیں، سچ لے کر آئے ہیں، ساری شریعت سراسر حق ہے۔ خبریں ہوں، تو اور حکم ہوں تو۔ یہ رسولوں کو بھی سچا جانتا ہے۔ ان رسولوں نے جو صفتیں اور پاکیزگیاں آپ کی بیان کی تھیں، ان کے صحیح مصدق آپ ہی ہیں۔ یہ بھی وہی احکام بیان کرتے ہیں جو اگلے انبیاءؑ نے کئے۔ جیسے اور آیت میں ہے مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ الخ یعنی تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں سے کہا جاتا رہا۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ
مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ
عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ
بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

یقیناً تم دردناک عذابوں کے مزے چکھنے والے ہو ○ تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ مگر اللہ کے خالص برگزیدہ بندے ○ انہی کے لیے مقررہ روزی ہے - میوے ہر طرح کے اور وہ ذی عزت و اکرام ہیں ○ نعمتوں والی جنتوں میں ○ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے ○ جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہوگا ○ جو سفید اور پینے میں لذیذ ہوگی ○ نہ اس سے درد سر ہو اور نہ اس کے پینے سے بہکنے لگیں ○ اور ان کے پاس نیچی نظروں والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی ○ ایسی جیسے چھپائے ہوئے موتی ○

متقیوں کے لئے نجات اور انعامات: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۹) اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تم المناک عذاب چکھنے والے ہو - اور صرف اسی کا بدلہ دیئے جانے والے ہو جسے تم نے کیا دھرا ہے - پھر اپنے مخلص بندوں کو اس سے الگ کر لیتا ہے جیسے وَالْعَصْرِ میں فرمایا کہ تمام انسان گھاٹے میں ہیں مگر ایماندار نیک اعمال - اور سورۂ وَالتِّیْنِ میں فرمایا، ہم نے انسان کو بہت اچھی پیدائش میں پیدا کیا، پھر اسے نیچوں کا نیچ کر دیا مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور سورۂ مریم میں فرمایا وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا الخ تم میں سے ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے - یہ تو تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے اور یہ ضروری چیز ہے لیکن پھر ہم متقیوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گرے پڑے چھوڑ دیں گے - سورۂ مدثر میں ارشاد ہوا ہے کُلُّ نَفْسٍ الخ ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں مشغول ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آ چکا ہے - اسی طرح یہاں پر بھی اپنے خاص بندوں کا استثنا کر لیا کہ وہ المناک عذابوں سے حساب کے پھنساؤڑے سے الگ ہیں بلکہ ان کی برائیوں سے درگزر فرما لیا گیا ہے اور ان کی نیکیاں بڑھا چڑھا کر ایک کی دس دس گنی بلکہ سات سات سو گنی کر کے بلکہ اس سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر انہیں دی گئی ہیں - ان کے لئے مقررہ روزی ہے اور وہ قسم قسم کے میوہ جات ہیں - وہ مخدوم ہیں، ذی عزت ہیں، ذی اکرام ہیں، ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں، بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے، بڑا ادب لحاظ رکھا جاتا ہے - یہ نعمتوں سے پر جنتوں میں ہیں - وہاں کے تختوں پر اس طرح بیٹھے ہیں کہ کسی کی پیٹھ کسی کی طرف نہیں -

ایک مرفوع غریب حدیث میں بھی ہے کہ اس آیت کی تلاوت کر کے آپ نے فرمایا، ہر ایک کی نگاہیں دوسرے کے چہرے پر پڑیں گی، آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے - اس شراب کے دوران میں چل رہے ہوں گے جو جاری ہے - جس کے ختم ہو جانے، کم ہو جانے کا مطلق اندیشہ نہیں - جو ظاہر و باطن میں آراستہ ہے - خوبیاں ہیں، برائیاں نہیں - رنگ کی سفید، مزے کی بہت اچھی لذیذ - نہ اس کے پینے سے سر درد ہو نہ بک جھک لگے، دنیا کی شراب میں یہ آفتیں تھیں پیٹ کا درد، سر کا درد، بیہوشی بدحواسی وغیرہ لیکن جنت کی شراب میں ان میں سے ایک برائی بھی موجود نہیں رہی - دیکھنے میں خوش رنگ، پینے میں لذیذ، فوائد میں اعلیٰ، سرور و کیف میں عمدہ لیکن سدھ بدھ دور کر دینے والی، بدمست بنا دینے والی نہیں، نہ بدبودار نہ بدنظر نہ قابل نفرت - بلکہ خوشبودار، خوش رنگ، خوش ذائقہ، خوش فائدہ، اس کے پینے سے پیٹ میں درد نہیں ہوتا اور اس کی کثرت ضرر رساں نہیں، خلاف طبع نہیں - سر بھاری نہیں ہو جاتا، چکر نہیں آتے، گرانی محسوس نہیں ہوتی - ہوش و حواس جاتے نہیں رہتے - کوئی ایذا، تکلیف، قے، متلی نہیں ہوتی -

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، شراب میں چار برائیاں ہیں - نشہ، سر درد، قے اور پیشاب - جنت کی شراب ان تمام برائیوں سے پاک ہے - دیکھ لو سورۂ الصافات - ان کے پاس نیچی نگاہوں والی، شرمیلی نظروں والی، پاک دامن عفیفہ حوریں ہیں جن کی نگاہ اپنے خاوندوں کے چہرے کے سوا کبھی کسی کے چہرے پر نہیں پڑتی اور نہ پڑے گی - بڑی بڑی موٹی موٹی رسیلی آنکھیں ہیں - حسن صورت، حسن سیرت دونوں چیزیں ان میں موجود ہیں - جس طرح حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام میں یہ دونوں خوبیاں دیکھیں - عورتوں نے جب انہیں طعنے دینے شروع کئے تو ایک دن سب کو بلا کر بٹھا لیا اور حضرت یوسفؑ کا پورا بناؤ سنگھار کرا کر بلایا - عورتوں کی نگاہیں ان کے جمال کو

دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو فرشتہ ہیں۔ اسی وقت کہا' یہی تو ہیں جن کے بارے میں تم سب مجھے ملامت کر رہی تھیں۔ واللہ میں نے ان کو ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ پاک دامن ہی رہا۔ یہ باوجود جمال ظاہری کے حسن باطنی بھی رکھتا ہے۔ بڑا پاکباز' امین' پارسا' متقی' پرہیزگار ہے۔ اسی طرح حوریں ہیں کہ جمال ظاہری کے ساتھ ہی باطنی خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔

پھر ان کا مزید حسن بیان ہو رہا ہے کہ ان کا گورا گورا پنڈا اور بھبو کا سا رنگ ایسا چمکیلا دلکش اور جاذب نظر ہے کہ گویا محفوظ موتی۔ جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو' جو سیپ سے نہ نکلا ہو' جسے زمانے کی ہوا نہ لگی ہو' جو اپنی آبداری میں بے مثل ہو۔ ایسے ہی ان کے اچھوتے جسم ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گویا وہ انڈے کی طرح ہیں۔ انڈے کے اوپر کے چھلکے کے نیچے چھوٹے چھلکے جیسے ان کے بدن ہیں۔ ایک حدیث میں ام سلمہؓ کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا' حور عین سے مراد بہت بڑی آنکھوں والی سیاہ پلکوں والی حوریں ہیں۔ پھر پوچھا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا' انڈے کے اندر کی سفید جھلی۔ ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا کیا جاؤں گا اور جبکہ وہ جناب باری میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب بنوں گا اور جب وہ غمگین ہو رہے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا ہوں گا اور ان کا سفارشی بنوں گا جب کہ یہ روکے ہوئے ہوں گے۔ حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں اکرام و عزت والا میں ہوں۔ یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا۔ میرے آگے پیچھے قیامت کے دن ایک ہزار خادم گھوم رہے ہوں گے جو مثل چھپے ہوئے انڈوں یا اچھوت موتیوں کے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٥٠ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ
كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ۝٥١ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝٥٢ ءَاِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝٥٣ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝٥٤
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝٥٥ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝٥٦
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝٥٧ اَفَمَا
نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝٥٨ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝٥٩ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٦٠ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝٦١

ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے ○ ان میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ہم نشین تھا ○ جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت کے آنے کا یقین کرنے والوں میں سے ہے؟ ○ کیا جبکہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے؟ کیا اس وقت ہم جلا دیئے جانے والے ہیں ○ کہے گا' تم چاہتے ہو تو جھانک کر دیکھ لو؟ ○ جھانکتے ہی اسے تو بیچوں بیچ جہنم میں جلتا ہوا دیکھے گا ○ کہے گا' واللہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی برباد کر دے ○ اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کیا گیا ہوتا ○ کیا یہ صحیح ہے کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟ ○ بجز پہلی ایک موت کے اور نہ ہم عذاب کئے جانے والے ہیں؟ ○ پھر تو ظاہر بات ہے کہ بڑی کامیابی ہے ○ ایسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے ○

محسن مقروض: ☆☆ (آیت: ۵۰-۶۱) جب جنتی موج مزے اڑاتے ہوئے' بےفکری اور فارغ البالی کے ساتھ جنت کے بلند و بالا خانوں میں عیش و عشرت کے ساتھ آپس میں مل جل کر تختوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے' ہزار ہا پری جمال خدام سلیقہ شعاری سے کمربستہ

خدمت پر مامور ہوں گے‘ حکم احکام دے رہے ہوں گے‘ قسم قسم کے کھانے پینے‘ پہننے اوڑھنے اور طرح طرح کی لذتوں سے فائدہ مندی حاصل کرنے میں مصروف ہوں گے- دور شراب طہور چل رہا ہو گا‘ وہاں باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر نکل آئے گا کہ دنیا میں کیا کیا حال گزرے- کیسے کیسے دن کٹے- اس پر ایک شخص کہے گا‘ میری سنو‘ میرا اشیطان میرا ایک مشرک ساتھی تھا جو مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ تعجب سا تعجب ہے کہ تو اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے‘ ہم کھوکھلی بوسیدہ سڑی گلی ہڈی بن جائیں گے‘ اس کے بعد بھی ہم حساب کتاب‘ جزا سزا کے لئے اٹھائے جائیں گے‘ مجھے وہ شخص جنت میں تو نظر پڑتا نہیں کیا عجب کہ وہ جہنم میں گیا ہو تو اگر چاہو تو میرے ساتھ چل کر جھانک کر دیکھ لو- جہنم میں اس کی کیا درگت ہو رہی ہے- اب جو جھانکتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ شخص سرتاپا جل رہا ہے‘ خود وہ آگ بن رہا ہے‘ جہنم کے درمیان میں کھڑا ہے اور بے بسی کے ساتھ جل بھن رہا ہے اور ایک اسے ہی کیا دیکھے گا کہ تمام بڑے بڑے لوگوں سے جہنم بھرا ہے- کعب احبارؒ فرماتے ہیں‘ جنت میں جنتی جب بھی کسی جہنمی کو دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں- وہ اپنے دشمنوں کو جلتے جھلستے دیکھ کر خوش ہو کر شکر الٰہی کرتے ہیں- جنتی اسے دیکھتے ہی کہے گا کہ حضرت آپ نے تو وہ پھندا ڈالا تھا کہ مجھے تباہ ہی کر ڈالتے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے پنجے سے چھڑا دیا- اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم میرے شامل حال نہ ہوتا تو بڑی بری گت ہوتی اور میں بھی تیرے ساتھ کھنچا کھنچا یہیں جہنم میں آ جاتا اور جلتا رہتا- اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تیز کلامی‘ چرب زبانی سے مجھے عافیت میں رکھا اور تیرے اثر سے مجھے محفوظ رکھا- تو نے تو فتنے بپا کرنے میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی تھی-

اب مومن اور ایک بات کہتا ہے جس میں اس کی اپنی تسکین اور کامیابی کی خبر ہے کہ وہ پہلی موت تو مر چکا ہے- اب ہمیشہ کے گھر میں ہے- نہ یہاں اس پر موت ہے نہ خوف ہے نہ عذاب ہے نہ وبال ہے اور یہی بہترین کامیابی اور فلاح ابدی ہے- حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے سے اپنی پسند کا جتنا چاہو کھاؤ پیو- اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جنتی جنت میں مریں گے نہیں تو وہ یہ سن کر سوال کریں گے کہ کیا اب ہمیں موت تو نہیں آنے کی- کسی وقت عذاب تو نہیں ہو گا؟ تو جواب ملے گا‘ نہیں ہرگز نہیں- چونکہ انہیں کھٹکا تھا کہ موت آ کر یہ لذتیں فوت نہ کر دے‘ جب یہ دھڑکا ہی جاتا رہا تو وہ سکون کا سانس لے کر کہیں گے شکر ہے‘ یہ تو کھلی کامیابی ہے اور بڑی ہی مقصد یاوری ہے-

اس کے بعد فرمایا ایسے ہی بدلے کے لئے عاملوں کو عمل کرنا چاہیے‘ قتادہؒ تو فرماتے ہیں‘ یہ اہل بت کا مقولہ ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اللہ کا فرمان ہے مطلب یہ ہے کہ ان جیسی نعمتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو دنیا میں بھرپور رغبت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے تاکہ انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کر سکیں- اسی آیت کے مضمون سے ملتا جلتا ایک قصہ ہے- اسے بھی سن لیجئے- دو شخص آپس میں شریک تھے- ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں- ایک چونکہ پیشے حرفے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا‘ اس لئے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے- آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جایئے- آپ کام کاج سے ناواقف ہیں- چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لئے اور جدا جدا ہو گئے- پھر اس حرفے والے نے بادشاہ کے مر جانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار دینار میں خریدا اور اپنے اس ساتھی کو بلا کر اسے دکھایا اور کہا بتاؤ میں نے کیسی چیز لی؟ اس نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا- اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا‘ اللہ اس میرے ساتھی نے تو ایک ہزار دینار کا قصر دنیوی خرید کیا ہے الٰہ میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں- میں تیرے نام پر تیرے مسکین بندوں پر ایک ہزار اشرفی خرچ کرتا ہوں چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار اللہ کی راہ خرچ کر دیئے- پھر اس دنیادار شخص نے ایک زمانہ کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا- دعوت میں اپنے اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار

دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے- اس نے اس کی بھی تعریف کی- باہر آ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار دینار دیئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بارالہا، میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں کی ایک عورت حاصل کی ہے اور میں اس رقم سے تجھ سے حورعین کا طالب ہوں اور وہ رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی- پھر کچھ مدت کے بعد اس نے اسے بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ میں نے خرید کئے ہیں- دیکھ لو کیسے ہیں؟ اس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آ کر اپنی عادت کے مطابق جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ اللہ میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خریدے ہیں- میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں چنانچہ اس رقم کو مستحقین میں تقسیم کر دیا- پھر فرشتہ ان دونوں کو فوت کر کے لے گیا- اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے ایک محل میں پہنچایا گیا جہاں پر ایک بہترین حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ وہ نعمتیں ملیں جنہیں بجز اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا تو اسے اس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آ گیا- فرشتے نے بتایا کہ وہ تو جہنم میں ہے- تم اگر چاہو تو جھانک کر اسے دیکھ سکتے ہو- اس نے جب اسے بیچ جہنم میں جلتا دیکھا تو اس سے کہا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب کی مہربانی ہوئی کہ میں بچ گیا- ابن جریرؒ فرماتے ہیں، یہ تشدید والی قراءت کی مزید تائید کرتی ہے-

اور روایت میں ہے کہ تین تین ہزار دینار تھے- ایک کافر تھا- ایک مومن تھا- جب یہ مومن اپنی کل رقم راہ الٰہی میں خرچ کر چکا تو ٹوکری سر پر رکھ کر کدال پھاوڑا لے کر مزدوری کے لئے چلا- اسے ایک شخص ملا اور کہا اگر تو میرے جانوروں کی سائیسی کرے اور گوبر اٹھائے تو میں تجھے کھانے پینے کو دے دوں گا- اس نے منظور کر لیا اور کام شروع کر دیا لیکن یہ شخص بڑا بے رحم بدگمان تھا- جہاں اس نے کسی جانور کو بیمار یا دبلا پتلا دیکھا کہ اس مسکین کی گردن توڑتا- خوب مارتا پیٹتا اور کہتا کہ اس کا دانہ تو چرا لیتا ہوگا- اس مسلمان سے یہ سختی برداشت نہ کی گئی تو ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اپنے کافر شریک کے ہاں چلا جاؤں- اس کی کھیتی ہے- باغات ہیں- وہاں کام کاج کر دوں گا اور وہ مجھے روٹی ٹکڑا دے دیا کرے گا اور مجھے کیا لینا دینا ہے؟ وہاں جو پہنچا تو شاہی ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا، ایک بلند و بالا محل ہے- دربان، ڈیوڑھی اور پہرے دار کی چوکی دار غلام لونڈیاں سب موجود ہیں- یہ ٹھٹھکا اور دربانوں نے اسے روکا- اس نے ہر چند کہا کہ تم اپنے مالک سے میرا ذکر تو کرو-

انہوں نے کہا، اب وقت نہیں- تم ایک کونے میں پڑے رہو- صبح جب وہ نکلیں تو خود سلام کر لینا- اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں پہچان ہی لیں گے ورنہ پھر ہمارے ہاتھوں تمہاری پوری مرمت ہو جائے گی- اس مسکین کو یہی کرنا پڑا جو کمبل کا ٹکڑا یہ جسم سے لپیٹے ہوئے تھا، اسی کو اس نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایک کونے میں دبک کر پڑ گیا- صبح کے وقت اس کے راستے پر جا کھڑا ہوا- جب وہ نکلا اور اس پر نگاہ پڑی تو تعجب ہو کر پوچھا کہ ہیں؟ یہ کیا حالت ہے، مال کیا ہوا؟ اس نے کہا، وہ کچھ نہ پوچھو- اس وقت تو میرا کام جو ہے، اسے پورا کر دو یعنی مجھے اجازت دو کہ میں تمہاری کھیتی باڑی کا کام مثل اور نوکروں کے کروں اور آپ مجھے صرف کھانا دے دیا کیجئے اور جب یہ کمبل پھٹ ٹوٹ جائے تو ایک کمبل اور خرید دینا- اس نے کہا، نہیں نہیں- میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس رقم کو تم نے کیا کیا؟ کہا، میں نے اسے ایک شخص کو قرض دی ہے- کہا کسے؟ کہا ایسے کو جو نہ لے کر مکرے نہ دینے سے انکار کرے، کہا وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا، وہ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا اور تیرا رب ہے- یہ سنتے ہی اس کافر نے اس مسلمان کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا لیا اور اس سے کہا، احمق ہوا ہے- یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم مر کر مٹی ہو کر پھر جئیں اور اللہ ہمیں بدلے دے؟ جا جب تو ایسا ہی بودا اور ایسے عقیدوں والا ہے تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں-

پس وہ کافر تو مزے اڑاتا رہا اور یہ مومن سختی سے دن گزارتا رہا یہاں تک کہ دونوں کو موت آ گئی۔ مسلمان کو جنت میں جو جو نعمتیں اور رحمتیں ملیں' وہ انداز و شمار سے زیادہ تھیں۔ اس نے جو دیکھا کہ حد نظر سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ تو زمین ہے اور بے شمار درخت اور باغات ہیں اور جا بجا نہریں اور چشمے ہیں تو پوچھا یہ سب کس کا ہے؟ جواب ملا' یہ سب آپ کا ہے۔ کہا سبحان اللہ! اللہ کی یہ تو بڑی ہی مہربانی ہے۔ اب جو آگے بڑھا تو اس قدر لونڈی غلام دیکھے کہ گنتی نہیں ہو سکتی' پوچھا یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا سب آپ کے۔ اسے اور تعجب اور خوشی ہوئی۔ پھر جو آگے بڑھا تو سرخ یاقوت کے محل نظر آئے۔ ایک موتی کا محل' ہر ہر محل میں کئی کئی حور عین' ساتھ ہی اطلاع ہوئی کہ یہ سب بھی آپ کا ہے۔ پھر تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگا' اللہ جانے میرا وہ کافر ساتھی کہاں ہوگا؟ اللہ اسے دکھائے گا کہ وہ بیچ جہنم میں جل رہا ہے۔ اب ان میں وہ باتیں ہوں گی جن کا ذکر یہاں ہوا ہے۔ پس مومن پر دنیا میں جو بلائیں آئی تھیں' انہیں وہ یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اسے کوئی نظر نہ آئے گی۔

أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۝۶۲ إِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً
لِّلظّٰلِمِينَ ۝۶۳ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيٓ أَصْلِ الْجَحِيمِ ۝۶۴
طَلْعُهَا كَأَنَّهُۥ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ ۝۶۵ فَإِنَّهُمْ لَاٰكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِـُٔونَ
مِنْهَا الْبُطُونَ ۝۶۶ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ۝۶۷ ثُمَّ
إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ۝۶۸ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّينَ ۝۶۹ فَهُمْ
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُونَ ۝۷۰

کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا سینڈھ کا درخت ○ جسے ہم نے ستمگاروں کے لئے سخت سزا بنا رکھا ہے ○ جو درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے ○ جس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں ○ جہنمی اسی درخت کو کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بوجھل کر لیں گے ○ پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی ○ پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی آگ کے ڈھیر کی طرف ہوگا ○ یقین مانو کہ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو بہکا ہوا پایا ○ یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑے بھاگے چلتے رہے ○

زقوم اور طوبیٰ: ☆☆ (آیت:۶۲-۷۰) جنت کی نعمتوں کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ اب لوگ خود فیصلہ کر لیں کہ وہ جگہ اور وہ نعمتیں بہتر ہیں؟ یا زقوم کا درخت جو دوزخیوں کا کھانا ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد خاص ایک ہی درخت ہو اور وہ تمام جہنم میں پھیلا ہوا ہو' جیسے طوبیٰ کا ایک درخت ہے جو جنت کے ایک ایک محل میں پہنچا ہوا ہے۔ اور ممکن ہے کہ مراد زقوم کے درخت کی جنس ہو۔ اس کی تائید آیت لَاٰكِلُونَ مِنْ شَجَرٍ الخ سے بھی ہوتی ہے۔ ہم نے اسے ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' شجرہ زقوم کا ذکر گمراہوں کے لئے فتنہ ہو گیا۔ وہ کہنے لگے۔ لو اور سنو آگ میں اور درخت؟ آگ تو درخت جلا دینے والی ہے۔

یہ نبی کہتے ہیں جہنم میں درخت اگے گا۔ تو اللہ نے فرمایا' ہاں یہ درخت آگ ہی سے پیدا ہوگا اور اس کی غذا بھی آگ ہی ہو گی۔ ابو جہل ملعون اسی پر ہنسی اڑاتا تھا اور کہتا تھا' میں تو خوب مزے سے کھجور مکھن کھاؤں گا' اسی کا نام زقوم ہے۔ الغرض یہ بھی ایک امتحان ہے۔ بھلے لوگ تو اس سے ڈر گئے اور بروں نے اس کا مذاق اڑایا۔ جیسے فرمان ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ الخ جو منظر ہم نے تجھے دکھایا تھا' وہ صرف اس لئے ہی کہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے اور اسی طرح اس نامبارک درخت کا ذکر بھی۔ ہم تو انہیں

دھمکا رہے ہیں مگر یہ نافرمانی میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں- اس درخت کی اصل جڑ جہنم میں ہے- اس کے خوشے اور شاخیں بھیانک‘ ڈراؤنی‘ لمبی‘ چوڑی‘ دور دور تک شیطانوں کے سروں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں- گو شیطان کو بھی کسی نے دیکھا نہیں لیکن اس کا نام سنتے ہی اس کی بدصورتی اور خباثت کا منظر سامنے آ جاتا ہے‘ یہی حال اس درخت کا ہے کہ دیکھنے اور چکھنے میں ظاہر اور باطن میں بری چیز ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ سانپوں کی ایک قسم ہے جو بدترین بھیانک اور خوفناک شکل کے ہوتے ہیں- اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نبات کی ایک قسم ہے جو بہت بری طرح پھیل جاتی ہے- لیکن یہ دونوں احتمال درست نہیں- ٹھیک بات وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا- اسی بدمنظر‘ بدبو‘ بدذائقہ‘ بدمزہ‘ بدخصال تھور کو انہیں جبراً کھانا پڑے گا- اور ٹھونس ٹھونس کر انہیں کھلایا جائے گا کہ یہ بجائے خود ایک زبردست عذاب ہے- اور آیت میں ہے لَیۡسَ لَھُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ الخ ان کی خوراک وہاں صرف کانٹوں دار تھور ہوگا جو نہ انہیں فربہ کر سکے نہ بھوک مٹا سکے- حضورؐ نے ایک بار آیت اتَّقُوۡا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ کی تلاوت کر کے فرمایا‘ اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں پڑ جائے تو روئے زمین کے تمام لوگوں کی خوراکیں خراب ہو جائیں- اس کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی یہی ہو (ترمذی وغیرہ)

پھر اس زقوم کے کھانے کے ساتھ ہی انہیں اوپر سے جہنم کا کھولتا گرم پانی پلایا جائے گا- یا یہ مطلب کہ اس جہنمی درخت کو جہنمی پانی کے ساتھ ملا کر انہیں کھلایا پلایا جائے گا اور یہ گرم پانی وہ ہوگا جو جہنمیوں کے زخموں سے لہو پیپ وغیرہ کی شکل میں نکلا ہوگا اور جو ان کی آنکھوں سے اور پوشیدہ راستوں سے نکلا ہوا ہوگا- حدیث میں ہے کہ جب یہ پانی ان کے سامنے لایا جائے گا‘ انہیں سخت ایذا ہوگی- بڑی کراہیت آئے گی- پھر جب وہ ان کے منہ کے پاس لایا جائے گا تو ان کی بھاپ سے اس کے چہرے کی کھال جھلس کر جھڑ جائے گی اور جب اس کا گھونٹ پیٹ میں جائے گا تو ان کی آنتیں کٹ کر پاخانے کے راستے سے باہر آ جائیں گی (ابن ابی حاتم)

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں‘ جب جہنمی بھوک کی شکایت کریں گے تو زقوم کھلایا جائے گا جس سے ان کے چہرے کی کھالیں بالکل الگ ہو کر پڑیں گی- اس طرح انہیں پہچاننے والا اس میں ان کے منہ کی پوری کھال دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ فلاں ہے- پھر پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر وہ ہائے وائے پکاریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا گرم پانی دیا جائے گا جو چہرے کے سامنے آتے ہی چہرے کے گوشت کو جھلس دے گا اور تمام گوشت گر پڑے گا اور پیٹ میں جا کر آنتوں کو کاٹ دے گا- اوپر سے لوہے کے ہتھوڑے مارے جائیں گے اور ایک ایک عضو بدن الگ الگ جھڑ جائے گا‘ بری طرح چیختے پیٹتے ہوں گے- فیصلہ ہوتے ہی ان کا ٹھکانا جہنم ہو جائے گا جہاں طرح طرح کے عذاب ہوتے رہیں گے- جیسے اور آیت میں ہے یَطُوۡفُوۡنَ بَیۡنَھَا وَبَیۡنَ حَمِیۡمٍ اٰنٍ جہنم اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان چکر کھاتے رہیں گے- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قراءت ثُمَّ اِنَّ مَقِیۡلَھُمۡ لَا اِلَی الۡجَحِیۡمِ ہے- حضرت عبداللہؓ کا فرمان ہے کہ واللہ آدھے دن سے پہلے ہی پہلے دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے اور وہیں قیلولہ یعنی دوپہر کا آرام کریں گے‘ قرآن فرماتا ہے اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّاَحۡسَنُ مَقِیۡلًا جنتی باعتبار جائے قیام کے بہت اچھے ہوں گے اور باعتبار آرام گاہ کے بھی بہت اچھے ہوں گے-

الغرض قیلولے کا وقت دونوں کا اپنی اپنی جگہ ہوگا- آدھے دن سے پہلے پہلے اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے- اس بناء پر یہاں ثم کا لفظ خبر پر خبر کے عطف کے لئے ہوگا- یہ اس کا بدلہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا- لیکن پھر بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے- مجبوروں اور بیوقوفوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے-

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٧١ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ۝٧٢ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝٧٣ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝٧٤ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝٧٥ ع
وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝٧٦ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ
الْبٰقِيْنَ ۝٧٧ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝٧٨ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى
الْعٰلَمِيْنَ ۝٧٩ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝٨٠ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٨١
ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝٨٢

ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں ○ جن میں ہم نے آگاہ کرنے والے رسول بھیجے تھے ○ اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا' ان کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ سوائے اللہ کے برگزیدہ مخلص بندوں کے ○ ہمیں نوح نے پکارا تو دیکھ لو کہ ہم کیسے اچھے دعا کے قبول کرنے والے ہیں ○ ہم نے اسے اور اس کے تابعداروں کو اس زبردست مصیبت سے بچالیا ○ اس کی اولاد ہم نے باقی رہنے والی بنادی ○ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا ○ نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو ○ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں ○ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا ○ پھر ہم نے باقی کے سب لوگوں کو ڈبو دیا ○

سابقہ امتیں: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۴) گزشتہ امتوں میں بھی اکثر لوگ گم کردہ راہ تھے- اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے- ان میں بھی اللہ کے رسول آئے تھے- جنہوں نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا اور ڈرا دھمکا دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ ان کے شرک و کفر اور تکذیب رسول سے بے طرح اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور اگر وہ باز نہ آئے تو انہیں عذاب ہوں گے- پھر بھی جب انہوں نے نبیوں کی نہ مانی' اپنی برائی سے باز نہ آئے تو دیکھ لو کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ تہس نہس کر دیئے گئے- تباہ و برباد کر دیئے گئے- ہاں نیک کار خلوص والے اللہ کے موحد بندے بچا لئے گئے اور عزت کے ساتھ رکھے گئے-

نیک لوگوں کے نام زندہ رہتے ہیں: ☆☆ (آیت:۷۵-۸۲) اوپر کی آیتوں میں پہلے لوگوں کی گمراہی کا اجمالاً ذکر تھا- ان آیتوں میں تفصیلی بیان ہے- حضرت نوح نبی علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور ہر وقت انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن تاہم قوم گمراہی پر جمی رہی سوائے چند پاک باز لوگوں کے کوئی ایمان نہ لایا- بلکہ ستاتے اور تکلیفیں دیتے رہے' آخر کار اللہ کے رسول نے تنگ آ کر رب سے دعا کی کہ اللہ میں عاجز آ گیا- تو میری مدد کر- اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور تمام کفار کو تہہ آب اور غرق کر دیا- تو فرماتا ہے کہ نوحؑ نے تنگ آ کر ہمارے جناب میں دعا کی- ہم تو ہیں ہی بہترین طور پر دعاؤں کے قبول کرنے والے' فوراً ان کی دعا قبول فرما لی- اور اس تکذیب و ایذا سے جو انہیں کفار سے روزمرہ پہنچ رہی تھی ہم نے بچالیا- اور انہی کی اولاد سے پھر دنیا بسی' کیونکہ وہی باقی بچے تھے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' تمام لوگ حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے ہیں- ترمذی کی مرفوع حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ سام' حام اور یافث کی پھر اولاد پھیلی اور باقی رہی- مسند میں یہ بھی ہے کہ سام سارے عرب کے باپ ہیں اور حام تمام حبش کے اور یافث تمام روم کے- اس حدیث میں رومیوں سے مراد روم اول یعنی یونانی ہیں- جو رومی بن لیطی بن یوناں بن یافث بن نوح کی طرف منسوب ہیں- حضرت سعید

بن مسیبؒ کا فرمان ہے کہ حضرت نوحؑ کے ایک لڑکے سام کی اولاد عرب' فارس اور رومی ہیں اور یافث کی اولاد ترک' صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں' اور حام کی اولاد قبطی' سوڈانی اور بربری ہیں- واللہ اعلم- حضرت نوحؑ کی بھلائی اور ان کا ذکر خیر ان کے بعد کے لوگوں میں اللہ کی طرف سے زندہ رہا- تمام انبیاء کی حق گوئی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے- ہمیشہ ان پر لوگ سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کی تعریفیں بیان کرتے رہیں گے- حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو- یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے- یعنی ان کا ذکر بھلائی سے باقی رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر امت ان پر سلام بھیجتی رہتی ہے- ہماری یہ عادت ہے کہ جو شخص خلوص کے ساتھ ہماری عبادت واطاعت پر جم جائے' ہم بھی اس کا ذکر جمیل بعد والوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھتے ہیں- حضرت نوحؑ یقین وایمان رکھنے والوں' توحید پر جم جانے والوں میں سے تھے- نوحؑ اور نوح والوں کا تو یہ واقعہ ہوا- لیکن نوحؑ کے مخالفین غارت اور غرق کر دیئے گئے- ایک آنکھ جھپکنے والی ان میں باقی نہ بچی' ایک خبر رساں زندہ نہ رہا' نشان تک باقی نہ بچا- ان کی ہڈیاں اور برائیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے مخلوق کی زبان پر ان کے یہ بدترین افسانے چڑھ گئے-

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝٨٣ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝٨٤
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝٨٥ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ
تُرِيْدُوْنَ ۝٨٦ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٨٧

نوحؑ کی تابعداری کرنے والوں میں سے ہی ابراہیم بھی تھے ○ جبکہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے ○ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کے پوج رہے ہو؟ ○ کیا تم اپنی فاسد رائے سے اللہ کے سوا دوسروں کے مرید بن رہے ہو؟ ○ تو یہ بتلاؤ کہ تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ ○

اب بھی سنبھل جاؤ: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۷) ابراہیم علیہ السلام بھی نوحؑ کے دین پر تھے' انہی کے طریقے اور چال چلن پر تھے- اپنے رب کے پاس سلامت دل لے گئے یعنی توحید والا جو اللہ کو حق جانتا ہو- قیامت کو آنے والی مانتا ہو- مردوں کو دوبارہ جینے والا سمجھتا ہو- شرک و کفر سے بیزار ہو' دوسروں پر لعن طعن کرنے والا نہ ہو- خلیل اللہ نے اپنی تمام قوم سے اور اپنے سگے باپ سے صاف فرما دیا کہ یہ تم کس کی پوجا پاٹ کر رہے ہو؟ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت چھوڑ دو- اپنے ان جھوٹ موٹھ کے معبودوں کی ارادات چھوڑ دو- ورنہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا کچھ نہ کرے گا اور تمہیں کیسی کچھ سخت ترین سزائیں دے گا؟

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝٨٨ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝٨٩ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ
مُدْبِرِيْنَ ۝٩٠ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝٩١ مَا لَكُمْ لَا
تَنْطِقُوْنَ ۝٩٢ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ۝٩٣ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ
يَزِفُّوْنَ ۝٩٤ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝٩٥ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُوْنَ ۝٩٦ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝٩٧ فَاَرَادُوْا
بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝٩٨

اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی اور کہا میں تو بیمار ہو جاؤں گا ○ اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے ○ آپ چپ چپاتے ان

کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ ○ تمہیں کیا ہوگیا کہ بات تک نہیں کرتے؟ ○ پھر تو پوری قوت کے ساتھ دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے ○ بت پرست دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے ○ تو آپ نے فرمایا کیا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں خود تم تراشتے ہو؟ ○ حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی سب چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ○ وہ کہنے لگے اس کیلئے ایک آتش کدہ بناؤ اور اس دہکتی ہوئی آگ میں اسے ڈال دو ○ انہوں نے تو ابراہیم کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچوں کا نیچ کر دیا ○

بت کدہ آذر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۸۸-۹۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ اس لئے فرمایا کہ وہ جب اپنے میلے میں چلے جائیں تو یہ ان کے عبادت خانے میں تنہا رہ جائیں اور ان کے بتوں کو توڑنے کا تنہائی کا موقعہ مل جائے- اسی لئے ایک ایسی بات کہی جو درحقیقت سچی بات تھی لیکن ان کی سمجھ میں جو مطلب اس کا آیا' اس سے آپ نے اپنا دینی کام نکال لیا- وہ تو اعتقاد کے موجب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچ مچ بیمار سمجھ بیٹھے اور انہیں چھوڑ کر چلتے بنے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' جو شخص کسی امر میں غور و فکر کرے تو عرب کہتے ہیں' اس نے ستاروں پر نظریں ڈالیں- مطلب یہ ہے کہ غور و فکر کے ساتھ تاروں کی طرف نگاہ اٹھائی- اور سوچنے لگے کہ میں انہیں کس طرح ٹالوں- سوچ سمجھ کر فرمایا کہ میں سقم ہوں یعنی ضعیف ہوں- ایک حدیث میں آیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین ہی جھوٹ بولے ہیں جن میں سے دو تو اللہ کے دین کے لئے ان کا فرمان اِنِّیْ سَقِیْمٌ اور ان کا فرمان بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اور ایک ان کا حضرت سارہؓ کو اپنی بہن کہنا- تو یاد رہے کہ دراصل ان میں حقیقی جھوٹ ایک بھی نہیں- انہیں تو صرف مجازاً جھوٹ کہا گیا ہے- کلام میں ایسی تعریفیں کسی شرعی مقصد کے لئے کرنا جھوٹ میں داخل نہیں' جیسے کہ حدیث میں بھی ہے کہ تعریض جھوٹ سے الگ ہے اور اس سے بے نیاز کر دیتی ہے- ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ان تینوں کلمات میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس سے حکمت عملی کے ساتھ دین الٰہی کی بھلائی مقصود نہ ہو-

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں ''میں بیمار ہوں'' سے مطلب مجھے طاعون ہو گیا ہے- اور وہ لوگ ایسے مریض سے بھاگتے تھے- حضرت سعیدؒ کا بیان ہے کہ اللہ کے دین کی تبلیغ' ان کے جھوٹے معبودوں کی تردید کے لئے خلیل اللہ کی یہ ایک حکمت عملی تھی کہ ایک ستارے کو طلوع ہوتے دیکھ کر فرما دیا کہ میں سقیم ہوں- اوروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی یقیناً ایک مرتبہ مرض الموت آنے والا ہے- اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مریض ہوں یعنی میرا دل تمہارے ان بتوں کی عبادت سے بیمار ہے-

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں' جب آپ کی قوم میلے میں جانے لگی' تو آپ کو بھی مجبور کرنے لگی آپ ہٹ گئے اور فرما دیا کہ میں سقیم ہوں اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے- جب وہ انہیں تنہا چھوڑ کر چل دیئے تو آپ نے بہ فراغت ان کے معبودوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے- وہ تو سب اپنی عید میں گئے- آپ چپکے چپکے اور جلدی جلدی ان کے بتوں کے پاس آئے- پہلے تو فرمایا' کیوں جی تم کھاتے کیوں نہیں؟ یہاں آ کر خلیل اللہ نے دیکھا کہ جو چڑھاوے ان لوگوں نے ان بتوں پر چڑھا رکھے تھے' وہ سب رکھے ہوئے تھے' ان لوگوں نے تبرک کی نیت سے جو قربانیاں یہاں کی تھیں' وہ سب یونہی پڑی ہوئی ہیں' یہ بت خانہ بہت بڑا وسیع اور مزین تھا- دروازے کے متصل ایک بہت بڑا بت تھا اور اس کے اردگرد اس سے چھوٹے' پھر ان سے چھوٹے' یونہی تمام بت خانہ بھرا ہوا تھا- ان کے پاس مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے جو اس اعتقاد سے رکھے گئے تھے کہ یہاں رہنے سے متبرک ہو جائیں گے- پھر ہم کھا لیں گے- ابراہیمؑ نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر پھر فرمایا' یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ بولتے کیوں نہیں- اب تو پوری قوت سے دائیں ہاتھ سے مار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے- ہاں بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ اس پر بدگمانی کی جا سکے-

جیسے کہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے- بت پرست جب اپنے میلے سے واپس ہوئے' بت خانے میں گھسے تو دیکھا کہ ان کے سب الٰہ اڑنگ بڑنگ پڑے ہوئے ہیں- کسی کا ہاتھ نہیں' کسی کا پاؤں نہیں' کسی کا سر نہیں' کسی کا دھڑ نہیں- حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہوا؟ آخر سوچ سمجھ کر بحث مباحثے کے بعد معلوم کر لیا کہ ہو نہ ہو یہ کام ابراہیم کا ہو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اب سارے کے سارے مل جل کر خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس دوڑے' بھاگے' دانت پیستے' تلملاتے' کوستے گئے- خلیلؑ اللہ کو تبلیغ کا اور انہیں قائل معقول کرنے کا اور سمجھانے کا اچھا موقعہ ملا- فرمانے لگے' کیوں ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں خود تم بناتے ہو؟ اپنے ہاتھوں گھڑتے اور تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے- ممکن ہے کہ اس آیت میں ما مصدریہ ہو اور ممکن ہے کہ اَلَّذِیْ کے معنی میں ہو لیکن دونوں معنی میں تلازم ہے- گو اول زیادہ ظاہر ہے- چنانچہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب افعال العباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے- پھر بعض نے اسی آیت کی تلاوت کی- چونکہ اس پاک صاف بات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا تو تنگ آ کر دشمنی پر اور سفلہ پن پر اتر آئے اور کہنے لگے' ایک بنیان بناؤ' اس میں آگ جلاؤ اور اسے اس میں ڈال دو- چنانچہ یہی انہوں نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیلؑ کو اس سے نجات دی- انہی کو غلبہ دیا اور انہی کی مدد فرمائی- گو انہوں نے انہیں برائی پہنچانی چاہی لیکن اللہ نے خود انہیں ذلیل کر دیا- اس کا پورا بیان اور کامل تفسیر سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہے- وہیں دیکھ لی جائے-

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝۹۹ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ
الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰۰ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝۱۰۱ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ
السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ
شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۱۰۲ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝۱۰۳
وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝۱۰۴ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی
الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۰۵ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝۱۰۶ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝۱۰۷

ابراہیمؑ نے کہا' میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا ○ اے میرے رب مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما ○ تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی ○ پھر جب بچہ اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے تو ابراہیمؑ نے کہا' میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے تئیں تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں- اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جو حکم کیا جاتا ہے' اسے بجا لائیے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے ○ غرض جب دونوں نے تسلیم کر لی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ○ ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! ○ یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا- ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا ○ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیئے میں دے دیا ○

ذبیح اللہ کی بحث اور یہودی روایات: ☆☆ (آیت:۹۹-۱۰۷) خلیل اللہؑ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے' بڑی بڑی قدرتی نشانیاں دیکھ کر بھی جب انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو آپ نے ان سے ہٹ جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب تم میں سے ہجرت کر

جاؤں گا' میرا رہنما میرا رب ہے- ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا مانگی تا کہ وہی توحید میں آپ کا ساتھ دے- اسی وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار بچے کی بشارت دی جاتی ہے- یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے- یہی آپ کے پہلے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحاقؑ سے بڑے تھے- اسے تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں بلکہ ان کی کتاب میں موجود ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوتے ہیں' اس وقت آپ کی عمر ننانوے برس کی تھی- بلکہ ان کی اپنی کتاب میں تو یہ بھی ہے کہ جناب ابراہیم کو اپنے اکلوتے فرزند کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا- لیکن صرف اس لئے کہ یہ لوگ خود تو نبی اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبی اللہ و ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے عرب ہیں- انہوں نے واقعہ کی اصلیت بدل دی اور اس فضیلت کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر حضرت اسحاقؑ کو دے دیا اور بے جا تاویلیں کر کے اللہ کے کلام کو بدل ڈالا اور کہا ہماری کتاب میں لفظ وَحِیْدَكَ ہے- اس سے مراد اکلوتا نہیں بلکہ جو تیرے پاس اس وقت اکیلا ہے' وہ ہے- یہ اس لئے کہ حضرت اسماعیلؑ تو اپنی والدہ کے ساتھ مکے میں تھے- یہاں خلیل اللہ کے ساتھ صرف حضرت اسحاقؑ تھے- لیکن یہ بالکل غلط ہے- وحید اسی کو کہا جاتا ہے جو اکلوتا ہو- اس کا اور کوئی بھائی نہ ہو- پھر یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اکلوتے اور پہلوٹھی کے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے اور اس کے جو لاڈ پیار ہوتے ہیں' عموماً دوسری اولاد کے ہونے پر پھر وہ باقی نہیں رہتے- اس لئے اس کے ذبیحہ کا حکم امتحان اور آزمائش کی زبردست کڑی ہے- ہم اسے مانتے ہیں۔

کہ بعض سلف بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ تھے یہاں تک کہ بعض صحابہؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن یہ چیز کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہوتی- بلکہ خیال یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک شہرت دی ہوئی بات کو ان حضرات نے بھی بے دلیل اپنے ہاں لے لیا- دور کیوں جائیں' کتاب اللہ کے الفاظ میں ہی غور کر لیجئے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت کا غلام حلیم کہہ کر ذکر ہوا اور پھر اللہ کی راہ میں ذبح کے لئے تیار ہونے کا ذکر ہوا- اس تمام بیان کو ختم کر کے پھر نبی صالح حضرت اسحاقؑ کے تولد کی بشارت کا بیان ہوا- اور فرشتوں نے بشارت اسحاقؑ کے موقعہ پر غلام علیم فرمایا تھا- اسی طرح قرآن میں ہے' بشارت اسحاق کے ساتھ ہی ہے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں ہی حضرت اسحاقؑ کے ہاں حضرت یعقوبؑ پیدا ہوں گے یعنی ان کی تو نسل جاری رہنے کا پہلے ہی علم کرایا جا چکا تھا' اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟ اسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے- البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصف یہاں پر بردباری کا بیان کیا گیا ہے جو ذبح کے لئے نہایت مناسب ہے-

اب حضرت اسماعیلؑ بڑے ہو گئے- اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے- آپ اس وقت مع اپنی والدہ محترمہ کے فاران میں تھے- حضرت ابراہیمؑ عموماً وہاں جاتے آتے رہتے تھے- یہ مذکور ہے کہ براق پر جاتے تھے اور اس جملے کے یہ معنی ہیں کہ جوانی کے لگ بھگ ہو گئے- لڑکپن کا زمانہ نکل گیا اور باپ کی طرح چلنے پھرنے' کام کاج کرنے کے قابل بن گئے' تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ گویا آپ اپنے پیارے بچے کو ذبح کر رہے ہیں- انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہی آیت ہے- ایک مرفوع روایت میں بھی یہ ہے- پس اللہ کے رسولؑ نے اپنے لخت جگر کی آزمائش کے لئے کہ اچانک وہ گھبرا نہ اٹھے' اپنا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا- وہاں کیا تھا- وہ بھی اسی درخت کے پھل تھے- نبی ابن نبی تھے- جواب دیتے ہیں' ابا پھر دیر کیوں لگا رہے ہو- یہ باتیں بھی پوچھنے کی ہوتی ہیں' جو حکم ہوا ہے' اسے فوراً کر ڈالئے اور اگر میری نسبت کھٹکا ہو تو زبانی اطمینان کیا کروں' چھری رکھئے- خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کیسا کچھ صابر ہوں- ان شاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کر دے گا- سبحان اللہ جو کہا تھا' وہی کر کے دکھایا اور صادق الوعد ہونے کا سرٹیفکیٹ اللہ کی طرف سے حاصل

کرہی لیا۔ آخر باپ بیٹا دونوں حکم الٰہی کی اطاعت کے لئے جان بکف تیار ہو جاتے ہیں۔ باپ بچے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور باپ اپنے نور چشم لخت جگر کو منہ کے بل زمین پر گراتے ہیں تاکہ ذبح کے وقت منہ دیکھ کر محبت نہ آ جائے اور ہاتھ سست نہ پڑ جائے۔

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نور نظر کو ذبح کرنے کے لئے بحکم الٰہی چلے تو سعی کے وقت شیطان سامنے آیا لیکن حضرت ابراہیمؑ اس سے آگے بڑھ گئے، پھر جبرئیلؑ کے ساتھ آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرہ وسطی کے پاس آیا۔ پھر وہاں سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھ کر اپنے پیارے بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے دے پچھاڑا، ذبیح اللہ کے پاک جسم پر اس وقت سفید چادر تھی۔ کہنے لگے، ابا جی اسے اتار لیجئے تاکہ اس میں آپ مجھے کفنا سکیں۔ آہ! اس وقت بیٹے کو ننگا کرتے ہوئے باپ کا عجب حال تھا کہ آواز آئی، بس ابراہیم خواب کو سچا کر چکے۔ مڑ کر دیکھا تو ایک مینڈھا سفید رنگ بڑے بڑے سینگوں اور صاف آنکھوں والا نظر پڑا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اسی لئے ہم اس قسم کے مینڈھے (چھترے) چن چن کر قربانی کے لئے لیتے تھے۔ ابن عباسؓ ہی سے دوسری روایت میں حضرت اسحاقؑ کا نام مروی ہے۔ تو گو دونوں نام آپ سے مروی ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے اور اس کی دلیلیں آ رہی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس کے بدلے بڑا ذبیحہ اللہ نے عطا فرمایا۔ اس کی بابت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ جنتی چھترا تھا جو وہاں چالیس سال سے کھا پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے اپنے بچے کو چھوڑ اس کے پیچھے ہو لئے۔ جمرہ اولیٰ پر آ کر سات کنکریاں پھینکیں، پھر وہ بھاگ کر جمرہ وسطی پر آ گیا۔ سات کنکریاں یہاں ماریں پھر جمرہ کبریٰ کے پاس سات کنکریاں ماریں اور وہاں سے مَنحر میں لا کر ذبح کیا۔ اس کے سینگ سر سمیت ابتداء اسلام کے زمانہ تک کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکتے رہے تھے۔ پھر سوکھ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت کعبؓ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ تو حدیثیں بیان کر رہے تھے اور حضرت کعبؓ کتاب کے قصے بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دعا قبول شدہ ہے اور میں نے اپنی اس مقبول دعا کو پوشیدہ کر کے رکھ چھوڑا ہے۔ اپنی امت کی شفاعت کے لئے جو بروز قیامت ہو گی۔ تو حضرت کعبؓ نے فرمایا، تم نے خود اسے حضورؐ سے سنا ہے؟ فرمایا ہاں۔ حضرت کعبؓ خوش ہوئے اور فرمانے لگے، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا فرمایا حضورؐ پر میرے ماں باپ صدقے جائیں۔

پھر حضرت کعبؓ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جب آپ اپنے لڑکے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تو شیطان نے کہا، اگر میں اس وقت انہیں نہ بہکا سکا تو مجھے ان سے عمر بھر کے لئے مایوس ہو جانا چاہیے۔ پہلے تو یہ حضرت سارہؓ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے گئے ہیں؟ مائی صاحبہؓ نے جواب دیا، اپنے کسی کام پر لے گئے ہیں، اس نے کہا نہیں بلکہ وہ ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں۔ مائی صاحبہؓ نے فرمایا، وہ اسے کیوں ذبح کرنے لگے؟ لعین نے کہا، وہ کہتے ہیں اللہ کا انہیں یہی حکم ہے، جواب ملا، پھر تو یہی بہتر ہے کہ وہ جلدی سے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے فارغ ہو لیں۔ یہاں سے نامراد ہو کر بچے کے پاس آیا اور کہا تمہارے ابا تمہیں کہاں لے جاتے ہیں؟ فرمایا اپنے کام کے لئے، کہا نہیں بلکہ وہ تجھے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں، فرمایا یہ کیوں؟ کہا اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں اللہ کا انہیں حکم ہے۔ کہا، پھر تو واللہ انہیں اس کام میں بہت جلدی کرنی چاہیے۔ ان سے بھی مایوس ہو کر یہ ملعون خلیل اللہ کے پاس پہنچا۔ ان سے کہا، بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ جواب دیا اپنے کام کے لئے۔ ملعون نے کہا نہیں بلکہ تم تو اسے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ بولا اس لئے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ کا حکم تمہیں یونہی ہے، آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم پھر تو

میں ضرور ہی اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ اب ابلیس مایوس ہو گیا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اس تمام واقعے کے بعد جناب باری تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے فرمایا کہ ایک دعا تم مجھ سے مانگو۔ جو مانگو گے' ملے گا۔ حضرت اسحاقؑ نے کہا' پھر میری دعا یہ ہے کہ جس نے تیرے ساتھ شریک نہ کیا ہو' اسے تو ضرور جنت میں لے جانا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ میں دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لوں یا تو یہ کہ میری آدھوں آدھ امت بخشی جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں اور اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے تو میں نے شفاعت کرنے کو ترجیح دی اس پر کہ وہ عام ہو گی۔ ہاں ایک دعا تھی کہ میں وہی کرتا لیکن اللہ کا ایک نیک بندہ مجھ سے پہلے ہی اس دعا کو مانگ چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے ذبح ہونے کی تکلیف دور کر دی تو ان سے فرمایا گیا کہ تو مانگ۔ جو مانگے گا' دیا جائے گا۔ تو حضرت اسحاقؑ نے فرمایا واللہ شیطان کے بہکانے سے پہلے ہی میں اسے مانگ لوں گا' اللہ جو شخص اس حالت میں مرا ہو کہ اس نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو اسے بخش دے اور جنت میں پہنچا دے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن سنداً غریب اور منکر ہے اور اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں اور مجھے تو یہ بھی ڈر ہے کہ یہ الفاظ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے آخر تک راوی کے اپنے نہ ہوں جنہیں انہوں نے حدیث میں داخل کر دیئے ہیں۔

ذبیح اللہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' محل ذبح منیٰ ہے اور وہ مکے میں ہے اور حضرت اسماعیلؑ یہیں تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ۔ وہ تو شہر کنعان میں تھے جو شام میں ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بچے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دیتے ہیں' جناب باری سے ندا آتی ہے کہ بس ابراہیمؑ تم اپنے خواب کو پورا کر چکے۔ سدیؒ سے روایت ہے کہ جب خلیل اللہ نے ذبیح اللہ کے حلق پر چھری پھیری تو گردن تانبے کی ہو گئی اور نہ کٹی اور نہ آواز آئی۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا
مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ ع

اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا ○ ابراہیمؑ پر سلام ہو ○ ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا ○ ہم نے اسے اسحاق نبیؑ کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہو گا ○ اور ہم نے ابراہیم واسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں' ان دونوں کی اولادوں' میں بعض تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی ہیں ○

(آیت: ۱۰۸-۱۱۳) ہم اسی طرح نیک کاروں کو بدلہ دیتے ہیں یعنی سختیوں سے بچا لیتے ہیں اور چھٹکارا کر دیتے ہیں۔ جیسے فرمایا' اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی صورت نکال ہی دیتا ہے اور اسے ایسی طرح روزی پہنچاتا ہے کہ اس کے گمان و وہم میں بھی نہ ہو۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ اپنے کاموں کو مکمل کر کے چھوڑتا ہے۔ ہر چیز کا اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ فعل پر قدرت پانے سے پہلے ہی حکم منسوخ ہو سکتا ہے۔

ہاں معتزلہ اسے نہیں مانتے۔ وجہ استدلال بہت ظاہر ہے اس لئے کہ خلیل اللہ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوتا ہے اور پھر ذبح

سے پہلے ہی فدیئے کے ساتھ منسوخ کر دیا جاتا ہے- مقصود اس سے یہ تھا کہ صبر کا اور بجا آوری حکم پر مستعدی کا ثواب مرحمت فرما دیا جائے- اسی لئے ارشاد ہوا، یہ تو صرف ایک آزمائش تھی- کھلا امتحان تھا کہ ادھر حکم ہوا، ادھر تیاری ہوئی- اسی لئے جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی تعریف میں قرآن میں ہے، ابراہیم بڑا ہی وفادار تھا- بڑے ذبیح کے ساتھ ان کا فدیہ ہم نے دیا- سفید رنگ، بڑی آنکھوں اور بڑے سینگوں والا عمدہ خوراک سے پلا ہوا مینڈھا فدیئے میں دیا گیا- جو ثبیر ببول کے درخت سے بندھا ہوا ملا- جو جنت میں چالیس سال چرتا رہا- منیٰ میں ثبیر کے پاس جو چٹان ہے، اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا- یہ چیختا ہوا اوپر سے اترا تھا- یہی وہ مینڈھا ہے جسے ہابیل نے اللہ کی راہ میں قربان کیا تھا- اس کی اون قدرے سرخی مائل تھی- اس کا نام جریر تھا- بعض کہتے ہیں، مقام ابراہیم پر اسے ذبح کیا- کوئی کہتا ہے، منیٰ میں منحر پر- ایک شخص نے اپنے تئیں راہ اللہ میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباسؓ نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا تھا لیکن پھر فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑ ذبح کرنے کو کہتا تب بھی کافی تھا کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا فدیہ اسی سے دیا گیا تھا- اکثر لوگوں کا یہی قول ہے- بعض کہتے ہیں یہ پہاڑی بکرا تھا- کوئی کہتا ہے نر ہرن تھا- مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کو بلا کر حضورؐ نے فرمایا، میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں- جاؤ اسے ڈھک دو، بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کر لے- حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں، اس بھیڑ کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگی- اس میں وہ جل گئے یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے- اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر اور مسلسل چلے آئے یہاں تک کہ حضورؐ کو اللہ نے مبعوث فرمایا- واللہ اعلم-

''ان آثار کا بیان جن میں ذبیح اللہ کا نام ہے'' ابو میسرہؒ فرماتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا، کیا تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے، میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں (عبید بن عمیرؒ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ اے اللہ کیا وجہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر یہ چڑھا ہوا ہے کہ ابراہیم، اسمٰعیل اور یعقوب کے اللہ کی قسم، تو جواب ملا اس لئے کہ ابراہیمؑ نے تو ہر ہر چیز پر مجھی کو ترجیح دی اور اسحاق علیہ السلام نے اپنے تئیں میری راہ میں ذبح ہونے کے لئے سپرد کر دیا- پھر بھلا اور چیزیں اسے پیش کر دینا کیا مشکل تھیں؟ اور یعقوبؑ کو میں جوں جوں بلاؤں میں ڈالتا گیا، اس کی حسن ظنی میرے ساتھ بڑھتی ہی رہی- ابن مسعودؓ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے فخراً اپنے باپ دادوں کا نام لیا تو آپ نے فرمایا، قابل فخر باپ دادا تو حضرت یوسفؑ کے تھے جو یعقوب بن اسحاق اور ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ تھے-

عکرمہؒ، ابن عباسؓ، خود عباسؓ، علیؓ، سعید بن جبیرؒ، مجاہد، شعبی، عبید بن عمیر، ابو میسرہ، زید بن اسلم، عبداللہ بن شفیق، زہری، قاسم بن ابو برزہ، مکحول، عثمان بن ابی عاص، سدی، حسن، قتادہ، ابو الہذیل، ابن سابط، کعب احبار رحمہم اللہ اجمعین، ان سب کا یہی قول ہے اور ابن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے- صحیح علم تو اللہ کو ہی ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب بزرگوں کے استاد حضرت کعب احبار ہیں- یہ خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور کبھی کبھی حضرت عمرؓ کو قدیمی کتابوں کی باتیں سناتے تھے، لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کرنی شروع کر دی اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی- حق تو یہ ہے کہ اس امت کو اگلی کتابوں کی ایک بات کی بھی حاجت نہیں- بغوی نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے کچھ اور نام بھی بتلائے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ ہیں- ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے- اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو جھگڑے کا فیصلہ تھا مگر وہ حدیث صحیح نہیں- اس میں دو راوی ضعیف ہیں- حسن بن دینار متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں- اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہے یہ بھی موقوف، چنانچہ ایک سند سے یہ مقولہ حضرت

ابن عباسؓ کا مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے - واللہ اعلم -

اب ان آثار کو سنئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے اور یہی ٹھیک اور بالکل درست بھی ہے - ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت اسحاقؑ کا نام جھوٹ موٹ لیتے ہیں - ابن عمرؓ مجاہدؒ شعبی، حسن بصری، محمد بن کعب قرظی - خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؒ ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ کے سامنے جب محمد بن قرظیؒ نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کے ذکر کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا ہوگا یعقوبؑ نامی - جب ان کے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت دی گئی تھی پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہونے کے اس سے پیشتر ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا ہے؟

تو حضرت عمرؒ نے فرمایا، یہ بہت صاف دلیل ہے - میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گو یہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں - پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا، امیر المسلمین سچ تو یہی ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، وہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے، اس حسد کے مارے میں یہودیوں نے اسے بدل دیا اور حضرت اسحاقؑ کا نام لے دیا - حقیقی علم اللہ ہی کو ہے - ہمارا ایمان ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ دونوں ہی طاہر وطیب اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے - کتاب الزہد میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؒ نے اپنے والد سے جب یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیلؑ ہی تھے - حضرت علیؓ، حضرت ابن عمر ابوالطفیل، سعید بن مسیب، سعید بن جبیرؒ، حسن، مجاہدؒ شعبی، محمد بن کعب، ابوجعفر محمد بن علی ابوصالح رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے -

امام بغویؒ نے اور بھی صحابہ اور تابعین کے نام گنوائے ہیں - ایک غریب حدیث بھی اسی کی تائید میں مروی ہے - اس میں ہے کہ شام میں امیر معاویہؓ کے سامنے یہ بحث چھڑی کہ ذبیح اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، خوب ہوا جو یہ معاملہ مجھ جیسے باخبر شخص کے پاس آیا - سنو ہم آنحضرت ﷺ کے پاس تھے جو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں کی نسل کے رسولؐ مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دلوایئے اس پر آپؐ ہنس دیئے - ایک تو ذبیح اللہ حضورؐ کے والد عبداللہ تھے - دوسرے حضرت اسمٰعیلؑ جن کی نسل میں سے آپ ہیں - عبداللہ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو نذر مانی تھی کہ اگر یہ کام آسانی سے پورا ہو گیا تو اپنے ایک لڑکے کو راہ اللہ میں ذبح کروں گا - جب کام ہو گیا اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس بیٹے کو نام اللہ پر کریں تو حضورؐ کے والد عبداللہ کا نام نکلا - ان کی ننھیال والوں نے کہا، آپ ان کی طرف سے ایک سو اونٹ راہ اللہ ذبح کر دیں چنانچہ وہ ذبح کر دیئے گئے - اور اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے -

ابن جریر میں یہ روایت موجود ہے اور مغازی امویہ میں بھی امام ابن جریرؒ نے حضرت اسحاقؑ کے ذبیح اللہ ہونے کی ایک دلیل تو یہ پیش کی ہے کہ جس علیم بچے کی بشارت کا ذکر ہے، اس سے مراد حضرت اسحاقؑ ہیں - قرآن میں اور جگہ ہے وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ اور حضرت یعقوبؑ کی بشارت کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے - اور ممکن ہے کہ یعقوب کے ساتھ ہی کوئی اور اولاد بھی ہوئی ہو اور کعبۃ اللہ میں سینگوں کی موجودگی کے بارے میں فرماتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ بلاد کنعان سے لا کر یہاں رکھے گئے ہوں - اور بعض لوگوں سے حضرت اسحاقؑ کے نام کی صراحت بھی آئی ہے لیکن یہ سب باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں - ہاں حضرت اسماعیل

کے ذبیح اللہ ہونے پر محمد بن کعب قرظی کا استدلال بہت صاف اور قوی ہے ۔ واللہ اعلم ۔ پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تولد ہونے کی بشارت دی گئی تھی ۔ یہاں اس کے بعد ان کے بھائی حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی جا رہی ہے ۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے ۔ نبیاً حال مقدرہ ہے یعنی وہ نبی صالح ہو گا ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ذبیح اللہ اسحاق تھے اور یہاں نبوت حضرت اسحاقؑ کی بشارت ہے ۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں فرمان ہے کہ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا دیا ۔ حالانکہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے تو یہاں بھی ان کی نبوت کی بشارت ہے ۔ پس یہ بشارت اس وقت دی گئی جبکہ امتحان ذبح میں وہ صابر ثابت ہوئے ۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ بشارت دو مرتبہ دی گئی ۔ پیدائش سے کچھ قبل اور نبوت سے کچھ قبل ۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے ۔ ان پر اور اسحاقؑ پر ہماری برکتیں ہم نے نازل فرمائیں ان کی اولاد میں ہر قسم کے لوگ ہیں ۔ نیک بھی بد بھی ۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمان ہوا تھا کہ اے نوح علیہ السلام ہمارے سلام اور برکت کے ساتھ تو اتر ۔ تو بھی اور تیرے ساتھ والے بھی اور ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں ہم فائدے پہنچائیں گے ۔ پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچیں گے ۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۱۱۴ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ
الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝۱۱۵ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۱۱۶ وَاٰتَيْنٰهُمَا
الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝۱۱۷ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۱۸ وَتَرَكْنَا
عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۱۹ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۱۲۰ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۱ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۲۲

یقیناً ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر بہت بڑا احسان کیا ○ اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی ○ اور ان کی مدد کر کے ان ہی کو غالب کر دیا ○ اور ہم نے انہیں واضح اور روشن کتاب دی ○ اور انہیں سیدھے راستے پر قائم رکھا ○ اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی ○ کہ موسیٰ اور ہارونؑ پر سلام ہو ○ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں ○ یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ○

حضرت موسیٰ پر انعامات الٰہی : ☆☆ (آیت: ۱۱۴-۱۲۲) اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ پر اپنی نعمتیں جتا رہا ہے کہ انہیں نبوت دی انہیں مع ان کی قوم کے فرعون جیسے طاقتور دشمن سے نجات دی جس نے انہیں بے طرح پست و ذلیل کر رکھا تھا ' ان کے بچوں کو کاٹ دیتا تھا ' ان کی لڑکیوں کو رہنے دیتا تھا ۔ ان سے ذلیل مزدوریاں کراتا تھا اور بے حیثیت بنا رکھا تھا ۔ ایسے بدترین دشمن کو ان کے دیکھتے ہلاک کیا ' انہیں ان پر غالب کر دیا ' ان کی زمین و زر کے یہ مالک بن گئے ۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو واضح ' جلی روشن اور بین کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل میں فرق و فیصلہ کرنے والی اور نور و ہدایت والی تھی ' ان کے اقوال و افعال میں انہیں استقامت عطا فرمائی ۔ اور ان کے بعد والوں میں بھی ان کا ذکر خیر اور ثناء و صفت باقی رکھی ۔ کہ ہر زبان ان پر سلام ہی پڑھتی ہے ۔ ہم نیک کاروں کو یونہی اور ایسے ہی بدلے دیتے ہیں ۔ وہ ہمارے مومن بندے تھے ۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ
اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ
عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

بیشک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے ○ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ○ کیا تم بعل نامی، بت سے دعائیں کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ○ جو اللہ تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا پالنہار ہے ○ لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا۔ پس وہ عذابوں میں حاضر کئے جائیں گے ○ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ○ ہم نے الیاس کا ذکر خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا کہ ○ الیاسؑ پر سلام ہو ○ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے ○

حضرت الیاس علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۳۲) بعض کہتے ہیں الیاسؑ نام تھا حضرت ادریس علیہ السلام کا۔ وہب کہتے ہیں' ان کا سلسلہ نسب یوں ہے' الیاس بن لسی بن فخاص بن عیراز بن ہارون بن عمران علیہ السلام۔ خرقیل علیہ السلام کے بعد یہ بنی اسرائیل میں بھیجے گئے تھے۔ وہ لوگ بعل نامی بت کے پجاری بن گئے تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام دی۔ ان کے بادشاہ نے ان سے قبول بھی کر لی لیکن پھر مرتد ہو گیا۔ اور لوگ بھی سرکشی پر تلے رہے اور ایمان سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان پر بددعا کی۔ تین سال تک بارش نہ برسی۔ اب تو یہ سب تنگ آ گئے اور قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کہ آپ دعا کیجئے۔ بارش برستے ہی ہم سب آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے مینہ برسا۔ لیکن یہ کفار اپنے وعدے سے ٹل گئے اور اپنے کفر پر اڑ گئے۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ اللہ انہیں اپنی طرف لے لے۔ ان کے ہاتھوں تلے' حضرت یسع بن اخطوب پلے تھے۔ حضرت الیاس کی اس دعا کے بعد انہیں حکم ملا کہ وہ ایک جگہ جائیں اور وہاں انہیں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں۔ وہاں آپ گئے' ایک نوری گھوڑا دکھائی دیا' جس پر سوار ہو گئے۔ اللہ نے انہیں بھی نورانی کر دیا اور اپنے پروں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے اور ایک انسانی فرشتہ زمینی اور آسمانی بن گئے۔ اس کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ہے یہ بات اہل کتاب کی روایت سے۔ حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو؟ اہل یمن اور قبیلہ از دشنوہ رب کو بعل کہتے تھے۔ بعل نامی جس بت کی یہ پوجا کرتے تھے' وہ ایک عورت تھی۔ ان کے شہر کا نام بعلبک تھا۔ تو اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو خالق کل ہے اور بہترین خالق ہے' ایک بت کو پوج رہے ہو اور اس کو پکارتے رہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم سب کا اور تم سے اگلے تمہارے باپ دادوں کا رب ہے' وہی مستحق عبادت ہے' اس کے سوا کسی قسم کی عبادت کسی کے لائق نہیں۔

لیکن ان لوگوں نے اللہ کے پیارے نبیؑ کی اس صاف اور خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا تو اللہ نے بھی انہیں عذاب پر حاضر کر دیا کہ قیامت کے دن ان سے زبردست باز پرس اور ان پر سخت عذاب ہوں گے۔ ہاں ان میں سے جو توحید پر قائم تھے' وہ بچ رہیں گے۔ ہم نے

حضرت الیاس علیہ السلام کی ثناء جمیل اور ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی ہی رکھا کہ ہر مسلم کی زبان سے ان پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے- الیاس میں دوسرا لغت الیاسین ہے جیسے اسماعیل میں اسماعین' بنو اسد میں اسی طرح یہ لغت ہے- ایک تمیمی کے شعر میں یہ لغت اسی طرح لایا گیا ہے- میکائیل کو میکال اور میکائین بھی کہا جاتا ہے- ابراہیم کو ابراہام' اسرائیل کو اسرائین' طور سینا کو طور سینین- غرض یہ لغت عرب میں مشہور و رائج ہے- ابن مسعود کی قراءت میں سَلَامٌ عَلٰٓی اٰلِ یَاسِیْنَ ہے- بعض کہتے ہیں' اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں- ہم اسی طرح نیک کاروں کو نیک بدلہ دیتے ہیں- یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے- اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے- واللہ تعالیٰ اعلم-

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۳ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳۴ اِلَّا
عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝۱۳۵ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۱۳۶ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ
مُّصْبِحِيْنَ ۝۱۳۷ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۳۸ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۹ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۴۰

بیشک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے ○ ہم نے انہیں اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی ○ بجز اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ○ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا ○ اور تم تو صبح ہوتے ان کی بستیوں کے پاس سے گذرتے ہو ○ اور رات کو بھی- کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ بہ تحقیق یونس نبیوں میں سے ہے ○ جب بھاگ پہنچا بھری کشتی پر ○

قوم لوط علیہ السلام ایک عبرت کا مقام: ☆☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۸) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں بھی ان کی قوم نے جھٹلایا جس پر اللہ کے عذاب ان پر برس پڑے اور اللہ نے اپنے پیارے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو مع ان کے گھر والوں کے نجات دے دی- لیکن ان کی بیوی غارت ہوئی- قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوئی اور ساری قوم بھی تباہ ہوئی- قسم قسم کے عذاب ان پر آئے اور جس جگہ وہ رہتے تھے' وہاں ایک بدبودار جھیل بن گئی' جس کا پانی بدمزہ' بدبو' بدرنگ ہے' جو آنے جانے والوں کے راستے میں ہی پڑتی ہے- تم تو دن رات وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو اور اس خوفناک منظر اور بھیانک مقام کو صبح شام دیکھتے رہتے ہو- کیا اس معائنہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچتے سمجھتے نہیں ہو کہ کس طرح یہ برباد کر دیئے گئے؟ ایسا نہ ہو کہ یہی عذاب تم پر بھی آ جائیں-

واقعہ حضرت یونس علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۱۳۹-۱۴۰) حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورۂ یونس میں بیان ہو چکا ہے- بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ کسی بندے کو یہ لائق نہیں کہ وہ کہے' میں یونس بن متی سے افضل ہوں- یہ نام ممکن ہے آپ کی والدہ کا ہو اور ممکن ہے والد کا ہو- یہ بھاگ کر مال و اسباب سے لدی ہوئی کشتی پر سوار ہو گئے- وہاں قرعہ اندازی ہوئی اور یہ مغلوب ہو گئے- کشتی کے چلتے ہی چاروں طرف سے موجیں اٹھیں اور سخت طوفان آیا- یہاں تک کہ سب کو اپنی موت کا اور کشتی کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا- سب آپس میں کہنے لگے کہ قرعہ ڈالو- جس کے نام کا قرعہ نکلے' اسے سمندر میں ڈال دو تا کہ سب بچ جائیں اور کشتی اس طوفان سے چھوٹ جائے- تین دفعہ قرعہ اندازی ہوئی اور تینوں مرتبہ اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا- اہل کشتی آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے لیکن کیا کرتے- بار بار کی قرعہ اندازی پر بھی آپ کا نام نکلتا رہا اور خود آپ کپڑے اتار کر باوجود ان لوگوں کے روکنے کے سمندر میں کود پڑے- اسی وقت بحر اخضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو جناب باری کا فرمان سرزد ہوا کہ وہ دریاؤں کو چیرتی پھاڑتی جائے اور حضرت یونسؑ کو نگل لے لیکن نہ تو

ان کا جسم زخمی ہو نہ کوئی ہڈی ٹوٹے - چنانچہ اس مچھلی نے پیغمبر الٰہی کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی - جب حضرت یونسؑ پوری طرح مچھلی کے پیٹ میں جا چکے تو آپ کو خیال گزرا کہ میں مر چکا ہوں لیکن جب ہاتھ پیروں کو حرکت دی اور وہ ہلے جلے تو زندگی کا یقین کر کے وہیں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے پروردگار میں نے تیرے لئے اس جگہ مسجد بنائی ہے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو گا - تین دن یا سات دن یا چالیس دن یا ایک دن سے بھی کم یا صرف ایک رات تک مچھلی کے پیٹ میں رہے -

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾
فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً
مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿١٤٦﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾
فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾

پھر قرعہ اندازی ہوئی' یہ مغلوب ہو گئے ○ پھر تو اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگ گئے ○ پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتا ○ تو مردے جلائے جائیں (اٹھائے جائیں) اس دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتا ○ پس اسے ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھا ○ اور اس پر سایہ کرنے والا کدو کی قسم کا ایک درخت ہم نے اگا دیا ○ اور ہم نے اسے ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا ○ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے بھی انہیں ایک زمانہ تک عیش و عشرت دی ○

(آیت: ۱۴۱-۱۴۸) اگر یہ ہماری پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے' یعنی جبکہ فراخی اور کشادگی اور امن و امان کی حالت میں تھے' اس وقت ان کی نیکیاں اگر نہ ہوتیں ایک حدیث بھی اس قسم کی ہے جو عنقریب بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ - ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے' آرام اور راحت کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو وہ سختی اور بے چینی کے وقت تمہاری مدد کرے گا - یہ بھی کہا گیا ہے اگر یہ پابند نماز نہ ہوتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں نماز نہ پڑھتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کے ساتھ ہماری تسبیح نہ کرتے - چنانچہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں ہے کہ اس نے اندھیروں میں یہی کلمات کہے اور ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے غم سے نجات دی - اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں - ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت یونسؑ نے جب مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کو کہا تو یہ دعا عرش الٰہی کے ارد گرد منڈلانے لگی اور فرشتوں نے کہا' اللہ یہ آواز تو کہیں بہت ہی دور کی ہے لیکن اس آواز سے ہمارے کان آشنا ضرور ہیں - اللہ نے فرمایا' اب بھی پہچان لیا' یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں پہچانا' فرمایا یہ میرے بندے یونسؑ کی آواز ہے - فرشتوں نے کہا' وہی یونسؑ جس کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ آسمان پر چڑھتی رہتی تھیں؟ اللہ اس پر تو ضرور رحم فرما' اس کی دعا قبول کر' وہ تو آسانیوں میں بھی تیرا نام لیا کرتا تھا - اسے بلا سے نجات دے - اللہ نے فرمایا' ہاں میں اسے نجات دوں گا - چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ میدان میں حضرت یونسؑ کو اگل دے - اور اس نے اگل دیا اور وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی نحیفی' کمزوری اور بیماری کی وجہ سے چھاؤں کے لئے کدو کی بیل اگا دی اور ایک جنگلی بکری کو مقرر کر دیا جو صبح شام ان کے پاس آ جاتی تھی اور یہ اس کا دودھ پی لیا کرتے تھے -

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ واقعات مرفوع احادیث سے سورۂ انبیاء کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں- ہم نے انہیں اس زمین میں ڈال دیا جہاں سبزہ، روئیدگی گھاس پُھو نہ تھا- دجلہ کے کنارے یا یمن کی سرزمین پر یہ لا دیئے گئے تھے- وہ اس وقت کمزور تھے جیسے پرندوں کے بچے ہوتے ہیں یا بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے- یعنی صرف سانس چل رہا تھا اور طاقت ہلنے جلنے کی بھی نہ تھی- یقطین کدو کے درخت کو بھی کہتے ہیں اور ہر اس درخت کو جس کا تنا نہ ہو یعنی بیل ہو اور اس درخت کو بھی جس کی عمر ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتی- کدو میں بہت سے فوائد ہیں- یہ بہت جلد اگتا اور بڑھتا ہے- اس کے پتوں کا سایہ گھنا اور فرحت بخش ہوتا ہے کیونکہ وہ بڑے بڑے ہوتے ہیں اور اس کے پاس مکھیاں نہیں آتیں- یہ غذا کا کام دے جاتا ہے اور چھلکے اور گودے سمیت کھایا جاتا ہے- صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کدو یعنی گھیا بہت پسند تھا اور برتن میں سے چن چن کر اسے کھاتے تھے-

پھر انہیں ایک لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف رسالت کے ساتھ بھیجا گیا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اس سے پہلے آپ رسولؑ نہ تھے- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے ہی آپ اس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے- دونوں قولوں سے اس طرح تضاد اٹھ سکتا ہے کہ پہلے بھی ان کی طرف بھیجے گئے تھے- اب دوبارہ بھی ان ہی کی طرف بھیجے گئے اور وہ سب ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی- بغویؒ کہتے ہیں، مچھلی کے پیٹ سے نجات پانے کے بعد دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے تھے- یہاں او معنی میں بلکہ کے ہے اور وہ ایک لاکھ تیس ہزار یا اس سے بھی کچھ اوپر- یا ایک لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ یا ستر ہزار سے بڑھ کر- یا ایک لاکھ دس ہزار اور ایک غریب مرفوع حدیث کی رو سے ایک لاکھ بیس ہزار تھے- یہ مطلب بھی بیان کیا گیا کہ انسانی اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ ہی کا تھا- ابن جریرؒ کا یہی مسلک ہے اور یہی مسلک ان کا آیت اَوْ اَشَدُّ قُسْوَةً اور آیت اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً اور آیت اَوْ اَدْنٰى میں ہے یعنی اس سے کم نہیں، اس سے زائد ہے- پس قوم یونسؑ سب کی سب مسلمان ہوگئی، حضرت یونسؑ کی تصدیق کی اور اللہ پر ایمان لے آئے- ہم نے بھی ان کے مقررہ وقت یعنی موت کی گھڑی تک دنیوی فائدے دیئے- اور آیت میں ہے، کسی بستی کے ایمان نے انہیں (عذاب آ چکنے کے بعد) نفع نہیں دیا سوائے قوم یونسؑ کے، وہ جب ایمان لائے تو ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لئے اور انہیں ایک معیاد معین تک بہرہ مند کیا-

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝۱۴۹ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ
اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝۱۵۰ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝۱۵۱
وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۵۲ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝۱۵۳
مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۱۵۴ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۵ اَمْ لَكُمْ
سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵۶ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝۱۵۷ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ
الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۱۵۸ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۵۹ اِلَّا
عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۶۰

ان سے دریافت تو کر کہ کیا تیرے رب کی تو بیٹیاں ہیں؟ اور ان کے بیٹے ہیں؟ ○ یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مونث پیدا کیا ہے؟ ○ آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پردازی سے کہہ رہے ہیں ○ کہ اللہ کی اولاد ہے یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں ○ کیا اللہ نے اپنے لئے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی؟ ○ تمہیں کیا ہو گیا ہے' کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ ○ کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے؟ ○ تو جاؤ اگر سچ ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ ○ ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی ہے- حالانکہ خود جنات یقین رکھتے ہیں کہ اس عقیدے کے لوگ عذابوں کے سامنے یقیناً پیش کئے جائیں گے ○ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں' اس سے اللہ بالکل پاک ہے ○ ہاں اللہ کے مخلص بندے ○

مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے لئے دوہرا معیار: ☆☆ (آیت: ۱۴۹-۱۶۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں کی بیوقوفی بیان فرما رہا ہے کہ اپنے لئے تو لڑکے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لئے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں- اگر لڑکی ہونے کی خبر یہ پائیں تو چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں اور اللہ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں- پس فرماتا ہے' ان سے پوچھ تو سہی کہ یہ تقسیم کیسی ہے کہ تمہارے تو لڑکے ہوں اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہوں؟ پھر فرماتا ہے کہ یہ فرشتوں کو لڑکیاں کس ثبوت پر کہتے ہیں؟ کیا ان کی پیدائش کے وقت وہ موجود تھے- قرآن کی اور آیت وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ میں بھی یہی بیان ہے- دراصل یہ قول ان کا محض جھوٹ ہے کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے- وہ اولاد سے پاک ہے- پس ان لوگوں کے تین جھوٹ اور تین کفر ہوئے- اول تو یہ کہ فرشتے اللہ کی اولاد ہیں- دوسرے یہ کہ اولاد بھی لڑکیاں- تیسرے یہ کہ خود فرشتوں کی عبادت شروع کر دی-

پھر فرماتا ہے کہ آخر کس چیز نے اللہ کو مجبور کیا کہ اس نے لڑکے تو لئے نہیں اور لڑکیاں اپنی ذات کے لئے پسند فرمائیں؟ جیسے اور آیت میں ہے کہ تمہیں تو لڑکوں سے نوازے اور فرشتوں کو اپنی لڑکیاں بنائے- یہ تو تمہاری نہایت درجہ کی لغویات ہے- یہاں فرمایا' کیا تمہیں عقل نہیں جو ایسی دور از قیاس باتیں بناتے ہو؟ تم سمجھتے نہیں ہو کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا کیسا برا ہے؟ اچھا اگر کوئی دلیل تمہارے پاس ہو تو لاؤ' اسی کو پیش کرو- یا اگر کسی آسمانی کتاب سے تمہارے اس قول کی سند ہو اور تم سچے ہو تو لاؤ اسی کو سامنے لے آؤ- یہ تو ایسی لچر اور فضول بات ہے جس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو ہی نہیں سکتی- اتنے ہی پر بس نہ کی' جنات میں اور اللہ میں بھی رشتے داری قائم کی- مشرکوں کے اس قول پر کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے سوال کیا کہ پھر ان کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا جن سرداروں کی لڑکیاں- حالانکہ خود جنات کو اس کا یقین وعلم ہے کہ اس قول کے قائل قیامت کے دن عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے- ان میں بعض دشمنان الٰہی تو یہاں تک کم عقلی کرتے تھے کہ شیطان بھی اللہ کا بھائی ہے- نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ اس سے بہت پاک' منزہ اور بالکل دور ہے جو یہ مشرک اس کی ذات پر اتہام لگاتے ہیں اور جھوٹے بہتان باندھتے ہیں- اس کے بعد استثناء منقطع ہے اور ہے مثبت مگر اس صورت میں کہ یَصِفُوْنَ کی ضمیر کا مرجع تمام لوگ قرار دیئے جائیں- پس ان میں سے ان لوگوں کو الگ کر لیا جو حق کے ماتحت ہیں اور تمام نبیوں رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ سے ہے یعنی سب کے سب عذاب میں پھانس لئے جائیں گے مگر وہ بندگان اللہ جو اخلاص والے تھے- یہ قول ذرا تامل طلب ہے- واللہ اعلم-

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ
صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَاِنَّا
لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِنْ كَانُوْا
لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے سارے معبودان ○ باطل کسی ایک کو بھی بہکا نہیں سکتے ○ بجز اس کے جو جہنمی ہی ہے ○ فرشتوں کا قول ہے کہ ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے ○ اور ہم تو بندگی الٰہی میں صف بستہ کھڑے ہیں ○ اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں ○ یہ کفار تو کہا کرتے تھے کہ ○ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات ہوتے ○ تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے چیدہ بندے بن جاتے ○ لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے۔ پس اب عنقریب جان لیں گے ○

فرشتوں کے اوصاف : ☆☆ (آیت: ۱۶۱-۱۷۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرما رہا ہے کہ تمہاری گمراہی اور شرک وکفر کی تعلیم وہی قبول کریں گے جو جہنم کے لئے پیدا کئے گئے ہوں، جو عقل سے خالی، کانوں سے بہرے اور آنکھوں کے اندھے ہوں جو مثل چوپایوں کے بلکہ ان سے بھی بدر جہا بدتر ہوں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے کہ اس سے وہی گمراہ ہو سکتے ہیں جو دماغ کے خالی اور باطل کے شیدائی ہوں۔ ازاں بعد فرشتوں کی برات اور ان کی تسلیم و رضا، ایمان و اطاعت کا ذکر فرمایا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر جگہ اور ایک مقام عبادت مخصوص ہے جس سے نہ ہم ہٹ سکتے ہیں نہ اس میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ آسمان چر چرا رہا ہے اور واقع میں اسے چر چرانا بھی چاہیے۔ اس میں ایک قدم رکھنے جتنی جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع سجدے میں پڑا ہوا نہ ہو۔ پھر آپؐ نے ان تینوں آیتوں کی تلاوت کی۔ ایک روایت میں آسمان دنیا کا لفظ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، ایک بالشت بھر جگہ آسمانوں میں ایسی نہیں جہاں پر کسی نہ کسی فرشتے کے قدم یا پیشانی نہ ہو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، پہلے تو مرد عورت ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد مردوں کو آگے بڑھا دیا گیا اور عورتوں کو پیچھے کر دیا گیا اور ہم سب فرشتے صف بستہ عبادت الٰہی کیا کرتے ہیں۔ آیت وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا کی تفسیر میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ ولید بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے تک نماز کی صفیں نہیں تھیں۔ پھر صفیں مقرر ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ اقامت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے، صفیں ٹھیک درست کر لو سیدھے کھڑے ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرح صف بندی چاہتا ہے۔ جیسے وہ فرماتے ہیں وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ اے فلاں آگے بڑھ، اے فلاں پیچھے ہٹ۔ پھر آپ آگے بڑھ کر نماز شروع کرتے (ابن ابی حاتم) صحیح مسلم میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، ہمیں تین فضیلتیں ایسی دی گئی ہیں جن میں اور کوئی ہمارے ساتھ نہیں۔ ہماری صفیں فرشتوں جیسی بنائی گئیں۔ ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی۔ اور ہمارے لئے زمین کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی۔ ہم اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ اس کی بزرگی اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ تمام نقصانوں سے اسے پاک مانتے ہیں۔ ہم سب فرشتے اس کے غلام ہیں۔ اس کے محتاج ہیں۔ اس کے سامنے اپنی پستی اور عاجزی کا اظہار کرنے والے ہیں۔ پس یہ تینوں اوصاف فرشتوں کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تسبیح کرنے والوں سے مراد نماز پڑھنے والے ہیں۔

اور آیت میں ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ الخ یعنی کفار نے کہا، اللہ کی اولاد ہے، اللہ اس سے پاک ہے البتہ فرشتے اس کے محترم بندے ہیں۔ اس کے فرمان سے آگے نہیں بڑھتے، اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، وہ ان کا آگا پیچھا بخوبی جانتا ہے۔ وہ کسی کی شفاعت کا بھی اختیار نہیں رکھتے بجز اس کے جس کے لئے رحمان راضی ہو، وہ تو خوف الٰہی سے تھرتھراتے رہتے ہیں۔ ان میں سے جو اپنے آپ کو لائق عبادت کہے، ہم اسے جہنم میں جھونک دیں، ظالموں کی سزا ہمارے ہاں یہی ہے۔ نبیؐ ان کے پاس آئے، اس سے پہلے تو یہ کہتے

تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی آ جائے جو ہمیں اللہ کی راہ کی تعلیم دیتا اور ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات بطور نصیحت پیش کرتا اور ہمارے پاس کتاب اللہ لے آتا تو یقیناً ہم مخلص مسلمان بن جاتے - جیسے آیت میں ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ الخ یعنی بڑی پختہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر کوئی نبی اللہؐ ہماری موجودگی میں آ جائیں تو ہم بڑے نیک بن جائیں گے اور ہدایت کی راہ کی طرف سب سے پہلے دوڑیں گے لیکن جب نبی اللہؐ آ گئے تو بھاگ کھڑے ہوئے - اور آیت میں فرمایا اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الخ پس یہاں فرمایا کہ جب یہ تمنا پوری ہوئی تو کفر کرنے لگے - اب انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سے کفر کرنے کا اور نبی کو جھٹلانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ
لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے ○ کہ وہی مظفر و منصور ہوں گے ○ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا ○

عذاب الٰہی آ کر رہے گا: ☆☆ (آیت: ۱۷۱-۱۷۹) ارشاد باری ہے کہ ہم تو اگلی کتابوں میں بھی لکھ آئے ہیں - پہلے نبیوں کی زبانی بھی دنیا کو سنا چکے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے رسول اور ان کے تابعداروں ہی کا انجام بہتر ہوتا ہے جیسے فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ الخ اور فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ یعنی میں، میرے رسول اور ایماندار ہی دونوں جہان میں غالب رہیں گے - یہاں بھی یہی فرمایا کہ رسولوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ منصور ہیں - ہم خود ان کی مدد کریں گے - دیکھتے چلے آؤ کہ ان کے دشمن کس طرح خاک میں ملا دیئے گئے؟ یاد رکھو، ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا - انجام کار انہی کے ہاتھ رہے گا - تو ایک وقت مقررہ تک صبر و استقامت سے معاملہ دیکھتا رہ، ان کی ایذاؤں پر صبر کر - ہم تجھے ان سب پر غالب کر دیں گے - دنیا نے دیکھ لیا کہ یہی ہوا بھی - تو انہیں دیکھتا رہ کہ کس طرح اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوتی ہے؟ اور کس طرح یہ ذلت و توہین کے ساتھ پکڑ لئے جاتے ہیں؟ یہ خود ان تمام رسوائیوں کو ابھی ابھی دیکھ لیں گے - تعجب سا تعجب ہے کہ یہ طرح طرح کے چھوٹے چھوٹے عذابوں کی گرفت کے باوجود ابھی تک بڑے عذاب کو محال جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کب آئے گا؟ پس انہیں جواب ملتا ہے کہ جب عذاب ان کے میدانوں میں، محلوں میں، انگنائیوں میں آئے گا، وہ دن ان پر بڑا ہی بھاری دن ہو گا - یہ ہلاک اور برباد کر دیئے جائیں گے -

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ خیبر کے میدانوں میں حضورؐ کا لشکر صبح ہی صبح کفار کی بے خبری میں پہنچ گیا - وہ لوگ حسب عادت اپنی کھیتیوں کے آلات لے کر شہر سے نکلے اور اس اللہ کی فوج کو دیکھ کر بھاگے اور شہر والوں کو خبر کی - اس وقت آپؐ نے یہی فرمایا کہ اللہ بہت بڑا ہے - خیبر خراب ہوا - ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر آتے ہیں، اس وقت ان کی درگت ہوتی ہے - پھر دوبارہ پہلے حکم کی تاکید کی کہ تو ان سے ایک مدت معین تک کے لئے بے پرواہ ہو جا اور انہیں چھوڑ دے اور دیکھتا - رہ یہ بھی دیکھ لیں گے -

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾
اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾ ع ۵ ۴۴

اب تو کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لے ○ اور انہیں دیکھتارہ' یہ بھی آگے چل کر دیکھ لیں گے ○ کیا یہ ہمارے عذابوں کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ○ سنو جب ہمار عذاب ان کے میدانوں میں اتر آئے گا' اس وقت ان کی جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا' بڑی بری صبح ہوگی ○ تو کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دے اور دیکھتارہ ○ یہ بھی ابھی دیکھ لیں گے ○ پاک ہے تیرا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس چیز سے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں ○ پیغمبروں پر سلام ہے ○ اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے ○

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بہتانات سے مبرا ہے: ☆☆ (آیت:۱۸۰-۱۸۲) اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے اپنی برات بیان فرماتا ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے تھے- جیسے اولاد شریک وغیرہ- وہ بہت بڑی اور لازوال عزت والا ہے- ان جھوٹے اور مفتری لوگوں کے بہتان سے وہ پاک اور منزہ ہے- اللہ کے رسولوں پر سلام ہے اس لئے کہ ان کی تمام باتیں ان عیوب سے مبرا ہیں جو مشرکوں کی باتوں میں موجود ہیں بلکہ نبیوں کی باتیں اور اوصاف جو وہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بیان کرتے ہیں' سب صحیح اور برحق ہیں- اسی کی ذات کے لئے تمام حمد وثناء ہے- دنیا اور آخرت میں ابتدا اور انتہا کا وہی سزاوار تعریف ہے- ہر حال میں قابل حمد وہی ہے- تسبیح سے' ہر طرح کے نقصان سے اس کی ذات پاک سے دوری ثابت ہوتی ہے' تو ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کے کمالات کی مالک اس کی ذات واحد ہے- اسی کو صاف لفظوں میں حمد ثابت کیا- تاکہ نقصانات کی نفی اور کمالات کا اثبات ہو جائے- ایسے ہی قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں تسبیح اور حمد کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے-

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' تم جب مجھ پر سلام بھیجو' دوسرے نبیوں پر بھی سلام بھیجو کیونکہ میں بھی منجملہ اور نبیوں میں سے ایک نبی ہی ہوں (ابن ابی حاتم) یہ حدیث مسند میں بھی مروی ہے- ابو یعلیٰ کی ایک ضعیف حدیث میں ہے' جب حضور ﷺ سلام کا ارادہ کرتے تو ان تینوں آیتوں کو پڑھ کر سلام کرتے- ابن ابی حاتم میں ہے' جو شخص یہ چاہے کہ بھرپور پیمانے سے ناپ کر اجر پائے تو وہ جس کسی مجلس میں ہو' وہاں سے اٹھتے ہوئے یہ تینوں آیتیں پڑھ لے- اور سند سے یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے- طبرانی کی حدیث میں ہے' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ ان تینوں آیتوں کی تلاوت کرے' اسے بھرپور اجر پورے پیمانے سے ناپ کر ملے گا- مجلس کے کفارے کے بارے میں بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ یہ پڑھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے- الحمد للہ سورۃ الصافات کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمد للہ-

---

تفسیر سورۃ ص

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾

معبود مہربان ذی رحم کے نام سے شروع

اس نصیحت والے قرآن کی قسم O بلکہ کفار غرور و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں O اور ہم نے ان سے پہلے بھی بہت سے قرنوں کو تباہ کر ڈالا۔ انہوں نے ہر چند چیخ و پکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا وقت ہی نہ تھا O

(آیت:۱-۳) حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن کی قسم کھائی اور اسے پند و نصیحت کرنے والا فرمایا۔ کیونکہ اس کی باتوں پر عمل کرنے والے کی دین و دنیا دونوں سنور جاتی ہیں۔ اور آیت میں ہے فِیْهِ ذِكْرُكُمْ اس قرآن میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قرآن شرافت و بزرگی عزت و عظمت والا ہے۔ اب اس قسم کا جواب بعض کے نزدیک تو اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ الخ ہے۔ بعض کہتے ہیں اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ الخ ہے۔ لیکن یہ زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس کا جواب اس کے بعد کی آیت ہے۔ ابن جریرؒ اسی کو مختار بتاتے ہیں۔ بعض عربی داں کہتے ہیں اس کا جواب ص ہے اور اس لفظ کے معنی صداقت اور حقانیت کے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ پوری سورۃ کا خلاصہ اس قسم کا جواب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے یہ قرآن تو سراسر عبرت و نصیحت ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں ایمان ہے۔ کافر لوگ اس فائدے سے اس لئے محروم ہیں کہ وہ متکبر ہیں اور مخالف ہیں۔ یہ لوگ اپنے سے پہلے اور اپنے جیسے لوگوں کے انجام پر نظر ڈالیں تو اپنے انجام سے ڈریں۔ اگلی امتیں اسی جرم پر ہم نے تہ و بالا کر دی ہیں۔ عذاب آ پڑنے کے بعد تو بڑے روئے پیٹے خوب آہ و زاری کی لیکن اس وقت کی تمام باتیں بے سود ہیں۔ جیسے فرمایا فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ الخ ہمارے عذابوں کو معلوم کر کے ان سے بچنا اور بھاگنا چاہا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اب بھاگنے کا وقت نہیں نہ فریاد کا وقت ہے اس وقت کوئی فریاد رسی نہیں کر سکتا۔ چاہے جتنا چیخو چلاؤ محض بے سود ہے۔ اب توحید کی قبولیت بے نفع توبہ بیکار ہے۔ یہ بے وقت کی پکار ہے۔ لَاتَ معنی میں لا کے ہے۔ اس میں ''ت'' زائد ہے جیسے ثم میں بھی ''ت'' زیادہ ہوتی ہے اور ربت میں بھی۔ یہ مفصولہ ہے اور اس پر وقف ہے۔ امام ابن جریرؒ کا قول ہے کہ یہ ''ت'' حین سے ملی ہوئی ہے یعنی وَلَا تَحِیْنُ ہے لیکن مشہور اول ہی ہے۔ جمہور نے حِیْنَ کو زبر سے پڑھا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ وقت آہ و زاری کا وقت نہیں۔ بعض نے یہاں زیر پڑھنا بھی جائز رکھا ہے۔ لغت میں نوص کہتے ہیں پیچھے ہٹنے کو اور بوص کہتے ہیں آگے بڑھنے کو۔ پس مقصد یہ ہے کہ یہ وقت بھاگنے اور نکل جانے کا وقت نہیں۔ واللہ الموفق۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ
كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ
عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى
اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي
الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ایک سمجھانے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے O کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی

معبود کر دیا؟ واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے ○ ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ جاؤ اپنے معبودوں پر جمے رہو یقیناً یہ تو کوئی مطلب و مراد ہے ○ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی۔ کچھ نہیں یہ تو صرف گھڑنت ہے ○

مشرکین کا نبی اکرمؐ پر تعجب: ☆☆ (آیت: ۴-۷) حضور علیہ السلام کی رسالت پر کفار کے حماقت آمیز تعجب کا اظہار ہو رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا الخ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ان میں سے ایک انسان کی طرف ہم نے وحی کی تا کہ وہ لوگوں کو ہوشیار کر دے اور ایمانداروں کو اس بات کی خوش خبری سنا دے کہ اس کے پاس ان کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ کافر تو ہمارے رسول کو کھلا جادوگر کہنے لگے۔ یہیں پر یہ ذکر ہے کہ انہی میں سے انہی جیسے ایک انسان کے رسول بن کر آنے پر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور کذاب ہے۔ رسولؐ کی رسالت پر تعجب کے ساتھ ہی اللہ کی وحدانیت پر بھی انہیں تعجب معلوم ہوا اور کہنے لگے کہ اور سنو! اتنے سارے معبودوں کے بدلے یہ تو کہتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے اور اس کا کوئی کسی طرح کا شریک ہی نہیں۔ ان بیوقوفوں کو اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی جس شرک و کفر کی عادت تھی' اس کے خلاف آواز سن کر ان کے دل دکھنے اور رکنے لگے اور وہ توحید کو ایک انوکھی اور انجان چیز سمجھنے لگے۔ ان کے بڑوں اور سرداروں نے تکبر کے ساتھ منہ موڑتے ہوئے اعلان کیا کہ اپنے قدیمی مذہب پر جمے رہو۔ اس کی بات نہ مانو اور اپنے معبودوں کی عبادت کرتے رہو۔ یہ تو صرف اپنے مطلب کی باتیں کہتا ہے۔ یہ اس بہانے اپنی جما رہا ہے کہ یہ تمہارا سب کا بڑا بن جائے اور تم اس کے تابع فرمان ہو جاؤ۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار قریشیوں کے شریف اور سردار رؤسا ایک مرتبہ جمع ہوئے۔ ان میں ابوجہل بن ہشام' عاص بن وائل' اسود بن المطلب' اسود بن عبد یغوث وغیرہ بھی تھے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ چل کر آج ابو طالب سے آخری فیصلہ کر لیں۔ وہ انصاف کے ساتھ ایک بات ہمارے ذمہ ڈال دے اور ایک اپنے بھتیجے کے ذمے۔ کیونکہ یہ اب انتہائی عمر کو پہنچ چکے ہیں' چراغ سحری ہو رہے ہیں' اگر مر گئے اور ان کے بعد ہم نے محمد (ﷺ) کو کوئی مصیبت پہنچائی تو عرب میں طعنہ دیں گے کہ بڈھے کی موجودگی تک تو کچھ نہ چلی اور ان کی موت کے بعد بہادری آ گئی۔ چنانچہ ایک آدمی بھیج کر ابو طالب سے اجازت مانگی۔ ان کی اجازت پر سب گھر میں گئے اور کہا سنئے جناب! آپ ہمارے سردار ہیں' بزرگ ہیں بڑے ہیں۔ ہم آپ کے بھتیجے سے اب بہت تنگ آ گئے ہیں۔ آپ انصاف کے ساتھ ہم میں اور اس میں فیصلہ کر دیجئے۔ دیکھئے ہم آپ سے انصاف چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور نہ ہم انہیں ستائیں۔ وہ مختار ہیں' جس کی چاہیں عبادت کریں لیکن ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ابو طالب نے آدمی بھیج کر اللہ کے رسول ﷺ کو بلوایا اور کہا جان پدر' دیکھتے ہو آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ سب جمع ہوئے ہیں اور آپ سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کی توہین اور برائی کرنے سے باز آ جائیں اور یہ آپ کو آپ کے دین پر چلنے میں آزادی دے رہے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا' چچا جان کیا میں انہیں بہترین اور بڑی بھلائی کی طرف نہ بلاؤں؟ ابو طالب نے کہا' وہ کیا ہے؟ فرمایا' یہ ایک کلمہ کہہ دیں' صرف اس کے کہنے کی وجہ سے سارا عرب ان کے ماتحت ہو جائے گا اور سارے عجم پر ان کی حکومت ہو جائے گی۔ ابوجہل ملعون نے سوال کیا کہ اچھا بتاؤ' وہ ایسا کون سا کلمہ ہے؟ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بس یہ سننا تھا کہ شور و غل کر دیا اور کہنے لگے' اس کے سوا جو تو مانگے' ہم دینے کو تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اگر تم سورج کو بھی لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو تو بھی تو تم سے اس کلمے کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ سارے کے سارے مارے غصے اور غضب کے بھنا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے' واللہ ہم تجھے اور تیرے اللہ کو گالیاں دیں گے جس نے تجھے یہ حکم دیا ہے۔ اب یہ چلے اور ان کے سردار یہ کہتے رہے کہ جاؤ اپنے دین پر

اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو- معلوم ہو گیا کہ اس شخص کا تو ارادہ ہی اور ہے- یہ تو بڑا بننا چاہتا ہے (ابن ابی حاتم وغیرہ)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کے بھاگ جانے کے بعد حضورؐ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ ہی اس کلمے کو پڑھ لیجئے- اس نے کہا' نہیں میں تو اپنے باپ دادوں اور قوم کے بڑوں کے دین پر ہی رہوں گا- اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا کہ جسے تو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا- اور روایت میں ہے کہ اس وقت ابو طالب بیمار تھے اور اسی وجہ سے وہ مرا بھی- جس وقت حضورؐ تشریف لائے' اس وقت ابو طالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ خالی تھی- باقی تمام گھر آدمیوں سے بھرا ہوا تھا تو ابو جہل خبیث نے خیال کیا کہ اگر آپؐ آ کر اپنے چچا کے پاس بیٹھ گئے تو زیادہ اثر ڈال سکیں گے اس لئے یہ ملعون کود کر وہاں جا بیٹھا اور حضورؐ کو دروازہ کے پاس ہی بیٹھنا پڑا- حضورؐ نے جب ایک کلمہ کہنے کو کہا تو سب نے جواب دیا کہ ایک نہیں دس- ہم سب منتظر ہیں- فرمایئے وہ کیا کلمہ ہے؟ اور جب کلمہ توحید آپؐ کی زبانی سنا تو کپڑے جھاڑتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے لو اور سنو' یہ تو سارے معبودوں کا ایک معبود بنا رہا ہے- اس پر یہ آیتیں عذاب تک اتریں- امام ترمذیؒ اس روایت کو حسن کہتے ہیں-

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ
ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ؕ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ
رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۚ﴿۹﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ فَلْيَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ
مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾

یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر کلام الٰہی نازل کیا جائے؟ دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہی ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اب تک میرے عذاب چکھے ہی نہیں ○ یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں؟ ○ یا کیا آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت انہی کی ہے؟ تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں ○ یہ بھی بڑے بڑے لشکروں میں سے شکست پایا ہوا چھوٹا سا لشکر ہے ○

(آیت:۸-۱۱) ہم نے تو یہ بات نہ اپنے دین میں دیکھی نہ نصرانیوں کے دین میں- یہ بالکل غلط اور جھوٹ اور بے سند بات ہے- یہ کیسے کچھ تعجب کی بات ہے کہ اللہ میاں کو کوئی اور نظر ہی نہ آیا اور اس پر قرآن اتار دیا- جیسے ایک اور آیت میں ان کا قول ہے لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ اتارا گیا؟ جس کے جواب میں جناب باری کا ارشاد ہوا کہ کیا یہ لوگ رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے ہیں؟ یہ تو اس قدر محتاج ہیں کہ ان کی اپنی روزیاں اور درجے بھی ہم تقسیم کرتے ہیں- الغرض یہ اعتراض بھی ان کی حماقت کا غرہ تھا- اللہ فرماتا ہے' یہ ہے ان کے شک کا نتیجہ- اور وجہ یہ ہے کہ اب تک یہ چکنی چپڑی کھاتے رہے ہیں- ہمارے عذابوں سے سابقہ نہیں پڑا- کل قیامت کے دن جبکہ دھکے دے کر جہنم میں گرائے جائیں گے' اس وقت اپنی اس سرکشی کا مزہ پائیں گے- پھر اللہ تعالیٰ اپنا قبضہ اور اپنی قدرت ظاہر فرماتا ہے کہ جو وہ چاہے کرے' جسے چاہے جو چاہے دے' عزت ذلت اس کے ہاتھ ہے' ہدایت و ضلالت اس کی طرف سے ہے- وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی نازل فرمائے اور جس کے دل پر چاہے اپنی مہر لگا دے- بندوں کے اختیار میں کچھ نہیں' وہ محض بے بس بالکل لاچار اور سراسر مجبور ہیں- اسی لئے فرمایا کیا ان کے پاس

اس بلند جناب غالب وہاب اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یعنی نہیں ہیں۔ جیسے فرمایا اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ الخ اگر اللہ کی حکمرانی کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ بخیل تو کسی کو ٹکڑا بھی نہ کھانے دیتے۔ یا انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں اللہ کا فضل دیکھ کر حسد آ رہا ہے؟ ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت اور بہت بڑی سلطنت دی تھی۔ ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور بعض ایمان سے رکے رہے جو بھڑکتی جہنم کے لقمے بنیں گے۔ وہ آگ ہی انہیں کافی ہے۔

اور آیت میں ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا یعنی اگر میرے رب کی رحمتوں کے خزانے تمہاری ملکیت میں ہوتے تو تم تو کمی سے ڈر کر خرچ کرنے سے رک جاتے۔ انسان ہے ہی ناشکرا۔ قوم صالحؑ نے بھی اپنے نبیؑ سے یہی کہا تھا کہ اَءُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا الخ کیا ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر ذکر اتارا گیا؟ نہیں بلکہ یہ کذاب اور شریر ہے۔ اللہ فرماتا ہے' کل معلوم کر لیں گے کہ ایسا کون ہے؟ پھر فرمایا' کیا زمین آسمان اور اس کے درمیان کی چیزوں پر ان کا اختیار ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر آسمانوں کی راہوں پر چڑھ جائیں۔ ساتویں آسمان پر پہنچ جائیں۔ یہ یہاں کا لشکر بھی عنقریب ہزیمت و شکست اٹھائے گا اور مغلوب و ذلیل ہوگا۔ جیسے اور بڑے بڑے گروہ حق سے ٹکرائے اور پاش پاش ہو گئے' جیسے اور آیت میں ہے اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ الخ یعنی کیا ان کا قول ہے کہ ہم بڑی جماعت ہیں اور ہم ہی فتح یاب رہیں گے؟ سنو انہیں ابھی ابھی شکست فاش ہوگی اور پیٹھ دکھاتے ہوئے بزدلی کے ساتھ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ بدر والے دن اللہ کی فرماں روائی نے اللہ کی باتوں کی سچائی انہیں اپنی آنکھوں سے دکھائی۔ اور ابھی ان کے عذابوں کے وعدے کا دن تو آخرت کا دن ہے جو سخت' کڑوا اور نہایت دہشت ناک اور وحشت والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ
وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ
اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا ع ۱۴ ۱۰
صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ
لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

ذان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عادیوں نے اور میخوں والے فرعون نے جھٹلایا تھا ○ اور ثمودیوں نے اور قوم لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں نے بھی۔ یہی بڑے بڑے لشکر تھے ○ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو پس میری طرف کی سزا ان پر ثابت ہوگئی ○ انہیں صرف ایک تند نعرے کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے ○ کہنے لگے کہ ہماری سرنوشت تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی دے دے ○

گذشتہ مغرور قوموں کا انجام : ☆☆ (آیت:۱۲-۱۶) ان سب کے واقعات کئی مرتبہ بیان ہو چکے ہیں کہ کس طرح ان پر ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب ٹوٹ پڑے۔ یہی وہ جماعتیں ہیں جو مال و اولاد میں' قوت و طاقت میں' زور و زر میں' تمہارے زمانہ کے ان کٹر کافروں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں لیکن امر الٰہی کے آ چکنے کے بعد انہیں کوئی چیز کام نہ آئی۔ پھر ان کی تباہی کی وجہ بھی بیان ہوئی کہ یہ رسولوں کے دشمن تھے۔ انہیں جھوٹا کہتے تھے۔ انہیں صرف صور کا انتظار ہے اور اس میں بھی کوئی دیر نہیں۔ بس وہ ایک آواز ہوگی کہ جس کے

کان میں پڑی، بے ہوش و بے جان ہو گیا۔ سوائے ان کے جنہیں رب نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

قِطّ کے معنی کتاب اور حصے کے ہیں۔ مشرکین کی بیوقوفی اور ان کا عذابوں کو محال سمجھ کر نڈر ہو کر عذابوں کے طلب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا، اللہ اگر یہ صحیح ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا اور کوئی دردناک عذاب آسمانی ہمیں پہنچا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا جنت کا حصہ یہاں طلب کیا اور یہ جو کچھ کہا، یہ بہ وجہ اسے جھوٹا سمجھنے اور محال جاننے کے تھا۔ ابن جریرؒ کا فرمان ہے کہ جس خیر و شر کے وہ دنیا میں مستحق تھے، اسے انہوں نے جلد طلب کیا۔ یہی بات ٹھیک ہے۔ ضحاک اور اسماعیل کی تفسیر کا ماحصل بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب اور ہنسی کے مقابلے میں اپنے نبیؐ کو صبر کی تعلیم دی اور برداشت کی تلقین کی۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾
اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ
مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ
الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

تو ان کی باتوں پر صبر کر اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کر جو بڑی قوت والا تھا۔ یقیناً وہ بہت رجوع رہنے والا تھا ○ ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں ○ اور اڑتے جانور جمع ہو کر، سب کے سب اس کے زیر فرمان رہتے ○ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ سمجھا دیا تھا ○

حضرت داؤد علیہ السلام کی فراست : ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۰) ذَا الْاَيْدِ سے مراد علمی اور عملی قوت والا ہے۔ اور صرف قوۃ والے کے معنی بھی ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ الخ مجاہدؒ فرماتے ہیں، مراد اطاعت کی طاقت ہے۔ حضرت داؤدؑ کو عبادت کی قدرت اور اسلام کی فقہ عطا فرمائی گئی تھی۔ یہ مذکور ہے کہ آپ ہر رات تہائی رات تک تہجد میں کھڑے رہتے تھے اور ایک دن بعد ایک دن ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤدؑ کی رات کی نماز اور انہی کے روزے تھے۔ آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ رات کا پھر سو جاتے، اور ایک دن روزہ رکھتے، ایک دن نہ رکھتے۔ اور دشمنان دین سے جہاد کرنے میں پیٹھ نہ دکھاتے اور اپنے ہر حال میں اللہ کی طرف رغبت و رجوع رکھتے۔ پہاڑوں کو ان کے ساتھ مسخر کر دیا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ سورج کے چمکنے کے وقت اور دن کے آخری وقت تسبیح بیان کرتے۔ جیسے فرمان ہے يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ یعنی اللہ نے پہاڑوں کو ان کے ساتھ رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح پرندے بھی آپ کی آواز سن کر آپ کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرنے لگ جاتے، اڑتے ہوئے پرند پاس سے گزرتے اور آپ توراۃ پڑھتے ہوتے تو آپ کے ساتھ ہی وہ بھی تلاوت میں مشغول ہو جاتے اور اڑنا بھول جاتے بلکہ ٹھہر جاتے۔ حضورؐ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کے وقت حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں آٹھ رکعت نماز ادا کی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے، کہ یہ بھی وقت نماز ہے جیسے فرمان ہے يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ایک دن میں انہیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ ان سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی۔ تو مائی صاحبہؓ نے فرمایا، فتح مکہ

والے دن میرے گھر میں میرے پاس اللہ کے رسول ﷺ آئے۔ پھر ایک برتن میں پانی بھروایا اور ایک کپڑا تان کر نہانے بیٹھ گئے۔ پھر گھر کے ایک کونے میں پانی چھڑک کر آٹھ رکعت صلوٰۃ ضحیٰ کی ادا کیں' ان کا قیام' رکوع' سجدہ اور جلوس سب قریب قریب برابر تھے۔ حضرت ابن عباسؓ جب یہ سن کر وہاں سے نکلے تو فرمانے لگے' پورے قرآن کو میں نے پڑھ لیا لیکن میں نہیں جانتا کہ ضحیٰ کی نماز کیا ہے؟ آج مجھے معلوم ہوا کہ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ والی آیت میں بھی اشراق سے مراد یہی ضحیٰ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا۔ جب حضرت داؤدؑ اللہ کی پاکیزگی اور بزرگی بیان فرماتے تو پرندے بھی ہواؤں میں رک جاتے تھے اور حضرت داؤدؑ کی ماتحتی میں ان کی تسبیح کا ساتھ دیتے تھے اور اس کی سلطنت ہم نے مضبوط کر دی اور بادشاہوں کو جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے' ہم نے اسے سب دے دیں۔ چار ہزار تو ان کی محافظ سپاہ تھی۔ اس قدر فوج تھی کہ ہر رات تینتیس ہزار فوجی پہرے پر چڑھتے تھے لیکن جو آج کی رات آتے' پھر سال بھر تک ان کی باری نہ آتی۔ چالیس ہزار آدمی ہر وقت ان کی خدمت میں مسلح تیار رہتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے زمانے میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں میں ایک مقدمہ ہوا۔ ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ دوسرے نے اس جرم سے انکار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے دلیل طلب کی' وہ کوئی گواہ پیش نہ کر سکا' آپؑ نے فرمایا' اچھا تمہیں کل فیصلہ سنایا جائے گا۔ رات کو حضرت داؤدؑ کو خواب میں حکم ہوا کہ دعوے دار کو قتل کر دو۔ صبح آپ نے دونوں کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس مدعی کو قتل کر دیا جائے۔

اس نے کہا' اے اللہ کے نبی آپ میرے ہی قتل کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ اس نے میری گائے چرا لی ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ میرا حکم نہیں' یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور ناممکن ہے کہ یہ ٹل جائے۔ تو تیار ہو جا۔ تب اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں اپنے دعوے میں تو سچا ہوں' اس نے میری گائے غصب کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے قتل کا حکم میرے اس مقدمے کی وجہ سے نہیں کیا۔ اس کی وجہ اور ہی ہے اور اسے صرف میں ہی جانتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آج میں نے اسے فریب سے قتل کر دیا ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ پس اس کے بدلے میں اللہ نے آپ کو قصاص کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ اب تو حضرت داؤدؑ کی ہیبت ہر شخص کے دل میں بیٹھ گئی۔ ہم نے اسے حکمت دی تھی یعنی فہم و عقل' زیرکی اور دانائی۔ عدل و فراست کتاب اللہ اور اس کی اتباع نبوت و رسالت وغیرہ۔ اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ۔ یعنی گواہ لینا' قسم کھلوانا۔ مدعی کے ذمہ بار ثبوت ڈالنا' مدعی علیہ سے قسم لینا۔ یہی طریقہ فیصلوں کا' انبیاء کا اور نیک لوگوں کا رہا اور یہی طریقہ اس امت میں رائج ہے۔ غرض حضرت داؤدؑ معاملے کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اور حق و باطل' سچ جھوٹ میں' صحیح اور کھرے کا امتیاز کر لیتے تھے۔ کلام بھی آپ کا صاف ہوتا تھا اور حکم بھی عدل پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ ہی نے اما بعد کا کہنا ایجاد کیا ہے۔ اور فصل الخطاب سے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝۲۱ إِذْ دَخَلُوْا
عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا
عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ إِلٰى
سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝۲۲ إِنَّ هٰذَآ أَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝۲۳

کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر ہوئی جبکہ وہ دیوار پھاند کر عبادت کی جگہ آ گئے ○ جب یہ حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچے' یہ ان سے ڈر گئے' انہوں نے کہا' خوف نہ کیجئے' ہم دونوں آپس ہی میں جھگڑا اور زیادتی کر رہے ہیں۔ آپ ہمارے درمیان حق فیصلہ کر دیجئے' ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے ○ سنئے یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس تو ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے اور مجھ پر بڑی تیزی اور سختی برتتا ہے ○

(آیت: ۲۱-۲۵) مفسرین نے یہاں پر ایک قصہ بیان کیا ہے لیکن اس کا اکثر حصہ بنواسرائیل کی روایتوں سے لیا گیا ہے۔ حدیث سے ثابت نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے لیکن وہ بھی ثابت نہیں کیونکہ اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے گو وہ نہایت نیک شخص ہے لیکن ہے ضعیف۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ قرآن میں جو ہے اور جس پر یہ شامل ہے' وہ حق ہے۔ حضرت داؤدؑ کا انہیں دیکھ کر گھبرانا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی تنہائی کے خاص خلوت خانے میں تھے اور پہرہ داروں کو منع کیا تھا کہ کوئی بھی آج اندر نہ آئے اور یکا یک ان دونوں کو جو دیکھا تو گھبرا گئے۔ عزنی الخ' سے مطلب بات چیت میں غالب آ جانا' دوسرے پر چھا جانا ہے۔ حضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے پس وہ رکوع سجدہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف جھک پڑے۔ مذکور ہے کہ چالیس دن تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ پس ہم نے اسے بخش دیا۔ یہ یاد رہے کہ جو کام عوام کے لئے نیکیوں کے ہوتے ہیں' وہی کام خواص کے لئے بعض مرتبہ بدیوں کے بن جاتے ہیں۔ یہ آیت سجدے کی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت امام شافعیؒ کا جدید مذہب تو یہ ہے کہ یہاں سجدہ ضروری نہیں۔ یہ تو سجدہ شکر ہے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ص ضروری سجدوں میں سے نہیں۔ ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (بخاری وغیرہ) نسائی میں ہے کہ حضورؐ نے یہاں سجدہ کر کے فرمایا' یہ سجدہ حضرت داؤدؑ کا تو توبہ کے لئے تھا اور ہمارا شکر کے لئے ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یا رسول اللہؐ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَّ اجْعَلْھَالِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّضَعْ بِھَا عَنِّیْ وِزْرًا وَّاقْبَلْھَا مِنِّیْ کَمَا قَبِلْتَھَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ یعنی اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر اور خزانے کا سبب بنا اور اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤدؑ کے سجدے کو قبول فرمایا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدے میں وہی دعا پڑھی جو اس شخص نے درخت کی دعا نقل کی تھی۔ ابن عباسؓ اس آیت

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا
مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ
رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا
لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

آپ نے فرمایا' اس کا اپنی اتنی دنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بیشک ایک ظلم ہے' اور اکثر ساجھی اور شریک ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے پر ظلم وستم کرتے ہیں' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں اور حضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے ○ پھر تو

اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے اور پوری طرح رجوع ہو گئے ۔ پس ہم نے بھی اسے وہ معاف کر دیا، یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں ○

کے سجدے پر یہ دلیل وارد کرتے تھے کہ قرآن نے فرمایا ہے، اس کی اولاد میں سے داؤد و سلیمانؑ ہیں جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی ۔ پس تو اے نبیؐ ان کی ہدایت کی پیروی کر، پس حضورؐ ان کی اقتداء کے مامور تھے اور یہ صاف ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور حضورؐ نے بھی یہ سجدہ کیا ۔ ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں سورۂ ص لکھ رہا ہوں جب آیت سجدہ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلم اور دوات اور میرے آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا ۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضورؐ سے بیان کیا ۔ پھر آپؐ اس آیت کی تلاوت کے وقت برابر سجدہ کرتے رہے (احمد)

ابو داؤد میں ہے کہ حضورؐ نے منبر پر سورۂ ص پڑھی اور سجدے کی آیت تک پہنچ کر منبر سے اتر کر آپؐ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ ہی اور سب نے بھی سجدہ کیا ۔ ایک مرتبہ اور آپ نے اسی سورت کی تلاوت کی جب آیت سجدہ تک پہنچے تو لوگوں نے سجدے کی تیاری کی آپؐ نے فرمایا یہ تو ایک نبی کی توبہ کا سجدہ تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہو چنانچہ آپؐ اترے اور سجدہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے اسے بخش دیا ۔ قیامت کے دن اس کی بڑی منزلت اور قدر ہو گی ۔ نبیوں اور عادلوں کا درجہ وہ پائیں گے ۔ حدیث میں ہے، عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے ۔ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں ۔ یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل و عیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں، عدل و انصاف کرتے ہیں ۔ اور حدیث میں ہے، سب سے زیادہ اللہ کے دوست اور سب سے زیادہ اس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں اور سب سے زیادہ دشمن اور سب سے سخت عذاب والے وہ ہوں گے جو ظالم بادشاہ ہوں ۔ (ترمذی وغیرہ) حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں، قیامت کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اے داؤد جس پیاری دردناک میٹھی اور جاذب آواز سے تم میری تعریفیں دنیا میں کرتے تھے، اب بھی کرو ۔ آپ فرمائیں گے باری تعالیٰ اب وہ آواز کہاں رہی؟ اللہ فرمائے گا، میں نے وہی آواز آج تمہیں پھر عطا فرمائی ۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی دلکش اور دلربا آواز نکال کر نہایت وجد کی حالت میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں گے جسے سن کر جنتی اور نعمتوں کو بھی بھول جائیں گے اور یہ سریلی آواز اور نورانی گلا انہیں سب نعمتوں سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرے گا ۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا
نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶ع ۱۲ ۱۱

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا دیا ۔ تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں راہ الٰہی سے بھٹکا دے گی یقیناً جو لوگ راہ الٰہی سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے ○

صاحب اختیار لوگوں کے لئے انصاف کا حکم: ☆☆ (آیت: ۲۶) اس آیت میں بادشاہ اور ذی اختیار لوگوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ

عدل وانصاف کے ساتھ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کیا کریں ورنہ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور جو بھٹک کر اپنے حساب کے دن کو بھول جائے، وہ سخت عذابوں میں مبتلا ہوگا۔ حضرت ابوزرعہ رحمتہ اللہ علیہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا خلیفہ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا سچ بتادوں۔ خلیفہ نے کہا۔ ضرور سچ ہی بتاؤ اور آپ کو ہر طرح امن ہے۔ فرمایا، اے امیرالمومنین اللہ کے نزدیک آپ سے بہت بڑا درجہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ انہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی لیکن اس کے باوجود کتاب اللہ ان سے کہتی ہے یَا دَاوٗدُ اِنَّا الخ،

عکرمہؒ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب کو سخت عذاب ہیں ان کے بھول جانے کے باعث۔ سدیؒ کہتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۖ اَمْ نَجْعَلُ
الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ
وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو باطل اور ناحق پیدا نہیں کیا، یہ گمان تو کافروں کا ہے، سو کافروں کے لئے خرابی ہے آگ کی ○ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ان کے برابر کر دیں گے جو ہمیشہ زمین میں فساد مچاتے رہے؟ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ ○ یہ بابرکت کتاب جو ہم نے تیری طرف اس لئے نازل فرمائی ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں ○

(آیت: ۲۷-۲۹) ارشاد ہے کہ مخلوق کی پیدائش عبث اور بیکار نہیں۔ یہ سب عبادت خالق کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پھر ایک وقت آنے والا ہے کہ ماننے والوں کی سربلندی کی جائے اور نہ ماننے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ کافروں کا خیال ہے کہ ہم نے انہیں یونہی پیدا کر دیا ہے؟ دار آخرت اور دوسری زندگی کوئی چیز نہیں یہ غلط ہے۔ ان کافروں کو قیامت کے دن بڑی خرابی ہوگی کیونکہ اس آگ میں انہیں جلنا پڑے گا جو ان کے لئے اللہ کے فرشتوں نے بڑھکا رکھی ہے۔ یہ ناممکن ہے اور ان ہونی بات ہے کہ مومن و مفسد کو اور پرہیزگار اور بدکار کو ایک جیسا کر دیں۔ اگر قیامت آنے والی ہی نہ ہو تو یہ دونوں انجام کے لحاظ سے یکساں ہی رہے۔ حالانکہ یہ خلاف انصاف ہے قیامت ضرور آئے گی نیک کار جنت میں اور گنہگار جہنم میں جائیں گے۔ پس عقلی اقتضا بھی دار آخرت کے ثبوت کو ہی چاہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم پاپی اللہ کی درگاہ سے راندہ ہوا دنیا میں خوش وقت ہے مال اولاد فراغت تندرستی سب کچھ اس کے پاس ہے اور ایک مومن متقی پاک دامن ایک ایک پیسے سے تنگ ایک ایک راحت سے دور ہے۔ تو حکمت علیم وحکیم وعادل کا اقتضاء یہ تھا کہ کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ اس نمک حرام سے اس کی نمک حرامی کا بدلہ لیا جائے اور اس صابر وشاکر فرمانبردار کی نیکیوں کا اسے بدلہ دیا جائے۔ اور یہی دار آخرت میں ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس جہان کے بعد ایک جہان یقیناً ہے۔ چونکہ یہ پاک تعلیم قرآن سے ہی حاصل ہوئی ہے اور اس نیکی کا رہبر یہی ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اسے سمجھیں اور ذی عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کر سکیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، جس نے قرآن کے الفاظ حفظ کر لئے اور قرآن پر عمل نہیں کیا، اس نے قرآن میں تدبر و غور بھی نہیں کیا۔ لوگ کہتے ہیں، ہم نے پورا قرآن پڑھ لیا لیکن قرآن کی ایک نصیحت یا قرآن کے ایک حکم کا نمونہ ان میں نظر نہیں آتا۔ ایسا نہ چاہیے۔ اصل غور و خوض اور نصیحت و عبرت عمل ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۭ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ
بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ
عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۣ وقفة ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ
فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

ہم نے داؤدؑ کو سلیمان نامی فرزند عطا فرمایا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع رہنے والا تھا ○ ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خاصے کے گھوڑے پیش کئے گئے ○ تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑروں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا ○ ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ○

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث : ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۳) اللہ تعالیٰ نے جو ایک بڑی نعمت حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی، اس کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی نبوت کا وارث ان کے لڑکے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کر دیا۔ اسی لئے صرف حضرت سلیمانؑ کا ذکر کیا ورنہ ان کے اور بچے بھی تھے۔ ایک سو عورتیں آپ کی لونڈیوں کے علاوہ تھیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ یعنی حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے یعنی نبوت آپ کے بعد انہیں ملی۔ یہ بھی بڑے اچھے بندے تھے یعنی خوب عبادت گزار تھے اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے۔ مکحولؒ کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبی نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ کی طرف سکینت اور ایمان۔ پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ جواب ملا اللہ کی رحمت۔ پوچھا سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا، اللہ کا لوگوں سے درگزر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا (ابن ابی حاتم) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کی بادشاہت کے زمانے میں ان کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ یہ بہت تیز رفتار تھے جو تین ٹانگوں پر کھڑے رہتے تھے اور ایک پیر یونہی سا زمین پر ٹکتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پردار گھوڑے تھے۔ تعداد میں بیس تھے۔ ابراہیم تیمی نے گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار بتلائی ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوداؤد میں ہے، حضورؐ تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے، گھر میں تشریف فرما تھے جو تیز ہوا کے جھونکے سے گھر کے کونے کا پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت عائشہؓ کی کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضورؐ کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت کیا، یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا، میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جس کے دو پر بھی کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گھوڑا ہے، فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف کپڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا اچھا گھوڑا اور اس کے پر

بھی؟ صدیقہؓ نے عرض کیا' کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے پر دار گھوڑے تھے' یہ سن کر حضورؐ ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے- حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے دیکھنے بھالنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز کا خیال ہی نہ رہا- بالکل بھول گئے- جیسے کہ حضور علیہ السلام جنگ خندق والے دن لڑائی کی مشغولیت کی وجہ سے عصر کی نماز نہ پڑھ سکے تھے اور مغرب کے بعد ادا کی- چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار قریش کو برا کہتے ہوئے حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے' حضورؐ میں تو عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکا- آپؐ نے فرمایا' میں بھی اب تک ادا نہیں کر سکا- چنانچہ ہم بطحان میں گئے- وہاں وضو کیا اور سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سلیمانؑ میں جنگی مصالح کی وجہ سے تاخیر نماز جائز ہو اور یہ جنگی گھوڑے تھے جنہیں اسی مقصد سے رکھا تھا- چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا بھی ہے کہ صلوۃ خوف کے جاری ہونے سے پہلے یہی حال تھا- بعض کہتے ہیں' جب تلواریں تنی ہوئی ہوں' لشکر بھڑ گئے ہوں اور نماز کے لئے رکوع وسجود کا امکان ہی نہ ہو تب یہ حکم ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تستر کی فتح کے بعد موقعہ پر کیا تھا لیکن ہمارا پہلا قول ہی ٹھیک ہے اس لئے کہ اس کے بعد ہی حضرت سیمانؑ کا ان گھوڑوں کو دوبارہ طلب کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے- انہیں واپس منگوا کر ان کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا' میرے رب کی عبادت سے مجھے اس چیز نے غافل کر دیا- میں ایسی چیز ہی نہیں رکھنے کا- چنانچہ ان کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور ان کی گردنیں ماری گئیں- لیکن حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرا-

امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلاوجہ جانوروں کو ایذا پہنچانی ممنوع ہے- ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو انہیں کٹوا دیتے لیکن میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ بات ان کی شرع میں جائز ہو خصوصاً ایسے وقت جبکہ وہ یاد اللہ میں حارج ہوئے اور وقت نماز نکل گیا تو دراصل یہ غصہ بھی اللہ کے لئے تھا- چنانچہ اسی وجہ سے ان گھوڑوں سے بھی تیز اور ہلکی چیز اللہ نے اپنے نبیؑ کو عطا فرمائی یعنی ہوا ان کے تابع کر دی- حضرت ابو قتادہؓ اور حضرت ابو دھماؓ اکثر حج کیا کرتے تھے- ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ہماری ایک بدوی سے ملاقات ہوئی- اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی- اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا اللہ تجھے اس سے بہتر عطا فرمائے گا-

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝٣٤
قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٣٥

ہم نے سلیمانؑ کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا- پھر اس نے رجوع کیا ○ کہا کہ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی شخص کے لائق نہ ہو' تو بڑا ہی دینے والا ہے ○

سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۳۴-۴۰) ہم نے حضرت سلیمانؑ کا امتحان لیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' یعنی شیطان- پھر وہ اپنے تخت و تاج کی طرف لوٹ آئے- اس شیطان کا نام صخر تھا یا آصف تھا یا صرو تھا یا حقیق تھا- یہ واقعہ اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے- کسی نے تفصیل کے ساتھ' کسی نے اختصار کے ساتھ- حضرت قتادہؓ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کو بیت المقدس کی تعمیر کا اس طرح حکم ہوا کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنی جائے- آپ نے ہر چند تدبیریں کیں، لیکن کارگر نہ ہوئیں- پھر آپ نے سنا کہ سمندر میں ایک شیطان ہے جس کا نام صخر ہے- وہ البتہ ایسی ترکیب بتا سکتا ہے- آپ نے حکم دیا کہ اسے کسی طرح لاؤ- ایک دریا سمندر میں ملتا تھا- ہر ساتویں دن اس میں لبالب پانی آ جاتا تھا اور یہی پانی یہ شیطان پیتا تھا- اس کا پانی نکال دیا گیا اور بالکل خالی کر کے پانی کو بند کر کے اس کے آنے والے دن اسے شراب سے پر کر دیا گیا- جب یہ شیطان آیا اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگا' یہ تو مزے کی چیز ہے لیکن عقل کی دشمن، جہالت کو ترقی دینے والی چیز ہے- چنانچہ وہ پیاسا ہی چلا گیا- جب پیاس کی شدت ہوئی تو مجبوراً یہ سب کچھ کہتے ہوئے پینا ہی پڑا- اب عقل جاتی رہی اور اسے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی دکھائی گئی یا مونڈھوں کے درمیان اس سے مہر لگا دی گئی- یہ بے بس ہو گیا- حضرت سلیمانؑ کی حکومت اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی- جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے یہ کام سرانجام دینے کا حکم دیا- یہ ہدہد کے انڈے لے آیا اور انہیں جمع کر کے ان پر شیشہ رکھ دیا- ہدہد آیا- اس نے اپنے انڈے دیکھے- چاروں طرف گھوما لیکن دیکھا کہ ہاتھ نہیں آ سکتے اڑ کر واپس چلا گیا اور الماس لے آیا اور اسے اس شیشے پر رکھ کر شیشے کو کاٹنا شروع کر دیا آخر وہ کٹ گیا اور ہدہد اپنے انڈے لے گیا اور اس الماس کو بھی لے لیا گیا اور اسی سے پتھر کاٹ کاٹ کر عمارت شروع ہوئی- حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلا میں یا حمام میں جاتے تو انگوٹھی اتار جاتے- ایک دن حمام میں جانا تھا اور یہ شیطان آپ کے ساتھ تھا آپ اس وقت فرضی غسل کے لئے جا رہے تھے- انگوٹھی اسی کو سونپ دی اور چلے گئے- اس نے انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور شیطان پر حضرت سلیمانؑ کی شکل ڈال دی گئی اور آپ سے تخت و تاج چھن گیا- سب چیزوں پر شیطان نے قبضہ کر لیا سوائے آپ کی بیویوں کے- اب اس سے بہت ہی غیر معروف باتیں ظہور میں آنے لگیں- اس زمانہ میں ایک صاحب تھے جو ایسے ہی تھے جیسے حضورؐ کے زمانہ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ- اس نے کہا آزمائش کرنی چاہیے- مجھے تو یہ شخص سلیمانؑ معلوم نہیں ہوتا- چنانچہ ایک روز اس نے کہا' کیوں جناب اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور موسم ذرا ٹھنڈا ہو اور وہ سورج طلوع ہونے تک غسل نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے کہا ہرگز نہیں- چالیس دن تک یہ تخت سلیمانؑ پر رہا- پھر آپ کو مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی مل گئی- ہاتھ میں ڈالتے ہی پھر تمام چیزیں آپ کی مطیع ہو گئیں- اسی کا بیان اس آیت میں ہے-

سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک سو بیویاں تھیں- آپ کو سب سے زیادہ اعتبار ان میں سے ایک بیوی پر تھا جن کا نام جراوہ تھا- جب جنبی ہوتے یا پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی انہی کو سونپ جاتے- ایک مرتبہ آپ پاخانے گئے- پیچھے سے ایک شیطان آپ ہی کی صورت بنا کر آیا اور بیوی صاحبہ سے انگوٹھی طلب کی- آپ نے دے دی- یہ آتے ہی تخت پر بیٹھ گیا- جب حضرت سلیمانؑ آئے اور انگوٹھی طلب کی تو بیوی صاحبہؓ نے فرمایا' آپ انگوٹھی تو لے گئے- آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے- نہایت پریشان حالی سے محل سے نکل گئے- اس شیطان نے چالیس دن تک حکومت کی لیکن احکام کی تبدیلی کو دیکھ کر علماء نے سمجھ لیا کہ یہ سلیمان نہیں- چنانچہ ان کی جماعت آپ کی بیویوں کے پاس آئی اور ان سے کہا' یہ کیا معاملہ ہے- ہمیں سلیمان کی ذات میں شک پڑ گیا ہے- اگر یہ سچ مچ سلیمان ہے تو اس کی عقل جاتی رہی ہے یا یہ کہ یہ سلیمان ہی نہیں- ورنہ ایسے خلاف شرع احکام نہ دیتا- عورتیں یہ سن کر رونے لگیں- یہ یہاں سے واپس آ گئے اور تخت کے اردگرد اسے گھیر کر بیٹھ گئے اور تورات کھول کر اس کی تلاوت شروع کر دی- یہ خبیث شیطان کلام اللہ سے بھاگا اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی جسے ایک مچھلی نگل گئی- حضرت سلیمانؑ یونہی اپنے دن گزارتے تھے-

ایک مرتبہ سمندر کے کنارے نکل گئے- بھوک بہت لگی ہوئی تھی، ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑتے ہوئے دیکھ کر ان کے پاس آ کر ان

سے ایک مچھلی مانگی اور اپنا نام بھی بتایا' اس پر بعض لوگوں کو بڑا طیش آیا کہ دیکھو بھیک منگا اپنے تئیں سلیمان بتاتا ہے۔ انہوں نے آپ کو مارنا پیٹنا شروع کیا۔ آپ زخمی ہو کر کنارے جا کر اپنے زخم کا خون دھونے لگے۔ بعض ماہی گیروں کو رحم آ گیا کہ ایک سائل کو خواہ مخواہ مارا۔ جاؤ بھئی اسے بھی دو۔ مچھلیاں دے آؤ۔ بھوکا ہے۔ بھون کھائے گا۔ چنانچہ وہ دو مچھلیاں آپ کو دے آئے' بھوک کی وجہ سے آپ اپنے زخم کو اور خون کو تو بھول گئے اور جلدی سے مچھلی کا پیٹ چاک کرنے بیٹھ گئے۔ قدرت الٰہی سے اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکلی۔ آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور انگوٹھی انگلی میں ڈال لی۔ اسی وقت پرندوں نے آ کر آپ پر سایہ کر لیا اور لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور آپ سے معذرت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا' یہ سب امر الٰہی تھا۔ اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ آپ آئے۔ اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس شیطان کو جہاں بھی وہ ہو' گرفتار کر لاؤ چنانچہ اسے قید کر لیا گیا۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کیا اور قفل لگا کر اس پر اپنی مہر لگا دی اور سمندر میں پھنکوا دیا جو قیامت تک وہیں قید رہے گا۔ اس کا نام حقیق تھا۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع ۱۴

پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا۔ وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے بہ نرمی پہنچا دیا کرتی تھی ○ اور طاقتور جنات کو بھی ان کا ماتحت کر دیا ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو ○ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے ○ یہ ہے ہمارا عطیہ۔ اب تو احسان کر یا روک رکھ' کچھ حساب نہیں ○ ان کے لئے ہمارے پاس بڑا نزدیکی کا مرتبہ ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے ○

آپ کی یہ دعا کہ مجھے ایسا ملک عطا فرمایا جائے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو' یہ بھی پوری ہوئی اور آپ کے تابع ہوائیں کر دی گئیں۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ایک شیطان سے جس کا نام آصف تھا' ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح فتنے میں ڈالتے ہو؟ اس نے کہا' ذرا مجھے انگوٹھی دکھاؤ' میں ابھی آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ آپؑ نے انگوٹھی دے دی' اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا' تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا اور آپ کے لباس میں لوگوں کو راہ اللہ سے ہٹانے لگا۔" یاد رہے کہ یہ سب واقعات بنی اسرائیل کے بیان کردہ ہیں' اور ان سب سے زیادہ منکر واقعہ وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے جس کا اوپر بیان ہوا جس میں آپ کی بیوی صاحبہ حضرت جرادہ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آخر نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ لڑکے آپ کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کی بیویوں سے جب علماء نے معاملہ کی تفتیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں بھی اس کے سلیمان ہونے سے انکار ہے کیونکہ وہ حالت حیض میں ہمارے پاس آتا ہے۔ شیطان کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ راز کھل گیا ہے تو اس نے جادو اور کفر کی کتابیں لکھوا کر کرسی تلے دفن کر دیں اور پھر لوگوں کے سامنے انہیں نکلوا کر ان سے کہا' دیکھو ان کتابوں کی بدولت سلیمان تم پر حکومت کر رہا تھا چنانچہ لوگوں نے آپ کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ سمندر کے کنارے مزدوری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بہت سی مچھلیاں خریدیں' مزدور کو بلایا' آپ پہنچے' اس نے کہا' یہ اٹھا لو۔ پوچھا مزدوری کیا دو گے؟ اس نے کہا اس میں سے ایک مچھلی تجھے دے دوں گا۔ آپ نے ٹوکرا سر پر رکھا۔ اس کے ہاں پہنچایا۔ اس نے ایک مچھلی دے دی۔ آپ نے

اس کا پیٹ چاک کیا۔ پیٹ چاک کرتے ہی وہ انگوٹھی نکل پڑی' پہنتے ہی کل شیاطین' جن' انسان پھر تابع ہو گئے' اور جھرمٹ باندھ کر حاضر ہو گئے۔ آپ نے ملک پر قبضہ کیا اور اس شیطان کو سخت سزا دی۔ پس ثُمَّ اَنَابَ سے مراد شیطان جو مسلط کیا گیا تھا' اس کا لوٹنا ہے۔ اس کی اسناد حضرت ابن عباسؓ تک ہے تو قوی لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسے حضرت ابن عباسؓ نے اہل کتاب سے لیا ہے' یہ بھی اس وقت جبکہ اسے ابن عباسؓ کا قول مان لیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت حضرت سلیمانؑ کو نبی نہیں مانتی تھی تو عجب نہیں کہ یہ بے ہودہ قصہ اسی خبیث جماعت کا گھڑا ہوا ہو۔ اس میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو بالکل ہی منکر ہیں خصوصاً اس شیطان کا آپ کی عورتوں کے پاس جانا۔ دوسرے ائمہ نے بھی ایسے ہی قصے بیان تو کئے ہیں لیکن اس بات کا سب نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جن ان کے پاس نہیں جا سکا اور نبی کے گھرانے کی عورتوں کی عصمت وشرافت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن سب کی اصل یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیبانیؒ فرماتے ہیں' آپ نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تھی اور بیت المقدس تک تواضعاً آپ پیدل چلے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے صفت سلیمان میں حضرت کعب احبارؒ سے ایک عجیب خبر روایت کی ہے۔ ابو اسحاق مصری کہتے ہیں کہ جب ارم ذات العماد کے قصے سے حضرت کعبؒ نے فراغت حاصل کی تو حضرت معاویہؓ نے کہا' ابو اسحاق آپ حضرت سلیمانؑ کی کرسی کا ذکر بھی کیجئے۔ فرمایا کہ وہ ہاتھی دانت کی تھی۔ دریا' قوت' زبرجد اور لُؤلُؤ سے مُرصّع تھی اور اس کے چاروں طرف سونے کے کھجور کے درخت بنے ہوئے تھے جن کے خوشے بھی موتیوں کے تھے۔ ان میں سے جو دائیں جانب تھے' ان کے سرے پر سونے کے مور تھے اور بائیں طرف والوں پر سونے کے گدھ تھے۔ اس کرسی کے پہلے درجے پر دائیں جانب سونے کے دو درخت صنوبر کے تھے اور بائیں جانب سونے کے دو شیر بنے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر زبرجد کے دو ستون تھے اور کرسی کے دونوں جانب انگور کی سنہری بیلیں تھیں جو کرسی کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ اس کے خوشے بھی سرخ موتی کے تھے۔ پھر کرسی کے اعلیٰ درجے پر دو شیر بہت بڑے سونے کے بنے ہوئے تھے جن کے اندر خول تھا ان میں مشک و عنبر بھرا رہتا تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ کرسی پر آتے تو یہ شیر حرکت کرتے اور ان کے گھومنے سے ان کے اندر سے مشک وعنبر چاروں طرف چھڑک دیا جاتا' پھر دو منبر سونے کے اور بچھائے جاتے جن پر بنو اسرائیل کے قاضی' ان کے علماء اور ان کے سردار بیٹھتے۔ ان کے پیچھے پینتیس منبر سونے کے اور ہوتے تھے جو خالی رہا کرتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ جب تشریف لاتے' پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی کرسی ان تمام چیزوں سمیت گھوم جاتی شیر اپنا داہنا قدم آگے بڑھا دیتا اور گدھ اپنا دایاں پر۔ جب آپ تیسرے درجے پر چڑھ جاتے اور کرسی پر بیٹھ جاتے تو ایک بڑا گدھ آپ کا تاج لے کر آپ کے سر پر رکھتا۔ پھر کرسی زور زور سے گھومتی۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا' آخر اس کی کیا وجہ؟ فرمایا' وہ ایک سونے کی لاٹ پر تھی جسے صخر جن نے بنایا تھا۔ اس کے گھومتے ہی نیچے والے مور گدھ وغیرہ سب اوپر آ جاتے اور سر جھکاتے' پر پھڑ پھڑاتے جس سے آپ کے جسم پر مشک وعنبر کا چھڑکاؤ ہو جاتا۔ پھر ایک سونے کا کبوتر تورات اٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دیتا جسے آپ تلاوت فرماتے۔ لیکن یہ روایت بالکل غریب ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ایسا ملک دے کہ مجھ سے کوئی اور چھین نہ سکے جیسے کہ اس جسم کا واقعہ ہوا جو آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ دوسروں کے لئے ایسے ملک کے نہ ملنے کی دعا کرتے ہوں۔ لیکن جن بعض لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں وہ کچھ ٹھیک نہیں آتے' بلکہ صحیح مطلب یہی ہے کہ آپ کی دعا کا یہی مطلب تھا کہ مجھے ایسا ملک اور سلطنت دی جائے کہ میرے بعد پھر کسی اور شخص کو ایسی سلطنت نہ ملے۔ یہی آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اور یہی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ صحیح بخاری شریف

میں ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا، ایک سرکش جن نے گذشتہ شب مجھ پر زیادتی کی اور میری نماز بگاڑ دینا چاہی لیکن اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے اس ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم سب اسے دیکھو لیکن اسی وقت مجھے میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا یاد آ گئی- راوی حدیث حضرت روح فرماتے ہیں، پھر حضورؐ نے اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑ دیا- ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نماز میں کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا کہ آپ نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ پھر آپ نے تین بار فرمایا اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا کہ گویا آپ کسی چیز کو لینا چاہتے ہیں- جب فارغ ہوئے تو ہم نے آپ سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی- آپؐ نے فرمایا، اللہ کا دشمن ابلیس آگ لے کر میرے منہ میں ڈالنے کے لئے آیا تو میں نے تین مرتبہ اعوذ پڑھی، پھر تین مرتبہ اس پر لعنت بھیجی لیکن پھر بھی نہ ہٹا- پھر میں نے چاہا کہ اسے پکڑ کر باندھ دوں تاکہ مدینے کے لڑکے اس سے کھیلیں، اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو میں یہی کرتا- حضرت عطا بن یزید لیثیؒ نماز پڑھ رہے تھے جو ابو عبید نے ان کے سامنے سے گزرنا چاہا- انہوں نے انہیں اپنے ہاتھ سے روک دیا- پھر فرمایا مجھ سے حضرت ابو سعید خدریؓ نے حدیث بیان کی کہ حضورؐ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے- یہ بھی آپ کے پیچھے تھے- قراءت آپ پر خلط ملط ہو گئی- فارغ ہو کر فرمایا- کاش تم دیکھتے کہ میں نے ابلیس کو پکڑ لیا تھا اور اس قدر اس کا گلا گھونٹا کہ اس کے منہ کے جھاگ میری شہادت کی اور بیچ کی انگلی پر پڑی- اگر میرے بھائی حضرت سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح ہوتے اس مسجد کے ستون سے بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اسے ستاتے، تم سے جہاں تک ہو سکے اس بات کا خیال رکھو کہ نماز کی حالت میں تمہارے سامنے سے کوئی گزرنے نہ پائے (مسند احمد)

مسند کی اور حدیث میں ہے، عبداللہ دیلمیؒ کہتے ہیں، میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس طائف کے ایک باغ میں گیا جس کا نام رہط تھا- آپ اس وقت ایک قریشی کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جو زانی اور شرابی تھا- میں نے ان سے کہا، مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ جو ایک گھونٹ شراب پئے گا، اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہ فرمائے گا اور برا آدمی وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی برا ہو گیا ہے- جو شخص صرف نماز ہی کی نیت سے بیت المقدس کی مسجد میں جائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا- وہ شرابی جسے حضرت عبداللہ پکڑے ہوئے تھے، وہ شراب کا ذکر سنتے ہی جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا- اب حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، کسی کو حلال نہیں کہ میرے ذمے وہ بات کرے جو میں نے نہ کی ہو-

میں نے حضورؐ سے یوں سنا ہے، جو شخص شراب کا ایک گھونٹ بھی پی لے، اس کی چالیس دن کی نماز نامقبول ہے- اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے- پھر اگر دوبارہ لوٹے تو پھر چالیس دن تک کی نمازیں نامقبول ہیں- پھر اگر توبہ کر لے تو توبہ مقبول ہے- مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تیسری چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ پھر اگر لوٹے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے جہنمیوں کے بدن کا خون، پیپ، پیشاب وغیرہ قیامت کے دن پلائے گا اور حضورؐ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا- پھر ان پر اپنا نور ڈالا جس پر وہ نور اس دن پڑ گیا، وہ تو ہدایت والا ہو گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ بھٹک گیا- اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے علم کے مطابق قلم چل چکا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں جن میں سے دو تو انہیں مل گئیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری ہمارے لئے ہو (۱) مجھے ایسا حکم دے جو تیرے حکم کے موافق ہو (۲) مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لئے لائق نہ ہو- تیسری دعا یہ تھی کہ جو شخص اپنے گھر سے اس مسجد کی نماز کے ارادے ہی سے نکلے تو جب وہ لوٹے تو ایسا ہو جائے گویا آج پیدا ہوا، پس ہمیں اللہ سے امید ہے کہ یہ ہمارے لئے اللہ نے دی ہو- طبرانی میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے لئے

ایک گھر بنانے کا حکم دیا- حضرت داؤدؑ نے پہلے اپنا گھر بنا لیا- اس پر وحی آئی کہ تم نے اپنا گھر میرے گھر سے پہلے بنایا- آپ نے عرض کیا- پروردگار یہی فیصلہ کیا گیا تھا- پھر مسجد بنانی شروع کی- دیواریں پوری ہوگئیں تو اتفاقاً تہائی حصہ گر گیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' جواب ملا کہ تو میرا گھر نہیں بنا سکتا- پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ تیرے ہاتھوں سے خون بہا ہے- عرض کیا اللہ تعالیٰ وہ بھی تیری ہی محبت میں' فرمایا ہاں لیکن وہ میرے بندے تھے- میں ان پر رحم کرتا ہوں- آپ کو یہ کلام سن کر سخت پریشانی ہوئی- پھر وحی آئی کہ غمگین نہ ہو- میں اسے تیرے لڑکے سلیمان کے ہاتھوں پورا کراؤں گا- چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اسے بنانا شروع کیا- جب پورا کر چکے تو بڑی بڑی قربانیاں کیں اور ذبیحہ ذبح کئے اور بنو اسرائیل کو جمع کر کے خوب کھلایا پلایا- اللہ کی وحی آئی کہ تو نے یہ سب کچھ میرے حکم کی تعمیل کی خوشی میں کیا ہے- تو مجھ سے مانگ- جو مانگے گا' پائے گا- عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے تین سوال ہیں مجھے ایسا فیصلہ سجھا جو تیرے فیصلے کے مطابق ہو اور ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو اور جو اس گھر میں آئے صرف نماز کے ارادے سے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا آزاد ہو جائے جیسے آج پیدا ہوا- ان میں سے دو چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرما دیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی دے دی گئی ہو- رسول اللہ ﷺ اپنی ہر دعا کو ان لفظوں سے شروع فرماتے سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى الْوَهَّابِ (مسند احمد)

اور روایت میں ہے کہ حضرت داؤدؑ کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ سے فرمایا' مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو- آپ نے عرض کیا' اللہ تعالیٰ مجھے ایسا دل دے جو تجھ سے ڈرتا رہے جیسے کہ میرے والد کا دل تجھ سے خوف کیا کرتا تھا اور میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے جیسے کہ میرے والد کے دل میں تیری محبت تھی- اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا کہ میرا بندہ میری عین عطا کے وقت بھی مجھ سے میرا ڈر اور میری محبت طلب کرتا ہے' مجھے اپنی قسم' میں اسے اتنی بڑی سلطنت دوں گا جو اس کے بعد کسی کو نہ ملے- پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ماتحتی میں ہوائیں کر دیں اور جنات کو بھی ان کا ماتحت بنا دیا- اور اسی قدر ملک و مال پر بھی انہیں حساب قیامت سے آزاد کر دیا-

ابن عساکر میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی کہ باری تعالیٰ سلیمان کے ساتھ بھی اسی لطف و کرم سے پیش آ جو لطف و کرم تیرا مجھ پر رہا تو وحی آئی کہ سلیمان سے کہہ دو وہ بھی اسی طرح میرا رہے جس طرح تو میرا تھا' تو میں بھی اس کے ساتھ ہو جاؤں گا جیسے کہ تیرے ساتھ تھا- پھر بیان ہو رہا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی محبت میں آ کر ان خوبصورت پیارے وفادار تیز رو گھوڑوں کو کاٹ ڈالا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ان کے عوض ان سے بہتر عطا فرمائی- یعنی ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو مہینے بھر کی راہ کو صبح کی ایک گھڑی میں طے کر دیتی تھی- اور اسی طرح شام کو- جہاں کا ارادہ کرتے' ذرا سی دیر میں پہنچا دیتی- جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا- ان میں سے بعض بڑی اونچی لمبی' سنگین پختہ عمارت کے بنانے کے کام سرانجام دیتے جو انسانی طاقت سے باہر تھا اور بعض غوطہ خور تھے جو سمندر کی تہہ میں سے لولو جواہر اور دیگر قسم قسم کی نفیس و نادر چیزیں لا دیتے تھے- پھر اور کچھ تھے جو بھاری بھاری بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے- یہ یا تو وہ تھے جو حکومت سے سرتابی کرتے تھے یا کام کاج میں شرارت اور کمی کرتے تھے یا لوگوں کو ستاتے اور ایذا دیتے تھے-

یہ ہے ہماری مہربانی اور ہماری بخشش اور ہمارا انعام اور ہمارا عطیہ' اب تجھے اختیار ہے جس سے جو چاہے سلوک کر' سب بے حساب ہے- کسی پر پکڑ نہیں- جو تیری زبان سے نکلے گا' وہ حق ہوگا- صحیح حدیث میں ہے' جب رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہیں عبد و رسول رہیں یعنی جو حکم کیا جائے بجا لاتے رہیں' اللہ کے فرمان کے مطابق تقسیم کرتے رہیں اور اگر چاہیں نبی اور بادشاہ بنا دیئے جائیں- جسے چاہیں دیں' جسے چاہیں نہ دیں اور اس کا کوئی حساب اللہ کے ہاں نہ لیا جائے تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا اور آپ کے مشورے سے پہلی بات قبول فرمائی کیونکہ فضیلت کے لحاظ سے اولیٰ اور اعلیٰ وہی ہے- گو نبوت و سلطنت بھی بڑی چیز ہے-

اسی لئے حضرت سلیمانؑ کا دنیوی عز و جاہ بیان کرتے ہی فرمایا کہ وہ دار آخرت میں بھی ہمارے پاس بڑے مرتبے اور بہترین بزرگی اور اعلیٰ تر قرب والا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ
وَّعَذَابٍ ۝۴۱ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝۴۲
وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى
الْاَلْبَابِ ۝۴۳ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ
صَابِرًا ۗ نِعْمَ الْعَبْدُ ۗ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝۴۴

ہمارے بندے ایوب کا بھی ذکر کر جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے ○ اپنا پاؤں مارو۔ یہ ہے نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ○ اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی۔ اسی کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور عقلمندوں کی نصیحت کے لئے ○ اور اپنے ہاتھ میں تیلیوں کی ایک جھاڑی لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر' سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا' وہ بڑا نیک بندہ تھا' اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا ○

حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کا صبر : ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۴) حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے اور ان کے صبر اور امتحان میں پاس ہونے کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ مال برباد ہو گیا' اولادیں مر گئیں' جسم مریض ہو گیا یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم میں ایسی جگہ نہ تھی جہاں بیماری نہ ہو۔ صرف دل سلامت رہ گیا۔ اور پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا۔ کوئی نہ تھا جو خبر گیر ہوتا سوائے ایک بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے جن کے دل میں خوف الٰہی تھا اور اپنے خاوند اور اللہ کے رسول کی محبت تھی۔ لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے میاں کا پیٹ پالتی تھیں۔ آٹھ سال تک یہی حال رہا حالانکہ اس سے پہلے ان سے بڑھ کر مالدار کوئی نہ تھا۔ اولاد بھی بکثرت تھی اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔ اب ہر چیز چھین لی گئی تھی۔ اور شہر کا کوڑا کرکٹ جہاں ڈالا جاتا تھا' وہاں آپ کو لا بٹھایا تھا۔ اسی حال میں ایک دو دن نہیں سال دو سال نہیں آٹھ' سال کامل گزارے' اپنے اور غیر سب نے منہ پھیر لیا تھا۔ خیریت پوچھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ صرف آپ کی یہی ایک بیوی صاحبہ تھیں جو ہر وقت دن اور رات آپ کی خدمت میں کمر بستہ تھیں۔ ہاں پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کے وقت آپ کے پاس سے چلی جاتی تھیں یہاں تک کہ دن پھرے اور اچھا وقت آ گیا تو رب العالمین الہ المرسلین کی طرف تضرع و زاری کی اور کپکپاتے ہوئے کلیجے سے دل سے دعا کی کہ اے میرے پالنہار اللہ' مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ یہاں جو دعا ہے' اس میں جسمانی تکلیف اور مال و اولاد کے دکھ درد کا ذکر کیا۔ اسی وقت رحیم و کریم اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ پاؤں کے لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا۔ حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کر لو۔ غسل کرتے ہی بدن کی تمام بیماری اس طرح جاتی رہی گویا تھی ہی نہیں۔ پھر حکم ہوا کہ اور جگہ ایڑی لگاؤ۔ وہاں پاؤں مارتے ہی دوسرا چشمہ جاری ہو گیا۔ حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو' اس پانی کے پیتے ہی اندرونی بیماریاں بھی جاتی رہیں اور ظاہر و باطن کی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہو گئی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اٹھارہ سال تک اللہ کے یہ پیغمبرؑ دکھ درد میں مبتلا رہے' اپنے اور غیر سب نے چھوڑ دیا۔ ہاں آپ کے مخلص دوست صبح شام خیریت خبر کے لئے آ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا' میرا خیال

یہ ہے کہ ایوبؑ نے اللہ کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں پڑا ہوا ہے اور اللہ اس پر رحم کرے- اس دوسرے شخص نے شام کو حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کی یہ بات ذکر کر دی- آپ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں- اللہ خوب جانتا ہے کہ میری یہ حالت تھی کہ جب دو شخصوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا اور دونوں اللہ کو بیچ میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جائے کیونکہ دو میں سے ایک تو ضرور مجرم ہوگا اور دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں تو میں اپنے پاس سے دے دلا کر ان کے جھگڑے کو ختم کر دیتا کہ نام اللہ کی بے ادبی نہ ہو- آپ سے اس وقت چلا پھرا بلکہ اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا- پاخانے کے بعد آپ کی بیوی صاحبہؓ آپ کو اٹھا کر لاتی تھیں- ایک مرتبہ وہ نہیں تھیں- آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور دعا کی اور اللہ کی طرف سے وحی ہوئی کہ زمین پر لات مار دو- بہت دیر کے بعد جب آپ کی بیوی صاحبہؓ آئیں تو دیکھا کہ مریض تو ہے نہیں اور کوئی اور شخص تندرست نورانی چہرے والا بیٹھا ہوا ہے- پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ اے اللہ کے نیک بندے یہاں اللہ کے ایک نبی جو درد دکھ میں مبتلا تھے انہیں دیکھا ہے؟ واللہ کہ جب وہ تندرست تھے تو قریب قریب تم جیسے ہی تھے، تب آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں- راوی کہتا ہے، آپ کی دو کوٹھیاں تھیں، ایک گیہوں کے لئے اور ایک جو کے لئے- اللہ تعالیٰ نے دو ابر بھیجے- ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی اس سے بھر گئی، دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری کوٹھی اس سے بھر گئی (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، حضرت ایوب علیہ السلام ننگے ہو کر نہا رہے تھے جو آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں، آپ نے جلدی جلدی انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنی شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوبؑ کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا؟ آپ نے جواب دیا- ہاں الٰہی- بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے- میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں- پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبرؑ کو نیک بدلہ اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں- اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی بلکہ حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ مردہ اولاد اللہ نے زندہ کر دی اور اسی ہی اور نئی دی- یہ تھا اللہ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال، رجوع الی اللہ، تواضع اور انکساری کے بدلے اللہ نے انہیں دیا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے، وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت و راحت ہے- بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیوی کے کسی کام کی وجہ سے ان پر ناراض ہو گئے تھے- بعض کہتے ہیں، وہ اپنے بالوں کی ایک لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھیں- اس پر آپ ناراض ہوئے تھے اور قسم کھائی تھی کہ شفا کے بعد سو کوڑے ماریں گے- دوسروں نے وجہ ناراضگی اور بیان کی ہے- جبکہ آپ تندرست اور صحیح سالم ہو گئے تو ارادہ کیا کہ اپنی قسم کا پورا کریں لیکن ایسی نیک صفت عورت اس سزا کے لائق نہ تھیں جو حضرت ایوبؑ نے طے کر رکھی تھی- جس عورت نے اس وقت خدمت کی جبکہ کوئی ساتھ نہ تھا، اسی لئے رب العالمین ارحم الراحمین نے ان پر رحم کیا- اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھجور کا ایک خوشہ لے لو جس میں ایک سو سیخیں ہوں اور ایک انہیں مار دو- اس صورت میں قسم کا خلاف نہ ہوگا اور ایک ایسی صابرہ شاکرہ نیک بیوی پر سزا بھی نہ ہوگی- یہی دستور الٰہی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں، برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے- پھر اللہ تعالیٰ حضرت ایوبؑ کی ثناء و صفت بیان فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صابر و ضابط پایا، وہ بڑا نیک اور اچھا بندہ ثابت ہوا- اس کے دل میں ہماری سچی محبت تھی- وہ ہماری ہی طرف جھکتا رہا اور ہم ہی سے لو لگائے رہا، اسی لئے فرمان الٰہی ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو اس کے خیال میں بھی نہ ہو-

اللہ پر توکل رکھنے والوں کو اللہ کافی ہے۔ اللہ اپنے کام میں پورا اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ سمجھدار علماء کرام نے اس آیت سے بہت سے ایمانی مسائل اخذ کئے ہیں واللہ اعلم۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾
اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

ہمارے بندوں ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے ○ ہم نے انہیں ایک امتیازی بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا ○ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے ○ اسماعیل یسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کیجئے' یہ سب بہترین لوگ تھے ○

(آیت: ۴۵-۴۸) اللہ تعالیٰ اپنے عابد بندوں اور رسولوں کی فضیلتوں کو بیان فرما رہا ہے اور ان کے نام گنوا رہا ہے۔ ابراہیم' اسحاق اور یعقوب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ اور فرماتا ہے کہ ان کے اعمال بہت بہتر تھے اور صحیح علم بھی ان میں تھا۔ ساتھ ہی عبادت الٰہی میں قوی تھے اور قدرت کی طرف سے انہیں بصیرت عطا فرمائی گئی تھی۔ دین میں سمجھدار تھے' اطاعت الٰہی میں قوی تھے' حق کے دیکھنے والے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ صرف آخرت کا ہی ہر وقت خیال بندھا رہتا تھا۔ ہر عمل آخرت کے لئے ہی ہوتا تھا۔ دنیا کی محبت سے وہ الگ تھے' آخرت کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ وہ اعمال کرتے تھے جو جنت دلوائیں' لوگوں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دیتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن بہترین بدلے اور افضل مقامات عطا فرمائے گا۔ یہ بزرگان دین اللہ کے چیدہ مخلص اور خاص الخاص بندے ہیں۔ اسماعیل اور ذوالکفل صلوات وسلامہ علیہم اجمعین بھی پسندیدہ اور خاص بندوں میں تھے۔ ان کے بیانات سورۂ انبیاء میں گزر چکے ہیں اس لئے ہم نے یہاں بیان نہیں کئے۔ ان فضائل کے بیان میں ان کے لئے نصیحت ہے جو پند و نصیحت حاصل کرنے کے عادی ہیں اور یہ مطلب بھی ہے کہ یہ قرآن عظیم ذکر یعنی نصیحت ہے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ
الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾
وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾
اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ
مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

یہ ہے نصیحت یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی جگہ ہے ○ یعنی ہمیشگی والی جنتیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں ○ جن میں بافراغت تکئے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں ○ اور ان کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر کمسن حوریں ہوں گی ○ یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کا کیا جاتا تھا ○ بے شک یہ روزیاں خاص ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں ○ یہ تو ہوئی جزا' یاد رکھو کہ سرکشوں کے لئے بڑی بری

جگہ ہے ○ جو دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے آہ کیا ہی برا بچھونا ہے ○

صالحین کے لئے اجر: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۴) نیکو کار تقوے والوں کے لئے دار آخرت میں کتنا پاک بدلہ اور کیسی پیاری جگہ ہے؟ ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں، جن کے دروازے ان کے لئے بند نہیں بلکہ کھلے ہوئے ہیں۔ کھلوانے کی بھی زحمت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آس پاس برج ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں، ان میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ رہیں گے (ابن ابی حاتم)

اور یہ تو بہت سی بالکل صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اپنے تختوں پر تکئے لگائے بے فکری سے چارزانو باآرام بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اور جس قوم کو جس میوے شراب کا جی چاہے، حکم کے ساتھ خدام باسلیقہ حاضر کر دیں گے۔ ان کے پاس ان کی بیویاں ہوں گی جو عفیفہ، پاک دامن، نیچی نگاہوں والی اور ان سے محبت و عشق رکھنے والی ہوں گی جن کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اٹھی ہیں، نہ اٹھیں، نہ اٹھ سکیں۔ ان کی ہم عمر ہوں گی۔ ان کی عمروں کے لائق ہوں گی۔ ان صفات والی جنت کا وعدہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے بندوں سے ہے، قیامت کے دن یہ اس کے وارث و مالک ہوں گے جبکہ قبروں سے اٹھ کر آگ سے نجات پا کر حساب سے فارغ ہو کر یہاں آ کر بہ آرام بسیں گے۔ یہ ہے ہمارا انعام جس میں نہ کبھی کمی آئے گی نہ یہ منقطع ہوگا۔ جیسے فرمایا مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ تمہارے پاس جو کچھ ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ کے پاس جو ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور آیت میں غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ہے۔ اور جگہ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں کبھی کمی اور گھاٹا آئے نہ کبھی وہ ختم اور فنا ہو۔ جیسے ارشاد ہے اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا الخ اسکے میوے اور کھانے پینے اور اسکے سائے دائمی ہیں۔ پرہیزگاروں کا انجام یہی ہے اور کافروں کا انجام جہنم ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

اہل نار کے احوال: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اوپر نیکوں کا حال بیان کیا تو یہاں بروں کا حال بیان فرما رہا ہے جو اللہ کی نہیں مانتے تھے نبی کی نافرمانی کرتے تھے ان کے لوٹنے کی جگہ بہت بری ہے۔ اور وہ جہنم ہے جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور چاروں طرف سے انہیں آتش دوزخ گھیر لے گی۔ یہ نہایت ہی برا بچھونا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾
هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾
قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ
الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا
فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ
الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ ۭ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ
ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ ع

یہ ہے پس اسے چکھیں۔ گرم پانی اور پیپ ○ اور کچھ اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں ○ یہ ایک قوم ہے جو تمہارے ساتھ آگ میں جانے والی ہے، انہیں خوشی اور

کشادگی نہ ہو، یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں ○ وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ہو کہ تمہیں خوشی نہ ہو- تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا، پس رہنے کی بڑی بری جگہ ہے ○ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جس نے کفر کی رسم ہمارے لیئے پہلے سے نکالی ہو اس کے حق میں جہنم کی دوگنی سزا کر دے ○ جہنمی کہیں گے یہ کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے ○ کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے بہک رہی ہیں؟ ○ یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہوگا ○

(آیت: ۵۷-۶۴) حمیم اس پانی کو کہتے ہیں جس کی حرارت اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہو- اور غساق کہتے ہیں اس ٹھنڈک کو جس کی سردی انتہا کو پہنچ چکی ہو- پس ایک طرف آگ کا گرم عذاب، دوسری جانب ٹھنڈک کا سرد عذاب- اور اسی طرح قسم قسم کے، جوڑ جوڑ کے عذاب، جو ایک دوسرے کی ضد ہوں- مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا بد بودار ہو جائیں- حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں، غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے- پھر وہ گرم ہو کر اونٹنے لگتا ہے- اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے ان کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا- جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم)

غرض سردی کا عذاب الگ ہوگا، گرمی کا الگ ہوگا، حمیم پینے کو، زقوم کھانے کو- کبھی آگ کے پہاڑوں پر چڑھایا جاتا ہے تو کبھی آگ کے گڑھوں میں دھکیلا جاتا ہے، اللہ ہمیں بچائے- اب جہنمیوں کا جھگڑا، ان کے تنازع اور ایک دوسرے کو برا کہنا بیان ہو رہا ہے- جیسے اور آیت میں ہے کُلَّمَا دَخَلَتْ الخ ہر گروہ دوسرے پر بجائے سلام کے لعنت بھیجے گا- ایک دوسرے کو جھٹلائے گا اور ایک دوسرے پر الزام رکھے گا- ایک جماعت جو پہلے جہنم میں جا چکی ہے، وہ دوسری جماعت کو داروغہ جہنم کے ساتھ آتی ہوئی دیکھ کر کہے گی کہ یہ گروہ جو تمہارے ساتھ ہے، انہیں مرحبا نہ ہو اس لئے کہ یہ بھی جہنمی گروہ ہے- وہ آنے والے ان سے کہیں گے کہ تمہارے لئے مرحبا ہو- تم ہی تو تھے کہ ہمیں ان برے کاموں کی طرف بلاتے رہے جن کا انجام یہ ہوا- پس بری منزل ہے- پھر کہیں گے کہ اے باری تعالیٰ جس نے ہمارے لئے اس کی تقدیم کی، تو اسے دوگنا عذاب کر- جیسے فرمان ہے قَالَتْ اُخْرٰهُمْ لِاُوْلٰهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا الخ یعنی پچھلے پہلوں کے لئے کہیں گے کہ پروردگار انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا، تو انہیں آگ کا دگنا عذاب کر- اللہ فرمائے گا، ہر ایک کے لئے دگنا ہی ہے لیکن تم نہیں جانتے- یعنی ہر ایک کے لئے ایسا عذاب ہے جس کی انتہا اسی کے لئے ہے- چونکہ کفار وہاں مومنوں کو نہ پائیں گے جنہیں اپنے خیال میں بہکا ہوا جانتے تھے تو آپس میں ذکر کریں گے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمیں مسلمان جہنم میں نظر نہیں آتے؟ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابو جہل کہے گا کہ بلال، عمار، صہیب وغیرہ وغیرہ کہاں ہیں؟ وہ تو نظر ہی نہیں آتے، غرض ہر کافر یہی کہے گا کہ وہ لوگ جنہیں دنیا میں ہم شریر گنتے تھے، وہ آج یہاں نظر نہیں آتے- کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں مذاق میں اڑاتے تھے؟ لیکن نہیں ایسا تو نہ تھا- وہ ہوں گے تو جہنم میں ہی لیکن کہیں ادھر ادھر ہوں گے- ہماری نگاہ میں نہیں پڑتے- اسی وقت جنتیوں کی طرف سے ندا آئے گی کہ اے دوزخیو! ادھر دیکھو- ہم نے تو اپنے رب کے وعدے کو حق پایا- تم اپنی کہو- کیا اللہ کے وعدے سچے نکلے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں بالکل سچ نکلے- اسی وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو- اسی کا بیان آیات قرآنیہ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ سے وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ تک ہے- پھر فرماتا ہے، اے نبیؐ جو خبر میں تمہیں دے رہا ہوں کہ جہنمی اس طرح لڑیں جھگڑیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے، یہ بالکل سچی، واقعی اور ٹھیک خبر ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ
هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ
عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں ○ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے ○ تو کہہ دے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے ○ جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو ○ مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی بات چیت کا مطلقاً علم ہی نہیں - میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں ○

نبی علیہ السلام کا خواب: ☆☆ (آیت: ۶۵-۷۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم فرماتا ہے کہ کافروں سے کہہ دو کہ میری نسبت تمہارے خیالات محض غلط ہیں، میں تو تمہیں ڈر کی خبر پہنچانے والا ہوں - اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا اور کوئی قابل پرستش نہیں، وہ اکیلا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کے ماتحت ہے - وہ زمین و آسمان اور ہر چیز کا مالک ہے اور سب تصرفات اسی کے قبضے میں ہیں - وہ عزتوں والا ہے اور باوجود اس عظمت و عزت کے بڑا بخشنے والا ہے - یہ بہت بڑی چیز ہے یعنی میرا رسول بن کر تمہاری طرف آنا، پھر تم اے غافلو! اس سے اعراض کر رہے ہو - یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بڑی چیز ہے یعنی قرآن کریم - حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرشتوں میں جو کچھ اختلاف ہوا، اگر رب کی وحی میرے پاس نہ آئی ہوتی تو مجھے اس کی بابت کیا علم ہوتا؟ ابلیس کا آپ کو سجدہ کرنے سے منکر ہونا اور رب کے سامنے اس کی مخالفت کرنا اور اپنی بڑائی جتانا وغیرہ ان سب باتوں کو میں کیا جانوں؟

مسند احمد میں ہے، ایک دن صبح کی نماز میں حضورؐ نے بہت دیر لگا دی یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ گیا - پھر بہت جلدی کرتے ہوئے آئے، تکبیر کہی گئی اور آپ نے ہلکی نماز پڑھائی - پھر ہم سے فرمایا، ذرا دیر ٹھہرے رہو - پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، رات کو میں تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا جو مجھے اونگھ آنے لگی یہاں تک کہ میں جاگا - میں نے دیکھا کہ گویا میں اپنے رب کے پاس ہوں - میں نے اپنے پروردگار کو بہترین عمدہ صورت میں دیکھا - مجھ سے جناب باری نے دریافت فرمایا، جانتے ہو عالم بالا کے فرشتے اس وقت کس امر میں گفتگو اور سوال و جواب کر رہے ہیں؟ میں نے کہا، میرے رب مجھے کیا خبر؟ تین مرتبہ کے سوال جواب کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان اللہ عزوجل نے اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ انگلیوں کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی اور مجھ پر ایک چیز روشن ہو گئی - پھر مجھ سے سوال کیا، اب بتاؤ ملاء اعلیٰ میں کیا بات چیت ہو رہی ہے؟ میں نے کہا، گناہوں کے کفارے کی - فرمایا، پھر تم بتاؤ کفارے کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نماز باجماعت کے لئے قدم اٹھا کر جانا - نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور دل کے نہ چاہنے پر بھی کامل وضو کرنا - پھر مجھ سے میرے اللہ نے پوچھا درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھلانا، نرم کلامی کرنا اور راتوں کو جبکہ لوگ سوئے پڑے ہوں، نماز پڑھنا - اب مجھ سے میرے رب نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا، میں نیکیوں کا کرنا، برائیوں کا چھوڑنا، مسکینوں سے محبت رکھنا اور تیری بخشش، تیرا رحم اور تیرا ارادہ جب کسی قوم کی آزمائش کا فتنے کے ساتھ ہو تو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے پہلے موت، تیری محبت اور تجھ سے

محبت رکھنے والوں کی محبت اور ان کاموں کی چاہت جو تیری محبت سے قریب کرنے والے ہوں مانگتا ہوں۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا' یہ سراسر حق ہے۔ اسے پڑھو پڑھاؤ' سیکھو سکھاؤ۔ یہ حدیث خواب کی ہے اور مشہور بھی یہی ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ جاگتے کا واقعہ ہے لیکن یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ قرآن میں فرشتوں کی جس بات کا ردوبدل کرنا اس آیت میں مذکور ہے' وہ یہ نہیں جو اس حدیث میں ہے بلکہ یہ سوال تو وہ ہے جس کا ذکر اس کے بعد ہی ہے۔ ملاحظہ ہوں اگلی آیتیں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا
سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ
الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ
الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ
اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ
رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ
اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ
الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾

جبکہ تیرے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں ○ سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا ○ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ○ مگر ابلیس نے نہ کیا' اس نے تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں سے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اسے سجدہ نہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا' کیا تو کچھ گھمنڈ میں آ گیا ہے؟ یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ ○ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہت بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ○ ارشاد ہوا کہ یہاں سے نکل جا' تو مردود ہوا ○ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے۔ کہنے لگا' میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' تو مہلت والوں میں سے ہے ○ معین تاریخ تک کے وقت تک۔ کہنے لگا' پھر تو تیری عزت کی قسم' میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا ○

تخلیق آدم اور ابلیس کی سرکشی: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۵) یہ قصہ سورۂ بقرہ' سورۂ اعراف' سورۂ حجر' سورۂ سبحان' سورۂ کہف اور اس سورۂ ص میں بیان ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنا ارادہ بتایا کہ میں مٹی سے آدمؑ کو پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے پیدا کر چکوں تو تم سب اسے سجدہ کرنا تاکہ میری فرمانبرداری کے ساتھ ہی حضرت آدمؑ کی شرافت و بزرگی کا بھی اظہار ہو جائے۔ پس کل کے کل فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی۔ ہاں ابلیس اس سے رکا' یہ فرشتوں کی جنس میں سے تھا بھی نہیں بلکہ جنات میں سے تھا۔ طبعی خباثت اور جبلی سرکشی ظاہر ہو گئی۔ سوال ہوا کہ اتنی معزز مخلوق کو جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا' تو نے میرے کہنے کے باوجود سجدہ کیوں نہ کیا؟ یہ تکبر! اور یہ سرکشی؟ تو کہنے لگا کہ میں اس سے افضل و اعلیٰ ہوں' کہاں آگ اور کہاں مٹی؟ اس خطاکار نے اس کے سمجھنے میں بھی

غلطی کی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے غارت ہو گیا۔ حکم ہوا کہ میرے سامنے سے منہ ہٹا۔ میرے دربار میں تجھ جیسے نافرمانوں کی رسائی نہیں، تو میری رحمت سے دور ہو گیا۔ اور تجھ پر ابدی لعنت نازل ہوئی اور اب تو خیر و خوبی سے مایوس ہو جا۔ اس نے اللہ سے دعا کی کہ قیامت تک مجھے مہلت دی جائے۔ اس حلیم اللہ نے جو اپنی مخلوق کو ان کے گناہوں پر فوراً نہیں پکڑتا، اس کی یہ التجا پوری کر دی اور قیامت تک کی اسے مہلت دے دی۔ اب کہنے لگا، میں تو اس کی تمام اولاد کو بہکا دوں گا۔ صرف مخلص لوگ تو بچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کو منظور بھی یہی تھا جیسے کہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں بھی ہے مثلاً اَرَءَ یْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ الخ اور اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ الخ فَالْحَقُّ کو حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے پیش سے پڑھا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں خود حق ہوں اور میری بات بھی حق ہی ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں ان سے یوں مروی ہے کہ حق میری طرف سے ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔ اوروں نے دونوں لفظ زبر سے پڑھے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں، یہ قسم ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ آیت اس آیت کی طرح ہے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی میرا یہ قول اٹل ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو اس قسم کے انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا۔ اور جیسے فرمان ہے اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ الخ یہاں سے نکل جا۔ جو شخص بھی تیری مانے گا، اس کی اور تیری پوری سزا جہنم ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝٨٣ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝٨٤ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝٨٥ قُلْ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ ۝٨٦ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝٨٧ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ۝٨٨

ع ٥ ٢٤ ١٤

بجز تیرے ان بندوں کو جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں ○ فرمایا سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں ○ کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں بھی جہنم کو بھر دوں گا ○ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں ○ یہ تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے ○ یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد صحیح طور پر جان لو گے ○

(آیت:٨٦-٨٨) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں میں آپ اعلان کر دیں کہ میں تبلیغ دین پر اور احکام قرآن پر تم سے کوئی اجرت و بدلہ نہیں مانگتا۔ اس سے میرا مقصود کوئی دنیوی نفع حاصل کرنا نہیں اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں کہ اللہ نے نہ اتارا ہو اور میں جوڑ لوں۔ مجھے تو جو کچھ پہنچایا جاتا ہے، وہی میں تمہیں پہنچا دیتا ہوں۔ نہ کمی کروں نہ زیادتی۔ اور میرا مقصود اس سے صرف رضائے رب اور مرضی مولیٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، لوگو جسے کسی مسئلہ کا علم ہو، وہ اسے لوگوں سے بیان کر دے اور جو نہ جانتا ہو، وہ کہہ دے کہ اللہ جانے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبیؐ سے بھی یہی فرمایا کہ میں تکلف کرنے والا نہیں ہوں۔ یہ قرآن تمام انسانوں اور جنوں کے لئے نصیحت ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ تا کہ میں تمہیں اور جن جن لوگوں تک یہ پہنچے آگاہ اور ہوشیار کر دوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ الخ جو شخص بھی اس سے کفر کرے، وہ جہنمی ہے۔ میری باتوں کی حقیقت، میرے کلام کی تصدیق، میرے بیان کی سچائی، میری زبان کی صداقت تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گی یعنی مرتے ہی، قیامت کے قائم ہوتے ہی۔ موت کے وقت یقین آ جائے گا اور میری کہی ہوئی خبریں اپنی آنکھوں دیکھ لو گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ ص کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان پر اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورة الزمر

(تفسیر سورۂ زمر) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' حضور ﷺ نفلی روزے اس طرح پے در پے رکھے چلے جاتے کہ ہم خیال کرتیں کہ آپ اب چھوڑیں گے ہی نہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتیں کہ اب رکھیں گے ہی نہیں اور ہر رات آپ سورۂ بقرہ اور سورۂ زمر کی تلاوت کر لیا کرتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ
كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا
يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

مہر و کرم کرنے والے معبود کے نام سے شروع

اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب باحکمت کی طرف سے ہے ○ یقیناً ہم نے اس کتاب کو تیری طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ پس تو اللہ ہی کی عبادت کر' اسی کے لئے عبادت کو خالص کر کے ○ خبردار! اللہ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔ یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں' اس کا سچا فیصلہ اللہ تعالیٰ آپ کر دے گا۔ جھوٹے اور ناشکروں کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا ○ اگر اللہ کا ارادہ اولاد کا ہی ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا لیکن وہ تو پاک ہے' وہ وہی اللہ ہے یگانہ اور دباؤ اور قوت والا ○

باطل عقائد کی تردید: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ یہ قرآن عظیم اسی کا کلام ہے اور اسی کا اتارا ہوا ہے۔ اس کے حق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الخ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ جسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ تیرے دل پر اترا ہے تاکہ تو آگاہ کرنے والا بن جائے۔ صاف فصیح عربی زبان میں ہے۔ اور آیتوں میں ہے یہ باعزت کتاب وہ ہے جسے آگے یا پیچھے سے باطل آ ہی نہیں سکتا' یہ حکمتوں والے تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ یہاں فرمایا کہ یہ کتاب بہت بڑے' عزت والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے اتری ہے جو اپنے اقوال' افعال' شریعت' تقدیر سب میں حکمتوں والا ہے۔ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تجھے چاہیے کہ خود اللہ کی عبادتوں میں اور اس کی توحید میں مشغول رہ کر ساری دنیا کو اسی طرف بلا کیونکہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت زیبا نہیں' وہ لاشریک ہے' وہ بے مثال ہے' اس کا شریک کوئی نہیں۔ دین خالص یعنی شہادت توحید کے لائق وہی ہے۔

پھر مشرکوں کا ناپاک عقیدہ بیان کیا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کا مقرب جان کر ان کی خیالی تصویریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ کے لاڈلے ہیں' ہمیں جلدی اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ پھر تو ہماری روزیوں میں اور ہر چیز میں خوب برکت ہو جائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت کے روز ہمیں وہ نزدیکی اور مرتبہ دلوائیں گے۔ اس لئے کہ قیامت کے تو وہ قائل ہی نہ تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ انہیں اپنا سفارشی جانتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں حج کو جاتے تو وہاں لبیک پکارتے ہوئے کہتے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ اللہم ہم تیرے پاس حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک جن کے اپنے آپ کا مالک بھی تو ہی ہے اور جو چیزیں ان کے ماتحت ہیں' ان کا بھی حقیقی مالک تو ہی ہے۔ یہی شبہ اگلے پچھلے تمام مشرکوں کو رہا اور اسی کو تمام انبیاء علیہم السلام رد کرتے رہے اور صرف اللہ تعالیٰ واحد کی عبادت کی طرف انہیں بلاتے رہے۔ یہ عقیدہ مشرکوں نے بے دلیل گھڑ لیا تھا جس سے اللہ بیزار تھا۔ فرماتا ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ الخ یعنی ہر امت میں ہم نے رسول بھیجے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو اور فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ الخ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کی طرف یہی وحی کی کہ معبود برحق صرف میں ہی ہوں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرما دیا کہ آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں' خواہ وہ کتنے ہی بڑے مرتبے والے کیوں نہ ہوں' سب کے سب اس کے سامنے لاچار' عاجز اور غلاموں کی مانند ہیں' اتنا بھی تو اختیار نہیں کہ کسی کی سفارش میں لب ہلا سکیں۔

یہ عقیدہ محض غلط ہے کہ وہ اللہ کے پاس ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے پاس امیر امراء ہوتے ہیں کہ جس کی وہ سفارش کر دیں' اس کا کام بن جاتا ہے۔ اس باطل اور غلط عقیدے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اللہ کے سامنے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ اللہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا سچا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ ان سب کو جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے' یہ نہیں بلکہ ہمارا ولی تو تو ہی ہے۔ یہ لوگ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کا عقیدہ و ایمان انہی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست نہیں دکھاتا جن کا مقصود اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنا ہو اور جن کے دل میں اللہ کی آیتوں' اس کی نشانیوں اور اس کی دلیلوں سے کفر بیٹھ گیا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عقیدے کی نفی کی جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے تھے مثلاً مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہود کہتے تھے' عزیر اللہ کے لڑکے ہیں۔ عیسائی گمان کرتے تھے کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس فرمایا کہ جیسا ان کا خیال ہے' اگر یہی ہوتا تو اس امر کے خلاف ہوتا' پس یہاں شرط نہ تو واقعہ ہونے کے لئے ہے نہ امکان کے لئے۔ بلکہ محال کے لئے ہے اور مقصد صرف ان لوگوں کی جہالت بیان کرنے کا ہے۔ جیسے فرمایا لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا الخ اگر ہم ان بیہودہ باتوں کا اردہ کرتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔ اور آیت میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ یعنی کہہ دے کہ اگر رحمان کی اولاد ہوتی تو میں تو سب سے پہلے اس کا قائل ہوتا۔ پس یہ سب آیتیں شرط کو محال کے ساتھ متعلق کرنے والی ہیں۔ امکان یا وقوع کے لئے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہو سکتا ہے نہ وہ ہو سکتا ہے۔ اللہ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ وہ فرد' احد' صمد اور واحد ہے۔ ہر چیز اس کی ماتحت' فرمانبردار' عاجز' محتاج' فقیر' بےکس اور بےبس ہے۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے' سب سے بے پرواہ ہے' سب پر اس کی حکومت اور غلبہ ہے' ظالموں کے ان عقائد سے اور جاہلوں کی ان باتوں سے اس کی ذات مبرا و منزہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ
النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝٥ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ
اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝٦

نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا' وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' ہر ایک مقررہ مدت پر چل رہا ہے' یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے ○ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ نر مادہ اتارے' وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا رہتا ہے۔ تین اندھیروں میں' یہی اللہ تمہارا رب ہے' اسی کے لئے بادشاہت ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' پھر تم کیوں بہک رہے ہو؟ ○

تخلیق کائنات اور عقیدۂ توحید: ☆☆ (آیت:۵-۶) ہر چیز کا خالق' سب کا مالک' سب پر حکمراں اور سب کا قابض اللہ ہی ہے۔ دن رات کا الٹ پھیر اسی کے ہاتھ ہے' اسی کے حکم سے انتظام کے ساتھ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے برابر مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ نہ وہ آگے بڑھ سکے نہ وہ پیچھے رہ سکے۔ سورج چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے۔ وہ اپنے دورے کو پورا کر رہے ہیں' قیامت تک اس انتظام میں تم کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ وہ عزت و عظمت والا' کبریائی اور رفعت والا ہے۔ گنہگاروں کا بخشنہار' عاصیوں پر مہربان وہی ہے۔ تم سب کو اس نے ایک ہی شخص یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا ہے' پھر دیکھو کہ تمہارے آپس میں کس قدر اختلاف ہے۔ رنگ' صورت' آواز' بول چال زبان و بیانؑ ہر ایک الگ الگ ہے۔ حضرت آدمؑ سے ہی ان کی بیوی صاحبہ حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔

جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے' اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے' اس نے تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چوپائے پیدا کئے جن کا بیان سورۂ مائدہ کی آیت مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ الخ' میں ہے۔ یعنی بھیڑ' بکری' اونٹ' گائے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے جہاں تمہاری مختلف پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے نطفہ' پھر خون بستہ' پھر لوتھڑا' پھر گوشت پوست' ہڈی' رگ' پٹھے' پھر روح' غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے' تین تین اندھیرے مرحلوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے۔ رحم کی اندھیری' اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کا اندھیرا۔ یہ جس نے آسمان و زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلوں پچھلوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی رب ہے' اسی کا ملک ہے۔ وہی سب میں متصرف ہے' وہی لائق عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس نہ جانے تمہاری عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِنْ
تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۷﴾
وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ
نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَنْدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ
سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ﴿۸﴾

اگر تم ناشکری کرو تو یاد رکھو کہ اللہ تم سب سے بے نیاز ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کی وجہ سے تم سے خوش ہوگا' کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا' پھر تمہارا سب کا لوٹنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمہیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے رہے' یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے ○ انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا' اسے بالکل بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے اوروں کو بھی اس کی راہ سے بہکا دے' تو کہہ دے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لو۔ آخر تو دوزخی ہو ○

(آیت: ۷-۸) فرماتا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی محتاج ہے اور اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن میں منقول ہے کہ اگر تم اور روئے زمین کے سب جاندار اللہ سے کفر کرو تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں' وہ ساری مخلوق سے بے پرواہ اور پوری تعریفوں والا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے سب اول و آخر انسان و جن مل ملا کر بدترین شخص کا سا دل بنا لو تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ہاں اللہ تمہاری ناشکری سے خوش نہیں' نہ وہ اس کا تمہیں حکم دیتا ہے اور اگر تم اس کی شکرگزاری کرو گے تو وہ اس پر تم سے رضامند ہو جائے گا اور تمہیں اپنی اور نعمتیں عطا فرمائے گا۔ ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو۔ ایک کے بدلے دوسرا پکڑا نہ جائے گا' اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ انسان کو دیکھو کہ اپنی حاجت کے وقت تو بہت ہی عاجزی انکساری سے اللہ کو پکارتا ہے اور اس سے فریاد کرتا رہتا ہے۔ اور آیت میں ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ الخ یعنی جب دریا اور سمندر میں ہوتے ہیں اور وہاں کوئی آفت آتی دیکھتے ہیں تو جن جن کو اللہ کے سوا پکارتے تھے' سب کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ کو پکارنے لگتے ہیں لیکن نجات پاتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں' انسان ہے ہی ناشکرا۔

پس فرماتا ہے کہ جہاں دکھ درد ٹل گیا' پھر تو ایسا ہو جاتا ہے گویا مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اس دعا اور گریہ وزاری کو بالکل فراموش کر جاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا الخ یعنی تکلیف کے وقت تو انسان ہمیں اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر وقت بڑی حضور قلبی سے پکارتا رہتا ہے لیکن اس تکلیف کے ہٹتے ہی وہ بھی ہم سے ہٹ جاتا ہے گویا اس نے دکھ درد کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ بلکہ عافیت کے وقت اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے۔ پس اللہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے کفر سے گو کچھ یونہی سا فائدہ اٹھا لیں۔ اس میں ڈانٹ ہے اور سخت دھمکی ہے جیسے فرمایا قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ کہہ دے کہ فائدہ حاصل کر لو۔ آخری جگہ تو تمہاری جہنم ہی ہے۔ اور فرمان ہے نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ہم انہیں کچھ فائدہ دیں گے۔ پھر

سخت عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا
رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٩﴾ ع ۱ ۱۵

بھلا جو شخص راتوں کے وقت سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت گزار رہتا ہو' آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو' بتلاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟ نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں ○

مشرک اور موحد برابر نہیں: ☆☆ (آیت:۹) مطلب یہ ہے کہ جس کی حالت یہ ہو' وہ مشرک کے برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے لَیْسُوْا سَوَآءً الخ یعنی سب کے سب برابر کے نہیں۔ اہل کتاب میں وہ جماعت بھی ہے جو راتوں کے وقت قیام کی حالت میں آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدوں میں پڑے رہتے ہیں۔ قنوت سے مراد یہاں پر نماز کا خشوع وخضوع ہے۔ صرف قیام مراد نہیں۔ ابن مسعودؓ سے قانت کے معنی مطیع اور فرمانبردار کے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ اٰنَآءَ الَّیْلِ سے مراد آدھی رات سے ہے۔ منصورؒ فرماتے ہیں' مراد مغرب عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ اول درمیانہ اور آخری شب مراد ہے۔ یہ عابد لوگ ایک طرف لرزاں و ترساں ہیں' دوسری جانب امیدوار اور طمع کناں ہیں۔ نیک لوگوں پر زندگی میں تو خوف الٰہی امید پر غالب رہتا ہے۔ موت کے وقت خوف پر امید کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس اس کے انتقال کے وقت جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو کس حالت میں پاتا ہے؟ اس نے کہا' خوف وامید کی حالت میں۔ آپؐ نے فرمایا' جس شخص کے دل میں ایسے وقت یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں' اس کی امید اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے اور اس کے خوف سے اسے نجات عطا فرماتا ہے۔ ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ۔

ابن عمرؓ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا یہ وصف صرف حضرت عثمانؓ میں تھا۔ فی الواقع آپ رات کے وقت بکثرت تہجد پڑھتے رہتے تھے اور اس میں قرآن کریم کی لمبی قراءت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی ایک ہی رکعت میں قرآن ختم کر دیتے تھے۔ جیسے کہ ابوعبیدؒ سے مروی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ صبح کے وقت ان کے منہ نورانی چمک لئے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے تسبیح وتلاوت قرآن میں رات گزاری ہے۔ نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جس نے ایک رات سو آیتیں پڑھ لیں' اس کے نامہ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے (مسند وغیرہ) پس ایسے لوگ اور مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں' کسی طرح ایک مرتبے کے نہیں ہو سکتے' عالم اور بے علم کا درجہ ایک نہیں ہو سکتا۔ ہر عقل مند پر ان کا فرق ظاہر ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ
هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ اِنَّمَا يُوَفَّى
الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿١١﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٢﴾

میرا پیغام پہنچا دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو، جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک بدلہ ہے، اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے، صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے ○ تو کہہ دے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لئے عبادت کو خالص کرلوں ○ اور مجھے فرمان دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا حکم بردار بن جاؤں ○

ہر حال میں اللہ کی اطاعت لازمی ہے: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو اپنے رب کی اطاعت پر جمے رہنے کا اور ہر امر میں اس کی پاک ذات کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے کہ جس نے اس دنیا میں نیکی کی اس کو اس دنیا میں اور آنے والی آخرت میں نیکی ہی نیکی ملے گی۔ تم اگر ایک جگہ اللہ کی عبادت استقلال سے نہ کرسکو تو دوسری جگہ چلے جاؤ، اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ معصیت سے بھاگتے رہو، شرک کو منظور نہ کرو۔ صابروں کو ناپ تول اور حساب کے بغیر اجر ملتا ہے۔ جنت انہی کی چیز ہے۔ مجھے اللہ کی خالص عبادت کرنے کا حکم ہوا ہے اور مجھ سے یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اپنی تمام امت سے پہلے میں خود مسلمان ہو جاؤں، اپنے آپ کو رب کے احکام کا عامل اور پابند کرلوں۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

کہہ دے کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے ○ کہہ دے کہ میں تو خاص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں ○

(آیت: ۱۳-۱۴) حکم ہوتا ہے کہ لوگوں میں اعلان کردو کہ باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن عذاب الٰہی سے بے خوف نہیں ہوں۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو قیامت کے دن کے عذاب سے میں بھی بچ نہیں سکتا تو دوسرے لوگوں کو تو رب کی نافرمانی سے بہت زیادہ اجتناب کرنا چاہیے۔ تم اپنے دین کا بھی اعلان کردو کہ میں پختہ اور یکسوئی والا موحد ہوں۔ تم جس کی چاہو عبادت کرتے رہو۔ اس میں بھی ڈانٹ ڈپٹ ہے نہ کہ اجازت۔ پورے نقصان میں وہ ہیں جنہوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنے والوں کو نقصان میں پھنسا دیا۔ قیامت کے دن ان میں جدائی ہو جائے گی۔ اگر ان کے اہل جنت میں گئے تو یہ دوزخ میں جل رہے ہیں اور ان سے الگ ہیں اور اگر سب جہنم میں گئے تو وہاں برائی کے ساتھ ایک دوسرے سے دور ہیں اور محزون و مغموم ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔ پھر ان کا حال جو جہنم میں ہوگا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اوپر تلے آگ ہی آگ ہوگی۔ جیسے فرمایا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آتش جہنم سے ہوگا۔ ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ اور آیت میں ہے یَوْمَ یَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ قیامت والے دن انہیں نیچے اوپر سے عذاب ہو رہا ہوگا اور اوپر سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔ یہ اس لئے ظاہر و باہر کر دیا گیا اور کھول کھول کر اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ اس حقیقی عذاب سے جو یقیناً آنے والا ہے، میرے بندے خبردار ہو جائیں اور گناہوں اور نافرمانیوں کو چھوڑ دیں۔ میرے بندو، میری پکڑ دکڑ سے، میرے عذاب و غضب سے، میرے انتقام اور بدلے سے ڈرتے رہو۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ

مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ
بِهٖ عِبَادَهٗ ۚ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ
يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ
وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾

تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو' کہہ دے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے تئیں اور اپنے والوں کے تئیں قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے۔ یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے ○ انہیں نیچے اوپر سے آگ کے شعلے مثل سائبان کے ڈھانک رہے ہوں گے' یہی عذاب ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے' میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○ جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے پرہیز کیا اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہے' وہ خوش خبری کے مستحق ہیں' پس میرے بندوں کو خوشخبری سنا دے ○ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس پر عمل کرتے ہیں' یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل مند بھی ہیں ○

(آیت: ۱۷-۱۸) مروی ہے کہ یہ آیت زید بن عمر بن نفیل' ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت جس طرح ان بزرگوں پر مشتمل ہے' اسی طرح ہر اس شخص کو شامل کرتی ہے جس میں یہ پاک اوصاف ہوں یعنی بتوں سے بیزاری اور اللہ کی فرمانبرداری۔ یہ ہیں جن کے لئے دونوں جہان میں خوشیاں ہیں۔ بات سمجھ کر سن کر جب وہ اچھی ہو تو اس پر عمل کرنے والے مستحق مبارک باد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے عطا فرمانے کے وقت فرمایا تھا' اسے مضبوطی سے تھامو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ اس کی اچھائی کو مضبوط تھام لیں۔ عقلمند اور نیک راہ لوگوں میں بھلی باتوں کے قبول کرنے کا صحیح مادہ ضرور ہوتا ہے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿١٩﴾
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿٢٠﴾

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہو' تو کیا تو اسے جو دوزخ میں ہے' چھڑا سکتا ہے؟ ○ ہاں وہ لوگ جو اپنے رب کا لحاظ کرتے رہے' ان کیلئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالا خانے ہیں اور ان کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' رب کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

نیک اعمال کے حامل لوگوں کے لئے محلات: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۰) فرماتا ہے کہ جس کی بدبختی لکھی جا چکی ہے تو اسے کوئی بھی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔ کون ہے جو اللہ کے گمراہ کئے ہوئے کو راہ راست دکھا سکے؟ تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تو ان کی راہبری کر کے انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ ہاں نیک بخت' نیک اعمال' نیک عقیدہ لوگ قیامت کے دن جنت کے محلات میں مزے کریں گے' ان بالا خانوں میں جو کئی کئی منزلوں کے ہیں' تمام سامان آرائش سے آراستہ ہیں' وسیع اور بلند' خوبصورت اور جگمگ کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں' جنت میں

ایسے محل ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا' یارسول اللہؐ یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا' ان کے لئے جو نرم کلامی کریں' کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں' یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑ گڑائیں۔ نمازیں پڑھیں (ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بنایا ہے جو کھانا کھلائیں' کلام کو نرم رکھیں' پے در پے نفلی روزے بکثرت رکھیں اور پچھلی راتوں کو تہجد پڑھیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' جنتی جنت کے بالاخانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور روایت میں ہے' مشرقی مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا' حضورؐ یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' ہاں اور ان کے لئے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا' یارسول اللہؐ جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرے کو دیکھتے رہتے ہیں' اس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دنیوی کاروبار میں پھنس جاتے ہیں' بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہماری وہ حالت نہیں رہتی۔ تو آپؐ نے فرمایا' اگر تم ہر وقت اسی حالت میں رہتے جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے۔ ہم نے کہا' حضورؐ جنت کی بناء کس چیز کی ہے؟ فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اس کا چونا خالص مشک ہے' اس کی کنکریاں لولو اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا ہو' مالا مال ہو گیا۔ جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا' وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں۔ نہ موت کا کھٹکا ہے' ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں۔ ان کی جوانی دوامی ہے۔ سنو تین شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ' روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتا ہے' مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) ان محلات کے درمیان چشمے بہہ رہے ہیں اور وہ ایسے کہ جہاں چاہیں پانی پہنچائیں۔ جب اور جتنا چاہیں بہا دیں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے مومن بندوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات وعدہ خلافی سے پاک ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ
ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ
يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾ أَفَمَن شَرَحَ ع ٢ ١٦
اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم
مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے۔ پھر اسی کے ذریعے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے۔ پھر وہ خشک

ہو جاتی ہیں اور تو انہیں زرد رنگ دیکھتا ہے۔ پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے' اس میں عقل مندوں کے لئے بڑی بھاری عبرت ہے ○ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے' پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے' ویل اور ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یاد الٰہی سے اثر نہیں لیتے بلکہ سخت ہو گئے ہیں' یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں ○

زندگی کی بہترین مثال: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۲) زمین میں جو پانی ہے' وہ درحقیقت آسمان سے اترا ہوا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں۔ یہ پانی زمین پی لیتی ہے اور اندر ہی اندر وہ پھیل جاتا ہے۔ پھر حسب حاجت کسی چشمہ سے اللہ تعالیٰ اسے نکالتا ہے اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ جو پانی زمین کے میل سے کھاری ہو جاتا ہے' وہ کھاری ہی رہتا ہے۔ اسی طرح آسمانی پانی برف کی شکل میں پہاڑوں پر جم جاتا ہے۔ جسے پہاڑ چوس لیتے ہیں اور پھر ان میں سے جھرنے بہ نکلتے ہیں۔ ان چشموں اور آبشاروں کا پانی کھیتوں میں پہنچتا ہے۔ جس سے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جو مختلف قسم کے رنگ و بو کی اور طرح طرح کے مزے اور شکل و صورت کی ہوتی ہیں۔ پھر آخری وقت میں ان کی جوانی بڑھاپے سے اور سبزی زردے سے بدل جاتی ہے۔ پھر خشک ہو جاتی ہے اور کاٹ لی جاتی ہے۔ کیا اس میں عقل مندوں کے لئے بصیرت و نصیحت نہیں؟ کیا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ اسی طرح دنیا ہے۔ آج ایک جوان اور خوبصورت نظر آتی ہے' کل بڑھیا اور بدصورت ہو جاتی ہے۔ آج ایک شخص نوجوان' طاقت مند ہے' کل وہی بوڑھا کھوسٹ اور کمزور نظر آتا ہے۔ پھر آخر موت کے پنجے میں پھنستا ہے۔ پس عقلمند انجام پر نظر رکھیں۔ بہتر وہ ہے جس کا انجام بہتر ہو۔ اکثر جگہ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے پیدا شدہ کھیتی کے ساتھ دے گئی ہے جیسے وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ میں۔ پھر فرماتا ہے' جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا' ذرا سوچو! جس نے رب کے پاس سے نور پالیا' وہ اور سخت سینے اور تنگ دل والا برابر ہو سکتا ہے۔ حق پر قائم اور حق سے دور یکساں ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا الخ وہ شخص جو مردہ تھا' ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے نور عطا فرمایا جسے اپنے ساتھ لئے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ اور یہ اور وہ جو اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے جن سے چھٹکارا محال ہے' دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پس یہاں بھی بطور نصیحت بیان فرمایا کہ جن کے دل اللہ کے ذکر سے نرم نہیں پڑتے' احکام الٰہی کو ماننے کے لئے نہیں کھلتے' رب کے سامنے عاجزی نہیں کرتے بلکہ سنگدل اور سخت دل ہیں' ان کے لئے ویل ہے' خرابی اور افسوس و حسرت ہے۔ یہ بالکل گمراہ ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ
الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ
هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے جس سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب کا خوف کھاتے ہیں۔ آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں' یہ ہے اللہ کی ہدایت جسے چاہے یہ بھا دیتا ہے' اور جسے اللہ ہی راہ بھلا دے۔ اس کا ہادی کوئی نہیں ○

قرآن حکیم کی تاثیر: ☆☆ (آیت: ۲۳) اللہ تعالیٰ اپنی اس کتاب قرآن کریم کی تعریف میں فرماتا ہے کہ اس بہترین کتاب کو اس نے نازل فرمایا ہے جو سب کی سب متشابہ ہیں اور جس کی آیتیں مکرر ہیں تاکہ فہم سے قریب تر ہو جائے۔ ایک آیت دوسری کے مشابہ اور ایک حرف دوسرے سے ملتا جلتا۔ اس سورت کی آیتیں اس سورت سے اور اس کی اس سے ملی جلی۔ ایک ایک ذکر کئی کئی جگہ اور پھر بے اختلاف

بعض آیتیں ایک ہی بیان میں، بعض میں جو مذکور ہے اس کی ضد کا ذکر بھی انہی کے ساتھ ہے مثلاً مومنوں کے ذکر کے ساتھ ہی کافروں کا ذکر، جنت کے ساتھ ہی دوزخ کا بیان وغیرہ۔ دیکھئے ابرار کے ذکر کے ساتھ ہی فجار کا بیان ہے۔ سجین کے ساتھ ہی علیین کا بیان ہے۔ متقین کے ساتھ ہی طاغین کا بیان ہے۔ ذکر جنت کے ساتھ تذکرہ جہنم ہے۔ یعنی معنی ہیں مثانی کے۔ اور متشابہ ان آیتوں کو کہتے ہیں وہ تو یہ ہیں۔ اور وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ میں اور ہی معنی ہیں۔ اس کی پاک اور باا ثر آیتوں کا مومنوں کے دل پر نور پڑتا ہے وہ انہیں سنتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں، سزاؤں اور دھمکیوں کو سن کر ان کا کلیجہ کپکپانے لگتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور انتہائی عاجزی اور بہت ہی بڑی گریہ وزاری سے ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں، اس کی رحمت ولطف پر نظریں ڈال کر امیدیں بندھ جاتی ہیں۔ ان کا حال سیاہ دلوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہ رب کے کلام کو نیکوں سے سنتے ہیں۔ وہ گانے بجانے پر سر دھنتے ہیں۔ یہ آیات قرآنی سے ایمان میں بڑھتے ہیں۔ وہ انہیں سن کر اور کفر کے زینے پر چڑھتے ہیں۔ یہ روتے ہوئے سجدوں میں گر پڑتے ہیں۔ وہ مذاق اڑاتے ہوئے اکڑتے ہیں۔ فرمان قرآن ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ الخ یعنی یاد الٰہی مومنوں کے دلوں کو دہلا دیتی ہے، وہ ایمان وتوکل میں بڑھ جاتے ہیں، نماز وزکوٰۃ وخیرات کا خیال رکھتے ہیں، سچے باایمان یہی ہیں، درجے، مغفرت اور بہترین روزیاں یہی پائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا یعنی بھلے لوگ آیات قرآنیہ کو بہروں اندھوں کی طرح نہیں سنتے پڑھتے کہ ان کی طرف نہ تو صحیح توجہ ہو نہ ارادہ عمل ہو بلکہ یہ کان لگا کر سنتے ہیں، دل لگا کر سمجھتے ہیں، غور وفکر سے معانی اور مطلب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اب توفیق ہاتھ آتی ہے، سجدے میں گر پڑتے ہیں اور تعمیل کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ خود اپنی سمجھ سے کام کرنے والے ہوتے ہیں، دوسروں کی دیکھا دیکھی جہالت کے پیچھے پڑے نہیں رہتے۔ تیسرا وصف ان میں برخلاف دوسروں کے یہ ہے کہ قرآن کے سننے کے وقت باادب رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی تلاوت سن کر صحابہ کرامؓ کے جسم وروح ذکر اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ ان میں خشوع وخضوع پیدا ہو جاتا تھا لیکن یہ نہ تھا کہ چیخنے چلانے اور باہڑک کرنے لگیں اور اپنی صوفیت جتائیں بلکہ ثبات، سکون، ادب اور خشیت کے ساتھ کلام اللہ سنتے، دل جمعی اور سکون حاصل کرتے۔ اسی وجہ سے مستحق تعریف اور سزاوار توصیف ہوئے رضی اللہ عنہم۔

عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولیاء اللہ کی صفت یہی ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف وہ جھک جائیں، ان کے دل ڈر جائیں، ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ عقل جاتی رہے۔ حالت طاری ہو جائے۔ نیک وبد کا ہوش نہ رہے۔ یہ بدعتیوں کے افعال ہیں کہ ہاہو کرنے لگتے ہیں اور کودتے اچھلتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ یہ شیطانی حرکت ہے۔ ذکر اللہ سے مراد وعدہ اللہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں صفتیں ان لوگوں کی جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے۔ ان کے خلاف جنہیں پاؤ سمجھ لو کہ اللہ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور یقین رکھو کہ رب جنہیں ہدایت نہ دینا چاہے انہیں کوئی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا
كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ
لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذابوں کی سپر اپنے منہ کو بنائے گا' ایسے ظالموں سے کہا جائے گا کہ اپنے کئے کا وبال چکھو ○ ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا۔ پھر ان پر ان کی بے خبری کی حالت میں ہی عذاب آ پڑے ○ اور اللہ نے انہیں زندگانی دنیا کی رسوائی کا مزہ چکھایا۔ اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھ لیں ○

(آیت: ۲۴-۲۶) ایک وہ جسے اس ہنگامہ خیز دن میں امن و امان حاصل ہو اور ایک وہ جسے اپنے منہ پر عذاب کے تھپڑ کھانے پڑتے ہوں' برابر ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اوندھے منہ' منہ کے بل چلنے والا اور راست قامت اپنے پیروں سیدھی راہ چلنے والا برابر نہیں۔ ان کفار کو تو قیامت کے دن اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آگ کا مزہ چکھو۔ ایک اور آیت میں ہے اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ جہنم میں داخل کیا جانے والا بدنصیب اچھا یا امن و امان سے قیامت کا دن گزارنے والا اچھا؟ یہاں اس آیت کا مطلب یہی ہے لیکن ایک قسم کا ذکر کر کے دوسری قسم کے بیان کو چھوڑ دیا کیونکہ اسی سے وہ بھی سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ بات شعراء کے کلام میں برابر پائی جاتی ہے۔ اگلے لوگوں نے بھی اللہ کی باتوں کو نہ مانا تھا اور رسولوں کو جھوٹا کہا تھا۔ پھر دیکھو کہ ان پر کس طرح ان کی بے خبری میں مار پڑی؟ عذاب الٰہی نے انہیں دنیا میں بھی ذلیل و خوار کیا اور آخرت کے سخت عذاب بھی ان کے لئے باقی ہیں۔ پس تمہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ اشرف رسل کے ستانے اور نہ ماننے کی وجہ سے تم پر کہیں ان سے بھی بدتر عذاب برس نہ پڑیں۔ تم اگر ذی علم ہو تو ان کے حالات اور تذکرے تمہاری نصیحت کے لئے کافی ہیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ
مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ
مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۰ ۱۷

یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں۔ کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ قرآن عربی بے عیب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پرہیزگاری اختیار کر لیں ○ سنو اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے۔ ایک وہ شخص جس میں بہت سے مختلف ساجھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک کا ہی غلام ہے' کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں؟ اللہ ہی کے لئے سب تعریف ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں ○ یقیناً خود تجھے بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں ○ پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے ○

فیصلے روز قیامت کو ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۱) چونکہ مثالوں سے باتیں ٹھیک طور پر سمجھ میں آ جاتی ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بھی بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ سوچ سمجھ لیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اللہ نے تمہارے لئے وہ مثالیں بیان فرمائی ہیں جنہیں تم خود اپنے آپ میں بہت اچھی طرح جانتے بوجھتے ہو۔ ایک اور آیت میں ہے وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔ علماء ہی انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی اور کوئی کمی نہیں' واضح دلیلیں اور روشن حجتیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ اسے پڑھ کر' سن کر لوگ اپنا بچاؤ کریں۔ اس کے عذاب کی آیتوں کو سامنے رکھ کر برائیاں چھوڑیں اور اس کے ثواب کی آیتوں کی طرف نظریں رکھ کر نیک اعمال میں

محنت کریں - اس کے بعد جناب باری عزاسمہ موحد اور مشرک کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ غلام جس کے مالک بہت سارے ہوں اور وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور دوسرا وہ غلام جو خالص صرف ایک ہی شخص کی ملکیت کا ہو' اس کے سوا اس پر دوسرے کسی کا کوئی اختیار نہ ہو - کیا یہ دونوں تمہارے نزدیک یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں - اسی طرح موحد جو صرف ایک اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی ہی عبادت کرتا ہے اور مشرک جس نے اپنے معبود بہت سے بنا رکھے ہیں' ان دونوں میں بھی کوئی نسبت نہیں - کہاں یہ مخلص موحد؟ کہاں یہ دربدر بھٹکنے والا مشرک؟ اس ظاہر' باہر' روشن اور صاف مثال کے بیان پر بھی رب العالمین کی حمد وثنا کرنی چاہیے کہ اس نے اپنے بندوں کو اس طرح سمجھا دیا کہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے - شرک کی بدی اور توحید کی خوبی ہر ایک کے ذہن میں آ جائے - اب رب کے ساتھ وہی شرک کریں گے جو محض بے علم ہوں - جن میں سمجھ بوجھ بالکل نہ ہو - اس کے بعد کی آیت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد پڑھ کر پھر دوسری آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی آخر آیت تک تلاوت کر کے لوگوں کو بتایا تھا - مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ سب اس دنیا سے جانے والے ہیں - اور آخرت میں اپنے رب کے پاس جمع ہونے والے ہیں - وہاں اللہ تعالیٰ مشرکوں اور موحدوں میں صاف فیصلہ کر دے گا اور حق ظاہر ہو جائے گا - اس سے اچھے فیصلے والا اور اس سے زیادہ علم والا کون ہے؟ ایمان' اخلاص اور توحید وسنت والے نجات پائیں گے - شرک وکفر' انکار وتکذیب والے سخت سزائیں اٹھائیں گے - اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا' روز قیامت وہ اللہ عادل کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہو گا - اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کے دن پھر سے جھگڑے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں یقیناً - تو حضرت عبداللہؓ نے کہا' پھر تو سخت مشکل ہے (ابن ابی حاتم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ یعنی پھر اس دن تم سے اللہ کی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا' کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا؟ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کر رہے ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا' اب نہیں ہیں تو کیا' عنقریب بہت سی نعمتیں ہو جائیں گی - یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن بتاتے ہیں - مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ الخ' کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے' وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دوہرائے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرستش ہو گی - آپؐ نے فرمایا' ہاں وہ ضرور دوہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا تو آپ نے کہا' پھر تو سخت مشکل کام ہے - مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس میں جھگڑے پیش ہوں گے - اور حدیث میں ہے' اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسری کو سینگ مارے ہوں گے' ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا (مسند احمد)

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو' یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضورؐ مجھے کیا خبر؟ آپؐ نے فرمایا' ٹھیک ہے - لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان میں بھی انصاف کرے گا - بزار میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ظالم اور

خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گی اور اس پر وہ غالب آ جائے گی اور اللہ کا فرمان ضرور ہوگا کہ جاؤ اسے جہنم کا ایک رکن بنادو۔ اس حدیث کے ایک راوی اغلب بن تمیم کا حافظہ جیسا چاہیے، ایسا نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہر سچا جھوٹے سے، ہر مظلوم ظالم سے، ہر ہدایت والا گمراہی والے سے، ہر کمزور زورآور سے اس روز جھگڑے گا۔ ابن مندہ رحمہ اللہ اپنی کتاب الروح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا، ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔

ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا۔ کہے گا۔ سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج، بالکل لولا لنگڑا، چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ دوسرا آدمی اندھا ہے لیکن اس کے پیر سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے۔ دونوں ایک باغ میں ہیں۔ لنگڑا اندھے سے کہتا ہے، بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں جو میں جا کر یہ پھل توڑ لوں۔ اندھا کہتا ہے آ میرے پاؤں ہیں، میں تجھے اپنی پیٹھ پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور جی کھول کر پھل توڑے۔ بتاؤ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم و روح دونوں جواب دیتے ہیں کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے، بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا۔ یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم تعجب میں تھے کہ ہم میں اور اہل کتاب میں تو جھگڑا ہے ہی نہیں، پھر آخر روز قیامت میں کس سے جھگڑے ہوں گے؟ اس کے بعد جب آپس کے فتنے شروع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہی آپس کے جھگڑے ہیں جو اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔ ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سے جھگڑیں گے۔ اور ابن زید رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد اہل اسلام اور اہل کفر کا جھگڑا ہے۔ لیکن ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ فی الواقع یہ آیت عام ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور فضل و رحم سے تفسیر محمدی کا تئیسواں پارہ ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہماری تقصیر کی معافی کا سبب اس تفسیر کو بنا دے۔ ہمیں اپنے پاک کلام کی تلاوت کا ذوق، اس کے معنی کے سمجھنے کا شوق عطا فرمائے، علم و عمل کی توفیق دے، عذاب سے نجات دے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

تفسیر ابن کثیر

۲۴
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- مشرکین کی سزا اور موحدین کی جزا ۹۴
- بھروسہ کے لائق صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے ۹۵
- نیند اور موت کے وقت ارواح کا قبض کرنا ۹۶
- مشرکین کی مذمت ۹۸
- صبح وشام کے بعض وظائف ۹۸
- انسان کا ناشکرا پن ۱۰۰
- توبہ تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ ۱۰۱
- مشرکین کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے ۱۰۵
- زمین وآسمان اللہ کی انگلیوں میں ۱۰۷
- قیامت کی ہولناکی کا بیان ۱۰۸
- کفار کی آخری منزل ۱۱۰
- متقیوں کی آخری منزل ۱۱۲
- قیامت کے دن انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا ۱۱۵
- انبیاء کی تکذیب کافروں کا شیوہ ہے ۱۱۸
- اللہ کی بزرگی اور پاکی بیان کرنے پر مامور فرشتے ۱۱۹
- کفار کی دوبارہ زندگی کی لاحاصل آرزو ۱۲۲
- روز قیامت سب اللہ کے سامنے ہوں گے ۱۲۴
- اللہ علیم پر ہر چیز ظاہر ہے ۱۲۵
- فرعون کا بدترین حکم ۱۲۷
- ایک مرد مومن کی فرعون کو نصیحت ۱۲۸
- مرد مومن کی اپنی قوم کو نصیحت ۱۳۱
- فرعون کی سرکشی اور تکبر ۱۳۳
- قوم فرعون کے مرد مومن کی سہ بارہ نصیحت ۱۳۳
- عالم برزخ میں عذاب پر دلیل ۱۳۴
- دوزخیوں کے لیے ایک اور عذاب ۱۳۷
- رسولوں اور اہل ایمان کو دنیا وآخرت میں مدد کی بشارت ۱۳۸
- انسان کی دوبارہ پیدائش کے دلائل ۱۴۱
- دعا کی ہدایت اور قبولیت کا وعدہ ۱۴۱
- احسانات وانعامات کا تذکرہ ۱۴۳
- رسول اللہ کی مشرکین کو دعوت توحید ۱۴۴
- کفار کو عذاب جہنم اور طوق وسلاسل کی وعید ۱۴۵
- اللہ کے وعدے قطعاً حق ہیں ۱۴۷
- ہر مخلوق خالق کائنات پر دلیل ہے ۱۴۸
- نزول عذاب کے وقت کا ایمان بے فائدہ ہے ۱۴۸
- ہر معجز قرآن کے باوجود ہدایت نہ پائی ۱۴۹
- حصول نجات اور اتباع رسول ﷺ ۱۵۲
- تخلیق کائنات کا مرحلہ وار ذکر ۱۵۳
- انبیاء کی تکذیب عذاب الٰہی کا سبب ۱۵۶
- انسان اپنا دشمن آپ ہے ۱۵۸
- آداب قرآن حکیم ۱۶۰
- استقامت اور اس کا انجام ۱۶۲
- اللہ تعالیٰ کا محبوب انسان ۱۶۴
- مخلوق کو نہیں خالق کو سجدہ کرو ۱۶۶
- عذاب وثواب نہ ہوتا تو عمل نہ ہوتا ۱۶۷
- قرآن کو جھٹلانے والے شکی ہیں ۱۶۸
- ناکردہ گناہ سزا نہیں پاتا ۱۶۹

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ
جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ
وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۳۳ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ۚۖ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ
عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۵

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچا دین جب اس کے پاس آئے' اسے جھوٹا بتلائے' کیا ایسے کفار کے لئے جہنم ٹھکانا نہیں ہے؟ ○ اور جو لوگ سچے دین کو لائیں اور جو اسے سچا جانیں' یہی لوگ پارسا ہیں ○ ان کے لئے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہے جو یہ چاہیں' نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور جو نیک کام انہوں نے کئے ہیں' ان کا نیک بدلہ عطا فرمائے ○

مشرکین کی سزا اور موحدین کی جزا: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۵) مشرکین نے اللہ پر بہت جھوٹ بولا تھا اور طرح طرح کے الزام لگائے تھے' کبھی اس کے ساتھ دوسرے معبود بتاتے تھے' کبھی فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں شمار کرنے لگتے تھے' کبھی مخلوق میں سے کسی کو اس کا بیٹا کہہ دیا کرتے تھے' جن تمام باتوں سے اس کی بلند و بالا ذات پاک اور برتر تھی' ساتھ ہی ان میں دوسری بدخصلت یہ بھی تھی کہ جو حق انبیاء علیہم السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نازل فرماتا' یہ اسے بھی جھٹلاتے' پس فرمایا کہ یہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں۔ پھر جو سزا انہیں ہونی ہے' اس سے انہیں آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہی ہے جو مرتے دم تک انکار و تکذیب پر ہی رہیں۔

ان کی بدخصلت اور سزا کا ذکر کر کے پھر مومنوں کی نیک خو اور ان کی جزا کا ذکر فرماتا ہے کہ جو سچائی کو لایا اور اسے سچا مانا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو کلمہ توحید کا اقراری ہو۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی ماننے والی ان کی مسلمان امت۔ یہ قیامت کے دن یہی کہیں گے کہ جو تم نے ہمیں دیا اور جو فرمایا' ہم اسی پر عمل کرتے رہے۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس آیت میں داخل ہیں۔ آپ بھی سچائی کے لانے والے' اگلے رسولوں کی تصدیق کرنے والے اور آپ پر جو کچھ نازل ہوا تھا' اسے ماننے والے تھے اور ساتھ ہی یہی وصف تمام ایمان داروں کا تھا کہ وہ اللہ پر' فرشتوں پر' کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھنے والے تھے۔

ربیع بن انس کی قراءت میں وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالصِّدْقِ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں' سچائی کو لانے والے آنحضرت ﷺ ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں۔ یہی متقی' پرہیز گار اور پارسا ہیں۔ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور شرک و کفر سے بچتے رہے۔ ان کے لئے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے' پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان پاک باز لوگوں کا' رب ان کی برائیاں تو معاف فرما دیتا ہے۔ اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔ جیسے دوسری آیت میں فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا الخ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی نیکیاں ہم قبول کر لیتے ہیں۔ اور برائیوں سے درگزر فرما لیتے ہیں۔ یہ جنتوں میں رہیں گے۔ انہیں بالکل سچا اور صحیح وعدہ دیا جاتا ہے۔

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنْ مُّضِلٍّ ؕ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ أَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ أَوْ أَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ
قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟ یہ لوگ تجھے اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں' جسے اللہ گمراہ کر دے' اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ○ اور جسے وہ ہدایت دے' اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں - کیا اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں ہے؟ ○ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے - اب تو ان سے کہہ کہ اچھا یہ تو بتلاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو' اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ تو کہہ دے کہ اللہ مجھے کافی ہے - توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں ○

بھروسہ کے لائق صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۸) ایک قراءت میں أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عِبَادَهٗ' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو کافی ہے - اسی پر ہر شخص کو بھروسہ رکھنا چاہیے - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس نے نجات پا لی جو اسلام کی ہدایت دیا گیا اور بقدر ضرورت روزی دیا گیا اور قناعت بھی نصیب ہوئی - (ترمذی وغیرہ) اے نبیؐ یہ لوگ تجھے اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں - یہ ان کی جہالت و ضلالت ہے' اور اللہ جسے گمراہ کر دے' اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا' جس طرح اللہ کے راہ دکھائے ہوئے شخص کو کوئی بہکا نہیں سکتا - اللہ تعالیٰ بلند جناب والا ہے' اس پر بھروسہ کرنے والے کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا' اور اس کی طرف جھک جانے والا کبھی محروم نہیں رہتا - اس سے بڑھ کر عزت والا کوئی نہیں -

اسی طرح اس سے بڑھ کر انتقام پر قادر بھی کوئی نہیں - جو اس کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہیں' اس کے رسولوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں یقیناً وہ انہیں سخت سزائیں دے گا - مشرکین کی مزید جہالت بیان ہو رہی ہے کہ باوجود اللہ تعالیٰ کو خالق کل ماننے کے پھر بھی ایسے معبودان باطل کی پرستش کرتے ہیں جو کسی نفع نقصان کے مالک نہیں' جنہیں کسی امر کا کوئی اختیار نہیں - حدیث شریف میں ہے' اللہ کو یاد رکھ' وہ تیری حفاظت کرے گا - اللہ کو یاد رکھ' تو اسے ہر وقت اپنے پاس پائے گا - آسانی کے وقت رب کی نعمتوں کا شکر گزار رہ' سختی کے وقت وہ تیرے کام آئے گا - جب کچھ مانگ تو اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد طلب کر تو اسی سے مدد طلب کر' یقین رکھ کہ اگر تمام دنیا مل کر تجھے کوئی نقصان چاہے اور اللہ نے مقدر میں نہ لکھا ہو تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے - صحیفے خشک ہو چکے' قلمیں اٹھا لی گئیں - یقین اور شکر کے ساتھ نیکیوں میں مشغول کر - تکلیفوں میں صبر کرنے پر بڑی نیکیاں ملتی ہیں - مدد صبر کے ساتھ ہے - غم و رنج کے ساتھ ہی خوشی اور فراخی ہے - ہر سختی اپنے اندر آسانی لئے ہوئے ہے - (ابن ابی حاتم) تو کہہ دے کہ مجھے اللہ بس ہے - بھروسہ کرنے والے اسی کی پاک ذات پر بھروسہ کرتے ہیں جیسے کہ حضرت

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا تھا جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ اے ہود ہمارے خیال سے تو تمہیں ہمارے کسی معبود نے کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا' میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے تمام معبودان باطل سے بیزار ہوں۔ تم سب مل کر میرے ساتھ جو داؤ گھات تم سے ہو سکتے ہیں' سب کر لو اور مجھے مطلق مہلت نہ دو۔ سنو' میرا توکل میرے رب پر ہے جو دراصل تم سب کا بھی رب ہے۔ روئے زمین پر جتنے چلنے پھرنے والے ہیں' سب کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔ رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص سب سے زیادہ قوی ہونا چاہے' وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور جو سب سے زیادہ غنی بننا چاہے' وہ اس چیز پر جو اللہ کے ہاتھ میں ہے' زیادہ اعتماد رکھے بہ نسبت اس چیز کے جو خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو سب سے زیادہ بزرگ ہونا چاہے' وہ اللہ عزوجل سے ڈرتا رہے۔ (ابن ابی حاتم) پھر مشرکین کو ڈانٹتے ہوئے فرماتا ہے کہ اچھا تم اپنے طریقے پر عمل کرتے جاؤ۔ میں اپنے طریقے پر عامل ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں ذلیل و خوار کون ہوتا ہے؟ اور آخرت کے دائمی عذاب میں گرفتار کون ہوتا ہے؟ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾
اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع ۱۰

کہہ دے کہ اے میری قوم تم اپنے طور پر عمل کیے جاؤ۔ میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ ابھی ابھی تم جان جاؤ گے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی مار اور ہمیشگی کی سزا ہوتی ہے ○ تجھ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لئے نازل فرمائی ہے۔ پس جو شخص راہ راست پر آ جائے' اس کے اپنے لئے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے' تو ان کا ذمہ دار نہیں ○

نیند اور موت کے وقت ارواح کا قبض کرنا: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۲) اللہ تعالیٰ رب العزت اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھ پر اس قرآن کو سچائی اور راستی کے ساتھ تمام جن و انس کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس کے فرمان کو مان کر راہ راست حاصل کرنے والے اپنا ہی نفع کریں گے اور اس کے ہوتے ہوئے بھی دوسری غلط راہوں پر چلنے والے اپنا ہی بگاڑیں گے۔ تو اس امر کا ذمے دار نہیں کہ خواہ مخواہ ہر شخص اسے مان ہی لے۔ تیرے ذمے صرف اس کا پہنچا دینا ہے۔ حساب لینے والے ہم ہیں' ہم ہر موجود میں جو چاہیں تصرف کرتے رہتے ہیں' وفات کبریٰ جس میں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے انسان کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وفات صغریٰ جو نیند کے وقت ہوتی ہے' ہمارے ہی قبضے میں ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ الخ یعنی وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو' جانتا ہے۔ پھر تمہیں دن میں اٹھا بٹھاتا ہے تاکہ مقرر کیا ہوا وقت پورا کر دیا جائے۔ پھر تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ وہی اپنے سب بندوں پر غالب ہے۔ وہی تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے تاوقتیکہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ تقصیر اور کمی

نہیں کرتے۔ پس ان دونوں آیتوں میں بھی یہی ذکر ہوا ہے۔ پہلے چھوٹی موت کو پھر بڑی موت کو بیان فرمایا۔ یہاں پہلے بڑی وفات کو پھر چھوٹی وفات کو ذکر کیا۔ اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ملاء اعلیٰ میں یہ روحیں جمع ہوتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی بستر پر سونے کو جائے تو اپنے تہہ بند کے اندرونی حصے سے اسے جھاڑ لے نہ جانے اس پر کیا کچھ ہو۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ
فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ
الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے غور کرنے والوں کے لئے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ○

پھر یہ دعا پڑھے بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُه، اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ یعنی اے میرے پالنے والے رب تیرے ہی پاک نام کی برکت سے میں لیٹتا ہوں اور تیری ہی رحمت میں جاگوں گا۔ اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے بھیج دے تو اس کی ایسی ہی حفاظت کرنا جیسی تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ مردوں کی روحیں جب وہ مریں اور زندوں کی روحیں جب وہ سوئیں، قبض کر لی جاتی ہیں اور ان میں آپس میں تعارف ہوتا ہے۔ جب تک اللہ چاہے۔ پھر مردوں کی روحیں تو روک لی جاتی ہیں اور دوسری روحیں مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ یعنی مرنے کے وقت تک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مردوں کی روحیں اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور زندوں کی روحیں واپس بھیج دیتا ہے اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ غور و فکر کے جو عادی ہیں، وہ اسی ایک بات میں قدرت الٰہی کے بہت سے دلائل پا لیتے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ
شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ
وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾
قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو سفارش کرنے والا مقرر کر رکھا ہے۔ تو کہہ دے کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔ کہہ دے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے' تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لئے ہے' تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے ○ جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے' اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہو جاتے ہیں ○ تو کہہ کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے' چھپے کھلے کے جاننے والے' تو ہی اپنے بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ رہے تھے ○

مشرکین کی مذمت: ☆☆ (آیت:۴۳-۴۵) اللہ تعالیٰ مشرکوں کی مذمت بیان فرماتا ہے کہ وہ بتوں اور معبودان باطل کو اپنا سفارشی اور شفیع سمجھے بیٹھے ہیں' اس کی نہ کوئی دلیل ہے نہ حجت۔ اور دراصل انہیں نہ کچھ اختیار ہے نہ عقل و شعور۔ نہ ان کی آنکھیں' نہ ان کے کان' وہ تو پتھر اور جمادات ہیں جو حیوانوں میں درجہا بدتر ہیں۔ اس لئے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان سے کہہ دو' کوئی نہیں جو اللہ کے سامنے لب ہلا سکے۔ آواز اٹھا سکے جب تک کہ اُس کی مرضی نہ پالے اور اجازت حاصل نہ کر لے' ساری شفاعتوں کا مالک وہی ہے۔ زمین و آسمان کا بادشاہ تنہا وہی ہے' قیامت کے دن تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اس وقت وہ عدل کے ساتھ تم سب میں سچے فیصلے کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ توحید کا کلمہ سننا انہیں ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر سن کر ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ اس کا سننا بھی انہیں پسند نہیں۔ ان کا جی اس میں نہیں لگتا۔ کفر و تکبر انہیں روک دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی ان سے جب کہا جاتا تھا کہ اللہ ایک کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور ماننے سے جی چراتے تھے۔ چونکہ ان کے دل حق کے منکر ہیں' اس لئے باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ جہاں بتوں کا اور دوسرے معبود کا ذکر آیا' ان کی باچھیں کھل گئیں۔

صبح و شام کے بعض وظائف: ☆☆ (آیت:۴۶) مشرکین کو جو نفرت توحید سے ہے' اور جو محبت شرک سے ہے اسے بیان فرما کر اپنے نبیؐ سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ فرماتا ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ واحد' احد کو ہی پکار جو آسمان و زمین کا خالق ہے اور اس وقت اس نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ نہ یہ کچھ تھے نہ ان کا کوئی نمونہ تھا۔ وہ ظاہر و باطن چھپے کھلے کا عالم ہے۔ یہ لوگ جو جو اختلافات اپنے آپس میں کرتے تھے سب کا فیصلہ اس دن ہوگا جب یہ قبروں سے نکلیں اور میدان قیامت میں آئیں۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کو کس دعا سے شروع کرتے تھے؟

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ ہی اتنا ہی اور ہو تو بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں' اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا گمان بھی انہیں نہ تھا ○ جو کچھ انہوں نے کیا تھا' اس کی برائیاں ان پر کھل پڑیں گی اور جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا ○

آپؓ فرماتی ہیں اس دعا سے اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَآئِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی اللہ اے جبرئیل' میکائیل اور اسرافیل کے رب' اے آسمان وزمین کو بےنمونے کے پیدا کرنے والے' اے حاضر و غائب کے جاننے والے' تو ہی اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ہے جس جس چیز میں اختلاف کیا گیا ہے' تو مجھے ان سب میں اپنے فضل سے حق راہ دکھا- تو جسے چاہے سیدھی راہ کی راہنمائی کرتا ہے (مسلم) حضورؐ فرماتے ہیں' جو بندہ اس دعا کو پڑھے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے' اس عہد کو پورا کرو- چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا- وہ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّیْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَآ اَنِّي اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ فَاِنَّكَ اِنْ تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِی تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّي لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَكَ عَهْداً تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یعنی اے اللہ' اے آسمان وزمین کو بےنمونے کے پیدا کرنے والے' اے غائب وحاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو اکیلا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد (ﷺ) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں- تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دے گا تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور پڑ جاؤں گا- اللہ مجھے صرف تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے- پس تو بھی مجھ سے عہد کر جسے تو قیامت کے دن پورا کرے- یقیناً تو عہد شکن نہیں-

اس حدیث کے راوی سہیلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے جب کہا کہ عونؒ اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ' ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ وَاِلٰهُ كُلِّ شَيْءٍ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِی اِثْماً اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰی مُسْلِمٍ یعنی اے اللہ' اے آسمان وزمین کو بےنمونہ پیدا کرنے والے' چھپی کھلی کے جاننے والے' تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے- میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں- تو اکیلا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں- میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں- میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جان پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور مسلمان کی طرف کسی گناہ کو لے جاؤں- حضرت ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس دعا کو حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو سکھایا تھا- اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے- (مسند امام احمد) اور روایت میں ہے کہ ابوراشد حبرانیؒ نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کی تو حضرت عبداللہؓ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا' یہ ہے جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے لکھوائی ہے- میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہؐ میں صبح و شام کیا پڑھوں؟ آپؐ نے فرمایا' یہ پڑھو- اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ اَوْ اَقْتَرِفُ عَلٰی نَفْسِی سُوْءً اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰی مُسْلِمٍ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے اس دعا کے پڑھنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے صبح شام اور

سوتے وقت حکم دیا ہے۔ دوسری آیت میں ظالموں سے مراد مشرکین ہیں۔ فرماتا ہے کہ اگر ان کے پاس روئے زمین کے خزانے اتنے ہی اور ہوں تو بھی یہ قیامت کے بدترین عذاب کے بدلے انہیں اپنے فدیئے میں اور اپنی جان کے بدلے میں دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اس دن کوئی فدیہ اور بدلہ قبول نہ کیا جائے گا گو زمین بھر کر سونا دیں جیسے کہ اور آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ آج اللہ کے وہ عذاب ان کے سامنے آئیں گے کہ کبھی انہیں ان کا خیال بھی نہ گزرا تھا' جو جو حرام کاریاں' بدکاریاں' گناہ اور برائیاں انہوں نے دنیا میں کی تھیں' اب سب کی سزا اپنے آگے موجود پائیں گے۔ دنیا میں جس سزا کا ذکر سن کر مذاق کرتے تھے' آج وہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ
قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیں تو کہنے لگتا ہے کہ اسے تو میں محض اپنی دانائی کی وجہ سے دیا گیا ہوں۔ نہیں بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں ○

انسان کا ناشکرا پن: ☆☆ (آیت:۴۹) اللہ تعالیٰ انسان کی حالت کو بیان فرماتا ہے کہ مشکل کے وقت تو وہ آہ وزاری شروع کر دیتا ہے' اللہ کی طرف پوری طرح راجع اور راغب ہو جاتا ہے لیکن جہاں مشکل کشائی ہو گئی' جہاں راحت و نعمت حاصل ہوئی کہ یہ سرکش و متکبر بنا۔ اور اکڑتا ہوا کہنے لگا کہ یہ تو اللہ کے ذمے میرا حق تھا۔ میں اللہ کے نزدیک اس کا مستحق تھا ہی۔ میری اپنی عقل مندی اور خوش تدبیری کی وجہ سے اس نعمت کو میں نے حاصل کیا ہے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ
هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾
اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۱۱

ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں۔ پس ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی ○ پھر ان کی تمام برائیاں ان پر آپڑیں اور ان میں سے بھی جو گنہگار ہیں' ان کی کی ہوئی برائیاں بھی ان پر آپڑیں گی۔ یہ (ہمیں) ہرا دینے والے نہیں ○ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی' ایمان لانے والوں کے لئے اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' بات یوں نہیں بلکہ دراصل یہ ہماری طرف کی آزمائش ہے۔ گو ہمیں ازل سے علم حاصل ہے لیکن تاہم ہم اسے ظہور میں لانا چاہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس نعمت کا یہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری لیکن یہ لوگ بے علم ہیں۔ دعوے کرتے ہیں' منہ سے بات نکال دیتے ہیں لیکن اصلیت سے بے خبر ہیں' یہی دعویٰ اور یہی قول ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی کیا اور کہا۔ لیکن ان کا قول صحیح ثابت نہ ہوا

اور ان نعمتوں نے، کسی اور چیز نے اور ان کے اعمال نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ جس طرح ان پر وبال ٹوٹ پڑا، اسی طرح ان پر بھی ایک دن ان کی بداعمالیوں کا وبال آ پڑے گا اور یہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ۔ نہ تھکا اور ہرا سکتے ہیں۔ جیسے کہ قارون سے اس کی قوم نے کہا تھا کہ اس قدر اکڑ نہیں، اللہ تعالیٰ خود پسندوں کو محبوب نہیں رکھتا ۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو خرچ کر کے آخرت کی تیاری کر اور وہاں کا سامان مہیا کر۔ اس دنیا میں بھی فائدہ اٹھاتا رہ اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا ہے تو بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرتا رہ، زمین میں فساد کرنے والا مت بن، اللہ تعالیٰ مفسدوں سے محبت نہیں کرتا ۔ اس پر قارون نے جواب دیا کہ ان تمام نعمتوں اور جاہ و دولت کو میں نے اپنی دانائی اور علم و ہنر سے حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ اس سے پہلے اس سے زیادہ قوت اور اس سے زیادہ جمع جتھا والوں کو میں نے ہلاک و برباد کر دیا ہے، مجرم اپنے گناہوں کے بارے میں پوچھے نہ جائیں گے۔

الغرض مال و اولاد پر پھول کر اللہ کو بھول جانا یہ شیوہ کفر ہے۔ کفار کا قول تھا کہ ہم مال و اولاد میں زیادہ ہیں۔ ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔ کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں کہ رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کے لئے چاہے کشادگی کرے اور جس پر چاہے تنگی کرے۔ اس میں ایمان والوں کے لئے طرح طرح کی عبرتیں اور دلیلیں ہیں۔

قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۝۵۳
وَاَنِيۡبُوۡۤا اِلٰى رَبِّكُمۡ وَاَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ
ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ۝۵۴ وَاتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝۵۵ اَنۡ
تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ
لَمِنَ السّٰخِرِيۡنَ ۝۵۶

میری جانب سے کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے ○ تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کئے چلے جاؤ۔ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آ جائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے ○ اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو ○ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے، ہائے افسوس اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں ہی رہا ○

توبہ، تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ: ☆☆ (آیت:۵۳-۵۶) اس آیت میں تمام نافرمانوں کو گو وہ مشرک و کافر بھی ہوں توبہ کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کی ذات غفور و رحیم ہے۔ وہ ہر تائب کی توبہ قبول کرتا ہے۔ ہر جھکنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والے کے اگلے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے گو وہ کیسے ہی ہوں، کتنے ہی ہوں، کبھی کے ہوں۔ اس آیت کو بغیر توبہ کے گناہوں کی بخشش کے معنی میں لینا صحیح نہیں اس لئے کہ شرک بغیر توبہ کے بخشا نہیں جاتا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بعض مشرکین جو قتل و زنا کے بھی مرتکب تھے،

حاضر خدمت نبویؐ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یہ آپ کی باتیں اور آپ کا دین ہمیں ہر لحاظ سے اچھا اور سچا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بڑے بڑے گناہ جو ہم سے ہو چکے ہیں، ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ اس پر آیت وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ الخ یہ اور آیت نازل ہوئی۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، مجھے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز کے ملنے سے اتنی خوشی نہ ہوئی جتنی اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جس نے شرک کیا ہو؟ آپؐ نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا، خبردار رہو، جس نے شرک بھی کیا ہو، تین مرتبہ یہی فرمایا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک بوڑھا بڑا شخص لکڑی ٹکاتا ہوا آنحضرت ﷺ کی دمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے چھوٹے موٹے گناہ بہت سارے ہیں، کیا مجھے بھی بخشا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، کیا تو اللہ کی توحید کی گواہی نہیں دیتا؟ اس نے کہا، ہاں اور آپؐ کی رسالت کی گواہی بھی دیتا ہوں، آپؐ نے فرمایا، تیرے چھوٹے موٹے گناہ معاف ہیں۔ ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں ہے، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپؐ اس آیت کی تلاوت اسی طرح فرما رہے تھے اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ اور اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ پس ان تمام احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بندے کو رحمت رب سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ گو گناہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی کثرت سے ہوں۔ توبہ اور رحمت کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا رہتا ہے اور وہ بہت ہی وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور فرمایا وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ الخ جو برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے استغفار کرے، وہ اللہ کو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰہَ ھَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّۃً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِھَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

یا کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسا لوگوں میں ہوتا ○ یا عذابوں کو دیکھ کر کہنے لگے، کاش کہ کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکوکاروں میں ہو جاتا ○ ہاں ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں جنہیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں ○

منافقوں کی سزا جو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوگی اسے بیان فرما کر بھی فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا یعنی ان سے وہ مستثنٰی ہیں جو توبہ کریں اور اصلاح کر لیں۔ مشرکین نصاریٰ کے اس شرک کا کہ وہ اللہ کو تین میں کا تیسرا انتے ہیں، ذکر کر کے ان کی سزاؤں کے بیان سے پہلے فرما دیا اِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ کہ اگر یہ اپنے قول سے باز نہ آئے تو پھر اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی جلال و شان والے نے فرمایا، یہ کیوں اللہ سے توبہ نہیں کرتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ وہ تو بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے خندقیں کھود کر مسلمانوں کو آگ میں ڈالا تھا ذکر کرتے ہوئے بھی فرمایا کہ جو مسلمان مرد عورتوں کو تکلیف پہنچا کر پھر بھی توبہ نہ کریں ان کے لئے عذاب جہنم اور عذاب نار ہے۔

امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کرم وجود کو دیکھو کہ اپنے دوستوں کے قاتلوں کو بھی توبہ اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کا واقعہ بھی مذکور ہے جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ پھر بنی اسرائیل کے ایک عابد سے پوچھا کہ کیا اس کے لئے بھی توبہ ہے؟ اس نے انکار کیا۔ اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ پھر ایک عالم سے پوچھا' اس نے جواب دیا کہ تجھ میں اور توبہ میں کوئی روک نہیں اور حکم دیا کہ موحدوں کی بستی میں چلا جائے چنانچہ یہ اس گاؤں کی طرف چلا لیکن راستے میں ہی موت آ گئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں آپس میں اختلاف ہوا۔ اللہ عزوجل نے زمین کے ناپنے کا حکم دیا تو ایک بالشت بھر نیک لوگوں کی بستی جس طرف وہ ہجرت کر کے جا رہا تھا' قریب نکلی اور یہ انہی کے ساتھ ملا دیا گیا اور رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ موت کے وقت سینے کے بل اس طرف گھسیٹتا ہوا چلا تھا۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نیک لوگوں کی بستی کے قریب ہو جانے کا اور برے لوگوں کی بستی کے دور ہو جانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ یہ اس حدیث کا خلاصہ ہے۔ پوری حدیث اپنی جگہ بیان ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تمام بندوں کو اپنی مغفرت کی طرف بلایا ہے' انہیں بھی جو حضرت مسیحؑ کو اللہ کہتے تھے' انہیں بھی جو آپ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے' انہیں بھی جو حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا بتاتے تھے' انہیں بھی جو اللہ کو فقیر کہتے تھے' انہیں بھی جو اللہ کے ہاتھوں کو بند بتاتے تھے۔ انہیں بھی جو اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا کہتے تھے' اللہ تعالیٰ ان سب سے فرماتا ہے کہ یہ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں چاہتے؟ اللہ تو بڑی بخشش والا اور بہت ہی رحم و کرم والا ہے۔ پھر توبہ کی دعوت اللہ تعالیٰ نے اسے دی جس کا قول ان سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں۔ جو کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارا کوئی معبود میرے سوا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی جو شخص اللہ کے بندوں کو توبہ سے مایوس کرے' وہ اللہ عزوجل کی کتاب کا منکر ہے لیکن اسے سمجھ لو کہ جب تک اللہ کسی بندے پر اپنی مہربانی سے رجوع نہ فرمائے' اسے توبہ نصیب نہیں ہوتی۔

طبرانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ کتاب اللہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت ''آیت الکرسی'' ہے اور خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ ہے اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ خوشی کی آیت سورۂ زمر کی قُلْ یٰعِبَادِیَ الخ ہے اور سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ہے یعنی اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کی مخلصی خود اللہ کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں کا اسے خیال و گمان بھی نہ ہو۔ حضرت مسروقؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ بیشک آپ سچے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا رہے تھے کہ آپ نے ایک واعظ کو دیکھا جو لوگوں کو نصیحتیں کر رہا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ تو کیوں لوگوں کو مایوس کر رہا ہے؟ پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

''ان احادیث کا بیان جن میں ناامیدی اور مایوسی کی ممانعت ہے'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر تم خطائیں کرتے کرتے زمین و آسمان پر کر دو' پھر اللہ سے استغفار کرو تو یقیناً وہ تمہیں بخش دے گا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' اگر تم خطائیں کرو ہی نہیں تو اللہ عزوجل تمہیں فنا کر کے ان لوگوں کو لائے گا جو خطا کر کے استغفار کریں اور پھر اللہ انہیں بخشے۔ (مسند امام احمد) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی وفات کے وقت فرماتے ہیں' ایک حدیث میں نے تم سے آج تک بیان نہیں کی تھی۔ اب بیان کر دیتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ نے فرمایا' اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ عزوجل ایسی

قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی، پھر اللہ انہیں بخشتا- (صحیح مسلم وغیرہ) حضورؐ فرماتے ہیں، گناہ کا کفارہ ندامت اور شرمساری ہے اور آپؐ نے فرمایا، اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں، پھر وہ انہیں بخشے (مسند احمد) آپؐ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو کامل یقین رکھنے والا اور گناہوں سے توبہ کرنے والا ہو (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس ملعون نے کہا، اے میرے رب تو نے مجھے آدم کی وجہ سے جنت سے نکالا ہے اور میں اس سے اس کے بغیر کہ تو مجھے اس پر غلبہ دے، غالب نہیں آ سکتا- جناب باری نے فرمایا، جا تو ان پر مسلط ہے- اس نے کہا، اللہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عطا فرما- اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جا بنی آدم میں جتنی اولاد پیدا ہو گی اتنی ہی تیرے ہاں بھی ہو گی- اس نے پھر التجا کی کہ باری تعالیٰ کچھ اور بھی مجھے زیادتی دے- پروردگار عالم نے فرمایا، بنی آدم کے سینے میں تیرے لئے مسکن بنا دوں گا اور تم ان کے جسم میں خون کی جگہ پھرو گے- اس نے پھر کہا کہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عنایت فرما- اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا- اور ان کے مال و اولاد میں اپنا ساجھا کر اور انہیں امنگیں دلا- گو حقیقتاً تیرا امنگیں دلانا اور وعدے کرنا سراسر دھوکے کی ٹٹی ہیں- اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو نے اسے مجھ پر مسلط کر دیا- اب میں اس سے تیرے بچائے بغیر بچ نہیں سکتا- اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سنو تمہارے ہاں جو اولاد ہو گی، اس کے ساتھ میں ایک محافظ مقرر کر دوں گا جو شیطانی پنجے سے محفوظ رکھے، حضرت آدمؑ نے اور زیادتی طلب کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ایک نیکی کو دس گنا کر کے دوں گا بلکہ دس سے بھی زیادہ- اور برائی اسی کے برابر رہے گی یا معاف کر دوں گا- آپ نے پھر بھی اپنی یہی دعا جاری رکھی- رب العزت نے فرمایا، توبہ کا دروازہ تمہارے لئے اس وقت تک کھلا ہے جب تک روح جسم میں ہے- حضرت آدمؑ نے دعا کی اللہ مجھے اور زیادتی بھی عطا فرما- اب اللہ تعالیٰ نے یہی آیت پڑھ سنائی کہ میرے گنہگار بندوں سے کہہ دو، وہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں- (ابن ابی حاتم)

حضرت عمر فاروقؓ کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ بوجہ اپنی کمزوری کے کفار کی تکلیفیں برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنے دین میں فتنے میں پڑ گئے تھے، ہم اس کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی نیکی اور توبہ قبول نہ فرمائے گا- ان لوگوں نے اللہ کو پہچان کر پھر کفر کو لے لیا اور کافروں کی سختی کو برداشت نہ کیا- جب حضورؐ مدینے میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ہمارے اس قول کی تردید کر دی اور یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا سے لَا تَشْعُرُوْنَ تک آیتیں نازل ہوئیں- حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، میں نے اپنے ہاتھ سے ان آیتوں کو لکھا اور ہشام بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا- حضرت ہشامؓ فرماتے ہیں، میں اس وقت ذی طویٰ میں تھا- میں انہیں پڑھ رہا تھا اور بار بار پڑھتا جاتا تھا اور خوب غور و خوض کر رہا تھا لیکن اصلی مطلب تک ذہن رسائی نہیں کرتا تھا- آخر میں نے دعا کی کہ پروردگار ان آیتوں کا صحیح مطلب اور ان کو میری طرف بھیجے جانے کا صحیح مقصد مجھ پر واضح کر دے- چنانچہ میرے دل میں اللہ کی طرف سے ڈالا گیا کہ ان آیتوں سے مراد ہم ہی ہیں- یہ ہمارے بارے میں ہیں اور ہمیں جو خیال تھا کہ اب ہماری توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اسی بارے میں نازل ہوئی ہیں- اسی وقت میں واپس مڑا- اپنا اونٹ لیا- اس پر سواری کی اور سیدھا مدینے میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا- (سیرۃ ابن اسحاق) بندوں کی مایوسی کو توڑ کر انہیں بخشش کی امید دلا کر پھر حکم دیا اور رغبت دلائی کہ وہ توبہ اور نیک عمل کی طرف سبقت اور جلدی کریں- ایسا نہ ہو کہ اللہ کے عذاب آ پڑیں جس وقت کہ کسی کی مدد کچھ کام نہیں آتی، اور انہیں چاہیے کہ عظمت والے قرآن کریم کی تابعداری اور ماتحتی میں مشغول ہو جائیں- اس سے پہلے کہ اچانک عذاب آ جائیں اور یہ بے خبری میں ہی ہوں، اس وقت قیامت کے دن بے توبہ مرنے والے اور اللہ کی عبادت میں کمی کرنے والے بڑی حسرت اور بہت افسوس کریں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش کہ ہم خلوص کے ساتھ احکام الٰہی بجا لاتے- افسوس! کہ ہم تو بے یقین رہے- اللہ کی باتوں کی تصدیق ہی نہ کی بلکہ ہنسی مذاق ہی سمجھتے رہے، اور کہیں گے کہ اگر

ہم بھی ہدایت پالیتے تو یقیناً رب کی نافرمانیوں سے دنیا میں اور اللہ کے عذاب سے آخرت میں بچ جاتے اور عذاب کو دیکھ کر افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ اگر اب دوبارہ دنیا کی طرف جانا ہو جائے تو دل کھول کر نیکیاں کر لیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بندے کیا عمل کریں گے اور کیا کچھ وہ کہیں گے' ان کے عمل اور ان کے قول سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دے دی اور فی الواقع اس سے زیادہ باخبر کون ہو سکتا ہے؟ نہ اس سے زیادہ سچی خبر کوئی دے سکتا ہے۔ بدکاروں کے یہ تینوں قول بیان فرمائے اور دوسری جگہ یہ خبر دے دی کہ اگر یہ واپس دنیا میں بھیجے جائیں تو بھی ہدایت کو اختیار نہ کریں گے بلکہ جن کاموں سے روکے گئے ہیں' انہی کو کرنے لگیں گے اور یہاں جو کہتے ہیں' سب جھوٹ نکلے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے' ہر جہنمی کو اس کی جنت کی جگہ دکھائی جاتی ہے۔ اس وقت وہ کہتا ہے کاش کہ اللہ مجھے ہدایت دیتا۔ یہ اس لئے کہ اسے حسرت و افسوس ہو۔ اور اسی طرح ہر جنتی کو اس کی جہنم کی جگہ دکھائی جاتی ہے' اس وقت وہ کہتا ہے کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو وہ جنت میں نہ آ سکتا۔ یہ اس لئے کہ وہ شکر و احسان کے ماننے میں اور بڑھ جائے جب گنہگار لوگ دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کریں گے۔ اور اللہ کی آیتوں کی تصدیق نہ کرنے کی حسرت کریں گے اور اللہ کے رسولوں کو نہ ماننے پر کڑھنے لگیں گے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا کہ اب ندامت لاحاصل ہے' پچھتاوا بے سود ہے۔ دنیا میں ہی میں تو اپنی آیتیں اتار چکا تھا۔ اپنی دلیلیں قائم کر چکا تھا لیکن تو انہیں جھٹلاتا رہا اور ان کی تابعداری سے تکبر کرتا رہا' ان کا منکر رہا۔ کفر اختیار کیا' اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۶۰ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۱

جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے' تو دیکھے گا کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے' کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ ○ اور جن لوگوں نے پرہیزگاری کی' انہیں اللہ تعالیٰ ان کی کامیابی کے ساتھ بچالے گا' انہیں کوئی برائی چھو بھی نہیں سکے گی اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے ○

مشرکین کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے: ☆☆ (آیت: ۶۰-۶۱) قیامت کے دن دو طرح کے لوگ ہوں گے۔ کالے منہ والے اور نورانی چہرے والے۔ تفرقہ اور اختلاف والوں کے چہرے تو سیاہ پڑ جائیں گے اور اہل سنت والجماعت کی خوبصورت شکلیں نورانی ہو جائیں گی۔ اللہ کے شریک ٹھہرانے والوں' اس کی اولاد مقرر کرنے والوں کو دیکھے گا کہ ان کے جھوٹ اور بہتان کی وجہ سے منہ کالے ہوں گے اور حق کو قبول نہ کرنے اور تکبر و خودنمائی کرنے کے وبال میں یہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے جہاں بڑی ذلت کے ساتھ سخت تر اور بدترین سزائیں بھگتیں گے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ ''تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں ہو گا۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی انہیں روندتی جائے گی یہاں تک کہ جہنم کے جیل خانے میں بند کر دیئے جائیں گے جس کا نام بولس ہے۔ جس کی آگ بہت تیز اور نہایت ہی مصیبت والی ہے۔ دوزخیوں کو لہو' پیپ اور گندگی پلائی جائے گی' ہاں اللہ کا ڈر رکھنے والے اپنی کامیابی اور سعادت مندی کی وجہ سے اس عذاب سے اور اس ذلت اور مار پیٹ سے بالکل بچے ہوئے ہوں گے اور کوئی برائی ان کے پاس بھی نہ پھٹکے گی۔ گھبراہٹ اور غم جو قیامت کے دن عام ہو گا' وہ ان سے الگ ہو گا۔ ہر غم سے بے غم اور ہر ڈر سے بے ڈر اور ہر سزا اور ہر دکھ سے بے پرواہ ہوں گے۔ کسی قسم کی ڈانٹ جھڑکی انہیں نہ دی جائے گی۔ امن و امان کے ساتھ' راحت و چین کے ساتھ اللہ کی تمام نعمتیں حاصل کئے ہوئے ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ
ع ۱۱ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ
اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ
عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ
مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ آسمانوں اور زمینوں کی کنجیوں کا مالک وہی ہے' جن جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا' وہی خسارہ پانے والے ہیں ○ تو کہہ دے کہ اے جاہلو' کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو؟ ○ یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے کے تمام نبیوں کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں ہو جائے گا ○ بلکہ تو اللہ کی عبادت کرتا رہ اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا ○

(آیت:۶۲-۶۶) تمام جاندار اور بے جان چیزوں کا خالق' مالک' رب اور متصرف اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہے۔ ہر چیز اس کی ماتحتی میں' اس کے قبضے اور اس کی تدبیر میں ہے۔ سب کا کارساز اور وکیل وہی ہے۔ تمام کاموں کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے' زمین و آسمان کی کنجیوں اور ان کے خزانوں کا وہی تنہا مالک ہے' حمد و ستائش کے قابل اور ہر چیز پر قادر وہی ہے۔ کفر و انکار کرنے والے بڑے ہی گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے یہاں ایک حدیث وارد کی ہے گو سند کے لحاظ سے وہ بہت ہی غریب ہے بلکہ صحت میں بھی کلام ہے لیکن تاہم ہم بھی اسے یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ اس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' اے عثمان تم سے پہلے کسی نے مجھ سے اس آیت کا مطلب دریافت نہیں کیا۔

اس کی تفسیر یہ کلمات ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اے عثمان جو شخص اسے صبح کو دس بار پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اسے چھ فضائل عطا فرماتا ہے۔ اول تو وہ شیطان اور اس کے لشکر سے بچ جاتا ہے' دوم اسے ایک قنطار اجر ملتا ہے' تیسرے اس کا ایک درجہ جنت میں بلند ہوتا ہے' چوتھے اسے حورعین سے نکاح کرا دیا جاتا ہے' پانچویں اس کے پاس بارہ فرشتے آتے ہیں' چھٹے اسے اتنا ثواب دیا جاتا ہے جیسے کسی نے قرآن اور توراۃ اور انجیل و زبور پڑھی۔ پھر ساتھ ہی اسے ایک قبول شدہ حج اور ایک مقبول عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں بڑی نکارت ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مشرکین نے آپ سے کہا کہ آؤ تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور ہم تمہارے رب کی پرستش کریں گے۔ اس پر آیت قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ سے مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تک نازل ہوئی۔ یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اوپر انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ہے' اگر بالفرض یہ انبیاء بھی شرک کریں تو ان کے تمام اعمال اکارت اور ضائع ہو جائیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ تیری طرف اور تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کی طرف ہم نے یہ وحی بھیج دی

ہے کہ جو بھی شرک کرے اس کا عمل غارت۔ اور وہ نقصان یافتہ اور زیاں کار' پس تجھے چاہیے کہ تو خلوص کے ساتھ اللہ وحدہ ولاشریک کی عبادت میں لگا رہ اور اس کا شکرگزار رہ۔ تو بھی اور تیرے ماننے والے مسلمان بھی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

ان لوگوں نے جیسی عظمت اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی' نہیں کی۔ ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں ○

زمین و آسمان اللہ کی انگلیوں میں: ☆☆ (آیت: ۶۷) مشرکین نے دراصل اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت جانی ہی نہیں۔ اسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگے' اس سے بڑھ کر عزت والا' اس سے زیادہ بادشاہت والا' اس سے بڑھ کر غلبے اور قدرت والا کوئی نہیں۔ نہ کوئی اس کا ہمسر اور برابری کرنے والا ہے۔ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہیں اگر قدر ہوتی تو اس کی باتوں کو غلط نہ جانتے۔ جو شخص اللہ کو ہر چیز پر قادر مانے' وہ ہے جس نے اللہ کی عظمت کی اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو' وہ اللہ کی قدر کرنے والا نہیں۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اس جیسی آیتوں کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک یہی رہا ہے کہ جس طرح اور جن لفظوں میں یہ آئی ہے' اسی طرح انہی لفظوں کے ساتھ انہیں مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا۔ نہ ان کی کیفیت ٹٹولنا نہ ان میں تحریف و تبدیلی کرنا۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہودیوں کا ایک بڑا عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم یہ لکھا پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل ساتوں آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور سب زمینوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ لے گا۔ پھر فرمائے گا' میں ہی سب کا مالک اور سچا بادشاہ ہوں۔ حضورؐ اس کی بات کی سچائی پر ہنس دیئے یہاں تک کہ آپؐ کے مسوڑھے ظاہر ہو گئے۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ مسند کی حدیث بھی اسی کے قریب ہے۔ اس میں ہے کہ آپؐ ہنسے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ اور روایت میں ہے کہ وہ اپنی انگلیوں پر بتاتا جاتا تھا۔ پہلے اس نے کلمے کی انگلی دکھائی تھی۔ اس روایت میں چار انگلیوں کا ذکر ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے' اللہ تعالیٰ زمین کو قبض کر لے گا اور آسمان کو اپنی داہنی مٹھی میں لے لے گا۔ پھر فرمائے گا' میں ہوں بادشاہ' کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ زمینیں اس کی ایک انگلی پر ہوں گی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ پھر فرمائے گا میں ہی بادشاہ ہوں۔ مسند احمد میں ہے' حضورؐ نے ایک دن منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور آپؐ اپنا ہاتھ ہلاتے جاتے تھے۔ آگے پیچھے لا رہے تھے اور فرماتے تھے' اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی آپ بیان فرمائے گا کہ میں جبار ہوں' میں متکبر ہوں' میں مالک ہوں' میں باعزت ہوں' میں کریم ہوں۔ آپؐ اس کے بیان کے وقت اتنا ہل رہے تھے کہ ہمیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں آپؐ منبر سمیت گر نہ پڑیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی پوری کیفیت دکھا دی کہ کس طرح حضورؐ نے اسے حکایت کیا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا' میں بادشاہ ہوں۔ اپنی انگلیوں کو کبھی کھولے گا۔ کبھی بند کرے گا۔ اور آپ اس وقت ہل رہے تھے یہاں تک کہ حضور ﷺ کے ہلنے سے سارا منبر ہلنے لگا اور مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ حضورؐ کو گرا نہ دے۔ بزار کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا۔ پس آپؐ تین مرتبہ آئے گئے۔ واللہ اعلم۔ معجم کبیر طبرانی کی ایک غریب حدیث

میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت سے فرمایا' میں آج تمہیں سورۂ زمر کی آخری آیتیں سناؤں گا جسے ان سے رونا آ گیا' وہ جنتی ہو گیا اب آپ نے اس آیت سے لے کر ختم سورۂ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں- بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا- انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ ہم نے ہر چند رونا چاہا لیکن رونا نہ آیا-

آپؐ نے فرمایا' اچھا میں پھر پڑھوں گا جسے رونا نہ آئے وہ رونی شکل بنا کر بہ تکلف روئے- ایک اس سے بڑھ کر غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں نے تین چیزیں اپنے بندوں میں چھپالی ہیں- اگر وہ انہیں دیکھ لیتے تو کوئی شخص کبھی کوئی بدعملی نہ کرتا- (۱) اگر میں پردہ ہٹا دیتا اور وہ مجھے دیکھ کر خوب یقین کر لیتے اور معلوم کر لیتے کہ میں اپنی مخلوق سے کیا کچھ کرتا ہوں جب کہ ان کے پاس آؤں اور آسمانوں کو اپنی مٹھی میں لے لوں- پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں' پھر کہوں' میں بادشاہ ہوں- میرے سوا ملک کا مالک کون ہے؟ (۲) پھر میں انہیں جنت دکھاؤں اور اس میں جو بھلائیاں ہیں' سب ان کے سامنے کر دوں اور وہ یقین کے ساتھ خوب اچھی طرح دیکھ لیں- (۳) اور میں انہیں جہنم دکھادوں اور اس کے عذاب دکھادوں یہاں تک کہ انہیں یقین آ جائے- لیکن میں نے یہ چیزیں قصداً ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں تا کہ میں جان لوں کہ وہ مجھے کس طرح جانتے ہیں کیونکہ میں نے یہ سب باتیں بیان کر دی ہیں- اس کی سند متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی حدیثیں روایت کی جاتی ہیں- واللہ اعلم-

وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِي
الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ
يَّنۡظُرُوۡنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِایْٓءَ
بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡحَـقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۹﴾
وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷

صور پھونک دیا جائے گا- پس آسمانوں اور زمین والے سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا- پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے ○ زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی' نامہ اعمال حاضر کئے جائیں گے' نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق حق فیصلے کر دیئے جائیں گے۔ وہ ظلم نہ کئے جائیں گے ○ اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے' بھرپور ادے دیا جائے گا۔ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں' وہ بخوبی جاننے والا ہے ○

قیامت کی ہولناکی کا بیان: ☆☆ (آیت:٦٨-٧٠) قیامت کی ہولناکی اور دہشت و وحشت کا ذکر ہو رہا ہے کہ صور پھونکا جائے گا- یہ دوسرا صور ہوگا جس سے ہر زندہ مر جائے گا خواہ آسمان میں ہو خواہ زمین میں- مگر جسے اللہ چاہے- صور کی مشہور حدیث میں ہے کہ پھر باقی والوں کی روحیں قبض کی جائیں گی یہاں تک کہ سب سے آخر خود ملک الموت کی روح بھی قبض کی جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہ جائے گا' جو حی و قیوم ہے' جو اول سے تھا اور آخر میں دوام کے ساتھ رہ جائے گا- پھر فرمائے گا کہ آج کس کا راج پاٹ ہے؟ تین مرتبہ یہی فرمائے گا- پھر خود آپ ہی اپنے آپ کو جواب دے گا کہ اللہ واحد و قہار کا' میں ہی اکیلا ہوں جس نے ہر چیز کو اپنی ماتحتی میں کر رکھا ہے' آج میں نے سب کو فنا کا حکم دے دیا ہے- پھر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا- سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرے گا

اور انہیں حکم دے گا کہ دوبارہ نفخہ پھونکیں۔ یہ تیسرا صور ہوگا جس سے ساری مخلوق جو مردہ تھی، زندہ ہو جائے گی جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اور نفخہ پھونکا جائے گا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نظریں دوڑانے لگیں گے۔ یعنی قیامت کی دل دوز حالت دیکھنے لگیں گے، جیسے فرمان ہے فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ یعنی وہ تو صرف ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی ایک میدان میں آ موجود ہوں گے۔ اور آیت میں ہے يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ الخ یعنی جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا تو سب اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کو مان لو گے اور دنیا کی زندگی کو کم سمجھنے لگو گے۔ اللہ جل وعلا کا اور جگہ ارشاد ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ الخ اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کا اس کے حکم سے قائم رہنا ہے۔ پھر جب وہ تمہیں زمین میں سے پکار کر بلائے گا تو تم سب یک بارگی نکل پڑو گے۔

مسند احمد ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں، اتنے اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا، جی تو چاہتا ہے کہ تم سے کوئی بات بیان ہی نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ بہت تھوڑی مدت میں تم اہم امر دیکھو گے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، میری امت میں دجال آئے گا اور وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ وہ بالکل صورت شکل میں حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ جیسے ہوں گے۔ اللہ آپ کو غالب کرے گا اور دجال آپ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ پھر سات سال تک لوگ اس طرح ملے جلے رہیں گے کہ ساری دنیا میں دو شخصوں کے درمیان بھی آپس میں رنجش و عداوت نہ ہوگی۔ پھر پروردگار عالم شام کی طرف ایک ہلکی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے تمام ایمان والوں کی روح قبض کر لی جائے گی یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا، وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ خواہ کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اگر کسی پہاڑی کی کھوہ میں بھی کوئی مسلمان ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچے گی۔ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر تو بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنے کمینہ پن میں مثل پرندوں کے ہلکے اور اپنی بے وقوفی میں مثل درندوں کے بے وقوف ہوں گے، نہ اچھائی کو اچھائی سمجھیں گے نہ برائی کو برائی جانیں گے۔ ان پر شیطان ظاہر ہوگا اور کہے گا، شرماتے نہیں کہ تم نے بت پرستی چھوڑ رکھی ہے چنانچہ وہ اس کے بہکائے میں آ کر بت پرستی شروع کر دیں گے۔ اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی روزی اور معاش میں کشادگی عطا فرمائے ہوئے ہوگا۔ پھر صور پھونک دیا جائے گا۔ جس کے کان میں اس کی آواز جائے گی، وہ ادھر گرے گا، ادھر کھڑا ہوگا۔ پھر گرے گا۔ سب سے پہلے اس کی آواز جس کے کان میں پڑے گی، یہ وہ شخص ہوگا جو اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا۔ فوراً بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے گا۔ پھر تو ہر شخص بیہوش اور خود فراموش ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی۔ اس سے لوگوں کے جسم اگ نکلیں گے، پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو۔ انہیں ٹھہرالو، ان سے سوالات کئے جائیں گے، پھر فرمایا جائے گا کہ جہنم کا حصہ نکال لو، پوچھا جائے گا، کس قدر۔ جواب ملے گا، ہر ہزار سے نو سو ننانوے۔ یہ دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور یہی دن ہوگا جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔ (صحیح مسلم)

صحیح بخاری میں ہے، دونوں نفخوں کے درمیان چالیس ہوں گے۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ کیا چالیس دن؟ فرمایا، میں اس کا جواب نہیں دوں گا، کہا گیا چالیس ماہ؟ فرمایا میں اس کا بھی انکار کرتا ہوں۔ انسان کی سب چیز سڑ گل جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی اسی سے مخلوق کی ترتیب دی جائے گی۔ ابو یعلیٰ میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس آیت میں جو استثناء ہے یعنی جسے اللہ چاہے، اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا شہداء۔ یہ اپنی تلواریں لٹکائے اللہ کے عرش کے اردگرد ہوں

گئے' فرشتے اپنے جھرمٹ میں انہیں محشر کی طرف لے جائیں گے۔ یاقوت کی اونٹنیوں پر وہ سوار ہوں گے جن کی گدیاں ریشم سے بھی زیادہ نرم ہوں گی۔ انسان کی نگاہ جہاں تک کام کرتی ہے' اس کا ایک قدم ہوگا۔ یہ جنت میں خوش وقت ہوں گے۔ وہاں عیش وعشرت میں ہوں گے۔ پھر ان کے دل میں آئے گا کہ چلو دیکھیں' اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کر رہا ہوگا چنانچہ ان کی طرف دیکھ کر الہ العالمین ہنس دے گا۔ اور اس جگہ جسے دیکھ کر رب ہنس دے' اس پر حساب کتاب نہیں ہے۔ اس کے کل راوی ثقہ ہیں مگر اسماعیل بن عیاش کے استاد غیر معروف ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کے لئے آئے گا' اس وقت اس کے نور سے ساری زمین روشن ہو جائے گی۔ نامہ اعمال لائے جائیں گے۔ نبیوں کو پیش کیا جائے گا جو گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کر دی تھی۔ اور بندوں کے نیک بد اعمال کے محافظ فرشتے لائے جائیں گے۔ اور عدل وانصاف کے ساتھ مخلوق کے فیصلے کئے جائیں گے۔ اور کسی پر کسی قسم کا ظلم وستم نہ کیا جائے گا۔ جیسے فرمایا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الخ یعنی قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور کسی پر بالکل ظلم نہ ہوگا گو رائی کے دانے کے برابر عمل ہو ہم اسے بھی موجود کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ اور آیت میں ہے' اللہ تعالیٰ بہ قدر ذرے کے بھی ظلم نہیں کرتا' وہ نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہو رہا ہے' ہر شخص کو اس کے بھلے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا
فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ
قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۱
قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى
الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۲

کفاروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے' اس کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے آگاہ کرتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا ○ کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشگی ہے' پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے ○

کفار کی آخری منزل: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۲) بدنصیب منکرین حق' کفار کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح رسوائی' ذلت' ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکی سے جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ جیسے اور آیت میں يُدَعُّوْنَ کا لفظ ہے۔ یعنی دھکے دیئے جائیں گے' اور سخت پیاسے ہوں گے' جیسے اللہ جل وعلا نے فرمایا يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ الخ جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ اس کے علاوہ بہرے' گونگے اور اندھے ہوں گے اور منہ کے بل گھسیٹے جا رہے ہوں گے جیسے فرمایا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ الخ قیامت کے دن انہیں ہم ان کے منہ کے بل گھسیٹ کر لائیں گے۔ یہ اندھے'

گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جب اس کی آتش دھیمی ہونے لگے، ہم اسے اور تیز کر دیں گے۔ یہ قریب پہنچیں گے، دروازے کھل جائیں گے تاکہ فوراً ہی عذاب نار شروع ہو جائے۔ پھر انہیں وہاں کے محافظ فرشتے شرمندہ کرنے کے لئے اور ندامت بڑھانے کے لئے ڈانٹ کر اور جھڑک کر کہیں گے کیونکہ ان میں رحم کا تو مادہ ہی نہیں، سراسر سختی کرنے والے، سخت غصے والے اور بڑی بے طرح مار مارنے والے ہیں کہ کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس کے اللہ کے رسول نہیں آئے تھے؟ جن سے تم سوال جواب کر سکتے تھے، اپنا اطمینان اور تسلی کر سکتے تھے، ان کی باتوں کو سمجھ سکتے تھے، ان کی صحبت میں بیٹھ سکتے تھے، انہوں نے اللہ کی آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں، اپنے لائے ہوئے سچے دین پر دلیلیں قائم کر دیں۔ تمہیں اس دن کی برائیوں سے آگاہ کر دیا۔ آج کے عذابوں سے ڈرا دیا۔ کافر اقرار کریں گے کہ ہاں یہ سچ ہے بیشک اللہ کے پیغمبر ہم میں آئے۔ انہوں نے دلیلیں بھی قائم کیں۔ ہمیں بہت کچھ کہا سنا بھی۔ ڈرایا دھمکایا بھی۔ لیکن ہم نے ان کی ایک نہ مانی بلکہ ان کے خلاف کیا، مقابلہ کیا کیونکہ ہماری قسمت میں ہی شقاوت تھی۔ ازلی بدنصیب ہم تھے۔ حق سے ہٹ گئے اور باطل کے طرفدار بن گئے۔

جیسے سورۂ تبارک کی آیت میں ہے، جب جہنم میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا، اس سے وہاں کے محافظ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں آیا تو تھا لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی اور کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بڑی بھاری غلطی میں ہو۔ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو آج دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ یعنی اپنے آپ کو آپ ملامت کرنے لگیں گے۔ اپنے گناہ کا خود اقرار کریں گے۔ اللہ فرمائے گا، دوری اور خسارہ ہو۔ لعنت و پھٹکار ہو اہل دوزخ پر، کہا جائے گا یعنی ہر وہ شخص جو انہیں دیکھے گا اور ان کی حالت کو معلوم کرے گا، وہ صاف کہہ اٹھے گا کہ بے شک یہ اسی لائق ہیں۔ اسی لئے کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اسے مطلق چھوڑا گیا تاکہ اس کا عموم باقی رہے اور اللہ تعالیٰ کے عدل کی گواہی کامل ہو جائے۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ اب جاؤ جہنم میں، یہیں ہمیشہ جلتے جھلستے رہنا، نہ یہاں سے کسی طرح کسی وقت چھٹکارا ملے نہ تمہیں موت آئے۔ آہ! یہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے جس میں دن رات جلنا ہی جلنا ہے۔ یہ ہے تمہارے تکبر کا اور حق کو نہ ماننے کا بدلہ۔ جس نے تمہیں ایسی بری جگہ پہنچایا اور یہیں کر دیا۔ کیا ہی برا حال ہے؟ اور کیا ہی عبرت ناک مال ہے؟ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا
وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ
وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ
اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے تھے، ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آ جائیں گے اور دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے، تم پر سلام ہو، تم خوشحال ہو، تم اس میں ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ ○ یہ کہیں گے، اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں، پس عمل کرنے والوں کے لئے بہت ہی اچھا بدلہ ہے ○

متقیوں کی آخری منزل: ☆☆ (آیت:۷۳-۷۴) اوپر بدبختوں کا انجام اور ان کا حال بیان ہوا- یہاں سعادت مندوں کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بہترین خوبصورت اونٹنیوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف پہنچائے جائیں گے- ان کی بھی جماعتیں ہوں گی- مقربین خاص کی جماعت' پھر برابر کی' پھر ان سے کم درجے والوں کی' پھر ان سے کم درجے والوں کی' ہر جماعت اپنے مناسب لوگوں کے ساتھ ہوگی' انبیاء انبیاء کے ہمراہ' صدیق اپنے جیسوں کے ساتھ' شہید لوگ اپنے والوں کے ہمراہ' علماء اپنے جیسوں کے ساتھ' غرض ہر ہم جنس اپنے میل کے لوگوں کے ساتھ ہوں گے- جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے' پل صراط سے پار ہو چکے ہوں گے' وہاں ایک پل پر ٹھہرائے جائیں گے' اور ان میں آپس میں جو مظالم ہوں گے' ان کا قصاص اور بدلہ ہو جائے گا- جب پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے-

صور کی مطول حدیث میں ہے کہ جنت کے دروازوں پر پہنچ کر یہ آپس میں مشورہ کریں گے کہ دیکھو سب سے پہلے کسے اجازت دی جاتی ہے' پھر وہ حضرت آدمؑ کا قصد کریں گے- پھر حضرت نوحؑ کا' پھر حضرت ابراہیمؑ کا' پھر حضرت موسیٰؑ' پھر حضرت عیسیٰؑ کا پھر حضرت محمد ﷺ وعلیہم کا جیسے میدان محشر میں شفاعت کے موقعہ پر بھی کیا تھا- اس سے بڑا مقصد جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی فضیلت کا موقعہ بموقعہ اظہار کرنا ہے- صحیح مسلم کی حدیث میں ہے' میں جنت میں پہلا سفارشی ہوں- ایک اور روایت میں ہے' میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا- مسند احمد میں ہے' میں قیامت کے دن جنت کا دروازہ کھلوانا چاہوں گا تو وہاں کا داروغہ مجھ سے پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ محمد (ﷺ) وہ کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں-

مسند احمد میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی' ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند جیسے ہوں گے- تھوک' رینٹ' پیشاب' پاخانہ وہاں کچھ نہ ہوگا- ان کے برتن اور سامان آرائش سونے چاندی کا ہوگا- ان کی انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہوگا' ان کا پسینہ مشک ہوگا- ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا بوجہ حسن و نزاکت' صفائی اور نفاست کے گوشت کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا- کسی دو میں کوئی اختلاف اور حسد و بغض نہ ہوگا- سب کے سب گھل مل کر ایسے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل جو جنت میں جائے گا ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے- ان کے بعد والی جماعت کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے بہترین چمکتا ستارہ- پھر قریب قریب اوپر والی حدیث کے بیان ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے- جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا- اور حدیث میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت جو ستر ہزار کی تعداد میں ہوگی' پہلے پہل جنت میں داخل ہوگی' ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے- یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ' اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی انہی میں سے کر دے- آپؐ نے دعا کی کہ اللہ انہیں بھی انہی میں سے کر دے' پھر ایک انصاری نے بھی یہی عرض کی- آپؐ نے فرمایا عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا- ان ستر ہزار کا بے حساب جنت میں داخل ہونا بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے- بخاری و مسلم میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات سو ہزار (یعنی سات لاکھ) جنت میں ایک ساتھ جائیں گے- ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے- سب ایک ساتھ ہی جنت میں قدم رکھیں گے- ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند جیسے ہوں گے- ابن ابی شیبہ میں ہے مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے' کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے- ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے' ان سے نہ حساب ہوگا نہ انہیں عذاب ہوگا- ان کے علاوہ اور تین لپیں بھر کر' جو اللہ اپنے ہاتھوں سے لپ بھر کر جنت میں پہنچائے گا- طبرانی- اس روایت میں ہے پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے- اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں- جب یہ سعید بخت بزرگ جنت کے پاس پہنچ جائیں گے' ان کے لئے دروازے کھل جائیں گے' ان کی وہاں عزت و تعظیم

ہوگی، وہاں کے محافظ فرشتے انہیں بشارت سنائیں گے، ان کی تعریفیں کریں گے، انہیں سلام کریں گے۔ اس کے بعد کا جواب قرآن میں محذوف رکھا گیا ہے تاکہ عمومیت باقی رہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس وقت یہ پورے خوش وقت ہو جائیں گے۔ بے انداز سرور و راحت، آرام و چین انہیں ملے گا۔ ہر طرح کی آس اور بھلائی کی امید بندھ جائے گی۔ ہاں یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے جو کہا ہے کہ وَفُتِحَتْ میں واؤ آٹھویں ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، انہوں نے بڑا تکلف کیا ہے اور بیکار مشقت اٹھائی ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں کا ثبوت تو صحیح احادیث میں صاف موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے، جو شخص اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کر لے، وہ جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔ جنت کے کئی ایک دروازے ہیں۔ نمازی باب الصلوٰۃ سے، سخی باب الصدقہ سے، مجاہد باب جہاد سے، روزے دار باب الریان سے بلائے جائیں گے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ گو اس کی ضرورت تو نہیں کہ ہر دروازے سے پکارا جائے، جس سے بھی پکارا جائے مقصد تو جنت میں جانے سے ہے۔ لیکن کیا کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے کل دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی میں سے ہو گے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے، جنت میں آٹھ دروازے ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے، اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔ صحیح مسلم میں ہے، تم میں سے جو شخص کامل مکمل بہت اچھی طرح مل مل کر وضو کرے پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھے، اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے چلا جائے۔ اور حدیث میں ہے، جنت کی کنجی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ''جنت کے دروازوں کی کشادگی کا بیان'' اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ شفاعت کی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے محمد (ﷺ) اپنی امت میں سے جن پر حساب نہیں، انہیں داہنی طرف کے دروازے سے جنت میں لے جاؤ لیکن اور دروازوں میں بھی یہ دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ جنت کی چوکھٹ اتنی بڑی وسعت والی ہے جتنا فاصلہ مکہ اور ہجر میں ہے۔ یا فرمایا ہجر اور مکہ میں ہے۔

ایک روایت میں ہے مکہ اور بصریٰ میں ہے۔ (بخاری و مسلم) حضرت عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبے میں بیان فرمایا کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے کی وسعت چالیس سال کی راہ ہے۔ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ جنت میں جانے والوں کی بھیڑ بھاڑ سے یہ وسیع دروازے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہوں گے (مسلم) مسند میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جنت کی چوکھٹ چالیس سال کی راہ کی ہے یہ جب جنت کے پاس پہنچیں گے، انہیں فرشتے سلام کریں گے اور مبارکباد دیں گے کہ تمہارے اعمال، تمہارے اقوال، تمہاری کوشش اور تمہارا بدلہ ہر چیز خوشی والی اور عمدگی والی ہے۔

جیسے کہ حضور علیہ السلام نے کسی غزوے کے موقعہ پر اپنے منادی سے فرمایا تھا، جاؤ ندا کر دو کہ جنت میں صرف مسلمان لوگ ہی جائیں گے یا فرمایا تھا صرف مومن ہی۔ فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اب یہاں سے نکالے نہ جاؤ گے بلکہ یہاں تمہارے لئے دوام ہے، اپنا یہ حال دیکھ کر خوش ہو کر جنتی اللہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ الحمدللہ، جو وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی کیا تھا، اسے پورا کیا۔ یہی دعا ان کی دنیا میں تھی رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یعنی اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر۔ یقیناً تیری ذات

وعدہ خلافی سے پاک ہے اور آیت میں ہے کہ اس موقعہ پر اہل جنت یہ بھی کہیں گے، اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی۔ اگر وہ ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔ یقیناً اللہ کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے۔ وہ یہ بھی کہیں گے کہ اللہ ہی کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا، یقیناً ہمارا رب بخشنے والا اور قدر کرنے والا ہے۔ جس نے اپنے فضل وکرم سے پاک جگہ ہمیں نصیب فرمائی جہاں ہمیں نہ کوئی دکھ درد ہے نہ رنج وتکلیف، یہاں ہے کہ یہ کہیں گے اس نے ہمیں جنت کی زمین کا وارث کیا۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ الخ ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اسی طرح آج جنتی کہیں گے کہ اس جنت میں ہم جہاں جگہ بنالیں، کوئی روک ٹوک نہیں۔ یہ ہے بہترین بدلہ ہمارے اعمال کا۔

معراج والے واقعہ میں بخاری ومسلم میں ہے کہ جنت کے ڈیرے خیمے لولو کے ہیں اور اس کی مٹی مشک خالص ہے۔ ابن صائد سے جب حضورؐ نے جنت کی مٹی کا سوال کیا تو اس نے کہا سفید میدے جیسی مشک خالص۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ سچا ہے (مسلم)

مسلم ہی کی اور روایت میں ہے کہ ابن صائد نے حضورؐ سے پوچھا تھا۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر پہنچ کر یہ ایک درخت کو دیکھیں گے جس کی جڑ میں سے دو نہریں نکلتی ہوں گی۔ ایک میں وہ غسل کریں گے جس سے اس قدر پاک صاف ہو جائیں گے کہ ان کے جسم اور چہرے چمکنے لگیں گے۔ ان کے بال کنگھی کئے ہوئے تیل والے ہو جائیں گے کہ پھر کبھی سلجھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے، نہ چہرے اور جسم کا رنگ روپ ہلکا پڑے۔ پھر یہ دوسری نہر پر جائیں گے گویا کہ ان سے کہہ دیا گیا ہو۔ اس میں سے پانی پئیں گے جن سے تمام گھن کی چیزوں سے پاک صاف ہو جائیں گے۔ جنت کے فرشتے انہیں سلام کریں گے، مبارکباد پیش کریں گے اور انہیں جنت میں جانے کے لئے کہیں گے۔ ہر ایک کے پاس اس کے غلمان آئیں گے اور خوشی خوشی ان پر قربان ہوں گے اور کہیں گے آپ خوش ہو جائیے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں، ان میں سے کچھ بھاگے دوڑے جائیں گے اور جو حوریں اس جنتی کے لئے مخصوص ہیں، ان سے کہیں گے، لو مبارک ہو، فلاں صاحب آ گئے۔ نام سنتے ہی خوش ہو کر وہ پوچھیں گی کہ کیا تم نے خود انہیں دیکھا ہے؟ وہ کہیں گے، ہاں ہم اپنی آنکھوں دیکھ کر آ رہے ہیں۔ یہ مارے خوشی کے دروازے پر آ کھڑی ہوں گی۔ جنتی جب اپنے محل میں آئے گا تو دیکھے گا کہ گدے برابر برابر لگے ہوئے ہیں۔ اور آب خورے رکھے ہوئے ہیں اور قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اس فرش کو ملاحظہ فرما کر اب جو دیواروں کی طرف نظر کرے گا تو وہ سرخ وسبز اور زرد وسفید اور قسم قسم کے موتیوں کی بنی ہوئی ہوں گی۔ پھر چھت کی طرف نگاہ اٹھائے گا تو وہ اس قدر شفاف اور مصفا ہو گی کہ نور کی طرح چمک دمک رہی ہو گی۔ اگر اللہ اسے برقرار نہ رکھے تو اس کی روشنی آنکھوں کی روشنی کو بجھا دے۔ پھر اپنی بیویوں پر یعنی جنتی حوروں پر محبت بھری نگاہ ڈالے گا۔ پھر اپنے تختوں میں سے جس پر اس کا جی چاہے بیٹھے گا اور کہے گا، اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی۔

اگر اللہ ہمیں یہ راہ نہ دکھاتا تو ہم تو ہرگز اسے تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ اور حدیث میں ہے، حضورؐ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے، ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی جن پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے تک نور سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ اونٹنیاں ایک ایک قدم اس قدر دور رکھتی ہیں جہاں تک انسان کی نگاہ جا سکتی ہے۔ یہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے نہریں نکلتی ہیں۔ ایک کا پانی یہ پئیں گے جس سے ان کے پیٹ کی تمام فضولیات اور میل کچیل دھل جائے گا۔ دوسری نہر سے یہ غسل کریں گے۔ پھر ہمیشہ تک ان کے بدن میلے نہ ہوں گے۔ ان کے بال پراگندہ نہ ہوں گے اور ان کے جسم اور چہرے بارونق رہیں گے۔ اب یہ جنت کے دروازوں پر آئیں گے۔

دیکھیں گے کہ ایک کنڈا سرخ یاقوت کا ہے جو سونے کی تختی پر آویزاں ہے۔ یہ اسے ہلائیں گے تو ایک عجیب سریلی اور موسیقی صدا پیدا ہو گی، اسے سنتے ہی حور جان لے گی کہ اس کے خاوند آ گئے، یہ داروغے کو حکم کریں گی کہ جاؤ دروازہ کھولو، وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ اندر قدم رکھتے ہی اس داروغے کی نورانی شکل دیکھ کر سجدے میں گر پڑے گا لیکن وہ اسے روک لے گا اور کہے گا، اپنا سر اٹھا، میں تو تیرا ماتحت ہوں۔ اور اسے اپنے ساتھ لے چلے گا۔

جب یہ اس درد یاقوت کے خیمے کے پاس پہنچے گا جہاں اس کی حور ہے، وہ بے تابانہ دوڑ کر خیمے سے باہر آ جائے گی اور بغل گیر ہو کر کہے گی، تم میرے محبوب ہو اور میں تمہاری چاہنے والی ہوں، میں یہاں ہمیشہ رہنے والی ہوں، مروں گی نہیں۔ میں نعمتوں والی ہوں، فقر و محتاجی سے دور ہوں۔ میں آپ سے ہمیشہ راضی خوشی رہوں گی، کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والی ہوں۔ کبھی ادھر ادھر نہیں ہٹوں گی۔ پھر یہ گھر میں جائے گا جس کی چھت فرش سے ایک لاکھ ہاتھ بلند ہو گی۔ اس کی کل دیواریں قسم قسم کے اور رنگ برنگ کے موتیوں کی ہوں گی۔ اس گھر میں ستر تخت ہوں گے اور ہر تخت پر ستر ستر چھولداریاں ہوں گی اور ان میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی۔ ہر حور پر ستر جوڑے ہوں گے اور ان سب حلوں کے نیچے سے ان کی پنڈلی کا گودا نظر آتا ہو گا۔ ان کے ایک جماع کا اندازہ ایک پوری رات کا ہو گا۔ ان کے باغوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا، صاف شفاف موتی جیسا پانی ہے اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ جو دودھ کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو نہایت لذیذ ہو گا۔ جو کسی انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں۔ اور خالص شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے حاصل شدہ نہیں۔ قسم قسم کے میووں سے لدے ہوئے درخت اس کے چاروں طرف ہوں گے جن کا پھل ان کی طرف جھکا ہوا ہو گا۔ یہ کھڑے کھڑے پھل لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں۔ اگر یہ بیٹھے بیٹھے پھل توڑنا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں گی کہ یہ توڑ لیں۔ اگر یہ لیٹے لیٹے پھل لینا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں۔ پھر آپ نے آیت وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا الخ پڑھی یعنی ان جنتی درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے۔ یہ کھانا کھانے کی خواہش کریں گے تو سفید رنگ یا سبز رنگ پرند ان کے پاس آ کر اپنا پر اونچا کر دیں گے۔ جس قسم کا اس کے پہلو کا گوشت چاہیں، کھائیں گے۔ پھر وہ زندہ کا زندہ جیسا تھا، ویسا ہی ہو کر اڑ جائے گا۔ فرشتے ان کے پاس آئیں گے، سلام کریں گے اور کہیں گے کہ یہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے اعمال کے باعث وارث بنائے گئے ہو۔ اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنی چمک سے اور اپنی سیاہی سے نور کو روشن کرے اور سیاہی نمایاں رہے۔ یہ حدیث غریب ہے گو کہ یہ مرسل ہے۔ واللہ اعلم۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾ ع ۵

اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھے گا اور سب میں آپس میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے ○

قیامت کے دن انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو گا: ☆☆ (آیت: ۷۵) جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل جہنم کا فیصلہ سنا دیا اور انہیں

ان کے ٹھکانے پہنچائے جانے کا حال بھی بیان کر دیا۔ اور اس میں اپنے عدل وانصاف کا ثبوت بھی دے دیا' تو اس آیت میں فرمایا کہ قیامت کے روز اس وقت تو دیکھے گا کہ فرشتے اللہ کے عرش کے چاروں طرف کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح' بزرگی اور بڑائی بیان کر رہے ہوں گے۔ ساری مخلوق میں عدل وحق کے ساتھ فیصلے ہو چکے ہوں گے۔ اس سراسر عدل اور بالکل رحم والے فیصلوں پر کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ثنا خوانی کرنے لگے گا اور جاندار چیز سے آواز آئے گی کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ چونکہ اس وقت ہر اک تر وخشک چیز اللہ کی حمد بیان کرے گی' اس لئے یہاں مجہول کا صیغہ لا کر فاعل کو عام کر دیا گیا۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' خلق کی پیدائش کی ابتداء بھی حمد سے ہے۔ فرماتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اور مخلوق کی انتہا بھی حمد سے ہے۔ فرماتا ہے وَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَقِيۡلَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔

الحمدللہ سورۂ زمر کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ مومن

بعض سلف کا قول ہے کہ جن سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہے' انہیں حوامیم کہنا مکروہ ہے۔ الٓ حٰمٓ کہا جائے۔ حضرت محمد بن سیرین بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' الٓ حم قرآن کا دیباچہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دروازہ الٓ حم ہے یا فرمایا حوامیم ہیں۔ حضرت مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں' ان سورتوں کو عرائس کہا جاتا تھا۔ عروس دلہن کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے کسی اچھی منزل کی تلاش میں نکلا تو ایک جگہ ایسی ہے جہاں گویا ابھی ابھی بارش برس چکی ہے۔ یہ ذرا ہی کچھ آگے بڑھا ہوگا کہ دیکھتا ہے کہ تروتازہ لہلہاتے ہوئے چند چمن ہیں۔ یہ پہلے تر زمین کو دیکھ کر ہی تعجب میں تھا۔ اب تو اس کا تعجب اور بڑھ گیا۔ اس سے کہا گیا کہ پہلے کی مثال تو قرآن کریم کی عظمت کی مثال ہے اور ان باغیچوں کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن میں حٰمٓ والی سورتیں (بغوی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کا دروازہ یہی حم والی سورتیں ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' جب میں تلاوت کرتا ہوا حٰمٓ والی سورتوں پر پہنچتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میں ہرے بھرے پھلے پھولے باغوں کی سیر کر رہا ہوں۔ ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد بناتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میں اسے حم والی سورتوں کے لئے بنا رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ مسجد وہ ہو جو دمشق کے قلعہ کے اندر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی حفاظت حضرت ابوالدرداءؓ کی نیک نیتی کی اور جس وجہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی' اس کی برکت کے باعث ہو۔ اس کلام میں دشمنوں پر فتح وظفر کی دلیل بھی ہے۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے بعض جہادوں میں اپنے لشکر سے فرما دیا تھا کہ اگر رات کو تم اچانک حملہ کرو تو تمہاری پہچان کے خاص الفاظ حٰمٓ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ہیں۔ ایک روایت میں تُنۡصَرُوۡنَ ہے۔ مسند بزار میں ہے' جس نے آیت الکرسی اور سورۂ حم المومن کا ابتدائی حصہ پڑھا' وہ سارے دن کی برائی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اس کے ایک راوی پر کچھ جرح بھی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ۝۱

بے حد رحم والے بیشمار رحمت والے سچے معبود کے نام سے شروع

اس کتاب کا نازل فرمانا اس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے ○

(آیت:۱-۲) سورتوں کے اول میں حم وغیرہ جیسے جو حروف آئے ہیں، ان کی پوری بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر آئے ہیں جس کے اعادہ کی اب چنداں ضرورت نہیں۔ بعض کہتے ہیں حم اللہ کا ایک نام ہے اور اس کی شہادت میں وہ یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

یُذَکِّرُنِی حٰم وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ   فَھَلَّا تَلَا حٰم قَبْلَ التَّقَدُّمِ

یعنی یہ مجھے حٰم یاد دلاتا ہے جب کہ نیزہ تن چکا۔ پھر اس سے پہلے ہی اس نے حٰم کیوں نہ کہہ دیا۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

گناہ کا بخشنے والا، توبہ کا قبول فرمانے والا، سخت عذاب والا، انعام وقدرت والا، جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے ○

ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں وارد ہے کہ اگر تم پر شب خون مارا جائے تو حٰم لَا يُنْصَرُوْنَ کہنا اس کی سند صحیح ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں مجھے یہ پسند ہے کہ اس حدیث کو یوں روایت کی جائے کہ آپ نے فرمایا، تم کہو حٰم لَا يُنْصَرُوْا یعنی نون کے بغیر، تو گویا ان کے نزدیک لَا يُنْصَرُوْا جزا ہے فقولوا کی یعنی جب تم یہ کہو گے، تم مغلوب نہیں صہو گے تو قول صرف حم رہا۔ یہ کتاب یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے جو عزت وعلم والا ہے، جس کی جناب ہر بے ادبی سے پاک ہے اور جس پر کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں گو وہ کتنے ہی پردوں میں ہو۔ وہ گناہوں کی بخشش کرنے والا اور جو اس کی طرف جھکے، اس کی جانب مائل ہونے والا ہے اور جو اس سے بے پرواہی کرے، اس کے سامنے سرکشی اور تکبر کرے اور دنیا کو پسند کر کے آخرت سے بے رغبت ہو جائے، اللہ کی فرماں برداری کو چھوڑ دے، اسے وہ سخت ترین عذاب اور بدترین سزائیں دینے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ یعنی میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ میں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا بھی ہوں اور میرے عذاب بھی بڑے دردناک ہیں۔ اور بھی اس قسم کی آیتیں قرآن کریم میں بہت سی ہیں جن میں رحم وکرم کے ساتھ عذاب وسزا کا بیان بھی ہے تاکہ بندہ خوف وامید کی حالت میں رہے۔ وہ وسعت وغنا والا ہے۔ وہ بہت بہتری والا ہے۔ بڑے احسانوں، زبردست نعمتوں اور رحمتوں والا ہے۔ بندوں پر اس کے انعام، احسان اس قدر ہیں کہ کوئی انہیں شمار بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اس کا شکر ادا کر سکے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک نعمت کا بھی پورا شکر کسی سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس جیسا کوئی نہیں، اس کی ایک صفت بھی کسی میں نہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش کرنے والا ہے۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا سزا دے گا۔ اور بہت جلد حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص آ کر مسئلہ پوچھتا ہے کہ میں نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے شروع سورت کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا، ناامید نہ ہو اور نیک عمل کئے جا۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک شامی کبھی کبھی آیا کرتا تھا اور تھا ذرا ایسا ہی آدمی، ایک مرتبہ لمبی مدت تک وہ آیا ہی نہیں تو امیر المومنین نے

لوگوں سے اس کا حال پوچھا - انہوں نے کہا' اس نے بہ کثرت شراب پینا شروع کر دیا ہے - حضرت عمرؓ نے اپنے کاتب کو بلوا کر کہا' لکھو یہ خط ہے عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف - بعد از سلام علیک میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریفیں کرتا ہوں جس کے ساتھ کوئی معبود نہیں - جو گناہوں کو بخشنے والا' توبہ کو قبول کرنے والا' سخت عذاب والا' بڑے احسان والا ہے' جس کے سوا کوئی اللہ نہیں - اسی کی طرف لوٹنا ہے - یہ خط اس کی طرف بھجوا کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا' اپنے بھائی کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو متوجہ کر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے جب اس شخص کو حضرت عمرؓ کا خط ملا تو اس نے اسے بار بار پڑھنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی سزا سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی امید دلا کر گناہوں کی بخشش کا وعدہ بھی کیا ہے - کئی کئی مرتبہ اسے پڑھ کر رو دیئے - پھر توبہ کی اور سچی پکی توبہ کی - جب حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ پتہ چلا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا' اسی طرح کیا کرو - جب تم دیکھو کہ کوئی مسلمان بھائی لغزش کھا گیا تو اسے سیدھا کرو اور مضبوط کرو اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو - شیطان کے مددگار نہ بنو - حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفے کے گردونواح میں تھا - میں نے ایک باغ میں جا کر دو رکعت نماز شروع کی اور اس سورۂ مومن کی تلاوت کرنے لگا - میں ابھی اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک پہنچا ہی تھا کہ ایک شخص نے جو میرے پیچھے سفید خچر پر سوار تھا جس پر یمنی چادریں تھیں' مجھ سے کہا جب غَافِرِ الذَّنْبِ پڑھو تو کہو يَا غَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ اور جب قَابِلِ التَّوْبِ پڑھو تو کہو يَا شَدِيْدَ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِيْ -

حضرت مصعبؒ فرماتے ہیں میں نے گوشہ چشم سے دیکھا' تو مجھے کوئی نظر نہ آیا - فارغ ہو کر میں دروازے پر پہنچا' وہاں جو لوگ بیٹھے تھے' ان سے میں نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص تمہارے پاس سے گزرا جس پر یمنی چادریں تھیں - انہوں نے کہا' نہیں - ہم نے کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا - اب لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ یہ حضرت الیاسؑ تھے - یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے اور اس میں حضرت الیاسؑ کا ذکر نہیں - واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم -

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ
فِي الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵
وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو کافر ہیں - پس ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے ○ قوم نوحؑ نے اور ان کے بعد کی دوسری جماعتوں نے بھی جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا اور بیہودہ شبہات نکال کر ان سے حق کو بگاڑنا چاہا - پس میں نے انہیں پکڑ لیا - سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی ○ اور اسی طرح تیرے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں ○

انبیاء کی تکذیب کافروں کا شیوہ ہے: ☆☆ (آیت: ۴-۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق کے ظاہر ہو چکنے کے بعد اسے نہ ماننا اور اس میں

نقصانات پیدا کرنے کی کوشش کرنا کافروں کا ہی کام ہے۔ یہ لوگ اگر مال دار اور ذی عزت ہوں تو تو کسی دھوکے میں نہ پڑ جانا کہ اگر یہ اللہ کے نزدیک برے ہوتے تو اللہ انہیں اپنی یہ نعمتیں کیوں عطا فرماتا؟ جیسے اور جگہ ہے، کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ تو کچھ یونہی سا فائدہ ہے۔ آخری انجام تو ان کا جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے، ہم انہیں بہت کم فائدہ دے رہے ہیں۔ بالآخر انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبیؐ کو تسلی دیتا ہے کہ لوگوں کی تکذیب کی وجہ سے گھبرائیں نہیں۔ اپنے سے اگلے انبیاء کے حالات کو دیکھیں کہ انہیں بھی جھٹلایا گیا اور ان پر ایمان لانے والوں کی بھی بہت کم تعداد تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام جو بنی آدم میں سب سے پہلے رسول ہو کر آئے جبکہ لوگوں میں اول اول بت پرستی شروع ہوئی تو ان لوگوں نے انہیں بھی جھٹلایا اور ان کے بعد بھی جتنے انبیاء آئے، انہیں ان کی امت جھٹلاتی رہی بلکہ سب نے اپنے اپنے زمانے کے نبی کو قید کرنا اور مار ڈالنا چاہا اور بعض بعض اس میں کامیاب بھی ہوئے اور اپنے شبہات سے اور باطل سے حق کو حقیر کرنا چاہا۔

طبرانی میں فرمان رسولؐ ہے کہ جس نے باطل کی مدد کی تاکہ حق کو کمزور کرے، اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بری الذمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں نے ان باطل والوں کو پکڑ لیا اور ان کے ان زبردست گناہوں اور بدترین سرکشیوں کی بنا پر انہیں ہلاک کر دیا۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ میرے عذاب ان پر کیسے کچھ ہوئے؟ یعنی بہت سخت، نہایت تکلیف دہ اور الم ناک، جس طرح ان پر ان کے اس ناپاک عمل کی وجہ سے میرے عذاب اتر پڑے، اسی طرح اب اس امت میں سے جو اس آخری رسولؐ کی تکذیب کرتے ہیں، ان پر بھی میرے ایسے ہی عذاب نازل ہونے والے ہیں۔ یہ گو نبیوں کو سچا مانیں لیکن جب تک تیری نبوت کے قائل نہ ہوں، ان کی سچائی مردود ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا
فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝٧

عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے۔ پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں۔ تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچا لے ○

اللہ کی بزرگی اور پاکی بیان کرنے پر مامور فرشتے: ☆☆ (آیت:۷) عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور اس کے آس پاس کے تمام بہترین بزرگ فرشتے ایک طرف تو اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، تمام عیوب اور کل کمیوں اور برائیوں سے اسے دور بتاتے ہیں، دوسری جانب اسے تمام ستائشوں اور تعریفوں کے قابل مان کر اس کی حمد بجالاتے ہیں۔ غرض جو اللہ میں نہیں، اس کا انکار کرتے ہیں اور جو صفتیں اس میں ہیں، انہیں ثابت کرتے ہیں۔ اس پر ایمان ویقین رکھتے ہیں۔ اس سے پستی اور عاجزی ظاہر کرتے ہیں اور کل ایمان دار مردوں عورتوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ زمین والوں کا ایمان اللہ تعالیٰ پر اسے دیکھے بغیر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب فرشتے ان کے گناہوں کی معافی طلب کرنے کے لئے مقرر کر دیئے جو ان کے بن دیکھے ہر وقت ان کی تقصیروں کی معافی طلب کیا کرتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تجھے بھی یہی دے جو تو اس مسلمان کے لئے اللہ سے مانگ رہا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ امیہ بن صلت کے بعض اشعار کی رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کی جیسے یہ شعر ہے ۔

زُحَلٌ وَّ ثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِيْنِهٖ　　وَالنَّسْرُ لِلْاُخْرٰى وَلَيْثٌ مِرْصَدٌ

یعنی حاملان عرش چار فرشتے ہیں۔ دو ایک طرف، دو دوسری طرف۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ پھر اس نے کہا ۔

وَالشَّمْسُ تَطْلَعُ كُلَّ اٰخِرِ لَيْلَةٍ　　حَمْرَآءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ
تَاْبٰى فَمَا تَطْلَعُ لَنَا فِیْ رِسْلِهَا　　اِلَّا مُعَذَّبَةٌ وَّ اِلَّا تَجْلِدُ

یعنی سورج سرخ رنگ طلوع ہوتا ہے۔ پھر گلابی ہو جاتا ہے، اپنی ہیئت میں کبھی صاف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روکھا پھیکا ہی رہتا ہے، آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اس کی سند بہت پختہ ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حاملان عرش چار فرشتے ہیں، ہاں قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ہاں اس آیت کے مطلب اور اس حدیث کے استدلال میں ایک سوال رہ جاتا ہے کہ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ بطحا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ایک ابر کو گزرتے ہوئے دیکھ کر سوال کیا کہ اس کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا سحاب۔ آپ نے فرمایا اور اسے مزن بھی کہتے ہیں؟ کہا ہاں! فرمایا عنان بھی؟

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اِلَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸
وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع ۹

اے ہمارے رب تو انہیں ہیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی ان سب کو جو نیک عمل ہیں۔ یقیناً تو تو غالب و باحکمت ہے ○ انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ۔ حق تو یہ ہے کہ اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچا لیا، اس پر تو نے رحمت کر دی، بہت بڑی مطلب یابی تو یہی ہے ○

عرض کیا ہاں! پوچھا جانتے ہو، آسمان و زمین میں کس قدر فاصلہ ہے؟ صحابہؓ نے کہا نہیں، فرمایا اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا راستہ۔ پھر اس کے اوپر کا آسمان بھی پہلے آسمان سے اتنے ہی فاصلے پر، اسی طرح ساتوں آسمان۔ ساتویں آسمان پر ایک سمندر ہے جس کی اتنی ہی گہرائی ہے۔ پھر اس پر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت کے ہیں جن کے کھر سے گھٹنے کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے۔ ان کی پشت پر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس کی اونچائی بھی اسی قدر ہے۔ پھر اس کے اوپر الٰہی تبارک وتعالیٰ ہے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے غریب بتاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اللہ اس وقت آٹھ فرشتوں کے اوپر ہے۔ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے کہ حاملان عرش آٹھ ہیں جن میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ یعنی اے باری تعالیٰ تیری

پاک ذات ہی کے لئے ہر طرح کی حمد و ثنا ہے کہ تو باوجود علم کے پھر بردباری اور حلم کرتا ہے اور دوسرے چار کی تسبیح یہ ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ یعنی اے اللہ باوجود قدرت کے تو جو معافی اور درگزر کرتا رہتا ہے اس پر ہم تیری پاکیزگی اور تیری تعریف بیان کرتے ہیں۔ اسی لئے مومنوں کے استغفار میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ الٰہی تیری رحمت و علم نے ہر چیز کو اپنی وسعت و کشادگی میں لے لیا ہے۔

بنی آدم کے تمام گناہ ان کی کل خطاؤں پر تیری رحمت چھائے ہوئے ہے اسی طرح تیرا علم بھی ان کے جملہ اقوال و افعال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ان کی کل حرکات و سکنات سے تو بخوبی واقف ہے۔ پس تو ان کے برے لوگوں کو جب وہ توبہ کریں اور تیری طرف جھکیں اور گناہوں سے باز آ جائیں اور تیرے احکام کی تعمیل کریں نیکیاں کریں بدیاں چھوڑیں بخش دے اور انہیں جہنم کے دردناک گھبراہٹ والے عذابوں سے نجات دے۔ انہیں مع ان کے والدین بیویوں اور بچوں کے جنت میں لے جا تاکہ ان کی آنکھیں ہر طرح ٹھنڈی رہیں۔ گو ان کے اعمال ان جتنے نہ ہوں تاہم تو ان کے درجات بڑھا کر اونچے درجے میں پہنچا دے۔ جیسے باری تعالیٰ عزاسمہ کا فرمان عالی شان ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ الخ یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور ان کے ایمان کی اتباع ان کی اولاد بھی کرے ہم ان کی اولاد کو بھی ان سے ملا دیں گے اور ان کا کوئی عمل کم نہ کریں گے۔ درجے میں سب کو برابری دیں گے تاکہ دونوں جانب کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ اور پھر یہ نہ کریں گے کہ درجوں میں بڑھے ہوؤں کو نیچا کر دیں نہیں۔ بلکہ نیچے والوں کو صرف اپنی رحمت و احسان کے ساتھ اونچا کر دیں گے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں مومن جنت میں جا کر پوچھے گا کہ میرا باپ میرے بھائی میری اولاد کہاں ہے؟ جواب ملے گا کہ ان کی نیکیاں اتنی نہ تھیں کہ وہ اس درجے میں پہنچتے یہ کہے گا میں نے تو اپنے لئے اور ان سب کے لئے عمل کئے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دے گا۔ پھر آپ نے اسی آیت رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ الخ کی تلاوت فرمائی۔

حضرت مطرف بن عبداللہ کا فرمان ہے کہ ایمانداروں کی خیر خواہی فرشتے بھی کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اور شیاطین ان کی بدخواہی کرتے ہیں۔ تو ایسا غالب ہے جس پر کوئی غالب نہیں اور جسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جو تو چاہتا ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا۔ تو اپنے اقوال و افعال شریعت و تقدیر میں حکمت والا ہے تو انہیں برائیوں کے کرنے سے دنیا میں اور ان کے وبال سے دونوں جہان میں محفوظ رکھ قیامت کے دن رحمت والا وہی شمار ہو سکتا ہے جسے تو اپنی سزا سے اور اپنے عذاب سے بچا لے۔ حقیقتاً بڑی کامیابی پوری مقصد دری اور ظفریابی یہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ
مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰
قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا
بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا
دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ
لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ

مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا' انہیں یہ آواز دی جائے گی کہ یقیناً اللہ کا تم سے بیزار ہونا تھا بہت زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوتے ہو اپنے جی سے۔ جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے' پھر کفر کرنے لگتے تھے ○ وہ کہیں گے' اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دوبار مار ڈالا اور دوبار ہی جلایا۔ اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟ ○ یہ عذاب تمہیں اس لئے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ پس اب فرمان وحکومت الٰہی بلند و بزرگ ہی کی ہے ○ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے روزی اتارتا ہے۔ نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو جھکتے رہتے ہیں ○ تم اللہ کو پکارتے رہو۔ اس کے لئے دین کو خالص کر کے گو کافر برا مانیں ○

کفار کی دوبارہ زندگی کی لاحاصل آرزو: ☆☆ (آیت:۱۰-۱۴) قیامت کے دن جبکہ کافر آگ کے کنوؤں میں ہوں گے اور اللہ کے عذابوں کو چکھ چکے ہوں گے اور تمام ہونے والے عذاب نگاہوں کے سامنے ہوں گے' اس وقت خود اپنے نفس کے دشمن بن جائیں گے اور بہت سخت دشمن ہو جائیں گے۔ کیونکہ اپنے برے اعمال کے باعث جہنم واصل ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ان سے بہ آواز بلند کہیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہو اور جتنی دشمنی تمہیں خود اپنی ذات سے ہے اور جس قدر تم آج اپنے تئیں کہہ رہے ہو' اس سے بہت زیادہ برے اللہ کے نزدیک تم دنیا میں تھے جبکہ تمہیں اسلام و ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے' اس کے بعد کی آیت كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ کے ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں' یہ دنیا میں مار ڈالے گئے۔ پھر قبروں میں زندہ کئے گئے اور جواب سوال کے بعد مار ڈالے گئے۔ پھر قیامت کے دن زندہ کر دیئے گئے۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں' حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے روز میثاق کو زندہ کئے گئے پھر ماں کے پیٹ میں روح پھونکی گئی' پھر موت آئی' پھر قیامت کے دن جی اٹھے۔ لیکن یہ دونوں قول ٹھیک نہیں اس لئے کہ اس طرح تین موتیں اور تین حیاتیں لازم آتی ہیں اور آیت میں دو موت اور دو زندگی کا ذکر ہے۔ صحیح قول حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ اور ان کے ساتھیوں کا ہے۔ (یعنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کی ایک زندگی اور قیامت کی دوسری زندگی' پیدائش دنیا سے پہلے کی موت اور دنیا سے رخصت ہونے کی موت یہ دو موتیں اور دو زندگیاں مراد ہیں) مقصود یہ ہے کہ اس دن کفار اللہ تعالیٰ سے قیامت کے میدان میں آرزو کریں گے کہ اب انہیں دنیا میں ایک مرتبہ اور بھیج دیا جائے۔

جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الخ تو دیکھے گا کہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ سن لیا' اب تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے تو نیکیاں کریں گے اور ایمان لائیں گے۔ لیکن ان کی یہ آرزو قبول نہ فرمائی جائے گی۔ پھر جب عذاب وسزا کو' جہنم اور اس کی آگ کو دیکھیں گے اور جہنم کے کنارے پہنچا دیئے جائیں گے تو دوبارہ یہی درخواست کریں گے اور پہلی دفعہ سے زیادہ زور دے کر کہیں گے جیسے ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ وہ جہنم کے پاس ٹھہرا دیئے گئے ہوں گے' کہیں گے کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جاتے اور اپنے رب کی باتوں کو نہ جھٹلاتے اور باایمان ہوتے' بلکہ ان کے لئے وہ ظاہر ہو گیا جو اس سے پہلے وہ چھپا رہے تھے۔

اور بالفرض یہ واپس لوٹائے بھی جائیں تو بھی دوبارہ یہ وہی کرنے لگیں گے جس سے منع کئے گئے ہیں۔ یہ ہیں ہی جھوٹے۔ اس کے

بعد جب انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور عذاب شروع ہو جائیں گے اس وقت اور زیادہ زوردار الفاظ میں یہی آرزو کریں گے۔ وہاں چیختے چلاتے ہوئے کہیں گے رَبَّنَآ اَخرِجنا نَعمَلُ صَالِحًا الخ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال دے ہم نیک اعمال کرتے رہیں گے ان کے خلاف جواب تک کرتے رہے جواب ملے گا کہ کیا ہم نے انہیں اتنی عمر اور مہلت نہ دی تھی کہ اگر یہ نصیحت حاصل کرنے والے ہوتے تو یقیناً کر سکتے۔ بلکہ تمہارے پاس ہم نے آگاہ کرنے والے بھی بھیج دیئے تھے۔ اب اپنے کرتوت کا مزہ چکھو۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ کہیں گے کہ اللہ ہمیں یہاں سے نکال دے۔ اگر ہم پھر وہی کریں تو یقیناً ہم ظالم ٹھہریں گے۔ اللہ فرمائے گا دور ہو جاؤ اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

اس آیت میں ان لوگوں نے اپنے سوال سے پہلے ایک مقدمہ قائم کر کے سوال میں ایک گونہ لطافت کر دی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو بیان کیا کہ باری تعالیٰ ہم مردہ تھے۔ تو نے ہمیں زندہ کر دیا۔ پھر مار ڈالا۔ پھر زندہ کر دیا۔ پھر تو ہر اس چیز پر جسے تو چاہے قادر ہے۔ ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ یقیناً ہم نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی۔ اب بچاؤ کی کوئی صورت بنا دے۔ یعنی ہمیں دنیا کی طرف پھر لوٹا دے جو یقیناً تیرے بس میں ہے۔ ہم وہاں جا کر اپنے پہلے اعمال کے خلاف اعمال کریں گے اب اگر ہم وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں۔ انہیں جواب دیا جائے گا کہ اب دوبارہ دنیا میں جانے کی کوئی راہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر دوبارہ چلے بھی جاؤ گے تو پھر بھی وہی کرو گے جس سے منع کئے گئے۔ تم نے اپنے دل ہی ٹیڑھے کر لئے ہیں۔ تم اب بھی حق کو قبول نہ کرو گے بلکہ اس کے خلاف ہی کرو گے۔ تمہاری تو یہ حالت تھی کہ جہاں اللہ واحد کا ذکر آیا وہیں تمہارے دل میں کفر سمایا۔ ہاں اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو تمہیں یقین و ایمان آ جاتا تھا۔ یہی حالت پھر تمہاری ہو جائے گی۔ دنیا میں اگر دوبارہ گئے تو پھر بھی یہی کرو گے۔

پس حاکم حقیقی جس کے حکم میں کوئی ظلم نہ ہو سراسر عدل و انصاف ہی ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے نہ دے جس پر چاہے رحم کرے جسے چاہے عذاب کرے۔ اس کے حکم و عدل میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ اللہ اپنی قدرتیں لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ زمین و آسمان میں اس کی توحید کی بیشمار نشانیاں موجود ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ سب کا خالق سب کا مالک سب کا پالنہار اور حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ وہ آسمان سے روزی یعنی بارش نازل فرماتا ہے جس سے ہر قسم کے اناج کی کھیتیاں اور طرح طرح کے عجیب عجیب مزے کے مختلف رنگ روپ اور شکل وضع کے میوے اور پھل پھول پیدا ہوتے ہیں حالانکہ پانی ایک زمین ایک لہٰذا اس سے بھی اس کی شان ظاہر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عبرت و نصیحت فکر و غور کی توفیق ان ہی کو ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رغبت و رجوع کرنے والے ہوں اب تم دعا اور عبادت خلوص کے ساتھ صرف اللہ واحد کی کیا کرو۔ مشرکین کے مذہب و مسلک سے الگ ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ پڑھتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد) یہ حدیث مسلم ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرو اور قبولیت کا یقین کامل رکھو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور دوسری طرف کے مشغول دل کی دعا نہیں سنتا۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

بلند درجوں والا' مالک عرش کا' وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے' اپنی وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرا دے ○ جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے' ان میں سے کوئی اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟ ○ فقط اللہ واحد وقہار کی۔ آج ہر نفس کو اس کی کرنی کا پھل دیا جائے گا۔ آج کسی قسم کا ظلم نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کر چکنے والا ہے ○

روز قیامت سب اللہ کے سامنے ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۷) اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی اور عظمت اور اپنے عرش کی بڑائی اور وسعت بیان فرماتا ہے جو تمام مخلوق پر مثل چھت کے چھایا ہوا ہے۔ جیسے ارشاد ہے مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ الخ یعنی وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو سیڑھیوں والا ہے کہ فرشتے اور روح اس کے پاس چڑھ کر جاتے ہیں۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ اور اس بات کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا کہ یہ دوری ساتویں زمین سے لے کر عرش تک کی ہے' جیسے کہ سلف وخلف کی ایک جماعت کا قول ہے اور یہی راجح بھی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے جس کے دو کناروں کی وسعت پچاس ہزار سال کی ہے اور جس کی اونچائی ساتویں زمین سے پچاس ہزار سال کی ہے۔ اور اس سے پہلے اس حدیث میں جس میں فرشتوں کا عرش اٹھانا بیان ہوا ہے' یہ بھی گزر چکا ہے کہ ساتوں آسمانوں سے بھی وہ بہت بلند اور بہت اونچا ہے' وہ جس پر چاہے وحی بھیجے۔ جیسے يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ الخ وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے حکم سے جس کے پاس چاہتا ہے' بھیجتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور جگہ فرمان ہے اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الخ یعنی یہ قرآن تمام جہانوں کے رب کا اتارا ہوا ہے۔ جسے معتبر فرشتے نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو ڈرانے والا بن جائے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ بھی قیامت کا ایک نام ہے جس سے اللہ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے جس میں حضرت آدمؑ خود اور ان کی اولاد میں سے سب سے آخری بچہ ایک دوسرے سے مل لے گا۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں' بندے اللہ سے ملیں گے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں' آسمانوں والے اور زمین والے آپس میں ملاقات کریں گے۔ خالق ومخلوق' ظالم ومظلوم ملیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے سے ملاقات کرے گا۔ بلکہ عامل اور اس کا عمل بھی ملے گا۔ آج سب اللہ کے سامنے ہوں گے۔ بالکل ظاہر باہر ہوں گے' چھپنے کی تو کہاں' سائے کی جگہ بھی کوئی نہ ہوگی۔ سب اس کے آمنے سامنے موجود ہوں گے۔ اس دن خود اللہ فرمائے گا کہ آج بادشاہت کس کی ہے؟ کون ہوگا جو جواب تک دے؟ پھر خود ہی جواب دے گا کہ اللہ اکیلے کی جو ہمیشہ واحد' احد ہے اور سب پر غالب وحکمراں ہے۔

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا' میں بادشاہ ہوں' میں جبار

ہوں' متکبر ہوں- زمین کے بادشاہ اور جبار اور متکبر لوگ آج کہاں ہیں؟ صور کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل جب تمام مخلوق کی روح قبض کر لے گا اور اس وحدہ لاشریک لہ کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے گا' اس وقت تین مرتبہ فرمائے گا' آج ملک کس کا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا' اللہ اکیلے غالب کا- یعنی اس کا جو واحد ہے' اس کا جو ہر چیز پر غالب ہے' جس کی ملکیت میں ہر چیز ہے- ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے قائم ہونے کے وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ لوگو! قیامت آ گئی جسے مردے زندے سب سنیں گے- اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمائے گا اور کہے گا' آج کس کے لئے ملک ہے- صرف اللہ اکیلے غلبہ والے کے لئے' پھر اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ ذرا سا بھی ظلم اس دن نہ ہوگا بلکہ نیکیاں دس دس گنی کر کے ملیں گی اور برائیاں اتنی ہی رکھی جائیں گی- صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ اے میرے بندو میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر بھی حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے- پس تم میں سے کوئی کسی پر ظلم نہ کرے- آخر میں ہے اے میرے بندو' یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جن پر میں نگاہ رکھتا ہوں اور جن کا پورا بدلہ دوں گا- پس جو شخص بھلائی پائے' وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے سوا پائے' وہ اپنے تئیں ہی ملامت کرے- پھر اپنے جلد حساب لینے کو بیان فرمایا کہ ساری مخلوق سے حساب لینا اس پر ایسا ہے جیسے ایک شخص کا حساب لینا- جیسے ارشاد باری ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو مرنے کے بعد زندہ کر دینا میرے نزدیک ایک شخص کے پیدا کرنے اور زندہ کر دینے کی مانند ہے- اور آیت میں ہے' اللہ عزوجل کا فرمان ہے وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ یعنی ہمارے حکم کے ساتھ ہی کام ہو جاتا ہے اتنی دیر میں جیسے کسی نے آنکھ بند کر کے کھول لی

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ
مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝۱۸ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ
الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝۱۹ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۲۰ ع ۱۱

انہیں بہت ہی قریب آنے والی قیامت سے آگاہ کر دے جبکہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے' ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے ○ وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے ○ اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا' اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے رہتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے ○

اللہ علیم پر ہر چیز ظاہر ہے: ☆☆ ازفہ (آیت: ۱۸-۱۹) قیامت کا ایک نام ہے- اس لئے وہ بہت ہی قریب ہے جیسے فرمان ہے اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ الخ یعنی قریب آنے والی قریب ہو چکی ہے' جس کا کھولنے والا بجز اللہ کے کوئی نہیں- اور جگہ ارشاد ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ الخ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا- اور فرمان ہے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا- اور فرمان ہے اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللہ کا امر آ چکا- اس میں جلدی نہ کرو- اور آیت میں ہے فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب اسے قریب دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے-

الغرض اسی نزدیکی کی وجہ سے قیامت کا نام اٰزِفَہ ہے- اس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے- وہ خوف و ہراس ہوگا کہ کسی کا دل

ٹھکانے نہ رہے گا۔ سب پر غضب کا سناٹا ہوگا۔ کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلے گی۔ کیا مجال کہ بے اجازت کوئی لب ہلا سکے۔ سب رو رہے ہوں گے اور حیران و پریشان ہوں گے۔ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کا آج کوئی دوست غمگسار نہ ہوگا جو انہیں کام آئے۔ نہ شفا و سفارشی ہوگا جو ان کی شفاعت کے لئے زبان ہلائے بلکہ ہر بھلائی کے اسباب کٹ چکے ہوں گے اس اللہ کا علم محیط کل ہے۔ تمام چھوٹی بڑی، چھپی کھلی، باریک موٹی اس پر یکساں ظاہر باہر ہیں، اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو، ہر شخص کو ڈرنا چاہیے اور کسی وقت یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں۔ بلکہ ہر وقت یہ یقین کرکے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم میرے ساتھ ہے۔ اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رکا رہے۔ آنکھ جو خیانت کے لئے اٹھتی ہے گو بہ ظاہر وہ امانت ظاہر کرے لیکن رب علیم پر وہ مخفی نہیں، سینے کے جس گوشے میں جو خیال چھپا ہوا ہو اور دل میں جو بات پوشیدہ اٹھتی ہو اس کا اسے علم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اس آیت سے مراد وہ شخص ہے جو مثلاً کسی گھر میں گیا، وہاں کوئی خوبصورت عورت ہے یا وہ آ جا رہی ہے یا تو یہ کنکھیوں سے اسے دیکھتا ہے۔ جہاں کسی کی نظر پڑی تو نگاہ پھیر لی اور جب موقعہ پایا، آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا۔ پس خائن آنکھ کی خیانت کو اور اس کے دل کے راز کو اللہ علیم خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں تو یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پوشیدہ عضو بھی دیکھ لے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد آنکھ مارنا، اشارے کرنا اور بن دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی یا دیکھی ہوئی چیز کو ان دیکھی بتانا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں نگاہ جس نیت سے ڈالی جائے، اللہ پر روشن ہے۔ پھر سینے میں چھپا ہوا خیال کہ اگر موقعہ ملے اور بس ہو تو آیا یہ بدکاری سے باز رہے گا یا نہیں۔ یہ بھی وہ جانتا ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں، دلوں کے وسوسوں سے وہ آگاہ ہے، وہ عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے۔ قادر ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی دے اور برائی کی سزا بری دے۔ وہ سننے دیکھنے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ وہ بروں کو ان کی کرنی کی سزا اور بھلوں کو ان کی بھلائی کی جزا عنایت فرمائے گا۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں خواہ وہ بت اور تصویریں ہوں خواہ اور کچھ، وہ چونکہ کسی چیز کے مالک نہیں، ان کی حکومت ہی نہیں تو حکم اور فیصلے کریں گے ہی کیا؟ اللہ اپنی مخلوق کے اقوال کو سنتا ہے۔ ان کے احوال کو دیکھ رہا ہے، جسے چاہے راہ دکھاتا ہے۔ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ اس کا اس میں بھی سراسر عدل و انصاف ہے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً
وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ
لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم
بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے، ان کا نتیجہ کیسا کچھ ہوا؟ وہ باعتبار قوت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے ان سے بہت زیادہ تھے۔ پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذابوں سے بچا لیتا ○ یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے۔ پس اللہ انہیں پکڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ زبردست طاقت والا اور سخت عذابوں والا ہے ○

(آیت: ۲۱-۲۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبیؐ، کیا تیری رسالت کے جھٹلانے والے کفار نے اپنے سے پہلے کے رسولوں کو

جھٹلانے والے کفار کی حالتوں کا معائنہ ادھر ادھر چل پھر کر نہیں کیا؟ جو ان سے زیادہ قوی' طاقتور اور جثہ دار تھے۔ جن کے مکانات اور عالیشان عمارتوں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ جو ان سے زیادہ باتمکنت تھے۔ ان سے بڑی عمروں والے تھے' جب ان کے کفر اور گناہوں کی وجہ سے عذاب الٰہی ان پر آیا تو نہ تو کوئی اسے ہٹا سکا نہ کسی میں مقابلہ کی طاقت پائی گئی نہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نکلی' اللہ کا غضب ان پر برس پڑنے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے پاس بھی ان کے رسول واضح دلیلیں اور صاف روشن حجتیں لے کر آئے باوجود اس سے انہوں نے کفر کیا جس پر اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کفار کے لئے انہیں باعث عبرت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ پوری قوت والا' سخت پکڑ والا' شدید عذاب والا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے تمام عذابوں سے نجات دے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ
وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا
قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ
وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ
اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ
اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ
عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع ۷ ۸

ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیل کے ساتھ بھیجا ○ فرعون' ہامان اور قارون کی طرف' تو کہنے لگے یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے ○ جب ان کے پاس موسیٰؑ ہماری طرف سے دین حق کو لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں' ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو کافروں کی جو حیلہ سازی ہے' وہ غلطی میں ہی ہے ○ فرعون کہنے لگا' مجھے چھوڑ دو تا کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں۔ اسے چاہئے کہ یہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی بہت بڑا فساد برپا نہ کر دے ○ موسیٰ نے کہا' میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر اس تکبر کرنے والے شخص کی برائی سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا ○

فرعون کا بدترین حکم: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۷) اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسولؐ کو تسلی دینے کے لئے سابقہ رسولوں کے قصے بیان فرماتا ہے کہ جس طرح انجام کار فتح و ظفر ان کے ساتھ رہی' اسی طرح آپ بھی ان کفار سے کوئی اندیشہ نہ کیجئے۔ میری مدد آپ کے ساتھ ہے۔ انجام کار آپ ہی کی بہتری اور برتری ہو گی جیسے کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے ہے کہ ہم نے انہیں دلائل و براہین کے ساتھ بھیجا' قبطیوں کے بادشاہ فرعون کی طرف جو مصر کا سلطان تھا اور ہامان کی طرف جو اس کا وزیر اعظم تھا۔ اور قارون کی طرف جو اس کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند تھا اور تاجروں کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ ان بدنصیبوں نے اللہ کے اس زبردست رسول کو جھٹلایا اور ان کی توہین کی اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔ یہی جواب سابقہ امتوں کے بھی انبیاء علیہم السلام کو ملتے رہے۔

جیسے ارشاد ہے كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ الخ یعنی اسی طرح ان سے پہلے بھی جتنے رسول آئے' سب سے ان کی قوم نے یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا انہوں نے اس پر کوئی متفقہ تجویز کر رکھی ہے؟ نہیں بلکہ دراصل یہ سب کے سب

سرکش لوگ ہیں' جب ہمارے رسول موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس حق لائے اور انہوں نے اللہ کے رسول کو ستانا اور دکھ دینا شروع کیا' اور فرعون نے حکم جاری کر دیا' اس رسولؑ پر جو ایمان لائے ہیں' ان کے ہاں جو لڑکے ہیں' انہیں قتل کر دو اور جو لڑکیاں ہوں' انہیں زندہ چھوڑ دو' اس سے پہلے بھی وہ یہی حکم جاری کر چکا تھا ۔ اس لئے کہ اسے خوف تھا کہ کہیں موسیٰ پیدا نہ ہو جائیں یا اس لئے کہ بنی اسرائیل کی تعداد کم کر دے اور انہیں کمزور اور بے طاقت بنا دے اور ممکن ہے دونوں مصلحتیں سامنے ہوں اور ان کی گنتی نہ بڑھے اور یہ پست و ذلیل رہیں بلکہ انہیں خیال ہو کہ ہماری اس مصیبت کا باعث حضرت موسیٰ ہیں ۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ایذا دی گئی اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی ہم ستائے گئے ۔ آپ نے جواب دیا' تم جلدی نہ کرو ۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو برباد کر دے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بنائے ۔ پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ فرعون کا یہ حکم دوبارہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کا فریب اور ان کی یہ پالیسی کہ بنی اسرائیل فنا ہو جائیں' بے فائدہ اور فضول تھی ۔ فرعون کا ایک بدترین قصد بیان ہو رہا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کیا اور اپنی قوم سے کہا' مجھے چھوڑو ۔ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں گا ۔ وہ اگرچہ اپنے اللہ کو بھی اپنی مدد کے لئے پکارے' مجھے کوئی پرواہ نہیں ۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے زندہ چھوڑا گیا تو وہ تمہارے دین کو بدل دے گا' تمہاری عادات و رسومات کو تم سے چھڑا دے گا اور زمین میں ایک فساد پھیلا دے گا ۔ اسی لئے عرب میں یہ مثل مشہور ہو گئی صَارَ فِرْعَوْنُ مُذَكِّرًا یعنی فرعون بھی واعظ بن گیا ۔ بعض قراءتوں میں بجائے اَنْ يُّظْهِرَ کے يُظْهِرُ ہے ۔ حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کا یہ بد ارادہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا' میں اس کی اور اس جیسے لوگوں کی برائی سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں ۔ اے میرے مخاطب لوگو! میں ہر اس شخص کی ایذا رسانی سے جو حق سے تکبر کرنے والا اور قیامت کے دن پر ایمان نہ رکھنے والا ہو' اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب جناب رسول کریم ﷺ کو کسی قوم سے خوف ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ وَنَدْرَاُبِكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ یعنی اے اللہ ان کی برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھ پر ان کے مقابلے میں بھروسہ کرتے ہیں ۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۗ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا
يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا' کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو تو جن عذابوں کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے وہ کوئی نہ کوئی تو تم پر آ پڑے گا' اللہ تعالیٰ ان کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گذر جانے والے اور جھوٹے ہوں ○

ایک مرد مومن کی فرعون کو نصیحت : ☆☆ (آیت : ۲۸) مشہور تو یہی ہے کہ یہ مومن قبطی تھے (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور فرعون کے خاندان

کے تھے بلکہ سدیؒ فرماتے ہیں' فرعون کے یہ چچازاد بھائی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے بھی حضرت موسیٰ کے ساتھ نجات پائی تھی- امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں بلکہ جن لوگوں کا قول ہے کہ یہ مومن بھی اسرائیلی تھے' آپ نے ان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ اسرائیلی ہوتے تو نہ فرعون اس طرح صبر سے ان کی نصیحت سنتا نہ حضرت موسیٰؑ کے قتل کے ارادے سے باز آتا بلکہ انہیں ایذا پہنچاتا- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے' آل فرعون میں سے ایک تو یہ مرد ایمان دار تھا اور دوسرے فرعون کی بیوی ایمان لائی تھیں- تیسرا وہ شخص جس نے حضرت موسیٰؑ کو خبر دی تھی کہ سرداروں کا مشورہ تمہیں قتل کرنے کا ہو رہا ہے- یہ اپنے ایمان کو چھپاتے رہتے تھے لیکن قتل موسیٰؑ کی سن کر ضبط نہ ہو سکا اور یہی درحقیقت سب سے بہتر اور افضل جہاد ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انسان کلمہ حق کہہ دے- جیسے کہ حدیث میں ہے اور فرعون کے سامنے اس سے زیادہ بڑا کلمہ کوئی نہ تھا- پس یہ شخص بہت بلند مرتبے کے مجاہد تھے-- جن کے مقابلے کا کوئی نظر نہیں آتا- البتہ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ایک واقعہ کئی روایتوں سے مروی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ سب سے بڑی ایذا مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو کیا پہنچائی؟ آپ نے فرمایا' سنو' ایک روز حضورؐ کعبہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ کو پکڑ لیا- اور اپنی چادر میں بل دے کر آپ کی گردن میں ڈال کر گھسیٹنے لگا جس سے آپؐ کا گلا گھٹنے لگا- اسی وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے آئے اور اسے دھکا دے کر پرے پھینکا اور فرمانے لگے' کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے- اور وہ تمہارے پاس دلیلیں لے کر آیا ہے-

ایک اور روایت میں ہے کہ قریشیوں کا مجمع جمع تھا- جب آپؐ وہاں سے گزرے تو انہوں نے کہا' کیا تو ہی ہے جو ہمیں ہمارے باپ دادوں کے معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہاں میں ہی ہوں- اس پر وہ سب آپ کو چمٹ گئے اور کپڑے گھسیٹنے لگے- حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو چھڑایا اور پوری آیت اَتَقْتُلُوْنَ کی تلاوت کی-

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ
يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ
اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اے میری قوم کے لوگو' آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون بولا' میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں ○

پس اس مومن نے بھی یہی کہا کہ اس کا قصور تو صرف اتنا ہی ہے کہ یہ اپنا رب اللہ کو بتاتا ہے اور جو کہتا ہے' اس پر سند اور دلیل پیش کرتا ہے- اچھا مان لو' بالفرض یہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا- اللہ سبحان وتعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں سزا دے گا اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ستایا' دکھ دیا تو یقیناً تم پر عذاب الٰہی برس پڑے گا جیسے کہ وہ کہہ رہا ہے- پس عقلاً لازم ہے کہ تم اسے چھوڑ دو- جو اس کی مان رہے ہیں مانیں- تم کیوں اس کے درپے آزار ہو رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون اور قوم فرعون سے یہی چاہا تھا- جیسے کہ آیت وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ سے فَاعْتَزِلُوْنِ تک ہے یعنی ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا- ان کے پاس رسول کریم کو بھیجا- اس نے کہا کہ اللہ کے بندو کو مجھے سونپ دو- میں تمہاری طرف رب کا رسول امین ہوں- تم اللہ سے بغاوت نہ کرو- دیکھو

میں تمہارے پاس کھلی دلیلیں اور زبردست معجزے لایا ہوں۔ تم مجھے سنگسار کر دو گے۔ اس سے میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں، اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھے چھوڑ دو۔ یہی جناب رسول آخر الزمان ﷺ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف مجھے پکارنے دو، تم میری ایذا رسانی سے باز رہو۔ اور میری قرابت داری کو خیال کرتے ہوئے مجھے دکھ نہ دو۔ صلح حدیبیہ بھی دراصل یہی چیز تھی جو کھلی فتح کہلائی۔ وہ مومن کہتا ہے کہ سنو، مسرف اور جھوٹے آدمی راہ یافتہ نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ اللہ کی نصرت نہیں ہوتی۔ ان کے اقوال وافعال بہت جلد ان کی خباثت کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے یہ نبی اللہ اختلاف واضطراب سے پاک ہیں۔ صحیح سچی اور اچھی راہ پر ہیں۔ زبان کے سچے، عمل کے پکے ہیں۔ اگر یہ حد سے گزر جانے والے اور جھوٹے ہوتے تو یہ راستی اور عمدگی ان میں ہرگز نہ ہوتی۔ پھر قوم کو نصیحت کرتے ہیں اور انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ بھائیو! تمہیں اللہ نے اس ملک کی سلطنت عطا فرمائی ہے۔ بڑی عزت دی ہے۔ تمہارا حکم جاری کر رکھا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر تمہیں اس کا شکر کرنا چاہیے اور اس کے رسولوں کو سچا ماننا چاہیے۔

یاد رکھو، اگر تم نے ناشکری کی اور رسول کی طرف بری نظریں ڈالیں تو یقیناً عذاب الٰہی تم پر آ جائے گا۔ بتاؤ اس وقت کسے لاؤ گے جو تمہاری مدد پر کھڑا ہو اور اللہ کے عذاب کو روکے یا ٹالے؟ یہ لاؤ ولشکر، یہ جان ومال کچھ کام نہ آئیں گے۔ فرعون سے اور تو کوئی معقول جواب بن نہ پڑا، کھسیانہ بن کر قوم میں اپنی خیر خواہی جتانے لگا کہ میں تمہیں دھوکا نہیں دے رہا، جو میرا خیال ہے اور میرے ذہن میں ہے، وہی تم پر ظاہر کر رہا ہوں۔ حالانکہ دراصل یہ بھی اس کی خیانت تھی۔ وہ بھی جانتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جیسے فرمان باری ہے لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُ لَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ یعنی حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، اے فرعون تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان وزمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے ذرائع ہیں۔ اور آیت میں ہے وَجَحَدُوْا بِهَا الخ یعنی انہوں نے باوجود دلی یقین کے از راہ ظلم وزیادتی انکار کر دیا۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا بھی سراسر غلط تھا کہ میں تمہیں حق کی، سچائی کی اور بھلائی کی راہ دکھاتا ہوں۔ اس میں وہ لوگوں کو دھوکا دے رہا تھا اور رعیت کی خیانت کر رہا تھا۔ لیکن اس کی قوم اس کے دھوکے میں آ گئی اور فرعون کی بات مان لی۔ فرعون نے انہیں کسی بھلائی کی راہ پر نہ ڈالا۔ اس کا عمل ہی ٹھیک نہیں تھا۔ اور جگہ اللہ عزوجل فرماتا ہے، فرعون نے اپنی قوم کو بہکا دیا اور انہیں صحیح راہ تک نہ پہنچنے دیا نہ پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو امام اپنی رعایا سے خیانت کر رہا ہو وہ مر کر جنت کی خوشبو بھی نہیں پاتا حالانکہ وہ خوشبو پانچ سو سال کی راہ پر آتی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ
الْاَحْزَابِ ۝۳۰ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۳۱ وَيٰقَوْمِ
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۳۲ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا
لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
هَادٍ ۝۳۳

اس مومن نے کہا، اے میری قوم کے لوگو، مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آئے جو اور امتوں پر آیا۔ جیسے امت نوحؑ اور عاد وثمود اور ان کے بعد والوں کا

حال ہوا' اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا' اور مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے ○ جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے تمہیں اللہ سے بچانے والا
کوئی نہ ہوگا' اور جسے اللہ گمراہ کر دے' اس کا ہادی کوئی نہیں ○

مرد مومن کی اپنی قوم کو نصیحت : ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۳) اس مومن کی نصیحت کا آخری حصہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے فرمایا 'دیکھو اگر تم نے اللہ کے رسول کی نہ مانی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں سابقہ قوموں کی طرح تم پر بھی عذاب الٰہی برس نہ پڑے- قوم نوحؑ اور قوم عاد و ثمود کو دیکھ لو کہ پیغمبروں کی نہ ماننے کے وبال میں ان پر کیسے عذاب آئے؟ اور کوئی نہ تھا جو انہیں ٹالتا روکتا- اس میں اللہ کا کچھ ظلم نہ تھا- اس کی ذات بندوں پر ظلم کرنے سے پاک ہے- ان کے اپنے کرتوت تھے جو ان کے لئے وبال جان بن گئے' مجھے تم پر قیامت کے دن کے عذاب کا بھی ڈر ہے جو ہانک پکار کا دن ہے- صور کی حدیث میں ہے کہ جب زمین میں زلزلہ آئے گا اور پھٹ جائے گی تو لوگ مارے گھبراہٹ کے ادھر ادھر پریشان حواس بھاگنے لگیں گے اور ایک دوسرے کو آواز دیں گے- حضرت ضحاکؒ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب جہنم لائی جائے گی اور لوگ اسے دیکھ کر ڈر کر بھاگیں گے اور فرشتے انہیں میدان محشر کی طرف واپس لائیں گے-

جیسے فرمان الٰہی ہے وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا یعنی فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے- اور فرمان ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا الخ یعنی اے انسانو! اور جنو! اگر تم زمین و آسمان کے کناروں سے بھاگ نکلنے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل بھاگو لیکن یہ تمہارے بس کی بات نہیں- حسن اور ضحاکؒ کی قراءت میں یَوْمَ التَّنَآدِّ دال کی تشدید کے ساتھ ہے- اور یہ ماخوذ ہے نَدَّ الْبَعِیْرُ سے' جب اونٹ چلا جائے اور سرکشی کرنے لگے تو یہ لفظ کہا جاتا ہے' کہا گیا ہے کہ جس ترازو میں عمل تولے جائیں گے' وہاں ایک فرشتہ ہوگا- جس کی نیکیاں بڑھ جائیں گی' وہ با آواز بلند پکار کر کہے گا' لوگو فلاں کا لڑکا فلاں سعادت والا ہو گیا اور آج کے بعد سے اس پر شقاوت کبھی نہیں آئے گی- اور اس کی نیکیاں گھٹ گئیں تو وہ فرشتہ آواز لگائے گا کہ فلاں بن فلاں بدنصیب ہو گیا اور تباہ و برباد ہو گیا-

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ
شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ
يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ
مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ
سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اس سے پہلے تمہارے پاس حضرت یوسفؑ دلیلیں لے کر آئے' پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی دلیل میں شک و شبہ ہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم کہنے لگے' ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں' اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا' شک و شبہ کرنے والا ہو ○ جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں- اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی بیزاری کی چیز ہے- اللہ تعالیٰ اسی طرح
ہر ایک مغرور و سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے ○

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، قیامت کو یَوۡمَ التَّنَادِ اس لئے کہا گیا ہے کہ جنتی جنتیوں کو اور جہنمی جہنمیوں کو پکاریں گے اور اعمال کے ساتھ پکاریں گے- اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجہ یہ ہے کہ جنتی دوزخیوں کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ ہم نے سچ پایا- تم بتاؤ کہ کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے ہاں- اسی طرح جہنمی جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی ہی چھوا دو یا وہ کچھ دے دو جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے- جنتی جواب دیں گے کہ یہاں کے کھانے پینے کو اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے- اسی طرح سورۂ اعراف میں یہ بھی بیان ہے کہ اعراف والے دوزخیوں اور جنتیوں کو پکاریں گے- بغوی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں ہیں اور ان سب وجوہ کی بنا پر قیامت کے دن کا نام یَوۡمُ التَّنَادِ ہے- یہی قول بہت عمدہ ہے- واللہ اعلم-

اس دن لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے- لیکن بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ آج ٹھہرنے کی جگہ یہی ہے، اس دن کوئی نہ ہوگا جو بچا سکے اور اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے- بات یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی قادر مطلق نہیں- وہ جسے گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا- پھر فرماتا ہے کہ اس سے پہلے اہل مصر کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر بن کر آئے تھے- آپ کی بعثت حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئی تھی- عزیز مصر بھی آپ ہی تھے اور اپنی امت کو اللہ کی طرف بلاتے تھے- لیکن قوم نے ان کی اطاعت نہ کی، ہاں بوجہ دنیوی جاہ کے اور وزارت کے تو انہیں ماتحتی کرنی پڑتی تھی- پس فرماتا ہے کہ تم ان کی نبوت کی طرف سے بھی شک میں ہی رہے- آخر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم بالکل مایوس ہو گئے اور امید کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ کسی کو نبی بنا کر بھیجے گا ہی نہیں- یہ تھا ان کا کفر اور ان کی تکذیب، اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے جو بے جا کام کرنے والا، حد سے گزر جانے والا اور شک وشبہ میں مبتلا رہنے والا ہو- یعنی جو تمہارا حال ہے، یہی حال ان سب کا ہوتا ہے جن کے کام اسراف والے ہوں اور جن کا دل شک وشبہ والا ہو، جو لوگ حق کو باطل سے ہٹاتے ہیں اور بغیر دلیل کے دلیلوں کو ٹالتے ہیں، اس پر اللہ ان سے ناخوش ہے اور سخت تر ناراض ہے ان کے یہ افعال جہاں اللہ کی ناراضگی کا باعث ہیں، وہاں ایمانداروں کی بھی ناخوشی کا ذریعہ ہیں- جن لوگوں میں ایسی بے ہودہ صفتیں ہوتی ہیں، ان کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر کر دیتا ہے جس کے بعد انہیں نہ اچھائی اچھی معلوم ہوتی ہے نہ برائی بری لگتی ہے، ہر وہ شخص جو حق سے سرکشی کرنے والا ہو اور تکبر وغرور والا ہو- حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں، جبار وہ شخص ہے جو دو انسانوں کو قتل کر ڈالے- ابوعمران جونی اور قتادہؒ کا فرمان ہے کہ جو بغیر حق کے کسی کو قتل کرے، وہ جبار ہے- واللہ تعالیٰ اعلم-

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ يٰهَامٰنُ ابۡنِ لِىۡ صَرۡحًا لَّعَلِّىۡۤ اَبۡلُغُ
الۡاَسۡبَابَ ۙ﴿۳۶﴾ اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوۡسٰى وَاِنِّىۡ
لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ
عَنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا كَيۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِىۡ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ ع ۱۰
الَّذِىۡۤ اٰمَنَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِكُمۡ سَبِيۡلَ الرَّشَادِ ۚ﴿۳۸﴾
يٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِىَ
دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾

فرعون نے کہا، اے ہامان! میرے لئے ایک بالا خانہ بنا- کیا عجب کہ میں آسمان کے دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے اللہ کو جھانک لوں ○ مجھے تو کامل یقین

ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ ٹھیک اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اسے بھلی دکھائی گئیں اور راہ سے روک دیا گیا' فرعون کی ہر حیلہ سازی تباہی میں ہی رہی ○ اس ایمان دار شخص نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم سب میری پیروی کرو۔ میں نیک راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا ○ اے میرے گروہ کے لوگو' حیات دنیا متاع فانی ہے۔ یقین مانو کہ قرار اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے ○

فرعون کی سرکشی اور تکبر : ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) فرعون کی سرکشی اور تکبر بیان ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا محل تعمیر کرا۔ اینٹوں اور چونے کی پختہ اور بہت اونچی عمارت بنا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اس نے کہا' اے ہامان! اینٹیں پکا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قبر کو پختہ بنانا اور اسے چونے گچ کرنا سلف صالحین مکروہ جانتے تھے۔ (ابن ابی حاتم) فرعون کہتا ہے کہ یہ محل میں اس لئے بنوا رہا ہوں کہ آسمان کے دروازوں اور آسمان کے راستوں تک میں پہنچ جاؤں' اور موسیٰ کے اللہ کو دیکھ لوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ موسیٰ ہے جھوٹا۔ وہ جو کہہ رہا ہے کہ اللہ نے اسے بھیجا ہے' یہ بالکل غلط ہے۔

دراصل فرعون کا یہ ایک مکر تھا اور وہ اپنی رعیت پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو میں ایسا کام کرتا ہوں جس سے موسیٰ کا جھوٹ بالکل کھل جائے اور میری طرح تمہیں بھی یقین آ جائے کہ موسیٰ غلط گو' مفتری اور کذاب ہے۔ فرعون راہ الٰہی سے روک دیا گیا۔ اس کی ہر تدبیر الٹی ہی رہی۔ اور جو کام وہ کرتا ہے' وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور وہ خسارے میں بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

قوم فرعون کے مرد مومن کی سہ بارہ نصیحت : ☆☆ (آیت:۳۸) فرعون کی قوم کا مومن مرد جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' اپنی قوم کے سرکشوں' خود پسندوں اور متکبروں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری مانو' میری راہ چلو۔ میں تمہیں راہ راست پر ڈال دوں گا۔ یہ اپنے اس قول میں فرعون کی طرح کاذب نہ تھا۔ وہ تو اپنی قوم کو دھوکا دے رہا تھا اور یہ ان کی حقیقی خیر خواہی کر رہا تھا' پھر انہیں دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کہتا ہے کہ دنیا ایک ڈھل جانے والا سایہ اور فنا ہو جانے والا فائدہ ہے۔ لازوال اور قرار و ہمیشگی والی جگہ تو اس کے بعد آنے والی آخرت ہے۔ جہاں کی رحمت و زحمت ابدی اور غیر فانی ہے' جہاں برائی کا بدلہ تو اس کے برابر ہی دیا جاتا ہے۔ ہاں نیکی کا بدلہ بے حساب دیا جاتا ہے۔ نیکی کرنے والا چاہے مرد ہو' چاہے عورت ہو تو ہاں یہ شرط ہے کہ ہو باایمان' اسے اس نیکی کا ثواب اس قدر دیا جائے گا جو بے حد و حساب ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝٤٠ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ
اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝٤١ تَدْعُوْنَنِيْ
لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا
اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝٤٢ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ
لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى
اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝٤٣

جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت اور ہو ایمان دار تو یہ لوگ وہ ہیں جو جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے ○ اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو ○ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں؟ اور اس کے ساتھ اسے شریک کروں جس کا کوئی علم مجھے نہیں؟ اور میں تمہیں غالب بخشنے والے اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں ○ یہ یقینی امر ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارنے کے قابل ہے نہ آخرت میں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گذر جانے والے یقیناً اہل دوزخ ہیں ○

عالم برزخ میں عذاب پر دلیل: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۳) قوم فرعون کا مومن مرد اپنا وعظ جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں توحید کی طرف یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں۔ میں تمہیں اللہ کے رسولؑ کی تصدیق کرنے کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے کفر و شرک کی طرف بلا رہے ہو؟ تم چاہتے ہو کہ میں جاہل بن جاؤں اور بے دلیل اللہ اور اس کے رسولؑ کے خلاف کروں؟ غور کرو کہ تمہاری اور میری دعوت میں کس قدر فرق ہے؟ میں تمہیں اس اللہ کی طرف لے جانا چاہتا ہوں جو بڑی عزت اور کبریائی والا ہے۔ باوجود اس کے وہ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف جھکے اور استغفار کرے' لا جرم کے معنی حق و صداقت کے ہیں' یعنی یہ یقینی سچ اور حق ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو یعنی بتوں اور سوائے اللہ کے دوسروں کی عبادت کی طرف' یہ تو وہ ہیں جنہیں دین و دنیا کا کوئی اختیار نہیں۔ جنہیں نفع نقصان پر کوئی قابو نہیں' جو اپنے پکارنے والے کی پکار کو سن سکیں نہ قبول کر سکیں نہ یہاں نہ وہاں۔ جیسے فرمان الٰہی ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں جو اللہ کے سوا اوروں کو پکارتا ہے' جو اس کی پکار کو قیامت تک سن نہیں سکتے۔ جنہیں مطلق خبر نہیں کہ کوئی ہمیں پکار رہا ہے؟ جو قیامت کے دن اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے بالکل انکار کر جائیں گے۔ گو تم انہیں پکارا کرو لیکن وہ نہیں سنتے۔ اور بالفرض اگر سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔

مومن آل فرعون کہتا ہے کہ ہم سب کو لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ وہاں ہر ایک کو اپنے اعمال کا بدلہ بھگتنا ہے۔ وہاں حد سے گزر جانے والے' اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والے ہمیشہ کے لئے جہنم واصل کر دیئے جائیں گے' گو تم اس وقت میری باتوں کی قدر نہ کرو۔ لیکن ابھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا' میری باتوں کی صداقت و حقانیت تم پر واضح ہو جائے گی۔ اس وقت ندامت و حسرت اور افسوس کرو گے لیکن وہ محض بے سود ہو گا۔ میں تو اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ میرا توکل اسی کی ذات پر ہے۔ میں تو اپنے ہر کام میں اسی سے مدد طلب کرتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تم سے الگ ہوں اور تمہارے کاموں سے نفرت کرتا ہوں۔ میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ اپنے بندوں کے تمام حالات سے دانا و بینا ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ
بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ ۚ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
غُدُوًّا وَّعَشِـيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ
اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔ میں اپنا معاملہ سپرد رب کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے ○ پس اسے اللہ تعالیٰ نے ان تمام بدیوں سے

محفوظ رکھ لیا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا ○ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، فرمان ہوگا کہ فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو ○

مستحق ہدایت جو ہیں، ان کی وہ رہنمائی کرے گا اور مستحقین ضلالت اس رہنمائی سے محروم رہیں گے، اس کا ہر کام حکمت والا اور اس کی ہر تدبیر اچھائی والی ہے۔ اس مومن کو اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کے مکر سے بچا لیا۔ دنیا میں بھی وہ محفوظ رہا یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس نے نجات پائی اور آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ رہا۔ باقی تمام فرعونی بدترین عذاب کا شکار ہوئے۔ سب دریا میں ڈبو دیئے گئے، پھر وہاں سے جہنم واصل کر دیئے گئے۔

ہر صبح شام ان کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں، قیامت تک یہ عذاب انہیں ہوتا رہے گا اور قیامت کے دن ان کی روحیں جسم سمیت جہنم میں ڈال دی جائیں گی اور اس دن ان سے کہا جائے گا کہ اے آل فرعون، سخت دردناک اور بہت زیادہ تکلیف دہ عذاب میں چلے جاؤ۔ یہ آیت اہل سنت کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ میں یعنی قبروں میں عذاب ہوتا ہے بہت بڑی دلیل ہے، ہاں یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بعض احادیث میں کچھ ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب برزخ کا علم رسول اللہ ﷺ کو مدینے شریف کی ہجرت کے بعد ہوا اور یہ آیت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کی روحیں صبح شام جہنم کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ عذاب ہر وقت جاری اور باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی کہ آیا یہ عذاب صرف روح کو ہی ہوتا ہے یا جسم کو بھی، اس کا علم اللہ کی طرف سے آپ کو مدینے شریف میں کرایا گیا اور آپ نے اسے بیان فرما دیا۔ پس حدیث و قرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر، روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ اب ان احادیث کو ملاحظہ فرمائیے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت گزار تھی۔ حضرت عائشہؓ جب کبھی اس کے ساتھ کچھ سلوک کرتی تو وہ دعا دیتی اور کہتی اللہ تجھے جہنم کے عذاب سے بچائے۔ ایک روز حضرت صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا، یا رسول اللہؐ کیا قیامت سے پہلے قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں تو یہ کس نے کہا؟ حضرت عائشہؓ نے اس یہودیہ عورت کا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا، یہود جھوٹے ہیں اور وہ تو اس سے زیادہ جھوٹ اللہ پر باندھا کرتے ہیں۔ قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک مرتبہ ظہر کے وقت کپڑا لپیٹے ہوئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور باآواز بلند فرما رہے تھے، قبر مانند سیاہ رات کی اندھیریوں کے ٹکڑوں کے ہے۔" لوگو! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو بہت زیادہ روتے اور بہت کم ہنستے۔ لوگو قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو، یقین مانو کہ عذاب قبر حق ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک یہودیہ عورت نے حضرت عائشہؓ سے کچھ مانگا جو آپؓ نے دیا اور اس نے وہ دعا دی۔ اس کے آخر میں ہے کہ کچھ دنوں بعد حضورؐ نے فرمایا، مجھے وحی کی گئی ہے کہ تمہاری آزمائش قبروں میں کی جاتی ہے۔

پس ان احادیث اور آیت میں ایک تطبیق تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آیت یُعْرَضُوْنَ سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کفار کو عالم برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مومن کو ہی اس کے بعض گناہوں کی وجہ سے اس کی قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ یہ صرف حدیث شریف میں ثابت ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک دن رسول اللہ ﷺ آئے۔ اس وقت ایک یہودیہ عورت مائی صاحبہؓ کے پاس بیٹھی تھی اور کہہ رہی تھی کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے؟ اسے سن کر حضورؐ کانپ گئے اور فرمایا، یہود ہی آزمائے جاتے ہیں۔ پھر چند دنوں بعد آپؐ نے فرمایا، لوگو! تم سب

قبروں کے فتنہ میں ڈالے جاؤ گے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام فتنۂ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت سے صرف روح کے عذاب کا ثبوت ملتا تھا۔ اس سے جسم تک اس عذاب کے پہنچنے کا ثبوت نہیں تھا۔ بعد میں بذریعہ وحی حضورؐ کو یہ معلوم کرایا گیا کہ عذاب قبر جسم و روح کو ہوتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے پھر اس سے بچاؤ کی دعا شروع کی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک یہودیہ عورت آئی اور اس نے کہا، عذاب قبر سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس پر صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں عذاب قبر برحق ہے۔ فرماتی ہیں، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضورؐ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اسے سنتے ہی یہودیہ عورت کی تصدیق کی۔ اور اوپر والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تکذیب کی تھی۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔ پہلے واقعے کے وقت چونکہ وحی سے آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا، آپ نے انکار فرما دیا۔ پھر معلوم ہو گیا تو آپ نے اقرار کیا، واللہ سبحان وتعالیٰ اعلم۔ قبر کے عذاب کا ذکر بہت سی صحیح احادیث میں آ چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، رہتی دنیا تک ہر صبح شام آل فرعون کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ بدکارو تمہاری اصلی جگہ یہی ہے تاکہ ان کے رنج و غم بڑھیں، ان کی ذلت و توہین ہو۔

پس آج بھی وہ عذاب میں ہی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں، وہ جنت میں جہاں کہیں چاہیں چلتی پھرتی ہیں اور مومنوں کے بچوں کی روحیں چڑیاؤں کے قالب میں ہیں اور جہاں وہ چاہیں، جنت میں چلتی رہتی ہیں اور عرش تلے کی قندیلوں میں آرام حاصل کرتی ہیں اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ صبح بھی جہنم کے پاس جاتی ہیں اور شام کو بھی یہی ان کا پیش ہونا ہے۔ معراج والی لمبی روایت میں ہے کہ پھر مجھے ایک بہت بڑی مخلوق کی طرف لے چلے جن میں سے ہر ایک کا پیٹ مثل بہت بڑے گھر کے تھا جو آل فرعون کے پاس قید تھے اور آل فرعون صبح شام آگ پر لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ان فرعونیوں کو سخت تر عذابوں میں لے جاؤ اور یہ فرعونی لوگ نکیل والے اونٹوں کی طرح منہ نیچے کئے پتھر اور درخت پر چڑھ رہے ہیں اور بالکل بے عقل و بے شعور ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو احسان کرے خواہ مسلم ہو خواہ کافر اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ دیتا ہے۔ ہم نے پوچھا، یا رسول اللہؐ کافر کو کیا بدلہ ملتا ہے؟ فرمایا، اگر اس نے صلہ رحمی کی ہے یا صدقہ دیا ہے یا اور کوئی اچھا کام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اس کے مال میں، اس کی اولاد میں، اس کی صحت میں اور ایسی ہی اور چیزوں میں عطا فرماتا ہے۔ ہم نے پھر پوچھا اور آخرت میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا بڑے درجے سے کم درجے کا عذاب۔ پھر آپ نے اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ الخ، پڑھی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ذرا ہمیں یہ بتاؤ، ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے سفید پرندوں کا غول کا غول سمندر سے نکلتا ہے اور اس کے مغربی کنارے اڑتا ہوا صبح کے وقت جاتا ہے، اس قدر زیادتی کے ساتھ کہ ان کی تعداد کوئی گن نہیں سکتا۔ شام کے وقت ایسا ہی جھنڈ کا جھنڈ واپس آتا ہے لیکن اس وقت ان کے رنگ بالکل سیاہ ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، تم نے اسے خوب معلوم کر لیا۔ ان پرندوں کے قالب میں آل فرعون کی روحیں ہیں جو صبح شام آگ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں، پھر اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ ان کے پر جل گئے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ سیاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر رات کو وہ اگ جاتے ہیں اور سیاہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ یہی حالت ان کی دنیا میں ہے اور قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اس آل

فرعون کو سخت عذابوں میں داخل کر دو۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد چھ لاکھ کی ہے جو فرعونی فوج تھی۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جب کبھی کوئی مرتا ہے ہر صبح شام اس کی جگہ اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور اگر وہ جہنمی ہے تو جہنم۔ اور کہا جاتا ہے کہ تیری اصل جگہ یہ ہے جہاں تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھیجے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ہے۔

وَاِذْ يَتَحَاۗجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا
اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ
النَّارِ ۝۴۷ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ
حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝۴۸ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ
ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝۴۹ قَالُوْٓا
اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا
فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۵۰ ع ۱۲ ۱۰

جبکہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ جو تابع تھے تکبر والوں سے جن کے یہ تابع تھے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے۔ تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ ○ وہ بڑے لوگ جواب دیں گے کہ ہم تو سبھی اس آگ میں ہی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے ○ تمام جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے ○ وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزے لے کر نہیں آئے تھے یہ کہیں گے ہاں آئے تھے تو وہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض بے اثر و بے راہ ہے ○

دوزخیوں کے لئے ایک اور عذاب: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۰) جہنمی لوگ جہنم کے اور عذابوں کو برداشت کرتے ہوئے ایک اور عذاب کے بھی شکار ہوں گے جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ یہ عذاب فرعون کو بھی ہوگا اور دوسرے دوزخیوں کو بھی یعنی آپس میں تھوکنا تذلیل اور لڑائی جھگڑے۔ چھوٹے بڑوں سے یعنی تابعداری کرنے اور حکم احکام کے ماننے والے جن کی بڑائی اور بزرگی کے قائل تھے اور جن کی باتیں تسلیم کیا کرتے تھے اور جن کے کہے ہوئے پر عامل تھے ان سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تو آپ کے تابع فرمان رہے۔ جو آپ نے کہا ہم بجالاتے۔ کفر اور گمراہی کے احکام بھی جو آپ کی بارگاہ سے صادر ہوئے آپ کے تقدس اور علم و فضل سرداری اور حکومت کی بنا پر ہم سب کو مانتے رہے اب یہاں آپ ہمیں کچھ تو کام آیئے۔ ہمارے عذابوں کا ہی کوئی حصہ اپنے اوپر اٹھا لیجئے یہ رؤسا اور امرا سادات اور بزرگ جواب دیں گے کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ جل بھن رہے ہیں۔ ہمیں جو عذاب ہو رہے ہیں وہ کیا کم ہیں جو ہم تمہارے عذاب اٹھائیں؟ اللہ کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ رب فیصلے صادر فرما چکا ہے۔ ہر ایک کو اس کے بداعمال کے مطابق سزا دے چکا ہے۔ اب اس میں کمی ناممکن ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ہر ایک کے لئے بڑھا چڑھا عذاب گو تم نہ سمجھو۔ جب اہل دوزخ سمجھ لیں گے کہ اللہ ان کی دعا قبول نہیں فرماتا بلکہ کان بھی نہیں لگاتا بلکہ انہیں ڈانٹ دیا ہے اور فرما چکا ہے کہ یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام بھی نہ کرو تو وہ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے جو وہاں کے ایسے ہی پاسبان ہیں جیسے دنیا کے جیل خانوں کے نگہبان داروغے اور محافظ سپاہ ہوتے ہیں۔ ان سے کہیں گے کہ تم ہی ذرا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ کسی ایک دن ہی وہ ہمارے عذاب ہلکے کر دے وہ انہیں جواب دیں گے کہ کیا رسولوں کی زبانی احکام ربانی دنیا میں تمہیں پہنچے نہ تھے؟ یہ کہیں

گے، ہاں پہنچے تھے۔ تو فرشتے کہیں گے، پھر اب تم آپ ہی اللہ سے کہہ سن لو۔ ہم تو تمہاری طرف سے کوئی عرض اس کی جناب میں کر نہیں سکتے۔ بلکہ ہم خود تم سے بیزار اور تمہارے دشمن ہیں، سنو ہم تمہیں کہے دیتے ہیں کہ خواہ تم دعا کرو خواہ تمہارے لئے اور کوئی دعا کرے، ناممکن ہے کہ تمہارے عذابوں میں کمی ہو۔ کافروں کی دعا نامقبول اور مردود ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ
الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ
اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًی وَّذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے ○ جس دن ظالموں کو ان کی عذر معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لئے اس گھر کی خرابی ہی ہوگی ○ ہم نے موسیٰ کو ہدایت نامہ عطا فرمایا اور بنو اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا ○ کہ وہ ہدایت و نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے ○

رسولوں اور اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں مدد کی بشارت: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۴) آیت میں رسولوں کی مدد کرنے کا اللہ کا وعدہ ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ان کی قوموں نے قتل کر دیا، جیسے حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب صلوات اللہ علیہم وسلامہ، اور بعض انبیاء کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ہجرت کرائی۔ پھر کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وعدہ پورا کیوں نہیں ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہاں گو عام خبر ہے لیکن مراد بعض سے ہے، اور یہ لغت میں عموماً پایا جاتا ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد خاص افراد ہوں۔ دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو۔ پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے ایذا پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔

چنانچہ حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب علیہم السلام کے قاتلوں پر اللہ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور انہوں نے انہیں زیر و زبر کر ڈالا، ان کے خون کی ندیاں بہا دیں اور انہیں نہایت ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔ نمرود مردود کا مشہور واقعہ دنیا جانتی ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی، ان پر جناب باری عزیز و حکیم نے رومیوں کو غالب کر دیا اور ان کے ہاتھوں ان کی سخت ذلت و اہانت ہوئی۔ اور ابھی قیامت کے قریب جب آپ اتریں گے تب دجال کے ساتھ ان یہودیوں کی جو اس کے لشکری ہوں گے، قتل کریں گے اور امام عادل اور حاکم باانصاف بن کر تشریف لائیں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ باطل کر دیں گے۔ بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان مدد اور یہی دستور قدرت ہے جو پہلے سے ہے اور اب تک جاری ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی دنیوی امداد بھی فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں سے خود انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے، جو شخص میرے نبیوں سے دشمنی کرے، اس نے مجھے لڑائی کے لئے طلب کیا۔

دوسری حدیث میں ہے، میں اپنے دوستوں کی طرف سے بدلہ ضرور لے لیا کرتا ہوں جیسے کہ شیر بدلہ لیتا ہے۔ اسی بنا پر اس مالک

الملک نے قوم نوح سے، عاد سے، ثمودیوں سے، اصحاب الرس سے، قوم لوط سے، اہل مدین سے اور ان جیسے ان تمام لوگوں سے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور حق کا خلاف کیا تھا، بدلہ لیا۔ ایک ایک کو چن چن کر تباہ و برباد کیا اور جتنے مومن ان میں تھے، ان سب کو بچا لیا۔ امام سدیؒ فرماتے ہیں، جس قوم میں اللہ کے رسولؑ آئے یا ایماندار بندے انہیں پیغام الٰہی پہنچانے کے لئے کھڑے ہوئے اور اس قوم نے ان نبیوں کی یا ان مومنوں کی بے حرمتی کی اور انہیں مارا پیٹا، قتل کیا، ضرور بالضرور اسی زمانے میں عذاب الٰہی ان پر برس پڑے۔ نبیوں کے قتل کے بدلے لینے والے اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی طرح ان کے خون سے پیاسی زمین کو سیراب کیا۔ پس گو انبیاء اور مومنین یہاں قتل کئے گئے لیکن ان کا خون رنگ لایا اور ان کے دشمنوں کا بھس کی طرح بھرکس نکال دیا۔ ناممکن ہے کہ ایسے بندگان خاص کی امداد و اعانت نہ ہو اور ان کے دشمنوں سے پورا انتقام نہ لیا گیا ہو۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (۵۵) اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ
اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ
بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (۵۶)

پس اے نبی تو صبر کر۔ اللہ کا وعدہ بلاشک و شبہ سچا ہی ہے۔ تو اپنے گناہ کی معافی مانگتا رہ اور صبح شام اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ ○ جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے آیات الٰہی میں جھگڑے کیا کرتے ہیں، ان کے دلوں میں بجز نری بڑائی کے اور کچھ نہیں، وہ اس شان تک پہنچنے والے ہی نہیں، سو تو اللہ کی پناہ مانگتا رہ، بیشک وہ پورا سننے والا اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے ○

اشرف الانبیاء حبیب اللہ ﷺ کے حالات زندگی دنیا اور دنیا والوں کے سامنے ہیں کہ اللہ نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو غلبہ دیا اور دشمنوں کی تمام تر کوششوں کو بے نتیجہ رکھا۔ ان تمام پر آپؐ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ آپؐ کے کلمے کو بلند و بالا کیا، آپؐ کا دین دنیا کے تمام ادیان پر چھا گیا۔ قوم کی زبردست مخالفتوں کے وقت اپنے نبی کو مدینے پہنچا دیا اور مدینے والوں کو سچا جاں نثار بنا کر پھر مشرکین کا سارا زور بدر کی لڑائی میں ڈھا دیا۔ ان کے کفر کے تمام وزنی ستون اس لڑائی میں اکھیڑ دیئے۔ سرداران مشرک یا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن کر نامرادی کے ساتھ گردن جھکائے نظر آنے لگے، قید و بند میں جکڑے ہوئے ذلت و اہانت کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں کسی کے ہاتھوں پر اور کسی کے پاؤں پر دوسرے کی گرفت تھی۔ اللہ کی حکمت نے ان پر پھر احسان کیا اور ایک مرتبہ پھر موقعہ دیا، فدیہ لے کر آزاد کر دیئے گئے لیکن پھر بھی جب مخالفت رسولؐ سے باز نہ آئے اور اپنے کرتوتوں پر اڑے رہے تو وہ وقت بھی آیا کہ جہاں سے نبیؐ کو چھپ چھپا کر رات کے اندھیرے میں پاپیادہ ہجرت کرنی پڑی تھی، وہاں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور گردن پر ہاتھ باندھے دشمنان رسولؐ سامنے لائے گئے۔ اور بلاد حرم کی عظمت و عزت رسولؐ محترم کی وجہ سے پوری ہوئی اور تمام شرک و کفر اور ہر طرح کی بے ادبیوں سے اللہ کا گھر پاک صاف کر دیا گیا۔

بالاخر یمن بھی فتح ہوا اور پورا جزیرہ عرب قبضہ رسولؐ میں آ گیا۔ اور جوق در جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ پھر رب العالمین نے اپنے رسول رحمتہ اللعالمین کو اپنی طرف بلا لیا اور وہاں کی کرامت و عظمت سے اپنی مہمانداری میں رکھ کر نوازا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کے نیک نہاد صحابہؓ کو آپؐ کا جانشین بنایا جو محمدیؐ جھنڈا لئے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید کی طرف اللہ کی مخلوق کو

بلانے لگے - جو روڑا راہ میں آیا' اسے الگ کیا - جو خار چمن میں نظر پڑا' اسے کاٹ ڈالا - گاؤں گاؤں' شہر شہر' ملک ملک دعوت اسلام پہنچا دی' جو مانع ہوا' اسے منع کا مزہ چکھایا - اسی ضمن میں مشرق و مغرب میں سلطنت اسلامی پھیل گئی - زمین پر اور زمین والوں کے جسموں پر ہی صحابہ کرام نے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کے دلوں پر بھی فتح پائی' اسلامی نقوش دلوں میں جما دیئے اور سب کو کلمہ توحید کے نیچے جمع کر دیا - دین محمدؐ نے زمین کا چپہ چپہ اور کونا کونا اپنے قبضے میں کر لیا - دعوت محمدؐیہ بہرے کانوں تک بھی پہنچ چکی - صراط محمدیؐ اندھوں نے بھی دیکھ لیا - اللہ اس پاکباز جماعت کو ان کی اولوالعزمیوں کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے - آمین!

الحمدللہ آج تک اللہ کا دین غالب و منصور ہے - آج تک مسلمانوں میں حکومت و سلطنت موجود ہے - آج تک ان کے ہاتھوں میں اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا کلام موجود ہے - اور آج تک ان کے سروں پر رب کا ہاتھ ہے - اور قیامت تک یہ دین مظفر و منصور ہی رہے گا' جو اس کے مقابلے پر آئے گا' منہ کی کھائے گا - اور پھر کبھی منہ نہ دکھائے گا - یہی مطلب ہے اس مبارک آیت کا - قیامت کے دن بھی دینداروں کی مدد و نصرت ہو گی اور بہت بڑی اور بہت اعلیٰ پیمانے تک -

گواہوں سے مراد فرشتے ہیں - دوسری آیت میں یوم بدل ہے پہلی آیت کے اسی لفظ سے - بعض قراءتوں میں یوم ہے تو یہ گویا پہلے یوم کی تفسیر ہے - ظالموں سے مراد مشرک ہیں - ان کا عذر و فدیہ قیامت کے دن مقبول نہ ہو گا - وہ رحمت رب سے اس دن دور دھکیل دیئے جائیں گے - ان کے لئے برا گھر یعنی جہنم ہو گا - ان کی عاقبت خراب ہو گی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے ہدایت و نور بخشا - بنی اسرائیل کا انجام بہتر کیا - فرعون کے مال و زمین کا انہیں وارث بنایا کیونکہ یہ اللہ کی اطاعت اور اتباع رسولؐ میں ثابت قدمی کے ساتھ سختیاں برداشت کرتے رہے تھے - جس کتاب کے یہ وارث ہوئے' وہ عقلمندوں کے لئے سرتاپا باعث ہدایت و عبرت تھی' اے نبیؐ آپ صبر کیجئے - اللہ کا وعدہ سچا ہے' آپ کا ہی بول بالا ہو گا' انجام کے لحاظ سے آپ والے ہی غالب رہیں گے - رب اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا' بلاشک وشبہ دین الٰہی اونچا ہو کر ہی رہے گا - تو اپنے رب سے استغفار کرتا رہ - آپ کو حکم دے کر دراصل آپ کی امت کو استغفار پر آمادہ کرنا ہے - دن کے آخری اور رات کے انتہائی وقت خصوصیت کے ساتھ رب کی پاکیزگی اور تعریف بیان کیا کر' جو لوگ باطل پر جم کر حق کو ہٹا دیتے ہیں' دلائل کو غلط بحث سے ٹال دیتے ہیں' ان کے دلوں میں بجز تکبر کے اور کچھ نہیں' ان میں اتباع حق سے سرکشی ہے - یہ رب کی باتوں کی عزت جانتے ہی نہیں - لیکن جو تکبر اور جو خودی اور جو اپنی اونچائی وہ چاہتے ہیں' وہ انہیں ہرگز حاصل نہیں ہونے کی - ان کے مقصود باطل ہیں - ان کے مطلوب لاحاصل ہیں - اللہ کی پناہ طلب کر کہ ان جیسا حال کسی بھلے آدمی کا نہ ہو اور ان نخوت پسند لوگوں کی شرارت سے بھی اللہ کی پناہ چاہا کر - یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے - یہ کہتے تھے کہ دجال انہی میں سے ہو گا اور اس کے زمانے میں یہ زمانے کے بادشاہ ہو جائیں گے -

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کیا کر - وہ سمیع و بصیر ہے - لیکن آیت کو یہودیوں کے بارے میں نازل شدہ بتانا اور دجال کی بادشاہی اور اس کے فتنے سے پناہ کا حکم' یہ سب چیزیں تکلف سے پر ہیں - مانا کہ یہ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے مگر یہ قول ندرت سے خالی نہیں - ٹھیک یہی ہے کہ عام ہے - واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم -

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا

مَّا تَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ

النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؕ اِنَّ

الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ ع ٦ ١٠ ١١

آسمان وزمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ بے علم ہیں ○ اندھا اور دیکھتا برابر نہیں، نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کئے۔ بدکاروں کے برابر ہیں۔ تم بہت کم نصیحت حاصل کر رہے ہو ○ قیامت بالیقین اور بے شبہ آنے والی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے لوگ نہ مانیں ○ تمہارے رب کا فرمان سرزد ہو چکا ہے کہ مجھ سے دعا کرتے رہو۔ میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماتا رہوں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے ○

انسان کی دوبارہ پیدائش کے دلائل: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۹) اللہ تعالیٰ قادر مطلق فرماتا ہے کہ مخلوق کو وہ قیامت کے دن نئے سرے سے ضرور زندہ کرے گا جبکہ اس نے آسمان وزمین جیسی زبردست مخلوق کو پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کرنا یا اسے بگاڑ کر بنانا اس پر کیا مشکل ہے؟ اور آیت میں ارشاد ہے کہ کیا ایسی بات اور اتنی واضح حقیقت بھی جھٹلائے جانے کے قابل ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کر دیا اور اس اتنی بڑی چیز کی پیدائش سے نہ وہ تھکا نہ عاجز ہوا، اس پر مردوں کا جلانا کیا مشکل ہے؟ ایسی صاف دلیل بھی جس کے سامنے جھٹلانے کی چیز ہو، اس کی معلومات یقیناً نوحہ کرنے کے قابل ہیں۔ اس کی جہالت میں کیا شک ہے؟ جو ایسی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکے؟ تعجب ہے کہ بڑی سے بڑی چیز تو تسلیم کی جائے اور اس سے بہت چھوٹی چیز کو محال محض مانا جائے، اندھے اور دیکھنے والے کا فرق ظاہر ہے۔ ٹھیک اسی طرح مسلم و مجرم کا فرق ہے۔ اکثر لوگ کس قدر کم نصیحت قبول کرتے ہیں، یقین مانو کہ قیامت کا آنا حتمی ہے۔ پھر بھی اس کی تکذیب کرنے اور اسے باور نہ کرنے سے بیشتر لوگ باز نہیں آتے۔ ایک یمنی شیخ اپنی سنی ہوئی روایت بیان کرتے ہیں، قرب قیامت کے وقت لوگوں پر بلائیں برس پڑیں گی اور سورج کی حرارت سخت تیز ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

دعا کی ہدایت اور قبولیت کا وعدہ: ☆☆ (آیت: ٦٠) اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس احسان پر قربان جائیں کہ وہ ہمیں دعا کی ہدایت کرتا ہے اور قبولیت کا وعدہ فرماتا ہے۔ امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے، اے وہ اللہ جسے وہ بندہ بہت ہی پیارا لگتا ہے جو بکثرت اس سے دعائیں کیا کرے اور وہ بندہ اسے سخت برا معلوم ہوتا ہے جو اس سے دعا نہ کرے۔ اے میرے رب یہ صفت تو صرف تیری ہی ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

اَللّٰهُ یَغْضَبُ اِنْ تَرَکْتَ سُؤَالَهٗ   وَبَنِیّ اٰدَمَ حِیْنَ یُسْاَلُ یَغْضَبُ

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کی کسی امت کو نہیں دی گئیں بجز نبی کے۔ دیکھو ہر نبی کو اللہ کا فرمان یہ ہوا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے۔ لیکن تمام لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا ہے۔ اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں حرج نہیں۔ لیکن اس امت سے فرمایا گیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج

نہیں۔ ہر نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار' میں تیری پکار قبول کروں گا لیکن اس امت کو فرمایا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا۔ (ابن ابی حاتم)

ابو یعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے فرمایا چار خصلتیں ہیں جن میں سے ایک میرے لئے ہے' ایک تیرے لئے' ایک تیرے اور میرے درمیان اور ایک تیرے درمیان اور میرے دوسرے بندوں کے درمیان۔ جو خاص میرے لئے ہے وہ تو یہ کہ تو صرف میری ہی عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ اور جو تیرا حق مجھ پر ہے' وہ یہ کہ تیرے ہر عمل خیر کا بھرپور بدلہ میں تجھے دوں گا۔ اور جو تیرے میرے درمیان ہے' وہ یہ کہ تو دعا کر اور میں قبول کیا کروں اور چوتھی خصلت جو تیرے اور میرے اور دوسرے بندوں کے درمیان ہے' وہ یہ کہ تو ان کے لئے وہ چاہ جو اپنے لئے پسند رکھتا ہے۔ مسند احمد میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ دعا عین عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اور حاکمؒ بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

مسند میں ہے' جو شخص اللہ سے دعا نہیں کرتا' اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی موت کے بعد ان کی تلوار کے درمیان میں سے ایک پرچہ نکلا جس میں تحریر تھا کہ تم اپنے رب کی رحمتوں کے مواقع کو تلاش کرتے رہو۔ بہت ممکن ہے کہ کسی ایسے وقت تم دعائے خیر کرو کہ اس وقت رب کی رحمت جوش میں ہو اور تمہیں وہ سعادت مل جائے جس کے بعد کبھی بھی حسرت و افسوس نہ کرنا پڑے۔ آیت میں عبادت سے مراد دعا اور توحید ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں جمع کئے جائیں گے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کے اوپر ہوگی' انہیں بولس نامی جہنم کے جیل خانے میں ڈالا جائے گا اور بھڑکتی ہوئی سخت آگ ان کے سروں پر شعلے مارے گی۔ انہیں جہنمیوں کا لہو' پیپ اور پاخانہ پیشاب پلایا جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے' ایک بزرگ فرماتے ہیں' میں ملک روم میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے بہ آواز بلند کہہ رہا ہے۔ اے اللہ! اس پر تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے تیرے سوا دوسرے کی ذات سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ اے اللہ! اس پر بھی تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے۔ پھر ذرا ٹھہر کر ایک پرزور آواز اور لگائی اور کہا' پورا تعجب اس شخص پر ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے وہ کام کرتا ہے جن سے تو ناراض ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں۔ تو ان کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں۔ اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے فائدے کے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۱
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۶۲ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۶۳

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات بنا دی کہ تم اس میں آرام حاصل کرو اور دن کو دکھلانے والا بنا دیا' بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گذاری

نہیں کرتے ○ یہی اللہ ہے تم سب کا پالنے پوسنے والا، ہر چیز کا خالق- اس کے سوا کوئی معبود نہیں ○ پھر کس طرح تم پھرے جاتے ہو؟ اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

احسانات وانعامات کا تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۶۱-۶۲) اللہ تعالیٰ احسان بیان فرماتا ہے کہ اس نے رات کو سکون وراحت کی چیز بنائی اور دن کو روشن چمکیلا تا کہ ہر شخص کو اپنے کام کاج میں، سفر میں، طلب معاش میں سہولت ہو- اور دن بھر کا کسل اور تھکان رات کے سکون وآرام سے اتر جائے- مخلوق پر اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل وکرم کرنے والا ہے- لیکن اکثر لوگ رب کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں- ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اور یہ راحت وآرام کے سامان مہیا کر دینے والا ہی اللہ واحد ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہے- اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، نہ اس کے سوا اور کوئی مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے-

پھر تم کیوں اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو جو خود مخلوق ہیں- کسی چیز کو انہوں نے پیدا نہیں کیا بلکہ جن بتوں کی تم پرستش کر رہے ہو، وہ تو خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے ہیں- ان سے پہلے کے مشرکین بھی اسی طرح بہکے اور بے دلیل وحجت غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے- خواہش نفسانی کو سامنے رکھ کر اللہ کے دلائل کی تکذیب کی- اور جہالت کو آگے رکھ کر بہکتے بھٹکتے رہے- اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے قرارگاہ بنایا یعنی ٹھہری ہوئی اور فرش کی طرح بچھی ہوئی کہ اس پر تم اپنی زندگی گزارو، چلو پھرو، آؤ جاؤ- پہاڑوں کو اس پر گاڑ کر اسے ٹھہرا دیا کہ اب ہل جل نہیں سکتی- اس نے آسمان کو چھت بنایا جو ہر طرح محفوظ ہے- اسی نے تمہیں بہترین صورتوں میں پیدا کیا- ہر جوڑ ٹھیک ٹھاک اور نظر فریب بنایا- موزوں قامت، مناسب اعضا، سڈول بدن، خوبصورت چہرہ عطا فرمایا- نفیس اور بہتر چیزیں کھانے پینے کو دیں- پیدا کیا، بسایا، اس نے کھلایا پلایا، اس نے پہنایا اوڑھایا-

پس صحیح معنی میں خالق ورازق وہی رب العالمین ہے- جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ الخ یعنی لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا تا کہ تم بچو- اسی نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے بارش نازل فرما کر اس کی وجہ سے زمین سے پھل نکال کر تمہیں روزیاں دیں- پس تم ان باتوں کے جاننے کے باوجود اللہ کے شریک اوروں کو نہ بناؤ- یہاں بھی اپنی یہ صفتیں بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہی اللہ تمہارا رب ہے اور سارے جہان کا رب بھی وہی ہے- وہ بابرکت ہے- وہ بلندی، پاکیزگی، برتری اور بزرگی والا ہے- وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا- وہ زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں- وہی اول وآخر ظاہر وباطن ہے- اس کا کوئی وصف کسی دوسرے میں نہیں- اس کا نظیر یا برابر کوئی نہیں- تمہیں چاہیے کہ اس کی توحید کو مانتے ہوئے اس سے دعائیں کرتے رہو، اور اس کی عبادت میں مشغول رہو- تمام تر تعریفوں کا مالک اللہ رب العالمین ہی ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، اہل علم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے والے کو ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی پڑھنا چاہیے تا کہ اس آیت پر عمل ہو جائے- ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں، جب تو فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ پڑھے تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ لیا کر اور اس کے ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ لیا کر-

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہر نماز کے سلام کے بعد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ لَهُ النِّعْمَتُه وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کلمات کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے- (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً
وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾
قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے' پس بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے ○ سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔ جو زندہ ہے۔ جس کے سوا کوئی الوہیت والا نہیں' پس تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو' تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے ○ تو کہہ دے کہ مجھے ان کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو اس بنا پر کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کا تابع فرمان ہو جاؤں ○

رسول اللہ کی مشرکین کو دعوت توحید: ☆☆ (آیت:۶۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبیؐ! تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر کسی کی عبادت سے اپنی مخلوق کو منع فرما چکا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اس کی بہت بڑی دلیل اس کے بعد کی آیت ہے جس میں فرمایا کہ اسی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ نے تمہیں مٹی سے' پھر نطفے سے' پھر خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت میں نکالا۔ ان تمام حالات کو وہی بدلتا رہا۔ پھر اسی نے بچپن سے جوانی تک تمہیں پہنچایا۔ وہی جوانی کے بعد بڑھاپے تک لے جائے گا۔ یہ سب کام اسی ایک کے حکم تقدیر اور تدبیر ہوتے ہیں۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کی جائے؟ بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچے پنے میں ہی گر جاتے ہیں۔ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض بچپن میں' بعض جوانی میں' بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ چنانچہ اور جگہ قرآن پاک میں ہے وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ یعنی ہم ماں کے پیٹ میں ٹھہراتے ہیں جب تک چاہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ تا کہ تم وقت مقررہ تک پہنچ جاؤ۔ اور تم سوچو سمجھو۔ یعنی اپنی حالتوں کے اس انقلاب سے تم ایمان لے آؤ کہ اس دنیا کے بعد بھی تمہیں نئی زندگی میں ایک روز کھڑا ہونا ہے' وہی زندگی دینے والا اور مارنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی موت و زیست پر قادر نہیں۔ اس کے کسی حکم کو' کسی فیصلے کو' کسی تقرر کو' کسی ارادے کو کوئی توڑنے والا نہیں۔ جو وہ چاہتا ہے' ہو کر ہی رہتا ہے' اور جو وہ نہ چاہے' ناممکن ہے کہ وہ ہو جائے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ
عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفّٰى مِن قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوٓا اَجَلًا مُّسَمًّى
وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ ع ٧ ٨ ١٢
يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾

جس نے تمہیں مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پھر تمہیں بچہ کر کے نکالتا ہے۔ پھر تمہیں بڑھاتا ہے کہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ۔ پھر بوڑھے بڑے ہو جاؤ۔ تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں، وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سوچ سمجھ لو ○ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مار ڈالتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے ○ کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، وہ کس طرح پھیر دیئے جاتے ہیں ○ جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا، انہیں ابھی ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی ○

کفار کو عذاب جہنم اور طوق و سلاسل کی وعید: ☆☆ (آیت: ۶۹-۷۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! کیا تمہیں ان لوگوں پر تعجب نہیں ہوتا جو اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنے باطل کے سہارے حق سے اڑتے ہیں؟ تم نہیں دیکھ رہے کہ کس طرح ان کی عقلیں ماری گئی ہیں؟ اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو کیسے بری طرح چمٹ گئے ہیں؟ پھر ان بدکردار کفار کو ڈرا رہا ہے کہ ہدایت و بھلائی کو جھوٹ جاننے والے، کلام اللہ اور کلام رسول کے منکر اپنا انجام ابھی دیکھ لیں گے۔ جیسے فرمایا جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے جبکہ گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی اور داروغہ جہنم گھسیٹے گھسیٹے پھر رہے ہوں گے۔ کبھی حمیم میں اور کبھی جحیم میں۔ گرم کھولتے ہوئے پانی میں سے گھسیٹے جائیں گے اور آگ جہنم میں جھلسائے جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے یہ ہے، وہ جہنم جسے گنہگار لوگ جھوٹا جانا کرتے تھے۔ اب یہ اس کے اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان مارے مارے پریشان پھرا کریں۔ اور آیتوں میں ان کا زقوم کھانا اور گرم پانی پینا بیان فرما کر فرمایا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَا اِلَى الْجَحِيْمِ کہ پھر ان کی بازگشت تو جہنم ہی کی طرف ہے۔

سورۂ واقعہ میں اصحاب شمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، بائیں ہاتھ والے کس قدر برے ہیں؟ وہ آگ میں ہیں اور گرم پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہے نہ سود مند، آگے چل کر فرمایا، اے بہکے ہوئے جھٹلانے والو البتہ سینڈ کا درخت کھاؤ گے۔ اسی سے اپنے پیٹ بھرو گے۔ پھر اس پر جلتا جلتا پانی پیو گے اور اس طرح جس طرح تونس والا اونٹ پیتا ہے۔ آج انصاف کے دن ان کی مہمانی یہی ہوگی۔ اور جگہ فرمایا ہے مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ الخ یعنی یقیناً گنہگاروں کا کھانا زقوم کا درخت ہے جو مثل پگھلے ہوئے تانبے کے ہے جو پیٹوں میں کھولتا رہتا ہے۔ جیسے تیز گرم پانی۔ اسے پکڑو اور دھکیلتے ہوئے بیچوں بیچ جہنم میں پہنچاؤ۔ پھر اس کے سر پر تیز گرم جلتے جلتے پانی کا عذاب بہاؤ، لے چکھ تو بڑا ہی ذی عزت اور بڑی ہی تعظیم و تکریم والا شخص تھا۔ جیسے تم شک و شبہ میں تھے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک طرف سے تو وہ یہ دکھ سہ رہے ہوں گے جن کا بیان ہوا اور دوسری جانب سے انہیں ذلیل و خوار، سیاہ و ناہنجار کرنے کے لئے بطور استہزاء اور تمسخر کے، بطور ڈانٹ اور ڈپٹ کے، بطور حقارت اور ذلت کے ان سے یہ کہا جائے گا جس کا ذکر ہوا۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي
الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ
مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ
نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾
ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا
كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ
مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی' گھسیٹے جائیں گے ○ کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے ○ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریک کرتے تھے ○ وہ کہاں ہیں جو اللہ کے سوا تھے؟ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے بہک گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی نہ تھے' اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے ○ یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے نہ ساتے تھے اور بے جا اتراتے پھرتے تھے۔ اب آؤ جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے ○ اس کے دروازوں میں چلے جاؤ' کیا ہی بری اور ذلیل جگہ ہے تکبر کرنے والوں کے لئے ○

ابن ابی حاتم کی ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک جانب سے سیاہ ابر اٹھے گا جسے جہنمی دیکھیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ ابر کو دیکھتے ہوئے دنیا کے انداز پر کہیں گے کہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ برسے۔ وہیں اس میں سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے برسنے لگیں گے جس کے شعلے انہیں جلائیں جھلسائیں گے اور وہ طوق و سلاسل ان کے طوق و سلاسل کے ساتھ اضافہ کر دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ کیوں جی' دنیا میں اللہ عزوجل کے سوا جن جن کو پوجتے رہے' وہ سب آج کہاں ہیں؟ کیوں وہ تمہاری مدد کو نہیں آئے؟ کیوں تمہیں یوں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہاں وہ تو سب آج ناپید ہو گئے' وہ تھے ہی بے سود۔ پھر انہیں کچھ خیال آئے گا اور کہیں گے' نہیں نہیں۔ ہم نے تو ان کی عبادت کبھی نہیں کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جب ان کے بنائے کچھ نہ بنے گی تو صاف انکار کر دیں گے اور جھوٹ بول دیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اللہ ہمیں تیری قسم' ہم مشرک نہ تھے۔ یہ کفار اسی طرح بیکاری میں کھوئے رہتے ہیں' ان سے فرشتے کہیں گے' یہ بدلہ ہے اس کا جو دنیا میں بے وجہ گردن اکڑائے اکڑتے پھرتے تھے۔ تکبر و جبر پر چست کمر رہتے تھے' لو اب آ جاؤ جہنم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاؤ' اب ہمیشہ یہیں پہ رہنا' تم جیسے اترانے والوں کی ہی یہ بد منزل اور بری جائے قرار ہے۔ جس قدر تکبر کئے تھے' اتنے ہی ذلیل و خوار آج بنو گے۔ جتنے ہی بلند گئے تھے' اتنے ہی گرو گے۔ واللہ اعلم۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ
اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ
قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ

عَلَیْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ۸ ع ۱۰ ۱۲

پس تو صبر کر اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے۔ انہیں ہم نے جو وعدے دے رکھے ہیں' ان میں سے کچھ ہم تجھے دکھائیں تو یا یونہی تجھے ہم فوت کر لیں تو ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے ○ یقیناً ہم تجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے واقعات ہم تجھے سنا چکے ہیں اور ان سے بعض کے قصے تو ہم نے تجھے سنائے ہی نہیں۔ کسی رسول کا یہ مقدور نہ تھا کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا سکے۔ پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا' حقانیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس جگہ اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے ○

اللہ کے وعدے قطعاً حق ہیں: ☆☆ (آیت: ۷۷-۷۸) اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو صبر کا حکم دیتا ہے کہ جو تیری نہیں مانتے' تجھے جھوٹا کہتے ہیں تو ان کی ایذاؤں پر صبر و برداشت کر۔ ان سب پر فتح و نصرت تجھے ملے گی۔ انجام کار ہر طرح تیرے ہی حق میں بہتر رہے گا۔ تو اور تیرے یہ ماننے والے ہی تمام دنیا پر غالب ہو کر رہیں گے اور آخرت تو صرف تمہاری ہی ہے۔ پس یا تو ہم اپنے وعدے کی بعض چیزیں تجھے تیری زندگی میں دکھا دیں گے اور یہی ہوا بھی' بدر والے دن کفر کا دھڑ اور سر توڑ دیا گیا' قریشیوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ بالآخر مکہ فتح ہوا اور آپؐ دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ تمام جزیرہ عرب آپؐ کے زیرنگیں نہ ہو گیا اور آپؐ کے دشمن آپ کے سامنے ذلیل و خوار نہ ہوئے اور آپ کی آنکھیں رب نے ٹھنڈی نہ کر دیں' یا اگر ہم تجھے فوت ہی کر لیں تو بھی ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے۔ ہم انہیں آخرت کے دردناک سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ پھر مزید تسلی کے طور پر فرما رہا ہے کہ تجھ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تیرے سامنے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے قصے ہم نے بیان بھی نہیں کئے جیسے سورۂ نساء میں بھی فرمایا گیا ہے۔ پس جن کے قصے مذکور ہیں' دیکھ لو کہ قوم سے ان کی کیسی کچھ ٹھنی اور بعض کے واقعات ہم نے بیان نہیں کئے وہ بہ نسبت ان کے بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کہ ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر کے موقعہ پر بیان کر دیا ہے وللّٰه الحمد والمنه۔

پھر فرمایا یہ ناممکن ہے کہ کوئی رسول اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادات دکھائے۔ ہاں اللہ عزوجل کے حکم کے بعد کیونکہ رسول کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب اللہ کا عذاب آ جاتا ہے' پھر تکذیب و تردید کرنے والے کفار بچ نہیں سکتے۔ مومن نجات پا لیتے ہیں اور باطل پرست باطل کار تباہ ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ
صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ
اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور بھی تمہارے لئے ان میں بہت سے نفع ہیں اور اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو انہی پر سواری کر کے تم حاصل کرتے ہو اور ان چوپایوں اور کشتیوں پر سوار کرائے جاتے ہو ○ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے۔ پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں سے منکر بنتے رہو گے؟ ○

ہر مخلوق خالق کائنات پر دلیل ہے: ☆☆ (آیت:۷۹-۸۱) اَنْعَام یعنی اونٹ، گائے، بکری اللہ تعالیٰ نے انسان کے طرح طرح کے نفع کے لئے پیدا کئے ہیں۔ سواریوں کے کام آتے ہیں، کھائے جاتے ہیں۔ اونٹ سواری کا کام بھی دے، کھایا بھی جائے، دودھ بھی دے، بوجھ بھی ڈھوئے اور دور دراز کے سفر آسانی سے کرا دے۔ گائے کا گوشت کھانے کے کام بھی آئے، دودھ بھی دے۔ ہل بھی جتے، بکری کا گوشت بھی کھایا جائے اور دودھ بھی پیا جائے۔ پھر ان سب کے بال بیسیوں کاموں میں آئیں۔ جیسے کہ سورۂ انعام، سورۂ نحل وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں بھی یہ منافع بطور انعام گنوائے جا رہے ہیں، دنیا جہان میں اور اس کے گوشے گوشے میں اور کائنات کے ذرے ذرے میں اور خود تمہاری جانوں میں اس اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی ان گنت نشانیوں میں سے ایک کا بھی کوئی شخص صحیح معنی میں انکاری نہیں ہو سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ضد اور اکڑ سے کام لے اور آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا
فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾
فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ
يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ
فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ۹ ع ۷ ۱۴

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا انجام نہیں دیکھا جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے، قوت میں سخت تھے، زمین پر بہت ساری یادگاریں چھوڑی تھیں، ان کے کئے کاموں نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا ○ جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے۔ بالآخر جس چیز کو مذاق میں اڑا رہے تھے وہی ان پر الٹ پڑی ○ ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ واحد پر ہم ایمان لائے اور جن جن کو ہم اللہ کا شریک بنا رہے تھے ہم نے ان سب سے کفر کیا ○ لیکن ہمارے عذاب کے معائنہ کے بعد کے ایمان نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے۔ اس جگہ کافر خراب وخستہ ہوئے ○

نزول عذاب کے وقت کا ایمان بے فائدہ ہے: ☆☆ (آیت:۸۲-۸۵) اللہ تعالیٰ ان اگلے لوگوں کی خبر دے رہا ہے جو رسولوں کو اس سے پہلے جھٹلا چکے ہیں۔ ساتھ ہی بتاتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا کچھ انہوں نے بھگتا؟ باوجودیکہ وہ قوی تھے، زیادہ تھے، زمین میں نشانات عمارتیں وغیرہ بھی زیادہ رکھنے والے تھے اور بڑے مالدار تھے لیکن کوئی چیز ان کے کام نہ آئی۔ کسی نے اللہ کے عذاب کو نہ دفع کیا نہ کم کیا، نہ ٹالا نہ ہٹایا۔ یہ تھے ہی غارت کئے جانے کے قابل کیونکہ جب ان کے پاس اللہ کے قاصد صاف صاف دلیلیں، روشن حجتیں، کھلے معجزات، پاکیزہ تعلیمات لے کر آئے تو انہوں نے آنکھ بھر کر دیکھا تک نہیں، اپنے پاس کے علوم پر مغرور ہو گئے۔ اور رسولوں کی تعلیم کی حقارت کرنے

لگے۔ کہنے لگے' ہم ہی زیادہ عالم ہیں۔ حساب کتاب' عذاب ثواب کوئی چیز نہیں۔ اپنی جہالت کو علم سمجھ بیٹھے۔ پھر تو اللہ کا وہ عذاب آیا کہ ان کے بنائے کچھ نہ بنی اور جسے جھٹلاتے تھے' جس پر ناک بھوں چڑھاتے تھے' جسے مذاق میں اڑاتے تھے' اسی نے انہیں تہس نہس کر دیا' پھر کس بل نکال ڈالا' تہہ و بالا کر دیا' روئی کی طرح دھن دیا اور بھوسے کی طرح اڑا دیا۔ اللہ کے عذابوں کو آتا ہوا بلکہ آیا ہوا دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا اور توحید تسلیم بھی کر لی۔ اور غیر اللہ سے صاف انکار بھی کیا' لیکن اس وقت کی نہ توبہ قبول نہ ایمان قبول نہ اسلام مسلم۔ فرعون نے بھی غرق ہوتے ہوئے کہا تھا کہ میرا اس اللہ جل شانہ پر ایمان ہے جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے۔ میں اس کے سوا کسی کو لائق عبادت نہیں مانتا' میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اب ایمان لانا بے سود ہے۔ بہت نافرمانیاں اور شرانگیزیاں کر چکے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس سرکش کے لئے یہی بددعا کی تھی کہ اے اللہ جل شانہ' آل فرعون کے دلوں کو اس قدر سخت کر دے کہ عذاب الیم دیکھ لینے تک انہیں ایمان نصیب نہ ہو۔ پس یہاں بھی فرمان باری ہے کہ عذابوں کا معائنہ کرنے پر ایمان کی قبولیت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ یہ اللہ کا حکم عام ہے۔ جو بھی عذابوں کو دیکھ کر توبہ کرے' اس کی توبہ نامقبول ہے۔ حدیث شریف میں ہے' غرغرے سے پہلے تک کی توبہ قبول ہے۔ جب دم سینے میں اٹکا' روح حلقوم تک پہنچ گئی' فرشتوں کو دیکھ لیا' اب کوئی توبہ نہیں۔ اسی لئے آخر میں ارشاد فرمایا کہ کفار ٹوٹے اور گھاٹے میں ہی ہیں۔ الحمد للہ سورۂ مومن کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ فصلت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٣ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ

اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝٤ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ

مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ

حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝٥

رحم کرم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی طرف سے ○ کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے۔ قرآن عربی زبان ہے۔ اس قوم کے لئے جو جانتی ہے ○ خوشخبری سنانے والا اور دھمکانے والا' پھر بھی ان کے اکثروں نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں ○ اور کہتے ہیں کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے' ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے' اچھا اب تو اپنا کام کئے جا۔ ہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں ○

ہر معجز قرآن کے باوجود ہدایت نہ پائی: ☆☆ (آیت: ۱-۵) فرماتا ہے کہ یہ عربی کا قرآن اللہ رحمان کا اتارا ہوا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا' اسے تیرے رب کے حکم سے روح الامین نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور آیت میں ہے' روح الامین نے اسے تیرے دل پر اس لئے نازل فرمایا ہے کہ تو لوگوں کو آگاہ کرنے والا بن جائے۔ اس کی آیتیں مفصل ہیں' ان کے معانی ظاہر ہیں' احکام مضبوط ہیں' الفاظ واضح اور آسان ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ الخ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم و مفصل ہیں۔ یہ کلام ہے

حکیم وخبیر اللہ جل شانہ کا- لفظ کے اعتبار سے معجز اور معنی کے اعتبار سے معجز- باطل اس کے قریب پھٹک بھی نہیں سکتا- حکیم وحمید رب کی طرف سے اتارا گیا ہے- اس بیان و وضاحت کو ذی علم سمجھ رہے ہیں- یہ ایک طرف مومنوں کو بشارت دیتا ہے- دوسری جانب مجرموں کو دھمکاتا ہے- کفار کو ڈراتا ہے- باوجود ان خوبیوں کے پھر بھی اکثر قریشی منہ پھیرے ہوئے اور کانوں میں روئی دیئے بہرے ہوئے ہیں- پھر مزید ڈھٹائی دیکھو کہ خود کہتے ہیں کہ تیری پکار سننے میں ہم بہرے ہیں- تیرے اور ہمارے درمیان آڑ ہے- تیری باتیں نہ ہماری سمجھ میں آئیں نہ عقل میں سمائیں- جا تو اپنے طریقے پر عمل کرتا چلا جا- ہم اپنا طریقہ کار ہرگز نہ چھوڑیں گے- ناممکن ہے کہ ہم تیری مان لیں- مسند عبد بن حمید میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جمع ہو کر آپس میں مشاورت کی کہ جادو' کہانت اور شعر شاعری میں جو سب سے زیادہ ہو' اسے ساتھ لے کر اس شخص کے پاس چلیں (یعنی آنحضرت ﷺ) جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے اور ہمارے کام میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمارے دین میں عیب نکالنا شروع کر دیا ہے- وہ اس سے مناظرہ کرے اور اسے ہرا دے اور لاجواب کر دے- سب نے کہا کہ ایسا شخص تو ہم میں بجز عتبہ بن ربیعہ کے اور کوئی نہیں-

چنانچہ یہ سب مل کر عتبہ کے پاس آئے اور اپنی متفقہ خواہش ظاہر کی- اس نے قوم کی بات رکھ لی اور تیار ہو کر حضورؐ کے پاس آیا- آ کر کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) یہ تو بتا' تو اچھا ہے یا عبداللہ؟ (یعنی آپ کے والد صاحب) آپ نے کوئی جواب نہ دیا- اس نے دوسرا سوال کیا کہ تو اچھا ہے یا تیرا دادا عبدالمطلب؟ حضورؐ اس پر بھی خاموش رہے- وہ کہنے لگا' سن اگر تو اپنے تئیں دادوں کو اچھا سمجھتا ہے تب تو تمہیں معلوم ہے' وہ انہی معبودوں کو پوجتے رہے جن کو ہم پوجتے ہیں اور جن کی تو عیب گیری کرتا رہتا ہے- اور اگر تو اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہے تو ہم سے بات کر' ہم بھی تیری باتیں سنیں- قسم اللہ کی' دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے تجھ سے زیادہ ضرر رساں پیدا نہیں ہوا- تو نے ہماری شیرازہ بندی کو توڑ دیا- تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق سے بدل دیا- تو نے ہمارے دین کو عیب دار بتایا اور اس میں برائی نکالی- تو نے سارے عرب میں ہمیں بدنام اور رسوا کر دیا- آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے- قریشیوں میں کاہن ہے- اب تو یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ ہم میں آپس میں سر پھٹول ہو' ایک دوسرے کے سامنے ہتھیار لگا کر آ جائیں اور یونہی لڑا بھڑا کر تو ہم سب کو فنا کر دینا چاہتا ہے- سن! اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو لے ہم سب مل کر تجھے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ عرب میں تیرے برابر کوئی اور تونگر نہ نکلے- اور تجھے عورتوں کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو' تو بتا ہم ایک چھوڑ دس دس شادیاں تیری کرا دیتے ہیں- یہ سب کچھ کہہ کر اب اس نے ذرا سانس لیا تو حضور ﷺ نے فرمایا' بس کہہ چکے؟ اس نے کہا' ہاں! آپؐ نے فرمایا' اب میری سنو! چنانچہ آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر اسی سورت کی تلاوت شروع کی اور تقریباً ڈیڑھ رکوع مِثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ تک پڑھا- اتنا سن کر عتبہ بول پڑا' بس کیجئے- بس کیجئے- آپ کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں؟ آپؐ نے فرمایا' نہیں- اب یہ یہاں سے اٹھ کر چل دیا- قریش کا مجمع اس کا منتظر تھا- انہوں نے دیکھتے ہی پوچھا' کہو کیا بات رہی؟ عتبہ نے کہا' سنو تم سب مل کر جو کچھ اسے کہہ سکتے تھے' میں نے اکیلے ہی وہ سب کچھ کہہ ڈالا-

انہوں نے کہا' پھر اس نے کچھ جواب بھی دیا' ہاں جواب تو دیا لیکن باللہ میں تو ایک حرف بھی اس کا سمجھ نہیں سکا البتہ اتنا سمجھا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کو عذاب آسمانی سے ڈرایا ہے جو عذاب قوم عاد اور قوم ثمود پر آیا تھا- انہوں نے کہا' تجھے اللہ کی مار' ایک شخص عربی زبان میں جو تیری اپنی زبان ہے' تجھ سے کلام کر رہا ہے اور تو کہتا ہے' میں سمجھا ہی نہیں کہ اس نے کیا کہا؟ عتبہ نے جواب دیا کہ میں سچ کہتا ہوں' بجز ذکر عذاب کے میں کچھ نہیں سمجھا- بغویؒ بھی اس روایت کو لائے ہیں- اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی تو عتبہ نے

آپؐ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور آپؐ کو قسمیں دینے لگا اور رشتے داری یاد دلانے لگا اور یہاں سے الٹے پاؤں واپس جا کر گھر میں بیٹھ رہا اور قریشیوں کی بیٹھک میں آنا جانا ترک کر دیا- اس پر ابوجہل نے کہا' قریشیو! میرا خیال تو یہ ہے کہ عتبہ بھی محمد (ﷺ) کی طرف جھک گیا اور وہاں کے کھانے پینے میں للچا گیا ہے- وہ حاجت مند تھا- اچھا تم میرے ساتھ ہو لو- میں اس کے پاس چلتا ہوں- اسے ٹھیک کر لوں گا- وہاں جا کر ابوجہل نے کہا' عتبہ تم نے جو ہمارے پاس آنا جانا چھوڑا' اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہی معلوم ہوتی ہے کہ تجھے اس کا دستر خوان پسند آ گیا اور تو بھی اسی کی طرف جھک گیا ہے- حاجت مندی بری چیز ہے- میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں چندہ کر کے تیری حالت ٹھیک کر دیں تاکہ اس مصیبت اور ذلت سے تو چھوٹ جائے- اس سے ڈرنے کی اور نئے مذہب کی تجھے ضرورت نہ رہے- اس پر عتبہ بہت بگڑا اور کہنے لگا' مجھے محمد (ﷺ) کی کیا غرض ہے؟ اللہ کی قسم کہ اب اس سے کبھی بات تک نہ کروں گا اور تم میری نسبت ایسے ذلیل خیالات ظاہر کرتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ قریش میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مالدار نہیں- بات صرف یہ ہے کہ میں تم سب کے کہنے سے ان کے پاس گیا' سارا قصہ کہہ سنایا' بہت باتیں کہیں- میرے جواب میں پھر جو کلام اس نے پڑھا' واللہ نہ تو وہ شعر تھا نہ کہانت کا کلام تھا نہ جادو وغیرہ تھا- وہ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے آیت فَاِنْ اَعْرَضُوْا الخ تک پہنچے تو میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں رشتے ناتے یاد دلانے لگا کہ للہ رک جاؤ- مجھے تو خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں اسی وقت ہم پر وہ عذاب آ نہ جائے اور یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) جھوٹے نہیں-

سیرۃ ابن اسحاق میں یہ واقعہ دوسرے طریق پر ہے- اس میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی اور آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے- عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں- انہیں کچھ سمجھاؤں اور کچھ لالچ دوں- اگر وہ کسی بات کو قبول کر لیں تو ہم انہیں دے دیں اور انہیں ان کے کام سے روک دیں- یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ حضرت حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی- سب قریشی اس پر رضامند ہوئے- یہ حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا' برادرزادے' تم عالی نسب ہو- تم ہم میں سے ہو' ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہو- افسوس کہ تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب و غریب چیز لائے ہو- تم نے ان میں پھوٹ ڈلوا دی- تم نے ان کے عقل مندوں کو بیوقوف قرار دیا- تم نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی- تم نے ان کے دین کو برا کہنا شروع کیا- تم نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر بنایا- اب سن لو' آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کے لئے آیا ہوں- میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں- ان میں سے جو آپ کو پسند ہو' قبول کیجئے- للہ اس فتنے کو ختم کر دیجئے- آپؐ نے فرمایا' جو تمہیں کہنا ہو' کہو' میں سن رہا ہوں' اس نے کہا سنو' اگر تمہارا ارادہ اس چال سے مال کے جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو- اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں- اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر خود رعایا بننے کے لئے بھی تیار ہیں- اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے ہیں- ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آ جاتا ہے تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے- اب عتبہ خاموش ہوا تو آپؐ نے فرمایا' اپنی سب کہہ چکے؟ کہا' ہاں' فرمایا' اب میری سنو- وہ متوجہ ہو گیا- آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر اس سورت کی تلاوت شروع کی- عتبہ باادب سنتا رہا یہاں تک کہ آپ نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا- پھر فرمایا' ابوالولید میں کہہ چکا-

اب تجھے اختیار ہے- عتبہ یہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا- اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا کہ عتبہ کا حال بدل گیا- اس سے پوچھا- کہو کیا بات رہی؟ اس نے کہا' میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا- واللہ! نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے- سنو قریشیو' میری مان لو اور میری اسی جچی تلی بات کو قبول کر لو- اسے اس کے خیالات پر چھوڑ دو- نہ اس کی مخالفت کرو نہ اتفاق- اس کی مخالفت میں سارا عرب کافی ہے اور جو یہ کہتا ہے' اس میں تمام عرب اس کا مخالف ہے- وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلہ میں صرف کر رہا ہے- یا تو وہ اس پر غالب آ جائیں گے- اگر وہ اس پر غالب آ گئے تو تم سستے چھوٹے یا یہ ان پر غالب آیا تو اس کا ملک تمہارا ہی ملک کہلائے گا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے- یہ سن کر قریشیوں نے کہا' ابو الولید قسم اللہ کی' محمدؐ نے تجھ پر جادو کر دیا- اس نے جواب دیا' میں اپنی جو رائے تھی آزادی سے کہہ چکا' اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶
الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸ ع ۸ ۱۵

تو کہہ دے کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں- مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے- سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو- ان مشرکوں کے لئے بڑی ہی خرابی ہے ○ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں ○ اور جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں' ان کے لئے اٹل اور ان تھک اجر ہے ○

حصول نجات اور اتباع رسول ﷺ: ☆☆ (آیت:۶-۸) اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ان جھٹلانے والے مشرکوں کے سامنے اعلان کر دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں- مجھے بذریعہ وحی الٰہی حکم دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے- تم جو متفرق اور کئی ایک معبود بنائے بیٹھے ہو' یہ طریقہ سراسر گمراہی والا ہے- تم ساری عبادتیں اسی ایک اللہ کے لئے بجا لاؤ- اور ٹھیک اسی طرح جس طرح تمہیں اس کے رسول سے معلوم ہو- اور اپنے اگلے گناہوں سے توبہ کرو- ان کی معافی طلب کرو- یقین مانو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے- یعنی بقول ابن عباسؓ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی شہادت نہیں دیتے- عکرمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں- قرآن کریم میں ایک جگہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا یعنی اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور وہ ہلاک ہوا جس نے اسے دبا دیا- اور آیت میں فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى یعنی اس نے نجات حاصل کر لی جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام ذکر کیا- پھر نماز ادا کی- اور جگہ ارشاد ہے هل لك الى ان تزكى کیا تجھے پاک ہونے کا خیال ہے؟ ان آیتوں میں زکوٰۃ یعنی پاکی سے مطلب نفس کو بیہودہ اخلاق سے دور کرنا ہے اور سب سے بڑی اور پہلی قسم اس کی شرک سے پاک ہونا ہے- اسی طرح آیت مندرجہ بالا میں بھی زکوٰۃ نہ دینے سے توحید کا نہ ماننا مراد ہے- مال کی زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے اور زیادتی اور برکت اور کثرت مال کا باعث بنتی ہے- اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کی توفیق ہوتی ہے- لیکن امام سدی' معاویہ بن قرہ' قتادہ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے- امام ابن جریرؒ بھی اسی

کومختار کہتے ہیں لیکن یہ قول تامل طلب ہے- اس لئے کہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے- مدینے میں جا کر ہجرت کے دوسرے سال- اور یہ آیت اتری ہے مکے شریف میں- زیادہ سے زیادہ اس تفسیر کو مان کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدقے اور زکوٰۃ کی اصل کا حکم تو نبوت کی ابتدا میں ہی تھا' جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ① جس دن کھیت کاٹو اس کا حق دے دیا کرو- ہاں وہ زکوٰۃ جس کا نصاب اور جس کی مقدار من جانب اللہ مقرر ہے' وہ مدینے میں مقرر ہوئی- یہ قول ایسا ہے جس سے دونوں باتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے- خود نماز کو دیکھئے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ابتداء نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی لیکن معراج والی رات ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پانچوں نمازیں باقاعدہ شروط وارکان کے ساتھ مقرر ہو گئیں- اور رفتہ رفتہ اس کے تمام متعلقات پورے کر دیئے گئے- واللہ اعلم-

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے کہ اللہ کے ماننے والوں اور نبیؐ کے اطاعت گزاروں کے لئے وہ اجر وثواب ہے جو دائی ہے اور کبھی ختم نہیں ہونے والا ہے- جیسے اور جگہ ہے مَاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں- اور فرماتا ہے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ انہیں جو انعام دیا جائے گا' وہ نہ ٹوٹنے والا اور مسلسل ہے- سدی کہتے ہیں' گویا وہ ان کا حق ہے جو انہیں دیا گیا نہ کہ بطور احسان ہے- لیکن بعض ائمہ نے اس کی تردید کی ہے- کیونکہ اہل جنت پر بھی اللہ کا احسان یقیناً ہے- خود قرآن میں ہے بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ یعنی بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ وہ تمہیں ایمان کی ہدایت کرتا ہے- جنتیوں کا قول ہے فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور آگ کے عذاب سے بچالیا- رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں' مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں لے لے اور اپنے فضل واحسان میں-

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ
لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ
مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ
سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ
لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ﴿۱۱﴾

تو کہہ دے کہ کیا تم اس اللہ کا انکار کرتے ہو اور تم اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی- سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے ○ اس نے زمین کے اوپر زمین میں سے ہی پہاڑ پیدا کر دیئے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں رہنے والوں کو غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی- صرف چار دن میں ہی سوال کرنے والوں کا جواب پورا ہوا ○ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں سا تھا- پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی' دونوں نے عرض کیا کہ ہم بخوشی حاضر ہیں ○

تخلیق کائنات کا مرحلہ وار ذکر: ☆☆ (آیت:۹-۱۱) ہر چیز کا خالق' ہر چیز کا مالک' ہر چیز پر حاکم' ہر چیز پر قادر صرف اللہ ہے- پس عبادتیں بھی صرف اسی کی کرنی چاہیں- اس نے زمین جیسی وسیع مخلوق کو اپنی کمال قدرت سے صرف دو دن میں پیدا کر دیا ہے- تمہیں نہ اس کے ساتھ کفر کرنا چاہیے نہ شرک- جس طرح سب کا پیدا کرنے والا وہی ایک ہے' ٹھیک اسی طرح سب کا پالنے والا بھی وہی ایک ہے- یہ

تفصیل یاد رہے کہ اور آیتوں میں زمین و آسمان کا چھ دن میں پیدا کرنا بیان ہوا ہے- اور یہاں اس کی پیدائش کا وقت الگ بیان ہو رہا ہے- پس معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی- عمارت کا قاعدہ یہی ہے کہ پہلے بنیادیں اور نیچے کا حصہ تیار کیا جاتا ہے- پھر اوپر کا حصہ اور چھت بنائی جاتی ہے- چنانچہ کلام اللہ شریف کی ایک اور آیت میں ہے' اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے' پیدا کر کے پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں ٹھیک سات آسمان بنا دیئے- ہاں سورۂ نازعات میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ہے- پہلے آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے- پھر فرمایا ہے کہ زمین کو اس کے بعد بچھایا- اس سے مراد زمین میں سے پانی چارہ نکالنا اور پہاڑوں کا گاڑنا ہے جیسے کہ اس کے بعد کا بیان ہے- یعنی پیدا پہلے زمین کی گئی' پھر آسمان' پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا- لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہیں- صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ قرآن کی بعض آیتوں میں مجھے کچھ اختلاف سا نظر آتا ہے- چنانچہ ایک آیت میں ہے فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآئَلُوْنَ یعنی قیامت کے دن آپس کے نسب نہ ہوں گے اور نہ ایک دوسرے سے سوال کرے گا- دوسری آیت میں ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَ لُوْنَ یعنی بعض آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھ گچھ کریں گے- ایک آیت میں ہے وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا یعنی اللہ سے کوئی بات چھپائیں گے نہیں-

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ
سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

پھر دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب وحی بھیج دی اور ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور نگہبانی کی- یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے ○

دوسری آیت میں ہے کہ مشرکین کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اللہ کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا- ایک آیت میں ہے' زمین کو آسمان کے بعد بچھایا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا دوسری آیت قُلْ اَئِنَّكُمْ الخ' میں پہلے زمین کی پیدائش' پھر آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے- ایک تو ان آیتوں کا صحیح مطلب بتایئے جس سے اختلاف اٹھ جائے- دوسرے یہ جو فرمایا ہے' كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا عَزِيْزًا حَكِيْمًا سَمِيْعًا بَصِيْرًا تو کیا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسا تھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جن دو آیتوں میں سے ایک میں آپس کا سوال جواب ہے اور ایک میں ان کا انکار ہے- یہ دو وقت ہیں' صور میں دو نفخے پھونکے جائیں گے- ایک کے بعد آپس کی پوچھ گچھ کچھ نہ ہوگی' ایک کے بعد آپس میں ایک دوسرے سے سوالات ہوں گے- جن دو دوسری آیتوں میں ایک میں بات کے نہ چھپانے کا اور ایک میں چھپانے کا ذکر ہے- یہ بھی دو موقعے ہیں- جب مشرکین دیکھیں گے کہ موحدوں کے گناہ بخش دیئے گئے تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہ تھے- لیکن جب منہ پر مہر لگ جائے گی اور اعضاء بدن گواہی دینے لگیں گے تو اب کچھ بھی نہ چھپے گا اور خود اپنے کرتوت کے اقراری ہو جائیں گے اور کہنے لگیں گے' کاش کہ ہم زمین کے برابر کر دیئے جاتے- آسمان و زمین کی پیدائش کی ترتیب کے بیان میں بھی دراصل کچھ اختلاف نہیں- پہلے دو دن میں زمین بنائی گئی- پھر آسمان کو دو دن میں بنایا گیا- پھر زمین کی چیزیں پانی' چارہ' پہاڑ' کنکر' ریت' جمادات' ٹیلے وغیرہ دو دن میں پیدا کئے- یہی معنی لفظ دَحٰهَا کے ہیں- پس زمین کی پوری پیدائش چار دن میں ہوئی اور دو دن میں آسمان- اور جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مقرر کئے ہیں' ان کا بیان فرمایا ہے- وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا- اللہ کا کوئی ارادہ پورا ہوئے بغیر نہیں رہتا- پس قرآن میں ہرگز اختلاف

نہیں- اس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے ہے-

زمین کو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پیدا کیا ہے یعنی اتوار اور پیر کے دن اور زمین میں زمین کے اوپر ہی پہاڑ بنا دیئے اور زمین کو اس نے بابرکت بنایا' تم اس میں بیج بوتے ہو' درخت اور پھل وغیرہ اس میں سے پیدا ہوتے ہیں- اور اہل زمین کو جن چیزوں کی احتیاج ہے' وہ اسی میں سے پیدا ہوتی رہتی ہیں- زمین کی یہ درستی منگل بدھ کے دن ہوئی- چار دن میں زمین کی پیدائش ختم ہوئی- جو لوگ اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے' انہیں پورا جواب مل گیا- زمین کے ہر حصے میں اس نے وہ چیز مہیا کر دی جو وہاں والوں کے لائق تھی- مثلاً عصب یمن میں- سابوری میں ابور میں- طیالسہ رے میں- یہی مطلب آیت کے آخری جملے کا ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی جو حاجت تھی' اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر دی- اس معنی کی تائید اللہ کے اس فرمان سے ہوتی ہے وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ تم نے جو جو مانگا' اللہ نے تمہیں دیا- واللہ اعلم-

پھر جناب باری نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی- وہ دھوئیں کی شکل میں تھا' زمین کے پیدا کئے جانے کے وقت پانی کے جو بخارات اٹھے تھے' اب دونوں سے فرمایا کہ یا تو میرے حکم کو مانو اور جو میں کہتا ہوں' ہو جاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مثلاً آسمانوں کو حکم ہوا کہ سورج' چاند' ستارے طلوع کرے' زمین سے فرمایا' اپنی نہریں جاری کر' اپنے پھل اگا وغیرہ- دونوں فرمانبرداری کے لئے راضی خوشی تیار ہو گئے- اور عرض کیا' ہم مع اس تمام مخلوق کے جسے تو رچانے والا ہے' تابع فرمان ہیں- اور کہا گیا ہے کہ انہیں قائم مقام کلام کرنے والوں کے لئے کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کے اس حصے نے کلام کیا جہاں کعبہ بنایا گیا ہے اور آسمان کے اس حصے نے کلام کیا جو ٹھیک اس کے اوپر ہے- واللہ اعلم-

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں' اگر آسمان و زمین اطاعت گزاری کا ارادہ نہ کرتے تو انہیں سزا ہوتی جس کا احساس بھی انہیں ہوتا- پس دو دن میں ساتوں آسمان اس نے بنا دیئے یعنی جمعرات اور جمعہ کے دن- اور ہر آسمان میں اس نے جو جو چیزیں اور جیسے جیسے فرشتے' مقرر کرنے چاہے مقرر فرما دیئے اور دنیا کے آسمان کو اس نے ستاروں سے مزین کر دیا جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں اور جو ان شیاطین کی نگہبانی کرتے ہیں جو ملاء اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں- یہ تدبیر و اندازہ اس اللہ کا قائم کردہ ہے جو سب پر غالب ہے- جو کائنات کے ایک ایک چپے کی ہر چھپی کھلی حرکت کو جانتا ہے- ابن جریرؒ کی روایت میں ہے' یہودیوں نے حضور ﷺ سے آسمان و زمین کی پیدائش کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اتوار اور پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور جتنے نفعات اس میں ہیں- اور بدھ کے دن درختوں کو' پانی کو' شہروں کو اور آبادی اور ویرانے کو پیدا کیا تو یہ چار دن ہوئے- اسے بیان فرما کر پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جمعرات والے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کو اور سورج چاند کو اور فرشتوں کو پیدا کیا- تین ساعت کے باقی رہنے تک- پھر دوسری ساعت میں ہر چیز میں آفت ڈالی جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیسری میں آدمؑ کو پیدا کیا- انہیں جنت میں بسایا- ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آخری ساعت میں وہاں سے نکال دیا- یہودیوں نے کہا' اچھا حضورؐ پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا' پھر عرش پر مستوی ہو گیا- انہوں نے کہا' سب تو ٹھیک کہا لیکن آخری بات یہ کہی کہ پھر آرام حاصل کیا- اس پر حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے اور یہ آیت اتری وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ یعنی ہم نے آسمان و زمین اور جو ان کے درمیان ہے' سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تکان نہیں ہوئی- تو ان کی باتوں پر صبر کر- یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میرا ہاتھ پکڑ کر رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا کیا' اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن رکھا' درخت پیر والے دن پیدا کئے' مکروہات کو منگل کے دن' نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور جانوروں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلا دیا اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور کل مخلوقات پوری ہوئی- مسلم اور نسائی میں یہ حدیث ہے لیکن یہ بھی غرائب صحیح میں سے ہے- اور امام بخاری نے تاریخ میں اسے معلل بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے بعض راویوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور انہوں نے اسے کعب احبارؒ سے روایت کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے-

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ
وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا
فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ
قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

اب بھی یہ روگرداں ہوں تو کہہ دے کہ میں تمہیں اس عذاب آسمانی سے ڈرا دیتا ہوں جو مثل عادیوں اور ثمودیوں کے عذاب کے ہوگا ○ ان کے پاس جب ان کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا- ہم تو تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں ○ اب عادیوں نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے' وہ ان سے بہت ہی زیادہ زور آور ہے- وہ آخر تک ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے ○

انبیاء کی تکذیب عذاب الٰہی کا سبب: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۵) حکم ہوتا ہے کہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں' آپ ان سے فرما دیجئے کہ میری تعلیم سے روگردانی تمہیں کسی نیک نتیجے پر نہیں پہنچائے گی- یاد رکھو کہ جس طرح انبیاء کی مخالف امتیں تم سے پہلے زیر وزبر کر دی گئیں' کہیں تمہاری شامت اعمال بھی تمہیں انہی میں سے نہ کر دے- قوم عاد اور قوم ثمود کے اور ان جیسے اوروں کے حالات تمہارے سامنے ہیں- ان کے پاس پے در پے رسول آئے' اس گاؤں میں' اس بستی میں' اللہ کے پیغمبر اللہ کی منادی کرتے پھرے لیکن ان کی آنکھوں پر وہ چربی چڑھی ہوئی تھی اور دماغ میں وہ گند ٹھسا ہوا تھا کہ کسی ایک کو بھی نہ مانا- اپنے سامنے اللہ والوں کی بہتری اور دشمنان رسولؐ کی بدحالی دیکھتے تھے لیکن پھر بھی تکذیب سے باز نہ آئے- حجت بازی اور کج بحثی سے نہ ہٹے اور کہنے لگے اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہوتا تو کسی اپنے فرشتے کو بھیجتا- تم انسان ہو کر رسول کریم بن بیٹھے؟ ہم تو اسے ہرگز باور نہ کریں گے؟ قوم عاد نے زمین میں فساد پھیلا دیا' ان کی سرکشی' ان کا غرور حد کو پہنچ گیا- ان کی لاابالیاں اور بے پرواہیاں یہاں تک پہنچ گئیں کہ پکار اٹھے' ہم سے زیادہ زور آور کوئی نہیں- ہم طاقتور' مضبوط اور ٹھوس ہیں' اللہ کے عذاب ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ اس قدر پھولے کہ اللہ کو بھول گئے- یہ بھی خیال نہ رہا کہ ہمارا پیدا کرنے والا اتنا قوی ہے کہ اس کی زور آوری کا اندازہ بھی ہم نہیں کر سکتے-

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى
وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۶ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا
الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۷ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۱۸ ع ۱۰

بالآخر ہم نے ان پر ایک تند و تیز آندھی مصیبت ناک دنوں میں بھیج دی کہ انہیں جیتے جی ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔ یقین مانو کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے۔ انہیں کوئی امداد نہ دی جائے گی ○ رہے ثمودی، سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی۔ پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھاپے کو ترجیح دی جس بنا پر انہیں سراپا ذلت کے عذاب آسمانی نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا ○ ہاں ایماندار پارساؤں کو ہم نے بال بال بچا لیا ○

جیسے فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ہم نے اپنے ہاتھوں آسمان کو پیدا کیا اور ہم بہت ہی طاقتور اور زور آور ہیں، پس ان کے اس تکبر پر اور اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے پر اور اللہ کی نافرمانی کرنے اور رب کی آیتوں کے انکار پر ان پر عذاب الٰہی آ پڑا۔ تیز و تند، سرد، دہشت ناک، سرسراتی ہوئی سخت آندھی آئی تاکہ ان کا غرور ٹوٹ جائے اور ہوا سے وہ تباہ کر دیئے جائیں۔ صَرْصَرًا کہتے ہیں، وہ ہوا جس میں آواز پائی جائے۔ مشرق کی طرف ایک نہر ہے جو بہت زور سے آواز کے ساتھ بہتی رہتی ہے اس لئے اسے بھی عرب صرصر کہتے ہیں۔ نَحِسَاتٍ سے مراد پے در پے، ایک دم، مسلسل، سات راتیں اور آٹھ دن تک یہی ہوائیں رہیں۔ وہ مصیبت جوان پر مصیبت والے دن آئی، وہ پھر آٹھ دن تک نہ ہٹی نہ ٹلی۔ جب تک ان میں سے ایک ایک کو فنا کے گھاٹ نہ اتار دیا اور ان کا بیج ختم نہ کر دیا۔ ساتھ ہی آخرت کے عذابوں کا لقمہ بنے جن سے زیادہ ذلت و توہین کی کوئی سزا نہیں۔ نہ دنیا میں کوئی ان کی امداد کو پہنچا نہ آخرت میں کوئی مدد کے لئے اٹھے گا۔ بے یار و مددگار رہ گئے، ثمودیوں کی بھی ہم نے رہنمائی کی۔ ہدایت کی ان پر وضاحت کر دی، انہیں بھلائی کی دعوت دی۔ اللہ کے نبی حضرت صالحؑ نے ان پر حق ظاہر کر دیا لیکن انہوں نے مخالفت اور تکذیب کی۔ اور نبی اللہ کی سچائی پر جس اونٹنی کو اللہ نے علامت بنایا تھا، اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ان پر بھی عذاب الٰہی برس پڑا۔ ایک زبردست کلیجے پھاڑ دینے والی چنگھاڑ اور دل پاش پاش کر دینے والے زلزلے نے ذلت و توہین کے ساتھ ان کے کرتوتوں کا بدلہ لیا۔ ان میں جتنے وہ لوگ تھے جنہیں اللہ کی ذات پر ایمان تھا، نبیوں کی تصدیق کرتے تھے، دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے تھے، انہیں ہم نے بچا لیا، انہیں ذرا سا بھی ضرر نہ پہنچا اور اپنے نبیؑ کے ساتھ ذلت و توہین سے اور عذاب الٰہی سے نجات پالی۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝۱۹ حَتّٰٓى اِذَا مَا
جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝۲۰ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا
اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

جس دن دشمنان رب دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اوران سب کو جمع کر دیا جائے گا ○ یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آ جائیں گے' ان پر ان کے کان اوران کی آنکھیں اوران کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی ○ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے' اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اوراسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○

انسان اپنا دشمن آپ ہے: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۱) یعنی ان مشرکوں سے کہو کہ قیامت کے دن ان کا حشر جہنم کی طرف ہوگا اور داروغہ جہنم ان سب کو جمع کریں گے۔ جیسے فرمان ہے وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا یعنی گنہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔ انہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا جائے گا اوران کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی۔ تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے۔ ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ یہ گناہ کیا' اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے' اللہ تعالیٰ کی حکم بجا آوری کے ماتحت' اس نے ہمیں بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہہ سنایا۔ وہی تو تمہارا ابتدأ پیدا کرنے والا ہے' اسی نے ہر چیز کو زبان عطا فرمائی ہے۔ خالق کی مخالفت اوراس کے حکم کی خلاف ورزی کون کرسکتا ہے؟

بزار میں ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ مسکرائے یا ہنس دیئے۔ پھر فرمایا تم میری ہنسی کی وجہ دریافت نہیں کرتے؟ صحابہؓ نے کہا' فرمایئے کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا' قیامت کے دن بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا۔ کہے گا کہ اے اللہ کیا تیرا وعدہ نہیں کہ تو ظلم نہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اقرار کرے گا تو بندہ کہے گا کہ میں تو اپنی بداعمالیوں پر کسی کی شہادت قبول نہیں کرتا۔ اللہ فرمائے گا' کیا میری اور میرے بزرگ فرشتوں کی شہادت ناکافی ہے؟ لیکن پھر بھی وہ بار بار اپنی ہی کہتا چلا جائے گا۔ پس اتمام حجت کے لئے اس کی زبان بند کر دی جائے گی اوراس کے اعضاء بدن سے کہا جائے گا کہ اس نے جو جو کیا تھا' اس کی گواہی تم دو۔ جب وہ صاف صاف اور سچی گواہی دے دیں گے تو یہ انہیں ملامت کرے گا اور کہے گا کہ میں تو تمہارے ہی بچاؤ کے لئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ (مسلم' نسائی وغیرہ)

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ
وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ
اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

تم اپنی بداعمالیاں کچھ پوشیدہ تو رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں۔ ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو' اس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے ○ تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی' تمہیں ہلاک کر دیا اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے ○ اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اوراگر یہ عذر و معافی کے خواستگار ہوں تو بھی معذور معاف نہیں رکھے جائیں گے ○

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' کافر و منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اس کے اعمال اس کے سامنے

پیش ہوں گے تو قسمیں کھا کھا کر انکار کرے گا اور کہے گا، اے اللہ تیرے فرشتوں نے وہ لکھ لیا ہے جو میں نے ہرگز نہیں کیا، فرشتے کہیں گے فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں عمل نہیں کیا؟ یہ کہے گا، اے اللہ تیری عزت کی قسم، میں نے ہرگز نہیں کیا- اب منہ پر مہر مار دی جائے گی اور اعضاء بدن گواہی دیں گے- سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی (ابن ابی حاتم)

ابو یعلی میں حضورؐ فرماتے ہیں، قیامت کے دن کافر کے سامنے ان کی بداعمالیاں لائی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا- اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں- یہ کہے گا سب جھوٹے ہیں- فرمائے گا، یہ ہیں تیرے کنبے قبیلے والے جو گواہ ہیں- کہے گا، یہ بھی سب جھوٹے ہیں- اللہ ان سے قسم دلوائے گا، وہ قسم کھائیں گے لیکن یہ انکار ہی کرے گا- سب کو اللہ چپ کرا دے گا اور خود ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی- پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائے گا- ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، قیامت کے دن ایک وقت تو وہ ہوگا کہ نہ کسی کو بولنے کی اجازت ہوگی نہ عذر معذرت کرنے کی- پھر جب اجازت دی جائے گی تو بولنے لگیں گے اور جھگڑے کریں گے اور انکار کریں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے- پھر گواہوں کو لایا جائے گا، آخر زبانیں بند ہو جائیں گی اور خود اعضاء بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ گواہی دیں گے- پھر زبانیں کھول دی جائیں گی تو اپنے اعضاء بدن کو ملامت کریں گے- وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی دی اور ہم نے صحیح صحیح کہا، پس زبانی اقرار بھی ہو جائے گا-

ابن ابی حاتم میں رافع ابوالحسنؒ سے مروی ہے کہ اپنے کرتوت کے انکار پر زبان اتنی موٹی ہو جائے گی کہ بولا نہ جائے گا- پھر جسم کے اعضا کو حکم ہوگا، تم بولو تو ہر ایک اپنا اپنا عمل بتا دے گا- کان، آنکھ، کھال، شرم گاہ، ہاتھ پاؤں وغیرہ- اور بھی اسی طرح کی بہت سی روایتیں سورہ یٰسین کی آیت اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں- جنہیں دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں- ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن ہم سے پوچھا، تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ- اس پر ایک نوجوان نے کہا، ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے- ان کے علماء کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کا گھڑا سر پر لئے ہوئے آ رہی تھی- انہی میں ایک جوان نے اسے دھکا دیا جس سے وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا- وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی، مکار تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی سجائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں گواہیاں دیں گے اور ایک ایک عمل کھل جائے گا- اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا- یہ سن کر حضورؐ فرمانے لگے، اس نے سچ کہا، اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے؟ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے-

ابن ابی الدنیا میں یہی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے- جب یہ اپنے اعضا کو ملامت کریں گے تو اعضاء جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہیں گے کہ تمہارے اعمال دراصل کچھ پوشیدہ نہ تھے- اللہ کے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے تم کفر و معاصی میں مستغرق رہتے تھے اور کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے- کیونکہ تم سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے بہت سے اعمال اس سے مخفی ہیں- اسی فاسد خیال نے تمہیں تلف اور برباد کر دیا اور آج کے دن تم برباد ہو گئے- مسلم، ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ میں کعبۃ اللہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا جو تین شخص آئے بڑے پیٹ اور کم عقل والے- ایک نے کہا، کیوں جی ہم جو بولتے چالتے ہیں، اسے اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا، اگر اونچی آواز سے بولیں تو سنتا ہے اور آہستہ آواز سے باتیں کریں تو نہیں سنتا- دوسرے نے کہا، اگر کچھ سنتا ہے تو سب سنتا ہوگا- میں نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا- اس پر آیت وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ الخ نازل ہوئی- عبدالرزاق میں ہے، مسند ہونے کے بعد

سے پہلے پاؤں اور ہاتھ بولیں گے۔ حضورؐ فرماتے ہیں' جناب باری عزاسمہ کا ارشاد ہے کہ میرے ساتھ میرا بندہ جو گمان کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ حضرت حسنؒ اتنا فرما کر کچھ تامل کر کے فرمانے لگے' جس کا جیسا گمان اللہ کے ساتھ ہوتا ہے' نیک ظن ہوتا ہے تو وہ اعمال بھی اچھے کرتا ہے اور کافر و منافق چونکہ اللہ کے ساتھ بدظن ہوتے ہیں' وہ اعمال بھی بد کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے' تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ کے ساتھ نیک ظن ہو۔ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ برے خیالات رکھے' اللہ نے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔ پھر یہی آیت آپ نے پڑھی آگ جہنم میں صبر سے پڑے رہنا اور بے صبری کرنا ان کے لئے یکساں ہے۔ نہ ان کے عذر معذرت مقبول نہ ان کے گناہ معاف۔ یہ دنیا کی طرف اگر لوٹنا چاہیں تو وہ راہ بھی بند۔ جیسے اور جگہ ہے' جہنمی کہیں گے' اے اللہ! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی۔ یقیناً ہم بے راہ تھے۔ اے اللہ اب تو یہاں سے نجات دے۔ اگر اب ایسا کریں تو پھر ہمیں ہمارے ظلم کی سزا دینا۔ لیکن جناب باری کی طرف سے جواب آئے گا کہ اب یہ منصوبے بے سود ہیں۔ دھتکارے ہوئے یہیں پڑے رہو۔ خبردار جو مجھ سے بات کی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۷ ۱۷
لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾
فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہم نے ان کے کچھ ہم نشین مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی قول اللہ کی ان امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنوں انسانوں کی گذر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاں کار ثابت ہوئے ○ کافروں نے کہا' اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے پڑھے جانے کے وقت بیہودہ گوئی کرو' کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ ○ پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ ضرور ضرور دیں گے ○

آداب قرآن حکیم : ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۷) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مشرکین کو اس نے گمراہ کر دیا ہے اور یہ اس کی مشیت اور قدرت سے ہے۔ وہ اپنے تمام افعال میں حکمت والا ہے۔ اس نے کچھ جن و انس ایسے ان کے ساتھ کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے بد اعمال انہیں اچھی صورت میں دکھائے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ دور ماضی کے لحاظ سے اور آئندہ آنے والے زمانے کے لحاظ سے بھی ان کے اعمال اچھے ہی ہیں۔ جیسے اور آیتیں ہیں وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ الخ ان پر کلمہ عذاب صادق آ گیا جیسے ان لوگوں پر جو ان سے پہلے ان جیسے تھے۔ نقصان اور گھاٹے میں یہ اور وہ یکساں ہو گئے کفار نے آپس میں مشورہ کر کے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ کلام اللہ کو نہیں مانیں گے نہ ہی اس کے احکام کی پیروی کریں گے۔ بلکہ ایک دوسرے سے کہہ رکھا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو شور و غل کرو اور اسے نہ سنو۔

تالیاں بجاؤ' سیٹیاں بجاؤ' آوازیں نکالو۔ چنانچہ قریشی یہی کرتے تھے۔ عیب جوئی کرتے تھے' انکار کرتے تھے۔ دشمنی کرتے تھے اور اسے اپنے غلبہ کا باعث جانتے تھے۔

یہی حال ہر جاہل کافر کا ہے کہ اسے قرآن کا سننا اچھا نہیں لگتا۔ اسی لئے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم فرمایا ہے کہ وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے' ان کافروں کو دھمکایا جا رہا ہے کہ قران کریم سے مخالفت کرنے کی بنا پر انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ اور ان کی بدعملی کا مزہ انہیں ضرور چکھایا جائے گا' ان اللہ کے دشمنوں کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کے لئے ہمیشہ کا گھر ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اس کے بعد کی آیت کا مطلب حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جن سے مراد ابلیس اور انس سے مراد حضرت آدمؑ کا وہ لڑکا ہے جس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ ابلیس تو ہر مشرک کو پکارے گا اور حضرت آدمؑ کا یہ لڑکا ہر کبیرہ گناہ کرنے والے کو پکارے گا۔ پس ابلیس شرک کی طرف اور تمام گناہوں کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا ہے اول رسول حضرت آدمؑ کا یہ لڑکا جو اپنے بھائی کا قاتل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے' روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے' اس کا گناہ حضرت آدمؑ کے اس پہلے فرزند پر بھی ہوتا ہے کیونکہ قتل بے جا کا شروع کرنے والا یہ ہے۔ پس کفار قیامت کے دن جن وانس جو انہیں گمراہ کرنے والے تھے' انہیں نیچے کے طبقے میں داخل کرانا چاہیں گے تا کہ انہیں سخت عذاب ہوں۔ وہ درک اسفل میں چلے جائیں اور ان سے زیادہ سزا بھگتیں۔ سورۂ اعراف میں بھی یہ بیان گزر چکا ہے کہ یہ ماننے والے جن کی مانتے تھے' ان کے لئے قیامت کے دن دوہرے عذاب کی درخواست کریں گے جس پر کہا جائے گا کہ ہر ایک دوگنے عذاب میں ہی ہے لیکن تم بے شعور ہو۔ یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق سزا ہو رہی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا يُفۡسِدُوۡنَ یعنی جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا' انہیں ہم ان کے فساد کی وجہ سے عذاب پر عذاب دیں گے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعۡدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمۡ فِيۡهَا دَارُ الۡخُلۡدِ ؕ جَزَآءًۢ
بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا رَبَّنَاۤ
اَرِنَا الَّذَيۡنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ نَجۡعَلۡهُمَا تَحۡتَ
اَقۡدَامِنَا لِيَكُوۡنَا مِنَ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ
ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا
تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾

دشمنان رب کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کا ہیشگی کا گھر ہے۔ یہ بدلہ ہے ہماری آیتوں سے انکار کرنے کا ○ کافر لوگ کہیں گے' اے اللہ ہمیں جنوں انسانوں کے ان دونوں فریق کو دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تا کہ ہم انہیں اپنے قدموں تلے ڈال کر انہیں نہایت اور سب سے نیچے کر دیں ○ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے' پھر اسی پر قائم رہے' ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو ○

استقامت اور اس کا انجام: ☆☆ (آیت: ۳۰) جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا' پھر اس پر جمے رہے یعنی فرمان الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی گزاری۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کر لیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جما رہا' وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی وغیرہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا ''اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں''۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا' استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا' تم نے اسے غلط سمجھا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کون سی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید الٰہی پر خاتمہ قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا' واللہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَنۡتَ رَبُّنَا فَارۡزُقۡنَا الۡاِ سۡتِقَامَةَ اے اللہ تو ہمارا رب ہے۔ ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے کہا ہے' ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلائیے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا' زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا' اچھا یہ تو عمل ہوا' اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپؐ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم وغیرہ) امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔

نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓـؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ۚ وَلَـكُمۡ فِيۡهَا مَا
تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَـكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَؕ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنۡ
غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ ﴿۳۲﴾

ع ۷ ۱۸

تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو' سب جنت میں موجود ہے ○ غفور ورحیم اللہ کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے ○

ان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو' بے خوف رہو۔ تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو' اس پر بھی کوئی غم و رنج نہ کرو۔ تمہارے اہل و عیال' مال و متاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو' تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا۔ وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔ حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں' اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی' چل اللہ کی بخشش' انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے' اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا' ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے' اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے

کہتے ہیں ڈر نہیں، گھبرا نہیں، غمگین نہ ہو، تو جنتی ہے، خوش ہو جا، تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے، پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا، آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہو گا۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکۂ رحمت اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے۔ ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے، تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے، خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے۔ قبر میں، حشر میں، میدان قیامت میں، پل صراط پر، غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے۔ وہاں جو تم چاہو گے، ملے گا۔ جو خواہش ہو گی، پوری ہو گی۔ یہ مہمانی، یہ عطا، یہ انعام، یہ ضیافت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعیدؒ نے پوچھا، کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا، ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا۔ اس کا عرش ظاہر ہو گا۔ وہ سب جنت کے باغیچے میں نور، لولو، یاقوت، زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے، جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کمتر نہیں، وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے لیکن اپنی جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک و تعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا، کیوں جناب باری، تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا۔ پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا، ہاں ٹھیک ہے۔ اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں، انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا، لے لے گا۔ خرید فروخت وہاں نہ ہو گی بلکہ انعام ہو گا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا، وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج و غم نہ ہو گا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے، وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گی اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ ترو تازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال و خوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے۔ ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے، اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے، اللہ بھی اس کی

ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا' یا رسول اللہ ہم تو موت کو مکروہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا' اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مومن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی بہت سی اسناد ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ
اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝٣٣ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ
بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ
حَمِیْمٌ ۝٣٤ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ
حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝٣٥ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝٣٦

اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں ○ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی' برائی کو بھلائی سے دفع کر۔ پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست ○ یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے ○ کوئی نہیں پا سکتا اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کر لیا کر۔ یقیناً وہ بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا محبوب انسان: ☆☆ (آیت:۳۳-۳۶) فرماتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیکی کرے' اسلام قبول کرے اس سے زیادہ اچھی بات اور کس کی ہو گی؟ یہ ہے جس نے اپنے تئیں نفع پہنچایا اور خلق اللہ کو بھی اپنی ذات سے نفع پہنچایا۔ یہ ان میں نہیں جو منہ کے بڑے باتونی ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کو کہتے تو ہیں مگر خود نہیں کرتے۔ یہ تو خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کہتا ہے۔ یہ آیت عام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے اولیٰ طور پر اس کے مصداق ہیں۔ بعض نے کہا ہے' اس کے مصداق اذان دینے والے ہیں جو نیک کار بھی ہوں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے' قیامت کے دن موذن سب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ سنن میں ہے' امام ضامن ہے اور موذن امانتدار ہے۔ اللہ تعالیٰ اماموں کو راہ راست دکھائے اور موذنوں کو بخشے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں' اذان دینے والوں کا حصہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل جہاد کرنے والوں کے حصے کے ہے۔ اذان و اقامت کے درمیان ان کی وہ حالت ہے جیسے کوئی جہاد میں راہ اللہ میں اپنے خون میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' اگر میں موذن ہوتا تو پھر مجھے حج و عمرے اور جہاد کی اتنی زیادہ پرواہ نہ رہتی۔ حضرت عمرؓ سے منقول ہے' اگر میں موذن ہوتا تو میری آرزو پوری ہو جاتی اور میں رات کے نفلی قیام کی اور دن کے نفلی روزوں کی اس قدر تگ و دو نہ کرتا۔ میں نے سنا ہے' اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار موذنوں کی بخشش کی دعا مانگی۔ اس پر میں نے کہا' حضورؐ آپ نے اپنی دعا میں ہمیں یاد نہ فرمایا حالانکہ ہم اذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں' آپ نے فرمایا' ہاں! لیکن اے عمرؓ ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ موذنی غریب مسکین لوگوں تک رہ جائے گی۔ سنو عمرؓ' جن لوگوں کا گوشت پوست جہنم پر حرام ہے' ان

میں موذن ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، اس آیت میں بھی موذنوں کی تعریف ہے، اس کا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہنا اللہ کی طرف بلانا ہے۔ ابن عمرؓ اور عکرمہؒ فرماتے ہیں، یہ آیت موذنوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ عمل صالح کرتا ہے، اس سے مراد اذان و تکبیر کے درمیان دو رکعت پڑھنا ہے۔ جیسے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے، دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، دو اذانوں کے درمیان نماز ہے جو چاہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی۔

صحیح بات یہ ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے موذن و غیر موذن ہر اس شخص کو شامل ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے۔ یہ یاد رہے کہ آیت کے نازل ہونے کے وقت تو سرے سے اذان شروع ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ آیت مکے میں اترتی ہے اور اذان مدینے پہنچ جانے کے بعد مقرر ہوئی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے اپنے خواب میں اذان دیتے دیکھا اور سنا اور حضورؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا، حضرت بلالؓ کو سکھاؤ۔ وہ بلند آواز ہیں۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ اس میں موذن بھی شامل ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں، یہی لوگ حبیب اللہ ہیں۔ یہی اولیاء اللہ ہیں۔ یہی سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ یہی سب سے زیادہ اللہ کے محبوب ہیں کہ انہوں نے اللہ کی باتیں مان لیں۔ پھر دوسروں سے منوانے لگے اور اپنے ماننے میں نیکیاں کرتے رہے، اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے رہے یہاں اللہ کے خلیفہ ہیں، بھلائی اور برائی، نیکی اور بدی برابر برابر نہیں بلکہ ان میں بے حد فرق ہے۔ جو تجھ سے برائی کرے، تو اس سے بھلائی کر اور اس کی برائی کو اس طرح دفع کر۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ تیرے بارے میں جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے، تو تو اس کے بارے میں اللہ کی فرماں برداری کر، اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کرنے سے تیرا جانی دشمن دلی دوست بن جائے گا، اس وصیت پر عمل اسی سے ہوگا جو صابر ہو، نفس پر اختیار رکھتا ہو۔ اور ہو بھی نصیب دار کہ دین و دنیا کی بہتری اس کی تقدیر میں ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایمان والوں کو اللہ کا حکم ہے کہ وہ غصے کے وقت صبر کریں اور دوسرے کی جہالت پر اپنی بردباری کا ثبوت دیں۔ اور دوسرے کی برائی سے درگزر کر لیں۔ ایسے لوگ شیطانی داؤ سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کے دشمن بھی پھر تو ان کے دوست بن جاتے ہیں یہ ہے نسانی شر سے بچنے کا طریقہ۔

اب شیطانی شر سے بچنے کا طریقہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ کی طرف جھک جایا کرو، اسی نے اسے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ دل میں وساوس پیدا کرے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ نبی ﷺ اپنی نماز میں فرماتے تھے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ۔ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس مقام جیسا ہی مقام صرف سورۂ اعراف میں ہے۔ جہاں ارشاد ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ اور سورۂ مومنین کی آیت اِدْفَعْ بِالَّتِیْ الخ میں حکم ہوا ہے کہ درگذر کرنے کی عادت ڈالو اور اللہ کی پناہ میں آ جایا کرو۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا کرو وغیرہ۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا
لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ
يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔـمُوْنَ ۝۳۸ وَمِنْ

اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا
الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹

دن رات اور سورج چاند بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہیں- تم سورج کو یا چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ سجدہ اس اللہ کے سامنے کرو جو ان سب کا پیدا کرنے والا ہے- اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے ○ تو پھر بھی اگر یہ جی چرائیں تو وہ فرشتے جو اللہ کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور کسی وقت بھی نہیں اکتاتے ○ اس اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے- پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے- جس نے اسے زندہ کر دیا' وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کر دے گا- بیشک وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

مخلوق کو نہیں' خالق کو سجدہ کرو: ☆☆ (آیت: ۳۷-۳۹) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی عظیم الشان قدرت اور بے مثال طاقت دکھاتا ہے کہ وہ جو کرنا چاہے' کر ڈالتا ہے' سورج چاند' دن رات اس کی قدرت کاملہ کے نشانات ہیں- رات کو اس کے اندھیروں سمیت' دن کو اس کے اجالوں سمیت اس نے بنایا ہے- کیسے یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں- سورج کی روشنی اور چمک کو' چاند کو اور اس کی نورانیت کو دیکھ لو- ان کی بھی منزلیں اور آسمان مقرر ہیں- ان کے طلوع و غروب سے دن رات کا فرق ہو جاتا ہے- مہینے اور برسوں کی گنتی معلوم ہو جاتی ہے جس سے عبادات' معاملات اور حقوق کی باقاعدہ ادائیگی ہوتی ہے- چونکہ آسمان و زمین میں زیادہ خوبصورت اور منور سورج اور چاند تھا' اس لئے انہیں خصوصیت سے اپنا مخلوق ہونا بتایا- اور فرمایا کہ اگر اللہ کے بندے ہو تو سورج چاند کے سامنے ماتھا نہ ٹیکنا اس لئے کہ وہ مخلوق ہیں اور مخلوق سجدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتی- سجدہ کئے جانے کے لائق وہ ہے جو سب کا خالق ہے- پس تم اللہ کی عبادت کئے چلے جاؤ- لیکن اگر تم نے اللہ کے سوا اس کی کسی مخلوق کی بھی عبادت کر لی تو تم اس کی نظروں سے گر جاؤ گے اور پھر تو وہ تمہیں کبھی نہ بخشے گا- جو لوگ صرف اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ کسی اور کی بھی عبادت کر لیتے ہیں' وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے عابد وہی ہیں- وہ اگر اس کی عبادت چھوڑ دیں گے تو اور کوئی اس کا عابد ہی نہیں رہے گا- نہیں نہیں' اللہ ان کی عبادتوں سے محض بے پرواہ ہے- اس کے فرشتے دن رات اس کی پاکیزگی کے بیان اور اس کی خالص عبادتوں میں بے تھکے اور بن اکتائے ہر وقت مشغول ہیں- جیسے اور آیت میں ہے' اگر یہ کفر کریں تو ہم نے ایک قوم ایسی بھی مقرر کر رکھی ہے جو کفر نہ کرے گی- حضور ﷺ فرماتے ہیں' رات دن کو' سورج چاند کو اور ہوا کو برا نہ کہو- یہ چیزیں بعض لوگوں کے لئے رحمت ہیں اور بعض کے لئے زحمت' اس کی اس قدرت کی نشانی کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے' اگر دیکھنا چاہتے ہو تو مردہ زمین کا بارش سے جی اٹھنا دیکھ لو کہ وہ خشک' چٹیل اور بے گھاس پتوں کے بغیر ہوتی ہے- مینہ برستے ہی کھیتیاں' پھل' سبزہ' گھاس اور پھول وغیرہ اگ آتے ہیں اور وہ ایک عجیب انداز سے اپنے سبزے کے ساتھ لہلہانے لگتی ہے' اسے زندہ کرنے والا ہی تمہیں بھی زندہ کرے گا- یقین مانو کہ وہ جو چاہے اس کی قدرت میں ہے-

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ
يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا
مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ
الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ
مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ
لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ
عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

جولوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں، وہ کچھ ہم سے مخفی نہیں۔ بتلاؤ تو جو آگ میں ڈالا جائے، وہ اچھا ہے یا وہ جو امن وامان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟ جو تم چاہو کرتے چلے جاؤ اور تمہارا سب کیا کرایا دیکھ رہا ہے ○ جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس سے کفر کیا (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں) یہ بڑی باوقعت کتاب ہے ○ جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے، خوبیوں والے اللہ کی ○ تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے رسولوں سے بھی کہا گیا ہے۔ یقیناً تیرا پروردگار معافی والا بھی ہے اور دردناک عذابوں والا بھی ہے ○

عذاب وثواب نہ ہوتا تو عمل نہ ہوتا: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۳) اِلْحَاد کے معنی ابن عباسؓ سے کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے کے مروی ہیں۔ اور قتادہؒ وغیرہ سے الحاد کے معنی کفر وعناد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ملحد لوگ ہم سے مخفی نہیں۔ ہمارے اسماء وصفات کو ادھر ادھر کر دینے والے ہماری نگاہوں میں ہیں۔ انہیں ہم بدترین سزائیں دیں گے۔ سمجھ لو کہ کیا جہنم واصل ہونے والا اور تمام خطروں سے بچ رہنے والا برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بدکارو، کافرو! جو چاہو عمل کرتے چلے جاؤ۔ مجھ سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ باریک سے باریک چیز بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ ذکر سے مراد بقول ضحاکؒ، سدی اور قتادہؒ قرآن ہے۔ وہ باعزت باتوقیر ہے۔ اس کے مثل کسی کا کلام نہیں۔ اس کے آگے پیچھے سے یعنی کسی طرف سے اس سے باطل مل نہیں سکتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اس کے تمام حکم احکام بہترین انجام والے ہیں۔ تجھ سے جو کچھ تیرے زمانے کے کفار کہتے ہیں، یہی تجھ سے اگلے نبیوں کو ان کی کافر امتوں نے کہا تھا۔ پس جیسے ان پیغمبروںؑ نے صبر کیا، تم بھی صبر کرو۔ جو بھی تیرے رب کی طرف رجوع کرے، وہ اس کے لئے بڑی بخششوں والا ہے۔ اور جو اپنے کفر وضد پر اڑا رہے، مخالفت حق اور تکذیب رسولؐ سے باز نہ آئے اس پر وہ سخت دردناک سزائیں کرنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو دنیا میں ایک متنفس جی نہیں سکتا تھا۔ اور اگر اس کی پکڑ دکڑ عذاب سزا نہ ہوتی تو ہر شخص مطمئن ہو کر ٹیک لگا کر بے خوف ہو جاتا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ
وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ
مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ع ۱۲ ۱۹

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ
وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف بیان کیوں نہیں کی گئیں؟ یہ کیا کہ عجمی کتاب اور عربی رسول؟ تو کہہ دے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے ہدایت و شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لاتے' ان کے کانوں میں تو بہرا پن اور بوجھ ہے اور یہ ان پر اندھاپا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جا رہے ہیں ○ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے تو ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یہ لوگ تو اس سے شکی ہیں اور بے چین ہیں ○

قرآن کو جھٹلانے والے شکی ہیں: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۵) قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت' اس کے حکم احکام' اس کے لفظی و معنوی فوائد کا بیان کر کے اس پر ایمان نہ لانے والوں کی سرکشی' ضد اور عداوت کا بیان فرما رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ مطلب یہ ہے کہ نہ ماننے کے بیسیوں حیلے ہیں نہ یوں چین نہ ووں چین۔ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں اترتا تو بہانہ کرتے کہ ہم تو اسے صاف صاف سمجھ نہیں سکتے۔ مخاطب جب عربی زبان کے ہیں تو ان پر جو کتاب اترتی ہے' وہ غیر عربی زبان میں کیوں اتر رہی ہے؟ اور اگر کچھ عربی میں ہوتی اور کچھ دوسری زبان میں تو بھی ان کا یہی اعتراض ہوتا کہ اس کی کیا وجہ؟ حضرت حسن بصری کی قراءت اَعْجَمِيٌّ ہے۔ سعید بن جبیرؒ بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کی سرکشی معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے دل کی ہدایت اور ان کے سینوں کی شفا ہے۔ ان کے تمام شک اس سے زائل ہو جاتے ہیں اور جنہیں اس پر ایمان نہیں' وہ تو اسے سمجھ ہی نہیں سکتے جیسے کوئی بہرا ہو۔ نہ اس کے بیان کی طرف انہیں ہدایت ہو جیسے کوئی اندھا ہو۔ اور آیت میں ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ہمارا نازل کردہ یہ قرآن ایمان داروں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو تو ان کا نقصان ہی بڑھاتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی دور سے کسی سے کچھ کہہ رہا ہو کہ نہ اس کے کانوں تک صحیح الفاظ پہنچتے ہیں نہ وہ ٹھیک طرح مطلب سمجھتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ الخ یعنی کافروں کی مثال اس کی طرح ہے جو پکارتا ہے مگر آواز اور پکار کے سوا کچھ اور اس کے کان میں نہیں پڑتا۔ بہرے' گونگے' اندھے ہیں۔ پھر کیسے سمجھ لیں گے؟ حضرت ضحاکؒ نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے بدترین ناموں سے پکارا جائے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مسلمان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس کا آخری وقت تھا۔ اس نے یکایک لبیک پکارا۔ آپؓ نے فرمایا' کیا تجھے کوئی دیکھ رہا ہے یا کوئی پکار رہا ہے؟ اس نے کہا' ہاں سمندر کے اس کنارے سے کوئی بلا رہا ہے تو آپ نے یہی جملہ پڑھا کہ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (ابن ابی حاتم)

پھر فرماتا ہے ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی لیکن اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ انہیں بھی جھٹلایا اور ستایا گیا۔ پس جیسے انہوں نے صبر کیا' آپ کو بھی صبر کرنا چاہیے۔ چونکہ پہلے ہی سے تیرے رب نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک وقت مقرر یعنی قیامت تک عذاب رکے رہیں گے' اس لئے یہ مہلت مقررہ ہے ورنہ ان کے کرتوت تو ایسے نہ تھے کہ یہ چھوڑ دیئے جائیں اور کھاتے پیتے رہیں۔ ابھی ہی ہلاک کر دیئے جاتے۔ یہ اپنی تکذیب میں بھی کسی یقین پر نہیں بلکہ شک میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ لرز رہے۔ ہیں ادھر ادھر ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۴۶

جو شخص نیک کام کرے گا، وہ اپنے نفع کے لئے اور جو برا کام کرے گا، اس کا وبال بھی اسی پر ہے، تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

ناکردہ گناہ سزا نہیں پاتا: ☆☆ (آیت:۴۶) اس آیت کا مطلب بہت صاف ہے۔ بھلائی کرنے والے کے اعمال کا نفع اسی کو ہوتا ہے اور برائی کرنے والے کی برائی کا وبال بھی اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ پروردگار کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ ایک کے گناہ پر دوسرے کو وہ نہیں پکڑتا۔ ناکردہ گناہ کو وہ سزا نہیں دیتا۔ پہلے اپنے رسولؐ بھیجتا ہے۔ اپنی کتاب اتارتا ہے، اپنی حجت تمام کرتا ہے، اپنی باتیں پہنچا دیتا ہے، اب بھی جو نہ مانے، وہ مستحق عذاب و سزا قرار دے دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے چوبیسویں پارے کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور رہتی دنیا تک میرے لئے اسے باقیات صالحات بنائے۔ اس سے اپنے بندوں کو فیض پہنچائے اور ہمیں اپنے کلام کی صحیح سمجھ دے۔ آمین۔

تفسیر ابن کثیر

۲۵
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- علم الٰہی کی وسعتیں ۱۷۲
- انسان کی سرکشی کا حال ۱۷۳
- قرآن کریم کی حقانیت کے بعض دلائل ۱۷۴
- حم عسق کی تفسیر ۱۷۵
- قیامت کا آنا یقینی ہے ۱۷۷
- مشرکین کا شرک ۱۷۹
- امت محمدیہ پر شریعت الٰہی کا انعام ۱۸۰
- تمام انبیاء کرام کی شریعت یکساں ہے ۱۸۱
- منکرین قیامت کے لیے وعیدیں ۱۸۲
- غفور ورحیم اللہ ۱۸۳
- رسول اللہ سے قرابت داری کی فضیلت ۱۸۵
- توبہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ۱۸۹
- آفات اور تکالیف سے خطاؤں کی معافی ہوتی ہے ۱۹۱
- سمندروں کی تسخیر قدرت الٰہی کی نشانی ۱۹۲
- درگذر کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہے ۱۹۳
- اللہ تعالیٰ کو کوئی پوچھنے والا نہیں ۱۹۷
- آسانی میں شکر تنگی میں صبر مومنوں کی صفت ہے ۱۹۸
- اولاد کا اختیار اللہ کے پاس ہے ۱۹۹
- قرآن حکیم شفا ہے ۱۹۹
- اصلی زاد راہ تقویٰ ہے ۲۰۳
- مشرکین کا بدترین فعل ۲۰۴
- امام الموحدین کا ذکر اور دنیا کی قیمت ۲۰۷
- شیطان سے بچو ۲۰۹
- قلا بازی بنی اسرائیل ۲۱۲
- فرعون کے دعوے ۲۱۳
- قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام ۲۱۴
- جنت میں --- جنت کے حقدار ۲۱۸
- جنت کی نعمتیں ۲۱۹
- دوزخ اور دوزخیوں کی درگت ۲۲۰
- اللہ کی چند صفات ۲۲۳
- مشرکین کی کم عقلی ۲۲۳
- عظیم الشان قرآن کریم کا نزول اور ماہ شعبان ۲۲۴
- دھواں ہی دھواں اور کفار ۲۲۵
- روزہ آخرت توبہ نہیں ۲۲۷
- قبطیوں کا انجام ۲۲۹
- شہنشاہ تبع کی کہانی ۲۳۲
- صور پھونکنے کے بعد ۲۳۴
- زقوم ابوجہل کی خوراک ہوگا ۲۳۵
- جب موت کو ذبح کرایا جائے گا ۲۳۶
- قرآن عظیم کو اہانت سے بچاؤ ۲۳۹
- اللہ تعالیٰ کے ابن آدم پر احسانات ۲۴۰
- بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا تذکرہ ۲۴۱
- اصل دین چار چیزیں ہیں ۲۴۲
- زمانے کو گالی مت دو ۲۴۳
- اس دن ہر شخص گھٹنوں کے بل گرا ہوگا ۲۴۴
- کبریائی اللہ عزوجل کی چادر ہے ۲۴۵

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا
تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ
شُرَكَآءِىْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے انہیں ہوتے ہیں' سب کا علم اسے ہے ۔ جس دن اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو بلا کر دریافت فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا مدعی نہیں ○ یہ جن جن کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لئے کوئی بچاؤ نہیں ○

علم الٰہی کی وسعتیں: ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم اس کے سوا اور کسی کو نہیں ۔ تمام انسانوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے جب فرشتوں کے سرداروں میں سے ایک سردار یعنی حضرت جبرئیلؑ نے قیامت کے آنے کا وقت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جس سے پوچھا جاتا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا یعنی قیامت کب ہوگی؟ اس کے علم کا مدار تیرے رب کی طرف ہی ہے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اور جگہ فرمایا لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ مطلب یہی ہے کہ قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر چیز کو اس اللہ کا علم گھیرے ہوئے ہے' یہاں تک کہ جو پھل شگوفہ سے کھل کر نکلے' جس عورت کو حمل رہے' جو بچہ اسے ہو' یہ سب اس کے علم میں ہے ۔ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس کے وسیع علم سے باہر نہیں ۔ جیسے فرمایا لا یعذب عنه مثقال ذرة فی السموات و لا فی الارض ایک اور آیت میں ہے وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا یعنی جو پتہ جھڑتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے ۔ ہر مادہ کو جو حمل رہتا ہے اور رحم جو کچھ گھٹاتے بڑھاتے رہتے ہیں' اللہ خوب جانتا ہے' اس کے پاس ہر چیز کا اندازہ ہے ۔ جس قدر عمریں گھٹتی بڑھتی ہیں وہ بھی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں' ایسا کوئی کام نہیں جو اللہ پر مشکل ہو ۔ قیامت والے دن مشرکوں سے تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ جنہیں تم میرے

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ
قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ
لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ
اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٠﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا
عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ
دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾

بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے اور جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے ○ اس کے بعد اگر ہم اسے اپنی کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حقدار ہی تھا اور میں تو باور نہیں کر سکتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس ہی کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہے ہم یقیناً ان کفار کو ان کے اعمال سے خبردار کریں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○ اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے ○

ساتھ پرستش میں شریک کرتے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے تو ہمارے بارے میں علم رکھتا ہے۔ آج تو ہم میں سے کوئی بھی اس کا اقرار نہ کرے گا کہ تیرا کوئی شریک بھی ہے' قیامت والے دن ان کے معبودان باطل سب گم ہو جائیں گے' کوئی نظر نہ آئے گا جو انہیں نفع پہنچا سکے اور یہ خود جان لیں گے کہ آج اللہ کے عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے وَرَاَى الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا یعنی گنہگار لوگ جہنم کو دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

انسان کی سرکشی کا حال: ☆☆ (آیت:۴۹-۵۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مال صحت وغیرہ بھلائیوں کی دعاؤں سے تو انسان تھکتا ہی نہیں اور اگر اس پر کوئی بلا آ پڑے یا فقر و فاقہ کا موقع آ جائے تو اس قدر ہراساں اور مایوس ہو جاتا ہے کہ گویا اب کسی بھلائی کا منہ نہیں دیکھے گا اور اگر کسی برائی یا سختی کے بعد اسے کوئی بھلائی اور راحت مل جائے تو کہنے بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ پر یہ تو میرا حق تھا' میں اسی کے لائق تھا۔ اب اس نعمت پر پھولتا ہے' اللہ کو بھول جاتا ہے اور صاف منکر بن جاتا ہے۔ قیامت کے آنے کا صاف انکار کر جاتا ہے۔ مال و دولت' راحت و آرام اس کے کفر کا سبب بن جاتے ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى یعنی انسان نے جہاں آسائش و آرام پایا وہیں اس نے سر اٹھایا اور سرکشی کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ اس بداعمالی پر بھلی امیدیں بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت آئی بھی اور میں وہاں کھڑا بھی کیا گیا تو جس طرح یہاں سکھ چین میں ہوں وہاں بھی ہوں گا۔ غرض انکار قیامت بھی کرتا ہے۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو مانتا بھی نہیں اور پھر امیدیں لمبی باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ جیسے میں یہاں ہوں ویسے ہی وہاں بھی رہوں گا۔ پھر اللہ ان لوگوں کو ڈراتا ہے کہ جن کے یہ اعمال و عقائد ہوں انہیں ہم سخت سزا دیں گے پھر فرماتا ہے کہ جب انسان اللہ کی نعمتیں پا لیتا ہے تو اطاعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور ماننے سے جی چراتا ہے جیسے فرمایا فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ اور جب اسے کچھ نقصان پہنچتا ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے بیٹھ جاتا ہے' عریض کلام اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ بہت زیادہ ہوں اور معنی بہت کم

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ
اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي
الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ
يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع ۱۰

تو کہہ کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہو پھر تم نے اسے نہ مانا پس اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہوگا جو حق سے دور پڑ کر مخالفت میں رہ جائے ○

عنقریب ہم انہیں نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذاتوں میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے، کیا تیرے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں؟ ○ یقین جانو کہ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے سے شک میں ہیں، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ○

ہوں اور جو کلام اس کے خلاف ہو یعنی الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ ہوں تو اسے وجیز کلام کہتے ہیں۔ وہ بہت کم اور بہت کافی ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اور جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖ الخ، جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر لیٹ کر اور بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر غرض ہر وقت ہم سے مناجات کرتا رہتا ہے اور جب وہ تکلیف ہم دور کر دیتے ہیں تو اس بے پرواہی سے چلا جاتا ہے کہ گویا اس مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

قرآن کریم کی حقانیت کے بعض دلائل : ☆☆ (۵۲-۵۴) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ قرآن کے جھٹلانے والے مشرکوں سے کہہ دو کہ مان لو یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور تم اسے جھٹلا رہے ہو تو اللہ کے ہاں تمہارا کیا حال ہوگا؟ اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اپنے کفر اور اپنی مخالفت کی وجہ سے راہ حق سے اور مسلک ہدایت سے بہت دور نکل گیا ہو، پھر اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کی نشانیاں اور حجتیں انہیں ان کے گردونواح میں دنیا کے چاروں طرف دکھا دیں گے۔ مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوں گی، وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے، تمام دینوں پر اس دین کو غلبہ ہوگا۔ فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیاں خود ان میں موجود ہوں گی۔ کافر لوگ تعداد اور شان و شوکت میں بہت زیادہ ہوں گے پھر بھی مٹھی بھر اہل حق انہیں زیر و زبر کر دیں گے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حکمت الٰہی کی ہزارہا نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں۔ اس کی صنعت و بناوٹ، اس کی ترکیب و جبلت، اس کے جداگانہ اخلاق، مختلف صورتیں اور رنگ روپ وغیرہ، اس کے خالق و صانع کی بہترین یادگاریں ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ پھر اس کا ہیر پھیر، کبھی کوئی حالت، کبھی کوئی حالت۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا، بیماری، تندرستی، فراخی، رنج اور راحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں۔

شیخ ابو جعفر قرشی نے اپنے اشعار میں بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ الغرض یہ بیرونی اور اندرونی آیات قدرت اس قدر ہیں کہ انسان اللہ کی باتوں کی حقانیت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی بس کافی ہے، وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔ جب وہ فرما رہا ہے کہ پیغمبر صاحب ﷺ سچے ہیں تو پھر تمہیں کیا شک؟ جیسے ارشاد ہے لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ الخ، یعنی لیکن اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جو تمہارے پاس بھیجی ہے اور اپنے علم کے ساتھ نازل فرمائی ہے خود گواہی دے رہا ہے اور فرشتے اس کی تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے، پھر فرماتا ہے کہ دراصل ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں اسی لئے بے فکر ہیں، نیکیوں سے غافل ہیں، برائیوں سے بچتے نہیں۔ حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لئے جمع نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے تمہیں جمع کیا ہے کہ تمہیں یہ سنا دوں کہ روز جزا کے بارے میں میں نے خوب غور کیا، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے اور اسے جھوٹا جاننے والا ہلاک ہونے والا ہے۔ پھر آپ منبر سے اتر آئے۔ آپ کے اس فرمان کا کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے یہ مطلب ہے کہ سچ جانتا ہے پھر تیاری نہیں کرتا اور اس کی دل ہلا دینے والی دہشت ناک حالتوں سے غافل ہے، اس سے ڈر کر وہ اعمال نہیں کرتا جو اسے اس روز کے ڈر سے امن دے سکیں۔ پھر اپنے آپ کو اس کا سچا جاننے والا بھی کہتا ہے، لہو و لعب، غفلت و شہوت، گناہ اور حماقت میں مبتلا ہے اور قیام قیامت کے قریب ہو رہا ہے واللہ اعلم۔ پھر رب العالمین اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز پر اس کا احاطہ ہے، قیام قیامت اس پر بالکل سہل ہے۔ ساری مخلوق اس کے قبضے میں ہے، جو چاہے کرے کوئی اس کا ہاتھ تھام نہیں سکتا۔ جو اس نے چاہا،

ہوا جو چاہے گا' ہو کر رہے گا - اس کے سوا حقیقی حاکم کوئی نہیں نہ اس کے سوا کسی اور کی ذات کسی قسم کی عبادت کے قابل ہے - الحمدللہ سورۂ حٰم السجدہ کی تفسیر ختم ہوئی -

---

تفسیر سورۃ الشوری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾

عنایت ومہربانی کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے اسی طرح تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے ○

حٰم عسق کی تفسیر: ☆☆ (آیت:۱-۳) حروف مقطعات کی بحث پہلے گذر چکی ہے - ابن جریرؒ نے یہاں پر ایک عجیب وغریب اثر وارد کیا ہے جو منکر ہے - اس میں ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اس وقت آپ کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے - اس نے ان حروف کی تفسیر آپ سے پوچھی آپ نے ذرا سی دیر سر نیچا کر لیا پھر منہ پھیر لیا - اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا آپ نے پھر بھی منہ پھیر لیا اور اس کے سوال کو برا جانا اس نے پھر تیسری مرتبہ پوچھا - آپ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا - اس پر حضرت حذیفہؓ نے کہا میں تجھے بتاتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اسے کیوں ناپسند کر رہے ہیں - ان کے اہل بیت میں سے ایک شخص کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے جسے عبدالالہ اور عبداللہ کہا جاتا ہوگا' وہ مشرق کی نہروں میں سے ایک نہر کے پاس اترے گا اور وہاں دو شہر بسائے گا - نہر کو کاٹ کر دونوں شہروں میں لے جائے گا' جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال اور ان کی دولت کے استیصال کا ارادہ کرے گا اور ان کا وقت ختم ہونے کو ہوگا تو ان دونوں شہروں میں سے ایک پر رات کے وقت آگ آئے گی جو اسے جلا کر بھسم کر دے گی - وہاں کے لوگ صبح کو اسے دیکھ کر تعجب کریں گے ایسا معلوم ہوگا کہ گویا یہاں کچھ تھا ہی نہیں - صبح ہی صبح وہاں تمام بڑے بڑے سرکش' متکبر' مخالف حق لوگ جمع ہوں گے اسی وقت اللہ تعالیٰ ان سب کو اس شہر سمیت غارت کر دے گا - یہی معنی ہیں حٰمٓ عٓسٓقٓ کے یعنی اللہ کی طرف سے یہ عزیمت یعنی ضروری ہے' یہ فتنہ قضا کیا ہوا یعنی فیصل شدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے - عین سے مراد عدل سین سے مراد سَیَکُوۡنُ یعنی یہ عنقریب ہو کر رہے گا - ق سے مراد واقع ہونے والا ان دونوں شہروں میں - اس سے بھی زیادہ غربت والی ایک اور روایت مسند حافظ ابو یعلیٰ کی دوسری جلد میں مسند ابن عباس میں ہے - جو مرفوع بھی ہے لیکن اس کی سند بالکل ضعیف ہے اور منقطع بھی ہے - اس میں ہے کہ کسی نے ان حروف کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے سنی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ جلدی سے کھڑے ہوئے اور فرمایا ہاں میں نے سنی ہے - حم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے عین سے مراد عَایَنَ الۡمُوَلُّوۡنَ عَذَابَ یَوۡمِ بَدۡرٍ ہے - سین سے مراد سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡٓا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ - ق سے کیا مراد ہے اسے آپ نہ بتا سکے تو حضرت ابوذرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق تفسیر کی اور فرمایا ق سے مراد قارعہ آسمانی ہے جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لے گا - ترجمہ یہ ہوا کہ بدر کے دن پیٹھ موڑ کر بھاگنے والے کفار نے عذاب کا مزہ چکھ لیا - ان ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کتنا برا انجام ہوا؟ ان پر آسمانی عذاب آئے گا جو انہیں تباہ و برباد کر دے گا' پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! جس طرح تم پر اس قرآن کی وحی نازل ہوئی ہے اسی طرح تم سے پہلے کے پیغمبروں پر کتابیں اور صحیفے نازل ہو چکے

ہیں۔ یہ سب اس اللہ کی طرف سے اترے ہیں جو اپنا انتقام لینے میں غالب اور زبردست ہے جو اپنے اقوال وافعال میں حکمت والا ہے۔

حضرت حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی مسلسل آواز کی طرح جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے جب وہ ختم ہوتی ہے تو مجھے جو کچھ کہا گیا وہ سب یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے مجھ سے باتیں کر جاتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد رکھ لیتا ہوں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سخت جاڑوں کے ایام میں بھی جب آپ پر وحی اترتی تھی تو شدت وحی سے آپ پانی پانی ہو جاتے تھے یہاں تک کہ پیشانی سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگتی تھیں (بخاری ومسلم) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپؐ نے فرمایا میں ایک زنجیر کی سی گھڑگھڑاہٹ سنتا ہوں پھر کان لگا لیتا ہوں' ایسی وحی میں مجھ پر اتنی شدت ہوتی ہے کہ ہر مرتبہ مجھے اپنی روح نکل جانے کا گمان ہوتا ہے۔ شرح صحیح بخاری کے شروع میں ہم کیفیت وحی پر مفصل کلام کر چکے ہیں فالحمدللہ۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ
الْعَظِيْمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ
وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ
فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶

آسمانوں کی تمام چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے' وہ برتر اور عظیم الشان ہے ○ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور زمین والوں کے لئے استغفار کر رہے ہیں' خوب سمجھ رکھو کہ اللہ ہی معاف فرمانے والا رحمت کرنے والا ہے ○
جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کارساز بنالیا ہے اللہ انہیں خوب دیکھ بھال رہا ہے' تو ان کا ذمہ دار نہیں ہے ○

(آیت:۴-۶) پھر فرماتا ہے کہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی غلام ہے' اس کی ملکیت ہے' اس کے دباؤ تلے اور اس کے سامنے عاجز ومجبور ہے۔ وہ بلندیوں والا اور بڑائیوں والا ہے۔ وہ بہت بڑا اور بہت بلند ہے' وہ اونچائی والا اور کبریائی والا ہے۔ اس کی عظمت اور جلالت کا یہ حال ہے کہ قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں۔ فرشتے اس کی عظمت سے کپکپاتے ہوئے اس کی پاکی اور تعریف بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

جیسے اور جگہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ الخ' یعنی حاملان عرش اور اس کے قرب وجوار کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہتے ہیں' اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت وعلم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے پس تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کے تابع ہیں انہیں عذاب جہنم سے بچالے۔ پھر فرمایا جان لو کہ اللہ غفور ورحیم ہے' پھر فرماتا ہے کہ مشرکوں کے اعمال کی دیکھ بھال میں آپ کر رہا ہوں' انہیں خود ہی پورا پورا بدلہ دوں گا۔ تیرا کام صرف انہیں آگاہ کر دینا ہے تو کچھ ان پر داروغہ نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ
حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى
الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۞ ۷ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ
مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞ ۸

اسی طرح ہم نے تیری طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے اس لئے کہ تو مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دے اور جمع ہونے کے دن سے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، ڈرا دے۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا ○ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی طریقے کا بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں ○

قیامت کا آنا یقینی ہے: ☆☆ (آیت: ۷-۸) یعنی جس طرح اے نبی آخر الزماں! تم سے پہلے انبیاء پر وحی الٰہی آتی رہی تم پر بھی یہ قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یہ عربی میں بہت واضح بالکل کھلا ہوا اور سلجھے ہوئے بیان والا ہے، تاکہ تو شہر مکہ کے رہنے والوں کو احکام الٰہی اور اللہ کے عذاب سے آگاہ کر دے، نیز تمام اطراف عالم کو۔ آس پاس سے مراد مشرق و مغرب کی ہر سمت ہے۔ مکہ شریف کو ام القریٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل و بہتر ہے۔ اس کے دلائل بہت سے ہیں جو اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں ہاں! یہاں پر ایک دلیل جو مختصر بھی ہے اور صاف بھی ہے، سن لیجئے۔ ترمذی نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد وغیرہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عدیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا آپ مکہ شریف کے بازار خزورہ میں کھڑے ہوئے فرما رہے تھے کہ اے مکہ! قسم ہے اللہ کی تو اللہ کی ساری زمین سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ افضل ہے۔ اگر میں تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہر گز تجھے نہ چھوڑتا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں۔ اور اس لئے کہ تو قیامت کے دن سے سب کو ڈرا دے جس دن تمام اول و آخر زمانے کے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک شبہ نہیں۔ جس دن کچھ لوگ جنتی ہوں گے اور کچھ جہنمی، یہ وہ دن ہوگا کہ جنتی نفع میں رہیں گے اور جہنمی گھاٹے میں۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ الخ، یعنی ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو، آخرت کا وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے۔ ہم تو اسے تھوڑی سی مدت معلوم کے لئے مؤخر کئے ہوئے ہیں۔ اس دن کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا، ان میں سے بعض تو بدقسمت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس ایک مرتبہ دو کتابیں اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر آئے اور ہم سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا ہمیں تو خبر نہیں آپ فرمائیے۔ آپ نے اپنی داہنے ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العالمین کی کتاب ہے جس میں جنتیوں کے نام ہیں مع ان کے والد اور ان کے قبیلہ کے نام کے اور آخر میں حساب کر کے میزان لگا دی گئی ہے اب ان میں نہ ایک بڑھے نہ ایک گھٹے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ جہنمیوں کے ناموں

کا رجسٹر ہے ان کے نام' ان کی ولدیت اور ان کی قوم سب اس میں لکھی ہوئی ہے پھر آخر میں میزان لگا دی گئی ہے ان میں بھی کمی بیشی نا ممکن ہے۔

صحابہؓ نے پوچھا پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت جب کہ سب لکھا جا چکا ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو' بھلائی کی نزدیکی لئے رہو۔ اہل جنت کا خاتمہ نیکیوں اور بھلے اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور اہل نار کا خاتمہ جہنمی اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی کاموں کا مرتکب رہا ہو۔ پھر آپ نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کرلیں اور فرمایا تمہارا رب عزوجل بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے۔ ایک فرقہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کیا گویا کوئی چیز پھینک رہے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہی حدیث اور کتابوں میں بھی ہے۔ کسی میں یہ بھی ہے کہ یہ تمام عدل ہی عدل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا کیا اور ان کی تمام اولاد ان میں سے نکالی اور چیونٹیوں کی طرح وہ میدان میں پھیل گئی تو اسے اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا ایک حصہ جنتی اور دوسرا جہنمی۔ یہ روایت موقوف ہی ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوعبداللہ نامی صحابیؓ بیمار تھے ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کے لئے گئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے کہ اپنی مونچھیں کم رکھا کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ اس پر صحابیؓ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو یہ حدیث رلا رہی ہے کہ حضور ﷺ سے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں بھی اور فرمایا یہ لوگ اس کے لئے ہیں یعنی جنت کے لئے اور یہ اس کے لئے ہیں یعنی جہنم کے لئے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ پس مجھے خبر نہیں کہ اللہ کی کس مٹھی میں میں تھا؟ اس طرح کی اثبات تقدیر کی اور بہت سی حدیثیں ہیں' پھر فرماتا ہے اگر اللہ

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهٖٓ أَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ
الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۹ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ
مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ إِلَى اللّٰهِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّي عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا
يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۱۱
لَهٗ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ إِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۲

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا لئے ہیں' حقیقتاً تو اللہ ہی کارساز ہے' وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ○ جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے' یہی اللہ میرا پالنے والا ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں ○ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے

والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں، تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سنتا دیکھتا ہے ○ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں، جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○

کو منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی طریقے پر کر دیتا یعنی یا تو ہدایت پر یا گمراہی پر، لیکن رب نے ان میں تفاوت رکھا بعض کو حق کی ہدایت کی اور بعض کو اس سے بھلا دیا، اپنی حکمت کو وہی جانتا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت تلے کھڑا کرلے، ظالموں کا حمایتی اور مددگار کوئی نہیں۔ ابن جریر میں ہے اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! تو نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا پھر اس میں سے کچھ کو تو جنت میں لے جائے گا اور کچھ اوروں کو جہنم میں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ سب ہی جنت میں جاتے۔ جناب باری نے ارشاد فرمایا موسیٰ اپنا پیرہن اونچا کرو۔ آپ نے اونچا کیا، پھر فرمایا اور اونچا کرو، آپ نے اور اونچا کیا، فرمایا اور اوپر کو اٹھاؤ، جواب دیا اے اللہ! اب تو سارے جسم سے اونچا کر لیا سوائے اس جگہ کے جس کے اوپر سے ہٹانے میں خیر نہیں۔ فرمایا بس موسیٰ! اسی طرح میں بھی اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا سوائے ان کے جو بالکل ہی خیر سے خالی ہیں۔

مشرکین کا شرک: ☆☆ (آیت: ۹-۱۲) اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی قباحت بیان فرماتا ہے جو وہ اللہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے اور دوسروں کی پرستش کرتے تھے اور بیان فرماتا ہے کہ سچا ولی اور حقیقی کارساز تو میں ہوں۔ مردوں کو جلانا (زندہ کرنا) میری صفت ہے۔ ہر چیز پر قابو اور قدرت رکھنا میرا وصف ہے۔ پھر میرے سوا اور کی عبادت کیسی؟ پھر فرماتا ہے جس کسی امر میں تم میں اختلاف رونما ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لے جاؤ، یعنی تمام دینی اور دنیوی اختلافات کے فیصلے کی چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مانو۔ جیسے فرمان عالی شان ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اگر تم میں کوئی جھگڑا ہو تو اسے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا لے جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ اللہ جو ہر چیز پر حاکم ہے وہی میرا رب ہے، میرا توکل اسی پر ہے اور اپنے تمام کام اسی کی طرف سونپتا ہوں اور ہر وقت اس کی جانب رجوع کرتا ہوں، وہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کل مخلوق کا خالق ہے، اس کا احسان دیکھو کہ اس نے تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی شکل کے تمہارے جوڑے بنا دیئے یعنی مرد و عورت اور چوپایوں کے جوڑے پیدا کئے جو آٹھ ہیں، وہ اسی پیدائش میں تمہیں پیدا کرتا ہے یعنی اسی صفت پر یعنی جوڑ جوڑ پیدا کرتا جا رہا ہے، نسلوں کی نسلیں پھیلا دیں، قرنوں گذر گئے اور سلسلہ اسی طرح چلا جاتا ہے۔ ادھر انسانوں کا ادھر جانوروں کا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا
الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا
تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ
مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی شریعت مقرر کر دی جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی کے ہم نے تیری طرف بھی بھیج دی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف تو انہیں بلا رہا ہے

وہ تو ان مشرکوں پر بڑی گراں گذرتی ہے' اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا برگزیدہ بنالے' اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے ○

بغویؒ فرماتے ہیں مراد رحم میں پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں پیٹ میں' بعض کہتے ہیں اسی طریق پر پھیلانا ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نسلیں پھیلانی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں فِيهِ معنی میں بِهِ کے ہے' یعنی مرد اور عورت کے جوڑے سے نسل انسانی کو وہ پھیلا رہا اور پیدا کر رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ خالق کے ساتھ کوئی اور نہیں' وہ فرد وصمد ہے' وہ بے نظیر ہے' وہ سمیع وبصیر ہے۔ آسمان وزمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھوں میں ہیں۔ سورۂ زمر میں اس کی تفسیر گذر چکی ہے' مقصد یہ ہے کہ سارے عالم کا متصرف مالک حاکم وہی یکتا لاشریک ہے۔ جسے چاہے کشادہ روزی دے' جس پر چاہے تنگی کر دے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کسی حالت میں وہ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔ اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔

امت محمدیہ پر شریعت الٰہی کا انعام: ☆☆ (آیت:۱۳) اللہ تعالیٰ نے جو انعام اس امت پر کیا ہے اس کا ذکر یہاں فرماتا ہے کہ تمہارے لئے جو شرع مقرر کی ہے' وہ وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا کے سب سے پہلے پیغمبر اور دنیا کے سب سے آخری پیغمبر اور ان کے درمیان کے اولوالعزم پیغمبروں کی تھی۔ پس یہاں جن پانچ پیغمبروں کا ذکر ہوا ہے۔ انہی پانچ کا ذکر سورۂ احزاب میں بھی کیا گیا ہے۔ فرمایا وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ الخ' وہ دین جو تمام انبیاء کا مشترک طور پر ہے وہ اللہ واحد کی عبادت ہے۔ جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں ان سب کی طرف ہم نے یہی وحی کی ہے کہ معبود میرے سوا کوئی نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ حدیث میں ہے ہم انبیاء کی جماعت آپس میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں ہم سب کا دین ایک ہی ہے' جیسے علاتی بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے۔

الغرض احکام شرح میں گو جزوی اختلاف ہو لیکن اصولی طور پر دین ایک ہی ہے اور وہ توحید باری تعالیٰ عزاسمہ ہے' فرمان اللہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے شریعت وراہ بنا دی ہے۔ یہاں اس وحی کی تفصیل یوں بیان ہو رہی ہے کہ دین کو قائم رکھو جماعت بندی کے ساتھ اتفاق سے رہو' اختلاف اور پھوٹ نہ کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہی توحید کی صدائیں ان مشرکوں کو ناگوار گذرتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔ جو مستحق ہدایت ہوتا ہے وہ رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ اس کا ہاتھ تھام کر ہدایت کے راستے لا کھڑا کرتا ہے اور جو از خود برے راستے کو اختیار کر لیتا ہے اور صاف راہ چھوڑ دیتا ہے اللہ بھی اس کے ماتھے پر ضلالت لکھ دیتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ
لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ
الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۴

ان لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد ہی اختلاف کیا اور وہ بھی باہمی ضد بحث سے ہی' اور اگر تیرے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کے لئے پہلے ہی سے قرار پا گئی ہوئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا' اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے شک اور تردد میں

پڑے ہوئے ہیں ○

(آیت:۱۴) جب ان کے پاس حق آ گیا حجت ان پر قائم ہو چکی - اس وقت وہ آپس میں ضد اور بحث کی بنا پر مختلف ہو گئے - اگر قیامت کا دن حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے مقرر شدہ نہ ہوتا تو ان کے ہر بدعمل کی سزا انہیں یہیں اسی وقت مل جایا کرتی - پھر فرماتا ہے کہ یہ گزشتہ جو پہلوں سے کتابیں پائے ہوئے ہیں - یہ صرف تقلیدی طور پر مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مقلد کا ایمان شک و شبہ سے خالی نہیں ہوتا - انہیں خود یقین نہیں، دلیل و حجت کی بنا پر ایمان نہیں، بلکہ یہ اپنے پیشروؤں کے جو حق کے جھٹلانے والے تھے، مقلد ہیں -

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ
وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ
بَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۖ لَا
حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۗ﴿۱۵﴾

پس تو لوگوں کو اسی طرف بلاتا رہ اور جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جا اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور کہہ دے اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان سب پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں، ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، ہم تم میں کوئی گفتگو نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

تمام انبیاء کرام کی شریعت یکساں ہے: ☆☆ (آیت:۱۵) اس آیت میں ایک لطیفہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے باقی کسی اور آیت میں نہیں - وہ یہ کہ اس میں دس کلمے ہیں جو سب مستقل ہیں، الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی ذات میں ایک مستقل حکم ہے، یہی بات دوسری آیت یعنی آیت الکرسی میں بھی ہے پس پہلا حکم تو یہ ہوتا ہے کہ جو وحی تجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہی وحی تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء پر آتی رہی ہے اور جو شرع تیرے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہی تجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام کے لئے بھی مقرر کی گئی تھی، تو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دے، ہر ایک کو اسی کی طرف بلا اور اسی کے منوانے اور پھیلانے کی کوشش میں لگا رہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و وحدانیت پر تو آپ استقامت کر اور اپنے ماننے والوں سے استقامت کر، مشرکین نے جو کچھ اختلاف کر رکھے ہیں جو تکذیب و افترا ان کا شیوہ ہے جو عبادت غیر اللہ ان کی عادت ہے خبردار تو ہرگز ہرگز ان کی خواہش اور ان کی چاہتوں میں نہ آ جانا - ان کی ایک بھی نہ ماننا اور علی الاعلان اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ کر کہ اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے - میرا یہ کام نہیں کہ ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں، ایک کو لے لوں اور ایک کو چھوڑ دوں - میں تم میں بھی وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو اللہ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں اور جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں - معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے - ہمارا تمہارا معبود برحق وہی ہے اور وہی سب کا پالنہار ہے - گو کوئی اپنی خوشی سے اس کے سامنے نہ جھکے لیکن دراصل ہر شخص بلکہ ہر چیز اس کے آگے جھکی ہوئی ہے اور سجدے میں پڑی ہوئی ہے - ہمارے عمل ہمارے ساتھ تمہاری کرنی تمہیں بھرنی - ہم تم میں کوئی تعلق نہیں -

جیسے اور آیت میں ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں - تم میرے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بیزار - ہم تم میں کوئی خصومت اور جھگڑا نہیں - کسی بحث مباحثے

کی ضرورت نہیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ حکم تو مکہ میں تھا لیکن مدینے میں جہاد کے احکام اترے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور جہاد کی آیتیں ہجرت کے بعد کی ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا الخ، یعنی تو کہہ دے کہ ہمیں ہمارا رب جمع کرے گا پھر ہم میں حق کے ساتھ فیصلے کرے گا اور وہی فیصلے کرنے والا اور علم والا ہے۔ پھر فرماتا ہے لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ
دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ
قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾

جو لوگ اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ مخلوق اسے مان چکی ان کی کٹ حجتی اللہ کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت مار ہے ○ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی اتاری ہے اور تجھے کیا خبر شاید قیامت قریب ہی ہو ○ اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے لرزاں و ترساں ہیں انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ○

منکرین قیامت کے لئے وعیدیں: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو ایمان داروں سے فضول حجتیں کیا کرتے ہیں۔ انہیں راہ ہدایت سے بہکانا چاہتے ہیں اور اللہ کے دین میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ ان کی حجت باطل ہے، ان پر رب غضبناک ہے اور انہیں قیامت کے روز سخت تر ناقابل برداشت مار ماری جائے گی۔ ان کی طمع پوری ہونی یعنی مسلمانوں میں پھر دوبارہ جاہلیت کی خو بو آنا محال ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا بھی یہ جادو نہیں چلنے دے گا۔ ناممکن ہے کہ مسلمان ان کے موجودہ دین کو اپنے سچے اچھے اصل اور کھرے دین پر ترجیح دیں اور اس دین کو لیں جس میں جھوٹ ملا ہوا ہے جو محرف و مبدل ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور عدل و انصاف اتارا۔ جیسے فرمان باری ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ الخ، یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان اتارا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ ایک اور آیت میں ہے وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا الخ، یعنی آسمان کو اسی نے اونچا کیا اور ترازوؤں کو اسی نے رکھا تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ۔ پھر فرماتا ہے تو نہیں جان سکتا کہ قیامت بالکل قریب ہے۔ اس میں خوف اور لالچ دونوں ہی ہیں اور اس میں دنیا سے بے رغبت کرنا بھی مقصود ہے۔ پھر فرمایا اس کے منکر تو جلدی مچا رہے ہیں کہ قیامت کیوں نہیں آتی؟ وہ کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو قیامت قائم کر دو کیونکہ ان کے نزدیک قیامت کا ہونا محال ہے۔ لیکن ان کے برخلاف ایمان دار اس سے کانپ رہے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ روز جزا کا آنا حتمی اور ضروری ہے۔ یہ اس سے ڈر کر وہ اعمال بجا لا رہے ہیں جو انہیں اس روز کام دیں۔ ایک بالکل صحیح حدیث میں ہے جو تقریباً

تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ ایک شخص نے بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ! قیامت کب ہوگی؟ یہ واقعہ سفر کا ہے وہ حضرتؐ سے کچھ دور تھے' آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ یقیناً آنے والی ہے تو بتا کہ تو نے اس کے لئے تیاری کیا کر رکھی ہے؟ اس نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت- آپ نے فرمایا تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے- ایک اور حدیث میں حضورؐ کا فرمان ہے ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا- یہ حدیث یقیناً متواتر ہے- الغرض حضورؐ نے اس سوال کے جواب میں قیامت کے وقت کا تعین نہیں کیا بلکہ سائل کو اس دن کے لئے تیاری کرنے کو فرمایا- پس قیامت کے آنے کے وقت کا علم سوائے اللہ کے کسی اور کو نہیں- پھر فرماتا ہے کہ قیامت کے آنے میں جو لوگ جھگڑ رہے ہیں اور اس کے منکر ہیں' اسے محال جانتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں' سچی سمجھ صحیح عقل سے دور پڑے ہوئے ہیں' سیدھے راستے سے بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہیں- تعجب ہے کہ زمین و آسمان کا ابتدائی خالق اللہ کو مانیں اور انسان کو مار ڈالنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینے پر اسے قادر نہ جانیں' جس نے بغیر کسی نمونے کے اور بغیر کسی جز کے ابتداً اسے پیدا کر دیا تو دوبارہ جب کہ اس کے اجزاء بھی کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ موجود ہیں اسے پیدا کرنا اس پر کیا مشکل ہے- بلکہ عقل سلیم بھی تسلیم کرتی ہے کہ اب تو اور بھی آسان ہے-

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾ ع ١٠
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ
كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے ہی لطف کرنے والا ہے جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے' وہ بڑی طاقت والا اور بڑے غلبہ والا ہے ○ جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس کی کھیتی میں اور ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے' ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ○

غفور ورحیم اللہ: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۰) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے ایک کو دوسرے کے ہاتھ سے روزی پہنچا رہا ہے- ایک بھی نہیں جسے اللہ بھول جائے نیک بد ہر ایک اس کے ہاں کا وظیفہ خوار ہے جیسے فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا الخ' زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کی روزیوں کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے وہ ہر ایک کے رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا بھی ہے- وہ جس کے لئے چاہتا ہے کشادہ روزی مقرر کرتا ہے' وہ طاقتور غالب ہے' جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی- پھر فرماتا ہے جو آخرت کے اعمال کی طرف توجہ کرتا ہے ہم خود اس کی مدد کرتے ہیں اسے قوت طاقت دیتے ہیں- اس کی نیکیاں بڑھاتے رہتے ہیں کسی نیکی کو دس گنی کر دیتے ہیں کسی کو سات سو گنا کسی کو اس سے بھی زیادہ-

الغرض آخرت کی چاہت جس دل میں ہوتی ہے اس شخص کو نیک اعمال کی توفیق اللہ کی طرف سے عطا فرمائی جاتی ہے اور جس کی تمام کوشش دنیا حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے آخرت کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی تو وہ دونوں جہاں سے محروم رہتا ہے- دنیا کا ملنا اللہ کے ارادے پر موقوف ہے ممکن ہے وہ ہزاروں جتن کر لے اور دنیا سے بھی محروم رہ جائے' بدنیتی کے باعث عقبیٰ تو برباد کر ہی چکا تھا- دنیا بھی نہ ملی تو دونوں جہان سے گیا گذرا اور اگر تھوڑی سی دنیا مل بھی گئی تو کیا چنانچہ دوسری آیت میں اس مضمون کو

مقید بیان کیا گیا ہے- فرمان ہے مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ الخ' جو شخص دنیا کا ہوگا ایسے لوگوں میں سے ہم جسے چاہیں اور جتنا چاہیں دے دیں گے پھر اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے- جس میں وہ بدحال اور راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا اور جو آخرت کی طلب کرے گا اور اس کے لئے جو کوشش کرنی چاہئے کرے گا اور وہ باایمان بھی ہوگا- تو ناممکن ہے کہ اس کی کوشش کی قدر دانی نہ کی جائے- دنیوی بخشش وعطاء تو عام ہے- اس سے ہم ان سب کی امداد کیا کرتے ہیں اور تیرے رب کی یہ دنیوی عطا کسی پر بند نہیں' خود دیکھ لو کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دے رکھی ہے' یقین مان لو کہ کو درجوں کے اعتبار سے بھی اور فضیلت کی حیثیت سے بھی آخرت بہت بڑی ہے- حضورؐ کا فرمان ہے کہ اس امت کو برتری اور بلندی کی نصرت اور سلطنت کی خوشخبری ہو- ان میں سے جو شخص دینی عمل دنیا کے لئے کرے گا اسے آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا-

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ
يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ
مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں' اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کر دیا جاتا' یقیناً ان ظالموں کے لئے ہی دردناک عذاب ہیں ○ تو دیکھے گا کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے جو یقیناً ان پر واقع ہونے والے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے' وہ جو چاہت کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے' یہی ہے بڑا فضل ○

(آیت: ۲۱-۲۲) پھر فرماتا ہے کہ یہ مشرکین دین اللہ کی تو پیروی کرتے نہیں بلکہ جن شیاطین اور انسانوں کو انہوں نے اپنا بڑا سمجھ رکھا ہے یہ جو احکام انہیں بتاتے ہیں انہی احکام کے مجموعے کو دین سمجھتے ہیں- حلال وحرام کا تعین اپنے ان بڑوں کے کہنے پر کرتے ہیں انہیں کے ایجاد کردہ عبادات کے طریقے استعمال کر رہے ہیں' اسی طرح مال کے احکام بھی از خود تراشیدہ ہیں' جنہیں شرعی سمجھ بیٹھے ہیں- چنانچہ جاہلیت میں بعض جانوروں کو انہوں نے از خود حرام کر لیا تھا مثلاً وہ جانور جس کا کان چیر کر اپنے معبودان باطل کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور داغ دے کر سانڈ چھوڑ دیتے تھے اور مادہ بچے کو حمل کی صورت میں ہی ان کے نام کر دیتے تھے جس اونٹ سے دس بچے حاصل کر لیں اسے ان کے نام چھوڑ دیتے تھے پھر انہیں ان کی تعظیم کے خیال سے اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور بعض چیزوں کو حلال کر لیا تھا جیسے مردار' خون اور جوا- صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا- یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر جانوروں کو چھوڑنا بتایا یہ شخص خزاعہ کے بادشاہوں میں سے تھا- اسی نے سب سے پہلے ان کاموں کی ایجاد کی تھی- جو جاہلیت کے کام عربوں میں مروج تھے- اسی نے قریشیوں کو بت پرستی میں ڈال دیا' اللہ اس پر اپنی پھٹکار نازل

فرمائے۔ فرماتا ہے کہ اگر میری یہ بات پہلے سے میرے ہاں طے شدہ نہ ہوتی کہ میں گنہگاروں کو قیامت کے آنے تک ڈھیل دوں گا۔ تو میں آج ہی ان کفار کو اپنے عذاب میں جکڑ لیتا۔

اب انہیں قیامت کے دن جہنم کے المناک اور بڑے سخت عذاب ہوں گے' میدان قیامت میں تم دیکھو گے کہ یہ ظالم لوگ اپنے کرتوتوں سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔ مارے خوف کے تھرا رہے ہوں گے۔ لیکن آج کوئی چیز نہ ہوگی جو انہیں بچا سکے۔ آج تو یہ اعمال کا مزہ چکھ کر ہی رہیں گے۔ ان کے بالکل برعکس ایماندار نیکوکار لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ امن چین سے جنتوں کے باغات میں مزے کر رہے ہوں گے۔ ان کی ذلت رسوائی ڈر خوف ان کی عزت بڑائی امن چین کا خیال کر لو۔ وہ طرح طرح کی مصیبتوں تکلیفوں میں ہوں گے' یہ طرح طرح کی راحتوں اور لذتوں میں ہوں گے۔ عمدہ بہترین غذائیں' بہترین لباس' مکانات' بہترین بیویاں اور بہترین ساز و سامان انہیں ملے ہوئے ہوں گے جن کا دیکھنا سننا تو کہاں؟ کسی انسان کے ذہن اور تصور میں بھی یہ چیزیں نہیں آ سکتیں۔ حضرت ابو طیبہؒ فرماتے ہیں جنتیوں کے سروں پر ابر آئے گا اور انہیں ندا ہوگی کہ بتاؤ کس چیز کی بارش چاہتے ہو؟ پس جو لوگ جس چیز کی بارش چاہیں گے وہی چیز ان پر اس بادل سے برسے گی یہاں تک کہ کہیں گے ہم پر ابھرے ہوئے سینے والی ہم عمر عورتیں برسائی جائیں چنانچہ وہی برسیں گی۔ اسی لئے فرمایا کہ فضل کبیر یعنی زبردست کامیابی کامل نعمت یہی ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ
قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ
وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
شَكُوْرٌ ۝۲۳

یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کئے' تو کہہ دے کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتے داری کی' جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اس کے لئے اس کی نیکی میں اور حسن بڑھا دیں گے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت قدردان ہے ○

رسول اللہ سے قرابت داری کی فضیلت: ☆☆ (آیت:۲۳) اوپر کی آیتوں میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے بیان فرما رہا ہے کہ ایماندار نیکوکار بندوں کو اس کی بشارت ہو۔ پھر اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے قریش کے مشرکین سے کہہ دو کہ اس تبلیغ پر اور اس تمہاری خیر خواہی پر میں تم سے کچھ طلب تو نہیں کر رہا۔ تمہاری بھلائی تو ایک طرف رہی تم اگر اپنی برائی سے ہی ٹل جاؤ اور مجھے رب کی رسالت پہنچانے دو اور قرابت داری کے رشتے کو سامنے رکھ کر میری ایذا رسانی سے ہی رک جاؤ تو یہی بہت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو حضرت سعید بن جبیرؒ نے کہا اس سے مراد قرابت آل محمدؐ ہے۔ یہ سن کر آپؓ نے فرمایا تم نے عجلت سے کام لیا۔ سنو قریش کے جس قدر قبیلے تھے سب کے ساتھ حضورؐ کی رشتہ داری تھی تو مطلب یہ ہے کہ تم اس رشتے داری کا لحاظ رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔

حضرت مجاہدؒ' حضرت عکرمہؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت سدیؒ' حضرت ابو مالکؒ' حضرت عبدالرحمٰنؒ وغیرہ بھی اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے کہا میں تم سے اس کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ اس میری قرابت کا حق جو تم پر ہے وہ ادا کرو۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو

دلیلیں دی ہیں جس ہدایت کا راستہ بتایا ہے اس پر کوئی اجر تم سے نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم اللہ کو چاہنے لگو اور اس کی اطاعت کی وجہ سے اس سے قرب اور نزدیکی حاصل کرلو۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ تو یہ دوسرا قول ہوا' پہلا قول حضورؐ کا اپنی رشتے داری کو یاد دلانا۔

دوسرا قول آپ کی یہ طلب کہ لوگ اللہ کی نزدیکی حاصل کرلیں۔ تیسرا قول جو حضرت سعید بن جبیرؒ کی روایت سے گذرا کہ تم میری قرابت کے ساتھ احسان اور نیکی کرو۔ ابوالدیلم کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید کر کے لایا گیا اور دمشق کے بالا خانے میں رکھا گیا تو ایک شامی نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرایا اور تمہارا ناس کرا دیا اور فتنہ کی ترقی کو روک دیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن بھی پڑھا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا اس میں حم والی سورتیں بھی پڑھی ہیں؟ اس نے کہا واہ سارا قرآن پڑھ لیا اور حم والی سورتیں نہیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا پھر کیا ان میں اس آیت کی تلاوت تو نے نہیں کی؟ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنی میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر محبت قرابت کی۔ اس نے کہا پھر تم وہ ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت عمرو بن شعیبؒ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا مراد قرابت رسولؐ ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ انصارؓ نے اپنی خدمات اسلام گنوائیں گویا فخر کے طور پر۔ اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا ہم تم سے افضل ہیں جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ ان کی مجلس میں آئے اور فرمایا انصاریو! کیا تم ذلت کی حالت میں نہ تھے؟ پھر اللہ نے تمہیں میری وجہ سے عزت بخشی! انہوں نے کہا بے شک آپ سچے ہیں۔ فرمایا کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت کی؟ انہوں نے کہا ہاں بے شک آپ نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا اب تم مجھے کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا کیا کہیں؟ فرمایا کیوں نہیں کہتے کہ کیا تیری قوم نے تجھے نکال نہیں دیا تھا؟ اس وقت ہم نے تجھے پناہ دی' کیا انہوں نے تجھے جھٹلایا نہ تھا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی؟ کیا انہوں نے تجھے پست کرنا نہیں چاہا تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی؟ اسی طرح کی آپ نے اور بھی بہت سی باتیں کہیں یہاں تک کہ انصار اپنے گھٹنوں پر جھک پڑے اور انہوں نے کہا حضورؐ ہماری اولاد اور جو کچھ ہمارے پاس ہے سب اللہ کا اور سب اس کے رسول کے لئے ہے۔

پھر یہ آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں بھی اسی کے قریب ضعیف سند سے مروی ہے۔ بخاری و مسلم میں یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ یہ واقعہ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے وقت پیش آیا تھا اور اس میں آیت کے اترنے کا ذکر بھی نہیں اور اس آیت کو مدینے میں نازل شدہ ماننے میں بھی قدرے تامل ہے' اس لئے کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ پھر جو واقعہ حدیث میں مذکور ہے اس واقعہ میں اور اس آیت میں کچھ ایسی زیادہ ظاہر مناسبت بھی نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں جن کی محبت رکھنے کا ہمیں حکم باری ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا راوی مبہم ہے جو معروف نہیں پھر اس کا استاد ایک شیعہ ہے جو بالکل ثقاہت سے گرا ہوا ہے اس کا نام حسین اشغر ہے اس جیسی حدیث بھلا اس کی روایت سے کیسے مان لی جائے گی؟ پھر مدینے میں آیت نازل ہونا ہی مستبعد ہے۔ حق یہ ہے کہ آیت مکیہ ہے اور مکہ شریف میں حضرت فاطمہؓ کا عقد ہی نہ ہوا تھا اور اولاد کیسی؟ آپ کا عقد تو صرف حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ بدر کے بعد سنہ ۲ھ میں ہوا۔

پس صحیح تفسیر اس کی وہی ہے جو حبر الامہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے جو بحوالہ بخاری پہلے

گذر چکی ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے منکر نہیں ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان وسلوک اور ان کا اکرام واحترام ضروری چیز ہے' روئے زمین پر ان سے زیادہ پاک اور صاف ستھرا گھرانا اور نہیں' حسب ونسب میں اور فخر ومباہات میں بلا شک یہ سب سے اعلیٰ ہیں۔ بالخصوص ان میں سے وہ جو متبع سنت نبی ہوں۔ جیسے کہ اسلاف کی روش تھی یعنی حضرت عباس اور آل عباسؓ کی حضرت علیؓ اور آل علیؓ کی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا ہے میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض پر میرے پاس نہ آئیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ قریشی جب آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہم سے اس ہنسی خوشی کے ساتھ نہیں ملتے۔ یہ سن کر آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے اور روایت میں ہے کہ حضرت عبادؓ نے کہا قریشی باتیں کرتے ہوئے ہیں ہمیں دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ اسے سن کر مارے غصے کے آپؐ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور فرمایا واللہ کسی مسلمان کے دل میں یامان جاگزیں نہیں ہوگا جب تک کہ وہ تم سے اللہ کے لئے اور میری قرابت داری کی وجہ سے محبت نہ رکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا لوگو! حضورؐ کا لحاظ حضورؐ کے اہل بیت میں رکھو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے سلوک سے بھی پیارا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا واللہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام لانے سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ اس لئے کہ تمہارا اسلام حضورؐ کو خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ پس اسلام کے ان دو چمکتے ستاروں کا' مسلمانوں کے ان دونوں سیدوں کا جو معاملہ آل رسولؐ اور اقربائے پیغمبر کے ساتھ تھا وہی عزت ومحبت کا معاملہ مسلمانوں کو آپ کے اہل بیت اور قرابت داروں سے رکھنا چاہئے کیونکہ نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام دنیا سے افضل یہی دونوں بزرگ خلیفۂ رسولؐ تھے پس مسلمانوں کو ان کی پیروی کر کے حضورؐ کے اہل بیت اور کنبے قبیلے کے ساتھ عقیدت سے پیش آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں خلیفوں سے' اہل بیت سے اور حضورؐ کے کل صحابہ سے خوش ہو جائے۔ اور سب کو اپنی رضامندی میں لے لے۔ آمین۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ یزید بن حیان اور حصین بن میسرہ اور عمر بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت حصین نے کہا اے حضرت! آپ کو تو بڑی بڑی خیر وبرکت مل گئی' آپ نے اللہ کے نبی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' آپ نے اللہ کے پیغمبر کی باتیں اپنے کانوں سنیں' آپ کے ساتھ جہاد کئے' آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں' حق تو یہ ہے کہ بڑی بڑی فضیلتیں آپ نے سمیٹ لیں۔ اچھا اب کوئی حدیث ہمیں بھی بتائیے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے فرمایا میرے بھتیجے! سنو میری عمر اب بڑی ہو گئی حضور کی رحلت کو عرصہ گذر چکا۔ بعض چیزیں ذہن میں محفوظ ہی نہیں رہیں' اب تو یہی رکھو کہ جو از خود سنا دوں اسے مان لیا کرو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو کہ تکلیف سے بیان کرنا پڑے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہ کے پاس جسے خم کہا جاتا تھا کھڑے ہو کر اللہ کے رسولؐ نے ہمیں ایک خطبہ سنایا' اللہ کی حمد وثنا کی وعظ وپند کیا پھر فرمایا لوگو! میں ایک انسان ہوں کیا عجب کہ ابھی ابھی میرے پاس قاصد الٰہی پہنچ جائے اور میں اس کی مان لوں' سنو میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک تو کتاب اللہ جس میں نور وہدایت ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام لو اور اس کو مضبوطی سے تھامے رہو پس اس کی بڑی رغبت دلائی اور بہت کچھ تاکید کی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت! میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں یہ سن کر حصینؓ نے حضرت زیدؓ سے پوچھا اے زید! آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں اہل بیت

میں داخل نہیں؟ فرمایا بے شک آپ کی بیویاں ہیں اور وہ جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس رضی اللہ عنہم۔ پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں؟

ترمذی شریف میں ہے حضورؐ نے فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط تھامے رہے تو بہکو گے نہیں، ایک دوسری سے زیادہ عظمت والی ہے کتاب اللہ جو اللہ کی طرف سے ایک لٹکائی ہوئی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک آئی ہے اور دوسری چیز میری عترت میرے اہل بیت ہیں اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آئیں۔ پس دیکھ لو کہ میرے بعد کس طرح ان میں میری جانشینی کرتے ہو؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور صرف ترمذی میں یہ روایت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے ترمذی میں ہے کہ عرفے والے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جسے قصواء کہا جاتا تھا خطبہ دیا جس میں فرمایا لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے تھامے رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو مدنظر رکھ کر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میرے محبت کی وجہ سے میری اہل بیت سے محبت رکھو۔ یہ حدیث اور اوپر کی حدیث حسن غریب ہے۔ اس مضمون کی اور احادیث ہم نے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الخ، کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں فالحمدللہ۔

ایک ضعیف حدیث مسند ابو یعلی میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھامے ہوئے فرمایا لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں جو نہیں پہچانتے وہ اب پہچان کر لیں کہ میرا نام ابوذر ہے۔ سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال مثل نوح کی کشتی کے ہے اس میں جو چلا گیا اس نے نجات پا لی اور جو اس میں داخل نہ ہوا ہلاک ہوا۔ پھر فرماتا ہے جو نیک عمل کرے ہم اس کا ثواب اور بڑھا دیتے ہیں، جیسے ایک اور آیت میں فرمایا اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر ظلم نہیں کرتا اگر نیکی ہو تو اور بڑھا دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس کے بعد نیکی ہے اور برائی کا بدلہ اس کے بعد برائی ہے۔ پھر فرمان ہوا کہ اللہ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور نیکیوں کی قدر دانی کرنے والا ہے، انہیں بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ
اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ
بِكَلِمٰتِهٖ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ افتراء کر لیا ہے، اگر اللہ چاہے تو تیرے دل پر مہر لگا دے اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا ہے اور سچ کو ثابت رکھتا ہے، وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے ○

(آیت: ۲۴) پھر فرماتا ہے کہ یہ جاہل کفار جو کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو نے گھڑ لیا ہے اور اللہ کے نام لگا دیا ہے ایسا نہیں اگر ایسا ہوتا تو اللہ تیرے دل پر مہر لگا دیتا اور تجھے کچھ بھی یاد نہ رہتا جیسے فرمان ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ، اگر یہ رسول ہمارے ذمے کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی انہیں اس سزا سے نہ بچا سکتا۔ یعنی یہ اگر

ہمارے کلام میں کچھ بھی زیادتی کرتے تو ایسا انتقام لیتے کہ دنیا کی کوئی ہستی اسے نہ بچا سکتی۔ اس کے بعد کا جملہ وَيَمْحُ اللّٰهُ الخ، يَخْتِمْ پر معطوف نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ يَخْتِمْ پر عطف نہیں جو مجزوم ہو۔ واؤ کا کتابت میں نہ آنا یہ صرف امام کے رسم خط کی موافقت کی وجہ سے ہے۔ جیسے سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ میں واؤ لکھنے میں نہیں آئی۔ اور يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِ میں واؤ نہیں لکھی گئی۔ ہاں اس کے بعد کے جملے وَيُحِقُّ الْحَقَّ کا عطف يَمْحُ اللّٰهُ الخ، پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ حق کو واضح اور مبین کر دیتا ہے، اپنے کلمات سے یعنی دلائل بیان فرما کر حجت پیش کر کے وہ خوب دانا و بینا ہے۔ دلوں کے راز سینوں کے بھید اس پر کھلے ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ
وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲۵ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝۲۶ وَلَوْ
بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْاَرْضِ وَلٰكِنْ
يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۷

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگذر فرماتا ہے ○ اور جو کچھ تم کر رہے ہو سب جانتا ہے اور ایمان والوں اور نیک کار لوگوں کی سنتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادتی عطا فرماتا ہے اور کفار کے لئے ہی سخت مار ہے ○ اگر اللہ تعالیٰ سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے، وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے ○

توبہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ : ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۷) اللہ تعالیٰ اپنا احسان اور اپنا کرم بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر اس قدر مہربان ہے کہ بد سے بد گنہگار بھی جب اپنی بدکرداری سے باز آئے اور خلوص کے ساتھ اس کے سامنے جھکے اور سچے دل سے توبہ کرے تو وہ اپنے کرم و رحم سے اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اپنا فضل اس کے شامل حال کر دیتا ہے، جیسے اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ الخ، جو شخص بدعملی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا۔

صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی جنگل بیابان میں گم ہو گئی ہو جس پر اس کا کھانا پینا بھی ہو یہ اس کی جستجو کر کے عاجز آ کر کسی درخت تلے پڑ رہا اور اپنی جان سے بھی تقریباً ہاتھ دھو بیٹھا، اونٹنی سے بالکل مایوس ہو گیا کہ یکایک وہ دیکھتا ہے کہ اونٹنی اس کے پاس ہی کھڑی ہے یہ فوراً اٹھ بیٹھتا ہے اس کی نکیل تھام لیتا ہے اور اس قدر خوش ہوتا ہے کہ بے تحاشا اس کی زبان سے نکل جاتا ہے کہ یا اللہ بے شک تو میرا غلام ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ وہ اپنی خوشی کی وجہ سے خطا کر جاتا ہے۔ ایک مختصر حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اتنی خوشی اس شخص کو بھی نہیں ہوتی جو ایسی جگہ میں ہو جہاں پیاس کے مارے ہلاک ہو رہا ہو اور وہیں اس کی سواری کا جانور گم ہو گیا ہو جو اسے دفعتاً مل جائے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے برا کام کرتا ہے پھر اس سے نکاح کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نکاح میں کوئی حرج نہیں پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ توبہ تو مستقبل کے لئے قبول ہوتی ہے اور برائیاں گذشتہ معاف کر دی جاتی ہیں۔

تمہارے ہر قول و فعل اور ہر عمل کا اسے علم ہے' باوجود اس کے جھکنے والے کی طرف مائل ہوتا ہے اور توبہ قبول فرمالیتا ہے- وہ ایمان والوں اور نیک کاروں کی دعا قبول فرماتا ہے وہ خود اپنے لئے دعا کریں خواہ دوسروں کے لئے- حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام میں خطبہ پڑھتے ہوئے اپنے مجاہد ساتھیوں سے فرماتے ہیں تم ایمان دار ہو اور جنتی ہو اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ رومی اور فارسی جنہیں تم قید کر لائے ہو کیا عجب کہ یہ بھی جنت میں پہنچ جائیں کیونکہ ان میں سے جب تمہارا کام کوئی کر دیتا ہے تو تم اسے کہتے ہو اللہ تجھ پر رحم کرے تو نے بہت اچھا کام کیا' اللہ تجھے برکت دے تو نے بہت اچھا کیا وغیرہ اور قرآن کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کا یہ جملہ تلاوت فرمایا- معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ ان کی سنتا ہے اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ جو بات کو مان لیتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں اور جیسے فرمایا اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ- ابن ابی حاتم میں ہے کہ اپنے فضل سے زیادتی دینا یہ ہے کہ ان کے حق میں ایسے لوگوں کی سفارش قبول فرمالے گا جن کے ساتھ انہوں نے کچھ سلوک کیا ہو-

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے وہ اپنے بھائیوں کی سفارش کریں گے اور انہیں زیادہ فضل ملے گا یعنی بھائیوں کے بھائیوں کو بھی شفاعت کی اجازت ہو جائے گی- مومنوں کی اس عز و شان کو بیان فرما کر کفار کی بدحالی بیان فرمائی کہ انہیں سخت دردناک اور گھبراہٹ والے عذاب ہوں گے' پھر فرمایا اگر ان بندوں کو ان کی روزیوں میں وسعت مل جاتی ان کی ضرورت سے زیادہ ان کے پلے پڑ جاتا تو یہ خرمستی میں آ کر دنیا میں ہلڑ مچا دیتے اور دنیا کے امن کو آگ لگا دیتے ایک دوسرے کو پھونک دیتے بھون کھاتے- سرکشی اور طغیان' تکبر اور بے پرواہی حد سے بڑھ جاتی- اسی لئے حضرت قتادہ کا فلسفیانہ مقولہ ہے کہ زندگی کا سامان اتنا ہی اچھا ہے جتنے میں سرکشی اور لاابالی پن نہ آئے- اس مضمون کی پوری حدیث کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ ڈر دنیا کی نمائش کا ہے پہلے بیان ہو چکی ہے- پھر فرماتا ہے وہ ایک اندازے سے روزیاں پہنچا رہا ہے بندے کی صلاحیت کا اسے علم ہے- غنا اور فقیری کے مستحق کا وہ خوب جانتا ہے- قدسی حدیث شریف میں ہے میرے بندے ایسے بھی ہیں جن کی صلاحیت مالداری میں ہی ہے اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو وہ دینداری سے بھی جاتے رہیں گے- اور بعض میرے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کے لائق فقیری ہی ہے اگر وہ مال حاصل کرلیں اور تونگر بن جائیں تو اس حالت میں گویا ان کا دین فاسد کر دوں-

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے' وہی ہے کارساز اور قابل حمد و ثنا ○

(آیت: ۲۸) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لوگ باران رحمت کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو جاتے ہیں ایسی پوری حاجت اور سخت مصیبت کے وقت میں بارش برساتا ہوں ان کی ناامیدی اور خشک سالی ختم ہو جاتی ہے اور عام طور پر میری رحمت پھیل جاتی ہے- امیر المومنین خلیفۃ المسلمین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کہتا ہے امیر المومنین! قحط سالی ہو گئی اور اب تو لوگ بارش سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے فرمایا جاؤ اب ان شاء اللہ ضرور بارش ہوگی پھر اسی آیت کی تلاوت کی-⑤ وہ ولی وحمید ہے- یعنی مخلوقات کے تصرفات اسی کے قبضے میں ہیں اس کے کام قابل ستائش و تعریف ہیں- مخلوق کے بھلے کو وہ جانتا ہے اور ان کے نفع کا اسے علم ہے اس کے کام نفع سے خالی نہیں-

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِيۡهِمَا مِنۡ
دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمۡعِهِمۡ اِذَا يَشَآءُ قَدِيۡرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ ع ۱۰ ۲
مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ ﴿۳۰﴾
وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۖۚ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۳۱﴾

اس کی نشانیوں میں سے آسمان و زمین کی پیدائش ہے اور ان میں جانداروں کا پھیلانا ہے' وہ اس پر بھی قادر ہے ○ کہ جب چاہے انہیں جمع کر دے تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور بھی تو بہت سی باتوں سے وہ درگذر فرما لیتا ہے ○ تم (ہمیں) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو' تمہارے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار ○

آفات اور تکالیف سے خطاؤں کی معافی ہوتی ہے: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت اور سلطنت کا بیان ہو رہا ہے کہ آسمان و زمین اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور ان میں کی ساری مخلوق بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے- فرشتے انسان جنات اور مختلف قسموں کے حیوانات جو کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں قیامت کے دن وہ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا' جب کہ ان کے حواس گم ہو چکے ہوں گے اور ان میں عدل و انصاف کیا جائے گا- پھر فرماتا ہے لوگو! تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ سب دراصل تمہارے اپنے کئے گناہوں کا بدلہ ہیں اور ابھی تو وہ غفور و رحیم اللہ تمہاری بہت سی حکم عدولیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور انہیں معاف فرما دیتا ہے' اگر ہر اک گناہ پر پکڑے تو تم زمین پر چل پھر بھی نہ سکو- صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو جو تکلیف' سختی' غم اور پریشانی ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کے عوض بھی- جب آیت فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا الخ' اتری اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا کھا رہے تھے آپ نے اسے سن کر کھانے سے ہاتھ ہٹا لیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا ہر برائی بھلائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا سنو طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں اللہ کے پاس جمع شدہ ہیں- حضرت ابو ادریسؒ فرماتے ہیں یہی مضمون اس آیت میں بیان ہوا ہے- امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں کتاب اللہ شریف کی افضل تر آیت سناؤں اور ساتھ ہی حدیث بھی- حضورؐ نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت کی اور میرا نام لے کر فرمایا سن میں اس کی تفسیر بھی تجھے بتا دوں جو بیماریاں سختیاں' اور بلائیں' آفتیں دنیا میں پہنچتی ہیں وہ سب بدلہ ہے تمہارے اپنے اعمال کا اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے بہت زیادہ ہے کہ پھر انہی پر آخرت میں بھی سزا کرے اور اکثر برائیاں معاف فرما دیتا ہے تو اس کے کرم سے یہ بالکل ناممکن ہے کہ دنیا میں معاف کی ہوئی خطاؤں پر آخرت میں پکڑے- (مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں یہی روایت حضرت علیؓ ہی کے قول سے مروی ہے- اس میں ہے کہ ابو جحیفہؒ جب حضرت علیؓ کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جسے یاد رکھنا ہر مومن کا فرض ہے پھر یہ تفسیر آیت کی اپنی طرف سے کر کے سنائی- مسند میں ہے کہ مسلمان کے جسم میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرماتا ہے- مسند ہی کی اور حدیث میں ہے جب ایمان دار بندے کے گناہ بڑھ جاتے اور اس کے کفارے کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوتی تو اللہ اسے کسی رنج و غم میں مبتلا کر دیتا ہے

اور وہی اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس آیت کے اترنے پر حضورؐ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ لکڑی کی ذرا سی خراش ہڈی کی ذرا سی تکلیف یہاں تک کہ قدم کا پھسلنا بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہے اور ابھی اللہ کے عفو کیے ہوئے بہت سے گناہ تو یونہی مٹ جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم ہی میں ہے کہ جب حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم میں تکلیف ہوئی اور لوگ ان کی عیادت کو گئے تو حضرت حسنؒ نے کہا آپ کی یہ حالت تو دیکھی نہیں جاتی ہمیں بڑا صدمہ ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو جو تم دیکھ رہے ہو یہ سب گناہوں کا کفارہ ہے اور ابھی بہت سے گناہ تو اللہ معاف فرما چکا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔ ابو البلادؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علاء بن بدرؒ سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میں ابھی نابالغ بچہ ہوں اور اندھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تیرے ماں باپ کے گناہوں کا بدلہ ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر بھول جانے والا یقیناً اپنے کسی گناہ میں پکڑا گیا ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا بتاؤ تو اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو گی کہ انسان یاد کر کے کلام اللہ بھول جائے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ
الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ
عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ
مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اس کی نشانیوں میں سے ہیں ○ اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی کی رکی رہ جائیں یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کے لئے نشانیاں ہیں ○ یا انہیں ان کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے وہ تو بہت سی تقصیروں سے درگذر فرمایا کرتا ہے ○ تاکہ ہماری نشانیوں میں جو لوگ الجھتے ہیں وہ معلوم کر لیں کہ ان کے لئے کوئی چھٹکارا نہیں ○

سمندروں کی تسخیر قدرت الٰہی کی نشانی: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۵) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں۔ بڑی بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ ان کشتیوں کو ادھر ادھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضے میں ہیں اگر وہ چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے پھر تو بادبان بے کار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے۔ ہر وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانیوں میں شکر کا عادی ہو اس کے لئے تو بڑی عبرت کی جا ہے وہ رب کی عظیم الشان قدرت اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانیوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑ روں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے۔ ابھی تو وہ بہت سے گناہوں سے درگذر فرما لیتا ہے اور اگر سب گناہوں پر پکڑے تو جو بھی کشتی میں بیٹھے سیدھا سمندر میں ڈوبے۔ لیکن اس کی بے پایاں رحمت ان کو اس پار سے اس پار کر دیتی ہے۔

علماء تفسیر نے یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو اسی ہوا کو ناموافق کر دے تیز و تند آندھی چلا دے جو کشتی کو سیدھی راہ چلنے ہی نہ دے ادھر

ادھر کر دے، سنبھالے نہ سنبھل سکے، جہاں جانا ہے اس طرف جا ہی نہ سکے اور یوں سرگشتہ و حیران ہو کر اہل کشتی تباہ ہو جائیں۔ الغرض اگر ہوا بند کر دے تو کھڑے کھڑے ناکام رہیں اور اگر تیز کر دے تو بھی ناکامی۔ لیکن یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں چلاتا ہے اور لمبے لمبے سفران کشتیوں کے ذریعہ بنی آدم طے کرتا ہے اور اپنے مقصد کو پالیتا ہے۔ یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے خشک سالی رہے، دنیا تباہ ہو جائے، اگر بہت ہی برسا دے تو تر سالی کوئی چیز پیدا نہ ہونے دے اور دنیا ہلاک ہو جائے۔ ساتھ ہی مینہ کی کثرت طغیانی کا، مکانوں کے گرنے کا اور پوری بربادی کا سبب بن جائے۔ یہاں تک کہ رب کی مہربانی سے جن شہروں میں اور جن زمینوں میں زیادہ بارش کی ضرورت ہے۔ وہاں کثرت سے مینہ برستا ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہے۔ وہاں کمی سے۔

پھر فرماتا ہے کہ ہماری نشانیوں سے جھگڑنے والے ایسے موقعوں پر تو مان لیتے ہیں کہ وہ ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ ہم اگر انتقام لینا چاہیں ہم اگر عذاب کرنا چاہیں تو وہ چھوٹ نہیں سکتے۔ سب ہماری قدرت اور مشیت تلے ہیں، فَسُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمَ شَانَهٗ۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ
خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ
يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ
يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ۚ

تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا کچھ یونہی سا اسباب ہے اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے درجہا بہتر اور پائیدار ہے، وہ ان کے لئے ہے ○ جو ایمان لائے ہیں اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور غصے کے وقت بھی معاف کر دیا کرتے ہیں ○

درگذر کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہے: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۷) اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے قدری اور اس کی حقارت بیان فرمائی کہ اسے جمع کر کے کسی کو اس پر اترانا نہیں چاہئے کیونکہ یہ فانی چیز ہے بلکہ آخرت کی طرف رغبت کرنی چاہئے۔ نیک اعمال کر کے ثواب جمع کرنا چاہئے جو سرمدی اور باقی چیز ہے۔ پس فانی کو باقی پر، کمی کو زیادتی پر ترجیح دینا عقلمندی نہیں، اب اس ثواب کے حاصل کرنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں کہ ایمان مضبوط ہو تا کہ دنیاوی لذتوں کے ترک پر صبر ہو سکے۔ اللہ پر کامل بھروسہ ہو تا کہ صبر پر اس کی امداد ملے اور احکام الٰہی کی بجا آوری اور نافرمانیوں سے اجتناب آسان ہو جائے۔ کبیرہ گناہوں اور فحش کاموں سے پرہیز چاہئے۔

اس جملہ کی تفسیر سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے۔ غصے پر قابو چاہئے کہ عین غصے اور غضب کی حالت میں بھی خوش خلقی اور درگذر کی عادت نہ چھوٹے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے نفس کا بدلہ کسی سے نہیں لیا ہاں اگر اللہ کے احکام کی بے عزتی اور بے توقیری ہوتی ہو تو اور بات ہے اور حدیث میں ہے کہ بہت زیادہ غصے کی حالت میں بھی آپ کی زبان سے اس کے سوا اور کچھ الفاظ نہ نکلتے کہ فرماتے اسے کیا ہو گیا ہے اس کے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں مسلمان پست و ذلیل ہونا تو پسند نہیں کرتے تھے لیکن غالب آ کر انتقام بھی نہیں لیتے تھے بلکہ درگذر کر جاتے اور معاف فرما دیتے۔ ان کی اور صفت یہ ہے کہ یہ اللہ کا کہا کرتے ہیں، رسولؐ کی اتباع کرتے ہیں، جس کا وہ حکم کرے بجا لاتے ہیں، جس سے وہ روکے رک جاتے ہیں، نماز کے پابند ہوتے ہیں۔ جو سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ
الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے اور جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہمارے نام دیتے رہتے ہیں ○ اور جب ان پر ظلم و زیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں ○

(آیت: ۳۸-۳۹) بڑے بڑے امور میں بغیر آپس کی مشاورت کے ہاتھ نہیں ڈالتے - خود رسول اللہ ﷺ کو حکم الٰہی ہوتا ہے کہ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ یعنی کام میں ان سے مشورہ کرلیا کرو - اسی لئے حضور کی عادت تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقع پر لوگوں سے مشورہ کرلیا کرتے تاکہ ان کے جی خوش ہو جائیں اور اسی بنا پر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ کہ زخمی کردیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا چھ آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ اپنے مشورے سے میرے بعد کسی کو میرا جانشین مقرر کریں - ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں - عثمان' علی' طلحہ' زبیر' سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم -

پس سب نے باتفاق رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کیا' پھر ان کا جن کے لئے آخرت کی تیاری اور وہاں کے ثواب ہیں ایک اور وصف بیان فرمایا کہ جہاں یہ حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کمی نہیں کرتے - اپنے مال میں محتاجوں کا حصہ بھی رکھتے ہیں اور درجہ بدرجہ اپنی طاقت کے مطابق ہر ایک کے ساتھ سلوک و احسان کرتے رہتے ہیں اور یہ ایسے ذلیل پست اور بے زور نہیں ہوتے کہ ظالم کے ظلم کی کوئی روک تھام نہ کرسکیں بلکہ اتنی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ظالموں سے انتقام لیں اور مظلوم کو اس کے پنجے سے نجات دلوائیں لیکن ہاں! اپنی شرافت کی وجہ سے غالب آ کر پھر چھوڑ دیتے ہیں جیسے کہ اللہ کے نبی حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں پر قابو پا کر فرمادیا کہ جاؤ تمہیں میں کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا بلکہ میری خواہش ہے اور دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرما دے اور جیسے کہ سردار انبیاء رسول اللہ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حدیبیہ میں کیا جب کہ اسی (۸۰) کفار غفلت کا موقع ڈھونڈ کر چپ چاپ لشکر اسلام میں گھس آئے جب یہ پکڑ لئے گئے اور گرفتار ہو کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے ان سب کو معافی دے دی اور چھوڑ دیا۔

اور اسی طرح آپ نے غورث بن حارث کو معاف فرمادیا یہ وہ شخص ہے کہ حضورؐ کے سوتے ہوئے اس نے آپ کی تلوار پر قبضہ کرلیا جب آپ جاگے اور اسے ڈانٹا تو تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے تلوار لے لی اور وہ مجرم گردن جھکائے آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے صحابہ کو بلا کر یہ منظر بھی دکھایا اور یہ قصہ بھی سنایا پھر اسے معاف فرمادیا اور جانے دیا - اسی طرح لبید بن اعصم نے جب آپ پر جادو کیا تو علم و قدرت کے باوجود آپ نے اس سے درگذر فرمالیا - اور اسی طرح جس یہودیہ عورت نے آپ کو زہر دیا تھا آپ نے اس سے بھی بدلہ نہ لیا اور قابو پانے اور معلوم ہو جانے کے باوجود بھی آپ نے اتنے بڑے واقعہ کو آنا جانا کر دیا - اس عورت کا نام زینب تھا یہ مرحب یہودی کی بہن تھی جو جنگ خیبر میں حضرت محمود بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا - اس نے بکری کے شانے کے گوشت میں زہر ملا کر خود حضورؐ کے سامنے پیش کیا تھا خود شانے نے ہی آنحضرت کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی تھی جب آپ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا تو اس نے اقرار کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اگر آپ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں

تو ہمیں آپ سے راحت حاصل ہو جائے گی۔ یہ معلوم ہو جانے پر اور اس کے اقبال کر لینے پر بھی رسول اللہ ؐ نے اسے چھوڑ دیا۔ معاف فرما دیا گو بعد میں وہ قتل کر دی گئی۔ اس لئے کہ اسی زہر اور زہریلے کھانے سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تب قصاصاً یہ یہودیہ عورت بھی قتل کرائی گئی۔ اور بھی حضور ؐ کے عفو و درگزر کے ایسے بہت سے واقعات ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۱

برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور صلح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے' فی الواقع اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر الزام کا کوئی راستہ نہیں ○

(آیت: ۴۰-۴۱) ارشاد ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ لینا جائز ہے۔ جیسے فرمایا فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ اور آیت میں ہے وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ ان سب آیات کا مطلب یہی ہے۔ لیکن افضلیت اسی میں ہے کہ عفو و درگذر کیا جائے۔ جیسے فرمایا وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ یعنی خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر اسے معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔ یہاں بھی فرمایا جو شخص معاف کر دے اور صلح و صفائی کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ حدیث میں ہے درگذر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت اور بڑھا دیتا ہے لیکن جو بدلے میں اصل جرم سے بڑھ جائے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر برائی کی ابتدا اسی کی طرف سے سمجھی جائے گی' پھر فرماتا ہے جس پر ظلم ہوا اسے بدلہ لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ ابن عون ؒ فرماتے ہیں میں اس لفظ اِنْتَصَرَ کی تفسیر کی طلب میں تھا تو مجھ سے علی بن زید بن جدعان نے بروایت اپنی والدہ ام محمد کے جو حضرت عائشہ ؓ کے پاس جایا کرتی تھیں' بیان کیا کہ حضرت عائشہ ؓ کے ہاں حضور ؐ گئے۔ اس وقت حضرت زینب ؓ وہاں موجود تھیں۔ آپ کو معلوم نہ تھا' صدیقہ ؓ کی طرف جب آپ ؐ نے ہاتھ بڑھایا تو صدیقہ ؓ نے اشارے سے بتایا' اس وقت آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت زینب نے صدیقہ ؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور کی ممانعت پر بھی خاموش نہ ہوئیں' تو آپ نے حضرت عائشہ کو اجازت دی کہ جواب دیں۔ اب جو جواب ہوا تو حضرت زینب ؓ عاجز آ گئیں اور سیدھی حضرت علی ؓ کے پاس گئیں اور کہا عائشہ ؓ تمہیں یوں یوں کہتی ہیں اور ایسا ایسا کرتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ ؓ حاضر حضور ؐ ہوئیں آپ نے ان سے فرمایا قسم رب کعبہ کی! عائشہ ؓ سے میں محبت رکھتا ہوں۔ یہ تو اسی وقت واپس چلی گئیں اور حضرت علی ؓ سے سارا واقعہ کہہ سنایا پھر حضرت علی ؓ آئے اور آپ سے باتیں کیں۔

یہ روایت ابن جریر میں اسی طرح ہے لیکن اس کے راوی اپنی روایتوں میں عموماً منکر حدیثیں لایا کرتے ہیں اور یہ روایت بھی منکر ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ حضرت زینب ؓ غصہ میں بھری ہوئی بلا اطلاع حضرت عائشہ ؓ کے گھر چلی آئیں اور حضور ؐ سے حضرت صدیقہ ؓ کی نسبت کچھ کہا پھر حضرت عائشہ ؓ سے لڑنے لگیں' لیکن مائی صاحبہ ؓ نے خاموشی اختیار کی جب وہ بہت کہہ چکیں تو آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تو اپنا بدلہ لے لے۔ پھر جو صدیقہ ؓ نے جواب دینے شروع کئے تو حضرت زینب ؓ کا تھوک خشک ہو گیا۔ کوئی جواب نہ دے سکیں اور حضور ؐ کے چہرے سے وہ صدمہ ہٹ گیا۔ حاصل یہ ہے کہ مظلوم ظالم کو جواب دے اور اپنا بدلہ لے لے۔ بزار میں ہے ظالم کے لئے جس نے بددعا کی اس نے بدلہ لے لیا۔ یہی حدیث ترمذی میں ہے لیکن اس کے ایک راوی میں کچھ کلام ہے۔ پھر فرماتا ہے حرج و گناہ ان پر

ہے جو لوگوں پر ظلم کریں اور زمین میں بلاوجہ شر و فساد کریں۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَن صَبَرَ
وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ ع ١٤

یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں' یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہی ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے ○

(آیت: ۴۲-۴۳) چنانچہ صحیح حدیث میں ہے دو برا کہنے والے جو کچھ کہیں' سب کا بوجھ شروع کرنے والے پر ہے جب کہ مظلوم بدلے کی حد سے آگے نہ نکل جائے' ایسے فسادی قیامت کے دن دردناک عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں مکہ جانے لگا تو دیکھا کہ خندق پر پل بنا ہوا ہے۔ میں ابھی وہیں تھا جو گرفتار کر لیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا ابوعبداللہ! تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہی کہ اگر تم سے ہو سکے تو بنوعدی کے بھائی جیسے بن جاؤ' پوچھا وہ کون ہے؟ کہا علاء بن زیاد نے اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ پر عامل بنایا تو انہوں نے اسے لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد! اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کرنا کہ تیری کمر بوجھ سے خالی رہے' تیرا پیٹ حرام سے بچ جائے' تیرے ہاتھ مسلمانوں کے خون و مال سے آلودہ نہ ہوں' تو جب یہ کرے گا تو تجھ پر کوئی گناہ کی راہ باقی نہ رہے گی' یہ راہ تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں اور بے وجہ ناحق زمین میں فساد پھیلائیں۔ مروان نے کہا اللہ جانتا ہے اس نے سچ کہا اور خیر خواہی کی بات کہی۔ اچھا اب کیا آرزو ہے؟ فرمایا یہی کہ تم مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ مروان نے کہا بہت اچھا۔ (ابن ابی حاتم)

پس ظلم و اہل ظلم کی مذمت بیان کر کے بدلے کی اجازت دے کر اب افضلیت کی طرف رغبت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو ایذا برداشت کر لے اور برائی سے درگذر کر لے اس نے بڑی بہادری سے کام کیا۔ جس پر وہ بڑے ثواب اور پورے بدلے کا مستحق ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب تم سے آ کر کوئی شخص کسی اور کی شکایت کرے تو اسے تلقین کرو کہ بھائی معاف کر دو' معافی میں ہی بہتری ہے اور یہی پرہیزگاری کا ثبوت ہے۔ اگر وہ نہ مانے اور اپنے دل کی کمزوری کا اظہار کرے تو خیر کہہ دو کہ جاؤ بدلہ لے لو لیکن اس صورت میں کہ پھر کہیں تم بڑھ نہ جاؤ' ورنہ ہم تو اب بھی یہی کہیں گے کہ معاف کر دو' یہ دروازہ بہت وسعت والا ہے اور بدلے کی راہ بہت تنگ ہے۔ سنو معاف کر دینے والا تو آرام سے میٹھی نیند سو جاتا ہے اور بدلے کی دھن والا دن رات متفکر رہتا ہے اور جوڑ توڑ سوچتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ آپ تعجب کے ساتھ مسکرانے لگے' حضرت صدیقؓ خاموش تھے لیکن جب کہ اس نے بہت گالیاں دیں تو آپؓ نے بھی بعض کا جواب دیا۔ اس پر حضورؐ ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے نہ رہا گیا' آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! وہ مجھے برا کہتا رہا تو آپ بیٹھے رہے' سنتے رہے اور جب میں نے اس کی دو ایک باتوں کا جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کے چلے آئے؟ آپؐ نے فرمایا سنو جب تک تم خاموش تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا تھا' جب تم آپ بولے تو فرشتہ ہٹ گیا اور

شیطان بیچ میں آ گیا پھر بھلا میں شیطان کی موجودگی میں کیسے بیٹھا رہتا؟ پھر فرمایا سنو ابوبکرؓ تین چیزیں بالکل حق ہیں۔

(۱) جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس سے چشم پوشی کر لے تو ضرور اللہ اسے عزت دے گا اور اس کی مدد کرے گا۔

(۲) جو شخص سلوک اور احسان کا دروازہ کھولے گا اور صلہ رحمی کے ارادے سے لوگوں کو دیتا رہے گا اللہ اسے برکت دے گا اور زیادتی عطا فرمائے گا۔

(۳) اور جو شخص مال بڑھانے کے لئے سوال کا دروازہ کھول لے گا اور دوسروں سے مانگتا پھرے گا اللہ اس کے ہاں بے برکتی کر دے گا اور کمی میں ہی مبتلا رہے گا۔ یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے اور مضمون کے اعتبار سے یہ بڑی پیاری حدیث ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى
الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ
سَبِيْلٍ ۝۴۴ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ
يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝۴۵ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ
يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
سَبِيْلٍ ۝۴۶

جسے اللہ بہکا دے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں، تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذابوں کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے؟ ○ اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ جہنم کے سامنے لا کھڑے کئے جائیں گے، مارے ذلت کے کبڑے ہوئے جاتے ہوں گے اور کھلی ہوئی آنکھ کے گوشے سے دیکھ رہے ہوں گے، ایمان دار صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے تئیں اور اپنے گھر والوں کے تئیں نقصان میں ڈال دیا، یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہیں ○ ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ سے الگ ان کی امداد کر سکیں، جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں ○

اللہ تعالیٰ کو کوئی پوچھنے والا نہیں: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی کر سکتا ہے، وہ جسے راہ راست دکھا دے اسے بہکا نہیں سکتا اور جس سے وہ راہ حق گم کر دے اسے کوئی اس راہ کو دکھا نہیں سکتا۔ اور جگہ فرمان ہے وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا جسے وہ گمراہ کر دے اس کا کوئی چارہ ساز اور رہبر نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین قیامت کے عذاب کو دیکھ کر دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ الخ کاش کہ تو انہیں دیکھتا جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم دوبارہ واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم ہرگز اپنے رب کی آیتوں کو جھوٹ نہ بتائیں بلکہ ایمان لے

آئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ لوگ جس چیز کو اس سے پہلے پوشیدہ کئے ہوتے تھے وہ ان کے سامنے آ گئی۔
بات یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ بھیج بھی دیئے جائیں تب بھی وہی کریں گے جس سے منع کئے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ پھر فرمایا یہ جہنم کے پاس لائے جائیں گے اور اللہ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر ذلت برس رہی ہوگی' عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نظریں بچا کر جہنم کو تک رہے ہوں گے۔ خوف زدہ اور حواس باختہ ہو رہے ہوں گے' لیکن جس سے ڈر رہے ہیں اس سے بچ نہ سکیں گے' نہ صرف اتنا ہی بلکہ ان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ عذاب انہیں ہوگا۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے' اس وقت ایمان دار لوگ کہیں گے کہ حقیقی نقصان یافتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ساتھ اپنے والوں کو بھی جہنم واصل کیا۔ یہاں کی آج کی ابدی نعمتوں سے محروم رہے اور انہیں بھی محروم رکھا۔ آج وہ سب الگ الگ عذاب میں مبتلا ہیں۔ دائمی ابدی اور سرمدی سزائیں بھگت رہے ہیں اور یہ ناامید ہو جائیں آج کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے چھڑا سکے یا تخفیف کرا سکے۔ ان گمراہوں کو خلاصی دینے والا کوئی نہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ
مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ
نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ
عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً
فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ
الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس کا ہٹ جانا ناممکن ہے۔ تمہیں اس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر انجان بن جانے کی۔ اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○ تیرے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتا ہے اور اگر انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بیشک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ○

آسانی میں شکر' تنگی میں صبر' مومنوں کی صفت ہے: ☆☆ (آیت: ۴۷-۴۸) چونکہ اوپر یہ ذکر تھا کہ قیامت کے دن بڑے ہیبت ناک واقعات ہوں گے' وہ سخت مصیبت کا دن ہوگا' تو اب یہاں اس سے ڈرا رہا ہے اور اس کے لئے تیار رہنے کو فرماتا ہے کہ اس اچانک آ جانے والے دن سے پہلے ہی پہلے اللہ کے فرمان پر پوری طرح عمل کر لو۔ جب وہ دن آ جائے گا تو تمہیں نہ تو کوئی جائے پناہ ملے گی نہ ایسی جگہ کہ وہاں انجان بن کر ایسے چھپ جاؤ کہ پہچانے نہ جاؤ اور نہ نظر پڑے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرک نہ مانیں تو آپ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے' انہیں ہدایت پر لا کھڑا کر دینا آپ کے ذمے نہیں' یہ کام اللہ کا ہے۔ آپ پر صرف تبلیغ ہے حساب ہم خود لے لیں گے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ راحت میں بدمست بن جاتا ہے اور تکلیف میں ناشکرا پن کرتا ہے۔ اس وقت اگلی نعمتوں کا بھی منکر بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے عورتوں سے فرمایا صدقہ کرو' میں نے تمہیں زیادہ تعداد میں جہنم میں دیکھا ہے۔ کسی عورت نے پوچھا یہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا تمہاری شکایت کی زیادتی اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کی وجہ سے۔ اگر تو ان میں سے کوئی تمہارے ساتھ ایک زمانے تک احسان کرتا رہے پھر ایک دن چھوڑ دے تو تم کہہ دو گی کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی راحت پائی ہی نہیں۔ فی الواقع اکثر

عورتوں کا یہی حال ہے لیکن جس پر اللہ رحم کرے اور نیکی کی توفیق دے دے اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔ پھر تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر راحت پہ شکر' ہر رنج پر صبر' پس ہر حال میں نیکی حاصل ہوتی ہے اور یہ وصف بجز مومن کے کسی اور میں نہیں ہوتا۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ
اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝۴۹ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا
وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۵۰ وَمَا
كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ
حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ
حَكِيْمٌ ۝۵۱

آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے ○ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی' اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے' وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے ○ ناممکن ہے کہ کسی بندے سے اللہ کلام کرے مگر بطور وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ بحکم الٰہی جو وہ چاہے وحی کرے' بیشک وہ بزرگ ہے حکمت والا ہے ○

اولاد کا اختیار اللہ کے پاس ہے: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۰) فرماتا ہے کہ خالق' مالک اور متصرف زمین و آسمان کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے' جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا' جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے' جو چاہے پیدا کرے اور بنائے' جسے چاہے صرف لڑکیاں دے جیسے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جسے چاہے صرف لڑکے ہی عطا فرماتا ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جسے چاہے لڑکے لڑکیاں سب کچھ دیتا ہے جیسے حضرت محمد ﷺ۔ اور جسے چاہے لاولد رکھتا ہے جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ پس یہ چار قسمیں ہوئیں۔ لڑکیوں والے' لڑکوں والے' دونوں والے اور دونوں سے خالی ہاتھ۔ وہ علیم ہے' ہر مستحق کو جانتا ہے۔ قادر ہے' جس طرح کا چاہے تفاوت رکھتا ہے۔ پس یہ مقام بھی مثل اس فرمان الٰہی کے ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشان بنائیں۔ یعنی دلیل قدرت بنائیں اور دکھا دیں کہ ہم نے مخلوق کو چار طور پر پیدا کیا۔ حضرت آدمؑ صرف مٹی سے پیدا ہوئے' نہ ماں نہ باپ۔ حضرت حوا صرف مرد سے پیدا ہوئی' باقی کل انسان مرد و عورت دونوں سے سوائے حضرت عیسیٰؑ کے' وہ صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کئے گئے۔ پس آپ کی پیدائش سے یہ چاروں قسمیں ہو گئیں۔ پس یہ مقام ماں باپ کے بارے میں تھا اور وہ مقام اولاد کے بارے میں' اس کی بھی چار قسمیں اور اس کی بھی چار قسمیں۔ سبحان اللہ یہ ہے اس اللہ کے علم و قدرت کی نشانی۔

قرآن حکیم شفا ہے: ☆☆ (آیت: ۵۱) مقامات و مراتب و کیفیات وحی کا بیان ہو رہا ہے کہ کبھی تو حضورؐ کے دل میں وحی ڈال دی جاتی ہے جس کے وحی اللہ ہونے میں آپ کو کوئی شک نہیں رہتا' جیسے صحیح ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ کوئی شخص جب تک اپنی روزی اور اپنا وقت پورا نہ کر لے ہرگز نہیں مرتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو۔ یا پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰؑ سے کلام ہوا کیونکہ انہوں نے کلام سن کر جمال دیکھنا چاہا لیکن وہ پردے میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام نہیں کیا مگر پردے کے پیچھے سے لیکن تیرے

باپ سے آمنے سامنے کلام کیا ۔ یہ جنگ احد میں کفار کے ہاتھوں شہید کئے گئے تھے ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ کلام عالم برزخ کا ہے ۔ اور آیت میں جس کلام کا ذکر ہے اس سے مراد دنیا کا کلام ہے ۔ یا اپنے قاصد کو بھیج کر اپنی بات اس تک پہنچائے ۔ جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام وغیرہ فرشتے انبیاء علیہم السلام کے پاس آتے رہے ۔ وہ علو اور بلندی اور بزرگی والا ہے ۔ ساتھ ہی حکیم اور حکمت والا ہے ۔

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا
الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ
مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ۝۵۲ صِرَاطِ اللّٰهِ
الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ
الۡاُمُوۡرُ ۝۵۳

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے' تو اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا کر اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا ہدایت کر دی' بے شک تو راہ راست کی رہبری کر رہا ہے ○ اس اللہ کی راہ کی جس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ آگاہ رہو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ○

(آیت: ۵۲-۵۳) روح سے مراد قرآن ہے ۔ فرماتا ہے اس قرآن کو بذریعہ وحی کے ہم نے تیری طرف اتارا ہے ۔ کتاب اور ایمان کو جس تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تو اس سے پہلے جانتا بھی نہ تھا' لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم اپنے ایمان دار بندوں کو راہ راست دکھلائیں' جیسے اور آیت میں ہے قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا کہہ دے کہ یہ ایمان والوں کے واسطے ہدایت و شفا ہے اور بے ایمانوں کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہیں' پھر فرمایا کہ اے نبیؐ! تم صریح اور مضبوط حق کی رہنمائی کر رہے ہو' پھر صراط مستقیم کی تشریح کی اور فرمایا اسے شرع مقرر کرنے والا خود اللہ ہے جس کی شان یہ ہے کہ آسمانوں زمینوں کا مالک اور رب وہی ہے ۔ ان میں تصرف کرنے والا اور حکم چلانے والا بھی وہی ہے ۔ کوئی اس کے کسی حکم کو ٹال نہیں سکتا ۔ تمام امور اس کی طرف پھیرے جاتے ہیں' وہی سب کاموں کے فیصلے کرتا ہے اور حکم کرتا ہے ۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جو اس کی نسبت ظالم اور منکرین کہتے ہیں ۔ وہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے ۔ الحمدللہ سورۂ شوریٰ کی تفسیر ختم ہوئی ۔

تفسیر سورة الزخرف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حٰمٓ ۝۱ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۝۲ اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ
تَعۡقِلُوۡنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ۝۴ اَفَنَضۡرِبُ
عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ۝۵ وَكَمۡ

اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ۝۶ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا
كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰی مَثَلُ
الْاَوَّلِیْنَ ۝۸

مہربان عنایت فرما معبود برحق کے نام سے شروع

قسم ہے اس واضح کتاب کی ○ ہم نے عربی زبان کا قرآن نازل فرمایا ہے تا کہ تم سمجھ لو ○ یقیناً یہ لوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ حکمت بھرا ہے ○ کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹا لیں کہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو ○ اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی بہت سے نبی بھیجے ○ جو نبی ان کے پاس آیا انہوں نے اسے ہنسی مذاق میں اڑایا ○ پس ہم نے ان کے زیادہ زور آوروں کو تباہ کر ڈالا اور اگلوں کی حقیقت گذر چکی ہے ○

(آیت:۱-۸) قرآن کی قسم کھائی جو واضح ہے، جس کے معانی روشن ہیں، جس کے الفاظ نورانی ہیں، جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے- یہ اس لئے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور وعظ و پند، نصیحت و عبرت حاصل کریں- ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے- جیسے اور جگہ ہے عربی واضح زبان میں اسے نازل فرمایا ہے، اس کی شرافت و مرتبت جو عالم بالا میں ہے اسے بیان فرمایا تاکہ زمین والے اس کی منزلت و توقیر معلوم کر لیں- فرمایا کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے 'لَدَیْنَا' سے مراد ہمارے پاس، 'لَعَلِیٌّ' سے مراد مرتبے والا، عزت والا، شرافت اور فضیلت والا ہے- 'حَکِیْمٌ' سے مراد محکم، مضبوط جو باطل کے ملنے اور ناحق سے خلط ملط ہو جانے سے پاک ہے-

ایک اور آیت میں اس پاک کلام کی بزرگی کا بیان ان الفاظ میں ہے اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ الخ، یعنی یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے، اسے بجز پاک فرشتوں کے اور کوئی ہاتھ لگا نہیں پاتا، یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے، اور فرمایا كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے، وہ ایسے صحیفوں میں سے ہے جو معزز ہیں، بلند مرتبہ ہیں اور مقدس ہیں، جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذی عزت اور پاک ہیں- ان دونوں آیتوں سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے- اس لئے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے- پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اس کی بہت زیادہ تکریم و تعظیم کرنی چاہئے کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب انہی سے ہے، تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہئے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عامل بن جانا چاہئے- کیونکہ رب کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے اور بلند پایہ اور باحکمت ہے، اس کے بعد کی آیت کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اطاعت گذاری اور فرمانبرداری نہ کرنے کے ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہیں عذاب نہ کریں گے- دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس امت کے پہلے گزرنے والوں نے جب اس قرآن کو جھٹلایا اسی وقت اگر یہ اٹھا لیا جاتا تو تمام دنیا ہلاک کر دی جاتی، لیکن اللہ کی وسیع رحمت نے اسے پسند نہ فرمایا اور برابر بیس سال سے زیادہ تک یہ قرآن اترتا رہا- اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کا لطف و رحمت ہے کہ وہ نہ ماننے والوں کے انکار اور بد باطن لوگوں کی شرارت کی وجہ سے انہیں نصیحت و موعظت کرنی نہیں چھوڑتا تاکہ جو ان میں نیکی والے ہیں وہ درست ہو جائیں اور جو درست نہیں ہوتے ان پر حجت تمام ہو جائے-

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی اکرم آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی قوم کی تکذیب پر گھبرائیں نہیں- صبر و برداشت کیجئے- ان سے پہلے کی جو قومیں تھیں ان کے پاس بھی ہم نے اپنے رسول و نبی بھیجے تھے اور انہیں ہلاک کر دیا، وہ آپ کے

زمانے کے لوگوں سے زیادہ زور آور' باہمت اور توانا ہاتھوں والے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ جو ان سے تعداد میں اور قوت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگلوں کی مثالیں گذر چکیں یعنی عادتیں' سزائیں' عبرتیں۔ جیسے اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے ہم نے انہیں گذرے ہوئے اور بعد والوں کے لئے عبرتیں بنا دیا۔ اور جیسے فرمان ہے سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِىْ الخ' یعنی اللہ کا طریقہ جو اپنے بندوں میں پہلے سے چلا آیا ہے اور تو اسے بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ
خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً ان کا یہی جواب ہوگا کہ انہیں غالب و دانا اللہ نے ہی پیدا کیا ہے ○ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے کر دیئے تا کہ تم راہ پا لیا کرو ○

اصلی زاد راہ تقویٰ ہے ☆☆ (آیت:۹-۱۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبیؐ! اگر تم ان مشرکین سے دریافت کرو تو یہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر بھی اس کی وحدانیت کو جان کر اور مان کر عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں' جس نے زمین کو فرش اور ٹھہری ہوئی قرارگاہ اور ثابت مضبوط بنایا جس پر تم چلو پھرو' رہو سہو اٹھو بیٹھو سوؤ جاگو۔ حالانکہ یہ زمین خود پانی پر ہے لیکن مضبوط پہاڑوں کے ساتھ اسے ہلنے جلنے سے روک دیا ہے اور اس میں راستے بنا دیئے ہیں تا کہ تم ایک شہر سے دوسرے شہر کو' ایک ملک سے دوسرے ملک کو پہنچ سکو۔

وَالَّذِىْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ
كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ
لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى
ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾

اسی نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل فرمایا' اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ○ جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں اور تمہاری سواری کے لئے چوپائے جانور پیدا کئے ○ تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اس اللہ کی جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا باوجودیکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی ○ اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○

(آیت: ۱۱-۱۴) اسی نے آسمان سے ایسے انداز سے بارش برسائی جو کفایت ہو جائے‘ کھیتیاں اور باغات سرسبز رہیں‘ پھلیں پھولیں اور پانی تمہارے اور تمہارے جانوروں کے پینے میں بھی آئے۔ پھر اس مینہ سے مردہ زمین زندہ کر دی‘ خشکی تری سے بدل گئی‘ جنگل لہلہا اٹھے‘ پھل پھول اگنے لگے اور طرح طرح کے خوشگوار میوے پیدا ہو گئے۔ پھر اسی کو مردہ انسانوں کے جی اٹھنے کی دلیل بنایا اور فرمایا اسی طرح تم قبروں سے نکالے جاؤ گے‘ اس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے‘ کھیتیاں‘ پھل پھول‘ ترکاریاں اور میوے وغیرہ طرح طرح کی چیزیں اس نے پیدا کر دیں۔ مختلف قسم کے حیوانات تمہارے نفع کے لئے پیدا کئے۔ کشتیاں سمندروں کے سفر کے لئے اور چوپائے جانور خشکی کے سفر کے لئے مہیا کر دیئے۔ ان میں سے بہت سے جانوروں کے گوشت تم کھاتے ہو‘ بہت سے تمہیں دودھ دیتے ہیں‘ بہت سے تمہاری سواریوں کے کام آتے ہیں۔ تمہارے بوجھ ڈھوتے ہیں‘ تم ان پر سواریاں لیتے ہو اور خوب مزے سے ان پر سوار ہوتے ہو۔ اب تمہیں چاہئے کہ جم کر بیٹھ جانے کے بعد اپنے رب کی نعمت یاد کرو کہ اس نے کیسے کیسے طاقت ور وجود تمہارے قابو میں کر دیئے اور یوں کہو کہ وہ اللہ پاک ذات والا ہے جس نے اسے ہمارے قابو میں کر دیا‘ اگر وہ اسے ہمارا مطیع نہ کرتا تو ہم اس قابل نہ تھے نہ ہم میں اتنی طاقت تھی اور ہم اپنی موت کے بعد اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اس آمد و رفت سے اور اس مختصر سفر سے سفر آخرت یاد کرو۔ جیسے کہ دنیا کے توشے کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے توشے کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا توشہ لے لیا کرو لیکن بہترین توشہ آخرت کا توشہ ہے۔ اور دنیوی لباس کے ذکر کے موقع پر اخروی لباس کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا لباس تقویٰ افضل و بہتر ہے۔

''سواری پر سوار ہونے کے وقت کی دعاؤں کی حدیثیں''

حضرت علی بن ربیعہؒ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی سواری پر سوار ہونے لگے تو رکاب میں پیر رکھتے ہی فرمایا بِسۡمِ اللّٰہِ جب جم کر بیٹھ گئے تو فرمایا اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ سُبۡحَانَ الَّذِیۡ سَخَّرَلَنَاھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ پھر تین مرتبہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہا اور تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ۔ پھر فرمایا سُبۡحَانَکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ قَدۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡلِیۡ پھر ہنس دیئے۔ میں نے پوچھا امیر المومنین آپ ہنسے کیوں؟ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے یہ سب کچھ کیا پھر ہنس دیئے‘ تو میں نے بھی حضورؐ سے یہی سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جب بندے کے منہ سے اللہ تعالیٰ سنتا ہے کہ وہ کہتا ہے رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ میرے رب! مجھے بخش دے تو وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے اور فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔ یہ حدیث ابوداؤد ترمذی‘ نسائی اور مسند احمد میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا‘ ٹھیک جب بیٹھ گئے تو آپ نے تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہا تین مرتبہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہا اور تین مرتبہ سُبۡحَانَ اللّٰہِ اور ایک مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا پھر اس پر چت لیٹنے کی طرح ہو کر ہنس دیئے اور حضرت عبداللہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے جو شخص کسی جانور پر سوار ہو کر اس طرح کرے جس طرح میں نے کیا تو اللہ عزوجل اس کی طرف متوجہ ہو کر اسی طرح ہنس دیتا ہے جس طرح میں تیری طرف دیکھ کر ہنسا (مسند احمد)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کبھی اپنی سواری پر سوار ہوتے‘ تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ان دونوں آیات قرآنی کی تلاوت کرتے پھر یہ دعا مانگتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ فِیۡ سَفَرِیۡ ھٰذَا الۡبِرَّ وَالتَّقۡوٰی وَمِنَ الۡعَمَلِ مَا تَرۡضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنۡ عَلَیۡنَا السَّفَرَ وَاَطۡوِلَنَا الۡبُعۡدَ اَللّٰھُمَّ اَنۡتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالۡخَلِیۡفَۃُ فِی الۡاَھۡلِ اَللّٰھُمَّ اَصۡحِبۡنَا فِیۡ سَفَرِنَا وَاخۡلُفۡنَا فِیۡٓ اَھۡلِنَا۔ یا اللہ! میں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا طالب ہوں اور ان اعمال کا جن سے تو خوش

ہو جائے - اے اللہ! ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور ہمارے لئے دوری کو لپیٹ لے- پروردگار تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل و عیال کا نگہباں ہے- میرے معبود! ہمارے سفر میں ہمارا ساتھ دے اور ہمارے گھروں میں ہماری جانشینی فرما اور جب آپ سفر سے واپس گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ یعنی واپس لوٹنے والے توبہ کرنے والے انشاء اللہ عبادتیں کرنے والے اپنے رب کی تعریفیں کرنے والے (مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہ)

ابولاس خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ ﷺ نے ہماری سواری کے لئے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں ہم نے کہا یا رسول اللہؐ! ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں- آپ نے فرمایا سنو ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنا لو' یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے- (مسند احمد) حضرت ابولاسؓ کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ- مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں ہر اونٹ کی پیٹھ پر شیطان ہے تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ کا نام لیا کرو' پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو-

ع ۱۵ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ۭ اَمِ
اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۝۱۶ وَاِذَا بُشِّرَ
اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ
كَظِيْمٌ ۝۱۷ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ
غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝۱۸ وَجَعَلُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ
اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔــلُوْنَ ۝۱۹ وَقَالُوْا
لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ ۝۲۰ۭ

انہوں نے اللہ کے بعض غلاموں کو اس کا جز ٹھہرا دیا' یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے ○ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے برگزیدہ کیا؟ ○ ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس نے اللہ رحمٰن کے لئے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور غمگین ہو جاتا ہے ○ کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں؟) جو زیورات کی نمائش میں پلیں اور جھگڑے میں ظاہر نہ ہو سکیں؟ ○ انہوں نے اللہ تعالیٰ رحمان کے عبادت گذار فرشتوں کو عورتیں قرار دے لیا' کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کی باز پرس کی جائے گی ○ کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کی کچھ خبر نہیں یہ تو صرف اٹکل پچو جھوٹ باتیں کہتے ہیں ○

مشرکین کا بدترین فعل: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس افتراء اور کذب کا بیان فرماتا ہے جو انہوں نے اللہ کے نام منسوب کر رکھا ہے- جس کا ذکر سورۂ انعام کی آیت وَجَعَلُوْ الِلّٰهِ الخ' میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان مشرکین نے ان میں سے کچھ حصہ تو اللہ کا مقرر کیا اور اپنے طور پر کہہ دیا کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا' اب جو ان کے

معبودوں کے نام کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو ہر چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کو پہنچ جاتی ہے' ان کی یہ تجویز کیسی بری ہے؟ اسی طرح مشرکین نے لڑکے لڑکیوں کی تقسیم کر کے لڑکیاں تو اللہ سے متعلق کر دیں جو ان کے خیال میں ذلیل وخوار تھیں اور لڑکے اپنے لئے پسند کئے - جیسے کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰی کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بے ڈھنگی تقسیم ہے - پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان مشرکین نے اللہ کے بندوں کو اللہ کا جز و قرار دے لیا ہے - پھر فرماتا ہے ان کی اس بدتمیزی کو دیکھو کہ جب یہ لڑکیوں کو خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں پھر اللہ کے لئے کیسے پسند کرتے ہیں؟ ان کی یہ حالت ہے کہ جب ان میں سے کسی کو یہ خبر پہنچتی ہے کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی تو منہ بسور لیتا ہے گویا ایک شرمناک اندوہ ناک خبر سنی - کسی سے ذکر تک نہیں کرتا' اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے - ذرا سا منہ نکل آتا ہے - لیکن پھر اپنی کامل حماقت کا مظاہرہ کرنے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کی لڑکیاں ہیں - یہ خوب مَزے کی بات ہے کہ خود جس چیز سے گھبرائیں اللہ کے لئے وہ ثابت کریں - پھر فرماتا ہے عورتیں جو ناقص سمجھی جاتی ہیں' جن کے نقصانات کی تلافی زیورات اور آرائش سے کی جاتی ہے اور بچپن سے مرتے دم تک وہ بناؤ سنگھار کی محتاج سمجھی جاتی ہیں - پھر بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے کے وقت ان کی زبان نہیں چلتی' دلیل نہیں دے سکتیں' عاجز رہ جاتی ہیں' مغلوب ہو جاتی ہیں' ایسی چیز کو جناب باری علی و عظیم کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ظاہری اور باطنی نقصان اپنے اندر رکھتی ہیں - جس کے ظاہری نقصان کو زینت اور زیورات سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' جیسے کہ بعض عرب شاعروں کے اشعار ہیں۔

وما الحلی الا زینة من نقیصة　　یتمم من حسن اذا الحسن قصرا
واما اذا کان الجمال موفرا　　کحسنك لم یحتج الی ان یزورا

یعنی زیورات کمی حسن کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں - بھرپور جمال کو زیورات کی کیا ضرورت؟ اور باطنی نقصان بھی ہیں جیسے بدلہ نہ لے سکنا نہ زبان سے نہ ہمت سے - اس مضمون کو بھی عربوں نے ادا کیا ہے کہ یہ صرف رونے دھونے سے ہی مدد کر سکتی ہے اور چوری چھپے کوئی بھلائی کر سکتی ہے - پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو عورتیں سمجھ رکھا ہے - ان سے پوچھو کہ کیا جب وہ پیدا ہوئے تو تم وہاں موجود تھے؟ تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہاری ان باتوں سے بے خبر ہیں' سب ہمارے پاس لکھی ہوئی ہیں اور قیامت کے دن تم سے ان کا سوال بھی ہوگا - جس سے تمہیں ڈرنا چاہئے اور ہوشیار رہنا چاہئے - پھر ان کی مزید حماقت بیان فرماتا ہے کہ کہتے ہیں ہم نے فرشتوں کو عورتیں سمجھا' پھر ان کی مورتیں بنائیں اور پھر انہیں پوج رہے ہیں' اگر اللہ چاہتا تو ہم میں ان میں حائل ہو جاتا اور ہم انہیں نہ پوج سکتے - پس جب کہ ہم انہیں پوج رہے ہیں اور اللہ ہم میں اور ان میں حائل نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ ہماری یہ پوجا غلط نہیں بلکہ صحیح ہے -

پس پہلی خطا تو ان کی یہ کہ اللہ کے لئے اولاد ثابت کی' دوسری خطا یہ کہ فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں قرار دیا' تیسری خطا یہ کہ انہی کی پوجا پاٹ شروع کر دی جس پر کوئی دلیل و حجت نہیں' صرف اپنے بڑوں اور اگلوں اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید ہے - چوتھی خطا یہ کہ اسے اللہ کی طرف سے مقدر مانا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر رب اس سے ناخوش ہوتا تو ہمیں اتنی طاقت ہی نہ دیتا کہ ہم ان کی پرستش کریں اور یہ ان کی صریح جہالت و خباثت ہے - اللہ تعالیٰ اس سے سراسر ناخوش ہے - ایک ایک پیغمبر اس کی تردید کرتا رہا' ایک ایک کتاب اس کی برائی بیان کرتی رہی - جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ الخ' ہر امت میں ہم نے رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے کی عبادت سے بچو - پھر بعض تو ایسے نکلے جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور بعض ایسے بھی

نکلے جن پر گمراہی کی بات ثابت ہو چکی' تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا حشر ہوا؟ اور آیت میں ہے۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ الخ' یعنی تو ان رسولوں سے پوچھ لے جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا تھا۔ کیا ہم نے اپنے سوا دوسروں کی پرستش کی انہیں اجازت دی تھی؟ پھر فرماتا ہے یہ دلیل تو ان کی بڑی بودی ہے اور بودی یوں ہے کہ یہ بے علم ہیں۔ باتیں بنا لیتے ہیں اور جھوٹ بول لیتے ہیں یعنی یہ اللہ کی اس پر قدرت کو نہیں جانتے۔

اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ کِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِکُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا
اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَکَذٰلِكَ
مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾
قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُکُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَکُمْ قَالُوْٓا
اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ کَیْفَ
کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۲۵﴾

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی اور کتاب دی ہے جسے یہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں؟ ○ نہیں نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے قدموں پر راہ یافتہ ہیں ○ اسی طرح تجھ سے پہلے ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں ○ نبیوں نے کہا بھی کہ اگرچہ میں اس سے بہتر یادہ مقصود تک پہنچانے والا طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس کے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ○
پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ○

(آیت: ۲۱-۲۵) جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں ان کا بے دلیل ہونا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے ان کے اس شرک سے پہلے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے؟ جس سے وہ سند لاتے ہوں یعنی حقیقت میں ایسا نہیں۔ جیسے فرمایا اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا الخ' یعنی کیا ہم نے ان پر ایسی دلیل اتاری ہے جو ان سے شرک کرنے کو کہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے' پھر فرماتا ہے یہ تو نہیں بلکہ شرک کی سند ان کے پاس ایک اور صرف ایک ہے اور وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کہ وہ جس دین پر تھے ہم اسی پر ہیں اور رہیں گے۔ امت سے مراد یہاں دین ہے اور آیت اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً الخ' میں بھی امت سے مراد دین ہی ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ ہم انہی کی راہوں پر چل رہے ہیں' پس ان کے بے دلیل دعوے کو سنا کر اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی روش ان اگلوں کی بھی رہی۔ ان کا جواب بھی نبیوں کی تعلیم کے مقابلہ میں یہی تقلید کو پیش کرنا تھا۔ اور جگہ ہے کَذٰلِكَ مَآ اَتَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ یعنی ان سے اگلوں کے پاس بھی جو رسول آئے ان کی امتوں نے انہیں بھی جادوگر اور دیوانہ بتایا۔ پس گویا کہ اگلے پچھلوں کے منہ میں یہ الفاظ بھر گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکشی میں یہ سب یکساں ہیں' پھر ارشاد ہے کہ گو یا معلوم کر لیں اور جان لیں کہ نبیوں کی تعلیم باپ دادوں کی تقلید سے بدرجہا بہتر ہے۔ تاہم ان کا برا قصد اور ضد اور ہٹ دھرمی انہیں حق کی قبولیت کی طرف نہیں آنے دیتی' پس

ایسے اڑیل لوگوں سے ہم بھی ان کی باطل پرستی کا انتقام نہیں چھوڑتے' مختلف صورتوں سے انہیں تہ و بالا کر دیا کرتے ہیں- ان کا قصہ مذکور و مشہور ہے' غور و تامل کے ساتھ دیکھ پڑھ لو اور سوچ سمجھ لو کہ کس طرح کفار برباد کئے جاتے ہیں اور کس طرح مومن نجات پاتے ہیں-

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾
اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ
الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ
الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

جبکہ ابراہیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ○ بجز اس اللہ کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہ ہی مجھے ہدایت بھی کرے گا ○ ابراہیم اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کر گئے تا کہ لوگ باز آتے رہیں ○ بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو سامان اور اسباب دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آ گیا ○ حق کے پہنچتے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے معتقد نہیں ○ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا ○

امام الموحدین کا ذکر اور دنیا کی قیمت : ☆☆ (آیت:۲۶-۳۱) قریشی کفار نیکی اور دین کے اعتبار سے چونکہ خلیل اللہ امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سنت ابراہیمی ان کے سامنے رکھی کہ دیکھو جو اپنے بعد کے آنے والے تمام نبیوں کے باپ اللہ کے رسول امام الموحدین تھے- انہوں نے کھلے لفظوں میں نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ اپنے سگے باپ سے بھی کہہ دیا کہ مجھ میں تم میں کوئی تعلق نہیں- میں سوائے اپنے سچے اللہ کے جو میرا خالق اور ہادی ہے تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں سب سے بے تعلق ہوں- اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اس جرأت' حق گوئی اور جوش توحید کا بدلہ یہ دیا کہ کلمہ توحید کو ان کی اولاد میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ لیا- ناممکن ہے کہ آپ کی اولاد میں اس پاک کلمے کے قائل نہ ہوں- انہی کی اولاد اس توحیدی کلمہ کی اشاعت کرے گی اور سعید روحیں اور نیک نصیب لوگ اسی گھرانے سے توحید سیکھیں گے- غرض اسلام اور توحید کا معلم یہ گھرانہ قرار پا گیا-

پھر فرماتا ہے بات یہ ہے کہ یہ کفار کفر کرتے رہے اور میں انہیں متاع دنیا دیتا رہا- یہ اور بہکتے گئے اور اس قدر بدمست بن گئے کہ جب ان کے پاس دین حق اور رسول حق آئے تو انہوں نے جھٹلانا شروع کر دیا کہ کلام اللہ اور معجزات انبیاء جادو ہیں اور ہم ان کے منکر ہیں- سرکشی اور ضد میں آ کر کفر کر بیٹھے- عناد اور بغض سے حق کے مقابلے پر اتر آئے اور باتیں بنانے لگے کہ کیوں صاحب اگر یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کا کلام ہے تو پھر مکے اور طائف کے کسی رئیس پر' کسی بڑے آدمی پر' کسی دنیوی وجاہت والے پر کیوں نہ اترا؟ اور بڑے آدمی سے ان کی مراد ولید بن مغیرہ' عروہ بن مسعود' عمیر بن عمرو' عتبہ بن ربیعہ' حبیب بن عمرو' ابن عبد یالیل' کنانہ بن عمرو وغیرہ سے تھی- غرض یہ تھی کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے مرتبے کے آدمی پر قرآن نازل ہونا چاہئے تھا-

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ

بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ

النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا

مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا

عَلَيْهَا يَتَّكِــُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

کیا تیرے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے سے بلند مرتبہ کیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے' جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اور اس سے تیرے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے ○ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ ہو جائیں تو اللہ رحمان کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور زینوں کو بھی جن پر چڑھا کرتے ○ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں ○ اور سونے کے بھی اور یہ سب کچھ یونہی سا دنیاوی فائدہ ہے اور آخرت تو تیرے رب کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لئے ہی ہے ○

(آیت: ۳۲-۳۵) اس اعتراض کے جواب میں فرمان باری سرزد ہوتا ہے کہ کیا رحمت الٰہی کے یہ مالک ہیں جو یہ اسے تقسیم کرنے بیٹھے ہیں؟ اللہ کی چیز اللہ کی ملکیت' وہ جسے چاہے دے' پھر کہاں اس کا علم اور کہاں تمہارا علم؟ اسے بخوبی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسالت کا حقدار صحیح معنی میں کون ہے؟ یہ نعمت اسی کو دی جاتی ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ پاک دل ہو' سب سے زیادہ پاک نفس ہو' سب سے بڑھ کر اشرف گھر کا ہو اور سب سے زیادہ پاک اصل کا ہو- پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت الٰہی کے تقسیم کرنے والے کہاں سے ہو گئے؟ اپنی روزیاں بھی ان کے اپنے قبضے کی نہیں' وہ بھی ان میں ہم بانٹتے ہیں اور فرق و تفاوت کے ساتھ جسے جب جتنا چاہیں دیں- جس سے جب جو چاہیں چھین لیں- عقل و فہم' قوت طاقت وغیرہ بھی ہماری ہی دی ہوئی ہے اور اس میں بھی مراتب جداگانہ ہیں- اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے کام لے کیونکہ اس کی اسے اور اس کی اسے ضرورت اور حاجت رہتی ہے- ایک ایک کے ماتحت رہے-

پھر ارشاد ہوا کہ تم جو کچھ دنیا جمع کر رہے ہو اس کے مقابلہ میں رب کی رحمت بہت ہی بہتر اور افضل ہے' ازاں بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ مال کو میرا فضل اور میری رضامندی کی دلیل جان کر مالداروں کے مثل بن جائیں تو میں تو کفار کو یہ دنیائے دوں اتنی دیتا کہ ان کے گھر کی چھتیں بلکہ ان کے کوٹھوں کی سیڑھیاں بھی چاندی کی ہوتیں جن کے ذریعے یہ اپنے بالا خانوں پر پہنچتے اور ان کے گھروں کے دروازے' ان کے بیٹھنے کے تخت بھی چاندی کے ہوتے اور سونے کے بھی- میرے نزدیک دنیا کوئی قدر کی چیز نہیں' یہ فانی ہے' زائل ہونے والی ہے اور ساری مل بھی جائے جب بھی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے- ان لوگوں کی اچھائیوں کے بدلے انہیں یہیں مل جاتے ہیں- کھانے پینے' رہنے سہنے' برتنے برتانے میں کچھ سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں' آخرت میں تو محض خالی ہاتھ ہوں گے- ایک نیکی باقی نہ ہوگی جو اللہ سے کچھ حاصل کر سکیں- جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے اور حدیث میں ہے اگر دنیا کی قدر اللہ

کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو یہاں پانی کا گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ پھر فرمایا آخرت کی بھلائیاں صرف ان کے لئے ہیں جو دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے' ڈر ڈر کر زندگی گذارتے رہے۔ وہاں رب کی خاص نعمتیں اور مخصوص رحمتیں جو انہیں ملیں گی ان میں کوئی اور ان کا شریک نہ ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے بالا خانہ میں گئے اور آپ نے اس وقت اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کر رکھا تھا تو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی کے ٹکڑے پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشان آپ کے جسم مبارک پر نمایاں ہیں' تو رو دیئے اور کہا یا رسول اللہؐ! قیصر و کسریٰ کس آن بان اور کس شوکت و شان سے زندگی گذار رہے ہیں اور آپ اللہ کے برگزیدہ پیارے رسولؐ ہو کر کس حال میں ہیں؟ حضورؐ یا تو تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے یا فوراً تکیہ چھوڑ دیا اور فرمانے لگے اے ابن خطاب! کیا تو شک میں ہے؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں جلدی سے یہیں انہیں مل گئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کیا تو اس سے خوش نہیں کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاؤ پیو یہ دنیا میں ان کے لئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لئے ہیں۔ اور دنیا میں یہ ان کے لئے یوں ہیں کہ رب کی نظروں میں دنیا ذلیل وخوار ہے۔ ترمذی وغیرہ کی ایک حسن صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو کسی کافر کو بھی اللہ تعالیٰ ایک گھونٹ پانی کا نہ پلاتا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ
قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ
مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ
وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾

اور جو شخص اللہ کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے ○ وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ راہ یافتہ ہیں ○ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا کہے گا کاش کہ میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب جتنی دوری ہوتی تو بڑا برا ساتھی ہے ○ جبکہ تم ظالم ٹھیر چکے تو تمہیں آج ہرگز تمہارا سب کا عذاب میں شامل ہونا کوئی نفع نہ دے گا ○ کیا پس تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے؟ اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہو؟ ○

شیطان سے بچو: ☆☆ (آیت:۳۶-۴۰) ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ رحیم و کریم کے ذکر سے غفلت و بے رغبتی کرے اس پر شیطان قابو پا لیتا ہے اور اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ آنکھ کی بینائی کی کمی کو عربی زبان میں عَشٰیٌ فِی الْعَیْنِ کہتے ہیں۔ یہی مضمون قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیتوں میں ہے' جیسے فرمایا وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ' یعنی جو شخص ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد مخالفت رسول کر کے مومنوں کی راہ کے سوا دوسری راہ کی پیروی کرے ہم اسے وہیں چھوڑیں گے اور جہنم واصل کریں گے' جو بڑی بری جگہ ہے اور آیت میں

ارشاد ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے اللہ نے ان کے دل بھی کج کر دیئے - ایک اور آیت میں فرمایا وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ الخ یعنی ان کے جو ہم نشین ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وہ ان کے آگے پیچھے کی چیزوں کو زینت والی بنا کر انہیں دکھاتے ہیں - یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے غافل لوگوں پر شیطان اپنا قابو کر لیتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتا ہے اور ان کے دل میں یہ خیال جما دیتا ہے کہ ان کی روش بہت اچھی ہے یہ بالکل صحیح دین پر قائم ہیں - قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور معاملہ کھل جائے گا تو اپنے اس شیطان سے جو ان کے ساتھ تھا' برات ظاہر کرے گا اور کہے گا کاش کہ میرے اور تمہارے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق اور مغرب میں ہے - یہاں بہ اعتبار غلبے کے مشرقین یعنی دو مشرقوں کا لفظ کہہ دیا گیا ہے' جیسے سورج چاند کو قمرین یعنی دو چاند کہہ دیا جاتا ہے اور ماں باپ کو ابوین یعنی دو باپ کہہ دیا جاتا ہے -

ایک قرأت میں جآانا بھی ہے یعنی شیطان اور یہ غافل انسان دونوں جب ہمارے پاس آئیں گے - حضرت سعید جریریؒ فرماتے ہیں کہ کفار کے اپنی قبر سے اٹھتے ہی شیطان آ کر اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملا لیتا ہے پھر جدا نہیں ہوتا یہاں تک کہ جہنم میں بھی دونوں کو ساتھ ہی ڈالا جاتا ہے - پھر فرماتا ہے کہ جہنم میں تم سب کا جمع ہونا اور وہاں کے عذابوں میں سب کا شریک ہونا تمہارے لئے نفع دینے والا نہیں - اس کے بعد اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے کہ ازلی بہروں کے کان میں آپ ہدایت کی آواز نہیں ڈال سکتے' مادر زاد اندھوں کو آپ راہ نہیں دکھا سکتے' صریح گمراہی میں پڑے ہوئے آپ کی ہدایت قبول نہیں کر سکتے - یعنی تجھ پر ہماری جناب سے یہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ ہر ہر شخص مسلمان ہو ہی جائے - ہدایت تیرے قبضے کی چیز نہیں' جو حق کی طرف کان ہی نہ لگائے' جو سیدھی راہ کی طرف آنکھ ہی نہ اٹھائے' جو بہکے اور اسی میں خوش رہے تو تجھے ان کی بابت کیوں اتنا خیال ہے؟ تجھ پر ضروری کام صرف تبلیغ کرنا ہے - ہدایت ضلالت ہمارے ہاتھ کی چیزیں ہیں ہم عادل ہیں' ہم حکیم ہیں' ہم جو چاہیں گے کریں گے - تم تنگ دل نہ ہو جایا کرو -

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ
وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ
اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ
وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۴۴ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ
اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝۴۵ ع ۱۰

ہم اگر تجھے یہاں سے لے بھی جائیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں ○ یا جو کچھ ان سے وعدہ کیا ہے وہ تجھے دکھا دیں یقیناً ہم اس پر بھی قدرت رکھتے ہیں ○ پس جو وحی تیری جانب کی گئی ہے تو اسے مضبوط تھامے رہ ○ یقین مان کہ تو راہ راست پر ہے اور یقیناً یہ خود تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے ○ اور ہمارے ان نبیوں کا حال معلوم کرو جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ○

(آیت: ۴۱-۴۵) پھر فرماتا ہے کہ اگرچہ ہم تجھے یہاں سے لے جائیں پھر بھی ہم ان ظالموں سے بدلہ لئے بغیر تو رہیں گے نہیں' اگر ہم تجھے تیری آنکھوں سے وہ دکھا دیں جس کا وعدہ ہم نے ان سے کیا ہے تو ہم اس سے عاجز نہیں - غرض اس طرح اور اس طرح دونوں

صورتوں میں کفار پر عذاب تو آئے گا ہی۔ لیکن پھر وہ صورت پسند کی گئی جس میں پیغمبر کی عزت زیادہ تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت نہ کیا جب تک کہ آپ کے دشمنوں کو مغلوب نہ کر دیا۔ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر دیں' آپ ان کی جانوں اور مالوں اور ملکیتوں کے مالک نہ بن گئے' یہ تو ہے تفسیر حضرت سدیؒ وغیرہ کی لیکن حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کے نبی ﷺ دنیا سے اٹھا لئے گئے اور انتقام باقی رہ گیا' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آپ کی زندگی میں امت میں وہ معاملات نہ دکھائے جو آپ کو ناپسندیدہ تھے۔ بجز حضورؐ کے اور تمام انبیاء کے سامنے ان کی امتوں پر عذاب آئے۔ ہم سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب سے حضورؐ کو یہ معلوم کرا دیا گیا کہ آپ کی امت پر کیا کیا وبال آئیں گے اس وقت سے لے کر وصال کے وقت تک کبھی حضورؐ کھل کھلا کر ہنستے ہوئے دیکھے نہیں گئے۔ حضرت حسنؒ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ ایک حدیث میں ہے ستارے آسمان کے بچاؤ کا سبب ہیں' جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان پر مصیبت آ جائے گی۔ میں اپنے اصحاب کا ذریعہ امن ہوں' میرے جانے کے بعد میرے اصحاب پر وہ آ جائے گا جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قرآن تجھ پر نازل کیا گیا ہے' جو سراسر حق و صدق ہے' جو حقانیت کی سیدھی اور صاف راہ کی رہنمائی کرتا ہے تو اسے مضبوطی کے ساتھ لئے رہ۔ یہی جنت نعیم اور راہ مستقیم کا رہبر ہے۔ اس پر چلنے والا' اس کے احکام کو تھامنے والا بہک اور بھٹک نہیں سکتا' یہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے یعنی شرف اور بزرگی ہے۔

بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امر (یعنی خلافت و امامت) قریش میں ہی رہے گا' جو ان سے جھگڑے گا اور چھینے گا اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ گرائے گا جب تک دین کو قائم رکھیں' اس لئے بھی آپ کی شرافت قومی اس میں ہے کہ یہ قرآن آپ ہی کی زبان میں اترا ہے۔ لغت قریش میں ہی نازل ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ اسے یہی سمجھیں گے۔ انہیں لائق ہے کہ سب سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ عمل بھی انہیں کا اس پر رہے۔ بالخصوص اس میں بڑی بھاری بزرگی ہے ان مہاجرین کرامؓ کی جنہوں نے اول اول سبقت کر کے اسلام قبول کیا اور ہجرت میں بھی سب سے پیش پیش رہے اور جو ان کے قدم بہ قدم چلے۔ ذکر کے معنی نصیحت کے بھی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں یہ یاد رہے کہ آپ کی قوم کے لئے اس کا نصیحت ہونا دوسروں کے لئے نصیحت نہ ہونے کے معنی میں نہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی بالیقین ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے کیا پس تم عقل نہیں رکھتے؟ اور آیت میں ہے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اپنے خاندانی قرابت داروں کو ہوشیار کر دے۔ غرض نصیحت قرآنی رسالت نبوی عام ہے کنبہ والوں کو قوم کو اور دنیا کے کل لوگوں کو شامل ہے۔ پھر فرماتا ہے تم سے عنقریب سوال ہوگا کہ کہاں تک اس کلام اللہ شریف پر عمل کیا اور کہاں تک اسے مانا؟ تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو اے آخر الزماں رسولؐ! آپ اپنی امت کو دے رہے ہیں۔ کل انبیاء کے دعوت ناموں کا خلاصہ صرف اس قدر رہے کہ انہوں نے توحید پھیلائی اور شرک کو ختم کیا۔ جیسے خود قرآن میں ہے کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت نہ کرو۔ حضرت عبداللہ کی قرأت میں یہ آیت اس طرح ہے وَسْئَلِ الَّذِیْنَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ رُسُلَنَا پس یہ مثل تفسیر کے ہے نہ کہ تلاوت کے واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان سے دریافت کر لے جن میں تجھ سے پہلے ہم اپنے اور رسولوں کو بھیج چکے ہیں' عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں نبیوں سے پوچھ لے۔ یعنی معراج والی رات کو' جب انبیاء آپ کے سامنے جمع تھے کہ ہر نبی توحید سکھانے اور شرک مٹانے کی ہی تعلیم لے کر ہماری جانب سے مبعوث ہوتا رہا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّىْ
رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ
يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا' موسیٰ نے ظاہر کیا کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں ○ جب ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے ○ ہم انہیں جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں ○ وہ کہنے لگے اے جادوگر ا ہمارے لئے اپنے رب سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے' یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے ○ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا لیا انہوں نے اسی وقت اپنا قول قرار توڑ دیا ○

قلا باز بنی اسرائیل : ☆☆ (آیت:۴۶-۵۰) حضرت موسیٰ ؑ کو جناب باری نے اپنا رسول و نبی مبعوث فرما کر فرعون اور اس کے امراء اور اس کی رعایا قبطیوں اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تا کہ آپ انہیں توحید سکھائیں اور شرک سے بچائیں۔ آپ کو بڑے بڑے معجزے بھی عطا فرمائے۔ جیسے ہاتھ کا روشن ہو جانا' لکڑی کا اژدھا بن جانا وغیرہ۔ لیکن فرعونیوں نے اپنے نبی کی کوئی قدر نہ کی بلکہ تکذیب کی اور تمسخر اڑایا۔ اس پر اللہ کا عذاب آیا تا کہ انہیں عبرت بھی ہو اور نبوت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل بھی ہو۔ پس طوفان آیا' ٹڈیاں آئیں' جوئیں آئیں' مینڈک آئے اور کھیت' مال' جان اور پھل وغیرہ کی کمی میں مبتلا ہوئے۔ جب کوئی عذاب آتا تو تلملا اٹھتے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشامد کرتے' انہیں رضامند کرتے' ان سے قول قرار کرتے۔ آپ دعا مانگتے' عذاب ہٹ جاتا۔ یہ پھر سرکشی پر اتر آتے۔ پھر عذاب آتا پھر یہی ہوتا۔ ساحر یعنی جادوگر سے وہ بڑا عالم مراد لیتے تھے' ان کے زمانے کے علماء کا یہی لقب تھا اور انہیں لوگوں میں علم تھا اور ان کے زمانے میں یہ علم مذموم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پس ان کا جناب موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر خطاب کرنا بطور عزت کے تھا اعتراض کے طور پر نہ تھا کیونکہ انہیں تو اپنا کام نکالنا تھا۔ ہر بار اقرار کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب عذاب ہٹ جاتا تو وعدہ شکنی کرتے اور قول قرار توڑ دیتے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ میں اس پورے واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ
الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ
هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَاۤ اُلْقِىَ عَلَيْهِ
اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰۤىِٕكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ

قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۴ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۵۵ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝۵۶ ع ۱۱

فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے محلوں کے نیچے یہ نہریں بہ رہی ہیں' کیا تم دیکھ نہیں رہے؟○ بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا○ اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑتے یا اس کے ساتھ پر باندھ کر فرشتے ہی آ جاتے○ اس نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور انہوں نے اسی کی مان لی یقیناً یہ سارے ہی بے حکم لوگ تھے○ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا○ پس ہم نے گیا گذرا کر دیا اور پچھلوں کے لئے مثال بنا دی○

فرعون کے دعوے: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۶) فرعون کی سرکشی اور خود بینی بیان ہو رہی ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے ان میں بڑی باتیں ہانکنے لگا اور کہا کیا میں تنہا ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میرے باغات اور محلات میں نہریں جاری نہیں؟ کیا تم میری عظمت وسلطنت کو دیکھ نہیں رہے؟ پھر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو جو فقراء اور ضعفاء ہیں۔ کلام پاک میں اور جگہ ہے اس نے جمع کر کے سب سے کہا میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں جس پر اللہ نے اسے یہاں کے اور وہاں کے عذابوں میں گرفتار کیا' ام معنی میں بل کے ہے۔ بعض قاریوں کی قرأت اما انا بھی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر یہ قرأت صحیح ہو جائے تو معنی تو بالکل واضح اور صاف ہو جاتے ہیں لیکن یہ قرأت تمام شہروں کی قرأت کے خلاف ہے سب کی قرأت ام استفہام کا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرعون ملعون اپنے آپ کو حضرت کلیم اللہؑ سے بہتر برتر بنا رہا ہے اور یہ دراصل اس ملعون کا جھوٹ ہے۔ مَهِیْنٌ کے معنی حقیر' ضعیف' بے مال' بے شان۔ پھر کہتا ہے موسیٰؑ تو صاف بولنا بھی نہیں جانتا' اس کا کلام فصیح نہیں' وہ اپنا مافی الضمیر ادا نہیں کر سکتا۔ بعض کہتے ہیں بچپن میں آپ نے اپنے منہ میں آگ کا انگارہ رکھ لیا تھا جس کا اثر زبان پر باقی رہ گیا تھا۔ یہ بھی فرعون کا مکر جھوٹ اور دجل ہے۔

حضرت موسیٰؑ صاف گو' صحیح کلام کرنے والے' ذی عزت' بارعب و باوقار تھے۔ لیکن چونکہ ملعون اپنے کفر کی آنکھ سے نبی اللہ کو دیکھتا تھا اس لئے اسے یہی نظر آتا تھا۔ حقیقتاً ذلیل و غبی خود تھا۔ گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بوجہ اس انگارے کے جسے بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا کچھ لکنت تھی لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور آپ کی زبان کی گرہ کھل گئی تا کہ آپ لوگوں کو باآسانی اپنا مدعا سمجھا سکیں اور اگر مان لیا جائے کہ تاہم کچھ باقی رہ گئی تھی کیونکہ دعاء کلیم میں اتنا ہی تھا کہ میری زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے کہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔ تو یہ بھی کوئی عیب کی بات نہیں' اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو جیسا بنا دیا وہ ویسا ہی ہے' اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟ دراصل فرعون ایک کلام بنا کر' ایک مسودہ گھڑ کر اپنی جاہل رعایا کو بھڑکانا اور بہکانا چاہتا تھا' دیکھئے وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ کیوں جی! اس پر آسمان سے ہن کیوں نہیں برستا' مالداری تو اسے اتنی ہونی چاہئے کہ ہاتھ سونے سے پر ہوں لیکن یہ محض مفلس ہے۔ اچھا یہ بھی نہیں تو اللہ اس کے ساتھ فرشتے ہی کر دیتا جو کم از کم ہمیں باور کرا دیتے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں' غرض ہزار جتن کر کے لوگوں کو بیوقوف بنا لیا اور انہیں اپنا ہم خیال اور ہم سخن کر لیا۔ یہ خود فاسق فاجر تھے' فسق و فجور کی پکار پر فوراً ریجھ گئے' پس جب ان کا پیمانہ چھلک گیا اور انہوں نے دل کھول کر رب کی نافرمانی کر لی اور رب کو خوب ناراض کر دیا تو پھر اللہ کا کوڑا ان کی پیٹھ پر برسا اور اگلے پچھلے سارے کرتوت پر پکڑ لئے گئے' یہاں ایک ساتھ پانی میں غرق کر دیئے گئے' وہاں جہنم میں جلتے جھلستے رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کو اللہ دنیا دیتا چلا جائے اور وہ اللہ کی نافرمانیوں پر جما ہوا ہو تو سمجھ لو کہ اللہ نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے پھر حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اچانک موت کا ذکر آیا تو فرمایا ایماندار پر تو یہ تخفیف ہے اور کافر پر حسرت ہے۔ پھر

آپ نے اسی آیت کو پڑھ کر سنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انتقام غفلت کے ساتھ ہے' پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں نمونہ بنا دیا کہ ان کے سے کام کرنے والے ان کے انجام کو دیکھ لیں اور یہ مثال یعنی باعث عبرت بن جائے کہ ان کے بعد آنے والے ان کے واقعات پر غور کریں اور اپنا بچاؤ ڈھونڈیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ الموفق للصواب والیہ المرجع والماب۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوٓا
ءَأَٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾

جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم پکار اٹھی ○ اور کہنے لگی کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ سے ان کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے' بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو ○

قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۵۷-۵۸) یَصِدُّوْنَ کے معنی حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ عکرمہؒ اور ضحاک نے کئے ہیں کہ وہ ہنسنے لگے یعنی اس سے انہیں تعجب معلوم ہوا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں گھبرا کر بول پڑے۔ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے منہ پھیرنے لگے۔ اس کی وجہ جو امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ وغیرہ قریشیوں کے پاس تشریف فرما تھے جو نضر بن حارث آ گیا اور آپ سے کچھ باتیں کرنے لگا جس میں وہ لاجواب ہو گیا پھر حضورؐ نے قرآن کریم کی آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الخ' آیتوں تک پڑھ کر سنائیں یعنی تم اور تمہارے معبود سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔

پھر حضور ﷺ وہاں سے چلے گئے تھوڑی ہی دیر میں عبداللہ بن زہیری تمیمی آیا تو ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا کہ نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا اور بالآخر ابن عبدالمطلب ہمیں اور ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن کہتے ہوئے چلے گئے۔ اس نے کہا اگر میں ہوتا تو خود انہیں لاجواب کر دیتا' جاؤ ذرا ان سے پوچھو تو کہ جب ہم اور ہمارے سارے معبود دوزخی ہیں تو لازم آیا کہ سارے فرشتے اور حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی جہنم میں جائیں گے کیونکہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں' یہود حضرت عزیرؑ کی پرستش کرتے ہیں' نصرانی حضرت عیسیٰؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس پر مجلس کے کفار بہت خوش ہوئے اور کہا ہاں یہ جواب بہت ٹھیک ہے۔ لیکن جب حضور ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور ہر وہ شخص جو اپنی عبادت اپنی خوشی سے کرائے یہ دونوں عابد و معبود جہنمی ہیں۔

فرشتوں یا نبیوں نے نہ اپنی عبادت کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش۔ ان کے نام سے دراصل یہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں وہی انہیں شرک کا حکم دیتا ہے اور یہ بجا لاتے ہیں' اس پر آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ الخ' نازل ہوئی یعنی حضرت عیسیٰ' حضرت عزیرؑ اور ان کے علاوہ جن احبار و رہبان کی پرستش یہ لوگ کرتے ہیں اور خود وہ اللہ کی اطاعت پر تھے' شرک سے بیزار اور اس سے روکنے والے تھے اور ان کے بعد ان گمراہوں جاہلوں نے انہیں معبود بنا لیا تو وہ محض بے قصور ہیں''۔ اور فرشتوں کو جو مشرکین اللہ کی بیٹیاں مان کر پوجتے تھے ان کی تردید میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا الخ' سے کئی آیتوں تک نازل ہوئیں اور ان کے اس باطل عقیدے کی پوری تردید کر دی اور حضرت عیسیٰ کے

بارے میں اس نے جو جواب دیا تھا جس پر مشرکین خوش ہوئے تھے یہ آیتیں اتریں کہ اس قول کو سنتے ہی کہ معبودان باطل بھی اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے انہوں نے جھٹ سے حضرت عیسیٰؑ کی ذات گرامی کو پیش کر دیا اور یہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپ کی قوم کے مشرک اچھل پڑے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگے کہ ہم نے دبا لیا۔ ان سے کہو کہ حضرت عیسیٰؑ نے کسی سے اپنی یا کسی اور کی پرستش نہیں کرائی وہ تو خود برابر ہماری غلامی میں لگے رہے اور ہم نے بھی انہیں اپنی بہترین نعمتیں عطا فرمائیں۔ ان کے ہاتھوں جو معجزات دنیا کو دکھائے وہ قیامت کی دلیل تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے اپنے معبودوں کا جہنمی ہونا حضورؐ کی زبانی سن کر کہا کہ پھر آپ ابن مریم کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔ اب کوئی جواب ان کے پاس نہ رہا تو کہنے لگے واللہ یہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اللہ مان لیا ہے ہم بھی انہیں رب مان لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو صرف بکواس ہے۔ کھسیانے ہو کر بے تکی باتیں کرنے لگے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے مجھ سے کسی نے اس کی تفسیر نہیں پوچھی۔ میں نہیں جانتا کہ کیا ہر ایک اسے جانتا ہے یا نہ جان کر پھر بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتا' پھر اور باتیں بیان فرماتے رہے یہاں تک کہ مجلس ختم ہوئی اور آپ چلے گئے۔ اب ہمیں بڑا افسوس ہونے لگا کہ وہ آیت تو پھر بھی رہ گئی اور ہم میں سے کسی نے دریافت ہی نہ کیا۔ اس پر ابن عقیل انصاری کے مولیٰ ابو یحییٰ نے کہا کہ اچھا کل صبح جب تشریف لائیں گے تو میں پوچھ لوں گا۔ دوسرے دن جو آئے تو میں نے ان کی کل کی بات دہرائی اور ان سے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں سنو! حضور ﷺ نے ایک مرتبہ قریش سے فرمایا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جاتی ہو اور اس میں خیر ہو۔ اس پر قریش نے کہا کیا عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی عبادت نہیں کرتے؟ اور کیا آپ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا نبی اور اس کا برگزیدہ نیک بندہ نہیں مانتے؟ پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ خیر سے خالی ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں کہ جب عیسیٰ ابن مریمؑ کا ذکر آیا تو یہ لوگ ہنسنے لگے۔ وہ قیامت کا علم ہیں یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہما الصلوۃ والسلام کا قیامت کے دن سے پہلے نکلنا۔

ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت پچھلے جملے کے علاوہ ہے' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ان کے اس قول کا کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے معبود محمد سے بہتر ہیں یہ تو اپنے آپ کو پجوانا چاہتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قرأت میں ام ھذا ہے۔ اللہ فرماتا ہے یہ ان کا مناظرہ نہیں بلکہ مجادلہ اور مکابرہ ہے یعنی بے دلیل جھگڑا اور بے وجہ حجت بازی ہے' خود یہ جانتے ہیں کہ نہ یہ مطلب ہے نہ ہمارا یہ اعتراض اس پر وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اولاً تو آیت میں لفظ ما ہے جو غیر ذوی العقول کے لئے ہے دوسرے یہ کہ آیت میں خطاب کفار قریش سے ہے جو اصنام وانداد یعنی بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے وہ مسیح کے پجاری نہ تھے جو یہ اعتراض محل مانا جائے پس یہ صرف جدل ہے یعنی وہ بات کہتے ہیں جس کے غیر صحیح ہونے کو ان کے اپنے دل کو بھی یقین ہے۔ ترمذی وغیرہ میں فرمان رسولؐ ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتی جب تک بے دلیل حجت بازی اس میں نہ آ جائے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔

ابن ابی حاتم میں اس حدیث کے شروع میں یہ بھی ہے کہ ہر امت کی گمراہی کی پہلی بات اپنے نبیؐ کے بعد تقدیر کا انکار کرنا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک بار حضورؐ صحابہ کے مجمع میں آئے اس وقت قرآن کی آیتوں میں بحث کر رہے تھے۔ آپ سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا اس طرح اللہ کی کتاب کی آیتوں کو ایک دوسری کے ساتھ ٹکراؤ نہیں' یاد رکھو جھگڑے کی اسی عادت نے اگلے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ پھر آپ نے

مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ کی تلاوت فرمائی-

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ
لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾
وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

عیسیٰ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت بنایا ○ اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے ○ اور یقیناً عیسیٰؑ قیامت کی علامت ہے پس تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو' یہی سیدھی راہ ہے ○ شیطان تمہیں روک نہ دے' یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے ○

(آیت:۵۹-۶۲) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک بندے تھے- جن پر نبوت و رسالت کا انعام باری تعالیٰ ہوا تھا اور انہیں اللہ کی قدرت کی نشانی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین بنا کر فرشتوں کو اس زمین میں آباد کر دیتے یا یہ کہ جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو یہی بات ان میں کر دیتے - مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے- مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی بجائے تمہارے زمین کی آبادی ان سے ہوتی ہے- اس کے بعد جو فرمایا ہے کہ وہ قیامت کی نشانی ہے اس کا مطلب جو ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے وہ کچھ ٹھیک نہیں اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات یہ ہے کہ بقول قتادہؒ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ہ کی ضمیر کا مرجع عائد ہے حضرت عیسیٰؑ پر-

یعنی حضرت عیسیٰؑ قیامت کی ایک نشانی ہیں- اس لئے کہ اوپر سے ہی آپ کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مراد یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے کا نازل ہونا ہے- جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ یعنی ان کی موت سے پہلے ایک ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا- یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے قیامت کے دن یہ ان پر گواہ ہوں گے- اس مطلب کی پوری وضاحت اسی آیت کی دوسری قرأت سے ہوتی ہے- جس میں ہے اِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی جناب روح اللہ قیامت کے قائم ہونے کا نشان اور علامت ہیں-

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ نشان ہیں قیامت کے لئے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا قیامت سے پہلے آنا- اسی طرح روایت کی گئی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے اور یہی مروی ہے ابو العالیہ' ابو مالک' عکرمہ' حسن' قتادہ' ضحاک وغیرہ سے رحمہم اللہ تعالیٰ- اور متواتر احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام عادل اور حاکم باانصاف ہو کر نازل ہوں گے- پس تم قیامت کا آنا یقینی جانو' اس میں شک شبہ نہ کرو اور جو خبریں تمہیں دے رہا ہوں اس میں میری تابعداری کرو' یہی صراط مستقیم ہے' کہیں ایسا نہ ہو کر شیطان جو تمہارا کھلا دشمن ہے تمہیں صحیح راہ سے اور میری واجب اتباع سے روک دے-

وَلَمَّا جَآءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ
وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۶۳﴾
إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۴﴾
فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ
عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿۶۵﴾

جب عیسیٰ معجزے لائے اور کہہ دیا کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو انہیں واضح کر دوں' پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○ میرا اور تمہارا رب فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے پس تم سب اس کی عبادت کرو' راہ راست یہی ہے ○ پھر بنی اسرائیل کی جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا' پس ظالموں کے لئے خرابی ہے' دکھ والے دن کی آفت سے ○

(آیت: ۶۳-۶۵) حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں حکمت یعنی نبوت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور دینی امور میں جو اختلافات تم نے ڈال رکھے ہیں' میں اس میں جو حق ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں- ابن جریرؒ یہی فرماتے ہیں اور یہی قول بہتر اور پختہ ہے' پھر امام صاحب نے ان لوگوں کے قول کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ بعض کا لفظ یہاں پر کل کے معنی میں ہے اور اس کی دلیل میں بعید شاعر کا ایک شعر پیش کرتے ہیں- لیکن وہاں بھی بعض سے مراد قائل کا خود اپنا نفس ہے نہ کہ سب نفس- امام صاحب نے شعر کا جو مطلب بیان کیا ہے یہ بھی ممکن ہے- پھر فرمایا جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں اللہ کا لحاظ رکھو اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت گذاری کرو' جو لایا ہوں اسے مانو' یقین مانو کہ تم سب اور خود میں اس کے غلام ہیں' اس کے محتاج ہیں' اس کے در کے فقیر ہیں' اس کی عبادت ہم سب پر فرض ہے' وہ واحد ہے' لاشریک ہے- بس یہی توحید کی راہ راہ مستقیم ہے' اب لوگ آپس میں متفرق ہو گئے' بعض تو کلمۃ اللہ کو اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہتے تھے اور یہی حق والی جماعت تھی' اور بعض نے ان کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں اور بعض نے کہا آپ ہی اللہ ہیں- اللہ تعالیٰ ان دونوں دعووں سے پاک ہے اور بلند و برتر ہے- اسی لئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان ظالموں کے لئے خرابی ہے- قیامت والے دن انہیں المناک عذاب اور دردناک سزائیں ہوں گی-

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا
يَشْعُرُونَ ﴿۶۶﴾ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا
الْمُتَّقِينَ ﴿۶۷﴾ يَٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۶۸﴾ ع ۱۱
الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۶۹﴾ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ
وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿۷۰﴾

یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ○ اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیز گاروں کے ○ میرے بندو! آج نہ تو تم پر کوئی خوف و ہراس ہے اور نہ تم بددل اور غمزدہ ہو گے ○ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ فرمانبردار

مسلمان ○ تم اور تمہاری جوڑ کے لوگ ہشاش بشاش راضی خوشی جنت میں چلے جاؤ ○

جنت میں--- **جنت کے حقدار:** ☆☆ (آیت:٦٦-٧٠) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو تو یہ مشرک قیامت کا انتظار کر رہے ہیں جو محض بے سود ہے' اس لئے کہ اس کے آنے کا کسی کو صحیح وقت تو معلوم نہیں' وہ اچانک یونہی بے خبری کی حالت میں آ جائے گی' اس وقت گو نادم ہوں لیکن اس سے کیا فائدہ؟ یہ اسے ناممکن سمجھے ہوئے ہیں لیکن وہ نہ صرف ممکن بلکہ یقیناً آنے ہی والی ہے اور اس وقت کا یا اس کے بعد کا کوئی عمل کسی کو کچھ نفع نہ دے گا- اس دن تو جن کی دوستیاں غیر اللہ کے لئے تھیں وہ سب عداوت سے بدل جائیں گی- ہاں جو دوستی صرف اللہ کے واسطے تھی وہ باقی اور دائم رہے گی- جیسے خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے بتوں سے جو دوستیاں کر رکھی ہیں یہ صرف دنیا کے رہنے تک ہی ہیں' قیامت کے دن تو ایک دوسرے کا نہ صرف انکار کریں گے بلکہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور کوئی نہ ہوگا جو تمہاری امداد پر آئے-

ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں دو ایماندار جو آپس میں دوست ہوتے ہیں جب ان میں سے ایک کا انتقال ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جنت کی خوش خبری ملتی ہے تو وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے اے اللہ! فلاں شخص میرا دلی دوست تھا جو مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا' بھلائی کی ہدایت کرتا تھا' برائی سے روکتا تھا اور مجھے یقین دلایا کرتا تھا کہ ایک روز اللہ سے ملنا ہے' پس اے باری تعالیٰ تو اسے راہ حق پر ثابت قدم رکھ یہاں تک کہ اسے بھی تو وہ دکھا جو تو نے مجھے دکھایا ہے اور اس سے بھی اسی طرح راضی ہو جا جس طرح مجھ سے راضی ہوا ہے- اللہ کی طرف سے جواب ملتا ہے تو ٹھنڈے کلیجوں چلا جا- اس کے لئے جو کچھ میں نے تیار کیا ہے اگر تو اسے دیکھ لیتا تو تو بہت ہنستا اور بالکل آزردہ نہ ہوتا- پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں ملتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا تعلق بیان کرو- پس ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ میرا بڑا اچھا بھائی تھا اور نہایت نیک ساتھی تھا اور بہت بہتر دوست تھا- دو کافر جو آپس میں ایک دوسرے کے دوست تھے جب ان میں سے ایک مرتا ہے اور جہنم کی خبر دیا جاتا ہے تو اسے بھی اپنا دوست یاد آتا ہے اور کہتا ہے باری تعالیٰ فلاں شخص میرا دوست تھا' تیری اور تیرے نبی کی نافرمانی کی مجھے تعلیم دیتا تھا' برائیوں کی رغبت دلاتا تھا' بھلائیوں سے روکتا تھا اور تیری ملاقات نہ ہونے کا مجھے یقین دلاتا تھا- پس تو اسے میرے بعد ہدایت نہ کرتا کہ وہ بھی وہی دیکھے جو میں نے دیکھا اور اس پر تو اسی طرح ناراض ہو جس طرح مجھ پر غضب ناک ہوا-

پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں جمع ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے اوصاف بیان کرو تو ہر ایک کہتا ہے تو بڑا برا بھائی تھا اور برا ساتھی تھا اور بدترین دوست تھا- حضرت ابن عباسؓ حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہر دوستی قیامت کے دن دشمنی سے بدل جائے گی مگر پرہیزگاروں کی دوستی- ابن عساکر میں ہے کہ جن دو شخصوں نے اللہ کے لئے آپس میں دوستانہ کر رکھا ہے خواہ ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں لیکن قیامت کے دن اللہ انہیں جمع کر کے فرمائے گا کہ یہ ہے جسے تو میری وجہ سے چاہتا تھا-

پھر فرمایا کہ ان متقیوں سے روز قیامت میں کہا جائے گا کہ تم خوف و ہراس سے دور ہو- ہر طرح امن چین سے رہو سہو' یہ ہے تمہارے ایمان و اسلام کا بدلہ- یعنی باطن میں یقین و اعتقاد کامل اور ظاہر میں شریعت پر عمل- حضرت معتمر بن سلیمانؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے کھڑے کئے جائیں گے تو سب کے سب گھبراہٹ اور بے چینی میں ہوں گے اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم پر خوشی ہے نہ خوف تو تمام کے تمام اسے عام سمجھ کر خوش ہو جائیں گے' وہیں

منادی کہے گا وہ لوگ جو دل سے ایمان لائے تھے اور جسم سے نیک کام کئے تھے' اس وقت سوائے سچے پکے مسلمانوں کے باقی سب مایوس ہو جائیں گے' پھر ان سے کہا جائے گا کہ تم نعمت وسعادت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ سورۂ روم میں اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ
الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۷۱ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ
اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷۲ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ
مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۳

ان کے چاروں طرف سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور لگا دیا جائے گا' ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں سب وہاں ہوگا اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے ○ یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو ○ یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے ○

جنت کی نعمتیں: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) چاروں طرف سے ان کے سامنے طرح طرح کے ملذذ مرغن خوش ذائقہ' مرغوب کھانوں کی طشتریاں' رکابیاں اور پیالیاں پیش ہوں گی اور چھلکتے ہوئے جام ہاتھوں میں لئے غلمان ادھر ادھر گردش کر رہے ہوں گے تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ اور تَشْتَهِي الْاَنْفُسُ دونوں قرأتیں ہیں۔ یعنی انہیں مزیدار' خوشبو والے' اچھی رنگت والے' من مانے کھانے پینے ملیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے نیچے درجے کا جنتی جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اس کی نگاہ سو سال کے راستے تک جاتی ہوگی لیکن برابر وہاں تک اسے اپنے ہی ڈیرے اور محل سونے کے اور زمرد کے نظر آئیں گے جو تمام کے تمام قسم قسم اور رنگ برنگ کے ساز و سامان سے پر ہوں گے' صبح شام ستر ستر ہزار رکابیاں پیالے الگ الگ وضع کے کھانے سے پر اس کے سامنے رکھے جائیں گے جن میں سے ہر ایک اس کی خواہش کے مطابق ہوگا اور اول سے آخر تک اس کی اشتہاء برابر اور یکساں رہے گی۔ اگر وہ روئے زمین والوں کی دعوت کر دے تو سب کو کفایت ہو جائے اور کچھ نہ گھٹے۔ (عبدالرزاق)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جنتی ایک لقمہ اٹھائے گا اور اس کے دل میں خیال آئے گا کہ فلاں قسم کا کھانا ہوتا تو اچھا ہوتا چنانچہ وہ نوالہ اس کے منہ میں وہ چیز بن جائے گا جس کی اس نے خواہش کی تھی' پھر آپ نے اس آیتکی تلاوت کی۔ مسند احمد میں ہے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں سب سے ادنیٰ مرتبے کے جنتی کے بالا خانے کی سات منزلیں ہوں گی یہ چھٹی منزل میں ہوگا اور اس کے اوپر ساتویں ہوگی۔ اس کے تیس خادم ہوں گے جو صبح شام تین سو سونے کے برتنوں میں اس کے لئے طعام وشراب پیش کریں گے' ہر ایک میں الگ الگ قسم کا عجیب وغریب اور نہایت لذیذ کھانا ہوگا' اول سے آخر تک اسے کھانے کی اشتہا ویسی ہی رہے گی۔ اسی طرح تین سو سونے کے پیالوں اور کٹوروں اور گلاسوں میں اسے پینے کی چیزیں دی جائیں گی۔ وہ بھی ایک سے ایک سوا ہوگی۔ یہ کہے گا کہ اے اللہ اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تمام جنتیوں کی دعوت کروں۔ سب بھی اگر میرے ہاں کھائیں تو بھی میرے کھانے میں کمی نہیں آ سکتی اور اس کی بہتر بیویاں حورعین میں سے ہوں گی اور دنیا کی اور بیویاں الگ ہوں گی۔ ان میں سے ایک ایک میل میل بھر کی جگہ میں بیٹھے گی۔ پھر ساتھ ہی ان سے کہا جائے گا کہ یہ نعمتیں بھی ہمیشہ رہنے والی ہیں اور تم بھی یہاں ہمیشہ ہی رہو گے۔ نہ موت آئے نہ گھاٹا آئے نہ جگہ بدلے نہ تکلیف پہنچے' پھر ان پر اپنا فضل واحسان بتایا جاتا ہے کہ تمہارے اعمال کا بدلہ میں نے اپنی وسیع رحمت سے تمہیں یہ دیا ہے

کیونکہ کوئی شخص بغیر رحمت اللہ کے صرف اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں نہیں جا سکتا۔ البتہ جنت کے درجوں میں تفاوت جو ہوگا وہ نیک اعمال کے تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنمی اپنی جنت کی جگہ جہنم سے دیکھیں گے اور حسرت و افسوس سے کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہدایت کرتا تو میں بھی متقیوں میں ہو جاتا اور ہر ایک جنتی بھی اپنی جہنم کی جگہ جنت میں سے دیکھے گا اور اللہ کا شکر کرتے ہوئے کہے گا کہ ہم خود اپنے طور پر راہ راست کے حاصل کرنے پر قادر نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ نے خود ہماری رہنمائی نہ کرتا۔ آپ فرماتے ہیں ہر ہر شخص کی ایک جگہ جنت میں ہے اور ایک جگہ جہنم میں۔ پس کافر مومن کی جہنم کی جگہ کا وارث ہوگا اور مومن کافر کی جنت کی جگہ کا وارث ہوگا۔ یہی فرمان باری ہے کہ اس جنت کے وارث تم بہ سبب اپنے اعمال کے بنائے گئے ہو' کھانے پینے کے ذکر کے بعد اب میووں اور ترکاریوں کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ بھی بہ کثرت مرغوب طبع انہیں ملیں گی۔ جس قسم کی یہ چاہیں اور ان کی خواہش ہو۔ غرض بھرپور نعمتوں کے ساتھ رب کی رضامندی کے گھر میں ہمیشہ رہیں گے' اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ
فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾
وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾
لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾
اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا
نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

بے شک گنہگار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ○ یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے ○ اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے' وہ کہے گا کہ تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے ○ ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں کے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے ہیں ○ کیا انہوں نے کسی کام پختہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں ○ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے؟ سن رہے ہیں بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں ○

دوزخ اور دوزخیوں کی درگت: ☆☆ (آیت: ۷۴-۸۰) اوپر چونکہ نیک لوگوں کا حال بیان ہوا تھا اس لئے یہاں بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ گنہگار جہنم کے عذابوں میں ہمیشہ رہیں گے' ایک ساعت بھی انہیں ان عذابوں میں تخفیف نہ ہوگی اور اس میں وہ ناامید محض ہو کر پڑے رہیں گے۔ ہر بھلائی سے وہ مایوس ہو جائیں گے' ہم ظلم کرنے والے نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا۔ ہم نے رسول بھیجے' کتابیں نازل فرمائیں' حجت قائم کر دی۔ لیکن یہ اپنی سرکشی سے' عصیان سے' طغیان سے باز نہ آئے' اس پر یہ بدلہ پایا۔ اس میں اللہ کا کوئی ظلم نہیں اور نہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ یہ جہنمی' مالک کو یعنی داروغۂ جہنم کو پکاریں گے۔

صحیح بخاری میں ہے حضورؐ نے ممبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ موت کی آرزو کریں گے تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں لیکن اللہ کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا یعنی نہ تو انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب کی

تخفیف ہوگی۔ اور فرمان باری ہے وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ''یعنی وہ بد بخت اس نصیحت سے علیحدہ ہو جائے گا جو بڑی سخت آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا''۔ پس جب وہ داروغۂ جہنم سے نہایت لجاجت سے کہیں گے کہ آپ ہماری موت کی دعا اللہ سے کیجئے تو وہ جواب دے گا کہ تم اسی میں پڑے رہنے والے ہو مرو گے نہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکث ایک ہزار سال ہے۔ یعنی نہ مرو گے نہ چھٹکارا پاؤ گے نہ بھاگ سکو گے پھر ان کی سیاہ کاری کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ہم نے ان کے سامنے حق کو پیش کر دیا واضح کر دیا تو انہوں نے ماننا تو ایک طرف اس سے نفرت کی۔ ان کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوئی حق اور حق والوں سے نفرت کرتے رہے اس سے رکتے رہے۔ ہاں ناحق کی طرف مائل رہے۔ ناحق والوں سے ان کی خوب بنتی رہی۔ پس تم اپنے نفس کو ہی ملامت کرو اور اپنے ہی اوپر افسوس کرو لیکن آج کا افسوس بھی بے فائدہ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے بدترین مکر اور زبردست داؤ کھیلنا چاہا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا حضرت مجاہدؒ کی یہی تفسیر ہے۔ اور ان کی شہادت اس آیت میں ہے وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اس طرح مکر کیا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ مشرکین حق کو ٹالنے کے لئے طرح طرح کی حیلہ سازی کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دھوکے میں ہی رکھا اور ان کا وبال جب تک ان کے سروں پر نہ آ گیا اور ان کی آنکھیں نہ کھلیں اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں سن نہیں رہے؟ ان کا گمان بالکل غلط ہے ہم تو ان کی سرشت تک سے واقف ہیں بلکہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے بھی ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں جو نہ صرف دیکھ ہی رہے ہیں بلکہ لکھ بھی رہے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝۸۱ سُبْحٰنَ رَبِّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۸۲ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ۝۸۳ وَهُوَ
الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ
الْعَلِيْمُ ۝۸۴

کہہ دے کہ اگر بالفرض رحمان کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت گذار ہوتا ○ آسمان و زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے بہت پاک ہے ○ اب تو انہیں اسی بحث مباحثہ اور کھیل کود میں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں ○ وہی آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے ○

جہالت و خباثت کی انتہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے: ☆☆ (آیت: ۸۱-۸۴) اے نبی! آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو مجھے سر جھکانے میں کیا تامل ہے؟ نہ میں اس کے فرمان سے سرتابی کروں نہ اس کے حکم کو ٹالوں اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے میں اسے مانتا اور اس کا اقرار کرتا۔ لیکن اللہ کی ذات ایسی نہیں جس کا کوئی ہمسر اور جس کا کوئی کفو ہو۔ یاد رہے کہ بطور شرط کے جو کلام وارد کیا جائے اس کا وقوع ضروری نہیں بلکہ امکان بھی ضروری نہیں۔ جیسے فرمان باری ہے لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ الخ، یعنی اگر حضرت حق جل وعلا اولاد کی خواہش کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا لیکن وہ اس سے پاک ہے اس کی شان

وحدانیت اس کے خلاف ہے' اس کا تنہا غلبہ اور قہاریت اس کی صریح منافی ہے۔ بعض مفسرین نے عَابِدِیْنَ کے معنی انکاری کے بھی کئے ہیں جیسے حضرت سفیان ثوریؒ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عابدین سے مراد یہاں اَوَّلُ الْجَاحِدِیْنَ ہے یعنی پہلا انکار کرنے والا اور یہ عَبَدَ یَعْبُدُ کے باب سے ہے اور جو عبادت کے معنی میں ہوتا ہے وہ عَبَدَ یَعْبُدُ سے ہوتا ہے۔ اسی کی شہادت میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک عورت کے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ ہوا' حضرت عثمانؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؓ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل کی اور دودھ کی چھٹائی کی مدت ڈھائی سال کی ہے۔ اور جگہ اللہ عزوجل نے فرمایا وَفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ دو سال کے اندر اندر دودھ چھڑانے کی مدت ہے حضرت عثمانؓ ان کا انکار نہ کر سکے اور فوراً آدمی بھیجا کہ اس عورت کو واپس کرو۔ یہاں بھی لفظ عبد ہے یعنی انکار نہ کر سکے۔ ابن وہبؒ کہتے ہیں عبد کے معنی نہ ماننا' انکار کرنا ہے۔ شاعر کے شعر میں بھی عَبِدَ انکار کے اور نہ ماننے کے معنی میں ہے۔ لیکن اس قول میں نکارت ہے اس لئے کہ شرط کے جواب میں یہ کچھ ٹھیک طور پر لگتا نہیں' اسے ماننے کے بعد مطلب یہ ہو گا کہ اگر رحمان کی اولاد ہے تو میں پہلا منکر ہوں اور اس میں کلام کی خوبصورتی قائم نہیں رہتی۔ ہاں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِنْ شرط کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی کے لئے ہے جیسے کہ ابن عباسؓ سے منقول بھی ہے۔ تو اب مضمون کلام یہ ہو گا کہ چونکہ رحمان کی اولاد نہیں پس میں اس کا پہلا گواہ ہوں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ کلام عرب کے محاورے کے مطابق ہے یعنی نہ رحمان کی اولاد نہ میں اس کا قائل و عابد۔ ابوصخرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تو پہلے ہی اس کا عابد ہوں کہ اس کی اولاد ہے ہی نہیں اور میں اس کی توحید کو ماننے میں بھی آگے آگے ہوں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں میں اس کا پہلا عبادت گذار ہوں اور موحد ہوں اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں پہلا انکاری ہوں' یہ دونوں لغت میں عَابِد اور عَبِد اور اول ہی زیادہ قریب ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ شرط و جزا ہے لیکن یہ ممتنع اور محال محض نا ممکن۔ سدیؒ فرماتے ہیں اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں اسے پہلے مان لیتا کہ اس کی اولاد ہے لیکن وہ اس سے پاک ہے۔ ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں اور جو لوگ اِنْ کو نافیہ بتلاتے ہیں ان کے قول کی تردید کرتے ہیں' اسی لئے باری تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ آسمان و زمین اور تمام چیزوں کا خالق اس سے پاک' بہت دور اور بالکل منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو' وہ فرد' احد' صمد ہے' اس کی نظیر' کفو' اولاد کوئی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! انہیں اپنی جہالت میں غوطے کھاتے چھوڑ دو اور دنیا کے کھیل تماشوں میں مشغول رہنے دو' اسی غفلت میں ان پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اس وقت اپنا انجام معلوم کر لیں' پھر ذات حق کی بزرگی اور عظمت اور جلال کا مزید بیان ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اس کی عابد ہے' اس کے سامنے پست اور عاجز ہے۔ وہ خبیر و علیم ہے۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ع
وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ
یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ
یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ہے' قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے اور اسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے ○ جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں مستحق شفاعت وہ ہیں جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو ○

اللہ تعالیٰ کی چند صفات : ☆☆ (آیت : ۸۵-۸۶) جیسے اور آیت میں ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو اور تمہارے ہر ہر عمل کو جانتا ہے وہ سب کا خالق و مالک سب کو بسانے اور بنانے والا سب پر حکومت اور سلطنت رکھنے والا بڑی برکتوں والا ہے۔ وہ تمام عیبوں سے کل نقصانات سے پاک ہے وہ سب کا مالک ہے بلندیوں اور عظمتوں والا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی بدل سکے ہر ایک پر قابض وہی ہے ہر ایک کام اس کی قدرت کے ماتحت ہے۔ قیامت آنے کے وقت کو وہی جانتا ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کے آنے کے ٹھیک وقت کا علم نہیں۔ ساری مخلوق اس کی طرف لوٹائی جائے گی۔ وہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کے معبودان باطل جنہیں یہ اپنا سفارشی خیال کئے بیٹھے ہیں ان میں سے کوئی بھی سفارش کے لئے آگے بڑھ نہیں سکتا کسی کی شفاعت انہیں کام نہ آئے گی۔ اس کے بعد استثناء منقطع ہے یعنی لیکن جو شخص حق کا اقراری اور شاہد ہو اور وہ خود بھی بصیرت و بصارت پر یعنی علم و معرفت والا ہو اسے اللہ کے حکم سے نیک لوگوں کی شفاعت کار آمد ہوگی۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾
وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓـؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ
عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

ع ۷ ۲۲ ۱۲

اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں ○ اور پیغمبر کا اکثر یہ کہنا کہ اے میرے رب! یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے ○ پس تو ان سے منہ پھیر لے اور رخصتانہ سلام کہہ دے انہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا ○

مشرکین کی کم عقلی : ☆☆ (آیت : ۸۷-۸۹) ان سے اگر تو پوچھے کہ ان کا خالق کون ہے؟ تو یہ اقرار کریں گے کہ اللہ ہی ہے۔ افسوس کہ خالق اسی ایک کو مان کر پھر عبادت دوسروں کی بھی کرتے ہیں جو محض مجبور اور بالکل بے قدرت ہیں اور کبھی اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے کہ جب پیدا اسی ایک نے کیا تو ہم دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ جہالت و خباثت کند ذہنی اور بے وقوفی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایسی سیدھی سی بات مرتے دم تک سمجھ میں نہ آئی بلکہ سمجھانے سے بھی نہ سمجھا۔ اسی لئے تعجب سے ارشاد ہوا کہ اتنا مانتے ہوئے پھر کیوں اندھے ہو جاتے ہو؟ پھر ارشاد ہے کہ محمد ﷺ نے اپنا یہ کہنا کہا یعنی اپنے رب کی طرف شکایت کی اور اپنی قوم کی تکذیب کا بیان کیا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

جیسے اور آیت میں ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا یعنی رسولؐ کی یہ شکایت اللہ کے سامنے ہوگی کہ میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ امام ابن جریرؒ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ هٰؤُلَآءِ ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اللہ عزوجل اپنے نبی کا قول نقل فرما رہا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ تمہارے نبیؐ کا قول ہے۔ اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کی شکایت پیش کرتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے قِيلِه کی دوسری قرأت لام کے زیر کے ساتھ بھی نقل کی ہے۔ اس کی ایک توجیہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ پر معطوف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں فعل مقدر مانا جائے یعنی قال کو مقدر مانا جائے۔ دوسری قرأت یعنی لام کے زیر کے ساتھ جب ہو تو یہ عطف ہوگا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ پر تو تقدیر یوں ہوگی کہ قیامت کا علم اور اس قول کا علم اس کے پاس ہے۔ ختم سورت پر ارشاد ہوتا ہے کہ مشرکین سے منہ موڑ لے اور ان کی بد زبانی کا بدکلامی سے جواب نہ دو بلکہ ان کے دل پر چانے کی خاطر قول میں اور فعل میں دونوں میں نرمی برتو کہہ دو کہ سلام ہے۔ انہیں ابھی

حقیقت حال معلوم ہو جائے گی ۔ اس میں رب قدوس کی طرف سے مشرکین کو بڑی دھمکی ہے اور یہی ہو کر بھی رہا کہ ان پر وہ عذاب آیا جو ان سے ٹل نہ سکا ۔ حضرت حق جل وعلا نے اپنے دین کو بلند و بالا کیا ' اپنے کلمہ کو چاروں طرف پھیلا دیا ' اپنے موحد مومن اور مسلم بندوں کو قوی کر دیا اور پھر انہیں جہاد کے اور جلاوطن کرنے کے احکام دے کر اس طرح دنیا میں غالب کر دیا ' اللہ کے دین میں بے شمار آدمی داخل ہوئے اور مشرق و مغرب میں اسلام پھیل گیا ' فالحمد للہ ۔ واللہ اعلم ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ زخرف کی تفسیر ختم ہوئی ۔

تفسیر سورة الدخان

ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص رات کو سورۂ حم دخان پڑھے اس کے لئے صبح تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں ۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عمرو بن ابی خثعم ضعیف ہیں ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں ۔ ترمذی کی اور حدیث میں ہے کہ جس نے اس سورۃ کو جمعہ کی رات پڑھا اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کے ایک راوی ابو المقدام ہشام ضعیف ہیں اور دوسرے راوی حضرت حسن کا حضرت ابو ہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں ۔ مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے سامنے اپنے دل میں سورۂ دخان کو پوشیدہ کر کے اس سے پوچھا کہ بتا میرے دل میں کیا ہے ؟ اس نے کہا دخ ۔ آپ نے فرمایا بس پرے ہٹ جا ' نامراد رہ گیا ۔ جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے ' پھر آپ لوٹ گئے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝٣ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝٤ اَمْرًا
مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝٥ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٦ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝٧ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ
وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨

اللہ تعالیٰ مہربان و کرم فرما کے نام سے شروع ○

قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی ○ یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے بیشک ہم ہوشیار کر دینے والے ہیں ○ اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ○ ہمارے پاس سے حکم ہو کر ۔ ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے ○ تیرے رب کی مہربانی سے ' وہ ہے بہت بڑا سننے والا جاننے والا ○ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ' اگر تم یقین کرنے والے ہو ○ کوئی معبود نہیں اس کے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے ' وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا ○

عظیم الشان قرآن کریم کا نزول اور ماہ شعبان : ☆☆ (آیت : ۱ - ۸) اللہ تبارک و تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس عظیم الشان قرآن کریم کو بابرکت رات یعنی لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے ۔ جیسے ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے

اور یہ رات رمضان المبارک میں ہے- جیسے اور آیت میں ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا- سورۂ بقرہ میں اس کی پوری تفسیر گذر چکی ہے- اس لئے یہاں دوبارہ نہیں لکھتے- بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لیلہ مبارکہ جس میں قرآن شریف نازل ہوا وہ شعبان کی پندرہویں رات ہے' یہ قول سراسر بے دلیل ہے' اس لئے کہ نص قرآن سے قرآن کا رمضان میں نازل ہونا ثابت ہے اور جس حدیث میں مروی ہے کہ شعبان میں اگلے شعبان تک کے تمام کام مقرر کر دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نکاح کا اور اولاد کا اور میت کا ہونا بھی وہ حدیث مرسل ہے' اور ایسی احادیث سے نص قرآن کا معارضہ نہیں کیا جا سکتا- ہم لوگوں کو آ گاہ کر دینے والے ہیں یعنی انہیں خیر و شر نیکی بدی معلوم کرا دینے والے ہیں تا کہ مخلوق پر حجت ثابت ہو جائے اور لوگ علم شرعی حاصل کر لیں' اسی شب ہر محکم کام طے کیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے کاتب فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے- تمام سال کے کل اہم کام عمر روزی وغیرہ سب طے کر لی جاتی ہے- حکیم کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں جو بدلے نہیں' وہ سب ہمارے حکم سے ہوتا ہے' ہم رسل کے ارسال کرنے والے ہیں تا کہ وہ اللہ کی آیتیں اللہ کے بندوں کو پڑھ سنائیں جس کی انہیں سخت ضرورت اور پوری حاجت ہے' یہ تیرے رب کی رحمت ہے' اس رحمت کا کرنے والا' قرآن کو اتارنے والا اور رسولوں کو بھیجنے والا وہ اللہ ہے جو آسمان و زمین اور کل چیز کا مالک ہے اور سب کا خالق ہے- تم اگر یقین کرنے والے ہو تو اس کے باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں' پھر ارشاد ہوا کہ معبود برحق بھی صرف وہی ہے- اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں- ہر ایک کی موت و زیست اسی کے ہاتھ ہے' تمہارا اور تم سے اگلوں کا سب کا پالنے پوسنے والا وہی ہے- اس آیت کا مضمون اس آیت جیسا ہے- قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الخ' یعنی تو اعلان کر دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' وہ اللہ جس کی بادشاہت ہے آسمان و زمین کی' جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو جلاتا اور مارتا ہے- الخ

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں پڑے ہیں ○ تو اس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان ظاہر دھواں لائے ○ جو لوگوں کو گھیر لے یہ ہے دکھ کی مار ○

دھواں ہی دھواں اور کفار: ☆☆ (آیت:۹-۱۱) فرماتے ہے کہ حق آ چکا اور یہ شک و شبہ میں اور لہو و لعب میں مشغول و مصروف ہیں- انہیں اس دن سے آ گاہ کر دے جس دن آسمان سے سخت دھواں آئے گا- حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ کوفے کی مسجد میں گئے جو کندہ کے دروازوں کے پاس ہے تو دیکھا کہ ایک حضرت اپنے ساتھیوں میں قصہ گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دھوئیں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کے دن منافقوں کے کانوں اور آنکھوں میں بھر جائے گا اور مومنوں کو مثل زکام کے ہو جائے گا- ہم وہاں سے جب واپس لوٹے اور حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپ لیٹے لیٹے بے تابی کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں- یہ بھی علم ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو کہہ دے کہ اللہ جانے- سنو میں تمہیں اس آیت کا صحیح مطلب سناؤں جب کہ قریشیوں نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی اور حضور ﷺ کو ستانے لگے تو آپ نے ان پر بددعا کی کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط ان پر آ پڑے- چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور ایسی خشک سالی آئی کہ انہوں نے ہڈیاں اور مردار چبانا شروع کیا اور آسمان کی طرف نگاہیں ڈالتے تھے تو دھویں کے سوا کچھ

دکھائینہ دیتا تھا اور روایت میں ہے کہ بوجہ بھوک کے ان کی آنکھوں میں چکر آنے لگے۔ جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تو درمیان میں ایک دھواں نظر آتا۔ اسی کا بیان ان دو آیتوں میں ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ہلاکت کی شکایت کی۔ آپ کو رحم آگیا اور آپؐ نے جناب باری میں التجا کی چنانچہ بارش برسی۔ اسی کا بیان اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ عذاب کے ہٹتے ہی پھر کفر کرنے لگیں گے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ دنیا کا عذاب ہے کیونکہ آخرت کے عذاب تو ہٹتے، کھلتے اور دور ہوتے نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ پانچ چیزیں گذر چکیں۔ دخان، روم، قمر، بطشہ اور لزام (بخاری و مسلم) یعنی آسمان سے دھوئیں کا آنا۔ رومیوں کا اپنی شکست کے بعد غلبہ پانا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ بدر کی لڑائی میں کفار کا پکڑا جانا اور ہارنا اور چمٹ جانے والا عذاب۔ بڑی سخت پکڑ سے مراد بدر کے دن کی لڑائی ہے۔ یہی قول حضرت ابن مسعود، نخعی، ضحاک، عطیہ عوفی رحمھم اللہ عنہم وغیرہ کا ہے اور اسی کو ابن جریرؒ بھی ترجیح دیتے ہیں۔ عبدالرحمٰن اعرجؒ سے مروی ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن ہوا۔ یہ قول بالکل غریب بلکہ منکر ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں یہ گذر نہیں گیا بلکہ قریب قیامت کے آئے گا۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ صحابہؓ جب قیامت کا ذکر کر رہے تھے اور حضورؐ آ گئے تو آپ نے فرمایا جب تک دس نشانات تم نہ دیکھ لو قیامت نہیں آئے گی۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، دھواں، یاجوج ماجوج کا آنا، حضرت عیسیٰ ابن مریم کا آنا، دجال کا آنا، مشرق و مغرب اور جزیرۃ العرب میں زمین کا دھنسایا جانا، آگ کا عدن سے نکل کر لوگوں کو ہانک کر ایک جا کرنا۔ جہاں یہ رات گذاریں گے آگ بھی گذارے گی اور جہاں یہ دوپہر کو سوئیں گے آگ بھی قیلولہ کرے گی۔ (مسلم)

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے لئے دل میں فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ چھپا کر اس سے پوچھا کہ بتا میں نے اپنے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اس نے کہا دخ، آپ نے فرمایا بس برباد ہو اس سے آگے تیری نہیں چلنے کی۔ اس میں بھی ایک قسم کا اشارہ ہے کہ ابھی اس کا انتظار باقی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے چونکہ ابن صیاد بطور کاہنوں کے بعض باتیں دل کی زبان سے بتانے کا مدعی تھا، اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے آپ نے یہ کیا اور جب وہ پورا نہ بتا سکا تو آپ نے لوگوں کو اس کی حالت سے واقف کر دیا کہ اس کے ساتھ شیطان ہے، کلام صرف چرا لیتا ہے اور یہ اس سے زیادہ قدرت نہیں پانے کا۔ ابن جریر میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں قیامت کی اولین نشانیاں یہ ہیں۔ دجال کا آنا اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نازل ہونا اور آگ کا بیچ عدن سے نکلنا جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی قیلولے کے وقت اور رات کی نیند کے وقت بھی ان کے ساتھ رہے گی اور دھویں کا آنا۔ حضرت حذیفہؓ نے سوال کیا کہ حضورؐ دھواں کیسا؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ دھواں چالیس دن تک گھٹا رہے گا جس سے مسلمان کو تو مثل نزلے کے ہو جائے گا اور کافر بے ہوش بدمست ہو جائے گا۔ اس کے نتھنوں سے، کانوں سے اور دوسری جگہ سے دھواں نکلتا رہے گا۔ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو پھر دخان کے معنی مقرر ہو جانے میں کوئی بات باقی نہ رہتی لیکن اس کی صحت کی گواہی نہیں دی جا سکتی۔ اس کے راوی رواد سے محمد بن خلف عسقلانی نے سوال کیا کہ کیا سفیان ثوریؒ سے تو نے خود یہ حدیث سنی ہے؟ اس نے انکار کیا، پوچھا کیا تو نے پڑھی اور اس نے سنی ہے؟ کہا نہیں۔ پوچھا اچھا تمہاری موجودگی میں اس کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی؟ کہا نہیں، کہا پھر تم اس حدیث کو کیسے بیان کرتے ہو؟ کہا میں نے تو بیان نہیں کی، میرے پاس کچھ لوگ آئے، اس روایت کو پیش کیا پھر جا کر میرے نام سے اسے بیان کرنا شروع کر دیا۔ بات بھی یہی ہے یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ ابن جریرؒ اسے کئی جگہ لائے ہیں اور اس میں بہت سی منکرات ہیں۔ خصوصاً مسجد اقصیٰ کے بیان میں جو سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں ہے واللہ اعلم۔

اور حدیث میں ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں تین چیزوں سے ڈرایا، دھواں جو مومن کو زکام کر دے گا اور کافر کا تو سارا جسم پھلا دے

گا' روئیں روئیں سے دھواں اٹھے گا' دابۃ الارض اور دجال ۔ اس کی سند بہت عمدہ ہے ۔ حضورؐ فرماتے ہیں دھواں پھیل جائے گا' مومن کو تو مثل زکام کے لگے گا اور کافر کے جوڑ جوڑ سے نکلے گا ۔ یہ حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کے قول سے بھی مروی ہے اور حضرت حسنؒ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں دخان گذر نہیں گیا بلکہ اب آئے گا ۔ حضرت ابن عمرؓ سے دھویں کی بابت اوپر کی حدیث کی طرح روایت ہے ۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا تو آپ فرمانے لگے رات کو میں بالکل نہیں سویا ۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ لوگوں سے سنا کہ دم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہی دخان نہ ہو ۔ پس صبح تک میں نے آنکھ نہیں ملائی ۔ اس کی سند صحیح ہے ۔ اور حبر الامہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ صحابہ اور تابعین بھی ہیں اور مرفوع حدیثیں بھی ہیں ۔ جن میں صحیح حسن اور ہر طرح کی ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دخان ایک علامت قیامت ہے جو آنے والی ہے' ظاہر الفاظ قرآن بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیونکہ قرآن نے اسے واضح اور ظاہر دھواں کہا ہے جسے ہر شخص دیکھ سکے اور بھوک کے دھوئیں سے اسے تعبیر کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ وہ تو ایک خیالی چیز ہے ۔ بھوک پیاس کی سختی کی وجہ سے دھواں سا آنکھوں کے آگے نمودار ہو جاتا ہے جو در اصل دھواں نہیں اور قرآن کے الفاظ ہیں دُخَانٍ مُّبِیۡنٍ کے ۔ پھر یہ فرمان کہ وہ لوگوں کو ڈھانک لے گی یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید کرتا ہے کیونکہ بھوک کے اس دھوئیں نے صرف اہل مکہ کو ڈھانپا تھا نہ کہ تمام لوگوں کو' پھر فرماتا ہے کہ یہ ہے المناک عذاب' یعنی ان سے یوں کہا جائے گا ۔ جیسے اور آیت میں ہے یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ الخ' جس دن انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا کہ یہ وہ آگ ہے جسے تم جھٹلا رہے تھے ۔ یا یہ مطلب کہ وہ خود ایک دوسرے سے یوں کہیں گے ۔ کافر جب اس عذاب کو دیکھیں گے تو اللہ سے اس کے دور ہونے کی دعا کریں گے جیسے کہ اس آیت میں ہے وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَی النَّارِ الخ' یعنی'' کاش کہ تو انہیں دیکھتا جب یہ آگ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کاش کہ ہم لوٹائے جاتے تو ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور با ایمان بن کر رہتے'' ۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى
وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ
مَّجْنُوْنٌ ۝۱۴ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝۱۵ يَوْمَ نَبْطِشُ
الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝۱۶

کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں ○ ان کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبر ان کے پاس آ چکے ○ پھر بھی انہوں نے ان سے منہ موڑا اور کہہ دیا سکھایا پڑھایا ہوا باولا ہے ○ ہم عذاب کو کچھ دنوں دور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت پر آ جاؤ گے ○ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے' بالیقین ہم بدلہ لینے والے ہیں ○

روز آخرت توبہ نہیں: ☆☆ (۱۲-۱۶) اور آیت میں ہے'' لوگوں کو ڈراوے کے ساتھ آگاہ کر دے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا' اس دن گنہگار کہیں گے پروردگار ہمیں تھوڑے سے وقت تک اور ڈھیل دے دے تو ہم تیری پکار پر لبیک کہہ لیں اور تیرے رسولوں کی فرماں برداری کر لیں'' پس یہاں یہی کہا جاتا ہے کہ ان کے لئے نصیحت کہاں؟ ان کے پاس میرے پیغامبر آ چکے' انہوں نے ان کے سامنے میرے احکام واضح طور پر رکھ دیئے لیکن ماننا تو کجا انہوں نے پرواہ تک نہ کی بلکہ انہیں جھوٹا کہا' ان کی تعلیم کو غلط کہا اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو

سکھائے پڑھائے ہیں' انہیں جنون ہو گیا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ''اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اب اس کے لئے نصیحت کہاں ہے''؟ اور جگہ فرمایا ہے وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ الخ' اس دن عذابوں کو دیکھ کر ایمان لانا سرا سر بے سود ہے' پھر جو ارشاد ہوتا ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر بالفرض ہم عذاب ہٹا لیں اور تمہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیں تو بھی تم پھر وہاں جا کر یہی کرو گے جو اس سے پہلے کر کے آئے ہو۔ جیسے فرمایا وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ الخ' یعنی اگر ہم ان پر رحم کریں اور برائی ان سے ہٹا لیں تو پھر یہ اپنی سرکشی میں آنکھیں بند کر کے منہمک ہو جائیں گے' اور جیسے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ الخ' یعنی ''اگر یہ لوٹائے جائیں تو قطعاً دوبارہ پھر ہماری نافرمانیاں کرنے لگیں گے اور محض جھوٹے ثابت ہوں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر عذاب کے اسباب قائم ہو چکنے اور عذاب آ جانے کے بعد بھی گو ہم اسے کچھ دیر ٹھہرا لیں تاہم یہ اپنی بدباطنی اور خباثت سے باز نہیں آنے کے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عذاب انہیں پہنچا اور پھر ہٹ گیا۔ جیسے قوم یونسؑ' حضرت حق تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ قوم یونسؑ جب ایمان لائی ہم نے ان سے عذاب ہٹا لیا گویا عذاب انہیں ہونا شروع نہیں ہوا تھا ہاں اس کے اسباب موجود فراہم ہو چکے تھے' ان تک اللہ کا عذاب پہنچ چکا تھا اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے کفر سے ہٹ گئے تھے پھر اس کی طرف لوٹ گئے۔

چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں سے جب قوم نے کہا کہ یا تو تم ہماری بستی چھوڑ دو یا ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ تو جواب میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ گو ہم اسے برا جانتے ہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے رکھی ہے پھر بھی اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں تو ہم سے بڑھ کر جھوٹا اور اللہ کے ذمے بہتان باندھنے والا اور کون ہو گا؟ ظاہر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سے پہلے بھی کبھی کفر میں قدم نہیں رکھا تھا اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ تم لوٹنے والے ہو۔ اس سے مطلب اللہ کے عذاب کی طرف لوٹنا ہے۔ بڑی اور سخت پکڑ سے مراد جنگ بدر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے ساتھ کی وہ جماعت جو دخان کو ہو چکا ہوا مانتی ہے وہ تو بطشہ کے معنی یہی کرتی ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے' حضرت ابی بن کعبؓ سے اور ایک جماعت سے یہی ہے لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کی پکڑ ہے' گو بدر کا دن بھی پکڑ کا اور کفار پر سخت دن تھا۔ ابن جریر میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گو حضرت ابن مسعودؓ اسے بدر کا دن بتاتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس سے مراد قیامت کا دن ہے' اس کی اسناد صحیح ہے' حضرت حسن بصریؒ اور عکرمہؒ سے بھی دونوں روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ
اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا
تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ
عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا
لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو بھی آزما چکے ہیں جن کے پاس اللہ کا ذی عزت رسول آیا کہ ○ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو یقین مانو کہ میں تمہارا با امانت پیغمبر ہوں ○ تم اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو' میں تمہارے پاس کھلی سند لانے والا ہوں ○ اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار

کر دو ○ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو ○ پھر اپنے رب سے دعا کی یہ سب گنہگار لوگ ہیں ○

قبطیوں کا انجام: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۲) ارشاد ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے پہلے مصر کے قبطیوں کو ہم نے جانچا' ان کی طرف اپنے بزرگ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا' انہوں نے میرا پیغام پہنچایا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو اور انہیں دکھ نہ دو۔ میں اپنی نبوت پر گواہی دینے والے معجزے اپنے ساتھ لایا ہوں اور ہدایت کے ماننے والے سلامتی سے رہیں گے' مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا امانت دار بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے' میں تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں' تمہیں رب کی باتوں کے ماننے سے سرکشی نہ کرنی چاہئے' اس کے بیان کردہ دلائل واحکام کے سامنے سرتسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کی عبادتوں سے جی چرانے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم واصل ہوتے ہیں۔ میں تو تمہارے سامنے کھلی دلیل اور واضح آیت رکھتا ہوں' میں تمہاری بدگوئی اور اتہام سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو صالح تو یہی کہتے ہیں اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مراد پتھراؤ کرنا پتھروں سے مار ڈالنا ہے' یعنی زبانی ایذا سے اور دستی ایذا سے میں اپنے رب کی جو تمہارا بھی مالک ہے پناہ چاہتا ہوں' اچھا اگر تم میری نہیں مانتے' مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے' اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم میری تکلیف دہی اور ایذا رسانی سے تو باز رہو اور اس کے منتظر رہو جب کہ خود اللہ ہم میں تم میں فیصلہ کر دے گا۔ پھر جب اللہ کے نبی کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لمبی مدت ان میں گذاری' خوب دل کھول کر تبلیغ کر لی' ہر طرح خیر خواہی کی' ان کی ہدایت کے لئے ہر چند جتن کر لئے اور دیکھا کہ وہ روز بروز اپنے کفر میں بڑھتے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بددعا کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے امراء کو دنیوی نمائش اور مال ومتاع دے رکھی ہے' اے اللہ! یہ اس سے دوسروں کو بھی تیری راہ سے بھٹکا رہے ہیں' تو ان کا مال غارت کر اور ان کے دل اور سخت کر دے تاکہ دردناک عذابوں کے معائنہ تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ اے موسیٰ اور ہارون! میں نے تمہاری دعا قبول کر لی' اب تم استقامت پر تل جاؤ۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُکِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ
اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ
وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ کَانُوْا فِیْهَا فٰکِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ کَذٰلِکَ ۟
وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَکَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ
وَمَا کَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾

ہم نے کہہ دیا کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے نکل یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا ○ تو دریا کو ساکن چھوڑ چلا جا' بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا ○ وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے ○ اور کھیتیاں اور بہترین مکانات ○ اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے ○ اسی طرح ہو گیا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا ○ سو ان پر نہ تو آسمان وزمین روئے نہ انہیں مہلت ملی ○

(آیت: ۲۳-۲۹) یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات فرعون اور فرعونیوں کی بے خبری میں یہاں سے لے کر چلے جاؤ یہ کفار تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن تم بے خوف وخطر چلے جاؤ' میں تمہارے لئے دریا کو خشک کر دوں گا' اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے' فرعونی لشکر مع فرعون کے ان کے پکڑنے کو چلا' بیچ میں دریا حائل ہوا' آپ

بنی اسرائیل کو لے کر اس میں اتر گئے، دریا کا پانی سوکھ گیا اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت پار ہو گئے تو چاہا کہ دریا پر لکڑی مار کر اسے کہہ دیں کہ اب تو اپنی روانی پر آ جا تا کہ فرعون اس سے گزر نہ سکے - وہیں اللہ نے وحی بھیجی کہ اسے اسی حال میں سکون کے ساتھ ہی رہنے دو، ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بتا دی کہ یہ سب اسی میں ڈوب مریں گے - پھر تو تم سب بالکل ہی مطمئن اور بے خوف ہو جاؤ گے، غرض حکم ہوا تھا کہ دریا کو خشک چھوڑ کر چل دیں -

رھوا کے معنی سوکھا راستہ جو اصلی حالت پر ہو - مقصد یہ ہے کہ پار ہو کر دریا کو روانی کا حکم نہ دینا یہاں تک کہ دشمنوں میں سے ایک ایک اس میں آ نہ جائے - اب اسے جاری ہونے کا حکم ملتے ہی سب کو غرق کر دے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو کیسے غارت ہوئے - باغات، کھیتیاں، نہریں، مکانات اور بیٹھکیں سب چھوڑ کر فنا ہو گئے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں مصر کا دریائے نیل مشرق و مغرب کے دریاؤں کا سردار ہے اور سب نہریں اس کے ماتحت ہیں، جب اس کی روانی اللہ کو منظور ہوتی ہے تو تمام نہروں کو اس میں پانی پہنچانے کا حکم ہوتا ہے، جہاں تک رب کو منظور ہو اس میں پانی آ جاتا ہے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اور نہروں کو روک دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اب اپنی اپنی جگہ چلی جاؤ اور فرعونیوں کے یہ باغات دریائے نیل کے دونوں کناروں پر مسلسل چلے گئے تھے، رسواں سے لے کر رشید تک اس کا سلسلہ تھا اور اس کی نو خلیجیں تھیں - خلیج اسکندریہ، دمیاط، خلیج سردوس، خلیج منصف، خلیج نبوم، خلیج منتہی اور ان سب میں اتصال تھا، ایک دوسرے سے متصل تھیں اور پہاڑوں کے دامن میں ان کی کھیتیاں تھیں جو مصر سے لے کر دریا تک برابر چلی آتی تھیں - ان تمام کو بھی دریا سیراب کرتا تھا - بڑے امن چین کی زندگی گذار رہے تھے لیکن مغرور ہو گئے اور آخر ساری نعمتیں یونہی چھوڑ کر تباہ کر دیئے گئے - مال و اولاد، جاہ و مال سلطنت و عزت ایک ہی رات میں چھوڑ گئے اور بھس کی طرح اڑا دیئے گئے اور گذشتہ کل کی طرح بے نشان کر دیئے گئے، ایسے ڈبوئے گئےکہ ابھر نہ سکے - جہنم واصل ہو گئے اور بدترین جگہ پہنچ گئے - ان کی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دے دیں -

جیسے اور آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کمزوروں کو ان کے صبر کے بدلے اس سرکش قوم کی کل نعمتیں عطا فرما دیں اور بے ایمانوں کا بھرکس نکال ڈالا - یہاں بھی دوسری قوم جسے وارث بنایا اس سے مراد بھی بنی اسرائیل ہیں - پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زمین و آسمان نہ روئے - کیونکہ ان پاپیوں کے نیک اعمال تھے ہی نہیں جو آسمانوں پر چڑھتے ہوں اور اب ان کے نہ چڑھنے کی وجہ سے وہ افسوس کریں نہ زمین میں ان کی ایسی جگہیں تھیں کہ جہاں بیٹھ کر یہ اللہ کی عبادت کرتے ہوں اور آج انہیں نہ پا کر زمین کی وہ جگہ ان کا ماتم کرے، انہیں مہلت نہ دی گئی - مسند ابو یعلی موصلی میں ہے ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں، ایک سے اس کی روزی اترتی ہے دوسرے سے اس کے اعمال اور اس کے کلام چڑھتے ہیں - جب یہ مر جاتا ہے اور وہ عمل و رزق کو گم شدہ پاتے ہیں تو روتے ہیں، پھر اسی آیت کی حضورؐ نے تلاوت کی -

ابن ابی حاتم میں فرمان رسولؐ ہے کہ اسلام غربت سے شروع ہوا اور پھر غربت پر آ جائے گا، یاد رکھو مومن کا انجام مسافر کی طرح نہیں، مومن جہاں کہیں سفر میں ہوتا ہے جہاں اس کا کوئی رونے والا نہ ہو وہاں بھی اس کے رونے والے آسمان و زمین موجود ہیں، پھر حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا یہ دونوں کفار پر روتے نہیں - حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آسمان و زمین کبھی کسی پر روئے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا آج تو نے وہ بات دریافت کی ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے اس کا سوال کسی نے نہیں کیا - سنو ہر بندے کے لئے زمین میں ایک نماز کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں اس کے عمل کے چڑھنے کی ہوتی ہے اور آل فرعون کے نیک اعمال ہی نہ تھے - اس وجہ سے نہ زمین ان پر روئی نہ آسمان کو ان پر رونا آیا اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی کہ کوئی نیکی بجا لا سکیں - حضرت ابن عباسؓ سے یہ سوال ہوا تو آپ نے بھی قریب قریب یہی جواب دیا بلکہ آپ سے مروی ہے کہ چالیس دن تک زمین مومن پر روتی رہتی ہے -

حضرت مجاہدؒ نے جب یہ بیان فرمایا تو کسی نے اس پر تعجب کا اظہار کیا آپ نے فرمایا سبحان اللہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے' جو بندہ زمین کو اپنے رکوع وسجود سے آباد رکھتا تھا' جس بندے کی تکبیر وتسبیح کی آوازیں آسمان برابر سنتا رہا تھا' بھلا یہ دونوں اس عابد ربانی پر روئیں گے نہیں؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں فرعونیوں جیسے ذلیل وخوار لوگوں پر یہ کیوں روتے؟ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں دنیا جب سے رچائی گئی ہے تب سے آسمان صرف دو شخصوں پر رویا ہے۔ ان کے شاگرد سے سوال ہوا کہ کیا آسمان وزمین ہر ایمان دار پر روتے نہیں؟ فرمایا صرف اتنا حصہ جس حصے سے اس کا نیک عمل چڑھتا تھا۔ سنو آسمان کا رونا' اس کا سرخ ہونا اور مثل نری کے گلابی رنگ ہو جانا ہے سو یہ حال صرف دو شخصوں کی شہادت پر ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے موقع پر تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون برسانے لگا اور دوسرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر بھی آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا تھا (ابن ابی حاتم)

یزید ابن ابی زیاد کا قول ہے کہ قتل حسینؓ کی وجہ سے چار ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے اور یہی سرخی اس کا رونا ہے۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں اس کے کناروں کا سرخ ہو جانا اس کا رونا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ قتل حسینؓ کے دن جس پتھر کو الٹا جاتا تھا اس کے نیچے سے منجمد خون نکلتا تھا۔ اس دن سورج کو بھی گہن لگا ہوا تھا' آسمان کے کنارے بھی سرخ تھے اور پتھر گرے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں اور شیعوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نواسۂ رسولﷺ کی شہادت کا واقعہ نہایت دردانگیز اور حسرت وافسوس والا ہے' لیکن اس پر شیعوں نے جو حاشیہ چڑھایا ہے اور گھڑ گھڑا کر جو باتیں پھیلا دی ہیں' وہ محض جھوٹ اور بالکل گپ ہیں۔ خیال تو فرمایئے کہ اس سے بہت زیادہ اہم واقعات ہوئے اور قتل حسینؓ سے بہت بڑی وارداتیں ہوئی لیکن ان کے ہونے پر بھی آسمان وزمین وغیرہ میں یہ انقلاب نہ ہوا۔ آپ ہی کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قتل کئے گئے جو بالاجماع آپ سے افضل تھے لیکن نہ تو پتھروں تلے سے خون نکلا نہ اور کچھ ہوا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا جاتا ہے اور نہایت بے دردی سے بلاوجہ ظلم وستم کے ساتھ انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے نماز کی جگہ ہی پر قتل کیا جاتا ہے' یہ وہ زبردست مصیبت تھی کہ اس سے پہلے مسلمان کبھی ایسی مصیبت نہیں پہنچائے گئے تھے لیکن ان واقعات میں سے کسی واقعہ کے وقت ان میں سے ایک بھی بات نہیں ہوئی جو شیعوں نے مقتل حسینؓ کی نسبت مشہور کر رکھی ہیں۔ ان سب کو بھی جانے دیجئے تمام انسانوں کے دینی اور دنیوی سردار سید البشر رسول اللہ ﷺ کو لیجئے جس روز آپ رحلت فرماتے ہیں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا اور سنئے جس روز حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوتا ہے اتفاقاً اسی روز سورج گہن ہوتا ہے اور کوئی کہہ دیتا ہے کہ ابراہیمؓ کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گہن لگا ہے تو رسول اللہ ﷺ گہن کی نماز ادا کر کے فوراً خطبے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں سورج چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے انہیں گہن نہیں لگتا۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝٣٠ مِن فِرْعَوْنَ
إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝٣١ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ
عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝٣٢ وَاٰتَيْنٰهُم مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ۝٣٣

بے شک ہم نے ہی بنی اسرائیل کو سخت ذلیل سزا سے نجات دی ○ فرعون کی طرف سے ہو رہی تھی' فی الواقع وہ سرکش اور حد سے گذر جانے والوں میں تھا ○ اور ہم نے دانستہ طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ○ اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی ○

(آیت: ۳۰-۳۳) اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ہم نے انہیں فرعون جیسے متکبر حدود شکن کے ذلیل عذابوں سے نجات دی' اس نے بنی اسرائیل کو پست و خوار کر رکھا تھا- ذلیل خدمتیں ان سے لیتا تھا' اپنے نفس کو تولتا رہتا تھا' خودی اور خود بینی میں لگا ہوا تھا- بیوقوفی سے کسی چیز کی حد بندی کا خیال نہیں کرتا تھا' اللہ کی زمین میں سرکشی کئے ہوئے تھا اور ان بدکاریوں میں اس کی قوم بھی اس کے ساتھ تھی- پھر بنی اسرائیل پر ایک اور مہربانی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس زمانے کے تمام لوگوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی- ہر زمانے کو عالم کہا جاتا ہے- یہ مراد نہیں کہ تمام اگلوں پچھلوں پر انہیں بزرگی دی- یہ آیت بھی اس آیت کی طرح ہے جس میں فرمان ہے یٰمُوْسٰی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ ''اے موسیٰ! میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی یعنی اس زمانے کے لوگوں پر''-

جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے فرمایا وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اس زمانے کی تمام عورتوں پر آپ کو فضیلت ہے- اس لئے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے یقیناً افضل ہیں یا کم از کم برابر- اسی طرح حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے فضیلت شوربے میں بھگوئی روٹی کی اور کھانوں پر- پھر بنی اسرائیل پر ایک اور احسان بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے انہیں وہ حجت و برہان' دلیل و نشان اور معجزات و کرامات عطا فرمائے جن میں ہدایت کی تلاش کرنے والوں کے لئے صاف صاف امتحان تھا-

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ
بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾
اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ؗ
اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں ○ کہ آخری چیز یہی ہمارا دنیا سے مر جانا ہے اور ہم پھر دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے ○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ ○
کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو ان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہگار تھے ○

شہنشاہ تبع کی کہانی: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۷) یہاں مشرکین کا انکار قیامت اور اس کی دلیل بیان فرما کر خدائے تعالیٰ اس کی تردید کرتا ہے' ان کا خیال تھا کہ قیامت آنی نہیں' مرنے کے بعد جینا نہیں' حشر اور نشر سب غلط ہے- دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا مر گئے وہ کیوں دوبارہ جی کر نہیں آئے؟ خیال کیجئے یہ کس قدر بودی اور بیہودہ دلیل ہے' دوبارہ اٹھ کھڑا ہونا' مرنے کے بعد جینا قیامت کو ہو گا نہ کہ دنیا میں پھر لوٹ کر آئیں گے- اس دن یہ ظالم جہنم کا ایندھن بنیں گے' اس وقت یہ امت اگلی امتوں پر گواہی دے گی اور ان پر ان کے نبی ﷺ گواہی دیں گے- پھر اللہ تعالیٰ انہیں ڈرا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جو عذاب اسی جرم پر اگلی قوموں پر آئے وہ تم پر بھی آ جائیں اور ان کی طرح بے نام و نشان کر دیئے جاؤ- ان کے واقعات سورۂ سبا میں گذر چکے ہیں- وہ لوگ بھی قحطان کے عرب تھے جیسے یہ عدنان کے عرب ہیں- حمیر جو سبا کے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے جیسے فارس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے- ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور زمین میں پھرتا رہا' سمرقند پہنچ گیا' ہر جگہ کے بادشاہوں کو شکست دیتا رہا اور اپنا بہت بڑا ملک کر لیا- زبردست لشکر اور بے شمار رعایا اس کے ماتحت تھی' اس نے حیرہ نامی بستی بسائی' یہ اپنے زمانے میں مدینے میں بھی آیا تھا اور یہاں کے باشندوں سے بھی لڑا لیکن اسے لوگوں نے اس سے روکا' خود اہل مدینہ کا بھی اس سے یہ سلوک

رہا کہ دن کو تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمان داری کرتے تھے، آخر اس کو بھی لحاظ آ گیا اور لڑائی بند کر دی ۔ اس کے ساتھ یہاں کے دو یہودی عالم ہو گئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سچے دین کے عامل بھی تھے، وہ اسے ہر وقت بھلائی برائی سمجھاتے رہتے تھے انہوں نے کہا کہ آپ مدینے کو تاخت و تاراج نہیں کر سکتے کیونکہ یہ آخر زمانے کے پیغمبر کی ہجرت کی جگہ ہے ۔

پس یہاں سے لوٹ گیا اور ان دونوں عالموں کو اپنے ساتھ لیتا چلا، جب یہ مکے پہنچا تو اس نے بیت اللہ کو گرانا چاہا لیکن ان دونوں عالموں نے اسے روکا اور اس پاک گھر کی عظمت و حرمت اس کے سامنے بیان کی اور کہا کہ اس کے بانی خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ صلوات اللہ ہیں اور اس نبی آخر الزماں کے ہاتھوں پھر اس کی اصلی عظمت آشکارا ہو جائے گی ۔ چنانچہ یہ اپنے ارادے سے باز آیا بلکہ بیت اللہ کی بڑی تعظیم تکریم کی، طواف کیا، غلاف چڑھایا اور یہاں سے واپس یمن چلا گیا ۔ خود حضرت موسیٰ کے دین میں داخل ہوا اور تمام یمن میں یہی دین پھیلایا ۔ اس وقت تک حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوا تھا اور اس زمانے والوں کے لئے یہی سچا دین تھا ۔ اس تبع کے واقعات بہت تفصیل سے سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں اور حافظ ابن عساکر بھی اپنی کتاب میں بہت بسط و شرح کے ساتھ لائے ہیں اس میں ہے کہ اس کا پائے تخت دمشق میں تھا، اس کے لشکروں کی صفیں دمشق سے لے کر یمن تک پہنچتی تھیں ۔ ایک حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں میں نہیں جان سکا کہ حد لگنے سے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تبع ملعون تھا یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ خبر ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا بادشاہ ۔ اور روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا حضرت عزیرؑ پیغمبر تھے یا نہیں؟ (ابن ابی حاتم) دارقطنی فرماتے ہیں اس حدیث کی روایت صرف عبدالرزاق سے ہی ہے ۔ اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عزیر کا نبی ہونا نہ ہونا مجھے معلوم نہیں نہ میں یہ جانتا ہوں کہ تبع پر لعنت کروں یا نہیں؟ اسے وارد کرنے کے بعد حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے وہ روایتیں درج کی ہیں جن میں تبع کو گالی دینے اور لعنت کرنے سے ممانعت آئی ہے ۔ جیسے کہ ہم بھی وارد کریں گے ان شاء اللہ ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہو گئے یعنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور اس زمانے کے علماء کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا ۔ بعثت مسیح سے پہلے کا یہ واقعہ ہے، جرہم کے زمانے میں بیت اللہ کا حج بھی کیا، غلاف بھی چڑھایا اور بڑی تعظیم و تکریم کی، چھ ہزار اونٹ نام اللہ قربان کئے اور بھی بہت بڑا طویل واقعہ ہے جو حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اصل قصہ کا دارومدار حضرت کعب احبار اور حضرت عبداللہ بن سلام پر ہے ۔ وہب بن منبہؒ نے بھی اس قصہ کو وارد کیا ہے ۔ حافظ ابن عساکرؒ نے اس تبع کے قصے کے ساتھ دوسرے تبع کے قصے کو بھی ملا دیا ہے جو ان کے بہت بعد تھا ۔ اس کی قوم تو اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی پھر ان کے انتقال کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ گئی اور دوبارہ آگ کی اور بتوں کی پرستش شروع کر دی جیسے کہ سورۂ سبا میں مذکور ہے ۔ اسی کی تفسیر میں ہم نے بھی وہاں اس کی پوری تفصیل کر دی ہے ۔ فالحمد للہ ۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اس تبع نے کعبے پر غلاف چڑھایا تھا، آپ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ اس تبع کو برا نہ کہو ۔ یہ درمیان کا تبع ہے ۔ اس کا نام اسعد ابوکرب بن ملکیرب یمانی ہے ۔ اس کی سلطنت تین سو چھبیس سال تک رہی، اس سے زیادہ لمبی مدت ان بادشاہوں میں سے کسی نے نہیں پائی ۔ حضورؐ سے تقریباً سات سو سال پہلے اس کا انتقال ہوا ہے ۔ مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان دونوں موسوی عالموں نے جو مدینے کے تھے انہوں نے جب تبع بادشاہ کو یقین دلایا کہ یہ شہر نبی آخر الزمان حضرت احمد ﷺ کا ہجرت گاہ ہے تو اس نے ایک قصیدہ کہا تھا اور اہل مدینہ کو بطور امانت دے گیا تھا جو ان کے پاس ہی رہا اور بطور میراث کے ایک دوسرے کے ہاتھ لگتا رہا اور اس کی روایت سند کے ساتھ برابر چلی آتی رہی یہاں تک کہ حضورؐ کی ہجرت کے وقت اس کے حافظ ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اتفاق سے بلکہ بہ حکم خدا آنحضرت ﷺ کا نزول اجلال بھی یہیں ہوا تھا ۔ اس قصیدے کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں ۔

شهدت علی احمد انه رسول من الله باری النسم
فلو مد عمری الی عمره لکنت وزیراً له وابن عم
وجاهدت بالسیف اعداء وفرجت عن صدره کل غم

یعنی میری تہ دل سے گواہی ہے کہ حضرت احمد مجتبیٰ (ﷺ) اس اللہ کے سچے رسول ہیں جو تمام جانداروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میں اس کے زمانے تک زندہ رہا تو قسم خدا کی آپ کا ساتھی اور آپ کا معاون بن کر رہوں گا اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور کسی کھٹکے اور غم کو آپ کے پاس تک پھٹکنے نہ دوں گا۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ دور اسلام میں صفا شہر میں اتفاق سے قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ دو عورتیں مدفن ہیں جن کے جسم بالکل سالم ہیں اور سرہانے پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس میں سونے کے حروف سے یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ قبر حی اور لمیس کی ہے اور ایک روایت میں ان کے نام حبی اور تماخر ہیں۔ یہ دونوں تبع کی بہنیں ہیں، یہ دونوں مرتے وقت تک اس بات کی شہادت دیتی رہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، یہ دونوں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی تھیں۔ ان سے پہلے کے تمام نیک صالح لوگ بھی اسی شہادت کے ادا کرتے ہوئے انتقال فرماتے رہے ہیں۔ سورۂ سبا میں ہم نے اس واقعہ کے متعلق سبا کے اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں۔ حضرت کعبؓ فرمایا کرتے تھے کہ تبع کی تعریف قرآن سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمت کی ان کی نہیں کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ تبع کو برا نہ کہو وہ صالح شخص تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تبع کو گالی نہ دو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ طبرانی اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ عبدالرزاق میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے معلوم نہیں تبع نبی تھا یا نہ تھا؟ اور روایت میں اس سے پہلے گذر چکی کہ میں نہیں جانتا تبع ملعون تھا یا نہیں؟ فاللہ اعلم۔ یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عطاء بن ابورباحؒ فرماتے ہیں تبع کو گالی نہ دو، رسول اللہ ﷺ نے انہیں برا کہنا منع فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ
مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا
هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع ۱۳ ۱۵

ہم نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو فعل عبث کرتے ہوئے پیدا نہیں کیا ○ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے ہاں البتہ ان میں کے اکثر لوگ بے علم ہیں ○ یقیناً فیصلے کا دن ان سب کے وعدے کا ہے ○ جس دن کوئی دوست کسی دوست کو کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی ○ مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے گی، وہ زبردست اور رحم والا ہے ○

صور پھونکنے کے بعد: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۲) یہاں اللہ عزوجل اپنے عدل کا بیان فرما رہا ہے اور بے فائدہ لغو اور عبث کاموں سے اپنی پاکیزگی کا اظہار فرماتا ہے، جیسے اور آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے اپنی مخلوق کو باطل پیدا نہیں کیا، ایسا گمان ہماری نسبت صرف ان کا ہے جو کفار ہیں اور جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور ارشاد ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ الخ، یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا

ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار و عبث پیدا کیا ہے اور تم لوٹ کر ہماری طرف آنے ہی کے نہیں؟ اللہ حق مالک بلندیوں اور بزرگیوں والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش کریم کا رب ہے۔ فیصلوں کا دن یعنی قیامت کا دن جس دن باری تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان حق فیصلے کرے گا، کافروں کو سزا اور مومنوں کو جزا ملے گی۔ اس دن تمام اگلے پچھلے اللہ کے سامنے جمع ہوں گے، یہ وہ وقت ہوگا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائے گا۔ رشتے دار رشتے دار کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ الخ، یعنی جب صور پھونک دیا جائے گا تو نہ تو کوئی نسب باقی رہے گا نہ پوچھ گچھ۔ اور آیت میں ہے کوئی دوست اس دن اپنے دوست کو پریشان حالی میں دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھے گا اور نہ کوئی اس دن کسی کی کسی طرح کی مدد کرے گا نہ اور کوئی بیرونی مدد آئے گی مگر ہاں رحمت خدا جو مخلوق پر شامل ہے۔ وہ بڑا غالب اور وسیع رحمت والا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿٤٤﴾ كَالۡمُهۡلِ ۚ يَغۡلِىۡ فِى
الۡبُطُوۡنِ ﴿٤٥﴾ كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ
الۡجَحِيۡمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِيۡمِ ﴿٤٨﴾
ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ﴿٤٩﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنۡتُمۡ
بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿٥٠﴾

بیشک زقوم کا درخت ○ گنہگاروں کا کھانا ہے ○ جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے ○ مثل تیز گرم پانی کے کھولنے کے ○ اسے پکڑ لو پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچاؤ ○ پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ ○ چکھتا جا، تو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا ○ یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے ○

زقوم ابو جہل کی خوراک ہوگا: ☆☆ (آیت: ۴۳-۵۰) منکرین قیامت کو جو سزا وہاں دی جائے گی اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان مجرموں کو جو اپنے قول اور فعل کو گنہگاری میں ملوث کئے ہوئے تھے آج زقوم کا درخت کھلایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ابو جہل ہے۔ گو دراصل وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ آیت صرف اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے مگر اس کی زبان سے لفظ اَثِیۡم ادا نہیں ہوتا تھا اور وہ بجائے اس کے یتیم کہہ دیا کرتا تھا تو آپ نے اسے طَعَامُ الۡفَاجِرِ پڑھوایا یعنی اسے اس کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین میں ٹپک جائے تو تمام زمین والوں کی معاش خراب کر دے، ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے یہ مثل تلچھٹ کے ہوگا۔ اپنی حرارت بدمزگی اور نقصان کے باعث پیٹ میں جوش مارتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے فرمائے گا کہ اس کافر کو پکڑ لو، وہیں ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے، اسے اندھا کر کے منہ کے بل گھسیٹ لے جاؤ اور بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر جوش مارتا گرم پانی ڈالو۔ جیسے فرمایا یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ الخ، یعنی ان کے سروں پر جہنم کا جوش مارتا گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں سوخت ہو جائیں گی اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فرشتے انہیں لوہے کے ہتھوڑے ماریں گے جن سے ان کے دماغ پاش پاش ہو جائیں گے پھر اوپر سے یہ حمیم ان پر ڈالا جائے گا۔ یہ جہاں جہاں پہنچے گا ہڈی کو کھال سے جدا کر دے گا یہاں تک کہ اس کی

آنتیں کاٹتا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ پھر انہیں شرمسار کرنے کے لئے اور زیادہ پشیمان بنانے کے لئے کہا جائے گا کہ لو مزہ چکھو، تم ہماری نگاہوں میں نہ عزت والے ہو نہ بزرگی والے۔

مغازی امویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل ملعون سے کہا کہ مجھے خدا کا حکم ہوا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں تیرے لئے ویل ہے، تجھ پر افسوس ہے، پھر مکرر کہتا ہوں کہ تیرے لئے خرابی اور افسوس ہے۔ اس پاجی نے اپنا کپڑا آپ کے ہاتھ سے گھسیٹتے ہوئے کہا جا تو اور تیرا رب میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ اس تمام وادی میں سب سے زیادہ عزت و تکریم والا میں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بدر والے دن قتل کرایا اور اسے ذلیل کیا اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اب اپنی عزت کا اور اپنی تکریم کا اور اپنی بزرگی اور بڑائی کا لطف اٹھا اور ان کافروں سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جس میں ہمیشہ شک و شبہ کرتے رہے۔ جیسے اور آیتوں میں ہے کہ جس دن انہیں دکھ دے کر جہنم پہنچایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جسے تم جھٹلاتے رہے، کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی کو یہاں بھی فرمایا ہے کہ یہ ہے جس میں تم شک کر رہے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿۵۱﴾ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُونَ
مِنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِينَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ
بِحُورٍ عِينٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِينَ ﴿۵۵﴾ لَا
يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ
الْجَحِيمِ ﴿۵۶﴾

بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں گے ○ باغوں اور چشموں میں ○ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ○ یہ اسی طرح ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے ○ دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میووں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے ○ وہاں وہ موت چکھنے کے نہیں ہاں پہلی موت جو وہ مر چکے انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا ○

جب موت کو ذبح کرایا جائے گا: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۶) بدبختوں کا ذکر کر کے اب نیک بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کو مثانی کہا گیا ہے، دار دنیا میں جو اللہ تعالیٰ مالک و خالق و قادر سے ڈرتے دبتے رہے وہ قیامت کے دن جنت میں نہایت امن و امان سے ہوں گے۔ موت سے، وہاں سے نکلنے سے، غم رنج سے، گھبراہٹ اور مشکلوں سے، دکھ درد سے، تکلیف اور مشقت سے، شیطان اور اس کے مکر سے، رب کی ناراضگی سے، غرض تمام آفتوں اور مصیبتوں سے نڈر، بے فکر، مطمئن اور بے اندیشہ ہوں گے۔ جہنمیوں کو تو زقوم کا درخت اور آگ جیسا گرم پانی ملے گا اور انہیں جنتیں اور نہریں ملیں گی، مختلف قسم کے ریشمی پارچہ جات انہیں پہننے کو ملیں گے۔ جن میں نرم باریک بھی ہو گا اور دبیز چمکیلا بھی ہو گا۔ یہ تختوں پر بڑے طمطراق سے تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے اور کسی کی کسی کی طرف پیٹھ نہ ہو گی بلکہ سب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے، اس عطا کے ساتھ ہی انہیں حوریں دی جائیں گی جو گورے چٹے پنڈے کی بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی ہوں گی، جن کے پاک جسم کو ان سے پہلے کسی نے چھوا بھی نہ ہو گا۔ وہ یاقوت و مرجان کی طرح ہوں گی اور کیوں نہ ہو جب انہوں نے خدا کا ڈر دل میں رکھا اور دنیا کی خواہشوں کی چیزوں سے محض فرمان خداوندی کو مدنظر رکھ کر بچے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ بہترین سلوک کیوں نہ کرتا؟ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر ان حوروں میں سے کوئی کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا سارا پانی میٹھا ہو جائے، پھر وہاں یہ

جس میوے کی طلب کریں گے موجود ہوگا' جو مانگیں گے ملے گا' ادھر ارادہ کیا ادھر موجود ہوا' خواہش ہوئی اور حاضر ہوا۔ پھر نہایت بےفکری سے کمی کا خوف نہیں' ختم ہو جانے کا کھٹکا نہیں۔ پھر فرمایا وہاں انہیں کبھی موت نہیں آنے کی۔ پھر استثناء منقطع لاکر اس کی تاکید کر دی۔

صحیحین میں ہے کہ موت کو بھیڑ کی صورت میں لاکر جنت دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور ندا کر دی جائے گی کہ جنتیو! اب ہیشگی ہے کبھی موت نہیں اور اے جہنمیو! تمہارے لئے بھی ہیشگی ہے کبھی موت نہ آئے گی۔ سورۂ مریم کی تفسیر میں بھی یہ حدیث گذر چکی ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جنتیوں سے کہہ دیا جائے گا کہ تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی مرو گے نہیں اور ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے کبھی کمی نہ ہوگی اور ہمیشہ جوان بنے رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ ایک اور حدیث میں ہے جو اللہ سے ڈرتا رہے گا جنت میں جائے گا' جہاں نعمتیں پائے گا کبھی محتاج نہ ہوگا' جہاں جئے گا کبھی مرے گا نہیں' جہاں کپڑے میلے نہ ہوں گے اور جوانی فنا نہ ہوگی۔ حضورؐ سے سوال ہوا کہ کیا جنتی سوئیں گے بھی؟ آپ نے فرمایا نیند موت کی بہن ہے جنتی سوئیں گے نہیں' ہر وقت راحت ولذت میں مشغول رہیں گے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے اور اس سے پہلے سندوں کا خلاف گذر چکا ہے واللہ اعلم۔ اس راحت ونعمت کے ساتھ یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ انہیں پروردگار عالم نے عذاب جہنم سے نجات دے دی ہے۔ تو مطلوب حاصل ہے اور خوف زائل ہے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے' یہی ہے بڑی مراد ملنی ○ ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اب تو منتظر رہ یہ بھی منتظر ہیں ○

(آیت:۵۷-۵۹) اسی لئے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ صرف خدائے تعالیٰ کا احسان وفضل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے تم ٹھیک ٹھاک رہو قریب قریب رہو اور یقین مانو کہ کسی کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جاسکتے۔ لوگوں نے کہا کیا آپؐ کے اعمال بھی؟ فرمایا ہاں میرے اعمال بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت میرے شامل حال ہو۔ ہم نے اپنے نازل کردہ اس قرآن کریم کو بہت سہل' بالکل آسان' صاف' ظاہر' بہت واضح' مدلل اور روشن کر کے تجھ پر تیری زبان میں نازل فرمایا ہے جو بہت فصیح وبلیغ بڑی شیریں اور پختہ ہے تاکہ لوگ بہ آسانی سمجھ لیں اور بخوشی عمل کریں۔ باوجود اس کے بھی جو لوگ اسے جھٹلائیں نہ مانیں تو انہیں ہوشیار کر دے اور کہہ دے کہ اچھا اب تم بھی انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں' تم دیکھ لو گے کہ خدا کی طرف سے کس کی تائید ہوتی ہے؟ کس کا کلمہ بلند ہوتا ہے؟ کسے دنیا اور آخرت ملتی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم تسلی رکھو' فتح وظفر تمہیں ہوگی' میری عادت ہے کہ اپنے نبیوں اور ان کے ماننے والوں کو اونچا کروں۔ جیسے ارشاد ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے' اور آیت میں ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ' یعنی یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیا میں بھی مدد کریں گے اور قیامت میں بھی جس دن گواہ قائم ہوں گے اور ظالموں کو ان کے عذر نفع نہ دیں گے' ان پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا۔ الحمدللہ سورۂ دخان کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر واحسان ہے اسی کی طرف سے نیکی کی توفیق میسر ہوتی ہے اور وہی برائیوں سے بچانے والا ہے۔

تفسير سورة الجاثية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢ اِنَّ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٣ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا
يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٤ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٥

معبود برحق رحم وکرم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع ○

یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایمان داروں کے لئے ○ یقیناً بہت سے دلائل ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں، جانوروں کے پھیلانے میں، یقین رکھنے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں دلائل ہیں ○

(آیت:۱-۵) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کریں۔ خدا کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں پھر ان کا شکر بجالائیں، دیکھیں کہ خدا کتنی بڑی قدرتوں والا ہے جس نے آسمان وزمین اور مختلف قسم کی تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ فرشتے، جن، انسان، چوپائے، پرند، جنگلی جانور، درندے، کیڑے پتنگے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سمندر کی بے شمار مخلوق کا خالق بھی وہی ایک ہے۔ دن کو رات کے بعد اور رات کو دن کے پیچھے وہی لا رہا ہے۔ رات کا اندھیرا دن کا اجالا اسی کے قبضے کی چیزیں ہیں۔ حاجت کے وقت اندازے کے مطابق بادلوں سے پانی وہی برساتا ہے، رزق سے مراد بارش ہے اس لئے کہ اسی سے کھانے کی چیزیں اگتی ہیں۔ خشک، بنجر زمین سبز وشاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگاتی ہے۔ شمالی جنوبی، پروا پچھوا، تر وخشک، کم وبیش رات اور دن کی ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ بعض ہوائیں بارش کو لاتی ہیں، بعض بادلوں کو پانی والا کر دیتی ہیں۔ بعض روح کی غذا بنتی ہیں اور بعض ان کے سوا اور کاموں کے لئے چلتی ہیں۔ پہلے فرمایا کہ اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں پھر یقین والوں کے لئے فرمایا پھر عقل والوں کے لئے فرمایا، یہ ایک عزت والے حال سے دوسرے عزت والے حال کی طرف ترقی کرنا ہے۔ اسی کے مثل سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ ہے امام ابن ابی حاتم نے یہاں پر ایک طویل اثر وارد کیا ہے لیکن وہ غریب ہے اس میں انسان کو چار قسم کے اخلاط سے پیدا کرنا بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ
اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٧ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ

اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ
عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۱۱

ع ۱۱ ۱۷

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم تجھے راستی سے سنا رہے ہیں' پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے ○ ویل اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر ○ جو اللہ کی آیتیں اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سنی ہی نہیں' تو ایسے لوگوں کو درد دینے والے عذاب کی خبر پہنچا دے ○ وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے' یہی لوگ ہیں جن کے لئے رسوائی کی مار ہے ○ ان کے پیچھے دوزخ ہے' جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور وہ کچھ کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا رفیق دوست بنا رکھا تھا' ان کے لئے تو بہت بڑا عذاب ہے ○ یہ سرتاپا ہدایت ہے' اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کی نہ مانا ان کے لئے بہت سخت دردناک عذاب ہے ○

قرآن عظیم کو اہانت سے بچاؤ: ☆☆ (آیت:۶-۱۱) مطلب یہ ہے کہ قرآن جو حق کی طرف سے نہایت صفائی اور وضاحت سے نازل ہوا ہے۔ اس کی روشن آیتیں تجھ پر تلاوت کی جا رہی ہیں۔ جسے یہ سن رہے ہیں اور پھر بھی نہ ایمان لاتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں تو پھر آخر ایمان کس چیز پر لائیں گے' ان کے لئے ویل ہے اور ان پر افسوس ہے جو زبان کے جھوٹے' کام کے گنہگار اور دل کے کافر کے ہیں' اس کی باتیں سنتے ہوئے اپنے کفر' انکار اور بدباطنی پر اڑے ہوئے ہیں گویا سنا ہی نہیں' انہیں سنا دو کہ ان کے لئے خدا کے ہاں دکھ کی مار ہے قرآن کی آیتیں ان کے مذاق کی چیز رہ گئی ہیں۔ تو جس طرح یہ میرے کلام کی آج اہانت کرتے ہیں کل میں انہیں ذلت کی سزا دوں گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن لے کر دشمنوں کے ملک میں نہ جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی اہانت و بے قدری کریں۔ پھر اس ذلیل کرنے والے عذاب کا بیان فرمایا کہ ان خصلتوں والے لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ان کے مال و اولاد اور ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں یہ زندگی بھر پوجتے رہے انہیں کچھ کام نہ آئیں گے' انہیں زبردست اور بہت بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور اس کی آیت سے جو منکر ہیں ان کے لئے سخت اور المناک عذاب ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲ وَسَخَّرَ لَكُمْ
مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۳ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا

لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٥﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مطیع بنا دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور ممکن ہے کہ تم شکر بجالاؤ ○ اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز بھی اس نے اپنی طرف سے تمہاری مطیع کر دی' جو غور کریں وہ یقیناً اس میں بہت سی دلیلیں پالیں گے ○ تو ایمان والوں سے کہہ دے کہ وہ ان لوگوں سے درگذر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے ○ جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لئے اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کے ابن آدم پر احسانات: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان فرما رہا ہے کہ اسی کے حکم سے سمندر میں اپنی مرضی کے مطابق سفر طے کرتے ہوئے بڑی بڑی کشتیاں مال سے اور سواریوں سے لدی ہوئی ادھر سے ادھر لے جاتے ہو' تجارتیں اور کمائی کرتے ہو۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ تم شکر خدا بجالاؤ' نفع حاصل کر کے رب کا احسان مانو۔ پھر اس نے آسمان کی چیز جیسے سورج چاند ستارے اور زمین کی چیز جیسے پہاڑ نہریں اور تمہارے فائدے کی بیشمار چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دیں' یہ سب اس کا فضل و احسان اور انعام و اکرام ہے اور اسی ایک کی طرف سے ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ الخ' یعنی تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں سب خدا کی دی ہوئی ہیں اور ابھی بھی سختی کے وقت تم اسی کی طرف گڑ گڑاتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ نام اس میں نام ہے اس کے ناموں میں سے' پس یہ سب اس کی جانب سے ہے' کوئی نہیں جو اس سے چھینا جھپٹی یا جھگڑا کر سکے' ہر ایک اس یقین پر ہے کہ وہ اسی طرح ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ مخلوق کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا نور سے اور آگ سے اور اندھیرے سے اور مٹی سے اور کہا جاؤ ابن عباسؓ کو اگر دیکھو تو ان سے بھی دریافت کر لو۔ اس نے آپ سے بھی پوچھا یہی جواب پایا' پھر فرمایا واپس ان کے لئے پاس جاؤ اور پوچھو کہ یہ سب کس چیز سے پیدا کئے گئے؟ وہ لوٹا اور سوال کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ یہ اثر غریب ہے اور ساتھ ہی منکر بھی ہے۔ غور و فکر کی عادت رکھنے والوں کے لئے اس میں بھی بہت نشانیاں ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ صبر و تحمل کی عادت ڈالو' منکرین قیامت کی کڑوی کسیلی سن لیا کرو' مشرک اور اہل کتاب کی ایذاؤں کو سہار لیا کرو۔ یہ حکم شروع اسلام میں تھا لیکن بعد میں جہاد اور جلاوطنی کے احکام نازل ہوئے۔ اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے یعنی اللہ کی نعمتوں کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ ان سے تم چشم پوشی کرو ان کے اعمال کی سزا خود ہم انہیں دیں گے' اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر نیکی بدی کی جزا سزا پاؤ گے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ
الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاِنَّ
الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾
هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب' حکومت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ اور نفیس روزیاں دی تھیں اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی ○ اور ہم نے انہیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں' پھر انہوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا ○ یہ جن جن چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن ان کے درمیان خود اللہ کرے گا۔ پھر ہم نے تجھے دین کی ظاہر راہ پر قائم کر دیا ہے سو تو اسی پر لگا رہ اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑ ○ یاد رکھ یہ لوگ اللہ کے کسی عذاب کو تجھ سے ہٹا نہیں سکتے۔ سمجھ لے کہ ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا رفیق اللہ تعالیٰ ہے ○ یہ قرآن لوگوں کے لئے نصیحتیں اور ہدایت و رحمت ہے اس جماعت کے لئے جو یقین رکھتی ہے ○

بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۱۶-۲۰) بنی اسرائیل پر جو نعمتیں رحیم و کریم خدا نے انعام فرمائی تھیں ان کا ذکر فرما رہا ہے کہ کتابیں ان پر اتاریں' رسول ان میں بھیجے' حکومت انہیں دی' بہترین غذائیں اور ستھری صاف چیزیں انہیں عطا فرمائیں اور اس زمانے کے اور لوگوں پر انہیں برتری دی اور انہیں امر دین کی عمدہ اور کھلی ہوئی دلیلیں پہنچا دیں اور ان پر حجت خدا قائم ہو گئی۔ پھر ان لوگوں نے پھوٹ ڈالی اور مختلف گروہ بن گئے اور اس کا باعث بجز نفسانیت اور خودی کے اور کچھ نہ تھا۔ اے نبی! تیرا رب ان کے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن خود ہی کر دے گا۔ اس میں اس امت کو چوکنا کیا گیا ہے کہ خبردار تم ان جیسے نہ ہونا' ان کی چال نہ چلنا' اسی لئے اللہ جل وعلا نے فرمایا کہ تو اپنے رب کی وحی کا تابعدار بنا رہ' مشرکوں سے کوئی مطلب نہ رکھ' بے علموں کی ریس نہ کر' یہ تجھے خدا کے ہاں کیا کام آئیں گے؟ ان کی دوستیاں تو ان میں آپس میں ہی ہیں۔ یہ تو اپنے ملنے والوں کو نقصان ہی پہنچایا کرتے ہیں۔ پرہیزگاروں کا ولی و ناصر' رفیق و کارساز پروردگار عالم ہے۔ جو انہیں اندھیریوں سے ہٹا کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں جو انہیں روشنی سے ہٹا کر اندھیریوں میں جھونکتے ہیں۔ یہ قرآن ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں دلائل کے ساتھ ہی ہدایت و رحمت ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ ع ۱۰/۱۸
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ
عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ
فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کریں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کا اور ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے؟

براحکم لگارہے ہیں ○ آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کام کا پورا بدلہ دیا جائے ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○ کیا تو نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے ○

اصل دین چار چیزیں ہیں: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۳) اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مومن و کافر برابر نہیں‘ جیسے اور آیت میں ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں جنتی کامیاب ہیں‘ یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کفر و برائی والے اور ایمان و اچھائی والے موت وزیست میں دنیا و آخرت میں برابر ہو جائیں- یہ تو ہماری ذات اور ہماری صفت عدل کے ساتھ پرلے درجے کی بدگمانی ہے- مسند ابویعلی میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں چار چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنا رکھی ہے جو ان سے ہٹ جائے اور ان پر عامل نہ بنے وہ خدا سے فاسق ہو کر ملاقات کرے گا- پوچھا گیا کہ وہ چاروں کیا ہیں؟ فرمایا یہ کہ کامل عقیدہ رکھے کہ حلال‘ حرام‘ حکم اور ممانعت یہ چاروں صرف خدا کے اختیار میں ہیں‘ اس کے حلال کو حلال‘ اس کے حرام بتلائے ہوئے کو حرام ماننا‘ اس کے حکموں کو قابل تعمیل اور لائق تسلیم جاننا‘ اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے باز آ جانا اور حلال حرام امر و نہی کا مالک صرف اسی کو جاننا بس یہ دین کی اصل ہے- حضرت ابوالقاسم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس طرح ببول کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہو سکتے اسی طرح بدکار لوگ نیک کاروں کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے - یہ حدیث غریب ہے- سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ کعبۃ اللہ کی نیو میں سے ایک پتھر نکلا تھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہوئے نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاردار درخت میں سے انگور چننا چاہتا ہو-

طبرانی میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات بھر تہجد میں اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی- پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے- وہ ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا اور کسی پر اس کی طرف سے ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا- پھر اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے کہ تم نے انہیں بھی دیکھا جو اپنی خواہشوں کو خدا بنائے ہوئے ہیں- جس کام کی طرف طبیعت جھکی کر ڈالا جس سے دل رکا چھوڑ دیا- یہ آیت معتزلہ کے اس اصول کو رد کرتی ہے کہ اچھائی برائی عقلی ہے- حضرت امام مالکؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کی عبادت کا اس کے جی میں خیال گذرتا ہے اسی کو پوجنے لگتا ہے- اس کے بعد کے جملے کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر اسے مستحق گمراہی جان کر گمراہ کر دیا دوسرا معنی یہ کہ اس کے پاس علم وحجت دلیل وسند آ گئی پھر اسے گمراہ کیا- یہ دوسری بات پہلی کو بھی مستلزم ہے اور پہلی دوسری کو مستلزم نہیں- اس کے کانوں پر مہر ہے نفع دینے والی شرعی بات سنتا ہی نہیں- اس کے دل پر مہر ہے- ہدایت کی بات دل میں اترتی ہی نہیں- اس کی آنکھوں پر پردہ ہے کوئی دلیل اسے دکھتی ہی نہیں‘ بھلا اب اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے؟ کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے؟ جیسے فرمایا مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں‘ وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں-

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا
الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا
بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ ع ۵ ۱۹

انہوں نے کہا کہ زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے' دراصل انہیں اس کی کچھ خبر ہی نہیں' یہ تو صرف قیاس اور اٹکل پچو سے ہی کام لے رہے ہیں ○ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو ○ تو ہمارے باپ دادوں کو لاؤ۔ تو کہہ دے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○

زمانے کو گالی مت دو: ☆☆ (آیت:۲۴-۲۶) دہریہ کفار اور ان کے ہم عقیدہ مشرکین کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا ہی ابتدا اور انتہا ہے' کچھ جیتے ہیں' کچھ مرتے ہیں' قیامت کوئی چیز نہیں' فلاسفہ اور علم کلام کے قائل بھی یہی کہتے تھے۔ یہ لوگ ابتدا انتہا کے قائل نہ تھے' اور فلاسفہ میں سے جو لوگ دہریہ اور دوریہ تھے وہ خالق کے بھی منکر تھے' ان کا خیال تھا کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد زمانے کا ایک دور ختم ہوتا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے اور ایسے کئی دور کے وہ قائل تھے۔ دراصل یہ معقول سے بھی بے کار جھگڑتے تھے اور منقول سے بھی روگردانی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ گردش زمانہ ہی ہلاک کرنے والی ہے نہ کہ خدا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور بجز وہم وخیال کے کوئی سند وہ پیش نہیں کر سکتے۔ ابوداؤد وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے وہ دہر کو (یعنی زمانے کو) گالیاں دیتا ہے دراصل دہر میں ہوں' تمام کام میرے ہاتھ ہیں' دن رات کا ہیر پھیر کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے دہر کو گالی نہ دو' اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ ابن جریر نے اسے ایک بالکل غریب سند سے وارد کیا ہے اس میں ہے اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ ہمیں دن رات ہی ہلاک کرتے ہیں' وہی ہمیں مارتے جلاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں اسے نقل فرمایا۔ وہ زمانے کو برا کہتے تھے پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے ابن آدم ایذا پہنچاتا ہے وہ زمانے کو برا کہتا ہے اور زمانہ میں ہوں' میرے ہاتھ میں سب کام ہیں' میں دن رات کا لے آنے لے جانے والا ہوں۔

ابن ابی حاتم میں ہے ابن آدم زمانے کو گالیاں دیتا ہے' میں زمانہ ہوں دن رات میرے ہاتھ میں ہیں۔ اور حدیث میں ہے میں نے اپنے بندے سے قرض طلب کیا اس نے مجھے نہ دیا' مجھے میرے بندے نے گالیاں دیں وہ کہتا ہے ہائے ہائے زمانہ اور زمانہ میں ہوں۔ امام شافعی اور ابوعبیدہ وغیرہ ائمہ لغت وتفسیر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے عربوں کو جب کوئی بلا اور شدت وتکلیف پہنچتی تو وہ اسے زمانے کی طرف نسبت کرتے اور زمانے کو برا کہتے۔ دراصل زمانہ خود تو کچھ کرتا نہیں ہر کام کا کرتا دھرتا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے اس کا زمانے کو گالی دینا فی الواقع اسے برا کہنا تھا جس کے ہاتھ میں اور جس کے بس میں زمانہ ہے' جو راحت ورنج کا مالک ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ عزاسمہ ہے' پس وہ گالی حقیقی فاعل یعنی اللہ تعالیٰ پر پڑتی ہے اس لئے اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے یہ فرمایا اور لوگوں کو اس سے روک دیا۔ یہی شرح بہت ٹھیک اور بالکل درست ہے' امام ابن حزمؒ وغیرہ نے اس حدیث سے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دہر اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے یہ بالکل غلط ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ان بے علموں کی کج بحثی بیان ہو رہی ہے کہ قیامت قائم ہونے کی اور دوبارہ جلائے جانے کی بالکل صاف دلیلیں جب انہیں دی جاتی ہیں اور قائل معقول کر دیا جاتا ہے تو چونکہ جب کوئی بن نہیں پڑتا جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا پھر ہمارے مردہ باپ دادوں پردادوں کو زندہ کر کے ہمیں دکھا دو تو ہم مان لیں گے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم اپنا پیدا کیا جانا اور مر جانا تو اپنی آنکھ دیکھ رہے ہو کہ تم کچھ نہ تھے اور اس نے

تمہیں موجود کر دیا پھر وہ تمہیں مار ڈالتا ہے تو جو ابتداً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جی اٹھانے پر قادر کیسے نہ ہوگا؟ بلکہ عقلاً ہدایت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جو شروع شروع کسی چیز کو بنا دے اس پر دوبارہ اس کا بنانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے بہت ہی آسان ہوتا ہے پس یہاں فرمایا کہ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا۔ وہ دنیا میں تمہیں دوبارہ لانے کا نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ۔ یہ تو دار عمل ہے دار جزا قیامت کا دن ہے' یہاں تو ہر ایک کو تھوڑی بہت تاخیر مل جاتی ہے جس میں وہ اگر چاہے اس دوسرے گھر کے لئے تیاریاں کر سکتا ہے' بس اپنی بے علمی کی بنا پر تمہیں اس کا انکار نہ کرنا چاہئے' تم گو اسے دور جان رہے ہو لیکن دراصل وہ قریب ہی ہے' تم گو اس کا آنا محال سمجھ رہے ہو لیکن فی الواقع اس کا آنا یقینی ہے' مومن باعلم اور ذی عقل ہیں کہ وہ اس پر یقین کامل رکھ کر عمل میں لگے ہوئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا
نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

آسمان وزمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے' جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے۔ تو دیکھے گا کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج تمہیں اپنے کئے کا بدلہ دیا جائے گا ○ یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے' ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے ○

اس دن ہر شخص گھٹنوں کے بل گرا ہوگا: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۹) اب سے لے کر ہمیشہ تک اور آج سے پہلے بھی تمام آسمانوں کا' کل زمینوں کا مالک بادشاہ سلطان اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے اور اس کی کتابوں کے اور اس کے رسولوں کے منکر قیامت کے روز بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب مدینے شریف میں تشریف لائے تو آپ نے سنا کہ معافری ایک ظریف شخص ہیں لوگوں کو اپنے کلام سے ہنسایا کرتے ہیں تو آپ نے انہیں نصیحت کی اور فرمایا کیوں جناب کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایک دن آئے گا جس میں باطل والے خسارے میں پڑیں گے۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا اور حضرت معافری مرتے دم تک اس نصیحت کو نہ بھولے (ابن ابی حاتم) وہ دن ایسا ہولناک اور سخت تر ہوگا کہ ہر شخص گھٹنوں پر گرا ہوا ہوگا یہ اس وقت جب کہ جہنم سامنے لائی جائے گی اور وہ ایک جھرجھری لے گی جس سے ہر شخص کانپ اٹھے گا اور اپنے گھٹنوں پر گر جائے گا۔ یہاں تک کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی۔ ان کی زبان سے بھی اس وقت نفسی نفسی نکلے گا۔ صاف کہہ دیں گے کہ خدا آج ہم تجھ سے اور کچھ نہیں مانگتے صرف اپنی سلامتی چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے کہ آج میں اپنی والدہ کے لئے بھی تجھ سے کچھ عرض نہیں کرتا بس مجھے بچا لے۔ گو بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ الگ الگ ہوگا لیکن اس سے اولیٰ اور بہتر وہی تفسیر ہے جو ہم نے کی یعنی ہر ایک اپنے زانو پر گرا ہوا ہوگا۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں گویا کہ میں تمہیں جہنم کے پاس زانو پر جھکے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور مرفوع حدیث میں جس میں صور وغیرہ کا بیان ہے یہ بھی ہے کہ پھر لوگ جدا جدا کر دیئے جائیں گے اور تمام امتیں زانو پر جھک پڑیں گی۔ یہی فرمان خدا

ہے وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً الخ‘ اس میں دونوں حالتیں جمع کر دی ہیں پس دراصل دونوں تفسیروں میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں واللہ اعلم۔ پھر فرمایا ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ الخ‘ نامہ اعمال رکھا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ آج تمہیں تمہارے ہر ہر عمل کا بدلہ بھرپور دیا جائے گا‘ جیسے فرمان ہے يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ الخ‘ انسان کو ہر اس چیز سے باخبر کر دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجی اور پیچھے چھوڑی‘ اس کے اگلے پچھلے تمام اعمال سے بلکہ خود انسان اپنے حال پر خوب مطلع ہو جائے گا گو اپنے تمام تر حیلے سامنے لا ڈالے۔ یہ اعمال نامہ جو ہمارے حکم سے ہمارے امین اور سچے فرشتوں نے لکھا ہے وہ تمہارے اعمال کو تمہارے سامنے پیش کر دینے کے لئے کافی وافی ہے۔ جیسے ارشاد ہے وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ الخ‘ یعنی نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا تو تو دیکھے گا کہ گنہگار اس سے خوفزدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی اور عمل نامے کی تو یہ صفت ہے کہ کسی چھوٹے بڑے عمل کو قلم بند کئے بغیر چھوڑا ہی نہیں ہے‘ جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب سامنے حاضر پالیں گے۔ تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے محافظ فرشتوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ تمہارے اعمال لکھتے رہا کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے اعمال لکھتے ہیں پھر انہیں لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں‘ آسمان کے دیوان عمل کے فرشتے اس نامہ اعمال کو لوح محفوظ میں لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں جو ہر رات اس کی مقدار کے مطابق ان پر ظاہر ہوتا ہے جسے خدا نے اپنی مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی لکھا ہے تو ایک حرف کی کمی زیادتی نہیں پاتے۔ پھر آپ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۰ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا
السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انہیں ان کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا‘ یہی صریح کامیابی ہے۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے میں کہوں گا) کیا میری آیتیں تمہیں سنائی جاتی تھیں؟ پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گنہگار لوگ اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں یونہی سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں۔

کبریائی اللہ عزوجل کی چادر ہے: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس فیصلے کی خبر دیتا ہے جو وہ آخرت کے دن اپنے بندوں کے درمیان کرے گا۔ جو لوگ اپنے دل سے ایمان لائے اور اپنے ہاتھ پاؤں سے مطابق شرع نیک نیتی کے ساتھ اچھے عمل کئے۔ انہیں اپنے کرم و رحم سے جنت عطا فرمائے گا۔ رحمت سے مراد جنت ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے جسے میں چاہوں تجھے عطا فرماؤں گا۔ کھلی کامیابی اور حقیقی مراد کو حاصل کر لینا یہی ہے اور جو لوگ ایمان سے رک

گئے بلکہ کفر کیا ان سے قیامت کے دن بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمہارے سامنے نہیں پڑھی جاتی تھیں؟ یعنی یقیناً پڑھی جاتی تھیں اور تمہیں سنائی جاتی تھیں پھر بھی تم نے غرور ونخوت میں آ کر ان کی اتباع نہ کی بلکہ ان سے منہ پھیرے رہے' اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تکذیب لئے ہوئے تم نے ظاہراً اپنے افعال میں بھی اس کی نافرمانی کی' گناہوں پر گناہ دلیری سے کرتے چلے گئے اور قیامت ضرور قائم ہوگی' اس کے آنے میں کوئی شک نہیں' تو تم پلٹ کر جواب دے دیا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کسے کہتے ہیں؟ ہمیں گو کچھ یونہی سا وہم ہوتا ہے لیکن ہمیں ہرگز یقین نہیں کہ قیامت ضرور آئے گی۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَقِيْلَ
الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾ ع ١١ ٢٠

اب ان پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جسے وہ مذاق میں اڑا رہے تھے ○ اس نے انہیں گھیر لیا۔ اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اس دن سے ملنے کو بھلا دیا تھا تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے' اور تمہارا مددگار کوئی نہیں ○ یہ اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا' پس آج کے دن نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جائیں اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک طلب کیا جائے ○ پس اللہ ہی کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور تمام جہان کا پالنہار ہے ○ تمام بزرگی آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے' اور وہی غالب اور حکمت والا ہے ○

(آیت: ۳۳-۳۷) اب ان کی بداعمالیوں کی سزا ان کے سامنے آ گئی' اپنی آنکھوں اپنے کرتوت کا بدلہ دیکھ چکے اور جس عذاب و سزا کے انکاری تھے جسے مذاق میں اڑاتے رہے تھے' جس کا ہونا ناممکن سمجھ رہے تھے' ان عذابوں نے انہیں چوطرف سے گھیر لیا اور انہیں ہر قسم کی بھلائی سے مایوس کرنے کے لئے کہہ دیا گیا کہ ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جیسے کوئی کسی کو بھول جاتا ہے یعنی جہنم میں جھونک کر پھر تمہیں کبھی اچھائی سے یاد بھی نہ کریں گے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے' اس کے لئے تم نے کوئی عمل نہ کیا کیونکہ تم اس کے آنے کی صداقت کے قائل ہی نہ تھے۔ اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی نہیں جو تمہاری کسی قسم کی مدد کر سکے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں سے قیامت کے دن فرمائے گا کیا میں نے تجھے بال بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا میں نے تجھ پر دنیا میں انعام واکرام نازل نہیں فرمائے تھے؟ کیا میں نے تیرے لئے اونٹوں اور گھوڑوں کو مطیع اور فرمانبردار نہیں کیا تھا؟ اور تجھے چھوڑ دیا تھا کہ سرور وخوشی کے ساتھ اپنے مکانات اور حویلیوں میں آزادی کی زندگی بسر کرے؟ یہ جواب دے گا کہ میرے پروردگار یہ سب سچ ہے' بیشک تیرے یہ تمام احسانات مجھ پر تھے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس آج میں تجھے اس طرح بھلا دوں گا جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ سزائیں تمہیں اس لئے دی گئی ہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا خوب مذاق اڑایا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ تم اسی پر مطمئن تھے اور اس قدر تم نے بے فکری برتی کہ آخر آج نقصان اور خسارے میں پڑ گئے۔ اب تم دوزخ سے نکالے نہ جاؤ گے اور نہ تم سے ہماری خفگی کے دور کرنے کی کوئی وجہ طلب کی جائے گی یعنی اس عذاب سے تمہارا چھٹکارا بھی محال اور اب میری رضامندی کا تمہیں حاصل ہونا بھی ناممکن۔ جیسے کہ مومن بغیر عذاب وحساب کے جنت میں جائیں گے۔ ایسے ہی تم بے حساب عذاب کئے جاؤ گے اور تمہاری توبہ بے سود رہے گی، اپنے اس فیصلے کو جو مومنوں اور کافروں میں ہو گیا بیان فرما کر اب ارشاد فرماتا ہے کہ تمام حمد زمین وآسمان اور ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ جو کل جہان کا پالنہار ہے، اسی کی کبریائی یعنی سلطنت اور بڑائی آسمانوں اور زمینوں میں ہے، وہ بڑی عظمت اور بزرگی والا ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے پست ہے۔ ہر ایک اس کا محتاج ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے عظمت میرا تہمد ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو شخص ان میں سے کسی کو بھی مجھ سے لینا چاہے گا میں اسے جہنم رسید کر دوں گا۔ یعنی بڑائی اور تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔ وہ عزیز ہے یعنی غالب ہے جو کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہونے کا، کوئی نہیں جو اس پر روک ٹوک کر سکے۔ اس کے سامنے پڑ سکے۔ وہ حکیم ہے، اس کا کوئی قول، کوئی فعل، اس کی شریعت کا کوئی مسئلہ، اس کی لکھی ہوئی تقدیر کا کوئی حرف حکمت سے خالی نہیں۔ کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی مسجود۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے سورۂ جاثیہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ پچیسویں پارے کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر ابن کثیر

۲۶
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- نبی اکرم ﷺ کا اظہار بے بسی ۲۵۲
- تابع قرآن جنتیوں کے حالات ۲۵۴
- والدین سے بہترین سلوک کرو ۲۵۵
- اس دنیا کے طالب آخرت میں محروم ہوں گے ۲۵۸
- قوم عاد کی تباہی کے اسباب ۲۶۱
- مغضوب شدہ قوموں کی نشاندہی ۲۶۴
- طائف سے واپسی پر جنات نے کلام الٰہی سنا' شیطان بوکھلایا ۲۶۵
- ایمان دار جنوں کی آخری منزل ۲۷۳
- جب کفار سے میدان جہاد میں آمنا سامنا ہو جائے ۲۷۷
- تمام شہروں سے پیارا شہر ۲۸۰
- دودھ' پانی اور شہد کے سمندر ۲۸۲
- بے وقوف' کند ذہن اور جاہل ۲۸۳
- ایمان کی دلیل حکم جہاد کی تعمیل ہے ۲۸۵
- منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو ۲۸۸
- نیکیوں کو غارت کرنے والی برائیوں کی نشاندہی ۲۸۹
- سخاوت کے فائدے اور بخل کے نقصانات ۲۹۱
- اطمینان ورحمت ۲۹۴
- آنکھوں دیکھا گواہ رسول اللہ ﷺ ۲۹۵
- مجاہدین کی کامیاب واپسی ۲۹۹
- مال غنیمت کے طالب ۳۰۱
- چودہ سو صحابہ اور بیعت رضوان ۳۰۲
- کفار کے بد ارادے ناکام ہوئے ۳۰۳
- مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار ۳۰۶
- رسول اللہ ﷺ کا خواب ۳۱۵
- تصدیق رسالت بزبان اللہ ۳۱۹
- آداب خطاب ۳۲۴
- فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو ۳۲۵
- دو متحارب ''مسلمان جماعتوں'' میں صلح کرانا ہر مسلمان کا فرض ہے ۳۲۸
- ہر طعنہ باز عیب جو مجرم ہے ۳۳۰
- دہشت گرد اور ہراس پھیلانے والے ناپسندیدہ لوگ ۳۳۰
- نسل انسانی کا نکتہ آغاز ۳۳۴
- ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تولیں ۳۳۶
- اہل کتاب کی موضوع روایتیں ۳۴۰
- اللہ کے محیر العقول شاہکار ۳۴۲
- ان کو شامت اعمال ہی پسند تھی ۳۴۳
- دائیں اور بائیں دو فرشتے ۳۴۴
- ہمارے اعمال کے گواہ ۳۴۷
- متکبر اور متجبر کا ٹھکانا ۳۴۸
- بے سود کوشش ۳۵۱
- جب ہم سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے ۳۵۲
- حسن کارکردگی کے انعامات ۳۵۶
- مہمان اور میزبان؟ ۳۵۹

تفسیر سورۃ الاحقاف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝۲ مَا خَلَقۡنَا
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ۝۳ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَا ذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ
شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ
مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۝۴

بہت بخشش کرنے والے بہت مہربان اللہ کے نام سے شروع ○

اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے ○ ہم نے آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزیں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک معیاد معین کے لئے بنائی ہیں' کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں ○ تو کہہ بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے؟ ○ یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی نقلی علم ہی میرے پاس لاؤ ○

(آیت:۱-۴) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس قرآن کریم کو اس نے اپنے بندے اور اپنے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسی بڑی عزت والا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوگی اور ایسی زبردست حکمت والا ہے جس کا کوئی قول' کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان وزمین وغیرہ تمام چیزیں اس نے عبث اور باطل پیدا نہیں کیں بلکہ سراسر حق کے ساتھ اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنائی ہیں اور ان سب کے لئے وقت مقرر ہے جو نہ گھٹے نہ بڑھے۔ اس رسولؐ سے' اس کتاب سے اور اللہ کے ڈراوے کی اور نشانیوں سے جو بد باطن لوگ بے پرواہی اور لا ابالی کرتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کس قدر خود اپنا ہی نقصان کیا۔ پھر فرماتا ہے ذرا ان مشرکین سے پوچھو تو کہ اللہ کے سوا جن کے نام تم جپتے ہو' جنہیں تم پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو' ذرا مجھے بھی تو ان کی طاقت قدرت دکھاؤ' بتلاؤ تو زمین کے کس ٹکڑے کو خود انہوں نے بنایا ہے؟ یا ثابت تو کرو کہ آسمانوں میں ان کی شرکت کتنی ہے اور کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں یا اور چیزیں ہوں' ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بجز اس کے کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں۔ تمام ملک کا مالک وہی ہے۔ ہر چیز پر کامل تصرف اور قبضہ رکھنے والا ہے۔ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہو؟ تمہیں یہ تعلیم کس نے دی؟ کس نے یہ شرک تمہیں سکھایا؟ دراصل کسی بھلے اور سمجھدار شخص کی یہ تعلیم نہیں ہو سکتی نہ اللہ نے یہ تعلیم دی ہے۔ اگر تم اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پر کوئی آسمانی دلیل رکھتے ہو تو اچھا اس کتاب کو تو جانے دو اور کوئی آسمانی صحیفہ ہی پیش کر دو۔ اچھا نہ سہی' اپنے مسلک پر کوئی اور دلیل علم ہی قائم کرو۔ لیکن یہ تو

جب ہوسکتا ہے کہ تمہارا یہ فعل صحیح بھی ہو- اس باطل فعل پر تو نہ تو تم کوئی نقلی دلیل پیش کر سکتے ہو نہ عقلی- ایک قرأت میں اَوْ اَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ یعنی کوئی صحیح علم کی نقل اگلوں سے ہی پیش کرو- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیش کرو جو علم کی نقل کرے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس امر کی کوئی بھی دلیل لے آؤ- مسند احمد میں ہے اس سے مراد علمی تحریر ہے- راوی کہتے ہیں میرا تو خیال ہے یہ حدیث مرفوع ہے- حضرت ابوبکر بن عیاشؒ فرماتے ہیں مراد بقیہ علم ہے- حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کسی مخفی دلیل کو ہی پیش کر دو' ان اور بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے اگلی تحریریں ہیں- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کوئی خاص علم- اور یہ سب اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں' مراد وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کر دی- امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے-

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝٥ وَاِذَا حُشِرَ
النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝٦

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں ○ اور جب لوگوں کا حشر کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے ○

(آیت: ۵-۶) پھر فرماتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی راہ گم کردہ نہیں جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور اس سے حاجتیں طلب کرے جن حاجتوں کے پورا کرنے کی ان میں طاقت ہی نہیں بلکہ وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے' قیامت تک یہ پکارتے رہیں لیکن وہ غافل ہی ہیں' وہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں' محض بے خبر ہیں' نہ کسی چیز کو لے دے سکتے ہیں' اس لئے کہ وہ تو پتھر ہیں' جمادات میں سے ہیں- قیامت کے دن جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے تو یہ معبودان باطل اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے اور اس بات سے کہ یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے صاف انکار کر جائیں گے- جیسے اللہ عزوجل کا اور جگہ ارشاد ہے وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً یعنی ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی عزت کا باعث بنیں- واقعہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر جائیں گے اور ان کے پورے مخالف ہو جائیں گے- یعنی جب کہ یہ ان کے پورے محتاج ہوں گے اس وقت وہ ان سے منہ پھیر لیں گے- حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا تھا اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا یعنی تم نے اللہ کے سوا بتوں سے جو تعلقات دنیا میں قائم کر لئے ہیں اس کا نتیجہ قیامت کے دن دیکھ لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے انکار کر جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تمہاری جگہ جہنم میں مقرر اور متعین ہو جائے گی اور تم اپنا مددگار کسی کو نہ پاؤ گے-

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ
افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ

الرَّحِيْمُ ۝٨ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا
يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا
اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٩

انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ ان کے پاس آ چکی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ○ بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود بنا لیا ہے' تو کہہ اگر میں ہی اسے بنا لایا تو تم میرے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے' تم اس قرآن کے بارے میں جو کچھ سن رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے' میرے اور تمہارے درمیان اظہار حق کرنے والا وہی کافی ہے اور وہ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○ تو کہہ دے کہ میں کوئی بالکل نیا پیغمبر تو نہیں۔ نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں ○

نبی اکرم ﷺ کا اظہار بے بسی: ☆☆ (آیت: ۷-۹) مشرکوں کی سرکشی اور ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جب انہیں اللہ کی ظاہر و باہر' واضح اور صاف آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ تکذیب و افتراء' ضلالت و کفر گویا ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ جادو کہہ کر ہی بس نہیں کرتے بلکہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اسے تو محمد (ﷺ) نے گھڑ لیا ہے پس نبی کی زبانی اللہ جواب دلواتا ہے کہ اگر میں نے ہی اس قرآن کو بنایا ہے اور میں اس کا سچا نبی نہیں تو یقیناً وہ مجھے میرے اس جھوٹ اور بہتان پر سخت تر عذاب کرے گا اور پھر تم کیا سارے جہان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے اس کے عذابوں سے چھڑا سکے۔ جیسے اور جگہ ہے قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ الخ' یعنی تو کہہ دے کہ مجھے اللہ کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا کہیں اور مجھے سرکنے کی جگہ مل سکے گی لیکن میں اللہ کی تبلیغ اور اس کی رسالت کو بجا لاتا ہوں اور جگہ ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ' یعنی اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا' تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکتا' پھر کفار کو دھمکایا جا رہا ہے کہ تمہاری گفتگو کا پورا علم اس علیم اللہ کو ہے' وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اس کی دھمکی کے بعد انہیں توبہ اور انابت کی رغبت دلائی جا رہی ہے اور فرماتا ہے وہ غفور و رحیم ہے' اگر تم اس کی طرف رجوع کرو' اپنے کرتوت سے باز آؤ تو وہ ابھی تمہیں بخش دے گا اور تم پر رحم کرے گا۔ سورۂ فرقان میں بھی اسی مضمون کی آیت ہے۔ فرمان ہے وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا الخ' یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں اور صبح شام لکھائی جا رہی ہیں' تو کہہ دے کہ اسے اس اللہ نے اتارا ہے جو ہر پوشیدگی کو جانتا ہے خواہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو' وہ غفور و رحیم ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں دنیا میں کوئی پہلا نبی تو نہیں' مجھ سے پہلے بھی تو دنیا میں لوگوں کی طرف رسول آتے رہے' پھر میرے آنے سے تمہیں اس قدر اچنبھا کیوں ہوا؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے بعد آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ' اتری ہے۔ اسی طرح حضرت عکرمہؒ' حضرت حسنؒ' حضرت قتادہؒ بھی اسے منسوخ بتلاتے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب آیت بخشش اتری جس میں فرمایا گیا تا کہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ بخشے تو ایک صحابیؓ نے کہا حضورؐ یہ تو اللہ نے بیان فرما دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا کرنے والا ہے پس وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ اس پر آیت لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اتری یعنی تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ صحیح حدیث سے بھی یہ تو ثابت ہے کہ مومنوں نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ کو مبارک ہو' فرمایئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت ضحاکؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا حکم دیا جاؤں اور کس چیز سے روک دیا جاؤں؟ امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اس

آیت سے مراد یہ ہے کہ آخرت کا انجام تو مجھے قطعاً معلوم ہے کہ میں جنت میں جاؤں گا' ہاں دنیوی حال معلوم نہیں کہ اگلے بعض انبیاءؑ کی طرح قتل کیا جاؤں یا اپنی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ کے ہاں جاؤں؟ اور اسی طرح میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر پتھر برسائے جائیں۔

امام ابن جریرؒ اسی کو معتبر کہتے ہیں اور فی الواقع ہے بھی یہ ٹھیک۔ آپ بالیقین جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے پیرو جنت میں ہی جائیں گے اور دنیا کی حالت کے انجام سے آپ بے خبر تھے کہ انجام کار آپ کا اور آپ کے مخالفین قریش کا کیا حال ہوگا؟ آیا وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر ہی رہیں گے اور عذاب کئے جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ لیکن جو حدیث مسند احمد میں ہے حضرت ام العلاءؓ فرماتی ہیں جنہوں نے حضورؐ سے بیعت کی تھی کہ جس وقت مہاجرین بذریعہ قرعہ اندازی انصاریوں میں تقسیم ہو رہے تھے اس وقت ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ آئے' آپ ہمارے ہاں بیمار ہوئے اور فوت بھی ہو گئے' جب ہم آپ کو کفن پہنا چکے اور حضور بھی تشریف لا چکے تو میرے منہ سے نکل گیا اے ابو السائب! اللہ تجھ پر رحم کرے میری تو تجھ پر گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تیرا اکرام ہی کرے گا۔ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا اکرام ہی کرے گا۔ میں نے کہا حضورؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پس آپ نے فرمایا سنو ان کے پاس تو ان کے رب کی طرف کا یقین آ پہنچا اور مجھے ان کے لئے بھلائی اور خیر کی امید ہے' قسم ہے اللہ کی باوجود رسولؐ ہونے کے میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس پر میں نے کہا اللہ کی قسم اب اس کے بعد میں کسی کی برأت نہیں کروں گی اور مجھے اس کا بڑا صدمہ ہوا لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ایک نہر بہہ رہی ہے میں نے آ کر حضورؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اعمال ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں ہے' مسلم میں نہیں اور اس کی ایک سند میں ہے میں نہیں جانتا باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ دل کو تو کچھ ایسی لگتی ہے کہ یہی الفاظ موقع کے لحاظ سے ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی یہ جملہ ہے کہ مجھے اس بات سے بڑا صدمہ ہوا۔ الغرض یہ حدیث اور اسی کی ہم معنی اور حدیثیں دلالت ہیں اس امر پر کہ کسی معین شخص کے جنتی ہونے کا قطعی علم کسی کو نہیں' نہ کسی کو ایسی بات زبان سے کہنی چاہئے۔ بجز ان بزرگوں کے جن کا نام لے کر شارع علیہ السلام نے انہیں جنتی کہا ہے۔ جیسے عشرہ مبشرہ اور حضرت ابن سلام اور عمیصا اور بلال اور سراقہ اور عبداللہ بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد ہیں اور وہ ستر قاری جو بئر معونہ کی جنگ میں شہید کئے گئے اور زید بن حارثہ اور جعفر اور ابن رواحہ اور ان جیسے اور بزرگ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! تم کہہ دو کہ میں تو صرف اس وحی کا مطیع ہوں جو اللہ کی جناب سے میری جانب آئے اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کہ کھول کھول کر ہر شخص کو آگاہ کر رہا ہوں' ہر عقلمند میرے منصب سے باخبر ہے۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ
شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا
بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝١١

تو کہہ اگر یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو

بیشک اللہ تعالیٰ ستمگر گروہ کو راہ نہیں دکھاتا ○ کافروں نے ایمانداروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنا نہ پاتے اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی تو یہ کہہ دیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے ○

تابع قرآن جنتیوں کے حالات : ☆☆ (آیت : ۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کافرین سے کہو کہ اگر یہ قرآن سچ مچ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پھر بھی تم اس کا انکار کر رہے ہو تو بتلاؤ تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ وہ اللہ جس نے مجھے حق کے ساتھ تمہاری طرف یہ پاک کتاب دے کر بھیجا ہے وہ تمہیں کیسی کچھ سزائیں کرے گا؟ تم اس کا انکار کرتے ہوٗ اسے جھوٹا بتلاتے ہو حالانکہ اس کی سچائی اور صحت کی شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اگلے انبیاء پر نازل ہوتی رہیں اور بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی گواہی دی اس نے حقیقت کو پہچان کر اسے مانا اور اس پر ایمان لایا۔ لیکن تم نے اس کی اتباع سے جی چرایا اور تکبر کیا۔ یہ بھی مطلب بیان ہوگیا ہے کہ اس شاہد نے اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر یقین کر لیا لیکن تم نے اپنے نبیؐ اور اپنی کتاب کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔ شَاهِدٌ کا لفظ ہم جنس ہے اور یہ اپنے معنی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہ یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سلام سے پہلے کی ہے اسی جیسی آیت یہ بھی ہے وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ یعنی جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں اور فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ الخ یعنی جن لوگوں کو اس سے پہلے علم عطا فرمایا گیا ہے ان پر جب تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلاپس وپیش سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے اس کے وعدے یقیناً سچے اور ہو کر رہنے والے ہیں۔ مسروقؒ اور شعبیؒ فرماتے ہیں یہاں اس آیت سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ نہیں اس لئے کہ آیت مکہ میں اترتی ہے اور آپ مدینہ کی ہجرت کے بعد اسلام قبول کرتے ہیں۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو میں نے حضور ﷺ کی زبانی اس کا جنتی ہونا نہیں سنا بجز حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انہی کے بارے میں آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ نازل ہوئی ہے (صحیحین وغیرہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ ضحاکؒ قتادہؒ عکرمہؒ یوسف بن عبداللہ بن سلامؒ ہلال بن بشارؒ سدیؒ ثوریؒ مالک بن انس ابن زبیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن سلامؓ ہیں۔ یہ کفار کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن بہتری کی چیز ہوتی تو ہم جیسے شریف انسان جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ان پر بھلا یہ نیچے کے درجے کے لوگ جیسے بلالؓ عمارؓ صہیبؓ خبابؓ اور انہی جیسے اور گرے پڑے لونڈی غلام کیسے سبقت کر جاتے۔ پھر تو اللہ سب سے پہلے ہمیں ہی نوازتا۔ حالانکہ یہ قول بالبداہت باطل ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ یعنی ہم نے اسی طرح بعض کو بعض کے ساتھ فتنے میں ڈالا تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے انہی پر اللہ نے اپنا احسان کیا؟ یعنی انہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے؟ اگر یہ چیز بھلی ہوتی تو ہم اس کی طرف لپک کر جاتے۔ پس یہ خیال ان کا تو خام تھا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نیک سمجھ والے سلامت روی والے ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو قول وفعل صحابہ رسولؐ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے اس لئے کہ اگر اسمیں بہتری ہوتی تو وہ پاک جماعت جو کسی چیز میں پیچھے رہنے والی نہ تھی وہ اسے ترک نہ کرتی۔ چونکہ اپنی بدنصیبی کے باعث یہ گروہ قرآن پر ایمان نہیں لایا اس لئے یہ اپنی خجالت دفع کرنے کو قرآن کی اہانت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں یہ کہہ کر وہ قرآن اور قرآن والوں کو طعنہ دیتے ہیں۔ یعنی وہ تکبر ہے جس کی بابت حدیث میں ہے کہ تکبر نام ہے حق کو ہٹا دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ
لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

اوراس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوااور رحمت تھی اور یہ کتاب ہے سچا کرنے والی عربی زبان میں تا کہ ستم گروں کوڈ رادے اور نیک کاروں کو بشارت ہو ○ بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پالنے والا اللہ ہے پھراسی پر جمے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے ○ یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے ان اعمال کے بدلے جو کیا کرتے تھے ○

(آیت :۱۲-۱۴) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات امام ورحمت تھی اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے۔ یہ عربی فصیح اور بلیغ زبان میں نہایت واضح کتاب ہے۔ اس میں کفار کے لئے ڈراوا ہے اور ایمانداروں کے لئے بشارت ہے۔ اس کے بعد کی آیت کی پوری تفسیر سورۂ حم السجدہ میں گذر چکی ہے۔ ان پر خوف نہ ہوگا۔ یعنی آئندہ اور یہ غم نہ کھائیں گے یعنی چھوڑی ہوئی چیزوں کا۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے جنتی ہیں' ان کے پاکیزہ اعمال تھے ہی ایسے کہ رحمت رحیم' کرم کریم کی بدلیاں ان پر جھوم جھوم کر موسلا دھار بارش برسائیں۔ واللہ اعلم۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا
وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ
اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ
صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ڝ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ
وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٥﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا' اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی کمال قوت زمانہ کو چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اسی نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد میں بھی صلاحیت پیدا کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○

والدین سے بہترین سلوک کرو: ☆☆ (آیت :۱۵) اس سے پہلے چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور اس کی عبادت کے اخلاص کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا تھا اس لئے یہاں ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کا حکم ہو رہا ہے۔ اسی مضمون کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک

میں موجود ہیں' جیسے فرمایا وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا یعنی تیرا رب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو- ایک اور آیت میں ہے اِنِ اشۡكُرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیۡكَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا' لوٹنا تو میری ہی طرف ہے- اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں- پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو' ان سے بہ تواضع پیش آؤ-

ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم اللہ نہیں؟ سن میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تو اللہ کے ساتھ کفر نہ کر لے- حضرت سعدؓ کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوا دیتے' اس پر یہ آیت اتری- یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے' ماں نے حالت حمل میں کیسی کچھ تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اور اس کے ساتھ سورۂ لقمان کی آیت وَفِصٰلُهٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اور اللہ عزوجل کا فرمان وَالۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَیۡنِ كَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں' ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے- یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے- حضرت معمر بن عبداللہ جہنیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا- اس کے خاوند نے حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا' وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم مخلوق اللہ میں سے کسی سے میں نہیں ملی' میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا' تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے- جب حضرت عثمانؓ کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا-

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے' جو ناممکن ہے- یہ سن کر علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے' فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا اور ساتھ ہی یہ آیت بھی حَوۡلَیۡنِ كَامِلَیۡنِ پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کل مدت دو سال کے چوبیس مہینے وضع کر دیئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں' تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا' پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واللہ! یہ بات بہت ٹھیک ہے' افسوس میرا خیال اس طرف نہیں گیا' جاؤ اس عورت کو لے آؤ- پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی تھی- حضرت معمرؒ فرماتے ہیں واللہ ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا' خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ ہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم)

یہ روایت دوسری سند سے فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ کی تفسیر میں ہم نے وارد کی ہے- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب کسی عورت کو نو مہینے میں بچہ ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہیں اور جب سات مہینے میں ہو تو مدت رضاعت تیئس ماہ اور

جب چھ ماہ میں بچہ ہو جائے تو مدت رضاعت دو سال کامل، اس لئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔ جب وہ اپنی پوری قوت کے زمانے کو پہنچا یعنی قوی ہو گیا، جوانی کی عمر میں پہنچ گیا، مردوں کی گنتی میں آیا اور چالیس سال کا ہوا، عقل پوری آئی، فہم کمال کو پہنچا، حلم اور بردباری آ گئی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو حالت اس کی ہوتی ہے عموماً پھر باقی عمر وہی حالت رہتی ہے۔ حضرت مسروقؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کب اپنے گناہوں پر پکڑا جاتا ہے؟ تو فرمایا جب تو چالیس سال کا ہو جائے تو اپنے بچاؤ مہیا کر لے۔ ابو یعلی موصلی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں جب مسلمان بندہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف جھکنا نصیب فرماتا ہے اور جب ستر سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ثابت رکھتا ہے اور اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے اور آسمانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی زمین میں اس کا قیدی ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے مسند احمد میں بھی ہے، بنو امیہ کو دمشقی گورنر حجاج بن عبداللہ حلیمی فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں تو میں نے نافرمانیوں اور گناہوں کو لوگوں کی شرم و حیا سے چھوڑا تھا اس کے بعد گناہوں کے چھوڑنے کا باعث خود ذات خداوندی سے حیا تھی۔ عرب شاعر کہتا ہے بچپنے میں ناسمجھی کی حالت میں تو جو کچھ ہو گیا ہو گیا لیکن جس وقت بڑھاپے نے منہ دکھایا تو سر کی سفیدی نے خود ہی برائیوں سے کہہ دیا کہ اب تم کوچ کر جاؤ۔ پھر اس کی دعا کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا میرے پروردگار میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور میں وہ اعمال کروں جن سے تو مستقبل میں خوش ہو جائے اور میری اولاد میں میرے لئے اصلاح کر دے یعنی میری نسل اور میرے پیچھے والوں میں۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میرا اقرار ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ اس میں ارشاد ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو پختہ دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہئے اور نئے سرے سے اللہ کی طرف رجوع و رغبت کر کے اس پر جم جانا چاہئے۔

ابو داؤد میں ہے کہ صحابہ کو حضور التحیات میں پڑھنے کے لئے اس دعا کی تعلیم کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَاھْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْٓ اَسْمَاعِنَاوَ اَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَاجْعَلْنَا شَاکِرِیْنَ لِنِعْمَتِکَ مُثْنِیْنَ بِھَا عَلَیْکَ قَابِلِیْھَا وَاَتِمَّھَا عَلَیْنَا یعنی ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت ڈال اور ہمارے آپس میں اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہیں دکھا اور ہمیں اندھیروں سے بچا کر نور کی طرف نجات دے اور ہمیں ہر برائی سے بچا لے خواہ وہ ظاہر ہو خواہ چھپی ہوئی ہو اور ہمیں ہمارے کانوں میں اور آنکھوں میں اور دلوں میں اور بیوی بچوں میں برکت دے اور ہم پر رجوع فرما، یقیناً تو رجوع فرمانے والا مہربان ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گذار اور ان کے باعث اپنا ثناخواں اور نعمتوں کا اقراری بنا اور اپنی بھرپور نعمتیں ہمیں عطا فرما۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِھِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور جن کے بد اعمال سے ہم درگذر کر لیتے ہیں جنتی لوگوں میں ہیں مطابق اس سچے وعدے کے جو ان سے

کیا جاتا تھا ○

(آیت:۱۶) پھر فرماتا ہے یہ جن کا بیان گذرا' جو اللہ کی طرف توبہ کرنے والے' اس کی جناب میں جھکنے والے اور جو نیکیاں چھوٹ جائیں انہیں کثرت استغفار سے پالینے والے ہی وہ ہیں جن کی اکثر لغزشیں ہم معاف فرما دیتے ہیں اور ان کے تھوڑے نیک اعمال کے بدلے ہم انہیں جنتی بنا دیتے ہیں' ان کا یہی حکم ہے۔ جیسے کہ وعدہ کیا اور فرمایا یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ابن جریر میں ہے حضور بروایت روح الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں انسان کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی اور ایک کو ایک کے بدلے میں کیا جائے گا پس اگر ایک نیکی بھی بچ رہی تو اللہ تعالیٰ اسی کے عوض اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ راوی حدیث نے اپنے استاد سے پوچھا اگر تمام نیکیاں ہی برائیوں کے بدلے میں چلی جائیں تو؟ آپ نے فرمایا ان کی برائیوں سے اللہ رب العزت تجاوز فرما لیتا ہے۔

دوسری سند میں یہ بفرمان اللہ عزوجل مروی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند بہت پختہ ہے۔ حضرت یوسف بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بصرہ پر غالب آ گئے اس وقت میرے ہاں حضرت محمد بن حاطب رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور اس وقت حضرت عمار' حضرت صعصعہ' حضرت اشتر' حضرت محمد بن ابوبکر بھی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر نکالا اور کچھ گستاخی کی' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں چھڑی تھی' حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اس پر آپ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ الخ' قسم اللہ کی یہ لوگ جن کا ذکر اس آیت میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے ساتھی' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا سچ سچ کہو تمہیں اللہ کی قسم تم نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ سنا ہے؟ فرمایا ہاں قسم اللہ کی میں نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سنا ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ
الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے تو میں تنگ آ گیا کیا تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا باوجودیکہ مجھ سے پہلے بھی قرنوں گذر چکے ہیں ○ وہ دونوں جناب باری میں فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایماندار بن جا بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے ○ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کے عذاب کا وعدہ صادق آ گیا منجملہ ان جنات اور انسانوں کے گروہ کے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں ○

اس دنیا کے طالب آخرت میں محروم ہوں گے: ☆☆ (آیت:۱۷-۱۸) چونکہ اوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اخروی درجات کا اور وہاں نجات پانے اور اپنے

رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بعد ان بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں، انہیں باتیں سناتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہوئی ہے، جیسے کہ عوفی بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں، جس کی صحت میں بھی کلام ہے اور جو قول نہایت کمزور ہے اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسلام والوں میں سے تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے، بعض اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبہ میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سمجھائی ہے اگر وہ انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ کے نامزد کر جائیں تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی تو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ کیا ہرقل کے دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اللہ کی نہ تو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا نہ اپنے کنبے قبیلے والوں سے کسی کو نامزد کیا اور معاویہؓ نے جو اسے کیا وہ صرف ان کی عزت افزائی اور ان کے بچوں پر رحم کھا کر کیا۔ یہ سن کر مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں جس نے اپنے والدین کو اف کہا تھا؟ تو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تو ایک ملعون شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقہؓ نے یہ سن کر مروان سے کہا تو نے حضرت عبدالرحمٰن سے جو کہا وہ بالکل جھوٹ ہے وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ وہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا۔

بخاری میں یہ حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف سے مروان حجاز کا امیر بنایا گیا تھا اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا لیکن یہ دوڑ کر اپنی ہمشیرہ صاحبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰ نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاک دامنی کی آیتوں کے اور کوئی آیت نہیں اتری نسائی کی روایت میں ہے کہ اس خطبے سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا حضرت عائشہ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے قول میں جھوٹا ہے جس کے بارے میں یہ آیت اتری ہے مجھے بخوبی اس کا نام معلوم ہے لیکن میں اس وقت اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا پس یہ اس خدائی لعنت کا بقیہ ہے۔ یہ جہاں اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں خدائے تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا، مرنے کے بعد کی زندگی کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس دوسری زندگی سے کیا ڈراتے ہو مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گذر گئے، لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں نے تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا، ان میں سے ایک بھی تو لوٹ کر خبر دینے نہیں آیا۔ ماں باپ بیچارے اس سے تنگ آ کر جناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں، اس بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ بدنصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا اب بھی مسلمان بن جا لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم ماننے کو کہتے ہو میں تو اسے ایک دیرینہ قصہ سے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گذشتہ جنات اور انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے جنہوں نے خود اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہاں لفظ اولئك ہے حالانکہ اس سے پہلے لفظ وَ الَّذِیْ ہے اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے عام ہے جو بھی ایسا ہو یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر اس کے لئے یہی حکم ہے چنانچہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر فاجر ماں باپ کا نافرمان اور مر کر جی اٹھنے کا منکر ہے۔ ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ

چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے' جو کسی مسکین کو بہکائے کہے کہ آؤ تجھے کچھ دوں گا اور جب وہ آئے تو کہہ دے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں' اور جو ماعون سے کہے سب حاضر ہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں کہ فلاں کا مکان کون سا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتا دیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ وہ تنگ آ جائیں اور چیخ پکار کرنے لگیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ
اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

جو یقیناً نقصان یافتہ تھے۔ اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے' تاکہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ○ اور جس دن کفار جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے (کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے پس آج تمہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی اسی باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے ○

(آیت: ۱۹-۲۰) پھر فرماتا ہے ہر ایک کے لئے اس کی برائی کے مطابق سزا ہے' اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بلکہ اس سے بھی کم کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں جہنم کے درجے نیچے ہیں اور جنت کے درجے اونچے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب جہنمی جہنم پر لا کھڑے کئے جائیں گے' انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ تم اپنی نیکیاں دنیا میں ہی وصول کر چکے' ان سے فائدہ وہیں اٹھا لیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت زیادہ مرغوب اور لطیف غذا سے اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اجتناب کر لیا تھا اور فرماتے تھے مجھے خوف ہے کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمائے گا۔ حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں کی ہوئی اپنی نیکیاں قیامت کے دن گم پائیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے آج انہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی ان کے تکبر اور ان کے فسق کی وجہ سے۔ جیسا عمل ویسا ہی بدلہ ملا۔ دنیا میں یہ ناز و نعمت سے اپنی جانوں کو پالنے والے اور نخوت و بڑائی سے اتباع حق کو چھوڑنے والے اور برائیوں اور نافرمانیوں میں ہمہ تن مشغول رہنے والے تھے' تو آج قیامت کے دن انہیں اہانت اور رسوائی والے عذاب اور سخت دردناک سزائیں اور ہائے وائے اور افسوس و حسرت کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقوں میں جگہ ملے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ان سب باتوں سے محفوظ رکھے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ
النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

عادیوں کے بھائی کو یاد کرو' جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گذر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی' یہ کہ تم سوائے اللہ تعالیٰ

کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، بیشک میں تو تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں ○

قوم عاد کی تباہی کے اسباب: ☆☆ (آیت:۲۱) جناب رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی، عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں علیہ السلام والصلوٰۃ۔ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف بھیجا تھا جو احقاف میں رہتے تھے، احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو۔ مطلق پہاڑ اور غار اور حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں، یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شہر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ جب دعا مانگے تو اپنے نفس سے شروع کرے، اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر اور عادیوں کے بھائی پر رحم کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے اردگرد کے شہروں میں بھی اپنے رسولؑ مبعوث فرمائے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا اور جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝﴿۲۳﴾

قوم نے جواب دیا کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں کی پرستش سے باز رکھیں؟ ○ پس اگر آپ سچے ہیں تو جن عذابوں کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں انہیں ہم پر لا ڈالو ○ حضرت ہودؑ نے کہا (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم نادانی کر رہے ہو ○

(آیت:۲۲-۲۳) پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحد بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا۔ جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے، تو جرأت کر کے جلد طلب کیا۔ جیسے کہ اور آیت میں ہے يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذابوں کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے، اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا، میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بے وقوف لوگ ہو۔ اب عذاب الٰہی آ گیا، انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی، گرمی سخت تھی، یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے اب بارش برسے گی۔ دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ قہر الٰہی تھا، جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے، اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہودؑ سے یہ طلب کر رہے تھے۔ وہ عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو بھی جن کی بربادی ہونے والی تھی تہس نہس کرتا ہوا آیا اور اسی کا اسے حکم ملا تھا۔ جیسے اور آیت میں ہے مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ یعنی جس چیز پر وہ گذر جاتی تھی اسے چورا چورا کر دیتی تھی۔ پس سب کے سب ہلاک وتباہ ہو گئے، ایک بھی بچ نہ سکا۔ پھر فرماتا ہے ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کی

خلاف ورزی کریں- ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے- حضرت حارث بکریؓ کہتے ہیں میں علاء بن حضرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا-

ربذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیا ملی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے! میرا ایک کام اللہ کے پیغمبر سے ہے کیا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینہ شریف پہنچا- میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے' سیاہ رنگ جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لٹکائے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں- میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضور عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں- میں ایک طرف بیٹھ گیا جب آنحضور اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا' اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہو- اسلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیا راستے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازہ پر منتظر ہے- آپ نے فرمایا اسے بھی اندر بلا لو چنانچہ وہ آ گئیں میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے' اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ! آپ کا مضطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری' مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ اللہ کی پناہ واللہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں- آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضورؐ اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا' یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھہرا اور شراب پینے اور اس کی دونوں کنیزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا' پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ خدایا تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا ہی نہیں' الٰہی عادیوں کو وہ پلا جو تو انہیں پلانے والا ہے-

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ
مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾
تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا جو ان کے میدانوں کا رخ کئے ہوئے تھا تو کہنے لگے یہ ابر ہم پر برسنے والا ہے (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے' ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ○ جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا' گنہگاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں ○

(آیت: ۲۴-۲۵) چنانچہ چند سیاہ رنگ بادل اٹھے اور ان میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہے پسند کر لے چنانچہ

اس نے سخت سیاہ بادل کو پسند کر لیا- اسی وقت ان میں سے آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر دے تا کہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے- کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف پہلے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ‘ اسی سے سب ہلاک ہو گئے- ابو وائل کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک نقل ہے- عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد کو بھیجتے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا- یہ روایت ترمذی‘ نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے- جیسے کہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں گذرا- مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آئیں‘ آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے- چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے- آپ نے فرمایا عائشہؓ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی‘ ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا- صحیح بخاری مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ جب کبھی آسمان کے کسی کنارے سے ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ ''خدایا میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے''- پس اگر کھل جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا ''خدایا اسے نفع دینے والا اور برسنے والا بنا دے''-

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جب ہوائیں چلتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَآ اَرْسَلْتَ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَآ اَرْسَلْتَ بِهٖ ''یا اللہ! میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں''- اور جب ابر اٹھتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا‘ کبھی اندر کبھی باہر‘ کبھی آتے کبھی جاتے‘ جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکرمندی دور ہو جاتی- حضرت عائشہؓ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہؓ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا- سورۂ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا اور حضرت ہودؑ کا پورا واقعہ گذر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں دہراتے- فللہ الحمد و المنہ- طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے- یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی‘ وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے اور سب ہلاک ہو گئے‘ ہوا کے خزانچیوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ نکلی جا رہی تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا
وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ
وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٢٦ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ

مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا
نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ
ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾

بالیقین ہم نے قوم عاد کو وہ مقدور دیئے تھے جو تمہیں تو دیئے بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان' آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی تو نفع نہ پہنچایا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی ○ یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تا کہ وہ رجوع کر لیں ○ پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی' بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے بلکہ دراصل یہ ان کا محض جھوٹ اور بالکل بہتان تھا ○

مغضوب شدہ قوموں کی نشاندہی : ☆☆ (آیت:۲۶-۲۸) ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کو جو اسباب دنیوی مال و اولاد وغیرہ۔ ہماری طرف سے دیئے گئے تھے ویسے تو تمہیں اب تک مہیا بھی نہیں' ان کے بھی کان' آنکھیں اور دل تھے لیکن جس وقت انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذابوں کا مذاق اڑایا تو بالآخر ان کے ظاہری اسباب انہیں کچھ کام نہ آئے اور وہ سزائیں ان پر برس پڑیں جن کی یہ ہمیشہ ہنسی کرتے رہے تھے' پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے' ایسا نہ ہو کہ ان کے سے عذاب تم پر بھی آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اے اہل مکہ! تم اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں نیست و نابود کر دی گئی ہیں اور کس طرح انہوں نے اپنے کرتوت کے بدلے پائے ہیں۔ احقاف جو یمن کے پاس ہے' حضرموت کے علاقہ میں ہے یہاں کے بسنے والے عادیوں کے انجام پر نظر ڈالو' تمہارے اور شام کے درمیان ثمودیوں کا جو حشر ہوا' اسے دیکھو' اہل یمن اور اہل مدین کی قوم سبا کے نتیجہ پر غور کرو' تم تو اکثر غزوات اور تجارت وغیرہ کے لئے وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو' بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاصل کرو' وہ بھی تمہارے راستے میں ہی پڑتا ہے۔

پھر فرماتا ہے ہم نے اپنی نشانیوں اور آیتوں کو خوب واضح اور ظاہر کر دیا ہے تا کہ لوگ برائیوں سے بھلائیوں کی طرف لوٹ آئیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے خدائے تعالیٰ کے سوا جن جن معبودان باطل کی پرستش شروع کر رکھی تھی' گو اس میں ان کا اپنا خیال یہ تھا کہ اس کی وجہ سے ہم قرب الٰہی حاصل کریں گے لیکن کیا ہمارے عذابوں کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی' انہوں نے ان کی کسی طرح مدد کی؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کی احتیاج اور مصیبت کے وقت وہ گم ہو گئے' ان سے بھاگ گئے' ان کا پتہ بھی نہ چلا۔ الغرض ان کا پوجنا صریح غلطی تھی' غرض جھوٹ تھا اور صاف افتراء اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے' پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکے میں اور نقصان میں ہی رہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ
فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾

اور یاد کر جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا وہ قرآن سن رہے تھے' پس جب نبی کے پاس پہنچ گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ' پھر جب ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو آگاہ کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے ○

طائف سے واپسی پر جنات نے کلام الٰہی سنا' شیطان بوکھلایا: ☆☆ (آیت:۲۹) مسند امام احمد میں حضرت زبیرؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے' رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے' یہ سب جنات سمٹ کر آپ کے ارد گرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے - ابن عباس کی روایت میں ہے کہ یہ جنات نصیبین کے تھے' تعداد میں سات تھے - کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ نہ تو حضورؐ نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا' آپ تو اپنے صحابہؓ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے' ادھر یہ ہوا تھا کہ شیاطین کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے -

شیاطین نے آ کر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے' جاؤ تلاش کرو پس یہ نکل کھڑے ہوئے - ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ ﷺ سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کی نماز پڑھا رہے تھے' ان کے کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے - اس کے بعد انہوں فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے - یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے' ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں - اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سورۂ جن میں دی - یہ حدیث بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ہے -

مسند میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جنات وحی الٰہی سنا کرتے تھے' ایک کلمہ جب ان کے کان میں پڑ جاتا تو وہ اس میں دس اور ملا لیا کرتے' پس وہ ایک تو حق نکلتا باقی سب باطل نکلتے اور اس سے پہلے ان پر تارے پھینکے نہیں جاتے تھے - پس جب حضورؐ مبعوث ہوئے تو ان پر شعلہ باری ہونے لگی' یہ اپنے بیٹھنے کی جگہ پہنچتے اور ان پر شعلہ گرتا اور یہ ٹھہر نہ سکتے - انہوں نے آ کر ابلیس سے یہ شکایت کی تو اس نے کہا کہ کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے - چنانچہ اس نے اپنے لشکروں کو اس کی تحقیقات کے لئے چوطرف پھیلا دیا' انہوں نے نبی ﷺ کو نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا اور جا کر اسے خبر دی - اس نے کہا بس یہی وجہ ہے جو آسمان محفوظ کر دیا گیا اور تمہارا جانا بند ہوا - یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی ہے - حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کی خبر تک رسول اللہ ﷺ کو نہ تھی جب آپ پر وحی آئی تب آپ نے یہ معلوم کیا - سیرت ابن اسحاق میں محمد بن کعب کا ایک لمبا بیان منقول ہے جس میں حضورؐ کا طائف جانا' انہیں اسلام کی دعوت دینا' ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے - حضرت حسنؒ نے اس دعا کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس تنگی کے وقت کی تھی جو یہ ہے ''اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی صَدِیْقٍ قَرِیْبٍ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَكَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ یُّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ یَحُلَّ بِیْ سَخَطُكَ وَلَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ'' یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کسمپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں - اے ارحم الراحمین! تو دراصل سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے' میرا پالنہار بھی تو ہی ہے' تو مجھے کس کو سونپ رہا ہے' کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے یا کسی قرب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہو اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس درد دکھ کی کوئی پرواہ نہیں' لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھ تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے' میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین و دنیا کے تمام امور کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے تجھ سے اس

بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر آ جائے مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی مدد سے ہے"۔ اسی سفر کی واپسی میں آپ نے نخلہ میں رات گذاری اور اسی رات قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نصیبین کے جنوں نے آپ کو سنا' یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ جنات کا کلام اللہ شریف سننے کا واقعہ وحی شروع ہونے کے زمانے کا ہے۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اوپر بیان کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اور آپ کا طائف جانا اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کے بعد ہوا ہے جو ہجرت کے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے' جیسے کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی شیبہ میں ان جنات کی گنتی نو کی ہے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں' پس یہ روایت اور اس سے پہلے کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا اقتضاء یہ ہے کہ اس مرتبہ جو جن آئے تھے ان کی موجودگی کا حضور کو علم نہ تھا' یہ تو آپ کی بے خبری میں ہی آپ کی زبانی قرآن سن کر واپس لوٹ گئے' اس کے بعد بطور وفد فوجیں کی فوجیں اور جتھے کے جتھے ان کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جیسے کہ اس ذکر کے احادیث و آثار اپنی جگہ آ رہے ہیں' ان شاء اللہ۔ بخاری مسلم میں ہے حضرت عبدالرحمنؒ نے حضرت مسروقؒ سے پوچھا کہ جس رات جنات نے حضورؐ سے قرآن سنا تھا اس رات کس نے حضورؐ سے ان کا ذکر کیا تھا؟ تو فرمایا مجھ سے تیرے والد حضرت ابن مسعودؓ نے کہا ہے ان کی آگاہی حضور کو ایک درخت نے دی تھی' تو ممکن ہے کہ یہ خبر پہلی دفعہ کی ہو اور اثبات کو ہم نفی پر مقدم مان لیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ سن رہے تھے آپ کو تو کوئی خبر نہ تھی یہاں تک کہ اس درخت نے آپ کو ان کے اجتماع کی خبر دی' واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے بعد والے کئی واقعات میں سے ایک ہو' واللہ اعلم۔

امام حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ تو نہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کو دیکھا نہ خاص ان کے سنانے کے لئے قرآن پڑھا' ہاں البتہ اس کے بعد جن آپ کے پاس آئے اور آپ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ عزوجل کی طرف بلایا' جیسے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اس کی روایتیں سنئے۔ حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضورؐ کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا' آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گذرا کرتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا' خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہو' وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آ رہے ہیں پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی ہے۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا' جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا چنانچہ آپ ہمیں لے کر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ شعبیؒ کہتے ہیں انہوں نے آپ سے توشہ طلب کیا' تو عامر کہتے ہیں یعنی مکے میں اور یہ جن جزیرے کے تھے تو آپؐ نے فرمایا ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھوں میں پہلے سے زیادہ گوشت والی ہو کر پڑے گی اور لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا۔ پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو' یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضور کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کر آئے تھے اور حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اسی شغل میں رات گذاری۔

ابن جریرؒ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج کی رات جنات کے امر میں میرے ساتھ رہے۔ پس میں موجود ہو گیا' آپ مجھے لے کر چلے' جب مکہ شریف کے اونچے کے حصے میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرأت شروع کی پھر تو اس قدر

جماعت آپ کے اردگرد ٹھٹ لگا کر کھڑی ہو گئی کہ میں تو آپ کی قرأت سننے سے بھی رہ گیا- پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے باقی رہ گئے، پس حضور صبح کے وقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے دور نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے وہ باقی کے کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ ہیں پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی- پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا- اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ جہاں حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بٹھایا تھا وہاں بٹھا کر فرما دیا تھا کہ خبردار یہاں سے نکلنا نہیں ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے-

ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے صبح کے وقت آ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا تم سو گئے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں اللہ کی قسم میں نے تو کئی مرتبہ چاہا کہ لوگوں سے فریاد کروں- لیکن میں نے سن لیا کہ آپ انہیں اپنی لکڑی سے دھمکا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ بیٹھ جاؤ- حضورؐ نے فرمایا اگر تم یہاں سے باہر نکلتے تو مجھے تو خوف تھا کہ ان میں کے بعض تمہیں اچک نہ لے جائیں- پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اچھا تم نے کچھ دیکھا بھی؟ میں نے کہا ہاں لوگ تھے سیاہ انجان خوفناک سفید کپڑے پہنے ہوئے- آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جن تھے انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا پس میں نے ہڈی اور لید کو بر دیا- میں نے پوچھا حضورؐ اس سے انہیں کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا ہر ہڈی ان کے ہاتھ لگتے ہی ایسی ہو جائے گی جیسی اس وقت تھی جب کھائی گئی تھی یعنی گوشت والی ہو کر انہیں ملے گی اور لید میں بھی وہ وہی دانے پائیں گے جو اس روز تھے جب وہ دانے کھائے گئے تھے، پس ہم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے نکل کر ہڈی، لید اور گوبر سے استنجاء نہ کرے- اس روایت کی دوسری سند میں ہے حضورؐ نے فرمایا پندرہ جنات جو آپس میں چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں آج رات مجھ سے قرآن سننے کے لئے آنے والے ہیں- اس میں ہڈی اور لید کے ساتھ کوئلہ کا لفظ بھی ہے- ابن مسعود فرماتے ہیں دن نکلے میں اسی جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے- اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا اژدھام ہو گیا تو ان کے سرداران نے کہا یا رسول اللہ! میں انہیں ادھر ادھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں، تو آپ نے فرمایا اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں- آپ فرماتے ہیں جنات والی رات میں مجھ سے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا حضورؐ پانی تو نہیں البتہ ایک ڈولچی میں نبیذ ہے تو حضورؐ نے فرمایا عمدہ کھجوریں اور پاکیزہ پانی (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

مسند احمد کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس سے وضو کراؤ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور فرمایا یہ تو پینے کی اور پاک چیز ہے، مسند احمد میں ہے کہ جب آپ لوٹ کر آئے تو سانس چڑھ رہا تھا- میں نے پوچھا حضورؐ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس میرے انتقال کی خبر آئی ہے- یہی حدیث قدرے زیادتی کے ساتھ حافظ ابونعیم کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے، اس میں ہے کہ میں نے یہ سن کر کہا پھر یا رسول اللہؐ! اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر جایئے- آپ نے کہا کس کو؟ میں نے کہا ابوبکرؓ کو- اس پر آپ خاموش ہو گئے- چلتے چلتے پھر کچھ دیر بعد یہی حالت طاری ہوئی- میں نے وہی سوال کیا آپ نے وہی جواب دیا- میں نے خلیفہ مقرر کرنے کو کہا آپ نے پوچھا کسے؟ میں نے کہا عمرؓ کو (رضی اللہ عنہ) اس پر آپ خاموش ہو گئے- کچھ دور چلنے کے بعد پھر یہی حالت اور یہی سوال جواب ہوئے اب کی مرتبہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تو آپ فرمانے لگے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر لوگ ان کی اطاعت کریں تو سب جنت میں چلے جائیں گے، لیکن یہ حدیث بالکل ہی غریب ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ محفوظ نہ ہو اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو اس واقعہ کو مدینہ کا واقعہ ماننا پڑے گا- وہاں بھی آپ کے پاس جنوں کے وفود آئے تھے جیسے کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے- اس لئے کہ آپ کا آخری وقت فتح مکہ کے بعد تھا جب کہ دین الٰہی میں انسانوں اور جنوں کی فوجیں کی فوجیں داخل ہو گئیں، اور سورۃ

اذا جاء الخ، اتر چکی جس میں آپ کو خبر انتقال دی گئی تھی، جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پر موافقت ہے۔ جو حدیثیں ہم اسی سورت کی تفسیر میں لائیں گے، ان شاء اللہ، واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن اس کی سند بھی غریب ہے اور سیاق بھی غریب ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ جنات جزیرہ موصل کے تھے، ان کی تعداد بارہ ہزار کی تھی۔ ابن مسعودؓ اس خط کشیدہ جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن جنات کے کھجوروں کے درختوں کے برابر قد و قامت وغیرہ دیکھ کر ڈر گئے اور بھاگ جانا چاہا لیکن فرمان رسولؐ یاد آ گیا کہ اس حد سے باہر نہ نکلنا۔ جب حضورؐ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس حد سے باہر آ جاتے تو قیامت تک ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو سکتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت جن کا ذکر آیت و اذ صرفنا الخ، میں ہے نینویٰ کی تھی، آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ انہیں قرآن سناؤں، تم میں سے میرے ساتھ کون چلے گا؟ اس پر سب خاموش ہو گئے، دوبارہ پوچھا پھر خاموشی رہی، تیسری مرتبہ دریافت کیا تو قبیلہ ہذیل کے شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تیار ہوئے، حضورؐ انہیں ساتھ لے کر حجون کی گھاٹی میں گئے۔ ایک لکیر کھینچ کر انہیں یہاں بٹھا دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ یہ دیکھنے لگے کہ گدھوں کی طرح کے زمین سے بالکل قریب اڑتے ہوئے کچھ جانور سے آ رہے ہیں، تھوڑی دیر بعد بڑا غل غپاڑہ سنائی دینے لگا یہاں تک کہ مجھے حضورؐ کی ذات پر ڈر لگنے لگا۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو میں نے کہا کہ حضورؐ یہ شور و غل کیا تھا؟ آپ نے فرمایا ان کے ایک مقتول کا قصہ تھا، جس میں یہ مختلف تھے، ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ واقعات صاف ہیں کہ حضورؐ نے قصداً جا کر جنات کو قرآن سنایا، انہیں اسلام کی دعوت دی اور جن مسائل کی اس وقت انہیں ضرورت تھی وہ سب بتا دیئے، ہاں پہلی مرتبہ جب جنات نے آپ کی زبانی قرآن سنا، اس وقت آپ کو نہ معلوم تھا نہ آپ نے انہیں سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا، جیسے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اس کی بعد وہ وفود کی صورت میں آئے اور حضورؐ عمداً تشریف لے گئے اور انہیں قرآن سنایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت نہ تھے جب کہ آپ نے ان سے بات چیت کی، انہیں اسلام کی دعوت دی۔ البتہ کچھ فاصلہ پر دور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ اس واقعہ میں سوائے حضرت ابن مسعودؓ کے اور کوئی نہ تھا اور دوسری تطبیق ان روایات میں جن میں ہے کہ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ تھے اور جن میں ہے کہ نہ تھے، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی دفعہ نہ تھے دوسری مرتبہ تھے۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی مروی ہے کہ نخلہ میں جن جنوں نے آپ سے ملاقات کی تھی وہ نینویٰ کے تھے اور مکہ شریف میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہ نصیبین کے تھے اور یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ ہم نے وہ رات بہت بری طرح بسر کی اس سے مراد ابن مسعود کے سوا اور صحابہؓ ہیں جنہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ حضورؐ جنات کو قرآن سنانے گئے ہیں۔ لیکن یہ تاویل ہے ذرا دور کی، واللہ اعلم۔ بیہقی میں ہے کہ حضورؐ کی حاجت اور وضو کے لئے آپ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ پانی کی ڈولچی لئے ہوئے جایا کرتے تھے، ایک دن یہ پیچھے پیچھے پہنچے۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ میں ابو ہریرہؓ ہوں۔ فرمایا میرے استنجے کے لئے پتھر لاؤ لیکن ہڈی اور لید نہ لانا۔ میں اپنی جھولی میں پتھر بھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے، جب آپ فارغ ہو چکے اور چلنے لگے میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور پوچھا حضور کیا وجہ ہے جو آپ نے ہڈی اور لید سے منع فرما دیا؟ آپ نے جواب دیا میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا تھا اور انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا تو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس لید اور ہڈی پر گذریں، اسے طعام پائیں۔

صحیح بخاری میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ پس یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جنات کا وفد

آپ کے پاس اس کے بعد بھی آیا تھا۔ اب ہم ان احادیث کو بیان کرتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ جنات آپ کے پاس کئی دفعہ حاضر ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے سوا بھی آپ سے دوسری سند سے مروی ہے، ابن جریر میں ہے آپ فرماتے ہیں یہ سات جن تھے نصیبین کے رہنے والے، انہیں اللہ کے رسولؐ نے اپنی طرف سے قاصد بنا کر جنات کی طرف بھیجا تھا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جنات تعداد میں سات تھے، نصیبین کے تھے۔ ان میں سے رسول اللہ ﷺ نے تین کو اہل حران سے کہا اور چار اہل نصیبین سے، ان کے نام یہ ہیں۔ حسی، حسا، منسی، ساحر، ناصر، الاردوبیان، الاحتم۔

ابوحمزہ ثمالیؒ فرماتے ہیں انہیں بنوشیصبان کہتے ہیں، یہ قبیلہ جنات کے اور قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ نو تھے ان میں سے ایک کا نام ردیعہ تھا، اصل نخلہ سے آئے تھے۔ بعض حضرات سے مروی ہے کہ یہ پندرہ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر آئے تھے اور ان کے سردار کا نام وردان تھا اور کہا گیا ہے کہ تین سو تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ بارہ ہزار تھے۔ ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ چونکہ وفود کئی ایک آئے تھے، ممکن ہے کہ کسی میں چھ، سات نو ہی ہوں، کسی میں زیادہ، کسی میں اس سے بھی زیادہ۔ اس پر دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جس چیز کی نسبت جب کبھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہو گی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی، ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے جو ایک حسین شخص گذرا، آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانہ میں ان لوگوں کا کاہن تھا، جانا ذرا اسے لے آنا، جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا، وہ کہنے لگا مسلمانوں میں اس ذہانت و فطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا، اس نے کہا بہت اچھا سنئے میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کا کاہن تھا، میرے پاس میرا جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا وہ سنئے۔ میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا جو وہ آ گیا اور سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا، کیا تو نے جنوں کی بربادی، مایوسی اور ان کے پھیلنے کے بعد سمٹ جانا اور ان کی درگت نہیں دیکھی؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے یہ سچا ہے، میں ایک مرتبہ ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا، ایک شخص نے وہاں ایک بچھڑا چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پرزور آواز آئی ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس نے کہا اے جلیح! نجات دینے والا امر آ چکا، ایک شخص ہے جو فصیح زبان سے لا الہ الا اللہ کی منادی کر رہا ہے۔ سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے لیکن میں وہی بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ کیا ہے؟ کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا۔ پس کچھ ہی دن گذرے تھے جو نبی ﷺ کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آوازیں اس ذبح شدہ بچھڑے سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر یہ آ بھی گیا ہے۔ لیکن باقی اور روایتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا۔ واللہ اعلم۔ امام بیہقیؒ نے یہی کہا ہے اور یہ کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے، اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا۔ جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو وہ میری کتاب سیرۃ عمرؓ دیکھ لے، واللہ الحمد والمنہ۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر نبویؐ پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے اسی میں پوچھا کیا سواد بن قارب یہاں موجود ہیں لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہی، اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براءؓ نے کہا سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے، ابھی یہ باتیں ہو رہی تھی جو حضرت سواد بن قاربؓ آ گئے، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ سناؤ۔

آپ نے فرمایا سنئے میں ہند گیا ہوا تھا' میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا میں اس وقت سویا ہوا تھا' مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا اٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہیں تو سن لے' سمجھ لے اور سوچ لے' قبیلہ لوی بن غالب میں سے اللہ کے رسولؐ معبوث ہو چکے ہیں' میں جناب کی حس اور ان کے بوریہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں' اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر۔ سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں' جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے پر نظر تو ڈال لے' مجھے پھر غنودگی سی آ گئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا اے سواد بن قارب! اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیج دیا ہے' تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو۔

دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا کر کہنے لگا مجھے جنات کے جستجو کرنے اور جلد جلد پالان اور جھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے' اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو مکے کا قصد کر۔ سمجھ لے کہ اس کے دونوں قدم اس کی دموں کی طرح نہیں' تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر۔ تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا' مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب آ رہا ہے' وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں' ان میں کے برے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے' تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو' مومن جنات کافروں کی طرح نہیں' تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعتاً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضورؐ کی وقعت اور محبت سے دل پر ہو گیا' میں نے اپنی سانڈنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کئے سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال۔ مجھے دیکھتے ہی یکبارگی اللہ کے پیغمبرؐ نے فرمایا سواد بن قارب کو مرحبا ہو' آؤ' ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو۔ میں نے کہا حضورؐ میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے فرمایا سواد شوق سے کہو۔ تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے'' میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی' تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں' میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کرتا یہاں تک پہنچ ہی گیا' اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی رب نہیں' اور آپ اللہ کے امانتدار رسولؐ ہیں' آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے' اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد! اے تمام رسولوں سے بہتر رسول! جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو' ناممکن کہ ہم اسے ٹال دیں' آپ قیامت کے دن ضرور میرے سفارشی بننا کیونکہ وہاں بجز آپ کے سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہو گا؟'' اس پر حضورؐ بہت ہنسے اور فرمانے لگے سواد تم نے فلاح پا لی۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی ترے پاس آتا ہے اس نے کہا جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی اور اب جس حدیث کو ہم حافظ ابو نعیمؒ کی کتاب دلائل النبوۃ سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں بھی جنات کا وفد حضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن غیلان ثقفی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ جس رات جنات کا وفد حاضر حضورؐ ہوا تھا اس رات حضورؐ کے ساتھ آپ بھی تھے؟ جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنایئے۔ فرمایا صفہ والے مساکین صحابہؓ کو لوگ اپنے اپنے ساتھ شام کا کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا۔ میرے پاس حضورؐ کا گذر ہوا' پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعودؓ۔ فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا کہ تم بھی کھا لیتے؟ میں نے جواب دیا نہیں کوئی نہیں لے گیا۔ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا۔ میں ساتھ

ہولیا، آپ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں گئے میں باہر ہی ٹھہر گیا تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضورؐ فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی، تم اپنی خوابگاہ چلے جاؤ۔ میں واپس مسجد میں آ گیا اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا لپیٹ کر سو گیا تھوڑی ہی دیر گذری ہو گی جو وہی لونڈی پھر آئیں اور کہا رسول اللہؐ آپ کو یاد فرما رہے ہیں، ساتھ ہولیا اور مجھے امید پیدا ہو گئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا۔ جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضورؐ گھر سے باہر تشریف لائے، آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک تر چھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا جو اللہ نے چاہا ہو، تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوئے پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا، تھوڑی دیر میں بقیع غرقد جا پہنچے، پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایت میں گذر چکا ہے، اس کی سند غریب ہے اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ دلائل النبوۃ میں حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں رسول مقبول ﷺ نے صبح کی نماز ادا کی اور لوٹ کر لوگوں سے کہا آج رات کو جنات کے وفد کی طرف تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا؟ کسی نے جواب نہ دیا، تین مرتبہ فرمان پر بھی کوئی نہ بولا۔ حضورؐ میرے پاس سے گذرے اور میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے چلے، مدینہ کے پہاڑوں سے بہت آگے نکل کر صاف چٹیل میدان میں پہنچ گئے، اب نیزوں کے برابر لانبے لانبے قد کے آدمی نیچے نیچے کپڑے پہنے ہوئے آنے شروع ہوئے۔ میں تو انہیں دیکھ کر مارے ڈر کے کانپنے لگا۔ پھر اور واقعہ مثل حدیث ابن مسعودؓ کے بیان کیا۔ یہ حدیث بھی غریب ہے، واللہ اعلم۔

اسی کتاب میں ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے، راستے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ سانپ راستے میں لوٹ رہا ہے اور اس سے مشک کی خوشبو اڑ رہی ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم تو سب جاؤ میں یہاں ٹھہر جاتا ہوں دیکھوں تو اس سانپ کا کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ چل دیئے اور میں ٹھہر گیا۔ تھوڑی ہی دیر گذری ہو گی جو وہ سانپ مر گیا، میں نے ایک سفید کپڑا لے کر اس میں لپیٹ کر راستے کے ایک طرف دفن کر دیا اور رات کے کھانے کے وقت اپنے قافلے میں پہنچ گیا۔ اللہ کی قسم میں بیٹھا ہوا تھا جو چار عورتیں مغرب کی طرف سے آئیں، ان میں سے ایک نے پوچھا عمرو کو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا کہ کون عمرو؟ اس نے کہا تم میں سے کسی نے ایک سانپ کو دفن کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے دفن کیا ہے، کہنے لگی قسم ہے اللہ کی تم نے بڑے روزے دار بڑے پختہ نمازی کو دفن کیا ہے جو تمہارے نبی کو مانتا تھا اور جس نے آپ کو نبی ہونے سے چار سو سال پیشتر آسمان سے آپ کی صفت سنی تھی۔ ابراہیم کہتے ہیں اس پر ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر حج سے فارغ ہو کر جب ہم فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچے اور میں نے آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا اس عورت نے سچ کہا۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مجھ پر ایمان لایا تھا میری نبوت کے چار سو سال پہلے، یہ حدیث بھی غریب ہے واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے کہ دفن کفن کرنے والے حضرت صفوان بن معطلؓ تھے، کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو یہاں دفن کئے گئے یہ ان نو جنات میں سے ایک ہیں جو حضورؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے وفد بن کر آئے تھے، ان کا انتقال ان سب سے اخیر میں ہوا۔ ابونعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المومنین میں ایک جنگ میں تھا، میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب میں انہیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا وہاں گیا دیکھا تو بہت سے سانپ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور بعض سے اسلام کی خوشبو آ رہی ہے، پس میں نے ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک زرد رنگ کے دبلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی، میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفنا دیا، اب میں چلا

جارہا تھا جو میں نے ایک آواز سنی کہ اے اللہ کے بندے تجھے اللہ کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلہ بنو شعیبان اور بنو قیس میں سے تھے' ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے۔ انہیں میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبانی وحی الٰہی سنی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص! اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجب واقعہ دیکھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔ اب آیت کی تفسیر سنئے' ارشاد ہے کہ جب ہم نے تیری طرف جنات کے ایک گروہ کو پھیرا جو قرآن سن رہا تھا۔ جب وہ حاضر ہوگئے اور تلاوت شروع ہونے کو تھی تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ ادب سکھایا کہ خاموشی سے سنو۔ ان کا ایک اور ادب بھی حدیث میں آیا ہے' ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے سورۂ رحمان کی تلاوت کی پھر فرمایا کیا بات ہے؟ جو تم سب خاموش ہی رہے' تم سے تو بہت اچھے جواب دینے والے جنات ثابت ہوئے' جب بھی میرے منہ سے انہوں نے آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سنی انہوں نے جواب میں کہا وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ اَوْنَعِمِكَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔

پھر فرماتا ہے جب فراغت حاصل کی گئی۔ قضی کے معنی ان آیتوں میں بھی یہی ہیں فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ اور فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ اور فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ وہ اپنی قوم کو دھمکانے اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے واپس ان کی طرف چلے۔ جیسے اللہ عزوجل وعلا کا فرمان ہے۔ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ الخ' یعنی وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب واپس اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو انہیں بھی ہوشیار کردیں' بہت ممکن ہے کہ وہ بچاؤ اختیار کرلیں۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں بھی اللہ کی باتوں کو پہنچانے والے اور ڈرسنانے والے ہیں لیکن ان میں سے رسول نہیں بنائے گئے۔ یہ بات بلاشبہ ثابت ہے کہ جنوں میں پیغمبر نہیں ہیں۔

فرمان باری ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا الخ' یعنی "ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب بستیوں کے رہنے والے انسان ہی تھے جن کی طرف ہم اپنی وحی بھیجا کرتے تھے" اور آیت میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ یعنی تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے"۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ والصلوۃ والسلام کی نسبت قرآن میں ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ یعنی "ہم نے ان کی اولاد میں نبوۃ اور کتاب رکھ دی' پس آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی نسل میں سے ہوئے ہیں"۔ لیکن سورۂ انعام کی آیت یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یعنی "اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم سے رسول نہیں آئے تھے؟ اس کا مطلب اور اس سے مراد یہ دونوں جنس ہیں پس اس کا مصداق ایک جنس ہی ہوسکتی ہے' جیسے فرمان ہے یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ "یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے' حالانکہ دراصل ایک میں سے ہی نکلتا ہے"۔

قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۲۰ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۲۱ وَمَنْ لَّا یُجِبْ

دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَہٗ مِنْ
دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۳۲

کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے' جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' جو سچے دین کی اور راہ راست کی رہبری کرتی ہے ○ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو' اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا ○ اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں بھاگ کر اللہ کو تھکا نہیں سکتا اور نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے' یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○

ایمان دار جنوں کی آخری منزل: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) اب بیان ہو رہا ہے جنات کے اس وعظ کا جو انہوں نے اپنی قوم میں کیا- فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو سنا ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے- حضرت عیسیٰ کی کتاب انجیل کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ دراصل توراۃ کو پورا کرنے والی تھی- اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے- حرام حلال کے مسائل بہت کم تھے' پس اصل چیز توراۃ ہی رہی' اسی لئے ان مسلم جنات نے اسی کا ذکر کیا اور اسی بات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ورقہ بن نوفل نے جس وقت حضور کی زبانی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اول دفعہ آنے کا حال سنا تو کہا تھا کہ واہ واہ یہ تو وہ مبارک وجود اللہ کے بھیدی کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے' کاش کہ میں اور کچھ زمانہ زندہ رہتا' الخ'- پھر قرآن کی اور صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلی تمام آسمانی کتابوں کو سچا بتلاتا ہے' وہ اعتقادی مسائل اور اخباری مسائل میں حق کی جانب رہبری کرتا ہے اور اعمال میں راہ راست دکھاتا ہے- قرآن میں دو چیزیں ہیں یا خبر یا طلب' پس اس کی خبر سچی اور اس کی طلب عدل والی- جیسے فرمان ہے وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا یعنی تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے لحاظ سے بالکل پورا ہی ہے- اور آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا ہے' پس ہدایت نفع دینے والا علم ہے اور دین حق نیک عمل ہے' یہی مقصد جنات کا تھا- پھر کہتے ہیں اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو- اس میں دلالت ہے اس امر کی کہ رسول اللہ ﷺ جن وانس کی دونوں جماعتوں کی طرف اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں- اس لئے کہ آپ نے جنات کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ سورت پڑھی جس میں ان دونوں جماعتوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نام احکام جاری فرمائے ہیں اور وعدہ وعید بیان کیا ہے' یعنی سورۂ الرحمٰن- پھر فرماتے ہیں ایسا کرنے سے وہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا- لیکن یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لفظ من کو زائدہ نہ مانیں' چنانچہ ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے اور قاعدے کے مطابق اثبات کے موقع پر لفظ من بہت ہی کم زائد آتا ہے اور اگر زائد مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں اپنے المناک عذابوں سے رہائی دے گا- اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایماندار جنوں کو بھی جنت نہیں ملے گی ہاں عذاب سے وہ چھٹکارا پالیں گے' یہی ان کی نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اور اگر اس سے زیادہ مرتبہ بھی انہیں ملنے والا ہوتا تو اس مقام پر یہ مومن جن اسے ضرور بیان کر دیتے-

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مومن جن جنت میں نہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ ابلیس کی اولاد سے ہیں اور اولاد ابلیس جنت میں نہیں جائے گی- لیکن حق یہ ہے کہ مومن جن مثل ایماندار انسانوں کے ہیں اور وہ جنت میں جگہ پائیں گے جیسا کہ سلف کی ایک جماعت کا

مذہب ہے، بعض لوگوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ یعنی حوران بہشتی کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان کا ہاتھ لگا نہ کسی جن کا۔ لیکن اس استدلال میں نظر ہے، اس سے بہت بہتر استدلال تو اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے ولِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ یعنی جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لئے دو دو جنتیں ہیں، پھر اے جنو اور انسانو! تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ان کے نیک کار کا بدلہ جنت ہے اور اس آیت کو سن کر مسلمان انسانوں سے بہت زیادہ شکریہ مسلمان جنوں نے کیا اور اسے سنتے ہی کہا کہ اللہ ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کے انکاری نہیں، ہم تیرے بہت بہت شکر گذار ہیں، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے سامنے ان پر وہ احسان جتایا جائے جو اصل انہیں ملنے کا نہیں۔ اور بھی ہماری ایک دلیل سنئے، جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے، تو مومن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے جو مقام فضل ہے، بلکہ یہ بہت زیادہ لائق اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل ہیں جن میں عام طور پر ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، مثلاً اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا وغیرہ وغیرہ یعنی ایمانداروں کا مہمان خانہ یقیناً جنت فردوس ہے۔ الحمد للہ میں نے اس مسئلہ کو بہت کچھ وضاحت کے ساتھ اپنی ایک مستقل تصنیف میں بیان کر دیا ہے۔ اور سنئے جنت کا تو یہ حال ہے کہ ایمانداروں کے کل کے داخل ہو جانے کے بعد بھی اس میں بے حد و حساب جگہ بچ رہے گی اور پھر ایک نئی مخلوق پیدا کر کے انہیں اس میں آباد کیا جائے گا، پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایماندار اور نیک عمل والے جنات جنت میں نہ بھیجے جائیں اور سنئے یہاں باتیں بیان کی گئی ہیں گناہوں کی بخشش اور عذابوں سے رہائی اور جب یہ دونوں چیزیں ہیں تو یقیناً یہ مستلزم ہیں دخول جنت کو۔ اس لئے کہ آخرت میں یا جنت ہے یا جہنم، پس جو شخص جہنم سے بچا لیا گیا وہ قطعاً جنت میں جانا چاہئے اور کوئی نص صریح یا ظاہر اس بات کے بیان میں وارد نہیں ہوئی کہ مومن جن باوجود دوزخ سے بچ جانے کے جنت میں نہیں جائیں گے، اگر کوئی اس قسم کی صاف دلیل ہو تو بیشک ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ واللہ اعلم۔

نوح علیہ السلام کو دیکھئے اپنی قوم سے فرماتے ہیں اللہ تمہارے گناہوں کو (بوجہ ایمان لانے کے) بخش دے گا اور ایک وقت مقرر تک تمہیں مہلت دے گا۔ تو یہاں بھی دخول جنت کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ بالاتفاق وہ سب جنتی ہیں، پس اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے، اب چند اور اقوال بھی اس مسئلہ میں سن لیجئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیچ جنت میں تو یہ پہنچیں گے نہیں البتہ کناروں پر اور ادھر ادھر رہیں گے، بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انہیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں پئیں گے نہیں صرف تسبیح و تحمید و تقدیس ان کا طعام ہو گا جیسے فرشتے، اس لئے کہ یہ بھی انہیں کی جنس سے ہیں، لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے اور سب بے دلیل ہیں۔ پھر مومن واعظ فرماتے ہیں کہ جو اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے گا وہ زمین میں اللہ کو ہرا نہیں سکتا، بلکہ قدرت الٰہی اس پر شامل اور اسے گھیرے ہوئے ہے، اس کے عذابوں سے انہیں کوئی بچا نہیں سکتا، یہ کھلے بہکاوے میں ہیں، خیال فرمایئے کہ تبلیغ کا یہ طریقہ کتنا پیارا اور کس قدر موثر ہے، رغبت بھی دلائی اور دھمکایا بھی، اسی لیے ان میں سے اکثر ٹھیک ہو گئے اور قافلے کے قافلے اور فوجیں کی فوجیں بن کر کئی کئی بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ جیسے کہ پہلے مفصلاً ہم نے بیان کر دیا ہے جس پر ہم جناب باری کے احسان کے شکر گذار ہیں، واللہ اعلم۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
وَلَمْ يَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى
إِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۗ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے ○ بے شک وہ ایسا ہی ہے وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی حق ہے۔ اللہ فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے کے عذاب کا مزہ چکھو ○

(آیت: ۳۳-۳۴) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد جینے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں، یہ نہیں دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کل آسمانوں اور تمام زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش نے اسے کچھ نہ تھکایا بلکہ صرف ''ہو جا'' کے کہنے سے ہی ہو گئیں، کون تھا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا مخالفت کرتا بلکہ حکم برداری سے راضی خوشی ڈرتے دبتے سب موجود ہو گئے، کیا اتنی کامل قدرت وقوت والا مردوں کے زندہ کر دینے کی سکت نہیں رکھتا؟ چنانچہ دوسری آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بھاری اور مشکل اور بہت بڑی اہم پیدائش آسمان وزمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے سمجھ ہیں۔ جب زمین وآسمان کو اس نے پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کر دینا، خواہ ابتدأ ہو خواہ دوبارہ ہو اس پر کیا مشکل ہے؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے اور انہی میں سے موت کے بعد زندہ کرتا ہے کہ اس پر بھی وہ صحیح طور پر قادر ہے۔ پھر اللہ جل وعلا کافروں کا دھمکاتا ہے کہ قیامت والے دن جہنم میں ڈالے جائیں اس سے پہلے جہنم کے کنارے پر انہیں کھڑا کر کے ایک مرتبہ پھر لا جواب اور بے حجت کیا جائے گا اور کہا جائے گا کیوں جی ہمارے وعدے اور یہ دوزخ کے عذاب اب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک وشبہ اور انکار وتکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں، تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں ہو گئیں؟ جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا درحقیقت صحیح نہیں؟ اب سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑے گا جواب دیں گے کہ ہاں ہاں سب حق ہے جو کہا گیا تھا وہی نکلا، قسم اللہ کی اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں۔ اللہ فرمائے گا۔ اب دو گھڑی پہلے کے کفر کا مزہ چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ
لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْا إِلَّا سَاعَةً
مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۹

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو، یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے تھے، یہ ہے پیغام پہنچا دینا، بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا ○

(آیت: ۳۵) پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا، آپ کی قدر نہ کی، آپ کی مخالفت کی،

ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہی ہے؟ اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کرو کہ کیسی کیسی ایذائیں، مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور کن کن زبردست مخالفوں کی مخالفت کو صبر سے برداشت کیا، ان رسولوں کے نام یہ ہیں، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہم اجمعین۔ انبیاء کے بیان میں ان کے نام خصوصیت سے سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ میں مذکور ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو مِنَ الرُّسُلِ کا مِن بیان جنس کے لئے ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا، پھر بھوکے ہی رہے پھر روزہ رکھا، پھر بھوکے ہی رہے اور پھر روزہ رکھا پھر فرمانے لگے عائشہؓ محمدؐ اور آل محمدؐ کے لائق تو دنیا ہے ہی نہیں۔ عائشہ دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں سے اپنے تئیں بچائے رکھنے کا حکم اولوالعزم رسول کئے گئے اور وہی تکلیف مجھے بھی دی گئی ہے جو ان عالی ہمت رسولوں کو دی گئی تھی۔ قسم اللہ کی میں بھی انہی کی طرح اپنی طاقت بھر صبر وسہار سے ہی کام لوں گا، اللہ کی قوت کے بھروسے پر یہ بات زبان سے نکال رہا ہوں۔ پھر فرمایا اے نبیؐ! یہ لوگ عذابوں میں مبتلا کئے جائیں اس کی جلدی نہ کرو۔ جیسے اور آیت میں ہے وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُكَذِّبِيۡنَ الخ مجھے اور ان جھٹلانے والوں پیٹ بھروں مالداروں کو چھوڑ دے اور انہیں کچھ مہلت دے۔ اور فرمان ہے فَمَهِّلِ الۡكَافِرِيۡنَ یعنی کافروں کو مہلت دو، انہیں تھوڑی دیر چھوڑ دو۔ پھر فرماتا ہے جس دن یہ ان چیزوں کا مشاہدہ کرلیں گے جن کے وعدے آج دیئے جاتے ہیں اس دن انہیں یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دنیا میں صرف دن کا کچھ ہی حصہ گذارا ہے۔ اور آیت میں ہے۔ كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَهَا لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰهَا یعنی جس دن یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی گذاری تھی وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یعنی جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے۔ پھر فرمایا پہنچا دینا ہے۔ اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کا ٹھہرنا صرف ہماری طرف سے ہماری باتوں کے پہنچا دینے کے لئے تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ قرآن صرف پہنچا دینے کے لئے ہے۔ یہ کھلی تبلیغ ہے۔ پھر فرماتا ہے سوائے فاسقوں کے اور کسی کو ہلاکی نہیں۔ یہ اللہ جل وعلا کا عدل ہے کہ جو خود ہلاک ہوا سے ہی وہ ہلاک کرتا ہے، عذاب اسی کو ہوتے ہیں جو خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذاب مہیا کرے اور اپنے آپ کو مستحق عذاب کردے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر سورة محمد

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۱﴾
وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّهُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَاَصۡلَحَ
بَالَهُمۡ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ
لِلنَّاسِ اَمۡثَالَهُمۡ ﴿۳﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ مہربان اور رحم کرنے والے کے نام سے

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے ؛ اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے اور اس پر بھی یقین کیا جو محمدؐ پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف کا سچا دین بھی وہی ہے اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیئے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی ○ یہ اس لئے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے' اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے ○

(آیت: ۱-۳) ارشاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے خود بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور دوسروں کو بھی راہ خدا سے روکا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے' ان کی نیکیاں بیکار ہو گئیں جیسے فرمان ہے ہم نے ان کے اعمال پہلے ہی غارت و برباد کر دیئے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے دل سے اور مطابق شرع اعمال کئے بدن سے' یعنی ظاہر باطن دونوں خدا کی طرف جھکا دیئے اور اس وحی الٰہی کو بھی مان لیا جو موجودہ آخرالزمان پیغمبر پر اتاری گئی ہے اور جو فی الواقع رب کی طرف سے ہی ہے اور جو سراسر حق و صداقت ہی ہے ان کی برائیاں برباد ہیں اور ان کے حال کی اصلاح کا ذمہ دار خود خدا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے نبی ہو چکنے کے بعد ایمان کی شرط آپ پر اور قرآن پر ایمان لانا بھی ہے۔ حدیث کا حکم ہے کہ جس کی چھینک پر حمد کرنے کا جواب دیا گیا ہو اسے چاہئے کہ یَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہے یعنی خدا تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت سنوار دے۔ پھر فرماتا ہے کفار کے اعمال غارت کر دینے کی اور مومنوں کی برائیاں معاف فرما دینے اور ان کی شان سوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کفار تو ناحق کو اختیار کرتے ہیں حق کو چھوڑ کر اور مومن ناحق کو پرے پھینک کر حق کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے انجام کو بیان فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ
اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ
مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾

جب کافروں سے گھمسان کا رن پڑ جائے تو گردنوں پر وار مارو۔ جب ان کا خوب کٹاؤ کر چکو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو پھر اختیار ہے کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا بدلہ لے کر تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن اس کی چاہت یہ ہے کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے لے' جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا ○

جب کفار سے میدان جہاد میں آمنا سامنا ہو جائے: ☆☆ (آیت: ۴) یہاں ایمانداروں کو جنگی احکام دیئے جاتے ہیں کہ جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے' دستی لڑائی شروع ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑاؤ' تلواریں چلا کر گردن دھڑ سے اڑا دو۔ پھر جب دیکھو کہ دشمن ہارا' اس کے آدمی کافی کٹ چکے تو باقی ماندہ کو مضبوط قید و بند کے ساتھ مقید کر لو' جب لڑائی ختم ہو چکے' معرکہ پورا ہو جائے پھر تمہیں اختیار ہے کہ قیدیوں کو بطور احسان بغیر کچھ لئے ہی چھوڑ دو اور یہ بھی اختیار ہے کہ ان سے تاوان جنگ وصول کرو پھر چھوڑو۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے غزوے کے بعد یہ آیت اتری ہے کیونکہ بدر کے معرکہ میں زیادہ تر مخالفین کو قید کرنے اور قید کرنے میں مسلمانوں پر عتاب کیا گیا تھا اور فرمایا تھا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى الخ' نبی کو لائق نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ ایک مرتبہ جی کھول کر مخالفین

میں موت کی گرم بازاری نہ ہو لے کیا تم دنیوی اسباب کی چاہت میں ہو؟ اللہ کا ارادہ تو آخرت کا ہے اور اللہ عزیز وحکیم ہے۔ اگر پہلے ہی سے خدا کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو تم نے لیا اس کی بابت تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ اختیار منسوخ ہے اور یہ آیت ناسخ ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الخ' یعنی حرمت والے مہینے جب گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ وہیں قتل کرو۔ لیکن اکثر علماء کا فرمان ہے کہ منسوخ نہیں۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یعنی یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینے کا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا۔ لیکن بعض کہتے ہیں قتل کر ڈالنے کا بھی اختیار ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ثمامہ بن اثال نے جب کہ وہ اسیری کی حالت میں تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تھا کہ کہو ثمامہ کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان رکھیں گے تو ایک شکر گذار پر احسان رکھیں گے اور اگر مال طلب کرتے ہیں تو جو آپ مانگیں گے مل جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کا ایک چوتھی بات کا بھی اختیار بتلاتے ہیں یعنی قتل کا' احسان کا' بدلے کا اور غلام بنا کر رکھ لینے کا۔ اس مسئلے کی بسط کی جگہ فروعی مسائل کی کتابیں ہیں اور ہم نے بھی خدا کے فضل وکرم سے کتاب الاحکام میں اس کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی بقول مجاہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔ ممکن ہے حضرت مجاہد کی نظریں اس حدیث پر ہوں جس میں ہے میری امت ہمیشہ حق کے ساتھ ظاہر رہے گی یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔

مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ حضرت سلمہ بن نفیل خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے میں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور ہتھیار الگ کر دیئے اور لڑائی نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور میں نے کہہ دیا کہ اب لڑائی ہے ہی نہیں۔ حضور نے انہیں فرمایا اب لڑائی آ گئی میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر ظاہر رہے گی جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے یہ ان سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے روزیاں دے گا یہاں تک کہ خدا کا امر آ جائے اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔ مومنوں کی زمین شام میں ہے۔ گھوڑوں کی ایال میں قیامت تک کے لئے خدا نے خیر رکھ دی ہے۔ یہ حدیث امام بغوی نے بھی وارد کی ہے اور حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے بھی۔ اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ اس آیت کو منسوخ نہیں بتلاتے گویا کہ یہ حکم مشروع ہے جب تک کہ لڑائی باقی رہے اور اس حدیث نے بتلایا کہ لڑائی قیامت تک باقی رہے گی یہ آیت مثل اس آیت کے ہے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ الخ' یعنی ان سے لڑتے رہو جب تک کہ فتنہ باقی ہے اور جب تک کہ دین اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں لڑائی کے ہتھیار رکھ دینے سے مراد شرک کا باقی نہ رہنا ہے اور بعض سے مروی ہے کہ مراد یہ ہے کہ مشرکین اپنے شرک سے توبہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کوششیں خدا کی اطاعت میں صرف کرنے لگ جائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو آپ ہی کفار کو برباد کر دیتا اپنے پاس سے ان پر عذاب بھیج دیتا لیکن وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزما لے اسی لئے جہاد کے احکام جاری فرمائے ہیں۔ سورۂ آل عمران اور برائت میں بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ آل عمران میں ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ' کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ بغیر اس بات کے کہ خدا جان لے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور تم میں سے صبر کرنے والے کون ہیں تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ سورۂ برائت میں ہے قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ الخ' ان سے جہاد کرو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کرے گا اور تمہیں ان پر نصرت عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینے شفا والے کر دے گا اور اپنے دلوں کے ولولے نکالنے کا انہیں موقع دے گا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اللہ بڑا علیم وحکیم ہے۔ اب چونکہ یہ بھی تھا کہ جہاد میں مومن بھی شہید ہوں

اس لئے فرماتا ہے کہ شہیدوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ثواب انہیں دیئے جائیں گے- بعض کو تو قیامت تک کے ثواب ملیں گے- مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ شہید کو چھ انعامات حاصل ہوتے ہیں- اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اس کے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں- اسے اس کا جنت کا مکان دکھلا دیا جاتا ہے اور نہایت خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے- وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہتا ہے- وہ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے- اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے- ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے- جو در و یاقوت کا جڑاؤ ہوتا ہے جس میں کا ایک یاقوت تمام دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے گراں بہا ہے- اسے بہتر حور عین ملتی ہیں اور اپنے خاندان کے ستر شخصوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے- یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے صحیح مسلم شریف میں ہے سوائے قرض کے شہیدوں کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں شہیدوں کے فضائل کی حدیثیں اور بھی بہت ہیں-

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝٥ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝٦
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ
اَقْدَامَكُمْ ۝٧ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝٨
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝٩

انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا ○ اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں شناسا کر دیا ہے ○ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا ○ اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا ○ یہ اس لئے کہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے یہ ناخوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے ○

(آیت: ۵-۹) پھر فرماتا ہے انہیں خدا جنت کی راہ سمجھا دے گا- جیسے یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ الخ، یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کے ایمان کے باعث ان کا رب انہیں ان جنتوں کی طرف رہبری کرے گا جو نعمتوں سے پر ہیں اور جن کے چپے چپے میں چشمے بہ رہے ہیں- اللہ ان کے حال اور ان کے کام سنوار دے گا اور جن جنتوں سے پہلے ہی وہ آگاہ چکا ہے اور جن کی طرف ان کی رہنمائی کر چکا ہے آخر انہی میں انہیں پہنچائے گا- یعنی ہر شخص اپنے مکان اور اپنی جگہ کو جنت میں اس طرح پہچان لے گا جیسے دنیا میں پہچان لیا کرتا تھا- انہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی، یہ معلوم ہوگا گویا شروع پیدائش سے یہیں مقیم ہیں- ابن ابی حاتم میں ہے کہ جس انسان کے ساتھ اس کے اعمال کا محافظ جو فرشتہ تھا وہی اس کے آگے آگے چلے گا جب یہ اپنی جگہ پہنچے گا تو از خود پہچان لے گا کہ میری جگہ یہی ہے یونہی پھر اپنی زمین میں سیر کرتا ہوا جب سب دیکھ چکے گا تب فرشتہ ہٹ جائے گا اور یہ اپنی لذتوں میں مشغول ہو جائے گا- صحیح بخاری کی مرفوع حدیث میں ہے جب مومن آگ سے چھوٹ جائیں گے تو جنت کے دوزخ کے درمیان ایک پل روک لئے جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر جو مظالم تھے ان کے بدلے اتار لئے جائیں گے جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی قسم خدا کی جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دنیوی گھر کی راہ جانتا ہے اور گھر کو پہچانتا ہے اس سے بہت زیادہ وہ لوگ اپنی منزل اور اپنی جگہ سے واقف ہوں گے پھر فرماتا ہے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا-

جیسے اور جگہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی کرے اس لئے کہ جیسا عمل ہوتا ہے اسی جنس کی جزا ہوتی ہے اور وہ تمہارے قدم بھی مضبط کردے گا حدیث میں ہے جو شخص کسی اختیار والے کے سامنے ایک ایسے حاجت مند کی حاجت پہنچائے جو خود وہاں نہ پہنچ سکتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے قدم مضبوطی سے جمادے گا۔ پھر فرماتا ہے کافروں کا حال بالکل برعکس ہے یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں گے۔ حدیث میں ہے دینار، درہم اور کپڑے لتے کا بندہ ٹھوکر کھا گیا' وہ برباد ہوا اور ہلاک ہوا۔ وہ اگر بیمار پڑ جائے تو خدا کرے اسے شفا بھی نہ ہو ایسوں کے نیک اعمال بھی اکارت ہیں اس لئے کہ یہ قرآن وحدیث سے ناخوش ہیں نہ اس کی عزت وعظمت ان کے دل میں نہ ان کا قصد وتسلیم کا ارادہ۔ پس ان کے جو کچھ اچھے کام تھے اللہ نے انہیں بھی غارت کردیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿١١﴾ ع ١

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ نے انہیں ہلاک کردیا اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں ○ یہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لئے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں ○

تمام شہروں سے پیارا شہر: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسول کو جھٹلا رہے ہیں زمین کی سیر نہیں کی؟ جو یہ معلوم کرلیتے ہیں اور اپنی آنکھوں دیکھ لیتے ہیں کہ ان سے اگلے جو ان جیسے تھے ان کے انجام کیا ہوئے؟ کس طرح وہ تاخت وتاراج کردیئے گئے اور ان میں سے صرف اسلام وایمان والے ہی نجات پاسکے کافروں کے لئے اسی طرح کے عذاب آیا کرتے ہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے مسلمانوں کا خود خدا ولی ہے اور کفار بے ولی ہیں۔ اسی لئے احد والے دن مشرکین کے سردار ابوسفیان صخر بن حرب نے فخر کے ساتھ جب نبی ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفوں کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ پایا تو کہنے لگا کہ یہ سب ہلاک ہوگئے پھر اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور فرمایا جن کی زندگی تجھے خار کی طرح کھٹکتی ہے اللہ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی رکھا ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدر کے بدلے کا دن ہے اور لڑائی تو مثل ڈولوں کے ہے کبھی کوئی اوپر کبھی کوئی اوپر۔ تم اپنے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے ناک کان وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ لئے گئے ہیں میں نے ایسا حکم نہیں دیا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا پھر اس نے رجز کے اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے کہنے لگا اُعْلُ هُبَلْ اُعْلُ هُبَلْ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے پوچھا حضور کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ یعنی وہ کہتا تھا ہبل بت کا بول بالا ہو جس کے جواب میں کہا گیا سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت وکرم والا اللہ ہی ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارا عزیٰ (بت) ہے اور تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں بفرمان حضور کہا گیا اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَا لَكُمْ اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا مولا کوئی نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ

كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَكَاَيِّنْ مِّنْ
قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ
اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳

جولوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جولوگ منکر ہوئے ہیں وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپاؤں کے کھا رہے ہیں' ان کا اصل ٹھکانا تو جہنم ہے ○ ہم نے کتنی ایک بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے بہت زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا ہے ہلاک کر دیا ہے جن کا مددگار کوئی نہ اٹھا ○

(آیت: ۱۲-۱۳) پھر جناب باری خبر دیتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے دنیا میں تو خواہ کچھ یونہی سا نفع اٹھا لیں لیکن ان کا اصلی ٹھکانا جہنم ہے۔ دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور پیٹ بھرنا ہے اسے یہ لوگ مثل جانوروں کے پورا کر رہے ہیں جس طرح وہ ادھر ادھر منہ مار کر گیلا سوکھا پیٹ میں بھرنے کا ہی ارادہ رکھتا ہے اسی طرح یہ ہے کہ حلال حرام کی اسے کچھ تمیز نہیں پیٹ بھرنا مقصود ہے۔ حدیث شریف میں ہے "مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں جزا والے دن اپنے اس کفر کی پاداش میں ان کے لئے جہنم کی گونا گوں سزائیں ہیں۔ پھر کفار مکہ کو دھمکاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے کہ دیکھو جن بستیوں والے تم سے بہت زیادہ طاقت وقوت والے تھے ان کو ہم نے بہ سبب ہمارے نبیوں کے جھٹلانے اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے تہس نہس کر دیا تم جو ان سے کمزور اور کم طاقت ہو اس رسول کو جھٹلاتے اور ایذائیں پہنچاتے ہو جو خاتم الانبیاء اور سید الرسل ہیں سمجھ لو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا؟ مانا کہ اس نبی رحمت کے مبارک وجود کی وجہ سے اگر دنیوی عذاب تم پر نہ بھی آئے تو اخروی زبردست عذاب تو تم سے دور نہیں ہو سکتے؟ جب اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ کو نکالا اور آپ نے غار میں آ کر اپنے تئیں چھپایا اس وقت مکہ کی طرف توجہ کی اور فرمانے لگے اے مکہ! تو تمام شہروں سے زیادہ پیارا خدا کو پیارا ہے اور اسی طرح مجھے بھی تمام شہروں سے زیادہ پیارا تو ہے اگر مشرکین مجھے تجھ میں سے نہ نکالتے تو میں ہرگز نہ نکلتا۔ پس تمام حد سے گذر جانے والوں میں سب سے بڑا حد سے گذر جانے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نکل جائے حرم خدا میں۔ یا اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا جاہلیت کے تعصب کی بنا پر قتل کرے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت اتاری۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ
وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ
اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ
وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ
وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ
هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵

کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کے لئے اس کا برا کام زینت دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟ ○ اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کو بڑی لذت ہے اور نہریں ہیں شہد کی جو بہت صاف ہے اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی ○

دودھ' پانی اور شہد کے سمندر : ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص دین خدا میں یقین کے درجے تک پہنچ چکا ہو' جسے بصیرت حاصل ہو چکی ہو' فطرت صحیحہ کے ساتھ ساتھ ہدایت و علم بھی ہو وہ اور وہ شخص جو بداعمالیوں کو نیک کاریاں سمجھ رہا ہو جو اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا ہوا ہو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جیسے فرمان ہے ''اَفَمَنۡ یَّعۡلَمُ اَنَّمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰی یعنی ''یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کی وحی کو حق ماننے والا اور ایک اندھا برابر ہو جائے''۔ اور ارشاد ہے لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ یعنی ''جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے جنتی کامیاب اور مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر جنت کے اور اوصاف بیان فرماتا ہے کہ اس میں پانی کے چشمے ہیں جو کبھی بگڑتا نہیں' متغیر نہیں ہوتا' سڑتا نہیں' نہ بدبو پیدا ہوتی ہے بہت صاف موتی جیسا ہے کوئی گدلا پن نہیں کوڑا کرکٹ نہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں' اس میں پانی کے علاوہ دودھ کی نہریں بھی ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا' بہت سفید بہت میٹھا اور نہایت صاف شفاف اور بامزہ پر ذائقہ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نہیں نکلا ہوا بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں' دماغ کشادہ کر دیں۔ جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی ہے نہ بدمنظر ہے۔ بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی' پینے میں بہت لذیذ' نہایت خوشبودار' جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں' نہ منہ سے بدبو آئے نہ بک جھک لگے نہ سر میں درد ہو نہ چکر آئیں نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں سے کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں۔ جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ' پانی' شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک حوض میں آتی ہیں وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔

طبرانی میں ہے حضرت لقیط بن عامر نے وہ جب وفد میں آئے تھے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ جنت میں کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشے کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والے دودھ کی نہریں اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوہ جات' عجیب و غریب' بے مثل و بالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی۔ دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں یہ نہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے۔ پھر فرماتا ہے وہاں ان کے لئے ہر طرح کے میوے اور پھل پھول ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ''یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِکُلِّ فَاکِهَةٍ اٰمِنِیْنَ'' الخ' یعنی' وہاں نہایت امن و امان کے ساتھ ہر قسم کے میوے وہ منگوائیں گے اور کھائیں گے اور آیت میں ہے'' کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ'' الخ' دونوں جنتوں میں ہر ہر قسم کے میووں کے جوڑ ہیں۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب خوش ہے' وہ اپنی مغفرت ان کے لئے حلال کر چکا ہے۔ انہیں نواز چکا ہے اور ان سے راضی ہو چکا ہے' اب کوئی کھٹکا ہی نہیں۔ جنتوں کی یہ دھوم دھام اور نعمتوں کے بیان کے بعد فرماتا ہے کہ دوسری جانب جہنمیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہنم کے درکات میں جل بھلس رہے ہیں اور وہاں سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں اور سخت پیاس کے موقع پر وہ کھولتا ہوا گرم پانی جو دراصل آگ ہی ہے لیکن بہ شکل پانی انہیں پینے کے لئے ملتا ہے کہ ایک گھونٹ اندر جاتے ہی آنتیں کٹ جاتی ہیں۔ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر بھلا اس کا اس کا کیا میل؟ کہاں جنتی کہاں جہنمی؟ کہاں نعمت کہاں زحمت؟ یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ
قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ
اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ
اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ
لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾ ع ٨

ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ تیری طرف کان لگائے ہیں یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کند ذہنی کے) پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں ○ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ○ پس یہ تو صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے' پس یقیناً اس کی بھی علامتیں تو آ چکی ہیں' پھر جبکہ ان کے پاس قیامت آ جائے انہیں نصیحت حاصل کرنا ہو گا؟ ○ سو اے نبی! تو یقین کر لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گناہوں کی بخشش مانگا کر اور مومن مردوں اور عورتوں کے حق میں بھی' اللہ تمہاری آمد و رفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے ○

بے وقوف' کند ذہن اور جاہل: ☆☆ (آیت:۱٦-۱۹) منافقوں کی کند ذہنی اور بے علمی' ناسمجھی اور بے وقوفی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود مجلس میں شریک ہونے کے' کلام الرسول سن لینے کے پاس' بیٹھے ہونے کے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مجلس کے خاتمے کے بعد اہل علم صحابہ سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت کیا کیا کہا؟ یہ ہیں جن کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ فہم صریح اور قصد صحیح ہے ہی نہیں پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ ہدایت کا قصد کرتے ہیں انہیں خود خدا بھی توفیق دیتا ہے اور ہدایت نصیب

فرماتا ہے پھر اس پر جم جانے کی ہمت بھی عطا فرماتا ہے اور ان کی ہدایت بڑھاتا رہتا ہے اور انہیں رشد و ہدایت الہام فرماتا رہتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ تو اسی انتظار میں ہیں کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے - تو یہ معلوم کر لیں کہ اس کے قریب ہونے کے نشانات تو ظاہر ہو چکے ہیں جیسے اور موقع پر ارشاد ہوا ہے هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى الخ' یہ ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں سے قریب آنے والی قریب آ چکی ہے اور بھی ارشاد ہوتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قیامت قریب ہو گئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمایا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ الخ' لوگوں کا حساب قریب آ گیا پھر بھی وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں پس حضور کا نبی ہو کر دنیا میں آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے' اس لئے کہ رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنی حجت اپنی مخلوق پر پوری کی اور حضور علیہ السلام نے قیامت کی شرطیں اور اس کی علامتیں اس طرح بیان فرما دیں کہ آپ سے پہلے کے کسی نبی نے اس قدر وضاحت نہیں کی تھی جیسے کہ اپنی جگہ وہ سب بیان ہوئی ہیں-

حسن بصری فرماتے ہیں حضور کا آنا قیامت کی شرطوں میں سے ہے چنانچہ خود آپ کے نام حدیث میں یہ آئے ہیں- نبی التوبہ' نبی الملحہ' حاشر جس کے قدموں پر لوگ جمع کئے جائیں' عاقب جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو- بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نے اپنی بیچ کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر فرمایا میں اور قیامت مثل ان دونوں کے بھیجے گئے ہیں- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں کو قیامت قائم ہو جانے کے بعد نصیحت و عبرت کیا سود مند ہو گی؟ جیسے ارشاد ہے يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى اس دن انسان نصیحت حاصل کر لے گا لیکن اس کے لئے نصیحت ہے کہاں؟ یعنی آن کے دن کی عبرت بے سود ہے- اور آیت میں ہے وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہم قرآن پر ایمان لائے حالانکہ اب انہیں ایسے دور مکان پر دسترس کہاں ہو سکتی ہے؟ یعنی ان کا ایمان اس وقت بے سود ہے پھر فرماتا ہے اے نبی! جان لو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے کوئی اور نہیں' یہ دراصل خبر دینا ہے اپنی وحدانیت کی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ اس کے علم کا حکم دیتا ہو- اسی لئے اس پر عطف ڈال کر فرمایا اپنے گناہوں کا اور مومن مرد و عورت کے گناہوں کا استغفار کرو-

صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ وَجَهْلِيْ وَاِسْرَافِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ هَزْلِيْ وَجِدِّيْ وَخَطَئِيْ وَعَمَدِيْ وَكُلُّ ذَالِكَ عِنْدِيْ یعنی ''اے اللہ! میری خطاؤں کو اور میری جہالت کو اور میرے کاموں میں مجھ سے جو زیادتی ہو گئی ہو اس کو اور ہر اس چیز کو جسے تو مجھ سے بہت زیادہ جاننے والا ہے بخش- اے اللہ! میرے بے قصد گناہوں کو اور میرے عزم سے کئے ہوئے گناہوں کو اور میری خطاؤں اور میرے قصد کو بخش اور یہ تمام میرے پاس ہے'' - ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ اپنی نماز کے آخر میں کہتے ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَفْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ اِلٰهِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ یعنی ''اے اللہ! میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں اور جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں اور جو زیادتی کی ہے اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے' تو ہی میرا اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں- ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! اپنے رب کی طرف توبہ کرو پس تحقیق میں اپنے رب کی طرف استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر ہر دن ستر بار سے بھی زیادہ- مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن سرخس فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کے ساتھ آپ کے کھانے میں سے کھانا کھایا' پھر میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ آپ کو بخشے- آپ نے فرمایا اور تجھے بھی' تو میں نے کہا کیا میں آپ کے لئے استغفار کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اپنے لئے بھی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اپنے

گناہوں اور مومن مردوں اور باایمان عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کر پھر میں نے آپ کے داہنے کھوے یا بائیں ہتھیلی کو دیکھا وہاں کچھ جگہ ابھری ہوئی تھی جس پر گویا تل تھے- اسے مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے- ابو یعلی میں ہے حضور نے فرمایا تم لا الہ الا اللہ کا اور استغفر اللہ کا کہنا لازم پکڑو اور انہیں بکثرت کہا کرو اس لئے کہ ابلیس کہتا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے ان دونوں کلموں سے ہلاک کیا- میں نے جب یہ دیکھا تو انہیں خواہشوں کے پیچھے لگا دیا پس وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں- ایک اور اثر میں ہے کہ ابلیس نے کہا خدایا! مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم جب تک کسی شخص کی روح اس کے جسم میں ہے میں اسے بہکاتا رہوں گا پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے بھی قسم ہے اپنی بزرگی اور بڑائی کی کہ میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں- استغفار کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں- پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا دن میں ہیر پھیر اور تصرف کرنا اور تمہارا رات کو جگہ پکڑنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے-

جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ یعنی ''اللہ وہ ہے جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتا ہے''- اور آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ الخ یعنی ''زمین پر جتنے بھی چلنے والے ہیں ان سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ ان کے رہنے کی جگہ اور دفن ہونے کا مقام جانتا ہے یہ سب باتیں واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہیں''- ابن جریج کا یہی قول ہے کہ مراد آخرت کا ٹھکانا ہے- سدی فرماتے ہیں تمہارا چلنا پھرنا دنیا میں اور تمہاری قبروں کی جگہ اسے معلوم ہے لیکن اول قول ہی اولیٰ اور زیادہ ظاہر ہے- واللہ اعلم-

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِىِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝٢٠

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟ پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو ○

ایمان کی دلیل حکم جہاد کی تعمیل ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مومن تو جہاد کے حکم کی تمنا کرتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ جہاد کو فرض کر دیتا ہے اور اس کا حکم نازل فرما دیتا ہے تو اس سے اکثر لوگ ہٹ جاتے ہیں- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ یعنی کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن لوگوں سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم پر تو نے جہاد کیوں فرض کر دیا تو نے ہم کو قریب کی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی؟ تو کہہ کہ دنیا کی متاع بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر بالکل ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا- پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایمان والے تو جہاد کے حکموں کی آیتوں کے نازل ہونے کی تمنا کرتے ہیں- لیکن منافق لوگ جب ان آیتوں کو سنتے ہیں تو بوجہ اپنی گھبراہٹ بوکھلاہٹ اور نامردی کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرح تجھے دیکھنے لگتے ہیں جیسے موت کی غشی والا-

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ
خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي
الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

پس بہت بہتر تھا ان کے لئے فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا' پھر جب کام مقرر ہو جائے تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لئے بہتری ہے ○ اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو ○ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی گئی ○

(آیت:۲۱-۲۳) فرماتا ہے ان کے حق میں بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ سنتے مانتے اور جب موقعاً آ جاتا معرکہ کارزار گرم ہوتا تو نیک نیتی کے ساتھ جہاد کر کے اپنے خلوص کا ثبوت دیتے پھر فرمایا قریب ہے کہ تم جہاد سے رک رہو اور اس سے بچنے لگو تو زمین میں فساد کرنے لگو اور صلہ رحمی توڑنے لگو یعنی زمانہ جاہلیت میں جو حالت تمہاری تھی وہی تم میں لوٹ آئے۔ پس فرمایا ایسوں پر خدا کی پھٹکار ہے اور یہ رب کی طرف سے بہرے اندھے ہیں۔ اس میں زمین میں فساد کرنے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا حکم فرمایا ہے صلہ رحمی کے معنی ہیں قرابت داروں سے بات چیت میں کام کاج میں سلوک و احسان کرنا اور ان کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا۔ اس بارے میں بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں مروی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوا اور رحمٰن سے چمٹ گیا اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے ٹوٹنے سے تیری پناہ میں آنے کا۔ اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابوہریرہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ۔ ایک اور سند سے ہے کہ خود حضورؐ نے فرمایا۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا برا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بہت بڑی پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی' بغاوت اور قطع رحمی کے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور روزی کشادہ ہو وہ صلہ رحمی کرے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میرے نزدیکی قرابت دار مجھ سے توڑتے رہتے ہیں اور میں انہیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو تم سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے تو صلہ رحمی پر ہی رہ اور یاد رکھ کہ جب تک تو اس پر باقی رہے گا اللہ کی طرف سے تیرے ساتھ ہی ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا۔ بخاری وغیرہ میں ہے حضور نے فرمایا صلہ رحمی عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناطے ملانے والا وہ ہے کہ گو تو اسے کاٹتا جائے وہ تجھ سے ملاتا جائے۔ مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی' اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کے' وہ بہت صاف اور تیز زبان سے بولے گی پس وہ کاٹ دیا جائے گا جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملا دیا جائے گا جو

اسے ملاتا تھا- مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے- تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا- رحم رحمان کی طرف سے ہے اس کے ملانے والے کو خدا ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو خدا خود توڑ دیتا ہے- یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے تو آپ فرمانے لگے تم نے صلہ رحمی کی ہے-

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ
ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى
الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ
كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

کیا یہ قرآن میں غور و تامل نہیں کرتے؟ بلکہ ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں ○ جو لوگ اپنی پیٹھ پر الٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے لئے مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے ○ یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا ہے یہ کہا کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں گے، اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے ○

حضور فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے میں رحمان ہوں اور رحم کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے- اسے جوڑنے والے کو میں جوڑوں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں توڑ دوں گا اور حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں روحیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں یگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے یہاں بھی دوری رہتی ہے- حضور فرماتے ہیں جب زبانی دعوے بڑھ جائیں، عملی کام گھٹ جائیں، زبانی میل جول ہو، دلی بغض و عداوت ہو، رشتے دار رشتے دار سے بدسلوکی کرے، اس وقت ایسے لوگوں پر لعنت خدا نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں- اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں- واللہ اعلم-

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں غور و فکر کرنے، سوچنے سمجھنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس سے بے پرواہی کرنے اور منہ پھیر لینے سے روکتا ہے- پس فرماتا ہے کہ غور و تامل تو کجا ان کے تو دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں کوئی کلام اس میں اثر بھی نہیں کرتا، اندر جائے تو اثر کرے اور جائے کہاں سے جبکہ جانے کی راہ نہ پائے- ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے ایک نوجوان یمنی نے کہا بلکہ ان پر ان کے قفل ہیں جب تک خدا نہ کھولے اور الگ نہ کرے پس حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات رہی یہاں تک کہ اپنی خلافت کے زمانے میں اس سے مدد لیتے رہے- پھر فرماتا ہے جو لوگ ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد ایمان سے الگ ہو گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے دراصل شیطان نے اس کار بد کو ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے- دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے ان کے اس نفاق کی جو ان کے دل میں تھا، جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا کرنے کے لئے ان سے باطن میں باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے گھبراؤ نہیں ابھی ابھی ہم بھی بعض امور میں تمہارا ساتھ دیں گے- لیکن یہ باتیں

اس خدا سے تو چھپ نہیں سکیں جو اندرونی اور بیرونی حالات سے یکسر اور یکساں واقف ہو' جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

پس ان کی کیسی درگت ہوگی جبکہ فرشتے ان کے چہروں اور ان کی کمروں پر مار ماریں گے ○ یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو بیزار کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا' پس اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے ○

(آیت: ۲۷-۲۸) پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی اور ملائکہ جبراً قہراً ڈانٹ جھڑک اور مار پیٹ سے انہیں باہر نکالیں گے۔ جیسے ارشاد باری ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ یعنی'' کاش کہ تو دیکھتا جبکہ ان کافروں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہوئے ان کے منہ پر طمانچے اور ان کی پیٹھ پر مکے مارتے ہیں''۔ اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الخ' یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ ظالم سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ ان کی طرف مارنے کے لئے پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو! آج تمہیں ذلت کے عذاب کئے جائیں گے' اس لئے کہ تم خدا کے ذمے ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیتوں میں تکبر کرتے تھے''۔ یہاں ان کا گناہ بیان کیا گیا کہ ان کاموں اور باتوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے جن سے خدا ناخوش ہو اور خدا کی رضا سے کراہیت کرتے تھے۔ پس ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ
اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ
فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى
نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا ہے اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ڈھب سے ہی پہچان لے گا' تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں ○ یقیناً ہم تمہارا امتحان کر کے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو صاف معلوم کر لیں گے اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کریں گے ○

منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو : ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۱) یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں؟ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کر دے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بدباطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت کچھ احوال سورۂ براٗت میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضحہ رکھ دیا گیا یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی۔ اَضْغَان جمع ہے ضغن کی ضغن کہتے ہیں دلی

حسد و بغض کو- اس کے بعد اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ اے نبی! اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان جاؤ- لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کو بتلا نہیں دیا تا کہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے' ان کے عیوب پوشیدہ رہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے لیکن ہاں تم ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ڈھنگ سے ہی انہیں صاف پہچان لو گے-

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے- حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے' وہ بہتر ہے اور تو بدتر ہے- ہم نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی نفاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں- حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی تعیین آ چکی ہے- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جا- اے فلاں! کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے- پھر فرمایا ''تم میں'' یا ''تم میں سے'' منافق ہیں پس اللہ سے ڈرو- اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوا تھا' آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا خدا تجھے غارت کرے- پھر فرمایا ہے ہم حکم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خوب آزما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے- یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز اور ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں تو یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے اسی لئے حضرت ابن عباس اس جیسے مواقع پر لنعلم کے معنی کرتے تھے لنری یعنی تا کہ ہم دیکھ لیں-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ
وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝٣٢ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝٣٣ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝٣٤ فَلَا
تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ
يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝٣٥

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسولؐ کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ یقیناً ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے' عنقریب ان کے اعمال وہ غارت کر دے گا ○ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے یقین کر لو کہ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا ○ پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر اس حال میں نہ اتر آؤ کہ تم ہی بلند و غالب ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے ○

نیکیوں کو غارت کرنے والی برائیوں کی نشاندہی: ☆☆ (آیت: ۳۲-۳۵) اللہ سبحانہ وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے' راہ خدا کی

بندش کرنے والے رسول کی مخالفت کرنے والے ہدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے خدا کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں ۔ کل قیامت والے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہوگی ۔ جس طرح نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اسی طرح ان کے بدترین جرم و گناہ نے نیکیاں برباد کر دیں ۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الصلوۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہ کا خیال تھا کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اس پر آیت اطیعوا اللہ اتری اب اصحاب رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو باطل نہ کر دیں ۔

دوسری سند سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال کو برباد کرنے والی چیز کبیرہ گناہ اور برائیاں ہیں یہاں تک کہ آیت ان اللہ لا یغفر الخ نازل ہوئی ۔ اب اس بارے میں کوئی بات کہنے سے رک گئے اور کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر انہیں خوف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے امید رہتی تھی ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مرتد ہونے سے روک رہا ہے جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے ۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ خدا سے روکنے والے اور کفر ہی میں مرنے والے خدا کی بخشش سے محروم ہیں ۔ جیسے فرمان ہے کہ خدا شرک کو نہیں بخشتا ۔ اس کے بعد جناب باری عز اسمہ فرماتا ہے کہ اے میرے مومن بندو! تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو حالانکہ قوت و طاقت میں، زور و غلبہ میں، تعداد و اسباب میں تم قوی ہو ۔ ہاں جبکہ کافر قوت میں تعداد میں اسباب میں تم سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح میں ہی دیکھے تو ایسے وقت بیشک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے جیسے کہ خود رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر کیا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر معاہدہ کر لیا ۔ پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت و خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اس وجہ سے نصرت و فتح تمہاری ہی ہے تم یقین مانو کہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں عنایت فرمائے گا ۔ واللہ اعلم ۔

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَإِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا
يُؤْتِكُمْ أُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ إِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا
فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ
تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ
وَمَنْ يَّبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ
الْفُقَرَآءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا
يَكُوْنُوْٓا أَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۱۰ ۸

زندگانی دنیا تو صرف کھیل کود ہے، اگر تم یقین کرو گے اور بچ کر چلو گے تو اللہ تمہیں ثواب دے گا، وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگتا ○ اگر وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم اس وقت بخیلی کرنے لگو گے اور وہ بخیلی تمہارے کینے ظاہر کر دے گی ○ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ بلائے جاتے ہو کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو،

پھر تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم فقیر اور محتاج ہو اور اگر تم روگرداں ہو جاؤ گے تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے ○

سخاوت کے فائدے اور بخل کے نقصانات: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۸) دنیا کی حقارت اور اس کی قلت و ذلت بیان ہو رہی ہے کہ اس سے بجز کھیل تماشے کے اور کچھ حاصل حصول نہیں ہاں جو کام خدا کے لئے کئے جائیں وہ باقی رہ جاتے ہیں - پھر فرماتا ہے کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے تمہارے بھلے کام تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں وہ تمہارے مالوں کا بھوکا نہیں' اس نے تمہیں جو خیرات کا حکم دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ تمہارے ہی غربا ءفقراء کی پرورش ہو اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو - پھر انسان کے بخل اور بخل کے بعد دلی کینے کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا مال کے نکالنے میں - یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مال انسان کو محبوب کو ہوتا ہے اور اس کا نکالنا اس پر گراں گذرتا ہے - پھر بخیلوں کی بخیلی کے وبال کا ذکر ہو رہا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال کو روکنا دراصل اپنا ہی نقصان کرنا ہے کیونکہ بخیلی کا وبال اسی پر پڑے گا - صدقے کی فضیلت اور اس کے اجر سے محروم بھی رہے گا - اللہ سب سے غنی ہے اور سب اس کے در کے بھکاری ہیں - غناء اللہ تعالیٰ کا وصف لازم ہے اور احتیاج مخلوق کا وصف لازم ہے' نہ یہ اس سے کبھی الگ ہوں نہ وہ اس سے -

پھر فرماتا ہے اگر تم اس کی اطاعت سے روگرداں ہو گئے' اس کی شریعت کی تابعداری چھوڑ دی تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور قوم لائے گا جو تم جیسی نہ ہو گی بلکہ وہ سننے اور ماننے والے حکم بردار نافرمانیوں سے بیزار ہوں گے - ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ نے پوچھا کہ حضور وہ کون لوگ ہیں جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے تو آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شانے پر رکھ کر فرمایا یہ اور ان کی قوم اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اسے فارس کے لوگ لے آتے - اس کے ایک راوی مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں بعض ائمہ جرح تعدیل نے کچھ کلام کیا ہے واللہ اعلم - الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ قتال کی تفسیر ختم ہوئی -

---

تفسیر سورة فتح

(تفسیر سورۂ فتح) صحیح بخاری' صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''فتح مکہ والے سال اثناء سفر میں راہ چلتے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر ہی سورۂ فتح کی تلاوت کی اور ترجیع سے پڑھ رہے تھے - اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کی تلاوت کی طرح ہی تلاوت کر کے تمہیں سنا دیتا'' -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيمًا ۝٢ وَيَنصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝٣

شروع اللہ نہایت مہربان و رحم والے کے نام سے ○

بیشک اے نبی! ہم نے تجھے ایک ظاہر فتح دی ہے ○ تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے رہے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اور تجھ پر اپنا احسان پورا پورا کرے اور تجھے سیدھی راہ چلائے ○ اور تجھے ایک زبردست مدد دے ○

(آیت: ۱-۳) ذی قعدہ سنہ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مدینہ سے مکہ کو چلے لیکن راہ میں مشرکین مکہ نے روک دیا اور مسجد الحرام کی زیارت سے مانع ہوئے، پھر وہ لوگ صلح کی طرف جھکے اور حضورؐ نے بھی اس بات پر کہ آپ اگلے سال عمرہ ادا کریں گے، ان سے صلح کر لی، جسے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پسند نہ کرتی تھی جس میں خاص قابل ذکر ہستی حضرت عمر فاروقؓ کی ہے آپ نے وہیں اپنی قربانیاں کیں اور لوٹ گئے، جس کا پورا واقعہ ابھی اسی سورت کی تفسیر میں آ رہا ہے، ان شاء اللہ۔ پس لوٹتے ہوئے راہ میں یہ مبارک سورت آپ پر نازل ہوئی، جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اس صلح کو باعتبار نتیجہ فتح کہا گیا۔ ابن مسعودؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ تم تو فتح فتح مکہ کو کہتے ہو لیکن ہم صلح حدیبیہ کو فتح جانتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم بیعت الرضوان کے واقعہ حدیبیہ کو فتح گنتے ہیں۔ ہم چودہ سو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس موقع پر تھے، حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا، ہم نے اس میں سے پانی اپنی ضرورت کے مطابق لینا شروع کیا، تھوڑی دیر میں پانی بالکل ختم ہو گیا، ایک قطرہ بھی نہ بچا، آخر پانی کے نہ ہونے کی شکایت حضورؐ کے کانوں تک پہنچی، آپ اس کنویں کے پاس آئے، اس کے کنارے بیٹھ گئے اور پانی کا برتن منگوا کر وضو کیا جس میں کلی بھی کی، پھر کچھ دعا کی اور وہ پانی اس کنویں میں ڈلوا دیا، تھوڑی دیر بعد جو ہم نے دیکھا تو وہ تو پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا، ہم نے بھی پیا، جانوروں نے بھی پیا، اپنی حاجتیں پوری کیں اور سارے برتن بھر لئے۔

مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ تین مرتبہ میں نے آپ سے کچھ پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا، اب تو مجھے سخت ندامت ہوئی اس امر پر کہ افسوس میں نے حضورؐ کو تکلیف دی، آپ جواب دینا نہیں چاہتے اور میں خواہ مخواہ سر ہوتا رہا۔ پھر مجھے ڈر لگنے لگا کہ میری اس بے ادبی پر میرے بارے میں کوئی وحی آسمان سے نہ نازل ہو، چنانچہ میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ میں نے سنا کوئی منادی میرے نام کی ندا کر رہا ہے، میں نے جواب دیا تو اس نے کہا چلو تمہیں حضورؐ یاد فرماتے ہیں، اب تو میرے ہوش گم ہو گئے کہ ضرور کوئی وحی نازل ہوئی اور میں ہلاک ہوا، جلدی جلدی حاضر حضورؐ ہوا تو آپ نے فرمایا گذشتہ شب مجھ پر ایک سورت اتری ہے جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحۡنَا الخ، کی تلاوت کی۔ یہ حدیث بخاری اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ الخ، نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ سنائی۔ صحابہؓ آپ کو مبارکباد دینے لگے اور کہا حضورؐ یہ تو ہوئی آپ کے لئے، ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت لِیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سے عَظِیۡمًا تک نازل ہوئی (بخاری و مسلم)

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قاری قرآن تھے فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آ رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو بھگائے لئے جا رہے ہیں، پوچھا کیا بات ہے معلوم ہوا کہ حضورؐ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے، آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی تھی۔ ایک صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے یہ فتح ہے۔ خیبر کی تقسیم صرف انہی پر کی گئی جو حدیبیہ میں موجود تھے، اٹھارہ حصے بنائے گئے، کل لشکر پندرہ سو کا تھا جس میں تین سو گھوڑ سوار تھے پس سوار کو دوہرا حصہ

ملا اور پیدل کو اکہرا۔ (ابوداؤد وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے آتے ہوئے ایک جگہ رات گذارنے کے لئے ہم اتر کر سو گئے تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے، دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بھی سوئے ہوئے ہیں، ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہئے کہ آپ خود جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے۔ اسی سفر میں حضورؐ کی اونٹنی کہیں گم ہو گئی ہم ڈھونڈھنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں نکیل اٹک گئی ہے اور وہ رکی کھڑی ہے، اسے کھول کر حضورؐ کے پاس لائے آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا، ناگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی، وحی کے وقت آپ پر بہت دشواری ہوتی تھی، جب وحی ہٹ گئی تو آپ نے ہمیں بتایا کہ آپ پر سورہ اِنَّا فَتَحۡنَا الخ، اتری ہے (ابوداؤد، نسائی، مسند احمد وغیرہ)

حضورؐ نوافل تہجد وغیرہ میں اس قدر وقت لگاتے کہ پیروں پر ورم چڑھ جاتا، تو آپ سے کہا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرما دیئے؟ آپ نے جواب دیا کیا پھر میں اللہ کا شکر گذار غلام نہ بنوں؟ (بخاری و مسلم) اور روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں (مسلم)

پس مبین سے مراد کھلی، صریح، صاف ظاہر ہے، اور فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کی وجہ سے بڑی خیر و برکت حاصل ہوئی، لوگوں میں امن وامان ہوا، مومن کافر میں بول چال شروع ہو گئی، علم اور ایمان کے پھیلانے کا موقع ملا، آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی، یہ آپ کا خاصہ ہے جس میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں۔ ہاں بعض اعمال کے ثواب میں یہ الفاظ اوروں کے لئے بھی آئے ہیں، اس میں حضورؐ کی بہت بڑی شرافت و عظمت ہے، آپ اپنے تمام کاموں میں بھلائی، استقامت اور فرمانبرداری الٰہی پر مستقیم تھے ایسے کہ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا۔

آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اکمل انسان اور دنیا اور آخرت میں کل اولاد آدم کے سردار اور رہبر تھے اور چونکہ حضورؐ سب سے زیادہ اللہ کے فرمانبردار اور سب سے زیادہ اللہ کے احکام کا لحاظ کرنے والے تھے اسی لئے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی تو آپؐ نے فرمایا اسے ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک لیا ہے، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج یہ کفار مجھ سے جو مانگیں گے دوں گا بشرطیکہ اللہ کی حرمت کی ہتک نہ ہو، پس جب آپؐ نے اللہ کی مان لی، صلح کو قبول کر لیا تو اللہ عزوجل نے فتح کی سورت اتاری اور دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتیں آپ پر پوری کیں اور شرع عظیم اور دین قدیم کی طرف آپ کی رہبری کی اور آپؐ کے خشوع خضوع کی وجہ سے اللہ نے آپ کو بلند و بالا کیا، آپ کی تواضع، فروتنی، عاجزی اور انکساری کے بدلے آپ کو عز و جاہ مرتبہ و منصب عطا فرمایا، آپؐ کے دشمنوں پر آپ کو غلبہ دیا، چنانچہ خود آپ کا فرمان ہے بندہ درگذر کرنے سے عزت میں بڑھ جاتا ہے اور عاجزی اور انکساری کرنے سے بلندی اور عالی رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ تو نے کسی کو جس نے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو ایسی سزا نہیں دی کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا
اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ
اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ
وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ﴿۵﴾ وَّ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ
وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآىِٕرَةُ
السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ
مَصِیْرًا ﴿۶﴾

وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں' آسمانوں اور زمین کے کل لشکر اللہ ہی کے ہیں' اور اللہ تعالیٰ دانا باحکمت ہے ○ انجام کار یہ ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے جن کے نیچے چشمے بہ رہے ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی کا حاصل کر لینا ہے ○ اور تا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب کرے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانیاں رکھنے والے ہیں' دراصل انہی پر برائی کا پھیرا ہے' اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کی اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے ○

اطمینان ورحمت : ☆☆ (آیت:۴-۶) سکینہ کے معنی ہیں اطمینان' رحمت اور وقار- فرمان ہے کہ حدیبیہ والے دن جن باایمان صحابہؓ نے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی بات مان لی' اللہ نے ان کے دلوں کو مطمئن کر دیا اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے- اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے- پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے لشکروں کی کمی نہیں' وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا- ایک فرشتے کو بھیج دیتا تو وہ ان سب کو برباد اور بے نشان کر دینے کے لئے بس تھا' لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ایمانداروں کو جہاد کا حکم دیا جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آ جائے' اس کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں ہوتا- اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے- پہلے یہ روایت گذر چکی ہے کہ صحابہؓ نے جب حضورؐ کو مبارک باد دی اور پوچھا کہ حضورؐ ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری' کہ مومن مرد وعورت جنتوں میں جائیں گے جہاں چپے چپے پر نہریں جاری ہیں اور جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ اور ان کی برائیاں دور اور دفع کر دے' انہیں ان کی برائیوں کی سزا نہ دے بلکہ معاف فرما دے درگذر کر دے' بخش دے' پردہ ڈال دے' رحم کرے اور ان کی قدردانی کرے' دراصل یہی اصل کامیابی ہے' جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ الخ' یعنی ''جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا''- پھر ایک اور وجہ اور غایت بیان کی جاتی ہے کہ اس لئے بھی کہ نفاق اور شرک کرنے والے مرد وعورت جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں بدظنی کرتے ہیں' رسولؐ اور اصحاب رسول کے ساتھ برے خیال رکھتے ہیں' یہ ہیں ہی کتنے؟ آج نہیں تو کل ان کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا' اس جنگ میں بچ

گئے تو اور کسی لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل اس برائی کا دائرہ انہی پر ہے۔ ان پر اللہ کا غضب ہے یہ رحمت الٰہیہ سے دور ہیں' ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹

اور اللہ ہی کے لئے لشکر آسمانوں اور زمین میں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ○ یقیناً ہم نے تجھے اظہار حق کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ تاکہ اے مسلمانو! تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح اور شام ○

(آیت: ۷) دوبارہ اپنی قوت' قدرت' اپنے اور اپنے بندوں کے دشمنوں سے انتقام لینے کی طاقت کو ظاہر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔

آنکھوں دیکھا گواہ رسول اللہ ﷺ : ☆☆ (آیت: ۸-۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے ہم نے تمہیں مخلوق پر شاہد بنا کر' مومنوں کو خوشخبریاں سنانے والا' کافروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس آیت کی پوری تفسیر سورۂ احزاب میں گذر چکی ہے۔ تاکہ اے لوگو! اللہ پر اور اس کے نبیؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی عظمت و احترام کرو' بزرگی اور پاکیزگی کو تسلیم کرو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صبح شام تسبیح کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تعظیم و تکریم بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل خود اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں۔

جیسے ارشاد ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کا کہا مانا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے' یعنی وہ ان کے ساتھ ہے' ان کی باتیں سنتا ہے' ان کا مکان دیکھتا ہے' ان کے ظاہر باطن کو جانتا ہے' پس دراصل رسولؐ کے واسطے سے ان سے بیعت لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' جیسے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے میں جنت انہیں دے دی ہے' وہ راہ اللہ میں جہاد کرتے ہیں' مرتے ہیں اور مارتے ہیں' اللہ کا یہ سچا وعدہ تورات و انجیل میں بھی موجود ہے اور اس قرآن میں بھی' سمجھ لو کہ اللہ سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہو گا؟ پس تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہو جانا چاہئے' دراصل سچی کامیابی یہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے راہ اللہ میں تلوار اٹھالی اس نے اللہ سے بیعت کر لی۔ دوسری حدیث میں ہے حجر اسود کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کھڑا کرے گا' اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہو گی جس سے بولے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہے اس کی گواہی دے گا' اسے بوسہ دینے والا دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والا ہے' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ
فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ
عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ ع ۱۰

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے' پھر جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو

شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر دے گا ○

(آیت:۱۰) پھر فرماتا ہے جو بیعت کے بعد عہد شکنی کرے اس کا وبال خود اسی پر ہوگا، اللہ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا اور جو اپنی بیعت کو نبھا جائے وہ بڑا ثواب پائے گا، یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے جو ایک ببول کے درخت تلے حدیبیہ کے میدان میں ہوئی تھی، اس دن بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد تیرہ سو، چودہ سو یا پندرہ سو تھی، ٹھیک یہ ہے کہ چودہ سو تھی، اس واقعہ کی حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

بخاری شریف میں ہے، ہم اس دن چودہ سو تھے، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے آپ نے اس پانی میں ہاتھ رکھا پس آپ کی انگلیوں کے درمیان سے اس پانی کی سوتیں ابلنے لگیں۔ یہ حدیث مختصر ہے اس حدیث سے جس میں ہے کہ صحابہ سخت پیاسے ہوئے، پانی تھا نہیں، حضورؐ نے انہیں اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا، انہوں نے جا کر حدیبیہ کے کنویں میں اسے گاڑ دیا، اب تو پانی جوش کے ساتھ ابلنے لگا یہاں تک کہ سب کو کافی ہو گیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس روز تم کتنے تھے؟ فرمایا چودہ سو، لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی اس قدر تھا کہ سب کو کافی ہو جاتا، بخاری کی روایت میں ہے کہ "پندرہ سو تھے" حضرت جابرؓ سے ایک روایت میں پندرہ سو بھی مروی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فی الواقع تھے تو پندرہ سو اور یہی حضرت جابرؓ کا پہلا قول تھا، پھر آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا، اور چودہ سو فرمانے لگے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سوا پندرہ سو تھے۔ لیکن آپ سے مشہور روایت چودہ سو کی ہے۔ اکثر راویوں اور اکثر سیرت نویس بزرگوں کا یہی قول ہے کہ چودہ سو تھے، ایک روایت میں ہے اصحاب شجرہ چودہ سو تھے اور اس دن آٹھواں حصہ مہاجرین کا مسلمان ہوا۔

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حدیبیہ والے سال رسول مقبول ﷺ اپنے ساتھ سات سو صحابہ کو لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مدینہ سے چلے، قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے، ہر دس اشخاص کی طرف سے ایک اونٹ۔ ہاں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ کے ساتھی اس دن چودہ سو تھے۔ ابن اسحاق اسی طرح کہتے ہیں اور یہ ان کے اوہام میں شمار ہے۔ بخاری و مسلم جو محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک ہزار کئی سو تھے، جیسے ابھی آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس بیعت کا سبب سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلوایا کہ آپ کو مکہ بھیج کر قریش کے سرداروں سے کہلوائیں کہ حضورؐ لڑائی بھڑائی کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آپ بیت اللہ شریف کے عمرے کے لئے آئے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہؐ! میرے خیال سے تو اس کام کے لئے آپ حضرت عثمانؓ کو بھیجیں کیونکہ مکہ میں میرے خاندان میں سے کوئی نہیں، یعنی بنو عدی بن کعب کا قبیلہ نہیں جو میری حمایت کرے، آپ جانتے ہیں کہ قریش سے میں نے کتنی کچھ اور کیا کچھ دشمنی کی ہے اور مجھ سے وہ کس قدر خار کھائے ہوئے ہیں، مجھے تو وہ زندہ ہی نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ حضورؐ نے اس رائے کو پسند فرما کر جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوسفیان اور سرداران قریش کے پاس بھیجا، آپ جا ہی رہے تھے کہ راستے میں یا مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص مل گیا اور اس نے آپ کو اپنے آگے اپنی سواری پر بٹھا لیا، اپنی امان میں انہیں اپنے ساتھ مکہ میں لے گیا، آپ قریش کے بڑوں کے پاس گئے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا کہ اگر آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیجئے آپ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے میں طواف کر لوں، اب ان لوگوں نے جناب ذوالنورین کو روک لیا، ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر مشور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا گیا، اس وحشت اثر خبر نے مسلمانوں کو اور خود اللہ کے رسولؐ کو بڑا صدمہ پہنچایا اور آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم بغیر فیصلہ کئے یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کو بلوایا اور ان سے بیعت لی، ایک درخت تلے یہ بیعت الرضوان ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں یہ بیعت موت پر لی تھی یعنی لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔ لیکن حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ موت پر بیعت نہیں لی تھی بلکہ اس اقرار پر کہ ہم لڑائی سے بھاگیں گے

نہیں۔ جتنے مسلمان صحابہؓ اس میدان میں تھے سب نے آپ سے بہ رضا مندی بیعت کی سوائے جد بن قیس کے، جو قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا، یہ اپنی اونٹنی کی آڑ میں چھپ گیا، پھر حضورؐ کو اور صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ غلط تھی، اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا، یہ لوگ ابھی یہیں تھے کہ بعض مسلمانوں اور بعض مشرکوں میں کچھ تیز کلامی شروع ہو گئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنگ باری اور تیر باری بھی ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ آمنے سامنے ہو گئے، ادھر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ وغیرہ کو روک لیا ادھر یہ لوگ رک گئے اور رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کر دی کہ روح القدس اللہ کے رسولؐ کے پاس آئے اور بیعت کا حکم دے گئے، آؤ اللہ کا نام لے کر بیعت کر جاؤ، اب کیا تھا مسلمان بے تابانہ دوڑے ہوئے، حاضر حضورؐ ہوئے، آپ اس وقت درخت تلے تھے سب نے بیعت کی اس بات پر کہ وہ ہرگز ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ موڑنے کا نام نہ لیں گے، اس سے مشرکین کانپ اٹھے اور جتنے مسلمان ان کے پاس تھے سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے۔ بیہقی میں ہے کہ بیعت کے وقت اللہ کے رسولؐ نے فرمایا الٰہی عثمانؓ تیرے اور تیرے رسولؐ کے کام کو گئے ہوئے ہیں پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا گویا حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی۔

پس حضرت عثمانؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھ سے بہت افضل تھا۔ اس بیعت میں سب سے پہل کرنے والے حضرت ابوسنان اسدی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا حضورؐ ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کر لوں، آپ نے فرمایا کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا جو آپ کے دل میں ہو اس پر۔ آپ کے والد کا نام وہب تھا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے لڑکے حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا دراصل واقعہ یوں نہیں۔ بات یہ ہے کہ حدیبیہ والے سال حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا کہ جا کر اپنے گھوڑے لے آؤ، اس وقت رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا یہ اپنے طور پوشیدگی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے دیکھا کہ حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے تو یہ بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر گھوڑا لینے گئے اور گھوڑا لا کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضور ﷺ بیعت لے رہے ہیں، اب جناب فاروقؓ آئے اور حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کا اسلام باپ سے پہلے کا ہے۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے لوگ الگ الگ درختوں تلے آرام کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ہر ایک کی نگاہیں حضورؐ پر ہیں اور لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، حضرت عبداللہؓ سے فرمایا جاؤ ذرا دیکھو تو کیا ہو رہا ہے؟ یہ آئے دیکھا کہ بیعت ہو رہی ہے تو بیعت کر لی پھر جا کر حضرت عمرؓ کو خبر کی، چنانچہ آپ بھی فوراً آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے بیعت کی ہے اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور آپ ایک ببول کے درخت تلے تھے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کو آپ کے سر سے اوپر کو اٹھا کر میں تھامے ہوئے تھا، ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ نہ بھاگنے پر۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم مرنے پر بیعت کی تھی، آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بیعت کر کے میں ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا حضورؐ میں نے تو بیعت کر لی آپ نے فرمایا خیر آؤ بیعت کرو چنانچہ میں نے قریب جا کر پھر بیعت کی۔

حدیبیہ کا وہ کنواں جس کا ذکر اوپر گذرا صرف اتنے پانی کا تھا کہ پچاس بکریاں بھی آسودہ نہ ہو سکیں، آپ فرماتے ہیں کہ دوبارہ

بیعت کر لینے کے بعد آپ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں بے سپر ہوں، تو آپ نے مجھے ایک ڈھال عنایت فرمائی پھر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی، پھر آخری مرتبہ میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہؐ پہلی مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی میں نے ان کے ساتھ ہی بیعت کی تھی پھر بیچ میں دوبارہ بیعت کر چکا ہوں، آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی چنانچہ اس آخری جماعت کے ساتھ بھی میں نے بیعت کی، آپ نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تمہیں ہم نے جو ڈھال دی تھی وہ کیا ہوئی؟ میں نے کہا یا رسول اللہؐ! حضرت عامرؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس دشمن کا وار روکنے کی کوئی چیز نہیں، میں نے وہ ڈھال انہیں دے دی تو آپ ہنسے اور فرمایا تم بھی اس شخص کی طرح ہو جس نے اللہ سے دعا کی کہ اے الٰہی! میرے پاس کسی کو بھیج دے جو مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔

پھر اہل مکہ سے صلح کی تحریک کی آمد و رفت ہوئی اور صلح ہو گئی، میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خادم تھا، ان کے گھوڑے کی اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مجھے کھانے کو دے دیتے تھے، میں تو اپنا گھربار، بال بچے، مال و دولت سب راہ اللہ میں چھوڑ کر ہجرت کر کے چلا آیا تھا۔ جب صلح ہو چکی ادھر کے لوگ ادھر، ادھر کے ادھر آنے لگے تو میں ایک درخت تلے جا کر کانٹے وغیرہ ہٹا کر اس کی جڑ سے لگ کر سو گیا، اچانک مشرکین مکہ میں سے چار شخص وہیں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات سے آپس میں باتیں کرنے لگے، مجھے بڑا برا معلوم ہوا میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے درخت تلے چلا گیا، ان لوگوں نے اپنے ہتھیار اتارے درخت پر لٹکا کر وہاں لیٹ گئے، تھوڑی دیر گذری ہو گی جو میں نے سنا کہ وادی کے نیچے کے حصہ سے کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ اے مہاجر بھائیو! حضرت دہیم قتل کر دیئے گئے، میں نے جھٹ سے تلوار تان لی اور اسی درخت تلے گیا جہاں وہ چاروں سوئے ہوئے تھے، جاتے ہی پہلے تو ان کے ہتھیار قبضے میں کئے اور اپنے ہاتھ میں انہیں دبا کر دوسرے ہاتھ سے تلوار تول کر ان سے کہا سنو اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے تم میں سے جس نے بھی سر اٹھایا میں اس کا سر قلم کر دوں گا، جب وہ اسے مان چکے، میں نے کہا اٹھو اور میرے آگے آگے چلو، چنانچہ ان چاروں کو لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ادھر میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مکرز نامی عبلات کے ایک مشرک کو گرفتار کر کے لائے اور بھی اسی طرح کے ستر مشرکین حضورؐ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تھے آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو، برائی کی ابتدا بھی انہیں کے سر رہے اور پھر اس کی تکرار کے ذمہ دار بھی یہی رہیں۔ چنانچہ سب کو رہا کر دیا گیا، اسی کا بیان آیت وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ الخ، میں ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کے والد بھی اس موقع پر حضورؐ کے ساتھ تھے آپ کا بیان ہے کہ اگلے سال جب ہم حج کو گئے تو اس درخت کی جگہ ہم پر پوشیدہ رہی، ہم معلوم نہ کر سکے کہ کس جگہ حضورؐ کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی تھی، اب اگر تم پر یہ پوشیدگی کھل گئی ہو تو تم جانو۔ ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت حضورؐ نے فرمایا آج زمین پر جتنے ہیں ان سب پر افضل تم لوگ ہو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس جگہ کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ ''جن لوگوں نے اس بیعت میں شرکت کی ہے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا'' ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جن لوگوں نے اس درخت تلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے سب جنت میں جائیں گے، مگر سرخ اونٹ والا، ہم جلدی سے دوڑے، دیکھا تو ایک شخص اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کی تلاش میں تھا، ہم نے کہا چل بیعت کر اس نے جواب دیا کہ بیعت سے زیادہ نفع تو اس میں ہے کہ میں اپنا گم شدہ اونٹ پالوں۔

مسند احمد میں ہے آپ نے فرمایا کون ہے جو ثنیۃ المرار پر چڑھ جائے، اس سے وہ دور ہو جائے گا جو بنی اسرائیل سے دور ہوا، پس

سب سے پہلے قبیلہ خزرج کے ایک صحابیؓ اس پر چڑھ گئے پھر تو اور لوگ بھی پہنچ گئے' پھر آپ نے فرمایا تم سب بخشے جاؤ گے مگر سرخ اونٹ والا' ہم اس کے پاس آئے اور اس سے کہا تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار طلب کریں تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم مجھے میرا اونٹ مل جائے تو میں زیادہ خوش ہوں گا بہ نسبت اس کے کہ تمہارے صاحب میرے لئے استغفار کریں' یہ شخص اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت حفصہؓ نے جب حضورؐ کی زبانی یہ سنا کہ اس بیعت والے دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے تو کہا ہاں ہوں گے' آپ نے انہیں روک دیا تو مائی صاحبہؓ نے آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا پڑھی یعنی تم میں سے ہر شخص کو اس پر وارد ہونا ہے' حضورؐ نے فرمایا اس کے بعد ہی فرمان باری ہے ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ یعنی پھر ہم تقویٰ والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں گرا دیں گے''۔ (مسلم)

حضرت حاطب بن ابو بلتعہؓ کے غلام حضرت حاطب کی شکایت لے کر حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! حاطب ضرور جہنم میں جائیں گے۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ جہنمی نہیں' وہ بدر میں اور حدیبیہ میں موجود رہا۔ ان بزرگوں کی ثنا بیان ہو رہی ہے کہ یہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے' اس بیعت کو توڑنے والا اپنا ہی نقصان کرنے والا ہے اور اسے پورا کرنے والا بڑے اجر کا مستحق ہے۔ جیسے فرمایا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہو گیا جب کہ انہوں نے درخت تلے تجھ سے بیعت کی' ان کے دلی ارادوں کو اس نے جان لیا پھر ان پر دلجمعی نازل فرمائی اور قریب کی فتح سے انہیں سرفراز فرمایا''۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا
وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ
بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ
ظَنَّ السَّوْءِ ښ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

جو بدوی لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور بال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے' یہ تو اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے' تو جواب دے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے؟ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب باخبر ہے ○ نہیں بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمان کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رچ گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا' دراصل تم لوگ ہو بھی بلاکت والے ○

مجاہدین کی کامیاب واپسی : ☆☆ (آیت:۱۱-۱۲) جو اعراب لوگ جہاد سے جی چرا کر رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کر دے گی اور جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے گئے ہیں

یہ تباہ ہو جائیں گے' بال بچوں سے ترس جائیں گے اور وہیں کاٹ ڈالے جائیں گے' جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ مع اپنے پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ہنسی خوشی واپس آ رہے ہیں تو اپنے دل میں مسودے گانٹھنے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے' یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی سے خبردار کر دیا کہ یہ بدباطن لوگ آ کر اپنے ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضورؐ بال بچوں اور کام کاج کی وجہ سے نکل نہ سکے ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں' ہماری جان تک حاضر ہے' اپنی مزید ایمانداری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپؐ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ تو آپ انہیں جواب دے دینا کہ تمہارا معاملہ سپرد اللہ ہے' وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے' اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے تصنع اور بناوٹ سے؟ تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی آگاہ ہے' ایک ایک عمل سے وہ باخبر ہے' اس پر کوئی چیز مخفی نہیں' دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطور نافرمانی کے ہی تھا۔ صاف طور پر تمہارا نفاق اس کا باعث تھا۔ تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں' اللہ پر بھروسہ نہیں' رسولؐ کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں' اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں' تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول ﷺ اور صحابہ رسولؐ کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے' ان کی بھوسی اڑا دی جائے گی' ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے' ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا' تم دراصل برباد شدہ لوگ ہو' کہا گیا ہے کہ بورالغت عمان ہے' جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے' اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنائے' اسے اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کرے گا' گو دنیا میں وہ بہ خلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۴

جو شخص اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے ○ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے' جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے' اللہ بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے ○

(آیت: ۱۳-۱۴) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ملک' اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک و متصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے' لیکن ہے غفور اور رحیم' جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا در کھٹکھٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے' خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں جب توبہ کرے اللہ قبول فرما لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵

جب تم غنیمتیں لینے کے لئے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے' چاہتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں' تو کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہرگز ہماری پیروی نہ کرو گے' وہ اس کا جواب دیں گے کہ نہیں نہیں بلکہ تم ہمارا حسد کرتے ہو' اصل بات یہ ہے کہ انہیں سمجھ بہت ہی کم ہے ○

مال غنیمت کے طالب: ☆☆ (آیت: ۱۵) ارشاد الٰہی ہے کہ جن بدوی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ کا ساتھ نہ دیا وہ جب حضورؐ کو اور ان صحابہ کو خیبر کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو' مصیبت کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے' راحت کو دیکھ کر شامل ہونا چاہتے ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا' جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالیٰ نے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کٹھن وقت پر ساتھ نہ دیں اور آرام کے وقت مل جائیں۔ ان کی چاہت ہے کہ کلام الٰہی کو بدل دیں' یعنی اللہ نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا' تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے اللہ کے اس وعدے میں مل جائیں تاکہ وہ بھی بدلا ہوا ثابت ہو جائے۔ ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم الٰہی ہے فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ الخ' یعنی ''اے نبی! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو' تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے پس اب ہمیشہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو'' لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ براءت کی ہے جو غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوہ تبوک غزوۂ حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے۔

ابن جریجؒ کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے۔ فرماتا ہے کہ انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو اس سے پہلے اللہ یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو' تم نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے۔ اللہ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی ناسمجھی ہے اور اسی ایک پر کیا موقوف ہے یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا
حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ
وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع ۷ ۱۰

تم پیچھے رہے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگ جو قوم کی جنگ کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا ○ اندھے پر کوئی

حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے درختوں تلے چشمے جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک عذاب کرے گا ○

(آیت: ۱۶-۱۷) وہ سخت لڑاکا قوم جس سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کون سی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ہوازن ہے' دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ثقیف ہے' تیسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیف ہے' چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں' پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں' چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں' بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی - حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں - ایک مرفوع حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی' ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے' حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں - ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بال دار ہوں گی' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں -

پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد و قتال تم پر مشروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا' اللہ تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے - پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لو گے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کرو گے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہوگا - پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھا پن اور لنگڑا پن' اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی -

پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں - ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں - پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کا فرمانبردار جنتی ہے اور جو جہاد سے بے رغبتی کرے اور دنیا کی طرف سراسر متوجہ ہو جائے' معاش کے پیچھے معاد کو بھول جائے اس کی سزا دنیا میں ذلت اور آخرت میں دکھ کی مار ہے -

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی ○ اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے اللہ غالب ہے حکمت والا ہے ○

چودہ سو صحابہ اور بیعت رضوان: ☆☆ (آیت: ۱۸-۱۹) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ بیعت کرنے والے چودہ سو کی تعداد میں تھے اور یہ درخت ببول کا تھا جو حدیبیہ کے میدان میں تھا - صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن جب حج کو گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہیں' پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ سے بیعت الرضوان ہوئی تھی' حضرت عبدالرحمن نے واپس آ کر یہ قصہ حضرت سعید بن مسیب سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے والد صاحب بھی ان بیعت کرنے والوں میں

تھے' ان کا بیان ہے کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے لیکن ہم سب کو بھلا دیا گیا وہ درخت ہمیں نہ ملا' پھر حضرت سعید فرمانے لگے تعجب ہے کہ اصحاب رسولؐ خود بیعت کرنے والے تو اس جگہ کو نہ پا سکیں' انہیں معلوم نہ ہو لیکن تم لوگ جان لو گویا تم اصحاب رسولؐ سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔ پھر فرمایا ہے ان کی دلی صداقت' نیت وفا اور سننے اور ماننے کی عادت کو اللہ نے معلوم کر لیا پس ان کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا اور قریب کی فتح انعام فرمائی۔

یہ فتح وہ صلح ہے جو حدیبیہ کے میدان میں ہوئی جس سے عام بھلائی حاصل ہوئی اور جس کے قریب ہی خیبر فتح ہوا' پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد مکہ بھی فتح ہو گیا' پھر اور قلعے اور علاقے بھی فتح ہوتے چلے گئے اور وہ عزت و نصرت و فتح و ظفر و اقبال اور رفعت حاصل ہوئی کہ دنیا انگشت بدنداں' حیران و پریشان رہ گئی۔ اسی لئے فرمایا کہ بہتسا مال غنیمت عطا فرمائے گا۔ سچے غلبہ والا اور کامل حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کی کہ لوگو! بیعت کے لئے آگے بڑھو' روح القدس آ چکے ہیں۔ ہم بھاگے دوڑے حاضر حضورؐ ہوئے' آپ اس وقت ببول کے درخت تلے تھے ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آیت لقد رضی اللہ الخ' میں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آپ نے اپنا ہاتھ دوسرے پر رکھ کر خود ہی بیعت کر لی' تو ہم نے کہا عثمان بڑے خوش نصیب رہے کہ ہم تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ یہ سن کر جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا بالکل ناممکن ہے کہ عثمانؓ ہم سے پہلے طواف کر لے گو کئی سال تک وہاں رہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ
وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ
بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے' تاکہ مومنوں کے لئے یہ ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ وہ تمہیں سیدھی راہ چلائے ○ اور تمہیں اور غنیمتیں بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا' اللہ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

کفار کے بد ارادے ناکام ہوئے : ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) ان بہت سی غنیمتوں سے مراد آپ کے زمانے اور بعد کی سب غنیمتیں ہیں۔ جلدی کی غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے اور حدیبیہ کی صلح ہے' اس اللہ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے بد ارادوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا' نہ مکے کے کافروں کے' نہ ان منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہے تھے' نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو کچھ ستا سکے' یہ اس لئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے' پس دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہمت نہ ہار دیں اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں گو وہ فرمان بہ ظاہر خلاف طبع ہو۔

بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو' وہ تمہیں تمہاری حکم بجا آوری اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سچی جاں نثاری کے عوض راہ مستقیم دکھائے گا اور دیگر غنیمتیں اور فتح مندیاں بھی عطا فرمائے گا' جو تمہارے بس کی نہیں' لیکن اللہ

خود تمہاری مدد کرے گا اور ان مشکلات کو تم پر آسان کر دے گا' سب چیزیں اللہ کے بس میں ہیں' وہ اپنا ڈر رکھنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے جو کسی کے خیال میں تو کیا خود ان کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں۔ اس غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں پنہاں تھا' یا مکہ کی فتح ہے' یا فارس اور روم کے مال ہیں' یا وہ تمام فتوحات ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا
وَّلَا نَصِيْرًا ۝۲۲ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۲۳ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ
وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ
عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۲۴

اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو البتہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے نہ مددگار ○ اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے' تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلا ہوا نہ پائے گا ○ وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا۔ اس کے بعد اس نے تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا تھا' تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۲۲-۲۴) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا' یہ پیٹھ دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا' اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب کفر و ایمان کا مقابلہ ہو' وہ ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کر کے باطل دبا دیتا ہے' جیسے کہ بدر والے دن بہت سے کافروں کو جو باسامان تھے چند مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بے سروسامان تھے' شکست فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے میرے احسان کو بھی نہ بھولو کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجد حرام کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں ان میں صلح کرا دی' جو دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتری ہے کیا دنیا کے اعتبار سے اور کیا آخرت کے اعتبار سے۔ وہ حدیث یاد ہو گی جو اسی سورت کی تفسیر میں بہ روایت حضرت سلمہ بن اکوعؓ گذر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو باندھ کر صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا انہیں جانے دو' ان کی طرف سے ہی ابتدا ہو اور انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو' اسی بابت یہ آیت اتری۔

مسند احمد میں ہے کہ اسی کافر ہتھیاروں سے آراستہ جبل تنعیم کی طرف سے چپ چپاتے موقع پا کر اتر آئے لیکن حضورؐ غافل نہ تھے' آپ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا' سب گرفتار کر لئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپ نے از راہ مہربانی ان کی خطا معاف فرما دی اور سب کو چھوڑ دیا۔ اور نسائی میں بھی ہے' حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے اس کے نیچے نبی ﷺ تھے' ہم لوگ بھی آپ کے اردگرد تھے' اس درخت کی شاخیں حضور کی کمر سے لگ رہی تھیں۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سہیل بن عمرو آپ کے سامنے تھے' حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ اس پر سہیل نے حضورؐ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے' ہمارے اس صلح نامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھوایئے' پس آپ نے فرمایا باسمك

اللھم لکھ لو۔ پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمدؐ نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اس پر پھر سہیل نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا اگر آپ رسول اللہؐ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا۔ اس صلح نامہ میں وہی لکھوایئے جو ہم میں مشہور ہے۔ تو آپ نے فرمایا لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اتنے میں تین جوان کفار ہتھیار بند آن پڑے آپ نے ان کے حق میں بددعا کی، اللہ نے انہیں بہرا بنا دیا، ہم اٹھے اور ان سب کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں کسی نے امن دیا ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا، لیکن باوجود اس کے آپ نے ان سے درگذر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت وھو الذی الخ، نازل ہوئی (نسائی) ابن جریر میں ہے جب حضورؐ قربانی کے جانور لے کر چلے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی اے نبی اللہ! آپ ایک ایسی قوم کی بستی میں جا رہے ہیں جو برسر پیکار ہیں اور آپ کے پاس نہ تو ہتھیار ہیں نہ اسباب۔ حضورؐ نے یہ سن کر آدمی بھیج کر مدینہ سے سب ہتھیار اور کل سامان منگوا لیا۔ جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپ کو روکا کہ آپ مکہ میں نہ آئیں، آپ کو خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لے کر آپ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ رہا ہے، آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے خالد! تیرا چچا زاد بھائی لشکر لے کر آ رہا ہے۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ میں اللہ کی تلوار ہوں اور اس کے رسولؐ کی، اسی دن سے آپ کا لقب سیف اللہ ہوا۔ مجھے آپ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں بھیجیں، چنانچہ عکرمہ کے مقابلہ کے لئے آپ روانہ ہوئے، گھاٹی میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہ کے پاؤں نہ جمے، اسے مکے کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالدؓ واپس آ گئے لیکن پھر دوبارہ وہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا، اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں تک پہنچ گیا۔ وہ پھر تیسری مرتبہ نکلا، اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا، اسی کا بیان آیت وھو الذی کف الخ، میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے باوجود حضورؐ کی ظفرمندی کے کفار کو بھی بچا لیا تاکہ جو مسلمان ضعفاء اور کمزور مکہ میں تھے انہیں اسلامی لشکر کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے۔ لیکن اس روایت میں بہت کچھ نظر ہے، ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ذکر ہو اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالد مسلمان ہی نہ ہوئے تھے بلکہ مشرکین کے طلایہ کے یہ اس دن سردار تھے، جیسے کہ صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ عمرۃ القضا کا ہو۔ اس لئے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضورؐ آئیں، عمرہ ادا کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں، چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق جب حضورؐ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپ کو روکا نہیں نہ آپ سے جنگ وجدال کیا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے اس وقت تو آپ جنگی حیثیت سے گئے تھے، لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے، پس اس روایت میں کچھ خلل ہے، اور اس میں ضرور قباحت واقع ہوئی ہے، خوب سوچ لینا چاہئے واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے اردگرد گھومتے رہیں اور موقع پا کر کچھ نقصان پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں، یہاں یہ سارے کے سارے پکڑ لئے گئے لیکن پھر حضورؐ نے انہیں معاف فرما دیا اور سب کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے آپ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بھی چلائے تھے، یہ بھی مروی ہے کہ ایک صحابی جنہیں ابن زنیم کہا جاتا تھا حدیبیہ کے ایک ٹیلے پر چڑھے تھے، مشرکین نے تیر بازی کر کے ان کو شہید کر دیا۔ حضورؐ نے کچھ سوار ان کے تعاقب میں روانہ کئے وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سوار تھے گرفتار کر کے لے آئے، آپ نے ان سے پوچھا کہ کوئی عہد و پیمان ہے؟ کہا نہیں، لیکن پھر بھی حضورؐ نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت وھو الذی کف ایدیھم عنکم الخ، نازل ہوئی۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے اور قربانی کے لئے موقوف رکھے ہوئے جانوروں کو قربان گاہ تک پہنچنے سے روک دیا' اگر (مکے میں) چند مسلمان مرد و عورت ایسے نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم انہیں پامال کر ڈالو اور بے خبری میں ایک گناہ کے مرتکب ہو جاؤ' (تو اسی وقت تمہیں لڑائی کی اجازت دے دی جاتی) یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے' اگر یہ مسلمان علیحدہ ہوتے تو یقیناً ہم ان میں سے کافروں کو المناک سزا دیتے ○

مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار : ☆☆ (آیت : ۲۵) مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل کفر پر یہ لوگ ہیں' انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق خانہ اللہ کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ اللہ کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا' یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں جیسے کہ عنقریب ان کا بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ - پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں پوشیدہ راز یہ تھا کہ ابھی چند کمزور مسلمان مکے میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو تو یوں دفعتہً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ سچے پکے مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں ہی تم مستحق گناہ اور دیت بن جاتے - پس ان کفار کی سزا کو اللہ نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تاکہ ان کمزور مسلمانوں کو چھٹکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لا چکیں - اگر یہ مومن ان میں نہ ہوتے' اگر یہ الگ الگ ہوتے تو یقیناً ہم تمہیں ان کفار پر ابھی اسی وقت غلبہ کر دیتے اور ان کی بھوسی اڑا دیتے - حضرت جنید بن سبیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا' میں مسلمان ہو گیا اور اب حضورؐ کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا ہمارے ہی بارے میں یہ آیت لَوْ لَا رِجَالٌ نازل ہوئی ہے' ہم کل نو شخص تھے سات مرد دو عورتیں (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں - حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ مومن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا' یہ قتل کر دیئے جاتے -

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ

كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۲۶

جبکہ کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی ہٹ اور حمیت کو پختہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے پاس کی تسکین اور دل جمعی اپنے رسولؐ اور ایمان والوں کو عطا فرمائی اور انہیں پرہیزگاری کی بات پر جما دیا' دراصل یہی لوگ اس کے پورے حقدار صحیح طور پر اس کے قابل تھے' اللہ ہر چیز سے پورا پورا واقف ہے ○

(آیت:۲۶) پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت وحمیت جاہلیت کو جما چکے تھے' صلح نامہ میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے سے انکار کر دیا' حضور کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھوانے پر انکار کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی اور مومنوں کے دل کھول دیئے' ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں جما دیا یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر۔ جیسے ابن عباسؓ کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث موجود ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں جب تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہہ لیں جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچا لیا مگر بوجہ حق اسلام کے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّھُمْ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ یعنی ''ان سے کہا جاتا تھا کہ بجز اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں' تو یہ تکبر کرتے تھے'' اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہاں مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے' یہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا' ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے جملے راوی کے اپنے ہیں' یعنی حضرت زہری کا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد اخلاص ہے۔ عطاء فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ حضرت مسور فرماتے ہیں اس سے مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ مراد ہے۔ یہی قول حضرت ابن عمرؓ کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کلمہ تقوی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مراد ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے' اسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے اور مستحق شر کون ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات اس طرح ہے اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَلَوْ حَمِیْتُمْ کَمَا حَمُوْا لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ یعنی '' کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا'' جب حضرت عمرؓ کو آپ کی اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت تیز ہوئے لیکن حضرت ابی نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں حضور کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا تھا آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے

تھے اس پر جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سکھایا ہے وہ پڑھئے اور سکھائیے (نسائی)

''ان احادیث کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصہ اور صلح کا واقعہ ہے'' مسند احمد میں حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے چلے' آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا۔ ستر اونٹ قربانی کے آپ کے ساتھ تھے' کل ساتھی آپ کے سات سو تھے' ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا۔ آپ جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبیؓ نے آپ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ! قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں' انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور عہد و پیمان کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح جبراً مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراع غمیم تک پہنچا دیا' یہ سن کر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائیوں نے کھا لیا' کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیتے اگر وہ مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کا مقصود پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتا تو پھر یہ لوگ بھی دین اسلام کو قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی اس دین میں نہ آنا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی' قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ قسم اللہ کی اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا اور ان سے مقابلہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرما دے یا میری گردن کٹ جائے پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمض کے پیچھے سے اس راستہ پہ چلیں جو ثنیۃ المرار کو جاتا ہے حدیبیہ مکہ کے نیچے کے حصے میں ہے۔ خالدؓ والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضورؐ نے راستہ بدل دیا تو یہ دوڑے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی ادھر حضورؐ جب ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگ کہنے لگے اونٹنی تھک گئی۔

حضورؐ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کی بیٹھ جانے کی عادت' اسے اس اللہ نے روک لیا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔ سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں گے جس میں صلہ رحمی ہو' میں انہیں دوں گا پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اس پوری وادی میں پانی نہیں آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا اسے یہاں کے کسی کنویں میں گاڑ دو۔ اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا ابل پڑا' تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جب پڑاؤ ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اتنے میں بدیل بن ورقا اپنے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو لے کر آیا آپ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں نے حضورؐ کے بارے میں بڑی عجلت کی' حضور تم سے لڑنے کو نہیں آئے آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے اور اس کی عزت کرنے کو آئے ہیں' تم اپنے فیصلے پر دوبارہ نظر ڈالو۔ دراصل قبیلہ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ ﷺ کے طرفدار تھے' مکہ کی خبریں انہی لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھیں۔ قریشیوں نے انہیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہوں لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں یہاں آنے نہیں دیں گے ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ میں گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا۔ انہوں نے پھر مکرز بن حفص کو بھیجا یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ عہد شکن شخص ہے اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے آنے والے دونوں اور شخصوں سے فرمایا تھا۔ یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا' قریشیوں نے پھر حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا یہ ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کا سردار تھا اسے دیکھ کر حضور نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو خدائی کاموں کی عظمت کرتی ہے' اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔ اس نے دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی

کے نشان دار جانور آ جا رہے ہیں اور بوجہ رک جانے کے ان کے بال اڑے ہوئے ہیں' تو یہ تو وہیں سے بغیر حضورؐ کے پاس آئے لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ اللہ جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو' اللہ کے نام کے جانور قربان گاہ سے رکے کھڑے ہیں یہ سخت ظلم ہے' اتنے دن رکے رہنے سے ان کے بال تک اڑ گئے ہیں- میں اپنی آنکھوں دیکھ کر آ رہا ہوں- قریش نے کہا تو تو نرا اعرابی ہے' خاموش ہو کر بیٹھ جا-

اب انہوں نے مشورہ کر کے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا' عروہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیو! جن جن کو تم نے وہاں بھیجا وہ جب واپس آئے تو ان سے تم نے کیا سلوک کیا' یہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے انہیں برا کہا' ان کی بے عزتی کی' ان پر تہمت رکھی' ان سے بدگمانی کی' میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں' تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان' مال اور اپنی قوم کو لے کر آ پہنچا- سب نے کہا بیشک آپ سچے ہیں' ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں' آپ جائیے- اب یہ چلا اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا کہ آپ نے ادھر ادھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا ہے اور آئے ہیں اپنی قوم کی شوکت وشان کو آپ ہی توڑنے کے لئے' سنئے یہ قریشی ہیں' آج یہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں جو چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں' وہ اللہ کو بیچ میں رکھ کر عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے- اللہ کی قسم مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے اردگرد کھڑے ہوئے ہیں یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈے بھی نہ ملیں گے- یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا' آپ اس وقت حضور کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے کہا جالات کی وہ چوستارہ ہم اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں؟ عروہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا ابوقحافہ کے بیٹے- تو کہنے لگا اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں ضرور تجھے اس کا مزہ چکھاتا- اس کے بعد عروہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی داڑھی میں ہاتھ ڈالا- اس کی اس بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نہ سہار سکے' یہ حضور کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے لوہا ان کے ہاتھ میں تھا' وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنا ہاتھ دور رکھ' تو حضور کے جسم کو چھو نہیں سکتا- یہ کہنے لگا تو بڑا ہی بدزبان اور ٹیڑھا آدمی ہے حضورؐ نے اس پر تبسم فرمایا اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہؓ ہے- تو کہنے لگا غدار تو تو کل تک طہارت بھی نہ جانتا تھا-

الغرض اسے بھی حضورؐ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے والوں کو فرمایا تھا اور یقین دلا دیا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے- یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا یہ نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسول کس طرح حضور کے پروانے بنے ہوئے ہیں- آپ کے وضو کے پانی وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں- آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں- آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص لپکتا ہے کہ وہ اسے لے لے- جب یہ قریشیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا اے قریش کی جماعت کے لوگو! میں کسریٰ کے ہاں اس کے دربار میں ہو آیا ہوں' اللہ کی قسم میں نے ان بادشاہوں کی بھی وہ عظمت اور وہ احترام نہیں دیکھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے- آپ کے اصحاب تو آپ کی وہ عزت کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے- اب تم سوچ سمجھ لو اور اس بات کو باور کر لو کہ اصحاب رسول ایسے نہیں کہ اپنے نبی کو تمہارے ہاتھوں میں دے دیں- اب آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجنا چاہا لیکن اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو اپنے اونٹ پر جس کا نام ثعلب تھا سوار کرا کر مکے بھیجا تھا قریش نے اس اونٹ کی کوچیں کاٹ دی تھیں اور خود قاصد کو بھی قتل کر ڈالتے لیکن احابیش قوم نے انہیں بچا لیا (شاید اس بنا پر) حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا کہ یا

رسول اللہ! مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں کیونکہ وہاں میرے قبیلہ بنو عدی کا کوئی شخص نہیں جو مجھے ان قریشیوں سے بچانے کی کوشش کرے' اس لئے کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجیں جو ان کی نگاہوں میں مجھ سے بہت زیادہ ذی عزت ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر انہیں مکہ میں بھیجا کہ جا کر قریش سے کہہ دیں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور اس کی عظمت بڑھانے کو آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا جو ابان بن سعید بن عاص آپ کو مل گئے اور اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور اپنی ذمہ داری پر آپ کو لے چلا کہ آپ پیغام رسول اہل مکہ کو پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو آ ہی گئے ہیں آپ اگر چاہیں تو بیت اللہ شریف کا طواف کر لیں لیکن ذوالنورین نے جواب دیا کہ جب تک حضورؐ طواف نہ کرلیں ناممکن ہے کہ میں طواف کروں۔ قریشیوں نے جناب عثمانؓ کو روک لیا اور انہیں واپس نہ جانے دیا۔ ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

زہری کی روایت میں ہے کہ پھر قریشیوں نے سہیل بن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا کہ تم جا کر صلح کر لو لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سال آپ مکہ میں نہیں آسکتے تاکہ عرب ہمیں یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ وہ آئے اور تم روک نہ سکے۔ چنانچہ سہیل یہ سفارت لے کر چلا' جب حضورؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ قریشیوں کا ارادہ اب صلح کا ہو گیا جو اسے بھیجا ہے۔ اس نے حضورؐ سے باتیں شروع کیں اور دیر تک سوال جواب اور بات چیت ہوتی رہی۔ شرائط صلح طے ہو گئے' صرف لکھنا باقی رہا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں تو کہا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں اتنی کمزوری دکھائیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا عمرؓ! اللہ کے رسول کی رکاب تھامے رہو' آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو مجھے بھی کامل یقین ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضرت عمرؓ سے پھر بھی صبر نہ ہو سکا خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح کہا آپ نے جواب میں فرمایا سنو میں اللہ کا رسول ہوں' اور اس کا غلام ہوں' میں اس کے فرمان کا خلاف نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہنے کو تو اس وقت جوش میں میں حضورؐ سے یہ سب کچھ کہہ گیا لیکن پھر مجھے بڑی ندامت ہوئی' میں نے اس کے بدلے بہت روزے رکھے' بہت سی نمازیں پڑھیں اور بہت سے غلام آزاد کئے۔ اس سے ڈر کر کہ مجھے اس گستاخی کی کوئی سزا اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے بلوایا اور فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اس پر سہیل نے کہا میں اسے نہیں جانتا یوں لکھئے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ آپ نے فرمایا اچھا یونہی لکھو' پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ نے کیا۔ اس پر سہیل نے کہا اگر میں آپ کو رسول مانتا تو آپ سے لڑتا ہی کیوں؟ یوں لکھئے کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے کیا' اس بات پر کہ دس سال تک ہم میں کوئی لڑائی نہ ہوگی' لوگ امن وامان سے رہیں گے' ایک دوسرے سے بچا ہوا رہے گا اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے والی کی اجازت بغیر چلا جائے گا آپ اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے' ہم میں آپ میں لڑائیاں بند رہیں گی' صلح قائم رہے گی' کوئی طوق وزنجیر قید وبند بھی نہ ہوگی۔ اسی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص محمد ﷺ کی جماعت اور آپ کے عہد و پیمان میں آنا چاہے وہ آسکتا ہے اور جو شخص قریش کے عہد و پیمان میں آنا چاہے وہ بھی آسکتا ہے۔ اس پر بنو خزاعہ جلدی سے بول اٹھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں آئے ہیں اور بنو بکر نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ ان کے ذمہ میں ہیں۔ صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ اس

سال آپ واپس لوٹ جائیں، مکہ میں نہ آئیں، اگلے سال آئیں اس وقت ہم باہر نکل جائیں گے اور آپ اپنے اصحاب سمیت آئیں، تین دن مکہ میں ٹھہریں ہتھیار اتنے ہی ہوں جتنے ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں، تلوار میان میں ہوں- ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا جو سہیل کے لڑکے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے چھپے لکے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے-

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے نکلتے ہوئے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خواب میں دیکھ چکے تھے، اس لئے انہیں فتح ہونے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا- یہاں آ کر انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے، بغیر زیارت بیت اللہ کے یہیں سے واپس ہونا پڑے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفس پر مشقت اٹھا کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی پریشاں خاطر تھے بلکہ قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں- یہ سب کچھ تو تھا ہی مزید برآں جب حضرت ابو جندلؓ جو مسلمان تھے اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے یہ سن کر کہ حضورؐ آئے ہوئے ہیں، کسی نہ کسی طرح موقع پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر حضور ہوتے ہیں تو سہیل اٹھ کر انہیں طمانچے مارنے شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد (ﷺ)! میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے یہ اس کے بعد آیا ہے، لہٰذا اس شرط کے مطابق میں اسے واپس لے جاؤں گا- آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے- سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہوا انہیں لے کر چلتا ہے- حضرت ابو جندل بلند آواز سے کہتے ہیں اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا رہے ہو؟ ہائے یہ میرا دین مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں- اس واقعہ نے صحابہ کو اور برافروختہ کر دیا-

رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ابو جندل صبر کر اور نیک نیت رہ اور طلب ثواب میں رہ، نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد و غم، رنج و الم، ظلم و ستم سے چھڑوانے والا ہے، ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں، شرطیں طے ہو چکی ہیں، اس بنا پر ہم نے انہیں سر دست واپس کر دیا ہے- ہم غدر کرنا، شرائط کے خلاف کرنا، عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ ابو جندل صبر کرو، ان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہے- حضرت عمرؓ ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ حضرت ابو جندلؓ کی طرف کرتے جا رہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کے آر پار کر دیں لیکن حضرت ابو جندلؓ کا ہاتھ باپ پر نہ اٹھا- صلح نامہ مکمل ہو گیا، فیصلہ پورا ہو گیا- رسول اللہ ﷺ احرام میں نماز پڑھتے تھے اور حلال مضطرب تھے پھر حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ اٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈوا لو- لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا- آپ لوٹ کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمانے لگے لوگوں کو یہ کیا ہو گیا؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا یا رسول اللہ! اس وقت جس قدر صدمے میں یہ ہیں آپ کو بخوبی معلوم ہے، آپ ان سے کچھ نہ کہئے، سیدھے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جائیے اور اسے جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈوا لیجئے، پھر تو ناممکن ہے کہ اور لوگ بھی یہی نہ کریں- آپ نے یہی کیا- اب کیا تھا ہر ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا، قربانی کو قربان کیا اور سر منڈوا لیا- اب آپ یہاں سے واپس چلے، آدھا راستہ طے کیا ہو گا جو سورۃ الفتح نازل ہوئی-

یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ کے سامنے ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلہ خزانہ میں سے تھا، تجسس کے لئے روانہ کیا غدیر اشطاط میں

آ کر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کر لیا ہے' ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کر لیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا اب بتلاؤ کیا ہم ان کے اہل وعیال پر حملہ کر دیں' اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن کاٹ دی ہوگی' ورنہ ہم انہیں غمگین چھوڑ کر جائیں گے۔ اگر وہ بیٹھ رہیں گے تو اس غم ورنج میں رہیں گے اور اگر انہوں نے نجات پالی تو یہ گردنیں ہوں گی جو اللہ عزوجل نے کاٹ دی ہوں گی' دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی اور ارادے سے آئے' صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہمیں روک رہے ہیں' بتلاؤ ان سے ہم کیوں نہ لڑیں؟ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں' آپ چلے چلئے' ہمارا ارادہ جدال وقتال کا نہیں لیکن جو ہمیں اللہ کے گھر سے روکے گا ہم اس سے ضرور لڑیں گے خواہ کوئی ہو' آپ نے فرمایا بس اب اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہو۔ کچھ اور آگے چل کر حضورؐ نے فرمایا خالد بن ولید طلایہ کا لشکر لے کر آ رہا ہے پس تم دائیں طرف کو ہو لو۔ خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضورؐ مع صحابہ کے ان کے کلے پر پہنچ گئے۔ اب خالد دوڑا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں اس سے مطلع کیا۔ اونٹنی کا نام اس روایت میں قصویٰ بیان ہوا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے' میں دوں گا بشرطیکہ حرمت الٰہی کی اہانت نہ ہو پھر جو آپ نے اونٹنی کو للکارا تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

بدیل بن ورقاء خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا' یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور واجبی بات کہی ہے اسے قبول کر لو اور جب یہ خود حاضر حضور ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنتا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنئے جناب دو ہی باتیں ہیں یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غالب آپ مغلوب' اگر پہلی بات ہی ہوئی تو بھی کیا ہوا آپ ہی کی قوم ہے' آپ نے کسی کو ایسا سنا بھی ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیاناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہوگی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ چھاڑ دوڑ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے وہ جواب دیا جو پہلے گذر چکا۔ حضرت مغیرہؓ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود تھا' ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا' بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے' موقع پا کر انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر حاضر حضورؐ ہوئے آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ عروہ نے یہاں یہ منظر بھی بچشم خود دیکھا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے' آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے۔ جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء بدن سے گرے ہوئے پانی پر تو قریب ہوتا ہے کہ صحابہ لڑ پڑیں۔ جب آپ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے' مجال نہیں جو کہیں سے چوں کی آواز بھی سنائی دے۔ حد تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ کے چہرہ منور کی طرف تکتے ہی نہیں بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں۔ اس نے پھر واپس آن کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضورؐ جو انصاف عدل کی بات پیش کر رہے ہیں اسے مان لو۔

بنو کنانہ کے جس شخص کو اس کے بعد قریش نے بھیجا' اسے دیکھ کر حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا' ادھر صحابہ کی زبانی لبیک کی صدائیں سنیں تو کہہ اٹھا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مکرز کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ ایک تاجر شخص ہے' ابھی یہ

بیٹھا باتیں کر ہی رہا تھا جو سہیل آ گیا، اسے دیکھ کر حضورؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا لو اب کام سہل ہو گیا۔ اس نے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا تو مسلمانوں نے کہا قسم اللہ کی یہی لکھا جائے گا لیکن آپ نے سہیل کی بات مان لی۔ جب لفظ رسول اللہ پر اس نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا واللہ! میں رسول اللہ ہی ہوں گو تم نہ مانو۔ یہ اس بنا پر کہ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی تو آپ نے کہہ دیا تھا کہ یہ حرمات خداوندی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کر لوں گا۔ آپ نے صلح نامہ لکھواتے ہوئے فرمایا کہ امسال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافران میں سے مسلمان ہو کر حضورؐ کے پاس چلا جائے آپ اسے واپس دے دیں گے، اس پر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کافروں کو سونپ دیں؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں جو حضرت ابوجندلؓ اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آ گئے، سہیل نے کہا اسے واپس کیجئے، آپ نے فرمایا ابھی تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا، میں اسے کیسے واپس کر دوں؟ اس نے کہا پھر تو اللہ کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضامند نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تم خود مجھے خاص اس کی بابت اجازت دے دو۔ اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دوں گا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا مگر مکرز نے کہا ہاں ہم آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابوجندلؓ نے مسلمانوں سے فریاد کی، ان بیچاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں کر رہے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ حاضر حضورؐ ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گذر چکا۔ پھر پوچھا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ تو میں نے کہا ہے لیکن یہ تو نہیں کہا کہ یہ اسی سال ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا بس تو تم وہاں جاؤ گے ضرور اور بیت اللہ کا طواف کرو گے ضرور۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہی کہا جس کا بیان اوپر گذرا۔ اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضورؐ اللہ کے رسول نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں، پھر میں نے حضورؐ کی پیشین گوئی کا اسی طرح ذکر کیا اور وہی جواب مجھے ملا جو ذکر ہوا۔ جو جواب خود رسول کریم ﷺ نے دیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنے اونٹ کو نحر کیا اور نائی کو بلوا کر سر منڈوا لیا پھر تو سب صحابہ ایک ساتھ کھڑے ہو گئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا سر خود مونڈنے لگے اور مارے غم کے اور اژدھام کے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ اس کے بعد ایمان والی عورتیں حضورؐ کے پاس آئیں جن کے بارے میں آیت یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ الخ، نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کے ماتحت اپنی دو مشرکہ بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی، جن میں سے ایک نے معاویہ بن ابوسفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ یہیں سے واپس لوٹ کر مدینہ شریف آ گئے۔ ابوبصیر نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے موقع پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ شریف پہنچے، ان کے پیچھے ہی دو کافر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو آپ واپس کیجئے، ہم قریشیوں کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں اور ابوبصیرؓ کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ نے حضرت ابوبصیرؓ کو انہیں سونپ دیا۔ یہ انہیں لے کر چلے، جب ذوالحلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں کھجوریں کھانے لگے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تلوار نہایت ہی عمدہ ہے، اس نے کہا ہاں بیشک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے، میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے، اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہوئے اس نے تلوار میان سے نکال لی، حضرت ابوبصیرؓ نے ہاتھ بڑھا کر کہا ذرا مجھے دکھانا، اس نے دے دی۔ آپ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس ایک

کافر کا تو کام تمام کیا دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا سرپٹ بھاگا کہ سیدھا مدینہ پہنچ کر دم لیا، اسے دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے، کوئی خوفناک منظر دیکھ چکا ہے۔ اتنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور دہائیاں دینے لگا کہ رسول اللہ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا ہی مہمان ہوں دیکھئے وہ آیا، اتنے میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر دیا، آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا، اب یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی۔

آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے، یہ تو لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے، کاش کہ کوئی اسے سمجھا دیتا؟ یہ سنتے ہی حضرت ابو بصیرؓ چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے۔ یہ سوچتے ہی حضورؐ کے پاس سے چلے گئے، مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے قدموں سمندر کے کنارے کی طرف چل دیئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ یہ واقعہ مشہور ہو گیا ادھر سے ابوجندل بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے واپس کیا تھا وہ بھی موقع پا کر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابوبصیرؓ کے پاس چلے۔ اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرتا سیدھا حضرت ابوبصیرؓ کے پاس آ جاتا اور یہیں رہتا سہتا، یہاں تک کہ ایک خاص معقول جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہو گئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا یہ اس سے جنگ کرتے جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے، یہاں تک کہ قریش تنگ آ گئے بالآخر انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ حضورؐ خدارا ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے پاس بلوا لیجئے، ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں، ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آ جائے، وہ امن میں ہے، ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے پاس بلوا لو۔ چنانچہ حضورؐ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا اور ان حضرات کے پاس آدمی بھیج کر سب کو بلوا لیا اور اللہ عزوجل نے آیت وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَكُمْ الخ، نازل فرمائی۔ ان کفار کی حمیت جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ لکھنے دی آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا، آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرنے دی۔

صحیح بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں ہے حبیب بن ابو ثابت کہتے ہیں، میں ابو وائل کے پاس گیا تا کہ ان سے پوچھوں، انہوں نے کہا ہم صفین میں تھے ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پس حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں، پس سہیل بن حنیف نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو، ہم نے اپنے تئیں حدیبیہ والے دن دیکھا یعنی اس صلح کے موقع پر جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لڑتے۔ حضرت عمرؓ نے آ کر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنتی اور ان کے مقتول جہنمی نہیں؟ حضور نے فرمایا ہاں، کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں؟ حالانکہ اب تک خدائے تعالیٰ نے ہم میں ان میں کوئی فیصلہ کن کارروائی نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کرے گا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ لوٹ آئے لیکن بہت غصے میں تھے۔ وہاں سے حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورۂ فتح نازل ہوئی۔ بعض روایات میں حضرت سہیل بن حنیف کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے اپنے تئیں ابوجندلؓ والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول

اللہ ﷺ کے حکم کو لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورۂ فتح اتری تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدمی انہیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدمی وہ واپس نہ کریں تو حضورؐ سے کہا گیا کہ کیا ہم یہ بھی مان لیں؟ اور لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب خارجی نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیحدگی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! لکھ یہ وہ شرائط صلح ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد (ﷺ) نے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے تو آپ نے فرمایا اے علی! اسے مٹا دو خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں' علی اسے کاٹ دو اور لکھو یہ ہے جس پر صلح کی محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ حضرت علیؓ سے بہت بہتر تھے' پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو کٹوایا' اس سے کچھ آپ نبوت سے نہیں نکل گئے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کئے جن میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا' جب یہ اونٹ بیت اللہ سے روک دیئے گئے تو اس طرح نالہ و بکا کرتے تھے جیسے کسی سے اس کا دودھ پیتا بچہ الگ ہو گیا ہو۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ
لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ
الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے مطابق واقعہ خواب سچا کر دکھایا' کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں جاؤ گے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے چین کے ساتھ نڈر ہو کر' وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی ○ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین سے اوپر رکھے' اور اللہ تعالیٰ کافی ہے اظہار حق کرنے والا ○

رسول اللہ ﷺ کا خواب: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپؐ نے اس کا ذکر اپنے اصحابؓ سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہی ہم کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے۔ وہاں جا کر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہ پر نہایت شاق گذرا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے تو خود حضورؐ سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے' آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا' آپ نے

فرمایا پھر جلدی کیا ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے۔ پھر حضرت صدیقؓ سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس آیت میں جو ان شاء اللہ ہے یہ استثناء کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے۔ اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہؓ نے دیکھ لیا اور پورے امن واطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جا کر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔

صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے، لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی، آپ نے دوبارہ بھی یہی فرمایا، پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی۔ پھر فرمایا بے خوف ہو کر یعنی مکہ میں جاتے وقت بھی امن وامان سے ہو گے اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہوگا۔ چنانچہ عمرہ قضا میں ہوا، یہ عمرہ ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے، ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ شریف میں قیام رہا۔ صفر میں خیبر کی طرف گئے، اس کا کچھ حصہ تو از روئے جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ از روئے صلح مسخر ہوا۔ یہ بہت بڑا علاقہ تھا، اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغوں اور کھیتیوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں۔ خیبر کی تقسیم رسول اللہ ﷺ نے صرف ان ہی صحابہؓ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے، ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا بجز ان لوگوں کے جو حبشے کی ہجرت سے واپس آئے تھے۔ جو حضرات حضورؐ کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے بجز حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کے سوا جیسے کہ اس کا پورا بیان اپنی جگہ ہے۔ یہاں سے آپ سالم وغانم واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ سنہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ ساتھ لئے اور لبیک پکارتے ہوئے ظہران کے قریب پہنچ کر حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ گھوڑے سواروں کے ساتھ ہتھیار بند آگے آگے روانہ کیا، اس سے مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے اور مارے رعب کے ان کے کلیجے اچھلنے لگے۔ انہیں خیال گذرا کہ یہ تو پوری تیاری اور کامل ساز وسامان کے ساتھ آئے ہیں تو ضرور لڑائی کے ارادے سے ہی آئے ہیں۔ انہوں نے شرط توڑ دی کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی، چنانچہ یہ لوگ دوڑے ہوئے مکہ میں گئے اور اہل مکہ کو اس کی اطلاع دی۔

حضور جب مرالظہران میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیج دیئے۔ مطابق شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں، ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضورؐ آپ کی عادت تو توڑنے کی نہیں، حضورؐ نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں تو، ہم نے وہ سب بطن یاجج بھیج دیئے۔ اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی، نیکی اور وفاداری ہی کرنے والے ہیں۔ سرداران کفار تو بوجہ غیظ وغضب اور رنج وغم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپؐ کو اور آپؐ کے اصحابؓ کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو، اس پاک لشکر کو، اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیج دیئے تھے، خود آپؐ اپنی مشہور ومعروف اونٹنی قصواء پر سوار تھے، آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

باسم الذی لا دین الا دینه　　بسم الذی محمد رسوله
خلوا بنی الکفار عن سبیله　　الیوم نضربکم علی تاویله
کماضربنا کم علی تنزیله　　ضربا یزیل الهام عن مقیله
ویذهل الخلیل عن خلیله　　قد انزل الرحمن فی تنزیله
فی صحف تتلی علی رسوله　　بان خیر القتل فی سبیله
یا رب انی مومن بقیله

یعنی اس اللہ کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں- اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد ہیں (ﷺ)- اے کافروں کے بچو! حضورؐ کے راستے سے ہٹ جاؤ' آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا' وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے- اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے' جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ مین ہو- اے میرے پروردگار! میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں- بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے-

مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور مر الظہر ان میں پہنچے تو صحابہ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتے - یہ سن کر صحابہؓ حضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں' ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں- آپؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کرو چنانچہ جمع کیا' دستر خوان بچھایا اور کھانے بیٹھے' تو حضورؐ کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے- آپؐ مکہ شریف آئے' سیدھے بیت اللہ گئے' قریش حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحاب سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں' اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے' قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہو' گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں- تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے' تین پھیرے اسی طرح کئے' چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے- ایک روایت مین ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف کے تین پھیروں میں رمل کیا یعنی دلکی چال چلے-

بخاری مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول کو مدینے کی آب وہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخار کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے' جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور سست کر دیا- اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول ﷺ کو کر دی- مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے- آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لے کر رکن یمانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں ہلکی چال چلیں' پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا یہ صرف بطور رحم کے تھا- مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سب کے سب کود کود کر پھرتی اور چستی سے طواف کر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہی کی نسبت اڑا رکھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں سست و لاغر کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو فلاں اور فلاں سے بھی

زیادہ چست و چالاک ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ شریف پہنچ گئے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس وقت قعیقعان کی طرف تھے' حضورؐ کا صفا مروہ کی طرف سعی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا' حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن ہم آپ پر چھائے ہوئے تھے اس لئے کہ کوئی مشرک یا کوئی ناسمجھ آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے۔

بخاری شریف میں ہے حضورؐ عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ شریف تک نہ جانے دیا' آپ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سر منڈوالیا اور ان سے صلح کر لی' جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے' سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ معظّمہ میں نہیں آئیں گے اور وہاں اتنی ہی مدت ٹھہریں گے جتنی اہل مکہ چاہیں' پس اگلے سال آپ اسی طرح آئے' تین دن تک ٹھہرے پھر مشرکین نے کہا اب آپؐ چلے جائیں چنانچہ آپؐ وہاں سے واپس ہوئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ نے ان سے یہ فیصلہ کیا کہ آپ صرف تین دن ہی مکہ میں ٹھہریں گے' جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہؐ نے صلح کی تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ' جانتے تو ہرگز نہ روکتے بلکہ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے۔ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں' میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ کی میں اسے ہرگز نہ مٹاؤں گا' چنانچہ آپؐ نے اس صلح نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جاننے کے لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے صرف تلوار ہوگی اور وہ بھی میان میں اور یہ کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے گا اسے آپ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو مکے میں رہنے کے ارادے سے ٹھہر جانا چاہے گا آپ اسے روکیں گے نہیں۔ پس جب آپ آئے اور وقت مقررہ گذر چکا تو مشرکین حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا آپ حضورؐ سے کہئے کہ اب وقت گذر چکا' تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے کوچ کر دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہو لیں' حضرت علیؓ نے انہیں لے لیا اور انگلی تھام کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئے اور فرمایا اپنے چچا کی لڑکی کو اچھی طرح رکھو۔ حضرت زہراؓ نے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اب حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہونے لگا۔ حضرت علیؓ تو فرماتے تھے انہیں میں لے آیا ہوں اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت جعفرؓ فرماتے تھے میری چچا زاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے تھے میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ لڑکی کو تو ان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔

حضرت علیؓ سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا تو خلق اور خُلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت زیدؓ سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ حضرت حمزہ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس خیر و مصلحت کو جانتا تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے اس کی بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا تمہیں فتح قریب عنایت فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان دشمنوں پر اور تمام دشمنوں پر فتح دے گا' اس نے آپ کو علم نافع اور

علم صالح کے ساتھ بھیجا ہے' شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں علم اور عمل' پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے' اس کے اخبار سچے' اس کے احکام سراسر عدل وحق والے۔ چاہتا یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں عربوں میں' عجمیوں میں' مسلمین میں' مشرکین میں' ان سب پر اس اپنے دین کو غالب اور ظاہر کرے۔ اللہ کافی گواہ ہے اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ
وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڟ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں' آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں' اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں پس ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے' ان کی یہی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے' مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا' پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے' ان ایمان والوں اور شائستہ اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے ○

تصدیق رسالت بزبان الٰہ: ☆☆ (آیت:۲۹) ان آیتوں میں پہلے نبی ﷺ کی صفت وثنا بیان ہوئی کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں' پھر آپ کے صحابہؓ کی صفت وثنا بیان ہو رہی ہے کہ وہ مخالفین پر سختی کرنے والے اور مسلمانوں پر نرمی کرنے والے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ''مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں گرم' ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہئے کہ وہ مومنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنے والا اور کفر سے ناخوش رہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ''ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو' وہ تم میں سختی محسوس کریں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے' کبھی بخار چڑھ آتا ہے' کبھی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتلائیں۔ پھر ان کا اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں' خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل واعلیٰ ہے پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان یعنی ان کے خلوص اور اللہ طلبی کا کہ یہ اللہ کے فضل اور اس

کی رضا کے متلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں' جو جنت ہے اور اللہ کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی بھی انہیں عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز ہے۔ جیسے فرمایا و رضوان من اللہ اکبر اللہ تعالیٰ کی ذرا سی رضا بھی سب سے بڑی چیز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے اثر سے علامت ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں خشوع اور تواضع ہے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے ہیں میرا تو یہ خیال تھا کہ اس سے مراد نماز کا نشان ہے جو ماتھے پر پڑ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے جن کے دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نماز ان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے جو رات کو بکثرت نماز پڑھے گا اس کا چہرہ دن کو خوبصورت ہوگا۔ حضرت جابرؓ کی روایت سے ابن ماجہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے' چہرے پر روشنی آتی ہے' روزی میں کشادگی ہوتی ہے' لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے' اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کی زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے' جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے' پس مومن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے' اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات کو پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اوڑھا دیتا ہے' اگر وہ پوشیدگی بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بری ہے تو برائی کی۔ لیکن اس کا ایک راوی عرزمی متروک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو' کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دے گا' برائی ہو تو اور بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ' اچھا خلق' میانہ روی نبوۃ کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔

الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں خالص تھیں' اعمال اچھے تھے پس جس کی نگاہ ان کے پاک چہروں پر پڑتی تھی اسے ان کی پاکبازی جچ جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور ان کے طریقہ کار پر خوش ہوتا تھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جن صحابہ نے شام کا ملک فتح کیا جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے اللہ کی قسم یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے بہت ہی بہتر و افضل ہیں۔ فی الواقع ان کا یہ قول سچا ہے' اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت و عظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اول ان کے بہتر و بزرگ اصحابؓ رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی اگلی خدائی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے۔ پس فرمایا یہی مثال ان کی توراۃ میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اور ان کی مثال انجیل میں مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور اپنی بال پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے' اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحابؓ رسول ہیں کہ انہوں نے آپ کی تائید و نصرت کی پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا۔ یہ اس لئے کہ کفار شرمسار ہوں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہؓ سے

چڑتے اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے - علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے - صحابہ کرامؓ کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں - خود خدائے تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے - کیا ان کی بزرگی میں یہ کافی نہیں؟ پھر فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اور ان کا اجر عظیم اور رزق کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت' یاد رہے کہ مِنْھُمْ میں جو مِنْ ہے وہ یہاں بیان جنس کیلئے ہے' اللہ کا یہ سچا اور اٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو' ان کے قدم بقدم چلنے والے انکی روش پر کاربند ہونے والوں سے بھی اللہ کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت کمال اور بزرگی جو انہیں ہے امت میں سے کسی کو نہیں اللہ ان سے خوش یہ اللہ سے راضی' یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پالئے -

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو' ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پاسکتا - الحمدللہ سورۂ فتح کی تفسیر ختم ہوئی -

---

تفسیر سورة الحجرات

بسم الله الرحمن الرحيم

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا
اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲
اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳

لائق عبادت بخشنے والے مہربان کے نام سے شروع

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا ہے ○ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ اس سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ○ بے شک جو لوگ رسول اللہؐ کے حضورؐ میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے - ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے ○

(آیت: ۱-۳) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ امتیوں کو اپنے نبیؐ کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر واحترام' عزت کا خیال کرنا چاہئے' تمام کاموں میں خدا اور رسولؐ کے پیچھے رہنا چاہئے - اتباع اور تابعداری کی خو ڈالنی چاہئے - حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول خدا ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ - فرمایا اگر نہ پاؤ؟

جواب دیا سنت رسول اللہؐ کے ساتھ - فرمایا اگر نہ پاؤ جواب دیا اجتہاد کروں گا - تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہؐ کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے خدا کا رسول خوش ہو - (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ)

یہاں اس حدیث کے وارد کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے اپنی رائے' نظر اور اجتہاد کو کتاب و سنت سے مؤخر رکھا - پس کتاب و سنت پر رائے کو مقدم کرنا یہ ہے خدا اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف نہ کہو - حضرت عوفیؒ فرماتے ہیں حضورؐ کے کلام کے سامنے بولنے سے منع کر دیا گیا' مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی امر کی بابت اللہ کے رسولؐ کچھ نہ فرمائیں تم خاموش رہو حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں امر دین' احکام شرعی میں بجز خدا کے کلام اور اس کے رسولؐ کی حدیث کے تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو - حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کسی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر سبقت نہ کرو - امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا نہ کرو - امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں اگر فلاں فلاں میں حکم اترے تو اس طرح رکھنا چاہئے' اسے اللہ نے ناپسند فرمایا - پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حکم خدا کی بجا آوری میں اللہ کا لحاظ رکھو' اللہ تمہاری باتیں سن رہا ہے اور تمہارے ارادے جان رہا ہے - پھر دوسرا ادب سکھاتا ہے کہ وہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں - یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی - صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملکیہ سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ وہ بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ان دونوں کی آوازیں حضورؐ کے سامنے بلند ہو گئیں جبکہ بنو تمیم کا وفد حاضر ہوا تھا ایک تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو کہتے تھے جو بنی مجاشع میں تھے اور دوسرے' دوسرے شخص کی بابت کہتے تھے - اس پر حضرت صدیق نے فرمایا کہ تم تو میرا اخلاف ہی کیا کرتے ہو - فاروق اعظمؓ نے جواب دیا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمایئے - اس پر یہ آیت نازل ہوئی - حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد تو حضرت عمرؓ اس طرح حضورؐ سے نرم کلامی کرتے تھے کہ آپ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا -

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے قعقاع بن معبدؓ کو اس وفد کا امیر بنایئے اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے نہیں بلکہ حضرت اقرع بن حابس کو' اس اختلاف میں آوازیں کچھ بلند ہو گئیں جس پر آیت یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا نازل ہوئی اور وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا مسند بزار میں ہے آیت لَا تَرْفَعُوْا الخ' کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! قسم اللہ کی اب تو میں آپ سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے - صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک حضورؐ کی مجلس میں نظر نہ آئے اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ! میں اس کی بابت آپ کو بتلاؤں گا -

چنانچہ وہ حضرت ثابتؓ کے مکان پر آئے - دیکھا کہ وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں - پوچھا کیا حال ہے - جواب ملا برا حال ہے' میں تو حضرت کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتا تھا' میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا - یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سارا واقعہ آپ سے کہہ سنایا پھر تو حضورؐ کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابت کے ہاں گئے - حضور نے فرمایا تم جاؤ اور ان سے کہو کہ تو جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہے - مسند احمد میں بھی یہ واقعہ ہے - اس میں یہ بھی ہے کہ خود حضورؐ نے پوچھا تھا کہ ثابت کہاں ہیں نظر نہیں آتے - اس کے آخر میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم انہیں زندہ چلتا پھرتا دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں' یمامہ کی جنگ میں جب کہ مسلمان قدرے بددل ہو گئے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت ثابتؓ خوشبو ملے کفن پہنے ہوئے دشمن کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں مسلمانو! تم لوگ اپنے بعد والوں کے لئے برا نمونہ نہ چھوڑ جاؤ - یہ کہہ کر دشمنوں میں گھس گئے اور بہادرانہ لڑتے رہے

یہاں تک کہ شہید ہو گئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صحیح مسلم شریف میں ہے آپ نے جب انہیں نہیں دیکھا تو حضرت سعد سے جو ان کے پڑوسی تھے دریافت فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں؟ لیکن اس حدیث کی اور سندوں میں حضرت سعدؓ کا ذکر نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت معطل ہے۔ اور یہی بات صحیح بھی ہے اس لئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت زندہ ہی نہ تھے بلکہ آپ کا انتقال بنو قریظہ کی جنگ کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ہو گیا تھا اور بنو قریظہ کی جنگ سنہ ۵ ہجری میں ہوئی تھی اور یہ آیت وفد بنی تمیم کی آمد کے وقت اتری ہے اور وفود کا پے در پے آنے کا واقعہ سنہ ۹ ہجری کا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں سے گذرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو، میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے اور حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی ابن سلول سے کہا میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں، تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو۔ خدا کی قسم میں اس میں نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مجھ سے رضامند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب حضرت عاصمؓ نے دربار رسالت میں حضرت ثابتؓ کی حالت بیان کی تو رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابت کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لیکن عاصم رضی اللہ عنہ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابت وہاں نہیں، مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں، یہاں آ کر کہا ثابت چلو تم کو رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابتؓ نے کہا بہت خوب، کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو۔ پھر باہر نکل کر سرکار میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، جس کا سچا جواب حضرت ثابتؓ سے سن کر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا رنج کافور ہو گیا، باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ نازل ہوئی۔ یہ قصہ اسی طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرما دیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سن کر وہاں آ کر ان سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔ علماء کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ کے سامنے مکروہ تھا اس لئے کہ حضورؐ جس طرح اپنی زندگی میں قابل احترام و عزت تھے اب اور ہمیشہ تک آپ اپنی قبر شریف میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔ پھر آپ کے سامنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے جس طرح عام لوگوں سے باآواز بلند باتیں کرتے ہیں، باتیں کرنا منع فرمائیں بلکہ آپ سے تسکین و وقار، عزت و ادب، حرمت و عظمت سے باتیں کرنا چاہئیں۔ جیسے اور جگہ ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ''اے مسلمانو! رسول کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو''۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس بلند آوازی سے اس لئے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت حضورؐ ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے خدا ناراض ہو جائے

اور تمہارے کل اعمال ضبط کر لے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گذرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان خدا کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی لیکن خدائے تعالیٰ اسے اس ایک کلمہ کی وجہ سے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقے میں پہنچا دیتا ہے کہ جو گڑھا آسمان و زمین سے زیادہ گہرا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نبی کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں انہیں اللہ رب العزت نے تقوے کے لئے خالص کر لیا ہے' اہل تقویٰ اور مجلس تقویٰ یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرت خدا کے مستحق اور اجر عظیم کے لائق ہیں۔

امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک تحریری استفتاء لیا گیا کہ اے امیر المؤمنین! ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہو اور نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو' وہ اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا تو ان میں افضل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاری کے لئے آزما لیا ہے' ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝٤
وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتّٰى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥

جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بالکل بے عقل ہیں ○ اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ تو خود ان کے پاس آ جاتا تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا اللہ غفور و رحیم ہے ○

آداب خطاب: ☆☆ (آیت: ۴-۵) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت بیان کرتا ہے جو آپ کے مکانوں کے پیچھے سے آپ کو آوازیں دیتے اور پکارتے ہیں جس طرح اعراب میں دستور تھا۔ تو فرمایا کہ ان میں کے اکثر بے عقل ہیں۔ پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہئے تھا آپ کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ مکان سے باہر نکلتے تو آپ سے جو کہنا ہوتا' کہتے۔ نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دنیا اور دین کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔

پھر گویا حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ واستغفار کرنا چاہئے کیونکہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ آیت حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص نے حضورؐ کو آپ کا نام لے کر پکارا یا محمد! یا محمد! آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے کہا سنئے یا رسول اللہ! میرا تعریف کرنا سبب ہے بڑائی کا اور میرا مذمت کرنا سبب ہے ذلت کا۔ آپ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ بشر بن غالب نے حجاج کے سامنے بشر بن عطارد وغیرہ سے کہا کہ تیری قوم بنو تمیم کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ جب حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ عالم ہوتے تو اس کے بعد کی آیت یَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا پڑھ دیتے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اسلام لائے اور بنو اسد نے آپ کو تسلیم کرنے میں کچھ دیر نہیں کی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو' اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے' میں نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ

لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ کا نام لے کر آپ کو پکارنے لگے' اس پر یہ آیت اتری حضورؐ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی' اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی۔ (ابن جریر)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ
تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق کوئی خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو' ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو' پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ○

فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو: ☆☆ (آیت:۶) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو' جب تک پوری تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے کوئی حرکت نہ کرو' ممکن ہے کہ کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹی بات کہہ دی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کر گذرو تو دراصل اس کی پیروی ہوگی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے۔ اسی آیت کو دلیل بنا کر بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت کو بھی غیر معتبر بتلایا ہے جس کا حال نہ معلوم ہو' اس لئے کہ بہت ممکن ہے یہ شخص فی الواقع فاسق ہو۔ گو بعض لوگوں نے ایسے مجہول الحال راویوں کی روایت لی بھی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کا حال معلوم نہیں اس کا فاسق ہونا ہم پر ظاہر نہیں' ہم نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے صحیح بخاری شریف کی شرح میں کتاب العلم میں بیان کر دیا ہے' فالحمد للہ۔ اکثر مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابو معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں' فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے منظور کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی۔ میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں میں ان کی زکوٰۃ جمع کرتا ہوں۔ اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیجئے' میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ حضرت حارث نے واپس آ کر یہی کیا' مال زکوٰۃ جمع کیا جب وقت مقررہ گذر چکا اور حضورؐ کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا یہ تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوٰۃ لے جانے کے لئے نہ بھیجا ہو' اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ شریف چلیں اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ حضرات اپنا مال زکوٰۃ ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ادھر سے رسول اللہ ﷺ ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے لیکن یہ حضرت راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارث کی تنبیہ کے لئے روانہ فرمائے۔ مدینہ کے قریب راستے ہی میں اس مختصر سے لشکر نے حضرت حارثؓ کو پا لیا اور گھیر لیا۔ حضرت حارثؓ نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ تو نے حضورؐ کے قاصد ولید کو زکوٰۃ نہ دی بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارثؓ نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد ﷺ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے' نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا' چلو میں تو خود حضورؐ کی

خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہاں جو آئے تو حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو بھی قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں یا رسول اللہ! قسم ہے خدا کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے' نہ میں نے انہیں دیکھا نہ وہ میرے پاس آئے بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود حاضر خدمت ہوا۔ اس پر یہ آیت حَکِیْمٌ تک نازل ہوئی۔

طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضور کا قاصد حضرت حارثؓ کی بستی کے پاس پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اس کے استقبال کے لئے خاص تیاری کر کے نکلے' ادھر ان کے دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آ رہے ہیں تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے' انہوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو خود ہی حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنے آدمی کو بھیجا' ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں' ہم بے حد خوش ہوئے لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے' تو اس خوف سے کہ کہیں خدا ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو ہم حاضر ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے۔ عصر کی اذان جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید کی اس خبر پر ابھی حضورؐ سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں جو ان کا وفد آ گیا اور انہوں نے کہا آپ کا قاصد آدھے راستے سے ہی لوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بنا پر انہیں واپسی کا حکم بھیج دیا ہوگا' اس لئے حاضر ہوئے ہیں ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور اس کا عذر سچا بتایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ان لوگوں نے تو آپ سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے اور اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔

چنانچہ حضورؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیر امارت ایک فوجی دستے کو بھیج دیا لیکن انہیں فرما دیا تھا کہ پہلے تحقیق تفتیش اچھی طرح کر لینا جلدی سے حملہ نہ کر دینا۔ اسی کے مطابق حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیج دیئے' وہ خبر لائے کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں' مسجد میں اذانیں ہوئیں' جنہیں ہم نے خود سنا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا۔ صبح ہوتے ہی حضرت خالدؓ خود گئے اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے' واپس آ کر سرکار نبوی میں ساری خبر دی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت قتادہؒ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش' بردباری اور دوربینی خدا کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ سلف میں سے حضرت قتادہؒ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے یہی ذکر کیا ہے۔ جیسے ابن ابی لیلیٰ یزید بن رومان' ضحاک' مقاتل بن حیان رحمھم اللہ عنھم وغیرہ۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے واللہ اعلم۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ
مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ
وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ
وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں اگر وہ عموماً تمہارا کہا کرتا رہے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے

تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور بدکاریوں کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے' یہی لوگ راہ یافتہ ہیں ○ اللہ کے احسان و انعام سے اور اللہ دانا اور باحکمت ہے ○

(آیت: ۷-۸) پھر فرماتا ہے کہ جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں' ان کی تعظیم و توقیر کرنا' عزت و ادب کرنا' ان کے احکام کو سر آنکھوں سے بجالانا تمہارا فرض ہے۔ وہ تمہاری مصلحتوں سے بہت آگاہ ہیں' انہیں تم سے بہت محبت ہے' وہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ تم اپنی بھلائی کے اتنے خواہاں اور اتنے واقف نہیں ہو جتنے حضور ہیں۔ چنانچہ اور جگہ ارشاد ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی مسلمانوں کے معاملات میں ان کی اپنی بہ نسبت نبی ﷺ ان کے لیے زیادہ خیر اندیش ہیں پھر بیان فرمایا کہ لوگو! تمہاری عقلیں جن تمہاری مصلحتوں اور بھلائیوں کو نہیں پاسکتیں' انہیں نبی پا رہا ہے۔ پس اگر وہ تمہاری ہر پسندیدگی کی رائے پر عامل بنتا رہے تو اس میں تمہارا ہی حرج واقع ہوگا۔ جیسے اور آیت میں ہے وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآئَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِکْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِکْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ یعنی اگر سچا رب ان کی خوشی پر چلے تو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز خراب ہو جائے' یہ نہیں بلکہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن یہ اپنی نصیحت پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا نے ایمان کو تمہارے نفسوں میں محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اس کی عمدگی بٹھا دی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ پھر آپ اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کرتے اور فرماتے تقویٰ یہاں ہے' پرہیزگاری کی جگہ یہ ہے۔ اس نے تمہارے دلوں میں کفر کی اور کبیرہ گناہوں کی اور تمام نافرمانیوں کی عداوت ڈال دی ہے اور اس طرح بتدریج تم پر اپنی نعمتیں بھرپور کر دی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے جن میں یہ پاک اوصاف ہیں انہیں خدا نے رشد اور نیکی' ہدایت اور بھلائی دے رکھی ہے۔

مسند احمد میں ہے احد کے دن جب مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تو حضور ﷺ نے فرمایا درستگی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ' تو میں اپنے رب عز و جل کی ثنا بیان کروں' پس لوگ آپ کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ کُلُّهٗ اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَّ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا هَادِیَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَّ وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ۔ اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ النَّعِیْمَ الْمُقِیْمَ الَّذِیْ لَا یُحَوِّلَ وَلَا یُزِلَّ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ النَّعِیْمَ یَوْمَ الْعَیْلَةِ وَالْاَمْنَ یَوْمَ الْخَوْفِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اَعْطَیْنَا وَمِنْ شَرِّ مَا مَنَعْتَنَا۔ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْهُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّهْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ۔ وَاَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ۔ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ' اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَةَ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ عَلَیْهِمْ رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ۔ اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَةَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ اِلٰهَ الْحَقِّ (نسائی)

یعنی اے اللہ! تمام تر تعریف تیرے ہی لئے ہے' تو جسے کشادگی دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا اور جس پر تو تنگی کرے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا' تو جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں سکتا' جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا' جسے تو دور کر دے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جسے تو قریب کر لے اسے دور ڈالنے والا کوئی نہیں' اے اللہ! ہم پر اپنی برکتیں' رحمتیں' فضل اور رزق کشادہ کر دے' اے اللہ! میں تجھ سے وہ ہیشگی کی نعمتیں چاہتا ہوں جو نہ ادھر ادھر ہوں نہ زائل ہوں' خدایا فقیری اور احتیاج والے دن مجھے اپنی نعمتیں عطا فرمانا اور خوف والے

دن مجھے امن عطا فرمانا۔ پروردگار! جو تو نے مجھے دے رکھا ہے اور جو نہیں دیا ان سب کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے معبود! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اسے ہماری نظروں میں زینت دار بنا دے اور کفر بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دل میں دوری اور عداوت پیدا کر دے اور ہمیں راہ یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اسلام کی حالت میں فوت کر اور اسلام پر ہی زندہ رکھ اور نیکو کار لوگوں سے ملا دے، ہم رسوا نہ ہوں، ہم فتنے میں نہ ڈالے جائیں۔ خدایا! ان کافروں کا ستیاناس کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلائیں اور تیری راہ سے روکیں تو ان پر اپنی سزا اور اپنا عذاب نازل فرما۔ الٰہی! اہل کتاب کے کافروں کو بھی تباہ کر، اے سچے معبود!''۔

یہ حدیث امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لائے ہیں۔ مرفوع حدیث میں ہے جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے وہ مومن ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بخشش جو تمہیں عطا ہوئی ہے یہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور اس کی نعمت ہے، اللہ مستحقین ہدایت کو اور مستحقین ضلالت کو بخوبی جانتا ہے، وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْ
بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ
اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ ع ۱۰ ۱۲

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے، لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر ان دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرتے رہا کرو، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

دو متحارب ''مسلمان جماعتوں'' میں صلح کرانا ہر مسلمان کا فرض ہے: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرا دیں، آپس میں دو لڑنے والی جماعتوں کو مومن کہنا، اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی گو کتنی ہی بڑی ہو انسان کو ایمان سے الگ نہیں کرتی۔ خارجیوں کا اور ان کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے۔ اسی آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ کے ساتھ ممبر پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ آپؐ کی یہ پیش گوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہو گئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تا کہ وہ پھر ٹھکانے آ جائے، حق کو سنے اور مان لے۔ صحیح حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کر، ظالم ہو تو بھی اور مظلوم ہو تو بھی۔ حضرت انسؓ نے پوچھا کہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ظاہر ہے لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ حضورؐ نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھو، یہی اس کی اس وقت کی مدد ہے۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ سے ایک مرتبہ کہا گیا کیا اچھا ہو اگر آپ عبداللہ بن ابی کے ہاں چلے چلئے چنانچہ آپؐ

اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور صحابہؓ آپؐ کی ہمرکابی میں ساتھ ہو لئے' زمین شور تھی جب حضورؐ وہاں پہنچے تو یہ کہنے لگا مجھ سے الگ رہئے' اللہ کی قسم آپ کے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔ اس پر ایک انصاری نے کہا واللہ رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بو تیری خوشبو سے بہت ہی اچھی ہے۔ اس پر اِدھر اُدھر سے کچھ لوگ بول پڑے اور معاملہ بڑھنے لگا بلکہ کچھ ہاتھا پائی جوتے چھڑیاں بھی کام میں لائی گئیں ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اوس اور خزرج قبائل میں کچھ چشمک ہو گئی تھی ان میں صلح کرا دینے کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ عمران نامی ایک انصاری تھے' ان کی بیوی صاحبہ کا نام ام زید تھا' اس نے اپنے میکے جانا چاہا خاوند نے روکا اور منع کر دیا کہ میکے کا کوئی شخص یہاں بھی نہ آئے' عورت نے یہ خبر اپنے میکے میں کہلوا دی' وہ لوگ آئے اور اسے بالا خانے سے اتار لائے اور لے جانا چاہا' ان کے خاوند گھر پر تھے نہیں۔ خاوند والوں نے اس کے چچا زاد بھائیوں کو اطلاع دے کر انہیں بلا لیا اب کھینچا تانی ہونے لگی اور ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ رسول خدا ﷺ نے دونوں طرف کے لوگوں کو بلا کر بیچ میں بیٹھ کر صلح کرا دی اور سب لوگ مل گئے۔ پھر حکم ہوتا ہے دونوں پارٹیوں میں عدل کرو' اللہ عادلوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں دنیا میں جو عدل و انصاف کرتے رہے وہ موتیوں کے منبروں پر رحمان عزوجل کے سامنے ہوں گے اور یہ بدلہ ہو گا ان کے عدل و انصاف کا (نسائی)

مسلم کی حدیث میں ہے یہ لوگ ان منبروں پر اللہ کی دائیں جانب ہوں گے یہ اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال میں اور جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے اس میں عدل سے کام لیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا و کل مومن دینی بھائی ہیں' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اسے اس پر ظلم و ستم نہ کرنا چاہئے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر بھائی مسلمان کے لئے اس کی پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی خدا ایسا ہی دے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت' رحمدلی اور میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے' کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی شب بیداری کی تکلیف ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا۔ مسند احمد میں ہے مومن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہے' مومن اہل ایمان کے لئے وہی دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے دونوں لڑنے والی جماعتوں اور دونوں طرف کے اسلامی بھائیوں میں صلح کرا دو' اپنے تمام کاموں میں خدا کا ڈر رکھو۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت تم پر نازل ہو گی۔ پرہیزگاروں کے ساتھ ہی رب کا رحم رہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا
تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ
بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مسخراپن نہ کرے ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس

میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو' ایمان کے بعد گنہگاری برا نام ہے' جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں ○

ہر طعنہ باز عیب جو مجرم ہے: ☆☆ (آیت:۱۱) اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو حقیر و ذلیل کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے روک رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے تکبر نام ہے حق سے منہ موڑ لینے کا اور لوگوں کو ذلیل و خوار سمجھنے کا۔ اس کی وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ جسے تم ذلیل کر رہے ہو' جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک وہ تم سے زیادہ باوقعت ہو' مردوں کو منع کر کے پھر خاصۃ عورتوں کو بھی اس سے روکا اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ قران کریم کا ارشاد ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ یعنی ہر طعنہ باز عیب جو کے لئے خرابی ہے۔ ہمز فعل سے ہوتا ہے اور لمز قول سے۔ ایک دوسری آیت میں ہے هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ یعنی وہ جو لوگوں کو حقیر گنتا ہو' ان پر چڑھا چلا جا رہا ہو اور لگانے بجھانے والا ہو' غرض ان تمام کاموں کو ہماری شریعت نے حرام قرار دیا۔ یہاں لفظ تو یہ ہیں کہ اپنے تئیں عیب نہ لگاؤ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔ جیسے فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ حضرت ابن عباس ؓ' مجاہدؒ' سعید بن جبیرؒ' قتادہؒ' مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دے پھر فرمایا کسی کو چڑاؤ مت! جس لقب سے وہ ناراض ہوتا ہو اس لقب سے اسے نہ پکارو' نہ اس کو برا نام دو۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ حضورؐ جب مدینے میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے حضورؐ ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یا رسول اللہؐ! یہ اس سے چڑتا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابوداؤد)

پھر فرمان ہے کہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ القاب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بری بات ہے' اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم گنے جاؤ گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ
الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو' یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے' کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ○

دہشت گرد اور ہراس پھیلانے والے ناپسندیدہ لوگ: ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بدگمانی کرنے اور تہمت دھرنے اور اپنوں اور غیروں کو خوفزدہ کرنے اور خواہ مخواہ کی دہشت دل میں رکھ لینے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بسا اوقات اکثر اس قسم کے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں پس تمہیں اس میں پوری احتیاط برتنی چاہئے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے؟ تو کیسی بڑی حرمت والا ہے؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ مومن کی حرمت' اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت

بڑی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں بدگمانی سے بچو، گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے، بھید نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی ٹوہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو، حسد بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو، سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو سہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو، ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کر لیا کرو، ایک دوسرے کا حسد بغض نہ کیا کرو، بلکہ سب مل کر خدا کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گذارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔ طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری اُمت میں رہ جائیں گی فال لینا، حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضورؐ پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرے تو استغفار کر لے، جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک، اسے پورا کر۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں آپؓ نے فرمایا، ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے، اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہو گئی تو ہم اس پر پکڑ کر سکتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب دجین کے پاس حضرت عقبہ گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرا دوں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھاؤ بجھاؤ، ڈانٹ ڈپٹ کر دو۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں رہتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا۔ آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو، سنو میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو بچا لیا۔ ابوداؤد میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کے باطن اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہو گا تو تو انہیں بگاڑ دے گا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کر دے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہؓ کو بہت فائدہ پہنچایا۔

ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترنا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تجسس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، تاک جھانک نہ کیا کرو، اسی سے جاسوس ماخذ ہے تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تحسس کا اطلاق بھلائی ڈھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں۔ فَتَحَسَّسُوا الخ، بچو تم جاؤ اور یوسفؑ اور برادر یوسفؑ کو ڈھونڈو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو، نہ حسد و بغض کرو، نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو، جو کسی کو اپنی باتیں سنانا نہ چاہتے ہوں اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ پھر غیبت سے منع فرماتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو۔ تو کہا گیا اگر وہ بات اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔ ابوداؤد میں ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ صفیہؓ تو ایسی ایسی ہیں، مسدد راوی کہتے ہیں یعنی کم قامت، تو حضورؐ نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملا دی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپؐ نے فرمایا میں اسے پسند

نہیں کرتا گو مجھے کوئی بہت بڑا نفع بھی مل جائے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک بیوی صاحبہ حضرت عائشہؓ کے ہاں آئیں جب وہ جانے لگیں تو صدیقہؓ نے حضورؐ کو اشارے سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہیں، حضورؐ نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی۔ الغرض غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں جیسے جرح و تعدیل نصیحت و خیر خواہی جیسے کہ نبی ﷺ نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا، یہ بہت برا آدمی ہے، اور جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا معاویہ مفلس شخص ہے اور ابوالجہم بڑا مارنے پیٹنے والا آدمی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جبکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے نکاح کا مانگا ڈالا تھا اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں ان کی تو اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت زیادہ نفرت تمہیں غیبت سے کرنی چاہئے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی، تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔

ابوداؤد میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے، انسان کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔ اور حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو، یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔ مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ سنایا جس میں آپؐ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آواز پہنچائی اور اس خطبہ میں اوپر والی حدیث بیان فرمائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت و عظمت کا کیا ہی کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت ایک ایماندار شخص کی خدا کے نزدیک ہے۔ ابوداؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی، اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی بڑائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام میں کھڑا کر دے گا۔

حضورؐ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (ابوداؤد) اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد عورت دونوں تھے کہ فرشتے ان کی کروٹوں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چبا رہے ہیں۔ میرے سوال پر کہا گیا کہ یہ لوگ ہیں جو طعنہ زن، غیبت گو، چغل خور تھے، انہیں جبراً آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے (ابن ابی حاتم) یہ حدیث بہت مطول ہے اور ہم نے پوری حدیث سورۂ سبحان کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہے فالحمدللہ۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے حضورؐ نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے، شام کو لوگ آنے لگے اور آپؐ سے دریافت کرنے لگے آپ انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے، اتنے میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا، حضورؐ دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا جو آپ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انہیں بھی آپ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں، آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ عرض کی تو آپؐ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں، کیا وہ

بھی روزے دار ہو سکتا ہے؟ جو انسانی گوشت کھائے' جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں' چنانچہ انہوں نے قے کی جس میں خون جمے کے لوتھڑے نکلے اس نے آ کر حضور کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مر جاتیں تو آگ کا لقمہ بنتیں ۔ اس کی سند ضعیف ہے اور متن بھی غریب ہے ۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا حضورؐ ان دونوں عورتوں کی روزے میں بری حالت ہے' مارے پیاس کے مر رہی ہیں اور یہ دوپہر کا وقت تھا حضورؐ کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا کہ یا رسول اللہ! وہ تو مر گئی ہوں گی یا تھوڑی دیر میں مر جائیں گی ۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ انہیں بلا لاؤ جب وہ آئیں تو آپ نے دودھ کا مٹکا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کر' اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جامد وغیرہ نکلی جس سے آدھا مٹکا بھر گیا پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور مٹکا بھر گیا' اس وقت آپؐ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں) (مسند احمد)

مسند حافظ ابویعلیٰ میں ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے ۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا' یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے پھر پانچویں دفعہ آپ نے کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا' ہاں فرمایا جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا ۔ آپؐ نے فرمایا اب تیرا مقصد کیا ہے؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کریں ۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور لکڑی کنویں میں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ! اب آپ نے انہیں رجم کرنے کا یعنی پتھراؤ کرنے کا حکم دیا' چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے ۔ اس کے بعد حضورؐ نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے اپنے تئیں نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا ۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائیں ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے' کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپؐ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بدی بیان کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی' اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے ۔ اس کی اسناد صحیح ہے ۔ مسند احمد میں ہے ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی مرداری بو والی ہوا چلی آپ نے فرمایا جانتے ہو؟ یہ بو کس چیز کی ہے یہ بدبو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں ۔

اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے یہ بدبودار ہوا وہ ہے ۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی یہ خدمت کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے ۔ ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ سو گئے تھے اور قافلہ آگے چل پڑا پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمانؓ نہیں' تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمانؓ تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ پکی پکائی کھا لے اور تیار خیمے میں آ کر آرام کر لے ۔ تھوڑی دیر میں حضرت سلمانؓ پہنچے ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا تم جاؤ اور رسول اللہ سے ہمارے لئے سالن لے آؤ' یہ گئے اور حضور سے کہا یا رسول اللہؐ! مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپؐ کے پاس سالن ہو تو دے دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ سالن کیا کریں گے؟ انہوں نے تو سالن پا لیا ۔ حضرت سلمانؓ واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی وہ اٹھے اور خود حاضر حضور ہوئے اور کہا حضورؐ ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپؐ نے بھیجا آپؐ

نے فرمایا تم نے مسلمان کے گوشت کا سالن کھا لیا جبکہ تم نے انہیں یوں یوں کہا - اس پر یہ آیت نازل ہوئی' مَيْتاً اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور یہ ان کی غیبت کر رہے تھے - مختار ابو ضیاء میں تقریباً ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کا اپنے غلام سے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا صرف اتنا کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا ہی سونے والا ہے - ان دونوں بزرگوں نے حضورؐ سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کریں - ابو یعلی میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اس کی غیبت کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جیسے اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب اس مردے کا گوشت بھی کھا - اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کرے گا اور اسے جبراً وہ مردہ گوشت کھانا پڑے گا - یہ روایت بہت غریب ہے -

پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کرو' اس کے احکام بجا لاؤ' اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ اور اس سے ڈرتے رہا کرو - جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے' توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے' اس کی طرف رجوع کرے وہ اس پر رحم اور مہربانی فرماتا ہے - جمہور علماء کرام فرماتے ہیں غیبت گو کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے اور پھر سے اس گناہ کو نہ کرے' پہلے جو کر چکا ہے اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کر لے - بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اسے خبر ہی نہ ہو اور معافی مانگنے کو جب جائے گا تو اسے اور رنج ہوگا - پس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی ان میں اب اس کی سچی صفائی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کر دے تو ادلے کا بدلہ ہو جائے گا - مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مومن کی حمایت کرے جبکہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کر رہا ہو' اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نار جہنم سے بچائے گا اور جو شخص کسی مومن پر کوئی ایسی بات کہے گا جس سے اس کا ارادہ اسے مطعون کرنے کا ہو اسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لے گا یہاں تک کہ بدلا ہو جائے - یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے - ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی بے عزتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبروریزی اور توہین ہوتی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا (ابوداؤد)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝١٣

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنا دیئے ہیں' اللہ کے نزدیک تم سب میں سے بڑا بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے' یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے ○

نسل انسانی کا نکتہ آغاز : ☆☆ (آیت:۱۳) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے' ان ہی سے ان کی بیوی صاحبہ حضرت حوا کو پیدا کیا تھا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی پھیلی - شعوب قبائل سے عام ہے - مثال کے طور پر عرب تو شعوب میں داخل ہے پھر قریش غیر قریش پھر ان کی تقسیم یہ سب قبائل میں داخل ہے - بعض کہتے ہیں شعوب

سے مراد عجمی لوگ اور قبائل سے مراد عرب جماعتیں۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کو اسباط کہا گیا ہے میں نے ان تمام باتوں کو ایک علیحدہ مقدمہ میں لکھ دیا ہے' جسے میں نے ابو عمر بن عبداللہ کی کتاب الانباہ اور کتاب القصد والامم فی معرفۃ انساب العرب والعجم سے جمع کیا ہے۔ مقصد اس آیہ مبارکہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے ان کی طرف کی نسبت میں تو کل جہان کے آدمی ہم مرتبہ ہیں۔ اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو حاصل ہوگی وہ امر دینی' اطاعت خداوندی اور اتباع نبوی کی وجہ سے ہوگی۔ یہی راز ہے جو اس آیت کو غیبت کی ممانعت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سے روکنے کے بعد وارد کی کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔ کنبے قبیلے برادریاں اور جماعتیں صرف پہچان کے لئے ہیں تاکہ جتھا بندی اور ہمدردی قائم رہے۔ فلاں بن فلاں فلاں قبیلے والا کہا جا سکے اور اس طرح ایک دوسرے کی پہچان آسان ہو جائے' ورنہ بشریت کے اعتبار سے سب قومیں یکساں ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں قبیلہ حمیر اپنے حلیفوں کی طرف منسوب ہوتا تھا اور حجازی عرب اپنے قبیلوں کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نسب کا علم حاصل کرو تاکہ صلہ رحمی کر سکو' صلہ رحمی سے لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے' تمہارے مال اور تمہاری زندگی میں خدا برکت دے گا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ پھر فرمایا حسب نسب خدا کے ہاں نہیں چلتا وہاں تو فضیلت تقویٰ اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ لوگوں نے کہا ہم یہ عام بات نہیں پوچھتے' فرمایا پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے' نبی زادے تھے' دادا بھی نبی تھے' پردادا تو خلیل اللہ تھے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ سنو ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔

مسند احمد میں ہے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا خیال رکھ کہ تو کسی سرخ و سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا' ہاں تقویٰ میں بڑھ جا تو فضیلت والا ہے۔ طبرانی میں ہے مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے ساتھ۔ مسند بزار میں ہے تم سب اولاد آدم ہو اور خود حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں' لوگو! اپنے باپ دادوں کے نام پر فخر کرنے سے باز آؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور علیہ السلام نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی کو بطن مسیل میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا بیان کر کے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک کار پرہیزگار جو خدا کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو خدا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے دراصل کوئی کام دینے والے نہیں تم سب بالکل برابر کے حضرت آدمؑ کے لڑکے ہو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہاں فضیلت دین و تقویٰ سے ہے انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو' بخیل اور فحش کلام ہو۔ ابن جریر کی اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا تم سب میں سے زیادہ بزرگ خدا کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام ممبر پر تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے بہتر کون

ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز' سب سے زیادہ پرہیز گار' سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا' سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا' سب سے زیادہ صلح رحمی کرنے والا۔

مسند احمد میں ہے حضور کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص کبھی بھلا نہیں لگتا تھا مگر تقوے والے انسان کے۔ اللہ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے' ہدایت کے لائق جو ہیں انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں' رحم اور عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہیں' فضیلت اس کے ہاتھ ہے جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے یہ تمام امور اس کے علم اور اس کی خبر پر مبنی ہیں۔ اس آیہ کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے استدلال کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں قومیت اور حسب نسب کی شرط نہیں سوائے دین کے اور کوئی شرط معتبر نہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ ہم نسبی اور قومیت بھی شرط ہے اور ان کے دلائل ان کے سوا اور ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ہم بھی انہیں کتاب الاحکام میں ذکر کر چکے ہیں فالحمدللہ۔ طبرانی میں حضرت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بہ نسبت اور تمام لوگوں کے بہت زیادہ قریب ہوں پس فرمایا تیرے سوا میں بھی بہت زیادہ قریب ہوں ان سے بہ نسبت تیرے اور تجھے آپ سے نسبت ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٤ اِنَّمَا
الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا
وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ ۝١٥

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے' تو کہہ کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے' لیکن تم یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہوئے' ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہ ہوا' تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا' بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ مومن وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر دل سے یقین کریں پھر شک شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں' یہی سچے اور راست گو ہیں ○

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تو لیں: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) کچھ اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا دعوے کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے۔ یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے' اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ چونکہ اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے' نبی کی اطاعت میں آئے ہیں۔ اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے' جبرئیل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں۔ پس وہ زینہ بہ زینہ چڑھتے گئے عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے اخص کی طرف آئے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا اس پر حضرت سعد نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہے۔ حضور نے فرمایا مسلمان‘ تین مرتبہ یکے بعد دیگرے حضرت سعد نے یہی کہا اور حضور نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے سعد! میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جو ان میں مجھے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اسے نہیں دیتا ہوں‘ اس ڈر سے کہ کہیں وہ اوندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ پس اس حدیث میں بھی حضور نے مومن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے اسے مع دلائل صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کر دیا ہے فالحمدللہ۔ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور اسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے تھے‘ تو مسلمان لیکن اب تک ان کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا ابھی سے دعویٰ کر دیا تھا اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ یہی مطلب ہے حضرت ابن عباس اور ابراہیم نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ کے قول کا اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن دراصل مومن نہ تھے (یہ یاد رہے ایمان و اسلام میں فرق اس وقت ہے جبکہ اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو جب اسلام حقیقی ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اس وقت ایمان اسلام میں کوئی فرق نہیں اس کے بہت سے قوی دلائل امام الائمہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان فرمائے ہیں اور ان لوگوں کا منافق ہونانے کا ثبوت بھی آ رہا ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

حضرت سعید بن جبیر‘ حضرت مجاہد‘ حضرت ابن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم اَسْلَمْنَا کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل سے اور قید بند ہونے سے بچنے کے لئے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اپنے ایمان لانے کا آنحضرت ﷺ پر بار احسان رکھتے تھے۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو مقام ایمان کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے پس انہیں ادب سکھایا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی جیسے کہ سورۂ برات میں منافقوں کا ذکر کیا گیا لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا۔

پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے فرماں بردار رہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر مارا نہ جائے گا۔ جیسے فرمایا مَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو اللہ کی طرف رجوع کرے‘ برائی سے لوٹ آئے‘ اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر دل سے یقین رکھتے ہیں پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی نیا خیال پیدا ہوتا ہے‘ بلکہ اسی خالص تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفس اور دل کی چاہت کے مالوں کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہ خدا کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے‘ شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ خدا میں جہاد کیا۔ (۲) وہ جن سے لوگوں نے

امن پالیا، نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں- (۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں-

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۶ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ
اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ
اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ ع ۸

کہہ دے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو؟ اللہ تو ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○ اپنے مسلمان ہونے کا تجھ پر احسان رکھتے ہیں، تو کہہ دے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو ○ یقین مانو کہ آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۱۶-۱۸) پھر فرماتا ہے کیا تم اپنے دل کا یقین و دین اللہ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے- پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان تجھ پر رکھتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ، تم جو اسلام قبول کرو گے، جو میری ماتحتی کرو گے، میری مدد کرو گے اس کا نفع تمہیں کو ملے گا بلکہ دراصل ایمان کی ہدایت تمہیں دینا یہ خدا کا تم پر احسان ہے اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو- (اب غور فرمایئے کہ کیا اسلام لانے کا احسان پیغمبر خدا پر جتانے والے سچے مسلمان تھے؟ پس آیات کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ان کا اسلام حقیقت پر مبنی نہ تھا اور یہی الفاظ بھی ہیں کہ ایمان اب تک ان کے ذہن نشین نہیں ہوا اور جب تک اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو تب تک بیشک وہ ایمان نہیں لیکن جب وہ اپنی حقیقت پر صحیح معنی میں ہو تو پھر ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے- خود اس آیت کے الفاظ میں غور فرمایئے ارشاد ہے اپنے اسلام کا احسان تجھ پر رکھتے ہیں حالانکہ دراصل ایمان کی ہدایت خدا کا خود ان پر احسان ہے-

پس وہاں احسان اسلام رکھنے کو بیان کر کے اپنا احسان ہدایت ایمان جتانا بھی ایمان و اسلام کے ایک ہونے پر باریک اشارہ ہے- مزید دلائل صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ملاحظہ ہوں- مترجم) پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تم میں اتفاق دیا، تم مفلس تھے میری وجہ سے اللہ نے تمہیں مالدار کیا- جب کبھی حضور کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں- بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہوئے، عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے- حضور نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے، شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے اور یہ آیت یَمُنُّوْنَ الخ، نازل ہوئی پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم اور اپنی سچی باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے-

الحمدللہ سورۂ حجرات کی تفسیر ختم ہوئی- خدا کا شکر ہے- توفیق اور رحمت اسی کے ہاتھ ہے-

تفسیر سورۃ ق

جن سورتوں کو مفصل کی سورتیں کہا جاتا ہے ان میں سب سے پہلی سورت یہی ہے۔ گو ایک قول یہ بھی ہے کہ مفصل کی سورتیں سورۂ حجرات سے شروع ہوتی ہیں، یہ بالکل بے اصل بات ہے، علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ مفصل کی سورتوں کی پہلی سورت یہی ہے، اس کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے جو باب تحریب القران میں ہے۔ حضرت اوس بن حذیفہؓ فرماتے ہیں وفد ثقیف میں ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ہاں ٹھہرے اور بنو مالک کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبے میں ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں ہر رات عشاء کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آتے اور کھڑے کھڑے ہمیں اپنی باتیں سناتے، یہاں تک کہ آپ کو دیر لگ جانے کی وجہ سے قدموں کو بدلنے کی ضرورت پڑتی، کبھی اس قدم کھڑے ہوتے کبھی اس قدم پر، عموماً آپ ہم سے وہ واقعات بیان کرتے جو آپ کو اپنی قوم قریش سے سہنے پڑے تھے پھر فرماتے کوئی حرج نہیں، ہم مکے میں کمزور تھے، بے وقعت تھے پھر ہم مدینے میں آ گئے، اب ہم میں ان میں لڑائی مثل ڈولوں کے ہے، کبھی ہم ان پر غالب کبھی وہ۔ غرض ہر رات یہ لطف صحبت رہا کرتا تھا۔ ایک رات کو وقت ہو چکا اور آپ نہ آئے۔ بہت دیر کے بعد تشریف لائے۔ ہم نے کہا حضورؐ آج تو آپ کو بہت دیر لگ گئی۔ آپ نے فرمایا ہاں قرآن شریف کا جو حصہ روزانہ پڑھا کرتا تھا آج اس وقت اسے پڑھا اور ادھورا چھوڑ کر آنے کو جی نہ چاہا۔ حضرت اوسؓ فرماتے ہیں میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل، پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل، پھر سات سورتوں کی ایک منزل، پھر نو سورتوں کی ایک منزل، پھر گیارہ سورتوں کی ایک منزل، پھر تیرہ سورتوں کی ایک منزل اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔

پس پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں، پھر ان کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل تو انچاسویں سورت یہی سورۂ ق پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی سنئے۔ پہلی منزل کی تین سورتیں سورہ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورہ نساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور برأت ہوئیں۔ تیسری منزل کی سات سورتیں یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور نحل ہوئیں۔ چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحان، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان ہوئیں۔ پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، احزاب، سبا، فاطر اور یٰس ہوئیں۔ چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں صافات، ص، زمر، غافر، حم السجدہ، حم عسق، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، قتال، فتح اور حجرات ہوئیں۔ اب ساتویں منزل مفصل کی سورتیں باقی رہیں جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوں گی اور وہ سورۂ ق ہے اور یہی ہم نے کہا تھا فالحمدللہ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورۂ ق اور سورۂ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ الخ، (سورۂ قمر:۱) مسلم مین ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا دو سال تک یا ایک سال کچھ ماہ تک ایک ہی دستور رہا، میں نے سورۂ ق کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی سن سن کر یاد کرلیا اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کے لئے ممبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے۔ الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقع پر جیسے عید ہے، جمعہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں ابتداء خلق کا، مرنے کے بعد جینے کا، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا، حساب کتاب کا، جنت دوزخ کا، ثواب، عذاب اور رغبت و ڈراوے کا ذکر ہے، واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ
رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا
كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْۤ
اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

رحم کرنے والے رحمت کرنے والے اللہ کے نام سے شروع ○

بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ○ بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا یہ ایک عجیب چیز ہے ○ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے یہ پھر زندہ کیا جانا دور از عقل ہے ○ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس کتاب ہے سب یاد رکھنے والی ○ بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی بس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں ○

اہل کتاب کی موضوع روایتیں: ☆☆ (آیت:۱-۵) ق حروف ہجا سے ہے جو سورتوں کے اول میں آتے ہیں جیسے ص ق الم حم طس وغیرہ ہم نے ان کی پوری تشریح سورۂ بقرہ کی تفسیر میں شروع میں کر دی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ قاف ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے میں تو جانتا ہوں کہ دراصل یہ بنی اسرائیل کی خرافات میں سے ہے جنہیں بعض لوگوں نے لے لیا۔ یہ سمجھ کر کہ ان سے روایت لینا مباح ہے گو تصدیق تکذیب نہیں کر سکتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اور اس جیسی اور روایتیں تو بنی اسرائیل کے بددینوں نے گھڑ لی ہوں گی تاکہ لوگوں پر دین کو خلط ملط کر دیں آپ خیال کیجئے کہ اس امت میں باوجودیکہ علماء کرام اور حفاظان عظام کی بہت بڑی دیندار مخلص جماعت ہر زمانے میں موجود ہے تاہم بددینوں نے بہت تھوڑی مدت میں موضوع احادیث تک گھڑ لیں۔

پس بنی اسرائیل جن پر مدتیں گذر چکیں جو حفظ سے عاری تھے جن میں نقادان فن موجود نہ تھے جو کلام خدا کو اصلیت سے ہٹا دیا کرتے تھے جو شرابوں میں مخمور رہا کرتے تھے جو آیات خدا کو بدل ڈالا کرتے تھے ان کا کیا ٹھیک ہے؟ پس حدیث نے جن روایات کو ان سے لینا مباح رکھا ہے یہ وہ ہیں جو کم از کم عقل وفہم میں تو آ سکیں نہ وہ جو صریح خلاف عقل ہوں سنتے ہی ان کے باطل اور غلط ہونے کا فیصلہ عقل کر دیتی ہو اور اس کا جھوٹ ہونا اتنا واضح ہو کہ اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہ پڑے۔ پس مندرجہ بالا روایت بھی ایسی ہی ہے واللہ اعلم۔ افسوس کہ بہت سے سلف وخلف نے اہل کتاب سے اس قسم کی حکایتیں قرآن مجید کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ دراصل قرآن کریم ایسی بے سر و پا باتوں کا کچھ محتاج نہیں فالحمد للہ۔

یہاں تک کہ امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہاں ایک عجیب وغریب اثر بہ روایت حضرت ابن عباسؓ وارد کر دیا ہے جو از روئے سند کے ثابت نہیں اس میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک سمندر پیدا کیا ہے جو اس ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سمندر کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اس کا نام قاف ہے آسمان دنیا اسی پر اٹھا ہوا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کے پیچھے ایک زمین بنائی ہے جو اس زمین سے سات گنی بڑی ہے پھر اس کے پیچھے ایک سمندر ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے پھر اس کے

پیچھے پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اسے بھی قاف کہتے ہیں دوسرا آسمان اسی پر بلند کیا ہوا ہے۔ اسی طرح سات زمینیں، سات سمندر، سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے پھر یہ آیت پڑھی وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے۔

علی بن ابوطلحہ جو روایت حضرت ابن عباسؓ سے کرتے ہیں، اس میں ہے کہ ق اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جو حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ق بھی مثل ص، ن، طس، الم وغیرہ کے حروف ہجا میں سے ہے۔ پس ان روایات سے بھی حضرت ابن عباسؓ کا یہ فرمان ہونا اور دور ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قسم ہے اللہ کی اور ق کہہ کر باقی جملہ چھوڑ دیا گیا کہ یہ دلیل ہے محذوف پر۔ جیسے شاعر کہتا ہے ؎

قُلْتُ لَهَا قِفِیْ فَقَالَتْ ق

لیکن یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ محذوف پر دلالت کرنے والا کلام صاف ہونا چاہئے اور یہاں کون سا کلام ہے؟ جس سے اتنے بڑے جملے کے محذوف ہونے کا پتہ چلے۔ پھر اس کرم اور عظمت والے قرآن کی قسم کھائی جس کے آگے سے یا پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا، جو حکمتوں اور تعریفوں والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس قسم کا جواب کیا ہے؟ اس میں بھی کئی قول ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے تو بعض نحویوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا جواب قَدْ عَلِمْنَا پوری آیت تک ہے، لیکن یہ بھی غور طلب ہے بلکہ جواب قسم کے بعد کا مضمون کلام ہے یعنی نبوت اور دوبارہ جی اٹھنے کا ثبوت اور تحقیق، گو قسم لفظوں سے اس کو جواب نہیں بتاتی ہو ایسا قرآن کی قسموں کے جواب میں اکثر ہے جیسے کہ سورۂ ص کی تفسیر کے شروع میں گذر چکا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا ہے کہ انہی میں سے ایک انسان کیسے رسول بن گیا؟ جیسے اور آیت میں ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ الخ،② یعنی کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ تم لوگوں کو ہوشیار کر دے۔ یعنی دراصل یہ کوئی تعجب کی چیز نہ تھی، اللہ جسے چاہے فرشتوں میں سے اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور جسے چاہے انسانوں میں سے چن لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد کے جینے کو بھی تعجب کی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہمارے جسم کے اجزاء جدا جدا ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں گے، اس کے بعد تو اسی ہیئت و ترکیب میں ہمارا دوبارہ جینا بالکل محال ہے۔ اس کے جواب میں فرمان صادر ہوا کہ زمین ان کے جسموں کو جو کھا جاتی ہے اس سے بھی ہم غافل نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ان کے ذرے کہاں گئے اور کس حالت میں کہاں ہیں؟ ہمارے پاس کتاب ہے جو اس کی حافظ ہے۔ ہمارا علم ہے جو اس کو شامل ہے اور ساتھ ہی کتاب میں محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی ان کے گوشت، چمڑے، ہڈیاں اور بال جو کچھ زمین کھا جاتی ہے، ہمارے علم میں ہے۔ پھر پروردگار عالم ان کے اس محال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرما رہا ہے کہ دراصل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق کے آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیں، ان سے بھلی سمجھ چھن جاتی ہے۔ مریج کے معنی ہیں مختلف، مضطرب منکر اور خلط ملط کے، جیسے فرمان ہے اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ یعنی یقیناً تم ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن کی پیروی سے وہی رکتا ہے جو بھلائی سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا
لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

وَّ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝۷ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ
عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ
وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹ وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا
لِّلْعِبَادِ ۙ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور زینت دی ہے؟ اس میں کوئی شگاف نہیں ○ اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگا دی ہیں ○ تا کہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو ○ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے غلے پیدا کئے ○ اور کھجوروں کے بلند وبالا درخت جن کے خوشے تہ بہتہ ہیں، ○ بندوں کی روزی کے لئے۔ ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح قبروں سے نکلنا ہے ○

اللہ کے محیر العقول شاہکار: ☆☆ (آیت: ۶-۱۱) یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھ رہا ہے کہ آسمان کو دیکھو، اس کی بناوٹ پر غور کرو، اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ، ایک چھید، ایک شگاف، ایک دراڑ نہیں۔ چنانچہ سورۂ تبارک میں فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا الخ، اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے، تو خدا کی اس صفت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا، تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کر اور دیکھ، تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے تا کہ ہل نہ سکے، کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اگا دیں۔ جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا تا کہ تم نصیحت وعبرت حاصل کرو۔ بَهِيْج کے معنی خوش منظر، خوشنما بارونق۔

پھر فرمایا آسمان وزمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا اور خدا کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔ پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اگا دیئے جو بھرپور میوے لاتے اور لدے رہتے ہیں۔ یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تر وتازہ ہو گئی اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہو گئے۔ یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی، یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں کہ خدا مردوں کے جلانے پر قادر ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی آسمان وزمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ اور آیت میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا؟ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلا دے؟ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور بنجر ہوتی ہے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار اگانے لگتی ہے، کیا میری قدرت کی یہ نشانی یہ نہیں بتلاتی

کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلا شک وشبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام تر چیزوں پر قدرت رکھتی ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾ ع

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں نے اور ثمودیوں نے ○ اور عادیوں نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے ○ اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی، سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا پس میرا وعدۂ عذاب ان پر صادق آ گیا ○ کیا پس ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں ○

ان کو شامت اعمال ہی پسند تھی: ☆☆ (آیت:۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ان عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو ان جیسے جھٹلانے والوں پر ان سے پہلے آ چکے ہیں۔ جیسے کہ نوحؑ کی قوم جنہیں اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا اور اصحاب رس جن کا پورا قصہ سورۂ فرقان کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ثمود اور عاد اور امت لوط جسے زمین میں دھنسا دیا اور اس زمین کو سڑا ہوا دلدل بنا دیا۔ یہ سب کیا تھا؟ ان کے کفران کی سرکشی اور مخالفت حق کا نتیجہ۔ اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیب ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قوم تبع سے مراد یمانی ہیں، سورۂ دخان میں ان کا واقعہ بھی گذر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر ہے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، فالحمدللہ۔ ان تمام امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور عذاب خدا سے ہلاک کر دیئے گئے، یہی عادت اللہ جاری ہے۔ یہ یاد رہے کہ ایک رسول کا جھٹلانے والا تمام رسولوں کا منکر ہے۔

جیسے اللہ عزوجل وعلا کا فرمان ہے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ قوم نوحؑ نے رسولوں کا انکار کیا حالانکہ ان کے پاس صرف نوح علیہ السلام ہی آئے تھے۔ پس دراصل یہ تھے ایسے کہ اگر ان کے پاس تمام رسول آ جاتے تو یہ سب کو جھٹلاتے، ایک کو بھی نہ مانتے۔ سب کی تکذیب کرتے، ایک کی بھی تصدیق نہ کرتے۔ ان سب پر خدا کے عذاب کا وعدہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ثابت ہو گیا اور صادق آ گیا۔ پس اہل مکہ اور دیگر مخاطب لوگوں کو بھی اس بدخصلت سے پرہیز کرنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے۔ کیا جب یہ کچھ نہ تھے ان کا بسانا ہم پر بھاری پڑا؟ جو یہ اب دوبارہ پیدا کرنے کے منکر ہو رہے ہیں۔ ابتدا سے تو اعادہ بہت ہی آسان ہوا کرتا ہے۔ جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ یعنی ابتداء اسی نے پیدا کیا ہے اور دوبارہ بھی وہی اعادہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔ سورۂ یٰس میں فرمان خداوندی جل جلالہ گذر چکا کہ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا الخ، یعنی اپنی پیدائش کو بھول کر ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا بوسیدہ سڑی گلی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تو جواب دے کہ وہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا اور جو تمام خلق کو جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے بنی آدم ایذا دیتا ہے، کہتا ہے خدا مجھے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے کچھ آسان نہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

ہم نے **انسان** کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم خوب واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں ○

دائیں اور بائیں دو فرشتے : ☆☆ (آیت: ۱۶) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہی انسان کا خالق ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو بھلے برے خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں بھی وہ جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں جو خیالات آئیں ان سے درگذر فرما لیا ہے جب تک کہ وہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ کریں۔ اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں' یعنی ہمارے فرشتے اور بعضوں نے کہا ہے ہمارا علم۔ ان کی غرض یہ ہے کہ کہیں حلول اور اتحاد نہ لازم آ جائے جو بالا جماع اس رب کی مقدس ذات سے بعید ہے اور وہ اس سے بالکل پاک ہے۔ لیکن لفظ کا اقتضا یہ نہیں ہے اس لئے کہ وَاَنَا نہیں کہا بلکہ وَنَحْنُ کہا ہے یعنی میں نہیں کہا بلکہ ہم کہا ہے۔ یہی لفظ اس شخص کے بارے میں کہے گئے ہیں جس کی موت قریب آ گئی ہو اور وہ نزع کے عالم میں ہو' فرمان ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ یعنی ہم تم سب سے زیادہ اس سے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ یہاں بھی مراد فرشتوں کا اس قدر قریب ہونا ہے۔ جیسے فرمان ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ یعنی ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ فرشتے ہی ذکر قرآن کریم کو لے کر نازل ہوئے ہیں اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے جس پر اللہ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے۔ پس انسان پر ایک پہرہ فرشتے کا ہوتا ہے اور ایک شیطان کا' اسی طرح شیطان بھی جسم انسان میں اسی طرح پھرتا ہے جس طرح خون۔ جیسے کہ سچوں کے سچے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝١٧ مَا
يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝١٨ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ
بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝١٩ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ
ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ۝٢٠ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝٢١
لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ
الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝٢٢

جس وقت کہ وہ لینے والے لینے جاتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے ○ انسان کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے ○ موت کی سختی یقیناً پیش آئے گی' یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا ○ اور صور پھونک دیا جائے گا' وعدۂ عذاب کا دن یہی ہے ○ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا ○ یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے ○

(آیت: ۱۷-۲۲) اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں' وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں' ابن آدم کے منہ سے جو کلمہ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ الخ' تم پر محافظ ہیں بزرگ فرشتے جو تمہارے ہر فعل سے باخبر ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ تو

فرماتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد عمل لکھ لیا کرتے ہیں- ابن عباسؓ کے دو قول ہیں‘ ایک تو یہی ہے‘ دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ثواب و عذاب لکھ لیا کرتے ہیں- لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی ہی تائید کرتے ہیں کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے اس کے پاس محافظ تیار ہیں-

مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ کی رضامندی کا کہہ گذرتا ہے جسے وہ کوئی بہت بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی رضامندی اس کے لئے قیامت تک کی لکھ دیتا ہے اور کوئی کلمہ برائی کا‘ ناراضگی خدا کا اسی طرح بے پرواہی سے کہہ گذرتا ہے جس کی وجہ سے اللہ اپنی ناراضگی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک کی لکھ دیتا ہے- حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے بچا لیا- ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں- احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور یہ بائیں طرف والے پر امین ہے- جب بندے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے ٹھہر جا اگر اس نے اسی وقت توبہ کر لی تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ لکھ لیتا ہے (ابن ابی حاتم)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے تھے اے ابن آدم! تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو بزرگ فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک تیرے داہنے دوسرا بائیں- دائیں طرف والا تو تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے‘ اب تو جو چاہے عمل کر‘ کمی کر یا زیادتی کر‘ جب تو مرے گا تو یہ دفتر لپیٹ دیا جائے گا اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا- اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا ہر انسان کی شامت اعمال ہم نے اس کے گلے لگا دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامہ اعمال کی ایک کتاب ڈال دیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا- پھر اس سے کہیں گے کہ اپنی کتاب پڑھ لے‘ آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے- پھر حضرت حسنؒ نے فرمایا خدا کی قسم اس نے بڑا ہی عدل کیا جس نے خود تجھے ہی تیرا محاسب بنا دیا- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو کچھ تو بھلا برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے وہ سب لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا بھی کہ میں نے کھایا‘ میں نے پیا‘ میں گیا‘ میں آیا‘ میں نے دیکھا- پھر جمعرات والے دن اس کے اقوال و افعال پیش کئے جاتے ہیں‘ خیر و شر باقی رکھ لی جاتی ہے اور سب کچھ مٹا دیا جاتا ہے- یہی معنی ہیں فرمان باری تعالیٰ شانہ کے يَمْحُو اللّٰهُ مَايَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتَابِ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مروی ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا‘ اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے‘ اپنی موت کے وقت تک اف بھی نہ کی-

پھر فرماتا ہے اے انسان! موت کی بیہوشی یقیناً آئے گی‘ اس وقت وہ شک دور ہو جائے گا جس میں آج کل تو مبتلا ہے- اس وقت تجھ سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جس سے تو بھاگتا پھرتا تھا‘ اب وہ آ گئی تو کسی طرح اس سے نجات نہیں پا سکتا‘ نہ بچ سکتا ہے‘ نہ اسے روک سکتا ہے‘ نہ اسے دفع کر سکتا ہے‘ نہ ٹال سکتا ہے‘ نہ مقابلہ کر سکتا ہے‘ نہ کسی کی مدد و سفارش کچھ کام آ سکتی ہے- صحیح یہی ہے کہ یہاں خطاب مطلق انسان سے ہے گو بعضوں نے کہا ہے کافر سے ہے اور بعضوں نے کچھ اور بھی کہا ہے- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں آپ کے سرہانے بیٹھی تھی‘ آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھا-

من لا يزال دمعه مقنعا فانه لا بديرة مدفوق

مطلب یہ ہے کہ جس کے آنسو ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے- تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر کہا پیاری بچی یوں نہیں بلکہ جس

طرح خدا نے فرمایا وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبرؓ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو- اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں جنہیں میں نے سیرۃ الصدیق میں آپ کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے-

صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ پر جب موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپؐ اپنے چہرہ مبارک سے پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے' سبحان اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں- اس آیت کے پچھلے جملے کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے ایک تو یہ کہ ما موصولہ ہے یعنی یہ وہی ہے جسے تو بعید جانتا تھا- دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ وہ چیز ہے جس کے جدا کرنے کی' جس سے بچنے کی تجھے قدرت نہیں' تو اس سے ہٹ نہیں سکتا- معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی' بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چکنا چور ہوگئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی' زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اس نے لومڑی سے کہا میرا قرض' تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا' حال برا ہو رہا تھا' آخر یونہی بھاگے بھاگے بے دم ہو کر مر گئی- الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں- اس کے بعد صور پھونکے جانے کا ذکر ہے جس کی پوری تفسیر والی حدیث گذر چکی ہے-

ایک اور حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم خداوندی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے- صحابہ نے کہا پھر یا رسول اللہؐ! ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ- پھر فرماتا ہے ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ تو میدان محشر کی طرف لانے والا ہوگا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دینے والا ہوگا- ظاہر آیت یہی ہے اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت ممبر پر کی اور فرمایا ایک چلانے والا جس کے ہمراہ یہ میدان محشر میں آئے گا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا- حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں سائق سے مراد فرشتہ ہے اور شہید سے مراد عمل ہے-

ابن عباسؓ کا قول ہے سائق فرشتوں میں سے ہوں گے اور شہید سے مراد خود انسان ہے جو اپنے اوپر آپ گواہی دے گا- پھر اس کے بعد کی آیت میں جو خطاب ہے اس کی نسبت تین قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ خطاب کافر سے ہوگا' دوسرا یہ کہ اس سے مراد عام انسان ہیں نیک بد سب' تیسرا یہ کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں- دوسرے قول کی توجیہ یہ ہے کہ آخرت اور دنیا میں وہی نسبت ہے جو بیداری اور خواب میں ہے اور تیسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ تو اس قرآن کی وحی سے پہلے غفلت میں تھا- ہم نے یہ قرآن نازل فرما کر تیری آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا اور تیری نظر قوی ہوگئی- لیکن الفاظ قرآنی سے تو ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی ہر شخص سے کہا جائے گا کہ تو اس دن سے غافل تھا' اس لئے کہ قیامت کے دن ہر شخص کی آنکھیں خوب کھل جائیں گی' یہاں تک کہ کافر بھی استقامت پر ہو جائے گا لیکن یہ استقامت اسے نفع نہ دے گی- جیسے فرمان باری ہے اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا یعنی جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے خوب دیکھتے سنتے ہوں گے- اور آیت میں ہے وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الخ' یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں پڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے خدایا ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا' اب ہمیں لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور کامل یقین رکھیں گے-

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ (٢٣) اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ (٢٤)

اس کا ہم نشین فرشتہ کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا ○ ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو ○

ہمارے اعمال کے گواہ: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جو فرشتہ ابن آدم کے اعمال پر مقرر ہے وہ اس کے اعمال کی شہادت دے گا اور کہے گا کہ یہ ہے میرے پاس تفصیل بلا کم و کاست۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس فرشتے کا کلام ہوگا جسے سائق کہا گیا ہے جو اس کو محشر میں لے آیا تھا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ یہ شامل ہے اس فرشتے کو بھی اور گواہی دینے والے فرشتے کو بھی۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے عدل و انصاف سے کرے گا۔ اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ بعض عرب واحد کو تثنیہ کر دیا کرتے ہیں، جیسے کہ حجاج کا مقولہ مشہور ہے کہ وہ اپنے جلاد سے کہتا تھا اِضْرِبَا عُنُقَہٗ تم دونوں اس کی گردن مار دو، حالانکہ جلاد ایک ہی ہوتا تھا۔ ابن جریرؒ نے اس کی شہادت میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل یہ نون تاکید ہے جس کی تسہیل الف کی طرف کر لی ہے لیکن یہ بعید ہے اس لئے کہ ایسا تو وقف کی حالت میں ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اوپر والے دونوں فرشتوں سے ہوگا، لانے والے فرشتے نے اسے حساب کے لئے پیش کیا اور گواہی دینے والے نے گواہی دے دی، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو جو بدترین جگہ ہے، اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿۲۵﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
فَاَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِينُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ
وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ
قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۲۹﴾

ع ۱۴

جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گذر جانے والا اور شک کرنے والا تھا ○ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو ○ اس کا ہم نشین شیطان کہے گا اے ہمارے رب! میں نے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا ○ حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھگڑے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعدہ عذاب بھیج چکا تھا ○ میرے ہاں بات بدلتی اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں ○

(آیت: ۲۵-۲۹) پھر فرماتا ہے کہ ہر کافر اور ہر حق کے مخالف اور ہر حق کے نہ ادا کرنے والے اور ہر نیکی صلہ رحمی اور بھلائی سے خالی رہنے والے اور ہر حد سے گذر جانے والے، خواہ وہ مال کے خرچ میں اسراف کرتا ہو، خواہ بولنے اور چلنے پھرنے میں خدائی احکام کی پرواہ نہ کرتا ہو اور ہر شک کرنے والے اور ہر خدا کے ساتھ شریک کرنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ اسے پکڑ کر سخت عذابوں میں ڈال دو۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ جہنم قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اپنی گردن نکالے گی اور باآواز بلند پکار کر کہے گی جسے تمام محشر کا مجمع سنے گا کہ میں تین قسم کے لوگوں پر مقرر کی گئی ہوں ہر سرکش حق کے مخالف کے لئے اور ہر مشرک کے لئے اور ہر تصویر بنانے والے کے لئے، پھر وہ ان سب سے لپٹ جائے گی۔ مسند کی حدیث میں تیسری قسم کے لوگ وہ بتلائے ہیں جو ظالمانہ قتل کرنے والے ہوں۔ پھر فرمایا اس کا ساتھی کہے گا، اس سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ موکل تھا، یہ اس کافر کو دیکھ کر اپنی برأت کرے گا اور کہے گا کہ میں نے اسے نہیں بہکایا بلکہ یہ تو خود گمراہ تھا، باطل کو از خود قبول کر لیتا تھا، حق کا اپنے آپ مخالف تھا۔

جیسے دوسری آیت میں ہے کہ شیطان جب دیکھے گا کہ کام ختم ہوا تو کہے گا اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی،

میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں‘ میں نے تم سے کہا تم نے فوراً مان لیا‘ اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنی جانوں کو ملامت کرو‘ نہ میں تمہیں کام دے سکوں نہ تم میرے کام آ سکو‘ تم جو مجھے شریک بنا رہے تھے تو میں پہلے ہی سے ان کا انکاری تھا ظالموں کے لئے المناک عذاب ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انسان سے اور اس کے ساتھی شیطان سے فرمائے گا کہ میرے سامنے نہ جھگڑو‘ کیونکہ انسان کہہ رہا ہوگا کہ خدایا اس نے مجھے جبکہ میرے پاس نصیحت آ چکی گمراہ کر دیا اور شیطان کہے گا خدایا میں نے اسے گمراہ نہیں کیا‘ تو اللہ انہیں تو تو میں میں سے روک دے گا اور فرمائے گا میں تو اپنی حجت ختم کر چکا‘ رسولوں کی زبانی یہ سب باتیں تمہیں سنا چکا تھا‘ کتابیں بھیج دی تھیں‘ اور ہر ہر طریقہ سے‘ ہر طرح سے تمہیں سمجھا بجھا دیا تھا۔ سنو جو فیصلہ کرنا ہے وہ میں کر چکا‘ میری باتیں بدلتی نہیں‘ میں ظالم نہیں جو دوسرے کے گناہ پر کسی کو پکڑوں۔ ہر شخص پر اتمام حجت ہو چکی اور ہر شخص اپنے گناہوں کا آپ ذمہ دار ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝۳۰ وَأُزْلِفَتِ
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝۳۱ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ
حَفِيْظٍ ۝۳۲ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝۳۳
ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝۳۴ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا
مَزِيْدٌ ۝۳۵

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ ○ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟ اور جنت پرہیزگاروں کے لئے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی ○ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع ہونے والا اور پابندی کرنے والا ہو ○ جو رحمان کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو ○ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے ○ یہ وہاں جو چاہیں انہی کا ہے بلکہ ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے ○

متکبر اور متجبر کا ٹھکانا: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۵) چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ وہ اسے پر کر دے گا اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اس کے قابل ہوں گے انہیں اس میں ڈال دیا جائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ اب تو تو پر ہو گئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گنہگار باقی ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم میں گنہگار ڈالے جائیں گے اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی تیری عزت وکرم کی قسم بس بس اور جنت میں جگہ بچ جائے گی یہاں تک کہ ایک مخلوق کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو آباد کرے گا۔ صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی جہنم نے کہا کہ میں ہر متکبر اور ہر متجبر کے لئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے وہ داخل ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اس رحمت کے ساتھ نواز دوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے‘ تیرے ساتھ میں جسے چاہوں گا عذاب کروں گا۔ ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی‘ تو جہنم تو نہ بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا اب وہ کہے گی بس بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کے سب جوڑ آپس میں سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ رہے گی اس کے بھرنے کے

لئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنے والے، تکبر کرنے والے بادشاہ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا مجھ میں کمزور، ضعیف، فقیر، مسکین داخل ہوں گے۔

مسند ابویعلیٰ میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات قیامت کے دن دکھائے گا، میں سجدے میں گر پڑوں گا، اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، پھر میں خدائے تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ اس سے وہ خوش ہو جائے گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی، پھر میری امت جہنم کے اوپر کے پل سے گذرنے لگے گی۔ بعض تو نگاہ کی سی تیزی کے ساتھ گذر جائیں گے، بعض تیر کی طرح پار ہو جائیں گے، بعض تیز گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک شخص گھٹنوں چلتا ہوا گذر جائے گا اور یہ مطابق اعمال کے ہوگا اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس، اور میں حوض میں ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا ہے؟ فرمایا خدا کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں، جسے اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا اسے کہیں پانی نہیں ملے گا جو سیراب ہو سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کی جائے؟ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنے کی جگہ ہے؟ میں بھر گئی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس میں جہنمی ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ کہے گی میں بھر گئی اور کہے گی کہ کیا مجھ میں زیادتی کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریرؒ پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اس کے بعد ہوگا کہ خدا تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ دے، اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھر گئی؟ تو وہ جواب دے گی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جس میں کوئی آ سکے؟ یعنی باقی نہیں رہی، پر ہوگئی۔ حضرت عوفی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے اس لئے کہ جس کا آنا یقینی ہو وہ دور نہیں سمجھا جاتا۔ اَوَّابٌ کے معنی رجوع کرنے والا، توبہ کرنے والا، گناہوں سے رک جانے والا۔ حَفِیْظٌ کے معنی وعدوں کا پابند۔ حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں اَوَّابٌ وَّ حَفِیْظٌ وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اٹھے جب تک کہ استغفار نہ کرلے۔ جو رحمان سے بن دیکھے ڈرتا رہے یعنی تنہائی میں بھی خوف خدا رکھے۔ حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش خدا کا سایہ پائے گا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہ نکلیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لے کر جائے۔ جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ خدا کے تمام عذابوں سے تمہیں سلامتی مل گئی اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے ان پر سلام کریں گے یہ خُلُود کا دن ہے یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو جہاں کبھی موت نہیں، جہاں سے کبھی نکال دیئے جانے کا خطرہ نہیں، جہاں سے تبدیلی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ وہاں جو چاہیں گے پائیں گے بلکہ اور زیادہ بھی۔ کثیر بن مرہؒ فرماتے ہیں مزید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گذرے گا جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں۔ پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گی۔

حضرت کثیرؒ فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے گا۔ مسند احمد کی

مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی۔ امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا اور آیت میں ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ صہیب بن سنان رومیؓ فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جس کے بیچوں بیچ ایک نکتہ تھا۔ حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں' یہود بھی اور نصاریٰ بھی' تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے' اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے گا مل جاتا ہے' ہمارے یہاں اس کا نام يَوْمُ الْمَزِيْد ہے' حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ میدان بنایا ہے جس میں مشکی ٹیلے ہیں' جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے' اس کے اردگرد نوری ممبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں' یہ ممبر سونے کے ہیں جس پر جڑاؤ جڑے ہوئے ہیں۔ شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا' اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے۔ اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا' میں تم سے راضی ہو گیا' اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہش مند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں' یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔ اسی طرح اسے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے' امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک بہت بڑا اثر وارد کیا ہے جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں جنتی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی' وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں' وہ جو زیورات پہنے ہوئے ہوگی ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے' وہ سلام کرے گی' یہ جواب دے کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں ''مزید'' کہا گیا تھا۔ اس پر ستر حلے ہوں گے لیکن تاہم اس کی خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کی وجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا تک نظر آئے گا' اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا
فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ
لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾
فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ
وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈ ھتے ہی رہ گئے کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے؟ ○ اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے ○ یقیناً ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں ○ یہ جو کچھ کہتے ہیں تو اس پر صبر کرتا رہ اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کرتا رہ سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی ○ اور رات کے کسی وقت بھی اور نماز کے بعد بھی ○

بے سود کوشش: ☆☆ (آیت: ۳۶-۴۰) ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو ہیں کیا چیز؟ ان سے بہت زیادہ قوت و طاقت اور اسباب تعداد کے لوگوں کو اسی جرم پر ہم تہ و بالا کر چکے ہیں جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں' زمین میں خوب فساد کیا تھا' لمبے لمبے سفر کرتے تھے' ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی' خدا کی قضا و قدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور بھوسے کی طرح اڑا دیئے جاؤ گے۔ ہر عقلمند کے لئے اس میں کافی عبرت ہے۔ اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھداری کے ساتھ کان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پا سکتا ہے یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سنے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین کو اور اس کے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں۔ اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر خدا کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق کو اولاً پیدا کر چکا ہے' اس پر مردوں کا جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا تھا اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحت رکھ چھوڑا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تھکن ہی نہ تھی آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں ہے وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا؟ وہ مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ایک اور آیت میں ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ الخ' البتہ آسمان و زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔ ایک اور آیت میں ہے ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا کیا تمہاری پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی' اسے خدا نے بنایا ہے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو سناتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو' ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو خدا کی پاکی اور تعریف کیا کرو۔ معراج سے پہلے صبح کی اور عصر کی نماز فرض تھی اور رات کی تہجد آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی' اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں۔ پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے سے مراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے۔

مسند احمد میں ہے ہم حضور کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو' جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں' پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نمازوں سے غافل نہ ہو جایا کرو' پھر آپ نے آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ پڑھی' یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کر یعنی نماز پڑھ۔ جیسے فرمایا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ الخ' یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کر' یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے' تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ سجدوں کے پیچھے سے مراد بقول حضرت ابن عباسؓ نماز کے بعد خدا کی پاکی بیان کرنا ہے۔ صحیحین میں حضرت

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مفلس مہاجر آئے اور کہا یا رسول اللہ! مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشگی والی نعمتیں حاصل کر چکے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے' وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا آؤ تمہیں ایک ایسا عمل بتلاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر پڑھ لیا کرو' پھر وہ آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت حسن بن علیؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم کا یہی فرمان ہے اور یہی قول ہے حضرت مجاہدؒ' حضرت عکرمہؒ' حضرت شعبیؒ' حضرت نخعیؒ' حضرت قتادہؒ' رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ ہر فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے بجز فجر اور عصر کی نماز کے۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گذاری آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو ہلکی رکعتیں ادا کیں پھر گھر سے نماز کے لئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباسؓ! فجر کے پہلے کی دو رکعتیں اَدْبَارَ النُّجُوْمِ ہیں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہیں۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبداللہؓ نے تہجد کی نماز کی تیرہ رکعتیں آپ کی اقتدا میں ادا کی تھیں اور یہ رات آپ کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کی تھی۔ لیکن اوپر جو بیان ہوا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری مسلم میں ہے۔ ممکن ہے کہ پچھلا کلام حضرت ابن عباسؓ کا اپنا ہو' واللہ اعلم

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ
الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ
وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ
عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾ ع ١٦ ١٧

اور سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا ○ جس روز اس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سب سن لیں گے' یہ دن ہوگا نکلنے کا ○ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے ○ جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے نکل پڑیں گے' یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے ○ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں ○

جب ہم سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۵) حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑا ہو کر آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو اور اے جسم کے متفرق اجزاؤ! اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ پس مراد اس سے صور ہے' یہ حق اس شک وشبہ اور اختلاف کو مٹا دے گا جو اس سے پہلے تھا' یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ ابتداً پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام خلائق کو ایک جگہ لوٹا لانا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔ اس وقت ہر

ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے- تمام بھلائی برائی کا عوض ہر ہر شخص پالے گا' زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے- اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اگنے لگیں گے جس طرح کیچڑ میں پڑا ہوا دانہ بارش سے اگ جاتا ہے- جب جسم کی پوری نشوونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دے گا- تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی' ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی' اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے عزت وجلال کی قسم ہے ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد کر رکھا تھا- پس ہر روح اپنے اپنے اصلی جسم میں جا ملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے کے رگ وریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اس طرح اس جسم کے رگ وریشے میں فوراً روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی' یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا- فرمان باری ہے یَوۡمَ یَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ الخ' یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے-

صحیح مسلم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی- فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی سہل اور بالکل آسان ہے- جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایا وَمَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا- ایک اور آیت میں ہے مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مارنے کے بعد جلا دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا- اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے- پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں' تو اسے اہمیت نہ دے ہم خود نپٹ لیں گے- جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ یَضِیۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ الخ' واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہیں سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہیے اور نمازوں میں رہیے اور موت آ جانے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیے- پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبراً نہیں لا سکتا' نہ ہم نے تجھے اس کی تکلیف دی ہے- یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو- لیکن پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبار نہیں ہو' یعنی آپ مبلغ ہیں' تبلیغ کر کے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو جایئے- جبر معنی میں اجبر کے بھی آتا ہے- آپ نصیحت کرتے رہیے' جس کے دل میں خوف خدا ہے' جو اس کے عذابوں سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائے گا اور راہ راست پر آ جائے گا- جیسے فرمایا ہے فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمے ہے- ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ لَسۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ تو نصیحت کر دے تو صرف نصیحت کرنے والا ہے کچھ ان پر داروغہ نہیں- ایک اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت نہیں بلکہ خدا جسے چاہے ہدایت کرتا ہے- اور جگہ ہے اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ یعنی تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ خدا جسے چاہے راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے- اسی مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے-

حضرت قتادہؒ اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡنَا مِمَّنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدَكَ وَیَرۡجُوۡ مَوۡعِدَكَ یَابَآرُّ یَا رَحِیۡمُ یعنی اے اللہ! تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کے وعدے کی امید لگائے ہوئے ہیں اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے- سورۂ ق کی تفسیر ختم ہوئی- وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَحۡدَهٗ وَحَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِیۡلُ-

تفسیر سورة الذاريات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝١ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝٢ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝٣ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝٤ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝٥ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝٦ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝٧ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝٨ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝٩ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝١١ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٢ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝١٣ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝١٤

مہربان اور کرم فرما معبود برحق کے نام سے شروع ○

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر ○ پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو ○ پھر چلنے والیاں نرمی سے ○ پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں ○ یقین مانو تم سے جو وعدے کئے جاتے ہیں سب سچے ہیں ○ اور بیشک انصاف ہونے والا ہی ہے ○ قسم ہے راہوں والے آسمان کی ○ یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو ○ اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو ○ بے سند باتیں بنانے والے غارت کر دیئے گئے ○ جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں ○ پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا؟ ○ ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر الٹے سیدھے پڑیں گے ○ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے ○

(آیت:۱-۱۴) خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفے کے ممبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول کی بابت تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو کر لو۔ اس پر ابن الکواء نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ ذَارِیَاتِ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا' پوچھا حَامِلاتِ سے؟ فرمایا ابر۔ کہا جَارِیَاتِ سے؟ فرمایا کشتیاں' کہا مُقَسِّمَاتِ سے؟ فرمایا فرشتے۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ بزار میں ہے صبیغ تمیمی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا بتلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا اور اسے میں نے اگر رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مُقَسِّمَاتِ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضورؐ سے سن رکھا ہے۔ پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں' یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے پٹوائے اور سوار کرا کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے' کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی' اب میرے دل میں بدعقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔

امام ابوبکر بزارؒ فرماتے ہیں اس کے دو راویوں میں کلام ہے' پس یہ حدیث ضعیف ہے- ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں- امیر المؤمنین نے اسے جو پٹوایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بدعقیدگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے' واللہ اعلم- صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ لائے ہیں- یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت حسنؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت سدیؒ وغیرہ سے مروی ہے- امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے ان آیتوں کی تفسیر میں اور کوئی قول وارد ہی نہیں کیا- حاملات سے مراد ابر ہونے کا محاورہ اس شعر سے بھی پایا جاتا ہے-

واسلمت نفسی لمن اسلمت　　　له المزن تحمل عذباز لا لا

یعنی میں اپنے آپ کو اس خدا کا تابع فرمان کرتا ہوں جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف میٹھے اور ہلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں- جاریات سے مراد بعض نے ستارے لی ہے جو آسمان پر چلتے پھرتے رہتے ہیں' یہ معنی لینے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوگی- اولاً ہوا پھر بادل پھر ستارے پھر فرشتے- جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اترتے ہیں' کبھی کوئی سپرد کردہ کام بجا لانے کے لئے تشریف لاتے ہیں- چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آنی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے' اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تمہیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور حساب کتاب' جزا و سزا ضرور واقع ہونے والی ہے- پھر آسمان کی قسم کھائی جو خوبصورتی' رونق' حسن اور برابری والا ہے- بہت سے سلف نے یہی معنی حبك کے بیان کئے ہیں- حضرت ضحاکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں' ریت کے ذرے اور کھیتیوں کے پتے ہوا کے زور سے جب لہراتے ہیں اور پرشکن لہرئے دار ہو جاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں' اسی کو حبك کہتے ہیں- ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے' اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبک حبک ہیں یعنی گھونگر والے- ابوصالح فرماتے ہیں حبک سے مراد شدت والا' خصیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے-

حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے- ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں- اکثر علماء ہئیت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے' واللہ اعلم- ان تمام اقوال کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی حسن و رونق والا آسمان- اس کی بلندی' اس کی صفائی' اس کی پاکیزگی' اس کی بناوٹ کی عمدگی' اس کی مضبوطی' اس کی چوڑائی اور کشادگی' اس کا ستاروں سے جگمگانا جن میں سے بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں' اس کا سورج اور چاند جیسے سیاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں- پھر فرماتا ہے اے مشرکو! تم اپنے ہی اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو' تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر بھی نہیں پہنچے ہو- کسی رائے پر تمہارا اجتماع نہیں-

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے تھے' بعض اس کی تکذیب کرتے تھے- پھر فرماتا ہے یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو- وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک اور بھٹک جاتا ہے' صحیح سمجھ اور سچا علم اس سے فوت ہو جاتا ہے- جیسے اور آیت میں ہے فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِيْنَ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل کے بجز جہنمی لوگوں کے کسی کو بہکا نہیں سکتے- حضرت ابن عباسؓ اور سدیؒ فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے- حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں قرآن سے

وہی ہٹتا ہے جو اس سے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کمر کس لے- پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے ہلاک ہوں' یعنی جھوٹی باتیں بنانے والے جنہیں یقین نہ تھا' جو کہتے تھے کہ ہم اٹھائے نہیں جائیں گے- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں-

حضرت معاذؓ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں- پھر فرمایا جو لوگ اپنے کفر و شک میں غافل اور بے پرواہ ہیں- یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ میں تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے' یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھو- اپنے کرتوت کے بدلے برداشت کرو- پھر ان کی اور زیادہ حقارت کے لئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے کہ کب آئے گا' کب آئے گا' واللہ اعلم-

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝١٥ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ
كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ۝١٦

بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے ○ ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے رہے ہوں گے' وہ تو اس سے پہلے ہی نیک کار تھے ○

حسن کارکردگی کے انعامات: ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) پرہیزگار' خدا ترس لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کے دن جنتوں میں اور نہروں میں ہوں گے بخلاف ان بدکرداروں کے جو عذاب و سزا میں' طوق و زنجیر میں' سختی اور مار پیٹ میں ہوں گے- جو فرائض خدا ان کے پاس آئے تھے یہ ان کے حامل تھے اور ان سے پہلے بھی وہ اخلاص کے کام کرنے والے تھے- لیکن اس تفسیر میں ذرا تامل ہے دو وجہ سے' اول تو یہ کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی کہی جاتی ہے لیکن سند صحیح سے ان تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی یہ سند بالکل ضعیف ہے' دوسرے یہ کہ اٰخِذِیْنَ کا لفظ حال ہے اگلے جملے سے' تو یہ مطلب ہوا کہ متقی لوگ جنت میں خدا کی دی ہوئی نعمتیں حاصل کر رہے ہوں گے- اس سے پہلے وہ بھلائی کے کام کرنے والے تھے یعنی دنیا میں- جیسے اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اور آیتوں میں فرمایا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ یعنی دار دنیا میں تم نے جو نیکیاں کی تھیں ان کے بدلے اب تم یہاں شوق سے پاکیزہ و پسندیدہ کھاتے پیتے رہو-

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝١٧ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ
یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝١٨ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝١٩ وَفِی
الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝٢٠ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٢١
وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٢٢ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝٢٣ ع ۲۲ ۱۸

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ○ اور آخری رات میں استغفار کیا کرتے تھے ○ اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا ○ یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں ○ اور خود تمہاری ذات میں بھی' تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ○ اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے ○ آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کی یہ بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو ○

(آیت: ۱۷-۲۳) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے عمل کے اخلاص یعنی ان کے احسان کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ یہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں ما نافیہ ہے تو بقول حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہ مطلب ہوگا کہ ان پر کوئی رات ایسی نہ گذرتی تھی جس کا کچھ حصہ یادِ خدا میں نہ گذارتے ہوں خواہ اول میں کچھ نوافل پڑھ لیں خواہ درمیان میں۔ یعنی کچھ نہ کچھ، کسی نہ کسی وقت نماز عموماً ہر رات پڑھ ہی لیا کرتے تھے، ساری رات سوتے سوتے نہیں گذارتے تھے۔ حضرت ابو العالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ لوگ مغرب، عشاء کے درمیان کچھ نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام ابو جعفر باقر فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ما موصولہ ہے یعنی ان کی نیند رات کی کم تھی، کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے اور اگر دل لگ گیا تو صبح ہو جاتی تھی اور پھر پچھلی رات کو جناب باری میں گڑگڑا کر توبہ استغفار کرتے تھے۔ حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کر کے پھر فرماتے تھے افسوس مجھ میں یہ بات نہیں۔ آپ کے شاگرد خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے جنتیوں کے جو اعمال اور جو صفات بیان ہوئے ہیں میں جب کبھی اپنے اعمال وصفات کو ان کے مقابلے میں رکھتا ہوں تو بہت کچھ فاصلہ پاتا ہوں۔ لیکن الحمدللہ جہنمیوں کے عقائد کے بالمقابل جب میں اپنے عقائد کو لاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ تو بالکل ہی خیر سے خالی تھے، وہ کتاب اللہ کے منکر، وہ رسول اللہ کے منکر، وہ موت کے بعد کی زندگی کے منکر، پس ہماری تو حالت وہی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کی بتلائی ہے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا یعنی نیکیاں بدیاں ملی جلی۔ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا اے ابو سلمہ! یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں بلکہ ہم تو بہت کم وقت عبادت خدا میں گذارتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا وہ شخص بھی بہت ہی خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ سے ڈرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے اور اس مجمع میں میں بھی تھا، واللہ آپ کے مبارک چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم ﷺ کی میرے کان میں پڑی تھی کہ آپ نے یہ فرمایا اے لوگو! کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نماز ادا کرو، تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔ حضرت زہریؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصہ تہجد گذاری میں نکالتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت کم حصہ وہ سوتے ہیں۔ حضرت ضحاکؒ كَانُوْا قَلِيْلًا کو اس سے پہلے کے جملے کے ساتھ ملاتے ہیں اور مِنَ الَّيْلِ سے ابتدا ابتلاتے ہیں لیکن اس قول میں بہت دوری اور تکلف ہے۔ پھر اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ اور مفسرین فرماتے ہیں راتوں کو قیام کرتے ہیں اور صبح کے ہونے کے وقت اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ یعنی سحر کے وقت یہ لوگ استغفار کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ استغفار نماز میں ہی ہو تو بھی بہت اچھا ہے، صحاح وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت کی کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان

دنیا کی طرف اترتا ہے اور فرماتا ہے، کوئی گنہگار ہے؟ جو توبہ کرے اور میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے جو استغفار کرے اور میں اسے بخشوں؟ کوئی مانگنے والا ہے جو مانگے اور میں اسے دوں؟ فجر کے طلوع ہونے تک یہی فرماتا ہے۔ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لڑکوں سے جو فرمایا تھا کہ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ میں اب عنقریب تمہارے لیے استغفار کروں گا، اس سے بھی مطلب یہی تھا کہ سحر کا وقت جب آئے گا تب میں استغفار کروں گا۔

پھر ان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ نمازی ہیں اور حق اللہ ادا کرتے ہیں، وہاں لوگوں کے حق بھی نہیں بھولتے۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، سلوک، احسان اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ان کے مال میں ایک مقررہ حصہ مانگنے والوں اور ان حقداروں کا ہے جو سوال سے بچتے ہیں۔ ابو داؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑ سوار ہو، مَحۡرُوۡمٌ وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو، صنعت وحرفت یاد نہ ہو جس سے روزی کما سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال تباہ ہو گیا، چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہا لے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو گھومتے پھرتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ بھی مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے، نہ اپنا حال قال ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت و افلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری مسلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مکے شریف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آ کر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو، خواہ وجہ کچھ بھی ہو یعنی حاصل ہی نہ کر سکا۔ کمانے کھانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہو وغیرہ۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر کافروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا خدا نے انہیں غلبہ دیا اور مال غنیمت بھی ملا پھر کچھ لوگ آپ کے پاس وہ بھی آ گئے جو غنیمت حاصل ہونے کے وقت موجود نہ تھے، پس یہ آیت اتری۔ اس کا اقتضا تو یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہو لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ یہ آیت مکی ہے۔ پھر فرماتا ہے یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سے نشانات قدرت موجود ہیں، جو خالق کی عظمت و عزت، ہیبت وجلالت پر دلالت کرتے ہیں دیکھو کہ کس طرح اس میں حیوانات اور نباتات کو پھیلا دیا ہے اور کس طرح اس میں پہاڑوں، میدانوں، سمندروں اور دریاؤں کو رواں کیا ہے۔ پھر انسان پر نظر ڈالو ان کی زبانوں کے اختلاف کو ان کے رنگ روپ کے اختلاف کو ان کے ارادوں اور قوتوں کے اختلاف کو ان کی عقل وفہم کے اختلاف کو ان کی حرکات وسکنات کو ان کی نیکی بدی کو دیکھو ان کی بناوٹ پر غور کرو کہ ہر عضو کیسی مناسب جگہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا خود تمہارے وجود میں ہی اس کی بہت سی نشانیاں ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا، اپنے جوڑوں کی ترکیب پر نظر ڈالے گا وہ یقین کر لے گا کہ بیشک اسے خدا نے ہی پیدا کیا اور اپنی عبادت کے لئے ہی بنایا ہے۔ پھر فرماتا ہے آسمان میں تمہاری روزی ہے یعنی بارش اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

یعنی جنت۔ حضرت واصل احدب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا افسوس میرا رزق تو آسمانوں میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ یہ کہہ کر بستی چھوڑ کر اجاڑ جنگل میں چلے گئے۔ تین دن تک تو انہیں کچھ بھی نہ ملا لیکن تیسرے دن دیکھتے ہیں کہ ترکھجوروں کا ایک خوشہ ان کے پاس رکھا ہوا ہے۔ ان کے بھائی ساتھ ہی تھے دونوں بھائی آخری دم تک اسی طرح جنگلوں میں رہے۔

پھر اللہ کریم خود اپنی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میرے جو وعدے ہیں مثلاً قیامت کے دن دوبارہ جلانے کا' جزا و سزا کا' یہ یقیناً سراسر سچے اور قطعاً بے شبہ ہو کر رہنے والے ہیں' جیسے تمہیں تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں شک نہیں ہوتا اسی طرح تمہیں ان میں بھی کوئی شک ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی بات کہتے تو فرماتے یہ بالکل حق ہے جیسے کہ تیرا یہاں ہونا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں اللہ انہیں برباد کرے جو خدا کی قسم کو بھی نہ مانیں' یہ حدیث مرسل ہے یعنی تابعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ صحابیؓ کا نام نہیں لیتے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٤﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا
سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ
سَمِيْنٍ ۙ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاَوْجَسَ
مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ فَاَقْبَلَتِ
امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا
كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٠﴾

کیا تجھے ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ ○ وہ جب ان کے ہاں آئے اور سلام کیا اور ابراہیمؑ نے جواب سلام دیا اور کہا یہ تو اجنبی لوگ ہیں ○ پھر چپ چاپ جلدی جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے' اور ایک فربہ بچھڑے کا گوشت لائے ○ اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ ○ پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے' انہوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے اور انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک دانا عالم لڑکے کے ہونے کی بشارت دی ○ پس ان کی بیوی نے حیرت میں آ کر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ ○ انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرما دیا ہے' کچھ شک نہیں کہ وہ بہت بڑی حکمت والا اور کامل علم والا ہے ○

مہمان اور میزبان؟: ☆☆ (آیت: ۲۴-۳۰) یہ واقعہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بھی گذر چکا ہے' یہ مہمان فرشتے تھے جو بہ شکل انسان آئے تھے جنہیں خدا نے عزت و شرافت دے رکھی ہے' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے' حدیث میں بھی یہ آیا ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ انہوں نے سلام کیا جس کا جواب خلیل خدا علیہ السلام نے بڑھا کر دیا۔ اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فرماتا ہے وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا یعنی جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اتنا ہی۔ پس خلیل اللہ نے افضل صورت کو اختیار کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ یہ دراصل فرشتے ہیں اس لئے کہا کہ یہ لوگ تو ناشنا سا ہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے' ان کے

چہروں پر ہیبت وجلال تھا۔

حضرت ابراہیم اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور چپ چاپ بہت جلد اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور ان کے سامنے ان کے قریب رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے کہ مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان پر شروع سے احسان رکھنے سے پہلے آپ چپ چاپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بہ عجلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی اسے تیار کر کے لے آئے۔ تیار فربہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمان کی کھینچ تان نہ کی بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا رکھا۔ پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے بلکہ نہایت تواضع اور پیار سے فرماتے ہیں آپ تناول فرمانا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر آپ فضل وکرم احسان و سلوک کرنا چاہیں تو کیجئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے جیسے کہ اور آیت میں ہے فَلَمَّا رَآى اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں' تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے۔ اس پر مہمان نے کہا ڈرو مت ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوطؑ کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوش خبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس اب میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہو گئی ہوں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے' یہ سخت تر تعجب کی چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسی پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں' جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی بزرگی اور اعلیٰ شان والا ہے۔ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیمؑ کو دی اور اس سے پہلے کی آیت میں ہے کہ بشارت آپ کی بیوی صاحبہ کو دی۔ تو مطلب یہ ہے کہ دونوں کو بشارت دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا موجب ہے۔

پھر فرماتا ہے' یہ بشارت سن کر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے تئیں دو ہتڑ مار کر ایسی عجیب وغریب خبر کو سن کر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی' اب میاں بیوی دونوں پورے بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچا دیں' وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزت وکرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس عمر کا بچہ ہو گا۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔

الحمدللہ! الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے تفسیر محمدی کا چھبیسواں پارہ حم بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کلام پاک کا صحیح اور حقیقی مطلب سمجھائے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ اے پروردگار عالم! جس طرح تو نے مجھ پر اپنا یہ فضل کیا ہے کہ اپنے پاک کلام کی خدمت مجھ سے لی اسی طرح یہ بھی فضل کر کہ اسے قبول فرما اور میرے لئے باقیات صالحات میں سے اسے کر لے اور اس تفسیر کو میری تقصیر کی معافی کا سبب بنا دے۔ اپنے تمام بندوں کو اس سے فائدہ پہنچا اور سب کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

۲۷
پارہ نمبر

- ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد ۳۶۲
- انجام تکبر ۳۶۳
- تخلیق کائنات ۳۶۴
- تبلیغ میں صبر وضبط کی اہمیت ۳۶۵
- جنت کے مناظر ۳۶۹
- صالح اولاد انمول اثاثہ ۳۷۰
- کاہن کی پہچان ۳۷۳
- توحید ربوبیت اور الوہیت! ۳۷۴
- طے شدہ بدنصیب اور نشست وبرخواست کے آداب ۳۷۵
- تعارف جبرئیل امین علیہ السلام ۳۷۸
- بت کدے کیا تھے؟ ۳۸۵
- آخرت کا گھر اور دنیا ۳۸۷
- گناہ اور ضابطہ الٰہی ۳۸۸
- منافق وکافر کا نفسیاتی تجزیہ ۳۹۰
- سب کی آخری منزل---اللہ تعالیٰ ادراک سے بلند ہے ۳۹۲
- ’’نذیر‘‘ کا مفہوم---نذیر کہتے کسے ہیں ۳۹۳
- معجزات بھی بے اثر ۳۹۷
- دیرینہ انداز کفر ۳۹۸
- طوفان نوح ۳۹۸
- کفار کی بدترین روایات ۳۹۹
- فریب نظر کے شکار لوگ ۴۰۰
- ہم جنس پرستوں کی ہلاکت وبربادی ۴۰۱
- سچائی کے دلائل سے اعراض کرنے والی اقوام ۴۰۲
- شکوک وشبہات کے مریض لوگ ۴۰۳
- انسان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کی ایک جھلک ۴۰۷
- انسان اور جنات کی پیدائش میں فرق ۴۰۹
- اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب فنا ۴۱۱
- آسمان پھٹ جائے گا-وقت احتساب ہوگا ۴۱۳
- فکر آخرت اور انسان ۴۱۵
- جنت یافتہ لوگ ۴۱۷
- اصحاب یمین اور مقربین ۴۱۹
- وہی مستحق احترام واکرام ہے ۴۲۱
- یقینی امر ۴۲۲
- مقربین کون ہیں اور اولین کون؟ ۴۲۴
- اصحاب یمین اور ان پر انعامات الٰہی ۴۳۰
- اصحاب شمال اور عذاب الٰہی ۴۳۶
- منکرین قیامت کو جواب ۴۳۷
- آگ اور پانی کا خالق کون؟ ۴۳۸
- قرآن کا مقام ۴۴۰
- عالم نزع کی بے بسی ۴۴۲
- احوال موت ۴۴۲
- کل کائنات ثناخواں ہے ۴۴۴
- ہر چیز کا خالق ومالک اللہ ہے ۴۴۶
- ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ۴۴۸
- اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا ۴۵۲
- ایمان والوں سے سوال ۴۵۵
- صدقہ وخیرات کرنے والوں کے لیے اجر وثواب ۴۵۷
- دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ ہے ۴۵۸
- تنگی اور آسانی اللہ کی طرف سے ہے ۴۶۰
- لوہے کے فوائد ۴۶۱
- حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت ۴۶۳
- مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کی مثال ۴۶۵

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ
مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ
رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾
فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا
فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

حضرت (ابراہیمؑ) نے کہا اے اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو) تمہارا کیا مقصد ہے؟ ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ تاکہ ہم ان پر کنکر برسائیں ○ جو تیرے رب کی طرف سے ان حد سے گذر جانے والوں کے لئے نامزد ہو چکے ہیں ○ پس جتنے ایماندار وہاں تھے ہم نے انہیں نکال دیا ○ اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا ○ اور وہاں ہم نے ان کے لئے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک کامل علامت چھوڑی ○

ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد: ☆☆ (آیت: ۱-۳۷) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب ان نو وارد مہمانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف ہوا اور دہشت جاتی رہی۔ بلکہ ان کی زبانی ایک بہت بڑی خوش خبری بھی سن چکے اور اپنی بردباری' اللہ ترسی اور درد مندی کی وجہ سے خدا کی جناب میں قوم لوط کی سفارش بھی کر چکے اور خدا کے ہاں کے حتمی وعدے کا اعلان بھی سن چکے' اس کے بعد جو ہوا اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس مقصد سے آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ قوم لوط کے گنہگاروں کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے ہمیں بھیجا گیا ہے' ہم ان پر سنگ باری اور پتھراؤ کریں گے' ان پتھروں کو ان پر برسائیں گے جن پر خدا کے حکم سے پہلے ہی ان کے نام لکھے جا چکے ہیں اور ہر ہر گنہگار کے لئے الگ الگ پتھر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں گذر چکا ہے کہ یہ سن کر حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے فرمایا کہ وہاں تو حضرت لوط علیہ السلام ہیں پھر وہ بستی کی بستی کیسے غارت کر دی جائے گی؟ فرشتوں نے کہا اس کا علم ہمیں بھی ہے۔ ہمیں حکم مل چکا ہے کہ ہم انہیں اور ان کے ساتھ کے اور ان کے گھرانے کے تمام ایمان داروں کو بچالیں' ہاں ان کی بیوی نہیں بچ سکتی' وہ بھی مجرموں کے ساتھ اپنے جرم کے بدلے ہلاک کر دی جائے گی۔ اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہے کہ اس بستی میں جتنے بھی مومن تھے سب کو بچالیا گیا۔ اس سے بھی مراد حضرت لوطؑ اور ان کے گھرانے کے لوگ ہیں سوائے ان کی بیوی کے' جو ایمان نہیں لائی تھیں۔

چنانچہ فرما دیا گیا کہ وہاں سوائے ایک گھر کے اور گھر مسلمان تھا ہی نہیں۔ یہ دونوں آیتیں دلیل ہیں ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ ایمان و اسلام کا مسمّٰی ایک ہی ہے اس لئے کہ یہاں انہی لوگوں کو مومن کہا گیا ہے اور پھر انہی کو مسلمان بھی کہا گیا ہے۔ معتزلہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ایک ہی چیز ہے جسے ایمان بھی کہا جاتا ہے اور اسلام بھی لیکن یہ استدلال ضعیف ہے اس لئے کہ یہ لوگ مومن تھے اور یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے لیکن ہر مسلمان مومن نہیں ہوتا۔ پس حال کی خصوصیت کی وجہ سے انہیں مومن مسلم کہا گیا ہے اس سے عام طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مسلم مومن ہے۔ (حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کا مذہب ہے کہ جب اسلام حقیقی اور سچا اسلام ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اس صورت میں ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے ہاں جب اسلام حقیقی طور پر نہ ہو تو بیشک اسلام ایمان میں فرق ہے' صحیح بخاری شریف کتاب الایمان ملاحظہ ہو۔ مترجم) پھر فرماتا ہے کہ ان کی آباد و شاد بستیوں کو عذاب سے برباد کر کے انہیں سڑے ہوئے بدبودار

کھنڈر بنا دینے میں مومنوں کے لئے عبرت کے پورے سامان ہیں' جو عذاب خدا کا ڈر رکھتے ہیں وہ اس نمونہ کو دیکھ کر اور اس زبردست نشان کو ملاحظہ کر کے پوری عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ
الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ
كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾
فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ
نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۲۲

موسیٰ کے قصے میں بھی ہماری طرف سے تنبیہہ ہے جب کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی سند دے کر بھیجا ○ پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا' وہ تھا ہی ملامت کے قابل ○ اسی طرح عادیوں میں بھی جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی ○ وہ جس جس چیز پر گذرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح چورا چورا کر دیتی تھی ○ اور ثمود کے قصے میں بھی عبرت ہے جب ان سے کہا گیا کہ تم کچھ دنوں فائدہ اٹھالو ○ لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر انہیں ان کے دیکھتے تیز و تند کڑاکے نے ہلاک کر دیا ○ پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے اور نہ بدلہ لے سکے ○ اور نوح کی قوم کا بھی اس سے پہلے یہی حال ہو چکا تھا' وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے ○

انجام تکبر: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۶) ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح قوم لوط کے انجام کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں اسی قسم کا فرعونیوں کا واقعہ ہے' ہم نے ان کی طرف اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روشن دلیلیں اور واضح برہان دے کر بھیجا لیکن ان کے سردار فرعون نے جو تکبر کا مجسمہ تھا حق کے ماننے سے عناد کیا اور ہمارے فرمان کو بے پرواہی سے ٹال دیا' اس دشمن خدا نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر' اپنے راج لشکر کے بل بوتے پر رب کے فرمان کی عزت نہ کی اور اپنے والوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت موسیٰ کی ایذا رسانی پر اتر آیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ ہے پس اس ملامتی کافر' فاجر' معاند متکبر شخص کو ہم نے اس کے لاؤ لشکر سمیت دریا برد کر دیا۔ اسی طرح عادیوں کے سراسر عبرتناک واقعات بھی تمہارے گوش گذار ہو چکے ہیں جن کی سیاہ کاریوں کے وبال میں ان پر بے برکت ہوائیں بھیجی گئیں' جن ہواؤں نے سب کے حلیے بگاڑ دیئے' ایک لپٹ جس چیز کو لگ گئی وہ گلی سڑی ہڈی کی طرح ہو گئی۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہوا دوسری زمین میں مسخر ہے جب اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو ہلاک کرنا چاہا تو ہوا کے داروغہ کو حکم دیا کہ ان کی تباہی کے لئے ہوائیں چلا دو۔ فرشتے نے کہا کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا روزن کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا نہیں اگر اتنا روزن کر دیا تو زمین کو اور اس کی کل کائنات کو الٹ دے گی بلکہ اتنا روزن کرو جتنا انگوٹھی کا

حلقہ ہوتا ہے۔ یہ تھیں وہ ہوائیں جو کہ جہاں جہاں سے گذر گئیں تمام چیزوں کو تہ و بالا کرتی گئیں۔ اس حدیث کا فرمان رسول ہونا تو منکر ہے سمجھ سے زیادہ قریب بات یہی ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے۔ یرموک کی لڑائی میں انہیں دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے ممکن ہے انہی میں سے یہ بات آپ نے بیان فرمائی ہو' واللہ اعلم۔ یہ ہوائیں جنوبی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مدد پروا ہواؤں سے کی گئی ہے اور عادی پچھوا ہواؤں سے ہلاک ہوئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ثمودیوں کے حالات پر اور ان کے انجام پر غور کرو کہ ان سے کہہ دیا گیا کہ ایک وقت مقررہ تک تو تم فائدہ اٹھاؤ۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے ثمودیوں کو ہم نے ہدایت دی لیکن انہوں نے ہدایت پر ضلالت کو پسند کیا' جس باعث ذلت کے عذاب کی ہولناک چیخ نے ان کے پتے پانی کر دیئے اور کلیجے پھاڑ دیئے' یہ صرف ان کی سرکشی' سرتابی' نافرمانی اور سیاہ کاری کا بدلہ تھا' ان پر ان کے دیکھتے ہوئے عذاب الٰہی آ گیا' تین دن تک تو یہ انتظار میں رہے' عذابوں کے آثار دیکھتے رہے' آخر چوتھے دن صبح ہی صبح رب کا عذاب دفعتہً آ پڑا' حواس باختہ ہو گئے' کوئی تدبیر نہ بن پڑی اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ کھڑے ہو کر بھاگنے کی کوشش تو کرتے یا کسی اور طرح اپنے بچاؤ کی کچھ تو فکر کر سکتے۔ اسی طرح ان سے پہلے قوم نوح بھی ہمارے عذاب چکھ چکی ہے' اپنی بدکاری اور کھلی نافرمانی کا خمیازہ وہ بھی بھگت چکی ہے۔ یہ تمام مفصل واقعات فرعونیوں کے' عادیوں کے' ثمودیوں کے اور قوم نوح کے اس سے پہلے کی سورتوں کی تفسیر میں کئی بار بیان ہو چکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا
فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾
وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

آسمان کو ہم نے اپنی قدرت و قوت سے بنایا ہے اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں ○ اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں ○ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں ○ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں ○

تخلیق کائنات: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۱) زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر فرما رہا ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے پیدا کیا ہے' اسے محفوظ اور بلند چھت بنا دیا ہے' حضرت ابن عباسؓ' مجاہدؒ' قتادہؒ' ثوریؒ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنی قوت سے بنایا ہے اور ہم کشادگی والے ہیں' اس کے کنارے ہم نے کشادہ کئے ہیں اور بے ستون اسے کھڑا کر دیا ہے اور قائم رکھا ہے' زمین کو ہم نے اپنی مخلوقات کے لئے بچھونا بنا دیا ہے اور بہت ہی اچھا بچھونا ہے' تمام مخلوق کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے جیسے آسمان زمین' دن رات' سورج چاند' خشکی تری' اجالا اندھیرا' ایمان کفر' موت حیات' بدی نیکی' جنت دوزخ' یہاں تک کہ حیوانات اور نباتات کے بھی جوڑے ہیں۔ یہ اس لئے کہ تمہیں نصیحت حاصل ہو۔ تم جان لو کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ بے شریک اور یکتا ہے' پس تم اس کی طرف دوڑو' اپنی توجہ کا مرکز صرف اسی کو بناؤ' اپنے تمام تر کاموں میں اسی کی ذات پر اعتماد کرو' میں تو تم سب کو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں' خبردار خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' میرے کھلم کھلا خوف دلانے کا لحاظ رکھنا۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا
سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٥٣﴾
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَآ اُرِيْدُ
مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ
ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ
ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ان کے پاس بھی جو رسول آیا انہوں نے کہہ دیا یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ○ کیا یہ اس بات کی ایک دوسروں کو وصیت کرتے گئے ہیں' نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں ○ تو ان سے منہ پھیر لے تجھ پر کچھ الزام نہیں ○ ہاں تو نصیحت کرتا رہ' یقیناً یہ نصیحت ایمانداروں کو نفع دے گی ○ میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرتے رہیں ○ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں ○ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے ○ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے ساتھیوں کے حصے کے مثل حصہ ملے گا لہٰذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں ○ پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں ○

تبلیغ میں صبر وضبط کی اہمیت : ☆☆ (آیت :۵۲-۶۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ کفار جو آپ کو کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں' ان سے پہلے کے کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں سے یہی کہا ہے' کافروں کا یہ قول سلسلہ بہ سلسلہ یونہی چلا آیا ہے جیسے آپس میں ایک دوسروں کو وصیت کر کے جاتے ہوں' سچ تو یہ ہے کہ سرکشی اور سرتابی میں یہ سب یکساں ہیں۔ اس لئے جو بات پہلے والوں کے منہ سے نکلی وہی ان کی زبان سے نکلتی ہے کیونکہ سخت دلی میں سب ایک سے ہیں۔ پس آپ چشم پوشی کیجئے' یہ مجنون کہیں جادوگر کہیں آپ صبر وسہار سے سن لیں' ہاں نصیحت کی تبلیغ نہ چھوڑیئے' اللہ کی باتیں پہنچاتے چلے جایئے۔ جن دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک روز راہ پر لگ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ صرف اس لئے کہ میں انہیں ان کے نفع کے لئے اپنی عبادت کا حکم دوں' وہ خوشی ناخوشی میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں' مجھے پہچانیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں اور بعض عبادتیں بالکل نفع نہیں پہنچاتیں۔ جیسے قرآن میں ایک جگہ ہے کہ اگر تم ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' تو گو یہ بھی عبادت ہے مگر مشرکوں کو کام نہ آئے گی' غرض عابد سب ہیں خواہ عبادت ان کے لئے نافع ہو یا نہ ہو۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اس سے مراد مسلمان انسان اور ایمان والے جنات ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یوں پڑھایا ہے اِنِّیْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ امام

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں- غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بندگی کے لئے پیدا کیا ہے' اب اس کی عبادت یکسوئی کے ساتھ جو بجالائے گا' کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا' وہ اسے پوری پوری جزا عنایت فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا وہ بدترین سزائیں بھگتے گا- اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے بلکہ محض بے دست و پا اور سراسر فقیر ہے' خالق و رازق اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے-

مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا' میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پر کر دوں گا اور تیری فقیری روک دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دوں گا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا- ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے' امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں- خالد کے دونوں لڑکے حضرت حبہؓ اور حضرت سواءؓ فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے' ہم بھی اسی کام میں لگ گئے جب کام ختم ہوا تو آپ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا سرہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا' دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے' بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے- (مسند احمد) بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے' تو اس سے غفلت نہ کر تیرے رزق کا میں ضامن ہوں' تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر' مجھے ڈھونڈ تا کہ مجھے پالے' جب تو نے مجھے پالیا تو یقین مان کہ تو نے سب کچھ پالیا اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا' سن تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہئے- پھر فرماتا ہے یہ کافر میرے عذابوں کو جلدی کیوں مانگ رہے ہیں؟ وہ عذاب تو انہیں اپنے وقت پر پہنچ کر ہی رہیں گے جیسے ان سب سے پہلے کے کافروں کو پہنچے- قیامت کے دن جس دن کا ان سے وعدہ ہے انہیں بڑی خرابی ہوگی- الحمدللہ سورۂ ذاریات کی تفسیر ختم ہوئی-

---

تفسیر سورة الطور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝١ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ وَّالْبَيْتِ
الْمَعْمُوْرِ ۝٤ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اِنَّ عَذَابَ
رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاۗءُ مَوْرًا ۝٩ وَّتَسِيْرُ
الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١

معبود برحق رحمت و رحم والے کے نام سے شروع

قسم ہے طور کی ○ اور لکھی ہوئی کتاب کی ○ جو کھلے ہوئے ورق میں ہے ○ اور آباد گھر کی ○ اور اونچی چھت کی ○ اور سلگتے دریا کی ○ یہ بیشک تیرے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے ○ اسے کوئی روک سکنے والا نہیں ○ جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا ○ اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے ○ آج جھٹلانے والوں کو پوری خرابی ہے ○

(آیت:۱-۱۱) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں ''سورۂ طور'' پڑھتے ہوئے سنا ہے، آپ سے زیادہ خوش آواز اور آپ سے زیادہ اچھی قرأت والا میں نے تو کسی کو نہیں سنا۔ (مؤطا مالک) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں زمانہ حج میں میں بیمار تھی، حضورؐ سے میں نے اپنا حال کہا تو آپ نے فرمایا تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کر لو۔ چنانچہ میں نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا، اس وقت آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے اور وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ان چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں ہیں فرماتا ہے کہ اس کا عذاب ہو کر ہی رہے گا، جب وہ آئے گا کسی کی مجال نہ ہو گی کہ اسے ہٹا سکے۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت ہوں جیسے وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا اور جہاں سے حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا تھا اور جو خشک پہاڑ ہو اسے جبل کہا جاتا ہے طور نہیں کہا جاتا۔ كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا خدا کی اتاری ہوئی لکھی ہوئی کتابیں ہیں جو انسانوں پر پڑھی جاتی ہیں، اسی لئے ساتھ ہی فرما دیا کھلے ہوئے اوراق میں۔ بَيْتِ الْمَعْمُوْرِ کی بابت معراج والی حدیث میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں ساتویں آسمان سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے بیت المعمور دکھلایا گیا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت خدا کے لئے جاتے ہیں دوسرے دن اتنے ہی اور لیکن جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آتی۔ جس طرح زمین پر کعبۃ اللہ کا طواف ہوتا ہے اسی طرح آسمانیوں کے طواف کی اور عبادت کی جگہ وہ ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں اس میں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ چونکہ خلیل خدا بانی بیت اللہ تھے جن کے ہاتھوں زمین میں کعبہ خدا بنا تھا تو انہیں وہاں بھی اس کے کعبے سے لگے ہوئے آپ نے دیکھا۔ تو گویا اس عمل کی جزا اسی جیسی پروردگار نے اپنے خلیل کو دی، یہ بیت المعمور ٹھیک خانہ کعبہ کے اوپر ہے اور ہے ساتویں آسمان پر، یوں تو ہر آسمان میں ایک ایسا گھر ہے جہاں اس آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، پہلے آسمان پر جو اسی جگہ ہے اس کا نام بیت العزت ہے، واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان میں ایک گھر ہے جسے معمور کہتے ہیں جو کعبہ کی سمت میں ہے، چوتھے آسمان میں نہر ہے جس کا نام نہر حیوان ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر روز اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور نکل کر بدن جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں، ایک ایک قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جنہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں جائیں اور نماز ادا کریں، پھر وہ وہاں سے نکل آتے ہیں اب انہیں دوبارہ جانے کی نوبت نہیں آتی، ان کا ایک سردار ہوتا ہے جسے حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں لے کر کسی جگہ کھڑا ہو جائے پھر وہ اللہ کی تسبیح کے بیان میں لگ جاتے ہیں، قیامت تک ان کا یہی شغل رہتا ہے، یہ حدیث بہت ہی غریب ہے، اس کے راوی روح بن صباح اس میں منفرد ہیں حافظوں کی ایک جماعت نے ان پر اس حدیث کا انکار کیا ہے جیسے جوزجانی، عقیلی، حاکم وغیرہ۔ امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوریؒ اسے بالکل بے اصل بتلاتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ بیت المعمور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ آسمان میں ہے، اسے صراح کہا جاتا ہے کعبہ کے ٹھیک اوپر ہے، جس طرح زمین کا کعبہ حرمت کی جگہ ہے اسی طرح وہ آسمانوں میں حرمت کی جگہ ہے، ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں لیکن جو آج گئے تھے ان کی باری قیامت تک دوبارہ نہیں آتی کیونکہ فرشتوں کی تعداد ہی اس قدر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والے ابن کواءؓ تھے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ عرش کے محاذ میں ہے، ایک مرفوع روایت میں ہے کہ صحابہ کو ایک دن حضورؐ نے فرمایا بیت المعمور کو

جانتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں، فرمایا وہ آسمانی کعبہ ہے اور زمینی کعبے کے بالکل اوپر ہے ایسا کہ اگر وہ گرے تو اسی پر گرے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں جن کی باری قیامت تک پھر نہیں آتی۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں یہ فرشتے ابلیس کے قبیلے کے جنات میں سے ہیں، واللہ اعلم۔ اونچی چھت سے مراد آسمان ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں مراد اس سے عرش ہے اس لئے کہ وہ تمام مخلوق کی چھت ہے اس قول کی توجیہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ مراد عام ہو۔ بَحْرِ مَسْجُوْرِ سے مراد وہ پانی ہے جو عرش تلے ہے، جو بارش کی طرح برسے گا جس سے قیامت کے دن مردے اپنی اپنی قبروں سے جی اٹھیں گے، جمہور کہتے ہیں یہی عام دریا مراد ہیں انہیں جو مسجور کہا گیا ہے یہ اس لئے کہ قیامت کے دن ان میں آگ لگا دی جائے گی، جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ جبکہ دریا بھڑکا دیئے جائیں اور ان میں آگ لگ جائے گی جو پھیل کر تمام اہل محشر کو گھیر لے گی۔ حضرت علاء بن بدرؒ کہتے ہیں کہ بھڑکتے ہوئے دریا اس لئے کہا گیا کہ نہ اس کا پانی پینے کے کام میں آئے اور نہ کھیتی کو دیا جائے یہی حال قیامت کے دن دریاؤں کا ہو گا۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ دریا بہتا ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دریا پرشدہ، ادھر ادھر جاری۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مسجور سے مراد فارغ یعنی خالی ہے، کوئی لونڈی پانی لینے کو جائے پھر لوٹ کر کہے کہ حوض مسجور ہے اس سے مراد یہی ہے کہ خالی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ اسے زمین سے روک دیا گیا ہے اس لئے کہ ڈبو نہ دے۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر رات تین مرتبہ دریا اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو تمام لوگوں کو ڈبو دوں لیکن اللہ تعالیٰ اسے روک دیتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک بزرگ مجاہد جو سمندر کی سرحد کے لشکروں میں تھے وہ جہاد کی تیاری میں وہیں رہتے تھے، فرماتے ہیں ایک رات میں چوکیداری کے لئے نکلا اس رات کوئی اور پہرے پر نہ تھا، میں گشت کرتا ہوا میدان میں پہنچا اور وہاں سے سمندر پر نظریں ڈالیں تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا سمندر پہاڑ کی چوٹیوں سے ٹکرا رہا ہے، بار بار یہی نظارہ میں نے دیکھا۔ ابو صالح سے یہ واقعہ بیان کیا، انہوں نے یہ روایت حضرت عمر بن خطابؓ والی اوپر والی حدیث مجھے سنائی، لیکن اس کی سند میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ ان قسموں کے بعد اب جس چیز پر قسمیں کھائی گئی تھیں، ان کا بیان ہو رہا ہے کہ کافروں کو جو عذاب الٰہی ہونے والا ہے وہ یقینی طور پر آنے والا ہی ہے، جب وہ آئے گا کسی کے بس میں اس کا روکنا نہ ہو گا۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی تلاوت قرآن کی آواز کان میں پڑی وہ سورۂ والطور پڑھ رہے تھے، آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے جب وہ اس آیت پر پہنچے تو زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے، پھر اپنے گدھے سے اتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی، دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب ہوش وحواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن خدا کے کلام کی اس ڈراونی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے اور ایسے کہ لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک روایت میں ہے آپ کی تلاوت میں ایک مرتبہ یہ آیت آئی اسی وقت ہچکی بندھ گئی اور اس قدر قلب پر اثر پڑا کہ بیمار ہو گئے چنانچہ بیس دن تک عیادت کی جاتی رہی۔ اس دن آسمان تھرتھرائے گا، پھٹ جائے گا، چکر کھانے لگے گا، پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے، ہٹ جائیں گے، ادھر کے ادھر ہو جائیں گے، کانپ کانپ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، آخر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اتر جائیں گے اور بے نام ونشان ہو جائیں گے، اس دن ان لوگوں پر جو اس دن کو نہ مانتے تھے ویل وحسرت، خرابی وہلاکت ہو گی۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ
جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾
اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا
اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

جو اپنی بے ہودہ گوئی میں اچھل کود کر رہے ہیں ○ جس دن وہ دھکے دے دے کر آتش جہنم کی طرف لائے جائیں گے ○ یہی وہ آتش دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے ○ اب بتلاؤ کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو؟ ○ جاؤ دوزخ میں اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لئے یکساں ہے' تمہیں فقط تمہارے کئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ○

(آیت:۱۲-۱۶) خدا کا عذاب' فرشتوں کی مار' جہنم کی آگ ان کے لئے ہوگی جو دنیا میں مشغول تھے اور دین کو ایک کھیل تماشہ مقرر کر رکھا تھا- اس دن انہیں دھکے دے کر نار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا اور داروغہ جہنم ان سے کہے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جسے تم نہیں مانتے تھے- پھر مزید ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہیں گے اب بولو کیا یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اس میں ڈوب جاؤ' یہ تمہیں چوطرف سے گھیر لے گی' اب اس کے عذاب کی تمہیں سہار ہو یا نہ ہو' ہائے وائے کرو خواہ خاموش رہو' اسی میں پڑے جھلستے رہو گے' کوئی ترکیب فائدہ نہ دے گی' کسی طرح چھوٹ نہ سکو گے' یہ اللہ کا ظلم نہیں بلکہ صرف تمہارے اعمال کا بدلہ ہے-

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ
رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔا
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـــِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ
بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

پرہیزگار لوگ جنتوں اور نعمتوں میں ہیں ○ جو انہیں ان کے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں اور ان کے پروردگار نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچالیا ہے ○ تم سہتا پچتا کھاتے پیتے رہا کرو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے ○ برابر بچھے ہوئے شاندار تخت پر تکئے لگائے ہوئے اور ہم نے ان کے نکاح گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیئے ہیں ○

جنت کے مناظر: ☆☆ (آیت:۱۷-۲۰) اللہ تعالیٰ نیک بختوں کا انجام بیان فرما رہا ہے کہ عذاب وسزا' جو بدبختوں کو ہو رہا ہے یہ اس سے محفوظ کر کے جنتوں میں پہنچا دیئے گئے جہاں کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہر طرح خوش حال خوش دل ہیں' قسم قسم کے کھانے' طرح طرح کے پینے' بہترین لباس' عمدہ عمدہ سواریاں' بلند وبالا مکانات اور ہر طرح کی نعمتیں انہیں مہیا ہیں' کسی قسم کا ڈر خوف نہیں' خدا فرما چکا ہے کہ تمہیں میرے عذابوں سے نجات مل گئی' غرض دکھ سے دور' سکھ سے مسرور' راحت ولذت میں مخمور ہیں' جو چیز سامنے آتی ہے وہ ایسی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی کان نے سنا ہو' نہ کسی دل پر خیال تک گذرا ہو- پھر خدا کی طرف سے بار بار مہمان نوازی کے طور پر ان سے کہا جاتا ہے کہ کھاتے پیتے رہو' خوش گوار' خوش ذائقہ' بے تکلف' مزیدار' مرغوب چیزیں تمہارے لئے مہیا ہیں-

پھر ان کا دل خوش کرنے' حوصلہ بڑھانے اور طبیعت میں امنگ پیدا کرنے کے لئے ساتھ ہی اعلان ہوتا ہے کہ یہ تو تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم اس جہان میں کر آئے ہو۔ مرصع اور جڑاؤ شاہانہ تخت پر بڑی بے فکری اور فارغ البالی سے تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے' ستر ستر سال گذر جائیں گے انہیں ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں یا ہلیں جلیں' بے شمار سلیقہ شعار ادب دان خدام ہر طرح کی خدمت کے لئے کمر بستہ جس چیز کو جی چاہے آن کی آن میں موجود' آنکھوں کا نور' دل کا سرور' وافر و موفور سامنے' بے انتہا خوبصورت' خوب سیرت' گورے گورے پنڈے والی' بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی' بہت سی حوریں' پاک دل' عفت ماب' عصمت کوش' دل بہلانے اور خواہش پوری کرنے کے لئے سامنے کھڑی' ہر ہر نعمت و رحمت چوطرف بکھری ہوئی' پھر بھلا انہیں کس چیز کی کمی۔ ستر سال کے بعد جب دوسری جانب مائل ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں اور ہی منظر ہے' ہر چیز نئی ہے' ہر نعمت جوبن پر ہے' اس طرف کی حوروں پر نظریں ڈالتے ہیں تو ان کے نور کی چکا چوند حیرت میں ڈال دیتی ہے' ان کی پیاری پیاری بھولی بھالی شکلیں' اچھوتے پنڈے اور کنوار پنے کی شرمیلی نظریں اور جوانی کا بانکپن دل پر مقناطیسی اثر ڈالتا ہے' جنتی کچھ کہے اس سے پہلے ہی وہ اپنی شیریں کلامی سے عجیب انداز سے کہتی ہے شکر ہے کہ آپ کا التفات ہماری طرف بھی ہوا' غرض اسی طرح من مانی نعمتوں میں مست ہو رہے ہیں۔ پھر ان جنتیوں کے تخت باوجود قطار وار ہونے کے اس طرح نہ ہوں گے کہ کسی کو کسی کی پیٹھ ہو بلکہ آمنے سامنے ہوں گے۔ جیسے اور جگہ ہے وَعَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ تختوں پر ہوں گے اور ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے ہم نے ان کے نکاح میں حوریں دے رکھی ہیں جو کبھی دل میلا نہ کریں' جب آنکھ پڑے جی خوش ہو جائے اور ظاہری خوبصورتی کی تو کسی سے تعریف ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ان کے اوصاف کے بیان کی حدیثیں وغیرہ کئی مقامات پر گذر بھی چکی ہیں اس لئے انہیں یہاں وارد کرنا کچھ چنداں ضروری نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیءٍۢ
بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا
يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے' ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں گرفتار ہے ○ ہم ان کے لئے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے ○ وہ (خوش طبعی) کے ساتھ ایک دوسرے سے جام شراب کی چھینا جھپٹی کریں گے جس شراب کے سرور میں نہ تو بے ہودہ گوئی ہوگی نہ گناہ ○

صالح اولاد انمول اثاثہ: ☆☆ (آیت: ۲۱-۲۳) اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم' اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مومنوں کی اولادیں بھی ایمان میں اپنے باپ دادوں کی راہ لگ جائیں لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہوں' پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچا دے گا تاکہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں' ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی بلکہ محسن و مہربان خدا انہیں اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرفوع

حدیث بھی اس مضمون کی مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں جواب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے یہ کہے گا باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لئے اور ان کے لئے نیک اعمال کئے تھے چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنتیوں کی جن اولادوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے وہ تو ان کے ساتھ ملا دی جائے گی لیکن ان کے جو چھوٹے بچے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ، شعبیؒ، سعید بن جبیرؒ، ابراہیمؒ، قتادہؒ، ابوصالحؒ، ربیع بن انس، ضحاک بن زید رحمھم اللہ تعالیٰ بھی یہی کہتے ہیں، امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کی نسبت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے تو آپ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں پھر جب مائی صاحبہ کو غمگین دیکھا تو فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا، مائی صاحبہ نے پوچھا یا رسول اللہ! میرا بچہ جو آپ سے ہوا وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہے۔ مومن مع اپنی اولادوں کے جنت میں ہیں اور کافر اپنی اولادوں سمیت جہنم میں ہیں۔ پھر حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ تو ہوئی ماں باپ کے اعمال صالحہ کی وجہ سے اولاد کی بزرگی اب اولاد کی دعا خیر کی وجہ سے ماں باپ کی بزرگی، ملاحظہ ہو، مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کا درجہ جنت میں دفعتۃً بڑھاتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ خدایا میرا یہ درجہ کیسے بڑھ گیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا اس بنا پر میں نے تیرا درجہ بڑھا دیا۔ اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہے گو بخاری مسلم میں ان لفظوں سے نہیں آئی لیکن اس جیسی ایک روایت صحیح مسلم میں اسی طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں۔ صدقہ جاریہ، علم دین جس سے نفع پہنچتا ہے، نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرتی رہے۔ چونکہ یہاں بیان ہوا تھا کہ مومنوں کی اولاد کے درجے بے عمل بڑھا دیئے گئے تھے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اس فضل کے بعد اپنے عدل کا بیان فرماتا ہے کہ کسی کو کسی کے اعمال میں پکڑا نہ جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے اپنے عمل میں رہن ہوگا، باپ کا بوجھ بیٹے پر اور بیٹے کا باپ پر نہ ہوگا۔

جیسے اور جگہ ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے وہ جنتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے دریافت کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان جنتیوں کو قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے گوشت دیئے جاتے ہیں، جس چیز کو جی چاہے، جس پر دل آئے وہ یک لخت موجود ہو جاتی ہے، شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ایک دوسروں کو پلا رہے ہیں، جس کے پینے سے سرور اور کیف لطف اور بہار حاصل ہوتا ہے لیکن بدزبانی بے ہودہ گوئی نہیں ہوتی، ہذیان نہیں بکتے، بے ہوش نہیں ہوتے، سچا سرور اور پوری خوشی حاصل، بک جھک سے دور، گناہ سے غافل، باطل و کذب سے دور، غیبت و گناہ سے نفور۔ دنیا میں شرابیوں کی حالت دیکھی ہوگی کہ ان کے سر میں چکر، پیٹ میں درد، عقل زائل، بکواس بہت، بو بری، چہرے بے رونق، اسی طرح شراب کہ بدذائقہ اور بدبودار، یہاں جنت کی شراب ان تمام گندگیوں سے کوسوں دور ہے، یہ رنگ میں سفید، پینے میں خوش ذائقہ، نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں نہ بک جھک ہو، نہ بہکیں نہ بھٹکیں، نہ سر درد ہو نہ اور کسی طرح ضرر پہنچائے۔ ہنسی خوشی اس پاک شراب کے جام پلا رہے ہوں گے۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِىْٓ اَهْلِنَا
مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا
مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع ۲۸

ان کے اردگرد ان کے نوعمر غلام چل پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ مروارید ہیں جو ڈھکے رکھے تھے ○ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے ○ کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں میں بہت ڈرا کرتے تھے ○ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا ○ ہم اس سے پہلے اس کی عبادت کیا کرتے تھے بیشک وہ محسن اور مہربان ہے ○

(آیت: ۲۴-۲۸) ان کے غلام کمسن نوعمر بچے جو حسن و خوبی میں ایسے ہیں جیسے مروارید ہوں اور وہ بھی ڈبے میں بند رکھے گئے ہوں' کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو اور ابھی ابھی تازے تازے نکالے ہوں۔ ان کی آبداری' صفائی' چمک دمک' روپ رنگ کا کیا پوچھنا؟ لیکن ان غلمان کے حسین چہرے انہیں بھی بشماند کر دیتے ہیں اور جگہ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ یعنی ہمیشہ نو عمر اور کمسن رہنے والے بچے' آبخورے آفتابے اور ایسی شراب صاف کے جام کہ جن کے پینے سے نہ درد سر ہو اور نہ بہکیں اور جس قسم کا میوہ یہ پسند کریں اور جس پرند کا گوشت یہ چاہیں ان کے پاس بار بار لانے کے لئے چوطرف کمر بستہ چل رہے ہیں۔ اس دور شراب کے وقت آپس میں گھل مل کر طرح طرح کی باتیں کریں گے' دنیا کے احوال یاد آئیں گے' کہیں گے کہ ہم دنیا میں جب اپنے والوں میں تھے تو اپنے رب کے آج کے دن کے عذابوں سے سخت لرزاں و ترساں تھے' الحمدللہ رب نے ہم پر خاص احسان کیا اور ہمارے خوف کی چیز سے ہمیں امن دیا' ہم اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتے رہے' اس نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں اور ہمارا قول پورا کر دیا' یقیناً وہ بہت ہی نیک سلوک اور رحم والا ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو ادھر اس دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہو گی' اس کا تخت اڑے گا اور راستہ میں دونوں مل جائیں گے' اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے' دنیا کے ذکر چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی' اللہ نے اسے قبول فرمایا' اس حدیث کی سند کمزور ہے۔ حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ مُنَّ عَلَيْنَا وَقِنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ اِنَّكَ اَنْتَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ۔ حضرت اعمش راوی حدیث سے پوچھا گیا کہ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا مائی صاحبہؓ نے نماز کے اندر مانگی تھی؟ جواب دیا کہ ہاں۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ
يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّىْ
مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ
بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ
بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

تو سمجھا تارہ کیونکہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہے نہ دیوانہ ○ کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانے کے حوادث یعنی موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ ○ تو کہہ دے کہ تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ○ کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں یا یہ لوگ شرارت پر ہی ہیں؟ ○ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبی نے قرآن خود گھڑ لیا ہے واقعہ یہ ہے کہ انہیں ایمان ہی نہیں ○ اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک ہی بات یہ بھی تو لے آئیں؟ ○

کاہن کی پہچان: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۴) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کی رسالت اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہیں- ساتھ ہی بدکاروں نے جو بہتان آپ پر باندھ رکھے تھے ان سے آپ کی صفائی کرتا ہے' کاہن اسے کہتے ہیں جس کے پاس کبھی کبھی کوئی خبر جن پہنچا دیتا ہے تو ارشاد ہوا کہ دین خدا کی تبلیغ کیجئے- الحمدللہ آپ نہ تو جنات والے ہیں نہ جنون والے' پھر کافروں کا قول نقل فرماتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شاعر ہیں' انہیں کہنے دو جو کہہ رہے ہیں ان کے انتقال کے بعد ان کی سی کون کہے گا؟ ان کا یہ دین ان کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا' پھر اپنے نبی کو اس کا جواب دینے کو فرماتا ہے کہ اچھا ادھر تم انتظار کرتے ہو ادھر میں بھی منتظر ہوں دنیا دیکھ لے گی کہ انجام کار غلبہ اور غیر فانی کامیابی کسے حاصل ہوتی ہے؟ دارالندوہ میں قریش کا مشورہ ہوا کہ محمد (ﷺ) بھی مثل اور شاعروں کے ایک شعر گو ہیں' انہیں قید کر لو وہیں یہ ہلاک ہو جائیں گے' جس طرح زہیر اور نابغہ شاعروں کا حشر ہوا- اس پر یہ آیتیں اتریں-

پھر فرماتا ہے کیا ان کی دانائی انہیں یہی سمجھاتی ہے کہ باوجود جاننے کے پھر بھی تیری نسبت غلط افواہیں اڑائیں اور بہتان بازی کریں' حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش گمراہ اور عناد رکھنے والے لوگ ہیں- دشمنی میں آ کر واقعات سے چشم پوشی کر کے آپ کو مفت میں برا بھلا کہتے ہیں- کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد (ﷺ) نے خود آپ بنا لیا ہے؟ فی الواقع ایسا تو نہیں لیکن ان کا کفران کے منہ سے یہ غلط اور جھوٹ بات نکلوا رہا ہے' اگر یہ سچے ہیں تو پھر یہ خود بھی مل جل کر ہی ایک ایسی بات بنا کر دکھا دیں' یہ کفار قریش تو کیا؟ اگر ان کے ساتھ روئے زمین کے جنات وانسان مل جائیں جب بھی اس قرآن کی نظیر سے وہ سب عاجز رہیں گے' اور پورا قرآن تو بڑی چیز ہے اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی قیامت تک نہیں بنا لا سکتے -

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۳۵ اَمْ خَلَقُوا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝۳۶ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ
اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝۳۷ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ
فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۸ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ
الْبَنُوْنَ ۝۳۹ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝۴۰ اَمْ عِنْدَهُمُ
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝۴۱ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ
الْمَكِيْدُوْنَ ۝۴۲ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۳

کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ ○ کیا انہوں نے ہی آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں ○ یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟ ○ یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے؟ جس پر چڑھ کر سن آئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کا سننے والا کوئی روشن دلیل پیش کرے ○ کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمہارے ہاں لڑکے ہیں؟ کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا

ہے کہ یہ اس کے بوجھ سے بوجھل ہو رہے ہیں؟ ○ کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ ○ یا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں ○ تو یقین کر لیں کہ فریب خوردہ جماعت کافروں کی ہے۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے ○

توحید ربوبیت اور الوہیت: ☆☆ (آیت: ۳۵-۴۳) توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے' فرماتا ہے کیا یہ بغیر موجد کے موجود ہو گئے یا یہ خود اپنے موجد آپ ہی ہیں؟ دراصل دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' یہ کچھ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کر دیا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ مغرب کی نماز میں سورۂ والطور کی تلاوت کر رہے تھے میں کان لگائے سن رہا تھا جب آپ مُصَیْطِرُوْنَ تک پہنچے تو میری یہ حالت ہو گئی کہ گویا میرا دل اڑا جا رہا ہے (بخاری) بدری قیدیوں میں یہ جبیرؓ بھی آئے تھے' یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ کافر تھے' قرآن پاک کی ان آیتوں کا سننا ان کے لئے اسلام کا ذریعہ بن گیا۔ پھر فرمایا ہے کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے یہ ہیں؟ یہ بھی نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ خود ان کا اور کل مخلوقات کا رچانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی یہ اپنی بے یقینی سے باز نہیں آتے۔ پھر فرماتا ہے کیا دنیا میں تصرف ان کا ہے؟ ہر چیز کے خزانوں کے مالک کیا یہ ہیں؟ یا مخلوق کے محاسب یہ ہیں؟ حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ مالک و متصرف صرف اللہ عزوجل ہی ہے۔ وہ قادر ہے جو چاہے کر گذرے۔

پھر فرماتا ہے کیا اونچے آسمانوں تک چڑھ جانے کا کوئی زینہ ان کے پاس ہے؟ اگر یوں ہے تو ان میں سے جو وہاں پہنچ کر کلام سن آتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال کی کوئی آسمانی دلیل پیش کرے لیکن نہ وہ پیش کر سکتا ہے نہ وہ کسی حقانیت کے پابند ہیں۔ یہ بھی ان کی بڑی بھاری غلطی ہے کہ کہتے ہیں فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں کیا مزے کی بات ہے کہ اپنے لئے تو لڑکیاں ناپسند کریں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کریں' انہیں اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس کی لڑکیاں بتلائیں اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی پرستش کریں' پس نہایت ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کیا خدا کی لڑکیاں ہیں اور تمہارے لڑکے ہیں؟ پھر فرمایا کیا تو اپنی تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے جو ان پر بھاری پڑے؟ یعنی نبی اللہ دین اللہ کے پہنچانے پر کسی سے کوئی اجرت نہیں مانگتے پھر انہیں یہ پہنچانا کیوں بھاری پڑتا ہے؟ کیا یہ لوگ غیب داں ہیں؟ نہیں بلکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا' کیا یہ لوگ دین اللہ اور رسول اللہ کی نسبت بکواس کر کے خود رسول کو مومنوں کو اور عام لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ یاد رکھو یہی دھوکے باز دھوکے میں رہ جائیں گے اور وبال اخروی سمیٹیں گے۔ پھر فرمایا کیا اللہ کے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ اللہ کی عبادت میں بتوں کو اور دوسری چیزوں کو یہ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اللہ تو شرکت سے مبرا اور شرک سے پاک اور مشرکوں کے اس فعل سے سخت بیزار ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾
فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا
يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہہ دیں کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے ○ تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے ○ جس دن انہیں ان کا مکر کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے ○

طے شدہ بدنصیب اور نشست و برخواست کے آداب: ☆☆ (آیت: ۴۴-۴۶) مشرکوں اور کافروں کے عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ اپنی سرکشی، ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ خدا کے عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی انہیں ایمان کی توفیق نہ ہوگی۔ یہ اگر دیکھ لیں گے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا خدا کا عذاب بن کر ان کے سروں پر گر رہا ہے تو بھی انہیں تصدیق و یقین نہ ہوگا بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ غلیظ ابر ہے جو پانی برسانے کو آ رہا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ، اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ وہاں چڑھ جائیں تب بھی یہ تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، یعنی معجزات جو یہ طلب کر رہے ہیں اگر ان کی چاہت کے مطابق ہی دکھا دیئے جائیں بلکہ خود انہیں آسمانوں پر چڑھا دیا جائے جب بھی یہ کوئی بات بنا کر ٹال دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ اے نبی! آپ انہیں چھوڑ دیجئے، قیامت والے دن خود انہیں معلوم ہو جائے گا۔ اس دن ان کی ساری فریب کاریاں دھری کی دھری رہ جائیں گی، کوئی مکاری وہاں کام نہ دے گی، چوکڑی بھول جائیں گے اور چالاکی بھول جائیں گے، آج جن جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا مددگار جانتے ہیں اس دن سب کے منہ تکیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا سی بھی مدد کر سکے بلکہ ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے، یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن ہی عذاب ہو اور یہاں اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی گذار لیں بلکہ ان ناانصافوں کے لئے اس سے پہلے دنیا میں بھی عذاب تیار ہیں۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝٤٧ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝٤٨ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝٤٩ ع ۲

بے شک ظالموں کے لئے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں ○ تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے بیشک تجھ پر ہماری آنکھیں لگی ہوئی ہیں صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کیا کر ○ اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی ○

ظالموں کا حال: ☆☆ (آیت: ۴۷) جیسے اور جگہ فرمان ہے وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ یعنی ہم انہیں آخرت کے بڑے عذابوں کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں۔ لیکن ان میں سے کے اکثر بے علم ہیں، نہیں جانتے کہ یہ دنیوی مصیبتوں میں بھلا مبتلا ہوں گے اور خدا کی نافرمانیاں رنگ لائیں گی یہی بے علمی ہے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ گناہ پر گناہ، ظلم پر ظلم کرتے جائیں۔ پکڑے جاتے ہیں، عبرت حاصل ہوتی ہے لیکن جہاں پکڑ ہٹی یہ پھر ویسے کے ویسے سخت دل بدکار بن گئے، بعض حدیثوں میں ہے کہ منافق کی مثال اونٹ کی سی ہے جس طرح اونٹ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا اسی طرح منافق بھی نہیں جانتا کہ کیوں بیمار ڈالا گیا؟ اور کیوں تندرست کر دیا گیا؟ اثر الٰہی میں ہے کہ میں کتنی ایک تیری نافرمانیاں کروں گا اور تو مجھے سزا نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے! کتنی مرتبہ میں نے تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ ہوا۔

حمد باری کا حکم: ☆☆ (آیت: ۴۸-۴۹) پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ صبر کیجئے، ان کی ایذا دہی سے تنگ دل نہ ہو جایئے، ان کی طرف سے کوئی خطرہ بھی دل میں نہ لایئے، سنئے آپ ہماری حفاظت میں ہیں، آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، آپ کی نگہبانی کے ذمہ دار ہم ہیں، تمام دشمنوں سے آپ کو بچانا ہمارے سپرد ہے۔ پھر حکم دیتا ہے کہ جب آپ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے، اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رات کو جاگیں۔ دونوں مطلب درست ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع

کرتے ہی آنحضرت ﷺ فرماتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ (صحیح مسلم) یعنی اے اللہ! تو پاک ہے' تمام تعریفوں کا مستحق ہے' تیرا نام برکتوں والا ہے' تیری بزرگی بہت بلند و بالا ہے' تیرے سوا معبود برحق کوئی اور نہیں۔ مسند احمد اور سنن میں بھی حضورؐ کا یہ کہنا مروی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص رات کو جاگے اور کہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پھر خواہ اپنے لئے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ نماز قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں خدا کی تسبیح اور حمد کے بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے کھڑے ہونے کے وقت ہے۔ حضرت ابوالاحوصؒ کا قول بھی یہی ہے کہ جب کسی مجلس سے اٹھنا چاہے یہ پڑھے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ۔ حضرت عطاء بن ابورباحؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر اس مجلس میں نیکی ہوئی ہے تو وہ اور بڑھ جاتی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمہ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی کہ جب بھی کسی مجلس سے کھڑے ہو تو سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ پڑھو۔ اس کے راوی حضرت معمرؒ فرماتے ہیں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث تو مرسل ہے لیکن مستند حدیثیں بھی اس بارے میں بہت سی مروی ہیں جن کی سندیں ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے وہاں کچھ بک جھک ہو اور کھڑا ہونے سے پہلے ان کلمات کو کہہ لے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے (ترمذی) اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں' امام حاکم اسے مستدرک میں روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند شرط مسلم پر ہے' ہاں امام بخاری نے اس میں علت نکالی ہے' میں کہتا ہوں امام احمدؒ' امام مسلم' امام ابوحاتمؒ' امام ابوزرعہ' امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے بھی اسے معلول کہا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریج کی طرف کی ہے مگر یہ روایت ابوداؤد میں جس سند سے مروی ہے اس میں ابن جریجؒ ہیں ہی نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں جس مجلس سے کھڑے ہوتے ان کلمات کو کہتے بلکہ ایک شخص نے پوچھا بھی کہ حضورؐ آپ اس سے پہلے تو اسے نہیں کہتے تھے؟ آپ نے فرمایا مجلس میں جو کچھ ہوا ہو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ یہ روایت مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہؒ سے مروی ہے' واللہ اعلم۔ نسائی وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں کسی مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے اس کے لئے یہ کفارہ ہو جاتے ہیں۔ مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں کہنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں۔ (ابوداؤد وغیرہ) الحمدللہ میں نے ایک علیحدہ جزو میں ان تمام حدیثوں کو ان کے الفاظ کو اور ان کی سندوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کی علتیں بھی بیان کر دی ہیں اور اس کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ رات کے وقت اس کی یاد اور اس کی عبادت تلاوت اور نماز کے ساتھ کرتے رہو۔ جیسے فرمان ہے وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ رات کے وقت تہجد پڑھا کرو یہ تیرے لئے نفل ہے' ممکن ہے تیرا رب تجھے مقام محمود پر اٹھائے۔ ستاروں کے ڈوبتے وقت سے مراد صبح کی فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں کہ وہ دونوں ستاروں کے غروب ہونے کے لئے جھک جانے کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے ان سنتوں کو نہ چھوڑو گو تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں۔ اسی حدیث پر نظریں رکھ کر امام احمدؒ کے بعض اصحاب نے تو انہیں واجب کہا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ حدیث میں ہے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں' سننے والے نے کہا کیا مجھ پر اس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے۔ بخاری مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی نفل کی بہ نسبت صبح کی دو سنتوں کے زیادہ پابندی اور نگرانی نہ کرتے تھے- صحیح مسلم شریف میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں صبح کے فرضوں سے پہلے یہ دو سنتیں ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہیں-

الحمدللہ سورۂ الطّور کی تفسیر پوری ہوئی-

تفسیر سورة النجم

(تفسیر سورۃ النجم) صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلی سورت جس میں سجدہ تھا سورۂ والنجم اتری ہے- نبی ﷺ نے اور آپ کے آگے پیچھے جتنے تھے سب نے سجدہ کیا لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اسی پر سجدہ کر لیا' پھر میں نے دیکھا کہ وہ اس کے بعد کفر کی حالت میں ہی مارا گیا' یہ امیہ بن خلف تھا- لیکن اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ دوسری روایت میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا
يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے ○

قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکے ○ کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے ○ اور نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں ○ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے ○

(آیت: ۱-۴) حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خالق تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا لے لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے کسی اور کی قسم نہیں کھا سکتی (ابن ابی حاتم) ستارے کے جھکنے سے مراد فجر کے وقت ثریا ستارے کا غائب ہونا ہے- بعض کہتے ہیں مراد زہرہ نامی ستارہ ہے- حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد اس کا جھڑ کر شیطان کی طرف لپکنا ہے- اس قول کی اچھی توجیہ ہو سکتی ہے- مجاہدؒ مراد زہرہ نامی ستارہ ہے- حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد اس کا جھڑ کر شیطان کی طرف لپکنا ہے- اس قول کی اچھی توجیہ ہو سکتی ہے- مجاہدؒ فرماتے ہیں اس جملے کی تفسیر یہ ہے کہ قسم ہے قرآن کی' جب وہ اترے- اس آیت جیسی ہی آیت فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ الخ' ہے- پھر جس بات پر قسم کھا رہا ہے اس کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نیکی اور رشد و ہدایت اور تابع حق ہیں' وہ بے علمی کے ساتھ کسی غلط راہ لگے ہوئے یا باوجود علم کے ٹیڑھا راستہ اختیار کئے ہوئے نہیں ہیں- گمراہی والے نصرانیوں اور جان بوجھ کر خلاف حق کرنے والے یہودیوں کی طرح آپ نہیں- آپ کا علم کامل' آپ کا عمل مطابق علم' آپ کا راستہ سیدھا' آپ عظیم الشان شریعت کے شارع' آپ اعتدال والی راہ حق پر قائم' آپ کا کوئی قول کوئی فرمان اپنے نفس کی خواہش اور ذاتی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا آپ کو حکم خدا ہوتا ہے آپ اسے ہی زبان سے نکالتے ہیں' جو وہاں سے کہا جائے وہی آپ کی زبان سے ادا ہوتا ہے' کمی بیشی زیادتی نقصان سے آپ کا کلام پاک ہوتا ہے- مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں ہیں مثل دو قبیلوں کے یا دو میں سے ایک قبیلے کی گنتی کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے- قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر' اس پر ایک شخص نے کہا کیا ربیعہ مضر میں سے نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تو وہی کہتا ہوں جو کہتا ہوں-

مسند کی اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں حضورؐ سے جو کچھ سنتا تھا اسے حفظ کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا‘ پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں کبھی کبھی غصے اور غضب میں بھی کچھ فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا‘ پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا - یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ میں بھی ہے - بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں جس امر کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا - مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں بجز حق کے اور کچھ نہیں کہتا - اس پر بعض صحابہؓ نے کہا حضور کبھی کبھی ہم سے خوش طبعی بھی کرتے ہیں‘ آپ نے فرمایا اس وقت بھی میری زبان سے ناحق نہیں نکلتا -

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷

اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے ○ جو زور آور ہے‘ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا ○ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا ○

تعارف جبرئیل امین علیہ السلام: ☆☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے معلم حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں - جیسے اور جگہ فرمایا ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یہ قرآن ایک بزرگ زور آور فرشتے کا قول ہے‘ جو مالک عرش کے ہاں باعزت‘ سب کا مانا ہوا‘ وہاں معتبر ہے‘ یہاں بھی فرمایا وہ قوت والا ہے - ذُوْ مِرَّةٍ کی ایک تفسیر تو یہی ہے‘ دوسری یہ ہے کہ وہ خوش شکل ہے‘ حدیث میں بھی مرۃ کا لفظ آیا ہے‘ حضورؐ فرماتے ہیں صدقہ مالدار پر اور قوت والے تندرست پر حرام ہے - پھر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھے جہاں سے صبح چڑھتی ہے‘ جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے - ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر صرف دو دفعہ دیکھا ہے ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر امین خدا اپنی صورت میں آپ کو دکھائی دیئے‘ آسمانوں کے تمام کنارے ان کے جسم سے ڈھک گئے تھے - دوبارہ اس وقت جبکہ آپ کو لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام اوپر چڑھے تھے - یہ مطلب ہے وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى کا‘ امام ابن جریرؒ نے اس تفسیر میں ایک ایسا قول کہا ہے جو کسی نے نہیں کہا اور خود انہوں نے بھی اس قول کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں کی - ان کے فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ دونوں بلند آسمانوں کے کناروں پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے اور یہ واقعہ معراج کی رات کا ہے -

امام ابن جریرؒ کی اس تفسیر کی تائید کسی نے نہیں کی‘ گو امام صاحب نے عربیت کی حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے اور عربی قواعد سے یہ بھی ہو سکتا ہے‘ لیکن ہے یہ واقعہ کے خلاف‘ اس لئے کہ یہ دیکھنا معراج سے پہلے کا ہے‘ اس وقت رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے‘ آپ کی طرف جبرئیل علیہ السلام اترے تھے اور قریب ہو گئے تھے اور اپنی اصلی صورت میں تھے‘ چھ سو پر تھے پھر اس کے بعد دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس معراج والی رات میں دیکھا تھا - یہ تو دوبارہ کا دیکھنا تھا لیکن پہلی مرتبہ کا دیکھنا تو شروع رسالت کے زمانہ کے وقت کا ہے‘ پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ کی چند آیتیں آپ پر نازل ہو چکی تھیں‘ پھر وحی بند ہو گئی تھی جس کا حضور کو بڑا خیال بلکہ بڑا ملال تھا یہاں تک کہ کئی دفعہ آپ کا ارادہ ہوا کہ پہاڑ پر سے گر پڑوں لیکن بروقت آسمان کی طرف سے حضرت جبرئیل کی یہ ندا سنائی دی کہ اے محمد (ﷺ)! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبرئیلؑ ہوں - آپ کا غم غلط ہو جاتا‘ دل پرسکون اور طبیعت میں قرار ہو جاتا‘ واپس

چلے آتے- لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد شوق دامنگیر ہوتا اور وحی الٰہی کی لذت یاد آتی تو نکل کھڑے ہوتے اور پہاڑ پر سے اپنے تئیں گرا دینا چاہتے اور اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام تسکین وتسلی کر دیا کرتے- یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابطح میں حضرت جبرائیلؑ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے' چھ سو پر تھے' جسامت نے آسمان کے تمام کنارے ڈھک لئے تھے' اب آپ سے قریب آ گئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ کو پہنچائی' اس وقت حضورؐ کو اس فرشتے کی عظمت وجلالت معلوم ہوئی اور جان گئے کہ خدا کے نزدیک یہ کس قدر بلند مرتبہ ہے- مسند بزار کی ایک روایت امام ابن جریرؒ کے قول کی تائید میں پیش ہو سکتی ہے مگر اس کے راوی صرف حارث بن عبید ہیں' جو بصرہ کے رہنے والے شخص ہیں- ابو قدامہ ایادی ان کی کنیت ہے- مسلم میں ان سے روایتیں آئی ہیں لیکن امام ابن معینؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں-

امام احمدؒ فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں' امام ابو حاتم رازیؒ کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھ لی جاتی ہیں لیکن ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی- ابن حبانؒ فرماتے ہیں یہ بڑے وہمی تھے ان سے احتجاج درست نہیں' پس یہ حدیث صرف ان ہی کی روایت سے ہے تو علاوہ غریب ہونے کے منکر ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ کسی خواب کا ہو' اس میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں بیٹھا تھا جو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے' میرے دونوں کندھوں کے درمیان زور سے ہاتھ رکھا اور مجھے کھڑا کیا' میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے جس میں پرندوں کے آشیانوں کی طرح بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں- ایک میں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا- پھر وہ درخت بلند ہونے لگا یہاں تک کہ میں آسمان سے بالکل قریب پہنچ گیا' میں دائیں بائیں کروٹیں بدلتا تھا اور اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھو لیتا' میں نے دیکھا کہ حضرت جبرئیلؑ اس وقت ہیبت خدا سے مثل بورے کے بچھے جا رہے تھے' اس وقت میں سمجھ گیا کہ اللہ کی جلالت وقدر کے علم میں انہیں مجھ پر فضیلت ہے- آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مجھ پر کھل گیا' میں نے بہت بڑا عظیم الشان نور دیکھا اور پردے کے پاس در و یاقوت کو ہلتے اور حرکت کرتے دیکھا- پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمانی چاہی وہ فرمائی-

مسند میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے' ان کے چھ سو پر تھے' ہر ایک ایسا جس نے آسمان کے کنارے پر کر دیئے تھے' ان سے زمرد اور موتی اور مروارید جھڑ رہے تھے- اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے جبرئیل سے خواہش کی کہ میں آپ کو آپ کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں' حضرت جبرئیل نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے' آپ نے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ کو کوئی چیز اونچی اٹھتی ہوئی اور پھیلتی ہوئی نظر آئی جسے دیکھ کر آپ بے ہوش ہو گئے- جبرئیل علیہ السلام فوراً آئے اور آپ کو ہوش میں لائے اور آپ کی باچھوں سے تھوک دور کیا-

ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کی تیاریاں کرنے لگے' اس کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد (ﷺ) کے خدا کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں چنانچہ یہ آیا اور کہا اے محمدؐ! جو قریب ہوا اور اترا اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا' میں تو اس کا منکر ہوں (چونکہ یہ ناہنجار سخت بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا) حضورؐ کی زبان سے اس کے لئے بددعا نکل گئی کہ باری تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے' یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں کہہ سنائیں تو اس نے کہا بیٹا اب مجھے تو تیری جان کا اندیشہ ہو گیا' اس کی دعا رد نہ جائے گی- اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا' شام کی سرزمین میں ایک راہب کے عبادت خانے کے پاس پڑاؤ کیا' راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیئے اس طرح پھرتے ہیں جیسے بکریوں

کے ریوڑ' تم یہاں کیوں آ گئے؟ ابولہب یہ سن کر کھٹک گیا اور تمام قافلے والوں کو جمع کر کے کہا دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں' اب آج میں تم سے عرض کرتا ہوں امید ہے کہ تم سب اسے قبول کرو گے' بات یہ ہے کہ مدعی نبوت نے میرے جگر گوشے کے لئے بددعا کی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے' تم اپنا سب اسباب اس عبادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سلاؤ اور تم سب اس کے اردگرد پہرہ دو لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ یہ اپنے سب جتن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھنے لگا' جب سب کے منہ سونگھ چکا اور گویا جسے تلاش کر رہا تھا اسے نہ پایا تو پچھلے پیروں ہٹ کر بہت زور سے جست کی اور ایک چھلانگ میں اس مچان پر پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس کا بھی منہ سونگھا اور گویا وہی اس کا مطلوب تھا پھر تو اس نے اس کے پرخچے اڑا دیئے' چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' اس وقت ابولہب کہنے لگا اس کا تو مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ محمدؐ کی بددعا کے بعد یہ بچ نہیں سکتا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى
اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ
عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا
يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا ○ پس دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم ○ پس اس نے خدا کے بندے کو پیغام پہنچایا جو بھی پہنچایا ○ جو دیکھا اس میں پیغمبر کے دل نے جھوٹ نہیں کہا ○ کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو پیغمبر دیکھتے ہیں؟ ○ اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا ○ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ○ اسی کے پاس جنت الماوی ہے ○ جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھا رہی تھی ○ نہ تو وہ نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی ○ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں ○

جبرئیل کا نبی ﷺ کے قریب ہونا: ☆☆ (آیت:۸-۱۸) پھر فرماتا ہے کہ حضرت جبرئیل آنحضرتؐ سے قریب ہوئے اور زمین کی طرف اترے یہاں تک کہ حضورؐ کے اور حضرت جبرئیلؑ کے درمیان صرف دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی اور نزدیکی ہو گئی یہاں لفظ ''او'' جس کی خبر دی جاتی ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے آیا ہے اور اس پر جو زیادتی ہو اس کی نفی کے لئے' جیسے اور جگہ ہے پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ مثل پتھروں کے ہیں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت یعنی پتھر سے کم کسی صورت میں نہیں بلکہ اس سے بھی سختی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور فرمان ہے وہ لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور جگہ ہے ہم نے انہیں ایک لاکھ کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ کی طرف یعنی وہ ایک لاکھ سے کم تو تھے ہی نہیں بلکہ حقیقتاً وہ ایک لاکھ تھے یا اس سے زیادہ ہی زیادہ۔ پس اپنی خبر کی تحقیق ہے شک و تردد کے لئے نہیں۔ خبر میں خدا کی طرف سے شک کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ قریب آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جیسے ام المؤمنین عائشہ' ابن مسعود' ابوذر' ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فرمان ہے اور اس بابت کی حدیثیں بھی عنقریب ہم وارد کریں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا، جن میں سے ایک کا بیان اس آیت ثُمَّ دَنَا میں ہے۔ حضرت انس والی معراج کی حدیث میں ہے پھر اللہ تعالیٰ رب العزت قریب ہوا اور نیچے آیا اور اسی لئے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور کئی ایک غرابتیں ثابت کی ہیں اور اگر ثابت ہو جائے کہ یہ صحیح ہے تو بھی دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہوگی اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جا سکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے نہ کہ معراج والی رات کا۔ کیونکہ اس کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے ہمارے نبیؐ نے اسے ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے، پس یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کا دیکھنا تو واقعہ معراج کا ذکر ہے اور پہلی مرتبہ کا دیکھنا یہ زمین پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا میں نے جبرئیل کو دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں نبی ﷺ کی ابتداء نبوت کے وقت آپ نے خواب میں حضرت جبرئیل کو دیکھا پھر آپ اپنی ضروری حاجت سے فارغ ہونے کے لئے نکلے تو سنا کہ کوئی آپ کا نام لے کر آپ کو پکار رہا ہے، ہر چند دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار آپ نے اوپر کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ حضرت جبرئیلؑ اپنے دونوں پاؤں میں سے ایک کو دوسرے سمیت موڑے ہوئے آسمان کے کناروں کو روکے ہوئے ہیں، قریب تھا کہ حضورؐ دہشت زدہ ہو جائیں کہ فرشتے نے کہا میں جبرئیلؑ ہوں میں جبرئیلؑ ہوں ڈرو نہیں، لیکن حضورؐ سے ضبط نہ ہو سکا، بھاگ کر لوگوں میں چلے آئے، اب جو نظریں ڈالیں تو کچھ دکھائی نہ دیا، پھر یہاں سے نکل کر باہر گئے اور آسمان کی طرف نظر ڈالی تو پھر حضرت جبرئیلؑ اسی طرح نظر آئے، آپ پھر خوف زدہ لوگوں کے مجمع میں آ گئے تو یہاں کچھ بھی نہیں، باہر نکل کر پھر جو دیکھا تو وہی سماں نظر آیا، پس اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ قاب آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت جبرئیلؑ پر دو ریشمی حلے تھے۔ پھر فرمایا اس نے وحی کی، اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف وحی کی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جبرئیل کی معرفت اپنی وحی نازل فرمائی، دونوں معنی صحیح ہیں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس وقت کی وحی اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ تھی۔ اور حضرات سے مروی ہے کہ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی تھی کہ نبیوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ آپ اس میں نہ جائیں اور دوسری امتوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ پہلے اس کی امت داخل نہ ہو جائے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں آپؐ نے اپنے دل سے اللہ دو دفعہ دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے دیکھنے کو مطلق رکھا ہے یعنی خواہ دل کا دیکھنا ہو خواہ ظاہری آنکھوں کا، یہ ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں یعنی آپ نے اپنے دل سے دیکھا۔ جن بعض حضرات نے کہا ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے دیکھا انہوں نے ایک غریب قول کہا ہے اس لئے کہ صحابہؓ سے اس بارے میں کوئی چیز صحت کے ساتھ مروی نہیں۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضورؐ نے اپنی آنکھوں دیکھا، جیسے حضرت انسؓ اور حضرت حسنؒ اور حضرت عکرمہؒ ان کے اس قول میں نظر ہے واللہ اعلم۔

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں میں نے یہ سن کر کہا پھر یہ آیت کہاں جائے گی جس میں فرمان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ اسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے، آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے ورنہ آپ نے دو دفعہ اپنے رب کو دیکھا، یہ حدیث

غریب ہے۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ کی ملاقات حضرت کعب سے ہوئی اور انہیں پہچان کر ان سے ایک سوال کیا جو ان پر بہت گراں گذرا' ابن عباسؓ نے فرمایا ہمیں بنو ہاشم نے یہ خبر دی ہے تو حضرت کعب نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضرت محمدؐ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان تقسیم کر دیا' حضرت موسیٰؑ سے دو مرتبہ باتیں کیں اور آنحضرتؐ کو دو مرتبہ اپنا دیدار کرایا۔ ایک مرتبہ حضرت مسروق حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے تو ایسی بات کہہ دی کہ جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' میں نے کہا مائی صاحبہ قرآن کریم فرماتا ہے آپ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ آپ نے فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ سنو اس سے مراد حضرت جبرئیل کا دیکھنا ہے' جو تم سے کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا یا حضورؐ نے خدا کے کسی فرمان کو چھپا لیا یا آپ ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات جانتے تھے یعنی قیامت کب قائم ہو گی؟ بارش کب اور کتنی برسے گی؟ ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ؟ کون کل کیا کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ اس نے بڑی جھوٹ بات کہی اور خدا پر بہتان باندھا' بات یہ ہے کہ آپؐ نے جبرئیل کو دیکھا تھا' دو مرتبہ خدا کے اس امین کو آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے' ایک تو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ جیاد میں' ان کے چھ سو پر تھے اور آسمان کے کل کنارے انہوں نے بھر رکھے تھے۔ نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خلت حضرت ابراہیمؑ کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰؑ کے لئے اور دیدار حضرت محمدؐ کے لئے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ سراسر نور ہے' میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا میں نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا ہے۔ پھر آپ نے آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ پڑھی۔ اور روایت میں ہے میں نے اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ نے آیت ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی پڑھی۔ حضرت عکرمہؒ سے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہاں آپ نے دیکھا اور پھر دیکھا' سائل نے پھر حضرت حسنؒ سے بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس کے جلال عظمت اور چادر کبریائی کو دیکھا۔ حضورؐ سے ایک مرتبہ یہ جواب دینا بھی مروی ہے کہ میں نے نہر دیکھی اور نہر کے پیچھے پردہ دیکھا اور پردے کے پیچھے نور دیکھا' اس کے سوا میں نے کچھ نہیں دیکھا' یہ حدیث بھی بہت غریب ہے۔ ایک حدیث مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے' اس کی اسناد شرط صحیح پر ہے لیکن یہ حدیث' حدیث خواب کا مختصر ٹکڑا ہے چنانچہ مطول حدیث میں ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آج کی رات آیا (راوی کہتا ہے میرے خیال میں) خواب میں آیا اور فرمایا اے محمد! جانتے ہو بلند مقام والے فرشتے کس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نہیں' پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو بازوؤں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی' پس زمین و آسمان کی ہر چیز مجھے معلوم ہو گئی' پھر مجھ سے وہی سوال کیا' میں نے کہا اب مجھے معلوم ہو گیا وہ ان نیکیوں کے بارے میں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور جو درجے بڑھاتی ہیں آپس میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں' مجھ سے حق جل شانہ نے پوچھا اچھا پھر تم بھی بتلاؤ کفارے کی نیکیاں کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نمازوں کے بعد مسجدوں میں رکے رہنا' جماعت کے لئے چل کر آنا' جب وضو ناگوار گذرتا ہو اچھی طرح مل مل کر وضو کرنا۔ جو ایسا کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندگی گذارے گا اور خیر کے ساتھ انتقال ہو گا اور گناہوں سے اس طرح الگ ہو جائے گا جیسے آج دنیا میں آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے محمد ﷺ! جب نماز پڑھو یہ کہو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاِذَآ اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً اَنْ تَقْبِضَنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ یعنی یا اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے' برائیوں کے چھوڑنے' مسکینوں سے

محبت رکھنے کی توفیق طلب کرتا ہوں، تو جب اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی اپنی طرف اٹھالینا - فرمایا اور درجے بڑھانے والے اعمال یہ ہیں کھانا کھلانا، سلام پھیلانا، لوگوں کی نیند کے وقت رات کو تہجد کی نماز پڑھنا - اسی کی مثل روایت سورۂ ص مکی کی تفسیر کے خاتمے پر گذر چکی ہے -

ابن جریر میں یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے جس میں غربت والی زیادتی اور بھی بہت سی ہے، اس میں کفارے کے بیان میں ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل چلنے کے قدم ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار - میں نے کہا یا اللہ! تو نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰؑ کو اپنا کلیم بنایا اور یہ کیا؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تیرا بوجھ ہٹا نہیں دیا؟ اور فلاں اور فلاں احسان تیرے اوپر نہیں کئے؟ اور بھی ایسے ایسے احسان بتلائے کہ تمہارے سامنے ان کے بیان کی مجھے اجازت نہیں، اسی کا بیان ان آیتوں ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی میں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور میرے دل میں پیدا کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا، اس کی اسناد ضعیف ہے - اوپر عتبہ بن ابولہب کا یہ کہنا کہ میں اس قریب آنے اور نزدیک ہونے والے کو نہیں مانتا اور پھر حضورؐ کا اس کے لئے بددعا کرنا اور شیر کا اسے پھاڑ کھانا بیان ہو چکا ہے، یہ واقعہ زرقاء میں یا سراۃ میں ہوا تھا اور آنحضرتؐ نے پیشگوئی فرما دی تھی کہ یہ اس طرح ہلاک ہوگا - پھر آنحضرت ﷺ کا حضرت جبرئیل کو دوبارہ دیکھنا بیان ہو رہا ہے جو معراج والی رات کا واقعہ ہے - معراج کی حدیثیں نہایت تفصیل کے ساتھ سورۂ سبحان کی شروع آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہیں، جن کے دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں - یہ بھی بیان گذر چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ معراج والی رات دیدار باری تعالیٰ کے ہونے کے قائل ہیں - ایک جماعت سلف و خلف کا قول بھی یہی ہے اور صحابہؓ کی بہت سی جماعتیں اس کے خلاف ہیں - اسی طرح تابعین اور دوسرے بھی اس کے خلاف ہیں - حضورؐ کا جبرئیل کو پروں سمیت دیکھنا وغیرہ اس قسم کی روایتیں اوپر گذر چکی ہیں - حضرت عائشہؓ سے حضرت مسروق کا پوچھنا اور آپ کا جواب بھی ابھی بیان ہوا ہے - ایک روایت میں ہے کہ صدیقہؓ نے اپنے اس جواب کے بعد آیت لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ الخ کی تلاوت کی اور مَا کَانَ لِبَشَرٍ الخ کی بھی تلاوت فرمائی یعنی کوئی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے، کسی انسان سے خدا کا کلام کرنا ممکن نہیں ہاں وحی سے یا پردے کے پیچھے سے ہو تو اور بات ہے، پھر فرمایا جو تم سے کہے کہ آنحضرت کو کل کی بات کا علم تھا اس نے غلط اور جھوٹ کہا پھر آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ آخر تک پڑھی اور فرمایا جو کہے کہ حضورؐ نے خدا کی کسی بات کو چھپا لیا اس نے بھی جھوٹ کہا اور تہمت باندھی پھر آیت یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ پڑھی یعنی اے رسول! جو تمہاری جانب تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو - ہاں آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دو مرتبہ دیکھا ہے -

مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسروق نے حضرت عائشہؓ کے سامنے سورۂ نجم کی آیت بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ اور نَزْلَةً اُخْرٰی پڑھیں اس کے جواب میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اس امت میں سے سب سے پہلے ان آیتوں کے متعلق خود نبی ﷺ سے میں نے سوال کیا تھا آپ نے فرمایا اس سے مراد میرا حضرت جبرئیل کو دیکھنا ہے، آپ نے صرف دو دفعہ اس امین خدا کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے - ایک مرتبہ آسمان سے زمین پر آتے ہوئے اس وقت تمام خلا ان کے جسم سے پر تھا - یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے - مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر میں حضورؐ کو دیکھتا تو آپ سے ایک بات تو ضرور پوچھتا - حضرت ابوذرؓ نے کہا کیا پوچھتے؟ کہا یہ کہ کیا آپ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا یہ سوال تو خود میں نے جناب رسالت مآب سے کیا تھا آپ نے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا، وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا - صحیح مسلم میں بھی یہ

حدیث دو سندوں سے ہے' دونوں کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے- حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس حدیث کی کیا توجیہ کروں' دل اس پر مطمئن نہیں- ابن ابی حاتم میں حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے اپنے دل سے دیدار کیا ہے آنکھوں سے نہیں-

امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں عبداللہ بن شقیقؒ اور حضرت ابو ذرؓ کے درمیان انقطاع ہے اور امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے حضرت ابوذرؓ کا یہ سوال معراج کے واقعہ سے پہلے کا ہو اور حضورؐ نے اس وقت یہ جواب دیا ہو- اگر یہ سوال معراج کے بعد آپ سے کیا جاتا تو ضرور آپؐ اس کے جواب میں ہاں فرماتے' انکار نہ کرتے- لیکن یہ قول سرتاپا ضعیف ہے اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کا سوال تو قطعاً معراج کے بعد تھا لیکن آپ کا جواب اس وقت بھی انکار میں ہی رہا- بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے خطاب ان کی عقل کے مطابق کیا گیا یا یہ کہ ان کا یہ خیال غلط ہے- چنانچہ ابن خزیمہؒ نے کتاب التوحید میں یہی لکھا ہے تو دراصل یہ محض خطا ہے اور بالکل غلطی ہے' واللہ اعلم- حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے تو دیکھا ہے لیکن اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا' ہاں حضرت جبرئیلؑ کو اپنی آنکھوں سے ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے- سدرۃ المنتہیٰ پر اس وقت فرشتے بکثرت تھے اور نور خدا اس پر جگمگا رہا تھا اور قسم قسم کے رنگ جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا- حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں معراج والی رات آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان پر ہے- زمین سے جو چیزیں چڑھتی ہیں وہ یہیں تک چڑھتی ہیں پھر یہاں سے اٹھالی جاتی ہیں' اسی طرح جو چیزیں خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہیں یہیں تک پہنچتی ہیں' پھر یہاں سے پہنچائی جاتی ہیں اس وقت اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں لدی ہوئی تھیں' حضورؐ کو وہاں تین چیزیں عطا فرمائی گئیں' پانچوں وقت کی نمازیں' سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور آپ کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو اس کے گناہوں کی بخشش- (مسلم) ابو ہریرہؓ سے یا کسی اور صحابیؓ سے روایت ہے کہ جس طرح کوے کسی درخت کو گھیر لیتے ہیں اسی طرح اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتے چھا رہے تھے' وہاں جب حضورؐ پہنچے تو آپ سے کہا گیا کہ جو مانگنا ہو مانگو- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس درخت کی شاخیں مروارید' یاقوت اور زبرجد کی تھیں- آنحضرتؐ نے اسے دیکھا اور اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ کی بھی زیارت کی-

ابن زیدؒ فرماتے ہیں حضورؐ سے سوال ہوا کہ آپ نے سدرہ پر کیا دیکھا؟ آپ نے فرمایا اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھانکے ہوئے تھیں اور ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ کھڑا ہوا خدا کی تسبیح کر رہا تھا- آپ کی نگاہیں دائیں بائیں نہیں ہوئیں' جس چیز کے دیکھنے کا حکم تھا وہیں لگی رہیں- ثابت قدمی اور کامل اطاعت کی یہ پوری دلیل ہے کہ جو حکم تھا وہی بجالائے' جو دیئے گئے وہی لے کر خوش ہوئے' اسی کو ایک ناظم نے تعریفاً کہا ہے- آپ نے خدا کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں- جیسے اور جگہ ہے لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى اس لئے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں جو ہماری کامل قدرت اور زبردست عظمت پر دلیل بن جائیں- ان دونوں آیتوں کو دلیل بنا کر اہل سنت کا مذہب ہے کہ حضورؐ نے اس رات خدا کا دیدار اپنی آنکھوں سے نہیں کیا کیونکہ ارشاد باری ہے کہ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں اگر خود خدا کا دیدار ہوا ہوتا تو اسی دیدار کا ذکر ہوتا اور لوگوں پر اسے ظاہر کیا جاتا- ابن مسعودؓ کا قول گذر چکا کہ ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر دوسری دفعہ آسمان پر چڑھتے وقت جبرئیلؑ کو آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا- پس جبکہ جبرئیلؑ نے اپنے رب عزوجل کو خبر دی' اپنی اصلی صورت میں عود کر گئے اور سجدہ ادا کیا پس سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھنے سے انہی کا دیکھنا مراد ہے- یہ روایت مسند احمد میں ہے اور غریب ہے-

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

کیا پس تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا○ اور مناۃ تیسرے پچھلے کو○ کیا تمہارے لئے لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں؟○ یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے○

بت کدے کیا تھے؟: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۲) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو ڈانٹ رہا ہے کہ وہ بتوں کی اور خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں اور جس طرح خلیل خدا پرستش کدے بنا رہے ہیں- لات ایک سفید پتھر منقش تھا' جس پر قبہ بنا رکھا تھا' غلاف چڑھائے جاتے تھے' مجاور' محافظ اور جاروب کش مقرر تھے' اس کے آس پاس کی جگہ مثل حرم کی حرمت و بزرگی والی جانتے تھے- اہل طائف کا یہ بت کدہ تھا' قبیلہ ثقیف اس کا پجاری اور اس کا متولی تھا- قریش کے سوا باقی اور سب پر یہ لوگ اپنا فخر جتایا کرتے تھے- ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان لوگوں نے لفظ اللہ سے لفظ لات بنایا تھا' گویا اس کا مؤنث بنایا تھا- اللہ کی ذات تمام شریکوں سے پاک ہے- ایک قرأت میں لفظ لات' تاء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی گھومنے والا' اسے لات اس معنی میں اس لئے کہتے تھے کہ یہ ایک نیک شخص تھا' موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا- اس کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی' رفتہ رفتہ اسی کی عبادت کرنے لگے- اسی طرح لفظ عزیٰ لفظ عزیز سے لیا گیا ہے' مکے اور طائف کے درمیان نخلہ میں یہ ایک درخت تھا' اس پر بھی قبہ بنا ہوا تھا' چادریں چڑھی ہوئی تھیں' قریش اس کی عظمت کرتے تھے- ابوسفیان نے احد والے دن بھی کہا تھا' ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا نہیں' جس کے جواب میں حضورؐ نے کہلوایا تھا' اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا والی کوئی نہیں-

صحیح بخاری میں ہے جو شخص لات وعزیٰ کی قسم کھا بیٹھے' اسے چاہئے فوراً لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لے اور جو اپنے ساتھی سے کہہ دے کہ آ جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہئے- مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ اسی کی قسم کھائی جاتی تھی تو اب اسلام کے بعد اگر کسی کی زبان سے اگلی عادت کے موافق یہ الفاظ نکل جائیں تو اسے کلمہ پڑھ لینا چاہئے- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اسی طرح لات وعزیٰ کی قسم کھا بیٹھے جس پر لوگوں نے انہیں متنبہ کیا- یہ حضورؐ کے پاس گئے آپ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھ لو اور تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو اور آئندہ سے ایسا نہ کرنا- مکے اور مدینے کے درمیان قدید کے پاس مشلل میں مناۃ تھا- قبیلہ خزاعہ' اوس اور خزرج جاہلیت میں اس کی بہت عظمت کرتے تھے' یہیں سے احرام باندھ کر وہ حج کعبہ کے لئے جاتے تھے- اسی طرح علاوہ ان تین کے اور بھی بہت سے بت اور تھان تھے جن کی عرب لوگ پرستش کرتے تھے اور بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے' لیکن چونکہ ان تین کی شہرت بہت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین کا ہی بیان فرمایا- ان مقامات کے یہ لوگ طواف بھی کرتے تھے' قربانیوں کے جانور وہاں لے جاتے تھے' ان کے نام پر جانور چڑھائے جاتے تھے' باوجود اس کے یہ سب لوگ کعبہ کی حرمت و عظمت کے قائل تھے' اسے مسجد ابراہیم مانتے تھے اور اس کی خاطر خواہ توقیر کرتے تھے- سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ قریش اور بنوکنانہ عزیٰ کے پجاری تھے جو نخلہ میں تھا- اس کا نگہبان اور متولی قبیلہ بنوشیبان تھا جو قبیلہ سلیم کی شاخ تھا اور بنوہاشم کے ساتھ ان کا بھائی چارہ تھا- اس بت کے توڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہتے جاتے تھے ۔

یَا عُزّٰی كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اللّٰهَ قَدْ اَهَانَكِ

''اے عزیٰ! میں تیرا منکر ہوں' تیری پاکی بیان کرنے والا نہیں ہوں- میرا ایمان ہے کہ تیری عزت کو خدا نے خاک میں ملا دیا''- یہ ببول کے تین درختوں پر تھا' جو درخت کاٹ ڈالے اور قبہ ڈھا دیا اور واپس آ کر حضورؐ کو اطلاع دی- آپ نے فرمایا تم نے کچھ نہیں کیا' لوٹ کر پھر دوبارہ جاؤ- حضرت خالدؓ کے دوبارہ تشریف لے جانے پر وہاں کے محافظ اور خدام نے بڑے بڑے مکر و فریب کئے اور خوب غل مچا کر یَا

عُزّٰی، یَا عُزّٰی کے نعرے لگائے۔ حضرت خالدؓ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک ننگی عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے' آپ نے تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کیا اور واپس آ کر حضورؐ کو خبر دی آپ نے فرمایا عزیٰ یہی تھی۔ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جو طائف میں تھا' اس کی تولیت اور مجاورت بنو معتب میں تھی' یہاں اس کے ڈھانے کے لئے نبی ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ابوسفیان صخر بن حربؓ کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے معدوم کر کے اس کی جگہ مسجد بنا دی۔ مناۃ اوس و خزرج اور اس کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا' یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا۔ یہاں بھی حضورؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کو بھیجا اور آپ اس کے ریزے ریزے کر گئے۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں یہ کفرستان فنا ہوا۔ ذوالخلصہ نامی بت خانہ اوس اور خشعم اور بجیلہ کا تھا اور جو لوگ اس کے ہم وطن تھے' یہ تبالہ میں تھا اور اسے یہ لوگ کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور مکہ کے کعبہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے فنا ہوا۔ فلس نامی بت خانہ قبیلہ طے اور ان کے آس پاس کے عربوں کا تھا' یہ جبل طے میں سلمٰی اور اجا کے درمیان تھا' اس کے توڑنے پر حضرت علیؓ مامور ہوئے تھے' آپ نے اسے توڑ دیا اور یہاں سے دو تلواریں لے گئے تھے' ایک رسوب دوسری مخزم' آنحضرت نے یہ دونوں تلواریں انہی کو دے دیں۔ قبیلہ حمیر اور اہل یمن نے اپنا بت خانہ صنعاء میں ریام نامی بنا رکھا تھا' مذکور ہے کہ اس میں ایک سیاہ کتا تھا اور وہ دو حمیری جو تبع کے ساتھ نکلے تھے انہوں نے اسے نکال کر قتل کر دیا اور اس خانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور رضا نامی بت کدہ بنو ربیعہ بن سعد کا تھا' اس کو مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن سعد نے اسلام میں ڈھایا۔ ابن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ ان کی عمر تین سو تیس سال کی ہوئی تھی جس کا بیان خود انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ذوالکعبات نامی صنم خانہ بکر اور تغلب اور یاد قبیلے کا سنداد میں تھا۔ پھر فرماتا ہے کہ تمہارے لئے لڑکے ہوں اور خدا کی لڑکیاں ہوں؟ کیونکہ مشرکین اپنے زعم باطل میں فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں سمجھتے تھے تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے اگر تم آپس میں تقسیم کرو اور کسی کو صرف لڑکیاں اور کسی کو صرف لڑکے دو تو وہ بھی راضی نہ ہوگا اور یہ تقسیم نامنصفی کی سمجھی جائے گی' چہ جائیکہ تم خدا کے لئے لڑکیاں ثابت کرو اور خود تم اپنے لئے لڑکے پسند کرو۔

إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ
أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ
وَمَا تَهْوَى ٱلْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ ٱلْهُدَىٰٓ ﴿٢٣﴾ أَمْ
لِلْإِنسَٰنِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ ٱلْءَاخِرَةُ وَٱلْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِى ع ١٥
ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغْنِى شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ أَن يَأْذَنَ
ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضَىٰٓ ﴿٢٦﴾

دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لئے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے ○ کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟ ○ اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان اور وہ جہان ○ بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دے دے ○

(آیت: ۲۳-۲۶) پھر فرماتا ہے ان کو تم نے اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے مضبوط ٹھہرا کر جو چاہا نام گھڑ لیا ہے ورنہ نہ وہ معبود ہیں نہ کسی ایسے پاک نام کے مستحق ہیں- خود یہ لوگ بھی ان کی پوجا پاٹ پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے، صرف اپنے بڑوں پر حسن ظن رکھ کر جو انہوں نے کیا تھا یہ بھی کر رہے ہیں، مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں- مصیبت تو یہ ہے کہ باوجود دلیل آ جانے کے، اللہ کی باتیں واضح ہو جانے کے پھر بھی باپ دادا کی غلط راہ کو نہیں چھوڑتے- پھر فرماتا ہے کیا ہر انسان کی ہر تمنا خواہ مخواہ پوری ہی ہوتی ہے؟ جو کہے میں حق پر ہوں تو کیا وہ حق پر ہو ہی گیا؟ تم گو دعوے لمبے چوڑے کرو لیکن دعوؤں سے مراد اور مقصد حاصل نہیں ہوتا- حضورؐ فرماتے ہیں تمنا کرتے وقت سوچ لیا کرو کہ کیا تمنا کرتے ہو؟ تمہیں نہیں معلوم کہ اس تمنا پر تمہارے لئے کیا لکھا جائے گا؟ تمام امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، دنیا اور آخرت میں تصرف اسی کا ہے، جو اس نے چاہا ہو رہا ہے اور جو چاہے گا ہو گا- پھر فرماتا ہے کہ بغیر اجازت خدا کوئی بڑے سے بڑا فرشتہ بھی کسی کے لئے سفارش کا لفظ بھی نہیں نکال سکتا- جیسے فرمایا مَنْ ذَالَّذِیْ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش پیش کر سکے- اس کے فرمان بغیر کسی کو کسی کی سفارش نفع نہیں دے سکتی- پس جبکہ بڑے بڑے قریبی فرشتوں کا یہ حال ہے تو پھر اے ناواقفو! تمہارے یہ بت اور تھان کیا نفع پہنچائیں گے؟ ان کی پرستش سے خدا روک رہا ہے، تمام رسول اور کل آسمانی کتابیں خدا کے سوا اوروں کی عبادت سے روکنا اپنا عظیم الشان مقصد بتاتی ہیں، پھر تم ان کو اپنا سفارشی سمجھ رہے ہو، کس قدر غلط راہ ہے-

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ
الْأُنْثٰى ۝۲۷ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ
وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝۲۸ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ
تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۲۹ ذٰلِكَ
مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ ۙ
وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝۳۰

بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زنانہ نام مقرر کرتے ہیں ○ حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بیشک وہم و گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا ○ تو اس سے منہ موڑ لے جو ہماری یاد سے منہ موڑ لے اور جن کا ارادہ بجز زندگانی دنیا اور کچھ نہ ہو ○ یہی ان کے علم کی انتہا ہے تیرا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہ ہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہو گیا ○

آخرت کا گھر اور دنیا: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۰) اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ خدا کے فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَةَ الخ، یعنی خدا کے مقبول بندوں اور فرشتوں کو انہوں نے اللہ کی لڑکیاں ٹھہرا دیا ہے، کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ موجود تھے؟ ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے پرسش کی جائے گی- یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کے زنانہ نام رکھتے ہیں جو ان کی بے علمی کا نتیجہ ہے، محض جھوٹ، کھلا بہتان بلکہ صریح شرک ہے، یہ صرف ان کی اٹکل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اٹکل پچو باتیں حق کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں- حدیث شریف میں ہے گمان سے بچو، گمان بدترین جھوٹ ہے-

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ حق سے اعراض کرنے والوں سے آپ بھی اعراض کر لیں۔ ان کا منتہائے نظر صرف زندگانی دنیا ہے اور جس کی غایت یہ سفلی دنیا ہو اس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا' ان کے علم کی غایت بھی یہی ہے کہ دنیا طلبی اور کوشش دنیا میں ہر وقت منہمک رہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جس کا مال (آخرت میں) نہ ہو۔ ایک منقول دعا میں حضورؐ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا ''پروردگار! تو ہماری اہم تر کوشش اور منتہائے نظر اور مقصد معلومات صرف دنیا ہی کو نہ کر''۔ پھر فرماتا ہے کہ جمیع مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے' اپنے بندوں ی مصلحتوں سے صحیح طور پر وہی واقف ہے' جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے ضلالت دے' سب کچھ اس کی قدرت علم اور حکمت سے ہو رہا ہے' وہ عادل ہے اپنی شریعت میں اور انداز مقرر کرنے میں ظلم و بے انصافی نہیں کرتا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا
بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝۳۱ اَلَّذِيْنَ
يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲ ع ۷

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اللہ تعالیٰ بدکاروں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا اور نیک کاروں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے گا ○ ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے' بیشک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے' وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جب کہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے' پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو' وہی پرہیزگار کو خوب جانتا ہے ○

گناہ اور ضابطہ الٰہی: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۲) مالک آسمان و زمین' بے پرواہ' مطلق شہنشاہ' حقیقی عادل' خالق حق و حق کار اللہ تعالیٰ ہی ہے' ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا' نیکی پر نیک جزا اور بدی پر بری سزا وہی دے گا' اس کے نزدیک بھلے لوگ وہ ہیں جو اس کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں سے' بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں و نالائقیوں سے الگ رہیں' ان سے بتقاضائے بشریت اگر کبھی کوئی چھوٹا سا گناہ سرزد ہو بھی جائے تو پروردگار پردہ پوشی کرتا ہے اور معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ الخ' اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے پاکدامن رہے جن سے تمہیں روک دیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیاں معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ یعنی جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہاں بھی فرمایا مگر چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور انسانیت کی کمزوریاں معاف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لمم کی تفسیر میرے خیال میں حضرت ابوہریرہؓ کی بیان کردہ اس حدیث سے زیادہ اچھی کوئی نہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ یقیناً پا کر ہی رہے گا' آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' زبان کا زنا بولنا ہے' دل امنگ اور آرزو کرتا ہے' اب شرمگاہ خواہ اسے سچا کر دکھائے یا جھوٹا'' (صحیحین) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں آنکھوں کا زنا نظر کرنا ہے اور ہونٹوں کا زنا بوسہ لینا ہے اور ہاتھوں کا زنا پکڑنا اور پیروں کا زنا چلنا ہے اور شرمگاہ اسے سچا کرتی ہے' یا جھوٹا کر

دیتی ہے یعنی اگر شرمگاہ کو نہ روک سکا اور بدکاری کر بیٹھا تو سب اعضاء کا زنا ثابت اور اگر اپنے اس عضو کو روک لیا تو وہ سب لمم میں داخل ہے- حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ لمم بوسہ لینا' چھیڑنا' دیکھنا اور مس کرنا ہے اور جب شرمگاہیں مل گئیں تو غسل واجب ہو گیا اور زنا کاری کا گناہ ثابت ہو گیا- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جملہ کی تفسیر یہی مروی ہے یعنی جو پہلے گذر چکا- مجاہدؒ فرماتے ہیں گناہ سے آلودگی ہو پھر چھوڑ دے تو لمم میں داخل ہے' شاعر کہتا ہے ؎

اِنُ تَغفِرِ اللّٰھُمَّ تغفِرُ جمًّا　　وَاَیُّ عَبدٍ لَّکَ مَا اَلَمَّا

''اے اللہ! جبکہ تو معاف فرماتا ہے تو سب ہی کچھ معاف فرما دے ورنہ یوں آلودہ عصیاں تو ہر انسان ہے''- مجاہدؒ فرماتے ہیں اہل جاہلیت اپنے طواف میں عموماً اس شعر کو پڑھا کرتے تھے- ابن جریرؒ میں حضورؐ کا اس شعر کو پڑھنا بھی مروی ہے' ترمذی میں بھی یہ مروی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں- بزار فرماتے ہیں ہمیں اس کی اور سند معلوم نہیں صرف اسی سند سے مرفوعاً مروی ہے- ابن ابی حاتمؒ اور بغویؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے- بغویؒ نے اسے سورۂ تنزیل میں روایت کیا ہے لیکن اس مرفوع کی صحت میں نظر ہے-

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ زنا سے نزدیکی ہونے کے بعد توبہ کرے اور پھر نہ لوٹے' چوری کے قریب ہو جانے کے بعد چوری نہ کی اور توبہ کر کے لوٹ آیا' اسی طرح شراب پینے کے قریب ہو کر شراب نہ پی اور توبہ کر کے لوٹ گیا یہ سب المام ہیں جو ایک مومن کو معاف ہیں- حضرت حسنؒ سے بھی یہی مروی ہے- ایک روایت میں ہے صحابہؓ سے عموماً اس کا مروی ہونا بیان کیا گیا ہے- حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں مراد اس سے شرک کے علاوہ گناہ ہیں- ابن زبیرؓ فرماتے ہیں دو حدوں کے درمیان حد زنا اور عذاب آخرت- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر وہ چیز جو دو حدوں کے درمیان حد دنیا اور حد آخرت' نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں اور وہ ہر واجب کر دینے والی سے کم ہے' حد دنیا تو وہ ہے جو کسی گناہ پر خدا نے دنیوی سزا مقرر کر دی ہے اور اس کی سزا دنیا میں مقرر نہیں کی- تیرے رب کی بخشش بہت وسیع ہے' ہر چیز کو گھیر لیا ہے اور تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے' جیسے فرمان ہے قُلۡ یَا عِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا ''اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جان پر اسراف کیا ہے! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ بڑی بخشش والا اور بڑے رحم والا ہے''- پھر فرمایا وہ تمہیں دیکھنے والا اور تمہارے ہر حال کا علم رکھنے والا اور تمہارے ہر کلام کو سننے والا اور تمہارے تمام تر اعمال سے واقف ہے' جبکہ اس نے تمہارے باپ آدم کو زمین سے پیدا کیا اور ان کی پیٹھ سے ان کی اولاد نکالی جو چیونٹیوں کی طرح پھیل گئی پھر ان کی تقسیم کر کے دو گروہ بنا دیئے ایک جنت کے لئے اور ایک جہنم کے لئے اور جبکہ تم اپنی ماں کے پیٹ میں بچے تھے اس کے مقرر کردہ فرشتے نے روزی' عمر' عمل' نیکی' بدی لکھ لی' بہت سے بچے پیٹ سے ہی گر جاتے ہیں' بہت سے دودھ پینے کی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں' بہت سے دودھ چھٹنے کے بعد بلوغت سے پہلے ہی چل بستے ہیں' بہت سے عین جوانی میں دار دنیا خالی کر جاتے ہیں' اب جبکہ ہم ان تمام منازل کو طے کر چکے اور بڑھاپے میں آ گئے جس کے بعد کوئی منزل موت کے سوا نہیں' اب بھی اگر ہم نہ سنبھلیں تو ہم سے بڑھ کر غافل کون ہے؟ خبردار تم اپنے نفس کو پاک نہ کہو' اپنے نیک اعمال کی تعریفیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ' اپنے تئیں آپ سراہنے نہ لگو' جس کے دل میں رب کا ڈر ہے اسے رب ہی خوب جانتا ہے-

اور آیت میں ہے اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا کیا تو نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو اپنے نفس کی پاکیزگی آپ بیان کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ خدا کے ہاتھ ہے' جسے وہ چاہے برتر اعلیٰ اور پاک صاف کر دے' کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہو گا- محمد بن عمرو بن عطاؒ فرماتے ہیں میں نے اپنی لڑکی کا نام برہ رکھا تو مجھ سے حضرت زینب بنت ابو سلمہؓ نے فرمایا

رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے' خود میرا نام بھی برہ تھا جس پر آپ نے فرمایا تم خود اپنی برتری اور پاکی آپ نہ بیان کرو' تم میں سے نیکی والوں کا علم پورے طور پر خدا ہی کو ہے - لوگوں نے کہا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ فرمایا زینب نام رکھو' مسند احمد میں ہے حضورؐ کے سامنے کسی نے ایک شخص کی بہت تعریفیں بیان کیں آپ نے فرمایا افسوس تو نے اس کی گردن ماری' کئی مرتبہ یہی فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کی تعریف ہی کرنی ہو تو یوں کہو میرا گمان فلاں کی طرف ایسا ہے' حقیقی علم اللہ کو ہی ہے پھر اپنی معلومات بیان کرو' خود کسی کی پاکیزگیاں بیان کرنے نہ بیٹھ جاؤ - ابوداؤد اور مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان کی تعریفیں بیان کرنا شروع کر دیں' اس پر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے منہ میں مٹی بھرنے لگے اور فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ تعریفیں کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھر دیں -

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۝۳۳ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝۳۴ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ
الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶
وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ۝۳۷ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝۳۸ وَاَنْ
لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝۳۹ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝۴۰ ثُمَّ
يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝۴۱

کیا تو نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا ○ اور بہت کم دیا اور سخت دل ہو گیا ○ کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے ○ کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے ○ اور وفادار ابراہیم کے صحیفوں میں تھا ○ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا ○ اور یہ کہ ہر انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی ○ اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی ○ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ○

منافق وکافر کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۳۳-۴۱) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جو خدا کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیں' سچ نہ کہیں' نہ نماز ادا کریں بلکہ جھٹلائیں' اعراض کریں' راہ اللہ بہت ہی کم دیں' دل کو نصیحت قبول کرنے والا نہ بنائیں' کبھی کچھ کہنا مان لیا پھر رسیاں کاٹ کر الگ ہو گئے - عرب ''اکدیٰ'' اس وقت کہتے ہیں مثلاً کچھ لوگ کنواں کھود رہے ہوں' درمیان میں کوئی سخت چٹان آ جائے اور وہ دست بردار ہو جائیں - فرماتا ہے کیا اس کے پاس علم غیب ہے؟ جس سے اس نے جان لیا کہ اگر میں راہ للہ اپنا زر و مال دوں گا تو خالی ہاتھ رہ جاؤں گا؟ یعنی دراصل یوں نہیں بلکہ یہ صدقے سے' نیکی سے اور بھلائی سے از روئے بخل' طمع' خود غرضی' نامردی و بے دلی کے رک رہا ہے - حدیث میں ہے اے بلال! خرچ کر اور عرش والے سے فقیر بنا دینے کا ڈر نہ رکھ' خود قرآن میں ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور وہی بہترین رزاق ہے - وَفّٰى کے معنی ایک تو یہ کئے گئے ہیں کہ انہیں حکم کیا گیا تھا وہ سب انہوں نے پہنچا دیا' دوسرے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ جو حکم ملا اسے بجا لائے - ٹھیک یہ ہے کہ یہ دونوں ہی معنی ہیں - جیسے اور آیت میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓى الخ' ابراہیم علیہ السلام کو جب کبھی جس کسی آزمائش کے ساتھ اس کے رب نے آزمایا آپ نے کامیابی کے ساتھ اس میں نمبر لئے یعنی ہر حکم کو بجا لائے' ہر منع سے رکے رہے' رب کی رسالت پوری طرح پہنچا دی' پس خدا نے انہیں امام بنا کر دوسروں کو ان کا تابعدار بنا دیا -

جیسے ارشاد ہوا ہے ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر جو مشرک نہ تھا۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ "ہر روز وہ دن نکلتے ہی چار رکعت ادا کیا کرتے تھے یہی ان کی وفاداری تھی"۔ ترمذی میں ایک حدیث قدسی ہے کہ "اے ابن آدم! اول دن میں تو میرے لئے چار رکعت نماز ادا کر لے، میں آخر دن تک تیری کفایت کروں گا"۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے لئے لفظ وفی اس لئے فرمایا کہ وہ ہر صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ یہاں تک کہ حضورؐ نے آیت ختم کی۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ صحف ابراہیم و موسیٰ میں کیا تھا؟ ان میں یہ تھا کہ جس کسی نے اپنی جان پر ظلم کیا مثلاً شرک و کفر کیا یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ کیا تو اس کا وبال خود اس پر ہے، اس کا یہ بوجھ کوئی اور نہ اٹھائے گا۔

جیسے قرآن کریم میں ہے وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اگر کوئی بوجھل اپنے بوجھ کی طرف کسی کو بلائے گا تو اس میں سے کچھ نہ اٹھایا جائے گا اگرچہ وہ قرابتدار ہو۔ ان صحیفوں میں یہ بھی تھا کہ انسان کے لئے صرف وہی ہے جو اس نے حاصل کیا یعنی جس طرح اس پر دوسرے کا بوجھ نہیں لادا جائے گا، دوسروں کی بداعمالیوں میں یہ بھی نہیں پکڑا جائے گا اور اسی طرح دوسرے کی نیکی بھی اسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچایا جائے تو نہیں پہنچتا اس لئے کہ نہ تو یہ ان کا عمل ہے نہ کسب، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ اس کا جواز بیان کیا نہ اپنی امت کو اس پر رغبت دلائی، نہ انہیں اس پر آمادہ کیا، نہ تو کسی صریح فرمان کے ذریعہ سے، نہ کسی اشارے کنایئے سے۔ ٹھیک اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کسی ایک سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قرآن پڑھ کر اس کے ثواب کا ہدیہ میت کے لئے بھیجا ہو، اگر یہ نیکی ہوتی اور مطابق شرع عمل ہوتا تو ہم سے بہت زیادہ سبقت نیکیوں کی طرف کرنے والے صحابہ کرام تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نیکیوں کے کام قرآن حدیث کے صاف فرمان سے ہی ثابت ہوتے ہیں، کسی قسم کے رائے قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں، ہاں دعا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اس پر اجماع ہے اور شارع علیہ السلام کے الفاظ سے ثابت ہے۔ جو حدیث صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کے مرنے پر اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے یا وہ صدقہ جو اس کے انتقال کے بعد بھی جاری رہے یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ درحقیقت یہ تینوں چیزیں بھی خود میت کی سعی، اس کی کوشش اور اس کا عمل ہیں یعنی کسی اور کے عمل کا اجر اسے نہیں پہنچ رہا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر انسان کا کھانا وہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں سے حاصل کیا ہو، اس کی اپنی کمائی ہو اور انسان کی اولاد بھی اسی کی کمائی اور اسی کی حاصل کردہ چیز ہے، پس ثابت ہوا کہ نیک اولاد جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہے وہ دراصل اسی کا عمل ہے، اسی طرح صدقہ جاریہ مثلاً وقف وغیرہ کہ وہ بھی اسی کے عمل کا اثر ہے اور اسی کا کیا ہوا وقف ہے۔ خود قرآن فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ یعنی ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے نشانات نیک کا ثواب انہیں پہنچتا رہتا ہے، رہا وہ علم جسے اس نے لوگوں میں پھیلایا اور اس کے انتقال کے بعد بھی لوگ اس پر عامل اور کاربند رہے وہ بھی اصل اسی کی سعی اور اسی کا عمل ہے جو اس کے بعد باقی رہا اور اسے اس کا ثواب پہنچتا رہا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے جو شخص ہدایت کی طرف بلائے اور جتنے لوگ اس کی تابعداری کریں ان سب کے اجر کے مثل اسے اجر ملتا ہے درآنحالیکہ ان کے اجر گھٹتے نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس کی کوشش قیامت کے دن جانچی جائے گی۔ اس دن اس کا عمل

دیکھا جائے گا۔ جیسے فرمایا وَقُلِ اعْمَلُوْا الخ، یعنی کہہ دے کہ تم عمل کئے جاؤ' اللہ تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے اور عنقریب تم چھپے کھلے کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے' پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال سے خبردار کرے گا یعنی ہر نیکی کی جزا اور ہر بدی کی سزا دے گا' یہاں بھی فرمایا پھر اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿٤٣﴾ وَاَنَّهٗ
هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٤٥﴾

اور یہ کہ تیرے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے ○ اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے ○ اور یہ کہ وہ مارتا ہے اور جلاتا ہے ○ اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نر و مادہ پیدا کیا ہے ○

سب کی آخری منزل --- اللہ تعالیٰ ادراک سے بلند ہے : ☆☆ (آیت:۴۲-۴۵) فرمان ہے کہ بازگشت آخر خدا کی طرف ہے۔ قیامت کے دن سب کو لوٹ کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے' حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ بنی اود میں خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا اے بنی اود! میں خدا کے پیغمبرؐ کا قاصد بن کر تمہاری طرف آیا ہوں' تم یقین کرو کہ تمہارا سب کا لوٹنا خدا کی طرف ہے پھر یا تو جنت میں پہنچائے جاؤ یا جہنم میں دھکیلے جاؤ۔ بغوی میں ہے حضورؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں۔ جیسے اور حدیث میں ہے مخلوق پر غور بھری نظریں ڈالو لیکن ذات خالق میں گہرے نہ اترو' اسے عقل و ادراک' فکر و ذہن نہیں پا سکتا' گو ان لفظوں سے یہ حدیث محفوظ نہیں مگر صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے' اس میں ہے کہ شیطان کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا اور اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو تو اَعُوْذُ پڑھ لے اور اس خیال کو دل سے دور کر دے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے مخلوقات خدا میں غور و فکر کرو لیکن ذات خدا میں غور و فکر نہ کرو' سنو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے کان کی لو سے لے کر مونڈھے تک تین سو سال کا راستہ ہے او کما قال۔ پھر فرماتا ہے کہ بندوں میں ہنسنے رونے کا مادہ اور ان کے اسباب بھی اسی نے پیدا کئے ہیں جو بالکل مختلف ہیں' وہی موت و حیات کا خالق ہے جیسے فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ اس نے موت و حیات کو پیدا کیا' اسی نے نطفہ سے ہر جاندار کو جوڑ جوڑ بنایا۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی الخ' کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿٤٦﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿٤٧﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ
اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿٤٨﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿٤٩﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا
الْاُوْلٰى ﴿٥٠﴾ وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا
هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿٥٢﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿٥٣﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿٥٤﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿٥٥﴾

نطفے سے جبکہ وہ ٹپکایا جاتا ہے ○ اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا ○ اور یہ کہ وہی تونگر بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے ○ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے ○ اور یہ کہ اسی نے اگلے عادیوں کو ہلاک کیا ہے ○ اور ثمود کو بھی (جن میں سے ایک کو بھی) باقی نہ رکھا ○ اور اس سے پہلے قوم نوح کو' یقیناً وہ

بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے ○ اور موتفکہ (شہر) اسی نے الٹ دیا ○ پھر اس پر چھا گیا جو چھایا ○ پس اے انسان! تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ ○

(آیت: ۴۶-۵۵) کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر کیا وہ بستہ خون نہ تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست کیا اور اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے' کیا (ایسی قدرتوں والا) اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ پھر فرماتا ہے اسی پر دوبارہ زندہ کرنا ہے یعنی جیسے اس نے ابتداء پیدا کیا ہے اسی طرح مار ڈالنے کے بعد دوبارہ کی پیدائش بھی اسی کے ذمہ ہے' اسی نے اپنے بندوں کو غنی بنا دیا اور مال ان کے قبضہ میں دے دیا ہے جو ان کے پاس ہی بطور پونجی کے رہتا ہے۔

اکثر مفسرین کے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے' گو بعض سے مروی ہے کہ اس نے مال دیا اور غلام دیئے' اس نے دیا اور خوش ہوا' اسے غنی بنا کر اور مخلوق کو اس کا دست نگر بنا دیا' جسے چاہا غنی کیا جسے چاہا فقیر' لیکن یہ پچھلے دونوں قول لفظ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ شعریٰ اس روشن ستارے کا نام ہے جسے مرزم الجوزاء بھی کہتے ہیں' بعض عرب اس کی پرستش کرتے تھے۔ عاد اولیٰ یعنی قوم ہود کو جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح کہا جاتا ہے اسی نے ان کے طغیان کی بنا پر انہیں تباہ کر دیا' جیسے فرمایا اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ الخ' یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ یعنی ارم کے ساتھ جو بڑے قد آور تھے جن کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا تھا' یہ قوم بڑی قوی اور بڑی زور آور تھی' ساتھ ہی خدا کی بڑی نافرمان اور رسول سے بڑی سرتاب تھی' ان پر ہوا کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن برابر رہا۔ اسی طرح ثمودیوں کو بھی اس نے ہلاک کر دیا جس میں سے ایک بھی باقی نہ بچا اور ان سے پہلے قوم نوح تباہ ہو چکی ہے جو بڑے نانصاف اور شریر تھے اور لوط کی بستیاں جنہیں خدائے قہار نے زیروزبر کر دیا اور آسمانی پتھروں سے سب بدکاروں کو ہلاک کر دیا' انہیں ایک چیز نے ڈھانپ لیا یعنی پتھروں نے' جن کا مینہ ان پر برسا اور برے حالوں تباہ ہوئے۔ ان بستیوں میں چار لاکھ آدمی آباد تھے' آبادی کی کل زمین آگ اور گندھک اور تیل بن کر ان پر بھڑک اٹھی۔ حضرت قتادہؒ کا یہی قول ہے جو بہت غریب سند سے ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ پھر فرمایا پھر تو اے انسان! اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ بعض کہتے ہیں خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن خطاب کو عام رکھنا بہت اولیٰ ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی عام رکھنے کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا
مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾
وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ
وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

یہ بھی ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے ○ قیامت نزدیک آ گئی ○ اللہ کے سوا اس کا کھول دکھانے والا اور کوئی نہیں ○ پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ ○ اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ ○ (بلکہ) تم کھیل رہے ہو ○ اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت کرو ○

"نذیر" کا مفہوم --- نذیر کہتے کسے ہیں؟: ☆☆ (آیت: ۵۶-۶۲) یہ خوف اور ڈر سے آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ آپؐ کی رسالت بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ سے پہلے کے رسولوں کی رسالت تھی' جیسے اور آیت میں ہے قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی نیا رسول تو ہوں نہیں' رسالت مجھ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں۔

قریب آنے والی کا وقت آئے گا یعنی قیامت قریب آ گئی- نہ تو اسے کوئی دفع کر سکے نہ اس کے آنے کے صحیح وقت معین کا کسی کو علم ہے-

نذیر عربی میں اسے کہتے ہیں مثلاً ایک جماعت ہے جس میں سے ایک شخص نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے یعنی ڈر اور خوف کی خبر سنانے والا' جیسے اور آیت میں ہے نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ میں تمہیں سخت عذابوں سے مطلع کرنے والا ہوں- حدیث میں ہے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں- یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو اسی میں دوڑا بھاگا آ جائے اور قوم کو دفعتہً متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آ رہی ہے' فوراً تدارک کر لو' اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت مین ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں- جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قیامت قریب آ چکی-

مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو! گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو' سنو چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اترا سب ادھر ادھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے' تو گو ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں کی دیگیں پک جائیں' اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے- اور حدیث میں ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا- میری اور قیامت کی مثال دو گھوڑوں کی سی ہے- میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اس طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو اطلاع لانے کے لئے بھیجا اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھا یہاں تک کہ اسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں' تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتلا دیا کہ خبردار ہو جاؤ' دشمن سر پر موجود ہے' پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں- اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں- پھر مشرکین کے اس فعل پر انکار فرمایا کہ وہ قرآن سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پرواہی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق اور ہنسی کرنے لگتے ہیں' چاہئے یہ تھا کہ مثل ایمان داروں کے اسے سن کر روتے' عبرت حاصل کرتے' جیسے مومنوں کی حالت بیان فرمائی کہ وہ اس کلام اللہ شریف کو سن کر روتے دھوتے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور خشوع و خضوع میں بڑھ جاتے ہیں-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سمد گانے کو کہتے ہیں' یہ یمنی لغت ہے- آپؓ سے سَامِدُوْنَ کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی مروی ہیں- حضرت علیؓ اور حسنؒ فرماتے ہیں غفلت کرنے والے- پھر اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ توحید و اخلاص کے پابند رہو' خضوع' خلوص اور توحید کے ماننے والے بن جاؤ-

صحیح بخاری شریف میں ہے حضورؐ نے مسلمانوں نے' مشرکوں نے اور جن و انس نے سورالنجم کے سجدے کے موقع پر سجدہ کیا- مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی پس آپ نے سجدہ کیا اور ان لوگوں نے بھی جو آپ کے پاس تھے- راوی حدیث مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں میں نے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ نہ کیا' یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' اسلام کے بعد جس کسی کی زبانی اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت سنتے سجدہ کرتے' یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے-

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ نجم کی تفسیر ختم ہوئی فالحمدللہ-

تفسیر سورة القمر

ابو واقد رضی اللہ عنہ کی روایت سے پہلے گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں سورۂ ق اور سورۂ اقتربت الساعة پڑھا کرتے تھے' اسی طرح بڑی بڑی محفلوں میں بھی آپؐ ان دونوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں وعدے وعید کا' ابتداء آفرینش اور دوبارہ زندگی کا' ساتھ ہی توحید اور اثبات رسالت وغیرہ اہم مقاصد اسلامیہ کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً
يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝٤ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝٥

معبود برحق مشفق مہربان کے نام سے شروع ○

قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا ○ یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زوردار چلتا ہوا جادو ہے ○ انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی' ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے ○ یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں جن میں ڈانٹ ڈپٹ کی ○ نصیحت ہے اور کامل عقل کی بات ہے لیکن ان ڈراونی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا ○

قیامت قریب آ چکی: ☆☆ (آیت:۱-۵) اللہ تعالیٰ قیامت کے قرب کی اور دنیا کے خاتمہ کی اطلاع دیتا ہے' جیسے اور آیت میں ہے اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللہ کا امر آ چکا' اب تو اس کی طلب کی جلدی چھوڑ دو اور فرمایا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ لوگوں کے حساب کا وقت ان کے سروں پر آ پہنچا اور وہ اب تک غفلت میں ہیں۔ اس مضمون کی حدیثیں بھی بہت سی ہیں۔ بزار میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورج کے ڈوبنے کے وقت جبکہ وہ تھوڑا سا ہی باقی رہ گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیا' جس میں فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' دنیا کے گذرے ہوئے حصے میں اور باقی ماندہ حصے میں وہی نسبت ہے جو اس دن کے گذرے ہوئے اور باقی بچے ہوئے حصے میں ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں حضرت خلف بن موسیٰ کو امام ابن حبانؒ ثقہ راویوں میں گنتے تو ہیں لیکن فرماتے ہیں کبھی کبھی خطا بھی کر جاتے تھے' دوسری روایت جو اس کی تقویت بلکہ تفسیر بھی کرتی ہے وہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ عصر کے بعد جب کہ سورج بالکل غروب کے قریب ہو چکا تھا رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہاری عمریں گذشتہ لوگوں کی عمروں کے مقابلہ میں اتنی ہی ہیں جتنا یہ باقی کا دن گذرے ہوئے دن کے مقابلہ میں ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے حضورؐ نے اپنی کلمہ کی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں' ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ قریب تھا وہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔ ولید بن عبدالملک کے پاس جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے تو اس نے قیامت کے بارے کی حدیث کا سوال کیا جس پر آپ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ تم اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہو' اس کی شہادت اس حدیث سے ہو سکتی ہے جس میں آپ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام حاشر آیا ہے اور حاشر وہ ہے جس کے قدموں پر وگوں کا حشر ہو۔

حضرت بہز کی روایت سے مروی ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبہ میں فرمایا اور کبھی کہتے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہو چکا، یہ پیٹھ پھیرے بھاگی جا رہی ہے اور جس طرح برتن کا کھانا کھا لیا جائے اور کناروں میں کچھ باقی لگا لپٹا رہ جائے اسی طرح دنیا کی عمر کا کل حصہ نکل چکا، صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے، تم یہاں سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جسے فنا نہیں، پس تم سے جو ہو سکے بھلائیاں اپنے ساتھ لے کر جاؤ، سنو ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا جو برابر ستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن پیندے تک نہ پہنچے گا خدا کی قسم جہنم کا یہ گہرا گڑھا انسانوں سے پر ہونے والا ہے، تم اس پر تعجب نہ کرو، ہم نے یہ بھی ذکر سنا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دو لکڑیوں کے درمیان چالیس سال کا راستہ ہے اور وہ بھی ایک دن اس قدر پر ہوگی کہ بھیڑ بھاڑ نظر آئے گی (مسلم)

ابو عبدالرحمن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدائن گیا اور بستی سے تین میل کے فاصلے پر ہم ٹھہرے، جمعہ کے لئے میں بھی اپنے والد کے ہمراہ گیا۔ حضرت حذیفہؓ خطیب تھے، آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو سنو! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ بیشک قیامت قریب آ چکی ہے، بیشک چاند پھٹ گیا ہے، بیشک دنیا جدائی کا الارم بجا چکی ہے، آج کا دن کوشش اور تیاری کا ہے، کل تو دوڑ بھاگ کر کے آگے بڑھ جانے کا دن ہوگا۔ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ کیا کل دوڑ ہوگی؟ جس میں آگے نکلنا ہوگا؟ میرے باپ نے مجھ سے فرمایا تم نادان ہو، یہاں مراد نیک اعمال میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہے۔ دوسرے جمعہ کو جب ہم آئے تو بھی حضرت حذیفہؓ کو اسی کے قریب فرماتے ہوئے سنا، اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ غایت آگ ہے اور سابق وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کا ذکر ہے جیسے کہ متواتر حدیثوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں چیزیں ردم، دھواں، لزام، بطشہ اور چاند کا پھٹنا یہ سب گذر چکا ہے۔ اس بارے کی حدیثیں سنئے۔ مسند احمد میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا جس پر دو مرتبہ چاند شق ہو گیا، جس کا ذکر ان دونوں آیتوں میں ہے۔ بخاری میں ہے کہ انہیں چاند کے دو ٹکڑے دکھا دیئے، ایک حراء کے اس طرف، ایک اس طرف، مسند میں ہے۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر دوسرا دوسرے پہاڑ پر۔ اسے دیکھ کر بھی جن کی قسمت میں ایمان نہ تھا بول پڑے کہ محمد (ﷺ) نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ لیکن سمجھداروں نے کہا کہ اگر مان لیا جائے کہ ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام دنیا کے لوگوں پر تو نہیں کر سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور روایتیں بھی بہت سی ہیں۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں چاند گہن ہوا، کافر کہنے لگے چاند پر جادو ہوا ہے، اس پر یہ آیتیں مُسْتَمِرٌّ تک اتریں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب چاند پھٹا اور اس کے دو ٹکڑے ہوئے ایک پہاڑ کے پیچھے اور ایک آگے، اس وقت حضور نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہ۔ مسلم اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں سب لوگوں نے اسے بخوبی دیکھا اور آپ نے فرمایا دیکھو یاد رکھنا اور گواہ رہنا، آپ فرماتے ہیں اس وقت حضور اور ہم سب منیٰ میں تھے۔ اور روایت میں ہے کہ مکہ میں تھے۔ ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ کفار نے یہ دیکھ کر کہا یہ ابن ابی کبشہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کا جادو ہے لیکن ان کے سمجھداروں نے کہا مان لو ہم پر جادو کیا ہے لیکن ساری دنیا پر تو نہیں کر سکتا اب جو لوگ سفر سے آئیں ان سے دریافت کرنا کہ کیا انہوں نے بھی اس رات چاند کو دو ٹکڑے دیکھا تھا، چنانچہ جب وہ آئے ان سے پوچھا۔ انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ ہاں فلاں شب ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ کفار کے مجمع نے یہ طے کیا تھا کہ اگر باہر کے لوگ آ کر یہی کہیں تو حضورؐ کی سچائی میں کوئی شک نہیں، اب جو باہر سے آیا، جب کبھی آیا، جس طرف سے آیا، ہر ایک نے اس کی شہادت دی کہ ہاں ہم نے اپنی

آنکھوں سے دیکھا ہے- اسی کا بیان اس آیت میں ہے- حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں پہاڑ چاند کے دوٹکڑوں کے درمیان دکھائی دیتا تھا-

اور روایت میں ہے کہ آپ نے خاص حضرت صدیقؓ سے فرمایا کہ اے ابوبکر! تم گواہ رہنا' اور مشرکین نے اس زبردست معجزے کو بھی جادو کہہ کر ٹال دیا- اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ جب یہ دلیل حجت اور برہان دیکھتے ہیں سہل انکاری سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے اور مانتے نہیں بلکہ حق کو جھٹلا کر احکام نبوی کے خلاف اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اپنی جہالت اور کم عقلی سے باز نہیں آتے- ہر امر مستقر ہے- یعنی خیر خیر والوں کے ساتھ اور شر شر والوں کے ساتھ اور یہ بھی معنی ہیں کہ قیامت کے دن ہر امر واقع ہونے والا ہے- اگلے لوگوں کے وہ واقعات جو دل کو ہلا دینے والے اور اپنے اندر کامل عبرت رکھنے والے ہیں ان کے پاس آ چکے ہیں' ان کی تکذیب کے سلسلہ میں ان پر جو بلائیں اتریں اور ان کے جو قصے ان تک پہنچے وہ سراسر عبرت و نصیحت کے خزانے ہیں اور وعظ و ہدایت سے پر ہیں' اللہ تعالیٰ جسے ہدایت کرے اور جسے گمراہ کرے' اس میں بھی اس کی حکمت بالغہ موجود ہے' ان پر شقاوت لکھی جا چکی ہے' جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے انہیں کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا- جیسے فرمایا قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ الخ' اللہ تعالیٰ کی دلیلیں ہر طرح کامل ہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لا کھڑا کرتا- دوسری جگہ ہے فَمَا تُغْنِی الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بے ایمانوں کو کسی معجزے نے اور کسی ڈرنے اور ڈر سنانے والے نے کوئی نفع نہ پہنچایا-

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا
اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿٧﴾
مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ
وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ
السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾

پس اے نبیؐ! تم ان سے اعراض کرو' جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا ○ یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے ○ پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے اور کافر کہیں گے کہ یہ دن تو بہت سخت ہے ○ ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑکا گیا تھا ○ پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر ○ پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا اور زمین کے چشموں کو جاری کر دیا ○

معجزات بھی بے اثر : ☆☆ (آیت:٦-٨) ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبیؐ! تم ان کافروں کو' جنہیں معجزہ وغیرہ بھی کارآمد نہیں' چھوڑ دو' ان سے منہ پھیر لو اور انہیں قیامت کے انتظار میں رہنے دو- اس دن انہیں حساب کی جگہ ٹھہرنے کے لئے ایک پکارنے والا پکارے گا' جو ہولناک جگہ ہوگی' جہاں بلائیں اور آفتیں ہوں گی- ان کے چہروں پر ذلت اور کمینگی برس رہی ہوگی' مارے ندامت کے آنکھیں نیچے کو جھکی ہوئی ہوں گی اور قبروں سے نکلیں گے- پھر جس طرح ٹڈی دل کی طرح یہ بھی انتشار و سرعت کے ساتھ میدان حساب کی طرف بھاگیں گے' پکارنے والے کی پکار پر کان ہوں گے اور تیز تیز چل رہے ہوں گے' نہ مخالفت کی تاب ہے نہ دیر لگانے کی طاقت' اس سخت ہولناکی کے سخت دن کو دیکھ

کر کافر چیخ اٹھیں گے کہ یہ تو بڑا بھاری اور بے حد سخت دن ہے۔

دیرینہ انداز کفر: ☆☆ (آیت: ۹-۱۱) یعنی اے نبی ﷺ! آپ کی اس امت سے پہلے امت نوح نے بھی اپنے نبی کی جو ہمارے بندے حضرت نوحؑ تھے تکذیب کی' اسے مجنون کہا اور ہر طرح ڈانٹا ڈپٹا اور دھمکایا' صاف کہہ دیا تھا کہ اے نوح! اگر تم باز نہ رہے تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالیں گے' ہمارے بندے اور رسول حضرت نوحؑ نے ہمیں پکارا کہ پروردگار میں ان کے مقابلہ میں محض ناتواں اور ضعیف ہوں' میں کسی طرح نہ اپنی ہستی کو سنبھال سکتا ہوں نہ تیرے دین کی حفاظت کر سکتا ہوں' تو ہی میری مدد فرما اور مجھے غلبہ دے' ان کی یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ان کی کافر قوم پر مشہور طوفان نوح بھیجا جاتا ہے۔

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲
وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝۱۳ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ
كَانَ كُفِرَ ۝۱۴ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۵
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝۱۶ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ
مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۷

پس اس کام پر جو مقدر کیا گیا تھا پانی خوب جمع ہو گیا ○ اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا ○ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی' بدلہ ہے اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا ○ اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشان بنا کر باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت کا حاصل کرنے والا؟ ○ بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی ہیں ○ بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت ماننے والا ہے؟ ○

طوفان نوح: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۷) موسلا دھار بارش کے دروازے آسمان سے اور ابلتے ہوئے پانی کے چشمے زمین سے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ جو پانی کی جگہ نہ تھی مثلاً تنور وغیرہ وہاں سے زمین پانی اگل دیتی ہے' ہر طرف پانی بھر جاتا ہے' نہ آسمان سے برسنا موقوف ہوتا ہے نہ زمین سے ابلنا تھمتا ہے' پس امر مقدر تک پہنچ جاتا ہے۔ ہمیشہ پانی ابر سے برستا ہے لیکن اس وقت آسمان سے پانی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور عذاب خدا پانی کی شکل میں برس رہا تھا' نہ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی برسا نہ اس کے بعد کبھی ایسا برسے' ادھر سے آسمان کی یہ رنگت ادھر سے زمین کو حکم کہ پانی اگل دے' پس ریل پیل ہو گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے اور ان میں سے براہ راست پانی برسا۔ اس طوفان سے ہم نے اپنے بندے کو بچا لیا' انہیں کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں میں کیلیں لگا کر بنائی گئی تھی۔ دسر کے معنی کشتی کے دائیں بائیں کا حصہ اور ابتدائی حصہ جس پر موج تھپیڑے مارتی ہے اور اس کے جوڑے اور اس کی اصل کے بھی کئے گئے ہیں' وہ ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور صحیح وسالم آر پار جا رہی تھی۔ حضرت نوحؑ کی مدد میں کفار سے یہ انتقام تھا' ہم نے اسے نشانی بنا کر چھوڑا یعنی اس کشتی کو بطور عبرت کے باقی رکھا۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہے لیکن ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کے نمونے پر اور کشتیاں ہم نے بطور نشان کے دنیا میں قائم رکھیں۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ یعنی ان کے لئے نشانی ہے کہ ہم نے نسل آدم کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کرایا اور کشتی کے مانند اور بھی

ایسی سواریاں دیں جن پر وہ سوار ہوں۔ ایک اور جگہ ہے اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ الخ، یعنی جب پانی نے طغیانی کی ہم نے تمہیں کشتی میں لے لیا تا کہ تمہارے لئے نصیحت و عبرت ہو اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھ سکیں، پس کوئی ہے جو ذکر و وعظ حاصل کرے؟ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے مُدَّکِرٍ پڑھایا ہے، خود حضورؐ سے بھی اس لفظ کی قرأت اسی طرح مروی۔ حضرت اسودؒ سے سوال ہوتا ہے کہ یہ لفظ دال سے ہے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے عبداللہؓ سے دال کے ساتھ سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دال کے ساتھ سنا ہے۔ پھر فرماتا ہے میرا عذاب میرے ساتھ کفر کرنے اور میرے رسولوں کو جھوٹا کہنے اور میری نصیحت سے عبرت نہ حاصل کرنے والوں پر کیسا ہوا؟ میں نے کس طرح اپنے رسولوں کے دشمنوں سے بدلہ لیا اور کس طرح ان دشمنان دین حق کو تہس نہس کر دیا۔ ہم نے قرآن کریم کے الفاظ اور معانی کو ہر اس شخص کے لئے آسان کر دیا جو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے۔

جیسے فرمایا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ ہم نے تیری طرف یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس لئے کہ عقلمند لوگ یاد رکھ لیں۔ اور جگہ ہے فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ الخ، یعنی ہم نے اسے تیری زبان پر اس لئے آسان کیا ہے کہ تو پرہیزگار لوگوں کو خوشی سنا دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس کی قرأت اور تلاوت اللہ تعالیٰ نے آسان کر دی ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عزوجل کے کلام کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں انہی آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جو پہلے حدیث میں گذر چکی کہ یہ قرآن سات قراتوں پر نازل کیا گیا ہے، اس حدیث کے تمام طرق و الفاظ ہم نے پہلے جمع کر دیئے ہیں۔ اب دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس اس قرآن کو بہت ہی سادہ کر دیا ہے، کوئی طالب علم جو اس الٰہی علم کو حاصل کرے اس کے لئے بالکل آسان ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ
كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ
يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع ۲۶ ۸

قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں ○ ہم نے ان پر تیز و تند جاری ہوا بے برکتے دن میں بھیج دی ○ جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹختی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے درخت کھجور کے تنے ہیں ○ پس کیسی رہی میری سزا اور میرا اڈرانا؟ ○ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا ہے کوئی سوچنے والا؟ ○

کفار کی بدترین روایات: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۲) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ قوم ہود نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھوٹا کہا اور بالکل قوم نوح کی طرح سرکشی پر اتر آئے، تو ان پر سخت ٹھنڈی مہلک ہوا بھیجی گئی، وہ دن ان کے لئے سراسر منحوس تھا، برابر ان پر ہوائیں چلتی رہیں اور انہیں تہ و بالا کرتی رہیں، دنیوی اور اخروی عذاب میں گرفتار کر لئے گئے، ہوا کا جھونکا آتا ان میں سے کسی کو اٹھا کر لے جاتا، یہاں تک کہ زمین والوں کی حد نظر سے وہ بالا ہو جاتا پھر اسے زمین پر اوندھے منہ پھینک دیتا، سر کچل جاتا، بھیجا نکل پڑتا، سر الگ دھڑ الگ، ایسا معلوم ہوتا گویا کھجور کے درخت کے بن سرے ٹنڈ ہیں، دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا؟ میں نے تو اس قرآن کو آسان کر دیا جو چاہے نصیحت و عبرت حاصل کر لے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝۲۳ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ
اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝۲۴ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا
بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝۲۵ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ
الْاَشِرُ ۝۲۶ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝۲۷
وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝۲۸
فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝۲۹ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ
وَنُذُرِ ۝۳۰ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ
الْمُحْتَظِرِ ۝۳۱ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۳۲

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھوٹا سمجھا ○ اور کہنے لگے کیا ہم ہی میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ ○ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہوں گے ○ کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ ○ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خورہ ہے اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور خود پسند تھا؟ ○ بیشک ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجیں گے پس (اے صالح!) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر ○ ہاں انہیں خبر کر دے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے ہر حصہ ہر ایک کو برابر پہنچایا جائے گا ○ انہوں نے اپنے رفیق کو آواز دی اس نے دست درازی کی اور کوچیں کاٹ دیں ○ پس کیونکر ہوا عذاب میرا اور ڈرانا میرا ○ ہم نے ان پر ایک نعرہ بھیجا پس ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی اوندھی ہوئی باڑ ○ ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسمان کر دیا ہے پس کیا ہے کوئی جو نصیحت پکڑے ○

فریب نظر کے شکار لوگ: ☆☆ (آیت: ۲۳-۳۲) ثمودیوں نے رسول خدا حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تعجب کے طور پر محال سمجھ کر کہنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ہمیں میں سے ایک شخص کے تابعدار بن جائیں؟ آخر اس کی اتنی بڑی فضیلت کی کیا وجہ؟ پھر اس سے آگے بڑھے اور کہنے لگے ہم نہیں مان سکتے کہ ہم سب میں سے صرف اسی ایک پر خدا کی باتیں ڈالی جائیں' پھر اس سے بھی قدم بڑھایا اور نبی اللہ کو کھلے لفظوں میں جھوٹا اور پرلے سرے کا جھوٹا کہا۔ بطور ڈانٹ کے اللہ فرماتا ہے اب تو جو چاہو کہہ لو لیکن کل کھل جائے گا کہ دراصل جھوٹا اور جھوٹ میں حد سے بڑھ جانے والا کون تھا؟ ان کی آزمائش کے لئے فتنہ بنا کر ہم ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی طلب کے موافق پتھر کی ایک سخت چٹان میں سے ایک چکلے چوڑے اعضاء والی گابھن اونٹنی نکلی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ سے فرمایا کہ تم اب دیکھتے رہو کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرو دنیا اور آخرت میں انجام کار غلبہ آپ ہی کا رہے گا اب ان سے کہہ دیجئے کہ پانی پر ایک دن تو ان کا اختیار ہوگا اور ایک دن اس اونٹنی کا۔ جیسے اور آیت میں ہے لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ہر باری موجود کی گئی ہے یعنی جب اونٹنی نہ ہو تو پانی موجود ہے اور جب اونٹنی ہو تو اس کا دودھ حاضر ہے' انہوں نے مل جل کر اپنے رفیق قدار بن سالف کو آواز دی اور یہ بڑا ہی بد بخت تھا۔ جیسے اور آیت میں ہے اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ان کا بدترین آدمی اٹھا' اس نے آ کر اسے پکڑا اور زخمی کیا۔ پھر تو ان کے کفر و تکذیب کا میں نے بھی پورا بدلہ لیا اور جس طرح کھیتی کے کٹے ہوئے سوکھے پتے اڑ اڑ کر کافور ہو جاتے ہیں انہیں بھی ہم نے بے نام و نشان کر دیا' خشک چارہ جس طرح جنگل میں اڑتا پھرتا ہے اسی طرح انہیں بھی برباد کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو خشک

کانٹوں دار باڑے میں رکھ لیا کرتے تھے۔ جب اس باڑھ کو روند دیا جائے اس وقت اس کی جیسی حالت ہو جاتی ہے وہی حالت ان کی ہو گئی کہ ایک بھی نہ بچا نہ بچ سکا۔ جیسے مٹی دیوار سے جھڑ جاتی ہے اسی طرح ان کے بھی پر پرزے اکھڑ گئے۔ یہ سب اقوال مفسرین کے اس جملہ کی تفسیریں ہیں لیکن اول قوی ہے' واللہ اعلم۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ (۳۳) اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ
اٰلَ لُوْطٍ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ (۳۴) نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ
نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ (۳۵) وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا
بِالنُّذُرِ (۳۶) وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ
فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ (۳۷) وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ
مُّسْتَقِرٌّ (۳۸) فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ (۳۹) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ
لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۴۰) ع ۱۸

قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی ○ بیشک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوا لوط کے گھر والوں کے' انہیں ہم نے سحر کے وقت اپنے احسان سے نجات دے دی ○ ہر شکر گذار کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں ○ یقیناً لوط نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا انہوں نے ڈرانے والوں میں شک شبہ اور جھگڑا کیا ○ اور لوط کو بہلا کر ان کے مہمانوں سے غافل کرنا چاہا پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں (اور کہہ دیا) کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو ○ اور یقینی بات ہے کہ انہیں صبح سویرے ہی ایک جگہ پکڑنے والے مقرر عذاب نے غارت کر دیا ○ میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو ○ یقیناً ہم نے قرآن کو پند و وعظ کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی ہے سوچنے والا؟ ○

ہم جنس پرستوں کی ہلاکت و بربادی: ☆☆ (آیت: ۳۳-۴۰) لوطیوں کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کر کے کس مکروہ کام کو کیا جسے ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا یعنی اغلام بازی' اسی لئے ان کی ہلاکت کی صورت بھی ایسی ہی انوکھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب پہنچا کر اوندھی مار دیں اور ان پر آسمان سے ان کے نام کے پتھر برسائے' مگر لوط کے ماننے والوں کو سحر کے وقت یعنی رات کی آخری گھڑی میں بچا لیا' انہیں حکم دیا گیا کہ تم اس بستی سے چلے جاؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا یہاں تک کہ خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی کافرہ ہی تھی۔ قوم میں سے ایک بھی شخص کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ پس عذاب الٰہی سے بھی کوئی نہ بچا' آپ کی بیوی بھی قوم کے ساتھ ہی ساتھ ہلاک ہوئی۔ صرف آپ اور آپ کی لڑکیاں اس نحوست سے بچا لئے گئے' شاکروں کو خدا اسی طرح برے اور آڑے وقت میں کام آتا ہے اور انہیں ان کی شکر گذاری کا پھل دیتا ہے۔ عذاب کے آنے سے پہلے ہی حضرت لوط علیہ السلام انہیں آگاہ کر چکے تھے لیکن انہوں نے توجہ تک نہ کی بلکہ شک شبہ اور جھگڑا کیا اور ان کے مہمانوں سے انہیں چکمہ دینا چاہا۔ حضرت جبرئیلؑ' حضرت میکائیلؑ' حضرت اسرافیلؑ' وغیرہ فرشتے انسانی صورتوں میں حضرت لوطؑ کے گھر مہمان بن کر آئے تھے' نہایت خوبصورت چہرے' پیاری پیاری شکلیں اور عنفوان شباب کی عمر۔ ادھر یہ رات کے وقت حضرت لوطؑ کے گھر اترے' ان کی بیوی نے جو کافرہ تھی قوم کو اطلاع دی کہ آج لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں۔ ان لوگوں کو

اغلام کی بدعادت تو تھی ہی' دوڑ بھاگ کر حضرت لوط علیہ السلام کے مکان کو گھیر لیا حضرت لوطؑ نے دروازے بند کر لئے۔ انہوں نے ترکیبیں شروع کیں کہ کسی طرح مہمان ہاتھ لگیں' جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا شام کا وقت تھا۔ حضرت لوطؑ انہیں سمجھا رہے تھے ان سے کہہ رہے تھے کہ یہ میری بیٹیاں یعنی تمہاری جوروئیں موجود ہیں تم اس بدفعلی کو چھوڑو اور حلال چیز سے فائدہ اٹھاؤ لیکن ان سرکشوں کا جواب تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں عورتوں کی چاہت نہیں' ہمارا جو ارادہ ہے وہ آپ سے مخفی نہیں' تم ہمیں اپنے مہمان سونپ دو۔ جب اسی بحث مباحثہ میں بہت وقت گذر چکا اور وہ لوگ مقابلہ پر تل گئے اور حضرت لوطؑ بے حد زچ آ گئے اور بہت ہی تنگ ہوئے تب حضرت جبرئیل علیہ السلام باہر نکلے اور اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیرا' سب اندھے بن گئے' آنکھیں بالکل جاتی رہیں' اب تو حضرت لوطؑ کو برا کہتے ہوئے اور دیواریں ٹٹولتے ہوئے صبح کا وعدہ دے کر پچھلے پاؤں واپس ہوئے' لیکن صبح کے وقت ہی ان پر عذاب خدا آ گیا' جس میں سے نہ بھاگ سکے نہ اس سے پیچھا چھوڑا سکے' عذاب کے مزے اور ڈراوے کی طرف دھیان نہ کرنے کا وبال انہوں نے چکھ لیا۔ یہ قرآن تو بہت ہی آسان ہے جو چاہے نصیحت حاصل کر سکتا ہے' کوئی ہے بھی جو اس سے پندوعظ حاصل کر لے؟

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا
فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ
اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ
مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ
مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

یعنی فرعونیوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے ○ انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں پس ہم نے انہیں بڑی غالب قوی پکڑ میں پکڑ لیا ○ اے قریشیو! کیا تمہارے کافر ان کافروں سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے؟ ○ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں ○ عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی ○ بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی آفت اور سخت کڑوی چیز ہے ○

سچائی کے دلائل سے اعراض کرنے والی اقوام: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۶) فرعون اور اس کی قوم کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بشارت اور ڈراوے لے کر آتے ہیں' بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں خدا کی طرف سے انہیں دی جاتی ہیں جو ان کی نبوت کی حقانیت پر پوری پوری دلیل ہوتی ہیں' لیکن یہ فرعونی ان سب کو جھٹلاتے ہیں' جس کے شوق میں ان پر عذاب خدا نازل ہوتے ہیں اور بالکل ہی بھس اڑا دیا جاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے اے مشرکین قریش! اب بتلاؤ تم ان سے کچھ بہتر ہو؟ جب وہ تم سے بڑی جماعت والے زیادہ قوت والے ہو کر ہمارے عذابوں سے نہ بچ سکے تو بھلا تم کیا چیز ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے خدائی کتابوں میں کوئی چھٹکارا کہا ہوا ہے کہ ان کے کفر پر انہیں تو عذاب کیا جائے لیکن تم کفر کئے جاؤ اور تمہیں کوئی سزا نہ دی جائے گی؟ پھر فرماتا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں' آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے اور ہمیں کوئی برائی ہماری کثرت اور جماعت کی وجہ سے نہیں پہنچے گی؟ اگر یہ خیال ہو تو انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ان کی یہ یکجہتی توڑ دی جائے گی' ان کی جماعت کا چورا کر دیا جائے گا' انہیں ہزیمت دی جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بدر والے دن اپنے خیمے رسول اللہ ﷺ اپنی دعائیں فرما رہے تھے اے اللہ! میں تجھے عہد و

پیان یاد دلاتا ہوں' اے اللہ اگر تیری چاہت یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد سے تیری عبادت وحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے' بس اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے بہت فریاد کر لی - اب آپ اپنے خیمے سے باہر آئے اور زبان پر یہ دونوں آیتیں سَیُھْزَمُ الخ' جاری تھیں - حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت کے اترنے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس سے مراد کون سی جماعت ہوگی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے اس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی - بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میری چھوٹی سی عمر تھی - اپنی ہمجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی اس وقت یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ الخ' اتری ہے - یہ روایت بخاری میں فضائل القرآن کے موقع پر مطول مروی ہے' مسلم میں یہ حدیث نہیں -

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ
عَلٰى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ
بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾

بیشک گنہگار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں ○ جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے' دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو ○ بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ انداز ے پر پیدا کیا ہے ○ اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ کا ایک کلمہ ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا ○

شکوک وشبہات کے مریض لوگ: ☆☆ (آیت: ۴۷-۵۰) بدکار لوگ گمراہ ہو چکے ہیں' راہ حق سے بھٹک چکے ہیں اور شکوک و اضطراب کے خیالات میں ہیں - یہ بدکار لوگ خواہ کفار ہوں خواہ اور فرقوں کے بدعتی ہوں' ان کا یہ فعل انہیں اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹوائے گا اور جس طرح یہاں غافل ہیں وہاں اس وقت بھی بے خبر ہوں گے کہ نہ معلوم کس طرف لئے جاتے ہیں - اس وقت انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہا جائے گا کہ اب آتش دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو' ہم نے ہر چیز کو طے شدہ منصوبہ سے پیدا کیا ہے - جیسے اور آیت میں ہے ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا پھر اس کا مقدر مقرر کیا - اور جگہ فرمایا اپنے رب کی جو بلند و بالا ہے پاکی بیان کر جس نے پیدا کیا اور درست کیا اور اندازہ کیا اور راہ دکھائی - یعنی تقدیر مقرر کی پھر اس کی طرف رہنمائی کی - ائمہ اہل سنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر ان کی پیدائش سے پہلے ہی لکھ دی ہے اور ہر چیز اپنے ظہور سے پہلے خدا کے ہاں لکھی جا چکی ہے - فرقہ قدریہ اس کا منکر ہے' یہ لوگ صحابہ کے آخر زمانہ میں ہی نکل چکے تھے - اہل سنت ان کے مسلک کے خلاف اس قسم کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں اور اس مضمون کی احادیث بھی - اس مسئلہ کی مفصل بحث ہم صحیح بخاری کتاب الایمان کی شرح میں لکھ چکے ہیں یہاں صرف وہ حدیثیں لکھتے ہیں جو مضمون آیت کے متعلق ہیں - حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں مشرکین قریش رسول اللہ ﷺ سے تقدیر کے بارے میں بحث کرنے لگے اس پر یہ آیتیں اتریں (مسند احمد مسلم وغیرہ) بروایت حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ یہ آیتیں منکرین تقدیر کی تردید میں ہی اتری ہیں (بزار)

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے - حضرت عطاء بن ابورباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا آپ اس وقت چاہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے - آپ کے کپڑوں کے دامن بھیگے ہوئے تھے' میں نے کہا تقدیر کے بارے میں کلام کیا

گیا ہے لوگ اس مسئلہ میں موافق ومخالف ہو رہے ہیں‘ آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے ایسا کیا؟ میں نے کہا ہاں ایسا ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ آیتیں انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَہ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ یاد رکھو یہ لوگ اس امت کے بدترین لوگ ہیں‘ ان کے بیماروں کی تیمارداری نہ کرو‘ ان کے مردوں کے جنازے نہ پڑھو‘ ان میں کا اگر کوئی مجھے مل جائے تو میں اپنی ان انگلیوں سے اس کی آنکھیں نکال دوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے‘ فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو لوگوں نے کہا آپ نابینا ہیں آپ اس کے پاس چل کر کیا کریں گے؟ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرا بس چلا تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو میں مروڑ دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بنو فہر کی عورتیں خزرج کے اردگرد طواف کرتی پھرتی ہیں‘ ان کے جسم حرکت کرتے ہیں‘ وہ مشرکہ عورتیں ہیں‘ اس امت کا پہلا شرک یہی ہے‘ اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی بے سمجھی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھلائی کا مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا۔ (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک دوست شامی تھا جس سے آپ کی خط وکتابت تھی‘ حضرت عبداللہؓ نے کہیں سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں کچھ موشگافیاں کرتا ہے آپ نے جھٹ سے اسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے‘ اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط وکتابت کی امید نہ رکھنا‘ آج سے بند سمجھنا‘ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ ہوں گے۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں‘ اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے نہ پڑھو۔ (مسند احمد) اس امت میں مسخ ہوگا یعنی لوگوں کی صورتیں بدل دی جائیں گی یاد رکھو یہ ان میں ہوگا جو تقدیر کو جھٹلائیں اور زندیقیت کریں۔ (ترمذی وغیرہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ایک کی تقدیر مقرر کردہ اندازے سے ہے یہاں تک کہ نادانی اور عقل مندی بھی۔ (مسلم) صحیح حدیث میں ہے اللہ سے مدد طلب کر اور عاجز و بیوقوف نہ بن‘ پھر اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہہ دے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا تھا اور جو خدا نے چاہا کیا‘ پھر یوں نہ کہہ کہ اگر یوں کرتا تو یوں ہوتا اس لئے کہ اس طرح اگر کہنے سے شیطانی عمل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

حضورؐ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جان رکھ اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے وہ نفع پہنچانا چاہے جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا‘ تو نہیں پہنچا سکتی اور اگر سب اتفاق کر کے تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اور تیری تقدیر میں وہ نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے‘ قلمیں خشک ہو چکیں اور دفتر لپیٹ کر تہہ کر دیئے گئے۔ حضرت ولید بن عبادہ نے اپنے باپ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری میں جبکہ ان کی حالت بالکل غیر تھی کہا کہ ابا جی! ہمیں کچھ وصیت کر جائیے آپ نے فرمایا اچھا مجھے بٹھا دو جب لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا اے میرے پیارے بچے! ایمان کا لطف تجھے حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جو علم تجھے ہے اس کی تہہ تک تو نہیں پہنچ سکتا جب تک تیرا ایمان تقدیر کی بھلائی برائی پر نہ ہو‘ میں نے پوچھا ابا جی میں کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر کے خیر و شر پر ہے؟ فرمایا اس طرح کہ تجھے یقین ہو کہ جو تجھے نہیں ملا وہ ملنے والا ہی نہیں اور جو تجھے پہنچا وہ ٹلنے والا ہی نہ تھا‘ میرے بچے سنو میں نے رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا لکھ پس وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت تک جو ہونے والا تھا سب لکھ ڈالا۔ اے بیٹے! اگر تو انتقال کے وقت تک اس عقیدے پر نہ رہے تو تو جہنم میں داخل ہوگا۔ ترمذی میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حسن صحیح غریب ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ چار باتوں پر اس کا ایمان نہ ہو' شہادت دے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میں اللہ کا رسولؐ ہوں جسے اس نے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور مرنے کے بعد جینے پر ایمان رکھے اور تقدیر کی بھلائی برائی منجانب اللہ ہونے کو مانے۔ (ترمذی وغیرہ) صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا' امام ترمذی اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔ پھر پروردگار عالم اپنی چاہت اور احکام کے بے روک ٹوک جاری اور پورا ہونے کو بیان فرماتا ہے کہ جس طرح جو کچھ میں نے مقدر کیا ہے وہ وہی ہوتا ہے' ٹھیک اسی طرح جس کام کا میں ارادہ کروں صرف ایک دفعہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے دوبارہ تاکیداً حکم دینے کی ضرورت نہیں ہوتی' ایک آنکھ جھپکنے کے برابر وہ کام میری حسب چاہت ہو جاتا ہے' عرب شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

اِذَا مَآ اَرَادَ اللّٰهُ اَمۡرًا فَاِنَّمَا ۔۔۔ يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ قَوۡلَةً فَيَكُوۡنُ

یعنی ''اللہ تعالیٰ جب کبھی جس کسی کام کا ارادہ کرتا ہے صرف فرما دیتا ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتا ہے''۔

وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَاۤ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيۡءٍ فَعَلُوۡهُ فِي
الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيۡرٍ وَّكَبِيۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِيۡ
جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِيۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع ۱۵

جیسے آنکھ کا جھپکنا' ہم نے تم جیسے بہتیروں کو ہلاک کر دیا ہے' پس ہے کوئی نصیحت لینے والا ○ جو کچھ انہوں نے اعمال کئے ہیں سب نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں ○ اسی طرح ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے ○ یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہیں ○ قدرت والے بادشاہ کے پاس راستی اور عزت کی بیٹھک میں ○

(آیت:۵۱-۵۵) ہم نے تم جیسوں کو تم سے پہلے ان کی سرکشی کے باعث فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے' پھر تم کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ان کے عذاب اور ان کی رسوائی کے واقعات میں کیا تمہارے لئے نصیحت و تذکیر نہیں؟ جیسے اور آیت میں فرمایا وَحِيۡلَ بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ مَا يَشۡتَهُوۡنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشۡيَاعِهِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ یعنی ان کے اور ان کی چاہ کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے جیسے کہ ہم نے ان جیسے ان سے اگلوں کے ساتھ کیا تھا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامہ اعمال میں مکتوب ہے' جو خدا کے امین فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا عمل جمع شدہ اور لکھا ہوا ہے۔ ایک بھی تو ایسا نہیں رہا جو لکھنے سے رہ گیا ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں صغیرہ گناہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو' اللہ کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ ہونے والا ہے (نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ) حضرت سلیمان بن مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جسے میں نے حقیر سمجھا۔ رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان۔

لَا تَحۡقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوۡبِ صَغِيۡرًا ۔۔۔ اِنَّ الصَّغِيۡرَ غَدًا يَّعُوۡدُ كَبِيۡرًا
اِنَّ الصَّغِيۡرَ وَلَوۡ تَقَادَمَ عَهۡدَهٗ ۔۔۔ عِنۡدَ اللّٰهِ مُسَطَّرٌ تَسۡطِيۡرًا
فَازۡجُرۡ هَوَاكَ عِنۡدَ الۡبِطَالَةِ لَا تَكُنۡ ۔۔۔ صَعۡبَ الۡقِيَادِ وَشَمِّرَنۡ تَشۡمِيۡرًا

اِنَّ الْمُحِبَ اِذَآ اَحَبَّ اِلٰهَهٗ طَارَ الْفُؤَادُ وَاُلْهِمَ التَّفْكِيْرًا
فَاسَاَلُ هِدَايَتَكَ الْاِلٰهَ فَتَتَّئِذْ فَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا

یعنی ''صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نہ سمجھ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے' گو گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کئے ہوئے بھی عرصہ گذر چکا ہو' اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں' بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا نہ ہو جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک۔ جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ کی محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے خدا کی جانب سے غور و فکر کی عادت الہام کی جاتی ہے' اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر۔ ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا''۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان بدکاروں کے خلاف نیک کار لوگوں کی حالت ہوگی' وہ تو ضلالت و تکلیف میں تھے اور اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے گئے اور سخت ڈانٹ ڈپٹ ہوئی لیکن یہ نیک کار جنتوں میں ہوں گے' بہتے ہوئے خوشگوار صاف شفاف چشموں کے مالک ہوں گے اور عزت و اکرام رضوان و فضیلت' جود و احسان' فضل و امتنان' نعمت و رحمت' آسائش و راحت کے مکان میں خوش خوش رہیں گے۔ باری تعالیٰ مالک و قادر کا قرب انہیں نصیب ہوگا جو تمام چیزوں کا خالق ہے' سب کے انداز مقرر کرنے والا ہے' ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' وہ ان پرہیزگار خدا ترس لوگوں کی ایک ایک خواہش پوری کرے گا' ایک ایک چاہت عطا فرمائے گا۔ مسند احمد میں رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں عدل و انصاف کرنے والے نیک کردار لوگ اللہ کے پاس نور کے ممبروں پر رحمان کی دائیں جانب ہوں گے خدا کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ عادل لوگ وہ ہیں جو اپنے احکام میں اپنی اہل و عیال میں اور جو چیز ان کے قبضے میں ہو اس میں خدائی فرمان کا خلاف نہیں کرتے بلکہ عدل و انصاف سے ہی کام لیتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۂ اِقْتَرَبَتْ کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ ہمیں نیک توفیق دے اور برائیوں سے بچائے۔

تفسیر سورۃ الرحمن

حضرت زرؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا قرآن میں جو لفظ مِنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ہے یہ اٰسِنٍ لفظ ہے یا یا اٰسِنٍ تو آپ نے فرمایا گویا تو نے باقی کا سارا قرآن سمجھ لیا ہے؟ اس نے کہا میں مفصل کی تمام سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھ لیا کرتا ہوں' آپ نے فرمایا پھر تو جیسے شعر جلدی جلدی پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تو قرآن کو بھی جلدی جلدی پڑھتا ہوگا۔ افسوس مجھے خوب یاد ہے کہ مفصل کی ابتدائی کون کون سی دو برابر والی سورتوں کو آنحضرت ﷺ ملایا کرتے تھے۔ ابن مسعودؓ کی قرأت میں مفصل کی سب سے پہلی سورت یہی سورۃ الرحمٰن ہے (مسند احمد) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اصحاب کے مجمع میں ایک روز تشریف لائے اور سورۃ الرحمٰن کی اول سے آخر تک تلاوت فرمائی' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چپ چاپ سنتے رہے۔ آپ نے فرمایا تم سے تو جنات ہی جواب دینے میں اچھے رہے میں نے جب ان کے سامنے اس سورت کی تلاوت کی تو میں جب کبھی فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان پڑھتا تو وہ کہتے لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ یعنی ''اے ہمارے پروردگار! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے' تیرے ہی لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں'' (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے اور یہی روایت ابن جریر میں بھی مروی ہے' اس میں ہے کہ یا تو آپ نے یہ سورت پڑھی یا آپ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی' اس وقت صحابہؓ کی خاموشی پر آپؐ نے یہ فرمایا اور جواب کے الفاظ یہ ہیں لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِ رَبَّنَا نُكَذِّبُ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ ۝١ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۝٣ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ۝٤
اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۝٥ وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ۝٦

رحم وکرم والے اللہ کے نام سے شروع ○

رحمان ○ نے قرآن سکھایا ○ اسی نے انسان کو پیدا کیا ○ اور اسے بولنا سکھایا ○ آفتاب اور ماہتاب مقررہ حساب سے ہیں ○ اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں ○

انسان پر اللہ کے احسانات کی ایک جھلک: ☆☆ (آیت:۱-۶) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے اس کا حفظ کرنا بالکل آسان کر دیا' اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں بیان سے مراد خیر وشر ہے لیکن بولنا ہی مراد لینا یہاں بہت اچھا ہے۔ حضرت حسنؒ کا قول بھی یہی ہے اور ساتھ ہی تعلیم قرآن کا ذکر ہے۔ جس سے مراد تلاوت قرآن ہے اور تلاوت موقوف ہے بولنے کی آسانی پر' ہر حرف اپنے مخرج سے بے تکلف زبان ادا کرتی رہتی ہے خواہ حلق سے نکلتا ہو خواہ دونوں ہونٹوں کے ملانے سے' مختلف مخرج اور مختلف قسم کے حروف کی ادائیگی اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھا دی۔ سورج اور چاند ایک دوسرے کے پیچھے اپنے اپنے مقررہ حساب کے مطابق گردش میں ہیں' نہ ان میں اختلاف ہو نہ اضطراب' نہ یہ آگے بڑھے نہ وہ اس پر غالب آئے' ہر ایک اپنی اپنی جگہ تیرتا پھرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ہے فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ الخ اللہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو تمہارے لئے آرام کا وقت بنایا ہے اور سورج چاند کو حساب پر رکھا ہے' یہ مقررہ اندازہ ہے غالب و دانا خدا کا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں تمام انسانوں' جنات' چوپایوں' پرندوں کی آنکھوں کی بصارت ایک ہی شخص کی آنکھوں میں کر دی جائے پھر سورج کے سامنے جو ستر پردے ہیں ان میں سے ایک پردہ ہٹا دیا جائے تو ناممکن ہے کہ یہ شخص بھی اس کی طرف دیکھ سکے باوجودیکہ سورج کا نور اللہ کی کرسی کے نور کا سترواں حصہ ہے اور کرسی کا نور عرش کے نور کا سترواں حصہ ہے اور عرش کے نور کے پردے جو اللہ کے سامنے ہیں اس میں سے ایک پردے کے نور کا سترواں حصہ ہے' پس خیال کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جنتی بندوں کی آنکھوں میں کس قدر نور دے رکھا ہوگا کہ وہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے چہرے کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے بے روک دیکھیں گے (ابن ابی حاتم) اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جو تنے والا ہو لیکن نجم کے معنی کئی ایک ہیں' بعض تو کہتے ہیں نجم سے مراد بیلیں ہیں جن کا تنا نہیں ہوتا اور زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد اس سے ستارے ہیں جو آسمان میں ہیں۔ یہی قول زیادہ ظاہر ہے گو اول قول امام ابن جریرؒ کا اختیار کردہ ہے واللہ اعلم۔ قرآن کریم کی یہ آیت بھی اس دوسرے قول کی تائید کرتی ہے۔ فرمان ہے اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسۡجُدُ لَہٗ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے آسمان زمین کی تمام مخلوقات اور سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت' چوپائے' جانور اور اکثر لوگ سجدہ کرتے ہیں۔

وَ السَّمَآءَ رَفَعَہَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۝٧ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ۝٨ وَ اَقِیۡمُوا
الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ۝٩ وَ الۡاَرۡضَ وَضَعَہَا
لِلۡاَنَامِ ۝١٠ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ ۪ۙ وَّ النَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ۝١١ وَ الۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ

وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی ○ تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو ○ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو ○ اسی نے مخلوق کے لئے زمین بچھادی ○ جس میں میوے ہیں اور خوشے والی کھجور کے درخت ہیں اور اناج ہے ○ بھس والا اور پھول ہیں خوشبودار ○ پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے ○

(آیت: ۷-۱۳) پھر فرماتا ہے آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے اور اسی نے میزان رکھی ہے یعنی عدل- جیسے اور آیت میں ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ اور ترازو کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں- یہاں بھی اس کے ساتھ ہی فرمایا تا کہ تم ترازو میں حد سے نہ گذر جاؤ یعنی اس خدا نے آسمان و زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا تا کہ تمام چیزیں حق و عدل کے ساتھ ہو جائیں، پس فرماتا ہے جب وزن کرو تو سیدھی ترازو سے عدل و حق کے ساتھ وزن کرو، کمی زیادتی نہ کرو کہ لیتے وقت بڑھتی تول لیا اور دیتے وقت کم دے دیا- اور جگہ ارشاد ہے وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ صحت کے ساتھ کھرے پن سے تول کیا کرو، آسمان کو تو اس نے بلند و بالا کیا اور زمین کو اس نے نیچی اور پست کر کے بچھادیا اور اس میں مضبوط پہاڑ مثل میخ کے گاڑ دیئے تا کہ وہ ہلے جلے نہیں اور اس پر جو مخلوق بستی ہے وہ با آرام رہے- پھر زمین کی مخلوق کو دیکھو ان کی مختلف قسموں، مختلف شکلوں، مختلف رنگوں، مختلف زبانوں، مختلف عادات و اطوار پر نظر ڈال کر خدا کی قدرت کاملہ کا اندازہ کرو- ساتھ ہی زمین کی پیداوار کو دیکھو کہ رنگ برنگ کے، کھٹے میٹھے، پھیکے سلونے، طرح طرح کی خوشبوؤں والے میوے پھل فروٹ اور خاصۃً کھجور کے درخت جو نفع دینے والا اور لگنے کے وقت سے خشک ہو جانے تک اور اس کے بعد بھی کھانے کے کام میں آنے والا عام میوہ ہے، اس پر خوشے ہوتے ہیں جنہیں چیر کر یہ باہر آتا ہے پھر گدلا ہو جاتا ہے پھر تر ہو جاتا ہے پھر پک کر ٹھیک ہو جاتا ہے، بہت نافع ہے، ساتھ ہی اس کا درخت بالکل سیدھا اور بے ضرر ہوتا ہے-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ قیصر نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میرے قاصد جو آپ کے پاس سے واپس آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں ایک درخت ہوتا ہے جس کی سی خوخصلت کسی اور میں نہیں، وہ جانور کے کان کی طرح زمین سے نکلتا ہے، پھر کھل کر موتی کی طرح ہو جاتا ہے، پھر سبز ہو کر زمرد کی طرح ہو جاتا ہے، پھر سرخ ہو کر یاقوت جیسا بن جاتا ہے، پھر پکتا ہے اور تیار ہو کر بہترین فالودے کے مزے کا ہو جاتا ہے، پھر خشک ہو کر مقیم لوگوں کے بچاؤ کی اور مسافروں کے توشے بھتے کی چیز بن جاتا ہے پس اگر میرے قاصد کی یہ روایت صحیح ہے تو میرے خیال سے تو یہ درخت جنتی درخت ہے- اس کے جواب میں شاہ اسلام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ یہ خط ہے خدا کے غلام مسلمانوں کے بادشاہ عمر کی طرف سے شاہ روم قیصر کے نام، آپ کے قاصدوں نے جو خبر آپ کو دی ہے وہ سچ ہے، اس قسم کے درخت ملک عرب میں بکثرت ہیں، یہی وہ درخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے پاس اگایا تھا جبکہ ان کے لڑکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، پس اے بادشاہ! اللہ سے ڈر اور حضرت عیسیٰ کو خدا نہ سمجھ، اللہ ایک ہی ہے- حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ جیسی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا، پس وہ ہو گئے، خدا کی طرف سے سچی اور حق بات یہی ہے- تجھے چاہئے کہ شک و شبہ کرنے والوں میں نہ رہے"- اَكْمَامُ کے معنی لیف کے بھی کئے گئے ہیں جو درخت کھجور کی گردن پر پوست کی طرح ہوتا ہے اور اس نے زمین میں بھوسی اور اناج پیدا کیا، عَصْف کے معنی کھیتی کے وہ سبز پتے جو اوپر سے

کاٹ دیئے گئے ہوں پھر سکھا لئے گئے ہوں' ریحان سے مراد پتے یا یہی رَیُحَان جو اسی نام سے مشہور ہے یا کھیتی کے سبز پتے' مطلب یہ ہے کہ گیہوں جو وغیرہ کے وہ دانے جو خوشہ میں بھوسی سمیت ہوتے ہیں اور جو پتے ان کے درختوں پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھیتی کے پہلے ہی اگے ہوئے پتوں کو تو عَصُف کہتے ہیں اور جب دانے نکل آئیں بالیں پیدا ہو جائیں تو انہیں ریحان کہتے ہیں جیسے کہ زید بن عمرو بن نفیل کے مشہور قصیدے میں ہے۔

پھر فرماتا ہے اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے یعنی تم اس کی نعمتوں میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے ہو اور مالا مال ہو رہے ہو' ناممکن ہے کہ حقیقی طور پر تم کسی نعمت کا انکار کر سکو اور اسے جھوٹ بتا سکو' ایک دو نعمتیں ہوں تو خیر' یہاں تو سرتاپا اس کی نعمتوں سے تم پر ہو رہے ہو۔ اسی لئے مومن جنوں نے اسے سن کر جھٹ سے جواب دیا اَللّٰھُمَّ وَلَا بِشَیْءٍ مِّنُ اٰلَائِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الُحَمُدُ حضرت ابن عباسؓ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے لَا فَاَیِّھَا یَارَبِّ یعنی خدایا ہم ان میں سے کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ شروع رسالت کے زمانہ میں ابھی امر اسلام کا پوری طرح اعلان نہ ہوا تھا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں رکن کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ اس نماز میں اس سورت کی تلاوت کر رہے تھے اور مشرکین بھی سن رہے تھے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ
مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ
الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ فِي الْبَحْرِ
كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

اس نے انسان کو ایسی آواز دینے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی ○ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ○ پس تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ○ وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا ○ تو اے انسانو اور جنو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کے منکر بنو گے؟ ○ اس نے دو دریا چلائے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ○ ان دونوں میں ایک حجاب ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے ○ پس اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کے منکر بنو گے؟ ○ ان دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں ○ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح کھڑے ہوئے چل پھر رہے ہیں ○ پس اے انسانو اور جنو! تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○

انسان اور جنات کی پیدائش میں فرق: ☆☆ (آیت: ۱۴-۲۵) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ انسان کی پیدائش بجنے والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی ہے جو خالص اور احسن تھا۔ مسند کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرشتے نور سے' جنات نار سے اور انسان اس مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے' پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر اپنی کسی

نعمت کے نہ جھٹلانے کی ہدایت کر کے فرماتا ہے جاڑے اور گرمی کے دو سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے مقامات کا رب اللہ ہی ہے- دو سے مراد سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی دو مختلف جگہیں ہیں کہ وہاں سے سورج چڑھتا اترتا ہے اور موسم کے لحاظ سے یہ بدلتی رہتی ہیں، ہر دن ہیر پھیر ہوتا ہے- جیسے دوسری آیت میں ہے مشرقِ ومغرب کا رب وہی ہے، تو اسی کو اپنا وکیل سمجھ، تو یہاں مراد جنس مشرق ومغرب ہے اور دو مشرقمغرب سے مراد طلوع وغرب کی دو جگہ ہیں اور چونکہ طلوع وغروب کی جگہ کے جدا جدا ہونے میں انسانی منفعت اور اس کی مصلحت بنی تھی اس لئے پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تم اپنے رب کی نعمتوں کے منکر ہی رہو گے؟ اس کی قدرت کا نظارا دیکھو کہ دو سمندر برابر چل رہے ہیں، ایک کھاری پانی کا ہے دوسرا میٹھے پانی کا، لیکن نہ اس کا پانی اس میں مل کر اسے کھاری کرتا ہے نہ اس کا میٹھا پانی اس میں مل کر اسے میٹھا کر سکتا ہے بلکہ دونوں اپنی رفتار سے چل رہے ہیں، دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، نہ وہ اس میں مل سکے نہ وہ اس میں جا سکے یہ اپنی حد میں ہے وہ اپنی حد میں اور قدرتی فاصلہ انہیں الگ الگ کئے ہوئے ہے حالانکہ دونوں پانی ملے ہوئے ہیں-

سورۂ فرقان کی آیت وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ کی تفسیر میں اس کی پوری تشریح گذر چکی ہے- امام ابن جریرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آسمان میں جو پانی کا قطرہ ہے اور صدف جو زمین کے دریا میں ہے ان دونوں سے مل کر لؤلؤ پیدا ہوتا ہے، واقعہ تو یہ ٹھیک ہے لیکن اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنی کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آیت میں ان دونوں کے درمیان برزخ یعنی آڑ کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے جو اس کو اس سے اور اس کو اس سے روکے ہوئے ہے- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمین میں ہی ہیں بلکہ ایک دوسرے سے لگے لگے چلتے ہیں مگر قدرت انہیں جدا رکھتی ہے- آسمان وزمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ برزخ اور حجر نہیں کہا جاتا اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ یہ زمین کے دو دریاؤں کا ذکر ہے نہ کہ آسمان اور زمین کے دریا کا- ان دونوں میں سے یعنی دونوں میں سے ایک میں سے- جیسے اور جگہ جن وانس کو خطاب کر کے سوال ہوا ہے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ رسول صرف انسانوں میں سے ہی ہوئے ہیں جنات میں کوئی جن رسول نہیں آیا- تو جیسے یہاں اطلاع صحیح ہے حالانکہ وقوع ایک میں ہی ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی اطلاق دونوں دریاؤں پر ہے اور وقوع ایک میں ہی ہے- لؤلؤ یعنی موتی تو ایک مشہور ومعروف چیز ہے- مرجان کی نسبت کہا گیا ہے کہ چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بہت بڑے موتی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بہترین اور عمدہ موتی کو مرجان کہتے ہیں- بعض کہتے ہیں سرخ رنگ جواہر کو کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں سرخ مہرے کا نام ہے، ایک اور آیت میں ہے وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا یعنی تم ہر ایک میں سے نکلا ہوا گوشت کھاتے ہو جو تازہ ہوتا ہے اور پہننے کے زیور نکالتے ہو، تو خیر مچھلی تو کھاری اور میٹھے دونوں پانی سے نکلتی ہے اور موتی مونگے صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں میٹھے میں سے نہیں نکلتے-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمان کا جو قطرہ سمندر کی سیپ کے منہ میں سیدھا جاتا ہے وہ لؤلؤ بن جاتا ہے اور جب صدف میں نہیں جاتا تو اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے، مینہ برستے وقت سیپ اپنا منہ کھول دیتی ہے، پس اس نعمت کو بیان فرما کر پھر دریافت فرماتا ہے کہ ایسی ہی بیشمار نعمتیں جس رب کی ہیں تم بھلا کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بادبانوں والے جہاز جو دور سے نظر پڑتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح کھڑے دکھائی دیتے ہیں، جو ہزاروں من مال اور سینکڑوں انسانوں کو ادھر سے ادھر لے آتے ہیں یہ بھی تو اس خدا کی ملکیت میں ہیں، اس عالیشان نعمت کو یاد دلا کر پھر پوچھتا ہے کہ اب بتلاؤ انکار کئے کیسے بن آئے گی؟ حضرت عمیری بن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا، ایک بلند وبالا بڑا جہاز آ رہا تھا، اسے دیکھ کر آپ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا

اس خدا کی قسم جس نے پہاڑوں جیسی ان کشتیوں کو امواج سمندر میں جاری کیا ہے نہ میں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا' نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا' نہ قاتلوں کے ساتھ شریک ہوا' نہ ان سے خوش' نہ ان پر نرم۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْــَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

روئے زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں ○ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی ○ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت سے منکر ہو گے؟ ○ سب آسمان وزمین والے اسی سے مانگتے ہیں ہر روز وہ ایک شان میں ہے ○ پس اپنے رب کی کون سی نعمت کا تم انکار کر رہے ہو؟ ○

اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب فنا: ☆☆ (آیت: ۲۶-۳۰) فرماتا ہے کہ زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے' ایک دن آئے گا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا' کل جاندار مخلوق کو موت آ جائے گی' اسی طرح کل آسمان والے بھی موت کا مزہ چکھیں گے مگر جسے اللہ چاہے' صرف ذات خدا باقی رہ جائے گی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گی' جو موت وفوت سے پاک ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں اولاً تو پیدائش عالم کا ذکر فرمایا پھر ان کی فنا کا بیان کیا۔ حضورؐ سے ایک منقول دعا میں یہ بھی ہے یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالَ وَالْاِکْرَامِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا کُلَّهٗ وَلَا تَکِلْنَآ اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّلَآ اِلٰٓی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ ''یعنی اے ہمیشہ جینے اور ابدالآباد تک باقی اور تمام قائم رہنے والے اللہ' اے آسمان وزمین کے ابتداً پیدا کرنے والے رب' اے جلال اور بزرگی والے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں' ہم تیری رحمت ہی سے استغاثہ کرتے ہیں' ہمارے تمام کام تو بنا دے اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تو ہمیں ہماری طرف نہ سونپ دے اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی طرف''۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تو کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ پڑھے تو ٹھہر نہیں اور ساتھ ہی وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ پڑھ لے۔ اس آیت کا مضمون دوسری آیت میں ان الفاظ سے ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ سوائے ذات باری کے ہر چیز ناپید ہونے والی ہے' پھر اپنے چہرے کی تعریف میں فرماتا ہے وہ ذوالجلال ہے یعنی اس قابل ہے کہ اس کی عزت کی جائے' اس کا جاہ وجلال مانا جائے اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کے فرمان کی خلاف ورزی سے رکا جائے۔ جیسے اور جگہ ہے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ' جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اسی کی ذات کے مرید ہیں تو انہی کے ساتھ اپنے نفس کو روکے رکھ۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نیک لوگ صدقہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ ہم محض اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے پلاتے ہیں۔ وہ کبریائی بڑائی عظمت اور جلال والا ہے۔ پس اس بات کو بیان فرما کر کہ تمام اہل زمین فوت ہونے میں اور پھر خدا کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونے میں برابر ہیں اور اس دن وہ بزرگی والا خدا ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکم فرمائے گا۔ ساتھ ہی فرمایا اب تم اے جن وانس! رب کی کون سی نعمت کا انکار کرتے ہو؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور کل مخلوق اس کی یکسر محتاج ہے' سب کے سب سائل ہیں اور وہ غنی ہے' سب فقیر ہیں اور وہ سب کے سوال پورے کرنے والا ہے' ہر مخلوق اپنے حال وقال سے اپنی

حاجتیں اس کی سرکار میں لے جاتی ہے اور ان کے پورا ہونے کا سوال کرتی ہے- وہ ہر دن نئی شان میں ہے' اس کی شان ہے کہ ہر پکارنے والے کو جواب دے' مانگنے والے کو عطا فرمائے' تنگ حالوں کو کشادگی دے' مصیبت و آفات والوں کو رہائی بخشے' بیماروں کو تندرستی عنایت فرمائے' غم وہم دور کرے' بیقراری کے وقت کی دعا کو قبول فرما کر اسے قرار اور آرام عنایت فرمائے' گنہگاروں کی واویلا پر متوجہ ہو کر خطاؤں سے درگذر فرمائے' گناہوں کو بخشے' زندگی وہ دے' موت وہ لائے' تمام زمین والے کل آسمان والے اس کے آگے پھیلائے ہوئے دامن پھیلائے ہوئے ہیں' چھوٹوں کو بڑا وہ کرتا ہے' قیدیوں کو رہائی وہ دیتا ہے' نیک لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنے والا' ان کی پکار کا مدعا' ان کے شکوے شکایت کا مرجع وہی ہے' غلاموں کو آزاد کرنے کی رغبت وہی دلانے والا اور ان کو اپنی طرف سے عطیہ وہی عطا فرماتا ہے' یہی اس کی شان ہے- ابن جریرؒ میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ نے سوال کیا کہ حضورؐ وہ شان کیا ہے؟ فرمایا گناہوں کا بخشنا' دکھ کو دور کرنا' لوگوں کو ترقی اور تنزل پر لانا-

ابن ابی حاتم میں اور ابن عساکر میں بھی اسی کے ہم معنی ایک حدیث ہے- صحیح بخاری میں یہ روایت معلقاً حضرت ابوالدرداءؓ کے قول سے مروی ہے- بزار میں بھی کچھ کمی کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا' اس کے دونوں تختے سرخ یاقوت کے ہیں- اس کا علم نوری ہے' اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے- ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے' ہر نگاہ پر کسی کو زندگی دیتا اور مارتا اور عزت و ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے-

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ
اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ
نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

اے جنو اور انسانو! عنقریب ہم سب سے فارغ ہو کر تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گے ○ پھر تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ ○ اے گروہ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو' بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے ○ پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرتے ہو؟ ○ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے ○ پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس نعمت کا تم انکار کرو گے؟ ○

(آیت: ۳۱-۳۶) فارغ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ کسی مشغولیت میں ہے بلکہ یہ بطور ڈانٹ کے فرمایا گیا ہے کہ صرف تمہاری طرف پوری توجہ فرمانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے' اب کھرے کھرے فیصلے ہو جائیں گے' اسے کوئی اور چیز مشغول نہ کرے گی بلکہ صرف تمہارے حساب ہی لے گا- محاورہ عرب کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے جیسے غصہ کے وقت کوئی کسی سے کہتا ہے اچھا فرصت میں تجھ سے نمٹ لوں گا تو یہ معنی نہیں کہ اس وقت مشغول ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک خاص وقت تجھ سے نمٹنے کا نکالوں گا اور تیری غفلت میں تجھے پکڑ لوں گا- ثَقَلَیْن سے مراد انسان اور جن ہیں' جیسے ایک حدیث میں ہے اسے سوائے ثقلین کے ہر چیز سنتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے سوائے انسانوں اور جنوں کے- ایک اور حدیث صور میں صاف ہے کہ ثقلین یعنی جن و انس- پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت

کا انکار کر سکتے ہو؟ اے جنو اور انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے بلکہ وہ تم سب کو گھیرے ہوئے ہے' اس کا ہر ہر حکم تم پر بے روک جاری ہے' جہاں جاؤ اسی کی سلطنت ہے' حقیقتاً یہ واقع ہو گا میدان محشر میں کہ مخلوقات کو ہر طرف سے فرشتے احاطہ کئے ہوئے ہوں گے' چاروں جانب ان کی سات سات صفیں ہوں گی' کوئی شخص بغیر دلیل کے ادھر سے ادھر نہ ہو سکے گا اور دلیل سوائے امر الٰہی حکم خدا کے اور کچھ نہیں - انسان اس دن کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کدھر ہے؟ لیکن جواب ملے گا کہ آج تو رب کے سامنے ہی کھڑا ہونے کی جگہ ہے - ایک اور آیت میں ہے وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ الخ' یعنی بدیاں کرنے والوں کو ان کی برائیوں کے مانند سزا ملے گی' ان پر ذلت سوار ہو گی اور اللہ کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہ ہو گا' ان کے منہ مثل اندھیری رات کے ٹکڑوں کے ہوں گے' یہ جہنمی گروہ ہے جو ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا - شُوَاظٌ کے معنی آگ کے شعلے جو دھواں ملے ہوئے سبز رنگ کے جھلسا دینے والے ہوں - بعض کہتے ہیں بے دھویں کا آگ کے اوپر کا شعلہ جو اس طرح لپکتا ہے کہ گویا پانی کی موج ہے' نُحَاسٌ کہتے ہیں دھویں کو' یہ لفظ نون کے زبر سے بھی آتا ہے لیکن یہاں قرأت نون کے پیش سے ہی ہے - نابغہ کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے - ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شُوَاظٌ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ نے اس کی سند میں امیہ بن صلت کا شعر پڑھ سنایا اور نُحَاسٌ کے معنی آپ نے کئے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک عربی شعر نابغہ کا پڑھ سنایا -

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نُحَاسٌ سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا - بہرصورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدان محشر سے بھاگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر' دھواں چھوڑ کر' تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے' تم نہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہو' نہ انہیں دفع کر سکتے ہو' نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو - پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

پس جبکہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ نری کا چمڑہ ○ پھر اے آدمیو اور جنو! تم دونوں اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ○

آسمان پھٹ جائے گا : ☆☆ (آیت:۳۷-۳۸) آسمان کا پھٹ جانا اور آیتوں میں بھی بیان ہوا ہے ارشاد ہے - وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ - اور جگہ ہے وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ الخ' اور فرمان ہے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ الخ وغیرہ - جس طرح چاندی وغیرہ پگھلائی جاتی ہے یہی حالت آسمان کی ہو جائے گی' رنگ پر رنگ بدلے گا کیونکہ قیامت کی ہولناکی' اس کی شدت و دہشت ہے ہی ایسی - مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور آسمان ان پر ہلکی بارش کی طرح برستا ہو گا - ابن عباسؓ فرماتے ہیں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا ایک اور روایت ہے گلابی رنگ گھوڑے کے رنگ جیسا آسمان کا رنگ ہو جائے گا - ابو صالحؒ فرماتے ہیں پہلے گلابی رنگ ہو گا' پھر سرخ ہو جائے گا - گلابی رنگ گھوڑے کا رنگ موسم بہار میں تو زردی مائل نظر آتا ہے اور جاڑے میں بدل کر سرخ جچتا ہے' جوں جوں سردی بڑھتی ہے اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے - اسی طرح آسمان بھی رنگ پر رنگ بدلے گا' پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا - جیسے روغن گلاب کا رنگ ہوتا ہے اس رنگ کا آسمان ہو جائے گا - آج وہ سبز رنگ ہے لیکن اس دن اس کا رنگ سرخی لئے ہوئے ہو گا' زیتون کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا - جہنم کی آگ کی تپش اسے پگھلا کر تیل جیسا کر دے گی -

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ
بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ
جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ
حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ ع ۱۲

اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پرسش نہ کی جائے گی ○ پھر تمہیں اپنے رب کی کس نعمت کا انکار ہے؟ ○ گنہگار صرف حلیہ سے ہی پہچان لئے جائیں گے اور ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لئے جائیں گے ○ کیا پھر بھی تم اپنے رب کی کسی نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ ○ یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے ○ اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے ○ پھر تم اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ ○

گناہ گاروں کا انجام: ☆☆ (آیت:۳۹-۴۵) اس دن کسی مجرم سے اس کا جرم نہ پوچھا جائے گا- جیسے اور آیت میں ہے هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ الخ' یہ وہ دن ہے کہ بات نہ کریں گے- نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر معذرت کریں- ہاں اور آیات میں ان کا بولنا' عذر کرنا' ان سے حساب لیا جانا وغیرہ بھی بیان ہوا ہے- فرمان ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ تیرے رب کی قسم! ہم سب سے سوال کریں گے اور ان کے کل کاموں کی پرسش کریں گے- تو مطلب یہ ہے کہ ایک موقع پر یہ ہے' دوسرے موقع پر یہ ہے- پرسش ہوئی' حساب کتاب ہوا' عذر معذرت ختم کر دی گئی' اب منہ پر مہر لگ گئی' ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسم نے گواہی دی' پھر پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی' عذر معذرت توڑ دی گئی اور یہ تطبیق بھی ہے کہ کسی سے نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں عمل کیا یا نہیں کیا؟ کیونکہ خدا کو خوب معلوم ہے' اس سے جو سوال ہوگا وہ یہ کہ ایسا کیوں کیا؟ تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے پوچھیں گے نہیں' وہ تو چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور جہنمی کو زنجیروں میں باندھ کر اوندھے گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیں گے' جیسے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ گنہگار اپنے چہروں اور اپنی خاص علامتوں سے ہی پہچان لئے جائیں گے- چہرے سیاہ ہوں گے' آنکھیں کیری ہوں گی' ٹھیک اسی طرح مومنوں کے چہرے بھی الگ ممتاز ہوں گے- ان کے اعضائے وضو چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے- گنہگاروں کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس طرح بڑی لکڑی کو دو طرف سے پکڑ کر تنور میں جھونک دیا جاتا ہے' پیٹھ کی طرف سے زنجیر لا کر گردن اور پاؤں ایک کر کے باندھ دیئے جائیں گے- کمر توڑ دی جائے گی اور قدم اور پیشانی ملا دی جائے گی اور جکڑ دیا جائے گا-

مسند احمد میں ہے قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا' پردے کے پیچھے بیٹھا اور مائی صاحبہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا ہے کہ کسی وقت آپ کو کسی شخص کی شفاعت کا اختیار نہ ہوگا؟ ام المومنین نے جواب دیا ہاں ایک مرتبہ ایک ہی کپڑے میں ہم دونوں تھے' جو میں نے آنحضرت ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہاں جب کہ پل صراط رکھا جائے گا اس وقت مجھے کسی کی شفاعت سفارش کا اختیار نہ ہوگا' یہاں تک کہ میں جان لوں کہ خود مجھے کہاں لے جاتے ہیں؟ اور جس وقت کہ چہرے سیاہ وسفید ہونے شروع ہوں گے یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ یا فرمایا یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ مجھ پر کیا وحی بھیجی جاتی ہے؟ اور جب جہنم پر پل رکھا جائے اور اسے تیز اور گرم کیا جائے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی تیزی اور گرمی کی کیا حد ہے؟ فرمایا

تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا اور آگ کے انگارے جیسا گرم ہوگا' مومن تو بے ضرر گذر جائے گا اور منافق لٹک جائے گا' جب بیچ میں پہنچے گا اس کے قدم پھسل جائیں گے' یہ اپنے ہاتھ اپنے پیروں کی طرف جھکائے گا جس طرح کوئی ننگے پاؤں چل رہا ہو اور اسے کانٹا لگ جائے اور اس زور کا لگے گویا کہ اس نے اس کا پاؤں چھید دیا تو کس طرح بے صبری اور جلدی سے وہ سر اور ہاتھ جھکا کر اس کی طرف جھک پڑتا ہے' اسی طرح یہ جھکے گا' ادھر یہ جھکا ادھر داروغہ جہنم کی آگ میں گرا دے گا جس میں تقریباً پچاس سال تک وہ گہرا اترتا جائے گا' میں نے پوچھا حضورؐ یہ جہنمی کس قدر بوجھل ہوگا' آپ نے فرمایا مثل دس گابھن اونٹنیوں کے' پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض فقروں کا حضورؐ کے کلام سے ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ہے جن کا نام بھی نیچے کے راوی نے نہیں لیا۔ اس جیسی دلیلیں صحت کے قابل نہیں ہوتیں۔ واللہ اعلم۔ ان گنہگاروں سے کہا جائے گا کہ لو جس جہنم کا تم انکار کرتے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو' یہ انہیں بطور رسوا اور ذلیل کرنے' شرمندہ اور نادم کرنے' ان کی خفت بڑھانے کے لئے کہا جائے گا پھر ان کی یہ حالت ہوگی کہ کبھی آگ کا عذاب ہو رہا ہے کبھی پانی کا۔ کبھی جحیم میں جلائے جاتے ہیں اور کبھی حمیم پلائے جاتے ہیں۔ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح محض آگ ہے' جو آنتوں کو کاٹ دیتی ہے' اور جگہ ہے۔ اِذِا لْاَغْلَالُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ الخ' جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی' وہ حمیم سے جحیم میں گھسیٹے جائیں گے اور بار بار یہ جلائے جائیں گے۔ یہ گرم پانی حد درجہ کا گرم ہوگا' بس یوں کہنا ٹھیک ہے کہ وہ بھی جہنم کی آگ ہی ہے جو پانی کی صورت میں ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش کے وقت سے آج تک وہ گرم کیا جا رہا ہے۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا' تمام گوشت گھل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا۔ بس دو آنکھیں اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا' اسی کو فرمایا فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ۔ ان کے معنی حاضر کے بھی کئے گئے ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ سخت گرم موجود پانی کی نہر سے انہیں پانی پلایا جائے گا جو ہرگز نہ پی سکیں گے کیونکہ وہ بے انتہا گرم بلکہ مثل آگ کے ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ وہاں مراد تیاری اور پک جانا ہے۔ چونکہ بدکاروں کی سزا اور نیک کاروں کی جزا بھی اس کا فضل و رحمت' عدل و لطف ہے' اپنے ان عذابوں کا پہلے سے بیان کر دینا تاکہ شرک و معاصی کے کرنے والے ہوشیار ہو جائیں یہ بھی اس کی نعمت ہے۔ اس لئے فرمایا پھر تم اے جن و انس! اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے؟

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾
ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿٥٠﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾

اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو دو جنتیں ہیں ○ پس اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو تم جھوٹا جانتے ہو؟ ○ دونوں جنتیں بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں ○ پھر اپنے رب کی کس نعمت کو جھوٹا سمجھتے ہیں؟ ○ ان دونوں جنتوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں ○ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے؟ ○ ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوے بھی جوڑ جوڑ ہوں گے ○ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ ○

فکر آخرت اور انسان: ☆☆ (آیت:۴۶-۵۳) ابن شوذبؒ اور عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں آیت وَلِمَنْ خَافَ حضرت صدیق اکبرؓ

کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عطیہ بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے کہا تھا مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میں اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈوانے پر نہ ملوں، اس کلمہ کے کہنے کے بعد ایک رات ایک دن توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اسے جنت میں لے گیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور اپنے تئیں نفس کی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا، زندگانی دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غفلت نہیں کرتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائیدار سمجھتا ہے، فرائض بجالاتا ہے محرمات سے رکتا ہے، قیامت کے دن اسے ایک چھوڑ دو دو جنتیں ملیں گی۔

صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل سامان بھی چاندی کا ہی ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا، ان جنتیوں میں اور دیدار باری میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اس کبریائی کے پردے کے جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے، یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ یہ حدیث صحاح کی اور کتابوں میں بھی ہے، بجز ابوداؤد کے، راوی حدیث حضرت حمادؒ فرماتے ہیں میرے خیال میں تو یہ حدیث مرفوع ہے۔ تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلِمَنْ خَافَ اور وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ کی۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لئے اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضورؐ نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت کی تو میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے ہوگئی ہو؟ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت کی، میں نے پھر یہی کہا، آپ نے پھر یہی آیت پڑھی، میں نے پھر یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اگرچہ ابوالدرداءؓ کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ نسائی۔ بعض سند سے یہ روایت موقوف بھی مروی ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جس دل میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہوگا ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا وہ چوری کرے، یہ آیت عام ہے انسانوں اور جنات دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں بھی جو ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں وہ جنت میں جائیں گے، اسی لئے جن وانس کو اس کے بعد خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ان دونوں جنتوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ یہ نہایت ہی سرسبز و شاداب ہیں، بہترین اعلیٰ، خوش ذائقہ عمدہ اور تیار پھل ہر قسم کے ان میں موجود ہیں، تمہیں نہ چاہئے کہ تم اپنے پروردگار کی کسی نعمت کا انکار کرو۔ اَفْنَان شاخوں اور ڈالیوں کو کہتے ہیں، یہ اپنی کثرت سے ایک دوسری سے ملی جلی ہوئی ہوں گی، یہ سایہ دار ہوں گی جن کا سایہ دیواروں پر بھی چڑھا ہوا ہوگا۔ عکرمہؒ یہی معنی بیان کرتے ہیں اور عربی کے شعر کو اس پر دلیل میں وارد کرتے ہیں، یہ شاخیں سیدھی اور پھیلی ہوئی ہوں گی، رنگ برنگ کی ہوں گی، یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان میں طرح طرح کے میوے ہوں گے کشادہ اور گھنے سایہ والی ہوں گی۔ یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ان میں کوئی منافاۃ نہیں، یہ تمام اوصاف ان شاخوں میں ہوں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس کی شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس میں چلا جائے۔ یا فرمایا کہ سو سوار اس کے تلے سایہ حاصل کر لیں۔ سونے کی ٹڈیاں اس پر چھائی ہوئی تھیں اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں اور بہت بڑی گول جتنے تھے۔ (ترمذی) پھر ان میں نہریں بہ رہی ہیں تاکہ ان درختوں اور شاخوں کو سیراب کرتی رہیں اور بکثرت اور عمدہ پھل لائیں۔ اب تو تمہیں اپنے رب کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہئے۔ ایک کا نام تسنیم ہے، دوسری کا سلسبیل ہے، یہ دونوں نہریں پوری روانی کے ساتھ بہ رہی ہیں۔ ایک ستھرے پانی کی، دوسری لذت والی بے نشے کی شراب کی۔ ان میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے بھی موجود ہیں اور پھل بھی وہ جن سے تم صورت شناس تو ہو لیکن لذت شناس نہیں ہو کیونکہ وہاں کی نعمتیں کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ

کسی کان نے سنی ہیں نہ کسی دماغ میں آ سکتی ہیں، تمہیں رب کی نعمتوں کی ناشکری سے رک جانا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں دنیا میں جتنے بھی کڑوے میٹھے پھل ہیں وہ سب جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ حنظل یعنی اندرائن بھی۔ سوہاں دنیا کی ان چیزوں اور جنت کی ان چیزوں کے نام تو ملتے جلتے ہیں حقیقت اور لذت بالکل ہی جداگانہ ہے، یہاں تو صرف نام ہیں اصلیت تو جنت میں ہے۔ اس فضیلت کا فرق وہاں جانے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ
دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

یہ جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے ○ پھر تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ ○

جنت یافتہ لوگ: ☆☆ (آیت: ۵۴-۵۵) جنتی لوگ بے فکری سے تکیئے لگائے ہوئے ہوں گے خواہ لیٹے ہوئے ہوں خواہ با آرام بیٹھے ہوئے تکیہ سے لگے ہوئے ہوں، ان کے بچھاونے بھی اتنے بڑھیا ہوں گے کہ ان کے اندر کا استر بھی دبیز اور خالص زریں ریشم کا ہوگا، پھر اوپر کا ابرا کچھ ایسا ہوگا، اسے تم آپ سوچ لو۔ مالک بن دینارؒ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں استر کا یہ حال ہے اور ابرا تو محض نورانی ہوگا۔ جو سراسر اظہار رحمت ونور ہوگا۔ پھر اس پر بہترین گلکاریاں ہیں، جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان جنتوں کے پھل جنتیوں سے بالکل قریب ہیں۔ جب چاہیں جس حال میں چاہیں وہیں سے لے لیں، لیٹے ہوں تو بیٹھنے کی اور بیٹھے ہوں تو کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں خود بخود شاخیں جھوم جھوم کر جھکتی رہتی ہیں۔ جیسے فرمایا قُطُوفُهَا دَانِیَةٌ اور فرمایا وَدَانِیَةٌ عَلَیْهِمْ ظِلَالُهَا الخ، یعنی بے حد قریب میوے ہیں لینے والے کو کوئی تکلیف یا تکلف کی ضرورت نہیں، خود شاخیں جھک جھک کر انہیں میوے دے رہی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی نعمتوں کے انکار سے باز رہو۔

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّۚ ﴿۵۶﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِۚ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُۚ ﴿۵۸﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا
الْاِحْسَانُۚ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

وہاں شرمیلی نیچی نگاہ والی حوریں ہیں جنہیں ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا ○ پس اپنے پالنے والے کی نعمتوں میں سے کس کے منکر ہو؟ ○ وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی ○ پس اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کو تم جھٹلاتے ہو؟ ○ نیک کاری کا بدلہ ہی بہت بڑا انعام واحسان ہے ○ پس کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے؟ ○

حوروں کے اوصاف: ☆☆ (آیت: ۵۶-۶۱) چونکہ فروش کا بیان ہوا تھا تو ساتھ ہی فرمایا کہ ان فروش پر ان کے ساتھ ان کی بیویاں ہوں گی، جو عفیفہ، پاکدامن اور شرمیلی نیچی نگاہوں والی ہوں گی کہ اپنے خاوندوں کے سوا کسی پر نظریں نہ ڈالیں گی اور اس کے خاوند بھی ان پر سو جان سے مائل ہوں گے، یہ بھی جنت کی کسی چیز کو اپنے ان مومن خاوندوں سے بہتر نہ پائیں گی۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی خدا کی قسم ساری جنت میں میرے لئے تم سے بہتر کوئی چیز نہیں، خدا خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں جنت کی کسی چیز کی خواہش و

محبت اتنی نہیں جتنی آپ کی ہے' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو میرے حصے میں کر دیا اور مجھے آپ کی خدمت کا شرف بخشا - یہ حوریں کنواری اچھوتی نوجوان ہوں گی' ان جنتیوں سے پہلے ان کے پاک پنڈے کو کسی انس و جن کا ہاتھ بھی نہیں لگا - یہ آیت بھی مومن جنوں کے جنت میں جانے کی دلیل ہے - حضرت ضمرہ بن حبیبؒ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا مومن جن بھی جنت میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جنیہ عورتوں سے ان کے نکاح ہوں گے' جیسے انسانوں کے انسان عورتوں سے - پھر یہی آیتیں تلاوت کیں - پھر ان حوروں کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنی صفائی اور خوبی اور حسن میں ایسی ہیں جیسے یاقوت و مرجان یاقوت سے صفائی میں تشبیہ دی اور مرجان سے بیاض میں' پس مرجان سے مراد یہاں لؤلؤ ہے - نبی ﷺ فرماتے ہیں اہل جنت کی بیویوں میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ستر ستر حلوں کے پہننے کے بعد بھی نظر آتی ہے یہاں تک کہ اندر کا گودا بھی' پھر آپ نے آیت كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ پڑھی اور فرمایا دیکھو یاقوت ایک پتھر ہے لیکن قدرت نے اس کی صفائی اور جوت ایسی رکھی ہے کہ اس کے بیچ میں دھاگہ پرو دو تو باہر سے نظر آتا ہے (ابن ابی حاتم) یہ روایت ترمذی میں بھی موقوفاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور امام ترمذیؒ اسی کو زیادہ صحیح بتلاتے ہیں - مسند احمد میں ہے پیغمبر مدنی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر اہل جنت کی دو بیویاں اس صفت کی ہوں گی کہ ستر ستر حلے پہن لینے کے بعد بھی ان کی پنڈلیوں کی جھلک نمودار رہے گی بلکہ اندر کا گودا بھی بوجہ صفائی کے دکھائی دے گا -

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا ابو القاسم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا؟ کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی وہ چاند جیسی صورتوں والی ہوگی' ان کے پیچھے جو جماعت جائے گی وہ آسمان کے بہترین چمکیلے تاروں جیسے چہروں والی ہوگی - ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی بے بیوی کا نہ ہوگا - اس حدیث کی اصل بخاری میں بھی ہے - مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں خدا کی راہ کی صبح اور اس کی راہ کی شام ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے بہتر ہے - جنت میں جو جگہ ملے گی اس میں سے ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر کی جگہ ساری دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے افضل ہے - اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان کو جگمگا دے اور خوشبو سے تمام عالم مہک اٹھے - ان کا چھوٹا سا دوپٹا ہلکی سی چھوٹی دوپٹیا بھی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے گراں ہے' صحیح بخاری میں یہ حدیث بھی ہے - پھر ارشاد ہے کہ دنیا میں جس نے نیکی کی' اس کا بدلہ آخرت میں سلوک و احسان کے سوا اور کچھ نہیں' جیسے ارشاد ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ نیکی کرنے والے کے لئے نیکی ہے اور زیادتی یعنی جنت اور دیدار باری - حضورؐ نے یہ آیت تلاوت کر کے اپنے اصحاب سے پوچھا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے - آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جس پر اپنی توحید کا انعام دنیا میں کروں اس کا بدلہ آخرت میں جنت ہے اور چونکہ یہ بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے جو دراصل کسی عمل کے بدلے نہیں بلکہ صرف اس کا احسان اور فضل و کرم ہے اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا اب تم میری کس کس نعمت سے لاپرواہی برتو گے؟ رب کے مقام سے ڈرنے والے کی بشارت کے متعلق ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی خیال میں رہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو ڈرے گا وہ رات کے وقت ہی کوچ کرے گا اور جو اندھیری رات میں چل پڑا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا' خبردار ہو جاؤ خدا کا سودا بہت گراں ہے' یاد رکھو وہ سودا جنت ہے - امام ترمذی اس حدیث کو غریب بتلاتے ہیں - حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے منبر پر وعظ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے آیت وَلِمَنْ خَافَ پڑھی تو میں نے کہا اگرچہ زنا کیا ہو اگرچہ چوری کی ہو؟ باقی حدیث اوپر گذر چکی -

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ
وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾

اور ان دو کے سوا دو جنتیں اور ہیں ○ پس تم اپنے پرورش کرنے والے کی کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ○ جو دونوں گہری سیاہی مائل ہیں ○ بتاؤ اب پروردگار کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟ ○ ان میں دو بہ جوش ابلنے والے چشمے ہیں ○ پھر تم اپنے پالنہار کی کون سی نعمت کا جھوٹ ہونا کہہ رہے ہو؟ ○ ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے ○ کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟ ○

اصحاب یمین اور مقربین : ☆☆ (آیت:٦٢-٦٧) یہ دونوں جنتیں جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے ان جنتوں سے کم مرتبہ ہیں جن کا ذکر پہلے گذرا اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی جس میں ہے دو جنتیں سونے کی اور دو چاندی کی۔ پہلی دو تو مقربین خاص کی جگہ ہیں اور یہ دوسری دو اصحاب یمین کی۔ الغرض درجے اور فضیلت میں یہ دو ان دو سے کم ہیں، جس کی دلیلیں بہت سی ہیں، ایک یہ کہ ان کا ذکر اور صفت ان سے پہلے بیان ہوئی اور یہ تقدیم بیان بھی دلیل ہے ان کی فضیلت کی، پھر یہاں وَمِنْ دُوْنِهِمَا فرمانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ان سے کم مرتبہ ہیں۔ وہاں ان کی تعریف میں ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ یعنی بکثرت مختلف مزے کے میووں والی شاخوں دار۔ یہاں فرمایا مُدْهَآمَّتٰنِ یعنی پانی کی پوری تری سے سیاہ۔

جنت کے میوے: ☆☆ (آیت:٦٨-٦٩) ابن عباسؓ فرماتے ہیں سبز۔ محمد بن کعبؓ فرماتے ہیں سبزی سے پر۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اس قدر پھل پکے ہوئے تیار ہیں کہ وہ ساری جنت سرسبز معلوم ہو رہی ہے، الغرض وہاں شاخوں کی پھیلاوٹ بیان ہوئی یہاں درختوں کی کثرت بیان فرمائی گئی، تو ظاہر ہے کہ اس میں اور اس میں بھی بہت فرق ہے، ان کی نہروں کی بابت لفظ تَجْرِيٰنِ ہے اور یہاں لفظ نَضَّاخَتٰنِ ہے یعنی ابلنے والی اور یہ ظاہر ہے کہ نضخ سے جری یعنی ابلتے سے بہنا بہت برتری والا ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں یعنی پر ہیں پانی رکتا نہیں، اور لیجئے وہاں فرمایا تھا کہ ہر قسم کے میووں کے جوڑے ہیں اور یہاں فرمایا اس میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں تو ظاہر ہے کہ پہلے کے الفاظ عمومیت لئے ہوئے ہیں، وہ قسم کے اعتبار سے اور کمیت کے اعتبار سے بھی اس سے افضلیت رکھتے ہیں کیونکہ یہاں لفظ فَاكِهَةٌ گو نکرہ ہے لیکن سیاق میں اثبات کے ہے، اس لئے عام نہ ہوگا اسی لئے بطور تفسیر کے بعد میں نخل و رمان کہہ دیا۔ جیسے عطف خاص عام پر ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ وغیرہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ کھجور اور انار کو خاصتہً اس لئے ذکر کیا کہ اور میووں پر انہیں شرف ہے۔ مسند عبد بن حمید میں ہے یہودیوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہاں ہیں، انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے، پئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں بلکہ بہت کچھ زیادہ اور بہت کچھ زیادہ۔ انہوں نے کہا پھر وہاں فضلہ بھی نکلے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پسینہ آ کر سب ہضم ہو جائے گا۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جنتی کھجور کے درختوں کے ریشم کا جنتیوں کا لباس بنائیں گے۔ یہ سرخ رنگ سونے کے ہوں گے، اس کے تنے سبز زمردیں ہوں گے، اس کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے، گٹھلی بالکل نہ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے جنت کے انار دیکھے اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ مع ہودج۔ خیرات کے معنی بہ کثرت اور بہت حسین، نہایت نیک خلق اور بہتر خلق۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ معنی مروی ہیں۔

فِيهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾
حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ
وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ
اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع ۳ ۲۲ ۱۲

ان میں نیک سیرت' خوبصورت عورتیں ہیں ○ پس تمہارے جھٹلانے کا تعلق اللہ کی کس نعمت کے ساتھ ہے؟○ گوری رنگت کی حوریں جنتی خیموں میں محفوظ ہیں ○ پس اے انسانو اور جنو! اب تم اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرو گے؟○ ان حوروں سے کوئی انسان یا جن اس سے قبل نہیں ملا ○ پس اپنے پروردگار کی کون سی نعمت کے ساتھ تم کذب کرتے ہو؟○ سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ○ پس اے جنو اور انسانو! تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟○ تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے ○

جنت کی نعمتیں: ☆☆ (آیت: ۷۰-۷۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ حورعین جو گانا گائیں گی' ان میں یہ بھی ہوگا ''ہم خوش خلق خوبصورت ہیں جو بزرگ خاوندوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں''۔ یہ پوری حدیث سورۂ واقعہ کی تفسیر میں ابھی آئے گی' ان شاءاللہ تعالیٰ' یہ لفظ تشدید سے بھی پڑھا گیا ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرتے ہو؟ حوریں ہیں جو خیموں میں رہتی سہتی ہیں' یہاں بھی وہی فرق ملاحظہ ہو کہ وہاں تو فرمایا تھا کہ خود وہ حوریں اپنی نگاہ نیچی رکھتی ہیں اور یہاں فرمایا ان کی نگاہیں نیچی کی گئی ہیں۔ پس اپنے آپ ایک کام کو کرنا اور دوسرے سے کرایا جانا ان دونوں میں کس قدر فرق ہے' گو پردہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر مسلمان کے لئے خیرہ یعنی نیک اور بہترین نورانی حور اور ہر خیرہ کے لئے خیمہ ہے اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہیں' جن میں سے ہر روز تحفہ' کرامت' ہدیہ اور انعام آتا رہتا ہے۔ نہ وہاں کوئی فساد ہے نہ سختی ہے نہ گندگی ہے نہ بدبو ہے' حوروں کی صحبت ہے جو اچھوتے صاف سفید چمکیلے موتیوں جیسی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہے در مجوف' جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے' اس کے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں جو دوسرے کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں' مومن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ دوسری روایت میں چوڑائی کا تیس میل ہونا مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں خیمہ ایک ہی لؤلؤ کا ہے جس میں ستر دروازے موتی کے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہو گا جو ایک موتی کا بنا ہوا ہوگا چار فرسخ چوڑا' جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے اور چوکھٹیں سب کی سونے کی ہوں گی۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر بیویاں ہوں گی اور لؤلؤ زبرجد کا محل ہوگا جو جابیہ سے صنعاء تک پہنچے۔ پھر فرماتا ہے ان بے مثل حسینوں کے پنڈے اچھوتے ہیں' کسی جن وانس کا گذر ان کے پاس نہیں ہوا۔ پہلے بھی اس قسم کی آیت مع تفسیر گذر چکی ہے ہاں پہلی جنتوں کی حوروں کے اوصاف میں اتنا جملہ وہاں تھا کہ وہ یاقوت و مرجان جیسی ہیں یہاں ان کے لئے یہ نہیں فرمایا گیا' پھر سوال ہوا کہ تمہیں رب کی کس کس نعمت کا انکار ہے؟ یعنی کسی نعمت کا انکار نہ کرنا چاہئے۔ یہ جنتی سبز رنگ اعلیٰ قیمتی فرشوں

غالیچوں اور تکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے، تخت ہوں گے اور تختوں پر پاکیزہ اعلیٰ فرش ہوں گے اور بہترین منقش تکیے لگے ہوئے ہوں گے، یہ تخت اور یہ فرش اور یہ تکیے جنتی باغچوں اور ان کی کیاریوں پر ہوں گے اور یہی ان کے فرش ہوں گے، کوئی سرخ رنگ ہوگا، کوئی زرد رنگ اور کوئی سبز رنگ، جنتیوں کے کپڑے بھی ایسے ہی اعلیٰ اور بالا ہوں گے، دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے انہیں تشبیہ دی جا سکے، یہ بسترے مخملی ہوں گے جو بہت نرم اور بالکل خالص ہوں گے۔ کئی کئی رنگ کے ملے جلے نقش اون میں بنے ہوئے ہوں گے۔ ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں عبقر ایک جگہ کا نام ہے جہاں منقش بہترین کپڑے بنے جاتے تھے۔ خلیل بن احمدؒ فرماتے ہیں ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا میں نے کسی عبقری کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح پانی کے بڑے بڑے ڈول کھینچتا ہو، یہاں بھی خیال فرمائیے کہ پہلی دو جنتوں کے فرش و فروش اور وہاں کے تکیوں کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ ان سے اعلیٰ ہے، وہاں بیان فرمایا گیا تھا کہ ان کے استر یعنی اندر کا کپڑا خالص دبیز عمدہ ریشم ہوگا، پھر اوپر کے کپڑے کا بیان نہیں ہوا تھا اس لئے کہ جس کا استر اتنا اعلیٰ ہے اس کے ابرے یعنی اوپر کے کپڑے کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ پھر اگلی دو جنتوں کے اوصاف کے خاتمے پر فرمایا تھا کہ اطاعت کا صلہ سوا عنایت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ تو ان اہل جنت کے اوصاف میں احسان کو بیان فرمایا جو اعلیٰ مرتبہ اور غایت ہے، جیسے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اسلام کے بارے سوال کیا پھر ایمان کے بارے پھر احسان کے بارے، پھر یہ کئی کئی وجوہ ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ پہلے کی دو جنتوں کو ان دو جنتوں پر بہترین فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم و وہاب سے ہمارا سوال ہے کہ وہ ہمیں بھی ان جنتیوں میں سے کرے جو ان دو جنتوں میں ہوں گے جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے ہیں۔ آمین۔

وہی مستحق احترام و اکرام ہے: ☆☆ پھر فرماتا ہے تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام بابرکت ہے، وہ جلال والا ہے یعنی اس لائق ہے کہ اس کا جلال مانا جائے اور اس کی بزرگی کا پاس کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے بلکہ کامل اطاعت گذاری کی جائے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے یعنی اس کی عبادت کی جائے، اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کی جائے، اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔ وہ غفلت اور کبریائی والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اجلال کرو، اس کی عظمت مانو وہ تمہیں بخش دے گا (احمد) اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان کی اور بادشاہ کی اور حامل قرآن کی، جو قرآن میں کمی زیادتی نہ کرتا ہو یعنی نہ اس میں غلو کرتا ہو نہ کمی کرتا ہو، عزت کی جائے۔

ابویعلیٰ میں ہے یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے، امام ترمذیؒ اس کی سند کو غیر محفوظ اور غریب بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں دوسری سند کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے، اس میں یا کا لفظ نہیں، جوہریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی کسی کو چمٹ جائے اسے تھام لے تو عرب میں کہتے ہیں الظ یعنی لفظ اس حدیث میں آیا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ الحاح و خلوص، عاجزی اور مسکینی کے ساتھ ہمیشگی اور لزوم سے دامن خدا میں لٹک جاؤ۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد صرف اتنی ہی دیر بیٹھتے تھے کہ یہ کلمات کہہ لیں اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

الحمدللہ اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ الرحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر ہے۔

تفسیر سورة الواقعه

(تفسیر سورۂ واقعہ) ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے' آپ نے فرمایا ہاں مجھے سورۂ ہود نے' سورۂ واقعہ نے' سورۂ والمرسلات نے' سورۂ یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی لائے ہیں اور اسے حسن غریب کہتے ہیں حافظ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات میں ایک روایت لائے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بیمار ہوئے جس بیماری سے آپ جاں بر نہ ہوئے' اس بیماری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے' پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے؟ فرمایا اپنے گناہوں کا' دریافت کیا خواہش کیا ہے؟ فرمایا اپنے رب کی رحمت کی' پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا طبیب نے ہی تو بیمار ڈالا ہے۔ پوچھا کچھ مال بھیج دوں؟ فرمایا مال کی کوئی حاجت نہیں' کہا آپ کے بعد آپ کے بچوں کو کام آئے گا' فرمایا کیا میری بچیوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے؟ سنئے میں نے اپنی سب لڑکیوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص سورۂ واقعہ کو ہر روز پڑھ لیا کرے اس کو ہرگز ہرگز فاقہ نہ پہنچے گا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوظبیہ بھی اس سورت کو بلا ناغہ پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازیں اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح تم آج پڑھتے ہو لیکن آپ کی نماز تخفیف والی ہوتی تھی۔ فجر کی نماز میں آپ سورۂ واقعہ اور اسی جیسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۝١ لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢ خَافِضَةٌ
رَّافِعَةٌ ۝٣ اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۝٤ وَّبُسَّتِ الۡجِبَالُ
بَسًّا ۝٥ فَكَانَتۡ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۝٦ وَّكُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ۝٧
فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۝٨ وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ مَاۤ
اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۝١٠ اُولٰٓـئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۝١١
فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۝١٢

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○

جب قیامت قائم ہو جائے گی ○ جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ○ وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی ○ جب کہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلا دی جائے گی ○ اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ پھر وہ پراگندہ غبار کے ہو جائیں گے ○ اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے ○ پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے ○ اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا ○ اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں ○ وہ بالکل نزدیکی حاصل کئے ہوئے ہیں ○ آرام دہ جنتوں میں ہیں ○

یقینی امر: ☆☆ (آیت ۱-۱۲) واقعہ قیامت کا نام ہے کیونکہ اس کا ہونا یقینی امر ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے فیومئذ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ

اس دن ہو پڑنے والی ہو پڑے گی، اس کا واقعہ ہونا حتمی امر ہے، نہ اسے کوئی ٹال سکے نہ ہٹا سکے، وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر ہی رہے گی - جیسے اور آیت میں ہے اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ الخ، اپنے پروردگار کی باتیں مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں - ایک اور جگہ فرمایا سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ سائل کا سوال اس عذاب سے ہے جو یقیناً آنے والا ہے، جسے کوئی روک نہیں سکتا -

اور آیت میں ہے یَوۡمَ یَقُوۡلُ کُنۡ فَیَکُوۡنُ الخ، جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہو جا تو ہو جائے گا، وہ عالم غیب وظاہر ہے او وہ حکیم وخبیر ہے، قیامت کاذبہ نہیں یعنی برحق ہے ضرور ہونے والی ہے، اس دن نہ تو دوبارہ آنا ہے نہ وہاں سے لوٹنا ہے نہ واپس آنا ہے، کاذبہ مصدر ہے جیسے عاقبہ اور عافیہ وہ دن پست کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے، بہت لوگوں کو نیچوں کا نیچ کر کے جہنم میں پہنچا دے گا جو دنیا میں بڑے ذی عزت و وقعت تھے اور بہت سے لوگوں کو وہ اونچا کر دے گا، اعلیٰ علیین اور جنت نعیم تک پہنچا دے گا گو دنیا میں وہ پست اور بے قدر تھے، دشمنان خدا ذلیل ہو کر جہنمی بن جائیں گے اور اولیاء اللہ عزیز ہو کر جنتی ہو جائیں گے، متکبرین کو وہ ذلیل کر دے گی اور متواضعین کو وہ عزیز کر دے گی، وہ نزدیک و دور والوں کو سنا دے گی اور ہر ایک کو چوکنا کر دے گی، وہ نیچا کرے گی اور قریب والوں کو سنائے گی، پھر اونچی ہو گی اور دور والوں کو سنائے گی، زمین ساری کی ساری لرزنے لگے گی، چپہ چپہ کپکپانے لگے گا، طول و عرض زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا اور بے طرح ہلنے لگے گی، یہ حالت ہو جائے گی کہ گویا چھلنی میں کوئی چیز ہے جسے کوئی ہلا رہا ہے - اور آیت میں ہے اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا اور جگہ ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ لوگو! خدا سے ڈرو جو تمہارا رب ہے یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے - پھر فرمایا کہ پہاڑ اس دن ریزہ ریزہ ہو جائیں گے - اور جگہ الفاظ کَثِیۡبًا مَّهِیۡلًا آئے ہیں پس وہ مثل غبار پریشان کے ہو جائیں گے جسے ہوا ادھر ادھر بکھیر دے اور کچھ نہ رہے - هَبَآءً ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں، نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے - مُنۡۢبَثٌ اس چیز کو کہتے ہیں جسے ہوا اوپر کر دے اور پھیلا کر نابود کر دے، جیسے خشک پتوں کے چورے کو ہوا ادھر سے ادھر کر دیتی ہے - اس قسم کی اور آیتیں بھی بہت سی ہیں جن سے ثابت ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے، ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام و نشان ہو جائیں گے - لوگ اس دن تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گے - ایک جماعت عرش کے دائیں ہو گی اور یہ لوگ وہ ہوں گے جو حضرت آدمؑ کی دائیں کروٹ سے نکلے تھے، نامہ اعمال داہنے ہاتھ دیئے جائیں گے اور دائیں جانب چلائے جائیں گے، یہ جنتیوں کا عام گروہ ہے -

دوسری جماعت عرش کے بائیں جانب ہو گی یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدمؑ کی بائیں کروٹ سے نکالے گئے تھے، انہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے گئے تھے اور بائیں طرف کی راہ پر لگائے گئے تھے - یہ سب جہنمی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے - تیسری جماعت اللہ عز وجل کے سامنے ہو گی یہ خاص الخاص لوگ ہیں، یہ اصحاب یمین سے بھی زیادہ باوقعت اور خاص قرب کے مالک ہیں، یہ اہل جنت کے سردار ہیں، ان میں رسول ہیں، انبیاء ہیں، صدیق و شہداء ہیں - یہ تعداد میں بہ نسبت دائیں ہاتھ والوں کے کم ہیں - پس یہ تین قسم تمام اہل محشر کی ہو جائے گی جیسے کہ اس سورت کے آخر میں بھی اختصار کے ساتھ ان کی یہی تقسیم کی گئی ہے - اسی طرح سورۂ ملائکہ میں فرمایا ہے ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ یعنی پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا، پس ان میں سے بعض تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ روش ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف آگے بڑھنے والے ہیں - پس یہاں بھی تین قسمیں ہیں - یہ اس وقت جبکہ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ کی وہ تفسیر لیں

جواس کے مطابق ہے- ورنہ ایک دوسرا قول بھی ہے جو اس آیت کی تفسیر کے موقع پر گذر چکا- حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں- دو گروہ تو جنتی اور ایک جہنمی- ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ جب لوگوں کے جوڑے ملائے جائیں‘ فرمایا قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت‘ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے یعنی اصحاب یمین‘ اصحاب شمال اور سابقین- مسند احمد میں ہے حضورؐ اس آیت کی تلاوت کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا یہ جنتی ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں‘ یہ سب جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے سائے کی طرف قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں- آپ نے فرمایا وہ لوگ جو جب اپنا حق دیئے جائیں قبول کر لیں اور جو حق ان پر ہو جب مانگا جائے ادا کر دیں اور لوگوں کے لئے بھی وہی حکم کریں جو خود اپنے لئے کرتے ہیں- سابقون کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں بہتسے اقوال ہیں مثلاً انبیاء‘ اہل علیین‘ حضرت یوشع بن نونؑ جو حضرت موسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے‘ وہ مومن جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر پہلے ایمان لائے تھے‘ حضرت علی بن ابی طالبؓ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سبقت کر گئے تھے‘ وہ لوگ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی‘ ہر امت کے وہ لوگ جو اپنے اپنے نبیوں پر پہلے پہل ایمان لائے تھے‘ وہ لوگ جو مسجد میں سب سے پہلے جاتے ہیں‘ جو جہاد میں سب سے آگے نکلتے ہیں- یہ سب اقوال دراصل صحیح ہیں یعنی یہ سب لوگ سابقون ہیں- اللہ تعالیٰ کے فرمان کو آگے بڑھ کر دوسروں پر سبقت کر کے قبول کرنے والے سب اس میں داخل ہیں‘ قرآن کریم میں اور جگہ ہے سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ‘ اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو‘ جس کا عرض مثل آسمان و زمین کے ہے پس جس شخص نے اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی وہ آخرت میں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی سابق ہی رہے گا‘ ہر عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے‘ جیسا جو کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے‘ اسی لئے یہاں انکی نسبت فرمایا گیا یہ مقربین خدا ہیں‘ یہ نعمتوں والی جنت میں ہیں-

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ فرشتوں نے درگاہ خدا میں عرض کی کہ پروردگار تو نے ابن آدم کے لئے تو دنیا بنا دی ہے‘ وہ وہاں کھاتے پیتے ہیں اور بیوی بچوں سے لطف اٹھاتے ہیں پس ہمارے لئے آخرت کر دے‘ جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا‘ انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی پس خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے جسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا‘ اسے ان جیسا ہرگز نہ کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کن سے پیدا کیا- حضرت امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو اپنی کتاب الرد علی الجہمیہ میں وارد کیا ہے‘ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اس کی نیک اولاد کو میں اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا-

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾

بہت بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہو گا ○ اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ○ یہ لوگ سونے کی تاروں سے بنے ہوئے ○ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ○ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے ○ آمد و رفت کریں گے‘ آبخورے اور آفتابے لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئی شراب سے پر ہو ○

مقربین کون ہیں؟ اور اولین کون؟: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۸) ارشاد ہوتا ہے کہ مقربین خاص بہت سے پہلے کے ہیں اور کچھ پچھلوں

میں سے بھی ہیں- ان اولین وآخرین کی تفسیر میں کئی قول ہیں مثلاً اگلی امتوں میں سے اور اس امت میں سے' امام ابن جریرؒ اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور اس حدیث کو بھی اس قول کی پختگی میں پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہم پچھلے ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہیں اور اس قول کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے بھی ہوسکتی ہے کہ جب یہ اتری' اصحاب رسول پر بھاری پڑا' پس یہ آیت اتری ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ کل اہل جنت کی چوتھائی تم ہو بلکہ تہائی تم ہو بلکہ آدھوں آدھ تم ہو' تم آدھی جنت کے مالک ہو گے اور باقی آدھی تمام امتوں میں تقسیم ہوگی جن میں تم بھی شریک ہو- یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے- ابن عساکر میں ہے حضرت عمرؓ نے اس آیت کو سن کر حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا اگلی امتوں میں سے بہت لوگ سابقین میں داخل ہوں گے اور ہم میں سے کم لوگ؟ اس کے ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلوں میں سے بھی بہت اور پچھلوں میں سے بھی بہت- حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا سنو حضرت آدمؑ سے لے کر مجھ تک ثلة ہے اور صرف میری امت ثلہ ہے- ہم اپنے ثلہ کو پورا کرنے کے لئے ان حبشیوں کو بھی لے لیں گے جو اونٹ کے چرواہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے واحد اور لاشریک ہونے کی شہادت دیتے ہیں- لیکن اس روایت کی سند میں نظر ہے ہاں بہت سندوں کے ساتھ حضورؐ کا یہ فرمان ثابت ہے کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کی چوتھائی ہو آخر تک- پس الحمد للہ یہ ایک بہترین خوشخبری ہے- امام ابن جریرؒ نے جس قول کو پسند فرمایا ہے اس میں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے بلکہ دراصل یہ قول بہت کمزور ہے- کیونکہ الفاظ قرآن سے اس امت کا اور تمام امتوں سے افضل واعلیٰ ہونا ثابت ہے پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ مقربین بارگاہ صمدیت اور امتوں میں سے تو بہت سے ہوئے اور اس بہترین امت میں سے کم ہوں' ہاں یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ ان تمام امتوں کے مقرب مل کر صرف اس ایک امت کے مقربین کی تعداد سے بڑھ جائیں- لیکن بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل امتوں کے مقربین سے صرف اس امت کے مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی- آگے اللہ کو علم ہے- دوسرا قول اس جملہ کی تفسیر میں یہ ہے کہ اس امت کے شروع زمانے کے لوگوں میں سے مقربین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعد کے لوگوں میں کم- یہی قول راجح ہے-

چنانچہ حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابقین تو گذر چکے' اے اللہ! تو ہمیں اصحاب یمین میں کر دے- ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس امت میں سے جو گذر چکے ان میں مقربین بہت تھے- امام ابن سیرینؒ بھی یہی فرماتے ہیں کوئی شک نہیں کہ ہر امت میں یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ شروع میں بہت سے مقربین ہوتے ہیں اور بعد والوں میں یہ تعداد کم ہو جاتی ہے' تو یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یونہی ہو یعنی ہر امت کے اگلے لوگ سبقت کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت ہر امت کے پچھلے لوگوں کے' چنانچہ صحاح وغیرہ کی حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا سب زمانوں میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والا پھر اس کی متصل- ہاں ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے' نہ معلوم کہ شروع زمانے کی بارش بہتر ہو یا آخر زمانے کی' تو یہ حدیث جب کہ اس کی اسناد کو صحت کا حکم دے دیا جائے محمول ہے اس امر پر کہ جس طرح دین کو شروع کے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس کی تبلیغ اپنے بعد والوں کو کریں اسی طرح آخر میں بھی اسے قائم رکھنے والوں کی ضرورت ہے جو لوگوں کو سنت رسول پر جمائیں' اس کی روایتیں کریں' اسے لوگوں پر ظاہر کریں لیکن فضیلت اول والوں کی ہی رہے گی- ٹھیک اسی طرح جس طرح کھیت کو شروع بارش کی اور آخری بارش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بڑا فائدہ ابتدائی بارش سے ہی ہوتا ہے اس لئے کہ اگر شروع شروع بارش نہ ہو تو دانے اگیں ہی نہیں' نہ ان کی جڑیں جمیں- اسی لئے حضورؐ فرماتے ہیں ایک جماعت میری امت میں سے ہمیشہ حق پر رہ کر غالب رہے گی' ان کے دشمن انہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے' ان کے مخالف انہیں رسوا اور پست نہ کر سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور وہ اس طرح ہوں-

الغرض یہ امت باقی تمام امتوں سے افضل واشرف ہے اور اس میں مقربین خدا بہ نسبت اور امتوں کے بہت ہیں اور بہت بڑے مرتبے والے کیونکہ دین کے کامل ہونے اور نبی کے عالی مرتبہ ہونے کے لحاظ سے یہ سب بہتر ہیں۔ تواتر کے ساتھ یہ حدیث ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ طبرانی میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت قیامت کے روز کھڑی کی جائے گی جو اس قدر بڑی اور گنتی میں زائد ہوگی کہ گویا رات آ گئی' زمین کے تمام کناروں کو گھیر لے گی' فرشتے کہنے لگیں گے سب نبیوں کے ساتھ جتنے لوگ آئے ہیں ان سے بہت ہی زیادہ محمد ﷺ کے ساتھ ہیں۔

مناسب مقام یہ ہے کہ بہت بڑی جماعت اگلوں میں سے اور بہت ہی بڑی پچھلوں میں سے والی آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ حدیث ذکر کر دی جائے جو حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں وارد کی ہے کہ رسول ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے پاؤں موڑے ہوئے ہی ستر مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا پھر فرماتے ستر کے بدلے سات سو ہیں' جس کے ایک دن کے گناہ سات سو سے بھی بڑھ جائیں وہ بے خبر ہے' پھر دو مرتبہ اسی کو فرماتے' پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور چونکہ حضور کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا اس لئے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ابوزمل کہتے ہیں ایک دن اسی طرح حسب عادت آپ نے دریافت فرمایا تو میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے' فرمایا خدا خیر سے ملائے شر سے بچائے' ہمارے لئے بہتر بنائے اور ہمارے دشمنوں کے لئے بدتر بنائے' ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' اپنا خواب بیان کرو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے دیکھا کہ ایک راستہ ہے کشادہ آسان نرم اور صاف اور بیشمار لوگ اس راستے میں چلے جا رہے ہیں' یہ راستہ جاتے جاتے ایک سرسبز باغ کو نکلتا ہے کہ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ کبھی نہیں دیکھا' پانی ہر سو رواں ہے' سبزے سے پٹا پڑا ہے' انواع واقسام کے درخت خوشنما پھلے پھولے کھڑے ہیں' اب میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت جو آئی اور اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی سواریاں تیز کر لیں' دائیں بائیں نہیں گئے اور تیز رفتاری کے ساتھ یہاں سے گذر گئے۔

پھر دوسری جماعت آئی جو تعداد میں بہت زیادہ تھی جب یہاں پہنچے تو بعض لوگوں نے اپنے جانوروں کو چرانا چگانا شروع کیا اور بعضوں نے کچھ لے لیا اور چل دیئے' پھر تو بہت سارے لوگ آئے جب ان کا گذر ان گل وگلزار پر ہوا تو یہ تو پھول گئے اور کہنے لگے یہ سب سے اچھی جگہ ہے' گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دائیں بائیں جھک پڑے' میں نے یہ دیکھا لیکن میں آپ تو چلتا ہی رہا جب دور نکل گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک منبر سات سیڑھیوں کا بچھا ہوا ہے اور آپ اس کے اعلیٰ درجہ پر تشریف فرما ہیں اور آپ کی دائیں جانب ایک صاحب ہیں گندم گوں رنگ بھری انگلیوں والے' دراز قد' جب کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور لوگ اونچے ہو ہو کر توجہ سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ کی بائیں طرف ایک شخص ہیں بھرے جسم کے درمیانہ قد کے' جن کے چہرہ پر بکثرت تل ہیں' ان کے بال گویا پانی سے تر ہیں' جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے اکرام کی وجہ سے سب لوگ جھک جاتے ہیں پھر اس سے آگے ایک شخص ہیں جو اخلاق وعادات میں اور چہرے نقشے میں بالکل آپ سے مشابہت رکھتے ہیں' آپ لوگ سب ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اور ان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان سے آگے ایک دبلی پتلی بڑھیا اونٹنی ہے۔ میں نے دیکھا کہ گویا آپ اسے اٹھا رہے ہیں' یہ سن کر حضور کا رنگ متغیر ہو گیا تھوڑی دیر میں آپ کی یہ حالت بدل گئی اور آپ نے فرمایا سیدھے سچے اور صحیح راستے سے مراد تو وہ دین ہے جسے میں لے کر خدا کی طرف آیا ہوں اور جس ہدایت پر تم ہو' ہرا بھرا سبز باغ جو تم نے دیکھا ہے وہ دنیا ہے اور اس کی عیش وعشرت کا دل لبھانے والا سامان' میں اور میرے اصحاب تو اس سے گذر جائیں

گے، نہ ہم اس میں مشغول ہوں گے نہ وہ ہمیں چمٹے گی، نہ ہمارا تعلق اس سے ہوگا نہ اس کا تعلق ہم سے، نہ ہم اس کی چاہت کریں گے نہ وہ ہمیں لپٹے گی، پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی جو ہم سے تعداد میں بہت زیادہ ہوگی ان میں سے بعض تو اس دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے لیں گے اور چل دیں گے اور نجات پالیں گے، پھر ان کے بعد زبردست جماعت آئے گی جو اس دنیا میں بالکل متغرق ہو جائے گی اور دائیں بائیں بہک جائے گی، فانا للہ وانا الیہ راجعون - اب رہے تم سو تم اپنی سیدھی راہ چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی، جس منبر کے آخری ساتویں درجہ پر تم نے مجھے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے، میں آخری ہزارویں سال میں ہوں، میرے دائیں جس گندمی رنگ موٹی ہتھیلی والے انسان کو تم نے دیکھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، جب وہ کلام کرتے ہیں تو لوگ اونچے ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی ہو چکا ہے اور جنہیں تم نے میرے بائیں دیکھا جو درمیانہ قد کے بھرے جسم کے بہت سے تلوں والے تھے جن کے بال پانی سے تر نظر آتے تھے وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں، چونکہ ان کا اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ہم سب بھی ان کی بزرگی کرتے ہیں اور جن شیخ کو تم نے بالکل مجھ سا دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، ہم سب ان کا قصد کرتے ہیں اور ان کی اقتدا اور تابعداری کرتے ہیں اور جس اونٹنی کو تم نے دیکھا کہ میں اسے کھڑی کر رہا ہوں اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی نہ میرے بعد کوئی نبی ہے نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہے - فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ اپنا خواب بیان کر دے تو حضور تعبیر دے دیا کرتے تھے - ان کے بیٹھنے کے تخت اور آرام کرنے کے پلنگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے جن میں جگہ بہ جگہ موتی ٹکے ہوئے ہوں گے، درو یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے - یہ فعیل معنیٰ میں مفعول کے ہے اسی لئے اونٹنی کے پیٹ کے نیچے والے کو وضین کہتے ہیں - سب کے منہ آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے کوئی کسی کی طرف پیٹھ دیئے ہوئے نہ ہوگا، وہ علماء ان کی خدمت گذاری میں مشغول ہوں گے جو عمر میں ویسے ہی چھوٹے رہیں گے نہ بڑے ہوں نہ بوڑھے ہوں نہ ان میں تغیر و تبدل آئے - اَکْوَاب کہتے ہیں ان کوزوں کو جن کی ٹونٹی اور پکڑنے کی چیز نہ ہو اور اباریق وہ آفتابے جو ٹونٹی دار اور پکڑے جانے کے قابل ہوں - یہ سب شراب کی جاری نہر سے چھلکتے ہوئے ہوں گے، جو شراب نہ ختم ہو نہ کم ہو کیونکہ اس کے چشمے بہ رہے ہیں، جام چھلکتے ہوئے ہر وقت اپنے نازک ہاتھوں میں لئے ہوئے یہ گل اندام ساقی ادھر ادھر گشت کر رہے ہوں گے -

لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾

جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے ○ اور ایسے میوے لئے ہوئے جو ان کی پسند کے ہوں ○ اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں ○

جنت کی نعمتیں: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۱) اس شراب سے نہ انہیں دردسر ہو نہ ان کی عقل زائل ہو بلکہ باوجود پورے سرور اور کیف کے عقل و حواس اپنی جگہ قائم رہیں گے اور کامل لذت حاصل ہوگی - شراب میں چار صفتیں ہیں نشہ، سر درد، قے اور پیشاب - پس پروردگار عالم نے جنت کی شراب کا ذکر کر کے ان چاروں نقصانوں کی نفی کر دی کہ وہ شراب ان نقصانات سے پاک ہے - پھر قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے پرندوں کے گوشت انہیں ملیں گے، جس میوے کو جی چاہے اور جس طرف کے گوشت کی طرف دل کی رغبت ہو موجود ہو جائے گا، یہ تمام چیزیں لئے ہوئے ان کے سلیقہ شعار خدام ہر وقت ان کے اردگرد گھومتے رہیں گے تا کہ جس چیز کی جب کبھی خواہش ہو لے لیں - اس آیت میں

دلیل ہے کہ آدمی میوے چن چن کر اپنی خواہش کے مطابق کھا سکتا ہے-

مسند ابو یعلیٰ موصلی میں ہے حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے صدقہ کے مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا - آپ مہاجرین اور انصار میں تشریف فرما تھے' میرے ساتھ زکوٰۃ کے بہت سے اونٹ تھے گویا کہ وہ ریت کے درختوں کے چرائے ہوئے نوجوان اونٹ ہیں' آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے کہا عکراش بن ذویب' فرمایا اپنا نسب نامہ دور تک بیان کر دو' میں نے مرہ بن دبیک تک کہہ سنایا اور ساتھ ہی کہا کہ زکوٰۃ مرہ بن عبید کی ہے - پس حضورؐ مسکرائے اور فرمانے لگے یہ میری قوم کے اونٹ ہیں' یہ میری قوم کے صدقہ کا مال ہے' پھر حکم دیا کہ صدقے کے اونٹوں کے نشان ان پر کر دو اور ان کے ساتھ انہیں بھی ملا دو' پھر میرا ہاتھ پکڑ کر ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کہ ہاں چنانچہ ایک بڑے لگن میں چوری ہوئی روٹی آئی آپ نے اور میں نے کھانا شروع کیا - میں ادھر ادھر سے نوالے لینے لگا - آپ نے اپنے ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا اے عکراش! یہ تو ایک قسم کا کھانا ہے ایک جگہ سے کھاؤ - پھر ایک سینی تر کھجوروں کی یا خشک کھجوروں کی آئی' میں نے صرف میرے سامنے جو تھیں انہیں کھانا شروع کیا ہاں رسول اللہ ﷺ سینی کے ادھر ادھر سے جہاں سے جو پسند آتی تھی لے لیتے تھے اور مجھ سے بھی فرمایا اے عکراش! اس میں ہر طرح کی کھجوریں ہیں' جہاں سے چاہو کھاؤ' جس قسم کی کھجور چاہو لے لو' پھر پانی آیا پس حضورؐ نے اپنے ہاتھ دھوئے اور وہی تر ہاتھ اپنے چہرے پر اور دونوں بازوؤں پر اور سر پر تین دفعہ پھیر لئے اور فرمایا اے عکراش! یہ وضو ہے اس چیز سے جسے آگ نے متغیر کیا ہو - (ترمذی اور ابن ماجہ) امام ترمذیؒ اسے غریب بتلاتے ہیں - مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب پسند تھا' بسا اوقات آپ پوچھ لیا کرتے تھے کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی ذکر کرتا اور پھر حضورؐ اس خواب سے خوش ہوتے تو اسے بہت اچھا لگتا - ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے پاس کوئی آیا اور مجھے مدینہ سے لے چلا اور جنت میں پہنچا دیا' پھر میں نے ایک دھما کا سنا جس سے جنت میں ہل چل مچ گئی' میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں کو دیکھا' بارہ شخصوں کے نام لئے انہی بارہ شخصوں کا ایک لشکر بنا کر آنحضرت ﷺ نے کئی دن ہوئے ایک مہم پر روانہ کیا ہوا تھا - فرماتی ہیں' انہیں لایا گیا یہ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے' ان کی رگیں جوش مار رہی تھیں' حکم ہوا کہ انہیں نہر بیدج میں لے جاؤ یا بیذخ کہا' جب ان لوگوں نے اس نہر میں غوطہ لگایا تو ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگ گئے پھر ایک سونے کی سینی میں گدری کھجوریں آئیں جو انہوں نے اپنی حسب منشا کھائیں اور ساتھ ہی ہر طرح کے میوے جو چوطرف چنے ہوئے تھے' جس میوے کو ان کا جی چاہتا تھا لیتے تھے اور کھاتے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ شرکت کی اور وہ میوے کھائے' مدت کے بعد ایک قاصد آیا اور کہا فلاں فلاں اشخاص جنہیں آپ نے لشکر میں بھیجا تھا شہید ہو گئے' ٹھیک بارہ شخصوں کے نام لئے اور یہ وہی نام تھے جنہیں اس بیوی صاحبہ نے اپنے خواب میں دیکھا تھا - حضورؐ نے ان نیک بخت صحابیہؓ کو پھر بلوایا اور فرمایا اپنا خواب دوبارہ بیان کرو' اس نے پھر بیان کیا اور انہی لوگوں کے نام لئے جن کے نام قاصد نے لئے تھے - طبرانی میں ہے کہ جنتی جس میوے کو درخت سے توڑے گا' وہیں اس جیسا اور پھل لگ جائے گا -

مسند احمد میں ہے کہ جنتی پرند بختی اونٹ کے برابر ہیں جو جنت میں چرتے چگتے رہتے ہیں - حضرت صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ! یہ پرند تو نہایت ہی مزے کے ہوں گے' آپ نے فرمایا ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ ناز و نعمت والے ہوں گے - تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرما کر پھر فرمایا مجھے خدا سے امید ہے کہ اے ابوبکرؓ! تم ان میں سے ہو جو ان پرندوں کا گوشت کھائیں گے - حافظ ابو عبداللہ مصریؒ کی کتاب صفتہ

الجنۃ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے طوبیٰ کا ذکر ہوا پس حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسولؐ کو پورا علم ہے - آپ نے فرمایا جنت کا ایک درخت ہے جس کی طولانی کا علم بجز خدا کے اور کسی کو نہیں' اس کی ایک ایک شاخ تلے تیز سوار ستر ستر سال تک چلا جائے پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہو' اس کے پتے بڑے بڑے چوڑے ہیں' ان پر بختی اونٹ کے برابر پرند آ کر بیٹھتے ہیں - ابوبکر نے فرمایا پھر تو یہ پرند بڑی ہی نعمتوں والے ہوں گے' آپ نے فرمایا ان سے زیادہ نعمتوں والے ان کے کھانے والے ہوں گے اور ان شاء اللہ تم بھی انہی میں سے ہو - حضرت قتادہؒ سے بھی یہ پچھلا حصہ مروی ہے - ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ حضورؐ سے کوثر کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ جنتی نہر ہے جو مجھے اللہ عزوجل نے عطا فرمائی ہے' دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اس کا پانی ہے' اس کے کنارے بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرند ہیں - حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ پرند تو بڑے مزے میں ہیں - آپ نے فرمایا ان کا کھانے والا ان سے زیادہ مزے میں ہے - (ترمذی)

امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں - ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک پرند ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں' جنتی کے دسترخوان پر وہ آئے گا' ہر پر سے اس کے ایک قسم نکلے گی جو دودھ سے زیادہ سفید اور مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھی' پھر دوسرے پر سے دوسری قسم نکلے گی اسی طرح ہر پر سے ایک دوسرے سے جداگانہ' پھر وہ پرند اڑ جائے گا - یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کے راوی رصافی اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں - ابن ابی حاتم میں حضرت کعبؓ سے مروی ہے کہ جنتی پرند مثل بختی اونٹوں کے ہیں جو جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں' جنتیوں کا دل جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اس کے سامنے آ جائے گا' وہ جتنا چاہے گا جس پہلو کا گوشت پسند کرے گا کھائے گا' پھر وہ پرند اڑ جائے گا اور جیسا تھا ویسا ہی ہوگا - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنت کے جس پرند کو تو چاہے گا وہ بھنا بھنایا تیرے سامنے آ جائے گا -

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا قِيْلًا
سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾

اور گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ○ جو اچھوتے موتیوں کی طرح ہیں ○ یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا ○ نہ وہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات ○
صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی ○

(آیت: ۲۲-۲۶) حور کی دوسری قرات رے کے زیر سے بھی ہے - پیش سے تو یہ مطلب ہے کہ جنتیوں کے لئے حوریں ہوں گی اور زیر سے یہ مطلب ہے کہ گویا اگلے اعراب کی ماتحتی میں یہ اعراب بھی ہے' جیسے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ میں زبر کی قرائت ہے اور جیسے کہ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ میں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ غلمان اپنے ساتھ حوریں بھی لئے ہوئے ہوں گے' لیکن یہ ان کے محلات میں اور خیموں میں نہ کہ عام طور پر' واللہ اعلم - یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے تر و تازہ سفید صاف موتی ہوں' جیسے سورۂ صافات میں ہے كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ - سورۂ الرحمٰن میں بھی یہ وصف مع تفسیر گذر چکا ہے - یہ ان کے نیک اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے یعنی یہ تحفے ان کی حسن کارگذاری کا انعام ہے - یہ جنت میں لغو' بیہودہ' بے معنی' خلاف طبع کوئی کلمہ بھی نہ سنیں گے' حقارت اور برائی کا ایک لفظ بھی کان میں نہ پڑے گا - جیسے اور آیت میں ہے لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً فضول کلامی سے ان کے کان محفوظ رہیں گے - کوئی قبیح کلام کان میں

نہ پڑے گا۔ ہاں صرف سلامتی بھرے سلام کے کلمات ایک دوسروں کو کہیں گے۔ جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ان کا تحفہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا۔ ان کی بات چیت لغویت اور گناہ سے پاک ہوگی۔

وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۝٢٧ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝٢٨
وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝٢٩ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝٣٠ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝٣١
وَّفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ۝٣٢ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝٣٣ وَّفُرُشٍ
مَّرْفُوْعَةٍ ۝٣٤

اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے؟ ○ وہ کانٹوں بغیر کی ○ بیریوں اور تہ بہ تہ کیلوں ○ اور لمبے لمبے سایوں ○ اور بہتے ہوئے پانیوں ○ اور بکثرت پھلوں ○ جو نہ ختم ہوں اور نہ روک لئے جائیں ○ اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے ○

اصحاب یمین اور ان پر انعامات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۴) سابقین کا حال بیان کر کے اللہ تعالیٰ اب ابرار کا حال بیان فرماتا ہے جو سابقین سے کم مرتبہ ہیں۔ ان کا کیا حال ہے اور کیا نتیجہ ہے؟ اسے سنو! یہ ان جنتوں میں ہیں جہاں بیری کے درخت ہیں لیکن کانٹوں دار نہیں اور پھل بہ کثرت اور بہترین ہیں' دنیا میں بیری کے درخت زیادہ کانٹوں والے اور کم پھلوں والے ہوتے ہیں۔ جنت کے یہ درخت زیادہ پھلوں والے اور بالکل بے خار ہوں گے' پھلوں کے بوجھ سے درخت کے تنے جھکے جاتے ہوں گے۔ حضرت ابوبکر احمد بن نجار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت وارد کی ہے کہ صحابہؓ کہتے ہیں کہ اعرابیوں کا حضورؐ کے سامنے آنا اور آپ سے مسائل پوچھنا ہمیں بہت نفع دیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آ کر کہا یا رسول اللہ! قرآن میں ایک ایسے درخت کا بھی ذکر ہے جو ایذا دیتا ہے' آپ نے پوچھا وہ کون سا؟ اس نے کہا بیری کا درخت۔ آپ نے فرمایا پھر تو نے اس کے ساتھ ہی لفظ مَخْضُوْدٍ نہیں پڑھا؟ اس کے کانٹے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیئے ہیں اور ان کے بدلے پھل پیدا کر دیئے ہیں' ہر ہر بیری میں بہتر قسم کے ذائقے ہوں گے جن کا رنگ و مزہ مختلف ہوگا۔ یہ روایت دوسری کتابوں میں بھی مروی ہے۔ اس میں لفظ طَلْح ہے اور ستر ذائقوں کا بیان ہے۔ طلح ایک بڑا درخت ہے جو حجاز کی سرزمین میں ہوتا ہے' یہ کانٹوں دار درخت ہے' اس میں کانٹے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریرؒ نے اس کی شہادت عربی کے ایک شعر سے بھی دی ہے۔ مَنْضُوْدٍ کے معنی تہ بہ تہ پھل والا' پھل سے لدا ہوا۔ ان دونوں کا ذکر اس لئے ہوا کہ عرب ان درختوں کی گہری اور میٹھی چھاؤں کو پسند کرتے تھے۔ یہ درخت بظاہر دنیوی درخت جیسا ہوگا لیکن بجائے کانٹوں کے اس میں شیریں پھل ہوں گے۔ جوہریؒ فرماتے ہیں طلح بھی کہتے ہیں اور طلع بھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے تو ممکن ہے کہ یہ بھی بیری کی ہی صفت ہو یعنی وہ بیریاں بے خار اور بکثرت پھلدار ہیں' واللہ اعلم۔ اور حضرات نے طلح سے مراد کیلے کا درخت کہا ہے' اہل یمن کیلے کو طلح کہتے ہیں اور اہل حجاز موز کہتے ہیں۔ لمبے لمبے سایوں میں یہ ہوں گے۔ صحیح بخاری میں رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کے درخت کے سائے تلے تیز سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن سایہ ختم نہ ہوگا۔ اگر تم چاہو اس آیت کو پڑھو۔ مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے اور مسند احمد میں بھی اور مسند ابو یعلیٰ میں بھی مسند کی اور حدیث میں شک کے ساتھ ہے یعنی ستر یا سو اور یہ بھی ہے کہ یہ شجر الخلد ہے۔

ابن جریر اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے پس یہ حدیث متواتر اور قطعاً صحیح ہے' اس کی اسناد بہت ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں' ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جب یہ روایت بیان کی اور حضرت کعب کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا اس

اللہ کی قسم جس نے تورات حضرت موسیٰ پر اور قرآن حضرت محمد ﷺ پر اتارا کہ اگر کوئی شخص نوجوان اونٹنی پر سوار ہو کر اس وقت تک چلتا رہے جب تک وہ بڑھیا ہو کر گر جائے تو بھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور خود آپ اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی ہے، اس کی شاخیں جنت کی دیواروں سے باہر نکلی ہوئی ہیں، جنت کی تمام نہریں اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ ابو حصین کہتے ہیں کہ ایک موضع میں ایک دروازے پر ہم تھے، ہمارے ساتھ ابو صالح اور شقیق جہنی بھی تھے اور ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہؓ والی اوپر کی حدیث بیان کی اور کہا کیا تو ابو ہریرہؓ کو جھٹلاتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، انہیں تو نہیں تجھے جھٹلاتا ہوں۔ پس یہ قاریوں پر بہت گراں گذرا۔ میں کہتا ہوں اس ثابت صحیح حدیث کو جو جھٹلائے وہ غلطی پر ہے۔ ترمذی میں ہے جنت کے ہر درخت کا تنا سونے کا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے۔ جنتی لوگ اس کے نیچے آ کر بیٹھتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں، کسی کو دنیوی کھیل تماشے اور دل بہلاوے یاد آتے ہیں تو اسی وقت ایک جنتی ہوا چلتی ہے اور اس درخت میں سے تمام راگ راگنیاں باجے گاجے اور کھیل تماشوں کی آوازیں آنے لگتی ہیں، یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ حضرت عمرو بن میمونؒ فرماتے ہیں یہ سایہ ستر ہزار سال کی طولانی میں ہوگا۔ آپ سے مرفوع حدیث میں ایک سو سال مروی ہے، یہ سایہ گھٹتا ہی نہیں، نہ سورج آئے نہ گرمی ستائے، فجر کے طلوع ہونے سے پیشتر کا سماں ہر وقت اس کے نیچے رہتا ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت میں ہمیشہ وہ وقت رہے گا جو صبح صادق کے بعد سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے کے درمیان رہتا ہے۔ سایہ کے مضمون کی روایتیں بھی اس سے پہلے گذر چکی ہیں جیسے نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا اور اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا اور فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ وغیرہ۔ پانی ہوگا بہتا ہوا مگر نہروں کے گڑھے اور کھدی ہوئی زمین نہ ہوگی، اس کی پوری تفسیر فِيۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَيۡرِ اٰسِنٍ میں گذر چکی ہے۔ ان کے پاس بکثرت طرح طرح کے لذیذ میوے ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی انسانی دل پر ان کا وہم و خیال گذرا۔ جیسے اور آیت میں ہے جب وہاں پھلوں سے روزی دیئے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہم پہلے بھی دئیے گئے تھے کیونکہ بالکل ہم شکل ہوں گے لیکن جب کھائیں گے تو ذائقہ اور ہی پائیں گے۔ صحیحین میں سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر میں ہے کہ اس کے پتے مثل ہاتھی کے کانوں کے ہوں گے اور پھل مثل ہجر کے بڑے بڑے مٹکوں کے ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث میں جس میں آپ نے سورج کے گہن ہونے کا اور حضورؐ کا سورج گہن کی نماز ادا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے یہ بھی ہے کہ بعد فراغت آپ کے ساتھ نمازیوں نے آپ سے پوچھا حضورؐ ہم نے آپ کو اس جگہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا، کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی، جنت کے میوے کا خوشہ لینا چاہا، اگر میں لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے۔ ابو یعلیٰ میں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھاتے ہوئے حضورؐ آگے بڑھ گئے اور ہم بھی، پھر آپ نے گویا کوئی چیز لینی چاہی پھر پیچھے ہٹ آئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی بن کعب نے پوچھا کہ حضورؐ آج تو آپ نے ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اس میں تر و تازگی اور سبزی ہے، میں نے اس میں سے ایک انگور کا خوشہ توڑنا چاہا تا کہ لا کر تمہیں دوں، پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا اور اگر اس میں اسے تمہارے پاس لے آتا تو زمین و آسمان کے درمیان کی مخلوق اسے کھاتی رہتی تاہم اس میں ذرا سی بھی کمی نہ آتی۔ اسی کے مثل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم شریف میں بھی مروی ہے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی نے آن کر آنحضرت ﷺ سے حوض کوثر کی بابت سوال کیا اور جنت کا بھی ذکر کیا، پوچھا کہ کیا اس میں میوے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے؟ پھر کچھ کہا جو مجھے یاد نہیں، پھر پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں۔ کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس

نے کہا نہیں' فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جسے جوزہ کہتے ہیں' ایک ہی تنا ہوتا ہے اور اوپر کا حصہ پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ البتہ اس کے مشابہ ہے۔ اس نے پوچھا جنتی خوشے کتنے بڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کالا کوا مہینہ بھر تک اڑتا رہے اتنے بڑے۔ وہ کہنے لگا اس درخت کا تنا کس قدر موٹا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تو اپنی اونٹنی کے بچے کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے' تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا اس میں انگور بھی لگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' پوچھا کتنے بڑے؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا کبھی تیرے باپ نے اپنے ریوڑ میں سے کوئی موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ کر تیری ماں کو دے کر کہا ہے کہ اس کا ڈول بنا لو؟ اس نے کہا ہاں' فرمایا بس اتنے ہی بڑے بڑے انگور کے دانے ہوتے ہیں اس نے کہا پھر تو ایک ہی دانہ مجھ کو اور میرے گھر والوں کو کافی ہے۔ آپ نے فرمایا بلکہ ساری برادری کو۔ پھر یہ میوے بھی ہمیشگی والے ہیں' نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے۔ یہ نہیں کہ جاڑے میں ہیں اور گرمیوں میں نہیں یا گرمیوں میں ہیں اور جاڑوں میں ندارد بلکہ یہ میوے دوام والے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' جب طلب کریں پالیں' اللہ کی قدرت ہر وقت وہ موجود رہیں گے بلکہ کسی کانٹے اور کسی شاخ کو بھی آڑ نہ ہو گی نہ دوری ہو گی' نہ حاصل کرنے میں تکلف اور تکلیف ہو گی۔ بلکہ ادھر پھل توڑا ادھر اس کے قائم مقام دوسرا پھل لگ گیا جیسے کہ اس سے پہلے حدیث میں گذر چکا۔ ان کے فرش بلند و بالا نرم اور گدگدے راحت و آرام دینے والے ہوں گے۔

حضورؐ فرماتے ہیں ان کی اونچائی اتنی ہو گی جتنی زمین و آسمان کی یعنی پانچ سو سال کی (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے۔ بعض اہل معانی نے کہا ہے کہ مطلب اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ فرش کی بلندی درجے کی آسمان و زمین کے برابر ہے یعنی ایک درجہ دوسرے درجے سے اس قدر بلند ہے۔ ہر دو درجوں میں پانچ سو سال کی راہ کا فاصلہ ہے' پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ روایت صرف رشد بن سعد سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہیں۔ یہ روایت ابن جریرؒ ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی ہے۔ حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ ان کی اونچائی اسی سال کی ہے۔ اس کے بعد ضمیر لائے جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں اس لئے کہ قرینہ موجود ہے۔ بستر کا ذکر آیا جس پر جنتیوں کی بیویاں ہوں گی' پس ان کی طرف ضمیر پھیر دی۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں توارات کا لفظ آیا ہے اور شمس کا لفظ اس سے پہلے نہیں' پس قرینہ کافی ہے۔ لیکن ابو عبیدہؒ کہتے ہیں پہلے مذکور ہو چکا وَحُورٌ عِینٌ۔

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿۳۷﴾
لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْءَاخِرِينَ ﴿۴۰﴾ ع

ہم نے ان کی بیویوں کو خاص طور پر بنایا ہے ○ اور ہم نے انہیں کنواریاں کر دی ہیں ○ وہ محبوبہ اور ہم عمر ہیں ○ دائیں ہاتھ والوں کے لئے ہیں ○ جم غفیر ہے اگلوں میں سے ○ اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے ○

اہل جنت کی بیویوں کا حسن و جمال: ☆☆ (آیت: ۳۵-۴۰) پس فرماتا ہے کہ ہم نے ان بیویوں کو نئی پیدائش میں پیدا کیا ہے' اس کے بعد کہ وہ بالکل پھوس بڑھیا تھیں' ہم نے انہیں نوعمر کنواریاں کر کے ایک خاص پیدائش میں پیدا کیا۔ وہ بوجہ اپنی ظرافت و ملاحت' حسن صورت اور جسامت' خوش خلقی اور حلاوت کے اپنے خاوندوں کی بڑی پیاریاں ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرباء کہتے ہیں ناز و کرشمہ والیوں کو۔ حدیث میں ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بڑھیا تھیں اور اب جنت میں گئی ہیں تو انہیں نوعمر وغیرہ کر دیا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ خواہ یہ عورتیں کنواری تھیں یا ثیبہ تھیں اللہ ان سب کو ایسی کر دے گا۔ ایک بڑھیا عورت رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتی ہے کہ

یارسول اللہ! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا ام فلاں جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ روتی ہوئی واپس لوٹیں تو آپ نے فرمایا جاؤ انہیں سمجھا دو؟ مطلب یہ ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گی بڑھیا نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم انہیں نئی پیدائش میں پیدا کریں گے پھر باکرہ کر دیں گے شمائل ترمذی وغیرہ۔ طبرانی میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا یارسول اللہ! حورعین کی خبر مجھے دیجئے' آپ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی ہیں' بڑی بڑی آنکھوں والی ہیں' سخت سیاہ اور بڑے بڑے بالوں والی ہیں جیسے کہ گدھ کا پر۔ میں نے کہا لُؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ کی بابت خبر دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ان کی صفائی اور جوت مثل اس موتی کے ہے جو سیپ سے ابھی ابھی نکلا ہو' جسے کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو۔ میں نے کہا خَيْرٰتٌ حِسَانٌ کی کیا تفسیر ہے؟ فرمایا خوش خلق خوبصورت۔ میں نے کہا بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ان کی نزاکت اور نرمی انڈے کی اس جھلی کے مانند ہوگی جو اندر ہوتی ہے' میں نے عُرُبًا اَتْرَابًا کے معنی دریافت کئے' فرمایا اس سے مراد دنیا کی مسلمان جنتی عورتیں ہیں جو بالکل بڑھیا پھوس تھیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا اور کنواریاں اور خاوندوں کی چہیتیاں اور خاوندوں سے عشق رکھنے والیاں اور ہم عمر بنا دیں۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ! دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حورعین؟ فرمایا دنیا کی عورتیں حورعین سے بہت افضل ہیں جیسے استر سے ابرا بہتر ہوتا ہے میں نے کہا اس فضیلت کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا نمازیں روزے اور اللہ تعالیٰ کی عبادتیں' اللہ نے ان کے چہرے نور سے' ان کے جسم ریشم سے سنوار دیئے ہیں سفید ریشم' سبز ریشم اور زرد سنہرے ریشم اور زرد سنہرے زیور' بخوردان موتی کے' کنگھیاں سونے کی' یہ کہتی رہیں گی۔

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ اَبَدًا
وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبَاسُ اَبَدًا
وَنَحْنُ الْمُقِيْمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ اَبَدًا
وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ اَبَدًا
طُوْبٰى لِمَنْ كُنَّا لَهٗ وَكَانَ لَنَا

''یعنی ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں' کبھی مریں گی نہیں' ہم ناز اور نعمت والیاں ہیں کہ کبھی سفر میں نہیں جائیں گی' ہم اپنے خاوندوں سے خوش رہنے والیاں ہیں کہ کبھی روٹھیں گی نہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے لئے ہم ہیں اور خوش نصیب ہیں ہم کہ ان کے لئے ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! بعض عورتوں کے دو دو' تین تین' چار چار خاوند ہو جاتے ہیں اس کے بعد اسے موت آتی ہے' مرنے کے بعد اگر یہ جنت میں گئی اور اس کے سب خاوند بھی گئے تو یہ کسے ملے گی؟ آپ نے فرمایا اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس کے ساتھ چاہے رہے' چنانچہ یہ ان میں سے اسے پسند کرے گی جو اس کے ساتھ بہترین برتاؤ کرتا رہا ہو' اللہ تعالیٰ سے کہے گی پروردگار یہ مجھ سے بہت اچھی بود و باش رکھتا تھا' اسی کے نکاح میں مجھے دے۔ اے ام سلمہؓ! حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو لئے ہوئے ہے۔ صور کی مشہور مطول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کی سفارش کریں گے جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کی اور آپ کو انہیں جنت میں پہنچانے کی اجازت دی۔ آپ فرماتے ہیں پھر میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا' خدا کی قسم تم جس قدر اپنے گھر بار اور اپنی بیویوں سے واقف ہو اس سے بہت زیادہ اہل جنت اپنے گھروں اور بیویوں سے واقف ہوں گے' پس ایک ایک جنتی کی بہتر بہتر بیویاں ہوں گی جو خدا کی بنائی ہوئی ہیں اور دو دو بیویاں عورتوں میں سے ہوں گی کہ انہیں بوجہ اپنی عبادت کے ان سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی' جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا' یہ اس بالاخانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوا ہوگا' اس پلنگ پر ہوگی جو سونے کی تاروں سے بنا ہوا ہوگا اور جڑاؤ جڑا ہوا

ہوگا، ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوں گی جو سب باریک اور سبز چمکیلے خالص ریشم کے ہوں گے، یہ بیوی اس قدر نازک نورانی ہوگی کہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر سینے کی طرف سے دیکھے گا تو صاف نظر آ جائے گا، کپڑے گوشت ہڈی کوئی چیز روک نہ ہوگی، اس قدر اس کا پنڈا صاف اور آئینہ نما ہوگا جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے ڈورا ڈال دیں تو وہ ڈورا باہر سے نظر آتا ہے اسی طرح اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ ایسا ہی نورانی بدن اس جنتی کا بھی ہوگا، الغرض یہ اس کا آئینہ ہوگی اور وہ اس کا۔ یہ اس کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوگا، نہ یہ تھکے نہ وہ، اس کا دل بھرے نہ اس کا۔ جب کبھی نزدیکی کرے گا تو کنواری پائے گا، نہ اس کا عضو ست ہو نہ اسے گراں گذرے، مگر خاص پانی وہاں نہ ہوگا جس سے گھن آئے، یہ یونہی مشغول ہوگا جو کان میں ندا آئے گی کہ یہ تو ہمیں خوب معلوم ہے کہ نہ آپ کا دل ان سے بھرے گا نہ ان کا آپ سے، مگر آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں اب یہ یہاں سے باہر آئے گا اور ایک ایک کے پاس جائے گا جس کے پاس جائے گا اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جائے گا کہ رب کی قسم! تجھ سے بہتر جنت میں کوئی چیز نہیں، نہ میری محبت کسی سے تجھ سے زیادہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا جنت میں جنتی لوگ جماع بھی کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خوب اچھی طرح بہترین طریق پر جب الگ ہوگا، وہ اسی وقت پھر پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی۔ حضورؐ فرماتے ہیں مومن کو جنت میں اتنی اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انس نے پوچھا حضورؐ کیا اتنی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا ایک سو آدمیوں کے برابر اسے قوت ملے گی۔

طبرانی کی حدیث میں ہے ایک ایک سو کنواریوں کے پاس ایک ایک دن میں ہو آئے گا۔ حافظ عبداللہ مقدسی فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث شرط صحیح پر ہے واللہ اعلم۔ ابن عباس عربا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ اپنے خاوندوں کی محبوبہ ہوں گی، یہ اپنے خاوندوں کی عاشق اور خاوند ان کے عاشق۔ عکرمہؒ سے مروی ہے کہ اس کا معنی ناز و کرشمہ والی ہے۔ اور سند سے مروی ہے کہ معنی نزاکت والی ہے۔ تمیم بن حدلم کہتے ہیں عربا اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند کا دل مٹھی میں رکھے۔ زید بن اسلمؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد خوش کلام ہے، اپنی باتوں سے اپنے خاوندوں کا دل موہ لیتی ہیں، جب کچھ بولیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھول جھڑتے ہیں اور نور برستا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ انہیں عربا اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی بول چال عربی زبان میں ہوگی۔ اتراب کے معنی ہیں ہم عمر یعنی تینتیس برس کی اور معنی ہیں کہ خاوند کی اور ان کی طبیعت خلق بالکل یکساں ہے، جس سے وہ خوش یہ خوش، جو اسے ناپسند اسے بھی ناپسند۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ آپس میں ان میں بیر، بغض، سوتیاڈاہ، حسد اور رشک نہ ہوگا۔ یہ سب آپس میں بھی ہم عمر ہوں گی تا کہ تکلف سے ایک دوسری سے ملیں جلیں کھیلیں کودیں۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہو کر نہایت پیارے گلے سے گانا گائیں گی کہ ایسی سریلی اور رسیلی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی، ان کا گانا وہی ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ ابویعلیٰ میں ہے ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا نَحۡنُ خَیۡرَاتٌ حِسَانٌ۔ خُبِئۡنَا لِاَزۡوَاجٍ کِرَامٍ ہم پاک صاف خوش وضع خوبصورت عورتیں ہیں جو بزرگ اور ذی عزت شوہروں کے لئے چھپا کر رکھی گئی تھیں۔

ایک اور روایت میں خیرات کے بدلے جوار کا لفظ آیا ہے۔ پھر فرمایا یہ اصحاب یمین کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انہی کے لئے محفوظ و مصئون رکھی گئی تھیں۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ متعلق ہے اِنَّآ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ الخ، کے یعنی ہم نے انہیں ان کے لئے بنایا ہے۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے ایک رات تہجد کی نماز کے بعد دعا مانگنی شروع کی چونکہ سخت سردی تھی بڑے زور کا پالا پڑ رہا تھا، ہاتھ اٹھائے نہیں جاتے تھے، اس لئے میں نے ایک ہی ہاتھ سے دعا مانگی اور اسی حالت میں دعا مانگتے مانگتے مجھے نیند آ گئی، خواب میں میں نے ایک حور کو دیکھا کہ اس جیسی خوبصورت نورانی شکل کبھی میری نگاہ سے نہیں گذری، اس نے مجھ سے کہا اے ابوسلیمان! ایک ہی ہاتھ

سے دعا مانگنے لگے اور یہ خیال نہیں کہ پانچ سو سال سے اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے لئے اپنی خاص نعمتوں میں پرورش کر رہا ہے- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام متعلق اَتۡرَابًا کے ہو یعنی ان کی ہم عمر ہوں گی- جیسے کہ بخاری مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودہویں رات جیسے روشن ہوں گے‘ ان کے بعد والی جماعت کے بہت چمکدار ستارے جیسے روشن چہرے ہوں گے‘ یہ پاخانے پیشاب تھوک رینٹ سے پاک ہوں گے‘ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کے پسینے مشک کی خوشبو والے ہوں گے‘ ان کی انگیٹھیاں لؤلؤ کی ہوں گی‘ ان کی بیویاں حورعین ہوں گی‘ ان سب کے اخلاق مثل ایک ہی شخص کے ہوں گے‘ یہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ کے لانبے قد کے ہوں گے-

طبرانی میں ہے کہ اہل جنت بے بال اور بے ریش‘ گورے رنگ والے‘ خوش خلق اور خوبصورت سرگیں آنکھوں والے تینتیس برس کی عمر کے ساٹھ ہاتھ لانبے اور سات ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے- اس کا کچھ ترمذی میں بھی مروی ہے- اور حدیث میں ہے کہ گو کسی عمر میں انتقال ہوا‘ ہو دخول جنت کے وقت تینتیس سالہ عمر کے ہوں گے اور اسی عمر میں ہمیشہ رہیں گے‘ اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے‘ قد آدمؑ حسن یوسفؑ عمر عیسیٰؑ یعنی تینتیس سال اور زبان محمد یعنی عربی والے ہوں گے‘ بے بال کے اور سرگیں آنکھوں والے (ابن ابی الدنیا) اور روایت میں ہے کہ دخول جنت کے ساتھ ہی انہیں ایک جنتی درخت کے پاس لایا جائے گا اور وہاں انہیں کپڑے پہنائے جائیں گے‘ ان کے کپڑے نہ گلیں نہ سڑیں‘ نہ پرانے ہوں نہ میلے ہوں‘ ان کی جوانی نہ ڈھلے نہ جائے نہ فنا ہو- اصحاب یمین اگلوں میں سے بھی بہت ہیں اور پچھلوں میں سے بھی بہت ہیں- ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ نے اپنے صحابہؓ سے بیان فرمایا میرے سامنے انبیاء مع اپنے تابعدار امتیوں کے پیش ہوئے‘ بعض نبی گذرتے تھے اور بعض نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی تھی اور بعض نبی کے ساتھ صرف تین آدمی ہوتے تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا- راوی حدیث حضرت قتادہؓ نے اتنا بیان فرمایا کہ یہ آیت پڑھی اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ کیا تم میں سے ایک بھی رشد و سمجھ والا نہیں؟ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گذرے جو بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت ساتھ لئے ہوئے تھے میں نے پوچھا پروردگار یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ تمہارے بھائی موسیٰ بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کی تابعداری کرنے والی امت ہے‘ میں نے پوچھا خدایا پھر میری امت کہاں ہے؟ فرمایا اپنی داہنی جانب نیچے کی طرف دیکھو‘ میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت نظر آئی لوگوں کے بکثرت چہرے دمک رہے تھے‘ پھر مجھ سے پوچھا کہو اب تو خوش ہو‘ میں نے کہا ہاں خدایا میں خوش ہوں‘ مجھ سے فرمایا اب اپنی بائیں جانب کناروں کی طرف دیکھو‘ میں نے دیکھا تو وہاں بھی بے شمار لوگ تھے پھر مجھ سے پوچھا اب تو راضی ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں میرے رب میں راضی ہوں‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سنو ان کے ساتھ ستر ہزار اور لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ سن کر حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے‘ یہ قبیلہ بنو اسد سے محصن کے لڑکے تھے‘ بدر کی لڑائی میں موجود تھے‘ عرض کی کہ یا رسول اللہؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی انہی میں سے کرے‘ آپ نے دعا کی پھر ایک اور شخص کھڑے ہوئے اور کہا نبی اللہ میرے لئے بھی دعا کیجئے‘ آپ نے فرمایا عکاشہ تجھ پر سبقت کر گئے- پھر آپ نے فرمایا لوگو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر تم سے ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے بنو جو بے حساب جنت میں جائیں گے‘ ورنہ کم سے کم دائیں جانب والوں میں سے ہو جاؤ گے‘ یہ بھی نہ ہو سکے تو کنارے والوں میں سے بن جاؤ- میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے حال میں ہی لٹک جاتے ہیں-

پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تمام اہل جنت کی چوتھائی تعداد صرف تمہاری ہی ہو گی- پس ہم نے تکبیر کہی‘ پھر فرمایا بلکہ مجھے امید ہے

کہ تم تمام جنت کی تہائی والے ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی- فرمایا اور سنو تم آدھوں آدھ اہل جنت کے ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی- اس کے بعد حضورؐ نے اسی آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ کی تلاوت کی- اب ہم میں آپس میں مذاکرہ شروع ہو گیا کہ یہ ستر ہزار کون لوگ ہوں گے پھر ہم نے کہا وہ لوگ جو اسلام میں ہی پیدا ہوئے اور شرک کیا ہی نہیں کہا پس حضورؐ نے فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے اور فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں- یہ حدیث بہت سی سندوں سے صحابہؓ کی روایت سے بہت سی کتابوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے- ابن جریرؒ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آیت میں پہلوں پچھلوں سے مراد میری امت کے اگلے پچھلے ہی ہیں-

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِىۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِيۡمٍ ﴿٤٢﴾
وَّظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُوۡمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيۡمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ
ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ ﴿٤٦﴾
وَكَانُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿٤٧﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿٤٨﴾ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِيۡنَ وَالۡاٰخِرِيۡنَ ﴿٤٩﴾
لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا
الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿٥٢﴾

اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے؟ ○ گرم ہوا اور گرم پانی میں ○ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ○ جو نہ ٹھنڈا ہے نہ عزت والا ○ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے ○ اور بڑے بڑے گناہوں پر مداومت کرتے تھے ○ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ کھڑے کئے جائیں گے ○ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ○ تو کہہ دے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے؟ ○ البتہ جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت پھر تم اے گمراہو ○ جھٹلانے والو ○ البتہ کھانے والے ہو درخت تھور کا ○

اصحاب شمال اور عذاب الٰہی : ☆☆ (آیت:۴۱-۵۲) اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر ہو رہا ہے فرماتا ہے ان کا کیا حال ہے؟ یہ کس عذاب میں ہیں؟ پھر ان عذابوں کا بیان فرماتا ہے کہ یہ گرم ہوا کے تھپیڑوں اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہیں اور دھوئیں کے سخت سیاہ سائے میں- جیسے اور جگہ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ سے لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ تک فرمایا ہے یعنی اس دوزخ کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے- چلو تین شاخوں والے سایہ کی طرف جو نہ گھنا ہے نہ آگ کے شعلے سے بچا سکتا ہے وہ دوزخ محل کی اونچائی کے برابر چنگاریاں پھینکتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ زرد اونٹنیاں ہیں- آج تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے- اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ یہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ دیا گیا ہے یہ سخت سیاہ دھوئیں میں ہوں گے جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہو- یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ برائی بیان کرنی ہو وہاں اس کا ہر ایک برا وصف بیان کر کے اس کے بعد وَلَا كَرِيۡمٍ کہہ دیتے ہیں-

پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے ہوئے کہ دنیا میں جو خدائی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں یہ ست ہو گئے رسولوں کی باتوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی- بدکاریوں میں پڑ گئے اور پھر توبہ کی طرف دلی توجہ بھی نہ رہی- حِنۡثِ عظیم سے مراد بقول

حضرت ابن عباسؓ کفر و شرک ہے، بعض کہتے ہیں جھوٹی قسم ہے، پھر ان کا ایک اور عیب بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کا ہونا بھی محال جانتے تھے اس کی تکذیب کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے تھے کہ مر کر مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی جی سکتا ہے؟ انہیں جواب مل رہا ہے کہ کل اولاد آدم قیامت کے دن نئی زندگی میں پیدا ہو کر ایک میدان میں جمع ہو گی، ایک وجود ایسا نہ ہو گا جو دنیا میں آیا ہو اور یہاں نہ ہو۔ جیسے اور جگہ ہے اس دن سب جمع کر دیئے جائیں گے، یہ حاضر باشی کا دن ہے، تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے، قیامت کے دن کون ہے جو بلا اجازت خدا لب بھی ہو سکے۔ انسان دو قسم پر تقسیم کر دیئے جائیں گے، نیک الگ اور بد علیحدہ۔ وقت قیامت محدود اور مقرر ہے، کمی زیادتی، تقدیم تاخیر اس میں بالکل نہ ہو گی۔ پھر تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو! زقوم کے درخت کھلوائے جاؤ گے، انہی سے پیٹ بوجھل کرو گے کیونکہ جبراً وہ تمہارے حلق میں ٹھونسا جائے گا، پھر اس پر کھولتا ہوا گرم پانی تمہیں پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو، ھیم جمع ہے اس کا واحد اھیم ہے اور مونث ھیماء ہے، ھائم اور ھائمہ بھی کہا جاتا ہے۔ سخت پیاس والے اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہوتی ہے، پانی چوستا رہتا ہے لیکن سیرابی نہیں ہوتی اور نہ اس بیماری سے اونٹ جانبر ہوتا ہے، اسی طرح یہ جہنمی جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب ہو گا، بھلا اس سے پیاس کیا رکتی ہے؟ حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاس والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لئے مکروہ ہے۔ پھر فرمایا ان مجرموں کی ضیافت آج جزا کے دن یہی ہے، جیسے متقین کے بارے میں اور جگہ ہے کہ ان کی مہمانداری جنت الفردوس ہے۔

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۵۳ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝۵۴
فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝۵۵ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۵۶ نَحْنُ
خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝۵۷ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝۵۸ ءَاَنْتُمْ
تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۵۹ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ
الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝۶۰ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ
وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى
فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲

اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو ○ پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو ○ پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح ○ قیامت کے دن ان کی مہمانی یہ ہے ○ ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور نہیں کرتے؟ ○ اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو پانی تم ٹپکاتے ہو ○ کیا اس کا انسان تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ○ ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں ○ کہ تمہاری جگہ تو تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم بالکل بے خبر ہو ○ تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش تو معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ○

منکرین قیامت کو جواب: ☆☆ (آیت: ۵۳-۶۲) اللہ تعالیٰ قیامت کے منکرین کو لاجواب کرنے کے لئے قیامت کے قائم ہونے کی اور لوگوں کے دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل دے رہا ہے، فرماتا ہے کہ جب ہم نے پہلی مرتبہ، جبکہ تم کچھ نہ تھے، تمہیں پیدا کر دیا تو اب فنا ہونے کے بعد جبکہ کچھ نہ کچھ تو تم رہو گے ہی، تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہو گا؟ جب ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا

ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ دیکھو انسان کے خاص پانی کے قطرے تو عورت کے بچہ دان میں پہنچ جاتے ہیں' اتنا کام تو تمہارا تھا لیکن اب ان قطروں کو بصورت انسان پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں' کوئی ہاتھ نہیں کوئی قدرت نہیں' کوئی تدبیر نہیں' پیدا کرنا یہ صفت صرف خالق کل اللہ رب العزت کی ہی ہے' ٹھیک اسی طرح مار ڈالنے پر بھی وہی قادر ہے۔ کل آسمان و زمین والوں کی موت کا متصرف بھی اللہ ہی ہے۔ پھر بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری پیدائش میں تبدیل کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سر نو پیدا کر دے۔ پس جبکہ جانتے ہو' مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش اسی نے کی ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہی اور جگہ ہے وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ خدا ہی نے پہلی پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ دوہرائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے سورۂ یاسین میں اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ سے عَلِیْمٌ تک ارشاد فرمایا یعنی ہم انسان کو نطفے سے پیدا کرتے ہیں پھر وہ حجت بازیاں کرنے لگتا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگتا ہے اور کہتا پھرتا ہے ان بوسیدہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا' تم اے نبی ہماری طرف سے جواب دو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پہل پیدا کیا ہے وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے۔ سورۂ قیامہ میں فرمایا اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ سے آخر سورہ تک' یعنی کیا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اسے یونہی آوارہ چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا یہ ایک غلیظ پانی کے نطفے کی شکل میں نہ تھا' پھر خون کے لوتھڑے کی صورت میں نمایاں ہوا تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا' درست کیا' مرد عورت بنایا ایسا خدا مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾ لَوْ
نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ
نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ
أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا
فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ
أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَآ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَٰهَا تَذْكِرَةً
وَمَتَٰعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ ع ١ ٣٦ ١٥

اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو ○ اسے تم ہی اگاتے ہو۔ یا ہم اگانے والے ہیں؟ ○ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ ○ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑے گا ○ بلکہ ہم بالکل بدنصیب ہی رہ گئے ○ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو ○ اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ ○ اگر ہماری منشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گذاری کیوں نہیں کرتے؟ ○ اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو ○ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟ ○ ہم نے اسے سبب نصیحت اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے ○ پس اپنے بڑے اللہ کے نام کی تسبیح کیا کرو ○

آگ اور پانی کا خالق کون؟: ☆☆ (آیت: ۶۳-۷۴) ارشاد باری ہے کہ تم جو کھیتیاں بوتے ہو' زمین کھود کر بیج ڈالتے ہو' پھر ان بیجوں کو اگانا بھی کیا تمہارے بس میں ہے؟ نہیں نہیں' بلکہ انہیں اگانا' انہیں پھل پھول دینا ہمارا کام ہے۔ ابن جریرؒ میں ہے حضورؐ نے فرمایا

زَرَعْتُ نہ کہا کرو بلکہ حَرَثْتُ کہا کرو یعنی یوں کہو میں نے بویا، یوں نہ کہو کہ میں نے اگایا- حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث سنا کر پھر اسی آیت کی تلاوت کی- امام حجر مدریؒ ان آیتوں کے ایسے سوال کے موقعوں کو جب پڑھتے تو کہتے بَلْ اَنْتَ یَا رَبِّیْ ہم نے نہیں بلکہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہی- پھر فرماتا ہے کہ پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری مہربانی ہے کہ ہم اسے بڑھائیں اور پکائیں ورنہ ہمیں قدرت ہے کہ سکھا دیں اور مضبوط نہ ہونے دیں، برباد کر دیں اور بے نشان دنیا بنا دیں- اور تم ہاتھ ملتے اور باتیں بناتے ہی رہ جاؤ- کہ ہائے ہم پر آفت آ گئی، ہائے ہماری تو اصل بھی ماری گئی، بڑا نقصان ہو گیا، نفع ایک طرف پونجی بھی غارت ہو گئی، غم و رنج سے نہ جانے کیا کیا بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگ جاؤ، کبھی کہو کاش کہ اب کی مرتبہ بوتے ہی نہیں، کاش کہ یوں کرتے دوں کرتے- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اس وقت تم اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ- تفکہ کا لفظ اپنے میں دونوں معنی رکھتا ہے نفع کے اور غم کے- مزن بادل کو کہتے ہیں- پھر اپنی پانی جیسی اعلیٰ نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ دیکھو اس کا برسانا بھی میرے قبضہ میں ہے، کوئی ہے جو اسے بادل سے اتار لائے؟ اور جب اتر آیا پھر بھی اس میں مٹھاس، کڑواہٹ، پیدا کرنے پر مجھے قدرت ہے- یہ میٹھا پانی بیٹھے بٹھائے میں تمہیں دوں جس سے تم نہاؤ، دھوؤ کپڑے صاف کرو کھیتیوں اور باغوں کو سیراب کرو، جانوروں کو پلاؤ، پھر کیا تمہیں یہی چاہئے کہ میرا شکر بھی ادا نہ کرو، جناب رسول اللہ ﷺ پانی پی کر فرمایا کرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَقَانَاہُ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِہٖ وَلَمْ یَجْعَلْہُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا- یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں میٹھا اور عمدہ پانی اپنی رحمت سے پلایا اور ہمارے گناہوں کے باعث اسے کھاری اور کڑوا نہ بنا دیا- عرب میں دو درخت ہوتے ہیں مرخ اور عفار- ان کی سبز شاخیں جب ایک دوسری سے رگڑی جائیں تو آگ نکلتی ہے، اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رہتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر رہے ہو، بتلاؤ کہ اصل یعنی درخت اس کے پیدا کرنے والے تم ہو یا میں؟ اس آگ کو ہم نے تذکرہ بنایا ہے یعنی اسے دیکھ کر جہنم کی آگ کو یاد کرو اور اس سے بچنے کی راہ لو- حضرت قتادہؒ کی ایک مرسل حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا تمہاری یہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے، لوگوں نے کہا حضورؐ یہی بہت کچھ ہے- آپ نے فرمایا ہاں پھر یہ سترواں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے، اب یہ اس قابل ہوا ہے کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو- یہ مرسل حدیث مسند میں مروی ہے اور بالکل صحیح ہے- مُقْوِیْنَ سے مراد مسافر ہیں، بعض نے کہا ہے جنگل میں رہنے سہنے والے لوگ مراد ہیں- بعض نے کہا ہے ہر بھوکا مراد ہے- غرض دراصل ہر وہ شخص مراد ہے جسے آگ کی ضرورت ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا محتاج ہو، ہر امیر، فقیر، شہری، دیہاتی، مسافر، مقیم کو اس کی حاجت ہوتی ہے، پکانے کے لئے، تاپنے کے لئے، روشنی کے لئے وغیرہ- پھر خدا کی اس کریمی کو دیکھئے کہ درختوں میں، لوہے میں اس نے اسے رکھ دیا تا کہ مسافر اپنے ساتھ لے جا سکے اور ضرورت کے وقت اپنا کام نکال سکے- ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے، آگ گھاس اور پانی- ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں- ایک روایت میں ان کی قیمت کا ذکر بھی ہے- لیکن اس کی سند ضعیف ہے، واللہ اعلم-

پھر فرماتا ہے تم سب کو چاہئے کہ اس بہت بڑی قدرتوں کے مالک اللہ کی ہر وقت پاکیزگی بیان کرتے رہو، جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کو تمہارے لئے نفع دینے والی بنا دیا- جس نے پانی کو کھاری اور کڑوا نہ کر دیا کہ تم پیاس کے مارے تکلیف اٹھاؤ بلکہ اسے میٹھا صاف شفاف اور مزیدار بنایا- دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ تو پھر آخرت میں بھی فائدے ہی فائدے ہیں- دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدہ کے لئے بنائی ہے اور ساتھ ہی اس لئے کہ آخرت کی آگ کا بھی اندازہ تم کر سکو اور اس سے بچنے کے لئے خدا کے فرمانبردار بن جاؤ-

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا
الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ
اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی ○ اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے ○ کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے ○ جو کہ ایک محفوظ کتاب میں درج ہے ○ جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ○ یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے ○ پس کیا تم ایسی بات کو سرسری اور معمولی سمجھ رہے ہو؟ ○ اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو؟ ○

قرآن کا مقام: ☆☆ (آیت: ۷۵-۸۲) حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں خدا کی یہ قسمیں کلام کو شروع کرنے کے لئے ہوا کرتی ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور فرماتے ہیں یہ قسمیں ہیں اور ان میں ان چیزوں کی عظمت کا اظہار بھی ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں پر لا زائد ہے اور اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ الخ' جواب قسم ہے اور لوگ کہتے ہیں لا کو زائد بتلانے کی کوئی وجہ نہیں' کلام عرب کے دستور کے مطابق وہ قسم کے شروع میں آتا ہے جبکہ جس چیز پر قسم کھائی جائے وہ منفی ہو۔ جیسے حضرت عائشہؓ کے اس قول میں کہ وَاللّٰهِ مَامَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَامْرَأَةٍ قَطُّ یعنی خدا کی قسم حضورؐ نے اپنا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے لگایا نہیں یعنی بیعت میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا۔ اسی طرح یہاں بھی لا قسم کے شروع میں مطابق قاعدہ ہے نہ کہ زائد۔ تو کلام کا مقصود یہ ہے کہ تمہارے جو خیالات قرآن کریم کی نسبت ہیں یہ جادو ہے یا کہانت ہے غلط ہیں۔ بلکہ یہ پاک کتاب کلام اللہ ہے۔ بعض عرب کہتے ہیں کہ لا سے ان کے کلام کا انکار ہے' پھر اصل امر کا اثبات الفاظ میں ہے۔ مواقع نجوم سے مراد قرآن کا بتدریج اترنا ہے۔ لوح محفوظ سے تو لیلۃ القدر میں ایک ساتھ آسمان اول پر اتر آیا' پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا وقت بروقت اترتا رہا یہاں تک کہ کئی برسوں میں پورا اتر آیا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ستاروں کے طلوع اور ظاہر ہونے کی آسمان کی جگہیں ہیں۔ مواقع سے مراد منازل ہیں۔

حسنؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن ان کا منتشر ہو جانا ہے۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کی نسبت مشرکین عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ قرآن بڑی عظمت والی کتاب ہے' معظم و محفوظ اور مضبوط کتاب میں ہے۔ جسے صرف پاک ہاتھ ہی لگتے ہیں یعنی فرشتوں کے' ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا میں اسے سب کے ہاتھ لگتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قرأت میں مَا يَمَسُّهٗ ہے' ابو العالیہؒ کہتے ہیں یہاں پاک سے مراد انسان نہیں' انسان تو گنہگار ہے۔ یہ کفار کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو لے کر شیطان اترتے ہیں۔ جیسے اور جگہ صاف فرمایا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ یعنی اسے نہ تو شیطان لے کر اترے ہیں نہ ان کے یہ لائق نہ ان کی یہ مجال' بلکہ وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ ہیں۔ یہی قول اس آیت کی تفسیر میں دل کو زیادہ لگتا ہے۔ اور اقوال بھی اس کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ فراءؒ نے کہا ہے اس کا ذائقہ اور اس کا لطف صرف باایمان لوگوں کو ہی میسر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مراد جنابت اور حدث سے پاک ہونا ہے' گو یہ خبر ہے لیکن مراد اس سے انشاء ہے اور قرآن سے مراد یہاں پر مصحف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ ایک حدیث میں ہے حضورؐ نے قرآن ساتھ لے کر حربی کافروں کے ملک میں جانے سے منع فرمایا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسے دشمن کچھ نقصان پہنچائے (مسلم)

نبی ﷺ نے جو فرمان حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھ کر دیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک - (مؤطا مالک) مراسیل ابوداؤد میں ہے زہریؒ فرماتے ہیں میں نے خود اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے - گو اس روایت کی بہت سی سندیں ہیں لیکن ہر ایک قابل غور ہے واللہ اعلم - پھر ارشاد ہے کہ یہ قرآن شعر و سخن' جادو اور فن نہیں بلکہ خدائی کلام ہے اور اسی کی جانب سے اترا ہے' یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اس کے سوا اس کے خلاف جو ہے باطل اور یکسر مردود ہے - پھر تم ایسی پاک بات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ کیوں اس سے ہٹنا اور یکسو ہو جانا چاہتے ہو؟ کیا اس کا شکر یہی ہے کہ تم اسے جھٹلاؤ؟ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق بمعنی شکر آتا ہے - مسند کی ایک حدیث میں بھی رزق کا معنی شکر کیا ہے' یعنی تم کہتے ہو کہ فلاں ستارے کی وجہ سے' ہمیں پانی ملا اور فلاں ستارے سے فلاں چیز -

ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر بارش کے موقع پر بعض لوگ کفریہ کلمات بک دیتے ہیں کہ بارش کا باعث فلاں ستارہ ہے - مؤطا میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں تھے' رات کو بارش ہوئی تھی' صبح کی نماز کے بعد حضورؐ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے بھی ہو آج شب تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا خدا کو معلوم اور اس کے رسولؐ کو' آپ نے فرمایا سنو یہ فرمایا کہ آج میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ کافر ہو گئے اور بہت سے ایماندار بن گئے - جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل و کرم سے پانی برسا وہ تو میری ذات پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں سے کفر کرنے والا ہوا اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں ستارے سے بارش برسی' اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور اس ستارے پر ایمان لایا - مسلم کی حدیث میں عموم ہے کہ آسمان سے جو برکت نازل ہوتی ہے وہ بعض کے ایمان کا اور بعض کے کفر کا باعث بن جاتی ہے - ہاں یہ خیال رہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے پوچھا تھا کہ ثریا ستارہ کتنا باقی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افق پر نمودار ہوتا ہے' چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اس سوال جواب اور استسقا کو سات روز گذرے تھے جو پانی برسا - یہ واقعہ محمول ہے عادت اور تجربہ پر' نہ یہ کہ اس ستارے میں ہے اور اس ستارے کو ہی اثر کا موجد جانتے ہوں - اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربہ سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے - اس بارے کی بہت سی حدیثیں آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں - ایک شخص کو حضورؐ نے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے' یہ تو اللہ کی برسائی ہوئی ہے' یہ تو رزق الٰہی ہے - ایک مرفوع حدیث میں ہے لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے اگر سات سال قحط سالی رہے اور پھر اللہ اپنے فضل و کرم سے بارش برسائے تو بھی یہ جھٹ سے زبان سے نکالنے لگیں گے کہ فلاں تارے نے برسایا - مجاہدؒ فرماتے ہیں اپنی روزی تکذیب کو ہی نہ بنا لو یعنی یوں نہ کہو کہ فلاں فراخی کا سبب فلاں چیز ہے بلکہ یوں کہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے - پس یہ بھی مطلب ہے اور یہ بھی کہ قرآن میں ان کا حصہ کچھ نہیں بلکہ ان کا حصہ یہی ہے کہ یہ اسے جھوٹا کہتے رہیں اور اسی مطلب کی تائید اس سے پہلے کی آیت سے بھی ہوتی ہے -

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝۸۳ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝۸۴
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝۸۵ فَلَوْلَآ
اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝۸۶ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۸۷

پس جبکہ روح نرخرے تک پہنچ جائے ○ اور تم اس وقت تک رہے ہو ○ ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے ○ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ○ اور اس قول میں سچے ہو تو ذرا اس روح کو تو لوٹا لو ○

عالم نزع کی بے بسی : ☆☆ (آیت:۸۳-۸۷) اسی مضمون کی آیتیں سورۂ قیامہ میں بھی ہیں۔ فرماتا ہے کہ ایک شخص اپنے آخری وقت میں ہے نزع کا عالم ہے روح پرواز کر رہی ہے تم سب پاس بیٹھے دیکھ رہے ہو کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہمارے فرشتے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تم سے بھی زیادہ قریب اس مرنے والے سے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً خدا اپنے بندوں پر غالب ہے وہ تم پر اپنے پاس سے محافظ بھیجتا ہے جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اسے ٹھیک طور پر فوت کر لیتے ہیں پھر وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ مولائے حق کی طرف بازگشت کرائے جائیں گے جو حاکم ہے اور جلد حساب لے لینے والا ہے۔ یہاں فرماتا ہے اگر سچ مچ تم لوگ کسی کے زیر فرمان نہیں ہو اگر یہ حق ہے کہ تم دوبارہ جینے اور میدان قیامت میں حاضر ہونے کے قائل نہیں ہو اور اس میں تم حق پر ہو اگر تمہیں حشر ونشر کا یقین نہیں اگر تم عذاب نہیں کئے جاؤ گے وغیرہ تو ہم کہتے ہیں اس روح کو جانے ہی کیوں دیتے ہو؟ اگر تمہارے بس میں ہے تو حلق تک پہنچی ہوئی روح کو واپس اس کی اصلی جگہ پہنچا دو۔ پس یاد رکھو جیسے اس روح کو اس جسم میں ڈالنے پر ہم قادر تھے اور اسے بھی تم نے بچشم خود دیکھ لیا یقین مانو اسی طرح ہم دوبارہ اسی روح کو اس جسم میں ڈال کر نئی زندگی دینے پر بھی قادر ہیں۔ تمہارا نہ اپنی پیدائش میں دخل نہ مرنے میں پھر دوبارہ جی اٹھنے میں تمہارا دخل کہاں سے ہو گیا؟ جو تم کہتے پھرتے ہو کہ ہم مر کر نہیں جئیں گے۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ
نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ
مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾
فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ
الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ ع۲ ۲۲ ۱۶

پس جو کوئی بارگاہ الٰہی سے قریب کیا ہوا ہوگا ○ اسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے ○ اور جو شخص داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے ○ تو بھی سلامتی ہے تیرے لئے کہ تو داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے ○ لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے ○ تو کھولتے گرم پانی کی مہمانی ہے ○ اور دوزخ میں جانا ○ یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے ○ پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر ○

احوال موت : ☆☆ (آیت:۸۸-۹۶) یہاں وہ احوال بیان ہو رہے ہیں جو موت کے وقت سکرات کے وقت دنیا کی آخری ساعت میں انسانوں کے ہوتے ہیں کہ یا تو وہ اعلیٰ درجہ کا خدا کا مقرب ہے یا اس سے کم درجے کا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا یا بالکل بدنصیب ہے جو اللہ سے جاہل رہا اور راہ حق سے غافل رہا تو فرماتا ہے کہ جو مقربین بارگاہ خدا ہیں جو احکام کے عامل تھے نافرمانیوں کے تارک تھے انہیں تو فرشتے طرح طرح کی خوشخبریاں سناتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے براء کی حدیث گذری کہ رحمت کے فرشتے اس سے کہتے ہیں اے پاک روح! پاک جسم والی روح! چل راحت و آرام کی طرف چل کبھی نہ ناراض ہونے والے رحمان کی طرف۔ روح سے مراد راحت ہے اور ریحان سے مراد آرام ہے۔ غرض دنیا کے مصائب سے راحت مل جاتی ہے ابدی سرور اور سچی خوشی خدا کے غلام کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے وہ ایک فراخی اور وسعت دیکھتا ہے اس کے سامنے رزق اور رحمت ہوتی ہے وہ جنت عدن کی طرف لپکتا ہے۔ حضرت ابوالعالیہؒ

فرماتے ہیں جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس وقت مقرب خدا کی روح قبض کی جاتی ہے۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں مرنے سے پہلے ہی ہر مرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے (یا اللہ! ہمارے اس وقت میں تو ہماری مدد کر' ہمیں ایمان سے اٹھا اور اپنی رضامندی کی خوشخبری سنا کر سکون و راحت کے ساتھ یہاں سے لے جا' آمین) گو سکرات کے وقت کی احادیث ہم سورۂ ابراہیم کی آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ الخ' کی تفسیر میں وارد کر چکے ہیں لیکن چونکہ یہ ان کا بہترین موقع ہے اس لئے یہاں ایک ٹکڑا بیان کرتے ہیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرماتا ہے میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اسے میرے دربار میں لے آ' میں نے اسے رنج' راحت' آرام' تکلیف' خوشی ناخوشی غرض ہر آزمائش میں آزما لیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا' بس اب میں اسے ابدی راحت دینا چاہتا ہوں' جا اسے میرے خاص دربار میں پیش کر۔ ملک الموت پانچ سو رحمت کے فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں' گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں' ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے' سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں مشک کی لپٹیں آتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ کی قرأت فَرُوْحٌ راء کے پیش سے تھی۔ لیکن تمام قاریوں کی قرأت اء کے زبر سے ہے یعنی فَرَوْحٌ۔ مسند میں ہے حضرت ام ہانیؓ نے رسول مقبول علیہ السلام سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی' جو درختوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو' اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائے گی۔ اس حدیث میں ہر مومن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی شاہد ایک حدیث ہے' جس کی اسناد بہت بہتر ہیں اور متن بھی بہت قوی ہے اور صحیح روایت میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں' ساری جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی رہتی ہیں اور عرش تلے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو یعلیٰؒ ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے' آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی' سر اور داڑھی کے بال سفید تھے' اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضورؐ نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو خدا سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے' صحابہ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے' آپ نے فرمایا کیوں روتے' کیوں ہو؟ صحابہؓ نے کہا حضور بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو مطلب سکرات کے وقت سے ہے' اس وقت نیک مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام دہ جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تاکہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس اللہ بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے اور اگر بد بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرم پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے' جس سے یہ بیزار ہو جاتا ہے اور اس کی روح رونگھٹے رونگھٹے میں چھپنے اور اٹکنے لگتی ہے اور یہ دل میں چاہتا ہے کہ کسی طرح خدا کے حضور میں حاضر نہ ہوؤں پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر وہ سعادت مندوں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے سلام کہتے ہیں تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمین میں سے ہے' اللہ کے عذابوں سے تو سلامتی پائے گا اور خود فرشتے بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یعنی سچے پکے توحید والوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ کچھ ڈر خوف نہیں' کچھ رنج غم نہ کر' جنت تیرے لئے حسب وعدہ تیار ہے' دنیا اور آخرت میں ہم تیری حمایت کے لئے موجود ہیں' جو تمہارا جی چاہے تمہارے لئے موجود ہے' جو تمنا تم کرو گے پوری ہو کر رہے گی' غفور و رحیم خدا کے تم ذی عزت مہمان ہو۔ بخاری میں ہے یعنی تیرے لئے مسلم ہے کہ تو اصحاب یمین میں سے ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا

کے معنی میں ہو واللہ اعلم۔ اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والا اور ہدایت سے کھویا ہوا ہے تو اس کی ضیافت اس گرم حمیم سے ہوگی جو آنتیں اور کھال تک جھلسا دے، پھر چوطرف سے جہنم کی آگ گھیر لے گی جس میں جلتا بھنتا رہے گا۔ پھر فرمایا یہ یقینی باتیں ہیں جن کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پس اپنے بڑے رب کے نام کی تسبیح جپتا رہ۔ مسند میں ہے اس آیت کے اترنے پر آپ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپؐ فرماتے ہیں جس نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے (ترمذی) صحیح بخاری شریف کے ختم پر یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بوجھل ہیں، خدا کو بہت پیارے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

الحمدللہ سورۂ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی، اللہ قبول فرمائے (اور ہمارے کل واقعات کا انجام بھلا کرے)۔

تفسیر سورۃ حدید

(تفسیر سورۂ حدید) ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے ان سورتوں کو پڑھتے تھے جن کا شروع سَبَّحَ یا يُسَبِّحُ ہے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ جس آیت کی فضیلت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے غالباً وہ آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ ہے واللہ اعلم۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③

مہربان اور مشفق اللہ کے نام سے شروع ○

آسمانوں اور زمینوں میں جو ہے سب اللہ کی تسبیح کر رہا ہے، وہ زبردست باحکمت ہے ○ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے ○

کل کائنات ثنا خواں ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۳) تمام حیوانات سب نباتات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی مخلوق اور ہر ہر چیز اس کی ستائش کرنے میں مشغول ہے، گو تم ان کی تسبیح نہ سمجھ سکو، خدا حلیم و غفور ہے۔ اس کے سامنے ہر کوئی پست و عاجز و لاچار ہے، اس کی مقرر کردہ شریعت اور اس کے احکام حکمت سے پر ہیں۔ حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں آسمان و زمین ہیں وہی ہے، خلق میں متصرف وہی ہے، زندگی موت اسی کے قبضے میں ہے، وہی فنا کرتا ہے، وہی پیدا کرتا ہے، جسے جو چاہے عنایت فرماتا ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے، جو نہ چاہے نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد کی آیت هُوَ الْاَوَّلُ وہ آیت ہے جس کی بابت اوپر کی حدیث میں گذرا کہ ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ حضرت ابو زمیلؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایک کھٹکا ہے لیکن

زبان پر لانے کو جی نہیں چاہتا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر فرمایا شاید کچھ شک ہوگا جس سے کوئی نہیں بچا یہاں تک کہ قرآن میں ہے فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الخ، یعنی اگر تو جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے اس میں شک میں ہو تو تجھ سے پہلے جو کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے۔ پھر فرمایا جب تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کر هُوَ الْاَوَّلُ اس آیت کی تفسیر میں دس سے اوپر اوپر اقوال ہیں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یحییٰ کا قول ہے کہ ظاہر و باطن سے مراد از روئے علم ہر چیز پر ظاہر اور پوشیدہ ہونا ہے۔ یہ یحییٰ زیاد فراء کے لڑکے ہیں، ان کی ایک تصنیف ہے جس کا نام معانی القرآن ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّکُلِّ شَیْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌم بِنَاصِیَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔ ''اے اللہ! اے ساتوں آسمانوں کے اور عرش عظیم کے رب! اے ہمارے اور ہر چیز کے رب! اے تورات وانجیل کے اتارنے والے! اے دانوں اور گٹھلیوں کو اگانے والے! تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، میں تیری پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے کہ اس کی چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے، تو اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا، تو ہی آخر ہے کہ تیرے بعد کچھ نہیں، تو ظاہر ہے کہ تجھ سے اونچی کوئی چیز نہیں، تو باطن ہے کہ تجھ سے چھپی کوئی چیز نہیں، ہمارے قرض ادا کرا دے اور ہمیں فقیری سے غنا دے''۔

حضرت ابوصالحؒ اپنے متعلقین کو یہ دعا سکھاتے اور فرماتے سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ لیا کرو الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم۔ ابویعلیٰ میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کا بستر قبلہ رخ بچھایا جاتا، آپ آ کر اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آرام فرماتے، پھر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے لیکن آخر رات میں باآواز بلند یہ دعا پڑھتے (جو اوپر بیان ہوئی) الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں جامع ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سمیت تشریف فرما تھے، جو ایک بادل سر پر آ گیا آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے باادب جواب دیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا اسے عنان کہتے ہیں یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں، ان لوگوں پر بھی یہ برسائے جاتے ہیں جو نہ خدا کے شکر گذار ہیں نہ خدا کے پکارنے والے۔ پھر پوچھا معلوم ہے تمہارے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ باخبر ہے، فرمایا بلند محفوظ چھت اور لپٹی ہوئی موج، جانتے ہو تم میں اس میں کس قدر فاصلہ ہے، وہی جواب ملا فرمایا پانچ سو سال کا راستہ۔ پھر پوچھا جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے پھر اپنی لاعلمی ان ہی الفاظ میں ظاہر کی تو آپ نے فرمایا اس کے اوپر پھر دوسرا آسمان ہے اور ان دونوں آسمانوں میں بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، اسی طرح آپ نے سات آسمان گنوائے اور ہر دو میں اتنی ہی دوری بیان فرمائی۔

پھر سوال کر کے جواب سن کر فرمایا اس ساتویں کے اوپر اتنے ہی فاصلہ سے عرش ہے، پھر پوچھا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ اور جواب وہی سن کر فرمایا دوسری زمین ہے پھر سوال جواب کے بعد فرمایا اس کے نیچے دوسری زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، اسی طرح سات زمینیں اسی فاصلہ کے ساتھ ایک دوسری کے نیچے بتلائیں پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے کی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ بھی اللہ کے پاس پہنچے گی پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی لیکن یہ حدیث

غریب ہے۔ اس کے راوی حسنؒ کا ایوب یونس اور علی بن زید محدثین کا قول ہے۔ بعض اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد رسی کا اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور غلبے تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تعالیٰ) خدائے تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اور اس کا غلبہ اور سلطنت بیشک ہر جگہ ہے لیکن وہ اپنی ذات سے عرش پر ہے' جیسے کہ اس نے اپنا یہ وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے۔

مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں دو دو زمینوں کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کا بیان ہوا۔ ابن ابی حاتم اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم میں رسی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمین کی درمیان کی دوری اس میں بھی پانچ سو سال کی بیان ہوئی ہے۔ امام بزارؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس روایت کا راوی آنحضرتؐ سے بغیر حضرت ابو ہریرہؓ کے اور کوئی نہیں۔ ابن جریرؒ میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے' یعنی قتادہ فرماتے ہیں ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر حدیث بیان کرتے ہیں' صحابی کا نام نہیں لیتے۔ ممکن ہے یہی ٹھیک ہو واللہ اعلم۔ حضرت ابوذر غفاری سے مسند بزار اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں یہ حدیث مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور متن میں غرابت و نکارت ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریرؒ آیت وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کی تفسیر میں حضرت قتادہؒ کا قول لائے ہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ آپس میں پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ تو ایک نے کہا ساتویں آسمان سے مجھے خدائے عزوجل نے بھیجا ہے اور میں نے خدا کو وہیں چھوڑا ہے۔ دوسرے نے کہا ساتویں زمین سے مجھے خدا نے بھیجا تھا اور خدا وہیں تھا تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے جہاں وہ تھا' چوتھے نے کہا مجھے مغرب سے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں اسے وہیں چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ لیکن یہ روایت بھی غریب ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قتادہؒ والی اوپر کی روایت جو مرسلاً بیان ہوئی ہے' ممکن ہے وہ بھی حضرت قتادہؒ کا اپنا قول ہو جیسے یہ قول خود قتادہ کا اپنا ہے واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ يُوْلِجُ
الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر بیٹھا' وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ○ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کام اسی کی طرف پہنچائے جاتے ہیں ○ وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ سینے کے اندر کی پوشیدگیوں کا وہ پورا عالم ہے ○

ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے: ☆☆ (آیت: ۴-۶) اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کرنا اور عرش پر قرار پکڑنا سورۂ اعراف

کی تفسیر میں پوری طرح بیان ہو چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے بخوبی علم ہے کہ کس قدر بوندیں بارش کی زمین میں گئیں' کتنے دانے زمین میں پڑے اور کیا چارے پیدا ہوئے' کس قدر کھیتیاں ہوئیں اور کتنے پھل کھلے' جیسے اور آیت میں ہے عِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ الخ' غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں بجز اس کے اور کوئی جانتا ہی نہیں' وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا عالم ہے کسی پتے کا گرنا بھی اس کے علم سے باہر نہیں' زمین کی اندھیریوں میں پوشیدہ دانہ اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں موجود نہ ہو' اسی طرح آسمان سے نازل ہونے والی بارش' اولے اور برف اور تقدیریں اور احکام جو بذریعہ برتر فرشتوں کے نازل ہوتے ہیں سب اس کے علم میں ہیں۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں یہ گذر چکا ہے کہ خدا کے مقرر کردہ فرشتے بارش کے ایک ایک قطرے کو خدا کی بتلائی ہوئی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں' آسمان سے اترنے والے فرشتے اور اعمال بھی اس کے وسیع علم میں ہیں۔

جیسے صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیئے جاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے۔ تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے' جیسے بھی ہوں جو بھی ہوں اور تم بھی خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں ہو' راتیں ہوں یا دن ہوں' تم گھر میں ہو یا جنگل میں ہو' ہر حالت میں اس کے علم کے لئے یکساں' ہر وقت اس کی نگاہیں اور اس کا سننا تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے تمام کلمات وہ سنتا رہتا ہے' تمہارا حال وہ دیکھتا رہتا ہے' تمہارے چھپے کھلے کا اسے علم ہے۔ جیسے فرمایا ہے کہ اس سے جو چھپنا چاہے اس کا وہ فعل فضول ہے بھلا ظاہر باطن بلکہ دلوں کے ارادے تک سے واقفیت رکھنے والے سے کوئی کیسے چھپ سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے پوشیدہ باتیں' ظاہر باتیں' راتوں کو' دن کو' جو بھی ہوں سب اس پر روشن ہیں۔ یہ سچ ہے کہ وہی رب ہے' وہی معبود برحق ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے' پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ ایک شخص آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرما جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیم قرابتدار سے شرماتا ہو جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو۔ یہ حدیث ابوبکر اسماعیلی نے روایت کی ہے' سند غریب ہے۔ حضور کا ارشاد ہے جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا مزہ اٹھا لیا۔ اللہ ایک کی عبادت کی اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہنسی خوشی راضی رضامندی سے ادا کی۔ جانور اگر زکوٰۃ میں دیئے ہیں تو بوڑھے بیکار' دبلے پتلے اور بیمار نہ دیئے بلکہ درمیانہ راہ خدا میں دیا اور اپنے نفس کو پاک کیا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس بات کو دل میں محسوس کرے اور یقین و عقیدہ رکھے کہ ہر جگہ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ (ابونعیم) ایک اور حدیث میں ہے کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو جان رکھے کہ تو جہاں کہیں ہے اللہ تیرے ساتھ ہے (نعیم بن حماد) حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہتے تھے۔

اِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّھْرَ یَوْمًا فَلَا تَقُلْ   خَلَوْتُ وَلٰکِنْ قُلْ عَلَیَّ رَقِیْبٌ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ یَغْفِلُ سَاعَۃً   وَلَا اَنَّ مَا یُخْفٰی عَلَیْہِ یَغِیْبٌ

''جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ کسی ساعت اللہ تعالیٰ کو بے خبر نہ سمجھ اور مخفی سے مخفی کام کو اس پر مخفی نہ مان''۔ پھر فرماتا ہے کہ دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی ''دنیا آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے''۔ اس کی تعریف اس بادشاہت پر بھی کرنی ہمارا فرض ہے فرماتا ہے وَھُوَ

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ ''وہی معبود برحق ہے اور وہی سزاوار حمد وثنا ہے' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''۔ اور آیت ہے اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس کی ملکیت میں آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہیں اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہ دانا وخبردار ہے۔ پس ہر وہ چیز جو آسمان وزمین میں ہے اس کی بادشاہت میں ہے۔ ساری آسمان وزمین کی مخلوق اس کی غلام اور اس کی خدمت گذار اور اس کے سامنے پست ہے۔ جیسے فرمایا اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا الخ' آسمان وزمین کی کل مخلوق رحمان کے سامنے غلامی کی حیثیت میں پیش ہونے والی ہے' ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے' اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں' اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم دیتا ہے' وہ عادل ہے' ظلم نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی کو دس گنا بڑھا کر دیتا ہے اور پھر اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الخ' قیامت کے روز ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا' رائی کے برابر کا عمل بھی ہم سامنے لا رکھیں گے اور ہم حساب کرنے اور لینے میں کافی ہیں۔ پھر فرمایا خلق میں تصرف بھی اسی کا چلتا ہے' دن رات کی گردش بھی اسی کے ہاتھ ہے' اپنی حکمت سے گھٹاتا بڑھاتا ہے' کبھی کے دن لمبے کبھی کی راتیں اور کبھی دونوں یکساں' کبھی جاڑا' کبھی گرمی' کبھی بارش' کبھی بہار' کبھی خزاں اور یہ سب بندوں کی خیر خواہی اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے۔ وہ دلوں کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں اور دور کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ
فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝۷ وَمَا لَکُمْ
لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ
اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸

اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا ہے' پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیراتیں کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا ○ تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تمہیں باور ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد وپیان بھی لے چکا ہے ○

ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم : ☆☆ (آیت:۷-۸) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اوپر اور اپنے رسول کے اوپر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی اور ہمیشگی کے ساتھ جم کر رہنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنی راہ میں خیرات کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ جو مال ہاتھوں ہاتھ تمہیں اس نے پہنچایا ہو تم اس کی اطاعت گذاری میں اسے خرچ کرو اور سمجھ لو کہ جس طرح دوسرے ہاتھوں سے تمہیں ملا ہے اسی طرح عنقریب تمہارے ہاتھوں سے دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور تم پر حساب اور عتاب رہ جائے گا۔ پھر اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تیرے بعد تیرا وارث ممکن ہے نیک ہو اور وہ تیرے ترکے کو میری راہ میں خرچ کر کے مجھ سے بہت نزدیکی حاصل کرے اور ممکن ہے کہ وہ بد ہو اور اپنی بدمستی اور سیاہ کاری میں تیرا اندوختہ فنا کر دے اور اس کی بدیوں کا باعث تو بنے' نہ تو چھوڑتا نہ اڑاتا۔ حضورؐ سورۂ الھٰکم التکاثر پڑھ کر فرمانے لگے انسان گو کہتا رہتا ہے یہ بھی میرا مال ہے یہ بھی میرا مال ہے حالانکہ دراصل انسان کا مال وہ ہے جو کھا لیا پہن لیا' صدقہ کر دیا' کھایا ہوا فنا ہو گیا' پہنا ہوا پرانا ہو کر برباد ہو گیا' ہاں راہ للہ دیا ہوا بطور خزانہ کے جمع رہا (مسلم) اور جو رہ گیا وہ تو اوروں کا مال ہے' تو تو اسے جمع کر کے چھوڑ جانے

والا ہے۔ پھر ان ہی دونوں باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ دیتا ہے۔

پھر فرماتا ہے تمہیں ایمان سے کون سی چیز روکتی ہے' رسول تم میں موجود ہیں' وہ تمہیں ایمان کی طرف بلا رہے ہیں' دلیلیں دے رہے ہیں اور معجزے دکھا رہے ہیں۔ صحیح بخاری کی شرح ابتدائی حصہ کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضورؐ نے پوچھا سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے' فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء' فرمایا ان پر تو وحی اور کلام خدا اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم' فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے' میں تم میں زندہ موجود ہوں سنو بہترین اور عجیب تر ایماندار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے' صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں آیت اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں بھی ہم ایسی احادیث لکھ آئے ہیں۔ پھر انہیں روز میثاق کا قول قرار یاد دلاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اس سے مراد رسول خدا سے بیعت کرنا ہے اور امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں مراد وہ میثاق ہے جو حضرت آدمؑ کی پیٹھ میں ان سے لیا گیا تھا' مجاہدؒ کا بھی یہی مذہب ہے واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩﴾
وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ
وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ
وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٠﴾ ع

وہ ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے' یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے ○ تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک تنہا اللہ ہی ہے' تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے راہ اللہ دیا ہے اور جہاد کیا ہے وہ دوسروں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کئے' ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے' تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے ○

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا: ☆☆ (آیت:۹-۱۰) وہ خدا جو اپنے بندے پر روشن حجتیں اور بہترین دلائل اور عمدہ تر آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ ظلم و جہل کی گھنگور گھٹاؤں اور رائے قیاس کی بدترین اندھیریوں سے تمہیں نکال کر نورانی اور روشن صاف اور سیدھی راہ حق پر لا کھڑا کر دے۔ خدا رؤف ہے ساتھ ہی رحیم ہے' یہ اس کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے کتابیں اتاریں' رسول بھیجے' شک شبہے دور کر دیئے' ہدایت کی وضاحت کر دی۔ ایمان اور خیرات کا حکم کر کے پھر ایمان کی رغبت دلا کر اور یہ بیان فرما کر کہ ایمان نہ لانے کا اب کوئی عذر میں نے باقی نہیں رکھا پھر صدقات کی رغبت دلائی اور فرمایا میری راہ میں خرچ کرو اور فقیری سے نہ ڈرو اس لئے کہ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین و آسمان کے خزانوں کا تنہا مالک ہے' عرش و کرسی اسی کی ہے اور وہ تم سے اس خیرات کے بدلے کا وعدہ کر چکا ہے۔ فرماتا ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ جو کچھ تم راہ للہ دو گے اس کا بہترین بدلہ وہ تمہیں دے گا اور روزی رساں درحقیقت

وہی ہے۔ اور فرماتا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ اگر یہ فانی مال تم خرچ کرو گے وہ اپنے پاس کا ہمیشگی والا مال تمہیں دے گا، توکل والے خرچ کرتے رہتے ہیں اور مالک عرش انہیں تنگی ترشی سے محفوظ رکھتا ہے، انہیں اس بات کا اعتماد ہوتا ہے کہ ہمارے فی سبیل اللہ خرچ کردہ مال کا بدلہ دونوں جہان میں ہمیں قطعاً مل کر رہے گا۔ پھر اس امر کا بیان ہوا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ اللہ خرچ کئے اور جہاد کئے اور جن لوگوں نے یہ نہیں کیا گو بعد فتح مکہ کیا ہو، یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے بھی کہ اس وقت تنگی ترشی زیادہ تھی اور قوت طاقت کم تھی اور اس لئے بھی کہ اس وقت ایمان وہی قبول کرتا تھا جس کا دل ہر میل کچیل سے پاک ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی، ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا پس اس وقت اور اس وقت میں جتنا فرق ہے اتنا ہی ان لوگوں اور ان لوگوں کے اجر میں فرق ہے، انہیں بہت بڑے اجر ملیں گے گو دونوں اصل بھلائی اور اصل اجر میں شریک ہیں۔

بعضوں نے کہا ہے فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں کچھ اختلاف ہو گیا جس میں حضرت خالدؓ نے فرمایا تم اسی پر اکڑ رہے ہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے۔ جب حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم احد کے یا کسی اور پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو بھی ان کے اعمال کو پہنچ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت خالدؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد کا ہے اور آپ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور یہ اختلاف جس کا ذکر اس روایت میں ہے بنو جذیمہ کے بارے میں ہوا تھا۔ حضور نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالدؓ کی امارت میں اس کی طرف ایک لشکر بھیجا تھا جب وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہم صابی ہوئے یعنی بے دین ہوئے، اس لئے کہ کفار مسلمانوں کو یہی لفظ کہا کرتے تھے۔ حضرت خالد نے غالباً اس کلمہ کا اصلی مطلب نہ سمجھ کر ان کے قتل کا حکم دے دیا بلکہ ان کے جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے انہیں قتل کر ڈالنے کو فرمایا۔ اس پر حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی مخالفت کی۔ اس واقعہ کا مختصر بیان اوپر والی حدیث میں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو، اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی ان کے تین پاؤ اناج کے ثواب کو نہیں پہنچے گا بلکہ ڈیڑھ پاؤ کو بھی نہ پہنچے گا۔

ابن جریر میں ہے حدیبیہ والے سال ہم حضورؐ کے ساتھ جب عسفان میں پہنچے تو آپ نے فرمایا ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھنے لگو گے، ہم نے کہا کیا قریشی؟ فرمایا نہیں بلکہ یمنی نہایت نرم دل، نہایت خوش اخلاق، سادہ مزاج، ہم نے کہا حضور پھر کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو اور وہ اسے راہ اللہ خرچ کرے تو تم میں سے ایک کے تین پاؤ بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کی خیرات کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو کہ ہم میں اور دوسرے تمام لوگوں میں یہی فرق ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت لَا يَسْتَوِىْ کی تلاوت کی لیکن یہ روایت غریب ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں خارجیوں کے ذکر میں ہے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ پر حقیر اور کمتر شمار کرو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے۔ ابن جریر میں ہے عنقریب ایک قوم آئے گی کہ تم اپنے اعمال کو کمتر سمجھنے لگو گے جب ان کے اعمال کے سامنے رکھو گے، صحابہ نے پوچھا کیا وہ قریشیوں میں سے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں وہ سادہ مزاج نرم دل یہاں والے ہیں اور آپ نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، پھر فرمایا وہ یمنی لوگ ہیں ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے، ہم نے پوچھا کیا وہ ہم سے بھی افضل ہوں گے؟ فرمایا اس

کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے وہ راہ للہ دے ڈالے تو بھی تمہارے ایک مد یا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ نے اپنی اور انگلیاں تو بند کر لیں ار چھنگلیا کو دراز کر کے فرمایا خبر دار رہو یہ ہے فرق ہم میں اور دوسرے لوگوں میں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی پس اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے فتح مکہ سے پہلے ہی فتح مکہ کے بعد کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی ہو جیسے کہ سورۂ مزمل میں جو ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ شریف میں نازل ہوئی تھیں پروردگار نے خبر دی تھی کہ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں‘ پس جس طرح اس آیت میں ایک آنے والے واقعہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس آیت کو اور حدیث کو بھی سمجھ لیا جائے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جس نے جو کچھ راہ للہ دیا ہے کسی کو اس سے کم۔ جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو بھلے وعدے میں دونوں شامل ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے قوی مومن خدا کے نزدیک ضعیف مومن سے افضل ہے لیکن بھلائی دونوں میں ہے۔ اگر یہ فقرہ اس آیت میں نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کسی کو ان بعد والوں کی سبکی کا خیال گذرے اس لئے فضیلت بیان فرما کر پھر عطف ڈال کر اصل اجر میں دونوں کو شریک بتایا۔ پھر فرمایا تمہارے تمام اعمال کی تمہارے رب کو خبر ہے‘ وہ درجات میں تفاوت رکھتا ہے‘ وہ بھی اندازے سے نہیں بلکہ صحیح علم سے۔ حدیث شریف میں ہے ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت کے بڑے حصے دار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس لئے کہ اس پر عمل کرنے والے تمام نبیوں کی امت کے سردار ہیں‘ آپ نے ابتدائی تنگی کے وقت اپنا کل مال راہ للہ دے دیا تھا جس کا بدلہ بجز خدا کے کسی اور سے مطلوب نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں دربار رسالت مآب میں تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے‘ صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی‘ گریبان کانٹے سے اٹکائے ہوئے تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور پوچھا کیا بات ہے جو حضرت ابو بکرؓ نے فقط ایک عبا پہن رکھی ہے اور کانٹا لگا رکھا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میرے کاموں میں فتح سے پہلے ہی راہ للہ خرچ کر ڈالا ہے‘ اب ان کے پاس کچھ نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان سے کہو کہ خدا انہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس فقیری میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناخوش ہو؟ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سب کہہ کر سوال کیا‘ جواب ملا کہ اپنے رب عزوجل سے ناراض کیسے ہو سکتا ہوں‘ میں اس حال میں بہت خوش ہوں۔ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے واللہ اعلم۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۱

کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کا پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے ○

اللہ کو قرض دینا: ☆☆ (آیت:۱۱) پھر فرماتا ہے کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے‘ اس سے مراد خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے بال بچوں کو کھلانا پلانا وغیرہ خرچ مراد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں صورتوں کو شامل ہو پھر اس پر وعدہ فرماتا ہے کہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر بدلہ ملے گا اور پاکیزہ تر روزی جنت میں ملے گی‘ اس آیت کو سن کر حضرت ابو دحداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں‘ کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دیجئے آپ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا۔ آپ کے بیوی بچے بھی اسی باغ میں تھے۔ آپ آئے اور باغ کے دروازہ پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی۔ وہ لبیک کہتی ہوئی

آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ' میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگیں آپ نے بہت نفع کی تجارت کی اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثے کو لے کر باہر چلی آئیں۔ حضور فرمانے لگے جنتی درخت وہاں کے باغات جو میووں سے لدے ہوئے اور جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں ابو دحداح کو اللہ نے دے دیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ
نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ
بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ
مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے' یہ ہے بہترین کامیابی ○ اس دن منافق مرد عورت ایمانداروں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں' جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو' پھر ان کے اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا' اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا ○

اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۳) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے نیک اعمال کے مطابق انہیں نور ملے گا جو قیامت کے دن ان کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر' سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا (ابن جریرؒ)۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے بعض مومن ایسے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے عدن دور ہے اور ابین دور ہے اور صنعا دور ہے۔ بعض اس سے کم بعض اس سے کم یہاں تک کہ بعض وہ بھی ہوں گے جن کے نور سے صرف ان کے دونوں قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا۔ حضرت جنادہ بن ابو امیہؒ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے اللہ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں' اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے' قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں! یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں! تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن جب پل صراط پر جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا' اسے دیکھ کر مومن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ خدایا ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تا کہ اس اندھیری جگہ سے با آرام گذر جائیں۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے

سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم بھی مجھے ہوگا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں نظریں ڈالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا تو ایک شخص نے کہا حضورؐ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی، ان میں سے آپ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے؟ آپ نے فرمایا بعض مخصوص نشانیوں کی وجہ سے، میری امت کے اعضائے وضو چمک رہے ہوں گے یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہوگا اور انہیں ان کے نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور ان کا نور ان کے آگے آگے چلتا ہوگا اور ان کی اولاد ان کے ساتھ ہوگی۔

ضحاکؒ فرماتے ہیں ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ ہوگا، جیسے اور آیتوں میں تشریح ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے چپے چپے پر چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں، یہ زبردست کامیابی ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں میدان قیامت کے ہولناک دل شکن اور کپکپا دینے والے واقعہ کا بیان ہے کہ سوائے سچے ایمان اور کھرے اعمال والوں کے نجات کسی کو منہ نہ دکھائے گی۔ سلیم بن عامرؒ فرماتے ہیں ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور دفن کا کام شروع ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگو! تم اس دنیا کی منزل میں آج صبح شام کر رہے ہو، نیکیاں برائیاں کر سکتے ہو، اس کے بعد ایک اور منزل کی طرف تم سب کوچ کرنے والے ہو، وہ منزل یہی قبر کی ہے جو تنہائی کا، اندھیرے کا، کیڑوں کا، تنگی اور تاریکی والا گھر ہے مگر جس کے لئے خدا تعالیٰ اسے وسعت دے دے، یہاں سے تم پھر میدان قیامت کے مختلف مقامات پر وارد ہو گے، ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ پڑ جائیں گے پھر ایک اور میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا، وہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا اور کافر و منافق بے نور رہ جائے گا۔ اسی کا ذکر آیت اَوْ کَظُلُمٰتٍ میں ہے پس جس طرح آنکھوں والے کی بصارت سے اندھا کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا، منافق و کافر ایماندار کے نور سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ تو منافق ایمانداروں سے آرزو کریں گے کہ اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ، کچھ تو ٹھہرو جو ہم بھی تمہارے نور کے سہارے چلیں تو جس طرح یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ فن فریب کرتے تھے آج ان سے کہا جائے گا کہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کر لاؤ۔ یہ واپس نور کی تقسیم کی جگہ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہ پائیں گے، یہی خدا کا وہ مکر ہے جس کا بیان وَهُوَ خَادِعُهُمْ الخ، میں ہے۔ اب لوٹ کر یہاں جو آئیں گے تو دیکھیں گے کہ مومنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے جس کے اس طرف رحمت ہی رحمت ہے اور اس طرف عذاب و سزا ہی ہے۔

پس منافق نور کی تقسیم کے وقت تک دھوکے میں ہی پڑا رہے گا، نور مل جانے پر بھید کھل جائے گا، تمیز ہو جائے گی اور یہ منافق اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کامل اندھیرا چھایا ہوا ہوگا کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکے اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر کرے گا، مسلمان اس طرف جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے۔ جب مومن زیادہ آگے نکل جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لئے آواز دیں گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں ہم سب ساتھ ہی تھے۔ تو مومن جواب دیں گے کہ واپس اندھیرے میں لوٹ جاؤ اور وہاں نور کو تلاش کرو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی پردہ پوشی کے لئے ان کے ناموں سے پکارا جائے گا لیکن پل صراط پر تمیز ہو جائے گی، مومنوں کو نور ملے گا اور منافقوں کو بھی ملے گا لیکن جب درمیان میں پہنچ جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ یہ مومنوں کو آواز دیں گے لیکن اس وقت خود مومن خوف زدہ ہو رہے ہوں گے، یہ وقت ہوگا کہ ہر ایک آپا دھاپی میں ہوگا۔ جس دیوار کا یہاں ذکر ہے یہ جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل ہوگی، اسی کا ذکر آیت وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ میں ہے۔ پس جنت میں رحمت اور جہنم میں

عذاب۔ ٹھیک بات یہی ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہوگی۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی شرقی دیوار ہے جس کے باطن میں مسجد وغیرہ ہے اور جس کے ظاہر میں وادی جہنم ہے اور بعض بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا مطلب یہ نہیں کہ بعینہ یہی دیوار اس آیت میں مراد ہے بلکہ اس کا ذکر بطور قرب معنی کے اس آیت کی تفسیر میں ان حضرات نے کر دیا ہے' اس لئے کہ جنت آسمانوں میں اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل السافلین میں اور حضرت کعب احبارؒ سے مروی ہے کہ جس دروازے کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد مسجد کا باب الرحمت ہے' یہ بنو اسرائیل کی روایت ہے جو ہمارے لئے سند نہیں بن سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار قیامت کے دن مومنوں اور منافقوں کے درمیان علیحدگی کے لئے کھڑی کی جائے گی' مومن تو اس کے دروازے میں سے جا کر جنت میں پہنچ جائیں گے' پھر دروازہ بند ہو جائے گا اور منافق حیرت زدہ ظلمت و عذاب میں رہ جائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں بھی یہ لوگ کفر و جہالت' شک و حیرت کی اندھیریوں میں تھے۔

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ
أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ
جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا
يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ
مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾

یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ یہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے تئیں گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور انتظار میں ہی رہے اور شک شبہ کرتے رہے اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور تمہیں دھوکا دینے والوں نے دھوکے میں ہی رکھا ○ الغرض آج تم سے نہ فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے اور نہ کافروں سے' تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے' وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○

منافقین کا واویلا: ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۵) اب یہ یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے' جمعہ جماعت ادا کرتے تھے' عرفات اور غزوات میں موجود رہتے تھے' واجبات ادا کرتے تھے۔ ایماندار کہیں گے ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن اپنے کرتوت تو دیکھو' گناہوں میں نفسانی خواہشوں میں' اللہ کی نافرمانیوں میں عمر بھر تم لذتیں اٹھاتے رہے' اور آج توبہ کر لیں گے کل بداعمالیاں چھوڑ دیں گے اسی میں رہے۔ انتظار میں ہی عمر گزار دی کہ دیکھیں مسلمانوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی یقین نہ ہوا کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں؟ اور پھر اس آرزو میں رہے کہ اگر آئے گی پھر تو ہم ضرور بخش دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک خدا کی طرف خلوص کے ساتھ جھکنے کی توفیق تمہیں میسر نہ آئی اور اللہ کے ساتھ تمہیں دھوکے باز شیطان نے دھوکے میں ہی رکھا' یہاں تک کہ آج تم جہنم واصل ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ جسموں سے تو تم ہمارے ساتھ تھے لیکن دل اور نیت سے ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ حیرت و شک میں ہی پڑے رہے' ریاکاری میں رہے اور دل لگا کر یاد خدا کرنی بھی تمہیں نصیب نہ ہوئی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ منافق مومنوں کے ساتھ تھے' نکاح بیاہ' مجلس' مجمع' موت و زیست میں شریک رہے لیکن اب یہاں بالکل الگ کر دیئے گئے۔ سورۂ مدثر کی آیتوں میں ہے کہ یہ سوال صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں شرمندہ کرنے کے ہوگا ورنہ حقیقت حال سے مسلمان خوب آگاہ ہوں گے۔ پھر جیسے وہاں فرمایا تھا کہ کسی کی سفارش انہیں نفع نہ دے گی' یہاں فرمایا آج ان

سے فدیہ نہ لیا جائے گا، گو زمین بھر کر سونا دیں قبول نہ کیا جائے گا، نہ منافقوں سے نہ کافروں سے، ان کا مرجع و ماویٰ جہنم ہے، وہی ان کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بدترین جگہ ہے۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ
اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ
اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ
قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ
یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ
لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

کیا اب تک ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے لئے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے پگھل جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں، جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گذر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں کے اکثر فاسق ہیں ○ یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے، ہم نے تو تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کر دیں تا کہ تم سمجھو ○

ایمان والوں سے سوال: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) پروردگار عالم فرماتا ہے کیا مومنوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا، وعظ ونصیحت، آیات قرآنی اور احادیث نبوی سن کر ان کے دل موم ہو جائیں؟ سنیں اور مانیں، احکام بجالائیں، ممنوعات سے پرہیز کریں؟ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قرآن نازل ہوتے ہی تیرہ سال کا عرصہ نہ گذرا تھا جو مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف نہ جھکنے کی دیر کی شکایت کی گئی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں چار ہی سال گذرے تھے جو ہمیں یہ عتاب ہوا (مسلم) اصحاب رسول پر ملال ہو کر حضورؐ سے کہتے ہیں حضرت کچھ بات تو بیان فرمایئے۔ پس یہ آیت اترتی ہے نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ایک مرتبہ کچھ دنوں بعد یہی عرض کرتے ہیں تو آیت اترتی ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ پھر ایک عرصہ بعد یہی کہتے ہیں تو یہ آیت اَلَمۡ یَاۡنِ اترتی ہے، رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلی خیر جو میری امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہوگا۔ پھر فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا، تھوڑے تھوڑے مول پر اسے فروخت کر دیا۔ پس کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے قیاس کے پیچھے پڑ گئے اور از خود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگ گئے اور خدا کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے، اپنے علماء اور درویشوں کی بے سند باتیں دین میں داخل کر لیں، ان بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے ان کے دل سخت کر دیئے، کچھ ہی خدا کی باتیں کیوں نہ سناؤ ان کے دل نرم نہیں ہوتے، کوئی وعظ ونصیحت ان پر اثر نہیں کرتا، کوئی وعدہ وعید ان کے دل خدا کی طرف موڑ نہیں سکتا بلکہ ان میں کے اکثر و بیشتر فاسق اور کھلے بدکار بن گئے، دل کے کھوٹے اور اعمال کے بھی کچے۔ جیسے اور آیت میں ہے فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّیۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ ''ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے، یہ کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف کر دیتے ہیں اور ہماری نصیحتیں بھلا بیٹھتے ہیں''، یعنی ان کے دل فاسد ہو گئے، اللہ کی باتیں بدلنے لگ گئے، نیکیاں چھوڑ دیں، برائیوں میں منہمک ہو گئے۔ اسی لئے رب العالمین اس امت کو متنبہ کر رہا ہے کہ خبردار ان کی رنگت تم پر نہ چڑھ جائے۔ اصل و فرع میں ان سے بالکل الگ رہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ربیع بن ابو عمیلہ فرماتے ہیں قرآن وحدیث کی مٹھاس تو مسلم ہی ہے لیکن میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بہت ہی پیاری اور میٹھی بات سنی ہے جو مجھے بے حد محبوب اور مرغوب ہے' آپ نے فرمایا جب بنو اسرائیل کی خدائی کتاب پر کچھ زمانہ گذر گیا تو ان لوگوں نے کچھ کتابیں خود تصنیف کر لیں اور ان میں وہ مسائل لکھے جو انہیں پسند تھے اور جو ان کے اپنے ذہن سے انہوں نے تراش لئے تھے' اب مزے لے لے کر زبانیں موڑ موڑ کر انہیں پڑھنے لگے' ان میں کے اکثر مسائل خدا کی کتاب کے خلاف تھے۔ جن جن احکام کے ماننے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا انہوں نے بدل ڈالے تھے اور اپنی کتاب میں اپنی طبیعت کے مطابق مسائل جمع کر لئے تھے اور انہی پر عامل بن گئے۔ اب انہیں سوجھی کہ اور لوگوں کو بھی منوائیں اور انہیں بھی آمادہ کریں کہ ان ہی ہماری لکھی ہوئی کتابوں کو شرعی کتابیں سمجھیں اور مدار عمل انہیں پر رکھیں' اب لوگوں کو اسی کی دعوت دینے لگے اور زور پکڑتے گئے یہاں تک کہ جو ان کی ان کتابوں کو نہ مانتا اسے یہ ستاتے' تکلیف دیتے' مارتے پیٹتے بلکہ قتل کر ڈالتے۔ ان میں ایک شخص اللہ والے پورے عالم اور متقی تھے' انہوں نے ان کی طاقت سے اور زیادتی سے مرعوب ہو کر کتاب اللہ کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک نرسنگھے میں ڈال کر اپنی گردن میں اسے ڈال لیا' ان لوگوں کا شر وفساد روز بروز بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ بہت سے ان لوگوں کو جو کتاب اللہ پر عامل تھے انہوں نے قتل کر دیا۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ دیکھو کہ یوں ایک ایک کو کب تک قتل کرتے رہیں گے؟ ان کا بڑا عالم اور ہماری اس کتاب کو بالکل نہ ماننے والا تمام بنی اسرائیل میں سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عامل فلاں عالم ہے' اسے پکڑو اور اس سے اپنی یہ رائے قیاس کی کتاب منواؤ اگر وہ مان لے گا تو پھر ہماری چاندی ہی چاندی ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دو' پھر تمہاری اس کتاب کا مخالف کوئی نہ رہے گا اور دوسرے لوگ خواہ مخواہ ہماری ان کتابوں کو قبول کر لیں گے اور انہیں ماننے لگیں گے۔

چنانچہ ان رائے قیاس والوں نے کتاب اللہ کے عالم و عامل اس بزرگ کو پکڑوا کر منگوایا اور اس سے کہا کہ دیکھ ہماری اس کتاب میں جو ہے اس سب کو تو مانتا ہے یا نہیں؟ ان پر تیرا ایمان ہے یا نہیں؟ اس خداترس کتاب اللہ کے ماننے والے عالم نے کہا اس میں تم نے کیا لکھا ہے؟ ذرا مجھے سناؤ' تو انہوں نے سنایا اور کہا اس کو تو مانتا ہے؟ اس بزرگ کو اپنی جان کا ڈر تھا اس لئے جرأت کے ساتھ یہ تو نہ کہہ سکا کہ نہیں مانتا بلکہ اپنے اس نرسنگھے کی طرف اشارہ کر کے کہا میرا اس پر ایمان ہے' وہ سمجھ بیٹھے کہ اس کا اشارہ ہماری اس کتاب کی طرف ہے۔ چنانچہ اس کی ایذا رسانی سے باز رہے لیکن تاہم اس کے اطوار وافعال سے کھٹکتے ہی رہے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوا تو انہوں نے تفتیش شروع کی کہ ایسا نہ ہو اس کے پاس کتاب اللہ اور دین کے سچے مسائل کی کوئی کتاب ہو' آخر وہ نرسنگھا ان کے ہاتھ لگ گیا' پڑھا تو اس میں اصلی مسائل کتاب اللہ کے موجود تھے' اب بات بنا لی کہ ہم نے تو کبھی یہ مسائل نہیں سنے' ایسی باتیں ہمارے دین کی نہیں۔ چنانچہ زبردست فتنہ برپا ہو گیا اور بہتر گروہ ہو گئے ان سب میں بہتر گروہ جو راستی پر اور حق پر تھا وہ تھا جو اس نرسنگھے والے مسائل پر عامل تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ واقعہ بیان فرما کر کہا لوگو! تم میں سے بھی جو باقی رہے گا وہ ایسے ہی امور کا معائنہ کرے گا اور وہ بالکل بے بس ہو گا' ان بری کتابوں کے مٹانے کی اس میں قدرت نہ ہو گی پس ایسے مجبوری اور بے کسی کے وقت بھی اس کا یہ فرض تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ ثابت کر دے کہ وہ ان سب کو برا جانتا ہے۔ امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ عتریس بن عرقوب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابو عبداللہؓ جو شخص بھلائی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ روکے وہ ہلاک ہوا' آپ نے فرمایا ہلاک وہ ہو گا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی نہ سمجھے اور برائی کو برائی نہ جانے پھر آپ نے بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔ پھر ارشاد باری ہے کہ جان رکھو مردہ زمین کو خدا زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ

سخت دلوں کے بعد بھی خدا انہیں نرم کرنے پر قادر ہے۔ گمراہیوں کی تہہ میں اتر جانے کے بعد بھی اللہ راہ راست پر لاتا ہے، جس طرح بارش خشک زمین کو تر کر دیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ دلوں میں جبکہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا ہو کتاب اللہ کی روشنی اسے دفعتہً منور کر دیتی ہے، اللہ کی وحی دلوں کے قفل کی کنجی ہے۔ سچا ہادی وہی ہے، گمراہی کے بعد راہ پر لانے والا، جو چاہے کرنے والا، حکمت و عدل والا، لطف و خیر والا، کبر و جلال والا، بلندی و علو والا وہی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا
بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۹ ۱۸

صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں ان کے لئے یہ بڑھایا جائے گا اور ان کے لئے پسندیدہ اجر و ثواب ہے ○ اللہ اور اس کے رسولؐ پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہید ہیں ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں ○

صدقہ و خیرات کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب :☆☆ (آیت:۱۸-۱۹) فقیر مسکین محتاجوں اور حاجت مندوں کو خالص خدا کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے راہ خدا صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر خدائے تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ دس دس گنا اور اس سے بھی زیادہ سات سات سو تک بلکہ اس سے بھی سوا، ان کے ثواب بے حساب ہیں، ان کے اجر بہت بڑے ہیں۔ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق و شہید ہیں، ان دونوں اوصاف کے مستحق صرف باایمان لوگ ہیں۔ بعض حضرات نے الشُّهَدَآءُ کو الگ جملہ مانا ہے۔ غرض تین قسمیں ہوئیں مصدقین، صدیقین، شہداء جیسے اور روایت میں ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کا اطاعت گذار انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ ہیں، پس صدیق و شہید میں یہاں بھی فرق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری و مسلم)

ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مومن کے ہیں، حضورؐ فرماتے ہیں میری امت کے مومن شہید ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرو بن میمونؒ کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی، جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی، ان کے رب نے ان کی طرف ایک بار دیکھا اور پوچھا تم کیا

چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تا کہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں۔ اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا' جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں وہ پکے ایمان والا مومن جو دشمن خدا سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اس قدر اپنا سر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی اور اس حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔ دوسرا وہ جو ہے ایمان دار' نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرأت کم ہے کہ یکا یک ایک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی' یہ دوسرے درجہ کا جنتی ہے' شہید ہے تیسرا وہ جس کے بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرما لیا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی' یہ تیسرے درجے میں ہیں۔ چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جہاد میں نکلا اور خدا نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوا لیا۔ ان نیک لوگوں کا انجام بیان کر کے اب بدلوگوں کا نتیجہ بیان کیا کہ یہ جہنمی ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ
بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ
اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا
ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا' زینت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے تئیں زیادہ بتانا ہے' جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ دکھائی دینے لگتی ہے پھر تو بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہیں اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے' دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے اسباب کے اور کچھ بھی تو نہیں ہے ○

دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰) امر دنیا کی تحقیر و توہین بیان ہو رہی ہے کہ اہل دنیا کو بجز لہو و لعب' زینت و فخر اور اولاد و مال کی بہتات کی چاہت کے سوا اور ہے ہی کیا؟ جیسے اور آیت میں ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ یعنی لوگوں کے لئے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے عورتیں' بچے وغیرہ۔ پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ اس کی تازگی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔ غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی نا امیدی کے بعد برسے۔ جیسے فرمان ہے وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا الخ' خدا وہ ہے جو لوگوں کی نا امیدی کے بعد بارش برساتا ہے۔ پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین سے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہلہاتی ہوئی کسان کی آنکھوں کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے' پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کی تر و تازگی اور یہاں کی بہبودی اور ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے' دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے' پھر ادھیڑ ہے' پھر بڑھیا ہے' ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے' اس کے بچپن' جوانی' ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھتے جایئے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھئے' کہاں جوانی کے وقت کا

اس کا جوش وخروش' زور وطاقت اور کس بل؟ اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری' جھریاں پڑا ہوا جسم' خمیدہ کمر اور بے طاقت ہڈیاں؟ جیسے ارشاد باری ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً یَخْلُقُ مَایَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا' پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی' پھر اس قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا' وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے''۔ اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے کی رغبت دلاتا ہے۔

پس فرماتا ہے عنقریب آنے والی قیامت اپنے ساتھ عذابوں اور سزاؤں کو لائے گی اور مغفرت اور رضامندیٔ رب کو لائے گی' پس تم وہ کام کرو کہ ناراضگی سے بچ جاؤ اور رضا حاصل کر لو' سزاؤں سے بچ جاؤ اور بخشش کے حقدار بن جاؤ' دنیا صرف دھوکے کی ٹٹی ہے' اس کی طرف جھکنے والے پر آخر وہ وقت آ جاتا ہے کہ یہ اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال ہی نہیں کرتا' اسی کی دھن میں روز وشب مشغول رہتا ہے بلکہ اس کمی والی اور زوال والی کمینی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے' شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بسا اوقات آخرت کا منکر بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک کوڑے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ پڑھو قرآن فرماتا ہے کہ دنیا تو صرف دھوکے کا سامان ہے (ابن جریرؒ) آیت کی زیادتی بغیر یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الرقاق میں بھی ہے' واللہ اعلم۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾

آؤ دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے۔ یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں' یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

مغفرت کی جستجو: ☆☆ (آیت:۲۱) مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک سے جنت اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنا تمہارا جوتی کا تسمہ اور اسی طرح جہنم بھی (بخاری) پس معلوم ہوا کہ خیر وشر انسان سے بہت نزدیک ہے اور اس لئے اسے چاہئے کہ بھلائیوں کی طرف سبقت کرے اور برائیوں سے منہ پھیر کر بھاگتا رہے۔ تاکہ گناہ اور برائیاں معاف ہو جائیں اور ثواب اور درجے بلند ہو جائیں۔ اسی لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی جنس کے برابر ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف سبقت کرو جس کی کشادگی کل آسمان اور ساری زمینیں ہیں جو پارسا لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہاں فرمایا یہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے' یہ لوگ اللہ کے اس فضل کے لائق تھے' اسی لئے اس بڑے فضل وکرم والے نے اپنی نوازش کے لئے انہیں چن لیا اور ان پر اپنا پورا احسان اور اعلیٰ انعام کیا۔ پہلے ایک صحیح حدیث بیان ہو چکی ہے کہ مہاجرین کے فقراء نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو جنت کے بلند درجوں کو اور ہمیشگی والی نعمتوں کو پا گئے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ تو کہا

نماز روزہ تو وہ اور ہم سب کرتے ہیں لیکن مال کی وجہ سے وہ صدقہ کرتے ہیں' غلام آزاد کرتے ہیں جو مفلسی کی وجہ سے ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تو آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں کہ اس کے کرنے سے تم ہر شخص سے آگے بڑھ جاؤ گے مگر ان سے جو تمہاری طرح خود بھی اس کو کرنے لگیں' دیکھو تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی ہی بار اللہ اکبر اور اسی طرح الحمدللہ۔ کچھ دنوں بعد یہ بزرگ پھر حاضر حضور ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی اس وظیفہ کی اطلاع مل گئی اور انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ
اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا
تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ
وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر کہ مخلوق کو ہم پیدا کریں اس سے پہلے ہی وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے' یہ کام اللہ تعالیٰ پر بالکل ہی آسان ہے ○ تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ' اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ○ جو خود بھی بخل کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیں' سنو جو بھی منہ پھیر لے اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا ہے ○

تنگی اور آسانی اللہ کی طرف سے ہے: ☆☆ (آیت:۲۳-۲۴) اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کی خبر دے رہا ہے جو اس نے مخلوقات کے رچانے سے پہلے ہی اپنی مخلوق کی تقدیر مقرر کی تھی' تو فرمایا کہ زمین کے جس حصے میں کوئی برائی آئے یا جس کسی شخص کی جان پر کچھ آ پڑے اسے یقین رکھنا چاہئے کہ خلق کی پیدائش سے پہلے ہی یہ علم اللہ میں مقرر تھا اور اس کا ہونا یقینی تھا' بعض کہتے ہیں یہ جانوں کی پیدائش سے پہلے ہے۔ بعض کہتے ہیں مصیبت کی پیدائش سے پہلے ہے' لیکن زیادہ ٹھیک بات یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہے۔ امام حسنؒ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمانے لگے سبحان اللہ ہر مصیبت جو آسمان و زمین میں ہے وہ جانوں کی پیدائش سے پہلے ہی رب کی کتاب میں موجود ہے' اس میں کیا شک ہے؟ زمین کی مصیبتوں سے مراد خشک سالی قحط وغیرہ ہے اور جانوں کی مصیبت درد دکھ اور بیماری ہے' جس کسی کو کوئی خراش لگتی ہے یا لغزش پا سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی سخت محنت سے پسینہ آ جاتا ہے یہ سب اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے اور ابھی تو بہت سے گناہ ہیں جنہیں وہ غفور و رحیم خدا بخش دیتا ہے' یہ آیت بہترین اور بہت اعلیٰ دلیل ہے قدریہ کی تردید میں جن کا خیال ہے کہ سابق علم کوئی چیز نہیں' اللہ انہیں ذلیل کرے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے تقدیریں مقرر کیں' آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے۔ ایک اور روایت میں ہے اس کا عرش پانی پر تھا (ترمذی) پھر فرماتا ہے کاموں کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا اندازہ کر لینا' ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے لکھ دینا' خدا پر کچھ مشکل نہیں' وہی تو ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس کا محیط علم ہو چکی ہوئی' ہوتی ہوئی اور ہونے والی تمام چیزوں کو شامل

ہے- پھر ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہیں یہ خبر اس لئے دی ہے کہ تم یقین رکھو کہ جو تمہیں پہنچا وہ ہرگز کسی صورت سے ٹلنے والا نہ تھا' پس مصیبت کے وقت صبر و شکر' سہار و ثابت قدمی' مضبوط دلی اور روحانی طاقت تم میں موجود رہے' ہائے وائے بے صبری اور بے ضبطی تم سے دور رہے' جزع فزع تم پر چھا نہ جائے' تم اطمینان سے رہو کہ یہ تکلیف تو آنے والی تھی ہی' اسی طرح اگر مال و دولت غلبہ وغیرہ مل جائے تو اس وقت آپے سے باہر نہ ہو جاؤ' اسے عطیۂ خدا مانو' تکبر اور غرور تم میں نہ آ جائے' ایسا نہ ہو کہ دولت و مال وغیرہ کے نشے میں پھول جاؤ اور خدا کو بھول جاؤ' اس لئے کہ اس وقت بھی ہماری یہ تعلیم تمہارے سامنے ہوگی کہ یہ میرے دست و بازو' کا میری عقل و ہوش کا نتیجہ نہیں بلکہ داد خدا ہے- ایک قرأت اس کی اَتٰکُمْ ہے دوسری اٰتٰکُمْ ہے اور دونوں میں تلازم ہے' اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے جی میں اپنے تئیں بڑا سمجھنے والے' دوسروں پر فخر کرنے والے خدا کے دشمن ہیں- حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ رنج و راحت' خوشی و غم تو ہر شخص پر آتا ہے' خوشی کو شکر میں اور غم کو صبر میں گذار دو- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بخیل اور خلاف شرع کام کرنے والے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی برا راستہ بتلاتے ہیں- جو شخص اللہ کی حکم برداری سے ہٹ جائے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ہر طرح سزاوار حمد ہے- جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ یعنی اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کافر ہو جائیں تو بھی خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ ساری مخلوق سے غنی ہے اور مستحق حمد ہے-

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ
فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ
يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾ ع ٦ ١٩

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و لڑائی ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور اس لئے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے' اللہ ہے قوت والا اور زبردست ○

لوہے کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۲۵) اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو معجزے دے کر اور ظاہر حجتیں عطا فرما کر اور بھرپور دلائل دے کر دنیا میں مبعوث فرمایا' پھر ساتھ ہی کتاب بھی انہیں دی جو کھری اور صاف سچی ہے اور عدل و حق دیا جس سے ہر عقل مند انسان ان کی باتوں کے قبول کر لینے پر فطرتاً مجبور ہو جاتا ہے' ہاں بیمار رائے والے اور خلاف عقل والے اس سے محروم رہ جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ''جو شخص اپنے رب کی طرف دلیل پر ہو اور ساتھ ہی اس کے شاہد بھی ہو'' - ایک اور جگہ ہے ''اللہ کی یہ فطرت ہے جس پر مخلوق کو اس نے پیدا کیا ہے'' اور فرماتا ہے آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان رکھ دی پس یہاں فرمان ہے یہ اس لئے کہ لوگ حق و عدل پر قائم ہو جائیں یعنی اتباع رسول کرنے لگیں' امر رسول بجا لائیں- رسول ہی کی تمام باتوں کو حق سمجھیں' کیونکہ اس کے سوا سراسر حق کسی اور کا کلام نہیں- جیسے فرمان ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُه رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ''تیرے رب کا کلمہ جو اپنی خبروں میں سچا اور اپنے احکام میں عدل والا ہے پورا ہو چکا'' - یہی وجہ ہے کہ جب ایمان دار جنتوں میں پہنچ جائیں گے' خدا کی نعمتوں سے مالا مال

ہو جائیں گے تو کہیں گے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی' اگر اس کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم اس راہ نہیں لگ سکتے تھے' ہمارے رب کے رسولؐ ہمارے پاس حق لائے تھے۔ پھر فرماتا ہے ہم نے منکرین حق کی سرکوبی کے لئے لوہا بنایا ہے یعنی اولاً تو کتاب' رسول اور حق سے حجت قائم کی پھر ٹیڑھے دل والوں کی کجی نکالنے کے لئے لوہے کو پیدا کر دیا کہ اس کے ہتھیار بنیں اور خدا دوست حضرات دشمنان خدا کے دل کا کانٹا نکال دیں' یہی نمونہ حضورؐ کی زندگی میں بالکل عیاں نظر آتا ہے کہ مکہ شریف کے تیرہ سال مشرکین کو سمجھانے بجھانے' توحید و سنت کی دعوت دینے' ان کے عقائد کی اصلاح کرنے میں گذارے' خود اپنے اوپر مصیبتیں جھیلیں لیکن جب یہ حجت ختم ہو گئی تو شارع علیہ السلام نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی' پھر حکم دیا کہ اب ان مخالفین سے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کو روک رکھا ہے' مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے' ان کی زندگی دوبھر کر دی ہے' ان سے باقاعدہ جنگ کرو' ان کی گردنیں مارو اور ان مخالفین وحی خدا سے زمین کو پاک کرو۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے آگے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ تلے رکھا گیا ہے اور کمینہ پن اور ذلت ان لوگوں پر ہے جو میرے حکم کا خلاف کریں اور جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ پس لوہے سے لڑائی کے ہتھیار بنتے ہیں جیسے تلوار' نیزے' چھریاں نیز زرہیں وغیرہ اور لوگوں کے لئے اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں جیسے سکے' کدال' پھاوڑے' آرے' کھیتی کے آلات' بننے کے آلات' پکانے کے برتن' روٹی کے توے وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی ایسی ہی چیزیں جو انسانی زندگی کی ضروریات سے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت میں آئیں نہائی' سنی اور ہتھوڑا (ابن جریر) پھر فرمایا تاکہ اللہ جان لے کہ ان ہتھیاروں کے اٹھانے سے اللہ اور رسول کی مدد کرنے کا نیک ارادہ کس کا ہے؟ خدا قوت و غلبہ والا ہے' اس کے دین کی جو مدد کرے وہ اس کی مدد کرتا ہے' دراصل اپنے دین کو وہی قوی کرتا ہے اس نے جہاد تو صرف اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے مقرر فرمایا ہے ورنہ غلبہ و نصرت تو اسی کی طرف سے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ
وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾
ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى
ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا
كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا
حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر

نافرمان رہے O ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے درپے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا ہے، ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا لیکن ان کی نیت اللہ کی رضا جوئی تھی سوانہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی، پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا، ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں O

حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت: ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس فضیلت کو دیکھئے کہ حضرت نوحؑ کے بعد سے لے کر حضرت ابراہیمؑ تک جتنے پیغمبر آئے سب آپ ہی کی نسل سے آئے اور پھر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے بعد جتنے نبی اور رسول آئے سب کے سب آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ جیسے اور آیت میں ہے وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ یہاں تک کہ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حضور محمد ﷺ کی خوش خبری سنائی۔ پس نوح اور ابراہیم صلوات اللہ علیہما کے بعد برابر رسولوں کا سلسلہ رہا، حضرت عیسیٰؑ تک جنہیں انجیل ملی اور جن کی تابع فرمان امت رحمدل اور نرم مزاج واقع ہوئی، خشیت خدا اور رحمت خلق کے پاک اوصاف سے متصف، پھر نصرانیوں کی ایک بدعت کا ذکر ہے جو ان کی شریعت میں تو نہ تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے اسے ایجاد کر لی تھی، اس کے بعد کے جملے کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ مقصد ان کا نیک تھا، خدا کی رضا جوئی کے لئے یہ طریقہ نکالا تھا، حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا، ہاں ہم نے ان پر صرف اللہ کی رضا جوئی واجب کی تھی۔

پھر فرماتا ہے یہ اسے بھی نبھا نہ سکے، جیسا چاہئے تھا ویسا اس پر بھی نہ جمے، پس دوہری خرابی آئی ایک اپنی طرف سے ایک نئی بات دین خدا میں ایجاد کرنے کی، دوسری اس پر بھی قائم نہ رہنے کی، یعنی جسے وہ خود قرب خدا کا ذریعہ اپنے ذہن سے سمجھ بیٹھے تھے بالآخر اس پر بھی پورے نہ اترے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پکارا آپ نے لبیک کہا، آپ نے فرمایا سنو بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے، جن میں سے تین نے نجات پائی، پہلے فرقہ نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال وقتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے، ان پر لشکر کشی کی اور انہیں قتل بھی کیا، قید بھی کیا، ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی، پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی، ان میں مقابلہ کی طاقت تو نہ تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور خدا کے سچے دین اور حضرت عیسیٰؑ کے اصلی مسلک کی طرف انہیں دعوت دینے لگے، ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا، آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا جسے اس جماعت نے صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی۔ پھر تیسری جماعت اٹھی، یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے، ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں، اس لئے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں، عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں۔ انہی کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے، یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ اس میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں سے اکثر جو فاسق ہیں وہ وہ ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرا خلاف کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بعد توریت وانجیل میں تبدیلیاں کر لیں لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات وانجیل ان کے ہاتھوں میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں نے جنہوں نے کتاب اللہ میں ردوبدل کر لیا تھا، اپنے بادشاہوں سے ان سچے مومنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر

جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں، اس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں، پھر یہ لوگ ہمارے اعمال پر بھی عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔

پس آپ انہیں دربار میں بلوایئے اور انہیں مجبور کیجئے کہ یا تو وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی عقیدہ و ایمان رکھیں جیسا ہمارا ہے، ورنہ انہیں بدترین عبرت ناک سزا دیجئے چنانچہ ان سچے مسلمانوں کو دربار میں بلوایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یا تو ہماری اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے اپنے ہاتھوں میں جو خدائی کتابیں ہیں، انہیں چھوڑ دو ورنہ جان سے ہاتھ دھولو اور قتل گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ۔ اس پر ان پاک بازوں کی ایک جماعت نے تو کہا کہ تم ہمیں ستاؤ نہیں، تم اونچی عمارت بنا دو، ہمیں وہاں پہنچا دو اور ڈوری چھتری دے دو، ہمارا کھانا پینا اس میں ڈال دیا کرو، ہم اوپر سے کھینچ لیا کریں گے نیچے اتریں گے ہی نہیں اور تم میں آئیں گے ہی نہیں۔ ایک جماعت نے کہا سنو ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں، جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتے ہیں، تمہاری بادشاہت کی سرزمین سے باہر ہو جاتے ہیں، چشموں، نہروں، ندیوں، نالوں اور تالابوں سے جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پیا کریں گے اور جو پھول پات مل جائیں گے ان پر گذارہ کرلیں گے، اس کے بعد اگر تم ہمیں اپنے ملک میں دیکھ لو تو بیشک گردن اڑا دینا، تیسری جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دے دو اور وہاں حصار کھینچ دو، وہیں ہم کنویں کھود لیں گے اور کھیتی کرلیا کریں گے، تم میں ہرگز نہ آئیں گے۔ چونکہ اس خدا پرست جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں، اس لئے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے گئے لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے جنہیں دراصل علم و ایمان نہ تھا، تقلیداً ساتھ ہو لئے، ان کے بارے میں یہ آیت وَرَهۡبَانِيَّةَ نازل ہوئی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت ان میں کے بہت کم لوگ رہ گئے تھے، آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے اور جنگلوں والے اپنے جنگلوں سے اور حصار والے اپنے حصاروں سے نکل کھڑے ہوئے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ يُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِهٖ الخ، یعنی ''ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، تمہیں اللہ اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا (یعنی حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا اور پھر حضرت محمدؐ پر ایمان لانے کا) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو (یعنی قرآن وسنت) تاکہ اہل کتاب جان لیں (جو تم جیسے ہیں) کہ اللہ کے کسی فضل کا اختیار انہیں نہیں اور سارا فضل خدا کے ہاتھ ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے''۔ یہ سیاق غریب ہے اور ان دونوں پچھلی آیتوں کی تفسیر اس آیت کے بعد ہی آ رہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابویعلیٰ میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے زمانہ میں آئے، آپ اس وقت امیر مدینہ تھے، جب یہ آئے اس وقت حضرت انسؓ نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے، جیسے مسافرت کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب، جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ ﷺ کی تھی، میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی۔ ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت نہیں کہہ سکتا، حضورؐ کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی، ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی، پس ان کی بقایا خانقاہوں میں اور ایسے ہی گھروں میں اب بھی دیکھ لو، یہ تھی وہ سختی کہ ترک دنیا جو اللہ نے ان پر واجب نہیں کی تھی۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آیئے سواریوں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

حضرت انسؓ نے فرمایا بہت اچھا' بس سب سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو بالکل اجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے ہوئے تھے' تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی' انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا' حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے' آنکھ کا بھی زنا ہے' ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے اور شرمگاہ اسے سچاتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں ہر نبی کے لئے رہبانیت تھی اور میری امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ ایک شخص حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے کچھ وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا' میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی' یہی تمام نیکیوں کا سر ہے اور تو جہاد کو لازم پکڑ لے یہی اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر' وہی تیری راحت و روح ہے آسمانوں میں اور تیری یاد ہے زمین میں۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ
يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ
بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۚ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ
اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ
اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ ع ٤ ٢٠

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا' اللہ بخشنے والا اور مہربانی والا ہے ○ یہ اس لئے کہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ سارا فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے' اللہ ہے ہی بڑے فضل والا ○

مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال: ☆☆ (آیت: ۲۸-۲۹) اس سے پہلے کی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جن مومنوں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد اہل کتاب کے مومن ہیں اور انہیں دوہرا اجر ملے گا' جیسے کہ سورۂ قصص کی آیت میں ہے اور جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر مجھ پر بھی ایمان لایا اسے دوہرا اجر ہے اور وہ غلام جو اپنے آقا کی تابعداری کرے اور خدا کا حق بھی ادا کرے اسے بھی دو دو اجر ہیں' اور وہ شخص جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور بہت اچھا ادب سکھائے' یعنی شرعی ادب پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کر دے وہ بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب اہل کتاب اس دوہرے اجر پر فخر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس امت کے حق میں نازل فرمائی۔ پس انہیں دوہرے اجر کے بعد نور ہدایت دینے کا بھی وعدہ کیا اور مغفرت کا بھی' پس نور اور مغفرت انہیں زیادہ ملی (ابن جریرؒ) اسی مضمون کی آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ الخ' ہے یعنی اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے فرقان کرے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا' اللہ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم سے دریافت فرمایا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے۔ اس نے کہا ساڑھے تین سو تک، آپ نے اللہ کا شکر کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا ملا ہے۔ حضرت سعیدؒ نے اسے بیان فرما کر یہی آیت پڑھی اور فرمایا اسی طرح جمعہ کا دوہرا اجر ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے چند مزدور کسی کام پر لگانے چاہے اور اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے ایک قیراط لے اور صبح کی نماز سے لے کر آدھے دن تک کام کرے؟ پس یہود تیار ہو گئے، اس نے پھر کہا ظہر سے عصر تک، اب جو کام کرے اسے میں ایک قیراط دوں گا اس پر نصرانی تیار ہوئے کام کیا اور اجرت لی، اس نے پھر کہا اب عصر سے مغرب تک جو کام کرے میں اسے دو قیراط دوں گا پس وہ تم مسلمان ہو، اس پر یہود نصاریٰ بہت بگڑے اور کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور دام انہیں زیادہ ملے، ہمیں کم دیا گیا تو انہیں جواب ملا کہ میں نے تمہارا کوئی حق تو نہیں مارا؟ انہوں نے کہا نہیں ایسا تو نہیں ہوا، جواب ملا کہ پھر یہ میرا فضل ہے، جسے چاہوں دوں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند لوگوں کو کام پر لگایا، اجرت ٹھہرا لی اور انہوں نے ظہر تک کام کر کے کہہ دیا کہ اب ہمیں ضرورت نہیں، جو ہم نے کیا ہم اس کی اجرت بھی نہیں چاہتے اور اب ہم کام بھی نہیں کریں گے، اس نے انہیں سمجھایا بھی کہ ایسا نہ کرو کام پورا کرو اور مزدوری لے جاؤ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کام ادھورا چھوڑ کر اجرت لئے بغیر چلتے بنے۔ اس نے اور مزدور لگائے اور کہا کہ باقی کام شام تک تم پورا کرو اور پورے دن کی مزدوری میں تمہیں دوں گا، یہ کام پر لگے لیکن عصر کے وقت یہ بھی کام سے ہٹ گئے اور کہہ دیا کہ اب ہم سے نہیں ہو سکتا، ہمیں آپ کی اجرت نہیں چاہئے، اس نے انہیں بھی سمجھایا کہ دیکھو اب دن باقی ہی کیا رہ گیا ہے، تم کام پورا کرو اور اجرت لے جاؤ، لیکن یہ نہ مانے اور چلے گئے اس نے پھر اوروں کو بلایا اور کہا لو تم مغرب تک کام کرو اور دن بھر کی مزدوری لے جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے مغرب تک کام کیا اور ان دونوں جماعتوں کی اجرت بھی یہی لے گئے، پس یہ ہے ان کی مثال اور اس نور کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا۔ پھر فرماتا ہے یہ اس لئے کہ اہل کتاب یقین کر لیں کہ خدا جسے دے، یہ اس کے لوٹانے کی اور جسے نہ دے اسے دینے کی کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور اس بات کو بھی وہ جان لیں کہ فضل و کرم کا مالک صرف وہی پروردگار ہے، اس کے فضل کا کوئی اندازہ اور حساب نہیں لگ سکتا۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لِئَلَّا یَعْلَمَ کا معنی لِیَعْلَمَ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں لِكَيْ يَعْلَمَ ہے۔ اسی طرح حضرت عطا بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی قرأت مروی ہے۔ غرض یہ ہے کہ کلام عرب میں لا صلہ کے لئے آتا ہے جو کلام کے اول آخر میں آ جاتا ہے اور وہاں انکار مراد نہیں ہوتا، جیسے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ میں اور وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ میں۔ الحمدللہ سورۂ حدید کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس ستائیسویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں اپنے پاک کلام کی صحیح سمجھ دے اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ میرے مہربان خدا میرے عاجز ہاتھوں سے اس پاک تفسیر کو پوری کرا کے مکمل مطبوع مجھے دکھا دے، مقبولیت عطا فرما اور اس پر ہمیں عمل نصیب فرما۔ اے دلوں کے بھید سے آگاہ خدا میری عاجزانہ التماس ہے کہ میرے نامہ اعمال میں اسے ثابت فرما اور میرے تمام گناہوں کا کفارہ اسے کر دے اور اس کے پڑھنے والوں پر رحم فرما اور ان کے دل میں ڈال کہ وہ میرے لئے بھی رحم کی دعا کریں۔ خدایا اپنے سچے دین کی اور اپنے غلاموں کی تائید کر اور اپنے نبیؐ کے کلام کو سب کے کلاموں پر غالب رکھ۔ آمین!

تفسیر ابن کثیر

چند اہم مضامین کی فہرست

۲۸
پارہ نمبر

- خولہ اور خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اور مسئلہ ظہار ۴۶۹
- احکامات رسول اللہ ﷺ اور ہم ۴۷۳
- معاشرتی آداب کا ایک پہلو اور قیامت کا ایک منظر ۴۷۵
- آداب مجلس باہم معاملات اور علمائے حق و باعمل کی توقیر ۴۷۷
- نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کی منسوخ شرط ۴۸۰
- دوغلے لوگوں کا کردار ۴۸۱
- جو حق سے پھرا وہ ذلیل و خوار ہوا ۴۸۲
- مال فے کی تعریف وضاحت اور حکم رسول اللہ ﷺ کی تعمیل ہی اصل ایمان ہے ۴۸۹
- مال فے کے حقدار ۴۹۳
- کفر بزدلی کی گود ہے۔ تلبیس ابلیس کا ایک انداز ۴۹۷
- اجتماعی کار خیر کی ایک نوعیت اور انفرادی اعمال خیر ۵۰۰
- بلند و عظیم مرتبہ قرآن مجید ۵۰۲
- اللہ تعالیٰ کی صفات ۵۰۳
- حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ ۵۰۵
- عصبیت دین ایمان کا جزو لاینفک ہے ۵۰۹
- مومنوں کی دعا ۵۱۰
- کفار سے محبت کی ممانعت کی دوبارہ تاکید ۵۱۱
- مہاجر خواتین کے متعلق بعض ہدایات ۵۱۳
- خواتین کا طریقہ بیعت ۵۱۶
- کفار سے دلی دوستی کی ممانعت ۵۲۰
- ایفائے عہد ایمان کی علامت ہے اور صف اتحاد کی علامت ۵۲۱
- کیا ایفائے عہد واجب ہے؟ ۵۲۱
- حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے خاتم الانبیاء کی پیشین گوئی ۵۲۳
- نبی ﷺ کے مختلف صفاتی نام ۵۲۴
- ہر نبی سے آخری نبیؐ کی پیروی کا عہد ۵۲۵
- پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا ۵۲۶
- سو فی صد نفع بخش تجارت ۵۲۷
- عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کی روداد ۵۲۸
- سچے عیسائی ۵۲۹
- بنی اسرائیل کے تین گروہ ۵۲۹
- قرآن حکیم آفاقی کتاب ہدایت ہے ۵۳۰
- میں دعائے ابراہیمی بن کر آیا ۵۳۱
- اہل فارس کی عظمت ۵۳۱
- کتابوں کا بوجھ لادا گدھا اور بے عمل عالم ۵۳۲
- یہودیوں کو دعوت مباہلہ ۵۳۳
- جمعہ کا دن کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیوں ہے؟ ۵۳۳
- تجارت عبادت اور صلوٰۃ جمعہ ۵۳۶
- منافقوں کی محرومی سعادت کے اسباب ۵۳۸
- مال و دولت کی خود سپردگی خرابی کی جڑ ہے ۵۴۳
- سابقہ واقعات سے سبق لو ۵۴۵
- منکرین قیامت مشرکین و ملحدین ۵۴۶
- وہی مختار مطلق ہے ناقابل تردید سچائی ۵۴۷
- اللہ کی یاد اور اولاد و مال کی محبت ۵۴۸
- عائلی قانون ۵۵۳
- مسائل عدت ۵۵۵
- طلاق کے بعد بھی سلوک کی ہدایت ۵۵۷
- شریعت پر چلنا ہی --- روشنی کا انتخاب ہے ۵۵۹
- حیرت افزا شان ذوالجلال ۵۶۰
- ہمارا گھرانہ اور ہماری ذمہ داریاں ۵۶۷
- تحفظ قانون کے لئے حکم جہاد ۵۷۰
- سعادت مند آسیہ (فرعون کی بیوی) ۵۷۱

تفسیر سورة المجادله

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

سچے معبود بڑے رحم وکرم والے اللہ کے نام سے شروع

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی' اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے ○

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات حمد وثنا کے لائق ہے' جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے۔ یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ آ کر آنحضرت ﷺ سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کہ باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میں مطلقاً نہ سن سکی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس پوشیدہ آواز کو بھی سن لیا اور یہ آیت اتری (بخاری ومسند وغیرہ) اور روایت میں آپ کا یہ فرمان اس طرح منقول ہے کہ بابرکت ہے وہ خدا جو ہر اونچی نیچی آواز کو سنتا ہے' یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا ورنہ اکثر باتیں باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں اپنے میاں کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ یارسول اللہ! میری جوانی تو ان کے ساتھ کٹی' بچے ان سے ہوئے' اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی' اولاد کے قابل نہ رہی تو میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے اپنے اس دکھڑے کا رونا روتی ہوں۔ ابھی یہ بی بی صاحبہ گھر سے باہر نہیں نکلی تھیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے۔ ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن ابی حاتم)۔

انہیں کبھی کچھ جنون سا ہو جاتا تھا۔ اس حالت میں اپنی بیوی صاحبہ سے ظہار کر لیتے' پھر جب اچھے ہو جاتے تو گویا کچھ نہ تھا۔ یہ بی بی صاحبہ حضورؐ سے فتویٰ پوچھنے اور خدا کے سامنے اپنی التجا بیان کرنے کو آئیں جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں اور لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے جو ایک عورت نے آواز دے کر ٹھہرا لیا۔ حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس جا کر توجہ اور ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے' جب وہ اپنی فرمائش کی تعمیل کرا چکیں اور خود لوٹ گئیں' تب امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی واپس ہمارے پاس آئے۔ ایک شخص نے کہا امیر المومنین ایک بڑھیا کے کہنے سے آپ رک گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا۔ آپ نے فرمایا افسوس جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ اس نے کہا نہیں' فرمایا یہ وہ عورت ہیں جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی' یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں' اگر یہ آج صبح سے شام چھوڑ رات کر دیتیں اور مجھ سے کچھ فرماتی رہتیں تو بھی میں ان کی خدمت سے نہ ٹلتا' ہاں نماز کے وقت نماز ادا کر لیتا اور پھر کمربستہ خدمت کے لئے حاضر ہو جاتا (ابن ابی حاتم) اس کی سند منقطع ہے اور دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ خولہ بنت صامت تھیں اور ان کی والدہ کا نام معاذہؓ تھا جن کے بارے میں آیت وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ ہوئی تھی لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ حضرت خولہ اوس بن صامت کی بیوی تھیں' اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ
اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا
مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَالَّذِيْنَ
يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں ان کی اصلی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے، یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے ○ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کریں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے غلام آزاد کرنا ہے، تمہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ○

خولہ اور خویلہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اور مسئلہ ظہار: ☆☆ (آیت: ۲-۳) حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میرے اور میرے خاوند اوس بن صامت کے بارے میں اس سورۂ مجادلہ کی شروع کی چار آیتیں اتری ہیں۔ میں ان کے گھر میں تھی یہ بوڑھے اور بڑی عمر کے تھے اور کچھ اخلاق کے بھی اچھے نہ تھے۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے اس کی کسی بات کا خلاف کیا اور انہیں کچھ جواب دیا جس پر وہ بڑے غضب ناک ہوئے اور غصے میں فرمانے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، پھر گھر سے چلے گئے اور قومی مجلس میں کچھ دیر بیٹھے رہے، پھر واپس آئے اور مجھ سے خاص بات چیت کرنی چاہی، میں نے کہا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے تمہارے اس کہنے کے بعد اب یہ بات ناممکن ہے یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہمارے بارے میں نہ ہو۔ لیکن وہ نہ مانے اور زبردستی کرنے لگے مگر چونکہ کمزور اور ضعیف تھے، میں ان پر غالب آ گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے میں اپنی پڑوسن کے ہاں گئی اور اس سے کپڑا مانگ کر اوڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی۔ اس واقعہ کو بیان کیا اور بھی اپنی مصیبتیں اور تکلیفیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ آپ یہی فرماتے جاتے تھے خویلہ اپنے خاوند کے بارے میں اللہ سے ڈرو، وہ بوڑھے بڑے ہیں، ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، جب وحی اتر چکی تو آپ نے فرمایا اے خویلہؓ! تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر آپ نے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے عَذَابٌ اَلِيْمٌ تک پڑھ سنایا۔

اور فرمایا جاؤ اپنے میاں سے کہو کہ ایک غلام آزاد کریں۔ میں نے کہا حضورؐ ان کے پاس غلام کہاں؟ وہ تو بہت مسکین شخص ہیں، آپ نے فرمایا اچھا تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھ لیں۔ میں نے کہا حضورؐ وہ تو بڑی عمر کے بوڑھے ناتواں کمزور ہیں، انہیں دو ماہ کے روزوں کی بھی طاقت نہیں، آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (تقریباً چار من پختہ) کھجور دے دیں۔ میں نے کہا حضور اس مسکین کے پاس یہ بھی نہیں، آپ نے فرمایا اچھا آدھا وسق کھجوریں میں اپنے پاس سے انہیں دے دوں گا میں نے کہا بہتر آدھا وسق میں دے دوں گی۔ آپؐ نے

فرمایا یہ تم نے بہت اچھا کیا اور خوب کام کیا جاؤ یہ ادا کر دو اور اپنے خاوند کے ساتھ جو تمہارے چچا کے لڑکے ہیں، محبت، پیار خیر خواہی اور فرمانبرداری سے گذارا کرو (مسند احمد و ابوداؤد)۔ ان کا نام بعض روایتوں میں خویلہ کے بجائے خولہ بھی آیا ہے اور بنت ثعلبہ کے بدلے بنت مالک بن ثعلبہ بھی آیا ہے، ان اقوال میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو واللہ اعلم۔ اس سورت کی ان شروع کی آیتوں کا صحیح شان نزول یہی ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يَّتَمَاسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ
ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤

ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمے دو مہینوں کے لگاتار روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا کھلانا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی حکم برداری کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کفار ہی کے لئے دکھ کی مار ہے ○

ظہار کے احکام: ☆☆ (آیت:۴) حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جو اب آ رہا ہے وہ اس کے اترنے کا باعث نہیں ہوا، ہاں البتہ جو حکم ظہار ان آیتوں میں تھا، انہیں بھی دیا گیا یعنی آزادگی غلام یا روزے یا کھانا دینا۔ حضرت سلمہ بن صخر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ خود ان کی زبانی یہ ہے کہ مجھے جماع کی طاقت اوروں سے بہت زیادہ تھی۔ رمضان میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو دن میں روزے کے وقت میں بچ نہ سکوں، میں نے رمضان بھر کے لئے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا۔ ایک رات جبکہ وہ میری خدمت میں مصروف تھی، بدن کے کسی حصہ پر سے کپڑا ہٹ گیا پھر تاب کہاں تھی؟ اس سے بات چیت کر بیٹھا، صبح اپنی قوم کے پاس آ کر میں نے کہا رات ایسا واقعہ ہو گیا ہے تم مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو اور آپ سے پوچھو کہ اس گناہ کا بدلہ کیا ہے؟ سب نے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو تیرے ساتھ نہیں جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم میں اس کی بابت کوئی آیت اترے یا حضورؐ کوئی ایسی بات فرما دیں کہ ہمیشہ کے لئے ہم پر عار باقی رہ جائے، تو جانے یا تیرا کام، تو نے ایسا کیوں کیا؟ ہم تیرے ساتھی نہیں۔ میں نے کہا اچھا پھر میں اکیلا جاتا ہوں، چنانچہ میں گیا اور حضورؐ سے تمام واقعہ بیان کیا آپ نے پھر فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے پھر یہی عرض کیا کہ ہاں حضورؐ مجھ سے یہ خطا ہو گئی آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا۔ میں نے پھر اقرار کیا اور کہا کہ حضورؐ میں موجود ہوں، جو سزا میرے لئے تجویز کی جائے میں اسے صبر سے برداشت کروں گا، آپ حکم دیجئے۔ آپ نے فرمایا جاؤ ایک غلام آزاد کرو، میں نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا حضور میں تو صرف اس کا مالک ہوں، اللہ کی قسم مجھے غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر دو مہینے کے پے در پے روزے رکھو، میں نے کہا یا رسول اللہ! روزوں ہی کی وجہ سے تو یہ ہوا، آپ نے فرمایا پھر جاؤ صدقہ کرو، میں نے کہا اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس کچھ نہیں بلکہ آج کی شب سب گھر والوں نے فاقہ کیا ہے، پھر فرمایا اچھا بنو زریق کے قبیلے کے صدقے والے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ صدقے کا مال تمہیں دے دے، تم اس میں سے ایک وسق کھجور تو ساٹھ مسکینوں کو دے دو اور باقی تم آپ اپنے اور اپنے بال بچوں کے کام میں لاؤ، میں خوش خوش واپس لوٹا اور اپنی قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا تمہارے پاس تو میں نے تنگی اور برائی پائی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس میں نے کشادگی اور برکت پائی۔ حضور کا

حکم ہے کہ اپنے صدقے تم مجھے دے دو، چنانچہ انہوں نے مجھے دے دیئے (مسند احمد، ابوداؤد وغیرہ)۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اوس بن صامتؓ اور ان کی بیوی صاحبہ حضرت خویلہ بنت ثعلبہؓ کے واقعہ کے بعد کا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ ظہار کا پہلا واقعہ حضرت اوس بن صامتؓ کا ہے جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے، ان کی بیوی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ بن مالک تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس واقعہ سے حضرت خولہ کو ڈر تھا کہ شاید طلاق ہو گئی، انہوں نے آ کر حضور سے کہا کہ میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے اور اگر ہم علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو دونوں برباد ہو جائیں گے، میں اب اس لائق بھی نہیں رہی کہ مجھے اولاد ہو، ہمارے اس تعلق کو بھی زمانہ گذر چکا اور بھی اسی طرح کی باتیں کہتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں، اب تک ظہار کا کوئی حکم اسلام میں نہ تھا، اس پر یہ آیتیں شروع صورت سے اَلِیْمٌ تک اتریں۔ حضور نے حضرت اوسؓ کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا، حضور نے ان کے لئے رقم جمع کی، انہوں نے اس سے غلام خرید کر آزاد کیا اور اپنی بیوی صاحبہ سے رجوع کیا (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہی فرمان ہے کہ یہ آیتیں انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں واللہ اعلم۔

لفظ ظہار مشتق ہے ظہر سے، چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے کہ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ یعنی ''تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ''، شریعت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہو جائے گا، ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اس میں کفارہ مقرر کر دیا اور اسے طلاق شمار نہیں کیا جیسے کہ جاہلیت کا دستور تھا، سلف میں سے اکثر حضرات نے یہی فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جاہلیت کے اس دستور کا ذکر کر کے فرماتے ہیں اسلام میں جب حضرت خویلہ والا واقعہ پیش آیا اور دونوں میاں بیوی پچھتانے لگے تو حضرت اوسؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ جب آئیں تو دیکھا کہ آپ کنگھی کر رہے ہیں، آپ نے واقعہ سن کر فرمایا ہمارے پاس اس کا کوئی حکم نہیں۔ اتنے میں یہ آیتیں اتریں اور آپ نے حضرت خویلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی خوشخبری دی اور پڑھ سنائیں۔ جب غلام کی آزادگی کا ذکر کیا تو عذر کیا کہ ہمارے پاس غلام نہیں، پھر روزوں کا ذکر سن کر کہا کہ اگر ہر روز تین مرتبہ پانی نہ پئیں تو بوجہ اپنے بڑھاپے کے فوت ہو جائیں، جب کھانا کھلانے کا ذکر سنا تو کہا چند لقموں پر تو سارا دن گذرتا ہے اوروں کو دینا تو کہاں؟ چنانچہ حضورؐ نے آدھا وسق تیس صاع منگوا کر انہیں دیئے اور فرمایا اسے صدقہ کر دو اور اپنی بیوی سے رجوع کر لو (ابن جریر) اس کی اسناد قوی اور پختہ ہے لیکن ادائیگی غربت سے خالی نہیں۔

حضرت ابوالعالیہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے، فرماتے ہیں خولہ بنت دلیج ایک انصاری کی بیوی تھیں جو کم نگاہ والے مفلس اور کج خلق تھے، کسی دن کسی بات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہو پڑا تو جاہلیت کی رسم کے مطابق ظہار کر لیا جو ان کی طلاق تھی، یہ بیوی صاحبہ حضورؐ کے پاس پہنچیں، اس وقت آپ عائشہؓ کے گھر میں تھے اور مائی صاحبہ آپ کا سر دھو رہی تھیں، جا کر سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے میرے علم میں تو تو اس پر حرام ہو گئی، یہ سن کر کہنے لگیں خدایا میری عرض تجھ سے ہے، اب حضرت عائشہ آپ کے سر مبارک کا ایک طرف کا حصہ دھو کر گھوم کر دوسری جانب آئیں اور ادھر کا حصہ دھونے لگیں تو حضرت خولہ بھی گھوم کر اس دوسری طرف آ بیٹھیں اور اپنا واقعہ دہرایا، آپؐ نے پھر یہی جواب دیا، مائی صاحبہ نے دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے تو ان سے کہا کہ دور ہٹ کر بیٹھو، یہ دور کھسک گئیں، ادھر وحی نازل ہونی شروع ہوئی جب اتر چکی تو آپ نے فرمایا وہ عورت کہاں ہے؟ مائی صاحبہ نے انہیں آواز دے کر بلایا، آپ نے فرمایا جاؤ اپنے خاوند کو لے آؤ، یہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اپنے شوہر کو بلا لائیں تو واقعی وہ ایسے ہی تھے جیسے انہوں نے کہا تھا، آپ نے اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر اس سورت کی یہ آیتیں سنائیں اور فرمایا کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، کہا دو

مہینے کے لگاتار ایک پیچھے ایک روزے رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر دو تین دفعہ دن میں نہ کھاؤں تو بینائی بالکل جاتی رہتی ہے' فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں لیکن اگر آپ میری امداد فرمائیں تو اور بات ہے' پس حضور نے ان کی اعانت کی اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو اور جاہلیت کی اس رسم طلاق کو ہٹا کر اللہ تعالیٰ نے اسے ظہار مقرر فرمایا (ابن ابی حاتم وابن جریر)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایلا اور ظہار جاہلیت کے زمانہ کی طلاقیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے ایلاء میں تو چار مہینے کی مدت مقرر فرمائی اور ظہار میں کفارہ مقرر فرمایا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ مِنۡكُمۡ سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ یہاں خطاب مومنوں سے ہے اس لئے اس حکم میں کافر داخل نہیں' جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ بہ اعتبار غلبہ کے کہہ دیا گیا ہے' اس لئے بطور قید کے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں لے سکتے' لفظ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے ظہار نہیں نہ وہ اس خطاب میں داخل ہے۔ پھر فرماتا ہے اس کہنے سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا میرے لئے تو مثل میری ماں کے ہے یا مثل میری ماں کی پیٹھ کے ہے یا اور ایسے ہی الفاظ اپنی بیوی کو کہہ دینے سے وہ سچ مچ ماں نہیں بن جاتی' حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے یہ تولد ہوا ہے' یہ لوگ اپنے منہ سے فحش اور باطل قول بول دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والا اور بخش دینے والا ہے' اس نے جاہلیت کی اس تنگی کو تم سے دور کر دیا اسی طرح ہر وہ کلام جو ایک دم زبان سے بغیر سوچے سمجھے اور بلا قصد نکل جائے۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ نے سنا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے اے میری بہن! تو آپؐ نے فرمایا یہ تیری بہن ہے؟ غرض یہ کہنا برا لگا اسے روکا' مگر اس سے حرمت ثابت نہیں کی کیونکہ دراصل اس کا مقصود یہ نہ تھا' یونہی زبان سے بغیر قصد کے نکل گیا تھا ورنہ ضرور حرمت ثابت ہو جاتی۔ کیونکہ صحیح قول یہی ہے کہ اپنی بیوی کو جو شخص اس نام سے یاد کرے جو محرمات ابدیہ ہیں مثلاً بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ تو وہ بھی حکم میں ماں کہنے کے ہیں۔ جو لوگ ظہار کریں پھر اپنے کہنے سے لوٹیں اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ظہار کیا پھر مکرر اس لفظ کو کہا لیکن یہ ٹھیک نہیں۔

بقول حضرت امام شافعیؒ مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گذر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پھر لوٹے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا جماع ہے۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد' پس جو شخص اب ظہار کرے گا اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ یہ کفارہ ادا نہ کرے۔ حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہے تو اس کا کفارہ ادا کرے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجامعت کرنا چاہے ورنہ اور طرح چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا پیار کرنا بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جائز نہیں۔ سنن میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے میں نے اس سے مل لیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے ایسا تو نے کیوں کیا؟ کہنے لگا یا رسول اللہ! چاندنی رات میں اس کے خلخال کی چمک نے مجھے بے تاب کر دیا' آپ نے فرمایا اب اس سے قربت نہ کرنا جب تک کہ خدا کے فرمان کے مطابق کفارہ ادا نہ کر دے۔ نسائی میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ مرسل ہونے کو اولیٰ بتلاتے ہیں۔ پھر کفارہ بیان ہو رہا ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یہاں یہ قید نہیں کہ مومن ہی ہو جیسے قتل کے کفارے میں غلام کے مومن ہونے کی قید ہے۔ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں یہ مطلق اس مقید پر محمول ہو گی کیونکہ آزادگی جیسی وہاں ہے ایسی ہی یہاں بھی ہے' اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ ایک سیاہ فام لونڈی کی بابت حضورؐ نے فرمایا تھا اسے آزاد کر دو' یہ مومنہ

ہے اوپر واقعہ گذر چکا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کر کے پھر کفارہ سے قبل واقع ہونے والے کو آپ نے دوسرا کفارہ ادا کرنے کو نہیں فرمایا۔

پھر فرماتا ہے اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی دھمکایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں سے خبردار ہے اور تمہارے احوال کا عالم ہے۔ جو آزادگی غلام پر قادر نہ ہو وہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنے کے بعد اپنی بیوی سے اس صورت میں مل سکتا ہے اور اگر اس کا بھی مقدور نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کے بعد، پہلے حدیثیں گذر چکیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدم پہلی صورت پھر دوسری پھر تیسری، جیسے کہ صحیحین کی اس حدیث میں بھی ہے جس میں آپ نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو فرمایا تھا۔ ہم نے یہ احکام اس لئے مقرر کئے ہیں کہ تمہارا کامل ایمان اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ہو جائے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، اس کے محرمات ہیں، خبردار اس حرمت کو نہ توڑنا۔ جو کافر ہوں یعنی ایمان نہ لائیں، حکم برداری نہ کریں، شریعت کے احکام کی بے عزتی کریں، ان سے بپرواہی برتیں، انہیں بلاؤں سے بچنے والا نہ سمجھو بلکہ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ
اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ
اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ
اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

بیشک جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کئے گئے تھے اور بیشک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں، منکروں کے لئے تو ذلت کی مار ہے ہی ○ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کئے ہوئے اعمال سے آگاہ کرے گا جسے اللہ نے یاد رکھا اور جسے یہ بھول گئے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے ○ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے تین آدمیوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا اور نہ زیادہ کا مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے ○

احکامات رسول اللہ ﷺ اور ہم: ☆☆ (آیت: ۵-۷) فرمان ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے اور احکام شرع سے سرتابی کرنے والے ذلت ادبار نحوست اور پھٹکار کے لائق ہیں جس طرح ان سے اگلے انہی اعمال کے باعث برباد اور رسوا کر دیئے گئے اسی طرح واضح، اس قدر ظاہر، اتنی صاف اور ایسی کھلی ہوئی آیتیں بیان کر دی ہیں اور نشانیاں ظاہر کر دی ہیں کہ سوائے اس کے جس کے دل

میں سرکشی ہو' کوئی ان سے انکار کر نہیں سکتا اور جو ان کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ایسے کفار کے لئے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی اہانت والے عذاب ہیں- یہاں ان کے تکبر نے خدا کی طرف جھکنے سے روکا وہاں اس کے بدلے انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا خوب روندا جائے گا- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی برائی جس کسی نے کی تھی اس سے اسے آگاہ کرے گا- گویہ بھول گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اسے یاد رکھا تھا' اس کے فرشتوں نے اسے لکھ رکھا تھا- نہ تو اللہ پر کوئی چیز چھپ سکے نہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولے- پھر بیان فرماتا ہے کہ تم جہاں ہو جس حالت میں ہو نہ تمہاری باتیں اللہ کے سننے سے رہ سکیں نہ تمہاری حالتیں خدا کے دیکھنے سے پوشیدہ رہیں' اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے' اسے ہر زبان و مکان کی اطلاع ہر وقت ہے' وہ زمین و آسمان کی تمام تر کائنات سے باعلم ہے۔

تین شخص آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی سے رازداری کے ساتھ اپنی باتیں ظاہر کریں انہیں وہ سنتا ہے اور وہ اپنے تئیں تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنا چوتھا خدا کو گنیں اور جو پانچ شخص تنہائی میں رازداریاں کر رہے ہیں وہ چھٹا خدا کو جانیں' پھر جو اس سے کم ہوں یا اس سے زیادہ ہوں وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان کے ساتھ ان کا اللہ ہے' یعنی ان کے حال قال سے مطلع ہے' ان کے کلام کو سن رہا ہے اور ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے' پھر ساتھ ہی ساتھ اس کے فرشتے بھی لکھتے جا رہے ہیں- جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ''کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگیوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام غیبوں پر اطلاع رکھنے والا ہے''- ایک اور جگہ ارشاد ہے اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ کیا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور خفیہ مشوروں کو سن نہیں رہے؟ برابر سن رہے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھتے جا رہے ہیں- اکثر بزرگوں نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد معیت علمی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے- ہر تین کے مجمع میں چوتھا اس کا علم ہے تبارک وتعالیٰ - بے شک وشبہ اس بات پر ایمان کامل اور یقین راسخ رکھنا چاہئے کہ یہاں مراد ذات سے ساتھ ہونا نہیں بلکہ علم سے ہر جگہ موجود ہونا ہے' ہاں بیشک اس کا سننا دیکھنا بھی اسی طرح اس کے علم کے ساتھ ساتھ ہے- اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر مطلع ہے' ان کا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں' پھر قیامت کے دن انہیں ان کے تمام اعمال پر تنبیہ کرے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے- حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو شروع بھی اپنے علم کے بیان سے کیا تھا اور ختم بھی اللہ کے علم کے بیان پر کیا (مطلب یہ ہے کہ درمیان میں خدا کا ساتھ ہونا جو بیان کیا تھا اس سے بھی از روئے علم کے ساتھ ہونا ہے نہ کہ از روئے ذات کے- مترجم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ
لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ
الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ
وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ
حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝٨

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں اور آپس میں گنہگاری کی اور ظلم اور زیادتی کی اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اس کئے پر سزا کیوں نہیں دیتا' ان کے لئے جہنم کافی سزا ہے' جس میں یہ جائیں گے' سو وہ برا ٹھکانا ہے ○

معاشرتی آداب کا ایک پہلو اور قیامت کا ایک منظر : ☆☆ (آیت:۸) کانا پھوسی سے یہودیوں کو روک دیا گیا تھا اس لئے کہ ان میں اور آنحضرت ﷺ میں جب صلح صفائی تھی تو یہ لوگ یہ حرکت کرنے لگے کہ جہاں کسی مسلمان کو دیکھا اور جہاں کوئی ان کے پاس گیا کہ یہ ادھر ادھر جمع ہو ہو کر چپکے چپکے اشاروں کنایوں میں اس طرح کانا پھوسی کرنے لگتے کہ اکیلا دکیلا مسلمان یہ گمان کرتا کہ شاید یہ لوگ میرے قتل کی سازشیں کر رہے ہیں یا میرے خلاف اور ایمانداروں کے خلاف کچھ مخفی ترکیبیں سوچ رہے ہیں' اسے ان کی طرف جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا۔ جب یہ شکایتیں عام ہوئیں تو حضورؐ نے یہودیوں کو اس سفلی حرکت سے روک دیا' لیکن انہوں نے پھر بھی یہی کرنا شروع کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم لوگ باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رات کو حاضر ہوتے کہ اگر کوئی کام کاج ہو تو کریں' ایک رات کو باری والے آ گئے اور کچھ اور لوگ بھی بہ نیت ثواب آ گئے چونکہ لوگ زیادہ جمع ہو گئے تو ہم ٹولیاں ٹولیاں بن کر ادھر ادھر بیٹھ گئے اور ہر جماعت آپس میں باتیں کرنے لگی' اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا یہ سرگوشیاں کیا ہو رہی ہیں؟ کیا تمہیں اس سے روکا نہیں گیا؟ ہم نے کہا حضورؐ ہماری توبہ ہے ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے کیونکہ اس سے کھٹکا لگا رہتا ہے' آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوف کی چیز بتلاؤں وہ پوشیدہ شرک ہے' اس طرح کہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور دوسروں کے دکھانے کے لئے کوئی دینی کام کرے (یعنی ریاکاری) اس کی اسناد غریب ہے اور اس میں بعض راوی ضعیف ہیں۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ ان کی خانگی سرگوشیاں یا تو گناہ کے کاموں پر ہوتی ہیں جس میں ان کا ذاتی نقصان ہے یا ظلم پر ہوتی ہیں جس میں دوسروں کے نقصان کی ترکیبیں سوچتے ہیں یا پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت پر ایک دوسروں کو پختہ کرتے ہیں اور آپ کی نافرمانیوں کے منصوبے گانٹھتے ہیں۔ پھر ان بدکاروں کی ایک بدترین خصلت بیان ہو رہی ہے کہ سلام کے الفاظ کو بھی یہ بدل دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ یہودی حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا اَبَاالْقَاسِمِ حضرت عائشہؓ سے نہ رہا گیا' فرمایا وَعَلَيْكُمُ السَّامُ۔ سام کے معنی موت کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالیٰ برے الفاظ اور سخت کلامی کو ناپسند فرماتا ہے۔ میں نے کہا کیا حضورؐ نے نہیں سنا انہوں نے آپ کو اَلسَّلَامُ نہیں کہا بلکہ اَلسَّامُ کہا ہے آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا؟ میں نے کہا وَعَلَيْكُمْ۔ اسی کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کے جواب میں فرمایا تھا عَلَيْكُمُ السَّامُ وَالذَّامُ وَاللَّعْنَةُ اور آپ نے صدیقہؓ کو روکتے ہوئے فرمایا کہ ہماری دعا ان کے حق میں مقبول ہے اور ان کا ہمیں کوسنا نامقبول ہے (ابن ابی حاتم وغیرہ)۔

ایک مرتبہ حضورؐ اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی نے آ کر سلام کیا' صحابہؓ نے جواب دیا۔ پھر حضورؐ نے صحابہؓ سے پوچھا معلوم بھی ہے اس نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا حضرت سلام کیا تھا آپ نے فرمایا نہیں' اس نے کہا تھا سَامٌ عَلَيْكُمْ یعنی تمہارا دین مغلوب ہو مٹ جائے' پھر آپ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو بلا لاؤ جب وہ آ گیا تو آپ نے فرمایا سچ سچ بتا کیا تو نے سَامٌ عَلَيْكُمْ نہیں کہا تھا؟ اس نے کہا ہاں حضور میں نے یہی کہا تھا' آپ نے فرمایا سنو جب کبھی کوئی اہل کتاب تم میں سے کسی کو سلام کرے تو تم صرف عَلَيْكَ کہہ دیا کرو یعنی جو تو نے کہا ہو وہ تجھ پر (ابن جریر وغیرہ) پھر یہ لوگ اپنے اس کرتوت پر خوش ہو کر اپنے دل میں کہتے کہ اگر یہ نبی برحق ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہماری اس چال بازی پر ہمیں دنیا میں ضرور عذاب کرتا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے باطنی حال سے بخوبی واقف

ہے۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے انہیں دار آخرت کا عذاب ہی بس ہے، جہاں یہ جہنم میں جائیں گے اور بری جگہ پہنچیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہودیوں کا اس طریقے کا سلام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ منافق اسی طرح سلام کرتے تھے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ
الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْــــًٔا اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠

اے ایمان والو! تم جب چپ چپاتے باتیں کرو تو یہ سرگوشیاں گنہگاری اور ظلم وزیادتی اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر اس میں تبادلہ خیالات کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ○ بری سرگوشیاں شیطانی کام ہے جس سے ایمانداروں کو رنج پہنچے گو اللہ تعالیٰ کی چاہت بغیر وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، ایمان والوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ○

مومن کی سرگوشی: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ تم ان منافقوں اور یہودیوں کے سے کام نہ کرنا، تم گناہ کے کاموں اور حد سے گذر جانے اور نبی کی نہ ماننے کے مشورے نہ کرنا بلکہ تمہیں ان کے برخلاف نیکی کے اور اپنے بچاؤ کے مشورے کرنے چاہئیں۔ تمہیں ہر وقت اس اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے جس کی طرف تمہیں جمع ہونا ہے، جو اس وقت تمہیں ہر نیکی بدی کی جزا سزا دے گا اور تمام اعمال واقوال سے متنبہ کرے گا، گو تم بھول گئے ہو لیکن اس کے پاس سب محفوظ اور موجود ہیں۔ حضرت صفوانؒ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی، اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا رسالت مآب ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اس قدر قریب کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا یاد ہے؟ فلاں گناہ تم نے کیا تھا، فلاں کیا تھا، یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ دنیا میں بھی میں نے تیری پردہ پوشی کی اور آج بھی میں نے بخشش کی، پھر اسے اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال دیا جائے گا لیکن کافر ومنافق کے بارے میں تو گواہ پکار کر کہہ دیں گے کہ یہ خدا پر جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں، خبردار ہو جاؤ ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اس قسم کی سرگوشی جس سے مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اسے بدگمانی ہو، شیطان کی طرف سے ہے، شیطان ان منافقوں وغیرہ سے یہ کام اس لئے کراتا ہے کہ مومنوں کو غم ورنج ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی اجازت بغیر نہ شیطان نہ کوئی اور انہیں کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں، جسے کوئی ایسی حرکت معلوم ہو اسے چاہئے کہ اَعُوْذُ پڑھے اللہ کی پناہ لے اور اللہ پر بھروسہ رکھے، ان شاء اللہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ایسی کانا پھوسی جو کسی مسلمان کو ناگوار گذرے حدیث میں بھی منع آئی ہے، مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم تین آدمی ہو تو دو مل کر کان میں منہ ڈال کر باتیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ اس سے اس تیسرے کا دل میلا ہوگا (صحیحین) اور روایت میں ہے کہ ہاں اگر اس کی

اجازت ہو تو کوئی حرج نہیں (مسلم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ
فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا
يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱

اے مسلمانو جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کھل کر بیٹھو تو تم جگہ کشادہ کر دو اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے گا کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ، اللہ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا، اللہ تعالیٰ ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو خوب خبردار ہے ○

آداب مجلس، باہم معاملات اور علمائے حق و باعمل کی توقیر: ☆☆ (آیت:۱۱) یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مجلسی آداب سکھاتا ہے۔ انہیں حکم دیتا ہے کہ نشست و برخاست میں بھی ایک دوسرے کا خیال و لحاظ رکھو۔ تو فرماتا ہے کہ جب مجلس جمع ہو اور کوئی آئے تو ذرا ادھر ادھر ہٹ ہٹا کر اسے بھی جگہ دو۔ مجلس میں کشادگی کرو۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا۔ اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنا دے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا اور حدیث میں ہے کہ جو کسی سختی والے پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا، جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے اللہ تعالیٰ خود اپنے اس بندے کی مدد پر رہتا ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت مجلس ذکر کے بارے میں اتری ہے، مثلاً وعظ ہو رہا ہے، حضورؐ کچھ نصیحت کی باتیں بیان فرما رہے ہیں، لوگ بیٹھے سن رہے ہیں، اب جو دوسرا کوئی آیا تو کوئی اپنی جگہ سے نہیں سرکتا تاکہ اسے بھی جگہ مل جائے، تو قرآن کریم نے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو ادھر ادھر کھل جایا کرو، تاکہ آنے والے کی جگہ ہو جائے۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں جمعہ کے دن یہ آیت اتری، رسول اللہ ﷺ اس دن صفہ میں تھے یعنی مسجد کے ایک چھپر تلے، جگہ تنگ تھی اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصاری بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے، آپ ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے، اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہؓ ذرا دیر سے آئے تو آنحضرت ﷺ کے آس پاس کھڑے ہو گئے، آپ سے سلام علیک ہوئی آپ نے جواب دیا پھر اور اہل مجلس کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا، اب یہ اسی امید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں ذرا کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں، لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا جو ان کے لئے جگہ ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دیکھا تو نہ رہا گیا، نام لے لے کر بعض لوگوں کو ان کی جگہ سے کھڑا کیا اور ان بدری صحابیوں کو بیٹھنے کو فرمایا۔ جو لوگ کھڑے کرائے گئے تھے انہیں ذرا بھاری پڑا، ادھر منافقین کے ہاتھ میں ایک مشغلہ لگ گیا، کہنے لگے لیجئے یہ عدل کرنے کے مدعی نبی ہیں کہ جو لوگ شوق سے آئے، پہلے آئے، اپنے نبی کے قریب جگہ لی، اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، انہیں تو ان کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوا دی، کس قدر ناانصافی ہے، ادھر حضورؐ نے اس لئے کہ ان کے دل میلے نہ ہوں، دعا کی کہ اللہ اس پر رحم کرے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مجلس میں جگہ کر دے، اس حدیث کو سنتے ہی صحابہؓ نے فوراً خود بخود اپنی جگہ سے ہٹنا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دیا اور جمعہ ہی کے دن یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔

بخاری، مسلم، مسند وغیرہ میں حدیث ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے بلکہ تمہیں چاہئے کہ ادھر

ادھر سرک کر اس کے لئے جگہ بنا دو۔ شافعی میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے ہرگز نہ اٹھائے بلکہ کہہ دے کہ گنجائش کرو۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کے لئے کھڑے ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ تو اجازت دیتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ، بعض علماء منع کرتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کے لئے سیدھے کھڑے ہو جایا کریں وہ جہنم میں اپنی جگہ بنا لے۔

بعض بزرگ تفصیل بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سفر سے اگر کوئی آیا ہو تو اور حاکم کے لئے اس کی حکومت کی جگہ کھڑے ہو جانا درست ہے کیونکہ حضورؐ نے جن کے لئے کھڑا ہونے کو فرمایا تھا یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، بنو قریظہ کے آپ حاکم بنائے گئے تھے، جب انہیں آتا ہوا دیکھا تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ (بطور تعظیم کے نہ تھا بلکہ) صرف اس لئے تھا کہ ان کے احکام کو بخوبی جاری کرائے واللہ اعلم، ہاں اسے عادت بنا لینا کہ مجلس میں جہاں کوئی بڑا آدمی آیا اور لوگ کھڑے ہو گئے، یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور باعزت کوئی نہ تھا لیکن تاہم آپ کو دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے، جانتے تھے کہ آپ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ سنن کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آتے ہی مجلس کے خاتمہ پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور جہاں آپ تشریف فرما ہو جاتے وہی جگہ صدارت کی جگہ ہو جاتی اور صحابہ کرامؓ اپنے اپنے مراتب کے مطابق مجلس میں بیٹھ جاتے، حضرت الصدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بائیں اور عموماً حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے بیٹھتے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں بزرگ کاتب وحی تھے، آپ ان سے فرماتے اور یہ وحی کو لکھ لیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور کا فرمان تھا کہ مجھ سے قریب ہو کر عقل مند صاحب فراست لوگ بیٹھیں پھر درجہ بدرجہ اور یہ انتظام اس لئے تھا کہ حضورؐ کے مبارک ارشادات یہ حضرات سنیں اور بخوبی سمجھیں، یہی وجہ تھی کہ صفہ والی مجلس میں جس کا ذکر ابھی ابھی گذرا ہے آپ نے اور لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر وہ جگہ بدری صحابہ کو دلوائی، گو اس کے ساتھ اور وجہیں بھی تھیں مثلاً ان لوگوں کو خود چاہئے تھا کہ ان بزرگ صحابہؓ کا خیال کرتے اور لحاظ و مروت برت کے خود ہٹ کر انہیں جگہ دیتے، جب انہوں نے از خود ایسا نہیں کیا تو پھر حکماً ان سے ایسا کرایا گیا۔ اسی طرح پہلے کے لوگ حضورؐ کے بہت سے کلمات پوری طرح سن چکے تھے اب یہ حضرات آئے تھے تو آپ نے چاہا کہ یہ بھی بہ آرام بیٹھ کر میری حدیثیں سن لیں اور خدائی تعلیم حاصل کر لیں، اسی طرح امت کو اس بات کی تعلیم بھی دینی تھی کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو امام کے پاس بیٹھنے دیں اور انہیں اپنے سے مقدم رکھیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی صفوں کی درستی کے وقت ہمارے مونڈھے خود پکڑ پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرتے اور زبانی بھی فرماتے جاتے، سیدھے رہو، ٹیڑھے ترچھے نہ کھڑے ہوا کرو، دانائی اور عقل مندی والے مجھ سے بالکل قریب رہیں پھر درجہ بہ درجہ۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے باوجود اس حکم کے افسوس کہ تم اب بڑی ٹیڑھی صفیں کرتے ہو۔ مسلم ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ کا یہ حکم نماز کے لئے تھا تو نماز کے سوا کسی اور وقتوں میں تو بطور اولیٰ یہی حکم رہے گا۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو درست کرو، مونڈھے ملائے رکھو، صفوں کے درمیان خالی جگہ نہ چھوڑو، اپنے بھائیوں کے پاس صف میں نرم بن جایا کرو، صف میں شیطان کے لئے سوراخ نہ چھوڑو، صف ملانے والے کو اللہ تعالیٰ ملاتا ہے اور صف توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ کاٹ دیتا ہے۔ اسی لئے سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب پہنچتے تو صف اول میں سے کسی ضعیف العقل شخص کو پیچھے ہٹا دیتے اور خود پہلی صف میں مل جاتے اور اسی حدیث کو دلیل میں لاتے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے مجھ سے قریب ذی رائے اور اعلیٰ عقل مند کھڑے ہوں پھر درجہ بہ درجہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہو جاتا تو آپ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے اور اس حدیث کو پیش کرتے جو اوپر گذری کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ میں کوئی اور نہ بیٹھے۔ یہاں بطور نمونے کے یہ چند مسائل اور تھوڑی حدیثیں لکھ کر ہم آگے چلتے ہیں، بسط و تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں نہ یہ موقع ہے، ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک تو مجلس کے درمیان جگہ خالی دیکھ کر وہاں آ کر بیٹھ گئے، دوسرے نے مجلس کے آخر میں جگہ بنالی تیسرے واپس چلے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا لوگو! میں تمہیں تین شخصوں کی بابت خبر دوں ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دی، دوسرے نے شرم کی اللہ نے بھی اس سے حیا کی، تیسرے نے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ مسند احمد میں ہے کہ کسی کے لیے حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے ہاں ان کی خوشنودی سے ہو تو اور بات ہے (ابوداؤد و ترمذی) امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ فرماتے ہیں مجلسوں کی کشادگی کا حکم جہاد کے بارے میں ہے، اسی طرح اٹھ کھڑے ہونے کا حکم بھی جہاد کے بارے میں ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی جب تمہیں بھلائی اور کار خیر کی طرف بلایا جائے تو تم فوراً آ جاؤ۔ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں نماز کے لئے بلایا جائے تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ جب حضورؐ کے ہاں آتے تو جاتے وقت ہر ایک کی چاہت یہ ہوتی کہ سب سے آخر حضورؐ سے جدا میں ہوں، بسا اوقات آپ کو کوئی کام کاج ہوتا تو بڑا حرج ہوتا لیکن آپ مروت سے کچھ نہ فرماتے، اس پر یہ حکم ہوا کہ جب تم سے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ مجلسوں میں جگہ دینے کو جب کہا جائے تو جگہ دینے میں اور جب چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جانے میں اپنی ہتک نہ سمجھو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ بلند کرنا اور اپنی توقیر کرانا ہے، اسے خدا ضائع نہ کرے گا بلکہ اس پر دنیا اور آخرت میں نیک بدلہ دے گا، جو شخص احکام خدا پر تواضع سے گردن جھکا دے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کی شہرت نیکی کے ساتھ کرتا ہے، ایمان والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیا کریں اور اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ بلند مرتبوں کا مستحق کون ہے اور کون نہیں۔

حضرت نافع بن عبدالحارث سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات عسفان میں ہوتی ہے، حضرت عمرؓ نے انہیں مکہ شریف کا عامل بنایا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم مکہ شریف میں اپنی جگہ کسے چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا وہ تو ہمارے مولیٰ ہیں یعنی آزاد کردہ غلام، انہیں تم اہل مکہ کا امیر بنا کر چلے ہو؟ کہا ہاں، اس لئے کہ وہ خدا کی کتاب کا ماہر اور فرائض کا جاننے والا اور اچھا وعظ کہنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس وقت فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ایک قوم کو عزت پر پہنچا کر بلند مرتبہ کرے گا اور بعضوں کو پست و کم مرتبہ بنا دے گا۔ (مسلم) علم اور علماء کی فضیلت جو اس آیت اور دیگر آیات و احادیث سے ظاہر ہے میں نے ان سب کو بخاری شریف کی کتاب العلم کی شرح میں جمع کر دیا ہے والحمد للہ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ
تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے مسلمانو! جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر ہے، ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ

بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کی منسوخ شرط: ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے نبیؐ سے جب تم کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے میری راہ میں خیرات کیا کرو' تاکہ تم پاک صاف ہو جاؤ اور اس قابل بن جاؤ کہ میرے پیغمبرؐ سے مشورہ کر سکو' ہاں اگر کوئی غریب مسکین شخص ہو تو خیر اسے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کے رحم پر نظریں رکھنی چاہئیں' یعنی یہ حکم صرف انہیں ہے جو مالدار ہوں۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ
فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

کیا تم اپنی راز کی باتوں سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟ پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرما دیا اور اب بخوبی نمازوں کو قائم رکھو زکوۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو' تم جو کچھ کرتے ہو اس سب سے اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے ○

(آیت:۱۳) پھر فرمایا کیا تمہیں اس حکم کے باقی رہ جانے کا اندیشہ تھا اور خوف تھا کہ یہ صدقہ کب تک واجب رہے گا۔ اچھا جب تم نے اسے نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرمایا تو اب اور مذکورہ بالا فرائض کا پوری طرح خیال رکھو۔ کہا جاتا ہے کہ سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے کا شرف صرف حضرت علیؓ کو حاصل ہوا ہے پھر یہ حکم ہٹ گیا' ایک دینار دے کر آپ نے حضورؐ سے پوشیدہ باتیں کیں' دس مسائل پوچھے۔ پھر تو یہ حکم ہی ہٹ گیا۔ حضرت علیؓ سے خود بھی یہ واقعہ بہ تفصیل مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اس آیت پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا نہ میرے بعد کوئی عمل کر سکے' میرے پاس ایک دینار تھا جسے تڑوا کر میں نے دس درہم لے لئے' ایک درہم اللہ کے نام پر کسی مسکین کو دے دیا پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے سرگوشی کی' پھر تو یہ حکم اٹھ گیا تو مجھ سے پہلے بھی کسی نے اس پر عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ پھر آپؓ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ ابن جریر میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا صدقہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنی چاہئے تو آپ نے فرمایا یہ تو بہت ہوئی' فرمایا پھر آدھا دینار' کہا ہر شخص کو اس کی بھی طاقت نہیں' آپ نے فرمایا اچھا تم ہی بتلاؤ کس قدر؟ فرمایا ایک جو برابر سونا' آپ نے فرمایا واہ واہ تم تو بڑے ہی زاہد ہو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی' ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مسلمان برابر حضورؐ سے راز داری کرنے سے پہلے صدقہ نکالا کرتے تھے لیکن زکوۃ کے حکم نے اسے اٹھا دیا۔ آپ فرماتے ہیں صحابہؓ نے کثرت سے سوالات کرنے شروع کر دیئے جو حضورؐ پر گراں گذرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر آپ پر تخفیف کر دی کیونکہ اب لوگوں نے سوالات چھوڑ دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی کر دی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ عکرمہؒ اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ حضرت قتادہؒ اور حضرت مقاتلؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ صرف دن کی چند ساعتوں تک یہ حکم رہا' حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی عمل کر سکا تھا اور دن کا تھوڑا ہی حصہ اس حکم کو نازل ہوئے ہوا تھا جو منسوخ ہو گیا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ
مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ
وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے نہ یہ منافق تمہارے ہی ہیں نہ ان کے' یہ باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں ○ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں ○ ان لوگوں نے تو اپنی قسمیں ڈھالیں بنا رکھی ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے ○ ان کے مال اور ان کی اولادیں انہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں' ہمیشہ ہی اس میں رہنے والے ○

دوغلے لوگوں کا کردار : ☆☆ (آیت: ۱۴-۱۹) منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اپنے دل میں یہود کی محبت رکھتے ہیں گو وہ اصل میں ان کے بھی حقیقی ساتھی نہیں حقیقت میں نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے ہیں' صاف جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں۔ ایمانداروں کے پاس آ کر ان کی سی کہنے لگتے ہیں' رسول کے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور دل میں اس کے خلاف جذبات پاتے ہیں اور اپنی اس غلط گوئی کا علم رکھتے ہوئے بے دھڑک قسمیں کھا لیتے ہیں' ان کی ان بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں سخت تر عذاب ہوں گے' اس دھوکا بازی کا برابر بدلہ انہیں دیا جائے گا۔ یہ تو اپنی قسموں کو اپنی ڈھالیں بنائے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں' ایمان ظاہر کرتے ہیں' کفر دل میں رکھتے ہیں اور قسموں سے اپنی باطنی بدی کو چھپاتے ہیں اور ناواقف لوگوں پر اپنی سچائی کا ثبوت اپنی قسموں سے پیش کر کے انہیں اپنا مداح بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں۔

چونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے خدائے تعالیٰ کے پر از صد ہزار تکریم نام کی بے عزتی کی تھی اس لئے انہیں ذلت واہانت والے عذاب ہوں گے' جن عذابوں کو نہ ان کے مال دفع کر سکیں نہ اس وقت ان کی اولادیں انہیں کچھ کام آئیں' یہ تو جہنمی بن چکے اور وہاں سے ان کا نکلنا بھی کبھی نہ ہو گا' قیامت والے دن جب ان کا حشر ہو گا اور ایک بھی اس میدان میں آئے بغیر نہ رہے گا' سب جمع ہو جائیں گے تو چونکہ زندگی میں ان کی عادت تھی کہ اپنی جھوٹ بات کو قسموں سے سچ بات کر دکھاتے تھے آج خدا کے سامنے بھی اپنی ہدایت واستقامت پر بڑی بڑی قسمیں کھا لیں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ یہاں بھی یہ چالاکی چل جائے گی مگر ان جھوٹوں کی بھلا اللہ کے سامنے چال بازی کہاں چل سکتی ہے؟ وہ تو ان کا جھوٹا ہونا یہاں بھی مسلمانوں سے بیان فرما چکا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرامؓ بھی آس پاس بیٹھے تھے' سایہ دار

جگہ کم تھی، بمشکل لوگ اس میں پناہ لئے بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطانی نگاہ سے دیکھتا ہے' وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا' تھوڑی دیر میں ایک کیری آنکھوں والا شخص آیا' حضورؐ نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کیوں بھئی تو اور فلاں اور فلاں مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ یہ یہاں سے چلا گیا اور جن جن کا نام حضورؐ نے لیا تھا انہیں لے کر آیا اور پھر تو قسموں کا تانتا باندھ دیا کہ ہم میں سے کسی نے حضورؐ کی کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس پر یہ آیت اتری کہ یہ جھوٹے ہیں' یہی حال مشرکوں کا بھی دربار خدا میں ہوگا کہ قسمیں کھا جائیں گے کہ ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔ پھر فرماتا ہے ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور ان کے دل کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے' اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے انہیں دور ڈال دیا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کسی بستی یا جنگل میں تین شخص بھی ہوں اور ان میں نماز نہ قائم کی جاتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے' پس تو جماعت کو لازم پکڑے رہ' بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو۔ حضرت سائبؒ فرماتے ہیں یہاں مراد جماعت سے نماز کی جماعت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا کے ذکر کو فراموش کرنے والے اور شیطان کے قبضے میں پھنس جانے والے شیطانی جماعت کے افراد ہیں' شیطان کا یہ لشکر یقیناً نامراد اور زیاں کار ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ
لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾
اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾
كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے اور کہیں گے کہ وہ بھی کچھ ہیں' یقین مانو کہ بیشک یہ جھوٹے ہیں ○ ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے' یہ شیطانی لشکر ہے کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خراب خستہ ہے ○ بیشک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولؐ کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں ○ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے پیغمبرؑ غالب رہیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے ○

جو حق سے پھرا وہ ذلیل وخوار ہوا: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۱) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ حق سے برگشتہ ہیں' ہدایت سے دور ہیں' اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں' احکام شرع کی اطاعت سے الگ ہیں' یہ لوگ انتہا درجے کے ذلیل' بے وقار اور خستہ حال ہیں' رحمت رب سے دور' اللہ کی مہربانی بھری نظروں سے اوجھل اور دنیا و آخرت میں برباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے بلکہ اپنی پہلی کتاب میں ہی لکھ چکا ہے اور مقدر کر چکا ہے' جو تقدیر اور جو تحریر نہ مٹے نہ بدلے نہ اسے ہیر پھیر کرنے کی کسی میں طاقت کہ وہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور اس کے مومن بندے دنیا اور آخرت میں غالب رہیں گے جیسے اور جگہ ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ' ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان دار بندوں کی ضرور ضرور مدد کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے اور جس دن گنہگاروں کو کوئی

عذر و معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی' ان پر لعنتیں برستی ہوں گی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا۔ یہ لکھنے والا خدا قوی ہے اور اس کی لکھت اٹل ہے' وہ غالب وقہار ہے' اپنے دشمنوں پر ہر وقت قابو رکھنے والا ہے' اس کا یہ اٹل فیصلہ اور طے شدہ قضا ہے کہ دونوں جہان میں انجام کے اعتبار سے غلبہ ونصرت مومنوں کا حصہ ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ
اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ
ع اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائے گا' گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں' یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں' یہ اللہ کا لشکر ہے' آ گاہ رہو بیشک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں ○

اللہ کے دشمنوں سے عداوت: ☆☆ (آیت:۲۲) آپھر فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ خدا کے دوست دشمنان خدا سے محبت رکھیں۔ ایک اور جگہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دلی دوست نہ بنائیں' ایسا کرنے والے خدا کے ہاں کسی گنتی میں نہیں' ہاں ڈر خوف کے وقت بطور دفع للوقتی کے ہو تو اور بات ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی گرامی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ ایک اور جگہ ہے ''اے نبی! آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر تمہارے باپ' دادے' بیٹے' پوتے' بچے' کنبہ' قبیلہ' مال' دولت' تجارت' حرفت' گھر بار وغیرہ تمہیں بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کے اور اس کی راہ کے جہاد سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں تو تم خدا کے عنقریب برس پڑنے والے عذابوں کا انتظار کرو' اس قسم کے فاسقوں کی رہبری بھی اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔ جنگ بدر میں ان کے والد کفر کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے آپ نے انہیں قتل کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخری وقت میں جبکہ خلافت کے لئے ایک جماعت کو مقرر کیا کہ یہ لوگ مل کر جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں' اس وقت حضرت ابوعبیدہؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر یہ ہوتے تو میں انہی کو خلیفہ مقرر کرتا۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ایک ایک صفت الگ الگ بزرگوں میں تھی مثلاً حضرت ابوعبیدہ ابن جراحؓ نے تو اپنے والد کو قتل کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا تھا اور حضرت عمر اور حضرت حمزہ اور حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ' شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا تھا واللہ اعلم۔

اسی ضمن مین یہ واقعہ بھی داخل ہوسکتا ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے بدری قیدیوں کی نسبت مسلمانوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہو جائیں' مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے آلات حرب جمع کرلیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل اسلام کی طرف پھیر دے' آخر ہیں تو ہمارے ہی کنبے رشتے کے۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اس کے بالکل برخلاف پیش کی کہ یا رسول اللہ! جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالے کر دیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ وہ اسے قتل کر دے' ہم اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی کوئی محبت نہیں' مجھے فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے اور حضرت علیؓ کے حوالے عقیل کو کر دیجئے اور فلاں صحابیؓ کو فلاں کافر دے دیجئے وغیرہ۔ پھر فرماتا ہے کہ جو اپنے دل کو دشمنان خدا کی محبت سے خالی کر دے اور مشرک رشتہ داروں سے بھی محبت چھوڑ دے وہ کامل الایمان شخص ہے جس کے دل میں ایمان نے جڑیں جمالی ہیں اور جن کی قسمت میں سعادت لکھی جا چکی ہے اور جن کی نگاہ میں ایمان کی زینت بچ گئی ہے اور ان کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنی پاس کی روح سے کی ہے' یعنی انہیں قوی بنا دیا ہے اور یہی بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں جائیں گے جہاں سے کبھی نہ نکالے جائیں' اللہ تعالیٰ ان سے راضی یہ اللہ سے خوش' چونکہ انہوں نے خدا کے لئے رشتہ کنبہ والوں کو ناراض کر دیا تھا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ان سے راضی ہو گیا اور انہیں اس قدر دیا کہ یہ بھی خوش ہو گئے۔ خدائی لشکر یہی ہے اور کامیاب گروہ بھی یہی ہے جو شیطانی لشکر اور ناکام گروہ کے مقابل ہے۔ حضرت ابو حازم اعرجؒ نے حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ جاہ دو قسم کی ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے جو حضرات عام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں جچتے' جن کی عام شہرت نہیں ہوتی' جن کی صفت اللہ کے رسول ﷺ نے بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گمنام متقی نیکوکار ہیں' اگر وہ نہ آئیں تو پوچھ گچھ نہ ہو اور آ جائیں تو آؤ بھگت نہ ہو' ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں' ہر سیاہ رنگ اندھیرے والے فتنے سے نکلتے ہیں' یہ ہیں وہ اولیاء جنہیں خدا نے اپنا لشکر فرمایا ہے اور جن کی کامیابی کا اعلان کیا ہے۔ (ابن ابی حاتم)

نعیم بن حماد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا اے اللہ! کسی فاسق فاجر کا کوئی احسان اور سلوک مجھ پر نہ رکھ کیونکہ میں نے تیری نازل کردہ وحی میں پڑھا ہے کہ ایماندار مخالفین اللہ کے دوست نہیں ہوتے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اگلوں کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو بادشاہ سے خلط ملط رکھتے ہوں (ابو احمد عسکری) الحمدللہ سورۂ مجادلہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الحشر

صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا یہ سورۂ حشر ہے تو آپ نے فرمایا قبیلہ بنو نضیر کے بارے میں اتری ہے۔ بخاری شریف کی اور روایت میں ہے کہ آپ نے جواباً فرمایا یہ سورت سورۂ بنو نضیر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝١ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا
اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ
حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ
بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي
الْاَبْصَارِ ۝۲

میں اللہ تعالیٰ رحمان ورحیم کے نام سے پڑھنا شروع کرتا ہوں ○

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہ غالب ہے اور باحکمت ہے ○ وہی ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے نکال کر پہلے حشر کی زمین میں لا کھڑا کیا' تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود وہ بھی سمجھ رہے تھے کہ ان کے سنگین قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے پس ان پر عذاب الٰہی ایسی جگہ سے آ پڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا' اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں برباد کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں بھی برباد ہوئے پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ○

یہودیوں کی جلاوطنی: ☆☆ (آیت: ۱-۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح' تقدیس' تمجید' تکبیر اور توحید میں مشغول ہے- جیسے اور جگہ فرمان الٰہی ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی ''ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور ثنا خوانی کرتی ہے' وہ غلبہ والا اور بلند جناب والا اور عالی سرکار والا ہے اور اپنے تمام احکام اور کل فرمان میں حکمت والا ہے''- جس نے اہل کتاب کے کافروں یعنی قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکالا اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں آ کر حضورؐ نے ان یہودیوں سے صلح کر لی تھی کہ نہ آپ ان سے لڑیں نہ یہ آپ سے لڑیں' لیکن ان لوگوں نے اس عہد کو توڑ دیا' جس کی وجہ سے خدا کا غضب ان پر نازل ہوا' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان پر غالب کیا اور آپ نے انہیں یہاں سے نکال دیا' مسلمانوں کو کبھی اس کا خیال تک نہ تھا' خود یہ یہود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان مضبوط قلعوں کے ہوتے کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا- لیکن جب خدا کی پکڑ آئی یہ سب چیزیں یونہی رکھی کی رکھی رہ گئیں اور اچانک اس طرح گرفت میں آ گئے کہ حیران رہ گئے اور آپ نے انہیں مدینہ سے نکلوا دیا-

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ
وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا
قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب کرتا اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب ہے ہی ○ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ سے مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے ○ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ

ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لئے بھی کہ بدکاروں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے ○

بعض تو شام کی زراعتی زمینوں میں چلے گئے جو حشر و نشر کی جگہ ہے اور بعض خیبر کی طرف جا نکلے۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جو لے جا سکو اپنے ساتھ لے جاؤ' اس لئے انہوں نے اپنے گھروں کو اجاڑ دیا' توڑ پھوڑ کر جو چیزیں لے جا سکتے تھے اپنے ساتھ اٹھالیں' جو رہ گئیں وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ اس واقعہ کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح ان پر عذاب الٰہی اچانک آ پڑا اور دنیا میں بھی تباہ و برباد کئے گئے اور آخرت میں بھی ذلیل و رسوا ہو گئے اور دردناک عذابوں میں جا پڑے۔

ابوداؤد میں ہے کہ ابن ابی اور اس کے مشرک ساتھیوں کو جو قبیلہ اوس و خزرج میں سے تھے کفار قریش نے خط لکھا' یہ خط انہیں حضور علیہ السلام کے بدر کے میدان سے واپس لوٹنے سے پہلے مل گیا تھا' اس میں تحریر تھا کہ تم نے حضورؐ کو اپنے شہر میں ٹھہرایا ہے پس یا تو تم اس سے لڑائی کرو اور اسے نکال کر باہر کر دو یا ہم تمہیں نکال دیں گے اور اپنے تمام لشکروں کو لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے تمام لڑنے والوں کو ہم تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو لونڈیاں بنالیں گے' اللہ کی قسم یہ ہو کر ہی رہے گا' اب تم سوچ سمجھ لو۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں نے اس خط کو پا کر آپس میں مشورہ کیا اور خفیہ طور پر حضورؐ سے لڑائی کرنے کی تجویز بالاتفاق منظور کر لی۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ خود ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریشیوں کا خط کام کر گیا اور تم لوگ اپنی موت کے سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے ہو' تم اپنی اولادوں اور اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا چاہتے ہو' میں تمہیں پھر ایک مرتبہ موقع دیتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو اور اپنے اس بد ارادے سے باز آ جاؤ۔ حضورؐ کے اس ارشاد نے ان پر اثر کیا اور وہ لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ لیکن قریش نے بدر سے فارغ ہو کر انہیں پھر ایک خط لکھا اور اسی طرح دھمکایا' انہیں ان کی قوت' ان کی تعداد اور ان کے مضبوط قلعے یاد دلائے۔ یہ پھر اکڑ میں آ گئے اور بنونضیر نے صاف طور پر بدعہدی پر کمر باندھ لی اور حضورؐ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ تیس آدمی لے کر آیئے ہم میں سے بھی تیس ذی علم آدمی آتے ہیں' ہمارے تمہارے درمیان کی جگہ پر یہ ساٹھ آدمی ملیں اور آپس میں بات چیت ہو۔ اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اس بدعہدی کی وجہ سے دوسرے دن صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر لے جا کر ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے فرمایا کہ اب اگر تم نئے سرے سے امن و امان کا عہد و پیمان کرو تو خیر ورنہ تمہیں امن نہیں انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے' چنانچہ دن بھر لڑائی ہوتی رہی' دوسری صبح کو آپ بنوقریظہ کی طرف لشکر لے کر بڑھے اور بنونضیر کو یونہی چھوڑا' ان سے بھی یہی فرمایا کہ تم نئے سرے سے عہد و پیمان کرو' انہوں نے منظور کر لیا اور معاہدہ ہو گیا۔ آپ وہاں سے فارغ ہو کر پھر بنونضیر کے پاس آئے' لڑائی شروع ہوئی آخر یہ ہارے اور حضورؐ نے انہیں حکم دیا کہ تم مدینہ خالی کر دو' جو اسباب لے جانا چاہو اونٹوں پر لاد کر لے جاؤ' چنانچہ انہوں نے گھر بار کا اسباب یہاں تک کہ دروازے اور لکڑیاں بھی اونٹوں پر لاد دیں اور جلاوطن ہو گئے' ان کے کھجوروں کے درخت خاصۃ رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کو ہی دلوا دیئے' جیسے آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الخ' میں ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اکثر حصہ مہاجرین کو دے دیا' ہاں انصاریوں میں سے صرف دو حاجت مندوں کو ہی حصہ دیا ورنہ سب کا سب مہاجرین میں تقسیم کر دیا' جو باقی رہ گیا تھا یہی وہ مال تھا جو رسول اللہ ﷺ کا صدقہ تھا اور جو بنو فاطمہ کے ہاتھ لگا۔ غزوہ بنونضیر کا مختصر قصہ اور سبب یہ ہے کہ مشرکوں نے دھوکا بازی سے صحابہ کرامؓ کو بئر معونہ میں شہید کر دیا جن کی تعداد ستر تھی' ان میں سے ایک حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچ کر بھاگ نکلے' مدینہ شریف کی طرف آئے' آتے ہی موقع پا کر انہوں نے قبیلہ بنو عامر کے دو شخصوں کو قتل کر دیا حالانکہ یہ قبیلہ رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ

کر چکا تھا اور آپ نے انہیں امن وامان دے رکھا تھا' لیکن اس کی خبر حضرت عمرو کو نہ تھی' جب یہ مدینے پہنچے اور حضورؐ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تم نے انہیں قتل کر ڈالا اب مجھے ان کے وارثوں کو دیت یعنی جرمانہ قتل ادا کرنا پڑے گا' بنونضیر اور بنو عامر میں بھی حلف وعقد اور آپس میں مصالحت تھی اس لئے حضورؐ ان کی طرف چلے تا کہ کچھ یہ دیں کچھ آپ دیں اور بنو عامر کو راضی کر لیا جائے - قبیلہ بنونضیر کی گڑھی مدینہ کی مشرق کی جانب کئی میل کے فاصلے پر تھی' جب آپ یہاں پہنچے تو انہوں نے کہا ہاں حضور ہم موجود ہیں' ابھی ابھی جمع کر کے اپنے حصے کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں' ادھر آپ سے ہٹ کر یہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس سے بہتر موقع کب ہاتھ لگے گا - اس وقت آپ قبضے میں ہیں' آؤ کام تمام کر ڈالو چنانچہ یہ مشورہ ہوا کہ جس دیوار سے آپ لگے بیٹھے ہیں اس گھر پر کوئی چڑھ جائے اور وہاں سے بڑا سا پتھر آپ پر پھینک دے کہ آپ دب جائیں - عمرو بن مجاش بن کعب اس کام پر مقرر ہوا' اس نے آپ کی جان لینے کا بیڑا اٹھایا اور چھت پر چڑھ گیا' چاہتا تھا کہ پتھر لڑھکا دے اتنے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضورؐ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ آپ یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں' چنانچہ آپ فوراً ہٹ گئے اور یہ بدباطن اپنے برے ارادے میں ناکام رہے - آپ کے ساتھ اس وقت چند صحابہ تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ -

آپ یہاں سے فوراً مدینہ شریف کی طرف چل پڑے - ادھر جو صحابہ آپ کے ساتھ نہ تھے اور مدینہ میں آپ کے منتظر تھے' انہیں دیر لگنے کے باعث خیال ہوا اور وہ آپ کو ڈھونڈنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے لیکن ایک شخص سے معلوم ہوا کہ آپ مدینہ شریف پہنچ گئے ہیں' چنانچہ یہ لوگ وہیں آئے پوچھا کہ حضورؐ کیا واقعہ ہے - آپ نے سارا قصہ کہہ سنایا اور حکم دیا کہ جہاد کی تیاری کرو' مجاہدین نے کمریں باندھ لیں اور راہ خدا میں نکل کھڑے ہوئے' یہودیوں نے لشکروں کو دیکھ کر اپنے قلعہ کے پھاٹک بند کر دیئے اور پناہ گزین ہو گئے - آپ نے محاصرہ کر لیا پھر حکم دیا کہ ان کے کھجور کے درخت جو آس پاس ہیں' وہ کاٹ دیئے جائیں اور جلا دیئے جائیں' اب تو یہود چیخنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ تو زمین میں فساد کرنے سے اوروں کو روکتے تھے اور فسادیوں کو برا کہتے تھے پھر یہ کیا ہونے لگا؟ پس ادھر تو درخت کٹنے کا غم' ادھر جو کمک آنے والی تھی اس کی طرف سے مایوسی' ان دونوں چیزوں نے ان یہودیوں کی کمر توڑ دی - کمک کا واقعہ یہ ہے کہ بنوعوف بن خزرج کا قبیلہ جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول اور ودیعہ اور مالک' ابن بنوقوقل اور سوید اور داعس وغیرہ تھے ان لوگوں نے بنونضیر کو کہلوا بھیجا تھا کہ تم مقابلے پر جمے رہو اور قلعہ خالی نہ کرو ہم تمہاری مدد پر ہیں' تمہارا دشمن ہمارا دشمن ہے' ہم تمہارے ساتھ مل کر اس سے لڑیں گے اور اگر تم نکلے تو ہم بھی نکلیں گے - لیکن اب تک ان کا یہ وعدہ پورا نہ ہوا اور انہوں نے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کی' ادھر ان کے دل مرعوب ہو گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! ہماری جان بخشی کیجئے' ہم مدینہ چھوڑ جاتے ہیں لیکن ہم اپنا جو مال اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں وہ ہمیں دے دیا جائے' آپ نے ان پر رحم کھا کر ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور یہ لوگ یہاں سے چلے گئے' جاتے وقت اپنے دروازوں تک کو اکھیڑ کر لے گئے' گھروں کو گرا گئے اور شام اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے - ان کے باقی کے اہل خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے کہ آپ جس طرح چاہیں انہیں خرچ کریں - چنانچہ آپ نے مہاجرین اولین کو یہ مال تقسیم کر دیا ہاں انصار میں سے صرف دو شخصوں کو یعنی سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک بن خوشہ کو دیا' اس لئے کہ یہ دونوں حضرات مساکین تھے - بنونضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے جن کے مال انہی کے پاس رہے' ایک تو یامین بن عمیر جو عمرو بن حجاش کے چچا کے لڑکے کا لڑکا تھا' یہ عمرو وہ ہے جس نے حضورؐ پر پتھر پھینکنے کا بیڑا اٹھایا تھا' دوسرے ابوسعد بن وہب' ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت یامین سے فرمایا کہ اے یامین! تیرے اس چچا زاد بھائی نے دیکھ تو میرے ساتھ کس قدر برا برتاؤ برتا اور مجھے نقصان پہنچانے کی کس بے باکی سے کوشش کی؟ حضرت یامینؓ نے ایک شخص کو کچھ دینا کر کے عمرو کو قتل کرا دیا -

سورۂ حشر اسی واقعہ بنونضیر کے بیان میں اتری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جسے اس میں شک ہو کہ محشر کی زمین شام کا ملک ہے، وہ اس آیت کو پڑھ لے۔ ان یہودیوں سے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ تو انہوں نے کہا ہم کہاں جائیں؟ آپ نے فرمایا محشر کی زمین کی طرف۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب حضور نے بنونضیر کو جلاوطن کیا تو فرمایا یہ اول حشر ہے اور ہم بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے ہیں۔ (ابن جریر)

بنونضیر کے ان قلعوں کا محاصرہ صرف چھ روز رہا تھا، محاصرین کو قلعہ کی مضبوطی، یہودیوں کی زیادتی، یکجہتی، منافقین کی سازشیں اور خفیہ چالیں وغیرہ دیکھ کر ہرگز یہ یقین نہ تھا کہ اس قدر جلد یہ قلعہ خالی کر دیں گے، ادھر خود یہود بھی اپنے قلعہ کی مضبوطی پر نازاں تھے اور جانتے تھے کہ وہ ہر طرح محفوظ ہیں لیکن امر اللہ ایسی جگہ سے آ گیا جو ان کے خیال میں بھی نہ تھی۔ یہی دستور خدا ہے کہ مکار اپنی مکاری میں ہی رہتے ہیں اور بے خبر ان پر عذاب الٰہی آ جاتا ہے، ان کے دلوں میں رعب چھا گیا اور بھلا رعب کیوں نہ چھاتا، محاصرہ کرنے والے وہ تھے جنہیں اللہ کی طرف سے رعب دیا گیا تھا کہ دشمن مہینہ بھر کی راہ پر ہوتا اور وہیں اس کا دل دہلنے لگتا تھا، صلوت اللہ و سلامہ علیہ۔ یہودی اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے، چھتوں کی لکڑی اور دروازے لے جانے کے لئے توڑنے پھوڑنے شروع کر دیئے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں مسلمانوں نے بھی ان کے گھر توڑے اس طرح کہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے، ان کے جو جو مکانات وغیرہ قبضے میں آتے گئے، میدان کشادہ کرنے کے لئے انہیں ڈھاتے گئے، اسی طرح خود یہود بھی اپنے مکانوں کو آگے سے تو محفوظ کرتے جاتے تھے اور پیچھے سے نقب لگا کر نکلنے کے راستے بناتے جاتے تھے، پھر فرماتا ہے اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو اور اس خدا سے ڈرو جس کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ اگر ان یہودیوں کے مقدر میں جلاوطنی ہوتی تو انہیں اس سے بھی سخت عذاب کیا جاتا، یہ قتل ہوتے اور قید کر لئے جاتے وغیرہ وغیرہ، پھر آخرت کے بدترین عذاب بھی ان کے لئے تیار ہیں۔ بنونضیر کی یہ لڑائی جنگ بدر کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ مال جو اونٹوں پر لد جائیں انہیں لے جانے کی اجازت تھی، مگر ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ تھی، یہ اس قبیلے کے لوگ تھے جنہیں اس سے پہلے کبھی جلاوطنی ہوئی ہی نہ تھی، بقول حضرت عروہ بن زبیرؒ شروع سورت سے فَاسِقِیْنَ تک آیتیں اسی واقعہ کے بیان میں نازل ہوئی ہیں۔ جَلَاء کے معنی قتل وفنا کے بھی کئے گئے ہیں، حضور نے انہیں جلاوطنی کے وقت تین تین میں ایک ایک اونٹ اور ایک ایک مشک دی تھی، اس فیصلہ کے بعد بھی حضورؐ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے پاس بھیجا تھا اور انہیں اجازت دی تھی کہ تین دن میں اپنا سامان ٹھیک کر کے چلے جائیں، اس دنیوی عذاب کے ساتھ ہی اخروی عذاب کا بھی بیان ہو رہا ہے کہ وہاں بھی ان کے لئے حتمی اور لازمی طور پر جہنم کی آگ ہے۔ ان کی اس درگت کی اصلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا خلاف کیا اور ایک اعتبار سے تمام نبیوں کو جھٹلایا، اس لئے کہ ہر نبی نے آپ کی بابت پیش گوئی کی تھی یہ لوگ آپ کو پوری طرح جانتے تھے بلکہ اولاد کو ان کا باپ جس قدر پہچانتا ہے اس سے بھی زیادہ یہ لوگ نبی آخر الزماں کو جانتے تھے لیکن تاہم سرکشی اور حسد کی وجہ سے مانا نہیں بلکہ مقابلے پر تل گئے اور یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے مخالفوں پر سخت عذاب نازل فرماتا ہے۔ لِیْنَۃ کہتے ہیں اچھی کھجوروں کے درختوں کو، عجوہ اور برنی جو کھجور کی قسمیں ہیں بقول بعض وہ لینہ میں داخل نہیں اور بعض کہتے ہیں صرف عجوہ نہیں اور بعض کہتے ہیں ہر قسم کی کھجوریں اس میں داخل ہیں، جن میں بویرہ بھی داخل ہے۔ یہودیوں نے جو بطور طعنہ کے کہا تھا کہ کھجوروں کے درخت کٹوا کر اپنے قول کے خلاف فعل کر کے زمین میں فساد کیوں پھیلاتے ہیں؟ یہ اس کا جواب ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حکم رب سے اور اجازت خدا سے دشمنان خدا کو ذلیل و ناکام کرنے اور انہیں پست و بدنصیب کرنے کے لئے ہو رہا ہے، جو درخت باقی رکھے جائیں وہ اجازت سے اور جو کاٹے جاتے ہیں وہ بھی مصلحت کے ساتھ۔

یہ بھی مروی ہے کہ بعض مہاجرین نے بعض کو ان درختوں کے کاٹنے سے منع کیا تھا کہ آخر کو تو یہ مسلمانوں کو بہ طور مال غنیمت ملنے والے ہیں پھر انہیں کیوں کاٹا جائے؟ جس پر یہ آیت اتری کہ روکنے والے بھی حق بہ جانب ہیں اور کاٹنے والے بھی برحق ہیں ان کی نیت مسلمانوں کے نفع کی ہے اور ان کی نیت کافروں کو غیظ وغضب میں لانے اور انہیں ان کی شرارت کا مزہ چکھانے کی ہے اور یہ بھی ارادہ ہے کہ اس سے جل کر وہ غصے میں بھر کر میدان میں آ جائیں تو پھر دو دو ہاتھ ہو جائیں اور اعداء دین کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ صحابہ نے یہ فعل کر تو لیا پھر ڈرے کہ ایسا نہ ہو کاٹنے میں یا باقی چھوڑنے میں اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ ہو تو انہوں نے حضورؐ سے پوچھا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی دونوں باتوں پر اجر ہے کاٹنے پر بھی اور چھوڑنے پر بھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ کٹوائے بھی تھے اور جلوائے بھی تھے۔ بنو قریظہ کے یہودیوں پر اس وقت حضورؐ نے احسان کیا اور ان کو مدینہ شریف میں ہی رہنے دیا لیکن بالآخر جب یہ بھی مقابلے پہ آئے اور منہ کی کھائی تو ان کے لڑنے والے مرد تو قتل کیے گئے اور عورتیں اور بچے اور مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے، ہاں جو لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ایمان لائے وہ بچ رہے، پھر مدینہ سے تمام یہودیوں کو نکال دیا۔ بنو قینقاع کو بھی جن میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور بنو حارثہ کو بھی اور کل یہودیوں کو جلاوطن کیا۔ ان تمام واقعات کو عرب شاعروں نے اپنے اشعار میں بھی نہایت خوبی سے ادا کیا ہے جو سیرۃ ابن اسحاق میں مروی ہیں۔ یہ واقعہ بقول ابن اسحاقؒ کے احد اور بئر معونہ کے بعد کا ہے اور بقول عروہؒ بدر کے چھ مہینے بعد کا ہے، واللہ اعلم۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ
خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ
الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ
وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○ جو مال بستیوں والوں کا اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ ہی کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تا کہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال بھی دست گرداں نہ رہ جائے، تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، البتہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے ○

مال فے کی تعریف وضاحت اور حکم رسول ﷺ کی تعمیل ہی اصل ایمان ہے : ☆☆ (آیت:۶-۷) فے کس مال کو کہتے ہیں؟ اس کی صفت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ یہ سب یہاں بیان ہو رہا ہے۔ پس فے اس مال کو کہتے ہیں جو ان سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے

قبضے میں آ جائے‘ جیسے بنونضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گذر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ اس پر نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آمنے سامنے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں ہوئی بلکہ ان کے دل اللہ نے اپنے رسول کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعہ خالی کر کے قبضہ میں آ گئے‘ اسے فے کہتے ہیں اور یہ مال حضورؐ کا ہو گیا‘ آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ پس آپ نے نیکی اور صلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا‘ جس کا بیان اس کے بعد والی اور دوسری آیت میں ہے۔ پس فرماتا ہے کہ بنونضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلوایا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف خدا نے اپنے فضل سے اپنے رسول کو اس پر غلبہ دے دیا تھا اور خدا پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے‘ نہ اس پر کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا‘ بلکہ سب پر غالب وہی‘ سب اس کے تابع فرمان۔ پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح فتح کئے جائیں ان کے مال کا یہی حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے اپنے قبضہ میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان اس آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے‘ یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنونضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے تھے آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر تک کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے (سنن و مسند وغیرہ)۔

ابوداؤد میں حضرت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے دن چڑھے بلایا‘ میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں‘ مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لے کر ان میں تقسیم کر دو‘ میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے‘ آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو‘ میں نے کہا بہت بہتر۔ اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المومنین! حضرت عثمان بن عفان‘ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف‘ حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم تشریف لائے ہیں‘ کیا انہیں اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں آنے دو۔ چنانچہ یہ حضرات تشریف لائے‘ یرفا پھر آیا اور کہا امیر المومنین حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجازت طلب کر رہے ہیں‘ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین! میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علی کا‘ تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المومنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے۔ حضرت مالکؓ فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں‘ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا‘ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے‘ ان چاروں نے اس کا اقرار کیا پھر آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا‘ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لئے نہ تھا‘ پھر آپ نے یہی آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ‘ پڑھی اور فرمایا بنونضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے بطور فے کے اپنے رسول کو دیئے تھے‘ اللہ کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ خود ہی اسے سب کا سب لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنا اور اپنے اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے‘ پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں‘ پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے ہاں کہی۔ پھر فرمایا حضورؐ کے فوت ہونے کے بعد ابوبکرؓ والی بنے اور تم دونوں خلیفۂ رسول کے پاس آئے‘ اے عباس! تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچا زاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ یعنی حضرت علیؓ اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہؓ کی طرف سے ان کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے‘

جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر یقیناً راست گو، نیک کار، رشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے، چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت الصدیق نے کی، آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ میں بنا اور وہ مال میری ولایت میں رہا، پھر آپ دونوں کے دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضہ میں کرو کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں، تم نے اس بات کو قبول کیا اور اللہ کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لی، پھر تم جواب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کی نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو، تاکہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ ﷺ کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیق میں اور آج تک ہوتا رہا۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی ﷺ کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دے دیا کرتے تھے یہاں تک کہ قریظہ اور بنونضیر کے اموال آپ کے قبضہ میں آئے تو اب آپ نے ان لوگوں کو ان کے دیئے ہوئے مال واپس دینے شروع کئے، حضرت انسؓ کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں، میں نے جا کر حضور کو یاد دلایا، آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا لیکن یہ سب حضرت ام ایمنؓ کو اپنی طرف سے دے چکے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائے گا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت تجھے یہ نہیں دیں گے، آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے۔ حضورؐ نے فرمایا ام ایمن! تم نہ گھبراؤ ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانیں اور یہی کہے چلی گئیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں، آپ نے فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے، یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب آپ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا، یہ فے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہو گا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں اور سورۂ انفال میں ان کی پوری تشریح و توضیح کے ساتھ کامل تفسیر الحمد للہ گذر چکی ہے اس لئے ہم یہاں بیان نہیں کرتے۔

پھر فرماتا ہے کہ مال فے کے یہ مصارف ہم نے اس لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے کہ یہ مالداروں کے ہاتھ لگ کر کہیں ان کا لقمہ نہ بن جائے کہ اپنی من مانی خواہشوں کے مطابق وہ اسے اڑائیں اور مسکینوں کے ہاتھ نہ لگے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کام کے کرنے کو میرے پیغمبر تم سے کہیں تم اسے کرو اور جس کام سے وہ تمہیں روکیں تم اس سے رک جاؤ۔ یقین مانو کہ جس کا وہ حکم کرتے ہیں وہ بھلائی کا کام ہوتا ہے اور جس سے وہ روکتے ہیں وہ برائی کا کام ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہا آپ گودنے سے (یعنی چمڑے پر یا ہاتھوں پر عورتیں سوئی وغیرہ سے گدوا کر جو تلوں کی طرح نشان وغیرہ بنا لیتی ہیں) اس سے اور بالوں میں بال ملا لینے سے (جو عورتیں اپنے بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں) منع فرماتے ہیں، تو کیا یہ ممانعت کتاب اللہ میں ہے یا حدیث رسول میں؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ میں بھی اور حدیث رسول اللہؐ میں بھی، دونوں میں اس ممانعت کو پاتا ہوں۔ اس عورت نے عبداللہ بن مسعودؓ کہا خدا کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جس قدر قرآن شریف ہے میں نے سب پڑھا ہے اور خوب دیکھ بھال کی ہے، لیکن میں نے تو کہیں اس ممانعت کو نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ

الخ، نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے۔ فرمایا (قرآن سے ثابت ہوا کہ حکم رسول اور ممانعت رسول قابل عمل ہیں اب سنو) خود میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے گودنے سے اور بالوں میں بال ملانے سے اور پیشانی اور چہرے کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے (یہ بھی عورتیں اپنی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں اور اس زمانے میں تو مرد بھی بکثرت کرتے ہیں) اس عورت نے کہا حضرت یہ تو آپ کی گھر والیاں بھی کرتی ہیں، آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو وہ گئیں اور دیکھ کر آئیں اور کہنے لگیں حضرت معاف کیجئے، غلطی ہوئی ان باتوں میں سے کوئی بات آپ کے گھرانے والیوں میں میں نے نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ خدا کے نیک بندے (حضرت شعیب علیہ السلام) نے کیا فرمایا تھا مَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْھٰکُمْ عَنْہُ یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں جس چیز سے روکوں خود میں اس کا خلاف کروں۔

مسند احمد اور بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور جو گودے اور جو اپنی پیشانی کے بال لے اور جو خوبصورتی کے لئے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پیدائش کو بدلنا چاہے۔ یہ سن کر بنو اسد کی ایک عورت جن کا نام ام یعقوب تھا آپ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ کیا آپ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے؟ اور جو قرآن میں موجود ہے۔ اس نے کہا میں نے پورا قرآن جتنا بھی دونوں پٹھوں کے درمیان ہے، اول سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے تو یہ حکم کہیں نہیں پایا، آپ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھتیں تو ضرور پاتیں، کیا تم نے آیت مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ الخ، نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے، پھر آپ نے وہ حدیث سنائی، اس نے آپ کے گھر والوں کی نسبت کہا پھر دیکھ کر آئیں اور عذر خواہی کی، اس وقت آپ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسا کرتی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دیتا صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اسے بجا لاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو رک جاؤ۔ نسائی میں حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کدو کے برتن میں، سبز ٹھلیا میں، کھجور کی لکڑی کے کریدے ہوئے برتن میں اور رال کی رنگی ہوئی ٹھلیا میں نبیذ بنانے سے یعنی کھجور یا کشمش وغیرہ کے بھگو کر رکھنے سے منع فرمایا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (یاد رہے کہ یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ مترجم) پھر فرماتا ہے اللہ کے عذابوں سے بچنے کے لئے اس کے احکام کی ممنوعات سے بچتے رہو یاد رکھو کہ اس کی نافرمانی مخالفت انکار کرنے والوں کو اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے کرنے والوں کو وہ سخت سزا دیتا ہے اور دکھ کی مار مارتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ
فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹

(فے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' یہی راست باز لوگ ہیں ○ اور ان کے لئے جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ میں) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں رکھتے' بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو' بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچیں وہی کامیاب اور بامراد ہیں ○

مال فے کے حقدار : ☆☆ (آیت: ۸-۹) اوپر بیان ہوا تھا کہ فے کا مال یعنی کافروں کا جو مسلمانوں کے قبضے میں میدان جنگ میں لڑے بھڑے بغیر آ گیا ہو اس کے مالک رسول اللہ ﷺ ہیں پھر آپ یہ مال کسے دیں گے؟ اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے حق دار وہ غریب مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کو رضامند کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھ کا مشکلوں سے جمع کیا ہوا مال وغیرہ سب چھوڑ چھاڑ کر چل دینا پڑا' اللہ کے دین اور اس کے رسول کی مدد میں برابر مشغول ہیں' اللہ کے فضل و خوشنودی کے متلاشی ہیں' یہی سچے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا فعل اپنے قول کے مطابق کر دکھایا' یہ اوصاف سادات مہاجرین میں تھے رضی اللہ عنہم۔ پھر انصار کی مدح بیان ہو رہی ہے اور ان کی فضیلت' شرافت' کرم اور بزرگی کا اظہار ہو رہا ہے' ان کی کشادہ دلی' نیک نفسی' ایثار اور سخاوت کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے مہاجرین سے پہلے ہی دارالہجرت مدینہ میں اپنی بود و باش رکھی اور ایمان پر قیام رکھا مہاجروں کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ ایمان لا چکے تھے بلکہ بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے یہ ایمان دار بن گئے تھے۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق ادا کرتا رہے' ان کی خاطر مدارات میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی' ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگذر اور چشم پوشی کر لے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کہ جو بھی راہ خدا میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دیتے ہیں اور اپنا جان و مال ان پر نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ! ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے' تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں' مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں' دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے' کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں' حضور ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو نہ مل جائے آپ نے فرمایا نہیں نہیں' جب تک تم ان کی ثنا اور تعریف کرتے رہو گے۔ اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے' آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا' میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے' آپ نے فرمایا نہیں' پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو'

انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ! ہمیں یہ بھی بخوشی منظور ہے۔

پھر فرماتا ہے یہ اپنے دلوں میں کوئی حسد ان مہاجرین کی قدر و منزلت اور ذکر و مرتبت پر نہیں کرتے' جو انہیں مل جائے انہیں اس پر رشک نہیں ہوتا۔ اسی مطلب پر اس حدیث کی دلالت بھی ہے جو مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے' داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے' تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور انصاری سے کہنے لگے حضرت مجھ میں اور میرے والد میں کچھ بول چال ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا' پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گذار دوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گذاریں' دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے' صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھیں۔ ہاں یہ ضرور بات تھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گذر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا' اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت دراصل نہ تو میرے اور میرے والد صاحب کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی' چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین مرتبہ رات تک آپ کی خدمت میں رہا تا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا' اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتلایئے آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو پیغمبر اللہ ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ آپ نے فرمایا بس تم میرے اعمال تو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں۔ چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا' تھوڑی ہی دور نکلا تھا جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی' حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا' میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا' اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔ امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اس حدیث کو لائے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کوئی مال وغیرہ دیا جائے اور انہیں نہ ملے تو یہ برا نہیں مانتے تھے' بنو نضیر کے مال جب مہاجرین ہی میں تقسیم ہوئے تو کسی انصاری نے اس میں کلام کیا جس پر آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ اتری' آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے مہاجر بھائی مال و اولاد چھوڑ کر تمہاری طرف آتے ہیں' انصار نے کہا پھر حضورؐ ہمارا مال ان میں اور ہم میں برابر بانٹ دیجئے' آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جو حضورؐ کا ارشاد ہو' آپ نے فرمایا مہاجر کھیت اور باغات کا کام نہیں جانتے' تم آپ اپنے مال کو قبضہ میں رکھو خود کام کرو خود باغات میں محنت کرو اور پیداوار میں انہیں شریک کر دو۔ انصار نے اسے بھی بہ کشادہ پیشانی منظور کر لیا۔

پھر فرماتا ہے کہ باوجود خود کو حاجت ہونے کے بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی حاجت کو مقدم رکھتے ہیں' اپنی ضرورت خواہ باقی رہ

جائے - لیکن اور مسلمان کی ضرورت جلد پوری ہو جائے یہ ان کی ہر وقت کی چاہت ہے - ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ جس کے پاس کمی اور قلت ہو، خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی صدقہ کرے اس کا صدقہ افضل اور بہتر ہے - یہ درجہ ان لوگوں کے درجہ سے بھی بڑا ہوا ہے جن کا ذکر اور جگہ ہے کہ مال کی چاہت کے باوجود وہ اسے راہ للہ خرچ کرتے ہیں لیکن یہ لوگ تو خود اپنی حاجت ہوتے ہوئے صرف کرتے ہیں، محبت ہوتی ہے اور حاجت نہیں ہوتی اس وقت کا خرچ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی راہ للہ دے دینا - حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ اسی قسم سے ہے کہ آپ نے اپنا کل مال لا کر اللہ کے رسول کے سامنے ڈھیر لگا دیا، آپ نے پوچھا بھی کہ ابوبکرؓ کچھ باقی بھی رکھ آئے ہو؟ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو باقی رکھ آیا ہوں - اسی طرح وہ واقعہ ہے جو جنگ یرموک میں حضرت عکرمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو پیش آیا تھا کہ میدان جہاد میں زخم خوردہ پڑے ہوئے ہیں، ریت اور مٹی زخموں میں بھر رہی ہے کہ کراہ رہے ہیں، تڑپ رہے ہیں، سخت تیز دھوپ پڑ رہی ہے، پیاس کے مارے حلق چیخ رہا ہے، اتنے میں ایک مسلمان کندھے پر مشک لٹکائے آ جاتا ہے اور ان مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن ایک کہتا ہے اس دوسرے کو پلاؤ دوسرا کہتا ہے اس تیسرے کو پہلے پلاؤ، وہ ابھی تیسرے تک پہنچا بھی نہیں جو ایک شہید ہو جاتا ہے، دوسرے کو دیکھتا ہے کہ وہ بھی پیاسا ہی چل بسا، تیسرے کے پاس آتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ وہ بھی سوکھے ہونٹوں ہی اللہ سے جا ملا - اللہ تعالیٰ ان بزرگوں سے خوش ہو اور انہیں بھی اپنی ذات سے خوش رکھے -

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہؐ! میں سخت حاجت مند ہوں مجھے کچھ کھلوایئے، آپ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا لیکن تمام گھروں سے جواب ملا کہ حضورؐ ہمارے پاس خود کچھ نہیں - یہ معلوم کر کے پھر آپ نے اور لوگوں سے کہا کہ کوئی ہے جو آج کی رات انہیں اپنا مہمان رکھے؟ ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا حضورؐ میں انہیں اپنا مہمان رکھوں گا - چنانچہ یہ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں، آج گو ہمیں کچھ بھی کھانے کو نہ ملے لیکن یہ بھوکے نہ رہیں - بیوی صاحبہ نے کہا آج گھر میں بھی برکت ہے بچوں کے لئے البتہ کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں، انصاری نے فرمایا اچھا بچوں کو تو بہلا پھسلا کر بھوکا سلا دو اور ہم تم دونوں اپنے پیٹ پر کپڑا باندھ کر فاقے سے رات گذار دیں گے، کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور دراصل ہم کھائیں گے نہیں - چنانچہ ایسا ہی کیا صبح جب یہ شخص انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے اور اس کی بیوی کے رات کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوا اور ہنس دیا - انہی کے بارے میں آیت وَيُؤْثِرُوْنَ الخ، نازل ہوئی -

صحیح مسلم کی روایت میں ان انصاری کا نام بھی ہے یعنی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ - پھر فرماتا ہے جو اپنے نفس کی بخیلی، حرص اور لالچ سے بچ گیا اس نے نجات پالی - مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو! ظلم سے بچو، قیامت کے دن یہ ظلم اندھیریاں بن جائے گا، لوگو! بخیلی اور حرص سے بچو، یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا، اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنا لیا اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ فحش سے بچو - اللہ تعالیٰ فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے، حرص اور بخیلی کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث اگلوں نے ظلم کئے، فسق و فجور کئے اور قطع رحمی کی - ابوداؤد وغیرہ میں ہے اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کی پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا، اسی طرح بخیلی اور ایمان بھی کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے، یعنی راہ خدا کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخیلی نے گھر کر لیا اس کے دل میں ایمان کی رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی - حضرت عبداللہؓ کے پاس آ کر ایک شخص نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں تو ہلاک ہو گیا، آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچا دیا گیا اس نے فلاح پالی اور میں تو مال کو بڑا روکنے والا ہوں، خرچ کرتے ہوئے دل رکتا ہے، آپ نے فرمایا

اسکنجوسی کا ذکراس آیت میں نہیں' یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے' ہاں بخیلی بمعنی کنجوسی بھی ہے بہت بری چیز۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابوالہیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک صاحب صرف یہی دعا پڑھ رہے ہیں اَللّٰھُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ الٰہی! مجھے میرے نفس کی حرص و آڑ سے بچالے' آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہو گیا تو پھر نہ زنا کاری ہو سکے گی نہ چوری اور نہ کوئی برا کام۔ اب جو میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے رضی اللہ عنہ (ابن جریر)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا
الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

اوران کے لئے جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال۔ اے ہمارے رب! بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے ○

رافضی کو مال فے نہیں ملے گا: ☆☆ (آیت:۱۰) ایک حدیث میں ہے جس نے زکوٰۃ ادا کی اور مہمانداری کی اور اللہ کی راہ کے ضروری کاموں میں دیا' وہ اپنے نفس کی بخیلی سے دور ہو گیا۔ پھر مال فے کے مستحقین لوگوں کی تیسری قسم کا بیان ہو رہا ہے کہ انصار اور مہاجرین کے فقراء کے بعد ان کے تابع جو ان کے بعد کے لوگ ہیں ان میں کے مساکین بھی اس مال کے مستحق ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنے سے اگلے باایمان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ سورۂ برأت میں ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یعنی ''اول اول سبقت کرنے والے مہاجر و انصار اور ان کے بعد کے وہ لوگ جو احسان میں ان کے متبع ہیں' اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں''۔ یعنی یہ بعد کے لوگ ان اگلوں کے آثار حسنہ اور اوصاف جمیلہ کی اتباع کرنے والے اور انہیں نیک دعاؤں سے یاد رکھنے والے ہیں' گویا ظاہر باطن ان کے تابع ہیں۔ اس دعا سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا پاکیزہ استدلال کیا ہے کہ رافضی کو مال فے سے امام وقت کچھ نہ دے کیونکہ وہ اصحاب رسولؐ کے لئے دعا کرنے کے بجائے انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھو کس طرح قرآن کا خلاف کرتے ہیں' قرآن حکم دیتا ہے کہ مہاجر و انصار کے لئے دعائیں کریں اور یہ گالیاں دیتے ہیں' پھر یہی آیت آپ نے تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم)

اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ یہ امت ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ ان کے پچھلے ان کے پہلوں کو لعنت کریں گے (بغوی) ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ میں جس مال فے کا بیان ہے وہ تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسی طرح اس کے بعد کی آیت مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى والی نے عام کر دیا ہے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر لیا ہے' اب ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو سوائے تمہارے غلاموں کے۔ اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے۔

ابن جریر میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ کو حَکِیْمٌ تک پڑھ کر فرمایا مال زکوٰۃ کے مستحق تو یہ لوگ ہیں۔ پھر وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ والی پوری آیت کو پڑھ کر فرمایا مال غنیمت کے مستحق یہ لوگ ہیں' پھر یہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ' پڑھ کر فرمایا مال فے کے مستحقین کو بیان فرماتے ہوئے اس آیت نے تمام مسلمانوں کو اس مال فے کا مستحق کر دیا ہے' سب اس کے مستحق ہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھو گے کہ گاؤں گوٹھوں کے چرواہے کو بھی اس کا حصہ دوں گا جس کی پیشانی پر اس مال کے حاصل کرنے کے لئے پسینہ تک نہ آیا ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ
وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ
مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ
الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ
صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾

کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلاوطن کئے گئے تو اللہ کی قسم ہم بھی تمہارے ساتھ وطن چھوڑ دیں گے اور تمہارے بارے ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو واللہ ہم تمہاری مدد کریں گے' لیکن اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں ○ اگر وہ جلاوطن کئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ چھڑ گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے اور اگر بالفرض مدد پر آ بھی گئے تو بھی پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے' پھر مدد نہ کئے جائیں گے ○ مسلمانو! یقین مانو کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے' اس لئے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں ○

کفر بزدلی کی گود ہے۔ تلبیس ابلیس کا ایک انداز: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۷) عبداللہ بن ابی اور اسی جیسے منافقین کی چالبازی اور عیاری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے یہودیان بنونضیر کو تھپک کر' جھوٹا دلاسہ دلا کر' غلط وعدہ کر کے مسلمانوں سے بھڑا دیا' ان سے وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں' لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم ہار گئے اور مدینہ سے دیس نکالا ملا' تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دیں گے' لیکن بہ وقت وعدہ ہی ایفا کرنے کی نیت نہ تھی اور یہ بھی کہ ان میں اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ ایسا کر سکیں' نہ لڑائی میں نہ ان کی مدد کر سکیں نہ برے وقت ان کا ساتھ دیں' اگر بدنامی کے خیال سے میدان میں آ بھی جائیں تو یہاں آتے ہی تیر و تلوار کی صورت دیکھتے رونگھٹے کھڑے ہو جائیں اور نامردی کے ساتھ بھاگتے ہی بن پڑے۔ پھر مستقل طور پر پیش گوئی فرماتا ہے کہ ان کی تمہارے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی' یہ اللہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے خوف کھاتے ہیں۔

جیسے اور جگہ بھی ہے اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً یعنی ان کا ایک فریق لوگوں سے اتنا

ڈرتا ہے جتنا اللہ سے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ، بات یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ اور بزدلی کی یہ حالت ہے کہ یہ میدان کی لڑائی کبھی لڑ نہیں سکتے ہاں اگر مضبوط اور محفوظ قلعوں میں بیٹھے ہوئے ہوں یا مورچوں کی آڑ میں چھپ کر کچھ کارروائی کرنے کا موقع ہو تو خیر بہ سبب ضرورت کے کر گذریں گے لیکن میدان میں آ کر بہادری کے جوہر دکھانا یہ ان سے کوسوں دور ہے، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں، جیسے اور جگہ ہے وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ، بعض کو بعض سے لڑائی کا مزہ چکھاتا ہے، تم انہیں مجتمع اور متفق و متحد سمجھ رہے ہو لیکن دراصل یہ متفرق و مختلف ہیں، ایک کا دل دوسرے سے نہیں ملتا، منافق اپنی جگہ اور اہل کتاب اپنی جگہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں، وجہ یہ ہے کہ بے عقل لوگ ہیں۔ پھر فرمایا ان کی مثال ان سے کچھ ہی پہلے کے کافروں جیسی ہے، جنہوں نے یہاں بھی اپنے کئے کا بدلہ بھگتا اور وہاں کا بھگتنا ابھی باقی ہے۔ اس سے مراد یا تو کفار قریش ہیں کہ بدر والے دن ان کی کمر کبڑی ہوگئی اور سخت نقصان اٹھا کر کشتوں کے پشتے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے یا بنو قینقاع کے یہود ہیں کہ وہ بھی شرارت پر اتر آئے، اللہ نے ان پر اپنے نبی کو غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینہ سے خارج البلد کرا دیا، یہ دونوں واقعے ابھی ابھی کے ہیں اور تمہاری عبرت کا صحیح سبق ہیں، لیکن اس وقت کہ کوئی عبرت حاصل کرنے والا انجام کو سوچنے والا ہو بھی، زیادہ مناسب مقام بنو قینقاع کے یہود کا واقعہ ہی ہے واللہ اعلم۔ منافقین کے وعدوں پر ان یہودیوں کا شرارت پر آمادہ ہونا اور ان کے دھوکے میں آ کر معاہدہ توڑ ڈالنا، پھر ان منافقین کا انہیں موقع پر کام نہ آنا، نہ لڑائی کے وقت مدد پہنچانا نہ جلا وطنی میں ساتھ دینا۔ ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو شیطان بھی اسی طرح انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب یہ کفر کر چکتا ہے تو خود بھی اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنا اللہ والا ہونا ظاہر کرنے لگتا ہے۔

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَآءِ
جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ
شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾

یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں، ان کی لڑائی تو ان میں آپس میں ہی بہت کچھ ہے گو تو انہیں متفق سمجھ رہا ہے لیکن ان کے دل دراصل ایک سے ایک جدا ہے، اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ○ ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گذرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا وبال چکھ لیا اور جن کے لئے المناک عذاب تیار ہیں ○

اسی مثال کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا، ساٹھ سال اسے عبادت خدا میں گذر چکے تھے شیطان نے اسے ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا، اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں، ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اسی عابد سے ہو سکتا ہے، یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے، اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی، ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کئے، یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ عورت حاملہ ہوگئی، اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتلائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا، چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا، ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا، وہ دوڑے آئے، شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا وہ لوگ

آ رہے ہیں، اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی، اگر مجھے خوش کر لے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں، اس نے کہا جس طرح تو کہہ میں تیار ہوں۔ شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر، عابد نے اسے سجدہ کر لیا، یہ کہنے لگا تف ہے تجھ پر، کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے (ابن جریر)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ
قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾
فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خٰلِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ
جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع ۷

شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بیزار ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ○ پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش دوزخ میں ہمیشہ کے لئے گئے، گنہگاروں کی یہی سزا ہے ○

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گذارا کرتی تھی، اس کے چار بھائی تھے، ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا اور اس سے زنا کر بیٹھا، اسے حمل رہ گیا شیطان نے راہب کے دل میں ڈالی کہ اب بڑی رسوائی ہوگی، اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے، تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہہ دینا بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط جانے؟ اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی، ایک روز رات کے وقت موقع پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجاڑ جگہ زمین میں دبا دیا۔ اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتا دی۔ صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات تو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے، ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں، دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہی، چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے اس سے بدکاری کی، پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آیا ہے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے، اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو اس خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی۔ کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے، اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کرتوت ہیں، اب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا۔ اس نے کہا جو تو کہے، کہا مجھے سجدہ کر لے، اس نے یہ بھی کر دیا، پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے میں تو تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے، ڈرتا ہوں، چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کر دیا گیا۔ مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، طاؤسؒ، مقاتل بن حیان وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بالکل برعکس جریج عابد کا قصہ ہے کہ ایک بدکار عورت نے اس پر تہمت لگا دی کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور یہ بچہ جو مجھے ہوا ہے وہ اسی کا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت جریج کے عبادت خانے کو گھیر لیا اور انہیں نہایت بے ادبی سے زدوکوب کرتے ہوئے گالیاں دیتے ہوئے باہر لے آئے اور عبادت خانے کو ڈھا دیا۔ یہ بیچارے گھبرائے ہوئے ہر چند پوچھتے ہیں کہ آخر واقعہ کیا ہے؟ لیکن مجمع

آپے سے باہر ہے' آخر کسی نے کہا کہ دشمن خدا اولیاء اللہ کے لباس میں یہ شیطانی حرکت؟ اس عورت سے تو نے بدکاری کی۔ حضرت جریج نے فرمایا اچھا ٹھہرو صبر کرو' اس بچے کو لاؤ' چنانچہ وہ دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ لایا گیا۔ حضرت جریج نے اپنی عزت کی بقا کی خدا سے دعا کی پھر اس بچے سے پوچھا اے بچے! بتلا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے کو اللہ نے اپنے ولی کی عزت بچانے کے لئے اپنی قدرت سے گویائی کی قوت عطا فرما دی اور اس نے اس صاف فصیح زبان میں اونچی آواز سے کہا میرا باپ ایک چرواہا ہے' یہ سنتے ہی بنی اسرائیل کے ہوش جاتے رہے' یہ اس بزرگ کے سامنے عذر معذرت کرنے لگے' معافی مانگنے لگے' انہوں نے کہا بس اب مجھے چھوڑ دو' لوگوں نے کہا ہم آپ کی عبادت گاہ سونے کی بنا دیتے ہیں' آپ نے فرمایا بس اسے جیسی وہ تھی ویسے ہی رہنے دو۔ پھر فرماتا ہے کہ آخر انجام کفر کے کرنے اور حکم دینے والے کا یہی ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوئے ہر ظالم ظلم کی سزا پا ہی لیتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا
تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیج رکھا ہے؟ اور اللہ سے ڈرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ خبردار ہے ○ اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا پس اللہ نے انہیں خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا' یہی لوگ فاسق ہیں ○ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں' جنت والے ہی کامیاب لوگ ہیں ○

اجتماعی کار خیر کی ایک نوعیت اور انفرادی اعمال خیر : ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۰) حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دن چڑھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ آئے جو ننگے بدن اور کھلے پیر تھے' صرف چادروں یا عباؤں سے بدن چھپائے ہوئے' تلواریں گردنوں میں حمائل کئے ہوئے تھے اکثر بلکہ کل کے کل قبیلہ مضر میں سے تھے' ان کی اس فقر و فاقہ کی حالت نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی رنگت کو متغیر کر دیا' آپ گھر میں گئے' پھر باہر آئے پھر حضرت بلال ؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا اذان ہوئی' پھر اقامت ہوئی' آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ شروع کیا اور آیت یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ تلاوت کی پھر سورۂ حشر کی آیت وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ پڑھی اور لوگوں کو خیرات دینے کی رغبت دلائی' جس پر لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا' بہت سے درہم دینار کپڑے لتے کھجوریں وغیرہ آ گئیں' آپ برابر تقریر کئے جاتے تھے یہاں تک کہ فرمایا اگر آدھی کھجور بھی دے سکتے ہو' تو لے آؤ۔ ایک انصاری ایک تھیلی نقدی کی بھری ہوئی بہت وزنی جسے بمشکل اٹھا سکتے تھے لے آئے' پھر تو لوگوں نے تابڑ توڑ جو پایا لانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ہر چیز کے ڈھیر لگ گئے اور حضورؐ کا اداس چہرہ بہت کھل گیا اور مثل سونے کے چمکنے لگا اور آپ نے فرمایا جو بھی کسی اسلامی کار خیر کو شروع کرے اسے اپنا بھی اور اس کے بعد جو بھی اس کام کو کریں سب کا بدلہ ملتا ہے لیکن بعد والوں کے اجر گھٹ کر نہیں' اسی طرح جو اسلام میں کسی برے اور خلاف شرع طریقے کو جاری کرے اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہوتا ہے اور پھر جتنے لوگ اس پر کاربند ہوں سب کو جتنا گناہ ملے گا اتنا ہی اسے بھی ملتا ہے' مگر ان کے گناہ

گھٹتے نہیں (مسلم)۔

آیت میں پہلے حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو یعنی اس کے احکام بجالا کر اور اس کی نافرمانیوں سے بچ کر، پھر فرمان ہے کہ وقت سے پہلے اپنا حساب آپ لیا کرو، دیکھتے رہو کہ قیامت کے دن جب خدا کے سامنے پیش ہو گے تب کام آنے والے نیک اعمال کا کتنا کچھ ذخیرہ تمہارے پاس ہے۔ پھر تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے تمام اعمال واحوال سے اللہ تعالیٰ پورا باخبر ہے، نہ کوئی چھوٹا کام اس سے پوشیدہ نہ بڑا، چھپا نہ کھلا۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کے ذکر کو نہ بھولو ورنہ وہ تمہیں نیک اعمال جو آخرت میں نفع دینے والے ہیں بھلا دے گا، اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی کے جنس سے ہوتا ہے، اسی لئے فرمایا کہ یہی لوگ فاسق ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے والے اور قیامت کے دن نقصان پہنچانے والے اور ہلاکت میں پڑنے والے یہی لوگ ہیں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذَالِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ”مسلمانو! تمہیں تمہارے مال واولاد یاد خدا سے غافل نہ کریں جو ایسا کریں وہ سخت زیاں کار ہیں۔

طبرانی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خطبہ کا مختصر سا حصہ یہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ صبح شام تم اپنے مقررہ وقت کی طرف بڑھ رہے ہو پس تمہیں چاہئے کہ اپنی زندگی کے اوقات اللہ عزوجل کی فرمانبرداری میں گذارو اور اس مقصد کو بجز اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے کوئی شخص صرف اپنی طاقت وقوت سے حاصل نہیں کر سکتا، جن لوگوں نے اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے سوا اور کاموں میں کھپائی ان جیسے تم نہ ہونا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان جیسے بننے سے منع فرمایا ہے۔ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ خیال کرو کہ تمہاری جان پہچان کے تمہارے بھائی آج کہاں ہیں؟ انہوں نے اپنے گذشتہ ایام میں جو اعمال کئے تھے ان کا بدلہ لینے یا ان کی سزا بھگتنے کے لئے وہ دربار خدا میں جا پہنچے یا تو انہوں نے سعادت اور خوش نصیبی پائی یا نامرادی اور شقاوت حاصل کر لی، کہاں ہیں؟ وہ سرکش لوگ جنہوں نے بارونق شہر بسائے اور ان کے مضبوط قلعے کھڑے کئے، آج وہ قبروں کے گڑھوں میں پتھروں تلے دبے پڑے ہیں۔ یہ ہے کتاب اللہ قرآن کریم، تم اس نور سے روشنی حاصل کرو جو تمہیں قیامت کے دن کی اندھیریوں میں کام آ سکے، اس کی خوبی بیان سے عبرت حاصل کرو اور بن سنور جاؤ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ اور ان کے اہل بیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوْا لَنَا خَاشِعِیْنَ الخ، یعنی وہ نیک کاموں میں سبقت کرتے تھے اور بڑی لالچ اور سخت خوف کے ساتھ ہم سے دعائیں کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے جاتے تھے، سنو وہ بات بھلائی سے خالی ہے جس سے اللہ کی رضامندی مقصود نہ ہو، وہ مال خیر وبرکت والا نہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جاتا ہو، وہ شخص نیک بختی سے دور ہے جس کی جہالت بردباری پر غالب ہو، اس طرح وہ شخص بھی نیکی سے خالی ہاتھ ہے جو اللہ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف کھائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، گو اس کے ایک راوی نعیم بن نحمہ ثقاہت یا عدم ثقاہت سے معروف نہیں، لیکن امام ابوداؤد بجستانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ کافی ہے کہ جریر بن عثمانؒ کے تمام استاد ثقہ ہیں اور یہ بھی آپ ہی کے اساتذہ میں سے ہیں اور اس خطبہ کے اور شواہد بھی مروی ہیں واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جہنمی اور جنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یکساں نہیں۔ جیسے فرمان ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ الخ، یعنی کیا بدکاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں باایمان نیک کار لوگوں کے مثل کر دیں گے، ان کا جینا اور مرنا یکساں ہے ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور برا ہے۔ ایک اور جگہ ہے وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اندھا اور

دیکھتا' ایماندار' صالح اور بدکار برابر نہیں۔ تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کر رہے ہو۔ ایک اور فرمان ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کیا ہم ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسادیوں جیسا کر دیں گے یا پرہیزگاروں کو مثل فاجروں کے کر دیں گے؟ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ نیک کار لوگوں کا اکرام ہوگا اور بدکار لوگوں کو رسوا کن عذاب ہوگا۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ جنتی لوگ فائز بمرام اور مقصدور' کامیاب اور فلاح و نجات یافتہ ہیں' اللہ عزوجل کے عذابوں سے یہ بال بال بچ جائیں گے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا
مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا' ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں ○ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' چھپے کھلے کا جاننے والا' بخشنے اور رحم کرنے والا ○

بلند و عظیم مرتبہ قرآن مجید : ☆☆ (آیت:۲۱-۲۲) قرآن کریم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں' رونگٹے کھڑے ہو جائیں' کلیجے کپکپائیں' اس کے سچے وعدے اور اس کی حقانی ڈانٹ ڈپٹ ہر سننے والے کو بید کی طرح تھرادے اور دربار خدا میں سربسجود گرادے' اگر یہ قرآن جناب باری کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرماتا اور اسے غور و فکر کی اور فہم و فراست کی حس بھی دیتا تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا' پھر انسانوں کے دلوں پر جو نسبتاً بہت نرم اور چھوٹے ہیں' جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہئے۔ ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے ان کے غور و فکر کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہئے۔ متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے' جب منبر بن گیا بچھ گیا اور حضورؐ اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنا دور ہو گیا تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ اسے اس ذکر وحی کے سننے سے کچھ دوری ہو گئی۔

امام بصریؒ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو! ایک کھجور کا تنا اس قدر اللہ کے رسول کا شائق ہو' تو تمہیں چاہئے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو۔ دوسری جگہ فرمان خدا ہے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ الخ' یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مردے بول پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) (مگر پھر بھی ان کفار کو تو ایمان نصیب نہ ہوتا)۔ ایک اور جگہ فرمان عالی شان ہے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ الخ' یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہ نکلتی ہیں' بعض وہ ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے' بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی پالنے اور پرورش کرنے والا ہے نہ اس کے سوا کسی کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اس کی کسی قسم کی عبادت کوئی کرے' اس کے سوا جن جن

کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے‘ جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں اور جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہیں‘ خواہ آسمان میں ہوں خواہ زمین میں ہوں‘ خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہوں‘ یہاں تک کہ اندھیریوں کے ذرے بھی اس پر ظاہر ہیں۔ وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر شامل ہے‘ وہ دنیا اور آخرت میں رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ ہماری تفسیر کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گذر چکی ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے۔ ایک اور جگہ فرمان ہے كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ”تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحم ورحمت لکھ لی ہے“۔ اور فرمان ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ”کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ساتھ ہی خوش ہونا چاہئے‘ تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے“۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ
السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۲۳ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۴ ع ۷ ۳

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ بادشاہ نہایت پاک‘ سب عیبوں سے صاف امن دینے والا نگہبان غالب خود مختار بڑائی والا‘ پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں ○ وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا بنانے والا صورت کھینچنے والا اسی کے لئے ہیں نہایت اچھے اچھے نام‘ ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہی غالب ہے حکمت والا ○

اللہ تعالیٰ کی صفات: ☆☆ (آیت: ۲۳-۲۴) اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی ان اوصاف والا نہیں‘ تمام چیزوں کا تنہا وہی مالک و مختار ہے‘ ہر چیز کا ہیر پھیر کرنے والا‘ سب پر قبضہ اور تصرف رکھنے والا بھی وہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کی مزاحمت یا مدافعت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے‘ وہ قدوس ہے یعنی طاہر ہے‘ مبارک ہے‘ ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے‘ تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح وتقدیس میں علی الدوام مشغول ہے۔ کل عیبوں اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ ہے‘ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں‘ اپنے افعال میں بھی اس کی ذات ہر طرح کے نقصان سے پاک ہے‘ وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بے خوف رکھا ہے کہ ان پر کسی طرح کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو‘ اس نے یہ فرما کر کہ وہ حق ہے سب کو امن دے رکھا ہے۔ اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ مہیمن ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے اعمال کا ہر وقت یکساں طور شاہد ہے اور نگہبان ہے جیسے فرمان ہے وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ”اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے“۔

اور فرمان ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰی مَا يَفْعَلُوْنَ ”اللہ تعالیٰ ان کے تمام افعال پر گواہ ہے“۔ اور جگہ فرمایا اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ الخ‘ مطلب یہ ہے کہ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے اسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے‘ وہ عزیز ہے‘ ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے۔ کل مخلوق پر وہ غالب ہے‘ پس اس کی عزت عظمت جبروت کبریائی کی وجہ سے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ جبار اور متکبر

ہے' جبریت اور کبر صرف اسی کی شایان شان ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تہمد ہے اور کبریائی میری چادر ہے' جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اسے عذاب کروں گا اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے وہ رکھ سکتا ہے' کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ ہے' وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے۔ جو لوگ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں وہ ان سب سے بیزار ہے' اس کی خدائی شرکت سے مبرا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے' یعنی مقدر مقرر کرنے والا' پھر باری ہے یعنی اسے جاری اور ظاہر کرنے والا' کوئی ایسا نہیں کہ جو تقدیر اور تنفیذ دونوں پر قادر ہو' جو چاہے اندازہ مقرر کرے اور پھر اسی کے مطابق اسے چلائے بھی' کبھی بھی اس میں فرق نہ آنے دے' بہت سے ترتیب دینے والے اور اندازہ کرنے والے ہیں جو پھر اسے جاری کرنے اور اسی کے مطابق برابر جاری رکھنے پر قادر نہیں' تقدیر کے ساتھ ایجاد اور تنفیذ پر بھی قدرت رکھنے والی اللہ کی ہی ذات ہے۔ پس خلق سے مراد تقدیر اور برء سے مراد تنفیذ ہے' عرب میں یہ الفاظ ان معنوں میں برابر بطور مثال کے بھی مروج ہیں' اسی کی شان ہے کہ جس چیز کو جب جس طرح کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی طرح اسی صورت میں ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ''جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دی'' اسی لئے یہاں فرماتا ہے وہ مصور بھی ہے یعنی جس کی ایجاد جس طرح کی چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

پیارے پیارے بہترین اور بزرگ تر ناموں والا وہی ہے' سورۂ اعراف میں اس جملہ کی تفسیر گذر چکی ہے' نیز وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جو بخاری مسلم میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں شمار کر لے یاد رکھ لے' وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست رکھتا ہے' ترمذی میں ان ناموں کی صراحت بھی آئی ہے جو نام یہ ہیں۔ اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی' رحمن' رحیم' ملك' قدوس' سلام' مومن' مهيمن' عزيز' جبار' متكبر' خالق' بارى' مصور' غفار' قهار' وهاب' رزاق' فتاح' عليم' قابض' باسط' خافض' رافع' معز' مذل' سميع' بصير' حكم' عدل' لطيف' خبير' حليم' عظيم' غفور' شكور' على' كبير' حفيظ' مقيت' حسيب' جليل' كريم' رقيب' مجيب' واسع' حكيم' ودود' مجيد' باعث' شهيد' حق' وكيل' قوى' متين' ولى' حميد' محصى' مبدى' معيد' محى' مميت' حىّ' قيوم' واجد' ماجد' واحد' صمد' قادر' مقتدر' مقدم' موخر' اول' آخر' ظاهر' باطن' والى' متعال' بر' تواب' منتقم' عفو' رئوف' مالك الملك' ذوالجلال' والاكرام' مقسط' جامع' غنى' معطى' مانع' ضار' نافع' نور' هادى' بديع' باقى' وارث' رشيد' صبور۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم تاخیر کی زیادتی بھی ہے۔ الغرض ان تمام حدیثوں وغیرہ کا بیان پوری طرح سورۂ اعراف میں گذر چکا ہے اس لئے یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے باقی سب کو دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ آسمان و زمین کی کل چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں' ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو مخلوق ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے' بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے' وہ عزیز ہے' اس کی حکمت والی سرکار اپنے احکام اور تقدیر کے تقدر میں ایسی نہیں کہ کسی طرح کی کمی نکالی جائے یا کوئی اعتراض قائم کیا جاسکے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص صبح کو تین مرتبہ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ السَّمِيۡعِ الۡعَلِيۡمِ مِنَ الشَّيۡطَانِ الرَّجِيۡمِ پڑھ کر سورۂ حشر

کے آخر کی (ان) تین آیتوں کو پڑھ لے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے وہ بھی اسی حکم میں ہے- ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے غریب بتلاتے ہیں- الحمد للہ سورۂ حشر کی تفسیر ختم ہوئی-

تفسیر سورة الممتحنه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ
تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ
يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ
كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖۗ تُسِرُّوْنَ
اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖۗ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ
يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱﴾ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا
لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ
وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۲﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳﴾

شروع ہے اللہ نہایت مہربان رحم والے کے نام سے ○

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کے لئے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ کے جہاد میں اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو مجھے خوب یہ معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا ○ اگر انہیں تم پر کوئی دسترس کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ ○ تمہاری قرابتیں رشتہ داریاں اور اولادیں تمہیں قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے ○

حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ: ☆☆ (آیت:۱-۳) حضرت حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں' واقعہ یہ ہوا کہ حضرت حاطب مہاجرین میں سے تھے' بدر کی لڑائی میں بھی آپ نے مسلمانوں کے لشکر میں شرکت کی تھی' ان کے بال بچے اور مال دولت مکہ میں ہی تھا اور یہ خود قریش سے نہ تھے' صرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلیف تھے اس وجہ سے مکہ

میں انہیں امن حاصل تھا، اب یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ شریف میں تھے یہاں تک کہ جب اہل مکہ نے عہد توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کرنی چاہی تو آپ کی خواہش یہ تھی کہ انہیں اچانک دبوچ لیں تاکہ خونریزی نہ ہونے پائے اور مکہ شریف پر قبضہ ہو جائے، اسی لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ باری تعالیٰ ہماری تیاری کی خبریں ہمارے پہنچنے تک اہل مکہ کو نہ پہنچیں، ادھر آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا ۔ حضرت حاطبؓ نے اس موقع پر ایک خط اہل مکہ کے نام لکھا اور ایک قریشی عورت کے ہاتھ اسے چلتا کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارادے اور مسلمانوں کی لشکرکشی کی خبر درج تھی، آپ کا ارادہ اس سے صرف یہ تھا کہ میرا کوئی احسان قریش پر رہ جائے جس کے باعث میرے بال بچے اور مال دولت محفوظ رہیں، چونکہ حضورؐ کی دعا قبول ہو چکی تھی، ناممکن تھا کہ قریشیوں کو کسی ذریعہ سے بھی اس ارادے کا علم ہو جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس پوشیدہ راز سے مطلع فرما دیا اور آپ نے اس عورت کے پیچھے اپنے سوار بھیجے، راستہ میں اسے روکا گیا اور خط اس سے حاصل کر لیا گیا ۔ یہ مفصل واقعہ صحیح حدیثوں میں پوری طرح آ چکا ہے ۔

مسند احمد میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بلوا کر فرمایا تم یہاں سے فوراً کوچ کرو، روضہ خاخ میں جب تم پہنچو گے تو تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے، تم اسے قبضہ میں کر کے یہاں لے آؤ ۔ ہم تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر بہت تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے، روضہ خاخ میں جب پہنچے تو فی الواقع ہمیں ایک سانڈنی سوار عورت دکھائی دی ۔ ہم نے اس سے کہا کہ جو خط تیرے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر، اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں، ہم نے کہا غلط کہتی ہے، تیرے پاس خط یقیناً ہے، اگر تو راضی خوشی نہ دے گی تو ہم جامہ تلاشی کر کے جبراً وہ خط تجھ سے چھینیں گے ۔ اب تو وہ عورت سٹ پٹائی اور آخر اس نے اپنی چٹیا کھول کر اس میں سے وہ پرچہ نکال کر ہمارے حوالے کیا ۔ ہم اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کر دیا، پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حاطب نے اسے لکھا ہے اور یہاں کی خبر رسانی کی ہے، حضورؐ کے ارادوں سے کفار مکہ کو آگاہ کیا ہے آپ نے کہا حاطب یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطبؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! جلدی نہ کیجئے، میری بھی سن لیجئے، میں قریشیوں میں ملا ہوا تھا، خود قریشیوں میں سے نہ تھا، پھر آپ پر ایمان لا کر آپ کے ساتھ ہجرت کی، جتنے اور مہاجرین ہیں ان سب کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچے وغیرہ مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ان کی حمایت کرتے ہیں، لیکن میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرے بچوں کی حفاظت کرے اس لئے میں نے چاہا کہ آؤ قریشیوں کے ساتھ کوئی سلوک و احسان کرو جس سے میرے بچوں کی حفاظت وہ کریں اور جس طرح اوروں کے نسب کی وجہ سے ان کا تعلق ہے میرے احسان کی وجہ سے میرا تعلق ہو جائے ۔ یا رسول اللہ میں نے کوئی کفر نہیں کیا، نہ اپنے دین سے مرتد ہوا ہوں، نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوا ہوں، بس اس خط کی وجہ سے صرف اپنے بچوں کی حفاظت کا حیلہ تھا ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگو تم سے جو واقعہ حاطب بیان کرتے ہیں وہ بالکل حرف بہ حرف سچا ہے کہ اپنے نفع کی خاطر ایک غلطی کر بیٹھے ہیں، نہ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا کفار کی مدد کرنا ان کے پیش نظر ہو ۔ حضرت فاروق اعظمؓ اس موقع پر موجود تھے اور یہ واقعات آپ کے سامنے ہوئے، آپ کو بہت غصہ آیا اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں ۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں اور بدر والوں پر خدائے تعالیٰ نے جھانکا اور فرمایا جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا؟ یہ روایت اور بھی بہت سی حدیث کی کتابوں میں ہے ۔

صحیح بخاری شریف کتاب المغازی میں اتنا اور بھی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری اور کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت عمروؓ نے فرمایا اسی بارے میں آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ، اتری لیکن راوی کو شک ہے کہ آیت کے اترنے کا بیان حضرت عمروؓ کا ہے یا

حدیث میں ہے- امام علی بن عبداللہ مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سفیانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت اسی میں اتری ہے؟ تو سفیان نے فرمایا یہ لوگوں کی بات میں ہے میں نے اسے عمروؓ سے حفظ کیا ہے اور ایک حرف بھی نہیں چھوڑا اور میرا خیال ہے کہ میرے سوا کسی اور نے اسے حفظ بھی نہیں رکھا- بخاری مسلم کی ایک روایت میں حضرت مقدادؓ کے نام کے بدلے حضرت ابومرثد کا نام ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اس عورت کے پاس حضرت حاطب کا خط ہے' اس عورت کی سواری کو بٹھا کر اس کے انکار پر ہر چند ٹٹولتے ہیں لیکن کوئی پرچہ ہاتھ نہیں لگتا' آخر جب ہم عاجز آ گئے اور کہیں سے پرچہ نہ ملا تو ہم نے اس عورت سے کہا کہ اس میں تو مطلق شک نہیں کہ تیرے پاس پرچہ ہے گو ہمیں نہیں ملتا لیکن تیرے پاس ہے ضرور' یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات غلط ہو' اب اگر تو نہیں دیتی تو ہم تیرے کپڑے اتار کر ٹٹولیں گے' جب اس نے دیکھ لیا کہ انہیں پختہ یقین ہے اور یہ بے لئے نہ ٹلیں گے' تو اس نے اپنا سر کھول کر اپنے بالوں میں سے پرچہ نکال کر ہمیں دے دیا- ہم اسے لے کر واپس خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے- حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ دیکھ سن کر فرمایا اس نے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور مسلمانوں کی خیانت کی مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے- حضورؐ نے حضرت حاطبؓ سے دریافت کیا اور انہوں نے جواب دیا جو اوپر گذر چکا- آپ نے سب سے فرما دیا کہ انہیں کچھ نہ کہو اور حضرت عمرؓ سے بھی وہ فرمایا جو پہلے بیان ہوا کہ بدری صحابہ میں سے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت واجب کر دی ہے- جسے سن کر حضرت عمر رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کو اور اس کے رسول کو ہی کامل علم ہے- یہ حدیث ان الفاظ سے صحیح بخاری کتاب المغازی میں غزوۂ بدر کے ذکر میں ہے-

ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے مکہ جانے کا ارادہ اپنے چند ہم راز صحابہ کبار کے سامنے تو ظاہر کیا تھا جن میں حضرت حاطب بھی تھے' باقی عام طور پر مشہور تھا کہ خیبر جا رہے ہیں- اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ہم خط کو سارے سامان میں ٹٹول چکے اور نہ ملا تو حضرت ابومرثد نے کہا شاید اس کے پاس کوئی پرچہ ہے ہی نہیں' اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا ناممکن ہے' نہ رسول اللہ ﷺ جھوٹ بول سکتے ہیں نہ ہم نے جھوٹ کہا' جب ہم نے اسے دھمکایا تو اس نے ہم سے کہا تمہیں اللہ کا خوف نہیں؟ کیا تم مسلمان نہیں؟ ایک روایت میں ہے کہ اس نے پرچہ اپنے جسم میں سے نکالا- حضرت عمرؓ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا یہ بدر میں موجود تو ضرور تھے لیکن عہد شکنی کی اور دشمنوں میں ہماری خبر رسانی کی- ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت قبیلہ مزینہ کی عورت تھی' بعض کہتے ہیں اس کا نام سارہ تھا' اولاد عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی- حضرت حاطبؓ نے اسے کچھ دینا کیا تھا اور اس نے اپنے بالوں تلے کاغذ رکھ کر اوپر سے سر گوندھ لیا تھا' آپ نے اپنے گھوڑے سواروں سے فرما دیا تھا کہ اس کے پاس حاطب کا دیا ہوا اس مضمون کا خط ہے' آسمان سے اس کی خبر حضورؐ کے پاس آئی تھی- بنو ابواحمد کے حلیفہ میں یہ عورت پکڑی گئی تھی' اس عورت نے ان سے کہا تھا کہ تم منہ پھیر لو' میں نکال دیتی ہوں- انہوں نے منہ پھیر لیا پھر اس نے نکال کر حوالے کیا- اس روایت میں حضرت حاطبؓ کے جواب میں یہ بھی ہے کہ اللہ کی قسم میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں' کوئی تغیر تبدل میرے ایمان کا نہیں ہوا اور اسی بارے میں اس سورت کی آیتیں حضرت ابراہیم کے قصہ کے ختم تک اتریں- ایک اور روایت میں ہے کہ اس عورت کو اس کی اجرت کے دس درہم حضرت حاطبؓ نے دیئے تھے اور حضورؐ نے اس خط کے حاصل کرنے کے لئے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا تھا اور جحفہ میں یہ ملی تھی- مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! مشرکین اور کفار کو جو اللہ اور اس کے رسول اور مومن بندوں سے لڑنے والے ہیں' جن کے دل تمہاری عداوت سے پر ہیں' تمہیں ہرگز لائق نہیں کہ ان سے دوستی اور محبت میل ملاپ اور اپنائیت رکھو' تمہیں اس کے خلاف حکم دیا گیا ہے- ارشاد ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ الخ' اے ایماندارو! یہود و نصاریٰ سے دوستی مت گانٹھو' وہ آپس میں ہی ایک دوسروں کے دوست ہیں' تم میں سے جو بھی ان سے مودت و محبت کرے وہ

انہی میں سے شمار ہوگا - اس میں کس قدر ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے - ایک اور جگہ ہے یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا الخ ''مسلمانو! ان اہل کتاب اور کفار سے دوستیاں نہ کرو جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے کھیل کود سمجھ رہے ہیں' اگر تم میں ایمان ہے تو ذات باری سے ڈرو'' - اور جگہ ارشاد ہے مسلمانو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں نہ کرو' کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا کھلا الزام ثابت کر لو - اور جگہ فرمایا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنوں کے علاوہ کافروں سے دوستانہ نہ کریں' جو ایسا کرے گا وہ خدا کی طرف سے کسی چیز میں نہیں' ہاں بطور دفع الوقتی اور بچاؤ کے ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے - اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب کا عذر قبول فرما لیا کہ اپنے مال واولاد کے بچاؤ کی خاطر یہ کام ان سے ہو گیا تھا -

مسند احمد میں ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ نے کئی مثالیں بیان فرمائیں ایک اور تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ پھر ان میں سے یہ تفصیل صرف ایک ہی بیان کی باقی سب چھوڑ دیں' فرمایا ایک ضعیف مسکین قوم تھی جس پر زور آور ظالم قوم چڑھائی کر کے آ گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کی مدد کی اور انہیں اپنے دشمن پر غالب کر دیا' غالب آ کر ان میں رعونت سما گئی اور انہوں نے ان پر مظالم شروع کر دیئے' جس پر اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے ناراض ہو گیا - پھر مسلمانوں کو ہوشیار کرتا ہے کہ تم ان دشمنان دین سے کیوں مودت ومحبت رکھتے ہو؟ حالانکہ یہ تم سے بدسلوکی کرنے میں کسی موقع پر کمی نہیں کرتے' کیا یہ تازہ واقعہ بھی تمہارے ذہن سے ہٹ گیا کہ انہوں نے تمہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی جبراً وطن سے نکال باہر کیا اور اس کی کوئی اور وجہ نہ تھی بجز اس کے کہ تمہاری توحید اور فرمانبرداریٔ رسول ان پر گراں گذرتی تھی - جیسے اور جگہ ہے وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ یعنی ''مومنوں سے صرف اس بنا پر مخاصمت اور دشمنی ہے کہ وہ اللہ برتر بزرگ پر ایمان رکھتے ہیں'' - اسی طرح اور جگہ ہے یہ لوگ محض اس وجہ سے ناحق جلاوطن کئے گئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے - پھر فرماتا ہے اگر سچ مچ تم میری راہ کے جہاد کو نکلے ہو اور میری رضامندی کے طالب ہو تو ہرگز ان کفار سے' جو تمہارے اور میرے دشمن ہیں' میرے دین کو اور تمہارے جان ومال کو نقصان پہنچا رہے ہیں' دوستیاں نہ پیدا کرو' بھلا کس قدر غلطی ہے کہ تم ان سے پوشیدہ طور پر دوستانہ رکھو؟ کیا یہ پوشیدگی خدا سے بھی پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ جو ظاہر وباطن کا جاننے والا ہے' دلوں کے بھید اور نفس کے وسوسے بھی جس کے سامنے کھلے ہوئے ہیں - بس سن لو جو بھی ان کفار سے موالات ومحبت رکھے وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا - تم نہیں دیکھ رہے کہ ان کافروں کا اگر بس چلے' اگر انہیں کوئی موقع مل جائے تو نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے تمہیں نقصان پہنچانے میں دریغ کریں گے نہ برا کہنے سے اپنی زبانیں روکیں گے؟ جو ان کے امکان میں ہوگا وہ کر گذریں گے بلکہ تمام تر کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنا لیں' پس جب کہ ان کی اندرونی اور بیرونی دشمنی کا حال تمہیں بخوبی معلوم ہے پھر کیا اندھیر ہے کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست سمجھ رہے ہو اور اپنی راہ میں آپ کانٹے بو رہے ہو؟ غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافروں پر اعتماد کرنے اور ان سے ایسے گہرے تعلقات رکھنے اور دلی میل رکھنے سے روکا جا رہا ہے اور وہ باتیں یاد دلائی جا رہی ہیں جو ان سے علیحدگی پر آمادہ کر دیں - تمہاری قرابتیں اور رشتہ داریاں تمہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی اگر تم خدا کو ناراض کر کے انہیں خوش کرو اور چاہو کہ تمہیں نفع ہو یا نقصان ہٹ جائے یہ بالکل خام خیالی ہے' نہ اللہ کی طرف کے نقصان کو کوئی ٹال سکے نہ اس کے دیئے ہوئے نفع کو کوئی روک سکے' اپنے والوں سے ان کے کفر پر جس نے موافقت کی وہ برباد ہوا گو رشتہ دار کیسا ہی ہو کچھ نفع نہیں - مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں' جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا سن میرا باپ اور تیرا باپ دونوں ہی جہنمی ہیں - یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں اور سنن ابوداؤد میں بھی ہے -

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ
اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ
وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ
اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ
مِنْ شَیْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝۴

مسلمانو! تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ اور اچھی پیروی موجود ہے- جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت وبغض ظاہر ہو گیا لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے خدا کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں- اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○

عصبیت دین ایمان جزو لاینفک ہے: ☆☆ (آیت:۴) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار سے موالات اور دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرما کر ان کے سامنے اپنے خلیل اور ان کے اصحاب کا نمونہ پیش کر رہا ہے کہ انہوں نے صاف طور پر اپنے رشتہ کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا فرما دیا کہ ہم تم سے اور جنہیں تم پوجتے ہو ان سے بیزار بری الذمہ اور الگ تھلگ ہیں' ہم تمہارے دین اور طریقے سے متنفر ہیں جب تک تم اسی طریقے اور اسی مذہب پر ہو تم ہمیں اپنا دشمن سمجھو' ناممکن ہے کہ برادری کی وجہ سے ہم تمہارے اس کفر کے باوجود تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ خدا تمہیں ہدایت دے اور تم اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لے آؤ' اس کی توحید کو مان لو اور اسی ایک کی عبادت شروع کر دو اور جن جن کو تم نے اللہ کا شریک اور ساجھی ٹھہرا رکھا ہے اور جن جن کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو ان سب کو ترک کر دو' اپنی اس روش کفر اور طریق شرک سے ہٹ جاؤ تو پھر بیشک ہمارے بھائی ہو' ہمارے عزیز ہو' ورنہ ہم میں تم میں کوئی اتحاد واتفاق نہیں' ہم تم سے اور تم ہم سے علیحدہ ہو' ہاں یہ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے جو استغفار کا وعدہ کیا تھا اور پھر اسے پورا کیا- اس میں ان کی اقتدا نہیں اس لئے کہ یہ استغفار اس وقت تک رہا جس وقت تک کہ اپنے والد کا دشمن خدا ہونا ان پر وضاحت کے ساتھ ظاہر نہ ہوا تھا' جب انہیں یقینی طور پر اس کی خدا سے دشمنی کھل گئی تو اس سے صاف بیزاری ظاہر کر دی' بعض مومن اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعا واستغفار کرتے تھے اور سند میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے دعا مانگنا پیش کرتے تھے- اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمان مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ پوری دو آیتوں تک نازل فرمایا اور یہاں بھی اسوۂ ابراہیمی میں سے اس کا استثناء کر لیا کہ اس بات میں ان کی پیروی تمہارے لئے ممنوع ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے اس استغفار کی تفصیل بھی کر دی اور اس کا خاص سبب اور خاص وقت بھی بیان فرما دیا- حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ قتادہ' مقاتل بن حیانؒ ضحاکؒ وغیرہ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ قوم سے برات کر کے اب دامن خدا میں چھپتے ہیں اور جناب باری میں عاجزی اور انکساری سے عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ تمام کاموں میں ہمارا بھروسہ اور اعتماد تیری ہی پاک ذات پر ہے' ہم اپنے تمام کام تجھے سونپتے

ہیں' تیری طرف رجوع ورغبت کرتے ہیں' دار آخرت میں بھی ہمیں تیری ہی جانب لوٹنا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٥﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦﴾

خدایا تو ہمیں کافروں کا زیردست اور تختہ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پالنے والے! ہماری خطاؤں کو بخش دے بیشک تو ہی غالب حکمتوں والا ہے ○ یقیناً تمہارے لئے ان میں نیک نمونہ اور عمدہ پیروی ہے خاص کر ہر اس شخص کے لئے جو خدا کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کا اعتقاد رکھتا ہو اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے پرواہ ہے اور وہ سزاوار حمد وثنا ہے ○

مومنوں کی دعا: ☆☆ (آیت:۵-۶) پھر کہتے ہیں خدایا تو ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا یعنی ایسا نہ ہو کہ یہ ہم پر غالب آ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیں' اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ تیری طرف سے ہم پر کوئی عتاب وعذاب نازل ہو اور وہ ان کے اور بہکنے کا سبب بنے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو خدا انہیں عذاب کیوں کرتا؟ اگر یہ کسی میدان میں جیت گئے تو بھی ان کے لئے یہ فتنہ کا سبب ہوگا کہ ہم اس لئے غالب آئے کہ ہمیں حق پر ہیں۔ اسی طرح اگر یہ ہم پر غالب آ گئے تو ایسا نہ ہو کہ ہمیں تکلیفیں پہنچا پہنچا کر تیرے دین سے برگشتہ کر دیں۔ پھر دعا مانگتے ہیں کہ خدایا! ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے' ہماری پردہ پوشی کر اور ہمیں معاف فرما' تو عزیز ہے' تیری جناب میں پناہ لینے والا نامراد نہیں پھرتا' تیرے در کو کھٹکھٹانے والا خالی ہاتھ نہیں جاتا' تو اپنی شریعت کے تقرر میں' اپنے اقوال وافعال میں اور قضا وقدر کے مقدر کرنے میں حکمتوں والا ہے' تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ پھر بہ طور تاکید کے وہی پہلی بات دہرائی جاتی ہے کہ ان میں تمہارے لئے نیک نمونہ ہے' جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے آنے کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہو اسے ان کی اقتداء میں آگے بڑھ کر قدم رکھنا چاہئے اور جو احکام خدا سے روگردانی کرے وہ جان لے کہ اللہ اس سے بے پرواہ ہے' وہ سزاوار حمد وثنا ہے' مخلوق اس خالق کی تعریف میں مشغول ہے۔ جیسے اور جگہ ہے اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ''اگر تم اور تمام روئے زمین کے لوگ کفر پر اور خدا کے نہ ماننے پر اتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ تعالیٰ سب سے غنی' سب سے بے نیاز اور سب سے بے پرواہ ہے اور وہ تعریف کیا گیا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں غنی اسے کہا جاتا ہے جو اپنی غنا میں کامل ہو' اللہ تعالیٰ ہی کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر طرح سے بے نیاز اور بالکل بے پرواہ ہے' کسی اور کی ذات ایسی نہیں' اس کا کوئی ہمسر نہیں' اس کے مثل کوئی اور نہیں' وہ پاک ہے' اکیلا ہے' سب پر حاکم' سب پر غالب' سب کا بادشاہ ہے' حمید ہے یعنی مخلوق اسے سراہ رہی ہے' اپنے جمیع اقوال میں' تمام افعال میں وہ ستائشوں اور تعریفوں والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کے سوا کوئی پالنے والا نہیں' رب وہی ہے' معبود وہی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ
مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۚ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧﴾ لَا يَنْهٰكُمُ

اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ
فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ
تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے' اللہ کو سب قدرتیں ہیں' اللہ بڑا غفور رحیم ہے ○ جن لوگوں نے تم سے ذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا' بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے منع کرتا ہے جو تمسے مذہبی لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیں اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کریں' جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ قطعاً ظالم اور بے انصاف ہیں ○

کفار سے محبت کی ممانعت کی دوبارہ تاکید : ☆☆ (آیت:۷-۹) کافروں سے محبت رکھنے کی ممانعت اور ان کی بغض وعداوت کے بیان کے بعد اب ارشاد ہوتا ہے کہ بسا اوقات ممکن ہے ابھی ابھی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں میل ملاپ کرا دے' بغض نفرت اور فرقت کے بعد محبت مودت اور الفت پیدا کر دے' کون سی چیز ہے جس پر خدا قادر نہ ہو؟ وہ متبائن اور مختلف چیزوں کو جمع کر سکتا ہے' عداوت و قساوت کے بعد دلوں میں الفت ومحبت پیدا کر دینا اس کے ہاتھ ہے' جیسے اور جگہ انصار پر اپنی نعمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ' تم پر جو خدا کی نعمت ہے اسے یاد کرو کہ تمہاری دلی عداوت کو اس نے الفت قلبی سے بدل دیا اور تم ایسے ہو گئے جیسے ماں جائے بھائی ہوں' تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے لیکن اس نے تمہیں وہاں سے بچا لیا' آنحضرت ﷺ نے انصاریوں سے فرمایا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور تم متفرق تھے میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جمع کر دیا۔

قرآن کریم میں ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ الخ' اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے مومنوں کو ساتھ کر کے اے نبی! تیری مدد کی اور ایمان داروں میں آپس میں وہ محبت اور یک جہتی پیدا کر دی کہ اگر روئے زمین کی دولت خرچ کر کے بھی وہ یگانگت پیدا کرنی چاہتے تو وہ نہ کر سکتے تھے۔ یہ الفت منجانب اللہ تھی جو عزیز وحکیم ہے۔ ایک حدیث میں ہے دوستوں کی دوستی کے وقت بھی اس بات کو پیش نظر رکھو کہ کیا عجب اس سے کسی وقت دشمنی ہو جائے اور دشمنوں کی دشمنی میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو کیا خبر کب دوستی ہو جائے عرب شاعر کہتا ہے ۔

وَقَدْ يَجْمَعُ اللّٰهُ الشَّتِيْتَيْنِ بَعْدَ مَا يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِّ اَنْ لَّا تَلَاقِيَا

''یعنی ایسے دو دشمنوں میں بھی جو ایک سے ایک جدا ہوں اور اس طرح کہ دل میں گرہ دے لی ہو کہ ابد الآباد تک اب کبھی نہ ملیں گے اللہ تعالیٰ اتفاق واتحاد پیدا کرا دیتا ہے اور اس طرح ایک ہو جاتے ہیں کہ گویا کبھی دو نہ تھے' اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے' کافر جب توبہ کریں تو اللہ قبول فرما لے گا' جب وہ اس کی طرف جھکیں وہ انہیں اپنے سائے میں لے لے گا۔ کوئی سا گناہ ہو اور کوئی سا گنہگار ہو ادھر وہ مالک کی طرف جھکا ادھر اس کی رحمت کی آغوش کھلی۔

حضرت مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت ابوسفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے' ان کی صاحبزادی صاحبہ سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا تھا اور یہی مناکحت حجت کا سبب بن گئی' لیکن یہ قول کچھ جی کو نہیں لگتا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہوا تھا اور حضرت ابوسفیان کا اسلام بالاتفاق فتح مکہ کی رات کا ہے بلکہ اس سے بہت اچھی توجیہ تو وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کو کسی باغ کے پھلوں کا عامل بنا رکھا تھا' حضورؐ کے انتقال کے بعد یہ آ رہے تھے کہ راستے میں ذوالخمار مرتد مل گیا' آپ نے اس سے جنگ کی اور باقاعدہ لڑے' پس مرتدین سے پہلے پہل لڑائی لڑنے والے مجاہد فی الدین آپ ہیں' حضرت ابن شہابؒ کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت عَسَى اللّٰهُ الخ' اتری ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! میری تین درخواستیں ہیں اگر اجازت ہو تو عرض کروں' آپ نے فرمایا کہو' تو کہا اول تو یہ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ جس طرح میں کفر کے زمانے میں مسلمانوں سے مسلسل جنگ کرتا رہا اب اسلام کے زمانہ میں کافروں سے برابر لڑائی جاری رکھوں۔ آپ نے اسے منظور فرمایا پھر کہا میرے لڑکے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے' آپ نے اسے بھی منظور فرمایا (اس پر جو کلام ہے وہ پہلے گذر چکا ہے) اور میری بہترین عرب بچی ام حبیبہ کو آپ اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں' آپ نے یہ بھی منظور فرما لیا (اس پر بھی کلام پہلے گذر چکا ہے) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جن کفار نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں کی نہ تمہیں جلاوطن کیا جیسے عورتیں اور کمزور لوگ وغیرہ ان کے ساتھ سلوک و احسان اور عدل وانصاف کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ وہ تو ایسے باانصاف لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی مشرک ماں آئیں' یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جس میں آنحضرت ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح نامہ ہو چکا تھا۔ حضرت اسماء خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھتی ہیں کہ میری ماں آئی ہوئی ہیں اور اب تک وہ اس دین سے الگ ہیں' کیا مجھے جائز ہے کہ میں ان کے ساتھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں جاؤ' ان سے صلہ رحمی کرو۔

مسند کی اس روایت میں ہے کہ ان کا نام قتیلہ تھا' یہ مکہ سے گوہ اور پنیر اور گھی بطور تحفے کے لے کر آئی تھیں لیکن حضرت اسماءؓ نے اپنی مشرکہ ماں کو نہ تو اپنے گھر میں آنے دیا نہ یہ تحفہ ہدیہ قبول کیا' پھر حضورؐ سے دریافت کیا اور آپ کی اجازت پر ہدیہ بھی لیا اور اپنے ہاں ٹھہرایا بھی۔ بزار کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ حضرت عائشہ کی والدہ کا نام ام رومان تھا اور وہ اسلام لا چکی تھیں اور ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائی تھیں۔ ہاں حضرت اسماء کی والدہ ام رومان نہ تھیں چنانچہ ان کا نام قتیلہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

مُقْسِطِيْن کی تفسیر سورۂ حجرات میں گذر چکی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے مُقْسِطِيْن وہ لوگ ہیں جو عدل کے ساتھ حکم کرتے ہیں گو اہل وعیال کا معاملہ ہو یا زیردستوں کا' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش کے دائیں جانب نور کے ممبروں پر ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی ممانعت تو ان لوگوں کی دوستی سے ہے جو تمہاری عداوت سے تمہارے مقابل نکل کھڑے ہوئے' تم سے صرف تمہارے مذہب کی وجہ سے لڑے جھگڑے تمہیں تمہارے شہروں سے نکال دیا' تمہارے دشمنوں کی مدد کی۔ پھر مشرکین سے اتحاد واتفاق دوستی ویکھتی رکھنے والے کو دھمکاتا ہے اور اس کا گناہ بتلاتا ہے کہ ایسا کرنے والے ظالم گنہگار ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا یہودیوں نصرانیوں سے دوستی کرنے والا ہمارے نزدیک انہی جیسا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ
اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ
وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا
مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ
اَنْفَقُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو، دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں، جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کر دو۔ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ بھی مانگ لیں، یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور کامل حکمت والا ہے ○ اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

مہاجر خواتین کے متعلق بعض ہدایات: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) سورۂ فتح کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے اس صلح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضورؐ کے پاس چلا جائے آپ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں لیکن قرآن کریم نے ان میں سے ان عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو بھی وہ سچی ایماندار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں۔ حدیث شریف کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے اور بعض سلف کے نزدیک یہ آیت اس حدیث کی ناسخ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں، ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنا، پس یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی ۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ حضورؐ ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ فرمایا اس طرح کہ خدا کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں چلی آئی، صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر و سیاحت نہیں آئی، کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں آئی بلکہ صرف خدا کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں۔ قسم دے کر ان

سوالات کا کرنا اور خوب آزما لینا یہ کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا۔

اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور لاشریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت ﷺ کے اللہ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں' اگر آزمائش میں کسی غرض دنیوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دینے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی کی ان بن کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ۔ اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ باایمان عورت ہے تو پھر اسے کافروں کی طرف مت لوٹاؤ' ثابت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا جیسے کہ نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول مسلمہ تھیں۔ بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے تھے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار ان کے فدیئے میں بھیجا تھا کہ یہ آزاد ہو کر آجائیں' جسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پسند کرتے ہو تو اسے رہا کر دو' مسلمانوں نے بخوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا' چنانچہ حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا اور فرما دیا کہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں انہوں نے اسے منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج بھی دیا' یہ واقعہ سنہ ۲ ہجری کا ہے حضرت زینبؓ نے مدینہ میں ہی اقامت فرمائی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ سنہ ۷ ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابو العاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضورؐ نے پھر اسی اگلے نکاح پر بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا۔ اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابو العاص مسلمان ہو گئے تھے اور حضورؐ نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینب کو لوٹا دیا تھا۔ یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور نیا مہر بندھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور وہ روایت ازروئے اسناد کے بہت اعلیٰ اور دوسری روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیب ہیں اور عمل اسی پر ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیب والی روایت کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ضعیف بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ والی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے' ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو۔ اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے' ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے اگر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر ابن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں' عدت کا گذر جانا' ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو! ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں' اسی طرح کافرہ عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے' اس حکم کے نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے' حضورؐ نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے

کے حصے میں ہی تھے جو یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا باایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو ان کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو' اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا' اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔ حضرت الفاروقؓ نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حرول خزاعی کی لڑکی تھی' حضرت عبیداللہ کی والدہ یہ ہی تھی' اس سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا' یہ بھی مشرک تھا۔ اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے اپنی کافرہ بیوی اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی' اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے' اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آ جائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچ دے دو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں خدائی فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا' اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔ اس کے بعد کی آیت وَاِنْ فَاتَكُمْ کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صلح و صفائی نہیں' اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں۔ حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو خدا کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لئے ہوئے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا' اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافر اس کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خرچ ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں' پس فَعَاقَبْتُمْ کے معنی یہ ہوئے پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خرچ ادا کر دو یعنی مہر مثل' ان اقوال میں کوئی تضاد اور خلاف نہیں' مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت اگر ناممکن ہو تو وہ سہی ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے' دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے' حضرت امام ابن جریرؒ اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں فالحمدللہ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن
لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا
يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ
أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں تجھ سے ان باتوں پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی اور اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی امر شرعی میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو تو ان سے بیعت کر لیا کر اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کر بے شک اللہ بخشش اور معاف کرنیوالا ہے ○

خواتین کا طریقہ بیعت: ☆☆ (آیت:۱۲) صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا، جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضورؐ زبانی فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی، یہ نہیں کہ آپ ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں، قسم اللہ کی آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا، صرف زبانی فرما دیتے کہ ان باتوں پر میں نے تیری بیعت لی۔

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت ﷺ سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا اور ہم بھلی باتوں میں حضور کی نافرمانی نہ کریں گی کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہہ لو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے، ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر ہم نے کہا حضورؐ آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا، میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لئے کافی ہے بس بیعت ہو چکی۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضورؐ نے مصافحہ نہیں کیا، یہ حضرت امیمہ حضرت خدیجہ کی بہن اور حضرت فاطمہ کی خالہ ہوتی ہیں۔ مسند احمد میں حضرت سلمٰی بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی طرف حضور کے ساتھ نماز ادا کی تھی جو بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں، فرماتی ہیں انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا، آپ نے فرمایا ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور ان کے ساتھ دھوکا نہ کرو گی، ہم نے اس کا بھی اقرار کیا، بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کر لیں کہ خیانت و دھوکا نہ کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دو۔ مسند کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ بنت قدامہؓ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رایطہ بنت سفیان نزاعیہ کے ساتھ حضورؐ سے بیعت کرنے والیوں میں تھی، حضور ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں ان کا اقرار کرتی تھیں، میری والدہ کے فرمان سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ام عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مردے پر نوحہ نہ کریں گی حضور سے بیعت کی، اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مردے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی، آنحضرت ﷺ اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا، وہ چلی گئیں لیکن پھر تھوڑی ہی دیر میں واپس آئیں اور بیعت کر لی۔

مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحان نے ہی پورا کیا۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا، ام سلیم، ام علاء، ابو سیرہ کی بیٹی جو حضرت معاذ کی بیوی تھیں اور دو عورتیں یا ابو سیرہ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی ﷺ عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا معاہدہ لیا کرتے تھے۔ بخاری میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی عید کی نماز میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم

کے ساتھ پڑھی ہے‘ سب کے سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ کہتے تھے‘ ایک مرتبہ نبی ﷺ خطبے سے اترے گویا وہ نقشہ میری نگاہ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو بٹھایا جاتا تھا اور آپ ان کے درمیان سے تشریف لا رہے تھے‘ یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے‘ یہاں پہنچ کر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی‘ پھر آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے اس اقرار پر ثابت قدم ہو۔ ایک عورت نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ ہاں حضورؐ اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں‘ کسی اور نے جواب نہیں دیا۔ راوی حدیث حضرت حسن کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جواب دینے والی کون سی عورت تھیں‘ پھر آپ نے فرمایا اچھا خیرات کرو اور حضرت بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا‘ چنانچہ عورتوں نے اس پر بے نگینہ کی اور نگینہ دار انگوٹھیاں راہ للہ ڈال دیں۔

مسند احمد کی روایت میں حضرت امیمہؓ کی بیعت کے ذکر میں آیت کے علاوہ اتنا اور بھی ہے کہ نوحہ کرنا اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنا بناؤ سنگھار غیر مردوں کو نہ دکھانا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں سے بھی ایک مجلس میں فرمایا کہ مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں‘ جو شخص اس بیعت کو نبھا دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو اس کے خلاف کر گذرے اور وہ مسلم حکومت سے پوشیدہ رہے اس کا حساب اللہ سے ہے‘ اگر چاہے بخش دے اور اگر چاہے عذاب کرے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عقبہ اولیٰ میں ہم بارہ شخصوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور انہی باتوں پر جو اس آیت میں مذکور ہیں آپ نے ہم سے بیعت لی اور فرمایا اگر تم اس پر پورے اترے تو یقیناً تمہارے لئے جنت ہے‘ یہ واقعہ جہاد کی فرضیت سے پہلے کا ہے‘ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم سے اس بات پر بیعت لیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو‘ ان بیعت کے لئے آنے والیوں میں حضرت ہندہ تھیں جو عقبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور حضرت ابوسفیان کی بیوی تھیں‘ یہی تھیں جنہوں نے اپنے کفر کے زمانہ میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چیر دیا تھا‘ اس وجہ سے یہ ان عورتوں میں ایسی حالت سے آئی تھیں کہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے اس نے جب فرمان سنا تو کہنے لگی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن اگر بولوں گی تو حضورؐ مجھے پہچان لیں گے اور اگر پہچان لیں گے تو میرے قتل کا حکم دے دیں گے‘ میں اسی وجہ سے اس طرح آئی ہوں کہ پہچانی نہ جاؤں مگر اور عورتیں سب خاموش رہیں اور ان کی بات اپنی زبان سے کہنے سے انکار کر دیا آخر ان ہی کو کہنا پڑا کہ یہ ٹھیک ہے جب شرک کی ممانعت مردوں کو ہے تو عورتوں کو کیوں نہ ہو گی؟ حضورؐ نے ان کی طرف دیکھا لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا پھر حضرت عمرؓ سے کہا ان سے کہہ دو کہ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چوری نہ کریں اس پر ہندہ نے کہا میں ابوسفیان کی معمولی سی چیز کبھی کبھی لے لیا کرتی ہوں کیا یہ بھی چوری میں داخل ہے یا نہیں اور میرے لئے یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ حضرت ابوسفیان بھی اسی مجلس میں موجود تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے میرے گھر میں جو کچھ بھی تو نے لیا ہو خواہ وہ خرچ میں آ گیا ہو یا اب بھی باقی ہو وہ سب میں تیرے لئے حلال کرتا ہوں‘ اب تو نبی ﷺ نے صاف پہچان لیا کہ یہ میرے چچا حمزہ کی قاتلہ اور اس کے کلیجے کو چیرنے والی پھر اسے چبانے والی عورت ہندہ ہے‘ آپ نے انہیں پہچان کر اور ان کی یہ گفتگو سن کر اور حالت دیکھ کر مسکرا دیئے اور انہیں اپنے پاس بلایا‘ انہوں نے آ کر حضورؐ کا ہاتھ تھام کر معافی مانگی آپ نے فرمایا۔ تم وہی ہندہ ہو؟ انہوں نے کہا گذشتہ گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے‘ حضورؐ خاموش ہو رہے اور بیعت کے سلسلہ میں پھر لگ گئے اور فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ ان عورتوں میں سے کوئی بدکاری نہ کرے۔ اس پر حضرت ہندہ نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے خدا کی قسم آزاد عورتیں اس برے کام سے ہرگز آلودہ نہیں رہتیں۔ آپ نے پھر فرمایا چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں ہندہ نے کہا آپ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے آپ جانیں اور وہ۔ آپ نے فرمایا پانچویں بات یہ ہے کہ خود اپنی ہی

طرف سے جوڑ کر بے سر پیر کا کوئی خاص بہتان نہ تراش لیں اور چھٹی بات یہ ہے کہ میری شرعی باتوں میں میری نافرمانی نہ کریں اور ساتواں عہد آپ نے ان سے یہ بھی لیا کہ وہ نوحہ نہ کریں- اہل جاہلیت اپنے کسی کے مرجانے پر کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے' منہ نوچ لیتے تھے' بال کٹوا دیتے تھے اور ہائے وائے کیا کرتے تھے- یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض حصے میں نکارت بھی ہے اس لئے کہ ابوسفیان اور ان کی بیوی ہندہ کے اسلام کے وقت انہیں حضورؐ کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا بلکہ اس سے بھی آپ نے صفائی اور محبت کا اظہار کر دیا تھا واللہ اعلم-

ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ والے دن بیعت والی یہ آیت نازل ہوئی' نبی ﷺ نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمرؓ نے عورتوں سے بیعت لی' اس میں اتنا اور بھی ہے کہ اولاد کے قتل کی ممانعت سن کر حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم نے تو انہیں چھٹپنے سے پال پوس کر بڑا کیا لیکن ان بڑوں کو تم نے قتل کیا' اس پر حضرت عمرؓ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے- ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ جب ہندہ بیعت کرنے آئیں تو ان کے ہاتھ مردوں کی طرح سفید تھے آپ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل لو' چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں' ان کے ہاتھ میں دو سونے کے کڑے تھے' انہوں نے پوچھا کہ ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ فرمایا جہنم کی آگ کے دو انگارے ہیں (یہ حکم اس وقت ہے جب ان کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے) اس بیعت کے لینے کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا' جب اولادوں کے قتل کی ممانعت پر ان سے عہد لیا گیا تو ایک عورت نے کہا ان کے باپ دادوں کو تو قتل کیا اور ان کی اولاد کی وصیت ہمیں ہو رہی ہے' یہ شروع شروع میں صورت بیعت کی تھی لیکن پھر اس کے بعد تو آپ نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ جب بیعت کرنے کے لئے عورتیں جمع ہو جاتیں تو آپ یہ سب باتیں ان پر پیش فرماتے' وہ ان کا اقرار کرتیں اور واپس لوٹ جاتیں- پس فرمان الٰہی ہے کہ جو عورت ان امور پر بیعت کرنے کے لئے آئے تو اس سے بیعت لے لو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' غیر لوگوں کے مال نہ چرانا' ہاں اس عورت کو جس کا خاوند اپنی طاقت کے مطابق کھانے پینے پہننے اوڑھنے کو نہ دیتا ہو جائز ہے کہ اپنے خاوند کے مال سے مطابق دستور اور بقدر اپنی حاجت کے لے گو خاوند کو اس کا علم نہ ہو- اس کی دلیل حضرت ہندہؓ والی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے خاوند ابوسفیان بخیل آدمی ہیں وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولادوں کو کافی ہو سکے تو کیا میں اگر ان کی بے خبری میں اور ان کے مال میں سے لے لوں تو مجھے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا بہ طریق معروف اس کے مال سے اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بال بچوں کو کفایت کرے (صحیحین)

اور زنا کاری نہ کریں- جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ''زنا کے قریب نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے''- حضرت سمرہ والی حدیث میں زنا کی سزا اور دردناک عذاب جہنم بیان کی گئی ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت عقبہؓ جب بیعت کے لئے آئیں اور اس آیت کی تلاوت ان کے سامنے کی گئی تو انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا' آپ کو ان کی یہ حیا اچھی معلوم ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا انہی شرطوں پر ہم سب نے بیعت کی ہے' یہ سن کر انہوں نے بھی بیعت کر لی' حضورؐ کی بیعت کے طریقے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم عام ہے' پیدا شدہ اولاد کو مار ڈالنا بھی اسی ممانعت میں ہے جیسے کہ جاہلیت کے زمانے والے اس خوف سے کرتے تھے کہ انہیں کہاں سے کھلائیں گے پلائیں گے اور حمل کا گرا دینا بھی اسی ممانعت میں ہے خواہ اس طرح ہو کہ ایسے علاج کئے جائیں جس سے حمل ٹھہرے ہی نہیں یا ٹھہرے ہوئے حمل کو کسی طرح گرا دیا جائے-

بری غرض وغیرہ سے بہتان نہ باندھنے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دوسرے کی اولاد کو اپنے خاوند کے سر چپکانا- ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ملاعنہ کی آیت کے نازل ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت کسی قوم میں اسے داخل کرے جو اس قوم کا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی گنتی شمار میں نہیں اور جو شخص اپنی اولاد سے انکار کر جائے حالانکہ وہ اس کے سامنے

موجود ہو اللہ تعالیٰ اس سے آڑ کر لے گا اور تمام اگلوں پچھلوں کے سامنے اسے رسوا و ذلیل کرے گا۔ حضور کی نافرمانی نہ کریں یعنی آپ کے احکام بجالائیں اور آپ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جایا کریں' یہ شرط یعنی معروف ہونے کی عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے لگا دی ہے۔ حضرت میمون فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت بھی فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف ہی اطاعت ہے۔ حضرت ابن زیدؒ فرماتے ہیں دیکھ لو کہ بہترین خلق رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم بھی معروف میں ہی ہے۔ اس بیعت والے دن آنحضورؐ نے عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کا اقرار بھی لیا تھا۔ جیسے حضرت ام عطیہ کی حدیث میں پہلے گذر چکا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس بیعت میں یہ بھی تھا کہ عورتیں غیر محرموں سے بات چیت نہ کریں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم گھر پر موجود نہیں ہوتے اور مہمان آ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میری مراد ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت سے نہیں' میں ان سے کام کی بات کرنے سے نہیں روکتا (ابن جریر) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضورؐ نے اس بیعت کے موقع پر عورتوں کو نامحرم مردوں سے باتیں کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں کہ پرائی عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے۔ اوپر حدیث بیان ہو چکی ہے کہ نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوحے میں میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی' چنانچہ وہ گئیں بدلہ اتارا پھر آ کر حضورؐ سے بیعت کی۔ حضرت ام سلیمؓ جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ نہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا یہ ملحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ کی والدہ ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلے کے نوحے کی اجازت مانگی تھی خود حضورؐ نے اسے اجازت دی تھی' یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضورؐ کی نافرمانی نہ کریں اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں' بال نہ منڈوائیں' کپڑے نہ پھاڑیں' ہائے وائے نہ کریں۔

ابن جریر میں حضرت ام عطیہؓ سے مروی ہے کہ جب حضورؐ ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں فلاں گھر میں جمع ہوں پھر حضرت عمر بن خطابؓ کو وہاں بھیجا' آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا' ہم نے آپ کے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں' ہم نے کہا رسول اللہ کو بھی مرحبا ہو اور آپ کے قاصد کو بھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرنے پر چوری اور زناکاری سے بچنے پر بیعت کرو' ہم نے کہا ہم سب حاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے باہر اندر ہی اندر بڑھائے پھر آپ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی حائضہ عورتوں اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں' ہم پر جمعہ فرض نہیں' ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہئے۔ حضرت اسماعیل راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی صاحبہ حضرت ام عطیہؓ سے پوچھا کہ عورتیں معروف میں حضورؐ کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوحہ نہ کریں۔

بخاری مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے' دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی دہائی مچائے وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہیں جو گلا پھاڑ پھاڑ کر ہائے وائے کرے' بال نوچے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے۔ ابو یعلیٰ میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑیں گے' حسب نسب پر فخر کرنا' انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا' ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنا اور فرمایا نوحہ کرنے والی عورت اگر بے توبہ کئے مرجائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیراہن پہنایا جائے گا اور کھجلی کی چادر اڑھائی جائے گی۔ مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے

نوحہ کرنے والیوں پر اور نوحے کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی نہ کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے۔ یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝۱۳ ع ۲ ۷ ۸

اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر کافر ناامید ہیں ○

کفار سے دلی دوستی کی ممانعت : ☆☆ (آیت: ۱۳) اس سورت کی ابتدا میں جو حکم تھا وہی انتہا میں بیان ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار سے جن پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت اتر چکی ہے اور خدا کی رحمت اور اس کی شفقت سے دور ہو چکے ہیں تم ان سے دوستانہ اور میل ملاپ نہ رکھو وہ آخرت کے ثواب سے اور وہاں کی نعمتوں سے ایسے ناامید ہو چکے ہیں جیسے قبروں والے کافر۔ اس پچھلے جملے کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ جیسے زندہ کافر اپنے مردہ کافروں کے دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہو چکے ہیں دوسرے یہ کہ جس طرح مردہ کافر ہر بھلائی سے ناامید ہو چکے ہیں وہ مر کر آخرت کے احوال دیکھ چکے اور اب انہیں کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہیں رہی۔

الحمدللہ سورۂ ممتحنہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الصف

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ ایک دن بیٹھے بیٹھے آپس میں یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کرے کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ مگر ابھی کوئی کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد پہنچا اور ہم میں سے ایک ایک کو بلا کر حضورؐ کے پاس لے گیا، جب ہم سب جمع ہو گئے تو آپ نے اس پوری سورت کی تلاوت کی (مسند احمد) (اس میں ذکر ہے کہ جہاد سب سے زیادہ محبوب خدا ہے) ابن ابی حاتم کی اس حدیث میں ہے کہ ہم حضورؐ سے سوال کرتے ہوئے ڈرے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح حضورؐ نے پوری سورت پڑھ کر سنائی تھی اسی طرح اس روایت بیان کرنے والے صحابی نے تابعی کو پڑھ کر سنائی اور تابعی نے اپنے شاگرد کو اور اس نے اپنے شاگرد کو اسی طرح آخر تک۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے کہا تھا اگر ہمیں ایسے عمل کی خبر ہو جائے تو ہم ضرور اس پر عامل ہو جائیں، مجھ سے میرے استاد الشیخ المسند ابوالعباس احمد بن ابو طالب الحجار نے بھی اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں بھی مسلسل ہر استاد کا اپنے شاگرد کو یہ سورت پڑھ کر سنانا مروی ہے، یہاں تک کہ میرے استاد نے بھی اپنے استاد سے اسے سنا ہے لیکن چونکہ وہ خود امی تھے اور اسے یاد کرنے کا انہیں وقت نہیں ملا اس لیے انہوں نے مجھے پڑھ کر نہیں سنائی لیکن الحمدللہ میرے دوسرے استاد حافظ کبیر ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمانؒ نے اپنی سند سے یہ حدیث مجھے پڑھاتے وقت یہ سورت بھی پوری پڑھ کر سنائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا
تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا
تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ
صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴

مشفق ومہربان معبود حقیقی کے نام سے شروع ○

زمین وآسمان کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے ○ اے مسلمانو! تم وہ بات کیوں کہو؟ جو نہ کرو ○ تم جو نہ کرو اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے ○ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ○

ایفائے عہد ایمان کی علامت ہے اور صف اتحاد کی علامت :☆☆ (آیت:۱-۴) پہلی آیت کی تفسیر کئی بار گذر چکی ہے اب پھر اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر ان لوگوں پر انکار ہوتا ہے جو کہیں وہ نہ کریں، وعدہ کریں اور وفا نہ کریں۔ بعض علماء سلف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا مطلقاً واجب ہے جس سے وعدہ کیا ہے خواہ وہ تاکید کرے یا نہ کرے، ان کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین عادتیں ہوتی ہیں (۱) جب وعدہ کرے خلاف کرے (۲) جب بات کرے جھوٹ بولے (۳) جب امانت دیا جائے خیانت کرے۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے چار باتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے، ان میں ایک عادت وعدہ خلافی کی ہے۔ شرح صحیح بخاری کی ابتدا میں ہم نے ان دونوں حدیثوں کی پوری تشریح کر دی ہے۔ فالحمد للہ۔ اسی لئے یہاں بھی اس کی تاکید میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ آئے، میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا کھیل کود کے لئے جانے لگا تو میری والدہ نے مجھے آواز دے کر کہا ادھر آ کچھ دوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کچھ دینا بھی چاہتی ہو؟ میری والدہ نے کہا ہاں حضورؐ! کھجوریں دوں گی۔ آپؐ نے فرمایا پھر تو خیر، ورنہ یاد رکھو کچھ نہ دینے کا ارادہ ہوتا اور یوں کہتیں تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وعدے کے ساتھ وعدہ پورا کرنے کی تاکید کا تعلق ہو تو اس وعدے کو وفا کرنا واجب ہو جاتا ہے، مثلاً کسی شخص نے کسی سے کہہ دیا کہ تو نکاح کر لے اور اتنا اتنا ہر روز میں تجھے دیتا رہوں گا۔ اس نے نکاح کر لیا تو جب نکاح باقی ہے اس شخص پر واجب ہے کہ اسے اپنے وعدے کے مطابق دیتا رہے۔ اس لئے کہ اس میں آدمی کے حق کا تعلق ثابت ہو گیا جس پر اس سے باز پرس سختی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

کیا ایفائے عہد واجب ہے؟: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایفائے عہد مطلق واجب ہی نہیں، اس آیت کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ جب لوگوں نے جہاد کی فرضیت کی خواہش کی اور فرض ہو گیا تو اب بعض لوگ دیکھنے لگے جس پر یہ آیت اتری۔ جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ

لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ الخ، یعنی کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا تم اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز و زکوٰۃ کا خیال رکھو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں ایسے لوگ بھی نکل آئے جو لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے خدا سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کہنے لگے پروردگار! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں ایک وقت مقرر تک پیچھے نہ چھوڑا جو قریب ہی تو ہے، تو کہہ دے کہ اسباب دنیا تو بہت ہی کم ہیں، ہاں پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہترین چیز ہے، تم پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا، تم کہیں بھی ہو تمہیں موت ڈھونڈ نکالے گی گو تم مضبوط محلوں میں ہو- دوسری جگہ ہے وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ الخ، یعنی مسلمان کہتے ہیں کیوں کوئی سورت نہیں اتاری جاتی؟ پھر جب کوئی محکم سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں لڑائی کا ذکر ہوتا ہے تو تو دیکھے گا کہ بیمار دل والے تیری طرف اس طرح دیکھیں گے جیسے وہ دیکھتا ہے جس پر موت کی بیہوشی ہو- اسی طرح کی یہ آیت بھی ہے-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض مومنوں نے جہاد کی فرضیت سے پہلے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں وہ عمل بتلاتا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہوتا تاکہ ہم اس پر عامل ہوتے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ؐ کو خبر کی کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل میرے نزدیک ایمان ہے جو شک و شبہ سے پاک ہو اور بے ایمانوں سے جہاد کرنا ہے تو بعض مسلمانوں پر یہ بھاری پڑا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جنہیں کرتے نہیں- امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے تو ہم ضرور وہ عمل بجالاتے- اس پر اللہ عزوجل نے وہ عمل بتایا کہ میری راہ میں صفیں باندھ کر مضبوطی کے ساتھ جم کر جہاد کرنے والوں کو میں بہت پسند فرماتا ہوں، پھر احد والے دن ان کی آزمائش ہو گئی اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جس پر یہ فرمان عالیشان اترا کہ کیوں وہ کہتے ہو، جو کر نہیں دکھاتے؟

منافق جو کرتے نہیں وہ کہتے ہیں: ☆☆ بعض حضرات فرماتے ہیں یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہیں ہم نے جہاد کیا اور حالانکہ جہاد نہ کیا ہو کہہ دیں کہ ہم زخمی ہوئے اور ہوئے نہ ہوں، کہہ دیں کہ ہم پر مار پڑی اور پڑی نہ ہو، کہہ دیں کہ ہم قید کئے گئے اور قید نہ کئے گئے ہوں- ابن زیدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد منافق ہیں کہ مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کرتے لیکن وقت پر پورا نہ کرتے- زید بن اسلم جہاد مراد لیتے ہیں- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ان کہنے والوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جب آیت اتری اور معلوم ہوا کہ جہاد سب سے زیادہ عمدہ عمل ہے تو آپ نے عہد کر لیا کہ میں تو اب سے لے کر مرتے دم تک اللہ کی راہ میں اپنے تئیں وقف کر چکا چنانچہ اسی پر قائم بھی رہے، یہاں تک کہ فی سبیل اللہ شہید ہو گئے- حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ کے قاریوں کو ایک مرتبہ بلوایا تو تین سو قاری ان کے پاس آئے جن میں سے ہر ایک قاریٔ قرآن تھا پھر فرمایا تم اہل بصرہ کے قاری اور ان میں سے بہترین لوگ ہو، سنو ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو مسبحات کی سورتوں کے مشابہ تھی، پھر ہم اسے بھلا دیئے گئے ہاں مجھے اس میں سے اتنا یاد رہ گیا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةً فِيْٓ اَعْنَاقِكُمْ فَتُسْاَلُوْنَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی اے ایمان والو! وہ کیوں کہو جو نہ کرو پھر وہ لکھا جائے اور تمہاری گردنوں میں بطور گواہ کے لٹکا دیا جائے پھر قیامت کے دن اس کی بابت باز پرس ہو- پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے محبوب وہ لوگ ہیں جو صفیں باندھ کر دشمنان اللہ کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں تاکہ اللہ کا بول بالا ہو، اسلام کی حفاظت ہو اور دین کا غلبہ ہو- مسند میں ہے تین قسم کے لوگوں کی تین حالتیں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ہنس دیتا ہے، رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے والے نماز کے لئے صفیں باندھنے والے، میدان جنگ میں صف بندی کرنے والے- ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں مجھے بہ

روایت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث پہنچی تھی میرے جی میں تھا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے مل کر یہ حدیث آمنے سامنے سن لوں' چنانچہ ایک مرتبہ جا کر آپ سے ملاقات کی اور واقعہ بیان کیا آپ نے خوشنودی کا اظہار فرما کر کہا وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں کو دشمن جانتا ہے اور تین کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا ہاں میں اپنے خلیل حضرت محمد ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا' فی الواقع آپ نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔ میں نے پوچھا وہ تین کون ہیں؟ جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے' فرمایا ایک تو وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے' خالص اللہ کی خوشنودی کی نیت سے نکلے' دشمن سے جب مقابلہ ہو تو دلیرانہ جہاد کرے تم اس کی تصدیق خود کتاب اللہ میں بھی دیکھ سکتے ہو پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور پھر پوری حدیث بیان کی۔ ابن ابی حاتم میں یہ حدیث اسی طرح ان ہی الفاظ میں اتنی ہی آئی ہے۔ ہاں ترمذی اور نسائی میں پوری حدیث ہے اور ہم نے بھی اسے دوسری جگہ پوری وارد کیا ہے فالحمد للہ۔

صف بندی تعلیم ربانی: ☆☆ حضرت کعب احبار سے ابن ابی حاتم میں منقول ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے آپ میرے بندے' متوکل اور پسندیدہ ہیں' بدخلق' بدزبان' بازاروں میں شوروغل کرنے والے نہیں' برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے بلکہ درگذر کر کے معاف کر دیتے ہیں' جائے پیدائش آپ کی مکہ ہے' جائے ہجرت طابہ ہے' ملک آپ کا شام ہے' امت آپ کی بکثرت حمد الٰہی کرنے والی ہے' ہر حال میں اور ہر منزل میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے رہتے ہیں' صبح کے وقت ذکر اللہ میں ان کی پست آوازیں برابر سنائی دیتی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھن بھناہٹ۔ اپنے ناخن اور مونچھیں کترتے ہیں اور اپنے تہبند اپنی آدھی پنڈلیوں تک باندھتے ہیں' ان کی صفیں میدان جہاد میں ایسی ہوتی ہیں جیسی نماز میں' پھر حضرت کعب نے اسی آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا سورج کی نگہبانی کرنے والے' جہاں وقت نماز آ جائے نماز ادا کر لینے والے گو سواری پر ہوں۔ حضرت سعد بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب تک حضور ﷺ صفیں نہ بندھوا لیں' دشمن سے لڑائی شروع نہیں کرتے تھے۔ پس صف بندی کی تعلیم مسلمانوں کو اللہ کی دی ہوئی ہے' ایک دوسرے سے ملا رہے' ثابت قدم رہے اور ہلے نہیں' ایک دوسرے سے ملا ہوا کھڑا رہے' تم نہیں دیکھتے کہ عمارت کا بنانے والا نہیں چاہتا کہ اس کی عمارت میں کہیں اونچ نیچ ہو' ٹیڑھی ترچھی ہو یا سوراخ رہ جائیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے امر میں اختلاف ہو' میدان جنگ میں اور بوقت نماز مسلمانوں کی صف بندی خود اس نے کی ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو' جو احکام بجا لائے گا یہ اس کے لئے عصمت اور بچاؤ ثابت ہے۔ ابو بحریہ فرماتے ہیں مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑنا پسند نہیں کرتے تھے انہیں تو یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر پیدل صفیں بنا کر آمنے سامنے کا مقابلہ کریں' آپ فرماتے ہیں جب تم مجھے دیکھو کہ میں نے صف میں سے ادھر ادھر توجہ کی تو تم جو چاہو ملامت کرنا اور برا بھلا کہنا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ
اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یاد کر جبکہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں' پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا' اللہ تعالیٰ ایسی نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○

حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے خاتم الانبیاء کی پیشین گوئی: ☆☆ (آیت:۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران

نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو پھر کیوں میرے درپہ آزار ہو رہے ہو؟ اس میں گویا ایک طرح پر آنحضور ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے چنانچہ آپ بھی جب ستائے جاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے لیکن پھر بھی صابر رہے اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی کو ایذا نہ پہنچائیں' ایسا نہ کریں جس سے آپ کا دل دکھتا ہو۔ جیسے اور جگہ ہے لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى الخ' ایمان والو! تم ایسے نہ ہونا جیسے موسیٰ کو ایذا دینے والے تھے' اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت بندے کو اس کے بہتانوں سے پاک کیا پس جبکہ یہ لوگ باوجود علم کے اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیئے' شک وحیرت ان میں سما گئی' جیسے اور جگہ ہے وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ الخ' یعنی ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے۔ ایک اور جگہ ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ' جو رسول کی مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد اور مومنوں کے راستے کے سوا کی تابعداری کرے ہم اسے ایسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالآخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ پھر حضرت عیسیٰ کا خطبہ بیان ہوتا ہے جو آپ نے بنی اسرائیل میں پڑھا تھا جس میں فرمایا تھا کہ توراۃ میں میری خوش خبری دی گئی تھی اور اب میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی پیش گوئی سناتا ہوں جو نبی امی' عربی' مکی' احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں پس حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور حضرت محمد کل انبیاء اور مرسلین کے خاتم ہیں' آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے نہ رسول' نبوت و رسالت سب آپ پر من کل الوجوہ ختم ہو گئی۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (٦)

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسولؐ کی میں تمہیں خوش خبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمدؐ ہے' پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے ○

نبی ﷺ کے مختلف صفاتی نام: صحیح بخاری شریف میں ایک نہایت پاکیزہ حدیث وارد ہوئی ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں محمد' احمد' ماحی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹا دیا اور میں حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں۔ یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے' ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ نے ہمارے سامنے اپنے بہت سے نام بیان فرمائے جو ہمیں محفوظ رہے ان میں سے یہ چند ہیں فرمایا میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں حاشر ہوں' میں مقفی ہوں' میں نبی الرحمۃ ہوں' میں نبی التوبہ ہوں' میں نبی الملحمہ ہوں۔ یہ حدیث بھی صحیح مسلم شریف میں ہے۔ قرآن کریم میں ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ

مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰتِهِ وَالْإِنْجِيْلِ الخ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جنہیں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں تو راۃ میں بھی اورانجیل میں بھی، ایک اور جگہ فرمان ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ، اللہ تعالیٰ نے جب نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس میرا رسول آئے جو اسے سچا تا ہو جو تمہارے ساتھ ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے، کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے۔ فرمایا بس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

ہر نبی سے آخری نبیؐ کی پیروی کا عہد: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر حضرت محمد ﷺ مبعوث کئے جائیں تو وہ آپ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی عہد لے لیں۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضورؐ آپ ہمیں اپنی خبر سنایئے آپ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰؑ کی خوش خبری ہوں، میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصریٰ کے محلات چمک اٹھے (ابن اسحاق) اس کی سند عمدہ ہے اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں۔ مسند احمد میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا۔ درآنحالیکہ حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے، میں تمہیں اس کی ابتداء سناؤں میں اپنے والد حضرت ابراہیم کی دعا، حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں، انبیاء کی والدہ اسی طرح خواب دکھائی جاتی ہیں۔

نجاشی کا دربار: مسند احمد میں اور سند سے بھی اسی کے قریب روایت مروی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیج دیا تھا، ہم تقریباً اسی (۸۰) آدمی تھے، ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جعفر، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی تھے۔ ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے، عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید، ان کے ساتھ دربار شاہی کے لئے تحفے بھی بھیجے، جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بھاگ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں، ہماری قوم نے ہمیں اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہیں اسی شہر میں ہیں، حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو، چنانچہ یہ مسلمان صحابہ دربار میں آئے۔ ان کے خطیب اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے باقی لوگ ان کے ماتحت تھے، یہ جب آئے تو انہوں نے سلام تو کیا لیکن سجدہ نہیں کیا۔ درباریوں نے کہا تم بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔ پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ہماری طرف بھیجا اور اس رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کریں اور حضورؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نمازیں پڑھتے رہیں، زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ ایسا نہ ہو ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے، درباریوں اور خود بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں آپ لوگوں سے بالکل مخالف ہیں، اس پر بادشاہ نے پوچھا بتلاؤ تم حضرت عیسیٰؑ کے اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ہمیں تعلیم فرمایا کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں، روح اللہ ہیں، جس روح کو اللہ تعالیٰ کنواری مریم بتول علیہا السلام کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں، جنہیں کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا، نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقع تھا۔ بادشاہ نے یہ سن کر زمین

سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو اور اے واعظو' عالمو اور درویشو! ان کا اور ہمارا اس کے بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے۔ اللہ کی قسم ان کے اور ہمارے عقیدے میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں - اے جماعت مہاجرین! تمہیں مرحبا ہو اور اس رسول کو بھی مرحبا ہو' جن کے پاس سے تم آئے ہو میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہی ہیں جن کی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے' میری طرف سے تمہیں عام اجازت ہے' جہاں چاہو رہو سہو' اللہ کی قسم اگر ملک کی اس جھنجٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں قطعاً حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا' آپ کی جوتیاں اٹھاتا' آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا۔ اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو تحفہ لے کر آئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیا جائے - ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو جلد ہی حضورؐ سے آ ملے' جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی - اس شاہ حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضورؐ کو پہنچی تو آپ نے ان کے لئے بخشش کی دعا مانگی - یہ پورا واقعہ حضرت جعفر اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' تفسیری موضوع ہے چونکہ یہ الگ چیز ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں مختصراً وارد کر دیا' مزید تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو' ہمارا مقصود یہ ہے کہ عالی جناب حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی بابت اگلے انبیاء کرام علیہم السلام برابر پیشگوئیاں کرتے رہے اور اپنی امت کو اپنی کتاب میں سے آپ کی صفتیں سناتے رہے اور آپ کی اتباع اور نصرت کا انہیں حکم کرتے رہے' ہاں آپ کے امر کی شہرت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوئی جو تمام انبیاء کے باپ تھے' اسی طرح مزید شہرت کا باعث حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوئی' جس حدیث میں آپ نے سائل کے سوال پر اپنے امر نبوت کی نسبت دعائے خلیل اور نوید مسیح کی طرف کی ہے۔ اس سے یہی مراد ہے' ان دونوں کے ساتھ آپ کا اپنی والدہ محترمہ کے خواب کا ذکر کرنا اس لئے تھا کہ اہل مکہ میں آپ کی شروع شہرت کا باعث یہ خواب تھا' اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار درود و رحمت بھیجے - پھر ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر شہرت اور باوجود انبیاء کی متواتر پیش گوئیوں کے بھی جب آپ روشن دلیلیں لے کر آئے تو مخالفین نے اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ تو صاف صاف جادو ہے -

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى
اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۷
يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ
كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۹

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ○ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے گو کافر برا مانیں ○ وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں ○

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا: ☆☆ (آیت: ۷-۹) ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرے اور اس کے شریک وسہیم مقرر کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اگر یہ شخص بے خبر ہوتا جب بھی ایک بات تھی' یہاں تو یہ حالت ہے کہ وہ توحید اور اخلاص کی

طرف برابر بلایا جا رہا ہے' بھلا ایسے ظالموں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ ان کفار کی چاہت تو یہ ہے کہ حق کو باطل سے رد کر دیں۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی سورج کی شعاع کو اپنے منہ کی پھونک سے بے نور کرنا چاہے' جس طرح یہ محال ہے کہ اس کے منہ کی پھونک سے سورج کی روشنی جاتی رہے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ خدا کا دین ان کفار سے رد ہو جائے' اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا گو کافر برا مانیں تو مانتے رہیں۔ اس کے بعد اپنے رسول اور اپنے دین کی حقانیت کو واضح فرمایا ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر سورۂ برات میں گذر چکی ہے۔ فالحمد للہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ
عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ
عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ
اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلاؤں؟ جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ ○ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو' یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو ○ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے' یہی ہے بہت بڑی کامیابی ○ اور تمہیں ایک دوسری نعمت بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلدی فتح یابی ہے' ایمانداروں کو خوشخبری دے دو ○

سو فیصد نفع بخش تجارت : ☆☆ (آیت:۱۰-۱۳) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ صحابہ نے حضورؐ سے یہ پوچھنا چاہا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو کون سا ہے؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی جس میں فرما رہا ہے کہ آؤ میں تمہیں ایک سراسر نفع والی تجارت بتلاؤں جس میں گھاٹے کی کوئی صورت ہی نہیں' جس سے مقصود حاصل اور ڈر زائل ہو جائے گا۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لاؤ' اپنا جان مال اس کی راہ میں قربان کرنے پر تل جاؤ' جان لو کہ یہ دنیا کی تجارت اور اس کے لئے کدوکاوش کرنے سے بہت ہی بہتر ہے' اگر اس میری بتلائی ہوئی تجارت کے تاجر تم بن گئے تو تمہاری ہر لغزش سے' ہر گناہ سے میں درگذر کر لوں گا اور جنتوں کے پاکیزہ محلات میں اور بلند و بالا درجوں میں تمہیں پہچاؤں گا' تمہارے بالا خانوں اور ان ہمیشگی والے باغات کے درختوں تلے سے صاف شفاف نہریں پوری روانی سے جاری ہوں گی' یقین مانو کہ زبردست کامیابی اور اعلیٰ مقصدوری یہی ہے' اچھا اس سے بھی زیادہ سنو تم جو ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ پر میری مدد طلب کرتے رہتے ہو اور اپنی فتح چاہتے ہو میرا وعدہ ہے کہ یہ بھی تمہیں دوں گا۔ ادھر مقابلہ ہوا ادھر فتح ہوئی' ادھر سامنے آئے ادھر فتح و نصرت نے رکاب بوسی کی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ''ایمان الو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں

ثابت قدمی عنایت فرمائے گا"۔ ایک جگہ فرمان ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ یعنی "یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور غیر فانی عزت والا ہے"۔ یہ مدد اور یہ فتح دنیا میں اور وہ جنت اور نعمت آخرت میں ان لوگوں کے حصہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں لگے رہیں اور دین ربانی کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں اسی لئے فرمادیا کہ اے نبی! ان ایمان والوں کو میری طرف سے یہ خوش خبری پہنچادو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝۱۴ ع ۵

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ جس طرح حضرت مریمؑ کے بیٹے حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا' ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں' پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا' ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ پر تائید کی' پس وہ غالب آ گئے ○

عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کی روداد: ☆☆ (آیت:۱۴) اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ جان و مال' عزت و آبرو' قول و فعل' نقل و حرکت اور دل و زبان سے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تمام تر باتوں کی تعمیل میں رہیں' پھر مثال دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰؑ کی آواز پر فوراً لبیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو اللہ کی باتوں میں میری امداد کرے انہوں نے بلاغور علی الفور کہہ دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپ کے تابع ہیں' چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا۔ حج کے دنوں میں سرور رسل ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے جگہ دے تاکہ میں اللہ کی رسالت کو پہنچادوں' قریش تو مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں' چنانچہ اہل مدینہ کے قبیلے اوس و خزرج کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ابدی بخشی۔ انہوں نے آپ سے بیعت کی' آپ کی باتیں قبول کیں اور مضبوط عہد و پیمان کئے کہ اگر آپؐ ہمارے ہاں آ جائیں تو پھر کسی سرخ و سیاہ کی طاقت نہیں جو آپ کو دکھ پہنچائے' ہم آپ کی طرف سے جانیں لڑا دیں گے اور آپؐ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے' پھر جب حضورؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کر کے ان کے ہاں گئے تو فی الواقع انہوں نے اپنے کہے کو پورا کر دکھایا اور اپنی زبان کی پاسداری کی۔ اسی لئے انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے اور یہ لقب گویا ان کا امتیازی نام بن گیا۔ اللہ ان سے خوش ہو اور انہیں بھی راضی کرے آمین! جبکہ حواریوں کو لے کر آپ دین اللہ کی تبلیغ کے لئے کھڑے ہوئے' تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے اور کچھ لوگ نہ آئے بلکہ آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طاہرہ کو بدترین برائی کی طرف منسوب کیا۔ ان یہودیوں پر خدا کی پھٹکار پڑی اور ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ بن گئے' پھر ماننے والوں میں سے بھی ایک جماعت ماننے میں ہی حد سے گذر گئی اور انہیں ان کے درجہ سے بہت بڑھا دیا' پھر اس گروہ میں بھی کئی گروہ ہو گئے۔ بعض تو کہنے لگے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں' بعض نے

کہا تین میں کے تیسرے ہیں، یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس اور بعضوں نے تو آپ کو اللہ ہی مان لیا۔ ان سب کا ذکر سورۂ نساء میں مفصل ملاحظہ ہو۔

سچے عیسائی: ☆☆ سچے ایمان والوں کی جناب باری نے اپنے آخر الزماں رسولؐ کی بعثت سے تائید کی، ان کے دشمن نصرانیوں پر انہیں غالب کر دیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب خدا کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا لے، آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے، سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آتے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ۔ پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے، ایک نوجوان جوان سب میں کم عمر تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کیا، آپؑ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، پھر وہی بات کہی، اب کی مرتبہ بھی کم عمر نوجوان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے، حضرت عیسیٰؑ نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھا دیا پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا، اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے۔ آپؑ نے فرمایا، بہت بہتر، اسی وقت ان کی شکل و صورت بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے، اب یہودیوں کی فوج آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایماندار تھے۔

بنی اسرائیل کے تین گروہ: ☆☆ پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے تو کہا کہ خود خدا ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا، انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے۔ ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھا لیا، انہیں نسطوریہ کہا جاتا ہے۔ تیسری جماعت حق پر قائم رہی، ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ ہم میں تھے جب تک خدا کی چاہت رہی آپ ہم میں موجود رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل و غارت کرنا شروع کیا اور یہ دبے ہوئے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپؐ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپؐ سے بھی کفر کیا۔ ان ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کا غالب آ جانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر اور سنن نسائی۔ پس یہ امت حق پر قائم رہ کر ہمیشہ تک غالب رہے گی یہاں تک کہ امر اللہ یعنی قیامت آ جائے اور یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر مسیح دجال سے لڑائی کریں گے جیسے کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ صف کی تفسیر ختم ہوئی، فالحمدللہ۔

تفسیر سورة الجمعه

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ الْمَلِكِ
الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى
الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝٤

آسمان و زمین کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے جو بادشاہ نہایت پاک ہے غالب و باحکمت ہے ○ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○ اور دوسروں کے لئے بھی انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے' اور وہی ہے غالب باحکمت ○ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے اپنا فضل دے' اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے ○

قرآن حکیم آفاقی کتاب ہدایت ہے :☆☆ (آیت: ۱-۴) اور جگہ بھی فرمایا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو۔ تمام مخلوق خواہ آسمان کی ہو' خواہ زمین کی' اس کی تعریفوں اور پاکیزگیوں کے بیان میں مصروف و مشغول ہے' وہ آسمان و زمین کا بادشاہ اور ان دونوں میں اپنا پورا تصرف اور اٹل حکم جاری کرنے والا ہے' وہ تمام نقصانات سے پاک اور بے عیب ہے' تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے' وہ عزیز و حکیم ہے' اس کی تفسیر کئی بار گذر چکی ہے۔ اُمِّیُّوْنَ سے مراد عرب ہیں جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُو الْكِتَابَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ الخ' یعنی تو اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم نے اسلام قبول کیا؟ اور وہ مسلمان ہو جائیں تو تو راہ راست پر ہیں اور اگر منہ پھیر لیں تو تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اور بندوں کی پوری دیکھ بھال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' یہاں عرب کا ذکر کرنا اس لئے نہیں کہ غیر عرب کی نفی ہو بلکہ صرف اس لئے کہ ان پر احسان و اکرام بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ یعنی یہ تیرے لئے بھی نصیحت ہے اور تیری قوم کے لئے بھی' یہاں بھی قوم کی خصوصیت نہیں' کیونکہ قرآن کریم سب جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ اسی طرح اور جگہ فرمان ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ''اپنے قرابت دار کنبہ والوں کو ڈرا دے'' یہاں بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کی تنبیہ صرف اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے بلکہ عام ہے۔ ارشاد

باری ہے قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں- ایک اور جگہ فرمان ہے لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ یعنی ''اس کے ساتھ میں تمہیں خبردار کر دوں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے'' اسی طرح قرآن کی بابت فرمایا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ تمام گروہ میں سے جو بھی اس کا انکار کرے وہ جہنمی ہے' اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں' جن سے صاف ثابت ہے کہ حضورؐ کی بعثت روئے زمین کی طرف تھی' کل مخلوق کے آپؐ پیغمبر تھے' ہر سرخ و سیاہ کی طرف آپؐ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے- صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ- سورۂ انعام کی تفسیر میں اس کا پورا بیان ہم کر چکے ہیں اور بہت سی آیات و احادیث وہاں وارد کی ہیں فالحمدللہ۔

میں دعائے ابراہیمی بن کر آیا: ☆☆ یہاں یہ فرمانا کہ ان پڑھوں یعنی عربوں میں اپنا رسول بھیجنا اس لئے ہے کہ حضرت خلیل اللہ کی دعا کی قبولیت معلوم ہو جائے' آپ نے اہل مکہ کے لئے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجے جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائے' انہیں پاکیزگی سکھائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے' پس اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور جبکہ مخلوق کو نبی اللہ کی سخت حاجت تھی سوائے چند اہل کتاب کے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین پر قائم تھے اور افراط و تفریط سے الگ تھے باقی تمام دنیا دین حق کو بھلا بیٹھی تھی اور اللہ کی ناراضی کے کاموں میں مبتلا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا- آپؐ نے ان ان پڑھوں کو اللہ کے کلام کی آیتیں پڑھ کر سنائیں' انہیں پاکیزگی سکھائی اور کتاب و حکمت کا معلم بنا دیا' حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے- سنئے عرب حضرت ابراہیمؑ کے دین کے دعویدار تھے لیکن حالت یہ تھی کہ اصل دین کو خورد برد کر چکے تھے' اس میں اس قدر تبدل تغیر کر دیا تھا کہ توحید شرک سے اور یقین شک سے بدل چکا تھا' ساتھ ہی بہت سی اپنی ایجاد کردہ بدعتیں دین اللہ میں شامل کر دی تھیں۔ اسی طرح اہل کتاب نے بھی اپنی کتابوں کو بدل دیا تھا' ان میں تحریف کر لی تھی اور متغیر کر دیا تھا' ساتھ ہی معانی میں بھی الٹ پھیر کر لیا تھا۔ پس اللہ پاک نے حضرت محمد ﷺ کو عظیم الشان شریعت اور کامل مکمل دین دے کر دنیا والوں کی طرف بھیجا کہ اس فساد کی آپ اصلاح کریں' اہل دنیا کو اصل احکام الٰہی پہنچائیں' اللہ کی مرضی اور نامرضی کے احکام لوگوں کو معلوم کرا دیں' جنت سے قریب کرنے والے عذاب سے نجات دلوانے والے تمام اعمال بتلائیں ساری مخلوق کے ہادی بنیں' اصول و فروع سب سکھائیں' کوئی چھوٹی بڑی بات باقی نہ چھوڑیں' تمام تر شک شبہے سب کے دور کر دیں اور ایسے دین پر لوگوں کو ڈال دیں جن میں ہر بھلائی موجود ہو۔ اس بلند و بالا خدمت کے لئے آپؐ میں وہ برتریاں اور بزرگیاں جمع کر دیں جو نہ آپ سے پہلے کسی میں تھیں نہ آپ کے بعد کسی میں ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام نازل فرماتا رہے آمین-

اہل فارس کی عظمت: ☆☆ دوسری آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو لوگوں نے پوچھا کہ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ سے کیا مراد ہے' تین مرتبہ حضورؐ سے سوال ہوا' تب آپؐ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس ہوتا تو بھی ان لوگوں میں سے ایک یا کئی ایک پا لیتے-

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مدنی ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضورؐ کی پیغمبری تمام دنیا والوں کی طرف ہے صرف عرب کے لئے مخصوص نہیں کیونکہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فارس والوں کو فرمایا- اسی عام بعثت کی بنا پر آپ نے فارس و روم کے بادشاہوں کے نام اسلام قبول کرنے کے فرامین بھیجے- حضرت مجاہدؒ وغیرہ بھی فرماتے ہیں اس سے مراد عجمی لوگ ہیں یعنی عرب کے سوا کے لوگ جو حضورؐ پر

ایمان لائیں اور آپ کی وحی کی تصدیق کریں۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ اب سے تین تین پشتوں کے بعد آنے والے میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ اللہ عزت و حکمت والا ہے' اپنی شریعت اور اپنی تقدیر میں غالب باحکمت ہے' پھر فرمان ہے یہ اللہ کا فضل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی زبردست عظیم الشان نبوت کے ساتھ سرفراز فرمانا اور اس امت کو اس فضل عظیم سے بہرہ ور کرنا' یہ خاص اللہ کا فضل ہے' اللہ اپنا فضل جسے چاہے دے' وہ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ
الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو' اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے' اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○

کتابوں کا بوجھ لادا گدھا اور بے عمل عالم: ☆☆ (آیت: ۵) ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں تورات دی گئی عمل کرنے کے لئے' انہوں نے اسے لیا پھر عمل نہ کیا' فرمایا جاتا ہے کہ ان کی مثال گدھے کی سی ہے کہ اگر اس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوئے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدل و تحریف کرتے رہتے ہیں۔ پس دراصل یہ اس بے سمجھ جانور سے بھی بدتر ہیں' کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے' اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اُولٰۤئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھکے ہوئے' یہ غافل لوگ ہیں۔ یہاں فرمایا اللہ کی آیتوں کے جھٹلانے والوں کی بری مثال ہے' ایسے ظالم اللہ کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے' وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ
مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶
وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ
مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

کہہ دے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو ○ یہ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ

ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں یہ نا انصاف اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں ○ کہہ دے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر ہی رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے تمام کام بتلا دے گا ○

یہودیوں کو دعوت مباہلہ : ☆☆ (آیت: ۶-۷) پھر فرماتا ہے اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اصحاب ناحق پر ہیں تو آؤ اور دعا مانگو کہ ہم دونوں میں سے جو حق پر نہ ہو اللہ اسے موت دے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان کے سامنے ہیں مثلاً کفر' فسق' فجور' ظلم' نافرمانی وغیرہ اس وجہ سے ہماری پیشین گوئی ہے کہ وہ اس پر آمادگی نہیں کریں گے' ان ظالموں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت قُلْ اِنْ كَانَتْ کی تفسیر میں یہودیوں کے اس مباہلے کا پورا ذکر ہم کر چکے ہیں اور وہیں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اپنے اوپر اگر خود گمراہ ہوں تو یا اپنے مقابل پر اگر وہ گمراہ ہوں موت کی بددعا کریں' جیسے کہ نصرانیوں کے مباہلہ کا ذکر سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے' ملاحظہ ہو تفسیر آیت فَمَنْ حَآجَّكَ الخ' مشرکین سے بھی مباہلہ کا اعلان کیا گیا ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ مریم آیت قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ الخ' یعنی اے نبیؐ! ان سے کہہ دے کہ جو گمراہی میں ہو رحمٰن اسے اور بڑھا دے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا' جب یہ خبر حضورؐ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہود میرے مقابلہ پر آ کر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اور اگر مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و مال کو ہرگز نہ پاتے۔ یہ حدیث بخاری' ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے۔

موت سے مضر نہیں: ☆☆ (آیت: ۸) پھر فرماتا ہے موت سے تو کوئی بچ ہی نہیں سکتا' جیسے سورۂ نساء میں ہے اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پا ہی لے گی گو مضبوط محلوں میں ہو۔ معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے بھاگے' بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر' وہ پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہو گئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جمعہ کے دن جب نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف جلدی جایا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہے ○ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو تا کہ تم فلاح پا لو ○

جمعہ کا دن کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیوں ہے؟ : ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے' وجہ اشتقاق یہ ہے کہ اس

دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں خدا کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اسی دن تمام مخلوق کامل ہوئی' چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے چھٹا دن جمعہ کا ہے' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے' اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے' اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔ اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے' جیسے کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمانؓ سے پوچھا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''اسی دن تیرے ماں باپ (یعنی آدم وحوا) کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا' یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا۔'' اسی طرح ایک موقوف حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فاللہ اعلم۔ پہلے اسے یوم العروبہ کہا جاتا تھا' پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا' لیکن جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی' یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ ہوئی تھی' نصاریٰ نے اتوار اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔ جیسے صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب کے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی' پھر ان کے اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا' اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی پس لوگ اس میں بھی ہمارے پیچھے ہیں' یہودی کل اور نصرانی پرسوں۔ مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں کیا جائے گا' یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے' سعی سے مراد یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے قصد کرو' چل پڑو' کوشش کرو' کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ' جیسے اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا' یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں بجائے فاسعوا کے فامضوا ہے' یہ یاد رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا منع ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو' دوڑو نہیں' جو پاؤ پڑھ لو' جو فوت ہو ادا کر لو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نماز میں تھے جو لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور زور سے سنی' فارغ ہو کر فرمایا ''کیا بات ہے؟'' لوگوں نے کہا ''حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے'' فرمایا ''ایسا نہ کرو' نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ' جو پاؤ پڑھ لو۔'' جو چھوٹ جائے پوری کر لو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ کر نماز کے لئے آؤ' یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع وخضوع ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اپنے دل اور اپنے عمل سے کوشش کرو' جیسے اور جگہ ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ حضرت ذبیح اللہ جب خلیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔

غسل جمعہ اور آداب جمعہ: ☆☆ جمعہ کے لئے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہئے' بخاری مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرے وہ غسل کر لیا کرے ایک اور حدیث میں ہے جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ہر بالغ پر ساتویں دن سر اور جسم کا دھونا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ کا دن ہے۔ سنن اربعہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے' پیدل جائے' سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے' خطبے کو کان لگا کر سنے' لغو نہ کرے تو اسے ہر ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے۔

بخاری مسلم میں ہے جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے' اول ساعت میں جائے' اس نے گویا ایک اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا۔ دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے کی قربانی کرنے والے کے ہے۔ تیسری ساعت میں جانے والا مرغ راہ اللہ میں تصدق کرنے والے کی طرح ہے۔ پانچویں ساعت میں جانے والا انڈا راہ للہ دینے والے جیسا ہے۔ پھر جب امام آ جائے فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں' مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے' خوشبو لگائے' مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آئے۔ ایک حدیث میں غسل کے بیان کے ساتھ ہی مسواک کرنا اور خوشبو ملنا بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کو خوشبو ملے' اگر ہو اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے' اگر جی چاہے اور کسی کو ایذا نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آ جائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ممبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص رکھے حضورؐ نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کرلو۔

جمعہ کی پہلی اذان: ☆☆ جس اذان کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے ممبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے نبی ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی جب آپ گھر سے تشریف لاتے ممبر پر جاتے اور آپ کے بیٹھ جانے کے بعد آپ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی' اس سے پہلے کی اذان حضورؐ کے زمانے میں نہ تھی' اسے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام ممبر پر خطبہ کہنے کے لئے بیٹھ جاتا' حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان پر کہلوائی زیادہ کی اس مکان کا نام زوراء تھا' مسجد سے قریب سب سے بلند یہی مکان تھا۔ حضرت مکحولؒ سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی' جب نماز کھڑی ہونے لگے۔ اسی اذان کے وقت خرید و فروخت حرام ہوتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں' غلاموں اور بچوں کو نہیں' مسافر مریض اور تیماردار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور گنے گئے ہیں جیسے کہ کتب فروع میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

جمعہ کے وقت خرید و فروخت حرام: پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لئے چل پڑو' تجارت کو ترک کر دو' جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے۔ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے' اس میں اختلاف ہے۔ کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور خدا کے فضل کی تلاش میں لگ جانا' تمہارے لئے حلال ہے۔ عراک بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِیْ

فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ یعنی ''اے اللہ! میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما تو سب سے بہتر روزی رساں ہے۔'' (ابن ابی حاتم) اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ خرید و فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو' دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ اخروی نفع بھول بیٹھو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی بازار جائے اور وہاں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جبکہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد رہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ
قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ
وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ ع۲

اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آ جائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا ہی چھوڑ جاتے ہیں تو کہہ دے کہ اللہ کے پاس جو ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے ○

تجارت' عبادت اور صلوٰۃ جمعہ: ☆☆ (آیت:۱۱) مدینہ میں جمعہ والے دن تجارتی مال کے آ جانے کی وجہ سے جو حضرات خطبہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے' انہیں اللہ تعالیٰ عتاب کر رہا ہے کہ یہ لوگ جب کوئی تجارت یا کھیل تماشہ دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف چل کھڑے ہوتے ہیں اور تجھے خطبہ میں ہی کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں یہ مال تجارت وحیہ بن خلیفہ کا تھا جمعہ والے دن آیا اور شہر میں خبر کے لئے طبل بجنے لگا۔ حضرت وحیہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے' طبل کی آواز سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے' صرف چند آدمی رہ گئے' مسند احمد میں ہے صرف بارہ آدمی رہ گئے باقی لوگ اس تجارتی قافلہ کی طرف چل دیئے جس پر یہ آیت اتری۔ مسند ابو یعلیٰ میں اتنا اور بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے اور سب اٹھ کر چلے جاتے تو تم سب پر یہ وادی آگ بن کر بھڑک اٹھتی۔ جو لوگ حضورؐ کے پاس سے نہیں گئے تھے' ان میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے' صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے پڑھتے تھے' درمیان میں بیٹھ جاتے تھے' قرآن شریف پڑھتے تھے اور لوگوں کو تذکیر و نصیحت فرماتے تھے' یہاں یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ یہ واقعہ بہ قول بعض کے اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ مراسیل ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے جیسے عیدین میں ہوتا ہے' یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ خطبہ سنا رہے تھے کہ ایک شخص نے آن کر کہا وحیہ بن خلیفہ مال تجارت لے کر آ گیا ہے' یہ سن کر سوائے چند لوگوں کے اور سب اٹھ کھڑے ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے اے نبیؐ انہیں خبر سنا دو کہ دار آخرت کا ثواب عند اللہ ہے وہ کھیل تماشوں سے خرید و فروخت سے بہت ہی بہتر ہے' اللہ پر توکل رکھ کر' طلب رزق اوقات اجازت میں جو کرے اللہ اسے بہترین طریق پر روزیاں دے گا۔

الحمدللہ سورۂ جمعہ کی تفسیر پوری ہوئی۔

تفسیر سورة المنافقون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱
اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ
سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳

شروع کرتا ہوں مہربانی اور رحم کرنے والے اللہ کے نام سے ○

تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ بے شک آپؐ اللہ کے رسول ہیں' اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تو اس کا رسولؐ ہے' اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں ○ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس اللہ کی راہ سے رک گئے بے شک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں ○ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی' اب یہ نہیں سمجھتے ○

منافقین کا قسمیں کھانا: ☆☆ (آیت:۱-۳) اللہ تعالیٰ منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا ہے کہ گو یہ تیرے پاس آ کر قسمیں کھا کھا کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں' تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں مگر دراصل دل کے کھوٹے ہیں' فی الواقع آپ رسول اللہ بھی ہیں' ان کا یہ قول بھی ہے مگر چونکہ دل میں اس کا کوئی اثر نہیں' لہٰذا یہ جھوٹے ہیں- اس بات میں کہ یہ تجھے رسول اللہ مانتے ہیں' یہ سچے ہونے کے لئے گو قسمیں کھائیں لیکن آپ یقین نہ کیجئے' یہ قسمیں تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' یہ تو اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کا ایک ذریعہ ہیں' مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان سے ہوشیار رہیں' کہیں انہیں سچا ایماندار سمجھ کر کسی بات میں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں کہ یہ اسلام کے رنگ میں کفر کا ارتکاب کرا دیں' یہ اللہ کی راہ سے دور اور بداعمال لوگ ہیں- ضحاک کی قرأت میں اِيْمَانَهُمْ الف کی زیر کے ساتھ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی ظاہری تصدیق کو اپنے لئے تقیہ بنا لیا ہے کہ قتل سے اور حکم کفر سے دنیا میں بچ جائیں- یہ نفاق ان کے دلوں میں اس گناہ کی شومی کے باعث رچ گیا ہے کہ ایمان سے گھوم کر کفر کی طرف اور ہدایت سے ہٹ کر ضلالت کی جانب آ گئے ہیں' اب دلوں پر مہر خدا لگ چکی ہے اور بات کی تہ کو پہنچنے کی قابلیت سلب ہو چکی ہے' بظاہر تو خوش رو خوش گو ہیں' اس فصاحت اور بلاغت سے گفتگو کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ دوسرے کا دل اٹکا لیں لیکن باطن میں بڑے کھوٹے' بڑے کمزور دل والے نامرد اور بدنیت ہیں' جہاں کوئی واقعہ بھی رونما ہوا اور سمجھ بیٹھے کہ ہائے مرے- ایک اور جگہ ہے اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ الخ' تمہارے مقابلہ میں بخل کرتے ہیں' پھر جس وقت خوف ہوتا ہے تو تمہاری طرف اس طرح آنکھیں پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں گویا کسی شخص پر موت کی بیہوشی طاری ہے' پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تمہیں اپنی بدکلامی سے چھید ڈالتے ہیں اور مال غنیمت کی حرص میں نہ کہنے کی باتیں کہہ گزرتے ہیں' یہ بے ایمان ہیں' ان کے اعمال غارت ہیں- اللہ پر یہ امر نہایت ہی آسان ہے پس ان کی یہ آوازیں خالی پیٹ کے ڈھول کی بلند بانگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں' یہی تمہارے دشمن ہیں' ان کی چکنی چپڑی باتوں اور ثقہ اور مسکین صورتوں کے دھوکے میں نہ آ جانا' اللہ انہیں برباد کرے' ذرا سوچیں تو کیوں ہدایت کو چھوڑ کر بے راہی پر چل رہے ہیں؟

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ
لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ
هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا
رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

جب تو انہیں دیکھے تو ان کے جسم تجھے خوش نما معلوم ہوں' یہ جب باتیں کرنے لگیں تو تو ان کی باتوں پر اپنے کان لگا لے' گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئیں' ہر سخت آواز کو اپنی ہی ہلاکی سمجھتے ہیں' یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچتا رہ' اللہ انہیں غارت کرے ○ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں اور تو دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں ○

علامات منافق : ☆☆ (آیت:۴) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں' ان کا سلام لعنت ہے' ان کی خوراک لوٹ مار ہے' ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے' وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں' وہ نمازوں کے لئے آخری وقت آتے ہیں' تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں' نرمی اور سلوک' تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں' نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں' رات کی لکڑیاں اور دن کے شور وغل کرنے والے۔ ایک اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑیوں کی طرح پڑ رہنے والے۔

منافقوں کی محرومیٔ سعادت کے اسباب : ☆☆ (آیت:۵) ملعون منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں پر جب ان سے سچے مسلمان کہتے ہیں کہ آؤ رسول کریم ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا تو یہ تکبر کے ساتھ سر ہلانے لگتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور رک جاتے ہیں اور اس بات کو حقارت کے ساتھ رد کر دیتے ہیں' اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب ان کے لئے بخشش کے دروازے بند ہیں' نبی کا استغفار بھی انہیں کچھ نفع نہ دے گا' بھلا ان فاسقوں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ سورۂ براۃ میں بھی اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر اور ساتھ ہی اس کے متعلق کی حدیثیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان منافق نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا تھا اور غضب و تکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھورا تھا' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن ابی ابن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷ يَقُوْلُوْنَ

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا
الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝ۧ۸ ع ۸ ۱۲

ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے' اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا' بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہی وہ ہیں ○ جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں انہیں کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر چلے جائیں' آسمان وزمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں ○ یہ کہتے ہیں اگر اب لوٹ کر مدینہ کو جائیں گے تو ہر عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ سنو عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسولؐ کے لئے اور ایمانداروں کے لئے ہے لیکن یہ منافق بے علم ہیں ○

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین: ☆☆ (آیت: ۶-۸) سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شریف شخص تھا جب نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ کے لئے ر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو! یہ ہیں اللہ کے رسول جو تم میں موجود ہیں' جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی' اب تم پر فرض ہے کہ تم آپؐ کی مدد کرو اور آپؐ کی عزت وتکریم کرو' آپؐ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجا لاؤ' یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ احد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا - جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد سے فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع الخیر تشریف لائے' جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا ہی تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن خدا بیٹھ جا' تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا' تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں' اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بک دے' یہ ناراض ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بد بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا' میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے' مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بڑی بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں' انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے اللہ سے بخشش چاہیں گے۔ اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت قتادہؒ اور حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے - واقعہ یہ تھا کہ اسی کی قوم کے ایک نوجوان مسلمان نے اس کی ایسی ہی چند بری باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی تھیں - حضورؐ نے بلوایا تو یہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا - انصاریوں نے اس صحابی کو ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور اسے جھوٹا جانا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس منافق کی جھوٹی قسموں کا اور اس نوجوان صحابی کی سچائی کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اب اس سے کہا گیا کہ تو چل اور رسول اللہ سے استغفار کرا تو اس نے انکار کے لہجے میں سر ہلا دیا اور نہ گیا -

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جس منزل میں اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک نماز نہ پڑھ لیں' غزوۂ تبوک میں حضورؐ کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے کہ ہم عزت والے ان ذلت والوں کو مدینہ پہنچ کر نکال دیں گے پس آپ نے آخری دن میں اترنے سے پہلے ہی کوچ کر دیا' اس سے کہا گیا کہ حضورؐ کے پاس جا کر اپنی خطا کی معافی اللہ سے طلب کر۔ اس کا بیان اس آیت میں ہے اس کی اسناد سعید بن جبیر تک صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ

عبداللہ بن ابی ابن سلول تو اس غزوہ میں تھا ہی نہیں بلکہ لشکر کی ایک جماعت کو لے کر یہ تو لوٹ گیا تھا۔ کتب سیر و مغازی کے مصنفین میں تو یہ مشہور ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنوالمصطلق کا ہے چنانچہ اس قصہ میں حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر اور حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ اس لڑائی کے موقع پر حضورؐ کا ایک جگہ قیام تھا وہاں حضرت جہجاہ بن سعید غفاری اور حضرت سنان بن یزید کا پانی کے اژدہام پر کچھ جھگڑا ہو گیا' جہجاہ حضرت عمر کے کارندے تھے' جھگڑے نے طول پکڑا' سنان نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور جہجاہ نے مہاجرین کو' اس وقت حضرت زید بن ارقم وغیرہ انصار کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس نے جب یہ فریاد سنی تو کہنے لگا "لو ہمارے ہی شہروں میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیئے' اللہ کی قسم ہماری اور ان قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا تازہ کرتا کہ تجھے ہی کاٹے' اللہ کی قسم! اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم ذی مقدور لوگ ان بے مقدروں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا یہ سب آفت تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے' تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا' تم نے انہیں اپنے مال کا آدھوں آدھ حصہ دیا' اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کرو تو یہ خود تنگ آ کر مدینہ سے نکل بھاگیں گے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تمام باتیں سنیں' آپ اس وقت بہت کم عمر تھے' سیدھے سرکار نبوت میں حاضر ہوئے اور کل واقعہ بیان فرمایا۔ اس وقت آپؐ کے پاس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے غضبناک ہو کر فرمانے لگے یا رسول اللہ! عباد بن بشیر کو حکم فرمایئے کہ اس کی گردن الگ کر دے۔ حضورؐ نے فرمایا پھر تو لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں' یہ ٹھیک نہیں' جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کر دو۔ عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی گفتگو کا علم آنحضرت ﷺ کو ہو گیا تو بہت سٹپٹایا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر معذرت اور حیلے حوالے تاویل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا چونکہ یہ شخص اپنی قوم میں ذی عزت اور باوقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے حضورؐ شاید اس بچے نے ہی غلطی کی ہو' اسے وہم ہو گیا ہو' واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں۔ حضورؐ یہاں سے جلدی ہی کوچ کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے چلے' راستے میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور آپ کی شان نبوت کے قابل باادب سلام کیا پھر عرض کی کہ حضورؐ! آج کیا بات ہے جو وقت سے پہلے ہی جناب نے کوچ کیا۔ حضور نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا کہا؟ وہ کہتا ہے کہ مدینہ جا کر ہم عزیز ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ حضرت اسید نے کہا یا رسول اللہ! عزت والے آپ ہیں اور ذلیل وہ ہے۔ یا رسول اللہ! آپ اس کی ان باتوں کا خیال بھی نہ فرمایئے دراصل یہ بہت جلا ہوا ہے' سنئے اہل مدینہ نے اسے سردار بنانے پر اتفاق کر لیا تھا' تاج تیار ہو رہا تھا کہ اللہ رب العزت آپ کو لایا' اس کے ہاتھ سے ملک نکل گیا پس یہ چراغ پا ہو رہا ہے۔ حضورؐ چلتے ہی رہے دوپہر کو ہی چل دیئے تھے' شام ہوئی' رات ہوئی' صبح ہوئی یہاں تک کہ دھوپ میں تیزی آ گئی تب آپ نے پڑاؤ کیا تا کہ لوگ اس بات میں پھر نہ الجھ جائیں چونکہ تمام لوگ تھکے ہارے اور رات کے جاگے ہوئے تھے اترتے ہی سب سو گئے۔ ادھر یہ سورت نازل ہوئی۔ (سیر ابن اسحاق)

بیہقی میں ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضورؐ کے ساتھ تھے' ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پتھر مار دیا' اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی اپنی جماعت سے فریاد کی اور انہیں پکارا۔ حضورؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا جاہلیت کی ہانک لگانے لگے' اس فضول خراب عادت کو چھوڑو۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول کہنے لگا اب مہاجر یہ کرنے لگ گئے' اللہ کی قسم مدینہ پہنچتے ہی ہم عزت والے ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ اس وقت مدینہ شریف میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی گو بعد میں مہاجرین بہت زیادہ ہو گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ابن ابی کے اس قول کا علم ہوا تو حضورؐ سے اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپؐ نے روک دیا۔ مسند احمد میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں میں نے جب اس منافق کا یہ قول حضورؐ کے سامنے بیان کیا اور اس نے آ کر انکار کیا اور قسمیں کھا گیا۔ اس وقت میری قوم نے مجھے بہت کچھ برا کہا اور ہر طرح ملامت کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج و غم میں تھا جو حضورؐ نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر نازل فرمایا ہے اور تیری سچائی ظاہر کی ہے اور یہ آیت اتری ہُمُ الَّذِیۡنَ الخ' یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس طرح ہے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ ایک غزوے میں تھا اور میں نے عبداللہ بن ابی کی یہ دونوں باتیں سنیں' میں نے اپنے چچا سے بیان کیں اور میرے چچا نے حضور سے عرض کیں' جب آپ نے اسے بلایا اس نے انکار کیا اور قسمیں کھا گیا تو حضورؐ نے اسے سچا اور مجھے جھوٹا جانا۔ میرے چچا نے بھی مجھے برا بھلا کہا مجھے اس قدر غم اور ندامت ہوئی کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ یہ سورت اتری اور آپ نے میری تصدیق کی اور مجھے یہ پڑھ کر سنائی۔ مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک سفر کے موقع پر جب صحابہ کو تنگی پہنچی تو اس نے انہیں کچھ دینے کی ممانعت کر دی۔ رسول اللہ نے جب انہیں اس لئے بلوایا کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں تو انہوں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔

قرآن کریم نے انہیں ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں اس لئے کہا ہے کہ یہ لوگ اچھے جمیل جسم والے تھے۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضورؐ کے ساتھ نکلے' ہمارے ساتھ کچھ اعراب لوگ بھی تھے پانی کی جگہ وہ پہلے پہنچنا چاہتے تھے' اسی طرح ہم بھی اسی کی کوشش میں رہتے تھے' ایک مرتبہ ایک اعرابی نے جا کر پانی پر قبضہ کر کے حوض پر کر لیا اور اس کے ارد گرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا پھیلا دیا' ایک انصاری نے آ کر اس حوض میں سے اپنے اونٹ کو پانی پلانا چاہا' اس نے روکا' انصاری نے پلانے پر زور دیا' اس نے ایک لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ چونکہ عبداللہ بن ابی کا ساتھی تھا' سیدھا اس کے پاس آیا اور تمام ماجرہ کہہ سنایا۔ عبداللہ بڑا بگڑا اور کہنے لگا ان اعرابیوں کو کچھ نہ دو' یہ خود بھوکے مرتے بھاگ جائیں گے' یہ اعرابی کھانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آ جاتے تھے اور کھا لیا کرتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے کہا تم حضورؐ کا کھانا لے کر ایسے وقت جاؤ جب یہ لوگ نہ ہوں' آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھا لیں گے یہ رہ جائیں گے' یونہی بھوکوں مرتے بھاگ جائیں گے اور اب ہم مدینہ جا کر ان کمینوں کو نکال باہر کریں گے' میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ردیف تھا اور میں نے یہ سب سنا' اپنے چچا سے ذکر کیا' چچا نے حضورؐ سے ذکر کیا' آپ نے اسے بلوایا' یہ انکار کر گیا اور حلف اٹھا لیا۔ حضورؐ نے اسے سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا قرار دیا۔ میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا تم نے یہ کیا حرکت کی؟ حضورؐ تجھ پر ناراض ہو گئے اور تجھے جھوٹا جانا اور دیگر مسلمانوں نے بھی تجھے جھوٹا سمجھا۔ مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' سخت غمگینی کی حالت میں سر جھکائے میں حضورؐ کے ساتھ جا رہا تھا' تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی جو آپ میرے پاس آئے میرا کان پکڑا جب میں نے سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرائے اور چل دیئے۔ اللہ کی قسم مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اگر دنیا کی ابدی زندگی مجھے مل جاتی جب بھی میں اتنا خوش نہ ہو سکتا تھا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا فرمایا تو کچھ بھی نہیں مسکراتے ہوئے تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا بس پھر خوش ہو' آپ کے بعد ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے یہی سوال مجھ سے کیا اور میں نے وہی جواب دیا' صبح کو سورۂ منافقون نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں اس سورت کا مِنۡهَا الۡاَذَلَّ تک پڑھنا بھی مروی ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسی حدیث کو مغازی میں بیان کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایت میں خبر پہنچانے والے کا نام اوس بن اقرم ہے جو قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں سے تھے' ممکن ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھی خبر پہنچائی

ہوا اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی سے نام میں غلطی ہو گئی ہو واللہ اعلم۔

خالدؓ بت شکن: ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع کا ہے' یہ وہ غزوہ ہے جس میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر حضورؐ نے مناۃ بت کو تڑوایا تھا جو قفا مشلل اور سمندر کے درمیان تھا' اسی غزوہ میں دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا' ایک مہاجر تھا دوسرا قبیلہ بہز کا تھا اور قبیلہ بہز انصاریوں کا حلیف تھا بہزی نے انصاریوں کو اور مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔ کچھ لوگ دونوں طرف سے کھڑے ہو گئے اور جھگڑا ہونے لگا' جب ختم ہوا تو منافق اور بیمار دل لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے' ہمیں تو تم سے بہت کچھ امیدیں تھیں' تم ہمارے دشمنوں سے ہمارا بچاؤ تھے' اب تو تم بیکار سے ہو گئے ہو' نفع کا خیال نہ نقصان کا' تم نے ہی ان جلالیب کو اتنا چڑھا دیا کہ بات بات پر یہ ہم پر چڑھ دوڑیں۔ نئے مہاجرین کو یہ لوگ جلالیب کہتے تھے۔ اس دشمن خدا نے جواب دیا کہ اب مدینے پہنچتے ہی ان سب کو وہاں سے دیس نکالا دیں گے۔ مالک بن دخشن جو منافق تھا اس نے کہا میں تو تمہیں پہلے ہی سے کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چھوڑ دو' خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن لیں اور خدمت نبوی میں آ کر عرض کرنے لگے کہ اس بانی فتنہ عبداللہ بن ابی کا قصہ پاک کرنے کی مجھے اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر اجازت دوں تو کیا تم اسے قتل کر ڈالو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہؐ! اللہ کی قسم ابھی اپنے ہاتھ سے اس کی گردن ماروں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی یہی کہتے ہوئے آئے' آپ نے ان سے بھی یہی پوچھا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا' آپ نے انہیں بھی بٹھا لیا پھر تھوڑی دیر گزری ہو گی جو کوچ کرنے کا حکم دیا اور وقت سے پہلے ہی لشکر نے کوچ کیا' وہ دن رات دوسری صبح برابر چلتے ہی رہے جب دھوپ میں تیزی آ گئی تو اترنے کو فرمایا' پھر دوپہر ڈھلتے ہی جلدی سے کوچ کیا اور اسی طرح چلتے رہے' تیسرے دن صبح کو قفا مشلل سے مدینہ شریف پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا ان سے پوچھا کہ کیا میں اس کے قتل کا تجھے حکم دیتا تو تو اسے مار ڈالتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یقیناً میں اس کا سر تن سے جدا کر دیتا۔ آپ نے فرمایا اگر تو اسے اس دن قتل کر ڈالتا تو بہت سے لوگوں کے ناک خاک آلود ہو جاتے کہ میں اگر انہیں کہتا تو وہ بھی اسے مار ڈالنے میں تامل نہ کرتے پھر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملتا کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو بھی بے دردی کے ساتھ مار ڈالتا ہے۔ اسی واقعہ کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سی ایسی عمدہ باتیں ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں۔

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پکے سچے مسلمان تھے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ یا رسول اللہؐ میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس بکی ہے اس کے بدلے آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں' اگر یونہی ہے تو اس کے قتل کا حکم آپ کسی اور کو نہ کیجئے میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں تلے ڈالتا ہوں بقسم اللہ کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان و سلوک اور محبت و عزت کرنے والا نہیں (لیکن میں نے فرمان رسول پر اپنے پیارے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں) اگر آپ نے کسی اور کو یہ حکم دیا اور اس نے اسے مارا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں جوش انتقام میں میں اسے نہ مار بیٹھوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ حرکت مجھ سے ہو گئی تو میں ایک کافر کے بدلے ایک مسلمان کو مار کر جہنمی بن جاؤں گا' آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دیجئے' آپ نے فرمایا نہیں نہیں میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا' ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے۔

مسلمان بیٹے کا منافق باپ کا راستہ روکنا: ☆☆ حضرت عکرمہ اور حضرت ابن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب حضورؐ اپنے لشکروں سمیت مدینے پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے' تلوار

کھینچ لی' لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا باپ آیا تو یہ فرمانے لگے پرے رہو مدینہ میں نہ جاؤ۔ اس نے کہا کیا بات ہے مجھے کیوں روک رہا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو مدینہ میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کے رسولؐ تیرے لئے اجازت نہ دیں' عزت والے آپؐ ہی ہیں اور تو ذلیل ہے۔ یہ رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے آپ کی عادت مبارک تھی کہ لشکر کے آخری حصہ میں ہوتے تھے' آپ کو دیکھ کر اس منافق نے اپنے بیٹے کی شکایت کی۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے خدا کی جب تک آپؐ کی اجازت نہ ہو یہ اندر نہیں جا سکتا چنانچہ حضورؐ نے اجازت دی۔ اب حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا۔ مسند حمیدی میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہہ کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے اور میں ذلیل' تو مدینہ میں نہیں جا سکتا اور اس سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے میں نے آج تک نگاہ اونچی کر کے ان کے چہرے کو بھی نہیں دیکھا لیکن آپ اگر اس پر ناراض ہیں تو مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن حاضر کرتا ہوں کسی اور کو اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے' ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اپنی آنکھوں چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩
وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ
فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ
نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١ ع ۲

اے مسلمانو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیاں کار ہیں ○ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہماری راہ میں اس سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے۔ تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی سی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا کہ میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں ○ جب کسی کی مدت عمر پوری ہو جائے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی باخبر ہے ○

مال و دولت کی خود سپردگی خرابی کی جڑ ہے: ☆☆ (آیت: ۹-۱۱) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بکثرت ذکر اللہ کیا کریں اور تنبیہ کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مال و اولاد کی محبت میں پھنس کر ذکر اللہ سے غافل ہو جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ جو ذکر الٰہی سے غافل ہو جائے اور دنیا کی زینت پر ریجھ جائے' اپنے رب کی اطاعت میں سست پڑ جائے' وہ اپنا نقصان آپ کرنے والا ہے۔ پھر اپنی اطاعت میں مال خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے کہ اپنی موت سے پہلے خرچ کر لو' موت کے وقت کی بے کسی دیکھ کر نادم ہونا اور امیدیں باندھنا کچھ نفع نہ دے گا۔ اس وقت چاہے گا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے بھی اگر چھوڑ دیا جائے تو جو کچھ نیک عمل ہو سکے کر لے اور اپنا مال بھی دل کھول کر راہ للہ دے لے لیکن آہ! اب وقت کہاں' آنے والی مصیبت آن پڑی اور نہ ٹلنے والی آفت سر پر کھڑی ہو گئی۔ ایک اور جگہ فرمان ہے وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ یعنی لوگوں کو ہوشیار کر دے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا تو یہ ظالم کہنے لگیں گے اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی

سی مہلت مل جائے تا کہ ہم تیری دعوت قبول کرلیں اور تیرے رسولوں کی اتباع کریں۔

موت کے وقت خواہش اعمال: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۱) اس آیت میں تو کافروں کی مذمت کا ذکر ہے دوسری آیت میں نیک عمل میں کمی کرنے والوں کے افسوس کا بیان اس طرح ہوا ہے حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے لوٹا دے تو میں نیک اعمال کرلوں۔ یہاں فرماتا ہے موت کا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا' اللہ خود خبر رکھنے والا ہے کہ کون اپنے قول میں صادق ہے اور اپنے سوال میں حق بجانب ہے۔ یہ لوگ تو اگر لوٹائے جائیں تو پھر ان باتوں کو بھول جائیں گے اور وہی کچھ کرنے لگ جائیں گے جو اس سے پہلے کرتے رہے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر وہ شخص جو مالدار ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو یا زکوٰۃ نہ دی ہو وہ موت کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی آرزو کرتا ہے۔ ایک شخص نے کہا حضرت اللہ کا خوف کیجئے واپسی کی آرزو تو کافر کرتے ہیں' آپ نے فرمایا جلدی کیوں کرتے ہو؟ سنو قرآن فرماتا ہے پھر آپ نے یہ پورا رکوع تلاوت کر سنایا' اس نے پوچھا زکوٰۃ کتنے میں واجب ہے' فرمایا دو سو اور زیادہ میں۔ پوچھا حج کب فرض ہو جاتا ہے فرمایا جب راہ خرچ اور سواری خرچ کی طاقت ہو۔ ایک مرفوع روایت بھی اسی طرح مروی ہے لیکن موقوف ہی زیادہ صحیح ہے۔ ضحاک کی روایت ابن عباسؓ والی بھی منقطع ہے۔ دوسری سند میں ایک راوی ابو جناب کلبی ہے وہ بھی ضعیف ہے' واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کے سامنے صحابہ نے زیادتی عمر کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جب اجل آ جائے پھر مؤخر نہیں ہوتی' زیادتی عمر صرف اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نیک صالح اولاد دے جو اس کے لئے اس کے مرنے کے بعد دعا کرتی رہے اور وہ دعا اسے اس کی قبر میں پہنچتی رہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور لطف و رحم سے سورۂ منافقون کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورة التغابن

(تفسیر سورۂ تغابن) ابن عساکر کی ایک بہت ہی غریب بلکہ منکر حدیث میں ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے سر کے جوڑوں میں سورۂ تغابن کی پانچ آیتیں لکھی ہوتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ۚ لَهُ الۡمُلۡكُ
وَلَهُ الۡحَمۡدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۱ هُوَ الَّذِيۡ
خَلَقَكُمۡ فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ
وَصَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ ۚ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ۝۳ يَعۡلَمُ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا
تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۴

سچے معبود رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع

آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے' اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض تو کافر ہیں اور بعض ایمان دار ہیں' جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے ○ اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو عدل و حکمت سے پیدا کیا' اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○ وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے' اللہ تو دلوں کی باتوں تک کو جاننے والا ہے ○

(آیت: ۱-۴) مسبحات کی سورتوں میں سب سے آخری سورت یہی ہے' مخلوقات کی تسبیح الٰہی کا بیان کئی دفعہ ہو چکا ہے' ملک و حمد والا اللہ ہی ہے' ہر چیز پر اس کی حکومت کام میں اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے میں وہ سزاوار تعریف' جس چیز کا ارادہ کرے اس کو پورا کرنے کی قدرت' نہ کوئی اس کا مزاحم بن سکے نہ اسے کوئی روک سکے' وہ اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو' وہی تمام مخلوق کا خالق ہے' اس کے ارادے سے بعض انسان کافر ہوئے بعض مومن ۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے؟ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر شاہد ہے اور ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا' اس نے عدل و حکمت کے ساتھ آسمان و زمین کی پیدائش کی ہے' اسی نے تمہیں پاکیزہ اور خوبصورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یَآ اَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ الخ' اے انسان! تجھے تیرے رب کریم سے کس چیز نے غافل کر دیا' اسی نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دی ۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا الخ' اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں بہترین صورتیں دیں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو عنایت فرمائیں' آخر سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے' آسمان و زمین اور ہر نفس اور کل کائنات کا علم اسے حاصل ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی وہ واقف ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا
وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ۖ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا
وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۶

کیا تمہارے پاس اس سے پہلے کے کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور جن کے لئے دردناک عذاب ہے ○ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان رہنمائی کرے گا؟ پس انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا' اللہ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تو ہے ہی بہت بے پرواہ سب خوبیوں والا ○

سابقہ واقعات سے سبق لو: ☆☆ (آیت: ۵-۶) یہاں اگلے کافروں کے کفر کا اور ان کی بری سزا اور بدترین بدلے کا ذکر ہو رہا ہے کہ کیا تمہیں تم سے پہلے منکروں کا حال معلوم نہیں کہ رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کیا رنگ لائی؟ دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے' یہاں بھی اپنے بد افعال کا خمیازہ بھگتا اور وہاں کا بھگتان ابھی باقی پڑا ہے جو نہایت الم انگیز ہے ۔ اس کی وجہ بجز ازیں کچھ بھی نہیں کہ دلائل و براہین اور روشن نشان کے ساتھ جو انبیاء الٰہی ان کے پاس آئے انہوں نے انہیں نہ مانا اور اپنے نزدیک اسے محال جانا کہ انسان پیغمبر ہو اور انہی جیسے

یک آدم زاد کے ہاتھ پر انہیں ہدایت دی جائے۔ پس انکار کر بیٹھے اور عمل چھوڑ دیا' اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے بے پرواہی برتی وہ تو غنی ہے ہی اور ساتھ ہی سزاوار حمد و ثنا بھی۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ
لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ۝۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ
يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ۝۹

ان کافروں کا خیال ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے' تو کہہ دے کہ ہاں اللہ کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیئے جاؤ گے' اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے ○ سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ' اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل پر باخبر ہے ○ جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا وہ یہی دن ہے ہار جیت کا' جو شخص اللہ پر ایمان لا کر نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

منکرین قیامت مشرکین وملحدین : ☆☆ (آیت: ۷-۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار مشرکین وملحدین کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھیں گے' تم اے نبی! ان سے کہہ دو کہ ہاں اٹھو گے' پھر تمہارے تمام چھوٹے بڑے چھپے کھلے اعمال کا اظہار تم پر کیا جائے گا' سنو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا تمہیں بدلے دینا وغیرہ تمام کام خدا تعالیٰ پر بالکل آسان ہیں- یہ تیسری آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ سلم کو قسم کھا کر قیامت کی حقانیت کے بیان کرنے کو فرمایا ہے۔ پہلی آیت تو سورۂ یونس میں ہے وَيَسْتَنْۢبِــُٔوْنَكَ اَحَقٌّ ھُوَ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ یعنی یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے؟ تو کہہ میرے رب کی قسم! وہ حق ہے اور تم خدا کو ہرا نہیں سکتے- دوسری آیت سورۂ سبا میں ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ کافر کہتے ہیں ہم پر قیامت نہ آئے گی تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً اور بالضرور آئے گی اور تیسری آیت یہ ہے- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ پر' رسول اللہ پر' نور منزل یعنی قرآن کریم پر ایمان لاؤ' تمہارا کوئی خفیہ عمل بھی اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں- قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کرے گا اور اسی لئے اس کا نام یوم الجمع ہے- جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور ان کے حاضر باش ہونے کا دن ہے- ایک اور جگہ ہے قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی قیامت والے دن تمام اولین اور آخرین جمع کئے جائیں گے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے' اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت اہل دوزخ کو نقصان میں ڈالیں گے-

حضرت ماجدہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ تغابن کیا ہوگا کہ ان کے سامنے انہیں جنت میں اور ان کے سامنے انہیں جہنم میں لے جائیں' گویا اسی کی تفسیر کے بعد والی آیت میں ہے کہ ایماندار نیک اعمال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بہتی نہروں والی ہیشگی کی جنت میں اسے داخل کیا جائے گا اور پوری کامیابی کو پہنچ جائے گا اور کفر و تکذیب کرنے والے جہنم کی آگ میں جائیں گے' جہاں پڑے جلتے جھلستے رہیں گے' بھلا اس سے برا ٹھکانا اور کیا ہو سکتا ہے؟

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ ع ۱ ۱۰ ۵
يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ۝۱۲ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

اور جن لوگوں نے نہ مانا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب جہنمی ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے وہ بہت بری جگہ ہے ○ پھر جانے کی۔ کوئی مصیبت بغیر اللہ کی اجازت کے نہیں پہنچ سکتی' جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ لوگو! اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو' پس اگر اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صرف صاف پہنچا دینا ہے ○ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہئے ○

وہی مختار مطلق ہے' نا قابل تردید سچائی : ☆☆ (آیت:۱۱-۱۳) سورۂ حدید میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے' اس کی قدر و مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا' اب جس شخص کو کوئی تکلیف پہنچے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی پھر صبر و سہار کرے اور اللہ کی مرضی پر ثابت قدم رہے اور ثواب کی اور بھلائی کی امید رکھے' رضا بہ قضا کے سوا لب نہ ہلائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہبری کرتا ہے اور اسے بدلے کے طور پر ہدایت قلبی عطا فرماتا ہے' یقین صادق کی چمک وہ دل میں دیکھتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت کا بدلہ یا اس سے بھی بہتر دنیا میں ہی عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے' اسے مصائب ڈھیلا نہیں کر سکتے' وہ جانتا ہے کہ جو پہنچا وہ خطا کرنے والا نہ تھا اور جو نہ پہنچا وہ ملنے والا ہی نہ تھا۔

آسان ترین افضل عمل: حضرت علقمہؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی جاتی ہے اور آپ سے اس کا مطلب دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر مصیبت کے وقت اس بات کا عقیدہ رکھے کہ یہ منجانب اللہ ہے پھر راضی خوشی اسے برداشت کر لے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ وہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ لے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ مومن پر تعجب ہے ہر ایک بات میں اس کے لئے بہتری ہوتی ہے' ضرر و نقصان پر صبر و سہار کر کے' نفع اور بھلائی پر شکر و احسان مندی کر کے بہتری سمیٹ لیتا ہے' یہ دو طرفہ بھلائی مومن کے سوا کسی اور کے حصے میں نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا' اس کی تصدیق کرنا' اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا حضرت میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں آپ نے فرمایا جو فیصلہ قسمت کا تجھ پر جاری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ نہ کر' اس کی رضا پر راضی رہ' یہ اس سے ہلکا امر ہے۔ پھر اپنی اور اپنے رسولؐ کی

اطاعت کا حکم دیتا ہے کہ امور شرعی میں ان اطاعتوں سے سرمو تجاوز نہ کرو جس کا حکم ملے بجالاؤ‘ جس سے روکا جائے رک جاؤ‘ اگر تم اس کے ماننے سے اعراض کرتے تو ہمارے رسول پر کوئی بوجھ نہیں‘ ان کے ذمہ صرف تبلیغ تھی جو وہ کر چکے‘ اب عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی ۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد وصمد ہے‘ اس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح کی عبادت کے لائق نہیں‘ یہ خبر معنی میں طلب کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید مانو‘ اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادتیں کرو‘ پھر فرماتا ہے چونکہ توکل اور بھروسے کے لائق بھی وہی ہے تم اسی پہ بھروسہ رکھو۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا الخ‘ مشرق اور مغرب کا رب وہی ہے‘ معبود بھی وہی‘ اس کے سوا کوئی نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنالے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا
لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں خبردار ان سے ہوشیار رہنا اور اگر تم معاف کر دو اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○ تمہارے مال و اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہی ہے اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے ○

اللہ کی یاد اور اولاد و مال کی محبت: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۵) ارشاد ہوتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولادیں اپنے ماں باپ کو یاد الٰہی اور نیک عمل سے روک دیتی ہیں جو درحقیقت دشمنی ہے‘ جس سے پہلے بھی تنبیہ ہو چکی ہے کہ ایسا نہ ہو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد اللہ سے غافل کر دے‘ اگر ایسا ہو گیا تو تمہیں بڑا گھاٹا رہے گا‘ یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان سے ہوشیار رہو‘ اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو‘ بیوی بچوں اور مال کی خاطر انسان قطع رحمی کر گزرتا ہے‘ اللہ کی نافرمانی پر تل جاتا ہے‘ ان کی محبت میں پھنس کر احکام اسلامی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بعض اہل مکہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن و فرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا پھر جب اسلام کا خوب افشا ہو گیا تب یہ لوگ حاضر حضورؐ ہوئے دیکھا کہ ان سے پہلے کے مہاجرین نے بہت کچھ علم دین حاصل کر لیا ہے‘ اب جی میں آیا کہ اپنے بال بچوں کو سزا دیں جس پر یہ فرمان ہوا کہ اِنْ تَعْفُوْا الخ یعنی اب درگذر کرو‘ آئندہ کے لئے ہوشیار رہو‘ اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں؟ اور اطاعت گذار کون ہیں؟ اللہ کے پاس جو اجر عظیم ہے تمہیں چاہئے اس پر نگاہیں رکھو۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الخ‘ یعنی بطور آزمائش کے لوگوں کے لئے دنیوی خواہشات یعنی بیویوں اور اولاد اور سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیر اور شائستہ گھوڑوں اور مویشی اور کھیتی کی محبت کو زینت دی گئی ہے مگر یہ سب دنیا کی چندروزہ زندگی کا سامان ہے اور ہمیشگی والا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اولاد ایک فتنہ بھی: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما لانبے لانبے کرتے پہنے آ گئے‘ دونوں بچے کرتوں میں الجھ الجھ کر گرتے پڑتے آ رہے تھے‘ یہ کرتے سرخ رنگ کے تھے۔

حضورؐ کی نظریں جب ان پر پڑیں تو منبر سے اتر کر انہیں اٹھا کر لائے اور اپنے سامنے بٹھا لیا پھر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کے رسول نے بھی سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں' میں ان دونوں کو گرتے پڑتے آتے دیکھ کر صبر نہ کر سکا' آخر خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانا پڑا۔ مسند میں ہے حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں کندہ قبیلے کے وفد میں میں بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا تمہاری کچھ اولاد بھی ہے' میں نے کہا ہاں اب آتے ہوئے ایک لڑکا ہوا ہے کاش کہ اس کے بجائے کوئی درندہ ہی ہوتا۔ آپ نے فرمایا خبردار! ایسا نہ کہو ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور انتقال کر جائیں تو اجر ہے' پھر فرمایا ہاں ہاں یہی بزدلی اور غم کا سبب بھی بن جاتے ہیں' یہ بزدلی اور غم و رنج بھی ہیں۔ بزار میں ہے اولاد دل کا پھل ہے اور یہ بخل و نامردی اور غمگینی کا باعث بھی ہے۔ طبرانی میں ہے تیرا دشمن صرف وہی نہیں جو تیرے مقابلہ میں کفر پر جم کر لڑائی کے لئے آیا کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو تیرے لئے باعث نور ہے اور اگر اس نے تجھے قتل کر دیا تو تو قطعاً جنتی ہو گیا۔ پھر فرمایا شاید تیرا دشمن تیرا بچہ ہے جو تیری پیٹھ سے نکلا پھر تجھ سے دشمنی کرنے لگا' تیرا پورا دشمن تیرا مال ہے جو تیری ملکیت میں ہے پھر دشمنی کرتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا
خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع ۸ ۱۶

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمہارے لئے بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے ○ اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے (یعنی اس کی راہ میں خرچ کرو گے) تو وہ اسے تمہارے لئے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا' اللہ بڑا قدردان بڑا بردبار ہے ○ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے' زبردست حکمت والا ہے ○

اللہ سے طاقت کے مطابق ڈرنا: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۸) پھر فرماتا ہے اپنے مقدور بھر اللہ کا خوف رکھو' اس کے عذابوں سے بچاؤ مہیا کرو۔ صحیحین میں ہے جو حکم میں کروں اسے اپنی مقدور بھر بجا لاؤ جس سے میں روک دوں رک جاؤ۔ بعض مفسرین کا فرمان ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کی ناسخ یہ آیت ہے یعنی پہلے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے لیکن اب فرما دیا کہ اپنی طاقت کے مطابق۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلی آیت لوگوں پر بڑی بھاری پڑی تھی اس قدر لمبے قیام کرتے تھے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا اور اتنے لمبے سجدے کرتے تھے کہ پیشانیاں زخمی ہو جاتی تھیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت اتار کر تخفیف کر دی اور بھی بعض مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور پہلی آیت کو منسوخ اور اس دوسری یت کو ناسخ بتلایا ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمانبردار بن جاؤ' ان کے فرمان سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو نہ آگے بڑھو نہ پیچھے سرکو' نہ امر کو چھوڑو نہ نہی کا خلاف کرو' جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے رشتہ داروں' فقیروں' مسکینوں کو اور حاجت مندوں کو یتے رہو' اللہ نے تم پر احسان کیا' تم دوسری مخلوق پر احسان کرو تا کہ اس جہان میں بھی خدائی احسان کے مستحق بن جاؤ اور اگر یہ نہ کیا تو دونوں

جہان کی بربادی اپنے ہاتھوں آپ مول لوگے' وَمَنْ یُّوْقَ کی تفسیر سورۂ حشر کی آیت میں گزر چکی ہے۔ جب تم کوئی چیز راہ للہ دو گے اللہ اس کا بدلہ دے گا' ہر صدقے کی جزا عطا فرمائے گا' تمہارا مسکینوں کے ساتھ سلوک کرنا گویا خدا کو قرض دینا ہے۔

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ تو ظالم ہے نہ مفلس نہ نادہندہ' پس فرماتا ہے وہ تمہیں بہت کچھ بڑھا چڑھا کر پھیر دے گا۔ جیسے سورۂ بقرہ میں بھی فرمایا ہے کہ کئی کئی گنا بڑھا کر دے گا' ساتھ ہی خیرات سے تمہارے گناہ معاف کر دے گا' اللہ بڑا قدر دان ہے' تھوڑی سی نیکی کا بہت بڑا اجر دیتا ہے۔ وہ بردبار ہے' درگذر کرتا ہے' بخش دیتا ہے' گناہوں سے اور لغزشوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے' خطاؤں اور برائیوں کو معاف فرما دیتا ہے' وہ چھپے کھلے کا عالم ہے' وہ غالب اور باحکمت ہے۔ ان اسماء حسنیٰ کی تفسیر کئی کئی مرتبہ اس سے پہلے گزر چکی ہے' اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور لطف ورحم سے۔ سورۂ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورة الطلاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ
وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ
بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ
لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝۱

شروع اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والے کے نام سے ○

اے نبی! (اپنی امت سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو' تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی کر بیٹھیں' یہ ہیں اللہ کی مقرر کردہ حدیں' جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنا ہی برا کیا۔ کوئی نہیں جانتا شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے ○

طلاق کے مسائل: ☆☆ (آیت:۱) اولاً تو نبی ﷺ سے شرافت وکرامت کے طور پر خطاب کیا گیا پھر تبعاً آپ کی امت سے خطاب کیا گیا اور طلاق کے مسئلہ کو سمجھایا گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی وہ اپنے میکے آ گئیں' اس پر یہ آیت اتری اور آپ سے فرمایا گیا کہ ان سے رجوع کر لو وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ یہاں بھی آپ کی بیوی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی ازواج میں داخل ہیں۔ یہی روایت مرسلاً ابن جریر میں بھی اور سندوں سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی پھر رجوع کر لیا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی صاحبہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ آنحضور ﷺ سے بیان کیا آپ ناراض ہوئے اور فرمایا اسے چاہئے کہ رجوع کر لے' پھر حیض سے پاک ہونے تک

روکے رکھے پھر دوسرا حیض آئے اور اس سے نہالیں پھر اگر جی چاہے تو طلاق دیں یعنی اسی پاکیزگی کی حالت میں بات چیت کرنے سے پہلے، یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے- یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ مذکور ہے- حضرت عبدالرحمٰن بن ایمن نے جو عزہ کے مولیٰ ہیں حضرت ابوالزبیرؒ کے سنتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو آپ نے فرمایا سنو ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں طلاق دی تو حضور نے حکم دیا کہ اسے لوٹا لے، چنانچہ ابن عمر نے رجوع کر لیا اور یہی حضورؐ نے فرمایا تھا اس سے پاک ہو جانے کے بعد اسے اختیار ہے خواہ طلاق دے خواہ بسا لے اور آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ فِیْ قُبُلِ عِدَّتِھِنَّ (مسلم) دوسری روایت میں فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ یعنی طہر کی حالت میں جماع سے پہلے بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی حالت حیض میں طلاق نہ دو، نہ اس طہر میں طلاق دو جس میں جماع ہو چکا ہو بلکہ اس وقت تک چھوڑ دے جب حیض آ جائے پھر اس سے نہا لے تب ایک طلاق دے-

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں عدت سے مراد طہر ہے، قرء سے مراد حیض ہے یا حمل کی حالت میں جب حمل ظاہر ہو، جس طہر میں مجامعت کر چکا ہے اس میں طلاق نہ دے، نہ معلوم حاملہ ہے یا نہیں، یہیں سے باسمجھ علماء نے احکام طلاق لئے ہیں اور طلاق کی دو قسمیں کی ہیں طلاق سنت اور طلاق بدعت، طلاق سنت تو یہ ہے کہ طہر کی یعنی پاکیزگی کی حالت میں جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے یا حالت حمل میں طلاق دے اور بدعی طلاق یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دے یا طہر میں دے لیکن مجامعت کر چکا ہو اور معلوم نہ ہو کہ حمل ہے یا نہیں؟ طلاق کی تیسری قسم بھی ہے جو نہ طلاق سنت ہے نہ طلاق بدعت اور وہ نابالغہ کی طلاق ہے اور اس عورت کی جسے حیض کے آنے سے ناامیدی ہو چکی ہو اور اس عورت کی جس سے دخول نہ ہوا ہو، ان سب کے احکام اور تفصیلی بحث کی جگہ کتب فروع ہیں نہ کہ تفسیر- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

عدت کی حفاظت کرو: ☆☆ پھر فرمان ہے عدت کی حفاظت کرو، اس کی ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو، ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے اور اس بارے میں اپنے معبود حقیقی پروردگار عالم سے ڈرتے رہو، عدت کے زمانہ میں مطلقہ عورت کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمہ ہے، وہ اسے نکال نہ دے اور نہ خود اسے نکلنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے فَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے، اس کا خلاف کرے اور ایذا پہنچائے یا بدزبانی و کج خلقی شروع کر دے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو ان صورتوں میں بیشک خاوند کو جائز ہے کہ اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، اس کی شریعت اور اس کے بتلائے ہوئے احکام ہیں- جو شخص ان پر عمل نہ کرے، انہیں بے حرمتی کے ساتھ توڑ دے، ان سے آگے بڑھ جائے، وہ اپنا ہی برا کرنے والا اور اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے شاید کہ اللہ کوئی نئی بات پیدا کر دے، اللہ کے ارادوں کو اور ہونے والی باتوں کو کوئی نہیں جان سکتا-

عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر گزارنے کا حکم دینا اس مصلحت سے ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں، طلاق دینے پر نادم ہو، دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وامان سے گزارا کرنے لگیں، نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجعت ہے- اسی بنا پر بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لئے عدت گزارنے کے زمانے تک مکان کا دینا

خاوند کے ذمہ نہیں' اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی رہائشی مکان عدت تک کے لئے دینا اس کے وارثوں پر نہیں' ان کی اعتمادی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس فہریہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابو عمر بن حفصؓ نے ان کو تیسری آخری طلاق دی اور وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ تمہاری خوراک ہے' یہ بہت ناراض ہوئیں اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو؟ تمہارا نفقہ کھانا پینا ہمارے ذمہ نہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تیرا نفقہ اس پر نہیں۔ مسلم میں ہے نہ تیرے رہنے سہنے کا گھر اور ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے گھر اپنی عدت گزارو۔ پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر صحابہ جایا آیا کرتے ہیں تم عبداللہ ابن ام مکتوم کے ہاں اپنی عدت کا زمانہ گزارو' وہ ایک نابینا آدمی ہیں' تم وہاں آرام سے اپنے کپڑے بھی رکھ سکتی ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ ان کے خاوند کو حضورؐ نے کسی جہاد پر بھیجا تھا انہوں نے وہیں سے انہیں طلاق بھیج دی' ان کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ' انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا کھانا پینا اور رہنا سہنا میرے خاوند کے ذمہ ہے' اس نے انکار کیا' آخر حضورؐ کے پاس یہ معاملہ پہنچا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری طلاق ہے تب آپ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا نان نفقہ گھر بار خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں' تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر اپنی عدت گزارو پھر فرمایا وہاں تو صحابہؓ کی آمدورفت ہے' تم ابن ام مکتومؓ کے گھر عدت کا زمانہ گزارو' وہ نابینا ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔ طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیس ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھیں ان کے خاوند مخزومی قبیلہ کے تھے طلاق کی خبر کے بعد ان کے نفقہ طلب کرنے پر ان کے خاوند کے اولیاء نے کہا تھا نہ تو تمہارے میاں نے کچھ بھیجا ہے نہ ہمیں دینے کو کہا ہے اور حضورؐ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ جب عورت کو وہ طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر چھوٹ چھٹاؤ نہ ہو جائے تو اس صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اس کے خاوند کے ذمہ نہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ
یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ
اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ
عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ
شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کر لو اور اللہ کی رضامندی کے لئے ٹھیک ٹھیک گواہی دو' یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے ○ اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا' اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا' اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے ○

عائلی قانون : ☆☆ (آیت:۲-۳) ارشاد ہوتا ہے کہ عدت والی عورتوں کی عدت جب پوری ہونے کے قریب پہنچ جائے تو ان کے خاوندوں کو چاہئے کہ دو باتوں میں سے ایک کر لیں یا تو انہیں بھلائی اور سلوک کے ساتھ اپنے ہی نکاح میں روک رکھیں یعنی طلاق جو دی تھی اس سے رجوع کر کے باقاعدہ اس کے ساتھ بود و باش رکھیں یا انہیں اور طلاق دے دیں لیکن برا بھلا کہے بغیر' گالی گلوچ دیئے بغیر' سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ بغیر' بھلائی اچھائی اور خوبصورتی کے ساتھ۔ (یہ یاد رہے کہ رجعت کا اختیار اس وقت ہے جب ایک طلاق ہوئی ہو یا دو ہوئی ہوں) پھر فرمایا ہے اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کرو یعنی لوٹا لو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر تو آپ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا۔ طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہئے اور رجعت پر بھی' اب دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نکاح طلاق رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں جیسے فرمان خدا ہے ہاں مجبوری ہو تو اور بات ہے پھر فرماتا ہے گواہ مقرر کرنے کا اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں' خدا کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رجعت پر گواہ رکھنا واجب ہے گو آپ سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے اسی طرح نکاح پر گواہ رکھنا بھی آپ واجب بتلاتے ہیں ایک اور جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ اس مسئلہ کو ماننے والی علماء کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ رجعت بغیر زبانی کہے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے پھر فرماتا ہے کہ جو شخص احکام خدا بجا لائے اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلصی پیدا کر دیتا ہے۔ ایک اور جگہ ہے کہ اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اے ابوذر! اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو کافی ہے پھر آپ نے بار بار اس کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ مجھے اونگھ آنے لگی پھر آپ نے فرمایا ابوذر! تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ جواب دیا کہ میں اور کشادگی اور رحمت کی طرف چلا جاؤں گا یعنی مکہ شریف کو' وہیں کا کبوتر بن کر رہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا پھر کیا کرو گے جب تمہیں وہاں سے بھی نکالا جائے؟ میں نے کہا شام کی پاک زمین میں چلا جاؤں گا فرمایا جب شام سے نکالا جائے گا تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا حضور خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر تو اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ کر مقابلہ پر اتر آؤں گا آپ نے فرمایا کیا میں تجھے اس سے بہتر ترکیب بتلاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضور ضرور ارشاد ہو۔ فرمایا سنتا رہ اور مانتا رہ اگرچہ حبشی غلام ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت ہی جامع آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ہے اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت و من یتق اللہ الخ' میں ہے مسند احمد میں فرمان رسول ہے کہ جو شخص بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے فراخی دے گا اور ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں کا اسے خیال و گمان تک نہ ہو۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے ہر کرب و بے چینی سے نجات دے گا۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں پر جو کام بھاری ہو اس پر آسان ہو جائے گا۔ حضرت عکرمہ ؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دے گا اللہ اسے نکاسی اور نجات دے گا ابن مسعودؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اگر چاہے دے اگر نہ چاہے نہ دے۔ حضرت قتادہ ؒ فرماتے ہیں تمام امور کے شبہ سے اور موت کی تکلیف سے بچا لے گا اور روزی ایسی جگہ سے دے گا جہاں کا گمان بھی نہ ہو۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں اللہ سے ڈرنے

کے یہ معنی ہیں کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق رجوع کرے۔ آپ فرماتے ہیں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو کفار گرفتار کر کے لے گئے اور انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا' ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور حاجت' مصیبت اور تکلیف بیان کرتے رہتے' آپ انہیں صبر کرنے کی تلقین کرتے اور فرماتے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے چھٹکارے کی سبیل بنا دے گا' تھوڑے دن گزرے ہوں گے جو ان کے بیٹے دشمنوں میں سے نکل بھاگے' راستہ میں دشمنوں کا بکریوں کا ریوڑ مل گیا جسے اپنے ساتھ ہنکا لائے اور بکریاں لئے ہوئے اپنے والد کی خدمت میں جا پہنچے' پس یہ آیت اتری کہ متقی بندوں کو خدا نجات دے دیتا ہے اور اس کا گمان بھی نہ ہو وہاں سے اسے روزی پہنچاتا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گناہ کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے' تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے' عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور خوش سلوکی ہے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت مالک بن اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ عنہ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضورؐ نے فرمایا ان سے کہلوا دو کہ بکثرت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھتا رہے' ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید کھل گئی اور یہ وہاں سے نکل بھاگے اور ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو لئے' راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں بھی اپنے ساتھ ہنکا لائے' وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے' سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی' باپ نے آواز سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ تو عوف ہے۔ ماں نے کہا ہائے وہ کہاں' وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔ اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے' کھولا تو ان کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟ انہوں نے واقعہ بیان فرمایا کہا اچھا ٹھہرو میں حضورؐ سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں۔ حضرتؐ نے فرمایا وہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو اور یہ آیت اتری کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل خدا آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے۔

جو اللہ کا اللہ اس کا: ☆☆ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے جو شخص ہر طرف سے کھنچ کر اللہ کا ہو جائے اللہ اس کی ہر مشکل میں اسے کفایت کرتا ہے اور بے گمان روزیاں دیتا ہے اور جو خدا سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے اللہ بھی اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضورؐ کے ساتھ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے جو آپ نے فرمایا بچے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں' سنو تم اللہ کو یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا' اللہ کے احکام کی حفاظت کرو تو اللہ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے' جب کچھ مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے مدد چاہو کہ تمام امت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور خدا کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو تو' قلمیں اٹھ چکیں اور صحیفے خشک ہو گئے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا تو جلدی اسی دنیا میں ہی یا دیر کے ساتھ موت کے بعد۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قضایا اور احکام جس طرح اور جیسے چاہے اپنی مخلوق میں پورے کرنے والا اور اچھی طرح جاری کرنے والا ہے۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ط وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ
اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ
اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَیْکُمْ ط وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ
یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے نا امید ہو گئی ہوں' اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی مدت ان کے بچے کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا ○ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا ○

مسائل عدت: ☆☆ (آیت: ۵) جن بڑھیا عورتوں کے بوجہ اپنی بڑی عمر کے ایام بند ہو گئے ہوں ان کی عدت یہاں بتلائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت گزاریں جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے' ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ کی آیت' اسی طرح وہ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ انہیں کپڑے آئیں ان کی عدت بھی یہی تین مہینے رکھی' اگر تمہیں شک ہو۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ خون دیکھ لیں اور تمہیں شبہ گزرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ کی بیماری کا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت کے حکم میں تمہیں شک باقی رہ جائے اور تم اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یاد رکھ لو' یہ دوسرا قول ہی زیادہ ظاہر ہے' اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا تھا یا رسول اللہؐ! بہت سی عورتوں کی عدت ابھی بیان نہیں ہوئی' کمسن لڑکیاں' بوڑھی بڑی عورتیں اور حمل والی عورتیں' اس کے جواب میں یہ آیت اتری پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے' جیسے کہ اس آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول ہے' ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گزر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گزارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے۔ ابوسلمہ نے کہا قرآن میں جو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا ہو جانا ہے' حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ' انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہؓ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں' چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا' مانگا ڈالنے والوں میں حضرت ابو السنابل بھی تھے' یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور

کتابوں میں بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عتبہؒ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہریؒ کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں' یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے' حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے' اس وقت یہ حمل سے تھیں' تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا' جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں' حضرت ابوالسنابل بن بعلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو' واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں' اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو اپنا نکاح کر لو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرینؒ ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جن کی تعظیم و تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے' انہوں نے حاملہ کی عدت آخری دو عدتوں کی معیاد بتلائی' اس پر میں نے حضرت سبیعہؓ والی حدیث بیان کی اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹھوکے لگانے لگے۔ میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرأت کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں۔ پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے۔ میں حضرت ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سبیعہ والی حدیث پوری سنائی' میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے' آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورۂ نساء قصریٰ یعنی سورۃ الطلاق' سورۂ نساء طولیٰ کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کی دعا کرے' میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے' پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گزاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے' پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں' اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے عدت سے نکل گئی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی' آپ نے فرمایا دونوں کی' یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی اسناد میں مثنیٰ بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے' لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے' یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول کے واسطے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے' اللہ سے ڈرنے والوں کو اور چیزوں کے ڈر سے اللہ تعالیٰ بچا لیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا
عَلَيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ
فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَـكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ
وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ؕ ﴿۶﴾ لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ
وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا
اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا ؕ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ﴿۷﴾

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان طلاق والی عورتوں کو بھی بساؤ اور انہیں تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر یہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا کرو' پھر اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم آپس میں کشمکش کرو تو اس کے کہنے سے کوئی اور دودھ پلائے گی۔ کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہئے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے حسب حیثیت دے' کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے' اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کردے گا ○

طلاق کے بعد بھی سلوک کی ہدایت: ☆☆ (آیت:۶-۷) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت کے گزر جانے تک اس کے رہنے سہنے کو اپنا مکان دے' یہ جگہ اپنی طاقت کے مطابق ہے' یہاں تک کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اگر زیادہ وسعت نہ ہو تو اپنے ہی مکان کا ایک کونہ اسے دے دے' اسے تکلیفیں پہنچا کر اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھوٹنے کے لئے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا اس طرح کہ طلاق دی' دیکھا کہ دو ایک روز عدت کے رہ گئے ہیں رجوع کا اعلان کر دیا پھر طلاق دے دی اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجعت کر لی تا کہ نہ وہ بیچاری سہاگن رہے نہ رانڈ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت حمل سے ہو تو بچہ ہونے تک اس کا نان نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ ہے۔ اکثر علماء کا فرمان ہے کہ یہ خاص ان عورتوں کے لئے بیان ہو رہا ہے جنہیں آخری طلاق دے دی گئی ہو' جس سے رجوع کرنے کا حق ان کے خاوندوں کو نہ رہا ہو اس لئے کہ جن سے رجوع ہو سکتا ہے ان کی عدت تک کا خرچ تو خاوند کے ذمہ ہے ہی' وہ حمل سے ہوں تب بھی اور بے حمل ہوں تو بھی اور دوسرے حضرات علماء فرماتے ہیں یہ حکم بھی انہیں عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن سے رجعت کا حق حاصل ہے کیونکہ اوپر بھی انہی کا بیان تھا' اسے الگ اس لئے بیان کر دیا کہ عموماً حمل کی مدت لمبی ہوتی ہے تو کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ عدت کے زمانے جتنا نفقہ تو ہمارے ذمہ ہے پھر نہیں' اس لئے صاف طور پر فرما دیا کہ رجعیت والی طلاق کے وقت اگر عورت حمل سے ہو تو جب تک بچہ نہ ہو اس کا کھلانا پلانا خاوند کے ذمہ ہے پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خرچ اس کے لئے حمل کے واسطے سے ہے یا حمل کے لئے ہے' امام شافعی وغیرہ سے دونوں قول مروی ہیں اور اس بنا پر بہت سے فروعی مسائل میں بھی اختلاف رونما ہوا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب یہ مطلقہ عورتیں حمل سے فارغ ہو جائیں تو اگر تمہاری اولاد کو وہ دودھ پلائیں تو تمہیں ان کی دودھ پلائی دینی چاہئے۔ ہاں عورت کو اختیار ہے خواہ دودھ پلائے یا نہ پلائے لیکن اول دفعہ کا دودھ اسے ضرور پلانا چاہئے گو پھر دودھ نہ پلائے کیونکہ عموماً بچہ کی

زندگی اس دودھ کے ساتھ وابستہ ہے تو اگر وہ بعد میں بھی دودھ پلاتی رہے تو ماں باپ کے درمیان جو اجرت طے ہو جائے وہ ادا کرنی چاہئے، تم میں آپس میں جو کام ہوں وہ بھلائی کے ساتھ باقاعدہ دستور کے مطابق ہونے چاہئیں، نہ یہ اس کے نقصان کے درپے رہے نہ وہ اسے ایذا پہنچانے کی کوشش کرے- جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ یعنی بچہ کے بارے میں نہ اس کی ماں کو ضرر پہنچایا جائے نہ اس کے باپ کو- پھر فرماتا ہے اگر آپس میں اختلاف بڑھ جائے مثلاً لڑکے کا باپ کم دینا چاہتا ہے جو اس کی ماں کو منظور نہیں یا ماں زائد مانگتی ہے جو باپ پر گراں ہے اور موافقت نہیں ہو سکتی، دونوں کسی بات پر رضامند نہیں ہوتے تو اختیار ہے کہ کسی اور دایہ کو دے دیں- ہاں جو اور دایہ کو دیا جانا منظور کیا جاتا ہے اگر اسی پر اس بچہ کی ماں رضامند ہو جائے تو زیادہ مستحق یہی ہے-

پھر فرماتا ہے کہ بچے کا باپ یا ولی جو ہو اسے چاہئے کہ بچے پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے، تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دے، طاقت سے بڑھ کر تکلیف کسی کو اللہ نہیں دیتا- تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور ہلکی غذا کھاتے ہیں آپ نے حکم دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار بھجوا دو اور جس کے ہاتھ بھجوائے ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کو پا کر کیا کرتے ہیں؟ جب یہ اشرفیاں انہیں مل گئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہننے اور نہایت نفیس غذائیں کھانی شروع کر دیں، قاصد نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعہ بیان کیا- آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اس نے اس آیت پر عمل کیا کہ کشادگی والا اپنی کشادگی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی و ترشی والا اپنی حالت کے موافق- طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے ایک راہ للہ صدقہ کیا، دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے اس میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے، تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے جس میں سے اس نے اللہ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں اللہ کے نزدیک برابر ہیں، اس لئے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے- پھر اللہ تعالیٰ سچا وعدہ دیتا ہے کہ وہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا، جیسے اور جگہ فرمایا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا تحقیق سختی کے ساتھ آسانی ہے-

اللہ پر توکل کا نتیجہ: مسند احمد کی حدیث اس جگہ وارد کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگلے زمانہ میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گزار رہے تھے، پاس کچھ بھی نہ تھا، ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا، بھوک کے مارے بے تاب تھا، آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ خوش ہو جایئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آ پہنچی ہے، اس نے کہا پھر لاؤ جو کچھ ہو دے دو، میں بہت بھوکا ہوں- بیوی نے کہا اور ذرا سی دیر صبر کر لو، اللہ کی رحمت سے ہمیں بہت کچھ امید ہے، پھر جب کچھ دیر اور ہو گئی اس نے بے تاب ہو کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے، بیوی نے کہا اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ اب تنور کھولتی ہوں تھوڑی دیر گزرنے کے بعد جب بیوی نے دیکھا کہ یہ اب پھر تقاضہ کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں اب اٹھ کر تنور کو دیکھتی ہوں، اٹھ کر جو دیکھتی ہیں تو قدرت الٰہی سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے اور دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں ازخود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے- انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سے سارا آٹا اٹھا لیا اور جھاڑ دیں- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر وہ صرف آٹا لے لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو وہ قیامت تک چلتی رہتیں- اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ بھوک کے مارے گھر والوں کا برا حال ہے، آپ جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے، یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان حال ہیں اور یہ منظر دیکھ نہیں سکے اور چل دیئے، تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا، تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں اے اللہ!

ہمیں روزی دے۔ دعا کر کے اٹھیں تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پر ہے' تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا ابلا چلا آتا ہے۔ اتنے میں میاں بھی تشریف لائے پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ عطا فرما دیا' اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھا لیا۔ جب حضورؐ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا
شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ
اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي
الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ ﴿١٠﴾

بہت سی بستی والوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی' ہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور ان دیکھی آفت ان پر ڈال دی ○ پس انہوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھ لیا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا' ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے پس اللہ سے ڈرو اے عقل مند ایمان والو! یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت بھیج دی ہے ○

شریعت پر چلنا ہی --- روشنی کا انتخاب ہے: ☆☆ (آیت: ۸-۱۰) جو لوگ اللہ کے امر کا خلاف کریں' اس کے رسول کو نہ مانیں' اس کی شریعت پر نہ چلیں' انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دیکھو اگلے لوگوں میں سے بھی جو اس روش پر چلے وہ تباہ و برباد ہو گئے' جنہوں نے سرتابی سرکشی اور تکبر کیا' حکم الٰہی اور اتباع رسول سے بے پرواہی برتی' آخرش انہیں سخت حساب دینا پڑا اور اپنی بدکرداری کا مزہ چکھنا پڑا۔ انجام کار نقصان اٹھایا' اس وقت نادم ہونے لگے لیکن اب ندامت کس کام کی؟ پھر دنیا کے ان عذابوں سے ہی اگر پلا پاک ہو جاتا تو جب بھی ایک بات تھی' نہیں پھر ان کے لئے آخرت میں بھی سخت تر عذاب اور بے پناہ مار ہے' اب اے سوچ سمجھ والو! تمہیں چاہئے کہ ان جیسے نہ بنو اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ اے عقلمند ایماندارو! اللہ نے تمہاری طرف قرآن کریم نازل فرما دیا ہے' ذکر سے مراد قرآن ہے جیسے اور جگہ فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ الخ' ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں' اور بعضوں نے کہا ہے ذکر سے مراد یہاں رسول ہے چنانچہ ساتھ ہی فرمایا ہے رَسُوْلًا تو یہ بدل اشتمال ہے' چونکہ قرآن کے پہنچانے والے رسول اللہ ﷺ ہی ہیں تو اس مناسبت سے آپ کو لفظ ذکر سے یاد کیا گیا۔ حضرت امام ابن جریرؒ بھی اسی مطلب کو درست بتلاتے ہیں پھر رسول کی حالت بیان فرمائی کہ وہ خدا کی واضح اور روشن آیتیں پڑھ سناتے ہیں تاکہ مسلمان اندھیروں سے نکل آئیں اور روشنیوں میں پہنچ جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ الخ' اس کتاب کو ہم نے تجھے دیا ہے تاکہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں لائے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ' اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لاتا ہے یعنی کفر و جہالت سے ایمان و علم کی طرف۔ چنانچہ اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ وحی کو نور فرمایا ہے کیونکہ اس سے ہدایت اور راہ راست حاصل ہوتی ہے اور اسی کا نام روح بھی رکھا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے' چنانچہ ارشاد باری ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سورۂ شوریٰ: ۵۲ یعنی ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی' تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے

نور کر دیا جس کے ساتھ ہم اپنے جس بندے کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں یقیناً تو صحیح اور سچی راہ کی رہبری کرتا ہے- پھر ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کا بدلہ بہتی نہروں والی ہمیشگی کی جنت بیان ہوا ہے جس کی تفسیر بارہا گزر چکی ہے-

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ
صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ
الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع ۱۸

یعنی رسول جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ سناتا ہے تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ○ بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے دی ہے- اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی- اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو باعتبار علم گھیر رکھا ہے ○

حیرت افزا شان ذوالجلال: ☆☆ (آیت:۱۲) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنی عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تا کہ مخلوق اس کی عظمت و عزت کا خیال کر کے اس کے فرمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور اس پر عامل بن کر اسے خوش کرے' تو فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ پاک نے ساتوں آسمان کو کس طرح اوپر تلے پیدا کیا ہے؟ اور جگہ ارشاد ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ یعنی ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب اس خدا کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں- پھر فرماتا ہے اسی کے مثال زمینیں ہیں' جیسے کہ صحیحین کی صحیح حدیث میں ہے جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا- صحیح بخاری میں ہے اسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا' میں نے اس کی تمام سندیں اور کل الفاظ ابتدا اور انتہا میں زمین کی پیدائش کے ذکر میں بیان کر دیئے ہیں فالحمدللہ- جن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہفت اقلیم ہے انہوں نے بے فائدہ دوڑ بھاگ کی ہے اور اختلاف بے جا میں پھنس گئے ہیں اور بلا دلیل قرآن و حدیث کا صریح خلاف کیا ہے- سورۂ حدید میں آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ الخ' کی تفسیر میں ساتوں زمینوں کا اور ان کے درمیان کی دوری کا اور ان کی موٹائی کا جو پانچ سو سال کی ہے پورا بیان ہو چکا ہے- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں بھی ہے کہ ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لمبے چوڑے بہت بڑے چٹیل میدان میں ایک چھلا پڑا ہو-

ابن جریرؒ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر میں اس کی تفسیر تمہارے سامنے بیان کروں تو اسے نہ مانو گے اور نہ ماننا جھوٹا جاننا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ میں کیسے باور کر لوں کہ جو میں تجھے بتلاؤں گا تو اس کا انکار کرے گا؟ ایک اور روایت میں مروی ہے کہ ہر زمین میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور اس زمین کی مخلوق کے ہے اور ابن مثنیٰ والی اس روایت میں آیا ہے ہر آسمان میں مثل ابراہیمؑ کے ہے۔ بیہقی کی کتاب اَلْاَسْمَاءُ وَالصِّفَات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدم کے اور نوح ہیں مثل نوحؑ کے اور ابراہیمؑ ہیں مثل ابراہیمؑ کے اور عیسیٰؑ ہیں مثل عیسیٰؑ کے۔ پھر امام بیہقیؒ نے ایک اور روایت بھی ابن عباسؓ کی وارد کی ہے اور فرمایا ہے اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ بالکل شاذ ہے ابوالضحیٰ جو اس کے ایک راوی ہیں میرے علم میں تو ان کی متابعت کوئی نہیں کرتا واللہ اعلم۔

مخلوق خدا میں غور وخوض: ☆☆ ایک مرسل اور بہت ہی منکر روایت ابن ابی الدنیا لائے ہیں جس میں مروی ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے دیکھا کہ سب کسی غور وفکر میں چپ چاپ ہیں پوچھا کیا بات ہے؟ جواب ملا اللہ کی مخلوق کے بارے میں سوچ رہے ہیں فرمایا ٹھیک ہے مخلوقات پر نظریں دوڑاؤ لیکن کہیں خدا کی بابت غور وخوض میں نہ پڑ جانا سنو اس مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے اس کی سفیدی اس کا نور ہے یا فرمایا اس کا نور اس کی سفیدی ہے سورج کا راستہ چالیس دن کا ہے وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جس نے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اس کی نافرمانی نہیں کی صحابہؓ نے کہا پھر شیطان ان سے کہاں ہے؟ فرمایا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شیطان پیدا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ پوچھا کیا وہ بھی انسان ہیں؟ فرمایا انہیں حضرت آدم کی پیدائش کا بھی علم نہیں الحمد للہ سورۂ طلاق کی تفسیر بھی پوری ہوئی۔

تفسیر سورة التحریم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبۡتَغِىۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱﴾ قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَـكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ
وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۲﴾ وَاِذۡ اَسَرَّ النَّبِىُّ اِلٰى بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ حَدِيۡثًا ۚ
فَلَمَّا نَـبَّاَتۡ بِهٖ وَاَظۡهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهٗ وَاَعۡرَضَ عَنۡۢ
بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَـبَّاَهَا بِهٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَـبَّاَنِىَ الۡعَلِيۡمُ
الۡخَبِيۡرُ ﴿۳﴾

بہ نام اللہ رحمٰن ورحیم

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے تیرے لئے حلال کر دیا ہے اسے تو کیوں حرام کرتا ہے کیا تو اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے

والا ہے ○ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قسموں کو کھول ڈالنا مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی پورے علم والا اور کامل حکمت والا ہے ○ اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی' پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبیؐ نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے' جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات جتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے کی' کہا سب کچھ جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ○

خلت وحرمت اللہ کے قبضے میں: ☆☆ (آیت:۱-۳) اس سورت کی ابتدائی آیتوں کے شان نزول میں مفسرین کے اقوال یہ ہیں (۱) بعض تو کہتے ہیں یہ حضرت ماریہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہیں حضورؐ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھی جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ نسائی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے کہنے سننے سے ایسا ہوا تھا کہ ایک لونڈی کی نسبت آپ نے یہ فرمایا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ام ابراہیمؓ کے ساتھ آپ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کے گھر میں بات چیت کی جس پر انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے گھر میں اور میرے بستر پر؟ چنانچہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! حلال آپ پر حرام کیسے ہو جائے گا؟ تو آپ نے قسم کھائی کہ اب ان سے اس قسم کی بات چیت نہ کروں گا' اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا یہ کہہ دینا کہ تو مجھ پر حرام ہے لغو اور فضول ہے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تو مجھ پر حرام ہے' اللہ کی قسم میں تجھ سے صحبت داری نہ کروں گا۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں پس حرام کرنے کے باب میں تو آپ پر عتاب کیا گیا اور قسم کے کفارے کا حکم ہوا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ یہ دونوں عورتیں کون تھیں؟ فرمایا عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما۔ اور ابتدائے قصہ ام ابراہیم قبطیہ کے بارے میں ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کی باری والے دن حضورؐ ان سے ملے تھے۔ جس پر حضرت حفصہؓ کو رنج ہوا کہ میری باری کے دن میرے گھر اور میرے بستر پر؟ حضورؐ نے انہیں رضامند کرنے اور منانے کے لئے کہہ دیا کہ میں اسے اپنے اوپر حرام کرتا ہوں' اب تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا لیکن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے واقعہ کہہ دیا۔ اللہ نے اس کی اطلاع اپنے نبی کو دے دی اور یہ کل آیتیں نازل فرمائیں۔ آپ نے کفارہ دے کر اپنی قسم توڑ دی اور اس لونڈی سے ملے جلے۔

بیوی یا لونڈی کو حرام کہنے پر کفارہ: اسی واقعہ کو دلیل بنا کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ جو کہے فلاں چیز مجھ پر حرام ہے اسے قسم کا کفارہ دینا چاہئے۔ ایک شخص نے آپ سے یہی مسئلہ پوچھا کہ میں اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں تو آپ نے فرمایا وہ تجھ پر حرام نہیں' کفارہ سب سے زیادہ سخت تو راہ للہ غلام آزاد کرنا ہے۔ امام احمد اور بہت سے فقہاء کا فتویٰ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی یا لونڈی یا کسی کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں صرف بیوی اور لونڈی کے حرام کرنے پر کفارہ ہے کسی اور پر نہیں اور اگر حرام کہنے سے نیت طلاق کی رکھی تو بیشک طلاق ہو جائے گی' اسی طرح لونڈی کے بارے میں اگر آزادگی کی نیت حرام کا لفظ کہنے سے رکھی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ (۲) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس عورت کے باب میں نازل ہوئی ہے جس نے اپنا نفس آنحضرت ﷺ کو ہبہ کیا تھا لیکن یہ غریب ہے' بالکل صحیح بات یہ ہے کہ ان آیتوں کا اترنا آپ کے شہد حرام کر لینے پر تھا۔ (۳) صحیح بخاری میں اس آیت کے موقع پر کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رسول اللہ ﷺ شہد پیتے تھے اور اس کی خاطر ذرا سی دیر وہاں ٹھہرتے بھی تھے' اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس

کے ہاں حضورؐ آئیں وہ کہے کہ یا رسول اللہ! آج تو آپ کے منہ سے گوند کی سی بدبو آتی ہے شاید آپ نے مغافیر کھایا ہوگا چنانچہ ہم نے یہی کیا' آپ نے فرمایا نہیں میں نے تو زینب کے گھر شہد پیا ہے' اب قسم کھاتا ہوں کہ نہ پیوں گا' یہ کسی سے کہنا مت۔ امام بخاری اس حدیث کو کتاب الایمان والنذور میں بھی کچھ زیادتی کے ساتھ لائے ہیں جس میں ہے کہ دونوں عورتوں سے یہاں مراد عائشہ اور حفصہ ہیں (رضی اللہ عنہما) اور چپکے سے بات کہنا یہی تھا کہ میں نے شہد پیا ہے' کتاب الطلاق میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو لائے ہیں۔ پھر فرمایا ہے مغافیر گوند کے مشابہ ایک چیز ہے جو شور گھاس میں پیدا ہوتی ہے' اس میں قدرے مٹھاس ہوتی ہے۔

نبیؐ کی بیویوں کا آپس میں خفیہ مشورہ: ☆☆ صحیح بخاری شریف کی کتاب الطلاق میں یہ حدیث حضرت عائشہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ حضورؐ کو مٹھاس اور شہد بہت پسند تھا عصر کی نماز کے بعد اپنی بیویوں کے گھر آتے اور کسی سے نزدیکی کرتے' ایک مرتبہ آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گئے اور جتنا وہاں رکتے تھے اس سے زیادہ رکے' مجھے غیرت سوار ہوئی' تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے ایک کپی شہد کی انہیں بطور ہدیہ کے بھیجی ہے انہوں نے حضورؐ کو شہد کا شربت پلایا اور اتنی دیر روک رکھا' میں نے کہا خیر اسے کسی حیلے سے ٹال دوں گی چنانچہ میں نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے کہا کہ تمہارے پاس جب حضورؐ آئیں اور قریب ہوں تو تم کہنا کہ آج کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے' آپ فرمائیں گے نہیں' تم کہنا پھر یہ بدبو کیسی آتی ہے؟ آپ فرمائیں گے مجھے حفصہؓ نے شہد پلایا تھا تو تم کہنا کہ شاید شہد کی مکھی نے عرفط نامی خاردار درخت چوسا ہوگا' میرے پاس آئیں گے میں بھی یہی کہوں گی' پھر اے صفیہ! تمہارے پاس جب آئیں تو تم بھی یہی کہنا' حضرت سودہؓ فرماتی ہیں جب حضورؐ میرے گھر آئے ابھی تو دروازے ہی پر تھے جو میں نے ارادہ کیا کہ تم نے جو مجھ سے کہا میں آپ سے کہہ دوں کیونکہ میں تم سے بہت ڈرتی تھی لیکن خیر اس وقت تو خاموش رہی جب آپ میرے پاس آئے میں نے تمہارا تمام کہنا پورا کر دیا پھر حضرت میرے پاس آئے میں نے بھی یہی کہا' پھر حضرت صفیہؓ کے پاس گئے انہوں نے بھی یہی کہا' پھر جب حضرت حفصہؓ کے پاس گئے تو حضرت حفصہؓ نے شہد کا شربت پلانا چاہا آپ نے فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں افسوس ہم نے اسے حرام کرا دیا' میں نے کہا خاموش رہو۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نبی ﷺ کو بدبو سے سخت نفرت تھی' اسی لئے ان بیویوں نے کہا تھا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے اس میں بھی قدرے بدبو ہوتی ہے' جب آپ نے جواب دیا کہ نہیں میں نے تو شہد پیا ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ پھر اس شہد کی مکھی نے عرفط درخت کو چوسا ہوگا جس کے گوند کا نام مغافیر ہے اور اس کے اثر سے اس شہد میں اس کی بو رہ گئی ہوگی۔ اس روایت میں لفظ جرست ہے جس کے معنی جوہری نے کئے ہیں کھایا اور شہد کی مکھیوں کو بھی جوراس کہتے ہیں اور جرس مدہم ہلکی آواز کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں سَمِعْتُ جَرَسَ الطَّیْرِ جبکہ پرندہ دانہ چگ رہا ہو اور اس کی چونچ کی آواز سنائی دیتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے پھر وہ جنتی پرندوں کی ہلکی اور میٹھی سہانی آوازیں سنیں گے' یہاں بھی عربی میں لفظ جرس ہے۔ اصمعی کہتے ہیں میں حضرت شعبہؒ کی مجلس میں تھا وہاں انہوں نے اس لفظ جرس کو جرش بڑی شین کے ساتھ پڑھا' میں نے کہا چھوٹے سین سے ہے۔ حضرت شعبہؒ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا یہ ہم سے زیادہ اسے جانتے ہیں یہی ٹھیک ہے تم اصلاح کر لو' الغرض شہد نوشی کے واقعہ میں شہد پلانے والیوں میں دو نام مروی ہیں ایک حضرت حفصہؓ کا دوسرا حضرت زینبؓ کا بلکہ اس امر پر اتفاق کرنے والیوں میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت حفصہؓ کا نام ہے پس ممکن ہے یہ دو واقعہ ہوں' یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن ان دونوں کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

طلاق کی جھوٹی افواہ بزبان عمر رضی اللہ عنہ: ☆☆ آپس میں اس قسم کا مشورہ کرنے والی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ تھیں۔ یہ اس

حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جو مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں مجھے مدتوں سے آرزو تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضورؐ کی ان دونوں بیوی صاحبان کا نام معلوم کروں جن کا ذکر آیت اِنْ تَتُوْبَآ الخ میں ہے پس حج کے سفر میں جب خلیفتہ الرسول چلے تو میں بھی ہم رکاب ہو لیا' ایک راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستہ چھوڑ جنگل کی طرف چلے' میں ڈولچی لئے ہوئے پیچھے پیچھے گیا۔ آپ حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آئے' میں نے پانی ڈلوایا اور وضو کرایا' اب موقع پا کر سوال کیا کہ اے امیر المومنینؓ! جن کے بارے میں یہ آیت ہے وہ دونوں کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ابن عباس! افسوس۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ دریافت کرنا برا معلوم ہوا لیکن چھپانا جائز نہ تھا اس لئے جواب دیا۔ اس سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہیں رضی اللہ عنہما۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریش تو اپنی عورتوں کو اپنے زیر فرمان رکھتے تھے لیکن مدینہ آئے تو ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ہم پر غلبہ حاصل کرنا چاہا۔ میں مدینہ شریف کے بالائی حصہ میں حضرت امیہ بن زید کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا' ایک مرتبہ میں اپنی بیوی پر کچھ ناراض ہوا اور کچھ کہنے سننے لگا تو پلٹ کر اس نے مجھے جواب دینے شروع کئے' مجھے نہایت برا معلوم ہوا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ یہ نئی بات کیسی؟ اس نے میرا تعجب دیکھ کر کہا کہ آپ کس خیال میں ہیں؟ اللہ کی قسم آنحضرت ﷺ کی بیویاں بھی آپ کو جواب دیتی ہیں اور بعض مرتبہ تو دن دن بھر بول چال چھوڑ دیتی ہیں' اب میں تو ایک دوسری الجھن میں پڑ گیا' سیدھا اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا اور دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم حضورؐ کو جواب دیتی ہو اور کبھی کبھی سارا سارا دن روٹھی رہتی ہو؟ جواب ملا کہ سچ ہے۔ میں نے کہا کہ برباد ہوئی اور نقصان میں پڑی جس نے ایسا کیا۔ کیا تم اس سے غافل ہو گئیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غصہ کی وجہ سے ایسی عورت پر خدا ناراض ہو جائے اور وہ کہیں کی نہ رہے؟ خبردار آئندہ سے حضورؐ کو کوئی جواب نہ دینا' نہ آپ سے کچھ طلب کرنا' جو مانگنا ہو مجھ سے مانگ لیا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر تم ان کی حرص نہ کرنا' وہ تم سے اچھی اور تم سے بہت زیادہ رسول اللہ ﷺ کی منظور نظر ہیں۔

اب اور سنو میرا پڑوسی ایک انصاری تھا اس نے اور میں نے باریاں مقرر کر لی تھیں' ایک دن میں حضور ﷺ کی خدمت میں گزارتا اور ایک دن وہ' میں اپنی باری والے دن کی تمام حدیثیں آیتیں وغیرہ انہیں آ کر سنا دیتا اور یہ مجھے' یہ بات ہم میں اس وقت مشہور ہو رہی تھی کہ غسانی بادشاہ اپنے فوجی گھوڑوں کے نعل لگوا رہا ہے اور اس کا ارادہ ہم پر چڑھائی کرنے کا ہے۔ ایک مرتبہ میرے ساتھی اپنی باری والے دن گئے ہوئے تھے' عشاء کے وقت آ گئے اور میرا دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے آوازیں دینے لگے' میں گھبرا کر باہر نکلا کہ خیریت تو ہے؟ اس نے کہا آج تو بڑا بھاری کام ہو گیا' میں نے کہا کیا غسانی بادشاہ آ پہنچا؟ اس نے کہا اس سے بھی بڑھ کر' میں نے پوچھا وہ کیا؟ کہا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی' میں نے کہا افسوس حفصہؓ برباد ہو گئی اور اس نے نقصان اٹھایا' مجھے پہلے ہی سے اس امر کا کھٹکا تھا' صبح کی نماز پڑھتے ہی کپڑے پہن کر میں چلا۔ سیدھا حفصہؓ کے پاس گیا' دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں' میں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی؟ جواب دیا یہ تو کچھ معلوم نہیں' آپ ہم سے الگ ہو کر اپنے اس بالاخانہ میں تشریف فرما ہیں' میں وہاں گیا دیکھا کہ ایک حبشی غلام پہرے پر ہے' میں نے کہا جاؤ میرے لئے اجازت طلب کرو' وہ گیا پھر آ کر کہنے حضورؐ نے کچھ جواب نہیں دیا' میں وہاں سے واپس چلا آیا' مسجد میں گیا دیکھا کہ منبر کے پاس ایک گروہ صحابہؓ کا بیٹھا ہوا ہے اور بعض بعض کے تو آنسو نکل رہے ہیں' میں تھوڑی سی دیر بیٹھا لیکن چین کہاں؟ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں جا کر غلام سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو' اس نے پھر آ کر یہی کہا کہ کچھ جواب نہیں ملا۔ میں دوبارہ مسجد میں چلا گیا' پھر وہاں سے گھبرا کر نکلا' یہاں آیا پھر غلام سے کہا' غلام گیا آیا اور وہی جواب دیا' میں واپس مڑا ہی تھا جو غلام نے مجھے آواز دی کہ آیئے آپ کو اجازت مل گئی' میں گیا دیکھا کہ حضورؐ ایک بوریے پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہیں جس کے نشان آپ کے جسم مبارک پر ظاہر ہیں' میں نے کہا یا

رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اللہ اکبر' یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ ہم قوم قریش تو اپنی بیویوں کو اپنے دباؤ میں رکھا کرتے تھے لیکن مدینے والوں پر ان کی بیویاں غالب ہیں' یہاں آ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی حرکت شروع کر دی' پھر میں نے اپنی بیوی کا واقعہ اور میرا یہ خبر پا کر کہ حضور کی بیویاں بھی ایسا کرتی ہیں یہ کہنا کہ کیا انہیں ڈر نہیں کہ اللہ کے رسول کے غصہ کی وجہ سے خدا بھی ان سے ناراض ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائیں بیان کیا۔ اس پر حضورؐ مسکرا دیئے۔ میں نے پھر اپنا حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا اور انہیں حضرت عائشہؓ کی ریس کرنے سے روکنا بیان کیا' اس پر دوبارہ مسکرائے' میں نے کہا اگر اجازت ہو تو ذرا سی دیر اور رک جاؤں؟ آپ نے اجازت دی میں بیٹھ گیا اب جو سر اٹھا کر چوطرف نظریں دوڑائیں تو آپ کی بیٹھک (دربار خاص) میں سوائے تین خشک کھالوں کے اور کوئی چیز نہ دیکھی' آزردہ دل ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کرے' دیکھئے تو فارسی اور رومی جو اللہ کی عبادت ہی نہیں کرتے انہیں کس قدر دنیا کی نعمتوں میں وسعت دی گئی ہے؟ یہ سنتے ہی آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے اے ابن خطاب! کیا تو شک میں ہے؟ اس قوم کی اچھائیاں انہیں بہ عجلت دنیا میں ہی دے دی گئیں' میں نے کہا حضورؐ میرے لئے اللہ سے طلب بخشش کیجئے' بات یہ تھی کہ آپ نے بوجہ سخت ناراضگی قسم کھالی تھی کہ مہینہ بھر تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ کی۔ یہ حدیث بخاری' مسلم' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سال بھر اسی امید میں گزر گیا کہ موقع ملے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دونوں کے نام دریافت کروں لیکن ہیبت فاروقی سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہاں تک کہ حج کی واپسی میں پوچھا پھر پوری حدیث بیان کی جو اوپر گزر چکی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ طلاق کی شہرت کا واقعہ پردہ کی آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس طرح حضرت حفصہؓ کے پاس جا کر انہیں سمجھا آئے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کے پاس بھی ہو آئے تھے اور یہ بھی ہے کہ اس غلام کا نام جو ڈیوڑھی پر پہرہ دے رہے تھے حضرت رباح تھا رضی اللہ عنہ۔

إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۚ وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ
فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ
ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾ عَسٰى رَبُّهٗٓ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُّبْدِلَهٗٓ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ
مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّأَبْكَارًا ﴿٥﴾

اے نبی کی دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو بہت بہتر ہے ○ یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں ○ اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا جو اسلام والیاں' ایمان والیاں' فرمانبرداری کرنے والیاں' توبہ کرنے والیاں' عبادت بجا لانے والیاں' روزے رکھنے والیں ہوں گی' بیوہ اور کنواریاں ○

(آیت: ۴-۵) یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے کہا آپ عورتوں کے بارے میں اس مشقت میں کیوں پڑتے ہیں؟ اگر آپ انہیں طلاق بھی دے دیں تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے فرشتے ہیں اور جبرئیل اور میکائیل اور میں اور ابوبکرؓ اور جملہ مومن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں الحمد للہ میں اس قسم کی جو بات کہتا مجھے امید لگی رہتی کہ اللہ تعالیٰ میری بات کی تصدیق نازل فرمائے

گا پس اس موقع پر بھی آیت تخییر یعنی عَسٰی رَبُّهٗ الخ، اور وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ الخ، آپ پر نازل ہوئیں مجھے جب آپ سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی تو میں نے مسجد میں آ کر دروازے پر کھڑا ہو کر اونچی آواز سے سب کو اطلاع دے دی کہ حضورؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی۔ اسی کے بارے میں آیت وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ الخ، آخر تک اتری یعنی جہاں انہیں کوئی امن کی یا خوف کی خبر پہنچی کہ یہ اسے شہرت دینے لگتے ہیں اگر یہ اس خبر کو رسول یا ذی عقل وعلم مسلمانوں تک پہنچا دیتے تو بے شک ان میں سے جو لوگ محقق ہیں وہ اسے سمجھ لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں تک اس آیت کو پڑھ کر فرماتے پس اس امر کا استنباط کرنے والوں میں سے میں ہی ہوں۔ اور بھی بہت سے بزرگ مفسرین سے مروی ہے کہ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ بعضوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا۔ ایک ضعیف حدیث میں مرفوعاً صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے لیکن سند ضعیف ہے اور بالکل منکر ہے۔

عمرؓ اور موافقت قرآنی: ☆☆ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ کی بیویاں غیرت میں آ گئیں جس پر میں نے ان سے کہا کہ اگر حضورؐ تمہیں طلاق دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دے گا پس میرے لفظوں ہی میں قرآن کی یہ آیت اتری، پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت سی باتوں میں قرآن کی موافقت کی جیسے پردے کے بارے میں، بدری قیدیوں کے بارے میں، مقام ابراہیم کو قبلہ ٹھہرانے کے بارے میں۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ مجھے جب امہات المومنین کی اس رنجش کی خبر پہنچی تو ان کی خدمت میں میں گیا اور انہیں بھی کہنا شروع کیا یہاں تک کہ آخری ام المومنین کے پاس پہنچا تو مجھے جواب ملا کہ کیا ہمیں رسول اللہ ﷺ خود نصیحت کرنے کے لئے کم ہیں جو تم آ گئے؟ اس پر میں خاموش ہو گیا لیکن قرآن میں آیت عَسٰی رَبُّهٗ الخ، نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جواب دینے والی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو بات حضورؐ نے چپکے سے اپنی بیوی صاحبہ سے کہی تھی اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپؐ تھے، وہ تشریف لائیں اور حضرت ماریہؓ سے آپ کو مشغول پایا تو آپ نے انہیں فرمایا تم (حضرت) عائشہؓ کو خبر نہ کرنا میں تمہیں ایک بشارت سناتا ہوں، میرے انتقال کے بعد میری خلافت پر (حضرت) ابوبکرؓ کے بعد تمہارے والد آئیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو خبر کر دی پس حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اس کی خبر آپ کو کس نے پہنچائی؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر اللہ نے خبر پہنچائی۔ صدیقہ نے کہا میں آپ کی طرف نہ دیکھوں گی جب تک کہ آپ ماریہ کو اپنے اوپر حرام نہ کر لیں، آپ نے کر لی اس پر آیت یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ نازل ہوئی (طبرانی) لیکن اس کی سند مخدوش ہے، مقصد یہ ہے کہ ان تمام روایات سے ان پاک آیتوں کی تفسیر ظاہر ہو گئی۔ مُسْلِمٰتٌ مومنات قانتات ثائبات عابدات کی تفسیر تو ظاہر ہی ہے سَآئِحٰتٌ کی تفسیر ایک تو یہ ہے کہ روزے رکھنے والیاں، ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی تفسیر اس لفظ کی آئی ہے، جو حدیث سورۂ برات کے اس لفظ کی تفسیر میں گزر چکی ہے کہ اس امت کی سیاحت روزے رکھنا ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ مراد اس سے ہجرت کرنے والیاں لیکن اول قول ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

جنت میں نبیؐ کی بیویاں: ☆☆ پھر فرمایا ان میں سے بعض بیوہ ہوں گی اور بعض کنواریاں، اس لئے کہ جی خوش رہے۔ قسموں کی تبدیلی نفس کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ معجم طبرانی میں ابن یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد بیوہ سے تو حضرت آسیہؓ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور کنواری سے مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں جو حضرت عمران کی بیٹی تھیں۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہؓ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں خوشی ہو جنت کے ایک

چاندی کے گھر کی' جہاں نہ گرمی ہے نہ تکلیف ہے' نہ شور وغل' جو چھدے ہوئی موتی کا بنا ہوا ہے' جس کے دائیں بائیں مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے مکانات ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ! اپنی سوکنوں سے میرا اسلام کہنا' حضرت خدیجہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا مجھ سے پہلے بھی کسی سے نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون اور کلثوم بہن موسیٰ کی ان تینوں کو میرے نکاح میں دے رکھا ہے' یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ حضرت ابوامامہؓ سے ابویعلیٰ میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران' کلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون سے کر دیا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ساتھ ہی مرسل بھی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر' جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم کیا جائے بجالاتے ہیں ○ اے کافرو! تم آج عذر معذرت مت کرو' تمہیں صرف تمہارے کرتوت کا بدلہ دیا جا رہا ہے ○

ہمارا گھرانہ اور ہماری ذمہ داریاں: ☆☆ (آیت: ۶-۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم و ادب سکھاؤ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ' اس کی نافرمانیاں مت کرو' اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تاکہ اللہ تمہیں جہنم سے بچا لے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا انہیں حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو' ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام الٰہی بجالانے کی تاکید کرتے رہو' نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو۔ ضحاکؒ و مقاتلؒ فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے رکنے کی تعلیم دیتا رہے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو' جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔

جہنم کا ایندھن: ☆☆ فقہاء کا فرمان ہے کہ اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہئے تاکہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے' اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ ان کاموں سے تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس آگ کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں' ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کر لو کہ کس قدر تیز ہوگی؟ پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہے جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہی' جیسے اور جگہ ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہیں یا گندھک کے نہایت ہی بدبودار پتھر ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی' اس وقت آپ کی خدمت میں بعض اصحاب تھے جن میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ

! کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر ساری دنیا کے تمام پتھروں سے بڑا ہے' انہیں یہ سن کر غشی آ گئی۔ حضورؐ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ دل دھڑک رہا تھا آپ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ! کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس نے اسے پڑھا پھر آپ نے اسے جنت کی خوشخبری دی تو آپ کے اصحاب نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو قرآن میں ہے ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ '' یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میری دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو' یہ حدیث غریب اور مرسل ہے۔

جہنم کے فرشتے: ☆☆ پھر ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت والے ہیں جن کے دلوں میں کافروں کے لئے اللہ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو بدترین ترکیبوں میں بڑی بھاری سزائیں دیتے ہیں' جن کے دیکھنے سے بھی پتے پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جب جہنمیوں کا پہلا جتھا جہنم کو چلا جائے گا تو دیکھے گا کہ پہلے دروازہ پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں' جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں' کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں' سخت بے رحم ہیں' ایک ذرے کے برابر بھی اللہ نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا' اس قدر جسیم ہیں کہ اگر کوئی پرند ان کے ایک کھوے سے اڑ کر دوسرے کھوے تک پہنچنا چاہے تو کئی مہینے گزر جائیں' پھر دروازہ پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے پھر ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے' پانچ سو سال تک گرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہاں بھی اسی طرح ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے' اسی طرح ہر ہر دروازہ پر یہ فرشتے خدائی فرمان کے تابع ہیں۔ ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا۔ ان کا نام زبانیہ ہے' اللہ ہمیں اپنے عذابوں سے پناہ دے آمین۔

قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہیں: ☆☆ قیامت کے دن کفار سے فرمایا جائے گا کہ آج تم بیکار عذر پیش نہ کرو' کوئی معذرت ہمارے سامنے نہ چل سکے گی' تمہارے کرتوت کا مزہ تمہیں چکھنا ہی پڑے گا۔ پھر ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم سچی اور خالص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں' میل کچیل دھل جائے' برائیوں کی عادت چھٹ جائے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو! میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا ہے کہ خالص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے۔ ایک اور روایت میں ہے پھر اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے۔ حضرت عبداللہؓ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے جو ضعیف ہے اور ٹھیک یہی ہے کہ وہ بھی موقوف ہی ہے واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ
يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ
لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۸

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو' ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں پہنچا دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں

جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان ایمانداروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا' ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہو گا' یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے ○

خالص توبہ: ☆☆ (آیت: ۸) علماء سلف فرماتے ہیں توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق باقاعدہ ادا کر دے۔ حضورؐ فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے۔ اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو حرام اور باعث ناراضی اللہ و رسول ہے۔ ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں۔ حضرت ابوذرؓ نے حضرت ابی سے پوچھا توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضورؐ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا' اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو' جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جما رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے' جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام برائیاں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے' اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جیسے کہ احادیث و آثار ابھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا گو پھر بہ مقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے جیسے کہ ابھی حدیث گزری کہ توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے' تو تنہا توبہ کے ساتھ ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے؟ پس پہلی بات کی دلیل تو یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام لا کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام کی اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا پس اسلام جو کہ گناہوں کو دور کرنے میں توبہ سے بڑھ کر ہے جب اس کے بعد بھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے پہلی برائیوں میں بھی پکڑ ہوئی تو توبہ کے بعد تو بطور اولیٰ ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔ لفظ عسی گو تمنا' امید اور امکان کے معنی دیتا ہے لیکن کلام اللہ میں اس کے معنی تحقیق کے ہوتے ہیں پس فرمان ہے کہ خالص توبہ کرنے والے قطعاً اپنے گناہوں کو معاف کروالیں گے اور سرسبز و شاداب جنتوں میں جائیں گے۔ پھر ارشاد ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا انہیں خدا کی طرف سے نور عطا ہو گا جو ان کے آگے آگے اور دائیں طرف ہو گا اور سب اندھیروں میں ہوں گے اور یہ روشنی میں ہوں گے جیسے کہ پہلے سورۂ حدید کی تفسیر میں گزر چکا جب یہ دیکھیں گے کہ منافقوں کو جو روشنی ملی تھی عین ضرورت کے وقت وہ ان سے چھین لی گئی اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے تو دعا کریں گے کہ خدایا ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو' ہماری روشنی تو آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے' ہمارا نور ایمان بجھنے نہ پائے۔

بنو کنانہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو میں نے آپ کی اس دعا کو سنا اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ میرے اللہ! مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا''۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کی اجازت بھی مجھی کو مرحمت ہو گی' میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظریں ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک صحابیؓ نے کہا حضور انہیں کیسے پہچانیں گے؟ وہاں تو بہت سی امتیں

مخلوط ہوں گی آپ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ ان کے اعضاء وضو منور ہوں گے، چمک رہے ہوں گے، کسی اور امت میں یہ بات نہ ہوگی، دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، تیسری نشانی یہ ہوگی کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہوں گے جن سے میں پہچان لوں گا، چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ
نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جو بہت بری جگہ ہے ○ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوح کی اور لوط کی بیوی کی کہاوت بیان فرمائی، یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے شائستہ اور نیک بندوں کے گھر میں تھیں پھر ان دونوں کی انہوں نے خیانت کی پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے کسی عذاب کو نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا کہ اے عورتو! دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ ○

تحفظ قانون کے لئے حکم جہاد: ☆☆ (آیت: ۱۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ کافروں سے جہاد کرو ہتھیاروں کے ساتھ اور منافقوں سے جہاد کرو حدود اللہ جاری کرنے کے ساتھ، ان پر دنیا میں سختی کرو، آخرت میں بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین بازگشت ہے پھر مثال دے کر سمجھایا کہ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا، خلط ملط رہنا انہیں ان کے کفر کے باوجود خدا کے ہاں کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ دیکھو! دو پیغمبروں کی عورتیں حضرت نوح علیہ السلام کی اور حضرت لوط علیہ السلام کی جو ہر وقت ان نبیوں کی صحبت میں رہنے والی اور دن رات ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی اور ساتھ ہی کھانے پینے بلکہ سونے جاگنے والی تھیں لیکن چونکہ ایمان میں ان کی ساتھی نہ تھیں اور اپنے کفر پر قائم تھیں پس پیغمبروں کی آٹھ پہر کی صحبت انہیں کچھ کام نہ آئی، انبیاء اللہ انہیں اخروی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ اخروی نقصان سے بچا سکے بلکہ ان عورتوں کو بھی جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں جانے کو کہہ دیا گیا۔ یاد رہے کہ خیانت کرنے سے مراد بدکاری نہیں، انبیاء علیہم السلام کی حرمت و عصمت اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ ان کی گھر والیاں فاحشہ ہوں، ہم اس کا پورا بیان سورۂ نور کی تفسیر میں کر چکے ہیں بلکہ یہاں مراد خیانت فی الدین ہے یعنی دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی، ان کا ساتھ نہ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی خیانت زنا کاری نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تو لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ یہ مجنون ہیں اور لوط علیہ السلام کی بیوی جو مہمان حضرت لوطؑ کے ہاں آتے تو کافروں کو خبر کر دیتی تھی یہ دونوں بد دین تھیں۔ نوح علیہ السلام کی رازداری اور پوشیدہ طور پر ایمان لانے والوں کے نام کافروں پر ظاہر کر دیا کرتی تھی اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے خاوند اللہ کے رسول کی مخالف تھی اور جو لوگ آپ کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرتے یہ جا کر اپنی کافر قوم سے خبر کر دیتی جنہیں بدعملی کی عادت تھی بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی پیغمبر کی کسی عورت نے کبھی بدکاری نہیں کی، بلکہ ان کی خیانت دین میں تھی اسی طرح حضرت عکرمہؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ضحاکؒ وغیرہ سے بھی مروی ہے اس سے استدلال کر

کے بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ حدیث میں ہے جو شخص کسی ایسے کے ساتھ کھائے جو بخشا ہوا ہو اسے بھی بخش دیا جاتا ہے' یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے' ہاں ایک بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور پوچھا کہ کیا حضورؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن اب میں کہتا ہوں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ
رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ
وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی کہاوت بیان فرمائی' جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا نکال اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے ○

سعادت مند آسیہ (فرعون کی بیوی): ☆☆ (آیت:۱۱) یہاں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے مثال بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر یہ اپنی ضرورت پر کافروں سے خلط ملط ہوں تو انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا' جیسے اور جگہ ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ایمانداروں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا اوروں سے دوستیاں نہ کریں جو ایسا کرے گا وہ خدا کی طرف سے کسی بھلائی میں نہیں' ہاں اگر بطور بچاؤ اور دفع الوقتی کے ہو تو اور بات ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر پوری طرح قائم تھیں اور رہیں۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ایک گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

حضرت سلمانؒ فرماتے ہیں فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا' سخت گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچا لیتا بلکہ ان کے جنتی مکان کو دکھا دیتا جس سے ان کی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہو جاتی' فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا تو ہر وقت یہی سنتیں کہ موسیٰ غالب رہے بس یہی ان کے ایمان کا باعث بنا اور یہ پکار اٹھیں کہ میں موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لائی۔ فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھوا لاؤ' اسے چت لٹاؤ اور اسے کہو کہ اپنے اس عقیدے سے باز آئے' اگر باز آ جائے تو تو میری بیوی ہے' عزت و حرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ قیمہ کر ڈالو' جب یہ لوگ پتھر لائے' انہیں لے گئے لٹایا اور پتھر ان پر گرانے کے لئے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پروردگار نے حجاب ہٹا دیئے اور جنت کو اور وہاں جو مکان ان کے لئے بنایا گیا تھا اسے انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا اور اسی میں ان کی روح پرواز کر گئی' جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت ان میں روح تھی ہی نہیں' اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ خدایا جنت میں اپنے قریب کی جگہ مجھے عنایت فرما' اس دعا کی اس باریکی پر بھی نگاہ ڈالئے کہ پہلے خدا کا پڑوس مانگا جا رہا ہے پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے۔

اس واقعہ کے بیان میں مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے پھر دعا کرتی ہیں کہ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے' میں اس کی کفریہ حرکتوں سے بیزار ہوں' مجھے اس ظالم قوم سے عافیت میں رکھ۔ ان بیوی صاحبہ کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا رضی اللہ عنہا۔ ان کے ایمان

لانے کا واقعہ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فرعون کے داروغہ کی عورت کا ایمان ان کے ایمان کا باعث بنا' وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھی اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں۔ اس پر فرعون کی لڑکی نے پوچھا کہ کیا میرے باپ کے سوا تو کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے' اس نے غصہ میں آ کر انہیں خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر دی' فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہے' میں اسی کی عبادت کرتی ہوں' فرعون نے حکم دیا اور انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں پر میخیں گڑوا دیں اور سانپ چھوڑ دیئے جو انہیں کاٹتے رہیں' پھر ایک دن آیا اور کہا اب تیرے خیالات درست ہوئے؟ وہاں سے جواب ملا کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہی ہے۔ فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آ جا' انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ تو کر سکتا ہو کر ڈال' اس ظالم نے ان کے لڑکے کو منگوایا اور ان کے سامنے اسے مار ڈالا جب اس بچہ کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں! خوش ہو جا تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی' انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضا ہو کر بیٹھ رہیں۔ فرعون نے انہیں پھر اسی طرح باندھ کر ڈلوا دیا اور سانپ چھوڑ دیئے پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی - بیوی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے وہی جواب دیا' اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے ہی قتل کرا دیا - اس کی روح نے بھی اسی طرح اپنی والدہ کو خوشخبری دی اور صبر کی تلقین کی' فرعون کی بیوی نے بڑے بچہ کی روح کی خوش خبری سنی تھی اب اس چھوٹے بچے کی روح کی بھی خوش خبری سنی اور ایمان لے آئیں' ادھر ان بیوی صاحبہ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اور ان کی منزل و مرتبہ جو خدا کے ہاں تھا وہ حجاب ہٹا کر فرعون کی بیوی کو دکھا دیا گیا - یہ اپنے ایمان و یقین میں بہت بڑھ گئیں یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی - اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسے کیا جانتے ہو؟ سب نے بڑی تعریف کی اور ان کی بھلائیاں بیان کیں' فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم وہ بھی میرے سوا دوسرے کو اللہ مانتی ہے' پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے' چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا' اس وقت حضرت آسیہ نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب ہٹا کر انہیں ان کا جنتی درجہ دکھا دیا' جس پر یہ ہنسنے لگیں۔ ٹھیک اسی وقت فرعون آ گیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر کہنے لگا لوگو تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے نہیں' الغرض انہی عذابوں میں یہ بھی شہید ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا -

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا
وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲

اور مثال بیان فرمائی مریم بنت عمران کی جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی۔ مریم اپنے رب کی باتیں اور اس کی کتابوں کو مانتی تھی اور عبادت گزاروں میں سے تھی ○

حضرت مریم علیہا السلام: ☆☆ (آیت: ۱۲) پھر دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں ہم نے اپنے فرشتے جبرئیل کی معرفت ان میں روح پھونکی' حضرت جبرئیل کو انسانی صورت میں اللہ تعالیٰ نے

بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردیں' اسی سے حمل رہ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پس فرمان ہے کہ ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی پھر حضرت مریم کی اور تعریف ہو رہی ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں اور پوری فرمانبردار تھیں۔ مسند احمد میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہؓ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو پورا علم ہے۔ آپ نے فرمایا سنو تمام جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے تو صاحب کمال بہت سارے ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف حضرت آسیہ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم بنت عمران ہیں اور حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور حضرت عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے سالن میں چوری ہوئی روٹی کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ ہم نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کے بیان کے موقع پر اس حدیث کی سندیں اور الفاظ بیان کردیئے ہیں۔ فالحمد للہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اسی سورت کی آیت کے الفاظ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا کی تفسیر کے موقع پر وہ حدیث بھی ہم بیان کر چکے ہیں جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جنتی بیویوں میں ایک حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں۔ الحمد للہ سورۂ تحریم کی تفسیر ختم ہوئی۔

اللہ کے فضل وکرم اور لطف ورحم سے اٹھائیسویں پارے قد سمع اللہ کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

پروردگار ہمیں اپنے کلام کی سچی سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔ باری تعالیٰ تو اسے قبول فرما اور میرے لئے باقیات صالحات میں کر' آمین۔

والحمدلله رب العالمين والصلوة علىٰ سيد المرسلين وآله واصحابه اجمعين۔

پارہ نمبر
۲۹

چند اہم مضامین کی فہرست

- بہتر عمل کی آزمائش کا نام زندگی ہے ۵۷۷
- جہنم کا داروغہ سوال کرے گا ۵۷۹
- نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں ۵۸۰
- وہ مغفرت کا مالک بھی اور گرفت پر قادر بھی ہے ۵۸۱
- رزاق صرف رب قدیر ہے ۵۸۱
- زمین سے پانی ابلنا بند ہو جائے تو؟ ۵۸۳
- نون سے کیا مراد ہے؟ ۵۸۴
- قلم سے کیا مراد ہے ۵۸۵
- حضورؐ کا حلیہ مبارک ۵۸۶
- زیادہ قسمیں کھانے والے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں ۵۸۷
- سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی ۵۸۹
- گنہگار اور نیکوکار دونوں کی جزا کا مختلف ہونا لازم ہے ۵۹۱
- سجدہ اس وقت منافقوں کے بس میں نہیں ہوگا ۵۹۲
- مصائب سے نجات دلانے والی دعا نظر، فال اور شگون ۵۹۴
- نظر لگنے کا دم ۵۹۵
- آواز کا بم صور اسرافیل ۵۹۹
- اللہ کا عرش اٹھانے والے فرشتے ۶۰۰
- دائیں ہاتھ اور نامہ اعمال ۶۰۰
- ظاہر و باطن آیات الٰہی ۶۰۳
- ہدایت اور شفا قرآن حکیم ۶۰۵
- عذاب کے طالب عذاب دیئے جائیں گے ۶۰۸
- انسان بے صبرا، بخیل اور کنجوس بھی ہے ۶۱۰
- مرکز نور و ہدایت سے مفرور انسان ۶۱۲
- عذاب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قوم سے خطاب ۶۱۴
- نو سال صدا بصحرا کے بعد بھی ایک پیغمبرانہ کوشش ۶۱۵
- نوح علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں روداد غم ۶۱۸
- کثرت گناہ تباہی کو دعوت دینا ہے ۶۱۹
- جنات پر قرآن حکیم کا اثر ۶۲۱
- بعثت نبوی ﷺ سے پہلے جنات ۶۲۲
- جنات میں بھی کافر اور مسلمان موجود ہیں ۶۲۴
- آداب سجدہ اور جنات کا اسلام لانا ۶۲۶
- اللہ کے سوا قیامت کب ہوگی کسی کو نہیں معلوم ۶۲۷
- ''مزمل'' کا مفہوم ۶۲۹
- رسول اللہ کو قیام اللیل اور ترتیل قرآن کا حکم ۶۲۹
- نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی ۶۳۴
- پیغام نصیحت و عبرت اور قیام اللیل ۶۳۵
- ابتدائے وحی ۶۳۷
- جہنم کی ایک وادی 'صعود' اور ولید بن مغیرہ ۶۳۹
- سخت دل بے رحم فرشتے اور ابوجہل ۶۴۳
- جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی ۶۴۵
- ہم سب اپنے اعمال کا خود آئینہ ہیں ۶۴۷
- حفظ قرآن، تلاوت و تفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ۶۴۹
- جب ہماری روح حلق تک پہنچ جاتی ہے...... ۶۵۱
- اے انسان اپنے فرائض پہچان ۶۵۴
- زنجیریں طوق اور شعلے ۶۵۵
- دائمی خوشگوار موسم اور مسرتوں سے بھرپور زندگی ۶۵۷
- اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کا باہم عہد و معاملات ۶۶۱
- فرشتوں اور ہواؤں کی اقسام ۶۶۲
- حسرت و افسوس کا وقت آنے سے پہلے ۶۶۳
- جہنم کے شعلے سیاہ اونٹوں اور دہکتے تانبے کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے ۶۶۴
- دنیا اور آخرت کے فائدوں کا موازنہ ۶۶۶

تفسیر سورة الملك

مسند احمد میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے' وہ سورت تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ الخ' ہے- ابوداؤد' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے- امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں- تاریخ ابن عساکر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے کا ایک شخص مر گیا جس کے ساتھ کتاب اللہ میں سوائے سورۂ تبارک الذی کے اور کوئی چیز نہ تھی جب اسے دفن کیا گیا اور فرشتہ اس کے پاس آیا تو یہ سورت اس کے سامنے کھڑی ہو گئی فرشتے نے کہا' تو کتاب اللہ ہے میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا' تجھے معلوم ہے کہ تیرے یا اپنے یا اس میت کے کسی نفع نقصان کا مجھے اختیار نہیں اگر تو یہی چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اس کی سفارش کر چنانچہ یہ سورت اللہ عزوجل کے پاس جائے گی اور کہے گی خدایا! تیری کتاب میں سے مجھے فلاں شخص نے سیکھا' پڑھا' اب کیا تو اسے آگ میں جلائے گا؟ کیا باوجودیکہ میں اس کے سینے میں محفوظ ہوں تو اسے عذاب کرے گا؟ اگر یہی کرنا ہے تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا ڈال-

اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس وقت سخت غضبناک ہے' یہ کہے گی مجھے حق ہے کہ میں اپنی ناراضی ظاہر کروں پس جناب باری کا ارشاد ہو گا کہ جا میں نے اسے تجھے دیا اور تیری سفارش قبول کر لی- اب یہ سورت اس کے پاس آ جائے گی اور عذاب کے فرشتے کو ہٹا دے گی اور اس کے منہ سے اپنا منہ ملا کر کہے گی' اس منہ کو مرحبا ہو' یہی میری تلاوت کیا کرتا تھا' اس سینے کو صد شاباش ہے اس نے مجھے یاد کر رکھا تھا' ان دونوں قدموں کو مبارک باد ہو' یہی کھڑے ہو کر راتوں کو میری قرأت کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے اور یہ سورت قبر میں اس کی مونس اور غم خوار بن جائے گی اور کوئی ڈر و دہشت اسے نہیں پہنچنے دے گی- اس حدیث کے سنتے ہی تمام چھوٹے' بڑے' آزاد اور غلام نے اسے سیکھ لیا' اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے منجیہ رکھا' یعنی نجات دلوانے والی سورت' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے' اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمدؒ امام یحییٰ بن معینؒ' امام بخاریؒ' امام ابوحاتمؒ' امام دارقطنیؒ وغیرہ ضعیف کہتے ہیں اور دوسری سند سے مروی ہے کہ یہ قول امام زہری کا ہے مرفوع حدیث نہیں-

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''اثبات عذاب القبر'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع بھی بیان کی ہے اور موقوف بھی- اس میں بھی جو مضمون ہے وہ اس کی شہادت میں کام دے سکتا ہے- ہم نے اسے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے وللہ الحمد- طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قرآن کی ایک سورت ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا سے لڑ جھگڑ کر اسے جنت میں داخل کرایا' وہ سورۂ تبارک ہے- ترمذی شریف میں ہے کہ کسی صحابی نے جنگل میں ایک ڈیرہ لگایا جہاں ایک قبر بھی تھی لیکن اسے علم نہ تھا- اس نے سنا کہ کوئی شخص سورۂ ملک پڑھ رہا ہے اور اس نے اسے پوری پڑھی- اس نے نبی ﷺ سے سارا واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا یہ سورت روکنے والی ہے' یہ سورت نجات دلوانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلواتی ہے- یہ حدیث غریب ہے- ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے سورۂ الٓمٓ تَنْزِیْلُ الخ اور سورۂ تَبَارَكَ الَّذِیْ ضرور پڑھ لیا کرتے تھے- حضرت طاؤس کی روایت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کی اور سورتوں پر ستر نیکیاں فضیلت رکھتی ہیں- طبرانی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں میری دلی منشا ہے کہ یہ سورت میری امت میں سے ہر ایک کے دل میں رہے یعنی سورۂ تبارک- یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کا راوی ابراہیم ضعیف ہے اور اسی جیسی روایت سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے- مسند عبد بن حمید ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے کہا آ میں تجھے ایک ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے تَبٰرَكَ الَّذِیْ الخ پڑھا کر اور اسے اپنے اہل وعیال کو' اولاد کو' گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا' یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے۔ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے اللہ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچالے گی اور عذاب قبر سے بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝١ۙ
الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝٢ۙ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا
تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ
تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝٣ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ
اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝٤

بہ نام اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے؟ جو غالب اور بخشنے والا ہے ○ جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا تو اے دیکھنے والے! اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا ○ دوبارہ نظریں ڈال کر دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے؟ پھر دہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی ○

بہتر عمل کی آزمائش کا نام زندگی ہے: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرما رہا ہے اور خبر دے رہا ہے کہ تمام مخلوق پر اسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے' کوئی اس کے حکموں کو ٹال نہیں سکتا' اس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا' وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔ پھر اپنا موت وحیات کا پیدا کرنا بیان کر رہا ہے' اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا شدہ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تا کہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے جیسے اور جگہ ہے كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کر دیا' پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا اور اس پیدائش کو حیات کہا گیا' اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا اور پھر زندہ کر دے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ بنی آدم موت کی ذلت میں تھے۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنا دیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا پھر بقا کا۔ لیکن یہی روایت اور جگہ حضرت قتادہؒ کا اپنا قول ہونا بیان کی گئی ہے۔

اچھے عمل والا کون؟: ☆☆ آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا نہیں بلکہ بہتر عمل والا' وہ باوجود

غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتاب لوگوں کے لئے جب وہ رجوع کریں اور توبہ کریں، معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک، گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے، لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ ہے، زیادہ صحیح یہی قول ہے اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ پروردگار کی مخلوق میں تو کوئی نقصان نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے، نہ ہیر پھیر ہے، نہ مخالفت اور بے ربطگی ہے، نہ نقصان اور عیب اور خلل ہے، اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب، ٹوٹ پھوٹ، جوڑ توڑ، شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دو دفعہ دیکھ لے کوئی نقصان نظر نہ آئے گا، گو تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست و ریخت نظر آئے، تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی۔ نقصان کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا
لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵

بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنا دیا اور انہیں شیطانوں کو رجم کرنے والا بنا دیا اور شیطانوں کے لئے ہم نے جلنے کا عذاب تیار کر دیا ○

(آیت: ۵) فرمایا آسمان دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے جن میں بعض چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جا ٹھہرے رہنے والے ہیں پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے، ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں، یہ نہیں کہ خود ستارہ ان پر ٹوٹے واللہ اعلم۔ شیاطین کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے بھلسانے والا عذاب ہے۔ جیسے سورۂ صافات کے شروع میں ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں سے حفاظت میں انہیں رکھا ہے وہ بلند و بالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے اور چاروں طرف سے حملہ کر کے ہانک دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اچک کر لے بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں آسمان کی زینت، شیطانوں کی مار اور راہ پانے کے نشانات، جس شخص نے اس کے سوا کوئی اور بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا اور باوجود علم نہ ہونے کے تکلف کیا (ابن جریر اور ابن ابی حاتم)

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶
اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝۷ لا تَكَادُ
تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ
اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا
وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۹
وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ۝۱۰ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۱

اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے جو بڑی جگہ ہے ○ جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی گدھے کی سی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ○ قریب ہے کہ غصے کے مارے پھٹ جائے' جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جاتا ہے اس سے جہنم کے داروغے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا؟ ○ وہ جواب دیتے ہیں کہ آیا تو بیشک تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا' تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو ○ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے ○ انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا' اب یہ دوزخی دفع ہوں دور ہوں ○

جہنم کا داروغہ سوال کرے گا: ☆☆ (آیت:۶-۱۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے وہ جہنمی ہے' اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے- یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل بھن رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا خدا کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو پیٹتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور خدا کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا' اب عدل خدا صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ''ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے-'' ایک اور جگہ ارشاد ہے حَتّٰى اِذَا جَآءُ وْهَا جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغۂ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ تو کہیں گے ہاں آئے تو تھے اور ڈرا بھی دیا تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا- اب اپنے تئیں ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے' اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑتے رہتے' اپنے خالق و مالک کے ساتھ کفر نہ کرتے' نہ رسولوں کو جھٹلاتے نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے- اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا' ان کے لئے لعنت ہو' دوری ہو' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ لیں گے' ہلاک نہ ہوں گے (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں-

إِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ
كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَأَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ ع ۱۴
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا
وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا ثواب ○ تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو' وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ○ کیا وہ بھی بے علم ہو سکتا ہے جو خالق ہو؟ پھر باریک بیں اور باخبر ہو ○ وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا تا کہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ پیو' اسی کی طرف تمہیں جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے ○

نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۵) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں گو تنہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں، تاہم خوف خدا سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت و عبادت سے جی چراتے ہیں ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دیتا ہے اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا جیسے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زنا کاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے۔ مسند بزار میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہؐ! ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی، آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ ہی کو ہم رب مانتے ہیں۔ فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے بھی آگاہ ہوں، یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو، مخلوق سے خالق بے خبر ہو، وہ تو بڑا باریک بیں اور بے حد خبر رکھنے والا ہے۔ ازاں بعد اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا، وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے، ہل جل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی، پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں، پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں، راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں، قسم قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں، پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے۔ جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو، طرح طرح کی لمبی چوڑی سودمند تجارتیں کر رہے ہو، تمہاری کوششیں وہ بارآور کرتا ہے اور تمہیں اپنی روزیاں ان اسباب سے دے رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اگر تم خدا کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح روزیاں دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انہیں آسان کرنے والا وہی خدائے واحد ہے اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تو مناکب سے مراد راستے کونے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں اور قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں۔ حضرت بشیر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر مناکب کی صحیح تفسیر تم بتا دو تو تم آزاد ہو، اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں۔ آپ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا
هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ
عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا
اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا
الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین جنبش کرنے لگے ○ یا کیا تمہیں اس بات کا کھٹکا نہیں کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ○ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پس ان پر میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟ ○ کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور کبھی کبھی سمیٹے ہوئے اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے؟ انہیں اللہ رحمٰن ہی تھامے ہوئے ہے' بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے ○

وہ مغفرت کا مالک بھی اور گرفت پر قادر بھی ہے : ☆☆ (آیت:۱۶-۱۹) ان آیتوں میں بھی خدائے تبارک وتعالیٰ اپنے لطف و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر وشرک کی بنا پر وہ طرح طرح کے دنیوی عذابوں پر بھی قادر ہے لیکن اس کا علم اور عفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتا' جیسے اور جگہ فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے' جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو خدا ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی اور ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور ان کے دماغ توڑ دیئے جاتے جیسے اور جگہ ہے اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے اور وہ کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے۔ یہاں بھی فرمان ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈرانے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم آپ دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر بڑا اور عبرتناک انجام ہوا۔ تم میری قدرتوں کا روزمرہ کا یہ مشاہدہ کیا نہیں دیکھ رہے کہ پرند تمہارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں۔ کبھی دونوں پروں سے کبھی کسی کو روک کر۔ پھر کیا میرے سوا کوئی اور انہیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور یہ معلق اڑتے پھرتے ہیں۔ یہ بھی میرا لطف وکرم اور رحمت و نعمت ہے۔ مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگراں اور کفیل میں ہی ہوں۔ جیسے اور جگہ فرمایا اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں' جن کا تھامنے والا بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں' یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ
اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ⑳ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ
اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ㉑ اَفَمَنْ
يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ㉒

سوائے اللہ کے تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں ○ بتاؤ تو کون ہے جو تمہیں روزیاں دے اگر اللہ اپنی روزی روک لے؟ بلکہ کافر سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں ○ اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلے یا وہ جو سیدھا پیروں کے بل راہ راست پر چل رہا ہو؟ ○

رزاق صرف رب قدیر ہے : ☆☆ (آیت:۲۰-۲۲) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال رکھتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں۔ تو فرماتا ہے کہ سوائے خدا کے نہ تو کوئی مدد دے

سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے’ کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکا ہے۔ اگر اب اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انہیں جاری نہیں کر سکتا۔ دینے لینے پر’ پیدا کرنے اور فنا کرنے پر’ رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لاشریک لہ کو ہی قدرت ہے۔ یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی’ کج روی’ گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں ضد’ تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے’ یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی نہیں گوارا’ انہیں عمل کرنا تو کہاں؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے’ سر جھکائے’ نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے’ نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران و پریشان راہ بھولا اور ہکا بکا ہے اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے’ راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے’ یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے۔ یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے اُحْشُرُ وا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الخ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو خدا کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو۔

مجرموں کا منہ کے بل چلایا جانا: ☆☆ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح حشر کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایت ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ
قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ
وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ
مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہہ دے کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے ہیں’ تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو ○ کہہ دے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے ○ کافر پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ؟ ○ تو کہہ دے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے’ میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں ○ جب یہ لوگ اس وعدے کو قریب تر پا لیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے ○

(آیت: ۲۳-۲۷) خدا وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا’ تمہیں کان’ آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو یعنی اپنی ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔ خدا ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا’ تمہاری زبانیں جداگانہ’ تمہارے رنگ روپ جداگانہ’ تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس

کے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے جاؤ گے' اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔

دوبارہ بٹھایا جانا: پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مر کر دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو' اگر سچے ہو تو بتا دو کہ اس پراگندگی کے بعد اجتماع کب ہو گا؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ انہیں جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہو گی اسے تو صرف وہی علام الغیوب جانتا ہے' ہاں اتنا مجھے کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور' میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں' میرا فرض صرف تمہیں پہنچا دینا تھا جسے بحمد اللہ میں ادا کر چکا۔ پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اسے اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب آ گئی کیونکہ ہر آنے والی چیز آ کر ہی رہتی ہے گو دیر سویر آئے' جب یہ اسے آ لگی ہوئی پا لیں گے جسے اب تک جھٹلاتے رہے تو انہیں بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھنے لگیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحواس کئے ہوئے ہوں گی' آثار سب سامنے ہوں گے' اس وقت ان سے بطور ڈانٹ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ
يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا
بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ
بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۱۶

تو کہہ اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے بہر صورت یہ تو بتاؤ کہ کافروں کو دردناک عذابوں سے کون بچائے گا؟ ○ تو کہہ کہ وہی رحمٰن ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے ○ تو کہہ کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین چوس جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے نتھرا ہوا جاری پانی لائے؟ ○

زمین سے پانی ابلنا بند ہو جائے تو؟ ☆☆ (آیت: ۲۸-۳۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی' ان مشرکوں سے کہو جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم جو اس بات کی تمنا میں ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں خدا کی طرف سے نقصان پہنچا یا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت یہ تو نہیں نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے پر' اللہ کی طرف جھکنے پر' اس کے دین کو مان لینے پر' ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں۔ تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو۔ پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمٰن و رحیم پر ایمان لا چکے' اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔ جیسے ارشاد ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر' اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟ خدا کا غضب کس پر ہے؟ اور بری راہ پر

کون ہے؟ پھر فرماتا ہے اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسانی زندگی کا مدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہیں گو تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی ہے جو بہنے والا ابلنے والا اور جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے؟ یعنی اللہ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں' وہی ہے جو اپنے فضل وکرم سے پاک صاف نتھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پوری کرتا ہے' ضرورت کے مطابق ہر جگہ بہ آسانی مہیا ہو جاتا ہے- فالحمدللہ- خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۂ ملک کی تفسیر ختم ہوئی- فالحمدللہ رب العالمین- (حدیث میں ہے کہ اس آیت کے جواب میں اللہ رب العلمین کہنا چاہئے- مترجم)

تفسیر سورة القلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿١﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢﴾

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿٣﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿٤﴾

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿٥﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٧﴾

اللہ رحیم ورحمان کے نام سے شروع

قسم ہے قلم کی اور اس کی جو لکھتے ہیں ○ تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ○ بیشک تیرے لئے بے انتہا ثواب ہے ○ اور بے شک تو بہت بڑے اخلاق پر ہے ○ پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے ○ کہ تم میں سے مجنون کون ہے؟ ○ بیشک تیرا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ○

نون سے کیا مراد ہے؟: ☆☆ (آیت: ۱-۷) نون وغیرہ جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں' کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال' پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا' مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم) مطلب یہ ہے کہ یہاں ن سے مراد یہ مچھلی ہے-

طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا' قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے' پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی- پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے- ابن عساکر کی حدیث میں ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے- عمل' رزق' عمر' موت وغیرہ پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا یہی مراد ہے اس آیت میں- پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا' پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم! اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص

رکھوں گا۔ مجاہد فرماتے ہیں یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ بغوی وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان وزمین کے برابر ہے اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اوران پر تمام مخلوق ہے واللہ اعلم۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معانی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے۔ کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بتلایئے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرئیل نے مجھے بتادیں۔ ابن سلام کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے آپ نے فرمایا سنو قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے۔

دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا۔ پوچھا انہیں پانی کون سا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ن سے نور کی تختی ہے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا قلم ہے جو قیامت تک کے احوال پر چل چکا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طولانی رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا پھر فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا جو قیامت تک ہونے والا ہے اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام پھر یہ بھی کہ کون سی چیز دنیا میں کب جائے گی؟ کس قدر رہے گی؟ کیسے نکلے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے۔ حافظ فرشتے ہر دن ان کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں جب رزق ختم ہو جاتا ہے عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے تو حافظ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کا کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا۔ یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا۔ اس بیان کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں حافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا اِنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر لیا کرتے تھے۔

قلم سے کیا مراد ہے؟ : ☆☆ یہ تو تھا لفظ ن کے متعلق بیان اب قلم کی نسبت سنئے۔ بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسے اور جگہ فرمان عالیشان ہے اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی اس اللہ نے قلم سے لکھنا سکھایا پس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہی کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا جس سے علوم تک ان کے رسائی ہو سکے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا وَمَا یَسْطُرُوْنَ یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اور دیگر مفسرین کہتے ہیں مراد اس سے وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں' آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں وارد کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں مروی ہیں- حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا-

نبی دیوانہ نہیں ہوتا: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! تو بحمد للہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم ہو نہ ٹوٹے نہ کٹے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں- ہم تجھے بے حساب بدلہ دیں گے' تو بہت بڑے خلق پر ہے یعنی دین اسلام پر اور بہترین ادب پر ہے- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اخلاق نبوی کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن تھا- سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے ایک ور حدیث میں ہے کہ صدیقہؓ نے پوچھا کہ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ سائل حضرت سعید بن ہشام نے کہا ہاں پڑھا ہے- آپ نے فرمایا بس تو آپ کا خلق قرآن کریم تھا- مسلم میں یہ حدیث پوری پوری ہے جسے ہم سورۂ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ-

خلق رسولؐ: ☆☆ بنوسواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے یہی فرما کر پھر آیت وانك لعلی خلق عظیم پڑھی- اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے؟ مائی صاحبہ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ میں نے بھی آپؐ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہؓ نے بھی' میں نے اپنی لونڈی سے کہا دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہؓ کے ہاں کا کھانا آ جائے تو تو گرا دینا' چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا- حضور بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو- واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں (مسند احمد)

مطلب اس حدیث کا جو کئی طریق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ کی جبلت اور پیدائش میں ہی رب العلمین نے پسندیدہ اخلاق' بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں اس پر آپ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ ہیں ہر حکم کو بجا لانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ کی عادتوں اور آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہے- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن کسی دن اف تک نہیں کہا' کسی کرنے کے کام کو نہ کروں یا نہ کرنے کے کام کو کر گزروں تو بھی ڈانٹ ڈپٹ تو کجا اتنا بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں ہوا؟

حضورؐ کا حلیہ مبارک: ☆☆ حضورؐ سب سے زیادہ خوش خلق تھے- حضور کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ تو ریشم ہے نہ کوئی اور چیز' حضور کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والی چیز میں نے تو کوئی نہیں سونگھی نہ مشک اور نہ عطر (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے' آپ کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپ پست قامت تھے اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں- شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو ہاں اللہ کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے- جب کبھی دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آپ اسے پسند کرتے جو زیادہ آسان ہوتا- ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہو تو آپ اس سے بہت دور ہو جاتے' کبھی بھی حضورؐ نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا

ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خدا کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو آپ خدا کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے ۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں ۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ اور آپ کے مخالف اور منکر ابھی ابھی جان لیں گے کہ دراصل بہکا ہوا اور گمراہ کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی پر ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی یہ حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی ۔ آپ سے مروی ہے کہ مفتون مجنون کو کہتے ہیں‘ مجاہد وغیرہ کا بھی یہی قول ہے‘ قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی کون شیطان سے نزدیک تر ہے؟ مفتون کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے ۔ اَیِّکُمْ پر باء کو اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ دلالت ہو جائے کہ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ میں تضمین فعل ہے تو تقدیری عبارت کو ملا کر ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ تو بھی اور وہ بھی عنقریب جان لیں گے اور تو بھی اور وہ سب بھی بہت جلدی مفتون کی خبر دے دیں گے واللہ اعلم ۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے بہکنے والے اور راہ راست والے سب خدا پر ظاہر ہیں اسے خوب معلوم ہے کہ راہ راست سے کس کا قدم پھسل گیا ہے ۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ
حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾
عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا
تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى
الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان ○ وہ تو چاہتے ہیں کہ تو سستی کرے تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ○ اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا بے وقار ○ کمینہ‘ عیب گو‘ چغل خور ○ بھلائی سے روکنے والا‘ حد سے بڑھ جانے والا گناہ گار ○ گردن کش پھر ساتھ ہی مشہور بدنام ہو ○ اس کی سرکشی صرف اس لئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے ○ جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں ○ ہم بھی اس کی ناک پر داغ دیں گے ○

زیادہ قسمیں کھانے والے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں: ☆☆ (آیت: ۸-۱۶) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی! جو نعمتیں ہم نے تجھے دیں جو صراط مستقیم اور خلق عظیم ہم نے تجھے عطا فرمایا‘ اب تجھے چاہئے کہ ہماری نہ ماننے والوں کو تو نہ مان‘ ان کی تو عین خوشی ہے کہ آپ ذرا بھی نرم پڑیں تو یہ کھل کھیلیں اور یہ بھی مطلب ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودان باطل کی طرف کچھ تو رخ کریں‘ حق سے ذرا سا ادھر ادھر ہو جائیں ۔ پھر فرماتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والے کمینے شخص کی بھی نہ مان چونکہ جھوٹے شخص کو اپنی ذلت اور کذب بیانی کے ظاہر ہو جانے کا ڈر رہتا ہے اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر دوسرے کو اپنا یقین دلانا چاہتا ہے‘ دھبا دھب قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے اور خدا کے ناموں کو بے موقع استعمال کرتا پھرتا ہے‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مہین سے مراد کاذب ہے ۔ مجاہدؒ کہتے ہیں ضعیف دل والا‘ حسن کہتے ہیں حلاف مکابرہ کرنے والا اور مہین ضعیف‘ ہماز غیبت کرنے والا چغل خور جو ادھر کی ادھر لگائے اور ادھر کی ادھر تاکہ فساد ہو جائے‘ طبیعتوں میں بل اور دل میں بیر آ جائے ۔ رسول اللہ ﷺ کے راستے میں دو قبریں آ گئیں‘ آپ نے فرمایا ’’ان دونوں

کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے امر پر نہیں ایک تو پیشاب کرنے میں پردے کا خیال نہ رکھتا تھا' دوسرا چغل خور تھا-'' (بخاری مسلم) فرماتے ہیں چغل خور جنت میں نہ جائے گا (مسند) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص خفیہ پولیس کا آدمی ہے-

سب سے بہتر اور سب سے بدتر شخص: ☆☆ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے فرمایا وہ کہ جب انہیں دیکھا جائے خدا یاد آ جائے اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو' دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو' پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو- ترمذی میں بھی یہ روایت ہے پھر ان بدلوگوں کے ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں کہ بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے' حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے- گنہگار' بدکردار' محرمات کو استعمال کرنے والا' بدخو' بدگو' جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے- مسند احمد کی حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا جنتی لوگ گرے پڑے عاجز وضعیف ہیں جو خدا کے ہاں اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے اور جہنمی لوگ سرکش متکبر اور خود بین ہوتے ہیں- ایک اور حدیث میں ہے جمع کرنے والے اور نہ دینے والے بدگو اور سخت خلق- ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا عتل زنیم کون ہے؟ فرمایا بدخلق' خوب کھانے پینے والا' لوگوں پر ظلم کرنے والا پیٹو آدمی- لیکن اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل بیان کیا ہے- ایک اور حدیث میں ہے اس نالائق شخص پر آسمان روتا ہے جسے خدا نے تندرستی دی' پیٹ بھر کھانے کو دیا' مال و جاہ بھی عطا فرمایا پھر بھی لوگوں پر ظلم و ستم کر رہا ہے- یہ حدیث بھی دو مرسل طریقوں سے مروی ہے- غرض عتل کہتے ہیں جس کا بدن صحیح ہو' طاقتور ہو اور خوب کھانے پینے والا زوردار شخص ہو- زنیم سے مراد بدنام ہے جو برائی میں مشہور ہو- لغت عرب میں زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم میں سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو- عرب شاعروں نے اسے اسی معنی میں باندھا ہے یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو- کہا گیا ہے کہ مراد اس سے اخنس بن شریق ثقفی ہے جو بنو زہرہ کا حلیف تھا اور بعض کہتے ہیں یہ اسود بن عبد یغوث زہری ہے- عکرمہ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے' یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس طرح ایک بکری جو تمام بکریوں میں سے الگ تھلگ اپنا چرا ہوا کان اپنی گردن پر لٹکائے ہوئے ہو تو یہ یک نگاہ پہچان لی جاتی ہے اسی طرح کافر مومنوں میں پہچان لیا جاتا ہے- اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن خلاصہ سب کا صرف اسی قدر ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو برائی سے مشہور ہو اور عموماً ایسے لوگ ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب کا اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا' ایسوں پر شیطان کا غلبہ بہت زیادہ رہا کرتا ہے- جیسے حدیث میں ہے زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائے گی اور ایک روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے-

پھر فرمایا اس کی ان شرارتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ مالدار اور بیٹوں کا باپ بن گیا ہے' ہماری اس نعمت کا گن گانا تو کہاں ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور توہین کر کے کہتا پھرتا ہے کہ یہ تو پرانے افسانے ہیں اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے یکتا پیدا کیا ہے اور بہت سا مال دیا ہے اور حاضر باش لڑکے دیئے ہیں اور بھی بہت کشادگی دے رکھی ہے پھر بھی اس کی طمع ہے کہ میں اسے اور دوں' ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا- یہ تو میری آیتوں کا مخالف ہے' میں اسے عنقریب بدترین مصیبت میں ڈالوں گا' اس نے غور و فکر کر کے اندازہ لگایا' یہ تباہ ہو' کتنی بری تجویز اس نے سوچی؟ میں پھر کہتا ہوں یہ برباد ہو اس نے کیسی بری تجویز اس نے سوچی پھر نظر ڈالی اور ترش رو ہو کر منہ بنالیا پھر منہ پھیر کر اٹھنے لگا اور کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تو پرانا نقل کیا ہوا جادو ہے' صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی کلام ہے' اس کی اس بات پر میں بھی اسے سقر میں ڈالوں گا' تجھے کیا معلوم کہ سقر کیا ہے؟ نہ وہ باقی رکھے نہ چھوڑے' پنڈے پر لپٹ جاتی ہے' اس پر انیس

فرشتے متعین ہیں- اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اس کی ناک پر ہم داغ لگائیں گے یعنی اسے ہم اس قدر رسوا کریں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہ رہے' ہر ایک اسے جان پہچان لے جیسے نشاندار ناک والے کو بہ یک نگاہ ہزاروں میں لوگ پہچان لیتے ہیں اور جو داغ چھپائے نہ چھپ سکے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر والے دن اس کی ناک پر تلوار لگے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت والے دن جہنم کی مہر لگے گی یعنی منہ کالا کر دیا جائے گا- تو ناک سے مراد پورا چہرہ ہوا- امام ابوجعفر ابن جریر نے ان تمام اقوال کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ ان سب میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ کل امور اس میں جمع ہو جائیں' یہ بھی ہو وہ بھی ہو' دنیا میں بھی رسوا ہو' سچ مچ ناک پر نشان لگے' آخرت میں بھی نشاندار مجرم بنے- فی الواقع یہ ہے بہت درست- ابن ابی حاتم میں فرمان رسول ہے کہ بندہ ہزار ہا پھر ہزار ہا برس تک خدا کے ہاں مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ خدا اس پر ناراض ہوتا ہے اور بندہ خدا کے ہاں کافر ہزار ہا سال تک لکھا رہتا ہے پھر مرتے وقت خدا اس سے خوش ہو جاتا ہے' جو شخص عیب گوئی اور چغل خوری کی حالت میں مرے' جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دیا جائے جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا-

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِ
مُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ
مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا
مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِينَ ﴿۲۲﴾
فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ
مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِينَ ﴿۲۵﴾

بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا' جب کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کا پھل اتار لیں گے ○ اور ان شاءاللہ نہ کہا ○ پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چو طرف گھوم گئی اور یہ سوتے ہی رہے تھے ○ پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ○ اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ ○ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چلو ○ پھر یہ سب چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے ○ اس خوف سے کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آ جائے ○ اور لپکے ہوئے صبح ہی صبح پہنچ گئے' سمجھ رہے تھے کہ ہم قابو پا گئے ○

سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی : ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۵) یہاں ان کافروں کی جو حضورؐ کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور خدا کے عذابوں میں اپنے تئیں ڈال دیا' یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ خدا کی نعمت یعنی حضورؐ کی پیغمبری کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی خدا کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے' تو فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا' جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتار لیں گے تاکہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ کل پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے' اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے یہاں تک کہ خدا کو بھی بھول گئے' ان شاءاللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی- رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی

آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا' ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی - اسی لئے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو گناہوں سے بچو' گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے پھر حضور نے ان دو آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے (ابن ابی حاتم)

صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ' سویرے ہی چل پڑو - حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ باغ انگور کا تھا اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تاکہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے چونکہ ان کی سرگوشیاں اس اللہ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے' وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج آ نہ جائے' ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا' اب قوت و شدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے - سدیؒ فرماتے ہیں حرد ان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ کچھ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' یہ جانتے تھے کہ اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے -

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝۲۶ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝۲۷ قَالَ
اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝۲۸ قَالُوْا
سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۲۹ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝۳۰ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝۳۱ عَسٰى رَبُّنَآ
اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ
الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

جب انہوں نے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے ○ نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی ○ ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں بیان نہیں کرتے؟ ○ تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ظالم ہیں ○ اب ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے ○ کہنے لگے ہائے افسوس یقیناً ہم سرکش تھے ○ کیا عجب کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے ہم اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں ○ یونہی آتی ہے آفت' اور آخرت کی آفت بہت بری ہے کاش کہ انہیں سمجھ ہوتی ○

(آیت: ۲۶-۳۳) لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکے بکے ہو گئے' دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میووں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں' سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور کل باغ میووں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے کوئی پھل آدمی کے دام کا بھی نہیں رہا ساری تروتازگی یبوست سے بدل گئی ہے' باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹھنڈ کھڑے ہوئے ہیں تو پہلے تو سمجھے کہ ہم راہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے پھر بغور دیکھنے سے جب یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن ہم بدقسمت ہیں' ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں - ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے - سدیؒ فرماتے ہیں ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی ان شاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا -

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کے معنی ہی ان شاء اللہ کہنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور اس کی حمد وثنا نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب اطاعت بجالائے جبکہ عذاب پہنچ چکا۔ اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی اب تو ایک دوسروں کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے رک گئے۔ پھر سبھوں نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے خدائی عذاب آیا' پھر کہتے ہیں شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو' واللہ اعلم۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے مذہباً اہل کتاب تھے' یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا' اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ تعالیٰ کے نام صدقہ کر دیتا تھا' اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا' ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں۔ یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص بھی خدا کے حکموں کا خلاف کرے اور خدا کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور خدا کی نعمت کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں' آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں۔ بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿۳۴﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ
كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ
فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۳۸﴾ أَمْ
لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بٰلِغَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ
لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿۴۰﴾ أَمْ لَهُمْ
شُرَكَآءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَآئِهِمْ إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ ﴿۴۱﴾

پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ کیا ہم مسلمانوں کو مثل گنہگاروں کے کر دیں؟ ○ تمہیں کیا ہو گیا کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ ○ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ ○ جسے تم پڑھتے ہو؟ اور اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں؟ ○ یا تم سے ہم نے کوئی ایسی قسمیں کھائی ہیں جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمہارے لئے وہ سب ہے جو تم مقرر کرو ○ ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار ہے؟ ○ کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہئے کہ لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں ○

گنہگار اور نیکوکار دونوں کی جزا کا مختلف ہونا لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۳۴-۴۱) اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور خدا کی نافرمانی اور اس کے حکم کا خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لئے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا

گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں نہ گھٹیں نہ ختم ہوں نہ سڑیں نہ گلیں' پھر فرماتا ہے کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزا میں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا' کیا ہو گیا ہے تم کس طرح یہ چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے جو خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور اگلوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچی ہو اور اس میں وہی ہو جو تمہاری چاہت ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہی ہوگا اور تمہاری بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟ ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کا کون ضامن ہے اور کس کے ذمے یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں انہی کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ
اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ
بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾
وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ
مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے ○ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہوگی' یہ سجدے کے لئے اس وقت بلائے جاتے تھے جب صحیح سالم تھے ○ مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والے کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو ○ اور میں انہیں مہلت دوں گا' میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ○ کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے؟ جس تاوان سے یہ دبے جاتے ہیں ○ یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جو وہ لکھ رہے ہیں ○

سجدہ اس وقت منافقوں کے بس میں نہیں ہوگا: ☆☆ (آیت:۴۲-۴۷) اوپر چونکہ بیان ہوا تھا کہ پرہیزگار لوگوں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ یہ جنتیں انہیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دن بڑی ہولناکیوں والا' زلزلوں والا' امتحان والا اور آزمائش والا اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہوگا۔ صحیح بخاری شریف میں اس جگہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا پس ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدے میں گر پڑے گی' ہاں دنیا میں جو لوگ دکھاوے سناوے کے لئے سجدے کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی یعنی ان سے سجدے کے لئے جھکا نہ جائے گا۔ یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے' کئی کئی سندوں سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث مطول اور مشہور ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دن تکلیف' دکھ' درد اور شدت کا دن ہے (ابن جریر) اور ابن جریر اسے دوسری سند سے شک کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ یا ابن عباسؓ سے يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر میں بہت بڑا عظیم الشان امر مروی ہے جیسے شاعر کا قول ہے شَالَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ یہاں بھی لڑائی کی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہے' مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

فرماتے ہیں قیامت کے دن کی یہ گھڑی بہت سخت ہوگی' آپ فرماتے ہیں یہ امر بہت سخت' بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے- آپ فرماتے ہیں جس وقت امر کھول دیا جائے گا' اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کھلنا آخرت کا آ جانا ہے اور اس سے کام کا کھل جانا ہے- یہ سب روایتیں ابن جریر میں ہیں اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا مراد بہت بڑا نور ہے' لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے' یہ حدیث ابویعلیٰ میں بھی ہے اور اس کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے واللہ اعلم- (یاد رہے کہ صحیح تفسیر وہی ہے جو بخاری مسلم کے حوالے سے اوپر مرفوع حدیث میں گزری کہ اللہ عزوجل اپنی پنڈلی کھولے گا دوسری حدیث بھی مطلب کے لحاظ سے ٹھیک ہے کیونکہ خدا خود نور ہے- اور اقوال بھی اس طرح ٹھیک ہیں کہ خدائے عالم کی پنڈلی بھی ظاہر ہوگی اور ساتھ ہی وہ ہولناکیاں اور شدتیں بھی ہوں گی واللہ اعلم- مترجم)

دنیا میں سجدہ نہ کرنے والے کی قیامت کوحالت : ☆☆ پھر فرمایا آج کے دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی اور ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبرو غرور والے تھے' صحت اور سلامتی کی حالت میں دنیا میں جب انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے' پہلے کر سکتے تھے لیکن نہیں کرتے تھے- اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر مومن سب سجدے میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کر سکیں گے' کمر تختہ ہو جائے گی' جھکے گی ہی نہیں بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے- یہاں بھی ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی وہاں بھی خلاف ہی رہے گی- پھر فرمایا مجھے اور میری اس حدیث یعنی قران کو جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ تو دے- اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھہر جا میں آپ ان سے نپٹ لوں گا' دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انہیں پکڑتا ہوں- یہ اپنی سرکشی اور غرور میں پڑتے جائیں گے' میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایک دم یہ پاپ کا گھڑا پھوٹے گا اور میں اچانک انہیں پکڑ لوں گا- میں انہیں بڑھاتا رہوں گا' یہ بدمست ہوتے چلے جائیں' وہ اسے کرامت سمجھیں گے حالانکہ ہوگی وہ اہانت' جیسے اور جگہ ہے اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمۡ الخ' یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ مال واولاد کا بڑھنا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے؟ نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِہٖ جب یہ ہمارے وعظ و پند کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ انہیں جو دیا گیا تھا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی امیدیں منقطع ہو گئیں- یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے میں کہ انہیں ڈھیل دوں گا' بڑھاؤں گا اور اونچا کروں گا- یہ میرا داؤ ہے اور میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بہت بڑی ہے-

بخاری مسلم میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَکَذٰلِکَ اَخۡذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الۡقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخۡذَہٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ یعنی اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ جبکہ وہ کسی بستی والوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوتے ہیں اس کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے- پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ تو مانگتا ہی نہیں جو ان پر بھاری پڑتا ہو' جس تاوان سے یہ جھکے جاتے ہوں نہ ان کے پاس کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں- ان دونوں جملوں کی تفسیر سورۂ والطور میں گزر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ انہیں اللہ عزوجل کی طرف بغیر اجرت اور بغیر مال طلبی کے اور بغیر بدلے کی چاہت کے بلا رہے ہیں' آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور کفر اور سرکشی کی وجہ سے آپ کو جھٹلا رہے ہیں-

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى
وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ
بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾
وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا
الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۱۹

پس تو اپنے رب کے حکم کا انتظار کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جبکہ اس نے غمگینی کی حالت میں دعا کی ○ اگر اسے اس کے رب کا احسان نہ پالیتا تو یقیناً وہ برے حالوں بنجر زمین میں ڈال دیا جاتا ○ اسے اس کے رب نے پھر نوازا اور اسے نیک کاروں میں کر دیا ○ یقیناً ان منکروں کی چاہت ہے کہ اپنی تیز نگاہوں سے تجھے پھسلا دیں یہ جب کبھی قرآن سنتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صرف دیوانہ ہے ○ درحقیقت یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت ہی ہے ○

مصائب سے نجات دلانے والی دعا۔ نظر' فال اور شگون: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! اپنی قوم کی ایذا پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر و سہار کرو' عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے' انجام کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا' اس سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا' مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہ میں بیٹھ جانا اور اس تہ بہ تہ اندھیریوں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھنا پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا' اس غم سے نجات پانا وغیرہ۔ جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے۔ جس کے بیان کے بعد اللہ سبحان وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں پڑے رہتے۔ یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا' فرشتوں نے کہا خدایا! اس کمزور غیر معروف شخص کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا نہیں۔ جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ وہ ہے جس کے اعمال صالحہ ہر روز آسمانوں پر چڑھتے رہے' جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے۔ فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الراحمین! ان کی آسانیوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما۔ چنانچہ ارشاد باری ہوا کہ اے مچھلی! تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آ کر اگل دیا۔ یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر برگزیدہ بنا لیا اور نیکو کاروں میں کر دیا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے تئیں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل بتائے۔ صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے۔ اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بغض وحسد کی وجہ سے یہ کفار تو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر تجھے پھسلا دینا چاہتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت اور بچاؤ نہ ہوتا تو یقیناً یہ تو ایسا کر گزرتے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر پر کہ نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونا حق ہے جیسا کہ بہت سی

حدیثوں میں بھی ہے جو کئی کئی سندوں سے مروی ہیں۔ ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دم جھاڑ اصرف نظر کا اور زہریلے جانوروں کا اور نہ تھمنے والے خون کا ہے بعض سندوں میں نظر کا لفظ نہیں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور صحیح مسلم شریف میں بھی ایک قصہ کے ساتھ موقوفاً مروی ہے اور بخاری شریف میں اور ترمذی میں بھی ہے۔ ایک غریب حدیث میں ہے کہ نظر میں کچھ بھی حق نہیں سب سے سچا شگون فال ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں اور روایت میں ہے کہ کوئی ڈر خوف الو اور نظر میں نہیں اور نیک فالی سب سے زیادہ سچا فال ہے اور روایت میں ہے کہ نظر حق ہے نظر حق ہے وہ بلندی والے کو بھی اتار دیتی ہے (مسند احمد)

نظر لگنا حق ہے: صحیح مسلم میں ہے نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی۔ جب تم سے غسل کرایا جائے تو غسل کر لیا کرو۔ عبدالرزاق میں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو انہی الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ سہل بن حنیف غسل کر رہے تھے، عامر بن ربیعہ کہنے لگے میں نے تو آج تک ایسا پنڈا کسی پردہ نشین کا بھی نہیں دیکھا۔ بس ذرا سی دیر میں وہ بیہوش ہو کر گر پڑے، لوگوں نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! ان کی خبر لیجئے یہ تو بیہوش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کسی پر تمہارا شک بھی ہے، لوگوں نے کہا ہاں عامر بن ربیعہ پر آپ نے فرمایا تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصہ، جسم دھو ڈالو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

نظر لگنے کا دم: حضرت ابوسعید فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے جب سورۂ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا (ابن ماجہ ترمذی نسائی) مسند وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے نبی صاحب! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو جبرئیل نے کہا بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ وَّعَیْنٍ وَّاللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ بعض روایات میں کچھ الفاظ کا ہیر پھیر بھی ہے۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ یقیناً نظر کا لگ جانا برحق ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں اس کے بعد یوں بھی ہے کہ اس کا سبب شیطان ہے اور ابن آدم کا حسد ہے۔ مسند کی اور روایت میں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا جاتا ہے کیا تم نے حضور سے سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے گھر گھوڑا اور عورت؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا پھر تو میں رسول اللہ ﷺ پر وہ کہوں گا جو آپ نے نہیں فرمایا، ہاں میں نے حضورؐ سے یہ تو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے سچا شگون نیک فالی ہے اور نظر کا لگنا حق ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یا رسول اللہ حضرت جعفر کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر تھی۔ حضرت عائشہؓ کو بھی حضور کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے (ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے اور جس کو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا

جا تا تھا اور حدیث میں ہے نہیں ہے تو اور نظر حق ہے اور سب سے سچا شگون فال ہے۔ مسند احمد میں بھی حضرت سہل اور حضرت عامر والا قصہ جو اوپر بیان ہوا قدرے بسط کے ساتھ مروی ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ غسل کے ارادے سے چلے اور حضرت عامر پانی میں غسل کے لئے اترے اور ان کا بدن دیکھ کر حضرت سہل کی نظر لگ گئی اور وہ وہیں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے میں نے تین مرتبہ آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ سنایا آپ خود تشریف لائے اور تھوڑے سے پانی میں کچھ کچھ کرتے ہوئے تہمد اونچا اٹھائے ہوئے وہاں تک پہنچے اور ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور دعا کی اللھم اصرف عنه حرھا و بردھا و وصبھا اے اللہ تو اس سے اس کی گرمی اور سردی اور تکلیف دور کر دے۔

مسند بزار میں ہے کہ میری امت کی قضاوقدر کے بعد اکثر موت نظر سے ہوگی۔ فرماتے ہیں نظر حق ہے انسان کو قبر تک پہنچا دیتی اور اونٹ کو ہنڈیا تک میری امت کی اکثر ہلاکی اسی میں ہے۔ ایک اور صحیح سند سے بھی یہ روایت مروی ہے فرمان رسالت ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ الو کی وجہ سے بربادی کا یقین کر لینا کوئی واقعیت رکھتا ہے اور نہ حسد کوئی چیز ہے ہاں نظر سچ ہے ابن عساکر میں ہے کہ جبرئیل حضورؐ کے پاس آئے آپ اس وقت غمزدہ تھے جب پوچھا تو فرمایا حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضورؐ نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ ذَا السُّلُطَانِ الْعَظِیْمِ ذَا الْمَنِّ الْقَدِیْمِ ذَالْوَجْهِ الْکَرِیْمِ وَلِیَّ الْکَلِمَاتِ التَّآمَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْیُنِ الْاِنْسِیعنی اے اللہ اے بہت بڑی بادشاہی والے اے زبردست قدیم احسانوں والے اے بزرگ تر چہرے والے اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسان کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے۔ حضور نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگو اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جہاں یہ کافر اپنی حقارت بھری نظریں آپ پر ڈالتے ہیں وہاں اپنی طعنہ آمیز زبان بھی آپ پر کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو قرآن لانے میں مجنون ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے قران تو خدا کی طرف سے تمام عالم کے لئے نصیحت نامہ ہے۔

الحمدللہ سورۂ نون کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الحآقة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَآقَّةُ ۝١ مَا الْحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥

اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

سچ مچ آنے والی ○ کیا ہے حقیقتاً قائم ہونے والی؟ ○ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟ ○ اس کھڑکا دینے والی کو ثمودیوں اور عادیوں نے جھٹلایا تھا ○ جس کے نتیجہ میں ثمودی تو بے حد خوفناک اور اونچی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے ○

عاد وثمود کی تباہی: ☆☆ (آیت:۱-۵) حَاقَّہ قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعدے وعید کی حقانیت اور حقیقت کا دن وہی ہے' اسی لئے اس دن کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے فرمایا تم اس حاقہ کی صحیح کیفیت سے بےخبر ہو۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جن لوگوں نے اسے جھٹلایا تھا اور پھر خمیازہ اٹھایا تھا تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو ایک طرف سے فرشتے کے دھاڑنے کی کلیجوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز آتی ہے دوسری جانب سے زمین میں غضبناکی کا بھونچال آتا ہے اور سب تہ و بالا ہو جاتے ہیں پس بقول حضرت قتادہؒ طَاغِيَه کے معنی ہیں چنگھاڑ کے اور مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد گناہ ہیں یعنی وہ اپنے گناہوں کے باعث برباد کر دیئے گئے۔ ربیع بن انس اور ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے۔ ابن زید نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا یعنی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور عادی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے جنہوں نے ان کے دل چھید دیئے تہس نہس کر دیئے گئے۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ
لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ
اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾ وَجَآءَ
فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ
فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾
لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

اور عادی بے حد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے ○ جو ان پر برابر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک بحکم الٰہی چلتی رہی پس تو دیکھے گا کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح بچھڑ گئے ○ جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں ○ کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟ ○ فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں انہوں نے بھی خطائیں کیں ○ اور اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی بالآخر اللہ نے انہیں بھی زبردست گرفت میں لے لیا ○ جب پانی حد سے گزر گیا اس وقت ہم نے تمہیں چلتی کشتی میں چڑھا لیا ○ تاکہ اسے تمہارے لئے نصیحت اور یادگار کر دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں ○

(آیت:۶-۱۲) یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی تھیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھیں برابر پے در پے لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں' ان دنوں میں ان کے لئے سوائے نحوست و بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی جیسے اور جگہ ہے فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں' بعض کہتے ہیں بدھ سے۔ ان ہواؤں کو عرب اعجاز اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے ان عادیوں کی حالتیں اعجاز یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہو گئیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کہتے ہیں آخر کو' اور یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عادیوں کی ایک بڑھیا ایک غار میں گھس گئی تھی جو ان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہو گئی اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں' واللہ اعلم۔

خاویہ کے معنی ہیں خراب' سڑا' گلا' کھوکھلا' مطلب یہ ہے کہ ہواؤں نے انہیں اٹھا اٹھا کر الٹا پٹخا' ان کے سر پھٹ گئے' سروں کا تو چورا چورا ہو گیا اور باقی جسم ایسا رہ گیا جیسے کھجور کے درخت کا سرا پتوں والا کاٹ کر صرف تنا رہنے دیا ہو۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے رسول

اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی مغربی ہوا سے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں عادیوں کو ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر جگہ کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں ان تمام مردوں عورتوں کو' چھوٹے بڑوں کو ان کے مالوں اور جانوروں سمیت لے کر آسمان وزمین کے درمیان معلق کر دیا' شہریوں کو بوجہ بہت بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم ہونے لگا کہ یہ سیاہ رنگ بادل چڑھا ہوا ہے۔ خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا۔ اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس ہوا کے پر اور دم تھی۔ پھر فرماتا ہے بتلاؤ کہ ان میں سے یا ان کی نسل میں سے ایک کو بھی تم دیکھ رہے ہو؟ یعنی سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے' کوئی نام لیوا پانی دینے والا بھی باقی نہ رہا۔

پھر فرمایا فرعون اور اس سے اگلے خطا کار اور رسول کے نافرمان کا یہی انجام ہوا' قَبْلَهٗ کی دوسری قرأت قِبَلَهٗ بھی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ فرعون اور اس کے پاس اور ساتھ کے لوگ یعنی فرعونی قبطی کفار۔ مُؤْتَفِکَات سے مراد بھی پیغمبروں کی جھٹلانے والی اگلی امتیں ہیں خَاطِئَة سے مطلب معصیت اور خطائیں ہیں' پس فرمایا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے کے رسول کی تکذیب کی' جیسے اور جگہ ہے اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ یعنی ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر عذاب آ پہنچے اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک پیغمبر کا انکار گویا تمام انبیاء کا انکار ہے' جیسے قرآن نے فرمایا کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۣالْمُرْسَلِیْنَ اور فرمایا کَذَّبَتْ عَادُ ۣنِالْمُرْسَلِیْنَ اور فرمایا کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ یعنی قوم نوح نے' عادیوں نے' ثمودیوں نے رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ سب کے پاس یعنی ہر ہر امت کے پاس ایک ہی رسول آیا تھا۔ یہی مطلب یہاں بھی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامبر کی نافرمانی کی پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت تر مہلک بڑی دردناک المناک پکڑ میں پکڑ لیا۔

طوفان نوحؑ: ☆☆ ازاں بعد اپنا احسان جتاتا ہے کہ دیکھو جب نوحؑ کی دعا کی وجہ سے زمین پر طوفان آیا اور پانی حد سے گزر گیا' چوطرف ریل پیل ہو گئی' نجات کی کوئی جگہ نہ رہی' اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب قوم نوح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایذارسانی شروع کی' اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے' اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر ان کی ہلاکی کی دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور مشہور طوفان نوح نازل فرمایا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح کی کشتی میں تھے روئے زمین پر کوئی نہ بچا۔ پس سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پانی کا ایک ایک قطرہ باجازت خدا پانی کے داروغہ فرشتے کے ناپ تول سے برسا ہے' اسی طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی بے ناپے تولے نہیں چلتا لیکن ہاں عادیوں پر جو ہوائیں چلیں اور قوم نوح پر جو طوفان آیا وہ تو بے حد اور بے شمار اور بغیر ناپ تول کے تھا' اللہ کی اجازت سے پانی اور ہوا نے وہ زور باندھا کہ نگہبان فرشتوں کی کچھ نہ چلی۔ اسی لئے قرآن میں طَغَی الْمَاءُ اور بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ کے الفاظ ہیں۔ اسی لئے اس اہم احسان کو اللہ تعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ ایسے پرخطر موقع پر ہم نے تمہیں چلتی کشتی پر سوار کرا دیا تا کہ یہ کشتی تمہارے لئے نمونہ بن جائے چنانچہ آج بھی ویسی ہی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے لمبے چوڑے سفر طے کر رہے ہو۔ جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْکِ وَالْاَنْعَامِ یعنی تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے جانور بنائے تا کہ تم ان پر سواری کرو۔ ایک اور سوار ہو کر اپنے رب کی نعمت یاد کرو' اور جگہ فرمایا وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا الخ یعنی ان کے لئے ایک نشان قدرت یہ بھی ہے کہ

ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں چڑھا لیا اور بھی ہم نے اس جیسی ان کی سواریاں پیدا کر دیں۔ حضرت قتادہؒ نے اوپر کی اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہی کشتی نوح باقی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اگلوں نے بھی اسے دیکھا لیکن زیادہ ظاہر مطلب پہلا ہی ہے۔ پھر فرمایا یہ اس لئے بھی کہ یاد رکھنے اور سننے والا کان اسے یاد کر لے اور محفوظ رکھ لے اور اس نعمت کو نہ بھولے' یعنی صحیح سمجھ اور سچی سماعت والے عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والے جو اللہ تعالیٰ کی باتوں اور اس کی نعمتوں سے بے پرواہی اور لاابالی نہیں برتتے' ان کی پند و نصیحت کا ایک ذریعہ یہ بھی بن گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ اترے تو حضورؐ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی بنا دے۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز سن کر پھر میں نے فراموش نہیں کی۔ یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے لیکن مرسل ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں تجھے نزدیک کروں' دور نہ کروں اور تجھے تعلیم دوں اور تو بھی یاد رکھے اور یہی تجھے بھی چاہئے' اس پر یہ آیت اتری۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی ابن جریر میں مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ
وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝۱۴ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱۵
وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝۱۶ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا
وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝۱۷ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا
تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝۱۸

پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی ○ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی ○ اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل کمزور ہو جائے گا ○ اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اس دن تم سب سامنے پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا ○

آواز کا بم صور اسرافیل: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۸) قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہو رہا ہے جس میں سب سے پہلے گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہو گا جس سے سب کے دل دہل جائیں گے پھر نفخہ پھونکا جائے گا جس سے تمام زمین و آسمان کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے۔ یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرما دیا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اس لئے کہ جب خدا کا حکم ہو گیا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی۔ امام ربیع فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے کہا۔ اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ زمین و آسمان اٹھا لئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آسمان ہر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائے گا جیسے سورۂ نبا میں ہے وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور دروازے دروازے ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں آسمان میں سوراخ اور غار پڑ جائیں گے اور شق ہو جائے گا' عرش اس کے سامنے ہو گا' فرشتے اس کے کناروں پر

ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے، آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔

اللہ کا عرش اٹھانے والے فرشتے: ☆☆ پھر فرمایا قیامت والے دن آٹھ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے ہو گا واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ایک سو سال کا راستہ ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرند سات سو سال تک اڑتا چلا جائے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اسے امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فرمایا حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں، جنوں اور سب فرشتوں کے برابر ہے۔ پھر فرمایا قیامت کے روز تم اس خدا کے سامنے کئے جاؤ گے جو پوشیدگی کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے، جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے اسی لئے فرمایا تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے لوگو! اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تا کہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو جس دن کو تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت اور جھگڑا ٹنٹا کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہو گی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے، کسی کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے حضرت عبداللہؓ کے قول سے بھی یہی روایت ابن جریر میں مروی ہے اور حضرت قتادہؒ سے بھی اس جیسی روایت مرسل مروی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۝١٩ اِنِّیْ
ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝٢٠ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝٢١
فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝٢٢ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝٢٣ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
هَنِیْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝٢٤

سو جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو کہنے لگے گا لو میرا نامہ اعمال پڑھو ○ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب سے ملنا ہے ○ پس وہ ایک من مانی زندگی میں ہو گا ○ بلند و بالا جنت میں ○ جس کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے ○ (ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ پیو سہتا پچتا اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گذشتہ زمانہ میں کئے ○

دائیں ہاتھ اور نامہ اعمال: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۴) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جو خوش نصیب لوگ قیامت کے دن اپنا نامہ اعمال

اپنے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بمقتضائے بشریت ان سے ہو گئے وہ بھی ان کی توبہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں۔ پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور سچی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں ھا کے بعد لفظ ؤُمُ زیادہ ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ ھَاؤُمُ معنی میں ھا کُمُ کے ہے۔ حضرت ابوعثمان فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جاتا ہے جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوتے ہیں یہ اسے پڑھتا ہے اور ہر ہر گناہ پر اس کے ہوش اڑ اڑ جاتے ہیں چہرے کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے۔ اتنے میں اب اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑتی ہے جب انہیں پڑھنے لگتا ہے تب ذرا چین پڑتا ہے۔ ہوش و حواس درست ہوتے ہیں اور چہرہ کھل جاتا ہے پھر نظریں جما کر پڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں' ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے' اب تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوتا ہے اور جو ملتا ہے اس سے کہتا ہے ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھنا۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا' ان کے لڑکے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ بتا کیا تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بے شک خدایا! یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا' نہ فضیحت کیا' اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں جب یہ اس سے فارغ ہو گا تب اپنا نامہ اعمال لے کر خوشی خوشی ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا ہے؟ فلاں گناہ کیا ہے؟ یہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب ہلاک ہوا۔ اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا اے میرے بندے! دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا' اب آج تجھے کیا رسوا کروں' جا میں نے تجھے بخشا۔ پھر اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ کہا لوگو! سنو ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ یعنی انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے' جس میں حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی' جو گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ٹلنے والی نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے آپ نے فرمایا ہاں بلند مرتبہ لوگ کم مرتبہ لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتر آئیں گے اور خوب محبت و اخلاص سے سلام مصافحے اور آؤ بھگت ہو گی ہاں البتہ نیچے والے بہ سبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ پھر فرماتا ہے اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے۔ حضرت برا ابن عازب وغیرہ فرماتے ہیں اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپر کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میووں کو توڑ لیا کریں

گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لکھا ہوا پروانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہوگا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ اَدْخِلُوْهُ جَنَّتَهٗ عَالِيَتَهٗ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ یعنی اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع یہ پروانہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے' اسے بلند وبالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھدے ہوئے خوشوں والی خوشگوار جنت میں جانے دو (طبرانی)

بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ پل صراط پر حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر فرمایا انہیں بطور احسان اور مزید لطف وکرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہوگی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہاری نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے۔ اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف کے ہے' ورنہ صحیح حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں عمل کرتے جاؤ سیدھے اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں لوگوں نے کہا حضورؐ! آپ کے اعمال بھی نہیں فرمایا نہ میرے' ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ
كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾
مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾
خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾

لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ وہ تو کہے گا کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی ○ اور میں اپنے حساب کی کیفیت جانتا ہی نہیں ○ کاش کہ موت میرا کام ہی تمام کر دیتی ○ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا ○ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا ○ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو ○ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو ○ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز کی ہے جکڑ دو ○ بیشک یہ اللہ بزرگ وبرتر پر ایمان نہ رکھتا تھا ○

بائیں ہاتھ اور نامہ اعمال: ☆☆ (آیت: ۲۵) یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت ہی پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت وافسوس سے کہیں گے کاش کہ ہمیں اعمال نامہ ملتا ہی نہیں اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے۔ کاش کہ موت نے ہی ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی سرے سے ہمیں ملتی ہی نہیں جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے' یہ کہیں گے کہ ہمارے مال وجاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی یہ عذاب ہم سے نہ ہٹائے' تنہا ہماری ذات پر یہ وبال آ پڑے' نہ کوئی مددگار ہمیں نظر آتا ہے' نہ بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو۔ حضرت منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو' ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر ایک فرشتہ بھی اس طرح اشارہ کرے تو ایک چھوڑ

ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے، یہ کہے گا تمہیں مجھ سے تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس فرمان کے سرزد ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں کا ہر ایک دوسرے پر سبقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبار کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرو دی جائیں گی، پاخانے کے راستے سے ڈال دی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی۔ یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی۔ جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اسی کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔

وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا
حَمِیْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا یَاْکُلُهٗۤ اِلَّا
الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۳۷

اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دیتا تھا ○ پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی اور غذا ہے ○ جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا ○ پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو ○ اور ان کی جنہیں تم نہیں دیکھتے ○

(آیت: ۳۸-۳۹) پھر فرمایا کہ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا، نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتا تھا نہ مخلوق خدا کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا۔ اللہ کا حق تو مخلوق پر یہ ہے کہ اس کی توحید کو مانیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان وسلوک کریں اور بھلے کاموں میں آپس میں امداد پہنچاتے رہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور نبی ﷺ نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بھسی بیکار چیز کے جس کا نام غسلین ہے، یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام زقوم ہو اور غسلین کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے۔ وہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ

ظاہر وباطن آیات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے اپنی مخلوق میں سے اپنی ان نشانیوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں لوگ دیکھ رہے ہیں اور ان کی بھی جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اس بات پر کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے

بندے اور اپنے برگزیدہ رسول پر اتاری ہے۔ جسے اس نے ادائے امانت اور تبلیغ رسالت کے لئے پسند فرما لیا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا
مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾
تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٤٣﴾

کہ بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے ○ یہ کسی شاعر کا قول نہیں' (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے ○ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے' افسوس بہت کم نصیحت لے رہے ہو ○ (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے ○

(آیت: ۴۰-۴۲) رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اس کی اضافت حضورؐ کی طرف سے اس لئے کی گئی کہ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے آپؐ ہی ہیں۔ اسی لیے لفظ رسول لائے کیونکہ رسول تو پیغام اپنے بھیجنے والا کا پہنچاتا ہے گو زبان اس کی ہوتی ہے لیکن کہا ہوا بھیجنے والے کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ تکویر میں اس کی نسبت اس رسول کی طرف کی گئی ہے جو فرشتوں میں سے ہیں۔ فرمان ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ الخ' یعنی یہ قول اس بزرگ رسول کا ہے جو قوت والا اور مالک عرش کے پاس رہنے والا ہے۔ وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے اور ہے بھی وہ امانت دار۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں بلکہ آپ نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں صاف کناروں پر دیکھا بھی ہے اور وہ پوشیدہ علم پر بخیل بھی نہیں نہ یہ شیطان رجیم کا قول ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو یہ شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا قول ہے البتہ تمہارے ایمان میں اور نصیحت حاصل کرنے میں کمی ہے پس کبھی تو اپنے کلام کی نسبت رسول انسی کی طرف کی اور کبھی رسول ملکی کی طرف' اس لئے کہ یہ اس کے پہنچانے والے' لانے والے اور اس پر امین ہیں۔ ہاں دراصل کلام کس کا ہے؟ اسے بھی ساتھ ہی ساتھ بیان فرما دیا کہ یہ اتارا ہوا رب العالمین کا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام: ☆☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس گیا' دیکھا کہ آپ مسجد حرم میں پہنچ گئے ہیں' میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا' آپ نے سورۂ الحاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا' آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں یہ شخص شاعر ہے ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں تم میں ایمان ہی کم ہے تو میں نے کہا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے۔ ادھر آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے۔ اب آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی' فرماتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی پس یہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے ہم نے آپ کے اسلام لانے کی پوری کیفیت سیرت عمر میں لکھ دی ہے۔ واللہ الحمد و المنه۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ

حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ
مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ
الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا ہے ○ تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ○ پھر اس کی رگ دل کاٹ دیتے ○ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ تھا ○ یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے ○ ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں ○ بیشک یہ جھٹلانا کافروں پر حسرت ہے ○ اور بے شک وشبہ یقینی حق ہے ○ پس تو اپنے بزرگ پروردگار کی پاکی بیان کیا کر ○

ہدایت اور شفا قرآن حکیم: ☆☆ (آیت:۴۴-۵۲) یہاں فرمان باری ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری سالت میں کچھ کمی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آ سکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے' پس مطلب یہ ہوا کہ حضور رسالت مآب ﷺ سچے' پاک باز' رشد وہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ کے صدق کے سب بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ کو عنایت فرما رکھی ہیں- پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کے لئے تذکرہ ہے' جیسے اور جگہ ہے کہ کہہ دو یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں- پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں' یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت وافسوس ہوگی یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا- جیسے اور جگہ ہے اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے- ایک اور جگہ ہے وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے- پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ حق اور بے شک وشبہ ہے پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اس قرآن کے نازل کرنے والے رب عظیم کے نام کی بزرگیاں اور پاکیزگیاں بیان کرتے رہو- اللہ کے فضل سے سورۃ الحاقہ کی تفسیر ختم ہوئی-

---

تفسیر سورة المعارج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿٢﴾
مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ
اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ فَاصْبِرْ
صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿٦﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾

اللہ تعالیٰ بخشش ورحم کرنے والے کے نام سے شروع

ایک طلب کرنے والے نے اس عذاب کی خواہش کی جو ہونے والا ہے ○ کافروں پر جسے کوئی ہٹانے والانہیں ○ اس اللہ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے ○ جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ○ پس تو بھلی طرح صبر کر ○ بیشک یہ اس عذاب کو دور سمجھ رہے ہیں ○ اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں ○

کافروں کا عذاب الٰہی کی طلب کرنا: ☆☆ (آیت: ۱-۷) بِعَذَابٍ میں جو 'ب' ہے وہ بتارہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے گویا کہ فعل مقدر ہے یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کررہے ہیں، جیسے اور جگہ ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ الخ، یعنی یہ عذاب مانگنے میں عجلت کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی اس کا عذاب یقیناً اپنے وقت مقررہ پر آ کر ہی رہے گا۔ نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے وارد ہے کہ کافروں نے عذاب خدا مانگا جو ان پر یقیناً آنے والا ہے یعنی آخرت میں، ان کی اس طلب کے الفاظ بھی دوسری جگہ قرآن میں منقول ہیں کہتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی خدایا! اگر یہ تیرے پاس سے حق ہے اور تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب لا۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عذاب کی وادی ہے جو قیامت کے دن عذابوں سے بہ نکلے گی، لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مطلب سے بہت دور ہے۔ صحیح قول پہلا ہی ہے جس پر روش کلام کی دلالت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے اور ان پر آ پڑنے والا ہے، جب آ جائے گا تو اسے دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے ہٹا سکے۔

معارج سے مراد: ذی المعارج کے معنی ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق درجوں والا یعنی بلندیوں اور بزرگیوں والا، اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مراد معارج سے آسمان کی سیڑھیاں ہیں، قتادہ کہتے ہیں فضل وکرم اور نعمت ورحم والا یعنی یہ عذاب اس اللہ کی طرف سے ہے جو ان صفتوں والا ہے، اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ روح کی تفسیر میں حضرت ابوصالحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسانوں سے بالکل مشابہ ہے، میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں اور یہ عطف ہو عام پر خاص کا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی روحیں ہوں اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہیں جیسے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے پر چڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں گو اس کے بعض راویوں میں کلام ہے لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اس کی شہادت میں حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث بھی ہے جیسے کہ پہلے بروایت امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ گزر چکی ہے، جس کی سند کے راوی ایک جماعت کی شرط پر ہیں، پہلی حدیث بھی مسند احمد، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے، ہم نے اس کے الفاظ اور اس کے طرق کا بسیط بیان آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی تفسیر میں کر دیا ہے۔

روز قیامت کتنا بڑا ہے: ☆☆ پھر فرمایا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے، اس میں چار قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ دوری ہے جو اسفل السافلین سے عرش معلیٰ تک ہے اور اسی طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور عرش معلیٰ سرخ یاقوت کا ہے جیسے کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب 'صفۃ العرش' میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم کی انتہا نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک کی پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ہے اس لئے کہ آسمان وزمین کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے، یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت مجاہدؒ کے قول سے مروی ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم میں

روایت ہے کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کے فاصلہ کی ہے اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی دوری ہے' تو سات ہزار یہ ہو گئے اسی طرح آسمان تو چودہ ہزار سال یہ ہوئی اور ساتویں آسمان سے عرش عظیم تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے تب سے لے کر قیامت تک کی اس کے بقا کی آخری مدت پچاس ہزار سال کی ہے' چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال کی ہے اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گزر گئی اور کتنی باقی ہے بجز اللہ تبارک وتعالیٰ کے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں فاصلے کا ہے۔ حضرت محمد بن کعبؒ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے' حضرت ابن عباسؓ سے یہ بسند صحیح مروی ہے' حضرت عکرمہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کافروں پر پچاس ہزار سال کا کر دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا یہ دن تو بہت ہی بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ مومن پر اس قدر ہلکا ہو جائے گا کہ دنیا کی ایک فرض نماز کی ادائیگی میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے بھی کم ہو گا۔ یہ حدیث ابن جریر میں بھی ہے' اس کے دو راوی ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔

بے زکوۃ جانور قیامت کو وبال جان: ☆☆ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گزرا لوگوں نے کہا حضرت یہ اپنے قبیلے میں سب سے بڑا مالدار ہے۔ آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا واقعی تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اس نے کہا ہاں میرے پاس رنگ برنگ سینکڑوں اونٹ' قسم قسم کے غلام' اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے گھوڑے وغیرہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دیکھو خبردار! ایسا نہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں۔ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں' اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا اور ان تمام جانوروں کو خوب موٹا تازہ کر کے حکم دے گا کہ اسے روندتے ہوئے چلو چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آ جائے گا' یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح گائے گھوڑے بکری وغیرہ یہی سینگ دار جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے کوئی ان میں بے سینگ کا یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہو گا۔ عامری نے پوچھا اے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! فرمایئے اونٹوں میں خدا کا حق کیا ہے؟ فرمایا مسکینوں کو سواری کے لئے تحفۃً دینا' غرباء کے ساتھ سلوک کرنا' دودھ پینے کے لیے جانور دینا' ان کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لئے ہو انہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند سے مذکور ہے۔

زکوۃ کے بغیر مال کی سزا: ☆☆ مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ جو سونے چاندی کے خزانے والا اس کا حق ادا نہ کرے اس کا سونا چاندی تختیوں کی صورت میں بنایا جائے گا اور جہنم کی آگ میں تپا کر اس کی پیشانی' کروٹ اور پیٹھ داغی جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کر لے اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے پچاس ہزار سال کی ہو گی پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا۔ پھر آگے بکریوں اور اونٹوں کا بیان ہے جیسے اوپر گزرا اور یہ بھی بیان ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں۔ ایک تو اجر دلانے والے

دوسری قسم پردہ پوشی کرنے والے تیسری قسم کے بوجھ ڈھونے والے۔ یہ حدیث پوری پوری صحیح مسلم شریف میں بھی ہے ان روایتوں کے پورا بیان کرنے کی اور ان کی سندوں اور الفاظ کے تمام تر نقل کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتاب الزکوۃ ہے یہاں ان کے وارد کرنے سے ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فاصلہ کرے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص پوچھتا ہے کہ وہ دن کیا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال کی ہے؟ آپ فرماتے ہیں اور وہ دن کیا ہے جو پچاس ہزار سال کا ہے؟ اس نے کہا حضرت میں تو خود دریافت کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا سنو! یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں۔ پھر فرماتا ہے اے نبی! تم اپنی قوم کو جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں صبر و سہار کرو۔ جیسے اور جگہ ہے یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا الخ یعنی بے ایمان تو قیامت کے دن جلد آنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور ایمان دار اس کے آنے کو حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ تو اسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں یعنی مومن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتا ہے نہ جانیں کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آ پڑیں کیونکہ اس کے صحیح وقت کو تو بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی جانتا ہی نہیں پس ہر وہ چیز جس کو آنے اور ہونے میں کوئی شک نہ ہو اس کا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے ہو پڑنے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾
وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ
يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾
وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا
ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا
مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا ○ اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے ○ اور کوئی دوست کسی کو نہ پوچھے گا ○ حالانکہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے گنہگار آج کے دن کے عذاب کے بدلے فدیئے میں اپنے بیٹوں ○ اور اپنی بیویوں کو اور اپنے بھائی کو ○ اور اپنے قبیلے کو جو اسے جگہ دیتا تھا ○ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا کہ اسے نجات مل جائے ○ مگر ہرگز یہ نہ ہوگا یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے ○ جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے ○ وہ اس شخص کو پکار رہی ہے جو پیچھے ہٹے اور منہ موڑے ○ اور جمع کر کے سنبھال رکھے ○

عذاب کے طالب عذاب دیئے جائیں گے : ☆☆ (آیت:۸-۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے یعنی زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسے دھنی ہوئی اون یہی فرمان اور جگہ ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ الخ پھر فرماتا ہے کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے

مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں‘ سب آپا دھاپی میں پڑے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھے گا‘ پہچانے گا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہوگا‘ جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ یعنی ہر ایک ایسے مشغلے میں لگا ہوا ہوگا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دے گا۔ ایک اور جگہ فرمان ہے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کے اور اولاد اپنے باپ کے کچھ کام نہ آئے گی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے گو قرابت دار ہوں لیکن کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا۔ ایک اور جگہ فرمان ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناطے اور پوچھ گچھ ختم ہو جائے گی‘ ایک اور جگہ فرمان ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ الخ‘ یعنی اس دن انسان اپنے بھائی‘ ماں‘ باپ‘ بیوی اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا‘ ہر شخص بوجہ اپنی پریشانیوں کے دوسرے سے غافل ہوگا‘ یہ وہ دن ہوگا کہ اس دن ہر گنہگار یہ دل چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم کے آج کے عذاب سے چھوٹ جائے اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے رشتے کنبے کو اور اپنے خاندان اور قبیلے کو بلکہ چاہے تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے لیکن اسے آزاد کر دیا جائے۔ آہ کیا ہی دلگداز منظر ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اپنی شاخوں اور اپنی جڑوں کو سب کے سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تاکہ خود بچ جائے۔

فَصِيْلَه کے معنی ماں کے بھی کئے گئے ہیں غرض تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے بھینٹ میں دینے پر دل سے رضامند ہوگا لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی‘ کوئی بدلہ اور فدیہ نہ کھپے گا‘ کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس آگ کے عذابوں میں ڈالا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی اور سخت بھڑکنے والی ہے‘ جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے‘ بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے‘ ہڈیوں سے گوشت الگ کر دیتی ہے‘ رگ پٹھے کھنچنے لگتے ہیں‘ ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں‘ پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں‘ چہرہ بگڑ جاتا ہے‘ ہر ہر عضو بدل جاتا ہے‘ چیخ پکار کرتا رہتا ہے‘ ہڈیوں کا چورا کرتی رہتی ہے‘ کھالیں جلائے جاتی۔ یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور اللہ کی نافرمانیاں کی تھیں پکارتی ہے‘ پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی میدان محشر میں سے ایسے بدلوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے‘ اب ان کی بداعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے‘ یہ مال کو جمع کرنے والے اور سر بند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے‘ اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے بھاگتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا نہ کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا۔ حضرت عبداللہ بن حکم رضی اللہ عنہ تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر مال سمیٹتا جا رہا ہے؟ حضرت قتادہؒ فرماتے مال کے جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان الٰہی ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝۱۹ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝۲۰ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝۲۱ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝۲۲ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝۲۳ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝۲۴ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۲۶

بے شک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے ○ جب اسے مصیبت پہنچتی ہے ہڑبڑا اٹھتا ہے ○ اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ○ مگر وہ

نمازی ○ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں ○ اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے ○ مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی ○ اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں ○

انسان بے صبرا' بخیل اور کنجوس بھی ہے: ☆☆ (آیت:۱۹-۲۶) یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑا ہی بے صبرا ہے' مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے' گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بدترین چیز انسان میں بے حد بخیلی اور اعلیٰ درجہ کی نامردی ہے (ابوداؤد) پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے' جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں' وقتوں کی نگہبانی کرنے' واجبات نماز کو اچھی طرح بجالانے' سکون' اطمینان اور خشوع وخضوع سے پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ
رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ
ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک ان کے رب کے عذاب سے کوئی بے خوف نہیں کیا گیا ○ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں ○ اب جو کوئی اس کے علاوہ ڈھونڈے وہ لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں ○ اور جو اپنی امانتوں کی اور اپنے قول قرار کی رعایت کرنے والے ہیں ○ اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم ہیں ○

(آیت:۲۷-۳۳) جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ' ان ایمان داروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف اللہ سے ادا کرتے ہیں' ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب مَآءٌ دَائِمٌ کہتے ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے' جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھہر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے' اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائے گی' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے گو کم ہو' خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر ہمیشگی کرتے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبرؑ نے امت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوحؑ ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا۔ پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو' مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے۔ پھر فرماتا ہے ان کے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے' سَآئِلِ اور مَحْرُوْمِ کی

پوری تفسیر سورۂ ذاریات میں گزر چکی ہے۔ یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں' اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں۔ پھر ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں' جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا ہاں جسے اللہ امن دے اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں' جہاں اللہ کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں' ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں' سو اس میں ان پر کوئی ملامت اور الاہنا نہیں' لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کر لے وہ یقیناً حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں گزر چکی ہے' یہاں دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے' وعدوں اور وعیدوں' قول اور قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں' نہ خیانت کریں نہ بدعہدی اور وعدہ شکنی کریں۔ یہ کل صفتیں مومنوں کی ہیں اور ان کا خلاف کرنے والا منافق ہے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے منافق کی تین خصلتیں ہیں جب بھی بات کرے جھوٹ بولے' جب بھی وعدہ کرے خلاف کرے' جب امانت دیا جائے خیانت کرے۔ ایک اور روایت میں ہے جب بھی عہد کرے توڑ دے اور جب بھی جھگڑے گالیاں بولے۔ یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی نہ اس میں کمی کریں نہ زیادتی' نہ شہادت دینے سے بھاگیں نہ اسے چھپائیں' جو چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ
مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۲۵ ۷

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ یہی لوگ جنتوں میں عزت واکرام کئے جائیں گے ○

(آیت: ۳۴-۳۵) پھر فرمایا وہ اپنی نماز کی پوری چوکسی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں' یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف میں بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا' پس معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے' اس کا ادا کرنا سخت ضروری اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔ سورۂ قد افلح المومنون میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے' اور وہاں ان اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں اور یہاں فرمایا یہی لوگ جنتی ہیں اور قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت واقبال کے ساتھ مسرور ومحظوظ ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ
الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ
نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ
الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا
مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

پس کافر تیری طرف کیوں دوڑتے آتے ہیں ○ دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ ○ کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ ○ ایسا نہ ہوگا، ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں ○ پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم یقیناً قادر ہیں ○ کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لائیں ہم عاجز نہیں ○

مرکز نور وہدایت سے مفرور انسان: ☆☆ (آیت: ۳۶-۴۱) اللہ تعالیٰ عزوجل ان کافروں پر انکار کر رہا ہے جو حضورؐ کے مبارک زمانہ میں تھے خود آپ کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپؐ جو ہدایت لے کر آئے وہ ان کے سامنے تھی اور آپؐ کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ رہے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے، جیسے اور جگہ ہے فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ الخ یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں، کیوں بھاگ رہے ہیں، یہاں بھی اسی طرح فرما رہا ہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟ کیونکر دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ بروایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضورؐ کے اردگرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی چاہت ہے نہ رسول اللہ کی رغبت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو فرمایا میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورتوں میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد)

ابن جریر میں اور سند سے بھی مروی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کیا ان کی چاہت ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟ ایسا نہ ہوگا یعنی جب ان کی یہ حالت ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہؐ کے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں پھر ان کی یہ چاہت پوری نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا؟ جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کیا ہم نے تمہیں نا قدرے پانی سے پیدا نہیں کیا؟ فرمان ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ الخ، انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے یقیناً وہ اللہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی نہ مددگار۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم ہے اس کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق و مغرب متعین کی اور ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں مقرر کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہو نہ حشر نشر ہو بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں۔ اسی لئے قسم سے پہلے ان کے باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرت کاملہ کے مختلف نمونے ان کے سامنے پیش کئے، مثلاً آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش اور حیوانات، جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی۔ جیسے اور جگہ ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر اللہ قادر ہے تو چھوٹی چیزوں کی پیدائش پر کیوں قادر نہ ہوگا؟ جیسے اور جگہ ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں نہ تھکا - کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر ہے اور ایک اس پر کیا ہر ایک چیز پر اسے قدرت حاصل ہے ایک دوسری جگہ ارشاد ہے اَوَلَیْسَ الَّذِیْ الخ، یعنی کیا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے، وہ جس چیز کا ارادہ کرنے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرق اور مغرب کے پروردگار کی قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ اب ہیں اس سے بھی بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں، کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور درماندہ نہیں کر سکتا۔ اور جگہ ارشاد ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ الخ، کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے بلکہ ہم تو اس کی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دیں گے اور فرمایا نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَکُمُ الْمَوْتَ الخ، ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تم جیسوں کو بدل ڈالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کریں جسے تم جانتے بھی نہیں۔ پس ایک مطلب تو آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے، دوسرا مطلب امام ابن جریرؒ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم قادر ہیں اس امر پر کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع و فرمانبردار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رکے رہنے والے ہوں، جیسے اور جگہ فرمان ہے. وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا الخ، یعنی اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہو گی، لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿٤٢﴾ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِکَ الْیَوْمُ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿٤٤﴾

پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے ملیں جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے ہیں ○ جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی تھان کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں ○ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھا رہی ہو گی، یہ ہے وہ دن جس کا یہ وعدہ دیئے جاتے تھے ○

دنیا میں ڈھیل: ☆☆ (آیت: ۴۲-۴۴) پھر فرماتا ہے اے نبیؐ انہیں ان کے جھٹلانے، کفر کرنے، سرکشی میں بڑھنے ہی میں چھوڑ دو جس کا وبال ان پر اس دن آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا اور یہ میدان محشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم، تھان اور چلے کو چھونے اور ڈنڈوت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں، مارے شرم و ندامت کے نگاہیں زمین گڑی ہوئی ہوں گی اور چہروں پر پھٹکار برس رہی ہو گی، یہ ہے دنیا میں اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ! اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں اور ہنسی مذاق میں نبیؐ شریعت اور کلام الٰہی کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی؟ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

الحمدللہ سورۂ معارج کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ نوح

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوۡمِهِۦٓ أَنۡ أَنذِرۡ قَوۡمَكَ مِن
قَبۡلِ أَن يَأۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١ قَالَ يَٰقَوۡمِ إِنِّي
لَكُمۡ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝٢ أَنِ اعۡبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ۝٣
يَغۡفِرۡ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمۡ وَيُؤَخِّرۡكُمۡ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّىۚ إِنَّ
أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُۚ لَوۡ كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ۝٤

اللہ تعالیٰ بخشش ورحم کرنے والے کے نام سے ○

یقیناً ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دے اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آئے ○ نوحؑ نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ○ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ○ تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو موقوف نہیں رکھا جاتا' کاش کہ تمہیں سمجھ ہوتی ○

عذاب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قوم سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۱-۴) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو' اگر وہ توبہ کر لیں گے اور اللہ کی طرف جھکنے لگیں گے تو عذاب خدا ان سے اٹھ جائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ ربانی پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں' میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت' اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں' جو کام رب نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو' گناہ کے کاموں سے الگ تھلگ رہو' جو میں کہوں بجا لاؤ' جس سے روکوں رک جاؤ میری رسالت کی تصدیق کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ یَغۡفِرۡ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمۡ میں لفظ من یہاں زائد ہے' اثبات کے موقع پر بھی کبھی لفظ من زائد آ جاتا ہے جیسے عرب کے مقولے قَدۡ كَانَ مِنۡ مَّطَرٍ میں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی میں عن کے ہو بلکہ ابن جریر تو اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اور یہ قول بھی ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے یعنی تمہارے کچھ گناہ معاف فرما دے گا یعنی وہ گناہ جن پر سزا کا وعدہ ہے اور بڑے بڑے گناہ ہیں اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جن عذابوں سے وہ تمہیں اب تمہاری ان خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہے اس عذاب کو ہٹا دے گا اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا۔ اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت خدا' نیک سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ اللہ کا عذاب آ جائے اس لئے کہ جب وہ آ جاتا ہے پھر نہ اسے کوئی ہٹا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے' اس بڑے کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے' اس کی عزت وعظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ
دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ
جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا
وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ
اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾

نوحؑ نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ○ مگر میرے بلانے سے یہ بھاگنے میں اور بڑھتے ہی گئے ○ میں نے جب کبھی انہیں تیری طرف بخشش کے لئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور سخت سرکشی کی ○ پھر میں نے انہیں باآواز بلند بلایا ○ اور بیشک میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ' وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے ○ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا ○

نوسو سال صدا بصحرا کے بعد بھی ایک پیغمبرانہ کوشش : ☆☆ (آیت:۵-۱۱) یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نوسو سال تک کی لمبی مدت میں کس کس طرح حضرت نوحؑ نبی نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا' قوم نے کس کس طرح اعراض کیا' کیسی کیسی اذیتیں خدا کے پیارے پیغمبر کو پہنچائیں اور کس طرح اپنی ضد پر اڑ گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام بطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ خدایا! میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی' تیرے فرمان عالیشان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ دھن باندھے ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن اسے کیا کروں کہ جس دل سوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے' حق سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک ہوا کہ میں نے ان سے کہا آؤ رب کی سنو تا کہ رب بھی تمہیں بخشے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا کان بند کر لئے۔ یہی حال کفار قریش کا تھا کہ کلام اللہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ یعنی کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جاتا ہو تو شور و غل کرو تا کہ تم غالب رہو۔ قوم نوح نے جہاں اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں وہاں اپنے منہ بھی کپڑوں سے چھپا لئے تا کہ وہ پہچانے بھی نہ جائیں اور نہ کچھ سنیں' اپنے شرک و کفر پر ضد کے ساتھ اڑ گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس سے بے پرواہی کی اور اسے حقیر جان کر تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔

حضرت نوحؑ فرماتے ہیں عام لوگوں کے مجمع میں بھی میں نے انہیں کہا سنا' باآواز بلند ان کے کان کھول دیئے اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ غرض تمام جتن کر لئے کہ یوں نہیں یوں سمجھ جائیں اور یوں نہیں تو یوں راہ راست پر آ جائیں' میں نے ان سے کہا کہ کم از کم تم اپنی بدکاریوں سے توبہ ہی کر لو' وہ خدا غفار ہے ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خواہ اس سے کیسے ہی بد سے بدتر اعمال سرزد ہوئے ہوں ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی وہ تمہیں تمہارے استغفار کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتیں ع۲ فرمائے گا اور درد و دکھ سے بچا لے گا۔ وہ تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا۔ یہ یاد رہے کہ قحط سالی کے موقع پر جب نماز استسقاء کے لئے مسلمان نکلیں تو مستحب ہے کہ اس نماز میں اس سورت کو پڑھیں۔ اس کی ایک دلیل تو یہی آیت ہے دوسرے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل بھی یہی ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ بارش مانگنے کے لئے جب آپ نکلے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے خوب استغفار کیا اور استغفار والی آیتوں کی تلاوت کی جن میں ایک آیت یہ بھی تھی۔ پھر فرمانے لگے کہ بارش کو میں نے بارش کی تمام راہوں سے جو آسمان میں ہیں طلب کر لیا ہے یعنی وہ احکام ادا کئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمایا کرتا ہے۔

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ
اَنْهٰرًا ﴿١١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾
اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾
وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿١٨﴾
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا
فِجَاجًا ﴿٢٠﴾

اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی بزرگی کا عقیدہ نہیں رکھتے؟ ○ حالانکہ اس نے تمہیں مختلف طور سے پیدا کیا ہے ○ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیئے ○ اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا ○ اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقے سے پیدا کیا ○ پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور ایک خاص طریقہ سے پھر نکالے گا ○ اور تمہارے لئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ○ تا کہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو ○

استغفار اور باران رحمت: ☆☆ (آیت: ۱۱-۲۰) حضرت نوح فرماتے ہیں اے میری قوم کے لوگو! تم اگر استغفار کرو گے تو بارش کے ساتھ ہی ساتھ رزق کی برکت بھی تمہیں ملے گی' زمین و آسمان کی برکتوں سے تم مالا مال ہو جاؤ گے' کھیتیاں خوب ہوں گی' جانوروں کے تھن دودھ سے پر رہیں گے' مال و اولاد میں ترقی ہو گی' قسم قسم کے پھلوں سے لدے پھدے باغات تمہیں نصیب ہوں گے جن کے درمیان چوطرفہ صاف اور بابرکت پانی کی ریل پیل ہو گی' ہر طرف نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے۔ اس طرح رغبتیں دلا کر پھر ذرا خوف زدہ بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کے عذابوں سے بے باک کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کن کن حالات میں کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ پہلے پانی کی بوند پھر جامد خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور صورت پھر اور حالت وغیرہ۔ اسی طرح دیکھو تو سہی کہ اس نے ایک پر ایک اس طرح آسمان پیدا کئے خواہ وہ صرف سننے سے ہی معلوم ہوئے ہوں یا ان وجوہ سے معلوم ہوئے ہوں جو محسوس ہیں جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف سے سمجھی جا سکتی ہیں جیسے کہ اس علم والوں کا بیان ہے۔ گو اس میں بھی ان کا سخت تر اختلاف ہے کہ کواکب چلنے پھرنے والے بڑے بڑے سات ہیں' ایک ایک کو بے نور کر دیتا ہے' سب سے قریب آسمان دنیا میں تو چاند ہے جو دوسروں کو ماند کئے ہوئے ہے اور دوسرے آسمان پر عطارد ہے' تیسرے میں زہرہ ہے' چوتھے میں سورج ہے' پانچویں میں مریخ ہے' چھٹے میں مشتری' ساتویں میں زحل اور باقی کواکب جو ثوابت ہیں وہ آٹھویں میں ہیں جس کا نام یہ لوگ فلک ثوابت رکھتے ہیں اور ان میں سے جو شروع والے ہیں وہ اسے کرسی کہتے ہیں اور نواں فلک ان کے نزدیک اطلس اور اثیر ہے

جس کی حرکت ان کے خیال میں افلاک کی حرکت کے خلاف ہے اس لئے کہ دراصل اس کی حرکت اور حرکتوں کا مبداء ہے وہ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے اور باقی سب آسمان مشرق سے مغرب کی طرف اور انہی کے ساتھ کواکب بھی گھومتے پھرتے رہتے ہیں لیکن سیاروں کی حرکت افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے وہ سب مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ان میں کا ہر ایک اپنے آسمان کا پھیرا اپنی مقدور کے مطابق کرتا ہے' چاند تو ہر ماہ میں ایک بار' سورج ہر سال میں ایک بار' زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ۔ مدت کی یہ کمی بیشی باعتبار آسمان کی لمبائی چوڑائی کے ہے ورنہ سب کی حرکت سرعت میں بالکل مناسبت رکھتی ہے۔

یہ خلاصہ ان کی تمام ترباتوں کا جس میں ان میں آپس میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ نہ ہم اسے یہاں وارد کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی تحقیق وتفتیش سے اس وقت کوئی غرض ہے۔ مقصود صرف اس قدر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں اور وہ اوپر تلے ہیں پھر ان میں سورج چاند پیدا کیا ہے' دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ ہے جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے' پھر چاند کی مقررہ منزلیں اور بروج ہیں پھر اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بالکل چھپ جاتا ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی پوری روشنی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ھُوَ الَّذِیْ الشَّمْسَ ضِیَآءً الخ' اللہ وہ ہے جس نے سورج' چاند خوب روشن چمکدار بنائے اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تمہیں سال اور حساب معلوم ہو جائیں ان کی پیدائش حق ہی کے ساتھ ہے۔ عالموں کے سامنے قدرت الٰہی کے یہ نمونے الگ الگ موجود ہیں۔

انسان مٹی سے پیدا ہوا: ☆☆ پھر فرمایا اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا۔ اس مصدر نے مضمون کو بے حد لطیف کر دیا پھر تمہیں مار ڈالنے کے بعد اسی میں لوٹائے گا پھر قیامت کے دن اسی سے تمہیں نکالے گا جیسے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارا فرش بنا دیا اور وہ ہلے جلے نہیں اس لئے اس پر مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے' اسی زمین کے کشادہ راستوں پر تم چلتے پھرتے ہو' اسی پر رہتے سہتے ہو' ادھر سے ادھر جاتے آتے ہو' غرض حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ہے کہ عظمت خدا اور قدرت خدا کے نمونے اپنی قوم کے سامنے رکھ کر انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ زمین وآسمان کی برکتوں کے دینے والے' ہر چیز کے پیدا کرنے والے' عالی شان قدرت کے رکھنے والے رازق خالق اللہ کا کیا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ تم اسے پوجو' اس کا لحاظ رکھو اور اس کے کہنے سے اس کے سچے نبی کی راہ اختیار کرو۔ تمہیں ضرور چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو نہ پوجو۔ اس جیسا اس کا شریک اس کا ساجھی اس کا مثل کسی کو نہ جانو' اسے جورو سے اور اسے بیٹوں پوتوں سے' اسے وزیر و مشیر سے' اسے مثل ونظیر سے پاک مانو' اسی کو بلند و بالا' اسی کو عظیم واعلیٰ جانو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَا
لُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝٢١ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝٢٢ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ
اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ
وَنَسْرًا ۝٢٣ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝٢٤

نوحؑ نے کہا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی اور ایسوں کی فرمانبرداری کی جنہیں ان کے مال واولاد نے نقصان ہی میں بڑھایا ہے ○ اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا ○ اور کہہ دیا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود و سواع و یغوث و یعوق و نسر کو ○ چھوڑنا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اے اللہ! تو ان ظالموں کی گمراہی ہی بڑھا ○

نوح علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں روداد غم: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۴) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گذشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جوان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا' ہاں اپنے مالداروں اور بےفکروں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال واولاد کے پیچھے مست تھے' گوفی الواقع وہ مال واولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھا کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے۔ وَلَدُهٗ کی دوسری قرأت وَلْدُهٗ بھی ہے اور ان رئیسوں نے جو مال وجاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ کُبَّار کِبَار دونوں معنی میں کَبِیر کے ہیں معنی بہت بڑا۔ قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہی کہیں گے کہ تمہارا دن رات مکاری سے ہمیں کفر وشرک کا حکم کرنا اور ان بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہرگز نہ چھوڑنا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا' دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے' ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو جوصرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سبا بستی کے پاس ہے' یغوث کی پوجا کرتا تھا' ہملان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا آل ذی کلاں کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے' ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنادیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا' جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کے مرجانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے بوجہ جہالت کے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجاپاٹ شروع کردی۔ حضرت عکرمہ' حضرت ضحاک' حضرت قتادہ' حضرت ابن اسحاق' بھی یہی فرماتے ہیں۔

قوم نوح میں مشرک کی ابتدا: ☆☆ حضرت محمد بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ بزرگ' عابد' اللہ والے' اولیاء اللہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے' جب یہ مرگئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور شوق عبادت ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ لوگ بھی مرکھپ گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے ان کی پوجاپاٹ کرتے تھے اور انہیں سے بارش وغیرہ مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کردی۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیث علیہ السلام کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے' بیس لڑکے بیس لڑکیاں' ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں' ان میں ہابیل قابیل' صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا اور ود تھا جنہیں شیث اور ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہیں کو دے رکھی تھی' ان کی اولاد یہ چاروں تھے یعنی سواع یغوث یعوق اور نسر۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کے وقت ان کی اولاد ود' یغوث' یعوق' سواع اور نسر تھی۔ ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہوکر فرمایا سنو وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مرگیا' یہ لوگ مجاور بن کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بےچین اور مصیبت زدہ ہوگئے' ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آکر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے

سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہو گا کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے اپنے گھروں میں ہی رکھ لو وہ اس پر بھی راضی ہوئے اور یہ بھی ہو گیا۔ اب تک صرف یہ تصویریں اور یہ بت بطور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی۔ اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادوں کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے ان کا نام ود تھا اور یہی پہلا وہ بت ہے جس کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی۔ انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا' اس وقت سے لے کر اب تک عرب و عجم میں اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور مخلوق خدا بہک گئی۔ چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا خدایا انہوں نے اکثر مخلوق کو بے راہ کر دیا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بددعا کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرکشی' ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ خدایا! انہیں گمراہی میں اور بڑھا دے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی کہ پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے' انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں' چنانچہ دعائے نوحؑ قبول ہوتی ہے اور قوم نوح بہ سبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ
وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار ○ انہوں نے نہ پایا اور حضرت نوح نے کہا اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ ○ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور ان کے ہاں جو بال بچے ہوں گے وہ بھی بدکار ناشکرے ہوں گے ○ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور کل ایماندار عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوا ہلاکت کے اور کچھ نہ بڑھا ○

کثرت گناہ تباہی کو دعوت دینا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۸) خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ کی دوسری قرأت خَطَايَاهُمْ بھی ہے۔ فرماتا ہے کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی سرکشی' ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی مخالفت و دشمنی رسول حد سے گزر گئی تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا اور یہاں سے آگ کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے اور کوئی نہ کھڑا ہوا جو انہیں ان عذابوں سے بچا سکتا۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی آج کے دن عذاب خدا سے کوئی نہیں بچا سکتا صرف وہی نجات یافتہ ہو گا جس پر خدا رحم کرے۔ نوح نبی علیہ السلام ان بدنصیبوں کی اپنے قادر و ذوالجلال اللہ کی ڈیوڑھی

پر اپنا ماتھا رکھ کر فریاد کرتے ہیں اور اس مالک سے ان پر آفت و عذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ اب تو ان ناشکروں میں سے خدایا ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرقاب کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا' سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑ لے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا' لیکن وہ پانی تو نہ تھا وہ تو غضب الٰہی تھا وہ تو بددعائے نوح تھا' اس سے بھلا کون بچا سکتا تھا؟ پانی اسے وہیں جا لیتا ہے اور اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتے کرتے ڈوب مرتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر طوفان نوح میں خدا تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور پہاڑ پر چڑھ جاتی ہے جب پانی وہاں بھی چڑھتا ہے تو بچے کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیتی ہے جب پانی وہاں پہنچتا ہے تو سر پر بٹھا لیتی ہے جب پالی سر تک جا چڑھتا ہے تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند اٹھا لیتی ہے لیکن آخر پانی وہاں تک پہنچتا ہے اور ماں بیٹا ڈوب جاتے ہیں پس اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی بھی قابل رحم ہوتا تو یہ تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ بچا سکی۔ یہ حدیث غریب ہے لیکن راوی اس کے سب ثقہ ہیں۔

دعائے نوح: ☆☆ الغرض روئے زمین کے کافر غرق کر دیئے گئے صرف وہ باایمان ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں تھیں اور بحکم خدا حضرت نوحؑ نے انہیں اپنے ساتھ اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت' تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اپنی ناامیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدایا میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے ان میں سے جو بھی باقی بچ رہا وہ ہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اس کی پھیلے گی وہ بھی اسی جیسی بدکار اور کافر ہو گی۔ ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے بخش' میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں آ جائے اور ہو بھی وہ باایمان۔ گھر سے مراد مسجد بھی لی ہے لیکن عام مراد یہی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مومن ہی کے ساتھ اٹھ بیٹھ' رہ سہہ اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے۔ پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمام ایماندار مرد و عورت کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ۔ اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مومنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا بھی ہو اور ان حدیثوں پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں ہیں اور وہ دعائیں بھی آ جائیں جو منقول ہیں' پھر دعا کے خاتمے پر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کافروں کو تو تباہی و بربادی' ہلاکت اور نقصان میں ہی بڑھاتا رہ' دنیا و آخرت میں برباد ہی رہیں۔ الحمدللہ سورۂ نوح کی تفسیر بھی ختم ہو گئی۔

تفسیر سورۃ الجن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا
سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ
نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا
وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ اَنَّہُ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾

اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع ○

تو کہہ! مجھے وحی کی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا ہم نے عجیب قرآن سنا ہے ○ جو راہ راست سمجھاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اب ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے ○ بے شک ہمارے رب کی بڑی بلند شان ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد ○ یقیناً ہم میں سے بیوقوفوں نے اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگا دیں ○

جنات پر قرآن حکیم کا اثر: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دو کہ جنوں نے قرآن کریم سنا' اسے سچا مانا' اس پر ایمان لائے اور اس کے مطیع بن گئے۔ تو فرماتا ہے کہ اے نبی! تم کہو میری طرف وحی کی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر خبر کی کہ آج ہم نے عجیب وغریب کتاب سنی جو سچا اور نجات کا راستہ بتلاتی ہے' ہم تو اسے مان چکے' ناممکن ہے کہ اب ہم خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت کریں۔ یہی مضمون ان آیتوں میں گزر چکا ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ الخ یعنی جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف لوٹایا کہ وہ قرآن سنیں اور اس کی تفسیر حدیثوں سے وہیں ہم بیان کر چکے ہیں' یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ جنات اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کے کام قدرت اور امر بہت بلند و بالا بڑا ذیشان اور ذی عزت ہے۔ اس کی نعمتیں' قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت باوقعت ہیں' اس کی جلالت وعظمت بلند پایہ ہے' اس کا جلال و اکرام بڑھا چڑھا ہے' اس کا ذکر بلند رتبہ ہے' اس کی شان اعلیٰ ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جد کہتے ہیں باپ کو' اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جد ہوتا ہے تو وہ خدا کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے' یہ قول گو سنداً قوی ہے لیکن کلام بنتا نہیں اور کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا' ممکن ہے اس میں کچھ کلام چھوٹ گیا ہو واللہ اعلم۔

اللہ کی یکتائی پر جنات کی گواہی: ☆☆ پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ خدا اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بیوقوف یعنی شیطان خدا پر جھوٹی تہمت رکھتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص خدا کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہی جھوٹ بکتا ہے' باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے۔

جنات کے بہکنے کا سبب: پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن وانس خدا پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ یہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں' دراصل خدا کی ذات اس عیب سے پاک ہے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ
مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ
اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں ○ بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے ○ انسانوں نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا ○

(آیت:۵-۷) پھر کہتے ہیں کہ جنات کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ انسان جب کبھی کسی جنگل یا ویرانے میں

جاتے ہیں تو جنات کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانہ کے عرب کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اور سمجھتے تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لے لیتے تاکہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذا نہ پہنچائیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کیا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جنات نے یہ حالت دیکھ کر انسانوں کو اور خوف زدہ کرنا شروع کیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے۔

پہلے جنات انسانوں سے ڈرتے تھے: ☆☆ دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ اب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرأت بڑھ گئی اور اب طرح طرح سے ڈرانا' ستانا اور چھیڑنا انہوں نے شروع کیا' وہ گناہ میں' خوف میں' طغیانی اور سرکشی میں اور بڑھ گئے۔

کردم بن ابو سائب انصاری کہتے ہیں میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا' اس وقت حضور کی بعثت ہو چکی تھی اور مکہ شریف میں آپ بحیثیت پیغمبر ظاہر ہو چکے تھے' رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھہر گئے' آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا' چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور پکار کر کہنے لگا اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے! تیری پناہ میں آیا ہوا شخص لٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیئے! اس بکری کو چھوڑ دے' تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی' اسے زخم بھی نہیں لگا تھا۔ یہی بیان اس آیت میں ہے جو اللہ کے رسول پر مکہ میں اتری کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے بسا ممکن ہے کہ یہ بھیڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو اور بکری کے بچے کو پکڑ لے گیا ہو اور چرواہے کی اس دہائی پر چھوڑ دیا ہو تاکہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آ جانے سے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہ ہوں اور خدا کے دین سے خارج ہو جائیں واللہ اعلم۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو! جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اسی خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا
كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ
شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ
اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾

ہم نے آسمان ٹٹول دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا ○ اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لئے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے' لیکن اب جو کان لگائے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے ○ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے ○

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے جنات: ☆☆ (آیت: ۸-۱۰) آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے' کسی جگہ بیٹھتے

اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ نمک مرچ لگا کر اپنے ماننے والوں سے کہتے' اب جب حضورؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آسمانوں پر زبردست پہرے بٹھا دیئے گئے اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اڑا لانے کا موقع نہ رہا تا کہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو۔ یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے مگر اب تو سخت پہرے لگے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلے تاک لگائے ہوئے ہیں۔ ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا ہی نہیں کرتے' جلا کر جھلسا دیتے ہیں اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے؟ اہل زمین کی کوئی برائی چاہی گئی ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے۔ خیال کیجئے کہ یہ مسلمان جن کس قدر ادب داں تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر نہیں کیا اور بھلائی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ دراصل آسمان کی اس چوکیداری' اس حفاظت سے کیا مطلب ہے' اسے ہم نہیں جانتے۔

ستارے کیوں جھڑتے ہیں؟: ☆☆ اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خدایا! تیری طرف سے شر اور برائی نہیں۔ ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس طرح کثرت سے ان کا آگ برسانا قرآن کریم کی حفاظت وصیانت کے باعث ہوا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارہ جھڑا اور بڑی روشنی ہوگئی تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے؟ ہم نے کہا حضورؐ ہمارا خیال تھا کہ یا تو یہ کسی بڑے کے تولد پر جھڑتا ہے یا کسی بڑے کی موت پر' آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی کام کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے۔ یہ حدیث پورے طور پر سباء کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ دراصل ستاروں کا بکثرت گرنا' جنات کا ان سے ہلاک ہونا' آسمان کی حفاظت کا بڑھ جانا' ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کہ یہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے چوطرف تلاش شروع کر دی کہ کیا وجہ ہوئی ہے جو ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا؟ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا گزر عرب میں ہوا اور یہاں رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس نبی کی بعثت اور اس کلام کا نزول ہی سبب ہے ہماری بندش کا پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے' باقی اور جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ سورۂ احقاف کی آیت وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے' ستاروں کا جھڑنا' آسمان کا محفوظ ہو جانا جنات ہی کے ملئے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناکی کی علامت تھی' وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہو؟ اور عموماً انبیاء کی تشریف آوری اور دین اللہ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑا لایا کرتے تھے۔ جب حضورؐ پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں' شعلے اڑ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں' انہوں نے اپنے غلام آزاد کرنے' اپنے جانور راہ للہ چھوڑنے شروع کر دیئے آخر عبدیالیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے طائف والو! تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لئے) اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں تو بے شک اہل آسمان کو ہلاک شدہ مان لو۔ انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی مقررہ جگہ پر نظر آئے تب انہیں چین آیا۔ شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی' یہ ابلیس کے پاس آئے واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا میرے پاس ہر ہر علاقے کی مٹی لاؤ' لائی گئی اس نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث

مکہ میں ہے، سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر ان کے دل نرم ہو گئے۔ بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی۔ الحمدللہ ہم نے اس تمام واقعہ کو پورا پورا اپنی کتاب السیرت میں حضورؐ کی نبوت کے آغاز کے بیان میں لکھا ہے واللہ اعلم۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ
هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾

اور یہ کہ بے شک بعض تو ہم میں نیک کار ہیں اور بعض اس کے سوا بھی ہیں۔ ہم مختلف ہیں ○ ہمیں یقین کامل ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ○

جنات میں بھی کافر اور مسلمان موجود ہیں : ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۲) جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیک کار ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں، ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا کرتا تھا میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کون سا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول۔ میں نے لا دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا، میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ کہا بدترین۔ حافظ ابوالحجاج مزنی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن عساکر میں ہے حضرت عباس بن احمد دمشقی فرماتے ہیں میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ دلوں کو محبت خدا نے پر کر دیا ہے یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور وہ حیران و پریشان ادھر ادھر خدا کی محبت میں پھر رہے ہیں جو ان کا رب ہے۔ انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لئے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں ہمیں معلوم ہو چکا کہ خدا کی قدرت ہم پر حاکم ہے، ہم اس سے نہ بھاگ کر بچ سکیں نہ کسی اور طرح اسے عاجز کر سکیں۔ اب فخریہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت نامے کو سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے۔ فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام۔ اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوری اثر کرے۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا
يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا
الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا
الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي
الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ
عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

ہم تو ہدایت سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم و ستم کا ○ ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض

بے انصاف ہیں پس جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا ○ اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے ○ اور (اے نبی! یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت کچھ وافر پانی پلاتے ○ تا کہ ہم اس میں انہیں آزما لیں اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا ○

(آیت: ۱۴-۱۷) پھر کہتے ہیں مومن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوں نہ اس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے فَلَا یَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا ھَضْمًا یعنی نیک کار مومن کو ظلم و نقصان کا ڈر نہیں۔ پھر کہتے ہیں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ مسلمان نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ اس کے بعد کی آیت وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا الخ' کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تمام لوگ اسلام پر اور راہ راست پر اور اطاعت خدا پر جم جاتے تو ہم ان پر بکثرت بارشیں برساتے اور خوب وسعت سے روزیاں دیتے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوْ التَّوْرٰتَہ یعنی اگر یہ توراۃ و انجیل اور آسمانی کتابوں پر سیدھے اترتے تو انہیں آسمان و زمین سے روزیاں ملتیں۔ اور فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ الخ' یعنی اگر بستی والے ایمان لاتے' متقی بن جاتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے' یہ اس لئے کہ ان کی پختہ جانچ ہو جائے کہ ہدایت پر کون جما رہتا ہے اور کون پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اتری ہے جبکہ ان پر سات سال کا قحط پڑا تھا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے تا کہ یہ خوب مست ہو جائیں اور اللہ کو بالکل بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں۔ جیسے فرمان باری ہے فَلَمَّا نَسُوْا الخ' یعنی جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے جس سے وہ مست بن گئے کہ ناگہاں ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو گئے۔ اسی طرح کی آیت اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے جو بھی اپنے رب کے ذکر سے بے پرواہی برتے' اس کا رب اسے دردناک' سخت اور مہلک عذابوں میں مبتلا کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صعد جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں جہنم کے ایک کنویں کا نام ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ
عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا
رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾
قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ
مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ
فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا
یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ ○ اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس
پر جھک پڑیں ○ تو کہہ دے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ○ تو کہہ دے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان و نفع کا اختیار

نہیں ○ کہہ دے کہ مجھے ہرگز ہرگز کوئی اس سے بچا نہیں سکتا اور ہرگز بھی میں اس کے سوائے کوئی جائے پناہ پا نہیں سکتا ○ میں تو صرف اللہ کی طرف سے پہنچا دیتا اور اس کا پیغام سنا دیتا ہوں- اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ○ (ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے ○

آداب سجدہ اور جنات کا اسلام لانا: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں، وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں نہ کسی اور کو اللہ کی عبادت میں شریک کریں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں اور کلیسوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبی بھی اور امت بھی سب توحید والے رہیں- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ تھی اور مسجد حرام- حضرت اعمش نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جنوں نے حضورؐ سے کہا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپ کی مسجد میں کیسے پہنچیں گے؟ تو انہیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا اور صرف اللہ ہی کی عبادت بجا لانا ہے، خواہ کہیں ہو- حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے شامل ہے تمام مساجد کو- حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضاء سجدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے ہیں پس تم پر ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے-

صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے- آیت لما قام کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنات نے جب حضورؐ کی زبانی تلاوت قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر جھکنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ کے اصحاب کی اطاعت و چاہت کی حالت یہ ہے کہ جب حضورؐ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور اصحاب پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت و اقتدار میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اللہ کی توحید کا اعلان لوگوں میں کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چبا چبا کر الجھ جاتے ہیں، جنات و انسان مل جاتے ہیں کہ اس امر دین کو مٹا دیں اور اس کی روشنی کو چھپا لیں مگر اللہ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے-

میں تو کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں: ☆☆ یہ تیسرا قول ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ میں تو صرف اپنے رب کا نام جپتا ہوں اور کسی اور کی عبادت نہیں کرتا- یعنی جب دعوت حق اور توحید کی آواز ان کے کان میں پڑی جو مدتوں سے غیر مانوس ہو چکی تھی تو ان کفار نے ایذا رسانی، مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی اور حق کو مٹا دینا چاہا اور رسول کی عداوت پر اجماع کر لیا، اس وقت ان سے رسولؐ نے کہا کہ میں تو اپنے پالنے والے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت میں مشغول ہوں، میں اسی کی پناہ میں ہوں، اسی پر میرا توکل ہے، وہ ہی میرا سہارا ہے، مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں، میں تم جیسا انسان ہوں، تمہارے نفع و نقصان کا مالک میں نہیں ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک غلام ہوں، اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں، تمہاری ہدایت و ضلالت کا مختار و مالک میں نہیں، سب چیزیں اللہ کے قبضے میں ہیں میں تو صرف پیغام رساں ہوں اگر میں خود بھی خدا کی معصیت

کروں تو قطعاً خدا مجھے معاف کرے گا اور کسی سے نہ ہو سکے گا کہ مجھے بچا لے مجھے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نظر ہی نہیں آتی، میری حیثیت صرف مبلغ اور رسول کی ہے۔ بعض تو کہتے ہیں اِلَّا کا استثنا لَآ اَمْلِكُ سے ہے یعنی میں نفع و نقصان ہدایت ضلالت کا مالک نہیں میں تو صرف تبلیغ کرنے والا پیغام پہنچانے والا ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ سے یہ استثناء ہو یعنی خدا کے عذابوں سے مجھے صرف میری رسالت کی ادائیگی ہی بچا سکتی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الخ، یعنی اے رسول! تیری طرف جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچا دے اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچا لے گا۔ نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی جہنم کی آگ ہے جس میں سے نہ نکل سکیں نہ بھاگ سکیں۔ جب یہ مشرکین جن و انس قیامت والے دن ڈراؤنے عذابوں کو دیکھ لیں گے، اس وقت کھل جائے گا کہ کمزور مددگاروں والا اور بے وقعت گنتی والا کون تھا؟ یعنی مومن موحد یا یہ مشرک۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کا برائے نام بھی کوئی مدد کرنے والا اس دن نہ ہو گا اور خدائی لشکروں کے مقابلہ پر ان کی گنتی بھی گویا کچھ نہ ہو گی۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ
اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی
مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ
رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ
وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۱۹

کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لئے دور کی مدت مقرر کر دے ○ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ○ سوا اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے تو بے شک اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے ○ اس لئے کہ ان کا اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کے آس پاس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے ○

اللہ کے سوا، قیامت کب ہو گی کسی کو معلوم نہیں: ☆☆ (آیت: ۲۵-۲۸) اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ قیامت کب ہو گی اس کا علم مجھے نہیں بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور ہے اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے اس آیہ کریمہ میں دلیل ہے۔ اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں، وہ بالکل غلط ہے، اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے، ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے۔ حضور ﷺ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ اس کے معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے، اعرابی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آ کر جب قیامت کے بارے سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرمایا تھا کہ اس کا علم پوچھنے والے کو ہے نہ اسے جس سے پوچھا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے با آواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا وہ آئے گی ضرور، یہ بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی کثرت تو نہیں البتہ رسول اللہ کی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہو گا جس کی تجھے محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مسلمان کسی

حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ کو معلوم نہ تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! اگر تم میں علم ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کیا کرو خدا کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے یہاں بھی آپ کوئی مقررہ وقت نہیں بتلاتے۔ ابوداؤد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعد سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے فرمایا پانچ سو سال۔

اللہ ہی عالم الغیب ہے: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسے چن لے جیسے اور جگہ ہے وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ یعنی اس کے علم میں سے کسی چیز کو نہیں گھیر سکتے مگر جو اللہ چاہے۔ یعنی رسول خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے اللہ جتنا چاہتا ہے بتلا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔ پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو اللہ نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں۔ لِيَعْلَمَ کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف ہے یعنی حضرت جبرئیل کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تاکہ حضورؐ کو یقین آ جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریات سے تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت خدا ادا کر دی یعنی رسولوں کو جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں ذرا نظر ہے۔ یعقوب کی قرأت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الٰہی محفوظ رکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ جان لے کہ انہوں نے رسالت ادا کر دی۔

جیسے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا یعنی جس قبیلے پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسول کے سچے تابعداروں اور مرتدوں کو جان لیں۔ ایک اور جگہ ہے وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان لے گا اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی اللہ کے علم کے احاطہ میں ہے۔ الحمدللہ سورۂ جن کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورة المزمل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ
قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ
قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝٦

اللہ تعالیٰ بہت بڑے بخشنے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے کے نام سے شروع ○

اے جھرمٹ مار کر کپڑے اوڑھنے والے ○ رات کو تہجد پڑھا کر مگر تھوڑی رات ○ آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے ○ یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھا کر ○ یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے ○ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب کچل دیتا ہے اور بات کو بہت

درست کر دیتا ہے ○

''مزمل'' کا مفہوم : ☆☆ بزار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ آؤ مل کر آنحضرت ﷺ کا ایک ایسا نام تجویز کریں کہ سب کی زبان سے وہی نکلے تاکہ باہر کے لوگ ایک ہی آواز سن کر جائیں' تو بعضوں نے کہا ان کا نام کاہن رکھو' اس پر اوروں نے کہا درحقیقت وہ کاہن تو نہیں' کہا اچھا پھر ان کا نام مجنون رکھو' اس پر بھی اوروں نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں' پھر بعضوں نے کہا ساحر نام رکھو اس پر اور لوگوں نے کہا وہ ساحر یعنی جادوگر بھی نہیں' غرض وہ کوئی ایسا نام تجویز نہ کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو اور یہ مجمع یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا آنحضرت ﷺ یہ خبر سن کر منہ لپیٹ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہے۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور اسی طرح یعنی اے کپڑا لپیٹ کر اوڑھنے والے! کہہ کر آپ کو مخاطب کیا اس روایت کے ایک راوی معلیٰ بن عبدالرحمٰن سے گو اہل علم کی جماعت روایت لیتی ہے اور اس سے حدیثیں نقل کرتے ہیں لیکن ان کی روایتوں میں بہت سی ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر ان کی متابعت نہیں کی جاتی۔

رسول اللہ کو قیام اللیل اور ترتیل قرآن کا حکم : ☆☆ (آیت:۱-۶) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ راتوں کے وقت کپڑے لپیٹ کر سو رہنے کو چھوڑیں اور تہجد کی نماز کے قیام کو اختیار کر لیں۔ جیسے فرمان ہے تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ ہوتی ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں حضورؐ پوری عمر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے' تہجد کی نماز صرف آپ پر واجب تھی یعنی امت پر واجب نہیں ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ الخ' راتوں کو تہجد پڑھا کر' یہ حکم صرف تجھے ہے تیرا رب تجھے مقام محمود میں پہنچانے والا ہے۔ یہاں اس حکم کے ساتھ ہی مقدار بھی بیان فرما دی کہ آدھی رات یا کچھ کم و بیش۔

مزمل کے معنی سونے والے اور کپڑا لپیٹنے والے کے ہیں' اس وقت حضورؐ اپنی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے قرآن کے اچھی طرح لینے والے! تو آدھی رات تک تہجد میں مشغول رہا کر یا کچھ بڑھا گھٹا دیا کر اور قرآن شریف کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر تاکہ خوب سمجھتا جائے' اس حکم کے بھی حضور عامل تھے۔ حضرت صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی تھی گویا چھوٹی سی سورت بڑی سے بڑی ہو جاتی تھی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کا وصف پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں خوب مد کر کے حضورؐ پڑھا کرتے تھے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر سنائی جس میں لفظ اللہ پر لفظ رحمان پر لفظ رحیم پر مد کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر ہر آیت پر آپ پورا پورا وقف کرتے تھے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر وقف کرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر وقف کرتے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر وقف کرتے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ یہ حدیث مسند احمد' ابوداؤد اور ترمذی میں ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کے قاری سے قیامت والے دن کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا' تیرا درجہ وہ ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو۔ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ہم نے اس تفسیر کے شروع میں وہ احادیث وارد کر دی ہیں جو ترتیل کے مستحب ہونے اور اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں جیسے وہ حدیث جس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو

اور ہم میں سے وہ نہیں جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت حضورؐ کا یہ فرمانا کہ اسے آل داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے اور حضرت ابوموسیٰ کا فرمانا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور اچھے گلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ پڑھتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان کہ ریت کی طرح قرآن کو نہ پھیلاؤ اور شعروں کی طرح قرآن کو بے تہذیبی سے نہ پڑھو اس کے عجائب پر غور کرو اور دلوں میں اثر لیتے جاؤ اور اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ جلد سورت ختم ہو (بغوی)۔

ایک شخص آ کر حضرت ابن مسعودؓ سے کہتا ہے میں نے مفصل کی تمام سورتیں آج کی رات ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہو گا مجھے وہ برابر برابر کی سورتیں خوب یاد ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے پھر مفصل کی سورتوں میں سے بیس سورتوں کے نام لئے کہ ان میں سے دو دو سورتیں حضورؐ ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے ہم تجھ پر عنقریب بھاری بوجھل بات اتاریں گے یعنی عمل میں ثقیل ہو گی اور اترتے وقت بوجہ اپنی عظمت کے گراں قدر ہو گی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر وحی اتری اس وقت آپ کا گھٹنا میرے گھٹنے پر تھا وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ میں تو ڈرنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ نہ جائے۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ کو ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے کی آواز ہو میں چپکا ہو جاتا ہوں جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی۔ صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے حضرت حارث بن ہشامؓ پوچھتے ہیں یارسول اللہ! آپ کے اوپر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور وہ گن گناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اس میں جو کچھ کہا گیا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ پر وحی اتر چکتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکتے۔ مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی۔ ابن جریر میں یہ بھی ہے کہ پھر جب تک وحی ختم نہ ہولے اونٹنی سے قدم نہ اٹھایا جاتا نہ اس کی گردن اونچی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ خود وحی کا اترنا بھی اہم اور بوجھل تھا پھر احکام کا بجالانا اور ان کا عامل ہونا بھی ایسا ہی تھا۔ یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؒ سے منقول ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ ثقیل کام ہے اسی طرح آخرت میں اجر بھی بڑا بھاری ملے گا۔

رات کا اٹھنا نفس کی درستگی: پھر فرماتا ہے رات کا اٹھنا نفس کو زیر کرنے کے لئے اور زبان کو درست کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ نشاء کے معنی حبشی زبان میں قیام کرنے کے ہیں، رات بھر میں جب اٹھے اسے نَاشِئَةَ الَّیْلِ کہتے ہیں۔ تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ دل اور زبان ایک ہو جاتا ہے اور تلاوت کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں دل میں گڑ جاتے ہیں اور بہ نسبت دن کے رات کی تنہائی میں معنی خوب ذہن نشین ہوتا جاتا ہے کیونکہ دن بھیڑ بھاڑ کا، شور وغل کا، کمائی دھندے کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت انس نے اَقْوَمُ قِیْلًا کو اَصْوَبُ قِیْلًا پڑھا تو لوگوں نے کہا ہم تو اقوم پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اَصْوَبُ اَقْوَمُ اَھْیَأُ اور ان جیسے سب الفاظ ہم معنی ہیں۔

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ
إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
وَكِيلًا ۝۹

یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے ○ تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا ○ مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو اپنا کارساز بنا لے ○

(آیت: ۷-۹) پھر فرماتا ہے دن میں تجھے بہت فراغت ہے' نیند کر سکتے ہو' سو بیٹھ سکتے ہو' راحت حاصل کر سکتے ہو' نوافل بہ کثرت ادا کر سکتے ہو' اپنے کام کاج دنیوی پورے کر سکتے ہو پھر رات کو آخرت کے کام کے لئے خاص کر لو۔ اس بنا پر یہ حکم اس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور بطور تخفیف کے اس میں کمی کر دی اور فرمایا تھوڑی سی رات کا قیام کرو۔ اس فرمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے اِنَّ رَبَّكَ سے فَاقْرَءُ وا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک پڑھا اور آیت وَمِنَ الَّيْلِ کی بھی تلاوت کی آپ کا یہ قول ہے بھی ٹھیک۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت سعید بن ہشام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مدینہ کی طرف چلے تا کہ وہاں کے اپنے مکانات بیچ ڈالیں اور ان کی قیمت سے ہتھیار وغیرہ خرید کر جہاد میں جائیں اور رومیوں سے لڑتے رہیں یہاں تک کہ یا تو روم فتح ہو یا شہادت ملے' مدینہ شریف میں اپنی قوم والوں سے ملے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا سنو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں آپ ہی کی قوم میں سے چھ شخصوں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کو طلاق دے دیں' مکانات وغیرہ بیچ ڈالیں اور راہ للہ کھڑے ہو جائیں۔ حضورؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کیا جس طرح میں کرتا ہوں اس طرح نہ کرنے میں تمہارے لئے اچھائی نہیں ہے؟ خبردار ایسا نہ کرنا اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ' یہ حدیث سن کر حضرت سعدؓ نے بھی اپنا ارادہ ترک کیا اور وہیں اسی جماعت سے کہا کہ تم گواہ رہنا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ چلے گئے پھر جب اس جماعت سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے آنحضرت ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے کہا اس مسئلے کو سب سے زیادہ بہتر طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتلا سکتی ہیں تم وہیں جاؤ اور مائی صاحبہ ہی سے دریافت کرو اور مائی صاحبہ سے جو سنو وہ ذرا مجھ سے کہہ جانا۔ میں حضرت حکیم بن افلح کے پاس گیا اور ان سے میں نے کہا تم مجھے ام المومنین کی خدمت میں لے چلو' انہوں نے فرمایا میں وہاں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ ان دونوں آپس میں لڑنے والی جماعتوں یعنی حضرت علی اور ان کے مقابلین کے بارے میں آپ کچھ دخل نہ دیجئے لیکن انہوں نے نہ مانا اور دخل دیا۔ میں نے انہیں قسم دی اور کہا کہ نہیں آپ مجھے ضرور وہاں لے چلئے' خیر بمشکل تمام وہ راضی ہوئے اور میں ان کے ساتھ گیا' مائی صاحبہ نے حضرت حکیم کی آواز پہچان لی اور کہا کیا حکیم ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں حضور! میں حکیم بن افلح ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا سعد بن ہشام۔ پوچھا ہشام کون' عامر کے لڑکے؟ کہا ہاں عامر کے لڑکے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عامر کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا عامر بہت اچھا آدمی تھا خدا اس پر رحم کرے' میں نے کہا ام المومنین مجھے بتلایئے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

میں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا بس حضورؐ کا خلق قرآن تھا۔ اب میں نے اجازت مانگنے کا قصد کیا لیکن فوراً ہی یاد آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا حال بھی دریافت کرلوں۔ اس سوال کے جواب میں مائی صاحبہ نے فرمایا کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہا ہاں پڑھی ہے۔

فرمایا سنو اس سورت کے اول حصے میں قیام اللیل فرض ہوا اور سال بھر تک حضورؐ اور آپ کے اصحاب تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قدموں پر ورم آ گیا' بارہ ماہ کے بعد اس سورت کے خاتمہ کی آیتیں اتریں اور اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی' فرضیت اٹھ گئی اور نفلیت باقی رہ گئی۔ میں نے پھر اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ وتر کا مسئلہ بھی دریافت کرلوں تو میں نے کہا ام المومنین! حضور ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت سے بھی آگاہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا ہاں سنو ہم آپ کی مسواک وضو کا پانی وغیرہ تیار کر کے ایک طرف رکھ دیا کرتے تھے جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا اور آپ کی آنکھ کھلتی' اٹھتے' مسواک کرتے' وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے' بیچ میں تشہد میں بالکل نہ بیٹھتے' آٹھویں رکعت پوری کر کے آپ التحیات میں بیٹھتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے' دعا کرتے اور بغیر سلام پھیرے نویں رکعت کے لیے کھڑے ہوتے پھر اس میں بھی التحیات میں اللہ کا ذکر اور دعا کرتے اور زور سے سلام پھیرتے کہ ہم بھی سن لیں پھر بیٹھے بیٹھے ہی دو رکعتیں اور ادا کرتے (اور ایک وتر پڑھتے) بیٹا یہ سب مل کر گیارہ رکعتیں ہوئیں اب جبکہ آپ عمر رسیدہ ہوئے اور بدن بھاری ہو گیا تو آپ نے سات وتر پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں بس بیٹا یہ نو رکعتیں ہوئیں اور حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی نماز کو پڑھتے تو پھر اس پر مداومت کرتے ہاں اگر کسی شغل یا نیند یا دکھ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرما لیا کرتے' میں نہیں جانتی کہ کسی ایک رات میں رسول اللہ ﷺ نے پورا قرآن صبح تک پڑھا ہو اور نہ رمضان کے سوا کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے۔ اب میں ام المومنینؓ سے رخصت ہو کر ابن عباسؓ کے پاس آیا اور وہاں کے تمام سوال وجواب دہرائے۔ آپ نے سب کی تصدیق کی اور فرمایا اگر میری بھی آمد ورفت مائی صاحبہ کے پاس ہوتی تو جا کر خود اپنے کانوں سن آتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضورؐ کی نماز تہجد: ابن جریر میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نبی ﷺ کے لئے بوریا رکھ دیا کرتی جس پر آپ تہجد کی نماز پڑھتے' لوگوں نے کہیں یہ خبر سن لی اور رات کی نماز میں حضورؐ کی اقتدا کرنے کے لئے وہ بھی آ گئے' حضورؐ غضبناک ہو کر باہر نکلے چونکہ شفقت ورحمت آپ کو امت پر تھی اور ساتھ ہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو یہ نماز فرض ہو جائے آپ ان سے فرمانے لگے کہ لوگو! ان ہی اعمال کی تکلیف اٹھاؤ جن کی تم میں طاقت ہو' اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہ تھکے گا البتہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ گے' سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو سکے۔ ادھر قرآن کریم میں یہ آیتیں اتریں اور صحابہ نے قیام اللیل شروع کیا یہاں تک کہ رسیاں باندھنے لگے کہ نیند نہ آ جائے۔ آٹھ مہینے اسی طرح گزر گئے ان کی اس کوشش کو جو وہ اللہ کی رضامندی کی طلب میں کر رہے تھے دیکھ کر اللہ نے بھی ان پر رحم کیا اور اسے فرض عشا کی طرف لوٹا دیا اور قیام اللیل چھوڑ دیا۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی ہے لیکن اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ زبیدی ضعیف ہے۔ اصل حدیث بغیر سورۂ مزمل کے نازل ہونے کے ذکر کے صحیح میں بھی ہے اور اس حدیث کے الفاظ کی روانگی سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ دراصل یہ سورت مکہ شریف میں اتری ہے۔ اسی طرح اس روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے کے بعد اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں' یہ قول بھی غریب ہے' صحیح وہی ہے جو بحوالہ مسند پہلے گزر چکا کہ سال بھر کے بعد آخری آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ابن ابی حاتم میں منقول ہے کہ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام مثل رمضان شریف کے قیام کرتے رہے اور اس سورت کی اول آخر کی آیتوں کے اترنے میں تقریباً سال بھر کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابو اسامہؓ سے بھی ابن جریر میں اس طرح مروی ہے۔

صحابہ اور تہجد: ☆☆ حضرت ابو عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرام نے سال بھر تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں ورم کر گئیں پھر فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ نازل ہوئی اور لوگوں نے راحت پائی۔ حسن بصریؒ اور سدیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم میں بہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سولہ مہینے کا فاصلہ مروی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ایک سال یا دو سال تک قیام کرتے رہے، پنڈلیاں اور قدم سوجھ گئے پھر آخری سورت کی آیتیں اتریں اور تخفیف ہوگئی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ دس سال کا فاصلہ بتاتے ہیں (ابن جریر)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت کے حکم کے مطابق ایمانداروں نے قیام اللیل شروع کیا لیکن بڑی مشقت پڑتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ سے مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک آیتیں نازل فرما کر وسعت کر دی اور تنگی نہ رکھی فَلَهُ الْحَمْدُ۔ پھر فرمان ہے اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ اور اس کی عبادت کے لئے فارغ ہو جا یعنی امور دنیا سے فارغ ہو کر دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ بہ کثرت اس کا ذکر کر، اس کی طرف مائل اور سراسر راغب ہو جا۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یعنی جب اپنے شغل سے فارغ ہو تو ہماری عبادت محنت سے بجا لاؤ۔ اخلاص، فارغ البالی، کوشش، محنت، دل لگی اور یکسوئی سے اللہ کی طرف جھک جاؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے تبتل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے، یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر اللہ کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو۔ وہ مالک ہے وہ متصرف ہے، مشرق مغرب سب اسی کے قبضہ میں ہے، اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں، تو جس طرح صرف اسی اللہ کی عبادت کرتا ہے اسی طرح صرف اسی پر بھروسہ بھی رکھ جیسے اور آیت میں ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر، یہی مضمون اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں بھی ہے، اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ عبادت، اطاعت، توکل اور بھروسہ کے لائق ایک اسی کی پاک ذات ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ
وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾
وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ
وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا
عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ
فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ
الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

اور جو وہ کہیں تو سہتا رہ اور انہیں اچھی طرح چھوڑے رکھ ○ اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے ○ یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے ○ اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے ○ جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا جائیں گے اور

پہاڑ مثل بھربھری ریت کے ٹیلوں کے ہو جائیں گے ○ ہم نے تو تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا ○ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی جس بنا پر ہم نے اسے سخت وبال کی پکڑ میں پکڑ لیا ○ تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ جس دن میں آسمان بھی پھٹ جائے گا، اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہنے والا ہے ○

نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۸) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو کفار کی طعن آمیز باتوں پر صبر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کے حال پر بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی چھوڑ دے، میں خود ان سے نمٹ لوں گا، میرے غضب اور غصے کے وقت دیکھ لوں گا کہ جو بے فکرے ہیں اور تجھے ستانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں، جن پر دوہرے حقوق ہیں، مال کے اور جان کے اور یہ ان میں سے ایک بھی ادا نہیں کرتے، تو ان سے بے تعلق ہو جا پھر دیکھ کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں، تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے یہ فائدہ اٹھا لیں مگر انجام کار عذابوں میں پھنسیں گے اور عذاب بھی کون سے؟ سخت قید و بند کے اور بدترین بھڑکتی ہوئی، نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے اور اس کھانے کے جو حلق میں جا کر اٹک جائے، نہ نگل سکیں نہ اگل سکیں اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے، پھر وہ وقت بھی وہ ہو گا جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوا ہو گا اور سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہو گئے ہوں گے جیسے بھربھری ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا ادھر سے ادھر لے جائے گی اور نام و نشان تک مٹا دے گی اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائے گی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئے گی۔

اہل فرعون کی طرح نہ بنو: ☆☆ پھر فرماتا ہے اے لوگو اور خصوصاً اے کافرو! ہم نے تم پر گواہی دینے والا اپنا صادق رسول تم میں بھیج دیا ہے جیسے کہ فرعون کے پاس بھی ہم نے اپنے احکام کے پہنچا دینے کے لئے اپنے ایک رسول کو بھیجا تھا اس نے جب اس رسول کی نہ مانی تو تم جانتے ہو کہ ہم نے اسے بری طرح برباد کیا اور سختی سے پکڑ لیا۔ اسی طرح یاد رکھو اگر اس نبی کی تم نے بھی نہ مانی تو تمہاری خیر نہیں، عذاب خدا تم پر بھی اتر آئیں گے اور تہس نہس کر دیئے جاؤ گے، کیونکہ یہ رسول رسولوں کے سردار ہیں، ان کے جھٹلانے کا وبال بھی اور وبالوں سے بڑا ہے۔ اس کے بعد کی آیت کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر تم نے کفر کیا تو بتاؤ تو سہی کہ اس دن کے عذابوں سے کیسے نجات حاصل کرو گے؟ جس دن کی ہیبت، خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور دوسرے معنی یہ کہ اگر تم نے اتنے بڑے ہولناک دن کا بھی کفر کیا اور اس کے بھی منکر رہے تو تمہیں تقویٰ اور خدا کا ڈر کیسے حاصل ہو گا؟ گو یہ دونوں معنی نہایت عمدہ ہیں لیکن اول اولیٰ ہیں واللہ اعلم۔

جنتیوں اور جہنمیوں کی نسبت: ☆☆ طبرانی میں ہے رسول مقبول ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو الگ الگ کرو، وہ پوچھیں گے خدایا! کتنی تعداد میں سے کتنے؟ حکم ہو گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے تو ہوش اڑ گئے اور گھبرا گئے حضور بھی ان کے چہرے دیکھ کر سمجھ گئے اور بطور تشفی کے فرمایا سنو! بنو آدم بہت سے ہیں، یاجوج ماجوج بھی اولاد آدم میں سے ہیں جن میں سے ایک ایک اپنے پیچھے پیچھے خاص اپنی صلبی اولاد ایک ایک ہزار چھوڑ کر جاتا ہے پس ان میں اور ان جیسوں میں مل کر جہنمیوں کی یہ تعداد ہو جائے گی اور جنت تمہارے لئے اور تم جنت کے لئے ہو جاؤ گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور سورۂ حج کی تفسیر کے شروع میں اس جیسی احادیث کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس دن کی ہیبت اور دہشت کے مارے آسمان بھی پھٹ جائے گا بعضوں نے ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف کیا ہے لیکن یہ قوی نہیں اس لئے کہ یہاں ذکر ہی نہیں، اس دن کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہو کر ہی رہے گا، اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ
يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْمُ أَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ أَنْ لَّنْ
تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ أَنْ
سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۡ فَاقْرَءُوْا
مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا
حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ
خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾

بے شک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کر لے ○ تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھا سکو گے پس اس نے تم پر مہربانی کی لہٰذا جتنا قرآن پڑھنا تم پر آسان ہو اتنا ہی پڑھو۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی بھی تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے سو تم با آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیج دو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

پیغام نصیحت وعبرت اور قیام اللیل: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۰) فرماتا ہے کہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت وعبرت ہے جو بھی طالب ہدایت ہو وہ مرضیٔ مولا سے ہدایت کا راستہ پالے گا اور اپنے رب کی طرف پہنچ جانے کا ذریعہ حاصل کر لے گا' جیسے دوسری سورت میں فرمایا وَمَآ تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا تمہاری چاہت کام نہیں آتی وہی ہوتا ہے جو اللہ کا چاہا ہوا ہو۔ صحیح علم والا اور پوری حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ کا اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کا کبھی دو تہائی رات تک قیام میں مشغول رہنا کبھی آدھی رات اسی میں گزرنا' کبھی تہائی رات تک تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے گو تمہارا مقصد ٹھیک اس وقت کو پورا کرنا نہیں ہوتا اور ہے بھی وہ مشکل کام' کیونکہ رات دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے۔ کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں کبھی رات چھوٹی دن بڑا کبھی دن چھوٹا رات بڑی' اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کو بنانے کی طاقت تم میں نہیں۔ تو اب رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی تم با آسانی پڑھ سکو' کوئی وقت مقرر نہیں کہ فرضاً اتنا وقت لگانا ہی ہو گا۔ یہاں صلوٰۃ کی تعبیر قرأت سے کی ہے جیسے سورۂ سبحان میں ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ یعنی اپنی قرأت نہ تو بہت بلند کر نہ بالکل پست کر۔

نماز میں سورۂ فاتحہ: ☆☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کر کے یہ مسئلہ کہا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ہی کا

پڑھنا متعین نہیں اسے پڑھے خواہ اور کہیں سے پڑھ لے گو ایک ہی آیت پڑھے کافی ہے اور پھر اس مسئلہ کی مضبوطی اس حدیث سے کی ہے جس میں ہے کہ بہت جلدی جلدی نماز ادا کرنے والے کو حضور نے فرمایا تھا پھر پڑھ جو آسان ہو تیرے ساتھ قرآن سے (صحیحین)

یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے اور جمہور نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ صحیحین کی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث میں آ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں ہے مگر یہ کہ تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور صحیح مسلم شریف میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ بالکل ادھوری، محض ناکارہ، ناقص اور ناتمام ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ان ہی کی روایت سے ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی اس شخص کی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے (پس ٹھیک قول جمہور کا ہی ہے کہ ہر نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا لازمی اور متعین ہے)۔

مکے میں جہاد کی پیشین گوئی: ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہیں جو قیام لیل کے ترک پر معذور ہیں مثلاً بیمار کہ جنہیں اس کی طاقت نہیں، مسافر کہ روزی کی تلاش میں ادھر ادھر جا رہے ہیں، مجاہد جو اہم تر شغل میں مشغول ہیں۔ یہ آیت بلکہ یہ پوری سورت مکی ہے، مکہ شریف میں نازل ہوئی، اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمانوں کو جہاد میں پوری مشغولی ہوئی یہ نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے تو ان عذروں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ جتنا قیام تم سے با آسانی کیا جا سکے کر لیا کرو۔

حضرت ابو رجاء محمد نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابو سعید! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو پورے قرآن کا حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا صرف فرض نماز پڑھتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس نے قرآن کو تکیہ بنا لیا، اس پر خدا کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک غلام کے لئے فرمایا کہ وہ ہمارے علم کو جاننے والا ہے اور فرمایا تم وہ سکھائے گئے ہو جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادے۔ میں نے کہا ابو سعید اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے جو قرآن آسانی سے تم پڑھ سکو پڑھو، فرمایا ہاں ٹھیک تو ہے پانچ آیتیں ہی پڑھ لو پس بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن کا رات کی نماز میں کچھ نہ کچھ قیام کرنا امام حسن بصری کے نزدیک حق و واجب تھا۔ ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو صبح تک سویا رہتا ہے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے، اس کا تو ایک تو یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو رات کو نفلی قیام نہ کرے۔ سنن کی حدیث میں ہے اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو۔ دوسری روایت میں ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ حسن بصری کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابو بکر بن عبدالعزیز حنبلی کا ہے جو کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے کا قیام فرض ہے واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ تہجد کی نماز نہ تو رمضان میں واجب ہے نہ غیر رمضان میں، رمضان کی بابت بھی حدیث شریف میں صاف آ چکا ہے وقیام لیلہ تطوعا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے قیام کو نفلی قرار دیا ہے وغیرہ واللہ اعلم۔ مترجم) طبرانی کی حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں بہت مرفوعا مروی ہے کہ گو سو ہی آیتیں ہوں، لیکن یہ حدیث بہت غریب ہے صرف معجم طبرانی میں ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کی حفاظت کرو اور فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کیا کرو، یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں فرضیت زکوٰۃ کا حکم مکہ شریف میں ہی نازل ہو چکا تھا ہاں کتنی نکالی جائے؟ نصاب کیا ہے؟ وغیرہ یہ سب مدینہ میں بیان ہوا۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ رحمہم اللہ عنہم وغیرہ سلف کا فرمان ہے کہ اس آیت نے اس سے پہلے کے حکم رات کے قیام کو

منسوخ کر دیا' ان دونوں حکموں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ اس میں جو اختلاف ہے اس کا بیان اوپر گزر چکا۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا باقی سب نوافل ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو یعنی راہ للہ صدقہ وخیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور اعلیٰ اور پورا بدلہ دے گا' جیسے اور جگہ ہے ایسا کون ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے اور خدا اسے بہت کچھ بڑھائے چڑھائے۔ تم جو بھی نیکیاں کر کے بھیجو گے وہ تمہارے لئے اس چیز سے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے بہت ہی بہتر اور اجر وثواب میں بہت ہی زیادہ ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے ایک مرتبہ پوچھا تم میں سے ایسا کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا حضور ہم میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اور سوچ لو۔ انہوں نے کہا حضورؐ یہی بات ہے۔ فرمایا سنو تمہارا مال وہ ہے جسے تم راہ للہ دے کر اپنے لئے آگے بھیج دو اور جو چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا مال نہیں وہ تو تمہارے وارثوں کا مال ہے۔ یہ حدیث بخاری شریف اور نسائی میں بھی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کیا کرو اور اپنے تمام کاموں میں استغفار کیا کرو' جو استغفار کرے وہ مغفرت۔

تفسیر سورة المدثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَأَنذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَٱلرُّجْزَ
فَٱهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَٱصْبِرْ ۝٧ فَإِذَا نُقِرَ
فِى ٱلنَّاقُورِ ۝٨ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝٩ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ غَيْرُ
يَسِيرٍ ۝١٠

اللہ تعالیٰ رحم ورحمت کرنے والے کے نام سے شروع

اے کپڑا اوڑھنے والے ○ کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے ○ اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر ○ اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر ○ ناپاکی کو چھوڑ دے ○ اور احسان کر کے زیادتی کی خواہش نہ کر ○ اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر ○ پس جب کہ صور پھونکا جائے گا ○ اس دن کا یہ وقت ایک سخت دن ہوگا ○ جو کافروں پر آسان نہ ہوگا ○

ابتدائے وحی: ☆☆ (آیت: ۱-۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہی آیت یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی ہے لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ کی آیتیں ہیں جیسے اسی سورت کی تفسیر کے موقع پر آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یحییٰ بن ابو کثیر فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کون سی آیتیں نازل ہوئیں؟ تو فرمایا یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ میں نے کہا لوگ تو اِقْرَاْ بِاسْمِ بتلاتے ہیں فرمایا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا اور میں نے بھی وہی کہا جو تم نے مجھے کہا اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حراء میں یاد خدا کی' جب میں وہاں سے فارغ ہوا اور اترا تو

میں نے سنا کہ گویا مجھے کوئی آواز دے رہا ہے' میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا اور مجھے نظر پڑا' میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو- انہوں نے ایسا ہی کیا اور یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کی آیتیں اتریں (بخاری)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے وحی کے رک جانے کی حدیث بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی طرف سے مجھے آواز سنائی دی' میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے' میں مارے ڈر اور گھبراہٹ کے زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آتے ہی کہا کہ مجھے کپڑوں سے ڈھک دو چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑے اوڑھا دیئے اور سورۂ مدثر کی فَاھْجُرْ تک کی آیتیں اتریں۔ ابوسلمہ فرماتے ہیں رجز سے مراد بت ہیں- پھر وحی برابر تابڑ توڑ گرما گرمی سے آنے لگی- یہ لفظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی آئی تھی کیونکہ آپ کا فرمان موجود ہے کہ یہ وہی تھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام جبکہ غار میں سورۂ اقرا کی آیتیں مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھا گئے تھے پھر اس کے بعد وحی کچھ زمانہ تک نہ آئی پھر جو اس کی آمد شروع ہوئی تو اس میں سب سے پہلے وحی سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں تھیں اور اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ دراصل سب سے پہلی وحی تو اقرا کی آیتیں ہیں پھر وحی کے رک جانے کے بعد کی سب سے پہلی وحی اس سورت کی آیتیں ہیں۔ اس کی تائید مسند احمد وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ہوتی ہے' جن میں ہے کہ وحی رک جانے کے بعد کی پہلی وحی اس کی ابتدائی آیتیں ہیں-

طبرانی میں اس سورت کا شان نزول یہ مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریشیوں کی دعوت کی' جب کھا پی چکے تو کہنے لگا بتاؤ تم اس شخص کی بابت کیا کہتے ہو؟ تو بعضوں نے کہا جادوگر ہے' بعض نے کہا جادوگر نہیں ہے۔ بعض نے کہا کاہن ہے' کسی نے کہا کاہن نہیں ہے بعض نے کہا شاعر ہے بعض نے کہا شاعر نہیں ہے' بعض نے کہا اس کا یہ کلام یعنی قرآن منقول جادو ہے' چنانچہ اس پر اجماع ہو گیا کہ اسے منقول جادو کہا جائے۔ حضور کو جب یہ اطلاع پہنچی تو غمگین ہوئے اور سر پر کپڑا ڈال لیا اور کپڑا اوڑھ بھی لیا جس پر یہ آیتیں فَاصْبِرْ تک اتریں-

دعوت دین کے لوازمات : ☆☆ پھر فرماتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ یعنی عزم اور قوی ارادے کے ساتھ کمربستہ اور تیار ہو جاؤ اور لوگوں کو ہماری ذات سے' جہنم سے' ان کے بداعمال کی سزا سے ڈرا دو' ان کے کان کھڑے کر دو' ان سے غفلت کو دور کر دو- پہلی وحی سے نبوۃ کے ساتھ حضور کو ممتاز کیا گیا اور اس وحی سے آپ رسول بنائے گئے اور اپنے رب ہی کی تعظیم کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی معصیت' بدعہدی' وعدہ شکنی وغیرہ سے بچتے رہو جیسے کہ شاعر کے شعر میں ہے کہ بحمداللہ میں فسق و فجور کے لباس سے اور عذر کے رومال سے عاری ہوں- عربی محاورے میں یہ برابر آتا ہے کہ کپڑے پاک رکھو یعنی گناہ چھوڑ دو' اعمال کی اصلاح کر لو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ دراصل آپ نہ تو کاہن ہیں نہ جادوگر ہیں' یہ لوگ کچھ ہی کہا کریں آپ پرواہ بھی نہ کریں- عربی محاورے میں جو معصیت آلود' بدعہد ہو اسے میلے اور گندے کپڑوں والا اور جو عصمت مآب' پابند وعدہ ہو اسے پاک کپڑوں والا کہتے ہیں- شاعر کہتا ہے ؎

اِذَا لَمْ رَاءُ لَمْ یَدْنَسْ مِنَ اللُّوْمِ عِرْضَهٗ   فَكُلُّ رِدَآءٍ يَّرْتَدِيْهِ جَمِيْلٌ

یعنی انسان جبکہ سیہ کاریوں سے الگ ہے تو ہر کپڑے میں وہ حسین ہے اور یہ مطلب بھی ہے کہ غیر ضروری لباس نہ پہنو' اپنے کپڑوں کو معصیت آلود نہ کرو- کپڑے پاک صاف رکھو' میلوں کو دھو ڈالا کرو' مشرکوں کی طرح اپنا لباس ناپاک نہ رکھو- دراصل یہ سب مطالب ٹھیک ہیں یہ بھی ہو' وہ بھی ہو اور ساتھ ہی دل بھی پاک ہو- دل پر بھی کپڑے کا اطلاق کلام عرب میں پایا جاتا ہے۔ جیسے امرؤ القیس

کے شعر میں ہے اور حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اپنے دل کو اور اپنی نیت کو صاف رکھو۔ محمد بن کعب قرظی اور حسن سے یہ بھی مروی ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھے رکھو۔ گندگی کو چھوڑ دو یعنی بتوں کو اور نافرمانی خدا کو چھوڑ دو جیسے اور جگہ فرمان ہے یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی نہ مانو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا اے ہارون! میرے بعد میری قوم میں تم میری جانشینی کرو اصلاح کے درپے رہو اور مفسدوں کی راہ نہ لگو۔

نیکی کر دریا میں ڈال: ☆☆ پھر فرماتا ہے عطیہ دے کر زیادتی کے خواہاں نہ رہو۔ ابن مسعود کی قرأت میں اَنْ تَسْتَكْثِرَ ہے یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا احسان اللہ تعالیٰ پر طلب کی کثرت سے تنگ نہ کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طلب خیر میں کمزوری نہ برتو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی نبوت کا بار احسان لوگوں پر رکھ کر اس کے عوض دنیا طلبی نہ کرو۔ یہ چار قول ہوئے لیکن اول اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے ان کی ایذا پر جو راہ خدا میں تجھے پہنچے تو رب کی رضامندی کی خاطر صبر و سہار کر، اللہ تعالیٰ نے جو تجھے منصب دیا ہے اس پر لگا رہ اور جما رہ۔ ناقور سے مراد صور ہے۔ مسند احمد ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیسے راحت سے رہوں؟ حالانکہ صور والے فرشتے نے اپنے منہ میں صور لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے ہوئے حکم الٰہی کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ اصحاب رسول ﷺ نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا پس صور کے پھونکے جانے کا ذکر کر کے یہ فرما کر جب صور پھونکا جائے گا پھر فرماتا ہے کہ وہ دن اور وہ وقت کافروں پر بڑا سخت ہوگا، جو کسی طرح آسان نہ ہوگا جیسے اور جگہ خود کفار کا قول مروی ہے کہ يَقُوْلُ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ یہ آج کا دن تو بے حد گراں بار اور سخت مشکل کا دن ہے۔ حضرت زرارہ بن اوفیٰ رحمۃ اللہ علیہ جو بصرے کے قاضی تھے، وہ ایک مرتبہ اپنے مقتدیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، اسی سورت کی تلاوت تھی جب اس آیت پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے۔ لوگوں نے دیکھا روح پرواز ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾
وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾

مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے یکتا پیدا کیا ہے ○ اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے ○ اور حاضر باش فرزند بھی ○ اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے ○ پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ○

جہنم کی ایک وادی صعود اور ولید بن مغیرہ: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۵) جس خبیث شخص نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن کو انسانی قول کہا اس کی سزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا، مال و اولاد یا اور کچھ ساتھ نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار بنا دیا، ہزاروں لاکھوں دینار زر زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار بعض اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دیئے جو سب کے سب اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے، نوکر چاکر لونڈی غلام کام کاج کرتے رہتے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کی ساتھ گزارتا۔ غرض دھن دولت لونڈی غلام بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی پھر بھی خواہش نفس پوری نہیں ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور بڑھا دے حالانکہ ایسا اب نہ ہوگا، یہ ہماری باتوں کے علم کے بعد کفر اور سرکشی کرتا ہے، اسے صعود پر چڑھایا جائے گا۔

كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿١٦﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿١٧﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ
وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾
ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا
تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

نہیں نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے ○ میں تو اسے مشقت والی تکلیف پہنچاؤں گا ○ اس نے غور کر کے تجویز کی ○ اسے ہلاکت ہو کیسی سوچی ○ وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا ○ اس نے پھر دیکھا ○ اور ترش رو ہو کر منہ بنالیا ○ پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا ○ اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے ○ یہ سوائے انسانی قول کے کچھ نہیں ○ میں اسے عنقریب دوزخ میں ڈالوں گا ○ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے ○ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ○ کھال کو جھلسا دیتی ہے ○ اور اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ○

(آیت:۱۶-۳۰) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر گرایا جائے گا چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا لیکن پھر بھی تہ تک نہ پہنچے گا اور صعود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا' ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا' ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا' یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے غریب کہتے ہیں ساتھ ہی اس میں نکارت بھی ہے- ابن ابی حاتم میں ہے کہ صعود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا اس پر چڑھے' ہاتھ رکھتے ہی راکھ ہو جائے گا اور اٹھاتے ہی بدستور ہو جائے گا اسی طرح پاؤں بھی-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر اپنے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا- سدی کہتے ہیں یہ پتھر بڑا پھسلنا ہے- مجاہدؒ کہتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم اسے مشقت والا عذاب کریں گے- قتادہؒ فرماتے ہیں ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت نہ ہو- امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں- پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس تکلیف دہ عذاب سے اس لئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا' وہ سوچ سوچ کر گھڑنت گھڑ رہا تھا کہ وہ قرآن کو کیا کہے اور بات بنائے۔ پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورۂ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمے کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے' یہ برباد کر دیا جائے' کتنا بد کلام سوچا اور کتنی بے حیائی کی جھوٹ بات گھڑ نکالی؟ بار بار کے غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال ڈال کر منہ بگاڑ بگاڑ کر' حق سے ہٹ کر' بھلائی سے منہ موڑ موڑ کر اطاعت الٰہی سے پھیر کر دل کڑا کر کے صاف کہہ دیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد (ﷺ) اپنے سے پہلے لوگوں کا جادو کا منتر نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سنا رہے ہیں' یہ کلام ربانی نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا' قریش کا سردار تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید پلید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چند آیتیں پڑھ سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا لوگو! تعجب کی بات ہے حضرت محمد ﷺ جو قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم نہ تو وہ

شعر ہے نہ جادو کا منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ قریشیوں نے یہ سن کر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی بے اسلام لائے باقی نہ رہے گا۔ ابوجہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اسے اسلام سے پھیر دوں گا۔ یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر یہ ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سا مال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں۔ اس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان کے چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے' دنیا جانتی ہے کہ ان سب میں مجھ سے زیادہ مال و اولاد والا کوئی نہیں۔ ابوجہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان سے کچھ حاصل وصول ہو۔ ولید کہنے لگا اوہو! میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں' مجھے مطلق معلوم نہ تھا۔ اچھا اب قسم اللہ کی نہ میں ابوبکر کے پاس جاؤں نہ عمر کے پاس نہ رسول کے پاس اور وہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی ذَرْنِیْ سے لَا تَذَرُ تک۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس نے کہا تھا قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے' اس میں چمک ہے' یہ غالب ہے مغلوب نہیں' لیکن ہے یقیناً جادو' اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ابن جریر میں ہے کہ ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور قرآن سن کر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابوجہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ کھلم کھلا مسلمان نہ ہو جائے' اسے بھڑکانے کے لئے جھوٹ موٹ کہنے لگا کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ کو دین اور آپ کا محمد (ﷺ) کے پاس جانا چھڑوائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں۔ اس نے غصہ میں آ کر کہا میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں؟ ابوجہل نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ محمد (ﷺ) سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اسی کے ہو گئے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے تو آپ اس کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہیں تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کو اس سے کوئی طمع نہیں۔ اس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے اللہ کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ ہے اور رجز ہے نہ جنات کا قول اور ان کے اشعار ہیں' تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے' میں خود نامی شاعر ہوں' کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن اللہ کی قسم! محمد کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں' اللہ جانتا ہے اس میں عجب حلاوت' مٹھاس' لذت' شیفتگی اور دلیری ہے' وہ تمام کلاموں کا سردار ہے' اس کے سامنے اور کوئی کلام جچتا نہیں' وہ سب پر چھا جاتا ہے' اس میں کشش' بلندی اور جذب ہے' اب تم ہی بتلاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا کہوں؟ ابوجہل نے کہا سنو جب تک تم اسے برائی کے ساتھ یاد نہ کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے۔ اس نے کہا اچھا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہہ دوں گا۔ چنانچہ سوچ ساچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے۔ اس پر ذَرْنِیْ سے تِسْعَۃَ عَشَرَ تک کی آیتیں اتریں۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ دارالندوہ میں بیٹھ کر ان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر چوطرف سے لوگ آئیں گے تو بتلاؤ انہیں محمد (ﷺ) کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی تجویز کرو کہ سب بہ یک زبان وہی بات کہیں تا کہ عرب بھر میں اور پھر اور جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے تو اب کسی نے شاعر کہا' کسی نے جادوگر کہا' کسی نے کاہن اور نجومی کہا' کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا' ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور و فکر کر کے دیکھ بھال کر' تیوری چڑھا اور منہ بنا کر کہنے لگا جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا یعنی ذرا دیکھ تو سہی تیری کیسی کیسی مثالیں گھڑتے ہیں لیکن بہک بہک کر رہ جاتے ہیں اور کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

ولید کے لیے جہنم کی سزا: ☆☆ اب اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں اسے جہنم کی آگ میں غرق کر دوں گا' جو زبردست خوفناک عذاب کی آگ ہے' جو گوشت پوست کو' رگ پٹھوں کو کھا جاتی ہے' پھر یہ سب نئے آتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں' نہ موت آئے نہ راحت والی زندگی ملے' کھال ادھیڑ دینے والی وہ آگ ہے' ایک ہی لپک میں جسم کو رات سے زیادہ سیاہ کر دیتی ہے' جسم و جلد کو بھون بھلس دیتی ہے' انیس انیس داروغے اس پر مقرر ہیں جو نہ تھکیں نہ رحم کریں۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ چند یہودیوں نے صحابہؓ سے پوچھا بتلاؤ تو جہنم کے داروغوں کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ پھر کسی شخص نے آ کر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا اسی وقت آیت عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی آپ نے صحابہ کو سنا دی اور کہا ذرا انہیں میرے پاس تو لاؤ میں بھی ان سے پوچھوں کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ سنو وہ سفید میدہ کی طرح ہے پھر یہودی آپ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو دفعہ جھکائیں دوسری دفعہ میں انگوٹھا روک لیا یعنی انیس پھر فرمایا تم بتلاؤ کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ انہوں نے ابن سلام سے کہا آپ ہی کہئے ابن سلام نے کہا گویا وہ سفید روٹی ہے آپ نے فرمایا یاد رکھو یہ سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو۔ (ابن ابی حاتم)

مسند بزار میں ہے کہ جس شخص نے حضورؐ کو صحابہ کے لاجواب ہونے کی خبر دی تھی اس نے آن کر کہا تھا کہ آج تو آپ کے اصحاب ہار گئے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا جواب نہ بن پڑا اور کہنا پڑا کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ لیں۔ آپؐ نے فرمایا بھلا وہ بھی ہارے ہوئے کہے جا سکتے ہیں جن سے وہ بات پوچھی جاتی ہے جسے وہ نہیں جانتے' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ کر جواب دیں گے۔ ان یہودیوں کو' دشمنان خدا کو ذرا میرے پاس تو لا' وہاں انہوں نے اپنے نبی سے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیا تھا اور ان پر عذاب بھیجا گیا تھا اب یہود بلوائے گئے' جواب دیا گیا اور حضورؐ کے سوال پر یہ بڑے چکرائے' ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَا
ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ
يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۳۱ كَلَّا
وَالْقَمَرِ ۳۲ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۳۳ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۳۴ اِنَّهَا لَاِحْدَى
الْكُبَرِ ۳۵ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۳۶ لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۳۷

ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتوں کو کیا ہے اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایماندار ایمان میں بڑھ جائیں اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس [illegible] سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو کل بنی آدم کے لئے سراسر پند و نصیحت ہے ○ سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی ○ اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے ○ اور صبح کی جب کہ روشن جائے ○ کہ یقیناً جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے ○ بنی آدم کو ڈرانے والی ○ یعنی اسے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا ○

سخت دل بے رحم فرشتے اور ابوجہل: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے کرنے پر اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے ہی مقرر کئے ہیں جو رحم نہ کرنے والے اور سخت کلامی کرنے والے ہیں' اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے۔ انہیں جس وقت جہنم کے داروغوں کی گنتی بتلائی گئی تو ابوجہل نے کہا اے قریشیو! یہ اگر انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو نوے ہم مل کر انہیں ہرا دیں گے اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں' انہیں نہ تم ہرا سکو نہ تھکا سکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا' اس نے اس گنتی کو سن کر کہا کہ قریشیو! تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں۔ یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا' یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے' کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے۔ یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپؐ مجھ سے کشتی لڑیں' اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپؐ کی نبوت کو مان لوں گا۔ چنانچہ حضورؐ نے اس سے کشتی کی اور کئی بار گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔ امام ابن اسحاقؒ نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب کا بتایا ہے میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ تفاوت نہیں (ممکن ہے اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہوئی) واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے' ایک طرف کافروں کا کفر کھل پڑا دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے' تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں توانا ہو گئے' حضورؐ کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھایا' اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک شبہ نہ رہا' بیمار دل منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانوا ڈول ہو جاتے ہیں' خدا کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے رہیں تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں' وہی خوب جانتا ہے' یہ نہ سمجھو کہ بس انیس ہی ہیں جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت و ضلالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں' افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' پھر انیس صرف کے کیا معنی؟ صحیحین کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیعت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی۔

مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے' ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو' اگر تم وہ جان لیتے جو

میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے بلکہ فریاد و زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے' اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل جاتا کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا' یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور حضرت ابوذرؓ سے موقوفا بھی روایت کی گئی ہے۔ طبرانی میں ہے ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو' پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ خدایا تو پاک ہے' ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہو سکی البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا آپ نے فرمایا آسمانوں کا چرچر بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں' کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں۔

دوسری روایت میں ہے آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو' اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقرر جگہ ہے اور ہم صفیں باندھنے والے اور خدا کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں' اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے' دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعود کا بیان کیا گیا ہے' ایک اور سند سے یہ روایت حضرت ابن علاء بن سعد سے بھی مرفوعاً مروی ہے' یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں حضورؐ کے ساتھ تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ' لیکن سنداً یہ بھی غریب ہے۔

ایک اور بہت ہی غریب بلکہ سخت منکر حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک ابوجحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو' حضور کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ تو دو شخص تو کھڑے ہو گئے لیکن ابوجحش کہنے لگا اگر کوئی ایسا شخص آئے جو طاقت و قوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا' حضرت عمرؓ نے فرمایا اور کون آئے گا آ جا میں تیار ہوں' چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑا پھر اس کے منہ کو مٹی میں مل دیا اور اتنے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اسے میرے ہاتھ سے چھڑا دیا میں بڑا بگڑا اور اسی غصہ کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ابوحفص آج کیا بات ہے؟ میں نے کل واقعہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا اگر عمر اس سے خوش ہوتا تو اس پر رحم کرتا' خدا کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر تو اتار لیتا تو اچھا تھا' یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ یونہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے' غاصی دور نکل چکے تھے جو حضورؐ نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو لو کہ خدا ابوجحش کی نماز سے بالکل بے نیاز ہے' آسمان دنیا میں خشوع و خضوع والے بے شمار فرشتے خدا کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا' اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے' حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ حضور ان کی تسبیح کیا ہے؟ فرمایا آسمان دنیا کے فرشتے تو کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ اور تیسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ عمر تم بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو' حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اس سے پہلے جو

پڑھنا آپ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہوگا کہا، کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو پہلے جو پڑھنے کو آپ نے فرمایا تھا، وہ یہ تھا اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ یعنی خدایا تیرے عذابوں سے میں تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں اور تیرا چہرہ جلال والا ہے۔ اور اسحق مروزی جو راوی حدیث ہے اس سے حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبان رحمتہ اللہ علیہ بھی انہیں ثقہ راویوں میں گنتے ہیں لیکن حضرت امام ابوداؤد، امام نسائی، امام عقیلی اور امام دارقطنی رحمھم اللہ انہیں ضعیف کہتے ہیں، امام ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں تھے تو یہ سچے مگر نابینا ہو گئے تھے اور کبھی کبھی تلقین قبول کرلیا کرتے تھے ہاں ان کی کتابوں کی مرویات صحیح ہیں، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ مضطرب ہیں اور ان کے استاد عبدالملک بن قدامہ ابوقتادہ جمحی میں بھی کلام ہے، تعجب ہے کہ امام محمد بن نصر رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی اس حدیث کو کیسے روایت کر دیا؟ اور نہ تو اس پر کلام کیا نہ اس کے حال کو معلوم کرایا نہ اس کے بعض راویوں کے ضعف کو بیان کیا، ہاں اتنا تو کیا ہے کہ اسے دوسری سند سے مرسلاً روایت کر دیا ہے اور مرسل کی دو سندیں لائے ہیں ایک حضرت سعید بن جبیرؓ، دوسری حضرت حسن بصریؒ سے۔

پھر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاةؓ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابی سے سنا ہے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف خدا سے کپکپاتے رہتے ہیں، ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتداء دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت کے دن اپنی پیٹھ اور اپنا سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے جناب باری میں عرض کریں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے۔ پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ لگنا چاہے لگ جائے، جو چاہے باوجود اس کے بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا ہے اور اس سے دور بھاگتا ہے اور اسے رد کرتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحٰبَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنّٰتٍ
يَتَسَآءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾
قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾
وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾

ہر ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس اور مبتلا ہے ○ مگر دائیں ہاتھ والے ○ کہ وہ بہشتوں میں بیٹھے سوال کرتے ہوں گے ○ گنہگاروں سے ○ کہ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ ○ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازیوں میں نہ تھے ○ نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے ○ اور ہم بحث کرنے والے انکاریوں کا ساتھ دے کر بحث مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے ○ اور جزا سزا کے دن کو بھی ہم سچا نہیں جانتے تھے ○

جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۶) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن

جکڑا بندھا ہو گا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا ہے وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی، نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا، بغیر علم کے جو زبان پر چڑھا بکتے رہے، جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آ گئی۔ یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ یعنی موت کے وقت تک خدا کی عبادت میں لگا رہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے۔

حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝٤٧ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝٤٨ فَمَا لَهُمْ
عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝٤٩ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝٥٠ فَرَّتْ
مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝٥١ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا
مُّنَشَّرَةً ۝٥٢ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝٥٣ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝٥٤
فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ۝٥٥ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ
اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝٥٦

یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی ○ پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی ○ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں ○ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں ○ جو شیر سے بھاگے ہوں ○ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دکھائیں ○ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ قیامت سے بے خوف ہیں ○ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے ○ اب جو چاہے اسے یاد کر لے ○ اور وہ جبھی یاد کریں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے، وہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس لائق بھی کہ وہ بخشے ○

(آیت: ۴۷-۵۶) اب خدائے عالم فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہوتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم بھی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے ہاویہ میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے؟ کون سی وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن حدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے، فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں قسورہ کہتے ہیں اور نبطی زبان میں آیا۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں کے ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے، جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھٹکارا دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین نہیں، اس پر ایمان نہیں، بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو ڈرتے کیوں؟ پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت و موعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل کر لے اور نصیحت پکڑ لے جیسے فرمان ہے وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ الخ، یعنی تمہاری چاہتیں خدا کی چاہت کی تابع ہیں۔ پھر فرمایا اسی کی ذات اس

قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے۔

مسند احمد میں ہے رسول کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے' جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا۔ ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں سہیل اس کا راوی قوی نہیں' اللہ تعالیٰ کے احسان سے سورۂ مدثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورة القيامة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝١ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝٢ اَيَحْسَبُ
الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝٣ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝٤
بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝٥ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝٦

معبود برحق رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ○ اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو ○ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں؟ ○ ہاں کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں ○ بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا جائے ○ پوچھتا رہتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ ○

ہم سب اپنے اعمال کا خود آئینہ ہیں: ☆☆ (آیت: ۱-۶) یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کا کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا جائز ہوتا ہے یہاں قیامت کے ہونے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر کہ قیامت نہ ہو گی قسم کھائی جا رہی ہے تو فرماتا ہے قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی' حضرت حسنؒ تو فرماتے ہیں قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دونوں کی قسم ہے' حسن اور اعرج کی قرات لَاُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ ہے اس سے بھی حضرت حسنؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے کی قسم ہے اور دوسرے کی نہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے' ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے۔

نفس لوامہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے وہ ہر وقت اپنے تئیں ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہہ دیا؟ یہ کیوں کھا لیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے اسے کیا پڑی جو اپنے نفس کو روکے' یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق قیامت کے دن اپنے تئیں ملامت کرے گی' خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہونے پر' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو' فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ سب اقوال قریب قریب ہیں' مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نفس والا ہے جو نیکی کی کمی پر' برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا

ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کیا انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے؟ یہ تو نہایت غلط خیال ہے ہم اسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کریں گے اور اس کی بالشت بالشت بنادیں گے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اسے اونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنادیں' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اسے ایسا کر دیتے' آیت کے لفظوں سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قَادِرِیْنَ حال ہے نَجْمَعُ سے یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہم عنقریب جمع کریں گے درآنحالیکہ ہمیں ان کے جمع کرنے کی قدرت ہے بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اسے اٹھائیں اس کی انگلیوں کے سرے برابر کے کر کے۔ ابن قتیبہ اور زجاج کے قول کے یہی معنی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ انسان اپنے آگے فسق و فجور کرنا چاہتا ہے یعنی قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے امیدیں باندھے ہوئے ہے' کہتا جاتا ہے کہ گناہ کر تو لوں توبہ بھی ہو جائے گی' قیامت کے دن سے جو اس کے آگے ہے کفر کرتا ہے وہ گویا اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے' ہر وقت یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ایک قدم اپنے نفس کو خدا کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے مگر جن پر رب کا رحم ہے۔ اکثر سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم حساب سے انکاری ہے ابن زید بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہوگی' اس کا یہ سوال بھی بطور انکار کے ہے' یہ تو جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتا دو کہ قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہہ دے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ ۝۹ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ کَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱
اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا
قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰی
مَعَاذِیْرَهٗ ۝۱۵

پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے ○ اور چاند بے نور ہو جائے ○ اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں ○ اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ○ نہیں نہیں کوئی پناہ نہیں ○ آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے ○ آج انسان کو اس کے آگے بھیجے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا ○ بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ حجت ہے ○ گو اپنے تمام عذر سامنے ڈال دے ○

(آیت: ۹-۱۵) یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی' جیسے اور جگہ ہے لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ الخ یعنی پلکیں جھکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتے رہیں گے۔ بَرِقَ کی دوسری قرات بَرَقَ بھی ہے' معنی قریب قریب ہیں اور چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور سورج' چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بے نور کر کے لپیٹ لیا جائے گا' جیسے فرمایا اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ حضرت ابن مسعود کی قرات میں وَجُمِعَ بَیْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ہے' انسان جب یہ پریشانی شدت ہول گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگا جائے گا اور کہے گا کہ جائے پناہ بھاگنے کی جگہ کہاں

ہے؟ اللہ تعالیٰ کیطرف سے جواب ملے گا کہ کوئی پناہ نہیں' رب کے سامنے اور اس کے پاس ٹھہرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے مَالَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ یعنی آج نہ تو کوئی جائے پناہ ہے نہ ایسی جگہ کہ وہاں جا کر تم انجان اور بے پہچان بن جاؤ' آج ہر شخص کو اس کے اگلے پچھلے' نئے پرانے' چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کیا جائے گا۔ جیسے فرمان ہے وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا الخ جو کیا تھا موجود پالیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ انسان اپنے آپ کو بخوبی جانتا ہے' اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے گو انکار کرے اور عذر معذرت پیش کرتا پھرے۔ جیسے فرمان ہے اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور اپنے تئیں آپ ہی جانچ لے' ان کے کان' آنکھ' ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء ہی اس پر شہادت دینے کو کافی ہیں لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصانوں کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چننے سے غافل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے اے ابن آدم تو دوسروں کی آنکھوں کا تو تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے دکھائی نہیں دیتا؟ قیامت کے دن گو انسان فضول بہانے بنائے اور جھوٹی دلیلیں دے اور بے کار عذر پیش کرے ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے۔ اہل یمن پردے کو عذر کہتے ہیں لیکن صحیح معنی اوپر والے ہیں' جیسے اور جگہ ہے کہ کوئی معقول عذر نہ پا کر اپنے شرک کا سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ خدا کی قسم ہم مشرک تھے ہی نہیں' اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن خدا پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے گو وہ اپنے تئیں کچھ بھی سمجھتے رہیں' غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کار آمد نہ ہوگی' جیسے اور جگہ فرماتا ہے لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ کار آمد نہ ہوگی' یہ تو اپنے شرک کے ساتھ ہی اپنی تمام بداعمالیوں کا انکار کر دیں گے لیکن بے سود ہوگا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾

اے نبی تم قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو ○ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ○

حفظ قرآن' تلاوت وتفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ: ☆☆ (آیت:۱۶-۱۷) یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح حاصل کریں آنحضور اس کے لینے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرات میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے' پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے آپ سنتے رہیں' پھر جس ڈر سے آپ ایسا کرتے تھے اس کی بابت تسلی دیتا ہے کہ آپ کے سینے میں اسے جمع کر دینا اور بروقت آپ کی زبان سے اس کا پڑھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے' اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہیں' پس پہلی حالت تو یاد کرانا' دوسری تلاوت کرانا' تیسری تفسیر مضمون اور توضیح مطلب کرانا' تینوں کی کفالت خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر' ہم سے دعا مانگ کہ میرے رب میرے علم کو زیادہ کرتا رہ۔ پھر فرماتا ہے اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارے اوپر ہے' جب ہم اسے پڑھیں یعنی ہمارا نازل کردہ فرشتہ جب اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ' ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد نکلے گا' اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے' تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کے معنی مطالب' تبیین وتوضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے۔

مسند میں ہے حضورؐ کو اس سے پہلے وحی لینے میں سخت تکلیف ہوتی تھی' اس ڈر کے مارے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ ہلتے جاتے تھے' چنانچہ حضرت ابن عباسؓ راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعید نے بھی اپنے استاد کی طرح ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ' اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کرانا ہمارے سپرد ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا
بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ
نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ
يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

ہم جب اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کے درپے رہ ○ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے ○ نہیں نہیں تم تو دنیا کی محبت رکھتے ہو ○ اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو ○ اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے ○ اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ○ اور کتنے ایک چہرے اس دن بدرونق اور اداس ہوں گے ○ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ○

(آیت: ۱۸-۲۵) جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہئے' جبرئیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھنا بھی ہمارے سپرد ہے۔ بخاری مسلم میں بھی یہ روایت ہے' بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ پھر جب وحی اترتی آپ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی چلی جاتی آپ پڑھتے۔ ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت ابن عباس یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں اتریں۔

حضرت ابن عباسؓ اور عطیہ عوفی فرماتے ہیں اس کا بیان ہم پر ہے یعنی حلال وحرام کا واضح کرنا' حضرت قتادہؒ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ ان کافروں کو قیامت کے انکار اور خدا کی پاک کتاب کو نہ ماننے اور خدا کے عظیم الشان رسول کی اطاعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز حب دنیا اور ترک آخرت ہے' حالانکہ آخرت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے' اس دن بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش تروتازہ خوش وخرم ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے' جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو صاف صاف کھلم کھلا اپنے سامنے دیکھو گے۔ بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں وارد کی ہیں ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے' ان حدیثوں کو نہ تو کوئی ہٹا سکے نہ ان کا کوئی انکار کر سکے۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند کو جبکہ آسمان صاف بے ابر ہو دیکھنے میں تمہیں کوئی مزاحمت اور بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے صحیحین میں ہے حضرت جریر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی صبح کی نماز) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر کی نماز) میں کسی طرح کی سستی نہ کرو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے انہی دونوں متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں سونے کی ہیں وہاں کے برتن بھانڈے

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾

نہیں نہیں جب روح ہنسلی تک پہنچے گی ○ اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ○ اور یقین ہو جائے گا کہ یہ وقت جدائی ہے ○ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ○ آج تیرے پروردگار کی طرف ہی چلنا ہے ○ اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی ○ بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی ○

جب ہماری روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے بعد کیا ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۶-۳۲) یہاں پر موت کا اور سکرات کے عالم کا بیان ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے۔ کَلَّا کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے وہ درست نہیں بلکہ ان کے مقدمات تو تو روزمرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے اور اگر اس لفظ کو حَقًّا کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے۔ تَرَاقِي جمع ہے تَرْقُوَةٌ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہانس کی ہڈی کہتے ہیں جیسے اور جگہ ہے فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ سے صٰدِقِيْنَ تک فرمایا ہے یعنی جبکہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے' پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے؟ اس مقام پر اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن محاج کی روایت سے سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ تَرَاقِي جو جمع ہے تَرْقُوَةٌ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہیں' اس وقت ہائی دہائی ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون چڑھے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اور پنڈلی سے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے جس سے سختی پر سخت ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو' دوسرا مطلب حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ ایک بہت بڑا امیر دوسرے بہت بڑے امیر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آ جاتی ہے' تیسرا مطلب حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ خود مرنے والے کی بیقراری اور شدت اور اسی پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے پہلے تو یہ ان پاؤں پر چلتا پھرتا تھا لیکن اب ان میں جان کہاں؟ اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا مل جانا مراد ہے۔

چوتھا مطلب حضرت ضحاکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام دو طرف جمع ہو جاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں' اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت ہی برائی اور بدتر حالت کے ساتھ۔ اب لوٹنے اور قرار پانے کی' رہنے سہنے اور پہنچ جانے کی جگہ' کھچ کر جانے اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ روح آسمان کی طرف چڑھائی جاتی ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف پھر لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا۔ جیسے کہ حضرت براء کی مطول حدیث میں آیا ہے یہی مضمون جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے

تمہارے پاس فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے بعد حساب لینے والا ہے- پھر اس کافر انسان کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل اور اپنے عقیدے سے حق کا جھٹلانے والا اور اپنے بدن اور اپنے عمل سے حق سے روگردانی کرنے والا تھا جس کا ظاہر باطن برباد ہو چکا تھا اور کوئی بھلائی اس میں باقی نہیں رہی تھی نہ وہ خدا کی باتوں کی دل سے تصدیق کرتا تھا نہ جسم سے عبادت خدا بجالاتا تھا، یہاں تک کہ نماز کا بھی چور تھا-

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ يَتَمَطّٰىؕ ﴿٣٣﴾ اَوۡلٰى لَكَ فَاَوۡلٰىۙ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوۡلٰى لَكَ فَاَوۡلٰىؕ ﴿٣٥﴾ اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًىؕ ﴿٣٦﴾ اَلَمۡ يَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِىٍّ يُّمۡنٰىۙ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰىۙ ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰىؕ ﴿٣٩﴾ اَلَيۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى ﴿٤٠﴾ ع ۱۰ ۱۸

پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا ○ افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر ○ وائے اور خرابی ہے تیرے لئے ○ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا ○ کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا جاتا ہے ○ پھر وہ لہو کی پھٹکی ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا ○ پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے ○ کیا یہ اللہ اس امر پر قادر نہیں؟ کہ مردے کو زندہ کر دے ○

(آیت: ۳۳-۴۰) ہاں جھٹلانے اور منہ موڑنے میں بے باک تھا اور اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا اور پھولتا ہوا بے ہمتی اور بدعملی کے ساتھ اپنے والوں میں جا ملتا تھا- جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ یعنی جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے ہیں تو خوب باتیں بناتے ہوئے مزے کرتے ہوئے خوش خوش جاتے ہیں اور جگہ ہے اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا یعنی یہ اپنی گھرانے والوں میں شادمان تھا اور سمجھ رہا تھا کہ خدا کی طرف اسے لوٹنا ہی نہیں- اس کا یہ خیال محض غلط تھا، اس کے رب کی نگاہیں اس پر تھیں پھر اسے اللہ تبارک وتعالیٰ دھمکاتا ہے اور ڈرسناتا ہے اور فرماتا ہے خرابی ہو تجھے خدا کے ساتھ کفر کر کے پھر اتراتا ہے- جیسے اور جگہ ہے ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ یعنی قیامت کے دن کافر سے بطور ڈانٹ کے اور حقارت کے کہا جائے گا کہ لے اب مزہ چکھ تو تو بڑی عزت اور بزرگی والا تھا- اور فرمان ہے كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ کچھ کھا پی لو آخر تو بدکار گنہگار ہو- اور جگہ ہے مَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ جاؤ خدا کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو وغیرہ وغیرہ غرض یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں یہ احکام بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں- حضرت سعید بن جبیر سے جب یہ آیت اَوْلٰى لَكَ کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول مقبول ﷺ نے یہ ابوجہل کو فرمایا تھا پھر قرآن میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے- حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب نسائی میں موجود ہے- ابن ابی حاتم میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے اس فرمان پر اس دشمن خدا نے کہا کہ کیا تو مجھے دھمکاتا ہے؟ خدا کی قسم تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ ذی عزت میں ہوں- کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ اسے کوئی حکم اور کسی چیز کی ممانعت نہ کی جائے گی؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے حکم و ممانعت اور آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے بموجب جزاء وسزا ضرور ملے

گی۔ مقصود یہاں پر قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد ہے اسی لئے دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان دراصل نطفہ کی شکل میں بے جان و بے بنیاد تھا' پانی کا ذلیل قطرہ تھا جو پیٹھ سے رحم میں آیا' پھر خون کی پھٹکی بنی' پھر گوشت کا لوتھڑا ہوا' پھر خدائے تعالیٰ نے شکل و صورت دے کر روح پھونکی اور سالم اعضاء والا انسان بنا کر مرد یا عورت کی صورت میں پیدا کیا۔ کیا اور وہ خدا جس نے نطفہ ضعیف کو ایسا صحیح القامت قوی انسان بنا دیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ یقیناً پہلی مرتبہ کا پیدا کرنے والا دوبارہ بنانے پر بہت زیادہ اور بطور اولیٰ قادر ہے یا کم از کم اتنا ہی جتنا پہلی مرتبہ تھا' جیسے فرمایا وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ اس نے ابتداً پیدا کیا وہی پھر لوٹ لائے گا اور وہ اس پر بہت زیادہ آسان ہے اس آیت کے مطلب میں بھی دو قول ہیں لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے جیسے کہ سورۂ روم کی تفسیر میں اس کا بیان اور تقریر گذر چکی واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چھت پر بہ آواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ قَبَلٰى یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور بیشک قادر ہے لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابی کا نام نہیں گو یہ نام نہ ہونا مضر نہیں۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تم میں سے سورۂ والتین کی آخری آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ پڑھے وہ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں اور جو شخص سورۂ قیامت کی آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى پڑھے تو وہ کہے بَلٰى اور جو سورۂ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پڑھے وہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے۔ ابن جریر میں حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اس آخری آیت کے بعد فرماتے سُبْحَانَكَ وَبَلٰى۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ سورۂ قیامہ کی تفسیر الحمدللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الدهر

صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آنحضرت ﷺ سورۂ الٓمّٓ تَنْزِيْل اور سورۂ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری اور حضورؐ نے اس کی تلاوت کی اس وقت آپ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے جب جنت کی صفتوں کا ذکر آیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی روح پرواز کر گئی' جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی کی جان جنت کے شوق میں نکل گئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①
اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا
بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③

بہت بڑی بخششوں اور بہت بڑے رحم والے اللہ کے نام سے شروع

یقیناً انسان پر زمانہ کا وہ وقت بھی گذر چکا ہے جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا○ بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اسے سنتا دیکھتا بنایا○ ہم نے اسے راہ دکھا دی اب خواہ وہ شکر گذار بنے خواہ ناشکرا○

اے انسان اپنے فرائض پہچان: ☆☆ (آیت: ۱-۳) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی حقارت اور اپنے ضعف کی وجہ سے ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا ذکر کیا جائے، اسے مرد و عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا اور عجب عجب پلٹیوں کے بعد یہ موجودہ شکل و صورت اور ہیبت پر آیا، اسے ہم آزما رہے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ پس اس نے تمہیں کان اور آنکھ عطا فرمائیں تاکہ اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکو۔ ہم نے اسے راہ دکھا دی خوب واضح اور صاف کر کے اپنا سیدھا راستہ اس پر کھول دیا، جیسے اور جگہ ہے وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى یعنی ثمودیوں کو ہم نے ہدایت کی لیکن انہوں نے اندھاپے کو ہدایت پر ترجیح دی۔

اور جگہ ہے وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں یعنی بھلائی برائی کی، اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ، ابو صالحؒ، ضحاکؒ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ اسے ہم نے راہ دکھائی یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور جمہور سے یہی منقول ہے۔ شَاكِرًا اور كَفُوۡرًا کا نصب حال کی وجہ سے ذوالحال لا کی ضمیر ہے اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ میں ہے، یعنی وہ اس حالت میں یا تو شقی ہے یا سعید ہے، جیسے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید فروخت کرتا ہے یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے فرمایا خدا تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے، حضرت کعب نے کہا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے نہ میرے طریقوں پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں، یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آ سکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے، اے کعب روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو میٹ دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے، اے کعب وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے، اے کعب لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید فروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گذرتا ہے۔

سورۂ روم کی آیت فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا کی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی روایت سے حضورؐ کا یہ فرمان بھی گذر چکا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گذار بنتا ہے یا ناشکرا، مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو خدا کی مرضی کا کام ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور یہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر خدا کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈا لگائے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک یہ شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَأَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝٤ إِنَّ الْأَبْرَارَ
يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝٥ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ
اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝٦ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ
شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝٧ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا
وَّأَسِيْرًا ۝٨ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝٩ إِنَّا
نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝١٠ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ
الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝١١ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝١٢

یقیناً ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے ○ بیشک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی ملونی کافور کی ہے ○ جو ایک چشمہ ہے۔ جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کی نہریں نکال لی جائیں گی (جدھر چاہیں) ○ جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چوطرف پھیل جانے والی ہے ○ اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو ○ ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گذاری ○ بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو تنگی ترشی اور سختی والا ہوگا ○ پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی ○ اور انہیں اپنے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے ○

زنجیریں طوق اور شعلے: ☆☆ (آیت:۴-۱۲) یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے۔ جیسے اور جگہ ہے اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں ہوں گی اور یہ حمیم میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم میں جلائے جائیں گے' ان بدنصیبوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی ملنوی کافور نامی نہر کے پانی کی ہوگی' ذائقہ بھی اعلیٰ' خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر' کافور کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سی خوشبو۔ کافور ایک نہر کا نام ہے جس سے خدا کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں اسے ب سے متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عینا پر نصب دیا۔ یہ پانی اپنی خوشبو میں مثل کافور کے ہے یا یہ ٹھیک کافور ہی ہے اور عَیْنًا کا زیر یَشْرَبُ کی وجہ سے ہے پھر اس نہر تک انہیں آنے کی ضرورت نہیں' یہ اپنے باغات میں مکانات میں مجلسوں میں بیٹھکوں میں جہاں بھی جائیں گے اسے لے جائیں گے اور وہیں وہ پہنچ جائے گی۔ تفجیر کے معنی روانی اور اجرائے ہیں جیسے آیت حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا میں اور فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا میں۔

پھر ان لوگوں کی نیکیاں بیان ہو رہی ہیں کہ جو عبادتیں خدا کی طرف سے ان کے ذمہ تھیں وہ بجا ہی لاتے تھے بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر کر لیتے اسے بھی بجالاتے یعنی نذر بھی پوری کرتے' حدیث میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے۔ امام بخاری نے اسے امام مالک کی روایت سے بیان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھاگتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی اور ہر ایک ایک الجھن میں پڑ جائے گا مگر جس پر خدا کا [illegible]

ہو زمین و آسمان تک ہول رہے ہوں گے' اِستِطَار کے معنی ہی ہیں پھیل جانے والی اور اطراف کو گھیر لینے والی' کہ یہ نیک وکار اللہ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے تھے اور لا کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے طعام کو بھی کہا ہے لفظاً زیادہ ظاہر بھی یہی ہے یعنی باوجود طعام کی محبت اور خواہش وضرورت کے راہ للہ غرباء اور حاجت مندوں کو دے دیتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ یعنی مال کی چاہت کے باوجود اسے راہ للہ دیتے رہتے ہیں۔ اور فرمان ہے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ یعنی تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی چاہت کی چیزیں راہ للہ خرچ نہ کرو۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑے آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور بکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ میں انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؓ نے ایک درہم کے انگور منگائے' آدمی لے کر آیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یہ سب اسی کو دے دو چنانچہ دے دیئے گئے پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کی مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر اسی کو سب کے سب انگور دے دیئے گئے لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہؓ نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگوائے گے (بیہقی)۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو تو اپنی صحت کی حالت میں باوجود مال کی محبت کے باوجود امیری کی چاہت اور افلاس کے خوف کے راہ للہ دے یعنی مال کی حرص بھی ہو حب بھی ہو اور چاہت وضرورت بھی ہو پھر بھی راہ للہ اسے قربان کر دے۔ یتیم اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ وغیرہ اس کا مفصل بیان پہلے گذر چکا ہے۔ قیدی کی نسبت حضرت سعید وغیرہ تو فرماتے ہیں مسلمان اہل قبلہ قیدی مراد ہے' لیکن ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے اس وقت قیدیوں میں سوائے مشرکین کے اور کوئی مسلم نہ تھا۔ اور اسی کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے بدری قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب کو فرمایا تھا کہ ان کا اکرام کرو چنانچہ کھانے پینے میں صحابہ خود اپنی جانوں سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غلام ہیں۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بہ سبب آیت کے عام ہونے کے اسی کو پسند کرتے ہیں اور مسلم مشرک سب کو شامل کرتے ہیں غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے بلکہ رسول اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی آخری وصیت اپنی امت کو یہی ہے کہ نمازوں کی نگہبانی کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کا پورا خیال رکھو۔ یہ اس نیک سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ بلکہ اپنے حال سے گویا اعلان کر دیتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف راہ للہ دیتے ہیں اس میں ہماری ہی بہتری ہے کہ اس سے رضائے رب اور مرضی مولا ہمیں حاصل ہو جائے ہم ثواب اور اجر کے مستحق ہو جائیں۔

حضرت سعید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ بات وہ لوگ منہ سے نہیں نکالتے یہ دلی ارادہ ہوتا ہے جس کا علم خدا کو ہے تو خدا نے اسے ظاہر فرما دیا کہ اور لوگوں کی رغبت کا باعث بنے' یہ پاک باز جماعت خیرات وصدقات کر کے اس دن کے عذابوں اور ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہے جو ترش رو تنگ وتاریک اور طول طویل ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اس بنا پر خدا پر رحم کرے گا اور اس محتاجی اور بے کسی والے دن ہمیں ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ حضرت ابن عباسؓ سے عَبُوۡس کے معنی تنگی والا اور قَمۡطَرِیۡر کے معنی طول طویل مروی ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کافر کا منہ اس دن بگڑ جائے گا اس کی تیوری چڑھ جائے گی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے عرق بہنے لگے گا جو مثل روغن گندھک کے ہوگا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہونٹ چڑھ جائیں گے اور چہرہ سمٹ جائے گا۔ حضرت سعیدؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ بوجہ

گھبراہٹ اور ہولنا کیوں کے صورت بگڑ جائے گی پیشانی تنگ ہو جائے گی-

ابن زیدؒ فرماتے ہیں برائی اور سختی والا دن ہوگا لیکن سب سے واضح بہتر نہایت مناسب بالکل ٹھیک قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ-قمطریر کے لغوی معنی امام ابن جریرؒ نے شدید کے کئے ہیں یعنی بہت سختی والا- ان کی اس نیک نیتی اور پاک عمل کی وجہ سے خدا نے انہیں اس دن کی برائی سے بال بال بچالیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بجائے ترش روئی کے خندہ پیشانی اور بجائے دل کی ہولناکی سے اطمینان و سرور قلب عطا فرمایا- خیال کیجئے کہ یہاں عبارت میں کس قدر بلیغ تجانس کا استعمال کیا گیا ہے اور جگہ ہے وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ اس دن بہت سے چہرے چمکیلے ہوں گے جو ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے ہوں گے' یہ ظاہر ہے کہ جب دل مسرور ہوگا تو چہرہ کھلا ہوا ہوگا -حضرت کعب بن مالکؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کو جب کبھی کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے-حضرت عائشہؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے پاس آئے چہرہ خوشی سے منور ہو رہا تھا اور مکھڑے مبارک کی رگیں چمک رہی تھیں- پھر فرماتا ہے ان کے صبر کے اجر میں انہیں رہنے سہنے کو وسیع جنت پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کو ریشمی لباس ملا- ابن عساکر میں ہے کہ ابوسلیمان درانی کے سامنے اس سورت کی تلاوت ہوئی جب قاری نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا انہوں نے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ کر کہا تھا پھر یہ اشعار پڑھے-

كَمْ قَتِيْلٍ لِّشَهْوَةٍ وَاَسِيْرٍ اُفٍّ مِّنْ مُّشْتَهِي خِلَافَ الْجَمِيْلٰت
شَهَوٰتُ الْاِنْسَانِ تُوْرِثُهُ الذُّلّٰت وَتُلْقِيْهِ فِي الْبَلَاءِ الطَّوِيْل

افسوس شہوت نفس نے اور بھلائیوں کے خلاف برائیوں کی چاہت نے بہت سوں کا گلا گھونٹ دیا اور کئی ایک کو پابجولاں کر دیا نفسانی خواہشیں ہی ہیں جو انسان کو بدترین ذلت و رسوائی اور بلا و مصیبت میں ڈال دیتی ہیں-

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۚ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿١٥﴾

یہ وہاں تختوں پر تکئے لگائے ہوئے بیٹھیں گے' نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں نہ جاڑے کی سختی ○ ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے دار گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے ○ اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے گا جو شیشے کے ہوں گے ○

دائمی خوشگوار موسم اور مسرتوں سے بھرپور زندگی: ☆☆ (آیت:۱۳-۱۶) اہل جنت کی نعمت' راحت' ان کے ملک و مال اور جاہ و منال کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ بہ آرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکئے لگائے سرور اور راحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے' سورۂ والصافات کی تفسیر میں اس کی پوری شرح گذر چکی ہے وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اِتَّکَا سے مراد لیٹنا ہے یا کہنیاں ٹکانا ہے یا چارزانو بیٹھنا ہے یا کمر لگا کر ٹیک لگانا ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اَرَائِك چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاؤں سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گذریں بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہتا ہے' گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ ہیں' جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر

سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے' چاہے لیٹے لیٹے توڑ کھا لیں چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں' چاہے کھڑے ہو کر لے لیں' درختوں پر چڑھنے کی اور تکلیف کی کوئی حاجت نہیں سروں پر میوے دار گچھے اور لدے ہوئے لچھے لٹک رہے ہیں توڑا اور کھا لیا اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں بیٹھے تو قدرے جھک گئے لیٹے تو اور قریب آ گئے نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ نہ دوری کی سر دردی ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں' ڈالیاں لولوز برجد اور یاقوت کی ہیں ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں' چاہو بیٹھے بیٹھے توڑ لو چاہو کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے۔ ایک طرف خوش خرام خوش دل خوبصورت باادب سلیقہ شعار فرمانبردار خادم قسم قسم کے کھانے چاندی کی کشتیوں میں لگائے لئے کھڑے ہیں دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلورین جام لئے ساقیان مہ وش اشارے کے منتظر ہیں' یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے' جنت کی تمام چیزوں کی یونہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلورین گلاسوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی' ہاں یہ یاد رہے کہ پہلے کے لفظ قَوَارِیْرَ پر زبر تو اس لئے ہے کہ وہ کان کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر یا تو بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر۔ پھر یہ جام اپنے تلے ہوئے ہیں ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں اور ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والوں کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے۔ ان نایاب گلاسوں میں جو پاک خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سَلْسَبِیْل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی' اوپر گذر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تا کہ اعتدال قائم رہے' یہ ابراء لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے۔

قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝١٦ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا
كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝١٧ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝١٨ وَيَطُوْفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝١٩ وَاِذَا
رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝٢٠ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ
خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا
طَهُوْرًا ۝٢١ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاۤءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝٢٢ ع

شیشے بھی چاندی کے جن کو ساقی نے اندازے سے ناپ رکھا ہے ○ اور انہیں وہاں جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی زنجبیلکی ہوگی ○ جو جنت کی ایک نہر ہے جس کا نام سلسبیل ہے ○ اور ان کے اردگرد گھومتے پھرتے ہیں وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں' جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں ○ تو وہاں یہاں کہیں بھی نظر ڈال سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا ○ ان کے جسموں پر سبز مہین اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے' اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا' اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا ○ یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ○

(آیت: ۱۷-۲۲) سلسبیل بقول عکرمہؒ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے لہریا چال بہ رہا ہے اس کا پانی بڑا ہلکا نہایت شیریں خوش ذائقہ اور خوش بو ہے جو آسانی سے پیا جائے اور سہتا پچتا رہے۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہوں گے' یہ غلمان جنتی جس سن و سال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے' یہ نفیس پوشاکیں اور بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے بہ تعداد کثیر ادھر ادھر مختلف کاموں پر جتے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑے بھاگے مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے ایسا معلوم ہوگا گویا سفید آب دار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں۔ حقیقت میں اس سے زیادہ سچی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال خوش خصال بوٹے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے زیور میں لدے اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے معلوم ہوں گے جیسے سجائے پرتکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگ رہے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے اے نبیؐ تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی' تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت و نور سے چپہ چپہ معمور ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تبارک و تعالیٰ فرمائے گا جا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا' اور حضرت ابن عمر کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت و ملک دو ہزار سال تک ہوگا ہر قریب و بعید کی چیز پر اس کی بہ یک نظر یکساں نگاہیں ہوں گی' یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا؟ اور اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی (اے خدا اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے ہم بہ عاجزی و الحاح تیری پاک جناب میں عرض گذار ہیں کہ تو ہماری للچائی ہوئی طبیعت کے ارمانوں کو پورا کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما۔ گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت اعمال پر ہی موقوف نہیں آمین۔ مترجم)

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا آپؐ نے اسے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھ ہو پوچھ لو' اس نے کہا یا رسول اللہ صورت شکل میں رنگ روپ میں نبوۃ و رسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے اب یہ تو فرمایئے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی اسی پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا کہ ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اس کے لئے خدا کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو خدا کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے' اس وقت یہ سورت مُلْکًا کَبِیْرًا تک اتری تو اسی حبشی نے کہا کہ اے حضورؐ جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں کی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں' بس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسے دفن کیا رضی اللہ عنہ۔ پھر اہل جنت کے لباس کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کا مہین اور چمکدار ریشم ہوگا' سندس اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہوگا اور استبرق عمدہ بیش بہا گراں قدر ریشم جس میں چمک دمک ہوگی جو اوپر پہنایا جائے گا ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے یہ لباس ابرار کا ہے۔ اور مقربین خاص کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہوگا۔ ان ظاہری جسمانی استعمالی نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پرکیف بالذت سرور والی پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائے جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کردے' حسد' کینہ بدخلقی' غصہ وغیرہ سب دور کردے۔ جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اہل جنت جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے تر و تازہ ہشاش بشاش ہو جائیں گے' ظاہری اور باطنی خوبی دونوں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کو بار بار کہا جائے گا کہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری بھلی کوشش کی قدردانی ہے' جیسے اور جگہ ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ دنیا میں جو اعمال تم نے کئے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب سہتا پچتا بہ آرام و اطمینان کھاتے پیتے رہو اور فرمان ہے وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی منادی کئے جائیں گے کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہاری نیک کرداریوں کی بنا پر بنایا گیا ہے' یہاں بھی فرمایا ہے تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے آمین۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿٢٥﴾
وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ
الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ
اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِیْلًا ﴿٢٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ
اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿٣٠﴾ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِیْنَ
اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿٣١﴾ ع ٩

تحقیق ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ○ پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا کہنا نہ مان ○ اور اپنے رب کے نام کا صبح شام ذکر کیا کر ○ اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر ○ بیشک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ہیں ○ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہمیں نے ان کے بندھن مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں ○

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے ○ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے بیشک اللہ تعالیٰ دانا اور باحکمت ہے ○ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے اور دردناک عذاب کی تیاری تو صرف گنہگاروں کے لئے ہے ○

اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کا باہم عہد و معاملات : ☆☆ (آیت:۲۳-۳۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر اپنا خاص کرم جو کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بہ تدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن کریم نازل فرمایا اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہئے کہ میری راہ میں صبر سہار سے کام لو میری قضا و قدر پر صابر شاکر رہو دیکھو تو سہی کہ میں اپنی حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا تا ہوں- ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا گو یہ تبلیغ سے روکیں لیکن تم نہ رکنا' بلا رو و رعایت بغیر مایوسی اور تکان کے ہر وقت وعظ نصیحت ارشاد و تلقین سے غرض رکھو میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذا سے بچاؤں گا' تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں- فاجر کہتے ہیں بداعمال عاصی کو اور کفور کہتے ہیں دل کے منکر کو دن کے اول آخر کے حصے میں رب کا نام جپا کرو راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک خدا کی تسبیح کرو جیسے اور جگہ فرمایا وَ مِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ رات کو تہجد پڑھو عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا- سورۂ مزمل کے شروع میں فرمایا اے لحاف اوڑھنے والے رات کا قیام کیا کر مگر تھوڑی رات آدھی یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھ- پھر کفار کو روکتا ہے کہ حب دنیا میں پھنس کر آخرت کو ترک نہ کرو وہ بڑا بھاری دن ہے اس فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر اس خوفناک دن کی دشواریوں سے غافل ہو جانا عقلمندی کا کام نہیں-

پھر فرماتا ہے سب کے خالق ہم ہیں اور سب کی مضبوط پیدائش اور قوی قویٰ ہم نے ہی بنائے ہیں اور ہم بالکل ہی قادر ہیں کہ قیامت کے دن انہیں بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کر دیں' یہاں ابتداء آفرینش کو اعادہ کی دلیل بنایا ہے۔ اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور جب چاہیں ہمیں قدرت حاصل ہے کہ انہیں فنا کر دیں مٹا دیں اور ان جیسے دوسرے انسانوں کو ان کے قائم مقام کر دیں- جیسے اور جگہ ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اگر خدا چاہے تو اے لوگو تم سب کو برباد کر دے اور دوسرے لائے اللہ تعالیٰ اس پر ہر آن قادر ہے' اور جگہ فرمایا اگر چاہے تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے خدا پر یہ گراں نہیں-

پھر فرماتا ہے یہ سورت سراسر عبرت و نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر کے خدا سے ملنے کی راہ پر چلنے لگ جائے' جیسے اور جگہ فرمان ہے وَمَاذَا عَلَيْهِمْ ان پر کیا بوجھ پڑ جاتا اگر یہ خدا کو' قیامت کو مان لیتے - پھر فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک خدا نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت ہی نہ ہو گی' اللہ علیم و حکیم ہے مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور جو اپنے تئیں مستحق ضلالت بنا لیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے' ہر کام میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت نامہ ہے- جسے چاہے اپنی رحمت تلے لے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے اور راہ راست نہ سمجھائے' اس کی ہدایت نہ تو کوئی کھو سکے نہ اس کی گمراہی کو کوئی راستی سے بدل سکے' اس کے عذاب ظالموں اور ناانصافیوں سے ہی مخصوص ہیں-

الحمد للہ سورۂ انسان کی تفسیر بھی ختم ہوئی' اللہ کا شکر ہے-

تفسیر سورۃ والمرسلات

(تفسیر سورۂ والمرسلات) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے غار میں تھے جب یہ سورت اتری حضورؐ اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ سے سن کر یاد کر رہا تھا کہ ناگہاں ایک سانپ ہم پر کودا' حضورؐ نے فرمایا اسے مارو ہم گو جھپٹے لیکن وہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا تمہاری سزا سے وہ بچ گیا جیسے تم اس کی برائی سے محفوظ رہے (بخاری مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صاحبہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی

قرات کرتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر مائی صاحبہ نے فرمایا پیارے بچے آج تو تم نے یاددلا دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے (بخاری ومسلم ومسند احمد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿١﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿٢﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿٣﴾
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿٥﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿٦﴾ اِنَّمَا
تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿٨﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿٩﴾
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿١١﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿١٢﴾
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿١٣﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿١٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٥﴾

معافی دینے والے رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

دل خوش کن ہلکی ہواؤں کی قسم ○ پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم ○ پھر ابر کو ابھار کر پراگندہ کرنے والیوں کی قسم ○ پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے ○ اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم ○ جو الزام اتارتے یا آگاہ کر دینے کو ہوتی ہے ○ کہ تم جس چیز کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ یقیناً ہونے والی ہے ○ پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں ○ اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے ○ اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑائے جائیں ○ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا ○ اس دن کے لئے (انہیں) ٹھہرایا گیا ہے؟ ○ فیصلے کے دن کے لئے اور تجھے کیا معلوم؟ ○ فیصلے کا دن کیا ہے؟ ○ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ○

فرشتوں اور ہواؤں کی اقسام: ☆☆ (آیت:۱-۱۵) بعض بزرگ صحابہ تابعین وغیرہ سے تو مروی ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان اوصاف والے فرشتوں کی کھائی ہیں بعض کہتے ہیں پہلے کی چار قسمیں تو ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے، بعض نے توقف کیا ہے کہ وَالْمُرْسَلات سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا ہوائیں ہیں ہاں وَالْعَاصِفَاتِ میں کہا ہے کہ اس سے مراد تو ہوائیں ہی ہیں، بعض عاصفات میں یہ فرماتے ہیں اور ناشرات میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے، یہ بھی مروی ہے کہ ناشرات سے مراد بارش ہے بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسلات سے مراد ہوائیں ہے۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ یعنی ہم نے ہوائیں چلائیں جو ابر کو بوجھل کرنے والیاں ہیں، اور جگہ ہے يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا اپنی رحمت سے پیشتر اس کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں وہ چلاتا ہے۔ عاصفات سے بھی مراد ہوائیں ہیں وہ نرم ہلکی اور بھینی بھینی ہوائیں تھیں یہ ذرا تیز جھونکوں والی اور آواز والی ہوائیں ہیں نَاشِرَات سے مراد بھی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو آسمان میں ہر چہار سو پھیلا دیتی ہیں اور جدھر خدا کا حکم ہوتا ہے انہیں لے جاتی ہیں فَارِقَات اور مُلْقِيَات سے مراد البتہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولوں پر وحی لے کر آتے ہیں جس سے حق و باطل حلال و حرام میں ضلالت و ہدایت میں امتیاز اور فرق ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔

ان قسموں کے بعد فرمان ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جس دن تم سب کے سب اول آخر والے اپنی اپنی قبروں سے

دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کرتوت کا پھل پاؤ گے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا' صور پھونک دیا جائے گا اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے' اس دن ستاروں کا نور اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی۔ جیسے فرمایا وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور فرمایا وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے یہاں تک کہ نام نشان بھی باقی نہ رہے گا' جیسے اور جگہ ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ اور فرمایا وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے اور اس دن وہ چلنے لگیں گے بالکل نام و نشان مٹ جائے گا اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کی رہ جائے گی اور رسولوں کو جمع کیا جائے گا اس وقت مقررہ پر انہیں لایا جائے گا۔ جیسے اور جگہ ہے يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ اس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے شہادتیں لے گا۔ جیسے اور جگہ ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی' نامہ اعمال دے دیئے جائیں گے' نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور حق وانصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھہرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن فیصلے ہوں گے' جیسے فرمایا فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ الخ یہ خیال نہ کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا اور انتقام والا ہے جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب کے سب اللہ وحد و قہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے اسی کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا پھر اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی تم بھی اس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہو سکتے' اس دن ان جھٹلانے والوں کی سخت خرابی ہے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٦ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝١٧ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝١٨ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٩ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٢٠ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝٢١ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٢٢ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝٢٣ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝٢٥ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝٢٦ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝٢٧ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٨

کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ ○ پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے ○ ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ○ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ویل ہے ○ کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ○ پھر ہم نے اسے مضبوط ومحفوظ جگہ میں رکھا ○ ایک مقررہ وقت تک ○ پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کتنا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے ○ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنائی؟ ○ زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی ○ اور ہم نے اس میں بلند و بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تمہیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا ○ اس روز جھوٹ جاننے والو پروائے اور افسوس ہے ○

حسرت وافسوس کا وقت آنے سے پہلے: ☆☆ (آیت:۱۶-۲۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی جن لوگوں نے میرے رسولوں کی رسالت کو جھٹلایا میں نے انہیں تہس نہس کر دیا پھر ان کے بعد اور آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم نے بھی انہیں اسی طرح غارت کر دیا' ہم مجرموں کی غفلت کا یہی بدلہ دیتے چلے آئے ہیں۔ اس دن ان جھٹلانے والوں کی درگت ہو گی' پھر اپنی مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے

اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم نے اسے حقیر اور ذلیل قطرے سے پیدا کیا جو خالق کائنات کی قدرت کے سامنے ناچیز محض تھا، جیسے سورۂ یٰس کی تفسیر میں گذر چکا کہ اے ابن آدم بھلا تو مجھے کیا عاجز کر سکے گا میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر اس قطرے کو ہم نے رحم میں جمع کیا جو اس پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اسے بڑھاتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے مدت مقررہ تک وہیں رہا یعنی چھ مہینے یا نو مہینے، ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے پھر بھی اگر تم اس آنے والے دن کو نہ مانو تو یقین جانو کہ تمہیں قیامت کے دن بڑی حسرت اور سخت افسوس ہوگا۔ پھر فرمایا کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی؟ کہ وہ تمہیں زندگی میں بھی اپنی پیٹھ پر چلاتی رہے اور موت کے بعد بھی تمہیں اپنے پیٹ میں چھپا رکھے، پھر زمین کے نہ ہلنے جلنے کے لئے ہم نے مضبوط وزنی بلند پہاڑ اس میں گاڑ دیئے اور بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا ہلکا زود ہضم خوش گوار پانی ہم نے تمہیں پلایا، ان نعمتوں کے باوجود بھی اگر تم میری باتوں کو جھٹلاتے ہی رہے تو یاد رکھو وہ وقت آ رہا ہے جب حسرت وافسوس کرو اور کچھ کام نہ آئے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ
ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِىْ
بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾
فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٠﴾

اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے ○ چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ○ جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے ○ یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل قلعہ کے ہیں ○ گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں ○ آج ان جھوٹ جاننے والوں کو درگت ہے ○ آج کا دن وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے ○ نہ انہیں عذر معذرت کی اجازت دی جائے گی ○ آج جھوٹا جاننے والوں کو خرابی ہے ○ یہ ہے فیصلے کا دن ہم نے تمہیں اور اگلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے ○ پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو ○ وائے ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ○

جہنم کے شعلے سیاہ اونٹوں اور دہکتے تانبے کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۹-۴۰) جو کفار قیامت کے دن کو اور جزا سزا کو جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو جسے سچا نہ مانتے تھے وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے، اس میں جاؤ اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو ہو کر ان میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے۔ یہ جہنم اتنی تیز تند سخت اور بہ کثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں دیکھنے والے کو یہ جچتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر انہیں بلند کر لیتے اسے ہم قصر کہا کرتے تھے۔ کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی قد آدم کے برابر ہو جاتی ہیں اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے۔ ان جھٹلانے والوں پر حسرت وافسوس

ہے آج نہ یہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور ظالموں پر خدا کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں' یہ یاد رہے کہ قران کریم میں ان کا بولنا مکرنا چھپانا عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائے گی غرض میدان حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں' کسی وقت یہ کسی وقت وہ' اسی لئے یہاں ہر کلام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دی جاتی ہے- پھر فرماتا ہے یہ فیصلے کا دن ہے اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ پوری کوشش کر لو- خیال فرمائیے کہ کس قدر دل ہلا دینے والا فقرہ ہے' پروردگار عالم خود قیامت کے دن ان منکروں سے فرمائے گا کہ اب خاموش کیوں ہو؟ وہ چلت پھرت چالاکی اور بے باکی کیا ہوئی؟ دیکھو میں نے تم سب کو ایک میدان میں حسب وعدہ جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے مجھ سے چھوٹ سکتے ہو تو کمی نہ کرو- جیسے اور جگہ ہے یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اے جن و انس کے گروہ اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے باہر چلے جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ مگر اتنا سمجھ لو کہ بغیر قوت کے تم باہر نہیں جا سکتے اور وہ تم میں نہیں-

اور جگہ ہے وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا یعنی تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے - حدیث شریف میں ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو نہ تو تمہیں مجھے نفع پہنچانے کا اختیار ہے نہ نقصان پہنچانے کا نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو- حضرت ابوعبداللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک چٹیل صاف میدان میں جمع کرے گا' آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کر دے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کا دن فیصلوں کا دن ہے' تم سب اگلے پچھلوں کو میں نے جمع کر دیا ہے اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا فریب مکر حیلہ کر سکتے ہو تو کر لو' سنو متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذابوں سے نجات پا سکتا ہے- حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر بہ آواز بلند کہے گی اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے میں انہیں خوب پہچانتی ہوں کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہو گا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں' آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے- ایک تو وہ جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ کر نکل جائے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے- (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے)-

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٤٢﴾ كُلُوْا
وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۭ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع ١٠

بے شک پرہیزگار لوگ سایوں میں ہیں اور بہتے چشموں میں ○ اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں ○ کھاؤ پیو سہتا پچتا اپنے کئے ہوئے اعمال کے بدلے ○ یقینا ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○ اس دن سچا نہ جاننے والوں کے لئے ویل ہے ○ (اے جھٹلانے والو تم دنیا میں) تھوڑا سا کھالو برت لو بیشک تم گنہگار ہو ○ قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لئے سخت ہلاکت ہے ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کر لو تو نہیں کرتے ○ اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے ○ اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ○

دنیا اور آخرت کے فائدوں کا موازنہ: ☆☆ (آیت: ۴۱-۵۰) اوپر چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا بیان ہوا تھا یہاں نیک کاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیزگار تھے خدا کے عبادت گزار تھے فرائض اور واجبات کے پابند تھے- خدا کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں- گنہگار سیاہ بدبودار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے- اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پرکیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے- سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری پوری روانی سے جاری ہیں- قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہیں جسے جب جی چاہے کھائیں نہ روک ٹوک ہے نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہے نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہے پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمایا جاتا ہے کہ اے میرے پیارے بندو تم یہ خوشی اور بافراغت سہتا پچتا خوب کھاؤ پیو’ ہم ہر نیک کار پرہیزگار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں- ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے“۔ ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو’ برت برتا لو’ فائدے اٹھالو’ عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے- پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا- تمہاری بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے’ کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں’ قیامت کو’ ہمارے نبی کو’ ہماری وحی کو نہ ماننے والا’ اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا- اس کی سخت خرابی ہوگی- جیسے اور جگہ ارشاد ہے نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيۡظٍ دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے اور جگہ فرمان ہے قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ یعنی خدائے تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے- دنیا میں یونہی سا فائدہ اٹھالیں پھر ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے-

پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ خدا کے سامنے جھک تو لو جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں- ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گذار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہوگی- پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کی آیتوں پر جب یہ ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے اسے اس کے جواب میں اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ وَبِمَاۤ اُنۡزِلَ کہنا چاہئے- یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا- یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں بھی گذر چکی ہے سورۂ والمرسلات کی تفسیر ختم ہوئی-

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ انتیسویں پارے کی تفسیر بھی پوری ہوئی- یہ محض اسی کا فضل و کرم اور لطف و رحم ہے- فالحمد للہ-

تفسیر ابن کثیر

۳۰
پارہ نمبر

چند اہم مضامین کی فہرست

- پہاڑوں کی تنصیب، زمین کی سختی اور نرمی دعوت فکر ہے ۶۶۸
- جماعت در جماعت حاضری ۶۷۰
- فضول اور گناہوں سے پاک دنیا ۶۷۲
- فرشتے، موت اور ستارے ۶۷۵
- موت وحیات کی سرگزشت ۶۷۷
- انتہائی ہولناک لرزہ خیز لمحات ۶۷۵
- تبلیغ دین میں فقیر وغنی سب برابر ۶۷۸
- ریڑھ کی ہڈی اور تخلیق ثانی ۶۸۰
- ننگے پاؤں، ننگے بدن --- پسینے کا لباس ۶۸۲
- اور قبریں پھٹ پڑیں گی ۶۹۲
- ناپ تول میں کمی کے نتائج ۶۹۴
- انتہائی المناک اور دکھ درد کی جگہ ۶۹۶
- نعمتوں راحتوں اور عزت وجاہ کی جگہ ۶۹۸
- زمین مردے اگل دے گی ۷۰۰
- سب سے افضل اور اعلیٰ دن اور ذکر ایک موحد کا ۷۰۵
- عرش کا مالک اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے ۷۱۱
- تخلیق انسان ۷۱۳
- صداقت قرآن کا ذکر ۷۱۴
- جس نے صلوۃ کو بروقت ادا کیا ۷۱۷
- سب کو ڈھانپنے والی حقیقت ۷۱۸
- کائنات پر غور وتدبر کی دعوت ۷۲۰
- شفع اور وتر سے کیا مراد ہے اور قوم عاد کا قصہ ۷۲۲
- سجدوں کی برکتیں ۷۲۷
- مکہ مکرمہ کی قسم ۷۲۹
- صدقات اور اعمال صالحہ جہنم سے نجات کے ضامن ہیں ۷۳۱
- کامیابی کے لیے کیا ضروری ہے؟ ۷۳۳
- آل ثمود کی تباہی کے اسباب ۷۳۵
- مومن کی منزل اللہ تعالیٰ کی رضا ۷۳۹
- طالب علم اور طالب دنیا ۷۵۰
- غیر متعلقہ روایات اور بحث ۷۵۲
- ماہ رمضان اور لیلۃ القدر کی فضیلت ۷۵۴
- سات قراءت اور قرآن حکیم ۷۶۱
- پاک وشفاف اوراق کی زینت قرآن حکیم ۷۶۳
- ساری مخلوق سے بہتر اور بدتر کون ہے؟ ۷۶۴
- جامع سورت اور عید قربان کے احکام ۷۶۴
- انسان کا نفسیاتی تجزیہ ۷۶۸
- اعمال کا ترازو ۷۷۰
- مال ودولت اور اعمال ۷۷۱
- مسیلمہ کذاب اور عمرو بن عاص میں مکالمہ ۷۷۴
- وزنی بیڑیاں اور قید وبند کو یاد رکھو ۷۷۵
- ابرہہ اور اس کا حشر ۷۷۶
- امن وامان کی ضمانت ۷۸۱
- نماز میں غفلت اور یتیموں سے نفرت ۷۸۳
- شہد سے زیادہ میٹھی اور دودھ سے زیادہ سفید نہر ۷۸۵
- مشرک سے براۃ اور بیزاری ۷۸۷
- گناہوں کی بخشش مانگو اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرو ۷۹۰
- بدترین اور بدنصیب میاں بیوی ۷۹۳
- شان نزول اور فضیلت کا بیان ۷۹۵
- اپنی حکمت وتدبر میں وحدہ لاشریک ۷۹۸
- مضبوط پناہ گاہیں ناقابل تسخیر مدافعت اور شافی علاج ۸۰۰
- بیماری، وبا، جادو اور ان دیکھی بلاؤں سے بچاؤ کی دعا ۸۰۱
- خالق، پرورش کنندہ، مالک، حکمران، معبود حقیقی اور پناہ دہندہ ۸۰۳

تفسیر سورۃ النبا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ
مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ
اَزْوَاجًا ۝٨

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں

یہ لوگ کس چیز کی پوچھ گچھ کرتے ہیں ○ اس بڑی خبر کی ○ جس میں یہ مختلف ہیں ○ یقیناً یہ ابھی جان لیں گے ○ اور بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا ○
کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا ○ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ ○ اور ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا ○

پہاڑوں کی تنصیب، زمین کی سختی اور نرمی دعوت فکر ہے: ☆☆ (آیت:۱-۸) جو کفار قیامت کے آنے کے منکر تھے اور بطور انکار کے آپس میں سوالات کیا کرتے تھے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر تعجب کرتے تھے ان کے جواب میں اور قیامت کے قائم ہونے کی خبر میں اور اس کے دلائل میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟

پھر خود فرماتا ہے کہ یہ قیامت کے قائم ہونے کی بابت سوالات کرتے ہیں جو بڑا بھاری دن ہے اور نہایت دل ہلا دینے والا امر ہے، گو حضرت مجاہدؒ سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے لیکن بہ ظاہر ٹھیک بات یہی ہے کہ اس سے مراد مرنے کے بعد جینا ہے، جیسے کہ حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے، پھر اس اَلَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (جس میں یہ لوگ آپ میں اختلاف رکھتے ہیں) ان کا اختلاف یہ تھا کہ مومن تو مانتے تھے کہ قیامت ہوگی لیکن کفار اس کے منکر تھے۔ پھر ان منکروں کو خدا تعالیٰ دھمکاتا ہے کہ تمہیں عنقریب اس کا علم حاصل ہو جائے گا اور تم ابھی ابھی معلوم کر لو گے، اس میں سخت ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی عجیب و غریب نشانیاں بیان فرما رہا ہے جن سے قیامت کے قائم کرنے پر اس کی قدرت کا ہونا صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ جب وہ اس تمام موجودات کو اول مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو فنا کے بعد دوبارہ ان کا پیدا کرنا اس پر کیا مشکل ہوگا؟ تو فرماتا ہے دیکھو کیا ہم نے زمین کو لوگوں کے لئے فرش نہیں بنایا کہ وہ بچھی ہوئی ہے، ٹھہری ہوئی ہے، حرکت نہیں کرتی، تمہاری فرمانبردار ہے اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اور پہاڑوں کو میخیں بنا کر زمین میں ہم نے گاڑ دیئے ہیں تاکہ نہ وہ ہل سکے نہ اپنے اوپر کی چیزوں کو ہلا سکے، زمین اور پہاڑوں کی پیدائش پر ایک نظر ڈال کر پھر تم اپنے آپ کو دیکھو کہ ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا یعنی مرد و عورت کہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع اٹھاتے ہو اور توالد تناسل ہوتا ہے بال بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا الخ، خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہیں میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اس نے اپنی مہربانی سے تم میں آپس میں محبت اور رحم ڈال دیا۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠
وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ
الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿١٥﴾
وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿١٦﴾

اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا ○ اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ○ اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا ○ اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے ○
اور ایک روشن چراغ پیدا کیا ○ اور برسنے والے بادلوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا ○ تا کہ اس سے ہم اناج اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغ بھی ○

(آیت:۹-۱۶) پھر فرماتا ہے ہم نے تمہاری نیند کو حرکت کے کٹ جانے کا سبب بنایا تا کہ آرام اور اطمینان حاصل کر لو اور دن بھر کی تکان کسل اور ماندگی دور ہو جائے۔ اسی معنی کی اور آیت سورۂ فرقان میں بھی گذر چکی ہے رات کو ہم نے لباس بنایا کہ اس کا اندھیرا اور سیاہی سب لوگوں پر چھا جاتی ہے، جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا قسم ہے رات کی جبکہ وہ ڈھک لے، عرب شاعر بھی اپنے شعروں میں رات کو لباس کہتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رات سکون کا باعث بن جاتی ہے اور برخلاف رات کے دن کو ہم نے روشن اجالے والا اور اندھیرے بغیر کا بنایا ہے تا کہ تم اپنا کام دھندا اس میں کر سکو، جا آ سکو، بیوپار تجارت لین دین کر سکو اور اپنی روزیاں حاصل کر سکو، ہم نے جہاں تمہیں رہنے سہنے کو زمین بنا دی وہاں ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے، جو بڑے لمبے چوڑے مضبوط پختہ عمدہ اور زینت والے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ اس میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے لگ رہے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ایک جگہ قائم ہیں۔

پھر فرمایا ہم نے سورج کو چمکتا چراغ بنایا جو تمام جہان کو روشن کر دیتا ہے ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے اور دنیا کو منور کر دیتا ہے اور دیکھو کہ ہم نے پانی کی بھری بدلیوں سے بکثرت پانی برسایا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوائیں چلتی ہیں، ادھر سے ادھر بادلوں کو لے جاتی ہیں اور پھر ان بادلوں سے خوب بارش برستی ہے اور زمین کو سیراب کرتی ہے اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے۔ مُعْصِرَات سے مراد بعضوں نے تو ہوا لی ہے اور بعضوں نے بادل جو ایک ایک قطرہ برابر برساتے رہتے ہیں۔ مَرْأَةٌ مُعْصِرَةٌ عرب میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کے حیض کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہو لیکن اب تک حیض جاری نہ ہوا ہو۔ حضرت حسنؒ اور قتادہؒ نے فرمایا مُعْصِرَات سے مراد آسمان ہے لیکن یہ قول غریب ہے، سب سے زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ مراد اس سے بادل ہیں، جیسے اور جگہ ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہیں اور انہیں پروردگار کی منشاء کے مطابق آسمان میں پھیلا دیتی ہیں اور انہیں وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ انکے درمیان سے پانی نکلتا ہے۔ ثَجَّاجًا کے معنی خوب لگاتار بہنے کے ہیں جو بکثرت بہہ رہا ہو اور خوب برس رہا ہو۔ ایک حدیث میں ہے افضل حج وہ ہے جس میں لَبَّيْكَ خوب پکاری جائے اور خون بکثرت بہایا جائے یعنی قربانیاں زیادہ کی جائیں، اس حدیث میں بھی لفظ ثَجٌّ ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ استحاضہ کا مسئلہ پوچھنے والی ایک صحابیہ عورت سے حضورؐ نے فرمایا کہ تم روئی کا پھایا رکھ لو، اس نے کہا کہ حضورؐ وہ تو بہت زیادہ ہے میں تو ہر وقت خون بکثرت بہاتی رہتی ہوں، اس روایت میں بھی لفظ اَثُجُّ ثَجًّا ہے یعنی بے روک برابر خون آتا رہتا ہے، تو یہاں اس آیت میں بھی مراد یہی ہے کہ پانی ابر سے بہ کثرت برابر بے روک برستا ہی رہتا ہے واللہ اعلم۔

پھر ہم اس پانی سے جو پاک صاف بابرکت نفع بخش ہے، اناج اور دانے پیدا کرتے ہیں جو انسان حیوان سب کے کھانے میں

آتے ہیں اور سبزیاں اگاتے ہیں جو تر و تازہ کھائی جاتی ہیں اور اناج کھلیان میں رکھا جاتا ہے پھر کھایا جاتا ہے اور باغات اس پانی سے پھلتے پھولتے ہیں اور قسم قسم کے ذائقوں رنگوں خوشبوؤں والے میوے اور پھل پھول ان سے پیدا ہوتے ہیں گو کہ زمین کے ایک ہی ٹکڑے پر وہ ملے جلے ہیں۔ اَلْفَافًا کے معنی جمع کے ہیں' اور جگہ ہے وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جو آپس میں ملے جلے ہیں اور انگور کے درخت ہیں' کھیتیاں ہیں' کھجور کے درخت ہیں بعض شاخ دار بعض بغیر زیادہ شاخوں کے اور وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اور ہم ایک سے ایک کو میوہ میں زیادہ کرتے ہیں یقیناً عقل مندوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

بیشک فیصلہ کا دن ہے وقت مقرر کردہ ○ جس دن صور پھونکا جائے گا پھر تم سب جماعت جماعت بن کر آؤ گے ○ اور آسمان کھول دیا جائے گا اور دروازے دروازے ہو جائیں گے ○ اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سفید بادل ہو جائیں گے ○

جماعت در جماعت حاضری: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۰) یعنی قیامت کا دن ہمارے علم میں مقرر دن ہے' نہ وہ آگے ہو نہ پیچھے' ٹھیک وقت پر آ جائے گا' کب آئے گا اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں' جیسے اور جگہ ہے وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ نہیں ڈھیل دیتے ہم انہیں لیکن وقت مقرر کے لئے' اس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور لوگ جماعتیں جماعتیں بن کر آئیں گے' ہر ہر امت اپنے اپنے نبی کے ساتھ الگ الگ ہوگی؟ جیسے فرمایا یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے۔

صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دونوں صور کے درمیان چالیس ہوں گے لوگوں نے پوچھا چالیس دن' کہا میں نہیں کہہ سکتا' پوچھا چالیس مہینے' کہا مجھے خبر نہیں' پوچھا چالیس سال' کہا میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا' پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور جس طرح درخت اُگتے ہیں لوگ زمین سے اگیں گے' انسان سارا کا سارا گل سڑ جاتا ہے لیکن ایک ہڈی اور وہ کمر کی ریڑھ کی ہڈی ہے اسی سے قیامت کے دن مخلوق مرکب کی جائے گی' آسمان کھول دیئے جائیں گے اور اس میں فرشتوں کے اترنے کے راستے اور دروازے بن جائیں گے' پہاڑ چلائے جائیں گے اور بالکل ریت کے ذرے بن جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً یعنی تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو جان رہے ہو وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے' اور جگہ ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ پہاڑ مثل دھنی ہوئی اون کے ہو جائیں گے' یہاں فرمایا پہاڑ سراب ہو جائیں گے یعنی دیکھنے والا کہتا ہے کہ وہ کچھ ہے حالانکہ دراصل کچھ نہیں' آخر میں بالکل برباد ہو جائیں گے نام و نشان تک نہ رہے گا۔

جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا الخ' لوگ تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ انہیں میرا رب پراگندہ کر دے گا اور زمین بالکل ہموار میدان رہ جائے گی جس میں نہ کوئی موڑ ہوگا نہ ٹیلا' اور جگہ ہے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل کھل گئی ہے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ
فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا
حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا
يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ
شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ
اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع ٣٠

بیشک دوزخ تاک میں ہے ○ شریروں کا ٹھکانا ○ وہی ہے اس میں وہ قرنوں تک پڑے رہیں گے ○ نہ کبھی اس میں خنکی کا ذائقہ پائیں نہ پانی کا ○ سوائے گرم پانی اور بہتی پیپ کے ○ بدلہ دیئے جائیں گے پورا پورا ○ انہیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی ○ اور مکرا مکرا کر ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ○ ہم نے ہر ایک چیز کا لکھ کر احاطہ کر رکھا ہے ○ اب تم مزہ اٹھاؤ ہم تمہارے عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے ○

(آیت :۲۱-۳۰) پھر فرماتا ہے سرکش نافرمان مخالفین رسول کے تاک میں جہنم لگی ہوئی ہے' یہی ان کے لوٹنے کی اور رہنے سہنے کی جگہ ہے' اس کے معنی حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ نے یہ بھی کئے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں بھی نہیں جا سکتا جب تک جہنم پر سے نہ گذرے' اگر اعمال ٹھیک ہیں تو تو نجات پا لی اور اگر اعمال بد ہیں تو روک لیا گیا اور جہنم میں جھونک دیا گیا - حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اس پر تین تین پل ہیں' پھر فرمایا وہ اس میں مدتوں اور قرنوں پڑے رہیں گے- اَحْقَابٌ جمع ہے حَقبٌ کی' ایک لمبے زمانے کو حقب کہتے ہیں' بعض کہتے ہیں حقب اسی سال کا ہوتا ہے' سال بارہ ماہ کا' مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا' بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہ مروی ہے بعض کہتے ہیں' ستر سال کا حقب ہوتا ہے' کوئی کہتا ہے چالس سال کا ہے جس میں ہر دن ایک ہزار سال کا' بشیر بن کعب تو کہتے ہیں ایک ایک دن اتنا بڑا اور ایسے تین سو ساٹھ سال کا ایک حقب' ایک مرفوع حدیث میں ہے حقب مہینہ مہینہ تیس دن کا' سال بارہ مہینوں کا' سال کے دن تین سو ساٹھ ہر دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا (ابن ابی حاتم) لیکن یہ حدیث سخت منکر ہے اس کے راوی قاسم جو جابر بن زبیر کے لڑکے ہیں یہ دونوں متروک ہیں' ایک اور روایت میں ہے کہ ابو مسلم بن علاء نے سلیمان تیمی سے پوچھا کہ کیا جہنم میں سے کوئی نکلے گا بھی؟ تو جواب دیا کہ میں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم جہنم میں سے کوئی بھی بغیر مدت دراز رہے نہ نکلے گا پھر کہا اسی سے اوپر کچھ سال کا ہوتا ہے اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا جو تم گنتے ہو۔

سدی کہتے ہیں سات سو حقب رہیں گے ہر حقب ستر سال کا' ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر کا حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں یہ آیت فَذُوْقُوْا کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے' خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور آیت اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ یعنی جہنمی جب تک اللہ چاہے جہنم میں رہیں گے یہ دونوں آیتیں توحید والوں کے بارے میں ہیں' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ احقاب تک رہنا متعلق ہو آیت حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا کے ساتھ یعنی وہ ایک ہی عذاب گرم پانی اور بہتی پیپ کا مدتوں رہے گا پھر دوسری قسم کا عذاب شروع ہو گا لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا خاتمہ ہی نہیں۔ حضرت حسنؒ سے جب یہ سوال ہوا تو کہا کہ احقاب سے مراد ہمیشہ

جہنم میں رہنا ہے‘ لیکن حقب کہتے ہیں ستر سال کو جس کا ہر دن کے ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے‘ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ احقاب کبھی ختم نہیں ہوتے ایک حقب ختم ہوا دوسرا شروع ہو گیا ہاں ہم نے یہ سنا ہے کہ حقب اسی سال کا ہوتا ہے۔ ان احقاب کی صحیح مدت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے‘ ہاں یہ ہم نے سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا‘ ایک سال تین سو ساٹھ دن کا‘ ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا‘ ان جہنمیوں کو نہ تو کلیجے کی ٹھنڈک ہوگی نہ کوئی اچھا پانی پینے کا ملے گا‘ ہاں ٹھنڈک کے بدلے گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے پینے کی چیز بہتی ہوئی پیپ ملے گی‘ حمیم اس سخت گرم کو کہتے ہیں جس کے بعد حرارت کا کوئی درجہ نہ ہو اور غساق کہتے ہیں جہنمی لوگوں کے لہو پیپ پسینہ آنسو اور زخموں سے بہے ہوئے خون پیپ وغیرہ کو‘ اس گرم چیز کے مقابلہ میں یہ اس قدر سرد ہوگی جو بجائے خود عذاب ہے اور بے حد بدبودار ہے۔

سورۂ ص میں غساق کی پوری تفسیر بیان ہو چکی ہے اب یہاں دوبارہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں‘ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اپنے کل عذابوں سے بچائے۔ بعض نے کہا ہے برد سے مراد نیند ہے عرب شاعروں کے شعروں میں بھی برد نیند کے معنی میں پایا جاتا ہے‘ پھر فرمایا یہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہے‘ ان کی بداعمالیاں بھی تو دیکھو کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حساب کا کوئی دن آنے ہی کا نہیں‘ ہم نے جو دلیلیں اپنے نبی پر نازل فرمائی تھیں یہ ان سب کو جھٹلاتے تھے۔ کِذَّاباً مصدر ہے اس وزن پر اور مصدر بھی آتے ہیں‘ پھر فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں کے تمام اعمال وافعال کو گن رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے‘ وہ سب ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں اور سب کا بدلہ بھی ہمارے پاس تیار ہے‘ ان جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ اب ان عذابوں کا مزہ اٹھاؤ‘ ایسے ہی اور اس سے بھی بدترین عذاب تمہیں زیادتی کے ساتھ ہوتے رہیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جہنمیوں کے لئے اس سے زیادہ سخت اور مایوس کن اور کوئی آیت نہیں‘ ان کے عذاب ہر وقت بڑھتے ہی رہیں گے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی سے سوال ہوا کہ جہنمیوں کے لئے سب سے زیادہ سخت آیت کون سی ہے تو فرمایا حضور علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا ان لوگوں کو خدا کی نافرمانیوں نے تباہ کر دیا‘ لیکن اس حدیث کے راوی جسر بن فرقد بالکل ضعیف ہیں۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ
أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا
كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لئے کامیابی ہے ○ باغات ہیں اور انگور ○ اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں ○ اور جام شراب میں چھلکتے ہوئے ○ وہاں نہ تو بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھٹلانا بدلہ ہے ○ تیرے رب کی طرف سے انعام بھرپور ○

فضول اور گناہوں سے پاک دنیا: ☆☆ (آیت:۳۱-۳۶) نیک لوگوں کے لئے خدا کے ہاں جو نعمتیں ورحمتیں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ کامیاب مقصد در اور نصیب دار ہیں کہ جہنم سے نجات پائی اور جنت میں پہنچ گئے‘ حَدَائِق کہتے ہیں کھجور وغیرہ کے باغات کو۔ انہیں نوجوان کنواری حوریں بھی ملیں گی جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی‘ جیسے کہ سورۂ واقعہ کی تفسیر میں اس کا پورا بیان گذر چکا‘ اس حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی خدا کی رضامندی کے ہوں گے بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتلاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر جو وہ فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی (ابن ابی حاتم)۔

انہیں شراب طہور کے چھلکتے ہوئے پاک صاف بھرپور جام پر جام ملیں گے جس میں نشہ نہ ہوگا کہ بیہودہ گوئی اور لغو باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں‘ جیسے اور جگہ ہے لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ اس میں نہ لغو ہوگا نہ برائی اور گناہ کی باتیں کوئی بات جھوٹ اور

فضول نہ ہوگی۔ وہ دارالسلام ہے جس میں کوئی عیب کی اور برائی کی بات ہی نہیں' یہ جو کچھ بدلے ان پارسا بزرگوں کو ملے ہیں یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے جو اللہ کے فضل وکرم سے اور اس کے احسان وانعام کی بناء پر ملے ہیں جو بے حد کافی ہیں جو بکثرت اور بھرپور ہیں عرب کہتے ہیں اَعُطَانِیُ فَاَحُسَبَنِیُ انعام دیا اور بھرپور دیا' اسی طرح کہتے ہیں حَسُبِیَ اللّٰہُ یعنی اللہ مجھے ہر طرح کافی وافی ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ
خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۛ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ
اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ
الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ
عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ
الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۱۰

پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بڑی بخشش کرنے والا کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ○ جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے کوئی کلام نہیں کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے ○ یہ دن حق ہے اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے ہم نے تمہیں پاس کے عذاب سے ڈرا دیا جس دن انسان ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کمائی کو دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کاش کہ میں مٹی بن جاتا ○

روح الامین علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۷-۴۰) اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجلال کی خبر دے رہا ہے کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوق کا پالنے پوسنے والا ہے' وہ رحمان ہے جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے' جب تک اس کی اجازت نہ ہو کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا' جیسے اور جگہ ہے مَنُ ذَالَّذِیُ یَشُفَعُ عِنُدَهٗۤ اِلَّا بِاِذُنِهٖ یعنی کون ہے جو اس کی اجازت بغیر اس کے سامنے سفارش لے جا سکے' اور جگہ ہے یَوُمَ یَاُتِ لَا تَكَلَّمُ نَفُسٌ اِلَّا بِاِذُنِهٖ جس دن وہ وقت آ جائے گا کوئی بھی بلا اجازت اس سے بات نہ کر سکے گا' روح سے مراد یا تو کل انسانوں کی روحیں ہیں یا کل انسان ہیں یا ایک قسم کی خاص مخلوق ہے جو انسانوں کی سی صورتوں والے ہیں کھاتے پیتے ہیں نہ وہ فرشتے ہیں نہ انسان یا مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' حضرت جبرئیلؑ کو اور جگہ بھی روح کہا گیا ہے' ارشاد ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوُحُ الُاَمِیُنُ اسے امانت دار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو ڈرانے والا بن جائے' یہاں مراد روح سے یقیناً حضرت جبرئیلؑ ہیں۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں تمام فرشتوں سے بزرگ اور خدا سے بہت ہی نزدیک اور وحی لے کر آنے والے بھی ہیں یا مراد روح سے قرآن ہے۔ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے وَكَذَالِكَ اَوُحَیُنَاۤ اِلَیُكَ رُوُحًا مِّنُ اَمُرِنَا یعنی ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح اتاری' یہاں روح سے مراد قرآن ہے' چھٹا قول یہ ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ تمام فرشتوں سے بہت بڑا ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے' تمام آسمانوں کل پہاڑوں اور سب فرشتوں سے بڑا ہے' ہر دن بارہ ہزار تسبیحیں پڑھتا ہے' ہر ہر تسبیح سے ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے قیامت کے دن اکیلا وہی ایک صف بن کر آئے گا لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ طبرانی میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں ایک فرشتہ وہ بھی ہے کہ اگر اسے حکم ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو لقمہ بنالے تو وہ ایک لقمہ میں سب کو لے لے' اس کی تسبیح یہ ہے

سُبْحَانَكَ حَيْثُ كُنْتَ خدایا تو جہاں کہیں بھی ہے پاک ہے' یہ حدیث بھی بہت غریب ہے بلکہ اس کے فرمان رسول ہونے میں بھی کلام ہے' ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہو اور وہ بھی بنی اسرائیل سے لیا ہو واللہ اعلم۔

امام ابن جریرؒ نے یہ سب اقوال وارد کئے ہیں لیکن کوئی فیصلہ نہیں کیا' میرے نزدیک تو ان تمام اقوال میں سے بہتر قول یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد کل انسان ہیں واللہ اعلم' پھر فرمایا صرف وہی اس دن بات کر سکے گا جسے وہ رحمٰن اجازت دے' جیسے فرمایا يَوْمَ يَاْتِ لَا تُكَلِّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یعنی جس دن وہ وقت آئے گا کوئی نفس بغیر اس کی اجازت کے کلام بھی نہیں کر سکے گا' صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس دن سوائے رسولوں کے کوئی اور بات نہ کر سکے گا' پھر فرمایا کہ اس کی بات بھی ٹھیک ٹھاک ہو' سب سے زیادہ حق بات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے' پھر فرمایا کہ یہ دن حق ہے یقیناً آنے والا ہے' جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنے لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ بنا لے جس پر چل کر وہ اس کے پاس سیدھا جا پہنچے' ہم نے تمہیں بالکل قریب آ گئی ہوئی آفت سے آگاہ کر دیا ہے' آنے والی چیز کو تو آ گئی ہوئی سمجھنی چاہئے' اس دن نئے پرانے چھوٹے بڑے اچھے برے کل اعمال انسان کے سامنے ہوں گے' جیسے فرمایا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا جو کیا اسے سامنے پا لیں گے۔ اور جگہ ہے يُنَبَّاُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ہر انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال سے متنبہ کیا جائے گا' اس دن کافر آرزو کرے گا کہ کاش کہ وہ مٹی ہوتا' پیدا ہی نہ کیا جاتا' وجود میں ہی نہ آتا' اللہ کے عذابوں کو آنکھ سے دیکھ لے گا' اپنی بدکاریاں سامنے ہوں گی جو پاک فرشتوں کے منصب ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں' پس ایک معنی تو یہ ہوئے کہ دنیا میں ہی مٹی ہونے کی یعنی پیدا نہ ہوتے کی آرزو کرے گا' دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کے قصاص دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے اس وقت یہ کافر انسان بھی کہے گا کہ ہائے ہائے کاش کہ میں بھی حیوان ہوتا اور اب مٹی بن جاتا' حضور کی لمبی حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی یہی مروی ہے۔ سورۂ نباء کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدلله و المنه ربه التوفيق و العصمه۔

تفسیر سورة النازعات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾
فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾
تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا
خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا
عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سختی سے کھینچنے والوں کی قسم ○ کھول کر بند چھڑا دینے والوں کی قسم ○ تیرتے پھرنے والوں کی قسم ○ پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم ○ پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم ○ جس دن کانپنے والی کانپے گی ○ اس کے پیچھے ہوگی پیچھے آنے والی ○ بہت سے دل اس دن دھڑکنے والے ہوں گے ○ جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی ○ کہتے ہیں کہ کیا ہم اگلی سی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ○ کیا جس وقت بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے ○ کہتے ہیں پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے ○ وہ تو صرف ایک خوف ناک آواز ہے ○ کہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے ○

فرشتے' موت اور ستارے: ☆☆ (آیت:۱-۱۴) اس سے مراد فرشتے ہیں جو بعض لوگوں کی روحوں کو سختی سے گھسیٹتے ہیں اور بعض روحوں کو بہت آسانی سے نکالتے ہیں جیسے کسی کے بند کھول دیئے جائیں' کفار کی روحیں کھینچی جاتی ہیں پھر بند کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم میں ڈبو دیئے جاتے ہیں' یہ ذکر موت کے وقت کا ہے' بعض کہتے ہیں وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا سے مراد موت ہے' بعض کہتے ہیں دونوں پہلی آیتوں سے مطلب ستارے ہیں' بعض کہتے ہیں مراد سخت لڑائی کرنے والے ہیں لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے یعنی روح نکالنے والے فرشتے' اسی طرح تیسری آیت کی نسبت بھی یہ تینوں تفسیریں مروی ہیں یعنی فرشتے موت اور ستارے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں مراد کشتیاں ہیں' اسی طرح سابقات کی تفسیر میں بھی تینوں قول ہیں' معنی یہ ہیں کہ ایمان اور تصدیق کی طرف آگے بڑھنے والے۔ عطاؒ فرماتے ہیں مجاہدین کے گھوڑے مراد ہیں۔ پھر حکم خدا کی تعمیل تدبیر سے کرنے والے اس سے مراد بھی فرشتے ہیں جیسے حضرت علیؓ وغیرہ کا قول ہے آسمان سے زمین کی طرف اللہ عزوجل کے حکم سے تدبیر کرتے ہیں' امام ابن جریرؒ نے ان اقوال میں کوئی فیصلہ نہیں کیا' کانپنے والی کے کانپنے اور اس کے پیچھے آنے والی کے پیچھے آنے سے مراد دونوں نفخے ہیں' پہلے نفخہ کا بیان اس آیت میں بھی ہے یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ جس دن زمین اور پہاڑ کپکپا جائیں گے' دوسرے نفخہ کا بیان اس آیت میں ہے وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ چور چور کر دیئے جائیں گے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کانپنے والی آئے گی اس کے پیچھے ہی پیچھے آنے والی ہوگی یعنی موت اپنے ساتھ کی کل آفتوں کو لئے ہوئے آئے گی۔ ایک شخص نے کہا حضورؐ اگر میں اپنے وظیفہ کا کل وقت آپ پر درود پڑھنے میں گذاروں تو؟ آپ نے فرمایا پھر تو اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت کے تمام غم و رنج سے بچا لے گا۔ ترمذی میں ہے کہ دو تہائی رات گذرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور فرماتے لوگو اللہ کو یاد کرو' کپکپانے والی آ رہی ہے پھر اس کے پیچھے ہی اور آ رہی ہے' موت اپنے ساتھ کی تمام آفات کو لئے ہوئے چلی آ رہی ہے' اس دن بہت سے دل ڈر رہے ہوں گے' ایسے لوگوں کی نگاہیں ذلت و حقارت کے ساتھ پست ہوں گی کیونکہ وہ اپنے گناہوں اور خدا کے عذابوں کا معائنہ کر چکے ہیں' مشرکین جو روز قیامت کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں جانے کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے؟ وہ آج اپنی اس زندگی کو رسوائی اور برائی کے ساتھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

حَافِرَةٌ کہتے ہیں قبروں کو بھی' یعنی قبروں میں چلے جانے کے بعد جسم کے ریزے ریزے ہو جانے کے بعد ہڈیوں کے سڑ گل جانے اور کھوکھلی ہو جانے کے بعد بھی کیا ہم زندہ کئے جائیں گے؟ پھر تو یہ دوبارہ کی زندگی خسارے اور گھاٹے والی ہوگی۔ کفار قریش کا یہ مقولہ تھا حَافِرَةٌ کے معنی موت کے بعد کی زندگی کے بھی مروی ہیں اور جہنم کا نام بھی ہے' اس کے نام بہت سے ہیں جیسے جحیم' سقر' جہنم' ہاویہ حاضرۃ لفظی حطمہ وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کو یہ بڑی بھاری اور ان ہونی اور ناممکن سمجھے ہوئے ہیں وہ ہماری قدرت کاملہ کے ماتحت ایک ادنی سی بات ہے' ادھر ایک آواز دی ادھر سب زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہو گئے یعنی اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو حکم دے گا وہ صور پھونک دیں گے' بس ان کے صور پھونکتے ہی تمام اگلے پچھلے جی اٹھیں گے اور خدا کے سامنے ایک ہی میدان میں کھڑے ہو

جائیں گے جیسے اور جگہ ہے یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ جس دن وہ تمہیں پکارے گا اور تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور جان لو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے اور جگہ فرمایا وَمَآ اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ہمارا حکم بس ایسا ایک بارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ اور جگہ ہے وَمَآ اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ ھُوَ اَقْرَبُ امر قیامت مثل آنکھ جھپکنے کے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ صرف ایک آواز ہی کی دیر ہے اس دن پروردگار سخت غضبناک ہوگا یہ آواز بھی غصہ کے ساتھ ہوگی یہ آخری نفحہ ہے جس کے پھونکے جانے کے بعد ہی تمام لوگ زمین کے اوپر آ جائیں گے حالانکہ اس سے پہلے نیچے تھے سَاھِرَۃٌ روئے زمین کو کہتے ہیں اور سیدھے صاف میدان کو بھی کہتے ہیں۔ ثوریؒ کہتے ہیں مراد اس سے شام کی زمین ہے عثمان بن ابو العالیہؒ کا قول ہے مراد بیت المقدس کی زمین ہے۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں بیت المقدس کے ایک طرف یہ ایک پہاڑ ہے قتادہؒ کہتے ہیں جہنم کو بھی سَاھِرَۃٌ کہتے ہیں۔ لیکن یہ اقوال سب کے سب غریب ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی روئے زمین سب لوگ زمین پر جمع ہو جائیں گے جو سفید ہوگی اور بالکل صاف اور خالی ہوگی جیسے میدے کی روٹی ہوتی ہے اور جگہ ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ یعنی جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہوگی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ واحد و قہار کے روبرو ہو جائے گی اور جگہ ہے لوگ تجھ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں تو کہہ انہیں میرا رب ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور زمین بالکل میدان ہموار بن جائے گی جس میں کوئی موڑ توڑ ہوگا نہ اونچی نیچی جگہ اور جگہ ہے ہم پہاڑوں کو چلتا کریں گے اور زمین صاف ظاہر ہو جائے گی غرض ایک بالکل نئی زمین ہوگی جس پر نہ کبھی کوئی خطا ہوئی نہ قتل و گناہ۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝١٥ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
طُوًى ۝١٦ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝١٧ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى
اَنْ تَزَكّٰى ۝١٨ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝١٩ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝٢٠
فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝٢١ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝٢٢ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝٢٣
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝٢٤ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ
وَالْاُوْلٰى ۝٢٥ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٢٦ ع

کیا حضرت موسیٰؑ کا قصہ بھی تجھے پہنچا ہے؟ ○ جبکہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طویٰ میں پکارا ○ کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی ہے ○ اس سے کہو کہ کیا تو درستگی چاہتا ہے ○ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں اور تو ڈرنے لگے ○ پس اسے بڑی نشانی دکھائی ○ پھر بھی وہ جھٹلاتا اور نافرمانی کرتا رہا ○ اور الگ ہٹ کر کوشش کرنے لگا ○ پھر سب کو جمع کر کے باآواز بلند کہنے لگا ○ تم سب کا رب میں ہی ہوں سب سے بلند و بالا ○ اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا ○ بیشک اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو ڈرے ○

معرفت دل حق کا مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات سے ان کی تائید کی لیکن باوجود اس کے فرعون اپنی سرکشی اور اپنے کفر سے باز نہ آیا بالآخر خدا کا عذاب اترا اور برباد ہو گیا اسی طرح اے پیغمبر آخر الزماں آپ کے مخالفین کا بھی حشر ہوگا۔

اسی لئے اس واقعہ کے خاتمہ پر فرمایا ڈر والوں کے لئے اس میں عبرت ہے' پس فرماتا ہے کہ تجھے خبر بھی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے آواز دی جبکہ وہ ایک مقدس میدان میں تھے جن کا نام طویٰ ہے' اس کا تفصیلی بیان سورۂ طٰہٰ میں گذر چکا ہے آواز دے کر فرمایا کہ فرعون نے سرکشی تکبر' تجبر اور تمرد اختیار کر رکھا ہے' تم اس کے پاس پہنچو اور اسے میرا یہ پیغام دو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میری بات مان کر اس راہ پر چلے جو پاکیزگی کی راہ ہے؟ میری سن میری مان سلامتی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کر لے گا' میں تجھے خدا کی عبادت کے وہ طریقے بتلاؤں گا جس سے تیرا دل نرم اور روشن ہو جائے' اس میں خشوع وخضوع پیدا ہو اور دل کی سختی اور بدبختی دور ہو۔ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچے' خدائی فرمان پہنچایا' حجت ختم کی' دلائل بیان کئے یہاں تک کہ اپنی سچائی کے ثبوت میں معجزات بھی دکھائے لیکن وہ برابر حق کی تکذیب کرتا رہا اور حضرت موسیٰ کی باتوں کی نافرمانی پر جما رہا' چونکہ دل میں کفر جاگزیں ہو چکا تھا اس سے طبیعت نہ ہٹی اور باوجود حق واضح ہو جانے کے ایمان وتسلیم نصیب نہ ہوئی' یہ اور بات ہے کہ دل سے جانتا تھا کہ یہ حق برحق نبی ہیں اور ان کی تعلیم بھی برحق ہے۔

لیکن دل کی معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے' دل کی معرفت پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے کہ حق کا تابع فرمان بن جائے اور خدا رسول کی باتوں پر عمل کرنے کے لئے جھک جائے پھر اس نے حق سے منہ موڑ لیا اور خلاف حق کوشش کرنے لگا' جادوگروں کو جمع کر کے اس کے ہاتھوں حضرت موسیٰؑ کو نیچا دکھانا چاہا۔ اپنی قوم کو جمع کیا اور اس میں منادی کی کہ تم سب کا بلند و بالا رب میں ہی ہوں' اس سے چالیس سال پہلے وہ کہہ چکا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ یعنی میں نہیں جانتا کہ تمہارا معبود میرے سوا کوئی اور بھی ہو' اب تو اس کی طغیانی حد سے بڑھ گئی اور صاف کہہ دیا کہ میں ہی رب ہوں بلندیوں والا اور سب پر غالب میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بھی اس سے وہ انتقام لیا جو اس جیسے تمام سرکشوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ سبب عبرت بن جائے' دنیا میں بھی اور آخرت کے بدترین عذاب تو ابھی باقی ہیں' جیسے فرمایا وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ یعنی ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے پیش رو بنائے قیامت کے دن یہ مدد نہ کئے جائیں گے' پس صحیح تر معنی آیت کے یہی ہیں کہ آخرت اور اولیٰ سے مراد دنیا اور آخرت ہے بعض نے کہا ہے اول آخر سے مراد اس کے دونوں قول ہیں یعنی پہلے یہ کہنا کہ میرے علم میں میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں پھر یہ کہنا کہ تمہارا سب کا بلند رب میں ہوں' بعض کہتے ہیں مراد کفر و نافرمانی ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں' اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے جو نصیحت حاصل کریں اور باز آجائیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾
وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ
دَحٰهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿٣٢﴾
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا؟ اللہ نے اسے بنایا ○ اس کی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا ○ اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن بنایا ○ اور اس کے بعد زمین کو ہموار بچھا دیا ○ اور اس میں سے پانی اور چارہ پیدا کیا ○ اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا ○ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ○

موت وحیات کی سرگزشت: ☆☆ (آیت:۲۷-۳۳) جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر تھے انہیں پروردگار دلیلیں دیتا ہے کہ

تمہاری پیدائش سے تو بہت زیادہ مشکل پیدائش آسمانوں کی ہے' جیسے اور جگہ ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی زمین و آسمان کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ بھاری ہے' اور جگہ ہے اَوَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ کیا جس نے زمین و آسمان پیدا کر دیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ ضرور وہ قادر ہے اور وہ ہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے' آسمان کو اس نے بنایا یعنی بلند و بالا خوب چوڑا اور کشادہ اور بالکل برابر بنایا پھر اندھیری راتوں میں خوب چمکنے والے ستارے اس میں جڑ دیئے' رات کو سیاہ اور اندھیرے والی بنائی اور دن کو روشن اور نور والا بنایا اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا یعنی پانی اور چارہ نکالا ۔ سورۂ حم سجدہ میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ زمین کی پیدائش تو آسمان سے پہلے ہے ہاں اس کی برکات کا اظہار آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوا جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے' ابن عباسؓ اور بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے' امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے' اور پہاڑوں کو اس نے خوب مضبوط گاڑ دیا ہے' وہ حکمتوں والا صحیح علم والا ہے اور ساتھ ہی اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے ۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا وہ ہلنے لگی' پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی' فرشتوں کو اس سے سخت تر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے خدایا تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا آگ' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہاں پانی' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہوا' پوچھا پروردگار کیا تیری مخلوق میں اس سے بھاری کوئی اور چیز ہے؟ فرمایا ہاں ابن آدم ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے جو خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی ۔ ابن جریر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی تو آدم اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا' بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں' زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھرکتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے ۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہے یعنی زمین سے چشموں اور نہروں کا جاری کرنا' زمین کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنا' کھیتیاں اور درخت اگانا' پہاڑوں کا گاڑنا تاکہ زمین سے پورا پورا فائدہ تم اٹھا سکو یہ سب باتیں انسانوں کے فائدے کے لئے ہیں اور ان کے جانوروں کے فائدے کے لئے' پھر وہ جانور بھی انہی کے فائدے کے لئے ہیں کہ بعض کا گوشت کھاتے ہیں' بعض پر سواریاں لیتے ہیں اور اپنی عمر اس دنیا میں سکھ سے بسر کر رہے ہیں ۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى (٣٤) يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ
مَا سَعٰى (٣٥) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (٣٦) فَاَمَّا مَنْ
طَغٰى (٣٧)

پس جبکہ وہ بہت بڑے ہنگامے کا دن آ جائے گا ○ جس دن انسان اپنے کئے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا ○ اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی ○ جس شخص نے سرکشی کی ہوگی ○

انتہائی ہولناک لرزہ خیز لمحات : ☆☆ (آیت:۳۴-۳۷) طَآمَّتُه الْكُبْرٰى سے مراد قیامت کا دن ہے اس لئے کہ وہ ہولناک اور

بڑے ہنگامے والا دن ہوگا' جیسے اور جگہ ہے وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ یعنی قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے اس دن ابن آدم اپنے بھلے برے اعمال کو یاد کرے گا اور کافی نصیحت حاصل کر لے گا' جیسے اور جگہ ہیا ہے یَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى یعنی اس دن آدمی نصیحت حاصل کر لے گا لیکن آج کی نصیحت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی' لوگوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے۔

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۳۸ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝۳۹ وَ
اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ
الْهَوٰى ۝۴۰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝۴۱ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ
السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۝۴۲ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝۴۳ اِلٰى
رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝۴۴ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ۝۴۵ كَاَنَّهُمْ
يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝۴۶ ع ۲ ۲۰

اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی ○ اور اس کا ہی ٹھکانا جہنم ہے ○ ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا ○ اس ہی کا ٹھکانہ جنت ہے ○ لوگ تجھ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت دریافت کر رہے ہیں ○ تجھے اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق ○ اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے ○ تو تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والا ہے ○ جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف ان کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی دنیا میں رہے ○

(آیت: ۳۸-۴۶) اس دن سرکشی کرنے والے اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا' ان کی خوراک زقوم ہوگا اور ان کا پانی حمیم ہوگا' ہاں ہمارے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہنے والوں اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتے رہنے والوں' خوف خدا دل میں رکھنے والوں اور برائیوں سے باز رہنے والوں کا ٹھکانا جنت ہے اور وہاں کی کل نعمتوں کے حصہ دار صرف یہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے بارے میں تم سے سوال ہو رہے ہیں تم کہہ دو کہ نہ مجھے اس کا علم ہے نہ مخلوق میں سے کسی اور کو' صرف خدا ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں' وہ زمین و آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے حالانکہ دراصل اس کا علم سوائے خدائے تبارک وتعالیٰ کے اور کسی کو نہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی جس وقت انسانی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کچھ سوالات کئے جن کے جوابات آپ نے دیئے پھر یہی قیامت کے دن کی تعیین کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو نہ وہ اسے جانے نہ خود پوچھنے والے کو اس کا علم۔ پھر فرمایا کہ اے نبی تم تو صرف لوگوں کے ڈرانے والے ہو اور اس سے نفع انہیں کو پہنچے گا جو اس خوفناک دن کا ڈر رکھتے ہیں' وہ تیاری کر لیں گے اور اس دن کے خطرے سے بچ جائیں گے' باقی لوگ جو ہیں وہ آپ کے فرمان سے عبرت حاصل نہیں کریں گے بلکہ مخالفت کریں گے اور اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذابوں میں گرفتار ہوں گے' لوگ جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر محشر کے میدان میں جمع ہوں گے اس وقت اپنی دنیا کی زندگی انہیں بہت ہی کم نظر آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا کہ صرف صبح کا یا صرف شام کا کچھ حصہ دنیا میں گذارا ہے۔ ظہر سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے کے وقت کو عشیہ کہتے ہیں اور سورج نکلنے سے لے کر آدھے دن تک کے وقت کو ضحیٰ کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ آخرت کو دیکھ کر دنیا کی لمبی عمر بھی اتنی کم محسوس ہونے لگی۔ سورۂ نازعات کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمدللہ رب العالمین۔

تفسیر سورة العبس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ
يَزَّكّٰیٓ ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ﴿۵﴾
فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ
جَآءَكَ يَسْعٰی ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰی ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ﴿۱۰﴾ كَلَّآ اِنَّهَا
تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾
مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا رحمان ورحیم ہے۔

ترش بتر ہو کر منہ موڑ لیا ○ اس سے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا ○ تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا ○ یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی ○ جو بے پرواہی کرتا ہے ○ اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے ○ حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تیرا کوئی نقصان نہیں ○ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے ○ اور ڈر بھی رہا ہو ○ تو اس سے بے رخی برتتا ہے ○ یہ ٹھیک نہیں قرآن تو نصیحت کی چیز ہے ○ جو چاہے اسے یاد کرلے ○ یہ تو پرعظمت صحیفوں میں ہے ○ جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں ○ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے ○ جو بزرگ اور پاک باز ہیں ○

تبلیغ دین میں فقیر وغنی سب برابر : ☆☆ (آیت:۱-۱۶) بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ قریش کے سرداروں کو اسلامی تعلیم سمجھا رہے تھے اور مشغولیت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے دل میں خیال تھا کہ کیا عجب خدا انہیں اسلام نصیب کر دے' ناگہاں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس آئے' پرانے مسلمان تھے' عموماً حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دین اسلام کی تعلیم سیکھتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے' آج بھی حسب عادت آتے ہی سوالات شروع کئے اور آگے بڑھ بڑھ کر حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا آپ چونکہ اس وقت ایک اہم امر دینی میں پوری طرح مشغول تھے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ ذرا گراں خاطر گرا اور پیشانی پر بل پڑ گئے' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ کی بلند شان اور اعلیٰ اخلاق کے لائق یہ بات نہ تھی کہ اس نابینا سے جو ہمارے خوف سے دوڑتا بھاگتا آپ کی خدمت میں علم دین سیکھنے کے لئے آئے اور آپ اس سے منہ پھیر لیں اور ان کی طرف متوجہ ہیں جو سرکش ہیں اور مغرور و متکبر ہیں' بہت ممکن ہے کہ یہی پاک ہو جائے اور خدا کی باتیں سن کر برائیوں سے بچ جائے اور احکام کی تعمیل میں تیار ہو جائے' یہ کیا کہ آپ ان بے پرواہ لوگوں کی جانب تمام تر توجہ فرمالیں؟ آپ پر کوئی ان کو راہ راست پر لا کھڑا کرنا ضروری تھوڑے ہی ہے؟ وہ اگر آپ کی باتیں نہ مانیں تو آپ پر ان کے اعمال کی پکڑ ہرگز نہیں' مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین میں شریف وضعیف' فقیر وغنی' آزاد و غلام' مرد و عورت' چھوٹے بڑے سب برابر ہیں' آپ سب کو یکساں نصیحت کیا کریں' ہدایت خدا کے ہاتھ ہے' وہ اگر کسی کو راہ راست سے دور رکھے تو اس کی حکمت وہی جانتا ہے' جسے اپنی راہ لگا لے اسے بھی وہی خوب جانتا ہے۔ حضرت ابن ام مکتوم کے آنے کے وقت حضور کا مخاطب

ابی بن خلف تھا اس کے بعد حضور ابن ام مکتوم کی بڑی تکریم اور آ ؤ بھگت کیا کرتے تھے ۔ (مسند ابو یعلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ابن ام مکتوم کو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا ہے زرہ پہنے ہوئے تھے اور سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھے ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت مجھے بھلائی کی باتیں سکھائیں' اس وقت رؤساء قریش آپ کی مجلس میں تھے آپ نے ان کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی' انہیں سمجھاتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہو میری بات ٹھیک ہے' وہ کہتے جاتے تھے ہاں حضرت درست ہے ۔ ان لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ' ابوجہل بن ہشام عباس بن عبدالمطلب تھے آپ کی بڑی کوشش تھی اور پوری حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ دین حق کو قبول کر لیں' ادھر یہ آ گئے اور کہنے لگے حضورؐ قرآن پاک کی کوئی آیت مجھے سنایئے اور خدا کی باتیں سکھلایئے' آپ کو اس وقت ان کی بات ذرا بے موقع لگی اور منہ پھیر لیا اور ادھر ہی متوجہ رہے' جب ان سے باتیں پوری کر کے آپ گھر جانے لگے تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور سر نیچا ہو گیا اور یہ آیتیں اتریں' پھر تو آپ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور پوری توجہ سے کان لگا کر ان کی باتیں سنا کرتے تھے' آتے جاتے ہر وقت پوچھتے کہ کچھ کام ہے' کچھ حاجت ہے' کچھ کہتے ہو' کچھ مانگتے ہو؟ (ابن جریر وغیرہ)

اس روایت میں غرابت ہے نکارت ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بلال رات رہتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں' تو تم سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی اذان سنو' یہ وہ نابینا ہیں جن کے بارے میں عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى اتری تھی' یہ بھی موذن تھے' بینائی میں نقصان تھا' جب لوگ صبح صادق دیکھ لیتے اور اطلاع کرتے کہ صبح ہوئی تب یہ اذان کہا کرتے تھے (ابن ابی حاتم) ابن ام مکتوم کا مشہور نام تو عبداللہ ہے بعض نے کہا ہے ان کا نام عمرو ہے' واللہ اعلم ۔

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ یعنی یہ نصیحت ہے اس سے مراد یا تو یہ سورت ہے یا یہ مساوات کہ تبلیغ دین میں سب یکساں ہیں مراد ہے' سدی کہتے ہیں مراد اس سے قرآن ہے جو شخص چاہے اسے یاد کر لے یعنی اللہ کو یاد کرے اور اپنے تمام کاموں میں اس کے فرمان کو مقدم رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وحی خدا کو یاد کر لے' یہ سورت اور یہ وعظ و نصیحت بلکہ سارا کا سارا قرآن موقر معزز اور معتبر صحیفوں میں ہے جو بلند قدر اور اعلیٰ مرتبہ والے ہیں' جو میل کچیل سے اور کمی زیادتی سے محفوظ اور پاک صاف ہیں' جو فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہیں اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اصحاب رسول کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہے' حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد قاری ہیں ۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے معنی ہیں قاری' امام ابن جریر فرماتے ہیں صحیح بات یہی ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ میں اور مخلوق میں سفیر ہیں' سفیر اسے کہتے ہیں جو صلح اور بھلائی کے لئے لوگوں میں کوشش کرتا پھرے' عرب شاعر کے شعر میں بھی یہ معنی پائے جاتے ہیں ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں جو فرشتے خدا کی جانب سے وحی وغیرہ لے کر آتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں میں صلح کرانے والے سفیر ہوتے ہیں' وہ ظاہر باطن میں پاک ہیں' وجیہ' خوش رو' شریف اور بزرگ ظاہر میں' اخلاق و افعال کے پاکیزہ باطن میں' یہاں سے یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ قرآن کے پڑھنے والوں کو اعمال و اخلاق اچھے رکھنے چاہئیں ۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو قرآن کو پڑھے اور اس کی مہارت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو باوجود مشقت کے بھی پڑھے اسے دوہرا اجر ملے گا ۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝۱۷ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝۱۸ مِنْ
نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝۱۹ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝۲۰ ثُمَّ اَمَاتَهٗ
فَاَقْبَرَهٗ ۝۲۱ ثُمَّ اِذَا شَاۗءَ اَنْشَرَهٗ ۝۲۲ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝۲۳
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝۲۴ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاۗءَ صَبًّا ۝۲۵
ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝۲۶ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝۲۷ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝۲۸
وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝۲۹ وَّحَدَاۗىِٕقَ غُلْبًا ۝۳۰ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝۳۱ مَّتَاعًا
لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝۳۲

اللہ کی مار انسان بھی کیسا ناشکرا ہے ○ اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ ○ اسے نطفہ سے پیدا کیا' پھر اس کی تقدیر مقرر کی ○ پھر اسے راستہ آسان کر دیا ○ پھر اسے مار ڈالا اور قبر کی جگہ دی ○ پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا ○ ہرگز نہیں اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی ○ انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے ○ کہ ہم نے بارش برسائی ○ پھر زمین کو شق کیا ○ پھر اس میں اناج اگائے ○ اور انگور اور ترکاری ○ اور زیتون اور کھجور ○ اور گنجان باغات ○ اور میوہ اور چارہ ○ فائدہ ہے تمہارے لئے اور تمہارے چوپاؤں کے لئے ○

ریڑھ کی ہڈی اور تخلیق ثانی: ☆☆ (آیت: ۱۷-۳۲) جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکاری تھے ان کی یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گذار ہے اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ عموماً کل انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کی کمی کے جھٹ سے خدائی باتوں کی تکذیب کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس کے بعد اس کی اصلیت جتائی جاتی ہے کہ وہ خیال کرے کہ کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے خدا نے اسے بنایا ہے' کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ اس نے انسان کو منی کے قطرے سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا' پھر اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا' جیسے اور جگہ ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا یعنی ہم نے اسے راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گذار بنے یا ناشکرا۔ حسن اور ابن زید اسی کو راجح بتلاتے ہیں واللہ اعلم۔

اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں لے گیا' عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں قَبَرْتُ الرَّجُلَ اور کہتے ہیں اَقْبَرَهُ اللّٰهُ اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اب خدا نے اسے قبر والا بنا دیا' پھر جب خدا چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا' اسی کی زندگی کو بعثت بھی کہتے ہیں اور نشور بھی' جیسے اور جگہ ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان بن کر اٹھ بیٹھے' اور جگہ ہے كَيْفَ نُنْشِزُهَا ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھا بٹھاتے ہیں' پھر کس طرح انہیں گوشت چڑھاتے ہیں۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضا وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی

کو لوگوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا رائی کے دانے کے برابر، اسی سے پھر تمہاری پیدائش ہو گی، یہ حدیث بغیر سوال جواب کی زیادتی کے بخاری مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح یہ ناشکرا اور بے قدر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان و مال میں خدا کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابھی تو اس نے فرائض خدا سے بھی سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ حضرت مجاہدؒ کا فرمان ہے کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پوری ادائیگی نہیں ہو سکتی، حسن بصری سے بھی ایسے ہی معنی مروی ہیں، متقدمین میں سے میں نے تو اس کے سوا کوئی اور کلام نہیں پایا، ہاں مجھے اس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ فرمان باری کا یہ مطلب ہے کہ پھر جب چاہے دوبارہ پیدا کرے گا اب تک اس کے فیصلے کے مطابق وقت نہیں آیا یعنی ابھی ابھی وہ ایسا نہیں کرے گا یہاں تک کہ مدت مقررہ ختم ہو اور بنی آدم کی تقدیر پوری ہو۔

ان کی قسمت میں اس دنیا میں آنا اور یہاں برا بھلا کرنا وغیرہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ سب خدا کے اندازے کے مطابق پورا ہو چکے، اس وقت وہ خلاق کل دوبارہ زندہ کر دے گا اور جیسے کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اب دوسری دفعہ پیدا کر دے گا۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور زمین مخلوق کی ماں ہے جب کہ کل مخلوق پیدا ہو چکے گی پھر قبروں میں پہنچ جائے گی اور قبریں سب بھر جائیں گی، اس وقت دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جو بھی زمین پر ہوں گے سب مر جائیں گے اور زمین میں جو کچھ ہے اسے زمین اگل دے گی اور قبروں میں جو مردے ہیں سب باہر نکال دیئے جائیں گے، یہ قول ہم اپنی اس تفسیر کی دلیل میں پیش کر سکتے ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اس احسان کو دیکھیں کہ میں نے انہیں کھانا دیا، اس میں بھی دلیل ہے موت کے بعد جی اٹھنے کی کہ جس طرح خشک غیر آباد زمین سے ہم نے تر و تازہ درخت اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لئے کھانا مہیا کیا، اسی طرح گلی سڑی کھوکھلی اور چونا ہو گئی ہوئی ہڈیوں کو بھی ہم ایک روز زندہ کر دیں گے اور انہیں گوشت پوست پہنا کر دوبارہ تمہیں زندہ کر دیں گے، تم دیکھ لو کہ ہم نے آسمان سے برابر پانی برسایا، پھر اسے ہم نے زمین میں پہنچا کر ٹھہرا دیا، وہ بیج میں پہنچا اور زمین میں پڑے ہوئے دانوں میں سرایت کی جس سے وہ دانے اگے درخت پھوٹا، اونچا ہوا اور کھیتیاں لہلہانے لگیں، کہیں اناج پیدا ہوا، کہیں انگور اور کہیں ترکاریاں۔ حب تو کہتے ہیں ہر دانے کو، عنب کہتے ہیں انگور کو اور قضب کہتے ہیں اس سبز چارے کو جسے جانور کھاتے ہیں اور زیتون پیدا کیا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے، جلایا جاتا ہے تیل نکالا جاتا ہے اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو گدرائی ہوئی بھی کھائی جاتی ہیں، تر بھی کھائی جاتی ہیں اور خشک بھی کھائی جاتی ہیں اور پکی بھی اور اس کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی اور باغات پیدا کئے۔ غلبا کے معنی کھجوروں کے بڑے بڑے میوہ دار درخت ہیں حدائق کہتے ہیں ہر اس باغ کو جو گھنا اور خوب بھرا ہوا اور گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو۔ موٹی گردن والے آدمی کو بھی عرب اغلب کہتے ہیں، اور میوے پیدا کئے اور اب کہتے ہیں زمین کی اس سبزی کو جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان اسے نہیں کھاتے جیسے گھانس پات وغیرہ، اب جانور کے لئے ایسا ہی ہے جیسا انسان کے لئے فَاکِهَه یعنی میوہ۔

عطاءؒ کا قول ہے کہ زمین پر جو کچھ اگتا ہے اسے اب کہتے ہیں، ضحاکؒ فرماتے ہیں سوائے میووں کے باقی سب اب ہے۔ ابو السائبؒ فرماتے ہیں اب آدمی کے کھانے میں بھی آتا ہے اور جانور کے کھانے میں بھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کون سا آسمان مجھے اپنے تلے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی اگر میں کتاب اللہ میں

وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو' لیکن یہ اثر منقطع ہے ابراہیم تیمی نے حضرت صدیقؓ کو نہیں پایا ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ممبر پر سورۂ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا کہ فاکھہ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا اس تکلیف کو چھوڑ' اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا پھر فرماتا ہے یہ تمہاری زندگی کے قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تم اس سے فیض یاب ہوتے رہو گے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ﴿٣٤﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيۡهِ ﴿٣٥﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيۡهِ ﴿٣٦﴾

پس جبکہ کان بہرے کر دینے والی قیامت آ جائے ○ اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ○ ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ○

ننگے پاؤں' ننگے بدن---پسینے کا لباس: ☆☆ (آیت:۳۳-۳۶) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صاخۃ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور ان کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا' اس دن انسان اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا' کوئی کسی کے کام نہ آئے گا' میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتلا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا' وہ کہے گی کہ بیشک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی خوش سلوکی' کی بہت پیار محبت سے رکھا' یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں تو وہ جواب دے گی کہ آپ کا سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں' یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی' بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا۔

لِكُلِّ امۡرِیٴٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ﴿٣٨﴾
ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرۡهَقُهَا
قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾ ع

ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہو گا جو اسے کافی ہو گا ○ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ جو ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے ○ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہو گی ○ یہی ہیں کافر بدکردار ○

(آیت:۳۷-۴۲) صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان فرماتے ہوئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں خدا کے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لئے کچھ نہ کہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں' الغرض دوست دوست سے' رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ ہر ایک آپا دھاپی میں لگا ہو گا' کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم ننگے پیروں' ننگے بدن اور بے ختنہ خدا کے ہاں جمع کئے جاؤ گے' آپ کی بیوی

صاحبہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ پھر تو ایک دوسروں کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی' فرمایا اس روز گھبراہٹ' وہاں کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کئے ہوئے ہوگا' بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (ابن ابی حاتم) بعض روایات میں کہ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی لِکُلِّ امْرِیٍٔ الخ' دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں' اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے آپ نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتلاؤں گا' پوچھا حضور لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن' تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں' یہ سن کر مائی صاحبہ افسوس کرنے لگیں۔ آپ نے فرمایا عائشہ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج وغم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے ہیں یا نہیں؟ پوچھا حضور وہ آیت کون سی ہے فرمایا لِکُلِّ امْرِیٍٔ الخ' ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہؓ نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کئے جائیں گے' پسینے میں غرق ہوں گے' کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ جائے گا اور کسی کے کانوں تک' تو آپ نے یہ آیت پڑھ سنائی' پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے' دل خوشی سے مطمئن ہوں گے' منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے' یہ تو جنتی جماعت ہے دوسرا گروہ جہنمیوں کا ہوگا' ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' گرد آلود ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ ان کا پسینہ مثل لگام کے ہو رہا ہوگا' پھر گرد و غبار پڑا ہوا ہوگا' جن کے دلوں میں کفر تھا اور اعمال میں بدکاری تھی' جیسے اور جگہ ہے وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا یعنی ان کفار کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہوگی۔ سورۂ عبس کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمدللہ!

تفسیر سورة التکویر

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ﴿۳﴾
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾
وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾
وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

جب سورج لپیٹ لیا جائے ○ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں ○ اور جب پہاڑ چلائے جائیں ○ اور جب گابھن اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں ○ اور جب وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں ○ اور جب دریا بھڑکائے جائیں ○ اور جب ہر قسم کے لوگ ملا دیے جائیں' اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے ○ کہ کس

گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی اور جب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں ○ اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے ○ اور جب جہنم بھڑکائی جائے ○ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے ○ اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ○

یعنی سورج بے نور ہو گا: ☆☆ (آیت: ۱-۱۴) اوندھا کر کے لپیٹ کر زمین پر پھینک دیا جائے گا' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورج' کو چاند کو اور ستاروں کو لپیٹ کر بے نور کر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے گا اور پھر پچھوا ہوائیں چلیں گی اور آگ لگ جائے گی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس کو تہہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (ابن ابی حاتم) اور ایک حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا ذکر بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہے' صحیح بخاری میں یہ حدیث الفاظ کے ہیر پھیر سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ لئے جائیں گے' امام بخاری اسے کتاب بدأ الخلق میں لائے ہیں لیکن یہاں لانا زیادہ مناسب تھا یا مطابق عادت وہاں اور یہاں دونوں جگہ لاتے جیسے کہ امام صاحب کی عادت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن یہ ہو گا تو حضرت حسن کہنے لگے ان کا کیا گناہ ہے؟ فرمایا میں نے حدیث کہی اور تم اس پر باتیں بناتے ہو' سورج کی قیامت والے دن یہ حالت ہو گی ستارے سارے متغیر ہو کر جھڑ جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ یہ بھی گدلے اور بے نور ہو کر بجھ جائیں گے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی' لوگ اپنے بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور پھر ناگہاں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے' پھر اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگے گی اور بے طرح ہلنے لگے گی' بس پھر کیا انسان کیا' جنات کیا جانور اور کیا جنگلی جانور سب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے' جانور بھی جو انسانوں سے بھاگے پھرتے ہیں انسانوں کے پاس آ جائیں گے' لوگوں کو اس قدر بدحواسی اور گھبراہٹ ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال اونٹنیاں جو بیانے والیاں ہوں گی ان کی بھی خیر خبر نہ لیں گے' جنات کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں کہ تحقیق کریں کیا ہو رہا ہے' لیکن وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندروں میں بھی آگ لگ رہی ہے' اسی حال میں ایک دم زمین پھٹنے لگے گی اور آسمان بھی ٹوٹنے لگیں گے' ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمانوں کا یہی حال ہو گا' ادھر سے ایک تند ہوا چلے گی جس سے تمام جاندار مر جائیں گے (ابن ابی حاتم وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سارے ستارے اور جن جن کی خدا کے سوا عبادت کی گئی ہے سب جہنم میں گرا دیئے جائیں گے' صرف حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بچ رہیں گے' اگر یہ بھی اپنی عبادت سے خوش ہوتے تو یہ بھی جہنم میں داخل کر دیئے جاتے (ابن ابی حاتم) اور پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے اور بے نام و نشان ہو جائیں گے' زمین چٹیل اور ہموار میدان رہ جائیں گے' اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی' نہ ان کی کوئی نگرانی کرے گا' نہ چرائے چگائے گا' نہ دودھ نکالے گا' نہ سواری لے گا۔ عِشَارٌ جمع ہے عشرا کی' جو گیا بھن اونٹنی دسویں مہینہ میں لگ جائے اسے عشراء کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ گھبراہٹ اور بدحواسی بے چینی اور پریشانی اس قدر ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال کی بھی پرواہ نہ رہے گی' قیامت کی ان بلاؤں نے دل اڑا دیا ہو گا' کلیجے اونچے کر دیئے ہوں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کے دن ہو گا اور لوگوں کو اس سے کچھ سروکار نہ ہو گا' ہاں ان کے دیکھتے یہ ہو گا' اس قول کے قائل عشار کے کئی معنی بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ کہتے ہیں اس سے مراد بادل ہیں جو دنیا کی بربادی کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیان پھرتے پھریں گے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ زمین ہے جس کا عشر دیا جاتا ہے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد گھر ہیں جو پہلے آباد تھے اب

ویران ہیں، امام قرطبی ان اقوال کو بیان کر کے ترجیح پہلے ہی کو دیتے ہیں کہ مراد اس سے اونٹنیاں ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ سلف سے اور ائمہ سے اس کے سوا کچھ وارد ہی نہیں ہوا واللہ اعلم۔

اور وحشی جانور جمع کئے جائیں گے جیسے فرمان ہے وَمَآ مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طَآئِرٍ الخ، یعنی زمین پر چلنے والے کل جانور اور ہوا میں اڑنے والے کل پرند بھی تمہاری طرح گروہ ہیں، ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، پھر یہ سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے، سب جانداروں کا حشر اسی کے پاس ہوگا، یہاں تک کہ مکھیاں بھی، ان سب میں خدائے تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلے کرے گا، ان جانوروں کا حشر ان کی موت ہی ہے البتہ جن و انس خدا کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور ان سے حساب کتاب ہوگا۔ ربیع بن خثیم نے کہا مراد وحشیوں کے حشر سے ان پر امر خدا آنا ہے، لیکن ابن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے، یہ تمام جانور بھی ایک دوسرے کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ ہو جائیں گے، خود قرآن میں اور جگہ ہے وَالطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَةً پرند جمع کئے ہوئے، پس ٹھیک مطلب اس آیت کا بھی یہی ہے کہ وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا سمندر میں، آپ نے فرمایا میرے خیال میں یہ سچا ہے، قرآن کہتا ہے وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ اور فرماتا ہے وَاِذَا الۡبِحَارُ السُجِّرَتۡ۔

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پچھوا ہوائیں بھیجے گا وہ اسے بھڑکا دیں گی اور شعلے مارتی ہوئی آگ بن جائے گا، آیت وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ کی تفسیر میں اس کا مفصل بیان گذر چکا۔

حضرت معاویہ بن سعید فرماتے ہیں بحر روم برکت ہے، یہ بیچ زمین کے ہے سب نہریں اس میں آتی ہیں اور بحر کبیر بھی اس میں پڑتا ہے، اس کے نیچے کنویں ہیں جس کے منہ تانبا سے بند کئے ہوئے ہیں، قیامت کے دن وہ سلگ اٹھیں گے یہ اثر عجیب ہے اور ساتھ ہی غریب بھی ہے، ہاں ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ سمندر کا سفر صرف حاجی کریں اور عمرہ کرنے والے یا جہاد کرنے والے غازی، اس لئے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے پانی ہے۔ اس کا بیان بھی سورۂ فاطر کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ سجرت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ سوکھا دیا جائے گا۔ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا، یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ بہا دیا جائے گا اور ادھر ادھر بہ نکلے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر قسم کے لوگ یکجا جمع کر دیئے جائیں گے، جیسے اور جگہ ہے اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ ظالموں کو اور ان کے جوڑوں یعنی ان جیسوں کو جمع کرو۔ حدیث میں ہے ہر شخص کا اس کی قوم کے ساتھ حشر کیا جائے گا جو اس جیسے اعمال کرتی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً تم تین طرح کے گروہ ہو جاؤ گے، کچھ وہ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں گے، کچھ بائیں ہاتھ والے، کچھ سبقت کرنے والے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائے گی، دوسری روایت میں ہے کہ وہ دو شخص جن کے عمل ایک جیسے ہوں وہ یا تو جنت میں ساتھ رہیں گے یا جہنم میں ساتھ جلیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا نیک نیکوں کے ساتھ مل جائیں گے اور بد بدوں کے ساتھ آگ میں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو سب خاموش رہے، آپ نے فرمایا لو میں بتاؤں آدمی کا جوڑا جنت میں اسی جیسا ہوگا اسی طرح جہنم میں بھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب اس سے یہی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہو جائیں گے یعنی اصحاب الیمین، اصحاب الشمال اور سابقین۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہر قسم کے لوگ ایک ساتھ ہوں گے، یہی قول امام ابن جریرؒ بھی پسند کرتے ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عرش کے پاس سے پانی کا ایک دریا جاری ہوگا جو چالیس سال تک بہتا رہے گا اور بڑی نمایاں چوڑان میں ہوگا' اس سے تمام مرے سڑے گلے اگنے لگیں گے' اس طرح کے ہو جائیں گے کہ جو انہیں پہچانتا ہو وہ اگر انہیں اب دیکھ لے تو بہ یک نگاہ پہچان لے پھر روحیں چھوڑ جائیں گی اور ہر روح اپنے جسم میں آ جائے گی' یہی معنی ہیں وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ یعنی روحیں جسموں میں ملا دی جائیں گی' اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مومنوں کا جوڑا اور حوروں سے لگایا جائے گا اور کافروں کا شیطانوں سے' تذکرہ قرطبی' پھر ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ جمہور کی قراۃ یہی ہے۔ اہل جاہلیت لڑکیوں کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے' ان سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ یہ کیوں قتل کی گئیں؟ تا کہ ان کے قاتلوں کو زیادہ ڈانٹ ڈپٹ اور شرمندگی ہو اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب مظلوم سے سوال ہوا تو ظالم کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خود پوچھیں گی کہ انہیں کس بنا پر زندہ درگور کیا گیا؟ اس کے متعلق احادیث سنئے۔ مسند احمد میں ہے حضور فرماتے ہیں میں نے قصد کیا کہ لوگوں کو حالت حمل کی مجامعت سے روک دوں لیکن میں نے دیکھا کہ رومی اور فارسی یہ کام کرتے ہیں اور ان کی اولادوں کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا' لوگوں نے آپ سے عزل کے بارے میں سوال کیا یعنی بروقت نطفہ کو باہر ڈال دینے کے بارے میں' تو آپ نے فرمایا کہ یہ پوشیدگی سے زندہ گاڑ دینا ہے اور اسی کا بیان ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ الخ' میں ہے۔ سلمہ بن یزیدؓ اور ان کے بھائی سرکار نبوت میں حاضر ہو کر سوال کرتے ہیں کہ ہماری ماں امیر زادی تھیں' وہ صلہ رحمی کرتی تھیں' مہمان نوازی کرتی تھیں اور بھی نیک کام بہت کچھ کرتی تھیں لیکن جاہلیت میں ہی مرگئی ہیں' تو کیا اسے اس کے یہ نیک کام کچھ نفع دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں' انہوں نے کہا کہ اس نے ہماری ایک بہن کو زندہ دفن کر دیا ہے' کیا وہ بھی اسے کچھ نفع دے گی آپ نے فرمایا زندہ گاڑی ہوئی اور زندہ گاڑنے والی جہنم میں ہیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر لے (مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں ہے زندہ دفن کرنے والی اور جسے دفن کیا ہے دونوں جہنم میں ہیں' ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال پر کہ جنت میں کون جائے گا آپ نے فرمایا نبی اور شہید اور بچے اور زندہ درگور کی ہوئی' یہ حدیث مرسل ہے حضرت حسن سے جسے بعض محدثین نے قبولیت کا مرتبہ دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کے چھوٹی عمر میں مرے ہوئے بچے جنتی ہیں جو انہیں جہنمی کہے وہ جھوٹا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ (ابن ابی حاتم) قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی بچیوں کو زندہ دبا دیا ہے میں کیا کروں' آپ نے فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو۔ انہوں نے کہا حضور غلام والا تو میں ہوں نہیں البتہ میرے پاس اونٹ ہیں' فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک اونٹ خدا کے نام پر قربان کرو (عبدالرزاق)۔

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں اس طرح زندہ دبا دی ہیں' آپ کے فرمان میں ہے اگر چاہ تو یوں کر' اور روایت میں ہے کہ میں نے بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کر دی ہیں' آپ نے فرمایا ان کی گنتی کے مطابق غلام آزاد کرو انہوں نے کہا بہت بہتر میں یہی کروں گا' دوسرے سال وہ ایک سو اونٹ لے کر آئے اور کہنے لگے حضورؐ یہ میری قوم کا صدقہ ہے جو اس کے بدلے ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم ان اونٹوں کو لے جاتے تھے اور ان کا قیسیہ رکھ چھوڑا تھا' پھر ارشاد ہے کہ نامہ اعمال بانٹے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں' ابن آدم تو لکھوا رہا ہے جو لپیٹ کر پھیلا کر تجھے دیا جائے گا' دیکھ لے کہ کیا لکھوا رہا ہے' آسمان گھسیٹ لیا جائے گا اور کھینچ لیا جائے گا اور سمیٹ لیا جائے گا اور برباد ہو جائے گا' جہنم بھڑکائی جائے گی' اللہ کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں سے اس کی آگ تیز ہو جائے گی جنت جنتیوں کے پاس آ جائے گی۔ جب یہ تمام کام ہو چکیں گے اس وقت

ہر شخص جان لے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیا کچھ اعمال کئے تھے' وہ سب عمل اس کے سامنے موجود ہوں گے' جیسے اور جگہ ہے یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال پالے گا نیک ہیں تو سامنے دیکھ لے گا اور بد ہیں تو اس دن وہ آرزو کرے گا کہ کاش کہ اس کے اور اس کے درمیان بہت دوری ہوتی' اور جگہ ہے يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے تنبیہ کی جائے گی' حضرت عمر اس سورت کو سنتے رہے اور اس کو سنتے ہی فرمایا اگلی تمام باتیں اسی لئے بیان ہوئی تھیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا
عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾
ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ○ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ○ چھپنے والے ستاروں کی' اور رات کی جب جانے لگے ○ اور صبح کی جب چمکنے لگے ○ یقیناً یہ ایک بزرگ پیغامبر کا کلام ہے ○ جو قوت والا ہے عرش والے اللہ کے نزدیک ذی عزت ہے ○

ستارے' نیل گائے اور ہرن : ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کو اس سورۂ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا' اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا (مسلم) یہ قسمیں ستاروں کی کھائی ہیں جو دن کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں یعنی چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی فرماتے ہیں اور بھی صحابہ تابعین وغیرہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے' بعض ائمہ نے فرمایا ہے طلوع کے وقت ستاروں کو خنس کہا جاتا ہے اور اپنی اپنی جگہ پر انہیں جوار کہا جاتا ہے اور چھپ جانے کے وقت انہیں کنس کہا جاتا ہے بعض نے کہا ہے مراد اس سے جنگلی گائے ہے' یہ بھی مروی ہے کہ مراد ہرن ہے۔ ابراہیم نے حضرت مجاہدؒ سے اس کے معنی پوچھے تو حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا البتہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ جو تم نے سنا ہو وہ کہو تو فرمایا ہم سنتے ہیں کہ اس سے مراد نیل گائے ہے جبکہ وہ اپنی جگہ چھپ جائے' حضرت ابراہیم نے فرمایا وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں' جیسے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ کا اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بنایا۔

امام ابن جریرؒ نے اس میں سے کسی کی تعیین نہیں کی اور فرمایا ہے ممکن ہے تینوں چیزیں مراد ہوں یعنی ستارے' نیل گائے اور ہرن۔ عَسْعَسَ کے معنی ہیں اندھیری والی ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں کو ڈھانپ لیا اور جانے لگی۔ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ ایک مرتبہ نکلے اور فرمانے لگے کہ وتر کے پوچھنے والے کہاں ہیں؟ پھر یہ آیت پڑھی' امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ رات جب جانے لگے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب صبح چمکنے لگے' شاعروں نے عَسْعَسَ کو اَدْبَرَ کے معنی میں باندھا ہے میرے نزدیک ٹھیک معنی یہ ہیں کہ قسم ہے رات کی جب وہ آئے اور اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے دن کی جب وہ آئے اور روشنی پھیلائے' جیسے اور جگہ ہے وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور جگہ ہے وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا اور بھی اس قسم کی آیتیں بہت سی ہیں' مطلب سب کا یکساں ہے ہاں بیشک اس لفظ کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہی ہیں۔ علماء اصول نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ آگے آنے اور پیچھے جانے کے دونوں معنی میں آتا ہے اس بنا پر یہ دونوں معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔

اور قسم ہے صبح کی جبکہ وہ طلوع ہو اور روشنی کے ساتھ آئے پھر ان قسموں کے بعد فرماتا ہے کہ یہ قرآن ایک بزرگ، شریف، پاکیزہ رو، خوش منظر، فرشتے کا کلام ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وہ قوت والے ہیں جیسے کہ اور جگہ ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ یعنی سخت مضبوط اور سخت پکڑ اور فعل فرشتہ، وہ اللہ عزوجل کے پاس وعرش والا ہے، بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے وہ نور کے ستر پردوں میں جاسکتے ہیں اور انہیں عام اجازت ہے، ان کی بات وہاں سنی جاتی ہے، برتر فرشتے ان کے فرمانبردار ہیں، آسمانوں میں ان کی سرداری ہے کہ اور فرشتے ان کے تابع فرمان ہیں، وہ اس پیغام رسانی پر مقرر ہیں کہ خدا کا کلام اس کے رسول تک پہنچائیں، یہ فرشتے خدا کے امین ہیں۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝۲۱ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲۲ وَلَقَدْ
رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝۲۳ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝۲۴ وَمَا هُوَ
بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۲۵ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝۲۶ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۲۷ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝۲۸ وَمَا
تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۹ ع ۱ ۲۹

جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے ○ تمہارا رفیق دیوانہ نہیں ○ اس نے فرشتے کو آسمان کے کھلے کناروں پر دیکھا بھی ہے ○ اور یہ پوشیدہ باتوں کے بتلانے پر بخیل بھی نہیں ○ اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں ○ پھر تم کہاں جا رہے ہو؟ ○ یہ تو تمام دنیا جہان والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے ○ بالخصوص اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہئے ○ اور تم بغیر اللہ پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ○

(آیت: ۲۱-۲۹) مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے جو اس رسالت پر مقرر ہیں وہ بھی پاک صاف ہیں اور انسانوں میں جو رسول مقرر ہیں وہ بھی پاک اور برتر ہیں، اس لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی حضرت محمد ﷺ دیوانے نہیں، یہ پیغمبر اس فرشتے کو اس کی اصلی صورت پر بھی دیکھ چکے ہیں جبکہ وہ اپنے چھ سو پروں سمیت ظاہر ہوئے تھے، یہ واقعہ بطحا کا ہے اور یہ پہلی مرتبہ کا دیکھنا تھا، آسمان کے کھلے کناروں پر یہ دیدار جبرئیل ہوا تھا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ○ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى یعنی انہیں ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے قوی ہے۔ جو اصلی صورت پر آسمان کے بلند و بالا کناروں پر ظاہر ہوا تھا پھر وہ نزدیک آیا اور بہت قریب آ گیا صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم، پھر جو وحی خدا نے اپنے بندے پر نازل کرنی چاہی نازل فرمائی، اس آیت کی تفسیر سورۂ والنجم میں گذر چکی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے اتری ہے اس لئے کہ اس میں صرف پہلی مرتبہ کا دیکھنا ذکر ہوا ہے اور دوبارہ کا دیکھنا اس آیت میں مذکور ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى الخ یعنی انہوں نے اس کو ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے جس کے قریب جنت الماوی ہے جبکہ اس درخت سدرہ کو ایک عجیب و غریب چیز چھپائے ہوئے تھی، اس آیت میں دوسری مرتبہ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ یہ سورت واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی تھی، بِضَنِيْنٍ کی دوسری قرات بِظَنِيْنٍ بھی مروی ہے یعنی ان پر کوئی تہمت نہیں اور ضاد سے جب پڑھو تو معنی ہوں گے یہ بخیل نہیں ہیں بلکہ ہر شخص کو جو غیب کی باتیں آپ کو اللہ کی طرف سے معلوم کرائی جاتی ہیں یہ سکھا دیا کرتے ہیں، یہ دونوں قراتیں مشہور ہیں اور صحیح ہیں، پس آپ نے نہ تو تبلیغ احکام میں کمی کی نہ تہمت لگی، یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں نہ

شیطان اسے لے سکے نہ اس کے مطلب کی یہ چیز' نہ اس کے قابل' جیسے اور جگہ ہے وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ نہ اسے لے کر شیطان اترے نہ انہیں یہ لائق ہے نہ اس کی انہیں طاقت ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی محروم اور دور ہیں' پھر فرمایا تم کہاں جا رہے ہو؟ یعنی قران کی حقانیت' اس کی صداقت ظاہر ہو چکنے کے بعد بھی تم کیوں اسے جھٹلا رہے ہو؟ تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب بنو حنیفہ قبیلے کے لوگ مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کر رکھا ہے' جسے تم آج تک مانتے رہے اس نے جو کلام گھڑ رکھا ہے ذرا اسے تو سناؤ' جب انہوں نے سنایا تو دیکھا کہ نہایت رکیک الفاظ ہیں بلکہ بکواس محض ہے تو آپ نے فرمایا تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ ذرا تو سوچو کہ ایک فضول بکواس کو تم کلام خدا جانتے رہے' ناممکن ہے کہ ایسا بے معنی اور بے نور کلام خدائی کلام ہو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ تم کتاب اللہ سے اور اطاعت خدا سے کہاں بھاگ رہے ہو؟ پھر فرمایا یہ قران تمام لوگوں کے لئے پند و نصیحت ہے۔

ہر ایک ہدایت کے طالب کو چاہئے کہ اس قرآن پر عامل بن جائے' یہی نجات کا اور ہدایت کا کفیل ہے' اس کے سوا دوسرے کلام میں ہدایت نہیں' تمہاری چاہیں کام نہیں آتیں کہ جو چاہے ہدایت پا لے اور جو چاہے گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے' وہ رب العالمین جو چاہے کرتا ہے' اسی کی چاہت چلتی ہے۔ اس سے اگلی آیت کو سن کر ابوجہل نے کہا تھا کہ پھر تو ہدایت وضلالت ہمارے بس کی بات ہے اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ سورۂ تکویر کی تفسیر ختم ہوئی فالحمد للہ۔

تفسیر سورة انفطار

نسائی میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں لمبی قرات پڑھی تو نبی ﷺ نے فرمایا معاذ کیا یہ سورتیں نہ تھیں؟ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور وَالضُّحٰى اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اس حدیث کی اصل بخاری مسلم میں بھی ہے ہاں اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ کا ذکر صرف نسائی کی روایت میں ہے اور وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں بیان ہے کہ جو شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾
وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿٥﴾
يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ
فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾ كَلَّا بَلْ
تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا
كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام میں سے شروع کرتا ہوں

جب آسمان پھٹ جائے ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں ○ اور جب دریا بہ چلیں ○ اور جب قبریں شق کر دی جائیں ○ اس وقت ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے کو معلوم کر لے گا ○ اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا ○ جس رب نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر درست اور برابر بنایا ○ جس صورت میں چاہا تیری ترکیب کی ○ نہیں نہیں بلکہ تم تو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو ○ یقیناً تم پر نگہبان ○ بزرگ لکھنے والے مقرر ہیں ○ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں ○

اور قبریں پھٹ پڑیں گی: ☆☆ (آیت: ۱-۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، جیسے فرمایا ہے اَلسَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے اور کھاری اور میٹھے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور پانی سوکھ جائے گا، قبریں پھٹ جائیں گی، ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے، پھر ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دھمکاتا ہے کہ تم کیوں مغرور ہو گئے ہو؟ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کا جواب طلب کرتا ہو یا سکھاتا ہو بعض نے یہ بھی کہا ہے بلکہ انہوں نے جواب دیا ہے کہ کرم خدا نے غافل کر رکھا ہے یہ معنی بیان کرنے غلط ہیں، صحیح مطلب یہی ہے کہ اے ابن آدم تیرے باعظمت خدا سے تو نے کیوں بے پرواہی برت رکھی ہے، کس چیز نے تجھے اس کی نافرمانی پر اکسا رکھا ہے؟ اور کیوں تو اس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تجھے میری جانب سے کس چیز نے مغرور کر رکھا تھا؟ ابن آدم بتا تو نے میرے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ انسانی جہالت نے اسے غافل بنا رکھا ہے، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے، قتادہ فرماتے ہیں اسے بہکانے والا شیطان ہے۔ حضرت فضیل ابن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مجھ سے یہ سوال ہو تو میں جواب دوں کہ تیرے لٹکائے ہوئے پردوں نے، حضرت ابوبکر وراق فرماتے ہیں میں تو کہوں گا کہ کریم کے کرم نے بے فکر کر دیا، بعض سخن شناس فرماتے ہیں کہ یہاں پر کریم کا لفظ لانا گویا جواب کی طرف اشارہ سکھانا ہے لیکن یہ قول کچھ فائدہ مند نہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ کرم والے خدا کے کرم کے مقابلہ میں بد افعال اور برے اعمال نہ کرنے چاہئیں۔ کلبی اور مقاتل فرماتے ہیں کہ اسود بن شریق کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے اس خبیث نے حضور ﷺ کو مارا تھا اور اسی وقت چونکہ اس پر کچھ عذاب نہ آیا تو وہ پھول گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے پھر درست بنایا تجھے پھر درمیانہ قد و قامت تجھے بخشا خوش شکل اور خوبصورت بنایا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے، پھر ٹھیک ٹھاک کیا، پھر صحیح قامت بنایا، پھر تجھے پہنا اوڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا آخرش تیرا ٹھکانا زمین کے اندر ہے، تو نے خوب جمع جتھا کی اور میری راہ میں دینے سے رکتا رہا یہاں تک کہ جب دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا میں صدقہ کرتا ہوں، بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ جس صورت میں چاہا، ترکیب دی یعنی باپ کی ماں کی، ماموں کی، چچا کی، صورت میں پیدا کیا۔ ایک شخص سے حضور ﷺ نے فرمایا تیرے ہاں کیا بچہ ہوگا، اس نے کہا یا لڑکا یا لڑکی، فرمایا کس کے مشابہ ہوگا کہا یا میرے یا اس کی ماں کے، فرمایا خاموش ایسا نہ کہہ، نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے تو حضرت آدم تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے، پھر آپ نے آیت فِيۡٓ اَيِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ پڑھی اور فرمایا جس صورت میں اس نے چاہا تجھے بنایا۔ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو تو آیت کے معنی ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی لیکن اس کی اسناد ثابت نہیں ہے، مظہر بن ہشیم جو اس کے راوی ہیں یہ متروک الحدیث ہیں، ان پر اور جرح بھی ہے۔

صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت کے پاس آ کر کہا میری بیوی کو جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے‘ آپ نے فرمایا تیرے پاس اونٹ بھی ہیں؟ کہا ہاں‘ فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ کہا سرخ رنگ کے فرمایا کیا ان میں کوئی چت کبرا بھی ہے؟ کہا ہاں فرمایا اس رنگ کا بچہ سرخ نر و مادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو‘ آپ نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اگر چاہے بندر کی صورت بنا دے اگر چاہے سور کی۔ ابو صالح فرماتے ہیں اگر چاہے کتے کی صورت میں بنا دے‘ اگر چاہے گدھے کی‘ اگر چاہے سور کی۔

قتادہؒ فرماتے ہیں یہ سب سچ ہے اور خدا سب چیز پر قادر ہے لیکن وہ مالک ہمیں بہترین عمدہ اور خوش شکل اور دل لبھانے والی پاکیزہ پاکیزہ شکلیں صورتیں فرماتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس کریم خدا کی نافرمانیوں پر تمہیں آمادہ کرنے والی چیز صرف یہی ہے کہ تمہارے دلوں میں قیامت کی تکذیب ہے‘ تم اس کا آنا ہی برحق نہیں جانتے اس لئے اس سے بے پرواہی برت رہے ہو‘ تم یقین مانو کہ تم پر بزرگ محافظ اور کاتب فرشتے مقرر ہیں‘ تمہیں چاہے کہ ان کا لحاظ رکھو‘ وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں‘ تمہیں برائی کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خدا کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے‘ تم ان کا احترام کرو غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو‘ دیوار سے یا اونٹ سے ہی سہی‘ یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے (ابن ابی حاتم) بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے‘ اللہ کے ان فرشتوں سے شرماؤ‘ اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت بھی یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ کراما کاتبین بندے کا روزانہ اعمال خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے غلام کی بخش دیں (بزار)۔ بزار کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے انسانوں کو اور ان کے اعمال کو جانتے پہچانتے ہیں‘ جب کسی بندے کو نیکی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں شخص نجات پا گیا‘ فلاں حاصل کر گیا اور اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو آپس میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں آج کی رات فلاں ہلاک ہوا۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۱۴﴾
يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۶﴾ وَمَا
أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ
الدِّينِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ
يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ﴿۱۹﴾ ع ۱۹

یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہیں ○ اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہیں ○ بدلے والے دن اس میں جائیں گے ○ یہ لوگ اس سے چھپ نہ سکیں گے ○ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے؟ ○ میں پھر کہتا ہوں کہ تجھے کیا معلوم کہ جزا اور سزا کا دن کیا ہے ○ اس دن کوئی شخص کسی شخص کے لئے کسی چیز کا مختار نہ ہو گا اور تمام تر احکام و فرمان اس روز اللہ تعالیٰ کے ہی ہوں گے ○

ابرار کا کردار: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۹) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گذار فرمانبردار ہیں‘ گناہوں سے دور رہتے ہیں‘ انہیں اللہ تعالیٰ

جنت کی خوش خبری دیتا ہے - حدیث میں ہے انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولادوں کے ساتھ نیک سلوک تھے' بدکار لوگ ہمیشگی والے عذاب میں پڑیں گے' قیامت والے دن جو حساب کا اور بدلے کا دن ہے ان کا داخلہ اس میں ہو گا' ایک ساعت بھی ان پر عذاب ہلکا نہ ہوگا نہ موت آئے گی نہ راحت ملے گی نہ ایک ذرا سی دیر اس سے الگ ہوں گے - پھر قیامت کی بڑائی اور اس دن کی ہولناکی ظاہر کرنے کے لئے دو دو بار فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے معلوم کرایا کہ وہ دن کیسا ہے؟ پھر خود ہی بتلایا کہ اس دن کوئی کسی کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ عذابوں سے نجات دلوا سکے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی سفارش کی اجازت خود خدائے تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے - اس موقعہ پر یہ حدیث وارد کرنی بالکل مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو ہاشم اپنی جانوں کو جہنم سے بچانے کے لئے نیک اعمال کی تیاریاں کر لو' میں تمہیں اس دن خدا کے عذابوں سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتا - یہ حدیث سورۂ شعراء کی تفسیر کے آخر میں گذر چکی ہے' یہاں بھی فرمایا کہ اس دن امر محض اللہ کا ہی ہوگا - جیسے اور جگہ ہے لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ اور جگہ ارشاد ہے اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِنِ الۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ اور فرمایا مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ مطلب سب کا یہی ہے کہ ملک وملکیت اس دن صرف خدائے واحد قہار ورحمٰن کی ہی ہوگی' گو آج بھی اسی کی ملکیت ہے' وہ ہی تنہا مالک ہے' اسی کا حکم چلتا ہے' مگر وہاں تو کوئی ظاہر داری حکومت اور ملکیت اور امر وہ بھی نہ ہوگا - سورۂ انفطار کی تفسیر ختم ہوئی - فالحمد للہ -

تفسیر سورة المطففين

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۖ﴿۲﴾
وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ
اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۙ﴿۵﴾ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ
الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ﴿۶﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ○ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو تو پورا پورا کر لیں ○ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں ○ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین نہیں ○ اس بڑے بھاری دن ○ جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ○

ناپ تول میں کمی کے نتائج: ☆☆ (آیت: ۱-٦) نسائی اور ابن ماجہ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ ناپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے جب یہ آیت اتری پھر انہوں نے ناپ تول بہت درست کر لی - ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ہلال بن طلق نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں' آپ نے فرمایا وہ کیوں نہ رکھتے؟ جب کہ خدا تعالیٰ کا فرمان وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ الخ' ہے' پس تطفیف سے مراد ناپ تول کی کمی ہے خواہ اس صورت میں کہ اوروں سے لیتے وقت زیادہ لے لیا اور دیتے وقت کم دیا' اسی لئے انہیں دھمکایا

کہ یہ نقصان اٹھانے والے اور ہلاک ہونے والے ہیں کہ جب اپنا حق لیں تو تو پورا لیں بلکہ زیادہ لے لیں اور دوسروں کو دینے بیٹھیں تو کم دیں، ٹھیک یہ ہے کہ کَالُوْ اور وَزَنُوْا کو متعدی مانیں اور ھم کو محلاً منصوب کہیں، گو بعض نے اسے ضمیر موکد مانا ہے جو کَالُوْا اور وَزَنُوْا کی پوشیدہ ضمیر کی تاکید کے لئے ہے اور مفعول محذوف مانا ہے جس پر دلالت کلام موجود ہے دونوں طرح مطلب قریب قریب ایک ہی ہے۔ قرآن کریم نے ناپ تول درست کرنے کا حکم اس آیت میں بھی دیا ہے اَوْفُو الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ یعنی جب ناپو تو ناپ پورا کرو اور وزن سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو، اور جگہ حکم ہے اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ الخ، ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر کر دیا کرو، ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور جگہ فرمایا وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُ والْمِيْزَانَ یعنی تول کو قائم رکھو اور میزان کو گھٹاؤ نہیں، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اسی بدعلت کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے غارت و برباد کر دیا، یہاں بھی اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، جس پر نہ تو کوئی پوشیدہ بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر، وہ دن بھی نہایت ہولناک خطرناک ہوگا، بڑی گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہوگا، اس دن یہ نقصان رساں لوگ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، جس دن لوگ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے اس حالت میں کہ ننگے پیر ہوں گے اور ننگے بدن ہوں گے اور بے ختنہ ہوں گے، وہ جگہ بھی نہایت تنگ و تاریک ہوگی اور میدان آفات بلیات سے پر ہوگا اور وہ مصائب نازل ہو رہے ہوں گے کہ دل پریشان ہوں گے، حواس بگڑے ہوئے ہوں گے، ہوش جاتا رہا ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آدھے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ گیا ہوگا (موطا مالکؒ)

مسند احمد کی حدیث میں ہے اس دن رحمان عزوجل کی عظمت کے سامنے سب کھڑے کپکپا رہے ہوں گے، اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہوگا اور سخت تیز ہوگا، ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہوگا، بعض کی ایڑیوں تک پسینہ ہوگا، بعض کے گھٹنوں تک، بعض کی کمر تک، بعض کو تو ان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہوگا، اور حدیث میں ہے دھوپ اس قدر تیز ہوگی کہ کھوپڑی بھنا اٹھے گی اور اس طرح اس میں جوش اٹھنے لگے گا جس طرح ہنڈیا میں کھدبدیاں آتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے منہ پر اپنی انگلیاں رکھ کر بتایا کہ اس طرح پسینہ کی لگام چڑھی ہوئی ہوگی پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ بعض بالکل ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے ستر سال تک بغیر بولے چالے کھڑے رہیں گے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس ہزار سال تک کھڑے رہیں گے اور دس ہزار سال میں فیصلہ کیا جائے گا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی، ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بشیر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کیا کرے گا جس دن لوگ خدائے رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے، نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی نہ کوئی حکم کیا جائے گا، حضرت بشیر کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے، آپ نے فرمایا سنو جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کے کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے، حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ چالیس سال تک لوگ اونچا سر کئے کھڑے رہیں گے، کوئی بولے گا نہیں، نیک بد کو پسینے کی لگامیں چڑھی ہوئی ہوں گی۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں سو سال

تک کھڑے رہیں گے (ابن جریر) ابوداؤد نسائی ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز کو شروع کرتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے' دس مرتبہ الحمدللہ کہتے' دس مرتبہ سبحان اللہ کہتے' دس مرتبہ استغفر اللہ کہتے' پھر کہتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ خدایا مجھے بخش مجھے ہدایت دے مجھے روزیاں دے اور عافیت عنایت فرما' پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۷ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَا سِجِّيْنٌ ۸ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۹ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۱۰ الَّذِيْنَ
يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ
اَثِيْمٍ ۱۲ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۱۳
كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۴ كَلَّآ
اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا
الْجَحِيْمِ ۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۱۷

یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ سجین کیا ہے؟ ○ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے ○ جو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے ○ اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا اور گنہگار ہو ○ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہہ دے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں ○ یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے ○ یونہی نہیں یہ لوگ آج کے دن دیدار باری سے محروم ہیں ○ پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں پہنچنے والے ہیں ○ پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے ○

انتہائی المناک اور دکھ درد کی جگہ: ☆☆ (آیت:۷-۱۷) مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کا ٹھکانا سجین ہے یہ لفظ فِعِّیْلٌ کے وزن پر سِجْنٌ سے ماخوذ ہے' سجن کہتے ہیں لغتاً تنگی کو' ضِیِّیْقٌ شِرِّیْبٌ خِمِّیْرٌ سِکِّیْرٌ وغیرہ کی طرح یہ لفظ بھی سِجِّیْنٌ ہے۔ پھر اس کی مزید برائیاں بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم نہیں' وہ المناک اور ہمیشہ کے درد دکھ کی جگہ ہے' مروی ہے کہ یہ جگہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے' حضرت براء بن عازب کی ایک مطول حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ کافر کی روح کے بارے میں جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ لو اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے' کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے' اور کہا گیا ہے کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے۔

ابن جریر کی ایک غریب منکر اور غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے' صحیح بات یہ ہے کہ اسکے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی' آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے زیادہ تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسطی مرکز ہے چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے نیچے ہے' اور جگہ ہے ثُمَّ رَدَدْنَاہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ یعنی ہم نے اسے پھر نیچوں کا نیچ کر دیا ہاں جو ایمان والے اور نیک اعمال والے ہیں۔ غرض سجین ایک تنگ اور تہہ کی جگہ ہے' جیسے قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ہے اِذَآ اُلْقُوْا مِنْھَا مَکَانًا

ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا جب وہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ یہ سجین کی تفسیر ہیں بلکہ یہ تفسیر ہے اس کی جو ان کے لئے لکھا جا چکا ہے کہ آخرش جہنم میں پہنچیں گے' ان کا یہ نتیجہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے نہ اس میں اب کچھ زیادتی ہو نہ کمی' تو فرمایا ان کا انجام سجین ہونا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے' ان جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی ہو گی' انہیں جہنم کا قید خانہ اور رسوائی والے المناک عذاب ہوں گے۔ وَیْلٌ کی مکمل تفسیر اس سے پہلے گذر چکی ہے' خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی ہلاکی بربادی اور خرابی ہے' جیسے کہا جاتا ہے وَیْلٌ لِّفُلَانٍ۔ مسند اور سنن کی حدیث میں ہے ویل ہے اس شخص کے لئے جو کوئی جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو ہنسانا چاہے اور اسے ویل ہے اسے ویل ہے۔ پھر ان جھٹلانے والوں بدکار کافروں کی مزید تشریح کی اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو روز جزا کو نہیں مانتے' اسے خلاف عقل کہہ کر اس کے واقع ہونے کو محال جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کا جھٹلانا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے کاموں میں حد سے بڑھ جائیں' اسی طرح اپنے اقوال میں گنہگار ہوں' جھوٹ بولیں' وعدہ خلافی کریں' گالیاں بکیں وغیرہ۔

یہ لوگ ہیں کہ ہماری آیتوں کو سن کر انہیں جھٹلاتے ہیں' بدگمانی کرتے ہیں اور کہہ گذرتے ہیں کہ پہلی کتابوں سے کچھ جمع جتھا کر لی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کچھ نازل فرمایا تو کہتے ہیں اگلوں کے افسانے ہیں۔ اور جگہ ہے وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّعَشِیًّا یعنی یہ کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں جو اسے صبح شام لکھوائے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جواب میں فرماتا ہے کہ واقعہ ان کے قول اور ان کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ دراصل یہ قرآن کلام الٰہی ہے' اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ہاں ان کے دلوں پر ان کے بداعمال نے پردے ڈال دیئے ہیں' گناہوں اور خطاؤں کی کثرت نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے کافروں کے دلوں پر رین ہوتا ہے اور نیک کار لوگوں کے دلوں پر غیم ہوتا ہے۔

ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے' اسی کا بیان كَلَّا بَلْ رَانَ میں ہے' نسائی کے الفاظ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر دیدار باری سے بھی محروم اور محجوب کر دیئے جائیں گے' حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ مومن قیامت کے دن دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔ امام صاحب کا یہ فرمان بالکل درست ہے اور آیت کا صاف مفہوم یہی ہے اور دوسری جگہ کھلے الفاظ میں بھی یہ بیان موجود ہے فرمان ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے صحیح اور متواتر حدیثوں سے بھی یہ ثابت ہے کہ ایمان دار قیامت والے دن اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے قیامت کے میدان میں اور جنت کے نفیس باغیچوں میں دیکھیں گے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حجاب ہٹ جائیں گے اور مومن اپنے رب کو دیکھیں گے اور پھر کافروں کو پردوں کے پیچھے کر دیا جائے گا البتہ مومن ہر صبح شام پروردگار عالم کا دیدار حاصل کریں گے یا اسی جیسا اور کلام ہے' پھر فرماتا ہے کہ نہ صرف دیدار خدا سے ہی یہ محروم رہیں گے بلکہ یہ لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور انہیں حقارت ذلت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر غصہ کے ساتھ کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ
لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ
نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ
وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ
تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

یقیناً یقیناً نیک کاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ علیین کیا ہے؟ ○ کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ اس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہیں ○ مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں ○ تو ان کے چہروں سے ہی نعمت کی تروتازگی پہچان لے گا ○ یہ لوگ سربمہر خالص شراب پلائے جائیں گے ○ جس پر مشک کی مہر ہو گی رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہئے ○ اس کی آمیزش تسنیم کی ہو گی ○ یعنی وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے ○

نعمتوں، راحتوں اور عزت و جاہ کی جگہ۔ ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۸) بدکاروں کا حشر بیان کرنے کے بعد اب نیک لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ٹھکانا علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعب سے سجین کا سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنوں کی روحیں ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے، عوفی آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے نزدیک آسمان میں ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہی کے پاس ہے، ظاہر یہ ہے کہ لفظ علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہو گی اسی قدر بڑی اور کشادہ ہو گی، اس لئے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لئے فرمایا تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں، پھر اس کی تاکید کی کہ یہ یقینی چیز ہے، کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن یہ نیک کار ہمیشگی والی نعمتوں اور باغات میں ہوں گے، یہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، اپنے ملک و مال کو اور نعمتوں اور راحتوں کو عزت و جاہ کو مال و متاع کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے، یہ خیر و فضل یہ نعمت و رحمت نہ کبھی کم ہو نہ گم ہو نہ گھٹے نہ مٹے۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی آرام گاہوں میں تخت سلطنت پر بیٹھے دیدار باری سے مشرف ہوتے رہیں گے تو گویا کہ فاجروں کے بالکل برعکس ہوں گے، ان پر دیدار باری حرام تھا، ان کے لئے ہر وقت اجازت ہے، جیسے کہ ابن عمر کی حدیث میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ سب سے نیچے درجے کا جنتی اپنے ملک اور ملکیت کے دو ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس طرح کی نظروں کے سامنے ہوں گی جس طرح سب سے اول چیز اور اعلیٰ درجہ کے جنتی تو دن بھر میں دو دو مرتبہ دیدار باری کی نعمت سے اپنے دل کو مسرور اور اپنی آنکھوں کو پرنور کریں گے، ان کے چہرے پر نظر ڈالے تو بیک نگاہ آسودگی اور خوش حالی، جاہ و حشمت، شوکت و سطوت، خوشی و سرور، بہجت و نور دیکھ کر ان کا مرتبہ تاڑ لے اور سمجھ لے کہ راحت و آرام میں خوش و خرم ہیں، جنتی شراب کا دور چلتا رہتا ہے۔ رحیق جنت کی ایک قسم کی شراب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اسے اللہ تعالیٰ رحیق مختوم پلائے گا، یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی

بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا (مسند احمد)

ختام کے معنی ملونی اور آمیزش کے ہیں اسے اسے خدا نے پاک صاف کر دیا ہے اور مشک کی مہر لگا دی ہے' یہ بھی معنی ہیں کہ انجام اس کا مشک ہے یعنی کوئی بدبو نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو ہے' چاندی کی طرح سفید رنگ شراب ہے' جس کی مہر لگے گی یا ملونی ہوگی اس قدر خوشبو والی ہے کہ اگر کسی اہل دنیا کی انگلی اس پر لگ جائے پھر گو اسی وقت وہ نکال لے لیکن تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک جائے اور ختام کے معنی خوشبو کے بھی کئے گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ حرص کرنے والے' فخر و مباہات کرنے والے کثرت اور سبقت کرنے والوں کو چاہئے کہ اسکی طرف تمام تر توجہ کریں' جیسے اور جگہ ہے لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ایسی چیزوں کیلئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ تسنیم جنت کی بہترین شراب کا نام ہے یہ ایک نہر ہے جس سے سابقین لوگ تو برابر پیا کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اپنی شراب رحیق میں ملا کر پیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ۝۲۹
وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ۝۳۰ وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ
انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ۝۳۱ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝۳۲
وَمَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ۝۳۳ فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ
الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ ۝۳۴ عَلَى الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ۝۳۵ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ
مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ ع ۳۶ ۸

گنہگار لوگ ایمان داروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے ○ ان کے پاس سے گذرتے ہوئے اشاروں کنایوں سے ان کی حقارت کرتے تھے ○ اور جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے ○ اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ بے راہ ہیں ○ یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ○ پس آج ایمان داران کافروں پر ہنسیں گے ○ تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ○ کہ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے بھر پایا ○

گناہ گار روز قیامت رسوا ہوں گے: ☆☆ (آیت:۲۹-۳۶) یعنی دنیا میں تو ان کافروں کی خوب بن آئی تھی' ایمان داروں کو مذاق میں اڑاتے رہے' چلتے پھرتے آوازے کستے رہے اور حقارت و تذلیل کرتے رہے اور اپنے والوں میں جا کر خوب باتیں بناتے تھے' جو چاہتے تھے پاتے تھے' لیکن شکر تو کہاں اور کفر پر آمادہ ہو کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے تھے اور چونکہ مسلمان ان کی مانتے نہ تھے تو یہ انہیں گمراہ کہا کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کچھ یہ لوگ محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے' انہیں مومنوں کی کیا پڑی' کیوں ہر وقت ان کے پیچھے پڑے ہیں اور ان کے اعمال افعال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں اور طعنہ آمیز باتیں بناتے رہتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے اِخْسَئُوْا فِیْهَا الخ ① یعنی اس جہنم میں پڑے بھلستے رہو' مجھ سے بات نہ کرو' میرے بعض خاص بندے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر' تو سب سے بڑا رحم و کرم کرنے والا ہے' تو تم نے انہیں مذاق میں اڑایا اور اس قدر غافل ہوئے کہ میری یاد بھلا بیٹھے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے' دیکھو آج میں نے انہیں ان کے صبر کا یہ بدلا دیا ہے کہ وہ ہر طرح کامیاب ہیں' یہاں بھی اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ آج قیامت کے دن ایماندار ان بدکاروں پر ہنس رہے ہیں اور تختوں پر بیٹھے اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں' جو صاف ثبوت ہے اس

بات کا کہ یہ گمراہ نہ تھے گو تم انہیں راہ گم کردہ کہا کرتے تھے بلکہ یہ دراصل اولیاء اللہ تھے‘ مقربین خدا تھے‘ اسی لئے آج خدا کا دیدار ان کی نگاہوں کے سامنے ہے‘ یہ خدا کے مہمان ہیں اور ان کے بزرگی والے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جیسا کچھ ان کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں کیا تھا اس کا پورا بدلہ کیا انہیں آخرت میں مل گیا یا نہیں؟ ان کے مذاق کے بدلے آج ان پر ہنسی اڑی‘ یہ انہیں گھٹاتے تھے خدا نے انہیں بڑھایا غرض پورا پورا اتمام و کمال بدلہ دے دیا گیا۔ الحمدللہ سورۂ مطففین کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ انشقاق

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی سورت پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا تھا‘ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے‘ بخاری میں ہے حضرت ابو رافع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی آپ نے اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا‘ میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے (یعنی حضور نے بھی اس سورت کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا) پس میں تو جب تک آپ سے ملوں گا (اس موقعہ پر) سجدہ کرتا رہوں گا (یعنی مرتے دم تک) اس حدیث کی سندیں اور بھی ہیں اور صحیح مسلم شریف اور سنن میں مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں اور سورۂ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ میں سجدہ کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳
وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا
الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے کے نام سے شروع

جب آسمان پھٹ جائے ○ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے اور اسی کے لائق وہ ہے ○ اور جب زمین کھینچ کر پھیلا دی جائے ○ اور اس میں جو ہے اسے وہ اگل دے اور خالی ہو جائے ○ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے اور اس کے لائق یہی ہے ○ اے انسان تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے ○

زمین مردے اگل دے گی: ☆☆ (آیت: ۱-۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا وہ اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگا‘ پھٹنے کا حکم پاتے ہی پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا‘ اسے بھی چاہئے ہے کہ امر خدا بجا لائے‘ اس لئے کہ یہ اس خدا کا حکم ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا‘ جس سے بڑا اور نہیں‘ جو سب پر غالب ہے‘ اس پر غالب کوئی نہیں‘ ہر چیز اس کے سامنے پست و لاچار ہے‘ بے بس و مجبور ہے اور زمین پھیلا دی جائے گی‘ بچھا دی جائے گی اور کشادہ کر دی جائے گی۔ حدیث میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی‘ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا‘ حضرت جبرئیل علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی دائیں جانب ہوں گے‘ خدا کی قسم اس سے پہلے اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تو میں

کہوں گا خدایا جبرئیل نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں' اللہ فرمائے گا سچ کہا' تو میں کہوں گا خدایا پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو' چنانچہ مقام محمود میں کھڑا ہو کر میں شاعت کروں گا اور کہوں گا کہ خدایا تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے (ابن جریر)۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین اپنے اندر کے کل مردے اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی' یہ بھی رب کی فرمان کے منتظر ہو گی اور اسے بھی یہی لائق ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے انسان تو کوشش کرتا رہے گا اور اپنے رب کی طرف آگے بڑھتا رہے گا اعمال کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گا اور اپنے اعمال اور اپنی سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد (ﷺ) جی لے جب تک چاہے بالاخر موت آنے والی ہے جس سے چاہ دلبستگی پیدا کر لے' ایک دن اس سے جدائی ہونی ہے جو چاہ عمل کر لے ایک دن اس کی ملاقات ہونے والی ہے۔ مُلَاقِیْہِ کی ضمیر کا مرجع بعض نے لفظ رب کو بھی بتلایا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خدا سے تیری ملاقات ہونے والی ہے' وہ تجھے تیرے کل اعمال کا بدلہ دے گا اور تیری تمام کوشش و سعی کا پھل تجھے عطا فرمائے گا' دونوں ہی باتیں آپس میں ایک دوسری کو لازم و ملزوم ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو کوشش کرنے والا ہے لیکن اپنی کوشش میں کمزور ہے' جس سے یہ ہو سکے کہ اپنی تمام تر سعی و کوشش نیکیوں کی کرے تو وہ کر لے' دراصل نیکی کی قدرت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت بجز امداد خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝۸
وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ
ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّ یَصْلٰی سَعِیْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ کَانَ فِیْۤ
اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤی ۚ اِنَّ رَبَّهٗ
کَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ۝۱۵

جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے ○ اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا ○ اور وہ اپنے والوں کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا ○ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ○ تو وہ موت بلانے لگے گا ○ اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہو گا ○ یہ شخص اپنے متعلقین میں خوش تھا ○ اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر نہ جائے گا ○ ہاں ہاں اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۷-۵) پھر فرمایا جس کے داہنے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ مل جائے گا اس کا حساب سختی بغیر نہایت آسانی سے ہو گا' اس کے چھوٹے اعمال معاف بھی ہو جائیں گے اور جس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا وہ ہلاکت سے نہ بچے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس سے حساب کا مناقشہ ہو گا وہ تباہ ہو گا' تو حضرت عائشہ نے فرمایا قرآن میں تو ہے کہ نیک لوگوں کا بھی حساب ہو گا فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا آپ نے فرمایا دراصل یہ وہ حساب نہیں یہ تو صرف پیشی ہے' جس سے حساب میں پوچھ گچھ ہو گی وہ برباد ہو گا (مسند احمد)

دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ نے اپنی انگلی اپنے ہاتھ پر رکھ کر جس طرح کوئی چیز کریدتے ہیں اس طرح اسے ہلا جلا کر بتلایا' مطلب یہ ہے کہ جس سے باز پرس اور کرید ہو گی وہ عذاب سے بچ نہیں سکتا' خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے مروی ہے کہ جس سے باقاعدہ حساب ہوگا وہ تو بے عذاب نہیں رہ سکتا اور حساب یسیر سے مراد صرف پیشی ہے۔ حالانکہ خدا خوب دیکھتا رہا ہے' حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضورؐ سے سنا کہ آپ نماز میں یہ دعا مانگ رہے تھے اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا حضورؐ یہ آسان حساب کیا ہے؟ فرمایا صرف نامہ اعمال پر نظر ڈال لی جائے گی اور کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ ہم نے درگذر کیا' لیکن اے عائشہ جس سے خدا حساب لینے پر آئے گا وہ ہلاک ہوگا (مسند احمد) غرض جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آئے گا وہ خدا کے سامنے پیش ہوتے ہی چھٹی پا جائے گا اور اپنے والوں کی طرف خوش خوش جنت میں واپس آئے گا۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم لوگ اعمال کر رہے ہو اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں' عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم اپنے اعمال کو پہچان لو گے' بعض وہ لوگ ہوں گے جو ہنسی خوشی اپنوں سے آملیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ رنجیدہ افسردہ اور ناخوش واپس آئیں گے اور جسے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ہاتھ موڑ کر نامہ اعمال دیا جائے گا وہ نقصان اور گھاٹے کی پکار پکارے گا' ہلاکت اور موت کو بلائے گا اور جہنم میں جائے گا' دنیا میں خوب ہشاش بشاش تھا بے فکری سے مزے کر رہا تھا' آخرت کا خوف عاقبت کا اندیشہ مطلق نہ تھا' اب اس کو غم و رنج یا اس حرمان رنجیدگی اور افسردگی نے ہر طرف سے گھیر لیا' یہ سمجھ رہا تھا کہ موت کے بعد زندگی نہیں' اسے یقین نہ تھا کہ لوٹ کر خدا کے پاس بھی جانا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہاں ہاں اسے خدا ضرور دوبارہ زندہ کر دے گا جیسے کہ پہلی مرتبہ اس نے اسے پیدا کیا' پھر اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دے گا' بندوں کے اعمال و احوال کی اسے اطلاع ہے اور وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

مجھے شفق کی قسم ○ اور رات کی اور اس کی جمع کردہ چیزوں کی قسم ○ اور پورے چاند کی قسم ○ یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے ○ انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے ○

پیشین گوئی: ☆☆ (آیت: ۱۶-۲۰) شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کناروں پر ظاہر ہوتی ہے' حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ' حضرت عبادہ بن صامتؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت شداد بن اوسؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' محمد بن علی' رحمۃ اللہ علیہ بن حسین مکحول بکر بن عبداللہ' مزنی بکیر بن الشیخ مالک بن ابی ذئب' عبدالعزیز بن ابوسلمہ جشون یہی فرماتے ہیں کہ شفق اس سرخی کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد سفیدی ہے' پس شفق کناروں کی سرخی کو کہتے ہیں وہ طلوع سے پہلے ہو یا غروب کے بعد اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہی ہے۔ خلیل کہتے ہیں عشاء کے وقت تک یہ شفق باقی رہتی ہے' جوہری کہتے ہیں سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی اور روشنی باقی رہتی ہے اسے شفق کہتے ہیں یہ اول رات سے عشاء کے وقت تک رہتی ہے' عکرمہؒ فرماتے ہیں مغرب سے لے کر عشاء تک۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے' مجاہدؒ سے البتہ یہ مروی ہے کہ اس سے مراد سارا دن ہے' اور ایک روایت میں ہے کہ مراد سورج ہے' غالباً اس مطلب کی وجہ اس کے جد کا جملہ ہے تو گویا روشنی اور اندھیرے کی قسم کھائی۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں دن کے جانے اور رات کے آنے کی قسم ہے' اوروں نے کہا ہے سفیدی اور سرخی کا نام شفق ہے۔ اور قول ہے کہ یہ لفظ ان دونوں مختلف معنوں میں دیا جاتا ہے۔ وسق کے معنی ہیں جمع کیا یعنی رات کے ستاروں اور رات کے جانوروں کی قسم'

اسی طرح رات کے اندھیرے میں تمام چیزوں کا اپنی اپنی جگہ چلے جانا اور چاند کی قسم جبکہ وہ پورا ہو جائے بھرپور ہو جائے اور پوری روشنی والا بن جائے۔ لَتَرْکَبُنَّ کی تفسیر بخاری میں مرفوع حدیث سے مروی ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں جو سال آئے گا وہ اپنے پہلے سے زیادہ برا ہوگا، میں نے اسی طرح تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے، اس حدیث سے اور اوپر والی حدیث کے الفاظ بالکل یکساں ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے (واللہ اعلم) اور یہ مطلب بھی اس حدیث کا بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ذات نبی ﷺ ہے، اور اس کی تائید حضرت عمر ابن مسعود، ابن عباس اور عام اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرات سے بھی ہوتی ہے، ان کی قرات ہے ترکبن۔ شعبی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر چڑھو گے، مراد اس سے معراج ہے یعنی منزل بمنزل چڑھتے چلے جاؤ گے۔

سدیؒ کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق منزلیں طے کرو گے، جیسے حدیث میں ہے کہ تم اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چڑھو گے بالکل برابر برابر، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی یہی کرو گے۔ لوگوں نے کہا اگلوں سے مراد آپ کی کیا یہود و نصرانی ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر اور کون؟ حضرت مکحول فرماتے ہیں ہر بیس سال کے بعد تم کسی نہ کسی ایسے کام کی ایجاد کرو گے جو اس سے پہلے نہ تھا، عبداللہ فرماتے ہیں آسمان پھٹے گا پھر سرخ رنگ ہو جائے گا پھر بھی رنگ بدلتے چلے جائیں گے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کبھی تو آسمان دھواں بن جائے گا پھر پھٹ جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یعنی بہت سے لوگ جو دنیا میں پست و ذلیل تھے آخرت میں بلند و ذی عزت بن جائیں گے اور بہت سے لوگ دنیا میں مرتبے اور عزت والے تھے وہ آخرت میں ذلیل و نامراد ہو جائیں گے، عکرمہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پہلے دودھ پیتے تھے پھر غذا کھاتے ہوئے پہلے جوان تھے، پھر بڈھے ہوئے۔ حسن بصری فرماتے ہیں نرمی کے بعد سختی سختی کے بعد نرمی، امیری کے بعد فقیری کے بعد امیری، صحت کے بعد بیماری بیماری کے بعد تندرستی ایک مرفوع حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروا نہیں کرتا کہ کس لئے پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے سے کہتا ہے اس کی روزی اس کی اجل اس کی زندگی اس کا بد یا نیک ہونا لکھ لے، پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے، پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے، پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں، موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آ جاتے ہیں، اس کی روح قبض کرتے ہیں، پھر قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے، ملک الموت چلے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور ان کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے ایک سائق ہے دوسرا شہید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا تو اس سے غافل تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت لَتَرْكَبُنَّ پڑھی یعنی ایک حال سے دوسرا حال، پھر فرمایا لوگو تمہارے آگے بڑے بڑے اہم امور آ رہے ہیں جن کی تمہیں طاقت ہی نہیں، اللہ تعالیٰ بلند و برتر سے مدد چاہو۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے منکر حدیث ہے اور اس کی سند میں ضعیف ضعیف راوی ہیں لیکن اس کا مطلب بالکل صحیح اور درست ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریر نے ان تمام اقوال کو بیان کر کے فرمایا ہے کہ صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ اے محمد ﷺ سخت سخت کاموں میں ایک کے بعد ایک میں پڑنے والے ہیں اور گو خطاب حضورؐ سے ہی ہے لیکن مراد سب لوگ ہیں کہ وہ قیامت کی ایک کے بعد ایک ہولناکی دیکھیں گے، پھر فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا یہ کیوں نہیں ایمان لاتے؟

وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا یُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ع ۲۵

اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ○ بلکہ یہ کفار تو جھوٹا سمجھتے ہیں ○ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے ہیں ○ انہیں الم ناک عذابوں کی خبر پہنچا دو ○ ہاں ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو بیشمار اور نہ ختم ہونے والا نیک بدلہ ہے ○

(آیت: ۲۱-۲۵) اور انہیں قران سن کر سجدے میں گر پڑنے سے کون سی چیز روکتی ہے بلکہ یہ کفار تو الٹا جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکشی میں اور برائی میں پھنسے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو جنہیں یہ چھپا رہے ہیں، بخوبی جانتا ہے تم اے نبی انہیں خبر پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذردناک عذاب تیار کر رکھے ہیں، پھر فرمایا کہ ان عذابوں سے محفوظ ہو کر بہترین اجر کے مستحق ایماندار نیک کردار لوگ ہیں انہیں پورا پورا بے کتا بے حساب اجر ملے گا۔ جیسے اور جگہ ہے عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ بلا احسان، لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں، ہر آن ہر لحظہ اور ہر وقت خدائے تعالیٰ عزوجل کے اہل جنت پر احسان وانعام ہوں گے بلکہ صرف اس کے احسان اور اس کے فضل وکرم کی بنا پر انہیں جنت نصیب ہوئی نہ کہ ان کے اعمال کی وجہ سے، پس اس مالک کا تو ہمیشگی اور مدام والا احسان اپنی مخلوق پر ہے ہی، اس کی ذات پاک ہر طرح کی ہر وقت کی تعریفوں کے لائق ہمیشہ ہمیشہ ہے، اسی لئے اہل جنت پر خدا کی تسبیح اور اس کی حمد کا الہام اسی طرح کیا جائے گا جس طرح سانس بلا تکلیف اور بے تکلف بلکہ بے ارادہ چلتا رہتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی ان کا آخری قول یہی ہوگا کہ سب تعریف جہانوں کے پالنے والے خدا کے لئے ہی ہے۔ الحمدللہ سورہ انشقاق کی تفسیر ختم ہوئی۔ خدا ہمیں توفیق خیر دے اور ہمیں برائی سے بچائے۔ آمین۔

تفسیر سورة البروج

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ بروج اور سورہ طارق پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے سماوات کی ان سورتوں کا عشاء کی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ
اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَیْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾
وَّهُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾

اللہ کے نام سے شروع ہے جو بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

برجوں والے آسمان کی قسم ○ وعدہ کئے ہوئے دن کی قسم ○ حاضر ہونے والے اور حاضر کئے گئے کی قسم ○ کہ خندقوں والے ہلاک کئے گئے ○ وہ ایک آگ تھی ایندھن والی ○ یہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ○ مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اپنے سامنے دیکھ رہے تھے ○

سب سے افضل اور اعلیٰ دن اور ذکر ایک موحد کا: ☆☆ (آیت:۱-۷) بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں کہ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا کی تفسیر میں گزر چکا، حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بروج وہ ہیں جن میں حفاظت کرنے والے رہتے ہیں، یحییٰ فرماتے ہیں یہ آسمان محل ہے، منہال بن عمروؒ کہتے ہیں مراد اچھی بناوٹ والے آسمان ہیں- ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں جو بارہ ہیں کہ سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینہ چلتا رہتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا ہے تو یہ اٹھائیس دن ہوئے اور دو راتوں تک وہ پوشیدہ رہتا ہے، نہیں نکلتا، ابن ابی حاتم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یَوْمَ مَوْعُوْد سے مراد قیامت کا دن ہے اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے- سورج جن جن دنوں پر نکلتا اور ڈوبتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل دن جمعہ کا دن ہے، اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں بندہ جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے ٹل جاتی ہے اور مشہور سے مراد عرفے کا دن ہے-

ابن خزیمہ میں بھی یہ حدیث ہے، موسیٰ بن عبید زیدی اس کے راوی ہیں اور یہ ضعیف ہیں، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خود ان کے قول سے مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے- مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرات سے بھی یہ تفسیر مروی ہے اور ان میں اختلاف نہیں فالحمد للہ- اور روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ جمعے کے دن کو جسے یہاں شاہد کہا گیا ہے یہ خاص ہمارے لئے بطور خزانے کے چھپا رکھا گیا تھا- اور حدیث میں ہے کہ تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے- ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد خود ذات محمد ﷺ- اور مشہور سے مراد قیامت کا دن ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ذَالِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَالِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یعنی اس دن کے لئے لوگ جمع کئے گئے ہیں اور یہ دن مشہود یعنی حاضر کیا گیا ہے- ایک شخص نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ شاہد اور مشہود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے کسی اور سے بھی پوچھا؟ اس نے کہا ہاں ابن عمرؓ اور ابن زبیر سے، فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا، کہا قربانی کا دن اور جمعہ کا دن، کہا نہیں بلکہ مراد شاہد سے محمد ﷺ ہیں، جیسے قرآن میں اور جگہ ہے فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا یعنی کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تجھے ان پر گواہ بنائیں گے اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے، قرآن کہتا ہے وَذَالِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ اور مشہود سے مراد قیامت کا دن اور مشہود سے مراد جمع بھی مروی ہے اور شاہد سے مراد خود خدا بھی ہے اور عرفہ کا دن بھی ہے-

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو، وہ مشہود دن ہے جس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں- حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں شاہد اللہ ہے، قرآن کہتا ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اور مشہود ہم ہیں قیامت کے دن ہم سب خدا کے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے، اکثر حضرات کا یہ فرمان ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفے کا دن ہے- ان قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ خندقوں والوں پر لعنت ہو، یہ کفار کی ایک قوم تھی جنہوں نے ایمانداروں کو مغلوب کر کے انہیں دین سے ہٹانا چاہا اور ان کے انکار پر زمین میں گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ بھڑکائی پھر ان سے کہا کہ اب بھی دین سے پلٹ جاؤ، ان باخدا لوگوں نے انکار کیا اور ان ناخدا ترس کفار نے ان مسلمانوں کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا، اسی کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہوئے، یہ ایندھن بھری بھڑکتی ہوئی آگ کی خندقوں کے کناروں پر بیٹھے-

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِیْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ۭ
اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ
عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ۭ

ان مسلمانوں کے کسی اور گناہ کا یہ بدلہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ غالب سزاوار حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے ○ جس کے لئے آسمان و زمین کا ملک ہے اور جو اللہ ہر چیز پر حاضر اور خوب واقف ہے ○ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مرد و عورتوں کو ستایا پھر توبہ بھی نہ کی ان کے لئے جہنم کے عذاب ہیں اور جلنے کے عذاب ہیں ○

(آیت: ۸-۱۰) ان مومنوں کا کوئی قصور نہ تھا' انہیں تو صرف ان کی ایمانداری پر غضب و غصہ تھا۔ دراصل غلبہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' اس کی پناہ میں آ جانے والا کبھی برباد نہیں ہوتا' وہ اپنے تمام اقوال افعال شریعت اور تقدیر میں قابل تعریف ہے' وہ اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچا دے اور اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل وہ مصلحت و حکمت کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے' کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اہل فارس کا ہے' ان کے بادشاہ نے یہ قانون جاری کرنا چاہا کہ محرمات ابدیہ یعنی ماں' بہن بیٹی وغیرہ سب حلال ہیں اس وقت کے علما کرام نے اس کا انکار کیا اور روکا' اس پر اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلا کر ان حضرات کو اس میں ڈال دیا' چنانچہ یہ اہل فارس آج تک ان عورتوں کو حلال ہی جانتے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے' مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہوئی مسلمان غالب آ گئے' پھر دوسری لڑائی میں کافر غالب آ گئے تو انہوں نے گڑھے کھدوا کر ایمان والوں کو جلا دیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ اہل حبش کا ہے' یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے۔ انہوں نے ذنبال اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ اور اقوال بھی ہیں۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا' اس کے ہاں ایک جادوگر تھا۔ جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آ رہا ہے' مجھے کسی بچے کو سونپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں' چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا' لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا' یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا۔ ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی' راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا۔ یونہی ایک زمانہ گذر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا' دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا۔ ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے' لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے' ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آ سکتے اور سب لوگ ادھر ادھر حیران و پریشان کھڑے ہیں' اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کر لوں کہ راہب کا دین خدا کو پسند ہے یا جادوگر کا؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ خدایا اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے تا کہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے' پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا

شروع ہو گیا۔ پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے، اب خدا کی طرف سے تیری آزمائش ہو گی، اگر ایسا ہو تو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا، اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے، کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی، وہ بڑے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب تجھے دے دوں گا، اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ نہیں، میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے، اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں۔ اس نے اقرار کیا، بچے نے اس کے لئے دعا کی، اللہ نے اسے شفا دے دی اور بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے، بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے، وزیر نے کہا نہیں نہیں میرا اور تیرا رب اللہ ہے، بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے، وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے۔ اب اس نے اسے مار پیٹ شروع کر دی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا، اس نے اسے بلوایا اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے کہ اندھوں کو دیکھتا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے، اس نے کہا غلط ہے نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو، شفا اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں، اس نے کہا ہرگز نہیں، کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے تو وہ کہنے لگا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے، اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا راہب کو بلا کر اس نے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا، اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا، اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں، اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے اسے لڑھکا دیں، چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھُمْ بِمَا شِئْتَ خدایا جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے، اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے، صرف وہ بچہ بچا رہا، وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا، بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا۔ میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا میرے خدا نے مجھے ان سے بچا لیا۔ اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ، یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بارالٰہی جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا، موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے، صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا۔ یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا، اے بادشاہ تو چاہے تمام تر تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا، ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائے گی، اس نے کہا کیا کروں، فرمایا تم لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر، پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال، میری کمان پر چڑھا اور بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ ھٰذَا الْغُلَامِ یعنی اس اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک، وہ مجھے لگے گا اور اس سے میں مروں گا، چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا، تیر بچے کی کنپٹی میں لگا، اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا، چوطرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے، یہ حال دیکھ بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں، دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے، ہم نے تو اسی لئے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ

مذہب پھیل نہ پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے' بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ' ان میں لکڑیاں بھرواو اور اس میں آگ لگا دو' جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ ان مسلمانوں نے صبر و سہار کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے' البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو خدا نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو' صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے اور نسائی میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ عصر کی نماز کے بعد عموماً زیر لب کچھ فرمایا کرتے تھے تو آپ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی تھے جو اپنی امت پر فخر کرتے تھے' کہنے لگے ان کی دیکھ بھال کون کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں اختیار ہے خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں خود ان سے انتقام لوں خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دوں' انہوں نے انتقام کو پسند کیا' چنانچہ ایک ہی دن میں ان میں سے ستر ہزار مر گئے' اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ حدیث بھی بیان کی جو اوپر گذری' پھر خبر میں آپ نے قُتِلَ سے مَجِیۡدٌ تک کی آیتوں کی تلاوت فرمائی یہ نوجوان شہید دفن کر دیئے گئے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ان کی قبر سے انہیں نکالا گیا تھا' ان کی انگلی اسی طرح ان کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس طرح بوقت شہادت تھی۔ امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا' تو ممکن ہے کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ نے ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہو' ان کے پاس نصرانیوں کی ایسی حکایتیں بہت ساری تھیں واللہ اعلم۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس قصہ کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا ہے جو اس کے خلاف نہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ بخرانی لوگ بت پرست مشرک تھے اور بخران کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ایک جادوگر تھا بخرانیوں کو جادو سکھایا کرتا تھا' فیمون نامی ایک بزرگ عالم یہاں آئے اور بخران اور اس گاؤں کے درمیان انہوں نے اپنا پڑاؤ ڈالا' شہر کے لڑکے جو جادوگر سے جادو سیکھنے جایا کرتے تھے ان میں تاجر کا ایک لڑکا عبداللہ نامی بھی تھا' اسے آتے جاتے راہب کی عبادت اور اس کی نماز وغیرہ کے دیکھنے کا موقعہ ملتا' اس پر غور خوض کرتا اور دل میں اس کے مذہب کی سچائی جگہ کرتی جاتی' پھر تو اس نے یہاں کا آنا جانا شروع کر دیا اور مذہبی تعلیم بھی اس راہب سے لینے لگا۔ کچھ دنوں بعد اس کے مذہب میں داخل ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا' توحید کا پابند ہو گیا اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگا اور علم دین اچھی طرح حاصل کر لیا وہ راہب اسم اعظم بھی جانتا تھا اس نے ہر چند خواہش کی کہ اسے بتا دے لیکن اس نے نہ بتایا اور کہہ دیا کہ ابھی تم میں اس کی صلاحیت نہیں آئی تم ابھی کمزور دل والے ہو' اس کی طاقت میں تم نہیں پاتا عبداللہ کے باپ تامر کو اپنے بیٹے کے مسلمان ہو جانے کی مطلق خبر نہ تھی' وہ اپنے نزدیک یہی سمجھ رہا تھا کہ میرا بیٹا جادو سیکھ رہا ہے اور وہیں جاتا آتا رہتا ہے۔ عبداللہ نے جب دیکھا کہ راہب مجھے اسم اعظم نہیں سکھاتے اور انہیں میری کمزوری کا خوف ہے تو ایک دن انہوں نے تیر لئے اور جتنے نام اللہ تبارک وتعالیٰ کے انہیں یاد تھے ہر ہر تیر پر ایک ایک نام لکھا پھر آگ جلا کر بیٹھ گئے اور ایک ایک تیر کو اس میں ڈالنا شروع کیا جب وہ تیر آیا جس پر اسم اعظم تھا تو وہ آگ میں پڑتے ہی اچھل کر باہر نکل آیا اور اس پر آگ نے بالکل اثر نہ کیا سمجھ لیا کہ یہی اسم اعظم ہے' اپنے استاد کے پاس آئے اور کہا حضرت اسم اعظم کا علم مجھے ہو گیا' استاد نے پوچھا بتاؤ کیا ہے؟ اس نے بتایا راہب نے پوچھا کیسے معلوم ہوا تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا' تو فرمایا کہ بھئی تم نے خوب ڈ معلوم کر لیا' واقعی یہی اسم اعظم ہے' اسے اپنے ہی تک رکھو لیکن مجھے تو ڈر ہے کہ تم کھل جاؤ گے' ان کی یہ حالت ہوئی کہ یہ بخران میں آئے یہاں جس بیمار پر جس

دکھی پر جس ستم رسیدہ پر نظر پڑی اس سے کہا کہ اگر تم موحد بن جاؤ اور دین اسلام قبول کر لو تو میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں وہ تمہیں شفا اور نجات دے دے گا اور دکھ بلا کو ٹال دے گا' وہ اسے قبول کر لیتا' یہ اسم اعظم کے ساتھ دعا کرتے' اللہ اسے بھلا چنگا کر دیتا اب تو نجرانیوں کے ٹھٹھ لگنے لگے اور جماعت کی جماعت روزانہ مشرف با اسلام اور فائز المرام ہونے لگی' آخر بادشاہ کو اس کا علم ہوا اس نے اسے بلا کر دھمکایا کہ تو نے میری رعیت کو بگاڑ دیا اور میرے اور میرے باپ دادوں کے مذہب پر حملہ کیا' میں اس کی سزا میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے چورنگ کرا دوں گا' عبداللہ بن تامر نے جواب دیا کہ تو ایسا نہیں کر سکتا' اب بادشاہ نے اسے پہاڑ پر سے گرا دیا لیکن وہ نیچے آ کر صحیح سلامت رہا' جسم پر کہیں چوٹ بھی نہ آئی' نجران کے ان طوفان خیز دریاؤں میں گرداب کی جگہ انہیں ڈالا' جہاں سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن یہ وہاں سے بھی صحت وسلامتی کے ساتھ واپس آ گئے' غرض ہر طرح عاجز آ گیا تو پھر حضرت عبداللہ بن تامر [illegible] فرمایا سن اے بادشاہ تو میرے قتل پر کبھی قادر نہ ہو گا یہاں تک کہ تو اس دین کو مان لے جسے میں مانتا ہوں اور ایک خدا کی عبادت کرنے لگے' اگر تو یہ کر لے گا تو پھر تو مجھے قتل کر سکتا ہے بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے حضرت عبداللہ کا بتلایا ہوا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر جو لکڑی اس کے ہاتھ میں تھی اس سے حضرت عبداللہ کو مارا جس سے کچھ یونہی سی کھرچ آئی اور اسی سے وہ شہید ہو گئے' اللہ ان سے خوش ہو اور اپنی خاص رحمتیں انہیں عنایت فرمائے' ان کے ساتھ ہی بادشاہ بھی مر گیا۔ اس واقعہ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیوست کر دی کہ دین ان کا ہی سچا ہے' چنانچہ نجران کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عیسیٰ کے سچے دین پر قائم ہو گئے اور وہی مذہب اس وقت برحق بھی تھا۔ ابھی تک حضور ﷺ نبی بن کر دنیا میں آئے نہ تھے لیکن پھر اک زمانہ کے بعد ان میں بدعتیں پیدا ہونے لگیں اور پھیل گئیں اور دین حق کا نور چھن گیا' غرض نجران میں عیسائیت کے پھیلنے کا اصلی سبب یہ تھا۔ اب زمانہ کے بعد ذونواس یہودی نے اپنے لشکر لے کر ان نصرانیوں پر چڑھائی کی اور غالب آ گیا' پھر ان سے کہا یا تو یہودیت قبول کر لو یا موت' انہوں نے قتل ہونا منظور کیا' اس نے خندقیں کھدوا کر آگ سے پر کر کے ان کو جلا دیا' بعض کو قتل بھی کیا بعض کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دیئے وغیرہ۔

تقریباً بیس ہزار مسلمانوں کو اس سرکش نے قتل کیا۔ اس کا ذکر آیت قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ میں ہے۔ ذونواس کا نام زرعہ تھا' اس کی بادشاہت کے زمانہ میں اسے یوسف کہا جاتا تھا' اس کے باپ کا نام فنا اسعد بن کرب تھا' جو تبع ہے جس نے مدینہ میں غزوہ کیا اور کہہ کر پردہ چڑھایا' اس کے ساتھ دو یہودی عالم تھے' یمن والے ان ہی کے ہاتھ پر یہودی مذہب میں داخل ہوئے' ذونواس نے ایک ہی دن میں صرف صبح کے وقت ان کھائیوں میں بیس ہزار ایمان والوں کو قتل کیا' ان میں سے صرف ایک ہی شخص بچ نکلا جس کا نام دوس ذی ثعلبان تھا' یہ گھوڑے پر بھاگ کھڑا ہوا گو اس کے پیچھے بھی گھڑ سوار دوڑے لیکن یہ ہاتھ نہ لگا' یہ سیدھا شاہ روم قیصر کے پاس گیا' اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا چنانچہ دوس وہاں سے حبشہ کے نصرانیوں کا لشکر لے کر یمن آیا' اس کے سردار ارباط اور ابرہہ تھے' یہودی مغلوب ہوئے یمن یہودیوں کے ہاتھ سے نکل گیا' ذونواس بھاگ نکلا لیکن وہ پانی میں غرق ہو گیا' پھر ستر سال تک یہاں حبشہ کے نصرانیوں کا قبضہ رہا بالآخر سیف بن ذی یزن حمیری نے فارس کے بادشاہ سے امدادی فوجیں اپنے ساتھ لیں جو سات سو قیدی لوگوں سے اس پر چڑھائی کر کے فتح حاصل کی اور پھر سلطنت حمیری قائم کی' اس کا کچھ بیان سورۂ فیل میں بھی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ ایک نجرانی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نجران کی ایک بنجر غیر آباد زمین اپنے کسی کام کے لئے کھودی تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن تامر رحمتہ اللہ کا جسم اس میں ہے' آپ بیٹھے ہوئے ہیں سر پر جس جگہ چوٹ آئی تھی وہیں ہاتھ ہے' ہاتھ اگر ہٹاتے ہیں تو خون بہنے لگتا ہے' پھر ہاتھ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہاتھ اپنی جگہ چلا جاتا ہے اور خون تھم جاتا ہے' ہاتھ کی انگلی

میں انگوٹھی ہے جس پر ربی اللہ لکھا ہوا ہے۔ یعنی میرا رب اللہ ہے چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع قصر خلافت میں دی گئی’ یہاں سے حضرت فاروق اعظمؓ کا فرمان گیا کہ اسے یونہی رہنے دو اور اوپر سے مٹی وغیرہ جو ہٹائی ہے وہ ڈال کر’ جس طرح تھا اسی طرح بے نشان کر دو’ چنانچہ یہی کیا گیا۔ ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصفہان فتح کیا تو ایک دیوار دیکھی کہ وہ گر پڑی ہے’ حکم پر وہ بنا دی گئی لیکن پھر گر پڑی’ پھر بنوائی’ پھر گر پڑی’ آخر معلوم ہوا کہ اس کے نیچے کوئی نیک بخت شخص مدفون ہیں’ جب زمین کھودی تو دیکھا کہ ایک شخص کا جسم کھڑا ہوا ہے’ ساتھ ہی ایک تلوار ہے’ جس پر لکھا ہے میں حارث بن مضاض ہوں جس نے کھائیوں والوں پر غقت کی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لاش کو نکال لیا اور وہاں دیوار کھڑی کرا دی جو برابر رہی’ میں کہتا ہوں یہ حارث بن مضاض بن عمرو جرہی ہے جو کعبۃ اللہ کے متولی ہوئے تھے۔ ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم کی اولاد کے بعد اس کا لڑکا عمرو بن حارث بن مضاض تھا جو مکہ میں جرہم خاندان کا آخری بادشاہ تھا جس وقت کہ خزاعہ قبیلے نے انہیں یہاں سے نکالا اور یمن کی طرف جلاوطن کیا’ یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہلے عرب میں شعر کہا’ جس شعر میں اوجڑ مکہ کو اپنا آباد کرنا اور زمانہ کے ہیر پھیر سے پھر وہاں سے نکالا جانا اس نے بیان کیا اس واقعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت اسماعیلؑ کے کچھ زمانہ بعد کا اور بہت پرانا ہے جو کہ حضرت اسماعیلؑ کے تقریباً پانچ سو سال کے بعد کا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن اسحاق کی اس مطول روایت سے جو پہلے گذری یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا اور حضرت محمد ﷺ سے پہلے کا ہے’ زیادہ ٹھیک بھی یہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا میں کئی بار ہوا ہو جیسے کہ ابن ابی حاتم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئی تھیں اور قسطنطین کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں بھی مسلمانوں کو یہی عذاب کیا گیا تھا جبکہ نصرانیوں نے اپنا قبلہ بدل دیا’ دین مسیح میں بدعتیں ایجاد کر لیں’ توحید کو چھوڑ بیٹھے تو اس وقت جو سچے دیندار تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہ دیا اور اصلی دین پر قائم رہے تو ان ظالموں نے خندقیں آگ سے پر کرا کر انہیں جلا دیا۔ اور یہی واقعہ بابل کی زمین پر عراق میں بخت نصر کے زمانہ میں ہوا’ جس نے ایک بت بنا لیا تھا اور لوگوں سے اسے سجدہ کراتا تھا’ حضرت دانیال اور ان کے دونوں ساتھی عزریا اور مسابل نے اس سے انکار کیا تو اس نے انہیں اس آگ کی خندق میں ڈال دیا’ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر ٹھنڈا کر دیا’ انہیں سلامتی عطا فرمائی’ صاف نجات دی اور ان سرکش کافروں کو ان خندقوں میں ڈال دیا’ یہ نو قبیلے تھے سب جل کر خاک ہو گئے۔ سدیؒ فرماتے ہیں تین جگہ یہ معاملہ ہوا۔ عراق میں’ شام میں اور یمن میں۔

مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ خندقیں تین جگہ تھیں’ ایک تو یمن کے شہر نجران میں’ دوسری شام میں’ تیسری فارس میں’ شام میں اس کا بانی انطنا لوس رومی تھا اور فارس میں بخت نصر اور یمن میں عرب پر یوسف ذونواس۔ فارس اور شام کی خندقوں کا ذکر قرآن میں نہیں یہ ذکر نجران کا ہے’ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے فترت کے زمانہ میں یعنی حضرت عیسیٰ اور پیغمبر آخر الزماں کے درمیان کے زمانہ میں ایک قوم تھی انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ فتنے اور شر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور گروہ گروہ بن گئے ہیں اور ہر گروہ اپنے خیالات میں خوش ہے تو ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا اور یہاں سے ہجرت کر کے الگ ایک جگہ بنا کر وہیں رہنا سہنا شروع کیا اور خدا کی مخلصانہ عبادت یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے’ نمازوں کی پابندی’ زکوٰۃ کی ادائیگی میں لگ گئے اور ان سے الگ تھلگ رہنے لگے’ یہاں تک کہ ایک سرکش بادشاہ کو اس باخدا جماعت کا پتہ لگ گیا’ اس نے ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور انہیں سمجھایا کہ تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ اور بت پرستی شروع کر دو’ ان سب نے بالکل انکار کیا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی بندگی کریں’ بادشاہ نے کہلوایا کہ اگر یہ تمہیں منظور نہیں تو میں تمہیں قتل

کرادوں گا' جواب ملا کہ جو چاہو کرو لیکن ہم سے دین نہیں چھوڑا جائے گا' اس ظالم نے خندقیں کھدوائیں' آگ جلوائی اور ان سب مردوں عورتوں بچوں کو جمع کیا اور ان خندقوں کے کنارے کھڑا کر کے کہا بولو یہ آخری سوال جواب ہے' آیا بت پرستی قبول کرتے ہو یا آگ میں گرنا قبول کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں جل مرنا منظور ہے' لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں نے چیخ پکار شروع کر دی' بڑوں نے انہیں سمجھایا کہ بس آج کے بعد آگ نہیں' نہ گھبراؤ اور خدا کا نام لے کر کود پڑو' چنانچہ سب کے سب کود پڑے' انہیں آنچ بھی نہیں لگنے پائی تھی کہ خدا نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ خندقوں سے باہر نکل پڑی اور ان بدکردار سرکشوں کو گھیر لیا اور جتنے بھی تھے سارے کے سارے جلا دیئے گئے' ان کی خبر ان آیتوں قتل میں ہے' تو اس بنا پر فتنوا کے معنی ہوئے کہ جلایا' تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں عورتوں کو جلا دیا ہے اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے اس فعل سے باز نہ آئے نہ اپنے اس کئے پر نادم ہوئے تو ان کے لئے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے تا کہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں خدائے تعالیٰ بزرگ و برتر کے کرم و رحم اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھو کہ جن بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے مارا انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی مغفرت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔ خدایا ہمیں بھی اپنی وسیع رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرما' آمین۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿۱۱﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿۱۲﴾
إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ
الْمَجِيدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ أَتٰكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿۱۷﴾
فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ مِنْ
وَرَآئِهِمْ مُحِيطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿۲۱﴾ فِي لَوْحٍ
مَحْفُوظٍ ﴿۲۲﴾ ع ۲۲ ۱۰

بیشک ایمان قبول کرنے والوں اور مطابق سنت کام کرنے والوں کے لئے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہی بڑی کامیابی ہے ○ یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے ○ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا ○ وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ○ عرش کا مالک عظمت والا ہے ○ جو چاہے اسے کر گذرنے والا ہے ○ تجھے لشکروں کی خبر بھی پہنچی؟ ○ یعنی فرعون اور ثمود کی ○ کچھ نہیں بلکہ کافر تو جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں ○ اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ○ بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا ○ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ○

عرش کا مالک اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے : ☆☆ (آیت:۱۱-۲۲) اپنے دشمنوں کا انجام بیان کر کے اپنے دوستوں کا نتیجہ بیان فرما رہا ہے کہ ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' ان جیسی کامیابی اور کسی ملے گی؟ پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے' وہ اپنے ان دشمنوں کو جو اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے اور اس کی نافرمانیوں میں لگے ہے' سخت تر قوت کے ساتھ اس طرح پکڑے گا کہ کوئی راہ نجات ان کے لئے باقی نہ رہے۔ وہ بڑی قوتوں والا ہے' جو چاہا کیا جو کچھ چاہتا ہے وہ ایک لحمہ میں ہو جاتا ہے' اس کی قدرتوں اور طاقتوں کو دیکھو کہ اس نے تمہیں پہلے بھی پیدا کیا اور پھر بھی مار ڈالنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا' نہ اسے کوئی روکے نہ آگے

آئے نہ سامنے پڑے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں اور اس کے سامنے ناک رگڑیں پھر چاہے کیسی ہی خطائیں ہوں ایک دم میں سب معاف ہو جاتی ہیں' اپنے بندوں سے وہ پیار و محبت رکھتا ہے۔ وہ عرش والا ہے جو عرش تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے اور تمام خلائق کے اوپر ہے۔ مجید کی دو قراتیں ہیں دال کا پیش بھی اور دال کا زیر بھی پیش کے ساتھ وہ خدا کی صفت بن جائے گا اور زیر کے ساتھ عرش کی صفت ہے' معنی دونوں کے بالکل صحیح اور بند بیٹھتے ہیں۔ وہ جس کام کا جب ارادہ کرے کرنے پر قدرت رکھتا ہے' اس کی عظمت عدالت حکمت کی بنا پر نہ کوئی اسے روک سکے نہ اس سے پوچھ سکے۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے ان کی اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا؟ فرمایا ہاں پوچھا پھر کیا جواب دیا؟ فرمایا کہ جواب دیا اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَایُرِیْدُ۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ فرعونیوں اور ثمودیوں پر کیا کیا عذاب آئے؟ اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی کسی طرح کی مدد کر سکتا نہ کوئی اور اس عذاب کو ہٹا سکا' مطلب یہ ہے کہ اس کی پکڑ سخت ہے' جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو دردناکی اور سختی سے بڑی زبردست پکڑ پکڑتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چلے جا رہے تھے کہ آپ نے سنا کوئی بیوی صاحبہ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ رہی ہیں هَلْ اَتَاكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ آپ کھڑے رہ گئے اور کان لگا کر سننے رہ گئے اور فرمایا نَعَمْ قَدْ جَآءَ نِیْ یعنی ہاں میرے پاس وہ خبریں آ گئیں یعنی قرآن کی اس آیت کا جواب دیا کہ کیا تجھے فرعونیوں اور ثمودیوں کی خبر پہنچی ہے؟ پھر فرمایا کہ بلکہ کافر شک و شبہ میں' کفر و سرکشی میں ہیں اور اللہ ان پر قادر اور غالب ہے' نہ یہ اس سے گم ہو سکیں نہ اسے عاجز کر سکیں' بلکہ یہ قرآن عزت اور کرامت والا ہے وہ لوح محفوظ کا نوشتہ ہے' بلند مرتبہ فرشتوں میں ہے زیادتی کمی سے پاک اور سرتاپا محفوظ ہے' نہ اس میں تبدیلی ہو نہ تحریف۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی پیشانی پر ہے۔ عبدالرحمٰن بن سلمان فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوا ہو رہا ہے اور ہو گا وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب تک انہیں اجازت نہ ملے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے' وہ اکیلا ہے' اس کا دین اسلام ہے' محمد اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں (ﷺ) جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اس کے وعدے کو سچا جانے اس کے رسولوں کی تابعداری کرے' خدائے عالم اسے جنت میں داخل کرے گا۔ فرماتے ہیں یہ لوح سفید موتی کی ہے' اس کا طول آسمان و زمین کے درمیان کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر ہے' اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں' اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور ہے' اس کا کلام عرش کے ساتھ وابستہ ہے' اس کی اصل فرشتہ کی گود میں ہے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں یہ خدا کے عرش کے دائیں طرف ہے۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا' اس کے صفحے سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور کا ہے' اس کی کتابت نور کی ہے' اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے' وہ پیدا کرتا ہے' روزی دیتا ہے' مارتا ہے' جلاتا ہے' عزت دیتا ہے' ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

الحمدللہ سورۂ بروج کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الطارق

مسند احمد میں ہے کہ خالد بن ابوجبل عدوانی نے ثقیف قبیلے کی مشرق جانب رسول اللہ ﷺ کو لکڑی پر یا کمان پر ٹیک لگائے ہوئے اس پوری سورت کو پڑھتے سنا جبکہ آپ ان لوگوں سے مدد طلب کرنے کے لئے یہاں آئے تھے حضرت خالد نے اسے یاد کر لیا جب یہ ثقیف کے پاس واپس آئے تو ثقیف نے ان سے پوچھا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ بھی اس وقت مشرک تھے انہوں نے بیان کیا تو جو قریش وہاں تھے جلدی سے بول پڑے کہ اگر یہ حق ہوتا تو کیا اب تک ہم نہ مان لیتے؟ نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی تو حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا اور ایسی ہی اور سورتیں پڑھ لیتا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجۡمُ
الثَّاقِبُ ۝۳ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ۝۴ فَلۡيَنۡظُرِ
الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ
بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸
يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۝۹ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے کی ○ تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے ○ وہ روشن ستارہ ہے ○ کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو ○ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ○ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ○ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے ○ بیشک وہ اسی پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے ○ جس دن پوشیدہ بھید کھل پڑیں گے ○ تو نہ کوئی زور چلے نہ کوئی مددگار ہو ○

تخلیق انسان: ☆☆ (آیت: ۱-۱۰) اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان کے روشن ستاروں کی قسم کھاتا ہے۔ طارق کی تفسیر چمکتے ستارے سے کی ہے وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر رات کے وقت بے خبر آ جائے یہاں بھی لفظ طارق ہے آپ کی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے کو جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے۔ ہر شخص پر خدا کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے کہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ آگے پیچھے سے باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو خدا کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر انسان کی ضعیفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے؟ اور گویا اس میں نہایت باریکی کے ساتھ قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا؟

جیسے فرمایا هُوَ الَّذِىۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ یعنی جس نے پہلے پیدا کیا وہ ہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس

پر بہت ہی آسان ہے انسان اچھلنے والے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے، جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے، عورت کا یہ پانی زرد رنگ کا اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ ترائب کہتے ہیں ہار کی جگہ کو، مونڈھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے اور نرخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے اور چھاتیوں سے اوپر کے حصہ کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے، دل کے نچوڑ کو بھی کہا گیا ہے، سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچا دینے پر، اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی، پچھلا قول ہی اچھا ہے اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی، راز ظاہر ہو جائیں گے، بھید آشکارا ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر غدار کی رانوں کے درمیان اس کے غدر کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے، اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی نہ اس کا مددگار کوئی اور کھڑا ہوگا یعنی نہ تو خود اپنے تئیں عذابوں سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہوگا جو اسے خدا کے عذابوں سے بچا سکے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ
فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾
وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع ۱۷

بارش والے آسمان کی قسم ○ اور پھٹنے والی زمین کی قسم ○ بیشک یہ قرآن البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے ○ یہ ہنسی کی اور بے فائدہ بات نہیں ○ البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں ○ اور میں بھی داؤ کر رہا ہوں ○ تو کافروں کو مہلت دے انہیں تھوڑے دنوں چھوڑ دے ○

صداقت قرآن کا ذکر: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۷) رجع کے معنی بارش کے بادل، بارش والے کے، برسنے کے، ہر سال بندوں کی روزی لوٹانے کے جس بغیر یہ اور ان کے جانور ہلاک ہو جائیں، سورج چاند اور ستاروں کے ادھر ادھر لوٹنے کے مروی ہیں، زمین پھٹتی ہے، دانے گھاس چارہ نکلتا ہے۔ یہ قرآن حق ہے، عدل کا حکم ہے، یہ کوئی عذر قصہ باتیں نہیں، کافر اسے جھٹلاتے ہیں، اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں طرح طرح کے مکر و فریب سے لوگوں کو خلاف قرآن پر اکساتے ہیں، تو اے نبی انہیں ذرا سی ڈھیل دے، پھر عنقریب دیکھ لے گا کہ کیسے کیسے بدترین عذابوں میں یہ پکڑے جاتے ہیں، جیسے اور جگہ ہے نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ یعنی ہم انہیں کچھ یونہی سا فائدہ دیں گے پھر نہایت سخت عذاب کی طرف انہیں بے بس کر دیں گے۔ الحمد للہ سورۂ طارق کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ الاعلیٰ

اس سورت کے مکی ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن مکتومؓ آئے، ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا پھر حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سعدؓ، آئے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھ بیس صحابیوں کو لے کر آئے، میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز پر اس قدر خوش ہوئے ہوں جیسے اس پر خوش ہوئے یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور نابالغ لڑکے بھی پکار اٹھے کہ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ آپ تشریف لائے آپ کے آنے سے پہلے ہی میں نے یہ سورت سَبِّحِ اسْمَ اسی جیسی اور سورتوں کے

ساتھ یاد کر لی تھی۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ سورت حضورؐ کو بہت محبوب تھی۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تو نے سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی؟ مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھتے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے، ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وتر نماز میں رسول اللہ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ سورۂ معوذ تین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی پڑھتے تھے، یہ حدیث بھی بہت سے صحابیوں سے بہت سے طریق کے ساتھ مروی ہے، ہمیں اگر کتاب کے مطول ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ان سندوں کو اور ان تمام روایتوں کے الفاظ کو جہاں تک میسر ہوتے وارد کرتے لیکن جتنا کچھ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا یہ بھی کافی ہے، واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ③ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ⑤

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر ○ جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا ○ اور جس نے تقدیر مقرر کی پھر راہ دکھائی ○ اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی پھر اس نے سکھا کر سیاہ کوڑا کر دیا ○

(آیت: ۱-۵) مسند احمد میں ہے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے تم اپنے رکوع میں کر لو، جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اتری تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدے میں کر لو۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تو کہتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ مروی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مروی ہے اور آپ جب لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ پڑھتے اور آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى پر پہنچتے تو فرماتے سُبْحَانَكَ وَبَلٰى اللہ تعالیٰ یہاں ارشاد فرماتا ہے اپنے بلندیوں والے پرورش کرنے والے خدا کے پاک نام کی پاکیزگی اور تسبیح بیان کرو جس نے تمام مخلوق رچائی اور سب کو اچھی ہیئت بخشی، انسان کو سعادت شقاوت کی رونمائی کی، جانور کو چرنے چگنے وغیرہ کی، جیسے اور جگہ ہے رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر رہبری کی۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی، اس کا عرش پانی پر تھا، جس نے ہر قسم کے نباتات اور کھیت نکالے پھر ان سرسبز چاروں کو خشک اور سیاہ رنگ کر دیا۔ بعض عارفان کلام عرب نے کہا ہے کہ یہاں بعض الفاظ جو ذکر میں موخر ہیں معنی کے لحاظ سے مقدم ہیں، یعنی مطلب یہ ہے کہ جس نے گھانس چارہ سبز رنگ سیاہی

مائل پیدا کیا پھر اسے خشک کر دیا، گو یہ معنی بھی بن سکتے ہیں لیکن کچھ زیادہ ٹھیک نظر نہیں آتے کیونکہ مفسرین کے اقوال کے خلاف ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا
يَخْفٰى ۭ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ښ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۭ﴿۹﴾
سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ
الْكُبْرٰى ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۭ﴿۱۳﴾

ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا ○ مگر جو کچھ اللہ چاہے وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے ○ ہم تجھے سہج سہج آسانی تک پہنچا دیں گے ○ تو تو نصیحت کرتا رہ اگر نصیحت کچھ فائدہ دے ○ ڈرانے والے تو عبرت حاصل کر لیں گے ○ ہاں یہ بدبخت لوگ اس سے دور رہ جائیں گے ○ جو بڑی آگ میں جائیں گے ○ جہاں پھر نہ وہ مریں گے نہ جئیں گے ○

(آیت: ۶-۱۳) پھر فرماتا ہے کہ تجھے ہم اے محمد ﷺ ایسا پڑھائیں گے جسے تو بھولے نہیں، ہاں اگر خود خدا کوئی آیت بھلا دینی چاہے تو اور بات ہے۔ امام ابن جریر تو اسی مطلب کو پسند کرتے ہیں اور مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو قرآن ہم تجھے پڑھاتے ہیں اسے نہ بھول، ہاں جسے ہم خود منسوخ کر دیں اس کی اور بات ہے۔ خدا پر بندوں کے چھپے کھلے اعمال احوال عقائد سب ظاہر ہیں، ہم تجھ پر بھلائی کے کام، اچھی باتیں، شرعی امور آسان کر دیں گے، نہ ان میں کجی ہو گی نہ سختی نہ جرم ہو گا۔ تو نصیحت کرتا رہ اگر نصیحت فائدے دے اس سے معلوم ہوا کہ نالائقوں کو نہ سکھانا چاہئے جیسے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے ساتھ وہ باتیں کرو گے جو ان کی عقل میں نہ آ سکیں تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمہاری بھلی باتیں ان کے لئے بری بن جائیں گی اور باعث فتنہ ہو جائیں گی، بلکہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات چیت کر دو تا کہ لوگ اللہ رسول کو نہ جھٹلائیں۔

پھر فرمایا کہ اس سے نصیحت وہ حاصل کرے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہے، جو اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے اور اس سے وہ عبرت و نصیحت حاصل نہیں کر سکتا جو بدبخت ہو جو جہنم میں جانے والا ہو، جہاں نہ تو راحت کی زندگی ہے نہ بھلی موت ہے بلکہ وہ دائمی عذاب اور ہیشگی کی برائی ہے، اس میں طرح طرح کے عذاب اور بدترین سزائیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو نہ تو موت آئے نہ کارآمد زندگی ملے، ہاں جن کے ساتھ خدا کا ارادہ رحمت کا ہے وہ آگ میں گرتے ہی جل کر مر جائیں گے، پھر سفارشی لوگ جائیں گے اور ان کے ڈھیر چھڑا لائیں گے پھر نہر حیاۃ میں ڈال دیئے جائیں گے، جنتی نہروں کا پانی ان پر ڈالا جائے گا اور اس طرح جی اٹھیں گے جس طرح دانہ نالی کے کنارے کوڑے پر اگ آتا ہے کہ پہلے سبز ہوتا ہے پھر زرد پھر ہرا۔ لوگ کہنے لگے حضور تو اس طرح بیان فرماتے ہیں جیسے آپ جنگل سے واقف ہوں۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے بہت سی کتب میں مروی ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ وارد ہے وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی جہنمی لوگ پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک داروغہ جہنم خدا سے کہہ وہ ہمیں موت دے دے، جواب ملے گا تم تو اب اسی میں پڑے رہنے والے ہو، اور جگہ ہے لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا الخ، ③ یعنی نہ تو ان کو موت آئے گی نہ عذاب کم ہوں گے، اور بھی اس معنی کی آیتیں ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ
هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾ ع ۱۹ ۱۲

بیشک ان لوگوں نے فلاح پالی جو پاک ہو گئے ○ اور جنہوں نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتے رہے ○ لیکن تم تو دنیا کا جینا سامنے رکھتے ہو ○ اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے ○ یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں ○ ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں بھی ○

جس نے صلوٰۃ کو بروقت ادا کیا: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے رذیل اخلاق سے اپنے تئیں پاک کر لیا، احکام اسلام کی تابعداری کی، نماز کو ٹھیک وقت پر قائم رکھا، صرف خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کے طلب کرنے کے لئے اس نے نجات اور فلاح پالی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کی گواہی دے، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کو مان لے اور پانچوں وقت کی نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرے وہ نجات پا گیا (بزار)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے ایک مرتبہ ابوخلدہ سے فرمایا کہ کل جب عید گاہ جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا، جب میں گیا تو مجھ سے کہا کچھ کھا لیا ہے؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا نہا چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا زکوٰۃ فطر ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا بس یہی کہنا تھا کہ اس آیت میں یہی مراد ہے۔ اہل مدینہ فطرے سے اور پانی پلانے سے افضل اور کوئی صدقہ نہیں جانتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ بھی لوگوں کو فطرہ ادا کرنے کا حکم کرتے، پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے۔ حضرت ابوالاحوصؒ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے اور کوئی سائل آ جائے تو اسے خیرات دے دے، پھر یہی آیت پڑھی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس نے اپنے مال کو پاک کر لیا اور اپنے رب کو راضی کر لیا۔ پھر ارشاد ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو اور دراصل تمہاری مصلحت تمہارا نفع اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے، دنیا ذلیل ہے، فانی ہے، آخرت شریف ہے، باقی ہے۔ ایک عاقل ایسا نہیں کر سکتا کہ فانی کو باقی پر اختیار کر لے اور اس کے انتظام میں پڑ کر اس کے اہتمام کو چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر آخرت میں نہ ہو، دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو، اس کے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بیوقوف ہوں۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عرفجہ ثقفی اس سورت کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ سچ ہے ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، لوگ خاموش رہے تو آپ نے فرمایا کہ اس لئے ہم دنیا کے گرویدہ ہو گئے کہ یہاں کی زینت کو یہاں کی عورتوں کو یہاں کے کھانے پینے کو ہم نے دیکھ لیا، آخرت نظروں سے اوجھل ہے تو ہم نے اس سامنے والی کی طرف توجہ کی اور اس دور والی سے آنکھیں پھیر لیں۔ یا تو یہ فرمان حضرت عبداللہ کا بطور تواضع کے ہے یا جنس انسان کی بابت فرماتے ہیں واللہ اعلم۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، تم اے لوگو باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو (مسند احمد)۔

پھر فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں بھی یہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا (بزار) نسائی میں حضرت عباسؓ سے یہ مروی ہے اور جب آیت وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس سے مراد ایک کا بوجھ دوسرے کو نہ اٹھانا ہے۔ سورۂ نجم میں ہے اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی آخری مضمون تک کی تمام آیتیں یعنی یہ سب احکام اگلی کتابوں میں بھی تھے' اسی طرح یہاں بھی مراد سَبِّحِ اسْمَ کی یہ آیتیں ہیں بعض نے پوری سورت کہی ہے بعض نے قَدْ اَفْلَحَ سے اَبْقٰی تک کہا ہے' زیادہ قوی بھی یہی قول معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ سورۂ سبح کی تفسیر ختم ہوئی' ولله الحمد و المنه و به التوفيق و العصمه۔

تفسیر سورة الغاشیه

یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سبح اسم اور غاشیہ کو نماز عیدین اور جمعہ میں پڑھتے تھے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے (ابوداؤد) صحیح مسلم' ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝﴿۷﴾

اللہ تعالیٰ رحمان ورحیم کے نام سے شروع

کیا تجھے بھی چھپا لینے والی قیامت کی خبر پہنچی ہے؟ ○ اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے ○ جو عمل کرنے والے محنتیں اٹھانے والے تھے ○ جو دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے ○ جو نہایت گرم چشمے کا پانی پلائے جائیں گے ○ ان کے لئے سوائے کانٹوں دار درخت کے اور کچھ کھانا نہ ہوگا ○ جو نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے ○

سب کو ڈھانپنے والی حقیقت: ☆☆ (آیت:۱-۷) غاشیہ قیامت کا نام ہے' اس لئے کہ وہ سب پر آئے گی' سب کو گھیرے ہوئے ہو گی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کے قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت هَلْ اَتٰكَ پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جوا فرمایا نَعَمْ قَدْ جَآءَ نِیْ یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے' پستی ان پر برس رہی ہوگی' ان کے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے' بڑے بڑے اعمال کئے تھے' سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں' وہ آج بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ایک خانقاہ کے پاس سے گذرے' وہاں کے راہب کو آواز دی' وہ حاضر ہوا آپ اسے دیکھ کر رو دئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی کہ عبادت ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں' عکرمہؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں

عذاب کی اور مار کی تکلیفیں برداشت کریں گے' یہ سخت بھڑ کنے والی جلتی تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریع کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا' یہ آگ کا درخت ہے' جہنم کا پتھر ہے' یہ عضو کی بیل ہے' اس میں زہریلے کانٹوں دار پھل لگتے ہیں' یہ بدترین کھانا ہے اور نہایت ہی برا' نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے' یعنی نہ نفع پہنچے نہ نقصان دور ہو۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾

بہت چہرے اس دن تروتازہ اور آسودہ حال ہوں گے ○ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے ○ بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے ○ جہاں کوئی بیہودہ بات کان میں نہ پڑے گی ○ جہاں چشمے جاری ہوں گے ○ جہاں اونچے اونچے تخت ہوں گے ○ اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے ○ اور تکیئے ہوں گے ایک قطار میں لگے ہوئے ○ اور مخملی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی ○

ہر طرف سلام ہی سلام: ☆☆ (آیت: ۸-۱۶) اوپر چونکہ بدکاروں کا بیان اور ان کے عذابوں کا ذکر ہوا تھا تو یہاں نیک کاروں اور ان کے ثوابوں کا بیان ہو رہا ہے' تو فرمایا کہ اس دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جن پر خوشی کے اور آسودگی کے آثار ظاہر ہوں گے' یہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے' جنتوں کے بلند بالا خانوں میں ہوں گے جس میں کوئی لغو بات کان میں نہ پڑے گی' جیسے فرمایا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا اس میں سوائے سلامتی اور سلام کے کوئی بری بات نہ سنیں گے' اور فرمایا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ نہ اس میں بیہودگی ہے نہ گناہ کی باتیں۔ اور فرمایا ہے لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا نہ اس میں فضول گوئی سنیں گے نہ بد باتیں سوائے سلام ہی سلام کے اور کچھ نہ ہوگا' اس میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گے' یہاں نکرہ اثبات کے سیاق میں ہے' ایک ہی نہر مراد نہیں بلکہ جنس نہر مراد ہے یعنی نہریں بہتی ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں اور مشک کے ٹیلوں سے نکلتی ہیں' اس میں اونچے اونچے بلند و بالا تخت ہیں' جن پر بہترین فرش ہیں اور ان کے پاس حوریں بیٹھی ہوئی ہیں' گو یہ تخت بہت اونچے اور ضخامت والے ہیں لیکن جب یہ اللہ کے دوست ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ جھک جائیں گے' شراب کے بھرپور جام ادھر ادھر قرینے سے چنے ہوئے ہیں' جو چاہے جس قسم کا چاہے جس مقدار میں چاہے لے لے اور پی لے اور تکیے میں ایک قطار میں لگے ہوئے اور ادھر ادھر بہترین بستر ے اور فرش باقاعدہ بچھے ہوئے ہیں۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہمد چڑھائے جنت کی تیاری کرے' اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے' رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے وہ بلند و بالا محلات ہیں' وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں' وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں' وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں' وہ ہمیشگی والی جگہ ہے' وہ سراسر میوے جات سبزہ راحت اور نعمت ہے' وہ تروتازہ بلند و بالا جگہ ہے۔ سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہش مند ہیں اور اس کے لئے تیاری کریں گے' فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کہو' صحابہ کرام نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ
رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ
سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾
اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾
اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ ع ۲۶ ۱۲

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے ہیں ○ اور آسمان کو کس طرح اونچا کیا گیا ہے ○ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے ○ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے ○ پس تو تو نصیحت کر دیا کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے ○ تو کچھ ان پر داروغہ نہیں ہے ○ ہاں جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے ○ اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا عذاب کرے گا ○ بیشک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے ○ پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا ○

کائنات پر غور و تدبر کی دعوت : ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی مخلوقات پر تدبر کے ساتھ نظریں ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کی بے انتہا قدرت ان میں سے ہر ہر چیز سے کس طرح ظاہر ہوتی ہے' اس کی پاک ذات پر ہر ہر چیز کس طرح دلالت کر رہی ہے' اونٹ کو ہی دیکھو کہ کس عجیب و غریب ترکیب اور ہیئت کا ہے' کتنا مضبوط اور قوی ہے اور باوجود اس کے کس طرح نرمی اور آسانی سے بوجھ لاد لیتا ہے اور ایک بچے کے ساتھ کس طرح اطاعت گذار بن کر چلتا ہے۔ اس کا گوشت بھی تمہارے کھانے میں آئے اس کے بال بھی تمہارے کام آئیں' اس کا دودھ تم پیو اور طرح طرح کے فائدے اٹھاؤ۔ سب سے پہلے اسے اس لئے بیان کیا گیا کہ عموماً عرب کے ملک میں اور عربوں کے پاس یہی جانور تھا۔ حضرت شریح قاضی فرمایا کرتے تھے آؤ چلو چل کر دیکھیں کہ اونٹ کی پیدائش کس طرح ہے اور آسمان کی بلندی زمین سے کس طرح ہے وغیرہ۔ اور جگہ ارشاد ہے اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا کیسے مزین کیا اور ایک سوراخ نہیں چھوڑا' پھر پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے گاڑ دیئے گئے تا کہ زمین ہل نہ سکے اور پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ چھوڑ سکیں' پھر اس میں جو بھلائی اور نفع کی چیزیں پیدا کی ہیں ان پر بھی نظر ڈالو زمین کو دیکھو کہ کس طرح پھیلا کر بچھا دی گئی ہے' غرض یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا جو قرآن کے مخاطب عربوں کے ہر وقت پیش نظر رہا کرتی ہیں' ایک بدوی جو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا ہے' زمین اس کے نیچے ہوتی ہے' آسمان اس کے اوپر ہوتا ہے' پہاڑ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اونٹ پر خود سوار ہے' ان باتوں سے خالق کی قدرت کاملہ اور صنعت ظاہرہ بالکل ہویدا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خالق' صانع' رب' عظمت عزت والا مالک اور متصرف معبود برحق اور خدائے حقیقی صرف وہی ہے' اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے سامنے اپنی عاجزی اور پستی کا اظہار کریں' جسے ہم حاجتوں کے وقت پکاریں' جس کا نام جپیں اور جس کے سامنے سرخم ہوں۔

حضرت ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو سوالات آنحضرت ﷺ سے کئے تھے وہ اس طرح کی قسمیں دے کر کئے تھے۔ بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بار بار سوالات کرنے سے روک دیا گیا تھا تو ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ باہر کا کوئی عقل مند شخص آئے وہ سوالات کرے ہم بھی موجود ہوں اور پھر حضورؐ کی زبانی جوابات سنیں چنانچہ ایک دن بادیہ نشین آئے اور کہنے لگے اے محمد (ﷺ) آپ کے قاصد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا آپ فرماتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اپنا

رسول بنایا ہے، آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا، وہ کہنے لگا بتلایئے کس نے آسمان کو پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ نے، کہا زمین کس نے پیدا کی؟ آپ نے فرمایا اللہ نے، کہا ان پہاڑوں کو کس نے گاڑ دیا؟ ان میں فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں؟ آپ نے فرمایا اللہ نے، کہا پس آپ کو قسم ہے اس اللہ کی جس نے آسمان و زمین پیدا کیے اور ان پہاڑوں کو گاڑا کیا اللہ نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، فرمایا اس نے سچ کہا۔ کہا اس اللہ کی آپ کو قسم ہے جس نے آپ کو بھیجا کہ کیا یہ خدا کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوٰۃ فرض ہے فرمایا سچ ہے کہا آپ کو اپنے بھیجنے والے اللہ کی قسم کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں، کہا اور آپ کے قاصد نے ہم میں سے طاقت رکھنے والے لوگوں کو حج کا حکم بھی دیا ہے، آپ نے فرمایا ہاں اس نے کہا سچ کہا، وہ یہ سن کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس خدائے واحد کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے نہ میں ان پر کچھ زیادتی کروں نہ ان میں کوئی کمی کروں، نبی ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا میں ضحام بن ثعلبہ ہوں، بنو سعد بن بکر کا بھائی۔ ابو یعلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت پہاڑ پر تھی، اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، یہ عورت بکریاں چرایا کرتی تھی، اس کے لڑکے نے اس سے پوچھا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے، پوچھا میرے ابا جی کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے، پوچھا مجھے؟ کہا اللہ نے پوچھا آسمان کو؟ کہا اللہ نے، پوچھا زمین کو؟ کہا اللہ نے، پوچھا پہاڑوں کو؟ بتلایا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے نے پھر سوال کیا کہ اچھا ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے کہا انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ خدائے تعالیٰ بڑی شان والا ہے، اس کا دل عظمت خدا سے بھر گیا، وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور پہاڑ پر سے گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ابن دینار فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ بھی یہ حدیث ہم سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے، اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن جعفر مدینی ضعیف ہیں۔

عمام الی بن مدینی جوان کے صاحبزادے اور جرح و تعدیل کے امام ہیں وہ انہیں یعنی اپنے والد کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی تم تو اللہ کی رسالت کی تبلیغ کیا کرو، تم پر صرف بلاغ ہے، حساب ہمارے ذمہ ہے، آپ ان پر مسلط نہیں ہیں، جبر کرنے والے نہیں ہیں، ان کے دلوں میں آپ ایمان پیدا نہیں کر سکتے، آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، جب وہ اسے کہہ لیں تو انہوں نے اپنے جان و مال مجھ سے بچا لئے مگر حق اسلام کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ مسلم ترمذی مسند وغیرہ۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جو منہ موڑے اور کفر کرے یعنی نہ عمل کرے نہ ایمان لائے نہ اقرار کرے، جیسے فرمان ہے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى نہ تو سچا یا نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا اسی لئے اسے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ ابو امامہ باہلی حضرت خالد بن یزید بن معاویہؓ کے پاس گئے تو کہا کہ تم نے نبی ﷺ سے جو آسانی سے آسانی والی حدیث سنی ہو اسے مجھے سنا تو آپ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ تم میں سے ہر ایک جنت میں جائے گا مگر وہ جو اس طرح کی سرکشی کرے جیسے شریر اونٹ اپنے مالک پر کرتا ہے (مسند احمد)

ان سب کا لوٹنا ہماری ہی جانب ہے اور پھر ہم ہی ان سے حساب لیں گے اور انہیں بدلہ دیں گے، نیکی کا نیک، بدی کا بد۔

سورۂ غاشیہ کی تفسیر ختم ہوئی وللہ الحمد والمنہ ۔

تفسیر سورة الفجر

(تفسیر سورۃ الفجر) نسائی شریف میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی ایک شخص آیا اور جماعت میں شامل ہو گیا' حضرت معاذ نے نماز میں قرات لمبی کی' اس نے مسجد کے ایک گوشے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر فارغ ہو کر چلا گیا۔ حضرت معاذ کو بھی یہ واقعہ معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر بطور شکایت یہ واقعہ بیان کیا آپ نے اس جوان کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا حضورؐ میں کیا کرتا میں ان کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے لمبی قرات شروع کی تو میں نے گھوم کر مسجد کے کونے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا آپ نے فرمایا ایمعاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے تو ان سورتوں سے کہاں ہے؟ سبح اسم ربك الاعلى والشمس وضحاها' والفجر' والليل اذا يغشى۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡفَجۡرِۙ (١) وَلَيَالٍ عَشۡرٍۙ (٢) وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِۙ (٣) وَالَّيۡلِ اِذَا يَسۡرِۚ (٤)
هَلۡ فِىۡ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىۡ حِجۡرٍؕ (٥) اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ
بِعَادٍۖ (٦) اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِۙ (٧) الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى
الۡبِلَادِۖ (٨) وَثَمُوۡدَ الَّذِيۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِۙ (٩) وَفِرۡعَوۡنَ ذِى
الۡاَوۡتَادِۖ (١٠) الَّذِيۡنَ طَغَوۡا فِى الۡبِلَادِۙ (١١) فَاَكۡثَرُوۡا فِيۡهَا الۡفَسَادَۖ (١٢) فَصَبَّ
عَلَيۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍۚ (١٣) اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِؕ (١٤)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے

قسم ہے فجر کی ○ اور دس راتوں کی ○ اور جفت اور طاق کی ○ اور رات کی جب وہ چلنے لگے ○ کہ ان میں عقل مند کے واسطے کافی قسم ہے؟ ○ کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا ○ ارم والے عادی جو بلند قامت تھے ○ جن جیسے لوگ دوسرے شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے ○ اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے ○ اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ○ ان سبھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا ○ اور بہت فساد مچا رکھا تھا ○ آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا ○ یقیناً تیرا رب گھات میں ہے ○

شفع اور وتر سے کیا مراد ہے اور قوم عاد کا قصہ: ☆☆ (آیت: ۱-۱۴) فجر تو ہر شخص جانتا ہے یعنی صبح اور یہ مطلب یہی ہے کہ بقرہ عید کے دن کی صبح اور یہ مراد بھی ہے کہ صبح کے وقت کی نماز اور پورا دن اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ مہینے کی پہلی دس راتیں' چنانچہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ کوئی عبادت ان دس دنوں کی عبادت سے افضل نہیں' لوگوں نے پوچھا اللہ کی راہ کا جہاد بھی نہیں؟ فرمایا یہ بھی نہیں' مگر وہ شخص جو جان مال لے کر نکلا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا بعض نے کہا ہے محرم کے پہلے دس دن مراد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں رمضان شریف کے پہلے کے دس دن' لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے یعنی ذی الحجہ کی شروع کی دس راتیں مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں اور وتر سے مراد عرفے کا دن ہے اور شفع سے

مراد قربانی کا دن ہے' اس کی اسناد میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن متن میں نکارت ہے واللہ اعلم- وتر سے مراد عرفے کا دن یہ نویں تاریخ ہوتی ہے تو شفع سے مراد دسویں تاریخ یعنی بقرہ عید کا دن ہے' وہ طاق ہے یہ جفت ہے- حضرت واصل بن سائب نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ کیا وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ کی رات ہے- حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ شفع کیا ہے اور وتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ میں جو دو دن کا ذکر ہے وہ شفع ہے اور مَنۡ تَاَخَّرَ میں جو ایک دن ہے وہ وتر ہے' آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایام تشریف کا درمیانی دن شفع ہے اور آخری دن وتر ہے-

صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کر لے جنتی ہے' وہ وتر ہے وتر کو دوست رکھتا ہے- زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں اس سے مراد تمام مخلوق ہے' اس میں شفع بھی ہے اور وتر بھی- یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخلوق شفع اور اللہ وتر ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع صبح کی نماز ہے اور وتر مغرب کی نماز ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع سے مراد جوڑ جوڑ اور وتر سے مراد اللہ عزوجل' جیسے آسمان زمین' تری خشکی' جن انس' سورج چاند وغیرہ- قرآن میں ہے وَمِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ہم نے ہر چیز کو جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کر لو یعنی جان لو کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گنتی ہے جس میں جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے- ایک حدیث میں ہے شفع سے مراد دو دن ہیں اور وتر سے مراد تیسرا دن- یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے جو اس سے پہلے گذر چکی ہے- ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد نماز ہے کہ اس میں شفع ہے جیسے صبح کی دو ظہر' عصر اور عشاء کی چار اور وتر ہے جیسے مغرب کی تین رکعتیں جو دن کے وتر ہیں اور اسی طرح آخری رات کا وتر' ایک مرفوع حدیث میں مطلق نماز کے لفظ کے ساتھ مروی ہے' بعض صحابہ سے فرض نماز مروی ہے لیکن یہ مرفوع حدیث زیادہ ٹھیک یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمران بن حصین پر موقوف ہے واللہ اعلم-

امام ابن جریر نے ان آٹھ نو اقوال میں سے کسی کو فیصل قرار نہیں دیا- پھر فرماتا ہے رات کی قسم جب جانے لگے اور یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ جب آنے لگے بلکہ یہی معنی زیادہ مناسب اور والفجر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں فجر کہتے رات کے جانے کو اور دن کے آنے کو تو یہاں رات کا آنا اور دن کا جانا مراد ہوگا جیسے وَالَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ میں عکرمہ فرماتے ہیں مراد مزدلفہ کی رات ہے- حجر سے مراد عقل ہے' حجر کہتے ہیں روک کو چونکہ عقل بھی غلط کاریوں اور جھوٹی باتوں سے روک دیتی ہے اس لئے اسے عقل کہتے ہیں' حطیم کو بھی حجر البیت اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبۃ اللہ کی شامی دیوار سے روک دیتا ہے' اسی سے ماخوذ ہے حجر یمانہ اور اسی لئے عرب کہتے ہیں حَجَرَ الۡحَاكِمُ عَلٰی فُلَانٍ جبکہ کسی شخص کو بادشاہ تصرف سے روک دے اور کہتے ہیں کہ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا تو فرماتا ہے کہ ان میں عقل مندوں کے لئے قابل عبرت قسم ہے' کہیں تو قسمیں ہیں عبادتوں کی' کہیں عبادت کے وقتوں کی جیسے حج نماز وغیرہ کہ جن سے اس کے نیک بندے اس کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی پستی اور خود فراموشی ظاہر کرتے ہیں' جب ان پرہیز گار نیک کار لوگوں کا اور ان کی عاجزی اور تواضع کا خشوع خضوع کا ذکر کیا تو اب ان کے ساتھ ہی ان کے خلاف جو سرکش اور بدکار لوگ ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے' تو فرماتا ہے کہ کیا تم نے نہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو غارت کر دیا جو کہ سرکش اور متکبر تھے' اللہ کی نافرمانی' رسول کی تکذیب اور بدیوں پر جھک پڑے تھے- ان میں خدا کے رسول حضرت ہود علیہ السلام آئے تھے' یہ عاد اعالی ہیں جو عاد بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے' اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایماندار کو تو نجات دے دی اور باقی بے ایمانوں کو تیز و تند خوفناک اور ہلاک آفریں ہواؤں سے ہلاک کیا' سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ غضب ناک آندھی چلتی رہی اور یہ سارے کے سارے اس طرح

غارت ہو گئے کہ ان کے سر الگ تھے اور دھڑ الگ تھے، ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا، جس کا مفصل بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔

سورۃ الحاقہ میں بھی بیان ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ یہ عاد کی تفسیر بطور عطف بیان کے لئے تاکہ بخوبی وضاحت ہو جائے یہ لوگ مضبوط اور بلند ستونوں والے گھروں میں رہتے تھے اور اپنے زمانے کے اور لوگوں سے بہت بڑے تن و توش والے قوت و طاقت والے تھے اسی لئے حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ یعنی یاد کرو کہ خدائے تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین پر خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں جسمانی کشادگی پوری دی ہے، تمہیں چاہئے کہ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فسادی بن کر نہ رہو۔ اور جگہ ہے کہ عادیوں نے ناحق زمین میں سرکشی کی اور بول اٹھے کہ ہم سے زیادہ قوت والا اور کون ہے؟ کیا وہ بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے بہت ہی زبردست طاقت و قوت والا ہے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس قبیلے جیسے طاقتور اور شہروں میں نہ تھے، بڑی طویل القامت قوی الحبثہ ارم ان کا دارالسلطنت تھا، انہیں ستونوں والے کہا جاتا تھا اس لئے بھی کہ یہ لوگ بہت دراز قد تھے بلکہ صحیح وجہ یہی ہے مِثْلُهَا کی ضمیر کا مرجع عِمَاد بتلایا گیا ہے، ان جیسے اور شہروں میں نہ تھے، یہ احقاف میں بنے ہوئے لمبے لمبے ستون تھے اور بعض نے ضمیر کا مرجع قبیلہ بتلایا ہے یعنی اس قبیلے جیسے لوگ اور شہروں میں نہ تھے اور یہی قول ٹھیک ہے اور اگلا قول ضعیف ہے اسی لئے بھی کہ یہی مراد ہوتی تو لَمْ يَجْعَلْ کہا جاتا نہ کہ لَمْ يُخْلَقْ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ان میں اس قدر زور و طاقت تھی کہ ان میں کا کوئی اٹھتا اور ایک بڑی ساری چٹان لے کر کسی قبیلے پر پھینک دیتا تو بیچارے سب کے سب دب کر مر جاتے۔ حضرت ثور بن زید دیلیؒ فرماتے ہیں میں نے ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں، میں نے ستون بلند کئے ہیں، میں نے ہاتھ مضبوط کئے ہیں، میں نے سات ذراع کے خزانے جمع کئے ہیں جو امت محمد ﷺ نکالے گی، غرض خواہ یوں کہو کہ وہ عمدہ اونچے اور مضبوط مکانوں والے تھے خواہ یوں کہو کہ وہ بلند و بالا ستونوں والے تھے یا یوں کہو کہ وہ بہترین ہتھیاروں والے تھے یا یوں کہو لمبے لمبے قد والے تھے، مطلب یہ ہے کہ ایک قوم تھی جن کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ ثمودیوں کے ساتھ آ چکا ہے، یہاں بھی اسی طرح عادیوں اور ثمودیوں کا دونوں کا ذکر ہے واللہ اعلم۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ایک شہر ہے یا تو دمشق یا اسکندریہ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ عبارت کا ٹھیک مطلب نہیں بنتا کیونکہ یا تو یہ بدل ہو سکتا ہے یا عطف بیان، دوسرے اس لئے بھی کہ یہاں یہ بیان مقصود ہے کہ ہر ایک سرکش قبیلے کو خدا نے برباد کیا جن کا نام عادی تھا نہ کہ کسی شہر کو، میں نے اس بات کو یہاں اس لئے بیان کر دیا ہے تاکہ جن مفسرین کی جماعت نے یہاں یہ تفسیر کی ہے ان سے کوئی شخص دھوکے میں نہ پڑ جائے، وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جس کی ایک اینٹ سونے کی ہے دوسری چاندی کی، اس کے مکانات باغات محلے وغیرہ سب چاندی سونے کے ہیں، کنکر لؤلؤ اور جواہر ہیں، مٹی مشک ہے، نہریں بہہ رہی ہیں، پھل تیار ہیں، کوئی رہنے سہنے والا نہیں، در و دیوار خالی ہیں، کوئی ہاں ہوں کرنے والا بھی نہیں، یہ شہر منتقل ہوتا رہتا ہے کبھی شام میں کبھی یمن میں کبھی عراق میں کبھی کہیں کبھی کہیں وغیرہ۔ یہ سب خرافات بنو اسرائیل کی ہیں، ان کے بددینوں نے یہ گھڑنت گھڑی ہے تاکہ جاہلوں میں باتیں بنائیں۔ جلی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اپنے گم شدہ اونٹوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ جنگل بیابان میں اس نے اسی صفت کا ایک شہر دیکھا اور اس میں گیا گھوما پھرا، پھر لوگوں سے آ کر ذکر کیا، لوگ بھی وہاں گئے لیکن پھر کچھ نظر نہ آیا۔

ابن ابی حاتم نے یہاں ایسے قصے بہت سے لمبے چوڑے نقل کئے ہیں، یہ حکایت بھی صحیح نہیں اور اگر یہ اعرابی والا قصہ سنداً صحیح مان لیں تو ممکن ہے کہ اسے ہوس اور خیال ہو اور اپنے خیال میں اس نے یہ نقشہ جما لیا ہو اور خیالات کی پختگی اور عقل کی کمی نے اسے یقین دلا دیا ہو

کہ وہ صحیح طور پر یہی دیکھ رہا ہے اور فی الواقع یوں بھی ہو۔ ٹھیک اسی طرح جو جاہل حریص اور خیالات کے کچے ہوں سمجھتے ہیں کہ کسی خاص زمین تلے سونے چاندی کے پل ہیں اور قسم قسم کے جواہر یاقوت لئولئو اور موتی ہیں اکسیر کبیر ہے لیکن ایسے چند مواقع ہیں کہ وہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے مثلاً خزانے کے منہ پر کوئی اژدھا بیٹھا ہے کسی جن کا پہرہ ہے وغیرہ، یہ سب فضول قصے اور بناوٹی باتیں ہیں، انہیں گھڑ گھڑا کر بے وقوفوں اور مال کے حریصوں کو اپنے دام میں پھانس کر ان سے کچھ وصول کرنے کے لئے مکاروں نے مشہور کر رکھے ہیں، پھر کبھی چلے کھینچنے کے بہانے سے، کبھی بخور کے بہانے سے، کبھی کسی اور طرح سے ان کے یہ مکار روپے وصول کر لیتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ زمین سے جاہلیت کے زمانے کا یا مسلمانوں کے زمانے کا کسی کا گاڑا ہوا مال نکل آئے تو اس کا پتہ جسے چل جائے وہ اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے نہ وہاں کوئی مار گنج ہوتا ہے نہ کوئی دیو بھوت جن پری جس طرح ان لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے، یہ بالکل غیر صحیح ہے، یہ ایسے ہی لوگوں کی گھڑنت ہے یا ان جیسے ہی لوگوں سے سنی سنائی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیک سمجھ دے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس سے قبیلہ مراد ہو اور ممکن ہے شہر مراد ہو لیکن ٹھیک نہیں یہاں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قوم کا شہر ہے نہ کہ ذکر کا اسی لئے اس کے بعد ہی ثمودیوں کا ذکر کیا کہ وہ ثمودی جو پتھروں کو تراش لیا کرتے تھے، جیسے اور جگہ ہے وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فَارِهِيْنَ یعنی تم پہاڑوں میں اپنے کشادہ آرام دہ مکانات اپنے ہاتھوں پتھروں میں تراش لیا کرتے ہو، اس کے ثبوت میں کہ اس کے معنی تراش لینے کے ہیں عربی شعر بھی ہیں۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں ثمودی عرب تھے، وادی القریٰ میں رہتے تھے، عادیوں کا قصہ پورا پورا سورۂ اعراف میں ہم بیان کر چکے ہیں اب اعادہ کی ضرورت نہیں پھر فرمایا میخوں والا فرعون، اوتار کے معنی ابن عباسؓ نے لشکروں کے کئے ہیں جو کہ اس کے کاموں کو مضبوط کرتے رہتے تھے، یہ بھی مروی ہے کہ فرعون غصے کے وقت لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا کر مروا ڈالتا تھا، چورنگ کر کے اوپر سے بڑا پتھر پھینکتا تھا جس سے اس کا کچومر نکل جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسیوں اور میخوں وغیرہ سے اس کے سامنے کھیل کئے جاتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی صاحبہ کو جو مسلمان ہو گئی تھیں لٹا کر دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں گاڑیں، پھر بڑا سا چکی کا پتھر ان کی پیٹھ پر مار کر جان لے لی، اللہ ان پر رحم کرے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے سرکشی پر کمر باندھ لی تھی اور فسادی لوگ تھے لوگوں کو حقیر وذلیل جانتے تھے اور ہر ایک کو ایذا پہنچاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے عذاب کا کوڑا برس پڑا، وبال آیا جو ٹالے نہ ٹلا، ہلاک و برباد اور تہس نہس ہو گئے۔ تیرا رب گھات میں ہے، دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، سمجھ رہا ہے، وقت مقررہ پر ہر برے بھلے کو نیکی بدی کی جزا سزا دے گا، یہ سب لوگ اس کے پاس جانے والے تن تنہا اس کے سامنے کھڑے ہونے والے ہیں اور وہ عدل وانصاف کے ساتھ ان میں فیصلے کرے گا اور ہر شخص کو پورا پورا دے گا جس کا وہ مستحق تھا، وہ ظلم وجور سے پاک ہے۔

یہاں پر ابن ابی حاتم نے ایک حدیث وارد کی ہے جو بہت غریب ہے جس کی سند میں کلام ہے اور صحت میں بھی نظر ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ مومن حق کا قیدی ہے، اے معاذ مومن تو دغدغے میں ہی رہتا ہے جب تک کہ پل صراط سے پار نہ ہو جائے۔ اے معاذ مومن کو قرآن نے بہت سی دلی خواہشوں سے روک رکھا ہے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جائے، قرآن اس کی دلیل ہے، خوف اس کی حجت ہے، شوق اس کی سواری ہے، نماز اس کی پناہ ہے، روزہ اس کی ڈھال ہے، صدقہ اس کا چھٹکارا ہے، سچائی اس کا امیر ہے، شرم اس کا وزیر ہے اور اس کا رب ان سب کے بعد اس پر واقف وآگاہ ہے وہ تیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے راوی یونس خداء اور ابو حمزہ مجہول ہیں، پھر اس میں ارسال بھی ہے، ممکن ہے یہ ابو حمزہ ہی کا کلام ہو۔ اسی ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن عبد الکلاعی نے اپنے ایک وعظ

میں کہا لوگو جہنم کے سات پل ہیں' ان سب پر پل صراط ہے پہلے ہی پل پر لوگ روکے جائیں گے' یہاں نماز کا حساب کتاب ہوگا' یہاں سے نجات مل گئی تو دوسرے پل پر روک ہوگی یہاں امانتداری کا سوال ہوگا جو امانت دار ہوگا اس نے نجات پائی اور جو خیانت والا نکلا ہلاک ہوا۔

تیسرے پل پر صلہ رحمی کی پرسش ہوگی اس کے کاٹنے والے یہاں سے نجات نہ پاسکیں گے اور ہلاک ہوں گے' رشتہ داری یعنی صلہ رحمی وہیں موجود ہوگی اور یہ کہہ رہی ہوگی کہ خدایا جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ' یہی معنی ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ یہ اثر اتنا ہی ہے پورا نہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ
رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ
رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ
الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

انسان کا یہ حال ہے کہ جب اسے اس کا رب آزمائے اور عزت و نعمت دے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا ○ اور جب اس کا امتحان لیتے ہوئے اس کی روزی تنگ کر دے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی ○ ایسا ہرگز نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے ○ اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسروں کو رغبت نہیں دیتے ○ اور مردوں کی میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو ○ اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو ○

وسعت رزق کو اکرام نہ سمجھو بلکہ امتحان سمجھو: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ وسعت اور کشادگی پا کر یوں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ خدا نے ان کا اکرام کیا یہ غلط ہے بلکہ دراصل یہ امتحان ہے' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَیَحْسَبُوْنَ اِنَّمَا نُمِدُّهُمْ یعنی مال و اولاد کے بڑھ جانے کو یہ لوگ نیکیوں کی بڑھوتری سمجھتے ہیں دراصل یہ ان کی بے سمجھی ہے' اسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی تنگی ترشی کو انسان اپنی اہانت سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ دراصل یہ بھی خدا کی طرف سے آزمائش ہے اسی لئے یہاں كَلَّا کہہ کر ان دونوں خیالات کی تردید کی کہ یہ واقعہ نہیں جسے خدا مال کی وسعت دے اس سے وہ خوش ہے اور جس پر تنگی کرے اس سے ناخوش ہے بلکہ مدار خوشی اور ناخوشی کا ان دونوں حالتوں میں عمل پر ہے' غنی ہو کر شکر گزاری کرے تو خدا کا محبوب اور فقیر ہو کر صبر کرے تو اللہ کا محبوب۔ خدائے تعالیٰ اس طرح اور اس طرح آزماتا ہے پھر یتیم کی عزت کرنے کا حکم دیا۔ حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو' پھر آپ نے انگلی اٹھا کر فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اسی طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر انہیں دکھا کر آپ نے فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ فقیروں مسکینوں کے ساتھ سلوک احسان کرنے انہیں کھانا پینا دینے کی ایک دوسرے کو رغبت و لالچ نہیں دلاتے اور یہ عیب بھی ان میں ہے کہ میراث کا مال حلال ہو یا حرام ہضم کر جاتے ہیں اور مال کی محبت بھی ان میں بے طرح ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ
صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ
وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿۲۴﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا
یُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ
الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ
عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾

یقیناً ایک وقت زمین بالکل برابر پست کر کے بچھا دی جائے گی ○ اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتے صفیں باندھ باندھ کر آ جائیں گے ○ اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی اس دن انسان عبرت حاصل کر لے گا لیکن آج عبرت کا فائدہ کہاں؟ ○ وہ کہے گا کہ کاش کہ میں اپنی اس زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال بھیج دیتا ○ پس آج اللہ کے عذابوں جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا ○ نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی ○ اے اطمینان والی روح ○ لوٹ چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش ○ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں چلی جا ○

سجدوں کی برکتیں: ☆☆ (آیت: ۲۱-۳۰) قیامت کے ہولناک حالات کا بیان ہو رہا ہے کہ بالیقین اس دن زمین پست کر دی جائے گی، اونچی نیچی زمین برابر کر دی جائے گی اور بالکل صاف ہموار ہو جائے گی، پہاڑ زمین کے برابر کر دیئے جائیں گے، تمام مخلوق قبر سے نکل آئے گی، خود خدائے تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے آ جائے گا، یہ اس عام شفاعت کے بعد جو تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہوگی اور یہ شفاعت اس وقت ہوگی جبکہ تمام مخلوق ایک ایک بڑے بڑے پیغمبر کے پاس ہو آئے گی اور ہر نبی کہہ دے گا کہ میں اس قابل نہیں، پھر سب کے سب حضورؐ کے پاس آئیں گے اور آپ فرمائیں گے کہ ہاں ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں، پھر آپ جائیں گے اور خدا کے سامنے سفارش کریں گے کہ وہ پروردگار لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے، یہی پہلی شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا مفصل بیان سورۂ سبحان میں گذر چکا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ رب العالمین فیصلے کے لئے تشریف لائے گا، اس کے آنے کی کیفیت وہی جانتا ہے، فرشتے بھی اس کے آگے آگے صف بستہ حاضر ہوں گے، جہنم بھی لائی جائے گی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے، یہی روایت خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا، برائیوں پر پچھتائے گا، نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا، گناہوں پر نادم ہوگا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی بندہ اپنے پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک سجدے میں پڑا رہے اور خدا کا پورا اطاعت گذار رہے پھر بھی اپنی اس عبادت کو قیامت کے دن حقیر اور ناچیز سمجھے گا اور چاہے گا کہ میں دنیا کی طرف اگر لوٹایا جاؤں تو اجر و ثواب کے کام اور زیادہ کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن خدا کے عذابوں جیسا عذاب کسی اور کا نہ ہوگا جو وہ اپنے نافرمان اور نافرجام بندوں کو کرے گا نہ اس جیسی زبردست پکڑ دکڑ قید و بند کسی کی ہو سکتی ہے، زبانیہ فرشتے بدترین بیڑیاں اور ہتھکڑیاں انہیں پہنائے ہوئے ہوں گے، یہ تو ہوا بدبختوں کا انجام اب نیک بختوں کا حال سنئے جو روحیں سکون اور اطمینان والی ہیں، پاک اور ثابت ہیں، حق کی ساتھی ہیں ان سے موت کے

وقت اور قبر سے اٹھنے کے وقت کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف اس کے پڑوس کی طرف، اس کے ثواب اور اجر کی طرف، اس کی جنت اور رضامندی کی طرف لوٹ چل، یہ خدا سے خوش ہے اور خدا اس سے راضی ہے اور اتنا دے گا کہ یہ بھی خوش ہو جائے گا تو میرے خاص بندوں میں آ جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔ بریدہؓ فرماتے ہیں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باری میں اتری ہے۔

حضرت عبداللہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ قیامت کے دن اطمینان والی روحوں سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب یعنی اپنے جسم کی طرف لوٹ جا جسے تو دنیا میں آباد کئے ہوئے تھی، تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے راضی رضامند ہو، یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عبداللہ اس آیت کو فَادْخُلِیْ فِیْ عَبْدِیْ پڑھتے تھے یعنی اے روح میرے بندے میں یعنی اس کے جسم میں چلی جا لیکن یہ غریب ہے اور ظاہر قول پہلا ہی ہے، جیسے اور جگہ ہے ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلَاھُمُ الْحَقُّ یعنی پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جائیں گے، اور جگہ ہے وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰہِ یعنی ہمارا لوٹنا خدا کی طرف یعنی اس کے حکم کی طرف اور اس کے سامنے ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اتریں تو آپ نے کہا کتنا اچھا قول ہے، حضورؐ نے فرمایا تمہیں بھی یہی کہا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ کے سامنے حضرت سعید بن جبیرؓ نے یہ آیتیں پڑھیں تو حضرت صدیقؓ نے یہ فرمایا جس پر آپ نے یہ خوش خبری سنائی کہ تجھے فرشتہ موت کے وقت یہی کہے گا۔

ابن ابی حاتم میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسر القرآن خیر الامت پیغمبر اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی کا طائف میں انتقال ہوا تو ایک پرند آیا جس جیسا پرند کبھی زمین پر دیکھا نہیں گیا وہ نعش میں چلا گیا پھر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کونے سے اسی آیت کی تلاوت کی آواز آئی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون پڑھ رہا ہے، یہ روایت طبرانی میں بھی ہے ابو ہاشم قباث بن رزین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنگ روم میں ہم دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گئے، شاہ روم نے ہمیں اپنے سامنے بلایا اور کہا یا تو تم اس دین کو چھوڑ دو یا قتل ہونا منظور کر لو، ایک ایک کو وہ یہ کہتا کہ ہمارا دین قبول کر و ورنہ جلاد کو حکم دیتا ہوں کہ تمہاری گردن مارے، تین شخص تو مرتد ہو گئے جب چوتھا آیا تو اس نے صاف انکار کیا بادشاہ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی اور سر کو نہر میں ڈال دیا گیا، وہ نیچے ڈوب گیا اور ذرا سی دیر میں پانی پر آ گیا اور ان تینوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے فلاں اور اے فلاں اور اے فلاں ان کے نام لے کر انہیں آواز دی جب یہ متوجہ ہوئے سب درباری لوگ بھی دیکھ رہے تھے اور خود بادشاہ بھی تعجب کے ساتھ سن رہا تھا اس مسلمان شہید کے سر نے کہا سنو خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اتنا کہہ کر وہ سر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا، اس واقعہ کا اتنا اچھا اثر ہوا کہ قریب تھا کہ نصرانی اسی وقت مسلمان ہو جاتے بادشاہ نے اسی وقت دربار برخاست کرا دیا اور وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے اور ہم سب یونہی قید میں رہے آخر خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے ہمارا فدیہ آ گیا اور ہم نے نجات پائی۔

ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا یہ دعا پڑھا کر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِكَ وَتَرْضٰی بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِكَ خدایا میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو تیری قضا پر راضی ہو تیرے دیئے ہوئے قناعت کرنے والا ہو۔

سورۂ والفجر کی تفسیر ختم ہوئی فالحمد للہ۔

تفسیر سورة البلد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ
وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَیَحۡسَبُ
اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا
لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾
وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ۚ﴿۱۰﴾

میں اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں ○ مجھے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے ○ اور قسم ہے انسانی باپ اور اولاد کی ○ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے ○ کیا یہ گمان ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟ ○ کہتا پھرتا ہے کہ میں نے تو بہت کچھ مال خرچ کر ڈالا ○ کیا یوں سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ ○ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ ○ اور زبان اور ہونٹ ○ اور دونوں راہیں دکھا دیں ○

مکہ مکرمہ کی قسم: ☆☆ (آیت: ۱-۱۰) اللہ تبارک وتعالیٰ مکہ مکرمہ کی قسم کھاتا ہے درآں حالیکہ وہ آباد ہے اس میں لوگ بستے ہیں اور وہ بھی امن چین میں ہیں' لا سے ان پر رد کیا' پھر قسم کھائی اور فرمایا کہ اے نبی تیرے لئے یہاں ایک مرتبہ لڑائی حلال ہونے والی ہے جس میں کوئی گناہ اور حرج نہ ہوگا اور اس میں جو ملے وہ حلال ہوگا صرف اسی وقت کے لئے یہ حکم ہے۔ صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس بابرکت شہر مکہ کو پروردگار عالم نے اول دن سے ہی حرمت والا بنایا ہے اور قیامت تک یہ حرمت وعزت اس کی باقی رہنے والی ہے' اس کا درخت نہ کاٹا جائے' اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں' میرے لئے بھی صرف ایک دن ہی کی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی جیسے کل تھی' ہر حاضر کو چاہئے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر یہاں کے جنگ وجدال کے جواز کی دلیل میں کوئی میری لڑائی پیش کرے تو کہہ دینا کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں نہیں دی۔ پھر قسم کھاتا ہے باپ کی اور اولاد کی' بعض نے تو کہا ہے کہ ماولد میں ما نافیہ ہے یعنی قسم ہے اس کی جو اولاد والا ہے اور قسم ہے اس کی جو بے اولاد ہے یعنی عیالدار اور بانجھ' اور ما کو موصولہ مانا جائے تو معنی یہ ہوئے کہ باپ کی اور اولاد کی قسم' باپ سے مراد حضرت آدمؑ اور اولاد سے مراد کل انسان' زیادہ قوی اور بہتر بات یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے قسم ہے مکہ کی جو تمام زمین اور کل بستیوں کی ماں ہے تو اس کے بعد اس کے رہنے والوں کی قسم کھائی اور رہنے والوں یعنی انسان کے اصل اور اس کی جڑ یعنی حضرت آدم کی پھر ان کی اولاد کی قسم کھائی ابو عمرانؒ فرماتے ہیں مراد حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں عام ہے یعنی ہر باپ اور ہر اولاد۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو بالکل درست قامت نچے تلے اعضاء والا ٹھیک ٹھاک پیدا کیا ہے' اس کی ماں کے پیٹ میں ہی اسے یہ پاکیزہ ترتیب اور عمدہ ترکیب دے دی جاتی ہے' جیسے فرمایا اَلَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ یعنی اس خدا نے تجھے پیدا کیا درست کیا ٹھیک ٹھاک بنایا اور پھر جس صورت میں چاہا ترکیب دی' اور جگہ ہے لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر بنایا ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ قوت طاقت والا پیدا کیا ہے' خود اسے دیکھو

اس کی پیدائش کی طرف غور کرو‘ اس کے دانتوں کا نکلنا دیکھو وغیرہ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں پہلے نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا گوشت کا‘ غرض اپنی پیدائش میں خوب مشقتیں اٹھاتا ہے‘ جیسے اور جگہ ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا یعنی اس کی ماں نے حمل میں تکلیف اٹھائی پھر وضع حمل میں مشقت برداشت کی بلکہ دودھ پلانے میں بھی مشقت اور معیشت میں بھی تکلیف۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سختی اور طلب کسب میں پیدا کیا گیا ہے‘ عکرمہؒ فرماتے ہیں شدت اور طول میں پیدا ہوا ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں مشقت میں یہ بھی مروی ہے اعتدال اور قیام میں دنیا اور آخرت میں سختیاں سہنی پڑتی ہیں‘ حضرت آدم چونکہ آسمان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے یہ کہا گیا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال کے لئے لینے پر کوئی قادر نہیں اس پر کسی کا بس نہیں‘ کیا وہ نہ پوچھا جائے گا کہ کہاں سے مال لایا اور کہاں خرچ کیا؟ یقیناً اس پر خدا کا بس ہے اور وہ پوری طرح اس پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ میں نے بڑے وارے نیارے کئے‘ ہزاروں لاکھوں خرچ کر ڈالے‘ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا؟ یعنی خدا کی نظروں سے کیا وہ اپنے تئیں غائب سمجھتا ہے؟ کیا ہم نے اس انسان کو دیکھنے والی وہ آنکھیں نہیں دیں؟ اور دل کی باتوں کے اظہار کے لئے زبان عطا نہیں فرمائی؟ اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ جن سے کلام کرنے میں مدد ملے‘ کھانا کھانے میں مدد ملے اور چہرے کی خوبصورتی بھی ہو اور منہ کی بھی۔

ابن عساکر میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بے حد نعمتیں تجھ پر انعام کیں جنہیں تو گن بھی نہیں سکتا نہ اس کے شکر کی تجھ میں طاقت ہے‘ میری ہی یہ نعمت بھی ہے کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں‘ پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف بنا دیا ہے پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کر لے میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس کا غلاف بھی عنایت فرمایا ہے‘ میری مرضی کی باتیں زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے زبان بند کر لے میں‘ نے تجھے شرمگاہ دی ہے اور اس کا پردہ بھی عطا فرمایا ہے‘ حلال جگہ تو بیشک استعمال کر لیکن حرام جگہ پردہ ڈال لے‘ اے ابن آدم تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذابوں کے سہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی کا اور برائی کا‘ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو راستے ہیں پھر تمہیں برائی کا راستہ بھلائی کے راستے سے زیادہ اچھا کیوں لگتا ہے؟ یہ حدیث بہت ضعیف ہے‘ یہ حدیث مرسل طریقے سے بھی مروی ہے‘ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے دونوں دودھ ہیں اور مفسرین نے بھی یہی کہا ہے‘ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے جیسے اور جگہ ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ یعنی ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا‘ پھر ہم نے اسے سنتا دیکھتا کیا ہم نے اس کی رہبری کی اور راستہ دکھا دیا پس یا تو شکر گذار ہے یا ناشکرا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾
اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ
مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا
بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ﴿۱۸﴾
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَیْهِمْ
نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

ع ۲ ۱۵

سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا ○ اور تو کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟ ○ کسی گردن کو آزاد کرنا ○ یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ○ کسی رشتہ دار یتیم کو ○ یا خاکسار مسکین کو ○ پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لاتے اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں جو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جاتے ہیں ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا یہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں ○ انہی پر آگ ہے چاروں طرف سے گھیری ہوئی ○

صدقات اور اعمال صالحہ جہنم سے نجات کے ضامن ہیں: ☆☆ (آیت: ۱۱-۲۰) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں عقبہ جہنم کے ایک پھسلنے پہاڑ کا نام ہے، حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں اس کے ستر درجے ہیں جہنم میں، قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ سخت گھاٹی داخلے کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہو جاؤ پھر اس کا داخلہ بتلایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتلایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات اور خیر کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جانو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ، طعام فکُّ رَقَبَةٍ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے فَكَّ رَقَبَةً بھی پڑھا گیا ہے یعنی فعل فاعل دونوں قراتوں کا مطلب قریباً ایک ہی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھڑوائے اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ، حضرت علی بن حسین یعنی امام زید العابدین نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہؓ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلا لو جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم خدا کے نام پر آزاد ہو۔

بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے، صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خریدا ہوا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد کرتا ہے اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرے اس کی بھی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے۔ (ابن جریر)

مسند میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے، جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو اسے قیامت کے دن نور ملے گا، اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے مر جائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص راہ خدا میں جوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے، ان تمام حدیثوں کی سندیں نہایت عمدہ ہیں۔ ابو داؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کمی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ، آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے

گا، یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے، اور حدیث میں ہے جو شخص کسی کی گردن آزاد کرائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے، ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جاسکوں آپ نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا، نسمہ آزاد کر رقبہ چھڑا، اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادگی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فَكُّ رَقَبَةٍ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے، دودھ والا جانور دودھ پینے کے لئے کسی مسکین کو دینا، ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا، یہ ہیں جنت کے کام اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا، پیاسے کو پلا، نیکیوں کو حکم کر، برائیوں سے روک، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ذِىْ مَسْغَبَةٍ کے معنی ہیں بھوک والا جبکہ کھانے کی اشتہا ہو غرض بھوک کے وقت کا کھلانا اور وہ بھی اسے جو نادان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے اور ہے بھی اس کا رشتہ دار۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے اور رشتے دار کو دینا دوہرا اجر دلواتا ہے (مسند احمد) یا ایسے مسکین کو دینا جو خاک آلود ہو راستے میں پڑا ہوا ہو گھر ور نہ ہو بر بستر نہ ہو بھوک کی وجہ سے پیٹ زمین دوز ہو رہی ہو، اپنے گھر سے دور ہو، مسافرت میں ہو، فقیر مسکین محتاج مقروض مفلس ہو، کوئی پرسان حال بھی نہ ہو اہل وعیال والا ہو، یہ سب معنی قریب قریب ایک ہی ہیں، پھر یہ شخص باوجود ان نیک کاموں کے دل میں ایمان رکھتا ہو ان نیکیوں پر اللہ سے اجر کا طالب ہو، جیسے اور جگہ ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ جو شخص آخرت کا ارادہ رکھے اور اسی کے لئے کوشش کرے اور ہو بھی وہ باایمان تو ان کی کوشش خدا کے ہاں مشکور ہے، اور جگہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى الخ، ایمان والوں میں سے جو مرد و عورت مطابق سنت عمل کرے یہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے حساب روزیاں پائیں گے، پھر ان کا اور وصف بیان ہو رہا ہے کہ لوگوں کے صدمات سہنے اور ان پر رحم وکرم کرنے کی یہ آپس میں ایک دوسروں کو وصیت کرتے ہیں، جیسے کہ حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا۔ اور حدیث میں ہے جو رحم نہ کرے اس پر رحم نہیں کیا جاتا، ابوداؤد میں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں عمل نامہ ملے گا اور سرین تہ بہ تہ آگ میں ہو جائیں گے جس سے نہ کبھی چھٹکارا ملے گا نہ نجات نہ راحت نہ آرام، اس آگ کے دروازے ان پر بند رہیں گے۔

مزید بیان اس کا سورۂ وَيْلٌ لِّكُلِّ الخ، میں آئے گا، انشاء اللہ۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہوگی نہ سوراخ ہوگا نہ کبھی وہاں سے نکلنا ملے گا۔ حضرت ابوعمران جونیؒ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ حکم دے گا اور ہر سرکش کو ہر ایک شیطان کو اور ہر اس شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا، پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا، پھر جہنم بند کر دی جائے گی، اللہ کی قسم کبھی ان کے قدم ٹکیں گے ہی نہیں، اللہ کی قسم انہیں کبھی آسمان کی صورت ہی دکھائی نہ دے گی، اللہ کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں، اللہ کی قسم انہیں کبھی کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں (ابن ابی حاتم)

سورۂ بلد کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ والمنہ۔

تفسیر سورة الشمس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶
وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ
مَنْ زَكّٰهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰

اللہ کے نام سے شروع جونہایت مہربان بڑا رحیم ہے

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی ○ قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے ○ قسم ہے دن کی جب سورج کو نمایاں کرے ○ قسم ہے رات کی جب اسے ڈھانپ لے قسم ہے ○ آسمان کی اور اس کے بنانے کی ○ قسم ہے زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی ○ قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی ○ پھر قسم ہے اس کے دل میں بدی اور نیکی ڈالنے کی ○ جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہو ○ اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا ○

کامیابی کے لیے ضروری ہے؟: ☆☆ (آیت:۱-۱۰) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ضحا سے مراد روشنی ہے' قتادہؒ فرماتے ہیں پورا دن مراد ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دن کی قسم کھائی ہے اور چاند جبکہ اس کے پیچھے آئے یعنی سورج چھپ جائے اور چاند چمکنے لگے- ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مہینہ کے پہلے پندرہ دن میں تو چاند سورج کے پیچھے رہتا ہے اور پچھلے پندرہ دنوں میں یہ آگے ہوتا ہے- زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں مراد اس سے لیلتہ القدر ہے' پھر دن کی قسم کھائی جبکہ وہ منور ہو جائے یعنی سورج دن کو گھیر لے' بعض عربی دانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دن جبکہ اندھیرے کو روشن کر دے لیکن اگر یوں کہا جاتا کہ پھیلاوٹ کو وہ جب چمکا دے تو اور اچھا ہوتا ہے تاکہ یَغْشَاهَا میں بھی یہ معنی ٹھیک بیٹھتے' اسی لئے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں دن کی قسم جبکہ وہ اسے روشن کر دے' امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند فرماتے ہیں کہ ان سب میں ضمیر ھا کا مرجع شمس ہے کیونکہ اسی کا ذکر چل رہا ہے' رات جبکہ اسے ڈھانپ لے یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور چوطرف اندھیرا پھیل جائے' یزید بن ذی حمایہ کہتے ہیں کہ جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے میرے بندوں کو میری ایک بہت بڑی خلق نے چھپا لیا پس مخلوق رات سے ہیبت کرتی ہے' اس کے پیدا کرنے والی سے زیادہ ہیبت کرنی چاہئے (ابن ابی حاتم)

پھر آسمان کی قسم کھاتا ہے' یہاں جو ما ہے یہ مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی آسمان اور اس کی بناوٹ کی قسم' حضرت قتادہؒ کا قول یہی ہے اور یہ ما معنی میں مَن کے بھی ہو سکتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی خود اللہ کی' مجاہدؒ یہی فرماتے ہیں' یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں- بنا کے معنی بلندی کے ہیں' جیسے اور جگہ ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ یعنی آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں' ہم نے زمین کو بچھایا اور کیا ہی اچھا ہم بچھانے والے ہیں؟ اس طرح یہاں بھی فرمایا کہ زمین کی اور اس کی ہمواری کی' اسے بچھانے' اسے پھیلانے کی' اس کی تقسیم کی' اس کی مخلوق کی قسم' زیادہ مشہور قول اس کی تفسیر میں پھیلانے کا ہے- اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے' جوہری فرماتے ہیں طَحَوْتُهٗ مثل دَحَوْتُهٗ کے ہے اور اس کے معنی پھیلانے کے ہیں' اکثر مفسرین کا یہی قول ہے- پھر فرمایا نفس کی اور اسے ٹھیک ٹھاک بنانے کی قسم یعنی اسے پیدا کیا اور درآنحالیکہ یہ ٹھیک ٹھاک اور فطرت پر قائم تھا' جیسے اور

جگہ ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ الخ، اپنے چہرے کو قائم رکھ دین حنیف کے لئے فطرت ہے اللہ کی جس پر لوگوں کو بنایا اللہ کی خلق کی تبدیل نہیں۔ حدیث میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں تم کن کٹا نہ پاؤ گے (بخاری مسلم)

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے پیدا کئے، ان کے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلا لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا نے اسے بدکاری و پرہیزگاری کو بیان کر دیا اور جو چیز اس کی قسمت میں تھی اس کی طرف اس کی رہبری ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی خیر و غز ظاہر کر دیا۔ ابن جریرؒ میں ہے حضرت ابوالاسودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ذرا بتلاؤ تو لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یہ کیا ان کے لئے خدا کی جانب سے مقرر ہو چکی ہے اور ان کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے یا یہ خود آئندہ کے لئے اپنے طور پر کر رہے ہیں اس بنا پر کہ انبیاء ان کے پاس آ چکے اور خدا کی حجت ان پر پوری ہوئی، میں نے جواب میں کہا نہیں نہیں بلکہ یہ چیز پہلے سے فیصل شدہ ہے اور مقدر ہو چکی ہے۔ حضرت عمران نے کہا پھر یہ ظلم تو نہ ہوگا، میں تو اسے سن کر کانپ اٹھا اور گھبرا کر کہا کہ ہر چیز کا خالق مالک وہی خدا ہے، تمام ملک اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا، وہ سب سے سوال کر سکتا ہے، میرا یہ جواب سن کر حضرت عمران بہت خوش ہوئے اور کہا خدا تجھے درستگی عنایت فرمائے میں نے تو یہ سوالات اسی لئے کئے تھے کہ امتحان ہو جائے، سنو ایک شخص مزینہ یا جھینہ قبیلے کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا جو میں نے پہلے تم سے کیا اور حضورؐ نے بھی وہی جواب دیا جو تم نے دیا تو اس نے کہا پھر ہمارے اعمال سے کیا؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس منزل کے لئے پیدا کیا ہے اس سے ویسے ہی کام ہو کر رہیں گے، اگر جنتی ہے تو اعمال جنت اور دوزخی لکھا گیا ہے تو ویسے ہی اعمال اس پر آسان ہوں گے، سنو قران میں اس کی تصدیق موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

مسند احمد میں بھی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بامراد ہوا یعنی اطاعت رب میں لگا رہا، نکمے اعمال رذیل اخلاق چھوڑ دیئے، جیسے اور جگہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی اس نے کامیابی پالی، اور جس نے اپنے ضمیر کا ستیاناس کیا اور ہدایت سے ہٹا کر اسے برباد کیا، نافرمانیوں میں پڑ گیا، اطاعت خدا کو چھوڑ بیٹھا یہ ناکام اور نامراد ہوا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا وہ بامراد ہوا اور جس کے نفس کو خدا نے نیچے گرا دیا وہ برباد اور خائب اور خاسر رہا، عوفی اور علی بن ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور نے آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا پڑھ کر فرمایا کہ جس نفس کو خدا نے پاک کیا اس نے چھٹکارا پا لیا، لیکن اس حدیث میں ایک علت تو یہ ہے کہ جو یبر بن سعید متروک الحدیث ہے، دوسری علت یہ ہے کہ ضحاک جو حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا پڑھ کر آپ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا وَخَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، ابن ابی حاتم کی حدیث میں یہ دعا یوں وارد ہوئی ہے اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا، مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کو ایک مرتبہ میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے بستر پر نہیں، اندھیرے کی وجہ سے میں گھر میں اپنے ہاتھوں سے ٹٹولنے لگی تو

میرے ہاتھ آپ پر پڑے' آپ اس وقت سجدے میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیُ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَآ اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا' یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہی ہے۔

مسلم شریف اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیُ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰاھَآ اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا یا اللہ میں عاجز اور بے چارہ ہو جانے سے سستی سے اور ہار جانے سے بڑھاپے سے اور نامردی سے اور بخیلی سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے اللہ میرے دل کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اسے پاک کر دے تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی اور مولی ہے اے اللہ مجھے ایسے دل سے بچا جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے نفس سے بچا جو آسودہ نہ ہو اور ایسے علم سے بچا جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے بچا جو قبول نہ کی جائے' راوی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی اور ہم تمہیں سکھاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾

ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا ○ جب ان میں کا بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا ○ انہیں اللہ کے رسول نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری کی حفاظت کرو ○

آل ثمود کی تباہی کے اسباب: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۳) اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ ثمودیوں نے اپنی سرکشی اور تکبر و تجبر کی بنا پر اپنے رسولوں کی تصدیق نہ کی۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بِطَغْوَاھَا کا مطلب یہ ہے کہ ان سب نے تکذیب کی لیکن پہلی بات ہی زیادہ اولیٰ ہے۔ حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

ع ۵ ۱۶

ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں پس ہلاکت ڈالی ان پر ان کے رب نے ان کے گناہوں کے باعث پھر عام کر دیا ہلاکت کو ○ وہ اس سزا کے انجام سے بے خوف ہے ○

(آیت:۱۴-۱۵) اس سرکشی کی وجہ سے اور اس تکذیب کی شامت سے یہ اس قدر بدبخت ہو گئے کہ ان میں سے جو زیادہ بدشخص تھا وہ تیار ہو گیا' اس کا نام قدار بن سالف تھا' اسی نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں' اسی کے بارے میں فرمان ہے فَنَادَوْا صَاحِبَھُمْ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ ثمودیوں کی آواز پر یہ آ گیا اور اس نے اونٹنی کو مار ڈالا' یہ شخص اس قوم میں ذی عزت تھا' شریف تھا' ذی نسب تھا' قوم کا رئیس اور سردار تھا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اس اونٹنی کا اور اس کے مارنے والے کا ذکر کیا اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جیسے ابو زمعہ اسی جیسا یہ شخص بھی اپنی قوم میں شریف عزیز اور بڑا آدمی تھا' امام بخاری بھی اسے تفسیر میں اور امام مسلم جہنم کی صفت میں لائے ہیں اور سنن ترمذی سنن نسائی میں بھی یہ روایت تفسیر میں ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تجھے دنیا بھر کے بد بخت ترین دو شخص بتلاتا ہوں ایک تو احمیر ثمود جس نے اونٹنی کو مار ڈالا دوسرا وہ شخص جو تیری پیشانی پر زخم لگائے گا یہاں تک کہ داڑھی خون سے تر بتر ہو جائے گی۔ اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرما دیا تھا کہ اے قوم خدا کی اونٹنی کو برائی پہنچانے سے ڈرو' اس کے پانی پینے کے مقرر دن میں ظلم کر کے اسے پانی سے نہ روکو' تمہاری اور اس کی باریاں بندھی ہوئی ہیں لیکن ان بدبختوں نے پیغمبر کی نہ مانی' جس گناہ کے باعث ان کے دل سخت ہو گئے اور پھر یہ صاف طور پر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' جسے خدائے تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پتھر کی ایک چٹان سے پیدا کیا تھا جو حضرت صالح کا معجزہ اور اللہ کی قدرت کی کامل نشانی تھی۔ اللہ بھی ان پر غضبناک ہو گیا اور ہلاکت ڈال دی اور سب پر برابر سے عذاب اترا' یہ اس لئے کہ احمیر ثمود کے ہاتھ پر اس کی قوم کے چھوٹے بڑوں نے مرد عورت نے بیعت کر لی تھی اور سب کے مشورے سے اس نے اس اونٹنی کو کاٹا تھا' اس لئے عذاب میں بھی سب پکڑے گئے وَلَا یَخَافُ کو فَلَایَخَافُ بھی پڑھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کسی کو سزا کرے تو اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ کہیں یہ بگڑ نہ بیٹھیں' یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس بدکار احیمر نے اونٹنی کو مار تو ڈالا لیکن انجام سے نہ ڈرا مگر پہلا قول ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

سورۂ والشمس وضحاھا کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدللہ۔

تفسیر سورة اللیل

آنحضرت ﷺ کا حضرت معاذؓ سے یہ فرمانا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تو نے سبح اسم اور والشمس اور واللیل سے امامت کیوں نہ کرائی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۝۱ وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ
وَالْاُنْثٰٓی ۝۳ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝۵
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝۶ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ
وَاسْتَغْنٰی ۝۸ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝۹ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۝۱۰ وَمَا
یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗٓ اِذَا تَرَدّٰی ۝۱۱

اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم کے نام سے شروع

قسم ہے رات کی جب چھا جائے ○ اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو ○ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر مادہ کو پیدا کیا ○ یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے ○ ہاں جو شخص دیتا رہے اور ڈرتا رہے ○ اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے ○ تو ہم بھی سہج سہج اسے آسانی میں پہنچا دیں گے ○ لیکن جو بخیلی کرے اور بے پرواہی برتے ○ اور نیک بات کی تکذیب کرے ○ تو ہم بھی اسے سہج سہج سختی میں پہنچا دیں گے ○ اس کا مال اسے اوندھا گرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا ○

نیکی کے لیے قصد ضروری ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۱۱) مسند احمد میں ہے حضرت علقمہ شام میں آئے اور دمشق کی مسجد میں جا کر دو

رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا مجھے نیک ساتھی عطا فرما' پھر چلے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ تو حضرت علقمہ نے کہا میں کوفے والا ہوں' پوچھا ام عبد اس سورت کو کس طرح پڑھتے تھے؟ میں نے کہا وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی پڑھتے تھے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یونہی سنا ہے اور یہ لوگ مجھے شک وشبہ میں ڈال رہے ہیں پھر فرمایا کیا تم میں تکئے والے یعنی جن کے پاس سفر میں حضور ﷺ کا بسترہ رہتا تھا اور راز دان ایسے بھیدوں سے واقف جن کا علم اور کسی کو نہیں وہ جو شیطان سے بہ زبان رسول ﷺ بچالئے گئے تھے وہ نہیں؟ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ حدیث بخاری میں بھی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور ساتھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' آپ بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے پہنچے پھر پوچھا کہ تم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرات پر قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ تو کہا کہ ہم سب ہیں' پھر پوچھا کہ تم سب میں حضرت عبداللہ کی قرات کو زیادہ یاد رکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا تو ان سے سوال کیا کہ وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے تم نے کس طرح سنا؟ تو کہا وہ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی پڑھتے تھے' کہا میں نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی طرح سنا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی پڑھوں' اللہ کی قسم میں تو ان کی مانوں گا نہیں الغرض حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرات یہی ہے اور حضرت ابوالدرداءؓ نے تو اسے مرفوع بھی کہا ہے' باقی جمہور کی قرات وہی ہے جو موجودہ قرآنوں میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ رات کی قسم کھاتا ہے جبکہ اس کا اندھیرا تمام مخلوق پر چھا جائے اور دن کی قسم کھاتا ہے جبکہ وہ تمام چیزوں کو اپنی روشنی سے منور کر دے اور اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے جو نر و مادہ کا پیدا کرنے والا ہے' جیسے فرمایا وَخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے' اور فرمایا وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ ہر چیز کے جوڑے ہم نے پیدا کئے ہیں' ان متضاد اور ایک دوسری کے خلاف قسمیں کھا کر اب فرماتا ہے کہ تمہاری کوششیں اور تمہارے اعمال بھی متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں' بھلائی کرنے والی بھی ہیں اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی ہیں' پھر فرماتا ہے کہ جس نے دیا یعنی اپنے مال کو خدا کے حکم کے ماتحت خرچ کیا اور پھونک پھونک قدم رکھا' ہر ہر امر میں خوف خدا کرتا رہا اور اس کے بدلے کو سچا جانتا رہا' اس کے ثواب پر یقین رکھا' حسنیٰ کے معنی لا الہ الا اللہ کے بھی کئے گئے ہیں' اللہ کی نعمتوں کے بھی کئے گئے ہیں' نماز روزہ زکوٰۃ صدقہ فطر جنت کے بھی مروی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم اسے آسانی کی راہ آسان کر دیں گے یعنی بھلائی کی اور جنت کی اور نیک بدلے کی' اور جس نے اپنے مال کو راہ خدا میں نہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے بے نیازی برتی اور حسنیٰ کی یعنی قیامت کے بدلے کی تکذیب کی تو اس پر ہم برائی کا راستہ آسان کر دیں گے' جیسے فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ یعنی ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار قرآن پر ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتے رہیں گے۔ اس مطلب کی آیتیں قرآن کریم میں جابجا موجود ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے' خیر کا قصد کرنے والے کو توفیق خیر ملتی ہے اور شر کا قصد رکھنے والوں کو اسی کی توفیق ہوتی ہے' اس معنی کی تائید میں یہ حدیثیں بھی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال فارغ شدہ تقدیر کے ماتحت ہیں یا نوپید ہماری طرف سے ہیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق' کہنے لگے پھر عمل کی کیا ضرورت' فرمایا ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے تو آپ نے فرمایا

سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے' لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ کیوں نہ رہیں؟ تو آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو' ہر شخص کو وہی اعمال آئیں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے' پھر آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں (صحیح بخاری شریف)

اسی روایت کے اور طریق میں ہے کہ اس بیان کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا اور سر نیچا کئے ہوئے زمین پر اسے پھیر رہے تھے الفاظ میں کچھ کمی بیشی بھی ہے- مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی ایک ایسا ہی سوال جیسا اوپر کی حدیث میں حضرت صدیق کا گذرا مروی ہے اور آپ کا جواب بھی انہیں تقریباً ایسا ہی مروی ہے- ابن جریر میں حضرت جابرؓ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے- ابن جریر کی ایک حدیث میں دونو جوانوں کا ایسا ہی سوال اور حضورؐ کا ایسا ہی جواب مروی ہے اور پھر ان دونوں حضرات کا یہ قول بھی ہے کہ یا رسول اللہ ہم بہ کوشش نیک اعمال کرتے رہیں گے- حضرت ابوالدرداء سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر دن غروب کے وقت سورج کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں اور وہ باآواز بلند دعا کرتے ہیں جسے تمام چیزیں سنتی ہیں سوائے جنات اور انسان کے کہ اے اللہ سخی کو نیک بدلہ دے اور بخیل کا مال تلف کر' یہی معنی ہیں قرآن کی ان چاروں آیتوں کے ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا' ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بیچارہ غریب نیک بخت اور بال بچوں دار تھا' باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں اتارتا' اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال لی ہے تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا' اس مسکین نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی' آپ نے اس سے فرما دیا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دے دے' اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دے گا وہ کہنے لگا اچھا حضرت میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں' میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے ایک شخص جو یہ بات چیت سن رہا تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں- یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے' ان کا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرت مجھے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو کہہ رہے تھے میں نے یہ جواب دیا یہ سن کر خاموش ہو رہے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کہا چالیس درخت خرما کے' اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو' ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے ہی میں خریدتا ہوں اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کر لو- اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہو گیا' گواہ مقرر ہو گئے' پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے' یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں تو یہ کہنے لگا کہ اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا اس نے کہا اچھا منظور' چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی- یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا' رسول اللہ ﷺ اس مسکین کے پاس گئے اور فرمانے لگے یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں مروی ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں آپ مکہ شریف میں ابتداء اسلام کے زمانے میں بڑھیا عورتوں کا اور ضعیف لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے آزاد کر دیا کرتے تھے' اس پر ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت ابو قحافہ نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا کہ بیٹا تم جوان کمزور ہستیوں کو آزاد کرتے پھرتے ہو' اس سے تو یہ اچھا ہو کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تاکہ وقت پر وہ تمہیں کام آئیں' تمہاری مدد کریں اور دشمنوں سے لڑیں تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جی میرا ارادہ دنیوی فائدے کا نہیں' میں تو صرف رضائے رب مرضی مولا چاہتا ہوں' اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تردی کے معنی مرنے کے بھی مروی ہیں اور آگ میں گرنے کے بھی۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿۱۲﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿۱۳﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ
نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۶﴾
وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿۱۸﴾ وَمَا لِأَحَدٍ
عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿۱۹﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۰﴾
وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿۲۱﴾ ع ۱۷

راہ دکھا دینا ہمارا ذمہ ہے ○ اور ہمارے ہی ہاتھ ہے آخرت اور دنیا ○ میں نے تو تمہیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ○ جس میں صرف وہ بدبخت تر لوگ داخل ہوں گے ○ جنہوں نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ○ اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو پرہیزگار ہو ○ جو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال دیتا ہے ○ کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جاتا ہو ○ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کا دیدار مطلوب ہے ○ یقیناً وہ بھی عنقریب رضامند ہو جائے گا ○

مومن کی منزل اللہ تعالیٰ کی رضا: ☆☆ (آیت: ۱۲-۲۱) یعنی حلال و حرام کا ظاہر کر دینا ہمارے ذمے ہے' یہ بھی معنی ہیں کہ جو ہدایت پر چلا وہ یقیناً ہم تک پہنچ جائے گا' جیسے فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ آخرت اور دنیا کی ملکیت ہماری ہی ہے' میں نے بھڑکتی ہوئی آگ سے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپ بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ میری اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے جاتے تھے لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا' لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں' بار بار یہ فرما رہے تھے یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہو گا جس کے دونوں قدموں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہو گا۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے ہلکے عذاب والا وہ جہنمی ہو گا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہو گا جس طرح ہنڈیا جوش کھا رہی ہو' باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا یہی ہے لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا اور کوئی نہ ہو گا' اس جہنم میں صرف وہی لوگ گھیر گھار کر بدترین عذاب کئے جائیں گے جو بدبخت تر ہوں' جن کے دل میں

تکذیب ہو اور اسلام پر عمل نہ ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ جہنم میں صرف شقی لوگ جائیں گے لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جو اطاعت گذار نہ ہو اور نہ خدا کے خوف سے کوئی بدی چھوڑتا ہو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو انکار کریں' لوگوں نے پوچھا انکاری کون ہے؟ فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا' اور فرمایا جہنم سے دوری اسے ہوگی جو تقویٰ شعار' پرہیز گار' اللہ کے ڈر والا ہو' جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے تاکہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنی چیزوں کو بھی پاک کرے اور دین و دنیا میں پاکیزگی حاصل کرلے' یہ اس لئے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا کہ اس کا بھی کوئی احسان اس پر ہے بلکہ اس لئے کہ آخرت میں جنت ملے اور وہاں اللہ کا دیدار نصیب ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ بہت جلد بالیقین ایسی پاک صفتوں والا شخص راضی ہو جائے گا۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہیں یہاں تک کہ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے بیشک صدیق اکبرؓ اس میں داخل ہیں اور اس کی عمومیت میں ساری امت سے پہلے ہیں' گو الفاظ آیت کے عام ہیں لیکن آپ سب سے اول اس کے مصداق ہیں ان تمام اوصاف میں اور کل کی کل نیکیوں میں سب سے پہلے اور سب سے آگے اور سب سے بڑھے چڑھے آپ ہی تھے' آپ صدیق تھے پرہیز گار تھے' بزرگ تھے' سخی تھے' آپ اپنے مالوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اور رسول اللہ ﷺ کی امداد میں دل کھول کر خرچ کرتے رہتے تھے' ہر ایک کے ساتھ احسان و سلوک کرتے اور کسی دنیوی فائدے کی چاہت پر نہیں' کسی کے احسان کے بدلے نہیں بلکہ صرف اللہ کی مرضی کے لئے' رسولؐ کی فرمانبرداری کے لئے' جتنے لوگ تھے خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے سب کے سب پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کے بار تھے یہاں تک کہ عروہ بن مسعود جو قبیلہ ثقیف کا سردار تھا صلح حدیبیہ کے والے موقعہ پر جبکہ حضرت صدیقؓ نے اسے ڈانٹا ڈپٹا اور دو باتیں سنائیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ کے احسان مجھ پر نہ ہوتے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا پس جبکہ عرب کے سردار اور قبائل عرب کے بادشاہ کے اوپر آپ کے اس قدر احسان تھے کہ وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا تو بھلا اور تو کہاں؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ کسی کے احسان کا بدلہ انہیں دینا نہیں بلکہ صرف دیدار اللہ کی خواہش ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے جو شخص جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آ' یہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمائیے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔

الحمد للہ سورۃ اللیل کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کا احسان ہے اور اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۃ الضحیٰ

ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہو: ☆☆ اسمٰعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؒ تلاوت قران کر رہے تھے جب اس سورت تک پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو۔ ہم نے ابن کثیر کے سامنے پڑھا تو انہوں نے ہمیں یہی فرمایا اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہدؒ نے یہ فرمایا ہے اور مجاہدؒ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہی تعلیم تھی اور ابن عباسؓ کو حضرت ابی بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا۔ امام القرأت حضرت ابوالحسنؒ بھی اس سنت کے راوی ہیں' حضرت ابو حاتم رازی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں' اس لئے کہ ابوالحسن ضعیف ہیں' ابو حاتم تو ان سے حدیث ہی نہیں لیتے' اسی

طرح ابو جعفر عقیلی بھی انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں لیکن شیخ شہاب الدین ابو شامہ شرح شاطبیہ میں حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں اس تکبیر کو کہتے تھے تو آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اور سنت کو پہنچ گیا' یہ واقعہ تو اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ پھر قاریوں میں اس بات کا بھی اختلاف ہے کہ کس جگہ یہ تکبیر پڑھے اور کس طرح پڑھے' بعض تو کہتے ہیں وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی کے خاتمہ سے اور بعض کہتے ہیں وَالضُّحٰی کے آخر سے۔ پھر بعض تو کہتے ہیں صرف اللہ اکبر کہے' بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے' بعض قاریوں نے سورۂ وَالضُّحٰی سے ان تکبیروں کے کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب وحی آنے میں دیر لگی اور کچھ مدت حضورؐ پر وحی نہ اتری پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہی سورت لائے تو خوشی اور فرحت کے باعث آپ نے تکبیر کہی' لیکن یہ کسی ایسی اسناد کے ساتھ مروی نہیں جس سے صحت وضعف کا پتہ چل سکے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے

قسم ہے چاشت کے وقت کی ○ اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے ○ نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہ بیزار ہو گیا ○ یقیناً تیرے لئے انجام آغاز سے بہتر ہے ○ تجھے تیرا رب بہت جلد انعام دے گا اور تو راضی خوش ہو جائے گا ○

(آیت: ۱-۵) مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتوں تک آپ تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں (بخاری ومسلم وغیرہ) حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے وَالضُّحٰی سے قَلٰی تک کی آیتیں اتاریں اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی انگلی پر پتھر مارا گیا تھا جس میں سے خون نکلا اور جس پر آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت وفى سبيل الله ما لقيت

یعنی تو صرف ایک انگلی ہے اور راہ اللہ میں تجھے یہ زخم لگا ہے۔

طبیعت کچھ ناساز ہو جانے کی وجہ سے دو تین رات آپ بیدار نہ ہوئے جس پر اس عورت نے وہ ناشائستہ الفاظ نکالے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی جورو ام جمیل تھی' اس پر اللہ کی مار' آپ کی انگلی کا زخمی ہونا اور اس موزوں کلام کا بے ساختہ زبان مبارک سے ادا ہونا تو صحیحین میں بھی ثابت ہے لیکن ترک قیام کا سبب اسے بتانا اور اس پر ان آیتوں کا نازل ہونا یہ غریب ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ آپ کا رب آپ سے کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو؟ اس پر یہ آیتیں اتریں اور روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی حضورؐ بہت گھبرائے' اس پر حضرت خدیجہؓ نے یہ سبب بیان کیا اور اس پر یہ آیتیں اتریں' یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور حضرت خدیجہؓ کا نام تو اس میں محفوظ نہیں معلوم ہوتا' ہاں یہ ممکن ہے کہ مائی صاحبہ نے افسوس اور رنج کے ساتھ یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔ ابن اسحاق اور بعض سلف نے فرمایا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور بہت ہی قریب ہو گئے تھے اس وقت اسی سورت کی وحی نازل فرمائی تھی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ وحی کے رک جانے کی بنا پر مشرکین کے اس ناپاک قول سے

رد میں یہ آیتیں اتریں' یہاں اللہ تعالیٰ نے دھوپ چڑھنے کے وقت کی' دن کی روشنی اور رات کے سکون اور اندھیرے کی قسم کھائی جو قدرت اور خلق خالق کی صاف دلیل ہے' جیسے اور جگہ ہے وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى' اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ مطلب یہ ہے کہ اپنی اس قدرت کا یہاں بھی بیان کیا ہے- پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب نے نہ تو تجھے چھوڑا نہ تجھ سے دشمنی کی' تیرے لئے آخرت اس دنیا سے بہت بہتر ہے- اسی لئے رسول اللہ ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور سب سے زیادہ تارک دنیا تھے' آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی-

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور بوریئے پر سوئے' جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے' جب بیدار ہوئے تو میں آپ کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضورؐ ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ ایک بوریئے پر کچھ بچھا دیا کریں- حضورؐ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے' یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے- پھر فرمایا تیرا رب تجھے آخرت میں تیری امت کے بارے میں اس قدر نعمتیں دے گا کہ تو خوش ہو جائے' ان کی بڑی تکریم ہوگی اور آپ کو خاص کر کے حوض کوثر عطا فرمایا جائے گا جس کے کنارے کھوکھلے موتیوں کے خیمے ہوں گے' جس کی مٹی خالص مشک ہوگی' یہ حدیثیں عنقریب آ رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ-

ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کئے گئے آپ بہت خوش ہوئے' اس پر یہ آیت اتری جب ایک ہزار محل آپ کو دے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں' ابن عباسؓ تک اس کی سند صحیح ہے اور بہ ظاہر ایسی بات بغیر حضورؐ سے روایت نہیں ہو سکتی' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضورؐ کی رضامندی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے- حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد شفاعت ہے-

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا
فَاَغْنٰى ۝۸ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱ ع ۱ ۱۱

کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ ○ اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی ○ اور تجھے تنگ دست پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟ ○ پس یتیم کو تو بھی نہ دبا ○ اور سوال کرنے والے کو نہ ڈانٹ ڈپٹ اور اپنے رب کے احسانوں کو بیان کرتا رہ ○

(آیت: ۶-۱۱) ابن ابی شیبہ میں ہے حضورؐ نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت دنیا پر پسند کر لی ہے' پھر آپ نے آیت وَلَسَوْفَ کی تلاوت فرمائی کہ آپ کی یتیمی کی حالت میں خدائے تبارک وتعالیٰ نے آپ کا بچاؤ کیا اور آپ کی حفاظت کی اور پرورش کی اور جگہ عنایت فرمائی- آپ کے والد کا انتقال تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا' بعض کہتے ہیں ولادت کے بعد ہوا' چھ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا' اب آپ دادا کی کفالت میں تھے لیکن جب آٹھ سال کی آپ کی عمر ہوئی تو دادا کا سایہ بھی اٹھ گیا' اب آپ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آئے- ابو طالب دل و جان سے آپ کی نگرانی اور امداد میں رہے' آپ کی پوری عزت وتوقیر کرتے اور قوم کی مخالفت کے چڑھتے طوفان کو روکتے رہتے تھے اور اپنے نفس کو بطور ڈھال کے پیش کر دیا کرتے تھے کیونکہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت مل چکی تھی اور قریش سخت تر مخالف بلکہ دشمن جان ہو گئے تھے' ابو طالب باوجود بت پرست مشرک ہونے کے آپ کا ساتھ دیتا

تھا اور مخالفین سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا' یہ تھی منجانب اللہ حسن تدبیر کہ آپ کی یتیمی کے ایام اسی طرح گذرے اور مخالفین سے آپ کی خدمت اس طرح لی یہاں تک کہ ہجرت سے کچھ پہلے ابو طالب بھی فوت ہو گئے' اب سفہاء و جہلاء قریش اٹھ کھڑے ہوئے تو پروردگار عالم نے آپ کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور اوس وخزرج جیسی قوموں کو آپ کا انصار بنا دیا' ان بزرگوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جگہ دی' مدد کی' حفاظت کی اور مخالفین سے سینہ سپر ہو کر مردانہ وار لڑائیاں کیں' اللہ ان سب سے خوش رہے۔ یہ سب کا سب اللہ کی حفاظت اور اس کی عنایت' احسان اور اکرام سے تھا۔ پھر فرمایا کہ راہ بھولا پا کر صحیح راستہ دکھا دیا' جیسے اور جگہ ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَ لَا الْإِيْمَانُ یعنی اسی طرح ہم نے اپنی حکم سے تمہاری طرف روح کی وحی کی' تم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے نہ کتاب کی خبر تھی بلکہ ہم نے اسے نور بنا کر جسے چاہا ہدایت کر دی۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضور بچپن میں مکہ کی گلیوں میں گم ہو گئے تھے اس وقت اللہ نے لوٹا لایا' بعض کہتے ہیں شام کی طرف اپنے چچا کے ساتھ جاتے ہوئے رات کو شیطان نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر راہ سے ہٹا کر جنگل میں ڈال دیا' پس جبرائیل علیہ السلام آئے اور پھونک مار کر شیطان کو تو حبشہ میں ڈال دیا اور سواری کو راہ لگا دیا۔ بغوی نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بال بچوں والے ہوتے ہوئے تنگ دست پا کر ہم نے آپ کو غنی کر دیا' پس فقیر صابر اور غنی شاکر ہونے کے درجات آپ کو مل گئے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ سب حال نبوت سے پہلے کے ہیں' صحیحین وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تونگری مال واسباب کی زیادتی سے نہیں بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اس نے فلاح پالی جسے اسلام نصیب ہوا اور کافی ہو اتنا رزق بھی ملا اور اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی۔ پھر فرماتا ہے کہ یتیم کو حقیر جان کر نہ ڈانٹ ڈپٹ کر بلکہ اس کے ساتھ احسان وسلوک کر اور اپنی یتیمی کو نہ بھول۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یتیم کے لئے ایسا ہو جانا چاہئے جیسے سگا باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتا ہے' سائل کو نہ جھڑک' جس طرح تم بے راہ تھے اور اللہ نے ہدایت دی تو اب جو تم سے علمی باتیں پوچھے' صحیح راستہ دریافت کرے تو تم اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو غریب مسکین ضعیف بندوں پر تکبر تجبر نہ کرو' انہیں ڈانٹو ڈپٹو نہیں' برا بھلا نہ کہو' سخت سست نہ بولو' اگر مسکین کو کچھ نہ دے سکے تو بھی بھلا اور اچھا جواب دے' نرمی اور رحم کے ساتھ لوٹا دے۔ پھر فرمایا کہ اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتے رہو۔ یعنی جس طرح تمہاری فقیری کو ہم نے تونگری سے بدل دیا تم بھی ہماری ان نعمتوں کو بیان کرتے رہو' اسی لئے حضور کی دعاؤں میں یہ بھی تھا وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَ اَتِمَّهَا عَلَيْنَا یعنی خدایا ہمیں اپنی نعمتوں کی شکر گزاری کرنے والا' ان کی وجہ سے تیری ثنا بیان کرنے والا ان کا اقرار کرنے والا کر دے اور ان نعمتوں کو ہم پر پورا کر دے ابو نضرہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ نعمتوں کی شکر گزاری میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کا بیان ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جس نے تھوڑے پر شکر نہ کیا اس نے زیادہ پر بھی شکر نہیں کیا جس نے لوگوں کی شکر گزاری جس نہ کی اس نے اللہ کی بھی نہیں کی' نعمتوں کا بیان بھی شکر ہے اور ان کا بیان نہ کرنا ناشکری ہے' جماعت کے ساتھ رہنا رحمت کا سبب ہے اور تفرقہ عذاب کا باعث ہے' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ انصار سارا کا سارا اجر لے گئے' فرمایا نہیں جب تک کہ تم ان کے لئے دعا کیا کرو اور ان کی تعریف کرتے رہو۔ ابو داؤد میں ہے اس نے اللہ کی شکر گزاری نہیں کی جس نے لوگوں کی شکر گذاری نہ کی' ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گذار رہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی' اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطیہ دیا جائے اسے چاہئے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثنا

بیان کرے، جس نے ثنا کی وہ شکر گذار ہوا اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی (ابوداؤد)۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے، ایک روایت میں ہے قرآن مراد ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں طلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی باتیں آپ کو معلوم ہیں وہ اپنے بھائیوں سے بھی بیان کرو۔ محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں جو نعمت و کرامت نبوت کی تمہیں ملی ہے اسے بیان کرو، اس کا ذکر کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو۔ چنانچہ حضور نے اپنے رشتہ والوں میں سے جن پر آپ کو اطمینان ہوتا پوشیدگی سے پہلے پہل دعوت دینی شروع کی اور آپؐ پر نماز فرض ہوئی جو آپ نے ادا کی۔ سورۃ الضحیٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کے احسان پر اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۃ الم نشرح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۝۱ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۝۲

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۝۳ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ۝۴

فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۝۶

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۝۷ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ۝۸

بنام بخشنے والے مہربان اللہ کے

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ ○ اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا ○ جس نے تیری پیٹھ بوجھل کر دی تھی ○ اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ○ س والبتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○ یقیناً دشواری کے ساتھ سہولت ہے ○ پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر ○ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا ○

(آیت: ۱-۸) یعنی ہم نے تیرے سینے کو منور کر دیا، چوڑا کشادہ اور رحمت و کرم والا کر دیا، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ الخ، یعنی جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، جس طرح آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا اسی طرح آپ کی شریعت بھی کشادگی والی نرمی اور آسانی والی بنا دی، جس میں نہ تو کوئی حرج ہے نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلیف اور سختی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جانا ہے جیسے کہ مالک بن صعصعہ کی روایت سے پہلے گذر چکا، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو یہیں وارد کیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعات مراد ہو سکتے ہیں یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز اللہ کا گنجینہ ت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی دلیری سے رسول اللہ ﷺ سے وہ باتیں پوچھ لیا کرتے تھے جسے دوسرے نہ پوچھ سکتے تھے، ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ امر نبوت میں سب سے پہلے آپ نے کیا دیکھا؟ آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابو ہریرہؓ میں دس سال کچھ ماہ کا تھا، جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے اوپر آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہ وہی ہیں؟ اب دو شخص میرے سامنے آئے جن کے منہ ایسے منور تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ میرے دماغ نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسے کپڑے نہیں دیکھے اور آ کر انہوں نے میرے دونوں بازو تھام لئے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے، پھر ایک نے

دوسرے سے کہا کہ انہیں لٹا دو' چنانچہ اس نے لٹا دیا لیکن اس میں بھی نہ مجھے تکلیف ہوئی نہ محسوس ہوا پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ شق کرو۔ چنانچہ میرا سینہ چیر دیا لیکن نہ تو مجھے اس میں کچھ دکھ ہوا نہ میں نے خون دیکھا' پھر کہا اس میں سے غل وغش' حسد وبغض سب نکال دو' چنانچہ اس نے ایک خون بستہ جیسی کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا' پھر اس نے کہا اس میں رافت ورحمت' رحم وکرم بھر دو' پھر ایک چاندی جیسی چیز جتنی نکالی تھی اتنی ڈال دی' پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جایئے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے' اب جو میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے پر میرے دل میں شفقت ہے اور ہر بڑے پر رحمت ہے (مسند احمد)۔

پھر فرمان ہے کہ ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا' یہ اسی معنی میں ہے کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے جس نے تیری کمر سے آواز نکلوا دی تھی یعنی جس نے تیری کمر کو بوجھل کر دیا تھا' ہم نے تیرا ذکر بلند کیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا ذکر کیا جائے گا جیسے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کر دیا' کوئی خطیب' کوئی واعظ' کوئی کلمہ گو' کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپ کا ذکر کس طرح بلند کروں؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی کو پورا علم ہے' فرمایا جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا لیکن نہ کرتا تو اچھا ہوتا میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے لئے تو نے ہوا کو تابعدار کر دیا تھا کسی کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے میں نے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ میں نے کہا بیشک' فرمایا راہ گم کردہ پا کر میں نے تجھے ہدایت نہیں کی؟ میں نے کہا بیشک' فرمایا کیا فقیر پا کر غنی نہیں بنا دیا؟ میں نے کہا بیشک فرمایا کیا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا؟ میں نے کہا بیشک کیا ہے۔

ابونعیم دلائل نبوت میں لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں فارغ ہوا اس چیز سے جس کا حکم مجھے میرے رب عزوجل نے کیا تھا آسمان اور زمین کے کام سے تو میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے جتنے انبیاء ہوئے ان سب کی تو نے تکریم کی' ابراہیم کو خلیل بنایا' موسیٰ کو کلیم بنایا' داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا' سلیمان کے لئے ہواؤں کو تابعدار بنایا اور شیاطین کو بھی تابعدار بنایا اور عیسیٰ کے ہاتھ پر مردے زندہ کرائے' پس میرے لئے کیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی؟ کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور میں نے تیری امت کے سینوں کو ایسا کر دیا کہ وہ قرآن کو قراءت پڑھتے ہیں' یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے اپنے عرش کے خزانوں میں سے خزانہ دیا جو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ہے۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے یعنی اذان میں آپ کا ذکر ہے' جس طرح حضرت حسان کے شعروں میں ہے۔

اَغَرَّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُّوْرٍ يَّلُوْحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ اِلَى اسْمِهٖ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپ پر چمکا دی جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے' اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام ملا لیا جبکہ پانچوں وقت موذن اشہد کہتا ہے' آپ کی عزت وجلال کے اظہار کے لئے اپنے نام میں سے آپ کا نام نکالا' دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ محمد ہیں (ﷺ) اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور تمام انبیاء علیہم السلام سے

روز میثاق میں عہد لیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ پر ایمان لانے کا حکم کریں' پھر آپ کی امت میں آپ کے ذکر کو مشہور کیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے۔

صرصریؒ نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ادا ہو اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہمارا فرض صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ آپ کا ذکر بار بار اس میں نہ آئے- پھر اللہ تبارک وتعالیٰ تکرار اور تاکید کے ساتھ دو دو دفعہ فرماتا ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی' دشواری کے ساتھ سہولت ہے- ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا پس لوگوں نے کہا اگر سختی آئے اور اس پتھر میں گھس جائے تو آسانی بھی آئے گی اور اسی میں جائے گی اور اسے نکال لائے گی' اس پر یہ آیت اتری- مسند بزار میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر دشواری اس پتھر میں داخل ہو جائے تو آسانی آ کر اسے نکالے گی' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی' یہ حدیث صرف عائذ بن شریح حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ابو حاتم رازی کا فیصلہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ موقوف مروی ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی' حضرت حسن سے ابن جریرؒ میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن شاداں وفرحاں آئے اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے ہرگز ایک دشواری دو نرمیوں پر غالب نہیں آ سکتی' پھر اس آیت کی آپ نے تلاوت کی' یہ حدیث مرسل ہے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خوشخبری سنائی کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آ سکتی' مطلب یہ ہے کہ عسرہ کے لفظ کو تو دونوں جگہ معرفہ لائے ہیں تو وہ مفرد ہوا اور یسر کے لفظ کو نکرہ لائے ہیں تو وہ متعدد ہو گیا- ایک حدیث میں ہے کہ معونۃ یعنی امداد اللہ بقدر مونۃ یعنی تکلیف کے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور صبر مصیبت کے مقدار پر نازل ہوتا ہے- حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں-

صَبْرًا جَمِیْلًا مَا اَقْرَبَ الْفَرَجَا   مَنْ رَّاقَبَ اللّٰهَ فِی الْاُمُوْرِ نَجَا
مَنْ صَدَّقَ اللّٰهَ لَمْ یَنَلْهُ اَذًی   وَمَنْ رَجَاهُ یَكُوْنُ حَیْثُ رَجَا

یعنی اچھا صبر آسانیوں سے کیا ہی قریب ہے؟ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھنے والا نجات یافتہ ہے' اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی' اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اسے اپنی امید کے ساتھ ہی پاتا ہے- حضرت ابو حاتم سجستانی رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے' تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں ڈیرہ جما لیتی ہیں' کوئی چارہ سجھائی نہیں دیتا اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی' اس وقت اچانک اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے اور وہ دعاؤں کا سننے والا باریک بین اللہ اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے' تنگیاں جب کہ بھرپور آ پڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان کو فائدہ سے بدل دیتا ہے- کسی اور شاعر نے کہا ہے-

وَلَرُبَّ نَازِلٍ یَّضِیْقُ بِهِ الْفَتٰی   ذَرْعًا وَّعِنْدَ اللّٰهِ مِنْهَا الْمَخْرَجُ
كَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْلَمَتْ حَلَقَاتُهَا   فَرَجَتْ وَكَانَ یَظُنُّهَا لَا تَفْرُجُ

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگدل ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے- جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور اس زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا یہ کیا ہٹیں گی؟ کہ اچانک اس رحیم وکریم اللہ کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کر دیتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی- اس کے بعد ارشاد باری ہوتا

ہے کہ جب تو دنیوی کاموں سے اور یہاں کے اشغال سے فرصت پائے تو ہماری عبادتوں میں لگ جا اور فارغ البال ہو کر دلی توجہ کر کے ہمارے سامنے عاجزی میں لگ جا' اپنی نیت خالص کر لے' اپنی پوری رغبت کے ساتھ ہماری جناب کی طرف متوجہ ہو جا۔

اسی معنی کی وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے جس میں ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو۔ اور حدیث میں ہے جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو۔ حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہوا تو محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی دعا کر۔ زید بن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں جہاد سے فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگ جا۔ ثوریؒ فرماتے ہیں اپنی نیت اور اپنی رغبت اللہ ہی کی طرف رکھ۔

سورۂ الم نشرح کی تفسیر اللہ کے فضل و کرم سے ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورۃ والتین

(تفسیر سورۃ التین) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اپنے سفر میں دو رکعتوں میں سے کسی ایک میں یہ سورت پڑھ رہے تھے' میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز اور اچھی قرات کسی کی نہیں سنی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ
سٰفِلِيْنَ ۝٥ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ
مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨ ع ۲۰ ۸

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے' مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی ○ اور طور سینین کی ○ اور اس امن والے شہر کی ○ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ○ پھر اسے نیچوں سے نیچ کر دیا ○ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور مطابق سنت عمل کئے تو ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی نہ ختم ہو ○ پس تجھے اب روز جزا کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ ○ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں؟ ○

(آیت: ۱-۸) تین سے مراد کسی کے نزدیک تو مسجد دمشق ہے' کوئی کہتا ہے خود دمشق مراد ہے' کسی کے نزدیک دمشق کا ایک پہاڑ مراد ہے' بعض کہتے ہیں اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے' کوئی کہتا ہے جودی پہاڑ پر مسجد نوح جو ہے وہ مراد ہے' بعض کہتے ہیں انجیر مراد ہے زیتون سے کوئی کہتا ہے مسجد بیت المقدس مراد ہے' کسی نے کہا ہے وہ زیتون جسے نچوڑتے ہو' طور سینین وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ بَلَدُ الْاَمِیْنَ سے مراد مکہ شریف ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں' بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں

وہ جگہیں ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر بھیجے گئے ہیں-

تین سے مراد تو بیت المقدس ہے جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور طور سینین سے مراد طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے، تورات کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے، اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ تعالیٰ آیا یعنی وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ نے کلام کیا اور ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے اس نے اپنا نور چمکایا یعنی حضرت عیسیٰؑ کو وہاں بھیجا اور فاران کی چوٹیوں پر وہ بلند ہوا یعنی مکہ کے پہاڑوں سے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا پھر ان تینوں زبردست بڑے مرتبے والے پیغمبروں کی زمانی اور وجودی ترتیب بیان کر دی، اسی طرح یہاں بھی پہلے جس کا نام لیا اس سے زیادہ شریف چیز کا نام پھر لیا پھر ان دونوں سے بزرگ تر چیز کا نام آخر میں لیا، پھر ان قسموں کے بعد بیان فرمایا کہ انسان کو اچھی شکل وصورت میں صحیح قد قامت والا، درست اور سڈول اعضاء والا، خوبصورت اور سہانے چہرے والا پیدا کیا، پھر اسے نیچوں کا نیچ کر دیا یعنی جہنمی ہو گیا، اگر اللہ کی اطاعت اور رسول کی اتباع نہ کی، تو اسی لئے ایمان والوں کو اس سے الگ کر لیا- بعض کہتے ہیں مراد انتہائی بڑھاپے کی طرف لوٹا دینا ہے-

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جس نے قرآن جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہ پہنچے گا- امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اگر یہی بڑھاپا مراد ہوتا تو مومنوں کا استثناء کیوں ہوتا، بڑھاپا تو بعض مومنوں پر بھی آتا ہے پس ٹھیک بات وہی ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی، جیسے اور جگہ سورۂ والعصر میں ہے کہ تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ایمان اور اعمال صالح والوں کے کہ انہیں جزا وہ ملے گی جس کی انتہا نہ ہو جیسے پہلے بیان ہو چکا- پھر فرماتا ہے اے انسان جبکہ تو اپنی پہلی اور اول مرتبہ کی پیدائش کو جانتا ہے تو پھر جزا و سزا کے دن کے آنے پر اور تیرے دوبارہ زندہ ہونے پر تجھے کیوں یقین نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تو اسے نہیں مانتا؟ حالانکہ ظاہر ہے کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کر دیا اس پر دوسری دفعہ کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ حضرت مجاہدؒ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ بیٹھے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں؟ آپ نے فرمایا معاذ اللہ اس سے مراد مطلق انسان ہے، عکرمہؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے- پھر فرماتا ہے کہ کیا خدا احکم الحاکمین نہیں ہے؟ وہ نہ ظلم کرے نہ بے عدلی کرے، اسی لئے وہ قیامت قائم کرے گا اور ہر ایک ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا- حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ جو شخص وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھے اور اس کے آخر کی آیت اَلَیْسَ اللّٰهُ پڑھے تو کہہ دے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ یعنی ہاں میں اس پر گواہ ہوں، اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ والتین کی تفسیر ختم ہوئی فالحمدللہ-

---

تفسیر سورة العلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ
یَعْلَمْ ﴿۵﴾

الله تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑی بخشش کرنے والا بہت زیادہ مہربان ہے ○

اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا ○ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ○ تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے ○ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا ○ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا ○

(آیت: ۱-۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداً سچے خوابوں سے ہوئی، جو خواب آپ دیکھتے وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر آپ نے گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کی۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے توشہ لے کر غار حرا میں چلے جاتے اور کئی کئی راتیں وہیں عبادت میں گذارا کرتے، پھر آتے اور توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ اچانک وہیں شروع شروع میں وحی آئی، فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا اقرا یعنی پڑھئے، آپ فرماتے ہیں، میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں، فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبوچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھ، میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا، فرشتے نے مجھے دوبارہ دبوچا جس سے مجھے تکلیف بھی ہوئی پھر چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھو، میں نے پھر یہی کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں، اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور تکلیف پہنچائی پھر چھوڑ دیا اور اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھا، آپ ان آیتوں کو لئے ہوئے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو، چنانچہ کپڑا اوڑھا دیا، یہاں تک کہ ڈر خوف جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا مجھے اپنی جان جانے کا خوف ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے کہا حضورؐ آپ خوش ہو جایئے، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی باتیں کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس آئیں، جاہلیت کے زمانہ میں یہ نصرانی ہو گئے تھے، عربی کتاب لکھتے تھے اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے، بہت بڑی عمر کے انتہائی بوڑھے تھے، آنکھیں جا چکی تھیں، حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کا واقعہ سنئے، ورقہ نے پوچھا بھتیجے آپ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ ﷺ نے سارا واقعہ کہہ سنایا، ورقہ نے سنتے ہی کہا کہ یہی وہ رازداں فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے پاس بھی اللہ کا بھیجا ہوا آیا کرتا تھا، کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا، کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کو آپ کی قوم نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے تعجب سے سوال کیا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں ایک آپ کیا؟ جتنے بھی لوگ آپ کی طرح نبوت سے سرفراز ہو کر آئے ان سب سے دشمنیاں کی گئیں، اگر وہ وقت میری زندگی میں آ گیا تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد ورقہ بہت کم زندہ رہے، ادھر وحی بھی رک گئی اور اس کے رکنے کا حضورؐ کو بڑا قلق تھا، کئی مرتبہ آپ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے تئیں گرا دینا چاہا لیکن ہر وقت حضرت جبرئیلؑ آ جاتے اور فرما دیتے کہ اے محمد آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں (ﷺ) اس سے آپ کا قلق اور رنج و غم جاتا رہتا اور دل میں قدرے اطمینان پیدا ہو جاتا اور آرام سے گھر واپس آ جاتے (مسند احمد)

یہ حدیث صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف میں بھی بروایت زہری مروی ہے، اس کی سند میں، اس کے متن میں، اس کے معانی میں جو کچھ بیان کرنا چاہئے تھا وہ ہم نے ہماری شرح بخاری میں پورے طور پر بیان کر دیا ہے، اگر جی چاہے وہیں دیکھ لیا جائے والحمدللہ۔ پس قرآن کریم کی باعتبار نزول کے سب سے پہلی آیتیں یہی ہیں، یہی پہلی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کی اور یہی وہ پہلی رحمت ہے جو اس ارحم الراحمین نے اپنے رحم و کرم سے ہمیں دی۔ اس میں تنبیہ ہے انسان کی اول پیدائش پر کہ وہ ایک جمے ہوئے خون کی شکل میں تھا،

اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا اسے اچھی صورت میں پیدا کیا اس پر علم جیسی اپنی خاص نعمت اسے مرحمت فرمائی اور وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا، علم ہی کی برکت تھی کہ کل انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں میں بھی ممتاز نظر آئے۔ علم کبھی تو ذہن میں ہی ہوتا ہے اور کبھی زبان پر ہوتا ہے اور کبھی کتابی صورت میں لکھا ہوا ہوتا ہے پس علم کی تین قسمیں ہوئیں، ذہنی، لفظی اور رسمی، اور رسمی علم ذہنی اور لفظی کو مستلزم ہے لیکن وہ دونوں اسے مستلزم نہیں، اسی لئے فرمایا کہ پڑھ تیرا رب تو بڑے اکرام والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا معلوم کرا دیا ایک اثر میں وارد ہے کہ علم کو لکھ لیا کرو، اور اسی اثر میں ہے جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اسے اللہ تعالیٰ اس علم کا بھی وارث کر دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ﴿٦﴾ أَن رَّاٰهُ اسْتَغْنَىٰ ﴿٧﴾ إِنَّ إِلَىٰ
رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ﴿٨﴾ أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾
أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾

سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے ○ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھتا ہے ○ یقیناً تیرا لوٹنا اللہ کی طرف ہے ○ بھلا اسے بھی تو نے دیکھا؟ جو روکتا ہے ○ بندے کو جب وہ نماز ادا کرے ○ بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہے ○ یا تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو ○

طالب علم اور طالب دنیا: ☆☆ (آیت:۶-۱۲) فرماتا ہے کہ انسان کے پاس جہاں دو پیسے ہوئے، ذرا فارغ البال ہوا کہ اس کے دل میں کبر و غرور، عجب و خود پسندی آئی، اسے ڈرتے رہنا چاہئے اور خیال رکھنا چاہئے کہ اسے ایک دن اللہ کی طرف لوٹنا ہے، وہاں جہاں اور حساب ہوں گے، مال کی بابت بھی سوال ہوگا کہ لایا کہاں سے اور خرچ کہاں کیا؟ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا، ایک طالب علم، دوسرا طالب دنیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علم کا طالب تو اللہ کی رضامندی کے حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جس میں دنیا داروں کا ذکر ہے، پھر طالب علموں کی فضیلت کے بیان کی یہ آیت تلاوت کی إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی ﷺ کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ دو لالچی ہیں جو شکم پر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا، اس کے بعد کی آیتیں ابوجہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتا تھا پس پہلے تو اسے بہترین طریقہ سے سمجھایا گیا کہ جنہیں تو روکتا ہے یہی اگر سیدھی راہ پر ہوں، انہی کی باتیں تقوے کا حکم کرتی ہوں پھر تو انہیں اگر ڈانٹ ڈپٹ کرے اور خانہ اللہ سے روکے تو تیری بدقسمتی کی انتہا ہے یا نہیں؟ کیا یہ روکنے والا جو نہ صرف خود حق کی راہنمائی سے محروم ہے بلکہ راہ حق سے روکنے کے درپے ہے اتنا بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس کا کلام سن رہا ہے اور اس کے کلام اور کام پر اسے سزا دے گا، اس طرح سمجھا چکنے کے بعد اب ڈرا رہا ہے کہ اگر اس نے اپنی مخالفت، سرکشی اور ایذا دہی نہ چھوڑی تو ہم بھی اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، جو اقوال میں کاذب اور افعال میں خطا کار ہے، یہ اپنے مددگاروں کو، ہمنشینوں کو، قرابت داروں کو، کنبہ قبیلے کو بلا لے دیکھیں تو کون اس کی مدافعت کر سکتا ہے، ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں۔ پھر ہر ایک کو کھل جائے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا؟ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا تو گردن دبوچوں گا،

حضورؐ کو بھی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرے گا تو اللہ کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام مقام ابراہیم کے پاس بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ ملعون آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے منع کر دیا پھر بھی تو باز نہیں آتا اگر اب میں نے تجھے کعبے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سخت سزا دوں گا وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا' اس کی بات کو ٹھکرا دیا اور اچھی طرح ڈانٹ دیا' اس پر وہ کہنے لگا کہ تو مجھے ڈانٹتا ہے اللہ کی قسم میری ایک آواز پر یہ ساری وادی آدمیوں سے بھر جائے گی' اس پر یہ آیت اتری کہ اچھا تو اپنے حامیوں کو بلا' ہم بھی اپنے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اگر وہ اپنے کنبے والوں کو پکارتا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے لپک لیتے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا اگر میں رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن توڑ دوں گا' آپ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو اسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اسی طرح جبکہ یہودیوں سے قرآن نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو موت مانگو اگر وہ اسے قبول کر لیتے اور موت طلب کرتے تو سارے کے سارے مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے۔ اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر یہ مباہلہ کے لئے نکلتے تو لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اپنے بال بچوں کو پاتے' ابن جریر میں ہے کہ ابو جہل نے کہا اگر میں آپ کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتا ہوا دیکھ لوں گا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ اس پر یہ سورت اتری۔ حضور علیہ السلام تشریف لے گئے' ابو جہل موجود تھا اور آپ نے وہیں نماز ادا کی تو لوگوں نے اس بدبخت سے کہا کہ کیوں بیٹھا رہا؟ اس نے کہا کیا بتاؤں کون میرے اور اس کے درمیان حائل ہو گئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر ذرا بھی ہلتا جلتا تو لوگوں کے دیکھتے ہوئے فرشتے اسے ہلاک کر ڈالتے۔ ابن جریر کی اور روایت میں ہے کہ ابو جہل نے پوچھا کہ کیا محمد (ﷺ) تمہارے سامنے سجدہ کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں تو کہنے لگا اللہ کی قسم اگر میرے سامنے اس نے یہ کیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کے چہرہ کو مٹی میں ملا دوں گا' ادھر اس نے یہ کہا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبارک علیہ نے نماز شروع کی جب آپ سجدے میں گئے تو یہ آگے بڑھا لیکن ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے اپنے تئیں بچاتا ہوا پچھلے پیروں نہایت بدحواسی سے پیچھے ہٹا' لوگوں نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ میرے اور حضور کے درمیان آگ کی خندق ہے اور گھبراہٹ کی خوفناک چیزیں ہیں اور فرشتوں کے پر ہیں وغیرہ' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اور ذرا قریب آ جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ الگ کر دیتے' پس یہ آیتیں كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى سے آخر سورت تک نازل ہوئیں' اللہ ہی کو علم ہے کہ یہ کلام حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے یا نہیں؟

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾
كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ
خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا لَا
تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

اچھا یہ بھی بتا کہ اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو ○ کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے ○ یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے ○ چوٹی جو جھوٹی خطا کار ہے ○ یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ○ ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے ○ خبردار اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدے میں اور

قرب الٰہی کی طلب میں لگے رہنا ○

(آیت: ۱۳-۱۹) یہ حدیث مسند، مسلم، نسائی، ابن ابی حاتم میں بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی تم اس مردود کی بات نہ ماننا، عبادت پر مداومت کرنا اور بکثرت عبادت کرتے رہنا اور جہاں جی چاہے نماز پڑھتے رہنا اور اس کی مطلق پرواہ نہ کرنا، اللہ تعالیٰ خود تیرا حافظ و ناصر ہے، وہ تجھے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا، تو سجدے میں اور قرب اللہ کی طلب میں مشغول رہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے بہت ہی قریب ہوتا ہے، پس تم بہ کثرت سجدوں میں دعائیں کرتے رہو۔ پہلے یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ حضور ﷺ سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں اور اس سورت میں سجدہ کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۂ اقراء کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورة القدر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵ ع ۵ ۲۲

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع

یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا ○ تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ ○ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے ○ اس میں ہر کام کے سرانجام دینے کو اللہ کے حکم سے فرشتے اور روح اترتے ہیں ○ یہ رات سراسر سلامتی کی ہے فجر کے طلوع ہونے تک ○

غیر متعلقہ روایات اور بحث: ☆☆ (آیت: ۱-۵) مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو لیلتہ القدر میں نازل فرمایا ہے، اسی کا نام لیلتہ المبارکہ بھی ہے، اور جگہ ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے، جیسے فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ پورا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان اول پر بیت العزت میں اس رات اترا، پھر تفصیل وار واقعات کے مطابق بہ تدریج تئیس سال میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ لیلتہ القدر کی شان و شوکت کا اظہار فرماتا ہے کہ اس رات کی ایک زبردست برکت تو یہ ہے کہ قرآن کریم جیسی اعلیٰ نعمت اسی رات اتری، تو فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر لیلتہ القدر کیا ہے؟ پھر خود بتاتا ہے کہ یہ ایک رات ایک ہزار مہینہ سے افضل ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ ترمذی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں کہ یوسف بن سعد نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے جبکہ آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی کہا کہ تم نے ایمان والوں کے منہ کالے کر دیئے یا یوں کہا کہ اے مومنوں کے منہ سیاہ کرنے والے، تو آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے مجھ پر خفا نہ ہو نبی ﷺ کو دکھلایا گیا کہ گویا آپ کے ممبر پر بنو امیہ ہیں آپ کو یہ برا معلوم ہوا تو اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ نازل ہوئی یعنی جنت کی نہر کوثر آپ کو عطا کئے جانے کی خوش خبری ملی اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اتری، پس ہزار مہینے وہ مراد ہیں جن میں آپ کے بعد بنو امیہ

کی مملکت رہے گی، قاسم کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو وہ پورے ایک ہزار دن ہوئے نہ ایک دن زیادہ نہ ایک دن کم، امام ترمذی اس روایت کو غریب بتلاتے ہیں اور اس کی سند میں یوسف بن سعد ہیں جو مجہول ہیں اور صرف اسی ایک سند سے یہ مروی ہے۔

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے، امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ یہ یوسف مجہول ہیں اس میں ذرا تذبذب ہے، ان کے بہت سے شاگرد ہیں یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ مشہور ہیں اور ثقہ ہیں اور اس کی سند میں کچھ اضطراب جیسا بھی ہے واللہ اعلم بہرصورت ہے یہ روایت بہت ہی منکر ہمارے شیخ حافظ حجت ابوالحجاج منیری بھی اس روایت کو منکر بتلاتے ہیں (یہ یاد رہے کہ قاسم کا قول جو ترمذی کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو بنو امیہ کی سلطنت ٹھیک ایک ہزار دن تک رہی یہ نسخے کی غلطی ہے۔ ایک ہزار مہینے لکھنا چاہیئے تھا، میں نے ترمذی شریف میں دیکھا تو وہاں بھی ایک ہزار مہینے ہیں اور آگے بھی یہی آتا ہے مترجم) قاسم بن فضل حدائی کا یہ قول کہ بنو امیہ کی سلطنت کی ٹھیک مدت ایک ہزار مہینے تھی یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستقل سلطنت سنہ ۳ ہجری میں قائم ہوئی جبکہ حضرت امام حسنؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور امر خلافت آپ کو سونپ دیا اور سب لوگ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت پر جمع ہو گئے اور اس سال کا نام ہی عام الجماعہ مشہور ہوا۔ پھر شام وغیرہ میں برابر بنو امیہ کی سلطنت قائم رہی، ہاں تقریباً نو سال تک حرمین شریفین اور اہواز اور بعض شہروں پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سلطنت ہو گئی تھی لیکن تاہم اس مدت میں بھی کلیتہً ان کے ہاتھ سے حکومت نہیں گئی۔ البتہ بعض شہروں پر سے حکومت ہٹ گئی تھی ہاں سنہ ۱۳۲ھ میں بنو العباس نے اس سے خلافت اپنے قبضہ میں کر لی، پس ان کی سلطنت کی مدت بانوے برس ہوئی اور یہ ایک ہزار ماہ سے بہت زیادہ ہے، ایک ہزار مہینے کے تراسی سال چار ماہ ہوتے ہیں، ہاں قاسم بن فضل کا یہ حساب اس طرح تو تقریباً ٹھیک ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیر کی مدت خلافت اس گنتی میں سے نکال دی جائے واللہ اعلم۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ بنو امیہ کی سلطنت کے زمانہ کی تو برائی اور مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور لیلتہ القدر کی اس زمانہ پر فضیلت کا ثابت ہونا کچھ ان کے زمانہ کی مذمت کی دلیل نہیں، لیلتہ القدر تو ہر طرح بندگی والی ہے ہی اور یہ پوری سورت اس مبارک رات کی مدح وستائش بیان کر رہی ہے، پس بنو امیہ کے زمانہ کے دنوں کی مذمت سے لیلتہ القدر کی کون سی فضیلت ثابت ہو جائے گی یہ تو بالکل وہی مثل اصل ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ لکڑی سے بہت تیز ہے، کسی بہترین فضیلت والے شخص کو کسی کم درجہ کے ذلیل شخص پر فضیلت دینا تو اس شریف بزرگ کی توہین کرنا ہے، اور وجہ سنئے اس روایت کی بنا پر یہ ایک ہزار مہینے وہ ہوئے جن میں بنو امیہ کی سلطنت رہے گی اور یہ سورت اتری ہے، مکہ شریف میں تو اس میں ان مہینوں کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے جو بنو امیہ کے زمانہ کے ہیں، اس پر نہ تو کوئی لفظ دلالت کرتا ہے نہ معنی کے طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے، ممبر تو مدینہ میں قائم ہوتا ہے اور ہجرت کی ایک مدت بعد ممبر بنایا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے پس ان تمام وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ضعیف اور منکر ہے واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا جو ایک ہزار ماہ تک اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا، مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب معلوم ہوا تو اللہ عزوجل نے یہ سورت اتاری کہ ایک لیلتہ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا، صبح تک اور دن میں دشمنان دین سے جہاد کرتا تھا شام تک، ایک ہزار مہینے تک یہی کرتا رہا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس امت کے کسی شخص کا صرف لیلتہ القدر کا قیام اس عابد کی ایک ہزار مہینے کی اس عبادت سے افضل ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا

ذکر کیا جنہوں نے اسی سال تک خدا تعالیٰ کی عبادت کی تھی ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی، حضرت ایوب، حضرت ذکریا، حضرت خرقیل بن عجوز، حضرت یوشع بن نون علیہم السلام۔ اصحاب رسول ﷺ کو سخت تر تعجب ہوا، آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ آپ کی امت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپ پر نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اس سے جن پر آپ اور آپ کی امت نے تعجب ظاہر کیا تھا۔ پس آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ بے حد خوش ہوئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس رات کا نیک عمل، اس کا روزہ، اس کی نماز ایک ہزار مہینوں کے روزے بے نماز سے افضل ہے جن میں لیلتہ القدر نہ ہو، اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار مہینے جن میں لیلتہ القدر نہ ہو، یہی ٹھیک ہے اس کے سوا اور کوئی قول ٹھیک نہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک رات کی جہاد کی تیاری اس کے سوا کی ایک ہزار راتوں سے افضل ہے (مسند احمد) اسی طرح اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت سے جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس کے لئے ایک سال کے اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے سال بھر کے روزوں کا اور سال بھر کی نمازوں کا، اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، پس مطلب یہ ہے کہ مراد ایک ہزار مہینے سے وہ مہینے ہیں جن میں لیلتہ القدر نہ آئے جیسے ایک ہزار راتوں سے مراد راتیں ہیں جن میں کوئی رات اس عبادت کی نہ ہو اور جیسے جمعہ کی طرف جانے والے کو ایک سال کی نیکیاں یعنی وہ سال جس میں جمعہ نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو تم پر رمضان کا مہینہ آ گیا، یہ بابرکت مہینہ آ لگا، اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کئے ہیں، اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں، اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے، اس کی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے۔ نسائی شریف میں بھی یہ روایت ہے چونکہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے، اس لئے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لیلتہ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اس رات کی برکت کی زیادتی کی وجہ سے بکثرت فرشتے اس میں نازل ہوتے ہیں، فرشتے تو ہر برکت اور رحمت کے ساتھ نازل ہوتے رہتے ہیں جیسے تلاوت قرآن کے وقت اترتے ہیں اور ذکر کی مجلسوں کو گھیر لیتے ہیں اور علم دین کے سیکھنے والوں کے لئے راضی خوشی اپنے پر بچھا دیا کرتے ہیں اور اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ روح سے مراد یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، یہ خاص عطف ہے عام پر، بعض کہتے ہیں روح کے نام کے ایک خاص قسم کے فرشتے ہیں، جیسے کہ سورۂ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ کی تفسیر میں تفصیل سے گذر چکا واللہ اعلم۔ پھر فرمایا وہ سراسر سلامتی والی رات ہے جس میں شیطان نہ تو برائی کر سکتا ہے نہ ایذا پہنچا سکتا ہے۔ حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس میں تمام کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے، عمر اور رزق مقدر کیا جاتا ہے، جیسے اور جگہ ہے فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ یعنی اسی رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں فرشتے مسجد والوں پر صبح تک سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علی کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں نمازیوں پر ان کے گذرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں وارد کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک عجیب و غریب بہت طول طویل اثر وارد کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہیٰ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ زمین پر آنا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں کرنا وارد ہے۔ ابو داؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر ستائیسویں ہے یا انتیسویں، اس رات میں فرشتے

زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ فرماتے ہیں اس رات میں ہر امر سے سلامتی ہے یعنی کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ رات سراسر سلامتی والی ہے' کوئی برائی صبح ہونے تک نہیں ہوتی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلۃ القدر دس باقی کی راتوں میں ہے جو ان کا قیام طلب ثواب کی نیت سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے' یہ رات اکائی کی ہے یعنی اکیسویں یا تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا آخری رات' آپ فرماتے ہیں یہ رات بالکل صاف اور ایسی روشن ہوتی ہے کہ گویا چاند چڑھا ہوا ہے' اس میں سکون اور دلجمعی ہوتی ہے' نہ سردی زیادہ ہوتی ہے نہ گرمی' صبح تک ستارے نہیں جھڑتے' ایک نشانی اس کی یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج تیز شعاروں سے نہیں نکلتا بلکہ وہ چودہویں رات کے چاند کی طرح صاف نکلتا ہے' اس دن اس کے ساتھ شیطان بھی نہیں نکلتا' یہ اسناد تو صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے اور بعض الفاظ میں نکارت بھی ہے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلۃ القدر صاف' پرسکون' سردی گرمی سے خالی رات ہے' اس کی صبح کو سورج مدھم روشنی والا سرخ رنگ نکلتا ہے۔ حضرت ابوعاصم نبیل اپنی اسناد سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا لیلۃ القدر دکھلایا گیا پھر بھلا دیا گیا' یہ آخری دس راتوں میں ہے یہ صاف شفاف سکون ووقار والی رات ہے نہ زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی' اس قدر روشن رات ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے گویا چاند چڑھا ہوا ہے سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا یہاں تک کہ دھوپ چڑھ جائے۔

فصل: ☆☆ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ لیلۃ القدر اگلی امتوں میں بھی تھی یا صرف اسی امت کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی ہے' پس ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب نظریں ڈالیں اور یہ معلوم کیا کہ اگلے لوگوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں تو آپ کو خیال گذرا کہ میری امت کی عمریں ان کے مقابلہ میں کم ہیں تو نیکیاں بھی کم رہیں گی اور پھر درجات اور ثواب میں بھی کمی رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ رات عنایت فرمائی اور اس کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ دینے کا وعدہ فرمایا' اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی امت کو یہ رات دی گئی ہے بلکہ صاحب عدق نے جو شافعیہ میں سے ایک امام ہیں جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور خطابی نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن ایک حدیث اور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات جس طرح اس امت میں ہے اگلی امتوں میں بھی تھی۔ چنانچہ حضرت مرثد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے لیلۃ القدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو میں حضورؐ سے اکثر باتیں دریافت کرتا رہتا تھا' ایک مرتبہ میں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو فرمائیے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہے یا اور مہینوں میں؟ آپ نے فرمایا رمضان میں۔ میں نے کہا اچھا یا رسول اللہ یہ انبیاء کے ساتھ ہی ہے کہ جب تک وہ ہیں یہ بھی ہے جب انبیاء قبض کئے جاتے ہیں تو یہ بھی اٹھ جاتی ہیں یا یہ قیامت تک باقی رہے گی؟ حضور نے جواب دیا کہ نہیں وہ قیامت تک باقی رہے گی' میں نے کہا اچھا رمضان کے کس حصہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا اسے رمضان کے اول دہے میں اور آخری دہے میں ڈھونڈ۔ پھر میں خاموش ہو گیا آپ بھی اور باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے پھر موقعہ پا کر سوال کیا کہ حضورؐ ان دونوں عشروں میں سے کس عشرے میں اس رات کو تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا آخری عشرے میں' بس اب کچھ نہ پوچھنا' میں پھر چپکا ہو گیا لیکن پھر موقعہ پا کر میں نے سوال کیا کہ حضورؐ آپ کو قسم ہے میرا بھی کچھ حق آپ پر ہے فرما دیجئے کہ وہ کون سی رات ہے؟ آپ سخت غصے ہوئے' میں نے تو کبھی آپ کو اپنے اوپر اتنا غصہ ہوتے ہوئے دیکھا ہی نہیں اور فرمایا آخری ہفتہ میں تلاش کر و اب کچھ نہ پوچھا۔ یہ روایت نسائی میں بھی مروی ہے'

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات اگلی امتوں میں بھی تھی اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات نبی ﷺ کے بعد بھی قیامت تک ہر سال آتی رہے گی، بعض شیعہ کا قول ہے کہ یہ رات بالکل اٹھ گئی یہ قول غلط ہے، ان کو غلط فہمی اس حدیث سے ہوئی ہے جس میں ہے کہ وہ اٹھا لی گئی اور ممکن ہے کہ تمہارے لئے اسی میں بہتری ہو، یہ حدیث پوری بھی آئے گی۔

مطلب حضور کے اس فرمان سے یہ ہے کہ اس رات کی تعیین اور اس کا تقرر اٹھ گیا نہ یہ کہ سرے سے لیلتہ القدر ہی اٹھ گئی مندرجہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رات رمضان شریف میں آتی ہے کسی اور مہینہ میں نہیں۔ حضرت ابن مسعود اور علماء کوفہ کا قول ہے کہ سارے سال میں ایک رات ہے اور ڈ ذ ہر مہینہ میں اس کا ہو جانا ممکن ہے، یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے لیلتہ القدر سارے رمضان میں ہے، پھر حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ سے لیلتہ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سارے رمضان میں ہے، اس کی سند کے کل راوی ثقہ ہیں، یہ موقوف بھی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ رمضان المبارک کے سارے مہینہ میں اس رات کا ہونا ممکن ہے، غزالی نے اس کو نقل کیا ہے لیکن رافعی اسے بالکل غریب بتلاتے ہیں۔

فصل: ☆☆ ابوزرین تو فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات ہی لیلتہ القدر ہے۔ امام شافعی محمد بن ادریسؒ کا فرمان ہے کہ یہ سترھویں شب ہے، ابوداؤد میں اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع مروی ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن العاص سے موقوف بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا گیا ہے، اس کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ رمضان المبارک کی یہی سترھویں رات شب جمعہ تھی اور یہی رات بدر کی رات تھی اور سترھویں تاریخ کو جنگ بدر واقع ہوئی تھی جس دن کو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ انیسویں رات لیلتہ القدر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکیسویں رات ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان شریف کے دس پہلے دن کا اعتکاف کیا، ہم بھی آپ کے ساتھ ہی اعتکاف بیٹھے پھر آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو آپ کے آگے ہے، پھر آپ نے دس سے بیس تک کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی، پھر جبرئیلؑ آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی بھی آگے ہے، یعنی لیلتہ قالقدر پس رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں میں نے لیلتہ القدر دیکھ لی لیکن میں بھول گیا۔ لیلتہ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے، میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجور کے پتوں کی تھی، آسمان پر اس وقت ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ تھا، پھر ابر اٹھا اور بارش ہوئی اور نبی ﷺ کا خواب سچا ہوا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ کی پیشانی پر تر مٹی لگی ہوئی تھی۔ اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تمام روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح یہی حدیث ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلتہ القدر رمضان شریف کی تئیسویں رات ہے، اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی صحیح مسلم والی ایسی ہی ایک روایت ہے واللہ اعلم۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے، ابوداؤد طیالسی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر چوبیسویں شب ہے، اس کی سند بھی صحیح ہے، مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں۔ بخاری میں حضرت بلال کہ یہ پہلی ساتویں ہے آخری دس میں سے، یہ موقوف روایت ہی صحیح ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعود، ابن عباس، جابر، حسن، قتادہ، عبداللہ بن وہب

رحمہم اللہ عنہم بھی فرماتے ہیں کہ چوبیسویں رات لیلتہ القدر ہے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت کی ہوئی مرفوع حدیث بیان ہو چکی ہے کہ قران کریم رمضان شریف کی چوبیسویں رات کو اترا' بعض کہتے ہیں پچیسویں رات لیلتہ القدر ہے' ان کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرے میں ڈھونڈو نو باقی رہیں تب' سات باقی رہیں تب' پانچ باقی رہیں تب اکثر محدثین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد طاق راتیں ہیں' یہی زیادہ ظاہر ہے اور زیادہ مشہور ہے' گو بعض اوروں نے اسے جفت راتوں پر بھی محمول کیا ہے جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ نے اسے جفت پر محمول کیا ہے واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے' اس کی دلیل صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ ستائیسویں رات ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت زرؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرماتے ہیں جو شخص سال بھر راتوں کو قیام کرے گا وہ لیلتہ القدر کو پائے گا' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے وہ جانتے ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے' یہ ستائیسویں رات رمضان کی ہے پھر اس بات پر حضرت ابی نے قسم کھائی۔ میں نے پوچھا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا کہ ان نشانیوں کو دیکھنے سے جو ہم بتائے گئے ہیں کہ اس دن سورج شعاؤں بغیر نکلتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے' آپ نے اس پر انشاء اللہ بھی نہیں فرمایا اور پختہ قسم کھالی' پھر فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کون سی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے' یہ ستائیسویں رات ہے' اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ نکلتا ہے اور تیزی زیادہ نہیں ہوتی حضرت معاویہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا مختار مسلک بھی یہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی ہے۔

بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے اس طرح کہ ھی اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں یہ فاللہ اعلم' طبرانی میں ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب رسول ﷺ کو جمع کیا اور ان سے لیلتہ القدر کی بابت سوال کیا تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری دہے میں ہے' ابن عباسؓ نے اس وقت فرمایا کہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کون سی رات ہے' حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کہو وہ کون سی رات ہے؟ فرمایا اس آخری عشرے میں سات گرنے پر یا سات باقی رہنے پر' حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہوا تو جواب دیا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آسمان بھی سات پیدا کئے اور زمینیں بھی سات بنائیں' مہینہ بھی ہفتوں پر ہے' انسان کی پیدائش بھی سات پر ہے' کھانا بھی سات ہے سجدہ بھی سات پر ہے' طواف بیت اللہ کی تعداد بھی سات کی ہے' رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں اور اسی طرح کی سات کی گنتی کی بہت سی چیزیں اور بھی گنوادیں' حضرت فاروق اعظم نے فرمایا تمہاری سمجھ وہاں پہنچی جہاں تک ہمارے خیالات کو رسائی نہ ہو سکی' یہ جو فرمایا سات ہی کھاتا ہے اس سے قرآن کریم کی آیتیں فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا مراد ہیں جن میں سات چیزوں کا ذکر ہے جو کھائی جاتی ہیں' اس کی اسناد بھی جید اور قوی ہے کہ انتیسویں رات ہی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اسے آخری عشرے میں ڈھونڈو' طاق راتوں میں اکیس' تئیس' پچیس' ستائیس اور انتیس یا آخری رات۔ مسند میں ہے کہ لیلتہ القدر ستائیسویں رات ہے یا انتیسویں۔ اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ

ہوتے ہیں، اس کی اسناد بھی اچھی ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ آخری رات لیلتہ القدر ہے کیونکہ ابھی جو حدیث گذری اس میں ہے اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے کہ جب نو باقی رہ جائیں یا سات یا پانچ یا تین یا آخری رات یعنی ان راتوں میں لیلتہ القدر کی تلاش کرو، امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند میں ہے یہ آخری رات ہے۔

فصل: ☆☆ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مختلف حدیثوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ یہ سوالوں کا جواب ہے کسی نے کہا حضرت ہم اسے فلاں رات میں تلاش کریں، تو آپ نے فرما دیا ہاں حقیقت یہ ہے کہ لیلتہ القدر مقرر ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی، امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا اسی معنی کا قول نقل کیا ہے۔ ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ آخری عشرے کی راتوں میں یہ پھیر بدل ہوا کرتی ہے امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، ابوثور مزنیؒ، ابوبکر بن خزیمہ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے، امام شافعی سے بھی قاضی نے یہی نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم۔ اس قول کی تھوڑی بہت تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ چند اصحاب رسول ﷺ خواب میں لیلتہ القدر رمضان کی سات پچھلی راتوں میں دکھائے گئے آپ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بارے میں موافق ہیں، ہر طلب کرنے والے کو چاہئے کہ لیلتہ القدر کو ان سات آخری راتوں میں تلاش کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے اس فرمان پر کہ لیلتہ القدر ہر رمضان میں ایک معین رات ہے اور اس کا ہیر پھیر نہیں ہوتا، یہ حدیث دلیل بن سکتی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لئے کہ فلاں رات لیلتہ القدر ہے نکلے، دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لئے آیا تھا لیکن فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے وہ اٹھا لی گئی اور ممکن ہے کہ اسی میں تمہاری بہتری ہو، اب اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو، وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کا تعین ہمیشہ کے لئے نہ ہوتا تو ہر سال کی لیلتہ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا، اگر لیلتہ القدر کا ہیر پھیر ہوتا رہتا تو صرف اس سال کے لئے تو معلوم ہو جاتا۔

کہ فلاں رات ہے لیکن اور برسوں کے لئے تعین نہ ہوتی۔ ہاں یہ ایک جواب اس کا ہو سکتا ہے کہ آپ صرف اسی سال کی اس مبارک رات کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑا خیر و برکت اور نفع دینے والے علم کو غارت کر دیتا ہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے گناہ کے باعث خدا کی روزی سے محروم رکھ دیا جاتا ہے، یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو آپ نے فرمایا کہ وہ اٹھا لی گئی اس سے مراد اس کی تعیین کے علم کا اٹھا لیا جانا ہے نہ یہ کہ بالکل لیلتہ القدر ہی دنیا سے اٹھا لی گئی، جیسے کہ جاہل شیعہ کا قول ہے، اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ اس لفظ کے بعد ہی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو، آپ کا یہ فرمان کہ ممکن ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو یعنی اس کی مقرر تعیین کا علم نہ ہونے میں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ مبہم ہے تو اس کا ڈھونڈنے والا جن جن راتوں میں اس کا ہونا ممکن دیکھے گا ان تمام راتوں میں کوشش و خلوص کے ساتھ عبادت میں لگا رہے گا بخلاف اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات ہی ہے تو وہ صرف اسی ایک رات کی عبادت کرے گا، کیونکہ ہمتیں پست ہیں، اس لئے حکمت حکیم کا تقاضا یہی ہوا کہ اس رات کی تعیین کی خبر نہ دی جائے تاکہ اس رات کے پالینے کے شوق میں اس مبارک مہینہ میں جی لگا کر اور دل کھول کر بندے اپنے معبود برحق کی بندگی کریں اور آخری عشرے میں تو پوری کوشش اور خلوص کے ساتھ عبادتوں میں مشغول رہیں۔ اسی لئے خود پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اپنے انتقال تک رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے اور آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آخری دس راتیں رمضان شریف کی رہ جاتیں تو اللہ کے رسول ﷺ ساری رات جاگتے اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور کمر کس لیتے (صحیحین)

مسلم شریف میں ہے کہ حضور ان دنوں میں جس محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی محنت سے عبادت آپ کی اور وقت نہیں ہوتی تھی، یہی معنی ہیں اوپر والی حدیث کے اس جملے کے کہ آپ تہمد مضبوط باندھ لیا کرتے یعنی کمر کس لیا کرتے، یعنی عبادت میں پوری کوشش کرتے، گو اس کے یہ معنی کئے گئے ہیں کہ آپ بیویوں سے نہ ملتے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں مراد ہوں یعنی بیویوں سے ملنا بھی ترک کر دیتے تھے اور عبادت کی مشغولی میں بھی کمر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری دہا باقی رہ جاتا تو آپ تہمد مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان کی آخری دسوں راتوں میں لیلتہ القدر کی یکساں جستجو کرے، کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہ دے (شرح راضحیٰ)۔ یہ بھی یاد رہے کہ یوں تو ہر وقت دعا کی کثرت مستحب ہے لیکن رمضان میں اور زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرے میں اور بالخصوص طاق راتوں میں اس دعا کو بہ کثرت پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ خدا تو درگذر کرنے والا اور درگذر کو پسند فرمانے والا ہے مجھ سے بھی درگذر فرما۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلتہ القدر سے موافقت ہو تو میں کیا دعا پڑھوں؟ آپ نے یہی دعا بتلائی۔ یہ حدیث ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے، امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ مروی ہے اور امام حاکم اسے شرط صحیحین پر صحیح بتلاتے ہیں، ایک عجیب وغریب اثر جس کا تعلق لیلتہ القدر سے ہے۔

امام ابو محمد بن ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سورت کی تفسیر میں حضرت کعب سے یہ روایت وارد کی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جو ساتویں آسمان کی حد پر جنت سے متصل ہے جو دنیا اور آخرت کے فاصلہ پر ہے، اس کی بلندی جنت میں ہے، اس کی شاخیں اور ڈالیاں کرسی تلے ہیں، اس میں اس قدر فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اس کی ہر ہر شاخ پر بیشمار فرشتے ہیں، ایک بال برابر بھی جگہ ایسی نہیں جو فرشتوں سے خالی ہو، اس درخت کے بیچوں بیچ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل کو آواز دی جاتی ہے کہ اے جبرئیل لیلتہ القدر میں اس درخت کے تمام فرشتوں کو لے کر زمین پر جاؤ، یہ کل کے کل فرشتے رافت ورحمت والے ہیں، جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لئے رحم کے جذبات موج زن ہیں، سورج غروب ہوتے ہی یہ کل کے کل فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ لیلتہ القدر میں اترتے ہیں، تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں، ہر ہر جگہ سجدے میں قیام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں، ہاں گرجا گھر میں، مندر میں، آتش کدے میں، بت خانے میں غرض خدا کے سوا اوروں کی جہاں پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے اور ان جگہوں میں بھی جن میں تم گندی چیزیں ڈالتے ہو اور اس گھر میں بھی جہاں نشے والا شخص ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا ہوا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں یا ہیولے ہو یا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے نہیں، باقی چپے چپے پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں عورتوں کے لئے دعائیں مانگنے میں گذارتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں، اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں، دل نرم پڑ جائے، آنکھیں بہہ نکلیں اس وقت آدمی کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت میرا ہاتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت کعبؒ فرماتے ہیں جو شخص اس رات میں تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے اس کی پہلی مرتبہ کے پڑھنے پر گناہوں کی بخشش ہو جاتی

ہے، دوسری مرتبہ کے کہنے پر آگ سے نجات مل جاتی ہے، تیسری مرتبہ کے کہنے پر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ اے ابواسحاق جو اس کلمہ کو سچائی سے کہے اس کے؟ فرمایا یہ تو نکلے گا ہی اس کے منہ سے جو سچائی سے اس کا کہنے والا ہو، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لیلۃ القدر کافر و منافق پر تو اتنی بھاری پڑتی ہے کہ گویا اس کی پیٹھ پر پہاڑ آ پڑا۔ غرض فجر ہونے تک فرشتے اسی طرح رہتے ہیں، پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیلؑ چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں بالخصوص ان دو سبز پروں کو جنہیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے، یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعائیں جاتی رہتی ہیں، پھر ایک ایک فرشتے کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں، پس فرشتوں کا نور اور جبرئیل علیہ السلام کے پروں کا نور مل کر سورج کو ماند کر دیتا ہے، اس دن سورج متحیر رہ جاتا ہے، حضرت جبرئیل اور یہ سارے کے سارے بیشمار فرشتے یہ دن آسمان و زمین کے درمیان مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے رحمت کی دعائیں مانگنے میں اور ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرنے میں گذار دیتے ہیں نیک نیتی کے ساتھ روزے رکھنے والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کا یہ خیال رہا کہ اگلے سال بھی اگر خدا نے زندگی رکھی تو رمضان کے روزے عمدگی کے ساتھ پورے کریں گے، یہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں، شام کو آسمان دنیا پر چڑھ جاتے ہیں وہاں کے تمام فرشتے حلقے باندھ باندھ کر ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے بارے میں ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کو امسال تم نے کس حالت میں پایا، تو یہ کہتے ہیں کہ گذشتہ سال تو ہم نے اسے عبادتوں میں پایا تھا لیکن اس سال تو وہ بدعتوں میں مبتلا تھا اور فلاں شخص گذشتہ سال بدعتوں میں مبتلا تھا لیکن اس سال ہم نے اسے سنت کے مطابق عبادتوں میں پایا، پس یہ فرشتے اس سے پہلے شخص کے لئے بخشش کی دعائیں مانگنی موقوف کر دیتے ہیں اور اس دوسرے شخص کے لئے شروع کر دیتے ہیں اور یہ فرشتے انہیں سناتے ہیں کہ فلاں فلاں کو ہم نے ذکر اللہ میں پایا اور فلاں کو رکوع میں اور فلاں کو سجدے میں اور فلاں کو کتاب اللہ کی تلاوت میں، غرض ایک رات دن یہاں گذار کر دوسرے آسمان پر جاتے ہیں، یہاں بھی یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ مجھ میں بسنے والو میرا بھی تم پر حق ہے، میں بھی ان سے محبت رکھتا ہوں جو خدا سے محبت رکھیں ذرا مجھے بھی تو لوگوں کی حالت کی خبر دو اور ان کے نام بتاؤ۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد و عورت کا مع ولدیت کے نام بتلاتے ہیں پھر جنت سدرۃ المنتہیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں تجھے دی ہیں مجھ سے بھی تو بیان کر، چنانچہ سدرہ اس سے ذکر کرتا ہے یہ سن کر وہ کہتی ہے خدا کی رحمت ہو فلاں مرد پر اور فلاں عورت پر، خدایا تمہیں جلدی مجھ سے ملا۔ جبرئیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں انہیں الہام ہوتا ہے اور یہ عرض کرتے ہیں پروردگار میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انہیں بخش، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخشا، حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو سناتے ہیں، پھر سب کہتے ہیں فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی، پھر حضرت جبرئیل خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گذشتہ سال تو عامل سنت اور عابد چھوڑا تھا لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا ہے اور تیرے احکام سے روگردانی کر لی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبرئیل اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لے گا تو میں اسے بخش دوں گا اس وقت حضرت جبرئیل بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں خدایا تیرے ہی لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں، الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے، بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے، اس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آ جاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں اَلْحَمْدُ

لِلّٰهِ الرَّحِیۡمِ - اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ الرَّحِیۡمِ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے پورے کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ رمضان کے بعد بھی میں گناہوں سے بچتا رہوں گا وہ بغیر سوال جواب کے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو گا، سورۂ لیلتہ القدر کی تفسیر الحمدللہ ختم ہوئی-

تفسیر سورة البینة

سات قراءت اور قرآن حکیم: ☆☆ جب یہ سورت اتری تو حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اللہ کا آپ کو حکم ہوا ہے کہ یہ سورت حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو سناؤ حضورؐ نے حضرت ابی سے یہ ذکر کیا تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ کیا وہاں میرا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا ہاں ہاں تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ رو پڑے- مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا؟ یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے-

مسند کی اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابیؓ نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابزائے نے کہا کہ پھر تو تم اے ابو منذر بہت ہی خوش ہوئے ہو گے، کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا؟ خدا خود فرماتا ہے قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ لوگ خوش ہوا کریں یہ ان کے جمع کئے ہوئے سے بہت ہی بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور نے یہ سورت حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھی اس میں یہ آیت بھی تھی لَوۡ اَنَّ ابۡنَ اٰدَمَ سَاَلَ وَادِيًا مِنۡ مَّالٍ فَاُعۡطِيَهٗ لَسَئَالَ ثَانِياً وَّلَوۡ سَئَالَ ثَانِيًا فَاُعۡطِيَهٗ لَسَئَالَ ثَالِثًا وَلَا يَمۡلَاُ جَوۡفَ ابۡنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ تَابَ وَاِنَّ ذَاتَ الدِّيۡنِ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡحَنِيۡفَةُ غَيۡرَ الۡمُشۡرِكَةِ وَلَا الۡيَهُوۡدِيَّةِ وَلَا النَّصۡرَانِيَّةِ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ خَيۡرًا فَلَنۡ يُّكۡفَرَهٗ یعنی اگر انسان مجھ سے ایک جنگل بھر کر سونا مانگے اور میں اسے دے دوں تو پھر دوسرا مانگے گا اور دوسرے کو بھی دے دوں تو یقیناً تیسرے کی طلب کرے گا، انسان کے پیٹ کو سوا مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے، اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یکطرفہ ہو کر صرف اس کی عبادت کرے، نہ وہ مشرک ہو نہ یہودی ہو نہ نصرانی ہو، جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے اللہ کے ہاں اس کی ناقدری نہ کی جائے گی (مسند احمد)

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے- طبرانی میں ہے کہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ حضرت میں اللہ پر ایمان لایا، آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا، آپ ہی سے علم دین حاصل کیا، آپ نے پھر یہی فرمایا- اس پر حضرت ابی نے فرمایا یا رسول اللہ کیا میرا وہاں ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا تیرے نام سب کے ساتھ مَلَاُ الۡاَعۡلٰى میں تیرا ذکر ہوا حضرت ابی نے فرمایا اچھا پھر پڑھئے، یہ روایت اس طریقہ سے غریب ہے اور ثابت وہ ہے جو پہلے بیان ہوا-

یہ یاد رہے کہ حضور کا اس سورت کو حضرت ابی کے سامنے پڑھنا یہ ان کی ثابت قدمی اور ان کے ایمان کی زیادتی کے لئے تھا- مسند احمد نسائی ابوداؤد اور مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات سن کر حضرت ابیؓ بگڑ بیٹھے تھے کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو آنحضرت ﷺ سے سیکھا تھا حضرت عبداللہ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا تو غصے میں آ کر انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے حضورؐ نے ان دونوں سے قرآن سنا، اس نے اپنے طریقے پر، اس نے اپنے طور پر پڑھا، آپ نے فرمایا دونوں نے درست پڑھا- حضرت ابیؓ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک و شبہ میں پڑ گیا کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک سامنے آ گیا آپ نے یہ حالت دیکھ کر میرے

سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جس سے میں پسینوں پسینوں ہو گیا اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا سن جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا خدا کا حکم ہے کہ قرآن ایک ہی قرات پر اپنی امت کو پڑھاؤ' میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں' پھر مجھے دو طرح کی قراتوں کی اجازت ہوئی لیکن میں پھر بھی زیادہ طلب کرتا رہا یہاں تک کہ سات قراتوں کی اجازت ملی۔ یہ حدیث بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے تفسیر کے شروع میں پوری طرح بیان ہو چکی ہے اب جبکہ یہ مبارک سورت نازل ہوئی اور اس میں آیت رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ بھی نازل ہوئی تھی اس لئے حضور کو حکم ہوا کہ بطور پہنچا دینے کے اور ثابت قدمی عطا فرمانے کے اور آگاہی کرنے کے پڑھ کر حضرت ابی کو سنا دیں' کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ بطور سیکھنے کے اور یاد رہنے کے آپ نے یہ سورت ان کے پاس تلاوت کی تھی واللہ اعلم۔ پس جس طرح آپ نے حضرت ابیؓ کے اس دن کے شک و شبہ کے دفع کرنے کے لئے جو انہیں مختلف قراتوں کو حضورؐ کے جائز رکھنے پر پیدا ہوا تھا ان کے سامنے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی' ٹھیک اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بھی حدیبیہ والے سال صلح کے معاملہ پر اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے بہت سے سوالات حضورؐ سے کئے تھے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ شریف جائیں گے اور طواف کریں گے' آپ نے فرمایا ہاں یہ تو ضرور کہا تھا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال یہ ہوگا' یقیناً وہ وقت آ رہا ہے کہ تو وہاں پہنچے گا اور طواف کرے گا' اب حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورۂ فتح نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو بلوایا اور یہ سورت پڑھ کر سنائی جس میں یہ آیت بھی ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا یقیناً تمہارا داخلہ مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ ہوگا جیسے کہ پہلے اس کا بیان بھی گذر چکا۔ حافظ ابو نعیم اپنی کتاب اسماء صحابہ میں حدیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب سورۂ لَمْ یَكُنِ کی قرات سنتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے خوش ہو جا مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے جنت میں ایسا ٹھکانا دوں گا کہ تو خوش ہو جائے گا' یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ میں تجھے دنیا اور آخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہ بھولوں گا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا
اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ
وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤

اللہ تعالیٰ رحم و کرم کرنے والے کے نام سے شروع

اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آ جائے باز رہنے والے نہ تھے ○ ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھے ○ جن میں صحیح اور

درست احکام ہیں ○ اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آ جانے کے بعد ہی اختلاف میں پڑ کر متفرق ہو گئے ○ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی دین درست اور مضبوط ہے ○

پاک وشفاعت اوراق کی زینت قرآن حکیم: ☆☆ (آیت:۱-۵) اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد بت پرست عرب اور آتش پرست عجمی ہیں، فرماتا ہے کہ یہ لوگ بغیر دلیل کے آ جانے کے باز رہنے والے نہ تھے۔ پھر بتلایا کہ وہ دلیل اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں جو پاک صحیفے یعنی قرآن کریم پڑھ سناتے ہیں، جو اعلیٰ فرشتوں میں پاک ورقوں میں لکھا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ کہ وہ نامی گرامی بلند و بالا پاک صاف ورقوں میں پاک باز نیکوکار بزرگ فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان پاک صحیفوں میں خدا کی لکھی ہوئی باتیں عدل واستقامت والی موجود ہیں، جن کے خدا کی جانب سے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، نہ ان میں کوئی خطا اور غلطی ہوئی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ رسول عمدگی کے ساتھ قرآنی وعظ کہتے ہیں اور اس کی اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔ ابن زید فرماتے ہیں ان صحیفوں میں کتابیں ہیں، استقامت اور عدل وانصاف والی۔

پھر فرمایا کہ اگلی کتابوں والے خدا کی حجتیں قائم ہو چکنے اور دلیلیں آ جانے کے بعد خدائی کلام کی مراد میں اختلاف کرنے لگے اور جدا جدا راہوں میں بٹ گئے، جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو مختلف طریقوں سے مروی ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے اور نصرانیوں کے بہتر اور اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے، سوا ایک کے سب جہنم میں جائیں گے، لوگوں نے پوچھا وہ ایک کون ہے؟ فرمایا وہ جو اس پر ہو جس پر میں اور میرے اصحابؓ ہیں پھر فرمایا کہ انہیں صرف اتنا ہی حکم تھا کہ خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف اپنے سچے معبود کی عبادت میں لگے رہیں، جیسے اور جگہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو، اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یکسو ہو کر یعنی شرک سے دور اور توحید میں مشغول ہو کر، جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور خدا کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ حنیف کی پوری تفسیر سورۂ انعام میں گذر چکی ہے جسے لوٹانے کی اب ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا نمازوں کو قائم کریں جو کہ بدن کی تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے رہیں یعنی فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے رہیں، یہی دین مضبوط، سیدھا، درست، عدل والا اور عمدگی والا ہے۔ بہت سے ائمہ کرام نے جیسے امام زہریؒ امام شافعیؒ وغیرہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں کیونکہ ان آیتوں میں خدائے تعالیٰ کی خلوص اور یکسوئی کے ساتھ کی عبادت اور نماز و زکوٰۃ کو دین فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝۷ جَزَاۗؤُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸ ع ۸ ۲۲

بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے' یہ لوگ بدترین خلائق ہیں ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور سنت کے مطابق نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں ○ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور یہ اس سے' یہ ہے اس کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرے ○

ساری مخلوق سے بہتر اور بدتر کون ہے؟ ☆☆ (آیت:۶-۸) اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے' وہ کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب خدا کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈل دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے' نہ وہاں سے نکلیں گے نہ چھوٹیں' یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں۔ پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں رہا کرتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں۔ اس آیت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان ہمیشگی والی جنتوں کی صورت میں ہے جن کے چپے چپے پر پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں' جن میں دوام اور ہمیشگی کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں' نہ اور کوئی کھٹکا ہے نہ غم' پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب' مرضی مولا انہیں حاصل ہو گئی ہے اور انہیں اس قدر نعمتیں جناب باری نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی بہ دل راضی ہو گئے ہیں۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ' یہ جزائے جزیل' یہ اجر عظیم' دنیا میں خدا سے ڈرتے رہنے کا عوض ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو' جس کی عبادت میں اخلاص ہو' جو جانتا ہو کہ خدا کی اس پر نظریں ہیں بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا خود وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز اٹھے اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور کڑکڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں' لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے۔ آؤ سب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ اللہ کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے'① سورۂ لم یکن کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورۃ الزلزال

جامع سورت اور عید قربان کے احکام: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا حضور مجھے پڑھایئے آپ نے فرمایا الروالی تین سورتیں پڑھو تو اس نے کہا بوڑھا بڑا ہو گیا' حافظہ کمزور ہو گیا' زبان موٹی ہو گئی تو آپ نے فرمایا اچھا حم والی سورتیں پڑھا کرو' اس نے پھر وہی عذر بیان کیا آپ نے فرمایا یسبح والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو' اس نے پھر وہی عذر بیان کیا اور درخواست کی کہ حضور ؐ مجھے تو کوئی جامع سورت کا سبق دے دیجئے تو آپ نے اسے یہ سوت پڑھائی جب پڑھا چکے تو وہ کہنے لگا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں کبھی اس پر زیادتی نہ کروں گا' پھر وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا اس مرد نے فلاح پالی یہ نجات کو پہنچ گیا' پھر فرمایا ذرا اسے بلا لانا' وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے بقر عید کا حکم کیا گیا ہے اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عید کا دن

بنایا ہے تو اس شخص نے کہا کہ اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہوا اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لئے کوئی جانور تحفتہ دے رکھا ہو تو کیا میں اس کو ذبح کر ڈالوں فرمایا نہیں نہیں، پھر تو تو اپنے بال کتروا نے ناخن پست کرا، زیر ناف کے بال لے، اللہ تعالیٰ عزوجل کے نزدیک تیری پوری قربانی یہی ہے، یہ حدیث مسند احمد، ابوداؤد و نسائی میں بھی ہے۔ ترمذی شریف کی اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس سورت کو پڑھے اسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے اِذَا زُلْزِلَت آدھے قرآن کے برابر ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا چوتھائی قرآن کے برابر، یہ حدیث بھی غریب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابیوں میں سے ایک سے فرمایا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا نہیں حضورؐ میرے پاس اتنا ہے ہی نہیں جو میں اپنا نکاح کر سکوں، آپ نے فرمایا قل ہو اللہ تیرے ساتھ نہیں؟ اس نے کہا ہاں یہ تو ہے فرمایا تہائی قرآن یہ ہوا، اِذَا جَآءَ نہیں؟ کہا وہ بھی ہے، فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا فرمایا کیا قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ یاد نہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی قرآن کے برابر یہ ہے جا اب نکاح کر لے یہ حدیث حسن ہے یہ تینوں حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿٢﴾
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ
اَوْحٰى لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
شَرًّا يَّرَهٗ ﴿٨﴾

ع ۸ ۲۴

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

جب زمین پوری طرح جھنجوڑ دی جائے گی ○ اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی ○ انسان کہنے لگے گا اسے کیا ہو گیا؟ ○ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی ○ اس لئے کہ تیرے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے ○ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس لوٹیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں ○ پس جس نے ذرے برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا ○ اور جس نے ذرے برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا ○

مرحلہ اور قیامت: ☆☆ (آیت:۱-۸) زمین نیچے سے اوپر تک کپکپانے لگے گی اور جتنے مردے اس میں ہیں سب نکال پھینکے گی، جیسے اور جگہ ہے یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ لوگو اپنے رب سے ڈرو، یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ اس دن کی بھونچال بڑی چیز ہے، اور جگہ ارشاد ہے وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ جبکہ زمین کھینچ کھانچ کر برابر ہموار کر دی جائے گی اور اس میں جو کچھ ہے وہ اسے باہر ڈال دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اگل دے گی، سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا، قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا کہ ہائے اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا، آج یہ یوں ادھر ادھر رل رہا ہے، کوئی آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہیں، اسی طرح صلہ رحمی توڑنے والا بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں آ کر رشتے داروں سے میں سلوک نہیں کرتا تھا، چور بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوا دیئے تھے غرض وہ

مال یونہی رلتا پھرے گا' کوئی نہیں لے گا۔ انسان اس وقت ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا یہ تو ہلنے جلنے والی نہ تھی' بالکل ٹھہری ہوئی بوجھل اور جمی ہوئی تھی' اسے کیا ہو گیا کہ یوں بید کی طرح تھرانے لگی؟ اور ساتھ ہی جب دیکھے گا کہ تمام پہلی پچھلی لاشیں بھی زمین نے اگل دیں تو اور حیران و پریشان ہو جائے گا کہ آخر اسے کیا ہو گیا ہے؟

پس زمین بالکل بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اس قہار خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے' زمین کھلے طور پر صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں نافرمانی اس پر کی ہے۔ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا جانتے بھی ہو کہ زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہوں گی؟ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے تو آپ نے فرمایا جو جو اعمال بنی آدم نے زمین پر کئے ہیں وہ تمام وہ ظاہر کر دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے' امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں۔ معجم طبرانی میں ہے کہ آپ نے فرمایا زمین سے بچو' یہ تمہاری ماں ہے جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے یہ اور سب کھول کھول کر بیان کر دے گی۔ یہاں وحی سے مراد حکم دینا ہے' اوحی اور اس کے ہم معنی افعال کا صلہ حرف لام بھی آتا ہے الی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ خدا اسے فرمائے گا کہ بتا اور وہ بتاتی جائے گی۔ اس دن لوگ حساب کی جگہ سے مختلف قسموں کی جماعتیں بن بن کر لوٹیں گے' کوئی بد ہو گا' کوئی نیک' کوئی جنتی بنا ہو گا کوئی جہنمی۔ یہ معنی بھی ہیں کہ یہاں سے جو الگ الگ ہوں گے تو پھر اجتماع نہ ہو گا' یہ اس لئے کہ وہ اپنے اعمال کو جان لیں اور بھلائی برائی کا بدلہ پالیں' اسی لئے آخر میں بھی بیان فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں اور ایک اجر پانے والا' ایک پردہ پوشی والا' ایک بوجھ اور گناہ والا' اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے' اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ڈھیلی ہو گئی اور یہ ادھر ادھر سے چرتا رہا تو یہ بھی گھوڑے والے کے لئے اجر کا باعث ہے اور اگر یہ رسی کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر ادھر چڑھ گیا تو اس کے نشان قدم اور لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے' اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی پی لے گو ارادہ وثواب ہے' دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے پال رکھا ہے کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن خدا کا حق نہ تو خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں' پس یہ اس کے لئے پردہ ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر و ریاکاری اور ظلم و ستم کے لئے پال رکھا ہے پس یہ اس کے ذمہ بوجھ اور اس پر گناہ کا بار ہے۔ پھر حضورؐ سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے آپ نے فرمایا مجھ پر خدا تعالیٰ کی جانب سے سوائے استنہا اور جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا کہ ذرے برابر نیکی اور اتنی ہی بدی ہر شخص دیکھ لے گا (مسلم)۔

حضرت صعصعہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو حضور کی زبانی یہ آیت سن کر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سنوں تو کوئی ضرورت نہیں (مسند احمد و نسائی) صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ آگ سے بچو' اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی ہو' اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو' گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلوا دے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کر لے۔ دوسری ایک صحیح حدیث میں ہے اے ایمان والی عورتو! تم اپنی پڑوسن کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیئے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک کھر ہی آیا ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دے دو گو جلا ہوا کھر ہی ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اے عائشہ! گناہوں کو حقیر نہ سمجھو' یاد رکھو کہ ان کا بھی حساب لینے والا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ یہ آیت اتری تو حضرت صدیق نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا اور پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا میں ایک ایک ذرے برابر کا بدلہ دیا جاؤں گا تو آپ نے فرمایا اے صدیق دنیا میں جو جو تکلیفیں تمہیں پہنچی ہیں یہ تو اس میں آ گئیں اور نیکیاں تمہارے لئے خدا کے ہاں ذخیرہ بنی ہوئی ہیں اور ان سب کا پورا

پورا بدلہ قیامت کے دن تمہیں دیا جائے گا۔ ابن جریر کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سن کر بہت روئے' حضور نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے یہ سورت رلا رہی ہے' آپ نے فرمایا اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور خدا انہیں بخشتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے یہ آیت سن کر پوچھا کہ حضور کیا مجھے اپنے سب اعمال دیکھنے پڑیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں پوچھا' بڑے بڑے' فرمایا ہاں پوچھا اور چھوٹے چھوٹے بھی' فرمایا ہاں' میں نے کہا ہائے افسوس' آپ نے فرمایا ابو سعید خوش ہو جاؤ' نیکی تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ تک خدا جسے چاہے دے گا ہاں گناہ اسی کے مثل ہوں گے یا اللہ تعالیٰ اسے بھی بخش دے گا' سنو کسی شخص کو صرف اس کے اعمال نجات نہ دے سکیں گے۔ میں نے کہا حضور کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا نہ مجھے ہی مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔ اس کے راویوں میں ایک ابن لہیعہ ہیں' یہ روایت صرف انہی سے مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب آیت وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ الخ' نازل ہوئی یعنی مال کی محبت کے باوجود مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ اگر ہم تھوڑی سی چیز راہ للہ دیں گے تو کوئی ثواب نہ ملے گا' مسکین ان کے دروازے پر آتا لیکن ایک آدھ کھجور یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ دینے کو حقارت خیال کر کے یونہی لوٹا دیتے تھے کہ اگر دیں تو کوئی اچھی محبوب و مرغوب چیز دیں' ادھر تو اس خیال کی ایک جماعت تھی دوسری جماعت وہ تھی جنہیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ ہوگی مثلاً کبھی کوئی جھوٹ بات کہہ دی کبھی ادھر ادھر نظریں ڈال لیں کبھی غیبت کر لی وغیرہ' جہنم کی وعید تو کبیرہ گناہوں پر ہے تو یہ آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ نازل ہوئی اور انہیں بتلایا گیا کہ چھوٹی سی نیکی کو حقیر نہ سمجھو یہ بڑی ہو کر ملے گی اور تھوڑے سے گناہ کو بھی بے جان نہ سمجھو کہیں تھوڑا تھوڑا مل کر بہت نہ بن جائے' ذرہ کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہیں یعنی نیکیوں کو اور برائیوں کو' چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اپنے نامہ اعمال میں دیکھ لے گا' بدی تو ایک ہی لکھی جاتی ہے' نیکی ایک کے بدلے دس بلکہ جس کے لئے خدا چاہے اس سے بھی بہت زیادہ بلکہ ان نیکیوں کے بدلے برائیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں' ایک ایک کے بدلے دس دس بدیاں معاف ہو جاتی ہیں' پھر یہ بھی ہے کہ جس کی نیکی برائی سے ایک ذرے کے برابر بڑھ گئی وہ جنتی ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان برائیوں کی مثال بیان کی کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اترے اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کریں پھر اگر انہیں سلگائی جائیں تو اس وقت آگ میں جو چاہیں پکا سکتے ہیں (اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں) سورۃ اذا زلزلت کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمد للہ۔

تفسیر سورۃ العادیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ

لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ
مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱ ع ۱۱ ۲۵

شروع اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم ○ پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی ○ پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی ○ پس اس وقت غبار اڑاتے ہیں ○ پھر فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں ○ یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ○ اور یقیناً وہ خود بھی اس سے باخبر ہے ○ یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے ○ کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں؟ جب قبروں کے مردے اٹھا کھڑے کر دیئے جائیں گے ○ اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی ○ بیشک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر ہے ○

انسان کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت:۱-۱۱) مجاہدین کے گھوڑے جبکہ خدا کی راہ کے جہاد کے لئے ہانپتے اور ہنہناتے ہوئے دوڑتے ہیں ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ قسم کھاتا ہے' پھر اس تیزی میں دوڑتے ہوئے پتھروں کے ساتھ ان کے نعل کا ٹکرانا اور اس رگڑ سے آگ کی چنگاریاں اڑنا' پھر صبح کے وقت دشمن پر ان کا چھاپہ مارنا اور دشمنان خدا کو تہہ و بالا کرنا۔ آنحضرت ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی کہ دشمن کی کسی بستی پر آپ جاتے تو وہاں رات کو ٹھہر کر کان لگا کر سنتے اگر اذان کی آواز آ گئی تو تو آپ رک جاتے' نہ آتی تو لشکر کو حکم دیتے کہ بزن بول دیں' پھر ان گھوڑوں کا گرد و غبار اڑانا اور ان سب کا دشمنوں کے درمیان گھس جانا' ان سب چیزوں کی قسم کھا کر پھر مضمون شروع ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ وَالْعَادِيَاتِ سے مراد اونٹ ہیں۔ حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا گھوڑے ہمارے بدر والے دن تھے ہی کب' یہ تو اس چھوٹے لشکر میں تھا جو بھیجا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص نے آ کر اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو بوقت جہاد دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں' پھر رات کے وقت یہ گھوڑے سوار مجاہد اپنے کیمپ میں آ کر کھانے پکانے کے لئے آگ جلاتے ہیں' وہ یہ پوچھ کر حضرت علیؓ کے پاس گیا آپ اس وقت زمزم کا پانی لوگوں کو پلا رہے تھے۔ اس نے آپ سے بھی یہی سوال کیا' آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی تم نے پوچھا ہے؟ کہا ہاں حضرت ابن عباس سے پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو خدا کی راہ میں دھاوا کریں حضرت علیؓ نے فرمایا جانا ذرا انہیں میرے پاس بلانا' جب وہ آ گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اور تم لوگوں کو فتوے دے رہے ہو' اللہ کی قسم پہلا غزوہ اسلام میں بدر کا ہوا' اس لڑائی میں ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے' ایک شخص حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا' دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا' تو عَادِيَاتِ ضَبْحًا یہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس سے مراد تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے والے اور پھر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانے والے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا اور حضرت علیؓ نے جو فرمایا تھا وہی کہنے لگا۔ مزدلفہ میں پہنچ کر حاجی بھی اپنی ہنڈیا روٹی کے لئے آگ سلگاتے ہیں غرض حضرت علیؓ کا فرمان یہ ہوا کہ اس سے مراد اونٹ ہیں اور یہی قول ایک جماعت کا ہے جن میں ابراہیم عبید بن عمیر وغیرہ ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے گھوڑے مروی ہیں۔

مجاہدؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عطاؒ سے مروی ہے کہ ضَبْح یعنی ہانپنا کسی جانور کے لئے نہیں ہوتا سوائے گھوڑے اور کتے کے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں ان کے منہ سے ہانپتے ہوئے جو آواز اح اح کی نکلتی ہے یہی ضبح ہے اور دوسرے جملے کے ایک تو معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ان گھوڑوں کی ٹاپوں کا پتھر سے ٹکرا کر آگ

پیدا کرنا' اور دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہین کہ ان کے سواروں کا لڑائی کی آگ کو بھڑکانا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑائی میں مکر و دھوکہ کرنا' اور یہ بھی مروی ہے کہ راتوں کو اپنی قیام گاہ پہنچ کر آگ روشن کرنا اور مزدلفہ میں حاجیوں کا بعد از مغرب پہنچ کر آگ جلانا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے زیادہ ٹھیک قول یہی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں کا پتھر سے رگڑ کھا کر آگ پیدا کرنا' پھر صبح کے وقت مجاہدین کا دشمنوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا۔ اور جن صاحبان نے اس سے مراد اونٹ لئے ہیں وہ فرماتے ہیں اس سے مراد مزدلفہ سے منی کی طرف صبح کو جانا ہے' پھر یہ سب کہتے ہیں کہ پھر ان کا جس مکان میں یہ اترے ہیں خواہ جہاد میں ہوں خواہ حج میں غبار اڑانا' پھر ان مجاہدین کا کفار کی فوجوں میں درانہ گھس جانا اور چیرتے پھاڑتے مارتے پچھاڑتے ان کے بیچ لشکر میں پہنچ جانا' اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ سب جمع ہو کر اس جگہ درمیان میں آ جاتے ہیں تو اس صورت میں جمعاً حال موکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ ابوبکر بزار میں اس جگہ ایک غریب حدیث ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر بھیجا تھا ایک مہینہ گذر گیا لیکن اس کی کوئی خبر نہ آئی اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس لشکر کی خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے گھوڑے ہانپتے ہوئے تیز چال سے گئے' ان کے سموں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں' انہوں نے صبح ہی صبح دشمنوں پر پوری یلغار کے ساتھ حملہ کر دیا' ان کی ٹاپوں سے گرد اڑ رہا تھا' پھر غالب آ کر سب جمع ہو کر بیٹھ گئے' ان قسموں کے بعد اب وہ مضمون بیان ہو رہا ہے جس پر قسمیں کھائی گئی تھیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا قدر دان نہیں' اگر کوئی دکھ درد کسی وقت آ گیا ہے تو وہ تو بخوبی یاد ہے لیکن خدائے تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں جو ہیں سب کو بھلائے ہوئے ہے۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ کنود وہ ہے جو تنہا کھائے' غلاموں کو مارے اور احسان سلوک نہ کرے' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ پھر فرمایا اللہ اس پر شاہد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود اس بات پر اپنا گواہ آپ ہے' اس کی ناشکری اس کے افعال و اقوال سے صاف ظاہر ہے۔ جیسے اور جگہ ہے شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ یعنی مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی نہیں ہو سکتی جبکہ یہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں۔ پھر فرمایا یہ مال کی چاہت میں بڑا سخت ہے یعنی اسے مال کی بے حد محبت ہے' اور یہ بھی معنی ہیں کہ اس محبت میں پھنس کر ہماری راہ میں دینے سے جی چراتا اور بخل کرتا ہے۔ پھر پروردگار عالم اسے دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت وہ آ رہا ہے کہ جب تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جو کچھ باتیں چھپی لگی ہوئی تھیں سب ظاہر ہو جائیں گی' سن لو ان کا رب ان کے تمام کاموں سے باخبر ہے اور ہر ایک عمل کا بدلہ پورا پورا دینے والا ہے' ایک ذرے کے برابر ظلم وہ روا نہیں رکھتا اور نہ رکھے۔ سورۂ عادیات کی تفسیر اللہ کے فضل و احسان سے ختم ہوئی' فالحمدللہ۔

تفسیر سورة القارعة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③ يَوْمَ
يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ④ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ
كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑥ فَهُوَ فِيْ
عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ⑦ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑧ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ⑨ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩ نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

ع ۱۱ ۲۶

اللہ تعالیٰ بہت مہربان بڑے رحم والے کے نام سے

کھڑکھڑا دینے والی ○ کیا۔ ہے وہ کھڑکھڑانے والی ○ تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے ○ جس دن انسان پراگندہ پروانوں کی طرح ہو جائیں گے ○ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ○ ہاں جس کا پلہ بھاری ہو گیا ○ وہ تو من مانتی آرام کی زندگی میں ہوگا ○ اور جس کی تول ہلکی ہوگی ○ اس کی ماں ہاویہ ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ وہ کیا ہے؟ ○ وہ تیز تند آگ ہے ○

اعمال کا ترازو: ☆☆ (آیت:۱-۱۱) قارعہ بھی قیامت کا ایک نام ہے جیسے حَآقَّۃُ طَآمَّہ' صَآخَّہ' غَاشِیَہ' وغیرہ اس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لئے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا' پھر خود بتلاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں' اور جگہ فرمایا ہے کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیں۔ پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے۔ پھر فرماتا ہے اس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائے گا' نیکوں کی بزرگی اور بروں کی اہانت کھل جائے گی' جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ گئیں وہ عیش و آرام کی جنت میں بسر کرے گا اور جس کی بدیاں نیکیوں پر چھا گئیں بھلائیوں کا پلڑا جھکا ہوگا وہ جہنمی ہو جائے گا' وہ منہ کے بل اوندھا جہنم میں گرا دیا جائے گا' ام سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائے گا' اور یہ بھی معنی ہیں کہ فرشتے جہنم میں اس کے سر پر عذابوں کی بارش برسائیں گے' اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لئے قرارگاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے' ھَاوِیَہ جہنم کا نام ہے اسی لئے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

حضرت اشعث بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دلجوئی اور تسکین کرو' یہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا' اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ تو مر چکا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں پھونکو اسے' وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب بسط سے ہے اور ہم نے بھی اسے کتاب صفۃ النار میں وارد کیا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آگ جہنم سے نجات دے' آمین۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے' بڑے شعلے مارنے والی بھلسا دینے والی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترھواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضرت ہلاکت کو تو یہی کافی ہے' آپ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ہر حصہ اس آگ جیسا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے' مسند کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا سترھواں حصہ ہونے کے بھی دو مرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے' اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھا سکتے' اور حدیث میں ہے یہ آگ سوواں حصہ ہے۔ طبرانی میں ہے جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور آگ جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود وہ آگ ہے' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہوئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہو گئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہو گئی' پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے' جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جس سے اس کا دماغ کھدبدیاں لے ہا ہوگا۔ صحیحین میں ہے کہ آگ نے اپنے رب کی طرف شکایت کی کہ خدایا میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو

پروردگار نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی' ایک جاڑے میں' ایک گرمی میں' پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اس کا سرد سانس ہے اور سخت گرمی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے' اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو' گرمی کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ الحمدللہ سورۂ قارعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة التكاثر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۳
ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ
الۡيَقِيۡنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ۝۷ ثُمَّ
لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ۝۸ ع ۸ ۲۷

بہت بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

زیادتی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا ○ یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے ○ نہیں نہیں تم معلوم کر لو گے ○ اور ابھی ابھی تمہیں علم ہو جائے گا ○ یوں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے ○ بیشک تم جہنم کو دیکھ لو گے ○ اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ○ پھر اس دن تم سے ضرور ضرور نعمتوں کا سوال ہوگا ○

مال و دولت اور اعمال: ☆☆ (آیت:۱-۸) ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت' اس کے پا لینے کی کوشش نے تمہیں آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے بے پرواہ کر دیا' تم اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں رہے کہ اچانک موت آ گئی اور تم قبروں میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اطاعت پروردگار سے' تم نے دنیا کی جستجو میں پھنس کر بے رغبتی کر لی اور مرتے دم تک غفلت برتی (ابن ابی حاتم) حسن بصریؒ فرماتے ہیں مال اور اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال پرے پھینک دیا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم لَوۡ كَانَ لِابۡنِ اٰدَمَ وَادٍ مِّنۡ ذَهَبٍ یعنی اگر ابن آدم کے پاس ایک جنگل بھر کر سونا ہو اسے قرآن کی آیت ہی سمجھتے رہے یہاں تک کہ اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل ہوئی۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب آیا تو آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ میرا مال میرا مال' حالانکہ تیرا مال صرف وہ ہے جسے تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پھاڑ دیا یا صدقہ دے کر باقی رکھ لیا' صحیح مسلم شریف میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو لوگوں کے لئے چھوڑ چھاڑ کر چل دے گا۔ بخاری کی حدیث میں ہے میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو تو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی ہے' گھر والے مال اور اعمال' اہل و مال لوٹ آئے' عمل ساتھ رہ گئے' مسند احمد کی حدیث میں ہے ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں' لالچ اور امنگ۔ حضرت ضحاکؒ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا' فرمایا تیرا تو اس وقت ہوگا کہ کسی نیک کام میں تو خرچ کر دے یا بطور شکر اللہ کے خرچ کرے۔ حضرت احنف نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا۔

اَنۡتَ لِلۡمَالِ اِذَا اَمۡسَكۡتَهٗ فَاِذَا اَنۡفَقۡتَهٗ فَالۡمَالُ لَكَ

یعنی جبکہ تو مال کو لے بیٹھا ہے تو تو مال کی ملکیت ہے ہاں جب اسے خرچ کر دے گا اس وقت مال تیری ملکیت میں ہو جائے گا۔

ابن بریدہؓ فرماتے ہیں بنو حارثہ اور بنو حارث انصار کے قبائل کے آپس میں فخر و غرور کرنے لگے ایک کہتا دیکھو ہم میں فلاں شخص ایسا بہادر ایسا جیوٹ یا اتنا بڑا مالدار وغیرہ ہے' دوسرے قبیلے والے اپنے میں سے ایسوں کو پیش کرتے تھے جب زندوں کے ساتھ یہ فخر و مباہات کر چکے تو کہنے لگے آؤ قبرستان میں چلیں' وہاں جا کر اپنے اپنے مردوں کی قبروں کی طرف اشارے کر کے کہنے لگے بتلاؤ اس جیسا بھی تم میں کوئی گذرا ہے' وہ انہیں اپنے مردوں کے ساتھ الزام دینے لگے اس پر یہ دونوں ابتدائی آیتیں اتریں کہ تم فخر و مباہات کرتے ہوئے قبرستان میں پہنچ گئے اور اپنے اپنے مردوں پر بھی فخر و غرور کرنے لگے' چاہئے تھا کہ یہاں آ کر عبرت حاصل کرتے' اپنا مرنا اور سڑنا گلنا یاد کرتے۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی زیادتی اور اپنی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایک ہو کر قبروں میں ٹھس گئے۔ مطلب یہ ہے کہ بہتات کی چاہت نے غفلت میں ہی رکھا یہاں تک کہ مر گئے اور قبروں میں دفن ہو گئے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک اعرابی کی بیمار پرسی کو گئے اور حسب عادت فرمایا کوئی ڈر خوف نہیں' انشاء اللہ گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہو گی' تو اس نے کہا آپ اسے خوب پاکی بتلا رہے ہیں' یہ تو وہ بخار ہے جو بوڑھے بڑوں پر جوش مارتا ہے اور قبر تک پہنچا کر رہتا ہے آپ نے فرمایا اچھا پھر یوں ہی سہی' اس حدیث میں بھی لفظ تُزِیْرُہُ الْقُبُوْرَ ہے اور یہاں قرآن میں بھی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مر کر قبر میں دفن ہونا ہی ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نہ اتری ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں ہی رہے' یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر فرمانے لگے مومن قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف' ایک اعرابی نے بھی ایک شخص کی زبانی ان دونوں آیتوں کی تلاوت سن کر یہی فرمایا تھا کہ اصل مقام اور ہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دھمکاتے ہوئے دو دو مرتبہ فرماتا ہے کہ حقیقت حال کا علم تمہیں ابھی ہو جائے گا' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مراد کفار ہیں دوبارہ مومن مراد ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تم علم یقینی کے ساتھ اسے معلوم کر لیتے یعنی اگر ایسا ہوتا تو تم غفلت میں نہ پڑتے اور مرتے دم تک اپنی آخری منزل آخرت سے غافل نہ رہتے' پھر جس چیز سے پہلے دھمکایا تھا اسی کا بیان کر رہا ہے کہ تم جہنم کو انہی ان آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اس کی ایک ہی جنبش کے ساتھ اور تو اور انبیاء علیہم السلام بھی ہیبت و خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے' اس کی عظمت اور دہشت ہر دل پر چھائی ہوئی ہو گی' جیسے کہ بہت سی حدیثوں میں بہ تفصیل مروی ہے۔

پھر فرمایا کہ اس دن تم سے نعمتوں کی باز پرس ہو گی' صحت' امن' رزق وغیرہ تمام نعمتوں کی نسبت سوال ہو گا کہ ان کا شکر کہاں تک ادا کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ ٹھیک دوپہر کو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے چلے' دیکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسجد میں آ رہے ہیں پوچھا کہ اس وقت کیسے نکلے ہو؟ کہا حضور جس چیز نے آپ کو نکالا ہے اسی نے مجھے بھی نکالا ہے' اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے ان سے بھی حضور نے یہی سوال کیا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا' پھر حضورؐ نے ان دونوں بزرگوں سے باتیں کرنی شروع کیں پھر فرمایا کہ اگر ہمت ہو تو اس باغ تک چلے چلو' کھانا پینا مل ہی جائے گا اور سائے دار جگہ بھی۔ ہم نے کہا بہت اچھا' پس آپ ہمیں لے کر ابوالہیثم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کے دروازہ پر آئے آپ نے سلام کیا اور اجازت چاہی' ام ہیثم انصاریہ دروازے کے پیچھے ہی کھڑی تھیں سن رہی تھیں لیکن اونچی آواز سے جواب نہیں دیا اس لالچ سے کہ خدا کے رسول اور زیادہ سلامی کی

دعا کریں اور کئی کئی مرتبہ آپ کا سلام سنیں، جب تین مرتبہ حضورؐ سلام کر چکے اور کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چل دیئے اب تو حضرت ابو الہیثم کی بیوی صاحبہ دوڑیں اور کہا حضور میں آپ کی آواز سن رہی تھی لیکن میرا ارادہ تھا کہ خدا کرے آپ کئی کئی مرتبہ سلام کریں اس لئے میں نے اپنی آواز آپ کو نہ سنائی، آپ آیئے، تشریف لے چلئے، آپ نے ان کے اس فعل کو اچھی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا کہ خود ابوالہیثم کہاں ہیں؟ مائی صاحبہ نے فرمایا حضورؐ وہ بھی یہیں قریب ہی پانی لینے گئے ہیں، آپ تشریف لایئے، انشاء اللہ آتے ہی ہوں گے، حضور باغ میں رونق افروز ہوئے - اتنے میں ہی حضرت ابوالہیثم بھی آ گئے بے حد خوش ہوئے، آنکھوں ٹھنڈک اور دل سکون نصیب ہوا اور جلدی جلدی ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گئے اور اچھے اچھے خوشے اتار اتار کر دینے لگے یہاں تک کہ خود آپ نے روک دیا - صحابی نے کہا یا رسول اللہ گدلی اور تر اور بالکل پکی اور جس طرح کی چاہیں تناول فرمائیں، جب کھجوریں کھا چکے تو میٹھا پانی لائے، جسے پیا پھر حضورؐ فرمانے لگے یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں خدا کے ہاں پوچھے جاؤ گے -

ابن جریر کی اسی حدیث میں ہے کہ ابوبکرؓ عمر بیٹھے ہوئے تھے جو ان کے پاس حضورؐ آئے اور پوچھا کہ یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ دونوں نے کہا حضورؐ بھوک کے مارے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں، فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بھی اسی وجہ سے اس وقت نکلا ہوں، اب آپ انہیں لے کر چلے اور ایک انصاری کے گھر آئے، ان کی بیوی صاحبہ مل گئیں، پوچھا کہ تمہارے میاں کہاں گئے ہیں؟ کہا گھر کے لئے میٹھا پانی لانے گئے ہیں، اتنے میں تو وہ مشک اٹھائے ہوئے آ ہی گئے، خوش خوش ہو گئے اور کہنے لگے مجھ جیسا خوش قسمت آج کوئی بھی نہیں جس کے گھر اللہ کے نبی تشریف لائے ہیں، مشک تو لٹکا دی اور خود جا کر کھجوروں کے تازہ تازہ خوشے لے آئے - آپ نے فرمایا چن کر الگ کر کے لاتے تو جواب دیا کہ حضورؐ میں نے چاہا کہ آپ اپنی طبیعت کے مطابق اپنی پسند سے چن لیں اور نوش فرمالیں، پھر چھری ہاتھ میں اٹھائی کہ کوئی جانور ذبح کر کے گوشت پکائیں تو آپ نے فرمایا دیکھو دودھ دینے والے جانور ذبح نہ کرنا چنانچہ اس نے ذبیحہ کیا، آپ نے وہیں کھانا کھایا پھر فرمانے لگے دیکھو بھوکے گھر سے نکلے اور پیٹ بھرے جا رہے ہیں، یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہو گا - رسول اللہ ﷺ کے آزاد غلام حضرت ابوعسیب کا بیان ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی، میں نکلا، پھر حضرت ابوبکرؓ کو بلایا، پھر حضرت عمرؓ کو بلایا، پھر کسی انصاری کے باغ میں گئے اور اس سے فرمایا لاؤ بھائی کھانے کو دو، وہ انگور کے خوشے اٹھا لائے اور آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھائے، پھر فرمایا ٹھنڈا پانی پلواؤ، وہ لائے آپ نے پیا پھر فرمانے لگے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہو گی، حضرت عمر نے وہ خوشہ اٹھا کر زمین پر دے مارا اور کہنے لگے اس کے بارے میں بھی خدا کے ہاں پرسش ہو گی، آپ نے فرمایا ہاں صرف تین چیزوں کی تو پرسش نہیں - پردہ پوشی کے لائق کپڑا - بھوک روکنے کے قابل ٹکڑا اور سردی گرمی میں سر چھپانے کے لئے مکان (مسند احمد) -

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور حضورؐ نے پڑھ کر سنائی تو صحابہ کہنے لگے ہم سے کس نعمت پر سوال ہو گا؟ کھجوریں کھا رہے ہیں اور پانی پی رہے ہیں، تلواریں گردنوں میں لٹک رہی ہیں اور دشمن سر پر کھڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، عنقریب نعمتیں آ جائیں گی - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے جو حضور ﷺ آئے اور نہائے ہوئے معلوم ہوتے تھے، ہم نے کہا حضورؐ اس وقت تو آپ خوش و خرم نظر آتے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں، پھر لوگ تونگری کا ذکر کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں خوف خدا ہو اس کے لئے تونگری کوئی بری چیز نہیں اور یاد رکھو متقی شخص کے لئے صحت تونگری سے بھی اچھی ہے اور خوش نفسی بھی خدا کی نعمت ہے (مسند احمد) -

ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے' ترمذی شریف میں ہے نعمتوں کے سوال میں قیامت والے دن سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی اور ٹھنڈے پانی سے تجھے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے؟ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ اس آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ کو سنا کر صحابہ کہنے لگے کہ حضور ہم تو جو کی روٹی اور وہ بھی آدھا پیٹ کھا رہے ہیں' تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تم پیر بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنچے اور کیا تم ٹھنڈے پانی نہیں پیتے؟ یہی قابل پرستش نعمتیں ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ امن اور صحت سے سوال ہوگا' پیٹ بھر کھانے سے' ٹھنڈے پانی سے سائے دار گھروں سے' میٹھی نیند سے بھی سوال ہوگا' شہد پینے سے' لذتیں حاصل کرنے سے' صبح شام کے کھانے سے' گھی شہد اور میدے کی روٹی وغیرہ غرض ان تمام نعمتوں کے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت کانوں اور آنکھوں کی صحت کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ ان طاقتوں سے کیا کیا کام کئے۔

جیسے قرآن کریم میں ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ہر شخص سے اس کے کان اس کی آنکھ اور اس کے دل کے بارے میں سوال ہوگا لوگ بہت ہی غفلت برت رہے ہیں' صحت اور فراغت یعنی نہ تو ان کا پورا شکر ادا کرتے ہیں نہ ان کی عظمت کو جانتے ہیں نہ انہیں اللہ کی مرضی کے مطابق صرف کرتے ہیں۔ بزار میں ہے تہ بند کے سوا اور سائے دار دیواروں کے سوا اور روٹی کے ٹکڑے کے سوا ہر چیز کا قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن کہے گا اے ابن آدم میں نے تجھے گھوڑوں پر اور اونٹوں پر سوار کرایا' عورتیں تیرے نکاح میں دیں' تجھے مہلت دی کہ تو ہنسی خوشی آرام وراحت سے زندگی گذارے اب بتا کہ اس کا شکریہ کہاں ہے؟ اللہ کے فضل وکرم سے سورۂ تکاثر کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورة العصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش والے بہت بڑے رحم والے کے نام سے شروع

زمانے کی قسم! ○ بے شک وبالیقین انسان نقصان میں ہے ○ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی ○

مسیلمہ کذاب اور عمرو بن عاص میں مکالمہ : ☆☆ (آیت:۱-۳) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب سے ملے۔ اس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کر رکھا تھا' عمرو کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہو اس مدت میں تمہارے نبی پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمرو نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت فصاحت والی سورت اتری ہے' پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت عمرو نے سورۂ والعصر پڑھ کر سنا دی۔ مسیلمہ ذرا دیر تو سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔ عمرو دیکھو مجھ پر بھی اسی جیسی سورت اتری ہے عمرو نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ یَا وَبْرُ یَا وَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُ حَصْرٍ نَقْرٍ پھر کہنے لگا عمرو کہو تمہارا کیا خیال ہے؟ عمرو نے کہا میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے۔ وبر بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے' اس کذاب نے ایسی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ اللہ کے کلام کا معارضہ کرنا چاہا جسے سن کر عرب کے بت پرست لوگوں

نے بھی اس کا کاذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا۔ طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک اس سورت کو پڑھتا دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے' حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورت کو غور و تدبر سے پڑھیں اور سمجھیں تو صرف یہی ایک سورت کافی ہے۔

مختصر نقصان اور اصحاب فلاح و نجات: ☆☆ عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی بدی کے کام کرتا ہے' حضرت زید بن اسلم نے اس سے مراد عصر کی نماز یا عصر کی نماز کا وقت بیان کیا ہے لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے' اس قسم کے بعد بیان فرماتا ہے کہ انسان نقصان میں' ٹوٹے میں اور ہلاکت میں ہے' ہاں اس نقصان سے بچنے والے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو' اعمال میں نیکیاں ہوں حق کی وصیتیں کرنے والے ہوں' یعنی نیکی کے کام کرنے کی' حرام کاموں سے رکنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہوں' قسمت کے لکھے پر' مصیبتوں کی برداشت پر صبر کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہوں' ساتھ ہی بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے روکنے میں لوگوں کی طرف سے جو بلائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان کی بھی سہار کرتے ہوں اور اسی کی تلقین اپنے ساتھیوں کو بھی کرتے ہوں' یہ ہیں جو اس صریح نقصان سے مستثنیٰ ہیں۔ سورۂ والعصر کی تفسیر بحمد للہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الهمزة

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ① الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ② يَحۡسَبُ
اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ④ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ
مَا الۡحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ⑥ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ⑦
اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ⑧ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ⑨ ع ۹ ۲۹

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے ○

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو ○ جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے ○ سمجھے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ کی زندگی دے دے گا ○ نہیں نہیں یہ تو توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا ○ تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہے؟ ○ یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے ○ جو دلوں پر چڑھے چلی جاتی ہے ○ جو ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہے ○ بڑے بڑے لمبے ستونوں میں ○

وزنی بیڑیاں اور قید و بند کو یاد رکھو: ☆☆ (آیت: ۱-۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زبان سے لوگوں کی عیب گیری کرنے والا' اپنے کاموں سے دوسروں کی حقارت کرنے والا خرابی والا شخص ہے هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيۡمٍ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد طعنہ دینے والا غیبت کرنے والا ہے' ربیع بن انس کہتے ہیں سامنے برا کہنا تو ھمز ہے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنا لم ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں زبان سے اور آنکھ کے اشاروں سے بندگان خدا کو ستانا اور چڑانا مراد ہے کہ کبھی تو ان کا گوشت کھائے یعنی غیبت کرے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کرے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہمز ہاتھ اور آنکھ سے ہوتا ہے اور لمز زبان سے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد اخنس بن شریق کافر ہے مجاہدؒ فرماتے ہیں آیت عام ہے۔ پھر فرمایا جو جمع کرتا جاتا ہے اور گن گن کر رکھتا جاتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے جَمَعَ فَاَوۡعٰى۔

حضرت کعب فرماتے ہیں دن بھر تو مال کمانے کی ہائے وائے میں لگا رہا اور رات کو سڑی بھسی لاش کی طرح پڑ رہا' اس کا خیال یہ ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا حالانکہ واقعہ یوں نہیں بلکہ یہ بخیل اور لالچی انسان جہنم کے اس طبقے میں گرے گا جو ہر اس چیز کو جو اس میں گرے چور چور کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا چیز ہے؟ اس کا حال اے نبی تمہیں معلوم نہیں' یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے جلا کر بھسم کر دیتی ہے لیکن مرتے نہیں۔ حضرت ثابت بنانی جب اس آیت کی تلاوت کر کے اس کا یہ معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہتے انہیں عذاب نے بڑا ستایا۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی پھر پہنچتی ہے' یہ آگ ان پر چوطرف سے بند کر دی گئی ہے' جیسے کہ سورۂ بلد کی تفسیر میں گذرا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے اور دوسرا طریق اس کا موقوف ہے لوہا جو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بعد مروی ہے ان جہنمیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی' یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے' ان آگ کے ستونوں میں انہیں بدترین عذاب کئے جائیں گے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قید و بند ان کے لئے ہوں گی' اس سورت کی تفسیر بھی اللہ کے فضل و کرم سے پوری ہوئی' فالحمدللہ۔

تفسیر سورة الفیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۵﴾ ع

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع ○

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ○ کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کر دیا ○ اور ان پر پرندوں کے جھرمٹ بھیج دیئے ○ جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے ○ پس انہیں کھائی ہوئی بھوسی کی طرح کر دیا ○

ابرہہ اور اس کا حشر : ☆☆ (آیت:۱-۵) اللہ رب العزت نے قریش پر جو اپنی خاص نعمت انعام فرمائی تھی اس کا ذکر کر رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لے کر کعبے کو ڈھانے کے لئے چڑھائی کی تھی' خدائے تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ کعبے کے وجود کو مٹائیں ان کا نام و نشان مٹا دیا' ان کی تمام فریب کاریاں' ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں' برباد و غارت کر دیا' یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا' قریب بت پرست ہو گئے تھے' انہیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ کی آمد آمد کی۔ حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے' اکثر تاریخ داں حضرات کا یہی قول ہے تو گویا خدائے عالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو حبشہ کے اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے دین کا بچاؤ تھا جسے ہم شرف بزرگی عظمت و عزت میں اپنے آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت سے بڑھانے والے تھے۔

غرض اصحاب فیل کا مختصر واقعہ تو یہ ہے جو بیان ہوا اور مطول واقعہ اصحاب الاخدود کے بیان میں گذر چکا ہے کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا' جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے ہی شہید کر دیئے گئے تھے' صرف دوس ذوثعلبان ایک بچ گیا تھا جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریاد رسی چاہی۔ یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا' اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لئے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا' اس بادشاہ نے ارباط اور ابویکسوم ابرہہ بن صباح کو امیر لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا' یہ لشکر یمن پہنچا اور یمن کو اور یمنیوں کو تاخت وتاراج کر دیا' ذونواس بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے لیکن کچھ تھوڑی ہی مدت کے بعد ان میں ناچاقی ہو گئی' آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے آمنے سامنے صفیں باندھ لیں اور لڑنے کے لئے نکل آئے' عام حملہ ہو اس سے پیشتر ان دونوں سرداروں نے آپس میں کہا کہ فوجوں کو لڑانے اور لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت' آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں' جو زندہ بچ جائے ملک وفوج اسی کی' چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے' ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ خونا خون کر دیا' ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا' ابرہہ کے غلام عتودہ نے اس موقعہ پر ارباط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابرہہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا' علاج معالجہ سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔ نجاشی حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غصہ ہوا اور ایک خط ابرہہ کو لکھا' اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ قسم اللہ کی میں تیرے شہروں کو پامال کروں گا۔ اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا' ابرہہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیئے دے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دے اور اپنے خط میں اپنے قصوروں کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور مٹی چوٹی کے بال بھی' آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضی معاف فرمایئے' اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی۔ اب ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا گرجا تعمیر کر رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو اور اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا۔

بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش ومزین گرجا بنایا' اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی' اسی لئے عرب اسے قلیس کہتے تھے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا' اب ابرہہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں' اپنی ساری مملکت میں اس کی منادی کرا دی۔ عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت برا لگا' ادھر سے قریش بھی بھڑک اٹھے' تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا اور وہاں پاخانہ کر کے چلا آیا' چوکیدار نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے چونکہ آپ نے ان کا کعبہ روک دیا ہے لہٰذا انہوں نے جوش اور غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے' ابرہہ نے اسی وقت قسم کھا لی کہ میں مکہ سے پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند من چلے نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگا دی تھی اور اس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی' سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا' اس پر ابرہہ نے بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر مکہ پر چڑھائی کی تا کہ کوئی روک نہ سکے اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا جس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا۔ شاہ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا' آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھے' یہ کعبے کے ڈھانے کی نیت سے چلا' یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا اور ہاتھیوں کی گردنوں میں ان زنجیروں کو باندھ دوں گا۔ ہاتھی

ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے گرا دیں گے، جب عرب کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو ان پر بڑا بھاری اثر پڑا اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی ہو، ہم ضرور اس سے مقابلہ کریں گے اور اسے اس کی اس بدکرداری سے روکیں گے۔ ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے ذونفر کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہو گیا، اپنی قوم کو اور کل آس پاس کے عرب کو جمع کیا اور اس بدنیت بادشاہ سے مقابلہ کیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اس خبیث کے ہاتھ میں قید ہو گیا، اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا، خثعم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنے لشکروں سے اس کا مقابلہ کیا لیکن ابرہہ نے انہیں بھی مغلوب کر لیا اور نفیل بھی قید ہو گیا، پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کر کے ساتھ لے لیا کہ راستہ بتائے، جب طائف کے قریب پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کر لی کہ ایسا نہ ہو ان کے بت خانوں کو جس میں لات نامی بت تھا یہ توڑ دے، اس نے بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انہوں نے ابورغال کو اس کے ساتھ کر دیا کہ یہ تمہیں وہاں کا راستہ بتائے گا، ابرہہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا، اس کے لشکر نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چر چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا، ان جانوروں میں دو سو اونٹ تو صرف عبدالمطلب کے تھے، اسود بن معضود جو اس کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابرہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا تھا، جس پر عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار تصنیف کئے ہوئے ہیں جو سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں۔ اب ابرہہ نے اپنا قاصد ضاطہ حمیری مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کر دو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے کو نہیں آیا، میرا ارادہ صرف بیت اللہ کو گرانے کا ہے، ہاں اگر مکہ والے اس کے بچانے کے درپے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑے گی ضاطہ جب مکہ میں آیا اور لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہے، یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ اس سے لڑنے کا ہے نہ ہم میں اتنی طاقت ہے، یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے، اس کے خلیل حضرت ابراہیم کی زندہ یادگار ہے، اللہ اگر چاہے گا تو اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا، ورنہ ہم میں تو ہمت و قوت نہیں۔ ضاطہ نے کہا اچھا تو آپ میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلے چلئے، عبدالمطلب ساتھ ہوئے، بادشاہ نے جب انہیں دیکھا تو ہیبت میں آ گیا، عبدالمطلب گورے چٹے سڈول اور مضبوط قوی والے حسین جمیل انسان تھے، دیکھتے ہی ابرہہ تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دو سو اونٹ جو بادشاہ نے لے لئے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے، بادشاہ نے کہا ان سے کہہ دے کہ پہلی نظر میں تیرا رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں تیری دہشت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھو دی، اپنے دو سو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے دین کی تجھے فکر نہیں، میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اسے خاک میں ملانے کے لئے آیا ہوں، عبدالمطلب نے جواب دیا کہ سن بادشاہ اونٹ تو میرے ہیں اس لئے انہیں بچانے کی کوشش میں میں ہوں اور خانہ کعبہ خدا کا ہے وہ خود اسے بچا لے گا، اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ خدا بھی آج اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا، عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جان۔ یہ بھی مروی ہے کہ اہل مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرہہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس بدارادہ سے باز آئے لیکن اس نے قبول نہ کیا، خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چل دیئے اور آ کر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کر دو، پہاڑوں میں چلے جاؤ، اب عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازہ کا کنڈا تھام کر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ ابرہہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور ذی عزت گھر کو بچا لے، عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے۔

لَا هَمَّ اِنَّ الْمَرْاَيَمْ نَعْ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ
لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَمَحَالُهُمْ اَبَدًا مَحَالَكَ

یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ آپ کرتا ہے خدایا تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا، یہ تو ہر گز نہیں ہو سکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آ جائیں-

اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گیا، یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے اردگرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے اس نیت سے کہ اگر یہ بددین آئے اور انہوں نے خدا کے نام کی قربانی کے ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب خدا ان پر اترے گا، دوسری صبح ابرہہ کے لشکر میں مکہ میں جانے کی تیاریاں ہونے لگیں، اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا اسے تیار کیا، لشکر میں کمر بندی ہو چکی اور مکہ شریف کی طرف منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کی- اس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستے میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی کے اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا، تو خدائے تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے، یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑ میں جا چھپا، محمود ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، اب ہزار جتن فیل بان کر رہے ہیں، لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہمتا ہی نہیں سر پر انکس مار رہے ہیں ادھر ادھر سے بھالے اور برچھے مار رہے ہیں آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں، غرض تمام جتن کر لئے لیکن ہاتھی جنبش بھی نہیں کرتا پھر بطور امتحان کے اس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا، شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا، مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا، پھر مکہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا وہیں بیٹھ گیا- انہوں نے پھر اسے مارنا پیٹنا شروع کیا کہ دیکھا کہ ایک گھٹا ٹوپ پرندوں کا جھرمٹ بادل کی طرح سمندر کے کنارے کی طرف سے امڈا چلا آ رہا ہے، ابھی پوری طرح دیکھنا بھی نہیں پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آ گئے، چوطرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا- ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں ایک مسور یا ماش کے دانے برابر کنکری تھی اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں، یہ ان پر پھینکنے لگے، جس جس پر کنکری آن پڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا، اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ اسے ان لوگوں نے اپنا رہبر اور راستہ بتانے والا سمجھ رکھا تھا، نفیل تو ہاتھی کو کہہ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں کی یہ درگت اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ شعر پڑھ رہا تھا-

اَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰهُ الطَّالِبُ وَالْاَ شْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَيْسَ الْغَالِبُ

اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جبکہ خدا خود تاک میں لگ گیا ہے- سنو اشرم بد بخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس قصہ کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کاش کہ تو اس وقت موجود ہوتا جبکہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی ہے اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اس خدائی لشکر یعنی پرندوں کو دیکھ کر قطعاً سجدے میں گر پڑتا، ہم تو وہاں کھڑے حمد خدا کی راگنیاں الاپ رہے تھے، گو کلیجے ہمارے بھی اونچے ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کر دے، نصرانی منہ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل پکار رہے تھے گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا- واقدی فرماتے ہیں یہ پرند زرد رنگ تھے، کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے، ان کے پاؤں سرخ تھے- اور روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی کمر پر کنکری پڑی اور بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے

ہوئے اور ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں' اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جاں بر نہ ہوا' بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے' ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا' وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کتے کی موت مرا' دل تک پھٹ گیا تھا' قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا۔ عبدالمطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا' زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے ہوئے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے' پس اللہ تعالٰی بزبان رسول معصوم ﷺ اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرمایا جا رہا ہے کہ گر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت و حرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کو مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور تمہیں دشمنوں سے نجات دیتا۔

ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغت عرب میں پایا نہیں گیا۔ سجیل کے معنی ہیں بہت ہی سخت' اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی پتھر اور مٹی' غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر مع مٹی کے ہو۔ عصف جمع ہے عَصْفَةٌ کی' کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں۔ ابابیل کے معنی ہیں گروہ گروہ' جھنڈ' بہت سارے' پے در پے جمع شدہ' ادھر ادھر سے آنے والے' بعض نحوی کہتے ہیں اس کا واحد ابابیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں ان پرندوں کی چونچ تھی اور پرندوں جیسے اور پنجے تھے کتوں جیسے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ سبز رنگ کے پرند تھے جو سمندر سے نکلے تھے' ان کے سر درندوں جیسے تھے' اور اور اقوال بھی ہیں۔ یہ پرند باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر چیخنے لگے' پھر پتھر جس کے سر میں لگا اس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا' جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا' ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہ و بالا ہو گئے۔ عصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کو اور گیہوں کے درخت کے پتوں کو اور مَاْكُوْل سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنہیں جانور چر چکے ہوں' مطلب یہ ہے کہ خدا نے ان کا تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا ان کی ساری تدبیریں پٹ پڑ گئیں' کوئی بھلائی انہیں نصیب نہ ہوئی اور ان کی خبر پہنچائے ایسا بھی کوئی ان میں صحیح سالم نہ رہا جو بھی بچا' وہ زخمی ہو کر اور اس زخم سے پھر جاں بر نہ ہو سکا' خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا' جوں توں صنعا میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور واقعہ بیان کر ہی چکا تھا جو مر گیا' اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا' پھر اس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی' اب سیف بن ذویزن حمیری کسریٰ کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد طلب کی تا کہ وہ اہل حبشہ سے لڑے اور یمن ان سے خالی کرائے' کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا' اس لشکر نے اہل حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلہ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا' عربوں نے اس پر بڑی خوشی منائی اور چوطرف سے مبارکبادیاں وصول ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیل بان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا' دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکیں اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیل بان کا نام انیسا تھا۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمس بن معصود کے بھیجا تھا' یہ لشکر بیس ہزار کا تھا اور یہ پرند ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک

ان سب کا ستیاناس ہو چکا تھا' لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ خود ابرہہ اشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے کر آیا تھا' یہ ممکن ہے کہ اس کے ہراول کے دستہ پر یہ شخص سردار ہو۔ اس واقعہ کو بہت سے عرب شاعروں نے اپنے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سورۂ فتح کی تفسیر میں ہم اس واقعہ کو مفصل بیان کر آئے ہیں جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ ﷺ اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ قریشیوں پر جانے والے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے اسے ڈانٹا ڈپٹا لیکن وہ نہ اٹھی لوگ کہنے لگے قصواء تھک گئی آپ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت' اسے اس خدا نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔

پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ خدا کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو' پھر آپ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوگئی۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے' بخاری مسلم کی اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ پر سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایماندار بندوں کو' سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آ گئی ہے جیسے کل تھی' خبردار ہر حاضر کو چاہئے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ فیل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة القريش

(تفسیر سورۃ قریش) سات فضیلتیں: ☆☆ اس کی فضیلت میں ایک غریب حدیث بیہقی کی کتاب خلافیات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریشیوں کو سات فضیلتیں دی ہیں ایک تو یہ کہ میں ان میں سے ہوں' دوسرے یہ کہ نبوت ان میں ہے' تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے پاسبان یہ ہیں' چوتھے یہ کہ چاہ زمزم کے ساقی یہ ہیں' پانچویں یہ کہ خدا نے انہیں ہاتھی والوں پر غالب کیا' چھٹے یہ کہ دس سال تک انہوں نے خدا کی عبادت کی جبکہ اور کوئی عبادت خدا نہ کرتا تھا' ساتویں یہ کہ ان کے بارے میں قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی' پھر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر یہ سورت تلاوت کی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍۙ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِۚ ﴿۲﴾ فَلۡيَعۡبُدُوۡا
رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِۙ ﴿۳﴾ الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ
خَوۡفٍ ﴿۴﴾ ع ۱ ۲۱

شروع ہے اللہ تعالیٰ نہایت مہربان رحم والے کے نام سے ○

قریش کو الفت دلانے کے واسطے ○ انہیں الفت دلائی جاڑے اور گرمی کے سفر میں ○ انہیں چاہئے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں ○ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا' اور ڈر خوف میں امن وامان دیا ○

امن وامان کی ضمانت: ☆☆ (آیت: ۱-۴) موجودہ عثمانی قرآن کی ترتیب میں یہ سورت سورۂ فیل سے علیحدہ ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ کی آیت کا فاصلہ موجود ہے' مضمون کے اعتبار سے یہ سورت پہلی کے سورت کے متعلق ہی ہے جیسے کہ محمد بن اسحاقؒ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے' اس بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ہاتھی والوں کو ہلاک کیا' یہ قریشیوں کو الفت دلانے اور انہیں اجتماع کے ساتھ باامن اس شہر میں رہنے سہنے کے لیئے تھا اور یہ مراد بھی کی گئی ہے کہ یہ قریشی جاڑوں میں

کیا اور گرمیوں میں کیا دور دراز کا سفر امن و امان سے طے کر سکتے تھے کیونکہ مکے جیسے محترم شہر میں رہنے کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی بلکہ ان کے ساتھ بھی جو ہوتا تھا امن و امان سے سفر طے کر لیتا تھا' اسی طرح وطن سے ہر طرح کا امن انہیں حاصل ہوتا تھا جیسے کہ اور جگہ قران کریم میں موجود ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے' اس کے آس پاس تو لوگ اچک لئے جاتے ہیں لیکن یہاں کے رہنے والے نڈر ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں لِاِیۡلٰفِ میں پہلا لام تعجب کا لام ہے اور دونوں سورتیں بالکل جداگانہ ہیں جیسا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے' تو گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ تم قریشیوں کے اس اجتماع اور الفت پر تعجب کرو کہ میں نے انہیں کیسی بھاری نعمت عطا فرما رکھی ہے' انہیں چاہئے کہ میری اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کریں کہ صرف میری ہی عبادت کرتے رہیں۔ جیسے اور جگہ ہے قُلۡ اِنَّمَآ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِىۡ حَرَّمَهَا یعنی اے نبی تم کہہ دو کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی ہی عبادت کروں جس نے اسے حرم بنایا جو ہر چیز کا مالک ہے' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔

پھر فرماتا ہے وہ رب بیت جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور خوف میں نڈر رکھا انہیں چاہئے اس کی عبادت میں کسی چھوٹے بڑے کو شریک نہ ٹھہرائیں' جو خدا کے اس حکم کی بجا آوری کرے گا وہ تو دنیا کے اس امن کے ساتھ آخرت کے دن بھی امن و امان سے رہے گا اور اس کی نافرمانی کرنے سے یہ امن بھی بے امنی سے اور آخرت کا امن بھی ڈر خوف سے انتہائی مایوسی سے بدل جائے گا۔ جیسے اور جگہ فرمایا ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡيَةً كَانَتۡ اٰمِنَةً اللہ تعالیٰ ان بستی والوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن و اطمینان کے ساتھ تھے' ہر جگہ سے بافراغت روزیاں کھچی چلی آتی تھیں لیکن انہیں خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کی سوجھی چنانچہ خدائے تعالیٰ نے بھی انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا' یہی ان کے کرتوت کا بدلہ تھا' ان کے پاس ان ہی میں سے خدا کے بھیجے ہوئے آئے لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا اس ظلم پر خدا کے عذابوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریشیو تمہیں تو خدا یوں راحت و آرام پہنچائے' گھر بیٹھے کھلائے پلائے' چوطرف بدامنی کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور تمہیں امن و امان سے میٹھی نیند سلائے' پھر تم پر کیا مصیبت ہے جو تم اپنے اس پروردگار کی توحید سے جی چراؤ اور اس کی عبادت میں دل نہ لگاؤ بلکہ اس کے سوا دوسروں کے آگے سر جھکاؤ؟ الحمدللہ سورۂ لایلاف کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الماعون

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ۝٢ وَلَا
يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۝٣ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۝٤ الَّذِيۡنَ
هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۝٥ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ۝٦ وَيَمۡنَعُوۡنَ
الۡمَاعُوۡنَ ۝٧ ع

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے ○

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے ○ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ○ اور مسکین کو کھلانے کی رغبت نہیں دیتا ○ ان نمازیوں کے لئے ویل نامی جہنم کی جگہ ہے ○ جو اپنی نماز سے غافل ہیں ○ جو ریاکار ہیں ○ اور برتنے کی چیز روکتے ہیں ○

نماز میں غفلت اور یتیموں سے نفرت: ☆☆ (آیت:۱-۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد ﷺ تم نے اس شخص کو دیکھا؟ جو قیامت کے دن کو جو جزا و سزا کا دن ہے جھٹلاتا ہے‘ یتیم پر ظلم و ستم کرتا ہے‘ اس کا حق مار کھاتا ہے‘ اس کے ساتھ سلوک و احسان نہیں کرتا مسکینوں کو خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی اس کار خیر پر آمادہ نہیں کرتا۔ جیسے اور جگہ ہے كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ یعنی جو برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے کہ نہ تم یتیموں کی عزت کرتے ہو نہ مسکینوں کو کھانا دینے کی رغبت دلاتے ہو یعنی اس فقیر کو جو اتنا نہیں پاتا کہ اسے کافی ہو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ غفلت برتنے والے نمازیوں کی لئے ویل ہے یعنی ان منافقوں کے لئے جو لوگوں کے سامنے نماز ادا کریں ورنہ ہضم کر جائیں‘ یہی معنی حضرت ابن عباسؓ نے کئے ہیں‘ اور یہ بھی معنی ہیں کہ مقرر کردہ وقت ٹال دیتے ہیں جیسے کہ مسروق اور ابوالضحے کہتے ہیں۔

حضرت عطاء بن دینار فرماتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ فرمان باری میں عَنْ صَلٰوتِهِمْ ہے فِىْ صَلٰوتِهِمْ نہیں یعنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فرمایا نمازوں میں غفلت برتتے ہیں نہیں فرمایا۔ اسی طرح یہ لفظ شامل ہے ایسے نمازی کو بھی جو ہمیشہ نماز کو آخری وقت ادا کرے یا عموماً آخری وقت پڑھے یا ارکان و شروط کی پوری رعایت نہ کرے یا خشوع و خضور اور تدبر و غور و فکر نہ کرے۔ لفظ قرآن ان میں سے ہر ایک کو شامل ہے‘ یہ سب باتیں جس میں ہوں وہ تو پورا پورا بدنصیب ہے اور جس میں جتنی ہوں اتنا ہی وہ ویل ہے اور نفاق عملی کا حصہ دار ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے‘ یہ نماز منافق کی ہے‘ کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملا لے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار لے‘ جس میں خدا کا ذکر بہت ہی کم کرے‘ یہاں مراد عصر کی نماز ہے جو صلوٰۃ الوسطیٰ ہے جیسے کہ حدیث کے لفظوں سے ثابت ہے یہ شخص مکروہ وقت میں کھڑا ہوتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مار لیتا ہے‘ جس میں اطمینان ارکان بھی نہیں ہوتا‘ نہ خشوع و خضوع ہوتا ہے بلکہ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم ہوتا ہے اور کیا عجب کہ یہ نماز محض دکھاوے کی نماز ہو‘ تو پڑھی نہ پڑھی یکساں ہے۔ انہی منافقین کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا یعنی منافق خدا کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں‘ یہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے ہارے بادل ناخواستہ صرف لوگوں کے دکھاوے کے لئے نماز گذارتے ہیں‘ خدا کی یاد بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا یہ ریاکاری کرتے ہیں‘ لوگوں میں نمازی بنتے ہیں۔

طبرانی کی حدیث میں ہے ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی آگ اس قدر تیز ہے کہ اور آگ جہنم کی ہر دن اس سے چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے‘ یہ ویل اس امت کے ریاکار علماء کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر صدقہ خیرات کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر حج کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر جہاد کرنے والوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص دوسروں کو سنانے کے لئے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر عذاب کرے گا اور اسے ذلیل و حقیر کرے گا‘ ہاں اس موقعہ پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہوگئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریاکاری نہیں‘ اس کی دلیل مسند ابویعلی موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار نبوی میں ذکر کیا کہ حضور میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن اچانک کوئی آ جاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے لگتا ہے آپ نے فرمایا تجھے دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا ظہر کرنے کا۔ حضرت ابن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے یہ حدیث ریاکاروں کے لئے بھی اچھی چیز ہے‘ یہ حدیث بروئے اسناد غریب ہے لیکن اس معنی کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے ابن جریر کی ایک بہت ہی ضعیف مسند والی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو

حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم میں سے ہر شخص کو مثل تمام دنیا کے دیا جائے‘ اس سے مراد وہ شخص ہے کہ نماز پڑھے تو اس کی بھلائی سے اسے کچھ سروکار نہ ہو اور نہ پڑھے تو خدا کا خوف اسے نہ ہو- اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرتے ہیں‘ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ سرے سے پڑھتے ہی نہیں‘ دوسرے معنی یہ ہیں کہ شرعی وقت نکال دیتے ہیں پھر پڑھتے ہیں‘ یہ معنی بھی ہیں کہ اول وقت میں ادا نہیں کرتے-

ایک موقوف روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تنگ وقت کر ڈالتے ہیں‘ زیادہ صحیح موقوف روایت ہی ہے- امام بیہقی بھی فرماتے ہیں کہ مرفوع تو ضعیف ہے ہاں موقوف صحیح ہے- امام حاکم کا قول بھی یہی ہے پس جس طرح یہ لوگ عبادت رب میں سست ہیں اسی طرح لوگوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے‘ یہاں تک کہ برتنے کی کم قیمت چیزیں لوگوں کو اس لئے بھی نہیں دیتے کہ وہ اپنا کام نکال لیں اور پھر وہ چیز جوں کی توں واپس کر دیں‘ پس ان خسیس لوگوں سے یہ کہاں بن آئے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں یا اور نیکی کے کام کریں- حضرت علیؓ سے ماعون کا مطلب ادائیگی زکوٰۃ بھی مروی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اور دیگر حضرات مفسرین معتبرین سے بھی- امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز میں ریاکاری ہے اور اس کے مال کے صدقہ میں روک ہے- حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکو چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ماعون ہر وہ چیز ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں جیسے کدال پھاوڑا دیگچی ڈول وغیرہ- دوسری روایت میں ہے کہ اصحاب رسولؐ اس کا یہی مطلب بیان کرتے تھے اور روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم اس کی تفسیر یہی کرتے تھے- نسائی کی حدیث میں ہے ہر نیک چیز صدقہ ہے‘ ڈول اور ہنڈیا یا پتیلی مانگے پر دینے کو ہم آنحضرت کے زمانہ میں ماعون سے تعبیر کرتے تھے غرض اس کے معنی زکوٰۃ نہ دینے کے‘ اطاعت نہ کرنے کے‘ مانگی چیز نہ دینے کے ہیں- چھوٹی چھوٹی بے جان چیزیں کوئی دو گھڑی کے لئے مانگنے آئے اس سے انکار کر دینا مثلاً چھلنی ڈول سوئی سل بٹا کدال پھاوڑا پتیلی دیگچی وغیرہ-

ایک غریب حدیث میں ہے کہ قبیلہ نمیر کے وفد نے حضورؐ سے کہا کہ ہمیں خاص حکم کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ماعون سے منع کرنا‘ انہوں نے پوچھا ماعون کیا؟ فرمایا پتھر لوہا پانی‘ انہوں نے پوچھا لوہے سے مراد کون سا لوہا ہے؟ فرمایا یہی تمہاری تانبے کی پتیلیاں اور کدال وغیرہ‘ پوچھا پتھر سے کیا مراد؟ فرمایا یہی دیگچی وغیرہ- یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ مرفوع ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہیں جو مشہور نہیں- علی نمیری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے آپ نے فرمایا مسلمان کا مسلمان بھائی ہے‘ جب ملے سلام کرے جب سلام کرے تو بہتر جواب دے اور ماعون کا انکار نہ کرے‘ میں نے پوچھا حضورؐ ماعون کیا؟ فرمایا پتھر لوہا اور اسی جیسی اور چیزیں- واللہ اعلم- الحمد للہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے احسان اور رحم سے اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی-

---

تفسیر سورۃ الکوثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ
الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○

یقیناً ہم نے تجھے کوثر دی ○ پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر ○ یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام نشان ہے ○

شہد سے زیادہ میٹھی اور دودھ سے زیادہ سفید نہر: ☆☆ (آیت:۱-۳) مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور دفعتہً سر اٹھا کر مسکرائے پھر یا تو خود آپ نے فرمایا یا لوگوں کے اس سوال پر فرمایا کہ حضورؐ کیسے مسکرائے؟ تو آپ نے فرمایا مجھ پر اس وقت ایک سورت اتری پھر آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس پوری سورت کی تلاوت کی اور فرمایا جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا وہ ایک جنتی نہر ہے جس پر بہت بھلائی ہے' جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے' جس پر میری امت قیامت والے دن آئے گی' اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں' بعض لوگ اس سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ بھی میرے امتی ہیں' تو کہا جائے گا آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں؟ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گرتے ہوں گے۔ نسائی کی حدیث میں ہے یہ واقعہ مسجد میں گذرا' اسی سے اکثر قاریوں کا استدلال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ اور اکثر فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت میں اس کے ساتھ ہی نازل ہوئی تھی اور ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ مجھے کوثر عنایت کی گئی ہے' جو ایک جاری نہر ہے لیکن گڑھا نہیں ہے' اس کے دونوں جانب موتی کے خیمے ہیں' اس کی مٹی خالص مشک ہے' اس کے کنکر بھی سچے موتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات آپ نے آسمان پر جنت میں اس نہر کو دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون سی نہر ہے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ یہ کوثر ہے جو خدا نے آپ کو دے رکھی ہے۔ اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں اور بہت سی ہم نے سورۂ اسراء کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے جس کے کنارے دراز گردن پرند بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے سن کر فرمایا وہ پرند تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے' آپ نے فرمایا کھانے میں بھی وہ بہت ہی لذیذ ہیں (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ کوثر کیا ہے؟ اس پر آپ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمرؓ نے ان پرندوں کی نسبت یہ فرمایا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ نہر بیچوں بیچ جنت کے ہے۔ ایک منقطع سند سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کوثر کے پانی کے گرنے کی آواز جو سننا چاہے وہ اپنے دونوں کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں ڈال لے' اولاً تو اس کی سند ٹھیک نہیں دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جیسی آواز آتی ہے نہ کہ خاص اسی کی آواز ہو۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے یہ سن کر کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی ایک نہر ہے' تو حضرت سعید نے فرمایا وہ بھی ان بھلائیوں اور خیر میں سے ہے جو آپ کو خدا کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں اور بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد بہت سی خیر ہے تو یہ تفسیر شامل ہے حوض کوثر وغیرہ سب کو' کوثر ماخوذ ہے کثرت سے جس سے مراد خیر کثیر ہے اور اسی خیر کثیر میں حوض جنت بھی ہے جیسے کہ بہت سے مفسرین سے مروی ہے۔ حضرت مجاہدؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا اور آخرت کی بہت بہت بھلائیاں مراد ہیں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں نبوت' قرآن' ثواب آخرت کوثر ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوثر کی تفسیر نہر کوثر سے بھی مروی ہے جیسے کہ ابن جریر میں سنداً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں

کنارے سونا چاندی ہے، جو یاقوت اور موتیوں پر بہہ رہی ہے، جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے (ابن جریر) ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت مرفوع بھی آئی ہے، امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے آپ اس وقت گھر پر نہ تھے، آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بنو نجار سے تھیں انہوں نے کہا کہ یا نبی اللہ وہ تو ابھی ابھی آپ ہی کی طرف گئے ہیں شاید بنو نجار میں رک گئے ہوں، آپ تشریف لائیں۔ حضورؐ گھر میں گئے تو مائی صاحبہ نے آپ کے سامنے مالیدہ رکھا جو آپ نے تناول فرمایا، مائی صاحبہ خوش ہو کر فرمانے لگیں اچھا ہوا خود تشریف لے آئے میں تو حاضر دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپ کو حوض کوثر ملنے کی مبارک باد دوں، مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابو عمارہؓ نے کہا تھا آپ نے فرمایا ہاں اس حوض کی زمین یاقوت اور مرجان اور زبرجد اور موتیوں کی ہے اس کے ایک راوی خرام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین وغیرہ سے ثابت ہے کہ کوثر نہر کا نام ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جیسے ہم نے تمہیں خیر کثیر عنایت فرمائی اور ایسی پر شوکت نہر دی تو تم بھی صرف میری ہی عبادت کرو، خصوصاً نفل فرض نماز اور قربانی اسی وحدہ لاشریک لہ کے نام کی کرتے رہو، جیسے فرمایا قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ مراد قربانی سے اونٹوں کا نحر کرنا وغیرہ ہے۔ مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے تو یہاں حکم ہوا کہ تم صرف اللہ ہی کے نام کی مخلصانہ عبادتیں کیا کرو، اور جگہ ہے لَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ یہ تو فسق ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد وانحر سے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں سینے پر رکھنا ہے، یہی حضرت علیؓ سے غیر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ اس لفظ کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ حضرت ابو جعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے شروع کے وقت رفع الیدین کرنا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اپنے سینے سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تینوں قول ابن جریر میں منقول ہیں۔

ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک بہت منکر حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ جب یہ سورت نبی صلی اللہ صلوۃ اللہ پر اتری تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل وانحر سے مراد کیا ہے؟ جو مجھے میرے پروردگار کا حکم ہو رہا ہے، تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اس سے مراد قربانی نہیں بلکہ خدا کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرو اور رکوع کے وقت بھی اور جب رکوع سے سر اٹھاؤ تب اور جب سجدہ کرو، یہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں، ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرنا ہے، یہ حدیث اسی طرح مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وانحر سے مراد یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاؤ تو اعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو یعنی اطمینان حاصل کرو۔ (ابن ابی حاتم) یہ سب اقوال غریب ہیں اور صحیح پہلا قول ہے کہ مراد نحر سے قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔ اسی لئے رسول مقبول ﷺ نماز عید سے فارغ ہو کر اپنی قربانی ذبح کرتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہم جیسی قربانی کرے اس نے شرعی قربانی کی اور جس نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کر لیا اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ ابو بردہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ میں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی یہ سمجھ کر کہ آج کے دن گوشت کی چاہت ہوگی آپ نے فرمایا بس وہ تو کھانے کا گوشت ہو گیا، صحابی نے کہا اچھا یا رسول اللہ اب میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ محبوب ہے کیا یہ کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں تجھے تو کافی ہے لیکن تیرے بعد چھ مہینے کا بکری کا بچہ کوئی اور قربانی نہیں دے سکتا امام ابو جعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک قول اس کا ہے جو کہتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی تمام نمازیں خالص اللہ ہی کے لئے

ادا کر اس کے سوا کسی اور کے لئے نہ کر' اسی طرح اسی کی راہ میں خون بہا کسی اور کے نام پر قربانی نہ کر' اس کا شکر بجا لا جس نے تجھے یہ بزرگی دی اور وہ نعمت دی جس جیسی کوئی اور نعمت نہیں تجھی کو اس کے ساتھ خاص کیا' یہی قول بہت اچھا ہے۔

محمد بن کعب قرظی اور عطا کا بھی یہی فرمان ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی تجھ سے اور تیری طرف اتری ہوئی وحی سے دشمنی رکھنے والا ہی قلت و ذلت والا بے برکتا اور دم بریدہ ہے' یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں اتری ہے' یہ پاجی جہاں حضورؐ کا ذکر سنتا تو کہتا اسے چھوڑو وہ دم کٹا ہے' اس کے پیچھے اس کی نرینہ اولاد نہیں' اس کے انتقال کرتے ہی اس کا نام دنیا سے اٹھ جائے گا' اس پر یہ مبارک سورت نازل ہوئی ہے' شمر بن عیبہ فرماتے ہیں کہ عقبہ بن ابو معیط کے حق میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کعب بن اشرف اور جماعت قریش کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے۔ بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکے میں آیا تو قریشیوں نے اس سے کہا کہ آپ تو ان کے سردار ہیں' آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے؟ جو اپنی ساری قوم سے الگ تھلگ ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ افضل ہے حالانکہ ہم حاجیوں کے اہل ہیں' بیت اللہ ہمارے ہاتھوں میں ہے' زمزم پر ہمارا قبضہ ہے تو یہ خبیث کہنے لگا بیشک تم اس سے بہتر ہو' اس پر یہ آیت اتری' اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں ابولہب کے بارے میں یہ آیت اتری ہے جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو یہ بدنصیب مشرکین سے کہنے لگا کہ آج کی رات محمد کی نسل کٹ گئی (صلی اللہ علیہ وسلم وبارک) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری' ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضورؐ کا ہر دشمن ہے جن جن کے نام لئے گئے وہ بھی اور جن کا ذکر نہیں ہوا وہ بھی۔ ابتر کے معنی ہیں تنہا' عرب کا یہ بھی محاورہ ہے کہ جب کسی کی نرینہ اولاد مر جائے تو کہتے ہیں ابتر۔ حضور علیہ السلام کے صاحبزادوں کے انتقال پر بھی انہوں نے دشمنی کی وجہ سے یہی کہا جس پر یہ آیت اتری' تو مطلب یہ ہوا کہ ابتر وہ ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر مٹ جائے' ان مشرکین نے حضورؐ کی نسبت بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کے لڑکے تو انتقال کر گئے وہ نہ رہے جن کی وجہ سے ان کے انتقال کے بعد بھی ان کا نام رہتا' حاشا وکلا اللہ تعالیٰ کا آپ کا نام رہتی دنیا تک رکھے گا' آپ کی شریعت ابدالاباد تک باقی رہے گی' آپ کی اطاعت ہر کہ ومہ پر فرض کر دی گئی ہے آپ کا پیارا اور پاک نام ہر ہر مسلم کے دل وزبان پر ہے اور قیامت تک فضائے آسمانی میں عروج واقبال کے ساتھ گونجتا رہے گا' بحر وبر میں ہر وقت اسی کی منادی ہوتی رہے گی' اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی آل واولاد پر اور ازواج واصحاب پر قیامت تک درود وسلام بے حد وبکثرت بھیجتا رہے آمین۔ الحمدللہ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے احسان ورحم سے سورۂ کوثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ وللہ الحمد والمنہ۔

تفسیر سورۃ الکافرون

مشرک سے براۃ اور بیزاری : ☆☆ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو اور سورۂ قل ھو اللہ کو طواف کے بعد کی دو رکعت نماز میں تلاوت فرمایا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صبح کی دو سنتوں میں بھی آنحضرت ﷺ انہی دونوں سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کے فرضوں سے پہلے کی دو رکعتوں میں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں بیس اوپر کچھ دفعہ یا دس اوپر کچھ مرتبہ سورۂ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی (یعنی اتنی مرتبہ میں نے آپ کو یہ سورتیں ان نمازوں میں پڑھتے ہوئے سنا) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو میں نے چوبیس یا پچیس مرتبہ صبح کی دو سنتوں میں ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے بخوبی دیکھا۔

مسند ہی کی دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ مہینہ بھر تک میں نے آپ کو ان دونوں رکعتوں میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے پایا یہ روایت ترمذی ابن ماجہ اور نسائی میں بھی ہے' امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ وہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ بھی۔ مسند احمد میں روایت ہے حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہماری ربیبہ کی زینب کی پرورش تم اپنے ہاں کرو' میرے خیال سے یہ حضرت زینب تھیں یہ ایک مرتبہ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہو بچی کیا کر رہی ہے؟ کہا میں اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں' فرمایا اچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لئے کہ آپ سے کوئی وظیفہ سیکھ جاؤں جو سوتے وقت پڑھ لوں۔ آپ نے فرمایا قُلْ یَآ اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ کر سو جایا کرو اس میں شرک سے براۃ اور بیزاری ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ جبلہ بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آپ نے یہی فرمایا تھا۔ طبرانی کی اور روایت میں ہے کہ خود حضور بھی اپنے بستر پر لیٹ کر اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے کہ میں سونے کے وقت اسے کہہ لیا کروں آپ نے فرمایا جب تو رات کو اپنے بستر پر جا تو قُلْ یَآ اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کر' یہ شرک سے بیزاری ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ
مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ
مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶ ع ۶ ۲۴

میں پڑھتا ہوں اللہ کے نام کی برکت سے جو رحمان اور رحیم ہے ○

کہہ دے کہ اے کافرو! ○ نہ میں تمہارے معبودوں کو پوجوں ○ نہ تم میرے معبود کو پوجتے ہو ○ اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا ○ نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی عبادت میں کر رہا ہوں ○ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے ○

مشرکین الگ اور موحدین الگ : ☆☆ (آیت:۱-۶) اس سورۂ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور خدا کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے' گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین کے تمام کافر مراد ہیں۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی خدا کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم خدا کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا گو تم بھی میرے معبود برحق خدا وحدہٗ لاشریک لہ کو نہ پوجو' پس ما یہاں پر معنی میں من کے ہے' پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا' تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اس طریقے پر جو اسے پسند ہو اور جسے وہ چاہے' اسی لئے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجا لاؤ گے بلکہ تم نے تو اپنی طرف سے طریقے مقرر کر لئے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ الخ' یہ لوگ صرف اٹکل اور گمان کے اور خواہش نفسانی کے پیچھے

پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے، پس جناب نبی خدا احمد مجتبیٰ محمد ﷺ نے ہر طرح اپنا دامن ان سے چھڑا لیا اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدگی اور ناپسندیدگی کا اعلان فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہوگا اور طریقہ عبادت ہوگا پس رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور طریقہ عبادت ان کا وہ ہے جو سرورِ رسل ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔

اسی لئے کلمہ اخلاص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمد ہیں جو خدا کے پیغمبر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور مشرکین کے معبود بھی خدا کے سوا غیر ہیں اور طریقہ عبادت بھی خدا کا بتلایا ہوا نہیں، اسی لئے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لئے، میرا میرے لئے، جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے، تم میرے اعمال سے الگ ہو اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں، اور جگہ فرمایا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے تمہارے ساتھ۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام یہ لفظ اصل میں دینی تھا لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اس لئے اس میں بھی یا کو حذف کر دیا، جیسے فَهُوَ يَهْدِيْنِ میں اور يَسْقِيْنِ میں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کے لئے بھی تمہیں ناامید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا، اسی طرح نہ تم اب میرے خدا کو پوجتے ہو نہ آئندہ اس کی عبادت کرو گے، اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا خدا کو معلوم تھا، جیسے قرآن میں اور جگہ ہے وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا یعنی تیری طرف جو اترتا ہے اس سے ان میں کے اکثر تو سرکشی اور کفر میں بڑھ جاتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے بعض عربی دان حضرات سے نقل کیا ہے کہ دو مرتبہ اس جملے کا لانا صرف تاکید کے لئے ہے جیسے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں اور جیسے لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ پس ان دونوں جملوں کو دو مرتبہ لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے، ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود دوسرے سے مراد طریق عبادت، دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال دوسرے سے مراد استقبال یعنی آئندہ، تیسرے یہ کہ پہلے جملے کی تاکید دوسرے دونوں جملوں سے ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں ایک چوتھی توجیہ بھی ہے جسے حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی بعض تصنیفات میں قوت دیتے ہیں وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے دوبارہ جملہ اسمیہ ہے، تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ سے کبھی بھی کوئی امید رکھ سکتا ہے یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونے کا بھی انکار ہے، یہ قول بھی بہت اچھا ہے واللہ اعلم۔

حضرت امام ابوعبداللہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے، اس لئے یہود نصرانی کا اور نصرانی یہود کا وارث ہو سکتا ہے جبکہ ان دونوں میں نسب یا سبب ورثے کا پایا جائے اس لئے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہیں۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کا مذہب اس کے برخلاف ہے کہ نہ یہودی نصرانی کا وارث ہو سکتا ہے نہ نصرانی یہود کا کیونکہ حدیث ہے دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ سورۂ قل یا ایہا الکافرون کی تفسیر ختم ہوئی، فالحمدللہ احسانہ۔

تفسیر سورة النصر

قرآن کا چوتھائی حصہ : ☆☆ پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس نے عبیداللہ بن عبداللہؓ سے پوچھا جانتے ہو سب سے آخر کون سی سورت اتری؟ جواب دیا کہ ہاں یہی سورت اِذَا جَآءَ تو آپ نے فرمایا تم سچے ہو (نسائی) حافظ ابوبکر بزار اور حافظ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت وارد کی ہے کہ یہ سورت ایام تشریق کے درمیان کے دن اتری تو آپ سمجھ گئے کہ یہ رخصت کی سورت ہے' اسی وقت حکم دیا اور آپ کی اونٹنی قصوی کسی گئی آپ اس پر سوار ہوئے اور اپنا وہ پرزور خطبہ پڑھا جو مشہور ہے۔ بیہقی میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے میرے انتقال کی خبر آ گئی ہے' حضرت زہرا رضی اللہ عنہ رونے لگیں پھر یکایک ہنس دیں۔ جب اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا خبر انتقال نے تو رلا دیا لیکن روتے ہوئے حضورؐ نے تسلی دی اور فرمایا بیٹی صبر کرو' میری اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی تو مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ رحم کرنے والے مہربان کے ○

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ○ اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لے ○ تو اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ' بیشک وہ معاف کرنے والا ہے ○

گناہوں کی بخشش مانگو اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرو : ☆☆ (آیت :۱-۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوئی ہو گی' اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں' خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم انہیں خوب جانتے ہو۔ ایک دن سب کو بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا میں سمجھ گیا کہ آج انہیں کچھ دکھانا چاہتے ہیں جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ سورۂ اِذَا جَآءَ کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں خدا کی حمد وثنا بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مدد خدا آ جائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں اور بعض بالکل خاموش رہے تو آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں' فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے' آپ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے' آپ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جائیے' حضرت فاروقؓ نے فرمایا یہی میں بھی جانتا ہوں (بخاری)

جب یہ سورت اتری تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائے گا' مجھے میرے انتقال کی خبر دی گئی ہے (مسند احمد) مجاہد ابوالعالیہ ضحاک رحمہم اللہ عنہم وغیرہ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ مدینہ شریف میں تھے فرمانے لگے ا

اکبر اللہ اکبر خدائی مدد آ گئی اور فتح بھی' یمن والے آ گئے' پوچھا گیا' حضور یمن والے کیسے ہیں؟ فرمایا وہ نرم دل لوگ ہیں' سلجھی ہوئی طبیعت والے ہیں' ایمان تو یمنیوں کا ہے اور سمجھ بھی یمنیوں کی ہے اور حکمت بھی یمن والوں کی ہے (ابن جریر) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری چونکہ اس میں آپ کے انتقال کی خبر تھی تو آپ نے اپنے کاموں میں اور کمر کس لی اور تقریباً وہی فرمایا جو اوپر گزرا (طبرانی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ سورتوں میں پوری سورت نازل ہونے کے اعتبار سے سب سے آخری سورت یہی ہے (طبرانی) اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری آپ نے اس کی تلاوت کی اور فرمایا لوگ ایک کنارہ ہیں اور میں اور میرے اصحاب ایک کنارہ میں ہیں' سنو فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے' مروان کو جب یہ حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ نے سنائی تو یہ کہنے لگا جھوٹ کہتا ہے' اس وقت مروان کے ساتھ اس کے تخت پر حضرت رافع بن خدیج اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی بیٹھے تھے تو حضرت ابوسعیدؓ فرمانے لگے ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے' یہ بھی اس حدیث کو بیان کر سکتے ہیں لیکن ایک کو تو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سن کر کوڑا اٹھا کر حضرت ابوسعید کو مارنا چاہا ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے مروان' سن حضرت ابوسعیدؓ نے سچ بیان فرمایا ہے (مسند احمد) یہ حدیث ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن فرمایا ہجرت نہیں رہی ہاں جہاد اور نیت ہے' جب تمہیں چلنے کو کہا جائے اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث موجود ہے' ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض صحابہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس سورت کا یہ مطلب بیان کیا کہ جب ہم پر اللہ تعالیٰ شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریفیں بیان کریں' اس کا شکر کریں' اس کی پاکیزگی بیان کریں' نماز ادا کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں' یہ مطلب بھی بالکل صحیح ہے اور یہ تفسیر بھی نہایت پیاری ہے' دیکھو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کی نماز پڑھی تھی' لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضحیٰ کی نماز آپ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے پھر اس دن جبکہ شغل اور کام بہت زیادہ تھا' مسافرت تھی اسے کیسے پڑھی؟ آپ کی اقامت فتح کے موقعہ پر مکہ شریف میں رمضان شریف کے آخر تک انیس دن رہی' آپ فرض نماز کو بھی قصر کرتے رہے' روزہ بھی نہیں رکھا اور تمام لشکر جو تقریباً دس ہزار تھا اسی طرح کرتا رہا' ان حقائق سے یہ بات صاف ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ نماز فتح کے شکریہ کی نماز تھی' اسی لئے سردار لشکر امام وقت مستحب ہے کہ جب کوئی شہر فتح ہو تو داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز ادا کرے' حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح مدائن والے دن ایسا ہی کیا تھا' ان آٹھ رکعتوں کو دو دو رکعتیں کر کے ادا کرے' گو بعض کا یہ قول بھی ہے کہ آٹھوں ایک ہی سلام سے پڑھ لے' لیکن ابوداؤد کی حدیث میں صراحتاً مروی ہے کہ حضورؐ نے اس نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا ہے۔ دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو ابن عباسؓ وغیرہ نے کی ہے کہ اس میں آپ کو آپ کے وصال کی خبر دی گئی کہ جب آپ اپنی بستی مکہ فتح کر لیں جہاں سے ان کفار نے آپ کو نکل جانے پر مجبور کیا تھا اور آپ اپنی آنکھوں اپنی محنت کا پھل دیکھ لیں کہ فوجوں کی فوجیں آپ کے جھنڈے تلے آ جائیں' جوق در جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو ہماری طرف آنے کی اور ہم سے ملاقات کی تیاریوں میں لگ جاؤ' سمجھ لو کہ جو کام ہمیں تم سے لینا تھا پورا ہو چکا' اب آخرت کی طرف نگاہیں ڈالو' جہاں آپ کے لئے بہت بہتری ہے اور اس دنیا سے بہت زیادہ بھلائی آپ کے لئے وہاں ہے' وہیں آپ کی مہمانی تیار ہے اور مجھ جیسا میزبان ہے' تم ان نشانات کو دیکھ کر بکثرت میری حمد و ثنا کرو اور توبہ استغفار میں لگ جاؤ۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رکوع سجدے میں بکثرت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ پڑھا کرتے تھے' آپ قرآن کی اس آیت فسبح پر عمل کرتے تھے۔ اور

روایت میں ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں ان کلمات کا اکثر ورد کرتے تھے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ خدا کی ذات پاک ہے اسی کے لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں میں خدا سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف جھکتا ہوں اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بہ کثرت کہوں، چنانچہ بحمد للہ میں اسے دیکھ چکا لہذا اب اس وظیفے میں مشغول ہوں (مسند احمد) ابن جریر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں بیٹھتے اٹھتے چلتے پھرتے آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھا کرتے، میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضورؐ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے اس سورت کی تلاوت کی اور فرمایا مجھے حکم خدا ہے، کسی مجلس میں بیٹھیں پھر وہ مجلس برخاست ہو تو کیا پڑھنا چاہئے، اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں لکھ چکے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ سورت اتری تو حضورؐ اسے اکثر اپنی نماز میں تلاوت کرتے اور رکوع میں تین مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے، اس پر اتفاق ہے، عموماً عرب قبائل اسی کے منتظر تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ جائیں اور مکہ ان کے زیر نگیں آ جائے تو پھر ان کے نبی ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں، اب جبکہ خدا نے اپنے حبیب کے ہاتھوں مکہ فتح کرا دیا تو یہ سب اسلام میں آ گئے اس کے بعد دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ سارا عرب مسلمان ہو گیا اور ہر ہر قبیلے میں اسلام اپنا راج کرنے لگا فالحمد للہ۔

صحیح بخاری شریف میں بھی حضرت عمرو بن سلمہ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی، ان سب کو اسی بات کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑو، دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آ جائیں گے اور مکہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا، ہم نے غزوہ فتح مکہ کا پورا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے جو صاحب تفصیلات دیکھنا چاہیں وہ اس کتاب کو دیکھ لیں فالحمد للہ۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوسی جب اپنے کسی سفر سے واپس آئے تو حضرت جابرؓ ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے انہوں نے لوگوں کی پھوٹ اور ان کے اختلاف کا حال بیان کیا اور ان کی نو ایجاد بدعتوں کا تذکرہ کیا تو صحابی رسول ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے حبیب خدا شافع روز جزا حضرت محمد مصطفیٰ فداہ ابی و امی ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کی فوجیں کی فوجیں خدا کے دین میں داخل ہوئیں لیکن عنقریب جماعتیں کی جماعتیں ان میں سے نکلنے بھی لگ جائیں گی۔ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ علی احسانہ۔

تفسیر سورۃ تبت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢
سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤
فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں جو بڑا رحمان نہایت رحیم ہے

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں وہ خود ہلاک ہو گیا ○ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ○ بھڑکنے والی آگ میں وہ جائے گا ○ اور اس کی بیوی بھی، جو

لکڑیاں ڈھونے والی ہے ○ اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی ○

بدترین اور بدنصیب میاں بیوی: ☆☆ (آیت:۱-۵) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطحا میں جا کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور اونچے اونچی آواز سے یَا صَبَاحَاہُ یَا صَبَاحَاہُ کہنے لگے قریش سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کہوں کہ صبح یا شام دشمن تم پر چھاپہ مارنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے جواب دیا جی ہاں' آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں خدائی سخت عذابوں کے آنے کی خبر دے رہا ہوں' تو ابولہب کہنے لگا تجھے حلال کی ہو' کیا اسی لئے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت اتری (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ ہاتھ جھاڑتا ہوا یوں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ تَبَّتْ بددعا ہے اور تَبَّ خبر ہے' یہ ابولہب یہ آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا' اس کی کنیت ابوعتبہ تھی' اس کے چہرے کی خوبصورتی اور چمک دمک کی وجہ سے اسے ابولہب یعنی شعلے کہا جاتا تھا' یہ حضور کا بدترین دشمن تھا' ہر وقت ایذا دہی تکلیف رسائی اور نقصان پہنچانے کے درپے رہا کرتا تھا۔ ربیعہ بن عباد دیلی اپنے اسلام لانے کے بعد اپنا جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے' لوگوں کا مجمع آپ کے آس پاس لگا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ آپ کے پیچھے ہی ایک گورے چٹے چمکتے چہرے والا بھینگی آنکھ والا جس کی سر کے بڑے بالوں کے دو مینڈھیاں تھیں آیا اور کہنے لگا لوگو یہ بے دین ہے جھوٹا ہے' غرض آپ لوگوں کے مجمع میں جا کر خدا کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور یہ دشمن پیچھے پیچھے یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا' میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ کا چچا ابولہب ہے (لعنہ اللہ) (مسند احمد)۔

ابوالزناد نے راوی حدیث حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ آپ تو اس وقت بچہ سے ہوں گے' فرمایا نہیں میں اس وقت خاصی عمر کا تھا' مشک لاد کر پانی بھر لایا کرتا تھا دوسری روایت میں ہے اپنے باپ کے ساتھ تھا' میری جوان عمر تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' مجھے سچا جانو' مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تاکہ میں اس کا کام بجالاؤں جس کا حکم مجھے دے کر خدائے تعالیٰ نے بھیجا ہے' آپ جہاں یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے کہ آپ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو یہ شخص تو تمہیں لات و عزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں سے تمہیں دور کر رہا ہوں اور اپنی نئی لائی ہوئی گمراہی کی طرف تمہیں بھی گھسیٹ رہا ہے' خبردار نہ اس کی سننا نہ ماننا (احمد و طبرانی)

اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے کہ ابولہب برباد ہوا' اس کی کوشش غارت ہوئی' اس کے اعمال ہلاک ہوئے' بالیقین اس کی بربادی ہو چکی' اس کی اولادیں اس کے کام نہ آئیں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد خدا کو فدیے میں دے کر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا اس پر آیت مَآ اَغْنٰی اتری۔ پھر فرمایا کہ یہ شعلے مارنے والی آگ میں جو سخت جلانے والی اور بہت تیز ہے داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو قریش عورتوں کی سردار تھی' اس کی کنیت ام جمیل تھی' نام اروی تھا' حرب بن امیہ کی لڑکی تھی' ابوسفیان کی بہن تھی اور اپنے خاوند کے کفر و عناد اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی اسی لئے قیامت کے دن عذابوں میں بھی اسی کے ساتھ ہوگی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہوگا ڈالتی جائے گی' اس کے گلے میں آگ کی رسی ہوگی اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہے گی۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ

حَمَّالَتَہ الْحَطَبِ سے مراد اس کا غیبت گو ہونا ہے- امام ابن جریرؒ اسی کو پسند کرتے ہیں- ابن عباس وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن لاتی تھی اور حضورؐ کی راہ میں بچھا دیا کرتی تھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ عورت نبی ﷺ کو فقیری کا طعنہ دیا کرتی تھی تو اسے اس کا لکڑیاں چننا یاد دلایا گیا، لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے واللہ اعلم-

سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا کہتی تھی کہ اسے میں فروخت کر کے محمد (ﷺ) کی مخالفت میں خرچ کروں گی تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا- مسد کے معنی کھجور کی رسی کے ہیں- حضرت عروہ فرماتے ہیں یہ جہنم کی زنجیر ہے جس کی ایک ایک کڑی ستر ستر گز کی ہے، ثوریؒ فرماتے ہیں یہ جہنم کا طوق ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے، جوہری فرماتے ہیں یہ اونٹ کی کھال کی اور اونٹ کے بالوں کی بنائی جاتی ہے- مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی لوہے کا طوق- حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوکدار پتھر لئے یوں کہتی ہوئی حضور کے پاس آئی-

مُذَمَّمًا اَبَیْنَا وَدِیْنَہٗ قَلَیْنَا وَاَمْرَہٗ عَصَیْنَا

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے نافرمان ہیں-

اس وقت رسول اللہ ﷺ کعبتہ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، صدیق اکبر نے اسے اس حالت میں دیکھ کر حضورؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ آ رہی ہے ایسا نہ ہو آپ کو دیکھ لے آپ نے فرمایا صدیق بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی، پھر آپ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی تا کہ اس سے بچ جائیں، خود قرآن فرماتا ہے وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردے ڈال دیتے ہیں، یہ ڈائن آن کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس کھڑی ہوگئی گو حضور بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ہی بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، وہ حضور کو نہ دیکھ سکی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگی مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضورؐ نے تیری کوئی ہجو نہیں کی، تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں (ابن ابی حاتم)

ایک مرتبہ یہ اپنی لمبی چادر اوڑھے طواف کر رہی تھی، پیر چادر میں الجھ گیا اور پھسل پڑی تو کہنے لگی مذمم غارت ہو- ام حکیم بنت عبدالمطلب نے کہا میں تو پاک دامن عورت ہوں، اپنی زبان نہیں بگاڑوں گی اور درست کرنے والی ہوں پس داغ نہ لگاؤں گی اور ہم سارے ایک ہی دادا کی اولاد میں ہیں اور قریش بھی پھر تو زیادہ جاننے والے ہیں- بزار میں ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے تو حضرت صدیقؓ نے قسم کھا کر جواب دیا کہ نہ تو آپ شعر گوئی جانتے ہیں نہ کبھی آپ نے شعر کہے اس کے جانے کے بعد حضرت صدیقؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں؟ آپ نے فرمایا فرشتہ آڑ بن کر کھڑا ہوا تھا جب تک وہ واپس چلی نہ گئی- بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے گلے میں جہنم کی آگ کی رسی ہوگی، جس سے اسے کھینچ کر جہنم سے اوپر لایا جائے گا پھر ڈھیلی چھوڑ کر جہنم کی تہہ میں پہنچایا جائے گا، یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا- ڈول کی رسی کو عرب مسد کہہ دیا

کرتے ہیں۔ عربی شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں لایا گیا ہے، ہاں یہ یاد رہے کہ یہ بابرکت سورت ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی ایک اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ جس طرح ان کی بدبختی کی خبر اس سورت میں دی گئی تھی اسی طرح واقعہ بھی ہوا، ان دونوں کو ایمان لانا آخر تک نصیب ہی نہ ہوا نہ تو وہ ظاہر میں مسلمان ہوئے نہ باطن میں نہ چھپے نہ کھلے، پس یہ سورت زبردست بہت صاف اور روشن دلیل ہے حضور ﷺ کی نبوت کی، اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور اسی کے فضل و کرم اور اسی کے احسان و انعام کی یہ برکت ہے۔

تفسیر سورۃ الاخلاص

شان نزول اور فضیلت کا بیان: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ صمد کے معنی ہیں جو نہ تو پیدا ہوا ہو نہ اس کی اولاد ہو، اس لئے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ ایک وقت مرے گا بھی اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے، اللہ عزوجل نہ مرے نہ اس کا کوئی وارث ہو، اس جیسا اور اس کی جنس کا کوئی نہیں، نہ اس کے مثل کوئی چیز ہے۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ ابویعلیٰ موصلی میں بھی ہے کہ ایک اعرابی نے یہ سوال کیا تھا اور روایت میں ہے کہ مشرکین کے اس سوال کے جواب میں یہ سورت اتری۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر چیز کی نسبت ہے اور خدا کی نسبت یہ سورت ہے۔ صمد اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو۔ بخاری شریف کتاب التوحید میں ہے کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر کہیں بھیجا جس وقت وہ پلٹے تو انہوں نے کہا حضور نے ہم پر جسے سردار بنایا تھا وہ ہر نماز کی قرات کے خاتمہ پر سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے، آپ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ یہ سورت رحمان کی صفت ہے، مجھے اس کا پڑھنا بہت ہی پسند ہے، حضورؐ نے فرمایا انہیں خبر دو کہ خدا بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔

بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ ایک انصاری مسجد قبا کے امام تھے، ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر اس سورت کو پڑھتے، پھر جونسی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے۔ ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورت کو پڑھتے پھر دوسری سورت ملاتے ہیں یا کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھئے یا چھوڑ دیجئے دوسری سورت ہی پڑھا کیجئے، انہوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا تم چاہو تو مجھے امام رکھو، کہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں، اب انہیں یہ بات بھاری پڑی، جانتے تھے کہ ان سب میں یہ زیادہ افضل ہیں، ان کی موجودگی میں دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انہیں گوارا نہ ہو سکا، ایک دن جبکہ حضورؐ ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے امام صاحب سے کہا تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے اس سورت سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا میں اس سورت سے بہت محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ایک شخص نے کسی کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے رات کے وقت سنا کہ وہ بار بار اسی کو دوہرا رہا ہے۔ صبح کے وقت آ کر اس نے حضورؐ سے ذکر کیا گویا کہ وہ اسے ہلکے ثواب کا کام جانتا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورت مثل تہائی قرآن سے ہے (بخاری)

صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک رات میں

ایک تہائی قرآن پڑھ لوتو یہ صحابہ پر بھاری پڑا اور کہنے لگے بھلا اتنی طاقت تو ہر ایک میں نہیں آپ نے فرمایا سنو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے حضورؐ سے جب ذکر کیا گیا تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات تیسرا حصہ قرآن کا پڑھ لیا کرے، صحابہ کہنے لگے یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا سنو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی آ گئے آپ نے سن لیا اور فرمایا ابوایوب سچ کہتے ہیں (مسند احمد)

ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جمع ہو جاؤ، میں تمہیں آج تہائی قران سناؤں گا، لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے، آپ گھر سے آئے، سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی اور پھر گھر چلے گئے، اب صحابہ میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضورؐ کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو اتنے میں آپ پھر واپس آئے اور فرمایا میں نے تم سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا، سنو یہ سورت تہائی قران کے برابر ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن شریف پڑھ لیا کرو، لوگوں نے کہا حضور ہم اس سے بہت عاجز اور بہت ضعیف ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کئے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تیسرا حصہ ہے (مسلم نسائی وغیرہ) ایسی ہی روایتیں صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کہیں سے آ رہے تھے آپ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو آپ نے ایک شخص کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا واجب ہو گئی، حضرت ابوہریرہ نے پوچھا کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا جنت (ترمذی ونسائی) ابویعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کو رات میں تین مرتبہ پڑھ لے؟ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ مسند احمد میں ہے عبداللہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے، رات اندھیری تھی، حضورؐ کا انتظار تھا کہ آپ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں، آپ آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ، میں چپکا رہا، آپ نے پھر فرمایا پڑھ، میں نے کہا کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا ہر صبح شام تین تین مرتبہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لیا کر، یہ کافی ہو جائے گی۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی۔ مسند کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے جس نے ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھ لیا اسے چالیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں وہ کلمات یہ ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَّمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَتَه وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ان کے راوی خلیل بن مرہ ہیں، جنہیں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ وغیرہ بہت ضعیف بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس پوری سورت کو دس مرتبہ پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ پھر تو ہم بہت سے محل بنوا لیں گے آپ نے فرمایا خدا اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی اچھے دینے والا ہے۔ دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل، بیس دو، تیس پر تین، یہ حدیث مرسل ہے۔ ابویعلی موصلی کی ایک ضعیف حدیث ہے کہ جو شخص اس سورت کو پچاس مرتبہ پڑھ لے اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی کی ایک اور ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو ایک دن میں دو سو مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔ ترمذی کی اس حدیث میں ہے کہ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مگر یہ کہ اس پر قرض ہو۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے جو شخص

سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے پھر داہنی کروٹ لیٹ کر سو دفعہ اس سورت کو پڑھ لے تو قیامت کے دن رب عزوجل فرمائے گا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں چلا جا۔ بزار کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں ہے جو شخص اس سورت کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیۡ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اِلْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیۡ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور۔ آپ یہ سن کر فرمانے لگے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے خدا کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔

ابو یعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کر لے وہ جنت کے تمام دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں چلا جائے اور جس کسی حور جنت سے چاہے نکاح کرا دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کر دے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ قُلْ ھُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھ لے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ جو ان تینوں کاموں میں سے ایک کر لے آپ نے فرمایا ایک پر بھی یہی درجہ ہے۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس سورت کو گھر میں جاتے وقت پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس گھر والوں سے اور اس کے پڑوسیوں سے فقیری دور کر دے گا، اس کی اسناد ضعیف ہے۔

مسند ابو یعلی میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان تبوک میں تھے، سورج ایسی روشنی نور اور شعاروں کے ساتھ نکلا کہ ہم نے اس سے پہلے ایسا صاف شفاف اور روشن و منور نہیں دیکھا تھا، حضور کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ آج سورج کی اس تیز روشنی اور زیادہ نور اور چمکیلی شعاروں کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا آج مدینہ میں حضرت معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے جن کے جنازے کی نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے آسمان سے بھیجے ہیں، پوچھا ان کے کس عمل کے باعث؟ فرمایا وہ سورۂ قل ھو اللہ احد کو دن رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے تھے، اگر آپ کا ارادہ ہو تو زمین سمیٹ لوں اور آپ ان کے جنازے کی نماز ادا کر لیں؟ آپ نے فرمایا بہت اچھا، پس آپ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ اس حدیث کو حافظ ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یزید بن ہارون کی روایت سے لائے ہیں۔ وہ علاء بن محمد سے روایت کرتے ہیں، ان پر موضوع حدیثیں بیان کرنے کی تہمت ہے واللہ اعلم۔ مسند ابو یعلی میں اس کی دوسری سند بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں، اس میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول مقبول ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے کیا آپ ان کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، حضرت جبرئیل نے اپنا پر زمین پر مارا، تمام درخت اور سب ٹیلے وغیرہ پست ہو گئے ان کا جنازہ حضورؐ کو نظر آنے لگا، آپ نے نماز شروع کی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں، ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے آپ نے دریافت کیا کہ آخر اس مرتبہ کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان کی سورت سے محبت اور ہر وقت آتے جاتے بیٹھتے اٹھتے اس کی تلاوت اسے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور بیہقی کی سند میں محبوب بن بلال ہیں۔

ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں یہ مشہور نہیں، ابو یعلی میں یہ راوی نہیں وہاں ان کی جگہ ابو عبداللہ محمود ہیں لیکن ٹھیک بات محبوب کا ہونا ہے

اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں اور سب ضعیف ہیں۔ ہم نے اختصار کے لئے انہیں یہاں نقل نہیں کیا۔ مسند احمد میں ہے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی میں نے جلدی سے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہ مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ نے فرمایا اے عقبہ زبان تھامے رکھ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہا کر اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ پھر دوبارہ جب حضورؐ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عقبہ کیا میں تمہیں توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہترین سورتیں بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضورؐ ضرور ارشاد فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے پس آپ نے مجھے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں پھر فرمایا دیکھو عقبہ انہیں نہ بھولنا اور ہر رات انہیں پڑھ لیا کرنا' فرماتے ہیں پھر نہ میں انہیں بھولا اور نہ کوئی رات ان کے پڑھے بغیر گذاری' میں نے پھر آپ سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے بہترین اعمال کا ارشاد فرمایئے' آپ نے فرمایا سن جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ' جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے' جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر اور معاف کر دے' اس کا بعض حصہ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی زہد کے باب میں وارد کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی ایک اور سند ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رات کے وقت جب بستر پر جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے' پہلے سر پر پھر منہ پر پھر اپنے سامنے کے جسم پر' تین مرتبہ اسی طرح کرتے۔ یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں ○

کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہے ○ اللہ بے نیاز ہے ○ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ○ اور نہ کوئی اس کا ہم جنس ہے ○

اپنی حکمت وتدبر میں وحدہ لاشریک: ☆☆ (آیت:۱-۴) اس کے نازل ہونے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے ہم حضرت عزیر کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور نصرانی کہتے تھے ہم حضرت مسیح کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور مجوسی کہتے تھے ہم سورج چاند کی پرستش کرتے ہیں اور مشرک کہتے تھے ہم بت پرست ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری کہ اے نبی تم کہہ دو کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو واحد اور احد ہے' جس جیسا کوئی نہیں' جس کا کوئی وزیر نہیں' جس کا کوئی شریک نہیں' جس کا کوئی ہمسر نہیں' جس کا کوئی ہم جنس نہیں' جس کا برابر اور کوئی نہیں' جس کے سوا کسی میں الوہیت نہیں۔ اس لفظ کا اطلاق صرف اسی کی ذات پاک پر ہوتا ہے وہ اپنی صفتوں میں اور اپنے حکمت بھرے کاموں میں یکتا اور بے نظیر ہے وہ صمد ہے یعنی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں اپنی بزرگی اور عظمت میں اپنے علم وعلم میں' اپنی حکمت وتدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہے یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ میں ہی پائی جاتی ہیں۔

اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں، وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب پر غالب ہے اور اپنی ذات وصفات میں یکتا اور بے نظیر ہے، صمد کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے، جو ہمیشہ کی بقا والا، سب کی حفاظت کرنے والا ہو، جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو- حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں صمد وہ ہے جو نہ کچھ کھائے نہ اس میں سے کچھ نکلے- یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ صمد کی تفسیر اس کے بعد ہے یعنی نہ اس میں سے کچھ نکلے نہ وہ کسی میں سے نکلے یعنی نہ اس کی اولاد ہو نہ ماں باپ، یہ تفسیر بہت اچھی اور عمدہ ہے اور ابن جریر کی روایت سے حضرت ابی بن کعبؓ سے صراحتاً یہ مروی ہے جیسے کہ پہلے گذرا اور بہت سے صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو جس کا پیٹ نہ ہو- شعبی کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو- عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں صمد وہ نور ہے جو روشن ہو اور چمک دمک والا ہو- ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمد وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو لیکن اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے-

حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب السنہ میں لفظ صمد کی تفسیر میں ان تمام اقوال وغیرہ کو وارد کر کے لکھتے ہیں کہ دراصل یہ سب سچے ہیں اور صحیح ہیں- کل صفتیں ہمارے رب عزوجل میں ہیں، اس کی طرف سب محتاج بھی ہیں، وہ سب سے بڑھ کر سردار اور سب سے بڑا ہے، اسے نہ پیٹ ہے نہ وہ کھوکھلا ہے نہ وہ کھائے نہ پئے، سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے وغیرہ- پھر فرمایا اس کی اولاد نہیں نہ اس کے ماں باپ ہیں نہ بیوی- جیسے اور جگہ ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ یعنی وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اسے اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی بیوی نہیں ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے یعنی وہی ہر چیز کا خالق مالک ہے پھر اس کی مخلوق اور ملکیت میں سے اس کی برابری اور ہمسری کرنے والا کون ہوگا؟ وہ ان تمام عیوب اور نقصان سے پاک ہے- جیسے اور جگہ فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے تم تو ایک بڑی بری چیز لائے، قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں اس بنا پر کہ انہوں نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ خدا کو یہ لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو، تمام زمین و آسمان میں کے کل کے کل خدا کے غلام ہی بن کر آنے والے ہیں، خدا کے پاس تمام کا شمار ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور یہ سب کے سب تنہا تنہا اس کے پاس قیامت کے دن حاضر ہونے والے ہیں، اور جگہ ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ یعنی ان کافروں نے کہا کہ رحمان کی اولاد ہے خدا اس سے پاک ہے بلکہ وہ تو خدا کے باعزت بندے ہیں بات میں بھی اس سے سبقت نہیں کرتے، اسی کے فرمان پر عامل ہیں، اور جگہ ہے وَجَعَلُوا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا الخ، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان نسب قائم کر رکھا ہے حالانکہ جنات تو خود اس کی فرمانبرداری میں حاضر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے بیان کردہ عیوب سے پاک و برتر ہے-

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سنتے ہوئے صبر کرنے میں خدا سے زیادہ صابر کوئی نہیں، لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور پھر بھی وہ انہیں روزیاں دیتا ہے اور عافیت وتنگدستی عطا فرماتا ہے- بخاری کی اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے ایسا نہ چاہئے، مجھے گالیاں دیتا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہ تھا، اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اولا خدا نے مجھے پیدا کیا ایسے ہی پھر نہیں لوٹائے گا حالانکہ پہلی مرتبہ کی پیدائش دوسری مرتبہ کی پیدائش سے کچھ آسان تو نہ تھی جب میں اس پر قادر ہوں تو اس پر کیوں نہیں؟ اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں تنہا ہوں، میں ایک ہی ہوں میں صمد ہوں نہ میری اولاد نہ میرے باپ نہ مجھ جیسا کوئی اور- الحمدللہ سورۂ اخلاص کی تفسیر خدا کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے ختم ہوئی-

تفسیر سورة الفلق

مضبوط پناہ گاہیں' نا قابل تسخیر مدافعت اور شافی علاج: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سورت کو اور اس کے بعد کی سورت کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری گواہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ تو میں نے بھی یہی کہا پھر کہا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تو میں نے یہی کہا' تو ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ تو ان دونوں کو قرآن شریف میں سے کاٹ دیا کرتے تھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا کہو' میں نے کہا پس ہم بھی کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا (ابوبکر حمیدی) مسند میں بھی یہ روایت الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور بخاری شریف میں بھی۔ مسند ابویعلی وغیرہ میں ہے کہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں نہیں لکھتے تھے اور نہ قرآن میں انہیں شمار کرتے تھے' بلکہ قاریوں اور فقہیوں کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں نہیں لکھتے تھے شاید انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہو اور تواتر کے ساتھ ان تک نہ پہنچا ہو۔ پھر یہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے جماعت کے قول کی طرف پلٹ آتے ہیں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان سورتوں کو ائمہ کے قرآن میں داخل کیا جس کے نسخے چوطرف پھیلے وللہ الحمد والمنہ۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں جن جیسی کبھی دیکھی نہیں گئیں' پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند احمد میں' ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں میں حضورؐ کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپ کی سواری کی نکیل تھامے چلا جا رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اب آؤ تم سوار ہو جاؤ' میں نے اس خیال سے آپ کی بات نہ مانوں گا تو نافرمانی ہو گی' سوار ہونا منظور کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضورؐ سوار ہو گئے پھر آپ نے فرمایا عقبہ میں تجھے دو بہترین سورتیں کیا نہ سکھاؤں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ضرور سکھایئے' پس آپ نے مجھے سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں' پھر نماز کھڑی ہوئی آپ نے نماز پڑھائی اور اور ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت کی' پھر مجھ سے فرمایا تو نے دیکھ لیا؟ سن جب تو سوئے اور جب کھڑا ہو انہیں پڑھ لے' ترمذی' ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ان سورتوں کی تلاوت کا حکم دیا۔ یہ حدیث بھی ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں ہے' امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ان جیسی سورتیں تو نے پڑھی ہی نہیں۔ حضرت عقبہ والی حدیث جس میں حضورؐ کی سواری کے ساتھ آپ کا ہونا مذکور ہے' اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب حضور نے مجھے یہ سورتیں بتلائیں تو مجھے کچھ زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھ کر فرمایا کہ شاید تو انہیں چھوٹی سی سورتیں سمجھتا ہے' سن نماز کے قیام میں ان جیسی سورتوں کی قرات اور ہے ہی نہیں۔ نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ ان جیسی سورتیں کسی پناہ پکڑنے والے کے لئے اور نہیں' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عقبہ سے یہ سورتیں حضور نے پڑھائیں پھر فرمایا نہ تو دعا کی ان جیسی اور سورتیں ہیں نہ تعویذ کی ایک روایت میں ہے صبح کی فرض نماز حضورؐ نے ان ہی دونوں سورتوں سے پڑھائی۔ اور حدیث میں ہے حضرت عقبہؓ حضور کی سواری کے پیچھے جاتے ہیں اور آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں حضورؐ مجھے سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھائے آپ نے فرمایا خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورت قُلْ اَعُوْذُ

بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں- اور حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ پناہ حاصل کرنے والوں کے لئے ان دونوں سورتوں سے افضل سورت اور کوئی نہیں- پس بہت سی حدیثیں اپنے تواتر کی وجہ سے اکثر علماء کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی کہ آپ نے ان دونوں سورتوں اور سورۂ اخلاص کی نسبت فرمایا کہ چاروں کتابوں میں ان جیسی سورتیں نہیں اتریں- نسائی وغیرہ میں ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے' سواریاں کم تھیں' باری باری سوار ہوتے تھے' حضرت نے ایک شخص کے مونڈھوں کے پر ہاتھ رکھ کر یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اور فرمایا جب نماز پڑھ تو انہیں پڑھا کر- ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت عقبہ بن عامرؓ ہوں گے' واللہ اعلم- حضرت عبداللہ بن سلام کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ نے فرمایا کہ وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں' پھر فرمایا کہ تو انہوں نے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی آپ نے فرمایا اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی پناہ مانگنے کی اور سورت نہیں (نسائی) نسائی کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ دونوں سورتیں آپ نے پڑھوائیں پھر فرمایا انہیں پڑھتا رہ ان جیسی سورتیں تو اور پڑھے گا-

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ حضور انہیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے سر چہرے اور سامنے کے جسم پر پھیر لیتے تھے- موطا مالک میں ہے کہ جب نبی ﷺ بیمار پڑتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر کر اپنے اوپر پھونک لیا کرتے تھے' جب آپ کی بیماری سخت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معوذات پڑھ کر خود آپ کے ہاتھوں کو آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھیں اور اس سے قصد آپ کا آپ کے ہاتھوں کی برکت کا ہوتا تھا سورۂ ن کی تفسیر کے آخر میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے' جب یہ دونوں سورتیں اتریں تو آپ نے انہیں لے لیا اور باقی سب چھوڑ دیں- امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ
غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ
حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع ۵ ۲۸

اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والے کے نام سے شروع کرتا ہوں ○

تو کہہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ○ ہر اس چیز کی برائی سے جسے اس نے پیدا کیا ہے ○ اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا اچھیل جائے ○ اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کی برائی سے ○ اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے ○

بیماری' وبا' جادو اور ان دیکھی بلاؤں سے بچاؤ کی دعا: ☆☆ (آیت:۱-۵) حضرت جابرؓ وغیرہ فرماتے ہیں فلق کہتے ہیں صبح کو خود قرآن میں اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ابن عباسؓ سے مروی ہے فلق سے مراد مخلوق ہے- حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں خلق جہنم میں ایک جگہ ہے جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اس کی آگ گرمی اور سختی کی وجہ سے تمام جہنمی چیخنے لگتے ہیں- ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے' یہ بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کا نام ہے-

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی مراد اس سے صبح ہے- امام بخاریؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی

صحیح ہے۔ تمام مخلوق کی برائی سے جس میں جہنم بھی داخل ہے اور ابلیس اور اولاد ابلیس بھی۔ غَاسِق سے مراد رات ہے۔ اِذَا وَقَبَ سے مراد سورج کا غروب ہو جانا ہے یعنی رات جب اندھیرا لئے ہوئے آ جائے۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ عرب ثریا ستارے کے غروب ہونے کو غاسق کہتے ہیں، بیماریاں اور وبائیں اس کے واقع ہونے کے وقت بڑھ جاتی تھیں اور اس کے طلوع ہونے کے وقت اٹھ جاتی تھیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ستارہ غاسق ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں مراد اس سے چاند ہے۔

ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ تھامے ہوئے چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس غاسق کی برائی سے پناہ مانگ۔ اور روایت میں ہے غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے یہی مراد ہے دونوں قولوں میں باآسانی یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا چڑھنا اور ستاروں کا ظاہر ہونا وغیرہ یہ سب رات ہی کے وقت ہوتا ہے جب رات آ جائے واللہ اعلم۔ گرہ لگا کر پھونکنے والیوں سے مراد جادوگر عورتیں ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شرک کے بالکل قریب وہ منتر ہیں جنہیں پڑھ کر سانپ کے کاٹے پر دم کیا جاتا ہے اور آسیب زدہ پر۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ وَّعَيْنٍ اَللّٰهُ يُشْفِيْكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو تجھے دکھ پہنچائے اور ہر حاسد کی برائی اور بدی سے اللہ تجھے شفا دے۔ اس بیماری سے مراد شاید وہ بیماری ہے جبکہ آپ پر جادو کیا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عافیت اور شفا بخشی اور حاسد یہودیوں کے جادوگر کے مکر کو رد کر دیا اور ان کی تدبیروں بے اثر کر دیں اور انہیں رسوا اور فضیحت کیا لیکن باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے اوپر جادو کرنے والے کو ڈانٹا ڈپٹا تک نہیں، خدائے تعالیٰ نے آپ کی کفایت کی اور آپ کو عافیت اور شفا عطا فرمائی۔ مسند احمد میں ہے نبی ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا، جس سے کئی دن تک آپ بیمار رہے، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں فلاں کنویں میں گرہیں لگا کر رکھا ہے، آپ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجئے، آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیجا اور اس کنویں سے وہ جادو نکلوا کر گرہیں کھول دیں سارا اثر جاتا رہا، پھر نہ تو آپ نے اس یہودی سے کبھی اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی اس کے سامنے منہ میلا کیا۔ صحیح بخاری شریف کتاب الطب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا، آپ سمجھتے تھے کہ آپ ازواج مطہرات کے پاس آئے حالانکہ نہ آئے تھے۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے جب یہ حالت آپ کی ہو گئی، ایک دن آپ فرمانے لگے عائشہ میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلا دیا، دو شخص آئے، ایک میرے سرہانے ایک میرے پاؤں کی طرف، سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے، پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا عبید بن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلے کا ہے جو یہودی کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے، کہا کس چیز میں؟ کہا تر کھجور کے درخت کی چھال میں، پتھر کی چٹان تلے دوران کے کنویں میں، پھر حضور علیہ السلام اس کنویں کے پاس آئے اور اس میں سے وہ نکلوایا، اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی، اس کے پاس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے، میں نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ ان سے بدلہ لینا چاہئے۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تو شفا دے دی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک کام کرتے نہ تھے اور اس کے اثر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کر چکا ہوں، اور یہ بھی ہے کہ اس

کنویں کو آپ کے حکم سے بند کر دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چھ مہینے تک آپ کی یہی حالت رہی، تفسیر ثعلبی میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ یہود کا ایک بچہ نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، اسے یہودیوں نے بہکا سکھا کر آپ کے چند بال اور آپ کی کنگھی کے چند دندانے منگوا لئے اور ان میں جادو کیا، اس کام میں زیادہ تر کوشش کرنے والا لبید بن اعصم تھا، پھر دوران نامی کنویں میں جو بنو زریق کا تھا اسے ڈال دیا، پس حضورؐ بیمار ہو گئے سر کے بال جھڑنے لگے، خیال آتا تھا کہ میں عورتوں کے پاس ہو آیا حالانکہ آتے نہ تھے، گو آپ اسے دور کرنے کی کوشش میں تھے لیکن وجہ معلوم نہ ہوتی تھی، چھ ماہ تک یہی حال رہا، پھر وہ واقعہ ہوا جو اوپر بیان کیا کہ فرشتوں کے ذریعے آپ کو اس تمام حال کا علم ہو گیا اور آپ نے حضرت علی کو حضرت زبیر کو اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھیج کر کنویں میں سے وہ سب چیزیں نکلوائیں، ان میں ایک تانت تھی جس میں بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں اتاریں۔ حضور ﷺ ایک ایک آیت ان کی پڑھتے جاتے تھے اور ایک ایک گرہ اس کی خود بخود کھلی جاتی تھی، جب یہ دونوں سورتیں پوری ہوئیں وہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ بالکل شفایاب ہو گئے۔

ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وہ دعا پڑھی جو اوپر گذر چکی ہے۔ لوگوں نے کہا حضورؐ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل کر دیں، آپ نے فرمایا نہیں خدا نے مجھے تو تندرستی دے دی اور میں لوگوں میں شر و فساد پھیلانا نہیں چاہتا۔ یہ روایت تفسیر ثعلبی میں بلا سند مروی ہے، اس میں غرابت بھی ہے اور اس کے بعض حصے میں سخت نکارت ہے اور بعض کے شواہد بھی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے واللہ اعلم۔

تفسیر سورة الناس

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ إِلَٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾ مِن شَرِّ
الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿٥﴾ مِنَ
الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٦﴾

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے ○

تو کہہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں ○ لوگوں کے مالک کی ○ لوگوں کے معبود کی ○ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے ○ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ○ خواہ وہ جن ہو یا انسان ○

خالق، پرورش کنندہ، مالک، حکمران، معبود حقیقی اور پناہ دہندہ: ☆☆ (آیت: ۱-۶) اس میں اللہ تعالیٰ نے عزوجل کی تین صفتیں بیان ہوئی ہیں، پالنے اور پرورش کرنے کی، مالک اور شہنشاہ ہونے کی، معبود اور لائق عبادت ہونے کی۔ تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں، پس وہ حکم دیتا ہے کہ ان پاک اور برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آ جائے جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طلب ہو۔ شیطان جو انسان پر مقرر ہے، اس کے وسوسوں سے وہی بچانے والا ہے، ہر انسان کے ساتھ یہ ہے، برائیوں اور بدکاریوں کو خوب زینت دار کر کر کے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتا رہتا ہے اور بہکانے میں، راہ راست سے ہٹانے میں کوئی کمی نہیں کرتا،

اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے خدا بچالے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے، پس میں سلامت رہتا ہوں وہ مجھے صرف نیکی اور اچھائی کی بات ہی کہتا ہے۔

بخاری مسلم کی اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ایک واقعہ منقول ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ﷺ جب اعتکاف میں تھے تو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس رات کے وقت آئیں جب واپس جانے لگیں تو حضور بھی پہنچانے کے لئے ساتھ چلے، راستے میں دو انصاری صحابی مل گئے جو آپ کو بیوی صاحبہ کے ساتھ دیکھ کر جلدی چل دیئے، حضور نے انہیں آواز دے کر ٹھہرایا اور فرمایا سنو میرے ساتھ میری بیوی صفیہ بنت حیی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں انہوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہ اس فرمان کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہ شیطان گھومتا پھرتا رہتا ہے، مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں وہ کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔ حافظ ابو یعلی موصلی رحمہ اللہ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ شیطان اپنا ہاتھ انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہے، اگر یہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تب تو اس کا ہاتھ ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ ذکر اللہ بھول جاتا ہے تو وہ اس کے دل پر پورا قبضہ کر لیتا ہے، یہی وسواس الخناس ہے، یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، ایک صحابی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، گدھے نے ٹھوکر کھائی تو ان کے منہ سے نکلا شیطان برباد ہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا یوں نہ کہو اس سے شیطان بڑھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے گرا دیا اور جب تم بسم اللہ کہو تو وہ گھٹ جاتا ہے یہاں تک کہ مکھی کے برابر ہو جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ سے شیطان پست اور مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے وہ بڑا ہو جاتا ہے اور غالب آ جاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے تھپکتا اور بہلاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہو، پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں نکیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا تم خود اسے دیکھتے ہو نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شیطان ابن آدم کے دل پر جنگل مارے ہوئے ہے، جہاں یہ بھولا اور غفلت کی کہ اس نے وسوسے ڈالنے شروع کئے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا۔ سلیمانؒ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان راحت و رنج کے وقت انسان کے دل میں سوراخ کرنا چاہتا ہے یعنی اسے بہکانا چاہتا ہے، اگر یہ خدا کا ذکر کرے تو یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی احللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے، پھر فرمایا جو وسوسے ڈالتا لوگوں کے سینے میں، لفظ ناس جو انسان کے معنی میں ہے اس کا اطلاق جنوں پر بھی بطور غلبہ کے آ جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کہا گیا ہے تو جنات کو لفظ ناس میں داخل کر لینے میں کوئی قباحت نہیں، غرض یہ ہے کہ شیطان جنات کے اور انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔

اس کے بعد کے جملے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ وسواس ڈالنے والا خواہ کوئی جن ہو خواہ کوئی انسان جیسے اور جگہ ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن

انسانی اور جناتی شیطان بنائے ہیں، ایک دوسرے کے کان میں دھوکے کی باتیں بنا سنور کر ڈالتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں آیا اور بیٹھ گیا آپ نے فرمایا نماز بھی پڑھی؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں ادا کر لو میں اٹھا اور دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو انسان شیطانوں اور جن شیطانوں سے، میں نے کہا یا رسول اللہ کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، میں نے کہا یا رسول اللہ نماز کیسی چیز ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا بہترین چیز ہے، جو چاہے کم کرے جو چاہے زیادتی کرے میں نے پوچھا روزہ؟ فرمایا کافی ہونے والا فرض ہے اور خدا کے پاس زیادتی ہے، اس نے پھر پوچھا صدقہ؟ حضورؐ نے فرمایا بہت ہی بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر کے بدلہ دیا جائے گا، میں نے پھر عرض کی حضور کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا باوجود مال کی کمی کے صدقہ کرنا یا چپکے سے چھپا کر کسی مسکین فقیر کے ساتھ سلوک کرنا، میں نے سوال کیا حضور سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں نبی اور وہ بھی وہ جن سے خدائے تعالیٰ نے بات چیت کی، میں نے کیا یا رسول اللہ رسول کتنے ہوئے؟ فرمایا تین سو کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت، اور کبھی فرمایا تین سو پندرہ میں نے کہا یا رسول اللہ جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ان سب سے بڑی عظمت والی آیت کون سی ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا آیت الکرسی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الخ، یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور ابو حاتم بن حبان کی صحیح ابن حبان میں تو دوسری سند سے دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بہت بڑی ہے فاللہ اعلم۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان پر سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اللہ ہی کے لئے حمد وثنا ہے جس نے شیطان کے مکر وفریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا، یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے احسان سے یہ تفسیر ختم ہوئی۔

والحمد للہ رب العالمین

اللہ کے فضل وکرم سے تیسویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی اور تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ تفسیر محمدی بالکل کامل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پاک کلام کی صحیح سمجھ دے اور اس پر عمل نصیب فرمائے اور پھر قبول کرے۔ آمین اله الحق امین والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی جمیع المرسلین۔

WWW. DEENEKHALIS.COM
WWW. ESNIPS.COM/USER/TRUEMASLAK
TRUEMASLAK@INBOX.COM